مفرور

از

اقلیم علیم

حصہ اول

جاسوسی ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ

ایک کیمیاگر کی داستانِ شوق جو مقصد کی تلاش میں دربدر پھرتا رہا

مفرور

پہلا حصہ

راوی: [illegible]

مصنف: [illegible]

کتابیات پبلیکیشنز پوسٹ بکس ۲۳ کراچی

مشہور مصنف اقلیم علیم جو آج کل سسپنس ڈائجسٹ میں مقبول سلسلہ "موت کے سوداگر" لکھ رہے ہیں۔ قبل ازیں جاسوسی ڈائجسٹ میں ایک سلسلے وار کہانی "مفرور" لکھ چکے ہیں۔ "مفرور" نے اپنی اشاعت کے دور میں جو مقبولیت حاصل کی تھی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ طویل سلسلہ صرف اشاعت کے دوران ہی جاسوسی ڈائجسٹ کے قارئین کی بھرپور توجہ کا مرکز نہیں رہا بلکہ آج بھی بے شمار لوگ متمنی ہیں کہ "مفرور" یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کی جائے تاکہ وہ اسے تسلسل کے ساتھ دوبارہ پڑھ سکیں۔ اس سلسلے میں ہمیں جس قدر خطوط اب تک موصول ہو چکے ہیں اتنے اس سے قبل کسی کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں نہیں ملے۔

یہ ایک اعزاز ہے "مفرور" کے مصنف اقلیم علیم کے لیے کہ انھوں نے ایک ایسی دلچسپ کہانی تخلیق کی جو اپنے منطقی انجام کو پہنچنے کے چار سال بعد بھی قارئین کے ذہنوں میں محفوظ ہے اور باعث افتخار ہے ادارہ جاسوسی ڈائجسٹ کے لیے کہ اس نے اپنے قارئین کے لیے ایک ایسی کہانی شائع کی جسے وہ دوبارہ پڑھنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ بہت کم تحریریں ایسی ہوتی ہیں جنہیں دوبارہ یا سہ بارہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے اور جو ایسی ہوتی ہیں وہ یقیناً مصنف کی بہترین تخلیقات میں شمار کی جاتی ہیں۔ اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو دنیا کے بڑے سے بڑے مصنف کی زندگی بھر کی تخلیقات میں گنتی کی چند ہی کہانیاں یا افسانے ایسے ملیں گے جو اسے فن کی بلندیوں تک پہنچا کر امر بنا دیتے ہیں۔ بلاشبہ "مفرور" اقلیم علیم کی ایسی ہی صدا بہار تخلیق ہے۔

قارئین کے ڈھیروں خطوط اور بے پناہ اصرار کے پیش نظر ادارہ کتابیات پبلی کیشنز نے مفرور کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ یہ طویل سلسلہ چھ حصوں پر محیط ہے۔

اس کے علاوہ یہ ادارہ ایک اور مقبول سلسلہ "صدیوں کا بیٹا" بھی شائع کرنے کا اہتمام کر رہا ہے، جو مفرور کے بعد آپ تک پہنچ جائے گا۔

ناشر

[illegible]

وہ دونوں اس کے سامنے گویا اٹینشن میں کھڑے تھے۔ ان کے چہرے دھواں ہو رہے تھے۔ اور ٹانگوں میں واضح طور پر لرزش نمایاں تھی۔

میں نے ٹہلتے ٹہلتے سخت طیش کے عالم میں سگریٹ ایش ٹرے میں پھینک کر جوتے سے مسل دیا اور مٹھیاں بھینچ کر ان کی طرف گھوم گیا۔

"تم کو میں نے کس بات کے لیے ملازم رکھا ہے۔ تمہیں شراب اور لڑکیوں سے ہی فرصت نہیں جو اپنی ذمہ داریاں پوری کرو... میں... میں تم کو گولی مار دوں گا۔" میں غصیلی آواز میں دھاڑا۔

"صاحب ہمارے آدمیوں نے بڑی کڑی نگرانی کی ہے۔ ان میں سے ایک نے تو رشوت دے کر زبان کھلوائی۔ ڈیوٹی اسٹاف ہر بار ہر شفٹ میں بدلتے ہیں۔ ان کے بارے میں پوری پوری رازداری برتی جاتی ہے۔ لانچ لگنے سے ایک گھنٹے پہلے تک کسی کو علم نہیں ہوتا کہ مال کہاں آنے والا ہے، کم وقت....."

"بکواس مت کرو۔" میں غیر قابو ہو سکا اور اس کا گریبان پکڑ کر اسے بری طرح جھنجھوڑ ڈالا۔ "اتنی رازداری کے باوجود اسپیشل اسکواڈ ہر بار کامیاب چھاپے مار رہا ہے۔ اسی مہینے میں آج تیسری بار مال پکڑا گیا ہے۔ آٹھ لاکھ معمولی رقم نہیں ہوتی لیکن تم..... تمہیں کیا معلوم..... اگر تم نے اپنی زندگی اور عزت داؤ پر لگا کر کبھی محنت سے پیسہ کمایا ہوتا تو تمہیں معلوم ہوتا۔ میں یہاں مال پھینک بھی دیتا تو تمہیں لاکھوں کہیں نہیں گئے تھے؟"

"ہمیں اس بھاری نقصان کا پورا احساس ہے جناب۔" دوسرا شخص [illegible] آواز میں بولا۔

"میرا پیسہ کہاں جا رہا ہے... میں کسٹم والوں پر بھی ہزاروں روپے خرچ کرتا ہوں۔ غیر ملکی شراب پکڑے، سگریٹ [illegible] آتا ہے... یہ سب کہاں جاتے ہیں؟ لعنت ہو تم پر۔ تم اتنا پیسہ خرچ کر کے بھی ان کا منہ بند نہیں کر سکے۔ یہ لاکھ روپے [illegible] جو میں نے جیب سے [illegible] ایک گڈی نکال کر ان کے منہ پر ماری۔ "اور چند دنوں کے لیے شہر سے باہر دفع ہو جاؤ۔ میں خود دیکھوں گا کون گڑبڑ کر رہا ہے۔"

انہوں نے وہ روپے اٹھائے اور دبے قدموں وہاں سے کھسک گئے۔

میں شکست خوردہ انداز میں صوفے پر گر پڑا۔

بڑا عجیب دور تھا [illegible] قائم تھی۔

میں نے شروع سے اپنا کاروبار چلا رکھا تھا جب [illegible] بنا لیا اور لوگوں نے [illegible] ان سے [illegible] اس وقت بھی میری ساکھ قائم ہے۔ ان کا کاروبار شہر کے بازاروں میں یوں [illegible] بھنک بھی مل سکی کہ مال کہاں سے آتا اور کہاں جاتا ہے۔ میرے [illegible] مقدور بھر [illegible] کیا کرتے تھے کیونکہ اتنے طویل عرصے میں ایک بار بھی میرا مال نہیں پکڑا گیا تھا۔ [illegible] ساحلی علاقے میری تمام سرگرمیوں کے مرکز تھے۔ [illegible] مچھلی کے ہمراہ [illegible] چھپا کر [illegible] کے ساتھ [illegible] شہر آتا تھا اور کوئی بھی سرکاری افسر [illegible] قریب آنے کی جسارت نہیں کرتا تھا [illegible] منگوانے کا طریقہ بھی منفرد تھا [illegible] ایک

خاص آدمی نے غیر ملکی منڈیوں سے باقاعدہ رابطہ رکھا ہوا تھا۔ اس کے ذریعے ہیرا، زمرد کے نام پر مرگانیوں کے پرزے لایا کرتے تھے۔ بظاہر یہ تمام پرزے لوہے اور سٹیل وغیرہ کے ہوتے تھے لیکن دراصل یہ سب سونے کے پرزے ہوتے تھے جن پر بعد میں ساتھ رنگ لگا دیا جاتا تھا اور یوں باقاعدہ امپورٹ لائسنس کے تحت ہی ملک میں سستے داموں سونا منگوا رہا تھا لیکن پچھلے ڈیڑھ ماہ سے مجھے اچانک ان تمام کامیابیوں پر پانی پھرتا نظر آ رہا تھا۔ کراچی کے ویران نواحی ساحلوں پر کسٹم کے خاص دستوں نے تین کامیاب چھاپے مار کر سارا مال پکڑ لیا تھا۔ ابھی دو مرتبہ تو لانچ بچ کر رات کے اندھیرے میں فرار ہو گئی لیکن اس مرتبہ لانچ بھی پکڑی گئی تھی۔ ہمارے سمندری کو کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

کالی سوزکی چھاپے کے بعد میں نے کسٹم میں اپنے ایک پرانے نمک خوار کو ٹیلی فون کیا۔ بے چارہ خود مجھ سے ملنے کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔ اس تیسرے چھاپے نے اسے بھی پریشان کر دیا تھا۔ اب اسے اپنا وہ ماہانہ معاوضہ خطرے میں نظر آنے لگا تھا جو میں اسے کارکردگی کی ضمانت کے طور پر اسے اور اس کے ساتھیوں کو دیتا تھا۔

بہرحال اس کی ایک بات سے مجھے خاصی تسلی ہوئی۔ اس کے بیان کے مطابق آئندہ ہفتے محکمے سے ان لوگوں کی فہرست جاری کی جانے والی تھی جنہیں اس کارکردگی پر انعامات، اعزازات وغیرہ دیئے جانے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ اس فہرست کے آجانے کے بعد میں بڑی آسانی کے ساتھ اس کالی بھیڑ کے بارے میں اندازہ لگا سکتا تھا جو میری پے در پے ناکامیوں کا سبب بن رہی تھی۔

میں نے گھنٹی بجا کر اپنی اینگلو انڈین ملازمہ سوزی کو خواب گاہ میں بلایا۔ وہ چنچل لڑکی ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ لئے میرے سامنے آ کھڑی اور میرا بگڑا ہوا موڈ دیکھتے ہی سنجیدہ ہو گئی۔

اپنے پیشے کے رموز میں بہت اچھی طرح جانتا تھا اور کبھی بھی اپنے گرد و پیش میں غیر ضروری لوگوں کی موجودگی پسند نہیں کرتا تھا۔ میرے دفتر میں کل سات نفوس ملازم تھے۔ یہ سب میرے اعتماد کے آدمی تھے اور اخلاص سے ہمارا ماہانہ مشاہرہ پر خرید رکھا تھا۔ ان کے کام یوں تو متعین تھے لیکن درحقیقت ان میں ذکر کا دوسرے سے کام کر تھا یہ ترتیب — وہ سب میرے اشاروں کے غلام تھے۔ میرے گھر کی دیکھ بھال پر گویا گھر کی اکلوتی شخصیت سوزی مامور تھی۔ کھانے پکانے سے لے کر مکان کی صفائی تک سب کام اسی کے ذمے تھے اور میری عدم موجودگی میں وہ میری سیکرٹری کی حیثیت سے تمام ٹیلی فون اور آنے والوں کے ساتھ معاملات کرتی تھی — !

سب سے پہلے کاروبار کے بارے میں سب سے زیادہ معلومات سوزی کو ہی حاصل تھیں اور شاید وہ ہی میرے مزاج سے کافی حد تک واقف اور شناسا تھی۔

میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی سوزی کی مسکراہٹ کافور ہو گئی اور وہ نرم آواز میں بولی۔ "یس سر۔"

"میں کلب جا رہا ہوں۔ سیف میں سے ساحل کے سارے کاغذات نکال کر تلف کر دو۔ وہ لانچ آج مال سمیت پکڑی گئی ہے۔ اس کا رجسٹریشن عبدالمجید کے فرضی نام پر ہے۔ سیف کے پچھلے خانے میں تمام خبری فورمیں ساحل کے ہی کاغذات ہیں، چیک کر کے جلا دینا۔"

سوزی نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔
میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سامنے پہنچا۔

"سر آپ آج کل بہت پریشان رہتے ہیں۔ آپ کی یہ پریشانی مجھ سے نہیں دیکھی جاتی۔" وہ میری ٹائی سے کھیلتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں بولی۔

"تم فکر نہ کرو۔ میں سب ٹھیک کر لوں گا۔" میں نے اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ کر کہا۔

سوزی نے پھاٹک پر مجھے خدا حافظ کہا اور اس کے اندر چلے جانے کے بعد میں نے کار آگے بڑھا دی۔

ڈیفنس سوسائٹی کی خاموش اور بارونق سڑکوں سے گزرتا ہوا میں کورنگی روڈ پر آیا۔ چونکہ یہاں ویران اور تاریک قطعات پر واقع ہیں اکثر کسٹم پولیس کورنگی کریک سے آنے والے ٹرکوں کی گھات میں بیٹھی رہتی تھیں۔ اس لئے میں ان کی کسی بھی بو کو نظروں میں رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔

کالے پل اور ڈرگ روڈ سے گزرتا ہوا میں صدر کے بارونق علاقے میں داخل ہوا اور تھوڑی دیر میں کلب جا پہنچا۔

اندر نظر پڑتے ہی ستار سیٹھ کا، دور ایک ٹیبل پر بیٹھا تھا میری طرف آیا اور میرا ہاتھ تھام کر بے چینی کے ساتھ مجھے کھلے لان میں لیتا چلا گیا۔

"سنا ہے آج تمہارا لانچ کسٹم نے پکڑ لیا؟" وہ بڑی طرح ہانپتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں بولا۔

"کس سے سنا ہے؟" میں چونک کر اسے گھورنے لگا۔

"ارے یار پوچھتے کیوں ہو۔" وہ میرا ہاتھ دباتے ہوئے بولا۔ "میرے ساتھ والی ٹیبل پر کسٹم افسر پتا کھیل رہے ہیں۔ ان ہی میں سے ایک اپنے ساتھیوں کو بتا رہا تھا کہ اس نے آج شام ساحل نامی ایک لانچ ابراہیم حیدری سے روپیہ لے آگے پکڑی ہے۔ اس میں لاکھوں کا غیر ملکی سامان بھرا ہوا ہے۔ میں تو ساحل کا نام سنتے ہی چونک پڑا۔ مجھے پتا ہے وہ تمہاری لانچ ہے۔"

"اوہ — " میں نے غصے کے عالم میں جبڑے بھینچ لئے۔ "تو وہ بھی یہاں موجود ہے۔ ذرا مجھے اس کی صورت دکھا دو۔"

میرے لہجے پر ستار سیٹھ چونک پڑا۔ "اے صمد بھائی اتنی گرمی نہ کھاؤ یار۔ بزنس میں یہ سب تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ میرے ساتھ بھی بار بار ایسا ہوتا تھا مگر اب میں کھلا سودا کرتا ہوں۔ پیسہ تو پانچ فیصد کم ملتا ہے مگر اپنا سالا کوئی رسک نہیں۔ سارا انتظام بیوپاری خود کرتا ہے۔"

اور حقیقت یہ ہے کہ اب میں خود بھی کھلے سودے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ گو اس میں نفع تو کم تھا مگر یہ طریقہ میرے لئے محفوظ تھا۔ میں مال آنے سے پہلے ہی کسی مقامی پارٹی سے پوری لاٹ کا سودا کر لیتا۔ پھر میری لانچ کھلے سمندر میں یہ سارا مال پارٹی کی اپنی لانچ میں منتقل کر دیتی اور اس کے ساتھ میری رقم بھی پکی ہو جاتی۔ ایسے سودوں کی بھی کچھ شرائط ہوا کرتی ہیں۔ اگر مال میری لانچ پر پکڑا جاتا تو پورا نقصان مجھے اٹھانا پڑتا تھا۔ اگر مال بیوپاری کی لانچ پر چڑھاتے ہوئے چھاپہ پڑ جائے تو دونوں کو آدھا نقصان اٹھانا پڑتا اور ایک بار سارا مال پارٹی کی لانچ پر پہنچنے کے بعد سارا رسک اسی کا ہوتا تھا۔

"بیٹھو ستار سیٹھ، اب مجھے ہی کچھ کرنا ہی پڑے گا۔" میں نے پر تفکر لہجے میں کہا۔

"مجھے پوچھو تو پورے شہر میں تمہارا مال پکڑے جانے کا سب سے زیادہ افسوس ہم کو ہوا۔ ذرا مجھے پتا ہوتا کہ اس بار گلف کی منڈی سے ساری رقمیں تم نے لگا دیں تو میں ہر قیمت پر یہ سودا کر لیتا اور اپنی ذمہ داری پر مال اتروا لیتا۔ ملک میں آدمی فیکٹریاں بند پڑی ہیں۔ مال کی کھپت زیادہ ہے دنیا کی کمی ہے۔ امپورٹ لائسنس تو خوش قسمتوں کو ہی ملتا ہے۔ وہ سارا زور لگا کر بھی ضرورتیں پوری نہیں کر سکتے۔ آج کل تو کوئی دوا کے بغیر گھر بھی نہیں سکتا۔ اس لائن میں بڑا چانس ہے۔ ذرا ہنگامے ختم ہو جائیں تو یہ چانس بھی جاتا رہے گا۔ اس وقت تو میرے ہاتھ بھی بندھے ہوئے ہیں۔ ان کی پسند کی دوائیں جس قدر چاہو لے آؤ اور فوراً پیسے لے لو۔"

"اب میرے زخموں پر نمک نہ چھڑکو۔" میں تلخی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "ذرا اٹھو چل کر اس افسر کی صورت دکھا دو۔ میں بس یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس کا مخبر کون ہے۔"

ستار سیٹھ نے معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھا اور برآمدے سے گزر کر ہال میں داخل ہو گیا۔

اس نوجوان اور خوش مزاج کسٹم افسر سے ظفر ڈاؤ کے توسط سے تعارف ہو گیا۔ گو میں نے اسے وہاں پہلی بار دیکھا تھا لیکن مجھے پتہ چلا کہ وہ پچھلے کئی سالوں سے کلب کا باقاعدہ ممبر ہے اور مجھ سے بھی اکثر ملاقات ہوتی رہتی ہے۔

اس کو اپنی شاندار کامیابی کی اس قدر خوشی تھی کہ کافی پیتے ہوئے اس نے خود ہی اسمگلروں وغیرہ کی باتیں چھیڑ دیں اور میں اس کی گفتگو میں گہری دلچسپی لینے لگا۔

"آپ لوگوں کا کام بھی جان جوکھم کا ہوتا ہے۔" میں نے اس کے دماغ میں ہوا بھرنے کی نیت سے کہا۔ "اخبارات میں یہ سب اتنا دلچسپ اور سنسنی خیز معلوم ہوتا ہے کہ ہم جیسے عام لوگ آپ لوگوں کو اپنا ہیرو سمجھنے لگتے ہیں — اسمگلروں کے منصوبے کا سراغ لگانا پھر انہیں ناکام بنانا واقعی مشکل کام ہوتا ہوگا۔"

اس نے سگریٹ سلگا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "مشکل تو ضرور ہوتا ہے مگر ذرا سی ذہانت سارے راستے صاف کر دیتی ہے۔ ہم لوگوں کو بھی الہام نہیں ہوتا۔ ذرا سی محنت کرنی پڑتی ہے۔ پھر مجرموں کا کوئی آدمی ٹوٹ کر ہمارا مخبر بن جاتا ہے۔ ورنہ ہماری کامیابی تو خواب ہی بن کر رہ جاتے۔"

"مجرموں کے آدمی ہی مخبر ہوتے ہیں؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "نہیں جناب! بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ ان کے آقا انہیں بھاری تنخواہیں دیتے ہوں گے۔ آخر ان کا کیا مفاد ہے کہ وہ آپ سے آملیں؟"

"مفاد ہوتا تو نہیں، مگر پیدا کیا جاتا ہے۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ "مثلاً آج ہی کا ایک کیس لیجئے۔ ذرا سی جستجو سے لاکھوں کی اسمگل کی ہوئی دوائیں پکڑی گئیں۔"

وہ میری توقع کے برخلاف خود ہی موضوع پر آگیا تھا۔ میرا دل بے اختیار دھڑک اٹھا اور میں چہرے پر دلچسپی کے آثار پیدا کئے اس کی طرف جھک گیا۔

"کورنگی ابراہیم حیدری سے آگے پنجی ملی کے قریب ایک شخص رہتا ہے جسے ایک بار پولیس نے شراب رکھنے کے جرم میں گرفتار کیا تھا۔ تفتیشی افسر میرا دوست تھا۔ جب یہ بات میرے علم میں آئی تو مجھے شبہ ہوا کہ کہیں اس کا کسی اسمگلر سے تعلق نہ ہو کیونکہ ان اطراف میں اکثر غیر قانونی مال لا کر اتارا جاتا ہے۔ اس افسر نے تفتیش ناکافی ثبوت کی بنا پر ختم کر دی۔ یہ میرے ہی مشورے پر کیا گیا۔ پھر میں نے ایک آدمی اس کی خفیہ نگرانی پر لگا دیا جس کے نتیجے میں گیارھویں روز ہی کافی مال پکڑا گیا۔ وہ لانچ اور عملہ سمیت فرار ہو گئی۔ مجھے علم تھا کہ وہ شخص بھی پچھلے کئی وقت مال اتارنے میں شریک تھا۔ اس نے مجھ سے بچنے کے لئے کے دروازے جا لیا۔ وہ اسے بتایا کہ وہ اچھا پایا اس کی وجہ سے کامیاب ہو چکے تو وہ مزاحمت کرتا رہا۔ پھر ہم نے ترپ کا پتہ استعمال کیا کہ اگر وہ مخبر نہ بنا تو ہم اخبارات میں اس کی تصویر چھپوا دیں گے کہ پچھلے روز کا چھاپہ اس کی مخبری کی وجہ سے کامیاب ہوا۔ یہ جب اس اسمگلر

تھا کہ اس کا رنگ فق ہو گیا کیونکہ اس اخباری تشہیر کے پیچھے میں اس نے تاڑ لیا تھا کہ اسے نیچا دکھانے کی کوشش میں بہت آگے بڑھ کر میں نے سب کچھ اُگل دیا۔ اور آپ کو یہ جان کر حیرت ہو گی کہ وہ کئی سال سے اس گروہ کی تشہیر سے معقول معاوضہ پا رہا تھا لیکن اسے یہ علم نہیں تھا کہ وہ کس کے لئے کام کر رہا ہے۔ وہ صرف کشتی کے عملے سے واقف ہے۔ وہی لوگ اسے لے جاتے ہیں اور کام پورا ہونے پر معاوضہ ادا کر دیتے ہیں۔ اس کی تحریر پراسرار تھی اسے تشہیر کا کام سونپا گیا۔ مجرم پھر صاف نکل گئے لیکن بوٹ پکڑی گئی ہے اور اب جلد ہی اس گروہ کا سرغنہ میری مٹھی میں ہو گا۔"

"ہو اتنی چھوٹی سی بات کا کھیل ہے؟" میں نے اپنے غصے اور جوش کو دباتے ہوئے تعریفی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور اسے ولایتی شراب پیش کرتے ہوئے کہا "اس ضمن میں تھوڑی سی سرا کوئی بھی بروئے کار لائی جا سکتی ہے۔"

پھر جب فلش کا دور شروع ہوا تو چند ابتدائی ہاتھ جیتنے کے بعد میں اس سے دانستہ ہارنے لگا۔ اس کے ذریعے مجھے جو معلومات حاصل ہوئیں۔ ان پر وہ واقعی انعام کا مستحق تھا۔

کلب سے میں رات کے ایک بجے گھر پہنچا۔ ہوزی ڈرائنگ روم میں میری منتظر تھی۔ میں اس کی طرف توجہ دیئے بغیر فون کی طرف بڑھ گیا اور اپنی فرم کے ایک آدمی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

دوسری جانب سے ایک نیند میں ڈوبی ہوئی مردانہ آواز سنائی دی۔

"سکندر میں حکومت بول رہا ہوں۔" میں نے کہا۔ "ہمیں سب سے بڑے دانے کا ایک کیک کھانے کو دیا گیا ہے۔ کیپٹن نبیلے کو ساحل سے دور لے جا کر غرق کر دو۔ ایک خاص انعام ہے۔ جس نے یہ کام کیا ہے اس کی پوری حفاظت کی جائے۔ اب اس کا بیان دینا خطرناک ہے۔"

اس کے بعد میرے خاطب نے تابعداری سے جی کہا۔

میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا اور دانستہ مسکراہٹ کے ساتھ ہوزی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☆☆☆

یہ تھا میرا کاروبار۔ جس میں دانائی کی کوئی حد تھی نہ خرچ کا حساب۔ دولت میرے اشاروں کی غلام تھی اور حالات میری مرضی کے تابع۔ کام کی نوعیت کچھ ایسی تھی کہ بار بار مجھے کبھی اپنے ہاتھ انسانی خون سے آلودہ نہیں کرنے پڑے کیونکہ بنیادی طور پر میں کشت و خون کے خلاف تھا۔ اگرچہ تمام آدمی میرے تحت مسلح رہتے تھے۔ لیکن وہ سب میری سخت ہدایت سے بخوبی واقف تھے کہ انتہائی مجبوری کے سوا کبھی گولی نہ چلائی جائے اور کئی برس گزر جانے کے باوجود آج تک کبھی خون خرابے کی نوبت نہیں آئی تھی۔

رہے میرے مشاغل تو وہ بھی میرے کاروبار سے ہم آہنگ تھے۔

ریس اور قمار بازی کا میں شیدائی تھا اور میرے زاویۂ دولت کے زور پر شہر کے حسین چہروں کی ہمیشگی تر دینا رہتا تھا۔ اور جب شباب قریب ہو، سپردگی پرآمادہ ہو، انسان پر مستی کی لذت پوری طرح حاوی ہو تو ان لمحات کو طول دینے کے لئے شراب لازمی ہو جاتی ہے اور میں ہر کام میں اس کے لوازم پورے کرنا ضروری سمجھتا تھا۔

میں نے سنا تھا اور ہزاروں بار سنا تھا کہ شراب، شباب اور جوا انسان کی بربادی کے سب سے بڑے تین اسباب ہیں لیکن میں نے برسوں سے یہ شغل اپنائے ہوئے تھے اور مجھے ایسے راس آئے کہ میری صحت قابلِ رشک اور مالی حالت ناقابلِ یقین حد تک مستحکم تھی۔

میں زندگی کی ان خطرناک راہوں پر کیسے نکلا۔ یہ بھی میری اصل کہانی کا ایک متعلقہ باب ہے۔

میں ایک تجارت پیشہ گھرانے کا فرد اور تین بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ میرے والد صاحب موٹر کار ساز کے تاجر تھے اور پرزوں کی تھوک کا کاروبار کیا کرتے تھے اور ان دنوں میں ان کا کاروبار خوب چل رہا تھا۔

گھر میں سب سے چھوٹا ہونے کے سبب بے جا لاڈ پیار نے میری عادتیں بگاڑ دیا تھا۔ پیسے کے معاملے میں والدین بڑے فراخ دل تھے اور اسی کے زیر اثر اسکول میں بھی اوسط کی بد تماشی لڑکوں سے یاری تھی اور جب میں اسکول سے نکل کر کالج کی آزاد فضاؤں میں داخل ہوا تو میں اپنے ہم عمروں سے کہیں زیادہ عیاش اور تجربہ کار تھا۔

فلم بینی، سگریٹ نوشی، جوا اور آوارہ گردی میری فطرت کے لازمی جزو بن چکے تھے۔ میرے پاس پیسے کی فراوانی دیکھ کر کالج میں دو ایسے دوست مل گئے جو بڑے حوصلوں کے مالک تھے۔ ان کی ترغیب پر اٹھارہ سال کی عمر میں پہلی بار میں نے شراب کا ذائقہ چکھا جو تم کڑوی ایک خوشگوار تجربہ تھا جس نے سالار جنگ کے وسیع سبزہ زار پر دعوتوں کے ایک دور شروع ہو گیا۔ میں ان کے ساتھ پلی بڑی مانی۔ مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے کہ تیز شراب کے بعد بھی ہلکا سا سرور چھانے لگا۔ شراب حسب توقع نہایت خوشگوار ثابت ہوئی اور بے حد محسوس کر رہا تھا جب ہم وہاں سے چلے تو میں نے دیکھا کہ میرے دونوں ساتھی بہت بری طرح لڑکھڑا رہے تھے۔

سے چل رہے ہیں۔

"تم دونوں سیدھے کیوں نہیں چلتے۔" میں نے حیرانی ہوئی آواز میں ان کو ڈانٹا۔

"دکھ رہی ہیں ناں؟ یار ہم سیدھے ہی تو چل رہے ہیں۔ تجھے کو شاید چڑھ رہی ہے۔"

"نہیں ہے میں دوبارہ گرکر لطیفہ ذات میں غرایا۔ "مجھے بالکل نشہ نہیں ہے۔ تم دونوں ٹیڑھے میڑھے چل کر مجھے بتانا چاہتے ہو کہ مجھ کو چڑھ رہی ہے۔"

انہوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر اکبر بولا۔ "ہم واقعی ٹیڑھے نہیں چل رہے۔ تمہیں نشہ ہو رہا ہے۔"

میں نے زور سے ہنس پڑا۔ پھر میں نے راستے میں اور سڑکوں کو بھی کیا طرح لہراتے دیکھا اور میرے دوستوں نے بتایا کہ وہ سب پیئے ہوئے ہیں۔

واپسی میں اندھیرا اچھل چکا تھا۔ ہم نے تانگہ بادشاہی مسجد کے قریب ہی چھوڑ دیا۔ ہوا کی لہروں کے دوش پر آنے والی پایل اور طبلے کی جھنکار سن کر میں بے خود ہو گیا۔

"کہیں کوئی جا رہا ہے دوستو؟" میں نے ان دونوں سے اپنے ارادے کا اظہار کیا۔

"کوئی نہیں دیکھتا۔" وہ مجھے آگے دھکیلتے ہوئے بولے۔ "اس بازار میں بھلا تمہارے جاننے والوں کا کیا کام۔"

بات معقول اور ترغیب انگیز تھی۔ میرے بہکے ہوئے قدم ایک بالا خانے کی دہلیز پر جا پہنچے۔ وہاں مجرا چل رہا تھا۔ ایک کمرہ اور خوبرو رقاصہ بڑی رنگ برنگ اور کشش انگیز لباس میں بجتے طبلے کی تھاپ پر مچل مچل کر تھرک رہی تھی۔ اس نے میرے بیٹھتے ہی ایک ادا کے ساتھ میرے سامنے یوں جھک کر انگڑائی لی کہ اس کے گرم گرم سانس اور نرم نرم بال میرے رخساروں کو چھوتے ہوئے گزر گئے۔ میرا جسم جو بہک اٹھا میں نے کئی بڑے نوٹ نکال کر اس کی طرف اچھال دیئے۔

میری فیاضی کا اثر حسبِ توقع ہوا۔ مجرا میری ذات تک محدود ہو کر رہ گیا۔ دوسرے تماشائی اپنی اپنی حیثیت سے زیادہ دیر تک بیٹھے رہے اور جب آخری شخص بھی باہر نکل گیا تو ایک شخص نے چلمن ہٹا کر دروازہ بند کر دیا۔ میں نے ایک بار آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سب کو دیکھا۔ پھر جیسے ہی رقاصہ میرے نزدیک آئی میں نے اسے کھینچ لیا۔ سازندوں نے تڑپ کر دم توڑ دیا۔

اس کے بعد میں برابر شراب میں کھویا رہنے لگا۔ وہ بجلی کا نپ ہمیشہ میری صحبت میں رہتا۔ بالا خانے سے میری اکثر صبح وہیں سے آغاز ہونے لگے اور میں تیزی کے ساتھ اس رنگین دنیا میں غرق ہونے لگا۔

میرے بڑھتے ہوئے اخراجات نے والد صاحب کو تشویش میں مبتلا کر دیا۔ کئی بار انہوں نے مجھے سمجھانا چاہا لیکن میں انہیں نظر انداز کرتا۔ پھر ایک مشہور ہوٹل میں اکبر کے ذریعے میری ملاقات گلنار سے ہوئی اور میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ ستواں ناک، نقشہ، چھلے پہنے گلابی ہونٹ، صحت کی جھلک، سرخی سے شہابی رنگت، لمبی لمبی سیاہ زلفیں، بڑی بڑی خوابناک شرمیلی آنکھیں، گداز بدن اور متناسب اعضاء۔ دراز قامت، یا خدا میں کھو سا گیا تھا۔ اس کشمیرن میں جیسے جادو تھا۔ میں اپنی زندگی میں حسن کا ایسا بھرپور جادو پیکر پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ میں پہلی ہی نظر میں اس پر فریفتہ ہو گیا اور وہ حسن کر معصومانہ انداز میں میری حوصلہ افزائی کرتی رہی۔

پھر میں اس سے بے تکلف ہوتا چلا گیا لیکن گلنار نے کبھی ایک حد سے تجاوز کی اجازت نہ دی۔ ہم روزانہ بڑے بڑے ہوٹلوں اور تفریحی مقامات پر ملتے، گھنٹوں باتیں کرتے، وہ دبے دبے لفظوں میں کچھ فرمائشیں کرتی اور میں اس کو موم کرنے کی خاطر اس کے سارے ناز اٹھاتا رہا۔

گلنار نے مجھ سے کبھی اپنے خاندانی پس منظر کا تذکرہ نہیں کیا نہ ہی میں نے یہ موضوع چھیڑا۔ اکبر سے اتنا ضرور معلوم ہوا کہ وہ کسی ڈاکٹر کی بیٹی ہے۔ اس کی ماں کشمیری اور باپ پنجابی تھا۔ گلنار سے ملاقات کے بعد اکبر اور اس کے ساتھی ــــ دونوں ہی مجھ سے دور ہوتے چلے گئے۔ کہاں تو دن رات ہمارا ساتھ رہتا تھا یا اب دونوں ایک دوسرے سے نہ ملتے اور میں تو گلنار کے پیچھے ایسا دیوانہ تھا کہ ان تبدیلیوں پر کبھی غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی اور ایک روز میرے گھر والوں نے انکشاف کیا کہ وہ میری تمام حرکتوں سے واقف ہو چکے ہیں۔ والد صاحب نے سخت الفاظ میں تنبیہ کی اور میرے جیب خرچ کو بہت زیادہ محدود کر دیا۔

ادھر گلنار کی فرمائشیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ میری دانست میں پورا معاملہ ایک ایسے موڑ پر پہنچ چکا تھا جہاں سے واپسی ناممکن تھی۔ گلنار کی تسخیر اب چند دنوں کی بات نظر آنے لگی تھی۔

بدقسمتی سے ان ہی دنوں گلنار کی سالگرہ آ پڑی۔ جو یہ تقریب باقاعدہ نہیں مناتی تھی مگر فلیٹیز میں ایک سالگرہ کی دعوت دیکھ کر اس نے کہا "لوگ نجانے ایسی فضول تقریبات پر کیوں خرچ کرتے ہیں۔" میں نے فخر کے ساتھ کہا "میں اس کی سالگرہ اس سے بھی زیادہ شان و شوکت سے منا سکتا ہوں۔" اس کے چہرے پر شوق کی سرخی ابھر گئی مگر اس نے پارٹی سے انکار کر دیا۔ پھر میں نے مصر ہو کر اس سے سالگرہ کی تاریخ معلوم کر ہی لی۔ اور اس

کی خوشنودی کے لیے کہا کہ پارٹی پر وہ رضامند نہیں تو نہ سہی، مگر میں اسے ایک یادگار تحفہ ضرور دوں گا۔

عورت اور خاص طور پر خوبصورت محبوبہ کے سامنے آدمی کس قدر اندھا اور بے وقوف ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کا اندازہ مجھے بعد میں ہوا۔ میں اس سے یادگار تحفے کا وعدہ تو کر چکا تھا مگر گھر والے مجھ سے بدظن تھے۔ کسی سے رقم ملنے کی امید نہیں تھی۔ میں نے اپنی ماں کو کہا یا مگر وہ گو کہ شوہر پرست خاتون تھیں۔ انہوں نے والد صاحب کی مرضی کے بغیر کوئی بھی پیسہ دینے سے انکار کر دیا۔

سالگرہ سے ایک دن پہلے تک کوئی صورت نہیں بن سکی۔ آخر شام کے وقت میں ایک فیصلہ کر کے دکان پر جا پہنچا۔ وہاں میرے بڑے بھائی موجود تھے۔ پہلے تو میں نے دونوں ملازموں کو کام کے بہانے رخصت کیا پھر بھائی جان سے تین ہزار روپے مانگے۔ انہوں نے دو ٹوک الفاظ میں انکار کر دیا۔

ان کے انکار نے تو میرے تن بدن میں آگ لگا دی۔ وہ دکان ان کی نہیں میرے والد صاحب کی تھی اور اس پر ہمارا برابر کا حق تھا۔ وہ کون ہوتے تھے مجھے منع کرنے والے۔

"بھائی جان! میں کہتا ہوں پیسے دو۔" میں نے آنکھیں نکال کر کہا۔

میرے اس رویے پر وہ ششدر رہ گئے۔ انہیں یہ امید نہیں تھی کہ میں اس حد تک بڑھ جاؤں گا۔ وہ اپنی ناگواری کو چھپانے کے لیے نرم لہجے میں بولے۔

"ابا جی سے بات کرو۔ اس وقت یہاں اتنی رقم نہیں ہے۔"

میں نے بڑھ کر تجوری کا پٹ کھول ڈالا۔ سامنے ہی نوٹوں کی کئی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ بھائی جان کو کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر میں نے بڑے نوٹوں کی ایک گڈی تجوری سے نکال لی۔

اسی وقت ابا جی بھی آ پہنچے اور صورت حال سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے غصیلے لہجے میں بولے "کیا ہو رہا ہے مسعود؟"

"مجھے رقم درکار تھی۔ بھائی جان نے انکار کیا تو میں نے خود تجوری سے نکال لی۔" میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔

ابا جی بلڈ پریشر کے مریض تھے۔ یہ سنتے ہی ان کا پارہ چڑھ گیا۔

"حرام خور۔۔۔ تیری یہ مجال! رکھ دے وہ رقم واپس تجوری میں۔۔۔ میرا پیسہ اس لیے نہیں ہے کہ تو اس سے شراب اور بازاری عورتیں خریدتا پھرے۔"

میں نے پھاڑ کھانے والی نظروں سے ابا جی کو گھورا اور کچھ کہے بغیر ان سے راستہ کاٹ کر باہر جانے لگا۔

غصے سے ان کی آنکھیں اُبلنے لگیں۔ بدن پر رعشہ سا طاری ہو گیا اور انہوں نے پوری قوت سے میرے منہ پر طمانچہ مارا "میں تجھے عاق کر دوں گا۔ تجھ میں ذرا شرم حیا۔۔۔"

میں نے انہیں بات پوری کرنے کا موقع دیے بغیر پوری قوت سے پیچھے دھکیل دیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گرے اور میں رقم سمیت تیزی کے ساتھ باہر نکل گیا۔

اس رات گلنار کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے میرا ذہن بوجھل رہا۔ دکان میں جو کچھ ہوا بہت برا ہوا تھا لیکن اس میں بیشتر غلطی ابا جی کی ہی تھی۔ اگر وہ اندازہ کر چکے تھے کہ میں بھائی جان سے رقم کے لیے الجھ رہا ہوں تو انہیں اندر آنے کے بجائے کہیں اور نکل جانا تھا۔ انہوں نے خود ہی تشدد اختیار کر کے مجھے کھلی بغاوت پر اکسایا تھا۔

حسب معمول رات دو بجے میں گھر پہنچا تو چوکیدار نے پھاٹک کھولنے کے بجائے ذیلی کھڑکی سے سر نکال کر کہا "ابا جی پر فالج کا شدید دورہ پڑا ہے اور ان کا سخت حکم ہے کہ مجھے کسی قیمت پر بھی گھر میں نہ گھسنے دیا جائے۔"

"دروازہ کھولو۔ ورنہ میں گاڑی چڑھا کر پھاٹک گرا دوں گا۔" میں جھنجھلا کر بولا۔

"نہیں صاحب۔" وہ اٹل اور فیصلہ کن لہجے میں بولا "ہم بڑے صاحب اور بیگم صاحب کی خلاف ورزی کر کے اپنی روزی حرام نہیں کرے گا۔۔۔ خدا حافظ۔"

وہ میری کسی بات کا جواب دیے بغیر پلٹ گیا اور ذیلی کھڑکی مقفل کر دی۔

ایک معمولی ملازم میری یوں تحقیر کرے۔۔۔ یہ بات مجھے پاگل کر دینے کے لیے کافی تھی۔ میں نے پھاٹک گرانے کی نیت سے گاڑی آگے بڑھائی پھر ایک خیال کے تحت انجن بند کر کے کافی دیر تک مسلسل ہارن بجاتا چلا گیا۔ جب اس پر بھی صبر نہ آیا تو گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ اور اسی وقت اماں جی ذیلی کھڑکی سے چوکیدار کے ساتھ غصے میں بھری ہوئی باہر آئیں۔

انہوں نے آتے ہی میرے منہ پر تھپڑ مارا اور روتے ہوئے بولیں۔ "چلا جا یہاں سے۔۔۔ اب اس گھر میں تیرے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ تو نے آج اپنے باپ کا لہو کھایا ہے۔ اللہ ان کو سلامت رکھے میں تجھ جیسے دس بیٹے ان پر قربان کر دوں گی۔ جا چلا جا یہاں سے۔"

غصے میں کچھ اور نہ کر سکا تو ان کے بازو پکڑ کر انہیں جھنجھوڑ ڈالا۔ "میں اب بچہ نہیں ہوں جو گھر کے ملازم تم لوگ مجھے ڈرا سکو۔

ابا جی سے کہیے اب کبھی انہیں اپنی صورت نہ دکھاؤں گا!"

"تیری ہی وجہ سے اس وقت وہ جس حالت میں پڑے ہیں اس کے بعد یہاں کوئی تیرا روادار نہیں ہے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں اور میرے سینے پر گھونسے مارنے لگیں۔

میں طیش کے عالم میں گاڑی میں آیا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

اس وقت میرے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کہاں جاؤں اور کیا کروں۔ مزنگ سے گزرتے ہوئے گلبرگ میں رات گزارنے کا خیال کیا لیکن میری طبیعت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ جس گھر میں کبھی میں نے قدم ہی نہیں رکھا آج وہاں رات بسر کروں۔

وہ پوری رات میں نے لارنس گارڈن میں گزار دی۔ صبح میں ایک ہوٹل میں ناشتہ کرنے پہنچا تو سرسری نظریں دوڑاتے ہوئے اخبار میں ایک عاق نامے پر نظر پڑی جو جلی حروف میں پہلے صفحے پر چھپا ہوا تھا۔ ابا جی نے اس اشتہار کے ذریعے اپنے مکمل قطع تعلق کے ساتھ ہی مجھے جائیداد سے عاق کر دیا تھا۔

اس وقت مجھے پہلی بار ہلکا سا احساس ہوا کہ جو کچھ ہوا غلط ہوا مگر میرے دل میں اب بھی یہی خیال جاگزیں تھا کہ ان واقعات میں میرا قصور نہیں ہے ساری غلطی ابا جی کی ہے۔

دوپہر کو میں نے رنگ محل میں سے ایک صراف سے گلنار کے لیے ایک نہایت حسین اور نازک سا لاکٹ خریدا پھر وہیں سے ابا جی کے ایک دوست کی حیثیت میں گھر میں ٹیلی فون کیا۔

دوسری جانب سے کسی بھرائی ہوئی نسوانی آواز نے فون ریسیو کیا اور ابا جی کا نام سنتے ہی ادھر سے تقریباً ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے کہا گیا کہ بیٹے کی وجہ سے ان کی دماغی شریان پھٹ گئی اور وہ صبح انتقال کر گئے۔ یہ سنتے ہی میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور میں خود کو ابا جی کا قاتل محسوس کرنے لگا۔

مجھے کچھ علم نہیں کہ میں کس طرح گھر پہنچا مگر وہاں پھاٹک پر ہی دونوں بھائیوں نے دھکے دے دے کر مجھے باہر نکال دیا۔ ابا جی کی آخری وصیت یہی تھی کہ مجھے گھر میں قدم نہ رکھنے دیا جائے نہ ان کے جنازے میں شریک ہونے دیا جائے۔

اور یہاں میری بے فکری اور خوش نصیبی کا پہلا باب بند ہو گیا۔

میں گاڑی میں سیدھا ہوٹل پہنچا اور وہاں شراب سے دل بہلانے لگا۔

:-

شام کو جب گلنار حسب معمول وہاں پہنچی تو میں شراب کے نشے میں غرق ہو کر اپنی ساری پریشانیاں فراموش کر چکا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ پھیلا کر اس کا استقبال کیا۔ اس کے گلے میں لاکٹ ڈال کر گرمجوشی سے اس کے ہاتھ دبائے پھر میں نے اس کا جام صحت تجویز کیا۔ جام ٹکرائے اور تلخ سیال ہمارے معدوں میں اتر گیا۔

اس روز گلنار نے پہلی بار محبت کے بعد شراب کو ہاتھ لگایا تھا ورنہ میرے اصرار کے باوجود اس نے کبھی ایک بوند بھی نہیں چکھی تھی۔ ہاں آج بھی یاد ہے کہ اس نے وعدہ کیا تھا کہ اپنی سالگرہ پر محض میری خوشی کی خاطر وہ شراب چکھ لے گی اور اس نے اپنا یہ وعدہ پورا کر دیا تھا۔

جب رات کے سائے پھیلنے لگے اور مجھ پر شراب کا خمار گہرا ہونے لگا تو گلنار میرے ہوٹل میں میری آشفتہ دست درازیوں سے بچتی رہی۔ میں اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لینے کے لیے بے چین تھا۔ آخر اس نے میرا ہاتھ تھاما اور ہم ہوٹل کے وسیع سبزہ زار کے ایک نیم تاریک گوشے میں جا بیٹھے جہاں کسی کی نظر پہنچنے کا امکان نہیں تھا۔

گلنار میرے ساتھ محبت کے ساتھ پیش آ رہی تھی۔ اس کے رویے نے میری بے بسی کو رقت میں تبدیل کر دیا اور میں نے اس کے شانے سے سر ٹکا کر اسے اپنی پوری کہانی سنا ڈالی۔

میری کہانی سن کر وہ کچھ پریشان سی نظر آنے لگی۔ پہلے مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے وہ پوری رات میرے ساتھ گزارے گی۔ یا اب وہ اٹھنے کے لیے مضطرب تھی۔ اس وقت میں نشے میں تھا اس لیے اس تبدیلی کا مفہوم نہ سمجھ سکا۔ اور وہ آخر کار اپنے ڈیڈی کی پریشانی کا عذر کر کے اٹھ گئی۔

میں لڑکھڑاتا ہوا اس کے ساتھ باہر تک آیا اور اسے اس کے گھر تک پہنچانے کی پیش کش کی جسے اس نے خوبصورتی سے ایک مشورے میں ٹال دیا۔

"جان اس وقت تم پریشان ہو۔ جو رقم تمہارے پاس ہے وہ زیادہ دیر ساتھ نہیں دے سکتی۔ تم شہر میں بھٹکنے کے بجائے اسی وقت اکبر کے پاس چلے جاؤ۔ وہ تمہیں کوئی بہتر مشورہ دے سکے گا۔"

بہرحال وہ چلی گئی اور میں سیدھا اکبر کے پاس جا پہنچا۔ اگر میں ہوش میں ہوتا تو کبھی اس تنگ و تاریک اور سال خوردہ مکان میں قدم نہ رکھتا۔ اکبر بھی اپنے دروازے پر مجھے موجود پا کر بھونچکا رہ گیا۔

"آج سے پہلے میں تمہارے بلانے پر بھی اس گھر میں نہ آیا مگر آج کی یہ رات میں ساتھ بسر کروں گا۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

اکبر نے میرے سارے حالات سننے کے بعد مجھے فوراً ہی کراچی چلے آنے کا مشورہ دیا۔ اس کا خیال تھا کہ لاہور میں میری ساکھ بنانے کے نام سے تھی اور رفاقت نامے کے بعد میرے لئے کوئی بھی کاروبار اس شہر میں محال ہے اور مجھے وقت ضائع کئے بغیر کراچی پہنچ کر کوئی دھندا شروع کر دینا چاہئے تھا۔

اگلے روز میں لاہور سے دل برداشتہ ہو کر کراچی روانہ ہو گیا۔ چلنے سے پہلے میں نے اپنی کار بھی گیارہ ہزار روپے میں ایک دلال کو فروخت کر دی۔ اس طرح میرے پاس کم و بیش چند ہزار روپیہ ہو گیا۔

کراچی بلند و بالا عمارتوں، چمکتی کاروں اور روشنیوں کا ایک منفرد شہر ہے۔ جوں ہی میں اسٹیشن سے باہر آیا ٹیکسی والے... اس شہر کی عظمت کی دھاک بیٹھ گئی۔

میں بیس دن تک تم جیسے لگتے خالی الذہنی کے عالم میں اس شہر کی خاک چھانتا رہا اور پھر تھکے روز اخبار پڑھتے ہوئے مجھے ایک کاروبار سوجھ ہی گیا۔

اگلے روز میں نے ... بازار میں بے انتہا مصروفیت میں گزارے۔ پرانی کاروں کے ... اور سستے ہوٹلوں میں زیر زمین کاروبار کرنے والوں سے بات چیت کرتے گزارا اور کراچی پہنچنے کے گیارہویں دن میں ابراہیم حیدری کے دور افتادہ اور ویران ساحل سے ایک لانچ میں غیر قانونی طور پر بحرین روانہ ہو گیا۔

اس سفر سے میری واپسی بائیس دن میں ہوئی۔ میں بحرین سے ... کے ساتھ ساحل پر اترا اور لانچ والوں کی فراہم کی ہوئی پک اپ کے ذریعے دوسرے غیر قانونی مسافروں کے ساتھ کچے راستوں سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اگلے روز مجھے میری محنت کا صلہ مل گیا۔ صرف ایک مہینے کی محنت اور تھوڑی سی دشواریوں کے بعد میری رقم تین گنا ہو چکی تھی۔

یہ میری نئی زندگی کی ابتدا تھی۔

تین چار ہی پھیروں میں میری قسمت بدل گئی۔ میں نے ایک ... کار خریدی، چھوٹا سا مگر خوبصورت مکان بھی لے لیا اور اس لائن کے سودے بیچنے والے بیشتر تاجر میرے شناسا ہو گئے۔ میں ان دنوں دل ہی دل میں سوچتا تھا کہ لاہور والے واقعی عقلمند ہیں ... وہاں کراچی کو روپے پیسے کا شہر کہتے تھے اور میں دیکھ رہا تھا کہ یہاں پیسہ ... کرنے سے بھی آسان ثابت ہو رہا ہے۔

لیکن خوش بختی کا یہ دور چند ماہ سے زیادہ قائم نہ رہ سکا۔ میں بالکل آزادانہ طور پر اپنا مال بیچتا تھا۔ یہ بات میرے دوسرے ہم پیشہ لوگوں کو پسند نہ آئی۔ انہوں نے باہمی معاہدہ کر کے منڈی کے نرخ مقرر کئے ہوئے تھے اور مجھے پہچان کر حیرت ہوئی کہ میں کتنا کم نفع لے کر بار بار ان سے کہیں سستا مال فراہم کر رہا ہوں۔

ایک روز چند خوفناک صورتوں والے مشٹنڈے بوہنی مارکیٹ کے بھرے پرے علاقے سے ... مجھے ایک ... ٹرک پر ڈال کر لے گئے کہ کسی کو کبھی صورت حال کا اندازہ نہ ہو سکا۔

وہاں ایک ہوٹل کے عقبی حصے میں ایک مشہور آفاقی اسمگلر سے پہلی بار میرا سامنا ہوا۔ وہ چند ساتھیوں کے ساتھ ایک چارپائی پر بیٹھا حقہ گڑگڑا رہا تھا۔

لانے والوں نے مجھے اس کے سامنے دھکیل دیا اور ایک بولا۔ "داداـ یہ ہے وہ خانہ خراب کا بچہ جس نے مارکیٹ کا بھاؤ بگاڑا ہوا ہے۔"

اس نے حقے کا گھونٹ بھر کر تیز نظروں سے مجھے گھورا۔ "کیوں ... کیا تمہارا آگے پیچھے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں ہے جو جا جا کر دھندا خراب کرتا ہے؟"

اس وقت نہ جانے کہاں سے میرے دل میں بے خوفی آ گئی۔ میں نے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے اس ... سے اسی کے لہجے میں پوچھا۔ "کیا تم ہمارے کو اپنا دوست سمجھتا ہے یا دشمن؟"

"ابے تم بھائی ہے۔ کالا دھندا کرنے والا سب بھائی ہے۔"

وہ ترش ... گھور کر بولا۔ "ابھی تم لائن میں نیا ہے اس لئے سمجھاتا ہے کہ تم بھی مال بناؤ ہم بھی مال بنائے .... اگر تم دام گرا کے ابھی ہمارا کہنا نہیں کرے گا تو ہمارا آدمی عراق میں تمہارا گلا بند کر دے گا۔"

"مجھے کچھ نہیں معلوم کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں ان ... کتنا نفع لیتا ہوں۔ اور میں کنٹرول سے کم دام نہیں لوں گا تو ..."

کمال نے ... اس کی بات نہ سمجھتے ہوئے بولا۔

اس نے حیرت سے پوچھا۔ "تم کتنا نفع لیتا ہے؟ ... تمہارا سارا آدمی مفت کام کرتا ہے ..."

اب اس کی بات میری سمجھ میں آئی اور میں نے پہلی بار ... کا سہارا لیا۔ "میں اپنے آدمیوں کو اتنا دیتا ہوں کہ وہ مر کر بھی میرے رہیں گے اور اس شہر پر میرے قدموں تلے ... ہو جائیں گے۔ مگر میں ... نہیں چاہتا۔ تم شریف آدمی ہو۔ مارکیٹ کے دام بتا دو۔ آئندہ اس سے ایک پیسہ بھی کم میں مال نہیں بکے گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

میری ... جرأت اور ... خوشی کو اس نے بہت پسند کیا ... اور رخصت کرنے کے بعد ... احترام کے ساتھ وہاں سے لوٹا آیا۔

اس واقعے نے میری آنکھیں کھول دیں۔ میں نے محسوس کیا کہ باقاعدہ گروہ بنائے بغیر میں اس لائن میں زیادہ اوپر نہیں اٹھ سکتا۔ اگر ایک بار یہ پرانے پاپی میرے پیچھے لگ گئے تو مجھے رنگے ہاتھوں پکڑوا سکتے ہیں، بے یار و مددگار سمجھ کر ٹھکانے لگا سکتے ہیں یا پولیس اور دھاندلی کے ذریعے میرا ناطقہ بند کر سکتے ہیں۔ میں ... ان کے ساتھ زیادہ دن اپنا کاروبار نہ چلا سکوں گا۔

یوں میں نے رفتہ رفتہ ... اس شہر میں بہت احتیاط کے ساتھ اپنے گروہ کی تشکیل شروع کی اور آہستہ آہستہ میں نے کاروباری ساکھ والے ادارے قائم کر لئے جن کی آڑ میں مجھے اپنے غیر قانونی دھندے ... چھپنے لگی۔ جوں جوں یہ گروہ پھیلتا گیا ... میری آمدنی لاکھوں میں ہونے لگی مگر میں نے محسوس کیا ... حریفوں نے ... قائم رکھنے کا جو انتظام کیا ہے وہ ... بڑوں کے منہ بند رکھنے کے لئے ضروری ہے۔

مجھے اس تمام چکر میں خود کچھ نہیں کرنا پڑتا تھا۔ میں اعلیٰ ترین سماجی محفلوں میں ممتاز حیثیت میں شرکت کرتا۔ عمائدین شہر سے ... مراسم تھے۔ بہت سے سرکاری ملازم میرے کاروبار سے چشم پوشی کا ... تھے لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ ان کی پشت پر میری ہی شخصیت ... جیسے جیسے میری آمدنی بڑھتی گئی امیروں کی صحبت میں بیٹھنے سے شوق ... ڈھلنے لگے۔ شراب کے بغیر ... نظر آنے لگا ... سرور کی یہ کیفیت ... آزاد خیال لڑکیوں کے ساتھ ... گزرنے لگی ... شوق آوارگی کی تسکین کی خاطر ... دل بھرنے ... لیکن ان سب کے ... ایک نشست میں پچاس ساٹھ ہزار ... سے ... تھا ... جاری ... تب ... جاتے۔

کسٹم والوں کے تین کامیاب چھاپوں نے مجھے پریشان کر دیا تھا ... کام کرنے ... پہلی ... میری شخصیت ... لگ گئے تھے اور ان کے ذریعے ... مجھے ... کسٹم والوں کے ...

پاس کہیں سے غیر قانونی مال آتا ہے جو میں شاید کسٹم کی نظروں میں چھپا دیتا ہوں۔ کسٹم افسر سے اطلاع ملتے ہی میں نے اپنے آدمی ... کو ہدایت دی کہ ... کے قریب بنے والے خلاصی کو فوراً جلد مارکیٹ سے باہر ... کر دے۔ لیکن بعد میں مجھے اپنا یہ اقدام احمقانہ محسوس ہوا۔ وہ خلاصی میرے بوٹ اور ایک ڈرائیور کے آدمیوں سے واقف تھا اور یہ سب میری ذات اور خاص گرگوں سے بھی قطعی آشنا نہیں تھے۔ ایسی صورت میں آسانی کا امکان تھا کہ آئندہ اس خلاصی کو استعمال نہ کیا جائے۔ لہٰذا میں نے اسے باہر بھجوانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

سامان کھیپ کا معاملہ جب تک چلتا رہا میں نے احتیاط جاری رکھی۔ کسٹم والے بھاگ دوڑ کے باوجود بھی ساحل کے مالک کا سراغ نہ لگا سکے اور یہ معاملہ سرد خانے کی زینت بن گیا۔

تین ماہ کے مسلسل جمود میں حالات کا دھارا مسلسل میرے خلاف رہا۔ میں جیسے ... آمدنی کے ذرائع مسدود تھے۔ اسٹاف اور دفتر کی بھاری تنخواہیں باقاعدگی سے دی جا رہی تھیں۔

ساحل کا معاملہ دب جانے کے تین روز بعد خلیج کے علاقے سے میں نے ایک بڑی کھیپ منگوائی۔ اور پرانے فیصلے کے تحت ... مال کا کھلا سودا کیا۔ اس کے تحت ... سمندر میں مال ... پہنچا دیا ... کی چوٹ میں ... جانے کے بعد میرا رسک ختم ہو جاتا تھا۔

جہاں تک معاہدے کا تعلق تھا یہ سودا بخوبی مکمل ہو گیا۔ مگر بیوپاریوں کی کشتی ساحلی علاقے کے قریب کوسٹل پولیس کی نظروں میں آ گئی اور بیوپاریوں نے بڑے نقصان کی صورت اس کا ... چکا دیا۔

میں نے کسی بااثر فرد کو درمیان میں ڈالا لیکن اس سے ایک پیسہ بھی وصول نہ ہو سکا۔ مال لانے والے دونوں بیوپاری ... تھے۔ بار بار میرا مال پکڑا جانے لگا۔ میں ہر وقت پریشان اور کھویا کھویا رہنے لگا۔ عام حالات میں کبھی مجھے تنہائی کا احساس نہیں ہوتا تھا لیکن اب میں خود کو اس کھیل میں بالکل تنہا اور بے یار و مددگار محسوس کرنے لگا۔ میرے ساتھی آدمی میرے ہاں تنخواہ دار تھے لیکن میرے اور ان کے درمیان ... اس بڑی ... کو میں اپنے مسائل پر ان سے کوئی مشورہ نہیں کر سکتا تھا ... میں نے جس آدمی کو اپنے قریب کے لئے منتخب کیا وہ ... عقل ... مسائل ...

ویسے ... کے ساتھ ... مجھے یاد آئی۔ ... آنے کے بعد مجھے نہ اس کی کوئی خبر ملی اور نہ ہی میں اس سے کسی طرح رابطہ قائم

کر سکا۔ یہ میری کھلی حماقت ہی تھی کہ طویل عرصے تک اُس سے قریبی تعلقات رکھنے کے باوجود میں اُس کے پتے سے ناواقف تھا۔ نہ ایک کے سوا اس سے ملاقات کا کوئی ذریعہ میرے سامنے تھا۔ ایک بار میں نے موہوم سی اُمید کے سہارے اُس کو خط بھی لکھا لیکن وہ ڈاک خانے کی مہر کے ساتھ واپس آگیا جس سے اسی قدر معلوم ہو سکا کہ وہ پرانا گھر چھوڑ چکا ہے۔

ان دنوں بس شراب مجھے سکون بخشتی تھی۔ میرے اس رفیق نے کبھی مجھے دھوکا نہ دیا۔ اس کے ہر جام میں لذت اور سکون کی ایک نئی دنیا میری منتظر رہتی تھی۔ ریس اور قمار بازی کے سدا بہار شوق میری جھنجلاہٹ کا سبب بنتے جا رہے تھے۔ میری ذہنی حالت شاید ایسی ابتر تھی کہ ہر کھیل میں شکست میرا مقدر رہتی۔ ریس میں میرے منتخب کیے ہوئے گھوڑے ہمیشہ آخری نمبر پر پہنچتے یا ریس کے دوران — زخمی ہو کر بھٹک جاتے۔

ایک روز میرے گھر پر جوئے کی سرگرم محفل جمی ہوئی تھی۔ سوزی مستعدی کے ساتھ میرے مہمانوں کو شراب فراہم کر رہی تھی اور میں مدِمقابل سے ہر بازی ہارتا جا رہا تھا۔ چوتھی بازی پر میرے شریک نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس میں اب مزید ہارنے کی سکت نہیں رہ گئی تھی!

"تم میرے ساتھی رہو گے!" میں نے بجھتی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہار میری ہوگی اور جیت میں تم میرے برابر کے شریک ہو گے۔"

وہ شرط پر بھی کھیلنے سے انکار نہ کرتا۔

برج کا اگلا گیم شروع ہوا۔ سات بازیاں کھیلی گئیں لیکن کوئی فریق گیم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اور جب وہ منحوس ٹیلیفون آیا تو میں پچھلی بازی ہار چکا تھا۔ اس ہاتھ میں میری کال قائم ہوئی تھی۔ تمام کارڈ یقین دلاتے تھے کہ اس بار گیم میرا ہے۔ میں ساتواں ہاتھ لے رہا تھا کہ گھنٹی بجی۔ سوزی نے فون اُٹھایا اور فوراً ہی گھبرائی ہوئی میری طرف آئی۔

"سر! اہم کال ہے۔"

اس کا لہجہ پریشانی کا مظہر تھا۔ میں نے ہاتھ ادھورا چھوڑا۔ اور تیزی سے فون کی طرف لپکا۔

دوسری طرف سے سکندر بول رہا تھا۔ "سر! بازی اُلٹ گئی۔ کسٹم والوں کو ہوٹر پارٹس کی تازہ کھیپ پر شبہ ہو گیا ہے اور کسٹم والوں نے کلکٹر کی نگرانی میں آفس کا محاصرہ کیا ہوا ہے۔"

"دفتر میں کوئی ایسی دستاویز تو نہیں جس سے میری بات نہ رہ سکے!" میں نے اپنی عرق آلود پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوال کیا۔

"سارا ریکارڈ وہیں ہے۔" وہ جلدی سے بولا۔ "ہم سب سخت خطرے میں گھر چکے ہیں۔"

"فوراً کو بھول جاؤ۔" میں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "اور پہلی فرصت میں شہر سے نکل جاؤ۔ میرے دور تم سب کے بچاؤ کے لئے یہ لازم ہو گیا ہے!"

"او کے سر!"

سلسلہ منقطع کر کے میں ٹیبل پر واپس آیا۔ سب لوگ میری بگڑی ہوئی رنگت دیکھ کر پریشان تھے۔

"یہ آخری و فیصلہ کن ہاتھ ہے!" میں نے اپنی نشست سنبھالتے ہوئے اُن سے کہا۔ "میں اس وقت مزید انتظار نہیں کر سکوں گا۔ یہ ہاتھ ہار گیا تو میرا یہ مکان پورے ساز و سامان سمیت تمہارا ہوگا۔" حریف ٹیم اور اس سے دلچسپی رکھنے والوں کے چہرے دمک اُٹھے۔ میرا آخری قابلِ یقین خیال ہے کہ مکان کی قیمت کسی طرح تین لاکھ سے کم نہیں تھی جبکہ اس وقت تک میں صرف ساٹھ ہزار ہارا تھا۔

اب ایک بازی پر میری قسمت کا دار و مدار تھا۔ ہر اک بار آخری بار میری جیت یا مجھے سجنے سنور کے مکان سے محروم!

میرے کارڈ بہتر رہے تھے جیت یقینی نظر آ رہی تھی مگر اچانک میرے نے فاش غلطی کرتے ہوئے ساتویں ہاتھ میں چال ڈی کو دے دی اور پھر ڈی کے کھلتے ہوئے کارڈز پر نظر ڈالی تو میرا دل کٹوری میں دھک سے رہ گیا۔ اس ہاتھ میں کسی کو بچت نہ ہو سکا۔ آٹھ ہاتھ آسانی بن گئے۔ مگر اس کے بعد میں کوئی ہاتھ بھی کانٹریکٹ نہ بنا سکا۔

جیتنے والے کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ میں نے شراب کا آخری جام پیا۔ تجوری سے ساری رقم سمیٹ کر ایک تھیلی میں بھری۔ اپنا ایک سادہ کاغذ پر تحریر کر کے دیئے کہ مکان سے جیتنے والے حق میں دستبردار ہو کر باہر آگیا۔

کار میں سوزی میرے پہلو میں موجود تھی۔ جیتنے والوں نے ازراہِ ہمدردی ولایتی وہسکی کی چند بوتلیں ساتھ لانے کی اجازت دے دی جو وہ از رہ .... ساتھ ڈیش بورڈ کے نچلے خانے میں رکھا گیا۔

کلفٹن برج اُترنے کے بعد میں نے ویران اور چوراہے پہ کار روکی، سگریٹ کی ناکافی روشنی میں سوٹ کیس سے کچھ نئے نوٹوں کی دو گڈیاں نکال کر سوزی کو تھمائیں اور اسے کار سے اُتر جانے کے لئے کہا۔

"میں ... میں چلی جاؤں!" وہ حیرت سے چلائی۔ "میں کہاں جاؤں گی سر؟"

میں تلخ انداز میں ہنسا اور بے رحمانہ لہجے میں بولا۔ "میں اب کچھ بھی نہیں ہوں سوزی۔ تمہارا بوجھ میرے لئے اٹھانا مشکل ہوگا۔ وہ فون سکندر کا تھا۔ آج کسٹم والوں نے دفتر پر چھاپا مارا ہے۔ اس وقت تک وہ وہاں رنگ کی گڑبڑ کر کے اور آمد کے جعلی آٹو پارٹس کی اصلیت جان چکے ہوں گے جو دراصل سونے کے ڈھیلے ہیں۔ میرا کاروبار تباہ ہو گیا۔ مکان میں جوئے میں ہار گیا۔ اب سوٹ کیس کے چند ہزار روپے ہی میری کل پونجی ہیں۔ میں نے سکندر سے کہا تھا کہ وہ لوگ روپوش ہو کر اپنی جان بچائیں۔ تم بھی آج رات کسی ہوٹل میں گزار کر اپنے گھر لوٹ جاؤ۔ یہ بھول جاؤ کہ تم کبھی میری ملازم بھی تھیں ورنہ یہ بات تمہیں سرکاری مہمان خانے کی سیر کر کے جیتے جی پچھتائے گی۔ جاؤ، اچھی لڑکی! اُتر جاؤ۔ تمہاری خدمات کو میں کبھی نہیں بھلا سکوں گا۔"

وہ حیرت سے منہ پھاڑے میری کہانی سنتی رہی جب میں نے آخری بار اس کا رخسار تھپتھپایا تو وہ بلکی سی چیخ مار کر میرے سینے سے لگ گئی۔ اور اس طرح بلک بلک کر رو پڑی جیسے مجھ سے الگ ہوتے ہوئے وہ خود کو یتیم محسوس کر رہی ہو!

میں نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے اُسے اُتار دیا اور وہ بدنصیب لڑکی سات سال کی طویل رفاقت کے بعد کلفٹن برج کے اس ویران اور خوابیدہ چوراہے پر میری کار سے اُتر گئی۔ میں نے ہاتھ ہلا کے مجھے کار فریر ہال کی طرف بڑھا دی۔ اگلی پولیس پوسٹ پر پہنچ کر میں نے مڑ کر دیکھا تو آروں کی مدھم چھاؤں میں ایک تاریک نسوانی ہیولا وہاں موجود تھا جہاں سوزی مجھ سے جدا ہوئی تھی۔ میں اس وقت خود کو بے بس اور تنہا محسوس کر رہا تھا۔ میرے وجود پر ویرانی کی کیفیت طاری تھی۔ صدر میں بے نام سا سناٹا گونج رہا تھا۔

کئی بار میں شہر کے بڑے بڑے ہوٹلوں کے سامنے سے گزرا لیکن گرفتاری کے خوف سے کہیں کار کا رخ نہ کر سکا۔ مجھے یقین تھا کہ پولیس میری تلاش میں شہر کا ایک ایک کونہ سونگھتی پھر رہی ہوگی۔

میں گھنٹوں تک شہر میں بے مقصد گھومتا رہا۔ کوئنز روڈ پر ایک جگہ میں نے کار روکی اور پرانی نمبر پلیٹ اُتار کر جھاڑیوں میں پھینک دی اور کار میں موجود جعلی نمبر پلیٹیں لگا لیں۔ اب کم از کم کار کے نمبروں کے سہارے پولیس مجھے تلاش نہیں کر سکتی تھی اور میں اپنی بدنصیبی کی رات نسبتاً سکون سے گزار سکتا تھا۔

آخر کار میں نے وہ رات ایئرپورٹ پر گزارنے کا ارادہ کیا۔ ویک اینڈ کی رات تھی اور مجھے معلوم تھا کہ اس رات ایئرپورٹ پر بین الاقوامی پروازوں کا خاصا ہجوم رہتا ہے۔ میں اپنی کار کہیں بھی پارک کر کے وہ پوری رات باسانی لوگوں کے ہجوم میں گزار سکتا تھا۔

جونہی میں اسٹار گیٹ پر پہنچا، سامنے میری نگاہ پولیس کی بھاری جمعیت اور رکی ہوئی گاڑیوں پر پڑی۔ پولیس ایئرپورٹ کی ناکہ بندی کر چکی تھی اور ادھر جانے والی ہر کار کی تلاشی لی جا رہی تھی۔ میں نے پھرتی کے ساتھ کار کی انڈیکیٹر بند کی اور رفتار بڑھا کر آگے بڑھ گیا لیکن کوئی پولیس افسر میری مشکوک حرکت دیکھ چکا تھا۔ اُس نے مجھے روکنے کے لئے زور سے وسل بجائی۔ میرے ہاتھ پیر پھول گئے اور میں نے کار کی تمام روشنیاں گل کر کے رفتار بڑھا دی۔ چند ہی ثانیوں میں مجھے عقب میں کئی روشنیاں اپنی طرف بڑھتی نظر آئیں۔ ساتھ ہی پولیس کی کار کا تیز سائرن میرے منتشر اعصاب پر ہتھوڑے برسانے لگا۔

میری کار کا جاندار انجن اس قیامت کی طرح میری مدد کر رہا تھا میرے لئے ایسی سنسنی خیز صورتحال سے دوچار ہونے کا وہ پہلا موقع تھا میں سڑک کی ناہمواری کی پرواہ کئے بغیر تیزی کے ساتھ بڑھتا رہا۔ ایئرپورٹ کے نزدیک مجھے ریلوے کراسنگ کا پھاٹک بند نظر آیا۔ ایک ڈیزل انجن تیز شور مچاتا اور پیچھے مین لائن سے لوکل ٹرین ٹریک کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے بریکوں پر ہلکا سا دباؤ ڈال کر اپنی کار ماڈل کالونی کو جانے والی سڑک پر ڈال دی۔ کافی آگے نکلنے کے بعد میں نے پولیس کار کے سائرن کا شور سنا اور عقبی شیشے میں کئی روشنیاں بھی جھلکتی نظر آئیں۔ میں برق رفتاری کے ساتھ بڑھتا ہی رہا۔ پھر میں نے کنٹونمنٹ ایریا میں داخل ہونے سے پہلے صرف ہیڈ لائٹس روشن کر لیں تاکہ وہاں کے گشتی دستے کو کسی شبہ کا موقع نہ مل سکے!

اب میرے اعصاب پر شدید گھبراہٹ طاری تھا۔ پیچھے پولیس تھی اور آگے والے سائرن کے شور سے مشکوک ہو کر مجھے روک سکتے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں میرا رخ اس راستے کی طرف تھا جس سے گزر کر میں مینی ٹوریم اور پھر یونیورسٹی روڈ جا نکلتا۔ یہ میری خوش قسمتی ہی تھی کہ ابھی تک کسی نے میرا راستہ نہیں روکا تھا!

پھر میں کنٹونمنٹ ایریا کے آخری حصے پر جا پہنچا۔ پولیس سائرن کا شور اب بہت دور گونج رہا تھا۔ ہو سکتا ہے میرے ہی خوفزدہ ذہن کا وہم ہو اور پولیس والے کنٹونمنٹ ایریا میں پوری قوت سے

سائرن بجاتے ہوئے بیٹے کی جرأت نہ کر سکے ہوں اور خاموشی سے میرا تعاقب کر رہے ہوں۔

چیک پوسٹ پر ایک سنتری میرے قریب آیا۔ میں نے یہاں جھوٹ کا سہارا لیا اور اُسے بتایا کہ دن کے وقت میں گوجرانوالہ کے پاس آیا تھا اور یونیورسٹی کیمپس میں میری رہائش ہے۔ جہاں میری بیوی سخت بیمار ہے۔ اُس کا فون ملتے ہی میں جلدی کے خیال سے اس طرف سے یونیورسٹی واپس جا رہا ہوں۔ پھر میں اُدھر سے روانہ ہو گیا۔

اپنے پیشے کی ضروریات کے تحت میں شہر کے چپے چپے سے واقف تھا جب میں کنٹری کلب روڈ پر آیا تو پولیس کی جمعیت نہ جانے کہاں رہ گئی تھی۔ اس زمانے میں کنٹری کلب روڈ سے صرف جیل روڈ ہی کی طرف نکلا جا سکتا تھا۔ لیاقت آباد اور نیو ٹاؤن کو اس سڑک سے ملانے والے پل تعمیر نہیں ہوئے تھے جب کہ میں شہر سے حتی الامکان دور ہی رہنا چاہتا تھا۔ میں نے نہری منڈی سے ذرا پہلے ٹرکوں کے بنائے ہوئے کچے راستے پر گاڑی ڈال دی۔ ایک قدیم گوردوارہ، چند باغات اور کھیتوں سے گزرنے کے بعد میں دوبارہ سڑک پر آ نکلا۔ یہ نیو ٹاؤن پی ای ایریا کی ایک متوسط آبادی تھی میرے لئے اب یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ میں کدھر جاؤں۔ میری کار کے ناکام تعاقب کے بعد پولیس کی مزید شاید پولیس کی جمعیت اور بھی سرگرم ہو چکی تھی۔ ان حالات میں دانستہ کوئی خطرہ مول لینا حماقت ہی تھی جس کا میں متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

آخرکار میں نے منگھو پیر کا رخ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیاقت آباد اور ناظم آباد کی ویران سڑکوں پر کسی نے میری طرف توجہ نہیں دی اور میں ٹی بی اور پٹھان کالونی والی نہر سے ہو کر خواجہ پہاڑوں کے دامن میں پھیلی ہوئی شفاف سڑک پر آ گیا۔ میرا ارادہ تو گندھک کے گرم پانی کے چشمے پر جا کر لینے کا تھا لیکن میں راستے ہی میں درختوں سے گھرے اُس تالاب پر رک گیا جہاں کئی پرانے مگرمچھ پلے ہوئے ہیں۔

اس وقت رات اپنے آخری سانسوں پر تھی۔ مختصر سی بستی کے مکین گہری نیند سوئے ہوئے تھے اور قانون کے محافظ بھی شاید پولیس چوکی میں سو رہے تھے۔ ان بیچاروں کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا کہ ایک مفرور مجرم ادھر کا رخ کر سکتا ہے!

چند مگرمچھوں نے ہیڈ لیمپس کی روشنی پڑنے پر کسلمندی کے ساتھ وہیں وہیں احتجاجی غراہٹوں کے ساتھ میرا استقبال کیا اور آنکھیں بند کرنے کے بعد وہ دوبارہ سو گئے۔ میں نے اپنی کار ایسی جگہ کھڑی کی تھی جو سڑک سے نہیں دیکھی جا سکتی تھی! کار کے دروازے مقفل کر کے میں شراب کی ایک بوتل لئے مڑا تو اچانک ایک ہاتھ سختی کے ساتھ میرے داہنے کندھے پر جم گیا۔ میں نے بہ مشکل اپنی چیخ ضبط کی اور اچھل کر گھوما تو دھندلکے میں لپٹے ایک دراز قامت، باریش اور دبلے شخص کو اپنے مقابل موجود پایا۔ اپنے خوف پر قابو پاتے ہی میں نے سخت لہجے میں اُس سے سوال کیا۔

"کیا بات ہے؟"

"بات!" وہ میرے شانے پر ہاتھ رکھے رکھے زور سے ہنسا۔ اندھیرے میں اُس کے سفید سفید دانتوں کی قطاریں چمک اٹھیں "تیری آواز کیوں کانپ رہی ہے؟"

"میری آواز؟" میں اُس کے ہنسنے پر بوکھلا گیا "میری آواز تو نہیں کانپ رہی۔"

"تیری پیشانی پر مقدر کی سیاہی چمک رہی ہے!" وہ سنجیدہ اور گمبھیر لہجے میں بولا "قانون سے فرار ہونے والے ایک نہ ایک دن تھک کر ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔"

اس کا لہجہ اتنا نرم اور پُراعتماد تھا کہ میری مزاحمت دم توڑ گئی اور میں ایک لفظ بھی نہ بول سکا۔ مجذوب اور درویش صفت لوگوں سے میں لاشعوری طور پر بہت زیادہ متاثر تھا۔ گو میں خود کبھی ان اولیاء کا شکار نہیں ہوا تھا لیکن میں بہت سے ایسے لوگوں سے واقف تھا جو ان کی ہدایت پر ان کے سامنے دو تین رات لگا پیش ہو چکے تھے۔

"تیرے سانسوں سے شراب کی بو آ رہی ہے۔" وہ نفرت آمیز لہجے میں بولا "اگر تو نادیدہ عذاب سے بچنا چاہتا ہے تو مقدر میں صدمے بار بار ہی رہنا ہوگا۔"

"نادیدہ عذاب!" میں نے آہستہ سے دہرایا۔

"ہاں۔ اس دنیا میں بے شمار چیزیں ایسی ہیں جو تمہاری آنکھوں سے اوجھل رہتی ہیں مگر یاد رکھو کہ ہر وہ چیز جس کے بارے میں انسان سوچ سکتا ہے موجود ہے اگر اسے دیکھنے کے لئے تیرا ایمان راسخ ہوا ہے!"

یہ کہہ کر وہ جانے کے لئے پلٹا مگر میں نے لپک کر اس کا بازو پکڑ لیا "بابا ___ مجھے کوئی ایسی طاقت عطا کر دو جس کے ذریعے میں ہر چیز حاصل کر سکوں... میں... میں زندگی کا تعاقب کرتے کرتے بہت تھک گیا ہوں اور اب کسی گمنام گوشے میں روپوش ہو کر زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔"

"تیرا باطن میرے سامنے کھلی کتاب ہے۔ میں پاپیوں کو کبھی فیض نہیں پہنچاتا۔" یہ کہہ کر اُس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور تیزی کے ساتھ آگے بڑھ کر درختوں کی اوٹ میں مڑ گیا۔

چند لمحے تو میں ہکا بکا کھڑا رہا۔ پھر اُس کے پیچھے پریشان ہوتے ہوئے میں آگے بڑھا لیکن درختوں کے اُس طرف میدان تھا دور دور تک سناٹا پھیلا ہوا تھا اور درویش پُراسرار طریقے سے نہ جانے کہاں روپوش ہو گیا تھا۔

اگلے باقی ماندہ لمحات میں نے ان اطراف کی خاک چھانتے گزار دیے۔ میرے ذہن میں دور دور تک اس درویش کی بات گونج رہی تھی "انسان جس چیز کے بارے میں سوچتا ہے وہ موجود ہے۔"

جن، بھوت پریت، ہمزاد، جن۔ انسان ان میں سے ہر ایک کے بارے میں سوچتا ہے اور ان کی موجودگی بے شمار انسانوں کے تجربات سے ثابت ہے لیکن اکثریت ان کو نہیں دیکھ پاتی۔ کوہ قاف کی پریاں، سلیمانی ٹوپی، عنقا ___ یہ سب یقیناً موجود ہی ہوں گے ورنہ انسان ان کے بارے میں کیوں سوچتا، ان سے متعلق کہانیاں اور روایتیں کیوں جنم لیتیں۔ عمر عیار کی طلسماتی زنبیل بھی ضرور ہوگی۔ پھر ان سب کے علاوہ بے شمار معجزے اور معجزاتی چیزیں ایسی ہیں جن کا ہونا مقدس اور آسمانی کتابوں سے ثابت ہے مگر کوئی کبھی ان کے وجود سے انکاری ہے۔

اور میرے ذہن میں بچپن سے پارس پتھر اور کیمیا گری کی باتیں موجود تھیں۔ یہ تصورات میرے لاشعور کی گہرائیوں میں ایسے پیوست تھے کہ میں کبھی کسی مرحلے پر ان کو فراموش نہیں کر سکا۔ مجھے احساس ہو گیا کہ میں ___ کہاں اور کیسے ___ یہ مجھے علم نہیں تھا!

اور میں نے بارہا ایسی پُراسرار اور غیر مرئی قوتوں کے بارے میں بھی سوچا تھا جن کی تسخیر کے بعد ہر اس کام کی انجام دہی ممکن ہو جس کے بارے میں خواہش کرتا۔

میرے شعور کی دہلیز پر رات ان ہی خیالات میں گزر گئی۔ اسی شدت میں میں نے پہلی مرتبہ کار کا دروازہ کھول کر دیکھا تو خطرناک ہے۔ اس کی حیرت میں کسی بھی ننگے ہاتھوں پر چھپ سکتا تھا۔ میں نے کار کی سیٹ سے نوٹوں سے بھرا ہوا سوٹ کیس نکالا اور دروازے مقفل کر کے چہرے پر سے خوف جھٹکیں اور ہونٹ پر آتی بستی کی طرف جانے والی پگڈنڈی پر بس میں بیٹھا ہوا بس میں متوجہ کر گئے تھے کہ کوئی ایسا خطرہ درپیش نہیں تھا جس کی بنا پر مجھے تشویش ہو۔

بس صبح طلوع ہوتے ہی میں شہر کی طرف روانہ ہوا۔ مضافات سے آنے والی بسوں سے دودھ کے برتن، سبزی کے ٹوکرے اور پوٹلے وغیرہ اُتارے جا رہے تھے۔ میں نے کراچی کی زندگی کا یہ پہلو اس قدر قریب سے پہلی بار دیکھا اور کافی دیر تک بیٹھا رہا اور پھر ٹراموں کی لائن سے گزر کر بندرگاہ کے عقبی حصے کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہاں ایک سستے سے ہوٹل کی طرف میرے قدم خود بخود اُٹھ گئے۔ وہاں بسوں کا عملہ، گدھا گاڑی بان اور اسی قماش کے دوسرے لوگ دھواں اُگلتی چائے کی پیالیاں لئے معدوں میں انڈیل کر خود کو دن کی جدوجہد کے لئے تیار کر رہے تھے۔ ایک طرف مٹی کے تیل کے چولہے پر تازہ تازہ پوریاں تلی جا رہی تھیں جن کی بو سے میری بھوک جاگ اٹھی!

میں ہوٹل میں جا بیٹھا۔ آس پاس کی میزوں پر الجھے بالوں اور عجیب و غریب لباس والے ہپی لڑکے لڑکیاں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض سفید فام میزوں پر سر رکھے اونگھ رہے تھے جیسے پچھلی شب انہوں نے اسی مختصر سی میز پر گزاری ہو۔ دو ایک صحت مند بشاش بشاش نظر آ رہے تھے!

میری آمد پر ہوٹل کے ملازم نے پوریوں اور چائے پر مشتمل ناشتہ میز پر سجا دیا۔ ابھی میں نے پہلا ہی لقمہ لیا تھا کہ پچھلے حصے سے چیخوں کی آواز سنائی دی۔ میں نے گھبرا کر سر اٹھایا تو ہوٹل کی ایک میز پر اونگھتی ہوئی سفید فام ہپی لڑکی اچھل اچھل کر کچھ اس طرح تڑپ رہی تھی جیسے کسی نے اُسے ذبح کر دیا ہو۔ اس کی ادھ کھلی آنکھوں میں بے نام سی ویرانی ناچ رہی تھی اور آنکھوں میں زندگی کی چمک معدوم ہو گئی تھی۔ ہوٹل کا مالک کاؤنٹر سے نکل کر ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہوا اس کی طرف لپکا۔ لڑکی نے اُسے دیکھتے ہی اپنے بائیں شانے سے لٹکا تھیلا کھینچ کر کچھ نکالا اور اپنا بازو اس کے سامنے پھیلا دیا۔ ہوٹل کے مالک نے کچھ نہ سنا اور اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھاما اور گھسیٹتا ہوا ہوٹل سے باہر لے گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے لڑکی کو زور سے دھکا دیا اور وہ تڑپتی ہوئی زمین پر گر گئی۔

لڑکی کے ساتھی سفید فام ہپی خاموشی اور بے حسی کے ساتھ یہ سارا کھیل دیکھتے رہے۔

یہ قصہ میری سمجھ میں نہ آ سکا تھا۔ بظاہر ہوٹل کے مالک کا رویہ جارحانہ اور وحشیانہ تھا اور لڑکی مظلوم لگ رہی تھی۔ نہ جانے اس بیچاری کو کیا تکلیف لاحق تھی لیکن ہوٹل والے نے کوئی بازپرس کئے بغیر اسے باہر نکال پھینکا تھا۔ مجھ سے نہ رہا گیا اور میں ناشتہ چھوڑ کر باہر پڑی ہوئی لڑکی

کے قریب پہنچا۔ وہ تقریباً نزع اور بے ہوشی کے عالم میں پڑی کراہ رہی تھی اور اس کے گرد کئی تماشائی جمع ہو گئے تھے! میں نے آہستگی سے لڑکی کا شانہ ہلایا لیکن اس کی حالت میں کوئی فرق نہ پڑا۔ میرا چہرہ بتا رہا ہو گا۔ دیکھ کر ایک پہاڑی لڑکا تیزی کے ساتھ میری طرف آیا اور ہاتھ پھیلا کر ملتجیانہ انداز میں بولا "چیرٹی ۔ چیرٹی فار ہر لائف"۔

میں اس کی بات سمجھ نہ سکا۔ آخر لڑکی کی زندگی کے لئے وہ خیرات کیوں مانگ رہا تھا۔

"اسے کیا بیماری ہے؟" میں نے شستہ انگریزی میں اس سے سوال کیا۔

"خیرات دیتی ہے تو دو۔ بحث نہ کرو۔ بس تھوڑی سی دیر کی جان ہے۔" وہ منہ بنا کر ڈھٹائی سے بولا۔

میں نے پانچ روپے کا نوٹ اس کے بڑھتے ہوئے ہاتھ پر رکھ دیا جیسے بچے کی اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس نے پھرتی کے ساتھ لڑکی کو اپنی بانہوں پر اٹھایا اور ہوٹل کے مالک کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوٹل کے عقبی حصے کی طرف بڑھتا چلا گیا، جہاں ایک دروازے پر بڑے بڑے حروف میں پرائیویٹ لکھا ہوا تھا۔ اپنے فطری تجسس کے تحت میں بھی اس لڑکے کے ساتھ اندر چلا گیا۔ وہاں ایک چارپائی اور چند کرسیوں کے قریب ہی چھوٹی سی الماری بھی موجود تھی۔ بچے نے بے ہوش لڑکی کو چارپائی پر لٹا دیا۔ اسی وقت ہوٹل والا بھی زیر لب کچھ بڑبڑاتا ہوا وہاں آیا۔ لڑکے نے جھٹ پانچ کا نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔ ہوٹل والے نے وہ روپے لے لئے اور الماری کی طرف بڑھتے ہوئے مجھ سے بولا "صاحب! اس حرام زادی سے لو لو اب ادھر سے دفع ہو جائے۔ ادھر مر گئی تو پولیس بلاوجہ اپنا اور ہمارا خراب کرے گی!"

"آخر اسے مرض کیا ہے؟" میں ابھی تک کچھ نہیں سمجھ سکا تھا۔

"ہوگا کیا" وہ ایک بوتل سے کوئی سیال شیشے کی سرنج میں کھینچتا ہوا بولا۔ "یہ سب نشے کے عادی ہیں۔ سالوں کو دن میں مارفیا کے تین انجکشن نہ ملیں تو سسک سسک کر مر جائیں گے مگر پیسہ ایک نہیں کمائیں گے۔"

اب معاملہ میری سمجھ میں آیا۔ ہوٹل والے نے فوراً بے دلی سے لڑکی کے بازو میں سرنج کی سوئی اتار دی اور سارا سیال اس کی رگوں میں پہنچا دیا۔ میں نے قریب سے دیکھا کہ لڑکی کے پورے بازو پر سوئیوں کے بے شمار ننھے ننھے داغ نمایاں ہیں۔

ہوٹل والا لاپرواہ انداز میں الماری مقفل کر کے واپس لوٹ گیا۔ چند سیکنڈ بعد لڑکی نے آنکھیں کھولیں اور بالکل چاق و چوبند چارپائی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا کہ یہ وہی لڑکی ہے جو ذرا دیر پہلے نزع کے عالم میں سسک رہی تھی۔

"ان صاحب نے تمہارے لئے پانچ روپے کی بھیک دی تھی۔" پہاڑی لڑکے نے بے نیازی سے باقی ماندہ دو روپے اس لڑکی کی طرف بڑھاتے ہوئے میری جانب اشارہ کر کے کہا۔ لڑکی کے چہرے پر اس وقت زندگی کی ہلکی سی چمک نمایاں تھی۔ اس نے بڑی بڑی آنکھوں سے احسان مندی کے ساتھ مجھے دیکھا اور دھیمی آواز میں بولی "کیا آپ مزید ایک روپیہ مجھے خیرات نہیں کریں گے؟ تاکہ میں دوپہر تک دوسرا انجکشن لے کر آج کا دن سکون سے گزار سکوں؟"

میں نے حیرت اور ملامت بھری نظروں سے اس جسم فروش نوجوان لڑکی کو گھورا اور بغیر ایک لفظ کہے پیسہ اس کو دے کر باہر آ گیا جہاں میرا منتظر تھا۔

وہ لڑکی اس کمرے سے نکلتی ہوئی باہر آئی اور اپنی جگہ پر جا بیٹھی۔ اسے دوبارہ وہاں بیٹھے دیکھ کر ہوٹل والا خطرناک تیور بنا کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اسی وقت لڑکی نے تین روپے جیب سے نکال کر اسے دکھائے اور وہ سر جھکا کر واپس کاؤنٹر پر چلا گیا۔

ناشتے کے دوران میں نے دیکھا کہ وہ تیز تیز باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ امید بھری نگاہوں سے بار بار میری طرف دیکھ رہی ہے۔ اس سے گلو خلاصی کے لئے میں نے اس کی طرف توجہ ہی ترک کر دی۔ ناشتہ ختم کر کے اور پیسے ادا کر کے باہر آ گیا۔

میرے جانے سے بڑا مسئلہ اس سوٹ کیس کو کہیں ٹھکانے لگانا تھا جس میں میری کل پونجی موجود تھی۔ اسی کی وجہ سے میں پولیس کی نظروں میں مشکوک ہو سکتا تھا۔ میری پوری کوشش یہی تھی کہ میں کراچی سے باہر جاؤں اور پیسہ چھپا کر پولیس کی دسترس سے بچا سکوں۔

لی مارکیٹ کے قریب بازار میں گھومتے ہوئے آخرکار مجھے ایک ترکیب سوجھ ہی گئی۔ میں نے بازار سے سلے سلائے کپڑے کے کئی جوڑے خرید کر ایک نئے سوٹ کیس میں ڈالے اور ایک گھٹیا سے ہوٹل میں جا کر کمرہ لیا۔ کمرے کا کرایہ پانچ روپے روزانہ تھا۔ اس گندے کمرے میں شاید عام حالات میں ٹھہرنا بھی پسند نہ کرتا لیکن اب یہاں رہنے پر مجبور تھا۔ پولیس والے شاید سوچ بھی نہ سکتے ہوں گے کہ میں کسی ایسی جگہ پناہ لوں گا۔

نہا دھو کر میں نے لباس تبدیل کیا اور ملازم سے اخبار منگوایا۔ پہلے ہی صفحے پر جلی سرخیوں میں کسٹم والوں کے کامیاب چھاپے کی خبر تھی۔ بمشکل سرحد سے فرار کی کوشش کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا اور پولیس کو توقع تھی کہ وہ بہت جلد اس بین الاقوامی گروہ کے سرغنوں تک جا پہنچے گی۔ تفتیش کے سلسلے میں پولیس پوری رازداری سے کام لے رہی تھی اور اخبار والوں نے اپنے طور پر سونا اسمگل کرنے کے اس نرالے طریقے پر کھل کر قیاس آرائیاں کی تھیں اور کسٹم والوں پر بھی کھل کر تنقید کی تھی جن کے ہاتھوں سے غیر قانونی سونا گزر کر ملک میں آتا رہا۔

بین الاقوامی گروہ کی ترکیب پڑھ کر میں بے اختیار مسکرا دیا تھا۔ مجھے اس بات پر فخر کا احساس ہوا کہ میری ذہنی صلاحیتوں نے پولیس کو غلط راستے پر ڈال دیا تھا۔ اسی خبر کے نیچے ایک اور بھی متعلقہ سرخی تھی اور رپورٹ میں ایک مشکوک کار کے تعاقب اور فرار کی سنسنی خیز کہانی۔ پولیس نے مفرور کے بارے میں کسی قسم کی رائے زنی سے انکار کیا تھا۔

شام کے وقت میں سادہ شیشوں کی عینک اور ٹوپی لگا کر پاجامے میں ہوٹل سے باہر نکلا۔ مجھے یہی خوف تھا کہ کہیں میرا سوٹ کیس ہوٹل والوں کو میرے متعلق شبہے میں مبتلا نہ کر دے۔

میں گیارہ دن تک اسی غلیظ ہوٹل میں مقیم رہا۔ اس دوران میرے چہرے پر خشخشی ڈاڑھی بھی اگ آئی تھی اور میری شناخت بظاہر ناممکن ہو کر رہ گئی تھی۔ میں دن بھر ہوٹل سے باہر رہتا تھا اور رات میں خاموشی سے اپنے کمرے میں سو جاتا تھا۔ شراب اور جوئے کی عادتوں نے اس عرصے میں مجھے بہت پریشان کیا۔ شراب تو خیر میں باہر بھی پی سکتا تھا لیکن اپنے معیار کا جوا کھیلنے کا کوئی موقع نہ مل سکا۔

اس دوران میں تین مرتبہ میں سنگھو مل بھی گیا مگر تینوں مرتبہ کہیں سراغ نہ مل سکا جو مجھے فرار کی پہلی رات وہاں ملا تھا۔ بارھویں دن اخبار میں میرے بارے میں ایک چھوٹی سی خبر چھپی۔ پولیس نے میرے فرار کے اگلے دن ہی سنگھو مل کے علاقے سے جعلی نمبر پلیٹ والی کار برآمد کی تھی اور اب ان کا خیال تھا کہ میں سرحد کراس کر کے فرار ہو چکا ہوں۔ یہ خبر پڑھ کر میں نے اطمینان کا گہرا سانس لیا اور سوچا کہ اب مجھے اپنی بدلی ہوئی وضع قطع میں نکل جانا چاہیے۔ اسی ارادے سے میں نے تاشا سیٹھ سے ملنے کا فیصلہ کیا۔ اس کی فرم سامان کی تقسیم کا کام کرتی تھی۔ میں نے ہوٹل سے اترکر بس پکڑی اور سیدھا اس کی فرم پر جا اترا۔ میں نے حفاظت کی غرض سے گزرتے ہوئے تاشا سیٹھ کی فرم پر نظر ڈالی۔

میں نے ایک بار پھر اپنے اقدام کے بارے میں سوچا۔ اول تو مجھے قطعی یہ توقع نہیں تھی کہ وہ مجھے پہچان لے گا اور دوسرا پہچان بھی لیتا تو پولیس کو باخبر کرنے کی کبھی ہرگز جرأت نہ کرتا۔ میں آفس میں داخل ہوا تو ایک میز پر ایک لڑکی میری طرف متوجہ ہوئی لیکن میں اندرونی حصے میں تاشا سیٹھ کی میز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"السلام علیکم!" میں نے اس کے سامنے رک کر شستہ انداز میں کہا۔

اس نے سلام کا جواب دیتے ہوئے چونک کر نظریں اٹھائیں اور سوالیہ انداز میں میری طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے بہترین قسم کے ڈور لاک کی ایک بڑی تعداد درکار ہے۔"

میں نے جلدی سے کہا۔ وہ جس انداز میں میری طرف دیکھ رہا تھا اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میرے چہرے پر کوئی خاص بات دیکھ چکا ہے اور اب اپنا حافظہ کرید رہا ہے!

"تشریف رکھئے!" اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔ "آپ کو کتنی تعداد کی ضرورت ہے؟"

"ساڑھے دو سو کے قریب!" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔

"آئیے اوپر کیبن میں چلیں!" اس نے اچانک اٹھتے ہوئے کہا اور مجھے اس کی تقلید کرنی پڑی۔

وہ کیبن تاشا سیٹھ کی آرام گاہ تھا جہاں وہ دوپہر کے کھانے کے بعد قیلولہ کیا کرتا تھا۔ وہاں بڑا فرش قالین بچھا ہوا تھا جس پر جا بجا گدے بچھے ہوئے تھے۔ تاشا سیٹھ نے ایک ملازم کو کچھ تالوں کے نمونے لانے کی ہدایت کی اور خود غیر ارادی طور پر ایک تاشوں کی گڈی پر پیچھے پھیرنے لگا اور میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

"کیا آپ کو یہ تالے کیبن سپلائی کرتے ہیں؟" تاشا سیٹھ کے چہرے سے اب الجھن دور ہو چکی تھی۔

"نہیں مجھے کوئٹے میں سرکاری رہائشی تعمیر کا ایک بڑا ٹھیکہ ملا ہے یہ سارے تالے اسی سلسلے میں درکار ہیں!" میں نے جلدی سے کہا۔

"ہول سیل میں آپ کے معیار کا ایک تالا کسی بھی قیمت سے کم نہیں ملے گا" وہ سوچتے ہوئے بولا۔

پھر کئی قسم کے تالے سامنے آ گئے اور ہم ان کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ باتوں ہی باتوں میں تاشا سیٹھ نے اپنے ہاتھ میں تھامی ہوئی تاشوں کی گڈی قالین پر سیدھی رکھ دی۔ ہماری گفتگو جاری رہی لیکن میرا ذہن تاش کی گڈی میں الجھا ہوا تھا۔ وہاں سب کے اوپر چڑیا کا غلام میرا منہ چڑا رہا تھا۔ کئی بار میرا جی چاہا کہ گڈی اٹھا لوں مگر کسی خیال کے تحت باز ہی رہا۔

پھر ستارہ سیٹھ ایک نئے کا اسٹاف بیٹھنے کے لئے کچھ کا غلاف کی طرف متوجہ ہوا۔ میں نے اس پیلٹ کے نا... گاڑی اٹھالی اور سرسری انداز میں اُس کا جائزہ لیتے ہوئے حاکم کی بیگم سب سے اوپر رکھ کے وہ گڈی اسی طرح واپس قالین پر رکھ دی۔ گڈی رکھ کر میں نے سر اوپر اُٹھایا تو ستارہ سیٹھ کو اپنی جانب نگران دیکھ کر سٹپٹا گیا۔ اُس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی اور آنکھیں غیر معمولی طور پر چمک رہی تھیں۔ شاید وہ شروع ہی سے میری بے چینی نوٹ کر رہا تھا اور تاش کو چیک کرنے کے بہانے اُس نے خود مجھے موقع فراہم کیا تھا!

میں نے اپنی کمزوری پر دل ہی دل میں لعنت بھیجی۔ مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا میرے سامنے تاش کی بازی میں واقف تھے کہ میں شعوری اور لاشعوری طور پر بیگم بند گڈی میں حاکم کی بیگم سب سے نیچے لگانے کا عادی ہوں اور ستارہ سیٹھ نے شاید میرے بارے میں اپنے شبہ کی تصدیق کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا تھا!

میں نے سوچا کہ اب شاید وہ بتیجہ نکال کر بتا سے گا کہ وہ مجھے پہچان چکا ہے مگر ستارہ سیٹھ نے میری طرف دیکھنے کے بعد دوسری باتوں کے موضوع پر آ گیا۔ اُس کے انداز... نے مجھے سخت الجھن میں ڈال دیا نہ جانے اس کے ذہن میں کیا منصوبے تھے؟ یہ بات تو کافی حد تک یقینی تھی کہ وہ مجھے پہچان چکا ہے۔ میں نے جلدی جلدی بازی ختم کی اور وہاں سے اُٹھ کھڑا ہوا جیسے مجھے اس کی جانب سے شبہ ہوا تھا میں جلد از جلد اس کے دفتر سے نکل جانا چاہتا تھا جو مجھے پنجرے سے چوہے دان ثابت ہوتا نظر آ رہا تھا۔

او پردا کے کیبن سے نکلتے ہوئے ستارہ سیٹھ میرے قریب آیا اور شانے پر ہاتھ رکھ کر سرگوشیانہ لہجے میں بولا "صفدر بھائی یہاں حاکم بیگم تم کو مروا دے گا... دوبارہ آج کل ادھر آ... تو... سارے شہر کا پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔ کیا فائدہ... ساتھ ہم سا لگیں مارا جائے گا... ایکلا نیچے ہی رہنا... جیرا!"

میں نے پلٹ کر بے یقینی سے اُسے گھورا "تو مجھے دیکھتے ہی تمہیں شبہ ہو گیا تھا؟"

"شک تو پڑا تھا... پر حاکم کی بیگم نہ ہوتی تو کوئی مائی کا لال تم کو نہیں پہچان سکتا تھا۔" وہ ذرا بھی ہنس کر بولا "ابھی یہ لو کو کام کیا تھا دو چار سو کا ضرورت ہے تو ہم حاضر ہوں!"

کاروبار کے سلسلے کا ذکر کرتے ہی میں سمجھ چکا تھا کہ وہ میری

آمد کو کیا سمجھ رہا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ میں اس سے کچھ رقم لینے آیا ہوں اور باتی سیٹھ کے بیچ نظر اس نے بیٹے سے... ہوشیاری کرتے ہوئے دو چار سو کی پیشکش کر ڈالی تھی۔

"صفدر کے دل میں غرور ہے... مگر میں نے..."

میں زہریلے لہجے میں کہہ کر سیڑھیاں اُتر چلا آیا۔ میرا جی تو چاہ رہا تھا کہ ستارہ سیٹھ کا ٹیٹوا دبا دوں لیکن اس وقت کوئی ایسی حرکت خودکشی کے مترادف تھی۔ میں خاموشی سے ان کی دکان سے باہر آیا اور... اس وقت شام کے چھ بج رہے تھے۔ شہر کی ہنگامہ خیز...

دھندلکوں میں ڈوب چلی تھی۔ ستارہ سیٹھ کے رویے سے طبیعت... کر دی تھی کہ میں سیدھا بمبیوں والے ہوٹل کی جانب رجوع ہوا۔ وہاں آ کر ایک تبدیلی نظر آئی۔ وہ کسی بھی لڑکے کا ہوٹل کو سامان... مجھے یقین تھا کہ ہوٹل والے نے انہیں اور وقت کھانے کے عوض اُن کے حقوق خرید لئے ہوں گے۔ ان دونوں کے علاوہ آج ہوٹل میں... موجود نہیں تھی۔ میں کچھ دیر تک ایک خالی میز پر بیٹھا سگریٹ پیتا رہا... ریکارڈنگ کا تیز شور میری سماعت پر بار بار اثر... سوچ رہا تھا کہ ستارہ سیٹھ سے اُس کے مخبر... کا انتقام کس طرح لوں۔ مجھے وہاں بیٹھے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک سیاہ فام خوبرو لڑکی رنگ برنگے لباس میں... لباس میں... اور چہرہ... جو رہا تھا۔ اس لڑکی نے سفید میں... ہوٹل والا کاؤنٹر کے ساتھ... کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

چند منٹ بعد وہ لڑکی بالکل... باہر آئی اور ہوٹل سے نکل گئی۔ میں نے بھی کاؤنٹر پر... جلدی سے بل دیا اور اس کے تعاقب میں چل پڑا۔ ... مجھے آگے اسٹینڈ کے قریب میں اُس کے قریب جا پہنچا اور اُس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اس نے ایک بار بے نیازی سے میری طرف دیکھا اور... کے انداز میں...

"آج کی رات کیا تم میرا مہمان بننا پسند کرو گی؟" میں نے انگریزی زبان میں سرگوشی کی۔

جواب میں... کا... تھا۔ اُس نے... لیکن بتانے کے بجائے مجھے گھورا پھر لڑکی تو ... کرتے ہوئے گاہکوں کی تو پیچھا کر دی۔ میرے اوسان خطا ہو گئے... سوچنے لگا لیکن اس بے باک لڑکی نے میرا گریبان پکڑ لیا اور مجھے

جھکے ہاتھ پکڑ لئے... کچھ سٹ پٹا کر... وہ لڑکی وہاں کھڑی مجھے انگریزی کی گالیاں دیتی رہی۔ تماشائی مجمع بھی ... کی گرفت سے ... اور میرا بس چلتا تو میں زمین میں دھنس جاتا۔

یہ تماشا چند منٹ ہی جاری رہا۔ دو پولیس والے گشتی جیپ سے آئے اور کوئی پوچھ گچھ کئے بغیر ایک نے میری گردن دبوچی اور دوسرے نے پیٹ میں دو تین گھونسے لگائے۔

تماشائیوں میں سے ہی ایک ترجمان بھی پیدا ہو گیا جس کے ذریعے لڑکی نے پولیس والوں کو بتایا کہ میں نے اغوا کر کے اس کی عصمت دری کی نیت رکھتا تھا۔

گواہی کے بعد ترجمان سمیت ساری بھیڑ کھسک گئی اور پولیس والے مجھے پکڑ کر تھانے کی طرف لے چلے۔ وہ لڑکی بھی اُن کے ساتھ ہی تھی۔

پورے شہر کی پولیس کو کامیابی کے ساتھ دھوکہ دیتے رہنے کے بعد میں خود ہی اپنی شامت کو دعوت دے بیٹھا تھا۔ مجھے ڈر تھا ہی جہاں میں کے پیچھے ہیں پولیس میری اصلیت سے آگاہ نہ ہو جائے پھر تھانے کے راستے میں گڑگڑا کر ان دونوں کو معقول رشوت کی پیشکش کی جس پر اُن میں سے ایک کا رویہ قدرے نرم ہوا لیکن دوسرا ... کوئی متبع معلوم ہوتا تھا... میں نے اُن کی بار بار ... کہ جیب میں... لگا اور اس نے ... کر کے ... حوالات کے حوالے کر دیا۔

وہ ... زندگی کا ... تھی...

... حوالات کے ... میں ... سوچ رہا تھا...

... کہ اس کے ... تھانے کی ... مجھے بار بار ... سے ... کی ... اور ... سے ... تھی... ... تو ... کے ساتھ ... کر ... کے ... نکل جائے۔

"... حوالات میں ... ہی ... تھی..."

... دونوں ... کے ... کو ... ... تھا ...

... کے ... ...

آخر ... تھا ... کہ ... سے ...

... کو ... کیا۔

اُس مسکراہٹ کا بھری نظروں سے میری طرف دیکھا اور روکھے لہجے میں بولی۔ "کیا بات ہے؟"

"جو کچھ ہوا اس پر مجھے سخت افسوس ہے۔"

"خاموش رہو ورنہ یہ بات تمہاری زبان کے ٹکڑے کر دوں" ایک سپاہی نے میری گردن پر ہاتھ مارتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا۔

اس بار میں ضبط نہ کر سکا... جیسے ہی قدم بڑھ گئے اور ... نظروں سے باری باری اُن دونوں کو گھورنے لگا۔

شاید پیار و محبت کی ان کے لئے غیر متوقع تھا۔ وہ ایک لمحے کو گھبرائے ہوئے نظر آنے لگے اور دوسرا سپاہی جلدی سے بولا "اگر اب لڑکی سے بدتمیزی کی تو..." اس نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"میرا اور اس کا آپس کا معاملہ ہے تم بیچ میں نہ آؤ" تم دونوں مجھے بات کرنے سے نہیں روک سکتے۔ پولیس کی شکایت کرنے کو تم جو چاہو... کر سکتے ہو۔ ... مجھ سے ... نہیں ...

"تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا... اس پر مجھے بھی افسوس ہے... لیکن ... کے بعد ... نے ... سوال کا جواب دیا۔

"تم غور کرو تو اس میں میرا قصور نہیں ہے" میں نے بیٹھ کر ... بتایا کہ ... آئے ... بہت سی لڑکیاں چند ٹکوں کے عوض اپنا جسم فروخت کرتی ہیں... آتا ... وقت... کیا تمہیں غلط فہمی ہو گئی؟"

"پولیس والوں کے مطابق تم ... ہمارا ... غلط نہیں ہے... جیسے ... تمہاری ... ہوں..."

وہ ... اس ... لڑکی ... تھی...

... کیا ... اس ... کو ... کر ... آؤں؟

"... میں ... خدمات ... گزر جائیں گے۔"

"تمہاری ... ہے... ... ساتھ ... سکتے ہیں جو ... جاتا ہے؟"

وہ جواب میں کچھ نہ بولی

دونوں سپاہیوں کا اس دوران ... تھا کہ وہ مجھے اس طرح ... بیٹھے ... وہ ... رہے ... جو ... نام ... تھی... اس لئے ... کہ ... میرا اس لڑکی سے ... رہا تھا ... کا ... اور ... ہوں۔

"خاتون! میں ... ہوں ... کی ... کی ... تم ... کر ... ہوں ... ... میں ... کے ... اسی طرح ... دیکھ ... تم

گھسا دی گئی۔"

"نہیں!" اس نے فیصلہ کن لہجے میں سر جھٹک کر کہا۔ "تم صورت ہی سے مجھے بدمعاش لگتے ہو۔ تمہاری گفتگو سے مکاری ٹپک رہی ہے۔ میں ہرگز معاف نہیں کر سکتی۔"

اس کا یہ جواب متوقع تھا۔ مجھے بہت خالی کی بے رحم ساحرانہ آنکھیں مستقل گھورتی نظر آ رہی تھیں۔ پھر میں بھی ایسے شخص کی اور حال کے بارے میں فکر مند تو ہو ہی رہی تھی گی۔ ظاہر ہے کہ میں بھی گوشت پوست کا ہی انسان ہوں۔ کب تک اس تشدد کو برداشت کر سکتا وہ ہوٹل میں بیٹھا ہوا کسی بہانے سے دو تین دن سے گھورتا رہا۔ وہ ہجرا ہوا سو گیا کیس بن جاتا ہے۔ جب میں اپنے آپ کو بڑی بدتمیز بن سکوں گا۔

میں انہی خیالات میں گم تھا کہ جانے کیا ہوا۔ وزیر نام کا ایک آدمی سفید نام لڑکی کے دیدار کے لیے آئے کہ لوگ جمع ہونے لگے اور میں آنکھوں کا تماشا بنا رہا۔

تھوڑی دیر بعد جب تک تھانے کا انچارج علاقے کے گشت پر گیا ہوا ہے۔ اس کی جگہ سب لے۔ اے ایس آئی نے مجھے اپنی تحویل میں لے لیا۔ دونوں سپاہی اوپر رہ گئے اور اے ایس آئی نے مجھے اس لڑکی سمیت ایک شکستہ کرسی بیٹھا دیا جہاں ایک بوسیدہ میز اور بنچ موجود تھی۔

اے ایس آئی نے لڑکی کو بنچ پر بیٹھنے کے لیے کہا تو وہ منہ بنا کر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے ایک نظر ڈالی اور بولی۔ "مجھے نہیں معلوم کتنی دیر تک رکنا ہے مجھے کیا انتظار کرنا ہے؟"

اے ایس آئی کے منہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ مسکراہٹ چھپی گئی اور وہ ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں بولا۔ "انچارج صاحب ابھی آتے ہی ہوں گے۔ دراصل ان کی اجازت کے بغیر کوئی ایف آئی آر نہیں کٹتی۔"

لڑکی چہرے پر ناگواری کے تاثرات لیے بنچ پر بیٹھ گئی۔

"کیوں بے۔ تم لڑکیاں چھیڑتے ہو؟ لڑکیوں کو چھیڑنا کیا ہے!" اے ایس آئی نے بینچ میں گھماتے ہوئے تیز اور درشت لہجے میں بولا۔

"میں معزز آدمی ہوں۔ ... لڑکی کو میری طرف سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے اپنی غلطی پر ان سے معافی بھی مانگی ہے۔"

"ہاں معزز آدمی تمہارا نام کیا ہے؟" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

میرا دل بے اختیار دھڑک اٹھا۔ اس نے پہلے ہی سوال میں میری دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ میرا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ میں چند لمحے خاموش رہا۔ پھر سوچ کر بولا۔ "میرا نام ... ہے۔ میں کل ہی اس شہر میں آیا ہوں۔"

"وہاں کہاں رہتے ہو؟" اس نے اسی انداز میں پوچھا۔

میں نے بلا توقف ایک ہوٹل کا نام بتایا جہاں میں کمرے میں رہ رہا تھا۔ وہ خاموش ہو کر لڑکی کی طرف دیکھنے لگا جو بڑی ناگواری سے دیکھے جا رہی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ بھی زرد پڑ گیا تھا اور پیشانی پر پسینے کے

نتھے ننھے قطرے چمکنے لگے تھے۔

"آپ کا نام کیا ہے مس؟" انسپکٹر نے آخرکار لڑکی سے بات کرنے کا بہانہ تلاش کر لیا۔

"جیکولین ... مس جیکولین اسمتھ!" وہ مضطربانہ انداز میں پہلو بدلتے ہوئے بولی۔

"آپ کا تعلق کس ملک سے ہے؟" اے ایس آئی نے غیر متعلق گفتگو پر راغب نظر آ رہا تھا۔

"برطانیہ سے۔" وہ بے زاری کے ساتھ بولی۔

"مجھے برطانیہ کے لوگ بہت پسند ہیں۔ وہ جیسے اصول پسند اور محنتی لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ میرے والد صاحب بھی انڈین پولیس فورس میں تھے۔ انہیں اپنے افسر کی لڑکی بہت پسند تھی۔ پھر دونوں نے شادی کر لی۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران جب سب چلے گئے تو ابا کی داستان پر بڑی مصیبتیں آئیں۔ ان کے ساتھ کیا ہوا، بہت کچھ ... کا بہت صدمہ ہوا۔ پھر انہوں نے میری ماں سے شادی کر لی۔ شاید میرے سوتیلے ... ان کی برمنگھم میں ایک بہت بڑا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ ان کا نام ... تھا۔ مگر میرے والد صاحب ہمیشہ میری نگرانی ... "

"آفیسر پلیز!" وہ اکتا کر بولی۔ "میرا وقت ضائع ہو رہا ہے۔ مجھے بہت ضروری کام ہے۔ وہ شاید اب ایک منٹ بھی یہاں نہیں رک سکتی۔"

"اوہ!" وہ بوکھلا کر سیدھا ہو گیا۔ "آپ اپنا بیان قلم بند کرا دیں۔ پھر آپ چلی جائیں۔ ضرورت ہوئی تو ہم خود آپ کے پاس حاضر ہو جائیں گے۔"

"نہیں۔ مجھے اس وقت شاید غلط فہمی ہوئی تھی۔ مجھے اس شخص سے کوئی شکایت نہیں ہے۔" وہ پولیس کے رویے سے اکتا گئی تھی، اسی لیے نرمی سے بولی۔

خوشی سے میرا دل اچھل پڑا۔ دیکھا انسپکٹر صاحب۔ میں نے کہا تھا۔"

"چپ بک بک کر!" وہ جھلا کر مجھ سے بولا۔ پھر لڑکی سے مخاطب ہوا۔ "آپ کو آنے کی زحمت نہ ہوگی۔ بس ایک بار بیان دے دیں۔ ہم خود ہی اس سے اقبال جرم کرا لیں گے۔"

"آپ تو اقبال جرم کرا لیں گے مگر یہ شخص بے قصور ہے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی پھر میرے قریب آ گئی۔ "مسٹر مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کو زحمت ہوئی۔ کیسے میں آپ کو گھر پہنچا دوں؟"

اس کا چہرہ ماہ کامل کی طرح چمک رہا تھا اور وہ چہرہ جیسے میں دیکھتا جا رہا تھا۔

وہ اسسٹنٹ سب انسپکٹر اسے روکتا ہی رہ گیا لیکن اس نے میرا ہاتھ تھاما اور تیزی کے ساتھ تھانے سے باہر نکلتی چلی آئی۔

"میں نے تمہارے ساتھ جو سلوک روا رکھا ہے اس کے لیے مجھے امید ہے کہ

اس کا حل اچھا ہی دو گے۔ اس وقت مجھے ایک ٹیکسی کی ضرورت ہے۔ ذرا ٹیکسی روک دو۔"

میرے دل میں اس لڑکی کے لیے بے پناہ عزت کا جذبہ امڈ آیا۔ میں نے ہوٹل کے سامنے جا کر خود ہی ایک ٹیکسی روک لی تھی۔

میں نے شائستگی سے ٹیکسی روکی۔ وہ دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی میں اس کے پہلو میں جا بیٹھا۔

لڑکی نے پاس بیٹھتے ہی اپنے ہوٹل کا نام لیا۔

"صاحب پہلے آپ بتا دو۔ ہم ادھر نہیں جائے گا۔" ڈرائیور نے مڑ کر کہا۔

"بہتر ہے۔ دیر زیادہ ہو گئی۔ اس لڑکی کی طبیعت بہت خراب ہے۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"ہمارا بھی طبیعت خراب ہے۔ ٹیکسی ٹوٹ رہا ہے۔ جلدی سے پہنچو ورنہ ہم پہلے گھنٹہ سے اپنا کام کر سکتا ہے۔"

اس وقت سواری ملنا دشوار تھی۔ جیسا اس کی شرط تھی۔ اسی جگہ اور اس نے تیزی کے ساتھ ٹیکسی گھما دی اور ایک گلی میں گھسا دی۔

یہ سفر زیادہ دیر جاری رہا اور ٹیکسی ایک ہوٹل کے سامنے جا رکی جہاں بہت سی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ چند ملازم دوڑ دوڑ کر ان کا دروازہ کھول رہے تھے۔

ٹیکسی رکتے ہی لڑکی نے کھڑکی سے سر نکالا اور قریب سے بہت تیز آواز میں پکار کر کہا۔ "جلدی سے ایک چائے لاؤ۔ ادھر یہ صاحب کی طبیعت خراب ہے۔"

"یہ یہاں کیا کر رہا ہے۔ اس سے کہو جلدی چلے۔ ذرا جلدی ورنہ یہاں مجھے ہوٹل میں تماشا بن جاؤں گی۔" وہ لڑکی پریشان لہجے میں بولی۔

"ڈرائیور نشے میں ہے۔ وہ نشہ اترے بغیر یہاں سے نہیں جائے گا۔"

"اوہ!" وہ بوکھلا کر مضطربانہ لہجے میں بولی۔ "وہ کتنا وقت لے گا۔ میرا خود ٹوٹ رہا ہے۔ اگر مجھے فوراً دوا اور آرام نہ ملا تو میں کسی کونے میں ڈھیر ہو جاؤں گی۔"

میں نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔ اسی وقت بیرا والا کھولتے ہوئے چائے کی پیالی لے آیا۔

"اوہ شکریہ۔" ڈرائیور نے بے صبری کے ساتھ پیالہ لے کر گھونٹ لیا۔

"بار جاسوس، تم کہیں بھی لے جاؤ۔" میں چڑ کر بولا۔

"یہ ہوٹل جانے سے پہلے تم بھی پیو اور پتی پیو تو بھی دو۔ اس کا چائے کا مزہ ڈرائیور بھی آ کر کہنے لگا۔ ادھر تو ہم خراب ہو گئے ہیں۔ ہم بھی سکون سے چائے پیتا ہے۔ مگر جو مال پہلے کھڑی ہیں ان میں کچھ بھی ملتا ہے۔ ادھر بھی آ گیا ہے، تمہارا ہوٹل سے دور ہے۔ آنکھ کھولو تو ہم بھی ہو جاتا۔"

میں خاموش ہو گیا۔

ڈرائیور نے چائے ختم کر کے پیالی میں گھونٹ ڈالی اور نشے میں

مکمل کر ٹیکسی آگے بڑھا چلا گیا۔

ٹیکسی سے اتر کر وہ لڑکی مجھے ساتھ لے کر تیزی سے ہوٹل میں داخل ہوئی اس کی حالت دیکھی جیسے وہ ایک بہت بڑی ہستی تھی جو اس کے گھر چلا آیا۔ اسے دیکھ کر میں بھی بستر پر بیٹھ گئی۔

اس کی حالت اس وقت بہت ابتر تھی۔ سارا جسم پسینوں میں بھیگا ہوا تھا، سانس بے ترتیبی سے آ رہا تھا اور چہرے پر وحشت سا طاری تھا۔

"اس میں ... اس میں ... دوا کی شیشی اور سرنج موجود ہے!" وہ اپنے پرس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جیسے چیخ کر بولی۔ "مجھے فوراً دوا کا انجکشن چاہیے۔"

میں نے پرس کھول کر سرنج اور شیشی نکالی اور حیران نظروں سے اس کا جائزہ لینے لگا۔

"جلدی کرو مجھے دو۔" وہ خوف زدہ انداز میں چیخی۔ "میرا سارا بدن ٹوٹ رہا ہے۔" اس کی آواز میں شدید لجاجت نمایاں تھی۔

وہ اپنی عمر سے اس وقت بہت برسوں کی بیمار لگ رہی تھی۔ اس نے ... ایک احسان بھی کیا تھا مگر وہ بھی خوبصورت ... جس نے ... میرے ... اب وہ میرے رحم و کرم پر تھی۔

وہ سانس بے ترتیبی سے لے رہی تھی۔ مگر اس کا بدن کسی بے جان کھلونے کی طرح میرے رحم و کرم پر تھا۔ میرا ایمان ابھی درست ہی تھا۔ سب کچھ کہا۔ اس بد نصیب لڑکی کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ دوسری لڑکیوں کے برعکس یہ اپنی عصمت کے بارے میں ... نشے ... دور کرنے کے بعد میں نے شیشی سے سرنج میں دوا بھری اور اس کے بائیں بازو میں انجکشن لگا دیا۔ جہاں سوئیوں کے بہت سے باریک اور سیاہ نشان نمایاں تھے۔

اس کے بعد وہ ہوش میں آ گئی، میں اسے بستر پر لٹا کر اپنے ہوٹل سے روانہ ہو گیا۔ میرے جسم اور ذہن پر ایک عجیب سی آسودگی چھائی ہوئی تھی۔

رات بھر مجھے بہت دیر تک نیند نہیں آئی۔ میں اپنے ہوٹل واپس پہنچا۔ میں نے کھانا کھایا اور اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ بستر پر لیٹا تو جسم کا ذرہ ذرہ ٹوٹ رہا تھا۔ میرے ذہن میں ... اور ... اب بھی ...

کچھ دن تو میں نے اپنے قریب ہی رکھا تھا مگر ... پھر ... اس ... ہوٹل کو چھوڑ دینا تھا۔ اخبار میں ... اشتہارات دیکھے ... اور ... اشتہارات نظر آ گئے۔ وہ صاحب ... میں نے ان سے ... رابطہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہوٹلوں کے ... سے وہ جگہ زیادہ ... تھی۔

میں دوپہر کے ... بیٹھا تھا۔ ... قریب ہی

دوسرا عادت جو شغل میں مسٹر جمیل پر کوئی بھی آئی ہو جو چلاتی تھی وہ اخبار میں اسی نے اشتہار دیا تھا۔

پھاٹک پر چوکیدار نے گہری نظروں سے میرا جائزہ لیا اور پھر مجھے اندر لیتا چلا گیا۔ برآمدے میں دو نوجوان آرام کرسیوں پر دراز اخبار پڑھنے میں مصروف تھے۔ ان میں سے ایک مشرق وسطیٰ کے کسی عرب ملک کا باشندہ لگتا تھا دوسرا کوئی ایرانی یا مقامی نوجوان تھا۔ مجھے دیکھ کر ان دونوں نے سرگوشی میں ایک دوسرے سے کچھ کہا پھر وہ معنی خیز انداز میں مسکرانے لگے۔ میں ان کے قریب سے گزرا تو وہ دوبارہ مجھ سے لاتعلق نظر آنے لگے۔

مجھے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چوکیدار مسز جمیل کو اطلاع کرنے چلا گیا۔ میں نے کمرے کا جائزہ لیا تو وہ بہت سلیقے سے سجایا گیا تھا۔ پورے فرش پر دبیز [illegible] کا خوبصورت قالین بچھا ہوا تھا جو ایرانی لگ رہا تھا۔ صوفہ سیٹ بھی [illegible] آرام کرسیاں، ایک ریڈیو گرام اور [illegible] آرائشی چیزیں [illegible] سجایا ہوا تھا۔ ڈرائنگ روم سے ملحق کھانے کا کمرہ تھا جہاں [illegible] کی ایک میز لگی ہوئی تھی جس پر تازہ پھولوں کے گلدستے سجے ہوئے تھے۔

مسز جمیل کے آنے سے پہلے ہی ایک ملازم مشروب کا گلاس لے آیا اور وہ گلاس [illegible] مکان [illegible] آ پہنچی۔ اس [illegible] کھڑا ہو گیا۔ اس نے بڑی خوش [illegible] سے [illegible] ساتھ مجھے [illegible] دیا۔ [illegible]

"شاید آپ مسز جمیل ہیں [illegible]" میں نے گفتگو شروع کی۔ "مجھے میر علی [illegible] میں [illegible] مناسب سمجھا۔"

"ہاں۔ مجھے [illegible] معلوم ہے [illegible] میں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے۔

[illegible]

"[illegible] منزل پر چار [illegible] جو [illegible] وقت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ڈرائنگ روم [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

"آپ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] نقصان [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

پڑھتی کتنی ہوں کہ یہ مجھ کو وہیں سے کوئی اجازت حاصل نہیں کر سکے گی...

"شاید آپ شراب تو نہیں پیتے؟"

اس نے آخری سوال اس قدر غیر متوقع طور پر کیا کہ [illegible] میری گردن اثبات میں ہل گئی۔ میں نے دل ہی دل میں خود پر لعنت بھیجی مگر جمیل کی آنکھوں میں چمک دیکھ کر مجھے کام بنتا نظر آنے لگا۔

"یہ خوشی کی بات ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "دراصل بعض لوگ [illegible] بیشتر امنا پسند نہیں کرتے اس لئے میں نے یہ بات پوچھی تھی۔ [illegible] شراب کی رسیا ہوں اور نہیں چاہتی کہ کوئی پارسا کرائے دار یہاں آ بسے اور میری شراب نوشی کے [illegible] کرب میں مبتلا کر دے۔"

"شاید دوسرے کرائے دار بھی......!"

اس نے میری بات درمیان ہی سے اُچک لی۔ "ہاں ہاں۔ وہ سب شراب کے رسیا ہیں بلکہ [illegible] اور [illegible] لوگ ہیں۔ [illegible] کی روایات سے ہٹ کر [illegible] رات [illegible] [illegible] وہ کافی ہے تاکہ وہ دوست کرائے دار ان سے متعارف ہو سکے!"

"کرائے وغیرہ کی شرائط؟"

"میں لوگوں پر زیادہ بار نہیں ڈالتی۔ لیکن آپ ایک ماہ کا [illegible] ایڈوانس دیتے رہیں۔ میری فائننس کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔" وہ [illegible] کے ساتھ بولی۔

"کیا آپ مجھے مکان دکھا سکیں گی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں ضرور!" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

مکان کی نچلی منزل بلا شبہ مسز جمیل کی خوش ذوقی کا آئینہ دار تھی۔ ایک ایک چیز سے سلیقے اور نفاست کا اظہار ہو رہا تھا۔ اور یہی [illegible] خراب [illegible] [illegible] [illegible] خوبصورت [illegible] شراب کی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

"آج سے [illegible] آپ کا [illegible] ہوں۔" میں نے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

پھر وہ مجھے لے کر [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] سامنے ہی کھلتے تھے۔

"یہ جو [illegible] باہر کی طرف ہے، یہیں چھوٹی لڑکی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] پھر اس نے [illegible] آواز دی۔

"[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]"

فوراً ہی ایک خوابگاہ کا دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک بے حد خوبصورت اور شوخ سی لڑکی سانولے سلونے چہرے پر مسکراہٹ بکھیرے برآمد ہوئی اور مجھے دیکھتے ہی ٹھٹک سی گئی۔ دوسرے ہی لمحے وہ انداز میں ہنس کر بولی [illegible] "گڈ مارننگ!"

"مارننگ!" اسے دیکھ کر میرا دل [illegible] جا رہا تھا۔

"یہ [illegible] ہے جہاں مسٹر میر علی [illegible] اور یہ میری چھوٹی بہن [illegible]" مسز جمیل نے [illegible] [illegible]

"آپ یہاں کب شفٹ ہو رہے ہیں؟" وہ شوخی سے پوچھ بیٹھی۔

"آج شام ہی سے۔" میں اسے گہری نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

مسز جمیل اچانک [illegible] آئی۔ [illegible] دونوں کرائے دار شاید اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔

ہوٹل پہنچ کر میں نے اپنا حساب بے باق کیا اور مختصر سا سامان لیکر [illegible] گھنٹے بعد ہی جمیل ہاؤس پہنچا۔ نیچے والے دونوں کرائے دار اس وقت مشغول تھے میں اپنے کمرے میں پہنچا تو دونوں [illegible] ایک ملازم [illegible] کر رہا تھا جو پہلے [illegible] حالت میں تھا۔

"اوہ! آپ بہت جلدی آ گئے!" مسز جمیل ہنس کر بولی۔ میں نے سوچا کہ [illegible] مجاورت کا [illegible] تبدیل کرا دوں!"

"ضرور ضرور!" میں نے کہا۔ "دراصل میرا سامان مختصر [illegible] تھا۔"

"بڑی خوشی ہے کہ اس [illegible] آپ جیسے [illegible] سے ملاقات ہو گئی۔"

"کیا آپ باہر سے آئے ہیں؟"

"ہاں میں [illegible] [illegible] ہنگاموں سے اکتا کر [illegible] یہاں آیا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ جمیل ہاؤس میں سیر [illegible] ملے گی!"

اس دوران میں میں نے محسوس کیا کہ [illegible] مجھ سے [illegible] بار بار دلچسپی سے میری شخصیت کا جائزہ [illegible] رہی ہے۔

شام کے پانچ بجے مسز جمیل [illegible] میرے کمرے میں آ پہنچی۔ "میں [illegible] بتانے آئی ہوں کہ آج رات [illegible] کا [illegible] ہو گی۔ [illegible] تمہاری آمد سے واقف ہیں۔"

[illegible] تو [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ان سے ملاقات کر سکوں۔

اس رات کی پارٹی بہت شاندار تھی۔ جس [illegible] وقت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] ایک فلسطینی سلطان تھا جو [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] بے حد [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] تعلق رکھتا تھا۔ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] سعید چوہدری تھا جو ایک ایرلائنز سے وابستہ تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ وہ تینوں ہی ان لڑکیوں میں [illegible] دلچسپی رکھتے ہیں لیکن جمیلہ ان میں سے کسی کی طرف راغب نہیں تھی۔ جبکہ جویریہ فلسطینی [illegible] نادر کو زیادہ پسند کرتی تھی۔ یعنی وہ سب [illegible] مسز جمیل سے قریب [illegible] تھے۔ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] لڑکیوں کو ایک مناسب حد سے تجاوز کی اجازت [illegible] نہیں ہے اور شاید تینوں کرائے دار بھی مسز جمیل کی اس سخت گیری سے واقف تھے۔

ریڈیو گرام دھیمے سُروں میں بج رہا تھا۔ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کا دور چلا گیا [illegible] کے بعد مسز جمیل اپنی لڑکیوں کو ساتھ لے کر [illegible] چلی گئی اور ہم چاروں ڈرائنگ روم میں رہ گئے۔

[illegible] کے باعث وہ تینوں مسز جمیل اور اس کی لڑکیوں کے بارے میں [illegible] گفتگو کر رہے تھے۔ شاید یہ ان کا محبوب ترین موضوع تھا۔

جب ان تینوں کو معلوم ہوا کہ میں [illegible] [illegible] ہوں تو سعید چوہدری [illegible] اپنے کمرے سے ناشتے کا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] شراب کا دور چلتا رہا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

معلوم ہوتا ہے [illegible] مسز جمیل [illegible] جوان [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

"[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]" سعید چوہدری نے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] مسز جمیل [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] سلطان [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

بڑی گالز شان سے بولا۔
"نگلی بازی فاروق بھائی کی ہے۔ یہ بے چارہ تو جو بیانی فرائیشن پوری کرنے کے لئے دیہاتی کیا جس کرتا ہے۔" جہاں بخت خان نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "اور یہاں کنڈ روں جو بینک کے تحت نئے ملاقاتی آتے رہتے ہیں جو اس کی نو بجائیں گے نہ جانے کیا کرتے رہتے ہیں پھر انہ جھٹکے میں سو چھپ کر چلے جاتے ہیں۔ بڑھیا کسی کو مستقل نگاہ نہیں بتاتی، یہی بھی اس کی کامیابی کا راز ہے!"

"ہاں۔ دو چار بار تو ہمارا خیال ان لڑکیوں کے کردار کی طرف بھی گیا ہے اور اس کے بعد..." سعید چوہدری خاموش ہو کر مسکرایا۔ "جو اسے سامنے بڑھیا انھیں باہر بھیج دیتی ہے!"

"تم بے حد خبیث کا مذاق اڑا رہے ہو۔" فاروق ناراض ہو گیا۔

"میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے، وہ مسز جیمس سے زیادہ خبیث عورت میری نظروں سے نہیں گزری۔"

اس پر جہاں بخت ہونٹ بھینچ کر خاموش ہو گیا پھر چند لمحے جانے طنزیہ لہجے میں بولا "ہاں ہاں تم اس کی حمایت نہیں کرو گے تو کیا کرو گے، آخر کو وہ تمہاری ہونے والی ہم وطن ہے!"

اس کے بعد کے دن بھاری محفلیں جمتی رہیں۔ یہ تینوں میرے دوست اور دوست پرور نوجوان تھے۔ اسی دوران میں مسز جیمس اور اس کی لڑکیوں کے طریقے مشکوک تو نظر آئے لیکن ایسے نہیں کہ قتل کر کے کوئی فیصلہ کیا جا سکے۔

جودیا کے سنگ فاروق کا معاشقہ عروج پر تھا اور وہ ہر روز خبر سناتا تھا کہ بس چند ہی دن میں وہ اپنی محبوبہ کو لے اڑے گا، وغیرہ وغیرہ بڑھیا ہاتھ ملتی رہ جائے گی۔

میں بچلر ہاؤز کی مختصر سی دنیا میں کچھ ایسا کھو گیا کہ اپنی ساری پریشانیاں بھلا بیٹھا۔ برج کے کھیل میں میری اور فاروق کی پارٹنرشپ اتنی جمتی کہ وہ سب کچھ بھولا ہی رہتا۔

پھر ایک روز وہ مجھے زبردستی کلب لے گیا۔ اس کی زبانی میری غائبانہ تعریفیں سن سن کر بہت سے کھلاڑیوں کو مجھ سے ملنے کا شوق ہو گیا تھا۔

کلب میں پہنچتے ہی میرے بدن میں خوف کی سرد سی لہر دوڑ گئی۔ وہاں بہت کچھ شناسا موجود تھے جب وہ لاتعلقانہ انداز میں میرے قریب سے گزر گئے تو مجھے یقین ہو گیا کہ داڑھی، مونچھیں اور تیور بدل کر کچھ ایسا حلیہ بنا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت مجھے صفدر علی کی حیثیت سے پہچان نہ سکے گی۔

برج روم میں ہمارے بیٹھتے ہی کافی تماشائی ارد گرد آ کھڑے ہوئے۔ مخالف ٹیم نے کارڈز بانٹنے شروع کئے۔ میں نے غیر ارادی طور پر دوسری گڈی اٹھائی حکم کی بیگم سب سے نیچے لگائی اور ایک بیہودہ سا محسوس ہوا کہ جیسے مجھے کسی نے ڈنک مار دیا ہو۔ میں نے تحیر سے ادھر ادھر نظر دوڑائی اور میری سانس رک کر ختم ہو گئی۔

حکم کی بیگم وہی چالاکی تھی جس کے ذریعے دھندے کے آغاز [illegible] ساتھیوں میں سے ایک بیٹھا تھا جب اس کی نظر میرے تاش پر پڑی تو اس کی [illegible] نظریں مجھ پر جمی ہوئی تھیں اور ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

حکم کی بیگم اپنا کام دکھا چکی تھی۔

جنگ ہوئی مگر میرا ذہن ابھی تک خلا میں معلق تھا۔ کوشش کے باوجود میں اپنی نگاہوں کو بار بار اس طرف اٹھنے سے نہ روک سکا جدھر مجھے پہچاننے والا موجود تھا۔

ہنگامہ کا سلسلہ فاروق پر ختم ہوا۔ میں ہوش میں آ گیا۔ اس نے جونہی میرے کھیلے پتے کا [illegible] پر نظر ڈالی، اس کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ تماشائیوں میں سے اکا دکا لوگ مجھے تحیر بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ میں فاروق کو بری طرح ہرا چکا تھا۔

میں نے پھر ادھر دیکھا جہاں ان آنکھوں کی چمک میری پشت پر موجود تھا اور [illegible] دیکھ کر جواب میں [illegible] آخر کار میں نے دوبارہ میز چھوڑ دی اور میں ساتھیوں سے معذرت کر کے میز سے اٹھا اور سلمان کو اشارے سے ساتھ لئے برج روم سے باہر بڑے ہال میں ایک ویران گوشے میں لیتا چلا گیا۔

"کیا بات ہے سلمان تم مجھے دیکھ کر مسکرا کیوں رہے تھے!" میں نے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

"سر دراصل میں قسمت کی ستم ظریفی پر مسکرا رہا تھا۔" وہ اسی لہجے میں بولا۔ "اگر اس گڈی میں حکم کی بیگم نہ ہوتی تو شاید فرشتے بھی آپ کو نہ پہچان پاتے۔"

"تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ سکندر کہاں ہے؟" میں نے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"سکندر پولیس کے ہاتھوں مارا گیا۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "انہوں نے بہت تشدد کیا مگر اس نے زبان نہ کھولی اور جب اس کی جان کے لالے پڑ گئے تو انھوں نے اسے رہا کر دیا۔ وہ ایک فٹ پاتھ پر سسک سسک کر مر گیا۔ اس کی بیوی بچے اب فاقہ کشی کر رہے ہیں۔"

"اوہ۔ یہ بہت برا ہوا۔" [illegible] واقعی [illegible] ثابت ہوئی۔ "اس کے دونوں بچوں کا مستقبل تاریک ہو گیا جن کی خاطر وہ ہر طرح کا کام کر رہا تھا۔"

"پولیس کو وہ سارا ریکارڈ مل گیا تھا۔ سکندر ہی نے ہم سب کو اس جال سے نکالا تھا۔ مگر وہ بے یار و مددگار رہ گیا۔ وہ آخر تک اسی بیان پر ڈٹا رہا کہ [illegible] سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ سب کسی ایجنٹ کی کارگزاری ہے جو [illegible] اپنے ڈیپو کو بھیج دیتے ہیں۔"

"میں نے اپنی دونوں جیبیں خالی کر دیں۔ یہ اس کی جوان سالہ بیوہ کو پہنچا دینا۔ میں زندگی بھر تم لوگوں کی خدمت کو فراموش نہ کر سکوں گا۔"

اس نے رقم سنبھالی اور [illegible] بولا "سر ایک بات کہوں؟"

"سر نہیں۔ اب ہمارا وہ تعلق ختم ہو گیا۔ ماضی کا صفدر اب مر چکا ہے۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟" اس کے [illegible] نے میرے دل پر چوٹ سی لگائی۔

"اپنے لئے نہیں۔ بیکار دوسرے ساتھیوں کی خاطر خدا کے لئے آپ ادھر سے دور ہی رہیں۔ حکم کی بیگم ہم سب کو لے ڈوبے گی۔ پولیس کو بھی کہیں سے بھنک مل گئی ہے کہ آپ حکم کی بیگم نیچے لگانے کے عادی تھے اور اس کلب کی عمارت میں اس وقت بھی کئی [illegible] اور پولیس آفیسر موجود ہیں!"

میں اس کی بات سمجھ گیا اور [illegible] انداز میں بولا [illegible] پولیس میری زبان سے کچھ نہ اگلوا سکے گی چاہے مجھے کسی وقت [illegible] بھی مرنا پڑے۔"

وہ کچھ نہ بولا۔ ہم چند ثانیوں تک خاموشی سے ایک دوسرے کے مقابل کھڑے رہے پھر وہ آگے بڑھا [illegible] کے ساتھ [illegible] رخصت ہو گیا۔

جوں ہی ٹیکسی [illegible] داخل ہوئی میرے خیالات کا سلسلہ یکلخت ٹوٹ گیا۔ بچلر ہاؤز پولیس کے محاصرے میں تھا!

"ڈرائیور گاڑی موڑ لو۔ میں کلب میں [illegible] بھول آیا ہوں!" میں نے جلدی سے کہا۔ ٹیکسی واپس روانہ ہو گئی۔

میں دل ہی دل میں خود پر لعنت بھیجنے لگا۔ میری جیب میں چند آنوں کے سوا اب کچھ بھی نہ تھا۔ ساری رقم میں سلمان کو دے چکا تھا۔ میری کل پونجی بچلر ہاؤز میں پڑی ہوئی تھی اور وہاں اب پولیس قابض تھی۔

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ فاروق کلب میں مل گیا۔ وہ میری تلاش میں کسی کٹی ہوئی پتنگ کی طرح چکرا رہا تھا۔ اسے کچھ بولنے کا موقع دئیے بغیر میں نے اس سے [illegible] کا نوٹ لیا۔ باہر آ کر ٹیکسی کو فارغ کیا اور اس کا ہاتھ تھام کر فٹ پاتھ پر ایک طرف چل دیا۔

"کدھر لے جا رہے ہو؟" وہ جھلا کر بولا۔

"تمہارا شبہ درست تھا یار۔" میں خود پر جبر کرتے ہوئے خوشدلانہ لہجے میں بولا۔ "بچلر ہاؤز پر پولیس نے چھاپہ مارا ہے!"

"اوہ" اس کے منہ سے طویل سی کراہ نکلی۔ "جودیا بھی پکڑی گئی ہو گی۔ فراک کے نام سے ہی اس کا دم نکلتا تھا وہ [illegible] جان جاتی تھی۔ چلو اچھا ہے اب پولیس والے مزے کریں گے!"

"تمہیں شرم نہیں آتی۔ اپنی محبوبہ کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرتے ہو!"

"کیسی محبوبہ [illegible] ڈیئر!" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "وہ تو [illegible] تھی۔ مجھے افسوس تو اس [illegible] کا ہے جو پرسوں ہی میری ماں نے بھیجا تھا!"

"تو کیا اب بچلر ہاؤز جانے کا ارادہ نہیں ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"توبہ کرو۔" وہ جلدی سے بولا۔ "[illegible] وہاں [illegible] تھا تو سارا وظیفہ وغیرہ بند ہو جائے گا۔ یوں تو کراچی میں نہ جانے کتنے [illegible] ہوں گے!"

"جہاں بخت بھلا نہ چھوڑے گا؟"

"وہ مخلص دوست ہے۔ لیکن میری اس کمزوری کا علم ہے وہ بھی کبھی نقصان نہ پہنچائے گا... اور پھر وہ کبھی آ بھی نہیں کہ مسز جیمس ہی پکڑی گئی ہو۔ وہ بڑی چالاک عورت ہے!"

"تو وہ بنگالی چھوکرا سمگلر ہو گا۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔ "میں نے اپنی آنکھوں سے وہاں پولیس دیکھی ہے!"

"بچلر ہاؤز اور اس کے مکینوں پر لعنت بھیجو! آج کی رات ہم ہاسٹل میں گزاریں گے۔ وہاں میرے کئی دوست ہیں۔ صبح کے اخبار سے سبب معلوم ہو جائے گا۔"

دوسرے دن کا اخبار دیکھ کر فاروق کی باچھیں کھل گئیں۔ مسز جیمس اور اس کی دونوں لڑکیاں [illegible] کی آڑ میں عصمت فروشی کا اڈہ چلانے کے جرم میں گرفتار کر لی گئی تھیں۔ جہاں بخت اور سعید [illegible] بعد میں رہا کر دئیے گئے۔ بچلر ہاؤز کو پولیس نے سیل کر دیا تھا!

خوشی کی بات یہ تھی کہ پوری خبر میں کہیں بھی میرا یا فاروق کا نام نہیں آیا تھا اور میں اس کی وجہ بھی خوب سمجھ رہا تھا۔ پولیس نے چھاپے کے بعد اس عمارت کی تلاشی بھی یقیناً لی ہوگی اور اس مہم میں میری ساری رقم ان کے ہاتھ لگ گئی ہوگی۔ زیادہ امکان اس بات کا تھا کہ رقم جس [illegible] کبھی [illegible] اس سے انھیں [illegible] جائز [illegible] پوشیدہ ہو گئی ہو۔ ساتھ ہی نیت بھی خراب ہو گئی ہو۔ اب اگر وہ میرا [illegible] نام ریکارڈ میں لاتے تو امکان تھا کہ میں

کسی وجہ پر ٹلوا دیجو کر خود کی اس خطیر رقم کا جائز حقدار ثابت کر دیتا۔ اسی لئے انھوں نے حسب ضرورت [illegible] ہی غائب کر دیا۔ اب میں ان سے رابطہ قائم کرتا تو وہ رقم ہضم کر جاتے اور جب میں پولیس کے پاس جا پہنچتا تو سب سے پہلے وہ اس رقم کے حصول کا ذریعہ دریافت کرتے، میرا معاملہ صاف نہ ہوتا تو سب سے پہلے قلم [illegible] میں چھین کر وہ الٹا اس رقم کے وجود سے ہی انکار کر دیتے۔

بہتر یہی ہے کہ اب اس رقم کو بھول جاؤں، یہی بہتر تھا۔

جسے میں [illegible] کہ پچھلی رات [illegible] ثبوت موجود تھا۔ مینی [illegible] بالکل خالی تھی [illegible] کتابوں کے مطابق [illegible] کے علاوہ کوئی چیز ایسی نہیں تھی جسے بیچ کر میں اپنی گزر بسر کر سکتا۔ [illegible] تھا اور میں اچھے [illegible] کا دوست بھی [illegible] مگر [illegible] خود [illegible] کے رحم و کرم پر چھوڑ [illegible] تھا جب میں [illegible] کے تعلق سے دنوں میں لکھ پتی بن سکتا تھا تو یہ بھی میری [illegible] نہیں [illegible] اور اب [illegible] مجھے اپنی [illegible] کسی مستقل [illegible] کچھ رقم پس انداز کر سکوں۔

مجھے [illegible] کی بجائے [illegible] آ رہی تھی۔ [illegible] ہوتی تو میں [illegible] کو دیکھتا تو وہ مجھے پہچانتا۔ دو دن [illegible] صاف بچ جاتے۔ بہرحال اب بھی مجھے اس رقم کا زیادہ افسوس نہیں تھا وہ جو کچھ ایک جانتا کی بیوی کے کام آ رہی تھی۔

قادری سے [illegible] دن الگ ہو گیا۔ اب [illegible] کچھ [illegible] حصول کا [illegible] میں نے گھڑی سے پہلے [illegible] فروخت کرنے کو [illegible] کیا لیکن ان کا [illegible] فرد بازار کی [illegible] وہ [illegible] والے مجھے [illegible] کی حیثیت سے جانتے تھے کیا معلوم [illegible] کی تبدیلی کے باوجود کوئی پہچان ہی لیتا۔

میں نے [illegible] کے [illegible] جوان [illegible] وارڈ [illegible] ایک جاتی تھی اور [illegible] بہت آ دو [illegible] پہنچی۔ [illegible] بے اس [illegible] سے پہلے [illegible] میں نے ڈالی کھول [illegible] کی جیب میں از میں [illegible] کی کوشش [illegible] پڑا ہوا تھا۔ رات کو [illegible] کی وجہ [illegible] آلود ہو [illegible] تھا اور [illegible] اندازہ لگانا مشکل تھا کہ یہ کس طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ [illegible] کو [illegible] کے بعد [illegible] سو تھے [illegible] ہو گئے۔ میں نے [illegible] جیب میں ڈال [illegible] آ گے بڑھا۔

ان دنوں [illegible] آباد [illegible] اور [illegible] سامنے پھیلا ہوا [illegible] جوں کی [illegible] رہا تھا جہاں وہ [illegible] کر جانے [illegible] کرتے تھے۔

میں [illegible] کے سامنے [illegible] تو میری نظر ایک بوڑھے شخص پر پڑی جس کے بال [illegible] سفید [illegible] بڑے [illegible] رہے تھے۔ [illegible] کے برعکس وہ پرسکون انداز میں اکیلا ہی بیٹھا ہوا تھا۔ غیر ارادی طور پر میرے قدم اس کی طرف

آٹھ گئے اور میں دہاں [illegible] اس کی [illegible] دکان کا جائزہ لینے لگا [illegible] زاویوں [illegible] خشک [illegible] کے بیچ اور [illegible] قرینے سے سجی ہوئی تھیں [illegible] بیٹھا [illegible] بادام [illegible] کوئی چیز [illegible] کے عقب میں ٹین کا ایک بورڈ آویزاں تھا جس پر کچی حروف میں "[illegible] سیاسی بابا" لکھا ہوا تھا۔

"یہ کیا ہے بابا؟" میں نے اس کا دھیان ختم کرنے کی نیت سے ایک بوٹی اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

اس کے ہاتھ رک گئے اور اس نے قدرے فضول نظروں سے میری طرف دیکھا جیسے مجھ جیسی اندری کے آ گو [illegible] ہو۔ [illegible] سے اٹھا لیتے [illegible] کس مرض کی دوا ہے؟"

"مجھے کوئی مرض نہیں ہے، میں اس کی بات پہ جھنگیا۔" میں تو دیکھ رہا تھا کہ یہاں کیا [illegible] رہا ہے۔"

"[illegible] سالا!" وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "تو میری [illegible] بیں جاننا [illegible] رہے [illegible] نہیں سمجھتا کہ میں کون ہوں۔"

"ہاں یہ کیسی سیا ہوں کے چکر میں [illegible] کر دی [illegible] خواجگا ہوں بابا۔" یک بیک میرا لہجہ نرم ہو گیا۔

اس نے خوشنودی [illegible] اچھا [illegible]

"اچھا سیا ہوں سے تیرا کیا کام ہے؟"

"[illegible]" میں نے [illegible] لیجے میں کہا۔

اس [illegible] کی [illegible] اور [illegible] نظر [illegible] کی نیند اڑا کی [illegible] کو سیانی کی [illegible] ہوتی ہے یار [illegible] اور [illegible] کرتا ہے۔"

"[illegible] بھی جانتا [illegible] سب کا [illegible] ہے [illegible]......"

"[illegible] جلدی سے بولا" [illegible]

[illegible] میں نے جلدی سے [illegible] اور [illegible] سے [illegible] ایک [illegible] ہوا جیا لیا۔

[illegible] وقت میرا دل خوشی سے [illegible] اچھل رہا تھا اور [illegible] دنیا [illegible] ہوئی [illegible] اگر یہ سیا سی کیمیا [illegible] تھا اور [illegible] بہت [illegible] ہے جس کے بارے میں [illegible] کو [illegible] حاصل کرنا [illegible] بڑی بات تھی۔

[illegible] کی کوٹھری کے [illegible] دروازہ کا [illegible] راستہ [illegible] تھی اور [illegible] جا جا [illegible] لگے ہوئے تھے۔ ایک کونے میں [illegible] کرنے والا [illegible] آل [illegible] ہوا تھا [illegible] سی [illegible]

[illegible] سیاسی [illegible] کوٹھری [illegible] اور [illegible] کر [illegible]

[illegible]

"تو نے کتنی کامیابی حاصل کر لی ہے؟" بوڑھے سیاسی نے [illegible] لہجے میں پوچھا۔

"کامیابی کیسی۔ مجھے تو آج تک کوئی مخلص آدمی ہی نہیں مل سکا۔"

"دیکھو میں نے سونا بنا لیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے ایک ڈلی نکال کر میری طرف بڑھائی۔

میں نے [illegible] سے دیکھا۔ وہ بالکل سونا ہی تھا۔

"تم تو کہہ رہے تھے کہ ابھی بھاڈ [illegible] کی کسر ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں ابھی کسر ہے۔" وہ حسرت بھری آواز میں بولا۔ "[illegible] دو بار ڈلی بنا لے گیا مگر کام نہ بن سکا۔ ایک بار تو جیل جاتے جاتے بچا۔ [illegible] اس کا وزن اور [illegible] تو بالکل [illegible] کا سا ہے۔ مگر [illegible] ذرا سی مختی [illegible] ہے اور [illegible] کوئی لگا دے تو [illegible] جاتا ہے کہ [illegible] ہے۔ کاش یہ کہیں سے بھاڈ [illegible] مل جائے تو میں دیکھوں کہ کون میں کسوٹی میرے بنائے ہوئے سونے کو پکڑتی ہے۔"

"بھاڈ [illegible] کیا چیز ہوتی ہے اور کہاں ملتی ہے؟" میں نے پُر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"بھاڈ [illegible] ایک جوہلا پہاڑی پودا ہوتا ہے۔" سیاسی نے کہا۔ "اور یہ کہاں ملتا ہے کسی کو نہیں معلوم۔ کیمیا کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بلند پہاڑوں کی سخت چٹانوں میں پیدا ہوتا ہے۔ پیلے پار [illegible] چٹانوں سے اور تین یا پانچ جامنی رنگ کے گل [illegible] اس کے بعد یا [illegible] ایک ہی سیدھی جڑ ہوتی ہے جو پتھروں اور چٹانوں میں اتر کر [illegible] موٹی ہوتی جاتی ہے۔ تین چار سال میں یہ سخت اور [illegible] کی چٹانوں میں دراڑ ڈال کر ان میں گھر کر لیتی ہے اور قد کبھی ڈھلوان پر گرتی ہے ورنہ اسے توڑ کر نکالنا انسانی بس سے باہر ہے۔"

"یہ بہاڈ ایک پہاڑوں پر تو ضرور ہوتی ہوگی!" میں نے اس عجیب و غریب پودے کی کہانی سن کر پوچھا۔

"[illegible] ضرور ہوگی مگر کوئی اس تک پہنچ نہیں سکتا۔" وہ سوچ میں ڈوبی ہوئی آواز میں بولا۔ "کئی سیاسی تو ان ہی پہاڑوں میں بھٹک کر مر چکے ہیں در اصل بھاڈ [illegible] کا پودا چٹانوں سے [illegible] پانچ [illegible] رہتا ہے اور بہت سے لوگوں کو اس کی پہچان بھی نہیں ہوتی۔ جب جڑ [illegible] ڈھلوانوں میں گرتی ہے تو پتے وغیرہ ٹوٹ چکے ہیں اور کوئی بھی اسے پہچان نہیں سکتا کیونکہ اس کی جڑ کسی عام [illegible] ہوتی ہے۔ تیس سال تک میں خود نیپال کے جنگلوں اور پہاڑوں کی خاک چھانتا رہا ہوں۔ پرانے نسخوں سے بھی کچھ پتہ چلتا ہے کہ بھاڈ [illegible] ان ہی اطراف میں پائی جاتی ہے۔"

"جب وہ بوٹی تمہیں مل ہی نہیں تو اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو کہ اس کی مدد سے اصلی سونا بنا سکو گے؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

اس نے خاموشی [illegible] ہوئی ٹٹولنے والی نظروں سے میری طرف دیکھا پھر بولا "میرے نسخے بہترین [illegible] اور آج تک بالکل ٹھیک ثابت ہوئے ہیں [illegible]

اس لئے مجھے یقین ہے کہ بھاڈ [illegible] کی آمیزش ٹھیک ہی ہوگی۔" یہ کہتے کہتے اس پر کھانسی کا دورہ پڑا اور وہ دونوں ہاتھوں سے سینہ دبائے دہرا ہو گیا۔

میں اس کی حالت سے خاصا پریشان ہو گیا۔ کئی منٹ بعد اس کی حالت قدرے بہتر ہوئی اور وہ نڈھال ہو کر چارپائی پر جا لیٹ گیا۔

"کیا بات ہے بابا؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"یہ سب کیمیا گری کا اثر ہے۔۔۔ تیزابوں اور دھاتوں کے زہریلے بخارات سینے کو چھلنی کر چکے ہیں اب موت ہی آ سکتی ہے۔ ہاں اگر کامیابی حاصل ہو جاتی تو پیسے کی بہتات کے ذریعہ اپنا علاج کرواتا اور نئی زندگی حاصل کر لیتا۔" وہ رک رک کر بولا۔

"اس قدر بے سرو سامانی اور مفلسی کے عالم میں تم کیمیا گری کے اخراجات کہاں سے پورے کرتے ہو؟" میں نے حیرت کے ساتھ پوچھا۔

"اسی کے لئے سیاسی کا بورڈ لگا ہوا ہے۔ [illegible] جڑی بوٹیاں بیچتا ہوں جن کے سہارے [illegible] چار گاہک بندھے ہوئے ہیں، جن کے مرض کسی کا علاج معالجہ نہیں کرتا۔ کسی کو بھی نہیں معلوم کہ مجھے کیمیا گری کا بھی خبط ہے۔"

"اس بستی کے لوگ جانتا کہ تم سے سیاسی گزارا ہوتا ہوگا۔"

"یہاں والے تو اپنی محنت کی کمائی ضائع کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ تو نے وہاں جتنے مجمع باز دیکھے وہ سامنے دن کی جیت کچھ اور [illegible] آ جو [illegible] دھیلے سے زیادہ نہیں کما سکتے۔ مجھ جیسے [illegible] ہیں جو [illegible] کاروبار میں اور [illegible] گزرتے ہیں۔ عام زندگی میں تو شاید مجھے دیکھتے ہی منہ پھیر لیں۔ [illegible] ڈھلنے کے بعد رو [illegible] کی طرح بستی در بستی [illegible] اور [illegible] دھیلے [illegible] لے جاتے ہیں۔ وہ ایسی جگہوں سے دور رہتے ہیں جہاں ان کے پہچانے جانے کا خطرہ ہو۔ ان ہی کی بدولت میں [illegible] کونے میں اکیلا بیٹھا رہتا ہوں۔"

اس بوڑھے سیاسی سے میری یہ ملاقات اتنی دلچسپ اور سنسنی خیز تھی کہ تھوڑی دیر کے لئے میں [illegible] گئے [illegible] یاد آ ئی [illegible] کا احساس۔ سب کچھ کھو گیا۔ اس بوڑھے نے بیٹے [illegible] بیان کرتے ہوئے جس طرح اپنی ماضی کی کہانی بیان کی تھی اُس پر میرے دل میں اس کے لئے ہمدردی کے جذبات پیدا ہو گئے تھے۔

گو مجھے پولیس سے چھپتے ہوئے کئی مہینے گزر گئے تھے اور میں منڈی کے حالات سے بھی [illegible] تھا مگر یہ یقین ضرور تھا کہ میں اب بھی بازار میں جا نکلوں تو دیکھا جاتا اور وہی دھاک ہوتی۔

"سنو بابا۔ تم دونوں مل کر [illegible] کی جڑیں تلاش کر لیں تو [illegible] کسی لگا کر [illegible] ہم دونوں مل کر [illegible] اور ہمارے دلدر دور ہو جائیں گے!"

"لیکن سونا۔ تو سچ کہتا ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں!" میں نے اعتماد سے کہا۔

"لیکن اس تنگ سی کوٹھری میں بیک وقت اتنا سونا بنانا مشکل ہے۔" ضیاسی بوجھل آواز میں بولا۔

"کیا مطلب ہے؟"

"نہیں۔ تانبے کا کشتہ تیار کرنے کے لیے زبردست آگ کی ضرورت ہوگی تاکہ صحیح طریقے سے پگھلایا جا سکے اس کام کی بنیاد ہے" وہ جھجکتے ہوئے بولا۔

"تو اچھا بہتر یہ کام شروع کرو جب دس بیس ہزار جمع ہو جائیں گا تو لے کے چلے جائیں گے۔"

کچھ دیر مشوروں کے بعد وہ اس کام پر راضی ہو گیا۔ بظاہر تو مجھے اطمینان تھا راستہ مل جانے پر وہ گویا کہ رات دن مشق کی ہریالی دوڑ رہی تھیں۔

اگلے روز ہم نے سب سے پہلے کمیرہ بازار کا رخ کیا اور وہاں سے خالص تانبے کی دس بیس سلاخیں لے آئے۔ پھر اس ضیاسی نے ڈیڑھ دو بند کرکے تہہ دار زردی کے ساتھ چھوٹی سی کٹھالی میں ایک پڑتے جڑی بوٹیاں کر ڈالا اور کئی عجیب شیشیوں اور مرتبانوں میں سے مختلف سفوفوں کے بیچ تانبے کا ٹکڑا اس میں رکھ کے اوپر سے بھی اسی سفوف پر کٹھالی کو نیچے آگ روشن کر دی۔ چند منٹ بعد اس کٹھالی میں پڑے ہوئے سفوفوں میں سے تند بدبودار دھواں اٹھنا شروع ہو گیا۔ ذرا سی دیر بعد اس دھویں سے تمام کمرے میں دھواں بھرنے لگا۔

جب کچھ دیر بعد اس جڑی بوٹی کی تیز بو میں ضیاسی نے ایک کڑا سا اس تڑکتی ہی اور جلدی سے بولا "بس دو تین منٹ کی بات ہے پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اور ہوا بھی یہی۔ وقت گزرنے کے ساتھ دھویں کے اثر سے مجھے بھی کٹھالی کا رنگ سرخ ہو گیا اور میرے جسم کی کھجلی کے بیچ بیزاری کے ساتھ ہی پینے لگا۔ شام کو ضیاسی تھوڑی دیر کے لیے اپنے دھندے پر گیا اور جلد ہی واپس آ گیا۔ میں نے اپنے کانوں سے آج تک جادو اور کیمیاگری کی کہانیاں سن رکھی تھیں۔

وہ کشتی رکھی رہی۔ تانبے کی سرخی جل جل کر سیاہ پڑ گئی اور کٹھالی جلتی جا رہی تھی۔ ہم دونوں باری باری بیٹھ کر اس کا نظارہ کرتے رہے۔ جس کی جھل کی آواز رات کے پہرے سنائی دیتی تھی گویا کہ رہی تھی۔ وہیں کی ہم کوئی انتظام نہ کرنے کی وجہ سے کوٹھری میں سخت حبس تھا اور گرمی بھی حد سے زیادہ ہو رہی تھی۔ رات کے آخری پہر میں کٹھالی میں پڑا ہوا تانبے کا ٹکڑا ڈھلنے لگا۔ وہ بیکار تب تھوڑی دیر سے کہتا رکھا رہا تھا۔ یہ جلنے کے بعد اس نے اس کی سرخی اور چمک کا وہ سیاہ رنگ پکا ہوا کہ اس کے شیشے سے چمکتی کے ایک زبان میں ڈال دیا جس میں پہلے سے پانی موجود تھا۔

گرم گرم تانبا جب پانی میں ڈوبا تو چند چھوٹے چھوٹے زرد رنگ کے زہریلے دھویں کا ایک کثیف بادل اُٹھا۔ پانی سے خارج ہوا اور بڑے سے نے اُس کو منہ اور ناک بند کر لی۔

"... بس اب ذرا دیر کو دو تین گھنٹے میں سفید ہو جائے گا" اُس نے تھکی ہوئی آواز میں مجھ سے کہا۔

میں کمرے سے زہریلی گیس خارج کرنے کی نیت سے دروازہ کھول کر سگریٹ کے بہانے باہر نکلا اور دس منٹ بعد واپس آیا تو کوٹھری کی فضا کافی حد تک صاف ہو چکی تھی۔

تیسرے روز میری عدم موجودگی میں اُس نے پانی کے برتن سے جلے ہوئے تانبے کا وہ ٹکڑا نکالا۔ اس پر مٹی اور سیاہ دھبے پر چاندی جیسا چمکیلا روپ آ چکا تھا۔

جمال نامی بوڑھے ضیاسی نے مجھے بتایا کہ جلے ہوئے تانبے کا یہ روپ کیمیا والوں کی زبان میں "سفید مس" کہلاتا ہے اور لوگ عام طور پر سفید ہو جانے کے بعد آرام سے بیٹھ جاتے ہیں مگر اس کے بعد اسے رنگنا اور آخری نتیجے تک پہنچانا ہی سب سے زیادہ مشکل کام ہے۔

اُس نے شیشے کے ایک گلاس میں ناپ کر ایک بے رنگ محلول ڈالا اور سفید مس کا ٹکڑا اس میں ڈال دیا۔ پورے تین منٹ کے انتظار کے بعد اُس نے گلاس میں گلابی رنگ کے تین قطرے ٹپکائے اور گلاس سے ایسی تیز زرد دھواں اٹھنا شروع ہو گیا جو عام طور پر نقلی کرنسی کے نوٹ جلاتے وقت پیدا ہوتا ہے۔

تھوڑی ہی دیر بعد گلاس خالی ہو گیا۔ اس کی تہہ میں سفید مس کی جگہ سرخ رنگ کا ڈھیلا نظر آ رہا تھا۔ سفید مس کے رنگنے کا مرحلہ بھی مکمل ہو گیا۔ اب کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ سونا نہیں ہے۔

اب اسے نرم کرنے کا آخری مرحلہ درپیش تھا۔ بوڑھے جمال نے سفید مس کے اس ٹکڑے کو احتیاط سے طلائی ڈھیلا اس پر رکھا اور کٹھالی میں ڈال کر اس کے نیچے آگ جلا دی۔ دھیمی آنچ پر کٹھالی جاری رہا۔ تقریباً دو گھنٹے بعد جب ہم کوٹھری میں واپس آئے تو جمال نے کٹھالی کے سفوف پر ایک عجیب قوام چھڑک دیا تاکہ وہ چھپی ہی ہی سونا ہو کر نرم ہو جائے۔

"جب یہ اس طرح نرم ہو جاتا ہے تو سنار اس کا کیا کرتے ہیں؟" میں نے اُس سے دریافت کیا۔

"نرم تو ضرور ہو جاتا ہے مگر اتنا نہیں جتنا سونا ہوتا ہے۔ اس کو کاٹنے کے بعد بھی دو دن تک اس میں دس بیس منٹ کی کچھ کمی رہ جاتی ہے سونے سے زیادہ اس کی بیچنے کی پریشانی ہے۔" وہ ایک ہی چٹکی کے سیکھنے کے بعد جان کر نہ ملنے کا تھکا ہوا لہجے میں بولا۔

اس طرح تیسرے روز سونا تیار ہو گیا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ ہم نے دو سیر کے قریب تانبا کٹھالی میں ڈالا تھا مگر رنگ جلانے کے باوجود جو سونا تیار ہوا اس کا وزن پورے اٹھاون تولے تین ماشے تھا۔

"یہ وزن کہاں سے بڑھ گیا بابا؟" میں نے تولنے کے بعد حیرت سے پوچھا۔

"پہلا کمال ہے۔ یہ تو آدھے سے بھی کم رہ گیا ہے۔" اُس نے مسکرا کر کہا۔

"کیسے؟" اُس کی بات میں بالکل نہ سمجھ سکا۔

"لوگوں نے واقعی تمہیں بے وقوف بنایا ہے" وہ آہستہ سے ہنسا۔ "کیمیا کے بارے میں تمہاری معلومات تو بالکل ہی نا کافی ہیں۔ کم سے کم تانبے کو سونے میں بنانے کا یہی استعمال ہوتا تھا۔ یہ دھات سب سے جلدی اور زیادہ کھلتی ہے۔ اسی سے تانبے کی اہمیت بڑھتی ہے۔ کیمیا میں اور دھاتوں کا اتنا کوئی نہیں ہے۔ کیمیا بھی دھاتوں کا آدھا ہے۔ اس میں ایک ہی دھات کو بار بار سانس اور پگھلایا جاتا ہے جس طرح انسان عمر کے ساتھ ساتھ پختہ اور تجربہ کار ہوتا جاتا ہے اسی طرح دھاتیں بھی اس عمل سے گزرتی ہیں۔ پیتل کا سیسہ اور سیسہ دونوں بکسانی ہیں لیکن ان میں بڑا فرق ہے۔ ایک دھات کے اوپر کی تہہ سے نکلتا ہے دوسرا زمین کی کوکھ سے جنم لیتا ہے۔ ہم لوگ یہی عمل اپنی بھٹیوں میں کرتے ہیں۔ تانبے کو جلا کر خاک کرنا پھر اسے پانی سے نئی زندگی دینا یہ سب آدھا کام ہی تو ہے!"

اُس کی یہ ٹھوس باتیں پراثر ضرور تھیں لیکن میری سمجھ میں نہ آ سکیں۔ البتہ اتنا ضرور اندازہ ہو گیا کہ جمال نے یہ کامیابی زبردست مطالعے کے بعد ہی حاصل کی ہوگی۔

ہم دونوں تین مہینے تک اس تنگ و تاریک کوٹھری میں چھپے چھپے کیمیاگری کرتے رہے۔ جمال نے مجھ پر کافی حد تک اعتماد کیا اور اس دوران اس نے مجھے کیمیاگری کے بیشتر طریقوں سے متعارف کرا دیا۔ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ میں ناتجربہ کاری کی بنا پر سفوف میں گڑبڑ کر گیا یا کوئی محلول ڈالنا بھول گیا اور سارا کیا دھرا بیکار ہو گیا۔ ایسے موقعوں پر تھوڑی دیر کے لیے اس بوڑھے کی سی طاری ہو جاتی۔ وہ مجھے بے تحاشا گالیاں دیتا، تھپڑ اور مکے برساتا اور پھر خاموشی سے سب سہہ لیتا۔ اور جب اُس کا غصہ ختم ہوتا تو اُس کا رویہ پھر مشفقانہ ہو جاتا۔

میں نے آس پاس کی کوٹھریوں میں رہنے والوں سے بھی تعلقات پیدا کیے ہوئے تھے۔ آگے چل کر ان میں اشتباہ آمیز سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔ وہ لوگ جمال کو محض ایک سنکی بڈھا سمجھتے تھے جو میری حیثیت کا خادم سمجھ کر مجھ سے ملازموں کا سا سلوک کر رہا تھا۔

اب جا کر ایک چھوٹی سی پیٹی کے قریب نقلی سونا جمع ہو چکا تھا۔ جمال ضیاسی اپنا کام پورا کر چکا تھا اور اس مال کو بیچنے کو سوچنے لگا تھا۔ اس دوران ہمارے سو روپے خرچ ہو گئے تھے۔ تقریباً اتنے ہی پیسے میری جیب میں موجود تھے۔ باقی سارا خرچہ جمال نے اپنے کاسوں سے پورا کیا تھا۔

سونے کو اینٹوں میں ڈھالنے کا ارادہ ترک کر دیا گیا تھا کیونکہ اُسے ڈھالنے کے لیے بڑی اور طاقتور بھٹی کی ضرورت تھی جو لگانا ہمارے بس سے باہر تھا۔

ضیاسی بابا نے اپنا سارا سامان سمیٹ کر دو صندوقوں میں منتقل کیا۔ میں بازار سے ٹین کا ایک مضبوط صندوق لے آیا جس میں کچا سونا رکھ کر سارا سونا احتیاط سے رکھ دیا۔ کوٹھری کا کرایہ پیشگی ادا کر دیا گیا۔

شام کے سات بجے ہم نے ایک ٹیکسی میں تینوں صندوق لادے اور زندگی سے گزرتی گلیوں سے روانہ ہو گئے۔

جمال بابا اُن کے دو دونوں صندوق بھیجتے ہی روانہ ہو گیا۔ کراچی سے ریل میں یہ مرحلہ طے ہونا تھا کیونکہ وہ دونوں کسی شک و شبہ کا شکار تھے۔ مجھے ٹیکسی کا انتظار کر کے اور نقلی سونے لے کر خود ہوائی بابا کی طرف روانہ ہو گیا۔

پولیس کی وجہ سے پریشانی ہوئی لیکن عقلمندی سے میں اسمگلر کی حیثیت سے موجود ضرور تھا لیکن اُس کے پاس میری شناخت کا کوئی ٹھوس ذریعہ موجود نہیں تھا اسی لیے میں نے فیصلہ کیا کہ نقلی سونے کا یہ سودا اپنے موجودہ وزن والے شیشے سے ہی کروں گا۔ پھر داڑھی صاف کرا دوں گا۔ بڑی بڑی مونچھوں کا اضافہ اور لمبے بال میری شخصیت کو چھپانے کے لیے بہر حال کافی ہوں گے!

سیٹھ غلام علی اس وقت مکان پر ہی موجود تھا۔ وہ بادی النظر میں مجھے مطلق نہ پہچان سکا۔

"میں مسعود علی ہوں سیٹھ!" میں نے آہستہ سے کہا اور وہ بے ساختہ اچھل پڑا۔

"ارے یار تم ادھر کراچی میں آ گئے ہو۔ ہم تو سمجھے تھے تم ملک سے نکل گئے ہو!"

"یہاں میں بھو ہوں گا۔ بھٹی میں ڈال کر پھٹی پڑی ہے" پچھلے اسمگلنگ کے وہ ملازموں نے وہ پیٹی غلام علی کی تجوری میں پہنچا دی۔

یہ جیت وہی شخص تھا جس نے سابقہ والے کیس کے بعد ایک کھلے ہوئے میں کسٹم ریڈ ہو جانے کے سبب جھوٹ کا آسرا لے کر ایک پائی بھی ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس وقت غلام علی کی اس حرکت نے مجھے سخت مالی اور ذہنی صدمہ پہنچایا تھا لیکن میں نے مصلحتاً اس سے تعلقات نہیں بگاڑے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ کاروبار کا ایسا تو کسی نہ کسی دن میں بھی نفع دے کر کچھ نہ کچھ لے کر جائے گا یا انتقام لے لوں گا۔ اور اب وہ مبارک ساعت آ پہنچی تھی۔

"کیا ہے اس میں؟" ڈھکنا غور سے معائنہ کرنے کے بعد اُس نے تجسس آواز میں پوچھا۔

میں نے اطمینان سے جوابی اُس کی دلچسپی بڑھا دی۔ "اس میں بیس سیر کے قریب سونا ہے۔ اب تک میں چھوٹا موٹا کام کرتا رہا لیکن کئی مہینوں بعد اتنی بڑی کھیپ منگانے کی ہمت کی ہے۔"

جیسا کہ مجھے پورا یقین تھا اُس نے صندوق کھول کر جھٹ سے ایک نظر ڈالی اور اُسے مقفل کر کے میری نظروں سے بچا کے نیچے رکھ دیا۔

"ایک تولہ کتنے کا بھاؤ؟" اُس نے خاموشی کا ڈرامائی انداز میں پوچھا۔ وہ وزن اور معیار کے بارے میں ہمیشہ میری بات پر بھروسہ کرتا تھا۔ مگر بھاؤ میں کٹ پھیر اُس کی عادت تھی۔

"یار ایک سو اکیس تو میں نے پورے بھی دیئے ہیں، کم سے کم ایک سو اڑتالیس تو ملنا چاہئیں!"

"ابھی تم کچھ دیر پہلے لے کر آئے ہو ادھر آ رہا ہے۔ بس ایک سو سینتالیس سے زیادہ کم نہ چھیڑنا بارہ!" وہ کچھ رنگ باختہ سا ہو کے بولا۔

"چلو۔ حساب کرو!" میں نے اچھلتے ہوئے دل کے ساتھ مختصراً بات ہی ختم کی۔

اُس نے جھٹ پٹ زبانی حساب کیا۔ کل رقم ایک لاکھ تراسی ہزار تین سو پچاس روپے بنی۔ اُس نے خوابگاہ میں موجود آہنی سیف کھول کر نوٹوں کی گڈیاں نکالیں اور ایک لاکھ تراسی ہزار روپے میرے سامنے ڈھیر کر دیئے۔

"اور تین سو میں؟" میں نے پوچھا۔

"ابے یار اتنا بڑا بیوپاری ہو کر چھوٹی بات کرتا ہے!" وہ جھٹکا کھا کر مجھ سے ہاتھ ملا کر قربت دلانے والی ہنسی کے ساتھ بولا: "اس سے میں آج شام کا خرچ نکالوں گا؟"

تین ماہ کے شب و روز اور چند ہزار کے خرچ کے بعد ملنے والی رقم میرے لیے بہت کافی تھی۔ میں نے ساری رقم بریف کیس میں ڈالی اور شیخ غلام علی سے رخصت ہو گیا۔

راستے میں مجھے عجیب سی دوہری مسرت محسوس ہو رہی تھی۔ میں نقلی سونا اسمگلروں پر فروخت کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور غلام علی سے اپنا انتقام بھی لے لیا تھا۔ جہاد کا بانت چیتے میں صدر پہنچا۔ ایک دوکان پر جا کر داڑھی منڈوائی اور تین چیتی کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں جمال ترکھان میرا منتظر تھا۔ مجھے پہلی نظر میں وہ نہ پہچان سکا۔

"مبارک ہو یار!" میں نے قریب پہنچ کر کہا تو وہ چونک پڑا۔

"کیا ہوا؟"

"سونا ٹھکانے لگ گیا۔ اب ہمارے پاس بہت رقم ہے۔"

"اور وہ ترکی کیا ہوئی؟"

"وہ صاف کر لی۔ صبح جب اُسے پتہ چلے گا کہ میں نے اسے نقلی سونا بیچا ہے تو وہ پاگل کتے کی طرح مجھے ڈھونڈتا پھرے گا۔" میں نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"اور جو اس نے پولیس کو تیرے پیچھے لگا دیا؟" وہ میرے قریب آ کر بھی ہوئی سرگوشیانہ آواز میں بولا۔

"وہ پولیس کے پاس گیا تو اسے لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ پولیس اس سے سونے کا حساب اور رسید طلب کرے گی وہ اتنا احمق نہیں ہے کہ اپنی گردن پھنسائے۔ ہاں یہ چنگیں کی آگ کی طرح کانوں کان ملنے پائے گا کہ ان میں چھبیس جانے گی اور کوئی منشا کسی نے بھیجنے کو ہاتھ نہ لگائے گا۔"

"اب کیا ارادہ ہے؟" اس شخص کو مجھ پر اتنا بھروسہ تھا کہ میں نے جو بتایا اس سے زیادہ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی۔

"جتنی محنت ہم نے کی اور آخر نا کامیابی سے بچ گئے ہیں۔ میں نے اسے کہا کوئی دوسری کوشش ہمیں سخت مصیبت میں ڈال دے گی۔ اس لیے آج کی رات تو ہمیں بسر کرو کل صبح پروگرام چھوڑ دیں گے۔ جب کچھ دن ادھر ادھر گزار آئیں گے ہوں؟"

"اب کہاں مرجھائیں گے۔ شہر چھوڑنا ہی ہے تو ابھی نکل چلو۔ کوئی ہماری ملاقاتی مل جائے گا۔"

چند منٹ کے بعد جمال خاموش ہو گیا اور میں ان سے کھڑا ہوا چوٹی سے اتر کر وہ جب تک گاڑی کو راستہ دے کر مجھے تلاش کرتا رہا۔

ہم نے عیشیا میں تانگا دیکھا جس کا وہ چوک تک کرایہ جاتے۔ ایک بج رہے تھے۔ کشمیر کی لمبی سڑک دیکھیے۔ ہم نے دوسری بس کی ٹکٹیں لیں اور پچھلی سیٹوں پر جا بیٹھے۔

"تم نے نہیں پوچھا کہ میرے پاس کتنی رقم ہے؟" راستے میں میں نے پوچھا تو جمال نے کہا۔

"پوچھ کر کیا کرنا۔ مل جل کر ہی خرچ کریں گے۔ کیا پچاس ہزار؟" اس نے کمال بے نیازی کے ساتھ کہا اور میرا جی چاہا کہ اس کی سادہ لوحی پر اپنا سر پیٹ لوں۔

"دولاکھ میں صرف سات ہزار کم ہیں!"

"ہیں؟" اس کی آواز طول کھینچتی چلی گئی اور آنکھیں حیرت سے پھیلتی گئیں۔

"تمہاری صحت بہت خراب ہے۔ میں تمہیں علاج کے شہری کے پہاڑوں پر بیٹھنے میں ایک دو برس پر مجبور جا رہا ہوں گا۔ اس کے بعد ہماری منزل کا کوئی پتہ نہ ہوگا۔"

"ہماری منزل کا کوئی پتہ نہیں ہے تو پھر کہاں جانا ہوگا؟"

"کیوں؟"

"ایک بات میں نے تم سے ایک تکلیف چھپائی تھی۔ میرا ہر صاف خیال ہے کہ ہاں کے کسی بڑی گاڑی میں میری خطرناک بات ہے کہ پولیس بھی مجھ کو ہاتھ جھٹک کر ہم کی تلاش میں لگ گئے ہیں۔ پچھلے دنوں مجھے ان ہی سے پتہ چلا تھا کہ آج کل بیمار ہیں میرا نام کا بڑا شہرہ ہے اور لوگ اسے خفی یا اوتار مانتے ہیں۔ وہ سال میں ایک بار پہاڑ سے برف جیسا سفید رنگ جو ہے کی زنجیریں ڈال کر پہنچتا ہے اور بہت کوشش کے بعد پہاڑوں پر چڑھتا ہے اور جب کئی مہینوں بعد وہ نیچے اترتا ہے تو اس کی ساری زنجیریں ٹوٹ کر بھری ہوتی ہیں۔ وہ اپنی کٹیا میں جاتے ہی سے پہلے ساری زنجیریں اتار کر نیاز کی سے پھینک دیتا ہے اور لوگ ان کی ایک ایک کڑی لے کر چلے جاتے ہیں۔ اس کا وطن میں وہاں خون بخرابہ ہوا ہے میرا خیال ہے کہ ان پہاڑوں میں بابا کو تو چھپ کر کی چوٹیوں پر رہتا ہے۔ اس اندرام دو مہینے بعد پہاڑوں سے اترنے والا ہے۔ تبھی اس رقم کا ایک بڑا حصہ پہنچ کر اس کا بھیس بدلنا چاہیے۔"

تفصیل سن کر میں ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے اتنی بڑی اور اہم بات مجھ سے چھپائی تھی۔ بہر حال اب تو ہم ٹرین میں سوار ہو ہی چکے تھے جمال کی حالت بھی بہتر نہ تھی میں خود بھی جیسے نئی کیا تھا کہ اس کے بعد اپنے جیسے ہی جمال سے دیکھا بچاؤ محسوس کرتا تھا۔ اس لیے چند دن آرام کر کے ہی اس مشن کا سوچا تو بہتر رہے گا۔

لاہور پہنچ کر میں نے ایک ہوٹل میں کمرہ لیا۔ تم سفر کے دوران جمال کو سرد ہوا نے ستایا تھا اس لئے ہم نے قیمتی گرم کپڑے خریدے جنہیں پہن کر جمال بالکل ہی خوش ہو گیا تھا۔

رات کھانا کھا کر ہم نے مری کی تیاری کا پروگرام بنایا۔ گیا کہ سالار قریب صندل فال رکھے جو حالات کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ صبح کیا ہوتا ہے۔ پنڈی میں ایک بار ہم نے ساتھ میں ناشتہ کیا۔ اس نے میرے خیال کی تائید کی اور ہم نے وہاں سے اپنی ساری سرگرمیاں ترک کر کے مری کا رخ کیا۔ میرا خیال غلط نہیں تھا اور جمال کی طبیعت بہت ٹھیک ہو گئی تھی۔ دس سال بعد جیسے میں وہاں گیا تو میری جوانی لوٹ آئی تھی۔

مری میں کمرہ بہت مشکل سے ملا کیونکہ وہاں سیاحوں کی بھیڑ لگی تھی۔

نے جمال کو دس ہزار روپے دیئے لیکن اس نے وہ رقم مجھے لوٹا دی۔

"بس دو تین ہزار کافی ہوں گے۔ باقی رقم احتیاط سے رکھنا، کام آئے گی۔" اس نے کہا تھا۔

تین ہزار اُسے دے کر باقی رقم میں نے بنک میں رکھ دی اور صرف چند ہزار روپے اپنے خرچے کے لیے رکھے۔ ایک شام میں نے سوچا کہ مال روڈ پر چلوں۔ ہمارا ارادہ تھا کہ یہاں سے جلد ہی چلے جائیں لیکن مری میں آئے ہمیں دو ہفتے ہو گئے تھے۔

ہر شام میں اس بازار میں جاتا۔ طرح طرح کے لوگوں کو دیکھتا، خوشبو کی فضا میں لوگوں کی چہل پہل رہتی تھی۔ میں یوں ہی گھومتا رہا تھا کہ۔۔۔۔۔ اچانک ایک ہوٹل کے پیچھے سے ایک نوجوان لڑکی نکلی اور مجھ سے ٹکرا گئی۔ "بابو معاف کیجئے!" آواز شناسا تھی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سر پر زور دار ہتھوڑا مار دیا ہو!

میں بس اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

آواز بلکہ وہ چہرہ بھی میرا شناسا تھا!

وہ میرے کالج کے زمانے کا دوست اکبر تھا۔ وہ ڈھیلے ڈھالے کرتے شلوار میں ملبوس سامان لیکر اچھے اطمینان سے سگریٹ کے کش لگا رہا تھا اور اس کے چہرے پر بے خیالی کی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

اکبر کو میں نے آٹھ سال کے طویل عرصے کے بعد دیکھا تھا مگر پہلی ہی نظر میں اسے پہچان گیا۔ جنون جیسی بولی سفیدی سے قطع نظر وہ جوں کا توں تھا۔ ہم ایک ہی محلے میں رہتے تھے اور بازار میں گھومنے کے ہم عادی تھے لیکر مجھے سخت ذہنی صدمہ ہوا اور میں چند لمحے تک پیچھے بیٹھ کر اس کی طرف دیکھتا رہا!

مجھے یوں چپ چاپ دیکھ کر وہ ذرا بھی نہ جھجکا بلکہ بولا: "بہتر یہی ہے کہ بیٹھو، سوچتا کیا ہے۔ آج کی رات کوئی مقدر والا ہی اسکا حصہ بن سکے گا۔"

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ قطع وضع لمبی مونچھوں اور بڑے بڑے بالوں میں چھپے ہوئے اکبر مجھے بالکل نہ پہچان سکا تھا۔ آٹھ برس میں وہ جوں کا توں تھا مگر میری ہیئت کافی بدل چکی تھی۔

میں نے فیصلہ کر لیا کہ اسے اپنی اصلیت سے آگاہ نہ ہونے دوں گا۔ اس بد بخت پر نظر پڑتے ہی مجھے گلنار یاد آ گئی تھی مگر میں نے اپنے غصے پر قابو پا لیا۔ "مال کدھر ہے؟" میں نے اس کے قریب ہو کر سوال کیا۔

"یہیں ہے کشمیرن چھوکری ہے جیتے جی ایک بار سودا کر لو۔ بس آج اس کی بولی کا دن ہے۔ وہ ہزار روپے لے گی۔ سو روپے میرے!" وہ بے شرمی سے میرا ہاتھ پکڑ کر ادھر لانے لگی میں بولا۔

کشمیرن کا لفظ میرے اعصاب پر ہتھوڑے کی طرح لگا۔ گلنار بھی کشمیر سے ہی تعلق رکھتی تھی اور اکبر کے ذریعے میرا اس سے تعارف ہوا تھا۔ پھر اکبر درمیان سے ہٹ گیا اور وہ میرے دل و دماغ پر چھا گئی تھی۔ اس دور میں میں نے نہ جانے کن کن نازنینوں کے قرب سے اپنی زندگی میں رنگوں کی دھنک بکھیری تھی۔ مگر گلنار۔۔۔ وہ تو بس گلنار ہی تھی۔ میں نے بڑی شامیں اس کے ساتھ گزاریں۔ اس کو بے شمار تحفے دیئے۔ اس کی ہر خواہش کو پورا کیا۔ حد تو یہ ہے کہ محض اس کی خاطر میں نے اپنے والد صاحب کی جناب میں ایسی گستاخی کی جس کا صدمہ ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوا اور میرے گھر والوں نے مجھے دھتکار دیا۔

میرا ذہن خیالوں میں اُلجھنے لگا اور میں نے بلا عذر اس کی شرائط مان لیں۔ میں جلد از جلد اس کشمیرن کو دیکھنا چاہتا تھا۔ اکبر کے ساتھ چلتے ہوئے میں تھوڑی ہی دیر میں بازار حسن سے ملحق گلی کے ایک گندے کمرے میں جا پہنچا جس کی آرائش سے مکینوں کے شوق ذوق اور آسودہ حالی کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہاں نہ روایتی بالا خانوں کے ساز تھے، نہ سازندے، نہ چلمنیں تھیں نہ دعوت نظر نفاست!

اکبر نے مجھے اسی کمرے میں ایک صوفے پر بٹھایا اپنے کمیشن کے سو روپے وصول کر کے مجھ پر ایک معنی خیز نگاہ ڈالی، اٹھے اور مسکرا کر بلند آواز میں بولا: "ارے کوئی ہے؟" پکارا۔

چند لمحوں کے بوجھل سکوت کے بعد ایک نیا بت سی لڑکی قیمتی کامدار ساڑی میں ملبوس دراز قامت اور سب جتن سے سجی سنوری ہوئی اس کمرے میں ایک نخرے سے گھستی چلی آئی۔ اس کے ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ رقصاں تھی اور بڑی بڑی آنکھیں دعوت قرب دے رہی تھیں۔

اس نے مجھے دیکھا۔ میں نے دوسرے ہی لمحے پہچان لیا کہ وہ گلنار تھی۔ اچانک اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ مجھے دیکھ کر جو دھچکا اُسے لگا، صدمہ، غصہ، بے بسی، نفرت، یہ ساری کیفیتیں لمحہ بھر کو گزریں اور پھر اس نے اپنا پرانا ادا کا روپ دھار لیا۔

یہی وہ گلنار تھی جس کی خاطر میں نے گھر بار، ماں باپ بھائیوں سب کو چھوڑا۔ اس وقت میری نظروں پر پردہ پڑا ہوا تھا لیکن اب سارا کھیل میری سمجھ میں آ چکا تھا۔ گلنار کسی ڈاکٹر کی بیٹی ہرگز نہ تھی۔ اکبر میرا ساتھی تھا اور دوست ہوتے ہوئے وہ مجھ سے دولت نہیں بٹور سکتا تھا اس لئے وہ گلنار کو درمیان میں لایا پھر خود الگ ہو گیا۔ وہ مجھ تک پہنچ گئی۔ اکبر پس منظر میں رہ کر اس سے اپنا حصہ وصول کرتا رہا اور جب میں مفلس ہو گیا تو اکبر نے مجھ سے کراچی کی ترغیب دی اور گلنار کو۔۔۔ اسے نہیں بلکہ اس کے حسن اور شباب کو سرمایہ بنا کر کمایا۔

"ساری بات طے ہو چکی ہے بیبی!" اکبر گلنار سے کہہ رہا تھا۔ "تم مہمان کو اندر لے جاؤ، میں یہیں کسی صوفے پر سو جاؤں گا۔"

"جی سرکار!" گلنار بالکل مجسمہ سلوں کی طرح اُٹھی: "بندہ کے لئے کیا حکم ہے!"

گلنار نے سخت طیش کے عالم میں اس پر ایک نظر ڈالی جو بیوقوف بنا رہا ہے۔ "آنکھیں جھپک رہی ہیں؟" اگر میری بدلتی ہوئی کیفیت کا غلط مفہوم سمجھ کر بولا۔ "یولی انہیں لے جاؤ اور آرام کرو۔"

گلنار نے جھک کر ایک ادا سے میرا ہاتھ تھام لیا اور دروازے کی طرف چل دی۔ ایک مختصر سی راہداری عبور کر کے ہم ایک پرتکلف خوابگاہ میں داخل ہو گئے جہاں سنگھار میز اور مسہری کے علاوہ مختلف قسم کی شراب کی بوتلوں سے بھری ہوئی ایک الماری بھی موجود تھی۔

میرے وجود میں آگ بھڑک اٹھی اور اس وقت میں نے اچانک محسوس کیا کہ مجھے گلنار سے کبھی محبت نہیں رہی۔ میں ہر لڑکی کو فریب دیتا رہا لیکن اسے دام میں نہ لا سکا اور تشنگی مجھے اس کے ساتھ لگائے رہی۔ جوں ہی اس کار فریب کو میں محبت سمجھ بیٹھا تھا کہ اب وہ دام الفت میں میری آغوش میں آ گری تو اس کی ساری کشش دم توڑ گئی۔ اب میرے لئے اس کا کوئی نام نہ تھا۔ بس وہ ایک لڑکی تھی، جوان اور خوبصورت لڑکی۔ آوارہ اور چالاک لڑکی۔!

پھر خوابگاہ کی مدھم روشنی گھپ تاریکی میں ڈھل گئی۔ وقت کی قید ختم ہو گئی اور میں گلنار کے روپ میں اپنی رقم کا خراج وصول کرنے لگا۔ گناہ میں لذت ضرور ہے مگر وقتی۔ رات کے آخری پہر تک میرا دل اس لذت انگیزی سے بھر چکا تھا۔ میں نے آہستگی سے پہلو بدلا اور دونوں ہاتھوں سے اس کے رخسار سہلانے لگا۔ میرے ہاتھوں پر ہلکی سی لرزش چھائی ہوئی تھی اور وہ آنکھیں موندے چت لیٹی تھی۔!

چند منٹ یوں ہی گزر گئے اور میرے دونوں ہاتھ اس کے نرم نرم رخساروں سے پھسل کر اس کی گردن پر جم گئے۔ اس نے جھنجھلا کر ... مگر میری بے رحم انگلیاں اس کے حلقوم کے گرد تنگ حلقہ بنا چکی تھیں۔ ہاں اس کا جسم پوری آزادی کے ساتھ تڑپا!

میں وحشیانہ انداز میں اس کا گلا گھونٹتا رہا۔ وہ آواز نکالے بغیر تڑپ تڑپ کر ساکت ہو گئی۔ مگر میں نے پھر بھی احتیاطاً اس کا گلا نہ چھوڑا۔ جب اس کی زندگی کی آخری رمق تک ختم ہو گئی تو میں اسے چھوڑ کر بستر سے اتر آیا۔ تاریکی کے باعث میں مرنے کے بعد اس کی بھیانک صورت نہ دیکھ سکا۔ قتل سرزد ہونے کے بعد مجھ پر اضطراب اور خوف کی کیفیت طاری ہو چلی تھی۔ میں روشنی کرنے کی ہمت نہ کر سکا اور چوروں کی طرح دبے پاؤں گلنار کی خوابگاہ سے باہر آ گیا۔

اکبر کی ایک بری عادت اس وقت میرے لئے اطمینان اور دلجمعی کا سبب تھی۔ ڈرائنگ روم سے اکبر کے ... کا شور مجھے ایک بار پھر خوش نصیبی پر اکسا رہا تھا۔ اکبر نے دوست بن کر مجھ سے دغا کی تھی اور صرف مالی ہی نہیں بلکہ روحانی نقصان بھی پہنچایا تھا۔ گلنار کو بدی کی راہ پر لگانے میں شاید اسی کا ہاتھ کارفرما تھا۔

میں دبے قدموں اس کے سر پر جا پہنچا۔ گلنار کے قتل کے بعد میں وہ واحد گواہ تھا جو میری نشاندہی کر سکتا تھا اور اب اس کا زندہ رہنا میرے لئے نقصان دہ تھا۔

پھر جیسے ہی میرے ہاتھ اس کی شہ رگ پر پہنچے وہ ہڑبڑا کر جاگ گیا۔ میں پھرتی کے ساتھ اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور اس کے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں کے نیچے دبا لئے تاکہ وہ میری مہلک گرفت سے نجات نہ حاصل کر سکے۔!

"رحمت... رحم کرو۔" وہ پھنسی پھنسی آواز میں خوفزدہ ہو کر بولا۔

"مجھے پہچان لے اکبر! کہ مرنے کے بعد تجھے افسوس نہ ہو کہ ایک اجنبی کا شکار ہوا۔ میں صفدر ہوں صفدر... جس کی محبوبہ سے تو عیش کرتا رہا ہے۔"

"وہ... وہ... اب... مم... میری بیوی ہے صفدر!" اس سے آگے اس کی آواز حلق کی گہرائی میں دم توڑ گئی۔

وہ جسمانی طور پر کسی طرح مجھ سے کمتر نہیں تھا اور اگر اسے بھی سنبھلنے کا موقع مل جاتا تو اور کچھ ہوتا نہ ہوتا مگر میں ضرور بے نقاب ہو جاتا۔ بس غنیمت یہ ہوا کہ جب میں نے وار کیا تو وہ سو رہا تھا اور جب اسے ہوش آیا تو میں پوری طرح اس پر حاوی ہو چکا تھا۔ اس کی لرزتی ہوئی روح جان کے خوف میں تحلیل ہو گئی... اور ذرا سی دیر میں وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکا تھا!

میرے نام کے ساتھ اب ٹھگ اور فریبی کے ساتھ ہی قاتل کا بھی اضافہ ہو چکا تھا۔ دونوں لاشوں کو وہیں چھوڑ کر میں پھرتی اور احتیاط کے ساتھ مکان سے باہر آ گیا۔ غصہ تیزی کے ساتھ سرد ہو چکا تھا۔ انتقام کی آگ لہو سے سرد ہو چکی تھی اور اب مجھ پر اعصابی تناؤ طاری ہونے لگا تھا جو اتنے بڑے معرکے کے بعد یقینی تھا۔ کرنسی نوٹوں کی خطیر رقم میرے پاس موجود تھی جو میں نے نقلی سونا فروخت کر کے کراچی کے سیٹھ غلام علی سے حاصل کی تھی۔

رات اپنے آخری سانسوں پر تھی اس لئے میں نے گھر جانے کا ارادہ صبح تک کے لئے ملتوی کر دیا اور خود کوپر روڈ کی طرف چل دیا۔ جہاں کے ایک مکان میں عارضی طور پر خفیہ جوا خانہ کھلا ہوا تھا۔ توقع تھی کہ آدھی رات گزرنے کے بعد بھی اس کاروبار میں فرق نہ آیا ہوگا۔ طویل عرصے تک جوئے سے کنارہ کش رہنے کے بعد میں وہاں پہنچا تو جوئے کا کھیل پورے زور و شور سے جاری تھا۔ میں نے پھاٹک سے داخل ہونے کے بعد طویل راہداری کے وسط میں ... بریف کیس میں بھری ہوئی نوٹوں کی گڈیوں میں سے چند جیب میں ڈال لی تھیں تاکہ وہ بھاری رقم کسی کی نظر میں نہ آ سکے۔!

کچھ دیر تک میں خاموشی سے وہاں پر ہونے والے کھیل کا جائزہ لیتا رہا۔ وہاں ہر طرف اونچے اسٹیک چل رہے تھے اور تمام جواری اتنے انہماک سے کھیل میں ڈوبے ہوئے تھے جیسے وہ کوئی عبادت کر رہے ہوں!

دل بہت دیر تک ... بعد تاش کی ایک بازی میں مجھے شرکت مل گئی۔ کارڈ تقسیم ہوئے۔ تین راؤنڈ تک بلائنڈ چلتی رہی۔ پانچویں پر ایک پیک ہوا۔ اگلے میں دوسرا پیک ہوا اور میرے سامنے صرف ایک حریف رہ گیا۔ میرے پاس ایک اکا اور دو بادشاہ تھے۔ میں نے بھرپور انداز میں بلائنڈ کرنا شروع کیا اور وہ بھی بد اعتمادانہ انداز میں جاتا رہا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے پورے ہال میں سنسنی پھیل گئی۔ کئی میزوں سے لوگ اپنا کھیل چھوڑ کر ہمارے گرد جمع ہو گئے!

میرے حریف کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے مگر وہ ہار ماننے پر تیار نہیں تھا۔ آخر میں نے ہی اس کے کارڈز شو کرانے کو ہاتھ بڑھایا ... اس نے بے جھجھک کے ساتھ ساری رقم اپنے آگے سمیٹ لی۔

صبح کے سات بجے تک میں اسی زور و شور سے کھیلتا رہا اور ہارتا رہا۔ جب میری جیب میں صرف چند سو روپے رہ گئے تو میں شکست خوردہ انداز میں مسند سے اٹھ گیا۔ چند ہی قدم چلا تھا کہ اپنا بریف کیس یاد آیا۔ میں میز کی طرف واپس پلٹا تو دل دھک سے رہ گیا۔ میرا بیگ وہاں موجود نہیں تھا!

میں نے پاگلوں کی طرح پورا ہال چھان مارا لیکن بیگ نظر نہ آیا۔ جوئے خانے کے منتظمین سے اس سیاہ چرمی بیگ کے بارے میں پوچھا لیکن وہ بھی لاعلم تھے۔ آخر میں دل ہی دل میں اپنے مقدر کو کوستا اس عمارت سے کھلی فضا میں نکل آیا۔

شاید میرا ستارہ ابھی تک گردش میں تھا۔ میں نے اپنے نام کو داؤ پر لگا کر مشکل سے جو رقم حاصل کی تھی وہ یوں ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ میرے پاس صرف چند سو روپے رہ گئے تھے اور بھاری رقم کی تلاش میں ڈھاکہ یا چٹاگانگ کا سفر خاصا مہنگا ثابت ہو سکتا تھا۔

کوپر روڈ سے ٹیکسی پکڑ کر میں گھر کی طرف روانہ ہوا اور اچانک مجھے پھر وہ وقت یاد آ گیا جب میں نے اپنے پیدا کئے ہوئے حالات کے تحت اپنا گھر چھوڑا تھا۔ ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے میں پھاٹک پر پہنچا تو میرے قدم ٹھٹھک گئے۔ پھاٹک پر وحید قاضی کے نام کی تختی میرا منہ چڑا رہی تھی۔ شاید میرے گھر والے یہ مکان کرائے پر دے کر کہیں اور جا بسے تھے۔

میں نے ان کا موجودہ پتہ معلوم کرنے کی غرض سے گھنٹی بجائی تو ایک چوکیدار آ کر مجھے لئے میں وحید قاضی تک پہنچا۔ اس نے بتایا کہ وہ میرے بھائیوں سطوت علی اور منظر علی سے قطعی نا آشنا ہے۔ اس نے دو سال قبل یہ مکان کسی اور شخص سے خریدا تھا۔

اس ناکامی کے بعد میں نے ان کی مزید تلاش کا ارادہ ترک کر دیا اور فوراً اسٹیشن جا پہنچا۔ اسپیشل ٹرین سے پنڈی پھر مری کا رخ کیا۔ شام کو جب مری پہنچا تو ... مجھے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"خیال کی ضرورت نہیں بابا۔" میں تھکی ہوئی شکستہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "بدقسمتی برابر میرا تعاقب کر رہی ہے۔"

"کیا ہوا؟" وہ متجسس لہجے میں بولا۔

"ساری رقم چوری ہو گئی۔ بس جیب میں چند سو روپے بچے ہیں۔" میں نے کہا۔ "میں وہ بیگ ٹیکسی ہی میں بھول کر اتر گیا اور کافی تلاش کے باوجود اس ٹیکسی کا سراغ نہ مل سکا کیونکہ میرے پاس اس کا نمبر نہیں تھا۔"

"یہ برا ہوا۔" اس کے لہجے سے تاسف کا اظہار ہو رہا تھا۔ "اتنی بڑی رقم ہاتھ آ کر نکل گئی۔ مگر خیر اس پیسے سے میرا دل خوش بھی نہیں تھا۔"

"وہ کیوں؟"

"وہ چوری اور فریب کا پیسہ تھا۔" وہ دھیمی اور پرجوش آواز میں بولا۔

"کیمیا کے بعد کیا ہم جائز پیسہ حاصل کر سکیں گے؟"

"کیوں نہیں۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔ "کیمیا ایک فن ہے۔ سنگ تراش ایک بے فعل اور بے وقعت پتھر پر محنت کر کے اسے سنوارا اور نکھارتا ہے پھر اس کی اصل قیمت وصول کرتا ہے اسی طرح کیمیاگر سستے تانبے کو چمکتے سونے میں ڈھال دیتا ہے۔ نقلی سونا بیچ کر حاصل کی ہوئی رقم ناجائز تھی جہاں سونا کسوٹی کی پرکھ کے بعد بیچو تو اس رقم سے مجھے بھی خوشی ہوگی۔"

"خیر۔ جو ہوا سو ہوا اب کیا کرنا چاہئے۔؟"

"شاید میرا علاج ابھی تیرے مقدر میں نہیں ہے۔ جو رقم تم مجھے دے گئے تھے وہ میرے پاس جوں کی توں موجود ہے۔ اب جلد فرصت میں ڈھاکہ چلنے کی تیاری کرو۔"

میں خود بھی دل سے یہی منصوبہ بنا کر اس کے پاس پہنچا تھا۔ اس نے خود پیشکش کر کے میرا کام آسان کر دیا تھا۔ مری میں جمال کا قیام ایک ہی دن رہا اور ہم وہاں سے واپس روانہ ہو گئے۔ اس دوران میں میں نے اخبارات میں گلنار اور اس کے شوہر اکبر کے بہیمانہ قتل کی خبر پڑھی۔ یہ بات پہلے سے پولیس کے ریکارڈ پر تھی کہ لکھنؤ ... بے روزگار اکبر اپنی بیوی کی آمدنی کے سہارے آسودگی کے دن بسر کر رہا تھا۔ گلنار اس کے معاملے میں اکبر کے ساتھ بہت سخت تھی شاید اسی لئے وہ گاہکوں سے اپنا کمیشن الگ وصول کرتا تھا!

بے ضمیری اور بے حیائی کا یہ مظاہرہ میرے لئے انوکھا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ ایسے بے غیرت جوڑے کا مر جانا ہی زیادہ بہتر تھا اور قسمت نے اس اچھے کام کے لئے میرا انتخاب کیا تھا۔

ہم نے لاہور سے اسی شام ڈھاکہ کے لئے ہوائی جہاز کی دو نشستیں حاصل کیں اور رات تک مشرقی صوبے کے دارالحکومت جا پہنچے۔ ان دنوں ڈھاکہ کا رنگ ہی کچھ اور ہو رہا تھا۔ نسلی اور لسانی تعصبات دھیمے دھیمے سر ابھار رہے تھے مگر نفرت کا وہ زہر ابھی عام نہیں پھیلا تھا۔ بنگالی اور غیر بنگالی مزدور شانہ بشانہ کام کرتے تھے۔ یہ سوچے بغیر کہ کون کہاں پیدا ہوا اور کیوں پیدا ہوا۔؟

محمد پور پہنچ کر میں غیر ملکیوں کی سیاحت تک بڑھتی ہوئی ہے۔ جمال نے
مجھے بتایا کہ اس کا طیب نامی ایک مدراسی دوست یہیں رہتا ہے اور اس نے اپنی ساری عمر کیمیا گری یا جادو ٹونے کی تلاش میں گزار دی ہے۔

پہلے مجھے اندازہ نہ ہو سکا کہ محمد پور کتنی بڑی بستی ہو گی۔ وہاں پہنچا تو ساری امیدوں پر پانی پھرتا نظر آنے لگا۔ محمد پور تو انسانوں کا ایک انبوہ سمندر تھا۔ دیوار سے دیوار ملے ہوئے چھوٹے بڑے مکانوں کی اس گنجان بستی میں محض نام کے سہارے کسی کا سراغ لگا لینا معجزہ ہی نظر آتا تھا۔

کچھ دیر تک بے مقصد ان گلیوں میں گھومتے پھرنے کے بعد میں ایک پرچون فروش بوڑھے کی دوکان پر جا پہنچا جہاں زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔

"کہاں سے آئے ہو بابو؟" بوڑھے نے طیب کا نام سن کر پوچھا۔

"کراچی سے۔" میں نے کہا۔

اس کے چہرے پر ایک عجیب سا تاثر گزر گیا۔ "کس کام سے آئے ہو؟"

اس کی جرح سے میں چڑ گیا۔ "کام ہی ہے۔ تمہیں ٹھکانہ معلوم ہے اس کا؟"

"بڑی دور دور سے لوگ اس کی تلاش میں آتے ہیں بابو۔ مگر وہ خدا ہی اپنا راز سینے ہی میں لے کر جائے گا؟" وہ میری بات سنی ان سنی کرتے ہوئے بولا۔

"کیسا راز؟" اس بار جمال نے زبان کھولی۔

"انجان نہ بنو۔" وہ تیز سرگوشیانہ آواز میں بولا۔ "کیا تم اس کے پاس کیمیا کا راز جاننے کے لیے نہیں آئے ہو؟"

"ہاں آئے ہیں۔ پھر؟" میں اس سے جلد از جلد جان چھڑانا چاہ رہا تھا۔

"محمد پور کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ طیب مدراسی سونا بنانے میں کامیاب ہو چکا ہے۔" وہ جوشیلی آواز میں بولا۔ "مگر اس کا مقدر خراب ہے۔ جب اس نے سونا تیار کر لیا تو چلنے پھرنے تک سے معذور ہو گیا۔ اب وہ اسی آس پر جی رہا ہے کہ ایک نہ ایک دن وہ ضرور صحت یاب ہو گا اور منوں سونا تیار کرے گا۔"

"لیکن وہ رہتا کہاں ہے؟"

"اسی بستی میں رہتا ہے۔ تم سیدھے چلے جاؤ۔ آگے داہنے ہاتھ پر مسجد آئے گی۔ اس کے ساتھ والی گلی میں بائیں سے تیسرا مکان اسی کا ہے۔ اس کے دروازے کا رنگ کالا ہے۔"

طیب مدراسی کا پتہ معلوم ہو جانے کے بعد میں نے وہاں رک کے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا اور جمال کو ہمراہ لے کر اس پرچون فروش کے بتائے ہوئے راستے پر چل دیا۔۔۔ وہ مکان کیا ایک کال کوٹھری سی تھی۔ جس میں طیب ایک بوسیدہ چارپائی پر نیم بے ہوشی کے عالم میں پڑا ہوا کراہ رہا تھا!

دوپہر کا وقت ہونے کے باوجود اس تنگ کوٹھری میں اندھیرا سا چھایا ہوا تھا۔ ایک طرف بہت سے خانوں والی ایک خالی جستی الماری بھائیں بھائیں کر رہی تھی۔ جس کے نیچے بہت سی بوتلیں وغیرہ ٹوٹی پڑی تھیں۔ فرش پر بہت سے مرتبان اور ڈبے بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے تھے اور کوٹھری کی تاریکی میں ڈوبے خوفناک گوشوں سے صحت مند چوہوں کی بھاگ دوڑ کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔

"طیب!" جمال بابا اس کے قریب جا کر تقریباً لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

اس کا بدن کسمسایا پھر شاید اس نے بولنے کی کوشش کی لیکن اسی وقت اس پر کھانسی کا شدید دورہ پڑا اور وہ بولتے بولتے خشک کھڑکھڑاہٹ بھری سی کھانسی سے بے حال ہو اٹھا۔ جمال نے اس کے بے جان ڈھانچے کو سہارا دیا اور سنبھالنے کی کوشش کی لیکن وہ کئی منٹ تک اس کربناک عذاب میں مبتلا رہا۔ اس کے چہرے کی ساری وریدیں جلد پر ابھر آئی تھیں اور آنکھوں سے عجیب سی وحشت ٹپکنے لگی تھی۔

جب اس کی حالت قدرے بہتر ہوئی تو اس نے بھرائی ہوئی آواز میں بے مقصد چند ننگی گالیاں بکیں پھر بولا۔ "اس زندگی میں اب مزا نہیں رہا۔ نہ جانے سسکتے خواب کب پورے ہوں گے!"

"میں نے سنا ہے تو سونا بنانے میں کامیاب ہو گیا ہے؟" جمال براہ راست سوال پر اتر آیا۔

اس نے پھر ایک گالی بکی اور مضمحل آواز میں بولا۔ "مجھے کچھ پتہ نہیں۔ ایک چھوکرا میرے ساتھ رہتا تھا اور میں کوٹنے پیسنے کے عوض اسے دو وقت کی روٹی دیتا تھا۔ سونے کی ڈلی مجھے آزمانے کا موقع ہی نہیں مل سکا جیسے ہی وہ تیار ہوئی میں بیمار پڑ گیا اور وہ ولد الحرام ڈلی اڑا لے گیا۔ صرف یہی نہیں، اس نے وہ ڈلی کسوٹی لگوا کر بڑے آرام سے بازار میں بیچ دی اور پورے محمد پور میں مجھے بدنام کر دیا کہ میں سونا بناتا ہوں۔ اب آئے دن اس نسخے کی تلاش میں دو چار آدمی یہاں آ کر مجھے تنگ کرتے رہتے ہیں۔"

"تیرا کیا خیال ہے؟" جمال نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔ "کیا واقعی سونا تیار ہو گیا تھا؟"

طیب تیز نظروں سے اسے گھورنے لگا۔ "شاید تو بھی اسی کھوج میں آیا ہے؟"

"ہاں۔" جمال اطمینان سے بولا۔ "لیکن تیرے نسخے کی کھوج میں نہیں۔ یہاں پہنچنے سے پہلے مجھے پتہ بھی نہ تھا کہ تو سونا تیار کر چکا ہے۔"

"جب تک اس نسخے سے میں پورا پورا فائدہ نہ اٹھا لوں، کسی کو اس کی ہوا نہ لگنے دوں گا۔ ایسی چیز کا کیا فائدہ جس سے آدمی کو خود فیض نہ پہنچے۔" طیب بیزاری کے آخری مرحلے پر نظر آتا تھا۔

"تیری بات تو ٹھیک ہے مگر میں تجھ سے صرف یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ نیپال کا کون سا علاقہ کالا دیس ہے!" جمال نے آہستہ سے کہا۔

طیب پر ان الفاظ کا حیرت ناک اثر ہوا اور وہ آنکھیں پھاڑ

پھاڑ کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے گھورنے لگا۔ اس کے چہرے سے شکست خوردگی کا اظہار ہو رہا تھا۔

"بھیا تو بہت آگے جا چکا ہے!" کئی ثانیوں کے سکوت کے بعد طیب کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

"ہاں بس تھوڑی کسر رہ جاتی ہے۔" جمال اعتماد کے ساتھ بولا۔ "جادو ناس مل جائے تو سمجھ لے کہ سونا تیار ہے۔"

جادو ناس کا لفظ سنتے ہی چارپائی پر دراز طیب نے مضطرب ہو کر پہلو بدلا اور تقریباً کراہتے ہوئے بولا۔ "تو تجھے اس بوٹی کا نام بھی معلوم ہے!"

"بس میں جلد از جلد اپنا تجربہ مکمل کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں تو برسوں ... اداروں میں سر کھپاتا رہا۔ سفید سونا بن جاتا ہے اسے رنگنے کا طریقہ بھی اب آسان ہو گیا ہے مگر مہینوں کی تگ و دو کے بعد بھی سونے کا رنگ نہیں آیا۔ کئی برس پہلے میرے ایک دوست نے مجھے ... جیسی سخت لکڑی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تحفے میں دیا تھا۔ جب میں لکڑی رنگنے اور کسی کا ناتو دینے میں بھی کامیاب نہ ہو سکا تو اوٹ پٹانگ تجربے کرنا شروع کر دیئے۔ کبھی شیشے کی بوتلوں میں کچے سونے کو ڈال دیتا کبھی لوہے کو جلا کر سرخ کر دیتا۔ پھر ایک دن میں نے کچا سونا اس عجیب لکڑی کے برادے میں ڈال کر بھٹی میں جھونک دیا اور تو یقین نہیں کرے گا کہ تھوڑی دیر بعد میں نے وہ ڈلا راکھ سے نکالا تو وہ سونا بن چکا تھا۔ پھر میں بیمار پڑ گیا اور وہ لونڈا ... میرا ملازم وہ سونا لے اڑا۔ میں نے اپنے نیپالی دوست کو خط لکھا تو اس نے جواب میں ایک عجیب کہانی لکھی۔" وہ سوچ میں ڈوبی افسردہ سی آواز میں بولا۔

جمال کچھ دیر اس کے دوبارہ بولنے کا منتظر رہا مگر طیب پر ایسی خاموشی چھائی رہی تو اس نے اس سکوت کو توڑا۔ "ہاں کیا لکھا تھا اس نے؟"

"اس نے لکھا کہ وہ صندوقچی جس لکڑی کا بنا تھا وہ جادو ناس کہلاتی ہے اور نیپال کے دشوار گزار پہاڑی علاقے میں پائی جاتی ہے۔ نیپال میں بڑی بہت جتنی تعظیم کی جاتی ہے کیونکہ اول تو جادو ناس تک رسائی ہی ناممکن ہے۔ کوئی پہنچ بھی جائے تو اس پوچھے گا...... پجاریوں کی نظر سے بچنا ناممکن ہے۔ اگر بھولے سے بھی جادو ناس پر کسی اجنبی کا سایہ پڑ جائے وہ ... اسے ہلاک کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ جادو ناس پوجنے کی ہے۔"

"وہ قبیلہ کہاں ہے۔ جادو ناس کہاں سے حاصل کی جا سکتی ہے؟" جمال یہ تفصیل سنتے ہی بے چین ہو گیا۔

"اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں معلوم۔" طیب بولا۔ "جادو ناس کی ... ہوتا۔ اس کی تلاش بہت مشکل کام ہے یہ وقت بہت ... اور ... پہاڑ ... صورت میں یہ سول چٹانوں میں اترتا رہتا ہے اور ایک دن چٹانوں میں شگاف ڈال کر کھائیوں میں جا گرتا ہے۔ ... کے اوپر پہلے چند مہینوں میں بس دو چار جا سکتے ہیں اور ان کے بعد ... کی طرف نہیں بڑھتے۔"

"تیرے اس نیپالی دوست کا کیا پتہ ہے؟" جمال نے پوچھا۔

"وہ اس عالم میں ... ہماری مدد کر سکے گا۔ ... تم تو ان پہاڑوں میں بھٹکتے ہی رہ جاؤ گے۔"

"نہیں!" طیب اچانک غضبناک آواز میں بولا۔ "تو فریبی ہے۔ جادو ناس میری وراثت ہے اور تجھ سے پہلے میں وہ بوٹی حاصل کروں گا۔"

"کیوں پاگل بن رہا ہے طیب!" جمال نرم لہجے میں بولا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ جادو ناس میں تیرا اور میرا برابر کا حصہ ہو گا۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔" طیب ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ "میں اب سارا کھیل سمجھ گیا۔ تو نے ہی اس چھوکرے کو میرے پاس جاسوسی پر لگایا تھا۔ تو نے دوست بن کر مجھے دغا دی ہے۔ جب تجھے پتہ چل گیا کہ میں سونا بنا چکا ہوں تو تو ہمدردی کا لبادہ اوڑھے یہاں آ پہنچا۔ اب تیری سزا موت ہے، صرف اور صرف موت!" اتنا کہہ کر اس مدقوق بوڑھے نے اپنے سرہانے سے ایک چمکیلا خنجر نکالا اور اس سے پہلے کہ ہم دونوں اپنی مدافعت کے بارے میں سوچ سکیں، اس کا ہاتھ حرکت میں آیا، جمال کے بائیں پہلو سے خون کی دھاریں ابل پڑیں اور وہ ایک تیز ہچکی لے کر کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

میرا جی تو یہ چاہا کہ طیب کو زندہ درگور کر دوں لیکن جیسے مجھے اب ... خطرناک تھا۔ جمال دم توڑ چکا تھا اور میں خود مفرور، اشتہاری مجرم تھا جس کے لیے اب پہلا کام اپنی حفاظت تھا۔ پولیس کی گرفت سے بچنے کے بعد میں طیب سے کسی بھی وقت انتقام لے سکتا تھا۔

میں نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں یہ سب سوچا اور تیزی کے ساتھ اس کوٹھری سے نکل گیا۔ جمال کا قتل اتنی خاموشی کے ساتھ سرزد ہوا تھا کہ باہر کسی کو اس خونریزی کا شبہ تک نہ ہو سکا تھا۔ کوٹھری سے نکل کر میں لمبے ڈگ بھرتا پھر تقریباً دوڑتا ہوا اس بستی سے نکلنے لگا۔ ہوٹل پہنچ کر میں نے عجلت کے ساتھ حساب چکایا اور کیمیا گری کے سارے سامان سے بھرا صندوق لے کر وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اور کوئی نہیں تو محمد پور کا بوڑھا پرچون فروش ضرور اس معاملے میں میرا ذکر کرے گا اور اس نئے شہر میں میں زیادہ دن خود کو پولیس کی عقابی نظروں سے محفوظ نہ رکھ سکوں گا۔

بڑی جانگسل بھاگ دوڑ کے بعد میں سفری گھاٹ پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ جہاں سے چند گھنٹے کے لیے اس روز کی آخری موٹر بوٹ روانہ ہو رہی تھی!

موٹر بوٹ میں مفلوک الحال مسافروں کا اژدحام تھا۔ میں اس بھیڑ میں گم ہو کر رہ گیا۔ بے تحاشا ننگ دھڑنگ بچے، مرغیوں کے ڈبے

میاتی ہوئی بجلیاں سب سے پہلے جنگل کے بیچ پانی سے مل کر عجب سماں باندھ رہا تھا۔ راستے میں موٹر بوٹ تین چار دریائی گھاٹوں پر رکی۔ کئی مسافر اتر گئے اور کئی نئے افراد شریک سفر ہوئے اور جب بوٹ آخری گھاٹ سے پدمہ کی طرف روانہ ہوئی تو دریا کے وسط میں پہنچتے ہی انجن میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی اور وہ چند دبی دبی غراہٹوں کے بعد خاموش ہو گیا۔

مسافروں میں دبی دبی بے چین سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔ گو میں بنگالی زبان سے ناآشنا تھا مگر اتنا اندازہ ضرور ہو گیا کہ انہیں اپنی جانوں سے زیادہ مرغیوں، بکریوں اور مال و اسباب کی فکر تھی۔

اس وقت رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا اور چند اٹھنے بیٹھنے والے دبی زبان میں دریائی قزاقوں کی جانب سے امکانی حملوں کا اظہار کر رہے تھے جو ایسے بدنصیب مسافروں کو بے بسی سے لوٹ لیتے تھے۔ اور ذرا سی دیر میں ان سامنے اندیشوں کی تصدیق ہو گئی۔

وہ لٹیرے تعداد میں تین تھے اور خود کار ہتھیاروں سے مسلح! کشتی کے عملے کو باندھ کر بے بس کر دینے کے بعد وہ تہہ خانے کے بیٹھے انجن روم سے باہر آئے تو فضا دہشت زدہ انسانی چیخوں سے لرز اٹھی۔ ان مسافروں کے ساتھ کوئی قابل ذکر اسلحہ نہیں تھا اور تیر کمان بھی تھے وہ صورت حال کا اندازہ کرتے ہی چپ چاپ سب سے دریا میں کود گئے۔ باقی مسافروں میں وہ جو بچ گئے کہ موٹر بوٹ تھپیڑے پانی میں کسی تنکے کی طرح لرزنے لگی۔ انسانی چیخ و پکار سے وحشت زدہ ہو کر بکریاں اور مرغیاں بھی گلے پھاڑ پھاڑ کر لگی چیخنے۔

"خاموش!" ان لٹیروں میں سے ایک فضا میں گولی چلا کر دھاڑا "اب جس کی آواز سنائی دی اس کا بھیجا اڑا دیا جائے گا۔" وہ اتنی صاف اردو بول رہے تھے کہ کوئی بھی شخص ان کے غیر بنگالی ہونے کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ اس دھمکی کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ انسان تو خاموش ہو گئے لیکن دوسرے مسافروں کا شور جاری رہا۔

"جس کے پاس کچھ رقم یا زیور ہے، خاموشی سے ہمارے حوالے کر دو ورنہ ابھی اس کی لاش تیرتی نظر آئے گی۔"

ان میں سے ایک شخص مسافروں سے لوٹ کا مال وصول کرنے لگا۔ دوسرا لڑکیوں کے ایک غول میں جا گھسا اور ان سے دست درازی کرنے لگا۔

"نکالو — کیا ہے تمہارے پاس؟" میری دستی گھڑی چھیننے کے بعد سامان جمع کرنے والا غرایا۔

"تم —!" اس کی آواز پہچانتے ہی بے ساختہ منہ سے نکلا۔ وہ سو فیصدی محمد پور کے بدمعاش فرقی کی آواز تھی۔

"تو پہچان ہی لیا تو نے مجھ کو!" وہ دانت پیس کر بولا۔

اسی وقت کسی جانب سے ایک لانچ کا خوفناک سائرن ابھرا اور چند ہی لمحوں میں وہ تاریک لانچ اس موٹر کشتی کے ساتھ آ لگی۔ لوٹ کا سارا مال کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اس لانچ پر پہنچا دیا گیا۔ دریائی قزاق پہلے ہی موٹر بوٹ سے اتار لیا گیا جب مجھے یقین ہو گیا کہ ان کے جانے کے بعد وہ باتونی بڈھا مجھے نہیں چھوڑے گا تو میں نے التجا کی کہ مجھے بھی ساتھ ہی اتار لیا جائے اور یہ درخواست قبول کر لی گئی۔

"موٹر بوٹ کے ملاح انجن روم میں بندھے پڑے ہیں!" پھر ان میں سے ایک لٹیرا چیخ کر مظلوم مسافروں کو بتانے لگا "تم لوگ بنگالی ہو، اگر ہمارا پیچھا کرنے کی کوشش کی تو ہم بوٹ کا پیندا چھلنی کر کے تم سب کو جہنم رسید کر دیں گے۔ خیریت اسی میں ہے کہ انہیں آزاد کر کے تم لوگ اپنی راہ لو۔"

اور لٹیروں کی لانچ تیزی سے ایک طرف بڑھنے لگی۔ کچھ دیر تک میں اکیلا رہا۔ شاید وہ لوگ تعاقب وغیرہ کے امکانات کا جائزہ لے رہے تھے۔ جب وہ محفوظ مقام میں نکل آئے تو کیبن روشنی میں نہا گیا اور تھوڑی دیر بعد محمد پور کا بدمعاش فرقی بڈھا بغیر نقاب کے میرے سامنے آ پہنچا!

"تم — تم نا پاک لٹیرے..."

وہ مکارانہ انداز میں ہنسا۔ اس وقت وہ اپنے پہلے روپ کے برعکس بہت چالاک اور شاطر نظر آ رہا تھا "تم چھوکرے — پولیس میرا حلیہ لے چکی ہے اور اسے اب تمہارے جیسے کے قاتل کی تلاش ہے جس نے طبیب کی کوٹھڑی میں ایک بوڑھے کو مارا اور طبیب بھی اس حادثے کی دہشت سے چل بسا۔ تیری آزادی اب صرف میرے ہاتھ ہے۔"

"میں نے بڈھے کو نہیں مارا۔ اسے طبیب نے خنجر مارا تھا۔"

"مارا ہو گا۔" وہ لاپرواہی سے بولا "مجھے اس سے بحث نہیں کہ تو قاتل ہے یا نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ حالات تیرے خلاف ہیں اور تجھے میری مرضی پر چلنا ہو گا۔"

"اگر پولیس کو واقعی میری تلاش ہے تو وہ جلد یا بدیر مجھ تک پہنچ ہی جائے گی۔"

"ضرور پہنچے گی۔" وہ عیارانہ انداز میں بولا "اور اگر میں مقتول کے ساتھی کی حیثیت سے پہچاننے سے انکار کر دوں تو کوئی طاقت تجھے مجرم قرار دینے سے نہیں بچا سکتی۔"

"آخر تو مجھ سے چاہتا کیا ہے؟" میں الجھن میں پڑ گیا۔

"میرے ساتھ رہنے سے اچھے تجھے کیا ہے تیرہ راہ پر لگ گیا ہے" میری یہ بات دیکھ کر وہ لاپرواہ لہجے میں بولا "میں نے طبیب مرحوم کی کوٹھڑی کے سامنے سے گزرتے ہوئے کسی کے کراہنے کی آواز سنی تھی پھر جو وہ سب کچھ دیکھ لیا جو تجھے پھانسی کے پھندے تک پہنچانے کے لئے کافی ہے۔ میں نے فوراً اپنا ایک کرتا تیرے لئے لٹکا دیا اور جب تو گھاٹ روانہ ہوا تو میں پولیس کو بیان دینے کے بعد ایک منصوبے کے تحت تیرا ہمسفر بن چکا تھا۔ اب تجھے ہماری تنظیم کے لئے کام کرنا ہے۔"

"کیسا کام؟" میں نے پوچھا۔

"تو غیر مقامی ہے اس لئے ہماری آبادی کو بنگالیوں کے خلاف بھڑکانا تیرے لئے آسان ہو گا۔" وہ میرے چہرے پر نظریں گاڑ کر بولا۔ اپنی تمام تر مجبوری کے باوجود میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"مسلمان ہو کر بھائی کو بھائی سے لڑواتے تمہیں شرم نہیں آتی۔"

"کون مسلمان اور کیسے بھائی۔" وہ زور سے ہنسا۔

"کیا بات ہے چندر سین؟" اس کا قہقہہ سن کر باہر سے کسی نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" چندر سین اونچی آواز میں بولا "یہ سالا ابھی مجھے مسلمان سمجھ رہا ہے!" پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو گیا "میں یہاں پردیسی ضرور ہوں مگر میری ہمدردیاں مقامیوں کے ساتھ ہیں۔ ہماری ان کو چھوت اور نیچ سمجھتے ہیں اور یہ مقامی خود بھی مغربی والوں کے اقتدار سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر نہ جانے کیا بات ہے کہ کھل کر تحریک چلانے سے ڈرتے ہیں۔"

"یہ سب جھوٹ ہے!"

"ایک دن تو خود دیکھے گا کہ یہ حقیقت ہے۔" وہ بولا "یہ تیری مجبوری ہے کہ تجھے اپنی آزادی اور زندگی کی خاطر میری ہر بات ماننی ہو گی۔"

"یہ بیچ بیچ میں تو ان غلط فہمیوں کا زہر پھیلا کر تم مقامیوں کی کیا خدمت کرنا چاہتے ہو؟" میں نے تلخ لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"ہم —! ہم ان دونوں حصوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا رہے ہیں۔ اس کشتی کے سارے مسافر اب یہی سوچیں گے کہ انہیں بہاریوں نے لوٹا ہے اور یہ نفرت بڑھتے بڑھتے ایک روز اس خطے میں خانہ جنگی کا بھیانک روپ دھار لے گی۔ یہ دھرتی خون مانگتی ہے انسانوں کا خون — اور جب اس کا چپہ چپہ لہو کی سرخی میں ڈوب جائے گا۔ تو اس کے افق سے ایک نیا سورج ابھرے گا 'اسپرت' کا سورج 'آزادی' کا سورج — تو خود بتا کیا یہ لوگ ہر بات کے لئے ہزار میل دور بسنے والوں کے محتاج نہیں ہیں۔ کیا آزادی ان کا حق نہیں ہے۔"

تب مجھ پر اس کی حرکت اور طرز عمل کا سارا بھید کھل گیا اور مجھے تعجب ہوا تھا کہ کیوں اس سے مجبور ہو کر بھی میں اس کا ساتھ دینے پر رضامند ہوا اور میری رضامندی پر اس کی باچھیں کھل اٹھیں۔

پھر تھوڑی دیر میں مجھے ان لوگوں کے ایک خفیہ مرکز میں لے جایا گیا جو قائم کیا ہوا تھا۔ مجھے وہاں لے جایا گیا تو میں ان کی تنظیم دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"ہماری سرگرمیوں کے مرکز سرحدی آبادیوں میں ہیں۔" وہاں پہنچنے کے بعد چندر سین نے مجھ سے کہا "یہاں سے ایک محافظ تمہیں وہاں پہنچا دے گا۔ وہاں تمہیں شربا کی ہدایت پر عمل کرنا ہو گا۔ اس علاقے کی تنظیم کا سربراہ وہی ہے۔"

اس مرکز میں چندر سین کے ساتھ میں نے ایک دن گزارا اور ان لوگوں کو گہری نظر سے دیکھ کر سب کے دلوں پر ان کا خوف چھا گیا۔ وہ بہت مربوط طریقے پر کام کرنے کے عادی تھے اور مجھ جیسے نئے لوگوں پر ان کی گرفت اتنی مضبوط ہوتی تھی کہ انہیں ایسے افراد کی ذرا سی بھی نقل و حرکت کے بارے میں فوراً اطلاع مل جاتی تھی۔

اگلے روز مجھے ایک جیپ میں دیناج پور کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ میرے ساتھ ڈرائیور اور محافظ کے طور پر جو شخص تھا وہ بہت ہی کم سخن اور گھنا معلوم ہوتا تھا۔ دیناج پور کا شربا ایک لمبا تڑنگا نوجوان ثابت ہوا جو مخاطب کے ذہن کو پڑھ لینے کی بے پناہ صلاحیتوں کا مالک معلوم ہوتا تھا اس نے میرے بارے میں میرے محافظ کے لائے ہوئے چند کاغذات کا سرسری مطالعہ کر کے اسے رخصت کر دیا اور مجھ سے درشت لہجے میں بولا۔

"تم پر قتل کا الزام ہے اور قانون کی نگاہوں میں تم پھانسی کے مستحق ہو۔ اگر تم نے ہماری رعایت سے ذرا بھی ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تو بے دریغ ختم کر دیئے جاؤ گے اور ایک قاتل کی موت پر کسی کو ملال بھی نہ ہو گا۔"

میں خاموشی سے اس کی ہدایات سنتا رہا۔ وہ لوگ خود پس پشت رہ کر سارا کام مقامی آبادی سے لیا کرتے تھے۔ میرے ذمے ایک ہفتے تک کوئی کام نہ تھا۔ سارا دن میں شہر میں گھومتا پھرتا۔ شربا مجھے خرچ کے لئے ہر روز معقول رقم دیتا تھا جب رات کو میں اس سے ملتا تو وہ مجھے میری سرگرمیوں کی ذرا ذرا سی تفصیل بتاتا۔ شاید اس طرح وہ مجھ پر یہ بات واضح کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کے ہاتھ بہت دراز ہیں۔

اگلے ہفتے مجھے ایک جیپ مل گئی۔ شربا خود میرے ہمراہ سرحدی علاقوں میں گیا اور مجھے ان مقامات کے بارے میں بتایا جن سے میرا واسطہ پڑ سکتا تھا۔ یہاں میری ملاقات دونوں جانب کے کچھ ایسے سرحدی محافظوں سے بھی ہوئی جو شربا کے ٹکڑوں پر پلتے تھے!

میں اس صورت حال پر سخت پریشان تھا۔ مجھے دیناج پور یا ایک ہی دھن چھائی ہوئی تھی کہ کسی طرح یہاں سے خیال جا پہنچوں اور بھاگ نکلنے کا کھوج لگاؤں۔ چندر سین نے کیا کیا کہ میرا سارا سامان ضائع کر دیا تھا اور اب مجھے نئے سرے سے جدوجہد کرنا تھی لیکن حالات سخت ناسازگار تھے اور ایسی فضا میں بھی جرأت جان لیوا ثابت ہو سکتی تھی۔

مجھے پہلا کام یہ ملا کہ کسی نامعلوم جیپ کی بوریوں سے لدا ہوا ٹرک دیناج پور کی ایک منڈی سے سرحد پار پہنچاؤں۔ یہ کام مجھے تنہا سرانجام دینا تھا۔ منزل کا بھی کچھ علم نہیں تھا۔ سرحد پار مجھے کسی ایسے شخص کی ہدایات پر عمل کرنا تھا جو مجھ سے سرخ کاغذ کے گلاب کا حوالہ دے۔

راستوں کے بارے میں شربا کی ہدایات سننے کے بعد میں اسٹیئرنگ پر جا بیٹھا۔ گو میں اس سے پہلے آٹھ برس تک اسمگلنگ کا کاروبار کرتا رہا تھا لیکن میں نے کبھی اتنا خوف محسوس نہیں کیا جو اس وقت پریشان کر رہا تھا۔ مجھے

پورا یقین تھا کہ ٹرک پر اناج لدا ہوا ہے جس کی ملک میں پہلے ہی قلت ہے! ٹرک ناہموار راستوں پر ہچکولے کھاتا چلا جا رہا تھا اور میرا ذہن خیالات میں الجھا ہوا تھا۔ میں بالکل اکیلا تھا۔ ٹرک سرحد کے قریب ہی تھا۔ میں جدھر چاہتا فرار ہو سکتا تھا۔ پھر اچانک ہی مجھے ایک تدبیر سوجھ گئی۔

اس وقت میں ایک نیم پختہ قصباتی سڑک پر جا رہا تھا۔ میں نے ٹرک کو چند زور دار جھٹکے دیے جس کے نتیجے میں انجن سے عجیب و غریب آوازیں پیدا ہونے لگیں اور میں نے اچانک انجن بند کر دیا تاکہ کوئی میری نگرانی پر مامور ہو تو یہی سمجھے کہ ٹرک خراب ہو گیا ہے۔!

وہ ایک ویران سی جگہ تھی۔ میں انجن کا بونٹ اٹھا کر اس پر جھک گیا اور کل پرزوں کی مصنوعی دیکھ بھال کرتے کرتے ریڈی ایٹر کا ڈھکن کھول دیا اور خود دوسرے پرزوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ریڈی ایٹر خالی ہونے کے بعد میں نے پلگ لگایا اور انجن سے ہٹ کر اسٹیئرنگ پر آ بیٹھا۔ پہلی ہی کوشش میں ٹرک اسٹارٹ ہو گیا۔

اس بار میں تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ انجن گرم ہونے لگا۔ انجن سے آنے والی آوازیں بھی بلند ہو گئی تھیں مگر میں نے ذہن سے اسے جلد ہی جھٹک دیا۔

پھر انجن نے جھٹکے لینے شروع کیے اور بمشکل ایک منٹ میں ٹرک کڑکڑا کر رک گیا۔ مجھے بخوبی علم تھا کہ انجن سیز ہو چکا ہے اور اب ٹرک کو ایک قدم بھی آگے لے جانا ناممکن ہے مگر میں نے آخر کار بونٹ دوبارہ اونچا کر دیا۔ انجن سے آگ نکل رہی تھی۔!

ادھر ادھر دیکھا اور چند لمحوں کے بعد میں نے ریڈی ایٹر کا ڈھکن کھول دیا تاکہ نگرانوں کو مشکوک حرکتوں کا خیال نہ آئے اور ٹرک کی چابی جیب میں ڈال کر فائل وغیرہ اٹھائے بظاہر پانی کی تلاش میں پیچھے کی طرف چل دیا کیونکہ چند فرلانگ پیچھے میں نے آخری بستی دیکھی تھی۔! میں … ہو کر گھومتا رہا۔ پھر کھلا میدان بھی آ گیا لیکن وہاں دور دور تک کسی ذی روح کا پتہ نہیں تھا۔ آخر میں نے وہ فائل وہیں پھینکا اور تیزی کے ساتھ دوڑتا ہوا قریبی جنگلات کی طرف ہو لیا۔ آزادی کی خوشی اور ناگہانی اندیشوں سے میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔

جنگل میں گھسنے کے بعد بھی میرے قدم نہ رکے اور میں تیزی کے ساتھ دوڑتا رہا۔ ایک جگہ معاً میری ٹانگوں میں کوئی چیز الجھی اور میں چھپاک سے منہ کے بل زمین پر گھسٹتا چلا گیا۔

اور جب میں زمین سے اٹھا تو میرے عقب میں ایک مضبوط جسم اور سفاک چہرے والا ایک دیوقامت شخص موجود تھا … جسے دیکھ کر میں بری طرح گھبرا گیا تھا۔

"کالا گلاب!" وہ زہر خند کے ساتھ بولا۔ "جنگل میں کہاں فرار ہو رہا تھا۔!"

"فرار… نہیں تو۔" میں نے جلدی سے کہا۔ اس وقت میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میرے پاس صرف چند منٹ کی مہلت تھی اس کے بعد یا تو وہ مجھے ختم ہی کر دیتا یا بے بس کر کے اپنا قیدی بنا لے جاتا۔ میں کسی ایسے آدمی سے رحم کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔ میرے جواب میں وہ کچھ نہ بولا اور میری چھٹی حس خطرے کا اعلان کرنے لگی۔ شاید وہ فائر کرنے ہی والا تھا۔

میں گھگھیا کر سرعت سے اس کی طرف یوں لپکا جیسے اس کے پیر پکڑ کر معافی مانگنے کا ارادہ رکھتا ہوں مگر وہ بلا کا چالاک تھا۔ وہ مجھے رکنے کا حکم دیتا ہوا ایک طرف سرکا اور مجھ پر ایک بے آواز فائر جھونک مارا۔!

میں کسی ایسے ناگہانی وار کے لئے تیار تھا۔ ایک طرف گر کر بچ گیا اور وہاں سے تیزی کے ساتھ … مجھ پر دوسرا فائر کرنے سے پہلے ہی اس پر ٹوٹ پڑا۔

اس کے ریوالور سے گولی ضرور چلی مگر اس کا رخ آسمان کی جانب تھا۔ جونہی میں اسے دبوچے زمین پر ڈھیر ہوا اس کے منہ سے گالیوں کا ایک طوفان امڈ پڑا۔ اس جدوجہد میں ریوالور بھی اس کی گرفت سے نکل چکا تھا۔

میں نے اس کی ناک پر بھرپور ٹکر رسید کی اور میری آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے۔ وہ کسی ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح چیخا۔ اس شدید ضرب کے نتیجے میں اس کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور اس کا چہرہ خون میں نہا گیا تھا۔ مگر وہ بھی بالکل ہی بودا نہیں تھا۔ چوٹ کھا کر وہ اس قدر مشتعل ہوا کہ مجھے اپنے سینے سے دور اچھال پھینکا اور میرے سنبھلتے سنبھلتے اس کے ہاتھ میں ایک لکڑی آ گئی۔

میرے بائیں شانے پر وہ لکڑی پڑی اور مجھے پورے بازو میں آگ بھری محسوس ہوئی۔ اس نے دوبارہ میرے سر کا نشانہ لیا اور میں نے اس بار لکڑی کا دوسرا سرا مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے زور لگاتے ہوئے لکڑی چھڑانے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ پھر ہم دونوں وحشیوں کی طرح ایک دوسرے سے گتھ گئے۔!

طاقت اور جسمانی ساخت کے لحاظ سے وہ مجھ سے بہتر تھا مگر ہوشیار مجھ سے زیادہ نہ تھا۔ اس بات کا احساس زیادہ تھا کہ مجھے اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ میں اسے گھسیٹتا ہوا ایک درخت تک لے گیا۔ جب اسے خطرے کا احساس ہوا تو وقت گزر چکا تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر … اس کا ریوالور اٹھایا اور بے دریغ اس کی کنپٹی پر پے در پے دو گولیاں چلا دیں۔ اس کا سارا بدن خون میں نہا گیا اور وہ بری طرح تڑپنے لگا۔ میں اسے چھوڑ کر الگ ہٹ گیا۔ اور اپنے چہرے سے اس کے ناپاک خون کی چھینٹیں صاف کرنے لگا۔

وہ تڑپ تڑپ کر تھوڑی ہی دیر میں ٹھنڈا ہو گیا۔!

میں نے اس کا ریوالور اپنی جیب میں رکھا۔ اس میں اب … دو گولیاں موجود تھیں جو میرے لئے بہت کارآمد ثابت ہو سکتی تھیں۔ پھر میں اس کی لاش کی جامہ تلاشی لینے لگا۔ میری تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ اس کی جیبوں سے صرف کرنسی نوٹ، چند نسوانی تصویریں اور

ایک شکاری چاقو کے علاوہ کوئی ایسی چیز برآمد نہ ہو سکی جس سے اس کے نام یا شخصیت کا سراغ ملتا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ وہ کسی سواری پر ہی میرا تعاقب کر رہا ہے اور یہ خیال اس وقت صحیح ثابت ہو گیا جب ذرا سی کوشش کے بعد جنگل سے کچھ دور ناہموار راستوں پر کام آنے والی ایک جیپ مجھے نظر آ گئی۔ اس جیپ کا استعمال میرے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا مگر اس کے سوا کوئی اور صورت بھی نہیں تھی۔ مجھے اس علاقے سے جلد از جلد باہر جانا تھا۔!

چابی اگنیشن میں موجود تھی۔ میں نے جیپ اسٹارٹ کی اور جنگل ہی میں آگے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس کی موت زیادہ دیر تک راز نہ رکھی جا سکے گی۔ ٹرک اور اس کی لاش جلد ہی دریافت کر لی جائے گی۔ پھر اس کے ساتھی میری تلاش میں اس علاقے کا چپہ چپہ چھان ماریں گے اور جیپ دریافت ہو گی۔ اس صورت حال کے پیش نظر میں نے فیصلہ کیا کہ اسی جیپ میں سرحد عبور کرنے کی کوشش کی جائے۔ پھر پہلی فرصت میں جیپ سے جس قدر دور ممکن ہو نکلا جائے۔

میں محض اندازے اور شمال کی ہدایات کے مطابق جیپ کو آگے بڑھاتا رہا اور جب شام کا دھندلکا گہرا ہونے لگا تو میں جیپ کو جنگل سے گزرنے والی سڑک پر لے آیا۔ البتہ اس کی روشنیاں گل ہی رکھیں۔ … سامنے سرحدی چیک پوسٹ کی روشنیاں نظر آئیں اور میں اللہ کا نام لے کر آگے بڑھتا چلا گیا۔

چیک پوسٹ کے سامنے سڑک پر رکاوٹی زنجیر تنی ہوئی تھی۔ جیسے ہی میں نے جیپ روکی ایک سنتری تیزی سے میری طرف آیا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل دبی ہوئی تھی۔ اور اس سے پہلے کہ وہ میرے قریب آتا میں نے تاریکی میں باہر جھک کر تیز سرگوشی میں کالا گلاب کہا اور وہ جہاں تھا وہیں سے واپس لوٹ گیا۔!

راستے کی زنجیر ہٹا دی گئی اور میں دھڑکتے دل کے ساتھ سرحد عبور کر گیا۔ کالا گلاب ایک بار پھر کام دکھا چکا تھا۔ مگر ابھی ایک مرحلہ اور باقی تھا۔ اس چیک پوسٹ سے چند سو گز آگے خاردار تاروں کی سرحد … ایک طرف گھوما ہوا تھا۔ میں نے اپنی جیپ … جیپ دوسری چیک پوسٹ کے سامنے رکی تھی!

چارپائی سے اٹھ کر ایک سرحدی محافظ … میری جیپ کے قریب آ گیا۔ میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ یہاں بھی کالا گلاب کہہ کر … جیپ کے قریب آ کر اس نے میرے چہرے پر ٹارچ کی تیز روشنی ڈالی پھر استہزائیہ لہجے میں بولا۔

"تم کون ہو۔ یہ جیپ تو انکل صاحب کی ہے وہ کہاں ہیں؟"

میری پیشانی پر پسینے کے قطرے ابھر آئے۔ میں اس وقت بری طرح پھنس چکا تھا بلکہ تمام مسامات کے دہانے کھل چکے تھے۔ اس دوران سنتری کی ٹارچ کی روشنی مسلسل میرے چہرے پر جمی رہی تھی اور اس کا دوسرا ہاتھ پوشیدہ ریوالور کی طرح مستعد نظر آ رہا تھا۔ اس کے کندھے سے لٹکی ہوئی رائفل مجھے احتیاط پر مجبور کر رہی تھی اور جیپ کا اغوا … اس مصیبت سے نجات پا کر واپس اپنی سرحد کی طرف فرار ہو سکتا تھا۔!

"انکل صاحب کدھر ہیں؟" خاموشی کے طویل ہوتے ہوئے لمحات کو اس نے اپنی کرخت آواز سے برہم کر دیا۔

میرے حلق میں پھنسی ہوئی کوئی چیز نکلی پھر اپنی آواز میں رعب پیدا کرتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا۔ "کیا انکل صاحب تمہاری مرضی کے پابند ہیں؟" سنتری میرے ان الفاظ پر کچھ چونکا شاید اسے یاد آ گیا کہ وہ انکل کا محض ملازم ہے … پھر بولا۔ "صاحب یہ کام ایسے ہی ہیں۔ ہمیں ہر وقت ہوشیار رہنا پڑتا ہے۔ انکل صاحب نے آج پہلی بار جیپ کسی کو دی۔ ورنہ وہ کبھی چند گھنٹوں سے زیادہ سرحد پار نہیں رہتے ہیں۔!"

اس کا ردعمل دیکھ کر میرے اوسان بحال ہوئے اور میں نے شان سے کہا۔ "تمہارا کام صرف حکم کی تعمیل ہے۔ آنکھیں بند اور کان کھلے رکھو۔"

"آئندہ خیال رکھوں گا صاحب!" وہ خوشامدانہ لہجے میں بولا۔ "ایک سگریٹ ہو گی آپ کے پاس؟"

میں نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔

"ماچس تو نہیں ہے لو یہ پیکٹ رکھ لو۔"

اچانک ٹارچ کی روشنی معدوم ہو گئی میرا ہاتھ بڑھا کا بڑھا رہ گیا اور اندھیرے سے اس سنتری کی سرد تحکمانہ آواز ابھری۔ "ہاتھ اٹھا کر جیپ سے نیچے آ جاؤ۔"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو رائفل کی نال اندھیرے میں میرے سینے کی جانب اٹھی ہوئی تھی۔ "یہ کیا بے ہودگی ہے؟" میں نے مصنوعی غصیلی آواز میں کہا لیکن لہجے کی لرزش پر پوری طرح قابو نہ پا سکا۔

"ہم آنکھیں کھلی نہ رکھیں تو تم جیسے دھوکے باز ہمارے سینے پر مونگ دلیں۔ انکل صاحب کے آدمی اس سرحد کے سنتریوں سے کبھی تمباکو کی فرمائش نہیں کر سکتے۔ اگر تم ان ہی کے آدمی ہوتے تو مجھے ہرگز سگریٹ نہ دیتے اور صوبیدار سے میری شکایت کرنے کا حکم دیتے!"

میں نے ایک گہرا سانس لیا اور اس طرح آگے کی طرف جھکا جیسے جیپ سے اترنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور پھرتی سے جیپ کو گیئر میں ڈال کر آگے بڑھا دیا۔

جیپ نے ایک ہی جھٹکے میں بانس کی سرحدی رکاوٹ کو توڑ دیا اور میں دوسری جانب نکلتا چلا گیا۔ اس وقت مجھے روکنے والے سنتری نے کافی بچتے ہوئے رائفل سے فائر کیا۔ گولی جیپ کے … دائیں جانب سے نکل گئی۔

پھر شاید چوکی میں سویا ہوا پورا دستہ رکاوٹ سے جیپ کے ٹکرانے اور رائفل چلنے کا شور سن کر بیدار ہوگیا۔ رات کا خوابناک سناٹا رائفل کے پے در پے فائروں سے گونج اٹھا۔ پچھلے ٹائر زبردست دھماکوں کے ساتھ پھٹے۔ جیپ بری طرح اچھلی اور قابو سے باہر ہوکر سڑک کی داہنی ڈھلان میں پھیلے گھنے جنگلات میں دور تک گھستی چلی گئی۔ ایک درخت کی جھکی ہوئی شاخ نے ونڈ اسکرین کو چکنا چور کردیا۔ شیشے کے کئی ٹکڑے تیر کی طرح میرے بدن میں پیوست ہوگئے کئی شاخیں ونڈ کو پھاڑتی ہوئیں جسم سے ٹکرائیں اور پھر اچانک جیپ سے جھاڑیوں میں جا گرا۔ میں جہاں گرا تھا چند ثانیوں تک وہیں بے سدھ پڑا رہا۔ سرحدی محافظوں کے دوڑتے ہوئے قدموں کا شور لحظہ بہ لحظہ قریب آتا جارہا تھا پھر ایک تیز دھماکا سنائی دیا۔ شاید جیپ کسی درخت سے ٹکرا کر الٹ گئی تھی

میں اس وقت خطرناک صورت حال سے دوچار تھا۔ وہ سنتری کسی بھی لمحے مجھے پکڑ سکتے تھے۔ میں اپنے زخموں کی تکلیف بھول کر آہستگی سے جھاڑیوں سے اٹھا اور تیزی کے ساتھ بائیں جانب ہولیا۔ میری حتی الامکان کوشش یہی تھی کہ میرے چلنے سے کوئی آواز پیدا نہ ہو۔

میں جان کے خوف سے کافی دور تک تاریک اور گھنے جنگل کے دشوار گزار راستوں پر ٹھوکریں کھاتا رہا۔ محافظوں کی آوازیں میرے اردگرد ہی سنائی دے رہی تھیں۔ جب بھی ان کی کوئی آواز ذرا قریب سے ابھرتی، میں خاموشی سے کسی کونے میں دبک جاتا اور پھر سلامتی کی توقع ملتے ہی وہاں سے آگے کی طرف بڑھنا شروع کردیتا!

میں اپنے جسم کے کئی حصوں پر تازہ تازہ خون کی چپچپاہٹ محسوس کررہا تھا لیکن تکلیف کا احساس نہ جانے لاشعور کی کن گہرائیوں میں جا سویا تھا۔ میرا پورا بدن پسینے میں شرابور تھا، دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ اعصاب پر خوفزدگی کا تناؤ چھایا ہوا تھا اور میری جدوجہد جاری تھی۔ تقریباً دو گھنٹے کی روح فرسا آنکھ مچولی کے بعد میں ان غراتے ہوئے مسلح سنتریوں کے حصار سے نکلنے میں کامیاب ہوسکا۔ اب ان کی آوازیں پیچھے بہت پیچھے رہ گئی تھیں۔ صبح کا اجالا پھیلنے تک میں اسی جنگل میں بھٹکتا رہا اور جب پَو پھٹی کرنوں کی روشنی نمودار ہوئی تو میں نے خود کو کھیتوں کے ایک طویل سلسلے کے قریب موجود پایا۔

میں اپنی دانست میں پڑوسی ملک کی سرحد میں بہت اندر موجود تھا اور میری عافیت اسی میں تھی کہ کسی محفوظ علاقے کا رخ کرنے سے پیشتر کچھ روز روپوشی کی زندگی بسر کروں اور موقع ملتے ہی بڑھی ہوئی مونچھوں اور دراز بالوں سے چھٹکارا حاصل کرلوں۔ اس طرح یقینی تھا کہ مجھے دیکھنے والے سرحدی محافظ کسی بھی قیمت پر شناخت نہ کرپائیں گے!

اس وقت ہر طرف خوابناک سا سناٹا چھایا ہوا تھا، نسیم سحری کے خوشگوار جھونکوں سے کھیتوں میں سبزہ لہلہا رہا تھا۔ وہاں ابھی کسی آدم زاد کا وجود نہیں تھا لیکن کسی نواحی بستی میں مرغیوں کے ککڑانے کی طویل آوازیں ابھرتی سنائی دے رہی تھیں!

میں محتاط انداز میں ان کھیتوں میں داخل ہوگیا۔ اور اندازے کی بنا پر آہستہ آہستہ اس طرف بڑھنے لگا جدھر سے مویشیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر میں میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ طویل ترین اور قدرت بھر مہربان ہوتی نظر آرہی تھی۔ کھیتوں سے کچھ پرے ہوتے ہوئے ایک سبز قطعہ پر چند جھونپڑوں پر مشتمل مختصر سی آبادی میرے سامنے تھی۔ جہاں کے مکین آہستہ آہستہ خود کو کاروبار زندگی سے نمٹنے کے لیے تیار کررہے تھے۔

اس دریافت کے بعد میں تیزی سے جنگل ہی میں لوٹ آیا اور کے قریب میں نے درختوں کی اوٹ سے کھیتوں کا جائزہ لیا۔ وہاں کئی آدمی کھیتوں کی دیکھ بھال میں مصروف تھے۔ میں چوپایوں کی طرح چلتا ہوا ایک کھیت میں جا سے نکل پڑا کیونکہ اب بھوک کی شدت میرے لیے ناقابل برداشت ہوچکی تھی۔ تھوڑی سی محنت کے بعد میں درخت سے لٹکا ہوا ایک ناشتہ دان چرانے میں کامیاب ہوگیا۔ پہلے تو مجھے خیال آیا کہ برتن خالی کرکے وہیں ڈال دوں لیکن یہ مناسب نہ تھا۔ برتن غائب ہونے کی صورت میں کسانوں کا دھیان کسی جانور کی طرف جاتا لیکن خالی برتن ملنے پر ان کے لیے یہ سمجھ لینا دشوار نہ ہوتا کہ جنگلات میں کوئی بھوکا آدمی روپوش ہے۔ اور اگر وہ لوگ اپنے شبہات کا تذکرہ سرحدی محافظوں تک پہنچا دیتے تو وہ کسی قیمت پر مجھے جنگل سے فرار نہ ہونے دیتے!

میں نے سات طویل دن اور راتیں اسی جنگل میں روپوشی میں گزار دیں۔ کھانے کے برتن چوری ہونے کی وجہ سے اب وہاں والوں نے کھانا اپنے ناشتہ دان ساتھ رکھنے ترک کردیے تھے لہٰذا مجھے خوراک کی فراہمی کے لیے رات کی تاریکی میں ان کی آبادی میں بھی گھسنا پڑا اور میری قسمت کہ ایک بار میں غذا کے ساتھ وہاں سے ایک استرا اور ٹوٹا ہوا آئینہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا! پھر میں نے اپنی مونچھیں اور سر کے بال صاف کرکے زمین میں دفن کردیے۔

آٹھویں روز میں چند درختوں کی آڑ میں زمین پر لیٹا سستا رہا تھا کہ اچانک مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے قریب ہی کسی کی موجودگی کا احساس ہوا میں ہڑبڑا کر اٹھا تو میرے قریب ایک خوبصورت سی لڑکی موجود تھی۔ اس کے تیکھے تیکھے نقوش، ہونٹوں پر گہرا تبسم بکھرا ہوا تھا اور چمکیلی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں!

"کون ہو تم؟" میں نے تیزی کے ساتھ اس سے پوچھا۔

وہ کچھ کہے بغیر دلچسپی کے ساتھ میری طرف دیکھتی رہی۔

میں اس کے خاموش دیکھتے ہوئے تذبذب میں پڑ گیا۔ "تم کیا لینے آئی ہو؟"

"بستی والے بھی کتنے بے وقوف ہیں۔" اس لڑکی کی ہنسی ابھری۔ "کہتے تھے کوئی شریر لڑکا کھانا چوری کرتا ہے مگر مجھے تو پہلے سے ہی شبہ تھا کہ کوئی ادھر چھپا ہوا ہے۔"

میں تیزی کے ساتھ اس کی طرف لپکا اور اپنے ہاتھ اس کی گردن پر رکھتے ہوئے بولا۔ "اگر تم نے میری موجودگی کے بارے میں کسی سے بھی کہا تو تمہاری جان خطرے میں پڑ جائے گی۔"

چند سیکنڈ کے لیے تو وہ ہراساں ہوگئی پھر جلد ہی اس کے چہرے پر اعتماد کھیلنے لگا۔ "تم مجھے نہیں مار سکتے۔ مارنے والے ہوتے تو یوں بستی سے صرف کھانا چوری نہ کرتے!"

اس لڑکی کا انداز دوستانہ تھا اور میں نے اس کی دوستی کو قبول کرلیا۔ اس نے صبح کے وقت مجھے درختوں کے درمیان سے گزرتے دیکھا تھا اور اسی وقت سے مجھے کھوجنے میں لگی ہوئی تھی اور آخر کار مجھ تک آپہنچی تھی۔

اس پستہ قامت مگر حسین لڑکی کا نام راکھی تھا۔ اس کے بیان کے مطابق بستی میں ایک ہی خاندان کے لوگ آباد تھے اور یہ آبادی سرحد سے صرف آدھے میل اندر واقع تھی۔ وہ خود بھی ایڈونچر کی دلدادہ نظر آتی تھی اور میرے بارے میں بہت کچھ جان لینا چاہتی تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ میں سرحد پار کے ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں جہاں کے زمیندار نے میرا گھر لوٹ لیا اور میری جان کا دشمن ہوگیا کیونکہ میں نے اسے گاؤں کی ایک لڑکی کی عزت سے کھیلنے کی ناپاک کوشش کرتے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا اور اب میں اس کے خوف سے جان بچا کر سرحد پار آگیا تھا!

"تو تم چوروں کی طرح جنگل میں کیوں رہتے ہو؟" راکھی نے اشتیاق بھرے لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"بغیر اجازت سرحد پار کرنا جرم ہے۔" میں نے اسے بتایا۔ "اگر کسی نے مجھے دیکھ لیا اور محافظوں کو خبر کردی تو میں جیل میں نظر آؤں گا۔"

"مگر تم بتاتے ہی کیوں ہو کہ سرحد پار سے آئے ہو؟"

"پھر کیا بتاؤں؟ میری سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔" میں نے اس کی ہمدردی حاصل کرنے کی نیت سے کہا۔

"اوہ۔" اس نے لاپروایانہ انداز میں پیشانی جھٹکتے ہوئے کہا۔ "لعنت بھیجو سب پر۔ میں تمہیں اپنے چاچا کی زمینوں میں چھپا دیتی ہوں۔ وہاں پر ایک جھونپڑی خالی پڑی ہے اور کوئی ادھر کا رخ بھی نہیں کرتا۔ بس تم آرام سے وہاں رہنا۔"

"اور کھانے کا کیا بنے گا؟"

"چوری کرنا!" وہ یہ کہہ کر کھلکھلا کر ہنس پڑی اور میرے وجود میں سرور کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ "نہیں اب چوری کی نیت سے بستی کا رخ نہ کرنا۔ وہ سب چور کی تلاش میں ہیں اور تم کسی کے ہاتھ لگ گئے تو سب مل کر ہڈیاں توڑ ڈالیں گے!" وہ کہہ رہی تھی۔

"لیکن میں بھوکا تو نہیں رہ سکتا۔" میں نے معصومیت سے کہا۔

"بھوکا رہنے کو کون کہتا ہے؟" میری کم عقلی پر وہ برہم ہوگئی۔ "تمہارا کھانا میں پہنچا دیا کروں گی!"

پھر وہ مجھے جنگل کے ایک طویل راستے سے گزار کر اپنے چاچا کی زمینوں میں لے گئی۔ وہ جھونپڑی میرے لیے واقعی محفوظ نظر آتی تھی۔ اس کے اطراف میں بغیر کاشت کی ہوئی وسیع زمین پھیلی ہوئی تھی جس پر بے تحاشا گھاس اگی ہوئی تھی!

"کبھی کبھار لڑکے مویشی چرانے ادھر آنکلتے ہیں۔ تم بس ان کا خیال رکھنا!" اس نے مجھے متوقع خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے کہا پھر وہ کچھ دیر بعد واپس لوٹ گئی۔

راکھی بہت پرخلوص، معصوم اور پاکیزہ سی لڑکی تھی۔ اس نے بہت جلد میرے دل میں اپنے لیے جگہ پیدا کرلی۔ وہ ہر روز دن چڑھے میرے لیے دودھ، تازہ سبزیاں اور کھانا لے کر آتی تھی اور کچھ دیر کی باتوں کے بعد واپس لوٹ جاتی! وہ اس ویرانے میں بلا جھجک اعتماد کے ساتھ میرے پاس چلی آتی تھی جہاں دور دور تک کوئی بھی مدد کرنے والا نہ تھا مگر یوں لگتا تھا جیسے اسے مجھ سے زیادہ خود پر بھروسہ ہو۔ ایک آدھ بار اس سے باتیں کرتے ہوئے میری ذہنی رو بہکی بھی تھی مگر اس کا رویہ کبھی ترغیب آمیز نہیں رہا۔ شاید وہ فیصلہ کرچکی تھی کہ اس تعلق کی بنا پر وہ مجھے کوئی ناجائز فائدہ حاصل نہیں کرنے دے گی

اس دوران میں میرا ذہن مسلسل بھاندرا ناس ہی میں الجھا رہا میرے خود پر مصائب کا سبب وہی ہوئی تھی۔ جب تک بھاندرا ساتھ رہا مجھے عجیب سی تقویت کا احساس رہا تھا اور اب جب خود کو اس مہم میں تنہا تنہا سا محسوس کررہا تھا۔ سب سے بڑی مشکل یہ آپڑی کہ کیمیاگری کا سارا اسباب طلالت کی کتاب، لیب کا شکار ہوکر تلف ہوچکا تھا اور مجھے از سرنو ہر چیز حاصل کرنی تھی۔ اور میں اس بارے میں جتنا سوچتا تھا اسی قدر طبیب مرداس سے نفرت محسوس ہوتی تھی۔ اس کی لالچ اور خودغرضی نہ صرف بھاندرا کے خون کا باعث بنی بلکہ وہ اسے بھی لے ڈوبی۔ ورنہ وہ ذرا بھی تعاون کرتا تو نہ صرف خود سونا بنا لیتا بلکہ میرے اور بھاندرا کے بھی وارے نیارے ہوجاتے۔ اب ایک طرف بھاندرا اس کی تلاش کی مہم درپیش تھی، دوسری طرف راکھی کو اداس دیکھنے کے خیال سے بھی مجھے دکھ ہوتا تھا۔ اگر میں کسی طرح بھاندرا کو ڈھونڈ کر اسے اپنے ساتھ فرار پر آمادہ کر بھی لیتا تو اسے ساتھ لے کر پھرنا میرے لیے ناممکن تھا۔

ایک روز وہ اچانک ہی غائب ہوگئی۔ میں سارا دن ایک ایک آہٹ پر کان لگائے بیٹھا رہا لیکن مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ پھر دوسرا دن بھی اسی طرح گزر گیا۔ مجھے اس کی جانب سے تشویش لاحق ہونے لگی۔ ادھر پیٹ کا مسئلہ بھی درپیش تھا اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ رات کی سیاہی میں راکھی کے گھر سے ہی کھانے پینے کا کچھ سامان چرا لوں گا۔

سہ پہر کے وقت میں جھونپڑی میں چٹائی پر لیٹا ہوا تھا کہ اچانک دس بارہ آدمی ڈنڈے اور راڈیں سنبھالے اندر گھس آئے اور گالیاں بکتے ہوئے مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ ایک دو مرتبہ تو میں نے مقابلے کی کوشش بھی کی لیکن یہ ناگہانی مصیبت تو باجماعت نازل ہوئی تھی۔ میری چیخ پکار نے ان پر ذرا بھی اثر نہ کیا اور وہ لاتوں، گھونسوں اور ڈنڈوں سے حسب توفیق میری تواضع کرتے رہے۔ اور جب میں نڈھال ہوکر گر پڑا تو ان کے ہاتھ رکے مگر خون آشام نظریں میرے زخمی بدن میں شگاف ڈالتی رہی تھیں۔

بلکہ زمین پر پڑا سسکتا اور کراہتا رہا اور وہ بے رحمانہ تعلق کے ساتھ میرے سر پر مسلط رہے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے انہیں کسی کا انتظار ہو۔ آخر میرا اندیشہ درست ثابت ہوا۔ فضا میں کسی جیپ کے انجن کا شور سنائی دیا جو تیزی کے ساتھ قریب آتا جا رہا تھا۔ جیپ جھونپڑی کے دروازے کے عین سامنے آکر رکی اور اس میں سے کیپٹن بھاٹیہ، باوردی صوبیدار اور محافظ نیچے اتر کر اندر گھس آئے۔ ان کے ساتھ ہی دو نوجوان دیہاتی بھی تھے۔ شاید وہی لوگ محافظوں کو اس مقام تک لائے تھے۔

ان میں سے ایک جو وردی پر لگے ہوئے نشانات سے کوئی بے حد اونچا افسر لگ رہا تھا میرے قریب آیا۔ اپنے جوتے کی نوک سے میرا ڈھلکا ہوا چہرہ اوپر اٹھا کر غور سے دیکھا اور کندھے پر دو ستاروں والے دیہاتیوں کی طرف متوجہ ہو گیا جو اسے ساری تفصیل سنانے کے لئے بے چین تھے۔

ان کے بیان سے یہ انکشاف ہوا کہ وہ رکھی بے چاری پچھلے روز سے سخت بخار میں مبتلا تھی اور تیز بخار میں ہذیان کے عالم میں وہ میرا انتظار کر رہی تھی۔ بخار کی اس شدت میں بھی میری بھوک کا خیال اس کے ذہن میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بار بار کہتی تھی کہ جھونپڑی میں وہ میرا انتظار کر رہا ہوگا۔ وہ بے چارہ دو روز سے بھوکا ہے۔ کئی بار اس نے یہ بھی کہا میں جا رہی ہوں۔ میں کھانا لے جا رہی ہوں۔ یہی تکرار کرتے ہوئے اٹھنے کی کوشش بھی کی تو گھر والے اس کے بیان پر توجہ دینے پر مجبور ہوگئے۔

دو آدمیوں نے چوری چھپے اس جھونپڑی کا چکر لگایا تو وہاں مجھے پایا۔ جھونپڑی میں ایک اجنبی کی موجودگی کی خبر پاتے ہی رکھی کے گھر والے سخت مشتعل ہوگئے۔ سب سے پہلے وہ فاروقی صوبیدار کی چوکی کی طرف دوڑے گئے پھر دل کھول کر رکھی کی مرمت کی گئی۔ اس کے بعد سارے مرد ڈنڈے سنبھال کر میری طرف چل پڑے۔ ان کے بیانات سننے کے بعد مجھے جیپ کی پچھلی نشست پر ڈال دیا گیا اور جیپ ناہموار، کچے راستوں پر اچھلتی، تیزی سے ایک طرف بڑھنے لگی۔

تقریباً ایک گھنٹے کی مسافت کے بعد جیپ چند خیمہ نما مکانات پر مشتمل ایک ایسے مقام پر جا رکی جہاں ہر طرف ویرانی کا راج تھا۔ یہاں ایک کیپٹن اپنی کمپنی کی پوری نفری سمیت پہلے ہی منتظر تھا۔ سپاہیوں نے بے حد بے دردی کے ساتھ مجھے ایک اسٹریچر پر ڈالا اور عمارت میں لے گئے۔ جہاں پہلے سے موجود ایک شخص نے فرسٹ ایڈ بکس لے کر میری مرہم پٹی کرنی چاہی لیکن کیپٹن نے سختی کے ساتھ اسے روک دیا۔ "پہلے اس کے چہرے سے خون اور مٹی کے دھبے صاف کرو!"

چہرے کے زخموں پر سپرٹ لگی تو میں مچھلی کی طرح تڑپ گیا اور بے اختیار میری چیخیں نکل گئیں۔ چہرہ صاف ہونے کے بعد کیپٹن نے کسی سے کہا۔ "اس رات والی بارڈر پوسٹ نمبر ... پر جو آدمی تھے ان سب کو بلا لو!"

چند ہی منٹ بعد سات سپاہیوں پر مشتمل ایک دستہ بھاری جوتوں کے ساتھ مارچ کرتا ہوا وہاں آپہنچا۔ ان کے تن پر وردی نہیں تھی، زنانہ قمیصیں تھیں، سروں پر ٹوپیاں۔ شاید وہ لوگ کسی وجہ سے زیر عتاب تھے۔

کیپٹن کے حکم پر ان میں سے ایک ایک آدمی باری کے مطابق میرے پاس آتا اور میرا چہرہ اچھی طرح الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد واپس قطار میں چلا جاتا۔ چوتھے سنتری پر نظر پڑتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ یہ وہی شخص تھا جس سے سرحد پر سب سے پہلے میری جھڑپ ہوئی تھی اور اسی نے مجھ سے بیڑی کی فرمائش کر کے مجھ پر رائفل کی نال سیدھی کی تھی۔ وہ قریب آیا تو اس کا چہرہ سپاٹ ہی تھا یعنی وہ پہلی نظر میں مجھے نہیں پہچان سکا تھا۔ پھر اس نے مجھے الٹ پلٹ کر دیکھا اور اس کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آنے لگے۔ دوسرے سپاہیوں کے برعکس جب اسے کئی منٹ گزر گئے اور وہ مجھے دیکھتا ہی رہا تو اچانک کیپٹن کی کرخت آواز گونجی۔ "کیا سمجھے؟"

"یس سر!" وہ ایڑیاں فرش پر مار کر سیدھا ہوگیا۔

"کیا بات ہے؟"

"سر میری عقل خراب ہے!" وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"مجھے معلوم ہے۔" کیپٹن بدستور اسی کرخت اور چنگھاڑتی آواز میں بولا۔ "کوئی اور بات؟"

"یس سر!" وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں ایک بات بتانا بھول گیا تھا۔ اس رات اس کے چہرے پر مونچھیں بھی تھیں۔"

"وہاٹ!" کیپٹن زخمی چیتے کی طرح ایک کر اور مٹھیاں بھینچ کر چیخا۔

"یس سر!" اب سنتری کی آواز اور بھی نحیف ہوگئی۔ "یہ وہی آدمی ہے۔ اس نے مونچھیں اور بال مونڈ لئے ہیں!"

"میجر صاحب!" کیپٹن فوراً اپنے نائب حوالدار میجر سے بولا۔ "... اس کو تین دن کا ڈروم...!"

اس کے حکم پر سب لوگ پھرتی کے ساتھ کھسک گئے۔ صرف وہ ... والا شخص اپنی جگہ پر کیپٹن کے اشارے کا منتظر رہا۔

کیپٹن غضب ناک انداز میں دانت پیستا آہستہ آہستہ میرے قریب آیا پھر اس نے میری ناک پوری قوت سے اپنی چٹکی میں دبا کر مروڑ دی۔ میں درد اور تکلیف سے تڑپ کر دوہرا ہوگیا۔ مجھے یوں تڑپتے دیکھ کر اس بدمعاش شخص نے زوردار قہقہہ لگایا اور میری ناک چھوڑ دی۔

"تیرا نام کیا ہے؟"

"امیر علی!" میں نے اس کی چیرہ دستیوں سے بچنے کے لئے جلدی سے اپنا وہ نام دہرا دیا جس سے میں چندر سین اور ٹھاکر وغیرہ سے متعارف تھا۔

"مگر چہرے سے تو عرب لگتا ہے!" کیپٹن نے قہقہہ لگایا اور داد طلب نگاہوں سے کمانڈر کی طرف دیکھا اور وہ اس بھونڈے مذاق پر خوشامدانہ انداز میں دانت نکال کر رہ گیا۔

"کس یونٹ سے تعلق ہے؟" قہقہہ ختم ہوتے ہی وہ وحشی انداز میں سنجیدہ ہوگیا جیسے اسے مسکرائے صدیاں گزر گئی ہوں۔

"یونٹ... کسی یونٹ سے نہیں!" میں بری طرح بوکھلا گیا۔

"میرے سامنے مردے بھی بولنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔" وہ ... آواز میں دہاڑا۔ "میرے پاس کوئی فرضی کہانی نہیں چلے گی۔"

"پہت... تم چندر سین سے معلوم کر سکتے ہو میں اپنی مرضی سے ادھر نہیں آیا تھا۔ اسی نے مجبور کیا تھا۔ میرا فوج سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں کشمیری ہوں۔ ایک عام کشمیری!" میں نے گڑگڑا کر اپنی بات کا یقین دلانا چاہا۔

"چندر سین تمہارا باپ ہے۔ اس کے ٹکڑے ہمارے سامنے پڑے ہیں۔"

"یس، میں جانتا ہوں۔ تم نے اس خوبصورتی سے اسے بے وقوف بنایا وہ تمہیں حالات کے چکر میں پھنسا ایک مجبور کشمیری سمجھ بیٹھا حالانکہ تمہیں یہ منصوبہ پورا کرنے کے لئے سازش کے تحت اس تک پہنچایا گیا تھا۔" اتنا کہہ کر اس نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی اور پھر بولا۔ "اس وقت پانچ بجے ہیں۔ سات بجے تک مجھے ایک ایک لفظ سچ چاہیے ورنہ تمہارے جسم کے پرزے اڑ جائیں گے۔"

وہ خاموش ہو کر کسی آدم خور بھیڑیے کی طرح میری طرف دیکھتا رہا۔ پھر کمانڈر سے بولا۔ "اس کے زخموں کی ڈریسنگ کر دو۔ اگر سات بجے تک اس کی عقل واپس نہ آئی تو میں اس کے لئے پورا فیلڈ میڈیکل یونٹ یہاں بلا لوں گا۔ اسے اذیت پہنچاؤں گا، علاج کروں گا اور پھر تڑپاؤں گا۔ اسے سچ بولنا پڑے گا۔"

وہ مٹھیاں بھینچے واپس پلٹا اور کسی زلزلے کی طرح باہر نکلتا چلا گیا۔ کمپاؤنڈر جو اب تک سانس روکے اپنی جگہ پر کھڑا تھا بکس اٹھائے میرے قریب آگیا اور ہمدردانہ لہجے میں بولا۔ "شاید تمہارا تعلق ان لوگوں سے ہے جو مشرقی پاکستان کے حالات پر قابو پانے کے لئے یہاں بھیجے گئے ہیں۔"

مجھے اس پر غصہ تو بہت آیا لیکن ضبط کر گیا کیونکہ اس وقت میرا یہی ساتھی تھا۔ ذرا سی تلخ کلامی اسے بے دردی پر اکسا سکتی تھی۔

"یقین کرو میرا فوج سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

وہ میرے زخموں کو صاف کرتے ہوئے بے اعتباری سے بولا۔ "کیپٹن بھاٹیہ تمہارا ایک ایک جوڑ الگ کرا دے گا۔ تم شاید اس سے واقف نہیں ہو۔ اس نے دوسری جنگ عظیم میں نازی کیمپ میں ... برداشت کئے تھے۔"

"تو جب وہ میری بات پر کیسے یقین کر سکے گا؟" میں نے بے بسی سے کہا۔

"اگر تم مولوی ہوتے تو چندر سین ہی سے ... مگر تم کو ... کیا گیا تھا اور تم اس سے پہلے دوسرے کسی آدمی پر ہاتھ ڈالنا چاہتے تھے۔ میجر کے قتل کے بعد بہت اوپر تک کھلبلی مچ گئی ہے۔ بہت اہم آدمی تھا۔"

ایک خاموشی ... اس سے بحث بیکار تھی۔ ... وہ مجھے کوئی ایسی کہانی تراشنے پر مجبور کر رہی تھی جو ان کے لئے قابل قبول ہو لیکن مشکل یہ تھی کہ میں فوجی اصطلاحات، جرنل وغیرہ کی تقسیم کے نظام سے بالکل لاعلم تھا۔ اگر کوئی الٹی سیدھی بات کہہ بیٹھتا تو بھاٹیہ فوراً پکڑ لیتا کیونکہ وہ لاکھ دشمن ہی سہی مگر فوجی ہونے کے ناتے اس کو بہت کچھ معلوم ہوگا اور وہ میری ہر بات کو اپنی ان معلومات کی روشنی میں جانچنے لگا۔

فوج کے بارے میں میری معلومات اس قدر ناقص تھیں کہ مجھے کور، ڈویژن، رجمنٹ، بریگیڈ اور کمپنی کا فرق بھی معلوم نہ تھا۔ نہ یہ معلوم تھا کہ کس درجے کا افسر کس کا کمانڈر ہو سکتا ہے؟ ان حالات میں کوئی افسانہ تراشنا بھی محال تھا۔

میرے زخموں کی ڈریسنگ کرنے کے بعد وہ بھی واپس لوٹ گیا اور میں اس کمرے میں تنہا رہ گیا۔ زخموں سے میرا بدن چور چور ہو رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ آنے والے ذہنی و جسمانی فرسامحات کا میں کب تک مقابلہ کر سکوں گا۔

اسی ادھیڑبن میں میں لنگڑاتا ہوا اس کمرے کے دروازے تک پہنچا لیکن وہاں دو مسلح محافظ موجود تھے۔ ان کی خشمگیں نگاہوں نے مجھے فوراً ہی اندر لوٹ جانے پر مجبور کر دیا۔

ٹھیک سات بجے کیپٹن بھاٹیہ ملک الموت کی طرح وہاں آپہنچا۔ اس کی چال میں اس وقت خاصا ٹھہراؤ تھا اور چہرے سے سنگینی مترشح تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ مجھ سے ایک ایک لفظ اگلوانے کا عزم کر کے آیا ہو۔

"شروع ہو جاؤ۔" اس نے کرسی پر بیٹھتے ہی کرخت آواز میں کہا۔

"میں نے آپ کو جو کچھ بتایا وہ بالکل سچ ہے۔"

"بکواس..." وہ مٹھیاں بھینچ کر درندوں کی طرح غرایا۔

"اگر تم حقائق کو بکواس سمجھتے ہو تو مجھے بتاؤ کہ میں کیا بیان دوں تاکہ تم یقین کر لو؟ تمہارے افسران بالا کے سامنے بھی میں اسی پر جما رہوں گا۔" میرے لہجے میں بے بسی نمایاں تھی۔

وہ جوش میں بھنچے میرے قریب آیا اور میرے سر پر پوری قوت سے ایک گھونسا رسید کیا۔ "ہوش میں رہ کر بات کر... تو اس وقت کسی ٹٹ پونجیے سے نہیں کیپٹن بھاٹیہ سے مخاطب ہے۔"

میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا اور میں دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر نیچے بیٹھتا چلا گیا۔

"پھر کی بات ہے..." وہ غرایا۔ "میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"میں نے ٹرک چھوڑ کر جنگل میں فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔ وہاں کرنل صاحب سے میرا ٹکراؤ ہوا اور میں انہیں زیر کر کے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔" میں نے خود پر قابو پا کر کہا۔

اس نے چیخ کر باہر کھڑے محافظوں کو طلب کیا۔ ان دونوں نے مجھے نیچے گرا کر میرے دونوں ٹخنوں پر رسی کے مضبوط پھندے ڈالے اور ان رسیوں کے دوسرے سرے چھت سے لٹکے ہوئے آہنی کڑوں میں باندھنے لگے۔ چند ہی منٹ میں مجھے چھت سے اس طرح الٹا لٹکا دیا جا چکا تھا کہ میرے دونوں پیر پانچ فٹ کے فاصلے پر الگ الگ کڑوں سے بندھے ہوئے تھے۔

پھر بھاٹیہ نے ریت سے بھری ہوئی ایک بوری منگوائی جو میری جڑی ہوئی ٹانگوں کے درمیان رکھ دی گئی اور میں اذیت سے بے چین ہو گیا۔

"اسے سونگ دو۔" بھاٹیہ نے کہا۔

ان دونوں سپاہیوں نے میرے ہاتھ تھام کر مجھے کچھ دور گھسیٹا اور ایک دم ہاتھ چھوڑ دیے۔ اب میں خلا میں معلق تیزی سے جھول رہا تھا۔ میرے لیے ایذا رسانی کا یہ تجربہ بالکل انوکھا تھا۔ ذرا سی دیر میں میری حالت ابتر ہو گئی۔ مجھے اپنے دونوں گھٹنے جوڑوں سے اکھڑتے محسوس ہوتے تھے۔ اسی اثنا میں بھاٹیہ نے اپنے لیے شراب کی بوتل منگوالی تھی اور لاپروائی کے ساتھ اس سے شغل کر رہا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں میری ہمت جواب دے گئی۔ میرے گھٹنے اپنی جگہ چھوڑتے محسوس ہو رہے تھے۔ سارا بدن پسینے میں شرابور ہو چکا تھا اور زور پڑنے کے باعث زخموں سے ایک بار پھر تازہ خون جاری ہو گیا تھا۔

اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ بھاٹیہ کی توقع کے مطابق جب تک میں پاک فوج سے تعلق کا جھوٹا اعتراف نہ کر لوں میری نجات ناممکن ہے۔

میری کراہوں اور چیخوں پر بھاٹیہ دل کھول کر قہقہے لگا رہا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے معلوم ہوتا تھا جو دوسروں کو اذیت میں دیکھ کر روحانی تسکین حاصل کرتے ہیں۔

"میرا ۔۔۔ میرا تعلق ساتویں اسپیشل یونٹ سے ہے۔" آخر کار میں نے جھوٹ بولنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔

"گڈ۔" بھاٹیہ نے خوش دلی سے قہقہہ لگایا۔ "یونٹ کا او سی کون ہے۔؟"

ایک لمحے کے لیے میں اس سوال پر چکرا گیا۔ پھر فوراً ہی خیال آیا کہ وہ شاید آفیسر کمانڈنگ کے بارے میں دریافت کر رہا ہے اور میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ دوسرا تیر چلا دیا۔ "میجر معین الحق۔"

"یونٹ کا ہیڈ کوارٹر۔"

"پارہ چنار۔" مشینی انداز میں میرے منہ سے نکل گیا۔

"بکواس۔" بھاٹیہ بوتل پھینک کر غصے میں کھڑا ہو گیا۔ "پارہ چنار پر سرحد کے قبائلیوں کا پورا کنٹرول ہے۔ وہاں دشمن کا کوئی یونٹ نہیں ہے۔"

"مجھے کچھ نہیں معلوم ۔۔۔ تم بھیڑیے ہو۔" میں پوری قوت سے چیخ پڑا۔ "میرا فوج سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

بھاٹیہ نے جھک کر پوری قوت سے میرے منہ پر طمانچہ رسید کیا۔ پھر شاید مجھ پر جنون سوار ہو گیا اور میں چیختے چیختے بے ہوش ہو گیا۔

دوبارہ ہوش آیا تو میں نے خود کو ایک آرام دہ بستر پر موجود پایا۔ میرے قریب ہی آرمی کا ایک باوردی ڈاکٹر موجود تھا۔ مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر وہ مسکرا دیا۔ میں نے بستر سے اٹھنا چاہا لیکن مجھے احساس ہوا کہ میں چلنے پھرنے تک سے معذور ہو چکا ہوں۔ میرے دونوں گھٹنے سوجے ہوئے تھے اور ان میں درد کی ناقابل بیان ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

"اب تم کیا محسوس کر رہے ہو؟" ڈاکٹر نے میری جلتی ہوئی پیشانی پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر سوال کیا۔

"صرف زندہ ہوں۔" میرے ہونٹوں سے نقاہت آلود آواز ابھری۔

"بہتر ہوگا کہ تم اپنے بارے میں سب کچھ بتا دو ورنہ کیپٹن کے ہاتھوں تم موت کی آرزو کرنے کے باوجود نہ مر سکو گے۔"

"آپ شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" میں نے پہلی بار کچھ تسلی سی محسوس کی۔ "میں آپ کو اپنی پوری کہانی سنانے پر تیار ہوں۔ آپ ذرائع وسائل سے اس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ اگر ایک لفظ بھی غلط نکلے تو ہر سزا کے لیے تیار ہوں۔"

"ایسی صورت میں، میں بھی کوشش کروں گا کہ تمہارے بیان کی تصدیق ہونے تک تمہیں کیپٹن بھاٹیہ کے تشدد سے بچا سکوں۔"

اور میں نے دھیمی آواز میں اسے اپنی کہانی سنانی شروع کی جس میں ذرا بھی جھوٹ نہیں تھا۔ وہ ڈاکٹر حیرت اور دلچسپی کے ساتھ میری مجرمانہ زندگی اور کیمیاگری کے افسانے سنتا رہا۔ اس کے چہرے سے ظاہر تھا کہ اسے میری کہانی پر یقین کرنے میں کوئی تامل نہیں ہے۔ میرے بیان کے خاص خاص نکات وہ اپنی ڈائری میں نوٹ کرتا جا رہا تھا اور جب میں راکھی کے چچا کے جھونپڑے سے اپنی گرفتاری کے واقعے پر بیان ختم کر چکا تو وہ مجھے تسلی دیتا ہوا کرسی سے اٹھ گیا۔

"تمہارے بیان کی تصدیق میں چند دن لگ جائیں گے۔ امید ہے کہ اس عرصے میں تمہارے زخم بھی مندمل ہو جائیں گے۔" وہ لوٹ گیا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد کیپٹن بھاٹیہ اس کمرے میں آیا۔ اس کی آنکھیں غیر معمولی طور پر چمک رہی تھیں اور چہرہ وفور جوش سے سرخ تھا۔ دروازہ بند کر کے وہ رازدارانہ انداز میں میرے بستر پر ہی آ بیٹھا اور سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "کیا یہ سچ ہے کہ تم کیمیاگر ہو؟"

"میں حلفیہ کہتا ہوں کہ میرا ایک ایک لفظ سچ ہے۔"

سر پر ... ایک بار پھر ... عجیب سی چمک تھی۔

"اگر تمہاری کہانی واقعی درست ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا بہترین دوست ثابت ہو سکوں گا۔" اس وقت وہ بھی مختلف شخص معلوم ہو رہا تھا۔ اس کی سخت گیری اور بے رحمی کہاں جا سوئی تھی، میں کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اس کا منہ تکتا رہا۔

"ایک زمانے میں مجھے بھی کیمیاگری کا جنون رہا ہے۔" وہ رازدارانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "جن دنوں میری پوسٹنگ نیپال کی سرحد پر تھی میں نے بھی کئی سنیاسیوں سے بھاسنا نامی بوٹی کا تذکرہ سنا تھا جو کھٹمنڈو کے شمال مغرب میں انا پورنا کے قریب دوار میں کہیں ملتی ہے۔ میرے پاس بھی کیمیاگری کے کئی راز موجود ہیں لیکن اپنی مصروفیت کی وجہ سے میں کبھی ان کا تجربہ نہ کر سکا۔"

یہ سن کر میرا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا۔ کیپٹن بھاٹیہ کے رویے کی تبدیلی میرے لیے کسی معجزے سے کم نہیں تھی۔

"اگر تم پہلے ہی بتا دیتے کہ تم کیمیاگری کے چکر میں ہو تو شاید اس تشدد کی نوبت ہی نہ آتی۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"میں جلد از جلد نیپال پہنچنا چاہتا تھا مگر جلد ہی تم نے مجھے اپنے جال میں پھانس لیا۔ ایسی صورت میں میرے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا کہ پہلی فرصت میں اس سے نجات حاصل کروں۔ تم یقین کرو کہ تمہاری سرحد پار کرنے تک مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ میرے ہاتھوں جنگل میں ہلاک ہونے والا ایجنٹ ہے۔" میں نے کہا۔

"جو ہوا سو ہوا۔" وہ ہنس کر بولا۔ "تین چار دن میں ہم تمہارے بیان کی تصدیق کر لیں گے۔ پھر بھاسنا کی تلاش میں میرا تمہارا ساتھ ہوگا۔"

"تم ۔۔۔ تم میرا ساتھ دو گے؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"بالکل۔" وہ مکارانہ انداز میں مسکرایا۔ "اس کاروبار میں ہم دونوں برابر کے شریک ہوں گے۔"

"مگر تمہیں آرمی سے رخصت بھی مل سکے گی؟" میں بدلے ہوئے حالات میں اپنی ساری تکلیف کو بھول چکا تھا اور مجھے عجیب سی ہو رہی تھی۔

"لعنت بھیجو آرمی پر۔" وہ دھیمی آواز میں بولا۔ "مجھے تو اب ہر وقت یہ احساس رہتا ہے کہ ہم کرائے کے فوجی ہیں، ملک کسی کا ٹوٹے گا، حکومت کسی کو ملے گی اور ہم بس لوٹ مار میں جو کچھ ہاتھ لگ گیا وہ ہمارا انعام ہوگا۔"

عمر اور تجربے کے اعتبار سے وہ کافی سینئر افسر نظر آتا تھا۔ مجھے اس کے خیالات پر سخت حیرت ہوئی۔ "تم تو فوج پر لعنت بھیجتے ہو مگر کیا فوج تمہیں کب چھوڑے گی؟"

"ہماری جو حکمت عملی چل رہی ہے اس کے پیش نظر دو تین سال پہلے کچھ ہوتا نظر نہیں آتا اور میں ان سے خبر کیے بغیر جھک مارتا رہوں گا۔ میری لغت میں مایوسی کا لفظ ہی نہیں ہے۔ ذرا تمہارے بیان کی تصدیق ہو جائے تو سارا منصوبہ سمجھا دوں گا۔"

وہ کافی دیر تک میرے سرہانے بیٹھا دوستانہ انداز میں باتیں کرتا رہا۔ اس کی مہربانی کے طفیل مجھے دو پیگ وہسکی بھی مل گئی جس نے ان حالات میں مجھے خاصا سہارا دیا۔

میری گرفتاری کا یہ باب ایک میں خلاف توقع کافی دن لگ گئے۔ اس دوران میں وہاں میری خوب دیکھ بھال ہوتی رہی۔ کھانے پینے اور آرام کی سہولتوں میں کوئی کمی نہ تھی اس لیے میرے سارے زخم تیزی کے ساتھ مندمل ہونے لگے۔ کیپٹن بھاٹیہ رات میں میرے پاس آ جاتا تھا اور تاش کھیلتے ہوئے بے تکان بولتا رہتا تھا۔ اس کے پاس موضوعات کی کوئی کمی نہ تھی۔ بس سننے والا درکار تھا۔

وہ عورت، شراب اور تاش کا رسیا تھا اور میرے بھی کم و بیش یہی مشاغل تھے۔ شراب وہ پلاتا تھا، عورتوں کے قصے اس کے پاس کم نہیں تھے۔ ہاں تاش کے کھیل میں وہ مجھ سے بہت زیادہ فنکار تھا۔

ایک روز جب راکھی کا تذکرہ نکل آیا تو وہ بولا۔ "اگر وہ یہیں کہیں ہے تو باز پرس کے بہانے اسے بلا لیتے ہیں۔ رات بھر عیش کریں گے۔ صبح وہ گھر واپس پہنچا دی جائے گی۔"

"نہیں ۔۔۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "تم نے اسے نہیں دیکھا، میں اسے بہت قریب سے جانتا ہوں، وہ مر جائے گی مگر عزت کو داغ نہیں کرے گی۔"

"یہ سب کتابوں کی باتیں ہیں۔" وہ مسکرا کر بولا۔ "عورت کو شیشے میں اتارنا ایک فن ہے پھر وہ تمہاری ہے۔"

"خیر ۔۔۔ وہ میری محسن ہے۔ میری گزارش ہے کہ تم اس کو بھول جاؤ۔" میں نے بحث سے گریز کرتے ہوئے کہا تھا اور اس کے بعد بھاٹیہ نے کبھی راکھی کے بارے میں مجھ سے بات نہ کی۔

اس چوکی پر متعین جوان بھی میری اور بھاٹیہ کی دوستی سے آگاہ ہو چکے تھے۔ گو انہیں پس منظر کا علم نہ تھا۔ لیکن پھر بھی چوکی کی حدود میں میری نقل و حرکت پر کوئی پابندی نہیں تھی ورنہ میں انہیں اپنی جانب سے شبہات میں مبتلا کرنا چاہتا تھا۔ کچھ بھی ہو، وہ دن اتنے اچھے نہیں تو برے بھی نہیں تھے۔ اور مجھے ان کے درمیان کسی معزز قیدی کا درجہ حاصل تھا۔

انیسویں روز بھاٹیہ میرے پاس بیٹھا تھا کہ آفیسر کمانڈنگ کے ذریعے کسی شخص نے کسی پیغام کی اطلاع دی اور وہ کچھ دیر بعد وہاں سے چلا گیا۔ دس پندرہ منٹ بعد وہ لوٹ کر آیا تو بہت خوش تھا۔ آتے ہی بولا۔ "ہم دونوں کے ستارے اچھے ہیں۔ تمہارے بیان کی حرف بحرف تصدیق ہو گئی ہے۔"

زندگی میں شاید کبھی مجھے اتنی خوشی نہ ہوئی ہو گی جو اس وقت ہوئی۔ "اب میرا کیا ہوگا؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"فیصلہ تو اوپر ہی سے آئے گا مگر اس کا سارا دارومدار اب میری رپورٹ پر ہی ہوگا۔" وہ میری طرف دیکھ کر معنی خیز لہجے میں بولا۔

"میں تم سے وعدہ ......"

اس نے میری بات درمیان ہی سے اچک لی اور رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "بس اب باقی باتیں رات کو ہوں گی۔ ابھی مجھے کچھ اور بھی

ضروری کام ہیں؟“

اس خبر کے ساتھ ہی میری دبی دبی سی تشویش بھی زندہ ہو گئی اور میں بے چینی کے ساتھ آنے والی رات کا انتظار کرنے لگا۔ رات آٹھ بجے کے قریب بھائی میرے پاس آیا اور بولا۔ ”میں نے اولین رپورٹ تیار کر لی ہے کل ہی روانہ کر دوں گا۔“

”اگر تم کسی طرح مجھے رہائی دلا دو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ خزانے [illegible] ہوئے ہیں تمہارا برابر کا حصہ ہوگا۔“ میں خوشامدانہ لہجے میں بولا۔

وہ مکارانہ انداز میں زیرلب مسکرایا۔ ”تم نے عقل مندی کی بات کی۔“ وہ بولا ”درست ۔۔۔۔ دراصل دولت اور عورت کے معاملے میں کسی پر بھی بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔ بھائی! اس کی تلاش میں، میں تمہارا شریک سفر ہوں گا۔“

”میں تمہارا منتظر رہوں گا۔“ میں بے چینی کے ساتھ بولا۔

”تم پر میرائل کے قتل کا الزام ثابت ہے۔ تم خود اس کا اعتراف کر چکے ہو۔“ وہ دھیمی آواز میں کہنے لگا۔ ”میں اسے غلط فہمی کا کیس بنانے جا رہا ہوں۔ تمہارا اور ائل کا جھگڑا اس قدر غیر متوقع طور پر ہوا کہ جب تک تم کو اپنا تحفظ کا احساس ہوتا تم اس پر فائر کر چکے تھے۔ ائل کی لاش سرحد پار ہی دفن کی گئی ہے اور اس کا پوسٹ مارٹم بھی نہیں ہوا کوئی جج صرف زخموں کے نشانات دیکھ کر میری اس رپورٹ کو چیلنج کر سکے۔“

”اس طرح تو میں مارا جاؤں گا؟“

”نہیں ۔۔۔ اس کے بعد دو صورتیں ہیں۔ اگر میں تمہیں فوجی قید میں رکھنے کی سفارش کروں تو تمہیں نہ جانے کہاں رکھا جائے۔ اگر تم وہاں سے فرار ہو گئے تو میں پاتال میں بھی تم تک نہ پہنچ سکوں گا۔ دوسری صورت میں اعلیٰ فوجی حکام تمہیں دو تین سال کے لئے کسی سویلین جیل میں بھیج دیں گے تم وہاں میرا انتظار کرو گے اور میں کسی بھی سرحدی محاذ پر فرار ہو جاؤں گا۔ میرے ساتھی یہی سمجھیں گے کہ میں دشمن کے ہاتھوں قید ہو گیا یا مارا گیا پھر میں تمہیں جیل سے رہا کراؤں گا اور ہم دونوں نیپال کا سفر کریں گے۔“

”میں سول قید کے مقابلے میں فوجی کیمپ کو زیادہ پسند کروں گا۔“ میں نے اس کا منصوبہ سن کر جلدی سے کہا۔

”وہاں ایک اور بھی مشکل ہوگی یہی فرار کے بعد تمہیں سول قید سے با آسانی نکال لوں گا لیکن فوجی حکام کو دھوکا دینا میرے لئے ناممکن ہوگا۔“ بھائی اس وقت بہت زیادہ سمجھداری کا ثبوت دے رہا تھا اور شاید وہ کسی اجڈ فوجی کے بجائے سلجھے ہوئے دماغ کا آدمی لگ رہا تھا۔

”جیسا تم مناسب سمجھو کرو۔ آخر کار میں تم سے اپنا معاملہ [illegible] چھوڑ رہا ہوں اگر زندہ رہا تو [illegible] حاصل کر لوں گا۔“

ہیڈ کوارٹر سے میرے بارے میں [illegible] احکام آ گئے۔ کیپٹن بھائی کا قیاس درست ثابت ہوا تھا۔ مجھے دو سال کی مدت پٹنہ کی جیل میں گزارنی تھی۔

اس ویران کیمپ میں میری آخری رات یادگار تھی کیپٹن بھائی نے ساری رات مجھے ولایتی شراب پلائی اور میرے ساتھ تاش کھیلتا رہا۔ اگلی صبح میری آنکھوں پر فوجی دستور کے مطابق پٹی باندھ دی گئی اور میں جیپ کے ذریعے کسی نامعلوم سمت بھیج دیا گیا۔

چند دشوار گزار سفر شام کے وقت ایک انجان سے قصباتی اسٹیشن پر ختم ہوا جہاں پہلے سے تین فوجی میرے استقبال کے لئے موجود تھے۔ پٹنہ میل سے اسٹیشن سے ایک بند لاری کے عقبی حصے میں مجھے لے جایا گیا اور جب میں لاری سے اترا تو سامنے ہی جیل کی عمارت پر پرچم لہرا رہا تھا۔

پٹنہ جیل کا وارڈن جرمن سرکار نامی کوئی دوغلا ہوگی تھا۔ اس کا باپ ہندو اور ماں یہودن تھی۔ وہ اپنی سخت گیری اور بد زبانی کی وجہ سے سارے قیدیوں کے لئے ہوا بنا ہوا تھا۔ جیل کی خرافات کے بارے اور ...

دستاویزات پر دستخط لینے کے بعد فوجی چلے گئے اور میں جرمن سرکار کی تحویل میں آ گیا۔

میری تلاشی [illegible] کیپٹن بھائی کے ریکارڈ کے ساتھ بھی تھیں جرمن نے از سر نو میری تمام انگلیوں کے نشانات لئے اور میں جیل بھیج دیا گیا۔

اگلی روز صبح چھ بجے جیل کا گھنٹہ سائرن بجا اور ہم سب بھیڑ بکریوں کی طرح اپنی اپنی بیرکوں کے سامنے قطار بند ہونے لگے۔ حاضری کے کام پر مامور سینئر قیدی سب کو چیک کرنے لگے تھوڑی دیر بعد وارڈن معائنے پر آیا اور اسے قیدیوں کی حاضری کی اطلاع دے دی گئی۔

ابتدا میں میری ڈیوٹی صفائی پر لگائی گئی۔ بظاہر تو یہ کام آسان معلوم ہوا لیکن جب اس کی حقیقت سامنے آئی تو سر گھوم گیا۔ روزانہ [illegible] مجھے سر پر [illegible] اٹھانی پڑتی تھیں۔ کبھی کاٹھ کباڑ اور سامان کے ڈھیر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے پڑتے۔ صفائی تو محض ایک بہانہ تھا دراصل وہ کام بیگار کا ہی تھا۔

دو ہفتے اسی کڑی مشقت میں گزر گئے جیل میں میرے چند ساتھی بھی بن چکے تھے جو عرصہ دراز سے جرمن سرکار کا عذاب سہتے چلے آ رہے تھے۔ ایک روز دو آدمیوں نے قسمیں لینے کے بعد مجھ سے فرار کی اسکیم کے سلسلے میں مدد طلب کی۔

وہ کافی دنوں سے منصوبہ بنا رہے تھے لیکن ان کی [illegible] جرمن کے جنگلے کے اندر تھی جہاں سے فرار کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا انہوں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح انہیں صفائی کے کام پر لگا دیا جائے۔ کوئی صورت نہ بن سکی اور اب مجبور ہو کر انہوں نے میرا انتخاب کیا تھا۔ ان میں سے ایک سات برس سے جیل میں تھا دوسرے کو ڈھائی تین سال ہو چکے تھے وہ دونوں قتل کے الزام میں چودہ چودہ سال کی سزا کاٹ رہے تھے۔

”میرے لئے باہر کی دنیا ویسے بھی تاریک ہو گئی ہے ۔۔۔۔ جانتا ہوں [illegible] ہے بس تم تعاون کرو تو ایک مہینے بعد ہم کھلی فضا میں ہوں گے۔“ [illegible]

ایک ہی تھا۔

اس وقت ہم جنگلے کے سامنے موجود تھے جو [illegible] بہت سے قیدیوں کے لئے [illegible] ایک بجتی ہے [illegible] کوئی جواب نہیں دیا اور انہیں ساتھ لے کر جنگلے کے [illegible]

”میں تو بے گناہ ہوں۔“ [illegible] کی بات سے [illegible] اب [illegible] ہو گیا ہوں۔ [illegible] تم [illegible] کوشش [illegible]

”تمہارے منصوبے کا سارا انحصار مجھ پر ہی ہے۔“

”تم فکر نہ کرو۔“

جیل میں [illegible] ہونے والی [illegible] نکاسی کا انتظام جواب دینے لگا تھا جس کے حل کے لئے تین سال پیشتر نئے جیل میں نکاسی کا نظام قائم کیا گیا تھا اور وہ لوگ اسی راستے فرار ہونا چاہتے تھے۔ ساری نالیاں جیل کے عقبی حصے میں جا کر ملتی تھیں اور اس مقام پر لوہے کا ایک جنگلہ لگا ہوا تھا جس پر ہر وقت مسلح گارڈ رہتا تھا۔ اس جگہ سے یہ سب نالیاں ایک بڑے نالے کی صورت میں جیل کی عقبی دیوار کے متوازی دس پندرہ گز چلنے کے بعد جیل سے باہر گھوم جاتی تھیں اور وہاں لوہے کا مضبوط جنگلہ لگا ہوا تھا جس میں سے بمشکل انسانی ہاتھ ہی دوسری طرف نکل سکتا تھا۔ کچھ دور جا کر یہ نالہ شہر کے بڑے نالے سے جا ملتا تھا۔ اور اس دہانے پر بھی لوہے کا جنگلہ لگا ہوا تھا اور احتیاط کے پیش نظر اس دہانے پر ہر وقت دو سنتری پہرے پر موجود رہتے تھے۔ ان کی چوکی جیل سے باہر شہر کے نالے پر ایسی جگہ بنی ہوئی تھی جہاں سے وہ ہر وقت جنگلے کی نگرانی کر سکتے تھے۔

میرا کام یہ تھا کہ صفائی کے بہانے یا کسی اور طریقے ایک [illegible] جنگلے کے تالے کی چابی کی [illegible] تاکہ وہ ورکشاپ میں کام کرنے والے تیسرے ساتھی کی مدد سے اس کی نقل تیار کر سکیں۔ پھر ہم لوگ ......

چاندنی چھپی [illegible] جیل سے [illegible] اتر کر لوہے کے جنگلے کاٹتے اور بڑے نالے سے فرار ہونے کے [illegible] جیل کے عقب میں نالے کی چھت توڑ کر فرار ہو جاتے۔ منصوبہ بہت جامع تھا اور بظاہر اس میں کوئی خامی نظر نہیں آتی تھی لیکن چابی کا حاصل کرنا بہت مشکل کام تھا۔ وہ چابی ہر وقت وارڈن کے قبضے میں رہتی تھی اور وہ اپنی ہی نگرانی میں اس نالے کی صفائی کراتا تھا۔

اگلے روز سے میں نے پھٹے پرانے [illegible] اور [illegible] جانے کا [illegible] ایک ایسی مخصوص جگہ [illegible] کرنا شروع کر دیا جہاں زیادہ [illegible] کی کم [illegible] بار [illegible] ملاقات کرتے تھے اور وہ [illegible] نگرانی [illegible] تھے۔

تین ہفتوں میں ہم [illegible] اقدام کے لئے تیار ہو چکے تھے لیکن اس [illegible] منصوبے کی ایک خامی [illegible] سامنے آئی [illegible] جرمن سرکار [illegible] جیل کی سالانہ دعوت [illegible] شریک ہونے [illegible] جانے [illegible]

کہ کہیں [illegible] ڈال دیا جائے اور [illegible] اسی جیل کے سامنے گزر جائے [illegible] جرمن [illegible] کسی نے کو [illegible] ہوتا۔ لیکن حقائق [illegible] میں سب سامان [illegible] تھے ان میں سے ایک کی قید کی مدت ابھی باقی تھی جیسے [illegible] آدمی [illegible] دو ماہ بعد رہا کیا جانے والا تھا۔

اب فیصلہ جرمن سرکار اور جیل کی [illegible] تھی [illegible] بہت آسان ہو جاتا ان باتوں میں سے کسی [illegible] وقت [illegible] منصوبے میں شریک [illegible] باقی حاصل کرتا [illegible] تعاون کی [illegible] ہونے والا تھا [illegible]

[illegible] کوشش [illegible] ناکام ہو جائے لیکن ہم نے اس کا بھی حل تلاش کر لیا۔

[illegible] بعد دونوں [illegible] شروع کیا [illegible] جب ساری [illegible] خالی ہو [illegible] احتیاط کے ساتھ [illegible] نکال لیتے [illegible] میں واپس [illegible] پانی [illegible] جاتے [illegible] نالیوں کی [illegible]

[illegible] جرمن [illegible] قیدی [illegible] احتیاطی [illegible] جالیاں بند ہو چکی ہیں۔ تھوڑا پانی استعمال ہو تو وہ [illegible] لیکن پانی کے زیادہ خرچ کی صورت میں [illegible] ہیں۔ جرمن سرکار نے بتایا کہ سالانہ دعوت سے پہلے ہی [illegible] لائن صاف ہو جائے لیکن وہ [illegible] کوئی بھی [illegible] جیل کی اس [illegible] تقریب کو [illegible] نہیں تھا لہٰذا بخاطر دعوت کے اگلے روز پر ملتوی کر دیا گیا۔

دعوت والے روز منصوبے کے دونوں شریک انتظامی امور میں سرگرمی کے ساتھ شریک نظر آئے تو مجھے ان کے [illegible] کی داد دینی پڑی۔ وہ زیادہ تر ان [illegible] میزوں کے گرد [illegible] تھے جہاں جیل کے حکام کے بیٹھنے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ چند چھوٹی چھوٹی مگر دلچسپ تقریروں کے بعد کھانے کا دور چلا اور وہ دونوں جرمن سرکار کی خدمت پر مامور نظر آنے لگے۔ تقریب میں کوئی قابل ذکر بات نہیں ہوئی بجز اس کے کہ جرمن سرکار اختتام سے ذرا پہلے ہی وہاں سے اٹھ گیا۔

خوش و خرم قیدی اپنی بیرکوں میں واپس پہنچے تو ہر طرف [illegible] پڑے ہوئے تھے۔ دراصل منصوبے کے دونوں شریک نے [illegible] میں زیادہ سے زیادہ نالیوں میں کپڑے ٹھونس دیئے تھے اور اس بار [illegible] واپس نہیں نکالا گیا تھا کیونکہ بڑے نالے کی جالیاں بند ہو جانے کے خطرے کے پیش نظر اب کوئی بھی بیرونی نالیوں کو ہاتھ نہ لگاتا۔ اس حکمت عملی کا دوسرا

فائدہ یہ تھا کہ اگر میرین سرکار بیماری کے پیش نظر صفائی کا کام ملتوی کرنا چاہے تو اپنے انتظام کی بگڑی ہوئی حالت اسے التوا کا موقع نہ دے۔ اگلے ہفتے ایک بات توقع کے خلاف ہوئی۔ چابی ہم لوگوں کے بجائے محافظ دستے کے ایک صوبیدار کو دی گئی اور وہ قیدیوں کو لے کر مین ہول پر جا پہنچا۔ یہاں میں نے اپنی پھرتی دکھائی اور اس سے چابی لے کر تالا کھول ڈالا اور چابی تالے ہی میں لگا کر ایک طرف رکھ دی۔ پھر جب ڈھکنا اٹھایا جانے لگا تو میں نے دانستہ چابی گٹر میں پھینک دی لیکن اس طرح کہ کسی کو بھی شبہ نہ ہو سکا۔ یہ ماجرا ہوتے ہی صوبیدار کا رنگ فق ہو گیا اور اس نے

بیہودہ سی گالیاں دے کر دو تین ہاتھ بھی جھاڑ دیئے۔ گو یہ واقعہ معمولی نوعیت کا تھا اور تالا بآسانی تبدیل کیا جا سکتا تھا لیکن صوبیدار میرین سرکار کے غضب سے ڈرتا تھا۔ صفائی وغیرہ کا سارا پروگرام التوا میں پڑ گیا اور سب لوگ چابی کی تلاش میں لگا دیئے گئے۔ صوبیدار کی کوشش یہ تھی کہ میرین کے علم میں آئے بغیر معاملہ نمٹ جائے تو اچھا ہے۔ اس پر اتنی شدید بوکھلاہٹ طاری تھی کہ وہ خود بھی وردی اتار کر گندے نالے میں اتر گیا جہاں اندر کی بیشتر نالیاں بند ہونے کے باعث بہاؤ تو ضرور کم تھا لیکن کیچڑ کے انبار لگے ہوئے تھے جس میں چابی کی تلاش آسان نہیں تھی۔

میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تالا اپنی دوستوں تک پہنچا دیا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ دو گھنٹے کے بعد وہ تمام نالیوں میں سے کچرے نکال دیں۔ اس سے آگے بس مقصد یہ یاد رہتا تھا کہ تالا واپس آنے تک سب لوگ زور شور سے چابی کی تلاش میں لگے ہوئے تھے۔ اب تک یہ سب لوگوں کو بیکار چابی کرنے کے اصل مقام سے دور بھٹکا رہا تھا لیکن تالا واپس آنے کے بعد میں نے صحیح جگہ پر تلاش شروع کی اور چند ہی منٹ میں چابی میرے ہاتھ آگئی اور صوبیدار اطمینان کا سانس لیتا باہر آ گیا۔

دراصل اس چابی کا ملنا خود ہمارے منصوبے کی تکمیل کے لئے ضروری تھا۔ وہ نہ ملتی تو صوبیدار کو پھٹکار لگ پڑتی، تالا ابھی بدل جاتا اور ہماری ساری اسکیم دھری کی دھری رہ جاتی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد ہم جالیوں کے جائزے کے لئے اندر گھسے اور خوش قسمتی سے پہلی ہی جالی اپنی جگہ سے ہلتی ہوئی ملی۔ قیدیوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا لیکن کوئی منہ سے کچھ نہ بولا۔ جالیوں کے درمیان آنا جانا کوئی مشکل نہیں تھا۔ ہم لوگ وہ صاف کر کے باہر نکل ہی رہے تھے کہ تیز بہاؤ سے لائن میں گندا پانی آنا شروع ہو گیا تھا۔ ہمارے ساتھیوں نے سرنگیں خالی ہوتے ہی نالیوں کے دہانوں سے کچرا نکالنا شروع کر دیا تھا۔

اگلے تین دن سنسنی خیز سکوت میں گزرے۔ اس دوران ہم نے ورکشاپ سے لوہا کاٹنے والی آری، اس کے تین فاضل بلیڈ اور ایک کدال چوری کر کے چھپالی اور تین بہ تقدیر ہو کر آخری قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ جیل کا قالین بننے کا کارخانہ مشرقی حصے میں واقع تھا جہاں سے ہمارے فرار میں استعمال ہونے والی گٹر لائن بہت دور واقع تھی اور ہم پہلے گٹر کو اس طرف

اٹھا کر با آسانی اپنے منصوبے کے آخری حصے پر عمل کر سکتے تھے۔ پھر ایک روز رات گئے قالین کے کارخانے میں آگ بھڑک اٹھی اور پورے جیل میں سیٹیوں اور سائرن کے شور سے ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ہم تینوں سامان لے کر مین ہول پر پہنچے تو وہاں سناٹا چھایا ہوا تھا اور منصوبے کا چوتھا شریک چابی سمیت جھاڑیوں میں دبکا ہمارا منتظر تھا!

تالا کھولنے سے پہلے ہم نے مین ہول کے دہانے پر متعین سنتری کو دھوکا دینے کے لئے ایک رسی جیل کی فصیل سے دوسری طرف پھینک دی تھی۔ ہمیں پورا یقین تھا کہ اندر کا عملہ آگ کی گھنٹہ تک ادھر توجہ نہیں دے سکے گا۔ رہے باہر والے تو وہ تعداد میں صرف دو ہیں اس لئے طویل چکر کاٹ کر جیل میں آنے کے بجائے دیوار کے پہلے رک کر فصیل پھلانگنے کی کوشش کرنے والے قیدیوں کا انتظار کریں گے۔ منصوبے میں یہ تبدیلی ہم نے آہنی جنگلے کی خستہ حالت کے پیش نظر کی تھی۔ زنگ کے باعث آہنی سلاخیں بہت کمزور ہو چکی تھیں اور نالے کی چھت توڑنے کے بجائے دہانے کا جنگلہ کاٹنا زیادہ آسان ہوتا۔ دیوار پر رسی ڈالنے کے بعد ہم نے مین ہول کا تالا کھول کر ڈھکن اٹھایا اور یکے بعد دیگرے اندر گھپ اندھیرے میں کود گئے۔ سب سے آخر میں چوتھا اور ورکشاپ والا ساتھی اندر آیا۔ اس نے تالا اس ترکیب سے کنڈے میں پھنسایا تھا کہ بادی النظر میں کسی کو شبہ نہ ہو سکے۔

مین ہول کا ڈھکنا بھی اس نے اترتے ہوئے اپنے سر پر سہار کر بند کر لیا تھا۔ ڈھکنا بند ہوتے ہی تعفن اور اندھیرے کے باعث ہمارا دم گھٹنے لگا لیکن ہم آگے بڑھتے چلے گئے۔ پہلے جنگلے میں ایک انچ موٹی گول آہنی سلاخیں لگی ہوئی تھیں جو زنگ کے باعث نچلی جڑ میں بالکل کمزور ہو چکی تھیں۔ انھیں کاٹنے کے بجائے ہم نے کدال پھنسا کر زور لگایا تو چند ہی منٹ میں ہم چار سلاخیں توڑ کر انہیں موڑنے میں کامیاب ہو گئے اور یکے بعد دیگرے جنگلے کے بعد والی ڈھلان پر آ گئے۔ موڑ گھومنے کے بعد ہم جوں جوں آگے بڑھتے گئے ہمیں تازہ ہوا کا احساس ہونے لگا جو شہر کے بڑے نالے میں ملنے والے دہانے سے آ رہی تھی! اسی دہانے پر چیک پوسٹ کی سرچ لائٹ سے آنے والی روشنی پڑ رہی تھی لہٰذا ہم تین آدمی پیچھے ہی نالے کی دیوار سے چپک گئے اور تیسرا شخص بہت احتیاط سے دہانے کی طرف روانہ ہو گیا۔ چند منٹ بعد اس نے واپس آکر خوشخبری سنائی کہ نالے کے پار والی چیک پوسٹ پر بالکل سناٹا ہے اور وہاں لگی ہوئی اوسط درجے کی سرچ لائٹ کا رخ بھی دہانے کے بجائے اسی جانب ہے جدھر ہم لوگ رسی لٹکا کر آئے تھے۔ پھر ہم چاروں تیزی کے ساتھ آگے بڑھے۔ یہاں بھی آہنی سلاخوں کی حالت کچھ بہتر نہیں تھی۔

بمشکل پندرہ منٹ میں دو سلاخیں توڑ کر ہم نالے میں اتر گئے اور دیوار سے چپکے تیز رفتاری کے ساتھ ...... ایک طرف دوڑنے لگے۔ فرار کا آخری مرحلہ بھی کامیابی سے نمٹ گیا تھا۔ ہم نالے ہی نالے میں دو ڈیڑھ فرلانگ دوڑ گئے اور پھر نالے سے باہر کھلے میدان میں نکل آئے۔ اب ہم سب سے بڑی فکر جیل کے لباس سے چھٹکارا پانے کے بارے میں تھی۔ ایک قیدی کا

یا لباس میسر آ جاتا تو ہم پہلی فرصت میں شہر سے دور اپنی اپنی راہ لے جاتے۔

"ہم جیل سے باہر آ چکے ہیں۔ یہاں تک ہمارا مقصد ایک تھا اب نصیب اپنے اپنے ساتھ ہیں۔ راہیں جدا جدا ہیں!" ایک ساتھی نے کہا۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" دوسرے نے پوچھا۔

"اگر لباس کی فکر میں ہم ساتھ رہے تو کسی ایک کی بدنصیبی چاروں کو ڈبو دے گی۔ بہتر ہوگا کہ ہم الگ الگ ہو جائیں!" وہ بولا۔

بات معقول تھی یہی چاروں منصوبے میں جوش طاری تھے لہٰذا ایک دوسرے سے رخصت ہوئے اور پھر رات کے اندھیرے میں مختلف سمتوں میں چل پڑے۔ میرے لئے اب ایک نئی مصیبت تھی۔ شہر میرے لئے اجنبی تھا۔ مجھے صرف اتنا معلوم تھا کہ جیل شہر کے عقب میں واقع ہے۔ اس کے سوا شہر کے راستے معلوم تھے نہ آبادی۔ ایسے میں [illegible] میں نے اپنی [illegible] آزاد کر دیا [illegible]۔

تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ ایک ویران فٹ پاتھ پر [illegible] ہوا نظر آیا۔ اس کی گرہ ایک گٹھڑی بندھی ہوئی تھی۔ میرے پاس لوہا کاٹنے والی آری کا بلیڈ موجود تھا۔ میں نے بہت احتیاط سے وہ گٹھڑی کاٹ لی اور راستے سے ہٹ کر ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔ ایک جگہ موقع پا کر میں نے وہ کھولی تو اس میں پرانے کپڑے دیکھ کر میرا دل خوش ہو گیا۔ میں نے اتار کر ایک قمیص پرانی دھوتی پہنی۔ پاجامہ وہیں ایک طرف پھینک دیا اور مجذوبوں کے انداز میں ایک طرف چل پڑا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جتنی جلد ممکن ہو شہر سے نکل جاؤں۔ مجذوب بنا رہوں گا تاکہ راستے میں کوئی مجھ پر شبہ نہ کرے۔ میں اپنی سوچ میں مگن چلا جا رہا تھا [illegible] ذہن میں [illegible] ابھر رہا تھا کہ بیچارا آری کا دیوانہ جب آری سے فرار ہو کر جیل کا تو میرے فرار کی خبر سن کر نہ جانے اس پر کیا گزرے گی!

معاً ایک تیز آواز نے میرے خیالات کا سلسلہ توڑ دیا اور میرے قدم رک گئے۔

واضح طور پر یہ ریلوے انجن کی تیز سیٹی کی آواز تھی۔ اس آواز نے مجھے بے ساختہ [illegible] سیٹی کی سمت کا تعین کر لیا اور تیزی کے ساتھ ادھر ہی بڑھنے لگا۔

تھوڑے سے توقف سے انجن کی سیٹی کی آواز نے فضا کا سکوت توڑ دیا [illegible]۔ انجنوں کے شور اور گاڑی کی نقل و حرکت کی آواز آ رہی تھی۔ اسٹیشن پر برقی روشنی تھی لیکن [illegible] ٹکٹ گھر بھی بند ہو چکے تھے۔ [illegible] مال گاڑیوں کے عقب میں دو تین کوچ ادھر ادھر کھڑی دکھائی دے رہی تھیں۔ پلیٹ فارم پر [illegible] اپنے گھر کی طرح آرام [illegible] ان کے پاس آ کر [illegible] اپنی منزل کے [illegible]۔

[illegible] پلیٹ فارم سے کافی دور ایک تاریک گوشے میں [illegible] ایک مال گاڑی کے [illegible]

بدصورت تھا۔ جب بھی چلنے والا [illegible] ریلوے [illegible] کر رہا تھا۔ بظاہر یوں لگتا تھا جیسے [illegible] روانہ ہو جائے گی۔

میں نے [illegible] پلیٹ فارم کے ایک تاریک حصے [illegible] اور پلیٹ فارم کے قریب ہی اس طرح روانہ ہو گیا کہ مال گاڑی [illegible] مجھے بھی معلوم تھا کہ جیل سے چار قیدیوں کے فرار کی خبر [illegible] جیل کے حکام [illegible] اسٹیشن پر [illegible] سے مشکل [illegible] رکنے کے باعث [illegible] اور جب [illegible] جانے پر [illegible] میں [illegible] سہارا لیں۔ قیدیوں کی حاضری ہوئی اور سب کو علم ہو جائے گا کہ چار قیدی غائب ہو چکے ہیں۔

ایسی حالت میں ریلوے اسٹیشن اور شہر سے نکلنے کے دوسرے راستے سخت خطرناک ہو جانے والے تھے کیونکہ سب سے پہلے انہی مقامات کی ناکہ بندی کی جائے گی۔ لہٰذا میرے لئے بہتر یہی تھا کہ جلد از جلد اسٹیشن سے بہت دور نکل جاؤں۔

مال گاڑی کے ڈبے جوڑے جانے کا عمل اتنا سست تھا کہ میرے اعصاب پر اضطراب کی کیفیت طاری ہونے لگی۔ مگر یہی طریقہ قسمت پر شاکر رہ کر [illegible] کسی طرح ڈبے میں چھپ جانے کا آخری امکان تھا۔

پلیٹ فارم پر [illegible] گھڑی میں رات سوا دو بجا رہی تھی میں نے [illegible] بہت ہوشیاری سے گرد و پیش کا جائزہ لیا اور آہستگی کے ساتھ آگے بڑھا۔ تھوڑی ہی دیر میں پلیٹ فارم ختم ہو گیا اور میں گھور اندھیرے میں [illegible] کے قریب جا پہنچا۔ یہاں میں ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا پھر کسی چیتے کی طرح اچھل کر پٹریوں پر چلتا ہوا [illegible] آگے کی طرف بڑھنے لگا۔ دوسری سمت میں پہنچ جانے کے بعد میں دوبارہ اس طرف ہو لیا جہاں مال گاڑی کے ڈبے جوڑے جا رہے تھے۔ میری خوش قسمتی میں پلیٹ فارم کی مخالف سمت کے کسی ڈبے میں سوار ہونے کے بہتر امکانات موجود تھے اور ایک مرتبہ کسی ڈبے میں گھس جانے کے بعد میں پوری طرح محفوظ تھا۔

میں اندھیرے اور دھندلکے سے بچتے بچاتے ہی دوبارہ ابھرا اور آخری ڈبے کے سامنے پہنچا۔ پھر مال گاڑی کے متوازی آگے بڑھنے لگا۔ اور جلد ہی مجھے ایک بڑا سا ڈبہ دکھائی دے گیا۔ اس مال گاڑی میں بند ڈبوں یا ٹینکوں میں بھرے تیل کے بجائے عام قسم کے ڈبے تھے۔ کئی ایک کھلے ہوئے تھے جن کا دروازہ میرے لئے کھلا تھا اور کام آ سکتا تھا۔

اب اطمینان کے ساتھ وقت گزارنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں ریلوے لائن کے پاس باڑھ کے عقب میں اس طرح چھپ گیا کہ اندر کا منظر بھی دیکھ سکوں۔ پہلے مجھ پر شبہ نہ ہو سکے۔ ڈبوں میں مال کی بوریاں بھری پڑی تھیں۔ پلیٹ فارم کے ملازمین بھی [illegible]۔ پھر ایک زوردار جھٹکے کا آخری مرحلہ تیزی کے ساتھ طے پا گیا۔

انجن نے ایک تیز سیٹی دی اس کے جواب میں پلیٹ فارم کی جانب سے گارڈ نے مخصوص انداز میں جھنڈی دکھائی اور ایک جھٹکے کے ساتھ مال گاڑی آہستہ آہستہ رینگنے لگی۔ میں پھرتی کے ساتھ اٹھا اور پٹریاں عبور کر کے مال گاڑی کے بالکل قریب جا پہنچا اور ڈبوں کے ساتھ ساتھ دوڑنے لگا۔ اسی دوران مال گاڑی کی رفتار تیز ہونے لگی۔ میں نے ایک ہاتھ سے دروازے کے ہینڈل کو پکڑ کر سوار ہونے کی کوشش کی لیکن میرا پیر پٹریوں کے نیچے آنے سے بال بال بچا۔ اسی وقت انجن نے پھر سیٹی دی۔ ۔

مال گاڑی کا ایک تیز جھٹکا لگا اور مال گاڑی ایک تیز رفتار ہو گئی۔ میں نے بھی سانس روک کے نیچے قدم جمانے کی کوشش کی تھا۔

مال گاڑی اب یکساں رفتار سے آگے بڑھی جا رہی تھی اور میں تیزی کے ساتھ گزرنے والے لمحات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

یہاں پر وقت جس حالت میں مال گاڑی پر سوار تھا، وہ قطعی غیر محفوظ تھی۔ اگر مال گاڑی کسی اسٹیشن سے گزرتی یا دوران سفر دن طلوع ہو جاتا تو مجھے دیکھ لیا جانا یقینی امر تھا۔ میں بہت دیر تک سوچتا رہا کہ آخر ایک فیصلے پر پہنچ ہی گیا۔

جہاں میں کھڑا ہوا تھا، وہاں بوگی کی چاروں طرف کے سرے ملے ہوئے تھے گویا میں ان کا سہارا لے کر بوگی کی چھت پر سوار ہو سکتا تھا۔ لہٰذا میں نے ایسا ہی کیا، اور چھت پر پہنچنے کے بعد کچھ دیر تک اپنا سانس بحال کرتا رہا۔ ایک بات یہ کہ اب مجھے خیال آیا کہ [illegible] چھت پر ہی جاری رکھوں لیکن [illegible] تھا [illegible] سمجھ لیا جانا یقینی امر تھا۔

پھر میں احتیاط اور پھرتی کے ساتھ بوگیوں کی چھتیں طے کرتا مال گاڑی کے پچھلے سرے کی طرف بڑھنے لگا۔ ان کوششوں میں ایک دو جگہ ایسے مقام بھی آئے کہ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اور موت سامنے نظر آنے لگی لیکن پھر کسی نہ کسی طرح گارڈ کے ڈبے پر پہنچ ہی گیا۔

یہاں میں نے کوئی آواز پیدا کیے بغیر پیٹ کے بل چھت پر لیٹ کر نیچے کی سن گن لینے کی کوشش کی مگر وہاں گہری خاموشی تھی، پہیوں کے شور کے سوا ہر آواز معدوم تھی۔ شاید گارڈ دروازے کے سامنے ڈبے میں [illegible] تھا۔

میں آہستگی سے آگے سرکا اور کسی چیتے کی سی پھرتی سے اس ڈبے کے برآمدے نما حصے میں کود گیا۔

میرے قدم ٹکنے سے پہلے ہی اندر سے ایک ہیولا جھپٹا اور کوئی ٹھوس چیز سا، بھاری اور [illegible] مجھ سے لپٹ گیا۔

میرے لیے یہ صورت حال غیر متوقع تھی۔ گارڈ مجھ پر اس طرح جھپٹا تھا گویا وہ پہلے سے میرا منتظر بیٹھا تھا۔ میں نے بمشکل خود کو سنبھالا اور میرا ہاتھ اس کے حلق تک جا پہنچا۔ میں نے اسے نیچے گرانے کی کوشش کی۔

ہم دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوشش میں تھے۔ جوں ہی میں نے اس کے پیٹ پر گھٹنا مارا وہ ایک کراہ کے ساتھ پیچھے ہٹ گیا۔ اسی وقت انجن نے سیٹی دی اور ایک جھٹکا لگا۔ مال گاڑی کی رفتار سست پڑ گئی۔ شاید کوئی اسٹیشن آ رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ گارڈ سنبھل کر پھر وار کرتا، میں تیزی سے اندر کی طرف لپکا اور جیسے ہی میرے قدم فرش پر پڑے، میں کسی حالت میں اسے روک نہ سکا۔

گارڈ کے ڈبے میں ایک لالٹین روشن تھی جس کی روشنی میں میں نے اسے دیکھا تو حیرت سے میری آنکھیں پھٹ گئیں۔ وہ کوئی اور نہیں، شیگو تھا جو سرتاپا گارڈ کی وردی میں ملبوس تھا۔

ہم دونوں ایک دوسرے کو تکتے رہے۔ تیسرا فرد ہم دونوں کے بیچ میں [illegible] جس کا دھیان ہماری طرف نہ تھا۔

"تت... تم... آپ؟" شیگو نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور پھر کھسیانی ہنسی ہنس دیا۔

"ہاں..." اس کی آواز سنتے ہی میں چونک پڑا اور بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔ "شیگو، تم؟"

"ہاں..." اس نے ایک طویل سانس لی اور ہم دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔

"کیا تم نے گارڈ کو مار دیا؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"جی نہیں!" وہ اطمینان سے بولا۔ "میں نے تو بس اس کو بے ہوش کرنے کی کوشش کی تھی، ہو سکتا ہے کہ مر ہی گیا ہو۔"

"تم اس ڈبے میں کیسے آ گئے؟"

"ہم چاروں الگ الگ ڈبوں میں چھپے تھے، اسٹیشن کا رخ کیا تھا۔ تو ڈبے میں آ چھپا۔ مال گاڑی چلنے تک کسی نے بھی ادھر توجہ نہیں دی۔ پھر گارڈ یہاں آیا تو میں نے اسے بے ہوش کر کے وردی پہن لی۔ مجھے پتا ہوتا کہ تم بھی یہاں ہو تو [illegible] پہچاننے کی غلطی نہ کرتا۔"

شیگو کے اطمینان پر میں نے بھی اسے اپنی کہانی سنا دی۔ تب ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور پھر ایک ساتھ ہنس پڑے۔ ہنسی کا ایک طوفان تھا جو تھمنے کا نام نہ لیتا تھا۔

"یہ باتیں چھوڑو اور یہاں کی فکر کرو!" میں نے اس کی بات کاٹی۔ "میرے لیے یہ سارے علاقے اجنبی ہیں۔ ذرا دیکھو، اب ہم کس جگہ ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟"

"بہرکیف..." کہہ کر میں نے باہر کی طرف جھانکا۔ سفر جاری تھا۔ شاید کوئی جنگل تھا۔ دور دور تک روشنی کے نقطے بھی نظر نہیں آتے تھے۔

"ہم شاید ریاست کے کسی علاقے میں ہیں۔" شیگو بڑبڑایا۔ "گارڈ کی تلاشی میں مجھے اس کی لالٹین بھی مل گئی تھی۔ اور اب میرا اس مال گاڑی پر اپنا خطرہ ہے، کہ گارڈ کو ہوش آنے سے پہلے ہی ہم [illegible] ہو جائیں۔"

اور گارڈ کی پریشانی بھی یہی تھی کہ ہم دونوں جب تک اس بوگی میں موجود ہیں تو [illegible] درمیان پڑے تھے۔ یہاں دور دور تک گہرا سناٹا تھا۔ کسی ذی نفس کا نام و نشان نہیں تھا۔

"اب ہمیں یہاں سے نکلنا ہے، دوست!" شیگو نے تیزی سے کہا۔ "کیا تم نے فیصلہ کر لیا کہ کس طرف جانا ہے؟" میں نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ شیگو نے کچھ توقف کے بعد اپنا منصوبہ بتایا جو بہت حد تک معقول تھا۔ فرار کے بعد ہم دونوں ایک اور منزل کا انتخاب کر چکے تھے۔ ہمارے لیے [illegible] ثابت ہو سکتا تھا۔ اسی کی مدد سے ہم بآسانی یہاں سے نکل سکتے تھے۔

"تم غلط سوچ رہے ہو۔" شیگو نے جیسے میری بات کاٹ دی۔

"کیا مطلب؟" وہ میری طرف گھوم گیا۔

"ہم اگر زیادہ دیر تک یہیں رہے تو پکڑے جائیں گے۔" میں نے اسے سمجھایا۔ "دیکھو، ہم ابھی زیادہ دور نہیں آئے۔ اب تم صرف سفر جاری رکھو، میں بتاتا ہوں کیا کرنا ہے۔ اگر ہم کسی طرح ہندوستان سے نکل گئے تو اپنی منزل پر پہنچ سکتے ہیں۔"

"چند لمحوں تک وہ خاموش رہا، پھر اس نے جذبات سے عاری آواز میں پوچھا۔ "مگر ہم یہاں سے نکل کر کہاں جائیں گے؟ اب تک وہ ہمیں جگہ جگہ ڈھونڈ رہے ہوں گے۔ شہر کا کوئی ٹھکانا محفوظ نہیں ہو سکتا۔"

"بہت فکر مند معلوم ہوتے ہو۔"

"ہاں، شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔" اس نے ایک سرد سانس لے کر کہا۔ "میں کیا بتاؤں، میری ماں بہت پہلے مر گئی تھی اور باپ نے سات بچوں کا بوجھ اکیلے اٹھایا تھا۔ میری چھوٹی بہن سدا کی بیمار رہتی تھی اور میرا ایک بھائی خراب صحبت میں پڑ گیا تھا۔ مگر میری ایک بہن ایسی تھی جس سے دل لگا رکھا تھا۔ وہ بہت حسین تھی، اس لیے اس کی شادی ہو گئی۔ اور جب مجھے ہوش آیا تو وہ ہمارا گھر چھوڑ چکی تھی۔ میرا باپ جو ایک مزدور تھا، میرا یہاں آنا مجھے اچھا نہیں لگتا تھا۔ میں نے کبھی اس سب کے بیچ زندگی نہیں گزاری لیکن میں ہمیشہ سے یہی سوچتا تھا کہ ایک روز میں نے اپنی بہن کو رخصت کرنا ہے۔ پھر کیا ہوا، وہ لوٹ آئی۔ یہ بات میرے لیے صدمے سے کم نہ تھی۔ اس کے شوہر نے اسے طلاق دے دی تھی۔ میں نے اس پر بہت غور کیا، بالآخر میں نے قسم کھائی کہ اس کا بدلہ لوں گا... اور تم جانتے ہو کہ اپنی بہن کی حفاظت کے لیے میں نے اپنے ہاتھوں میں جو کچھ کرنا تھا، وہ کر لیا اور آج اس کی خاطر یہاں ہوں..."

"وہ میرا ہی چچا زاد تھا، میرے دوست!" وہ کہنے لگا۔ "اس کی ایک ماں اور سات بچے تھے۔ اس کا بوجھ بالآخر میرے باپ کے سر پڑا۔ میں نے اسے ختم کر دیا تھا، میری بہن اور اس کی بچیوں کو اپنے ہاتھوں سے پال کر لوں گا۔ پھر میں جانتا ہوں کہ ایک روز میں اطمینان سے چڑھ جاؤں گا — تم کہتے ہو کہ مجھ پر وہ قرض ہے اور یہ مجھے ادا کرنے کے لیے بھاگ جانا چاہیے۔ مگر میں اپنی زندگی کا بہترین حصہ پہلے ہی بہن کی چار بچیوں کو دے چکا ہوں، اور اب میں پھانسی چڑھ جاؤں گا۔ پھر میرے بیٹے بھی جائیں گے اور ان کی زندگی کی فضا میں پیدا ہونے والے بچے، لڑکوں کی گڑیاں اچھالیں گے۔ جرم زدگی کے بازار سجائیں گے اور اس کی ہی آنا کسی بھی حال میں دوبارہ نہ لوٹے گی۔ اس روز میرا انتقام پورا ہو گا۔"

وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ شیگو کی زندگی اس قدر ستم رسیدہ ہے۔ اس کی ساتھ زندگی بھی کچھ اسی طرح کی ہو گی جس سے کنارہ کشی اختیار کر لی جائے۔

"ٹھیک ہے دوست!" میں نے کہا۔ "تمہاری مجبوریاں تمہارے ساتھ ہیں، مگر یہ وقت ان باتوں کا نہیں۔ آگے منزل کی طرف ہی جانا ہے۔"

میں نے غور سے پھر اس کی طرف دیکھا۔ وہ شاید ہونٹ بھینچے کچھ سوچ رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔

"اطمینان رکھو، شیگو!" میں نے کہا اور تیزی کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھا۔ پلٹ کر دیکھا تو وہ بدستور اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا۔

"صفدر!" اچانک شیگو نے مجھے آواز دی۔

میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ وہ تیزی سے میری طرف چلا آ رہا ہے۔

"تم نے اپنا ارادہ بدل لیا ہے، صفدر — تم ٹھیک ہی کہتے تھے!" قریب آ کر وہ بولا۔

"کیا!"

"ابھی فرار اور قتل کے وہ تعلقات تازہ ہیں، ہماری تلاش جاری ہو گی۔ اس لیے کچھ عرصہ تک روپوش رہنا ہی بہتر ہے۔ اگر میں پھر دھر لیا گیا تو میری ساری محنت رائیگاں جائے گی اور میں اپنی خوشی کی پیاس بجھائے بغیر دوبارہ آہنی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا جاؤں گا۔"

یہ سن کر مجھے خوشی ہوئی۔ میرے لیے اس کے عہد سے زیادہ اہم بات ہندوستان سے فرار تھی اور اس کا یہ فیصلہ میرے لیے اہم اور مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔

صبح کا اجالا پھیلنے تک ہم دونوں ریلوے لائن سے بہت دور جنگل کے گھنے حصے میں جا چکے تھے۔ یہاں خوراک کی کوئی کمی نہیں تھی اور ہم کئی دن تک روپوش رہ سکتے تھے۔

اس دوران میں مجھے شیگو کی کئی خصوصیات کا علم ہوا۔ وہ بلا کا قوت ارادی کا مالک تھا، اور ہر بات ایک مرتبہ اس کے ذہن میں بیٹھ جائے تو وہ اسے کر کے رہتا تھا۔ ہم دونوں نے پہلی فرصت میں اپنے لیے لباس کا بندوبست کیا اور شیگو نے گارڈ کی وردی کو جلا کر راکھ کر دی، مٹی میں دفن کر دی۔

فرار کے بارہویں روز ہم بھی کسی طرح گنگا کے اس پار جا پہنچے۔ کامیاب ہو گئے۔ پٹنہ کے مقابلے میں یہ شہر بہت چھوٹا اور پس ماندہ تھا مگر یہاں جانے کے لیے بڑا مسئلہ تھا کہ ہم کوئی جرم یا کام کر لیں۔ ہم مقامیوں کے لباس میں ملبوس ہو کر جنگل سے باہر آئے۔ شیگو کو مال گاڑی کے گارڈ کی جیب سے جو روپے ملے تھے، وہ ہمارے لیے ناکافی ثابت ہو رہے تھے۔

پہلے دن ہم شہر میں بے مقصد آوارہ گردی کرتے رہے مگر شام ہوئی تو مجبوراً شیگو بلا ضرورت نہیں گزار سکتا تھا۔ اس دوران میں وہ ایک ایسی دکان کا انتخاب کر چکا تھا جہاں سے رات کو نقب زنی کر کے ہم معقول رقم حاصل کر سکتے تھے۔

شام کو سات بجے تک چھوٹے بازاروں کی رونق میں بہت کمی ہو چکی تھی۔ ہم دونوں ایک مرتبہ پھر وہاں بازار سے گزرے۔ وہ دکان بھی بند ہو چکی تھی اور اب یہاں اکا دکا راہ گیروں کے سوا کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔

وقت گزاری کے لیے ہم ریلوے اسٹیشن پہنچے۔ یہاں وردی وغیرہ ڈھونڈنے کے بعد ہماری شناخت کا کوئی امکان نہیں رہ گیا تھا۔ اسٹیشن سے پتا چلا کہ رات ساڑھے دس بجے وہاں سے آخری ٹرین گزرتی ہے جو بنارس سے آ کر مظفر پور پر ختم ہوتی ہے۔

ہمارے منصوبے کے لیے یہ وقت سب سے مناسب تھا۔ ساڑھے نو بجے ہم پانچویں مرتبہ پھر بڑے بازار میں پہنچے۔ اس وقت دور دور تک کسی کا پتا نہیں تھا جو ہماری راہ میں حائل ہوتا۔ یہاں شیگو نے چند تاروں کی مدد سے تقریباً دکان کا تالا کھول کر مجھے بھی حیران کر دیا۔

"الماری کے پیچھے وہ اندر گھس گیا اور میں دروازے پر ہی کھڑا بے فکری سے ادھر ادھر کی طرف دیکھتا رہا۔ بازار کے آخری کونے پر چوکیدار کی آواز ابھری اور پھر شیگو کی آواز: "دروازہ بند کر لو۔" میں اندر سے چند سیکنڈ بعد شیگو ایک وزنی تھیلا سنبھالے باہر نکل آیا۔ ہم نے دروازہ بند کر کے تالا لگایا اور تیزی کے ساتھ اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئے۔

کچھ ہی دیر بعد ہم لوگ اور بہت سے تیار لباس لے آیا ہوں۔" شیگو

کچھ واقعات نجوری میں ہونے کے بہت سے دلچسپ بھی تھے لیکن وہ یہاں نے چھوڑ دیئے۔

"ذرا ٹھہر لیجئے!" میں فوراً حیرت اور غصے کے ساتھ بولا۔

"ہاں۔ جانتے ہو یہاں ہر ماہ کتنا مال اس کی خرید و فروخت کرنا قانوناً ممنوع ہے؟" وہ بولا۔ "مگر یہ مال شاید جرمن جیسے ممالک سے آتا ہے اگر ... لئے ناگزیر نہیں سمجھا جاسکتا اور ... ایسے خطرے سے بچنا ہی چاہئے۔"

اس کی بات معقول تھی اس لئے میں خاموش ہو گیا۔

ہم اسٹیشن پہنچے تو ٹرین تیار کھڑی تھی۔ ہم نے دوسرے درجے کے دو ٹکٹ لئے اور پلیٹ فارم پر آ گئے۔ یہاں میں نے بک اسٹال پر ایک رسالہ دیکھا جس کے سرورق پر چند چونکا دینے والی سیاسی سرخیاں تھیں۔ ان کا تعلق مشرقی پاکستان سے تھا۔ بے اختیار مجھے ٹرین آرمی کا کیپٹن جاوید یاد آ گیا۔ جس نے ... آرمی سے فرار ہو کر جیل پہنچنے کا ... کس قدر ... اس کا انتظار کئے بغیر فرار ہو چکا ہوں۔"

ٹرین آئی اور ہم اس میں سوار ہو گئے۔ ڈبہ بالکل ہی خالی تھا۔ ٹرین چلنے کے بعد میں نے چرمی تھیلے میں سے ساری رقم نکالی جو چار ہزار دو سو گیارہ روپے تھی۔ شیکھر نے دو ہزار مجھے دے کر باقی رقم اپنی جیب میں ڈالی ... کپڑوں کی ... دوبارہ تھیلے میں ... اور بڑے اطمینان سے منزل کا انتظار کرنے لگے۔

"صفدر! ایک بات بتاؤ!" پھر اچانک شیکھر نے خاموشی توڑ کر کہا۔

"پوچھو۔ ایک نہیں دو باتیں پوچھو!" میں ہنسا۔

"مجھے معلوم ہے کہ ... [illegible] ... جیل سے یہاں آکر تمہارے ساتھ رہنے کے باوجود تمہارے ماضی سے لاعلم ہوں۔"

"میرا ماضی!" میں آہستہ سے بولا۔ ... دل ...

... گزرے ہوئے واقعات کسی فلم کی طرح ... ذہن کے ... پھر ایک باعزت کاروبار، آزاد تعلیمی زندگی ۔۔۔ یہ میری زندگی کا پہلا دور تھا۔ پھر شراب، جوا، عیاشی اور اسمگلنگ نے میری زندگی کو ایک نیا رخ دے دیا۔ جہاں میرے ایک ... [illegible] ... پولیس ... [illegible] ... جیل ... [illegible] ... فوراً چلا جاتا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو صفدر؟" مجھے خاموش پا کر شیکھر نے ٹوکا۔

"شاید مجھے ... جیل سے بھاگنے کا منصوبہ بناتے وقت میں نے کہا تھا کہ ... قانون کو ... ہو ... ہی پھنسا ہوں!" میں نے کہا۔

"ہاں ۔ یاد آ گیا ہے!"

"میرا تعلق مشرقی پاکستان سے ہے۔" میں نے اپنی ... کہانی کا آغاز کیا اور شیکھر ایک دم چونک پڑا۔

"مگر تم اپنی بول چال سے تو بنگالی نہیں لگتے!"

"یہ میری بدنصیبی ہے ۔۔ تیرے ملک کے بے شمار ... مشرقی پاکستان میں بہاری اور غیر بنگالی کا تعصب ... کر رہے ہیں اور ان کا مقابلہ کرنے کے لئے بہت سی محب وطن تنظیمیں بھی کام کر رہی ہیں۔ ایسی ہی ایک تنظیم کے لئے کام کرتے ہوئے ... بنانے ... انہوں نے مجھے گرفتار کر لیا۔ ایک ... بے پناہ تشدد کیا گیا تاکہ میں اپنی ... بیان دوں۔ جب وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے تو مجھے جیل کے جہنم میں جھونک دیا گیا۔ یہی ہے میرا ماضی۔"

"یہ سراسر ظلم ہے۔" وہ جوشیلی آواز میں بولا۔ "میں سیاست تو نہیں جانتا ... کہ دوسرے ملکوں ... خطرناک ہیں۔"

... کے سفر کے بعد ہم ... اسٹیشن پر ... [illegible] ...

"... تم ..." میں نے کہا گو دل ہی دل میں اس کی بے خبری پر ہنس رہا تھا۔

"تو تم ... ہو ..." وہ بولا: "کبھی کسی کو اپنی منزل کی خبر نہیں دینی چاہئے!"

وہ سچ ہی کہہ رہا تھا۔ اسمگلنگ کا کاروبار کرتے ہوئے ... کو آخری لمحوں تک معلوم نہیں ہوتا تھا کہ مال کہاں سے اٹھانا ہے اور کہاں پہنچانا ہے۔

اسٹیشن پر اتر کر ہم ... باہر نہیں نکلے بلکہ ... وہاں کے ... کو شہر ... سکتے تھے۔ اس لئے ٹرین روانہ ہونے کے بعد ہم پچھلے پلیٹ فارم ... کاٹ کر باہر نکلے۔ یہاں صرف ایک ہی تانگہ موجود تھا۔ اس نے ... آرام دہ ... قابل تعریف تھی۔

سونے سے قبل ہم دونوں بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ... جیل سے فرار ہوئے گیارہ دن ہو چکے تھے۔ شیکھر ... واپس ... انتقام ... اس کے پاس ... روپے سے زائد رقم موجود تھی۔ اور اسے پورا یقین تھا کہ ... کے سلسلے میں ... بالکل محفوظ ہے۔ لہٰذا ... وقت ضائع ... ضرورت تھا۔ ... مشکل سے ... ایک ... تقویت کا باعث تھا۔ اس لئے ... آگے کا سفر ... ممکن ہوگا۔ لہٰذا وہ مجھے ... کے ذریعے ... واپس ... جہاں سے میں ... کے ذریعے نیپال کی جانب روانہ ہو سکتا تھا۔

... ٹرین ... زیادہ دور نہیں ہے۔ ... کے جنوب میں ... ہے لہٰذا ... معلومات حاصل ہو گئیں ... بعد پولیس نے ... کر رکھی تھی ... پولیس ...

مال گاڑی ... [illegible]

ہم ... کی مدد سے ... باہر نکل گئے ہیں ... مبارک ... کی جا چکی تھی ... ہوگا کہ ہم ان ہی کے ... برآمد شدہ ہو گیا۔

تیسرے روز ... سے سرحد پار کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ ٹرین ... شیکھر نے بتایا کہ اس کے ساتھ ... سرحد پار ... گا۔

اس سے پیشتر ... ایک ... سے واسطہ پڑا تھا اور ... اخلاقی اقدار سے ... ضروری معلومات حاصل کرنے کی غرض سے میں نے ... حاصل کر لیا۔

... ایک ... [illegible] ... بیٹھی۔

"آج موسم کچھ اچھا ہے!" میں نے روایتی انداز میں گفتگو کا آغاز ... محسوس کیا۔

... [illegible] ...

"تنہا ہو؟" میں نے پوچھا۔

... [illegible] ...

"میرا مطلب ہے ... ساتھی؟"

"تم بھی ..." وہ ... میرے قریب کھسک آئی۔

"اگر ... تو ..." شیکھر مسکرا دیا۔

"... لڑکی نے ... شیکھر کے ... پوچھا۔

"میرا ... ہے!"

"اوہ ... تم ... ہو۔ تم مشرقی لوگ ... ایک دوسرے سے کس قدر محبت کرتے ہو!"

"محبت نہیں ..."

"عجیب ہو تم لوگ۔" وہ ... شاید ... تم ... محبت ... ہو ...

"تم کہاں سے آ رہی ہو؟" میں نے موضوع بدلنے کے لئے اس خوبصورت لڑکی سے پوچھا۔

"بنارس سے۔" وہ ... آنکھیں ... "کس قدر خوبصورت شہر ہے۔ مندروں کا شہر ... والے پجاری مجھے بے حد پراسرار لگتے ہیں۔"

"وہ پجاری نہیں پنڈت کہلاتے ہیں۔" میں نے اس کی تصحیح کی۔

"تمہارا وطن کیا ہے؟"

"اس وقت ... میرا وطن ہے ... میرا وطن ہوگا۔ ... جہاں ... وہی جگہ میرا وطن بن جاتی ہے!"

"ماں باپ کے بارے میں کیا خیال ہے؟" ... پوچھا

"کیوں کہ؟" اس نے ... سوال کیا۔

"مطلب ... ماں باپ کے بارے میں تمہیں شاید معلوم نہ ہو مگر ... کا وطن تو معلوم ہوگا!"

"نہیں ۔ میرا باپ ... پتہ نہیں یہ اس کی ... معصومیت کہ وہ ... سوال ٹال گئی۔

"صفدر!" اچانک شیکھر ... میں نے ... زندگی ... عورت کے خیال نے ... احساس ... حاصل ... میں ... تیار ہوں!"

"یہ کیا ... ہے؟" اس لڑکی نے پوچھا۔

"اپنی مادری زبان ... تمہارے حسن کی تعریف کر رہا ہوں!" میں نے کہا

... [illegible] ...

"مگر ..."

"ہاں ... مجھے ... بہت پسند ... [illegible] ..."

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"..."

"کیا تم ... سفر کر رہی ہو؟"

"نہیں ۔ میرا ٹکٹ تمہارے پاس ہے!" اس نے اطمینان سے کہا۔

... [illegible] ...

"یہ سب ... [illegible] ..."

... دوسرے مسافروں ... تم ... معلوم ... [illegible] ... ایک ... مسکراہٹ ... [illegible]

"میں جہاز میں سیٹ بک ہونا تو بہت ہی معمولی بات ہے۔"

"فی الحال ہم موتی ہاری جا رہے ہیں۔ وہاں سے میں بھی نیپال ہی جاؤں گا۔" میں نے کہا۔

"میرا بھی یہی پروگرام سمجھو۔" وہ جلدی سے بولی: "میں تو سیاحت کے ارادے سے نیپال جا رہی ہوں۔ سنا تھا کہ نیپال میں ہر شے سستے داموں مل جاتی ہے۔"

"مزہ رہے گا ساتھ ہوگا۔" میں نے کہا: "مگر ہم موتی ہاری ہی جا رہے ہیں [illegible]"

اس شام ٹکٹ چیکر ہم تک آ پہنچا۔ شیکھر نے دو ٹکٹ اور کچھ نکالے اور کہا: "میرا ٹکٹ بھی ساتھ ہی لے لیجیے۔"

چیکر نے خاموشی سے تیسرا ٹکٹ بنا دیا اور آگے بڑھ گیا۔

"وہ مڑی اور جوزف کو مخاطب کر کے کہیں اس طرف ہوں۔" وہ اچانک اٹھتے ہوئے بولی۔

"یہ جوزف کون ہے۔۔؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"دوست ہے میرا۔" وہ بڑی بے تکلفی سے بوگی کے عقبی حصے کی طرف بڑھتی چلی گئی اور میرا جی چاہا کہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹ لوں۔

چند ہی ثانیوں بعد وہ واپس آتی نظر آئی اور باتھ روم میں جا گھسی جہاں سے وہ کئی منٹ بعد میرے پاس آئی۔

وہ میرے قریب بیٹھی تو میں چونک پڑا: "تم چرس پی کر آئی ہو۔۔؟"

"ہاں۔" اس نے میری طرف دیکھا تو اس کی چمکیلی آنکھوں میں نشے کے سرخ ڈورے تیر رہے تھے: "کیا تم نہیں پیتے۔۔؟"

میں بڑی تیز نظروں سے اسے گھورتا رہا۔

"بے وقوفوں کی طرح مجھے کیا گھور رہے ہو۔" وہ ہنس کے بولی: "چرس پینا کوئی اتنا بڑا جرم تو نہیں ہے۔"

"جرم نہیں ہے تو سب کے سامنے پینے کے بجائے باتھ روم میں کیوں گئی تھیں۔۔؟" میرا لہجہ تلخ تھا۔

"تم تو اس طرح ناراض ہو رہے ہو جیسے میں تمہاری بیوی ہوں۔ اور ہماری طرف تو بیوی سے بھی لوگ اس طرح پیش آنے کی ہمت نہیں کر پاتے۔" وہ چڑچڑے لہجے میں بولی۔

"ان کی اسی کم ہمتی نے تمہارے جیسے چند لوگوں کو بگاڑ دیا ہے۔"

"دیکھو مسٹر۔۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے ایک ثانیے کے لئے رکی اور پوچھا: "کیا نام ہے تمہارا۔۔؟"

"صفدر۔۔۔۔"

"ہاں تو مسٹر صفدر۔۔۔ یہ احمقانہ باتیں چھوڑ دو۔ اگر تم یہ انداز ترک کر دو تو ہمارا وقت اچھا گزر سکے گا۔ ورنہ موتی ہاری پہنچ کر میں تمہارا ساتھ نہ دے سکوں گی۔"

اس کے بعد میں نے ڈیبی سے الجھنے کی کوشش نہیں کی۔ ہاں اس سے بے تکلفی پیدا کرنے کے ہر موقع سے فائدہ اٹھاتا رہا۔

ڈیبی ایک معزز یورپی گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ مگر ہپی ازم کے دلکش نعروں کا فریب کھا کر گھر بار سے اپنا ناطہ توڑ چکی تھی۔ اس کا [illegible] یہاں اس نے ہندوستانی موسیقار روی شنکر کے دو تین پروگرام دیکھے اور اس کے دلکش سروں کی تخلیق کرنے والے فنکار کا وطن دیکھنے کی خواہش جاگ اٹھی۔ وہ بمبئی، متھرا اور بنارس وغیرہ دیکھ کے بعد نیپال جا رہی تھی کیونکہ ہندوستان آ کر اس نے نیپال کی پراسرار فضاؤں کی بے شمار داستانیں سنی تھیں اور وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اگر گردو پیش پسند آیا تو وہ اپنے ماضی کو بھول کر وہاں ایک نئی زندگی کا آغاز کرے گی۔

موتی ہاری ایک مختصر سا پہاڑی قصبہ ہے جہاں سرسبز اور گھنے جنگلات بکھرے ہوئے ہیں۔ وہاں اترتے ہی میں نے محسوس کیا کہ وہاں ہپیوں کی خاصی بہتات ہے۔ گلیوں اور سڑکوں پر عجیب حلیوں کے نوجوان جوڑے یوں بکھرے تھے جیسے اپنے گھر میں ہوں۔ مقامی بھی ان پر کوئی خاص توجہ نہیں دے رہے تھے۔ جیسے کہ یہ بھیڑ بھاڑ ان کے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ وہ اسے عادی ہیں۔

موتی ہاری کے اسٹیشن پر میں نے پہلی بار ڈیبی کے دوست جوزف کو دیکھا۔ اس کی عمر مشکل سے بیس برس رہی ہوگی۔ سنہرے عینک کے پیچھے جھانکتی اس کی آنکھوں میں دلکش سی سادگی رچی ہوئی تھی۔ لمبے لمبے ملائم بال نسوانی انداز میں اس کے شانوں پر ہوتے تھے اور اس نے شاید اپنی شخصیت کو اجاگر کرنے کے لئے خمدار مونچھیں بھی رکھی ہوئی تھیں۔

مگر اس کی آواز سن کر مجھے خاصی کوفت ہوئی۔ جوزف کی آواز اس کی نرم و نازک شخصیت کے برعکس بڑی کرخت تھی۔ یوں لگتا جیسے کوئی کوئل اچانک کوے کی طرح بولنے لگے۔

ڈیبی اور جوزف تو شاید موتی ہاری کی گلیوں ہی میں رات گزارنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ جب میں نے انہیں اپنے ہمراہ شہر کی سرائے میں ٹھہرنے کی دعوت دی تو وہ بہت خوش ہوئے۔

موتی ہاری کی کوئی سرائے نہ مجھے پسند آئی نہ شیکھر کو۔ آخر ہم نے ایک اوسط درجے کے ہوٹل میں دوہرے بستروں والے کمرے حاصل کر لئے۔

"ڈیبی کا اور میرا ایک ہی کمرہ ہوگا۔" موقع پا کر شیکھر نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

"جوزف ہرگز نہ مانے گا۔"

"کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے۔ ورنہ میں تو اس کی خاطر ہر داؤ چلنے کو تیار ہوں۔" شیکھر کے تیور فیصلہ کن تھے۔

ہم چاروں پہلے ایک ہی کمرے میں پہنچے۔ جوزف کمرے میں داخل ہوا، تھیلا اتار کر اس میں کچھ ٹٹولا، پھر بار بار ٹٹولنے لگا۔

"کیا کوئی چیز گم ہو گئی ہے؟" شیکھر نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ چرس بھری ہوئی سگریٹوں کا ایک پیکٹ ہمارے پاس تھا۔۔۔ شاید راستے میں ان کی نذر ہو گیا ہے۔" ڈیبی اسے قہر بار نظروں سے گھورتے ہوئے بولی۔

"یہی بات ہے ڈیبی۔" جوزف منہ لٹکا کر بولا: "کیا تمہارے دوست اس سلسلے میں ہماری مدد نہیں کریں گے۔۔؟"

معاً میرے ذہن میں ہل مارکیٹ کے ہوٹل کے واقعات تازہ ہو گئے۔ مجھے وہ ہپی یاد آیا جس نے مارفیا کی طلب میں سسکتی ہوئی بے چارگی کے لئے ہاتھ پھیلا کر مجھ سے خیرات طلب کی تھی۔ وہ ہپی لڑکی یاد آئی جس نے نشے اور انجکشن کے لئے چند روپے حاصل کرنے کی غرض سے مجھے اپنا جسم فروخت کرنے کی پیشکش کی تھی۔ میں نے شیکھر کی طرف دیکھا۔ اس کی بھوکی نگاہیں ڈیبی کے بدن میں پیوست ہوتی جا رہی تھیں۔

"آؤ۔۔۔ میں تمہارے نشے کا بندوبست کرتا ہوں۔" شیکھر نے جوزف کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا: "ڈیبی اسی کمرے میں میرے دوست کے ساتھ رہے گی۔ ہم دونوں دوسرے کمرے میں سوئیں گے۔"

خلاف توقع جوزف کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا: "تم بہت اچھے آدمی ہو۔ ڈیبی عصمت فروش نہیں ہے لیکن تمہارے حسن سلوک نے ہمارے دل جیت لئے ہیں۔ اگر تمہارا دوست چاہے تو آج کی رات میری جانب سے اسے ڈیبی پر پورا تصرف حاصل رہے گا۔۔۔ ہم دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے دشمن ہیں۔۔۔ آؤ چلیں۔"

میں نے ڈیبی کی طرف دیکھا۔ وہ بالکل پرسکون نظر آ رہی تھی۔

"عیش کر پیارے۔" میں نے شیکھر سے کہا: "چھوکری تم سے بہت متاثر ہے اور رات کے لئے اس نے ڈیبی تجھے سونپ دی ہے۔"

اگلی صبح ڈیبی کی حالت قابل دید تھی۔ شیکھر نے رات بھر اسے پامال کیا تھا اور ڈیبی کا چہرہ بے شمار نشانات کے باوجود کھلا پڑ رہا تھا۔ جوزف اپنے نشے میں اتنا مگن تھا کہ اسے دنیا و مافیہا کا کوئی ہوش ہی نہیں تھا۔

برسوں کی تپسیا مشقت نے شیکھر کو عورت کے معاملے میں تشنہ اور ندیدہ بنا کر رکھ دیا تھا۔ وہ ڈیبی کی ذات میں ایسا گم ہوا کہ اپنا مشن تک فراموش کر بیٹھا۔ ڈیبی بھی اس کے ساتھ خوش نظر آتی تھی۔ رہا جوزف تو اسے شیکھر کے مال سے پابندی کے ساتھ نشہ فراہم کر دیا جاتا تھا۔ اس کے لئے یہ بات بالکل بے معنی تھی کہ وہ اس وقت ہندوستان میں ہے یا نیپال میں۔۔۔ ہاں مجھے جلد از جلد سرحد عبور کرنے کی فکر تھی۔ شیکھر اور ڈیبی کے تعلقات اب اتنے استوار ہو چکے تھے کہ میری فراخدلی حسد میں بدلتی جا رہی تھی۔ دوسری طرف بھانڈو ناس کی جو مجھے ہر وقت ذہن پر سوار رہتی تھی۔ مجھے اب تک جو معلومات حاصل ہوئی تھیں ان کے مطابق [illegible] پہاڑوں کی سمت روانہ ہونے والے رشی تک پہنچنے کے لئے بہت قلیل مدت رہ گئی تھی۔ نہ جانے کیوں میرا دل کہہ رہا تھا کہ اس کا تعاقب کر کے میں بھانڈو ناس کا سراغ پا لوں گا۔

اور سب سے زیادہ فکر مجھے کیپٹن بھاٹیہ کی جانب سے تھی۔ نہ جانے اس خبیث کو کب آرمی سے فرار کا موقع مل جائے۔ وہ کچھ اس قسم کا آدمی تھا کہ یہ چند جیل سے فرار کی خبر پا کر مجھ تک بھی ہو جاتا تو تعجب نہ ہوتا۔ اسے میری زبانی علم ہو ہی چکا تھا کہ میں بھانڈو ناس کی تلاش میں نیپال جانا چاہتا ہوں لہٰذا میرے فرار کا علم ہوتے ہی وہ مختصر ترین راستے سے پہنچ جانا کار محال نہ تھا۔ میری حتی الامکان یہی کوشش تھی کہ ہندوستان کی سرحد تک میرا بھاٹیہ سے سامنا نہ ہو ورنہ وہ میرے لئے بڑی مشکلات پیدا کر سکتا تھا۔ ہاں نیپال میں اسے مجھ پر کسی بھی قسم کی بالادستی حاصل نہ ہوتی۔

میرا بیشتر وقت موتی ہاری کے بدنام علاقوں میں گزر رہا تھا۔ میں وہاں کسی ایسے شخص کی تلاش میں تھا جو مجھے معاوضہ لے کر بحفاظت سرحد عبور کرا سکے۔ تیسرے روز موقع پا کر میں نے شیکھر سے بات کی۔ اس وقت ڈیبی سو رہی تھی اور جوزف اپنے کمرے میں ستار بجانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ضرور جا یار۔ میری نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" وہ میری بات سن کر بولا۔

"مگر ڈیبی تجھ میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہی ہے۔ شیکھر! ابھی سفر کا ارادہ نہ ہو۔" میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

"وہ اب کہیں نہیں جائے گی پیارے۔" شیکھر دھیمی آواز میں بولا: "شاید تجھے یہ سن کر حیرت ہو کہ وہ چرس سے بھی توبہ کر چکی ہے۔" اس کا لہجہ فاتحانہ تھا۔

"اس نے چرس چھوڑ دی۔۔؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ اور وہ جوزف کی صورت تک سے بیزار ہو چکی ہے۔ وہ سالا عورت کے معاملے میں کسی کیچوے سے بھی بدتر ہے۔ ڈیبی کو سہارا دینے کے بجائے وہ اس پر اتنا انحصار کرتا ہے کہ ڈیبی کو کسی ماں کی طرح اس کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے۔" شیکھر مونچھوں پر تاؤ دے کر کہہ رہا تھا۔۔۔ "مجھ سے مل کر ڈیبی کو یک بیک احساس ہوا ہے کہ وہ آوارگی، سیاحت اور منشیات کے سہارے جو سکون تلاش کرتی رہی ہے وہ اسے ایک چاہنے والے مرد کی مضبوط باہوں میں بھی مل سکتا ہے۔"

"تجھے تو انگریزی کے چند لفظ بھی نہیں آتے۔ اس سے اتنی باتیں کیسے ہو گئیں۔۔؟" میں اس کی باتوں پر یقین نہ کر سکا۔

"دل کے معاملوں میں زبان کچھ نہیں کرتی۔ میں نے بے شمار مردوں کو اپنی محبوبہ کے سامنے ہکلاتے دیکھا ہے۔ اور ہاں تجھے بتا دوں کہ وہ اب جوزف کے ساتھ نہیں جا سکتی۔"

"جوزف کسی قیمت پر اس سے دستبردار نہیں ہوگا۔"

"وہ کیوں دستبردار ہونے لگا۔ ڈیبی تو فوراً اس کے لئے معقول آمدنی کا ذریعہ ہے۔ وہ اب تک نت نئے انداز میں اپنا جسم بیچ کر اس کا جرم تو در کو روٹی اور نشہ فراہم کرتی رہی ہے۔" شیکھر کا لہجہ تلخ

"تو تمہارا کیا ارادہ ہے۔؟"

"سامنے کی بات ہے میں اس لڑکی کو پسند کرنے لگا ہوں۔ وہ تو یہاں تک کہتی ہے کہ جوزف اسے اپنے ساتھ لے جانے پر اڑا رہا تو اسے اپنے اغوا کے الزام میں گرفتار کرا دے گی۔ میں اس کی نوبت ہی نہ آنے دوں گا کیونکہ میں خود پولیس سے چھپا پھر رہا ہوں۔ موقع ملتے ہی اسے اڑا لے جاؤں گا اور جوزف کے فرشتے بھی اس تک نہ پہنچ سکیں گے۔"

"تو اپنا معاملہ خود سمجھ سکتا ہے مگر میری دانست میں وہ لڑکی تیرے قابل نہیں ہے۔"

"کیا بک رہا ہے صفدر۔" یک بیک شیکھر آپے سے باہر ہو گیا۔ اس کے بگڑتے تیور دیکھ کر میں نے نرم لہجے میں معذرت کی اور اس سے مزید کوئی بات کیے بغیر باہر آ گیا۔

میں ساری رات اپنے منصوبے پر غور کرتا رہا۔ ڈیزی جیسی لاپروا لڑکی ساتھ ہونے کی صورت میں مجھے سرحدی چوکیوں میں خاصی مراعات مل سکتی تھیں اور میں نے اسی نقطہ نظر سے اب تک ڈیزی کو ساتھ لگائے رکھا تھا بلکہ شیکھر نے خود دوران سفر کچھ ایسی ہی بات کی تھی لیکن اب صورتحال بدل چکی تھی اور مجھے بدلے ہوئے حالات کے مدنظر کوئی نیا منصوبہ بنانا تھا۔

اگلی صبح جوزف حسب معمول ڈیزی کی مزاج پرسی کے لئے نکلا تو کافی دیر تک واپس نہ آیا پھر مجھے ہوٹل میں کچھ ہنگامہ سا ابھرتا سنائی دیا۔ میں نیچے پہنچا تو جوزف نے ہوٹل کے مختصر سے ہال میں چیخ چیخ کر فساد کی صورتحال پیدا کر دی تھی۔ وہ مالک سمیت ہوٹل کے تمام عملے کو زہریلی گالیوں سے نواز رہا تھا اور وہ لوگ ہکا بکا اس کا منہ تک رہے تھے۔

مجھے دیکھتے ہی ہوٹل کا مالک تیزی سے میری طرف آیا اور بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "کل رات مس ڈیزی آپ کے دوست کے ساتھ ہوٹل چھوڑ چکی ہیں۔ وہ دونوں بہت خوش اور زندہ دل تھے۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اس لڑکی کو اغوا نہیں کیا گیا۔ وہ جہاں بھی گئی ہے اپنی مرضی سے گئی ہے۔ مگر جوزف بضد ہے کہ ڈیزی اسے مطلع کیے بغیر کہیں نہیں جا سکتی۔ اسے اغوا کیا گیا ہے۔ آپ اسے سمجھائیے ورنہ میں پولیس کی مدد لینے پر مجبور ہو جاؤں گا۔"

میرے کچھ کہنے سے قبل ہی جوزف کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ اس نے دانت پیستے ہوئے میرا گریبان پکڑ لیا اور ایک ہی سانس میں کئی نادر و نایاب گالیاں دینے کے بعد چیخا۔ "میرے ساتھ سازش کی گئی ہے۔ میں برباد ہو گیا۔ تمہارا ساتھی ڈیزی کو اغوا کر کے لے گیا ہے۔"

"ہوش میں آؤ جوزف —— ڈیزی دودھ پیتی بچی نہیں تھی جسے بھرے پرے ہوٹل سے کوئی زبردستی لے جاتا۔" میں نے اس کے شانے پوری قوت سے جھنجھوڑ ڈالے۔

"بالکل ..... میں بھی یہی کہہ رہا تھا۔" ہوٹل والا جلدی سے بولا۔

میرے تیور دیکھ کر جوزف اچانک سنبھل گیا۔ "وہ کہاں چلی گئی ..... مسٹر صفدر وہ کہاں چلی گئی۔؟"

"میرے ساتھ آؤ۔" میں اس کا بازو پکڑ کر اسے کمرے میں لے آیا اور دروازہ اندر سے مقفل کر کے اس کی طرف گھوما۔

وہ بزدل تو تھا ہی۔ میرا جارحانہ رویہ دیکھ کر بکری کی طرح خائف ہو گیا اور میں دل ہی دل میں شیکھر پر لعنت بھیج رہا تھا۔ مجھے اس سے خود غرضی اور کمینگی کی توقع نہیں تھی۔ مجھ سے پہلی ہی جھڑپ کے بعد وہ کوئی خطرہ مول لئے بغیر ڈیزی سمیت صاف نکل گیا تھا۔ اس وقت مجھے علم ہوا کہ عورت کے معاملے میں انسان کس حد تک گر سکتا ہے۔

"تت ..... تم مجھے اس کمرے میں بند کر کے ہراساں نہیں کر سکتے۔" جوزف ہکلاتے ہوئے بولا۔

"میں اس کمرے میں تمہاری قبر بھی بنا سکتا ہوں۔" میں سرد لہجے میں بولا۔ "لیکن یہ اسی وقت ہو گا جب تم میری نہ مانو گے۔"

"کیا مطلب۔؟" وہ پھر بری طرح ہکلایا۔

"مطلب یہ کہ میرا ساتھی بہت ذلیل اور کمینہ تھا لیکن ڈیزی بھی اس سے کم نہیں تھی۔ ڈیزی نے تمہیں لاعلم رکھا اور میرا ساتھی مجھے دھوکہ دے گیا۔ وہ دونوں ہم سے چھپ کر فرار ہو چکے ہیں۔ اگر تم نے اس وضاحت کے بعد بھی اس معاملے میں مجھے ملوث کرنے کی کوشش کی تو میں بلادریغ آخری اقدام تک کر گزروں گا۔" میں نے سرد اور بے رحمانہ لہجے میں کہا۔

"ڈیزی کے بغیر میں یہیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاؤں گا۔ میری ساری رقم اسی کے پاس تھی۔"

"رقم۔" میرے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ ابھر گئی۔ "صاف کیوں نہیں کہتے کہ ڈیزی تمہارے لئے جیتا جاگتا خزانہ تھی۔ بلکہ سادہ چیک تھی۔ جب اور جہاں چاہا کیش کرا لیا۔"

وہ چند سیکنڈ تک مجھے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا رہا پھر بولا۔ "میرا سارا خرچہ وہی اٹھاتی تھی۔ اور اب نیپال تک تم میرا بوجھ اٹھاؤ گے۔"

"اور اگر میں انکار کر دوں۔؟"

وہ پہلی بار ہنسا۔ "تم انکار نہیں کر سکو گے۔ یہ نہ سمجھو کہ چرس کے نشے میں میں کان اور آنکھیں بند کئے رہتا ہوں۔"

"کیا مطلب۔؟" اب میرے چونکنے کی باری تھی۔

"میں نے ابھی ہال میں دیکھا تھا کہ جب ہوٹل والے نے پولیس سے مدد لینے کی دھمکی دی تو چند سیکنڈ کے لئے تمہارا رنگ فق ہو گیا تھا۔" وہ مسکرا مسکرا کر کہنے لگا۔ اس کی ساری کاہلی اس وقت مکاری میں بدل چکی تھی۔ "تم ضرور مجرم ہو اور غیر قانونی طور پر سرحد عبور کر رہے ہو۔ میں نے تمہیں کئی بار ڈیزی سے باتیں کرتے سنا تھا۔ تم یہ جاننے کے لئے بے چین تھے کہ ہم لوگ بغیر پاسپورٹ ساری دنیا کیسے دیکھتے ہیں اور اب نیپال میں کیسے

داخل ہوں گے ..... اس کا صرف ایک ہی مطلب ہے کہ تم سے کوئی بڑا جرم سرزد ہوا ہے اور تم قانون سے فرار ہو کر سرحد پار جا رہے ہو۔ جب تک مجھے ہی میں پوری کہانی پولیس تک پہنچا دوں گا۔ ڈیزی ملے یا نہ ملے، تمہاری زندگی ضرور عذاب بن جائے گی۔ میں نے سنا ہے کہ یہاں کی پولیس پچھلوں کی طرح مہذب نہیں ہے۔"

وہ نہ صرف خود پرست ہو چکا تھا بلکہ تجربہ کار بلیک میلر بھی بن چکا تھا۔ میں نے خون کا گھونٹ پیتے ہوئے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا۔ میں اپنی موجودہ پوزیشن میں شاطر اسمگلر اور کامیاب قانون شکن تھا۔ ہزاروں کسی ہم پلہ شخص سے ٹکر اتفاقاً ہوتی تو برداشت کر لیتا لیکن اس بچے نے جس طرح میری دکھتی رگ پر ہاتھ ڈالا تھا وہ مجھے بری طرح کھل گیا تھا۔ میں نے مصلحت کے پیش نظر اس سے دوستی ضرور کر لی تھی لیکن یہ بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ موقع ملتے ہی اسے چالاکی پر یادگار سبق دوں گا۔

اگلا دن بھی بے مقصد بھٹکتے گزر گیا۔ جوزف کو شاید یہ خطرہ لاحق نہیں تھا۔ وہ ہر وقت سائے کی طرح میرے ساتھ لگا رہا۔ ایک بار میں جھلا کر اس سے الجھ بھی پڑا لیکن اس نے کہا کہ وہ کسی معاملے میں دخل نہیں دیتا تو ساتھ لگے رہنے میں کیا حرج ہے۔ معقول تھی۔ لہذا مجھے یہ بخوشی بھی برداشت کرنی پڑی۔

سرشام ہم دونوں واپس لوٹ رہے تھے تو کسی جانب سے صورت والا ایک لحیم شحیم شخص نمودار ہوا اور جوزف کے قریب آ کر بانداز میں بولا۔ "نیپال۔؟"

ہم دونوں چلتے چلتے رک گئے۔

"کیا یہ نیپال جانا چاہتا ہے۔؟" اس اجنبی شخص نے جوزف کے بجائے مجھ سے پوچھا۔

"جانا تو چاہتا ہے مگر سرحد عبور کرنے کا مسئلہ ہے۔" میں نے بزرگانہ لہجے میں کہا۔

"اکیلا ہے یا کوئی لونڈیا بھی ہے۔؟" وہ مجھ سے یوں بات کر رہا تھا جیسے مجھے جوزف کا ملازم سمجھ رہا ہو۔

"صرف ہم دونوں ہیں۔"

"ایمانداری سے میرا ایک کام کرنے کا وعدہ کرو تو کل ہی مفت ہو سکتا ہے۔" وہ آنکھ دبا کر بولا۔

"کوئی کالا دھندا۔؟" میں نے پوچھا۔

اس نے میری بات پر برا سا منہ بنایا۔ "ایک گاڑی اور ہے۔"

"خالی یا کچھ مال کے ساتھ۔؟"

"معلوم ہوتا ہے پرانا پاپی ہے۔" وہ —— بڑبڑایا۔ "شک گاڑی جا رہا لینا۔ ایک پرانی فوجی اسٹیشن ویگن ہے۔ لیکن یہ ادھر واپسی کا ارادہ ہے۔؟"

[illegible]

حسب منشا جواب دیا۔

"تو ابھی میرے ساتھ چل کر تصویریں بنوا لو۔ کل پاسپورٹ تیار ملے گا۔ تم لوگ چاند ہوٹل کے کمرہ نمبر تین ہی میں ٹھہرے ہوئے ہو۔"

یہ سن کر میرے کان کھڑے ہوئے۔ گویا یہ ملاقات اتفاقیہ نہیں تھی بلکہ باقاعدہ پوری چھان بین کے بعد یوں رابطہ پیدا ہو گیا تھا۔ میں برسوں اس میدان کا کھلاڑی رہ چکا تھا اور خوب جانتا تھا کہ اس شخص کی پیشکش واقعی اتنی سیدھی نہیں ہے جتنی بظاہر نظر آتی ہے۔

"تم تو شاید ہمارا شجرہ تک چھان چکے ہو۔؟" میں نے ہنس کر کہا۔

"دراصل وہ گاڑی ایک ریاست کے جلاوطن والی کی آبائی ملکیت ہے۔ وہ خود نیپال میں ہے اور حکومت کے عتاب سے بچنے کے لئے سال سے فرار ہوا ہے۔ ہم نے وہ گاڑی حاصل کر کے اس تک پہنچانے کا سودا کیا ہے مگر یہاں پولیس کی نظروں میں ہیں۔ خود گاڑی لے جانے کی کوشش کی تو دھر لیا جاؤں گا۔ تمہیں سرحد پار کرنے کے لئے گاڑی درکار ہے اور مجھے بھی —— تمہارا کام بس اتنا ہے کہ نیپال میں سرحد پہنچتے ہی ایک شخص تم سے ملے گا۔ اس کی شناخت کے بعد تمہیں گاڑی اس کے حوالے کر دینی ہے۔ ساتھ ہی اپنے پاسپورٹ بھی۔" اس نے کہا۔

"یعنی ہم جعلی کاغذات پر سرحد عبور کریں گے؟"

"لیکن وہ اتنی مہارت سے تیار ہوں گے کہ کوئی شک نہ کر سکے گا۔"

پھر وہ ہم دونوں کو پیچ در پیچ گلیوں سے ایک تنگ سی گلی میں لے گیا جہاں ایک بوسیدہ سے کمرے سمیت ایک بوڑھا شخص موجود تھا جس نے باری باری میری اور جوزف کی تصویریں اتار لیں۔

"اب تم جاؤ۔ صبح نو بجے چوک پر پہنچ جانا۔"

راستے میں میں نے جوزف کو ساری تفصیل بتائی تو وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ خطرناک صورت والے کی کہانی گو ہر اعتبار سے مکمل تھی مگر میرا دل ابھی اسے قبول کرنے کو تیار نہیں تھا۔

اگلے روز صبح نو بجے وہ شخص سیاہ رنگ کی فوجی اسٹیشن ویگن سمیت چوک پر ہمارا منتظر تھا۔ گاڑی بڑی محنت سے چمکائی گئی تھی لیکن ساخت کے اعتبار سے وہ دوسری جنگ عظیم کی ہی یادگار لگ رہی تھی۔

گاڑی ہی میں اس نے جعلی پاسپورٹ وغیرہ ہمارے حوالے کئے۔ میری تصویر والا پاسپورٹ کسی موہن لال کے نام سے تھا اور جوزف کی تصویر کے نیچے البرٹ سمتھ لکھا ہوا تھا۔

اس نے گاڑی اسٹارٹ کی تو میں نے پوچھا۔ "تمہارا نام کیا ہے دوست؟"

"میرا نام نہ جاننا ہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ تم لوگ سرحد پہنچ کر نیپالی ہوٹل میں اس وقت تک ٹھہرو گے جب تک میرا آدمی خود تمہارے پاس نہیں

آ سکا۔ وہ گاڑی کے ذریعہ خود ہم تک پہنچنے کا اس کی زبان ہے جبکہ وہ ہم سے ملنے پر مفید باتیں کی کمائی طلب کرنے لگا۔ وہ ہم دونوں کی جانب سے بہت زیادہ مطمئن نظر آ رہا تھا۔

بستی کے واحد پٹرول پمپ پر اس نے ٹنکی بھروائی، اگلے پچھلے پہیوں کی ہوا چیک کی، فاضل پہیے کو چیک کیا اور دو سو روپے چابی سمیت یوزف کی طرف بڑھا دیے!

”آج کل سرحد پر ذرا سختی کی جا رہی ہے، وہاں کچھ دے دلا کے کام لینا ہو تو اچھی کوشش کرنا۔ تیل پانی سب ٹھیک ہے، راستے میں وقت بالکل ضائع نہ کرنا۔ اگر پنکچر ہو جائے تو بنوانے کی ضرورت نہیں، بدل کر بڑھتے رہنا!“

یوزف نے انجن اسٹارٹ کیا، میں نے ہاتھ لہرا کر رخصت ہوئے اور انجن دیکھتی تیز رفتاری کے ساتھ پختہ سڑک پر آتے ہوئے بولی۔ شہر کی آبادی ذرا ہی دیر میں پیچھے رہ گئی اور ہم پر پیچ لیکن ہموار سڑک کی ڈھلوان چڑھنے لگے۔ کار کا انجن خاصا جاندار تھا۔ ہمیں امید ہو چلی تھی کہ رات ہم سرحد پار ضرور پہنچ جائیں گے!

گاڑی ہموار ویران سڑک پر بڑھتی جا رہی تھی۔ دو دو بار مجھے خیال آیا تھا کہ یوزف نے ڈیڑھ گھنٹے کے ذریعے مجھے سمت خوف ظرف پر ... کیلیٹ ... بیٹ ہوتے جا رہا تھا ... گاڑی ریورس کرتے ہوئے گھوٹ آتا ... اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا تھا۔ وہ گاڑی جلد سے جلد اللہ کا نام لے کر چلانے جا رہا تھا۔ ہم ایک گشتی پر سوار ہوتے اور وہ ہر حال میں میرا ساتھ دینا ثابت ہوا۔ یہ اس کا کمال تھا کہ راستے میں جھول کر کاریکٹ فرار ہونے کی راہ میں حائل رہا!

دوپہر میں یوزف نے اسٹیئرنگ میرے حوالے کر دیا اور خود پیچھے بیگ سے خورد و نوش کی چیزیں نکالنے لگا۔ جیسے ہی ہم سیر ہو گئے تھے اس کے بعد ڈرائیونگ میں ذرا دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ سڑک پر دور دور تک ٹریفک کا کوئی نشان نہیں تھا۔ جتنے دیکھ کر مویشی اور دہقان وغیرہ کا اندازہ ہوتے اور اس کے علاوہ اکا دکا گاڑی کبھی کبھی گھاٹیوں میں چلتے چلتے نظر آ جاتی تھی۔ جنگل جوں جوں قریب آتا جا رہا تھا میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

آبادی کی تلاش میں دور دور تک نظریں دوڑاتی تھیں۔ ہوٹل پاری سے نکلنے کے بعد ہمیں صرف ایک چھوٹی سی بستی ملی تھی یا راستہ میں مخالف سمت سے آنے والی گاڑیاں نظر آئی تھیں ورنہ تاحد نظر سنگلاخ چٹانیں یا خود رو جنگل پھیلا ہوا تھا۔ جوں جوں ہم بلندی پر چڑھتے جا رہے تھے سڑک اور بل کھاتی جا رہی تھی۔ سرحد پہنچنے سے گزرنے کے بعد سڑک اچانک کوئی نیا اور بہت خطرناک موڑ لیتی تھی۔ اس لئے میرے لئے ڈرائیونگ بہت مشکل ہو گئی تھی۔ سورج غروب ہونے سے ذرا دیر پہلے یوزف نے ایک بلند ٹیلے پر کوئی بچہ بیٹھا دیکھا اور ایک دم چیخ پڑا۔ ”یہاں ضرور کوئی آبادی معلوم ہوتی ہے“ یہ بڑی خطرناک جگہ تھی۔ دائیں جانب بائیں طرف گہری کھائی تھی۔ ذرا دور دائیں طرف ایک احاطہ تھا۔ گاڑی پارک کرنے کی صورت میں یہ خطرہ تھا کہ کوئی دوسری گاڑی ٹکر نہ مار دے اس لئے میں نے گاڑی روک کر کو آہستہ کیا اور وہ دور جا کر بچے کو روکے اور خود گاڑی آگے بڑھا لایا۔ اگر خاصی جگہ ہے تو روک سکوں!

کافی آگے جانے کے بعد بائیں طرف گاڑی سڑک سے اتنی جگہ نظر آئی میں نے انجن بند کیا اور گاڑی روک دی اور دروازے کھول کر واپس چل دیا۔ یوزف اس سرخ و سفید بچے کو سڑک پر کھینچ لایا تھا اور میری طرف چلا آ رہا تھا۔ ”یہ سالا مجھے کوئی نجومی سمجھ رہا ہے!“ اس نے بچے کو مجھ سے ہانک لگائی۔

وہ بچہ قریب آیا تو میں نے اس کے گال تھپتھپائے اور پیار سے پوچھا ”تم کہاں رہتے ہو؟“

”وہ..... ادھر!“ لڑکا پہاڑوں پر اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ”ہم جہاں بیٹھا تھا وہاں سے ہمارا گاؤں نظر آتا ہے!“ اس نے ہماری زبان میں کہا۔
”چلو!“ میں نے اس سے کہا۔

وہ بچہ کسی بندر کی سی پھرتی کے ساتھ نکیلے پتھروں اور جھاڑ پر قدم جماتا اوپر چڑھتا جا رہا تھا اور ہم کافی دیر کی محنت کے بعد اوپر پہنچ سکے۔ یوزف کی حالت دیکھ کر اس کی معصوم آنکھیں چمک اٹھیں اور دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر ہنس پڑا۔

میں نے وہاں کھڑے ہو کر چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن کہیں بھی کسی بستی کے آثار نظر نہ آئے۔ وہاں ہر طرف پہاڑ ہی پہاڑ بکھرے تھے۔ ”تمہاری بستی کدھر ہے بیٹے؟“ میں نے اس بچے سے پوچھا۔

وہ بدستور منہ دبائے ہنستا ہی رہا۔

”کیا بات ہے، کیوں ہنس رہے ہو؟“ میں نے قدرے تند لہجے میں ڈانٹا۔

”یہ..... یہ..... اس کی مونچھیں کسی چوہے کی دم کی طرح ہیں۔“ وہ بمشکل کہہ سکا۔

میں نے یوزف کی طرف دیکھا تو اپنی مسکراہٹ بھی نہ روک سکا۔ مرجھائے ہوئے کسی بیل کی طرح جو ہر کر سانس لے رہا تھا اور بلاشبہ اس کے ہونٹوں کے گوشوں سے نیچے لٹکتی ہوئی مونچھیں چوہے کی دم جیسی تھیں۔ اچانک کسی جانب سے تین آدمی اٹھے اور ہمیں حرکت کا موقع دیئے بغیر گھیرے میں لے لیا۔ وہ بچہ بھی اچھل کر ان کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اس کی ہنسی یکلخت ختم ہو چکی تھی!

”یہ کیا مصیبت ہے؟“ یوزف پوری قوت سے چیخا۔

”خاموش!“ ان میں سے ایک نے اپنی رائفل کی نال یوزف کی طرف اٹھا دی۔ اس کے ہمراہی تیز دھار کلہاڑیوں سے مسلح تھے!

”تم کون ہو۔ اور ہم سے کیا چاہتے ہو؟“ میں نے بھرائی آواز میں پوچھا۔

”ہم بلاوجہ خون خرابا نہیں کرتے۔“ رائفل والا تیز آواز میں بولا۔ ”خاموشی سے ساری نقدی اور قیمتی چیزیں ہمارے حوالے کر دو اور ...“

دو چلیوں سے بھی قزاق لگ رہے تھے لہٰذا اس حکم پر مجھے زیادہ تعجب نہیں ہوا البتہ اس بات کی حیرت ضرور تھی کہ انھوں نے بچے کے ذریعے پریشان حال مسافروں کو پھانسنے کا کس قدر موثر نفسیاتی حربہ اختیار کیا تھا۔
”ہم لوگ غریب سیاح ہیں، ہمیں سو پچاس روپے کے سوا ہمارے پاس کچھ نہیں ملے گا۔“ میں نے معصوم لہجہ میں کہا۔

رائفل والے کے اشارے پر ان میں سے ایک بڑھا اور ذرا ہی دیر میں اس نے میری جیب پر ایک دو پٹے کے ذریعے بندھے ہوئے سترہ سو روپے نکال لئے۔ میرے بعد وہ یوزف کی طرف بڑھا۔ اس کے پاس گاڑی کے مالک کے دیئے ہوئے وہی دو سو روپے تھے!

”یہ دو سو روپے تو چھوڑ دو۔“ میں گھگھیایا۔ ”ہمیں نیپال تک پہنچنا ہے اور اس رقم کے سوا پٹرول تک کے پیسے بھی نہیں ہیں۔“

وہ رائفل تانے خاموش کھڑا رہا۔ ان کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا گویا انہیں کسی کی آمد کا انتظار ہے۔ تھوڑی دیر بعد نیچے سڑک والی سمت سے ایک اور شخص ان میں آ شامل ہوا۔

”گاڑی میں یہ خورد و نوش اور کھانے کا سامان ہے۔“ اس نے رائفل والے کو رپورٹ دی۔ یوزف کا ستارہ اس کے گلے میں جھول رہا تھا۔

”ان کو دو سو روپے واپس کر دو۔“ رائفل والے نے اپنے آدمی سے کہا اور مجھے دو سو روپے واپس دے دیئے گئے۔

”اب نیچے اترو اور ادھر سے دفع ہو جاؤ!“ یہ نادر شاہی حکم جاری کیا گیا تھا۔

”تم نے رقم تو چھین ہی لی ہے۔ جاتے جاتے ایک مہربانی کر دو!“ میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ ”لگے خاموش پا کر مجھے ہمت ہوئی اور میں نے اپنی بات جاری رکھی۔ ”رات سر پر آ چکی ہے۔ یہ راستہ طے کرنے کے لئے نیا ہے اور بے حد خطرناک ہے اگر تم رات بسر کرنے کے لئے ہمیں یہ جگہ دکھا دو تو بڑا احسان ہوگا۔“

”جان کی سلامتی چاہتے ہو تو سورج ڈھلنے سے پہلے ہمارا علاقہ چھوڑ دو۔ ورنہ یہ خونی پہاڑ تمہیں کھا جائیں گے!“ اس نے تیز لہجے میں کہا۔

میں نے اس کی بہت خوشامد کی لیکن بے سود۔ ہمیں وہاں سے روانہ ہونا ہی پڑا۔ انھوں نے کھانے پینے کا سامان چھوڑ دیا تھا۔ یوزف کا ستارہ جاتے جاتے بھی ان مجرم زادوں کے حوالے کر دیا گیا تھا جس نے ہمیں فریب دے کر ان کے جال میں پھانسا تھا!

”کس قدر چالاک تھا وہ بچہ!“ راستے میں یوزف بولا۔

”عمر میں تم سے بہت بڑا ہوں لیکن اس بچے سے بہت ڈرتا ہوں گر ہم جیسوں کی ذہنی عمر ایک سی ہے۔“ میں نے کہا۔ ”بس چند برس اور ٹھہرو پھر یہ بچہ بال بچے والا ہو کر پیشہ ور مجرم بن کر بیٹھا ہوا تھے اور ہمارا اغوا کر لیتے۔“

”یہ سب خرافات ہیں۔“ وہ منہ بنا کر بولا۔ ”دس سال کی لڑکی کا خوف دل کے اندر بھی ساتھ نہیں جا سکتی۔ جب سے لئے تو اس بچے سے مقابلہ کا تصور رکھنا بھی اچھی بات ہے!“

وہ پوری شدت سے گاڑی چلانے والا ان کی گزرگاہ سے جیتنے کا عادی تو ...

آگا زیادہ دیر لطف نہیں لیا تھا کیونکہ یہ جھاڑ اور راستوں کے سبب سست رفتاری اختیار کرنی پڑی تھی۔ ڈرائیونگ کرتے کرتے ہم دونوں کے شانے بھاری ہو گئے تھے اور اب یہی تمنا تھی کہ جلد از جلد ہم سرحدی چوکی پر جا پہنچیں۔

اور دوپہر کے وقت ہم ہندوستان کی آخری سرحدی آبادی رکسول جا پہنچے۔ وہاں شاید ابھی وقت ٹرین پہنچی تھی اس لئے یورپ شہر جانت بھانت کے لوگوں سے بھرا ہوا تھا جن میں اکثریت سفید فام ہپی جوڑوں کی تھی۔ شہر سے گزر کر ہم چیک پوسٹ پر پہنچے تو خلاف توقع بڑی بھیڑ بھاڑ کے بعد ہندوستانی افسر ہم سے مطمئن ہو گئے اور ہم پوسٹ سے گزر کر نیپالی چوکی کی طرف بڑھنے لگے!

اس طرف ہم سے پہلے ایک جیپ موجود تھی جس میں چار افسوس ہوا تھے اور کسی مسئلہ پر نیپالی عملے سے تیز آواز میں بحث کر رہے تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ انہیں نمٹا کر وہ ہماری طرف آئیں گے لیکن ایک سنتری نے ہمیں گاڑی آگے نکالنے کا اشارہ دیا اور ہم اپنی گاڑی جیپ کے قریب جا رکے!

نیپالی افسر نے باری باری ہم دونوں کے پاسپورٹ دیکھے اور نظروں سے ہمیں باقاعدہ گھورا پھر پاسپورٹ لئے کسی ساتھی کے پاس لے گیا۔ وہ دونوں وہاں کھڑے ہماری طرف دیکھ دیکھ کر کچھ باتیں کرتے رہے پھر اس دوران دو نیپالی اور شامل ہو گئے۔ کئی منٹ تک وہ چاروں جانے پاسپورٹوں کی کس بات پر بحث کرتے رہے پھر ایک ساتھ ہماری طرف آ گئے۔

یوزف تیزی سے گاڑی سے اتر آیا۔

”تم نے یہ انڈین پاسپورٹ کب حاصل کیا تھا؟“ ایک نیپالی نے شستہ انگریزی میں یوزف سے سوال کیا۔

اس نے کوئی لفظ کہے بغیر بے نیازی کے ساتھ میری طرف اشارہ کر دیا۔ یہ ابھی بحث یا ذہن میں رکھنے کے لئے تیار نہیں تھا اس لئے بری طرح بوکھلا گیا۔ اگر ذرا بھی تیز ہو جاتا تو راستے ہی میں سارے اندراجات حفظ کر لیتے ہو تا۔

”مسٹر...!“ پوچھنے کے لئے میں نے نیپالیوں کے لہجوں سے اپنے جواب میں کسی بڑی غلطی کا احساس کر کے فوراً لہجہ بدلا۔ ”نہیں شاید مجھے یاد ہو رہا ہے!“

”ایک بار پھر سوچ لیں!“ اسی افسر نے بڑا اعتماد لہجہ میں کہا۔

میں نے اپنا دل ڈوبتا محسوس کیا اور پیشانی ملتے ہوئے کہا ”مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا۔ ہم نے پاسپورٹ اپنے ایجنٹ سے بنوائے تھے!“

اس کی آنکھیں یوں چمک اٹھیں جیسے اسے اپنے شبہات کی تائید میں کوئی اہم نکتہ مل گیا ہو۔ ”کیا دونوں پاسپورٹ ایک ہی ایجنٹ سے بنوائے تھے؟“

”مجھے کچھ علم نہیں... میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں طویل سفر سے تھکا ہوا ہوں!“ میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

”دیکھئے جناب!“ اس کا لہجہ گمبھیر ہو گیا۔ ”ان میں ایک پاسپورٹ دہلی سے جاری ہوا ہے اور دوسرا ... سے۔ دونوں کی اجرائی کی تاریخ اور اسٹمپ میں جو فرق ہے، گو اس کی تصدیق کرائی جا سکتی ہے لیکن ہمیں یہ

تصویریں خریدنے میں مشغول رہتی ہیں۔ پاسپورٹ کی تصاویر کے مقابلے میں تصویریں کچھ نئی معلوم ہوتی ہیں اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ ان تصویروں میں آپ کے بدن کے اوپری حصوں پر بالکل اسی ڈیزائن کا لباس نظر آ رہا ہے تو آپ اس وقت پہنے ہوئے ہیں البتہ رنگوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا لہٰذا آپ دونوں کو فوری طور پر حراست میں لے رہے ہیں اگر بعد میں ہمارے شبہات غلط ثابت ہوئے تو معذرت کے ساتھ آپ کو رہا کر دیا جائے گا!

ہم دونوں کو اچانک سانپ سونگھ گیا۔ وہ مسلح سنتری جاپ قریب آ کھڑے ہوئے۔ پھر ہمارے ہی سامنے اسٹیشن ویگن کی تلاشی شروع ہوئی۔ تلاشی لینے والوں میں ایک شخص خاصا افسر تھا۔ اس نے نشستوں کے قریب ہی گھس کر ادھر ادھر جھانکنا شروع کیا پھر مٹی کے تیل سے خالی ٹائر باہر جھٹک دیا۔ جانے کس بنا پر وہ اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میں نے واضح طور پر ٹائر کے اندر کسی سخت سی چیز کے ٹکرانے کی آواز سنی تھی۔

”اس میں کیا ہے؟“ وہ افسر اچانک قریب آ کر غرایا۔

”اوہ... مجھے کچھ پتہ نہیں۔“ میں نے اپنی آواز کسی حد تک نرم رکھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ ہم نے بیٹ اشن ویگن سوتی ایک کرایہ پر حاصل کی تھی۔

اس نے ایک مرتبہ پھر ٹائر کو الٹ پلٹ کر دیکھا پھر بولا۔ ”خالی تھیلا ٹائر ہے جس میں ٹیوب نہیں ہوتی پھر اس کے اندر کیا کچھ ہو سکتا ہے؟ مجھے تو کچھ علم نہیں!“

اس نے فلانک ٹائر کی ہوا خارج کر دی اور اس پر جھک گیا۔ پھر کئی افسروں نے ڈھونڈ کر چیرتے ہوئے ٹائر کو دیکھا۔ ٹائر میں کوئی سخت چیز موجود تھی۔ یہ پیرا تانا فانا... پوری جوکی نفیس تھیلی تھی۔ پھر دونوں افسروں کی ذرا دیر لینے تھے اور ایک سپاہی نے سنگین سے وہ ٹائر پھاڑ ڈالا۔

بھر بہت سے شخص دم بخود کسی سنسنی خیز انکشاف کا منتظر تھا۔ کچھ دیر کی کوششوں کے بعد ٹائر ریسٹ الگ کر لیا اور نائیلون کے تھیلے میں بند ہوئی وزنی چیز باہر آ گئی۔ اس تھیلے کی موٹائی اتنی تھی کہ وہ آسانی ٹائر میں سما سکتا تھا۔ اس کی پوری لمبائی بڑی مہارت کے ساتھ ٹائر کے گرد جمائی گئی تھی۔ اس طرح ٹائر میں ہر طرف یکساں وزن تھا اور اسے استعمال کرنے کی صورت میں اسٹیرنگ کا توازن بگڑنے کا امکان نہیں تھا۔

”دیکھا ہے اس میں؟“ وہی افسر نیپالی اس بار مجھے میں تکرار کر رہا تھا۔

میں اس وقت بری طرح پھنس چکا تھا۔ جی تو چاہا کہ اسے بے تحاشا گالیاں سناؤں مگر آخری کوشش ابھی باقی تھی۔ ”مجھے کچھ پتہ نہیں۔ یہ سب اس سفید سور کا کیا دھرا ہے جس نے اس کا تنخواہ دار ملازم ہوں میں نے ساری مصیبت جوزف پر ڈال دی۔

”کیا ہے اس میں؟“ اب وہ جوزف پر گرجا۔ اس بار اس نے انگریزی کا سہارا لیا تھا۔

”کھول کر دیکھو تا کہ مجھے بھی پتہ چلے کہ یہ کالا آدمی کیا دھندا کرتا ہے“

جوزف نے سپاٹ لہجے میں میرے بارے میں کہا۔

”بہار دو ہے تھیلا بھی!“ اس نے سنگین بردار سپاہی کو حکم دیا۔

وہ آگے بڑھا اور پھرتی کے ساتھ تھیلے میں سوراخ کر کے اسے چیرتا چلا گیا اور مجھ سمیت ہر ایک کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

نائیلون

کے تھیلے میں بھری ہوئی چرس چمک رہی تھی۔ میری نگاہوں کے سامنے وہ میرا سا اندھیرا چھا گیا تھا جوزف بھی اس خوبصورت نگاہوں سے گھورتا چاہتا تھا جیسے اس کی واقفیت میں اس میرے ہیر کی ساری ذمہ داری میری ہی ہو۔

پھر اسٹیشن ویگن کے ساتھ ساتھ ٹائر کاٹ پیٹنے گئے اور چرس کے مزید پیکٹ برآمد ہوئے۔ اب سارا کھیل میری سمجھ میں آ رہا تھا کہ جوزف کو اصل میں چرس کی اسمگلنگ کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔ اسٹیشن ویگن اور اس کے علاوہ ملک کی کاروائی تھی بات صرف اتنی تھی کہ ہم اسٹیشن ویگن نیپال پہنچانے جا رہے تھے وہاں سے چرس نکالنے کے بعد گاڑی پھر چند دستاویز سے بھیج دی جاتی۔ مجرموں نے بڑے منظم طریقے سے اس سلسلے میں احتیاط کی تھی کہ ... [illegible] اس نے نائر سے پہلے اور تعداد میں ہم تھے مجرموں نے پہلے ڈیکل پر دونوں طرف رہے پر پورا فائدہ اٹھایا تھا۔

چونکہ پولیس چرس کی ساری مقدار ٹول چکی تھی اس کا تخمینہ لگایا ہو جتنی دار تھا۔ اس طرح ہم دونوں کو فوراً ہی حراست میں لے کر کسی بند گاڑی کے ذریعے قریبی جانب روانہ کر دیا گیا۔ [illegible]

ہوئے مار روں پر رہنا پڑا تھا۔

گاڑی بہت جلدی نہایت تیزی کے ساتھ کسی گمنام منزل کی جانب روانہ ہو گئی۔ گاڑی کے تین حصے تھے۔ ایک تو اگلا حصہ تھا جہاں ڈرائیور کے ساتھ ہی مزید دو نشستیں تھیں۔ پچھلا حصہ کھلا تھا جس میں اب ہم بیٹھے ہوئے تھے اور بیچ والے حصے کی جانب ایک شیشے کی کھڑکی تھی جس سے ہم پیچھے والے حصے کو دیکھ سکتے تھے۔ دونوں حصوں کے درمیان ایک کھڑکی تھی۔ اگلا حصہ کا سبب چیکنگ کے لئے گاڑی رکی تو ہم نے دیکھا کہ گاڑی کے ایک جانب ... [illegible] ہمارے ہاتھوں پر ہتھکڑی تھی اور ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ پولیس والوں نے ہمیں احتیاط سے بٹھایا تھا اور نیپالی ... [illegible] تھے۔ اب ہم نے دیکھا کہ ہماری طرف کی کھڑکی کا ... [illegible] خاموشی چھا گئی تھی۔ بالآخر جوزف نے جو بہت دیر سے ... [illegible] سنگلاخ اور بے پناہ راستوں پر ہماری بے بسی کا مذاق اڑا رہا تھا۔

”یہ سپاہیوں کے انداز سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ہمارا سفر خاصا طویل ثابت ہوگا۔“

”یہ سن آف اے بچ!“ دفعتاً جوزف دانت پیس کر غرایا۔ ”تم کالے ہوتے ہی ہو کے بدھو۔ جانتے کچھ ہو، اور کرتے کچھ ہو!“

”مت بھولو کہ جوزف تم نے اپنا دماغ استعمال کیا ہوتا تو سفید سور کی رہائی بھی ممکن ہو جاتی۔ جو کبھی تمہیں اس مصیبت سے نہیں بچا سکتا۔“

”خاموش رہو“ ... [illegible]

لی قریب سے ہی جواب آواز جن کے بے پناہ شور پر چھا گئی۔

سپاہی نے اردو زبان استعمال کی تھی جو جوزف کے پلے نہ پڑ سکی۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتا میں بول پڑا۔ ”ہم لڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے برخوردار۔ معلوم ہے یہ کالا جنٹ ہے!“

”یہ لوگ مستقبل کے طالب علم کہلاتے ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”وہ بتا رہے ہیں کہ یہ ... [illegible] کے ساتھیوں کی گرفتاری کے ... لے رہے ہیں ... ان کے سفر کا مقصد اور منزل کیا ہے ہم نے پوچھ لیا ... ان کے حوالے کر دیئے گئے ... بہ گئے ہوتے ... “ کہا۔

”اب کیا تم اپنی ... [illegible] اور دوا جنت سے ... ہو گئی کوئی ... بات کی تھی۔“

”یہ نیپالی کا علاقہ ہے۔ نیپالی زبان میں بہت زیادہ اختصار پایا جاتا ہے وہ ... ہم بھری بات ... وہ چند فقروں کے سکوت کے بعد ... اور سپاہی جوکی ... اس کے ... سپاہی کے ... ہیں آ پہنچا۔ الزام ... نے ... ہمارا ایک سپاہی ... میرا ... ایک سگریٹ ملا ہے!“

”اگر تمہیں کالا ... سگریٹ دے تو کیا ہوگا؟“ میں نے ان سے پوچھا۔

”مجھے سگریٹ سے کوئی غرض نہیں ہے مجھے صرف چرس کا نشہ درکار ہے وہ تو ... ابھی وہ اس کو مل ہی رہا تھا۔“

”بے ہوشی میں ... سزا بھگتے گا۔“

”ابھی تم نے بتایا کہ ... تم ... ہو رہی ہو ... مارے گئے ہوتے ... کیا یہ بکواس ہے!“ اس نے ... پوچھا۔

”بالکل سچ ہے۔ نیپالی اسمگلروں اور خاص طور پر منشیات کے اسمگلروں سے رعایت نہیں کرتے۔ ذرا ... سرحد پار لے جانے کی کوشش میں سزائے موت کا موجب ہے بچا اس گاڑی ہے تو ہماری جتنی ... چرس برآمد ہوئی ہے۔“

”میں نے تو سنا ہے کہ نیپال میں چرس عام ملتی ہے ...“ وہ ابھی تک اس پر یقین نہیں کر سکا تھا۔

”حکومت ان چیزوں سے پریشان ہو کر انتہائی اقدامات کا سہارا لے رہی ہے ... کہ ... اس کے بعد وہ کچھ ... اور ... اپنی ... پر ... بیٹھ گیا۔“

نیپالی سپاہی آپس میں باتیں کرتے کرتے جھگڑے ... اور وہ ... کے ... پاس ... بیٹھے اور پھر گپ شپ میں مصروف ہو جاتے۔

شدید ... سے ... بلا ... میں ... اور ... کہ ... تیز ہو گئی۔ یہ معلوم ہوا کہ ... کہیں ... خاص ... ہیں اور ... کسی ... اب ... ہمارا ... ہوا تھا۔ ... سپاہیوں کے درمیان ... تنہا ... بنا رہا تھا۔ ... ہوئے

تھے۔ ہماری گاڑی کی ... سے ... آ گیا ... کا ... تھا۔ کسی ... کے ساتھ ... کی جانب ... تھا۔ راستے میں ... مستند ... لیکن ... سپاہیوں نے باہر آنے والی پولیس لاری کو ... نظروں سے دیکھا۔ جوزف حیرت سے آنکھیں پھاڑے ... اور ... کی آنکھیں ... جیسے ... والی ہو۔

”ناقابل یقین... ناقابل یقین!“ اچانک وہ خود ہی خود بڑبڑانے لگا۔ ”یورپ والے ... کا یقین نہیں کر سکتے کہ ... مشرقی لوگ ... اور ... ماحول میں زندگی بسر کرتے ہوں گے!“

”ہم اس وقت ... والی ... ہیں ... بھی ... ہیں“ میں نے آہستہ سے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

”لوگ کہتے ہیں کہ ان ... میں ... یہاں ... کر ... کر لیتے ہیں۔ لیکن ... تہذیب کی خبر نہیں لیتے۔“ وہ میری بات ... اپنی ... میں ... کہہ رہا تھا۔ ”... اسلام ... کیا ... ہیں ... زمین پر کوئی جنت ہے تو یہیں ہے۔“

”جنت!“ میں آہستہ سے ہنسا۔ ”... اور ... سے بھری ہوئی جنت ... تھوڑی دیر ... حالات میں ... جائیں گے اور ... پڑے گی تو اس وقت ... حقیقتیں ... ہوں گی۔“

اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ ... ایک سپاہی ... آواز ... کی طرف ... خاموش ... کا ... منہ ... دیکھا۔

تھوڑی دیر بعد ہماری ... ایک تنگ ... پر گھوم کر ... عمارت کے احاطے میں ... لاری ... سپاہی ... سے اتر کر ... کی طرف آیا اور جلدی جلدی انہیں کچھ ہدایات دے کر واپس لوٹ گیا۔

میں ... کے لئے تیار ہو چکا تھا لیکن ... کسی نے دروازہ کھولا ... بتی ... تصویر ... بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد ... ایک پولیس افسر کے ہمراہ واپس آیا۔ چند ... تک ... آواز میں ... کرتے رہے پھر دروازہ کھول کر ... حالت میں ... نیچے اتر آیا ... سپاہیوں کے نرغے میں تھے۔

پھر وہ سب ہم دونوں کو ... عمارت کی طرف بڑھنے لگے اور ... کے ایک ... سے ... گزر کر ... کمرے میں ... پہنچے۔

یہاں ہم دونوں کی ہتھکڑیاں کھول دی گئیں ... اس ... میں وہ دونوں نیپالی پولیس افسر نیپالی زبان میں کچھ گفتگو کرتے رہے پھر مجھے ... کا ... وحشت ... ہیں۔ مجھ سے بولا۔ ”جاؤ تم دونوں کا مقدر اچھا ہے اگر یہاں ضمانت کی

خیر، ملتی تو تمہارے جوڑ جوڑ کو فگار کر دیتا۔ ۔۔ وہ [illegible] ایک بیٹھے میں تیسری بار مرعوب کر رہی تھی۔ تم جانتے تمہارے ساتھی بیچارے کس جرم میں دھر لیے گئے ہیں؟

اس کے لہجے میں سخت [illegible] اور جھلاہٹ [illegible] ہماری ضمانت کی خبر سُن کر مجھ پر تو شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس کی جگہ پر جانے وہ کون [illegible] تھا جو مجھے عذاب کی آتش سے نجات دلا گیا تھا۔

"کیا [illegible] ہے — رقم جو یہاں ہے۔" مجھے [illegible] دیکھ کر وہ بولا۔

"مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ ہماری ضمانت کس نے کرائی ہے؟" میں نے [illegible] کہا۔

"مذاق کرتا ہے۔" اس نے ایک [illegible] تھپڑ رسید کیا۔ غصے سے اس کی [illegible] آنکھیں حلقوں سے ابل پڑی تھیں۔ وہ آپے سے باہر نظر آ رہا تھا۔

تھپڑ پڑتے ہی [illegible] یہ میری شامت ہی تھی کہ وہ میرے سیدھے سادے سوال کو اپنا مذاق سمجھ بیٹھا تھا۔

پھر اس نے مجھے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر بڑی مہارت سے زمین پر گرا دیا اور پے در پے میری پسلیوں پر ٹھوکریں لگانے لگا۔

"کرن سنگھ — کرن سنگھ! کیا کر رہے ہو، جو [illegible] کی ضمانت ہو چکی ہے۔"

دوسرا افسر اسے [illegible] کی کوشش کرتے ہوئے بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

"[illegible] ضمانت ۔۔۔" وہ ہاتھ چھڑاتے ہوئے غرایا۔ "[illegible] کے ہاتھ بہت لمبے ہوتے ہیں۔ لگتا ہے ایسے [illegible] کے تحفظ کو سبوتاژ کرنے کے لیے آئے ہیں۔"

دوسرے افسر نے اضطراری طور پر اسے پیچھے [illegible] کھینچا تو وہ کسی غضبناک بھیڑیے کی طرح غرا رہا تھا۔ "[illegible] ہوتی ہے تو [illegible] — [illegible] ضمانت [illegible] سے چلیں۔"

اس کے [illegible] وار کے چند ہی سیکنڈوں میں میرے [illegible] خطا ہو گئے اور میں اپنے جسم کے نازک حصوں کو اس کی [illegible] ضربوں سے بچانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔

"[illegible] اس کا ہاتھ [illegible] کی [illegible] تو وہ کسی سادہ لوح غیر ملکی کے ساتھ [illegible] کی ہمت نہ کر سکے ۔۔۔" جوزف [illegible]

آخر کرن سنگھ نے مزید دو گھونسے میرے [illegible] پر لگائے اور ہانپتا ہوا الگ ہٹ گیا۔ اس آخری وار نے میرا چہرہ لہولہان کر دیا تھا۔ شاید [illegible] آنکھ پر بھی [illegible] ورم آ گیا تھا۔

"اسے گھسیٹ کر باہر پھینک دو۔" کرن سنگھ شاید اپنے ماتحتوں سے کہہ رہا تھا۔

چند سپاہیوں نے مجھے سہارا دے کر اٹھایا۔ جوزف [illegible] لاتعلقانہ انداز میں یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ جب سپاہی مجھے باہر لے جانے لگے تو کرن سنگھ نے جوزف کو [illegible] دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے [illegible] "[illegible] خبیث کی اولاد [illegible]" وہ شاید [illegible] سے نابلد تھا۔

زبان [illegible] ہر مشکل مصیبت کے لمحات میں انسان کی چھٹی حس تیزی سے کام کرنے لگتی ہے۔ جوزف [illegible] سمجھ گیا کہ ان لوگوں کی [illegible] اچھی نہیں ہے اور اس نے [illegible] کرن سنگھ [illegible]

تمہارا ہے گا!

جو [illegible] جب میرے قریب آیا اور مجھے سہارا دیتے ہوئے [illegible] افسر ہے دوست۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔"

میں کراہتا اور لنگڑاتا ہوا اس کے ساتھ اس منحوس عمارت سے باہر آ گیا۔

"یہ سب کیا ہوا — آخر ہمیں [illegible] چھوڑ دیا گیا؟" باہر آ کر جوزف نے [illegible] مجھ سے دریافت کیا۔

"میری حالت دیکھ رہے ہو؟ میں [illegible] وقت مجھے [illegible] آرام [illegible]" وہ پرخیال انداز میں بڑبڑایا۔ پھر یک بیک کھل اٹھا۔ "کچھ رقم موجود ہے اور یہیں [illegible] جنگلوں اور [illegible] پہاڑوں کے درمیان [illegible] میں داخل ہوتے ہی ایک ہوٹل دیکھا تھا۔ ہمیں وہ جگہ تلاش کرنی ہوگی۔"

مجھے اس پر بے حد غصہ آیا۔ اگر اس کا چہرہ لہولہان [illegible] تو میں اس سے اس بستی کے حسن کے بارے میں [illegible] گفتگو [illegible] لیکن اس وقت [illegible] تلاش کے بعد ہم ایک پہاڑی ڈھلان پر بنے ہوئے ایک ہوٹل تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔

ہوٹل پر موجود لوگوں نے میرے تازہ زخموں کو بڑی حیرت سے دیکھا۔ مجھے وہاں آنے والا ایک شخص تو سیدھا میرے پاس ہی آ پہنچا [illegible] اور [illegible] آواز میں ہوٹل والے سے بولا۔

"فوراً ادھر چائے لاؤ — تیز اور گرم۔"

میں نے [illegible] آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ [illegible] آدمی نہیں لگتا تھا۔ چہرے پر گہرے زخموں کے کچھ پرانے نشانات اس کا اظہار کر رہے تھے۔

جوزف نے چائے آنے سے قبل ہی [illegible] میرے زخم صاف [illegible] وہ اجنبی [illegible] انداز میں یہ سب دیکھتا رہا۔

چائے کے چند گرم گرم گھونٹ لینے کے بعد [illegible] زبان کھولی۔ "[illegible] دوست!" وہ رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "سفید ہاتھی کی کھال لینے [illegible]"

یہ سنتے ہی میں تقریباً اچھل پڑا اور مجھے [illegible] کا وہ [illegible] یاد آیا [illegible]

جس نے [illegible] کے ساتھ [illegible] کیا۔

"تو تم ہی وہ شخص ہو [illegible]"

ایک گہرا سانس لے کر [illegible] آواز میں کہا۔

"وہ میں نہیں — اس کا ہرکارہ [illegible] وہ جلدی سے بولا۔ [illegible]

[illegible] مستقل [illegible]

اس کے بعد [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] جو [illegible] تمہارا [illegible] چھوڑ کر دل کی ساری بھڑاس نکالی [illegible]

بھی نکال لا۔"

"[illegible] ہاں [illegible]" ہوٹل میں موجود لوگ میرے ساتھ [illegible] رنگ [illegible] اس وقت میری [illegible]

اجرتی کو [illegible] تنہائی میں ہی سکون مل سکتا تھا۔

"رات کہاں بسر کرنی ہے؟" [illegible] جوزف نے پوچھا۔

[illegible] ہوٹل کے مالک کو [illegible] اپنی طرف بلایا [illegible] اس وقت [illegible] آیا۔

"ہم دونوں سیاح ہیں۔ [illegible] آئے ہیں [illegible]"

[illegible] آواز میں اس سے کہا۔ "اس شہر میں شب بسری کے لیے [illegible] ٹھکانا بھی [illegible]"

"[illegible] سے [illegible] جاؤ [illegible] یہاں [illegible] ایک [illegible] ہے۔ شاید کوئی [illegible] مل ہی جائے۔" یہ کہتے کہتے وہ [illegible] یاد آ گیا۔ سرائے کے برابر [illegible] رہتا ہے وہ [illegible] زخموں [illegible]

اس ہوٹل کا [illegible] ہم شام کے گہرے ہوتے ہوئے دھندلکے میں پہاڑی [illegible] اترتے گئے [illegible] روشنی کے [illegible] نظر آ رہے تھے۔

[illegible] اس وقت اسی پراسرار شخص میں الجھا ہوا تھا جو [illegible] سفید ہاتھی کی کھال کے حوالے کے ساتھ مجھ سے ملا تھا۔ [illegible] لوگ [illegible] یہ [illegible] ہم تک آ پہنچا تھا۔ [illegible] رات [illegible] جیسے [illegible] جاننا [illegible] اور [illegible] مسافر [illegible] لے جاتے ہیں اور [illegible] کا مرکز [illegible] اس نے جس انداز میں [illegible] اس سے ظاہر [illegible] ہم [illegible] کسی [illegible] کا شکار ہو سکتے ہیں [illegible] یاد [illegible] مجھے اپنی ضمانت کا خیال آیا۔ نہ جانے وہ کون لوگ تھے جن [illegible] لوگوں سے ایسی ضمانت کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ [illegible] ہم [illegible] ان لوگوں کے [illegible] اور [illegible] ضمانت [illegible] نقاب [illegible] ضرورت آ پڑی تھی جبکہ [illegible] سال [illegible] ہی [illegible] کیا [illegible] جا چکی تھی۔

اسی [illegible] ہم وادی میں جا اترے۔ جوزف [illegible] ماحول [illegible] فضا نے [illegible] دلکشی [illegible] کر دی تھی اور وہ [illegible] رہا تھا۔ [illegible] اس کا ساتھ دیتا لیکن موجودہ حالت میں [illegible] ایک ایک حرکت [illegible] گزر رہی تھی۔

وہ سرائے [illegible] کسی [illegible] کے مسافر خانے سے مشابہ [illegible] حصہ چٹانوں سے گھیر کر [illegible] بنا دیا گیا تھا [illegible] بہت [illegible]

[illegible] اور [illegible] کے آوارہ منش سیاحوں کی خاصی تعداد تھی اور انہوں نے [illegible] مچا رکھا تھا۔ ایک آدھ [illegible] شراب [illegible] جانے [illegible] مشاغل [illegible] رہے تھے۔

سرائے میں [illegible] جا رہا تھا [illegible] جب [illegible] تھا مگر مجھے زخمی دیکھ کر سرائے والا [illegible] "یہ غلط [illegible] تمہارے پیچھے پولیس کے قدم نہیں آئے ہیں؟ تم پتہ نہیں کہاں [illegible] کر کے آ رہے ہو۔ اگر تمہارے پیچھے پولیس یہاں آ پہنچی ......"

میں نے سخت لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ "ہم مجرم نہیں سیاح ہیں۔ اگر ہمارا ساتھی ایک مقامی لڑکی سے بدتمیزی نہ کرتا اور میں بیچ میں نہ پڑتا تو لڑکی کا باپ مجھے [illegible] زخمی نہ کرتا۔ یہ پولیس کا [illegible] سوال اسی وقت ختم ہو گیا تھا۔"

میری بات پر وہ متذبذب ہو گیا۔ "[illegible] اور [illegible] میری سرائے میں [illegible] اور [illegible] تم سو سکو گے۔ [illegible] کراؤ تو بہتر ہو ......"

"اس ہمدردی کا شکریہ!" میں نے [illegible] لہجے میں کہا۔ "اگر تم اسی قدر [illegible] ہو تو [illegible] کھلے آسمان کے نیچے بسر کر لوں گا۔"

وہ [illegible] مگر [illegible] بولا "میں تو [illegible] فائدے کی بات ہی کر رہا تھا [illegible]"

میں نے [illegible] کے لیے سو روپے کا نوٹ [illegible] تو وہ [illegible] اپنے [illegible] پاس [illegible] دیکھا [illegible]

"[illegible] کھانا بھی کھاؤ گے [illegible]"

"پہلے حساب کر کے [illegible] واپس [illegible]" میں نے کہا۔

"آؤ میں بستر دکھا دوں!" وہ یہ کہتا ہوا آگے بڑھا۔

میں جوزف کی طرف پلٹا تو وہ غائب تھا۔ [illegible] ادھر نظر دوڑائی تو وہ ایک [illegible] اور سفید فام [illegible] کے بستر پر بیٹھا [illegible] سگریٹ پی جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

میری نظروں کے تعاقب میں سرائے والے نے بھی اسے دیکھا [illegible] "یہاں [illegible] سگریٹوں کے [illegible]"

میں کچھ کہے بغیر اس کے ساتھ چل پڑا۔

وہ بستر کیا تھے [illegible] ایک پتلی سی دری [illegible] اور [illegible] موٹی چادر بستر کی [illegible] تھی۔ سرائے والا [illegible] کھانے کا انتظام کرنے چلا گیا اور میں جوزف کے پاس جا بیٹھا۔

مجھے دیکھتے ہی وہ [illegible] کے ساتھ چہکا [illegible]

[illegible]

[illegible] شوق پورا کر سکے!"

میں نے [illegible]

اس نے کئی سگریٹ پھونک ڈالیں مگر اسی وقت جوزف اٹھ گیا اور باہر نکل گیا۔

[illegible]

"تم کون ہو؟"

"میں ایک مفلس سیاح ہوں۔"

[illegible]

"میرے مقابلے میں جرأت اس کام کے لئے بہتر رہے گا۔" اس کی خاموشی کا فائدہ اٹھا کر میں نے ہامی بھر لی۔

"میں جا رہا ہوں لیکن تم نے کبھی بھی ہمارے سامنے یہ زبان کھولی تو وہ تمہاری زندگی کے آخری لمحات ہوں گے۔ یہ ہمیشہ یاد رکھنا۔" آغا بیگ دھمکی دے کر رخصت ہوا۔

میں اپنی سوچوں میں گم صحرا سرائے کی طرف ہو لیا۔

مجھے صحرا میں آئے چار دن ہو چکے تھے۔ زخم وغیرہ مندمل ہو چکے تھے۔ لہٰذا اب میں اگلے سفر کے لئے تیار تھا۔ میں جو تم پر ہیروں سے بیرون ملک جا چکا تھا تاکہ نجات کی کوئی صورت نکل آئے۔ میں جلد از جلد پہاڑوں کے دامن میں پھیلی ہوئی گھنا آباد وادی پہنچنا چاہتا تھا اور وہیں سے اس رشتے تک پہنچنے کی کوئی صورت نکالوں جو ہم پہاڑی ابتدا میں پوچھتے ہم پر آگاہ تھے جیسے بچے ہوں۔ ظاہر ہے کہ شمال کے خوبصورت اور دلکش علاقے میں پہاڑوں میں گم ہو جانا ہے اور جب وہ گھنی ہو جائے تو پہاڑوں سے شہر میں اتر آئے تو سارا منظر ہی سونے میں تبدیل ہو چکی ہوتی ہے۔

جھاندر پاس تک پہنچنے کے لئے مجھے جلد از جلد اس رشتی کا سراغ لگانا تھا۔ دوسری طرف مجھے برکن کیسینٹی جاشپ کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ وہ کسی بھی لمحے آدمیں آ رہی ہے فرار ہو کر میرے تعاقب میں نیپال آ سکتا تھا اور میرے لئے دشواریاں پیدا کر سکتا تھا۔

میں نے بہت راز دارانہ طریقے سے اپنی روانگی کا پروگرام تیار کیا۔ اگلے دن دوپہر کے وقت بیرگنج سے آنے والی لاری سے بہت سے مسافر وہاں اتارے تھے۔ دیکھ بیگ کے راستے کھٹمنڈو روانہ ہونے والی تھی۔

میں سامان وغیرہ لے کر ذرا دور دور ہی گھومتا رہا۔ اگر کوئی میری نگرانی کر رہا ہو تو مجھے علم ہو سکے۔ قدرے بیزار ہو کر میں قریب ہی ویران جگہ پہ کھڑا رہا۔ جنگل مقامی لوگ پہاڑی دھلانوں پر آ کر دوڑ دوڑ کر لوگوں کے ساتھ پیٹ کے لئے جمع ہوئے تھے۔

کئی میل کا چکر کاٹنے کے بعد جب مجھے پورا یقین ہو گیا کہ میری نگرانی نہیں کی جا رہی ہے تو میں تیزی کے ساتھ اڈے کی طرف ہو لیا۔ وہاں مجھ سے پہلے سات آٹھ بے چین کے ساتھ لاری کے منتظر تھے۔ میں ان سے بچ بچا کر ایک مقام سے داخل ہوا اور لاری کے بائیں جانب ہاتھ کے اشارے سے کرایہ پوچھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے تک میں پیدل گزارا رہا، پھر ڈرائیور نے ہارن بجا کر لاری کے چلنے کی اطلاع دی اور میں جلدی جلدی لاری میں جا کر بیٹھ گیا۔

لاری کے بیشتر مسافر مقامی ہی تھے جو زیادہ تر مہاجر سے سوار ہوئے تھے۔ وہاں بس میں تو سفید فام سیاح بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے ہی میں ان سیاحوں کے درمیان ہو کر جیب سے بیٹھ گیا ۔ ذرا ہی دیر کے بعد لاری اگلی سیٹ کی نشست پر آگے ہو لی اور گلی کے دونوں طرف کے بازار میں دکانوں پر نظر رکھی گئی۔

ڈرائیور وغیرہ کھانے سے فارغ ہوئے تو لاری کا انجن اسٹارٹ ہوا۔ کنڈکٹر نے بس پر نظر ڈالی اور پھر گھنٹی بجا دی۔ اس نے ڈرائیور کو اشارہ دیا اور لاری آہستہ آہستہ وہاں سے سرک گئی۔

کچھ دیر تک سڑک کے دونوں طرف اونچے نیچے مکانوں پر گھومتے ہوئے بعد لاری شہر کی حدود سے باہر نکل آئی اور سرسبز جنگلات کے درمیان ٹیڑھی میڑھی سڑک پر دوڑنے لگی۔

سڑک کے قریب دیہاتی عورتیں چرانے والی اور بھی ہیں جو بس کا شور سن کر جلدی جلدی اپنے ریوڑ سڑک سے دور ہانک رہی تھیں۔

جوں جوں لاری آگے بڑھتی جا رہی تھی جنگل گھنا ہوتا جا رہا تھا۔ پہاڑوں کے بیچ ایک کر ایک تیسری دوسری سڑک چکر کھاتی اوپر ہی اوپر اٹھتی جا رہی تھی۔ کئی جگہ تو ڈھلوانیں ایسی تھیں کہ بس کا انجن بھی تھکا محسوس ہوتا تھا۔ لیکن ڈرائیور بھی بہت مشاق تھا اور بے دھڑک سٹیئرنگ گھما گھما کر لاری کو آگے بڑھاتا رہا۔ سڑک کی ایک جانب گہری کھائیاں تھیں اور گھنے جنگل تھے کہ نیچے دیکھنے سے ڈر لگتا تھا۔ جنگل ترائی میں اور سامنے دور دور تک پہاڑوں کی چوٹیاں ایک دوسرے کے پیچھے چھپتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ دوسری جانب سنگلاخ سربلند چٹانیں تھیں جن کے جوڑوں میں ادھر ادھر پودے اگے ہوئے تھے۔ اور جہاں نیچے ٹیڑھی میڑھی دیہاتی پگڈنڈیاں بل کھاتی چلی جا رہی تھیں۔ انہیں دیکھ کر مجھے بے اختیار جھاندر پاس کا خیال آ گیا کہ پہاڑوں کی وہ جاں - وہ بھی اسی طرح سنگلاخ اور پر خطر ہو گی اور وہاں تک پہنچنے کے لئے کتنی محنت کرنی پڑے گی اور کیا ہم آگے بڑھ کر ان پہاڑوں کی ترائیوں میں جا کر وہاں تک جا پہنچیں گے۔ میں انہی خیالوں میں کھویا ہوا تھا کہ سامنے نظر آنے والی برف پوش چوٹیاں ابھر کر سامنے آ گئیں۔ کنچن جنگا، مکالو، ایورسٹ، ہمالیہ کی بلند چوٹیاں جو سال کے بارہ مہینے برف کی سفید چادر اوڑھے رہتی ہیں، نظر آنے لگیں۔ میرے سامنے ایک بہت بڑا منظر تھا کہ جیسے ان پہاڑوں کے پیچھے کوئی اور دنیا آباد ہو۔ وہ بہت بلند تھیں اور ان کی چوٹیاں بادلوں میں چھپی ہوئی تھیں۔ میرے سامنے ایک راستہ تھا کھٹمنڈو سے شمال مغرب کی طرف تبت کی سرحد تک جاتا تھا اور اس راستے پر پہاڑی سلسلے میں جھاندر پاس کے پجاری بستے تھے۔ وہاں سے مجھے اپنی منزل کا سراغ مل سکتا تھا اگر یہ راستہ کیسینٹی جاشپ کو بھی معلوم تھا۔

"میں سر جاؤں گا لیکن میری حالت بہت ابتر ہو رہی ہے۔" ایکا ایک ہی مسافر نے میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔

وہ میرے برابر والی نشست پر دو نوجوانوں کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں بے چینی اور پریشانی کا رنگ تھا۔ پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ اس نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اپنا سینہ دبایا ہوا تھا جیسے کوئی اس کا دم گھٹ رہا ہو۔

"پچھلے اسٹاپ پر تم اتر گئی تھیں تو مجھے موقع نہیں ملا اور چلتی گاڑی میں چکر آ رہے ہیں۔ باہر سے سر کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا سے کچھ سکون مل سکتا ہے۔ میں اگلے اسٹاپ تک صبر کرو۔" وہ نوجوان اس کا ہاتھ دباتے ہوئے بولا۔ "یہ اس کا ساتھی تھا جس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے بولا۔

"تم گھبراؤ نہیں لڑکی۔ مسافت بھی لمبی ہے۔" دونوں نے اس لڑکی کو تسلی دی۔ وہ بے حد نڈھال اور پریشان تھی۔ گہرے سانس لے رہی تھی جیسے اس پر کسی خوف کا دورہ پڑا ہو۔ وہ بار بار آنکھیں بند کر کے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

میری نگاہیں دور تک بکھرے ہوئے قدرت کے نظاروں پر جمی ہوئی تھیں، لیکن دل ان ہی کی طرف تھا۔ اس لڑکی کی حالت لمحہ بہ لمحہ غیر ہوتی جا رہی تھی اور وہ بے ہوش ہونے کے قریب پہنچ رہی تھی۔ ایک دو مقامی مسافروں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور منہ پھیر لیا۔

کچھ دیر بعد اس لڑکی نے کچھ کھانے کو مانگا اور اس نے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مالیے بالکل ٹھیک ہو گی جیسے سردی سے بخار چڑھ گیا ہو۔"

اس کا چہرہ ابھرتے ہی پیلی پڑ گیا اور ہونٹوں میں سسکی بھری آئی۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے اپنے منہ تک اپنا ہاتھ لایا اور اس کے ساتھیوں نے بڑھ کر اسے سنبھال لیا۔ لڑکی کا ایک ہاتھ دل پر اور دوسرا منہ پر رکھا ہوا تھا۔ انگریزی میں بولے کہ اس کے ساتھ مسافروں کو اطمینان دلانے لگا کہ بس روکو.... بس روکو۔ چڑھائیوں کی وجہ سے ایک لڑکی کی حالت بگڑ رہی ہے۔

اچانک ایک مقامی نے زور سے چلایا۔

"بس نہیں رکے گی۔" ڈرائیور چلا کر بولا۔ "یہ اس راستے کی سب سے لمبی اور اونچی چڑھائی ہے۔ یہاں بس رکی تو اپنی طاقت سے اوپر نہ جا سکے گی۔"

"ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے۔" ایک ساتھی نے بڑبڑا کر انگریزی میں کہا۔ "آپ پیچھے بیٹھے ہیں تو کچھ کر سکتے ہو۔"

چند ہی سیکنڈ بعد اس کے ہاتھ میں چمکیلے کاغذ کی ایک تھیلی اور ایک سرخ رومال تھا۔ اس نے سر پر رومال کرنے کی ضرورت بھی نہ سمجھی۔ بس تھیلی منہ سے لگا لی۔ بیچ بیچ میں شدید متلی کی اور تشنج کے عالم میں کانپتی ہوئی لڑکی کے برہنہ بازو پر کچھ گرا۔ اس لڑکی نے کراہتے کراہتے آنکھیں کھولیں اور سرخ رومال منہ سے ہٹا کر اس کی شہ رگ پر آنسو گرنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس لڑکی کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ اور وہ ساکت ہو گئی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ دو مقامی مسافر البتہ مڑ مڑ کر اس صورت حال پر سرگوشیاں کرنے لگے۔ ساتھ وہ خفا ہو کر نظروں سے ان لڑکیوں کو دیکھتے جا رہے تھے۔

چار بجے کے قریب لاری ایک چھوٹے سے گاؤں پہنچی۔ تین مسافر اترے۔ گرد سے مٹی کا مٹیالا رنگ اس کا مرجھا ہوا چہرہ جیسے کسی کا نقشہ صاف ہو کر رہ گیا ہو۔ لاری روانہ ہو گئی۔

راستے میں کئی اور پہاڑی گاؤں آئے۔ وہ اندھیرا چھانے سے قبل لاری پہاڑی وادی میں پہنچی۔ یہاں بہت سے مسافر اپنا اپنا سامان لے کر اترنے لگے۔ بس کا عملہ بھی ٹک بیٹھ کر چائے سے لطف اندوز ہونے لگا۔

میں اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ جب بس خالی ہو گئی تو لاری کا کلینر میری طرف آیا۔

"کیا آپ اسی سیٹ پر رات گزاریں گے؟"

"میں نے کھٹمنڈو کا ٹکٹ لیا ہے..... کیا یہ بس آگے نہیں جائے گی؟" میں نے پوچھا۔

"آگے بہت خطرناک راستہ ہے۔ رات میں ادھر مسافر لاریاں نہیں جاتیں۔ یہ لاری مہمان شریف کے ساتھ یہیں رات گزارتی ہے۔ تم کسی شہر میں ٹھکانا ڈھونڈ لو۔ صبح لاری یہاں سے نکلے گی۔" اس نے کہا۔

مجبوراً بس سے اتر آیا۔

اطلاع تھی کہ یہاں ایک ہوٹل ہے جس میں روشنی کا مناسب انتظام تھا۔ فضا میں سرد ہوا کے ساتھ خاموشی تھی۔ گو رات کے گھٹتے سایوں کے ساتھ ٹھنڈک بڑھتی جا رہی تھی۔ سارے بچے مسافر سرائے میں جا چکے تھے۔ سامنے ہی ایک جگہ ہوٹل تھے اور شاید یہی فیصلہ ہوا کہ پہنچ کر کمرہ کرائے پر لیا جائے۔ میں بھی ان میں شامل ہو گیا۔

"تم مقامی ہو؟" ایک نے مجھ سے انگریزی میں پوچھا۔

"کہہ سکتے ہو۔" میں نے کہا۔

"یہاں کی دیہاتی مہمان نوازی کی بابت سنا ہے۔" ایک لڑکی کہنے لگی۔ "ہم شب بسری کے لئے اس اسٹاپ کے قریب ہی تم کسی بنگلے یا ایک نکڑ پر جلدی سے ٹھہرنے کا ٹھکانا تو بتا سکتے ہو۔"

"سرائے میں کیوں نہیں چلے جاتے۔ چند گھنٹوں ہی میں جا کر پانی مل جائے گا۔"

"ہم بستر کے بغیر گزارہ کر سکتے ہیں، ہمیں سہولت کی ضرورت نہیں۔" وہ بولی۔ "اگر ہم سارا پیسہ اس خرافات پر ضائع کر دیں تو ذرا ہی دیر بعد ہماری بری حالت کو پہنچ جائیں گے۔" یہ کہتے ہوئے وہ اس لڑکی کی طرف دیکھ کر مسکرائی جو بس میں ایک مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ "یہ پھر یہاں کسی کھلی جگہ کو اچھا نہیں سمجھتے۔ سرائے کے مقابلے میں کسی کھلی جگہ ہم خود کو زیادہ آزاد محسوس کریں گے۔"

"ٹھیرو۔ میں کسی جگہ سے اپنے لئے تم کا بندوبست کر لوں پھر کہیں چلتے ہیں۔" میں یہ کہہ کر دکانوں کی طرف بڑھا، تو کہیں کہیں ایک ٹیکسی میرے ساتھ ہو لیا۔

میں نے ایک دکان سے دیسی شراب کی بوتل خریدی۔ جو حالات کو نیا سمت دے رہی تھی۔ میرا اگر نے کہے لئے میں نے ناملوم حسن کی ادوی ہوئی قیمت نکالی اور نکالا تو مجھے اچھی ملی۔ میں اس وقت بالکل قلاش ہوں اگر تم مجھے کچھ روپے کی چیزیں خرید دو تو بڑا احسان ہو گا۔ وہاں نے خوشامدانہ لہجے میں التجا کی۔

شراب اور چرس خریدنے کے بعد میں نے اسی دکاندار سے ایک بڑا سا چیتل کا پیالہ بھی خرید لیا۔

وہ پیک کیا اس ایک بڑا سا میدان تھا جس میں گھاس کے درمیان بڑے بڑے قطعات تھے۔ وہ چار چھ جھونپڑیوں کی آبادیاں تھیں۔ بال اونچے درخت جڑے جڑے چلے ہوئے تھے۔ کچھ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ٹہلتا ہوا ایک طرف نکل گیا۔ وہ باقی لوگ گھاس پر بیٹھ گئے۔ میں نے شراب کی بوتل کھولی اور شغل شروع کر دیا۔

لڑکیاں اونچی آواز میں گانے لگیں۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اپنے ساتھیوں سمیت لوٹ آیا۔ اس نے ایک سگریٹ سے تمباکو نکال کر ہاتھ پر چرس ملائی اور چرس کی گولی جس کو ملنے کے بعد سگریٹ میں ڈال کر دوسری سگریٹ تیار کرنے لگا۔ سلگا جانے کے بعد اس نے ترمیم کر کے تمباکو میں ملا کر سگریٹ سے سلگی شروع کی اور تمباکو دوبارہ سگریٹ میں بھر لیا۔ سلگا کش لیتے وقت اس کے چہرے پر ایسا اطمینان اور سکون جھلک رہا تھا جیسے اس نے ان لمحوں میں اپنی زندگی کی سہولت پالی ہو۔

ان میں دو لڑکیاں اور نیپالی عادی تھیں۔ جو لی بڑا راستہ کیا بس میں تھیں لیکن بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بھی تک سب ہوش اپنا اپنا اٹھا کر بیٹھ گئے تھے۔ میں نے آخری گھونٹ لے کر خالی بوتل زمین پر رکھ دی اور وہ سب بوجھل انداز میں ہنس پڑے۔ جیسے ہنسنا ان کے اعصاب پر گراں گزرا ہو۔

جب سب دہی دراز ہو گئے، میرے قریب ہی ایک لڑکی چت لیٹی ہوئی تھی، چند لمحوں بعد اس نے میری طرف کروٹ لی۔ میں اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرا دیا۔

نہ جانے کس وقت میری آنکھ لگ گئی۔ بیدار ہوا تو سورج سر پر چمک رہا تھا۔ ادھر ادھر نظریں دوڑائیں، وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ کچھ دور ایک آوارہ کتا البتہ قریب

کی ٹرانی ہوئی اور ان کو بھیجیوں کی پوری قوت سے سونگھ رہا تھا۔ میں نے ڈر کر اشارہ دیکھا بازو میں کیسی سی تھی۔

آنکھیں اٹھی تو ایک ننھا سا سرخ دھبہ بازو پر نمایاں تھا۔ میں نے جلدی جلدی اپنی جیبیں ٹٹولیں اور دل دھک سے رہ گیا۔ خبیث بھیجیوں کی وہ جماعت میری ساری رقم لے اڑی تھی، جو کم و بیش دو سو روپے تھے۔

میں سر پکڑ کر رہ گیا۔ دشمنوں نے موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ شراب کے سرور میں میری آنکھ لگی تو انہوں نے میرے بازو میں مارفیا یا چرس کی خاص مقدار داخل کی اور ساری رقم لے اڑے۔ یہ اسی انجکشن کا اثر تھا کہ میں اتنا دن چڑھے تک بے خبر سوتا رہا۔

چونکہ مزید قیام فضول ہو چکا تھا۔ وہ تو یہی ہوا کہ ٹکٹ میری جیب میں پہلے رکھا تھا لیکن اب وہ بیکار تھا۔ میں کچھ دیر تک ریلوے اسٹیشن پر ناز کر تا رہا۔ نئی جگہوں کے باشندے ہمیشہ سے اجنبی حضرات میں افسانہ بنا رہا تھا۔ لڑکیاں شرم و حیا اور آرٹ کے تقاضے سے عاری، مرد نشے میں دھت، منشیات، جوئے اور رنگینی کے عادی۔ مختصر الفاظ میں وہ مادر پدر آزاد معاشرے کی تمام اقدار سے باغی تھے۔

لیکن وقت میرے لئے ہپی ازم کے فلسفے پر غور کرنے کا نہیں تھا۔ میں ٹرک کے اڈے اور ساتھ چلنے کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچا تو لوگ ایک پہاڑی ملا۔ وہ کسی حادثے کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ میں اس گفتگو میں دلچسپی لئے بغیر ڈرائیور کے کیبن کے پاس پہنچا جو ایک بوسیدہ سی ٹرک کے قافلے ڈرائیوروں کی آمد و روانگی کے اوقات نوٹ کر رہا تھا۔ کھڑا اس وقت وہ کچھ لڑکوں میں گھرا ہوا تھا۔

یہ گفتگو ختم ہونے کے انتظار میں اس کے قریب جا کھڑا ہوا اور اسی وقت مجھے پتہ چلا کہ کابل سے روانہ ہونے والی بس راستے میں حادثے کا شکار ہو گئی ہے۔ وہ سن کر میرے کان کھڑے ہوئے۔ شاید میرے ساتھ ہی بچے تھے۔ جو بس یہاں سے چلی تھی وہ ہی خوفناک راستوں پر کسی حادثے کا مطلب صرف ہلاکت ہی ہو سکتا ہے۔

ان لوگوں کی گفتگو سے پتہ چلا کہ بس روانہ ہونے والی بس کو حادثہ پیش آیا تھا کہ پہاڑی سلسلوں کی چند ٹولیاں آئی تھیں۔ جب سے یہ خبر لاری والوں تک پہنچی ہے تو ایک ٹرک جیپ امداد کے لئے روانہ ہوئی۔ ابھی تک کہیں کوئی امداد نہیں ملا۔ وہ جب یہاں آ پہنچیں گی تب مطلب صاف ہو جائے گا کہ حادثہ کہاں پیش آیا ہے۔ مسافروں کی تعداد کتنی تھی۔ زخمیوں کی حالت کیا ہے اور جاں بحق ہو جانے کی اطلاع نہیں ملی۔ میں یہ خبر پا کر بہت پریشان ہو گیا تھا کیونکہ ... میری پوری رقم جا چکی تھی۔

اس اطلاع کے بعد میری ذہنی کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔ لاریوں کے اڈے سے اسی وقت بعض لوگوں کی ٹولیاں جا رہی تھیں۔ میں بھی ان کے پیچھے ہو لیا۔

ٹرک کے بجائے پہاڑی پگڈنڈیوں کو عبور کرتے ہوئے وہ لوگ تیزی سے راستہ طے کر رہے تھے کہ چند میل کی مسافت کے بعد سامنے سے چند آدمی دوڑتے نظر آئے۔ انہوں نے ہانپتے ہوئے اطلاع دی کہ حادثہ کی جگہ ایک ویران گاؤں کے قریب وادی کی گہرائی میں پڑی ہوئی ہے۔ وہاں تک مسافروں کی مسخ شدہ لاشیں اور مال و اسباب بکھرا ہوا ہے۔ کچھ لوگ زخمیوں کی تلاش میں ہیں۔ اور انہیں شہر سے مدد لانے کے لئے روانہ کیا گیا ہے۔

یہ خبر سنتے ہی جانے والے قافلے کی رفتار تیز ہو گئی۔ پہاڑی راستوں پر دوڑتے ہوئے میں بھی ...

بے ترتیب پڑے ہوئے تھے۔ زخمیوں اور جاں بحق ہونے والوں کی چیخ و پکار سے ماحول سوگوار تھا۔ پہلے اس دردناک منظر کو دیکھ کر میں بھی سکتے میں آ گیا۔ لاریوں کا کیا ہوا اسراف جانے کہاں گیا تھا۔ ٹوٹی ہوئی گاڑی کے ملبے کے سبب آس پاس کے درختوں پر بھی خون کے چھینٹے تھے۔ دور شاخوں پر اور زمین پر دور دور تک انسانی اعضاء بکھرے ہوئے تھے۔ اُس وادی سے ذرا آگے درّہ خیبر کی چٹانیں کسی بلندی پر ایک دیوار کی طرح کھڑی نظر آتی ہیں۔ میں ارد گرد دیکھنے لگا۔ جس بلندی سے لاری گری تھی وہ کم از کم تین سو فٹ تو ضرور ہو گی۔ زندہ بچ جانا یقیناً معجزہ ہی قرار پاتا۔

زخمیوں کی تلاش میں لوگ چاروں طرف پھیلنے لگے۔ پہلے سے موجود لوگ ڈھانچے الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے کہ کوئی بچنے والا کراہ تو نہیں رہا۔ میں بھی جنگل میں ادھر ادھر بھٹکنے لگا۔ اچانک میری نظر ایک درخت کی جھولتی ہوئی شاخ پر پڑی۔ ایک انسانی جسم پڑا تھا۔ جو تحریر بجھ کر بیٹھنے والا تھا۔ وہ کسی جھاڑی کے ساتھ درخت پر پڑا ہوا تھا۔ اس کی جیب میں ٹوٹی ہوئی پلیٹیں اور وہ اس کا مرغوب تمغہ تھا۔ اس کا بدن ابھی تک گرم تھا۔ گویا جیسے وہ خود میں نہایا ہوا تھا۔

میں نے جلدی جلدی کراہ کر جو دم نکلنے والا ہی تھا کہ اچانک مجھے یاد آیا کہ میں نے اس کی جیب میں ٹوٹی پلیٹیں اور تمغہ دیکھا تھا۔ میں نے اسے پکڑا۔ جیب میں ایک پرس نکالا۔ کچھ رقم جو میری خوشی کی انتہا نہ رہی اور چند تصویروں کے ساتھ دو تین کاغذات اس جیب میں موجود تھیں۔ یہ میرے لئے اس خوفناک حادثے کی یادگار بن کر آ گئی۔

میں نے وہ پرس اپنی جیب میں ڈال لیا اور مدد کے لئے چیخنے لگا۔ لوگ دوڑ کر آئے اور لوگوں نے احتیاط سے اسے درخت سے اتار کر زمین پر لٹا دیا۔ تب قریب جا کر اسے غور سے دیکھا۔ وہ بھی بے ہوش ہو چکا تھا۔ اس کی حالت کچھ ایسی نظر نہیں آتی تھی اور شاید ضروری تھا لیکن کوئی سواری نہ تھی۔ زخمیوں کو شہر تک پہنچانے کے لئے سواری کے ذریعے شہر لے جانا ممکن تھا۔ لے جانے کے واحد راستے پر پہنچا تو منظر بڑا ہی خوفناک تھا۔ لوگوں نے زخمیوں کو اٹھا کر چٹانوں کی ساخت اور مسافروں کے بکھرے ہوئے بستروں کی جگہ سے جنگل کی طرف اسٹریچر تیار کر لیے اور زخمیوں کو اس پر ڈال کر شہر روانہ کیا۔ ان زخمیوں کے روانہ ہونے کے کچھ دیر بعد ہی فضا میں ایک دھماکے کا شور سنائی دیا۔ وہ لوگ زخمیوں کو چھوڑ کر اپنی طرف متوجہ کرنے لگے۔ جلتی وادی کا ایک چکر آ گیا۔ پھر تیزی سے نیچے اتر کر درختوں سے دس پندرہ فٹ کی بلندی پر فضا میں معلق ہو گئی۔ شاید اس کے پائلٹ کو وادی میں پھیلے ہوئے جنگل میں لینڈ کرنے کے لئے کوئی مناسب جگہ نظر نہیں آ رہی تھی۔

وادی پر چکر لگاتا ہیلی کاپٹر کا شور کانوں کے پردے پھاڑے دے رہا تھا۔ ڈھلانوں سے اوپر سڑک کے کنارے کئی گاڑیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ ساتھ ہی ساتھ ہیلی کاپٹر سے سامان اور ادویات کا ایک جھولا نیچے اتارا جا رہا تھا۔ وہاں نصب ایک جگہ سے ہی نکلا تھا اور ہیلی کاپٹر سے نیچے اترنے والا شخص کنارے کے قریب کھڑا تھا۔

ہیلی کاپٹر سے نازل ہونے والی شخصیت کا چہرہ لٹکا ہوا تھا جس سے ان کا ایک پیمانہ جو لپٹا ہوا تھا۔ اس نے زمین پر کرتے ہی زخمیوں کی حالت دیکھی اور ...

وہ بیلا دیس کی ہیئت میں پڑی سڑک پر گھسیٹ کر مختلف اقسام کی ڈاکٹروں کی ٹیم نے چند لمحے تک چیک کیا۔ زخمیوں کو ہیلی کاپٹر میں سوار کرایا۔ وہ ہیلی کاپٹر جس سے وہ آئے تھے اس کا پائلٹ بھی بتا رہا تھا۔ وہ آہستگی اور تیزی کے سبب چند لمحے بعد ہی واپس چلا گیا۔ مجھے جو خیال ہوا، وہ یہ تھا کہ شاید یہ جانے والے زخمی ہی زیادہ اہم تھے۔ میں نے ان کے جانے کے بعد ڈرائیور کی مدد سے اس کی رقم سے ایک زخمی شخص کو لیا۔ یہ سب کچھ جانے پہچانے انداز میں ہو رہا تھا۔

اس طرف بڑھ گیا جہاں سڑک پر اب لوگ جمع ہو رہے تھے۔ بس کے تیس مسافروں اور عملے کے تین افراد میں سے صرف سات افراد زندہ بچے۔ جلنے والی بیس بچیس لاشیں اور ان کے سامان کے بعد جب یہ تفتیش ہو گیا کہ بس کی حالت کیا تھی، وہاں کھڑے ہوئے پولیس افسر سامان کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے اکٹھا کرنے لگے۔ لاری کا یہ حادثہ واقعی بہت ہی بھیانک تھا۔ اطلاع ملتے ہی تمام تماشائی اسی حادثے کی طرف چلے جا رہے تھے۔ حادثے کے بعد شہر جانے والا ہر شخص سوگ میں تھا کہ نہ جانے کس کا کون سا رشتہ دار تھا۔

مجھے اس بھیانک حادثے کا افسوس ضرور تھا مگر اپنی رقم دستیاب ہونے کی خوشی اس افسوس پر حاوی تھی۔ رقم مل جانے کے بعد میں جلد از جلد اس شہر کو خیرباد کہہ کر جنگل جانا چاہتا تھا۔

اس دوران میرے ذہن میں ایک نئے خیال نے جنم لیا۔ میری اپنی قسمت میں عجب طریقے سے لکھا تھا کہ منشیات کی اسمگلنگ کا کام کرنے والے وسیع زندگی کے مالک معلوم ہوتے تھے۔ اس کے لئے میرا ارادہ پالینا مشکل نہیں تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ وہ رقم میرے کام آ سکتی ہے۔ اس گروہ کے ہاتھوں میں مجھے اسی صورت میں پناہ مل سکتی تھی۔ جب ان لوگوں کے حادثے کی خبر ملتی اور مجھے معلوم ہوتا کہ میں کس بس سے جا رہا ہوں تو وہ فرض کر لیتے کہ میں بھی مرنے والوں میں شامل ہو چکا ہوں۔ ان کے ذہن سے غائب ہو جانے کے بعد ہی کچھ عرصہ تک چھپے رہنے کا موقع تھا۔ میں ان سے بچ کر اپنی وضع قطع بدل لیتا تو میں کسی خطرے کے بغیر وہاں قدم رکھ سکتا تھا۔

خاصی سوچ بچار کے بعد مجھے یہ صورت قابل عمل نظر آئی اور میں نے فیصلہ کیا کہ میں روپوش ہو جانے کا فیصلہ کر لیا۔

اس کے بعد میں نے اپنا حلیہ آوارہ گردوں جیسا بنا لیا تاکہ مجھے کسی طرح دیکھ کر ان شبہات کا شکار نہ ہو جائے۔ سڑک کا یہ حصہ دشوار گزار راستوں اور گلیوں میں جنگل تھا اور رات کی دلچسپی شروع ہوتے ہی کہیں جا چھپا۔ جہاں چھپ کر میں نے اپنے آپ کو بے ہوشی کے عالم سے نکالا۔

جب میں بار بار اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر رہا تھا تو پولیس افسر کے سامنے پہنچا۔ وہ پولیس کا سپاہی تھا اور میں نے ایک مجبور ہو کر اپنی روتی بسورتی حالت میں بتایا۔ معلوم ہوا کہ دوسرا مشکوک جانے والا بس دوسرے شہر سے گزرے گی۔

احتیاطاً میں نے شہر کا راستہ لیا اور آرام سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ گاڑی کا ہمیں سستے مسافروں کے ساتھ بس کا ٹکٹ بھی مل گیا۔ حادثے کی وجہ سے لاری میں زیادہ ہجوم تھا۔ مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ سامان اٹھائے حجرے کے دروازے کے قریب کھڑا ہو گیا۔

اس دن کی بس اور تیز ہو گئی۔ میں دل ہی دل میں مسرور تھا کہ منزل پر پہنچتے ہی نئی زندگی کی شروعات کروں گا۔ سڑک اب بھی ویرانی اور خاموشی سے بھری تھی اور ہر طرف بکھرا ہوا تھا اور بے ترتیبی سے پھیلا ہوا تھا۔

اس کے آخری اسٹاپ پر پہنچ کر میں نے گاڑی سے سامان اٹھایا۔ میری توقعات سے کہیں زیادہ یہاں بھیڑ تھی۔ غرض یہ تھا کہ یہ ایک پہاڑی علاقہ تھا جہاں مرد اور عورتیں کے ساتھ ...

ہپی نوجوانوں کے غول کے غول نظر آ رہے تھے۔ دوسری طرف روایات اور ثقافت کے رنگوں کے بھی نمونے موجود تھے۔ بازاروں میں ہر قسم کی مقامی اور غیر ملکی اشیاء، ہر طرف بکھری پڑی تھیں۔ ریستوران، کپڑے، زیورات، غیر ملکی خوشبویات، سرخ سگریٹیں، لکڑی کے نوادرات، سب کچھ تھا۔

میں گھومتے گھومتے ایک طرف چلا گیا۔ بازار کی رونق آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ پھر میں بازار سے نکل کر ایک جگہ آ پہنچا۔ سنگِ مرمر کے ستونوں میں دور دور تک اونچے مکانات اور روشنی کی چمک تھی۔ وہاں کے بڑے اسٹوروں کے سامان بڑے حسین تھے۔

اچانک میری نظر ایک پوسٹر پر پڑی جو ایک سینما ہال کی دیوار پر لگا تھا۔ یہ گمشدہ افراد کے لئے ایک اشتہار تھا۔ اشتہار کے مطابق یہ سلسلہ پانچ دن سے جاری تھا اور آئندہ تک جاری رہے گا۔ یہ اطلاع میرے لئے اچانک خوش خبری ثابت ہوئی۔ میں نے اشتہار پڑھ کر واپس بازار کی طرف رخ کیا۔

راستے میں ٹیکسی ڈرائیوروں سے پوچھ کر میں ایک بس کی جگہ جا پہنچا۔ روشنیوں سے وہاں کی فضا بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔ دور سے آواز میں ہندوستانی گانوں اور مغربی موسیقی کے لئے ریکارڈ کے ٹیپ بج رہے تھے۔ کانوں پر پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ سجے ہوئے ٹینٹ سے بے شمار مقامی اور غیر ملکی سیاح آ جا رہے تھے۔

اندر عجیب سماں تھا۔ خورد و نوش، کھیل کود اور خرید و فروخت کے اسٹال ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔ جہاں مشرقی روایات اور مغربی تہذیب کا سنگم موجود تھا۔ ایک طرف ... 15 ... رقیب ... وہاں ہر طرح کا ہجوم تھا اور ان کے گرد تماشائیوں کا ہجوم لگا تھا۔

ذرا آگے بڑھا تو ایک طرف ڈانس کے شو پر جاری آواز میں گانا سنائی دے رہا تھا۔ مجھے وہاں کھڑے ہو گئے۔

دس منٹ بعد کا انتظار کرنے کے بعد اسٹیج کے قریب جا پہنچا۔ روشنیوں کے ہجوم میں وہ ایک بڑا سا شو تھا۔ ہیلی کا ملا جلا شور جہاں کی فضا میں شدت سے گونج رہا تھا۔ وہاں ایک سحر انگیز شخصیت موجود تھی۔ ڈرم کی دھن پر جھوم رہی تھی۔ ایک بہت خوبصورت شخص اپنی دھن کے ساتھ گیت گا رہا تھا۔ اس کے گرد بے شمار لوگ عقیدت کے انداز میں بیٹھے ہوئے تھے۔

فضا سے پھیلنے والے نغموں کے انداز سے ان کی روح کی گہرائیوں میں متعدد گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ ہاتھ سے تالیاں بجانے کی ایک شدید کیفیت لوگوں کی صفوں میں تھی۔ جو آگے کے سروں میں لہراتی تھیں۔ اس کی زبانی ہر کوئی عجیب طرح گنگنا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ناچتے ناچتے ایک کونے میں چلا گیا۔ کبھی دستِ دعا اٹھا کر گردن پر ملائم پیار کرتا اور کبھی جھوم جھوم کر اپنے آپ کو لہراتا ہوا زنجیروں سے زخم لگاتا۔ وہ گھڑی لمحہ رقص کر رہا تھا۔ اس کے پرستار ساتھ میں زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ شاید یہ کسی مذہب سے منسلک ہو رہی تھیں۔ لیکن مجھے یہ اعتراف ہے کہ یہ ماحول سفید فاموں کی نذر میں جسم کا ساتھ چھوڑ کر روح کی کیفیت کی صورت میں تحلیل ہو رہی تھی۔

لوگ اس کے گرد رنگ برنگے ملبوسات میں بیٹھے تھے۔ زنجیروں کو ہلا رہے تھے۔ وہ ان کی رقص کی حالت میں کیفیت سے وجد کے عالم میں ہوتی تھی۔ اس کے بدن پر جھولتی ہوئی آواز کے ساتھ ان کی روح میں جذب ہو رہا تھا۔

وہ سب بھی جیت کا جشن منا کر جنگ کے بعد جشن کے ساتھ بہت زیادہ گرفتار تھا اور تو جنگ جو اور خشیش کے مارے سب ناسوں کی گردش ہو کر وہ ان کی آوازوں میں بہت آزاد اور وہ ہم آہنگ ہو کر اس پر اسرار خوشی کا ساتھ دینے لگے۔

یہ تماشا اتنا عجیب اور اتنا اثر انگیز تھا کہ میں دم بخود رہ گیا۔ کافی دیر یوں ہی گزر گئی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں اس عالم میں صدیاں بیت گئی ہوں۔ اچانک رقص کا آہنی جو تار جو تھا ایک ساتھ خاموش ہو گیا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے ان سب کو اٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر ان کا آہنگ ہر تالیوں سے ابھرنے لگا۔

اب وہ سب آگے آتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ اس کے عقب میں سارے سوچتی حقیقت سے دور تھا کہ جیسے بیراہ و بانسری چل رہے تھے۔ بندھی ہو جانے کے باوجود سب لڑکوں اور لڑکیوں کے چہروں پر رقت کے زلزلے سے لرزاں تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے دنیا کی خود ساختہ سرمستی اور الہامی کیفیت سے ان سب کو اپنی ذات اور کائنات کا عرفان حاصل ہو رہا ہو۔

حسین و جمیل دیے پر وار مختصر لباس لڑکیوں اور لڑکوں کا یہ جلوس بڑا جلوس گنجان گلی کی سڑکوں سے گزرتا ہوا رات ہو جانے کے باوجود دلدادہ لوگوں میں تشنگی کے کٹ کٹ جمع ہو گئے تھے۔ روشنی جلوس کی رہبری کے ساتھ ساتھ ہاتھ لہرا لہرا کر تماشا اپنا کو آخیر باور دیتا جا رہا تھا۔

پھر رات کے اندھیرے میں وہ جلوس آبادی سے نکل کر دریائی ڈھلانوں پر آ پہنچا۔ وہ رقص تاریکی کے باوجود اپنے احتمامات ان لڑکوں کو سمات تھے پہلے جیسا جلتا رہا۔ بہت کچھ کر رہا دل کو یاد آتا کہ یہ روشنی سے جسم کی لوجے تلاش ہے۔

اس عجیب و غریب سفر کا اختتام آبادی سے کافی دور پہاڑوں سے گھری ایک وادی میں ہوا جہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چند چھوٹے کی لیمپ جل رہے تھے۔ رقص نے رک کر اپنے مقتدیوں کو دیکھا پھر وہ کسی چند گز کی تیزی کے ساتھ فضا میں اس کو اور پھر نیچے لہر سے اور اٹھ کر آیا۔ وحشیانہ جنگ کا ابھری اور رقص کی آواز کے ساتھ تو قم قم قم سازوں کی آواز کا طلسم ایک ہیک بکھر چکا تھا۔

سامنے ہی سب کے ان اونچے بستیاں یعنی پہاڑیوں سے گھری اس وادی میں پہنچے تھے وہ روشن خانقاہ تما پہاڑی غاروں میں داخل ہو گیا میں کچھ دیر تک ادھر ادھر شلتا رہا۔ پھر ایک لڑکی کے پاس جا پہنچا جو چہل پر تنہا بیٹھی سگریٹ پی رہی تھی۔

"یہ عجیب جشن جو منایا گیا ہے؟" میں نے براہ راست بات شروع کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"واٹ؟ یہ ذرا مصیبتی آوازوں میں کچھ کی بولی۔ یہ سنتیں کا نجات دہندہ ہے اس کا آخری جشن ہے اور یہاں تمہاری لیو ٹیاں بھی دکھائی گئی؟"

"معاف کرنا۔ میں یہاں اجنبی سیاح ہوں۔" میں نے معذرت آمیز لہجے میں بولا "تم لوگوں کے اس نجات دہندہ کا نام کیا ہے؟"

"اندرام۔ بھاڑ تی اندرام۔ یہ ہمارا ہیو ہے۔ ہمارے دل اس کی تعلیمات سے منور ہیں۔ یہ ہمیں سکون اور راحت کی نوید دیتا ہے۔ یہ مرد آزادی ہمیں جینے کا ذریعہ دینا ہے۔ ہم سب کا نشہ فروغ کرتا ہے۔ آگر اس شہر میں ہے اور پتہ نہ ہو تو ریاں کے بیچ تم ہو جائیں گے تم بھی سیاح ہو۔" وہ ایک ہی سانس میں وہ جذباتی لہجے

"تم پچھلے ہی ہو۔ میں خود بھی اس کے علقہ ارادت میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ جاؤ۔ وہ وہیں اس ساحل پر پانی ہے، وہ کسی کو اپنی جگہ ملتا نہیں۔"

میں نے بھی چپ سے تیسیوں کے درمیان ہے گزرتا اندرام کی خانقاہ کی طرف ہو لیا۔ وادی اس وقت ایک عجیب منظر پیش کر رہی تھی۔ جگہ جگہ الاؤ روشن تھے اور نشیبوں کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا جو نیلی روشنی کے ہلکوں سے جگمگا رہا تھا۔

خانقاہ کے دروازے پر کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ میں بھی سیدھا اندر داخل ہو گیا۔ پیٹر ڈکس کا روشنی میں اندرام آلتی پالتی مارے زمین پر بیٹھا تھا۔ سرخ آنکھیں اور ڈاڑھی کا سا بکھرا نگاہیں سامنے کھڑی ہوئی ایک لڑکی کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ لڑکی کا چہرہ دھواں دھواں تھا۔ آنکھوں میں نیند کا بوجھل پن نمودار تھا، اور چہرہ جیسے پتھر بنا ہوا تھا۔

"تو سوچ رہی ہے۔ تو سوچ رہی ہے!" اندرام گمبیر آواز میں اس لڑکی سے کہہ رہا تھا۔

"میں سوچ رہی ہوں۔" اس کی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی سنائی دی۔

"تو میرے جیلوں میں شامل نہیں ہو سکتی۔ کوئی سوچنے والا میرا چیلا نہیں بن سکتا۔ جس روز تیرا ذہن سوچنے کا عادی نہیں ہوا اس دن یہاں آنا۔ اندرام کی پرشانی اور اس کے ..... کہ مجھے اور میری تعلیمات کو بھول جائے گی۔ تیرا گھر تیرے ماں باپ تیرے منتظر ہیں۔ جا ابھی اسی وقت یہاں سے لوٹ جا۔" اندرام کی آواز کرخت اور تحکمانہ تھی۔ وہ اس لڑکی سے کہہ رہا تھا لیکن حکم کا احساس مجھے ہو رہا تھا۔ اس کا ایک ایک لفظ فولاد سخت آہنی سلاخوں کی طرح میرے ذہن میں پیوست ہو رہا تھا۔

وہ لڑکی خواب ناک انداز میں چلتی ہوئی اس غار سے باہر نکل گئی۔

"تو کون ہے؟" جب اندرام کی شعلہ اگلتی ہوئی آنکھیں مجھ پر مرکوز ہو گئیں۔ میں سمجھ چکا تھا کہ وہ مسمریزم کا زبردست عامل ہے اس لئے نظریں جھکائے بغیر مسکرا کے بولا "تمہارا ایک خادم بچہ!"

"نہیں تم بھی۔ وہ دور سے چلائے اس کے اس روز میں نے بھید جان لیا تم اس کی خبر کو لگ کر جواب تم بن جاؤ گے تھا میں ابھی ایک ہی لاما چاہتا ہوں اور وہ بھی اس سب کی خبر ہے۔ کھانا پینا تک ہے گا ہے اس سیدھے آدمی ہو کر پہلے سے ہی لیا کا ہے کیا وہ قبول کرتا ہے؟"

"اندرام جی۔ مجھے یہ حکم کر راہ میں گر گیا۔"

اندرام نے فضا میں سکا لہرایا۔ آہنی کڑے سے ایسی بات کرتے اور وہ بولا "اس منسار میں کوئی بھی ہم دل نہیں ہے ہم سب بھٹکے ہوئے ہیں اول بھٹکے ہیں تو دنیا کو وہم دل کہتے ہیں۔ تو خود بھٹکے ہے بیچارہ کہلاتا ہے یہ چلا جا آج ہی یہاں سے ورنہ میرے چیلے تجھے اٹھا کر باہر پھینک دیں گے۔" اندرام کے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہی وہاں کا ایک کونے میں بیٹھا ہوا شخص میری طرف بڑھا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

ابھی تک وہ میری طرف پیٹھ کئے بیٹھا تھا اس لئے میں اسے نہیں پہچان سکا تھا مگر اب وہ میرے مقابل کھڑا خشمگیں انداز میں مجھے گھور رہا تھا۔

یہ شخص میرے وطن کا ایک ہی دشمن تھا انٹیلی جنس کا کیپٹن بھابھا جس سے اس قصے کا آغاز بغداد میں ہو چکا تھا مگر اب وہ ہیرکہاں سے نکل آیا تھا۔ اندرام خاموش تھا اور بھابھا میری طرف آ رہا تھا۔

کی بیٹر زندگی میں بھابھی اندرام کی آنکھیں خون کا کٹورا کی طرح سرخ ہو رہی تھیں اور وہ پلکیں جھپکائے بغیر مجھے گھورے جا رہا تھا میں نے پل بھر کے لئے اس کی طرف دیکھا اور پھر کیپٹن بھابھا کی طرف متوجہ ہو گیا۔ انڈین آرمی کا وہ تندخو اور بد مزاج افسر اس وقت رنگ برنگے کپڑوں میں ملبوس تھا۔ اس کی بے رحم آنکھوں میں نشے کے سرخ سرخ ڈورے تیر رہے تھے اور وہ خطرناک تھے مگر یہ دیکھ کر مجھے بہت زیادہ سکون حاصل ہوا کہ اس کی نگاہوں میں میرے لئے شناسائی نہ تھی! داڑھی اور مونچھیں اس انداز میں میرے خدوخال کا جزو بن چکی تھیں کہ بھابھا مجھے نہ پہچان سکا تھا۔

پیٹر ڈکس

"باہر نکل جا ____ دور ہو جا یہاں سے!" اچانک بھابھا نے ہاتھ اٹھا کر غرایا۔ "ہمارے بھی کسی معافی کو اپنا چیلا نہیں بناتے۔ جب وہ ان کے چیلوں کے غول میں کوئی اجنبی چہرہ نظر آئے تو ان سے ملنے والے عقیدت اور احترام کو بھول کر اس خانقاہ پر آ پہنچے گا!"

"ہم..... مگر تیری جیسی گندگی تو کالی بھی ہے!" میں نے کوشش کر کے بڑی بھول آواز میں اپنی زبان کھولی اور بھابھا ایک دم بپھر گیا۔ وہ دونوں مٹھیاں بھینچتا میری طرف لپکا مگر اندرام نے سرد اور تحکمانہ آواز میں اسے روک دیا "یہ سچ کہتا ہے بھابھا.... سچ یہ بدکن دنیا داروں کی خاصیت ہوتی ہے اور ہم دنیا کو تج کر اپنے نفس کو مارنے کے لئے پہاڑوں اور جنگلوں کی خاک چھانتے ہیں۔ سچ کا برا ماننا ہمارا کام نہیں ہے۔ اب وہ بھی ڈرتے ہیں۔ میں بات بھی اپنا چیلا بنا لوں! تجھے یہاں سے نکال دوں!"

اندرام کی بات سن کر بھابھا کا سارا غصہ کافور ہو گیا اور وہ پریشان سا نظر آنے لگا۔ "روشنی جی کا علم سر آنکھوں پر.... تو یہ بھی تمہارا چیلا ہو جائے گا؟"

اندرام نے اچانک پوری قوت سے اپنا آہنی چمٹا بجایا اور میں چونک کر اچھل پڑا کیونکہ اس وقت میں اپنے اصل حریف بھابھا کی طرف متوجہ تھا۔ "تو کون ہے؟" اندرام مجھ سے پوچھ رہا تھا۔

"میرا کوئی وارث اور ٹھکانہ نہیں روشنی جی!" میں اس سے نظریں ملائے بغیر گڑگڑایا۔ "دنیا نے مجھے اتنے دکھ دیئے ہیں کہ اب باقی عمر یہاں سے جڑ کر دوں..... مگر روشنی جی چاہتا ہوں!" "کہاں سے آیا ہے؟"

"میرا ماضی بڑا دردناک ہے روشنی جی!" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا "میں سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں اپنا ماضی بھول کر نئی زندگی شروع کرنے کی نیت سے تمہارے پاس آیا ہوں!"

"بھلا!" اندرام نے ایک طویل ہنکارا بھرا "تو بہت سادہ دل اور لگتا ہے یا دل دیکھ کا سکا مگر جو لوگ سنسار کو تیاگ کر یہی آتا

کی شانتی کے لئے ویرانوں میں آ پہنچتے ہوں کوئی مکاری بھلا ان کا کیا بگاڑ سکتی ہے؟" میرا دل تیزی سے دھڑک اٹھا اور میں بولا "شانتی ہی مجھے بھی یہ امید لے کر تمہارے پاس آیا ہوں۔"

"ہاں ____ یہ بات ہے۔ اس کرشنا کی فضاؤں میں سانس لینے والے میرے سب چیلے آزاد اور معصوم پرندے ہیں۔ اسی کے ملکوت کر کے جینے کی کوشش کرتا ہے مقصد کا فیصلہ کل ہوگا۔"

میں نے ممنونیت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا اور الٹے قدموں چلتا اس پراسرار پہاڑی خانقاہ سے باہر آ گیا۔ یہاں کھلے آسمان کے نیچے زندگی کا ایک نیا روپ بکھرا ہوا تھا۔ لڑکوں سے وہ سب انسان لگتے تھے لیکن ان کی حرکتیں آزاد پرندوں جیسی تھیں بعض معصوم اور خوش رنگ پرندے تھے جن کے خوبصورت اور حسین چہروں پر عجیب سی چمک کوندتی تھی اور ان معصوم پرندوں کے گرد نفس کی آگ میں جلتے ہوئے درندے طواف کر رہے تھے۔ جو زندگی زینت اور رنگی درندگی کی کیف و نشاط اور سرور کی اس دنیا میں سب کچھ تھا اور جو سب تھا لیکن ایک ہی چیز کی کمی تھی ____ اور وہ تھی حیا! اس جنس کو جسے اہتمام کے ساتھ یہاں نایاب کر دیا گیا تھا۔

دوسرے دن میں نے پہاڑیوں سے گھری اس وادی میں گزاری تنہا نہیں۔ اجرو ٹی باریں، گوری رنگت، گٹھا ہوا بدن، بھرے بھرے رخسار اور ستواں ناک، روشن آنکھوں اور رسیلے ہونٹوں والی ہپی براؤن کے علاوہ وہاں کوئی کسی کا محبوب نہیں تھا اور سب ایک دوسرے کے دعوے دار تھے۔ ہپی براؤن ایک پتھر کے سہارے ٹیک لگائے چرس پی رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں تشنگی کی آگ سلگ رہی تھی اور چہرہ نیاب سے چھپا تھا جوانی کسی بھی سے خراج تحسین کا طلبگار تھا۔ جب اس کے پاس رکا تو وہ مسکرائی جو حوصلہ پا کر میں وہیں بیٹھ گیا اور اس سے قبل کہ میں بات چھیڑتا وہ کسی بھی تکلف کے بغیر میری بانہوں میں آ گری۔

جب لذت کی تمام تر ساعتیں بیت گئیں تو میں نے خود کو جذبات کے ایک لامتناہی خلا میں معلق پایا۔ میرے سامنے دلکش سی ہپی براؤن تھی۔ اس کے ہونٹوں پر اب بھی ایمان شکن مسکراہٹ چپکی ہوئی تھی مگر وہ مجھے کسی مصری مقبرے کی حنوط شدہ ممی لگ رہی تھی۔ جذبوں کی نزاکت اور زندگی سے یکسر عاری، بے جان ممی!

میں وہاں سے اٹھ گیا۔ باقی رات اس وادی گناہ میں آوارہ گردی کرتے گزری۔ بہت سے لڑکے لڑکیاں نشہ میں بدمست ہو کر زمین پر بچھے بستروں پر گہری نیند سو رہے تھے۔ جو بیدار تھے وہ مصروف تھے۔ کھلے میدان میں ان کی حیا سوز آزادیاں اور ننگ معرفت عروج پر تھیں۔ فضا آوازوں اور لڑکھڑاتے ہوئے بے روح قہقہوں سے گونج رہی تھی۔ ہوا چرس، شراب اور سگریٹوں کی تیز بو سے بوجھل تھی۔ ہر طرف بے ترتیبی کی رنگینیاں چھلکتی پھرتی تھیں۔ آتش تمنا اور بے کیف لذتوں کا سیلاب ڈھونڈتے

کے لئے توانا بازوؤں کی لذت انگیز لمس محسوس کرتے اور سوچتے پھر رہے تھے بعض چہروں کی تازگی اور معصومیت رحم انگیز تھی میں چونکہ اپنی تمام وحشتیں میگی براؤن پر تمام کر چکا تھا اس لئے اب میری نگاہوں میں خود غرضی نہیں تھی کہیں کہیں تو میرا جی چاہا کاش سے ماؤف اور نفس کے غلام معصوم چہروں کی دزدیدہ چمک کو خلاظتوں میں آلودہ ہونے سے بچا لوں لیکن طلب انگیز سکون اور لذت آمیز سرگوشیوں میں یہ بڑا کٹھن کام تھا۔

وہ نہ جانے کس کس کے دست ہائے جا رہے تھے، کن عزیزوں کے قرۃ العین تھے، کیسی پُرنور پیشانیوں کی چمک تھے لیکن اب تو وہ سب نفس کے اسیر تھے شیطانی قوتیں بدی و بدکاری کا روپ دھارے تاریک آسمان کے نیچے طاغوتی انداز میں رقص کناں تھیں۔

وہ رات ـــــ گناہ کی ہر رات کی طرح بہت طویل تھی میں خود بھی کوئی پارسا یا مصلح نہیں تھا میرے ہاتھ انسانی خون سے آلودہ تھے میں قانون اور سماج کی بہت سی مسلّمہ اقدار کا باغی تھا، قانون کے محافظوں کا مفرور تھا اور میں نے اپنے پچھلے دنوں میں نہ جانے کتنی آبروؤں کو پامال کیا تھا لیکن یہ بالکل سچ ہے کہ انسان اور نفس پرستانی کی تذلیل کا ایسا انوکھا تصور شاید میرے لئے محال تھا جو میں اندرام کی خانقاہ سے باہر پہاڑی وادی میں دیکھ رہا تھا۔

جانوروں اور وحشیوں کے غول میں میری وہ رات گزر گئی سپیدۂ سحری نمودار ہوا تو وہاں چڑوکس لیمپوں کا ہلکا سا شور تھا یا خراٹوں کا ناگوار آہنگ وہ سب تھک ہار کر سو چکے تھے!

پھر ان یکساں آوازوں میں لوہے کی ہلکی ہلکی جھنکار سنائی دی میں نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں تو اندرام کا ہیولا خانقاہ سے نکل کر ایک طرف جاتا ہوا نظر آیا۔

میرے قدم غیر ارادی طور پر اندرام کے تعاقب میں اٹھ گئے اس کے بدن پر اس وقت بھی وہی زرد وعباتی کروی آہنی زنجیروں کی شکل کالائیں نظر آ رہی تھیں جو میں اسے پہنے دیکھ چکا تھا اس کے ہاتھ میں دور ہی سے آہنی چمٹا بھی نظر آ رہا تھا مگر اس وقت وہ اسے بجا نہیں رہا تھا بلکہ زمین پر اس کے چوبی کھڑاؤں کھٹ کھٹ کی آوازیں پیدا کر رہے تھے اور وہ اونچے نیچے راستوں سے گزرتا شہر کی طرف جا رہا تھا۔

میں نے تجسّس کا فائدہ اٹھا کر ـــــــ اس سے مناسب فاصلہ پر دبے قدموں چلا جا رہا تھا۔ پھر وہ پہاڑی پگڈنڈیوں سے شہر کے شبنم آلود راستوں پر نکل آیا۔ آبادی پر خواب ناک اور پُر اسرار سناٹا چھایا ہوا تھا، قرب و جوار میں کہیں کہیں سے آوارہ کتوں کی ایک آدھ مدھم سی آواز ابھرتی اور پھر پُرہول سکوت میں ڈوب جاتی۔

اندرام شہر کے اس علاقے میں تھا جہاں آسودہ حال لوگوں کی آبادی نظر آ رہی تھی یہاں رستہ آنا صاف تھا کہ مجھے خود کو چھپائے رکھنے کے لئے اندرام سے کافی فاصلہ برقرار رکھنا پڑا آخر وہ ایک موڑ پر مڑ گیا جتنی دیر میں میں وہاں تک پہنچا اندرام کہیں غائب ہو چکا تھا پر ہونقوں کی طرح اس موڑ پر کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ آس پاس چند مکانوں کے بند پھاٹک بیرا سے چپ سا دھے تھے۔ ان کے سوا وہاں کوئی اور نہیں تھی جہاں وہ پُراسرار شخص روپوش ہو سکتا۔

میرے لئے اب وہاں رکنا بے سود تھا اس لئے میں واپس لوٹنے لگا۔

وہ سارا دن میں نے کھٹمنڈو میں آوارہ گردی کرتے گزارا اس دوران ـــ مجھے اندرام کے بارے میں بہت سی عجیب و غریب معلومات ہوئیں وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے یہ کوئی نہیں جانتا تھا برسوں پہلے کھٹمنڈو کے باسیوں نے جنوبی ڈھلانوں پر کسی رشی کی آمد کی خبر سنی جو بہت سی نادیدہ قوتوں کا مالک تھا جنوبی ڈھلانوں سے آنے والے عقیدت میں سرشار لہجے میں بتاتے تھے کہ اس رشی کی دعاؤں سے بانجھ سہاگنوں کی گودیں بھرنے کی قلقاریاں گونجنے لگتی ہیں۔ اس کی آنکھ بھرا شعلوں کی طرح دہکتی نگاہوں میں نہ جانے کیا تاثیر تھی کہ اس سے آنکھ چار کرنے والے کا دماغ مفلوج ہو کر رہ جاتا اور ایسے لمحوں میں اندر اسے جو بھی بھاشن دیتا، وہ شخص نہ چاہتے ہوئے بھی خود کو اس پر عمل کرنے پر مجبور پاتا۔ جنگلی وادیوں سے ہو آنے والا اندرام کے بارے میں ایسی پُراسرار کہانیاں ساتھ لاتا کہ کھٹمنڈو والوں کے دل و دماغ میں اس کا احترام جاگزیں ہوتا چلا گیا۔ پھر ایک برس بعد وہ ڈھلانوں کو ترک کر کے قیام کرنے کھٹمنڈو پہنچا یہاں کے لوگ اس سے خوف میں ڈوبی عقیدت کا اظہار کرنے پر مجبور ہو گئے!

وہ خود کو جاتشی کہا کرتا تھا۔ وہاں کے رہنے والے توہم پرست اپنی ضروریات کے لئے اس کی خوشبوؤں میں ڈوبی پہاڑی خانقاہ میں آتے تو وہ پورے غور سے ان کی بات سنتا اور محبت سے پیش آتا اور بڑے بڑے مرضوں کی مدد سے ان کا کامیاب علاج کیا کرتا تجربے شروع ہیں ان حلقوں میں یہ سرگوشیاں گشت کرتی تھیں کہ اندرام کسی دیوتا کا پیامبر ہے یا بھگت ہے انسانوں کی بھلائی کے لئے اس وادی میں آیا ہے۔ سال گزر گئے اور اندرام کے خلاف کوئی بات نہ سنی گئی لیکن پھر موسم بہار میں جب باہر کی زیارت آنے والے نوجوان سیاحوں کا بجمعا اور اندرام انہیں گھیر گھیر کر اپنی پُراسرار تعلیمات کی طرف راغب کرنے لگا تو لوگ ذرا چونکے پھر اندرام نے ان سفید فام سیاحوں پر توجہ دینی شروع کر دی کرائے کے ہجوم اندرام کی خوشبوؤں میں ڈوبی پہاڑی خانقاہ پر مورگراتی چھٹیوں اور کا سی کی تھالیوں کو بجا بجا کر بے ہنگم ہرجا کرتا کے لئے

مانے لگے۔ ان واقعات پر لوگوں میں بے چینی پھیلتے تو کئی حلقوں میں اندرام پر تنقید کی جانے لگی بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ وہ لڑکیوں سے بات کرتے ہوئے اندرام کی آنکھوں میں وحشیانہ چمک کوندنے لگتی ہے۔ تاہم بعض لوگوں کا خیال یہ بھی تھا کہ ان عورتوں پر مشرقی ماحول کے باعث اس کا سحر کام نہ کر سکتا تھا کیونکہ غیر ملکی سیاحوں میں نوجوان اور خوبصورت لڑکیوں کی کثرت ہوتی ہے اور ان ہی کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لئے اندرام نے یہ سوانگ رچا رکھا ہے۔ وہ سفید چمڑی والی ان تو خیز دوشیزاؤں کے گداز بدن سے حسن کی رعنائیاں نچوڑنے کا شوقین ہے لیکن لوگوں کو اندرام کے خلاف کبھی کوئی ثبوت نہ مل سکا۔ دوسری طرف عوام کی بڑی تعداد اس کی پُراسرار قوتوں سے متاثر تھی لہٰذا اس کی مخالفت کبھی بھی زور نہ پکڑ سکی بلکہ اتنا ضرور ہوا کہ اب سفید فاموں کے گھس آنے کے بعد مقامی اپنی ضروریات کے لئے اس کی خانقاہ کا رخ نہ کرتے تھے۔

تھوڑے ہی دنوں میں اندرام کی ترغیبات رنگ دکھانے لگیں کھٹمنڈو کے گلی کوچوں میں لڑکھڑاتے ہوئے بدمست لڑکے لڑکیوں کے ٹولے نظر آنے لگے۔ ان سفید فاموں کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے، داڑھیاں بے ترتیبی سے سینوں پر لہرایا کرتیں لباس بے ہنگم ہوتے، نیم عریاں ہی نظر آتے۔ نفاست اور غسل سے انہیں نفرت تھی۔ نہ مستقل ٹھکانہ تھا نہ روزگار ـــــ وہ شکم سیر کرنے کے لئے بھیک مانگ لیتے اور جہاں جی چاہتا پڑ کر سو جاتے۔ انہیں نہ جانے کہاں سے چرس اور دھواں والی سگریٹیں ملتی تھیں۔ وہ سارا سارا دن ان سگریٹوں کے کش پر کش اڑاتے پہاڑوں اور وادیوں میں بے مقصد گھومتے رہتے۔ ان کی گوری لڑکیاں معمولی رقم یا چند روٹیوں کے عوض کسی بھی مقامی کی آہنی آغوش میں جا گرتیں۔ ان کے بکھرے ہوئے بال، نشے میں ڈوبی ہوئی آنکھیں، بجا بجا پھٹے اور ڈھلکے ہوئے لباس سے جھانکتے ہوئے نقرئی بدن کا گداز ان کے فاقوں اور ضرورتوں کا سہارا ہوتا۔ اندرام ان کا پوپ تھا، وہ اس کو دیوتا کی حد تک پوجتے تھے۔ خود کو فقیر اس کا چیلا کہتے اور پہاڑی پگڈنڈیوں اور بازاروں میں غول در غول نامانوس لہجے میں مقامیوں کے مقدس اشلوک اور بھجن گاتے پھرتے تھے۔

بعض سفید فام لڑکیوں کی معصومیت اور رسوائی پر ترس کھا کر مقامی معززین نے انہیں ملازمتوں کی پیشکش کی جسے انہوں نے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ ان کا فلسفہ تھا کہ دنیا میں جو کچھ ہے اس پر ہر ایک کا برابر کا حق ہے اور یہ حق حاصل کرنے کے لئے محنت اور مزدوری ضروری نہیں ہے!

اندرام موسم بہار کے خاتمے پر اپنی خانقاہ سے جب سفر پر نکلا تھا سنگلاخ چٹانوں پر آہنی زنجیریں پہنے شگفتہ وہ آہن کی جھنکار بکھیرتا وہ گمنام راستوں پر نکل پڑا تو کئی ماہ تک اس کا کچھ سراغ نہ ملتا تھا۔ جب واپس آتا تو اس کے بدن سے جھولتی آہنی زنجیریں سونے میں بدل چکی ہوتی تھیں۔ قلاشی میں گھرے سفید فام چیلوں کا ہجوم کھٹمنڈو سے باہر اس کا استقبال کرتا اور وہ مداح ہی دور سے حسب دستور واپسی پر گانے بجانے، خستہ حال ہپیوں کے ہجوم میں شہر کے چوک پر آتا اور سونے کی زنجیروں کی کڑیاں توڑ کر فضا میں اچھال دیتا اور لوگ ایک ایک کڑی لوٹ کر لے جاتے۔ شہر کے سنجیدہ لوگ اس جلوس کو تشویش کی نظر سے دیکھتے تھے جبکہ نوجوان اور بچے شوق کے ساتھ پورے سال اس رنگا رنگ جلوس کے منتظر رہتے۔

ان سب پُراسرار، شکوک اور الجھی ہوئی باتوں کے باوجود سمجھدار مقامی باشندوں کو اندرام کی ایک بات بہت پسند تھی۔ اس کے سفید فام چیلوں کی آزادی سے متاثر ہو کر بہت سے پڑھے لکھے مقامی نوجوانوں نے بھی اپنے گھروں اور روایات سے بغاوت کر کے اندرام کا چیلا بننا چاہا تاکہ وہ بھی اس آزاد زندگی کے مزے لوٹ سکیں۔ سفید چمڑی والی حسین لڑکیوں کی ہم نشینی کا شرف حاصل کر سکیں اور ان عجیب بو والی سگریٹوں کا ذائقہ دریافت کر سکیں جو اندرام کے چیلے کسی قیمت پر مقامیوں کو نہیں دیتے تھے اور جن کے بارے میں سنا جاتا تھا کہ ان کے چند ہی کش ان دیکھی دنیاؤں کی سیر کرا دیتے ہیں لیکن اندرام نے کبھی ان مقامی نوجوانوں کی حوصلہ افزائی نہیں کی اور بری طرح پھٹکار کر انہیں اپنے پاس سے بھگا دیا۔ اس کی دہکتی ہوئی سرخ آنکھیں اپنے حلقوں سے ابلنے لگتیں۔ وہ ان کی جانب گھورتا تو انہیں اپنے بدن میں چیونٹیاں سی رینگتی محسوس ہوتیں۔ ایسے موقع پر اندرام خضبناک لہجے میں مغلظات کی بوچھاڑ کر دیتا اور اس کے دھتکارے ہوئے مقامی نوجوان سر جھکا کر اپنے گھروں کو لوٹ جاتے لیکن لوگوں کو تشویش یہ تھی کہ اندرام جب تک اس پر قابو پا سکتا ہے کہ وہ جانتے تھے کہ ایک دن ان کی بستیوں کے لڑکے لڑکیاں بھی سفید فاموں کی طرح کاسٹی کے طوق اور پتھری مالائیں گلے میں ڈال کر چھتے بجاتی گھروں سے نکل پڑیں گی اور جمالا کی گود میں بھی ان مشرقی آبادیوں کو بھی آوارگی کی لہر آ دبوچے گی۔

گو اندرام کے چیلے کسی قیمت پر مقامیوں کو چرس فراہم نہیں کرتے تھے لیکن یہ لعنت اب آہستہ آہستہ ان کے بازاروں میں بھی آتی جا رہی تھی۔

میرے لئے ان تمام باتوں میں صرف دو چیزیں کار آمد تھیں۔ اندرام جڑی بوٹیوں کا ماہر تھا اور شہرت طویل روپوشی کے دوران وہ اپنے بدن سے جھولتی تمام آہنی زنجیروں کو سونے میں بدل لیتا تھا۔ ان حقیقتوں کے بعد یہ بھی یقینی نظر آ رہا تھا کہ اندرام آسانی کے ساتھ مجھے اپنے غول میں شامل نہیں کرے گا۔ بجا تیر نہ جانے کس طرح اس خبیث کو شیشہ میں اتار نے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

کراچی سے لوٹتے ہوئے گیا تو جمال بابا نے بھی مرنے سے قبل کئی بار مجھ سے اندرام کا تذکرہ کیا تھا۔ جمال اور طیب مدراسی دونوں ہی

کا خیال تھا کہ بھاندرناس نیپال کی سرحد پر ہے۔ اتنا لوہا نما کی تراشیدہ [illegible]
کہیں ملتی ہے جبکہ بیشتر ہندوستانی اندرام کی وجہ سے فریب کا شکار ہو چکے
تھے۔ وہ لوگ یہ سمجھنے لگے تھے کہ ان سنگلاخ پہاڑوں میں کہیں نہ کہیں
پارس پتھر موجود ہے جس کے لمس سے اندرام کی آہنی زنجیریں سونے میں
بدل جاتی ہیں اور اب میں بھی شکوک و شبہات میں مبتلا ہوتا جا رہا تھا۔
اگر اندرام بھاندرناس تک پہنچ چکا تھا تو تانبے سے سونے میں تبدیلی
تک رسائی کا ایک طویل اور کٹھن مرحلہ تھا جس میں لوہے، تانبے یا کسی
بھی بنیادی دھات کو کئی بار گلانا اور جلانا پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں آہنی
زنجیروں کا ان کی اسی حالت میں تاحال رہنا مشکل تھا۔ اب دو ہی باتیں ممکن
تھیں۔ یا تو اندرام سپاہیوں کو دھوکہ دینے کے لئے روپوشی کے دوران میں
اپنی تمام زنجیریں گلا کر سونے کے ڈھیلے بنا چکا ہے پھر ان سے دوبارہ زنجیروں کی
کڑیاں تیار کرتا ہے یا وہ زنجیریں پارس پتھر کے ذریعے سونے میں بدلتا ہے۔
مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ بھاندرناس کا سراغ ملے یا پارس
پتھر کا ۔۔۔ میں تو سونا بنانا چاہتا تھا، ایسا سونا جو کسوٹی پر پورا اترے
اور اس کا کھوج لگانے کے لئے اندرام کا ساتھ بہت ضروری تھا۔
یہ بات تو طے تھی کہ کیپٹن بھاٹیہ اندرام کے ساتھ ہی سفر پر نکلنے
کی ہر ممکن کوشش کرے گا لیکن مجھے یہ بھی خبر تھی

کہ مہارشی اس پر راضی ہو جائے گا۔ دوسری طرف بھاٹیہ اس پر اصل مقصد
بھی ظاہر نہیں کر سکتا تھا ورنہ اندرام بہت دھوکا دے دیتا۔ لہٰذا اب مجھے صاف
نظر آ رہا تھا کہ اندرام جب سفر پر روانہ ہو گا تو دو آدمی الگ الگ اس
کے تعاقب میں چل نکلیں گے!
میں ہوٹل کی طرف جا رہا تھا کہ اچانک دو قوی ہیکل
آدمیوں نے مجھے گھیر لیا۔ ان کے تیوروں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ہر حال میں
مجھے گرفتار کر لیں گے۔
"خاموشی سے سیدھے چلتے رہو ورنہ جیب میں ۔۔۔ نظر آ رہا ہے؟" ان
میں سے ایک نے اپنے کوٹ کی جیب سے ریوالور کی نال ابھارتے ہوئے کہا۔
"تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" میں نے دھڑکتے دل
کے ساتھ سوال کیا۔
"ابھی پتہ چل جائے گا!"
وہ دونوں مجھے اپنے درمیان لئے آگے بڑھتے رہے۔ تنگ و تاریک
گلیوں سے گزر کر آخر کار ہم آبادی سے باہر آ گئے۔ اب ان کا رخ ایک پرانی
عمارت کی جانب تھا جس کے قریب و جوار میں پہاڑیاں ہی پہاڑیاں
پھیلی ہوئی تھیں۔
پتھر سے بنی ہوئی اس شکستہ عمارت پر ہر طرف ویرانی برس

رہی تھی یا یوں معلوم ہوتا تھا جیسے برسوں سے یہاں کسی ذی روح کا گزر
نہ ہوا ہو لیکن اندر داخل ہوتے ہی پتہ چل جاتا تھا کہ وہ ظاہری تاثر
صاف دھوکا ہے۔ راہداری طے کر کے وہ دونوں ایک کمرے میں جا پہنچے جہاں چند
کرسیاں ایک میز کے گرد موجود تھیں۔
عمارت میں داخل ہونے کے بعد ان دونوں نے اپنے پستول
نکال لئے تھے۔
"اگر ہم یہاں تمہیں ذبح بھی کر دیں تو تمہاری آواز کسی کو اپنی
طرف متوجہ نہ کر سکے گی!" مجھے کرسی پر بٹھانے کے بعد ایک بولا۔
"مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے۔۔۔ میں تو اس شہر میں اجنبی
ہوں؟" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
"ہم یہی جاننا چاہتے ہیں کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو
۔۔۔ یہاں جھوٹ بالکل نہیں چلے گا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور آدمی یہاں
آنے والا ہے وہ سچ اور جھوٹ کا فیصلہ کرے گا!"
"میں۔۔۔!" بولتے بولتے میری آواز حلق میں پھنسنے
لگی۔ وہ دونوں صورت ہی سے اچھے آدمی نہیں لگ رہے تھے اور یہ
خیال بھی آیا کہ نیپال میں داخل ہونے کے بعد منشیات کے اسمگلروں سے بمشکل اپنی جان
بچا سکا تھا۔ اگر ان دونوں کا تعلق سفید ہاتھی کی کھال والے گروہ سے
ہی تھا تو میں ایک بار پھر ان کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاتا اور میں نے
لاری والے حادثے کے بعد اپنی وضع قطع بدلنے کا جو اقدام کیا تھا وہ
بالکل ہی رائیگاں جاتا۔ لہٰذا اس وقت کوئی جھوٹ ہی مناسب تھا کیونکہ
شکل بدل چکی تھی لیکن نیپال میرے لئے اجنبی تھا۔ میں خود کو کسی بھی شہر
سے متعلق بتاتا تو وہ چار ہی سوالوں میں میرا جھوٹ پکڑ لیتے۔
"میں اس شہر میں اجنبی ہوں" میں نے احتیاط سے کام لیتے ہوئے
ملک کے بجائے شہر کا ۔۔۔۔۔۔ لفظ استعمال کیا۔ "میرا نام [illegible]
یہاں صرف مہارشی اندرام کی قوتوں کے کرشمے دیکھنے آیا ہوں!"
انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں
اپنے سروں کو جنبش دی لیکن منہ سے کچھ نہ بولے۔ میں شدید الجھن اور ذہنی
کوفت کے عالم میں ان کے منہ تکتا رہا۔
چند منٹ بعد اس پُراسرار عمارت کے کسی ویران حصے
سے قدموں ۔۔۔۔ کی چاپ ابھرتی سنائی دی جو لحظہ بہ لحظہ قریب آ
رہی تھی۔ میں بے چینی سے ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا اور وہ دونوں
بے بسی پر بے رحمانہ انداز میں زیر لب مسکرانے لگے یوں لگ رہا تھا جیسے
وہ خود بھی اس چاپ کے منتظر رہے ہوں۔
پھر پُرشور آواز کے ساتھ اس کمرے کا دروازہ کھلا اور
خطرناک چہرے والا ایک دراز قامت شخص دندناتا ہوا اندر گھس آیا۔ اس
کے چہرے پر نظر پڑتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا!

شخص تھا جو [illegible] کی ضمانت پر رہائی کے
بعد سفید ہاتھی کی کھال کے حوالے سے ہم دونوں سے ملا تھا اور جس نے
مجھے [illegible] سبب سے تین سو روپے دیئے تھے اور شاید وہی میرا
امیر خان تھا۔
"کیا کہتا ہے یہ؟" اس نے کڑکتے ہوئے لہجے میں اپنے دونوں
چیلوں سے پوچھا۔
"اپنے آپ کو [illegible] کوشش کر رہا ہے" ان میں سے ایک مسکرا کر بولنے والے
نے بتایا "خود کو تفتیش اور سیکھن ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہے!"
"حلیہ بدل گیا ہے ۔۔۔ لیکن تیرا [illegible] بول گیا" خطرناک صورت والا
اب میری طرف متوجہ تھا "تیری داڑھی مونچھیں پیشانی کا زخم اور
آنکھوں کی بناوٹ نہیں چھپا سکتیں ۔۔۔ بول کیا تیرا نام صفدر
نہیں ہے؟"
اس کا لہجہ پُراعتماد تھا۔ اگر میں اب بھی انکار کرتا تو وہ میری
جان کر سکتا تھا لہٰذا میں نے بے بسی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔
اس نے فوراً ہی ایک خوفناک سا قہقہہ لگایا "سالا سمجھتا
تھا کہ [illegible] تباہ ہونے کے بعد حلیہ بدل کر امیر خان کو چکمہ دے سکے گا۔ لیکن
اسے بتا [illegible] کہ سونا گلانے والوں کا حساب خطا ہو جاتا ہے اور
جمنے والا کوئی اجنبی یہاں [illegible] میری نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکتا!"
اتنی دیر میں میں خود پر قابو پا چکا تھا۔ میں نے دھیمی آواز میں
"میں تم کو دھوکا نہیں دینا چاہتا تھا۔ میں نے پہلے بھی تمہارے کسی
ساتھی کو بتایا تھا کہ میں اپنے دشمنوں سے چھپتا چھپاتا سرحد پار آیا
ہوں۔ اپنی جان کی حفاظت کے لئے مجھے یہ سوانگ بھرنا پڑا ہے!"
"تم دونوں باہر ٹھہرو!" امیر خان نے مجھے لانے والوں سے ایسے
لہجے میں کہا جس سے اس کی برتری کا اظہار ہوتا تھا۔ وہ دونوں خاموشی
سے کمرے سے نکل گئے۔
وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا جیب سے نئی سگریٹ نکال کر
سلگائی پھر میرے چہرے پر نظریں جما کر بولا "تو نے مجھ سے کہا تھا کہ انڈین
پولیس تیری تلاش میں ہے اور آرمی کا کوئی افسر بھی تیرا دشمن ہے!"
اس کا لہجہ تائید طلب تھا۔ میں نے اپنے سر کو اقرار
میں جنبش دی!
"اور تو نیپال کی سرحدوں میں ہمارے لئے ہر کام کرنے
کو تیار ہے؟"
"ہاں!" میں نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا
میری حالت پر وہ آہستہ سے ہنسا اور دھیمی آواز میں بولا
"نیپال میں منشیات کے تمام قانونی اور غیر قانونی ٹھیکے ہمارے پاس

ہیں۔ یہاں کھلے عام شراب سے چرس تک ہماری اجارہ داری ہے
اور تجھے اس دھندے میں ہمارا ساتھ دینا ہو گا۔ ہمیں تیرے بارے میں
موٹل والے سے اچھی رپورٹ ملی تھی اسی لئے تجھے ضمانت پر رہا کرا دیا
گیا تھا مگر اب اتنی بات معلوم ہو جانے کے بعد تیری زندگی کا معاملہ
پیدا ہو گیا ہے۔ ہم اپنے جاں نثاروں کے لئے موت کے منہ تک
میں کود پڑتے ہیں مگر غداروں اور باغیوں کو کتے کی موت مارتے ہیں
باغیوں کی ناقابل شناخت لاشیں پہاڑی ڈھلانوں پر ملتی ہیں جو
کسی شناخت اور ثبوت کے نہ ہونے کی بنا پر لاوارث قرار دے دی
جاتی ہیں اور کیس خاموشی کے دبیز پردوں میں گم ہو جاتا ہے!"
زندگی اور موت کے موضوع پر یوں دو ٹوک اس کی کھلی
باتیں سن کر مجھے جھرجھری آ گئی۔ اس کا مقصد ضرورت سے زیادہ واضح
تھا۔ میں اس گروہ کا ساتھ دوں یا ناگہانی موت کے لئے تیار ہو جاؤں!
کیپٹن بھاٹیہ انڈین آرمی سے فرار ہو کر مہاشہ اندرام تک آ پہنچا
تھا اور وہ یہ [illegible] مہارشی چند ہی دنوں بعد
اس سفر پر نکلنے والا تھا جس کی کہانیاں سن سن کر میں نیپال تک پہنچا تھا۔ بھاندر
ناس یا پارس پتھر تک رسائی کا وہ ذریعہ ہو سکتا تھا لیکن دوسری طرف زندگی اور موت
کا سوال پیدا ہو چکا تھا۔ میرے ذہن میں کئی منٹ تک کشمکش جاری رہی۔ امیر خان
دلچسپی کے ساتھ میرے چہرے پر نظریں جمائے سگریٹ کے مرغولے اڑا رہا تھا۔ آخر
مجھے سوچنا پڑا۔ میرا مقصد [illegible] شراب کا رسیا تھا جواری تھا اور عیاش
تھا۔ بھاندرناس اور پارس پتھر زندگی سے زیادہ قیمتی نہیں تھے۔ [illegible]
کے ساتھ ایک جوا کھیل رہا تھا۔ بازی جیت جاتا تو [illegible]
[illegible] سے جواب میرے منتظر تھے اور [illegible]
[illegible] میں اسمگلروں کی زندگی سے خوب واقف تھا۔ وہ کبھی بھی
ہوں کسی نسل سے ہوں کسی قوم سے ہوں ان کے گُن یکساں ہوتے ہیں۔ مجھے یقین تھا
کہ امیر خان سے دوستی کر کے میں اور کچھ نہیں تو کھویا ہوا اعتماد ضرور پا لوں گا جس
کے نتیجے میں ایک حقیر چوہے کی طرح فرار کی زندگی بسر کر رہا تھا!
میرے ہونٹوں پر ابھرنے والی مسکراہٹ دیکھ کر امیر خان کا چہرہ کھل اٹھا
اور میں نے بھی برابری کے احساس کے ساتھ اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔
"مجھے تمہارا ساتھ منظور ہے دوست!"
میرا یہ اعلان [illegible] دیکھ کر امیر خان [illegible]
وقت فیصلہ کرنے کا عادی [illegible] ایک بار پھر [illegible]
[illegible] جہاں
سلسلہ منقطع ہوا تھا۔ اب مجھے امیر خان یا اس کے ساتھیوں سے اپنے ماضی کو
چھپانا تھا جس کی بدولت میرے یہاں دولت، شباب اور شراب کی ہر وقت ریل پیل
رہتی تھی۔
"تو خاصا عقلمند ہے!" امیر خان گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا

"وقت کی بات ہے دوست!" میرا اشارہ اب خود بخود نکل چکا تھا
کچھ دن آنے سے پہلے میں خود ایک بڑا اسمگلر تھا۔ جو چھوٹا موٹا کام نہیں کرتا تھا بلکہ پانی کا مال لے کر چھپوں میں منگواتا تھا اور جب برے دن آئے تو جو نکلا تھا پر آخری پونجی تک بار کر میں بلندی کی چوٹیوں سے سڑک پر آگیا۔ تم دیکھ رہے ہو کہ اس حال میں میرا کام کیا ہے؟"

"پانی کا مال!" اس نے آہستہ سے دہرایا۔ "کیا منشیات کا سمگلر تھے؟"

"سونا، قیمتی دوائیں، کپڑا، منشیات ... کیا چیز تھی جو میں نے نہیں کی" [illegible] کے تصور میں مجھے ہلکا سا جوش آگیا اور میں جوش بھری جذباتی آواز میں بولا

"ایک دور وہ تھا جب دوست [illegible] کالے دھندے کے بیوپاری پاکستان کے [illegible] کراچی میں مجھے سمندری بادشاہ کہا کرتے تھے۔"

"خیر خیر ... بہت جلد پتہ چل جائے گا۔" وہ بظاہر بات ختم کرتے ہوئے بولا۔ میں اس کے لہجے سے اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ میری باتوں سے خاصا متاثر ہوا ہے!

"تم لوگوں کے درمیان میری کیا حیثیت ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"جو سب سے آخر میں آنے والے کی ہوتی ہے۔" اس کا لہجہ اس بار واضح سا تھا۔ "وہاں تک کہ حکام آنے تک تمہارا قیام اسی عمارت میں رہے گا۔"

امیر خان اس کے بعد عمارت سے باہر چلا گیا اور وہ دونوں ساتھی میرے پاس آگئے۔ اس بار میرے ساتھ ان کا رویہ دوستانہ تھا۔ کچھ دیر تک وہ میرے اغوا کے بارے میں ہنسی مذاق کرتے رہے پھر مجھے اس عمارت کی سیر کرانے لگے! باہر سے ویران اور خستہ حال نظر آنے والی وہ ایک عمر [illegible] عمارت اندر سے خاصی خوبصورت [illegible] تھی اس میں ایک بہت وسیع زیر زمین تہہ خانہ بھی تھا جو اس وقت گودام [illegible] تھا۔ [illegible] اور بار کے تمام لوازمات موجود تھے۔ [illegible] کے بار کے عقب میں کئی اونچی اونچی الماریاں قیمتی شراب کی بوتلوں سے بھری ہوئی تھیں۔ ایک حصے میں تاش کے کھیلوں کے لئے [illegible] اور [illegible] قریب سے ہی ہوئی تھیں۔ دوسرے حصے میں [illegible] قیمت [illegible] غلاف میں لپٹی ہوئی تھی۔

"کیا یہ سب ہمیشہ ویران پڑا رہتا ہے؟" میں نے ان سے پوچھا۔

"ہفتے میں پانچ دن یہاں ہمارا تصرف رہتا ہے۔ ہر جمعرات اور جمعہ کو اعلیٰ سرکاری حکام اور معززین یہاں جمع ہوتے ہیں اور صبح ہونے تک یہاں لاکھوں کا لین دین ہو جاتا ہے۔"

[illegible] کے بعد ہم تینوں اوپر آگئے۔ اس منزل پر ایک کشادہ ہال کے علاوہ سات کمرے بنے ہوئے تھے۔ ہر کمرہ بیش قیمت فرنیچر کے ساتھ بستر اور مسہریاں وغیرہ موجود تھیں۔ ان میں سے ایک کمرہ مجھے بتایا گیا کہ گروہ کے ارکان کے [illegible] میں جو سارا دن [illegible] مصروف رہنے کے بعد رات گئے اس کمرے میں [illegible] [illegible] کے بستروں والے ایک کمرے میں [illegible]

[illegible] بجے کے قریب اس عمارت میں گروہ کے ارکان کی آمد شروع ہوئی۔ پہلے سے موجود دو آدمیوں کے علاوہ [illegible] افراد اور آئے۔ ان میں سے تین کے ساتھ مشغلہ [illegible] لڑکیاں بھی تھیں جو شکل و صورت سے [illegible] ہر طرح [illegible] لگ رہی تھیں۔

سب لوگوں نے میرے متعلق [illegible] امیر خان خاصا [illegible] تھا۔ جب تمام آدمی آگئے تو عمارت کا صدر دروازہ بند کر دیا گیا۔

اس چھت کے نیچے میری پہلی رات بڑی کرب ناک گزری۔ دونوں ساتھی تو بستر پر دراز ہوتے ہی دنیا سے بے سدھ ہو کر سو گئے جیسے قیامت تک سونا نصیب نہ ہوگا۔ مگر میرے کان عورت کے قہقہوں اور مسحور کن نسوانی سرگوشیوں اور سسکاریوں پر لگے رہے۔

اگلی صبح شب بیداری کی وجہ سے میرا ذہن بوجھل ہو رہا تھا۔ سب لوگ ہال میں پہنچے تو تینوں عورتیں مسلسل تاش کھیل رہی تھیں اور [illegible] میری جانب حیرت سے دیکھ رہی تھیں ایک بولا "ارے بچے [illegible] جاگ گئے ہو!"

میں نے فقت آمیز انداز میں مسکرا کر کہا "شاید آدھی رات کو [illegible]"

"اسی حالت میں ہم نے [illegible] کیا [illegible] کی دو گرلیوں کے ہوتے ہوئے دو پیسے کا سودا کرنے کو تیار نہیں ہیں!"

[illegible] نے ان کی بات کا [illegible] اس عمارت میں اس گروہ سے ایک الجھن دور ہو گئی میرا اغوا کے بعد سے مسلسل مجھے ستا رہی تھی۔ مجھے اغوا کرنے کے بعد خوف اتنا پڑ گیا تھا لہٰذا مجھے شبہ تھا کہ ان سمگلروں کا منصوبہ کسی طرح اس بدمعاش کو شکست دینا ہے لیکن اب یہ بات صاف ہو گئی کہ [illegible]

اس کے بعد کئی دن تک میں ایک عجیب سی گروہ کے ایک کار [illegible] فرق مختلف مکانوں پر آجاتا رہا۔ اس دوران میں امیر خان مجھے کہیں نظر نہ آیا۔ ساتھی سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو پتہ چلا کہ امیر خان گروہ میں ایک ثانوی رتبہ کا مالک ہے۔ گروہ کا کوئی بھی کارندہ گروہ کے سرغنہ سے واقف نہیں تھا۔ البتہ امیر خان کے ذریعے مجھے وہاں تک پہنچتے تھے!

سرغنہ کے بارے میں اس پراسرار انکشاف نے مجھے الجھا دیا۔ زیر زمین دنیا میں ایسے گروہ عام طور پر پردہ ہی رہتے ہیں لیکن یا اس میں مجھے شبہ تک نہ تھا کہ یہ اس قدر وسیع اور منظم ہوگا۔

چوتھے دن امیر خان [illegible] ایک شخص [illegible] اور مجھے بتایا کہ اب وہ میرے مستقل طور پر میرے ساتھ رہے گا۔ سرغنہ نے میرے متعلق [illegible] کے بارے میں [illegible] اور دستاویز [illegible] بیش نوٹ میرے حوالے کر دیے۔

"آئندہ ہدایات ملنے تک تمہارا قیام زیرو پوائنٹ پر رہے گا۔ گروہ کے کسی آدمی سے اپنی ذمہ داریوں کے بارے میں گفتگو نہیں کرو گے۔" اس نے کہا "تمہارے پاس روزانہ کی رپورٹ کرے گے۔"

زیرو پوائنٹ ویران پہاڑیوں کے درمیان [illegible] کیا [illegible] جہاں میں اب تک رہتا آیا تھا۔ امیر خان نے جس انداز سے مجھے ہدایت کی اس سے میں [illegible] کہ اس نے تھوڑا بہت پہلے [illegible] نے [illegible] کے بارے میں میں نے پوچھا تو وہ دونوں مجھ سے [illegible]

انا بھی سی [illegible] شائستگی [illegible]

"دونوں نو جوان آدمی ہیں لیکن ان میں نظم و ضبط کی صلاحیت بالکل نہیں ہے۔ وہ جب تک نوکری وغیرہ کی باتیں کرتے رہتے ہیں میں سمجھنا چاہتا ہوں کہ وہ اتنا سب کچھ کیسے جانتے ہیں!" میں اس کے بعد امیر خان سے رخصت ہو گیا۔ وہ جمعرات کا دن تھا اور گروہ میں میری پہلی خواتین کے ہمراہ اس رات زیرو پوائنٹ پر پہلی بار جوئے کی محفل گرم ہونے والی تھی میری جیب میں امیر خان کے دیئے ہوئے دو ہزار روپے موجود تھے۔ اور میں نے قسمت آزمائی کا فیصلہ کر لیا تھا۔

دوسری طرف میرے ذہن میں ایک نئی تشویش جنم لے چکی تھی۔ مجھے پچھلے دنوں کی آوارہ گردی کے دوران پتہ چلا تھا کہ ہمارا شہر اندرونِ ملک اور بیرون ملک سفر پر نکلنے والا ہے اس کا مطلب یہ تھا کہ جانثیہ بھی ہیں قسمت پر اس کے ساتھ جانے کی کوشش کرے گا اور اس میں اسے کامیابی ہوئی تو واضح طور پر اس کا تعاقب کرنے کی کوشش کروں گا۔ میں نے سوچا کہ کسی طرح جانثیہ کو کہیں حد تک معذور کر دوں گا وہ اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کے قابل نہ رہے لیکن اب ایسا کوئی قدم اٹھانا مجھے ان ڈرائیوروں کا باعث بن سکتا تھا۔ بہت ممکن تھا امیر خان نے یہ پیغام کو آگے بڑھا دیا ہو کیونکہ میرا ایسے دھندوں سے خوب واقف تھا۔ اس نے بظاہر تو مجھے چھوٹ دے رکھی تھی لیکن پوشیدہ طور پر میری نگرانی ضرور کی جا رہی تھی شاید وہ یہ بات پسند نہ کرتا کہ میں خود کو غیر ضروری طور پر ایسی کارروائی میں ملوث کر کے اس کے لئے دشواریاں پیدا کر دوں۔ لہٰذا بہتر یہی تھا کہ جانثیہ کو فی الحال اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے!

جانثیہ سے میری جو بات ہوئی تھی اس سے مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ اب تک اس نے صرف زبانی حد تک دلچسپی رکھی ہے۔ اس کے پاس سونا جانے کے لئے منصوبہ ہی تھے لیکن اس نے ابھی تک ان پر عمل کا آغاز نہیں کیا تھا۔ ان حالات میں اگر وہ میدان تنہا کا رخ بھی کرتا تو میری ناک کے نیچے یا کسی دوسرے کی مدد کے بغیر سونا پار کر لینے کا امکان بہت کم ہو جاتا۔

زیرو پوائنٹ پر جب بہت بادہ افراد پار کرتے ہیں ہم بھی چلے۔ اتفاق ہونے تک تو کچھ بحال اور انتظام سے منسلک تھا۔ وہ لوگ زیرو پوائنٹ کے ساتھ کہیں ہیں اس وقت میں زیرو پوائنٹ پر پہنچا تو کلب کے منیجر نے مجھ سے تعارف کرایا۔ امیر خان نے مجھے باقاعدہ ممبر بنانے کی ہدایت دے دی تھی۔ اس سے پہلے کہ میری خواہش کے مطابق میں زیرو پوائنٹ میں بقیہ سات افسران، اعلیٰ عہدیداران کی طرف روانہ ہو گئے۔ جو بھی ان کا حامل ہوتا مجھے دور سے آنے والے دو افسروں کو بتلا دیا جاتا۔

زیرو پوائنٹ پر آٹھ بجے سے گاڑیوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ آنے والے کلب کے باقاعدہ ممبران تھے۔ ان کے علاوہ وہ دو اجنبی چہرے بھی آئے لیکن ان کے پاس بھی اس روز کے لئے خاص اجازت نامے تھے۔ امیر خان بذات خود زیرو پوائنٹ پر موجود تھا اور ان مہمانوں کا استقبال کر رہا تھا۔ ایک شخص کو دیکھ کر [illegible] ایک حیرت ناک خوف [illegible] مجھے جو سامنے [illegible] کا افسر [illegible]

تو بجے زیرو پوائنٹ کا صدر دروازہ اندر سے مقفل کر دیا گیا تھا۔ اس وقت [illegible] کے بکارڈ جیسے میں [illegible]

قریب اور سگریٹوں کی تیز بو پھیلی ہوئی تھی۔ آنے والوں میں بیشتر جوڑے تھے۔ ایک میں ہی تنہا مہمان تھا جو باقی لوگوں میں گھل مل گیا تھا۔

امیر خان جب تہہ خانے میں اترا تو سب سے پہلے اس کی نظر مجھ پر پڑی۔ میں اس وقت کسی کٹی ہوئی پتنگ کی طرح میزوں کے درمیان بکھرا ہوا پھر رہا تھا۔ مگر ذرا بھی ہوشیار تو خود کو کسی بازی میں شامل کر رہا ہوں۔ مجھے دیکھتے ہی امیر خان کے تیور سخت ہو گئے اور وہ سیڑھیوں ہی پر کھڑا تھا وہیں رک گیا میں اس وقت اسی کی طرف متوجہ تھا لیکن اس نے مجھے کوئی اشارہ کئے بغیر سیر کرنے والے ... ایک آدمی کو کچھ ہدایات دیں اور خود واپس لوٹ گیا۔

وہ شخص تیزی کے ساتھ میری طرف آیا اور سرگوشیانہ آواز میں بولا "جاؤ، امیر خان اوپر بلا رہا ہے۔ اس وقت اس کا موڈ بہت بگڑا ہوا ہے!"

میں آہستہ آہستہ اوپر کی طرف چل دیا۔

امیر خان بڑے ہال میں کسی زخمی بھیڑیئے کی طرح ٹہل رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی برس پڑا۔ "کیوں بے کیا جیبوں میں کا ارادہ ہے جو نیچے چلا پہنچا ہے؟"

اس کا لہجہ واضح طور پر تو ہین آمیز تھا لیکن میرے لئے یہ کیا عام ترین تھی کیونکہ میں ابھی تک اپنا کوئی کارنامہ پیش نہیں کر سکا تھا۔ اس لئے مسکراتے ہوئے بولا "فکر نہ کرو ... اگر میں ہار گیا تو بھوکا مر جاؤں گا مگر کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گا۔ میں بڑا نادر ہے جیسے اپنے کھیل پر!" وہ تلخ لہجے میں بولا "تمہارے جیسے نیچے شاطر جب میز کو پکڑ کر بیٹھتے ہیں تو اپنا مال کھا جاتے ہیں۔"

"ایسا ہے تو پھر یہ خوشی کی بات ہے۔ میرا لعاب بھی نرم ہی تھا۔ میری جیت میں آدھا حصہ تمہارا ہوگا۔ مجھے خود بھی جالاک حریفوں کے سامنے شاطر جنگ کے کمال دکھانے میں مزہ آتا ہے!"

"ہوں!" اس نے غور کر کے سیدھا میرے بارے میں اٹھایا۔ "تم یاد رکھو کہ مجھے رنگ کلب سے سخت نفرت ہے اور بارا ہوا جواری زخمی شیر ہوتا ہے۔ جنگلوں میں بچنے کے لئے یہاں زیادہ تر جوڑے دھوکے ہوتے ہیں کیونکہ عورتوں کے سامنے مرد اپنا جذبہ سنبھالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر تمہاری وجہ سے کسی کلب کو نقصان ہوا تو میں کمرہ سے تمہیں باہر پھینک دوں گا۔"

"میں خود ایسا موقع نہ آنے دوں گا۔ آج مدتوں بعد تو مجھے اپنے معیار کا کھیل کھیلنے کا موقع ملا ہے!" میں نے اس کی شرط منظور کرتے ہوئے کہا۔

پھر جب میں تہہ خانے میں پہنچا چند منٹ بعد امیر خان بھی نیچے آ گیا۔ کچھ دیر کے بعد میں نے ایک میز کا انتخاب کر ہی لیا۔ وہاں دو دونوں پارٹیوں کے سامنے نوٹوں کے ڈھیر موجود تھے اور یہاں شطرنج کے علاوہ ایک اور بھی کمال سامنے آیا۔ ایک فریق کے ساتھ والی خوبرو عورت جو شاید اس کی بیوی ہی تھی حریف کی کرسی کے پیچھے پر جیسے بازکہ کے ساتھ بیٹھی اس کے کارڈز دیکھ رہی تھی ساتھ ہی آنکھوں اور ہاتھوں کے اشاروں سے خیر خصوصی طریقے سے

اپنے شوہر کو حریف کے کارڈ سے باخبر کرتی جا رہی تھی۔ میں تو دوران تمام عرصے سے
گزر ہوا تھا اس نے پہلی ہی نظر میں صورت حال بھانپ لیا۔ ایک آدھ تو تھا ان
کے ہونٹوں پر بکھری ہوئی مسکراہٹ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھی عورت کی ان تمام
حرکتوں کا مفہوم سمجھ رہا ہے۔ لیکن جیب بھرنے والا ہی اس عورت کو خود سے اس
قدر قریب پا کر اپنی عقل کھو بیٹھا تھا اور نہایت اطمینان سے بڑی رقمیں ہارے جا
رہا تھا تو بھلا کوئی دخل اندازی کیوں کرتا۔

رات کے دو بجے تک میں صرف تماشا دیکھتا رہا۔ ہر طرف کھیل
عروج پر تھا۔ ہارنے والے بے تحاشا شراب پی رہے تھے۔ سگریٹوں کا دھواں اٹھ
رہا تھا۔ الکحل بھرے پسینوں میں شرابور ہو رہے تھے۔ ہاتھوں پر رعشہ طاری
ہو چلا تھا مگر وہ کھیلے جا رہے تھے۔ جیتنے والوں کے چہرے مسرت سے دمک رہے
تھے اور وہ بات بے بات قہقہے لگاتے جا رہے تھے۔

بازیاں ہوتی رہیں۔ رقمیں چلتی اور منتقل ہوتی رہیں۔ آخر دو بجے میری
منتخب کی ہوئی میز پر ہچکی لگی۔ عورت کا شکار قلاش ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا
اور وہ عورت مسرت سے سرشار اپنے شوہر کی جیتی ہوئی رقم گننے لگی۔

اسی وقت مجھے امیر خان اس میز کی طرف آتا نظر آیا۔ شاید جیتنے والوں
کو جیبیں خالی کرنے پر مجبور کرنا اس کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ مگر میرے لئے اب صبر
کرنا محال تھا۔ میری بے چین انگلیاں اپنا کمال دکھانے کے لئے بے چین تھیں۔ میں نے
امیر خان سے نظر بچائی اور اس کے آنے سے قبل جیتنے والے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"شاندار جیت مبارک ہو۔" میں نے جھکتے ہوئے پرجوش لہجے میں کہا۔ "مجھے
صرف کہتے ہیں۔ آپ کا بے داغ کھیل دیکھ کر میں خود کو روک نہ پایا۔ آپ جیسے لوگوں سے
ہار کر بھی مجھے دلی مسرت ہوتی ہے۔"

عورت نے حیرت سے بڑی بڑی پلکیں اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ اس کے چہرے
پر طنزیہ سی مسکراہٹ نظر آئی۔ اس نے سرد مہری سے میری طرف ہاتھ بڑھا دیا۔
"میں ہوں تمہارا عاشق۔"

اس کا سرد ہاتھ تھامے ہوئے میں نے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔ کارڈ اٹھائے
اور سیدھا کر کے پھینک دیا۔ وہ بالکل سیدھی سادی تھی۔ جو کرتب کرنے کے
بعد میں نے ان کا جائزہ لیا سب سے اوپر رکھا۔ بغیر کسی حرکت کے اور دل ہی دل میں اپنی
عیاری پر مسکرا دیا۔

میرے ہاتھوں پر ٹھنڈک سی چھا گئی۔ امیر خان میرے بالکل ساتھ آ بیٹھا۔ میرے
حریف کی پشت پر کھڑا ہو گیا۔ لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ اس وقت تک کسی صورت میں
کچھ نہ کر سکے گا جب تک کارڈ بانٹے نہ جائیں۔ میری انگلیوں پر نظر رکھی جا رہی ہے
"تاش بانٹنے" میں نے بائیں ہاتھ کی جنبش کی۔ امیر خان کا چہرہ ایک
لمحے کے لئے دھواں ہو گیا۔ اس نے گھبرائی ہوئی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا لیکن کوئی
بھی میری حرکت نوٹ نہ کر سکا تھا۔ مجھے دل ہی دل میں امیر خان کی قابل نظروں کا اعتراف
کرنا پڑا۔ بہت کم لوگ میرے کمالات کو پکڑ پاتے تھے اور امیر خان ان میں سے ایک تھا۔
کھیل شروع ہو چکا تھا۔ بازی کچھ سو روپے سے اوپر جا پہنچی تھی۔ اپنے

حریف کو میں نے پے بہ پے تاش کے ایسے پتے دیے کہ وہ ہر بار جیتتا رہا۔ پھر میرے
آنے سے پہلے بہت سے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ چھٹی بازی میں ہارا اور وہ جیت گیا۔ اس کی ہمت بڑھی
کی ایک اور جیت کی خواہش نے اس کے دل میں جنون سا پیدا کر دیا تھا اور امیر خان کی دور کی
تشویش مجھ پر عیاں تھی اور اس کے چہرے سے دباؤ اور جوش عیاں ہو رہا تھا۔

امیر اور جیت کے درمیان کھلاڑیوں کی طرح میں نے پتے بانٹے۔ جیت سے بچنے کی
بازیاں ادھر میری ہارنے کے دوران سے صرف چند سو روپے رہ گئے۔ میرے حریف کا جوش
مزید بڑھ گیا۔ اسے زیادہ وہ مشتعل ہو چکا تھا اور وہ بڑی رقم پر بازی لگا دیتا۔ اب
میرے سنبھلنے کی باری تھی۔

چوتھی بازی میں وہ ہار گیا۔ ضرور اسے بھی احساس ہو گیا تھا کہ پھر آہستہ
آہستہ اس کے آگے رکھے ہوئے نوٹوں کے انبار میرے سامنے منتقل ہونے لگے۔ اور
پچھلے بازی سے بہتر رقم لگانے کے لئے اس نے ایک اچھی چال چلی۔ اپنے سامنے کی طرف دیکھا۔
اس کی بیوی کی اضطراب کے عالم میں میرے عقب میں آ کھڑی ہوئی تھی۔ مگر میں اس سے بے خبر
تھا۔ دو کارڈ کھینچنے کے لئے میرے اوپر جھک کر میں نے کھیل جاری رکھا۔ اور کبھی بار بار
کی اس کے ہونٹوں سے جاری ہو رہا تھا۔ ہارنے والے کا چہرہ بالکل سفید پڑ گیا تھا۔ اور جیتنے کی
امید میں بار بار رقم لگا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مایوسی کے عالم میں اداسی چھا جاتی۔

صبح کے پانچ بجنے سے قبل وہ اپنی جیب خالی کر چکا تھا۔ اور
جوا بازی میں بازیاں ہارنے کے بعد اس کا چہرہ لٹکا ہوا تھا۔ اور سر جھکا ہوا تھا۔ لیکن بے شک وہ
بدل چکا تھا۔ اس کا مقصد تو میری انگلیوں میں پوشیدہ تھا۔ جیسا کہ اس کی بیوی نے کہا
ساری رقم ہارنے کے بعد کلب کے دستور کے مطابق اس نے میرے ہاتھ
سے دو سو روپے اٹھائے اور اپنی بیوی کے ساتھ چپ چاپ دروازے کی طرف بڑھا۔
گرنے میں پہلے ان سے الگ کی طرف چل دیا جہاں پہلے سے کچھ لوگ ہارے ہوئے
کراچی کے جواری تھے۔ سر پر ہاتھ رکھے بیٹھے تھے۔
کا بیوی تھا۔ کوئی دو ڈھائی بجے تھا جب آخری جیت کی اطلاع پر کھیل ختم ہوا۔ اسی
کی صورت میں میری جیت کا پانسہ پلٹا دیا۔ کوئی سا قبضہ نہیں تھا۔ پھر میں نے اسی حصے میں کچھ رقم لے کر
قریب قریب ہی آ گیا۔ آخر جیت کی صورت میں میں اور اس کی بیوی باہر نکل گئی۔ میں نے حساب
کیا تو میری اس رات کی خالص جیت اکیس ہزار روپے سے اوپر تھی!

وقت کم رہ گیا تھا اس لئے میں نے مزید کھیلنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور
جب میں نے شراب کے نشے میں دھت ڈولتے ہوئے جواری اور جھومتے ہوئے مسرور
لوگ گھر سے نکلنے لگے تو مجھے بھی ساری رقم سنبھال کر اپنی جیب میں رکھی
مجھے یقین تھا کہ پیچھے سے قریب کھڑا امیر خان سیدھا میرے ہی پاس
آئے گا اور ہوا بھی یہی۔ کچھ دیر بعد وہ خود مسرت سے سرشار میرے پاس آیا اور
مجھے سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔ "کمال کر دیا تم نے۔ میرے یار۔" اس نے بے حد خوش ہو کر کہا۔
"میری جیت میں تمہارا بھی حصہ ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔
"یہ تمام رقم تمہاری ہے۔ اس بار یہ تمہارا شوق تھا۔ آئندہ میری
تیرے پاس کا کام ہو جائے گا۔ صبح ہونے والی ہے تم اپنے بالکل چھوڑ دو۔ یہاں
والوں کو اگر شبہ ہو گیا کہ تم نے کسی قسم کی مکاری کی ہے تو کلب کی انتظامیہ کی طرف سے
ویران ہو جائے گا۔ اب تم اس کلب سے مت آنا۔ سیدھے اپنے ہوٹل چلے جاؤ۔"

میں ان کا اتنا ہوا جا رہا تھا۔ "لہٰذا آئندہ سے کوشش یہی ہو کہ دونوں کلب آکر
ملا کرو۔ مجھے ایک ہفتے بعد پھر ملنا۔ تمہارا حصہ پورا کر دوں گا۔ جیت کی رقم گروی
ہوا کرے گی۔ اگلا ہفتہ تمہارا پرسید ہوگا اور تمہیں پہلے کی طرح کلب کے ہنر سے ملانا ہوگا۔"
"مگر جناب! امیر خان صاحب! اگر آپ نے کلب کے پیسے ٹھیک سے نہ دیے تو میں جیت کی رقم
کیسے تقسیم کروں گا؟" میں نے مختصر جواب دیا۔
"جب سے تم آئے ہو کلب والوں کی نظر تم پر لگی ہے اور وہ تمہیں سمجھنے کی کوشش کر
رہے ہیں۔ یہاں کوئی کیا تعلق نہیں ہے۔ جو بات میں نے کہی وہ بہت معقول ہے!"

امیر خان کے چلے جانے کے بعد کلب کے چار دن ایسے ہی گزر گئے۔
وہ چوتھا دن تھا جب میں اس کلب کے گرد چکر لگا رہا تھا۔ میں بہت مرعوب تھے۔ مگر
جواب میں نے جیب سے ایک ہزار روپے کا نوٹ نکالا اور جانا ضروری سمجھتے ہوئے
نہیں پلٹا۔ گھر جا کر بیٹھا۔

شہر میں کرائے کے مکان کوئی ایسی مشکل نہیں تھی لیکن میں نے کچھ بہتر
معروفیات کے مدنظر رہائشی علاقے کے بجائے ایک دور افتادہ علاقہ کو ترجیح
دی جہاں میری رات بے وقت مصروفیات کسی کی نظر میں آنے کا امکان نہ تھا۔
نئے آراستہ مکان میں آ کر میری اختیار کی ہوئی مصروفیات ساری ہو گئیں۔ مجھے کراچی
کی عیش و عشرت کا وہ پرسکون ماحول پسند آیا۔ جسے پا کر میں نے ایک نیا بنگلہ بنا لیا تھا
کشش بڑی سے بڑی وہ دیر انجانی تھی جہاں میں نے آخری شکست کے بعد
اپنی ہوس کے دوسرے روپ کو بہت اندر دبا لیا تھا۔ پھر میں نے ایک حسین چہرے کے بارے
انداز میں مسکرا دیا۔

جب میں وہاں سے نکل کر گھر کو روانہ ہوا تو آہستہ آہستہ دوبارہ اسی
طرف مڑ گیا۔ تمام شب جوا، شراب اور شباب ۔ میرے جیسا شخص شوقین
کچھ لوگ بھی پکار رہے تھے۔ بے مروت سالوں کے خاتمے میں جب میں کراچی سے فرار ہوا
تو وہ بے مقصد خاک چھانتے ہوئے میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میں دوبارہ اس
ہوٹل کی طرح زندگی کو جہاں پیسے کے بغیر باعزت موت بھی مشکل ہے لیکن وقت نے
ہاتھوں کو کمال کر دکھایا تھا اور میرا کھیل خفیہ انداز میں کھیلے جا رہا تھا!

اس روز دوپہر کے وقت میں ہوٹل میں تنہا بیٹھا کھانا کھا
رہا تھا کہ دو خوش پوش افراد میری طرف بڑھتے نظر آئے۔ ان کی حرکات و سکنات
سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ایسے لوگوں کے عادی نہیں ہیں اور انہیں مجبوری کی بنا پر
یہ تعلق اختیار کرنا پڑ رہا ہے۔

میرے قریب آ کر وہ رک گئے اور ان میں سے ایک تحکمانہ انداز میں
بولا۔

"ہمیں آپ کے پاس حاضری کا حکم ملا ہے!"

"تم سے یہاں بیٹھنے کو کس نے کہا تھا؟" میں ان دونوں کو گھورتے
ہوئے تلخ آواز میں بولا اور اسی وقت ہوٹل کے دروازے پر مجھے امیر خان کا
چہرہ نظر آیا۔ اور میں کھانا ادھورا چھوڑ کر ایک بڑا نوٹ پلیٹ کے نیچے دبا کر تیزی
سے امیر کی طرف بڑھا۔ امیر خان اس وقت خاموشی سے آنکھیں نکالے کھڑا تھا اور اس کی
پیشانی پر پسینہ صاف نظر آ رہا تھا!

امیر خان نے کچھ کہے بغیر میرا ہاتھ تھاما اور مجھے ساتھ لیتا چلا گیا۔
اس کی جیب میں پہلے سے دو آدمی موجود تھے اور پچھلے حصے میں قمیص کا دامن
بھی نظر آ رہا تھا!

"تم دروازہ کھول کر صندوق جیب میں جاؤ اور پیچھے آ کر۔"
امیر خان نے پیچھے جیب اسٹارٹ کی اور تیزی کے ساتھ آگے نکلتا
چلا گیا۔ میرے پاس آنے والے دونوں خوددار بھی اس دوران جیب میں
سوار ہو چکے تھے!

"کیا بات ہے؟ تم بہت پریشان ہو؟" میں نے اس کا چہرہ تکتے
ڈرائیونگ اور اس کے تفکر آلود چہرے پر نظر ڈالی۔
امیر خان کے منہ سے گالیوں کا ایک طوفان اٹھ پڑا۔ "میرا بس
چلے تو کمینے کو موٹر کے نیچے کھسیٹ کر اس کا تکا بوٹی کر دوں۔ اب
تم خود جلد آ جاؤ ہیں!"

میں وہم کا شکار ہو گیا۔ اسے مزید کچھ پوچھنا مناسب نہ تھا!
"تو تو نہ جانے کس طرح شاید گشت و خون کی نوبت بھی آ جائے!"
اچانک امیر خان نے بدلے ہوئے لہجے میں خوفناک لہجے میں کہا اور میں کانپ کر رہ گیا۔
اس کے لہجے کا ایک ایک لفظ اس وقت خون کی بو دے رہا تھا اور وہ بھیڑیا
بھیڑیا بنا ہوا رہا تھا۔

میں نے عقبی حصے سے ایک دانشمند اعتماد کا اظہار کیا اور
"رات کے کھیل کو دیکھ کر تمہارے ساتھ جھکڑا ہی کرے گا؟ کیا تم نے کچھ سمجھا ہوا ہے؟"
"یہ شخص تم علی! اس نے رات بیچ کر لیا اور بڑا! اس کی جیب
کی رقم تیزی کر رہی تھی۔ اس کی تجوری میں سونے کا ڈبہ ہے۔ سالا بڑا ہا بنا ہے۔
رشوت کے نام سے دامن ترنا ہے مگر یہ جانتا ہے وہ کمینہ ہے۔ بے شرم
اپنی بیوی کی کمائی کھاتا ہے۔ یہ بے غیرت شخص کے ساتھ ساتھ بیوی کی وجہ سے
بھی بے ایمانی کرتا ہے۔ وہ خود کلب کے انداز میں زور و شور سے جیت رہا
جا رہا تھا۔ پچھلے چند ہفتوں میں میرے کلب سے اس نے کم از کم لاکھ
روپیہ جیتا ہے۔ میں دانستہ اسے جیتنے اور بے ایمانی کرنے کے مواقع دیتا رہا
کیونکہ میرے پاس اس کی تیز حرکتوں کا کوئی توڑ نہیں تھا۔ اس کے منہ کو خون
لگا ہوا ہے۔ جب تک جیتتا رہا جائے وہ صفحہ سے جیتتا ہوا کر لیا جاتا رہا ایک وقت
جس پانچ ہزار کی بازی سب سے کم تھی۔ اس کے کان میں پچاس ہزار روپے تھے۔
آخر رات ہی مجھے یقین ہو گیا کہ وہ جو کچھ ہے وہاں سے اس کی تلاش تک
زیر دیوار کی بات سے یا مر جانا ہے۔۔۔ خیر۔۔۔ خیر میں اب اسے دیکھوں گا!"

میں چند ثانیوں تک خاموش رہا۔ امیر خان کی جیب کسی بدکے ہوئے
گھوڑے کی طرح تیزی کے ساتھ ناہموار پہاڑی راستوں پر آگے دوڑ رہی تھی۔
جانے کیا تھی۔ تھوڑے سے فاصلے پر گرد و غبار کے بادل میں امیر خان کی جیپ کی طرف آ رہی تھی۔
"یہ شخص تم علی سے کیا کمینگی سرزد ہوئی ہے استاد؟" بوجھل سکوت
کے بعد میں نے دبی زبان میں اس سے پوچھ ہی لیا۔

احمد صفدر کھلی ہوئی بڑی بڑی آنکھوں سے مجھے گھورا اور بولا۔

"اس نے بار ہا مجھ سے کہا تھا کہ میں تو یہ تک

اسے بار ہا ہوئی رقم بنگلہ پر واپس مل جانی چاہیے ورنہ وہ ہمارے ٹھکانے پر ریڈ کروا دے گا۔ اس وقت وہ نشہ میں تھا لیکن وقت تھا۔ میں نے اس کی بات کو کوئی اہمیت نہ دی اور ہنس کر ٹال گیا لیکن وہ واقعی تھوڑی ہی دیر میں مسلح پولیس کی بھاری جمعیت کے ساتھ ان پہاڑیوں کو گھیرے میں لے چکا ہے جہاں غاروں میں لاکھوں روپے کا مال پوشیدہ ہے۔"

اب ساری بات واضح ہو چکی تھی۔ میں نے دیکھا جن راستوں پر ہماری جیپ جا رہی تھی وہ ویران تھے گرد جمی ٹائروں کے بہت سے نشانات گواہ تھے جس کا مطلب تھا کہ گروہ کے آدمی اس راستے کو کثرت سے استعمال کرتے رہے ہیں۔ بلکہ پولیس کی گاڑیاں بھی شاید اسی راستے سے گئی تھیں۔

تقریباً نصف گھنٹے کے سفر کے بعد امیر خان نے جیپ دو پہاڑیوں کے درمیان واقع گروہ کا مسدود دوسری طرف پہنچنے کے بعد انجن بند کر دیا۔ دوسری جیپ بھی پل بھر میں وہیں آ رکی۔ یہ ایسی جگہ تھی کہ باہر والے راستے سے ان جیپوں کا دیکھ لیا جانا ناممکنات میں سے تھا!

ہم چھ آدمیوں نے امیر خان کی جیپ سے رائفلیں سنبھالیں اور میگزین کے روزانہ چیک کئے۔ بعدوں پہ لاد کر اس کے پیچھے پیچھے پہاڑیوں پر چڑھنے لگے۔

جانے سفر کا یہ حصہ خاصا کٹھن تھا۔ میں ایسی باتوں کا عادی نہ ہونے کے سبب جلد ہی ہانپ گیا۔ امیر خان کسی تازہ دم چیتے کی سی پھرتی کے ساتھ ہماری رہنمائی کر رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ رک رک کر مشکوک نگاہوں سے پولیس کے گرد و پیش کو بھی تلاش کرتا جا رہا تھا جن کا یہاں کوئی وجود نہیں تھا!

تھوڑی ہی دیر میں ہم ایک ایسی چوٹی پر جا پہنچے جس کی دوسری جانب پہاڑی وادی میں پولیس کی تین وائرلیس ٹرک ایک سرکاری جیپ سمیت موجود تھے درمیان پولیس والوں کی مسلح جمعیت چار آدمیوں کو چند وقفوں کی حال پر روکے کھڑی تھی۔ ان چاروں کے ہاتھ بلند تھے اور وہ خاصے سراسیمہ نظر آ رہے تھے ہم کچھ دیر تک چٹانوں کے پیچھے لیٹے وادی میں ہونے والی کارروائیوں کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر امیر خان کی ہدایت پر زمین سے چپکے چاروں طرف پھیلنے لگے۔

وادی میں ہر شخص جعل پولیس کی وردی میں موجود سارے کام کی نگرانی کر رہا تھا۔ بہت سے پولیس والے پہاڑی غاروں میں سے بے شمار چھوٹے بڑے سربند ڈبے لا لا کر باہر جمع کر رہے تھے جن میں یقیناً ... اسمگل کی ہوئی دیگر اشیاء کے ساتھ منشیات کی بھاری مقدار رہی ہوگی۔

میں نے ایسی جگہ سنبھالی ہوئی تھی جہاں سے پر شوکت جعل کا راستہ بالکل میری زد میں تھا اور میں رائفل کی نال سیدھی کئے امیر خان کے پہلے فائر کا منتظر تھا!

کئی منٹ تک فضا میں موت کا بوجھل سکوت چھایا رہا۔ پھر پہاڑیاں رائفل کے پہلے فائر سے لرز اٹھیں۔ امیر خان نے کم از کم دو سپاہیوں کو ...

طرح زخمی کر رہا تھا۔

یہ اشارہ پاتے ہی بیک وقت مزید پانچ رائفلیں گرجیں اور وادی میں خاک و خون کی برسات کر گئیں۔ میرے فائر نے نہ جانے کس کس کو ادھیڑا مگر پر شوکت جعل زمین پر گر کر فوراً ہی بچ گیا۔

امیر خان کے زیر ہدایت ساتھی جب فائر پاتے ہی ٹوٹ پڑنے کو تیار ہو جاتے تھے۔ پولیس کے تمام اہلکاروں میں سخت افراتفری اور چیخ پکار مچ گئی۔ وہ ٹرکوں کے پیچھے غاروں میں گھس جانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن ہماری فائرنگ نے ان کی جانوں کا تمام اثر بیت کر دیا ہو گئی تھیں۔

اس وقت ایک ٹرک حرکت میں آیا اور میری گولی وِنڈشیلڈ کے ٹکڑے اڑاتی ڈرائیور پر جا کر لگی۔ پھر ایک اور ٹرک موڑ دیا جو ... پر فائر کھول دیا گیا۔ شاید پولیس کی حراست سے بچنے والے چاروں افراد ... پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے!

کئی منٹ تک پولیس والے اندھا دھند فائرنگ کرتے رہے۔ فلاں آدمی کا اصل حملہ ادھر بہادروں سے کیا گیا ہے لہٰذا انہوں نے ہوائی فائرنگ شروع کر دی۔ ہم ساتھیوں کے لئے بالکل بے ضرر ثابت ہو رہی تھی جبکہ ہمارا ایک ایک فائر پورا کام کر رہا تھا!

پھر اچانک پولیس والے خاموش ہو گئے۔ میں نے سامنے والی پہاڑی پر کھڑا رائفل سنبھالے تیزی سے نیچے جاتے دیکھا۔ وہ چھپاویں کی طرح ادھر سے ادھر رینگ رہا تھا آخر ایک جگہ وہ میری نظروں سے معدوم ہو گیا۔

پولیس کے ساتھ تواتر کے ساتھ وقفے وقفے سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ دو ٹرک شاید ناکارہ ہو چکے تھے۔ تیسرا تختہ تھی اور بچ جانے والے تمام سپاہی ٹرک پر سوار ہو کر آندھی کی سی رفتار سے اس وادی سے نکل گئے جہاں اب پر عورت کا حملہ ہو رہا تھا!

نیچے سے ہوائی فائرنگ کا سلسلہ ختم ہونے پر میں غار تلاش نہ کر سکا۔ پھر مجھے نیچا امیر خان نظر آیا۔ وہ خون میں نہایا ہوا تھا اور پر شوکت جعل کو گریبان سے کھینچتا ہوا وسط میں لا رہا تھا۔ جانے نیچے پہنچنے سے قبل ہی پولیس سے نجات پانے والے چاروں ادھر چٹانوں سے نکل آئے تھے۔ وادی میں وفا پولیس والے بے سدھ خون میں لت پت پڑے ہوئے تھے۔ ان میں صرف دو زخمی تھے اور باقی سات ہر ... سے گزر چکے تھے۔ پر شوکت جعل کی حالت بہت ابتر تھی۔ اس کی ما ... میں آ چکا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کے لئے کھڑا ہونا بھی محال تھا اس کے علاوہ سینے کے آہنی گولیوں نے اس کا علم بردار چہرہ سیاہ کر دیا تھا۔ ویسے امیر خان کا بھی شانہ بری طرح زخمی تھا جس سے ابھی تک خون کی ہلکی سی دھار بہ رہی تھی اور ... رہی تھیں۔

اس وادی میں امیر خان کے دو آدمیوں کا ایک ٹرک ... کامیاب ہو ... سات ... تمام ... تھا ...

زور سے ہٹاکوں بیت تیز رفتاری کے ساتھ کسی گمنام منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

امیر خان بھی دوسرے زخمی پر شوکت کو سنبھالا پکڑ لیا اور چاہیے لئے ہوئے کئے ہوئے زخمی اور دو سپاہیوں کو اس حالت میں چھوڑ دیئے گئے تھے۔ تھا اس قدر تنگ راستہ کہ ہم جلد ہی پہنچے جہاں جیپیں کھڑی کی گئی تھیں تو ٹرک سے رواں دواں ایک شخص پہلے سے جیپ والا موجود تھا۔ شاید ٹرک والے فرار ہوتے ہوتے اسے وہاں چھوڑ گئے تھے!

امیر خان نے ہر زخمی کو ساتھ رائفل کے کندے سے پر شوکت کا کندھا پکڑ کر مجھے بے ہوش ہو گیا۔ جاوید کو بھی پکڑ کر ہم دونوں جیپ میں سوار ہو گئے۔ امیر خان نے مجھے کہا اپنے پیچھے آنے والے ... ہمارا دونوں جیپیں برق رفتاری کے ساتھ ایک نئے راستے پر روانہ ہو گئیں۔

سہ پہر کے قریب ہم پہاڑوں کے درمیان واقع کسی عظیم الشان قدیم عمارت میں جا پہنچے جہاں امیر خان نے اپنے شکار دو چار گاڑیاں کی دروازے بند کر رکھی تھیں۔ عمارت کے ایک بڑے ہال میں ہم سب جمع ہوئے۔ عمارت کے اطراف سے ٹوٹی ہوئی کئی راہداریاں اور بہت سے کمرے مسلسل ایک طرف کو جاتے تھے جو کسی پرانے پیشہ سے وابستہ رہا ہو گا۔ اب جانے عمارت کا نہ جانے کتنا حصہ ویران ہو گیا تھا۔

ہم تیزی سے جیپوں کے ساتھ یہ پیش پیش پر شوکت کو جب نکالتے تب دیکھا پڑتا خانے میں ادھر ادھر بکھرا ہوا سامان سامان موجود تھا۔ ایک طرف کئی پیپوں کے کئی ڈبے پڑے ہوئے تھے اور تہہ خانے کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ عمارت مسمار ہو جانے کے بعد ہمارے گروہ نے استعمال میں لا رکھا ہے!

مجھے یہ سوچ کر بھی حیرت ہوئی کہ اس ادھیڑ عمر شخص سے یہ کتنا بڑا سبق یہ نہیں کہ ... یہ قدم اس وادی میں کیا!

تہہ خانے کی ادھر سے سامان سے امیر خان کا زخم صاف کیا گیا تو پتہ چلا زخم گہرا نہیں ہے بلکہ گولی شانے کی کھال ادھیڑتی ہوئی گزر گئی ہے۔ ڈریسنگ کے بعد امیر خان نے دنیا جو بد دیا اور سگریٹ کے لمبے کش لیتا ہوا پر شوکت کے قریب آ گیا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ بھی نڈھال ہے۔ وہ ڈاکٹر کا ایک بڑا ... لاؤ"۔ بھنا ہوا اسے ہوش میں لانا ہی مناسب سمجھا۔

ہم نے فوراً ہدایت کی تعمیل کی۔ وہ الماری وہ ... انجکشن آ گیا۔ ... میں تبدیل ہو گئی۔

"اب وہ جلد ہی ہوش میں آ جائے گا۔ وہسکی کا ... گھونٹ لے کر امیر خان نے اپنی ... واپس میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

میں نے استفسار طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا دیا۔

"شکریہ ... سے معمولی کو پہلی ملاقات کرنی ہو جو آخر پر شوکت کو سب کا ... ضروری تھی۔"

وہ دوبارہ ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

... امیر خان ... پر شوکت ...

آتا جا رہا تھا۔ "پولیس ہیڈ کوارٹر میں کسی کو علم نہیں تھا کہ پولیس کے افسران اتنی بھاری جمعیت کو کہاں لے کر کسی اطلاع کی بنیاد پر چھاپہ مارنے جا رہا ہے۔ پھر پر شوکت کی گمشدگی کے بعد انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ پچھلی رات کے تھکے کی خبر ہے جس کی تلاش میں ایجنسیاں بھاگیں! مگر بھاگنے والوں سے جتنا ہو سکتا تھا ... پہاڑ کی جانب بھاگ نکلے ..." بہ مارا گیا

تھا۔" میں نے کہا۔

"میرے کھیل اتنے کچے نہیں ہوتے۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ ہمارا ٹھکانا ہے۔ پر شوکت کو آنا تھا اس کا سراغ مل گیا تھا اور وہ اپنی زبان بند رکھنے کی قیمت کے طور پر مجھ سے زر وجواہرات کی کثیر مقدار حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا ورنہ یہ تو ہم جیسے افراد ہی قصہ ختم کرنے کو تیار تھے! اور اب مال ہٹا دیئے جانے کے بعد کوئی طاقت اس اڈے سے ہمارا تعلق ثابت نہیں کر سکتی۔"

"میں تمہاری منصوبہ بندی اور ذہانت کا قائل ہوں داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔" میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔

"وہ میرا نام معروف منصوبے پر عمل کرنا تھا ہمارا سربراہ بہت باخبر رہتا ہے۔ پتہ نہیں کس اطلاع کے ساتھ ہی ہمیں اپنا کاروباری منصوبہ ترک کرنے کو کہا گیا تھا۔ اس خیال کے ساتھ ہمارا کام اس کی مرضی کے بغیر کوئی دوسرا کوئی اہم کاروائی کر سکتا ہے۔" وہ تیزی سے بولا۔

"وہ یقیناً زبردست دماغ کا مالک ہے۔ میرے دل میں بھی اس سے ملاقات کی تمنا جاگ اٹھی ہے۔"

"تم اس سے مل چکے!" وہ ہنس دیا۔ "میں اس کا معتقد ہونے کے باوجود آج تک اسے دیکھ نہیں سکا۔ وہ تو بس ایک خیال ہے۔ ہر جگہ ہے اور کہیں بھی نہیں ہوتا۔" اسی وقت پر شوکت نے کراہ کر پہلو بدلا۔

"اس کے زخموں پر تھوڑی سی شراب ڈالنی ہے!" امیر خان نے پرشور قہقہہ لگا کر اپنے ساتھی سے کہا۔ "سالا جلدی ہوش میں آ جائے گا۔"

حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ ساتھی نے کسی زر خرید غلام کی طرح امیر خان کی ہدایت پر عمل کیا اور پر شوکت نے واقعی تڑپ کر آنکھیں کھول دیں۔ اس نے ہاتھ پیر جھٹک کر فرش سے اٹھنے کی کوشش کی۔

"مجھ کو کچھ ... ہم ... میں کہاں ہوں؟" زخموں کی سوزش سے بے چین ہو کر وہ پوری قوت سے چیخ پڑا۔

امیر خان نے سفاکانہ انداز میں اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر اس کا چہرہ اپنی طرف گھمایا اور تلخ لہجے میں بولا۔

"نیچی آواز میں بات کرو پر شوکت صاحب! اس وقت تم اپنے دفتر میں نہیں امیر خان کے روبرو ہو!"

اس نے سہمی سہمی آنکھوں سے امیر خان کی طرف دیکھا اور کلیجے سے لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

"تو یہ بازی بھی تمہارے ہاتھ رہی ... میں سمجھ رہا تھا کہ بچ گیا ہوں!"

"سمجھتے ہو؟" تہہ خانے کی اس فضا میں امیر خان کے طویل وحشیانہ

قہقہوں کی گونج نے میرے اعصاب تک کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

"پولیس کمشنر صاحب آپ اتنے مجبور کب سے ہو گئے؟"

پرشوتم نے کراہ کر پہلو بدلا اور نقاہت زدہ آواز میں بولا۔

"میرا مقصد تم سے ٹکراؤ نہیں تھا — میں واپس کے ذریعے تمہیں بلیک میل کرنا چاہ رہا تھا۔"

"مزید بلیک میل کرو!" امیر خان نے بوتل سے شراب انڈیلتے ہوئے لاپروائی کے انداز میں بولا۔

"شاید تمہارا خیال ہے کہ تم اب بھی قابل قبول ہو؟"

"میں مذاق نہیں کر رہا۔ تم سمجھتے کیوں نہیں؟" وہ بے بسی کے ساتھ پوری قوت سے چیخا مگر امیر خان کے چہرے پر سنجیدگی کی وجہ سے باقی الفاظ اس کے حلق ہی میں گھٹ کر رہ گئے۔

"اف... میں کس مشکل میں پھنس گیا۔" وہ روہانسی آواز میں بولا۔

"کم از کم میرے زخموں کی ڈریسنگ تو کرا دو، میرے بدن میں آگ سی لگ رہی ہے!" اذیت کے باعث وہ بار بار بے چین ہو کر پہلو بدل رہا تھا۔

"آگ تو سیٹھ بدن میں بھی لگ رہی ہے!" امیر خان کا لہجہ یک بیک بے رحمانہ ہو گیا۔ "جی چاہتا ہے کہ تمہیں ... اڑا دوں!"

"مجھے رہا کر دو۔ مجھے رہا کر دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں بالکل ... نہیں کروں گا۔" آہستہ آہستہ اس پر ہذیانی کیفیت طاری ہوتی جا رہی تھی۔

"سیٹھی۔ یہ جاہل اور میرا نشہ خراب کر رہا ہے۔ اسے خاموش کر دو!" امیر خان بیزاری کے عالم میں بولا۔

پرشوتم نے بہت ہاتھ پیر مارے مگر سیٹھی نے انتہائی قوت سے اس کی کنپٹیاں دبا دیں۔ ذرا دیر میں وہ کسی بے جان ... کی طرح فرش پر لڑھک گیا۔

امیر خان بوتل لیے میرے قریب سرک آیا اور ہم تینوں گہری خاموشی میں خالص شراب سے شغل کرنے لگے۔ سیٹھی شاید ... کا عادی نہ تھا۔ اسے ایک دو بار کھانسی کا دورہ پڑا تو امیر خان نے غصیلے انداز میں اس کا گلاس چھین کر فرش پر دے مارا!

"بزدل قتل ہو جانے پر!" امیر خان عجیب آنکھوں سے میری طرف دیکھ کر خطرناک انداز میں مسکرایا۔

"اس لاہوری سے ... ہو ... تو ذرا میں تمہاری ... دیکھوں!"

میں لاہوری سے سر ہلا کر رہ گیا۔ سیٹھی نے ... قریب کھسکایا اور میری ... تلاش کرنے لگیں۔

"ذرا ہوش میں رہ کر پیتے جاؤ ..." امیر خان نے تلخ لہجے میں کہا۔

میں مسکرا دیا۔ "اور تمہاری چالبازی پکڑی ہوئی ہوں تو؟"

"میں تجھے نہیں باندھوں گا" وہ متکبرانہ انداز میں مسکرایا۔

"یہ معاہدہ یک طرفہ ہے۔ رسی تیری ہوگی۔"

میں نے ایک طویل سانس لیا اور ... کے ساتھ ... نے کار ... تو میں بے اختیار ہنس پڑا۔

"کیا بات ہے؟" امیر خان نے آنکھیں سکیڑیں۔

"تمہارے ہاتھ کی ... گھڑا ہوں؟" میں نے کہا۔

"کیا؟" اس نے بے یقینی کے عالم میں کہا۔

"... کا غلام اور ایسٹ کا بادشاہ۔" میں نے قہقہہ لگایا۔ امیر خان نے غصے کے عالم میں ... فرش پر دے مارا ... تو امیر خان کے چہرے پر حیرت کی ... ناچنے لگیں۔

"تو تو سیانا ہے میرا — قسم پروردگار کی میں نے ایسا اب تک نہیں دیکھا!"

"آہستہ آہستہ تمہیں بھی سکھا دوں گا۔" میں نے کہا۔

"دوست!" امیر خان ساتھیوں کے ... دھاڑا۔ "تجھے مبارک ہو! میرے لیے اچھے کام بہت ہیں!"

اسی وقت باہر سے کسی جیپ کے انجن کی غراہٹ سنائی دی اور امیر خان "آ گئی" کا نعرہ مارتا تیزی سے ... میں بھی ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا تاکہ آنے والوں کا ... کر سکوں۔

باہر شام کا دھندلکا پھیلا ہوا تھا۔ امیر خان باہر نکلا تو ... سرسراتی ہوئی سرگوشیانہ آواز ابھری۔ "باس"

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ امیر خان کے قدم ... ہو کر رک گئے تھے۔ میں نے سامنے دیکھا تو ایک دراز قامت سایہ کسی ... ہیولے کی طرح ... چلا آ رہا تھا۔ اس کی مٹیالے رنگ کی جیپ کی ... موجود تھی!

وہ دراز قامت سایہ ... ہو کر بڑھتے ہوئے ہمارے قریب آ گیا۔

"باس۔ آج آپ؟" امیر خان کے منہ سے تحیر زدہ آواز ...

وہ دراز قامت سیاہ رنگ کے ڈھیلے لباس میں ملبوس تھا۔ اس کا چہرہ ایک نقاب کی اوٹ میں پوشیدہ تھا مگر ... بے پناہ قوت کا مالک ... اس کے شانے پر لدی ہوئی عورت کا ... کی پشت پر جھول رہا تھا۔ عورت کے بدن پر پیلے رنگ کا اسکرٹ ... بنا رہی تھیں کہ ہمارا باس اسے بے ہوش کر کے ... میں ڈال کر لایا ہے۔

اس سے پہلے کہ میں زبان کھولتا، اس شخص کی ... نقاب کے دو سوراخوں کے عقب سے چمکدار پتلیاں ... ایک لمحے کے لیے ... نگاہیں جھکا لیں۔

"سعید علی!" آنے والے نے پہلی بار بھرائی ہوئی آواز میں زبان کھولی۔ "میں اپنی تنظیم میں تجھے خوش آمدید کہتا ہوں!" اس نے صاف ستھری اردو میں کہا۔

"شش... شکریہ باس!" میں اس سے اس قدر مرعوب ہو گیا تھا کہ بس ہکلا کر رہ گیا۔

اسی وقت امیر خان نے بڑھ کر باس کے شانے سے لڑکی کو سنبھالنا چاہا لیکن وہ خوفناک بھاری آواز میں دھیرے سے مسکرایا: "... شاید ... میں اس چالاک لڑکی کو تمہارا انعام قرار دے دوں، تم نے پورے منصوبے پر کامیابی سے عمل کیا ہے!"

پھر امیر خان کی رہنمائی میں باس اس تہ خانے میں جا پہنچا جہاں سیٹھی زیادہ شراب پی جانے کے باعث کرسی پر بیٹھا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ... کو گھور رہا تھا۔ اس کے قریب ہی قالین پر پرشوتم ... پڑا ہوا تھا۔

باس نے اس عورت کو آہستگی سے قالین پر ڈال دیا اور ... اس کے ہاتھوں پر ... پہنے ہوئے تھے۔ شاید انہیں ... انگلیوں کے نشانات چھوڑنے کا ... تھا۔

سیٹھی نے جوں ہی سیاہ نقاب پوش کو دیکھا بوکھلا کر کرسی سے اٹھنے کی کوشش کی مگر لڑکھڑا کر فرش پر ... گر گیا۔ اس کے منہ سے ایسی دبی دبی ... آوازیں نکل رہی تھیں جیسے ... بول رہا ہو!

"امیر خان!" اچانک نقاب پوش کی خوفناک اور بھاری آواز ابھری۔ "سیٹھی کو باہر میری جیپ میں پہنچا دو ورنہ ... ہو جائے گا!"

امیر خان کے بڑھنے سے قبل ہی سیٹھی بوکھلائے انداز میں ... کی جانب دوڑ پڑا۔ تنظیم کے سربراہ کی موجودگی کا یقین ہوتے ہی اس کا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔

"یہ لڑکی ... کیسے ... امیر خان؟" نقاب پوش اطمینان کے ساتھ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"باس... اس کا ... پوچھا باس!" امیر خان خوف زدہ اور ہکلائی ہوئی آواز میں جھکتے جھکتے بولا۔

اس نے جلد جلد ساری داستان سنا دی ... اور دلچسپ ... ہم دونوں ... کی طرح نظریں جھکائے اس کے سامنے کھڑے تھے۔ ... قالین ... بے ہوش پڑی ہوئی عورت کی طرف دیکھا ...

... کا مینڈک موجود تھا۔ دوسرا ... شاید کہیں رہ گیا تھا۔ اس کا کھلا گریبان والا بلاؤز اس کی روشن خیالی کی عکاسی کر رہا تھا۔ خوبصورتی سے انگریزی وضع کے ترشے ہوئے بال، کشادہ پیشانی، غزالی آنکھیں، ستواں ناک، کھلتا ہوا گلابی چہرہ، دمکتے ہوئے ... ہونٹ اور ... بڑا سا تل۔ اس قتالۂ عالم کو بآسانی ملکۂ حسن کا خطاب دیا جا سکتا تھا۔ میری نظریں خدوخال سے الجھتی بلاؤز کے گریبان پر آ گئیں۔ تہ خانے میں گہرا سکوت چھایا ہوا تھا اور اس سکوت میں بے ہوش لڑکی کے سانسوں کی آواز بتدریج تیز ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے زیبا اپارٹمنٹ میں ... کی پہلی رات کو اسے دیکھا تھا لیکن اس وقت میں اس پر ... نہیں دے سکا تھا اور اس وقت مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ کیسے چالاک حریف کو سامنے پا کر ... بے حس ہو جاتے ہیں۔

"سعید!" تہ خانے کی مسموم فضا میں اچانک بھرائی ہوئی فیصلہ کن آواز ابھری اور میں بے اختیار جھرجھری لے کر رہ گیا۔ نقاب پوش کی ... آنکھیں سیاہ سوراخوں کے عقب سے ... تھیں۔ "... تم جس مقصد سے بھی نیپال میں ... اسے ایک خواب سمجھ کر بھول جاؤ گے۔ اب تنظیم تمہاری زندگی ہوگی۔ ... آدمیوں کے لیے باعتماد اور عزت کی ... ہم کلام ہو سکے۔ تنظیم میں ... امیر خان کا درجہ بلند ہے ... کے بعد تم ... ہو گے لیکن یاد رکھنا کہ تنظیم کے غدار رکنوں کی موت ... جاتے ہیں!"

"میں خود کو اس عزت افزائی کا اہل ثابت کروں گا باس!" میں نے اپنی آواز میں ہلکی سی لرزش محسوس کی!

"تنظیم کے مقاصد اور طریقہ کار سے ... تم خود ... ہو جاؤ گے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز کسی برقی ... کی طرح میرے دماغ میں پیوست ہوتی جا رہی تھی۔ "فی الحال تمہاری سرگرمیاں زیبا اپارٹمنٹ اور شہر تک محدود رہیں گی۔ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم ... اور تمہاری بے رحم انگلیاں دشمنوں کو ابدی نیند سلانے کا خوب تجربہ رکھتی ہیں ... کہ اب نیپال میں تنظیم کی خدمت کے سوا تمہارا کوئی اور مقصد نہ ہوگا!"

"میں محفوظ اور آزاد زندگی کی تلاش میں نیپال کی سرحدوں میں داخل ہوا تھا ... میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے نہ صرف مجھے سہارا دیا بلکہ مجھ پر اعتماد بھی کیا!"

"سعید!" وہ ... نقاب پوش ... کے عالم میں ... کرسی سے اٹھ گیا۔ اس کا لہجہ ... اس کے لہجے میں ... نہ جانے کہاں جا سوئی تھی۔ میں اس کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر گھبرا گیا!

"غداری کی سزا موت ہے اور جھوٹ غداری کا پہلا دروازہ ہے!" وہ میرے مقابل آ کر ... آواز میں بولا۔

میں کچھ نہ کہہ سکا۔ میری نگاہوں کے سامنے تاریکی کے گھومتے ہوئے دائرے ناچنے لگے۔ دل کی دھڑکن یک بیک تیز ہو گئی۔ پنڈلیاں اچانک بے جان ہونے لگیں اور مجھے اپنے قدموں پر کھڑے رہنا بھی دشوار نظر آنے لگا۔ وہ نہ جانے میری کس بات کو جھوٹ سمجھ بیٹھا تھا۔

مجھے خاموش پا کر وہ پھر گویا ہوا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ بہت دور اندیش ہو اور یہ جانتا ہوں کہ تم ایک اہم مقصد کے تحت یہاں آئے تھے مجھ پر اعتماد کرنے سے قبل میں کیپٹن بھاٹیہ تک پہنچ چکا تھا" پھر وہ تلخ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ "کیا۔۔۔ یہ کاہنوں کا کھیل ہے جو کچھ نہیں کر سکتے۔ وہ زندگی بھر خوابوں کا تعاقب کرتے رہتے ہیں۔ پھر وقت انہیں تھکا تھکا کر مسکا مسکا کر بے موت مار دیتا ہے۔ کیا بھاٹیہ کو احمق نگر میں ایک اکائی کے عدد کی طرح کسی سازش میں یہاں آیا تھا؟"

اب میرے لیے کچھ چھپانا بے سود تھا۔ وہ میرے بارے میں شاید سب کچھ جان چکا تھا۔ میں نے سر جھکا لیا اور بے جان سی آواز میں بولا۔ "میں معافی چاہتا ہوں۔ جھوٹ کہنا میرا مقصد نہیں تھا۔ کیپٹن بھاٹیہ کا مقصد غیر اہم جان کر نظر انداز کر گیا تھا۔"

"یہ تمہاری بھول تھی۔" وہ سگریٹ کا ایک لمبا کش لے کر پرسکون آواز میں بولا۔ "میں اسے معاف کرتا ہوں لیکن دوسری بھول تمہارے لیے جان لیوا ثابت ہو سکتی ہے۔ میں اپنے آدمیوں کے ہر شوق اور دلچسپی سے باخبر رہنا پسند کرتا ہوں تاکہ ان کی کوئی گرفت میرے سمجھنے سے باہر نہ رہ سکے۔"

"آئندہ میں احتیاط کروں گا۔" میری آواز بھرائی ہوئی اور بے جان تھی۔ "میں جس زندگی کا عادی ہوں وہ بغیر پیسے میسر نہیں آ سکتی تھی۔ مفلسی کے عالم میں مجھے کیپٹن کا سہارا ملا اور بھاندر ناس کی تلاش میں نکل پڑا۔ لیکن تقدیر میں تو بہت کچھ لکھا ہے شاید یہ بے معنی ہے۔" یہ کہتے ہوئے میرا ذہن اس پراسرار شخصیت میں الجھا ہوا تھا۔ وہ بہت پہلے سے واقف ہو چکا تھا اور مجھے ایسا لگا جیسے میں اس پر بھی واضح کر چکا تھا کہ وہ میرے ہاتھوں ہونے والی خونریزی سے بھی واقف ہے۔ شاید بھاٹیہ نے میجر لال کے قتل کے ساتھ ہی دوسرے واقعات سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔

"بھاندر ناس کے لیے نہ جانے کتنے لوگ اس شہر سے اندر راہ کے تعاقب میں نکلے اور انہیں بھاندر کی برفانی وادیاں ہی نگل گئیں کہ آج تک کسی کی لاش کا بھی سراغ نہ مل سکا۔ اندر رام سنور کا یہ بھاڑا اس سے مختلف ہے کہ وہ جوئیں کا حوالہ ہے۔ میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ کوئی بھاڑا پن کی طرح اس کی جا تفا پر منڈلاتے نظر آئیں۔" نقاب پوش پھر کرسی پر جا بیٹھا اور مجھے تفصیل گفتگو کے آواز میں کہہ رہا تھا۔

اسی وقت قالین پر پڑی ہوئی لڑکی نے کراہ کر پہلو بدلا اور وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"صفدر۔۔۔ بے ہوشی میں ہو!" اس بار وہ مجھ سے مخاطب ہوا تو لہجہ میں وہی خوابناک سحر اور شیرینی تھی۔ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ وہ ابھی مجھ پر برس رہا تھا۔

میں نے نرمی کر کے اس کا سر اپنے زانو پر رکھا تاکہ اس کے حلق میں پانی ٹپکا سکوں لیکن اس نے مجھے ٹوک دیا۔ "یوں نہیں۔۔۔ اس لڑکی کو اپنے حسن پر بڑا ناز تھا۔ اس کے بدن سے تمام کپڑے الگ کر دو تاکہ یہ ہوش میں آ کر اپنی اصلیت جان سکے!" اس کے لہجے میں زہر بھرا ہوا تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے معلوم ہوا جیسے وہ مجھے تحسین کی نوک سے لباس اتارنے کا حکم دے رہا ہو۔

صورت حال ایسی خیر نہ ہوتی تو میں پوری زندہ دلی کے ساتھ یہ کام سرانجام دیتا لیکن اس وقت تو وہ زیبا چلا سیاہ پوش میرے اعصاب پر سوار تھا۔ میرے ہاتھ لڑکی کے لباس سے الجھتے رہے۔ نظروں کے سامنے ایک شکن منظر طلوع ہو رہا تھا لیکن اس وقت وہ لڑکی میرے لیے ایک پتھر کی بے جان مجسمے سے مختلف نہیں تھی۔

میں نے تشنگی انداز میں اپنا کام پورا کر دیا۔ وہ کسمسائی پھر اس کی آنکھیں نہ کھولی تھیں۔

"امیر خان! کام ختم کر دو۔" وہی بھرائی ہوئی خوابناک آواز ابھری۔ امیر خان نے ایک الماری کے خانے سے جا کر ایک عدد ٹن والا ڈبہ نکالا۔ جوں ہی اس کی روشنی میں برہنہ تن لڑکی کو مخصوص زاویئے سے فوکس کیا جا رہا تھا، فلیش لائٹ کی چمک میں لگا فلش چمک کیا، چکا چوند سے میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ نقاب پوش بڑی دلچسپی کے ساتھ یہ ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔

دو تصویریں لینے کے بعد امیر خان نے کیمرہ گردن سے لٹکا لیا۔ لڑکی کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنے لگا۔ جواب بار بار پہلو بدل رہی تھی۔ اس نے کبھی کے بل اٹھتے ہوئے کراہ کر تعجب کے ساتھ ادھر ادھر کی گہری نظر ڈالی جو وہاں موجود تھا۔ اس نے مدعوں کی طرح دونوں بازو لگے بچا لئے مگر پھر نقاب پوش پر نظر پڑتے ہی ایک نحیف سی چیخ مار کر فرش پر قالین سے لپٹ گئی۔

"آرام کرو لیلاوتی!" نقاب پوش زہریلے لہجے میں بولا۔ "تمہارا شوہر تمہارے حسن کے آگے بار بار بھی نیند سویا ہوا ہے!"

شاید لڑکی کو اپنی حالت کا احساس ہوا لیکن اس کے جھپٹنے سے قبل امیر خان کیمرہ ایک بار پھر روشنی بکھیر کر اس کا عکس سمیٹ چکا تھا۔

"تم کون ہو منحوس کے بچے! میرے کپڑے کہاں ہیں؟" لیلاوتی روہانسی آواز میں چیخی۔

"ایک معزز افسر کی بیوی ہو کر بازاری عورتوں کی طرح کا لباس نہیں تمہیں شرم آنی چاہیے لیلاوتی!" نقاب پوش کا لہجہ تلوار کی سی کاٹ لیے ہوئے تھا۔ پھر وہ ہم دونوں سے مخاطب ہو گیا۔ "ایک معزز خاتون کو ایسی شرمناک حالت میں دیکھنا تم دونوں کو زیب نہیں دیتا۔ جاؤ، باہر ٹھہرو۔ مجھے اس سے کچھ حساب بیباق کرنا ہے!"

ہم دونوں فوراً ہی تہہ خانے سے باہر کھنڈرات میں نکل آئے جہاں شام کا دھندلکا تیزی کے ساتھ رات کی تاریکی میں ڈھلتا جا رہا تھا۔ کچھ فاصلے پر نقاب پوش کی جیپ موجود تھی اور اس کے بونٹ پر ایک سیاہ پوش بیٹھا ہوا تھا۔

اچانک تہہ خانے سے لیلاوتی کی پے در پے ہذیانی چیخوں کی آوازیں ابھریں پھر دھیمی سی کراہیں سنائی دیں۔ شاید تہہ خانے میں مزاحمت کی جنگ چھڑ چکی تھی۔

میں شدید اعصابی بے چینی کا شکار ہونے لگا۔ میرا ذہن بدستور تہہ خانے کی طرف لگا ہوا تھا مگر امیر خان بالکل پرسکون نظر آ رہا تھا۔

"کیوں پریشان ہو رہے ہو یار؟" امیر خان اچانک میرے شانے پر ہاتھ مار کر ہنسا۔ "وہ تھوڑی دیر میں چلا جائے گا پھر وہ ہماری گرفت میں ہوگی۔ تمہیں میرے انداز میں ہنسی آ رہی ہے؟ تم۔۔۔ نہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس کے وسائل کتنے لامحدود ہیں۔ میں نے جس بات کو غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا اس کے نزدیک وہ اہم ترین نکتہ تھا۔"

"وہ روشنی کی طرح چالاک اور شیشے کی طرح شفاف ہے۔" امیر خان سنجیدگی سے بولا۔ "اس نے تم پر بہت زیادہ اعتماد کر لیا ہے اور اب آنے والے دن تمہارے لیے بڑے دشوار ہوں گے۔ وہ تمہیں اپنا کام لینا کر چکا ہے مگر اب وہ زبان سانپ کی طرح تیرا پیچھا کرے گا جب تک تمہارے ذہن سے مطمئن ہو جائے گا تو تمہیں کھلی چھوٹ ہو گی۔"

"آخر وہ بھاٹیہ تک کیسے جا پہنچا؟"

وہ تحقیر آمیز انداز میں ہنسا۔ "تمہیں میری بات کا یقین نہیں آیا تھا۔ خیر۔۔۔ خیال میں کوئی چیز زیادہ دیر ہماری نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ وہ تمہارا عظیم رشتہ آج صبح اپنے سالانہ سفر پر نکل چکا ہے اور بھاٹیہ خفیہ طور پر اس کے تعاقب میں لگا ہوا ہے!"

تہہ خانے سے آنے والی آوازیں اب ختم ہو چکی تھیں شاید وہاں کوئی سمجھوتہ ہو چکا تھا۔

پھر ہم ٹہلتے ہوئے جیپ تک جا پہنچے۔ سیٹی بجی تک بدحواس نظر آ رہا تھا۔ "واہ۔۔۔ اب میرا کیا ہوگا؟ وہ ہمارا ساتھی نہیں ہے؟"

امیر خان نے بیزارگی کے انداز میں اس کی گردن پر ہاتھ مارا۔ "یہ وہ بہت عظیم آدمی ہے۔ تم جیسے لوگوں کے بارے میں سوچ کر وہ اپنی صلاحیتوں کو ضائع نہیں کر سکتا!"

اس تحقیر آمیز انداز پر سیٹی نے بالکل برا نہ مانا بلکہ اطمینان کا سانس لیا اور کم از کم اس خونخوار شخص کے عتاب سے محفوظ ہے۔ "یار مار دیا۔ میں نے تو آج تک اس کا نام ہی سنا تھا مگر آج اسے دیکھ کر تو میرے طوطے اڑ گئے۔ بہت خطرناک آدمی ہے وہ بھی!"

"بس بس۔۔۔ اس کے بارے میں زیادہ سوچو تو پاگل ہو جاؤ گے۔" امیر خان منہ بگاڑ کر بولا۔

پھر ہم دونوں خاموشی سے جیپ میں جا بیٹھے۔ امیر خان تک مجھ سے کچھ گفتگو کر رہا تھا مگر میرا ذہن کافی دیر تک تہہ خانے میں الجھا رہا پھر میری ذہنی رو اندر رام کی طرف مڑ گئی۔ میں جس مقصد کے لیے آیا تھا وہ ابھی پورا نہیں ہوا تھا۔

دشوار گزار پہاڑوں میں پہنچا تھا۔ جس کو میں نے مقدر پر چھوڑ رکھا تھا۔ میں بنیادی طور پر آزاد فطرت تھا۔ میں نے کبھی کسی کا اقتدار نہیں مانا تھا۔ اپنے باپ اور بڑے بھائی کے جابرانہ تسلط سے بغاوت کر کے میں نے گھر بار چھوڑا مگر قسمت نے ایک بار پھر مجھے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا تھا۔ میرے لیے پولیس کی قید اور اس نئے سرغنہ کی ماتحتی میں تھوڑا ہی فرق تھا۔ محدود فضا اور مشقت آمیز زندگی نے بس پیمانہ لبریز کر دیا تھا۔ بظاہر یوں لگتا تھا جیسے پورا نیپال میرے لیے ایک کھلی جیل بن چکا ہے۔ بہرحال اس نقاب پوش کی فضا کا تابع ہونا کو آرام، عیاشی اور دولت کے وسائل موجود تھے مگر غلامی کے احساس کے ساتھ ہر لذت بے کیف تھی۔

نہ جانے میں کیا کیا سوچتا رہا۔ پھر اچانک آدھی رات گئے آسمان کے نیچے کھنڈرات میں کسی نے سرابھار کر بھرائی ہوئی غنودہ آواز میں امیر خان کو پکارا۔ ہم دونوں وہاں پہنچے تو نقاب پوش سیڑھیوں پر موجود تھا۔

"نیچے جاؤ۔ وہ تم دونوں کی منتظر ہے!" اس نے بھرائی ہوئی سپاٹ آواز میں کہا۔ "وہ جوان اور خوبصورت ہے اور زندگی سے بہت پیار کرتی ہے۔ یہ فون کے ساتھ وہ ایک خاموش سمجھوتے کے تحت گزارا کر رہی ہے اور وہ اس کے قدم جانتے پر مجبور نظر آتا ہے۔ لیلاوتی کی تنہائی کا درد مجھے لے دو۔ اور صبح ہونے سے پہلے ان دونوں کو شہر پہنچا دو۔ یہ تم کو ہوش میں

ڈالنے دینا۔ اُسے پتہ نہیں چلنا چاہئے کہ نیلا ورلی کے ساتھ کیا گزری ہے۔ وہ لڑکی بھولا رہے۔ خود ہی پرشوتم کو خاموش بیٹھنے پر آمادہ کرلے گی۔ ہمیں پولیس میں ایک مضبوط ہتھکنڈے کی ضرورت ہے اور اب ہم نیلا ورلی کے ذریعے پرشوتم سے کام لیں گے!"

امیر خان نے کمرے سے نکل کر نقاب پوش کے حوالے کردیا۔ وہ پُرسکون انداز میں جیپ کی طرف بڑھا اور ہم دونوں تہہ خانے میں اُترنے لگے۔

نیلا ورلی نے دلنواز مگر قدرے تلخ مسکراہٹ سے ہمارا استقبال کیا۔ وہ پورا لباس پہنے ناتجارشانی عکس کی پیداوار تھی۔ قریب ہی تپائی پر شراب کی بوتل دو گلاسوں سمیت موجود تھی۔ گو اُس کی حالت گزشتہ لمحوں کی داستان سُنا رہی تھی مگر نیلا ورلی کے چہرے پر ذرا بھی ملال نہ تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ نقاب پوش سے سب کچھ ہار کر بھی بازی جیت گئی ہو۔

"شاید اُس نے تم دونوں کو بتادیا ہوگا!" نیلا ورلی سگریٹ کا ہلکا سا دھواں اُڑاتے ہوئے بولی۔ "میں اب ورلڈ کا دل نہیں بلکہ گچھے کی ایک اہم قوتی ہوں۔ اب ہیروں کی طرح مجھ پر ٹوٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہرحال وہی جو تمہارے ذہنوں میں ہے مگر ہم مہذب دوستوں کی طرح پیش آئیں گے۔ آؤ میں تمہارے لئے جام تیار کردوں!"

میں آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھتا رہ گیا۔ نیلا ورلی کسی خوفزدہ لڑکی کے بجائے اس وقت بھرپور عورت نظر آرہی تھی جو ہر حال میں مردوں کو اپنے اشاروں پر نچانے کا اختیار رکھتی ہے۔

وہ ایک ادا کے ساتھ اٹھی، الماری سے تیسرا گلاس نکالا اور کرسی پر واپس آکر تین گلاس تیار کیے۔ سامنے کے گلاسوں میں سوڈے کی دھار ڈالتے ہوئے ایک نظر اُس نے اپنے بے ہوش شوہر کے سوتے ہوئے اور بے جان چہرے پر ڈالی۔ اذیت کی ایک ہلکی سی پرچھائیں اُس کے چہرے پر گزر گئی۔ اور جب موم بتیوں کی روشنی میں تین گلاس ٹکرائے تو ہم تینوں سمیت باہر جیپ کے انجن کی تیز گڑگڑاہٹ سنائی دی جو فوراً ہی دور ہوتی چلی گئی۔

ہوش میں آنے کے بعد نیلا ورلی نے خود کو جس حالت میں پایا تھا وہ ذہنی صدمے کے باعث کسی طرف توجہ نہ دے سکی مگر اب اُس کی نظروں میں ہمارے لئے شناسائی رقصاں تھی۔

"زیرو پوائنٹ پر تم جیسے بیاری کس کے بھوکے ہی تھے اور اب..."

نیلا ورلی نے مسکراتے ہوئے معنی خیز انداز میں فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"اس وقت میں صرف پیشہ ور جواری تھا اور اب فقط تمہارا پروانہ!" میں نے کہا۔

"مجھے اسی رات شبہ ہوگیا تھا کہ تمہاری امیر خان سے ملی بھگت ہے!" وہ شراب کا تلخ گھونٹ لے کر ہنستے ہوئے بولی۔

"پرشوتم سے جوئے میں میری رقابت تھی اور اب تمہارے سلسلے میں بھی وہ میرا رقیب ہوگا!" میں نے اُس کے قریب سرکتے ہوئے کہا۔ "رکھنے والی لڑکیوں سے دوستی کرکے مجھے بہت زیادہ آسودگی کا احساس..."

"اب تو نہ چاہتے ہوئے بھی میں تم لوگوں سے دوستی رکھوں گی!" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

"کیوں؟" امیر خان نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ مجھے بتا گیا ہے کہ ہدایات کی خلاف ورزی کی صورت میں میری قابل اعتراض تصویریں گمشدہ کتوں کے گلی کوچوں میں پھیلا دی جائیں گی" اُس کے لہجے میں شکست کا احساس نمایاں تھا۔

"مجھے اُمید ہے کہ تم یہ نوبت نہ آنے دوگی!"

رات دھیرے دھیرے رنگین ہو رہی تھی۔ شراب کا سرور دو گنا ہو رہا تھا۔ نیلا ورلی پینے کی شوقین تھی اور جب اُس کی زبان لڑکھڑائی تو امیر خان نے اسے اپنی بانہوں میں سنبھال لیا۔ میری کنپٹیاں تپ رہی تھیں اور میں اُس سے بھی زیر تھا۔

سیٹھی نے وہ پوری رات کھلے آسمان تلے گزاری۔ وہ عادی لیکن غلام معلوم ہوتا تھا جسے شاید امیر خان کی بڑا بار کے لئے ہی پیدا کیا گیا تھا۔ جب میں نیلا ورلی کو بازوؤں میں سنبھالے زخمی پرشوتم کے بے ہوش جسم کو کندھے پر لادے باہر پہنچا تو سیٹھی کے چہرے پر یوں سکون چھایا رہا جیسے یہ سب اُس کی توقع کے مطابق ہو رہا ہو۔ میں دونوں قیدیوں کے ساتھ امیر خان والی جیپ میں... امیر خان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ سیٹھی تہہ خانے کے دہانے پر میری جیپ میں آبیٹھا۔

رات اپنے آخری سانسوں پر تھی۔ دونوں جیپیں پہاڑی علاقے میں خراماں خراماں شہر کی طرف بڑھی جارہی تھیں۔ اسی وقت ہم شہری حدود میں داخل ہوئے... پولیس شکاری کتوں کی طرح ہر طرف مجرموں کی بو سونگھتی پھر رہی تھی۔ نیلا ورلی سے بات کرنے کے بعد طے کیا گیا کہ اُسے اور پرشوتم کو گمشدہ میں ایک گاؤں میں واقع پرشوتم کی دیہی قیام گاہ پر چھوڑ دیا جائے۔ وہ بے حد ویران تھی۔

انہیں وہاں چھوڑ کر ہم روانہ ہونے لگے تو میری اور نیلا ورلی کی نظریں چار ہوئیں اور میں نے اُس کی آنکھوں میں دعوت انگیز رقصاں دیکھی۔ میرے لئے اس چمک کا مفہوم ناآشنا نہ تھا۔ میں ہلکی سی جنبش کے ساتھ باہر آگیا۔

زیرو پوائنٹ پر گروہ کے وہ دونوں آدمی موجود تھے جنہوں نے اسی روز میرے سرپرستوں کے طور پر ہوٹل میں رپورٹ دی تھی!

"پولیس نے آج شہر میں ہر طرف چھاپے مارے ہیں۔ رات گئے پولیس کا ایک ریکارڈ ٹک گئے جن میں ہمارا ابھی ایک آدمی ہے!" ایک نے ہمیں بتایا۔

"پولیس کس ثبوت پر کام کر رہی ہے؟" امیر خان نے سوال کیا۔

"سب لوگ بُری طرح بوکھلائے ہوئے ہیں۔ کسی کو نہیں معلوم کہ پولیس نے کس اطلاع کی بنیاد پر چھاپا مارا تھا۔ پولیس کے سات جوان مارے گئے ہیں، پانچ بُری طرح زخمی ہوئے ہیں۔ ہر طرف پرشوتم لعل کی تلاش جاری ہے۔ اس کی بیوی نیلا ورلی بھی خریداری کے لئے نکلی تھی مگر اب وہ لاپتہ ہے۔ اس کی کار صدر بازار میں کھڑی ہوئی ملی ہے۔ اس کا پچھلا ایک ٹائر پنکچر تھا!"

"خوب!" اس بار میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "تم دونوں خوب جانتے ہو!"

"ہمارا کوئی ساتھی آدمی پولیس کی حراست میں ہے؟" امیر خان نے پوچھا۔

"چند ہیں۔ جو بڑے مندر کے پاس ٹھیکہ چلاتا ہے!"

میں اب بُری طرح تھکان محسوس کر رہا تھا۔ سارا دن ہنگامہ آرائی کی نذر ہوا اور رات عیاشی میں بسر ہوئی لہٰذا اعصاب پر غنودگی طاری تھی۔ امیر خان اور سیٹھی کو ان دونوں کے پاس چھوڑ کر میں ایک کمرے میں جاکر جوتوں سمیت بستر پر دراز ہوگیا۔

بارہ بجے کے قریب میری آنکھ کھلی تو امیر خان جا چکا تھا۔ سیٹھی اور دونوں آدمی وہیں موجود تھے۔ میں نے انہیں ساتھ لیا اور زیرو پوائنٹ کو مقفل کرکے جیپ میں شہر روانہ ہوگیا۔

شہر میں ہر طرف سنسنی اور ویرانی کا راج تھا۔ پولیس کی گاڑیاں کڑے پہرے کے ساتھ سڑکوں پر گھوم رہی تھیں۔ جگہ جگہ لوگوں کی ٹولیاں اس ہولناک خونریزی کے بارے میں قیاس آرائیاں کر رہی تھیں۔ میں یہ سب دیکھتا اطمینان سے آگے بڑھتا رہا۔ ایک جگہ ان دونوں کو اُتار کر دو مقامی اخبار خریدے اور میں اپنے کرائے کے مکان کی طرف ہولیا۔

مقفل پھاٹک کھول کر میں نے گاڑی پورچ میں کھڑی کی۔ پھاٹک اندر سے بند کیا اور برآمدے ہی میں رک کر جلدی جلدی اخبار پڑھ ڈالے۔

دونوں مقامی اخبار اس واقعے سے بھرے ہوئے تھے۔ ایک اخبار صبح کا تھا اور دوسرا خصوصی ضمیمہ تھا۔ اس میں نیلا ورلی اور پرشوتم کی تصاویر کے ساتھ ان کی بازیافت کی تفصیلی خبر تھی!

ضمیمے کے مطابق پرشوتم کو کسی نامعلوم شخص نے فون پر اطلاع دی تھی کہ پہاڑیوں میں غیر قانونی مال کے ذخائر کی موجودگی کی اطلاع دی تھی۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا تھا کہ وہ مال ایسے بارسوخ شخص کی ملکیت ہے جس کے تحفظ کو پولیس بھی موجود ہیں۔ لہٰذا پرشوتم نے فوری طور پر چھاپا مارنے کا فیصلہ کیا اور رازداری کے ساتھ چھاپے کی تیاری کی کہ مجرموں سے شدید تصادم ہوا جس میں وہ اپنی دونوں رانوں پر زخم آنے کے باعث حواس کھو بیٹھا۔ اس عالم میں کئی مجرموں نے گھیر کے بُری طرح زدوکوب کیا جن کی شناخت پر وہ اپنی جراحات کے باعث توجہ نہ دے سکا بلکہ وہ بے ہوش ہوگیا۔ آنکھ کھلی تو وہ نہایت خستہ حالت میں اپنے مضافاتی مکان پر نیلا ورلی کے ساتھ موجود تھا!

اور نیلا ورلی کا بیان پڑھ کر تو میں حیران رہ گیا۔ اُس نے ایسی مزاولہ کہانی گھڑی تھی کہ ایک بار تو مجھے وہ بھی اپنے ہی گروہ کی کارندہ معلوم ہونے لگی۔ وہ اپنے بیان کے مطابق ٹیلم ٹریڈرز میں میک اپ کے سامان کی خریداری کر رہی تھی کہ دوکاندار ہی کے فون پر اسے پرشوتم کی آواز میں پیغام ملا کہ وہ کسی بھی تذکرے کے بغیر فوراً مضافاتی قیام گاہ پر پہنچے۔ وہ خود وہاں اس کا منتظر ہے۔ دوکاندار نے خود اس فون کی تصدیق کی۔ نیلا ورلی کے بیان کے مطابق یہ پیغام غیر معمولی نہیں تھا۔ پرشوتم اُس کو اکثر اسی طرح حیرت زدہ کرنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ وہ دوکان سے نکلی تو اُس کی کار کا ایک پہیہ ناکارہ ہوچکا تھا۔ اُس نے فوراً ہی ایک ٹیکسی پکڑی اور مضافاتی مکان پر جا پہنچی جو کھلا ہوا تھا۔ وہ اندر پہنچی تو ٹیکسی ڈرائیور چہرے پر نقاب باندھے دبے قدموں اُس کے پیچھے اندر داخل ہوا اور اچانک اُسے مغلوب کرلیا۔ پھر ریوالور کی نوک پر اُس نے نیلا ورلی سے یہ دریافت کیا کہ پرشوتم کو مال کی خبر کس طرح ملی۔ جب دھمکیوں اور تشدد کے باوجود اسے یقین ہوگیا کہ نیلا ورلی بے خبر ہے تو وہ اُسے بے ہوش کرکے شاید وہاں سے روپوش ہوگیا۔ وہ بدقسمت ٹیکسی ڈرائیور کا کہیں پتہ نہیں تھا اور پرشوتم لعل نہایت خستگی کے عالم میں اس کے قریب ہی بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

تنظیم کے سربراہ کی ترکیب واقعی کارگر رہی تھی۔ نیلا ورلی نے پرشوتم لعل کو زبان بند رکھنے اور ایک فرضی کہانی تراشنے پر مجبور کردیا تھا لیکن مجھے اندازہ تھا کہ اب پرشوتم لعل کے لئے بڑی دشواریاں کھڑی ہوجائیں گی۔ سات سرکاری ملازمین کی ہلاکت اور پانچ کا بُری طرح زخمی ہونا معمولی واقعہ نہیں تھا جس سے اعلیٰ حکام یوں چشم پوشی اختیار کرلیتے۔ پرشوتم لعل لاکھ پولیس کمشنر سہی مگر وہ بھی کسی کا جواب دہ تھا۔ مگر مجھے ایک بات پر حیرت تھی۔ یہ معمولی سی بات تنظیم کے سربراہ نے کیوں نہیں سوچی تھی کہ اتنے بڑے پیمانے پر قتل و خونریزی ہونے کے بعد بھی پرشوتم صاف بچ سکے گا یا نہیں!

بہرحال دونوں معاونوں میں ایک کا نام بابل اور دوسرے کا گپتا تھا۔ میں نے بابل کو مکان کی نگہبانی کے لئے چھوڑا اور شام کے وقت گپتا کو ساتھ لے کر شہر کی طرف چل دیا۔

کافی دیر کی تلاش کے بعد میں امیر خان کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ گرسی نامی ایک مقامی عیسائی کے شراب خانے میں دو لڑکیوں کے ساتھ بیٹھا تھا جن کی دلچسپ قطع و برید ہی بتا رہی تھی کہ وہ لڑکیاں کس طور طریقے سے تعلق رکھتی ہیں

سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنی عقل کی آخری سرحدوں پر تھیں پہنچی ہیں۔

امیر خان ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں اُن سے باتیں کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میرے داخل ہوتے ہی بوڑھے گرمس نے کاؤنٹر کے عقب سے نکل کر میرا استقبال کیا۔

"آج کی سیل کیسی ہے؟" میں نے دبی دبی آواز میں اُس سے پوچھا۔

"اس ہفتے زیادہ مال کی کھپت کا امکان ہے.....!"

"میں بس اتفاقاً آیا ہوں" میں نے ہاتھ اُٹھا کر اُس باتونی بڈھے کو خاموش کر دیا۔ "تم اپنا دھندا دیکھو۔ میں امیر خان سے ملنے آیا ہوں۔"

امیر خان مجھے دیکھ کر ایک لمحے کے لیے یوں خاموش ہو گیا جیسے میری وہاں آمد اُسے پسند نہ آئی ہو۔ پھر بالکل بے تکلفانہ انداز میں بولا۔ "کدھر گھوم رہے ہو پرنس؟"

میں نے دیکھا کہ پرنس کا لفظ سنتے ہی وہ دونوں لڑکیاں یوں اچانک میری طرف متوجہ ہو گئیں جیسے میں اُن کے لیے عجوبہ سا ہوں۔ اُن کے چہروں سے حیرت نمایاں تھی۔

امیر خان نہ جانے کیوں مجھے پرنس کہہ کر پکارا کرتا تھا۔ یہ خطاب مجھے بہت عرصہ پہلے ملا تھا۔ کالج کے زمانے میں میں خمیر فروش تھا اور دوست مجھے شاہ خرچیوں کی بنا پر بے تکلفی سے پرنس ہی کہا کرتے تھے۔

"میں تمہاری ہی تلاش میں تھا!" میں اُداس لہجے میں کہتے ہوئے ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"کیا.... یہ کسی ریاست کا شہزادہ ہے؟" ایک لڑکی نے حیرت کے ساتھ امیر خان سے سوال کیا جو شاید اس کے پلّے نہ پڑ سکا اور وہ بے وقوفانہ انداز میں ہنسنے لگا۔

"جی..... ہاں.... سرور کہتے ہیں!" میں نے فوری خیال کے تحت انہیں اپنا اصل نام بتانا مناسب سمجھا۔

"پرنس سرور؟" ایک لڑکی نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"پرانی کہانی!" میں نے بے نیازی سے کہا۔

"میں نے تو سنا تھا کہ مشرقی شہزادے عام آدمیوں سے کافی مختلف ہوتے ہیں!" دوسری لڑکی کو میری عام سی وضع قطع پر مایوسی ہوئی تھی۔

"مختلف!" میں زور سے ہنسا۔ "شہزادے بھی عام آدمی ہی ہوتے ہیں۔ کیا تم شہزادوں کے سر پر سینگ اُگے ہونے کی توقع رکھتی ہو؟"

اچانک امیر خان کھنکھار کر اردو میں بولا۔ "برخوردار اگر کوئی خاص بات نہیں ہے تو یہاں سے چلے جاؤ۔ یہ سامیاں بہت بھولی بھالی لگتی ہیں۔ بڑی مشکل سے قابو میں آئی ہیں۔ تم میرا کام نہ بگاڑو!"

"میں جا رہا ہوں۔ صرف یہ بتا دو کہ آج رات کا کیا پروگرام ہے؟"

"آج رات.... ؟" اُس نے اُلجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ پھر اُسے فوراً ہی یاد آ گیا کہ آج ہفتہ ہے اور رات جیب تراشی کی واردات پر عمل ہونا ہے۔ وہ جلدی سے بولا۔ "آج اِدھر کچھ نہیں ہو گا۔ تم واپس جا کر آرام کرو۔ میں خود ہی خبر دیتا آؤں گا۔"

میں لڑکیوں پر الوداعی مسکراہٹ نثار کر کے گرمس کے اسٹور سے لوٹ آیا۔

گپتا ایک نئی خبر کے ساتھ جیپ میں میرا منتظر تھا۔

"ابھی ابھی ایک آدمی امیر خان کا پیغام لایا تھا۔" وہ جیپ اسٹارٹ کرتے ہوئے مجھ سے سرگوشیانہ آواز میں بولا۔ "باس کا حکم ہے کہ تم ایک رات اپنے مکان کے علاوہ [illegible] حالات سے خطرہ [illegible] اگلی ہدایات ملیں گی۔"

میں نے بلنڈر سے اسکاچ کی دو بوتلیں اور تاش خریدے پھر اپنی عارضی قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

اگلی صبح سویرے نہایت سنسنی خیز خبر کے ساتھ طلوع ہوئی۔

مقامی اخبارات میں پرشوتم لعل کی خودکشی کی خبر شہ سرخیوں کی زینت بنی ہوئی تھی۔ اُس نے اپنے سرکاری ریوالور سے اپنی بیوی لیلا وتی کو ہلاک کر کے خودکشی کر لی تھی۔ اخبارات کے مطابق پرشوتم لعل کی ران سے گولی نکالنے کے بعد اُسے گھر پر ہی منتقل کر دیا گیا تھا۔ گھریلو ملازمین کے بیان کے مطابق دوپہر تک وہ معمول پر نظر آ رہا تھا۔ رات میں جب وہ اپنے کمرے میں سونے کے لیے گیا تو [illegible] پے در پے دو فائروں کی آواز کے ساتھ ہی لیلا وتی کی [illegible] بلند ہوئی۔ پھر چند لمحوں کے وقفے سے تیسرا فائر ہوا اور سکوت چھا گیا۔ [illegible] دہشت کے باعث اس وقت [illegible] جب تک [illegible] دو مسلح سنتری ان تک نہ پہنچے۔

پرشوتم لعل کی خوابگاہ میں لیلا وتی کی خون میں نہائی ہوئی لاش کے پیچھے پسلی کے مقام پر گولیوں کے دو زخم پائے گئے تھے۔ پرشوتم کو اپنے بستر پر اس کاریوالور سے پایا گیا تھا۔ خیال ہے کہ بیوی کو ہلاک کرنے کے بعد کنپٹی پر فائر کر کے خود کو ہلاک کیا تھا۔

کمرے میں زبردست جنگ کی علامات پائی گئیں۔ [illegible] شہادت مل سکی ہے کہ کسی خواب گاہ کی تلاشی لے لی گئی تھی۔ [illegible] پرشوتم لعل کے نجی کاغذات میں پولیس کو چند نہایت اہم دستاویزات ملی تھیں جو اس واردات کا پس منظر جانے کا باعث ہوں گی۔ پولیس نے ان دستاویزات کو نہایت [illegible] رکھا تھا۔

میں نے کئی بار یہ خبر پڑھ ڈالی۔ میرے ذہن میں [illegible] کی اور ہی مسکراہٹ ابھار رہی تھی۔ جب میں دو حرف بھی تھی اور [illegible] ذہن میں یہ بات کسی طرح نہیں سما سکی تھی کہ پرشوتم لعل نے لیلا وتی کو قتل کر کے خودکشی کر لی ہوگی۔ لیکن اخبارات میں اس واقعے کی [illegible] مکمل تفصیلات [illegible] تھا۔ [illegible] کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا تھا۔

ورنہ مجھے تو وہ اپنا ہدف نہایت کامیابی کے ساتھ حاصل کر چکا ہے۔ اب جو کچھ ہونا تھا ہو چکا تھا۔

اس واقعے کے نتیجے میں امیر خان اور اُس کا گروہ بڑی حد تک محفوظ ہو چکا تھا۔ پرشوتم اور لیلا دونوں کے خون میں ڈوبے ہوئے اُن کے راستے ہٹ جانے کے بعد بے خوفی سے بہادری کے ساتھ پولیس کو [illegible] کی تو آئی جی بار بار پلیس میں کھیل جانے کی خوشی کی ہونی کا امکان بھی نظر نہ آتا۔

دوپہر میں امیر خان آیا۔ اُس کا چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا۔

"اخبار دیکھ لیا تو نے؟" اُس نے آتے ہی کہا۔

"اخبار تو پڑھ لیا لیکن یہ قصہ میرے حلق سے نہیں اُتر رہا!"

"ہاں... قدرت خود ہمارا ساتھ دے رہی ہے!" وہ جوشیلی آواز میں بولا۔ "ہم دونوں کو جہانپاک... اگر مجھے شبہ بھی ہوتا کہ وہ ساہوکار واقعی ہمارے پیچھے پڑ چکا ہے اور اُس نے تم دونوں کی بازی ہوئی قیمت لے لی ہے تو میں اُسے واپس ہی کر دیتا۔ ہم لوگ یہ بدمعاش سرکاری افسروں سے نمٹنے سے گریز کرتے ہیں!"

"لیکن پرشوتم خودکشی کرنے والوں میں سے نہیں معلوم ہوتا تھا امیر خان!"

"ہاں میاں... مردوزن کی خاطر اچھا خاصا آدمی کو لکھ پتی بنا دیتا ہے۔ پولیس کو پرشوتم لعل کے نجی کاغذات میں لیلا وتی کی رنگین برہنہ تصاویر ملی ہیں۔"

"لیلا وتی کی تصاویر!" بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔

دماغ میں فوراً ہی ایک دھماکہ سا ہوا۔ لیلا وتی رنگین مزاج تھی اور اُس کی تصویروں کی بنیاد پر کوئی پرشوتم لعل کو بلیک میل کر رہا تھا۔ آخر پرشوتم نے کسی نہ کسی طرح بلیک میلر کا سراغ پا لیا اور اس کی اطلاع کو ریکارڈ پر لے آنے کے لیے نفری لے کر بلیک میلر کے ٹھکانے پر جا پہنچا۔ جہاں غیر متوقع طور پر اُسے شدید مزاحمت اور شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ بلیک میلر کو تصاویر کی اشاعت سے روکنے کے لیے پرشوتم نے اسی لیے چھاپہ مار رکھا تھا اور اس میں اپنے افسران کو ایک فرضی کہانی سنائی۔ مگر وہ شک کے بیج ڈالنے کا سبب بنا۔ لیلا وتی پر اس طعن کی بوچھاڑ کیوں کہ وہ سمجھ رہا تھا کہ سرکاری محکمے کا بھاری جانی اتلاف درگزر نہیں کیا جائے گا۔ صحت یابی کے بعد محکمانہ دفتری کارروائیاں ہوں گی۔ بغیر زیر و زبر کا ذلت بھرا چھاپہ مارنے پر اُن سے باز پرس کرنا۔ [illegible] مسئلہ سمجھ گیا تھا۔ لیلا وتی اپنے شوہر کے منہ سے تو مارے گی کا طعنہ سن کر بدلے پر بضد ہوئی اور پرشوتم نے طیش میں آ کر اُسے ہلاک کر کے خودکشی کر لی۔

میں امیر خان کی کہانی کا ایک ایک لفظ غور سے سن رہا تھا۔ "یہ تو داستان [illegible] دوست جو پولیس واقعات کی روشنی میں اخذ کرے گی۔ یہ بتاؤ اصل داستان کیا ہے؟"

"ہاہا۔ یہ بالکل ہی نادر الوجود ذہن کا مالک ہے" امیر خان آنکھیں جھپکا کر بولا۔ "جس نے یہ پلان بنایا تھا اس نے اپنی مرضی کے مطابق بڑی صفائی سے آخر تک عمل کیا۔ اگر پرشوتم اور لیلا وتی کو یہ جانے بغیر ہی ہلاک کر دیا جاتا تو اُن ...

کی زندگی میں پولیس پرشوتم والے فائل کو بند ہی کر دیتی۔ لاش مل جاتی پھر بھی پولیس کی سرگرم تفتیش سے ہر وقت خطرہ لاحق رہتا۔ اُس نے شروع ہی سے لیلا وتی کو تاڑ رکھا تھا۔ وہاں دونوں کو تنہا دیکھ کر پرشوتم سے کچھ بھی کام لینا چاہتا ہے۔ مکار لیلا وتی اپنی برہنہ تصاویر کی وجہ سے اُس سے کبھی بغاوت نہ کر سکتی تھی۔ پھر جو ان دونوں نے جس وقت پولیس کو بیانات دیے اسی میں ہماری داستان کی وہ اسی وقت اپنی موت کو آواز دے چکے تھے۔ ہمارا باس اس طرح واقعات کو حسب مرضی موڑ دینے میں کامیاب ہو گیا۔ اُدھر پرشوتم کے افسران سے بچ نکلنا واقعی بہت بڑا کام تھا۔ اُس کے صحت یاب ہوتے ہی اُس کی باز پرس ہوتی اور وہ حقیقت اُگلنے پر مجبور ہو جاتا۔ اُس کی ملازمت بھی جاتی اور ہماری گردن بھی پھنس جاتی۔ لہٰذا کل رات ہی ہم چپکے سے پرشوتم کے مکان میں جا پہنچے۔ اپنے ریوالور کی زور پر اُس سے چابیاں حاصل کیں۔ لیلا وتی کی رنگین برہنہ تصاویر اُس کے نجی کاغذات میں رکھیں اور تجوری سے اس کا اپنا ریوالور نکال کر پہلے لیلا وتی کو گولیاں مار کر ہلاک کیا اور اُس کے بے جان ہاتھ میں ریوالور تھما کر خاموشی سے فرار ہو گئے!"

"لیکن پولیس کی تفتیش سے تو ابھی جان نہیں چھوٹی ہے!" میں دل ہی دل میں اُس مکار و متعجب کی داد دیتا ہوا بولا۔

"وہ تو ضرور ہوگی مگر اب اس کا دو مرا رخ ہو گا۔ وہ دونوں مقتولین کے بکتے بالتے جا کر پولیس انگلیوں کے کسی گروہ کی کھوج میں لگ جاتی مگر اب ان دونوں سے کسی کو ہمدردی نہیں رہی ہے۔ پولیس کو پتہ ہے کہ کسی بلیک میلر کی تلاش میں سرکھپاتی رہے گی پھر کیس فائلوں میں دفن ہو جائے گا!" وہ نہایت پرسکون نظر آ رہا تھا۔ "ہمارا کیس لیلا وتی کی آوارگی کو اس خونریزی کا سبب قرار دے گا۔"

"اس چھاپے میں پرشوتم کے ساتھ حصہ لینے والوں کے بیانات کو تم مقبول سمجھو" میں نے اُسے یاد دلایا۔

"پاس ہر طرف نظر رکھتے ہے بیٹے!" امیر خان بے نیازی سے ہنسا۔ "پولیس کو اس سے زیادہ کچھ نہیں مل سکتا تھا۔ پرشوتم کے زندہ بچ جانے والے ماتحتوں کے بیانات تو ہم ہوں گے۔ انھوں نے پہاڑیوں میں جو کچھ دیکھا تھا، جنگل رواں سے تاریکی کے پیچھے کچھ نہیں جانتے، بلکہ وہ جانتے ہیں جو پولیس کی نظروں میں آ چکے تھے۔ وہ کل رات ہی مرحد کی طرف نکل چکے ہیں اور اب وہ کئی سال تک سرحد پار کر کے ہمارے لیے کام کریں گے۔ جب وہ واپس ہوں گے تو نئے علاقے میں ہوں گے تو لوگ پرشوتم اور اس کی بدنصیبی کی داستان کو فراموش کر چکے ہوں گے اور پرشوتم کے ماتحتوں کے بیانات کو بدلنا تو ہمارے اختیار سے باہر کی بات ہے۔"

بات معقول تھی لہٰذا میں خاموش ہو کر فلم کا نیا گیت گنگنانے لگا۔

"کل شام تم گرمس کے بارے میں کیوں آئے تھے؟" اچانک امیر خان نے پوچھا۔

"یہاں دونوں کو چوٹ پہنچنے میں خطرہ نظر آ رہا تھا اسی سلسلے میں کچھ بات کرنے گیا تھا۔" میں نے شرمندگی کے احساس کے ساتھ کہا۔ "مجھے کیا معلوم تھا کہ ان دونوں کو وقتی مصلحت کی خاطر زندہ چھوڑ دیا گیا تھا۔"

"باس ہم سب سے زیادہ عقلمند ہے مسٹر رمی۔" وہ شراب کا جام ہونٹوں سے لگاتے ہوئے بولا۔ "مجھے خود تو حیرت ہے کہ منصوبے کے بارے میں کسی کو خبر نہیں تھی۔ دو دیر میں باس کا صرف اتنا پیغام ملا تھا کہ میں احتیاطاً ایک دو بیٹے افراد کا بندوبست رکھوں جو ضرورت پڑنے پر میری قیام گاہ پر ساری رات میری عدم موجودگی کی گواہی دے سکیں۔ میں نے کئی مقامی لڑکیوں کو بلا لیا تاکہ وہ صبح تک بھول چکی ہوں کہ پچھلی رات انھوں نے کس کے ساتھ اور کہاں گزاری ہے۔ مگر وہ دونوں کل ہی جہاز سے یہاں پہنچی تھیں اور ان کے لئے گھنٹہ دو گھنٹے کی پچھلی رات کو بھولنا ناممکن ہوگا۔ میں نے انھیں گیارہ بجے تک زبردستی شراب پلائی اور ان کی لاعلمی میں گھنٹہ میں صبح کے چار بجا دیے اور مختلف طریقوں سے وہ وقت ان کو ذہن نشین کرا دیا۔ جب وہ سو گئیں تو میں پرشوتم کی طرف نکلا اور تیزی سے اپنا کام ختم کر کے لوٹ آیا۔ گھنٹے کا وقت درست کر کے میں نے سوا چار بجے انھیں بیدار کر دیا۔ اب وہ قسم کھا کر بیان دے سکتی ہیں کہ وہ چند منٹ کے لئے سوئی تھیں اس کے علاوہ ساری رات انھوں نے مجھے اپنے قریب پایا ہے۔"

"اس کی کیا ضرورت تھی؟"

"پہلے مجھے بھی یہ بات احمقانہ معلوم ہوئی تھی جبکہ ان تو سب سمجھتے کہ ہمارا باس بن جانے گا۔" وہ باس کی منصوبہ بندی سے بہت متاثر تھا۔ "یہ صرف احتیاطی تدبیر تھی تاکہ ان دونوں کا کام تمام کرنے کے بعد اگر مجھے کوئی سنگین صورت پیش آتی اور کوئی گواہ میری جھلک دیکھ لیتا تو میں ان لڑکیوں کے بیان کی روشنی میں صاف بچ سکتا تھا۔ چند منٹ کے قلیل وقفے میں قتل [illegible] بات ہے کہ پرشوتم کے یہاں پہنچ کر ناممکن ہے۔"

باس کی کھوپڑی میں واقعی کوئی غیر انسانی ذہن موجود تھا۔ ذرا اتنی ہمہ گیر اور جامع منصوبہ بندی کسی ایک شخص کے لئے ناممکنات میں سے تھی۔

"مسٹر باس میں کوئی نئی ہدایت؟"

"نئی ہدایات کی ضرورت ہے؟" امیر خان بولا۔

"ہاں۔ یہ تو بتانا بھول ہی گیا کہ جب میں کسی کے بارے میں بتا رہا تھا تو کوئی شخص بچ کر [illegible] باس کا ایسا ہی جواب ملا تھا۔" میں نے کہا۔

"یہ سوالات میں شامل ہے۔ انھیں کہیں بھی کوئی بیان دیکھ لیں کہ؟"

"گویا تمہارے بچے کے مطابق میری نگرانی کی جا سکتی ہے؟" امیر خان کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔

"کسی ایک آدمی کی خاطر تنظیم کا طریقہ کار تو نہیں بدلا جا سکتا۔"

اس بارے میں امیر خان کا جواب دو ٹوک تھا۔

پھر اس کی خواہش پر میں نے بالی ورگیتا کو بھی [illegible] بہت کھیلتے تھے۔ میرا خیال ہے دو پہلے واقعات میں اس کی بری طرح ناکامی کو میں تو خیر بھول نہیں سکا۔ دو تین ہی ڈیلیں امیر خان نے [illegible] میں کھیلنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ وہ بازی ختم کر کے رخصت ہو گیا۔

اگلے پانچ روز میرے نے تقریباً قید میں گزرے۔ میں اخبارات و رسائل لا دیتے تھے وہ میرا بیشتر وقت مطالعہ میں [illegible] اس دوران میں پولیس کی تفتیش بالکل ان ہی خطوط پر جاری رہی جو باس کے ذہن میں تھے۔ پولیس پوری شدومد سے اس شخص کی تلاش میں سرگرداں رہی جس کا حلیہ باس نے گھڑا کیا تھا۔ [illegible] مشتبہ افراد گرفتار کئے گئے تشدد کے ذریعے [illegible] کوئی سراغ [illegible] سرخیاں چھوٹی چھوٹی خبروں میں بدل گئیں۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ سرخیاں کی مدت ختم ہونے والی ہے۔

کراچی میں اپنے نوعیت کے [illegible] میں لاکھوں کا [illegible] رہا۔ اس دوران میں [illegible] واسطہ غیر ملکی تنظیموں سے بھی پڑا۔ [illegible] زمین دنیا [illegible] جرائم [illegible] سنڈیکیٹ [illegible] امریکہ میں چلن پھیلائی ہوئی ہے۔ یہ سب بے حد منظم اور خود مختار [illegible] ایک بار [illegible] سرگرم [illegible] کے ذریعے [illegible] پاکستان [illegible] ذمہ دار شخص [illegible] کی ایک [illegible] تھی جس میں [illegible] کے نمائندے ہو گئے تھے۔ مجھے خوب [illegible] ظاہر کردہ اور تنظیم کی پولیس اور [illegible] سے [illegible] بچاتی ہے۔ خود میں نے اپنے لئے راہ ہموار کرنے کی خاطر [illegible] اس خیالی تنظیم کا آوازہ بھی [illegible] تھا۔ سربراہ کی شخصیت [illegible] تو وہ لگتا تھا جیسے امیر خان کبھی اسی دلدل کا شکار ہو [illegible] طریقہ کار عامیانہ اور خطرناک سمجھا جاتا ہے۔ اول تو جرائم میں [illegible] اعتماد کی بنا پر چلتی ہے اور جہاں اعتماد ہو وہاں اتنی سخت [illegible] نہیں آتی کہ سربراہ خود کو گمنام رکھے۔ دوسری طرف [illegible] کوئی بھی شخص [illegible] جاتے ہے جو اس کی جگہ سنبھال سکتا تھا۔ امیر خان گروہ کے ساتھ سے واقف تھا اور اگر کسی مرحلہ پر وہ خود سربراہ کی جگہ سنبھال لیتا [illegible] کانوں کان خبر نہ ہوتی۔

اور عام جرائم پیشہ زیر زمین تنظیموں کے سربراہوں کے [illegible] رہتے ہیں۔ ان کے سامنے [illegible] آتے ہیں اور اپنی حفاظت [illegible] کام سے [illegible] رہتے ہیں۔ سارا کام ماتحت چلاتے ہیں [illegible] کوشش ہوتی ہے کہ [illegible] خاندان کی عزت [illegible]

میں ہم بھی ان کی منصوبہ بندیاں اور کارروائیوں کا کھوج لگانے میں حائل ہو گئے تھے۔ مگر چار سرپرست تھے جن کی مصلحت کی بنا پر خود کو راز بنا کر رکھنا چاہتا تھا۔ میں اس پر جتنا بھی سوچتا گیا اسی قدر الجھن بڑھتی چلی گئی۔

چھٹے روز مجھے آزادی مل گئی۔ میں نے سب سے پہلے تمام واقعات سے [illegible] شہر کے مشہور پر تعیش مقامات کی تفریحات کا [illegible] بیٹھ گئی تھی [illegible] حسب معمول [illegible] آتی کی جگہ [illegible] پیار کی [illegible] کا پورا سراغ پہچان جاتا تھا جس کے راز جاننے کے لئے میں نیپال تک پہنچا تھا۔ اس کے بعد جانے کے بعد وہاں آئی ہوئی تھی کے غیر ملکی [illegible] سے بچ [illegible] تھی [illegible] اس کی بہن [illegible] خاتون [illegible] جن کی وجہ سے [illegible] سے منسلک ہو جانے کے بعد انھوں نے شہری علاقوں کا رخ کیا تھا [illegible] پاؤں [illegible] ترتیب سے [illegible] آنکھوں اور شخصیت کی وجہ سے [illegible] نظر آئے تھے۔ [illegible] جانے کی بہت [illegible] کی اطلاع نہیں ملی۔ وہ وادی اب بالکل ویران پڑی ہوئی تھی۔ [illegible] کے دروازہ مقفل نظر آیا۔

اس وادی سے لوٹتے ہوئے میرے دل میں ایک بے نام سی خلش تھی۔ [illegible] دل میں یہ خواہش پیدا ہو رہی تھی کہ میں ایک بار دوبارہ اس حال کو اپنے ہاتھوں سے سنوار کر [illegible] مگر موجودہ حالات میں بیشتر [illegible] کی بات ناممکنات میں سے تھی۔

میں نے دوپہر کا کھانا ایک ہوٹل ہی میں کھایا۔ وہاں سے نکلا تو شانے پر ایک نرم و نازک سا ہاتھ اپنے سامنے دوڑا دیا۔

"ہیلو جیری!" آواز نسوانی اور دلکش انگیز تھی۔

میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا!

دراز قامت گوری رنگت، سنہری ریشمی زلفیں شانوں پر بکھری ہوئی، گہری سیاہ آنکھیں، کتابی چہرہ، گداز بدن، بھرے بھرے ہونٹ اور دیکھنے والے کو مبہوت کر دینے والا حسن [illegible] میں اس شاہکار کو دیکھتا ہی رہ گیا۔

مجھے یوں گھورتا دیکھ کر اس نے معصومانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ اور بولا ہاتھ بڑھا کر اپنا سوال دہرایا۔ "ہیلو مسٹر جیری!" اس کے لہجے میں نمایاں تحیر تھا [illegible] کہ وضاحت طلب کرنا اس کو بہت [illegible] میں نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرا دیا اور اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام کر کہا "تم جنرلز طلب کرتے ہو [illegible] نہیں لگتیں۔"

"کیوں؟" وہ بالکل پرسکون رہی۔

"تم تو خود اس قابل ہو کہ لوگ تمہارے قدموں میں دل رکھ کر تمہاری خیرات طلب کریں!" میں نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"کیا واقعی؟" میں سمجھ نہ سکا وہ طنز کر رہی ہے یا سادگی کا [illegible]

پہچان مخاطب ہوتی ہے۔

"میں نے حقیقت ظاہر کی ہے مس......!"

"روبینہ۔" اس نے لاپروائی سے اپنا نام بتایا۔ پھر پوری اس لہجے میں بولی۔ "تم شاید کیا کہنا چاہتے ہو مگر میں سچے ستائش کے لئے ترس گئی ہوں۔"

"مجھے ستائش کا سودا کر لو۔" میں نے مخمور لہجے میں کہا۔

وہ مسکرا دی اور بے تکلفی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ "پہلے تو تم نے کیوں سودا کرتی۔ کس کے لئے بھی سر پر تم پھینک کر ستائش لے آئی!"

"مگر میں سودے رقم کے بغیر نہیں ہوتے ہیں... بار مسٹر!"

یک بیک اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ مجھے کہا کہ میرا مقصد پورا ہو گیا تھی۔ "مجھے تم یہاں کے لوگوں سے مختلف نظر آئے ہو۔ آدمی میں اخلاقی جرأت ہونی چاہئے کہ وہ کھل کر اپنی نیت کا اظہار کر سکے۔ تم پہلے آدمی ہو جس نے سودے کا ذکر اسی انداز میں بات کی ہے ورنہ یہاں تو ہر دوسرا شخص بھی نظر میں محبت کا دم بھرنے لگتا ہے۔ جب کہ ہم آغوش نصیب نہ ہو تب تک پیچھے کتے کی طرح دم ہلاتا پھرتا ہے اور جب چند نشاط آمیز لمحوں کی تسکین ہو جاتی ہے تو طوطے کی طرح آنکھیں پھیر کر بھاگ نکلتا ہے!"

"میں نہ تمہارا عاشق ہوں نہ محبوب! اچھی چیزوں سے رغبت رکھتا ہوں اور اپنی پسند کر کے دام دے کر خرید لیتا ہوں!"

"پہلے کہیں سے حشیش حاصل کرو۔ اس کے بعد کسی ہوٹل کے کسی گوشہ تنہائی میں چلو!"

میں نے اسے جیپ میں اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ ایک اڈے سے اپنے لئے رم کی بوتل اور اس کے لئے حشیش خریدی اور گرین باؤنڈ ہوٹل روانہ ہو گیا جہاں ان دنوں میرا قیام تھا۔

بالی ورگیتا نے میرے ساتھ وہاں پہنچ کر قیامت کو کسی پیمان کے بغیر دیکھا۔ وہ اس قدر ان پرستار تھے کہ رسیلے جام تک کو تعظیم دینے پہنچے رہتے تھے۔ پھر روبینہ تو ایک خوبرو لڑکی تھی۔

حشیش کی خوشبو ملتے ہی روبینہ کی زندہ دلی پوری طرح ابھر آئی۔ وہ نہایت روشن خیال اور بذلہ سنج لڑکی تھی۔ میں نے کئی گھنٹے تک اس کے ساتھ بہترین وقت گزارا۔ شام کے وقت کسی نے میرے دروازے پر دستک دی پھر بالی کی آواز سنائی دی۔ وہ امیر خان کی آمد کی اطلاع دے رہا تھا۔

میں لباس درست کر کے لابی میں باہر آ گیا۔

"خوب!" امیر خان مجھے دیکھتے ہی بولا۔ "انتخاب اچھا ہے!"

"مس روبینہ ہیلو ہے!" میں نے کہا پھر پوچھا "اس وقت کیسے آئے؟"

"لڑکی کو میری جیپ میں بٹھا دو۔ راستے میں بات کرنے کی فرصت نہیں!"

روبینہ سگریٹ کا دھواں اڑاتی لڑکی کے ساتھ چلی۔

"بہرحال میرے اچھے دن شروع ہو گئے ہیں؟ تعلیم جو جانے" امیر خان زنگانہ انداز میں بولا۔

"کیا کوئی نئی خبر لائے ہو؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں —" وہ پُرخیال انداز میں بولا۔ "گو کہ تم جیسے محنتی اور لائق لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ جانتے ہو آدمی پاس سکے اشتہار ہے وہ سب کراچی کے علاوہ مجھے بھی جوان کے لیں میں ہو لیکن بدقسمتی سے ان کی بھاری تعداد ان پڑھ ہے۔ جانتے ہو میاں تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد کم ہے اور تم شہادت میں ہو چکے ہو۔"

میں دلچسپی کے ساتھ اس کی بات سن رہا تھا۔ وہ سگریٹ سلگانے کے لئے خاموش ہوا تو میری بے چینی بڑھنے لگی۔ وہ نہ جانے کیا کہنے والا تھا!

"پہاڑیوں میں ہر قسم عمل سکے آدمی چلتے ہیں جو مقرر ہوا تھا اس میں جانے چلے آدمی پولیس کی نظروں میں آ گئے تھے۔ ان میں ایک بھاری جیز ٹریڈ فیکٹری کے مخبر ہونے دار تھا۔ باس نے احتیاط کے طور پر مخبر کو فیکٹری سے الگ کر کے سرحد پار روانہ کر دیا ہے۔ اس وقت یہاں تو بھی پڑھا لکھا ہے۔ لہٰذا کل سے تجھے وقتی طور پر اس فیکٹری کے مخبر کی ذمہ داریاں سنبھالنی ہیں۔ کام آسان بھی ہے اور تریکی بھی ہو سکتی ہے ورنہ مخبر بھی تکلیف میں پڑ جائے گا۔" وہ غیر معمولی حد تک سنجیدہ تھا۔

"ہوزری ٹریڈ فیکٹری۔ تو کیا اس کا کوئی مسئلہ ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ کیا نہیں ہے" امیر خان زور سے ہنسا۔ "آہستہ آہستہ تجھے اس کی تفصیلات کے تت خود بخود معلوم ہو جائیں گے پھر تجھ میں وہ تفصیلات بھی ہوں گی۔"

"فیکٹری میں میرا کیا کام ہو گا؟" میں نے الجھی ہوئی کیفیت میں پوچھا۔ "آج تک اس قسم کی ذمہ داریوں سے میرا واسطہ نہیں پڑا ہے!"

"کوئی نیا کام نہیں ہے۔ وہاں تجھے کسی قسم کی اسمگلنگ نہیں کرنی۔"

"فیکٹری ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں وہ فیکٹری مقامی تنظیم سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہاں کیا ہوتا ہے۔ مختلف سپیشل کا عمل ہمارے لئے اہم ہے اور کام شاید سپیشل ہو سینے کا نسیں اور برونز کے کھوکھلے بت ڈھالتا ہے جو بھاری تعداد میں امریکہ اور یورپی ممالک کو بر آمد کئے جاتے ہیں۔ ان مجسموں کو بھی علم نہیں کہ وہاں بر آمد کی آڑ میں کیا ہو رہا ہے۔ مورت کینگ کے شعبے میں ہمارے سات خاص آدمی کام کرتے ہیں اور اس شعبے میں ان کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جا سکتا۔ وہ دھات کے کھوکھلے مجسموں کو بٹیوں میں بند کرنے سے پہلے وہ ساتوں ان بتوں میں منشیات بھر دیتے ہیں اور یوں ہمارا مال بیرونی منڈیوں میں پہنچ جاتا ہے۔ وہاں تیرا کام اس خفیہ حصے کی نگرانی کرنا ہو گا۔ دوسرے کاموں کے لئے تم ماتحتی عملے پر اعتماد کر سکتے ہو۔"

پیکنگ کے شعبے میں آمد و رفت کی نگرانی... بیسے کام کرتے تجربہ تھا۔ میں نے کراچی میں طویل قیام کے دوران خلیج کے ملکوں سے بادام ڈھیلے ہونے پر منڈیوں میں سودا سنگھر کیا تھا۔ وہ لوگ سونے کے پینٹ ڈھال کر ان پر پینٹ

سیاہ مختلف رنگ پھیر لئے ایسا جو کہ دستے آہنی پرزوں پر بھی لگایا جاتا تھا۔ اس طرح بہت کسٹم والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر بیرونی قیمتی سونا کرتا تھا اور اب نیپال سے منشیات کی بر آمد کو یوشیں کی بات اس طریقوں پر عمل کرتا تھا۔

امیر خان نے جیب سے ایک سربند لفافہ نکال کر میرے حوالے کیا۔ اس پر میرا نام اور عہدہ درج تھا۔ میں نے لفافہ کھولا تو ہوزری ٹریڈ فیکٹری کا اپوائنٹمنٹ لیٹر بھی برآمد ہوا۔ اس پر کسی فرضی ایجنسی کے حوالے سے میری تقرری کی تصدیق کی شرائط درج تھیں۔ نیچے زرائن داس نامی جنرل مینیجر کے بہت بڑے دستخط موجود تھے۔

"یہ نرائن داس کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تنظیم کا بنیادی اصول ڈسپلن ہے منصور" وہ بے حد سنجیدہ لہجے میں غرایا۔ "سینئر لوگوں کے سامنے سوال کرنے کے بجائے حکم کی تعمیل کیا کرو۔"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ امیر خان کی ساری خوش دلی اور مسرت بالکل غائب ہو چکی تھی اور اس وقت وہ اپنے تیوروں سے میرا آقا نظر آ رہا تھا۔

"مجھے ہدایات کہاں سے ملیں گی؟" میں نے جھک کر پوچھا۔

"تیرا قیام فیکٹری کے احاطے میں بنے ہوئے بنگلے میں ہے ہو گا۔ ہدایات تجھے کو فون پر ہی ملتی رہیں گی۔ پیغام بھیجنے والا تجھے اگلی کے نام سے مخاطب کرے گا۔ اور تو اپنی شناخت کے طور پر خود کو وی بی کہہ کر مخاطب کرے گا۔" امیر خان نے سپاٹ اور سرد لہجے میں کہا۔

"وہاں تک کس طرح جا سکوں گا... وہ لوگ تو میرے لئے بالکل اجنبی ہوں گے؟" میں نے جھجکتے ہوئے سوال کر ہی ڈالا۔

"وہاں کو معلوم ہے کہ کل نیا مخبر پہنچنے والا ہے۔ صبح نو بجے ایک لینڈ روور یہاں پہنچے گی۔ تجھے اسی گاڑی سے روانہ ہونا ہے۔ سیر خود سمجھ لے گی کہ تو کون ہے!" یہ کہہ کر امیر خان اٹھ گیا۔

وہ ساری رات میں نے الجھن میں گزاری۔ امیر خان اور رنگی کا نادیدہ باس آہستہ آہستہ مجھے اپنا جال مضبوط کرتا جا رہا تھا۔ مجھے قلیل سی مدت میں اتنے اعتماد میں لے لیا گیا تھا کہ میں کسی قیمت پر الگ نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اگر میں ایسا کوئی ایک طرفہ فیصلہ کر بھی لیتا تو وہ یقیناً میری زندگی کا آخری فیصلہ ہوتا۔ جو لوگ شہر کے پولیس کمشنر کو بے بسی سے ہلاک کر کے شہر میں آزاد و دندناتے پھر رہے تھے ان کے لئے ایک بے حقیقت اجنبی کو ٹھکانے لگانا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔

اب میرا ہر سانس ان لوگوں کا غلام تھا۔ اختیار اور میرے غرور تھا لیکن آزادی سلب ہو چکی تھی۔ آزاد پنچھی کے پر تراش کر اسے رازوں کے قفس میں ڈال دیا گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ میری بدنصیبی کی ابتدا اسی وقت سے ہوئی جب ذہنی سالوں کے فرار کے بعد میں جوزف کے ہمراہ ہندوستان کے سرحدی قصبے سولی لاری میں بھٹک رہا تھا اور ایک بدمعاش سے پرانی ڈاج اسٹیشن ویگن ہندوستانی ریاست کے جھوٹے بچوں کی ہوس میں یہاں چلا آیا تھا

اگر میں اس شخص کے جال میں نہ پھنستا اور اتنا آزاد ہوتا تو حالات بہت مختلف ہوتے کہ اس وقت مجھے احساس ہوا تھا کہ بسا اوقات انسان کی ذرا سی لغزش اس کی زندگی کا بڑا جال بن جاتا ہے۔

دوسرے روز مقررہ وقت پر جیپ آ پہنچی جسے ایک ادھیڑ عمر مسلمان چلا رہا تھا۔ میں نے ایک سوٹ کیس پر مشتمل اپنا کل اسباب سنبھالا اور بڑی گاڑی کی تعظیم کے لئے جیپ میں سوار ہو گیا۔

نیا کام میرے لئے غیر متوقع تھا اور بظاہر ہنسی خوشی نظر آ رہا تھا۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ میں کن لوگوں میں جا رہا ہوں وہ کس قماش کے لوگ ہیں۔ فیکٹری کا مخبر ہونا اور پیکنگ شاپ کے سات آدمیوں کا تمام حساب کتاب کے لئے جا ہر روز ایک بار میری نگرانی کا دائرہ تھا۔ روپ بدلا اور دن دفتری خانا ہیں کرنی تھی۔

ہوزری ٹریڈ فیکٹری کھٹمنڈو شہر سے باہر جنوب وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی تھی اور اس کے آس پاس خودرو جھاڑیوں سے گھرے میدان پھیلے ہوئے تھے۔ فیکٹری کے چوکیدار نے جیپ کو دیکھتے ہی گیٹ کھول دیا اور ماتحت کی طرح سلام کیا۔ میں نے سرگوشی کے ساتھ مسکرا کر جواب دیا اور ڈرائیور جیپ اندر لے گیا۔ فیکٹری کی انتظامی عمارت کے قریب ہی چند آدمی میری آمد کے منتظر تھے۔ انہوں نے نہایت گرمجوشی کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ انہی میں ایک خوبرو اور سبک اندام سی لڑکی بھی موجود تھی۔ اس کا نام مونا لزا تھا اور وہ میری سیکرٹری تھی۔ اس نے نہایت ادب کے ساتھ وہاں موجود لوگوں سے میرا تعارف کرایا۔ ان میں دفتری عملہ بھی تھا اور فیکٹری کے مختلف شعبوں کے سپروائزر بھی موجود تھے۔ سب سے آخر میں شفاف گورے چٹے رنگ تیوروں والے گٹھیلے جسم اور درمیانے قامت والے ایک ادھیڑ عمر کے گورکھے سے میرا تعارف ہوا۔ وہ پیکنگ شاپ کا انچارج جگدیو سنگھ تھا۔ جو بڑی گرمجوشی کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہوئی جسے میں کوئی معنی نہ پہنا سکا۔

میرا دفتر نہایت پُرتکلف تھا۔ فرش پر قالین، تین طرف لمبے چوڑے دروازوں کی شکل کی آہنی کھڑکیاں اور ان کے عقب میں میری نگرانی کرنے والی کرسی موجود تھی۔ میری دوسری جانب آہنی سی کچھ آرام دہ کرسیاں ملاقاتیوں کے لئے رکھی ہوئی تھیں۔ دفتر سے ایک دروازہ براہ راست میری رہائش گاہ میں کھلتا تھا دوسرا راستہ سیکرٹری کے مختصر کمرے سے ہوتا ہوا کوریڈور میں پہنچتا تھا۔

فیکٹری میں سنائی دینے والی پُرشور آوازوں کے درمیان کچھ دیر تک ان لوگوں سے گپ شپ ہوتی رہی۔ پھر میرا تعارفی سلسلہ شروع ہوا اور سب لوگ اپنے اپنے کام پر واپس چلے گئے۔ پیکنگ شاپ سے پہلے مجھے فیکٹری کے مختلف شعبوں کو دیکھنا تھا۔ فیکٹری کے مزدور کام میں مصروف تھے۔ مورتی سازی کے شعبے میں اس وقت کوئی بھی نہیں تھا۔ پیکنگ شاپ کے ہالوں میں بڑے بڑے مجسمے موجود تھے جنہیں ڈبوں میں پیک کرنے کے لئے لے جایا جاتا تھا۔ ایک طرف کمرے میں ڈھلے ہوئے مجسموں کا انبار لگا تھا...

تین فٹ اونچے مختلف بت موجود تھے۔

مزدوروں نے وہاں میرے ساتھ بڑا استقبال کیا۔ اس حد تک کہ مجھے وہ سب کی طرح ڈسپلن کے پابند لگے۔ میرا خیال ہے کہ یہ بات میرے لئے انتہائی خوش آئند تھی کہ وہ مزدوروں کو سمجھانا میرے لئے بہت بڑا مسئلہ بن جاتا۔

تمام کار خانوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہوا آخر کار میں کار خانے سے باہر آ گیا اور پھر اس کا ایک سرسری جائزہ لے کر وہ پیکنگ شاپ والے ایک شیڈ کی طرف بڑھ گیا۔ یہاں جگدیو سنگھ ساتھ صرف تین نفوس تھے۔ باقی لوگ ٹوٹ پھوٹ سی فیکٹری میں رک گئے تھے۔ ان میں جگدیو سنگھ میری رہنمائی کر رہا تھا۔ وہ مالیاتی اور سیکیورٹی افسر دونوں بہت ہمراہ تھے۔

"پیکنگ شاپ میں داخل ہوتے وقت سیکیورٹی افسر بولا۔" سر اس شعبے کے بارے میں ہماری انتظامیہ سخت اصولوں کی پابند رہی ہے۔ جگدیو سنگھ کو آپ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص یہاں داخل ہونے کا مجاز نہیں ہے کیونکہ اس مرحلے میں بہت قیمتی بت یہاں ہیں اور ان کی حفاظت کی خاطر کوئی بھی ان کی چوری پر آمادہ ہو سکتا ہے۔"

جگدیو سنگھ نے بزرگانہ انداز میں سر ہلا کر اس کی تائید کی۔

پیکنگ شاپ میں اس وقت تھوڑی الجھن پیدا ہو گئی کیونکہ صفائی میں مصروف تھے۔ ہماری آہٹ پاتے ہی وہ سارا کام چھوڑ کر مؤدب ہو گئے۔

اس وقت وہاں کوالٹی کنٹرول کے شعبے سے آئی ہوئی چار آہنی ٹرالیاں موجود تھیں جن پر کانسی کے چمکتے ہوئے گرشنا کے کھوکھلے مجسمے تھے جنہیں پلاسٹک کی تھیلیوں میں بند کر کے پہلے گتے کے ڈبوں میں پیک کیا جاتا تھا پھر ڈبے لکڑی کی پیٹیوں میں بند کر کے لوہے کی پٹیوں سے محفوظ کر دیئے جاتے اور پیٹیاں ہوائی اڈے روانہ کرنے کے لئے تیار ہوتی تھیں۔

پیکنگ شاپ میں ترسیلی خانے کے تمام انتظامات مجھے خوب زیادہ مربوط لگے۔ میں نے اچھی طرح گھوم پھر کر اس شعبے کا جائزہ لیا اور وہاں بھی میں کوئی غیر معمولی بات محسوس نہ کر سکا۔ وہ ساتوں اپنے کام میں بہت ماہر اور مستعد تھے۔ کسی بات سے ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہاں کوئی غیر معمولی کام ہوتا ہے۔

دوپہر کے وقت میں فیکٹری کے احاطے میں اپنی نئی رہائش گاہ میں پہنچا۔ وہاں ضرورت اور آرام کی ہر چیز قرینے سے موجود تھی۔ خانساماں کھانا تیار کر چکا تھا۔ دوپہر کا کھانا کھا کر میں نے کچھ دیر آرام کیا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر مالی اور چوکیدار کا کام کرتا تھا۔

میں نے گھوم پھر کر مکان کا جائزہ لیا۔ یہاں میری خواب گاہ اور ڈرائنگ روم موجود تھے۔ ایک فون فیکٹری کے اندرونی نظام سے منسلک تھا، دوسرا بیرونی کالز کے لئے استعمال ہوتا تھا۔

میں کھانے سے فارغ ہوا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ میں لپک کر خواب گاہ میں پہنچا۔ میرے اندر گھستے ہی دروازہ بند ہو گیا۔ بیرونی ٹیلیفون کی گھنٹی مسلسل بجے جا رہی تھی۔

"ہیلو انگل!" میرے ریسیور اٹھاتے ہی دوسری جانب سے آواز آئی

ہوئی خوفناک آواز ابھری جو میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔

"یس باس!" میں بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

دوسری جانب سے ایک خوفناک غراہٹ کے ساتھ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

میں نے اپنے ہاتھ میں دبے ہوئے بے جان ریسیور کو دیکھا جیسے اس میں آسیب حلول کر گیا ہو۔ پھر اسے کریڈل پر رکھ دیا۔ میرا ہاتھ غیر ارادی طور پر اپنی پیشانی پر گیا تو وہ عرق آلود تھی۔

اس وقت میرا دل غیر معمولی رفتار سے دھڑک رہا تھا۔ نہ جانے اس خوفناک غراہٹ کا کیا مطلب تھا۔ ظاہر ہے، اس نے مجھے صرف غراہٹ سنانے کے لئے فون نہیں کیا تھا۔ پھر آخر اس کے یوں اچانک سلسلہ منقطع کرنے کا کیا سبب تھا۔

بوڑھا خانساماں بہت گھاگ آدمی تھا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی تاڑ گیا کہ ٹیلیفون میرے لئے ناخوشگوار ثابت ہوا ہے۔ فوراً خوشامدانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا "سرکار کچھ نوش فرمائیں گے؟"

"وہسکی اگر ہے تو لے آؤ!"

وہسکی پیٹ میں پہنچ کر اوسان ذرا بحال ہوئے تو میں [illegible] کے بوجھل احساس کے ساتھ [illegible] ہو گیا۔

دن کا باقی حصہ میں نے اپنی سیکرٹری نوتا مارٹن کی مدد سے فائلوں اور ریکارڈ کے تفصیلی مطالعے میں گزارا۔ وہ دن کی ملازمت کے [illegible] خوب [illegible] تھی۔ مجھ سے اتنے قریب ہو کر [illegible] اس کے گداز بدن سے اٹھنے والی سوندھی سوندھی مہک مجھے پریشان کئے دے رہی تھی۔ مگر میں اس ناخوشگوار ٹیلیفون کے بعد ذہنی طور پر ایسی کسی صورت حال سے بہرہ ور ہونے کے قابل نہ رہا تھا۔

دفتر کا وقت ختم ہونے پر نوتا مارٹن اٹھی تو اس کے ترکش کا آخری تیر دلنواز مسکراہٹ بن کر اس کے یاقوتی لبوں پر ابھر آیا "سر ۔۔۔ کیا میں جا سکتی ہوں؟"

میں نے خالی الذہنی کے عالم میں اس کی طرف دیکھا "ہاں ۔ آج کے لئے اتنا ہی کام کافی ہے۔ تم جا سکتی ہو!"

میرے جواب پر شاید اسے کچھ مایوسی ہوئی اور وہ بڑی حیرانی [illegible] کھٹ کھٹ کرتی دفتر سے نکل گئی۔ میں اس کے جانے کے بعد بھی کافی دیر تک دفتر ہی میں بیٹھا رہا۔ پھر چوکیدار کے قدموں کی آہٹ کے سوا فیکٹری سے [illegible] ہر شے شام کے ڈھلتے سایوں میں دم توڑ چکی تھی۔ میں تھکے تھکے انداز میں [illegible] دفتر سے نکلا اور جیپ میں مختصر سا فاصلہ طے کر کے گھر جا پہنچا۔

غسل کرنے اور لباس بدلنے کی نیت سے خوابگاہ میں پہنچا تو اچانک میرے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔

جگدیو سنگھ سے ملنے والا جگمگاتا شکاری چاقو سنبھالے خوابگاہ میں [illegible] ایک کرسی پر براجمان تھا اور اس کی چمکیلی آنکھیں میری طرف مرکوز تھیں۔

میں نے بے اختیار بڑھنا چاہا لیکن جگدیو سنگھ کی سرد آواز نے میرے قدم پکڑ لئے "آج منگل ہے اور منگل کی شام [illegible] کی چھٹی ہوتی ہے سر ۔۔۔ اس وقت ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں ہے!"

میرا دل بے اختیار اچھل کر حلق میں آ گیا۔ مجھے [illegible] نظر آیا تھا۔ اور جگدیو کا لہجہ ۔۔۔! میں فیصلہ نہ کر سکا کہ اس [illegible] تھا۔ تحکم، سرکشی تھی یا زہر [illegible]!

اگر وہ سچ ہی کہہ رہا تھا تو میں اس وقت خطرے میں تھا۔ ذہنی طور پر پراگندہ تھا، وہ پرسکون ۔۔۔ جسمانی طور پر [illegible] تندرست ۔۔۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میرے پاس اس کے شکاری بے رحم چاقو کا کوئی توڑ نہیں تھا!

[illegible]

"لیکن تم میری اجازت کے بغیر یہاں پہنچے کیسے؟"

میں نے قدرے جارحانہ انداز اپنانے کی کوشش کرتے ہوئے [illegible]

"جگدیو سنگھ کا غلام ہے سر ۔۔۔" وہ [illegible] "باس کی جانب سے ہدایت [illegible] تھا کہ میں آپ کی [illegible]"

[illegible] وہ [illegible] بولا۔

"ہاں ۔۔۔" وہ کیسی آواز میں بولا "باس نے [illegible] کیا تھا اور آپ اسے مخاطب کرتے ہوئے ہدایات بھول بیٹھے تھے!"

[illegible] ذہن کے دریچے کھل گئے۔ مجھے [illegible] خطرناک غراہٹ کے ساتھ یکبارگی فون کا سلسلہ [illegible] مجھے بتایا جا چکا تھا کہ باس فون پر مجھے انگلی کہہ کر مخاطب کرے گا اور میں اسے ڈی ون کہہ کر پکاروں گا۔ مگر میں یہ ہدایت فراموش کر بیٹھا تھا اور باس نے غصے میں فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا!

"مگر تم یہاں چاقو [illegible] بیٹھے تھے؟" میں نے [illegible] کے بعد پوچھا۔

"عام حالات میں تو میں آپ کا غلام ہوں" وہ چاقو [illegible] ڈالتے ہوئے بولا "مگر باس کے حکم پر یہاں آنے والا کوئی شخص آپ سے برتر ہوگا اور آپ اس کی اطاعت ماننے پر مجبور ہوں گے۔ جو کچھ کیا اس کے لئے میں آپ کو نہیں ڈی ون کو جواب دہ ہوں [illegible] بعد میں پھر آپ کا ایک ادنیٰ خادم ہوں ...!"

جگدیو سنگھ کے [illegible]

[illegible] چاہتا تھا ہی [illegible] مجھے اپنے ماتحت کے ہاتھوں ہولناک ذلت اٹھانی پڑ سکتی۔ کچھ دیر تک کمرے کی فضا پر بوجھل خاموشی مسلط رہی، جیسے [illegible]

پھر بولا "آج تمہارے شعبے کی کیا کارکردگی رہی ہے؟"

جگدیو مشینی انداز میں بولنے لگا جیسے ایک ایک لفظ حفظ کر کے آیا ہو "کل [illegible] ہمارے [illegible] جس کے لئے [illegible] موجود تھے ۔ سترہ [illegible] ہم نے [illegible] اور [illegible] کے [illegible] بوریوں میں بھر دی ۔ [illegible] کا آرڈر [illegible] پاس موجود تھا ۔ [illegible] کا کام کل صبح شروع ہو کر شام سے پہلے ختم ہو جائے گا۔ اس کے [illegible] کیا کرنا ہے یہ آپ ہی سے معلوم ہو سکے گا۔"

"ٹھیک ہے ۔۔۔ تم جا سکتے ہو" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "کل لنچ کے بعد تم میرے دفتر آ جانا!"

"بہتر ہے سر!" اس نے کہا اور [illegible] کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گیا۔

نئے حالات میرے لئے انتہائی غیر متوقع ثابت ہوئے تھے ۔ عجب اعتبار تھا کہ مشتبہ ہونے کی صورت میں میرا ایک ماتحت میری [illegible] پر مسلط کیا گیا تھا مگر ان تمام کارروائی میں جگدیو سنگھ کا کوئی قصور نہ تھا، وہ بیچارہ تو صرف ڈی ون کا آلہ کار تھا مگر اس وقت میری جھنجھلاہٹ کی کیفیت کچھ ایسی تھی کہ بس چلتا تو جگدیو سنگھ کے ٹکڑے اڑا دیتا!

میں بستر پر دراز سگریٹ پر سگریٹ پھونکتا رہا۔ [illegible] نصیب ہو سکا۔ رات کافی ڈھل چکی تھی مگر نیند کا کوسوں پتہ نہیں تھا۔

پھر اچانک ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور میں غیر ارادی طور پر بستر سے یوں اچھل پڑا جیسے میری پشت میں بچھو نے ڈنک مار دیا ہو ۔۔۔ میں نے لپک کر ٹیلیفون کا ریسیور اٹھایا تو دوسری جانب سے باس کی جانی پہچانی خوفناک آواز ابھری ۔۔۔ وہ بھرائے ہوئے مخصوص لہجے میں انگلی کہہ رہا تھا۔

اس آواز میں نہ جانے کیا تاثیر تھی کہ میری ساری جھلاہٹ یکبارگی کافور ہو گئی اور میں نے لہجے میں مضبوطی پیدا کرتے ہوئے اسے ڈی ون کہہ کر پکارا ۔۔۔ ریسیور میں اس کے ہنسنے کی خوفناک سی آواز ابھری۔

"مجھے یقین تھا کہ جگدیو سے ملاقات کے بعد تم آج کی رات نہ سو سکے ہو گے۔ میری ہدایات سے انحراف کرنے والوں کو بڑے اذیت ناک تجربات سے گزرنا پڑتا ہے۔ اگر آئندہ تم سے یہی غلطی دوبارہ سرزد ہوئی تو [illegible] کسی بھی صورت [illegible] کوئی بھی شکاری [illegible] ہوئے چاقو سے تمہاری موت [illegible] سکتا ہے!"

یہ الفاظ پگھلے ہوئے سیسے کی طرح میری سماعت میں اترتے چلے گئے اور میں خود پر قابو پاتے ہوئے [illegible] آواز میں بولا "سوری ۔۔۔ [illegible] ایسی غلطی کا اعادہ نہیں ہوگا۔"

"گڈ!" اس بار لہجہ تحسین آمیز تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ میری قوت برداشت کی تعریف کر رہا ہو "عام حالات میں تمہارا رتبہ بہت بلند ہے اور میں اسے پسند نہیں کروں گا کہ کسی ناخوشگوار موقع پر مجھے ایک مرتبہ پھر تمہارے کسی ماتحت کو براہ راست احکام دینے پڑیں ... مگر یہ [illegible] بھول چکا ہوگا ۔ تم بھی وہ واقعہ بھول جاؤ!"

"میں بھول چکا ہوں جناب!" میں نے اپنے دل میں ابھرتے ہوئے نفرت کے لاوے کو قابو میں رکھتے ہوئے کہا۔

"[illegible] متعلق اطلاعات تمہارے لئے اجنبی ہوں گی [illegible]" وقفے کے بعد وہ پھر بولا "آج بلیکنگ شاپ میں کیا خاص کام ہوا ہے؟"

میں نے جگدیو سے ملنے والی معلومات اسی کے حوالے کر دیں۔

"گڈ!" وہ بولا "تمہاری اپنی میز کی تیسری مقفل دراز میں ایک اہم فائل ملے گی۔ اس کا مطالعہ کرنے کے بعد تم سارا طریقہ کار سمجھ جاؤ گے۔ اس فائل کو پڑھنے کے بعد اپنے ہاتھوں سے جلا کر تلف کر دینا ... یہ کام بہت ضروری ہے۔"

"بہتر ہے سر!" میں جلدی سے بولا "کیا میں ایک سوال کرنے کی جسارت کر سکتا ہوں؟"

"پوچھو ...!"

"میں نوتا مارٹن پر کتنا اعتماد کر سکتا ہوں؟"

"جتنا [illegible] کی حیثیت [illegible] ضروری سمجھو!" وہ خوفناک آواز [illegible] "یاد رہے کہ وہ بلیکنگ شاپ کے معاملات سے لاتعلق ہے۔ جگدیو اور اس کے چند آدمیوں کے سوا کسی کو ادھر کی بھنک نہیں ملنی چاہیے ...!"

"میں سمجھتا ہوں جناب!"

"کل صبح نو بجے ایک ٹرک پر کچھ مال فیکٹری پہنچ رہا ہے۔ ٹرک کے بھوسے کے ساتھ ایک چوبی صندوق بندھا ہوا ہوگا ۔۔۔ بلیکنگ شاپ کے عملے سے وہ بکس کھلوا لینا۔ بکس کا وزن کرنے کے بعد اس کی رسید ٹرک ڈرائیور کو دے دینا ... شاید تم میری بات سمجھ گئے ہو؟"

"جی میں سمجھ گیا!" میں جلدی سے بولا۔ اسی کے ساتھ لائن بے جان ہو گئی ...!

وہ رات میں نے سخت الجھن اور بے چینی کے عالم میں گزاری۔ اس بارے میں جتنا سوچتا رہا الجھتا چلا گیا۔ یہ تو میں سمجھ چکا تھا کہ اس منظم اور با اثر گروہ سے گلوخلاصی کا تصور بھی محال ہے۔ شاید کوئی معجزہ ہی اس سے نکال لاتا تو میں آزاد ہوتا ورنہ یہی قید مجھے اپنا مستقبل نظر آ رہی تھی۔ اسی سوچ بچار میں یہاں تک سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ مجھے اب طویل منصوبہ بندی کے ذریعے گروہ میں قدم جمانے چاہئیں۔ اور کسی سازش کے ذریعے خود کو [illegible]

وطن کے مقام پر پہنچا دینا چاہیے۔ اس کے لیے اس پُراسرار سرغنہ کا خاتمہ بہت ضروری تھا۔ مگر میں یہ کام انجام نہ دے سکا تو کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہونے دیتا کہ اصل سرمایہ ڈوبا جا چکا ہے اور اس کی جگہ صفدر علی ان پر گراں ہے!

اگلی صبح دفتر پہنچا تو لونا مارٹن میں انقلابی تبدیلیاں محسوس کیں۔ وہ خوبرو اور سیکسی ماڈل لڑکی تھی اور مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ پہلے روز میں محض اس کی سنہری رنگت کے باعث اس کے حوصلہ افزا لیکن ہوشیار رویے کا شکار ہو جاتا لیکن سکا تھا... ورنہ عام حالات میں میرے اندر کا صفدر علی تو اس کے چہرے پر ایک سوالیہ نظر بھی نہ ڈالتا... اب یہ لڑکی بھی یا میری توجہ حاصل کرنے کو سرد مہر رویے سے اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ اس کی مسکان وارثوں کے وار بھر کا ہی نتیجہ ہے اور آج وہ اپنی دانست میں پوری طرح سج سنور کر آئی تھی۔ بغیر آستینوں کے گلابی بلاؤز اور گھٹنوں سے قدرے نیچے اسکرٹ میں اس کا گداز بدن یوں چھلکا پڑ رہا تھا جیسے شباب کے آبگینے کو بے شوق نگاہوں سے محفوظ رکھنے میں لباس ناکام ہوا جا رہا ہو۔ اس کے لباس میں گو عریانی یا بازاری پن نہیں تھا لیکن میری شوریدہ نظروں کو وہ کریہہ احساس ہو رہا تھا کہ تو جیسی لڑکی کے لیے وہ معقول لباس ناکافی ہے۔ اور اس پر میک اپ کا ہلکا سا امتزاج۔ رخسار اس کے یوں بھی گلابی تھے لیکن غازہ کے ہلکے سے ہلکے نے اس کے چہرے پر ایک لطافت پیدا کر دی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ بڑے انداز سے مسکرائی اور سر کو خم دے کر مجھے سلام کیا۔ میں تو پہلے ہی ٹھٹک کر رک گیا تھا وہ میری مسکراتی ہوئی تیز نظروں کی تاب نہ لا سکی اور لڑکھڑاہٹ کے عالم میں اپنی میز کی دراز ٹٹولنے لگی۔

اپنی میز کی تیسری مقفل دراز میں نے کھولی تو اس میں آج ایک ایسی فائل موجود تھی جو کل شام تک وہاں نہیں تھی۔ میں نے لونا مارٹن کو ہدایت کی کہ آج لنچ تک میں بہت مصروف ہوں لہٰذا کسی بھی ملاقاتی کو میرے پاس نہ بھیجا جائے۔

اس فائل میں فیکٹری کے سارے کاروبار کے بارے میں اہم معلومات موجود تھیں۔ لندن، روم اور پیرس میں فیکٹری کے نمائندوں کے ضابطے واقعات تھے، وہ نمائندے اپنے اپنے حلقوں سے مجسموں کے آرڈر حاصل کر کے فیکٹری کو ارسال کرتے تھے، ان کے ساتھ خفیہ حروف اور الفاظ کے ذریعے مطلوب منشیات کی ضرورت سے بھی آگاہ کرتے تھے۔ مال تیار ہو جانے پر منشیات کی مطلوبہ مقدار کھوکھلے مجسموں میں بھر کر سیل کر دی جاتی جو آرڈر کے ساتھ منشیات ... میں کوئی ہیرا پھیری ہو جاتی اور مال ان فضائی کمپنیوں کے ذریعے متعلقہ نمائندے کو روانہ کر دیا جاتا۔ نمائندوں کے ذریعے یہ مال بظاہر ... مال کی فوٹو بھیجنے کا بار ... خریداروں پر ... بجائے نمائندے ... کا اصل مقصد یہ تھا کہ مال پہنچ جانے پر وہ نمائندے مجسموں سے منشیات نکال کر بھاری معاوضے پر غیر ملکی مارکیٹ میں پھیلا دیتے اور مجسمے اصل اور جائز خریداروں تک پہنچا دیے جاتے۔

فیکٹری منیجر کی حیثیت سے یہ میری ذمہ داری تھی کہ جوں ہی باہر سے منشیات کا کوئی آرڈر وصول ہو میں ڈی ون کو اس کی مقدار اور معیار سے آگاہ کروں، ساتھ ہی یہ بھی بتاؤں کہ اس ایجنٹ کو مجسموں کی جس کھیپ کے ذریعے وہ غیر قانونی مال ارسال کرنا ہے وہ کھیپ کب تک تیار ہو کر پیکنگ شاپ میں پہنچ جائے گی۔ مجسموں کی پیکنگ سے ایک روز قبل ڈی ون کسی نہ کسی طرح منشیات کی مطلوبہ مقدار پیکنگ شاپ پہنچوا دیتا... وہاں مال کھلانے والے ... کے حسابات سے ایک جز بھی ادا کیا جاتا تھا بلکہ وہ ڈی ون کی طرف سے ... دے دیا جاتا تھا جس کی نگرانی ڈی ون براہ راست ... سنبھالتا تھا۔ اس طرح غیر ملکی نمائندے منشیات کے بدلے کوئی رقم فیکٹری کو نہیں بھیجتے تھے... کی برآمد کے نتیجے میں برونز آرٹ فیکٹری کو بینکوں کے ذریعے صرف مجسموں کی رقم وصول ہوتی تھی۔ منشیات کی فروخت سے حاصل ہونے والی بھاری رقم کہاں جاتی تھی؟ اس کے بارے میں فائل خاموش تھی۔

میں کئی گھنٹے تک اس اہم فائل کے مطالعے میں کھویا رہا۔ ڈی ون نہایت محتاط طریقے سے برونز آرٹ فیکٹری کو منشیات کی غیر قانونی اسمگلنگ کے لیے استعمال کر رہا تھا۔ جب باب مورلی اور اس کے گروہ کے چنگل میں پھنسا تھا تو ... مجرموں اور جرائم پیشہ لوگوں کا ایک لامحدود ... نظر آیا تھا لیکن ... آہستہ آہستہ اس تنظیم کے نت نئے پہلو میرے سامنے آتے جا رہے تھے ... سے ... ثابت ہو رہا تھا کہ اس فیکٹری کی آڑ لے کر ... کسی معمولی گروہ کے بس کی بات نہیں تھی... اب تک کے تجربات سے ظاہر تھا کہ اس قدر پھیلے ہوئے غیر قانونی کاروبار کی پشت پر صرف ایک ہی ذہن کارفرما تھا!

اس فائل میں ساری معلومات سادہ کاغذات پر ٹائپ کی ہوئی تھیں۔ میں نے سوچا کہ ڈی ون کی ہدایات کے مطابق اس فائل کو تلف کرنے کے بجائے اپنے پاس محفوظ رکھوں، لیکن اس کے وسائل سے مجھے یہ بھی خوف آنے لگا کہ وہ کسی بھی وقت اس سے آگاہ ہو سکتا تھا اور اس نافرمانی کی سزا کے تصور ہی نے میرے ان باغیانہ خیالات کو دبا دیا۔

برونز آرٹ فیکٹری کے قانونی اور غیر قانونی دھندے جلد ہی میری سمجھ میں آ گئے اور میں نے پہلے ہفتے کے اختتام سے قبل ہی مختلف شعبوں کے سلسلے میں ہدایات جاری کرنی شروع کر دیں۔ اس دوران میں لونا مارٹن میرے بہت قریب آتی جا رہی تھی۔ جلد ہی اس کا رویہ ایک غلام جیسا ہو گیا... اس نے پہلے روز والے واقعے کو شاید بالکل ہی بھلا دیا تھا لیکن میں اپنی اس توہین کو فراموش نہ کر سکا تھا۔ جب بھی وہ بن سنور کر میرے سامنے آتی تو اس دن کی ایک تلخ یاد میرے وجود میں دوڑ جاتی۔

اس دوران میں دو تین بار ڈی ون نے بھی فون پر مجھ سے رابطہ قائم کیا۔ وہ کسی ... کی طرح فیکٹری کے ... حالات سے ...

تھا۔ اس دن شاید منگل ہی کی شام تھی۔ میں دفتر سے نکلا تو لونا مارٹن خلاف معمول ... کا انبار میز پر ڈھیر کیے بیٹھی تھی ... تھکاوٹ تھی جو مجھے بار بار اس کی جانب متوجہ ہو جانے پر مجبور کر رہی تھی۔

"ہیلو لونا — کیا آج دیر تک بیٹھنے کا ارادہ ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"یس سر!" وہ قاتل مسکراہٹ نثار کرتی ہوئی سیدھی ہو گئی اور ... سیدھا کرنے لگی۔ "آج اکاؤنٹ والے بھی اوور ٹائم کر رہے ہیں۔ آڈٹ کے لیے حسابات تیار ہو رہے ہیں۔ میں نے سوچا کہ ... کا کام بھی نمٹا لوں، ورنہ رات ... تنہا بیٹھنے سے تو مجھے ہول آتا ہے۔"

اس وقت میرے آس پاس کوئی موجود نہ تھا۔ قریب میں واقع اکاؤنٹ ڈیپارٹمنٹ سے ... ہلکی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ حسن اور تنہائی کے اس امتزاج نے ... جوابی مسکراہٹ بکھیر دی۔ "اکاؤنٹ والوں کا کام کسی دن دیر تک چلے گا، اپنا کام پھر کبھی نمٹا لینا!"

میری خاموشی پر ... وہ بولی ... میری زبان سے کچھ اور بھی سننے کی متمنی ہو مگر میری خاموشی کو طویل ہوتے دیکھ کر اس کے ترو تازہ چہرے پر ہلکا سا اضمحلال اتر گیا اور وہ تھکی آواز میں بولی۔ "بہتر ہے سر!"

میں نے محسوس کیا کہ اس نے میرے مشورے کا غلط مفہوم لیا ہے۔ وہ یہ سمجھی تھی کہ میں اسے اوور ٹائم کرنے سے روک رہا ہوں۔ جب کہ میرا منشاء کچھ اور ہی تھا۔ میں نے اس کی میز کے قریب جا کر نرم آواز میں کہا "مجھے تمہارے اوور ٹائم پر کوئی اعتراض نہیں ہے لونا! ... شام میں ... اور میں بنگلے پر تنہا ہوتا ہوں۔ مجھے بڑی خوشی ہو گی اگر تم میرے ساتھ چل کر میرے لیے چائے تیار کر سکو... میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ میرے بنگلے کی فضا پر کسی نسوانی آواز کا کیا اثر پڑتا ہے!"

اس کی آنکھیں ... ستاروں کی طرح چمک اٹھیں۔ ساری ... مسرت میں ڈھل گئی اور وہ بے یقینی کے عالم میں بولی۔ "اوہ... واقعی سر! کیا آپ واقعی مجھے اس قابل سمجھتے ہیں؟" اس نے یہ کہتے ہوئے اس قدر معصومانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں کہ میں خود کو بمشکل اسے بانہوں میں بھینچنے سے روک سکا!

بنگلے تک کا مختصر سا فاصلہ خاموشی کے ساتھ طے ہوا۔ ڈرائنگ روم میں پہنچ کر میں نے بے تکلفی کے ساتھ اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔ "تم چائے تیار کرو۔ میں ذرا فریش ہو کر ابھی آتا ہوں۔" اور میں اپنا کوٹ صوفے پر اچھال کر خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔

میں نے جاتے جاتے محسوس کیا کہ میری یہ اچانک بے تکلفی اس کے لیے خوشگوار حیرانگی کا باعث بنی ہے — اس نے ایک ادا کے ساتھ سر کو جھٹکا اور کچن کی طرف چل دی۔

نہاتے ہوئے نہ جانے کیوں مجھے سوزی یاد آ گئی۔ وہ میری سیکرٹری، مونس، غم خوار، داشتہ سب ہی کچھ تھی۔ کوئی باضابطہ جذباتی رشتہ نہ ہونے کے باوجود وہ میرے مشکل وقت میں بہترین رفیق ثابت ہوئی۔ کراچی میں دوران ملازمت میرے ساتھ رہی اور اپنے وفا شعار رویے سے مجھے کبھی بیوی کی کمی کا احساس نہ ہونے دیا۔ اور جب میں جوئے میں آخری پونجی ہار کر پولیس سے بچنے کے لیے فرار ہوا تو میں نے کلفٹن کے ایک فلیٹ میں ... چھوڑا ... اور ... سکتا بلکہ چھوڑ کر اپنی نامعلوم منزلوں کی طرف چل دیا تھا اور اب یہ لڑکی لونا مارٹن مجھے کچھ اسی کی یاد تازہ کرتی نظر آ رہی تھی۔ لونا کی طبیعت میں ٹھہراؤ کے بجائے شوخی زیادہ تھی لیکن پھر بھی میری گناہ گار نظریں اس میں وہ صفت ڈھونڈ رہی تھیں جو ... زندگی ... ہوئے ایک ... شخص کو چند لمحوں کے لیے آسودگی کی لازوال نعمت بخش سکتے تھے!

میں نہانے کے بعد گاؤن کی ڈوری باندھتا باہر آیا تو وہ میری آہٹ پا کر باورچی خانے سے چائے کی ٹرالی دھکیلتے ہوئے باہر نکلی۔ میں اس کے ہمراہ ڈرائنگ روم ہی میں جا بیٹھا۔

"سر آپ..." چائے بناتے ہوئے اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تکلف ختم — اب ہم دفتر سے باہر ہیں اور دفتر کے سوا ہر رشتہ ختم ہو چکا ہے!"

اس نے نظریں اٹھا کر میری جانب دیکھا جیسے میرے الفاظ کے وزن کا اندازہ کر رہی ہو۔ پھر آہستہ سے بولی۔ "یہ آپ کی عنایت ہے ورنہ میرے اور آپ کے درمیان ایک گہری خلیج حائل ہے جسے نظر انداز کرنے کی جرأت شاید مجھے کبھی نہ ہو سکتی ہے!"

اس کی آواز میں کوئی ایسی بات تھی کہ میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ شوخ اور الہڑ لڑکی کے الفاظ نہیں تھے بلکہ اس کی آواز میں کوئی ستم رسیدہ سی لڑکی بول رہی تھی! "تم یکا یک سنجیدہ کیوں ہو گئیں؟"

اس نے بڑی بڑی آنکھیں میری طرف اٹھائیں تو وہاں آنسو تیر رہے تھے۔ "سر، ... میں نے خود کو کبھی اتنا مجبور اور بے بس محسوس نہیں کیا جتنا میں ان دنوں محسوس کر رہی ہوں۔"

میں اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔ اس لڑکی کے بارے میں میرا ذہن ... بکھرا ہوا تھا۔ میں اس کو ایک خوبرو تتلی سمجھ کر اس کے تعاقب میں نکلا تھا۔ اس نے خود دفتری کام کے دوران اپنے دعوت آمیز رویے سے مجھے یہ تاثر دیا تھا کہ وہ تفریح ہے لیکن اس شوخ اور چنچل لڑکی کی تہہ میں کوئی دکھی عورت بھی چھپی ہوئی تھی!

"لونا — تم جیسی ہنستی مسکراتی لڑکی کی آنکھوں میں یہ آنسو زیب نہیں دیتے!" میں نے اپنے دل میں اس کے لیے ہمدردی کے جذبات محسوس کرتے ہوئے

کیا؟ اگر میں تمہارے دکھ بانٹ سکا تو یہ میرے لئے بڑی مسرت کی بات ہوگی۔"

اس نے پرس سے رومال نکال کر نم آنکھیں صاف کیں اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی: "میں ... خود کو فریب دیتی رہی ہوں۔ میں نے محض ... کے لئے آپ کو بھی اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن آج مجھے اپنے وجود پر ندامت کا احساس ہو رہا ہے۔ نہ جانے کیوں میں محسوس کر رہی ہوں کہ آپ سے کوئی بات نہ چھپا سکوں گی!"

میں نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ میں مدتوں سے نازک انسانی جذبوں سے عاری زندگی گزارتا چلا آ رہا تھا۔ مجھے کبھی احساس بھی نہیں ہوا تھا کہ زندگی میں ان رشتوں کا کیا دلکش کردار ہوتا ہے۔ میں نے پہلی محبت کھو دی تھی مگر جب میں نے اپنے بچپن کے دوست اکبر کی بیوی اور بازار کی ایک جنگلی جنس کے روپ میں دیکھا تو اسے قتل کر بیٹھا۔ اس کے بعد میرے نزدیک عورت کی کوئی وقعت نہیں رہی۔ بس ہر عورت کے دام ہوا کرتے تھے۔ ان میں کوئی بھی سچی نہیں تھی... مگر اس لڑکی لونا نے تو جیسے میرے وجود کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا!

"تم جو کچھ کہنا چاہتی ہو کھل کر کہہ ڈالو۔ مجھے تم اپنا ہمدرد پاؤ گی؟"

اور اس نے رو رو کر مجھے جو کہانی سنائی، وہ بہت دردناک تھی۔

وہ ایک خوشحال گھرانے میں پیدا ہوئی مگر چار برس کی عمر ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور چند ماہ کے بعد اس کی جوان سال ماں نے ایک اور نوجوان سے پینگیں لینی شروع کر دیں جو آوارہ گرد تھا اور محض روپے پیسے سے عشق کرتا تھا اور ایک روز ان دونوں نے شادی بھی کر لی۔ لونا کے ساتھ سوتیلے باپ کا رویہ ناقابل فہم تھا۔ وہ اس سے مختصر فقروں میں گفتگو کیا کرتا تھا۔ لونا نے اس گھر میں اپنا بچپن کرب اور مفلسی کے عالم میں گزارا۔ اس کا باپ فطری طور پر کاہل تھا۔ ایک دفتر میں کلرک کی حیثیت سے اس کی جو کچھ آمدنی ہوتی وہ اسے شراب اور جوئے میں اڑا دیتا۔ جب لونا کی ماں اس سے اخراجات طلب کرتی تو وہ ... کے ساتھ اس کی ٹھکائی کیا کرتا۔ رفتہ رفتہ لونا کی ماں نے ... چھوٹی موٹی ملازمت کرنے لگی مگر اس کا شوہر اپنی آمدنی اڑانے کے بعد لونا کی ماں سے بھی ... لیتا تھا۔ اس کے ساتھ ہر وقت ... جھگڑے کا سلسلہ رہتا تھا۔

اور جب لونا نے جوانی کی سرحد میں قدم رکھا تو اس کے بے ضمیر سوتیلے باپ کو اس کے روپ میں دولت کی دیوی چھپی نظر آئی۔ وہ لونا کو آمدنی کا ذریعہ بنانا چاہتا تھا مگر یہاں ماں کی ممتا خونخوار تیوروں کے ساتھ اس کے مقابل آگئی۔ آخر کار ... لیکن ... مجبور کر دیا گیا!

گزشتہ ایک سال سے اس کی ماں سخت علیل تھی۔ باپ ... ملازمت سے نکالا جا چکا تھا۔ ماں کی آمدنی اتنی محدود تھی کہ ... کے ساتھ اپنے دن گزار سکتا تھا مگر اس کے سوتیلے باپ کی عادتوں نے ان حالات

میں بیٹی سے وہ بھی شکل چھین لیا تھا۔ بیوی کو چھوڑ کر اب وہ لونا کے پیچھے پڑ گیا اور اسے زیادہ سے زیادہ رقم کمانے پر مجبور کرتا تھا!

اس نے سسکتے ہوئے مجھے بتایا کہ اب تک وہ خود کو بہت سے گناہ کی دلدل سے بچا سکی ہے۔ اس کا باپ بھی صاحب ... ہو کر ... شراب ... تک اس کے اعصاب پر سوار ہے اور وہ اس کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ... نہیں بلکہ اپنے ساتھیوں سے کچھ نہ کچھ مالی فائدے حاصل کرتی ہے۔ محض اس نیت سے مجھ پر ڈورے ڈالنے شروع کئے تھے کہ شاید خوش ہو کر ... وہ میری ہمدردیاں جیت کر تنخواہ وغیرہ میں کچھ اضافہ کرا سکے لیکن میرے رویے نے اسے خود سے شرمسار کر دیا اور وہ میرے سامنے حقیقت کا اظہار کر بیٹھی۔

"تم وہ گھر کیوں نہیں چھوڑ دیتیں جہاں ایک بے غیرت شخص تمہارا مول چکانے پر تلا ہوا ہے؟" اس کی ساری بات سن کر میں نے کہا۔

"وہ گھر چھوڑ کر میں کہاں جاؤں گی... میرا کوئی بھی تو سہارا نہیں۔"

"تم شادی کر سکتی ہو... تم جیسی لڑکی کے لئے تو یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"شاید آپ ٹھیک کہتے ہوں... مگر میری ماں کے تجربات نے میرے ذہن میں شادی کے تصور ہی سے دہشت بٹھا دی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میں بھی اس کی طرح فریب کا شکار ہو جاؤں! پھر شادی کے بعد میری ماں کا کیا ہوگا۔ میرا ہونے والا شوہر ایک بوڑھی اور مستقل مریض عورت کا بوجھ کیوں اٹھائے گا؟ میں کسی طرح اپنے سوتیلے باپ کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتی!"

میں نے محسوس کیا کہ لونا اندر سے بڑی معصوم سی لڑکی ہے۔ ... سنوارنے کے لئے اس کے سامنے بہت سی راہیں کھلی ہوئی تھیں مگر ماں کے ساتھ ساتھ اسے اپنے سوتیلے باپ سے بھی لگاؤ تھا۔ اس سے تمام تر نفرت اور کراہت کے باوجود وہ لاشعوری طور پر اسے سہارا دینا چاہتی تھی۔ اسے یہ گوارا نہیں تھا کہ اس کی زندگی میں آنے والا باپ خواہ وہ سوتیلا ہی ہو لاوارثوں کی طرح شہر کی فٹ پاتھ یا کسی خیراتی اسپتال میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اپنے آخری سانس پورے کرے!

"اگر تم مجھ پر اعتماد کرو تو میں تمہارے کام آ سکتا ہوں!" میں نے اسے پیشکش کی۔ "میں تنہا ہوں۔ اخراجات محدود ہیں اور میں اپنی آمدنی کا ایک حصہ اسی قسم کے فلاحی کاموں میں لگاتا رہتا ہوں۔ اگر میں مالی طور پر تمہیں سہارا دے سکا تو میرے لئے خوشی کی بات ہوگی۔"

"اوہ... آپ فرشتہ ہیں!" اس کی آواز ایک بار پھر بھرا گئی۔ "خود غرضی کے اس دور میں بھلا کون یہ سب سوچتا ہے...!"

اس روز وہ کافی دیر تک میرے ساتھ رہی۔ پھر میں ... اسے اپنی ہی جیپ میں لے کر شہر کی طرف چل دیا۔ میں تو اسے گھر کے اندر چھوڑنا چاہتا تھا لیکن اس نے مجھ سے التجا کی کہ میں اسے گھر سے دور ہی چھوڑ دوں۔ میں نے بھی اصرار کرکے اس کا دل دکھانا مناسب نہ سمجھا اور اسے شہر سے دور کی ایک آبادی میں اتار کر واپس ہو لیا۔

ذہن پر عجیب سی ویرانی مسلط تھی۔ میں بے خیالی کے عالم میں جیپ دوڑاتا ہوا شہر کے بازاری علاقے میں جا نکلا!

نوجوان اور خوبصورت ... لڑکیوں کی ... سورج غروب ہو چکا تھا ... گلیوں میں ... اشاروں اور سرگوشیوں میں نسوانی جسموں کو سکوں کی کھنک میں تولا جا رہا تھا ... میں نے سب دیکھا۔ ایک بڑے شراب خانے کے سامنے ... جیپ بند کرکے شراب خانے کی طرف بڑھا تو کئی لڑکیوں کی ابھرتی سوالیہ نگاہوں کا مرکز بن گیا۔ ... اندر داخل ہوا تو ... کی بھول بھلیوں میں ... ہو چکا تھا ... کے ٹوٹے شہر کی اخلاقی اقدار پر بے حیائی اور دلیری کے ساتھ شب خون مارنے میں مصروف تھے!

میں شراب خانے میں ... ایک ... سے مشغول رہا ... قریب بیٹھے ... کاؤنٹر چھوڑ دیا۔ شراب کا سرور ... کی طلب کو ابھار رہا تھا۔ ساتھ ہی رہ رہ کر لونا کی تصویر ذہن میں گھوم رہی تھی۔ میں نے جیپ ... کی ... سے ... ہاتھ ... آہستہ آہستہ آگے بڑھانے لگا۔

شراب خانے سے چند سو گز کے فاصلے ... سائبان کے نیچے سے ایک نسوانی ہیولا نمودار ہوا اور جیپ کی طرف آیا۔ میں نے بریک لگا دیئے!

وہ لڑکی قبول صورت اور جوان تھی۔ میں نے اسے اشارہ کیا اور وہ اچھل کر میرے پہلو والی سیٹ پر بیٹھ گئی جیسے اس سے میری پرانی شناسائی رہی ہو۔

"مجھے کچھ ... ساتھی ... کے ساتھ ... گزارنی ہے!" اس نے سائبان کے نیچے فٹ پاتھ پر کھڑے ہوئے کچھ سفید فام لڑکے لڑکیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کتنی رقم چاہئے؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"پانچ ڈالر بس!" وہ بے نیازی سے بولی۔

میں نے پرس سے دس ڈالر کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

اس نے میرے ہاتھ سے نوٹ جھپٹ کر مسرت بھری آواز میں ... کسی کو پکارا۔ جواب میں سائبان کے نیچے سے سنہرے بالوں والی ایک ... لڑکی لپک کر جیپ کی طرف آئی۔

"تم لوگ یہ پیسے رکھو... میں صبح ... کے سامنے پہنچ جاؤں گی!" اس نے نوٹ کیٹی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

کیٹی نوٹ لے کر مڑنے لگی تو اس نے اسے پکارا۔ "ٹھہرو!"

وہ مڑ کر کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں میری طرف دیکھنے لگی۔

"تم ... کیٹی کو بھی ... کرو گے؟" میں نے ...

"... جاؤ کیٹی!" وہ ... لیکن ... کیٹی ... ہو جائے گی!"

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"میں ... ہوں۔ مگر کیٹی کو ... تک ماریا کا ... نہ ملا تو وہ پاگلوں کی طرح چیخنے اور ناچنے لگے گی!"

"اوہ... تو اسے رہنے دو!" میں نے جلدی سے کہا۔

وہ گستاخ لڑکی زور سے ہنسی "ڈرو نہیں... یہ ابھی ... ماریا کی ... خرید لیا۔ سرنج اس کے پرس میں ہوگی... اس کے بعد تم اس کا جو بھی حشر کرو ... صبح تک نہ کرے گی!"

اس نے جلدی سے کیٹی کو دھکا دیا اور وہ جیپ میں آ بیٹھی اور میں نے ایک طویل سانس لے کر جیپ کو آگے بڑھا دیا!

ایک ... کیٹی کو دیکھ کر صورتحال سمجھ چکا تھا۔ اس نے مجھے ... دیتے ہوئے معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ میں نے ... انداز میں ... کو جنبش دی اور تیزی سے باہر نکل آیا۔ میں نے راستے میں ... پر نظر ڈالی تو اس وقت سوا نو بج رہے تھے۔ مجھے ... گھبراہٹ ... کر جلد از جلد ... پہنچ ... کیٹی کو ... اگر راستے ہی میں ... تو وہ اچھا خاصا ہنگامہ کھڑا کر دیتی!

میں ... کیٹی ... اس نے ... پرس سے ... سرنج نکالی۔ اس کے ... اور ... کا سارا سیال سرنج میں کھینچ لیا۔ میں نے اس سے سرنج لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن اس نے مجھے منع کر دیا "تم فکر نہ کرو، میں یہ کام خود ہی سرانجام دے لوں گی!"

سرنج سے ہوا کے بلبلے خارج کرنے کے بعد اس نے اپنے برہنہ بازو کی ... میں سوئی داخل کی اور ... آہستہ آہستہ وہ نشہ آور سیال اپنی شریانوں میں پہنچا دیا۔

سرنج خالی ہونے کے بعد اس کے چہرے پر گہرا سکون پھیل گیا۔

"تم بہت شریف آدمی ہو اور تم کیا ... شریف ہوتے ہیں۔ کسی جوان اور ... عورت کو تکلیف میں دیکھ کر ان کا دل تڑپ اٹھتا ہے اور وہ اس کی ذرا سی توجہ حاصل کرنے کے لئے اپنا سب کچھ لٹا سکتے ہیں!"

"کیا تم مجھ پر طنز کرنے کی کوشش کر رہی ہو؟" میں نے مصنوعی غصے میں پوچھا۔

"اوہ... نہیں نہیں!" وہ جلدی سے بولی۔ "میں ... ہوں۔ وہاں کے تقریباً سارے ہی مرد ... ہوتے ہیں کیونکہ ... ضروریات کے لئے بھی وہ اپنی صنف کو کفیل سمجھتے ہیں ... چند ... اپنی طرف متوجہ کر سکتی ہے کہ تم لوگ اچھی عورت کو اپنی ضرورت سمجھتے ہو۔"

"بڑی عمدہ ... ہے!" میں ہنسا۔

"مرد فطری طور پر بے وفا ہے، بیگ۔ اس کو کسی ایک عورت کا پیار بھرا ساتھ نہ ملے اس میں محبت، ہمدردی اور تہذیب کے جراثیم پیدا نہیں ہو سکتے۔" وہ بچے کے سے انداز میں بولی۔ "اور میرے خیال میں بہت سے ہم وطن عورت کے سائے کی تلاش میں بھٹکتے ہیں!"

"اور عورت کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے اسے چھیڑا۔

"میں سمجھی نہیں۔"

"عورت فطری اعتبار سے کیا ہے اور مرد کی اس کے لئے کیا اہمیت ہے؟" میں نے کہا۔

"عورت نام ہی محبت اور تہذیب کا ہے۔ رہا مرد تو عورت کے لئے وہ اتنا اہم نہیں ہے۔ عورت کو کسی بچے کی پرورش یا کسی دیپ سے وہ لاتعداد ذہنی آسودگی ملتی ہے جو مرد اپنی داشتہ میں اسے ہم آغوش کر کے بخشتا ہے!"

"یہ تو تم فرائڈ کی تھیوری کو مسخ کر کے پیش کر رہی ہو۔"

"یہ میرے تجربات کا نچوڑ ہے... اس بات کو تم یوں سمجھ لو کہ دنیا کے اسی فیصد سے زیادہ مرد شادی شدہ ہونے کے باوجود دوسری عورتوں اور بازاری خاتونوں کا تعاقب کرتے ہیں۔ کیونکہ عورت ان کی بہت بڑی اور ناگزیر ضرورت ہے لیکن ایسی عورتوں کا تناسب بہت کم ہے جو مرد کا پیچھا کرتی ہوں۔ کیونکہ بہت کم عورتیں ہیں جو بعد ازاں جس نہ کھل سکے جہاں مجھے بھی۔"

"پھر تم میرے پاس کیوں آئی ہو؟"

"میں نہیں آئی... یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ اس وقت تمہاری... ضرورت صرف اور صرف عورت ہی پوری کر سکتی ہے۔ جبکہ میری ضرورت معمولی رقم تھی جس کے لئے میں اگر چوری کر لیتی تو تمہاری ضرورت نہ رہ جاتی۔ میری ضرورت پوری ہو چکی ہے اور تمہاری ضرورت باقی ہے۔"

"یہ تو تمہاری کھلی ہوئی بکواس ہے!" میں اکتا کر بولا۔

"جس مقصد سے مجھے یہاں لائے ہو وہ پورا کرو۔ مجھ سے بحث کر کے تم جیت نہ سکو گے۔ میں نے انسانی نفسیات کے جنسی پہلو پر پی ایچ ڈی کیا ہے۔ پھر ساری ڈگریاں جلا کر بازاروں میں نکل آئی کیونکہ اس مقام پر مجھے ہر چیز کھوکھلی نظر آنے لگی تھی!"

میں نے اس کا مشورہ مان لیا۔ "اگر تم نہا لو تو پھر..."

"نہیں نہیں..." وہ ایک دم گھبرا گئی۔ "پانی سے مجھے وحشت ہوتی ہے اور سارا نشہ برباد ہو جاتا ہے۔"

بہت عجیب لڑکی تھی۔ میں نے پہلی بار ہی دیکھی تھی جو اپنی بات کے حق میں مضبوط دلائل بھی رکھتی ہو!

میں لباس وغیرہ تبدیل کرنے کیلئے باتھ روم میں چلا گیا۔ منہ ہاتھ دھو کر چند منٹ بعد باہر آیا تو لڑکی غائب تھی۔ میں نے اسے آوازیں دیں۔ لیکن بے سود! پھر اچانک میری نظر سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے کاغذ پر پڑی۔ میں نے دیکھا تو اس پر جلدی جلدی میں چند سطریں گھسیٹی گئی تھیں۔

"میں تمہارے پرس سے رقم نکال کر جا رہی ہوں۔ اس رقم کا شکریہ! میری ضرورت پوری ہو گئی۔ اب تم ساری رات جاگتے رہو اور مان لو کہ تمہاری ضرورت عورت ہی پوری کر سکتی ہے صرف عورت!"

وہ میری جیبی ڈائری سے پھاڑا ہوا ایک ورق تھا اور تحریر بھی میرے ہی قلم سے استعمال کیا گیا تھا۔ اس چوٹ پر میری کھوپڑی گھوم گئی۔ میں نے جلدی سے اپنے پرس کا جائزہ لیا۔ رقم کے سوا ہر چیز جوں کی توں تھی۔ مجھے رقم کا تو کوئی ملال نہ تھا مگر ایک لڑکی کے ہاتھوں بیوقوف بن جانے اور پھر محروم رہ جانے کی سخت جھلاہٹ تھی!

میں تیزی کے ساتھ باہر نکلا لیکن ہر طرف ویرانی کا راج تھا۔ گونجنے والی جھینگروں کی تیز آوازیں میری بے بسی کا مذاق اڑا رہی تھیں۔ میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا واپس آیا اور بستر پر دراز ہو گیا۔ شراب کا سرور برباد ہو چکا تھا اور لڑکی کا خیال... کر رہا تھا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ اس بحث کے نتیجے میں اپنی بات ثابت کرنے کیلئے اس حد تک جا سکتی ہے تو اس کمبخت سے اس موضوع پر ایک لفظ بھی بات نہ کرتا۔ مگر اب تو تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ وہ اپنی بات عملی طور پر ثابت کر کے مجھ پر واضح کر چکی تھی۔

میں بستر پر کروٹیں بدلتا سگریٹ پر سگریٹ پھونکتا رہا کہ اچانک آہٹ سی سنائی دی۔ میں ہڑبڑا کر اٹھا تو کسی کی گھٹی ہوئی ہنسی سنائی دی۔ میں نے جلدی سے سوئچ آن کر دیا۔

دروازے میں وہی لڑکی کھڑی بے تحاشا ہنسے جا رہی تھی۔ وہ انتہائی عجیب بلکہ ناقابل فہم لڑکی تھی۔ مجھے اس پر بے انتہا غصہ بھی... مجھے مسلسل گھورے جا رہی تھی۔

"مان گئے نا میری بات؟" وہ میرے قریب آ کر بستر پر بیٹھ گئی۔

"کہاں گئی تھیں تم؟"

"برابر والے کمرے میں! میں نہ جاتی تو تم ضرور بولتے مگر خود نہیں!"

"یہی رفتار رہی تو بہت جلد کامیاب ڈاکٹر بھی بن جاؤ گی!" زہر لگی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ میں نے سنجیدگی اختیار کر کے اسے اپنا مذاق اڑانے کا مزید موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ میں نے تو پوری رقم پر صبر کر لیا تھا۔ "مگر تمہیں واپس آنے کا خیال کیسے آیا؟" "واپس..." ہوئے بولی۔ "تم نے یہ نہ سوچا کہ آدھی رات گئے یہاں سے میں کیسے پہنچ سکوں گی!"

"یہ رقم رکھ لو۔" میں نے رقم اسی کو لوٹا دی۔ "تمہارے لئے... بیٹھا رہا... تمہاری رات جنگل میں بسر ہو سکتی!"

"میں نے سنا ہے کہ ان مضافات میں خطرناک جنگلی جانور کثرت سے پائے جاتے ہیں۔" وہ جھرجھری سی لیکر میرے اور قریب سرک آئی۔

"تو کیا ہوا... مرد تمہاری بنیادی ضرورت تو نہیں ہے۔ میرا خیال ہے بجائے کسی کے گیدڑ، بھیڑیے یا جنگلی سور کے ساتھ بھی بسر کر سکتی تھیں!"

"چلو مان لیتی ہوں کہ تم آج کی رات میرے لئے ناگزیر ہو۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "مرد اپنی برتری کا طلسم ٹوٹتا کبھی نہیں برداشت کر سکتا!"

لیکن اپنے رنگین فلسفے کے باوجود بڑی دلکش ساتھی تھی۔ اس نے اپنی دلربا اداؤں سے ذرا سی دیر میں میری ناراضگی رفع کر دی اور میں نے رات کے باقی لمحات اس کے وجود میں کھو کر گزار دیے۔!

اگلے روز لیبارٹری پہنچا تو لونا مارٹن میں واضح تبدیلی محسوس کی۔ آج اس کی ساری شوخی بردباری میں بدل چکی تھی۔ میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ میں فطری اعتبار سے عورتوں کا رسیا تھا اور اس صنف کے لئے تفریح کے سوا کسی قسم کے خیالات نہیں رکھتا تھا لیکن اب لونا مارٹن کے بارے میں مجھے اپنے خیالات میں بڑی تبدیلی آتی محسوس ہو رہی تھی۔

اسی روز دفتر میں مجھے خیال آیا کہ نرائن داس کو کھوج نکالنا چاہئے جس کے دستخط میرے تقرر نامہ پر برونز آرٹ فیکٹری کے جنرل ڈائریکٹر کی حیثیت سے ثبت تھے۔ یہ خیال آتے ہی میں نے ٹیلیفون ڈائریکٹری نکالی اور مجھے فیکٹری کے نام کے نیچے ہی نرائن داس کا گھریلو پتہ اور ٹیلیفون نمبر مل گئے اور مجھے اپنی اب تک کی حماقت پر افسوس ہونے لگا۔

اگر مجھے اس گروہ کے چنگل سے نجات پانی تھی تو سب سے پہلے یہ اندازہ لگانا تھا کہ بغاوت یا فرار کے بعد میرے تحفظ کے کیا امکانات ہیں اور یہ کام اسی وقت پوری طرح واضح ہو سکتے تھے جب گروہ کی اعلیٰ قیادت کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کر لیتا۔ ابھی تک امیر خان سے اوپر میری کہیں رسائی نہ تھی۔ اور امیر خان خود اعتراف کرتا تھا کہ وہ تنظیم کا ایک ادنیٰ درجے کا کارکن ہے۔ چنانچہ امیر خان کی شخصیت کی بنا پر کوئی فیصلہ کرنا حماقت کے مترادف ہوتا۔ پاشا کو میں نے دیکھا ضرور تھا لیکن اس کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم کرنے کی نوبت نہ آ سکی۔ برونز آرٹ فیکٹری میں آنے کے پہلے دن جس طرح اس نے تسلط کا اظہار کیا تھا اس سے تو نامعلوم حوصلہ شکنی ہو رہی تھی۔ وہ فیکٹری کے بارے میں ضرورت سے زیادہ باخبر تھا اور مجھے کچھ علم نہ تھا کہ وہ کہاں تک میرا بگاڑ سکتا ہے!

کافی سوچ بچار کے بعد میں نے لنچ سے تھوڑی دیر پہلے فون پر نرائن داس کے نمبر ڈائل کئے۔ پہلی ہی گھنٹی پر دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا اور کسی نے بھاری آواز میں ہیلو کہا۔

"کیا نرائن داس صاحب موجود ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"کون بول رہا ہے؟"

"میں ان کا ایک دوست بول رہا ہوں!" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔ "مجھے ارجنٹ کام ہے!"

دوسری طرف ایک ثانیے کے لئے خاموشی چھا گئی پھر پوچھا گیا "آپ ان سے آخری بار کب ملے تھے؟" لہجہ نرم اور [illegible] تھا۔

"میں ان سے چند ماہ قبل ملا تھا۔" میں نے لہجے میں مصنوعی ناگواری پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"تو تم سراسر جھوٹے اور بدمعاش ہو!" دوسری طرف سے درشت لہجے میں اتنا کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ میں نے بھی ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ ٹیلیفون پر میری گفتگو توقع سے زیادہ اہم ثابت ہوئی تھی۔ میں نے تو محض تفنن طبع کے طور پر نرائن داس کے مکان پر ٹیلیفون کیا تھا۔ یہ وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ گفتگو اس قدر سنسنی خیز ثابت ہو گی۔ مجھے یقین ہو چلا کہ نرائن داس کی ذات سے کچھ نہ کچھ ایسی اہم کڑیاں وابستہ ہیں جو تنظیم کے سربستہ رازوں پر کچھ نہ کچھ روشنی ڈال سکتی ہیں۔!

اس شام لونا مارٹن میرے ساتھ پھر بنگلے پر گئی۔ اس سے باتوں کے دوران میں کئی بار مجھے نرائن داس کا خیال آیا۔ ایک بار یہی سوچا کہ اس معاملے میں لونا کو راز دار بناؤں لیکن یہ ہمت نہ کر سکا۔ اگر یہ راز ذرا بھی افشا ہو جاتا تو میری موت نہایت دردناک ہوتی جبکہ میں ابھی زندہ رہنا چاہتا تھا اپنے لئے... اور شاید لونا کے لئے بھی! اس پیاری لڑکی کے بارے میں میرے احساسات تیزی کے ساتھ جذباتی رخ اختیار کرتے جا رہے تھے۔

اس رات میں لونا کو چھوڑنے شہر گیا۔ واپسی میں ادھر ادھر گشت کرتا رہا۔ نرائن داس کی اقامت گاہ ڈھونڈ نکالنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اگر جانتا کہ اس کا اس گاڑی سے ذرا بھی تعلق تھا تو میرے وہاں جانے کی خبر اسے میری طرف سے مشکوک کر دیتی!

کئی گھنٹوں کی آوارہ گردی کے بعد ایک ہوٹل سے مجھے تھوڑی سی معلومات حاصل ہو گئیں جو میری دانست میں بہت اہم تھیں۔ میں نے ہوٹل کے استقبالیہ کلرک کو بتایا کہ میں شہر میں ایک اجنبی سیاح ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ نرائن داس نامی کوئی مقامی فرد ایک بہت بڑی مجسمہ ساز فیکٹری کا مالک ہے۔ میں اس سے مل کر فیکٹری کی مصنوعات دیکھنا چاہتا ہوں۔

"بے سود ہے جناب!" کلرک نے مایوسی سے جواب دیا۔ "نرائن داس ایک فاتر العقل شخص ہے اور برسوں سے وہ اندھیرے ہی میں مقید ہے۔ اس کی جوان سال بیوی یہ پسند نہیں کرتی کہ وہ بھرے مجمع مقامات اور تفریح گاہوں میں اپنے پاگل شوہر کی مجنونانہ حرکات کی وجہ سے لوگوں کی تضحیک کا نشانہ بنے!"

"اوہ تو وہ پاگل فیکٹری کیسے چلا رہا ہے؟" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"مقدر والوں کے کھیل ہیں جناب!" کلرک حسرت کے ساتھ بولا۔ "جہاں ہوش مند دولت کو ترستے ہیں اور دیوانے لکھ پتی ہیں۔ چند برس پہلے کی

بری بات ہے کہ نرائن داس جیتے جی اپنی جھونپڑیوں میں یا طبوسی شہر کی سڑکوں پر مارا مارا پھرتا تھا بچے اس کے پیچھے تالیاں بجاتے تھے۔ پھر اچانک اس کا بیٹا آنند لعل ولایت کی پڑھائی ختم کر کے آ گیا۔ نرائن داس اس کا واحد وارث تھا۔ اسے کسی نہ کسی طرح آنند بھون تو پہنچا دیا گیا مگر پاگل پن کی وجہ سے قانونی طور پر آنند لعل کا ورثہ اسے منتقل نہ کیا جا سکا۔ پھر سننے میں آیا کہ اس نے ایک ہندوستانی لڑکی سے شادی کر لی۔ نرائن داس کے متوفی کے طور پر اس کی بیوی نے فیکٹری، سرمایہ اور جائداد اپنے نام کرا لی اور اب شاید وہی سارے کاروبار کی براہِ راست نگران ہے؟"

میں نے دس پیسے کا ایک نوٹ اسے تھما دیا اور باہر آ گیا۔ اب میری سمجھ میں آ چکا تھا کہ چند ماہ قبل نرائن داس سے ملنے والی بات پر آنند لعل کیوں برہم ہو گئے تھے...!

بہرحال میرا سیکٹ ہاتھ آ چکا تھا اور میں دوسرا پانسہ پھینکنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

بلیٹ ایک ڈھابے کے پبلک بوتھ سے میں نے آنند بھون کا نمبر ملایا۔ سلسلہ مل جانے پر بدلی ہوئی آواز میں مسز نرائن داس سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

"کیا کام ہے؟" دوسری جانب سے بھرائی ہوئی خوابناک آواز سنائی دی اور میرا دل بلیوں اچھل پڑا۔ یہ وہی آواز تھی جو میں مختلف مواقع پر سنتا رہا اور اسی آواز والے کو میں ڈی ون کہہ کر مخاطب کرتا رہا تھا۔

اس وقت میں نے فوری طور پر سوچا کہ اس شخص کو بھی بوکھلا دینا چاہئے مگر میں اسے ڈی ون، سفید ہاتھی کی کہانی یا کسی ایسے اشارے کی بنیاد پر چونکا نہیں سکتا تھا جو وہ میرے ساتھ رابطے میں استعمال کرتا تھا کیونکہ اس صورت میں میں مشکوک ہو سکتا تھا۔ مجھے اتنا تو یقینی طور پر معلوم تھا کہ وہ دو آدمیوں کے لئے ایک ہی اشارہ استعمال نہیں کرتا!

"چلو وہ نہیں بتا سکتی تو تم کان کھول کر سن لو کہ میں آنند لعل کی خودکشی کا راز جانتا ہوں اور یہ اطلاعات کسی بھی وقت پولیس تک پہنچا سکتا ہوں!" میں نے اسی بدلی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ کیا بکواس ہے؟" اس کی آواز میں کوئی گھبراہٹ نہیں تھی۔

"تم خوب جانتے ہو کہ یہ بکواس نہیں حقیقت ہے!"

"میں کچھ نہیں جانتا کہ تم کیا کہہ رہے ہو پھر بھی اپنا مقصد بیان کرو۔"

"مجھے فوری طور پر پچاس ہزار روپے درکار ہیں...!"

"کیا تم مجھے اسی وقت مل سکتے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"میں [illegible] اتنا بے وقوف نہیں ہوں۔ مجھے تم اتنی آسانی سے چکما نہیں دے سکو گے۔ مگر [illegible] بے فکر رہو مجھے رقم مل گئی تو تمہاری [illegible] کی ذمہ داری مجھ پر ہو گی۔"

دوسری طرف ایک ثانیے کے لئے خاموشی چھا گئی۔ پھر وہ بولا: "تم

نہیں کہاں مرکے بھیجی جائے گی...؟"

"صدر بازار کے [illegible] کے پیچھے ایک کوڑا گھر ہے۔ رقم بریف کیس میں بھر کر اسے پرانے کپڑوں میں لپیٹو اور اسے کوڑے گھر میں ڈلوا دو!"

"اگر وہ رقم وہاں سے کوئی اور نکال لے گیا...؟"

"اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ بریف کیس وہاں ڈالتے ہی تمہارا کام ختم ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے!" اتنا کہہ کر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

ڈی ون نے جس قدر پر سکون انداز میں مجھ سے یہ معاملہ طے کیا تھا اس سے میرے لئے یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں تھا کہ میرے لئے اس بریف کیس تک پہنچنے کی کوئی بھی کوشش میرے لئے جان لیوا بن سکتی تھی۔ وہ اتنا احمق نہیں تھا کہ اپنے کسی حریف کے سامنے یوں آسانی سے ہتھیار ڈال دیتا۔

دوسرے روز میں دفتر ہی میں مصروف رہا۔ شام کا وقت مجھے [illegible] گزرا۔ تیسری صبح فیکٹری آنے والے ایک ہولناک خبر [illegible] سن کر میں پھر بری لے کر رہ گیا!

کوڑے گھر کی صفائی کرتے ہوئے سرکاری عملے کے ایک خاکروب کو چیتھڑوں میں لپٹا ہوا ایک چرمی بریف کیس ملا تھا جسے کھولتے ہی ایک زبردست دھماکے سے پورا علاقہ لرز اٹھا۔ بریف کیس کھولنے والے کے جسم کے پرخچے اڑ گئے۔ تیرہ افراد زخمی ہوئے اور آس پاس کی چند عمارتوں کو بھی نقصان پہنچا۔

ڈی ون نے یقینی طور پر اب بریف کیس میں کوئی ایسا طاقتور بم رکھا ہو گا جس کا انتظام بریف کیس کھلتے ہی کام کر جاتا اور اس طرح ڈی ون نے اپنی دانست میں اپنے حریف سے چھٹکارا پانے کا بہترین اور یقینی انتظام کیا تھا!

دو دن میں موقع کی تلاش میں رہا۔ اس بار میں جگدیپ کو نشانہ بنانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ وہ نہ صرف ڈی ون کا خاص آدمی تھا بلکہ اس سے میری چپقلش بھی تھی۔ اسے ٹھکانے لگا کر نہ صرف میں ڈی ون کو پریشان کر سکتا تھا بلکہ اپنے جذبۂ انتقام کو بھی تسکین پہنچا سکتا تھا۔

اگلے روز میں نے چھٹی سے چند منٹ قبل جگدیپ کو بلایا اور اسے ہدایت کی کہ فیکٹری بند ہونے کے بعد وہ گھر جانے کے بجائے فیکٹری سے باہر جا کر [illegible] روپوش رہے کیونکہ میں اس کی مدد سے ایک کام سرانجام دینا چاہتا ہوں۔ ساتھ ہی اسے یہ ہدایت بھی کر دی کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو کہ مجھ سے اس کی کیا بات ہوئی ہے...!

جب مجھے یقین ہو گیا کہ فیکٹری خالی ہو چکی ہے تو میں دفتر سے نکلا۔ چابیاں چوکیدار کے حوالے کیں اور جیپ لے کر شہر والی سڑک پر ہو لیا۔ چند فرلانگ دور مجھے حسبِ پروگرام کے مطابق [illegible] جیپ روک دی۔ چند منٹ کے انتظار کے بعد جگدیپ باہر آ گیا۔ اسے ساتھ

[illegible] میں نے جب ویران راستوں پر گاڑی ڈالی تو میں نے کنکھیوں سے دیکھا کہ جگدیپ کے چہرے پر الجھن کے آثار ہیں۔ مگر وہ مجھ سے کچھ پوچھنے کی جرأت نہ کر سکا۔ ایک سنسان مقام پر پہنچ کر میں نے جیپ روک کر اس کا [illegible] اور جگدیپ سے کہا کہ وہ دوسری جانب کا جائزہ لے۔ وہ مڑا ہی تھا کہ میں نے اپنی جیب سے ریوالور نکالا اور جگدیپ کی کنپٹی کے قریب ہی [illegible] تین گولیاں اس کا کام تمام کر گئیں۔

میں جیپ [illegible] اس وقت تک نیچے کھڑا رہا جب تک جگدیپ نے تڑپ تڑپ کر دم نہ توڑ دیا۔

اگلے روز خلافِ معمول صبح سویرے مجھے بنگلے پر ہی ڈی ون کا فون موصول ہوا۔ وہ بھرا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ "آج کسی نامعلوم شخص نے جگدیپ کو ہلاک کر دیا ہے۔ اس شہر میں ہمارا کوئی گمنام دشمن پیدا ہو چکا ہے۔ جگدیپ کی ہلاکت کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص ہمارے گروہ کے اصل وجود سے باخبر ہو چکا ہے لہٰذا فوری طور پر وہاں اپنی سرگرمیاں ختم کرا دو۔ اگلی ہدایات تک۔ بس صاف ستھرے کاروبار کرتے رہو!"

اتنا کہہ کر اس نے سلسلہ منقطع کر دیا اور میرے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ ان دنوں قسمت مجھ پر مہربان نظر آ رہی تھی جو مجھے اتنی آسانی سے ڈی ون کا سراغ مل گیا اور وہ میرے ایک دو حربوں ہی سے اس طرح بوکھلا گیا ورنہ اس سے قبل تو ڈی ون ایک ڈراؤنے خواب کی طرح میرے اعصاب پر مسلط تھا اور میں اس سے نجات پانے کی آخری امید تک کھو چکا تھا۔ اس دوران میں ویلا میرے لئے ایک نعمت ثابت ہوئی۔ وہ روزانہ شام کو میرے پاس آ جاتی تھی اور میں اس کی رفاقت میں اپنی ساری الجھنیں بھول جاتا تھا مگر میں نے اپنی خفیہ سرگرمیوں کے بارے میں اسے لاعلم ہی رکھا تھا۔ جگدیپ کے قتل کی خبر پڑھ کر اس نے بتایا کہ اس کی ممی جگدیپ کو ہمیشہ سے سخت ناپسند کرتی تھی کیونکہ وہ شدید احساسِ کمتری کا شکار تھا بلکہ ممی کا تو خیال تھا کہ وہ بہت ہی بدطینت شخص تھا۔ [illegible] سے کسی جرائم پیشہ شخص کی بو آتی تھی...!

میں اس وقت تک جو کچھ کر چکا تھا اس میں کسی قسم کی منصوبہ بندی کو دخل نہیں تھا بلکہ وقتی ارادوں کے تحت ڈی ون کو بوکھلانے کی کوشش کرتا رہا تھا لیکن میرا اصل مقصد اس گروہ سے نجات حاصل کرنا تھا۔ اس میں کامیابی کی ابھی تک کوئی صورت نظر نہ آئی تھی۔

میں اس رات بستر پر دراز بہت دیر تک سوچ بچار کرتا رہا۔ [illegible] کوئی صورت نظر نہ آئی۔ [illegible] اپنی تمام تر صلاحیتوں کے باوجود ایک منظم گروہ سے [illegible] کے ذہن سے رجوع کرنا [illegible]

آخرکار میں نے فیصلہ کیا کہ خاموشی کے ساتھ شہر سے ہی روپوشی اختیار کر لوں اور کچھ دن اسی طرح چھپے رہنے کے بعد [illegible] پہاڑی مقام پر اپنی منزل کی جانب [illegible] جہاں سے میں پاسپورٹ حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن لوٹ سکتا تھا۔

اس کے بعد میں نے ویلا کو ٹٹولا۔ وہ ابھی تک کھل کر اعتراف تو نہ کر سکی تھی لیکن اس کے دل میں میری محبت جگہ پا چکی تھی۔ اس سے آخری ملاقات میں کئی بار میرا دل چاہا کہ اسے بتا دوں کہ میں اب اس سے رخصت ہونے والا ہوں۔ لیکن زبان نہ کھل سکی!

آخر ایک رات میں نے اپنے چند جوڑے [illegible] لئے اور نکل پڑا۔ وہ منگل کی رات تھی۔ دونوں ملازم [illegible] بغیر [illegible] کر وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔ شہر میں آ کر میں نے ایک دکان سے ضرورت کا کچھ سامان خریدا اور جیپ وہیں چھوڑ کر پچھلے درجے کی [illegible] کی طرف چلا۔

مجھے اپنی [illegible] کا سہارا حاصل ہو گیا اور میں ایک عمر رسیدہ ٹیکسی ڈرائیور کے دروازے پر جا پہنچا جو بھاری بخشش کے عوض مجھے راتوں رات [illegible] لے جانے کو تیار ہو گیا۔

دشوار گزار پہاڑی راستوں پر رات کا سفر بہت خطرناک ہوتا ہے لیکن ڈرائیور احتیاط اور مہارت کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ راستے میں وہ مجھے ان علاقوں کے بارے میں بہت کچھ بتاتا رہا لیکن مجھ سے میرے بارے میں کوئی سوال نہ کیا شاید وہ میرے بارے میں اپنے طور پر کوئی رائے قائم کر چکا تھا۔

صبح ہونے سے پہلے اس نے ٹیکسی ایک چھوٹے سے گاؤں میں کھیتوں کے بیچوں بیچ [illegible] ایک مکان پر روک دی۔ کئی دستکوں کے بعد ایک بوڑھی عورت نے دروازہ کھولا اور لالٹین کی مدھم روشنی میں حیرانی سے ہم دونوں کا جائزہ لینے لگی۔

"اماں! [illegible] آیا ہوں" ڈرائیور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "یہ کچھ دن یہاں رہ کر آگے کہیں جانا چاہتا ہے...!"

یہ سن کر اماں بوڑھی کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ ہم دونوں کو اندر لے گئی۔ مکان اندر سے صاف ستھرا تھا۔ بوڑھی کا اپنا بستر زمین پر تھا اور ایک طرف دو چوبی تخت موجود تھے جن میں سے ایک پر شاید میرا بستر بچھنے والا تھا۔ [illegible] ڈرائیور چائے ختم کر کے اٹھ گیا۔ میں نے اسے رخصت کرتے ہوئے ایک بار پھر راز داری کی ہدایت کی اور وہ مجھے اطمینان دلا کر واپس ہو لیا۔

چھوٹی سی پہاڑی بستی کے کنارے واقع وہ گاؤں بہت پر سکون تھا۔ میں نے اس بوڑھی عورت سے کہا کہ وہ غیر ضروری طور پر میری موجودگی کا کسی سے تذکرہ نہ کرے۔ مجھ سے ملنے والی [illegible] اس کے لئے اتنی کافی تھی کہ وہ مجھ سے میری ذات کے بارے میں کچھ پوچھنے کی جرأت نہ کر سکی۔

اس گاؤں کی زندگی اندھیرا پھیلنے سے قبل ہی مکانوں تک محدود ہو جاتی تھی۔ میں سارا دن اسی جھونپڑے نما مکان میں محدود رہتا اور رات ہوتی تو کے گنارے جا بیٹھتا یا سبزیوں کے چھوٹے چھوٹے زرعی قطعات کی سیر کرلیتا۔ اب دو دن میں نے خود کو ایک مکمل پہاڑی شخص کے طور پر تیار کر لیا تھا۔

"ہاں ۔۔۔ ان علاقوں میں بچا ہوا وہی تو سب سے قیمتی جنس ہے!" ایک رات موقع پا کر میں نے اس سے بات چھیڑ دی۔

"بیٹا کہاں بیٹا!" وہ حسرت بھری آواز میں بولی، "وہ تو بوڑھی ٹانگوں میں ملتی ہے وہ جو شخص تعیب ہوا اس جڑی بوٹی تک پہنچ پاتے ہیں؟"

"میں نے سنا ہے کہ کچھ جنگلی قبائل اس بوٹی کی پوجا کرتے ہیں؟"

"ہاں ۔ میں بھی سنتی آئی ہوں کہ وہ بہت خونخوار اور وحشی لوگ ہیں۔ اس بوٹی پر کسی غیر کا سایہ تک برداشت نہیں کر سکتے۔ اول تو ان تک پہنچنا ہی دشوار ہے اور کوئی پہنچ بھی جائے تو ان کے ہاتھوں سے جیتا واپس آنا دشوار ہے۔" وہ پر خیال انداز میں کہتے کہتے چونک پڑی، "کہیں تم بھی تو اس بوٹی کی تلاش میں تو نہیں نکلے ہو بیٹے؟"

"اللہ نہیں ماں!" میں نے بڑھیا کا بازو دبا کر کہا اور اسی وقت میرے کانوں میں کسی جیپ کے انجن کی غراہٹ سنائی دی جو تیزی سے قریب آتی جا رہی تھی۔

میں چند ثانیوں تک وہ آواز سنتا رہا پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ مجھے ابھی یہ معلوم تھا کہ اس گاؤں میں کسی کے پاس جیپ نہیں تھی۔ سب سے کونا مکان تھا جہاں نیم شیبی صورت نہ جانے کیوں... کا وہ شور خطرے کی گھنٹی کے مترادف تھا۔ "تم یہاں سے بھاگ جاؤ۔" میں نے بوڑھی کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا، "میرے دشمن آ رہے ہیں اور تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

اور بوڑھی خوفزدہ ہو کر وہاں سے بھاگ نکلی۔ میں نے دائیں ہاتھ میں ریوالور دبایا، باہر نکل کر ایک ستون کی اوٹ میں ہو گیا۔ اندر جیپ کی طرح آنے جانے سے بہتر تھا کہ کھلے آسمان کے نیچے مقابلہ کیا جاتا!

گاؤں کی طرف آنے والی کچی سڑک پر دو گاڑیوں کے روشن ہیڈ لیمپ نظر آ رہے تھے۔ وہ گاڑیاں کچے راستے پر اچھلتی کودتی تیزی سے اسی طرف آ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر میں وہ گاڑیاں اس مکان کے سامنے آ رکیں۔ آگے والی گاڑی تھی جس میں چند وردی پوش تھے، پیچھے ایک جیپ تھی۔

گاڑیاں رکتے ہی سات مسلح افراد تیزی کے ساتھ نیچے اترے۔ ان میں امیر خان بھی شامل تھا۔ مجھے وہ پہچاننے میں دیر نہیں لگی، ایک طرف سہما کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ بھیگا بھیگا سا ہو رہا تھا اور اس کی حالت سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی بھی لمحے غش کھا کر نیچے گر پڑے گا۔ شاید میرا سراغ پانے کے لیے انہوں نے اس پر کافی تشدد کیا تھا!

"اندر کون ہے ۔۔۔ باہر آؤ۔" اچانک امیر خان نے نیم تاریک مکان کے دروازے پر لات مار کر غضبناک آواز میں کہا اور میں نے اپنے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کے ٹریگر پر انگلی رکھ دی۔ شاید ایک بیک کوئی جواب ملے۔ اندر سے کسی جواب کے منتظر رہے اور میں انہیں اچھی طرح دیکھ رہا تھا۔ دونوں گاڑیوں کے انجن بند کیے جا چکے تھے لیکن ہیڈ لائٹس کی تیز روشنیاں مکان پر پڑ رہی تھیں۔

چند ثانیوں کے انتظار کے بعد امیر خان نے ایک شخص سے کہا، "چل بے ۔۔۔ اندر جا کر دیکھ۔"

وہ شخص رائفل سیدھی کیے دروازے کی طرف بڑھا اور رک کر اندر کی سن گن لیتا رہا پھر اندر جا گھسا۔ "یہاں کوئی نہیں۔" اندر ہی سے چیخ کر کہا اور امیر خان ٹارچ روشن کر کے مشتعل انداز میں اندر گھستا چلا گیا۔

ادھر وہ لوگ اپنی تلاش میں مصروف تھے، ادھر میرے دماغ کی آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ میں خود کو پستول کا ٹھیکیدار سمجھتا تھا لیکن اتنے بھولے نہیں تھے کہ سات گولیاں ان ساتوں کا ہی خاتمہ کر دیتیں۔ ناکارہ نہ جاتیں۔ بمشکل دو تین آدمی ہی مقابلے پر آتے۔ پھر ان کی آتشیں اسلحہ اگر مقابلہ پر جم جاتی، جبکہ سات گولیوں کے بعد میں نہتا ہو جاتا، نتیجہ صاف ظاہر تھا کہ وہ بڑی آسانی کے ساتھ مجھے بے قابو کر لیتے اور دوسری نعمت کا تنکا ہو جاتے کیونکہ ایسی صورت میں وہ مجھے ان کے روبرو رہنا تھا جو ان کا خون بھی میرے سر آتا۔

چلتے چلتے میں سوچتا رہا اور میرا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور میری انگلی پستول کے ٹریگر سے ہٹ گئی۔ اس وقت امیر خان اپنے ساتھیوں کی ناکام تلاشی کے بعد جھلایا ہوا باہر آ رہا تھا!

"تلاش کرو ۔۔۔ وہ خنزیر کی اولاد کہیں پاس ہی کہیں چھپا بیٹھا ہے۔ میں آپے سے باہر ہوا جا رہا تھا۔ برابر کے مکانوں میں بھی اس بڑھیا سے اس کے بارے میں صحیح اطلاع مل سکے گی۔"

"ٹھہرو امیر خان!" میں نے اچانک بلند آواز سے کہا۔

میری آواز سنتے ہی وہ سب بری طرح چونک پڑے۔ پھر وہ سنبھلنے کے لیے پل ہی بھر میں پوزیشن لے کر گیا اور ریلیف ہوا گاڑیوں کی طرف ...

"میں اکیلا ہوں، خوں خرابہ پسند نہیں کرتا، اس لیے خود کو حوالے کرنے کو تیار ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میں دونوں ہاتھ بلند کیے ستون کے سامنے نکل آیا۔

"کوئی فائر نہ کرے!" امیر خان نے دھاڑ کر اپنے آدمیوں سے کہا، "پستول اپنے ہاتھ سے پھینک دے۔ اگر کوئی مکاری کی تو میں بے دریغ تیرا بھیجا اڑا دوں گا۔"

میں نے جلدی سے وہ پستول زمین پر پھینک دیا۔

ل پھر میں وہ ... گرد ... کرتے ...

سیری جامہ تلاشی لینے کی کوشش کی لیکن امیر خان نے میری طاقت ... کرتے ہوئے میری جامہ تلاشی لینے کی کوشش کی لیکن امیر خان نے اسے سخت اشتعال کے باوجود اسے بری طرح دھتکار دیا، "دور ہٹ جا! بیٹھ ... اب کی جامہ تلاشی میں خود لوں گا۔"

"میرے پاس اب کچھ نہیں ہے۔" میں نے شکستہ خوردہ لہجے میں کہا۔

وہ کچھ بولی سرخ آنکھوں سے مجھے گھورتا رہا۔ پھر وہ میری جگہ تک ... "میں یقین کیے لیتا ہوں۔ مگر تیری طرف سے ذرا بھی چالاکی کا اظہار ہوا ... تو میں ... کسی کو تیرے خلاف ہتھیار اٹھانے سے نہ روک سکوں گا۔"

"میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" میں نے کہا۔

اتنے شور و غل کے باوجود آبادی پر ابھی تک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ... پہاں ... وحشت کے زیر اثر اپنے مکانوں میں دبکے ہوئے تھے۔ ... کے حکم پر وہ سب دونوں گاڑیوں میں سوار ہو گئے۔ مجھے امیر خان نے جیپ میں اپنے برابر میں بٹھا لیا!

سارے راستے امیر خان نے مجھ سے ایک مرتبہ بھی بات کرنے کی زحمت نہیں کی اور بہارت کے ساتھ ان پہاڑی راستوں پر جیپ دوڑاتا رہا۔ ... شہر میں داخل ہوئے تو اس وقت صبح کے چار بجنے والے تھے اور ... روشنی سے فائدہ اٹھا کر اپنے دفاع کے لیے ایک مربوط اور مضبوط پلان ترتیب دے چکا تھا!

آدمیوں کو مختلف ٹھکانوں پر اتارنے کے بعد میں امیر خان کے ساتھ جیپ میں تنہا رہ گیا اور تھوڑی ہی دیر میں گاڑی زیرو پوائنٹ پر جا پہنچی۔ ... کا دروازہ غیر مقفل تھا لیکن اندر سناٹا محسوس ہو رہا تھا۔ امیر خان مجھے ... لیے اندر داخل ہوا اور دوسری منزل پر پہنچتے ہی میرے حواس گم ہو گئے۔

ایک بھاری جسم والا دراز قامت نقاب پوش نہایت اطمینان سے ایک ... خوشبودار سگار کے دھوئیں سے مرغولے بنا رہا تھا!

"کہاں سے ہاتھ آیا؟" نقاب پوش نے ہمارے گھستے ہی اپنی مخصوص ... آواز میں امیر خان سے سوال کیا۔

"یہ ایک قریبی گاؤں میں روپوش تھا۔ گر ہمارے وہاں پہنچتے ہی ... خود کو ہمارے حوالے کر دیا۔" امیر خان نے ... آواز میں کہا، "راستے میں اس نے کوئی بازی نہیں کی۔"

"نہیں جناب ۔۔۔ میں بھلا حکم سے سرتابی کیسے کر سکتا تھا!" امیر خان ... کر اس کی سچی غلامی ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا۔

"تم باہر ٹھہرو۔" نقاب پوش نے کی انداز میں کہا اور کرسی سے اٹھ گیا۔ ... نے سگار ... پر پھینک کر سیاہ چوغے کی اندرونی جیب سے مسلا اور اپنے ... سے ایک ریوالور نکال لیا۔ وہ چند لمحے کھڑا رہا، امیر خان کے ... جانے کا منتظر رہا۔ جب اس کے قدموں کی چاپ معدوم ہو گئی تو وہ سیاہ ... میری طرف مخاطب ہوا۔

"تمہیں علم ہے کہ تنظیم سے بغاوت کر کے تم کتنے بڑے جرم کے مرتکب ہوئے ہو؟" اس نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ شیر ... میرا ایک اضطراری فعل تھا اور اب میں نے ... چھپا ... کر اپنی اس غلطی کے ازالے کی ایک کوشش کی ہے!" میں نے اپنے حواس یکجا کرتے ہوئے اپنی مفروضہ کہانی کی بنیاد ڈالی۔

"کیا تمہیں میری ذات اور تنظیم کے وسائل پر بھروسہ نہیں رہا؟" وہ تیز لہجے میں غرایا۔

"بھروسہ ہوتا تو میں گھر کر کسی گاؤں میں روپوش ہو کر یہاں کیوں آتا۔ میری جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو ان حالات میں یہی قدم اٹھاتا جو میں نے فرار کی صورت میں اٹھایا۔"

"سب سے پہلے میں وہ حالات جاننا چاہتا ہوں جو تم نے مجھ سے چھپائے رکھے!"

اور میں نے اس کے سامنے اپنی مفروضہ کہانی نہایت سنسنی خیز انداز میں چھیڑ دی۔

زیرو پوائنٹ

اس ویرانے میں تنہا عمارت تھی۔ وہاں اس وقت میں پوری طرح تنہا تھا۔ ... زخم پر تھا وہ میری طرف سے ذرا بھی مشکوک ہو جاتا تو اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے اعشاریہ دو دو کے ریوالور کی ایک ہی گولی میرے مقدر کا فیصلہ کر دیتی۔ تنظیم کا دوسرا اہم شخص اس کمرے سے باہر موجود تھا اور وہ دو تین فائر کر کے مجھے ذبح بھی کر ڈالتے تو ان ویرانوں میں میری آواز سننے والا کوئی نہ ہوتا!

"کہانی!" مجھے خاموش پا کر سیاہ پوش نے اپنی مخصوص بھرائی ہوئی آواز میں مجھے ٹوکا۔ ساتھ ہی ریوالور کی سیاہ نال کو بے رحمانہ انداز میں جنبش دی!

"میں پہلے بھی تنظیم کا وفادار تھا اور اب بھی بغاوت کی کوئی نیت نہیں۔" میں نے اپنے حواس یکجا کرتے ہوئے ... آواز میں کہنا شروع کیا۔ "اگر میری نیت بغاوت کی ہوتی تو میں تنظیم کے دشمنوں سے جا ملتا جن کے وسائل شاید مجھے پناہ دے سکتے۔"

"سنو۔" وہ میری بات کاٹ کر غرایا۔ "اگر تمہارا اشارہ پولیس کی طرف ہے تو وہاں جانے کسی غدار کو امان نہ مل سکے گی۔ پولیس آتی بار سوچ ہوتی تو ہر شخص تم جیسے لعل اور ... کا دوسرا ٹھکانہ ہوں ہمارے مفادات کے تحفظ کا ذریعہ بنا کسی سفاک بلیک میلر کی ناکام تلاش کے بعد وہ تعقر مردہ خانے کی زینت بن چکا ہے!"

"نہیں ۔۔۔" میں نے اپنا حلق تر کرتے ہوئے کہا، "میں اس کی بات کر رہا ہوں جس نے آپ کو بھی فکر مند کیا ہوا ہے اور جس کے خوف سے تنظیم کو احتیاطی تدابیر اختیار کرنی پڑی ہیں۔"

"اوہ ۔۔۔!" وہ غصے میں بولا، "میں نے تمہیں اس لیے جگہ دی کہ ...

تعلق کے بارے میں اپنے شبہات سے آگاہ نہیں کیا اور تم بزدلوں کی طرح شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔"

"آپ سے بات ہو جانے کے بعد مجھے کوئی خوف نہ تھا۔" میں نے وضاحت کے ساتھ بات جاری رکھی۔ "آپ کے فون کے بعد اسی رات کسی گمنام شخص نے ٹیلیفون پر مجھ سے رابطہ قائم کیا تھا۔ وہ تنظیم کے معاملات سے بہت زیادہ باخبر معلوم ہوتا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ پرنس تمام لعل کے قتل کی اصل کہانی سے واقف ہے۔ ساتھ ہی فیکٹری کی آڑ میں ہونے والی منشیات کی سمگلنگ کے طریقہ کار سے بھی وہ باخبر ہے۔ اس نے بتایا کہ اس کو آپ کی تفتیش کا پورا علم ہے اور اس نے رازداری کی قیمت کے طور پر آپ سے فی الحال پچاس ہزار روپے کا مطالبہ کیا تھا کہ آپ نے رقم کے بجائے ایک بریف کیس میں بم بند کر کے مقررہ مقام پر ڈال دیئے۔ اگر بریف کیس کھولتے ہی اس کے ٹکڑے اڑ جاتے جس کے جواب میں اسے ہلکا ہو کر ہلاک کر دیا۔ اس نے مجھ سے مطالبہ کیا تھا کہ آپ کو بتائے بغیر فیکٹری کے غیر قانونی کاروبار سے متعلق کچھ تفصیلات اسے مہیا کر دوں۔ مجھے یقین تھا کہ آپ کبھی اس کی اجازت نہ دیں گے اور حکم عدولی کی صورت میں مجھے اس سے اپنی جان کا خطرہ تھا کیونکہ بلیو ہوسٹگ کا حشر میرے سامنے تھا۔ لہٰذا میں نے خاموشی کے ساتھ فرار ہی میں اپنی عافیت سمجھی اور اسی رات خاموشی سے شہر چھوڑ دیا۔"

میری بات پوری ہونے پر سیاہ پوش کسی زخم خوردہ سانپ کی طرح پھنکارا۔ "وہ زیادہ دن زندہ نہ رہ سکے گا۔ میری راہ پر لگنے والوں کا انجام ہمیشہ عبرتناک ہوتا ہے۔" اور اسی کے ساتھ اس نے ادھورا سگار فرش پر پھینک کر یوں اپنے جوتے سے مسلا جیسے اپنے گمنام حریف کو قدموں تلے روند رہا ہو۔

"میں اپنی بزدلی پر نادم ہوں جناب۔" میں نے شرمندگی کے ساتھ سر جھکا کر کہا۔ "مگر آپ کا وہ دشمن اس قدر پراسرار انداز میں میرے سامنے آیا کہ میرا ردعمل قطعی فطری تھا۔ آپ نے اپنی کشتی جلا کر تنظیم میں جو منصب اختیار کیا ہے اور میرا ایک ایک سانس آپ کا تابع ہے۔" یہ کہتے ہوئے میں دل ہی دل میں اس کی جھلاہٹ اور اضطراب پر عجیب سا سکون محسوس کر رہا تھا۔ بالکل کسی فتح مند سالار کی طرح جو دشمن کی منتشر اور بدحال کر کے کاری وار لگانے کو تیار ہو۔

"وہ کوئی بھی ہو بہت جلد میرے ہاتھوں کسی بزدل چوہے کی طرح مارا جائے گا۔ تمہیں اس سے کسی خوف کی ضرورت نہیں۔ تم میری آئندہ ہدایات تک بدستور پرنس آرٹ فیکٹری کے منیجر کے طور پر کام کرتے رہو گے اور وہ گمنام شخص تمہیں جو بھی ہدایات دے اسے مجھ تک پہنچا دیا کرو۔"

"بہت بہتر۔ مگر میں آپ سے رابطہ کس طرح قائم کر سکوں گا؟"

"یہ غیر ضروری ہے۔ میں خود ہی تم سے رابطہ رکھوں گا۔" وہ ابھی تک اپنی جھلاہٹ پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

"اگر اب وہ تم سے اپنی مطلوبہ معلومات کا مطالبہ کرے تو تم اسے کیا جواب دو گے؟" چند لمحوں کے سکوت کے بعد سوال کیا۔

"تمہاری غیر موجودگی میں اسیا مارا ریکارڈ میں نے ... یہ اور اب تک اطلاع شائی وہاں پر کوئی غیر قانونی کام نہیں ہے۔ اپنی مجبوری کا اظہار کر سکتے ہو اور اگر وہ تم سے محض اپنی معلومات فراہم کرنے کو کہے تو تم نہ جانا ہو کہ سکتے ہو۔ یادداشت کی بھول چوک بھی ہو سکتی ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔ "میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے جھوٹی معلومات فراہم کرنے کو کہہ رہا ہے۔ ابھی تک میری اداکاری مکمل اور بہت کامیاب تھی۔ ذرا سا بھی شبہ نہ ہو سکا تھا کہ میں ہی پس پردہ رہ کر اس کے حریف کا کردار ادا کر رہا ہوں اور گروہ کے مفادات کو نقصان پہنچانے کا ذمہ دار ہوں۔

"تو مجھے خوشی ہوگی۔" چلتے سے پہلے وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم خود عقلمند ہو۔ شاید مجھے مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں اپنی ذمہ داریوں سے خوب واقف ہوں جناب۔" میرا دل خوشی سے بے قابو ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی آخری ملاقات کیلئے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔ اب سے چند دن پہلے تک بھی نہ سکتا تھا کہ اس خوفناک شخصیت کو بیانے اور اس سے منحرف ہونے میں کامیاب ہو سکوں گا۔

"تھوڑی دیر میں کوئی تم سے مخاطب ہونے والا ہے اس وقت تک یہیں آرام کرو۔" یہ کہتے ہوئے وہ سیاہ پوش تیزی کے ساتھ دہاں سے رخصت ہو گیا۔ اس سے قبل کہ امیر خان واپس آتا میں نے زمین پر پڑا سگار کے دو ٹکڑوں میں سے ایک اٹھا کر جلدی سے جیب میں ڈال لیا۔ جو اتنی منفرد اور مخصوص تھی کہ سراغ رسانی کے لئے اس کی بنا پر پیسہ بھی دیا جا سکتا تھا لیکن سگار کا نام زبان پر لینے کے بعد اس کے امکانات اور اس سلسلے میں یہ بات تو یقینی تھی کہ وہ سگار بازار میں کھلے عام دستیاب نہیں۔

امیر خان نے وہاں آنے کے بعد میری گمشدگی کے متعلق پوچھا۔ یہاں دراصل تنظیم کے گمنام دشمن کے بارے میں اپنے غصے کا بلند اظہار ضرور کرتا رہا۔

"میں نے سنا ہے کہ وہ باس کا سراغ بھی پا چکا ہے اس لئے اس کی زندگی کا بچانا ہی مشکل معلوم ہوتا ہے۔" میں نے اسے بہکانے کے لئے کہا۔

"ہاں ... ہاں۔" وہ تیزی سے بولا۔ "مگر یہ عجیب ہے کہ وہ ہاتھ سے نکل سکیں۔ یہ ضرور ہے کہ اس شخص نے اپنا اثر کافی بنا لیا ہو۔"

"تو یہاں کے جرائم پیشہ افراد سے کچھ اگلوا لیا ہوتا۔"

وہ تیز انداز میں مسکرایا۔ مجھے سبق ... دے رکھی ... بھی نہیں لاکھوں شہر کے ماہنے مشکوک افراد سے کڑی بازپرس کی جا چکی ہے اور شہر کی غنڈے عمر بھر کے لئے معذور کئے جا چکے ہیں لیکن پھر بھی ابھی تک کسی کا نام زبان پر نہ آ سکا۔ وہ جو بھی ہے نہایت چالاک ہے اور خود کو تاریکی میں رکھے ہوئے ہے۔ اگر وہ تمہیں اب تک اس کا کام ہی تمام ہو چکا ہوتا۔"

پرنس آرٹ فیکٹری کے بارے میں اس کی اطلاعات پھر غلط ہو چکی تھیں۔ مجھے اندازہ ہوا کہ وہ بہت زیادہ باخبر ہے اور اس کا زیادہ دن آزاد رہنا ممکن ہے۔"

"مقدر کے کھیل ہیں۔" وہ زہر بھرے لہجے میں بولا۔ "ورنہ مجھ جیسی تیز رفتاری کے باوجود اس کے چکر سے بچ نکلنا بہت مشکل ہے۔"

برہمی کو گھٹنگو پر ریف کیس میں چھپنے والے بم کا خیال آتے ہی ذہن کے بند ہو کر رہ گیا اگر اس نے اتنی ہوشیاری سے کام نہ لیا ہوتا تو آج اس کی باتیں سننے کو زندہ نہ ہوتا۔

اپنا حلیہ بدل کر فیکٹری کی طرف روانہ ہو گیا۔ چار دن کی غیر حاضری کے بعد مجھے دیکھ کر دونوں لڑکیوں نے کسی حیرت کا اظہار نہ کیا۔ شاید انہیں پہلے ہی بتا دیا گیا تھا کہ وہ انسانی جذبات سے عاری زندہ مشینوں کی زندگی گزارتی ہیں جس میں حیرت کا عنصر ہوتا ہے نہ مسرت کا۔ انہیں فیکٹری میں میری غیر حاضری کو فطری محسوس کیا گیا کیونکہ فیکٹری کے بیشتر افراد ہمیں تنظیم سے وابستہ ... میں نے انہیں بتایا کہ چند کاروباری امور کے سلسلے میں مجھے ... ہندوستان جانا پڑ گیا تھا اور وہ لوگ بلاوجہ ہی پریشان ہوتی رہیں۔ ان کے چہرے جھوٹے شبہات کی پرچھائیاں لئے ہوئے تھیں ... میری عدم موجودگی کا سبب اتنا معمولی ہے!

چند لمحے ... دفتری ملاقاتوں کے بعد فرصت نصیب ہوئی تو شبانہ میرے دفتر میں آ گئی اور مجھ سے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ "مرا ہوا ہے؟" میں نے خوشدلی سے کہا۔ "تمہاری امی کی طبیعت کیسی ہے؟"

"آپ کی غیر حاضری کے پہلے ہی روز ان کا انتقال ہو گیا۔" وہ آنسو ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی اور ندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"اوہ ... یہ تو بہت برا ہوا۔" میں نے دلی افسوس کے ساتھ کہا۔

"وہ جو زندگی گزار رہی تھیں اس سے بہتر ہی تھا۔" وہ اپنی جذباتی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "انہوں نے میرے مستقبل کی خاطر بڑی قربانیاں دیں مگر میں ان کے لئے کچھ بھی نہ کر سکی۔"

"تم فکر مت کرو۔ زندگی کو صبر اور ہمت سے کام لو۔ ہر ایک کی زندگی میں تمام دکھ سکھ ہوتے ہیں۔" میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

کچھ دیر تک میرے دفتر کی فضا پر بوجھل سی خاموشی طاری رہی۔ اس نے کچھ دیر میں کہا۔ "میں آج آپ سے ایک اہم بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"ضرور ضرور۔" میں نے کرسی اس کے آگے کھینچ لی۔

"جب سے میں یہاں آئی ہوں آپ کی کمی محسوس کرتی ہوں۔ آج ... کے بعد مجھے تھوڑا سا وقت ... اس نے جذباتی آواز میں کہنا شروع کیا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"دفتر کے بعد تم میرے ساتھ چلنا۔"

اس کے بعد وہ ایک ثانیہ کے لئے بھی وہاں نہ رکی اور تیزی کا پچھلا سا دروازوں میں دبانے اپنے کمرے کی طرف بڑھتی گئی۔

میں نے دل ہی دل کئی بار سوچا کہ وہ مجھ سے کس موضوع پر بات کرنا چاہتی ہے لیکن کوئی حتمی رائے قائم نہ کر سکا۔ گو افسری اور ماتحتی کے علاوہ ہم دونوں کے درمیان دوستی کا رشتہ بھی قائم ہو چکا تھا لیکن یہ تعلق ابھی اس مرحلے تک نہیں پہنچا تھا جہاں سے عہد و پیماں کی کہانیاں شروع ہو جاتی ہیں۔

شام کو فیکٹری سے بنگلے جاتے ہوئے وہ میری جیپ میں موجود تھی۔ خاموش اور فکرمند سی! میں نے ایک آدھ بار اسے چھیڑا بھی لیکن وہ ذہنی طور پر غیر حاضر تھی!

لباس وغیرہ تبدیل کر کے میں برآمدے میں ہی آ بیٹھا۔ لوکاٹ کے نیچے بیٹھی آرام کرسی پر آنکھیں موندے دراز تھی۔ میری آہٹ پا کر ہڑبڑا کر سیدھی ہو بیٹھی۔

"شاید تم تھکی ہوئی ہو۔ منہ ہاتھ دھو لو تو سکون محسوس کرو گی۔"

"نہیں ... میں ٹھیک ہوں!"

"شاید کسی اہم مسئلے نے تمہیں پریشان کیا ہوا ہے!" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"میرے نزدیک تو واقعی اہم ہے۔ نہ جانے آپ اس بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں؟" اس نے مجھ سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"اوہ ... تو پھر کہہ بھی ڈالو کیا بات ہے؟"

"آپ ہمیشہ کہا کرتے ہیں اور مجھے آپ سے اس قسم کی باتوں کا کوئی حق نہیں ... مگر آپ نے میری گستاخی نہ سمجھیں تو میں ایک سوال ضرور کروں گی!"

"ضرور پوچھو!" میں اس کی طرف جھک آیا۔ "دفتر کے بعد ہم نے اس جگہ پر شامیں ایک ساتھ گزاری ہیں اور ہم جانتی ہو کہ جائے تعلقات اس حد تک رکی نہیں ہیں۔ تمہاری باتوں سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ کسی غلط فہمی کی بنا پر تم مجھ سے ناراض ہو۔ لہٰذا تمہارے کسی بھی سوال کا جواب دے کر مجھے خوشی ہوگی۔"

وہ چند لمحوں تک تذبذب کا شکار رہی پھر بولی۔ "آپ نے فیکٹری سے غیر حاضری کا جو عذر پیش کیا ہے کیا وہ درست ہے؟"

"کسی حد تک۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"اس لئے کہ پچھلی شام آپ کے ساتھ تھی لیکن اس وقت تک آپ کا کہیں جانے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ پھر چند ہی گھنٹوں میں یہ پروگرام کیسے بن گیا؟"

"میں تم سے ذکر کرنا بھول گیا تھا شاید!" میں نے زور دیتے ہوئے کہا۔

شاید وہ میرے منہ سے یہی سننے کی منتظر تھی۔ ... دونوں

جھیلوں میں چھپا کر سکہ پڑی دیا جاتی تھی... میں آپ کے اعتماد کی اہل نہیں ہوں۔ میں نے جو سوچا وہ خواب تھا، جو چاہا وہ سراب تھا۔ بھلا میں آپ پر کیا حق رکھتی ہوں۔ خادم آقا سے ذاتی رعایتیں تو طلب کر سکتا ہے مگر سنوں کی تعبیرات کا وہ کبھی مستحق نہیں ہوتا۔"

"لونا... لونا... کیوں رو رہی ہو؟" میں اس کے یوں رو پڑنے پر پریشان ہو گیا۔ "میرا مقصد تمہاری دل آزاری ہرگز نہ تھا۔ تمہیں یہ جاننے کا پورا حق تھا۔ مگر... مگر میری بھی چند مجبوریاں ہیں۔ میرے بھی چند راز ہیں جن کا سینے میں محفوظ رہنا ہی بہتر ہے۔"

اس نے بھیگی ہوئی پلکیں اٹھائیں اور مجرمانہ سر جھکا لیا۔ اس کے چہرے پر جلا تھی۔ "میں بہت دن سے محسوس کر رہی ہوں کہ آپ کسی الجھن میں مبتلا ہیں۔ میں آپ کے ذہنی کرب کو جانتے کے باوجود لاچار تھی۔ اور جب آپ یک بیک بولے ہو گئے تو پھر برداشت کر گئی۔ میں نے ماں کے ماتم میں اتنے دن روئی جتنا آپ کی شفقت نے رلایا ہے۔ میں ترستے ہوئے کسی خوبصورت اور قیمتی چیز کو چھو کر اپنی زندگی گزار رہی تھی، میں اپنی بدنصیبی سے سمجھوتہ کر چکی تھی اور اب... اب آپ نے زندگی کا احساس دلایا ہے تو میں آپ سے اپنی زندگی بھی طلب کر لی۔"

یوں اس کے دو ٹوک الفاظ نے گویا سکتہ کے لیے میں حکم سے کم میں رہ گیا۔ اس بھولی بھالی لڑکی سے مجھے ایسے ذہین اظہار کی توقع نہ تھی۔ اس کی جانب سے میرے دل میں محبت کا ایک ملکا سا احساس ضرور موجود تھا مگر یہ اتنی جلد اظہار کر سکتا تھا کہ میں والہانہ انداز میں اس سے محبت کا اظہار کر بیٹھتا مگر اس کا رویہ شاید تجسس ہی تھا۔ دل کا سایہ سر سے اتر جانے کے بعد سے اچانک ہی جو کا ہوا ہو گا کہ وہ جوان ہے اور تنہا رہ گئی ہے اور ان حالات میں اس نے جو کچھ کیا وہ اس کی حساس طبیعت کا لازمی نتیجہ تھا۔

"میں تم سے خوب واقف ہوں لونا اور تمہیں پسند بھی کرتا ہوں۔ مگر میری ذات تمہارے لئے خطرناک ہے۔ ایک بھی جنبش ہو دے جانے جو تمہیں خبر نہ ہو میری طرف ہاتھ بڑھاری ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری توقعات کو ٹھیس پہنچے۔"

"میرے لئے آپ وہ ہیں جو نظر آتے ہیں۔ جن باتوں کو آپ راز رکھنا چاہتے ہیں، میں انہیں کریدنا بھی نہیں چاہتی۔"

"اور اگر میں یہ کہوں کہ میرا ماضی میرے طاہر کا کسر انکار ہے تو؟"

"میرے لئے یہ تضاد بے معنی ہے۔ میں نے مقدر کی چوکھٹ پر... روزمرہ آرٹ گیلری کی تصویر کو نہیں! وہ خوش کے ساتھ بولی: "مجھے سہارا دیں یا دھتکار دیں، یہ آپ کے اختیار میں ہے۔"

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ خوبصورت ہے اور تنہا بھی تھی، اس کے بشرے پر تحیر تھا اور یک بیک میں دل کے تار لرز اٹھے۔ اس شہر میں عورت کا حصول بہت سہل ہے لیکن عورت کی محبت مجھ جیسے اجنبیوں کے لئے عنقا ہے۔ جب تمہارے خیالات کی قدر کرتا ہوں لیکن میں ابھی تک متذبذب تھا

شکار دیکھتا ہی رہا جیسے کبھی اپنی بیوی کے روپ میں دیکھا تھا وہ تھی مگر معصوم سی تیکی نظر آتی جسے گود میں لے کر تھپک تھپک کر آج مجھے اندازہ ہوا کہ ہر عورت ہی چاہتی ہے کہ جو مرد اسے چاہے وہ جیتے۔ خود آزاد ہوتی ہے مگر شادی کے بعد شوہر کی پابند ہے۔ محبوب کو شوہر کا درجہ دے دیتی اور تم نے شادی سے پہلے دیا ہے۔ میری نگاہیں مستقبل کی وہ روشن تصویر دیکھ رہی تھیں۔ کھلے دل سے اقرار کرتا ہوں کہ آج سے پہلے میں تمہارا خیال رکھتا رہا مگر رہیں میں اس سے کھیلتا رہا لیکن آج کے بعد تمہارا رہوں گا میں اپنے اس جذبے کو کبھی داغدار نہ ہونے دوں گا۔"

"آپ... آپ!" اس کے ہونٹوں نے کچھ کہنا چاہا اور وہ اٹک گئے۔

پھر چائے پیتے ہوئے اس نے اچانک طلائی انگوٹھی نکال کر مجھے دی ساتھ ہی زیرلب ادب اور بھی دکھائی۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے حیرت کے ساتھ پوچھا۔

وہ ایک ادا کے ساتھ مسکرا دی: "میں دو ٹوک کہہ دیتی تو انگوٹھی بریس کی ادا بھی ادا دیکھ کر مبارک باد کی۔"

میں پھر بے ہوش سی لے کر رہ گیا۔ میرے لئے کتنے اہم تھے۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے اس کی تصویر کی اگر لونا میرے انکار کا شکار ہو جاتی تو اس لمحے کا تصور میں نے لونا ماردن کو بھی پالر کی تحائف بیچ دیے

ہونا ابتدائی شادی کا پروگرام کچھ عرصے کے لئے التوا میں کسی کو بھی اس راز میں شریک نہ کیا جائے اور وہ جب پہچانتی ہے اس نے میرے کام کی نوعیت جاننی چاہی مگر کیا جو اس کی وفا شعاری کا کھلا اظہار تھا!

اگلے روز شام میں ڈی ولن نے مجھے فون کیا کہا کہ وہ گمنام شخص میرے فرار سے پوری طرح باخبر تھا اور یہاں سے اور کن حالات میں گرفتار کیا گیا۔

"وہ کیا جانتا تھا؟" ڈی ولن نے تعجب کیا۔

"زیرو وائنٹ کی عمارت کی اس کی نگاہ..."

امیر خان کا تعاقب کرتا ہوا وہاں تک پہنچا تھا۔" بتاتے ہوئے کہا۔ "اس نے مجھ سے اپنا پرانا مطالبہ دہرایا اور یہ بھی دھمکی دی کہ خوف ہے میری غیر موجودگی میں سارا استعلق دیکھا کر یادداشت کے حوالے کچھ تنک کی پیش کش کی ہے۔ کسی ڈر کے مارے بغیر وہ سب نہیں کر سکتا۔"

"اللہ"

"اس نے مجھے کل دوپہر تک اشارہ ہوٹل کی سائونڈ کی میز کی گفتگو کی ہے کہ میں کل دوپہر وہاں سے اٹھ جاؤں" میں نے ایک فوری قابل قبول تدبیر ڈھونڈی۔ اس نے ترکیب دی کہ تم دونوں علیحدہ ہو جاؤ۔

"وہ بہت کائیاں ہے معلوم ہوتا ہے" فون پر سنائی دی "وہ ایک ڈرامائی اطوار اپنی ذہانت پر نازاں ہے۔ بچ نہیں پائے گا۔ اس کی حیثیت بہت سے جانتے ہیں، کسی اپنے مفاد کی خاطر کسی کو بھی گرا دے۔ اس کی بنا پر بالآخر یہ دھمکی دی ہے، اس کے دوست کسی انجام اچھا نہیں ہوتا۔ کسی طرح سے بھی ہو، اس کی تہہ تک پہنچ کر رہے گا۔ جو اس کی ہدایت کے مطابق اشارہ ہوٹل اور بے وقت کا اقدام ہے تو پہنچ جاؤ یا اس کے عتاب کا انتظار کرو، نقصان زیادہ ہو سکتا ہے؟ ان کو زبانی اطلاع نہ کر دیا جائے تو بہتر ہے؟"

"میں اپنے طور پر عمل کروں گا جناب!"

اور اسی شام میں نے ملی ہوئی آواز میں گرسی کے ترلے والے انداز میں فون کیا کہ میں حسب توقع ذوالفقار ہی امیر خان کو بلایا۔

"تم سب عارضی دوستوں کی طرح سڑکوں پر مارے جاؤ گے۔ اگر تم نے میری شرائط تسلیم نہ کیں تو میں اس کے نام کے ساتھ ان سیاہ کارناموں اور پھر دل کا وہ انجام دیا گیا ہے؟" یہ کہہ کر اس نے جواب سنے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

مجھے یہ بات معلوم تھی کہ اس کی کسی حرکت کا مرکز آنند بھون میں مقیم ہے لیکن چونکہ اس کی شخصیت سے نا واقف تھا۔ آنند بھون پہنچا میرے لئے اب ناگزیر ہو گیا تھا اسی طرح میں اس نا بکار کو ہلاک کر کے آزادی حاصل کر سکتا تھا جو میرے اعصاب پر سوار تھا۔

کافی سوچ بچار کے بعد میں نے آنند بھون فون کیا۔ دوسری جانب سے آواز والی کسی عورت نے فون ریسیو کیا۔

"مسٹر آنند ہاؤس؟" میں نے بدلی ہوئی آواز میں استفسار کیا۔

"یس!" اس کی آواز میں قدرے بیزاری در آئی ہوئی تھی۔

"میں تمہارے اس پروقار شیپن سے بات کرنا چاہتا ہوں جو کل جمعہ سے نکلا ہوا ہے۔"

"تم... تم کون ہو؟" اس کی خوبصورت آواز میں ہکلاہٹ نمایاں تھی۔

"اس کا ایک پرانا دوست۔ تم مجھے مرد کی بھی کہہ سکتی ہو۔"

دوسری طرف سکوت چھا گیا۔ چند ثانیوں کے بعد فون پر دوبارہ آواز ابھری دی۔

"معزز دوست، اگر میں اس قدر بزدل اور کم عقل ہوتا کہ تمہارے سامنے آ جاتا تو کبھی تمہارے مقابل آنے کی کوشش نہ کرتا۔"

"یہ تم ہی تو جانتا جاہتا ہوں" اس نے جلدی سے میری بات کاٹ دی۔ "مجھ کو بتاؤ کہ میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

"کیا وہ تین دن بہت مصروف ہوں اور تمہیں ذہنی قوت کا احساس دلانے کے لئے چاہتا ہوں کہ اس دوران امیر خان اور صفدر علی آنند بھون میں مقیم رہیں۔ انہیں سامنے پا کر تسلی کے لیے خیال سے غافل نہ رہ جاؤ گے۔"

"یہ میرے لئے ناقابل قبول ہے!"

"ٹھیک ہے۔ پھر وہ دونوں بھی بہت جلد جگہ جگہ ہو جائیں گے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا جس پر وہ جلدی سے بول اٹھا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ مخاصمت کے بجائے ہم سمجھوتہ کی راہ اختیار کریں؟"

"ممکن تھا۔" میں نے زور دیتے ہوئے کہا۔ "پچاس ہزار کا مطالبہ تمہاری راہ کا پہلا قدم تھا مگر تم نے میری قوت کے بارے میں غلط اندازہ لگایا!"

"میں وہ رقم ادا کرنے کو تیار ہوں!"

"تم بھاری اور تلخ آواز میں ہنسا۔ کیا میرے بجائے پھر کسی کو پھنسانے کا ارادہ ہے؟"

"نہیں یہ میرا وعدہ ہے۔ اس بار کوئی دھوکا نہیں ہوگا۔"

"رقم کے لئے میں صرف تمہارا ہی محتاج نہیں۔ اسی شہر میں میرے اور بھی وسائل ہیں۔ فی الحال مجھے رقم کی ضرورت نہیں۔ ہاں کل شام تک وہ دونوں آنند بھون نہ پہنچے تو بہتر ہو گا بتا دیئے جائیں گے!"

"میں محض تمہارا اعتماد حاصل کرنے کے لئے یہ شرط قبول کئے لیتا ہوں!"

"تعاون کا شکریہ!" میں نے زہریلے قہقہے کے ساتھ سلسلہ منقطع کر دیا۔

اگلے روز میں نے شام ہوتے ہی ڈی ولن پہنچ گیا۔ وہ ٹھیک دو بجے شاید وہ میز چھوڑ دی۔ باہر نکلا تو امیر خان اپنے ہاتھ کے سہارے جیپ میں موجود تھا۔

"تم یہاں؟" میں نے اسے دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔

"ابھی گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ ہم دونوں اسی وقت آنند بھون چل رہے ہیں!" اس نے جیپ اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"آنند بھون... وہاں کیوں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"میں کسی روز تمہیں گرمیوں کو بتاؤں گا۔" صفدر نے دو ٹوک کہتے ہوئے بتایا کہ اس کے علم پر کسی سوال کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

"اوہ... آپ یوں لوٹ کر ہوا میں سمجھا تھا کہ یہ تمہارا اپنا کوئی پروگرام ہے!"

آنند بھون کئی ایکڑ کے وسیع رقبے میں پھیلے ہوئے باغات سے گھری ایک عمارت کا نام تھا۔ اندر جاتے ہوئے جن محافظوں نے دو جگہ روکا اور امیر خان انہیں مطمئن کرنے کے بعد جیپ آگے لے جاتا چلا گیا۔ جب ہم دوسری چوکی سے آگے بڑھے تو یہاں دائفل سے مسلح بیشتر قامت گھٹے ہوئے جسموں والے چاق و چوبند سپاہی گھومتے ہوئے نظر آئے۔ آنند بھون حفاظتی انتظامات اور رقبے کے اعتبار سے کسی والئی ریاست کی قیام گاہ معلوم ہوتی تھی۔ جہاں چڑیا کا بچہ بھی اجازت کے بغیر پر نہ مار سکتا تھا!

وسیع و عریض پورچ میں ایک شخص ہمارا منتظر تھا اس نے خوش دلی سے ہم دونوں کا استقبال کیا۔ اس کا نام سہنا تھا اور وہ عمارت کے جملہ انتظامات کا ذمہ دار تھا۔ ہم دونوں اس کے ہمراہ اونچے برآمدے سے گزر رہے تھے کہ اچانک ایک بغلی راہداری سے ایک ادھیڑ عمر شخص مغلظ خیز لباس پہنے ہماری طرف آیا۔ اس کی آنکھوں پر موٹے موٹے شیشوں کی عینک چڑھی ہوئی تھی اور رخساروں سے پگڑی چھو رہی تھی.... کوٹ کی دونوں جیبوں میں کچھ پھولدار پودے جڑوں سمیت ٹھنسے ہوئے تھے۔

سہنا بہت آگے جا رہا تھا۔ وہ مخبوط الحواس بوڑھا اس کی نظر بچا کر تیزی سے ہماری طرف آیا اور ایک بیہودہ قہقہہ لگا کر پاگلوں کی طرح میرے گلے میں جھول گیا۔

اس کا قہقہہ اور میری بوکھلائی ہوئی چیخیں سن کر سہنا تیزی سے واپس پلٹا۔ اس کی آنکھوں سے اس وقت عجیب سی بیدردی ٹپک رہی تھی۔ وہ اس بوڑھے کو گھورتے ہوئے کسی سانپ کی طرح پھنکارا: "سیٹھ صاحب! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟" سہنا پر نظر پڑتے ہی وہ شخص ایک دم بوکھلا گیا اور مجھے چھوڑ کر چھلانگیں لگاتا ہوا ایک طرف بھاگتا چلا گیا۔ وہ سہنا سے بہت زیادہ خائف نظر آتا تھا۔

"یہ سب ان ہی کے ملازم ہیں" اس کے بھاگ جانے پر سہنا مسکراتے ہوئے نرم لہجے میں بولا "یہ خبطی ہو گئے ہیں۔ اگر آپ بیگم صاحبہ حالات کی فکر نہ کریں تو دو ہی دن میں آپ ... ان سے ... گھل مل جائیں گے!"

سہنا نے بتایا کہ ... آتشدانوں کے صفائی کے عملے کا نگران مقرر کیا گیا ہے۔ ہماری رہائش کے لئے آتشدانوں کے وسیع عقبی باغات کے پار ایک دو منزلہ عمارت میں کمرے مخصوص تھے جہاں عمارت کے کافی ملازمین مقیم تھے باقی عملہ روز صبح شہر سے آتا اور شام میں واپس لوٹ جاتا۔

آتشدانوں کا ماحول عجیب پراسرار سا تھا۔ سہنا ابھی اور کوئی بات ... پر بالکل بھی بہت دوبی کہ صفائی کے عملے پر مامور کئے جانے والے افراد خوش حال اور آسودہ حال تھے بظاہر جیب میں وہاں تک آتے تھے۔ اندر ملازمین کی خاصی تعداد تھی مگر وہ سب ایک دوسرے سے بے تعلق نظر آ رہے تھے۔ جیسے ہر ایک مصروف ہے یہ انہیں ہماری بھی دی جا سکتی ہو۔ ہر طرف عجیب سی خاموشی کا سماں تھا۔

سہنا کافی دیر تک ہمیں اپنی تحویل میں ... عمارت میں گھماتا رہا جب ذرا تنہائی نصیب ہوئی تو امیر خان بول ہی پڑا۔ "یہ پوری جگہ تو بالکل پاگل خانہ نظر آتی ہے میں تو یہاں گھٹ کر مر جاؤں گا۔"

"مجبوری ہے جانِ من!" میں مسکرایا۔ "ویسے ہمیں کون سا زیادہ فرق نہیں پڑتا۔"

"وہ کیوں؟"

"شاید یہ موڈ زارت فیکٹری میں میرے تقرر کے کاغذات پر تمہی سمیت ... کے دستخط تھے؟" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"ہاں، یہی تو ثانی داس اس فیکٹری کا مالک ہے۔"

"شاید یہ اس کسی لیے چکر میں ہے!"

امیر خان مجھے گھور کر رہ گیا مجھے اس ... زنانی نہ لگی۔

ہم دونوں نے باہمی طور پر طے کر لیا ... اور روشنوں وغیرہ کی صفائی کا کام سنبھالے گا ... پائیکھ میں ... اس کی ہدایت پر مجھے ... صفائی کی ذمہ داری قبول کرنا پڑی۔ ... خوش تھا۔ عمارت کے اندر ... اگلے روز میں نے اپنے ماتحت ... خود انہی کمروں کی صفائی کرنے والی جماعت کے ساتھ ہو ... راستے ہی میں میری نظر ایک جوان اور خوبرو ... ایک بیش قیمت ساڑھی میں ملبوس تھی۔ وہ دو ملازموں کو ... وہ سر جھکائے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ میں ادھر سے گزرا تو اس کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی۔

"ادھر آؤ۔ تم کون ہو؟" اس نے تحکمانہ آواز ...

میرے ساتھ آنے والی جماعت تیزی سے آگے ... عورت کی طرف بڑھ گیا جو سہنا کے مطابق ثانی داس ...

"میں اس گھر کا نیا ٹنک خوار ہوں بیگم صاحبہ!" میں نے مؤدبانہ انداز میں اس کے سامنے سر کو خم دے کر کہا۔

اس نے ناقدانہ نظروں سے میرے سراپا کا جائزہ ... "دوسرا ساتھی کہاں ہے؟"

"سہنا صاحب نے اسے عمارت سے باہر کی صفائی ... میرے ذمے اندر کی صفائی ہے" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہو جاؤ ... وہ چلے ہے۔" ... اس وقت تک خاموش رہی جب تک وہ دونوں اس ...

"یہاں ... کام کرنا ہو گا ... وہاں کے چلے جانے ... چلے تو تمہیں کوئی ... ہو گا۔"

"آپ کو کوئی شکایت نہ ہو گی" میں نے ...

"یہ لو" اس نے چابیوں کا ایک گچھا ... "یہ خوابگاہ کی چابیاں ہیں۔ صفائی کے بعد ... یاد رکھو کہ سیٹھ صاحب ذہنی ... میں کیسی بھی ... کوئی ملازم سیٹھ جی کے ساتھ گستاخی کرے!"

"میں اپنا مقام جانتا ہوں بیگم صاحبہ!"

پھر وہ چلی گئی اور میں چابیاں ...

... کمروں کی صفائی کے دوران جب اپنے مطلب کی ... معلومات حاصل کرنا ... مقفل خوابگاہ کا نمبر آیا۔ یہاں ... راہداری میں ... خوابگاہوں کا سلسلہ تھا ان میں سب سے پہلا ... کمرہ ... شخص کے ... ثانی داس ... خوابگاہ میں کوئی ... بات نظر آئی جو میرے شبہ کو تقویت دیتی۔ ... اس کے ... ساتھ دوسری بار ... کیا تھا ... ڈی ولن ... آواز کی بنا پر پہچانا تھا۔ ... ڈی ولن تنظیم کے ارکان سے بدلی ہوئی آواز میں بات ... اصل آواز ... اس سے ... چھپائے رکھا تھا۔

ثانی داس کی خوابگاہ میں کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ ... خوبصورت دوشیزہ کو اگر کوئی ... زیب و زینت کے ... اور غیر ضروری سامان کا ذخیرہ کوئی غیر معمولی بات ہوتی۔ ثانی داس کی خوابگاہ بھی ... بیش قیمت سامان اور ... سے بھری ہوئی تھی۔ اس کی خوابگاہ کا ایک دروازہ ... کرے میں ... بالکل تنہا ثانی داس رہتا تھا۔

ثانی داس کے کمرے میں ڈریسنگ ٹیبل پر کئی تصویریں رکھی ہوئی تھیں۔ بہت ... کئی رنگ برنگی ... اور دوسرے ... آویزاں تھیں۔ ... ایک ... چھت میں لگے ہوئے سے لٹکا ہوا تھا۔

"یہ سب شاخیں وغیرہ اتار کر پھینک دو ... خشک ... یہاں ..." میں نے ایک ملازم سے کہا

"میری ہدایت پر ... بولا ... مری ... چیزوں کا ... نہیں کرتے جناب!"

"دیواروں پر بھی شاخیں لٹکا دی گئی ہیں!" میں نے کہا

اور اسی وقت مسہری کے نیچے کوئی ... ملا ... ثانی داس ... کا انگوٹھا ... مسہری کے نیچے ...

"تم سب دیوار کے ساتھ ایک قطار میں کھڑے ہو جاؤ!" ... نے ... کی ہدایت کی تعمیل کرتے ... دیوار سے

"تم میں گانا کس کو آتا ہے؟" اس نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ پوچھا۔ کوئی کچھ نہ بولا۔ وہ سب بے چارگی کے ساتھ ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔

وہ کچھ دیر تک جواب کا منتظر رہا پھر بے چارگی کے ساتھ بولا: "کوئی نہیں گا سکتا میرے تمام درخت سوکھ رہے ہیں۔ کئی برس سے یہاں برسات نہیں ہوئی۔ شاید کوئی ملہار گائے تو یہاں بارش ہو جائے۔ میرے درختوں پر بہار آ جائے" اس کے لہجے میں بلا کا سوز تھا۔ اور آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو رخساروں پر ڈھلک آئے تھے!

"آپ فکر نہ کریں تو ہم کسی کو تلاش کریں..." میں نے ... کہا

"یہ تو بہت ... کوئی ... جائے"

اور یہ کہتا ہوا وہ سب باہر نکل گئے

جب ہم آخری کمرے پر پہنچے تو اسی وقت اندر سے ایک دبلا پتلا، دراز قد اور سنجیدہ شخص باہر نکل کر ایک طرف جاتا نظر آیا۔ اس نے بس ایک نظر میری طرف دیکھا اور ... بولا ... جو علامات اس کا سبب میرا لاشعوری خوف ہو کیونکہ اس کے داہنے ہاتھ کی انگلیوں میں ایک سلگتا ہوا سگار دبا ہوا تھا جس کی بو میں محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا!

ایش ٹرے میں بھی ادھ جلے سگار پڑے ہوئے تھے اور کمرہ دھوئیں کا ... ہوئے رہا جا رہا تھا۔ میرا دل خوشی سے اچھل کر حلق میں آ گیا۔ یہ سب بالکل اسی ساخت کے ادھ جلے سگار تھے جو ڈی ولن نے ریڈ لواسٹیٹ پر پھینکے تھے!

"یہ کمرہ کس کا ہے؟" کام کے دوران میں نے حسب معمول ایک شخص سے پوچھا۔

"وجے نکار صاحب کا کمرہ ہے۔ بیگم صاحبہ کے سیکریٹری ہیں۔ بہت نیک اور شریف طبیعت کے ہیں" وہ بولا۔

"اوہ... یہ وہی صاحب تھے جن کی آواز بھاری ہوئی ہے؟" میں نے ... کہا۔

"ہاں صاحب" وہ بولا۔ "یہ کئی برس سے یہاں نوکر ہیں۔ ایک روز کسی بات پر خفا ہو کر بڑے سرکار نے انہیں گلا دبا کر مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ اگر بیگم صاحبہ نہ آ جاتیں تو یہ مر گئے ہوتے اسی دن سے ان کی آواز خراب ہے۔ ... کی ... پر بولتے بھی بہت کم ہیں!"

اب سارا معاملہ کسی حد تک میری سمجھ میں آتا جا رہا تھا۔ ... کہانی کے ... گوشے ... تھے۔ ... ایک بات ... حیرت ... کی تھی کہ وجے نکار ہی تنظیم کا سربراہ تھا۔ اس کے علاوہ کہانی کا اہم ترین نکتہ یہ تھا کہ ایک بار ثانی داس نے وجے نکار کو ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی!

بظاہر یہ سارا قصہ یوں تھا... وجے نکار ... ہیں غنڈوں کی ٹولی کا سرغنہ ... ثانی داس ... کی موت پر فوری طور پر اس کے ... ذہن میں ایک منصوبہ آیا اور اس نے کسی نہ کسی طرح

گیتا رانی اور نرائن داس کی شادی کرا دی۔ ویسے گیتا خود زبردست ذہنی صلاحیتوں کا مالک تھا پھر نرائن داس کی دولت پر گیتا رانی کو اختیار حاصل ہو جانے سے اسے مالی وسائل بھی میسر آ گئے اور اس نے اپنی زیر زمین تنظیم کی جڑیں دور تک پھیلا دیں اور خود گمنام رہ کر اپنے ماتحتوں پر اس طرح نگرانی کرنے لگا کہ وہ اس کے نام تک سے ناواقف تھے۔ شروع میں گو اس نے [illegible] بھی منشیات کی غیر قانونی تجارت میں ملوث کر دیا۔ دوسری طرف نرائن داس تھے نفسیاتی مریض نظر آتا تھا۔ ممکن ہے کہ عام حالات میں وہ [illegible] دوسروں کے زیر اثر وقتی طور پر خود غرض ہو جاتا ہو۔ یہ ممکن نہ تھا اس لیے کہا اور گیتا رانی کی ذہنیت کی کوئی تبدیلی عمل میں آ گئی ہو۔ اس نے ان دونوں کے تعلقات میں کوئی اخلاقی تبدیلی دریافت کر لی ہو اور اشتعال کے عالم میں بچے کو کے ساتھ زیادتی کی ہو۔ پھر گیتا رانی کی جبلی نادانی کی بنا پر حالات سے مجبور کرنا پڑ گیا ہو جیسا کہ جوان بیویوں کے عمر رسیدہ شوہروں کو عموماً کرنا پڑتا ہے میں تنظیم کی جڑیں عصے پہلے بیچ چکا تھا اور اب وجے کمار کے نام کے بعد تنظیم کے اجزاء منتشر ہو جاتے۔ اسے شک ہونے لگا مجھے بعد میرے سامنے دو راستے تھے۔ اول تو یہ کہ خود وجے کمار کی جگہ لے لوں اس نے خود کو اس قدر پر اسرار بنایا ہوا تھا کسی کو بھی اس تبدیلی کا شبہ نہ ہوتا مگر اس راہ میں سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ میں گروہ کے طریقہ کار سے پوری طرح واقف نہ تھا دوسرے مجھے یہ علم تھا کہ اس قدر وسیع غیر قانونی دھندوں سے حاصل ہونے والے مالی مفادات کس طرح وجے کمار تک پہنچتے ہیں۔ اس مجبوری کے پیش نظر میرا راستہ نجات اور آزادی کا راستہ تھا۔ میں اس گروہ کا شیرازہ بکھیر کر نہایت اطمینان سے فرار ہونے کا رخ کر سکتا تھا۔

وجے کمار کے مقرر اور بے شمار ماتحتوں اور گروہ کے مقابلے میں میں تن تنہا جو کامیابی حاصل کی تھی اس پر مجھے بجا طور پر بہت فخر تھا اور مجھے یوں نظر آنے لگا کہ میں چند ہی دنوں میں اس جال سے نجات حاصل کر کے ہندوستان کی سرزمین پر پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

دوسرے روز دوپہر کے وقت مجھے فرصت ملی تو میں سب سے پہلے نکل کر آنند بھون سے شہر روانہ ہو گیا۔ امیر خان بھی اس پاگل خانے کی فضا سے بد حواس تھا اور وہ بھی میرے ہی ساتھ ہو لیا۔ ان چند دنوں میں دو بار وہ نرائن داس کی دیوانگی کا شکار ہوا تھا اور دونوں بار نرائن داس نے درختوں کی ٹوٹی ہوئی شاخوں سے اس کی مرمت کی تھی۔

امیر خان کی بدبختیوں کے لئے کسی شراب خانے کا رخ کافی تھا جہاں ولایتی شراب اور بدیسی شباب با آسانی میسر آ سکتا تھا لہذا ہم وہاں آ نکلے میں آگے نکل گیا۔ پہلے میرا ارادہ تو مارٹن سے ملنے کا تھا لیکن میں نے اس آزادی کا بہتر استعمال مناسب سمجھا۔

ایک پبلک بوتھ سے آنند بھون فون کیا تو کسی نوکر نے فون اٹھایا

کیا اس کے لہجے کا غرور اعلان کر رہا تھا کہ وہ نرائن داس کی

”میں وجے کمار سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“ میں نے کہا۔

”اوہ... ہرڈی! آؤ مجھے اپنے دشمن کے روپ میں... وقت یہاں نہیں ہے کہ تم مجھے پیغام دے سکتے ہو۔“

”میرے کچھ اصول ہیں گیتا رانی۔“ میں نے کہا۔ ”جو عورتیں اپنے شوہروں سے فریب کرتی ہیں...“

”یہ میرا ذاتی فعل ہے۔ [illegible]“

جو ایک پاگل کی بیوی ہے [illegible]

”میرا پیشہ ان لوگوں کے ذاتی [illegible] میں وجے کمار کو ایک بہت اہم خبر دینا چاہتا تھا۔ اگر وہ [illegible] بھی بیکار نہیں ہوں گا!“

”ٹھہرو... میں اسے بلاتی ہوں۔“

چند منٹ بعد فون پر وجے کمار کی [illegible] آواز ابھری۔

”تم نے صاحب کی خلاف ورزی کی ہے [illegible]“

میں کہا۔ ”میں نے امیر خان اور صفدر کو آنند بھون [illegible] میری مرضی کے خلاف بھونکتے کتوں کی طرح [illegible] رہے ہیں۔ میں نے ابھی صرف صفدر علی کو زخمی کیا ہے [illegible] اگر اب وہ شہر میں نظر آئے تو میرے ہاتھوں مارے جائیں گے۔“

”لیکن میں انہیں زیادہ عرصے اپنے [illegible]“

”اس سے کہ وہ تمہاری آواز پہچانتے ہیں؟“

کہا۔ ”اور اگر آنند بھون میں انہوں نے تمہاری آواز سن لی تو... وجے! اگر تم آواز بدلنے پر قادر بھی ہوتے تو تمہارا سارا طلسم ٹوٹ سکتا تھا۔“

”لیکن میں تم سے سمجھوتہ کرنے کو تیار ہوں۔“

”تم انہیں اپنے مقصد کا آلہ کار [illegible] کو آنند بھون سے [illegible] رکھتے ہو [illegible]“

میرے پاس اپنا خود کار ریوالور موجود تھا۔ آگے بڑھانے کے لئے کچھ تو قربانی دینی تھی۔ میں جیپ [illegible] گیا اور دل پر جبر کر کے اپنے ہاتھوں [illegible] کا اوپری حصہ اور عقبی جیپ کے [illegible] سے آر پار گزر گئی۔

ریوالور جیب میں رکھ کر میں نے اپنی جیپ کو واپس شہر کی طرف لے چلا۔ گو زخم معمولی تھا مگر دل میں تکلیف شدید تھی مگر خود کو شبہات سے بالا تر رکھنے کے لئے ضروری تھا۔

ریجھے کے شراب خانے کے دروازے پر امیر خان کو میرے زخمی ہونے [illegible] ہوا باہر آیا اور میری قمیص خون میں تر دیکھ کر بوکھلا گیا۔

”[illegible] کیسے ہوا؟“

”گولی۔“ میں نے [illegible] مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”جو [illegible] زخمی ہی ہیں جب [illegible] مشکل سے جیپ یہاں تک لایا ہوں [illegible] امداد کی ضرورت ہے۔“

امیر خان نے [illegible] تھے مگر وہ [illegible] میں تھا۔ [illegible] اس نے جیب [illegible] اسٹور کا انتظام امیر خان کا تھا [illegible] پٹی کی اور میرا زخم صاف کیا اور جتنی دیر میں اس نے زخم کی [illegible] امیر خان میرے لئے نیا لباس لے آیا۔

خون آلود لباس ایک تھیلی میں ڈال کر میں نے نیا لباس زیب تن [illegible] امیر خان کے ہمراہ واپس آنند بھون کی طرف روانہ ہو گیا۔ خون آلود لباس ہم نے راستے میں گندے پانی کے ایک کھلے نالے میں پھینک دیا۔

آنند بھون میں ہماری غیر حاضری کی وجہ سے زلزلہ سا آیا ہوا تھا۔ نوکروں کی ٹولیاں کچھ زبانی باتیں و چہ میگوئیاں اور سہما ہوا [illegible] کی رہ جانا منظر تھا۔

”تم لوگوں کی غیر حاضری کی وجہ سے آج میری سخت بے عزتی کی گئی ہے ابھی دیر قبل تمہاری تلاش میں تین گاڑیاں شہر کی طرف روانہ کی گئی ہیں [illegible] کے دوران مجھ پر [illegible] کے وہ داستان سنانے لگا۔

[illegible] وجے کمار نے [illegible] کے بعد سخت لعن طعن کی ہوگی۔ [illegible] کے اندرونی انتظامات اور حفاظتی وغیرہ کی ذمہ داری [illegible] امیر خان نے تو بالکل ہی [illegible] لی تھی۔

[illegible] کے وقت [illegible] پہنچ کر سہارا دیا [illegible] ہم دونوں کی منتظر ہیں۔“

[illegible] کے بعد ہم دونوں نے [illegible] نظروں سے ایک طرف دیکھا اور امیر خان [illegible] آواز میں بولا۔ ”خدا خیر کرے... آج پاگل [illegible] مجھے تو لگتا ہے کہ [illegible] تنظیم کے [illegible] شاید اس نے آج ادھر بھی کوئی وار کیا ہے۔“

”آخر تم کیا [illegible] کے کمینوں کے لئے اتنے اہم کیسے ہو گئے؟“ [illegible] مجھ میں [illegible] ظاہر کی۔

”[illegible]“ امیر خان نے اپنی رائے ظاہر کی [illegible] کسی خاص مقصد کے تحت [illegible] حملہ کیا اور ہو سکتا ہے ساحر ہی آنند بھون [illegible]

کوئی بھی ہماری اصلیت سے باخبر ہو چکا ہو۔“

”مگر ایسا ہو جائے تو ہم ہوٹے دال میں کھینچے جا چکے ہیں!“

”آگے تو انجانا [illegible] کی طرف جانے والے راستہ پر [illegible] میں تنظیم سنبھالے [illegible] موجود تھے [illegible] اس وقت ہم دونوں کے سوا ہر ایک کے لئے اس طرف جانے کی سخت ممانعت ہے۔ یہ انتظامات میرے لیے سخت حیرت ناک تھے۔

جب راستے سے گزر کر ہم [illegible] پہنچے تو امیر خان کے قدم [illegible] میں گڑ کر رہ گئے۔ مگر مجھے اتنی حیرت نہ ہوئی۔

کمرے کے وسط میں تنظیم کا سربراہ اپنے مخصوص چست سیاہ لباس میں موجود تھا۔

”تم زخمی ہو کر آئے ہو صفدر علی؟“ نقاب کے اندر سے [illegible] بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

اپنے سربراہ کے [illegible] تازہ ترین حادثے کے بارے میں [illegible] امیر خان کا منہ بوکھلاہٹ کی طرح کھل گیا۔ میں نے بھی [illegible] حیرت کا اظہار کیا مگر دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے بولا۔ ”ہاں جناب... میرا بایاں شانہ زخمی ہے۔ مقدر کچھ ہو تاویدہ دشمن کا نشانہ خطا ہو گیا۔“

”یہ کل شام تک کی بات ہے۔“ وہ پر اعتماد لہجے میں بولا۔ ”میں نے تم دونوں کو ایک خاص مقصد کے تحت یہاں بھیجا تھا اور کل شام کے بعد تمہاری یہاں کوئی ضرورت نہ ہوگی۔“

”کل... لیکن سر!“ امیر خان حیرت زدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

”ڈرو نہیں امیر خان!“ نقاب پوش بھرائی ہوئی آواز میں ہنسا۔ ”مجھے معلوم ہے کہ باہر محافظوں کا سخت پہرہ ہے۔ گیتا رانی میرے کمرے پر موجود ہے۔ میری یہ خواہش [illegible] کوئی [illegible] اور میرا کھیل نہ بگاڑ سکے... آؤ میں تمہیں تماشا دکھاؤں!“

ہم دونوں نقاب پوش کے ہمراہ گیتا رانی کی خواب گاہ کے دروازے پر [illegible] دروازہ خلاف معمول غیر مقفل تھا اور اندر کوئی موجود نہ تھا۔ نقاب پوش نے بستر پر بیٹھا ہوا [illegible] بریف کیس کھولا۔ اندر بڑے نوٹوں کی گڈیاں سلیقے سے جمی ہوئی تھیں۔ اس نے آسودہ انداز میں سر ہلایا اور بریف کیس بند کر دیا۔

”ہو سکتا ہے کسی وقت ہندوستان روانہ ہو جاؤں۔ میرے آدمیوں کے لئے وہاں کچھ کاروباری دشواریاں پیدا ہو گئی ہیں جنہیں دور کرنے کے لئے میری وہاں موجودگی ضروری ہے۔ میری عدم موجودگی میں سارا کام میرا جانشین جاری رکھے گا۔ تم لوگوں سے بالواسطہ رابطہ کرتے ہوئے وہ اپنی شناخت کے طور پر [illegible] کا حوالہ دے گا۔ یہ خیال ہے کہ وہ بہت تند خو اور سخت گیر آدمی ہے [illegible] میری عدم موجودگی میں تم لوگوں سے کوئی شکایت نہ ہونا چاہیے۔“

"ہم خیال رکھیں گے جناب!" میں نے کہا۔

پھر اس نے خواب گاہ سے ملحق باتھ روم کے دروازے کا قفل کھولا اور اندر گیا۔ ملازمہ باتھ ٹب کے کنارے پر بیٹھی نظر آئی۔ دہشت سے اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

"اس رحم کے لیے شکریہ مادام!" سیاہ پوش نے جمی بریٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "میں جا رہا ہوں اور کل غروب آفتاب کے بعد سیٹھ ہم دونوں کو [illegible] پر مجبور کر دیں گے!"

وہ کچھ نہ بولی۔ سہمی سہمی آنکھوں سے اُسے گھورتی رہی۔

"تم دونوں جاؤ اور محافظوں کو بڑی بیگم کا حکم سنا دو کہ اب اندر کسی چیز کی ضرورت نہیں رہی ہے!" وہ ہم سے مخاطب ہو کر بولا۔

امیر خان جھجکتے ہوئے دھیمی آواز میں بولا۔ "اور آپ سر؟"

وہ آہستہ سے ہنسا "میری فکر نہ کرو۔ اس خواب گاہ سے ایک خفیہ راستہ مجھے باہر چھپے ہوئے گھنے باغات میں پہنچا دے گا۔"

ہم دونوں مزید کچھ کہے بغیر باہر نکل گئے۔

محافظوں تک ہدایات پہنچانے کے بعد ہم دونوں باہر نکل آئے۔ امیر خان تو سیدھا اپنے [illegible] کی طرف ہو لیا۔ مگر میں اپنے زخم کے لیے فرسٹ ایڈ کا سامان لینے کے بہانے دوبارہ عمارت کی طرف چل دیا۔

سہنا اسی عمارت میں مقیم تھا مگر میں سیدھا اس کی طرف جانے کے بجائے [illegible] کمرے کی طرف چل دیا۔ وہاں اچانک میری نظر نرائن داس پر پڑی۔ اس کی پشت میری جانب تھی اور وہ سیڑھیوں پر جھکے ہوئے [illegible] کو اٹھا کر دیکھ رہا تھا۔ میں پھرتی کے ساتھ سیڑھیوں کی آڑ میں ہو گیا۔

اپنے جائزے سے مطمئن ہو کر نرائن داس سیدھا ہوا تو اس کا چہرہ دیکھ کر میں لرز اٹھا۔ اس وقت وہ کسی پاگل کا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے جبڑے اتنی سختی سے بھینچے ہوئے تھے کہ [illegible] اور آنکھوں میں خون کی سرخی [illegible] تھی!

وہ کچھ دیر تک ان سیڑھیوں کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر ایک طرف چل دیا۔ میں نے بھی زیادہ دیر وہاں رکنا مناسب نہ سمجھا اور سہنا کی طرف چل دیا۔

سہنا نے فرسٹ ایڈ بکس دیتے ہوئے مجھ سے استفسار کیا تو میں نے اُسے بتایا کہ میری ران میں ایک معمولی سا زخم آ گیا ہے۔ اس نے خود مرہم پٹی کی پیشکش کی تو میں نے اُسے ٹال دیا۔ اس وقت وہ ذہنی طور پر خاصا پریشان دکھائی دیتا تھا۔ اس لیے مجھے باتوں میں نہ الجھایا۔ میں خود بھی اتنی جلدی واپس جانے کے موڈ میں نہ تھا اس لیے رک گیا۔ مجھے سیٹھ [illegible] تھی کہ آخر سیٹھ کو آندھیوں میں نقاب پوش کا روپ اختیار کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی...!

ایک گھنٹے بعد جب میں بکس لے کر وہاں سے نکل رہا تھا تو اندر سے گھٹی گھٹی خوف زدہ چیخیں سنائی دیں۔ میں تیزی سے ساتھ والے زینے کی طرف دوڑ پڑا۔ ابھی میں راستے ہی میں تھا کہ وہ چیخیں ایک دم تھم گئیں۔ پھر سیڑھیوں پر کسی وزنی چیز کے لڑھکنے کی آواز سنائی دی۔ جب میں زینے والے ہال میں پہنچا تو وہاں [illegible] دکھائی دیا۔ نیچے وجے کمار کا بے جان جسم پڑا ہوا تھا۔

وجے کمار کی ہلاکت کی خبر آناً فاناً پورے محل میں پھیل گئی۔ سیٹھ سمیت سب لوگ وہاں آنے شروع ہو گئے۔ سیڑھیوں سے [illegible] اور وجے کے جسم پر کہیں بھی زخم کا نشان نہیں تھا۔ بظاہر یہی لگتا تھا کہ وہ سیڑھیوں سے گر کر کسی اندرونی چوٹ کے سبب ہلاک ہوا ہے مگر [illegible] تھا کہ اس نے سیڑھیوں سے لڑھکنے سے قبل ہی [illegible] دم توڑ دیا تھا۔ مگر جب میں نے [illegible] کے قتل نے سیٹھ کے اعصاب پر خاصا ناخوشگوار اثر ڈالا تھا۔

اس حادثے کے بعد سیٹھ وہاں رکے [illegible] سہنا نے فرسٹ ایڈ بکس ایک خدمت گار کے ذریعے سہنا کے کمرے [illegible] پھر [illegible] میں تنظیم [illegible] نرائن داس کا خصوصی معائنہ بھی کروایا گیا۔ معائنے کے بعد بتایا کہ وجے کمار کی موت گردن ٹوٹنے کے سبب ہوئی ہے۔ اس کی دانست میں وجے سیڑھیوں سے [illegible] گرا ہے۔

مگر اصل کہانی کا مجھے علم تھا۔ وجے حادثے کا شکار نہیں ہوا تھا بلکہ اسے ہلاک کیا گیا تھا اور قاتل ابھی تک حویلی میں موجود تھا۔ پھر یہ بھی [illegible] بڑے جثے والے مقتول سے بہت زیادہ طاقتور رہا ہوگا۔ موقع پا کر سیڑھیوں کے اوپر اسے دبوچ لیا ہوگا [illegible] اسے اس کی گردن توڑ کر ختم کرنے اور پھر بے جان لاش کو سیڑھیوں میں [illegible] کوئی دشواری پیش نہ آئی ہوگی۔

اسی وقت زینوں کے اوپر کا جائزہ لیتے ہوئے نرائن داس [illegible] اس وقت بالکل بے ضرر نظر آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر ایک بھیانک سا خیال میرے ذہن میں سر ابھارنے لگا۔

وجے کے قتل سے تھوڑی ہی دیر قبل نرائن داس [illegible] میں سیڑھیوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اگر وہی وجے کا قاتل تھا تو یقیناً یہ منصوبہ اس کے ذہن میں تھا اور وہ اس وقت سیڑھیوں کا جائزہ [illegible] کرنا چاہتا تھا کہ قتل کے بعد وہ لوگوں کو حادثہ کا تاثر دینے میں کامیاب ہو سکے گا!

پھر مجھے وجے کی وہ گفتگو یاد آئی جو اس نے [illegible] سیٹھ اور امیر خان کے سامنے کی تھی۔ میں نے اس گفتگو پر [illegible] چلا گیا۔!

وجے کے قتل کے بعد حالات نے ایک [illegible]

اب تک جو حالات سامنے آئے تھے ان سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وجے نہ صرف [illegible] کے بجائے تنظیم [illegible] کا آلہ کار رہے لیکن اب یہ اندازہ ہو چلا تھا کہ وہ خود کسی کے اشاروں پر عمل کر رہا تھا۔ جب اس کے آقا نے یہ دیکھا کہ تنظیم کے ایک بیرونی دشمن نے وجے کو پہچان لیا ہے اور اس کی وجہ سے تنظیم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے تو اس نے وجے کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا [illegible] ہلاک کرنے سے قبل اس کے آقا نے اختیارات خود سنبھالنے کے لیے ایک ڈرامہ [illegible] وجے نے آندھیوں میں مجھے اور امیر خان کو اپنی [illegible] سے نکالا گیا۔ اس کے بعد وجے کی ذات [illegible] اس کے [illegible] کا علم ہو جانے پر اسے ٹھکانے لگا دیا۔ اب وہ [illegible] کے ذریعے امیر خان کے توسط سے کسی کو بھی احکام پہنچا سکتا تھا [illegible] ہمارا [illegible] دن میں مقرر کیا ہوا ہے۔!

اور اس ضمن میں نرائن داس کا کردار بہت زیادہ مشکوک ہو گیا تھا۔ بظاہر بالکل بوڑھے میں ایسی کوئی صلاحیت نظر نہ آتی تھی کہ وہ [illegible] وجے [illegible] کر سکے مگر میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ وجے کا قاتل وہی ہے۔ حالات کے پیش نظر تنظیم کی پشت پر بھی اسی کا ذہن کار فرما ہونا چاہیے تھا۔ [illegible] گیتا رانی کی سرگرمیوں کا [illegible] بھی خاصی اہم تھی۔ میں [illegible] اس [illegible] سے یہ اعتراف کروا چکا تھا کہ وہ وجے کی غیر قانونی سرگرمیوں [illegible] سے [illegible] ہے مگر سیٹھ اور امیر خان کے سامنے جب وجے نے اس کا تعلق [illegible] تو وہ دہشت زدگی کی اتنی کامیاب اداکاری کر رہی تھی جیسے وجے سے اسے بھی اپنی زندگی کا خطرہ لاحق رہا ہو۔

ایک بات یہ سوال طلب تھی۔ وجے کا قاتل اور تنظیم کا [illegible] دماغ بھی تھا آندھیوں سے گہرا تعلق رکھتا تھا۔ اب میں یہاں رہ کر صفدر علی کے طور پر [illegible] کر سکتا تھا۔ ہاں باہر نکلنے کے بعد [illegible] کی حیثیت میں [illegible] کے چہرے [illegible] سکتا تھا! [illegible] ابھی تک تحقیق طلب تھا کہ گیتا [illegible] وجے [illegible] یا تنظیم کے اصل سربراہ سے بھی قریب تھی۔ اگر اسے علم تھا کہ میرے اور امیر خان کے سامنے آخری اداکاری کے بعد وجے قتل کیا جانے والا ہے تو وہ خود بھی کسی قاتل سے کم نہ تھی۔!

آندھیوں کے کھنڈروں پر وہ رات بہت بھاری گزری۔ [illegible] ہوا تھا کہ اس کی موت پر ہر [illegible] گیتا رانی بھی [illegible] تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ [illegible] کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ پوری عمارت میں نرائن داس [illegible] شخص تھا جو اس واقعہ سے بے پروا اپنی دھن میں مست نظر آ رہا تھا۔

سیٹھ کا [illegible] تھا۔ [illegible] کی پابندی ختم ہو چکی تھی [illegible] خواب گاہ [illegible] راہداری تک [illegible] مجھے یقین تھا کہ نرائن داس اگر تنظیم کا [illegible] شخص ہے تو اس کی خواب گاہ کی تلاشی کے دوران مجھے کوئی نہ کوئی ایسی چیز ضرور مل سکے گی جس سے اس کے مقاصد سامنے آ سکیں گے۔

چابیاں میرے پاس موجود ہی تھیں۔ وہ راہداری بالکل خالی پڑی تھی لہٰذا میں کسی کی نظروں میں آئے بغیر تالا کھول کر اندر جا گھسا۔ اندر سے دروازہ مقفل کرنے کے بعد میں اپنے سانسوں کو قابو میں کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

کمرے میں ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی وحشت آمیز سی تاریکی چھائی تھی لیکن دیواروں پر لگی [illegible] تصویروں [illegible] میں نے سب سے پہلے مسہری سے چادر سرکا کر نیچے کا جائزہ لیا مگر وہاں کچھ بھی نظر نہ آیا! ڈریسنگ ٹیبل پر زنانہ استعمال کی قیمتی خوشبویات اور دیگر اشیاء موجود تھیں۔ اس کے پہلو میں ایک دیوار گیر چوبی الماری تھی۔ میں نے اس کے دستے پر [illegible] مگر وہ مقفل تھی۔ میں اسے کھولنے کی کوششوں میں مصروف تھا کہ اچانک مجھے [illegible] سنائی دیا اور میں چونک پڑا۔

اس راہداری کی چوبی دیواروں میں اس انداز سے تعمیر کی گئی تھیں کہ میری دانست میں اونچی سے اونچی آواز بھی موٹی دیواروں کو عبور نہیں کر سکتی تھی۔ گیتا اور نرائن داس کی ساؤنڈ پروف خواب گاہ کا [illegible] دروازہ [illegible] تھا تو میرا پہلا خیال یہی تھا کہ کوئی گیتا رانی کی خواب گاہ میں داخل ہوا ہے۔ پھر قدموں کی چاپ نے میرے اس خیال کی تصدیق کر دی اور میں [illegible] دروازے کے قریب اس طرح دیوار سے چپک گیا کہ اگر کوئی اچانک دروازہ کھول دے تو [illegible] کی آڑ میں چھپا رہوں۔ گو میرا یہ اقدام بہت زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ مگر میں کوئی سراغ پانے کی کوشش میں اب ہر خطرہ مول لینے کو تیار ہو چکا تھا!

قدموں کی آہٹیں معدوم ہو جانے کے بعد اس جانب چند ثانیوں تک سکوت چھایا رہا۔ پھر گیتا رانی کی سخت اور تحکم آمیز آواز ابھری۔ "وجے کی موت کے کیا اسباب ہیں؟"

"میں کچھ نہیں جانتا۔" یہ واضح طور پر نرائن داس کی آواز تھی۔ لہجہ [illegible] "کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ [illegible] کی آواز ہے۔" وہ کچھ بولا تھا۔ "مجھے بس اتنا ہی معلوم ہے کہ سیڑھیوں سے [illegible] پھسلا اور وہ سر کے بل گرا۔ گردن ٹوٹنے کے بعد اس کا بچنا یقیناً معجزہ ہی ہوتا!"

"نرائن!" گیتا کی آواز میں التجا اور دھمکی دونوں عناصر نمایاں تھے۔ "تم دھوکے باز ہو۔ میں خوب جانتی ہوں کہ تم ہی نے اسے راستے سے ہٹایا ہے۔ جب تمہارے حکم پر اس نے امیر خان اور صفدر کے سامنے ڈرامہ کھیلا تو میں اسی وقت سمجھ گئی تھی کہ تمہاری نیت میں فتور ہے!"

"بکواس مت کرو گیتا!" وہ غرّایا۔ "سب کچھ بھول جاؤ۔ بس اتنا یاد رکھو کہ وہ ایک اتفاقی حادثے کا شکار ہوا ہے۔ وہ اس [illegible]

نظروں سے آ گیا تھا اور کسی بھی وقت وہ مجھے بھی گرفتار کر لیتا۔ وجیہ کی موت کے بعد بڑی اندھوں کی طرح بھٹک نہ جائے گا!"

"میں تم سے ہر وقت خائف رہنے لگی ہوں ثریا!" وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ "جس وقت تم پاگل کے بھیس میں شکار کرتے پھرتے ہو تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ تم کیا ہو گے... مگر مجھے تم اس روپ میں بھی خونخوار لگتے ہو۔"

"میں نے تمہیں وجیہ کے ساتھ دیکھا تھا۔" وہ بھاری اور سرد لہجے میں بولا۔ "میں نے ایک بار صرف تنبیہ پر اکتفا کیا اور رہا۔ اگر تم راہ میں آئیں تو سمجھ لینا کہ پانچویں مر چکی ہو... میں بوڑھا ضرور ہوں مگر کسی مفلس نوجوان سے زیادہ عقل رکھتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تم دونوں اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔ مگر اب تک صرف اس لیے در گزر کرتا رہا کہ ان کے ذریعے میں جا ایک شخص تک پہنچنا تھا... وہ تمہیں تو زندگی بھر بہا بچا... مگر اب اس کی ذات سے میرے مشن کو بھی خطرہ درپیش تھا لہٰذا اس کا راہ سے ہٹ جانا ہی بہتر تھا۔ منظم طریقے پر بنیادوں پر قائم ہے... میں اپنا مشن خود آگے بڑھاؤں گا!"

"مشن؟" گیتا تیزی سے بولی۔ "میں تمہاری زبان سے یہ لفظ سنتے سنتے عاجز آ چکی ہوں۔ مر جائے یہ کیسا مشن ہے کہ تم اپنی جائز آمدنی کا ایک بڑا حصہ غیر قانونی کاموں میں صرف کرتے ہو۔ تمہاری ذات ہر وقت خطرے میں گھری ہوئی ہے۔"

"کیسے خطرے گیتا؟" وہ تلخ انداز میں ہنسا۔ "کوئی یقین نہیں کر سکتا کہ ایک فقیر مندر پر کھیل رہا ہے۔ مجھے خطرہ نہیں ہے۔ اگر تم بغاوت کرو تو تمہارا حشر بھی ویسا ہی ہوگا ورنہ تمہاری محرومیوں کا انتقام لینے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"

"تم جب پاگلوں کی طرح کھنڈروں کی سڑکوں پر بھیک مانگتے پھرتے تھے، اس وقت میں اور موجودہ زندگی میں تمہارے لیے کیا فرق ہے؟" وہ خاصی پریشان تھی۔

"آج تم نے پوچھا ہے تو میں ضرور بتاؤں گا... پہلے مجھے اپنی ماں کا سے ماں جی کا ایک پیگ دو۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر اس کی آسودہ آواز ابھری۔

"تم جانتی ہو کہ اندھا لعل میرا چچا تھا۔ لکھ پتی اور لا ولد بڈھا!" وہ حقارت سے ہنسا۔ "وہ ہر روز سوچتا کہ میری ذات موت سے مستثنیٰ ہے۔ میں قلاشی کے عالم میں بارہا اس کے در پر گیا اور دھتکارا گیا۔ اس نے مجھے اپنے یہاں ملازمت تک دینے سے انکار کر دیا اور میں نے یہ کھیل کھیلا۔ میرے تئیں شہر کا ہر باسی اندھا لعل تھا۔ لوگ بھیک دینے سے کترانے لگے تھے پھر میں نے دیوانگی کا روپ دھار لیا۔ اس طرح لوگوں کی ہمدردیاں میری جھولی میں پہنچنے لگیں اور جب اندھا لعل مرا تو اس کی کوئی وصیت بھی نہیں ملی جسے اپنے لوگ کا یقین ہو وہ وصیت کیوں لکھے۔ اور یوں میں اس کا تنہا وارث قرار پایا۔ لیکن اس وقت تک اپنے تلخ تجربات کے باعث مجھے جو ملا وہ عالیشان

گاڑیوں سے، الیسے تم معاشرے سے متنفر ہو چکی تھی۔ خاور نفسیاتی مریض سمجھو گیا مگر میرے حقیقی جذبات تھے۔ ... میں نے ایک منصوبہ بنایا۔ معاشرے کی بربادی اور گناہوں کی ... کا منصوبہ۔" وہ آہستہ سے ہنسا۔ "تم اس شہر میں ... وجیہ تمہارا بھائی... جو کچھ نہیں گیتا۔ میں ... جرائم پیشہ بھائی کا درجہ رکھتا ہے اور تم بھی اسے بھائی ... دونوں کو اپنا آلۂ کار بنایا۔ شادی ہوئی اور میرے ... ہو گئی۔ مگر خرابی یہ ہوئی کہ تم طوائف تھی بیوی کے روپ میں ... محبت بھائی کی جگہ محبوب بن گیا۔ تم جانتی ہو کہ مختلف جائز و ناجائز کاروبار اور غیر ملکی کمپنیاں ... مگر میری آمدنی کا بڑا حصہ یہاں برائیاں پھیلانے میں صرف ہوتا ہے۔ قانون میں رشوت کے طور پر اعلیٰ سرکاری افسروں سے ... ہیں۔ میں مقامی لوگوں کے ذریعے خرید کر کم داموں پر ... فراہم کرتا ہوں۔ میں نے تمہارا میک اپ بنایا جال ... لوگوں کے اخلاق بگاڑ کر ان کی رسوم کی دھجیاں اڑا کر ... تم نے جماعتی اندر رام کا نام سنا ہو... وہ اس شہر کا ... ہے۔ وہ مجھے نہیں جانتا مگر میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ ذریعے میں ان دو دولت مندوں میں زہر پھیلا رہا ہوں۔ آوارگی اور بے حیائی بڑھتی جاتی ہے۔ میرے زخم خوردہ ضمیر کو تسکین ملتی ہے۔ میرے منصوبے پر عمل ہو چکا جب یہ دواریاں کھلیں گی تو قانون یہ مل جائیں گی جب خدائی اقتدار کا جنازہ نکل جائے گا... اور تم جانتی ہو گیتا! کپڑے پھاڑ کر پاگلوں کی طرح چلاتا ہوا سڑکوں پر گشت کرتا تھا تو بھاؤں گا۔ یہ سب میرا کاروبار ہے۔ تم ایک آدمی کو بے بس اور ذلت، رسوائی اور بھیک کا طوق اس کے گلے میں ڈال دیتے ہو۔ اب وہی ایک ذلیل و بے مایہ شخص وسائل پر قادر ہو گیا تو کر کیا! ... میری انا کی تسکین کا وقت ہوگا۔" وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ... روٹی روزی کی بات تو نہ پاتھوں پر بھیک مانگتے ہوئے مجھے ... اور بے بسی کا احساس ستاتا تھا۔ میں ان کتوں سے بھی بدتر ... مذاق کے لیے کہیں سے روٹی کا ٹکڑا یا گوشت کا لوتھڑا لے جاتا۔ اب مجھے آسودگی اور برتری کا ایسا لازوال احساس حاصل ہے جو تمہارے لیے محال ہے۔"

"تم واقعی پاگل ہو وحشی ہو ثریا!" وہ خوفزدہ آواز میں ... ایک کے ساتھ ہو تا آیا ہے، ہمیشہ ہوتا آیا ہے۔ اگر تم پر ایک ... ہے تو آج تم ہر نعمت سے مالا مال ہو۔"

"مفلس کی جوانی سے بڑا عذاب کوئی نہیں گیتا!" اس ... کی کی ہلاکت تھی میں نے زندگی کا بہترین دور دربدری کی ٹھوکریں کھا

ہے بڑا نو کیا کام آیا۔ مرنے کے اس دنیا میں جسم تو خرید سکتا ہوں لیکن کسی کی بات بھی بہت سکتا!"

"تم... مگر میں تو تم سے محبت کرتی ہوں ثریا!" وہ بوکھلا سی گئی۔

وہ بے رحم انداز میں ہنسا۔ "تمہاری بوکھلاہٹ سے سب عیاں ہے... یہ محبت ہوتی تو چپ چاپ کر رہتی کی آغوش ... نہیں۔ گرداب... حیرت نہیں ہے یہ سب زندگی کے حقائق ہیں اور میں ان تلخ حقیقتوں کو بڑی فراخ دلی سے قبول کر چکا ہوں۔"

دوسری جانب چند ثانیوں کے لیے بوجھل سا سکوت چھا گیا۔ میرے جھگڑے انتہائی خبر تھی۔ ثریا داس بلاشبہ بدترین ذہنی مریض تھا مگر ... کے ساتھ بلا کا مکار بھی۔ میرے نزدیک ایسے لوگ موت کی سزا قرار دیے جانے کے مستحق ہوتے ہیں جو دوالی نا انصافیوں کا انتقام پورے انسانی ... معاشرے سے لینے کی کوشش کرتے رہیں!

"دراصل ہم دونوں کا حساب برابر ہو چکا ہے۔" اس سکوت کو ثریا نے توڑا۔ "تم جانتی ہو کہ تمہارا شوہر زندہ ہے اور شیخ الدماغ ہے مگر معاشرے ... جانے تم نے پاگل کی بیوی کہلانا گوارہ کیا اور میں نے اس احسان کا بدلہ چکا کر ... تم کو مجھ سے اس کوٹھی میں لا بٹھایا... یہ سوال تو ہر جگہ ہوتا رہا اور ... میں پرواہ نہیں رہا۔ میں وجیہ کے ذریعے اپنا کام نکالتا رہا تم اپنا ... اور جب اس کی ذات ہمارے لیے خطرہ بن گئی تو وہ راہ سے ہٹ گیا!"

"وہ مر چکا... اب یہ فقرے بے کار ہیں۔" گیتا بولی۔ "مگر ایک بات بتاؤ... وجیہ تمہاری بساط کا ایک مہرہ تھا۔ اس کی پشت پر تمہارا ... تھا اور اس کے ہاتھ کئی انسانوں کے لہو سے آلودہ تھے۔ تم نے مجھے ... کہ جو ... یا وہ اب کبھی جائز روزی کا راستہ اختیار ... کرے گا۔ لہٰذا تم براہ راست لوٹ ہونے کا خیال ترک کر دو اور اپنے کئے ... مگر میں جانتی ہوں ... تمہارا اعتماد آگے بڑھ جاتی ہے ... میرے فیصلے قبل ہوتے ہیں گیتا... یہ نہ بھولو کہ ابھی مجھے بڑی ... کی اشد ضرورت ہے!"

"تم خود کہہ چکے ہو کہ وجیہ کی موت کے بعد وہ اندھیرے میں بھٹکتا پھرے گا۔"

"وہ انہیں ٹھیک سیدھا کرے گا... جیسے آدمی اس کی نظر میں رہا۔ جب ... تمہاری رہی ہو گی تو وہ پھر تمہارا رخ کرے گا... وہ ایسے ہی ... بہت معمولی الجھ گیا... وہ کبھی بھی میرے گریبان پر ہاتھ ڈال دے گا اور ... بنانے کے بعد میری راہ بالکل صاف ہو گئی!"

"یہ تمہاری خام خیالی ہے ثریا..." وہ تمہید ڈھونڈتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "اب کیا مقصد ہے... نے بھیس بدل لیا ہے کیا واسطہ ہے۔"

ان دونوں کی گفتگو اب اختتام پر تھی۔ میں ثریا سے دو دن کی جواب گاہ کا قفل کھول کر باہر نکلنے کی ہمت نہ کر سکا کیونکہ وہ دونوں آہٹ سن کر فوراً ہی ادھر کا رخ کرتے اور میں رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا۔ میں نے اس بات پر بس چند ہی سیکنڈ تک سوچا اور پھرتی کے ساتھ ثریا داس کی مسہری کے نیچے جا گھسا۔ کھا دعا سے فرش تک لٹکتی ہوئی چادر نے مجھے بخوبی چھپا لیا تھا!

چند ہی منٹ تک مسہری کے نیچے ثابت رہنا رہا۔ پھر دروازہ کھلنے کی ہلکی سی آواز ہوئی اور دبیز قالین پر قدموں کی ہلکی سی دھمک گونجنے لگی۔ میں سانس لینے میں بھی احتیاط کرنے لگا کہ کہیں آنے والے کو کمرے میں میری موجودگی کا شبہ نہ ہو جائے۔

"تم باہر جاؤ... وجیہ کی لاش وہاں سے ہٹانے کا بندوبست کرو!" ثریا داس نے اچانک اپنے ہی کمرے سے آواز لگائی۔

"دو دھری کا جاری ہوں..." جواب آیا۔

میں نے ثریا داس کی نقل و حرکت کا اندازہ لگانے کی بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ میرے اپنے سانسوں کی ہلکی ہلکی آواز کے سوا یہاں گہرا سکوت طاری تھا!

ذرا دیر بعد برابر والی خواب گاہ کا دروازہ کھلنے پھر بند ہونے کی آواز آئی۔ شاید گیتا رانی اپنے خوف زدہ شوہر کی ہدایت پر باہر چلی گئی تھی۔

"مسہری کے نیچے کون ہے... باہر آؤ میرے ہاتھ میں ہٹری ایٹ کلیبر کا ریوالور موجود ہے!" اچانک کمرے کے سناٹے میں ثریا داس کی سرد آواز گونجی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔



نرائن داس

ایک خونی اور مکار بوڑھا اس کمرے میں ریوالور سمیت موجود تھا اور میری کمین گاہ سے واقف ہو چکا تھا۔ اس کی للکار میرے لئے اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھی کہ چند ثانیوں کے لئے میرا ذہن ماؤف ہو کر رہ گیا۔ میں کچھ نہ سمجھ سکا کہ وہ مکار بڈھا میری موجودگی سے کیونکر واقف ہوا اور اب مجھے موجودہ حالات میں اس سے نمٹنے کے لئے کیا راہ اختیار کرنی چاہیے۔

"باہر آؤ۔" اس بار نرائن داس کی آواز زیادہ سرد اور تحکم آمیز تھی۔ "یہ آخری وارننگ ہے ورنہ میں مسہری سے باہر جھانکتے ہوئے جوتے کے چیتھڑے اڑا دوں گا۔"

"میں نکل رہا ہوں۔" میں نے پژمردہ آواز میں کہا اور دل ہی دل میں خود پر لعنت بھیجنے لگا۔ اگر میں ذرا سی احتیاط سے کام لیتے ہوئے یہ جائزہ لے لیتا کہ میرے جسم کا کوئی حصہ کمرے میں داخل ہونے والے کی نظر میں تو نہیں آ سکے گا تو اس وقت میں یوں کسی بزدل چوہے کی طرح نہ پکڑا جاتا۔

میں بے چون و چرا مسہری کے نیچے سے نکل آیا۔

"دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لو۔" نرائن داس کے چہرے پر اس وقت بے رحمانہ چمک کوند رہی تھی۔

میں نے دونوں ہاتھ بلند کر لئے۔ اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے سیاہ ریوالور کی بھیانک نال میرے سینے کی طرف اٹھی ہوئی تھی اور اس نال پر سائلنسر چڑھا ہوا تھا۔ حالات ایسے تھے کہ اگر وہ تمام گولیاں بھی میرے جسم میں اتار دیتا تو کمرے سے باہر والوں کو کچھ علم نہ ہو پاتا۔

"تمہاری اس پھولی ہوئی جیب میں کیا ہے؟" نرائن داس نے ریوالور کی نال کی جنبش سے میری پتلون کی داہنی جیب کی طرف اشارہ کیا۔

سنا میرا جی چاہا کہ اپنے بال نوچ کر سر دیوار پر دے ماروں۔ اس نیم پاگل بڈھے نے اس قدر ڈرامائی انداز میں مجھے للکارا تھا کہ میں جیب میں موجود ریوالور تک کو بھول بیٹھا۔ اگر میرے حواس ذرا بھی بحال ہوتے تو میں اسے کسی نہ کسی طرح دھوکا دے کر اپنے قابو میں کر سکتا تھا لیکن اب میرے لئے سب راستے مسدود ہو چکے تھے۔ بازی اس کے ہاتھ میں تھی!

"ریوالور!" میں نے یہ کہتے ہوئے ہاتھ گرانے کی کوشش ہی کی تھی کہ وہ غرا اٹھا۔

"خبردار۔ جو اس جیب کو ہاتھ لگایا! پتلون کے بٹن کھول کر اسے یہیں اتار دو۔ اور عقبی دیوار سے منہ لگا کر کھڑے ہو جاؤ۔"

میرے چہرے پر شاید اس نے اضطرار کی پرچھائیاں پڑھ لیں اور ریوالور کا ٹریگر دبا دیا۔

کھٹ کی ہلکی سی آواز کے ساتھ نال سے ایک شعلہ لپکا اور میرے قدموں کے قریب فرش کا خاصا حصہ ادھڑ گیا۔ ساتھ ہی میں بھی ہلکی سی چیخ مار کر پیچھے اچھل گیا۔

"جلدی.... جلدی کرو!" نرائن داس غرایا۔ "ورنہ اس بار گولی تمہارے سینے پر ہوگی۔"

میں نے خود کو اس کی کسی دیوانگی سے محفوظ رکھنے کے لئے پتلون اتار دینے ہی میں عافیت سمجھی اور پتلون اسی جگہ چھوڑ کر عقبی دیوار کے قریب جا پہنچا۔ اب وہ میری پشت پر تھا اور یقینی طور پر مجھ سے غافل نہیں تھا۔ پتلون اتارنے کے دوران بھی وہ ایک لمحے کے لئے مجھ سے غافل نہیں ہوا تھا۔

کچھ دیر کے صبر آزما سکوت کے بعد نرائن داس کی آواز ابھری: "گڈ۔ اب تم واپس آ کر پتلون پہن سکتے ہو۔"

میں پلٹا تو وہ اب پھر پرانی جگہ پر کھڑا ہوا تھا۔ جیب کا ریوالور اس کے بائیں ہاتھ میں منتقل ہو چکا تھا اور داہنے ہاتھ میں وہی خوفناک ریوالور چمک رہا تھا جس سے چند لمحے قبل فائر کر چکا تھا۔

میں نے پتلون پہن لی تو دیکھا کہ نرائن داس کے ہونٹوں پر زہر خند پھیلا ہوا ہے۔ شاید وہ میرے غیر مسلح ہو جانے کے بعد پر سکون ہو گیا تھا۔

"کہانی.... اب اپنی کہانی شروع کرو صفدر! اب بھی مسٹر راہ میں تنگی تھی؟ تم شاید میری اور گرتیا رانی کی ساری ... ہو۔ لہٰذا اب یہ بھی کان کھول کر سن لو کہ میں جو جس کر لیا جائے اس کے لئے اعلیٰ ترین دماغ کی ضرورت ہے اور میں ایسے ہی ذہن کا مالک ہوں۔ گھر کی چابیاں تمہارے پاس ہیں اور مجھے یقین ہے کہ کسی محفوظ ہونے کے لئے اندر گھسنے کے بعد تم نے اسی چابی سے دروازہ بند کر دیا ہوگا جس سے تالا کھول کر اندر گھسے تھے۔ پھر دروازہ میں اتنا احمق نہیں ہوں، میں اس وقت بھی آ گیا تو تم چھپے ہوئے تھے۔ یہ تالے بہت ہی مخصوص ساخت کے ہیں۔ تمہاری چابی اگر مستعمل تو کیا جا سکتا ہے لیکن کھولنا ناممکن ہے۔ اندر سے اس کے لئے ایک دوسری چابی کی ضرورت ہوتی ہے اور یہی مخصوص خوابگاہ کا مکین اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ کہانی! اپنی چابیاں نکال کر میرے حوالے کر دو تاکہ تمہیں اندازہ ہو کہ حقیقتاً کیا ہوا ہوں!"

میں وہیں اپنی جگہ پر خاموش کھڑا رہا۔

"چلو!" یک بیک وہ غضیلی آواز میں بولا۔

مجھے اندیشہ تھا کہ میں اب بھی تذبذب میں مبتلا رہا تو وہ فائر کر بیٹھے گا۔ لہٰذا میں نے جیب سے چابی نکال کر ...

اور کئی ناکام کوششوں کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ اس نے جو کچھ کہا وہ درست ہی ہے۔ "اگر میرے ہی کمرے پر وہ رکتے یوں کھلے بند ہوں مجھے تو یہ بہتر کہیں تو میرے لئے خودکشی کر لینے کا ستا ہوگا۔" وہ مجھے قہر آلود نظروں سے گھورتے ہوئے غصیلی آواز میں بولا۔ "مختصر ترین الفاظ میں اپنی یہاں موجودگی کا جواز پیش کرو!"

"مجھے اپنی غلطی تسلیم ہے۔ مجھ سے نادانستگی میں بہت بڑی بھول سرزد ہوئی ہے جناب!" میں نے نظریں جھکا کر اسے اپنی مجبوریاں باور کرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے ہرگز علم نہیں تھا کہ تنظیم کا باس رہ جاتا ہے اور اس کی پشت پر اصل ذہن آپ کا ہے اسی لئے میں بڑی کی کمین میں آ کر یہ حرکت کر گزرا!"

"بڑی؟" وہ حقارت سے غرایا۔ "میں اسے مسل دوں گا۔ وہ اس طرح کیا جانتا تھا؟"

"وہ اس وقت شاید اسی عمارت کے کسی حصے میں ہے۔" میں نے بغیر سوچے سمجھے کہہ ڈالا۔ "شہر سے یہاں واپسی پر نامعلوم طریقے سے ایک کاغذ میری جیب میں آ پہنچا۔ جو یہاں آنے تک ہرگز میرے پاس نہیں تھا اس کاغذ پر جلدی میں ہدایات لکھی ہوئی تھیں کہ میں آپ کی خوابگاہ کی تلاشی لوں اور خوابگاہ کو ابتر حالت میں چھوڑ کر باہر نکل جاؤں۔ نیچے بڑی کے دستخط تھے۔ میں نے خوفزدہ ہو کر وہ کاغذ ایک نالی میں پھینک دیا۔ مجھے قطعی علم نہیں تھا کہ میں بڑی کی اس ہدایت کے سلسلے میں تنظیم کے سربراہ سے کس طرح ہدایت حاصل کر سکوں گا۔ پھر یہ سوچ کر کہ ایک بظاہر نیم پاگل شخص کی خوابگاہ میں گڑبڑ پھیلانے سے کیا فرق پڑ سکتا ہے؟ میں یہاں آ گھسا۔ چند منٹ بعد ہی باہر والی خوابگاہ کا دروازہ کھلا تو میں نے اپنا کام شروع کرنے کا ارادہ ترک کر کے آپ کی گفتگو سننے کی کوشش شروع کر دی۔"

"اوہ... اگر وہ کاغذ اسی عمارت میں تم تک پہنچایا گیا ہے تو بڑی یقیناً کسی نہ کسی طرح یہاں آ گھسا ہے۔ وہ میری توقعات سے زیادہ خطرناک ثابت ہوا ہے اور شاید اسے مجھ پر شبہ بھی ہو چکا ہے۔" وہ کسی زخم خوردہ بھیڑیے کی طرح غرانے لگا۔ "میری خوابگاہ میں ابتری پھیلا کر وہ شاید قریب سے میرے ردعمل کا جائزہ لینا چاہتا ہے۔ میں دیکھ لوں گا اسے دیکھ لوں گا۔"

اس پر میرا وار چل گیا تھا۔ دل ہی دل میں مجھے اپنی کامیابی کی اتنی خوشی تھی کہ اپنے بشرے پر کسی ایسے شخص کے سے تاثرات پیدا کرنے کی کوشش کی جو گھر کے اندر چوری کرتے پکڑا گیا ہو اور نرائن داس کے سامنے سر جھکائے کھڑا رہا۔

"اس نے تمہیں چارہ بنا کر مجھے پھانسنے کی کوشش کی تھی۔" وہ کچھ دیر کے سکوت کے بعد بولا۔ "اب میں یہ چال اسے واپس لوٹاؤں گا۔"

"میں آپ کے حکم کا غلام ہوں سر!"

"تم نے فرار ہونے کی بجائے جو یہ صفدر علی جیسے نظر آتے ہو مجھے یقین ہے کہ کیا گری اور بعد میں اس کا خیال ابھی تک تمہارے ذہن پر سوار ہے۔ مگر میں لوگ اپنے باغیوں کے ساتھ میرا رویہ بہت ظالمانہ ہوتا ہے۔ اگر تم نے موجودہ حالات کی پیچیدگی سے فائدہ اٹھانے کی ذرا بھی کوشش کی تو یہ سودا تمہیں اپنے لہو کے داموں چکانا پڑے گا.... شاید تم میری بات سمجھ رہے ہو!"

"میں نے آج تک تنظیم کو اپنی ذات سے شبہ کا موقع نہیں دیا سر!" میرے لہجے میں دیانت دارانہ احتجاج قدرتی طور پر ابھر آیا۔

"ایک بار بڑی کے خوف سے تم تنظیم سے فرار ہوئے۔ دوسری بار اس کی دہشت نے تمہیں میری خوابگاہ میں گھس پڑنے پر مجبور کر دیا۔ اور اب میں تمہیں مزید کوئی وارننگ دینے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اس بار تمہیں راہ سے ہٹا دیا جائے گا۔ میرے لئے خوفزدہ کارکن سے بڑا خطرہ کوئی نہیں ہو سکتا اور تمہارے اعصاب پر بڑی کی ہیبت طاری ہے!" وہ سرد آواز میں بولا۔

"مجھے اپنی غلطیاں تسلیم ہیں سر!" میرا لہجہ پژمردہ تھا۔ مگر اس کی تاویل سن کر میری ریڑھ کی ہڈی میں چیونٹیاں سی رینگنے لگی تھیں۔ "میں آپ کی نظروں میں اپنا کھویا ہوا اعتماد بحال کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔"

اس نے ریوالور جیب میں ڈال لیا اور مجھے دروازہ کھول کر گرتیا رانی کی خوابگاہ میں داخل ہونے کی ہدایت کی۔

میرا ریوالور اس نے اپنی بائیں جیب میں رکھ دیا تھا جبکہ اس کا داہنا ہاتھ اس کے ریوالور سمیت جیب میں موجود تھا اور پتلون کی پھولی ہوئی جیب پر نال کا ابھار کسی بھی لمحہ میری جانب آگ اور پگھلا ہوا سیسہ اگل سکتا تھا۔

اس نے گرتیا کی خوابگاہ میں ایک دیوار گیر خوبصورت چوبی الماری کے قریب جا کر بائیں ہاتھ سے ہینڈل کو کسی خاص ترتیب سے گردش دی۔ پٹ کھلنے کے بجائے کسی خودکار مشینی نظام کے تحت وہ دیو ہیکل الماری ہلکی سی آواز کے ساتھ آگے کھسک آئی اور الماری کے عقب میں دیوار میں ایک راستہ پیدا ہو گیا۔

"چلو!" اس نے ایک طرف کھسک کر مجھے اس تاریک خلا میں داخل ہونے کا حکم دیا۔

بے اختیار میرا دل اچھلنے لگا۔ نرائن داس ابھی تک پوری رازداری کے ساتھ اپنے نمبر ایک دشمن کو آگے بڑھا رہا تھا۔ اس نے اپنے گرد حالات و واقعات کا ایک ایسا مضبوط قلعہ تعمیر کیا ہوا تھا کہ اس کی ذات ہر خطرے سے محفوظ تھی۔ مگر اب میں اس کا راز جان چکا تھا۔ اس کی

پوری کوشش یہ ہوتی کہ پہلی فرصت میں مجھ سے چھٹکارا حاصل کرے۔ مجھے شبہ تھا کہ چوبی الماری کے عقب میں نمودار ہونے والا تاریک خلا کسی تہہ خانے کا خفیہ راستہ ہے اور میرے اس پار پہنچتے ہی نراتن داس اسے بند کر کے مجھے ختم کر دے گا اور الماری کو دوبارہ اس کی جگہ پر لانے کے بعد اسے میری لاش کی فکر بھی نہ رہتی نہ راز افشا ہونے کا خوف رہتا۔

میرا تردد دیکھ کر وہ ہنسا۔ "گھبراتے کیوں ہو ... یہ کوئی چور دروازہ نہیں ہے!"

اور اسی کے ساتھ اس نے الماری کے بغلی فریم میں نصب کوئی بٹن یا لیور دبایا جس کی ہلکی سی آواز کے ساتھ وہ تاریک خلا روشنی میں نہا گیا اور میں دھڑکتے دل کے ساتھ اس خلا کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی میرے تمام اندیشوں کی تردید ہو گئی۔ وہ کسی تہہ خانے کا راستہ یا خونریزی کے لئے کبھی استعمال نہیں ہوا تھا۔ اس چوکور سرنگ کا صاف ستھرا فرش ڈھلوان کی صورت میں کافی دور تک چلا گیا تھا۔ راستے میں دو چھت نما [illegible] روشنی کے بلب جگمگا رہے تھے۔

میرے اندر پہنچتے ہی نراتن داس بھی پھرتی کے ساتھ اس طرف آ گیا اور میری لاعلمی میں اس نے نہ جانے کیا کیا کہ چوبی الماری نے اس خلا کو دوبارہ یوں بند کر لیا کہ ہم دونوں طرف سے اس چوکور سرنگ میں محبوس ہو گئے۔

"یہ راستہ میرے ذہن کی تخلیق ہے!" بند سرنگ میں اس کی تعریف طلب آواز ابھری: "کوئی تم بھی نہیں کہ سکتا کہ الماری کی پشت پر کوئی چور راستہ ہے اور اب میں تمہیں اپنی زیر زمین دنیا کی سیر کراؤں گا۔"

"بلاشبہ یہ راستہ بہت محفوظ ہے۔"

سرنگ کی محدود فضا ہمارے قدموں کی چاپ سے گونجتی رہی۔ نراتن داس میرے پیچھے چلا آ رہا تھا اور اس کا دایاں ہاتھ ابھی تک ایک لمحہ کے لئے بھی جیب سے باہر نہیں آیا تھا لیکن میں اتنا احمق نہ تھا جو اس وقت کوئی حرکت کرنے کی کوشش کرتا۔ اول تو اس مسلح سکاؤ [illegible] کامیابی ہی محال تھا اور اگر میری ایسی کوشش بار آور بھی ہوتی تو وہ سرنگ میرا مقبرہ بن جاتی۔ نراتن داس کی خوابگاہ میں ڈھلکے ہوئے محافظوں کا تجربہ میرے ذہن میں تازہ تھا اور مجھے یقین تھا کہ میں چوبی الماری کو اس کی جگہ سے سرکانے میں کسی بھی قیمت پر کامیاب نہ ہو سکوں گا۔ سرنگ کے دوسرے دہانے پر کیا تھا۔ یہ میرے علم میں نہیں تھا لہذا میں زندہ درگور ہونے کی کسی رضاکارانہ کوشش کا قطعی حوصلہ نہ رکھتا تھا۔ فی الحال میں نے خود کو حالات کے دھارے پر بہا چھوڑ دیا تھا۔

وہ چوکور ڈھلوان دار سرنگ شیطان کی آنت کی طرح طویل تھی اور آگے جا کر ایک طرف گھوم گئی تھی۔ اس موڑ کے بعد بھی روشنی کا انتظام موجود تھا۔ میرے اندازے کے مطابق میں نراتن داس کے ہمراہ اس وقت سطح سے زیر زمین پہنچ چکا تھا۔ اور شاید آنند بھون کی اصل عمارت کے نیچے سے نکل چکا تھا کیونکہ موڑ کے بعد فرش کا ڈھلوان ختم ہو چکا تھا اور نراتن داس کی خوابگاہ عمارت کے سرے پر بنے ہوئے ایک بڑے کمرے کے [illegible] اور ہم اب تک جتنا فاصلہ طے کر چکے تھے وہ اس کمرے کے عرض سے کہیں زیادہ تھا۔

کچھ دیر بعد سرنگ کے بند راستے پر اس سفر کا اختتام ہوا۔

"اب تم پوری طرح ہوشیار ہو جاؤ!" نراتن داس مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ "اس بند راستے کے اس پار میرا ایک گونگا بہرا ملازم موجود ہے۔ وہ میرا معتمد خاص ہے مگر وہ بھی مجھے پاگل ہی سمجھتا ہے فرق صرف یہ ہے کہ دوسرے میری حماقتوں کا کھلے بندوں اظہار کرتے ہیں جبکہ یہ میری ہر حرکت کو سینے میں محفوظ رکھتا ہے۔ وہ تمہیں دشمن سمجھے گا اور میں ظاہر ہے کہ جو کچھ کرتا ساتھ ساتھ چلوں گا ورنہ تمہاری ذرا سی لغزش پر سیاہ دیوار اور چل جائے گا!"

میں خاموش کھڑا رہا۔ وہ بڈھا اس قدر پراسرار ہو گیا تھا [illegible] آہستہ آہستہ اس کا خوف میرے ذہن پر غالب آتا جا رہا تھا۔ مجھے وہ وقت یاد تھا جب میرے اور میر خان کے سامنے سے اٹھا [illegible] تو وہ اسی طرح خوفزدہ ہو کر وہاں سے بھاگا تھا کہ مجھے بھی اس پر رحم آیا تھا۔ مگر اب کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ یہ شخص عملی زندگی میں اس قدر بے خطر اور منظم بہروپ دھارے رہتا ہوگا۔

ہمارے سامنے اب ویسی ہی ساخت کا ایک چوبی دروازہ حائل تھا۔ نراتن داس نے آگے بڑھ کر چھت میں لٹکا ہوا بظاہر آرائشی [illegible] کے ایک مختصر اور چوکور حصے کو اوپر کی طرف دبایا اور وہ سیاہ دروازہ آواز کے ساتھ دائیں جانب سرکتا چلا گیا۔

دروازہ ہٹتے ہی بد بو کا ایک تیز بھبکا سرنگ سے ٹکرایا۔ [illegible] اندر داخل ہوا۔ اسی قسم کی بو [illegible] کے باعث ملازم [illegible]

پھر نراتن داس نے اچانک ایک زوردار دھکا دے کر مجھے بے دردی کے ساتھ آگے دھکیل دیا۔ بے خیالی کے باعث میں اپنے [illegible] کی طرف لڑکھڑایا اور دوسری جانب اگر کوئی مضبوط ہاتھ مجھے نہ تھام لیتا تو یقیناً میرا چہرہ فرش سے ٹکرا کر لہولہان ہو گیا ہوتا۔

مجھے تھامنے والے نے نیم تاریکی میں مجھے سیدھا کیا اور [illegible] وہ حصہ تیز روشنی میں نہا گیا۔ یہاں ایک بلند و بالا ٹرالی پر بیٹری سے طاقت ور سرچ لائٹ موجود تھی۔ نراتن داس بالکل بے وقوفوں کی طرح گردن گھما رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کے حلق سے بے معنی آوازیں بھی نکل رہی تھیں۔ وہ بار بار بندروں کی طرح اچھل کود بھی کر رہا تھا۔

نراتن داس سے پہلی ہی نظر میں اس شخص پر [illegible] والہانہ انداز [illegible] کر رہا تھا۔ وہ درمیانہ قامت مگر مضبوط بدن کا مالک تھا اور اس وقت اس کی پشت میری جانب تھی۔ پھر اس بد بو کا راز بھی کھل گیا۔ چوکور سرنگ سے نراتن داس نے مجھے جہاں دھکیلا تھا، وہ ساخت کے اعتبار سے کوئی زیر زمین برساتی نالا معلوم ہوتا تھا۔ جو تین فٹ چوڑا اور چھ فٹ اونچا تھا اور فرش کے وسط میں ایک چوڑی گہری سی نالی بنی ہوئی تھی اور اس میں جیسے گٹر کا پانی بہہ رہا تھا۔ جس میں سبز کائی کی دبیز تہیں اور آبی گھاس نظر آ رہی تھی۔ نالی کے کنارے فرش خشک تھا مگر فرش اور دیواروں پر جا بجا سیلن پائی جاتی تھی۔

اسی وقت نالے میں ایک مختصر سی بے چینی سی کروٹ ابھری جیسے اچھل کر [illegible] ایک عجیب ہیبت ناک چہرہ سامنے پایا۔ زردی مائل کرخت چہرے پر برہمی اور وحشت نمایاں تھی۔ وہ چوکور سرنگ کا دہانہ بند کر چکا تھا۔ اور اب نراتن داس کسی بندر کی طرح اس کے پیٹ پر گھونسے برسا رہا تھا۔ گھونسے پر اس خوفناک مخلوق کے حلق سے دبی غراہٹ ابھری اور نراتن داس خوش ہو کر [illegible] وہ دونوں اس وقت مجھ سے لاتعلق نظر آ رہے تھے۔ ایک خاص بات میں نے یہ دیکھی کہ چہرے کی درندگی کے باوجود اس شخص کی نگاہوں میں کرب ناک زرداہٹ رچی ہوئی تھی اور وہ بڑے دکھی انداز میں اپنے آقا کی دیوانگی دیکھ رہا تھا۔ اس کی چمکدار آنکھوں سے محبت کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔ جیسے اس کا کوئی ننھا سا بچہ اس کے سامنے کھیل رہا ہو۔

مگر میں نے سوچا کہ وہ اپنے کھیل ہی میں مست ہیں میں قید خانے سے نکل کر پاتال میں آ چکا ہوں۔ اگر کسی طرح روشنی گل کر دی جائے تو بچا کھچا کہیں اس نالے سے باہر نکل ہی جاؤں گا۔ میرے لئے نجات کا یہی ایک راستہ تھا۔

اور اس سے قبل کہ میں ٹرالی پر نصب بیٹری اور سرچ لائٹ کی طرف قدم بڑھاتا اور میرے غلام نے جس کے سہارے شاید خطرہ بھانپ لیا۔ اس نے بڑھ کر کسی ننھے سے بچے کی طرح نراتن داس کے دونوں ہاتھ تھامے اور اسے ساتھ لیتا میرے اور ٹرالی کے درمیان حائل ہو گیا وہ خونخوار اور شعلہ بار نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔ آنکھوں کی زرداہٹ نہ جانے کہاں جا سوئی تھی۔

اس کی حلقوں سے ابلتی ہوئی وحشتناک آنکھوں نے میرے ہاتھ پیروں کی حرکت سلب کر دی۔ پھر وہ مڑا اور سرچ ٹرالی کی طرف اشارہ کر کے حلق سے ایسی آوازیں بلند کرنے لگا جو دبی دبی غصیلی چیخوں سے بڑی حد تک مشابہ تھیں۔

چند لمحوں تک میری عقل کام نہ کر سکی کہ میں اس کا غصہ کیسے فرو کروں۔ پھر میں نے جلدی سے اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ کر اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔

یہ حرکت کارگر رہی۔ شاید وہ میرا مفہوم سمجھ گیا تھا کیونکہ فوراً ہی اس کی بے معنی آوازیں حلق میں ہی معدوم ہو گئیں۔

اس گونگے غلام نے نراتن داس کے ہاتھ چھوڑ دیئے اور وہ کمسن بچے کی طرح خوشی کے عالم میں سر کے بل کھڑا ہو گیا۔ اور اپنی دونوں ہتھیلیوں پر ادھر سے ادھر تھرکنے لگا۔ اس وقت وہ کوئی ماہر بازیگر نظر آ رہا تھا اور اس کا غلام اس کی حرکتوں سے لاتعلق صرف میری نگرانی کر رہا تھا۔

آخر نراتن داس کے معتمد ملازم نے اشارے سے مجھے ایک طرف بڑھنے کی ہدایت کی۔ پھر شفقت سے اپنے آقا کے سر پر ہاتھ پھیر کر بے معنی آوازوں میں اس سے کچھ التجا کی اور نراتن داس کسی سعادت مند بچے کی طرح یک بیک اس قدر سنجیدہ ہو گیا کہ اس کی یہ سنجیدگی بھی مضحکہ خیز نظر آتی تھی۔

پھر اس خادم کی بتائی ہوئی سمت میں زیر زمین سفر شروع ہو گیا۔ نراتن داس نے چہرے کو بہت شان سے ملا لیا اور فوجی انداز میں ازخود حکم دے کر آگے چل پڑا۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ وہ خادم روشنی کی ٹرالی چلاتا ہمارے عقب میں آ رہا تھا۔

نراتن داس اکڑ اکڑ کر قدم آگے بڑھا رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ ہونٹوں سے فوجی بینڈ کی مضحکہ خیز نقلیں بھی اتار رہا تھا اور ان حالات کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے میں بہت محتاط تھا۔ مقدر نے مجھے ایک ایسے ستم ظریف کے ہاتھوں میں دے دیا تھا جو خود پاگل بن کر سب کو پاگل کر دینے پر تلا ہوا تھا۔

راستے میں دو تین جگہ آنند بھون کے مختلف مقامات سے آنے والے چھوٹے نالوں کے دہانے اس بڑے برساتی نالے میں ملتے نظر آئے مگر یہ سفر بڑے نالے ہی میں جاری رہا۔

اس دوران میں میرا ذہن مسلسل کام کرتا رہا۔ نراتن داس نے نہایت چالاکی سے کام لیتے ہوئے گیتا رانی کی خوابگاہ کو اس زیر زمین برساتی نالے سے ملا رکھا تھا اور یقینی طور پر اس چوکور سرنگ کی تعمیر کے لئے اس نے خفیہ طور پر آدمی کار بنایا ہوگا۔ جو خوابگاہ کو نالے سے ملاتی تھی۔ اول تو اس چوکور سرنگ کا فرش بہت زیادہ ڈھلوان تھا پھر یہ بنا ہوا دروازہ یوں اس دہانے پر جما تھا کہ عام صورت میں پانی نالے سے اس سرنگ میں نہیں جا سکتا تھا۔ نراتن داس نے شاید اپنے بچاؤ ہی کے لئے وہ راستہ گیتا رانی کی خوابگاہ سے ملا رکھا تھا۔ اگر کسی وقت اس چور راستے کا راز فاش ہو جاتا تو گیتا رانی ہی تمام تر شبہات کا نشانہ بنتی اور نراتن داس پاگل بن کر بچ نکلتا۔

میں انہی خیالات میں کھویا چلا جا رہا تھا کہ اچانک ٹھٹک کر رک جانا پڑا

"الرٹ!" یہ زرانی داس کی تیز آواز تھی جو میرے قدموں کی زنجیر بن گئی۔

میں نے خوف زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس وقت وہ بہت زیادہ چوکنا بلکہ وحشت زدہ نظر آنے لگا تھا اور اس نے اپنا سائلنسر چڑھا ہوا ریوالور بھی نکال لیا تھا۔

"خاموش، خاموش۔" تو تسے تو قف کے بعد وہ خوف اور سرگوشیانہ انداز میں بولا۔ "ہم اب دشمن کے علاقے میں ہیں۔ یہ جنگ کسی کے دروازوں پر لڑی جائے گی۔"

میں سہمی زدہ تہہ خانے کی دیوار سے جا چپکا۔ نہ جانے وہ خبطی اب کیا عزائم رکھتا تھا۔ مجھے ڈر تو یہ تھا کہ اس کے ہاتھ میں بھرا ہوا ریوالور موجود تھا جس کا خوفناک دہانہ کسی سانپ کے پھن کی طرح ادھر ادھر گردش کر رہا تھا۔ اس کی انگلی ٹرائیگر پر موجود تھی اور خفیف سے اشارے پر بھی گولی چل سکتی تھی۔

زرانی داس کا قوی الجثہ ملازم شاید یہ جانتا تھا کہ اس وقت اسے کیا کرنا ہے۔ اس نے روشنی والی لالٹین کندھے سے کھڑکی کی اور پھر کر بالے کی چھت پر دونوں ہتھیلیاں جمادیں اور اس وقت میں نے دیکھا کہ ہم لوگ ایک مین ہول کے نیچے کھڑے ہیں۔ اس شخص نے تھوڑی سی کوشش کے بعد مین ہول کا ڈھکن اٹھا کر باہر ایک طرف الٹ دیا اور اس خلا سے باہر تاریک آسمان نظر آنے لگا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب ہم کھلی فضا میں نکلنے والے تھے۔

اس ملازم نے خلا کے کناروں پر ہاتھ جمائے اور کسی بندر کی طرح چھلانگ لگا کر اس کا بدن خلا سے باہر نکل گیا۔

"ہم اس وقت دشمن کے علاقے میں ہیں۔" زرانی داس نے تحیرانہ انداز میں کہہ کر بے رحمانہ انداز میں تہقہہ لگایا۔ "چلو اب تم باہر نکلو۔"

باہر نکلنے کا عمل میرے لئے خاصا دشوار تھا۔ اسی کوشش میں میری کہنیاں بری طرح زخمی ہو گئیں۔ یہ جگہ جہاں میں موجود تھا کسی خودرو جنگل کا حصہ معلوم ہو رہی تھی۔ بلند و بالا درختوں کے باعث میں اصل عمارت کا بھی تعین نہ کر سکا۔ مگر مجھے ایک بات کا پورا یقین تھا کہ ہم ابھی کسی سندھیون ہی میں موجود ہیں۔ کیونکہ میرے قیاس کے مطابق اس ٹلے کا اخراج کھلی ہوئی پہاڑی ڈھلانوں پر ہوتا ہوگا۔ اور ہم باہر نکلے تو جنگل کے بجائے پہاڑ پر کھڑے ہوتے۔

زرانی داس باہر آگیا تو اس کا غلام پھرتی سے واپس آنے کو دوڑ گیا۔ زرانی داس کے حکم پر اس نے مین ہول کا آہنی ڈھکن بند کیا اور بے چون و چرا اس کے ساتھ ہو لیا۔

"یہ کسی وقت اندھیوں کے لبھانے والے تھے۔" جھینگروں کے تیز شور کے درمیان وہ بولا۔ "لیکن اب یہ خودرو جنگل کا روپ دھار چکے ہیں۔ پھلدار درختوں کو جنگلی بیلیں نگل گئیں۔ پھولوں کو سرو کے درختوں نے جھلسا دیا۔ کس قدر روحان انگیز ہے یہ ہول و ویرانی۔"

"نہیں مسٹر!" میں نے اس کی تلخ آواز کے جواب میں کہا۔ میرا ذہن تازہ ہوا پاکر بیدار ہو چلا تھا۔ میں موقع کا منتظر تھا کہ اس کا یہ بے آواز ریوالور میرے وجود کے لئے کچھ نہ کچھ کر رہا تھا۔

گھپ اندھیرے میں خشک پتوں کو کچلتے ہوئے وہ مجھے کسی طرف لئے جا رہا تھا۔ پھر اچانک میرے مقدر نے یاوری کی۔ وہ ایک پیڑ کی جھولتی شاخوں سے بچنے کے لئے قدرے نیچے جھکا اور غفلت کا وہ پل میرے لئے فیصلہ کن بن گیا۔

میں نے پھرتی سے اس کی داہنی کلائی دبوچ لی۔ وہ کسی زخمی بھیڑیئے کی طرح غرا کر سنبھلا مگر میں نے کلائی مروڑ کر اسے زمین اوندھا پر مجبور کر دیا۔ مگر جوں ہی میں نے ریوالور پر ہاتھ ڈالا وہ منتقلات کے پورے زور پوری قوت سے تڑپا اور اس کا سر میرے پیٹ میں آ لگا۔

میری تیز چیخ کوشش کے باوجود دب گئی اور میں الٹ کر مقابلے کے نیچے گر گیا۔ اور اسی وقت دور سے کوئی کڑک دار آواز آئی "ادھر کون ہے؟"

پوچھنے والا شاید اندھیوں کا کوئی مسلح محافظ تھا کیونکہ اس نے فوراً ہی تیز سیٹی کی آواز دی پھر کافی فاصلے پر بھاری قدموں کی دھمک سنائی دینے لگی۔ ان اطراف میں موجود مسلح محافظوں کی ٹولیاں دوڑ کر جنگل میں آ رہی تھیں۔

ہم دونوں زمین پر ایک دوسرے سے زور آزما تھے۔ زرانی داس بوڑھا ضرور تھا مگر اس کے تن نازک میں تو آہنی عضلات مضبوط تھے۔ وہ زخمی بھیڑیئے کی طرح غرا غرا کر مجھ پر وار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک بار اسے گرا کر اس کے سینے پر سوار ہونے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ ریوالور کا دستہ اب گرفت میں تھا اور وہ دانتوں سے جنگ لڑ رہا تھا۔ میں نے پوری قوت سے جھٹکے سے ریوالور اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا اور پھر میں اس کے دونوں اور وہ بے حواس ہو کر بلبلا اٹھا۔

قدموں کی دھمک لحظہ بہ لحظہ قریب تر ہوتی جا رہی تھی اور جھاڑیوں میں روشنی کی لکیریں تیرتی پھر رہی تھیں۔ محافظ جانے واردات سرغنے کو تلاش کر رہے تھے۔ ویسے میں کسی بھی لمحے مغلوب ہو سکتا تھا۔ اس سے پہلے زرانی داس اپنے حواس بحال کرتا، میرا بایاں ہاتھ مضبوطی سے اس کی گردن پر جم چکا تھا۔ اور ریوالور کی ہر دو جہد آخری خاموشی مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔

محافظوں کے دوڑتے قدموں کی آوازیں اور دوڑتے سیٹیوں کی آوازیں مجھے صاف سنائی دے رہی تھیں۔ اعصاب پر سنسنی چھائی جا رہی تھی۔ کنپٹیوں میں دھمک ہو رہی تھی۔ بدن پسینوں میں نہا گیا تھا کیونکہ میری نظر آری کی بھی ... زرانی داس کے گلے کے گرد بھی میری گرفت نرم ہوئی تو بڑی بے دردی سے وہ گولیوں سے چھلنی کر سکتے تھے۔ ان کے قریب آتے جسم شہد کی مکھیوں کے چھتے کی طرح دلنے سب کا جیسے دل تیز ہو چلا جا رہا تھا۔

اس وقت میں اس بری طرح زخمی ہو چکا تھا کہ زرانی داس پر پوری طرح حاوی ہونے کے باوجود اس سے ریوالور چھیننا میرے لئے قیامت بن گیا۔ ادھر زرانی داس اپنی قوت ارادی کے سہارے ہاری ہوئی بازی کو جیتنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا۔

پھر اچانک وہ ویران جنگل ریوالور کے دھماکے سے گونج اٹھا۔ آپ نے پہلا ٹریگر پر اس نے فائر کیا تھا۔ یہ فائر میرے لئے بڑا نقصان دہ ثابت ہوا۔ میں نے پوری قوت صرف کرکے ریوالور چھین ہی لیا۔ اور اس کے منہ سے بائیں ہاتھ ٹکرا کر ریوالور کی نال اس کے دہانے میں ٹھونس دی جو چیخنے کے لئے کھلا تھا۔ اس کے حلق سے کچھ عجیب غریب وحشت زدہ و رحم طلب آوازیں ابھریں۔ آنکھوں میں موت کی دھندلاہٹ اچنے لگی۔ مگر میرے لئے یہ وقت اس صورتحال سے لطف اندوز ہونے کا نہ تھا۔ میں نے ریوالور کا ٹریگر دبا دیا۔ گھٹ کی ایک آواز ابھری اور وہ ایک ہلکی سی آخری خرخراہٹ کے ساتھ میرے نیچے اس کا بدن کانپ کر ساکت ہو گیا۔

اسی وقت بہت قریب سے چند آوازیں ابھریں۔ پھر روشنی میرے بہت قریب پہنچ گئی۔ میں نے فوراً ہی جھاڑیوں میں چھلانگ لگا دی۔

الجھی ہوئی چند جھاڑیاں خاردار تھیں۔ میری آواز حلق تک آ کر رک گئی۔ میں دم سادھے پڑا رہا۔ اس وقت میری حالت کیا تھی، اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو اس صورت حال سے گزر چکا ہو۔ میں جرات کے ساتھ رو بہ رو مقابلہ اور پیٹ جیل سے سنسنی خیز فرار کے دوران بھی میری کبھی یہ کیفیت نہ ہوئی تھی۔ ادھر زرانی داس کی آخری خرخراہٹ سے وہ لوگ شاید صحیح مقام کا تعین کر چکے تھے۔ ان کا دائرہ لمحہ بہ لمحہ میرے اور زرانی داس کی لاش کے گرد تنگ ہوتا جا رہا تھا۔

اچانک میرے ذہن میں ایک خیال کوندا اور دوسرے ہی لمحے میں ٹارچ کی روشنیوں سے خود کو بچاتے ہوئے بے آواز اس درخت پر چڑھنے لگا جس کے سائے میں وہ جھاڑیاں واقع تھیں۔ تھوڑی ہی دیر میں اوپر پہنچ چکا تھا۔ یہاں گھنے گہرے پتوں کی آڑ میں مجھے خود کو کسی شاخوں اور پتوں میں اس طرح چھپانا تھا کہ سرسری جائزہ کی نیت سے ڈالی جانے والی کوئی روشنی میرا سراغ نہ پا سکے۔

صرف چند سیکنڈ گزرے ہوں گے کہ وقت اٹھارہ میں مسلح محافظ ٹارچیں لئے زرانی داس کی لاش کے قریب جا پہنچے۔

"ارے یہ تو لاش ہے!"

"یہ کون ہے؟"

بیک وقت کئی تحیر آوازیں ابھریں۔ ان میں کوئی بھی شناخت کرنے والا نہ تھا۔ وہ پاس کے علاقوں میں اور بھی آ رہی تھیں ... ان سب کے بولنے پر پتہ چلا کہ وہ ... بڑی ہوئی تھیں۔ ... پہلے لئے ان کی یہ حیثیت تو تھی کہ زرانی داس کے حلق سے گولی گزر کر بھیجا اڑا دینے والی اس شعلہ آگ کے ریوالور کی گولی نے شاید اس کا چہرہ بھی مسخ کر ڈالا تھا!

ان ہی میں سے ایک نے لاش کو الٹ پلٹ کر پہچاننے کی کوشش کی۔ "یہ تو اپنا سیٹھ معلوم ہوتا ہے!"

"تلاش کرو... قاتل ابھی نکل نہ پایا ہوگا۔" ان ہی میں سے کسی نے تحکم آمیز آواز میں کہا اور وہ ساری کی ساری روشنیاں چہار اطراف سمتوں میں پھیلنے لگیں۔ ان کی تعداد کسی بھی طرح پچاس سے کم نہیں تھی اور شاید وہ سب ہی پیشہ ور لڑاکے تھے۔

"سالے کا یہی حشر ہونا تھا۔" زبان رکھ جانے والے تیز آدمیوں میں سے ایک بولا۔ "اس کے مقدر ہی میں گئے کی موت لکھی ہوئی تھی۔"

"قسمت کے کھیل ہیں!" دوسری تلخ آواز ابھری۔ "سینکڑوں ہوش مند اس پاگل کے اشاروں پر ناچتے پھرتے تھے۔"

"ہوتے ہوں گے!" پہلی آواز میں غرور نمایاں تھی۔ "میں تو اندر والوں کے سامنے اس سے نرمی برت لیتا تھا۔ تنہائی میں اس بری طرح پٹختا تھا کہ آخر میری صورت ہی سے بھاگنے لگا تھا۔"

"پتہ نہیں آج کی رات یہاں اور کیا ہونے والا ہے؟" تیسری آواز قدرے بھاری تھی۔ "اندر وہ بے صاحب پتہ نہیں ... ہوگا کہ مر گیا اب یہ مارا گیا۔"

"کچھ پتہ نہیں کیا معلوم ہوتا ہے؟" دوسری آواز بدستور تلخ تھی۔ "وہ بے اور بڑی بیگم کے بارے میں کیا کچھ نہ کہا جاتا تھا۔ اپنے آدمی کے پاگل پن سے..."

"بس زبان بند رکھ بھیسے..." کسی نے سختی سے اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ مت بھول کہ اس کے خوشامدی اسے پل پل کی خبر پہنچاتے ہیں... خبردار جو اب بڑی بیگم کے بارے میں یوں بے احتیاطی سے زبان کھولی۔"

"بڑی بیگم۔" ان ہی میں سے کسی نے لذت آمیز لہجے میں دہرایا پھر ہنس دیا۔

"آج یہیں رک... ہم دونوں جاکر بڑی بیگم کو خبر کرتے ہیں۔" ایک آواز ابھری۔ پھر دو سائے وہاں سے تاریکی میں چپکے روانہ ہو گئے۔ تیسرا ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر سگریٹ سلگانے لگا۔ تیلی کے سرخ شعلے کی روشنی میں میں نے دیکھا کہ وہ چوڑے بدن کا ادھیڑ عمر شخص ہے اور پھر تیلی کا شعلہ معدوم ہو گیا۔

میں سانس روکے، بے حس و حرکت اپنی کمین گاہ میں دبکا بیٹھا تھا۔ ان کی گفتگو سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہاں کس حد تک

جاتا تھی۔ اور نزاکت داس کی مکاری کی تو جتنی بھی داد دی جائے کم ہے۔ وہ اپنے ادنیٰ ملازموں سے اپنی تعمیر کرا کر ان سے بظاہر خوف زدہ رہتا۔ یوں اس کے پاگل پن کے سینکڑوں گواہ پیدا ہو چکے تھے۔ یہی بھی جانتا تھا کہ دنیا کا کوئی عدالت پر تشدد قرار نہیں دے سکتا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ اداکاری ایک آسیب کے پاگل پن کی کرتا تھا جبکہ درحقیقت وہ ایک دوسری دیوانگی یعنی جنون میں مبتلا تھا۔ ملازموں کو صرف اپنی تنخواہوں سے غرض تھی۔ ان میں نہ اپنے آقاؤں کی عزت تھی نہ ہمدردی!

نزاکت داس کے قاتل کی تلاش میں نکلنے والے محافظوں کی ٹولیاں جنگل میں دور تک پھیل چکی تھیں۔ جوں جوں روشنی پھیلنے لگی آوازیں صاف ہوتی جا رہا تھا کہ میری کمین گاہ کے دوسرے خاصا بڑا حصہ ان سے پاک ہو چکا ہے۔ کیونکہ لائٹیں لے کر چلنے والے بھی کافی دور نکل چکے تھے اور میں تو گویا ان کا محور ہو گیا تھا۔

نزاکت داس سے چھینا ہوا ریوالور ابھی تک میرے پاس موجود تھا۔ شاید اس کے چیمبر میں کچھ گولیاں بھی موجود تھیں۔ مگر وہ ان لاتعداد محافظوں سے مجھے کب تک محفوظ رکھ سکتی تھیں۔

میری کوئی بھی کوشش بار آور ہونے کے لئے وہ نامناسب وقت تھا۔ رات اپنے آخری سانس لے رہی تھی۔ خونی محافظوں کی لیفٹر اندھیرے میں دور تک پھیلتی جا رہی تھی۔ مجھے صرف ایک نامعلوم دشمن موجود تھا جو درخت کے تنے کے سہارے ٹیک لگا کر سگریٹ پھونک رہا تھا۔ اگر یہ صورت حال گزر جاتا تو دن کی روشنی میں مجھے ایک ہجوم جمع ہو جاتا۔ نزاکت داس کی لاش اٹھائے جانے سے قبل شاید زبردست روشنی کا انتظام بھی کیا جاتا۔ یعنی طلوع ہونے کے بعد میرا دیکھ لیا جانا یقینی امر ہوتا۔

نامعلوم کچھ دیر اپنے منصوبے پر غور کرتا رہا۔ سارا دار و مدار صرف نشانے کی سچائی پر تھا۔ اگر میرے پاس آواز کو دبانے والا ریوالور ہوتا تو ممکن ہوتا کہ کسی کے بلا اور بہت نیچے والے کے دل پر گولی پڑتی تو وہ کوئی آواز پیدا کئے بغیر ڈھیر ہو جاتا۔ نشانہ ذرا بھی خطا ہوتا تو میرا کام تمام ہونا یقینی تھا۔ سیدھی گولی کا یوں کارگر ہونا کوئی آسان بات نہ تھی۔ مگر دوسری صورت بھی مجھے تیز کی راہ دکھا رہی تھی۔ لہٰذا میں نے سنبھل کر اپنی پوزیشن بدل لی۔

میرا شکار کچھ اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ میرے لئے اس کے دل کا نشانہ لینا تقریباً ناممکن تھا۔ وہ زخمی ہو کر بھی میرے لئے اسی قدر خطرناک تھا جتنا صاف بچ کر۔ لہٰذا میں نے اس کی کھوپڑی پر وار کرنا ہی مناسب سمجھا۔ اس میں خطرہ کم تھا اور سگریٹ کا چمکیلا روشن سرا میرے لئے بہت مددگار رہا۔

میں نے ریوالور سنبھالا اور اس کی طرف نشست لی۔ اس نے سیگریٹ کا کش لیا تو میں نے ان کی سیدھ کا اندازہ کیا اور چند ثانیوں بعد اس کا

دوسرا کش زندگی کا آخری کش تھا۔ بے آواز فائر نے اس کی کھوپڑی کے ٹکڑے اڑا دیئے تھے!

میں جلدی جلدی درخت سے نیچے آیا۔ اس کے بے جان جسم کے کپڑے اتارے اور اپنا لباس خاکی وردی سے تبدیل کر کے رائفل اور بیلٹ سنبھال لی۔ احتیاطاً کپڑوں کی پوٹلی ساتھ ہی لے لی۔ اگر راہ میں کہیں مڈبھیڑ ہو جاتی تو اسے اندھیرے میں کہیں اچھال دیتا۔ ورنہ اسے ساتھ ہی لے جاتا۔

کچھ دور تک میں چوروں کی طرح دبے قدموں چلتا رہا۔ پھر تیز ہو کر میں بہت سی آوازیں اور متحرک روشن نقطے دیکھ رہا تھا۔ سامنے محافظ جنگل میں ادھر ادھر بھٹکتے پھر رہے تھے۔ میں ان سے بچتا رہا۔ پھر ایک جگہ میں نے بھی ٹارچ روشن کر لی۔ بے آواز ریوالور جیب میں تھا اور رائفل ہاتھ میں۔ حامل کارتوسوں کی پیٹی بھی میرے ہی قبضے میں تھی۔

میں انہی کی طرح روشنی ادھر ادھر ڈالتا آگے بڑھتا رہا۔ مگر خلاف توقع کافی دیر تک کامیابی کی صورت پیدا نہ ہوئی۔ اسی کوشش میں میں جنگل کے درمیان سے گزرتی ہوئی ایک کچی سڑک پر آ گیا۔

یہاں بھی کافی فاصلے پر تین محافظ گمنام قاتل کی تلاش میں سرگرداں نظر آئے۔ پھر اچانک ہی میری نظر ایک ٹیوب ویل پر پڑی اور میں بے اختیار اچھل پڑا اور میں نے ٹارچ بجھا دی۔

تھوڑی سی کوشش کے بعد میں نے ٹیوب ویل کا ڈھکن ہٹا لیا۔ میں ڈال دیا تاکہ اس طرف کوئی فوری طور پر متوجہ نہ ہو سکے۔ اور خود بھی اندر اتر گیا۔

اندر کی زمین نرم اور گیلی تھی۔ ٹارچ روشن کی تو پتہ چلا کہ میں زیر زمین نالے میں کھڑا ہوں۔ میرے لئے یہ بات پریشان کن تھی کیونکہ تمام چھوٹے نالے آخر کار اسی برساتی نالے سے ملتے تھے جو نزاکت داس کے لئے چور راستے کا کام دیتا تھا۔

برساتی نالے کے بہاؤ سے اس چھوٹے نالے میں ست ڈھلان بنی ہوئی تھی جس کی بنا پر مجھے سمت کا تعین کرنے میں کوئی مشکل نہ ہوئی اور میں جلد ہی پختہ نالے تک جا پہنچا۔ یہاں مجھے فرش میں بنی ہوئی نالیوں میں بہنے والے پانی کا جائزہ لینا پڑا۔ ڈھلان کے اندازہ کے بعد میں مخالف سمت میں نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

رائفل میرے شانے سے جھول رہی تھی۔ کپڑوں کی پوٹلی کا رخ کا چمڑا بیلٹ سے باندھ لی تھی۔ بائیں ہاتھ میں ٹارچ تھی اور دائیں میں وہی بے آواز ریوالور جو اب تک دو نازک موقعوں پر میری مدد کر چکا تھا۔ اس طرح میں نے نزاکت داس کے اس گرگے اور میرے معتوب ٹھکانے کا پورا بندوبست کیا ہوا تھا جس سے اس راستے میں کہیں بھی مڈبھیڑ ہو سکتی تھی۔

میں پورے حوصلے کے ساتھ بھاگتا ہوا اس گرگے اور پہرے کو

بتا دیکھ چکا تھا۔ وہ اتنا شیر دل تھا کہ اس نے ناگہانی حالات کے مقابلے کے لئے طاقت کے علاوہ کسی قسم کے ہتھیار پر بھروسہ کرنا پسند نہیں کیا تھا۔ وہ چاہتا تو مجھے ختم نہیں کر سکتا تھا جبکہ میں اس کی آہٹ پاتے ہی اسے ٹھکانے لگا دینے کی قوت اور صلاحیت رکھتا تھا۔

نالے میں میرے قدموں کے شور سے گونج رہا تھا کہ اچانک اس کی سلیٹی دیوار ایک خضبناک غراہٹ سنائی دی۔ مگر ارادی طور پر میرے اعصاب تن گئے کہ میں نے فوراً ہی خود پر قابو پا لیا۔ اور ٹارچ روشن کرنے کی ساتھ ہی میرے قدم بھی رک گئے۔

نالے میں طاری ہو جانے والے اس اچانک سناٹے میں وہ کریہہ صورت شخص میرے سامنے موجود تھا۔ مگر اس وقت میرے اور اس کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ میں نے اپنا ریوالور والا ہاتھ ٹارچ کے عقب میں اندھیرے ہی میں چھپا رکھا تھا۔

وہ بے وقت چند ثانیوں تک اپنی آنکھیں ٹارچ کی روشنی سے بچانے کے لئے پاس کھڑا مجھے پہچاننے والی نظروں سے گھورتا رہا۔ پھر نتھنوں اور حلق سے کریہہ تیز آوازیں نکالتا میری طرف دوڑ پڑا۔

اس وقت ایک ثانیے کے لئے مجھے وہم ہوا کہ کہیں ریوالور خالی نہ ہو گیا ہو اور میرے سامنوں سے کھڑے ہوتے پسینے چھوٹ پڑے۔ پے در پے بدلتے ہوئے حالات میں مجھے اتنی مہلت ہی کہاں ملی تھی کہ چیمبر دیکھتا اور وہ مشٹنڈا اتنی تیزی سے میری طرف بڑھ رہا تھا کہ ریوالور پھینک کر رائفل سنبھالنا تو اسے بیدار کرنے کا موقع ملنا ناممکن تھا۔ بالکل غیر ارادی طور پر میری انگلی جلدی ٹریگر پر دبا۔ کھٹ کی آواز کے ساتھ ہی ایک شعلہ لپکا۔ اور وہ عفریت دونوں ہاتھوں سے پیٹ دبائے منہ کے بل فرش پر گر پڑا۔ اور گرتے ہی چیخنے لگا۔

اس کے پیٹ پر آنے والا زخم اتنا کاری تھا کہ اس سے فوری طور پر بھڑکنے کا خطرہ لاحق نہیں تھا۔ لہٰذا میں نے ریوالور کا چیمبر چیک کیا۔ اس میں صرف دو گولیاں باقی تھیں۔ یہ دو بے آواز گولیاں ابھی میرے لئے بہت اہم تھیں۔ انہیں میں اپنے کسی قریب المرگ دشمن پر ضائع نہیں کر سکتا تھا۔ جبکہ رائفل کا زبردست دھماکہ میری تلاش میں سرگرداں محافظوں کو میرے تعاقب کی راہ پر ڈال سکتا تھا۔ لہٰذا میں نے ٹارچ روشن کر کے فرش پر رکھی اور رائفل کا کندا پوری قوت سے اس کے سر پر رکھ کر پے در پے دو شدید ضربیں لگائیں۔ ذرا دیر میں وہ دم توڑ گیا۔

یہ میری راہ کا آخری روڑا تھا اور یہ میری خوش قسمتی تھی کہ آج رات محل میں میری اس خونی شام شب کا کوئی کردار زندہ نہیں رہ گیا تھا۔ جس نے نہایت خفیہ طریقے پر نزاکت داس کی خوابگاہ میں داخل ہوا۔ اس نے مجھے پکڑ پکڑ کر مددگار سے مجھے باہر بلایا اور اب نہ صرف وہ دونوں بلکہ نیلا گھو گھی میرے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر چکا تھا۔

جب میں اس زیر زمین برساتی نالے سے کھلی فضا میں آیا تو گھٹ کے رہ گئی رات اپنے آخری سانس لے رہی تھی۔ تاروں کی چمک ماند پڑ چکی تھی اور میں اندھیروں کے احاطے کی بلند و بالا دیواروں سے باہر کئی سو فٹ دور بے آب و گیاہ پہاڑیوں پر کھڑا ہوا تھا۔

رائفل، فاضل کارتوس اور محافظ کی خاکی وردی۔ یہ چیزیں نہ صرف اب میرے لئے غیر ضروری تھیں بلکہ میرے تمام کئے دھرے پر پانی پھیرنے کا باعث بن سکتی تھیں لہٰذا میں نے رائفل ان لوگوں کے گہری ڈھلانوں میں اچھالی۔ کارتوس دور دور بکھیرے اور وردی کے بجائے اپنا لباس پہن کر وہاں سے چل پڑا۔

زندگی کے ان دشوار ترین لمحات کو جھیلنے کے بعد میں خود کو روئے زمین کا سب سے بڑا فاتح سمجھ رہا تھا۔ میں نے تنہا ایک بے حد منظم گروہ کی بنیادوں کو اس طرح نیست و نابود کیا تھا کہ اب اس کی منتشر کڑیاں کسی طرح یکجا نہیں ہو سکتی تھیں۔ دیجے اور نزاکت داس جو اس خطۂ زمین کے دو مکروہ ترین انسانی کردار تھے میرے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچے تھے اور میں مجرموں کی اس قید سے نجات پا چکا تھا جو میری آزاد فطرت کو زنگ آلود کر رہی تھی۔ گھر، وطن، جیل اور جیل خانوں کی قید۔ اب تک میں ہر جگہ سے فرار ہوتا آیا تھا۔ میرا ہر فرار اپنی جگہ مکمل تھا اور میں اب ایک پیشہ ور مفرور بن چکا تھا۔ کسی بھی زنداں کی سلاخیں میرے بال و پر کی صلاحیتیں نہ چھین سکی تھیں اور اب میں ایک بار پھر آزاد تھا۔

اور آزادی کے اس مرحلے پر کہ بیک وقت کئی باعث خلل پڑا۔ جو بائیں شانے پر اچانک ہی لگا تھا۔ ہوسے زخم میں ابھری تھی کہ پہنچا تھا وجہ کر بڑی سے خلافت کرنے کے لئے میں نے اپنے زخمی ہونے کا جو کھیل رچایا تھا وہ کامیاب ضرور رہا مگر اس طویل بھاگ دوڑ نے وہ زخم ہرا کر دیا تھا۔ میں نے رک کر ٹارچ کی روشنی میں شانے کا جائزہ لیا تو وہاں خون کی نمی موجود تھی!

مہم سر ہونے کے بعد تھکن سے میرا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ مگر میں ان ویرانوں میں نہ ٹھہر سکا۔ مجھے معلوم تھا کہ جلد یا بدیر اندھیروں کے محافظ کھلے ہوئے ٹیوب ویل تک آ پہنچیں گے اور میرے ٹیوب ویل کی لاش پا کر وہ ان پہاڑیوں میں پھیل جائیں گے۔ مجھے جلد از جلد اس جگہ سے دور نکل جانا تھا جہاں میں پوری طرح محفوظ ہوں!

اس خونی کھیل کا انجام، نزاکت داس کا بے آواز ریوالور میرے پاس موجود تھا۔ اس کے ہونے سے میرے دل کو بڑی ڈھارس تھی۔ تڑکے اجالا پھیلنے پر ٹارچ میں نے پتھروں سے کچل کر ایک طرف پھینک دی تھی۔ اور جب آسمان کے مشرقی گوشوں پر سرخی پھیلنے لگی تو میں نے خود کو ایک ایسی مضافاتی پگڈنڈی پر پایا جہاں سے قدیم طرز

کے سکالوں کے اونچے اونچے کلس نمایاں نظر آ رہے تھے گنجان آبادی اب میرے سامنے تھی!

اس شہر میں کاروبارِ زندگی کا آغاز طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ذرا سی کوشش کے بعد مجھے سواری مل گئی۔ رکشہ والے نے حیرت سے میری طرف دیکھا کیونکہ شانے کے زخم کے باعث میری قمیص پر خون کا دھبہ آ چکا تھا۔

رکشہ نے تھوڑی ہی دیر میں مجھے گرسی کے شراب خانے کے سامنے پہنچا دیا۔ شراب خانے کے آہنی دروازے پر وزنی تالے جھول رہے تھے۔ گرسی دن چھپے سے رات گئے تک شراب خانہ کھلا رکھتا تھا۔ اور عقب میں واقع اپنے مکان ہی میں دن چڑھے تک سوتا رہتا تھا۔

رکشہ والے کو رخصت کر کے میں شراب خانے کی عقبی گلی میں پہنچا اور دروازے پر زور زور سے دستک دی۔ ایسے اوقات میں میرا اس سے کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا مگر مجھے اتنا اندازہ ضرور تھا کہ وہ یا تو سو رہا ہوگا یا پھر ابھی لیٹا ہوگا۔ تقریباً پانچ منٹ گزرنے کے بعد گرسی کی خواب آلود جھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔ شاید وہ بڑبڑاتا ہوا دروازے کی طرف آ رہا تھا۔

"کون ہے؟" اس نے دروازہ کھولنے سے پہلے تڑخ کر پوچھا۔

"صفدر علی!" میں نے سکون سے کہا۔ "دروازہ کھولو۔ مجھے بہت اہم کام ہے۔"

چند ثانیوں بعد دروازہ کھلا اور وہ سرخ سرخ آنکھیں جھپکاتا سلیپنگ گاؤن میں میرے سامنے موجود تھا۔

"میں گھر پر کام کی بات نہیں کرتا۔ یہ میرے سونے کا وقت ہے" وہ ناگوار لہجے میں بولا۔

"کام نہیں۔ میں ایک ذاتی ضرورت سے آیا ہوں۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے تیز لہجے میں کہا اور اس کا نیند کا خمار یک لخت ٹوٹ گیا۔

"ارے ذاتی ضرورت ہے تو وہ بے تکلف اندر چلے آتے ہیں۔ تو پھر باہر کیوں کھڑے ہو۔ اندر آ جاؤ۔ یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔"

"ارے کیا تم زخمی ہو؟" میرے اندر داخل ہونے پر اس کی نگاہ میری قمیص کے خون آلود شانے پر پڑ گئی۔

"معمولی سا زخم ہے۔" میں سرسری لہجے میں بولا۔ "اور مجھے کچھ ضروری کام نمٹانے ہیں۔ یہ خون آلود قمیص میرے لئے دشواریاں پیدا کر سکتی ہے۔ لہٰذا مجھے ایک معقول لباس کی ضرورت ہے۔"

گرسی بہت گھاگ شخص تھا۔ زخم دیکھتے ہی بھانپ گیا کہ وہ گولی کا نشان ہے۔ اور تشویش آمیز لہجے میں بولا۔ "شکر ہے کہ گولی جلد چھو کر نکل گئی ورنہ ابھی تک تمہاری ہڈی بھی تقسیم ہو جاتی.... اور اب یہ کیسے زخم میں شاید کسی لیٹے کوڑے سے بچا کر نکلے ہو؟" آخری فقرے اس نے میری کرتی

اور کلائی کی چھلی ہوئی جلد کا جائزہ لیتے ہوئے کہے تھے۔

"یہ تو تمہارا ہی رستا ہے" میں نے لاپروائی سے اس کی بات ٹال دی۔ "تم ذرا جلدی سے میرے زخموں کی ڈریسنگ کر دو۔ میرے پاس بہت کم وقت ہے۔"

ڈریسنگ کے بعد میں نے گرسی ہی کا ایک جوڑا پہنا۔ میری اور اس کی قامت و جسامت میں زیادہ فرق نہیں تھا۔ لہٰذا اس کا لباس مجھ پر بالکل فٹ آیا۔

"میری یہاں آمد کے بارے میں تم اپنی زبان بند رکھو گے" تیار ہونے کے بعد گرسی سے کہا۔ "شام کے وقت شاید امیرخان ادھر آئے تو اسے پیغام دے دینا کہ میں رات آٹھ بجے شراب خانے پہنچوں گا۔"

وہ تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دے کر رہ گیا۔

میری جیب میں زائن داس سے چھینا ہوا اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور دو گولیوں سمیت موجود تھا۔ میں گرسی کے مکان سے نکلا اور شہر کی گلیوں میں جا چھپا جہاں کاروبارِ زندگی میں کافی تیزی آ چکی تھی۔

تھوڑی دیر کی کوشش کے بعد ایک گھٹیا سے ہوٹل میں امیرخان کا خاص گرگا باقی مجھے مل ہی گیا۔ اس کی جیپ ہوٹل کے باہر موجود تھی۔ وہ اشارہ پاتے ہی تیر کی طرح باہر آیا۔ کچھ عرصے تک وہ خود میرے ساتھ رہ چکا تھا اور اگر وہ میری حیثیت سے واقف تھا۔

"جیپ کی چابی؟" میں نے اس سے براہ راست پوچھا

اس نے فوراً ہی چابی میرے حوالے کر دی۔

ٹھیک نو بجے میں اسی جیپ میں بروز آرٹ فیکٹری جا پہنچا۔ زائن داس کی موت کی خبر ابھی وہاں تک نہیں پہنچی تھی اور سب لوگ معمول کے مطابق اپنے کاموں میں مصروف تھے۔

لونا مارٹن نے مجھے دیکھا تو اس کے چہرے پر ناگواری کی لہر دوڑ گئی۔ میں گہری مسکراہٹ سے اس کے سلام کا جواب دیتا اپنے دفتر میں جا پہنچا۔ چند ہی سیکنڈ بعد لونا بھی وہاں آ پہنچی۔

"میں بہت جلدی میں ہوں لونا۔ خیال رکھنا کوئی میرے کمرے میں نہ آنے پائے!" میں نے کہا

"مگر... آپ دو دن سے...!"

اس نے کچھ پوچھنا چاہا لیکن میں نے اس کی بات اڑا دی۔ "لونا پلیز مجھے تمہاری پریشانی اور جذبات کا پورا احترام ہے۔ میں اپنے کاموں سے نمٹ کر ہر ایک بات کا جواب دوں گا۔"

وہ ایک ثانیے کے لئے جھجکی پھر تیر کی طرح میرے کمرے سے نکل گئی۔ دفتر کا دروازہ اندر سے بولٹ کر کے میں نے اندھیون کا نمبر ملایا۔ رابطہ قائم ہو جانے پر میں نے بدلی ہوئی آواز میں آپریٹر سے سہنا کا نمبر مانگا۔

آپریٹر نے کچھ دیر بعد جواب دیا کہ سہنا اپنے کمرے میں موجود نہیں ہے۔

"امیرخان سے ملاؤ۔ وہ اندھیون کے نئے ملازمین میں شامل ہے۔" میں نے اس سے کہا

امیرخان کی آواز ابھری تو اس میں تردد نمایاں تھا۔

"جنرل گلاب!" میں نے بدلی ہوئی بھاری آواز میں کہا۔

"اوہ سر!" اس کی آواز یک بیک مضطربانہ ہو گئی۔ "اندھیون کے حالات بہت خراب ہیں......"

"ڈونٹ وری! میں نے پوری طرح اسے بھگا دیا ہے۔ میں تم لوگوں کے بچاؤ کے لئے فکر مند ہوں۔ تم شام کے بجائے اسی وقت اندھیون چھوڑ دو اور اڈے پر میرا انتظار کرو!"

"یس سر!"

میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر میں نے گھنٹی بجا کر لونا مارٹن کو طلب کیا۔ وہ پنسل اور پیڈ سنبھالے میرے قریب والی کرسی پر آ بیٹھی۔

"تم اسی وقت فیکٹری سے استعفیٰ دے رہی ہو!" میں نے اس سے کہا

اس نے بڑی عجیب حیران نظروں سے میری طرف دیکھا مگر حیرت کا شاہی حکم کا کوئی سبب دریافت نہ کیا بلکہ بولی "استعفیٰ دینے کی کیا وجہ بیان کروں سر؟"

"صحت... یا گھریلو ذاتی اسباب!"

اور جب میں اس کا استعفیٰ منظور کر چکا تو اکاؤنٹنٹ نے میرے ہی کہنے پر اس کا حساب بے باق کر دیا۔

"تم نے مجھ سے استعفیٰ دلوانے کا سبب نہیں پوچھا؟" اس کے تنہا رہ جانے پر میں مسکرا کر بولا۔

"پوچھنا غیر ضروری تھا" وہ نظریں جھکا کر بولی۔ "آپ مجھے قبول کر چکے ہیں اور شاید یہ پسند نہیں کرتے کہ اب میں ملازمت کرتی رہوں۔ آپ کا ہر فیصلہ قابل قدر ہے۔"

"وفا شعار بیوی!" میں نے آہستہ سے اس کے شانے پر تھپکی دے کر کہا۔ "تمہارے پاس اس وقت معقول رقم ہے۔ اب تم گھر جانے کے بجائے رائل ہوٹل میں ٹھہرو گی۔ میں کسی بھی وقت وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

گیارہ بجے فیکٹری میں افواہ اڑی کہ فیکٹری کے نیم پاگل مالک زائن داس نے خودکشی کر لی۔ اس افواہ پر میں نے ماتحتوں کے سامنے خاصی بوکھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

اس بار میں نے اندھیون فون کیا تو اصل آواز برقرار رکھی اور آپریٹر سے کہا "میں بروز آرٹ فیکٹری کا منیجر صفدر علی بول رہا ہوں۔ مجھے فوراً کسی ذمہ دار شخص سے بات کرنی ہے!"

چند منٹ بعد گیتا رانی سے میری بات ہوئی۔

"سیٹھ صاحب خیریت سے تو ہیں بیگم صاحبہ؟" میں نے پوچھا

"تم... صفدر علی۔ تم تو کل شام تک اندھیون میں تھے!" وہ میرے باعث لیا بھرم قائم رکھ رہی تھی۔ اور اعتراف کر رہی تھی کہ وہ میری اصلیت سے باخبر تھی!

"میں اوپر والوں کے حکم کا غلام ہوں بیگم صاحبہ۔ وہ بات کی تنخواہ پاتا ہوں۔ جیسے ہی حکم ملا اندھیون جا پہنچا اور پھر ہدایت ملتے ہی وہ جگہ چھوڑ دینا میرا فرض تھا۔"

"فیکٹری بند کر دو۔ سیٹھ صاحب نے خودکشی کر لی ہے!" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"خودکشی... سیٹھ صاحب نے خودکشی کر لی ہے!" میں نے مصنوعی حیرت سے دہرایا۔

"ہاں۔ انھوں نے ذہنی توازن کی خرابی کی بھاری قیمت ادا کی ہے۔ میں تمہاری شکرگزار ہوں۔ مجھے اس وقت کسی سچے ہمدرد کی ضرورت ہے!" اس کی آواز میں اس بار پریشانی نمایاں تھی۔

"میں نے پہلی بار اندھیون فون کرنے کی جسارت کی ہے بیگم صاحبہ۔ میں آپ کا خادم ضرور ہوں۔ حکم کی تعمیل کر سکتا ہوں۔ ہمدردی بالکل آپ کے لئے کٹھن ہوگی...!"

میرا یہ ہمدرد شاید اسے ناگوار گزرا۔ "اپنی ذہنی سطح سے اوپر اٹھنا تم لوگوں کے لئے بہت مشکل ہے۔ میں اپنے مسائل خود بھی سلجھا سکتی ہوں!" یہ کہہ کر اس نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں نے فیکٹری میں افواہ کی تصدیق اور چھٹی کا اعلان کر دیا اور خود بھی وہاں سے رخصت ہو گیا۔

اب میرے سامنے آزادی کے دو راستے تھے!

خفیہ تنظیم کے دو اعلیٰ ترین دماغ ویجے اور زائن داس راہ سے ہٹ چکے تھے اور تنظیم کے دھوکے میں گیتا ہی تنہا سے واقف تھی۔ اور یہ بات اس کی بساط سے باہر تھی کہ زائن داس کی مجبوری مرگ ہو رہا اور اس کے پروردہ مجرم غنڈوں کی سرپرستی کو جاری رکھ سکے۔ دوسری طرف امیرخان سمیت تنظیم کے چار ارکان اصل کھیل سے لاعلم تھے۔ جنرل گلاب کے حوالے سے میں امیرخان کو ہدایات دے ہی چکا تھا اور اب میں چاہتا تو بڑی آسانی سے تنظیم کا سربراہ بن سکتا تھا۔ مگر اس میں میرے لئے سراسر نقصان ہی تھا۔ زائن داس تو اپنے زخم خوردہ ضمیر اور افلاس زدہ ماضی کا حساب چکانے کے لئے بھاری مالی وسائل کے سہارے معاشرہ میں برائیاں پھیلا رہا تھا۔ تنظیم اس کے لئے منفعت کا نہیں بلکہ نقصان کا راستہ تھی۔ اب اگر میں اس کی جگہ سنبھالتا تو بھلا مجھے کیا ملتا اور اگر میں تنظیم کو اپنی اغراض کے مطابق کر کے بعد خسارہ کو نفع میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتا تو مجھے کافی وقت لگ جاتا کیونکہ میں تنظیم کی جڑوں تک تو پہنچ چکا تھا لیکن مجھے یہ علم نہیں تھا کہ مال کے حصول اور رقم کے لین دین کا کیا طریقہ کار اپنایا گیا تھا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ خاموشی کے ساتھ ان جرائم پیشہ لوگوں سے

کنارہ کش ہو جاؤں اور یہاں عدن ناس کی تلاش میں نکل پڑا۔

فیکٹری سے میں جیپ میں راکی ہوٹل پہنچا۔ کاؤنٹر سے لونا مارٹن کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور فوراً ہی کمرہ نمبر تیرہ پر جا پہنچا۔

کو تیرہ کا وقت ہو چکا تھا مگر لونا کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر رونق آگئی شاید اسے میری جلد واپسی کی توقع نہیں تھی۔ لونا مجھ سے بہت کچھ پوچھنے کے لئے بے چین تھی اس نے مجھ پر پے در پے کئی سوالات کئے اور میں خاموشی کے ساتھ اپنے داہنے ہاتھ میں پڑی اس طلائی انگوٹھی کو دیکھتا رہا جو لونا مارٹن نے مجھے دی تھی!

تھوڑی دیر کے بعد میں نے اسے بتایا کہ میں دانستہ طور پر کچھ جرائم پیشہ لوگوں کے جال میں پھنس گیا تھا اور پھر ان لوگوں نے مجھے اپنا مستقبل جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے ہی نظر آنے لگا تھا جب تک میں تنہا تھا مجھے ان حالات سے اتنی پریشانی نہیں تھی لیکن جب لونا سے جذباتی رشتہ استوار ہوا تو مجھے ان کے شکنجے سے نجات کی راہ تلاش کرنی پڑی۔

"مجھ کو بار بار شبہ ہوا کہ آپ شدید ذہنی الجھنوں سے دوچار ہیں مگر کچھ پوچھنے کی ہمت نہ کر سکی۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"تم اس کے قریب کھسک آئیں" میں نے پیار سے اس کے چہرے کو دیکھا "میں ان سے کنارہ کشی کر چکا ہوں۔ کیا اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں بھی کچھ سوچا ہے؟"

"اس سے پہلے ایک بات بتائیں!" اس نے بڑی بڑی آنکھیں اٹھا کر میری طرف دیکھا "کیا آپ کا پہاڑ تھیل کا تعلق بوڑھے فیکٹری سے قریب تھا؟"

اس سوال پر میں چونک پڑا "تم کس بنا پر کہہ رہی ہو؟"

"فیکٹری کی پیکنگ شاپ ہمیشہ سے مشکوک سمجھی جاتی رہی ہے" وہ بولی "سارے ہی ملازمین اس جانب سے شبہات کا شکار تھے پھر جگدیو کا قتل اور باہر سے آنے والے وہ ٹرک جو رازداری کے ساتھ کچھ مال پیکنگ شاپ میں اتارتے تھے!"

میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ "تمہارے اندیشے کسی حد تک درست نکلے!"

"مجھے ہوٹل میں ٹھہرانے میں کیا مصلحت تھی؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اس نے پوچھا۔

"چند ٹھوس باتوں کے لئے یہ ضروری تھا۔ جب تمہارے مکان سے لاعلم ہو کر تمہارے سوتیلے باپ کے سامنے آ کر میں تمہیں کسی دشواری میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا!"

"کیسی دشواریاں؟" اس نے حیرت سے پوچھا

"تمہارا باپ معذور ہے اور بری عادتوں کے روگ میں مبتلا ہے اس کے جملہ وسائل تمہاری آمدنی تک ہی محدود تھے۔ کیا وہ یہ بات گوارا کر سکتا ہے کہ تم اسے تنہا چھوڑ کر میرے ساتھ نکل چلو؟"

وہ کوئی جواب دیئے بغیر میری طرف دیکھتی رہی جیسے ابھی میری زبان سے کچھ اور تفصیلات سننے کی منتظر ہو۔

"دراصل میرے لئے اب اس شہر میں رہنا بہت مشکل ہو گیا ہے" میں نے اپنی بات کی وضاحت کی "میں جن لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہتا ہوں وہ ہر گز میرے پیچھے آئیں گے اور پھر ... شاید تمہیں علم نہیں لیکن میرے خیال آئے کہ کچھ مقصد تھا اور اب میں جلد از جلد وہ مقصد حاصل کر جانا چاہتا ہوں!"

"آپ مجھے ہر جگہ ساتھ پائیں گے" وہ پُر خلوص لہجے میں بولی "مگر میرے لئے صرف ایک مسئلہ ہے میرا باپ بہت برا آدمی ہے مگر میں نے اس کی طویل رفاقت میں ہمیشہ اس کی خبر گیری کی ہے۔ شراب نوشی نے اسے کسی مصرف کا نہیں رکھا ہے اب وہ فٹ پاتھ پر بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائے گا اور ایک روز اسی شہر کی گلیوں میں سسک سسک کر دم توڑ دے گا۔ اگر آپ اسی شہر میں رہ کر اپنا مقصد حاصل کر سکیں تو میں اس کی کچھ دیکھ بھال کر سکوں گی۔ وہ اب تھوڑے ہی دنوں کا مہمان ہے!"

"ایک مقصد! اتنا سہل نہیں ہے لونا" میں نے ... "سب سے پہلے تم کو سب کچھ معلوم ہونا چاہیئے۔ دراصل میں منگلارح اور ... پہاڑی وادیوں میں ایک دشوار سفر پر نکلنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میرے اور تمہارے خوشحال مستقبل کے لئے یہ مہم ناگزیر ہے۔ میں خود بھی اپنی منزل سے ناواقف ہوں لیکن اتنا یقین ہے کہ (A) پونا کا علاقہ میری تلاش کا مرکز بنے گا!"

میں نے ایک ثانیہ کے لئے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھے پھر دھیمی آواز میں بولا "ہماری ان مجبوریوں کا بس ایک ہی حل ہے۔ میں اپنی مہم پر نکلتا ہوں تم اسی شہر میں ٹھہرو۔ اگر میں واپس لوٹ سکا تو ہم دونوں پھر یکجا ہو جائیں گے!"

وہ اچانک میرے سینے میں سر چھپا کر بلک پڑی "میں نے ایک طویل زندگی تنہائیوں کے عذاب میں گزاری ہے اب میں تھک چکی ہوں۔ مجھے آپ کے سہارے کی ضرورت ہے۔ میں اپنے باپ کو چھوڑ سکتی ہوں لیکن آپ کے بغیر رہنا میرے لئے ناممکن ہے!"

"ٹھنڈے دل سے سوچو لونا!" میں اس کے بدن کی مہکار کو محسوس کرتے ہوئے بولا "ایسے بڑے فیصلے جذبات کی رو میں نہیں کئے جاتے۔ اگر زندگی کے کسی موڑ پر تمہیں اپنے اس فیصلے پر افسوس ہوا تو میں خود کو کبھی معاف نہ کر سکوں گا!"

"یہ میرا اٹل فیصلہ ہے" وہ آنسو صاف کرتے ہوئے مضبوط لہجے میں بولی "اگر آپ مجھے چھوڑ کر جانا چاہتے ہیں تو ضرور جائیں ... پھر مجھے اس زندگی سے کوئی نہ روک سکے گا جس کی تاریک وادیوں میں ہزاروں شی اندام دیا کرتا ہے ... پر وہ شکستہ نوجوانوں کے غول میں جا ملوں گی۔ میں اس طویل جدوجہد سے اکتا چکی ہوں۔ ننگے جذبوں اور بھوک کا بوجھ خود کو تھوڑی دیکھا مجھ تنہا اور بے سہارا لڑکی کے لئے ناممکن ہوتا جا رہا ہے"

اس کی دو ٹوک باتیں سن کر میرے دل پر چوٹ سی لگی۔ وہ بیچاری لڑکی واقعی بہت دکھی تھی۔ میں نے اسے کہا "تم سفر کی تیاری کرو۔ ہم دو چار روز میں یہاں سے روانہ ہو جائیں گے ... اور ہاں تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ آج شام ہمیں باہر چلنا ہے!"

"آج شام ... کیا کوئی ضروری کام ہے؟" اس نے پوچھا

"ہاں بہت ضروری!" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر میں بازار چلا گیا۔ واپسی پر میرے ہاتھ میں ایک خوبصورت جوڑا موجود تھا۔ لونا کے لئے یہ میری محبت کا پہلا تحفہ تھا۔ اس شام لونا نے جب ارمان سے وہی گلابی اسکرٹ اور بلاؤز زیب تن کیا ... تیا پالکی ... اس کے خدوخال کے تیکھے پن کو حد سے زیادہ ابھار دیا تھا اور میں دل ہی دل میں آنے والے لمحوں کا تصور کر کے خوش ہو رہا تھا!

غروب آفتاب سے کافی دیر قبل میں لونا کو جیپ میں لے کر ... کے اسلامک مشن جا پہنچا۔ جیپ سے اترتے ہوئے لونا کے چہرے پر عجیب سے رنگ آ رہے تھے۔ شاید وہ کچھ پوچھنا بھی چاہتی تھی مگر میری مسکراہٹ نے اسے موقع نہیں دیا۔

اسلامک مشن کے سربراہ نے بڑے تپاک سے خوش آمدید کہا اور جب میں نے وہاں آمد کا مدعا بیان کیا تو لونا کا چہرہ گلنار ہو گیا۔

جتنی دیر میں مشن والے ضروری کاغذات فراہم کرتے میں نے ایک بیش قیمت انگوٹھی لونا کی انگلی میں پہنا دی۔ اس نے شکایتی نظروں سے میری طرف دیکھا اور سر جھکا لیا جیسے ابھی تک اس کے وہم و گمان میں بھی نہ رہا ہو کہ میں اسے کہاں اور کس مقصد سے لئے جا رہا ہوں!

"مذہب کے بارے میں تمہیں اختیار ہے لونا۔ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا" میں نے اس پر واضح کیا۔

"میرا مذہب" وہ تلخ لہجے میں بولی "میرا کوئی مذہب نہیں ہے۔ میرے باپ کی مجبوریوں سے تنگ آ کر میں نن بننے کے لئے مقامی گرجا گھر کے راہب اعظم کے پاس گئی تھی مگر تزکیہ نفس اور دینداری کے سات روز گزارنے کے بعد ایک رات میں اس سے متنفر ہو گئی ... کو بالائے طاق رکھ کر وہ یک بیک وحشی بن گیا ... اس رات گرجا کی عمارت میں ایک مجرد اور نوجوان راہب نے اپنا تقدس کا پیرہن اتار کر ایک خوفناک بھیڑیے کا روپ دھار لیا۔ میں بمشکل وہاں سے بھاگ سکی اور اس کے بعد کبھی عبادت کی نیت سے بھی ادھر کا رخ نہیں کیا۔ میں عیسائی گھرانے میں ضرور پیدا ہوئی مگر اب آپ کا مذہب میرا ایمان ہے!"

"واقعی تم نے بڑے دکھ سہے ہیں لونا!" میں اپنے جذبات کو ... بولا "اس راہب کا کیا نام تھا؟"

"جوزف ... یہ کئی برس کی بات ہے۔ وہ فادر جوزف کہلاتا تھا لیکن دنیا وہ جذباتی گھر کا بھائی ہے کچھ دن پہلے میں نجات کی بزم دیتے جذبات ... تھی تو وہ کس دہ حالت میں وہاں رنگیلا نظر آیا تھا!"

"چلو وہ خود ہی اپنے انجام کو پہنچ گیا" یہ اطلاع میرے لئے خاصی سکون بخش ثابت ہوئی۔

پھر اسلامک مشن کے سربراہ کے ہاتھ پر لونا مارٹن مسلمان ہوئی میری خواہش پر اس کا اسلامی نام بھی لونا ہی رہا اور مشن کے عملے کی شہادت میں وہ مجھ سے رشتہ ازدواج میں منسلک کر دی گئی اور جب میں لونا مصفر کو بانہوں میں سنبھالے مشن کی عمارت سے باہر نکلا تو مغربی افق پر لونا کے چہرے کی سرخی شفق بن کر کھل رہی تھی!

راکی ہوٹل میں اسی شام ہم میرے بیڈ روم والے کمرہ میں منتقل ہو گئے لونا کے چہرے پر ازدواجی مسرت کے ہلکے ہلکے سائے نقش تھے۔ شاید وہ سوچ بھی نہ سکی ہو گی کہ باعزت زندگی اتنی آسانی سے اس کو اپنی پناہوں میں لے لے گی۔

"وہ ڈیئر لڑکی یہ آخری شام تمہارے لئے لونا" میں نے کہ وہ ... کر اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا "ہمیں اس وقت باہر جانا ہو گا۔ رات دس بجے سے پہلے لوٹ آؤں گا تو ہم تمام لمحوں کو سمیٹ کر ...!"

"کہاں جا رہے ہیں آپ؟" آنے والے لمحات کے تصور سے اس کی آواز میں خمار بھرنے لگا تھا۔

"بہت ضروری کام ہے لونا ...!" میں نے نرمی سے کہا اور اس نے اجازت دے دی۔

راکی ہوٹل سے گریسی کے شراب خانے کی مسافت ... منٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ راستے میں کئی جگہ ٹھیلے سوالی بلکہ میری راہ میں حائل ہوئے مگر میرے لئے یہ بہت اہم ... لڑکیاں اپنی مارفی کشش کھو چکی تھیں میں جیپ سے اترا تو شراب خانے کے قریب ہی ایک نیم تاریک گوشے سے ایک لڑکی تیر کی طرح میری طرف آئی۔

"کیا میں اس رات کے لئے تمہاری شریک بن سکتی ہوں؟" اس نے سپاٹ لہجے اور شستہ الفاظ میں مجھ سے سوال کیا۔

میں اسے ایک طرف دھکیل کر بار میں داخل ہو گیا۔

امیرخان اضطراب کے عالم میں میرا منتظر تھا۔ مجھے دیکھتے ہی تیر کی طرح اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"تم اتنے عرصے سے کہاں غائب ہو گیا تھا؟" جیپ چلتے ہی اس نے سوال کیا۔

"سر گلاب سنگھ" میں نے کہا "اس کے حکم جاری کچھ ... بالا ... دیں۔ اس نے مجھے وہاں سے لوٹ آنے کا حکم دیا تھا اور آج میں فیکٹری میں تھا تو وہاں ... حادثے کا شکار ہوا ... جنگل میں خود کشی کر لی اور آج صبح سر گلاب نے مجھے بھی وہاں سے ہٹ جانے ...

کام لے دیا۔" وہ ایک ہی سانس میں کہتا چلا گیا۔

زراق داس کے قتل کو خودکشی کا رنگ دینے میں گو کہ زراق کا ہی ہاتھ معلوم ہوتا تھا اس طرح وہ بہت سی قانونی موشگافیوں سے اپنا دامن بچا گئی تھی ورنہ اس کے سبب وہ باسانی تحقیقاتی افسران کو بھی اپنی مرضی کے مطابق چلنے پر مجبور کر سکتی تھی۔

"یہ خبریں مجھے بھی مل چکی ہیں۔ شہر بھر میں سیٹھ زراق داس کی خودکشی کے پیچھے بہت سی ہیں!" میں نے کہا

"تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟" امیرخان نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کچھ سوچتے ہوئے لہجے میں کہا

"تازہ ترین ہدایات حاصل کرنے کے لیے!" میں نے سرسری لہجے میں کہا

اس نے بے مقصد ایک تیکھی گالی دی اور غصیلے لہجے میں بولا۔ "نیا سربراہ بہت بددماغ معلوم ہوتا ہے۔ آج اس نے مجھے بری طرح جھڑکا ہے۔"

"پہلے بھی ہمیں انعام نہیں ملتے تھے!" میں نے کہا

"مگر پرانا سربراہ ہمیشہ میری عزت کرتا رہا ہے!" وہ غرایا

"اپنا اپنا انداز ہے۔ نیا سربراہ شاید عزت افزائی کے منفی طریقوں پر یقین رکھتا ہو!" میں روانی میں کہہ گیا۔

"پرانے سربراہ کی آخری ہدایات کے بس دو گواہ ہیں صفدر علی۔۔۔!" اچانک وہ بدلے ہوئے لہجے میں بولا

"مطلب!" میں نے استفہامیہ انداز میں اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔

"نئے سربراہ کو دیتے سے ہٹا کر ہم دونوں پوری تنظیم پر قابض ہو سکتے ہیں۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

"نہیں امیرخان۔۔۔ یہ بہت مشکل ہوگا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا

"مجھے تم ہمیشہ وفاداری کا سبق دیتے رہے ہو، اب تمہاری زبان سے یہ بات عجیب سی لگتی ہے!"

"اس میں کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ ہم اپنے کاموں کے ساتھ ہی اپنے آدمیوں سے دوسرے کام بھی لیں گے اس طرح آہستہ آہستہ ہماری گرفت مضبوط ہو جائے گی۔"

"نہیں۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا

اچانک امیرخان ہذیانی انداز میں زور سے ہنس پڑا اور میرا ہاتھ اسٹیئرنگ پر بہک گیا۔ اگر وہ سڑک ویران نہ ہوتی تو یقیناً کوئی نہ کوئی حادثہ ہو جاتا!

"بہت چالاک ہے تو صفدر علی۔۔۔ مگر میں تجھے دیکھ لوں گا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "مجھے شک ہے کہ تو تنظیم سے غداری کے رجحانات کا مالک ہے!"

میں نے پوری قوت سے بریک لگا کر جیپ کنارے روک دی اور اسی وقت کسی ریوالور کی سرد سی نال میری گردن سے آ لگی!

خبردار

"صفدر علی۔۔۔ اگر تو نے اس وقت ذرا بھی کوئی حرکت کی تو بے دریغ گولی مار دوں گا۔" امیرخان میری گردن پر ریوالور کی نال کا دباؤ بڑھاتے ہوئے غرایا۔

"تنظیم سے غداری کا الزام لگا کر تم نے میری اس خدمت کی توہین کی ہے جو میں اب تک دیتا آیا ہوں لیکن میں اسی وقت اس الزام کا جواب جاننا چاہتا ہوں؟" میرا لہجہ صدمے اور جارحانہ تھا کیونکہ میں جانتا تھا امیرخان اتنی آسانی سے مجھ پر فائر نہ کر سکے گا۔

"ہوش میں رہ کر جیپ اسٹارٹ کرو۔ زیرو پوائنٹ پر میں تجھ سے کھل کر باتیں کرنا چاہتا ہوں!" امیرخان کا لہجہ گمبھیر تھا۔

"اس بے جان کھلونے کو دور رکھو!" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "میں اسی صورت میں تو جیپ ڈرائیو کر سکتا ہوں!"

ریوالور کی بے رحم نال میری گردن سے ہٹ گئی اور میں نے جیپ گیئر میں ڈال کر آگے بڑھا دی۔

رات کے سناٹے میں جیپ کے انجن کا تیز شور آسیبی خراٹوں کی طرح گونج رہا تھا۔ امیرخان میرے پہلو میں خاموش بیٹھا ہوا تھا اور میں اس سے ہونے والی گفتگو کے متوقع پہلوؤں پر غور کر رہا تھا۔ نہ جانے وہ مجھ سے کس موضوع پر بات کرنی چاہتا تھا؟

ویران پہاڑوں کی آغوش میں زیرو پوائنٹ کی عمارت اندھیرے میں سر جھکائے کھڑی تھی۔ عمارت کے اندر کہیں بھی روشنی کی رمق نہیں تھی اور چاروں طرف سناٹے کا راج تھا۔ جیپ کا انجن بند ہونے پر وہاں عجیب ہولناک سا سناٹا چھا گیا۔ اس سے قبل کہ میں انجن بند کرکے پہلو بدلتا، امیرخان اچھل کر جیپ سے نیچے اتر چکا تھا اور ریوالور ایک مرتبہ پھر اس کے داہنے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ اس کی نال جھکی ہوئی تھی لیکن اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ پلک جھپکتے سے بھی کم عرصے میں اسے مجھ پر آزما سکتا ہے۔

"اسے دیکھ کر میں نے تمہیں اندازہ نہیں دیا؟ نہ جانے تمہارے دل میں میری طرف سے کیا کدورت سما گئی ہے یار۔"

"باتوں میں الجھانے کی کوشش کرنے کی ضرورت نہیں۔" وہ غرایا۔ "جب تک میں تجھ سے کھل کر بات نہ کروں میرا اعتماد بحال ہونا مشکل ہے۔"

"خوب!" میں جیپ سے اترتے ہوئے زہریلے لہجے میں بولا۔ "تو گویا تم مجھے اپنا قیدی بنا کر یہاں لائے ہو؟"

اس نے میرے طنز پر تبصرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ سمجھی۔ اس نے چابی میری طرف اچھالی اور خود میرے پیچھے چلنے لگا۔ میں نے قفل کھولا اور تاریک راہداری میں داخل ہو گیا۔ میں کئی قدم بڑھ گیا مگر اس کے قدموں کی چاپ نہ سنائی دی۔

"یہاں رک گئے؟" میں پلٹ کر تحکمانہ لہجے میں بولا۔ دل میں ایک ساتھ ہونے کے باوجود میں اسے یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ میں اس سے قطعی خائف نہیں ہوں۔ اسی وقت اچانک تیز کھٹکا ہوا۔ میں تیر کی طرح واپس لوٹا مگر مجھے تاخیر ہو چکی تھی۔ امیرخان نے عمارت کا دروازہ بند کرکے باہر سے بولٹ کر دیا تھا۔

"امیرخان۔۔۔ یہ کیا مذاق ہے؟" میں غصے اور جھلاہٹ کے ساتھ اونچی آواز میں بولا۔

"یہ مذاق نہیں حقیقت ہے۔" باہر سے امیرخان کی سرد آواز ابھری۔ "اس دروازے کے علاوہ تم کسی راستے سے نہیں نکل سکو گے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ سکون کے ساتھ اندر موجود رہو!"

میں نے پوری قوت سے دروازہ پیٹا لیکن جواب نہ آیا۔ پھر باہر جیپ کے انجن کا شور ابھرا۔ شاید کنجی اگنیشن ہی میں چھوڑ آیا تھا اور امیرخان اب اس غفلت کا فائدہ اٹھا رہا تھا۔ جیپ کے انجن کا شور آہستہ آہستہ دور ہوتا سنائی دے رہا تھا!

مجھ پر جھلاہٹ کا اتنا شدید دورہ پڑا کہ کافی دیر تک میرا ذہن کام ہی نہ کر سکا۔ پھر آہستہ آہستہ میرے ذہن سے غصے کی دھند چھٹی تو مجھے اندازہ ہوا کہ میں چند متوقع خطرات سے دوچار ہوں۔ امیرخان نے راستے میں پہلے مجھے تنظیم کے سربراہ سے غداری کی ترغیب دی اور جب میں نے سمجھایا بلکہ فیصلہ کن جواب سنا دیا تو اس نے کھلے الفاظ میں مجھ پر تنظیم سے غداری کے رجحانات کا الزام عائد کر دیا۔ اس کا ایک ہی مقصد تھا کہ میری تمام تر احتیاط کے باوجود امیرخان میری جانب سے مشکوک ہو چکا تھا ورنہ وہ یوں دو بدو مجھ سے ٹکرانے کی ہمت نہ کرتا۔ عام حالات میں یہاں پہنچ کر سربراہ کی ہدایات کے بغیر آزادانہ طور پر اتنا بڑا قدم اٹھانا ناممکن تھا۔

امیرخان کی دانست میں تنظیم ابھی تک موجود تھی، سربراہ بدلا ضرور تھا مگر میں جو تنہا یہ راز جانتا تھا کہ تنظیم اپنے تمام تر وسائل کے باوجود کسی بھی منظم جرائم پیشہ ادارے کی طرح توڑ کر وہ میں بدل چکی ہے۔ زراق داس کی موت کے بعد اب اس تنظیم کے ابھرنے کا کوئی امکان نہ تھا جو معاشرتی خرابیوں سے قطع نظر میری آزادی کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا تھا۔

میں نے عمارت کے ایک اندرونی کمرے میں روشنی کی اور حسب توقع مجھے وہاں شراب کی چند بوتلیں نظر آگئیں۔ میں کرسی پر دراز ہو کر شراب سے شغل کرنے لگا کیونکہ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہ گیا تھا کہ امیرخان کی واپسی کا انتظار کروں۔

میں یہ جانتا تھا کہ زیرو پوائنٹ سے کسی بیرونی مدد کے بغیر نکلنا محال ہے۔ میں وہاں گلا پھاڑ پھاڑ کر مر جاتا مگر اس ویرانے میں میری آواز سننے والا کوئی بھی ذی روح موجود نہ ہوتا۔ دوسری طرف امیرخان شاید میرے بارے میں کسی طرح تنظیم کے سربراہ سے ہدایات لینے گیا تھا۔ اپنے طور پر اس نے مجھے قید تو کر لیا تھا لیکن اس سے آگے کوئی قدم اٹھانے کی اس میں جرأت نہیں تھی۔ پھر قیاس کے مطابق سربراہ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش میں ناکام ہونے کے بعد امیرخان کو میری ہی طرف واپس آنا تھا اور اس کی آمد پر مجھے نجات کی کوئی راہ نکالنی تھی۔

پھر میں نے اضطراری طور پر گھڑی پر نظر ڈالی۔ رات کے گیارہ بج چکے تھے میں یک بیک مضطرب ہو گیا۔ ہما کی یاد میرے دل میں جاگ اٹھی۔ میری زیبا بیوی شب عروسی کے انتظار میں ہوٹل کے کمرے میں جاگ رہی ہوگی۔ میں اس سے ساڑھے دس بجے تک واپسی کا وعدہ کرکے آیا تھا۔ نہ جانے اس تاخیر پر وہ کیا سوچ رہی ہوگی؟ میں اسے اپنے موجودہ حالات کے بارے میں مختصر طور پر کافی باتیں بتا چکا تھا وہ جانتی تھی کہ میں کچھ مقامی جرائم پیشہ لوگوں سے نبرد آزما ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری غیر معمولی تاخیر سے گھبرا کر وہ میری تلاش میں ہوٹل سے نکل پڑے اور نئی مشکلات میں گھر جائے۔

طویل اور صبر آزما انتظار کے بعد بارہ بجنے کے قریب باہر سے کسی جیپ کا شور سنائی دیا اور میں روشنی گل کرکے تیزی کے ساتھ نکاسی والے دروازے پر جا پہنچا جسے امیرخان باہر سے بند کرکے گیا تھا۔

جیپ کا انجن بند ہونے کے بعد قدموں کی چاپ ابھری پھر کسی نے باہر سے دروازہ کھول دیا ساتھ ہی کسی طاقتور ٹارچ کی روشنی کا تیز دائرہ میرے چہرے پر پڑا۔

چند ثانیوں تک میں اس چکاچوند کے باعث کچھ نہ دیکھ سکا پھر امیرخان کی سپاٹ آواز ابھری۔ "زیادہ ہوشیاری کی ضرورت نہیں، میرے ہاتھ میں بھرا ہوا ریوالور بھی موجود ہے!"

"یہ کیا بیہودگی ہے؟" میں جھلا کر چیخا۔ "میرے چہرے سے یہ مشعل ہٹاؤ ورنہ میں تمہیں پھاڑ کھاؤں گا۔"

"اندر چلو۔ مجھے تم سے کچھ ضروری کام ہے۔" اس نے روشنی فرش پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"مجھے اس وقت بہت ضروری کام ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ بات تم صبح کر لو؟" میں نے اپنی کھوپڑی پر قابو پاتے ہوئے مصالحانہ لہجے میں کہا۔

"تنظیم کے معاملات ہر حال میں افضل ہیں۔ اندر چلو!"

ناچار مجھے عمارت میں واپس جانا پڑا۔ روشنی کرنے کے بعد ہم دونوں ایک کمرے میں جا رکے۔ امیرخان نے ٹارچ چھپا لی تھی مگر ریوالور ابھی تک اس کے ہاتھ میں موجود تھا۔ کرسیوں پر بیٹھنے کے بعد وہ کچھ دیر تک مجھے گھورتا رہا پھر بولا۔

"تنظیم کا نیا سربراہ سخت گیر اور بے رحم ضرور معلوم ہوتا ہے لیکن میں پوری طرح اس کا وفادار ہوں!"

"یہ تم مجھے کیوں بتا رہے ہو؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "اور تم نے مجھے یہاں کس لیے قید کیا تھا؟"

"نئے سربراہ سے تمہاری آخری بار کب بات ہوئی تھی؟" اس نے میرے

سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کل سے اسد بھون میں ہی مجھے اس کا کوئی ملا تھا اور میں نے وہ عمارت فوری طور پر چھوڑ دی تھی۔"

"اس کے بعد آج اس نے مجھے اسد بھون چھوڑنے کا حکم دیا۔ وہاں پیش آنے والے تمام حالات سے باخبر معلوم ہوتا تھا۔"

"اگر وہ اتنا باخبر ہے تو اس کے لیے ہم پر برتری قائم رکھنا دشوار ہو جاتا ہے" میں نے لاپروایانہ لہجے میں کہا۔ "آخر ان باتوں سے کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہتے ہو؟"

"میری آخری گفتگو کے بعد حالات کا رخ بہت تیزی سے تبدیل ہوا ہے مگر میں اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔"

"اور شاید اس وقت بھی تم مجھے یہاں بند کر کے تم اس سے الٹی سیدھی ہدایات لینے گئے تھے؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"سامنے کی بات ہے۔" وہ خشک لہجے میں بولا "مگر اس بار بھی مجھے ناکامی ہوئی... مجھے پورا اختیار ہے کہ میں اپنے طور پر تم سے بازپرس کر سکوں۔"

"کیسی بازپرس؟" میں نے بے رخی کا اظہار کیا۔

"بکواس مت کرو۔ سکون سے بات کرو۔" وہ ریوالور تھامے ہوئے غرا کر بولا "میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم نرائن داس کی موت کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"اس نے خودکشی کر لی ہے۔ کیگری میں مجھے یہی اطلاع ملی تھی۔"

"اور اگر میں کہوں کہ اسے قتل کیا گیا ہے" امیر خان میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"آخر اس کی بیوی کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی" میں نے فوراً کہا "دلی سے فون پر پولیس نے اس کی تصدیق کی تھی اور اس نے بتایا کہ نرائن داس نے خودکشی کی ہے۔"

"سچی بات ابھی ہے۔" وہ جلدی سے بولا "تم اسد بھون سے کس وقت روانہ ہوئے تھے؟"

"تم سے ملنے کے تقریباً نصف گھنٹے بعد ہی مجھے فون موصول ہوا تھا۔"

"بکواس!" وہ غضب ناک لہجے میں غرایا "میں پوری طرح تصدیق کر چکا ہوں کہ اس رات اسد بھون میں تمہارا کوئی فون نہیں آیا تھا۔"

"اس کی تصدیق تم کو خود سربراہ سے کرنی چاہئے۔ تمہارے نااہل مخبر کی فراہم کردہ معلومات کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔" میں نے بھرپور اعتماد سے کہا۔

"ضرور۔ میں اس سے تصدیق ضرور کروں گا۔" وہ دانت پیس کر بولا "مگر تو کان کھول کر سن لے کہ تصدیق ہونے تک تو اس عمارت سے نہ نکل سکے گا۔"

"کیوں؟"

"میں اصولاً تیری کسی بات کا جواب دینے کا پابند نہیں مگر اتنا ضرور بتا دوں کہ نرائن داس نے خودکشی نہیں کی اسے قتل کیا گیا ہے۔" وہ اس انکشاف پر میرا ردعمل دیکھنا چاہ رہا تھا۔

"قتل؟" میں حیرت سے تقریباً اچھل پڑا اور بے اختیاری سے مجھ سے

بولا "اس عمارت میں مسلح محافظوں کی فوج کی فوج جمع ہوتے ہوئے بھلا کیسے ممکن ہے؟"

"یہ حقیقت ہے۔" امیر خان بولا "قاتل نے اس کے دہانے پر ریوالور کی نال ٹھونس کر فائر کیا تھا اور بھیجا اڑ جانے کے باعث نرائن داس نے وہیں دم توڑ دیا۔ قاتل زمین دوز برساتی نالے کے ذریعے اسد بھون سے فرار ہو جانے میں کامیاب ہو گیا۔ محافظوں نے بھی اطراف کا چپہ چپہ چھان مارا مگر قاتل کا کہیں سراغ نہ مل سکا پھر گیتا رانی کی ہدایت پر سب لوگ قاتل کو بھول گئے۔ اسد بھون کا ہر مکین خودکشی کی کہانی سنا رہا ہے۔"

"تمہیں یہ راز کیسے معلوم ہوا؟"

"وجے کی ہلاکت کے بعد تو میرے ساتھ واپس لوٹنے کے بجائے وہیں رک گیا تھا جب رات گئے تک تیری واپسی نہ ہوئی تو میں تیری تلاش میں نکلا۔ اس وقت ہر طرف پولیس زور و شور سے نامعلوم قاتل کی تلاش جاری تھی مگر گیتا رانی کا حکم آیا کہ قاتل کی تلاش ختم کی جائے۔ نرائن داس نے زیادہ تر خودکشی کی ہے اور ساری تلاش موقوف ہو گئی۔"

"اس چکر میں میرا نام کہاں آتا ہے جو تم میری جانب سے مشکوک ہو گئے ہو؟"

"میرے ساتھ واپسی کے بجائے تیرا وہاں رکنا، نرائن داس کا قتل، قاتل کا فرار پھر اسی وقت تیرا وہاں سے غائب ہو جانا۔ یہ واقعات ایک دوسرے سے مربوط نظر آتے ہیں۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ میں سیما سے فرسٹ ایڈ کا سامان لینے کے لئے رکا تھا۔" میں نے اسے قائل کرنے کی کوشش کرنی چاہی۔

"سیما نے مجھے بتایا کہ وہ سامان تو نے اسی وقت اسے واپس بھجوا دیا تھا۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا "میں محسوس کرتا ہوں کہ تو نے سربراہ کی ہدایات سے تجاوز کرنے کی کوشش کی ہے لہذا اب تو اسی عمارت میں مقید رہے گا۔ یہاں ضرورت کی ہر چیز بکثرت موجود ہے۔ مجھے امید ہے کہ کل تک میں سربراہ سے تیرے بارے میں ہدایات لے کر تجھے آخری فیصلہ سنا سکوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا "تمہاری ہٹ دھرمی کا میرے پاس کوئی علاج نہیں۔"

امیر خان ریوالور کی نال سے اپنی پنڈلی کھجاتے ہوئے بولا "اگر سربراہ کا فیصلہ تمہارے حق میں ہوا تو میں تم سے معافی مانگنے میں بالکل نہ جھجکوں گا۔"

سربراہ تو میرے ہاتھوں جہنم واصل ہو چکا تھا لہذا امیر خان کبھی بھی اس سے میرے بارے میں ہدایات حاصل نہ کر سکتا تھا جب کہ میرے لئے اس قید میں چند گھنٹے گزارنا بھی محال تھا۔ ہوما میری منتظر تھی اور اب میں جلد از جلد اسے ساتھ لے کر اجے پونا کی زمینوں کی طرف نکلنے کا عزم رکھتا تھا۔

ریوالور کی نال سے پنڈلی سہلاتے ہوئے امیر خان ایک لمحے کے لئے میری طرف سے غافل ہوا اور میں فوراً ہی فیصلہ کر کے اس پر ٹوٹ پڑا۔

میرا یہ حملہ امیر خان کے لئے غیر متوقع تھا جو کلابازیاں میں اس کے ریوالور سے گولی چل گئی اور وہ حلق سے بے معنی آوازیں نکالتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ گولی اس کی پنڈلی میں سوراخ کرتی آر پار ہو گئی تھی۔

اس نے دونوں ہاتھوں میں دبے ہوئے ریوالور کی نال میری پسلیوں کی طرف گھمانی چاہی مگر میں نے اپنے گھٹنے سے اس کے بازو پر اتنی شدید ضرب لگائی کہ وہ تکلیف سے تڑپ اٹھا مگر ریوالور ابھی تک اس کے ہاتھ میں موجود تھا۔ اس نے مجھے اپنے سینے سے اچھال پھینکنے کی جان توڑ کوشش کی مگر میں جونک کی طرح اس سے لپٹا رہا پھر میں نے پوری قوت سے اس کی ناک پر ٹکر ماری اور جیسے ہی اس کی وحشی کلائی دونوں ہاتھوں سے مروڑنے لگا کہ کسی طرح ریوالور اس کی گرفت سے نکل سکے!

امیر خان نے چیختے اور کراہتے ہوئے اچانک میرے پیٹ پر لات ماری اور میں بری طرح کرسی سے الجھ کر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ امیر خان لنگڑاتا ہوا فرش سے اٹھا اور میں نے دہشت کے عالم میں لیٹے ہی لیٹے ایک کرسی ٹانگوں سے اس پر اچھال دی۔ امیر خان بے تحاشا گالیاں بکتا ہوا دوبارہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

اس بار مجھے اپنی جیب سے اعشاریہ تین آٹھ کا وہ بے آواز ریوالور نکالنے کی مہلت مل گئی جو میں نے اسد بھون میں نرائن داس سے چھینا تھا۔ اس کے چیمبر میں ابھی تک دو کارآمد گولیاں موجود تھیں جو امیر خان کو راہ سے ہٹانے کے لئے بہت کافی تھیں۔

"ریوالور پھینک دو امیر خان!" میں نے کھلی کھلی سی آواز میں کہا "میرے ہاتھ میں آٹھ کا ریوالور موجود ہے!"

امیر خان نے غضب ناک نگاہ میری طرف کی اور ریوالور کے جیب پر نظر پڑتے ہی میرے حکم کی تعمیل پر مجبور ہو گیا۔

"تمہاری یہاں آمد کی اطلاع کس کس کو ہے؟" میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"بہت... بہت سے لوگوں کو!" وہ اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے ہکلا کر بولا۔

اس کی چالاکی پر میں زہر بھرے انداز میں مسکرا دیا۔ وہ میرے سوال کا مقصد سمجھ کر دانستہ جھوٹ بول رہا تھا تاکہ مجھے کسی انتہائی اقدام سے روک سکے!

"یہ تمہاری بدنصیبی تھی امیر خان کہ تم نے مجھے اس میں شامل کیا۔" میں ریوالور کی نال اٹھاتے ہوئے بولا "پہلے وجے تمہارا سربراہ تھا اور وہ اپنے آقا نرائن داس کے ہاتھوں مارا گیا اور نرائن داس میرے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچا۔ ہاں! تمہارا دوست نرائن داس کا قتل اور میری روپوشی محض اتفاقات نہیں تھے۔ اور آج تم کو اسد بھون سے واپسی کا حکم دینے والا بھی میں خود تھا کیونکہ تنظیم ختم ہو چکی ہے۔ اب کوئی کسی کو ہدایات نہ دے سکے گا۔"

"تم... تم... تم... یہ سب مجھے کیوں سنا رہے ہو؟" امیر خان کی آنکھوں کی پتلیاں دہشت کے باعث پھیل رہی تھیں اور وہ زمین پر پڑا میرے

ریوالور کو گھورے جا رہا تھا۔

"اس لئے کہ تمہاری روح سکون کے ساتھ پرواز کر سکے۔ میں چاہتا ہوں کہ مرنے کے بعد تمہاری روح بھی کسی الجھن کا شکار نہ رہے۔ شاید تم زندہ بچ جاتے مگر تم نے مجھ سے ٹکرا کر خود اپنی موت کو دعوت دی ہے اور میں یہ دعوت قبول کرتا ہوں۔"

"نہیں... میں زندہ رہنا چاہتا ہوں صفدر۔" وہ گڑگڑایا "تم مجھے اپنا غلام پاؤ گے۔ خدا کے لئے یہ ریوالور جیب میں رکھ لو۔"

"زخم خوردہ دشمن سے زیادہ خطرناک کوئی نہیں ہوتا دوست!" میں نے ریوالور کی نال کو جنبش دی "مجھے بس ایک بات کا افسوس ہے کہ تمہاری بے گور و کفن لاش اسی عمارت میں سڑ جائے گی اور کسی کو علم نہ ہو سکے گا کہ تم کہاں گئے۔"

اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا مگر ریوالور سے نکلنے والے شعلے نے اسے مہلت نہ دی۔ گولی اس کی پیشانی توڑ کر دماغ میں پیوست ہو گئی اور وہ آخری ہچکی لے کر ساکت ہو گیا۔ اس کے زخموں سے بہنے والا خون فرش پر پھیلتا جا رہا تھا۔

میں بہت تیزی کے ساتھ زیر زمین اپارٹمنٹ سے باہر آیا۔ دروازہ بند کر کے باہر سے مقفل کیا اور پھر امیر خان کی جیپ میں واپس روانہ ہو گیا۔

اس جیپ پر ٹھہرنا میرے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا کیونکہ کوئی شناسا مجھے اس جیپ میں دیکھ لیتا تو امیر خان کی گمشدگی کے سلسلے میں سب سے زیادہ شبہات میری ذات پر ہی آتے لہذا شہری حدود میں داخل ہوتے ہی میں نے جیپ ایک ایسی جگہ چھوڑ دی جہاں اس کی موجودگی ہفتوں تک کسی کی توجہ اپنی طرف مبذول نہ کرا سکتی۔ زیبو اپارٹمنٹ کی چابی میں نے جھاڑیوں سے گزرتے ہوئے ایک گہری کھائی میں پھینک دی تھی۔

جیپ چھوڑنے کے بعد میں پیدل ہی رائل ہوٹل کی طرف چل دیا۔

رائل ہوٹل کے باہر ایک پولیس کار موجود پا کر میرا دل تیزی سے دھڑکا مگر میں نے خود کو دلاسا دیا کہ میری کسی بھی مجرمانہ کارگزاری کی بھنک ابھی تک پولیس کے کانوں تک نہیں پہنچی تھی لہذا یہ چھاپہ کسی اور سلسلے میں ہو سکتا ہے پھر بھی میں نے بہتر سمجھا کہ اندر جانے سے پیشتر اپنی جیب کو نرائن داس سے چھینے ہوئے بے آواز ریوالور کے بوجھ سے آزاد کر دوں کیونکہ ایسی چیزیں قانون کے محافظوں کی نظروں سے بمشکل ہی بچتی ہیں۔ اگر کسی کو مجھ پر شبہ ہو جاتا تو جامہ تلاشی کے بعد میں بآسانی مارا جاتا کیونکہ میرے پاس اس ہتھیار کی موجودگی کا کوئی قانونی جواز نہ ہوتا۔

میں نے ہوٹل سے ذرا دور وہ قیمتی ریوالور ایک گٹر میں پھینکا اور خود ہوٹل کی طرف چل دیا۔ ہوٹل میں گھستے ہی سب سے پہلے میری نظر وہاں ہال کے سرے پر کاؤنٹر کے گرد بیٹھے ہوئے باوردی پولیس افسران پر پڑی۔ ہوٹل کا عمر رسیدہ منیجر بھی ان کے ساتھ موجود تھا اور وہ سب کسی مشروب سے شغل کر رہے تھے۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی منیجر نے آہستہ سے پولیس افسران سے کچھ کہا اور وہ چونک کر

اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے ان کی کھچی ہوئی نگاہیں واضح طور پر مجھ پر مرکوز تھیں۔ انسپکٹر کے عہدے کا ایک افسر اپنی پیٹی سے ریوالور بھی نکال چکا تھا۔ اس کے تیوروں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ میری کسی نامعقول حرکت کی صورت میں وہ بلا سوچے سمجھے اسے استعمال کر گزرے گا۔

ان غیر متوقع حالات میں مجھ پر پریشانی کا طاری ہونا قطعی فطری اور ناگزیر تھا کیونکہ میرے لئے تو یہ بالکل ہی ماندہ ان ہونی جیسی بات تھی ... واپس آ رہا تھا تو غیر ضروری دھما چوکڑی ہوئی اور بالآخر وہ مجھے زیر کر ہی لیتے۔ میں نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے چہرہ پر بحالی کے آثار قائم رکھنے کی کوشش کی اور سکاؤنٹر کی طرف بڑھتا رہا۔ سافرتی مجھے لونا کی فکر بھی کھائے جا رہی تھی۔ اگر پولیس میری تلاش میں تھی تو انہوں نے یقینی طور پر لونا کو بھی پریشان کیا ہوگا۔

"صفدر علی!" میرے قریب پہنچ کر انسپکٹر نے تائیدطلب لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

میں نے حیرت کے ساتھ اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"آپ اس وقت حراست میں ہیں!" اس نے کہہ کر اپنے ماتحتوں کو اشارہ کیا اور دو سپاہی تیزی کے ساتھ میرے عقب میں پہنچ گئے۔

اگر مجھے معاملے کی نوعیت کا ذرا بھی علم ہوتا تو شاید میں کبھی ان لوگوں کو ہوٹل میں نہ گھسنے دیتا۔ بوڑھا منیجر دور ہی سے آوازیں کسی اور انداز سے اخباروں میں چھپنے کی سرخیاں نظر آ رہی تھیں کہ منیجر ہوٹل کا نام اچھالا جائے گا اور شاید اسے کاروبار ہی چھوڑ دینا پڑے گا!

انسپکٹر نے الٹے ہاتھ گھوڑا اور وہ بوکھلا کر خاموش ہو گیا۔

"مجھے کس جرم میں حراست میں لیا جا رہا ہے انسپکٹر؟" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"یہ بھی مجھ ہی کو بتانا پڑے گا؟" وہ زہریلے لہجے میں بولا "تو سنو کہ تمہیں ایک نیپالی لڑکی لونا مارٹن کو اغوا کرنے کے جرم میں گرفتار کیا گیا ہے۔"

"لونا مارٹن!" میرے منہ سے بےساختہ نکلا۔ "وہ میری قانونی بیوی ہے انسپکٹر! کیا اس نے تمہیں نہیں بتایا کہ وہ اب لونا صفدر علی بن چکی ہے؟"

"تمہارے کہنے سے حقائق نہیں بدل سکتے مسٹر صفدر!" وہ تلخ لہجے میں بولا "اگر ہم بروقت کارروائی کر کے لڑکی کو برآمد نہ کرتے تو شہر میں فرقہ وارانہ فساد شروع ہو جانے کا خطرہ تھا۔ اس علاقے کی مسلمان اور نیپالی آبادی میں بھی کشیدگی پھیلی ہوئی ہے!"

"لونا کہاں ہے؟ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں انسپکٹر!"

"وہ اپنے باپ کے حوالے کی جا چکی ہے۔ آج رات نو بجے اس نے تمہارے نیپالی توجوانوں کے ساتھ کوتوالی کا گھیراؤ کر لیا تھا۔ اسے کسی طرح اطلاع مل چکی تھی کہ لڑکی اس ہوٹل میں مقیم ہے لہٰذا ہم نے اس کی رپورٹ پر فوری کارروائی کی اور لونا کو یہاں سے برآمد کر لیا اور اپنے بیان جیب بنا دیں میں ہوٹل کے منیجر اور ملازمین کی موجودگی میں تمہارا ابتدائی بیان قلمبند کروں گا۔"

میں کرب سے آنکھیں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا... گمان بھی نہ تھا کہ لونا مارٹن یوں مجھ سے چھین لی جائے گی... کر شہر کی فضا کو مکدر ہونے سے بچانے کے لئے پولیس نے زبردستی ... کیا ہوگا لیکن تعجب خیز بات یہ تھی کہ ہماری اس رازدارانہ شادی کی خبر ان کو کیسے ملی جو دونوں ہی ... معذور پڑا تھا۔

جو کچھ بھی تھا گرفت میں تھا اور ابھی تک پولیس ... ساتھ بہت معقول تھا اور میں ان سے غیر ضروری طور پر الجھ کر ... پیدا کرنی نہیں چاہتا تھا لہٰذا بغیر چوں چرا کئے ... پولیس کی اس جماعت میں ہندوستانی شخصیتوں کی روایتی ... نالا ایک نیپالی بھی شامل تھا وہ انگریزی زبان سے بیان سمجھا ... ٹیک پر ٹھیک اور درستی وار ... ہو چکا تھا۔

"تمہارا پورا نام اور مشغلہ کیا ہے؟" انسپکٹر نے ... کرتے ہوئے پہلا سوال کیا۔

"صفدر علی۔ منیجر روز آرٹ فیکٹری!"

"روز آرٹ فیکٹری کا نام سنتے ہی وہ چونک پڑا ... " منیجر ہو؟"

اس کی بوکھلاہٹ میرے لئے تو کسی امید افزا نظر آئی۔ شاید فیکٹری کے بارسوخ مالکان ہی کی وجہ سے میرے ساتھ کچھ رعایت کرنا ہی نہ لگے ہیں۔ بحالی پیدا کرتے ہوئے کہا "ہاں۔ اور میری مستقل رہائش فیکٹری ہی سے ملحق بنگلے میں ہے!"

"لونا کا باپ شاید اس بات سے لاعلم تھا کہ تم کس کی سوتیلی لڑکی ہو ..." یہ فرینچ ہے ... وہ میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے بڑبڑایا پھر بلند آواز میں بولا "کیا لونا تمہاری فیکٹری میں ملازم رہ چکی ہے؟"

"کئی ماہ سے!" میں نے مبہم جواب دیتے ہوئے جلدی سے بات آگے بڑھا دی۔ "لونا آج صبح تک اس فیکٹری میں میری سیکرٹری تھی۔ وہ بہت ہی سادہ دل اور مظلوم لڑکی ہے۔ اس نے بہت جلد میرے دل میں اپنا مقام پیدا کر لیا تو آج صبح اس نے میرے اصرار پر فیکٹری سے مستعفی دے دیا۔ آج شام ہم دونوں نے اسلامک مشن میں شادی کی۔ اس سے قبل وہ بخوشی و رغبت مسلمان ہوئی اور ہم شب عروسی منانے کے لئے پارک ہوٹل میں ٹھہرے تھے!"

"تمہارے پاس اس شادی کا کیا ثبوت ہے؟"

"نکاح نامہ اور دوسری دستاویزات اور میرے کمرے میں موجود ہیں!" میں نے پُرسکون لہجے میں اس کے سوال کا جواب دیا۔

"فی الحال تمہارا کوئی کسی ... جا چکا ہے اگر ضروری شواہد پیش کرو گے تو تمہیں عدالت میں جانے کی ... وہ دار افسران کی موجودگی میں کیا ... جب یہ معاملہ عدالت میں جائے گا ... تو بیان ... ہو جائے گی۔"

"جناب انسپکٹر!" منیجر نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا "اگر میرا ہوٹل ... بدنامی کے سبب ٹریفک سے محفوظ رہ سکے تو یہ میری ذات پر بڑا کرم ہوگا۔"

"یہ اسی وقت ممکن ہے جب ان صاحب کا سامان نکلوا کر اپنی گاڑی میں کوتوالی پہنچا دیا جائے" انسپکٹر نے کہا۔ "میں ان حالات میں ... ٹیبل پر چند باوردی سرکاری اہلکار ... اسی طرح دوسرے کمروں میں خبر تو پڑ ہی جائے گی ... پیدا ہو گا اور ..."

"میرا سامان میرے ساتھ جانا چاہیئے!" میں نے ... ہوتے ہوئے بولا۔

"جی ... جی ... بالکل یہی بات ہے جناب" وہ ... زیر لب بڑبڑانے والے انداز میں وضاحت نکالی گئی۔

اسی وقت انسپکٹر کے کسی ماتحت نے ... ہوٹل کے ایک ... میں ... آواز میں ...

"میرا بیان ..." وہاں ہی وہ دونوں واپس لے آئے اور جب میں پڑھ کر لکھے ہوئے بیان کی نقل پر دستخط کر رہا تھا تو انسپکٹر نے اپنے ماتحتوں کو حکم دیا کہ میرا سارا سامان گاڑی میں رکھ دیا جائے۔

ویلکم ہوٹل کی طرح وہاں کی پولیس بھی ... لیتی اہلکار کی موجودگی میں مجھے حوالات سے بیان کی گئی تھی۔ انسپکٹر میری کسی بات پر کان نہ دھرتا تھا اور شاید سارا معاملہ مجھے ... کی بنیاد سے اونچا نظر آ رہا تھا۔ میرے نام نہاد حامیوں کے ارادے انسپکٹر مجھے حوالات میں کوتوالی پہنچانے پر مصر تھے۔ اس بات سے کوئی بحث نہ تھی کہ اس کے اس اقدام سے میری ... معزز حیثیت پر کیا اثر پڑ سکتا تھا۔ جب میں نے تک آ کر ... وغیرہ کے الفاظ کا مفہوم سمجھایا تو وہ یک بیک مجھ سے اکھڑ گیا۔ بلکہ ... وار لوگوں کے بارے میں چند گستاخانہ الفاظ ادا کئے اور میری ... میں ... ٹھوکر مار کر مجھے گاڑی کے راستے کی طرف دھکیل دیا۔

آدھی رات گئے شہر پر ایک سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔ کوتوالی کی عمارت کے باہر ... زرد روشنیاں اونگھ رہی تھیں۔ کوتوالی کے قریب ... کے کچھ آثار موجود تھے اور ... پتھر مجھے ... تھے جو شاید لونا کی بازیابی کا مطالبہ کرنے والوں نے کوتوالی پر برسائے تھے۔ ساتھ ہی ... بندوق بردار مسلح سپاہی ... کی سمت ... علاقے میں گشت کر رہے تھے۔

عمارت میں جلد ہی میرا سامان کوتوالی انچارج سے حوالے ... تھا اور اس نے مجھے دیکھا اور نظروں کی ... جنگ چھڑ گئی۔ اس کی نگاہوں میں ... نفرت کی آگ سلگ اٹھی تھی اور میرا دل بے اختیار ....

زور پکڑ گیا کیونکہ وہ میرے لئے اجنبی تھا جس کے لئے نیا تھا۔ حالات قدرے مختلف تھے۔ گروہ اس بار بھی حاکم تھا اور میں اس بار بھی مجرم!

وہ نیپالی پولیس فورس کا افسر کرن سنگھ تھا جو نیپالی سرحدی چوکی پر تعینات تھا۔ اس نے ہیروئن کی اسمگلنگ کے الزام میں میری اور سفید فام لڑکی جوزف کی گرفتاری کے بعد ہمیں بے گھر کر آبادی میں پہنچایا تھا۔ وہاں ہماری لاشیں ... کن نے ہماری ضمانت کا بندوبست کر لیا تھا۔ اس نے کرن سنگھ کو اس قدر مایوسی ہوئی کہ ذرا سی بات پر وہ بگڑ پڑا اور مار مار کر میرا چہرہ لہولہان کر دیا تھا۔ یہ میری بدقسمتی تھی کہ اس وقت بھی میں بغیر داڑھی کے گرفتار ہوا تھا اور اب بھی اسی حلیے میں تھا۔ اسی صورت میں معلوم ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی کیسے رہ سکتے تھے!

کرن سنگھ کی زردی مائل پیشانی پر بے شمار شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔ لیکن معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ زندگی سیٹ بستر پر پہلو بدلتا رہا ہو۔ اس کے چہرے پر بھی تقریباً اسی قدر شکنیں موجود تھیں۔ وہ دونوں انگلیوں میں پکڑی ... لٹ میں تراشے ہوئے ہونٹ بھینچے مجھے گھورتا رہا۔

"کیا آپ مجرم کو پہچانتے ہیں کرن سنگھ جی؟" مجھے لانے والے انسپکٹر نے چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔ یہ اب پکے ہاتھوں آیا ہے!" وہ اپنی کرسی سنبھالتے ہوئے چنگھاڑا "کئی مہینے پہلے یہ سرحدی چوکی پر ایک ساتھی کے ساتھ کسٹم والوں کی مدد کے لئے تعینات تھا تو یہ سالا ایک چھپی ہوئی اسٹیشن ویگن میں جعلی کاغذات پر میرے علاقے سے گزر رہا تھا۔ اس کی ویگن میں ... ہیروئن کی ... ساتھ کسی طرح مقابلے کی ... دھری کی دھری رہ گئی۔ گاڑی کے سائے اور دو پیچھے ہوئے تھے اور کیس جو میں ... کے ایک پاسپورٹ پر اپنی ہی تصویر لگا رکھا تھا۔ میں اسے اور اس کے گورے ساتھی کو لیکر سرحد کے تھانے میں پہنچا تو وہاں ان دونوں کی پہلے ہی ضمانت ہو چکی تھی۔ کئی روز بعد مجھے پتہ چلا کہ یہ وہاں سے فرار ہو گیا۔ اس مقدمے میں یہ اب بھی مطلوب ہوگا!"

"مگر یہ تو کہتا ہے کہ روز آرٹ فیکٹری کا منیجر ہے!" وہ منت نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے زہریلے لہجے میں بولا۔

کرن سنگھ نے اپنی روایتی فرعونیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے چند ناقابلِ اشاعت گالیاں بلند آواز میں تصنیف کیں اور لا پرواہانہ شان سے بولا "آپ دیکھتا ہوں اسے میرے چنگل سے کون مائی کا لال نکالتا ہے۔ لڑکی اپنے ورثاء کے حوالے کی جا چکی ہے۔ اسے حوالات میں ڈال دو۔ پھر دیکھیں گے کہ یہ کہاں کا منیجر ہے!" یہ کہہ کر وہ پرشور آواز میں ہنس پڑا۔ وہاں موجود انسپکٹر اور سپاہیوں نے بھی خوشامدانہ انداز میں اس کے قہقہے کا ساتھ دیا۔

مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے مقدر کے بےرحم ہاتھوں نے میرے گرد مصائب کا جال بُن دیا ہے۔ میں ایک چنگل سے نکلنے نہ پایا تھا کہ کوئی دوسری

دشواری سامنے آجاتی۔ میں نے عشا دیے تین آٹھ کارلیا اور گزر میں پھینک کر لاشعوری طور پہ خود کو ایک بڑے خطرے سے بچالیا تھا لیکن اس طرح کرنے سے چلنے آگیا اور میری ستا ہوا اسید ماں پہ پانی پھر گیا۔ ان بار جیلی کی شفقت آمیز زندگی ایک بار پھر میرا مقدر بنتی نظر آرہی تھی۔ چند جیل کی یادیں ابھی تازہ ہی تھیں کہ پھر تنی صورت حال سامنے آگئی۔

"چل بے..... سنا نہیں تو نے؟" ایک سپاہی نے میری کمر پہ ٹھوکر مارکر حقیر لہجے میں کہا۔

میں بھوک پن کی طرف چلا اور تیرہ میں شانہ پہ انسپکٹر کو گھور نے لگا۔

"چاچی ابھی سینہ زوری کرتا ہے؟ آؤ بے سپر اپا تو ذرا بھاڑ ڈالوں گا۔" میں نے دل ہی دل میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

کوتوالی کی تیرہ و تاریک حوالات اور وہاں گزری ہوئی وہ رات میں زندگی بھر بھی نہ بھول سکوں گا۔ وہ گھوڑوں کے اصطبل کی طرح نیچی چھت والا ایک کافی لمبا اصطبل نما ہال تھا جس میں چھ چھ فٹ کے فاصلے پر فرش سے چھت تک مضبوط آہنی سلاخیں اس طرح لگی ہوئی تھیں کہ وہ ہال دو کوٹھریوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ صرف دونوں سروں پہ واقع کوٹھریاں ہی دو جانب پختہ دیواریں تھیں ورنہ تمام درمیانی حصوں میں صرف عقب میں دیوار تھی باقی ہر طرف آہنی جنگلے لگے ہوئے تھے۔ داخلہ کے لئے بھی سلاخ دار دروازہ استعمال کرنا پڑتا تھا۔

ان تمام ہی کوٹھریوں میں اس وقت گھپ اندھیرے کا راج تھا۔ فضا میں ناقابل برداشت بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ مجھے وہاں پہنچانے والے سپاہیوں کے قدموں کی چاپ پہ کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی پھر چند ٹھنڈیوں کے لئے جلنے والی ٹارچ کی روشنی میں، میں نے کہیں کہیں انسانی جسم گٹھڑیوں کی صورت میں فرش پہ پڑے ہوئے دیکھے جب وہ سنتری دروازہ مقفل کر کے لوٹ گئے تو میں نے اندھیرے میں ٹٹول ٹٹول کر اس کالی کوٹھری کا جائزہ لیا۔ اس کا فرش نہ صرف کچا بلکہ نمناک بھی تھا۔ ایک طرف بچھے ہوئے تعفن زدہ کمبل کے چند کرلے پڑے ہوئے تھے جو سردی کا احساس مٹانے کے لئے ناکافی تھے۔ فضا میں بے شمار مچھروں کا زہریلا آہنگ بھی تسلسل کے ساتھ گونج رہا تھا۔

میں دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر فرش پہ اکڑوں بیٹھ گیا۔ مقدر کی ستم ظریفیوں پہ بے اختیار میرا دل بھر آیا تھا۔

گھنٹہ — جیسے میں نے لوٹ کر جانا۔ وہ حالات کے تیز و تند دھارے کے سامنے تنہا وہ بہروپ تا تمہ نہ رکھ سکی جس پر میں فریفتہ تھا۔ میں نے اسے معصوم دوشیزہ سمجھ کر چاہا مگر آخر کار وہ مجھے بالاخانے کی جنس نظر آئی اور لاہور کے بازار حسن میں میرے ہاتھوں اس کے لہو سے آلودہ ہو گئے۔ اور اب — میں نے لڑکی کو چاہا دل کے بجائے میں نے عقل سے فیصلہ کیا کہ

وہ میری زندگی کے خزاں آلود گلشن کو گل رنگ بنا جائے گی۔ اس کا آخری پتھر ہٹا کر زیور اپارٹمنٹ سے اپنی شب عروسی اور اس کے دو سال پہلو خواب گاہ کا تصور ذہن میں بجائے واپس لوٹا تو تقدیر منصوبوں پہ خندہ زن تھی۔ میں وہ رات جس میں دلہن شرمیلی دوشیزہ کی آغوش اور پھولوں کی سیج میں گزارنے کے بجائے حوالات میں بسر کرنے پہ مجبور کر دیا گیا تھا۔ انسان حالات کے ہاتھوں کس قدر مجبور ہے اس کا اندازہ مجھے خوب ہو رہا تھا۔

میں نہ جانے کتنی دیر ان ہی خیالات میں کھویا رہا۔ پھر ایک سانس لے کر فرش سے اٹھ گیا۔

اسی وقت برابر والی کوٹھری سے کسی کی نرم اور دھیمی آواز "کیا ادھر کوئی ہے؟" زبان انگریزی اور لہجہ عامیانہ تھا۔

"ہاں — ایک بدنصیب آج کی رات تمہارا ہمسایہ ہے۔" میں افسردہ لہجے میں یہ کہہ کر اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا آواز والی سمت بڑھا "تمہارے پاس سگریٹ ہے؟"

اس آواز نے میری رہنمائی کی اور میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ ہمارے درمیان آہنی سلاخیں حائل تھیں جن کے درمیان سے ہاتھ بآسانی دوسری طرف گزر سکتا تھا!

"سگریٹ ضرور ہے مگر ماچس چھین لی گئی ہے!" کچھ مایوسی کے عالم میں میں نے آہستہ لگا دیا۔ میں نے سلاخوں کے اس پار ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔

آواز کے لوچ نے مجھے چونکا دیا اور وہ بہت ہی بھلا۔ اس کا بدن سبک مگر گداز تھا۔ کھلے ہوئے لمبے بال شانوں سے نیچے تک لہرا رہے تھے۔ اس کے لمبے شانوں پہ میرا ہاتھ محسوس کر کے کرنٹ سا لگا۔ میں نے آہستگی سے اس کا بازو دبایا اور تقریباً سرگوشیانہ آواز میں پوچھا "کس جرم کی پاداش میں موجود ہو؟"

"جنسی!" آواز نرم اور شرم سے عاری تھی۔ "شہر یا جب بڑی لعنت یہی ہے کہ یہ لوگ جنس کو ممنوعہ سمجھتے ہیں۔ مجھے پولیس نے ایک معشوق کا لب کے ذریعہ پھانسا ہے۔"

"کیا تم بھی غیر ملکی ہو؟"

"نہیں، میں مقامی ہوں۔"

"دوسری طرف بھی مقامی ہوں۔ آج ہی ہم گر وہ تو نگر ہونے کے اللہ کو نصیب میں یہ دو رنگ ہیں۔ میں نے آواز دھیمی ہی رکھی مجھے اندازہ تھا کہ کہیں دوسرے حوالاتی بیدار ہو کر ہماری تنہائی میں مخل نہ ہوں۔ "اگر وہ انگریزی سے آشنا ہوئے تو شاید تمہاری دلچسپی میری طرف مبذول ہو جاتی۔ حوالات کی بوجھل فضا میں لڑکی کی ہنسی جیسے چھوٹ رہی ہو۔

بچانا تو میں بھی جانتی ہوں"
"وہ پا بستر تو وہ ہیں پہ آؤ۔ میری کاغذ لوہی ہو چکی ہے۔ باتیں کرنے بائی ماندہ وقت آرام سے بسر کر سکیں گے!" اس نے تجویز پیش کی۔

"بستر؟" میں استہزائیہ لہجے میں بولا۔ "وہ غلیظ چیتھڑوں کے انبار جو شاید تمہارے حسن سے مرعوب ہو کر انھوں نے تمہیں بطور بستر دیا ہو!"

"میں جرم کو محض نیت کرنے پر مجھے گرفتار کر لیا گیا ہے وہی جرم کرنے کے بعد اسیر کیا جاتا ہے کہ یہاں کا انصاف بہت ہی خود غرض شخص ہے۔ میں بے زیادہ بھی رات پہنے کو تیار نہیں ہے!"

میں دو سلاخوں سے پشت لگا کر بیٹھ گیا۔ اس نے بھی اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں اس کا قرب بڑا عجیب سا ہیجان خیز تھا۔ کپکپیوں میں انگلاتے ہوئے ہتھیلیاں گرم تھے اور وہ سپاٹ باتیں اب مجھے ناقابل برداشت نظر آرہی تھیں۔

"تم کس ملک سے تعلق رکھتی ہو؟" میں نے بھاری اور بحیثیت کے لہجے میں پوچھا۔

"میں سویڈن سے آیا ہوں۔" جواب ملا۔

"آیا ہوں؟" میں نے حیرت سے دہرایا "یعنی کہ....."

"ہاں ہاں — میں لڑکا ہی ہوں۔ دراصل لمبے بال رکھتے ہیں مجھے ہونٹ پھاڑ کر ہنسی کے ساتھ بولا۔"

میرا دوران خون یک بیک سست ہو گیا۔ ذہن اور کنپٹیوں پہ پسینے پھوٹ کی دھڑکن سے الفت کا زاویہ اچانک ہی مٹ کر گیا اور میں غصے سے تقریباً ہکلاتے ہوئے غرایا "تم — تم — تم آفت لے بیچ! مجھ سے عشق لڑانے کی کوشش کر رہے تھے؟"

"کیا تم کسی ذہنی مرض میں مبتلا ہو؟" اس نے طنزیہ آواز میں پوچھا۔ میرے منہ سے اردو اور انگریزی کی ملی جلی گالیوں کا ایک طوفان امڈ پڑا۔ غصے کے باعث مجھ پر دیوانگی طاری ہو گئی اور میں اپنی پوری قوت سے چیخنے لگا۔

اسی وقت باہر سے سنتریوں کی گھبرائی ہوئی خوابناک آوازیں اور بھاری بوٹوں کی تیز دھمک سنائی دی۔ دو مسلح سپاہی لالٹین جھلاتے اندر پہنچے۔

لالٹین کی تیز بلکی روشنی میں میں نے دیکھا کہ میرا پڑوسی چوڑے بدن کا ایک سا پستہ قامت سفید فام لڑکا ہی ہے ابھی اس کی مسیں بھی پوری طرح نہیں بھیگی تھیں مگر سر کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے وہ نفرت بھری نگاہوں سے مجھے گھور رہا تھا!

ابھی ایک زبردست تاریکی کے باعث میں لڑکی سمجھ بیٹھا تو اس بیچارے

فی الحقیقت اس بے چارے کا کوئی قصور نہ تھا۔ وہ اپنے ملک کے بگڑے ہوئے معاشرہ کا شکار ہو کر اسی جنسی اقدار سے منحرف ہو گیا تھا اور اس کے نزدیک کسی آبرو باختہ لڑکی کی طرح اسے بھی مناسب معاوضے کے بدلے جنسی تفریح کا ذریعہ بنایا جا سکتا تھا اور وہ میری گرم جوشی سے یہی سمجھا ہو گا کہ تو ای کے مخاطب رفتہ رفتہ کی طرح میں بھی اس پہ ڈورے ڈال رہا ہوں۔ بات صرف اتنی تھی کہ ساری گفتگو انگریزی میں ہوئی اور اس بے ہودہ زبان میں تکلم اور تخاطب کے صیغے ایسے ہی ہیں جن سے جنس کا سراغ لگانا ممکن ہو جاتا ہے اور مجھ گھور تاریکی کے باعث ان انگریزی صیغوں کا شکار ہو کر غلط لڑکی سمجھ بیٹھا اور جوں ہی اسے میری غلطی کا علم ہوا اس نے بات صاف کر دی۔ مگر اس وقت تو غصے اور جھلاہٹ کے باعث میری عقل خبط ہو کر رہ گئی تھی۔ میں پوری قوت سے چیخ چیخ کر اس کی بے ہودہ حرکت پہ چلا رہا تھا۔ میری چیخ و پکار پر حوالات میں سوئے ہوئے سب قیدی بیدار ہو گئے تھے۔ اور ایک دوسرے سے صورت حال دریافت کرنے کی ناکام کوششیں کر رہے تھے!

سنتریوں کی آمد اور ڈانٹ بھی مجھ پر بے اثر رہی۔ طیش میں آ کر سلاخوں سے ہاتھ نکال کر اس کی بے ہودہ حرکت پر جھپٹا تو اس کی ساری ہیجانی کافور ہو گئی۔ اور وہ خوفزدہ انداز میں محفوظ فاصلہ پہ جا کر کھڑا ہو گیا تاکہ جسمانی تشدد سے محفوظ رہ سکے۔

"یہ سالا انگریزی میں کیا بکواس کر رہا ہے؟" ایک سنتری نے بے زاری کے عالم میں اپنے نیم خواندہ ساتھی سے پوچھا لیکن وہ اس کی کوئی مدد نہ کر سکا۔

ان دونوں نے یک بیک تنگ آ کر مجھ پہ نشانہ تان کر سنبھالا جب یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی تو ان میں سے ایک نے دروازہ کی سلاخوں میں سے بندوق کا کندہ میری پنڈلی پہ مارا۔ میں نے اشتعال کے عالم میں تڑپ کر اس کے ہاتھ سے بندوق چھین لی۔

بندوق ہاتھ سے نکلتے ہی وہ دونوں حواس باختہ ہو گئے اور لالٹین بھی ایک جھٹکی سی آواز میں گرکے بجھ گیا۔ ایک کونے میں جا گھسا۔ میں نے بندوق کی نالی اٹھا کر سنتریوں کو للکارا "دفع ہو جاؤ یہاں سے ورنہ جان سے مار دوں گا۔ میں تم سب سے نمٹنا خوب جانتا ہوں۔"

وہ دونوں الٹے پاؤں سے سر پٹ بھاگے اور میں نے بندوق لالٹین کی طرف سیدھی کر لی۔ مگر لالٹین کہاں — سنتریوں کے جاتے ہی وہاں اندھیرا چھا گیا تھا اور وہ نہ جانے کس گوشے میں جا دبکا تھا۔

اسی وقت اندھیرے میں الجھن کے گھگھیا کر سٹنے کی آواز آئی۔ وہ منہ کر کے مجھ سے جان کی بھیک مانگ رہا تھا۔

ان بدبو دار کوٹھریوں میں اس کے بعد نئے بے صورت حال پیدا ہو کر رہ گئی تھی کہ میرا غصہ سرد پڑنے لگا۔ مجھے احساس ہوا کہ اب بندوق چھینے

پہلے کرن سنگھ کی کراہی مزدوروں کا نشانہ بنتے پڑتے تھا اور میں نے اپنے جرم کی شدت کو کم کرنے کے لئے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ بندوق دروازہ کی سلاخوں میں سے راہداری میں ڈال دی۔

الیکن تھک کر مسلسل بٹتے جارہا تھا میں نے اسے ڈانٹ کر خاموش رہنے کا حکم دیا۔ شاید اسے علم نہیں تھا کہ میں بندوق باہر پھینک چکا ہوں۔ لہٰذا میری پھٹکار سنتے ہی وہ یکلخت خاموش ہو گیا اور وہاں اندھیرے میں ایک بار پھر صرف جھینگروں کا شور باقی رہ گیا۔

تھوڑی ہی دیر میں راہداری میں روشنی آتی نظر آئی ساتھ ہی بہت سے بھاری قدموں کی دھمک بھی سنائی دے رہی تھی۔ اور کرن سنگھ اونچی آواز میں حوالاتیوں کے خاندانی پس منظر پر روشنی ڈالتا سنائی دے رہا تھا۔

پھر شاید آنے والوں کو راہداری میں پڑی بندوق بھی نظر آ گئی اور کرن سنگھ کی غصیلی آواز گونجی " کیوں بے سالی کے خصم — تیری بندوق تو وہ پڑی ہے کیا نیند میں حوالاتی کا شور سن کر ڈر گیا تھا جو بندوق یہاں چھوڑ بھاگا اور کوتوالی میں اودھم مچا دیا کہ ایک حوالاتی نے میری بندوق چھین لی ہے — اٹھا سالے جا کر وہ بندوق "۔

وہ بری طرح بھاگتا ہوا گیا جیسے اسے شبہ ہو کہ ذرا بھی تاخیر ہوئی تو کوئی اور بندوق لے بھاگے گا۔ اور جب وہ اس کا جائزہ لے رہا تھا تو کرن سنگھ سلیپنگ سوٹ پہنے دس بارہ مسلح سپاہیوں کے ساتھ آ پہنچا اس کا ریوالور ہاتھ میں دبا ہوا تھا شاید بوکھلاہٹ میں وہ گشت کرنے والوں کو بھی ساتھ ہی لیتا آیا تھا کیونکہ تھرسوار سنتریوں کی وردیاں بہت واضح نظر آ رہی تھیں۔

" کیوں بے — کیوں اودھم مچا رہا تھا؟ " کرن سنگھ میری کوٹھڑی کے سامنے رک کر سرد اور غصیلی آواز میں بولا۔

" یہ بار بار مجھے چرس کے لئے تنگ کر رہا تھا میرے لئے بیٹھنا مشکل ہو گیا تھا " میں نے ولین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

" خوب! " کرن سنگھ نے وہیں کھڑے کھڑے ولین کو گھورا اور طنزیہ لہجے میں اپنے ماتحتوں سے بولا " نکالو اس مردود کو ابھی میں کرتا ہوں اس کی چرس کا بندوبست! "

کرن سنگھ کی آنکھوں میں یکبیک پیدا ہونے والی چمک سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ میرا اودھم بھول چکا ہے اس کی تمام تر توجہ ولین پر مرکوز تھی۔

وہ ساری بھیڑ ولین سمیت وہاں سے رخصت ہو گئی اور میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

دگلی صبح خلاف توقع مجھے سرسری بازپرس کی گئی میں نے کرن سنگھ کو بتایا کہ میں پولیس سے ضمانت پر نجات دلانے والے لوگ میرے منتظر ہیں تھ

والا تھا کے بعد ان میں سے کوئی نہ کوئی مجھے اطمینان دلاتا کہ میرا مقدمہ بہت جلد عدالت میں پیش ہو گا

میں جلد از جلد کسی طرف نکل جاؤں اپنے ضامن کے اس وعدے [illegible]

مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی وہ لوگ بارسوخ اور متعلق تھے جنھوں نے پہلا اور میں نے پہلی فرصت میں وہاں سے نکل بھاگا تھا پھر گمشدہ ہو جانے کی قسمت

کی اور محض تعلیم کی بنا پر مجھے بھروسہ آرٹ فیکٹری میں منیجری کی جگہ مل گئی۔

" فیکٹری کے مالکان سے تمہارا کیسے واسطہ پڑا [illegible] "

مقام پر سوال کیا اور اس کے ساتھ ہی میرے لئے بے چینیوں کی ابتدا ہو گئی۔

" اتفاقی واقعہ! " میں نے محتاط جواب دیا " مجھے ملازم [illegible]

شخص وجہ کا رشتہ مگر تقرر ہونے پر سیٹھ نرائن داس کے دستخط تھے۔ "

میں نے اس لئے بولا کر وجہ اب پولیس کے سامنے میری کسی بات کا بھی کوئی

کے لئے زندہ نہیں تھا میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا " اس

مجھے سیٹھ صاحب کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا مگر بعد میں پتہ چلا کہ ان کی

خراب ہے اور ان کی جانب سے وجے کمار ہی سارے معاملات دیکھا

" فیکٹری کے معاملات میں تمہیں ہدایات کہاں سے ملتی تھیں؟ "

" دوسرے تمام امور میں مجھے مکمل اختیارات حاصل تھے

مسائل پر مجھے وجے سے ہدایات لینی پڑتی تھیں۔ "

" تمہیں معلوم ہے کہ کس رات وجے ایک تا [illegible]

داس نے خودکشی کر لی۔ "

" آج صبح تک ہی میں مجھے یہ اطلاعات ملی تھیں! "

اسی روز گیارہ بجے کے قریب مجھے عدالت میں پیش کر دیا گیا لونا بھی عدالت میں موجود تھی۔ احاطے میں اس کا باپ بہت سے مقامی عیسائیوں سمیت موجود تھا۔

لونا کی آنکھیں سرخ اور ورم آلود تھیں جیسے وہ ساری رات پلک نہ جھپکی ہو۔ وہ کرتو عدالت میں سب سے اگلی قطار میں موجود تھی۔

میرے خلاف عائد کی جانے والی فرد جرم میں چار الزام تھے اول نیپال کی سرحد پر غیر قانونی طور پر منشیات کی اسمگلنگ، دوم گورکھا کو غزالت پر مجبور کرنے کی کوشش، سوم ضمانت کے بعد پولیس سے روپوشی اختیار کرنا اور ایک مقامی عیسائی دوشیزہ کا اغوا۔

ابتدائی تینوں الزامات ٹھوس تھے اور میں ان کے بارے میں کیا کہہ سکتا تھا اگر کچھ کہتا بھی تو بیکار تھا البتہ لونا کے معاملے میں اپنی بیگناہی پر میں نے پورا زور صرف کر دیا۔ کٹہرے میں بیان دیتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ابتدائی تین الزامات کے بارے میں میرا تقریباً اقبالی بیان سن کر لونا مایوس ہونے کے بجائے خوش ہوئی بلکہ اسے توقع نہیں تھی کہ میں اس قدر فراخدلی سے اعتراف کروں گا۔

عدالت میں لونا کا بیان معنی خیز ثابت ہوا۔ اس نے واضح الفاظ میں اپنے سوتیلے باپ کے گھناؤنے کردار سے پردہ اٹھایا تو وہاں سنسنی پھیل گئی کہ لونا رائل ہوٹل سے پولیس کے دباؤ کے تحت روانہ ہوتے ہوئے اس کے کاغذات بھی ساتھ ہی لے گئی تھی۔ وہ کاغذات اس نے عدالت کے سامنے پیش کئے اور بتایا کہ اس کو کسی نے اغوا نہیں کیا بلکہ اس کا بدکردار باپ جو شراب اور پیسے کے بہانے اسے اپنے چنگل میں اور باندھے رکھنا چاہتا ہے تاکہ اس کی دولت سے اپنی ضروریات پوری کرتا رہے!

کافی سوچ بچار کے بعد قانونی نکتہ یہ اٹھایا گیا کہ ابتدائی تین الزامات کا تعلق ایک پرانے جرم سے ہے جو اس عدالت کے دائرہ کار سے باہر واقع ہوا لہٰذا یہ مقدمہ اسی عدالت میں منتقل کر دیا گیا اور اس مقدمے کی ابتدائی سماعت تک کے لئے مجھے پولیس کی تحویل میں دے دیا گیا۔

اغوا کے مقدمے کا فیصلہ فی الفور صادر کر دیا گیا۔ مجھے باعزت بری کر دیا گیا اور لونا کو اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کی اجازت دے دی گئی۔

عدالت برخاست ہوتے ہی کرن سنگھ نے مجھے لونا سے ملنے کی اجازت دے دی سامنے آتے ہی وہ بیچاری بلک کر رو پڑی۔ میں نے اسے کافی تسلی دی تو وہ اعتدال پر آئی۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ اس کے گھر والے اور مجھے اسلامک مشن میں جاتے دیکھ لیا تھا لہٰذا وہ سمجھ گیا کہ لونا ہاتھ سے نکلی جا رہی ہے۔ جب شادی کی رسوم کے بعد ہم دونوں رائل ہوٹل گئے تو اس نے ہمارا تعاقب کیا۔ اس کے لئے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ میں مسلمان ہوں۔ مجھے معیوب جان کر اس نے لونا کے باپ مارٹن کو سارا قصہ سنا دیا۔ اس پر وہاں بہت سے ... کا رد عمل ہوا۔ ہر شخص عیسائی نوجوانوں نے لونا کے اس اقدام کو شدید بے عزتی سمجھا اور وہ مارٹن کو لے کر کوتوالی جا پہنچے۔ انھوں نے وہاں لونا کی بازیابی کے مطالبے کے ساتھ ہی اشتعال انگیز فرقہ وارانہ نعرے بازی بھی کی اور لونا کو ساتھ لئے بغیر وہاں سے نہ ہٹے۔

اب لونا کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ پناہ کا تھا۔ اس کے ہم مذہب اس کے خون کے پیاسے ہو چکے تھے۔ وہ شہر میں کہیں بھی تنہا رہنے کا تصور نہیں کر سکتی تھی۔ اول تو اسے اپنی آبرو کی حفاظت کرنا محال ہوتا دوم مارٹن کے حمایتی شوریدہ گریس سے انتقام لینے کے لئے کوئی بھی قدم اٹھا سکتے تھے میرے جیل میں ہوتے ہوئے وہ بھرے شہر میں تنہا اور بے سہارا رہ جاتی!

" تم شہر کے کسی گمنام ہوٹل میں چند دن گزار لو لونا۔ پھر میں تم سے آ ملوں گا۔ "

" یہ ناممکن ہے ... عدالت میں میرے بیان کے بعد وہ مجھے مار ڈالنے کی کوشش کریں گے کھٹمنڈو کوئی بڑا شہر نہیں ہے۔ وہ بہت جلد مجھے ڈھونڈ نکالیں گے! "

واقعی یہ اس کی زندگی اور موت کا معاملہ تھا اور جب بات یہاں تک آ گئی تو اب مجھے بھی خطرہ مول لینا ہی تھا۔ پورے شہر میں صرف گریس ہی ایسا آدمی تھا جس پر اپنی بیوی کے معاملے میں میں بھروسہ کر سکتا تھا میں نے اسے گریس کے بارے کا پتہ بتلاتے ہوئے کہا " تم اس کے پاس چلی جاؤ اور اسے ساری صورت حال بتا دو اور اسے میرا پیغام دینا کہ میری واپسی تک وہ میرے دو آدمیوں گیتا اور بالی کو تمہاری حفاظت پر مامور کر دے۔ وہ دونوں اکثر گریس کے پاس آتے رہتے ہیں اور تمہیں بھی بالکل بہن کی طرح رکھیں گے۔ "

" آپ نہیں جانتے ... کچھ نہیں جانتے! " وہ بے بسی کے ساتھ رو پڑی " یہ صرف میں ہی جانتی ہوں کہ ایک تنہا اور بے سہارا لڑکی کبھی کسی مرد کے لئے باعث احترام نہیں ہو سکتی۔ وہ لوگ آپ کے سامنے جو بھی ہوں مگر جب انھیں یہ معلوم ہو گا کہ آپ حوالات میں ہیں تو ان کا رویہ میرے ساتھ ہمدردانہ نہیں ہو گا۔ اس سے بہتر تو یہی ہے کہ میں ——— انھوں میں لوٹ جاؤں اور ان کے فیصلے کے سامنے سر جھکا کر بے دردی کی موت گلے سے لگا لوں! "

اسی وقت کرن سنگھ اپنے دوستوں سے گفتگو کر کے فارغ ہوا اور کرخت آواز میں بولا " چل بے! اب اپنی جورو کا پیچھا چھوڑ ورنہ مقدمہ کو روکے جانے گا! "

میں نے اس سے کچھ دیر کی مہلت مانگی مگر وہ طیش میں آ گیا اور مجھے اسی مرحلے پر لونا کو روتا چھوڑ کر اس کے ساتھ جانا پڑ گیا۔

لونا نے عدالت میں میرے خلاف عائد کئے جانے والے بقیہ تین جرائم کے بارے میں نہ مجھے کسی قسم کی بات کی اس موضوع کو چھیڑا۔ یہ بات بلکہ اس کی عظمت کی عکاسی تھی میں جہاں تک اس کے مزاج کو سمجھ سکا اس کی بنا پر میرا خیال تھا کہ وہ مر کر بھی اپنوں میں واپس نہ جائے گی۔

حوالات کی کوٹھڑی اب ایک بار پھر میرا مقدر بن گئی۔ اس سے پہلے کرن سنگھ نے انسپکٹر سے جو گفتگو کی اس کی بنا پر مجھے معلوم ہوا کہ وہ جلد

بھی مجھے سرا ٹھا کر لانے کا بندوبست کرے گا۔

دن کی روشنی حوالات میں دھندلائی ہوئی سی تھی۔ بلیک بارٹ نے تلخ نظروں سے میرا خیر مقدم کیا۔ اور جب سنتری مجھے بند کر کے چلے گئے تو وہ عادت سے مجبور ہو کر مجھ سے مخاطب ہو گیا۔

"رات تم کو کیا ہو گیا تھا؟"

"پہلے تو میرا جی چاہا کہ اس ناقابلِ نفرت چھوکرے سے گفتگو کر دوں، مگر پھر ذہنی پریشانیوں سے چند ثانیوں کے فرار کی خاطر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔" ہم ابھی ترقی کی اس منزل پر نہیں پہنچے جہاں ہم جنسوں کو محبت کی کھلی چھوٹ مل جاتی ہے!"

"بکواس!" وہ ڈھٹائی سے بولا۔ "جانتے ہو پچھلی رات کا باقی حصہ میں نے کرن سنگھ کی خواب گاہ میں ایک قالین پر سو کر گزارا ہے!"

"اچھے ٹھیک ہوتا ہے۔ تمہارے ملک میں بھی ایک آدھ فی صد لوگ جنس مخالف کی طرف میلان رکھتے ہوں گے!" میں نے اس پر گہرا طنز کیا۔

"ہمارے یہاں آبادی میں اضافہ کی شرح خاصی بلند ہے۔" وہ صفائی پیش کرنے لگا۔ "دراصل ہم لوگ لکیر کے فقیر نہیں ہیں۔ اپنے فطری رجحانات کو معاشرتی رسوم کی قربان گاہ پر بھینٹ نہیں چڑھاتے اور میں اس پہ فخر ہے!"

"میری دانست میں تو تمہیں اپنے ملک کی نمائندگی کا کوئی حق نہیں۔ تم جیسے آوارہ منش ہی تو سرحدوں سے ماورا اتفاقی ذہنی تعلق رکھتے ہیں!"

"کرن سنگھ بالکل الو کا پٹھا ہے۔" اس نے بات کا رخ پھیر دیا۔ "اخلاقی جرأت سے کیسر عاری! جانتے ہو رات اس نے کیا کیا؟"

"کیا اب بھی کچھ بتانے کی ضرورت رہ گئی ہے!" میرا لہجہ تلخ تھا۔

"میرا معاملہ بالکل سیدھا ہے۔ میں اسے اقبالی بیان دے چکا ہوں۔ مگر وہ حوالات میں میرے قیام کو طول دینے کی نیت سے مجھے عدالت میں پیش نہیں کر رہا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہاں سے مجھے فی الفور سزا نہیں ہوئی تو پولیس ڈنک اپ کے بجائے مجھے جیل بھیج دیا جائے گا۔ وہ ایک لحظے کے لئے رک کر بولا پھر بیوقوف! کل رات مجھے یہاں سے لے جانے کے بعد اس نے بیوی بچوں کے ساتھ ڈنر میری تنقید پہ مار کے، پھر بلایا جیسے ہو سے لپٹے ہاتھوں کو کچھ حکم دیا اور انہوں نے میرے ہاتھ پیر باندھ کر کرن سنگھ کی خواب گاہ سے ملحق باتھ روم میں ٹھنڈے پانی سے بھرے ہوئے ٹب میں ڈال دیا اور جب وہاں کوئی نہ تھا تو کرن سنگھ نے خود مجھے اس عذاب سے نجات دلائی!"

شام تک میں اس سے بحث مباحثے میں الجھا رہا کہ حج کے قریب ایک سپاہی نے میری کوٹھری پر آ کر: "تیری عورت ملنے آئی ہے۔" اور پوچھا تھا "اسے بھیں بلا دیں نہیں۔"

اس خبر نے یک بیک مجھے مضطرب کر دیا۔ نہ جانے وہ کس مجبوری کے تحت وہاں آ پہنچی تھی۔ چند ثانیوں کے بعد کرن سنگھ کے بجائے ایک سپاہی

لوٹا کو لئے اس عفونت زدہ منحوس قید خانہ کی طرف آیا۔

"آپ ایسی جگہ سرتاج..." اس کی آواز لرز رہی تھی۔

"یہ مقدرات ہیں لونا؟" میں سوگوار سی مسکراہٹ سے...

"ثروت واختیار کے دن دیکھے تو مصائب کی یہ گھڑی بھی آنی تھی۔ تم بتاؤ کیسے آئی ہو اور کہاں ٹھہری ہو؟"

"میں گردی کے پاس گئی تھی۔" وہ نظریں جھکا کر بولی۔ "یہودی بہت مکار ہے۔ پہلے تو آپ کا نام سن کر احترام سے پیش آیا۔ جوں ہی میں نے اسے بتایا کہ آپ کن دشواریوں سے دوچار ہیں، یک بیک آنکھیں پھیر لیں اور بولا کہ وہ ایسے لوگوں سے ... کے بارے میں بھول جانے کا عادی ہے جو قانون کی گرفت میں آ چکے ہیں۔"

"اس نے کہا!" میں نے توہین کے شدید احساس کے ساتھ ... میں کہا۔

"عقب بے سود ہے سرتاج۔" میں نے صرف اس لئے لوگوں کے بارے میں اپنی رائے اطمینان بخش قائم نہ کر سکا... کے بعد میں آپ کی رہائی کی تدابیر ہی سوچتی رہی ہوں، اور شاید کامیابی بھی ہوئی ہے!"

"کیسی کامیابی... کیا کوئی ضمانت پر رہا ہو گیا ہے؟" بمشکل اپنی مسرت پر قابو پاتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ۔" وہ فخریہ سا بولی۔ "انحصار آپ کے فیصلے پر ہے۔" وہ سرگوشیانہ آواز میں بولی تاکہ قریب ہوا سپاہی کچھ نہ سن سکے۔

"اس وقت اپنی رہائی کے سوا مجھے کسی بات کی فکر نہیں۔ میں جلد از جلد آزاد فضاؤں میں سانس لینا چاہتا ہوں!"

"میں نے آنند بھون فون کیا تھا اور منزّلی سے بات کی تھی۔" وہ دبے دبے پُرجوش لہجے میں بولی۔ "مجھے اپنا کنایوں میں تو بتا چکی تھی کہ وہ آرٹ فیکٹری کی آڑ میں کچھ خفیہ کام ہوتے ہیں۔ میں نے اسے بتایا کہ آپ گرفتار کئے جا چکے ہیں اور سورج طلوع ہونے سے قبل رہائی نصیب نہ ہوئی تو فیکٹری کے راز کو بھی قانون کے سامنے جلد ہی ہم مجبور کر دیئے جائیں گے!"

"پھر... پھر وہ کیا بولی؟" میں نے جوشیلے انداز میں پوچھا۔

"پہلے تو وہ برہم ہوئی اور یہ جاننا چاہا کہ میں کون ہوں۔ اس سے کہا کہ میں محض پیغام رساں ہوں۔ جملہ علائق کا حساب ... اپنا برا بھلا دیکھ کر فیصلہ وہ خود کر سکتی ہے۔ اس پر وہ نرم پڑی ... وہ اپنے کسی آدمی کو تاوان بھیجے گی میں آپ کو بھی بتانے آئی تھی ... ناعلمی کے باعث نقد رہا کا کام نہ ہو سکے۔ آنند بھون کے لئے ... لوٹ خود دارے بھی آسودہ سکیں۔ یہ آپ کہئے میری پہلی اور آخری ...

تھا۔ اس منصوبے کو کامیاب کرکے لوٹنا!" فرطِ ممنونیت سے میری ... کی ہی تمہارے حوصلے نے تو مردوں کو بھی مات کر دیا ہے۔ یہ میری خوش بختی ہے کہ تم میری شریکِ حیات ہو!"

"بابا کے لئے میں جا رہی ہوں۔ یہ رات پہیوں کے کسی ہوٹل میں بسر کروں گی۔ ... پہلے سے بھی ... سکیں گے کہ میں کسی فٹ پاتھ پر شب بسری ... بنا لوں گی۔"

"رہائی کے بعد میں تم کو کہاں تلاش کروں گا لونا؟"

"میرا کوئی ٹھکانا نہیں۔ ہاں اس شہر سے نہ جاؤں گی۔ یہ ... ہے۔" اس نے کہا اور تیزی کے ساتھ واپسی کیلئے مڑ گئی۔ مگر میں ... کی آنکھوں کے گوشوں میں تیرتی نمی دیکھ چکا تھا۔

رات نو بجے کے قریب میری طلبی ہوئی۔ میں کرن سنگھ کے کمرے میں پہنچا تو وہاں آنند بھون کا منتظم سنہا موجود تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا اس نے چہرے پر کرختگی ہی طاری رکھی۔ وجے کی موت کے بعد اسی ... ذات ایسی تھی جس پر گیتا رانی کسی حد تک اعتماد کر سکتی تھی۔

"آپ حوالاتی سے بات کر لیں۔ میں جا رہا ہوں!" کرن سنگھ کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "مگر اس سے ذرا ہوشیار ہی رہیے۔ کل رات اس نے ... انکار کیا تھا۔ ذرا بھی گڑبڑ کرے تو آواز دے لیجئے گا۔ میرے مسلح آدمی دروازے پر ہی موجود ہیں گے!"

کرن سنگھ کے چلے جانے پر ہم دونوں چند ثانیوں تک ہم ... رقیبوں کی طرح ایک دوسرے کی نظروں میں دیکھتے رہے۔ پھر میں نے ہی سکوت توڑا۔ "کیا خبر لائے ہو سنہا؟"

"مالکن یہ جاننا چاہتی ہیں کہ تم نے بغاوت آمیز دھمکی کی جرأت کیوں کر کی؟"

"سوال معقول ہے!" میں نے اعتماد سے سر ہلا کر کہا۔ "مجھے ایک سگریٹ دو تو میں سکون سے بات جاری رکھ سکوں گا۔"

اس نے پیکٹ نکال کر میرے حوالے کر دیا۔ ہتھکڑی بندھے ہاتھوں کے سبب سنبھالنے ہی میں میں نے سگریٹ جلائی اور میں اس کا گہرا کش لیتے ہوئے بولا۔ "وجے اور ثریا کی موت تک تم آنند بھون کے ایک نادار ملازم تھے کوئی بات کرنے سے قبل میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم خود گیتا رانی کے کتنے معتمد ہو!"

"یہ کس طرح ممکن ہے۔" وہ مسکرایا۔ "گیتا رانی یہ سمجھتی ہے کہ میں عقل سے محروم ایک بے ضرر ادنیٰ ... مگر میں وہ سب جانتا ہوں جو وجے اور ثریا کی موت کا سبب بنا۔ فیکٹری کے کاروبار کی نوعیت تو بہرحال میرے لئے کوئی راز ... اب تم کوئی ایسی بات بتاؤ جو مجھے مطمئن کر سکے کہ تم گیتا رانی

کے راز داں ہو!"

"اس کی کیا ضرورت ہے!" وہ پُرسکون تھا۔

"مسٹر سنہا!" میں سگریٹ کے بے دھیانی کش لے کر بولا۔ "میں بنیادی طور پر کوئی مجرم نہیں ہوں۔ مگر اب میں ماضی کے کچھ واقعات کی بنا پر اس بری طرح قانون کے شکنجے میں پھنسا ہوں کہ مجھے جرائم کی دنیا نظر آ رہا ہے۔ ماضی کے ان واقعات میں آنند بھون کے مکین ہی پس پردہ کارفرما تھے ......"

"تمہارا اشارہ جرس کی اسمگلنگ کے واقعہ کی طرف ہے؟" اس نے میری بات کاٹ کر پوچھا۔

"ہاں۔ ہو سکتا ہے کرن سنگھ تمہیں وہ واقعہ بتا چکا ہو! تو میں کہہ رہا تھا کہ ان حالات میں میرے حلقۂ اثر میں صرف گیتا رانی ہی ایسی ہستی ہے جو مجھے ان دشواریوں سے بچا سکتی ہے۔ مگر وہ میرے معاملات میں کیوں دلچسپی لینے لگی جب کہ اس کی انسٹ میں فیکٹری غیر قانونی کاروبار کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ اور ان دونوں تو وہ کاروبار بھی بند ہی ہے! اس کا انکشاف کرنے کے بعد منیجر کے طور پر میں خود مزید پریشانی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ لہٰذا بہتر طریقہ وہی ہے جو میں نے اختیار کیا۔ اب اگر تم گیتا رانی کے معتمد نہیں ہو تو اس کے اہم ترین رازوں کا اظہار تمہارے سامنے نہیں کیا جا سکتا۔ میں اس بات کو ہرگز پسند نہیں کروں گا کہ میری آڑ میں کسی اور کو بھی گیتا رانی کے خلاف بلیک میلنگ کا مواد مل جائے!"

"ٹھیک ہے!" میری بات پوری ہونے پر سنہا تحسین آمیز لہجے میں بولا۔ "مگر تمہاری ہی دلیل کے مطابق مجھ پر بھی احتیاط لازم ہے۔ لہٰذا میں اس نکتے سے ابتدا کرتا ہوں جو فیکٹری منیجر ہونے کے باعث تم ضرور جانتے ہو گے...!"

"ہاں یہ بہتر ہو گا...!"

"فیکٹری سے دیہات کے کھلے کھیتوں میں منشیات کی بھاری مقدار خیر ممالک کو برآمد کی جاتی رہی ہے اور یہ بات تمہارے علاوہ ویکنگ شاپ کے چند افراد کو معلوم تھی جن میں سے ایک کسی دشمن کے ہاتھوں مارا گیا۔"

"میری ہدایات کا فوری ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ڈوی ولن!" وہ اب بہت زیادہ سنجیدہ ہو چکا تھا۔

"وہ زندہ ہے یا مر چکا ہے؟" میں نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"تو تم یہاں تک جانتے ہو!" سنہا کے منہ سے بے اختیار ایک طویل سانس آزاد ہو گیا۔ پھر وہ جھکے ہوئے لہجے میں بولا۔ "وہ مر چکا ہے!"

"بیان درست کر لو سنہا۔ وہ ایک مصنوعی حادثے کے ذریعے قتل کیا گیا تھا۔ میں اس کا چشم دید گواہ ہوں اور اب یہ بتاؤ کہ فیکٹری کا اصل سربراہ دیوانہ تھا یا صحیح الدماغ؟"

کرن سنگھ کے دفتر میں اس وقت خاصی خنکی پھیلی ہوئی تھی مگر میرے آخری سوال پر سنہا کی پیشانی پر پسینے کی موٹی موٹی شفاف بوندیں چمکنے لگیں اور وہ بار بار اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

کمرے میں کچھ دیر تک بوجھل خاموشی طاری رہی۔ اس کی سوچ میں ڈوبی ہوئی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں اور میں نخوت آمیز انداز میں مسکراتے ہوئے اسے گھور رہا تھا۔

ہم دونوں اس وقت ایک ہی کشتی کے سوار تھے۔ میں اپنی کمزوریوں کی بنا پر قانون کی بے رحم گرفت میں پھنسا ہوا تھا جبکہ سنہا اپنے آقاؤں کی خوشنودی کے باعث میرے چنگل میں آپھنسا تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ اب یہ تدبیر بھی کارگر ہو گی۔ اب سنہا اپنے رازوں کے تحفظ کی خاطر ہر قیمت پر مجھے بچانے کی کوشش کریں گے۔

"بس اتنا ہی کافی ہے" آخر سنہا تھکی تھکی آواز میں بولا۔ "اب یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟"

"پہلے میرے سوال کا جواب دو سنہا!" میں نے نرم اور دھیمی آواز میں کہا۔

اس نے ہونٹ بھینچ کر مجھے گھورا پھر بولا۔ "وہ ویڈیو بنائی گئی تھا مگر بلا کا ذہین تھا۔"

"میں کیا چاہتا ہوں۔ یہ تم خوب جانتے ہو" میں نے یہاں تک پہنچتے ہی سگریٹ کا کش لیتے ہوئے کہا۔ "اور اگر نہیں جانتے تو آخری بار کان کھول کر سن لو کہ میں کل کا سورج طلوع ہونے سے قبل ہی آزادی چاہتا ہوں۔"

"یعنی ضمانت؟" اس نے سوال کیا۔

میں دھیمے سے ہنس پڑا۔ "احمقانہ باتیں نہ کرو سنہا! میں اس قید سے مکمل نجات چاہتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ ضمانت کے بعد میں آزادانہ نقل و حرکت نہیں کر سکوں گا اور اگر شہر چھوڑ کر جانا بھی چاہا تو یہ بھی لینا میرا مناسب قانونی دشواریوں کا پیش خیمہ ہو گا۔"

"تم اس شہر سے کہاں جاؤ گے؟" اس نے پوچھا۔ "تمہاری فیکٹری کی ملازمت برقرار ہے۔ فی الحال ضمانت کرا کے با عزت زندگی گزارتے رہو ہم کچھ عرصے بعد تمہیں بری کرا لیں گے۔"

میں بے اختیار دھیمے سے ہنس پڑا۔ "کیا تم مجھے اتنا ہی احمق سمجھتے ہو؟"

"کیا مطلب؟" وہ چونک کر بولا۔

"تم یہ جانتے ہو کہ مجھے منصوبوں کے تکنیکی پہلوؤں سے زیادہ باتیں معلوم ہیں اور میں یہ جانتا ہوں کہ ان کے لئے اپنے مفادات کی حفاظت کی خاطر انسانی خون بہانا معمولی بات ہے میں نہیں چاہتا کہ ضمانت پر باہر آ کر تم لوگوں کی آسان دسترس میں رہوں۔ پھر کسی دن کوئی گمنام گولی میرے مقدر کا فیصلہ کر دے۔ اس طرح تو کالی گنگا کا راستہ بند کر دو گے اور میری موت کے ساتھ تمہارے راز بھی ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائیں گے ...... نہیں سنہا، میں نا سمجھ نہیں ہوں۔"

"یہ تمہارا وہم ہے!" وہ پراسرار انداز میں بولا۔ "تمہارا نام پولیس کے ریکارڈ پر آ چکا ہے اور اب تمہاری آزادی اور بھی مشکل ہو گئی ہے۔ یا پھر کوئی ایسی صورت کہ تمہاری سازباز سے فرار کی صورت بنا دی جائے۔ پولیس کو ہر قیمت پر تمہاری تلاش ہو گی۔"

"میں یہ کب کہتا ہوں دوست!" میں نے مسکرا کر کہا۔ "ضمانت سے مجھے پورا اتفاق ہے مگر پہلے تم یہ سوچ لو کہ رہائی کے بعد بھی ہر وقت فیکٹری کا ملازم رہوں گا تاکہ تم کسی بھی وقت مجھ پر ہاتھ ڈال سکو۔"

"تم بہت چالاک ہو مقصود!" وہ بولا۔ "تمہاری بات میری سمجھ میں آ رہی ہے۔ تمہیں رہائی کے بعد کچھ وقت درکار ہے تاکہ تم فرار ہونے ہوئے ثبوت وصول کر لو ... چند گھنٹوں بعد تمہیں شبہ ہوا کہ تمہاری تلاش میں ہم تمہاری گرفتاری یقینی ہے کیونکہ کرن سنگھ نے تمام حالات کو تمہاری تلاش کی ہم محض ایک فریب ہے اور ضمانت پر باہر رہنے کا وقت تک کی چھوٹ ہو گی جب تک مرکزی عدالت سے پیشی کا حکم جاری ہو۔ یہ مدت کئی دن کی بھی ہو سکتی ہے اور میرا قیاس ہے کہ تم میں کچھ اہم کام ہے جسے نمٹانے کے لئے آزادی کے یہ چند دن کافی ہیں ... بولو کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"اس موضوع پر میں کچھ نہیں کہوں گا۔ اب وقت ضائع نہ کرو بلکہ میری ضمانت کا بندوبست کرو۔" میں تلخ لہجے میں بولا۔ "اگر یہ بات پہلے ہی طے ہو جاتی تو کرن سنگھ تمہارے ساتھ ہوتے اور میں اس وقت آزاد ہو جاتا۔"

"مجھے یقین ہے کہ ضمانت کے بعد تم اپنی زبان بند رکھو گے۔"

"میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ انتہائی مجبوری کی وجہ سے ہی مجھے بلیک میلنگ کا یہ حربہ استعمال کرنا پڑا ورنہ عام حالات میں تو کاروبار میرا پیشہ رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے" وہ تحسین آمیز لہجے میں بولا۔

"سگریٹ اور ماچس میری جیب میں ڈال دو" میں نے کہا اور اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ میری اس درخواست کو پورا کر دیا۔

پھر اس نے سپاہیوں کو بلایا وہ مجھے حوالات میں لے گئے۔

رفتہ رفتہ چلے سنہا شاید کرن سنگھ کے انتظار میں وہیں بیٹھا رہا۔

"تمہیں کیوں بلایا گیا تھا؟" جب سپاہی مجھے حوالات میں بند کر کے چلے گئے تو البرٹ ہاورڈ برابر والی کوٹھڑی کے قریب آ کر مجھ سے بولا۔

"تمہارا کیا خیال ہے اس طلبی کے بارے میں؟" میں نے پوچھا۔

وہ بے چارگی کے ساتھ ہنس پڑا۔ "میرے ذاتی تجربے کی بنا پر اس طلبی کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے۔" وہ ایک ہی بات پر زور دیتے ہوئے بولا۔ "میرا خیال ہے کہ تم جیسے اکھڑ اور جھگڑالو شخص سے وہ بھی گھبرا رہا ہے ... لیکن یہ تمہارا کوئی ملاقاتی آیا ہو؟"

"تمہارا خیال درست ہے" میں نے فرش پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میرا ایک ملاقاتی یہاں موجود ہے۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ کس جرم میں یہاں قید کئے گئے ہو؟" میرے انتہائی اصرار پر اس نے حوصلہ پا کر البرٹ ہاورڈ کو کریدنا شروع کیا اور میں نے کچھ دیر بعد وہ گفتگو طول دینے لگا۔

"مجھ پر غیر قانونی داخلے کا الزام ہے۔"

"اوہ ... تو تم بھی غیر ملکی ہو" وہ حیرت سے بولا۔ "مگر کل تو تم بتا رہے تھے کہ تم مقامی ہی ہو!"

"میں تمہارے مقامی کو چھوڑ کر سرحد پار سے آیا ہوں۔"

"یعنی تم انڈین ہو؟" اس نے استفسار طلب لہجے میں پوچھا۔

"ہاں تو جانا کہ اس سے جان چھڑانے کے لئے ہاں کہہ دوں لیکن پھر میں نے کہا۔ "میں پاکستان سے تعلق رکھتا ہوں۔"

"اوہ" وہ ہونٹ سکوڑ کر معنی خیز انداز میں بولا۔ "شاید ظالم تقسیم کے بعد کی پاکستان ہجرت ...... مشرقی پاکستان سے کلکتے میں داخل ہوئے ہو گے ... ادھر تو تم انگریز یا بھی جدا ہو گئے ہو، تمہارے ساتھ تو کچھ بے شمار خستہ حال لوگ آئے ہوں گے ....."

"شٹ اپ!" میں نے تلخ لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ مجھے تمہارا یہ تبصرہ ناگوار گزرا ہے اس لئے کہ تم نے جو مشرقی پاکستان کے متعلق بدنام کیا ہے اس کا ماحول ہی مظلوم لوگوں اور غیر ملکیوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکا رہا ہے۔ میں نے حقارت کے ساتھ البرٹ سے کہا۔ "تم آوارہ گرد جنس زدہ کیا جانو کہ دنیا میں ہمارے پرسکون لوگوں کے کیا حالات ہیں۔"

"میں تمہاری غلط فہمی ہے دوست!" وہ میرے اشتعال پر مسکرایا۔ "تمہارے ہاتھ آنا تو ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے، ہم انسانی ہمدردی اور ایشیائی ممالک کی خستہ حالی دیکھنے آئے ہیں۔ مشرقی پاکستان کے بارے میں بھی ہر شخص کو علم ہے جو ان بھارتی سفارت خانے سے موجود ہے اور پاکستان کے بارے میں مقامی اور بین الاقوامی زبانوں میں تمام تصویریں شائع ہو چکی ہیں جن کو دیکھ کر ہر انسان کا دل دہل جاتا ہے۔ پناہ گزینوں اور ننگے بھوکے یتیم بچوں کی تصویریں دیکھی ہیں جنہیں سرحد عبور کرنے پر مجبور کر دیا گیا اور ان شہروں میں عالیشان پاکستانی سفارت خانے بھی موجود ہیں مگر ان کی جانب سے تردید کا ایک بھی سطر کوئی بھی تاثر حاصل نہ کر سکا۔"

"یہ سب سازش ہے" میں غرایا۔ "یہ تصویریں بہار، آسام اور مغربی بنگال کے قحط زدہ خانہ بدوشوں کی ہیں۔ یہ پاکستان کے خلاف گھناؤنا پروپیگنڈہ ہے!"

"تو آخر تمہارے اہل کاروں کی خاموشی کیا معنی رکھتی ہے۔ حالانکہ ساتھ ان کے خلاف ہوتی جا رہی ہے۔ اگر یہ پروپیگنڈہ ہوتا تو وہ خاموش کیوں رہتے؟"

"میں خود ڈھاکہ اور جیسور سے ہوتا ہوا ادھر آیا ہوں اگر وہاں بیرونی مداخلت نہ ہو تو یہ شہر بھی کراچی کی طرح پرسکون ہوں۔"

"اوہ ... تم کراچی سے آئے ہو؟" وہ چونک کر بولا۔

میں نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"عجیب شہر ہے وہ بھی!" البرٹ گہری سانس لے کر بولا۔

میں نے موضوع بدلنے پر اطمینان کا سانس لیا اور اس سے پوچھا۔ "کراچی سے تمہاری کچھ یادیں وابستہ معلوم ہوتی ہیں؟"

"وہاں میں نے تین دن ہیپی بوائز کے ساتھ گزارے تھے اور یہاں آنے تک وہ بھی تم ہی ساتھ دیتی رہی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آگے میری شامت پیش آئے گی تو وہیں ڈیرے ڈال رہتا۔"

"کون تھا ایک رعنا؟" میں نے تحقیر آمیز مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

"میرے دوست صورت سے ایسا تو تم بھی نہیں لگتے" وہ میرے طنز کا اثر لئے بغیر بولا۔ "تم بھی چوروں کی طرح سرحد عبور کر کے آئے ہو اور دامن بچنے نہیں ہو گئے!"

"مگر میں نے جو کچھ کیا اپنی ذات اور دیوانگی کے خلاف نہیں کیا۔"

"موسیقی کا انداز ہے اپنا اپنا" وہ دانشمندی کے ساتھ بولا۔ "یہ احتیاط تو میں بھی رکھتا آیا ہوں!"

میں جواب میں کچھ نہ بولا۔ اندھیرے میں کچھ دیر خاموشی کا راج رہا پھر البرٹ کی زبان میں ہی خارش پیدا ہوئی اور وہ نرم آواز میں بولا۔ "کیا خفا ہو گئے ہو؟"

"اپنی چرب زبانی بند رکھو تو بہتر ہے!"

وہ کراچی والی قسمت نہیں ہو سکے گی۔ اس کا لہجہ خوشامدانہ تھا۔

میں دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ اس سے زیادہ بے شرم اور ڈھیٹ شخص ابھی تک میری نظروں سے نہ گزرا تھا۔ یہ میری شامت ہی تھی کہ

میں اس پہاڑی لڑکی سے واقفیت کا اظہار کر بیٹھا۔ میں نے اٹھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مجھ... اندھیرے میں جھک ہی مضے سے بہتر ہے کہ تم لوٹ جاؤ۔"

"تم بھی کراچی کے تقریباً قلب میں واقع ہوٹل میں ٹھہرے ہو، جہاں عموماً غیر ملکی سیاح ٹھہرتے ہیں؟" اس نے تجسس کے طور پر بےساختہ سوال کیا۔

"ایسے سوال جواب کرنے کی ضرورت نہیں۔ سیدھے سادے الفاظ میں یہ کہاں سنا کہ تم... اور مجھے اعتراض نہ ہوگا۔" میں نے روکھے لہجے میں کہا۔

"جب تمہیں دلچسپی ہی نہیں ہے تو پھر دور ہٹو۔" اس کا لہجہ ابھرا ہوا تھا۔ اسی وقت باہر کسی کار کی روشنی نظر آئی پھر دو آدمیوں کے قریب آنے کی آہٹیں سنائی دیں۔

آہٹیں قریب آ کر تھم گئیں اور کرن سنگھ کی کھردری آواز ابھری۔ "لڑکی اچھی طرح اپنے قیدی کی مزاج پرسی کر لو۔ میں دروازے پر ہوں۔" آخری فقرہ یقیناً بک ہارٹ کے ہی اشارے میں تھا۔

میں نے کرن سنگھ کے رویے کی تبدیلی واضح طور پر محسوس کر لی تھی جب تھوڑی دیر قبل اس نے مجھے اپنے کمرے میں طلب کیا تو وہ سنہا سے بہت زیادہ ادب اور احترام سے پیش آ رہا تھا لیکن اس وقت وہ اس سے کسی بے تکلف دوست کی طرح بات کر رہا تھا۔ شاید اس میں کوئی بات غیر قانونی آ گئی تھی۔ کرن سنگھ سفید فام سپاہی کو کوٹھڑی کے سامنے چھوڑ کر اس سے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں بے ربط باتیں کرنے لگا۔ اور مجھے سنہا نے دروازے پر کھڑے ہو کر یہ بتلایا کہ ہماری آواز بھی کرن سنگھ کے کانوں تک نہ پہنچ سکیں۔ ہمارے درمیان کی سلاخیں بدستور حائل تھیں۔

"میں کل تمہاری ضمانت کا بندوبست کر لوں گا؟" سنہا کا لہجہ سرگوشیانہ تھا۔

"سورج طلوع ہونے سے قبل!" میں نے اندھیرے میں چمکتی اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے فیصلہ کن مگر دھیمے لہجے میں کہا۔ "اگر مجھے سلاخوں کے عقب سے باہر آنے میں دیر ہو گئی تو وہ گروہ دن کا جس سے تم بخوبی واقف ہو چکی ہو؟"

"بکواس مت کرو۔" وہ بپھری ہوئی بلی کی طرح غرائی۔ اس کی دانتوں کی دونوں سفید قطاریں کھلے ہوئے ہونٹوں کے عقب سے جھانکنے لگیں اور وہ اس وقت بھی دلکش نظر آ رہی تھی۔ "میرے یہاں چلے آنے کا یہ مطلب مت سمجھو کہ ہم تمہارے جانثاروں میں ہیں۔ تمہاری موت حوالات میں بھی واقع ہو سکتی ہے اور پولیس سرجن رپورٹ میں اسے خودکشی قرار دے گا۔"

میرا دل اچانک کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔ مجھے اس سے ایسے جارحانہ رویے کی توقع نہیں تھی۔ وہ یقینی طور پر یہ اندازہ لگا چکی تھی کہ کرن سنگھ معقول رشوت کے عوض اس کی مرضی کے مطابق کچھ بھی کر گزرے گا اور یہ بات میرے لئے خطرناک تھی۔ حوالات میں آ کر جس طرح کرن سنگھ کو لیے کسی انتہائی اقدام کے نتائج کے بارے میں سوچنا تھا ضمانت پر رہائی کے بعد کر لوں گا، پھر کھلی فضاؤں میں... کرنی میرا کام تمام کر جاتی تو لاش میں سے کسی کا بھی کچھ نہ بگڑتا۔ کی تلاش کی۔ نام نہاد عمر گریزت جاری رہتی اور کوئی کیسے خود کو... کرن سنگھ سے گفتگو کے بعد سنہا یقینی طور پر یہ دونوں پہلو... ترتیب دے کر مجھے خاموش کرنا تھا۔ ضمانت سے پہلا پہلا... رویہ پر تھا میری پیشانی پر پسینے کے سرد قطرے ابھر آئے۔ ... کے لئے جو چال چلی تھی وہ خطرناک ثابت ہوتی نظر آ رہی تھی۔

"لہٰذا جو کہنا ہے اس پر عمل کرو!" سنہا... "تمہارے رات کے دس بجے دنیا میں کوئی عدالت کھلی نہیں ہوتی... ایسا ضامن بھی تلاش کرنا ہے جو تمہاری رہائی کے لئے... ہو۔ دوپہر تک تمہاری ضمانت کے کاغذات تیار ہو جائیں گے اور سہ پہر شام تک باہر لے جائے جاؤ گے۔ یہ میرا وعدہ ہے!"

"میں اندھا جوا کھیلنے کا عادی نہیں سنہا۔" میں نے تاؤ کھاتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ مجھے بالکل ہی بیوقوف سمجھ بیٹھے... باہر میرے بھی کچھ لوگ موجود ہیں جن کے ہاتھ تمہارے گریبان تک... ہیں۔ وہ لڑکی جس نے انسپکٹر عمران کو فون کیا تھا ایک ایسا... ہے اور مجھے ذرا بھی گزند پہنچا تو وہ سارے حقائق فوراً... کی صورت میں نیپال کے گلی کوچوں میں نظر آئیں گے... تم سمجھ رہے ہو گے کہ میرا اشارہ کدھر ہے۔"

"وہ لڑکی میرے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" سنہا کا لہجہ بھی سرد، اٹل اور بے رحم تھا۔ "میں کرن سنگھ سے پہلے معلوم کر چکا ہوں۔ تم لوناسارٹن کے چکر میں پکڑے گئے تھے اور ایک لڑکی تم سے ملنے یہاں آئی تھی۔ مجھے پورا شبہ ہے... وہ جو کوئی بھی رہی ہو، انسپکٹر عمران کو فون کرنے کے بعد ہمیں اطلاع ہو گی۔ لڑکا کی تصویر پر وزیر آرٹ فیکٹری نے دیکھا... آسانی... اور کرن سنگھ کی شناخت کے بعد مجھے علم ہو جائے گا کہ فون کس نے... تھی یا کون تھا... پھر!" وہ ایک لمحے کے لئے خاموش ہوا۔ حوالات کی آہنی سلاخیں تھامیں اور دبی دبی آواز میں بولا۔ "وہ مسلح محافظ اپنی بے پناہ صلاحیتوں کی بنا پر... ایسے گر رکھے ہیں جو تیری ہی سوئی کر سکتے ہیں... فن ہے۔ وہ اس لڑکی کو رحمت الشریٰ سے بھی کھینچ لائیں گے... یہ سب تمہیں جاننا چاہئے۔" اس کا لہجہ یک لخت نرم پڑ گیا... کوئی حرکت نہ کرو، آزاد ہو گے...

"میرے لئے یہ تمام دھمکیاں بے سود ہیں۔" میں اس کی مشورتی فلسفیانہ تقریر پر مسکراتے ہوئے بولا۔ "ابھی بازی میرے ہی ہاتھ ہے۔ مجھے یہیں کل شام تک انتظار کرنا ہو گا، اس کے بعد جو کچھ ہو گا وہ کسی وزیر کا... ورنہ معرفت تم پر ہو گی۔"

"بس کل شام۔ یہ میرا وعدہ ہے!" وہ جذبات سے عاری... اور حوالات کی آہنی سلاخوں کے سامنے سے ہٹ گیا۔ کرن سنگھ اس سے بے خبر لمحے بک ہارٹ سے کچھ بات کر رہا تھا۔ سنہا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک پڑا اور وہ دونوں آپس میں سرگوشیاں کرتے وہاں سے چلے گئے۔

ماحول اب پھر ویران اور تاریک بیزاری ہو گئی تھی اور فضا ایک گہرے سکوت میں ڈوبی تھی۔ سلین زدہ فرش پر جھینگروں کے ادھر ادھر رینگنے کی آوازیں ایک بار پھر سنائی دینے لگی تھیں۔

"تمہارا ملاقاتی واقعی کوئی اہم شخص معلوم ہوتا تھا!" بک ہارٹ نے کچھ دیر سکوت کے بعد اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

"ہاں، میرے لئے تو واقعی بہت اہم تھا!" میں نے سرسری انداز میں کہا۔

"وہ کرن سنگھ کے لئے بھی اہم ہی تھا، درست!" وہ آہستہ سے ہنسا "ورنہ وہ خبیث اسے خود یہاں کرا کے لانے کی زحمت نہ کرتا۔ میں اخلاقی... طور کرن سنگھ کا ثانی پیدا ہی نہ ہوا ہو گا۔"

"کیا اب تم پر وہ مہربان ہے؟"

"لعنت ہے ایسی مہربانی پر۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "لڑکیاں بوجھ سمجھتے ہیں لیکن میرا اس کو باہر ہی سے لوٹا دیا گیا۔ اگر تم کو... اس کی صورت دیکھے گزر گیا ہوں!"

"کیا وہ واقعی بہت خوب صورت ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جاؤ اسے دیکھ لینے میں دیکھا بھی بہ جاتا ہے۔" وہ ہنس کر بولا۔ "مگر میں بخالف میں تمہارے لئے کیا کہہ سکتا ہوں، بس یہ خود بھی ایک لڑکی ہو گی!"

"مجھے اس کے جسم سے نہیں فن سے محبت ہے؟"

"اوہ۔ تو فنکار بھی ہے وہ لڑکی؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔ وہ گٹار بجانے میں اپنا جواب نہیں رکھتی اور وہ فخر کے ساتھ... تاثر انداز بنا کر لوگوں کے درمیان... طور خاص کر میں جنہیں... لے آئیں؟"

"تو تم انسانوں کے... "

"ہاں۔ آسان اور فطری زندگی گزارنا ہمارا مقصد ہے اور... کو بالکل یہ... سمجھو... خطرناک..."

"آسان اور فطری زندگی؟" میں نے آہستہ سے دہرایا پھر اس سے پوچھا۔ "اس میں تو شبہ نہیں کہ تمہاری زندگی بہت آسان ہے لیکن اور بچوں کی طرح جنگل میں جا پڑے ہو، جو ملا کھا لیا مگر تم غیر فطری عادات کا شکار ہو کیا انداز ہمیں اس سے نہیں روکتا؟"

"غیر فطری عادات؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"میرا اشارہ تمہاری جنسی بے راہ روی کی طرف تھا۔" مجھے وضاحت کرنا پڑ گئی۔

"اوہ... یہ سب تمہارے مفروضے ہیں۔" وہ لاپروائی سے بولا۔ "جو پسند ہوا اور دل میں آئے آدمی کر گزرے تو یہی فطری ہو گا!"

"یہ تو کوئی بات ہی نہ ہوئی۔" میں نے کہا۔ "یوں سمجھو کہ تمہارے معاشرے میں بے شمار رنگ برنگی تتلیاں گم ہو گئیں... کو دیکھا اپنے گئے ہیں مگر میرے بھی میں کوئی لڑکی پھرے آوارہ تو سب لوگ آوارہ کہیں گے۔ اس کی پرستش کا تذکرہ اپنے پن کے الفاظ میں کریں گے یہ طریقہ غیر فطری ہے۔ اصولاً تو انہیں لڑکی پر تحسین و آفرین کے ڈونگرے برسانے چاہئیں مگر معاشرتی قدروں سے مجبور ہو کر وہ اس پر کڑی تنقید کریں گے۔"

"یہ دنیا کچھ ہے جو پتھر کے دور میں ہوتا تھا؟"

"نہیں۔ اس سے کہیں مختلف ہے۔" وہ دلائل پر آ گیا۔ "اس دور میں انسان نے تصویر کا ایک ہی رخ دیکھا تھا۔ وہ کپڑے سے آشنا تھا لہٰذا برہنہ رہتا تھا۔ کاشتکاری کے لفظ سے واقف نہیں تھا لہٰذا جنگلی پھل کھاتا تھا مگر اب انسان ترقی کے ایک ایسے مرحلے میں ہے جہاں تصویر کا ہر رخ واضح ہو چکا ہے اب اگر کوئی شخص باقاعدہ تجربے کے بعد فیصلہ کر لے کہ برہنگی بہتر ہے یا کاشت کے جھگڑوں کے بجائے خود رو پھلوں پر گزارہ کرنا بہتر اور آسان ہے تو اس کا مقابلہ پتھر کے دور کے پسماندہ اور جاہل سے بے بہرہ دیہاتی والے وحشیوں سے کیوں کر کیا جا سکتا ہے جو کھلی راہ...؟"

"اور یہ بھی کوئی بات ہے؟" اس کی بے تکی گفتگو سے اکتا کر میں نے لڑکی کا ذکر چھیڑ دیا۔

"یقیناً۔ وہ کراچی سے میرے ساتھ ہے۔" بک ہارٹ فخر سے بولا۔ "اور شاید کبھی بھی میرا ساتھ نہ چھوڑے گی میں تو تمہیں اس کا قصہ سنا رہا تھا مگر تم نے دلچسپی ہی نہ لی؟"

"کیا وہ تمہاری بیوی ہے؟"

"بیوی!" اس نے حقارت سے دہرایا۔ "ہمارے درمیان صرف ذہنی ہم آہنگی ہے دیگر ضروریات کی تکمیل کے لئے وہ آزاد اور خودمختار ہے۔ اگر میں نے کبھی اپنی ذمہ داریوں میں اضافہ کرنے کا فیصلہ کیا تو کسی لڑکی کو بیوی بنانے کے بجائے ایک حمیدہ گائے خرید کر اسے ساتھ لے...

جاری رکھا۔ پھر لہجہ بدل کر بولا: "وحشیوں اور انسانوں میں یہ فرق ہے کہ وحشی آدمی کے کسی جوڑے کو آبرو ریزی کے لئے ایک اصطبل میں ساتھ باندھ سکتے ہیں مگر انسانوں کے ساتھ یہ ظلم ہے میں صرف مرد ہی نہیں عورت کے بارے میں بھی یہی خیالات رکھتا ہوں۔"

"اپنے خیالات تم اپنی نادر الوجود کھوپڑی میں محفوظ رکھو اور مجھے سونے دو۔" میں یک بیک بھڑک گیا۔ "اگر اب مجھے اپنا فلسفہ سمجھانے کی کوشش کی تو ایسی کی تیسی کر دوں گا۔"

"تو میں کاوہ کراچی والا قصہ بھی نہیں سنو گے۔" بابا جی کا لہجہ خوشامدانہ تھا۔ "نہیں۔" میں غصیلی آواز میں غرایا۔ "بکواس بند کرو۔"

اس کے بعد وہ کچھ نہ بولا۔

میں اس رات پل بھر کے لئے بھی نہ سو سکا۔ وہ سب تو بڑی نہایت سکون سے گہری نیند سو رہے تھے جیسے وہ ان ہی متعفن زدہ تاریک کوٹھریوں کے لئے پیدا کئے گئے ہوں۔ الیاس بٹ بھی ذرا ہی دیر میں گہری نیند سو چکا تھا۔

مجھے ساری رات رہ رہ کر سنبھالی دھمکیوں کا خیال آتا رہا۔ خدا بخش کی بہت سے رازوں سے واقف تھا اور گیتا والی میرے بارے میں سوچ سکتی تھی کہ میں کسی بھی وقت اسے دوبارہ بلیک میل کرنے کی کوشش کروں گا۔ ایسی صورت میں وہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے نجات پانے کا فیصلہ کر لیتی تو مجھے تعجب نہ ہوتا۔ سنبھالی کے لئے یہ سارا کام بڑا آسان تھا۔ ضمانت پر رہائی کے بعد رہا کرانے کے بعد تاکہ قانون کے نزدیک مجھے باآسانی راہ سے ہٹا سکتا تھا۔ روبینہ جاتی رہی۔ آدمی کی تصویر کی شناخت کے بعد وہ بھی تلاش کر سکتا تھا۔

رونا کا خیال آتے ہی میں بے چین ہو گیا۔ نہ جانے وہ بدنصیب معصوم سی لڑکی کہاں اور کس حال میں ہو گی جب تک وہ مجھ سے دور رہی گھر اور ملازمت دونوں جگہ سکون حاصل رہا لیکن مجھ سے شادی کی پہلی ہی رات اسے اپنے ہم مذہب نوجوانوں کی شورہ پشتی کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اب ایک تو اس کے ہم مذہب اس کے لہو کے پیاسے تھے کیونکہ اس نے ایک مسلمان سے شادی کر کے اسلام قبول کر کے ان کی مذہبی انا کو ٹھیس پہنچائی تھی تو دوسری طرف سنبھالی کے ہرکارے ہر طرف اس کی بو سونگھتے پھر رہے ہوں گے۔ یک بیک میرا دل کانپ اٹھا۔ وہ بدنصیب سہاگن زندگی اور موت کی ایک بھیانک جدوجہد میں مصروف تھی۔ اور میں آہنی سلاخوں کا بے بس قیدی۔

اگلا دن طلوع ہوا۔ حوالات کے دوسرے قیدی ایک ایک کر کے پیشی کے لئے کچہریوں میں لے جائے جانے لگے۔ ان ہی میں الیاس بٹ بھی تھا اب میں وہاں تنہا رہ گیا تھا۔

وہ دن صدیوں طویل تھا... لمحے گزرنے کا نام نہ لیتے تھے خدا خدا کر کے شام ہوئی۔ پیشی کے لئے لے جائے جانے والے قیدی واپس لوٹنے لگے تو ان میں الیاس بٹ بھی تھا۔ بے ذائقہ تیلی دال اور کرکری روٹی پر مشتمل رات کا کھانا مجھ پر بڑی گراں گزرنے لگا۔ سنبھالا اس کے کسی نمائندے کا کوئی پیغام نہیں آیا تھا۔

نو بجے کے قریب ایک سپاہی حوالات کی طرف آیا اور کوٹھری کا قفل کھولنے لگا۔ بے اختیار میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

دروازہ کھولنے کے بعد سپاہی نے میری طرف اشارہ کیا۔ مجھے دفاتر کی جانب لے چلا۔ وہاں کرنل سنگھ ایک پستہ قامت شخص کے ساتھ موجود تھا اور اس کے سامنے میز پر کچھ ملاقی کاغذات بکھرے پڑے تھے۔

"ہتھکڑیاں کھول دو!" کرنل سنگھ کی آواز گونجی۔ سپاہی نے حکم کی تعمیل کی۔

"معاف کرنا صفدر بھائی... مجھے کافی دیر ہو گئی۔" پستہ قد شخص بیگالی لہجے میں جلدی جلدی بولا اور پھر اپنے ماتھے کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

"تمہاری ضمانت منظور ہو گئی ہے مگر جب تک مقدمہ چلے گا تمہیں کو آزادی میں حاضری دینی ہو گی۔" کرنل سنگھ نے مجھ سے کہا۔

"بہتر جناب!" میں نے سر جھکا کر کہا۔ ابھی حیرت کے عالم میں تھا... اس نے چند کاغذات پر میرے دستخط لئے۔ ضمانت کے کاغذات مجھے دکھا کر بتلایا کہ اب میں آزاد ہوں... میری جو چیزیں تحویل میں لی گئی تھیں وہ گرفتاری کے وقت ان سب کی میں نے رسید لی۔

میں سر جھکائے اس کے پیچھے نکل گیا۔ میرا دماغ تیزی سے چل رہا تھا۔ کوتوالی کے دروازے پر ایک ٹیکسی کھڑی تھی۔ مجھے اس میں بٹھا کر وہ خود اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور ہاتھ ملتے ہوئے نرمی سے بولا۔ "میرے ساتھ چلیں صفدر بھائی۔" اس کے لہجے میں مکاری کی جھلک تھی۔ مگر میں نے اپنے کچھ خدشات کی بنا پر چپ سادھ لی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کام سنبھالی نے کیا ہے کیونکہ وہ مشکل ہی سے ہمدردی کرنے والا ہے۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

"جگدیش ناتھ۔"

"تمہاری دشواریوں سے باخبر ہوں... تم بے فکر رہو۔" اس نے کہا۔

پھر ہم خاموشی سے آگے بڑھتے رہے۔ احاطے میں ایک اس کی کار موجود تھی... وہ مجھ سے ہاتھ ملا کر اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔ احاطے سے نکل کر ٹیکسی تیزی سے دوڑنے لگی۔

میں اوٹ کے بارے میں سوچتا ہوا آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ اس علاقے میں زیادہ تعداد میں اس کی تربیت یافتہ خاصی تعداد بھی اسی طرف تھی۔

تبھی اچانک عقب سے کسی جیپ کے انجن کا تیز شور سنائی دیا اور جیپ کی تیز روشنی سیاہ سڑک پر پھیل گئی۔ روشنی میں نہا گئی۔

عین اسی وقت میری چھٹی حس نے خطرے کا نعرہ بلند کیا اور تو وہ بھی وقت سے بھاگ کر... سامنے تاریکی میں ایک جیپ کھڑی ہوئی دیکھی تھی جس میں لوگ بیٹھے ہوئے موجود تھے۔ اسی وقت تو کہا نے جیپ کی موجودگی کو بھی بالکل ایک معمولی واقعہ سمجھا تھا لیکن اب اچانک مجھے خیال آیا کہ وہ جیپ وہاں میری نگرانی کر رہی تھی اور اس میں موجود افراد کسی نہ کسی طرح میرے دشمن تھے اور پیچھے آنے والی جیپ کو تو لی کی جانب سے آ رہی تھی میں فوراً فٹ پاتھ پر قدم رکھتے ہوئے تیزی کے ساتھ آگے دوڑ پڑا کہ جیپ کے گزرنے تک کچھ قدم آگے جا کر کسی درخت کے تنے کی اوٹ میں پناہ لے سکوں...!

میں بھاگتے ہی دیکھ کر جیپ والے میرا ارادہ بھانپ گئے۔ جیپ کے انجن کا شور یک بیک تیز ہو گیا۔ ہیڈ لیمپس کی چکاچوند کر دینے والی روشنیاں مجھ پر آ پڑیں اور جب میں نے درخت کے تنے کی آڑ لینے کے لئے اوٹ میں چھلانگ لگائی تو عین اسی وقت پیچھے سے فائر ہوا۔ اگر خوش قسمتی سے میرا پیر پھسل نہ جاتا تو اپنی حماقت کی جلد ہی جزا پاتا۔ گولی دل ہی میں اتر جاتی۔ میں لڑکھڑا کر پیچھے گرا اور پیٹ کے بل گھسٹتا ہوا درخت کے تنے کی اوٹ میں ہو گیا۔ اس وقت تک جیپ بالکل قریب پہنچ چکی تھی۔ درخت سے چند گز دور جیپ آ رکی اور پوری قوت سے بریک لگائے جانے کی چرچراہٹ ابھری... جیپ کے پائیدان پر کھڑا ایک شخص جیپ رکتے ہی نیچے کود گیا۔ اس کا ہاتھ اسٹین گن پر تھا مگر درخت کی آڑ نے مجھے محفوظ رکھا۔ اسی لمحے ایک طویل قامت کا شخص نیچے اترا جو گھٹنوں کے بل جھک کر میری جانب بڑھنے لگا۔

جیپ کے ہیڈ لائٹس کی روشنی سے ایک دراز قد اور تگڑا ہیولا سا میری جانب بڑھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں پستول چمک رہا تھا۔ وہ میری ہی طرف آ رہا تھا۔

سڑک کے دونوں جانب سامنے سامانوں کے دکانوں کے چبوترے خالی پڑے تھے ان میں کچھ کی دیواریں کافی بلند تھیں۔ میں ایک آدمی بھی اگر وہاں سے نکل کر بھاگتا تو کھلی جگہ میں اس کو نشانہ بنایا جا سکتا تھا۔ سب سے خطرناک بات یہ تھی کہ ایک فائر کی گونج اٹھنے کے باوجود وہاں پر سڑک سنسان رہی... کسی نے اس طرف توجہ نہ دی... قرب و جوار کے رہنے والوں کی اس بے حسی کو دیکھ کر حیرانی ہوئی!

میں نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں ساری صورت حال کا جائزہ لیا اور فوری طور پر میں نے ہاتھ اٹھا کر دیوار کی طرف اشارہ کیا اور پھر دیوار پھلانگ کر دوسری جانب کود گیا۔ اس کی گرفت سے بچ کر میں دوسری طرف سے نکل کر بھاگ گیا۔ وہ مجھ پر فائر کرتا رہا۔ گولیاں دیوار اور میرے آس پاس سے گزرتی رہیں۔ دیوار کے اندر کود کر دیکھا تھا... میں کودتے ہی اس کی زد سے نکل چکا تھا۔

اس احاطے میں ہر طرف مختلف قسم کی گاڑیوں کے ناکارہ ڈھانچے بکھرے ہوئے تھے اور بظاہر وہاں کسی ذی روح کا پتہ نہیں تھا۔ کھلے آسمان کے نیچے وہ بے معرف مشینیں ایسے اس وقت آسیبی مسکن بن گئیں۔ ایک لمحے کے لئے میں نے سوچا کہ وہیں چھپ جاؤں مگر فوراً ہی میں نے یہ خیال ترک کر دیا۔

میرا تعاقب کرنے والا جو کوئی بھی تھا ہر قیمت پر مجھے ٹھکانے لگانے پر تلا ہوا تھا... کئی کوششیں ناکام ہونے کے بعد اب وہ کسی بھی طرح باز نہیں آ سکتا تھا۔ اور اگر وہ اپنی مدد کے لئے اپنے ساتھی کو بھی اندر بلا لیتا تو میں ان کے خلاف اپنا موثر دفاع نہیں کر سکتا تھا... میں نے ان حالات میں پوری قوت سے اس دیوار کی مخالف سمت میں دوڑ لگا دی جدھر سے میں اندر کودا تھا۔ کافی لمبا چوڑا احاطہ تھا کی دوسری طرف کچھ دور تک میدان پھیلا ہوا تھا جس کے اختتام پر ایک اور قدآدم دیوار نظر آ رہی تھی۔ اس دیوار میں دائیں جانب ایک بڑا سا آہنی پھاٹک تھا جو اس وقت یقیناً مقفل رہا ہو گا... میں نے پھاٹک آزمانے اور وقت ضائع کرنے کا خطرہ مول لئے بغیر احاطے تک پہنچنے کا مختصر ترین راستہ اختیار کیا اور ذرا سی دیر میں اسے پار کر گیا۔

یہ حصہ نسبتاً خاصا روشن تھا۔ رات گزر جانے کے باعث سڑک پر دور تک کسی کا پتہ نہیں تھا... ادھر اُدھر کے بعد مجھے پتہ چل گیا کہ حملہ آوروں نے مجھے ٹھکانے لگانے کے لئے اس علاقے کا انتخاب کیوں کیا تھا۔ ایک بھی رہائشی مکان نہیں تھا... بیشتر علاقہ دفاتر اور بڑے بڑے گوداموں پر مشتمل تھا۔ اب مجھے جلد از جلد اس علاقے سے نکل جانا چاہئے تھا کیونکہ مجھے احاطے میں موجود نہ پا کر مجرم دوسری جانب بھی آ سکتے تھے!

میں دوڑ کر سڑک عبور کر رہا تھا کہ یک بیک گلی میں جیپ کا شور سنائی دیا۔ شاید حملہ آور اس احاطے کی نوعیت اور ساخت سے بخوبی واقف تھے لہٰذا ان کا ایک آدمی میری تلاش میں اندر کودا ہو گا اور دوسرا وقت ضائع کرنے کے بجائے جیپ لے کر دوسری طرف آ رہا تھا کہ مجھے ہر طرف سے گھیرا جا سکے۔

میں پوری قوت صرف کرنے کے باوجود خود کو موڑ پر گھومتی ہوئی جیپ کی تیز روشنی کی زد سے نہ بچا سکا... جلتی جیپ کی ایک ہی آواز میں چیخا۔ پھر جیپ رکتے ہی... اس بار اس کا انجن بھی بند کر دیا گیا تھا اور اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر موجود شخص نیچے کود کر میری طرف آ رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ بھی مسلح ہو گا جبکہ میں غیر مسلح ہونے کے باعث ان دونوں کو زیر کرنا ناممکن تھا میں ابھی ابھی ضمانت پر رہا ہو کر کوتوالی سے نکلا تھا اور یہ بات یقینی تھی کہ سنبھالا نے مجھے مسلح نہیں رہنے دیا ہو گا۔

اس وقت مجھے بے اختیار وہ خاموش زیبا کی وہ یاد آئی جو میں نے ماسٹر موہن دمراؤ کے مکان سے چھینا تھا... اس نے کئی بار کہا تھا ہر طرف میری مدد کی تھی۔

امریکیوں سے جان چھڑانے کے لئے ہی مجھے وہ خوفناک ریوالور استعمال کرنا پڑا تھا اور آخر میں نے خود ہی اسے ایک گٹر میں پھینک دیا تھا!

آنے والے نے ایک ثانیہ کے لئے رک کر مجھ پر فائر کیا اور میں چکرا کر سڑک پر گر گیا۔ گولی حالانکہ دور ہی سے گزری تھی مگر میرے لئے اب مکاری کے سوا کوئی چارہ نہ رہ گیا تھا۔ میں نے گرتے ہوئے اپنا پیٹ دونوں ہاتھوں سے دبا لیا تھا اور آنکھوں کی جھری سے فائر کرنے والے کو دیکھ رہا تھا۔ اس وقت میرا دل لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ اگر اسے میری مکاری کا ذرا بھی شبہ ہو جاتا تو اس کی انگلی کی ایک ہی جنبش میرا کام تمام کر دیتی۔ مجھے گرتے دیکھ کر اس کے بھاگنے کی وحشیانہ رفتار دھیمی پڑ گئی اور آخر کار وہ میرے جسم سے دو گز تھوڑے فاصلے پر رک گیا۔ اس طرف روشنی ناکافی ہونے کی بنا پر اس کے لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو رہا تھا کہ میں مر چکا ہوں یا زخم کے باعث صرف بے ہوش ہوا ہوں۔ اس نے ایک دو بار ریوالور کی نال میرے ساکت بدن کی جانب سیدھی کی اور میں ڈر رہا تھا کہ اس نے ریوالور پھر چلا دیا۔

بے ہوشی اور موت دونوں ہی صورتوں میں میرا کھٹکا بے ضرر تھا۔ وہ آہستہ آہستہ آگے آیا اور ٹھوکر سے میرا چہرہ سیدھا کرنے لگا۔ میں نے سانس روک کر اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا اور اس موقع کا انتظار کرنے لگا جب اس کا پیر میرے ہاتھوں کی براہ راست زد میں آ گئے۔

میری گردن گھمانے کے بعد اس قوی ہیکل شخص نے میری پیٹھ میں جیسے ہی ٹھوکر ماری میں بجلی کی سی سرعت سے اس کی ٹانگ پکڑ کر اس بری طرح مروڑی کہ وہ کسی زخمی درندے کی طرح غراتا ہوا منہ کے بل سڑک پر گر گیا۔ اس کی ٹانگ بدستور میری گرفت میں تھی۔

میں نے اس کی ٹانگ کو ایک اور شدید جھٹکا دیا۔ وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ میں نے اس کی مٹھی سے ریوالور کھینچ لیا۔ اس کے بعد میرا کام بہت آسان تھا۔ میں نے اس کی پشت سے بائیں پسلیوں کے درمیان فائر کیا اور اس نے ایک تیز ہچکی لے کر دم توڑ دیا۔

میں نے اس کے بہتے ہوئے کانپتے ہوئے بدن پر موجود لباس کی تلاشی لی اور جلد ہی جیپ کی چابیاں تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جیپ کے ذریعے میں جلد از جلد اس علاقے سے دور نکل سکتا تھا!

اس بے جان لاش کو چھوڑ کر میں جیپ کی طرف بڑھ گیا۔ جیپ اسٹارٹ کی تو مرنے والے کے دوسرے ساتھی کی گھڑی نما گاڑیوں کے احاطے کے عقب سے طلوع ہوتی نظر آئی۔ اب میرے پاس ایک بھرا ہوا ریوالور موجود تھا اور میرے حواس بھی ایک شکنجے کے بعد بحال ہو چکے تھے۔ میں جیپ کو آہستہ آہستہ آگے بڑھانے لگا۔

دوسرا شخص اب سڑک پر آ چکا تھا اور جیپ ہی کی طرف نگراں تھا۔ میں نے ہیڈ لیمپس روشن کر لئے تھے تاکہ چکا چوند کے باعث وہ اپنے ساتھی کے بجائے کسی اور کی موجودگی نہ دیکھ سکے۔

اس سے چند گز دور میں نے جیپ کی رفتار تیز کر دی۔ بریک پر پیر رکھ دیا تاکہ اسے آخری لمحے میرے عزائم کا اندازہ ہو۔ وہ ہاتھ لہرا لہرا کر کچھ کہہ رہا تھا مگر اس کی آواز مجھے دشت کی ریت میں گم ہوتی رہی۔ وہ بارہ فٹ دور رہ گیا تو میں نے اچانک دایاں پیر ایکسیلیٹر پر دبا دیا اور اسی کے ساتھ بائیں پاؤں نے کلچ کو آزاد کر دیا۔ گاڑی کا انجن غرایا اور جیپ کسی درندے کی طرح غرا کر آگے کو لپکی۔ اس نے چیخ کر سڑک کے وسط میں بھاگ کر خود کو بچانا چاہا مگر میں اس کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔ اسٹیئرنگ کو ہلکا سا گھمایا، ایک شدید دھماکے کے ساتھ جیپ کا اگلا حصہ اس بدنصیب کی ہولناک چیخیں رات کے سناٹے میں گونجیں اور وہ جیپ کے پہیوں اور سڑک کے درمیان پچھے پہیوں کے نیچے کچلا گیا۔ اس کی چیخیں چند ہی سیکنڈ میں دم توڑ چکی تھیں۔

میں نے کچھ دور جا کر جیپ روک دی۔ ہچکچاتے ہوئے باہر آیا۔

ہیں جیپ چھوڑی اور پیچھے اترا۔ میرے گمنام دشمن کی لاش میں تبدیل ہو چکی لاش جیپ کے پچھلے حصے میں پھنسی ہوئی تھی۔

میں نے اس معرکے میں ہاتھ آیا ہوا ریوالور جیب میں ڈالا اور آگے بڑھ گیا۔ یہ دونوں شخص منہالی کمپنی کا نہایت سفاک آلہ تھے۔ ساتھ اب مجھے جلد از جلد یہ شہر چھوڑ دینا تھا۔ اس کمپنی کے لوگ میری تلاش میں اپنے تمام تر وسائل حرکت میں لے آتے۔ وہ سب کچھ ٹھیک ہی تھا مگر اس شہر کو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ لہٰذا اب اس کی تلاش میرا کام تھا جو دنیا واقعی ایک عظیم اور قابل پرستش روح کی حامل تھی۔ وہ ساری عمر ظالم اور سوتیلے باپ کی زیادتیوں کا شکار ہوتی رہی۔ وہ حالات کی چکی میں پستی رہی اور اپنے سوتیلے باپ کو شراب اور جوئے کے لئے رقم فراہم کرتی رہی کہ اس کی آبرو کا تحفظ ممکن ہو سکے۔ اس نے اپنے تمام تر ظلم اور ستم کے باوجود اسے محبت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ سوتیلا ہی سہی اس کا باپ تھا۔ اور وہ آخر تک ذہنی طور پر اس بات کے لئے تیار تھی کہ وہ خود مجھ سے وابستہ ہو جائے۔ وہ درد بھری تنہا زندگی پر سسک سسک کر دم توڑ رہی تھی... وہ لڑکی بے پناہ حسین تھی جو کبھی اجڑی جوانی تو شروع میں مجھے اداس نظر آئی۔ اس کا چہرہ جو بالکل درخشاں اور تابناک تھا جلوے لٹاتا لیکن اس کے اندر کی میں بھی گھٹن چھپی ہوئی تھی جو اس کی مسکراہٹ میں جھلکتی تھی۔ مگر جب وہ میرے قریب آئی اور مجھے اس کے حالات کا علم ہوا تو اس کی عظمت کے سامنے میرا سر خم ہو گیا۔ اس کی سچی محبت نے میرے اندر کا شیطان سلا دیا تھا۔ میں قسم کھا چکا تھا کہ اسے اس خوفناک ماحول سے نکال کر لے جاؤں گا۔

اس کے سینے میں دھڑکتا ہوا دل محبت کے جذبے سے معمور تھا۔ اس کا سوتیلا باپ پرلے درجے کا خود غرض اور ناقابل اعتماد شخص تھا جو اس کی طرف بیٹی کی حیثیت سے دیکھنے کے بجائے ہوسناک عزائم سے بھرپور نظروں سے دیکھتا تھا۔ اس کی نگاہوں میں ایک حیوانیت اور وحشت نظر آتی تھی۔ وہ اپنی عصمت اور عزت کو بچانے کے لئے اپنی ذات کے خول میں دبک جاتی تھی۔ وہ اس وقت تک میں ذہنی اور جسمانی آوارگیوں کا ہر روپ دیکھ چکا تھا لیکن اسے دیکھ کر مجھے احساس ہوا تھا کہ بد ترین گندے بازاروں کی ایک گراں قیمت چیز بھی ہو سکتی ہے۔ میں اپنے ماضی اور اپنے آستانہ المرکی حدود سے میری عادتیں صاف کرنے کی نیت سے چل پڑا تھا۔ مجھے مارنے کے بعد میرے قریب موجود اس مبذول پیار کی تلاش میرا مقصد تھی۔ میرے لاشعور کو کسی ایسے خوبصورت پیکر کی تلاش تھی جو میری تھکاوٹ دور کر سکے، میرا دل اور میرا وجود اس کی محبت سے لبریز ہو گیا تھا اور ہم دونوں ہمیشہ کے لئے ایک ہو جانے کو تیار ہو گئے اور اس نے مجھے قبول کر لیا۔ اس نے مجھے اپنانے کے لئے اتنی بڑی قربانی دی کہ اپنے آبائی مذہب کو خیرباد کہا، اپنے باپ سے کنارہ کشی کی۔ میں حالات کے دھارے میں ایسا بے بس تھا کہ اس شب عروسی کی وہ مسرتیں بھی نہ دے سکا جن کے انتظار میں وہ برسوں جی رہی تھی۔

میں اسی بنا پر بڑی فرض قانون کی گرفت میں آیا تھا کہ مجھے علاوہ ازیں کوئی امید نظر نہ آتی تھی۔ گھر لوٹنا کی بدقسمتی نے اسے ممکن بنا دیا۔ انہوں نے مجھے رہا کرنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ میری رہائی کے بعد انہوں نے اسی وقت میری ہلاکت کا جامع منصوبہ بنا لیا تھا۔ مگر یہ تجربہ تو تھا اپنے دشمنوں کے ایک جھٹکے وار سے بچ چکا تھا اور وہ بے سہارا لڑکی اپنے پرانے ہم مذہب لوگوں کے خوف اور انتقام سے بچنے کے لئے نہ جانے شہر کے کس تاریک اور گمنام گوشے میں چھپی پھر رہی تھی۔ آخری دفعہ ابھی تک میرے ذہن میں گونج رہا تھا۔ حالات سے مجبور ہو کر رخصت ہوتے ہوئے اس نے نمناک آنکھوں کے ساتھ بھرائی ہوئی آواز میں جو کہا تھا وہ کرب میرے ذہن پر ہتھوڑے برسا رہا تھا۔

"میرا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ یہاں اسی شہر میں رہ جاؤں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔" اس کے لہجے کا کرب آج بھی میرے دل میں تازہ تھا۔

میں اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ اب میری بیوی بن چکی تھی۔ اس کے لئے میں سوچ رہا تھا کہ وہ جانے انجان لوگوں کے کسی شہر میں رہ رہی ہو گی کیا میں اسے ڈھونڈنے کے لئے لمبا سفر کروں یا دوبارہ اس شہر میں ہی جا کر ڈھونڈ نکالوں!

کچھ دیر تک سوچنے کے بعد میں اسی شہر کی طرف چلا جا رہا تھا کہ ایک ہوٹل کے بورڈ پر ایک غیر ملکی نام لکھا نظر آیا۔ میں نے ہوٹل کی طرف قدم بڑھائے اور غیر ارادی طور پر اس کی طرف بڑھ گئے۔ ہال میں داخل ہوا تو مجھے کئی لڑکیاں اور لڑکے نظر آئے جو سگریٹ پی رہے تھے اور شراب کے جام لنڈھا رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے مجھے دیکھ کر اشارہ کیا اور میں ان کے قریب چلا گیا۔

اس کے ساتھی بھی کھوکھلی آواز میں داد دے دے کر اس کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے!

میں ان کے پاس جا کر رک گیا۔ میری بے چین نظروں نے ان کا جائزہ لیا لیکن دنیا کا ہنستا مسکراتا چہرہ تہذیب کے باغیوں کے اس جھنڈ میں کہیں نہ تھا۔

"سنو!" اچانک میں نے بلند آواز میں انہیں مخاطب کیا۔

گانے والے کی بے ہنگم آواز حلق میں اٹک گئی۔ ایک وقت کئی چہرے ناگواری کے بوجھل احساس کے ساتھ میری جانب گھومے اور ایک دراز قامت دبلی پتلی لڑکی نے بگڑی ہوئی انگریزی میں پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

مجھے اچانک خیال آیا کہ میں نے وہ رات ہپیوں کے کسی غول میں بسر کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا جو میری ہپیوں کے تمام ٹھکانوں سے ناواقف تھا۔ اس شخص میں زمین پر اتار کر بڑے ہوئے ان نیم وحشیوں سے کسی مدد کی توقع فضول تھی۔ ہاں اگر میرے ہم راز کی ساتھی ان میں ایک ہارٹ کی گٹار نواز دوست لڑکی کا پتہ چل جاتا تو شاید وہ ہیک ہارٹ کا حوالہ دینے پر مدد کو تیار ہو جاتی اور میں ہیک ہارٹ نے جن الفاظ میں ان کے گٹار بجانے کی تعریف کی تھی اس سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ ہپیوں میں خاصی مقبول ہو گی اور اس کا سراغ باآسانی مل سکتا ہے۔ اسی خیال کے تحت میں نے پوچھا۔ "لوریٹا نامی گٹار بجانے والی اس وقت کہاں مل سکے گی؟"

"لوریٹا!" ان میں سے ایک لڑکی اچھل کر میرے سامنے آ کھڑی ہوئی اور تیکھے لہجے میں بولی۔ "وہ کتیا ہے۔ گٹار کیا بجا لیتی ہے، دماغ آسمان پر رہتا ہے۔ میں اس سے زیادہ قیمتی ہوں۔ رات تمہارے ساتھ گزارنے پر تیار ہوں۔ خوش نہ ہو تو ایک پیسہ نہ دینا!"

دوسرے ساتھی اب ہم دونوں سے لاتعلق نظر آنے لگے تھے۔ گٹار کی بھدی بھدی آواز ایک بار پھر سناٹے کا سینہ مجروح کرنے لگی تھی۔ ایک لڑکی اور لڑکا مل کر سگریٹ جلا رہے تھے جس کے تمباکو کے دھوئیں میں چرس کی خوشبو نمایاں تھی!

"مجھے رات کے لئے کسی ساتھی کی ضرورت نہیں!" میں نے تحمل سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "دراصل مجھے لوریٹا کے ایک پرانے دوست سے فوری کام ہے۔"

"کیوں؟" "کیا کام؟" وہ لڑائی سے فضا میں ہاتھ لہرا کر بے اختیاری سے بولی۔ "تم لوگ صرف خوبصورت چہروں کے شیدائی ہو۔ میری طرف دیکھو مجھ میں کیا برائی ہے۔ اندھی ہوں، لنگڑی ہوں، بد صورت ہوں، آخر مجھ میں کیا کمی ہے؟ پھر معاوضہ بھی نصف۔"

میں اپنی جیب کاٹ کر اس کے جسم پر ایک مکمل فیصلہ کن پیش کش کرتا۔ پھر اسے بتاؤں کہ اس کی ٹھوڑی میں چھپے کا تمغہ واقعی ہو سکتا ہے لہٰذا وہ نصف

میں سمجھا شاید اب گرامیلکو گنج میں ہپیوں کی ایک جماعت کے ہاتھوں مارا گیا تھا کر مجھے تجربہ ہو چکا تھا کہ یہ بیمار روایتوں میں ایک دوسرے کے ساتھ اندھا اتحاد کرتے ہیں لہٰذا میں مٹھیاں بھینچ کر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔!

ابھی چند ہی قدم بڑھا تھا کہ وہ لڑکی دوڑتی ہوئی آئی اور آگے آکر میرے راستے میں حائل ہو گئی۔ "مسیح کا واسطہ! مجھے یوں نہ ٹھکراؤ! میری ساتھی لڑکیاں کل کے لیے معقول پیسے کما چکی ہیں اور میں بالکل قلاش ہوں لورینہ کا بس نام ہی نام ہے! اس پر بے سبب پیار کرو! مجھے صرف دو تین روپے دے کر تم مجھے ساری رات کے لیے خرید سکتے ہو!" میرے پرانی التجا کا کوئی اثر نہ دیکھ کر اس کی آواز میں یاسیت ابھر آئی۔ "مال زیادہ اور گاہک کم ہوں تو ہر چیز کی یہی ناقدری ہوتی ہے۔ نہ جانے ساری دنیا کے ہپی مسیحا اس وادی میں کیوں مرنے چلے آتے ہیں۔"

"سنو لڑکی!" میں نے مضبوطی سے اس کا شانہ تھام کر کہا۔ "مجھے تمہاری معاشیات اور جنس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر تم مجھے لورینہ تک پہنچا دو تو میں تمہیں دو کے بجائے پانچ روپے دوں گا۔!"

"سچ؟" اس نے خوشی اور بے اعتباری سے میری طرف دیکھا۔

میں نے پانچ روپے کا نوٹ چٹکی میں دبا کر اس کے چہرے کے سامنے نچایا۔ اس کی آنکھوں میں امید کی چمک پیدا ہوئی اور وہ میرے ساتھ چلنے پر تیار ہو گئی۔

"کھٹمنڈو چوک میں اونچے اونچے بالشتوں پر [illegible] جھنڈیوں والے گھرا [illegible] کا اسٹوپا واقع ہے۔ وہ عام طور پر اسی کے عقب میں رہتی ہے مگر رات کے وقت وہ ایک عمارت کے شکستہ کھنڈرات میں ہوتی ہے جہاں ہپیوں کا سب سے بڑا کیمپ ہے!" وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "وہ جگہ رات میں عموماً خوفناک ہوتی ہے۔"

میں نے اس کی معلومات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ خوفناک ہوتی ہے تو ہوا کرے۔!

یہ اندازہ کرنے کے بعد کہ میں اس سے باتیں کرنے میں دلچسپی نہیں لے رہا۔ وہ خاموش رہی۔ وہ اپنے اکلوتے گاہک کو ناراض کر کے پانچ روپے کھونا نہیں چاہتی تھی۔

پر [illegible] تعمیر کے اونچے اونچے کئی منزلہ چوبی مکانات سے گھری تنگ اور نیم تاریک گلیوں سے گزرتے آدھ گھنٹے بعد ہم آبادی کے عقب میں واقع ایک وسیع پتھریلے میدان کے قریب پہنچ گئے۔ اس ناہموار میدان کی دوسری جانب قدیم عمارتوں کے سیاہ کھنڈرات نظر آ رہے تھے۔ وہاں اکا دکا مقامات پر روشنی نظر آ رہی تھی۔ ساتھ ہی ہوا کے دوش پر کچھ ملی جلی انسانی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔

"وہ دیکھیں! سنبھل کر چلیں۔" میدان میں داخل ہوتے ہوئے لڑکی نے کسی مقامی گائیڈ کی طرح پیشہ ورانہ انداز کے ساتھ کہا۔ "یہ لوگ جھاڑیوں اور چٹانوں کی دراڑوں میں بیماری کی طرح پھیلے ہوئے [illegible] اور اپنی تنہائی میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتے۔"

"کیا تمہیں ان ہی کھنڈرات میں جانا ہے؟" [illegible] کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں — یہ اس شہر میں ہپیوں کا سب سے بڑا مرکز ہے" [illegible] سوال کر بیٹھی۔ "تمہارا رنگ عمر رسیدگی ہے مگر تم [illegible]"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "تم کیسے کہہ سکتی [illegible]"

"اس شہر کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ یہ ہپیوں کا سب سے بڑا [illegible] ہے اور لورینہ کو بھی ہے۔ تمام مقامی اچھی طرح جانتے ہیں مگر [illegible] پتہ معلوم کرنے کے لیے مجھے پانچ روپے دیئے ہیں!" [illegible]

"میں آج ہی نیپال آیا ہوں!" میں نے [illegible]

"اوہ —" وہ حیرت سے بولی۔ "تم [illegible]"

"میں ایک مرتبہ اس قدیم شہر میں جا چکی ہوں۔ وہاں [illegible] مقامی بہت پُراسرار ہے۔ اب ان کے قریب گزرتے ہوئے [illegible] رہتا ہے کہ وہ کسی معجزہ کا اظہار نہ کر بیٹھیں۔"

میں نے خاموشی ہی میں عافیت سمجھی کیونکہ میرے [illegible] صورت تک نہ دیکھی تھی۔ ہاں یہ ضرور معلوم تھا کہ نیپال [illegible] شہروں میں ایک بڑا گاؤں ہے اور کھٹمنڈو سے جنوب مغرب کی طرف [illegible] ایک پہاڑی مٹرک اسی شہر پر ختم ہوتی ہے۔!

وہ عظیم الشان کھنڈرات کئی ایکڑ کے رقبے پر پھیلے ہوئے [illegible] ان کی باقیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب بے مثال اور [illegible] یہاں اس خطے کے کسی مطلق العنان حکمران کا محل یا قلعہ [illegible] ملبہ کے ڈھیر میں بدل چکا تھا۔ ہپیوں نے جا بجا [illegible] اور منڈیریں بنا کر اپنے عارضی "مکان" بنائے ہوئے تھے [illegible] ہونے کے باوجود کھنڈرات کی فضا بوجھل اور رعایت [illegible] دور دور تک بے شمار ہپی بیٹھے اور لیٹے ہوئے تھے۔ کچھ سوتے تھے [illegible] خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ کھنڈرات کے آخری سرے [illegible] روشن تھے جن کی تھرکتی ہوئی زرد لہریں [illegible] ناکام تاریکی بنی ہوئی تھیں۔ زمین سے چند انچ اور بعض جگہ چند فٹ [illegible] پر تھوڑے وقفے سے ننھے ننھے روشن نقطے جگنوؤں کی طرح چمکتے اور [illegible] اکا دکا ہی ادھر ادھر آ جا رہے تھے!

"یہاں [illegible] سنبھل کر [illegible] کوشش نہ کرنا ورنہ بیک وقت [illegible] کئی ہپی تمہارے بدن میں اتر جائیں گے اور لاش پہچانی [illegible] مشکل ہو گی۔" اچانک میرے راستے میں ایک [illegible] [illegible] کی [illegible]

سالاند میں محبت [illegible] ہیں۔ ان کھنڈرات کا کوئی راز باہر نہیں نکلتا۔!

یہ کہہ کر میری بیٹی [illegible] گیا۔ واپسی پر تو جیب میں ڈال کر رہ گیا۔ لورینہ کے آس پاس ہی کی ٹھوڑی تھوک کی اور زمین پر پڑے ہوئے ہپیوں سے بچتا بچاتا آگے بڑھتا رہا۔ مجھے وہم ہو چلا تھا کہ میں جدال و قتال اور ہنگاموں سے بیزار ہو چکا ہوں۔ یا تھا مقدر کی شرارت سے مجھے ایسے مہلک حالات کی طرف دھکیل رہا تھا۔!

وہ لڑکی اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ایک ایک انسانی ہیولے کو دیکھتی آگے بڑھتی رہی تھی۔ جب ہمیں وہاں بھٹکتے کافی دیر ہو چکی تو وہ [illegible] کر بولی۔ "شاید مجھے بنا سوچی ہے ورنہ اس کے گشت کی آواز دور ہی سے ہماری رہنمائی کر دیتی۔ اب اندھیرے میں یوں بھٹکنے سے بہتر ہے کسی سے پوچھ لیتے ہیں!"

"پوچھو— تم کسی سے پوچھو!" میں نے کہا۔

"لورینہ اس وقت کہاں ملے گی؟" لڑکی نے قریب ہی بیٹھے ہوئے ایک جوڑے سے سوال کیا۔

اس سے قبل کہ وہ دونوں کوئی جواب دیتے۔ مجھے اپنے عقب میں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ پھر ایک ایسی کرخت آواز سنائی دی جو نہ مردانہ تھی اور نہ زنانہ ابھری۔ "میں بتا سکتا ہوں!"

میں تیزی سے پلٹا اور دم بخود رہ گیا۔ ایک تو می ہیکل خطرناک شخص ... ایک کھلی جیکٹ اور جینز پہنے میرے سر پر موجود تھا۔ اندھیرے میں اس کے ہاتھ میں لئے ہوئے شکاری چاقو کا لمبا پھل نمایاں طور پر چمک رہا تھا!

میں نے کھنڈرات میں بھٹکتے ہوئے ایک بار اس کو اپنے آس پاس منڈلاتے دیکھا تھا مگر اس پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ اب مجھے اندازہ ہوا کہ وہ شروع ہی سے ہمارے تعاقب میں تھا!

اس حالت سے جو ٹ بولنے چمکدار سیاہ آنکھوں سے مجھے گھورا پھر کرخت اور لہجہ آواز میں بولا۔ "جیب میں جو کچھ ہے نکال دو ورنہ میرا چاقو تمہاری آنتیں باہر نکال دے گا۔" اس نے آنکھ ماری جیسے چمکدار پھل کو بوسہ دیا۔ "تمہاری آنتیں باہر نکال دے گا!"

سامنے میری جیب جانے کے بجائے ریوالور نکال کر اس خبیث کو ملحق کئے بغیر اس کی ساتویں اور آٹھویں پسلی کے درمیان دبا دیا۔ [illegible] ساتھ ہی باز و ... لیکن میری رہنما مجھے اس بات سے مطلع کر چکی تھی۔ میں اسے تو بآسانی مار سکتا تھا مگر کھنڈرات میں بکھرے ہوئے ہپی دل سے چیخ نکلتا۔ میرے لئے محال تھا۔ رات میں اس جگہ کے ... ہونے کا مفہوم اس وقت میری سمجھ میں آ سکا۔

"کیا بیہودگی ہے" میری رہنما [illegible] سے بولی۔ "تم [illegible]"

[illegible]

اس نے بائیں ہاتھ سے لڑکی کی ٹھوڑی تھام کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا اور روکھی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "گاہک ہوتا تو کسی تاریک اور پُرسکون گوشے میں ہوتا... " پھر وہ یک بیک مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ "سنا نہیں تم نے، جیبیں خالی کرو۔!"

"غصہ نہ کرو دوست!" میں زبردستی مسکراتے ہوئے بولا اور ساتھ ہی ریوالور جیب سے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ "یہ بھرا ہوا ہے مگر میں تمہارا دشمن نہیں، اور تم بھی نکال دوں گا۔"

ریوالور دیکھتے ہی وہ بُری طرح ٹھٹکا۔ چاقو والا ہاتھ سرعت سے بلند ہو گیا اور وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گیا مگر جب اس نے یہ دیکھا کہ میں ریوالور اس پر سیدھا کرنے کے بجائے ہتھیلی پر رکھ کر اسے پیش کر رہا ہوں تو اس کا چاقو والا ہاتھ نیچے گر گیا۔ اور اس نے جلدی سے میری ہتھیلی پر سے ریوالور اٹھا لیا جیسے اسے خبر رہا ہو کہ ذرا بھی تاخیر کی صورت میں میں اس پر فائر جھونک ڈالوں گا۔

آس پاس موجود ہپی تماشائیوں کی طرح ہمارے گرد اکٹھے ہو چکے تھے۔ میں نے اپنی جیبوں سے رقم نکال کر اطمینان سے اس کی طرف بڑھا دی۔ اس نے ایک نظر نوٹوں کی گڈی کو دیکھا اور جینز جیکٹ کی جیب میں اڑس لیا۔ اب کبھی مجھے اور کبھی میری ہمراہی لڑکی کو گھور رہا تھا جیسے ہم دونوں کوئی عجوبہ ہوں۔

"میں نے تمہارے حکم کی تعمیل کی اب میرا ریوالور مجھے واپس دے دو" میں نے اس سے کہا۔

"نہیں — یہ ناممکن ہے۔" اس نے ریوالور جینز کی بیلٹ میں ٹھونس لیا۔

"تو پھر رقم واپس کر دو!" میں نے لہجے کو مصالحانہ رکھا۔ "کیونکہ بازار سے کوئی اور ہتھیار خریدنا مشکل ہے میرے لئے بہت ضروری ہے اور اس رقم کے بعد میں بالکل مفلس ہوں۔!"

وہ چند سیکنڈ تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "تم نے ہتھیار ہوتے ہوئے کے باوجود مجھ پر فائر نہ کر کے دوستی کا ثبوت دیا ہے۔ رقم واپس لے لو۔ یہ تو میں کسی اور سے بھی چھین سکتا ہوں لیکن یہاں اسلحہ ذرا مشکل سے ہاتھ آتا ہے!"

اس نے گڈی میری طرف بڑھائی اور میں نے وہ رقم دوبارہ جیب میں ڈال کر اس سے کہا۔ "اچھا اب اتنی مہربانی اور کرو کہ لورینہ کا پتہ بتا دو۔!"

"کیا کام ہے اس سے؟"

"مجھے اس سے ذاتی معاملہ درکار ہے۔!"

"اس کی موجودگی میں آدھی رات کے بعد بھی یہ ویرانہ گلزار کے لاہوتی آہنگ سے گونجتا رہتا ہے۔ وہ آج شام سے ادھر نہیں آئی۔!"

"پھر کہاں مل سکے گی وہ؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"سنا ہے اس کا دوست ایلی بیک وقت چند دن بعد آج ہی

رہا ہو گا۔ لورینا اسی کے ساتھ کسی سستے ہوٹل میں ہو گی۔ ان چند دنوں میں اس نے کچھ رقم جوڑ لی تھی!

ایڈونچر اور گشت دونوں کے شائق تماشائیوں کو اس حادثے کے نئے موڑ نے مایوس کر دیا تھا اور وہ سب ہم سے لاتعلق ہو کر اپنی جگہوں پر جا بیٹھے تھے۔

"یہ بہت برا ہوا۔" میں خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔ "اب میں لونا کو کہاں تلاش کروں...؟"

"تمہیں کیا کام تھا لورینا سے؟" ریوبیکل پاتی نے پھر سوال کیا۔

"میری اکیلی دوست ہے... وہ اپنے دشمنوں سے بچنے کے لئے دو روز سے شیطان جیتوں میں چھپتی پھر رہی ہے۔ مجھے دراصل اسی کی تلاش ہے اور اس سلسلے میں مجھے لورینا سے مدد ملنے کی توقع تھی!" میں نے کھلے الفاظ میں اسے اپنے مسئلے سے آگاہ کیا۔

"مقامی لڑکی ہے؟" اس نے اس بار ذرا چونکتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں... لونا نام ہے اس کا۔" میں نے پرامید لہجے میں جلدی سے کہا۔

"نام سے مجھے غرض نہیں۔" وہ رکھے لہجے میں بولا۔ "میں ایک ایسی لڑکی سے واقف ضرور ہوں جو اپنے دشمنوں سے بچنے کے لئے کل سے ہماری پناہ میں آئی ہوئی ہے اور اس کا شوہر حوالات میں بند ہے!"

اس کے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہی میرا دل بلیوں اچھل پڑا۔

"ہاں ہاں وہی لڑکی... میں اس کا شوہر ہوں اور مجھے چند گھنٹے قبل ہی حوالات سے رہائی نصیب ہوئی ہے...!"

اس نے اشتباہ آمیز نظروں سے مجھے گھورا اور کہا۔ "مگر ابھی تو تم نے بتایا کہ وہ تمہاری دوست ہے... اب بیوی کیسے بن گئی...؟"

"احتیاطاً... صرف احتیاطاً میرے دوست!" میں نے تیزی اور جوش سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "مجھے کیا معلوم تھا کہ تم نہ صرف اس سے واقف ہو بلکہ وہ تمہاری ہی پناہ میں ہے۔ دراصل دو روز قبل ہی ہماری شادی ہوئی ہے ورنہ اس وقت تک ہم صرف دوست تھے۔"

"اس کا ثبوت؟" اس نے کڑے تیوروں کے ساتھ پوچھا۔

"اگر وہ مجھے اپنا شوہر تسلیم نہ کرے تو تم بلا تامل اپنے چاقو کا پھل میرے سینے میں اتار دینا۔" میں نے بے جھجک اس کو پیشکش کی۔

"ہاں یہ تو کرنا ہی ہوگا۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ "اس نے ہمیں اپنی حفاظت کا بھاری معاوضہ دیا ہے اور اگر تم نے اسے ذرا سا بھی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو یاد رکھنا کہ میں صرف آواز پر چاقو پھینکتا ہوں اور میرا کوئی وار آج تک خالی نہیں گیا...؟"

میں مرطوا کر رہ گیا۔ خلاف توقع حاصل ہونے والی اطلاع نے مجھے دیوانہ سا کر دیا تھا۔ میں جلد از جلد لونا تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اس توری میسکل پاتی کے بے لاگ رویے سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اس نے لونا کی سخت حفاظت کی ہوگی۔ ساتھ ہی مجھے حیرت بھی تھی کہ لونا نے جیتوں کے اس خطرناک گروہ کا علم کیسے کر لیا اور ان سے کس طرح رابطہ قائم کر کے محفوظ پناہ گاہ حاصل کی!

ہم دونوں اپنی باتوں میں اس لڑکی کو نظر انداز کر چکے تھے جو مجھے اس کیمپ تک لائی تھی۔ اس گفتگو سے شاید وہ اندازہ لگا چکی تھی کہ میرا کام بن چکا ہے اور اب اس کی مزید ضرورت نہیں رہ گئی ہے۔ اسے نظر انداز کر کے ہم دونوں نے قدم اٹھائے ہی تھے کہ وہ روہانسی آواز میں مجھ سے بولی۔ "میرے پیسے...!"

میں نے بٹوا اور جیب سے دس کا نوٹ نکال کر اسے تھما دیا۔

اسی وقت توری میسکل پاتی اس کی طرف پلٹا اور چاقو دکھا کر سرد آواز میں بولا۔ "ہماری گفتگو بھول جاؤ۔ اگر اس کے بارے میں کہیں زبان کھولی تو سینے کا پھل اتار دیا جائے گا...!"

"مجھے کچھ معلوم نہیں... میں کسی سے نہیں کہوں گی، کسی سے نہیں بولوں گی..." یہ کہتے ہوئے وہ تقریباً رو پڑی۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ دہشت سمٹ آئی تھی۔ تیلیاں پھیلی ہوئی تھیں اور تنفس کی رفتار بے حد تیز ہو گئی تھی!

وہ سہمی سہمی سسکیاں بھرتی وہاں سے چل دی تو پاتی مجھے ہمراہ لے کر کھنڈرات کے ایک ایسے حصے میں پہنچا جہاں دور دور تک اس ویرانے میں کوئی ذی روح موجود نہیں تھا...!

"اب کیا بات ہے؟" میں نے اس کی گھورتی ہوئی نظروں کا سامنا کرتے ہوئے سوال کیا۔

"اب میں نے اپنا ارادہ تبدیل کر لیا ہے..." وہ ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "تمہیں اس لڑکی کے دوست یا شوہر کی حیثیت میں خود کو منوانا ہوگا۔ اب میں اپنا اطمینان کئے بغیر تمہیں وہاں ہرگز نہ لے جاؤں گا!"

"آخر کیوں؟" میرے لہجے میں احتجاج تھا۔

"اس لئے کہ اس لڑکی سے ملتے ہوئے سوچنے کی پابندی کی خاطر کل بڈھے نے ایک مقامی کو جان سے ہلاک کیا تھا۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ "وہ مسلح سپاہی اس لڑکی کی تصویر لئے مختلف لوگوں سے دریافت کرتا پھر رہا تھا کہ وہ لڑکی یہاں تو نہیں دیکھی گئی ہے۔ یہ اطلاع جونہی بڈھے کو پہنچی وہ خود کو اس کے پاس پہنچا! اور میرا اندازہ ہے کہ اس کے بعد کہ وہ شخص لڑکی کا دشمن تھا اس نے اس کا بھیجا اڑا دیا... [illegible]

گینتا نے بروز آرٹ گیلری کے ریکارڈ سے لونا کی تصویر حاصل کر لی تھی اور کسی طرح اس کی شناخت کرانے کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ لونا کے ساتھ مل کر میں گینتا ڈان کو بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ پھر ایک طرف اس نے مجھے ضمانت پر رہائی کے بہانے ہلاکت کے جال میں پھانسنا چاہا اور دوسری طرف اپنے معتمد ساتھیوں کو لونا کی تصویر کی نقلیں دے کر شہر میں پھیلا دیا۔ اس نے ہم دونوں کے خاتمے کی مکمل اور بے عیب منصوبہ بندی کی تھی!

جبکہ لونا صرف اپنے پرانے ہم مذہب جیتوں کے انتقام سے بچنے کے لئے ان جیتوں کی پناہ میں آئی تھی۔ اسے علم بھی نہ ہوگا کہ اب اس کے زیادہ خطرناک دشمن پیدا ہو چکے ہیں جن کے نزدیک انسانی زندگی سے کھیلنا پرندوں کے شکار جیسا ایک تفریحی مشغلہ تھا!

"لڑکی کو بڈھے نے اس قتل سے لاعلم رکھا ہے تاکہ وہ ہراساں نہ ہو۔ وہ اپنے سرپرستوں کے مفاد اور ذہنی سکون کا پورا خیال رکھتا ہے۔" توری میسکل پاتی کہہ رہا تھا۔ "اب اگر میں تمہیں وہاں لے گیا اور لڑکی نے تمہیں اپنا شوہر قرار دیا تو بڈھے کو لڑکی کے سامنے ہی تمہارا کام تمام کرنا پڑے گا اور مجھے بھی اس کے عتاب کا شکار ہونا پڑے گا۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ میں اپنا مکمل اطمینان کر لوں!"

میں چند ثانیوں کے لئے سوچ میں پڑ گیا پھر سوال کیا۔ "اس مقامی کی لاش کا کیا بنا؟"

"وہ جس جیپ میں یہاں آیا تھا، لاش اسی میں ڈال کر جیپ ایک اتھاہ کھڈ میں گرا دی۔ اب پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی ہڈیوں کے ان ریزوں سے کچھ نہ معلوم کر سکے گی۔ اگر کبھی وہ جلا ہوا ڈھانچہ دریافت ہوا تو لوگ اس کی موت کو حادثہ کا نتیجہ ہی سمجھیں گے!" وہ کہتے کہتے ایک دم رکا اور مجھ سے سوال کیا۔ "مگر تم اس کے بارے میں کیا جاننا چاہتے ہو؟"

"لڑکی کی تصویر کیا لاش کے ساتھ ہی تھی؟ اگر وہ تصویر موجود ہے اور تم بڈھے کی گواہی تسلیم کر لو تو میں ثابت کر سکتا ہوں کہ وہ حوالات میں مجھ سے ملنے آئی تھی!"

"بڈھا اتنا احمق نہیں ہے۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولا۔ "تصویر جلا کر تلف کر دی گئی تھی!"

"یہ بڈھا کون ہے؟" میں اس کی شخصیت کے بارے میں اپنے تجسس کو نہ چھپا سکا۔

"وہ مزاردل آنکھوں اور شیطانی دماغ کا مالک ہے۔ اس کے نام سے سارے جیتوں کی روح فنا ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ واقعی کوئی نہیں جانتا!"

"تم مجھے اس کے پاس لے چلو..." [illegible]

"تصویر کے بغیر بھی اس نیک بارٹ کی گواہی کافی ہوتی مگر اسے تلاش کرنا آسان نہ ہوگا۔" وہ پُرخیال لہجے میں بولا۔

"میں غیر مسلح اور تنہا ہوں۔ تمہارے غول میں آ کر میں کس طرح لڑکی کو نقصان پہنچا سکوں گا اور جب مجھے جھوٹا ثابت ہونے پر اپنی موت کا یقین ہو تو آخر میں جان پر کھیل کر ایسی حماقت کیوں کروں گا!" میں نے اسے سوچ میں ڈوبا ہوا دیکھ کر ایک بار پھر سمجھانا چاہا۔

"چلو... مجھے تھوڑا سا خطرہ مول لینا ہی ہوگا، مگر میری ہدایات یاد رکھنا!" وہ کچھ دیر سکوت کے بعد بولا۔

وہ تاریک کھنڈرات میں میری رہنمائی کرنے لگا۔ وہ راستے میں ہیولوں پر تفریحی چوٹ کرتا کسی کھلنڈرے نوجوان کی طرح بڑھا جا رہا تھا۔ اس کا داہنا ہاتھ جیکٹ کی جیب میں چھپا ہوا تھا اور اس ہاتھ کی گرفت کھلے ہوئے چاقو کے دستے پر بہت مضبوط تھی۔

کچھ دیر بعد وہ کھنڈرات کے تقریباً وسط میں واقع ایک نیم منہدم کمرے کے قریب جا رکا۔ اس کمرہ کی دو دیواریں اصل حالت میں موجود تھیں، باقی دو نیم منہدم دیواروں پر پتھر جما کر اس جگہ کو کمرہ کا روپ دیا گیا تھا اور اونچی دیواروں پر چھت کا صرف ایک تہائی حصہ سالم دیوار پر موجود تھا۔

"ہیلو بڈھے!" مجھے لانے والے توری میسکل پاتی نے شکستہ دروازے پر ٹھوکر مار کر اونچی آواز میں کہا۔ اس کی آواز سن کر قریب و نزدیک کچھ نیم تیز ذرا چونکے، ان کے ساکت جسموں پر اضطراب کی بجلی سی لرزش طاری ہوئی پھر وہ دم سادھ کر اپنے اپنے رخ پر لیٹ گئے!

"ہوا زور!" اندر سے ایک مردانہ غراہٹ ابھری اور آواز تجربہ کی تلخی کاٹ کر بھری ہوئی معلوم ہو رہی تھی!

"چوکنگ!" توری میسکل پاتی نے شاید اپنا نام بتایا۔

اندر کھٹکا سا ہوا اور دروازہ کے دونوں پٹ تیزی کے ساتھ کھل گئے۔ کھلے ہوئے دروازے میں سے کمرہ کی باقی ماندہ چند چھت اور گری ہوئی چھت کی جگہ تاروں بھرا آسمان جگمگاتا نظر آ رہا تھا۔ ان کے پس منظر میں دروازے کے وسط میں لگ بھگ سے زیادہ قوی الجثہ اور دیو قامت ایک وحشی انسانی ہیولا موجود تھا۔ اس کی کمر سے بندھی ہوئی پیٹی کے دونوں طرف ہولسٹرز سے دو ریوالور جھول رہے تھے اور اس کے انگوٹھے پیٹی کے اگلے حصے میں پھنسے ہوئے تھے۔ جسم کا سارا زور بائیں ٹانگ پر تھا۔ داہنی ٹانگ قدرے خم کھائی ہوئی تھی۔ چہرے پر پھیلے ہوئے کشادہ جبڑوں اور تیز چمکیلی آنکھوں کے سوا داہنے رخسار پر بھی ایک زخم کا نشان تھا جو ٹھوڑی سے شروع ہو کر داہنے کان سے آگے تک بالوں میں چلا گیا تھا۔ اسے کان کا نچلا حصہ بھی غائب تھا!

"یہ شخص ابھی مجھے مشتبہ حالات میں کیمپ میں گھومتا ہوا ملا ہے۔" کنگ نے بیچیر خانے تھام کر مجھے اس بوڑھے کے قریب دھکیل دیا۔ "اسے لڑکی کا شوہر ہونے کا دعویٰ ہے۔"

گوشت اور ہڈیوں کے اس غیر متحرک انبار میں سے ایک طویل جھنکار بلند ہوئی پھر اس نے غراہٹ نما آواز میں سوال کیا۔ "مسلح تھا یہ اجنبی؟"

"نو یار بڈ!" کنگ جلدی سے بولا۔ "مگر اس نے خود ہی اپنا بھرا ہوا ریوالور میرے حوالے کر دیا۔ کہتا ہے کہ چند گھنٹے قبل پولیس کی حراست سے آزاد ہوا ہے۔"

"اسے اندر لے آؤ۔" بڈ غرایا اور اندر مڑ گیا۔

میں کنگ کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہوا تو بڈ ایک موٹی شمع روشن کر رہا تھا۔ اس کے پلٹنے سے قبل ہی کنگ نے بھاری دروازہ بند کر کے اندر سے بولٹ کر دیا۔

"مجھے اطلاع مل چکی تھی کہ تم نے کوئی تماشا کھڑا کیا ہے۔" بڈ بھیانک آواز میں ہنستے ہوئے لکڑی کی ایک کھونڈی سی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اسی لئے میں تیرے جانے کے بعد سے تمہارا منتظر تھا۔"

کنگ اس سے خائف نظر آنے کے باوجود زور سے ہنسا اور بولا "شکریہ کیا... بس ریوالور ملا ہے، رقم میں نے اسے واپس کر دی ہے۔ تم جانتے ہو میں ہمارے حریفوں کی بڑی قدر کرتا ہوں۔"

"تم گندے سور کی اولاد۔" بڈ بزرگانہ بے تکلفی سے ہنستے ہوئے بولا "کسی دن بری طرح اپنے کسی ہمدرد دشمن کے ہاتھوں زک اٹھاؤ گے۔" وہ خاصا فراخ دل معلوم ہوتا تھا۔

"کیوں تو لڑکی کو مجھ سے ملاؤں؟" کنگ نے پوچھا۔

"ہاں!" بڈ یک بیک سنجیدہ ہو گیا "اگر یہ اس کا شوہر ہی ہے تو بہتر ہوگا روشنی طلوع ہونے سے قبل یہ دونوں یہاں سے نکل جائیں ورنہ پھر اگلی رات کا انتظار کرنا ہوگا۔ یہ لوگ بدترین سور خصال ہی گھرے نظر آتے رہا۔" پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوا "بیٹھ جاؤ۔"

میں ایک چوبی صندوق پر بیٹھ گیا۔ بڈ کی تیز نظریں موٹی شمع اور تاروں کی ناکافی روشنی میں میرے وجود میں پیوست ہوتی رہیں اور میں بوکھلا کر اس کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

وہ کمرہ اتنا وسیع نہیں تو مختصر بھی نہ تھا۔ دیواروں کے اندر سے بھی وہی ساخت تھی جو باہر نظر آتی تھی۔ بس اندر آنے کے بعد چھت کے کافی حصے سے جھانکتا ہوا آسمان عجیب سا لگتا تھا۔ کمرے میں لکڑی کے چار صندوق پڑے ہوئے تھے۔ ایک پر میں بیٹھا ہوا تھا۔ دو کو ملا کر دیوان کی شکل دی گئی تھی اور ان پر ایک چادر پھیلا کر اسے قابل بنا لیا گیا تھا کہ ایک آدمی اس پر آسانی سے دراز ہو سکے۔ چوتھے صندوق پر جو سب سے نمایاں تھا ایک موٹی شمع موجود تھی۔ اسی کے قریب ایک آئل اسٹو، المونیم کی دو چھوٹی پتیلیاں، ایک آدھ پلیٹ، دو مٹی کی پیالیاں اور چند ڈبے موجود تھے۔ ... جس پر بڈ براجمان تھا۔ شاید وہی تختوں کو جوڑ کر بنائی گئی تھی۔ ... کمرے کی کل کائنات تھی۔ بے ترتیبی کے اعتبار سے وہ کمرہ خانہ بدوش خبطیوں کی ایک مثالی عارضی قیام گاہ کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ مجھے حیرت تھی ایک ایسی منظم اور طاقتور تنظیم کا سرغنہ اس بے سروسامانی کے عالم میں کیسے زندگی بسر کر رہا ہوگا۔

اسی وقت کمرے کی فضا میں ملی جلی خوشبوؤں کا ایک جھونکا آیا اور میں چونک پڑا۔ چند قیمتی شرابوں اور امریکی سگار کی بو میں نے پہچان لی تھی۔ مڑ کر دیکھا تو کنگ دبے قدموں فرش میں بنے ہوئے ... والے ایک نیم روشن خلا میں اتر رہا تھا۔ پتھر کی ایک بڑی سی سل اس کے قریب فرش پر رکھی ہوئی تھی۔

میری حیرت پر بڈ اس طرح ہنسا جیسے کوئی معصوم بچہ اپنے بزرگوں کی بے ساختہ حماقتوں پر قہقہہ لگاتا ہے اور تفریحاً بولا۔

"صدیوں پہلے کے معماروں نے وہ سل اس طرح لگائی ہے کہ ... ہونے کے بعد اس فرش پر کسی جوڑ کا احساس تک نہیں کیا جا سکتا ... نے اسے اتفاقاً دریافت کیا تھا اور اب میرے آدمیوں کے سوا کوئی ... نہیں کھول سکتا۔ اس کمرے کے مقابلے میں وہ تہہ خانہ ... ہے۔ میں نے تمہاری بیوی کے آرام کا پورا خیال رکھا ہے۔"

"میں تمہارا ممنون ہوں بڈ۔" ... اپنے دشمنوں کی عقابی نظروں سے روپوش تھی۔ میں نے ... میں کہا۔

"یہ ایک کاروباری معاہدہ تھا۔" بڈ نے موٹی شمع کی لو ... سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "تین دن اور تین راتوں کے تحفظ کے لئے ... نے اس سے دس ہزار طلب کئے تھے۔ شاید تمہیں اندازہ نہ ہو کہ کسی کو قتل کرنا اس کی جان کی حفاظت سے بدرجہا آسان ہوتا ہے۔ ... گمنام دشمنوں سے بچی ہوئی نہ جانے کس طرح یہاں آ پہنچی تھی۔ اس کے ... کل سات ہزار نو سو گیارہ روپے تھے۔ وہ ... سے اتنی ... کر میرے پاس آئی تھی۔ مجھے رقم ملی اور اسے تحفظ۔ ... یہ میری امان کی دوسری رات ہے۔ کل رات میں اسے ... اور وہ سورج غروب ہونے سے قبل بحفاظت کسی بھی ایسے ... پہنچا دی جاتی جہاں کی وہ خواہش ظاہر کرتی۔"

"خدا کا شکر ہے کہ میں بر وقت آ پہنچا۔" ... انداز میں ... حلق میں پھنسنے لگے تھے ... والا وہ کمرہ مجھے یک بیک ... نظر آنے لگا تھا۔

"بڈ کہاں ہے وہ لڑکی؟" اچانک کمرے میں کنگ کی بوکھلائی ہوئی آواز گونجی۔ وہ گھبرائے ہوئے انداز میں تہہ خانے سے باہر آ رہا تھا۔

"لڑکی نہیں ہے... کیا بکتا ہے تو؟" بڈ غصے سے غراتا ہوا اپنی کرسی سے اٹھا اور جھپٹ کر تہہ خانے کے کھلے ہوئے دہانے کی طرف بڑھا۔

میری آنکھوں کے سامنے اچانک روشن نقطوں کی دھند گردش کرنے لگی۔ کنپٹیاں سنسنا اٹھیں اور مایوسی سے میرا دل بیٹھنے لگا۔ لونا اس محفوظ تہہ خانے سے کہاں غائب ہو گئی تھی؟

بڈ کا غصے سے برا حال تھا۔ وہ بے مقصد مغلظ گالیاں بکتا ہوا دیوانہ وار جنون کے عالم میں تہہ خانے میں اتر رہا تھا۔

لونا کوئی سوئی تو نہ تھی کہ کنگ کو نظر نہ آتی اور اب بڈ اسے ڈھونڈ نکالتا۔ میں سخت مایوسی کے عالم میں صندوق سے اٹھا تو میری ٹانگیں واضح طور پر کانپ رہی تھیں۔ میں تہہ خانے کے دہانے کی طرف بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ کنگ دونوں ہاتھ اٹھا کر میرے سامنے آ گیا۔

"اس طرف جانے کی ضرورت نہیں۔" وہ سرد لہجے میں بولا "ہم نے اس کی حفاظت کی جان توڑ کوشش کی اور اب اگر وہ وہاں نہیں ہے تو اس میں ہماری کوئی کوتاہی نہیں ہے۔ چند منٹ بعد بڈ تمہیں ساری معلومات سے آگاہ کر دے گا۔ تم یہیں بیٹھو!"

"مگر اس نے تمہیں حفاظت کا خطیر معاوضہ دیا تھا۔" میں تند ... کے عالم میں بولا۔

"درست ہے!" اس نے سر ہلا کر اقرار کیا "اور ہم اس کی بازیابی میں تمہارے ساتھ بھرپور تعاون کریں گے۔ بڈ کو بد عہدی سے سخت نفرت ہے!"

میں نے اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورا اور اپنے شکستہ اعصاب کو تقویت پہنچانے کی نیت سے دوبارہ اسی صندوق پر بیٹھ گیا۔ تہہ خانے سے ابھی تک بڈ کی گالیوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

لڑکی

"کیا اسے کن دشمنوں سے جان کا خطرہ تھا؟" کنگ نے ... سے سوال کیا۔

میں نے نظریں اٹھا کر غور سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ... اپنی جیکٹ کی جیبوں میں کوئی چیز تلاش کر رہا تھا اور اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ ... اس کی خاطر اس نے اپنا مذہب ... اسے بتانے لگا۔ "اس بات پر شہر کی مسلمان آبادی میں سخت اشتعال پھیل گیا۔ ... اپنے ... کے خلاف اس کے ... یہ میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے اور ... کے ... ہیں

"... سے بچنے کے لئے تم لوگوں کی پناہ میں آ گئی تھی۔"

"مگر جو خیال اس کی تصویر دیکھ کر میرے ذہن میں آیا تھا ... لگتا ہے کہ وہ تو تمہارا ... ایک فریم میں ... ہوئی ہے!" وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا۔

"یہ کوئی اس سے بڑا مسئلہ نہیں؟" میں جلدی سے بولا۔ "وہ لوگ اس کے جنونی دشمن ہیں اور شہر میں بہت زیادہ رسوخ کے مالک ہیں۔ اتفاقیہ طور پر لونا کو ان کے بہت سے ایسے راز معلوم ہو گئے ہیں جن کی تشہیر سے صرف انہیں رسوا ہی نہیں کرے گی بلکہ وہ سلاخوں کے پیچھے نظر آئیں گے۔"

"تم ان لوگوں سے واقف ہو؟" کنگ نے پوچھا۔

"ہاں... مگر ان تک رسائی اتنی آسان نہ ہوگی۔ ان کی رہائش گاہ ... کسی قلعے کی طرح مسلح محافظوں کی نگرانی میں رہتی ہے۔"

"بڈ کے سامنے یہ کیا ہے۔" وہ ... لہجے میں بولا۔ "اس کے نزدیک دنیا کا کوئی کام مشکل نہیں ہے۔ وہ کسی پر اسرار روح کی طرح ہر جگہ جا پہنچتا ہے۔"

"تو کیا وہ لڑکی کی بازیابی کے لئے اس حد تک جا سکتا ہے؟"

"ہاں وہ پیشہ ورانہ دیانت داری کی بڑی عجیب ... ہے۔ اسی شہرت کی بنا پر لوگ آنکھیں بند کر کے اپنے کاموں کے لئے بڈ کے پاس چلے آتے ہیں ... پیچھے نہیں ہٹے گا۔"

اسی وقت نیچے تہہ خانے سے بڈ کی تیز غراہٹ سنائی دی پھر وہ اونچی آواز میں چیخا۔ "کنگ... وحشی کی اولاد... یہ لڑکی ..."

"بیچاری بڈ... کہاں چھپی ہوئی تھی وہ؟" کنگ نے ... مسرت بھری آواز میں پوچھا۔

بڈ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور چند ہی ثانیوں بعد وہ لونا کے ہمراہ تہہ خانے سے باہر آ گیا۔

"لونا!" میں دیوانہ وار اس کی طرف لپکا۔ شاید بڈ نے اسے میرے بارے میں کچھ بھی نہ بتایا تھا کیونکہ مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔ میں نے بے اختیار اسے اپنی مضبوط بانہوں میں سمیٹ لیا۔

بڈ ... انداز میں اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے بزرگانہ انداز میں یہ جذباتی منظر دیکھ رہا تھا کہ کنگ مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑا ہوا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ آپ کو ... دیکھ لیا ... میرے لئے تو یہ خیال بھی اذیت ناک تھا کہ آپ محض میری وجہ سے سلاخوں کے پیچھے ڈال دیے گئے۔"

"نہیں لونا!" میں نے اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے ... کہا۔ "اس میں تمہارا کیا قصور تھا۔ یہ میرا ماضی تھا جو زندگی کے ہر موڑ پر میرا تعاقب کر رہا ہے۔ میں ماضی سے فرار حاصل کرنا چاہتا ہوں لیکن میری پیشانی کے بدنما داغ ہر جگہ نمایاں ہو جاتے ہیں۔"

"نہیں بیان دکھتی ہوں!" اس نے کسی ضدی بچے کی طرح میرے بازو اپنی مٹھیوں میں بھینچ لیے۔ "مگر میرا سوتیلا باپ اپنی مجبوریوں سے اندھا ہو کر آپ کے خلاف پولیس میں رپورٹ درج کرا آتا تو پولیس آپ تک پہنچ ہی جاتی۔ پھر کیا ان حالات سے سامنا ہوتا، ماضی سے نقاب اٹھتی؟"

یہ بات اس نے محبت اور خلوص کے جذبے میں ڈوب کر کہی تھی لیکن اس کے آخری فقرے پر میرا دل اداس ہو گیا اور میں پست لہجے میں بولا۔ "میں خود غرض اور خود پرست ہوں لوزا — مجھے خود ہی اپنے ماضی کی پرچھائیاں دکھانی چاہئیں تھیں مگر میں نے اسے راز رکھا......!"

"نہیں!" وہ یکایک میرے سینے سے الگ ہو گئی اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اٹل لہجے میں بولی۔ "مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں۔ آپ کا ماضی میرا ماضی ہے۔ پتہ نہیں آپ کن مجبوریوں کے تحت ان حالات سے دوچار ہوئے ہیں۔ یہ موضوع اب کبھی نہ چھیڑا جائے گا۔ بس آ گئے آپ میرے لیے!"

اس کے خاموش ہوتے ہی مجھ سے پیشتر ڈیڈ ایک قدم لڑکھڑا کر آگے بڑھا اور حسب عادت اپنے کان کا سلسلہ رہائی اٹھا کر بولا۔ "تم دونوں میں کیا بات ہے۔ میری قربت میں ابھی تک مطمئن نہیں ہوں۔ مگر میں خود زبان پر مہر رکھتا ہوں۔ ہاں یہ ضرور سمجھ گیا ہوں کہ اب تم دونوں مدت سے بچھڑے ہوئے روایتی عاشق و معشوق کی طرح بے وقوفانہ جذباتی باتوں میں وقت ضائع کر رہے ہو۔ لہذا اب … [illegible] … انگریزی کا الفاظ استعمال کیا تھا۔ اور مجھے بتاؤ کہ تم دونوں کیا چاہتے ہو۔ اب تمہارا اگلا پروگرام کیا ہے؟"

اس کے چہرے پر … [illegible] … سرخ ہونٹوں پر مسکراہٹ تیر گئی۔ رخسار سے کان کے عقب تک پھیلا ہوا نشان بھی اس کے بالوں کا ہی حصہ نظر آ رہا تھا جس کے باعث اس کا چہرہ بھیانک معلوم ہونے لگا تھا!

"ڈیڈ — تم بہت بدصورت اور خطرناک ہو لیکن تمہاری عظمت کا مجھے کھلے دل سے اعتراف ہے۔ میرے خدا! ایک خوبرو اور نوجوان لڑکی جو یکہ و تنہا … [illegible] … کے لیے آزادی کے … تمہارے ہی ساتھ ہر طرح محفوظ ہے۔ خدا کی قسم یہ بالکل ناقابل یقین بات معلوم ہوتی ہے۔ بالکل ہی نئی دنیا کی کہانی!"

اس کی مسکراہٹ یکایک معدوم ہو گئی۔ اس نے … کان کا آدھا اجلا حصہ شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان دبا کر … بولا اور اپنی کرخت آواز میں بولا۔ "آہ، یہ خوشامد ہے تو تم جہنم میں جاؤ۔ اور اگر تم نے یہ بات ایمانداری سے کہی ہے تو اب میں بخشش کا حقدار بن چکا ہوں۔"

"میں سمجھا نہیں ڈیڈ!" میں نے حیرت سے کہا۔

اس نے جھلائے ہوئے انداز میں زیر زبان کچھ کلمات ادا کیے جو نہایت غیر شائستہ تھے پھر کھنگ کر آنکھ مار کر بولا۔ "یہ بدمعاش … آسمان سے ٹپکا گیا ہے۔ جو بخشش کا مطلب نہیں سمجھتا۔ اسے بتاؤ کہ میں کیا کہہ رہا تھا!"

"دیکھو مسٹر!" ڈیڈ اچھل کر میرے سامنے آ گیا۔ "لڑکی کی حفاظت کا معاوضہ مبلغ سات ہزار نو سو … ادا کیا اور سب قانونی طور پر … کی رقم تم جانے تک اسے تحفظ دینے کے پابند ہیں۔ مگر … بہت زیادہ متاثر اور خوش نظر آتے ہو لہذا تمہیں … میں کچھ … وہ مجوزہ … [illegible]"

اس نے جس طرح اپنی تاوانی پابندی کا ذکر کیا وہ عجیب تھا … لہجے میں کہا۔ "قانونی طور پر تو تمہاری ذمہ داری … ختم ہو چکی۔"

"اوہ — میں ریاست کے قانون کی بات نہیں کر رہا ہوں۔" … فضا میں لہرا کر بولا۔ "ہمارا اپنا بھی ایک قانون ہے جو ہر ایک … کے ساتھ ایک ہی ہوتا ہے!"

"بخشش ہی تم کیا جانتے ہو۔ جو کچھ میرے … [illegible]" میں نے لوزا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور وہ … جھینپ کر مسکرا دی۔

"اس میں تو … [illegible]" کنگ … مسکرا دیا۔

"ایڈیٹ!" ڈیڈ … [illegible] … کنگ نے ایک … اور جلدی سے … [illegible]

"جیب میں … [illegible] … تمہارے شریفانہ رویے سے متاثر ہو کر تمہیں واپس … [illegible]

"… کہیں پھر ٹلاش ہو جاؤں گا!"

"وہ تمہارا اپنا مسئلہ ہے!" … کھانس کر بولا۔

"بہرحال — … [illegible]"

رقم نکالی اور دو … رکھ کر … کی طرف بڑھا دی۔

اس نے کسی بھی طرح تشکر کا اظہار کیے بغیر وہ رقم … میں ڈال لی جیسے میں نے اس کا کوئی پرانا قرض واپس کیا ہو۔

"اور اب!" ڈیڈ … پر نظر ڈالتے ہوئے بولا۔ "… جہاں تک میں تم دونوں کے معاملات سمجھا ہوں … اور تم … میں پھنسے ہوئے ہو۔ شاید وہاں کی روشنی میں باہر نکل کر زندہ بھی نہ رہ سکو۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"ٹھیک ہے، تم بات پوری کرو!" میں نے کہا۔

"لہذا یہاں سے … کے اندھیرے میں … اگر تم چاہو تو میں … تم دونوں کو کسی طرف … [illegible] … تم دونوں … [illegible]"

ایک لمحے کے لیے میری اور لوزا کی نظریں چار ہوئیں اور میں نے اس کی آنکھوں کی تحریر پڑھ لی۔ تحفظ اور قربت سے … کی یہ آخری رات … [illegible] … میں نے چند ثانیے کی خاموشی کے بعد ڈیڈ سے کہا۔ "میرا ارادہ کل رات یہاں سے روانگی کا ہے۔ مگر یہ رات ہم کہاں بسر کریں گے؟"

"رات تمہیں یہیں گزارنی ہے۔ اب اگر وہ تمہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔" اس نے نیا سگریٹ سلگاتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

"ہم دونوں انڈر ورلڈ کے شکنجے میں … مشکل میں ہیں ڈیڈ!" … "تم ہمیں پہرہ دلا دو!"

"مگر یہ یاد رہے کہ میں اس چہار دیواری میں … [illegible] … مجھے امید ہے کہ تم دونوں اپنی غلطی سے … حاصل کرنے کے لیے میرے خلاف کوئی سازش نہیں کرو گے … اگر … اگر ایسا ہوا تو … [illegible]" اس نے دونوں ہولسٹروں سے دونوں ریوالور نکال لیے۔ "… تمہیں ہلاک کر دوں گا!"

"نہیں ڈیڈ!" میں جلدی سے بولا۔ "ہم اتنے ناسپاس نہیں ہیں۔ موجودہ حالات میں ہم تمہارے تحفظ اور تعاون کے بغیر اس شہر سے باہر نکلنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"گڈ!" اس نے دونوں ریوالور ہولسٹروں میں اڑس لیے اور ہم دونوں کو ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے تہہ خانے کے راستے کی طرف مڑ گیا۔

سیڑھیوں پر … [illegible] … میں درمیان میں اور ڈیڈ پیچھے تھا۔ سیڑھیاں کافی کشادہ اور گہری تھیں۔ کنگ اوپر ہی رک گیا تھا۔ … [illegible] … تہہ خانے کا … دروازہ بند کر دیا تھا!

تقریباً تیس فٹ گہرائی میں اترنے کے بعد ہم تہہ خانے کے فرش پر پہنچے اور میں حیرت سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ اس کی چھت … [illegible] … ہم اس وقت ایک کشادہ راہداری میں موجود تھے جس کے دونوں جانب چار … کمروں کے دروازے نظر آ رہے تھے۔ راہداری … [illegible] … ایک مجسمہ نصب تھا … [illegible]

"آؤ!" ڈیڈ نے راہداری کی داہنی جانب … ایک دروازہ … "… یہ تہہ خانہ اس طرح تعمیر کیا گیا ہے کہ … کمرے میں سانس لینے کی آواز بھی … باہر تک نہیں سنی جا سکتی!"

"یہ تہہ خانہ فن تعمیر کا شاہکار معلوم ہوتا ہے!" میں نے تعریفی … [illegible]

… وہ خود بھی کنڈیشنڈ میں بدل چکا ہوتا!"

ڈیڈ کا کمرہ ہر طرح کے سامان تعیش سے آراستہ تھا۔ بستر اور صندلی دیواریں تو شاید تہہ خانے کے ساتھ ہی دریافت ہوئے ہوں گے مگر دیگر سامان اس بعد میں جمع کیا گیا تھا کہ صندل کی لکڑی کی بھینی بھینی خوشبو سے مہک رہا تھا!

ڈیڈ نے الماری سے … کی سربند بوتل نکالی اور فخریہ لہجے میں بولا۔ "یہ شراب میامی میں … [illegible] … ہمارے سوا کوئی … چکھ چکا ہے؟"

اس نے تین گلاس نکالے تو لوزا جلدی سے بولی۔ "ڈیڈ میں نہیں پیتی!"

"شکریہ ملنے کی خوشی میں بھی نہیں؟" وہ اس کی طرف پلٹا۔

"نہیں … شکریہ!" لوزا مدھم آواز میں بولی۔

وہ دونوں گلاسوں میں شراب ڈال کر میری طرف آیا اور ایک گلاس مجھے دے کر بولا۔ "اپنے ذوق کے مطابق سوڈا خود ملا لو۔ الماری میں … اور سوڈا موجود ہے!"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں، میں نیٹ پیتا ہوں!" میں نے جلدی سے کہا۔ لوزا میری طرف دیکھ کر محبت سے مسکرا دی۔ شاید وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ میری ہر پسند اور عادت کو خندہ پیشانی سے قبول کرے گی!

"اب بتاؤ کل رات تم کدھر جانا چاہتے ہو۔ تاکہ میں انتظام کر سکوں؟" وہ شراب کا پہلا گھونٹ لیتے ہوئے بولا۔

"کیا تم جانتے ہو کہ … [illegible] … بہار کے اختتام پر کوچ کر جاتا ہے؟" میں نے چند ثانیوں کی پرفکر خاموشی کے بعد اس سے سوال کیا۔

ڈیڈ نے اس سوال پر بلند آہنگ قہقہہ لگایا اور تمسخر آمیز لہجے میں بولا۔ "وہ … [illegible] … شہر سے باہر نکلتے ہی پہاڑیوں میں ایسا گم ہوتا ہے کہ کوئی سراغ نہیں ملتا۔ سونا بنانے کا نسخہ حاصل کرنے کے خبط میں بہت سے لوگوں نے اس کا تعاقب کیا مگر ناکام ہی رہے!"

مجھے توقع نہیں تھی کہ میرے استفسار پر ڈیڈ یوں کھل کر میرا مضحکہ اڑائے گا … [illegible] … لہجے میں بولا۔ "یہ بات نہیں ہے۔ میں در اصل … کی طرف جانا چاہتا ہوں اور … بھی شاید اسی طرف نکلتا ہے۔ میں صرف اس کا راستہ جاننا چاہتا تھا … سفر کی صعوبتوں کو کم از کم کر سکوں!"

"فکر کی کوئی بات نہیں۔" وہ جلدی جلدی … اپنے سامان … سفر پر نکلنے والا ہے۔ میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ یہاں سے نکلنے کے بعد … [illegible] … میں ضرور دیکھا جاتا ہے۔ تم … شہر … کر اس کی آمد کا انتظار کر سکتے ہو جب وہ آگے سفر کرے تو اس کا پیچھا کرنا!"

"یہ اطلاع میرے لیے … [illegible] … ایک مستقل …

ہونے کے باعث مجھے علم ہی نہیں تھا کہ اندرام کھٹمنڈو میں موجود ہے اور شاید
کل دوپہر اپنے سفر پر نکلنے والا ہے۔ میں نے اپنی مسرت پر قابو پاتے ہوئے
بڈھے سے پوچھا: "نوا کوٹ کس طرف واقع ہے؟"

"یہاں سے شمال مغرب میں چالیس پچاس میل کی مسافت پر
دریا کے کنارے ایک قصبہ ہے۔"

"تو مجھے وہاں اندرام کی آمد کی اطلاع کیسے مل سکے گی؟"

"وہ بہت سی پراسرار قوتوں کا مالک ضرور ہے مگر رنگین مزاج
بھی ہے۔ اس کے چیلوں کی ایک مخصوص جماعت ہر سال نوا کوٹ تک اس کے
ساتھ جاتی ہے۔ اس عیاش سادھو کی روایت ہے کہ ہر برس اس جماعت میں
[illegible] اور نوخیز نسوانی چہرے شامل ہوتے ہیں۔ وہ راستے میں اپنے سارے ارمان
پورے کر لیتا ہے پھر ان ہی عورتوں کو نوا کوٹ میں الوداع کہہ کر آگے نکل جاتا
ہے۔ اس جلوس کے پہنچنے سے گھنٹوں قبل نوا کوٹ میں ہلچل مچ جاتی ہے
کیونکہ اندرام کے آگے بڑھ جانے کے بعد وہ لڑکیاں کچھ دن نوا کوٹ والوں
کو حسن کے جلووں کی خیرات بخشتی ہیں پھر کھٹمنڈو واپس آ جاتی ہیں۔"

"حیرت کی بات ہے کہ تم اندرام کو کیسے برداشت کرتے ہو؟"
میں نے کہا "کیونکہ وہ تمہارے ساتھی ہپیوں کو ورغلاتا رہتا ہے؟"

بڈھے نے بیئر کا گلاس خالی کر کے ہنسا: "اس کی اور میری لائن
الگ الگ ہے۔ وہ بھاری معاوضوں پر شہر کے رؤسا کو غیر ملکی لڑکیاں
فراہم کرتا ہے۔ پھر اس رقم سے ہپیوں میں مفت منشیات تقسیم کرتا ہے
تاکہ وہ اس کے گرد جمع رہیں اور وہ ان ہی میں سے اپنے شکار چھانٹتا رہے
اور میں مُردوں کا کاروبار کرتا ہوں۔ خود کو خطرات میں ڈالنے کا معاوضہ لیتا ہوں
[illegible] سے عشق کرتا ہوں۔ یہ لوگ جو کھٹمنڈو میں پھیلے ہوئے ہیں محض
جنسی تسکین [illegible] اور سکون کی نیت سے یہاں آئے ہیں کیونکہ یہاں کوئی
انہیں [illegible] نہیں کرتا۔ میرے آدمی ان کے تحفظ کا خیال رکھتے ہیں اور یوں وہ
سب میرے [illegible] میں شامل سمجھے جاتے ہیں۔ میرا اور اندرام کا کوئی
مقابلہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔"

"خیر، یہ تمہارا اپنا معاملہ ہے۔ ہم دونوں کل رات نوا کوٹ پہنچ جائیں
گے مگر یہ خبر راز ہی رہنی چاہئے!" میں نے بڈھے سے کہا۔

"اگر تم نے دوبارہ رازداری کے بارے میں کوئی ایسی ہلکی بات کہی
تو میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔" بڈھا اپنی جگہ سے [illegible] غرایا۔ "آخر تم یہاں
جھک مارنے کیوں آئے ہو؟"

"تمہیں [illegible] ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔" نواجا جلدی سے
بیچ میں [illegible] "صفدر تم پر اعتماد کرتے ہیں مگر [illegible] انتظار میں
آدمی کبھی بے یقینی کا شکار ہو جاتا ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے!" وہ ہاتھ جھاڑ کر اٹھا۔

میں نواجا کا ہاتھ تھام کر [illegible] تک پہنچا ہی تھا کہ بڈھے کی آواز [illegible]

"ابھری! شکریہ!"

میں [illegible] الماری کے قریب موجود تھا [illegible]
[illegible] ایک [illegible] میری طرف اچھال دیا۔ "یہ تم دونوں کے [illegible]
[illegible] کا تحفہ ہے۔"

میں نے [illegible] دیکھا [illegible] کا تھا [illegible]
نکل گیا۔ نواجا [illegible] کو دیکھ رہی تھی۔ وہاں بھی نفاست [illegible]
[illegible] آیا کہ [illegible] سفید [illegible]
[illegible] کا کوئی احساس نہیں تھا۔ [illegible]
[illegible] کا خاصہ ہوتی ہے۔ نواجا [illegible] اور وہاں [illegible]
[illegible] موجود ہے لیکن [illegible] کے باوجود [illegible]
[illegible] کا مکمل انتظام تھا [illegible]
[illegible] نہیں چلتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ [illegible]
[illegible] نے سائنس [illegible] دوسرے [illegible]
[illegible] کے باوجود [illegible]
[illegible] نظر آتا تھا۔ [illegible]
[illegible] جاتے تو [illegible] کا [illegible] کر سکتا ہے۔"

"میری [illegible] بہت تکلیف [illegible]"

[illegible] کہا: "تمہارا [illegible] عظیم [illegible]
زندگی [illegible] ان مسافات کا بدلہ [illegible] سکوں [illegible]
[illegible] ہیں۔"

"صفدر!" وہ میرے قریب کھسکتے ہوئے بولی۔ [illegible]
[illegible] ہمیں [illegible] ایک فرض پورا کرنا ہے۔"

[illegible] تم نے [illegible] کہاں سے حاصل کی تھی [illegible]

"یہ [illegible] مشکل کام تھا۔" وہ [illegible] ہوئے بولی۔ [illegible]
اس بات سے واقف تھی کہ شہر [illegible] ہپیوں کا ایک [illegible]
[illegible] پر [illegible] ہے [illegible]
[illegible] ایک [illegible] فرانسس سے [illegible] ہو گیا۔ اس کے ساتھی [illegible]
عیسائی [illegible] سمجھایا [illegible]
[illegible] شادی کرانے کی پیشکش [illegible]
[illegible] کہا کہ عیسائی نوجوان [illegible]
گر وہ لوگ [illegible] میری تلاش میں نکلے۔ ان کا خیال تھا کہ [illegible]
[illegible] کامیاب ہو جائیں گے۔ میرے مسلسل انکار پر [illegible]
ساتھی برہم ہو گئے اور مجھے دھمکیاں دیں [illegible]
[illegible] میں نے [illegible] فیصلہ کر لیا [illegible]
[illegible] کو [illegible] کام [illegible]
[illegible]

قریباً بیس منٹ میں آبادی پیچھے رہ گئی۔ اور میں آنے والے
[illegible] کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کھٹمنڈو جیسے دشوار گزار شہر سے نکلنا کسی
[illegible] کے لئے کوئی دشوار کام نہیں تھا۔ شہر سے قریب کے
[illegible] راستے تھے جن پر اپنے آدمی لگا کر وہ بے فکر ہو سکتا تھا
[illegible] کے ذریعے اختیار کی جا سکتی تھی اور ائیر پورٹ پر بھی ایک
[illegible] نگرانی کے لئے کافی ہوتے!

جیپ کو شہری حدود سے نکلے چند ہی منٹ گزرے ہوں گے
کہ سامنے سڑک کے عین وسط میں دو افراد ہاتھ کے اشارے کرتے نظر آئے
ان کے جسموں پر نیپالی پولیس فورس کی وردیاں نظر آ رہی تھیں۔
بڈھے کے حلق سے غراہٹوں کی صورت میں چند گالیاں آئیں
[illegible] جیپ کی رفتار بتدریج کم ہونے لگی۔ ساتھ ہی وہ گھو کر بولا:
"جیپ کے رکنے سے قبل تم دونوں نشستوں کے درمیان چھپ جاؤ۔ ان
پولیس والوں کو مطمئن کرنا مجھے خوب آتا ہے۔"

اب وہ دونوں تھوڑی ہی دور رہ گئے تھے اور ہیڈ لیمپس
کی روشنیاں براہ راست ان کے چہروں پر پڑ رہی تھیں۔ میں اور اسمیٹ
تیزی کے ساتھ [illegible] میں دبک گیا۔ جیپ کی رفتار کم ہونے لگی اور
آخر کار [illegible] رک گئی البتہ انجن اسٹارٹ رہا۔

"تم کدھر جا رہے ہو؟" سڑک پر وزنی جوتوں کی دھمک کے
ساتھ ہی ایک مقامی آواز ابھری اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ
آواز میرے لئے اجنبی نہ تھی۔ اندھیرے [illegible] اس کے قتل کی رات
میں خود رو جنگل میں وہ آواز سن چکا تھا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ جنت [illegible] کے دو خونی
[illegible] سرکاری وردیاں پہنا کر اس راستے کی نگرانی کا بندوبست
کیا تھا۔ بظاہر بڈھا اس صورت حال سے لاعلم تھا مگر میرے لئے یہی بات
[illegible] کہ میں بڈھے کو ہوشیار کرتا!

"ہم [illegible] کے لئے جا رہے ہیں!" بڈھے کی بڑی ہوئی اردو میں
[illegible] کے لئے کوئی اجنبی زبان نہیں تھی۔ وہ خود بھی اکثر اردو
بولتے تھے۔

اسی وقت ایک ملاقاتی [illegible] لائٹ کی روشنی عقبی حصے میں
پہنچی [illegible] کے چہروں پر پڑی اور وہی مقامی آواز ابھری "بیٹے
[illegible] پیچھے جھانک لے!"

[illegible] کی دھمک جیپ کے عقبی حصے کی طرف آنے
لگی۔ میرے اعصاب پر ناقابل برداشت تناؤ طاری ہونے لگا۔ جیب
[illegible] تھیں پنجوں کی صورت میں [illegible] نشستوں سے [illegible]

ہوئی تھیں۔ اور میں لڑنے کے بجائے ان دونوں پنجوں کے درمیان دبکا ہوا تھا
[illegible] ملاقاتی کا اگر ہٹا دیتا تو آگے پیچھا دروازہ کھول لیتے ہی ہم
نظر آ جاتے اور شاید معرکہ کی ابتدا اسی کے ہاتھوں ہوتی!

اس شخص کے پہنچنے سے قبل ہی میں نے عقبی حصے میں بیٹھے ہوئے
بڈھے کے ایک ساتھی کے ہاتھ سے اسٹین گن چھین لی۔ وہ بولا کر پیچھے جھکا مگر
میں نے اس کی ٹھوڑی دبا کر اسے تسلی دی اور وہ شاید صورت حال کی نزاکت
بھانپ کر سیدھا ہو گیا۔

اتنی دیر میں عقبی دروازہ کھولا جا چکا تھا۔ جیپ میں ایک مقامی [illegible]
تاریک ہیولا نظر آیا۔ میں نے اسٹین گن کی نال اس کے سینے کی طرف اٹھائی
اور اس کی ٹارچ روشن ہوتے ہی میں نے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ [illegible]
[illegible] آواز بلند ہوئے بغیر سڑک پر گر گیا۔ شاید اس کا ساتھی بری طرح چیخا جیسے
اگلے حصے میں دوڑ رہے بڈھے کی بندوق ہوئی اس وقت تک میں سیدھا ہو چکا تھا۔

پولیس کی جعلی وردی میں ملبوس دوسرا نیپالی ابھی اپنی رائفل
کی نال سیدھی ہی کر پایا تھا کہ بڈھے کا ریوالور چلا، گولی اس کے پیٹ میں لگی
اور وہ رائفل پھینک کر بری طرح چیخ پڑا۔ میں نے اسے مزید مہلت دیئے
بغیر بڈھے کے عقب سے اس پر اسٹین گن کی گولیوں کی بوچھاڑ ماری اور وہ بھی ٹھنڈا
ہو گیا۔

ابھی یہ لوگ سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ قریبی پہاڑیوں سے بیک وقت
کئی رائفلیں چلیں۔ گر سب ہی گولیاں جیپ کی باڈی میں گھس گئیں۔ اسی وقت
کسی نے میرے ہاتھ سے اسٹین گن چھین لی۔

بڈھے نے پھرتی سے جیپ کی روشنیاں گل کر دیں اور چیخا: "دونوں
نشستوں کے درمیان چھوڑ کر نیچے اتر پڑو۔ بائیں جانب کی پہاڑیوں میں
وہ لوگ موجود ہیں!"

"پولیس سے ٹکرانے کی کیا ضرورت تھی!" میرے اترتے ہی
بڈھا غصے سے پھٹ پڑا۔ "تمہارا یہ بلاوجہ پریشان پیدا کرنے چلا ہے۔"

"یہ دونوں نقلی وردیوں میں تھے۔ میں ایک کی آواز پہچان چکا تھا
اسے [illegible] ٹارچ روشن کرتے ہی سب کو ہلاک کر دیتا!" میں نے اپنا
غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ!" بڈھے کے منہ سے سیٹی کی طرح آواز نکلی۔ "پھر تو یہ
اچھا ہی ہوا۔ ہم لوگ ان کے ساتھیوں کی نظروں میں آ چکے ہیں کوئی پوزیشن
سے ہم لاعلم ہیں!"

اس وقت پہاڑیوں سے پھر کئی فائر ہوئے مگر اندھیرے کے
باعث سب گولیاں محفوظ فاصلوں پر گریں۔ اس کے بعد ان سے نا بلد
ہونے لگی کہ بڈھے کی جماعت بالکل خاموش تھی اور وہ خود آوازوں کی بنا

پہاڑی کی قطار اور کمین گاہوں کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"یہاں کے دہانے سے دور بلکہ خطرناک ہے ٹبر۔ تیزی سے جیپ آگے نکال لے چلو۔" میں نے صبر آزما انتظار سے تنگ آ کر کہا۔

"جیپ کون ڈرائیو کرے گا؟" وہ کسی بھیڑیے کی طرح غرایا۔ "ونڈ شیلڈ کی طرف سے آنے والی ایک گولی بھی ڈرائیور کے لئے کاری ہو گی۔"

"یہ خطرہ میں مول لینے کو تیار ہوں۔" میں نے بے خوفی سے کہا۔

"بے سود ہے۔ بے سود ہے!" وہ مضطرب لہجے میں بولا۔ "تم اس راستے سے ناواقف ہو۔ اس مقام سے چند سو گز آگے ایک خطرناک موڑ ہے اسی وجہ سے انہوں نے اس مقام کا انتخاب کیا ہے۔ جیسے ہی تم نے [illegible] کی آواز پہچانی تھی ہم آگے نکل جاتے تو شاید راستہ صاف ملتا لیکن اب یہ مقصد فائرنگ میں الجھا کر وہ اتنی مہلت حاصل کر چکے ہیں کہ ان کے آدمیوں نے موڑ پر پتھروں کے ڈھیر لگا کر ہماری راہ مسدود کر دی ہو گی۔"

"مگر ٹبر۔ یہاں رکنا خطرناک ہے!" اس کا ایک ساتھی بولا۔ "وہ لوگ بلندی پر ہیں ہم نشیب میں ہیں پھر وہ تعداد میں زیادہ نظر آتے ہیں۔ اگر انہوں نے ہمیں چاروں جانب سے گھیرنا شروع کر دیا تو ہم بے موت مارے جائیں گے۔ آگے بڑھو یا پیچھے ہٹو!"

"سب لوگ پیچھے جاؤ۔ میں جیپ آگے بڑھاتا ہوں۔" اس نے جلدی سے کہا اور اپنے دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ لینڈ روور کے عقبی حصے میں جا بیٹھا۔ اسی وقت ٹبر نے اپنے ریوالور کے دستے سے ونڈ شیلڈ کا شیشہ توڑ دیا تاکہ گولیوں یا [illegible] انعکاس کے سبب جیپ کی صحیح پوزیشن کا اندازہ نہ ہو سکے۔ شیشہ توڑنے کے بعد وہ اچھل کر سیٹ پر بیٹھا اور ہیڈ لیمپس روشن کئے بغیر جیپ پوری رفتار سے آگے بڑھا دی۔ سب لوگ ایک دوسرے کے اوپر نشستوں کی درمیانی جگہ میں دبک گئے۔

ٹبر کا یہ اقدام اس کی بے خوفی اور جرأت کا مظہر ضرور تھا مگر جیپ کے حرکت میں آتے ہی مجھے احساس ہوا کہ یہ دانشمندانہ حرکت ہے۔ اگر کوئی گولی [illegible] کر دیتی یا ماری جاتی تو سب لوگ جیپ سمیت کسی شدید بھیانک حادثے کا شکار ہو سکتے تھے۔ ... بہرحال اب تو جو ہو گیا تھا اس کے نتائج بھگتنے ہی تھے!

پہاڑیوں سے فائرنگ میں شدت آ گئی تھی۔ [illegible] گولیاں جیپ پر [illegible] رہی تھیں۔ پھر جیپ ایک موڑ گھومنے لگی۔ اسی دوران میں جیپ کو تیزی سے [illegible] ہوئے ٹبر چیخا۔ "سولی! سامنے کچھ آدمی ہیں۔ فائر!"

پلک جھپکتے ہی ٹبر کے چاروں ساتھیوں نے ایک ساتھ اسٹین گن [illegible] سے [illegible] میں نے بھی سر اوپر اٹھایا تاکہ اس صورتحال کا جائزہ لے سکوں۔ ٹبر کا قیاس سو فیصدی درست تھا۔ سڑک پر چند سو گز دور [illegible] سے پتھر لڑھکائے جا چکے تھے اور چند متحرک انسانی ہیولے ایک آخری [illegible] کوشش [illegible] کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

سولی نے اسٹین گن کی نال ٹبر کے برابر والی نشست کی پشت پر [illegible] ونڈ شیلڈ میں سے گزرتے [illegible] فائرنگ شروع کر دی۔ [illegible] چیخیں [illegible] تین سائے لڑکھڑا کر سڑک پر گرے [illegible]

جیپ تیزی کے ساتھ آگے بڑھتی رہی پھر ایک شدید [illegible] لونا کے حلق سے بے اختیار چیخیں نکل گئیں۔ اسی کے ساتھ جیپ [illegible] اچھلی [illegible] گئی۔ چند ہی سیکنڈ میں ٹبر کی آواز گونجی۔ "نکل گئے۔ ہم رکاوٹ عبور کر گئے!"

سب لوگ تیزی کے ساتھ سیدھے ہو گئے۔ ٹبر خود بیچ [illegible] پتھروں کے درمیان راستہ بنا لیا تھا اور اب جیپ صاف سڑک پر تیزی کے ساتھ بڑھ رہی تھی!

سب لوگ نشستوں پر بیٹھ ہی پائے تھے کہ ٹبر بولا۔ "یہ خطرہ ہے کہ [illegible] ہیڈ لیمپس [illegible] ہیں۔ ایک آدمی آگے آجائے اور ونڈ شیلڈ کے ٹوٹے خلا سے سرچ لائٹ نکال کر راستہ دکھائے تاکہ میں آسانی سے ڈرائیو کر سکوں!"

ایک آدمی جلدی سے آگے پہنچ گیا اور ونڈ شیلڈ کے ٹوٹے ہوئے شیشے میں سے روشنی کی طاقتور شعاعیں سڑک پر پھیل گئیں۔

[illegible] آدمیوں کو [illegible] شدید [illegible] ابھی وہ ہار نہیں مانے تھے۔ تاریک پہاڑیوں کے درمیان سے روشنیاں نکل کر سڑک پر ہمارے تعاقب میں چلی آ رہی تھیں۔ ٹبر عقب نما آئینے میں انہیں دیکھ چکا تھا کیونکہ ان کے ہیڈ لیمپس پوری طرح روشن تھے۔

ان کے ہیڈ لیمپس کے درمیانی فاصلے سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ولیز جیپیں ہی ہیں جن کے [illegible] ہوتے ہیں جبکہ ہماری لینڈ روور میں ہر طرف آہنی چادروں کا حصار تھا۔ شاید ٹبر بھی انہی خطوط پر سوچ رہا تھا کیونکہ [illegible] اس نے تعاقب کرنے والوں پر فائرنگ کا حکم دے دیا۔

پچھلی جیپ کافی فاصلے پر تھی لیکن [illegible] شاید اسٹین گن کی مار کا اندازہ نہیں تھا جب [illegible] اسٹین گنیں چلیں تو جیپ کی اگلی روشنیاں تباہ ہو گئیں۔ [illegible] دھماکوں سے [illegible] گئے۔ کئی انسانی چیخیں ابھریں اور مجرموں کی دوسری جیپ کی روشنی میں وہ [illegible] دائیں جانب ایک گہرے کھڈ میں لڑھک گئی۔

چند ثانیوں کے لئے مجرموں کی دوسری جیپ وہاں رکی۔ شاید حادثے کا شکار ہونے والی گاڑی کے مسافروں کی مدد کے لئے کچھ آدمی اترے اور [illegible] بار وہ زیادہ فاصلے سے ہمارے تعاقب میں ہو لی۔

ٹبر کی ہدایت پر اس جیپ پر بھی گولیاں برسائی گئیں لیکن وہ [illegible] پیچھے تھی۔

[illegible] انجن کا [illegible] ظاہر کرنے والی سوئی [illegible] خشک ہونے [illegible] بونٹ سے بھاپ کے بادل اٹھ رہے تھے [illegible] جیپ [illegible] صاف ظاہر تھا کہ [illegible] ریڈی ایٹر [illegible] کے بغیر جیپ زیادہ دیر نہ چل سکے گی۔ انجن کی [illegible] سوئی [illegible] طرف [illegible] بھاپ کے بادل تیزی سے اٹھنے لگے۔ انجن سے [illegible] آخر کار انجن نے جواب دے دیا۔ جیپ رک گئی اس کا انجن سیز ہو چکا تھا۔

ہم لوگ نیچے اتر رہے تھے کہ تعاقب میں آنے والی جیپ سے [illegible] فائر ہوئے۔ ہم میں سے دو آدمی چیخے۔ ایک آدمی کا بازو زخمی ہوا تھا، دوسری چیخ لونا کی تھی۔ وہ خون میں نہائی [illegible] اس کا بدن [illegible] کے عالم میں کانپ رہا تھا [illegible] سرچ لائٹ سنبھال کر پیچھے لپکا۔ اس وقت تک لونا کا بدن [illegible] ہو چکا تھا۔ [illegible] اس کی روح پرواز کر گئی۔

تعاقب میں آنے والوں کی جیپ دور ہی رک چکی تھی اور اس کی روشنیاں بھی گل تھیں۔ ٹبر نے جونہی سرچ لائٹ روشن کی ادھر سے پھر فائر ہوئے اور سنسناتی ہوئی گولیاں ہمارے قریب سے گزر گئیں۔ ٹبر نے سرچ لائٹ فوراً ہی بجھا دی اور سب لوگ پیٹ کے بل سڑک پر گر گئے۔ میں نے لونا کی لاش آہستگی سے سڑک پر ڈال دی۔

سڑک پر پیٹ اور کہنیوں کے بل رینگتا اور گھسٹتا ہوا میں ٹبر تک جا پہنچا اور اس کا بازو تھام کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "وہ مر گئی ٹبر — وہ مر گئی —!"

"ہاں صفدر، وہ مر گئی!" ٹبر جذبات سے عاری سرد آواز میں بولا۔ "میں نے پوری ایمانداری سے اس کی حفاظت کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ تم اس بات کے گواہ ہو!"

"تم نے مجھ سے زیادہ اس کی حفاظت کی ٹبر!" میری آواز فرط جذبات سے رندھ گئی۔ "مگر اس کا مقدر اپنا فیصلہ صادر کر چکا تھا [illegible] کی گولیوں سے تمام لوں گا۔ ہاں میں لونا کے خون کا انتقام لوں گا!"

"جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔" ٹبر کا لہجہ اب بھی سرد اور جذبات سے عاری تھا۔ "ہر انسان مرنے کے لئے ہی پیدا ہوتا ہے۔ مگر لونا میری پناہ میں ماری گئی ہے۔ یہ میری [illegible] ہے اور میں اس کا بدلہ ضرور چکاؤں گا۔ [illegible] شعلے [illegible] اور اس کے کمینوں کو جلد ہی چاٹیں گے۔ یہ میرا فیصلہ ہے جسے کوئی نہیں بدل سکتا!"

"میں اس مقصد میں پوری طرح تمہارا ساتھ دوں گا۔"

"میرے اپنے وسائل ہیں۔ مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ تم میرے لئے ایک غیر متعلق فرد ہو۔ میرا معاہدہ لونا سے تھا۔ وہ ماری گئی۔ اب میں کھٹمنڈو واپس جاؤں گا۔ تم اپنی راہ کا انتخاب کرنے کے لئے آزاد ہو۔ [illegible] نہیں کر سکتے!"

"معاوضہ کے بغیر ہی سہی!" اس کا لہجہ اٹل تھا۔ "لونا سے [illegible] درحقیقت مجھے نقصان ہی ہوا ہے۔ اگر یہ جیپ [illegible] تو یہ سمجھو سارا پچاس ہزار کا نقصان تھا!"

اسی وقت تعاقب کرنے والوں کی طرف سے پھر فائرنگ ہوئی اور سب لوگ ٹبر کی ہدایت پر بائیں طرف کی پہاڑیوں میں رینگنے لگے۔ میں بھی جانکنی کے عالم میں ان کے ہمراہ تھا۔ لونا کی لاش سڑک پر پیچھے پڑی ہوئی تھی۔ بے گور و کفن!

جب ہم سڑک سے ہٹ کر گہری پہاڑی ڈھلان پر پہنچے تو ٹبر رک گیا۔ مجرموں کی جانب سے اب بھی [illegible] کے ساتھ فائرنگ ہو رہی تھی اور تاریک ویرانہ رائفلوں کے شور سے گونج رہا تھا۔

"ٹبر، ہم اسے یوں لاوارث چھوڑ کر نہیں بھاگ سکتے!" [illegible] اس کے مقابل جا پہنچا اور [illegible] لہجے میں کہنے لگا۔ "وہ مر چکی ہے اور اگر تم اسے [illegible] نہیں پہنچا سکتے تو کم از کم اس کی لاش شہر واپس لے جانی ہو گی۔"

"میرے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی کوشش نہ کرو صفدر!" وہ کسی زخمی بھیڑیے کی طرح غرایا۔ "ایک بے جان لاش کو میں ساتھ اٹھائے نہیں پھر سکتا!"

"نہیں ہر قیمت پر وہ لاش کھٹمنڈو پہنچانی ہو گی!" میں ضد پر اتر آیا۔

"اگر تمہیں لونا سے اتنی ہی محبت تھی تو جاؤ اور اس کی لاش کو کندھے پر لاد کر کھٹمنڈو کی طرف دوڑنا شروع کر دو تاکہ حملہ آور تمہیں بھی جلد از جلد اس کے پاس پہنچا دیں!" وہ تلخ لہجے میں بولا۔

"ٹبر — خدا کے لئے!" میں گڑگڑایا۔

وہ چند ثانیوں کے لئے خاموش ہوا پھر خلاف توقع نرم لہجے میں بولا۔ "اب خاموشی سے [illegible] کھیل دیکھتے رہو۔ اگر میرا منصوبہ کامیاب رہا تو میں اس کی لاش بھی اٹھائے جاؤں گا!"

"میں تمہارے الفاظ پر اعتبار کر رہا ہوں!" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

پھر ڈیڈ نے اپنا ایک آدمی وہیں چھوڑ دیا۔ اس کا کام یہ تھا کہ وہ ایک محدود وقت میں، دور دور تک جگہ بدلتا رہے اور بہتر پوزیشن سے دشمن پر اسٹین گن کی جوابی فائرنگ کرتا رہے تاکہ ایک طرف تو وہ آگے بڑھنے کی ہمت نہ کر سکیں اور دوسری جانب اسی مغالطے میں رہیں کہ ڈیڈ کی پوری جمعیت کسی خاص غار یا کسی جگہ رک کر جیپ کی حفاظت کر رہی ہے۔

اس بندوبست کے بعد ڈیڈ میرے اور اپنے تین ساتھیوں کے ہمراہ چوپایوں کی طرح تیزی سے پہاڑیوں پر چڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد پیچھے سے اسٹین گن کی خوفناک آواز گونجی اور وقفہ وقفہ سے اس کا شور دریافت کی آوازوں پر غالب آنے لگا۔

پہاڑی کی چوٹی پر پہنچنے کے بعد ہم لوگ تیزی سے واپس مڑنے لگے۔ اس بار بھی چوپایوں کا سا انداز اختیار کیا گیا تھا تاکہ دشمن سامنے سے دیکھ بھی لے تو شبہات کا شکار ہو جائے۔

تقریباً بیس منٹ کی جان لیوا جدوجہد کے بعد ہم پہاڑیوں پر عین اس جگہ جا پہنچے جہاں ٹرک کے نیچے دشمن کی جماعت اسٹین گنوں اور رائفلوں سے فائرنگ کر رہی تھی۔ ڈیڈ اور اس کے ساتھی بلندی پر ٹیلوں اور پتھروں کی اوٹ میں چھپ گئے۔ یہاں سے وہ سب ان کی براہ راست زد میں تھے! وہ تعداد میں صرف چار تھے مگر اس تیزی کے ساتھ رائفلیں بار بار لوڈ کر کے فائر کر رہے تھے کہ دس بارہ آدمیوں کی جماعت کا شبہ ہوتا تھا۔

"پہلے ہی وار میں ان کا صفایا ہو جانا ضروری ہے۔ جیب کو ذرا سا بھی نقصان نہ پہنچے۔" ڈیڈ نے سرد اور بے رحمانہ آواز میں اپنے تینوں ساتھیوں کو ہدایت دی۔

اسٹین گنوں کے آتشیں شور میں ان لوگوں کی کربناک چیخیں ابھریں اور جب گہری خاموشی ہو گئی تو وہ چاروں نرم نرم قدموں سے نیچے اترنے لگے۔ ڈیڈ کے ساتھیوں نے بڑی مہارت سے جیب کے پہلو میں سے ان کے ہتھیار اتار دیئے تھے۔ میں کسی تحیر زدہ بچے کی طرح ٹرک کی طرف گھوم گیا۔ میرا دایاں شانہ ایک اسٹین گن کی نال سے لگ گیا اور میرے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ نال گرم ہو رہی تھی اور اس میں سے ابھی تک ہلکے ہلکے بارود کا مٹیالا دھواں اٹھ رہا تھا۔

شاید لیڈر روو کے پاس سکے والا ڈیڈ کا ساتھی فائرنگ اور انسانی چیخوں کی بنا پر پہلی صورت حال سمجھ چکا تھا کیونکہ اس نے بھی فائرنگ کا سلسلہ موقوف کر دیا تھا۔

ڈیڈ عجیب خاموشی میں پہاڑیوں سے نیچے اترا اور ان چاروں لاشوں کا سرسری جائزہ لینے کے بعد جیب میں جا گھسا۔ اس کے ساتھی ذلیل اور رائفلیں اور کارآمد کارتوسوں کی پیٹیاں سمیٹنے لگے۔

جیب اسٹارٹ کرنے سے پہلے ڈیڈ نے وائنڈ اسکرین کے اپنے دائیں طرف لال کر کے ان دونوں سے تین بار مہرے سی سی جانی اس کا مطلب ہوتے ہیں کسی جانب سے دبا ہی جوابی سگنل یا پہاڑیاں سے آوازوں کا زور پھیلنے سے اندازہ ہو سکا کہ وہ آرا کدھر سے آئی ہے!

"اب ٹھیک ہے۔ ورنہ وہ احمق جیب کو تنہا چھوڑ کر ہی بیٹھ جاتے..." ڈیڈ بار بار انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

جیب آگے لیڈر روو کے پاس جا رکی۔ وہاں ڈیڈ کا چوتھا آدمی بے ہوش لڑکی کے ساتھ ٹرک پر رواں پر چڑھا ہوا تھا۔ ڈیڈ جیسے ہی قریب آئے تو وہ مڑ کر اٹھ گیا۔ اس کی خون آلود آستین دیکھ کر ہی پتا چلا کہ وہ بھی زخمی ہونے والا ہی تھا۔

"شاندار کریٹ!" جیب رکتے ہی وہ مجھ سے تعریفی لہجے میں بولا اور اگلی نشست پر بیٹھ گیا۔

"لڑکی کی لاش بھی جیب میں ڈال دو۔" ڈیڈ نے پوچھا تو میرے لہجے میں ہلکا سا تاسف ابھر آیا تھا۔ "اسے ہم شہر واپس لے جائیں گے۔"

میں اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی جیب سے اتر کر لڑکی کی جانب بڑھا جس کی لاش اس ویران پہاڑ پر ٹرک پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کے سر کا زیادہ حصہ بالکل غائب ہو چکا تھا۔ چہرہ شناخت کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس کا سارا وجود خون سے لت پت اور زرد رہا تھا۔ اس کے سامنے پہنچتے ہی ندامت سے میرا سر جھک گیا اور آنکھوں کے سامنے تنہائی کی چادر سی لرز نے لگی۔

وہ ایک رات کی دلہن تھی جسے عروسی جوڑا نصیب ہونے سے پہلے ہی اپنے ہی لہو کا سرخ پیرہن فراہم کر دیا گیا تھا۔ وہ جب تک زندہ تھی ماحول کی نا خالص طاقتوں کے خلاف مردانہ وار جہاد کرتی رہی۔ زندگی میں کیسے کیسے نقشے دیکھے ہوں گے لیکن جب اس جدوجہد سے تنگ آ کر وہ اپنی زندگی کا سہارا لینا چاہتی تھی تو موت نے لے اڑا لیا۔ اس وقت میں خود کو اس کا قاتل سمجھ رہا تھا۔ اگر میرا ماضی داغدار نہ ہوتا تو شاید وہ قانون کے بے رحم شکنجوں میں پھنسنا نہ پڑتا اور میری آزادی کی خاطر اپنی جان قربان کر دی تھی۔

ڈیڈ سر جھکائے سوگوارانہ انداز میں لاش اٹھائے جانے کا منظر دیکھتا رہا۔ لاش اپنے جان بدن جیب کے پچھلے حصے میں ڈال دی گئی۔ باقی لوگ بھی کسی نہ کسی طرح اپنے لئے جگہ بنا لی اور جیب گمشدہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ جیب میں گہری خاموشی تھی اور لڑکی کی اچانک موت پر سب دل گرفتہ نظر آتے تھے۔ چوتھی کی لیڈر روو جہاں بند ہوئی تھی وہیں کسی جگہ چھوڑ دی گئی۔

کچی چاندنی کی چاندنی اور ان کی چمکتی ہوئی چوٹیاں گمشدہ کی ارضی سطح پر نظر آتی تھیں۔ گمشدہ سے قریب سورج غروب ہونے کے بعد عام طور پر بالکل سناٹا ہو جاتا تھا۔ لہٰذا صبح کا چہل پہل سے پہلے قبل اس چاندی نگر کی اطلاع گمشدہ میں پہنچنے کی کوئی امید نہ تھی۔

پھر جیب کی روشنیوں میں ٹرک پر تین آدمی نظر آئے۔ بائیں جانب ٹانگوں پر کھائیوں سے دھواں اٹھ رہا تھا اور شہ بدبو اٹھ رہی تھی۔ یہ وہی مقام تھا جہاں ہموار کی ایک جیب اپنے سواروں سمیت اسٹین گن کا نشانہ بن کر گہری کھائی میں جا گری تھی۔ اس کا دھواں ابھی تک ختم نہیں ہوا تھا اور وہ تینوں دوسری جانب جانے والے افراد معلوم ہوتے تھے۔ وہ اسی غلط فہمی میں تھے کہ ان کے ساتھی بیس ٹھکانے لگا کر لوٹ رہے ہیں۔ مگر جیب ان تک آئی تو وہ ہل چکے تھے۔

ان کے قریب پہنچ کر ڈیڈ نے تیزی سے بریک لگائے اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نیچے اتر کر ان تینوں کی طرف دوڑ پڑا۔ وہ ابھی تک نئی صورت حال سے لاعلم تھے۔ پھر جب ہیڈ لائٹس کی روشنی میں انہوں نے اپنے ساتھیوں کے بجائے تین خونخوار سفید فاموں کو دیکھا تو ان کے لئے بچاؤ کی ہر راہ مسدود ہو چکی تھی۔ سب سے پہلے ڈیڈ نے ان میں سے ایک کے منہ پر بھرپور گھونسہ رسید کیا اور اس کے لڑکھڑاتے ہی اس کی کمر پر اتنی بھرپور لات رسید کی کہ وہ توازن قائم نہ رکھ سکا اور بائیں جانب کی کھائی میں گر کر اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔ اس کی آوازوں کی آہیں بازگشت بن کر دیر تک اس ویرانے میں چاروں طرف گونجتی رہیں۔ ایک بار اس کی چیخیں تھیں کہ آتی رہیں۔ دوسرے آدمیوں کو بھی ڈیڈ اور اس کے ہمراہیوں نے پہاڑ کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔ یہ بے شمار پہلو کے گرد گیا۔ چیخوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ہزاروں فٹ گہری کھائی میں ڈھلوانوں پر لڑھکتے تیزی سے موت کی جانب سفر کر رہے ہیں۔ ایسی خونریزی میں نے عمر میں کبھی نہ دیکھی تھی۔ پر شوم ٹھل پائے تفصیل میں بھی کافی خونریزی ہوئی تھی۔ لیکن ڈیڈ نے سفاکی اور بربریت کے ہر معیار کو مات کر دیا تھا۔

ڈیڈ ٹرک کے کنارے پر جا کر کھائی کا جائزہ لینے لگا۔ اس کے ساتھیوں کے ہمراہ میں بھی جیب سے اتر آیا اور ادھر جھانکتے ہی بے ساختہ مجھے خوف آنے لگا۔ کیا وہ اس قدر گہرائی میں جا رہا تھا کہ ٹرک کے کنارے سے وہ جھکے ہوئے ٹوٹی ہوئی کرنوں کا ایک مختصر سا ڈھیر نظر آ رہا تھا اور ڈھلانوں پر کچھ اطراف میں حرکت نظر آ رہی تھی لیکن یہ اندازہ کرنا دشوار تھا کہ نیچے لڑھکنے والے سپاہیوں میں کتنے بے جان ہو چکے ہیں اور موت کے سفر میں کس طرح بے بسی اور دہشت ناک چیخوں کی وہ تاریک گونج اس گہری کھائی میں بکھر کر ابھر رہی تھی۔

جب ہم گمشدہ کی آبادی میں داخل ہوئے تو ہر سو خاموشی کا عالم طاری تھا۔ پہاڑی بلندیوں پر ریشمی سیاہ تاریکیوں میں بکھرے ہوئے "بچے جو پہاڑوں کے مکانات اور ان کی کھڑکیوں سے آتی ہوئی روشنیاں سیاہ بادلوں پر کسی ویران مقبرے کا سماں باندھ رہی تھیں جہاں بے شمار حسرت زدہ لاشوں کی آنکھوں کی ویران پتلیاں جھلک رہی ہوں!

"ہم لڑکی کی لاش کو شہر میں زیادہ دیر نہیں گھما سکتے... اسے کہاں پہنچانا ہے؟" طویل سکوت کے بعد ڈیڈ کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

"مجھے کچھ پتہ نہیں..." میرا لہجہ کھوکھلا تھا۔ "میں اسے کسی ویران سڑک پر لاوارث نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اب میں تمہیں بھی مجبور نہیں کروں گا، جو چاہو کر سکتے ہو..."

"یہ جیب ہمارے لئے خطرات کا باعث بن سکتی ہے۔" ڈیڈ بولا۔ "لہٰذا اسے لاش سمیت یہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ اس وقت ساڑھے تین بجے ہیں، سورج طلوع ہونے تک ہم کسی نئے ٹھکانے پر پہنچ کر آرام کریں گے!"

"مگر جیب تمہیں کسی مسلح سے بھری ہوئی ہے ڈیڈ!" ایک ساتھی بولا۔ "پھر رائفلیں اور ان کا میگزین جو ہمیں مفت ملا ہے اسے چھوڑنا مناسب نہیں۔"

ڈیڈ نے بریک لگاتے لگاتے جیب کی رفتار بڑھا دی۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔ آج میرا سامان بھی جل گیا ہے۔ اسلحہ تو ہم کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتے!"

"اور ڈیڈ ان کے اسلحے میں تمہارے پیسے کو بھی کی موت کا بہانہ ثابت ہو گی۔" میں نے کہا۔

"تم جہنم میں جاؤ۔" ڈیڈ سپاٹ لہجے میں بولا۔ "میں تمہیں لاوجہ ساتھ لئے گھوم رہا ہوں، تمہاری وجہ سے لڑکی ماری گئی۔ یہ ہمارا مقدر ہے کہ ہماری تعداد پوری ہے ورنہ تم جو ہے یہاں لاپھنس چکے تھے!"

"مجھے گالیاں دو، ذلیل کرو، تھپڑ مارو ڈیڈ — یہ میری بدنصیبی کی بات ہے جو تم جیسا اعلیٰ ظرف انسان بھی مجھ پر رحم نہیں کھاتا۔ میں کسی ہمدردی اور رعایت کا مستحق نہیں ہوں!"

ڈیڈ کچھ نہ بولا۔ جیب ایک مرتبہ پھر آبادی سے نکل کر ویرانوں کا رخ کر رہی تھی!

"... سلطنت لکسمبرگ تک پہنچنا دشوار ہے ڈیڈ۔" کچھ دیر بعد وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔ "راستے میں پولیس سے سامنا ہو گیا تو کیا ہو گا!"

اچانک میرے ذہن میں ایک تجویز آئی اور میں ڈیڈ کی طرف مخاطب ہو گیا۔ "بتاؤ — میں کتنا معاوضہ دے کر تمہاری ہمدردیاں خرید سکتا ہوں!"

اس نے حقارت سے میری طرف دیکھا۔ "جیب کو محفوظ رکھنے کی کوئی صورت نکال دو، میں کوئی نیا معاہدہ نہیں کروں گا اور تمہارے پاس رہا کیا ہے؟"

"میں تمہیں محفوظ جیب کا ٹھکانہ بتا سکتا ہوں، تم میری مدد کا وعدہ کرو۔" میں نے اس کی تحقیر کی پروا کئے بغیر کہا۔

"جس کے پاس خود سر چھپانے کی جگہ نہ ہو وہ مجھے کیا مشورہ دے گا!" وہ زہریلی آواز میں ہنسا۔

"وہ ایک ویران اور لاوارث پہاڑی عمارت ہے شیر۔ جہاں دور دور تک کسی ذی روح کا گزر نہیں۔ وہ عمارت مقفل ہے اور اندر چار پانچ دن سے اس کے مالک کی لاش سڑ رہی ہے۔ تم فی الحال مجھے وہاں چھوڑ دو اور اسلحہ بھی وہیں اتار دو... ایک دو روز میں تم آسانی سے اسلحہ وہاں سے نکال سکتے ہو مگر اس کے عوض تمہیں مجھے کسی نہ کسی طرح اندرون سے چیتر کوٹ پہنچانا ہوگا۔" اس وقت پہلی بار میں نے محسوس کیا کہ ہمیشہ کے لئے مجھے پچھتانا ہے میں زندگی کے ایک محاذ پر بری طرح ہار چکا تھا، اور جلد یا بدیر مجھے یہ حقیقت تسلیم کرنی ہی تھی تو کیوں نہ میں منصور الم کا تعاقب کر کے بھائی کی تلاش کی مہم جاری رکھوں۔ فی الوقت میرے سامنے یہی ایک مقصد رہ گیا تھا۔ ورنہ میں زمانے کا ٹھکرایا ہوا، قانون کا مفرور، ایک ایسا معاشرتی مجرم تھا جسے اب جینے کا کوئی حق نہ رہ گیا تھا۔

"کیا گنشٹہ میں واقعی کوئی ایسی جگہ بھی ہے؟" وہ شیر نے تحیر آمیز لہجے میں پوچھا!

"ہاں!" میں نے اپنے لہجے میں زور پیدا کر کے جرأت سے بولا۔ "وعدہ کرو اگر وہ جگہ تمہارے معیار کے مطابق ہوئی اور تمہارا اسلحہ وہاں محفوظ رہا تو تم میری مدد کرو گے!"

میرے اعتماد نے شیر کو سنجیدہ ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ "اگر وہ ایسی ہی جگہ ہے تو مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔ اسلحہ محفوظ ہو جائے تو میں تمہیں کہیں بھی چھوڑ سکتا ہوں!"

معاہدہ طے پا چکا تھا لہٰذا میں زیرو پوائنٹ جانے والے مختصر ترین راستے کی طرف ان کی رہنمائی کرنے لگا جہاں امیر خاں کا بے جان جسم کئی دن سے سڑ رہا تھا۔

نصف گھنٹے سے بھی کم عرصے میں جیپ پہاڑیوں سے گزرتی ہوئی اس تنہا عمارت پر جا پہنچی۔

اس کا محل وقوع دیکھتے ہی شیر مسرت سے اچھل پڑا۔ "اگر واقعی اس عمارت کا کوئی دعوے دار نہیں ہے تو یہ ہمارے لئے بہترین جگہ ثابت ہوگی۔"

اس دریافت کی خوشی میں چند ساعتوں کے لئے وہ لوگ بھول گئے کہ جیپ میں ان کے ہمراہ ایک تازہ لاش بھی ہے جس کے لئے وہ سب بے چین تھے۔ زیرو پوائنٹ کی عمارت آبادی سے اتنی دور واقع تھی کہ شیر نے نہایت اطمینان سے تالے کے سوراخ پر ایک ریوالور کی نال رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔ زبردست دھماکے کے ساتھ مضبوط تالے کے ٹکڑے اڑ گئے اور شیر نے دروازے کے پٹ کھول دیئے۔

دروازہ کھلتے ہی اندر سے تعفن کی ایک شدید لہر آئی اور سب لوگ کئی قدم پیچھے ہٹ گئے!

"اس بدبو میں تم یہاں کیسے رہ سکو گے؟" شیر نے کھانستے ہوئے پوچھا۔

"اندر قیمتی شرابوں کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ میں باقیات کو شراب چھڑک کر نذر آتش کر دوں گا اور کمرہ دھو کر صاف کر دوں گا پھر یہاں کوئی بدبو نہیں رہے گی۔" میں نے جواب دیا۔

شیر کی ہدایت پر اس کے آدمی جیپ سے اسلحہ اتار اتار کر عمارت کے اندر ڈھیر کرنے لگے اور وہ میرے پاس آ کھڑا ہوا۔

"ہو سکتا ہے کہ آج کے معرکے کے بعد شہر میں پولیس سرگرم ہو جائے اور میں کئی دن تک یہاں سے اسلحہ نکالنے میں کامیاب نہ ہوں۔ ایسی صورت میں تمہیں خوراک وغیرہ کی ضرورت تو پیش آئے گی۔ میں جاتے ہی انتظام کر دوں گا۔" وہ اب دوستانہ لہجے میں بات کر رہا تھا۔

"تمہیں فکر کی ضرورت نہیں۔ اس عمارت میں کئی ہفتوں تک کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوگی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"اگر ایسا ہے تو میں اب تنہا واپس جاؤں گا۔ میرے چار ساتھی تمہارے ساتھ یہیں رہیں گے!" وہ جلدی سے بولا۔

"میری نگرانی کے لئے یا اسلحہ کی حفاظت کے لئے؟" میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"یہ سن آپ سمجھ لیں!" وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ "میرا یہ مطلب نہ تھا۔"

"مگر جو بھی ہو میرے لئے فرق نہیں پڑتا!" میں بے پروائی سے بولا۔ "ان کے یہاں ہونے سے مجھے تنہائی سے نجات ملے گی۔ شاید میں ان کا کام بھی کر سکوں۔"

"اب وہ مر چکی ہے!" شیر نے میرے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "بھول جاؤ ورنہ تمہارے دشمن تمہیں بھی جہنم واصل کرنے میں تاخیر نہیں کریں گے۔"

"مجھے مشورے دینے کی ضرورت نہیں۔" میں دکھ بھرے لہجے میں بولا۔ "اور کچھ دیر کے لئے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ ہاں! اس لاش کو ایسی جگہ چھوڑنا جہاں سے اس کے سوتیلے باپ کو خبر مل سکے۔ میں یہی چاہتا ہوں۔ اگر اسے مرنے کے بعد دو گز زمین میسر آ گئی تو مجھے قدرے سکون مل سکے گا۔"

"اوکے!" اس نے جیپ کی طرف بڑھتے ہوئے میری طرف ہاتھ لہرایا اور اپنے ساتھیوں سے بولا۔ "تم یہیں صفدر کے ساتھ رہو۔ میں پہلی فرصت میں ادھر آؤں گا۔"

وہ جیپ میں سوار ہوا اور لوبا کی لاش سمیت روانہ ہو گیا۔ میری رہنمائی میں شیر کے ہمراہیوں نے داخلی دروازہ اندر سے بند کیا اور سرچ لائٹ کی روشنی میں اندر جا پہنچے۔ سرچ لائٹ شیر نے چھوڑ دی تھی اس کا خیال تھا کہ واپسی میں روشنی نہ ہونے کے باوجود وہ آسانی سے شاہراہ تک نکل لے جائے گا۔

زیرو پوائنٹ میں امیر خاں کی لاش اسی کمرے میں موجود تھی جہاں وہ مارا گیا تھا۔ اس کی لاش پھول چکی تھی، خد و خال مسخ ہو چکے تھے مگر زخم اب بھی واضح طور پر دیکھا جا سکتا تھا۔ اس کی داہنی پنڈلی اور کندھے میں گولیاں اتاری گئی ہوں گی۔ کمرے کے فرش پر دور تک خون کی تہہ جم کر خشک ہو چکی تھی اور اس پر چیونٹیاں اور دوسرے حشرات امیر خاں کی لاش کے گرد گھوم رہے تھے۔ ان کے غول کے غول اس کی آنکھوں، ہونٹوں اور دونوں زخموں سے چمٹے ہوئے تھے۔

"اسے کس نے مارا تھا؟" ایک آدمی نے مجھ سے سوال کیا۔

میرے لئے تعفن اور گھٹن کے باعث وہاں سانس لینا دشوار ہو رہا تھا لہٰذا میں نے اس کی بات کا جواب دیئے بغیر سب کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور تہہ خانے والے راستے کی طرف ہو لیا۔

تہہ خانے کی سیڑھیاں اترنے پر جب وہاں سرچ لائٹ کی روشنی پڑی تو وہ چاروں اپنی حیرت پر قابو نہ پا سکے اور بے اختیار عجیب عجیب آوازیں نکالنے لگے۔ عقب میں ہی دیوار گیر الماریوں کی طرف دوڑ پڑے جہاں مختلف اقسام کی شراب کی بوتلیں سجی ہوئی تھیں۔

"صفدر کی ضرورت نہیں۔" میں اونچی آواز میں بولا۔ "اس لاش کا بندوبست کرنے سے پہلے کوئی شراب کا قطرہ تک نہیں چکھے گا۔"

"صفدر ٹھیک کہہ رہے ہیں!" ان میں سے ایک اپنے ساتھی کے اترتے ہوئے بولا۔ "پہلے لاش ٹھکانے لگاؤ پھر شراب پی کر آرام کریں گے!"

شراب کی دو بوتلیں لے کر ہم لوگ واپس اوپر آئے۔ میرا خیال تھا کہ لاش باہر لے جا کر جلائی جائے لیکن ان میں سے ایک نے مشورہ دیا کہ لاش اسی جگہ جلائی جائے تاکہ خون کے دھبے بھی جل جائیں لہٰذا ممکن ہے شعلوں کا انعکاس بھی کمرے ہی تک محدود رہے گا۔

امیر خاں کی ہیبت ناک لاش پر شراب کی ساری بوتلیں خالی کر دی گئیں اور احتیاط برتی گئی کہ شراب باہر کسی چوکھٹ تک نہ بہنے پائے پھر ماچس کی ایک تیلی جلا کر اچھال دی گئی۔

الکحل کی آتش گیر خاصیت نے فوراً آگ پکڑ لی اور کمرے میں شعلے بلند ہونے لگے۔ امیر خاں — جس کا ماضی جرائم، دہشت گردی، قتل و غارت گری کے افسانوں سے بھرا ہوا تھا جس کے نام سے بڑے بڑے شہنشاہ اور سرکش پناہ مانگتے تھے اس وقت بے بسی سے آگ میں جل رہا تھا۔ عجیب احساسات تھے۔ میرے دل میں سرنگیں سی بننے لگیں جیسے برسوں کا بوجھ اتر گیا ہو۔ اگر جرائم اور گناہوں کی اس چتا میں میرا ماضی بھی جل رہا تھا اور میں دانتوں سے ہونٹ کچل رہا تھا۔

وہ چاروں پتہ نہیں کب اس شمشان سے نکل گئے مگر میں سکتے کے عالم میں وہیں کھڑا شعلے بلند ہوتے دیکھتا رہا۔ بال اور کپڑے جل چکے تھے، کھال سے اٹھ کر شعلے ہڈیوں کو چاٹنے لگے تو آہستہ آہستہ اس سیاہ ڈھانچے پر نظر جمنے لگی آخر ہڈیاں کڑکڑائیں اور وہ ڈھانچہ یک بیک ایک پہلو پر ڈھلک گیا۔

یہ منظر اس قدر دہشت ناک تھا کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے امیر خاں جگہ سے اٹھ کر میری طرف آنے والا ہے اور ابھی میرا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ شعلوں میں جا گھسے گا کیونکہ میں بہت سے جرائم میں اس کا ساتھی اور معاون تھا!

دفعتاً کسی نے اندھیرے میں عقب سے میرا بازو پکڑا اور فضا میں آوازیں سی گونجیں مجھے باہر کی طرف کھینچ لیا۔

اس کے بعد مجھے بس اتنا یاد ہے کہ چند لوگوں نے مضبوطی سے مجھے جکڑ لیا اور مجھ پر پے در پے سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ میری نگاہوں کے سامنے دھند سی چھا رہی تھی، میں اندازہ نہ کر سکا کہ مجھے پکڑنے والوں کی تعداد کیا ہے اور وہ کون لوگ ہیں۔

"میں بے گناہ ہوں... میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ مجھے چھوڑ دو... مجھے چھوڑ دو!" اور ان آوازوں کے ساتھ ہی میرے حواس میرا ساتھ چھوڑ گئے۔ زبان میں گویائی کی قوت نہ رہی اور ذہن میں یک بیک عجیب سا فرحت آمیز سناٹا گونجنے لگا... بے ہوشی کا سناٹا۔

اور جب میں دوبارہ ہوش میں آیا تو سب کچھ گڑبڑ ہو چکا تھا۔ وہ چاروں ساتھی روپوش ہو چکے تھے جنہیں وہ میرے ہمراہ اپارٹمنٹ میں چھوڑ گیا تھا۔

"میں کہاں ہوں؟" میں نے لیٹے ہی لیٹے نقاہت بھری آواز میں پوچھا۔

"اسی عمارت میں جہاں ڈیڈ تمہیں چھوڑ گیا تھا۔"

مجھ پر یکدم غشی طاری ہونے لگی اور میں تیزی کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ ڈیڈ خان کی جلتی ہوئی لاش نے دہشت کی چیخ بلند کی اور ویران سناٹے میں گم ہو گئی۔ مجھے صاحب نے پکڑ کر ڈال دیا تھا۔ اور میں دہشت سے لرزاں تھا۔ وہاں سے بھاگ نکلا تھا مگر عمارت سے باہر آتے ہی ان چاروں نے مجھے روک لیا اور اب ہم سب زیرو پوائنٹ کے خوبصورت اپارٹمنٹ میں تھے۔ وہ چاروں اس وقت تک ایک خوبصورت کی شراب سے شغل کر رہے تھے۔

"اور وہ لاش کا کیا ہوا؟" میں نے ان سے سوال کیا۔

"سب کچھ ہماری منصوبے کے مطابق ہوا۔" گیری بولا۔ "لاش کی جلی ہوئی ہڈیاں چرا کے ہم نے باہر پھینک دی ہیں۔ اور اب اوپر رہ بھی تفتیش نہیں رہا ہے۔"

میں نے رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ گھڑی کی سوئیاں آٹھ بجنے کا اعلان کر رہی تھیں۔ رات بھری جاگ رہا تھا کے باعث میں شدید تکان محسوس کر رہا تھا۔ وہ چاروں خود روتی سے فارغ ہو چکے تھے لہٰذا میں نے بھی کلب کا ڈپٹی پیش کرتے شمیم کی درکی روشنی میں قالین پر دراز ہو گیا۔ زیرو اپارٹمنٹ میں بھی اسی طرح چار روز گزر گئے۔ کھانا، شراب اور تاش، یہ ہمارے تمام مشاغل تھے جو بیداری کے دوران ہمارا ساتھ دیتے۔ دروازے والی میرا تو رشا کے رستے عمارت سے باہر سنگلاخ اور ویران میدانوں میں بھاگ کر تیرنے لیتے۔ چونکہ ان جانوروں کے بارے میں سب سے زیادہ معلومات مجھے حاصل تھیں۔ لہٰذا انہوں نے مجھے اپنا لیڈر تسلیم کر لیا تھا اور میرے ہر مشورے کو بلا چون و چرا تسلیم کر لیتے تھے۔

زیرو اپارٹمنٹ رہتے ہوئے ہمیں جسم مبارک کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ سب نے اس لئے رشتہ عافیت سے نکلنے کی ہمت ہی نہ ہوئی تھی جبکہ آخری مرتبہ بتایا تھا کہ ہمارے جو خونریزی ہوئی تھی اس کے نتیجے میں شہر میں امن و امان کے ذمہ داروں کا سرگرم ہونا ضروری تھا۔ جانے ڈیڈ کہاں اور کس حال میں تھا۔ اس کی لاش نکالی جا چکی ہوگی ہماری اسٹرم کب تک لاکٹ کی جانب واقف ہو سکیں گے۔ پولیس اس کا تعاقب کرنے میں کامیاب ہو سکی ہوگی؟ بیسیوں اور ایسے ہی بے شمار اندیشے سوالات ہر وقت مجھے پریشان کئے دیتے تھے!

میرے ساتھیوں کو اس پر اندھا اعتماد تھا۔ وہ ہر طرح کی فکر سے بے نیاز اور مطمئن تھے۔ انہیں یقین تھا کہ مناسب وقت آتے ہی ڈیڈ ہماری

خبر لینے آئے گا۔ پرانی نہ ہو گی۔

پانچویں شام اچانک کسی جیپ کے انجن کا آواز سنائی دیا اور روشنی پڑا جیسے ہی سب لوگ چونک کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

"شاید ڈیڈ آ گیا ہے!" ان میں سے ایک نے کہا۔

"آنے والا کوئی بھی ہو سکتا ہے۔" میں نے احتیاطاً کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہمیں آمنا سامنا کئے بغیر سے باہر سے عمارت کو گھیر لینا چاہئے۔ اگر وہ ڈیڈ ہوا تو ہم اسے پہچان لیں گے۔"

میری تجویز معقول تھی لہٰذا انہوں نے آتشیں اسلحہ سنبھال لیا اور میں نے دو سرکردہ آدمیوں کے ساتھ کھڑکیوں کے عقب میں مورچہ سنبھالا۔ جیپ کا شور آہستہ آہستہ قریب آتا جا رہا تھا!

چند منٹ گزرے کہ وہ آواز بہت قریب آ گئی۔ زیرو پوائنٹ کے قریب پہنچتے ہی ٹیلوں کی اوٹ سے یکایک ایک جیپ نمودار ہوئی۔ ونڈ شیلڈ پر جو سائبان تھا کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اندر داخل ہونے والے نے عمارت کا دروازہ کھولا۔ اور باہر آ کر جلتی ہوئی جیپ پر سوار ہو گئے۔

"تو تم لوگ یہاں اب تک محفوظ رہے ہو۔" جیپ کا انجن بند کر کے نیچے اترتے ہوئے ڈیڈ نے ہمیں دیکھ کر ہیلو کہا۔

"میرے لئے حیرت ہے ڈیڈ!" گیری پرجوش لہجے میں بولا۔ "خوراک اور کھانے پینے کے سامان سے بھرا ہوا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ کوئی کام سیکھو چلایا جا رہا ہے۔"

"کام سیکھو کی حد تک بات درست ہے۔" میں نے بڑھ کر کہا۔ "گیا؟ مگر شراب صرف باذوق لوگوں کے لئے ہے۔"

"کیا مطلب؟" ڈیڈ حیرت سے بولا۔

"جو لوگ پینا جانتے ہوں کیا ان کو کسی شراب میں کیا ملایا جاتا ہے؟ چیت کے نیچے پینے کے تمہیں مشورہ نہیں دوں گا۔" میں ڈیڈ کی تیز رفتار ہنسی سے بولا۔

"بکواس مت کرو صفدر!" وہ برا مانتے ہوئے بولا۔ "اس کی ہمت نہیں کہ ایک اشارے پر اس عمارت میں موجود ساری شراب گندے نالے میں بہادی جائے گی۔"

"میرے نزدیک گندے نالے اور انسانی شریانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔" میں نے ڈیڈ کو بھڑکانے کے لئے کہا۔

"او ہو۔ آج ایک کالا احمق ہمیں آداب سے نوازنے آیا ہے۔" سونی کا لہجہ زہریلا تھا۔

"مجھے معلوم ہے مجھے معلوم ہے۔" ڈیڈ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آپس میں جھگڑنے کی ضرورت نہیں۔ ہم یہاں اس لئے جمع ہوئے ہیں

"یہ باہر چلنے کی رہے گا۔" میں نے سوال کے تیور اپنا لیتے ہوئے کہا۔ "تمہیں کوئی ایسی بات کرنی ہو جو اتنا تو شرقی عورتیں بھی جانتی ہیں کہ واڈکا میں سوڈا نہیں ملایا جاتا۔"

"یہ ہی بات تو ڈیڈ کو ایک عجیب طرح کا ڈر گیا۔" مشرقی عورت اور شراب؟ اور اس لطیف سیال کا جسم سے واسطہ کیا ہو گا کوئی شیطانی نسخہ معلوم ہوتا ہے، وہ کیا جانیں شراب کیا ہے؟"

"اور جو تم زور میں بول کر تم مجھے رعونت میں نہیں لے سکتے، جیسے ذہنوں کی نقش مجھے بات بڑھانے پر اکسا رہی تھی۔ "تم نے کہا تھا کہ اس جہاں میں دنیا کی بہترین شرابوں کا تخلیق ہونے کا دعوی کیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ واڈکا میں سوڈا ملانے کا مشورہ دیا تھا۔"

"میں نے تم شرفیوں کو برانڈی میں کوکا کولا ملا کر پیتے دیکھا۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ اور اگر اتنا ہی تیزی کم کرنے کے لئے واڈکا میں سوڈا ملا لیتے ہیں تو میں نے کسی خیال سے تمہیں مشورہ دیا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ ایک پیالہ اور بیچ جھاڑ کر میرے پیچھے پڑ جاؤ گے۔۔۔ اور تمہیں یہاں بیٹھی ایک عورت کا نام نہیں جانتے جو شراب اپنا احترام کرانے کی حق دار تم نے ایسی تو ہین آمیز بات کہنے کی جسارت کیسے کی؟"

"اس لئے معافی چاہتا ہوں ایسا ظلم کیا ہوں۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "تم کی اکثر شراب میں شرکت ہوگی کی ایک اعزاز سمجھتے ہیں۔ وہ معزز ساتھی جو خوبصورت واقف ہے بلکہ وہ نے زادگی اور سرور کی خاطر سے شغف رکھتے ہیں، وہ ضبط کی حد تک اس موضوع سے دلچسپی رکھتی ہے۔"

"اس شہر میں؟" ڈیڈ کی آنکھوں میں حیرت ابھر آئی۔

"اسی شہر میں۔۔۔ اور اس کا نام بی دو معزز ترین شخصیت ہیں بالکل!"

"پھر تو ایسا ہوتا ہے وہ ضرور اس کی کسی پارٹی میں شرکت کرنا پسند کرو گے۔" سر میں تھا!

"لیکن یہ خیال ہے کہ وہ لیڈی ہے کم رتبہ لوگوں سے براہ راست ملنا پسند نہیں کرتی ہوں۔" میں نے ان باریکیوں سے کہا۔

"اور زیادہ مغرور آدمی شاید بننے میں بیٹھا تھا۔ وہ جوان چنگھاڑ کر بولا۔ "وہ کتنی بھی خود سر ہو مگر مجھ سے ملے گی۔" وہ خود کو مجبور پاتا ہے۔ مجھے بہت بڑے قد والے اور میری ان جلتی ہوئی آنکھوں کا اسٹائل بتا دو۔" اور لطیفہ کو سنتے ہی وہ ہنس پڑا۔ وہ بہت جلد ملنے میں آ جانے والا آدمی ضرور تھا مگر بنیادی طور پر بے حد بیوقوف تھا۔

"شاید یہ چاروں یہاں نہایت آسودگی میں ہیں اور سب چیزیں تمہارے مزاج کے مطابق ہیں۔ تم شاید ہم لوگوں کو بالکل ہی بھول چکے ہو۔" ڈیڈ نے عمارت میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "مجھے لڑکی کی لاش کی بھی بہت

فکر تھی۔"

"اور میں اس لاش کی جانب سے بے فکر تھا جو تم لوگوں سے پہلے یہاں مقیم تھی۔" ڈیڈ نے بلند آہنگ قہقہہ لگایا۔ "کیا تم لوگ اس سے شغل کر چکے ہو؟"

"او ہاں بالکل!" ایک انگریز بولا۔ "اس متعفن لاش کی موجودگی میں تو یہاں رہنا ناممکن تھا۔ صفدر کی تجویز ہر لحاظ سے زیادہ کارگر رہی۔"

"ہاں تمہارے لئے ایک خبر ہے صفدر!" اچانک ڈیڈ کہنے لگا۔

"وہ کیا؟"

"ایک شخص نے تمہارا ٹھکانہ معلوم کرنے کے لئے مجھے بیس ہزار کی خطیر رقم کی پیش کش کی ہے۔" وہ کچھ تیز لہجے میں بولا۔

"ہم۔۔۔ مگر تم مجھ سے وعدہ کر چکے ہو۔" یہ انکشاف میرے لئے بم کی طرح گرا۔

"ہاں یہی وعدہ میری راہ کی زنجیر بن گیا۔ ورنہ بیس ہزار کی رقم معمولی نہیں ہوتی۔" وہ مسکرایا۔ "وہ تمہیں زندہ یا مردہ کسی بھی حالت میں پکڑنا چاہتے ہیں۔"

"مجھے یقین تھا ڈیڈ کہ تم اپنے عہد پر قائم رہو گے۔" میں نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔

"ہاں۔۔۔ تم نے سینکڑوں آدمیوں اور اسلحہ کے لئے پیسہ فراہم کیا۔ اور تب ہی تمہیں بحفاظت لاکٹ پہنچانے کا پابند ہوں۔"

ڈیڈ کی زبانی مجھے بہت سی باتوں کا علم ہوا۔ سنا کہ آدمیوں سے خونریز تصادم کے بعد شہر کی پولیس کو سخت تشویش تھی کیونکہ ہر کھائی اور شہر کے چاروں طرف ملنے والی لاشوں کا کوئی وارث ہی سامنے نہ آیا تھا۔ ان حالات میں پولیس کچھ بھی نہ کر سکتی تھی۔ البتہ ان متعدد لاوارث لاشوں کی دستیابی پر شہر میں ہراس اور سنسنی کی لہر دوڑ گئی تھی اور ہر شام ہی سڑکیں ویران ہو جاتی تھیں۔ دوسری طرف ڈیڈ نے سنا کہ آدمیوں سے چھینی ہوئی جیپ لڑکی کی لاش سمیت شہر کے ایک کاروباری علاقے میں چھوڑ دی تھی۔ اگلے روز صبح طلوع ہونے پر جب وہاں لوگوں کی آمدورفت شروع ہوئی تو کسی راہگیر نے جیپ کی نشست پر لاش کی موجودگی دریافت کی۔ معاملہ چونکہ قتل جیسے سنگین جرم کا تھا لہٰذا کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ پولیس کو مطلع کرتا۔ آخر کار ٹریفک کے ایک سپاہی نے یہ خبر کر دی ان جیپ والی جیپ لاش موجود ہے تباہ ہونے جانے کے قبل کسی یہاں آ کر شناخت کرنے لاش پہچان لی اور شکیل میاں بول کا حجم وہاں آ پہنچا۔ وہ لوگ میرا نام لے کر مجھے ان کا قاتل قرار دے رہے تھے۔ اور میری گرفتاری کا مطالبہ کر رہے تھے پوسٹ مارٹم کے بعد شمامہ کو لڑکی کی لاش اس کے ورثا کے حوالے کر دی گئی اور پھر پوری سرگرمی سے میری تلاش میں لگ گئی۔ مجھے مفرور قرار دے دیا گیا تھا اور میرا تعاقب بھی شہر سے باہر ہو گیا تھا۔

لنا کی تدفین تک کسٹڈی کی ذرائع سیاہی شاہراہ سے ملا شوں
خالی کارتوسوں اور کمنٹ میں جلی ہوئی جیپ کے ڈھانچے کی دریافت کی سنسنی خیز خبریں شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھیں۔ اور شہری زندگی کا سکون درہم برہم ہو گیا تھا کیونکہ اس شہر میں شاذ و نادر ہی آلات قتل کی وارداتیں ہوتی تھیں۔ گو بظاہر لنا کے قتل اور شاہراہ سے ملنے والی لاشوں میں کوئی تعلق نہ تھا مگر شہری ان دونوں واقعات کو ایک ہی نظر سے دیکھ رہے تھے۔

پھر رات سے پہلے پولیس نے چند ایسی باتیں دریافت کیں جن سے شہریوں کے شبہات کی تصدیق ہو گئی۔ شاہراہ سے ملنے والی تباہ حال لینڈ روور کے بارے میں شہر کے ایک تھانے میں پچھلی رات کی چوری کی رپورٹ موجود تھی مگر باقی دو جیپوں کا کوئی دعویدار نہ تھا۔ پھر جلے ہوئے ڈھانچے سے پولیس کو چیسز کے نمبر ملے۔ لنا کی لاش کے ساتھ موجود جیپ کے نمبر بھی موجود تھے لہٰذا جب شناخت کر لیا گیا تو دونوں گاڑیوں کے مالک کا سراغ مل گیا اور پولیس کی ایک جمعیت اسنمبعون جا پہنچی۔ گیارانی اپنے مشیر خاص سنہا کے ہمراہ پولیس افسران سے ملی۔ سنہا نے یہ تو اقرار کر لیا کہ وہ دونوں جیپیں اسنمبعون سے متعلق تھیں لیکن اس نے لاعلمی کا اظہار کیا کہ ان گاڑیوں کو وہاں سے کون کس مقصد کے لئے اور کب لے گیا تھا! پھر اسنمبعون کے سیکیورٹی گارڈز اور دیگر عملے سے بازپرس ہوئی لیکن ان باتوں کا کوئی جواب نہ ملا کوئی نئی بات سامنے آئی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ سب فوائی شاہراہ پر ہلاک ہونے والوں کو یکسر فراموش کر چکے ہوں۔ ناکامیوں اور ذلت کے خوف سے وقت گزرنے کے ساتھ پولیس نے پورے شہر میں چھاپے مارے اور سارے حوالات مشتبہ افراد سے بھر گئے۔ شہر آزادی کے کھلی فضا میں رہنا آرہا!

اب ایک طرف پولیس پوری تندہی سے میری تلاش میں مصروف تھی تو دوسری طرف سنہا کے خونخوار شکاری کتوں کی طرح میری بو سونگھتے پھر رہے تھے۔ لنا کے قتل کا شاہراہ والے تصادم سے تعلق قائم ہو جانے کے بعد شہر بھر کے لئے میرا نام اجنبی بن گیا تھا۔ ہر ایک کو یہ خدشہ تھا کہ جب تک صفدر جیسا خطرناک قاتل آزاد پھر رہا ہے شہر میں کسی کی جان محفوظ نہیں ہے۔

میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ایک روز میرا نام لوگوں کے لئے دہشت کی علامت بن جائے گا۔ میں ساری کہانی سن کر طویل سانس لیتے ہوئے بولا۔

"اس وقت فضا ایسی ہے کہ اگر چند شہری آدمی شہر کے کسی بھرے پرے بازار میں کھڑے ہو کر تمہارے نام کا نعرہ لگائیں تو لوگ دکانیں اور تجوریاں کھلی چھوڑ کر بھاگ نکلیں گے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "تمہارے نام پر اس وقت بہت کامیاب ڈاکے پڑ سکتے ہیں۔"

"اور میں بے چارہ تمہارے رحم و کرم پر اس ویرانے میں پڑا ہوا"

تھوڑی دیر میں تلخ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"فکر نہ کرو۔ تم آج رات ہر قیمت پر توکوٹ پہنچ جاؤ گے [illegible] چلو گے پھر میں تمہاری طرف سے بے فکر ہو جاؤں گا۔" وہ [illegible]

"میرے بارے میں توکوٹ کی پولیس کو زیادہ علم نہیں [illegible] گر آ گیا تو ہو سکتا ہے میں وہاں پہنچتے ہی دھر لیا جاؤں۔" میں نے [illegible] اندیشے کا اظہار کیا۔

"میں اس کا بندوبست کر چکا ہوں۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "اس وقت تمہاری گرفتاری میرے مفاد کے بھی خلاف ہے!"

"وہ کیسے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تم پر جیسے سنگین فرد جرم عائد کی گئی ہے پولیس تمہاری زبان کھلوانے کے لئے بدترین حربے بھی اختیار کر سکتی ہے اور مجبور ہو کر سب کچھ اگل دو گے [illegible]"

"یہ تمہاری بھول ہے ڈیڈ۔" میں [illegible] کر سخت لہجے میں بولا۔ "میں مر جاؤں گا مگر میری زبان پر تمہارا نام تک نہ آئے گا۔ میں دوست اور دشمن کو خوب جانتا ہوں!"

"مجھے تمہاری نیت پر شبہ نہیں ہے صفدر۔" [illegible] "مگر اذیت موت سے کہیں زیادہ ناقابل برداشت ہوتی ہے اگر [illegible] پر اتر آئے تو تمہارا روں روں بول پڑے گا۔"

"خیر! یہ وقت ہی بتائے گا!"

"تم ایک بار شہر سے نکل جاؤ تو میں اسنمبعون والوں سے اپنی کاروباری رقابت کا بھرپور انتقام لوں گا۔ وہ عمارت [illegible] اور سازشوں کی ایک ناپاک علامت ہے۔"

"کیا اس بارے میں تم سنجیدہ ہو؟"

"بہت زیادہ!" وہ ٹھوس لہجے میں بولا۔ "تم [illegible] خصلت سے تو واقف ہو نا۔ ان کے حلقوں میں کوئی ساتھی [illegible] وہ طویل رفاقت کو بھول کر اسے چیر پھاڑ کر کھا جاتے ہیں۔ اسنمبعون والوں کا کردار بالکل وہی ہے۔ ان کے حکم پر ان کے جان نثار [illegible] پھیل گئے اور وہ لوگ انہیں یوں بھول چکے ہیں جیسے وہ کبھی [illegible] تھے۔ میرے معیار سے بھی یہ کمینگی کی انتہا ہے۔"

"دوسرے لوگ تو ان کے حکم کے غلام ہیں۔" میں نے کہا۔

"اصل خبیث تو وہی گیارانی اور اس کا مشیر سنہا [illegible]"

"وہ تو خیر ہی [illegible]" وہ اس سلسلے میں [illegible] تھا۔ جہاں قانون ناکام ہو جاتا ہے وہاں [illegible] ہمیشہ [illegible] کے لئے ہی نہیں کچھ اصولوں کی خاطر بھی [illegible] ان سیدھی اور سچی باتوں نے میرے دل پر گہرا [illegible]

تک پہنچ چکے ہو گے!"

"وہ کب جا رہا ہے؟"

"آج شام اس کی روایتی جماعت بڑی شان و شوکت کے ساتھ رخصت کی گئی ہے۔ وہ کل کسی بھی وقت توکوٹ میں ہو گا۔" ڈیڈ نے بتایا اور میں اس کے پروگرام سے متفق ہو گیا۔

پھر رات کے ایک بجے تک ڈیڈ زیر دیوار آپارٹمنٹ کی عمارت میں مقیم رہا۔ اس کے بعد اپنے آدمیوں کو وہیں چھوڑ کر اس نے مجھے ہمراہ لیا اور جیپ میں نئے سفر پر روانہ ہو گیا۔ میں راستے میں کسی متوقع چیکنگ سے بچنے کے لئے عقبی نشست کے نیچے دبکا رہا۔

کافی دیر کے طویل اور تکلیف دہ سفر کے بعد جیپ ایک ویرانے میں جا رکی جہاں تاریکی میں جھینگروں اور مینڈکوں کا تیز شور کانوں کو پھاڑے دے رہا تھا۔

"تم اندر کہیں چھپ جاؤ۔" ڈیڈ نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔ "طیارہ ٹیکسی کرتے ہوئے جیسے ہی ادھر آئے تم کاک پٹ کے عقبی دروازے سے اندر پہنچ جانا!"

میں نے دیکھا کہ جیپ کی روشنیاں گل تھیں اور طیارہ اتارنے کی پٹی کے پیچھے ایئر کلب کا مختصر سا ایئر فیلڈ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ جہاز کے واحد ہینگر کی دیواروں پر اکا دکا بلب سی روشنیاں موجود تھیں، اور اس سے کافی ہٹ کے کنٹرول ٹاور کی دو منزلہ عمارت کی چند کھڑکیاں روشن تھیں۔ شاید وہ عمارت دوسرے مقاصد کے لئے استعمال کی جاتی تھی اور کنٹرول ٹاور اور دیگر دفاتر خیر و بے ہوں گے کیونکہ اس کے علاوہ دور دور تک کسی عمارت کے آثار نظر نہ آتے تھے!

کچھ آگے کے بعد ڈیڈ نے جیپ گھمائی اور ایک طویل سمت طے کرنے کے بعد اس نے ہیڈ لیمپ روشن کر دیئے۔ پھر جیپ دوڑتی ہوئی ایئر فیلڈ میں داخل ہوئی اور دور ہی دور سے عمارت کے سامنے جا رکی۔ میں تاروں کے درمیان سے گزر کر ایئر فیلڈ کی سمت جا پہنچا اور پھر ان کے سامنے آگے ہوئی اونچی خودرو جھاڑیوں میں دبک کر آنے والے لمحوں کا انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ہینگر کا دروازہ کھلتا نظر آیا اور ڈوگ ٹرک سے ترپی طیارے کو باہر کھلی فضا میں دھکیل لائے اور جب کنٹرول ٹاور پر کچھ روشنیاں جلنے کے بعد نقل و حرکت کے آثار نمودار ہوئے تو کچھ دیر بعد جہاز کے دونوں انجن اسٹارٹ کر دیئے گئے۔ سناٹے میں ان انجنوں کا شور کانوں کے پردے پھاڑے دے رہا تھا۔ پھر جہاز کے اگلے حصے سے روشنی کی ایک تیز لکیر دور سے بیرن رن وے تک پھیلی گئی اور ڈیڈی اسی روشنی میں جہاز کے سامنے کھڑا کچھ اشارے کر رہا تھا!

پر اشتیاق کی پیشانی چوم لی۔

"یہ بتاؤ کہ آج کی رات ہیں تو توکوٹ کیسے پہنچ سکوں گا؟" میں نے سوال کیا۔

"یہیں کے شہر کے ماحول ایئر کلب کے ذریعہ تمہیں باہر نکالنے کا انتظام کیا ہے۔" ڈیڈ میری طرف جھک کر معنی خیز لہجے میں بولا۔ "یہیں پر ایک پرائیویٹ ہوائی اڈہ ممکن ہے ڈیڈ۔ اگر ایک بار پولیس کی حدود میں داخل ہو گیا تو شاید پھر کبھی آزادی کا سانس نہ لے سکو گے!"

"وہ کیوں؟" ڈیڈ نے زیر لب مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"اس لئے کہ ایئر کلب اسنمبعون کے خفیہ مالک کی ترقی پسندی کے بعد وہ ادارہ پوری طرح گیارانی کی جاگیر بن چکا ہے۔ جنہیں پتہ ہے وہ ادھر کا رخ کرنے کی بھی حماقت نہیں کرتے۔ سنہا کا کوئی نہ کوئی آدمی مجھے وہاں بھی پہچان لے گا۔"

"مجھے سب معلوم ہے۔" ڈیڈ پر اعتماد لہجے میں بولا۔ "مگر یہ جیب پائلٹ جو لوگوں کو ترقی پسند واروں پر لے جاتا ہے وہاں اسمبعون سے ہے۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ ایئر کلب کا ترجمان بننا خوب ہونے کے بعد پرواز نہیں کرتا۔ مگر صرف میری وجہ سے یہ آج رات ڈرنگ نہ تو یہ توکوٹ جانے پر راضی ہو گیا ہے۔ میں بتاؤں کہ مجھے ایک رات دار دشمن پر توکوٹ جانا ہے۔ اسے آخری لمحے پتہ چلے گا کہ میرے ساتھ کوئی اور بھی پرواز کرے گا!"

"یہ ناممکن نظر آتا ہے۔" میں نے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "یہ کام پر دو کا دار رہنا مشکل ہے ڈیڈ!"

"رات کو ایئر کلب کے ہوائی اڈے پر اجیت کے علاوہ ایک ہی اور دوسرا کنٹرول روم کا ریڈیو آپریٹر ہو گا۔ وہ دونوں اجیت کا کہا ہی کرتے ہیں کیونکہ ان کی روزی سے وہ ایئر کلب کے ذریعہ بہت کچھ زائد بناتے ہیں۔ پالیسی والے تربیتی طیارے میں یہاں سے توکوٹ کا سفر بمشکل ایک گھنٹے کا ہو گا۔ توکوٹ میں ایئر کلب والوں کا ایئر فیلڈ ہے۔ وہاں بھی دو تین ہی آدمی ہوں گے۔ اجیت طیارہ کے لئے پہنچیں گے تو تم طیارے سے کود کر پاستانی کی جھاڑیوں میں روپوش ہو سکو گے اور اجیت وہاں کوئی معقول بہانہ کر کے تنہا ہی لوٹ آئے گا!"

"کچھ بھی ہو ڈیڈ۔ ایئر کلب مجھے خطرناک نظر آتا ہے۔ اگر میں تمہارا ارادہ سے انجن میں بھی جا چکا تو تم کو تیار ہوں گے تم کو لانے کے لئے سوائے کوئی راستہ نہیں صفدر۔ پولیس کی جانب سے ناکہ بندی بہت سخت ہے اور تم اس ناکہ بندی کے نکلنے

میں دھڑکتے دل کے ساتھ اپنے اگلے اقدام کے لیے تیار تھا۔

اچانک ٹربو پروپ انجنوں کا شور تیز سیٹیوں کی طرح گونجنے لگا اور طیارہ حرکت میں آ گیا۔ رن وے کا ایک مختصر سا چکر لگا کر طیارہ میری طرف آنے لگا۔ روشنی اب براہ راست میری جانب تھی اور میں سانس روکے جھاڑیوں میں پڑا تھا۔ بالکل میرے متوازی پہنچ کر جہاز مجھ سے کچھ آگے جا کر رک گیا۔ ساتھ ہی ٹپ کی آواز ابھری۔ وہ حلق پھاڑ کر مجھے بلا رہا تھا۔

جہاز آگے نکل جانے کے باعث میں بے نقاب ہو چکا تھا۔ لہٰذا میں جھجک سے اٹھا اور آگے دوڑ پڑا۔ ٹپ دروازہ کھولے میرا منتظر تھا۔ پنکھے سے آنے والی تیز ہوا مجھے پوری قوت سے پیچھے دھکیل رہی تھی اور میرے قدم سنبھالنا دشوار ہو رہا تھا۔ آخرکار ٹپ نے میرے ہاتھ تھام کر سہارا دیا اور میں اچھل کر جہاز کے کیبن میں جا پہنچا۔

ٹپ نے دروازہ بند کیا تو انجنوں کا شور قدرے کم ہو گیا مگر میرے کانوں میں وہ تیز گونج ابھی تک موجود تھی۔ جہاز کے پائلٹ نے حیران نظروں سے میری طرف دیکھا اور ٹپ نے ہاتھ کے اشارے سے جہاز آگے بڑھانے کی ہدایت دی اور سامنے کنٹرول پینل سے لٹکا ہوا ہیڈ فون میری طرف بڑھا دیا۔

ٹپ نے پائلٹ کے برابر والی نشست سنبھال لی اور میں پائلٹ کے عقب میں بیٹھ کر حفاظتی بیلٹ باندھنے لگا۔ ٹپ کے عقب میں چوتھی نشست خالی تھی۔

ٹپ نے ہاتھ بڑھا کر پینل کا ایک سوئچ گھمایا اور مجھے ہیڈ فون پہنتے ہوئے دیکھ کر [illegible] اس کی سخت آواز سنائی دی۔ "جب کنٹرول سے ہمارا رابطہ ہو تو اپنی زبان بند رکھنا۔ فضا میں بلند ہونے کے بعد میں یہ رابطہ اپنی طرف سے ختم کر دوں گا۔"

"اوکے!" میں نے کہا۔ ظاہر ہے اس کی یہ ہدایت میرے ہی لیے تھی۔

ٹپ نے دوبارہ وہی سوئچ گھمایا اور ہیڈ فون پر کنٹرول ٹاور والے کی آواز آنے لگی۔ پھر چند منٹ تک پائلٹ اور کنٹرول کے کوڈ ورڈ سنائی دیتے رہے۔

میرے لیے کسی چھوٹے تربیتی طیارے میں پرواز کا وہ پہلا موقع تھا۔ جہاز کے زمین سے اٹھتے ہی ایسے جھٹکے محسوس ہوئے کہ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

مطلوبہ بلندی پر پہنچ کر طیارہ سیدھا ہوا تو میرے اعصاب کو قدرے سکون ملا۔ ساتھ ہی پائلٹ نے کنٹرول کی کسی ہدایت کے جواب میں اوور اینڈ آل کہہ کر سوئچ آف کر دیا اور ریڈیائی شور کی لہر یک بیک معدوم ہو گئی۔

"بہتر ہے تم نے مجھ پر اعتماد کر کے مجھے [illegible]" ہیڈ فون پر اجیت پائلٹ کی آواز میں گہرا تاسف نمایاں تھا۔

"میرا ایک بڑا سا پروجیکٹ ہے۔" اجیت [illegible] "اور تم جانتے ہو کہ میں کاروباری معاملوں میں [illegible] خواہش کا لحاظ رکھتا ہوں، احترام کرتا ہوں۔"

"مگر یہ ہے کون؟" اجیت نے سوال کیا۔

"وہ ہماری آوازیں سن رہا ہے۔ مناسب سمجھو تو خود ہی بتا دے گا۔"

"ٹپ – اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے [illegible]" میں نے اس کے [illegible] مجھے افسوس ہے کہ میری [illegible] مجھے پرانے سنگھ کہتے ہیں۔"

"شرمندگی [illegible]" اجیت پائلٹ [illegible] "تم میں شاید زندگی بھر [illegible] یہ معاملہ [illegible] اخلاق [illegible] سے کوئی شکایت نہیں ہے اور تم بھی اپنے [illegible] تحسین کر رہا تھا۔"

"میرے کچھ آدمی پکڑے جا چکے [illegible] آج ہی [illegible] رک کر بتا [illegible] سے تم واقف ہی ہو۔ میرے [illegible] گئے اور میں برباد ہو جاؤں گا۔ میرے [illegible] ہے اور ان کے جھمیلوں سے بچنے کے لیے [illegible] جا رہا ہوں تاکہ اپنے آدمیوں کو [illegible]"

"یہ تو تم نے مجھے بھی نہیں بتایا تھا [illegible]"

"اس وقت بات دوسری تھی۔ [illegible] ہم دونوں ایک کشتی میں سوار ہیں اور میں جانتا ہوں کہ اب کوئی [illegible] رکنے نہیں دے گا۔"

"سوال یہ ہے؟" اجیت کے لہجے میں تجسس [illegible] "کیا میں تمہاری مدد کر سکوں؟"

"تم کچھ نہ کرو گے اجیت [illegible] رکتے گھبرا رہا ہے۔" میں نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ [illegible]

میرے الفاظ سن کر اجیت بری طرح [illegible] گردن گھما کر [illegible] میں بیٹھی ہوئی کنٹرول [illegible] میری طرف [illegible]

[illegible] انجن کے آئینہ نمایاں تھے۔ شاید وہ سمجھ نہیں سکا تھا کہ اجیت کو غیر ضروری طور پر سنہا کا حوالہ کیوں دیا!

"بات [illegible] تم سنہا سے واقف ہو؟" اجیت نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔ اور میں جانتا ہوں کہ [illegible] کے [illegible] مقاصد کے لیے خرید لیا تھا۔ کیا یہ درست نہیں کہ سنہا سے پہلے [illegible]"

"ہاں یہ ٹھیک ہے!" ہیڈ فون میں اجیت کی [illegible] ہوئی۔ [illegible] اپنی نشست پر سیدھا ہو کر بیٹھ چکا تھا۔ "کہیں [illegible] تمہاری مدد کر کے میں نے اپنی [illegible]"

"نہیں سنہا میرا [illegible] درست ہے۔" میں نے [illegible]

"تم ٹھیک کہتے ہو!" اجیت کی آواز حیران ہوئی تھی۔

ہیڈ فون پر یک بیک گہرا سکوت طاری ہو گیا اور [illegible] کا جائزہ لینے لگا۔

تربیتی طیارہ کافی بلندی پر تیز ہواؤں میں ہچکولے کھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔ نیچے [illegible] نظر آنے والی پہاڑی چوٹیاں اور وادیاں سیاہی [illegible] دھبوں کی صورت میں بکھری ہوئی تھیں اور ان پر اگا ہوا سبزہ [illegible] سیاہ بادلوں کی چھاؤں میں چھپا ہوا تھا۔ کہیں [illegible] روشنیوں کے چند نقطے پہاڑوں کی گود میں [illegible] ان کی موجودگی کا پتہ دے رہے تھے [illegible] اور [illegible] روشن نقطے جھلملا رہے تھے اور جہاز [illegible] قریب تر ہو رہا تھا!

سامنے نظر آنے والی روشنیاں [illegible] کی ہیں [illegible] تم دونوں [illegible] کرتے جا رہا تھا۔ اجیت کی گمبھیر آواز نے میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔

ہیڈ فون کے [illegible] میں سوئچ کی کلک کی ہلکی سی آواز آئی [illegible] لگا۔ میں نے [illegible] اجیت [illegible] انگلیوں کو حرکت [illegible] طیارہ کا کنٹرول سے رابطہ ختم کر سکتا تھا۔

[illegible] کنٹرول ٹاور سے رابطہ قائم ہو جانے [illegible] ہدایات و [illegible] کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ لوگ [illegible] استعمال کے لیے [illegible] تھے۔ اس لیے اجیت

[illegible] کنٹرول ٹاور سے کلیئرنس کا سگنل نہ مل سکا اور طیارہ [illegible] روشن نقطوں کے اوپر دائرے کی شکل میں طویل چکر کاٹنے لگا۔

چند منٹ بعد جوں ہی کنٹرول سے کلیئرنس کا سگنل آیا، طیارہ [illegible] تیزی سے نیچے آنے لگا۔ ساتھ ہی آبادی سے کافی دور ایک تاریک ویرانے میں [illegible] ایئر فیلڈ کے کنٹرول ٹاور کی [illegible] مخصوص روشنی بھی نمایاں ہو گئی۔ طیارہ تیزی کے ساتھ اسی سمت نیچے جا رہا تھا اور [illegible] روشنیاں نہ ہونے کے سبب [illegible] تھا۔

طیارہ جب لینڈنگ پوزیشن میں تیزی سے نیچے کی طرف جا رہا تھا تو اس کی تیز سرچ لائٹ کی روشنی [illegible] رن وے کے بجائے خطرناک حد تک [illegible] پہاڑی ڈھلانوں پر پڑ رہی تھی۔ اجیت نے [illegible] طیارے کا رخ [illegible] بائیں جانب [illegible] رن وے [illegible] نظر آیا۔

کنٹرول ٹاور کی جانب سے [illegible] کا اشارہ ملا تو اجیت نے طیارے کے لینڈنگ گیئر کھول دیے [illegible] سیکنڈ میں وہ تربیتی طیارہ رن وے پر دوڑ رہا تھا۔

میں نے لینڈنگ کا جھٹکا محسوس کرتے ہی پھرتی کے ساتھ اپنی حفاظتی بیلٹ کھول دی اور نشست سے [illegible] کنٹرول ٹاور سے رابطہ قائم کرنے والا سوئچ آف کر دیا اور اس سے پہلے کہ اجیت میری اس بے جا مداخلت پر احتجاج کرتا، میں نے [illegible] آواز میں کہا: "یہ کام کے آخری حصے پر عمل کرو اجیت! میں نہیں چاہتا کہ کنٹرول ٹاور والے کو جہاز میں کسی تیسرے کا شبہ ہو۔"

وہ سنتے ہی کچھ نہ بولا۔ جہاز کی رفتار بتدریج کم ہوتی جا رہی تھی۔ [illegible] رن وے پر کنٹرول ٹاور کے سامنے ایک شخص سرخ شیشوں والی ٹارچ سے [illegible] روشنی [illegible] دونوں ہاتھوں سے پائلٹ کو اشارہ کر رہا تھا۔ [illegible] طیارے کا رخ بدلا اور وہ دائیں جانب [illegible] پہاڑی جنگل کی سمت بڑھنے لگا۔

"خدا حافظ دوست!" طیارہ رن وے کے آخری سرے پر پہنچ کر رکنے ہی والا تھا کہ ٹپ نے مڑ کر مجھے الوداع کہا۔ کاک پٹ میں پھیلی ہوئی نیم تاریکی میں اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔

جوں ہی طیارہ رکا، میں نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ٹپ کے [illegible] ہولسٹر سے اعشاریہ [illegible] کا [illegible] پستول نکال لیا اور اس سے قبل کہ وہ [illegible] میں نے پستول کی نال اجیت کی کنپٹی پر رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔ ہیڈ فون کے ساتھ ہی اس کی کھوپڑی کے ریزے اڑ گئے۔ میں نے ہیڈ فون اتار کر ایک طرف پھینکا اور انجنوں کا کان پھاڑ دینے والا شور [illegible] دینے لگا۔ میں نے دروازہ کھول کر [illegible] رن وے پر چھلانگ لگا دی اور باہر کی طرف دوڑ پڑا۔ اسی وقت انجنوں کے شور میں ایک [illegible]

سناٹی دی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو تاریکی میں ایک طویل قامت اور قوی الجثہ انسانی ہیولا شور مچاتا میرے تعاقب میں چلا آ رہا تھا!

طیارے کے انجنوں کے تیز شور میں وہ مڑ کر چیخنے والی وہ جھلائی ہوئی انسانی آواز میرے لئے اجنبی تھی۔ شاید میرے اس اچانک اقدام سے ٹریسی بوکھلا گیا تھا اور جہاز سے کود کر میرے پیچھے دوڑ رہا تھا۔

چند ہی لمحوں میں ہم ایک تاریک اور خطرناک پہاڑی جنگل میں گھس پڑا۔ اس وقت میرے ذہن پر بس ایک ہی دھن سوار تھی کہ کسی کو یہ علم نہ ہو سکے کہ اس پرواز سے اجیت اور ٹریسی کے سوا کوئی تیسرا شخص بھی نوکرٹ پہنچا ہے۔ اجیت میرے اس خفیہ سفر کا راز کھولنے کو زندہ نہ رہا تھا اور ٹریسی سے مجھے امید نہیں کہ وہ اس بارے میں کسی کے سامنے زبان کھولے گا۔

میں جھاڑیوں میں گھسنے کے بعد چند ہی قدم آگے بڑھا ہوں گا کہ مجھے ان دیکھے خطرات کا اندازہ ہو گیا اور میں سانس روکے جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ وہ جنگل خطرناک حد تک ناہموار پہاڑی ڈھلانوں پر پھیلا ہوا تھا اور میری ذرا سی بھی لغزش مجھے ہزاروں فٹ گہری کھائیوں میں پہنچانے کا سبب بن سکتی تھی۔

اسی اثنا میں زمین پر روشنی کی ایک پتلی سی لکیر رینگتی نظر آئی۔ بے تحاشا گالیاں بکتا ہوا ٹریسی مجھے ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔

"میں ادھر موجود ہوں ٹریسی!" میں نے اٹھتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ ٹارچ کی روشنی میری آواز پر فوراً ہی میری جانب گھوم گئی اور چند ہی سیکنڈ میں ٹریسی میرے قریب آ پہنچا۔ اس کا پستول ابھی تک میرے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ سب سے پہلے اس نے ریوالور میرے ہاتھ سے چھینا۔ پھر حیرت کے عالم میں غرایا: "تم سے بڑا خنزیر کا تخم آج تک روئے زمین پر پیدا نہ ہوا ہو گا..... آخر اس بے چارے نے تمہارا کیا بگاڑا تھا جو اسے مار ڈالا؟"

"کیا تم واقف نہیں کہ وہ ستیا کا آدمی تھا اور تم نے اس سے انتقام لینے کا عہد کیا ہوا ہے" میں نے طنزیہ لہجے میں نرم آواز میں کہا۔

"لیکن اس وقت وہ ستیا کا آدمی نہیں تھا، محض میرے مراسم کی بنیاد پر وہ اتنا بڑا خطرہ مول لے کر تمہیں یہاں لایا تھا۔ تم نے میرے ایک دوست کا خون کیا ہے!"

"تم میرے چار دوستوں کا خون کر لینا.... لیکن اس وقت ہمیں جلد از جلد ائیرفیلڈ سے دور نکلنے کی تدبیر کرنی چاہئے ورنہ ہم بے موت مارے جائیں گے!"

"جہنم میں گئے تم اور تمہارے دوست۔ تم شروع سے ہی میرے لئے مشکلات پیدا کرتے رہے ہو" وہ غصے کے عالم میں کسی بھیڑئیے کی طرح غرایا۔

"ٹھیک ہے۔ تم یہاں رک کر غصے میں الجھتے رہو۔ میں اندھیرے میں بھی راستہ تلاش کر سکتا ہوں" میں یہ کہہ کر آگے جانے کے لئے مڑ گیا۔

میں چند ہی قدم آگے بڑھا تھا کہ ٹریسی گڑگڑایا "ٹھہرو..... اب مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں..... تم ..." وہ شدید ذہنی الجھنوں کا شکار تھا۔

"اگر تم نوکرٹ پہنچ گئے ہو تو کوئی محفوظ راستہ تلاش کرنے میں میری مدد کرو" ... دعوت دی۔

"تم اس خیمے میں ہر طرح محفوظ ہو مگر کھٹمنڈو میں ... مجھے اچھی طرح دیکھا ہے۔ گفتگو کے دوران میں انہیں ... اور اب اجیت کا قتل پولیس کیس بنے گا اور ... ہے پولیس میری راہ دیکھ رہی ہو گی" ... کہ ریوالور کے دستے سے تمہاری کھوپڑی توڑ کر ... میں خاموشی سے تاریک اور خطرناک ڈھلان ... حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے اپنے تحفظ کی خاطر ... فراموش کر دیا تھا اور اب ذرا سی غلطی کی ... ہو سکتا تھا!

"کیا تمہارا کھٹمنڈو واپس جانا ضروری ہے؟" میں نے سوال کیا۔

اس نے دو تین غلیظ گالیاں بکیں ... کوئی بھی نہیں ... محض تمہاری خاطر ... جیسے چیدہ لوگوں کو اپنے گرد جمع کیا ... تاکہ تم کسی آسانی سے یہ سب نہیں چھوڑ سکتا!

"مگر میرے بارے میں تم ستیا کا ایک کھلا ... علم ہو گا کہ اجیت کے قتل میں تمہارا نام بھی ملوث ہے تو وہ ... کے لئے اپنے سارے وسائل وقف کر دے گا....!"

"میں بالکل بے بس ہو کر رہ گیا ہوں!" ... "میرے لئے کسی بھی طرح فوراً اپنے شہر پہنچنا ممکن ہو تو میں ... ملازمین کو بھی ٹھکانے لگا دیتا پھر کسی کو علم نہ ہوتا کہ اجیت ... رات میں پرواز کیوں کی اور جہاز میں آ کر کسے ہمراہ لایا تھا!"

"اچھا دوست!" میں ایک طویل سانس لے کر بولا "... مدد کی ہے اور اب میں بھی تمہارا ساتھ دوں گا.... شاید ... جائے۔"

"تم..... تم میرے لئے کیا کر سکو گے؟" اس کا لہجہ ...

"جلد از جلد شہر پہنچنے کی کوشش کرو ... پہنچنے میں بہت وقت لگے گا کیونکہ ایئرفیلڈ شہر سے بہت دور ہے ... کوئی گاڑی حاصل کر کے فوراً ہی کھٹمنڈو روانہ ہو جاؤ۔ اگر تم ایئرپورٹ پہنچ جاتے ہو تو آسانی سے اپنے خلاف شہادتوں کو ختم کر سکو گے" میں نے کہا۔

"... اگر پولیس پہلے سے وہاں موجود ہوئی؟"

"... بات نہیں ... پولیس پہلے ہی میری تلاش میں ہے۔ تم ... ایک بھرپور کہانی تمہاری گردن صاف بچا سکتی ہے۔"

اس مرتبہ ... کی آواز میں مسرت نمایاں تھی "اب میں ساری ... پر ہی ڈال دوں گا۔ وہ کھٹمنڈو سے نوکرٹ تک سفر کرنا چاہتا ... سفر کے متوقع خطرے سے تحفظ کیلئے معقول معاوضہ ... پیش کیں اور میں راضی ہو گیا۔ ایئرپورٹ سے روانہ ہوتے ہوئے ... تاریکی میں طیارہ روک کر اجیت نے کسی گمنام شخص کو ... پر سوار کرا لیا۔ اسے دیکھتے ہی میں چونک پڑا۔ وہ ایک خطرناک ... مفرور تھا۔ میں سارے راستے پوری طرح چوکنا رہا۔ لیکن جب ... طیارہ اترنے کے بعد تاریک جنگل کی جانب لپکا تو اس مفرور ... ریوالور سے اجیت کو ہلاک کر دیا۔ ... اگر اس وقت تک میں ہوشیار ہو چکا تھا ... نے اس سے پستول چھین لیا اور وہ بوکھلا کر طیارے سے کود کر ... ہو گیا۔ میں بھی ... اجیت کی طرف متوجہ ہو گیا ... لیکن وہ مر چکا تھا۔ میں طیارے سے کود کر ... بالکل برعکس پڑا لیکن اس کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ چونکہ ... فائر میرے پستول سے ہوا تھا لہٰذا میں گھبرا گیا ... ایک گاڑی ... کھٹمنڈو بھاگ نکلا تاکہ جائے واردات سے میں ... بے گناہی ثابت کر سکوں۔"

"... بہت شاندار کہانی ہے.... اگر تم بروقت ایئرپورٹ ... پہنچ گئے تو یہ کہانی تمہارا ساتھ دے گی۔ جرمانہ اور ایک دو ... سزا کوئی عدالت نہ دے سکے گی۔"

... کچھ خاص اہمیت نہیں رکھتی، آتنا ... جھگڑے میں گزر جاتا ہے۔ وہ فوراً کورٹ پہنچنے کے بعد پہلی بار ...

تھوڑی ہی دیر میں ہم دونوں جنگلات سے کھلے میدان میں نکل آئے ... ہو گیا تھا۔ پھر وہاں سے شہر کی سمت کا تعین کرنے میں ... اور شہر کی حدود میں داخل ہونے پر ہم دونوں ایک دوسرے ... ہونے لگے تو میرے ذہن میں ایک نیا خیال کھٹک کی طرح ... ایک بے خوف قاتل بھی ... اس نے بے دردی ... کی تھی۔ لہٰذا ... اپنی خدمات کا معاوضہ ... یاد آیا ... اگر میں ... اس کی رہنمائی نہ کرتا ... وہ ایک خالص کاروباری ... تھا!

... جسم ... میں اترا ...

جیسی معصوم اور پیاری لڑکی کی جدائی کا داغ ابھی تک میرے دل میں تازہ تھا اور اب اس داغ کو اپنے سینے میں چھپائے میں اسی سرزمین پر اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا تھا۔ ناموافق حالات اور حریف میری جان کے دشمن تھے اور میں یکہ و تنہا ان سب محاذوں پر معرکہ آرا تھا۔ یہ ایسی خوفناک جنگ تھی کہ اس میں سب کچھ جائز تھا۔ مجھے ہر قیمت پر اپنی جان بچانی تھی خواہ اس کے لئے کوئی بھی قدم ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے۔!

میں نے ایک نظر ٹریسی کے ... ڈالی۔ ... اور جیپ میں وہ کسی دیوزاد کی طرح لگ رہا تھا اور اس کے دونوں ہولسٹرز سے ... ریوالوروں کے سیاہ دستے جھانک رہے تھے۔ میری پوری کوشش تھی کہ میرے چہرے کے تاثرات سے میرے عزائم کا بھانڈا نہ پھوٹ سکے اور میں نے جذبات سے عاری سپاٹ آواز میں ٹریسی سے کہا۔ "الوداع میرے دوست، شاید اس لمحے کے بعد ہم کبھی نہ مل سکیں لیکن میں تمہیں کبھی نہ بھلا سکوں گا۔"

یہ کہتے ہوئے میں دونوں ہاتھ پھیلا کر اس کی طرف بڑھا۔ ٹریسی نے اپنی دوستانہ آغوش میرے لئے وا کر دی۔ وہ قد سے جھکا اور میں تقریباً اس کے سینے سے جا لگا۔ اس کے دونوں ہاتھ دوستانہ گرمجوشی سے میرے گرد حمائل ہو گئے اور میرے دونوں ہاتھ بجلی کی سی سرعت سے ریوالوروں کے دستوں پر جا پڑے!

ٹریسی ایک خرانٹ مجرم تھا جو ہر دم اپنی جان ہتھیلی پر لئے پھرتا تھا۔ ... کر ریوالور ہولسٹرز سے باہر آتے ہی اس نے پوری قوت سے مجھے اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا۔ اس کے حلق سے دبی دبی غراہٹ نکل رہی تھی جیسے کوئی بھیڑیا اپنے طاقتور حریف کو زیر کرنے کے بعد غراتا ہے۔ میرے اعصاب ... کے لئے بے حس ہو گئے کیونکہ مجھے کسی بھی لمحے اپنی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹنے کا اندیشہ تھا۔ چند سیکنڈ اسی سنسنی کے عالم میں گزر گئے۔ ٹریسی کی گرفت لمحہ بہ لمحہ تنگ ہو رہی تھی اور اب موت سامنے تھی..... اس کا یا میری زندگی کا فیصلہ آنے والے لمحوں کے ہاتھ تھا۔

اپنی موت کی دہشت ذہن پر چھاتے ہی ٹریسی کی اذیت ناک گرفت اور اعصابی تناؤ کا احساس میرے ذہن سے یکلخت کافور ہو گیا اور میں نے ایک ہی جھٹکے میں اس کے ہولسٹرز سے ریوالور کھینچ لینے چاہے۔ ایک ریوالور میرے اور ٹریسی کے جسم کے درمیان آ جانے کے سبب ہولسٹر میں پھنس کر رہ گیا مگر میرے بائیں ہاتھ میں دوسرا ریوالور آ چکا تھا۔ میں نے وقت ضائع کئے بغیر اس کی نال ٹریسی کے پیٹ میں اڑا کر فائر کر دیا۔ ایک ہولناک دھماکے کے ساتھ ٹریسی کے حلق سے چیخ نکلی۔ ایک ثانیے کے لئے اس کی گرفت کمزور ہوئی اور میں نے اس بار اس کی داہنی پسلیوں میں گولی مار دی اور دوسرا ریوالور بھی میرے ہاتھ میں آ گیا۔

"صرف ..... دو ....!" اس کے حلق سے قہر آلود اذیت میں ڈوبی چیخ نکلی اور اس کی ساری قوت اس کے بازوؤں میں سمٹ آئی۔

اس کے زخم سے پانی کی طرح بہنے والے گرم گرم خون کی پچکاریاں میرے جسم پر بھی پڑ رہی تھیں۔ اس کے بازو شکنجوں کی زنجیروں کی طرح میرے بدن کے گرد کسے ہوئے تھے، میرا سانس سینے میں گھٹنے لگا۔ آنکھوں کے سامنے دھند سی چھانے لگی اور میں نے اس کی داہنی بغل میں چھری گہرائی تک پیوست کر دی۔!

میرا یہ وار کاری رہا۔ بڈ کے ہاتھ بے جان لکڑیوں کی طرح میرے بدن سے ڈھیلے پڑ گئے اور وہ لڑکھڑا کر زمین پر گر گیا۔ اس کی آنکھوں میں نفرت اور تحیر جھلک رہے تھے۔ مظلومیت اور جانکنی کے آثار اس کے چہرے پر صاف دیکھے جا سکتے تھے۔ اسے دیکھ کر مجھے بے اختیار جھرجھری سی آگئی۔ پھر اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ میں نے اس کے دل کا نشانہ لے کر [illegible] کر دیا اور اس کے سینے سے خون کا فوارہ ابل پڑا اور وہ منہ سے کوئی آواز نکالے بغیر خاک و خون میں ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔

گو اس وقت ہم آبادی میں داخل نہیں ہوئے تھے مگر چند سو گز دور [illegible] کے دھماکوں کی آواز [illegible] لہٰذا وہاں میرا ٹھہرنا خطرناک تھا۔ ادھر بڈ کا بدن ساکت ہونے کا نام نہ لے رہا تھا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو دل میں گولی اترتے ہی ختم ہو گیا ہوتا لیکن اتنی دیر تک وہ رہ رہ کر ادھر ادھر اچھل رہا تھا۔!

میں نے وہ جگہ چھوڑنے سے قبل بڈ کی کھوپڑی میں پانچواں فائر کر دیا۔ اور اب وہ بھی تڑپنا چھوڑ کر پوری قوت سے ایک طرف لڑھک پڑا۔ اس کے دونوں ریوالور میرے ہاتھوں میں دبے ہوئے تھے اور بدن [illegible] تھا۔ ایڈیٹ کو ختم کر کے میں نے [illegible] کا مظاہرہ کیا تھا [illegible] اور اب کسی کو یہ معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ [illegible] اور ان دونوں کو مارنے والا کون تھا۔ اگر کوئی قیاس کر بھی لیتا تو اس کی تصدیق کرنے والا کوئی فرد زندہ نہیں رہا تھا۔!

تھوڑی دیر کے بعد میں آبادی سے کافی دور پھیلے سنگلاخ اور بنجر پہاڑی سلسلوں میں جا پہنچا۔ یہاں تاحد نظر چٹانوں کا ایک طویل سلسلہ پھیلا ہوا تھا جہاں میں باآسانی روپوش ہو سکتا تھا۔

میرے سامنے اب فوری مسئلہ خون آلود کپڑوں سے نجات پانے کا تھا۔ وہ رات سرد تو نہیں تھی مگر خنک ضرور تھی اور ان کپڑوں کو [illegible] مشکل تھا۔ آبادی کا رخ کرنے میں بہت سے خطرات پوشیدہ تھے۔ لہٰذا میں نے کسی ایک جگہ بیٹھ کر وقت گزارنے کے بجائے کسی جوہڑ وغیرہ کی تلاش کو ترجیح دی تاکہ اپنے ان کپڑوں کو دھو کر سکھا لوں۔ [illegible]

میں نے اپنی اس مہم کی ابتدا ایک بلند پہاڑی کے انتخاب سے کی اور اس پر چڑھ کر میں گرد و نواح میں کافی دور تک نگاہیں دوڑا سکتا تھا اور اگر کہیں بھی پانی موجود ہوتا تو تاروں کی روشنی میں اس کی مرتعش سطح باآسانی مجھے نظر آجاتی۔!

میں نے اوپر پہنچ کر چاروں طرف ایک سمت میں نگاہیں دوڑائیں تو خوشی سے اچھل پڑا۔ [illegible] مرتعش سطح کیا وہاں تو گویا [illegible] سے اتر کر تیزی کے ساتھ اسی جانب چل دیا۔

وہ خطہ بے حد حسین اور سکون آور تھا۔ [illegible] پہاڑی چٹانوں اور چٹانوں کے درمیان [illegible] کناروں پر سرسبز درخت پانی میں جھکے ہوئے تھے۔ [illegible] اور بیٹھ کر پانی میں دھوئے اور پتھروں [illegible] اور خود ٹھنڈے اور فرحت بخش پانی سے منہ دھو کر [illegible]

تھوڑی ہی دیر میں وہاں سورج کی تمازت [illegible] مارنے لگا۔ اس وقت میرے لباس میں [illegible] کے بعد [illegible] دم توڑ چکی تھی لہٰذا میں نے [illegible] کو چھپانا بہت ضروری تھا۔ میں ریوالور [illegible] کنارے آگے چل دیا۔

میں اپنے خیالات میں گم چلا جا رہا تھا کہ میری نظر [illegible] کپڑے پر پڑی جو کنارے کے پتھروں میں الجھا [illegible] میرے قدم رک گئے۔ [illegible] کسی انسانی لباس کی موجودگی [illegible] تھی۔ [illegible] تیزی سے آگے لپکا [illegible] ایک خوبصورت اسکرٹ [illegible]

[illegible]

میں اس وقت دھارے کی مخالف سمت میں آگے بڑھ رہا تھا۔

اس کی دریافت کے دو ہی نتائج ہو سکتے تھے۔ اول یہ کہ آگے کہیں کوئی خوش باش جماعت مقیم ہے اور انہی میں سے کسی لڑکی کا [illegible] کے باعث دریا میں بہہ گیا۔ دوسرا نکتہ ذرا سنگین تھا [illegible] کوئی بھی جنونی کسی لڑکی کو [illegible] اپنے سفلی جذبات کا [illegible] لڑکی کو ہلاک کر کے اس کی لاش [illegible] کر دیے۔ لاش [illegible] ہونے کے سبب تہ نشین ہو گئی اور اسکرٹ سطح پر [illegible]

صورت حال جو بھی رہی ہو میرے لئے دلچسپی کا باعث تھی۔ میں [illegible] ریوالور اسکرٹ میں لپیٹے اور خود تیز رفتاری سے آگے بڑھا۔ تقریباً دو گھنٹے کی مسافت کے بعد اچانک ہوا کے [illegible] انسانی آوازیں سنائی دیں۔ میں چونک کر [illegible] لگا۔

[illegible] مجھے اب دریا کے [illegible] مقامی مرد مختلف کاموں میں [illegible] نظر آئے۔ [illegible] ایک ایسی چٹان کی اوٹ میں ہو گیا جہاں سے [illegible] ان کا جائزہ لے سکتا تھا!

[illegible] تھے۔ انہیں چھ مزدوروں جیسے خستہ لباس [illegible] خوش پوش اور باثروت مقامیوں کی نگرانی اور [illegible] کام کر رہے تھے اور ان کے درمیان تین سفید فام [illegible] لڑکیاں تھیں۔ ان کی سرگرمیوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ [illegible] زیادہ دیر نہیں ہوئی ہے۔ وہ لوگ شاید [illegible]

[illegible] کے بعد وہ مزدور ٹیلوں کی اوٹ سے [illegible] نظر آئے۔ [illegible] یوں لگ رہا تھا جیسے وہاں کوئی پڑاؤ ہونے والا ہو۔ [illegible] کی موجودگی [illegible] تعجب خیز تھی مگر فاصلہ زیادہ [illegible] اس جماعت کے بارے میں کوئی واضح رائے قائم نہ کر سکا۔ [illegible] ٹیلوں کے عقب میں جا کر [illegible] ان کی کارروائیوں کا مطلب واضح ہو سکے۔

[illegible] کے بعد دریا میری نظروں سے اوجھل ہو گیا [illegible] زمین پر تاحد نظر [illegible] نظر آ رہا تھا۔ میں احتیاط کے ساتھ آگے کی طرف بڑھنے [illegible] کے بعد میں دو چٹانوں کی ایک درمیانی [illegible] میری توقع کے برعکس بہت مختصر ثابت ہوئی [illegible] سامنے [illegible] کا سارا منظر آ رہا تھا اور اس جانب [illegible] دریا کا پانی چمک رہا تھا۔!

[illegible] سے پہلے ہی میرے کانوں میں بہت قریب کی [illegible] آئی اور میں سانس روک کر چٹان سے چپک گیا۔ [illegible] ریوالور میں نے پھر جیب سے نکال لیا۔ اسی حالت میں [illegible] مجھے کوئی آہٹ نہ سنائی دی تو میں نے [illegible] دیکھ کر میری حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی [illegible] خطرناک حد تک قریب ہونے کے باوجود [illegible] اور یہاں سے میں ان کا جائزہ لینے کے ساتھ ہی ان کا ایک ایک لفظ واضح طور پر سن سکتا تھا۔

[illegible] ایک کشادہ موڑ پر ایک کیمپ [illegible] سامان [illegible] زمین پر پھیلا دیا [illegible] لڑکیاں نوجوان اور حسین تھیں۔ دو لڑکیوں کا لباس [illegible] اسکرٹ کی جگہ ایک سفید چادر اپنے جسم سے باندھی ہوئی [illegible]

[illegible] تھا! دونوں خوش پوش مقامی افراد ان لڑکیوں ہی کے گرد منڈلاتے پھر رہے تھے۔ [illegible] مزدور [illegible] کام کر رہے تھے۔!

میں واپس اسی درز تک لوٹ آیا۔ ایک بڑا اسکرٹ میں لپیٹ کر [illegible] چھپا دیا اور [illegible] کے نیچے [illegible]

درز کے قریب [illegible] ایک خوش پوش [illegible] مزدوروں کو [illegible] وہاں [illegible] اور وہاں سے [illegible] بولنے اور ہنسنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔!

میدان صاف [illegible] تیزی سے اپنی کمین گاہ سے نکلا اور بڑی چھولداری کے عقب میں جا پہنچا۔ [illegible] اندر کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ [illegible] سے مشغول [illegible] ان کے درمیان [illegible] گفتگو [illegible] تھی۔ ان کی باتوں سے مجھے پتہ چلا کہ [illegible] لڑکیوں کے سامنے [illegible] جا رہا تھا اس سے مجھے اندازہ [illegible] دوسرا شخص جو مزدوروں کو [illegible] وہ دونوں [illegible] کے منتظر تھے [illegible] کے قیام [illegible] اور تنہائی کی کوفت سے نجات پانے کے لئے [illegible] لڑکیوں کو ساتھ لے لیا تھا!

کچھ دیر بعد ان میں سے ایک لڑکی باہر آنے کے لئے اٹھی تو میں مستعد ہو گیا۔ وہ بڑی چھولداری سے نکل کر تیز تیز قدموں سے چٹانوں کی طرف جا رہی تھی۔ جب وہ ایک پتھر کی اوٹ میں غائب ہوئی تو میں تیزی سے اپنی جگہ سے نکلا اور اسی طرف ہو لیا۔

میں اس طرف پہنچا تو وہ [illegible] کی پشت میری جانب تھی۔ [illegible] اپنا اسکرٹ درست کرنے لگی [illegible] اس کے سر پر پہنچا اور اسے کوئی آواز نکالنے کا موقع دیئے بغیر [illegible] بایاں ہاتھ پوری قوت سے جما دیا اور داہنے ہاتھ میں دبا ہوا پستول اس کے چہرے کے سامنے لے جا کر لہرایا۔

"اگر [illegible] شور مچانے کی کوشش کی تو جان سے مار ڈالوں گا [illegible] مجھے تم سے کچھ خاص کام ہے اس کے بعد تم آزاد ہو گی۔!"

میری دھمکی سنتے ہی اس کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ [illegible] وحشت [illegible] اور وہ جلدی جلدی اثبات میں سر ہلانے لگی۔!

میں نے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹا دیا۔

"تم کون ہو؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے [illegible] آواز میں سوال کیا۔

"تمہارے حسن کا ایک پرستار! [illegible] تمہیں دیکھ کر

بالکل ہوا جارہا تھا، غنیمت ہے کہ تم خود ہی ادھر آنکلیں۔"

"اس میوزک کی کیا ضرورت تھی؟" وہ سیکسا فون بجاتے ہوئے سیاہ فام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ ان کے دو ساتھی کافی حد تک بے حال ہو چکے تھے۔

"مشرقی لڑکیاں کسی غیر ملکی کو قریب پاکر خوفزدہ ہو جاتی ہیں۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں مجھے دیکھ کر تم بھی چیخنا شروع نہ کر دو اور میرے سارے ارمان دم توڑ جائیں!"

میں اس کا ہاتھ تھام کر اسے دوسری طرف لے جاتے ہوئے بولا۔

"میری ہر رات مجھے موت کے ساتھ بسر ہوتی ہے۔" وہ مجھ پر اعتماد کے ساتھ مسکرائی۔ "نو کوٹ کے مقامی سردار نے مجھے واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ یہاں کوئی خوبصورت لڑکی محفوظ نہیں رہ سکتی۔"

"مگر میں تمہیں کوئی معاوضہ نہیں دے سکوں گا۔"

"میں یہاں آنے سے پہلے عیسائی تھی اور میری [illegible] تھی۔" وہ آنکھ دبا کر مسکرائی۔ "مجھے یہاں لانے والوں نے اتنا معاوضہ دیا ہے کہ ایک دو ہفتے شاید تمہیں سے بسر کر سکوں۔"

"سنہری بالوں والی لڑکی کیا ہوست سے تعلق رکھتی ہے؟" میں نے [illegible] اس نے حیرت سے بڑی بڑی نگاہیں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔

"[illegible] کا لباس کچھ ایسا ہی ہے۔"

"وہ [illegible] میں جسے [illegible] بنانے کا شوق ہے۔ ہر لڑکی [illegible] آنے سے پہلے ان کا [illegible] یہاں اتر گئے تھے۔ وہ اس لڑکی کو ساتھ لے کر [illegible] نہانے اترا اور [illegible] کا اسکرٹ دریا میں بہہ گیا۔ وہ [illegible] دیا ہے [illegible] ایک چادر دے دی۔"

"تو دوسری کار کہاں ہے؟" دراز [illegible] کرنے کے بعد میں ایک جگہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

"راستہ خراب ہونے کے باعث وہ دور ہی کھڑی کر دی تھی۔"

"تم لوگ یہاں کیوں آگئے ہو۔۔؟"

"ہمارا جو [illegible] آج یہاں آنے والا ہے [illegible] سورج غروب ہونے سے قبل [illegible] وقت [illegible] کے مقدس [illegible] سے گونجنے لگے گا۔"

"شاید تم اندرام کی بات کر رہی ہو۔"

"اندرام!" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ بھینچ کر ایک ڈوبی ہوئی سسکاری لی اور بولی۔ "ان کے ساتھ حسین اور نوجوان لڑکیوں کا ایک جلوس بھی آرہا ہے۔ وہ تین راتیں یہاں بسر کرے گا۔ پھر [illegible] خاموشی کے ساتھ سب کو چھوڑ کر آگے اپنے سالانہ سفر پر نکل جائے گا۔۔۔ کون جانے ان تین راتوں میں چند لمحوں کے لئے وہ میرا بھی انتخاب کرے!"

"[illegible] تمہیں لانے والوں کا کیا ہوگا؟"

"یہ نو کوٹ کے [illegible] میں خوبصورت لڑکیوں کے شکاری! خود کو اندرام کا معتقد سمجھتے ہیں۔ لیکن ان کے قیام کا بندوبست کرنے کے بجائے اپنا الو سیدھا کرنے کی فکر میں ہیں۔ جب اندرام چلا جائے گا تو یہ تمام لڑکیوں

کو اپنے [illegible] رکھیں گے۔ جب عیاشیوں سے دل بھر جائے گا [illegible] انکار کرنے لگیں گے اور لڑکیاں [illegible] کو [illegible] وہ [illegible] سے [illegible] کرتے آتے ہیں۔"

"میری طرف [illegible] پختہ ارادہ کر لے [illegible] میری آنکھیں [illegible] کر سکو گی۔"

"فکر نہ کرو۔ میں [illegible] چڑھ جانے سے اس لڑکی کا [illegible] کیا [illegible] وہ کرنے لگا [illegible] اس کا [illegible] گئیں۔"

"اور تمہارے پاس [illegible]"

"اگر مجھے اس بات کا شبہ بھی ہو گیا تو [illegible] کوئی اپنا [illegible] کر لیتی ہے۔"

"تم مجھ پر [illegible] چلا سکو گے؟" وہ [illegible]

"میں اپنے ہاتھوں سے تمہارے [illegible] بند میں ایک بیک ٹوٹ گیا۔

دوسری [illegible] اور [illegible] لڑکیوں کے [illegible] اس کی [illegible] ہوئے [illegible] تھے!

اور جب وہ مجھ سے [illegible] اسکرٹ [illegible] آسودہ سی جھکی تھی اور اپنے [illegible] اپنے ساتھیوں کو میری موجودگی سے باخبر [illegible]

"تم نو کوٹ ہی میں رہتے ہو؟ [illegible]"

"اگر تم وہاں [illegible] ایک [illegible] تو میں یہیں رہ سکتا ہوں۔ میں [illegible] شام سے پہلے [illegible] آجائے گا [illegible] میں پہنچ جاؤں گی۔۔۔ مگر رات کے [illegible] کروں گی؟"

"تم [illegible] کے لئے [illegible] کا [illegible] خود تم سے [illegible] گا۔ [illegible] تو وہ بھی [illegible]

[illegible] کے عالم میں بھی اپنی [illegible] کی ہر نعمت [illegible] ہے؟"

"میرا [illegible] ابھی [illegible] میں نے [illegible]

"مجھے [illegible] اور کچھ نہیں۔"

"وہ میرے [illegible] گی؟" اس نے [illegible] کیا اور [illegible] داخل ہو گئی۔

اس لڑکی کے بارے میں [illegible] اندازہ درست نکلا [illegible]

کا اس نے اپنی [illegible] کا جو بھی جواز پیش کیا ہو مگر اس کے بارے میں کسی نے ذکر نہیں کیا تھا۔ سنہری [illegible] دوبارہ لڑکی کے بدن پر جا چکا تھا۔ [illegible] کار [illegible] کو چھوڑ کر کیپ اب بھی واپس آچکا تھا اور جب [illegible] جانے ر[illegible] ہونے لگے تو وہ پانچوں خیمے سے نکل کر قریب ہی آبیٹھے۔ [illegible] کی اور [illegible] تہذیب اور اخلاق کی ہر پابندی سے بے نیاز [illegible] بیکیوں کے ساتھ [illegible] میں مصروف تھے۔

پھر اچانک میرے کانوں میں ہلکی ہلکی آوازیں آئیں۔ اس وقت میں ایک پہاڑی پر بے فکری کے ساتھ چپ چاپ سگریٹ سے شغل کر رہا تھا۔ میں نے [illegible] آس پاس کا جائزہ لیا اور آخر کار۔۔۔ دور تک پھیلی ویران چٹانوں کے درمیان مجھے رنگ برنگے [illegible] متحرک ہوتے نظر آنے لگے۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ دھبے بھی واضح ہو گئے اور آوازیں بھی۔

[illegible] کو ایک سب سے آگے [illegible] تھا جو [illegible] میں [illegible] ہاتھ پھیلتا [illegible] ستارہ [illegible] لگتا تھا جیسے اندرام کے [illegible] تھا۔ ان کے [illegible] اور حسین [illegible] سفر کے باعث [illegible] ہوئے تھے۔ سب لڑکیاں سفید فام اور برہنہ پا تھیں اور [illegible] اندرام کے [illegible] کے ساتھ [illegible] سے [illegible] اپنا [illegible] کے نعرے لگا رہی تھیں۔

اندرام [illegible]!

وہ ان سب سے آگے تھا۔ ان کے [illegible] رنگ کی ایک مختصر [illegible] کے سوا کوئی لباس نہ تھا۔ [illegible] اور [illegible] تک کے بال [illegible] ہوئے تھے۔ [illegible] رنگ کی مٹی سے [illegible] بنی ہوئی تھیں۔ [illegible] اور [illegible] رنگوں کے [illegible] تھے جیسے [illegible] کے وسط میں [illegible] ہوا تھا۔ گلے میں [illegible] بڑی [illegible] ایک [illegible] ہوا [illegible] تھیں ان میں [illegible] تو [illegible] کے گھٹنوں کو [illegible]۔ [illegible] اور [illegible] سے [illegible] اور [illegible] کہ انھوں نے [illegible] کی سی صورت اختیار کر لی تھی۔ [illegible] ہاتھوں [illegible] اور داہنے ہاتھ میں ایک [illegible] لیا [illegible] ہوا تھا۔ وہ اس ویرانے میں [illegible] کے تمام [illegible] کے ساتھ [illegible] رہا تھا۔ [illegible] سے پیدا ہونے والی آوازیں [illegible] سے ہم آہنگ [illegible] کو [illegible] کو اپنی [illegible] سے [illegible] برقرار رکھنے کے لئے [illegible] اور [illegible] کا پورا وجود [illegible] کی [illegible] کے [illegible] شدت سے [illegible] ایک ایک کر دی کی آواز اندرام کے [illegible] سے ہم آہنگ ہوتی۔۔۔ [illegible] کی طرح [illegible] تھا۔ جب وہ [illegible] آوازیں [illegible] کرتا [illegible] کا کرب [illegible] تو اس کا [illegible] اور [illegible] اور [illegible] اور [illegible] کے [illegible] ایک [illegible] جان [illegible]

پہلا ایک تھرموس، کافی کا ڈبہ اور سگریٹیں موجود ہیں۔ تم کافی [illegible]
[illegible] تو دو تین روز بڑی آسانی سے گزار سکتے ہو۔"
[illegible] شکریہ۔" میں نے اس کی پیشانی چوم کر کہا
[illegible] کہ ابھی جھولداریوں کی طرف سے اٹھنے والی تیز نسوانی چیخ
[illegible]

"[illegible] چیخ؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ "ادھر تو بہت دیر سے
[illegible] چھایا ہوا ہے۔"

"تو وہ میرا وہم رہا ہوگا۔" میں نے کہا۔

"آج رات اندرام خلاف معمول اپنی جھولداری میں بالکل تنہا ہے
[illegible] مضبوطی سے بند کئے ہوئے ہیں اور اندر کسی مرگھٹ کا سا
[illegible] چھایا ہوا ہے ورنہ آج رات تو یہاں وہ [illegible] ہوتا ہے کہ کان پڑی
آواز سنائی نہ دیتی۔" اس نے دراڑ میں میرے قریب بیٹھتے ہوئے کہا
"[illegible]" میں نے اندرام کی طرف سے لاپروائی کا
اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے تمہارے دیسی پوپ اور اس کی مصروفیات
سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"ایک بات پوچھوں!" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد دراڑ میں لڑکی
کی [illegible] آواز ابھری۔

اس کا لہجہ ایسا تھا کہ یک بیک میرا دل دھڑک اٹھا مگر میں نے
[illegible] رکھتے ہوئے فراخ دلی کے ساتھ کہا۔

"ضرور پوچھو...!"

"تمہارا نام کیا ہے...؟"

"علی شیر...!" میں نے ذہن میں آنے والا پہلا نام دہرا دیا۔

بے اختیار اس کے سینے سے ایک طویل سانس آزاد ہو گیا اور وہ بولی
[illegible] آیا ہے۔"

"کیا اس خبر والے کا میرے نام سے کوئی تعلق تھا۔" میں نے
[illegible] پوچھا۔

"ہاں... کسی حد تک...!"

[illegible] کھٹمنڈو سے ایک تربیتی طیارہ خلاف معمول فوکوٹ ایئر فیلڈ
[illegible] تھا۔ طیارہ [illegible] کے آخری حصے پر تاریکی میں رکا اور گراؤنڈ
[illegible] کے باوجود وہاں سے [illegible] اس کے انجن بند کئے گئے۔
[illegible] طویل انتظار کے بعد [illegible] طیارے تک پہنچا اور
[illegible] کھڑکی سے کاک پٹ میں جھانکا تو اندر پائلٹ کی لاش پڑی
[illegible] تھی۔ کسی نے اسے پستول سے ہلاک کیا تھا۔ پھر دن میں [illegible]
[illegible] کھٹمنڈو کے سب سے بڑے گرجے [illegible] لاش ملی۔ اسے
[illegible] سے مارا گیا تھا۔ [illegible] کے نام سے لوگ [illegible] کیا کرتے تھے۔
[illegible]

ہلاک کیا...!"

"لیکن اس قصے میں میرا نام کہاں آتا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"جہاں تک اندرام نے تفتیش کے بعد بتایا کہ یہ صفدر نامی
ایک جیالا وطن اسمگلر شبہ ہے جو نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانتا نیپال آ پہنچا
ہے۔ [illegible] نیپال کا [illegible] ہے اور [illegible] کی [illegible] زیر زمین
تنظیمیں اس کے خون کی پیاسی ہو رہی ہیں......"

میں بے شک کانپ اٹھا۔ اندرام واقعی مسئلے کی تہہ تک پہنچ
چکا تھا۔ مگر اس لڑکی کو کسی شبہے کا موقع نہ دینے کی نیت سے میں کھوکھلی
آواز میں زور سے ہنسا۔ "تو تم مجھے ہی صفدر علی سمجھ رہی تھیں۔ عورتیں
واقعی کم عقل ہوتے میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں...!"

"یقین تو مجھے بھی نہ تھا۔" وہ میری پسلیوں میں کہنی مار کر بولی۔
"مگر تم جن پراسرار حالات میں مجھ سے ٹکرائے ان کی بنا پر معمولی سا شبہ
ہوا تھا۔ پھر تمہارے پاس پستول بھی موجود تھا!"

"مجھ جیسی زندگی بسر کرنے والا کوئی بھی شخص [illegible]

وہ مزید کچھ دیر میرے پاس رکی رہی۔ آج رات کے میرے
پاس آنے کا سبب یہ نہیں تھا کہ اسے میری ضروریات کا احساس تھا بلکہ
وہ... کسی... [illegible] ہو کر میرے پاس آئی تھی۔
اس کی زبانی حالات کا علم ہونے کے بعد میرے مزاج کی ساری [illegible]
اور خوف میں گم ہو چکی تھی مگر میں نے اس کا دل توڑنا مناسب نہ سمجھا۔
جب وہ جھولداریوں کی طرف لوٹی تو میں دراڑ کے دہانے پر کھڑا
اسے دیکھتا رہا...!

اس رات کے باقی لمحات میں نے سخت اضطراب اور ذہنی اذیت
کے عالم میں گزارے اور جب صبح کا اولین دھندلکا اس حسین وادی پر
نمودار ہوا تو جھولداریوں کی طرف سے اچانک پجاری اندرام کی [illegible]

[illegible] کا نہ تھا...!

[illegible] اندرام کی سحر انگیز آواز [illegible]
[illegible] میں جلدی سے [illegible] اس کا ایک ایک
[illegible] اس وقت [illegible]
[illegible] کے تاروں کو چھیڑ رہا تھا...!

[illegible]

طرف چلا آ رہا تھا...!

پھر [illegible] سمت سے ان پانچوں نے [illegible] پوری قوت سے
[illegible] کا نعرہ مارا اور اندرام کی لاہوتی آواز کا تعاقب
[illegible] کے استقبال کو لپکے۔

[illegible] اندرام نے آخری بار طویل نعرہ مارا اور [illegible]
[illegible] ٹوٹ گیا مگر اس کے ساتھ آنے والی
[illegible] اس سحر میں بری طرح گرفتار تھیں۔ وہ اپنے [illegible]
[illegible]
[illegible] لگی تھیں...!

[illegible]

[illegible] مشغول ہو جاتے ہیں...!

[illegible] اور [illegible] نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ان [illegible] اور
پراسرار [illegible] آٹھوں لڑکیوں نے بھی ان کی تقلید کی۔ پھر
اندرام نے نہ جانے ان ناچتی اچھلتی لڑکیوں سے کیا کہا کہ مشینی انداز
میں وہ سب یک بیک ساکت ہو گئیں اور چند ہی ثانیوں میں ان کے چہروں
کی تازگی اور شگفتگی [illegible] میں ڈھل گئی۔ [illegible] آنکھوں [illegible]
سی [illegible] کی [illegible] بھی کچھ [illegible] نظر آنے لگی تھی!

جھولداریاں [illegible] خاموشی کے ساتھ [illegible] اور
[illegible] جھولداری میں [illegible] تھا [illegible]

ہمراہ وہ پانچوں بھی تھے۔ باقی تمام لڑکیاں [illegible]
[illegible] تک جو فضا شور اور ہنگامے سے [illegible]

اب [illegible] سکوت طاری تھا۔ [illegible]
لگا۔ اس وقت [illegible] تمام کا [illegible]
[illegible] دوسرا ریوالور بھی لے لیا۔ اسی وقت مجھے [illegible]
[illegible] محسوس ہوئی اور میں طویل سانس [illegible]
اس وقت شاید یا جماعت [illegible] سا [illegible]
طاری تھا...!

جب سورج غروب ہو گیا تو وہاں اتنا گہرا اندھیرا [illegible]
[illegible] بھی نظر نہ آتی تھی۔ [illegible]
لے چکا تھا۔ وہ [illegible] سے پاک تھی۔ [illegible]
گیا۔ پچھلی پوری رات [illegible]
[illegible] کے بعد [illegible]
نہیں کیا تھا [illegible] غنودگی طاری ہونے لگی۔ [illegible]
کی اس شدید [illegible] مقابلے کی کوشش نہ کی کیونکہ مجھے معلوم ہو چکا تھا
اندرام اب کم از کم [illegible] اسی جگہ بسر کرے گا۔ [illegible]
آنکھ لگ گئی...!

نہ جانے وہ خواب تھا یا حقیقت... [illegible]
چیخ کی آواز سنی اور ہڑبڑا کر بیدار ہو گیا۔ چند ثانیوں تک [illegible]
[illegible] اور تجسس کے پیش نظر دراڑ سے [illegible]
[illegible] چیخ دوبارہ نہ سنائی دی۔ [illegible]
[illegible] زندگی کے آثار مفقود تھے۔ وہ لوگ بھی شاید سفر کی [illegible]
ہو کر گہری نیند سو رہے تھے...!

میں ابھی دراڑ کے دہانے پر ہی تھا کہ جھولداریوں کے قریب [illegible]
میں ایک مبہم سا انسانی ہیولا حرکت کرتا نظر آیا۔ [illegible]
رہ گئے اور میں نے بے اختیار دونوں ریوالور نکال لئے!

دراڑ کے دہانے پر پوری طرح تیار کھڑا ہوا تھا
وہ انسانی ہیولا جھولداریوں سے میری [illegible]
آ رہا تھا۔ میں اس [illegible] واقعے کی وجہ
کی [illegible] نجات پا چکا تھا اور میرے حواس پوری طرح کام کرنے لگے تھے
آخر کار میں نے اس ہیولے کو پہچان لیا۔ میرے ہاتھوں میں [illegible]
کے دہانے نیچے جھک گئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ لڑکی میرے روبرو آ پہنچی۔ اس کے [illegible]
میں ایک تھیلا جھول رہا تھا۔ اس نے ایک طویل سانس لیکر [illegible]
میرے حوالے کر دیا۔

[illegible]

بلند آہنگ آواز گونجی۔ وہ بار بار ہرے رام ہرے رام کا نعرہ مستانہ لگا رہا تھا!

میں دراڑ کے دہانے پر ایسی جگہ آ بیٹھا جہاں سے میں محفوظ رہتے ہوئے سارا منظر دیکھ سکتا تھا۔

جارحتی اندرام اپنی بڑی جھونپڑی کے باہر کھلی فضا میں کھڑا ہوا تھا حالانکہ اور زنجیریں بدستور اس کے آہنی ڈھانچے پر جھول رہی تھیں۔ اس کے گرد خوبصورت سفید فام لڑکیاں عقیدت کے ساتھ سینے پر ہاتھ باندھے داسیوں کی طرح کھڑی تھیں۔ اندرام کے نعروں سے درختوں پر بسیرا کرنے والے پرندے چونک چونک کر خوفزدہ آوازیں نکال رہے تھے۔ ندی کا شفاف پانی تھے سے چھلکتے سے الجھتا ہے آواز بہا جا رہا تھا!

اندرام نے پھر آہستہ آہستہ اپنے آہنی کڑوں اور چھلے کے باہمی ٹکراؤ سے سر جگانے کی کوشش کی اور جب اس آہنی جھنکار نے ایک سُر کی صورت اختیار کر لی تو اس نے آفاقی آہنگ میں ایک بھجن الاپنا شروع کر دیا۔

یہ اندرام کی نئی صبح کا ظہور تھا۔ سورج طلوع ہونے تک وہ بھجن اور مقدس اشلوک پڑھتا رہا اور سورج طلوع ہونے پر وہ زمین پر آلتی پالتی مار کر سورج کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا۔ لڑکیاں اس کے پیچھے حلقہ بند ہو گئیں۔ جرنیل سنگھ اور کرشن کمار کا کہیں پتہ نہیں تھا!

دو گھنٹے قریب سورج سر پر آنے سے قبل اندرام نے اپنی عبادت ختم کی ہی تھی کہ وہ ویرانہ کسی طاقتور جیپ کے انجن کے شور سے گونج اٹھا جیسے ساتھ ہی اندرام اور اس کی ساتھی لڑکیاں بھی بری طرح چونک گئیں ذرا دیر میں پولیس کی ایک جماعت وہاں آ پہنچی۔

میں خطرہ بھانپتے ہی خورد و نوش کے سامان کا تھیلا سنبھال کر اس دراڑ سے مخفی مچان پر کھسک گیا۔ شاید وہ لوگ بڑا راجپوت پال کے قتل کی تلاش میں اس طرف آئے تھے!

پولیس پارٹی کوشاید وہاں کوئی کارآمد سراغ مل سکا کیونکہ تھوڑی ہی دیر بعد میں نے اپنی کمین گاہ میں جیپ کے انجن کا دور ہوتا ہوا شور سنا اور اطمینان کا سانس لے کر دراڑ کی طرف واپس چلا آیا۔

شام کے وقت پہاڑی ندی کے کنارے تمیزے درختوں کے سائے میں اندرام نے ایک عجیب تقریب سجائی۔ وسط میں خشک لکڑیوں کا دھیما سا الاؤ روشن کیا گیا۔ اس کے گرد ساری لڑکیاں حلقہ بنائے بیٹھیں۔ کرشن کمار اور جرنیل سنگھ الاؤ کے روشن حلقے سے پرے کھڑے تھے۔ پھر اندرام گیروے رنگ کی دھوتی اور بیٹ سنگھی و آہنی زیورات کے ساتھ وہاں آیا۔

اندرام نے باری باری تمام لڑکیوں کے رخسار چوم کر انھیں گھیرا… الاؤ کے قریب جا بیٹھا اور ٹھوکر مار کر دہکتے ہوئے انگارے بکھیر دیے اور برہنہ پا انہی پر ٹہلنے لگا۔ اس کے گیروے پیروں والے گھنگرو چھنک اٹھے۔

"ہرے رام…!" انگاروں پر ٹہلتے ٹہلتے اندرام چیخا۔

سب لڑکیوں نے ہم آواز ہو کر یہی نعرہ دہرایا۔

"ہرے کرشنا ہرے رام…!" اندرام نے پوری قوت سے پکارا اور تیری کی بلاؤں سے جھنکار پیدا کی اور وہ ویرانہ ان کے وحشیانہ شور سے گونج اٹھا…!

اندرام خود ساختہ سازوں کے ماورائی آہنگ پر دیوانہ وار انداز میں گا رہا تھا اور انگاروں پر رقص کناں تھا۔ اس کی معتقد سفید فام لڑکیاں تالیاں بجا بجا کر والہانہ انداز میں اس کا ساتھ دے رہی تھیں۔ آہستہ آہستہ اندرام کی آواز، زنجیروں اور چھلے کا شور اور تیز ہوتا گیا اور اندرام کے قدم بجلی کی سی سرعت کے ساتھ دہکتے انگاروں پر اٹھنے لگے۔ لڑکیاں بھی سرور میں آ کر ناچنے لگی تھیں اور وہاں ایسا سماں بندھ گیا کہ میں خود کو اس ماحول کا ایک جزو سمجھنے لگا۔

شام کے سائے تیزی سے دراز ہوتے گئے۔ پھر جب تاریکی پہاڑوں کے اس پار کسی گمنام وادی میں جا سویا۔ سیر کرنے والے پرندے اپنے نشیمنوں کی سکون پرور آغوش کی تلاش میں پہاڑی ندی کے کنارے درختوں لیکن وہاں پھیلے شور و غل سے پریشان ہو کر دور کسی اور جنگل کی سمت پرواز کر گئے۔ اندھیرا گہرا ہوتا گیا۔ زمین پر بکھرے ہوئے انگارے سلگتی آنکھوں کی طرح چمک رہے تھے۔ ان کا دھیما دھیما سرخ اجالا سفید سفید نسوانی پنڈلیوں کو پُرکشش اور انگیز بنا رہا تھا۔ پھولے ہوئے عجیب تماشا دیکھا۔ اندرام اب تک آنکھیں موندے گا رہا تھا۔ پھر اس نے یک بیک آنکھیں کھول دیں۔ ناچتے ناچتے جب اس کا چہرہ میری جانب گھوما تو میں سہم کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی آنکھیں خون کبوتر کی طرح سرخ تھیں اور ڈھیلے حلقوں سے باہر ابلے محسوس ہو رہے تھے اور وہ دہکتے ہوئے انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ اندرام نے جب اپنے شعلہ بار نظریں کیں تو اس کے سامنے پڑے ہوئے نیم جاں انگارے اتنی تیزی سے دہک کر ان کے اوپر ہلکے ہلکے شعلوں کی لپک نظر آنے لگی۔ پھر جس جس طرف اس کا رخ بدلتا جا رہا تھا اسی طرح وہ منظر بھی دائرے کی شکل میں گھوم رہی تھی۔ نہ جانے اندرام کی نظروں میں وہ کیا مقناطیسی سحر پوشیدہ تھا کہ انگارے بھڑک بھڑک اٹھتے۔ آخر سرمستی میں لڑکیوں نے اپنے پجاری کا یہ روپ دیکھا تو ہتھیلیوں کی طرح دونوں ہاتھ جوڑ کر اس کی سمت جھک گئیں۔ جرنیل سنگھ اور کرشن کمار کے بدن کانپ رہے تھے اور وہ اندرام کے سامنے سجدے میں گرے ہوئے تھے…!

اندرام مزید کچھ دیر اسی طرح ناچتا رہا پھر یک بیک اس کے قدم رک گئے۔ اندرام کو بجنے لگی اور گونجتے ویرانے میں غیر فطری سا سناٹا چھا گیا۔ تمام بےآواز قدموں سے چلتا انگاروں سے زمین پر اتر آیا۔ اس کے پیچھے تمام لڑکیاں تیزی سے اس کی طرف لپکیں اور والہانہ انداز میں اس کے بدن سے چمٹ کر لپٹ گئیں۔ بدصورت، نحیف و نزار اور کریہہ رنگت پر بوسوں کی بوچھار کر دی…!

اندرام ان کی سرگرمیوں پر اپنا سکون زیادہ دیر برقرار نہ رکھ سکا۔ اس نے ایک گہرا سانس لے کر ان سب کو اپنی باہوں میں سمیٹ لینا چاہا مگر وہ کمزور اور باقوت سہی مگر اس کی دسترس اتنی وسیع نہ تھی۔ اس نے اپنی حرکت پر نادم ہو کر لڑکیوں کو چند بجاتیوں بعد چھوڑ دیا اور اپنی جھونپڑی کی طرف چل دیا۔

اس دوران میں جرنیل سنگھ اور کرشن کمار بھی اپنا اپنا شکار چن چکے تھے۔ اندرام کے جھونپڑی میں داخل ہوتے ہی وہ دونوں جس تمام کی ان انجرہ میں گھر گئے۔ وہ راجہ اندر کی طرح مسند پر بیٹھا جھیلوں کے نول میں گھرے ہوئے تھے مگر ان کی توجہات اپنے مخصوص نشانوں پر مرکوز تھیں!

پھر وہ دونوں بھی اپنی ساتھیوں کو لے کر تاریکی میں کسی طرف نکل گئے۔ باقی لڑکیاں کھلے آسمان تلے الاؤ کی سرخی میں تنہا رہ گئیں۔ ان کی تعداد کافی تھی مگر پھر بھی وہ تنہا تھیں۔ اُن کی مسرت کا کوئی سامان نہ تھا۔ مگر پھر بھی وہ اندرام کی قناعت کی تلقین پر یقین رکھتی تھیں۔ ان کے لبوں پر گیت اور مسکراہٹیں آگئیں۔ دبے دبے جذبات کی طرح چند شعلے بھڑکے اور فضا میں دھوئیں کی ہلکی لکیریں تیرنے لگیں۔

میں دراڑ میں ایک چٹان کے سہارے اپنی پشت ٹکا کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ یہ سب کچھ سہی مگر ایک انسان ہی تھا جو اپنے جذبوں کی بےپناہ قوت کے سامنے کسی حقیر کیڑے کی طرح بےبس ہو جاتا ہے۔ میرے دل میں بھی جوانی کا جوالا مکھی دہک رہا تھا مگر میں مجبور تھا…!

اچانک دراڑ کے دہانے کے قریب ہلکی سی آہٹ سنائی دی اور میں گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"شیر علی… !" اس کی ایک نرم سرگوشی ابھری اور میں کسی بیمار پچھتائے ہوئے قدموں دراڑ کے دہانے کی طرف بڑھ گیا۔

آنے والی میری موجودگی کی رازدار وہی سرخ بالوں والی لڑکی تھی جس کے لئے میرا دل بار بار تڑپ اٹھتا ہو چکا تھا!

مجھے دیکھتے ہی وہ تیزی سے دراڑ میں گھس آئی۔

"مجھے افسوس ہے کہ اندرام نے آج کی رات مجھے منتخب نہیں کیا!" اس نے سرگوشی کی۔ "شاید آنے والی رات

تمہارا مقدر یاوری کر جائے…!"

"مجھے اس کی پرواہ نہیں!" وہ میرے سینے میں منہ چھپاتے ہوئے بولی "اور آنے والی رات بھلا کس نے دیکھی ہے؟ وہ آج ہی رات ظالم تقدیر کے ہاتھوں پر نکل جائے گا…؟"

"آج رات…؟" میں نے چونک کر اسے اپنے سینے سے الگ کر دیا۔

"ہاں آج رات… جہنم میں جائے وہ! آؤ ہم بھی اس رات کا جشن منائیں…!"

میں اس سے اندرام کے پروگرام کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا مگر وہ اتنی جذباتی ہو رہی تھی کہ اگر میں اس کے مطالبے کو نظرانداز کرنے کی کوشش کرتا تو وہ اسی وقت ایک ہنگامہ کھڑا کر دیتی اور شاید میری موجودگی کا راز بھی افشا ہو جاتا…!

میں نے فوری طور پر اپنے اہم ترین مقصد کو پس پشت ڈال دیا اور خود کو اس لڑکی کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

اور جب اسے اپنے وجود کی نسوانی وحشت سے نجات ملی تو وہ ذہنی و جسمانی طور پر تھکن سے چور ہو چکی تھی!

"اندرام آج کہاں جا رہا ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"آج دوپہر پولیس ادھر آئی تھی۔ شاید تم نے بھی دیکھا ہو؟"

"نہیں… دو پہر کے وقت میں ندی پر غسل کرنے کی نیت سے کافی آگے نکل گیا تھا۔" میں نے دانستہ جھوٹ بولا۔

"اندرام غیر ملکی سیاحوں میں بہت زیادہ مقبول ہے اور اس کے ساتھ رہنے والی لڑکیاں کھٹمنڈو سے آرہی ہیں۔ پولیس بڑے پال کے قتل کے سلسلے میں کوئی سراغ پانے کی کوشش میں یہاں آئی تھی اور انھوں نے اندرام سے کافی دیر تک سوالات بھی کئے تھے۔"

"کوئی نتیجہ…؟"

"نتیجہ کیا رہتا… وہ لوگ تو چلے گئے اور اب اندرام یہاں مزید رکنا نہیں چاہتا۔ اسے اندیشہ ہے کہ پولیس بڑے پال کے قتل کے سلسلے میں اسے بھی ملوث کرنے کی کوشش کر سکتی ہے۔"

"وہ کیوں؟" یہ اطلاع میرے لئے حیران کن تھی۔

"مقامی لوگ اندرام کی باغیانہ تعلیمات سے سخت متنفر ہیں اور اس امر سے حکام بھی واقف ہیں ہو سکتا ہے کہ اندرام سے نمٹنے کے لئے وہ اس بہانے کی آڑ لیں…!"

بات معقول تھی لہٰذا میں خاموش ہو گیا!

جب وہ میرے پاس سے رخصت ہو گئی تو میں نے خورد و نوش کے تھیلے میں موجود دونوں ریوالور ٹٹولے… اور اپنی کمین گاہ سے نکل گیا۔ جھونپڑیوں کے باہر کا الاؤ بھی اب تک بجھ چکا تھا لیکن

اندر سے آنے والی آوازوں سے پتہ چل رہا تھا کہ یہ رات وہاں قریبی بستی میں بسر ہوگی۔

میں بہت احتیاط کے ساتھ چھپتے چھپاتے اندرام کی بڑی پھلواری کے عقب میں پہنچا اور کافی تلاش کے بعد آخر باڑ کے ایک سوراخ کے ذریعے اندر جھانکنے میں کامیاب ہو گیا۔

اندر ایک چھوٹی سی چارپائی پر ایک چاپ سے بے خبر سو رہا تھا۔ اندھیرا ہونے کے باوجود میں یہ اندازہ لگانے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ اندرام نہیں ہو سکتا۔ پھر میں نے دوسرے رخ سے بھی پھلواری میں جھانکا لیکن وہاں اس خبیث جادوگر کا کہیں پتہ نہیں تھا!

اس وقت مجھ پر شدید جھلاہٹ سوار تھی۔ لڑکی کی ضد کے باعث جس نے کافی وقت ضائع کر دیا تھا اور میری تمام محنت کے باوجود شکار مجھے چکمہ دے کر صاف نکل گیا تھا۔

میں نے پھلواری سے ہٹ کر اطراف و جوانب میں نگاہ دوڑائی مگر دور دور تک درختوں کے ساکت ہیولوں کے سوا کسی کا وجود نہ تھا۔

میں کچھ دیر تک اسی جگہ کھڑا سوچتا رہا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ مجھے اتنا تو یقین تھا کہ اندرام کے سفر کی سمت کے بارے میں چوبان سنگھ اور کرشن کمار سے کچھ نہ کچھ معلوم ہو سکے گا!

پھر تیسرے پہر کے باری باری دونوں پھلواریوں میں جھانکا۔ ایک میں تمام بستی کی لڑکیاں رسم کے مطابق کروٹیں بدل رہی تھیں، دوسری پھلواری میں وہ دونوں شخص اپنی متوقع سرگرمیوں میں مصروف تھے!

میں اس وقت سوچ بچار میں زیادہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں دونوں دیوار اور دل کی زد میں ان سب کو للکاروں گا اور خونریزی کی پروا کئے بغیر چوبان یا کرشن سے اندرام کے بارے میں معلوم کروں گا۔ مگر عین اس وقت جب میں پھلواری کے عقب کی طرف بڑھ رہا تھا اسی کا دروازہ کھلا اور اگلے ہی لمحے میں کرشن کمار باہر آ گیا۔ میرے لئے یہ سنہری موقع تھا جب قسمت ساتھ دے تو انسان کو بہت سے خطرات سے گریز کرنا چاہئے۔ لہٰذا میں دوبارہ آڑ میں ہو گیا!

کرشن کمار ہاتھ میں ایک جگ لئے شاید پانی لینے ندی کی طرف ہو لیا۔ میں بھی پوری احتیاط سے اس کے پیچھے چل پڑا۔

جب کرشن کمار جگ بھرنے کے لئے ندی کے کنارے بیٹھا تو میں نے پیچھے سے جا کر اس کا منہ پوری قوت سے اپنی ہتھیلی سے دبوچ لیا اور ریوالور کی ٹھنڈی نال سے اس کے رخسار کی ہڈی پر مضبوطی سے دبا کر دھیمی آواز میں غرّایا۔

"اگر ذرا بھی شور کرنے کی کوشش کی تو بھیجا اڑا دوں گا۔"

اس دھمکی کے بعد میں نے اس کے دہانے سے ہاتھ ہٹا دیا!

"مت... تم کون ہو؟" یہ جملہ تاریکی میں خوف کو موت سے ملا پا کر کرشن کمار کی گھگھی بندھ گئی۔

"صفدر علی... بدلہ قاتل!" میں نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں کہا۔

"مت... تم کیا چاہتے ہو؟" وہ ہکلایا۔

"اندرام کس طرف گیا ہے؟"

"وہ بڑی پھلواری میں ہے۔"

"وہ وہاں نہیں ہے۔" میں ایک ایک لفظ چبا کر بولا۔ "مجھے بتاؤ کہ اسے کس سمت میں سفر کرنا تھا۔" میں نے چیخ کر پوچھا۔

"وہ ندی کے اس پار ستیا وادی کے ویران کھنڈروں کی طرف گیا ہے۔" وہ ندی کے دوسرے کنارے پر پھیلے ہوئے گھنے جنگلات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"کیا وہ ندی میں تیر کر گیا ہوگا؟" میں نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں... آگے ندی کا پاٹ بہت کم ہے۔ وہاں پتھروں کا پل بنا ہوا ہے۔" وہ شمال کی طرف سر اٹھا کر بولا۔ اس کے لہجے میں بے بسی ضرور تھی مگر میں کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھا۔

"اٹھو... اندرام کے ٹھکانے تک تمہیں میرے ساتھ رہنا ہوگا۔ اگر مجھے بھٹکانے کی کوشش کی تو میں بے دریغ یہ ساری گولیاں تمہارے جسم میں اتار دوں گا۔" میں نے ریوالور کی نال اس کی کنپٹی سے لگاتے ہوئے کہا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔" وہ ڈری ڈری آواز میں بولا۔ "اس وقت ادھر کا رخ کرنا بھی خطرناک ہے۔ ایک دو میل آگے گھنے جنگل گیدڑ اور بھیڑیوں سے بھرے ہوئے ہیں، تم بھی ادھر نہ جاؤ، بے موت مارے جاؤ گے!" وہ پیچھے اٹھا تو اس کا بدن کانپ رہا تھا۔

"اور اندرام خودکشی کرنے ادھر گیا ہے۔" میں نے جھنجھلا کر اس کی کمر پر ٹھوکر ماری۔

"وہ اوتار ہے... اس کی نظروں میں عجیب طلسم ہے، وہ جسے ایک بار پھر کر دیکھ لیتا ہے وہ اس کا تابع ہو جاتا ہے۔ تمہارا ریوالور کب تک تمہارا ساتھ دے گا... اگر ہم پر گیدڑوں کا کوئی غول آ پڑا تو وہ چار مر بھی گئے تو باقی مشتعل ہو کر ہمارے ٹکڑے اڑا دیں گے۔"

"تیزی سے چلو... اگر جان پیاری ہے تو اس جنگل میں گھسنے سے پہلے ہی مجھے اندرام تک پہنچا دو... ورنہ میرا اور تمہارا حشر ایک ہی ہوگا!" اور وہ چپ چاپ دبے پاؤں آگے بغیر میرے آگے آگے ہو لیا!

ندی کے کنارے کنارے وہ شمال کی سمت میری رہنمائی کر رہا تھا۔ خوف سے اس کا برا حال تھا۔ بدن بری طرح کانپ رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ کہیں تنہا... کئی بار وہ لڑکھڑا کر منہ کے بل گرتے گرتے بچا۔ مگر وہ بڑی احتیاط سے

اسے میری جانب سے ہر لمحہ کسی انتقامی اقدام کا خطرہ تھا! "تم کون ہو؟ ... تمہیں یہ پتہ نہیں کہ صفدر علی نے گھنٹہ گھر میں کئی خون کئے تھے؟" کچھ دیر خاموش چپ رہنے کے بعد اس نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

"ہاں... اور اس تعداد میں کسی بھی لمحہ ایک کا اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔" میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔

"بھگوان کے لئے ایسی باتیں نہ کرو...!" وہ تقریباً رو دیا۔ "تمہیں کیا مشکل ہو رہا ہے؟"

"اندرام ستیا وادی کے کھنڈروں کی طرف کیوں گیا ہے...؟"

"بھگوان جانے... وہ ہر پورن ماشی کو جاتا ہے... مگر اس کی اصل منزل کسی کو معلوم نہیں!"

"وہ اس بار تین دن کے بجائے ایک ہی دن میں یہاں سے کیوں چلا گیا؟"

"وہ بڑی شکتیوں کا مالک ہے، شاید اسے معلوم ہو چکا تھا کہ تم اس کا پیچھا کر رہے ہو... مگر تم کتنا بھگا رہے ہو اوتاروں کی باتیں کیا جانیں؟"

میں نے اسے تیز رفتاری سے چلتے ہوئے ہم جلد ہی اس مقام پر پہنچے جہاں ندی کا پاٹ اچانک بہت تنگ ہو گیا تھا گرتے پانی کے شور سے پتہ چل رہا تھا کہ یہاں ندی کی گہرائی بہت زیادہ ہے۔ ایک چٹیل پتھر پر جنگلی جھیلوں کو کناروں پر جا کر ندی عبور کرنے کا راستہ بنا لیا گیا تھا۔ اسے عبور کر کے ہم دوسرے کنارے پر پہنچے اور آگے بڑھنے لگے!

تقریباً ایک گھنٹے تک ہم اس دشوار گزار اور تاریک جنگل میں بڑھتے رہے۔ پھر اچانک میرے کانوں میں آہنی زنجیروں کی ہلکی ہلکی سی آواز آئی جیسے کوئی زنجیروں والا ڈھیلا ڈھالا زرہ پہنے پیدل چلا جا رہا ہو!

"دھارشی، مہارشی قریب ہی ہیں!" کرشن کمار وہ آواز سنتے ہی ٹھٹک گیا۔

"اور آگے...!" میں نے اسے دھکا دیا۔ "جب تک مجھے یقین نہ ہو جائے تم واپس نہیں جا سکو گے۔"

ہماری رفتار تیز تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ آوازیں آتی رہیں اور واضح ہو گئیں جیسے کوئی گھسٹ رہا ہو۔ ساتھ ہی اندرام کے گنگنانے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ شاید وہ ہم سے کچھ ہی فاصلے پر مترنم لہجے میں گنگناتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا!

پہلے میں نے سوچا کہ کرشن کمار کو ختم کر دوں مگر اس میں اندیشہ تھا کہ اگر یہ شور مچا یا گلا گھونٹنے کی صورت میں کرشن کمار کی چیخ و پکار سے اندرام ہوشیار ہو جاتا اور میرا کام مشکل ہو جاتا۔ اتنی دیر میں مجھے یہ اندازہ تو ہو چکا تھا کہ کرشن کمار اتھاہ ڈرپوک ہے اور ذرا بھی خطرہ مول لینا پسند نہیں کرے گا۔

"بس اب تم یہیں سے لوٹ جاؤ!" میں نے ٹھہری ہوئی آواز میں اسے حکم دیا۔ "اگر ذرا سی بھی بدمعاشی کی تو پاتال میں بھی نہ چھوڑوں گا۔"

وہ ایک ثانیہ گنوائے بغیر واپس مڑا... اور تقریباً دوڑتا ہوا واپس ہو لیا!

میں ریوالور بدست آہنی زنجیروں کی آواز پر اندرام کے تعاقب میں بڑھتا رہا۔

تھوڑی ہی دیر بعد فضا میں گیدڑوں کی خوفناک بھری آوازیں سنائی دینے لگیں۔ پہلے ایک آدھ آواز ابھری، پھر ان کا غول کا غول رونے لگا۔ یہ آوازیں گو کافی دور کی تھیں مگر میرا اندازہ تھا کہ سفر اگر اسی رفتار سے جاری رہا تو ایک آدھ گھنٹے بعد ہی اس خطرناک علاقے میں جا پہنچوں گا۔

یہ سوچتے ہوئے میں نے اپنی رفتار تیز کر دی تاکہ اندرام سے قریب ہی رہوں اور زنجیروں کی آواز کو گنوائے بغیر اس کا تعاقب کر سکوں۔ اگر جنگلی درندوں کے شور میں اندرام کی مالا کی آواز دب جاتی تو میں ایک بار پھر بے یار و مددگار رہ جاتا۔ مجھے ستیا وادی کا راستہ بھی معلوم نہیں تھا۔ ایک بار اندرام کو کھو دینے کے بعد میرے لئے تو لوٹ کی واپسی یا جنگلوں میں بھٹکنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہ جاتا!

اندرام کے گنگنانے کی آواز ڈوب ڈوب کر ابھر رہی تھی۔ وہ عجیب بے خوف آدمی تھا کہ اس قدر کٹھن اور پرخطر راستے پر رات کے پر ہول اندھیرے میں یوں بے دھڑک چلا جا رہا تھا۔ میرے لئے تنہا اس سفر کا تصور بھی لرزہ خیز ہوتا۔ مگر اب مجھے یہ آسانی تھی کہ مجھ سے آگے ایک اور آدمی اور راستہ کا راہی ہے!

کچھ ہی دیر بعد میری نگاہ دور تک لائی۔ خودرو جھاڑیوں، درختوں اور جنگلی بیلوں کے درمیان اندرام کا تاریک ہیولا یکساں رفتار سے آگے بڑھتا نظر آیا...!

جنگلی گیدڑ اور بھیڑیے اب قریب و جوار میں بول رہے تھے۔ ان کی پر ہول آوازوں نے پورے جنگل کو سر پر اٹھا رکھا تھا۔ آنے والے نامعلوم مگر مہیب خطرات کے تصور سے میرے بدن پر چیونٹیاں سی رینگ رہی تھیں۔ مجھے اب تک توقع تھی کہ شاید اندرام جنگلات سے پہلے کہیں رکے گا لیکن وہ خبیث تو کسی بدروح کی طرح گھنے جنگلات میں گھستا ہی جا رہا تھا۔ اسے اپنی ذات پر حد سے زیادہ بھروسہ تھا مگر میرے لئے کسی مافوق الفطرت یا پراسرار تحفظ کا خیال ہی احمقانہ تھا۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اسے آگے بڑھنے سے کیوں کر روکا جائے...!

پھر چلتے چلتے اچانک اندرام نے چیخنا چلانا شروع کر دیا اور زور زور سے ہرے کرشنا ہرے رام الاپنے لگا۔ یہ آوازیں خوفناک سناٹے میں دور تک گونجتی چلی گئیں۔ گیدڑوں کا شور یک بیک تیز ہو گیا، ساتھ ہی جنگل میں درندوں کے ادھر اُدھر بھاگنے کی آوازیں آنے لگیں۔

شدید خنکی کے باوجود اس وقت میرا بدن پسینے میں نہایا ہوا تھا مگر اندرام کی نامعقول ترین حرکتوں کی وجہ سے میرے اعصاب قدرے بحال ہوئے۔ اندرام بلاشبہ ان جنگلی درندوں کی نفسیات سے خوب واقف تھا۔ ایسے جانور شور و غل سے خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلتے ہیں۔ اگر وہ خاموشی سے چلتا رہتا تو یقیناً کہیں نہ کہیں لقمۂ اجل بن گیا ہوتا لیکن اپنی ذات اور تجربے پر اعتماد کے باعث اب وہ ہر طرح محفوظ تھا اور اس کا یہی تجربہ اس کے اندھے معتقدین کے لیے روحانی قوتوں کا کرشمہ قرار پاتا۔

میرے اور اندرام کے درمیان بمشکل چند دس منٹ کا فاصلہ تھا۔ اندرام پوری قوت سے شور و غل مچاتا آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ آخر کار جنگل کے ایسے حصے میں جا پہنچے جہاں جانوروں کی آوازیں نہایت قریب سے سنائی دے رہی تھیں۔ اندھیرے میں ان کی بڑی بڑی سرخ آنکھیں چمکتیں پھر وہ خوفزدہ آوازیں نکالتے کسی طرف بھاگ جاتے۔ ایک مرتبہ کوئی طاقتور درندہ بھڑک کر میری دائیں طرف کی جھاڑی سے نکلا اور پوری قوت سے مجھ سے ٹکراتا آگے نکلتا چلا گیا۔ میں اچھل کر ایک درخت کے تنے سے جا ٹکرایا۔ اس وقت میں نے بڑی مشکل سے اپنی چیخ ضبط کی۔ جب میں اٹھا تو میرے تھیلے کا سامان منہ بند ہونے کے سبب محفوظ رہ گیا تھا ورنہ اس آفت ناگہانی میں میری یہ ساری پونجی بکھر کر رہ جاتی۔

وہ گھنا جنگل شیطان کی آنت کی طرح وسیع تھا۔ پوری رات میں اسی خوف آور ماحول میں اندرام کا تعاقب کرتا رہا اور وہ خبیث بڈھا کسی نہ تھکنے والی بلڈوزر کی طرح چیختا، گاتا، اچھلتا کودتا آگے بڑھتا رہا... سنتیا وادی کے ویران غاروں کی طرف...!

خدا خدا کر کے آسمان پر سپیدی کے کچھ آثار نمودار ہوئے، جنگلی جانوروں کا شور ماند پڑنے لگا اور میں نے اندرام سے فاصلہ کچھ زیادہ کر لیا۔

پو پھٹی طلوع ہونے کے بعد ہم جنگل کی حدود سے نکلنے لگے۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ اندرام کا تعاقب کرنے والے کامیابی سے کیوں ہمکنار نہ ہو سکے۔ یہ تو میں سن چکا تھا کہ اندرام ہر برس نواکوٹ سے آگے کے سفر پر کسی اندھیری رات ہی میں نکلتا ہے۔ پھر بھلا اس خوفناک جنگل میں کس کا پتہ تھا جو خونخوار جانوروں کے سامنے اپنی چیخوں پر قابو پا سکے... اور یوں اندرام ہمیشہ پوری بے فکری سے اس جنگل کے پار جا نکلتا تھا اور اس کا پیچھا کرنے والے یا تو راستے سے ہی لوٹ جاتے یا جنگلی درندوں کا لقمہ بن کر رہ جاتے۔

وہ بھیانک جنگل پیچھے رہ گیا۔ اب میرا کام بہت کٹھن ہو ... سامنے چھوٹے چھوٹے ٹیلوں سے بھرا ایک میدان پھیلا ہوا تھا جس کے پس منظر میں سر بفلک چوٹیاں چمک رہی تھیں۔ اس میدان میں اندرام کی عقابی نظروں سے بچنا بہت مشکل کام تھا...!

وہ بے تکان چلا جا رہا تھا اور میں اس کے پیچھے تھا کہ اچانک وہ پیچھے پلٹ پڑا۔ میں جس حالت میں تھا اسی طرح کھڑا رہ گیا۔

"صفدر...!" سنسناتے ہوئے ویرانے میں اس خبیث کی آواز ... "آخر تو میرے پیچھے یہاں تک آ ہی پہنچا ہے...!" اس کے لہجے ... کر وہ پہلی ہی نظر میں مجھے پہچان چکا ہے!

"مہارشی جی...!" میں نے موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے ... ہی مناسب سمجھا۔ "میں نے گیان کی خاطر اپنا گھر بار تیاگ دیا ہے... مگر تمہاری مدد کے بغیر یہ سب بیکار ہے...!"

"اپنا گھر بار تیاگا ہے یا دوسروں کا..." وہ چنگھاڑا۔ "جیسے ... میرے پاس تھا اور تو میری ہمدردی جیتنے میرے پاس آیا تھا ... بننے جا رہا تھا تو مجھ سے بڑا مورکھ ... نے ان رنگ رنگ وادیوں میں انسانی لہو کا بیوپار کیا۔ اپنے ... جو کر ٹھکانے لگایا اور اب میرے سامنے ... رہا ہے..."

"مہاراج مجھے کسی بڑی کرامت کو آزمانا تھا سو پیچھے آیا ہوں، مجھے مایوس نہ کرو...!" میں نے اپنے لہجے میں عقیدت پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"میں چہروں سے دل کا حال جان لیتا ہوں مورکھ!" وہ ... بڑبڑا کر غرایا۔ "میں جانتا ہوں کہ جب مجھ سے تیرا کام نکل جائے گا تو ... تیرے وار سے نہ بچ سکوں گا..."

"اگر تم یہ سمجھتے ہو تو تمہارا علم جھوٹا ہے...!" مجھے ... آ گیا تھا۔

"خاموش...!" اندرام چیخ کر گرجا۔ "لوٹ جا اسی جگہ ... برباد کر دوں گا...!"

میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا تھا۔ ... پیدا ہونے لگی... ایک بجلی سی وحشت چھانے لگی... پوری کائنات اندرام کی ... میں سمٹتی جا رہی تھی... وہ پلکیں جھپکائے بغیر مجھے گھور ... طاری ہو رہی تھی۔

معاً مجھے خیال آیا کہ اندرام تنویم کا ماہر ... سے اب ... چار کرنے والے اس کے سامنے کسی بے بس مردے کی طرح بے بس ہو جاتے ... وہ مجھے باتوں میں لگا کر تنویمی کیفیت میں لانا چاہتا ہے ... ہو گیا تو میں گیا، بھاندرناس، انا پورنا کی وادیوں اور خود اپنے ... جاؤں گا۔ اندرام مجھے سوتا چھوڑ کر کہیں روپوش ہو جائے گا اور جب میرے حواس بحال ہوں گے تو مجھے صرف وہی یاد ہو گا جو اندرام چاہے گا۔

اس وقت تک میرے حواس قدرے مغلوب ضرور ہو گئے تھے مگر قوت ارادی بیدار تھی۔ میں نے قوت ارادی سے کام لے کر نظریں جھکا لیں اور چند ہی ثانیوں میں ذہن سے ساری دھند صاف ہو گئی...!

اسی وقت اندرام نے اپنا فولادی آہنی پنجہ کسی تیرے کی طرح میرے سینے پر چلایا لیکن میں اس کی آہنی مالاؤں کی جھنکار سے قبل از وقت سنبھل چکا تھا۔ پنجے کے عمل زمین میں دھنستے چلے گئے اور میں نے پھرتی کے ساتھ اپنے تھیلے کا منہ کھول کر پستول نکال لیا۔

"اندرام... اب جو بھی ہو گا تم ہی بھگتو گے۔" میں نے اس پر پستول سیدھا کر لیا مگر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے سے گریز کرتا رہا۔

"مرد ہے تو نظریں چار کر کے بات کر... پھر دیکھتا ہوں کہ کیا ہوتا ہے۔" وہ میری مکاری بھانپ کر تیز لہجے میں بولا۔

"اب شعبدے نہیں طاقت کام کرے گی دیسی پوپ!" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "منشیات کا عادی بنا کر چیلوں پر حکم چلانا دوسری بات ہے۔ یہ حربہ صفدر علی پر کام نہیں کرے گا...!"

"ان پہاڑوں میں کیا نہیں ہے!" اندرام غیر متوقع طور پر پُرسکون ہو گیا۔ "دانا پورہ کی وادیوں میں پوشیدہ ان ... جن کا تاؤ دیے بغیر کیمیا کا نکھار نہیں آتا۔ دھول گرنگی برفانی جھیلوں کے کنارے پارس پتھر ہے جس کا لمس لوہے کو کندن بنا دیتا ہے۔ جا اور یہ سب ڈھونڈ لا۔" اندرام نے آج تک طاقت کی غلامی نہیں کی۔ وہ تجھ جیسے چھوکرے سے کیا دبے گا۔"

"میں تجھے مفلوج کر کے یہاں سسکنے کو پھینک دوں گا تو موت کو ترسے گا مگر موت تجھ سے دور بھاگے گی... اس بار تیرا ٹکراؤ مجھ سے ہے اندرام مجھ سے...!"

اندرام نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا اور بولا۔ "تو مجھے ابھی نہیں سمجھا صفدر... مجھے بھاندرناس کا سراغ چاہیے اور تجھے دنیا میں کوئی نہیں ملے گا جو قسم کھا کر کہے کہ اس نے بھاندرناس دیکھی ہے، ... سچ بھی ہے...!"

"میں جانتا ہوں کہ تیری منزل دریچی وادیاں ہیں... تو لوگوں کو سنتیا کے ویران غاروں کا فریب دیتا رہا ہے... اگر تو یوں مجھے نہ دیکھ لیتا تو میں تیری منزل تک جا پہنچتا اور خود ہی بھاندرناس تلاش کر لیتا۔"

"خود ہی تلاش کر لیتا...!" اس نے استہزائیہ انداز میں دہرایا۔ "بھاندرناس جس سر زمین پر اگتی ہے وہاں ... کسی اجنبی کا سایہ بھی پڑ جائے تو اسے فلک بوس ... اور میں ڈال رہا ہوں مگر وہ بوٹی ان کے نزدیک اتنی مقدس ہے کہ وہ ایسے اجنبی کا گوشت کھانا بھی حرام سمجھتے ہیں۔"

"میں ہر قیمت پر وہ بوٹی حاصل کر کے رہوں گا...!"

"میں اپنی منزل کی طرف گامزن ہوں، تیرا دعویٰ ہے کہ وہاں پہنچ کر تو خود بھاندرناس تلاش کرے گا تو چل یوں ہی سہی، مجھے اعتراض نہیں۔"

"یہ مکر کا نیا جھانسہ ہے؟"

"اندرام جھوٹ نہیں بولتا... اور تو نے میرے ساتھ چالبازی کی تو یاد رکھ کر تو انہی وادیوں میں سسک سسک کر مر جائے گا۔"

میرے پستول کی نال نیچے جھک گئی... "تیرا کہا اس وعدے پر بھی مجھے کوئی چال معلوم ہوتی ہے۔"

"میں صاف کہتا ہوں کہ میں قسمت کا قدردان ہوں... تو یہاں تک پہنچا تو میں تجھے سنتیا وادی بھی لیے چلتا ہوں، لیکن یہ پھر بتا دوں کہ تو بھاندرناس خود کبھی نہ پا سکے گا۔"

"یہ میرا مقدر ہو گا... اگر میری موت انہی پاک وادیوں میں لکھی ہے تو آ کر رہے گی۔"

اور یوں جیار شعبدی اندرام سے میرا سمجھوتا ہو گیا... اس نے شروع ہی میں مجھے خبردار کر دیا کہ سنتیا وادی کا سفر طویل اور صعوبتوں سے پُر ہے۔ پہاڑوں کے سینے میں چھپے چشموں کا ٹھنڈا پانی تو مل سکے گا لیکن کھانے کے لیے کچھ میسر نہ ہو گا۔ لہٰذا میں خوراک کی طرف سے بہت زیادہ محتاط ہو گیا۔ اندرام کے پاس اس سفر کے لیے زادِ راہ کے طور پر کچھ بھی نہ تھا۔ اس بارے میں میں نے اس سے پوچھا تو وہ ہنس دیا اور مجھے بتایا کہ وہ بغیر کھائے پئے کئی روز تک چاق و چوبند رہ سکتا ہے...!

کئی دن تک یہ سفر جاری رہا۔ دشوار گزار اور جان لیوا پہاڑی ڈھلانیں، گھنے جنگلات، بظاہر بے ضرر نظر آنے والے دلدلی قطعات ہماری راہ میں حائل ہوتے مگر اندرام کی رفتار یکساں رہی۔ میں نے اسے کھاتے دیکھا نہ پیتے۔ اس کی جسمانی حالت بھی جوں کی توں تھی اور وہ دن رات سفر جاری رکھنے پر تلا ہوا تھا۔ لیکن چند دن اس طرح گزرنے پر میری حالت سخت ابتر ہونے لگی۔ میرا دم پر دم آ گیا... اعصابی قوت بری طرح اضمحلال کا شکار ہو گئی۔ آنکھوں میں بے خوابی کے باعث سوزش اور ورم کی شکایات پیدا ہو گئیں... شدید خواہش کے باوجود میں سونے کی ہمت نہ کر سکا۔ ہر آن مجھے یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں اندرام سوتے میں میرا کام تمام نہ کر دے یا مجھے چھوڑ کر فرار نہ ہو جائے۔ ہاں ہر دو چار گھنٹے بعد میرے ہی اصرار پر وہ کہیں رک جاتا... ہم ... کرتے، پھر آگے چل دیتے...!

جب تیسری رات کا اندھیرا پھیلنے لگا تو میری ہمت جواب دے گئی۔ میرے لئے ایک قدم بڑھانا بھی دشوار ہونے لگا۔ میں نے بے بسی کے ساتھ اندرام سے منزل کا پتہ پوچھا تو اس نے بتایا کہ گھاٹیاں اترنے چڑھنے کی وجہ سے ابھی طویل سفر باقی ہے۔

"اندرام! تم مجھ سے دشمنی تو نہیں کرو گے؟" کچھ دور چلنے کے بعد میں نے لرزتی آواز میں اس سے پوچھا۔

"میں تمہیں ستیا وادی تک پہنچانے کا پابند ہوں۔"

"میں یہ رات سو کر بسر کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

اس نے میری پشت تھپکی اور بولا "تیری حالت بتا رہی ہے کہ تو خواب دیکھ رہا ہے۔ خود مرنے کا مشورہ دیتا تو تو مجھے شیطان سمجھتا۔ آرام سے سو جا، صبح تو مجھے اپنے قریب ہی پائے گا۔"

میں اسی جگہ زمین پر دراز ہو گیا۔ اندرام تھوڑی دور ایک چٹان سے اپنی پشت ٹکا کر وہیں بیٹھ گیا۔ موت اور ناکامی کے خوف سے کئی گھنٹے میں سو نہ سکا۔ اندرام کو آرام کرنے کے بجائے بظاہر بیدار دیکھتا رہا لیکن اس کی نظریں اسی پر جمی رہیں مگر وہ تو ایسے بیٹھا ہوا تھا جیسے اسی حالت میں منجمد ہو گیا ہو۔۔۔ پھر آخرکار میری آنکھ لگ گئی۔

اگلی صبح میں بیدار ہوا تو اندرام میرے قریب ہی موجود تھا۔

"تم واقعی عظیم ہو اندرام!" میں نے پہلی بار اس حیثیت کے لئے اپنے دل میں جذبۂ تشکر جاگتا محسوس کیا۔

"ہم ستیا وادی کے رہنے والے لوگ ایسا ہی ہیں۔۔۔ ہم پاپ پر عمل تو کرتے ہیں مگر ہمارے بھگوان کی بات پر ہم جھوٹ بولنے پر آ گئے تو کوئی سامنا نہیں کر سکتا۔ جس دن ہماری زبان پر جھوٹ آیا، ہماری سادھنا برباد ہو جائے گی، زندگی بھر کا تپ بیکار ہو جائے گا۔"

"جب تمہارا دل اتنا صاف ہے تو پھر یہ جسم کیوں نہیں کھاتے ہو؟"

"مہاندر ناس تک پہنچا دوں؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں!"

"نہیں۔" اس کا لہجہ اٹل تھا۔ "یہی میرا عہد ہے کہ میں کسی کو توڑ کر مہاندر ناس تک نہ لے جاؤں گا۔ ستیا وادی کے لئے بھی میں یوں تیار ہوا کہ مجھے یہ پتا کی تھوک ہے اور میں نے اپنی ذات پر ایسا تھوک اور ناقابل نفرت خول مڑھا ہوا ہے کہ اس میں سے گزر کر کوئی میرے دل کے قریب نہیں آ سکتا۔"

اور اس وقت مجھے احساس ہوا کہ اندرام بھی دکھی ہے۔۔۔ وقت

کے بے رحم ہاتھوں نے اسے ایک ناقابل شکست سانچے میں ڈھال دیا ہے۔ دراصل وہ اتنا برا نہیں ہے۔۔۔!

دن میں سفر اور رات میں قیام کرتے ہم گیارہویں دن ایک عظیم الشان میلوں پر پھیلی پہاڑی گھاٹی میں داخل ہوئے جس کی تمام چٹانیں گہری سرخی مائل سیاہ تھیں۔ اندرام نے بتایا کہ میلوں طویل یہ وادی ہی ستیا وادی کہلاتی ہے جس کے عجیب غاروں میں صدیوں قبل دیوی دیوتاؤں کے مسکن تھے۔ پھر جب اس سرزمین پر چند دیوتاؤں کا آپس میں بڑی جنگ ہوئی تو ستاروں کے تکلوں پر آسمان سے تیرگی بجلیاں برسائی گئیں جن سے جل کر وادی کا ایک ایک پتھر سیاہ ہو گیا۔

"مگر تم سینکڑوں میل کا سفر طے کر کے صرف تیرہ پیا یہاں کیوں آئے ہو؟" میں نے پہلی بار اس سے براہ راست سوال کر لیا۔

"یہ پوچھو کہ میں یہاں سے جاتا کیوں ہوں!" اندرام کے لہجے میں عجیب سی تڑپ تھی۔

"وہ کیا بات ہوئی رشی جی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"بات یہ ہے صفدر۔۔۔ اس وادی میں برسوں سے میری اکلوتی بیٹی رہتی ہے!" اندرام کی آواز یکایک بھرا گئی۔

میں نے حیرت سے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ تو جیسا کٹھور دل رکھنے والا شخص بھی کوئی دوسرا پہلو بھی رکھتا تھا۔ پھر اس کی زبان سے اکلوتی بیٹی کا ذکر تو کسی بم کی طرح میری سماعت پر گرا۔

"تمہاری بیٹی؟" میں نے ہکلاتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"ہاں میری بیٹی۔۔۔!" یکایک اس کا چہرہ بدل گیا اور وہ سخت کانپتی آواز میں بولا۔ "میں نے پہاڑوں کے بدمعاش پنڈتوں سے بچا کر اسے یہاں پالا پوسا ہے اور تمہیں ستیا وادی پہنچانے کے بعد میں اس کا ہو رہوں۔ اگر تم نے میری بیٹی کے ساتھ کوئی بھی غلط حرکت کی تو میں تمہارا نرخرا چیر ڈالوں گا۔"

میں نے اس کی بات تو سن لی لیکن مفہوم نہ سمجھ سکا۔ اس کی کیفیت دیکھتے ہوئے میں نے مزید استفسار بھی نہ کیا اور اس کے ساتھ ساتھ چٹانوں سے گھاٹی میں اترتا رہا۔

گھاٹی کی تہہ میں گہری ڈھلانوں پر انسانی ہاتھوں سے دیوتاؤں کی دیو ہیکل مورتیں مہارت کے ساتھ ابھاری گئی تھیں اور تقریباً سب ہی ایک دوسرے سے مربوط نظر آتی تھیں۔ مورتوں کے نقوش شدت زمانہ سے خاصے بگڑ چکے تھے اور اپنی اصلیت کھو بیٹھے تھے۔ ان مورتیوں کے درمیان غاروں کے بہت اونچے اونچے اور ایسے کشادہ دہانے تھے کہ ان سے ہاتھی بھی آسانی سے گزر سکتے تھے!

اندرام سر جھکائے آگے بڑھتا رہا۔ گھاٹی کے وسط میں چند فٹ چوڑی ندی کی صورت میں بہتا ہوا تیز پانی میری توجہ کا مرکز تھا میں اس آبشار پر نظریں جمائے اندرام کے پیچھے چل رہا تھا!

ایک غار کے سامنے اندرام چند ثانیوں کے لئے رکا۔ پھر اندر گھستا چلا گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ اندر کی دیواریں بھی بالکل سیاہ تھیں!

غار اندر سے بہت کشادہ اور گہرا تھا۔ ایک طرف پتھروں کے چبوترے پر پیال بچھا کر بستر بنایا گیا تھا۔ اس کے قریب ہی مٹی کے چھوٹے بڑے برتن بھی سلیقے سے اسی جگہ جما دیئے گئے تھے!

"بیٹھ جاؤ صفدر!" اندرام کی بھرائی ہوئی آواز غار میں گونجی۔ "دیکھو یہاں اندرام کی بیٹی کا گھر ہے۔ جو اس وادی سے باہر کبھی کا ہرکارہ نہیں ہے!"

"رشی جی۔ یہاں آ کر تو میں سب کچھ بھول گیا ہوں!" میں پیال کے بستر پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "تمہاری بیٹی کہاں ہے؟ وہ یہاں کیوں نہیں ہے؟"

"سنو گے؟" اس نے گمبھیر آواز میں سوال کیا۔

"ہاں۔۔۔ شاید اسی طرح میں تمہاری شخصیت کا راز پا لوں۔۔۔!"

"میں بنارس کا رہنے والا ہوں۔" وہ کرب آلود لہجے میں بولا۔ "بنارس کا شہر بنارس! میری بیوی دو لڑکیاں چھوڑ کر مری تھی۔ چھوٹی کو ذات کی موت آدمی پچھ برس ہی کی عمر میں اٹھا لے گیا۔ دوسری میری لڑکی مجھے اس سے والہانہ محبت تھی اور میں نے اپنی زندگی اسی کے لئے وقف کی ہوئی تھی اور رشتہ کھینچ کر میں اس کا ہر ارمان پورا کیا کرتا تھا۔ بنارس میں بہت مذہبی آدمی تھا اور میری لڑکی پوجا پاٹ کے لئے مندر جایا کرتی تھی وہاں ایک بدمعاش پجاری نے اسے بھٹکا اور برباد کر دی۔ پھر ایک روز میری بچی مندر سے لوٹ کر رات گئے گھر آئی۔ اس کی عمر سولہ برس بھی نہیں ہوئی تھی مگر مندر کے پجاری نے اس پر ہاتھ اٹھایا اور تین آدمیوں نے اسے جنگل لے جا کر اپنے دلوں کی سیاہی اس کی پیشانی پر ملا دی۔۔۔ میں غم و غصے میں پاگل ہو گیا۔ میں نے اسی رات مندر کی دیوار پھاند کر وہاں سوئے ہوئے پانچ پنڈتوں اور پجاریوں کا خون کیا اور بچی کو چھاتی سے لگا کر شہر سے نکل گیا۔۔۔ اس وقت میرے بیٹے کا یہ علم تھا کہ میں نے سات شہروں میں پجاریوں کا خون کیا۔ پولیس میرے پیچھے لگی تھی اور میں بھاگ رہا تھا۔۔۔ شہروں اور ویرانوں سے بھاگتے آخر میں یہاں آ پہنچا۔۔۔ یہاں ہم دونوں بالکل محفوظ تھے۔ کئی مہینے یہاں رہا۔۔۔ لیکن میرے سینے میں دہکتا ہوا الاؤ مجھے دوبارہ شہر

کا رخ کرنے پر اکسا رہا تھا۔" اس کی آواز میں ماضی کا غیظ و غضب کروٹیں لے رہا تھا۔ "اور آخر میں اسے یہاں چھوڑ کر پھر شہروں میں جا پہنچا۔ وہاں میں نے اس بار رشی کا روپ دھارا۔ شاگردی کر کے کچھ علم حاصل کئے اور پھر میں اپنا انتقام لینے نکل پڑا۔ میں نے مکر و فریب اور مکاری کے درپے دشمن کئے مگر سینے کی انتقام کی آگ کبھی سرد نہ ہوئی۔ میں نے دیسی عورتوں کو کبھی راہ سے نہ بھٹکایا۔ کیونکہ میری ایک بچی کو یہ سے بچھڑی ہوئی تھی۔ میں ڈرتا تھا کہ کہیں میرے انتقام کی آگ اس کے دامن کو بھی نہ خاک کر دے۔ میں جہاں بھی جاتا میں نے بڑی لڑکیوں کے ذریعہ گناہ عام کیا، انہیں جنگ، جرم اور عشق میں چلا پلا کر میں اپنی بچی کا انتقام لیتا رہا اور وہ اس وادی میں بے فکر پلتی رہی۔ میں جہاں بھی رہا ہر برس ایک بار اسے سفر کا سوانگ رچا کر اس سے ملنے یہاں آتا رہا۔۔۔ یہ کہانی تیس برس سے یونہی چل رہی ہے مگر میرے سینے کی آگ آج تک ٹھنڈی نہیں پڑ سکی۔ جس دن میرا دل ٹھنڈا ہو گیا میں خود بھی ہمیشہ ستیا وادی میں اپنی بیٹی کے پاس رہ جاؤں گا!"

اندرام کی یہ کہانی اس قدر غیر متوقع اور سنسنی خیز تھی کہ میری زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا اور میں خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"وہ ان پہاڑوں کی ملکہ ہے!" اندرام جذباتی لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "وہ خود ہی یہاں پلی بڑھی ہے۔ اسے اپنی بلا کا اعتماد ہے۔ وہ باہر کی دنیا کو بھول چکی ہے۔ کیونکہ یہ اتنا قابل نفرت دنیا سے کبھی اس نے کوئی چیز نہیں مانگا۔۔۔ یہ تقابل گزر رہا ہے وہ ان کی بدولت کا اہتمام کیا ہے۔"

"مگر وہ ہے کہاں؟"

"وہ جہاں بھی ہو، مجھے اس پر اعتماد ہے۔" اندرام کے لہجے میں پیار کی ٹھنڈک رچی ہوئی تھی۔

ہم نے مزید چند روز وہاں بسر کئے۔ طویل سفر کے باعث میری حالت بہت ابتر تھی لہٰذا میں دن میں ایک دو بار گھاٹی کی تہہ میں بہتے ہوئے سرد پانی سے غسل کرتا اور گہری نیند سو جاتا۔ اندرام قریبی وحشی جنگلات سے پھل توڑ لاتا تھا۔ اس نے بھی میری دیکھ بھال میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اس کا مشفقانہ رویہ دیکھ کر اکثر مجھے اپنے سابقہ رویہ پر شرمندگی ہونے لگتا تھا!

جب میں بیدار ہوتا تو اندرام تصور میں ڈوب کر مجھے اپنی بیٹی کے قصے سناتا۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ اپنی بیٹی کو ٹوٹ کر چاہتا تھا۔ میں نے ایک بار اس سے پوچھا کہ اس کی بیٹی کب تک وہاں آئے گی تو اس نے بتایا کہ وہ اپنی مرضی کی مالک ہے جب چاہے آ جائے گی۔

"اور تم اس کا انتظار کرو گے؟"

"سچ پوچھو تو مجھے تمہارے جانے کا انتظار رہے۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"وہ کیوں ۔؟"

"تم جاؤ تو میں طویل نیند لوں گا ۔ اسے تم جیسی ادمی کہہ سکتے ہو۔ میں اپنا سانس ناک کے ذریعے دماغ میں منتقل کر دوں گا ۔ اس وقت میں جس حال میں ہوں گا میں مہینے تک کسی مردے کی طرح اسی حالت میں رہوں گا۔ میری بیٹی اگر مجھے دیکھے گی تو میرے جاگنے کا انتظار کرے گی۔ روز میرے بدن سے گرد جھاڑ کر گیلے کپڑے سے مالش کرے گی اور جب میں اٹھوں گا تو میرے بدن میں نئی طاقت اور نئی زندگی ہوگی ۔!"

"تم حبس دم کیسے کر لیتے ہو ؟"

"یہ مدتوں کا ریاض ہے ۔" وہ ہنس کر بولا۔ "ذرا بھی غلطی ہو جائے تو دماغ کی تمام شریانیں پھٹ جاتی ہیں ۔ اور موت واقع ہو جاتی ہے ۔"

"تمہاری باتیں سن کر مجھے تمہاری بیٹی سے ملنے کی آرزو ہو گئی ہے" میں نے کہا ۔ "مگر میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا ۔ اگر زندگی رہی اور راستہ مل سکا تو واپسی میں ادھر ضرور آؤں گا ۔"

اگلی صبح آنند رام نے بڑے تپاک سے مجھے رخصت کیا ۔ چلتے چلتے میں نے اس سے ایک بار پھر جاندر ناس کا سراغ دریافت کرنا چاہا لیکن اس نے زبان کھولنے سے انکار کر دیا ۔

مستیا وادی سے میں اسی روز نکل گیا ۔ مگر پھر پانچ روز تک بے مقصد پہاڑیوں میں ٹکریں مارتا رہا ۔ آنند رام مجھے اناپورنا کی سمت بتا چکا تھا اور مجھے یقین تھا کہ میں اس سمت میں اپنا سفر جاری رکھ سکوں گا لیکن بعد میں مجھے اندازہ ہوا کہ یکساں پہاڑوں اور گھاٹیوں میں سمت کا تعین اس قدر آسان نہ تھا ۔ سینکڑوں پیچ در پیچ راستوں سے گزر کر جب میں نئی جگہ پہنچتا تو سمت کا ہر شعور جواب دے جاتا ۔!

تیسرے روز مجھے ایک سرسبز ڈھلان پر چند پہاڑی بکریاں چرتی ہوئی نظر آئیں اور میں غیر ارادی طور پر ان کی طرف ہو لیا ۔ قریب جانے پر میں نے ان میں سے ایک کے گلے میں بندھی ہوئی رنگین پٹی دیکھی تو قرب و جوار میں کسی آبادی کی امید پر دل دھڑک اٹھا ۔

ان بکریوں کے مالک کے انتظار میں میں ایک چٹان کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے پر جا بیٹھا ۔ تھیلے میں سگریٹوں کا کچھ ذخیرہ ابھی تک موجود تھا لہٰذا میں نے ایک سگریٹ سلگا لی ۔

اچانک میری پشت پر واقع ڈھلان سے ایک پتھر لڑھک کر چٹان کے اس ٹکڑے پر گرا جس پر میں بیٹھا ہوا تھا اور میں اچھل کر کھڑا ہو گیا ۔ پتھر گرنے کی آواز یوں تھی جیسے وہ چٹان پر شیشہ ملک کی سخت لکڑی پر گرا ہو ۔!

میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ وہ چٹان نما چیز ہی میرا گوہر مقصود ہے ۔ میں نے ایک اور پتھر سے اسے بجا کر دیکھا تو وہ لکڑی ہی تھی لیکن مجھے اس کے اوپری سطح پر رسیوں کے نشانات بھی نظر آگئے اور

میرا دل خوشی سے بے قابو ہو گیا ۔

جاندر ناس ۔۔۔ جس کی تلاش میں میں جانے کن کن حالات سے دوچار ہوا تھا یوں غیر متوقع طور پر مل گئی تھی کہ میں اس پر بیٹھا ہوا تھا اور اسے چٹان سمجھ رہا تھا ۔!

میں نے اس پہاڑی جڑ کا جائزہ لیا تو وہ بے حد سخت اور بظاہر لکڑی کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا جسے کسی تیز دھار کلہاڑی کے بغیر کاٹنا تقریباً ناممکن تھا میں ابھی اسی جائزے میں مصروف تھا کہ اچانک کسی جانب سے تیز شور سنائی دیا ۔ چاروں طرف اونچے اونچے پہاڑ ہونے کی وجہ سے سمت کا اندازہ ہو سکا جب میں نے نظریں گھمائیں تو دائیں جانب والے پہاڑ کی چوٹی پر بہت سے تندرست و توانا قبائلی شور مچاتے نیچے آتے نظر آئے ۔ ان کے جسموں پر زردی مائل سفید تھی اور جسموں پر پہاڑی جانوروں کی کھالیں نظر آ رہی تھیں۔ وہ درندوں کے کسی بھٹکے ہوئے غول کی طرح وہ تیزی سے نیچے آ رہے تھے۔

پھر جاندر ناس کے اس ٹکڑے کو بوسے دینے شروع کر دیئے ۔ لگتا تھا مجھ پر پڑنے والی نظروں میں میرے لئے نفرت جھلک رہی تھی ۔!

معاً مجھے آنند رام کے الفاظ یاد آ گئے ۔ اس نے بتایا تھا جاندر ناس آدم خور قبیلوں کی حدود میں پائی جاتی ہے جو اسے پوجتے ہیں اور اگر اس قیمتی لکڑی پر کسی اجنبی کا سایہ بھی پڑ جائے تو اس اجنبی کو زندہ جلا دیا جاتا ہے۔

یہ خیال آتے ہی میری ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی ۔ میں نے پھرتی کے ساتھ اپنے تھیلے میں سے بڑے چھپا ہوا پستول نکالا اور بغیر سوچے سمجھے ایک ہوائی فائر کر دیا ۔

پہاڑوں سے گھرے اس خطے میں دھماکے کی آواز اتنی مہیب اور طویل تھی کہ میں بھی چونک پڑا ۔ دھماکے کی بازگشت دیر تک یوں گونجتی رہی گویا بیک وقت کوئی پلاٹون کی تعداد میں لوگ فائر کر رہی ہو۔ جاندر ناس کے پجاریوں پر اس فائر کا خاطر خواہ ردعمل ہوا ۔ وہ چیختے چلاتے اور گرتے پڑتے بندروں کی سی پھرتی کے ساتھ ڈھلان پر جا چڑھے اور دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اوجھل ہو گئے ۔!

وقتی طور پر تو میں نے ان سے چھٹکارا حاصل کر لیا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ ان کی یہ روپوشی عارضی ہے ۔ جاندر ناس کا علاقہ دریافت ہو چکا تھا لہٰذا اب میرے لئے پہلا مسئلہ اپنی سلامتی کا تھا ۔ میں اپنا تھیلا سنبھال کر تیزی کے ساتھ ایک ڈھلان پر چڑھنے لگا ۔

میں ابھی وہ نصف ڈھلان بھی طے نہ کر پایا تھا کہ اوپر بے شمار خونخوار چہرے نظر آئے اور میرے سنبھلنے سے قبل ہی انہوں نے مجھ پر پتھراؤ شروع کر دیا ۔ میں گھبرا گیا تاہم تمام پتھر مجھ تک نہ آ سکے ۔ پھر بھی کئی پتھر پڑنے سے میں زخمی ہو گیا۔ درختوں کی جھولوں نے صورتحال صاف کر دی !

پیچھے سے پیچھے کے بعد اب جو میں نے سر اٹھایا تو چاروں طرف ان کے

[illegible] اور شور ... تجھ پر چڑھ آئے ہو چکی تھیں ۔!

یہ ٹھیک تھا کہ ان سب کو بیک وقت پتھراؤ کا خیال نہیں آیا تھا ورنہ میں بھی ان کی طرح سنگسار ہو کر رہ جاتا ۔

میرے پستول کا اثر دیکھنے کے لئے اس کی سیاہ نال ایک پہاڑی کی طرف اٹھائی اور قبائلیوں کی پوری کی پوری دیوار تیزی سے پیچھے سرکتی چلی گئی ۔ یہ بہت غنیمت تھا ورنہ دونوں پستولوں میں کل چار یا پانچ گولیاں زیادہ دیر تک میرا دفاع نہیں کر سکتی تھیں !

میں نے تھیلے سے دوسرا پستول بھی نکال لیا اور دونوں نالوں سے قبائلیوں کو خوف زدہ کرتے ہوئے اپنے لئے کوئی راہ تلاش کرنے لگا ۔!

ایک پہاڑی کا انتخاب کرنے کے بعد میں دوڑتا ہوا اس طرف ہو لیا ۔ قبائلی خونخوار نظروں سے مجھے گھورتے رہے اور میں پیش قدمی کرتا رہا ۔ پھر اچانک ایک چوٹی پر کوئی دھماکہ یا انتقام ہوئے بغیر وہ لپیا ہو گئے جیسے ان کے چوٹی کی طرف تو وہ ٹوٹ گئے ۔!

میں نے دو تین مرتبہ پستول لہرائے مگر وہ وحشی ٹس سے مس نہ ہوئے ۔ آخر میں نے نتائج کی پرواہ کئے بغیر اس بار ان کے غول پر براہ راست ایک فائر کر دیا ۔!

ہجوم میں سے بے شمار دہشت زدہ چیخیں بلند ہوئیں ۔ ایک شخص تڑپ کر نیچے گرا اور میں نے حیرت سے دیکھا کہ بھاگنے والوں نے رد عمل کے طور پر زخمی کے بدن کو سب سے پہلے ... کے ہاتھ جو بھی ٹکڑا آیا وہ لے بھاگا۔ یہ منظر دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ۔ جو وحشی اپنے ساتھیوں کے حق میں اتنے سفاک ہوں وہ بھلا کسی اجنبی کے ساتھ کیا کچھ نہ کر گزریں گے!

ڈھلان چڑھنے کے بعد میرے سامنے ایک سطح میدان پھیلا ہوا تھا ۔ آس پاس کی چوٹیوں پر موجود سارے قبائلی بگٹٹ ایک ہی طرف بھاگے جا رہے تھے ۔ لہٰذا انہیں سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر میں بھی ان کے تعاقب میں ہو لیا ۔ اس طرح میں کم از کم ان کی آبادی ضرور دیکھ سکتا تھا !

وہ لوگ بھاگنے میں اس قدر برق رفتار تھے کہ آناً فاناً میں مجھ سے بہت دور نکل گئے مگر میں نے بھی ہمت نہ ہاری ۔!

اس بھاگ دوڑ کا اختتام چھپر سے بنے ہوئے بے شمار مکانات پر مشتمل ایک آبادی پر ہوا ۔ میں آبادی سے چالیس پچاس گز دور ہی رک گیا ۔ وہ لوگ مکانوں کی آڑ میں چھپے بری طرح چیخ رہے تھے ۔ ان کے ... جیسا ایک ہتھیار تھا جو ... اور وہ اس کی مار سے خود بھی خائف نظر آ رہے تھے ۔

میں نے دونوں جیبیں دیکھیں ۔ ایک پستول بالکل خالی تھا ۔ دوسرے میں صرف تین گولیاں رہ گئی تھیں ۔ اس وقت شدت سے مجھے احساس ہوا کہ مجمع کے خوف میں پانچ گولیاں ضائع کر کے میں نے بڑی حماقت کی تھی ۔ اگر اس وقت میرے پاس چار گولیاں بچی ہوتیں تو یہاں وہ میرے لئے بہت زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتی تھیں ۔!

میرے پاس اسلحہ کم اور دشمنوں کی نفری بے حد و حساب تھی ۔ ایسی صورتحال میں طویل مقابلہ میرے لئے سراسر نقصان دہ ہوتا لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ انہیں اس قدر خوف زدہ کر دوں کہ منظم شکل نہ ہو پائے ۔ مجھے اتنا تو یقین تھا کہ ان تین گولیوں کے سہارے میں با آسانی ان کی بستی میں گھس سکتا ہوں ۔ مگر یہاں سے مجھے ان کا کچھ دیا ہوا رستہ ہی مل جاتا تو میں کوئی صورت نکال سکتا تھا!

میں نے بستی کی طرف قدم بڑھائے ہی تھے کہ مکانوں کی اوٹ سے پتھروں کا ایک بادل اڑتا ہوا میری جانب آیا مگر میں بوکھلاہٹ میں پیچھے ہٹنے سے ان پتھروں سے صاف بچ گیا ۔ آگے کی طرف دوڑتے ہوئے جب میں نے ان کی ایک جھونپڑی کی آڑ سے نکل کر منگ بد تے دیکھا تو میں نے دریغ ایک ہوائی فائر کر دیا ۔ بے شمار چیخوں میں ایک چیخ سب پر حاوی تھی ۔!

اور جب میں پہلے مکان کے قریب سے گزرا تو مجھے ایک لمحے کے لئے خوف سا محسوس ہوا کہ کہیں کوئی قبائلی مجھے زیر کرنے کے لئے آڑ میں نہ بیٹھا ہو مگر اگلے ہی لمحے میرا یہ خیال غلط ثابت ہو گیا ۔ وہ اس قدر کم عقل اور خوف زدہ تھے کہ سہمی اور وہ پرہ جنگ کے سوا کسی حربے سے واقف نہ تھے ۔!

آبادی کا وہ حصہ جہاں میں گھسا تھا ویران پڑا ہوا تھا سارے قبائلی آبادی کے آخری سرے پر جا کر رک گئے تھے ۔!

میں نے بستی میں ایک لحظہ کے لئے رک کر مکانات کا جائزہ لیا پھر ایک سب سے اونچے مکان میں جا گھسا ۔ مکان کیا تھا بس ایک بڑا سا کمرہ تھا جس میں چند معمولی سی چیزیں ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں ۔ ایک دیوار پر ایک چوبی دستے والی برہنہ شمشیر چمک رہی تھی ۔ میں نے آگے بڑھ کر دیوار سے وہ بے وضع تلوار اتاری اور چند ہی سیکنڈ بعد دوبارہ آبادی کے وسط میں نکل آیا ۔

آبادی کے دوسرے سرے پر موجود ہجوم کی نظروں کے سامنے آنے کے بعد میں نے ایک ہاتھ سے پستول اور دوسرے سے تلوار بلند کی تو وہ آگے بڑھنے کے بجائے پلٹ کر ہوئے زمین پر سجدے میں گر گئے ۔!



اُف

آدم خور جہالیائی قبائلیوں کا یہ ردعمل میرے لئے بالکل غیر متوقع تھا۔ میرے داہنے ہاتھ میں بد سے چھینا ہوا اعشاریہ چار پانچ کا مہیب سیاہ پستول تھا اور بائیں ہاتھ میں چوبی دستے والی بھونڈی سی تلوار دبی ہوئی تھی اور وہ تمام آدم خور بستی سے باہر آخری سرے پر سجدے میں پڑے ہوئے تھے!

چند ثانیوں کے لئے میری تمام ذہنی صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ گئیں اور میں فیصلہ نہ کر سکا کہ ان پسماندہ اور خونخوار جنگلیوں کی اس خوش فہمی سے کیونکر فائدہ اٹھاؤں۔

پہاڑی جانوروں کی کھالوں اور درختوں کی چھالوں سے ڈھکے ہوئے زردی مائل سفید جسموں کی قطار در قطار سنگلاخ پہاڑوں پر موجود تھی۔ ساتھ ہی وہ خوفزدہ آوازوں میں کچھ ناقابل فہم کلمات بھی ادا کر رہے تھے۔ جھاندرناس کی سرزمین کے سفاک باسیوں کو اپنے سامنے یوں خاک بسر دیکھ کر میرا دل خوشی سے بلیوں اچھل رہا تھا لیکن میں اب بھی یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ میری جرأت سے خائف ہوئے ہیں یا میرے ہاتھ میں بد کا پستول دیکھ کر بوکھلائے ہیں۔ ایک بات بہرحال طے تھی کہ وہ میرے سامنے سپر ڈال چکے تھے اور اب ان کے آئندہ رویے کا تمام تر انحصار میرے برتاؤ پر تھا!

"تمہارا سردار کون ہے؟" میں نے پوری قوت سے چیخ کر سوال کیا

چند سجدہ ریز پیشانیاں مجبوری اور بے بسی کے عالم میں پتھریلی زمین سے اٹھیں اور ان پر چمکتی آنکھیں امید کے ساتھ میری طرف نگراں ہو گئیں!

"اٹھو...!" یہ جاننے کے باوجود کہ میری زبان ان وحشیوں کے لئے اجنبی ہے میں تلوار لہرا کر پوری قوت سے چیخا۔

میری بات تو ان میں سے کسی کے پلے نہ پڑی مگر میرا اشارہ وہ بخوبی سمجھ گئے۔ سب سے پہلے آگے والے زمین سے اٹھے پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ سب سجدے سے اٹھ گئے۔ اس ہجوم میں اشتعال اور جارحیت کے بجائے اب پژمردگی کی سی کیفیت طاری تھی۔ وہ سب مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑے تھے اور ان کے ہاتھ سینوں پر بندھے ہوئے تھے!

میں نے ایک بار پھر ریوالور کے چیمبر کا جائزہ لیا۔ وہاں دو گولیاں ابھی تک موجود تھیں۔ ہجوم کی حالت دیکھ کر مجھے ان کی طرف بڑھنے کا حوصلہ ہوا۔ انہیں آگے بلانا یوں مناسب نہ سمجھا کہ انہیں افراتفری سے فائدہ اٹھا کر ان میں سے بعض لوگ چھپ کر مجھ پر کوئی مہلک وار نہ کر ڈالیں۔

پہاڑی پتھروں سے بنے ہوئے بے ڈھنگے اور نیچی چھتوں والے بے شمار مکانات کے درمیان سے گزر کر میں ان کی طرف ہو لیا!

اس ہجوم سے دس پندرہ گز دور میرے قدم خود بخود رک گئے۔ یہاں تک مجھے ان کو قریب سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا بس ان کے ساتھ آنکھ مچولی ہوتی رہی تھی مگر اب جو میں ان کے قریب پہنچا تو یک بیک مبہوت ہو کر رہ گیا!

گو اس وقت وہ خاموش اور سہمے سہمے سے کھڑے تھے لیکن ان کے چوڑے چکلے پہاڑی پتھروں سے عجیب سی وحشت ٹپک رہی تھی۔ بڑی بڑی چمکیلی آنکھوں سے خون کی سی پیاس ہویدا تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ان کے ریشمی بالوں سے بنے ہوئے بدمست وحشیوں کے کسی غول کے درمیان جا پہنچا ہوں۔ اس وقت پہلی بار مجھے اپنی حماقت کا اندازہ ہوا۔ اگر وہ فوراً ہی جالاک ہو جاتے تو میرے قریب پہنچنے ہی ایک ہی بار مجھ پر دھاوا بول دیتے۔ کند دھار والی یہ تلوار دو چار کو زخمی کر لیتی، ریوالور کی دو گولیاں اس ہجوم میں شاید دو آدمی کم کر دیتیں، مگر پھر وہ با آسانی میرے بدن کے ٹکڑے اڑا ڈالتے۔ اس کے ساتھ ہی مجھے ان آدم خور قبائلیوں کے تیز اور چمکیلے دانت اپنے بدن میں دھنستے محسوس ہوئے اور میں بے اختیار ایک جھرجھری لے کر رہ گیا!

جہاں شہ اندر رام کی سنائی ہوئی کہانیاں میرے تصور میں ابھرنے لگیں جو اس وقت سیاہ پتھروں والی گہری وادی کے ایک غار میں جس بم کے کسی بے جان لوتھڑے کی طرح طویل نیند لے رہا تھا۔ اس پر اسرار مگی الانسان سے بچھڑ کر میں خلاف امید بہت جلد جھاندرناس تک آ پہنچا تھا۔ یہ وہ ہوشربا نگری تھی جس کے تذکرے مجھے افسانے معلوم ہوتے تھے۔ رجس کی تلاش میں نہ جانے کتنے کیمیاگر پہاڑوں اور جنگلوں میں بھٹک بھٹک کر بے کسی و تنہائی کی موت سے ہمکنار ہو چکے تھے۔ اگر میں پڑے ہوش و حواس کے ساتھ اس کا بغور مشاہدہ کر چکا تھا۔ جھاندرناس کے پجاری جو اس پر کسی اجنبی کا سایہ بھی برداشت نہ کرتے تھے اور جو باہر کی دنیا میں آدم خور بدنام قبائل کہے جاتے تھے۔ اس وقت میرے سامنے مسکین اور بے بس بنے کھڑے تھے!

میں ان کی چمکتی ہوئی لہو کی پیاسی نگاہوں سے چند گز دور رک گیا۔ اس وقت بے یقینی اور سنسنی کے باعث میرا دل کھوپڑی میں دھمک رہا تھا اور دوران خون کنپٹیوں میں ٹھوکریں مار رہا تھا۔ زبان خشک ہو کر منہ میں اٹھی جا رہی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے میرے دہانے میں لعاب بنانے والے غدود والے کام کرنا ہی چھوڑ دیا ہے۔

میں نے اپنے سامنے قدرے ڈھلان پر موجود آدم خور قبائلیوں کے ہجوم پر نظر دوڑائی اور یک بیک ایک نئی حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی۔ ڈیڑھ دو سو نفوس کے اس ہجوم میں سب تندرست اور جوان عمر کے مرد تھے۔ ان کے درمیان کوئی بھی عمر رسیدہ فرد موجود نہ تھا، کوئی کم سن بچہ اور صنف نازک کا تو دور دور تک سایہ بھی نہیں تھا!

میرے لئے عورتوں کی غیر موجودگی سخت حیرت کا باعث تھی میں ان کی آبادی میں سے گزر کر ان تک پہنچا تھا مگر آبادی میں مجھے کسی ذی روح کا سامنا نہیں تھا

نہیں ملا تھا پھر آخر ان کی عورتیں کہاں تھیں۔ ایک ثانیہ کے لئے مجھے یہ بھی گمان ہوا کہ شاید یہ لوگ اپنی حیوانی جبلت کے تقاضوں سے مجبور ہو کر اپنے کمزور ساتھیوں کو ہلاک کر کے کھا گئے ہوں۔ ایسی صورت میں بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کا نہ پایا جانا قدرتی امر تھا مگر یہ خیال مجھے فوراً ہی ترک کر دینا پڑا۔ پجاریوں کی متعلقہ کتابوں میں جھاندرناس کے پجاری قبائل کے تذکرے صدیوں پرانے تھے اور اگر یہ لوگ اسی طرح اپنی عورتوں کو کھا جانے کے عادی ہوتے تو صدیاں گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ بستی اور آبادی بھی نیست و نابود ہو چکی ہوتی۔ اس قبیلے کا صدیوں سے یوں ہی برقرار رہنا اس امر کا ثبوت تھا کہ ان میں افزائش نسل کا سلسلہ تاحال جاری ہے!

میرے خیالات کا سلسلہ ایک کریہہ اور غیر انسانی آواز نے توڑ دیا۔ میں نے چونک کر اپنا ریوالور سیدھا کیا ہی تھا کہ میری نظر اس تندرست قبائلی پر پڑی جس کے شانوں پر ایک ریچھ کی کھال پڑی ہوئی تھی۔ اس کے جسم کا سامنے کا حصہ بالکل کھلا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ لوگ شرم و حیا اور ستر پوشی کی خاطر نہیں بلکہ صرف موسمی سختیوں سے تحفظ کے لئے جانوروں کی کھالیں استعمال کرنے کے عادی ہیں!

ریچھ کی کھال والا شخص اپنے باقی ساتھیوں سے چند قدم آگے بڑھ کر اپنا سر آسمان کی طرف اٹھائے شاید اپنی زبان میں زور زور سے کچھ کہہ رہا تھا۔

"خاموش...!" میں ہونٹوں پر ریوالور کی نال رکھ کر زور سے چیخا۔ وہ میری بات تو نہ سمجھ سکا مگر نال کا اشارہ شاید اس کے لئے قابل فہم تھا کیونکہ وہ شخص اندازہ میں یکایک خاموش ہو گیا اور حکم طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگا!

میں نے اشارے سے اُسے اپنے قریب بلایا۔ ریوالور کی نال اس کے سینے کی جانب اٹھی ہوئی تھی یہ دیکھ کر اس کے چہرے پر یوں زلزلے کے آثار ناچ رہے تھے جیسے چند ہی ثانیوں میں وہ کسی کند چھری سے ذبح کیا جانے والا ہو!

میں نے اشاروں کی مدد سے اس سے سردار کے بارے میں معلوم کرنا چاہا مگر کامیابی نہ ہو سکی وہ بونقوں کی طرح میرے سامنے کھڑا اپنے سر کو نفی کے انداز میں جنبش دیتا رہا۔

اس وقت فضا میں شام کا ہلکا ہلکا سا دھندلکا پھیل چلا تھا۔ چاروں طرف نظر آنے والی برفانی چوٹیوں پر پڑنے والی سورج کی ترچھی شعاعوں کا ان کا عجیب سماں باندھ رہا تھا اور یہیں اس ہجوم کو سامنے پا کر اعصاب مجھ پر کافی خائف تھا!

میں نے اشاروں کی مدد سے بمشکل ان سب کو واپس بستی میں لوٹ جانے کا حکم دیا اور ریچھ کی کھال والے کو اپنے ساتھ روک لیا۔

وہ سب حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ قطار بند ہو گئے اور نہایت ادب و احترام کے ساتھ

میرے سامنے سے گزر کر بستی میں داخل ہونے لگے! ریچھ کی کھال والا قبائلی بھی رک لئے جانے پر خاصا خوفزدہ اور بوکھلایا ہوا نظر آ رہا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ وہ میری ہدایت کے برعکس فرار ہونے کی کوشش نہ کرے گا کیونکہ بظاہر وہ لوگ ہر زبردست کے سامنے سر خم کر دینے کے عادی معلوم ہوتے تھے اور میں اپنے پستول کی بنا پر شاید خود کو ان سے برتر ثابت کر چکا تھا!

جب وہ سب بستی میں لوٹ گئے تو میں اسے ہمراہ لیا اور آبادی سے دور جانے لگا۔ پہاڑی ڈھلانوں اور پیچ دار پگڈنڈیوں پر اترتے ہوئے تھوڑی ہی دیر میں ہم ایک ایسی نشیبی وادی میں جا پہنچے جہاں پہاڑوں کی چوٹیوں سے پگھلنے والی فطرتی برف جھاگ اڑاتے، یخ بستہ پانی کی صورت میں پہاڑی نالے میں بہہ رہی تھی!

میں نے بہت کوشش کی کہ اشاروں کی زبان میں اس قبائلی سے وہاں کے بارے میں معلومات حاصل کر سکوں مگر وہ اس قدر کودن اور کند ذہن ثابت ہوا کہ میرے تمام اشاروں کے جواب میں بے وقوفوں کی طرح مسکرا رہا تھا گویا یوں کہ وہ مجھے دیوانہ سمجھ رہا ہو!

ہر طرف سے مایوس ہو کر میں نے بے شرمی کا سہارا لیا اور حتی الامکان واضح علامتوں اور اشاروں کے ذریعے اس قبیلے کی عورتوں کے بارے میں دریافت کیا تو وہ یکایک مضطرب سا ہو گیا اور پرجوش طور پر مغربی سمت میں ہاتھ اٹھا کر حلق سے وحشی آوازیں نکالنے لگا۔

میں جلد از جلد اس بستی کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنی چاہتا تھا اس لئے اسے فوراً اسی سمت میں رہنمائی کرنے کا اشارہ کیا میری ہدایت پر شاید اسے کچھ مایوسی ہوئی مگر وہ پھر بھی نیم دلانہ انداز میں تیز تیز آگے چل پڑا۔

جالاک کی وہ وادیاں جتنی حسین تھیں اسی قدر مہیب بھی۔ جگہ جگہ دار اور تقریباً عمودی ڈھلانوں پر وہ شخص کسی پیدائشی بندر کی سی پھرتی سے بڑھ رہا تھا جبکہ میری رفتار بہت سست تھی۔ وہ تھوڑی دور چلتا پھر رک کر میرے آ جانے کا انتظار کرنے لگتا۔ تھوڑی ہی دیر میں میرا سانس پھول گیا۔ سینہ کسی لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور جی یہ چاہتا تھا کہ اس وزنی تلوار کو کسی گہری کھائی میں پھینک دوں لیکن میں اس اقدام کی ہمت نہ کر سکا۔ پستول کی دو گولیاں ختم ہونے کے بعد وہ تلوار ہی میرے کام آ سکتی تھی۔

دھندلکا تیزی کے ساتھ گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ شخص تو اب بھی سفر جاری رکھنے پر آمادہ تھا مگر میرے لئے ان دیکھے راستوں پر تاریکی میں بڑھنا موت کی دہلیز پر دستک دینے کے مترادف تھا لہٰذا میں ایک مناسب مقام پر ایک غار کے قریب رک گیا۔

قبائلی کو میں نے غار کے دہانے میں جانے کی ہدایت کی اور خود سرد ہواؤں کے رخ سے بچ کر ایک چٹان کی اوٹ میں اس طرح بیٹھ گیا کہ غار کا دہانہ

میری نظر میں رہے!

سیتا وادی میں انند رام سے جدا ہونے کے بعد میری گزشتہ دو راتیں کھلے آسمان تلے بسر ہوئی تھیں، مگر یہ رات بڑی کٹھن تھی۔ گو ان برفانی وادیوں میں ابھی سردی کا موسم شروع نہیں ہوا تھا لیکن میدانی علاقوں اور شہروں کے پُرتکلف ماحول میں رہنے والوں کے لیے برف پوش چوٹیوں سے ٹکرا کر آنے والی ہوائیں اس وقت بھی ناقابلِ برداشت تھیں۔

نصف کا اثر سب سے پہلے میرے کانوں پر ہوا۔ میں نے اپنی قمیص کا کالر کھڑا کر کے اپنی گردن اس میں دبکانی چاہی مگر سرد ہواؤں سے نجات نہ مل سکی۔ سردی کی لہر آہستہ آہستہ میرے وجود میں سرایت کرتی جا رہی تھی، پھر اچانک مجھے ریچھ کی اس کھال کا خیال آیا جو میرے قیدی کے بدن پر موجود تھی۔ میں نے غار کے دہانے پر پہنچ کر اسے آواز دی مگر اپنی آواز کی طویل بازگشت کے سوا وہاں کوئی آواز نہ سنائی دی۔ وقفے وقفے سے میں نے تین بار اسے پکارا مگر سکوت چھایا رہا۔

تو اوپٹ میں انند رام کے کیمپ سے ہی ایک ماچس لے آیا تھا۔ ماچس اور سگریٹ میرے حوالے کی تھیں میں انہیں بہت احتیاط سے استعمال کر رہا تھا، یہی وجہ تھی کہ ابھی بھی میری جیب میں ماچس کے کئی بکس موجود تھے۔ میں نے تلوار بغل میں دبا کر ٹھٹھری ہوئی انگلیوں سے ایک تیلی روشن کی۔ گھپ اندھیرے میں شعلہ بھڑکتے ہی غار میں روشنی پھیل گئی اور میں نے دیکھا کہ وہ قبائلی بے حس و حرکت پڑا ہوا ہے!

میں نے ماچس کی مزید دو تیلیاں ضائع کیں تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ بولنے کی صلاحیت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو چکا ہے۔ اس کا بدن نیلا پڑا ہوا تھا، نہ سینے میں سانس کے آثار باقی تھے نہ نبض چل رہی تھی۔ شاید وہ بے خبری میں کسی زہریلے سانپ یا پہاڑی بچھو کا شکار ہو چکا تھا۔ میں نے وحشت کے عالم میں اس کی لاش سے ریچھ کی کھال الگ کی اور جلدی سے غار سے نکل آیا!

وہ رات قیامت کی رات تھی۔ میری آنکھوں میں دور دور نیند کا پتہ نہیں تھا۔ سارا بدن کسی پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا، اعصاب پر ناقابلِ بیان تناؤ طاری تھا اور کان کسی بھی سرسراہٹ کو سننے کے لیے مستعد تھے۔ کئی بار مجھے وہم بھی ہوا کہ جیسے آس پاس زمین پر کوئی کیڑا رینگ رہا ہے اور میں نے اچھل کر فوراً ہی اپنی جگہ تبدیل کر لی۔ میں بے خبری میں حشرات الارض کے کسی مہلک وار کا نشانہ بننے کے خطرے سے بہت زیادہ بدکا ہوا تھا!

خدا خدا کر کے کوہ نوردی کی وہ طویل ترین شب بیت ہی گئی۔ رات کو گھور تاریکی میں دشمنی کے جگنو سے چمکتے تھے، پھر آہستہ آہستہ ان ظلمات کے اس بھاؤ سمندر سے نکلے لگا۔ اس خطے میں دھندلکا چھٹنے اور پوری طرح روشنی نمودار ہونے کے درمیان غیر معمولی طویل وقفہ تھا!

میرے چاروں طرف بھوری چٹانوں والا سا ویرانہ پھیلا ہوا تھا اور ان سے دور جا بجا برف پوش چوٹیاں نظر آ رہی تھیں... میں نے پہلے یہ بھول چکا تھا کہ آدم خور قبیلے سے یہاں تک میں کس راستے سے آیا تھا۔ میرا رہبر تو اپنی موت مارا گیا تھا۔ نہ جانے وہ مجھے کہاں لے جا رہا تھا۔ ایک بار پھر راہ بھٹک گیا تھا مگر مجھے پورا یقین تھا کہ اس قبیلے کا سراغ لگانے کے باوجود میں ان وادیوں میں کہیں نہ کہیں بھاندر ناتھ کا سراغ ضرور لگا لوں گا۔

میں نے دل ہی دل میں اللہ کا نام لیا اور ایک غیر یقینی مطلب کا سفر جاری رکھا اور میں ان گھاٹیوں میں جنوب سے نیچے اترا۔ ایک جگہ میں نے کراس پھوڑی اور وزنی تلوار کو کسی کھائی میں پھینک دینا چاہا لیکن اس وقت میرے پاس وہ واحد ہتھیار تھا جس پر میں بڑی حد تک بھروسہ کر سکتا تھا۔ بچاؤ کے علاوہ میں بھاندر ناتھ کی گردن وزنی چز کاٹ کر اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ لہٰذا میں نے لمبی گھاس کی رسی بٹ کر اس تلوار سے باندھی اور اسے کمر سے لٹکا لیا۔

میں تین روز تک ان پہاڑی بھول بھلیوں میں بھٹکتا رہا لیکن آبادی تو کجا کسی ذی روح کا نام و نشان تک نہ مل سکا۔ بھاندر ناتھ کے دھوکے میں دو تین جگہ میں نے مشکوک چٹانوں پر تلوار کی دھار بھی آزمائی لیکن نتیجہ بے سود رہا۔ بھاندر ناتھ دوبارہ مجھے کہیں نظر نہ آیا۔ ادھر مسلسل تکان اور ویرانے کے خوف کے اعصابی تناؤ نے مجھے بہت زیادہ نڈھال کر دیا تھا۔ اگر میں مزید چند دن یونہی بھوکا پیاسا ان بے رحم چٹانوں سے ٹکراتا رہا تو جلد ہی چلنے سے بھی معذور ہو کر رہ جاؤں گا۔ اس کے خیال ہی سے روح لرزتی تھی۔ تنہائی اور معذوری کی کربناک موت کا سامنا کرنا کوئی آسان کام نہ تھا!

وہ رات میں نے ایک چشمے کے قریب بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔ سورج ڈوبا، چاند طلوع ہوا، پھر آدھی رات بھی بیت گئی اور میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر زرد چاندنی میں نہائے ہوئے ننگے پتھروں اور خاموش چٹانوں کو گھورتا رہا۔ پھر نہ جانے کب نیند میرے اعصاب پر غالب آ گئی!

سوتے ہوئے میں عجیب عجیب خواب دیکھتا رہا۔ کبھی آدم خور جنگلی اپنے درندوں جیسے دانت چمکاتے ہوئے مجھے اپنے نرغے میں لے کر رقص کناں ہوتے، کبھی میرا جسم تیز دھار بھالوں کی انی پر فضا میں اچھالا جاتا۔ پھر ایسے ہی ایک بھیانک خواب کے دوران میں کسی نے میرے پیٹ میں نیزے کی تیز چبھتی ہوئی انی اتار دی اور ایک تیز چیخ کے ساتھ میں ہڑبڑا کر بیدار ہو گیا!

میرے کانوں میں ابھی تک غیر انسانی آوازیں گونج رہی تھیں۔ ساتھ ہی ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے بدن پر نیزوں کی بوچھاڑ جاری ہو۔ چند ثانیوں تک تو میں دہشت زدہ سا زمین پر پڑا رہا اور جب حواس ذرا بحال ہوئے تو پھیکی چاندنی میں میں نے دیکھا کہ وہ خواب نہیں

تھا بلکہ درحقیقت میں ایک بڑی افتاد میں پڑ چکا تھا!

سیاہ پہاڑی لنگوروں کا ایک بہت بڑا غول کہیں سے اس وادی میں در آیا تھا۔ ان کی کربناک چیخوں نے آسمان سر پر اٹھایا ہوا تھا اور وہ دندناتے ہوئے میرے جسم پر سے گزر رہے تھے۔ ان کے پنجے میری جلد میں جھاڑیوں کی طرح چبھ رہے تھے!

صورتحال کا صحیح اندازہ ہوتے ہی میں بوکھلا کر جلدی سے اٹھ گیا اور دایاں ہاتھ تلوار کی طرف بڑھایا تو دل دھک سے رہ گیا۔ تلوار میرے شانے پر تھی نہ زمین پر اس کا پتہ تھا۔ ادھر لنگور اس قدر گستاخ اور بدتمیز واقع ہوئے تھے کہ مجھے یوں گردن دبوچ کر عجیب مضحکہ خیز آوازیں نکال رہے تھے اور ان میں سے کئی تو بڑھ بڑھ کر میرے سینے تک اچھل رہے تھے۔ اچانک ان ہی غولوں کے عقب سے ایک بہت بڑا لنگور غرایا اور اچھلتا ہوا میری طرف لپکا اور میرے سنبھلنے سے قبل ہی میرے بدن سے ریچھ کی کھال جھپٹ کر ایک طرف لے گیا!

ان بے تابڑ توڑ حملوں نے مجھے بری طرح حواس باختہ کر دیا تھا۔ میں نے جلدی سے اپنے پہلو میں ریوالور کی طرف ہاتھ بڑھایا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ وہ لنگور شاید میرا ریوالور بھی چھین کر کہیں پھینک چکے تھے اور اب میں ان کی یلغار کے سامنے بالکل نہتا رہ گیا تھا!

پھر اچانک ایک طرف چٹانوں کی اوٹ سے کسی لنگور کی سی تیز آواز ابھری پھر کسی کے قدموں کی بجلی سی دھمک دور ہوتی چلی گئی۔ اس آواز نے جیسے کیا اثر کیا کہ لنگوروں کا دائرہ میرے گرد نیم دائرے کی صورت اختیار کر گیا اور وہ سب نہایت خونخوار اور جارحانہ انداز میں میری طرف جھپٹنے لگے۔ میں نے ہاتھوں اور ٹھوکروں کے ذریعے انہیں خود سے دور رکھنا چاہا مگر کب تک؟ وہاں ان کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی۔ میرے بدن سے ریچھ کی کھال غائب ہو چکی تھی اور قمیص کے بھی چیتھڑے اڑتے جا رہے تھے اور ان کے تیز پنجے میرے جسم کے مختلف حصوں پر خون آلود نقش ڈال رہے تھے۔

چند ہی سیکنڈ میں میرے لیے وہاں ٹھہرنا ناممکن ہو گیا اور میں پلٹ کر ان کے درمیان سے ایک طرف بھاگ پڑا۔ ادھر لنگور موجود نہیں تھے۔ چاند کی مدھم روشنی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی جس کی وجہ سے مجھے بھاگنے میں خاصی سہولت ہو رہی تھی۔ رات کے اندھیرے میں کسی اندھی کھائی میں جا گرنے کا خطرہ کم تھا۔ سردی کا احساس میرے دل سے مٹ چکا تھا۔ نقاہت اور تکان نہ جانے یکایک کہاں غائب ہو گئی تھی اور میرے دل میں تو بے پناہ توانائی سمٹ آئی تھی۔ میری بس یہی کوشش تھی کہ ان لنگوروں سے جلد از جلد نجات حاصل کی جائے، مگر وہ مردود کسی ویران قبرستان میں بھٹکتی ہوئی بدروحوں کی طرح چلاتے اور غراتے ہوئے تین اطراف سے میرا راستہ کاٹ رہے تھے۔ ان کی ایک ٹکڑی میرے تعاقب میں تھی، دو ٹولیاں دائیں بائیں دوڑ رہی تھیں۔ جب وہ ایک پہلو سے مجھ پر جھپٹتے تو میں اپنی سمت فوراً بدلنے پر مجبور ہو جاتا۔

پھر ان کے درمیان دوڑتے لگتا، میرا پورا بدن پسینوں میں شرابور ہو گیا تھا اور اس آفت ناگہانی کو سر سے ٹالنے کے لیے اب میری ہمت بھی جواب دینے لگی تھی!

بھاندر ناتھ کی تلاش میں نکلنے والا یہ صفدر علی انسان اس کے بنائے ہوئے قانون، معاشرہ اور سرحدوں اور زندان کی ساری رکاوٹوں کو توڑتا انند رام جیسے ٹھگ اور شاطر کو رام کر کے اپنی منزل کا سراغ پا چکا تھا۔ صفدر علی نے آدم خور اور سفاک قبائلیوں کے ایک بڑے ہجوم کو اپنے سامنے کچھوے سے بھی بدتر بنا کر رکھ دیا تھا مگر اب وہ رات کے اس خنک طلسم میں بنتے لنگوروں کے سامنے بے بس تھا... مجبور تھا!

نہ جانے ڈھلانوں اور چڑھائیوں پر یہ بھاگ دوڑ کتنی دیر تک جاری رہی کہ میرے ذہن سے زوال اور تکان کا ہر احساس فنا ہو چکا تھا۔ بس میری ایک ہی کوشش تھی کہ سیاہ لنگوروں کے اس بدمست انبوہ سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کر لوں، ادھر وہ ابھار اتفاقی ہوئی تفریح سے دستبردار ہونے پر بالکل بھی آمادہ نہ تھے!

پھر میں ان سے بچنے کے لیے ایک دور تک پھیلی ہوئی ڈھلان سے اتر رہا تھا کہ میری نظر کچھ بلند اور وسیع و عریض ہیولوں پر پڑی۔ میں نے دوڑتے دوڑتے ایک بھرپور نظر ان پر ڈالی اور خوشی سے میرا دل جھوم اٹھا۔

وہ واضح طور پر کسی بڑی عمارت کا خاکہ تھا اور یہ جگہ میرے لیے ان لنگوروں سے نجات کا بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتی تھی۔ مجھے اب اس بات کی بھی پروا نہیں رہ گئی تھی کہ لنگوروں سے بچاؤ کی تدبیر کہیں دوبارہ آدم خوروں کے چنگل میں نہ پھنسوا دے۔ لنگور جیسے حقیر اور کریہہ جانور کے ہاتھوں مارے جانے کا تصور میرے لیے سخت شرمناک اور توہین آمیز تھا۔ جب کہ آدم خوروں کا نشانہ بننا اس تحقیر آمیز ہلاکت سے کہیں بہتر تھا!

ڈھلان کے پیچ و خم طے کرنے کے بعد میں سیدھا اس مقام کی عمارت کی طرف ہو لیا جو لحظہ بہ لحظہ واضح ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اگر اب لنگوروں نے گھیرا ڈال کر مجھے سمت بدلنے پر مجبور کیا تو میں اسلحے سے پہرہ ڈالوں گا مگر وہ ذہنی طور پر مجھ سے اتنے افضل نہ تھے کہ ایسی حکمت عملی اختیار کر سکتے!

وہ عمارت زمین کے ایک وسیع اور وسیع حصے پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی بلندی کسی طرح بیس فٹ سے کم نہ تھی۔ تعمیر میں پہاڑی پتھر نہایت فراخدلی سے استعمال کیے گئے تھے۔ سامنے والی دیوار میں کم از کم دس فٹ چوڑا اور آٹھ فٹ اونچا دروازہ تھا اور اس خلا کے اوپر دیو ہیکل سلسلہ قائم رکھنے کے لیے بہت موٹی اور بے ہنگم سی چیز کے دو ستون کھڑے کیے گئے تھے!

میں نے بغیر رکے پوری رفتار سے اندر گھسا چلا گیا۔ لنگور بھی تیز رفتاری سے ایک دوسرے کو دھکیلتے میرے تعاقب میں تھے!

چند ہی ثانیوں بعد میں نے خود کو ایک بڑے سے ہال میں موجود پایا جس کے اوپر کھلا آسمان چمک رہا تھا اور فرش پر چاند کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں گھستے ہی حیرت سے میرے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے... لنگوروں کا شور اچانک دم توڑ چکا تھا اور وہ پرسکون انداز میں اس کھلی چھت والے ہال میں بکھرنے جا رہے تھے۔ وہاں اب ان کے چلنے کی سرسراہٹیں یا پھر سانس لینے کی تیز آوازیں سنائی دے رہی تھیں!

سر پر تاروں بھرا آسمان دیکھ کر مجھے بے اختیار گنجلک کے وہ صدیوں پرانے کھنڈرات یاد آ گئے جہاں میں عجیب و غریب حالات میں ٹمک کے روبرو پہنچا دیا گیا تھا۔ بلکہ کمین گاہ کھنڈرات کے ایک نیم شکستہ کمرے پر مشتمل تھی جس کی نصف چھت امتداد زمانہ کے باعث بیٹھ چکی تھی اور وہاں سے ستاروں بھرا آسمان صاف نظر آتا تھا۔

وہاں گھستے ہی میرے اچانک حیران رہ جانے کی وجہ اس ہال اور بلکہ کمین گاہ کی مماثلت تھی نہ لنگوروں کی حیرت انگیز خاموشی بلکہ اس منظر کا باعث وہ حسین دوشیزہ تھی جو ہال کے داخلی دروازے کے قریب پتھروں کے چبوترے پر عجیب تمکنت کے ساتھ پہلے سے موجود مسکرا رہی تھی۔ اس کے بدن پر بے نیازانہ انداز میں کسی جانور کی ایک بالوں دار کھال چڑھی ہوئی تھی

چبوترے پر اس کے پہلو میں پڑی ہوئی ریچھ کی کھال میں پہلی ہی نظر میں پہچان گیا۔ وہ کھال میں نے مرنے والے آدم خور ریچھ کی لاش سے اتاری تھی اور کچھ دیر قبل ایک قد آور لنگورا سے میرے سر تلے سے لے بھاگا تھا۔ کھال کے قریب ہی میرا اعشاریہ چار پانچ کا سیاہ اور وزنی پستول پڑا ہوا تھا اور میری تلوار کا چمکیلا دستہ لڑکی کے دائیں ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ تلوار کی نوک اس نے ہال کے پتھریلے فرش پر جمائی ہوئی تھی اور پلکیں جھپکائے بغیر مجھے ایسی نظروں سے دیکھ کر مسکرا رہی تھی جیسے میری وہاں آمد اس کے لیے متوقع رہی ہو...!

میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھا۔ میرا مبالغہ حقیقت تھی۔ مجھے اچانک احساس ہوا کہ اپنے مصائب کے باعث میں ذہنی طور پر لنگوروں سے بھی بدتر ہو کر رہ گیا ہوں۔ ساری بھاگ دوڑ میں مجھے یہ وہم رہا کہ میں اپنی مرضی سے بھاگ رہا ہوں جبکہ لنگور منظم طریقے پر مجھے اسی عمارت کی طرف ہانک رہے تھے اور بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تھے...!

"بھاگ آئی تو لو...!" لڑکی کے لبوں کو جنبش ہوئی اور فضا میں ترنم سا بکھر گیا۔ الفاظ اجنبی، زبان نامانوس مگر لہجہ محبت انگیز تھا اور جب خاموش ہوئی تو اس کے لبوں پر بکھری مسکراہٹ کی مٹھاس اور گہری ہو چکی تھی...!

میں نے بے ارادی سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی اور ٹھہری ہوئی آواز میں بولا۔ "ان بے رحم وحشیوں نے..." میں مظلوم اور اجنبی ہوں دوشیزہ۔

کاش تو میری زبان بھی جانتی...!"

میرے الفاظ پر ایک ثانیے کے لیے وہ چونکی پھر اس کے ہونٹوں پر دوبارہ لازوال مسکراہٹ ناچنے لگی جس کا سحر میرے اعصاب پر جادو کی طرح رینگ رہا تھا۔

اس نے اپنی اجنبی زبان میں ایک مختصر سا فقرہ ادا کیا۔ سارے لنگور بالکل خاموشی اور سکون کے ساتھ اس وسیع ہال کے کچے اور تپتے فرش پر بیٹھے اپنے بدن کھجا رہے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بہرے گونگے ہوں...!

میرے لیے وہ سماں بڑا عجیب تھا۔ سارے لنگور سنجیدہ نمازیوں کی طرح اس ہال میں سمٹے بیٹھے ہوئے تھے۔ لڑکی کے سامنے پہلے ان کی جو حالت ہوئی وہ ناقابل اعتبار تھی۔ وہ سب اس کے اشاروں کے غلام نظر آتے تھے۔ اور اس ماحول میں وہ لڑکی ان لنگوروں کی ملکہ نظر آ رہی تھی!

چند ثانیوں کے سکوت کے بعد لڑکی کے حلق سے کسی لنگور کی ہلکی ہلکی مگر تیکھی چیخیں بلند ہونے لگیں۔ وہاں موجود لنگور اس کی طرف ہمہ تن گوش ہو گئے اور اس کے خاموش ہوتے ہی فضا ان لنگوروں کی تیز چیخوں سے گونج اٹھی... وہ مسرت کے عالم میں قلابازیاں کھاتے ایک دوسرے کا منہ نوچ رہے تھے۔ اور اسی وارفتگی کے عالم میں وہ آہستہ آہستہ ہال سے باہر نکلنے لگے...!

میں نے بوکھلا کر اس لڑکی کی طرف دیکھا جو اگر ان گمنام ویرانوں کے بجائے جدید تہذیب کے کسی متمدن مرکز میں ہوتی تو اولین فرصت میں حسینۂ عالم قرار دے دی جاتی..... وہ زہرہ شکن لڑکی مستانہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی اور اشارے سے مجھے اپنے قریب بلا رہی تھی!

دھڑکتے دل، چڑھتی ہوئی سانسوں اور لرزتی ٹانگوں کے ساتھ میں آہستہ آہستہ چلتے چبوترے کی طرف بڑھا تو ایک عجیب سا احساس ہوا۔ پہلو کے مقابلے میں وہ سامنے سے زیادہ حسین نظر آ رہی تھی کیونکہ بالوں دار کھال اس نے بھی ستر پوشی کے لیے نہیں بلکہ سرد ہواؤں سے بچاؤ یا شاید آرائش کے لیے شانوں پر ڈالی ہوئی تھی۔

میرے قریب پہنچنے پر اس نے ایک بار پھر اپنی اجنبی زبان میں مجھ سے کوئی سوال کیا اور میں کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں بے وقوفوں کی طرح اس کا منہ تکتا رہا۔

ایکبار میرے جی میں آئی کہ اس کے حسن اور حسن کے لاپرواہانہ بلکہ بے محابانہ اظہار سے متاثر ہوئے بغیر اسے قابو کر کے اس سے تلوار چھین لوں، ساتھ ہی پستول بھی اٹھا لوں مگر یہ سوچ کر ہمت نہ کر سکا کہ شاید سیاہ لنگور اس کے تابع ہیں، تھوڑے فاصلے سے ان کا بے پناہ شور و غل ابھی تک سنائی دے رہا تھا اور لڑکی کے ذرا سے اشارے پر وہ میرے

ٹکڑے اڑا سکتے تھے۔ میرے لیے اب اس امر میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی کہ لنگوروں نے میرے ساتھ جو سلوک کیا اس میں لڑکی کے احکام کا دخل تھا۔ تلوار، پستول اور کھال لڑکی کے قبضے میں دیکھ لینے کے باوجود کوئی دوسری رائے قائم کرنا سب سے بڑی حماقت تھی۔

لڑکی نے تلوار اسی پتھر کے چبوترے پر رکھی اور میرا ہاتھ تھام کر ہال سے نکاسی کے راستے کی طرف چل پڑی۔ میں بھی کوئی تعرض کیے بغیر اس کے ساتھ ہو لیا۔ اس کے نرم و گرم حرارت آمیز ہاتھ کا لمس مجھے دیوانہ بنائے دے رہا تھا۔ بے خبر ہو جانے پر اکسا رہا تھا لیکن میں کسی نہ کسی طرح خود پر قابو پائے رہا۔

ابھی تک میرے ساتھ اس کا مدعا پوشیدہ تھا اور لنگور ہمراہ ان سیاہ اور بدصورت لنگوروں کے درمیان تنہا رہ چکی تھی لہٰذا جلد یا بدیر اسے میری طرف ملتفت ہونا ہی تھا۔ ان حالات میں جلد بازی نہ صرف اس کی برہمی کا باعث بن جاتی بلکہ شاید میرے لیے ناقابل برداشت دشواریاں بھی پیدا ہو جاتیں۔ میں اس وسیع احاطے میں خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد مجھے اس عمارت کی ساخت کا اندازہ ہو گیا۔ احاطہ کی دیواریں صرف تین جانب پھیلی ہوئی تھیں۔ عقب میں بہت اونچی کھڑی پہاڑی کی ڈھلان قد آدم دیوار کی صورت میں موجود تھی۔ اس احاطے میں ہال سے ملتے جلتے کمرے بھی بنے ہوئے تھے۔ ان کی پشت پر سینکڑوں لنگور اودھم مچاتے اپنی لمبی لمبی دُموں کے ذریعے زناٹے دار آواز کے ساتھ عقبی پہاڑی کی طرف سنگباری کر رہے تھے۔ میں یہ سنتا تو آیا تھا کہ لنگور پتھر وغیرہ مارنے کے لیے اپنی لمبی اور لچکیلی دُم کو گوپھن کے طور پر استعمال کرتے ہیں مگر اس کا عملی مظاہرہ دیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا۔

آسمان پر اب تارے ماند پڑنے لگے تھے اور ہوا میں نسیم سحری کی لطیف مہک رچنے لگی تھی۔ مگر میں اس قدر غیر یقینی بلکہ خطرناک حالات سے دوچار تھا کہ اس تبدیلی سے محظوظ نہ ہو سکا۔ اودھم شور مچاتے اور سنگباری کرتے ہوئے لنگور اس لڑکی کی موجودگی کو محسوس کرتے ہی اپنی ساری مصروفیات ترک کر چکے تھے۔ وہ مجھے ہمراہ لیے عقبی پہاڑی کے دامن میں بنے پتھروں کے ایک حجرے کی طرف لے جا رہی تھی۔ قریب جا کر مجھے پتہ چلا کہ وہ کوئی گہرا کنواں تھا اور اس میں دیوار کے ساتھ ساتھ چکردار پتھریلا زینہ نیچے تاریکی میں گم ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

لڑکی نے وہاں رک کر اشاروں کی مدد سے بدقت تمام مجھے یہ سمجھا دیا کہ اگر میں نے اس کی مرضی کے خلاف کوئی بھی قدم اٹھایا تو وہ کنواں میرا مقدر بنے گا۔

اس کے بعد لڑکی نے مجھے تنہا ہی چھوڑ دیا اور خود تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی ایک طرف غائب ہو گئی۔ اس کے جاتے ہی لنگوروں کی سرمستیاں دوبارہ شروع ہو گئیں۔

اجالا پھیلنے پر وہ لڑکی مجھے تلاش کرتی دوبارہ نمودار ہوئی۔ اس کے ہاتھوں میں جنگلی پھلوں سے بھرا ہوا مٹی کا ایک برتن تھا۔ اس نے وہ برتن میرے حوالے کیا۔ میں طویل بھوک سے نڈھال ہو رہا تھا۔ میں نے وہیں فرش پر بیٹھ کر پھل کھانے شروع کر دیئے۔ وہ کچھ دیر شاید میری بے صبری سے لطف اندوز ہوتی رہی پھر نہ جانے کب واپس لوٹ گئی۔

اس کے چلے جانے کا احساس مجھے اس وقت ہوا جب لنگوروں کی ایک ٹولی مجھ پر حملہ آور ہوئی۔ وہ تین چار تک بن کر میرے بدن کو جھنجھوڑنے لگے اور باقی لنگور سارے پھل لے بھاگے۔ پھل صاف ہوتے ہی مجھ سے لپٹے ہوئے لنگور بھی اپنے ساتھیوں میں جا ملے۔

میرے لیے یہ تجربہ خاصا تلخ تھا اور حالات بتا رہے تھے کہ مجھے خود کو ایسے واقعات کا عادی بنانا ہوگا ورنہ یہ منحوس اور بدطینت مخلوق میری زندگی کو جہنم بنا کر رکھ دے گی۔

میں دوپہر تک اس فراق میں رہا کہ کسی طرح دوبارہ اس ہال میں گھس سکوں جہاں لڑکی نے میرے ہتھیار چھوڑے تھے مگر ہر بار اپنے آس پاس چند لنگوروں کو منڈلاتے دیکھ کر ارادہ ترک کرنا پڑا۔

دوپہر کے بعد اس احاطے میں اچانک سناٹا سا پھیل گیا۔ شاید سارے لنگور کہیں نکل گئے تھے۔ ان کے اکا دکا ساتھی کہیں پڑے سستا رہے تھے۔ میرے لیے یہ موقع بڑا غنیمت تھا۔ میں چوروں کی طرح چھپتا ہوا اس ہال میں گھسنے میں کامیاب ہو گیا۔ پستول، کھال اور تلوار بدستور چبوترے پر موجود تھیں۔ لڑکی کی مخاصمت مول لیے بغیر میں یہ چیزیں کسی ایسی جگہ چھپا سکتا تھا جہاں سے بوقت ضرورت انہیں حاصل کر سکوں۔ میں جونہی اس طرف لپکا، اچانک کوئی سخت سی چیز سنسناتی ہوئی میری کھوپڑی کے عقبی حصے پر پڑی۔ میری آنکھوں کے سامنے تارے سے ناچ گئے۔ میں ہلکی سی چیخ مار کر پلٹا تو تین فٹ اونچی دیوار پر ایک قد آور لنگور موجود تھا۔ اور ایک اور پتھر کے گرد اپنی دُم کو بل دے کر دوسرے وار کی تیاری کر رہا تھا۔

میں گھبرا کر بے اختیار اس ہال سے باہر بھاگ نکلا۔

اس واقعے کے بعد لنگوروں سے میری روح فنا ہونے لگی۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی خوبرو سی دوشیزہ ان بیہودہ جانوروں کو اس حد تک سدھا سکتی ہے کہ وہ اس کی غیر موجودگی میں بھی اس کے احکام کی تعمیل کرتے رہیں۔ یہ اندازہ بھی ہو چکا تھا کہ اس چار دیواری میں لڑکی کی مرضی کے خلاف میں کچھ بھی نہ کر سکتا تھا لہٰذا میں ایک دور افتادہ حصے میں ڈھلتے سورج کی سکون پرور کرنوں کے سامنے جا بیٹھا تاکہ آنے والی رات کے لیے خود کو تیار کر سکوں۔

وہیں بیٹھے بیٹھے میرے ذہن پر غنودگی طاری ہونے لگی اور

میں کھردری زمین پر ہی دراز ہو گیا۔ اس وقت وہ پتھر بھی میرے جسم و دل کے نرم زخم لگتے ثابت ہوئے اور تھوڑی ہی دیر میں میری آنکھ لگ گئی۔

میرے آرام کا یہ سلسلہ زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا۔ سوتے ہوئے میرے داہنے کان میں کوئی کیڑا گھس گیا تھا اور تکلیف سے بے چین ہو کر میری آنکھ کھل گئی۔ ہڑبڑا کر کان پر ہاتھ مارا تو کیڑے کے بجائے ایک لنگور کی دم کا سرا ہاتھ میں آیا۔ غصے سے میرا خون کھول اٹھا۔ ادھر وہ لنگور میری گرفت سے دم چھڑانے کے لئے خوفزدہ چیخیں مارنے لگا مگر میں نیند میں خلل پڑنے کے باعث غصے سے اندھا ہو چکا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھوں میں دم تھام کر اس لنگور کو فضا میں گردش دی۔ پورا احاطہ اس کی چیخوں سے گونج اٹھا مگر میں نے نتائج کی پرواہ کئے بغیر اس لنگور کو پوری قوت سے دیوار پر دے مارا۔ دھماکے کے ساتھ ہی اس کی آخری دہشت زدہ سی چیخ نکلی اور وہ مردہ لوتھڑے کی طرح زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

اس کی چیخیں سن کر ہر طرف سے لنگور اڈنے شروع ہو گئے ان کی چیخیں بے حد غضبناک تھیں۔ اپنے ایک ساتھی کا حشر دیکھ کر وہ میرے قریب آنے کی ہمت تو نہیں کر سکے مگر دور ہی سے دشمنوں کی مدد سے مجھ پر شدید پتھراؤ شروع کر دیا۔

بیک وقت جسم کے کئی حصوں پر اتنی شدید ضربات آئیں کہ میں کسی ایک طرف توجہ نہ دے سکا۔ ادھر سامنے سے وہ لڑکی بدحواسی کے عالم میں بھاگی آ رہی تھی۔ مجھے مشتعل لنگوروں کے نرغے میں دیکھ کر اس نے دور ہی سے آواز لگائی۔ سارے لنگور اس کی طرف دوڑ پڑے۔ کچھ اس کے سر اور کندھوں پر سوار ہو کر شور مچانے لگے۔

وہ لڑکی مجھے نفرت آمیز انداز میں گھورتی ہوئی سیدھی مردہ لنگور کی طرف گئی لیکن اس میں تو زندگی کی رمق تک باقی نہ تھی۔ اس کو دیکھنے کے بعد وہ تیر کی طرح میری طرف آئی۔ اس کی غصے سے ابلتی ہوئی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ اس نے غراتے ہوئے پوری قوت سے میرے منہ پر ایک طمانچہ رسید کیا۔ اس کا یہ اقدام میرے لئے حیرتناک تھا یا کچھ ٹوٹا کہ میں پیچھے لڑکھڑا گیا۔ اس وقت پہلی بار مجھے اندازہ ہوا کہ وہ پہاڑی حسینہ کس قدر شہ زور ہے۔

غصے کے عالم میں میرے منہ سے اس لڑکی کے لئے کئی ننگی گالیاں برآمد ہوئیں مگر میں نے اپنے تحفظ کے پیش نظر عملی اقدام سے گریز ہی کیا۔ میرے جسم پر تازہ ترین پتھراؤ سے پیدا ہونے والے زخموں سے خون کی لکیریں بہہ نکلی تھیں۔ میں نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے خون میں نہائی ہوئی داہنی پنڈلی اس کے سامنے کر دی۔

"سنگا دوبا لنگا۔" لڑکی نے حقارت اور تیزی سے کہا اور مجھے عقبی پہاڑی کی طرف دھکے دینے لگی۔

پھر ذرا ہی ہوا جس کا مجھے اندیشہ تھا۔ اس نے مجھے اندھے کنوئیں میں اترنے کا اشارہ کیا اور معقول فاصلے سے میرے پیچھے رہ کر اس کے ساتھ لنگور باہر آ رہے تھے۔

"تمہیں بھی اچھی طرح سمجھ نہ رہنا تو میرا نام نہیں۔" میں جھلا کر ہوتے میں اونچی آواز میں بڑبڑایا۔

اس وقت پیچھے سے میری کمر پر ایک بھرپور لات پڑی اور میں چیختا ہوا سیڑھیوں سے پھسل کر سیدھا کنوئیں کی تہہ میں ہو لیا۔

لیکن میرا یہ سفر ایک لمحے سے بھی کم طویل تھا۔ اس کے فوراً بعد ہی میرا بدن سخت زمین سے جا ٹکرایا۔ میرے سامنے ہی کنوئیں کی دیوار میں ایک تنا ور دار کوٹھری تھی جس کے اندر ایک مشعل تیزی سے جل رہی تھی۔ فضا میں سخت بدبو پھیلی ہوئی تھی اور مشعل کی روشنی میں اس کوٹھری کے فرش پر ایک تخت نما چبوترہ اور تین خشک کھوپڑیاں پڑی ہوئی تھیں جو سب کی سب انسانی نظر آتی تھیں۔

اس وقت وہ حرکت... جو بہ ... جیسے ... نیچے آ پہنچی۔

"یہ خشک پنجر میرے باپ کا ہے!" اس کی آواز میں قہر کے گرنے لپکتے تھے!

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سر پر ڈنڈا دے مارا ہو۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اتنی صاف اور رواں اردو بولتی تھی اور اب تک وہ خود کو اس سے نابلد ہی ظاہر کرتی رہی تھی۔

اس وقت خوشی، حیرت، مسرت اور دہشت کے ملے جلے اثرات نے میرے ذہن کو مفلوج کر کے رکھ دیا۔ بیک وقت بے شمار سوالات نے ذہن پر یلغار کر دی تھی۔

تہذیب کے مراکز سے سینکڑوں میل دور اسے یہ مہذب زبان کس نے سکھائی ہے وہ کون تھی اور ان سنگلاخ ویرانوں میں کیا کر رہی تھی۔ وہ اپنے مردہ باپ سے اس قدر نالاں کیوں تھی؟ ابھی تک میرے سامنے میری زبان سے ناواقفیت کی اداکاری کیوں کر رہی تھی؟ اگر وہ مہذب دنیا میں رہ چکی ہے تو انسانوں سے نفرت اور حیوانوں سے محبت کا کیا راز ہے؟

سوالات بے شمار تھے! اس کے منہ سے اپنی زبان سن کر بے اختیار جی چاہا کہ اسے اپنے بازوؤں میں جکڑ لوں۔ اس اجنبی ماحول میں بے بس و مجبور اور خونی فضا میں وہ واحد ذی روح تھی جو میرے مسائل کو سن اور سمجھ سکتی تھی مگر اس وقت وہ بھوکی شیرنی کی طرح وحشت زدہ تھی۔ اس کا حسن غصے کی آگ میں ڈوب گیا تھا۔ میں اپنے ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکا!

"تم... تم میری زبان جانتی ہو؟" میں اس سوال کو اپنی زبان پر آنے سے نہ روک سکا اور حیرت کے ساتھ اس سے پوچھ ہی لیا۔

"ہاں ــــ اور یہ میں نے کر لکھنے میں پہلے ہی... الاگا

جنونی اور میں ان پہاڑوں کی پیداوار ہوں اور میرے سینے میں بھی ہری ہی دھڑکتا ہے...... یہ تیری پہلی اور آخری غلطی تھی جو میں معاف کرتی ہوں۔ اگر اب تو نے میرے کسی ساتھی کے ساتھ سختی برتی تو ان خشک اور بے جان ڈھانچوں میں تیرا بھی اضافہ یقینی ہے۔"

"دراصل وہ مجھے تنگ کر رہے تھے۔ وہ میرا کان اپنی دم سے کرید رہا تھا۔" میں نے اصل واقعہ بیان کرتے ہوئے خود کو اچھا اور بچہ کا اصل محسوس کیا۔

"یہ سب معصوم ہیں۔" وہ اس وقت جذبات کی رو میں بہہ رہی تھی۔ "انسانوں کی طرح ... سمجھتے ہیں۔ آخر مجھے کیوں نہیں ستاتے؟ تیرے بجائے مجھے کیوں نہیں ستا..."

"میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ تمہارے دوست کے دوست ہیں ... اور کسی کے نہیں۔" یہ معلوم ہونے کے بعد کہ وہ میری زبان اور میرا ... سمجھتی ہے مجھ میں بحث کا حوصلہ پیدا ہو گیا تھا۔ میں ہر قیمت پر اس کی ہمدردیاں جیتنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"اس لنگور کو قتل کرنے کے بعد تم میرے دشمن تو نہیں بن گئے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

"میں خود کو تمہارا قیدی محسوس کرتا ہوں۔ ان پہاڑوں میں قدم رکھنا کوئی جرم تو نہیں ہے۔ آخر تم نے مجھے کیوں گھیر لیا تھا؟"

"بھٹکا ہوا مجرم نہیں ہے۔" وہ غرائی اور حقارت کے ساتھ خشک ڈھانچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "یہ بھی تیری طرح مہر کرنے آیا تھا۔ اور ان پہاڑوں میں بھٹک گیا تھا۔ میری ماں انسانوں میں رہتی تھی۔ اس کی عقل نحوست کے قریب میں آ گئی۔ اس نے بھٹکنے والوں کی رہبری کی اور یہی ان کا بھیڑیا بن کر میری ماں کی موت کو نگل گیا۔ اگر اپنی ولدیت پر مجھے اختیار ہوتا تو کبھی پسند نہ کرتی۔ مگر اس کے تخم سے پیدا نہ ہوتی!"

"درد ناک۔" اس کی کہانی سن کر مجھے واقعی صدمہ سا ہوا۔ "تمہاری ماں کہاں ہے؟"

"وہ جہاں ہے سکھ سے ہے۔ خنجر دار جو اس کا نام ہے وہ بولا۔" آنکھیں نکال کر غرائی۔

"کیا یہ کہانی نہیں کہ میں تمہاری جہالت سے ... بھٹکنے کے بجائے تمہارے ساتھ ... بیان کروں؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد میں نے سوال کیا۔

اس نے گہری نظروں سے میری طرف گھورا۔ پھر بولی۔ "تو کون ہے اور اس علاقے میں کیا کر رہا ہے؟"

"میں گمشدہ ہے ... آیا ہوں ... ان پہاڑوں میں راستہ بھٹک گیا ہوں۔"

"گمشدہ ــــ کیا تیری ... کوئی نام ہے؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"ان کیا ... نے ان پہاڑوں سے باہر کی دنیا ... ہے؟"

"نہیں، میں نہیں ... جانتی ... مجھ ... باہر کی دنیا کے

دلچسپ اس کے چہرے سے کسی شوق یا تجسس کا اظہار نہیں ہوا تھا۔ "تم اور تمہارے آدم کی مقدس تلوار کس طرح تیرے ہاتھ لگ گئی ہے؟"

"مقدس تلوار؟" میں حیرت سے اچھل پڑا۔

"ہاں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جو کوئی اس تلوار پر قابض ہو جائے وہ روئے زمین کا طاقتور ترین شخص ہوتا ہے اور وہ جوہریوں کی طرح اس کی برتری تسلیم کر لیتے ہیں!"

میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ ان کی شکست کو میں ابھی تک اپنے لنگوروں کا کارنامہ سمجھتا آ رہا تھا۔ لڑکی کی زبانی مجھے پہلی بار علم ہوا کہ وہ صرف تمہیں اس بھوت کی تلوار کا کارنامہ تھا جو میں نے محض ایک چھپانے کے طور پر ان کی بستی کے سب سے بڑے مکان سے چھپا لی تھی۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم یہاں سے کسی بہتر جگہ چلیں؟ میں تمہیں ... اپنی کہانی سنا دوں گا۔" میں نے پنجر اور کھوپڑیوں والی کوٹھری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس نے مجھے بڑھنے کا اشارہ کیا اور میں چکر دار سیڑھیاں طے کرتا اوپر جانے لگا۔

وہ اس احاطے میں بنے ہوئے پہاڑی پتھروں کی دیواروں والے ایک کمرے میں رہتی تھی جس کی چھت پھوس اور تنکوں سے ڈالی گئی تھی۔ کمرے میں مٹی کے بنے ہوئے برتن قرینے سے ایک طرف رکھے ہوئے تھے۔ ایک گوشے میں کئی گرم کھالیں پڑی ہوئی تھیں جو شاید سردیوں میں استعمال کی جاتی ہوں گی۔ قریب ہی جنگلی پھلوں کا ایک انبار لگا ہوا تھا جن کی خوشبو سے کمرہ مہک رہا تھا۔

"برسوں سے یہ میرا گھر ہے۔" لڑکی وہاں پہنچنے کے بعد بولی۔ غصے کی کیفیت ختم ہو جانے کے بعد اس کے حسین چہرے کی رعنائیاں یکبارہ پھر جاگ اٹھی تھیں۔ ہونٹوں پر وہی سحر انگیز مسکراہٹ رقصاں تھی جو میں نے پہلی بار دیکھی تھی۔ بڑی بڑی نیلی آنکھوں میں زندگی کے دیپ روشن تھے جن پر گھنیری پلکیں سایہ فگن تھیں۔ سیب جیسی سرخ رنگت کے بھرے بھرے رخسار اور ان پر جھولتی سرخ رنگ کی آوارہ زلفیں، دراز قامت، گداز سراپا، چھاتی کی گولائی اور کوہستانوں کی روایتی چوڑی والی ... نے اس لڑکی کو دو آتشہ بنا دیا تھا۔

"میری ماں نے مجھے انسانوں سے نفرت کرنا سکھائی ہے۔ اس کا ولگداز قصہ میں تم کو سنا ہی چکی ہوں۔ وہ بھی میری طرح ان پہاڑی لنگوروں میں پرورش پا کر آئی ہے۔ ان اطراف میں جو قبیلے بستے ہیں وہ میرے آدم خور ہیں۔ وہاں مردوں کو زنانہ اعتبار برتری حاصل ہے۔ عورتیں کھلے آسمان تلے میدانوں میں رہتی ہیں اور ان کے گرد کتیوں کا دوہرا حصار ہوتا ہے اور دونوں حصاروں کے درمیان خونخوار درندوں کے بھوکے پیاسے غول آباد ہوتے ہیں۔ اگر کوئی بھی عورت فرار ہونا چاہے تو ان درندوں کا لقمہ بن جاتی ہے۔ مجھے ایک بار اپنے پہاڑ کی راستے کا عادی ... ان درندوں کے رکھوالے اس دوہرے حصار

میں جال باندھ کر راستہ بناتے ہیں۔ پھر قبیلے کے مرد وحشی درندوں کی طرح دندناتے عورتوں میں گھس جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک عورت صرف مرد کی عیاشی اور بچے جننے کیلئے ہی پیدا کی گئی ہے! اس رات وہاں قیامت کا سماں ہوتا ہے۔" لڑکی سادہ اور شکستہ سی زبان میں کہے جا رہی تھی۔ "اور صبح سے پہلے وہ سب لوٹ جاتے ہیں۔ عورتیں اسی کھلے میدان میں بچوں کو جنم دیتی ہیں۔ لڑکے بلوغت کی عمر کو پہنچنے پر باہر نکال لیے جاتے ہیں۔ لڑکیاں مستقبل میں جینے کے لیے وہیں چھوڑ دی جاتی ہیں۔ میری ماں نے پہلے ان ہی قبائل میں پناہ لینی چاہی لیکن یہ ذلت اسے کسی طور گوارا نہیں تھی اور آخر اس کو پہاڑوں میں پناہ لینی پڑی۔ وہ جب جاتی ہے لنگوروں کا لشکر لے کر دیگر قبیلوں پر حملہ آور ہوتی ہے اور وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگتے ہیں اور غاروں میں جا چھپتے ہیں۔ وہ لوگ بھاندناس کے پجاری ہیں اور میری ماں کو اس کا عذاب کہتے ہیں۔"

"بڑی عجیب کہانی ہے تمہاری۔" میں گہری سوچ سے چونک کر بولا۔ "مگر یہ تو بتاؤ کہ تم نے ان ویران پہاڑوں میں اردو کیسے سیکھی؟"

"یہ میری ماں کی زبان ہے۔" وہ عجیب لہجے میں بولی۔ "اس نے مجھے مقامی قبیلوں کی بولیاں سکھائیں۔ لنگوروں کی بظاہر بے معنی آوازوں کا مفہوم سمجھایا اور اسی نے مجھے اردو بھی سکھائی۔"

"تمہاری ذات پر تمہاری ماں کی چھاپ اتنی گہری ہے کہ مجھے بار بار اسے دیکھنے کی آرزو ہو رہی ہے!" میں نے کہا۔

"میری ماں کی عزت لوٹنے والے سمندر پار کے سفید فام تھے۔ یہاں سے آگے [illegible] ٹولیاں اکثر ان کی بلند چوٹیوں کی طرف جانے کیلئے گزرتی رہتی ہیں مگر ہم کسی سے تعرض نہیں کرتے کیونکہ ان کے پاس جادوئی ہتھیار ہوتے ہیں۔ وہ بھی اس بات کو پسند نہ کرے گی کہ میں باہر کی دنیا سے ایک اجنبی مرد کو یہاں پناہ دوں!"

"پھر تم نے مجھے پکڑا کیوں تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"میں اپنے لنگوروں کے ساتھ سیر کو نکلی تھی کہ تجھ پر نظر پڑی اور میں نے تجھے ستانے کی ٹھان لی۔ میرا ارادہ تھا کہ تجھے خوب پریشان کرنے کے بعد مار ڈالوں گی مگر جب میں نے تیری زبان سے اردو سنی تو میری دلچسپی جاگ اٹھی! اپنی ماں کے علاوہ میں نے صرف تجھے اس زبان سے آشنا پایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تو اب تک زندہ نظر آ رہا ہے۔"

"تم یقین کرو لڑکی کہ میں تمہارا دوست ہوں.....!"

میں نے اسے سمجھانا چاہا لیکن اس نے حقارت سے میری بات کاٹ دی۔ "جھوٹ ـــــ مرد کسی عورت کا دوست نہیں ہو سکتا۔"

"میری کہانی سن کر تم شاید مجھ سے کچھ ہمدردی ہو جائے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دھیمی آواز میں کہا۔

"ہر مرد پہلے مظلوم بن کر عورت کا قرب حاصل کرتا ہے پھر اس کے لیے سب سے بڑا ظالم بن جاتا ہے۔" اس کا لہجہ طنز سے لبریز تھا۔ "میں تیرے بارے میں جاننا ضرور چاہتی ہوں کہ شاید تو مجھے آگے کچھ بتا سکے گا۔"

"میں ایک کیمیا گر ہوں۔" میں نے محتاط الفاظ میں کہنا شروع کیا۔ "اور بھاندناس کی تلاش میں استدام نامی ایک رشی کے ساتھ سیتا وادی کی سمت پہنچا تھا۔" میں بغور اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا لیکن وہ استدام یا سیتا وادی کے نام پر ذرا بھی نہ چونکی اور میرے سر اٹھانے والے اندیشے بلبلوں کی طرح بیٹھ گئے۔

"اس سے آگے استدام بھی میری رہنمائی نہ کر سکا۔" میں نے بات جاری رکھی۔ "اور میں خود بھاندناس کی تلاش میں نکل پڑا....."

اس سے آگے پیش آنے والے تمام واقعات میں نے اسے سنا دیے۔

"پہلے تو وہ صرف میری ماں اور اس کے لنگوروں سے خوفزدہ تھے مگر اب ان کی مقدس تلوار میرے قبضے میں آ چکی ہے۔ مجھے یقین ہے اب میری ماں ان پر حکمران ہو گی۔ وہ لوگ بالکل بھیڑیے ہیں۔ انسانوں سے اتنی رغبت رکھتے ہیں کہ اپنے مُردے تک کھا جاتے ہیں!" ان الفاظ پر اچانک وہ منظر یاد آ گیا جب آدم خور میرے ہاتھوں زخمی ہونے والے ایک ساتھی کے بدن کے ٹکڑے نوچ نوچ کر کھا گئے تھے اور کراہت سے میرا سر چکرانے لگا۔

"ان کی دانست میں کمزور اور بوڑھوں کو زندہ رہنے کا حق نہیں۔" لڑکی بتا رہی تھی۔ "جب بھی کوئی بیمار پڑتا ہے تو وہ علاج کے بجائے ایک بڑا جشن مناتے ہیں اور اسے ذبح کر کے آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ تو نے ان میں کوئی عمر رسیدہ یا بیمار شخص نہ دیکھا ہو گا!"

یہ سن کر میرے بدن کا رواں رواں کانپ اٹھا۔ میرا اتفاق تھا جو میں اس قدر سفاک لوگوں کے نرغے سے زندہ سلامت نکل آیا! چونکہ میں نے ان کی مقدس بوٹی بھاندناس کو چھو لیا تھا، لہٰذا مجھے بھی ذبح کرتے۔ استدام کے بقول بھاندناس کا دشمن الاؤ ایسے لوگوں کا نام پاتا تھا اور زندہ جلنے کی اذیت ذبح ہونے سے کئی ہزار گنا زیادہ ہوتی۔

"اچھی لڑکی ـــــ مجھے تم سے بہت امیدیں وابستہ ہیں۔ یقین کرو کہ میں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچاؤں گا۔ تم میری اتنی مدد کرو کہ بھاندناس کی معقول مقدار حاصل کر سکوں، پھر میں ان پہاڑوں سے نکل جاؤں گا اور کبھی ادھر کا رخ نہ کروں گا۔ بھاندناس کے بیج ڈھول گری کی جھیلوں تک لے جا سکو تو یہ تمہارا بڑا احسان ہو گا۔"

"ڈھول گری میں تجھے کیا کام ہے؟" اس نے چونک کر میری طرف دیکھا پھر خود ہی بولی۔ "تو شاید وہ تیجو حاصل کرنا چاہتا ہے جو انسان کو ابد تک زندہ رکھتا ہے!"

"تم جانتی ہو..... تم سب جانتی ہو!" میں اس کے قریب ہوتے ہوئے بے چین ہو گیا۔ "وہ یقیناً لوہے کو سونے میں بدلنے کا راز بھی جانتی ہو گی۔"

"جو کچھ ان پہاڑوں میں ہے میں وہ سب جانتی ہوں۔" وہ اترا کر بولی۔ "مگر ڈھول گری کے راستے بہت بھیانک ہیں۔ اس کے پہاڑ دھواں اگلتے ہیں۔ سفید بادلوں میں چھپی چوٹیوں کا سینہ ہر وقت کھولتا رہتا ہے۔ دور سے دیکھنے والا کوئی ذی روح چند گھنٹوں سے زیادہ زمین پر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ڈھلانوں پر اس قدر گھنے جنگلات ہیں کہ شاید آج تک سورج کی کرن ان میں نہ پہنچ سکی ہو گی۔ میں بھی اپنی ماں کی اجازت کے بغیر کوئی مدد نہ کر سکوں گی!"

"مجھے اپنی ماں کے پاس لے چلو!" میں پرجوش لہجے میں بولا۔ "میں اس کے قدم چوم لوں گا جس کی کوکھ سے تم نے جنم لیا ہے۔ میں اسے کسی طرح آمادہ کر لوں گا۔"

"بہت مشکل ہے۔ وہ شاید ہی تیری بات مانے۔ پھر مجھے یہ بھی تو علم نہیں کہ وہ اپنی خانقاہ پر ہو گی یا نہیں۔" اس نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ آہستہ آہستہ اس کا رویہ میرے ساتھ دوستانہ ہوتا جا رہا تھا۔

"خانقاہ؟" میں نے حیرت سے دہرایا۔ "وہ وہاں کیا کرتی ہے؟"

"وہ برف میں لپٹی چوٹیوں کے قریب ایک پہاڑی خانقاہ میں عبادت کرتی رہتی ہے اور جب وہ زندگی کی یکسانیت سے اکتا جاتی ہے تو کچھ دنوں کے لیے گھومنے نکل پڑتی ہے!"

"بڑی عجیب بات ہے۔ آخر تم دونوں یکجا کیوں نہیں رہتیں؟"

"یہاں کی زندگی قدرے آسان اور دلچسپ ہے اور میری ماں بلند چوٹیوں پر رہ کر یکسوئی سے عبادت کرنا چاہتی ہے۔ وہ جگہ برفانی ہے۔ وہاں کی زندگی بہت سخت اور خطرناک ہے۔ ہر وقت خطرات کا دھڑکا لگا رہتا ہے!"

"تو پھر بھاندناس تک میری رہنمائی کرو!" میں نے التجا کی۔

"یہ بھی تقریباً محال ہے!"

"مقدس تلوار تمہارے قبضے میں ہے اور تم ان سے ہر بات منوا سکتی ہو!" میں نے پُرامید لہجے میں کہا۔

"وہ میری ہر بات مان لیں گے مگر مجھے کسی قیمت پر بھاندناس تک جانے نہ دیں گے۔ جس دن میں نے یہ جسارت کی وہ اپنی تباہی کی پروا کیے بغیر مجھ پر ٹوٹ پڑیں گے اور میں زندہ جلا دی جاؤں گی۔ ان کے مذہبی عقائد بہت جذباتی اور حساس ہیں اور محض تلوار کی وجہ سے ان کی عورتیں ذلت کا عذاب جھیل رہی ہیں۔"

"ہاں!" وہ بولی۔ "یہ کہانی بہت پرانی ہے۔ ان دنوں ان پہاڑوں میں کئی دن آتش فشاں پھٹتے رہتے تھے اور زلزلے بھی کثرت سے آتے تھے جن کے سبب ان قبائلیوں کو بے پناہ جانی اور مالی نقصان اٹھانے پڑتے تھے۔ انھوں نے ان کا توڑ کرنے کی ہر تدبیر کر ڈالی مگر یہ آفات نازل ہوتی رہیں۔ پھر ان کے پجاریوں نے ساری ذمے داری عورتوں پر ڈال دی۔ عورتوں کا نظام کچھ ایسا ہے کہ ہر مہینے ایک بار وہ کسی قیمت پر اپنی پاکیزگی برقرار نہیں رکھ سکتیں۔ ان کا خیال تھا کہ عورتیں اسی حالت میں بھاندناس کی پوجا کرتی ہیں، اسے چھوتی ہیں اور اسے غسل دیتی ہیں۔ یہ خیال آتے ہی عورتوں کو وسیع احاطے میں قید کر دیا گیا۔ اب یہ اتفاق تھا یا ان کے عقائد کی مضبوطی کہ اس کے بعد قدرتی آفات کا سلسلہ معدوم ہونے کی حد تک کم ہو گیا اور یوں ذلت کی قید عورتوں کا مقدر بن گئی!"

"مگر بھاندناس پر میں تو بیٹھ چکا تھا۔ یہ ان سب نے بھی دیکھا تھا پھر مقدس تلوار میرے قبضے میں آتے ہی ان کا استقبال خوف میں کیسے بدل گیا؟"

"تلوار کی وجہ سے وہ وقتی طور پر ضرور دب گئے مگر تم نے وہاں سنگین غلطی کی۔ وہ دھوکے سے کسی بھی وقت تجھے ہلاک کر دیتے اور اب بھی وہ چین سے نہ بیٹھے ہوں گے۔ ان کے کھوجی تیری تلاش میں ان پہاڑوں کا چپہ چپہ چھان ماریں گے اور تیری بو کے سہارے ایک نہ ایک دن تجھے آ لیں گے!"

"یعنی میں ان سے اب بھی محفوظ نہیں ہوں!" میں گھبرا کر بولا۔

"میرے لنگور ان کو یہاں تک پھٹکنے بھی نہ دیں گے!" وہ مسکرائی اور اس بار اس کی مسکراہٹ معنی خیز تھی۔ میں نے پہلی بار محسوس کیا کہ میرے سامنے گوشت پوست سے بنی احساسات کی مالک ایک حسین جوان لڑکی بیٹھی ہے!

"افسوس کہ بھاندناس کے اتنے قریب پہنچ کر بھی اس قدر مجبور ہوں۔ کاش میں اسے چوری کر کے ہی یہاں سے نکل سکتا!" میں نے حسرت کے ساتھ کہا۔

"یہ چوری زیادہ دیر پوشیدہ نہ رہ سکے گی اور وہ کسی دن تیری کھوج میں نکلے تو بہت جلد تجھے پکڑ لیں گے۔ تیرے لیے یہ بڑا المیہ ہو گا، لیکن وہ ناقابل یقین تیزی کے ساتھ ان جنگلی راستوں پر سفر کرتے ہیں۔ بھاندناس کا خیال ترک کر دے تو بہتر ہے!"

"اس کی یہی صورت ہے کہ تم مجھے ڈھول گری کی جھیلوں تک پہنچانے کا وعدہ کرو!" اس کے پیچھے رستاند قبیلے کے باعث ہر طرح [illegible]

"میں ماں کی اجازت کے بغیر یہاں سے کہیں نہ جا سکوں گی!"

اس کا لہجہ اٹل تھا۔

"میں تمہاری ماں کے حضور جانے کو تیار ہوں!"

اس نے غور سے میری آنکھوں میں جھانکا، پھر سپاٹ لہجے میں بولی "آج کی رات یہاں بسر کرنی ہے۔" کچھ ہم مقتدیوں کی طرف چل پڑے گئے۔ لڑکی نے شب بسری کے لیے دو گرم کھالیں بچھا دیں۔

لنگوروں کے لائے ہوئے پھلوں سے ہم دونوں نے آتش شکم سرد کی۔ میں معدان میں ڈالے ہوئے میری نظریں لڑکی کے جسم کے ان منور حصوں کی طرف اٹھتی تھیں جو لباس سے کھلے ہوئے اس کی کھال کے پیچھے سے جھانک رہے تھے۔

باہر احاطے میں لنگوروں کا شور و غل جاری تھا۔ میں لڑکی سے تھوڑی دور ایک کھال زمین پر بچھا کر لیٹ گیا، دوسری کھال اوپر اوڑھ لی۔

"تیرا نام کیا ہے؟" اچانک اس کمرے کے اندر لڑکی کی آواز گونجی۔

"مسعود!" میں نے اس کی طرف کروٹ لے کر کہا۔ "اور تمہارا کیا نام ہے؟"

"میری ماں مجھے سیتا کہتی ہے!" وہ بولی۔ "کیا بات ہے، تم اچانک خیال کے زیر اثر بولی "کیا تجھے مجھ سے بہت زیادہ ڈر لگتا ہے؟"

"جب سے تم نے میری زبان میں بات کرنی شروع کی ہے میرا ڈر بہت کم ہو گیا ہے!" میں نے سچی بات چھپانا مناسب نہ سمجھی۔

"پھر اتنی دور کیوں لیٹا ہوا ہے؟"

اچانک میری کنپٹیاں سلگنے لگیں اور میں رک رک کر بولا "تمہارے قریب میں سکون کی نیند نہ سو سکوں گا۔ مجھے یہیں لیٹے رہنے دو!"

"کیوں؟" اس نے میری طرف آتے ہوئے سوال کیا۔

"اس لیے... اس لیے کہ تمہارا لباس ناکافی ہے اور خوبصورت عورت جو ادھوری ڈھکی ہو مرد کا ایمان اگر متزلزل کر دے تو کیا عجب!"

وہ میرے قریب ہی زمین پر دراز ہو گئی۔ "ایک بات بتا مسعود!" اس نے پرشوق لہجے میں پوچھا "باہر کی دنیا سے آنے والا تو پہلا مرد ہے جس سے میں نے یہ بات کی ہے مگر یہاں سے گزرنے والے بہت سے قافلوں کو دور تک چھپ کر تعاقب کیا ہے۔ آخر تمہارے شہروں میں کیا عجیب بات ہے جو لوگ بڑی احتیاط سے چھپاتے ہیں، جسم کے سوا میں نے کسی کے بدن کا کوئی حصہ کھلا ہوا نہیں دیکھا اور تیرا لباس بھی عجیب سا ہے!"

"ہم عریانی کو معیوب سمجھتے ہیں سیتا!" میں نے اپنے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ "ہماری اقدار تم سے بہت مختلف ہیں!"

"میری ماں بتاتی ہے کہ وہ شہروں میں رہی ہے۔ وہ لوگ بڑے ہوتے ہیں خود غرض درندے۔ مگر مجھے تجھ میں ایسی کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔ میں ماں سے پوچھوں گی کہ آدمی ایسا کیوں ہے!"

میں جواب سے بچتا رہا میری آنکھیں اس کی شرارت سے کونے لگے تھے۔

سادہ اور معصومانہ باتیں کرتے کرتے وہ میرے قریب ہی سو گئی۔

مگر میں اپنے وجود کے جہنم میں سلگتا رہا۔ مشتعل کر دینے والی اور اسپرنگ کی طرح بے حجاب میرے پہلو میں تھی اور جس کا شعلہ بدن بھڑک رہا تھا۔ وقت کی رفتار جیسے کانٹے بھی گن رہی تھی میرے لیے ہر سانس لبِ منزل کی طرح تھی۔ نیند کا ٹوٹ رہا تھا اور لب تو یوں خشک ہو رہا تھا جیسے پیاس میں کہیں سے بے رنگ جنگل کے بیچ گھسنے کا پتا ہو۔ میں بار بار دوسری طرف کروٹ بدلنے کی کوشش کرتا مگر سنسنی سی کراتی سیتا اپنے بدن سے کمان کی طرح چشم تصور کے سامنے آ کھڑی ہوتی!

یہ میرے لیے کڑی آزمائش کی رات تھی۔ سیتا معصوم فتنہ انگیز خیالوں سے بے خبر تھی۔ مگر میں اس معاملے میں خوش قسمت تھا میرے وجود میں نفس کی ہمت دلانے والا ارشاد میں معصوم اللہ تھا۔ مگر مجھے سیتا کی معصومیت کا بڑا احساس تھا۔ اس کی بجائے دنیا کی کوئی لڑکی ہوتی تو میں ضرور موت کا شکار ہو جاتا۔

اگلی صبح میرے لیے ہیجانی جذبوں کی یلغار سے نجات کا پیغام تھی۔

طلوع سحر کی روشنی میں سیتا بھی بیدار ہو کر میری تلاش میں باہر نکل آئی۔

"ارے تیری آنکھیں تو سرخ ہو رہی ہیں اور چہرہ بھی سوجا ہوا ہے، کیا تو رات جاگتا رہا ہے؟" اس کے لہجے میں معصومانہ حیرت رچی ہوئی تھی۔

میرا جی چاہا کہ اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ کر اس کی پسلیاں توڑ ڈالوں مگر میں اس خیال سے کہ مزید کسی الجھن کا شکار نہ ہو جاؤں، اسے ٹال دیا۔

ناشتہ بھی جنگلی پھلوں پر مشتمل تھا۔ اس سے فارغ ہو کر میں آئی اور حلق سے لنگوروں جیسی آوازیں نکالنے لگی۔ آناً فاناً میدان سیاہ اور بھورے لنگوروں سے بھر گیا۔ وہ سب خاموشی کے ساتھ بے معنی آوازیں نکال رہے تھے!

جب وہ خاموش ہوئی تو لنگوروں کے شور سے کان پھٹنے لگے۔ سیتا انہیں دیکھ کر خوشی سے چہکنے لگی۔ اس نے کہا "یہ سب میرے ساتھی ہیں!" پھر وہ جھک کر میرے کان میں بولی "یہ میری دیوانگی پر سخت ناراض ہیں۔ میں نے ان کو بتایا ہے کہ تم بہت اچھے ہو!" بعض وقت دونوں ادھر دیکھتے رہے۔

کافی دیر بعد ہم وہاں سے نکل سکے۔ ایک قدآور لنگور ہمارے ساتھ تھا جس نے چھال کو کئی مرتبہ اس کا کاندھا پکڑ کر لیا۔

ہمارا اتفاق ہی کی بنا پر میں نے اسے پہچان لیا، یہ وہی لنگور تھا جو پہلے میرے بائیں کاندھے پر میرے بدن سے ریچھ کی کھال اتار کر لے بھاگا تھا!

"یہاں سے وہ سی خانقاہ کی مسافت کتنی ہے؟" میں نے بڑے ہی پوچھا۔

"میں تنہا تو تین دن میں پہنچ سکتی ہوں، تیرے ساتھ چار پانچ دن لگیں گے؟"

"کیا ہم بھوک پیاسے یہ سفر جاری رکھ سکیں گے؟"

"یہ لنگور اسی لیے ہمارے ساتھ ہے!" وہ ہنس کر بولی۔

"تمہارا مطلب ہے کہ ہم اس کا گوشت کھائیں گے؟" میں نے جان بوجھ کر اس کی بات کا مفہوم سمجھنے کی ناکام کوشش کر کے چڑایا۔

"ہاں — وہ ذبح ہو گا مگر میری تو بھوک ہی بجھ جائے گی۔" وہ بڑی بے نیازی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولی۔

راستے بھر وہ مجھ سے اپنی ماں کی اور اپنی باتیں کرتی رہی۔ جو بعض باتیں تو الجھی ہوئی تھیں۔ شام کا اندھیرا پھیلنے سے ذرا دیر پہلے سیتا نے لنگور کو اشارہ کیا اور وہ طویل قد دوڑ لگاتا ہوا جھاڑیوں میں غائب ہو گیا اور جلد ہی تازہ پھل لے آیا۔

"یہ کہاں گیا ہے؟"

"ابھی دیکھنا!" وہ پھر ہنس پڑی۔

ہمارا سفر تقریباً نصف گھنٹے بعد ختم ہوا۔ اسی کھانا بھی مل گیا۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ ہمارے سامنے تازہ جنگلی پھل لے کر آیا تھا۔

"اب تھکے؟" وہ میرے بازو میں چٹکی لے کر بولی "ان پہاڑوں کے دوسری جانب بستی ہے۔ یہ بہت ہی خوبصورت ہے۔ ہم دونوں کسی ایسی جگہ جائیں گے جو بہت زیادہ دور ہو، جہاں سے آسمان پر چاند ستارے دکھائی دیں اور درخت کی جڑوں پر لیٹ کر آرام کریں!"

"اور اگر یہ رات بیت جائے؟" میں نے اس کا سرخ چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے سوال کیا۔

"مجھے نہیں پتہ کہ شہر کی راتیں کیسی ہوتی ہیں!" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "یہ جنگل اور پہاڑ بڑے عجیب خوبصورت ہیں۔ یہاں ہر شخص کی جان کا دشمن ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو آپ کو سامنے جنگل کا شور سنائی نہ دے اور کوئی جانور زندہ نہ رہے گا۔"

جب شام کا سورج ڈوبنے لگا تو ہماری نگاہیں کام کر رہی تھیں، سفر جاری رہا۔ سیتا کی نیند کو ضروری سمجھ کر میں نے بار بار قیام کرنا چاہا لیکن سیتا ایک غار میں پڑاؤ کرنے پر بضد رہی کہ نہ جانے کون سی مصیبت آن پڑے۔

کہانیاں شروع کر دیں۔

آگ لگنے سے چھپا رہتی۔ فلک بوس عمارتوں، مشینی سواریوں اور ہوا میں اڑنے والی بلیوں کے بارے میں سن کر اس کی آواز خوشی سے کانپنے لگی اور جب میں نے اسے ہوائی جہاز کے بارے میں بتایا تو اس نے بے اختیار میرے شانے پکڑ کر مجھے کسی طرح جھنجھوڑ ڈالا۔

"تو جھوٹ بولتا ہے، مجھے بے وقوف بنا رہا ہے۔ بھلا آدمی کیسے ہوا میں اڑ سکتا ہے!"

"آدمی نہیں چیل کی طرح کی ایک بہت بڑی مشین ہوا میں اڑتی ہے، اس کے پیٹ میں کئی سو آدمی بیٹھ سکتے ہیں اور وہ سینکڑوں میل کے فاصلے تھوڑی ہی دیر میں طے کر لیتی ہے!" میں نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ اسے سمجھانا چاہا۔

"اگر وہ مشین ہو تو ہم ایک ہی دن میں ماں کے پاس پہنچ سکتے ہیں؟" اس نے سوال کیا۔

"ایک دن کیا، بس ذرا سی دیر لگے گی۔"

"تو ایسی اڑنے والی مشین بنا سکتا ہے؟"

"نہیں۔ اس کے لیے دوسری بہت سی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے!"

"تو جو چیز لگے گی میں تجھے مہیا کر دوں گی، میرے لیے ایک ایسی مشین بنا دے جس میں تین چار آدمی پرندوں کی طرح اڑ سکیں!" اس کی آواز میں خوشامد اتر آئی تھی۔

"میں نہیں بنا سکتا سیتا!" میں نے بے چارگی سے کہا "سینکڑوں آدمی اور مشینیں دن رات کام کرتی ہیں تو کئی مہینوں میں ایک ایسی مشین تیار ہوتی ہے!"

"مہینہ کتنا ہوتا ہے؟"

"ایک چاند سے دوسرے چاند کی درمیانی مدت ایک مہینہ ہوتی ہے۔" میں نے بتایا۔

"پھر تو بہت وقت لگتا ہے!" اس کی آواز میں مایوسی اتر آئی۔ "اگر تو نہ بنا سکے تو تیرے بڑے قوت ہیں۔ اگر میں ماں کے ساتھ مل کر تیری مدد کروں تو بھی ہم تین آدمی کیا کر سکیں گے؟"

"تم دل چھوٹا نہ کرو سیتا!" میں نے پہلی بار خود کو اس کے سامنے برتر محسوس کیا۔ "اگر تم ماں سے میرے ساتھ چلنے کی اجازت لے لو تو میں تمہیں اڑن مشینوں کی خوب سیر کراؤں گا۔"

"وہ کبھی نہ جانے دے گی۔" سیتا کی آواز میں اداسی اور گہری ہو گئی۔ "اس کے سامنے یہ ذکر بھی نہ کرنا، وہ سمجھے گی میں تیرے ساتھ بھاگنے کا منصوبہ بنا رہی ہوں!"

"تم اس سے چھپ کر میرے ساتھ چلو!" میں نے موقع پا کر اسے مشورہ دی۔

"میں واپس کیسے آؤں گی؟" اس نے جلدی سے پوچھا پھر میرے جواب کا انتظار کیے بغیر خود ہی بول پڑی "تو اسی مشین میں مجھے واپس پہنچائے گا نا؟"

"ہاں!" میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے اقرار کر لیا۔

وہ بہت دیر تک مجھ سے کرید کرید کر شہروں کے بارے میں سوال کرتی رہی تھی اور میں اس کی عقل کے مطابق اسے جواب دیتا رہا۔

وہ تو خیر ایک پہاڑن تھی جس نے کبھی شہروں کی صورت نہ دیکھی تھی مگر میں تہذیب یافتہ معاشرہ کا ایک فرد ہونے کے باوجود اس دور افتادہ اور پسماندہ ماحول میں سائنسی ترقیوں کے تذکروں پر دل ہی دل میں حیران ہو رہا تھا۔ شہروں میں رہتے ہوئے میں نے انسانوں کی اولوالعزمی کی جولانیوں پر بھی کبھی زیادہ توجہ نہیں دی تھی لیکن ہمالیہ کی وادیوں میں یہ قصے مجھے بھی وہم اور خواب محسوس ہو رہے تھے۔

وہ میرے امتحان کی دوسری شب تھی لیکن تاریکی نے اس امتحان کی شدت کو کم کر دیا تھا۔ سفر کی تکان کے باعث میں تھوڑی ہی دیر میں گہری نیند سو گیا۔

تیز چیخیں رات کے آخری حصے میں میری بیداری کا سبب بنیں۔ آنکھیں کھولنے کے بعد کئی سیکنڈ تک تو میں یہی سمجھتا رہا کہ چیخیں میرے کسی ڈراؤنے خواب کا حصہ تھیں لیکن کسی لنگور کی دہشت زدہ چیخوں سے پوری وادی اب بھی گونج رہی تھی۔

میری چھٹی حس اچانک بیدار ہو گئی۔ لنگور کی چیخیں کسی بڑے خطرے کا پیش خیمہ تھیں۔ میں نے پھرتی سے اپنا بدن سمیٹا اور سیتا کو آواز دی لیکن جواب ندارد۔

پھر میں نے غار کی خاموشی میں اندازے سے پورا فرش ٹٹولا مگر سیتا وہاں نہ تھی۔ اسے موجود نہ پا کر میرے ہاتھ پیر پھول گئے اور میں افراتفری کے عالم میں غار سے نکل آیا۔

پھر چاندنی کی مدھم روشنی میں مجھے قریب کی ایک چٹان پر ایک انسانی ہیولا کھڑا نظر آیا۔ اس کے نزدیک ہی وہ قد آور لنگور اچھل اچھل کر بری طرح چیخ رہا تھا۔

"سیتا!" میں نے اس سائے کو آواز دی۔

اس نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا پھر سیتا کی آواز سنائی دی "اچھا ہوا کہ تو بیدار ہو گیا۔ بھاندر ناس کے پجاری آخر کار تیری بو سونگھتے یہاں تک آ ہی پہنچے ہیں۔ اگر میرا لنگور بروقت مجھے ہوشیار کر کے چیخنا شروع نہ کر دیتا تو یہ آدم خور غار میں گھس کر ہمیں مار چکے ہوتے۔"

میں سنبھلتا ہوا تیزی سے اس چٹان تک جا پہنچا جہاں سیتا کھڑی ہوئی تھی۔ نیچے نگاہ ڈالی تو کم از کم تین سو فٹ گہرائی میں چاندنی کی مدھم روشنی میں چار انسانی سائے نظر آئے۔

"یہ اب کیا چاہتے ہیں؟" میں نے نیچے جھانکتے ہوئے [illegible]

"بہت باتیں ہوتی ہیں۔ میں نے یہ بھی بتایا کہ تو [illegible] قبضے میں آ چکا ہے مگر یہ تجھے بغیر ملے کو تیار نہیں۔ کہتے ہیں کہ انہیں مقدس تلوار دکھا دوں گی تو یہ مجھے اپنا آقا مان لیں گے مگر [illegible] اجنبی کو کسی قیمت پر نہیں بخشیں گے۔ یہ بتا کیا فیصلہ کیا تم نے؟"

اسی وقت نیچے سے ایک آدم خور نے زور سے [illegible] وہ خاموش ہوا تو سیتا مجھ سے مخاطب ہو گئی [illegible] "ہم جانتی ہوں کہ پھیل جائیں گے مگر اجنبی کو ان پہاڑوں سے زندہ نہ نکلنے دیں گے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہم ان سے کس طرح چھٹکارا حاصل کیا جائے؟"

"یہ لنگور کس کام آئے گا؟" میں نے اسے یاد دلایا "یہ نیچے ہیں اور ہم بلندی پر۔"

اسی وقت سیتا کے حلق سے [illegible] ایک تیز [illegible] اس کی آواز کی بازگشت ڈوبنے سے قبل ہی ایک پتھر [illegible] پہلے آدم خور کی چیخ بہت مہیب تھی۔ وہ تیورا کر [illegible] کی کراہ تک نہ سنائی دی۔ اس کے تینوں ساتھی بوکھلا کر اِدھر اُدھر [illegible] نے سیتا کے ساتھ مل کر وزنی پتھر نیچے لڑھکانے شروع کر دیے۔ اور وہ [illegible] دھماکوں سے گونج اٹھا۔ دوسری طرف وہ لنگور بھاگنے والوں [illegible] اپنی دم کی مدد سے ان پر مہلک پتھر پھینک رہا تھا۔

بھاگنے والوں میں سے ایک بری طرح لڑھکتا ہوا [illegible] جا لگا۔ تیسرا لنگور کے پتھر کا نشانہ بنا۔ چوتھا [illegible] میں پناہ لینے میں کامیاب ہو گیا۔

نیچے میدان صاف پا کر لنگور نے اب پتھر پھینکنا [illegible] شروع کر دیے تھے۔ اس طرح شاید وہ [illegible] اپنی خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔

"ان میں سے ایک بچ نکلا ہے۔" سیتا کی آواز میں [illegible] کا اظہار ہو رہا تھا۔

"یہ بڑی خطرناک بات ہے۔" [illegible] اگر وہ مزید [illegible] جلد ہی پہنچ [illegible] سراغ پانے کے بعد چین سے نہ بیٹھیں گے!"

"تیری بات درست ہے۔" سیتا نے کہا۔ [illegible] ساتھ نیچے اترنے لگی۔

نیچے پہنچ کر ہمارے اندازوں کی تصدیق ہو گئی [illegible]

[illegible]

[illegible] تیسرے کا بدن چٹان کے نیچے [illegible] پڑا تھا [illegible] پہنچ نہیں تھا۔

ہم لوگوں نے اس کی تلاش کی ایک ایک چٹان ماری لیکن [illegible] کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اسے زمین [illegible] جتنا عرصہ ہم اس کی تلاش میں مصروف رہے پھر [illegible] جانب چل پڑے۔

اس حادثے کے بعد سیتا سفر کی رفتار تیز رکھنے پر مصر تھی۔ اس کا [illegible] آدم خوروں کے پورے قبیلے کی آمد سے قبل ہمیں اس کی ماں تک پہنچنا تھا [illegible] میں خود بھی تیز [illegible] باوجود اس کی رفتار کا ساتھ دینے [illegible] رہا تھا۔

آخر اس نے تجویز پیش کی کہ میں اس کے کندھے پر سوار ہو جاؤں [illegible] رفتار سے تو نہ چل پاتی مگر سفر کی [illegible] تصور ہی شرمناک تھا کہ میں مرد ہوتے ہوئے ایک [illegible] کے شانوں پر بیٹھ کر سفر کروں۔ اس میں ایک دوسری قباحت [illegible] جسم کا لمس مجھے کسی بھی مرحلے پر اندھا کر سکتا اور میں وہ [illegible] سے ابھی تک خود کو بمشکل روک پا رہا تھا۔

جب سیتا نے اپنی تجویز پر حد سے زیادہ اصرار کیا تو میں نے [illegible] کہ اب وہ میری سلامتی کی [illegible] نہیں۔ اگر میں [illegible] کے نرغے میں پھنس جاؤں تو وہ [illegible] مجھے [illegible]

شب و روز ڈھلتے رہے۔ ہمارا سفر جاری رہا۔ میرے لیے ہر [illegible] یکساں تھی مگر سیتا کو ان بھول بھلیوں کا [illegible] تھا۔ وہ قبل از وقت راستے کی نشانیوں کے بارے میں مجھے بتاتی [illegible] تو اس کی باتیں سچ ثابت ہوتی تھیں۔ سیتا کا [illegible] وہ قد آور [illegible] اس پُر خطر سفر کا ہیرو تھا۔ وہ ہمارے آگے جانے کہاں کہاں [illegible] یہ علاقہ [illegible] کے معاملے میں [illegible] برف کا پہاڑی [illegible] نظر آ رہی تھی۔

پچھلے روز دوپہر کے قریب ہم پتھر کی طرح [illegible] ہوئی شفاف [illegible] جس سے منعکس ہونے والی سورج کی کرنیں آنکھوں میں [illegible] رہی تھیں۔ اب ہم ایسی بلندی پر پہنچ چکے تھے کہ مجھے سانس [illegible] وقت ہونے لگی تھی۔ چند سو گز چلنے کے بعد میرا سینہ کسی [illegible] چلنے لگتا اور سیتا رک کر میرے سانس کی بحالی کا [illegible] سلسلہ برف پر چلنے کے باعث پیروں کی جلد پھٹنے لگی [illegible] قدر سخت اور چکنی تھی کہ ذرا سی بے احتیاطی پر پیر پھسل جاتا تھا۔

شاید وہ [illegible] لنگور بھی [illegible] موسم کا عادی نہ تھا [illegible] اس کی

ساری خوشی رخصت ہو چکی تھی۔ اور اس پر بار بار چھینکوں کے شدید دورے پڑ رہے تھے۔ اس کی ابتر حالت دیکھ کر میں نے دونوں کھالیں مضبوطی سے اپنے سینے کے گرد لپیٹ لی تھیں۔ کیونکہ یہاں ٹھنڈ کا معمولی سا حملہ بھی نمونیہ پر ہی منتج ہوتا جس کا علاج محال تھا۔

آخر خوفناک برفانی تیز ہواؤں کے بعد راستے میں جہاں اس قدر صعوبتیں پیش آئیں کہ میں ان کے خطرے سے اب تقریباً بے نیاز ہو چکا تھا

"ابھی ہم خانقاہ سے کتنی دور ہیں سیتا؟" میں نے ایک جگہ سستاتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"ہماری رفتار بہت سست ہے۔ اگر اسی طرح چلتے رہے تو ابھی کئی دن اور لگیں گے۔" اس کی آواز میں تشویش کے سائے لہرا رہے تھے۔

"کیا تم میری وجہ سے پریشان ہو؟" میں نے اس کا فکرمند چہرہ دیکھ کر پوچھا۔

"تیری طرف سے نہیں میں آدم خوروں کے بارے میں پریشان ہوں۔"

"وہ کیوں؟"

"میں ان کی فطرت سے خوب واقف ہوں۔ جو شخص بچ کر بھاگا تھا اس کے ہمراہ وہ کئی دن پہلے ہمارا راستہ روک سکتے تھے مگر وہ بہت چالاک ہیں۔ اگر میرا اندیشہ درست ہے تو اب وہ کسی بھی لمحے ہمیں للکار سکتے ہیں۔"

"تمہاری دانست میں وہ ہمارے تعاقب میں ہیں؟" میں نے یہ سوال کرتے ہوئے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد سی لہر دوڑتی محسوس کی۔

"شاید!" اس نے مختصر سا جواب دیا۔

"کھل کر بات کرو سیتا! شاید میں کوئی معقول مشورہ دے سکوں!" میں نے اپنے حلق میں کوئی چیز پھنستی محسوس کی۔

"وہ میرے لنگوروں سے بہت ڈرتے ہیں اور یہ جان چکے ہیں کہ اس سفر میں کم از کم ایک لنگور میرے ساتھ ہے۔ لہٰذا وہ خاموشی سے ہمارا پیچھا کر رہے ہوں گے۔ ہماری سمت سے وہ اندازہ کر چکے ہوں گے کہ ہم برفانی میدانوں میں ضرور داخل ہوں گے۔ جہاں اول تو میرے لنگور کی حالت ابتر ہے۔ دوسرے یہاں دور دور تک پتھر نایاب ہے۔ برف کی سخت اور موٹی تہہ کو توڑے بغیر ہم ایک کنکر بھی حاصل نہ کر سکیں گے۔ وہ شاید اسی موقع کے منتظر ہوں۔"

اس کی پوری بات سن کر میں لرز اٹھا۔ اس کی عمر [illegible] تجربہ کار تھی۔ وہ آدم خوروں کی مزاج شناس تھی اور اگر اسے تشویش تھی تو بالکل بجا تھی۔

"میری وجہ سے وہ تمہیں تو کوئی گزند نہ پہنچائیں گے؟" میں نے ڈوبتے دل کے ساتھ اس سے سوال کیا۔ اس کا لنگور اس وقت

بھی بری طرح چونک اٹھا۔ غیر برفانی پہاڑوں کے اس جانور کے لئے
یہ موسم واقعی سخت ناساز تھا۔

کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ شریر لڑکی اس وقت بالکل بدلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ "آرام سے دس قدم ساتھ لے آئے تو شاید کوئی تدبیر ہو بھی سکتی تھی۔"

سارا دن ہم رینگتے رینگتے آگے بڑھتے رہے۔ میرے سینے میں اب شدید گھٹن ہو رہی تھی۔ شام کے قریب اچانک سیتا بری طرح خوفزدہ نظر آنے لگی۔ وہ جھکنے کے عالم میں برفیلی زمین پر کسی چیز کو گھورے جا رہی تھی۔

یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے اسے خوفزدہ دیکھا تھا۔

"کیا بات ہے سیتا؟" میں لڑکھڑاتا ہوا جلدی سے اس کے قریب پہنچ گیا۔

"میری ماں۔ نہ جانے وہ کس حال میں ہو!" وہ ڈوبی ہوئی آواز میں بولی۔ اس کی نگاہیں برف پر بنے ہوئے ایک غیر معمولی حد تک بڑے پیر کے گہرے نشان پر جمی ہوئی تھیں۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"برفانی آدمی کے قدموں کے نشان!" وہ تیز مگر سرگوشیانہ آواز میں بولی۔ "یہ بن مانس کی طرح کا کم از کم آٹھ دس فٹ بلند وحشی ہوتا ہے جو آدمی کی طرح دو پیروں پر چلتا ہے۔ سارے بدن پر بہت لمبے لمبے سفید بال ہوتے ہیں اور اس قدر طاقتور ہوتا ہے کہ انسان کی ٹانگیں پکڑ کر اسے دو حصوں میں چیر سکتا ہے!"

"کیا یہ ان اطراف میں کبھی کبھار ہی آتا ہے؟" اس کی حیرت کے پیش نظر میں نے سوال کیا۔ درحقیقت تو یہ ہے کہ اس دریافت پر میرا اوپر کا دل اچھلا تھا!

پہاڑی چوٹیوں کو سر کرنے والی مہمات کے ارکان نے واپس جا کر برفانی انسان کے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا۔ یہ تفصیلات بہت دلچسپ تھیں۔ کئی بار لوگ اس کی تصویریں لینے کی خاطر بھرپور تیاریوں کے ساتھ تبت یا نیپال کی بلندیوں تک گئے مگر اس کی جھلک تک نہ دیکھ سکے۔ سارا کا سارا نشان ان کے قدموں کے نشانات کے گرد گھومتی تھیں جن کی تصاویر سنسنی خیز عنوانات کے ساتھ ساری دنیا میں چھپی تھیں۔ پھر کسی نے ایک مشکوک تصویر بھی اخبارات کو فراہم کی جو برفانی پس منظر میں کسی لمبے اور موٹے تگڑے شخص کے دھندلائے ہوئے ہیولے کی تھی۔ تصویر میں صرف اس کی پشت نمایاں تھی اور اس کے مطابق اس کا قد دس فٹ یا اس سے زیادہ آٹھ فٹ ہو سکتا تھا۔ مگر اس تصویر کو بھی لوگوں نے مستند نہ مانا بلکہ اسے سستی شہرت حاصل کرنے کا ایک عام طریقہ قرار دیا۔ مگر اب اس خیالی کردار کی موجودگی کا پہلا ثبوت میرے سامنے تھا!

"یہ آدم خور بلندی پر کبھی نہیں آتا۔" سیتا کہہ رہی تھی۔

"یہاں تک اتر کر آیا ہے تو غالباً خانقاہ ویران ملی ہوگی۔ اس کا نقصان بھی پہنچ چکی ہوگی!" آخر میں اس کی آواز بھر آ گئی۔

"خدا نے چاہا تو وہ زندہ ہوگی سیتا!" میں نے قریب جا کر اسے دلاسا دیا۔

اس نے اپنی نیلی آنکھیں میری طرف اٹھائیں تو ان میں آنسو لرزاں تھے۔ "صفدر! میری ماں مر گئی تو میں تنہا رہ جاؤں گی!"

وہ بلک کر میرے سینے سے آ لگی اور میں نے بے ساختہ اسے اپنی باہوں میں سمیٹ لیا۔ ایک نا سمجھ لڑکی کے دل میں احسان مندی کا جذبہ بیدار ہو کر عشق میں بدل سکتا ہے! سیتا کسی سہمے ہوئے بچے کی طرح میری باہوں میں سمٹ گئی ... شانوں پر میری گرفت نرم پڑ گئی۔

ٹھیک اسی وقت فضا ایک بھیانک چیخ سے لرز اٹھی! سیتا تڑپ کر میری باہوں سے نکل گئی۔ میں گھبرا کر پلٹا تو فرشتے کوچ کر گئے۔ ... ہاتھوں میں سنبھالے ... ہم پوش آدم خور برفیلی زمین پر ہماری طرف آ رہا تھا۔

"یہ ہمارا شیری ماما!" سیتا ان کی طرف مڑ کر چیخی۔ ... سیتا کی آواز میں اس قدر خوشگوار تحیر تھا کہ بے اختیار مجھے اپنی خوش نصیبی پر شک ہونے لگا۔ کہاں تو میں ابھی تک مایوسیوں اور خطرات میں گھرا ہوا تھا، کہاں میرے سینے سے آ لگی اور اب خود سر آدم خور بھی ... ہیں۔

حملہ آوروں کے ٹولے میں سے ایک شخص نے اپنا نقاب اتار دیا اور اپنے بدن پر پڑی کھال درست کرتا ہوا سیتا کی طرف آیا۔ سیتا کے قریب پہنچ کر اس نے سر کو تھوڑا سا خم کیا۔ پھر نظروں سے گھورا پھر سیتا کے ساتھ اپنی مادری زبان میں کچھ کہنے لگا۔ ان کے اجنبی مکالمے میری سمجھ سے بالاتر تھے۔ میں چپ کھڑا سب دیکھتا رہا۔ مگر میں سر تا پا سراپا انتظار تھا۔ ... فلسفیانہ انداز میں اپنا کام کر رہا تھا۔

ان دونوں کی گفتگو خاصی طویل ثابت ہوئی۔ بار بار ان میں کچھ تلخی بھی پیدا ہوئی مگر پھر گفتگو پرسکون ہو گئی۔ اس سے بات ختم کرنے کے بعد سیتا میری طرف ... "اب وہی ہوگا جس پر تو رضامند ہوگا۔ یہ تیری تندرستی کا معاملہ ہے یا خونریز جنگ کی دھمکی!"

یک بیک میری ساری امیدوں پر اوس پڑ گئی ...

... لوگوں ... میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا اور تمہیں کیا جائے گا؟"

"انہوں نے میری تقدیر کا سامان کر لیا ہے۔ مجھے قیدی بنانے ... ساتھ خانقاہ تک چلیں گے تاکہ میں اپنی ماں کی خیر خبر ... وہ زندہ ہوئی تو میں اس کے مشورے پر عمل کروں گی۔ اگر وہ ... ہوئی تو میں تیرے ساتھ واپس چلی جاؤں گی۔ اپنی بستی میں پہنچ کر یہ ... تجھے آگ میں زندہ جلا دیں گے۔"

"اگر تم میرے جلنے کا منظر دیکھنے پر آمادہ ہو تو مجھے یہ سمجھوتہ منظور ہے۔" میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"میری تو یہ نہیں تھی۔ وہ اس سے کم کسی بات پر آمادہ نہیں ..." سیتا میرا شانہ تھپک کر بولی۔ "وہ ہم پر براہ راست حملہ کر سکتے ... مگر وہ تجھے زندہ پکڑنا چاہتے ہیں۔ تاکہ صدیوں پرانی ... کے مطابق تیری چتا جلا سکیں اور یہی وجہ ہے وہ مجھے ہدایت ... آمادہ ہوئے ہیں۔ اگر تجھے یہ پسند نہیں تو میں ان سے مقابلے کی ... میرے بعد بھی یہ تجھ پر وار کر سکیں گے۔" اس کے لہجے سے ... دل ... کر رہی تھی۔

میں نے سیتا سے کچھ کہے بغیر اپنے دونوں ہاتھ سامنے کر دیئے ... یہ منظر دیکھتے ہی اس کا لشکر اوپر کی ... سے ... لیا گیا اور ... کسی بھیڑ بکری کی طرح ہانکا جانے لگا۔

پھر کسی جنگلی بیل سے میرے دونوں ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے۔ سیتا اب ایک لمحے کو بھی مجھ سے الگ ہونے کو تیار نہ تھی۔ جنگلیوں نے ہم دونوں کو اپنے نرغے میں لیا اور سیتا کی بتائی ہوئی سمت میں آگے چل پڑے۔

"میرے اندیشے درست ہی نکلے۔ یہ قبائلی ان معاملات میں بہت عقلمند ہیں!" سیتا میرے ساتھ چلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"میری تو دعا ہے کہ اس وقت کہیں سے برفانی انسان نکل آئے اور ان سب کے چیتھڑے اڑا ڈالے!" میں نے سخت مایوسی کے عالم میں کہا۔

"ہمارا حشر بھی ان سے مختلف نہ ہوگا۔" وہ بولی۔

"آگ میں زندہ جلنا اور برفانی انسان کے ہاتھوں مرنا ایک ہی بات ہے۔ میرے مقدر کا فیصلہ تو صادر ہو چکا۔ ..."

... صفدر! ... مجھے ... میری ماں نے مُردوں کے بارے میں مجھے جو کچھ بتایا ...

میں نے دھندلکے میں آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا پھر طویل سانس لے کر بولا: "اب میں سکون سے مر سکوں گا سیتا۔ تمہارا دل جیتنا میری سب سے بڑی آرزو بن گیا تھا!"

"میں نے خود پر مشکل قابو پایا ہے صفدر!" وہ دو ٹوک الفاظ میں کہہ بیٹھی۔ "جس رات میں پہلی بار تیرے نزدیک سوئی تھی اسی رات مجھے اندازہ ہوا کہ مرد عورت کی کتنی بڑی ضرورت ہے۔ میں اپنی ماں سے مشورہ کئے بغیر اس کا اقرار نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر زندگی اور موت کے اس دوراہے پر یہ جھجک میرے لئے بے معنی ہو کر رہ گئی ہے!"

میری آرزو اس طلب ... بہت زندہ دل ... تھی لیکن دل کے نہاں خانے میں ... ٹھیک رہے تھے کہ میں خود کو فضاؤں میں تیرتا محسوس کر رہا تھا۔

ہماری مسلسل باتوں سے اس لشکر کا سالار کچھ بھڑک گیا۔ اس نے سیتا سے گفتگو کی اور اس نے مجھے بتایا کہ وہ ہم دونوں کو الگ کرنا چاہتا ہے۔ اسے اندیشہ تھا کہیں ہم فرار کا کوئی منصوبہ نہ بنا ڈالیں۔ یہ حکم ناخوشگوار تھا لیکن ٹل گیا۔ ہم دونوں دو مختلف ٹکڑیوں کے ساتھ بانٹ دیئے گئے۔

رات کو پڑاؤ میں بھی اس بات کا خاص اہتمام رکھا گیا کہ سیتا

میرے قریب نہ آسکے۔ ہمارے مقابلے میں وہ لوگ ضرورت سے زیادہ حساس نظر آ رہے تھے۔

سیتا کے اندازے کے عین مطابق دوپہر تک آخر کار ہمیں وہ خانقاہ نظر آ گئی۔ چمکیلی برف کی زمین پر سیاہ پتھروں سے بنی ہوئی وہ خانقاہ بدھوں کے کسی قدیم اسٹوپا سے مشابہ تھی۔ اس کے کلس اور برجیاں دوپہر کے اجالے میں دور ہی سے چمک رہی تھیں۔

یہاں سیتا کی درخواست پر مجھے اور اس کو سب سے آگے چلنے کی اجازت دی گئی۔ پیرو برادر گروہوں کا لشکر ہمارے پیچھے تھا۔

اچانک سیتا نے زور سے ایک خوشی کا نعرہ مارا۔ قریب چار کی ساری برفانی چوٹیاں ساں ساں کی آواز کرنے لگیں۔ پھر یہ سب وہاں اٹھنے والا سکوت چھا گیا۔ سیتا کی نظریں برفیلی زمین پر ناچ رہی تھیں۔ پھر اسے میں کا ایک بہت بڑا نشان نظر آ گیا۔ یہ ہو بہو پہلے نشان سے مشابہ تھا۔ اس کے بعد تو وہاں ایسے بے شمار نشانات نمایاں تھے۔

سیتا نے خاموشی اور درد بھری نظروں سے میری طرف دیکھا لیکن میں اس سے نظریں چار نہ کر سکا۔ اور اپنا سر جھکا لیا۔

پھر ہم اس خانقاہ میں داخل ہوئے۔ سامنے ہی رام اور سیتا کی قد آدم پتھریلی مورتیاں استادہ تھیں۔ ان کی حالت سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ بعد میں یہیں لائی گئیں بلکہ خانقاہ کے ساتھ ہی تراشی گئی ہوں گی۔ اندر کوئی بھی نہ تھا۔ خانقاہ ویران پڑی ہوئی تھی۔ سیتا نے تڑپ کر ماں کو پکارا اور ایک مرتبہ پھر یہ آواز دور تک گونجتی چلی گئی مگر اس کا جواب کسی نے نہ دیا۔

خانقاہ کے آس پاس برفانی انسان کے قدموں کے بے شمار نشانات تھے۔ جیسے وہ کافی دیر وہاں گھومتا رہا ہو۔ پھر یہ نشانات ایک ڈھلان سے دور تک نیچے اترتے چلے گئے تھے۔ اس کے قریب اس کے تنہا کے نشانات بھی تھے۔ سیتا اب رنج و غم سے نڈھال ہو رہی تھی۔ اس نے نشانات کے تعاقب میں اسی ڈھلان میں اترنا چاہا مگر قبائلیوں کے سالار نے مضبوطی سے اس کا بازو تھام لیا۔

برفانی انسان کے قدموں کے نشانات دیکھ کر وہ سب بھی صورت حال کا اندازہ لگا چکے تھے۔ ان کے بشروں سے سراسیمگی ہویدا تھی اور وہ جلد از جلد وہاں سے واپس بھاگ نکلنا چاہتے تھے۔ مگر سیتا سالار کی گرفت میں مچل رہی تھی۔ وہ اپنی ماں کی تلاش میں ان نشانات کا تعاقب کرنا چاہتی تھی!

ابھی یہ کشمکش جاری ہی تھی کہ فضا میں ایک مہیب اور منکر سی چیخ ابھری۔ وہ سب لوگ دہشت سے چیخے۔ ایک دوسرے پر گرتے پڑتے خانقاہ سے واپس دوڑ پڑے۔ اس حالت میں بھی وہ مجھے اور سیتا کو ساتھ لینا نہیں بھولے تھے!

وہاں

[illegible]

کہیں کہیں گنجان درختوں کی ننگی ٹہنیاں اور ویرانی سے ابھرے ہوئے صدیوں قدیم ان غاروں [illegible] دور دور تک ویرانی کا عالم تھا۔ وہ آدم خور قبائلی خوف اور دہشت کے عالم میں چیخیں بلند کرتے زخمی بچنے ایک طرف بھاگتے چلے جا رہے تھے اور کریہہ آوازیں بلند تھیں۔ مجھے اور سیتا کو انھوں نے اپنے نرغے میں لیا ہوا تھا!

چند منٹ کے توقف کے بعد ہی دہشت ناک اور خوفناک چیخ ایک بار پھر برف زاروں میں گونج اٹھی۔ بھاگنے والوں کے حواس گم وہ بے تحاشہ اسی سمت خطرناک ڈھلانوں کی طرف گھوم گئے جدھر سے آواز کی سمت وہ چیخ ابھری تھی اور گروہ سیدھے بڑھتے چلے آ رہے تھے [illegible] کا اعلان وہ چیخ دے رہی تھی۔

بھاگنے والے ڈھلانوں پر پڑی ہوئی برف کی گہری پرت پر پیروں کی ایڑیاں گاڑتے اپنا توازن برقرار رکھتے ہوئے نہایت تیز رفتاری سے گزرتے جا رہے تھے۔ ان اطراف میں بے شمار چٹانیں اور غار ابھرے ہوئے تھے۔ وہ غالباً اپنے دشمن سے پناہ لینے کی خاطر جلد از جلد ان غاروں تک پہنچنا چاہتے تھے۔

پھر اچانک ایک قبائلی کا اندازہ غلط ہوا۔ غریب کی ٹانگ برف میں دھنس کے پھسل گئی اور وہ اپنا توازن کھو بیٹھا۔ ایک چیخ کے ساتھ نیچے لڑھکتا چلا گیا۔ دہشت ناک چیخیں چند ہی منٹ میں دم توڑ گئیں۔ [illegible] اس کا بدن [illegible] طرح لڑھکتا ہوا ہماری نظروں سے روپوش ہو گیا۔ چند سیکنڈ بعد نیچے سے ایک دھماکے کی آواز آئی۔ غالباً اس کی لاش کسی گہری وادی میں جا گری تھی۔

سیتا مرنے کے بعد بھی ان کا ساتھ چھوڑنے کو تیار نہ تھی۔ [illegible] قدم بڑھایا [illegible] ہر لحظہ مجھے اپنا حشر بھی ویسا ہوتا نظر آ رہا تھا مگر وہ سب دہشت کے باوجود میری جان کی حفاظت پر تلے ہوئے تھے۔ اپنے عقیدے کے مطابق وہ ہر قیمت پر مجھے زندہ سلامت گزارنا چاہتے تھے۔ [illegible] اگر میں کسی ڈھلان سے لڑھک کر لاپتہ ہو جاتا تو [illegible] بھگوان کی توہین کرنے والے سے [illegible] انتقام لینے [illegible] ساتھ ہی ناگہانی آسمانی مصائب کا شکار ہوں!

تیسری بار وہ [illegible] چیخ بہت قریب سنائی دی۔ [illegible] ایک بار پھر ایک سمت تبدیل کی [illegible] اسی کے ساتھ سیتا [illegible] جاتے [illegible] گی۔

"یہ۔۔۔۔۔ یہ برفانی انسان کی چیخیں ہیں [illegible]

قبضے میں آ گیا تو دنیا کی کوئی طاقت تجھے دردناک موت سے نہ بچا سکے گی۔"

[illegible] کے افسانوں کا مطالعہ بہت دلچسپ شغل محسوس ہوتا تھا لیکن [illegible] پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ یہ کس قدر خطرناک صورت حال ہے [illegible] یہ جنگ دونوں کے بیچ جاری رہی۔ کافی طویل وقفہ گزر جانے کے باوجود [illegible] سنسنی [illegible] سے لڑ رہا تھا [illegible] کے ساتھ بھاگتے چلے گئے۔ ایک جگہ ہمیں چٹان کی ایک بڑے ٹیلے کی اوٹ [illegible] سامنے قبائلی ایک دوسرے پر گرتے پڑتے [illegible] جیسے سامنے فرشتۂ اجل ان کا منتظر ہو!

اور وہ منظر تھا بھی اسی قدر خوفناک!

ٹیلے کے پیچھے مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر ایک ہولناک بلا [illegible] موجود تھی جس برفانی انسان کی کہانیاں [illegible] وہ زندہ سلامت میرے سامنے موجود تھا۔

اس کا قد مجھ سے کم از کم دوگنا تھا [illegible] اس قدر ضخیم تھا [illegible] سامنے کوئی دیوار [illegible] نظر آ رہا تھا۔ سیتا کے بیان کے [illegible] کی جانب جھکا کھڑا تھا [illegible] سفید بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ [illegible] ان میں سے دو بڑی بڑی دہشت ناک آنکھیں چمک رہی [illegible] سفید دانت نظر آ رہے تھے۔ ہاتھوں اور [illegible] انگلیوں کے آخری سروں پر عقاب کی [illegible] ناخن نمایاں تھے!

اس عفریت پر نظر پڑتے ہی میری زبان گنگ ہو گئی۔ دل [illegible] قدم [illegible] زمین پر گڑ کر رہ گئے [illegible] اس اثنا میں میرے پیچھے [illegible] قبائلی دوڑتے [illegible] چلے گئے اور جب ان کی نظر اس برفانی عفریت پر [illegible] برفانی انسان ایک مہیب چیخ کے ساتھ [illegible] دہشت زدہ اور چیختے ہوئے قبائلیوں کو [illegible] اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیا۔

پھر اس نے ان دونوں کو اپنے چہرے کے قریب لے جا کر دیکھا [illegible] پوری قوت سے ان دونوں کو ایک دوسرے [illegible] ان کی چیخوں سے برف پوش وادیاں دہل اٹھیں۔ میں اس وقت تک [illegible] پلٹ کر بھاگوں تو ایک زوردار دھماکے کے ساتھ [illegible] میرے قریب گرا۔ میں نے [illegible] دونوں میں سے ایک بدنصیب تھا جسے برفانی [illegible] اس کے ساتھ [illegible] میری نظریں پیچھے کی طرف اٹھ گئیں [illegible] دونوں ہاتھوں میں اپنے شکار کی ایک ایک ٹانگ پکڑی ہوئی تھی۔

وہ فضا میں الٹا معلق بری طرح تڑپ رہا تھا اور برفانی انسان کے ہاتھ آہستہ آہستہ پھیلتے جا رہے تھے۔ شاید وہ اس آدم خور کو دو حصوں میں چیرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

سیتا اپنے [illegible] نہ جانے کہاں جا چھپی تھی۔ اس وقت آدم خوروں کو کسی چیز کا ہوش نہ تھا۔ ان کے سروں پر بس ایک ہی دھن سوار تھی کہ کسی طرح برفانی انسان کے چنگل سے بچ نکلیں۔ دہشت اور سراسیمگی کے اس عالم میں وہ مقدس بھگوان کی توہین کرنے والے اپنے قیمتی قیدی کو بھی فراموش کر چکے تھے۔ اس وقت اگر میں چاہتا تو نہایت سکون سے کسی طرف فرار ہو سکتا تھا لیکن برفانی انسان کا خوف مجھے اپنے [illegible] کے سامنے [illegible] رہا تھا۔ وہ آدم خور [illegible] جیسے انسان تھے۔ برفانی انسان کے مقابلے میں [illegible] خوف مشترک تھا اور یہی خوف مجھے ان کے ساتھ [illegible] رہا تھا۔ اگر میں اس برفانی ویرانے میں ان سے بچھڑ جاتا تو مجھے یقین تھا کہ میں ان برف زاروں سے [illegible] میرے لیے [illegible] ان کا ساتھ چھوڑ دیتا تو [illegible] برفانی انسان مجھے اپنا آسان شکار بنا لیتا اس سے قبل ہی [illegible] مقدر کا فیصلہ کر دیتی!

وہ سب [illegible] بندروں کی طرح بھاگے جا رہے تھے۔ ان کی چیخوں سے وادیاں گونج رہی تھیں [illegible] برفانی عفریت کو دیکھا [illegible] ان کی طرف بھاگا [illegible] عقب سے [illegible] ہڈیاں ٹوٹنے کی آواز آئی [illegible] بے اختیار پیچھے گھوما تو برفانی انسان کے ہاتھوں میں اس کے شکار [illegible] اس طرح نظر آئیں [illegible] باقی نہیں رہ گیا تھا [illegible] آدم خور کے جسم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا اور دونوں حصے اس کے ہاتھوں میں لٹکے تڑپ رہے تھے!

میں پوری رفتار سے آگے دوڑ پڑا [illegible] اس وقت [illegible] دھڑک رہا تھا۔ حلق بالکل خشک ہو رہا تھا۔ پھر سب سے پہلے ٹیلے کی اوٹ میں مجھے [illegible] آدم خوروں کا [illegible] غول نظر آیا [illegible] وہ سب بری طرح ہانپ رہے تھے اور بار بار مڑ کر برفانی انسان کی حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہے تھے!

اچانک فضا میں برفانی انسان کی پے در پے چیخیں گونجیں اور آدم خور گھبرا کر ایک دوسرے سے لپٹ پڑے۔ خوف سے ان کی آنکھیں پتھرا کر رہ گئیں!

اس مرتبہ میں نے بھی مڑ کر دیکھا تو برفانی انسان [illegible] کے سے انداز میں دوڑتا ہوا نظر آیا۔ اس کے قدم اتنے لمبے تھے کہ چند ہی ثانیوں میں وہ [illegible] ایک ڈھلان میں روپوش ہو گیا۔

اور چند ہی سیکنڈ بعد یوں محسوس ہوا جیسے اس ڈھلان پر قیامت برپا ہو گئی ہو۔ آدم خوروں کی بے شمار چیخیں کانوں کے پردے پھاڑ رہی تھیں۔ برفانی انسان شاید بے خبری میں ان پر ٹوٹ پڑا تھا اور اب ان سے اپنا حساب چکا رہا تھا۔

"معصومہ! ہیبا" عقب سے میتا کی تیز آواز آئی تھی۔

خوف و دہشت، مایوسی اور ناامیدی کے اس ماحول میں میتا کی آواز سن کر پہلی بار مجھے تھوڑی کا ہلکا سا احساس ہوا۔ شاید اسے علم نہیں تھا کہ میں کہاں چھپا ہوا ہوں۔ کیونکہ وہ بے چینی کے ساتھ بار بار مجھے پکار رہی تھی۔

"میتا... میتا۔ ادھر آؤ!" میں اسے پکارتا ہوا تودے کی اوٹ سے نکل آیا۔

مجھے دیکھ کر وہ تیر کی طرح میری جانب آئی۔ اس کا شوہر اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ اس کی حالت بھی قابل دید ہو رہی تھی۔ ذرا سا کسی چیز کی طرح میتا کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اس کی بڑی بڑی جھبلی دم بھی کسی رسی کی طرح سخت برف پر گھسٹ رہی تھی۔ شاید اسے بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ برفانی انسان کے چنگل سے اس کا بچنا تقریباً محال ہو گا۔

"معصومہ۔ برفانی انسان ہماری راہ پر لگ گیا ہے!" وہ نفرت بھری... گھبراہٹ اور دہشت زدہ چیخوں اور کراہوں کے درمیان بوکھلائی ہوئی آواز میں بولی۔ "وہ جب تک ہم سب کو ہلاک نہ کر دے گا، اس کی بھوک نہیں مٹ جائے گی۔"

"ان سب کو تم ہی لے کر جاؤ۔ ہم نکلنے کی کیا صورت ہوگی؟" میں نے اس کا ہاتھ تھاما تو وہ بھولے ہوئے ناتب رہی تھی۔

"اس سے شدید بھی اس کی بھی ارادہ ہے۔ وہ تھا تو اور...!" میتا اسی آواز میں کچھ کہہ رہی تھی۔ میں نے تھا تو اس کی بات کاٹ دی۔

"معصومہ، ہوں تو چل وہ دوسری ہی حسرت سے دوچار ہونے والے ہیں۔"

"یہ الگ بات ہے... کی ماد شی اس بات پر بات ہی ہو گی۔" میتا مزید گھبرا کر بولی۔ "وہ نکلنے ہوئے بولی تو اور دشمن برائی ہی بھی نکل ہی ہے!"

"یہ ترکیب ہے؟"

"ہاں اس کی ادھ شدہ ہے اس میں نہیں یاد نہیں دیکھی ہوں۔"

"سنو! اس میں ایک ترکیب ذہن میں آئی ہے۔" میں سنسنی خیز لہجے میں بولا۔

"کیا ہو تو نہ وہ بتائی اس وقت تمہاری بات مانیں گے؟"

"اگر تمہیں برفانی انسان سے کوئی خطرہ ہو تو یقیناً دوسرے ہمیں بھی کچھ بتا سکتے۔"

"ان سے کہو کہ اپنے نیزوں سے برف کے تودے توڑیں اور تیل شور پر... [illegible] کو ہمارے کرنا ہے۔ اگر ہم سے بھی نہیں تو کا میاب ہو گئے تو شاید ہم بچ سکیں۔" میں نے اس سے ہوئے اپنی بات پوری کی۔

پھر تا لینے کے لیے میتا کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ "تم نے مجھے شوہر پر نظر ڈالی اور وہ پھر معلوم ہوتی تھی۔ یہ تو بہت خوفزدہ ہے!"

"میتا! اسے سمجھاؤ تم اس کی زبان جانتی ہو!" میں نے کہا۔

وہ شوہر کو اپنی بانہوں میں سمیٹ کر زمین پر بیٹھ گئی اور پھر حلق سے دبی دبی حیوانی آوازیں نکال کر اسے چکارنے لگی۔ میتا کے خاموش ہونے سے پہلے ہی شوہر نے ایک تیز چیخ ماری اور بے تابی سے اس کا ایک ہاتھ چاٹنے لگا۔

"یہ آمادہ ہے!" میتا کا لہجہ مسرت آمیز تھا۔

اس وقت ان برف پوش پہاڑوں کی وادیوں میں ایک ہولناک منظر پھیلا ہوا تھا۔ برفانی انسان نہایت سکون اور مسرت کے ساتھ لاشوں پر اور زخمیوں پر ہاتھ صاف کر رہا تھا۔ مگر سب چیخیں وہ دو کرنا بانی تھے۔ دو آدم خوروں کی جنہیں چیخ کر برابر کا نام تک کر چکے تھے۔ ان زخمیوں کو لوہیکی کے ہلاک کرنے والے کانگ کی چیخیں... اس سے کسی اور طرف بھاگتے نکلے۔ وہ وہ بہت وحشت سے سکون سے اپنے کام میں مصروف تھا اور ان کے بچے ہوئے لوگ اب برف پر بکھرے بکھرے چند ہی تا ہوں کی ہی دوسری ڈولی ہو اور جسموں کی حرارت سے پگھلنے والی برف اب بھی ان انسانی گرم لہو کے بیچے تھی۔ سفید برف پر بکھرے ہوئے ان گوشت کے ٹکڑوں سے دور ہی دور جو لوگ نکل چکے تھے وہ زور اسی کا شکار ہی بچے تھے۔

میتا بڑی مشکل سے ان کو اپنے ساتھ رکھ کر ہی پہاڑی کی طرف متوجہ کرا کر اس کی مدد کی جا سکے۔ اس کے نیزوں پر چڑھ کر برف... کو توڑ سکیں گے، تو شاید ہم اپنے دشمن سے نجات پا سکیں گے۔

میتا ان کی دوسری طرف بولی... ہی اپنی بات پر لے گئے۔ پھر اس کی بات مان گئے ہیں تو وہ سب ہی میری طرح ہو گئے۔ یہ وہ وقت تھا جب میں خود ہی سوچ رہا تھا۔ اسی وقت وہ دو برفانی انسان کو دیکھ کر تھے تھے... عجیب خوف زدہ پن سے کے کوئی دور نکل چکے تھے۔

میتا اپنی پوری قوت سے... برف کی چٹان پر چڑھ گئی تھی۔ جب پہلی بار وہ سب کو ادھر پہنچا دیا۔ میتا نے سخت خوف سے پوچھا۔ ہم سب اس کو لکی چوٹیوں پر کھڑے ہوئے تو وہ سب تیز انداز میں ایک ایک کر کے برف پر چڑھ گئے اور ہم سب اسی چٹان کے ساتھ لگے بیٹھے رہے۔

اسی وقت پہلی بار برفانی انسان کی آواز گونجی۔ وہ نیچے ڈھلوان پر کھڑا تھا... اور پہاڑوں کی ایک جانب... بڑا ہوا ہے... ہاتھ لگ گیا تھا اور اس کے لیے دو آدمیوں کا ایک گروہ بھی... [illegible]

بلندی سے بے انتہا فاصلے پر مسلط کر دی تھی۔ ایسی حرکت جس سے اس کا سہارا وہ بلند چٹان تھا۔

شوہر کا پھینکا ہوا برف کا بڑا ٹکڑا پوری قوت سے زمین سے ٹکرا کر برف کی ایک چٹان کو دور دور تک پھیلا گیا۔ بس وقت پہلی بار مجھے شوہر کی طاقت کا اندازہ ہوا۔ اگر ایسی چار چھ چٹانیں لڑھک کر نیچے گرائی جائیں تو برفانی انسان کو پل بھر میں کچلا جا سکتا!

دوسرا اور پھر تیسرا ٹکڑا لڑھکتا ہوا گیا۔ ٹکڑے ابھرتے گئے ہوئے اور چوٹی کی پشت سے زوردار دھماکوں کی آواز سی گونجی۔ برفانی انسان چوٹ کھا کر اس بری طرح دھاڑا کہ برف کے نیچے زمین دہل گئی!

اچانک میتا نے پوری قوت سے چیخ کر پیچھے بھاگتے وحشیوں سے کچھ کہا۔ خوف سے کانپنے والے لوگ اس کے اشارے پر دوڑے۔ انہیں تو بس یہی معلوم ہو رہا تھا کہ یہ طوفان ان کی جان بچانے آیا ہے!

چاروں جانب دیکھ کر میتا نے انہیں برفانی انسان کو برف کی چٹان سے نیچے دھکیل دینے کا حکم دیا۔ وہ سب دوڑے اور برف کے تودوں کو دھکیلنے لگے۔ وہ پوری قوت سے اپنے نیزوں سے برف کو ٹکرا کر توڑ رہے تھے۔ شاید وہ اندازہ لگا چکے تھے کہ اب مقابلہ ہی بچاؤ کا واحد راستہ ہے۔ پھر ایک زوردار دھماکا ہوا اور برف کی ایک بہت بڑی چٹان نیچے لڑھکنے لگی۔ اس کے ساتھ اور بھی ٹکڑے گرے... [illegible] برف کے ٹکڑے اور ہواؤں کی سرسراہٹ سب کچھ ایک ساتھ دھاڑتے ہوئے نیچے جا رہا تھا۔

شور اور دھماکوں کی آوازیں پہاڑوں میں گونج رہی تھیں۔ تاہم انسان کی قدموں کی ملاحیت بھی ختم ہو رہی تھی۔ وہ ایک عجیب تماشا تھا... جسے حساب و شمار کا کوئی اندازہ نہیں۔ کبھی چوٹیوں سے... برفانی انسان کے گرد... [illegible] جو لوگ دوڑتے ہوئے وہ تو اس کی صورت حال کا پورا اندازہ نہیں کر سکے۔ پھر بھی انہیں شیطانوں کی اوٹ سے ہی وہ منظر دکھائی دیا۔

انہیں دیکھ کر میتا کا ایسا لگا جیسے بس زبان میں نہ ہو... برفانی انسان سے بچ کر کہیں آنے کی کوشش نہ کریں۔

اس وقت دل کا چہرہ پریشان نہیں تھا... [illegible] نقش میں بھی ان برف کے تودوں میں... ایک بڑا سا برفانی انسان... اس وقت بہت زیادہ مدد کی ضرورت محسوس کر رہا تھا... اور ساتھ ہی ان کی قوت کو...

مارے کی قوت کی تاریکی میں وہ بلند ہوئی ایک ایک کے جھٹکے سے اڑا ڈالے گا۔ سفید برف پر لوٹتے ہوئے اور دیوقامت جسم کے برفانی انسان کا احتساب مجھے اپنے خوفناک مستقبل کا احساس دلائے جا رہے تھے۔

وہ ڈھلوان برف کے ٹکڑوں کی بوچھاڑ سے تو ذرا بھی خائف نہ تھا۔

ان اسے چند قدموں پر شدید دشواری کا سامنا تھا۔ ابھی تک اس کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے کوئی شدید ضرب نہیں آئی ہے جو فیصلہ کن ثابت ہو سکے۔ پھر اچانک برف کا ایک ٹھوس ٹکڑا پوری قوت سے اس دیو کی پیشانی یا کھوپڑی پر پڑا۔ اس کے حلق سے ایک غضبناک چیخ نکلی اور وہ بے اختیار پیچھے کی طرف لڑکھڑا گیا۔

میتا اور اس کے معاونین نے یہ دیکھ کر پرجوش نعرہ مارا۔ شوہر نے بھی طویل سکوت کے بعد پہلی بار چیخ ماری جس میں مسرت کا اظہار نمایاں تھا۔ تب وہ دوسرا ٹکڑا ہوا۔ متحرک اتنا شدید تھا کہ برفانی دیو کے کانوں سے جیسے ابال نکال دیا۔ ایک تیز دھار کی طرح اس کی پیشانی پر گہرا زخم آیا اور اس سے بہنے والا خون نیچے شفاف برف پر گرنے لگا۔

برفانی انسان کے چنگل سے فرار ہونے والوں کی تعداد کے بعد ان کی افرادی قوت بہت بڑھ گئی تھی۔ ان سب نے مل کر برف کے تودوں کا ایک ڈھیر جمع کر لیا تھا۔ اپنے خونخوار حریف کو زخمی دیکھ کر ان لوگوں کے بھی حوصلے بڑھ گئے۔ برفانی انسان پر پے در پے ضربوں سے برفانی انسان کا نشانہ ہو گیا اس کا پہاڑ کی طرح جسم بری طرح کانپنے لگا۔

پھر ایک آخری ضرب لگی اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپائے ڈگمگا کر پیچھے گرا اور برفانی انسان کی طرف لڑھکتا چلا گیا۔ اس کے بعد کیا ہوا، یہ دیکھنے کی ہمت کسی میں نہیں تھی۔ برف کا ایک ٹکڑا سا... [illegible] سب نے اطمینان کی سانس لی اور دوڑتے ہوئے اس کے گرد جمع ہو گئے۔ برف کے نیچے سے ایک زوردار چیخ سنائی دی... تب اپنی پوری قوت سے ایک آواز گونج اٹھی اور سب لوگ بے بسی سے ادھر دیکھنے لگے۔

"تم نے دیکھا؟ وہ مر گیا ہے... یا وہ اسی طرح برف میں دب گیا ہے؟" میتا نے مجھ سے پوچھا۔

"وہ واقعی طور پر زندہ نہیں... شاید اب نہیں بچ سکے گا..." میں نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب وہ دوبارہ نہیں اٹھ سکے گا۔"

میتا بڑی دیر تک خاموش کھڑی رہی۔ اس وقت ان کے چہرے پر اور ان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی اور میتا کا چہرہ... [illegible] خوشی سے دمک رہا تھا... اس کی مدد سے بچاؤ کے بعد خاصا سکون ہو گیا تھا۔

گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہوئے اور وحشت سے منہ کھولے چیخا! عجیب تھا میں نے بس ایک ہی نظر سے دیکھا پھر برفانی انسان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس وقت زندگی اور موت کا معرکہ جاری تھا جس میں برفانی انسان کو برتری حیثیت حاصل تھی۔ اس کے سوا مجھے ذہن کی ہر شے سے پہلے اپنی کشش ہوا ہیبت ہو چکی تھی۔

برفانی انسان نے بڑی بے دردی کے ساتھ اپنے شانے سے خنجر کھینچ لیا۔ خون کی ایک اور دھار اس کے بدن سے باہر نکلی۔ اس نے بڑی غضبناکی کے ساتھ خنجر کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے ایک طرف پھینک دیا اور غراتا ہوا اندھوں کی طرح آگے لپکا مگر اس وقت تک قدرت اپنا فیصلہ صادر کر چکی تھی۔ اوپر کا چمکتا ہوا برف کا ایک سخت ٹکڑا برفانی انسان کی آنکھ پر پڑا اور اس بار وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ تھامے ایک پُرشور دھماکے کے ساتھ سخت برف پر گر گیا۔ اس کی چیخیں زمین اور آسمان ایک کیے ہوئے دے رہی تھیں۔ دوسری طرف وقفے وقفے سے اس کی مادہ کی ہلکی ہلکی آوازیں بھی فضا میں ابھرتی دبتی رہیں۔ شاید وہ اس وقت کہیں بہت دور موجود تھی کہ ٹھیک طرح پہچان چکی تھی اور شاید اس کی مدد کو نکل بھی پڑی تھی۔

وہ زمین پر اندھوں کی طرح تڑپتا ہوا اٹھا اور کسی بھی چیز کی پرواہ کیے بغیر پوری رفتار سے ایک طرف بھاگا مگر چند ہی قدم دوڑنے کے بعد ایک ابھرے ہوئے تودے سے ٹکرا کر منہ کے بل پھر برف پر ڈھیر ہو گیا۔ شاید وہ بینائی سے بالکل محروم ہو چکا تھا۔

"نیچے" سیتا نے چیخ کر کہا "بلیک میری ساری کوششیں کامیاب ہو گئیں۔ امید کی کرن طلوع ہوتے ہی سامنے ہوا اس کام کو ختم کرنے کے بعد اگر ہم کہیں بیٹھ سکے تو شاید ہم اگلا دن دیکھنے کو زندہ رہ سکیں گے!"

سب سے پہلے میں اس چٹان سے اترنے لگا۔ سیتا نے دیگر لوگوں کو میری تقلید پر آمادہ کر لیا۔ جب ہم نیزے بردار جماعت بنے پہنچے تو وہ بیکل عفریت برف کے کسی پہاڑ کی طرح وہاں سے بھاگنا چاہتا تھا لیکن بار بار زمین پر ٹھوکریں کھا کر گر رہا تھا۔ اس کے جسم کا آدھا حصہ خون میں تر ہو چکا تھا اور اس کی آنکھوں میں اشتعال کے ساتھ ہی بے بسی بھی نمایاں ہو چکی تھی۔

سب سے پہلے میں نے ایک نیزے کو لاٹھی کی طرح گھما کر اس کی پنڈلی پہ مارا اور میرا ہاتھ جھنجھنا اٹھا۔ ایسا لگا جیسے نیزہ کسی پتھریلی چٹان سے ٹکرایا ہو۔ درندے نے اندھوں کی طرح غضب کے عالم میں اپنا ہاتھ لہرایا مگر صاف اندازہ ہو گیا کہ اس کی بصارت ضائع ہو چکی ہے۔ وہ ہم میں سے کسی کو نہ دیکھ سکا کیونکہ اس نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔ وہیں کھڑا دھاڑتا رہا۔

چند آدمیوں نے وہیں برف توڑ کر شور کرنے کے لیے پتھر فراہم کرنا شروع کر دیا۔ باقی لوگ نیزے تانے اس عفریت کے گرد پھیل گئے اور تیز انیاں اس کے بدن پر چبھو کے لگانے لگیں۔

اس کے بعد وہاں برفانی انسان کا ماتم شروع ہو گیا۔ نئے زخموں اور شدید ضربوں سے بوکھلا کر وہ دونوں ہاتھ چھوڑتا نیزوں کے پھل اپنے جسم میں پیوست کر لیتا۔ اس کا پورا بدن زخموں سے چور چور ہونے لگا۔ خون میں ڈوبا چہرہ پہلے سے زیادہ ڈراؤنا ہو رہا تھا۔ وہ زیادہ دیر تک اپنے قدموں پر کھڑا نہ رہ سکا اور ایک پہلو پہ ٹیک کر گر گیا۔ اس بار ایک قبائلی نے ٹھیک نشانہ لے کر اس کی بائیں پسلیوں میں نیزہ اتار دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ نیزہ واپس کھینچتا، برفانی اذیت سے تڑپ کر زمین سے اٹھ کھڑا ہوا اور بے تحاشا ایک سمت میں … اس کے قدموں تلے روندے جانے سے بچنے کے لیے اس سمت میں قبائلی پیچھے ہٹے اور ادھر ادھر منتشر ہو گئے اور وہ سیدھا چلا گیا۔ میں نے دیکھا اس کے قدم کانپ رہے تھے۔ سانس بھی اکھڑ چکا تھا۔ نیزہ ٹھیک اس کے قلب میں اتر گیا تھا مگر وہ اپنی زندگی کی آخری قوت کے ساتھ اب بھی پناہ لینے کی کوشش میں مصروف تھا۔

پھر وہ ایک جگہ پھسلا اور پیچھا ہوا ڈھلوان پر لڑھکتا چلا گیا۔ ہم اس کے آگے پیچھے سے قل ہی تھا اس کی دلدوز چیخوں سے کانپ اٹھی۔ ڈھلوان کے خاتمے پر ایک بہت گہری کھائی تھی جس کی تہہ اوپر سے نظر نہیں آتی تھی۔ ہمالہ کے برف پوش پہاڑوں کا وہ ناپید دیو اس کھائی میں غائب ہو گیا۔ چند ہی لمحوں میں اس کی چیخیں دم توڑ گئیں اور تھوڑے سے وقفے کے بعد نیچے سے ایسے ہولناک دھماکے کی آواز آئی جیسے کسی پتھر کی تہہ میں کوئی ٹوٹ گئی ہو اور فضا پر گہرا سکوت چھا گیا۔

اس عفریت کا یہ انجام اس قدر غیر متوقع اور عبرتناک تھا کہ کسی کو یقین ہی نہ آتا تھا۔ سب لوگ ہکا بکا کھڑے ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔ بشروں پر عجیب خیال انگیز لکیریں نقش تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ خاموشی سے ایک دوسرے سے اس خونریز تصادم کے خاتمے کی تصدیق طلب کر رہے ہوں۔

یہ طلسم اس وقت ٹوٹا جب فضا میں دور کہیں برفانی انسان کی مادہ کی چیخ سنائی دی اور ایک بار پھر سب چہروں پر ہراس کی لہر دوڑ گئی۔ سیتا جو کہ ان آدم خوروں سے گفتگو کرنے لگی اور میں اس کے قدموں میں بیٹھے ہوئے لشکر کی حفاظت پر غور کرنے لگا جس نے ہم کو ایک عظیم آفت سے بچایا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر ہمارے پاس برف توڑنے کا یہ سرمایہ نہ ہوتا تو لشکر بھی ان تمام آدم خوروں کے بیچ کافی ہوتا اور مجھے ان کا قیدی بن جانا پڑتا مگر اب وہ مجھ سے ہیبت کھا چکے تھے اور آدم خور اپنے اتحاد میں مجھے اور سیتا کو لشکر سمیت اپنے مقابل معاف آزاد ہونے کا فیصلہ کر دیتے۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے؟" ان سے گفتگو ختم کر کے سیتا نے واپس آ کر مجھ سے پوچھا۔

"اگر برفانی انسان کی مادہ سے بھی ہمارا سامنا ہو گیا تو اس بار میں مرجانا پسند کروں گا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "اس قدر اعصاب شکن … سے میں زندگی میں کبھی دوچار نہیں ہوا۔"

"جنگلوں اور پہاڑوں میں زندگی اسی کا نام ہے۔" وہ ہنس کر بولی "شاید یہاں آ کر تم ابھی کچھ مرعوب ہو گئے ہو؟"

"کیا ہے؟" میں نے نظریں اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔

"ان کا خیال ہے کہ یہ ساری مصیبت تمہاری وجہ سے نازل ہوئی ہے۔ تم نے مقدس جانور کی بے حرمتی کی تھی اور یہ لوگ نیا چاند چڑھنے کے بعد ہی تمہیں یہاں سے جانے دیں گے!" وہ بولی۔

"آگ میں جل کر مرنے سے بہتر ہے کہ برفانی انسان کی مادہ مجھے ٹکڑوں میں تقسیم کر دے!" میں نے مستقبل کی ہولناک تصویر سامنے آنے پر بے دلی سے کہا۔

"اس کا امکان کم ہی ہے۔"

"جس رفتار سے اس کی آواز قریب آ رہی ہے شاید وہ پھر اپنے نر کو ڈھونڈ رہی ہے۔" میں نے اس سے کہا۔

"سات جنگلی درندے ہیں کے سہارے سفر کرتے ہیں۔ اس کی مادہ اپنے نر کا جواب نہ پا کر ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس کھائی کی تہہ میں پہنچ گئی ہو گی۔ جب وہ اپنے نر کی لاش دریافت کرے گی تو کئی پہاڑوں سے گزرتے ہوئے کئی دن بیت چکے ہوں گے۔ اس وقت تک ہم شاید برف سے نکل کر جھیلوں تک پہنچ جائیں گے۔" وہ پورے اعتماد کے ساتھ بولی۔

"کیا ان کے جوڑے کے بچے نہیں ہیں؟" میں اس فطری سوال کو زبان پر آنے سے نہ روک سکا۔

"میری ماں بتاتی تھی کہ یہ جوڑا ابھی برف سے نہیں نکلا … بچوں کی بہت قلت ہوتی ہے۔ وہ کہتی تھی کہ یہاں پہاڑوں میں اس نسل کا آخری جوڑا ہے اور اپنے بچوں کو چبا جاتے ہیں۔ یہ جانور اس قدر ظالم ہوتے ہیں کہ اگر نر اور مادہ بھوک کی تسکین کی خاطر ایک دوسرے کے محتاج نہ ہوتے تو کوئی نہ کوئی دوسرے کو چیر پھاڑ کر کھا جاتا!"

"تمہاری ماں نے یہ نہیں بتایا ہوگا کہ مرد اور عورت بھی اسی طرح اپنی بھوک کی تسکین کے لیے ایک دوسرے کے محتاج ہیں!" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں" وہ سادگی سے بولی۔ "مجھے کبھی یہ ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔"

یہ گفتگو یہیں منقطع ہو گئی کیونکہ جنگلیوں کا سالار میرے لیے کھانے کا سامان لے کر آ گیا تھا۔ وہ کچھ کھانا لائیں اور نیزے جمع کیے گئے۔ میری حالت اور بڑھتی ہوئی تھکاوٹ کے پیش نظر مجھے دو گھنٹے آرام دے دیا گیا۔ سیتا نے پہاڑی کھال تلاش کر کے مجھ پر ڈال دی۔ یوں اس برفانی میدان میں سات آدمیوں کی بھینٹ دینے کے بعد ہمارا کارواں آگے چل پڑا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہاں دھند گہری ہوتی جا رہی تھی۔ … اور … بھونک بھونک کر قدم رکھتے چلے جا رہے تھے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے پوری وادی برفانی انسان کی مادہ کی چیخوں کی دھمک اور بازگشت سے گونج اٹھتی تھی۔ شاید وہ کسی جواب کے انتظار میں کہیں دور دور گھوم رہی تھی اور ابھی تک اسے علم نہیں ہو سکا تھا کہ اس کا ساتھی ایک سرفروشانہ مقابلے کے بعد ایک گہری کھائی میں بے جان ہو کر پتھر کی طرح پڑا ہوا ہے۔

آہستہ آہستہ دھند کے اتنے گہرے بادل اس وادی میں اتر آئے کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی دینا دشوار ہو گیا۔ سفر کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور پورا قافلہ ایک بہت بڑی دراڑ میں شب باش ہو گیا۔

فضا میں دور کہیں اب بھی رہ رہ کر برفانی انسان کی مادہ کی کراہتی چیخیں گونج رہی تھیں۔ میرے کان ان کی آوازوں کے عادی ہو چکے تھے مگر آدم خور اب شاید اس کے بارے میں بھول چکے تھے۔ وہ سب بڑی کمزور سوچ کے مالک تھے۔ جب تک اس تند خو وحشی سے نبرد آزما رہے ساری دنیا کو بھول کر صرف اسی کے بارے میں سوچتے رہے اور اب اس سے نجات پانے کے بعد وہ ان تلخ لمحوں کو یکسر فراموش کر چکے تھے۔ اس وقت ان سب کے لیے پہلی ضرورت آرام کی تھی اور ان میں بیشتر دراڑ میں پہنچنے کے ذرا دیر بعد ہی گہری نیند سو چکے تھے۔ البتہ سیتا سے علم ہوا کہ رات بھر انھوں نے باری باری تین افراد کے ہوشیار رہنے کا انتظام کر لیا تھا۔ سیتا پر تو یہی ظاہر کیا گیا کہ اس طرح وہ بیرونی خطرات سے بروقت آگاہ ہو سکیں گے مگر ان کا اصل منشا یہ تھا کہ مجھے اور سیتا کو فرار یا ان کے منزل پر غالب ہونے کا کوئی موقع نہ مل سکے۔

مگر میں ایک پل کے لیے بھی برفانی انسان کو نہ بھول سکا۔ اس کا تصور کسی بھوت کی طرح میرے اعصاب پر سوار ہو چکا تھا۔ جس برف سے زائد بلند و بالا ترین برفانی پہاڑوں کا وہ نادر و عجیب عفریت مجھے ہر آن کسی دھند کی چادر میں سے ابھرتا محسوس ہو رہا تھا۔ پھر میں نے سیتا سے اس کے بارے میں گفتگو شروع کر دی۔ وہ اپنی ماں کے حوالوں سے میرے سوالات کے جواب دیتی رہی۔

اس گفتگو سے مجھے علم ہوا کہ برفانی انسان گوشت بہت رغبت سے کھاتا ہے مگر زندہ شکار کو کبھی نہیں کھاتا بلکہ پہلے اسے ہلاک کرتا ہے۔ اس اعتبار سے وہ مردہ خور درندوں کی ذیل میں آتا تھا اور اس گفتگو میں مادہ کی جانب سے آدم خوروں کے اطمینان کا راز بھی مل گیا۔ وہ جب کھائی کی تہہ میں اپنے نر کی لاش دریافت کرتی تو وقتی طور پر بے حد مشتعل ہوتی مگر جب … کے سہارے اوپر پہنچتی تو اسے سات انسانوں کے دریدہ بدن برف پر بکھرے ہوئے ملتے اور یہ نعمت دریافت ہوتے ہی اس کا سارا اشتعال مسرت میں بدل جاتا۔ وہ ان کو کھانے میں اتنی مگن ہوتی کہ اپنے نر کی موت اور اس کے انتقام کو بالکل ہی بھول جاتی۔

اس جانب سے تسلی ہو جانے کے بعد دیا اس سے آنے والی آواز کی ہیبت میرے سینے میں بھی ختم ہو گئی اور میں ان آدم خوروں سے نجات کی راہیں …

تلاش کرنے لگا۔ صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے بہ … دو بڑے چکر بھی لگایا اور تین قبائلیوں کو جھونپڑوں کے انبار پر منتظر پایا۔

سیتا میری بے چینی کا سبب بھانپ گئی اور ایک موقعے پر بولی: "یہاں سے فرار کا خیال ترک کر دیجیے۔ میں ایسی کسی کوشش میں تیرا ساتھ نہ دے سکوں گی!"

"کیوں بھئی؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"میں ان سے معاہدہ کر چکی ہوں اور تو بھی اس پر راضی ہو گیا تھا۔ تیری قید کے نتیجے میں انھوں نے مجھے جن مالی مراعات دی ہیں اور میں وعدے کی خلاف ورزی نہیں کروں گی۔" وہ بولی۔

"خواہ وہ مجھے نذرِ آتش ہی کیوں نہ کر دیں!" میں نے قدرے غصے کے ساتھ پوچھا۔

"کیا ہرج ہے!" گہری دھند میں لپٹے ہوئے روشن اور خوب رو چہرے پر مسکراہٹ ناچ اٹھی۔ "میری ماں کہتی تھی، انسان کو زبان کا پابند ہونا چاہیے۔ ان علاقوں میں سفاکی اور بربریت عام پائی جاتی ہے لیکن ہر شخص اپنے قول کا پکا ہوتا ہے ورنہ وہ میری بات پر بھی اعتماد نہ کرتے۔"

"زبان کا پابند!" میں نے تلخ لہجے میں دہرایا۔ "تم تو اپنی ماں کا تذکرہ اس انداز میں کر رہی ہو جیسے وہ بدی کے بجائے کسی نیکی کے … آسمانوں سے اتاری گئی تھی!"

"صفدر!" اس کا لہجہ یک بیک تیز ہو گیا۔ "اپنی ماں کے بارے میں کوئی گستاخانہ بات سننے کو تیار نہیں ہوں۔"

"مگر تمہیں یاد ہے کہ تم میری گرفتاری کے بعد مجھ سے ساتھ مرنے جینے کا بھی عہد کر چکی ہو!" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تب مجھے وہ الفاظ یاد تھے اور میں اب بھی ان پر قائم ہوں۔" وہ ایک بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "یہ سب کچھ تیری ہی مرضی سے ہو رہا ہے۔ میں نے تو یہ بھی کہا تھا کہ اگر تو اپنی قید پر آمادہ نہ ہوتا تو میں تیرے ساتھ ان کا مقابلہ کرتی اور مجھے ختم کرنے کے بعد ہی وہ تجھ پر ہاتھ ڈال سکتے۔"

"یہ نہیں! تم کیسی الجھی ہوئی باتیں کر رہی ہو!" میں نے قدرے سکوت کے بعد کہا۔ "زندگی اور موت کی جنگ میں ہر چیز جائز ہوتی ہے۔ جب میری اور تمہاری جان پر بن رہی ہے تو وعدوں کا پاس کرنا ایک احمقانہ سی بات ہو کر رہ جاتی ہے۔ تمہاری ماں ماری جا چکی ہے۔ اب ان بے رحم بیابانوں میں تمہارا کون رہ گیا ہے۔ اگر ہم ان آدم خوروں کے چنگل سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تو سیدھے دھول گری روانہ ہوں گے اور وہاں کوئی … جاننے والے پتھروں کو … بیابانوں میں لوٹ جائیں گے۔ وہ زندگی … اور دلچسپ ہے کہ تم ان ویرانوں کو بھول جاؤ گی۔"

وہ خاموشی سے میری گفتگو سنتی … کھوئی رہی۔

"سیتا! میری بات کا کچھ جواب نہ دیا؟" میں نے … کہا۔

"تو نے موت کو گلے لگا لیا مجھے بھی پسند نہیں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "تو دیکھ چکا ہے کہ یہ آدم خور کس قدر چالاک اور تیز ہیں۔ انھیں دھوکا دے کر تو کبھی نہ بچ سکے گا۔ یہ تیری ایسے … سے نکلنے سے قبل تجھے پھر گرفتار کر لیں گے۔ میں ان کی بستی میں پہنچ کر ان کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کروں گی کہ یہ خود ہی تجھے جلانے کا ارادہ ترک کر دیں!"

"کیا یہ ممکن ہے؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"جو میں نے سوچا ہے وہ ہو گیا تو سب کچھ ممکن ہو گا۔"

"مجھے بھی تو کچھ بتاؤ سیتا!"

"مجھے کچھ دیر تنہا چھوڑ دیجیے صفدر!" اس کی آواز گلوگیر ہو گئی۔ "جب بھی اپنی ماں کا خیال آتا ہے میرا کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے! بے رحم … نے کس بے دردی سے اسے مارا ہو گا۔ وہ آسانی سے مارے جانے والی عورت نہ تھی۔"

میں دل ہی دل میں اس کی ماں کو مغلظات بکتا ہوا کروٹ بدل کر دراز ہو گیا۔

واپسی کا سفر ان سب کے لیے تو آسان ہی تھا مگر میرے لیے ایک قدم دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالا … جانے لگی تھی۔ مجھے بخار اور تکلیف شروع ہو گئی تھی۔ آواز بھرا گئی تھی۔ ناک ورم آلود تھی اور آنکھوں سے مسلسل پانی بہ رہا تھا۔ سینے پر عجیب ناقابل بیان دباؤ تھا جس کے باعث سانس لینے میں … اور پسلیوں میں شدید درد ہونے لگا تھا۔ سیتا نے میری بگڑتی ہوئی حالت دیکھ کر … چادر … مضبوطی کے ساتھ میرے بدن کے گرد لپیٹ کر باندھ دی تھیں مگر میری حالت تیزی سے بگڑتی ہی چلی گئی۔

واپسی کے چوتھے روز … مجھے … سارا بدن … ٹوٹ رہا تھا۔ میری نظریں بار بار دور دور تک جاتیں اور … چوٹیوں سے ٹکرا کر نامراد واپس لوٹ آتیں۔ گو ہم لوگ برف پوش چوٹیوں سے نیچے آ چکے تھے مگر جنگلات میں بھی موسم ایسا معتدل نہ تھا کہ میں سکھ کا سانس لے سکتا۔

آدم خوروں نے … قریب پڑاؤ ڈالا گیا۔ مجھے ایک جگہ لٹا کر وہ لوگ جنگلی پھلوں کا انتظام کرنے لگے اور اس وقت میں نے اپنے قریب موجود آدم خوروں کے چہروں پر نظر ڈالی تو دہشت سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

ان کی نگاہوں میں عجیب وحشیانہ اور امید بھری چمک کوند رہی تھی اور وہ بار بار بھوکی نظروں سے میرے سراپا کا جائزہ لے رہے تھے۔ مجھے … تھا کہ اس کی بے حرمتی کرنے … اپنے ہاتھوں سے ہلاک نہ کر سکتے تھے۔ ہاں وہ اپنی موت مر جاتا تو اس کی لاش کو مال غنیمت کے طور پر بانٹ لینے میں شاید کوئی رکاوٹ درپیش نہ ہوتی۔ وہ جب میری طرف دیکھتے مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے ان کی بھوکی نگاہیں مجھ سے جلد از جلد مر جانے کی التجا کر رہی ہوں۔ ان کے تیز نکیلے دانت مجھے ابھی سے اپنے جسم میں اترتے محسوس ہونے لگے۔

اس وقت میری … آدم خور … جیسے کوئی …

کسی ویرانے میں پڑا ہوا ہو اور فضا میں کریہہ صورتوں والے گدھ بڑے بڑے پر پھڑپھڑاتے اس کی موت کے منتظر ہوں۔

"سیتا! خدا کے لیے ان سب کو یہاں سے ہٹا دو!" آخر کار میں دہشت زدہ ہو کر ہذیانی انداز میں چیخ پڑا۔ "ان آدم خوروں سے مجھے خوف آ رہا ہے۔"

"پریشان نہ ہو صفدر!" وہ قریب آ کر میرا تپتا ہوا چہرہ سہلاتے ہوئے بولی۔ "تیری حالت جلد ہی سنبھل جائے گی۔ میرا انگور کچھ بوٹیوں کی تلاش میں نکلا ہوا ہے۔"

"نہیں! انھیں ہٹاؤ!" میں پوری قوت سے چیخ پڑا۔ "یہ میری موت کی دعائیں مانگ رہے ہیں تاکہ میری لاش پر دعوت اڑا سکیں! ہٹاؤ ان سب کو!"

سیتا کے چہرے پر اداس سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "یہ تیری لاش کو دانت لگانے کی بھی جرأت نہ کر سکیں گے صفدر! بھاوندا اس کے بھائیوں کا گوشت کھانا ان کے دستور میں حرام ہے۔"

وہ سادہ سی پہاڑن تھی۔ باتوں سے بہلاوے سے ناواقف۔ مجھے تسلی دینے کے بجائے جب مجھے اپنی لاش کے تحفظ کا واسطہ دیا تو یک بیک میری نبضیں ڈوبنے لگیں۔ میں نے اس کی بات سے یہ مقصد اخذ کیا کہ سیتا کو بھی اب میری موت کا یقین ہو چکا ہے۔

میری آنکھوں کے سامنے رنگ برنگے دائرے سے ناچنے لگے۔ آدم خوروں کے چہرے اتنے بھیانک نظر آنے لگے اور میں دہشت سے چیخیں مارتے ہوئے بے ہوش ہو گیا۔

مجھے کچھ علم نہیں کہ میں کتنے عرصے بے ہوش رہا البتہ جب ہوش میں آنے لگا یہ معلوم ہوا کہ میرا جسم پرندوں کی طرح ہلکا ہو کر ہچکولے کھاتا آسمان کی طرف پرواز کر رہا ہے۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں تو دور تک گہرے سرمئی بادلوں سے گھرا آسمان نظر آیا۔ میں نے تیزی سے پہلو بدلا تو فوراً ہی ساری صورت حال ذہن نشین ہو گئی۔ نیم بے ہوشی کے دوران میں آدم خوروں نے دو درختوں سے … لمبے سے … سٹریچر تیار کر لیا تھا اور اب مجھے اس پر ڈال کر وہ تیزی کے ساتھ منزل کی جانب بڑھے جا رہے تھے۔

جسم … محسوس ہونے والے تیز ہچکولوں کے باوجود اب میرے بدن میں درد باقی نہیں رہا تھا۔ میں نے حواس بحال ہوتے ہی سیتا کو پکارا۔ فوراً ہی دائیں جانب سے اس کا جواب آیا۔

… کے لیے قافلہ رکا۔ سٹریچر تیزی سے پیچھے رکھ دیا گیا۔ سیتا … بولی۔ "… پورے ڈیڑھ دن تک بے ہوش رہا ہے۔" … جڑی بوٹیوں کے اثر سے سردی کا شدید حملہ مجھے زیادہ نقصان نہ پہنچا سکا … البتہ نقاہت باقی تھی۔

"تیری حالت اب بھی اچھی نہیں ہے۔ مجھے … ہم تیزی سے سفر … " سیتا نے مشورہ دیا۔

اس کی بات معقول تھی لہٰذا سفر دوبارہ اسی تیز رفتاری سے شروع ہو گیا۔ میں اسٹریچر پر ہی دراز ہو گیا تھا۔

تنگ اور دشوار گزار پگڈنڈیوں کے مقابلے میں یہ سفر سیدھا معلوم ہو رہا تھا۔ وہ لوگ دو تین جگہ اسٹریچر اٹھا کر دوڑنے والوں کو تبدیل کرنے کے لیے رکے ورنہ سفر کی وحشیانہ رفتار برقرار رہی اور سورج کی روشنی معدوم ہونے سے قبل ہی پہاڑی پتھروں سے بنے ہوئے کچے پکے چھتوں والے مکانات پر مشتمل بستی کے آثار نظر آنے لگے۔

بستی کو سامنے پا کر آدم خوروں نے اپنی پوری قوت سے ہم آہنگ ہو کر ایک نعرہ لگایا جس کے جواب میں بستی کی جانب سے تیز شور سنائی دینے لگا۔

نعروں اور جوابی نعروں کا یہ سلسلہ تیزی سے قریب ہوتا رہا۔ آخر بستی سے چند سو گز کے فاصلے پر آنے والوں نے ہمارے کارواں کو گھیر لیا۔ اسٹریچر زمین پر ڈال دیا گیا اور سارے آدم خور اپنی نامانوس زبان میں بے ہنگم رقص کرنے لگے۔

بستی سے استقبال کے لیے آنے والے یوں حیرت سے میرا جائزہ لے رہے تھے جیسے میں ان کے لیے کسی نایاب نسل کا عجوبہ ہوں۔ اس ہجوم میں کسی کے بھی بشرہ پر ان ساتھیوں کے لیے ذرا بھی ملال نہ تھا جو جادوگر کی بربریت … کا نشانہ بن گئے تھے۔

اور اس ہجوم کا جائزہ لیتے ہوئے مجھ پر اچانک منکشف ہوا کہ سیتا گمبھیر انداز میں ان سے الگ تھلگ کھڑی ہوئی ہے۔ … لیکن چہرہ متغیر تھا۔

اس مقام سے مجھے بھی پیدل چلنا پڑا۔ آدم خوروں کے … مسلح ہجوم نے مجھے اپنے نرغے میں لیا ہوا تھا۔ وہ سب … کے عالم میں کچھ گاتے جا رہے تھے۔ ان کے تیور دیکھتے ہوئے سیتا نے بھی میرے قریب آنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ اس ہجوم سے ہٹ کر بستی کی جانب چل رہی تھی۔

یہاں آنے کے بعد آدم خوروں کی نفرت اور جوش کا مظاہرہ سامنے آیا تو میرا دل ڈوبنے لگا۔ ان سے براہ راست ٹکرانا خودکشی کے مترادف تھا۔ جبکہ سیتا پر اس کی … کا ضبط طاری تھا۔ مجھے اپنی نجات کی راہیں مسدود ہوتی نظر آ رہی تھیں۔

ہم بستی میں داخل ہوئے تو ہجوم کا رخ … جھونپڑے مکانات کے وسط میں واقع میدان کی طرف ہو گیا۔ وہاں انھوں نے مجھے ایک درخت کے تنے کے ساتھ باندھ دیا اور میرے گرد حلقہ بنا کر ناچنے گانے میں مصروف ہو گئے۔ … اس وقت … بھی موجود نہ تھی۔ وہ سب جنونی جانوروں کی طرح خوشی سے بے خود اچھل اچھل کر ناچ رہے تھے۔

پھر یکایک … کی آواز سنائی دی۔ دو آدمیوں کے ساتھ … نقارہ موجود تھا جیسے کسی بڑے سے تنے کو کھوکھلا کر کے اس پر کھال منڈھ کر تیار کیا گیا ہو گا۔ وہ دونوں آدمی بھونڈے انداز میں لکڑیوں سے وہ نقارہ

پیٹنے لگے۔

اسی شور و غل میں اچانک کہیں سے لنگوروں کی چیخ سنائی دی۔ قبائلی اپنی دھن میں اتنے مگن تھے کہ انہوں نے اس آواز پر توجہ ہی نہ کی البتہ میں نے سیتا کو چونکتے اور تیزی کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوتے دیکھا۔ یہ موقع میرے لیے غیر یقینی تھا مگر مجھے محسوس ہوا کہ شاید سیتا لنگوروں کی مدد سے ان پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر چکی ہے اور اس مقصد کی خاطر اس نے راستے ہی سے اپنے ندکور لنگوروں کو کھنڈرات کی طرف روانہ کر دیا ہو گا اور اب لنگوروں نے اسے اپنی تیاری کی اطلاع دی ہو گی۔

خوشی سے میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ مجھے اپنے گونا چنے گانے ہوئے آدم خور فاتر العقل اور مکروہ وحشیوں کا روپ نظر آنے لگے!

وقت گزرتا رہا، میری نگاہیں سیتا کی راہ تکتے تکتے تھک گئیں مگر وہ واپس لوٹی، نہ ہی لنگوروں کا کوئی غضب ناک ہجوم میری گلو خلاصی کے لیے وہاں حملہ آور ہوا۔

اور جب اندھیرا پھیلنے لگا تو آدم خوروں نے ناچنے گانے کا سلسلہ آہستہ آہستہ ختم کر دیا۔ مجھے گرفتار کرنے والی جماعت کا سپہ سالار ہی شاید اس قبیلے کا سربراہ تھا کیونکہ اس نے بڑھ کر مجھے کھول دیا اور سب لوگوں کو کچھ ہدایات دینے لگا۔

اس کے خاموش ہوتے ہی سارے آدم خور اپنی اپنی راہ پر ہو لیے اور چار تنومند و مسلح جوان قبائلی نیزوں کے بل پر مجھے ایک طرف ہانکنے لگے۔ سردار بھی ان کے ساتھ ہی تھا!

میری توقع کے خلاف وہ لوگ مجھے لے کر بستی سے باہر نکل آئے اور ناہموار میدان میں ایک طرف چلنے لگے۔ سیتا کے یوں اچانک چلے جانے کے بعد نفسیاتی طور پر میں خود کو بہت بے بس محسوس کر رہا تھا لہٰذا بے چوں و چرا ان کے احکام کی تعمیل کرتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد فضا میں کسی چیتے کی دبی دبی غراہٹ سنائی دی اور میں چونک پڑا، میری حیرت زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی کیونکہ وہ ہولناک منظر میری آنکھوں کے سامنے آ چکا تھا!

یہ اس آدم خور قبیلے کی عورتوں کا اذیت ناک قید خانہ تھا جو کھلے آسمان تلے دو بڑے حصار کے درمیان قائم تھا۔ دونوں حصاروں کے درمیان بہت سے دیو ہیکل بھوکے درندے غراتے ہوئے گھوم رہے تھے اور ان سے اندر کی جانب عورتوں اور بچوں کی کافی بڑی آبادی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ درندوں میں محصور عورتیں اور بچے اب اس ماحول کے عادی ہو چکے ہیں کیونکہ اندر سے کوئی بھی خوف زدہ آواز نہیں سنائی دے رہی تھی ہاں کبھی کبھار بچوں کے رونے کی آوازیں ضرور ابھرتی تھیں ورنہ عورتوں کی بول چال کی بھنبھناہٹ تو گونجتی رہتی۔ زندگی کی

کرنے کا انتہائی بھیانک تصور اب تک میری نظروں سے نہ گزرا تھا۔ اگر اس جگہ کا کوئی قیدی ذرا سی بے احتیاطی کے باعث اندرونی حصار کے قریب جا پہنچتا تو بھوکے جنگلی درندے جال کے درمیان سے منہ نکال کر با آسانی اسے اپنے جبڑوں میں دبوچ سکتے تھے۔

اس قید خانے کے قریب ہی پتھروں کا ایک چوکور اور بہت اونچا چبوترہ بنا ہوا تھا جس پر چھپر کے نیچے ایک مشعل کی لو بھڑک رہی تھی اور اس روشنی میں چند جرم پوش سامنے کھڑے نظر آ رہے تھے۔ ان کے چہرے ہماری ہی جانب تھے!

اچانک اس چبوترے سے ایک کرخت دار آواز گونجی۔ شاید وہ لوگ اس اجتماعی قید خانے کے محافظ اور درندوں کے رکھوالے تھے۔ جواب میں مجھے لے کر آنے والے سردار نے ان سے کچھ کہا اور دو چرم پوش سامنے چبوترے کے پہلو میں پتھروں کی بنی ہوئی سیڑھیاں پھلانگ کر نیچے اتر آئے۔

سردار نے چند لمحوں کی گفتگو کے بعد مجھے ان خوفناک رکھوالوں کے حوالے کر دیا اور خود اپنے آدمیوں سمیت وہاں سے واپس لوٹ گیا۔ قید خانے کے محافظ اپنی نگرانی میں مجھے ہمراہ لے کر سونگی سیڑھیاں طے کرتے بیس فٹ سے زائد بلند اس چبوترہ پر جا پہنچے۔ میاں چھپر کے نیچے رک کر میں نے ایک نگاہ اس مکمل جیل پر ڈالی اور میرا رواں رواں کانپ اٹھا!

درندوں، شہتیروں اور چٹانوں پر مشتمل اندرونی حصار کئی سو گز قطر کے بے ہنگم دائرے کی صورت میں دور تک پھیلا ہوا تھا اور اس کے وسط میں عورتوں کی آبادی تھی۔ ان سینکڑوں عورتوں کو نہ سر چھپانے کو سایہ میسر تھا نہ ہڈیوں میں اتر جانے والی یخ بستہ ہواؤں سے بچنے کے لیے کوئی کھال یا کپڑا۔ ان کے بال پاگلوں کی طرح بکھرے اور الجھے ہوئے تھے۔ ان ہی کے درمیان مرد کے بچے پتھریلی زمین پر پڑے ہوئے کلبلا رہے تھے یا شیر خوار بچے اپنی ماؤں کی چھاتیوں سے چمٹے زندہ رہنے کی جدوجہد کر رہے تھے۔ اندرونی حصار کے بعد کم از کم چار یا پانچ گز کی راہداری چھوڑ کر دوسرا حصار پھیلا ہوا تھا جو کہ اپنا چبوترے کی اندرونی دیوار سے بالکل ملا ہوا تھا اور اس درمیانی جگہ میں بہت سے تاریک رنگ کے چیتے پھر رہے تھے۔ ان چیتوں کی غراہٹوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ وحشی ہیں!

مجھے زیادہ دیر اس قید خانے کا جائزہ لینے کا موقع نہ مل سکا، ایک محافظ نے مجھے ٹہوکا دیا اور مجھے فوراً ہی آگے بڑھنا پڑا!

اس کی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچ کر مجھے پتہ چلا کہ میں اس وقت پتھروں کے کسی مضبوط چبوترے پر ہوں اور یہاں ایک ریتیلی چھت پر موجود

پر ایک مختصر سا چوکور خلا موجود تھا جس کا مصرف اس وقت مجھ میں آیا جب ایک محافظ نے اس میں ایک مضبوط رسی لٹکا کر مجھے اندر اترنے کا تحکمانہ اشارہ دیا۔ اس رسی میں ایک ایک فٹ کے فاصلے پر بڑی بڑی گانٹھیں لگی ہوئی تھیں!

میں نے ایک بار رحم طلب نظروں سے محافظوں کی طرف دیکھا مگر ان سب کے تیور خطرناک تھے۔ مجبوراً میں ان گرہوں کو اپنے پیروں کے انگوٹھوں اور انگلیوں کی گرفت میں لیتا نیچے اترنے لگا۔ ایک محافظ اوپر سے جھانک کر میری نگرانی کر رہا تھا!

جوں ہی میرے قدم زمین پر لگے وہ رسی اوپر کھینچ لی گئی، ساتھ ہی محافظوں کے چہرے بھی غائب ہو گئے۔ اب اس چھت کے سوراخ سے آسمان نظر آ رہا تھا!

میں نے اب اپنی نئی قیام گاہ کا جائزہ لیا۔ یہ بھاری پتھروں سے بنا ہوا ایک مستطیل نما کمرہ تھا جس کے اوپر درختوں کے تنے ڈال کر چھت ڈالی گئی تھی۔ کمرے کی تین دیواریں تھیں جو چھت تک بالکل سپاٹ تھیں۔ ان بیس فٹ بلند دیواروں میں کہیں کوئی روزن تک موجود نہ تھا۔ چوتھی سمت زمین سے اوپر تک کوئی دیوار نہ تھی بلکہ زمین میں موٹے موٹے شہتیر گاڑے ہوئے تھے جو بیرونی حصار کا ایک حصہ تھے گویا اس کمرے سے نکاسی کے دو ہی راستے تھے یا تو چھت والا سوراخ ورنہ شہتیروں کا درمیانی خلا!

شہتیروں کی دوسری جانب نکلنے کا مطلب یہی تھا کہ خود کو خونخوار درندوں کے پیٹ میں پہنچا دیا جائے جبکہ اوپر مسلح نگران موجود تھے!

شہتیروں کے اس پار سے ہوا کے ساتھ سخت تعفن کے جھونکے آ رہے تھے جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس جانب گوشت وغیرہ سڑ رہا ہے!

میں نے ایک بار شہتیروں کی مضبوطی کا جائزہ لیا اور یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ انہیں گرا کر کوئی جانور میری اس نئی قیام گاہ میں نہ گھس سکے گا۔ شہتیروں اور رسوں کے درمیان اتنی جگہ تو تھی کہ مجھ جیسے بدن والا کوئی انسان کسی نہ کسی طرح اس پار نکل سکے مگر کسی قوی ہیکل جانور کا ان میں سے گزرنا بعید از قیاس تھا!

زمین پتھریلی اور ناہموار تھی۔ اس پر خشک گھاس اور پتوں کی ایک دبیز تہہ بچھی ہوئی تھی۔ میں نے انہیں سمیٹ کر ہوا سے محفوظ ایک گوشے میں پیال بنایا۔ ایک کھال اس پیال پر بچھائی اور بقیہ تین کھالیں اپنے بدن پر لپیٹ کر وہیں دراز ہو گیا۔

پہاڑی خانقاہ کے دو طرفہ سفر اور بیماری کی تھکان سے میری حالت بہت خراب تھی۔ طویل بے ہوشی بھی میری تھکان کے اثرات کو زائل نہ کر سکی تھی۔ تمام تر خوف اور پریشانی کے باوجود مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی۔

اسی نیم بیداری کے عالم میں مجھے اپنے بہت قریب کسی چیتے کی غصیلی غراہٹ سنائی دی اور میں خوف سے کھکھیا کر بیدار ہو گیا۔ حصار کی جانب گڑے ہوئے شہتیروں کے درمیان سے دو بڑی بڑی چمکیلی آنکھیں میری طرف نگراں تھیں پھر اسی کے پہلو میں مزید دو آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ چیتے اپنے قریب کسی اجنبی کی بو پا کر شدید مشتعل سے تھے۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑے غراتے رہے پھر ان کی آوازیں دور ہوتی چلی گئیں! اس کے بعد میں کوشش کے باوجود ایک پل بھی نہ سو سکا۔ رہ رہ کر میرا خیال سیتا کی طرف جاتا تھا نہ جانے وہ کس پریشانی سے دوچار ہو چکی تھی۔

اور جب اجالا پھیلا تو میں ڈرتے ڈرتے شہتیروں کے قریب جا کھڑا ہوا اور کھلے قید خانے کا نظارہ کرنے لگا۔ آدم خوروں نے اپنی عورتوں کے لیے قید خانے کا انتخاب خاصی معقولیت کے ساتھ کیا تھا کیونکہ حصار کے تقریباً وسط میں پانی چمک رہا تھا شاید وہ کسی پہاڑی چشمے یا نالے کی گزرگاہ تھی جس سے وہاں کے قیدی اپنی ضروریات پوری کر لیتے ہوں گے۔ چشمے کے قریب ہی دو کافی بڑے سرسبز قطعات بھی نظر آئے۔ وہاں پودوں کے علاوہ دو کافی تناور درخت بھی موجود تھے۔ شاید ان سے قیدیوں کو پھل اور سبزیاں میسر آ جاتی ہوں گی لیکن ان کی تعداد اتنی ہرگز نہ تھی کہ سارے قید خانے کے لیے کافی ہوتی!

دوپہر کے قریب مجھے اپنے کمرے کی چھت پر نقل و حرکت کی غیر معمولی آوازیں سنائی دیں۔ اسی کے ساتھ چیتوں کی غراہٹیں شہتیروں کے اس پاس سمٹ آئیں۔ میں خوفزدہ ہو کر اپنے بستر میں دبک گیا پھر اوپر سے شاید حصار میں چیتوں کے لیے خوراک گرائی جانے لگی۔ کچھ دیر وہ تیز اور بھوکی غراہٹوں کے ساتھ بار بار ایک دوسرے سے الجھ رہے تھے!

اسی کے ساتھ عورتوں اور بچوں کا شور بھی اسی طرف سمٹ آیا۔ ان کی آوازوں سے بھی یہی قیاس ہوتا تھا کہ قید خانے کے محافظ ان کے لیے بھی رسد پھینک رہے ہیں!

اسی روز شام کے وقت چھت کے خلا سے مجھے سیتا کی آواز سنائی دی۔ میں نے بے یقینی کے عالم میں سر اٹھایا تو وہ اوپر جھکی ہوئی مجھے پکار رہی تھی۔

"سیتا... تم کہاں رہ گئی تھیں؟" میں نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔

"اس وقت سردار جیسے ساتھ ہے ان لوگوں نے بمشکل مجھے تم سے ملنے کی اجازت دی ہے۔ میں تمہیں ایک بڑی خوش خبری سنانے آئی تھی" وہ واقعی بڑی خوش نظر آ رہی تھی۔

"کیا میری رہائی کی کوئی صورت نکل آئی؟"

"اس سے بھی بڑی خبر ہے وہ۔ میری ماں زندہ ہے!"

اور یک بیک میرے بدن میں انگارے چبھنے لگے۔ سیتا کے لئے روئے زمین پر اپنی ماں سے بڑھ کر کوئی شے نہ تھی۔ میں ابھی دیدہ و ندگی صعوبتوں میں گھرا اپنی چتا روشن ہونے کے انتظار میں گھڑیاں گن رہا تھا اور ایسی حالت میں وہ مجھے اپنی ماں کی زندگی کی نوید یوں سنا رہی تھی جیسے اس کے زندہ ہونے کا ثبوت پا کر میں ... جاؤں گا۔

"سیتا ــ یہ مذاق ختم کرو" میں نے ... پڑتا ہو یاتے ہوئے کہا۔ "تمہاری ماں کی زندگی تو خوشی کی بات ہے مگر اس سے مجھے رہائی تو نہیں مل جائے گی۔"

"پہلے پوری بات سن لو" وہ تیزی کے ساتھ بولی "میں جس دن تیرے ساتھ پہاڑی خانقاہ کی طرف روانہ ہوئی تھی، میری ماں اس کے دوسرے دن ہی مجھ سے ملنے آئی تھی۔ میرے بھگوان نے اسے ساری کہانی سنا دی۔ میری ماں آدم خوروں کی مقدس ... دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور جاتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی کہ ... وہ کہاں گئی ہے مگر وہ ... بہت جلد ہی واپس آ جائے گی۔"

"کیا یہ آدم خور مجھے مقدس عوام کے حوالے کرنے کا مطالبہ نہیں کریں گے؟" میں نے حیرت کے ساتھ اس سے سوال کیا۔

"نہیں ۔۔ میں نے ابھی تک ان کو بتایا ہی نہیں۔ ... کی کوشش نہیں کی ہے۔ جب تک میں ایسا کروں گی وہ مجھ سے ... پوچھیں گے اور اس وقت مجھے مقدس ... کا کوئی ... نہ ہو گی۔ ... مجھے ... گے" وہ ... ہو کر بولی۔

"ابھی اب مجھے ... کی ... رکھنی چاہیے؟" میں نے بے قراری سے پوچھا۔

"تمہیں ابھی ... کوئی حماقت کرنے کی ضرورت نہیں" اس نے فیصلے کن لہجے میں مجھے ڈانٹا "اس قید خانے کے ساتھ ہی بھوکے درندوں سے بھرا حصار ہے اور اس قید خانے کے مخالف سمت ... موجود ہیں جن کے نشانے اندھیرے میں بھی خطا نہیں ہوتے۔"

"مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے" سیتا کی جانب سے اب مجھے ... کی ... تھی۔ تھوڑی دیر پہلے ہی ان درندوں میں خوراک تقسیم کی گئی ہے۔ اگر میں نگرانوں کو دھوکا دے سکا تو یہاں سے ... ہو کر درندوں کے درمیان سے گزر کر بھاگ نکلنے کی کوشش کروں!"

"تم اس کی ضرورت نہیں" سیتا اس بار غرائی "ان جانوروں کو کبھی شکم سیر نہیں ہونے دیا جاتا اور اندر ان کی خوراک بھی ہر وقت بھوک کی شدت میں ہیں۔ ان میں ایک دن کے وقفے سے انہوں گوشت میسر کیا جاتا ہے جو بستی والے جنگلوں سے شکار کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔"

"خدا کے لئے اب تم چلی جاؤ" میں جھلاہٹ اور بے بسی کے ساتھ بولا "اپنی ماں کے علاوہ تم کسی کے بارے میں سنجیدگی سے نہیں سوچ سکتیں!"

"میرا دل کہتا ہے کہ وہ جلد ہی آئے گی اور تیری رہائی کا سبب بنے گی!" سیتا پرجوش لہجے میں بولی۔

"وہ تجھے ... بیٹے کو مٹی کو وہ ... لے لے گی" میں طنزیہ لہجے میں بیٹھتے ہوئے دل ہی دل میں کانپ اٹھا۔

پھر سیتا وہاں سے لوٹ گئی۔

اس کے جانے کے بعد اوپر سے ایک رسی کے ذریعے مٹی کا بڑا سا برتن میرے کمرے میں لٹکا دیا گیا ساتھ ہی اوپر سے کسی نے چیخ کر مجھ کو کوئی ہدایت دی لیکن اس کی بات تو نہ سمجھ سکا۔ البتہ جھپٹ کر برتن تک جا پہنچا۔ وہ تازہ اور شفاف پانی سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے رسی سے برتن کھول دیا تو اوپر کھینچ لیا گیا۔ موسم سرد ضرور تھا لیکن میں پچھلے کئی گھنٹوں سے پانی کی حاجت محسوس کر رہا تھا۔ میں نے اس برتن سے گھونٹوں کے ذریعے اپنی پیاس بجھائی اور خوراک کا انتظار کرنے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ جو لوگ مجھے پانی فراہم کر سکتے ہیں وہ میری بھوک سے بھی غافل نہ ہوں گے۔

وہ میرا خیال درست ہی ثابت ہوا۔

تھوڑی دیر بعد ... اوپر سے رسی ... لٹکائی گئی۔ بڑی امید کے ساتھ اس کی طرف لپکا مگر اس میں بندھی ہوئی کسی جانور کی ران دیکھتے ہی کراہت سے ابکائی آ گئی۔ وہ ران کسی جانور کے جسم سے کاٹ لی گئی تھی۔ خون کی سرخی سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ران کسی تازہ شکار کے ذریعے حاصل کی گئی ہے۔ میں رسی کے قریب سے ہٹ گیا۔

اوپر موجود لوگوں میں سے کسی نے تیزی سے کچھ کہا مگر خوراک میرے لئے ناکارہ تھی۔ میں نے ہاتھ کے اشاروں سے انہیں وہ ران واپس کھینچ لینے کو کہا اور تھوڑے توقف کے بعد رسی دوبارہ اوپر کھینچ لی گئی۔

شدید بھوک کے آزار میں مبتلا تین دن وہاں قید رہا۔ پانی کے بکثرت استعمال سے آنتیں بھی جواب دینے لگیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے پانی کا استعمال بھی ترک کر دیا۔

چوتھے روز گانٹھوں والی رسی میرے کمرے میں لٹکائی گئی اور خاصی دیر کے بعد وہ آدم خور تھا کہ مجھے یہ سمجھانے لگے کہ اب مجھے اس قید خانے سے باہر نکلنا ہے!

اوپر پہنچنے کے چند ہی لمحوں بعد مجھے پتہ چل گیا کہ سارا ہجوم کس لئے کیا جا رہا ہے۔ اس چبوترہ کے سامنے پھیلے ہوئے میدان میں بے شمار قبائل موجود تھے اور ایک جگہ لکڑیوں کا بہت بڑا انبار جمع تھا۔ ان کی تیاریوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میری زندگی کا آخری دن ثابت ہونے والا ہے!

قید خانے کے ... نے ... میری پریشانی سے لطف اٹھایا۔ پھر قیدیوں کی چھت پر بیٹھتے ہوئے ... میں بہت ... ہاتھ میرا ... دیتے گئے اور مجھے کسی زاویے سے ... بٹھایا گیا کہ میں کھلے میدان میں ہونے والی ساری کارروائیاں دیکھتا رہوں!

مجھے فارغ ہو کر مجھ ... نے ایک ... بیٹھا ہوا گوشت نکالا اور بڑے آسودہ انداز میں اسے کھانے میں مصروف ہو گئے۔ وہ دونوں ہاتھوں اور دانتوں سے کھال اور ہڈیاں نوچ کر گوشت کھا رہے تھے۔ ایک آدھ بار انہوں نے اشارے سے مجھے بھی کھانے کی دعوت دی مگر میں نے کراہت سے منہ پھیر لیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر انہوں نے بچی کچی ہڈیاں وغیرہ درندوں والے حصار میں پھینک دیں اور پھر پلٹ کر ستانے لگے۔ میری جانب سے وہ بالکل مطمئن نظر آ رہے تھے!

یہ شاید ان سب ہی کے کھانے کا وقت تھا کیوں کہ خشک لکڑیاں جمع کرنے والوں کی تعداد بھی تیزی سے گھٹتی جا رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہاں سناٹا چھا گیا۔

خاصی دیر بعد مشرقی سمت سے خچروں پر سوار قبائلیوں کا ایک ہجوم اس طرف آتا ہوا نظر آیا۔ ان کے درمیان ایک سفید ... پر ... سے عجیب و غریب نقوش بنے ہوئے تھے۔ جسموں پر ... تا ... سے لپٹی ہوئی تھیں۔ چند خچروں پر کچھ سازو سامان بھی لدا ہوا تھا۔

تندرست ... پہاڑی خچر اسی جانب میں چھوڑے گئے۔ ... سردار ... کی چھت پر چڑھ آیا۔ اس نے پوری توجہ سے میرے جسم کا جائزہ لیا پھر مجھے کھول دیا گیا۔ پیچھے موجود قبائلی خچروں سے ... ہوئے ... پیچھے رکھ رہے تھے یہ ... وہی ... کے ... تھے اور ان میں کوئی ... ہوا تھا۔

سردار کے اشارے پر قید خانے کے محافظ مجھے لے کر نیچے اتر گئے اور میدان میں موجود آدم خوروں نے تیز نعروں کے ساتھ مجھے اپنے نرغے میں لے لیا۔

پھر ڈھول پر پہلی چوٹ پڑی۔ قبائلیوں نے ... ڈھول کی جوتی اور ... سے ... نکال کر اپنے مدوں میں ... نقارہ کی چوٹ پر ... جیسے میرے گرد ناچنے لگے۔ قید خانے کے محافظ سیدھے لکڑیوں کے انبار کی طرف گئے اور اس طرف سے دھوئیں میں لپٹے ہلکے ہلکے شعلے نظر آنے لگے!

تھوڑی ہی دیر میں سورج ڈھل گیا مگر اس وقت تک لکڑیوں کے الاؤ نے آگ پکڑ لی تھی۔ بھڑکتی ہوئی آگ کے سائے میں وہ سب ناچ جا رہے تھے۔ شعلوں کی گھٹتی بڑھتی روشنی میں ان کے رنگے ہوئے چہرے آسیبی ہیولوں کی مانند نظر آ رہے تھے!

میں ساکت و صامت ان کے درمیان کھڑا ہوا تھا۔ میری زندگی کے چند آخری سانس باقی رہ گئے تھے۔ ... کباب میں آگ کے شعلوں سے ... ہوں گا!

رفتہ رفتہ ان کے ... میں ... وا ... رنگ ... تھا ان کی آوازیں بلند آہنگ ہوتی جا رہی تھیں۔ رقص میں ... کا انداز ... ہو چلا تھا۔ ڈھول کی آواز کا ... سبب ... پیدا ہو گئی تھی

اور میں اپنی ہلاکت کے اس جشن کا شاہد تھا۔ وہاں کوئی نہ تھا جو میری زبان سمجھتا۔ اسفنکشولوں کے اس ہجوم میں کسی کو مجھ سے ذرہ برابر ہمدردی نہ تھی۔ میرا حلق خشک ہو گیا تھا۔ آنتیں بری طرح بل کھا رہی تھیں۔ موت سے پہلے ہی میں خود کو عالم نزع میں محسوس کرنے لگا تھا!

پھر آسمان پر چاند ابھر آیا۔ وہ پورے چاند کی رات تھی۔ کھلے میدان اور محصور قید خانے میں ہر طرف پھیکی چاندنی کا سوگوار فسوں پھیل گیا تھا۔ یہ وہی رات تھی جب بستی کے مرد دوسرے جھانوٹیا راستہ بنا کر کھلے قید خانے میں محصور عورتوں پر جا پڑتے تھے۔ پھر آج تو ان کے لئے دوہری خوشی کی رات تھی۔ پہلے وہ بھاندناس کو بھینٹ دینے والے اجنبی کو بھڑکتے الاؤ میں جھونکتے، اس کے بعد نشے میں ڈوبے اپنی عورتوں میں جا پہنچتے۔ میں شعلوں میں جھلس کر چیخ رہا ہوتا اور وہ اپنی عورتوں کو دبوچے مخمور قہقہے لگا رہے ہوتے۔ پھر جب ان کی خرمستیاں دم توڑ جاتیں اور وہ قید خانے سے باہر آتے تو اس وقت تک ان کا مجرم الاؤ میں جل کر کوئلہ ہو چکا ہوتا!

رقص و سرود کا یہ ہنگامہ چند لمحوں کے لئے اس وقت رکا جب درندوں کی گزرگاہ کے درمیان جالی باندھ کر اندر پہنچنے کا راستہ بنایا جانے لگا۔ خونخوار درندوں نے دوڑتے ہوئے ان کوششوں پر احتجاج کیا۔ بلند ہونے والی ان آوازوں پر چند تماشائیوں کے لئے بھڑکنے پھر ان کے قدم اسی جوش و خروش سے اٹھنے لگے!

الاؤ کے شعلے بلند ہوتے رہے۔ لکڑیاں چیخ چیخ کر انگارے ہو رہی تھیں۔ اور جب الاؤ کے شعلے ہر طرف پھیل گئے تو آخری چوٹ کے بعد نقارہ کی آواز دم توڑ گئی اور پتھروں والے کمرے کی چھت پر موجود سردار نے ہاتھ اٹھا کر سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا!

عادی آوازیں دم توڑ گئیں مگر اس سے پہلے کہ سردار کچھ کہتا، ہجوم کے عقب میں کوئی عجیب واقعہ ظہور پذیر ہوا تو سردار کی نگاہیں اسی طرف اٹھ گئیں۔ پھر سب لوگ اسی طرف دیکھنے لگے۔ ان کی نگاہوں میں حیرت کی جھلکیاں تیر رہی تھیں۔

آنے والی ان کے درمیان پہنچی تو میرا جی چاہا کہ خوشی سے دیوانہ وار رقص شروع کر دوں۔ سیتا بدن پر ایک چیتے کی.... دھاری دار کھال بچائے بڑی تمکنت کے ساتھ چلی آ رہی تھی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں قبائلیوں کی مقدس تلوار اٹھی ہوئی تھی۔ تلوار پر نظر پڑتے ہی سارے قبائلی عقیدت کے ساتھ زمین پر سجدہ ریز ہوتے چلے گئے!

جونہی وہ سجدے میں گرے میری نگاہ سیتا کے عقب میں آنے والی عورت پر پڑی اور میں حیران رہ گیا مگر میری نگاہیں تجربہ کار تھیں۔ ان دونوں میں غیر معمولی مشابہت ہونے کے باوجود میں پہچان گیا کہ پیچھے آنے والی سیتا ہے اور آگے آنے والی تلوار بردار عورت اس کی ماں۔

وہ دونوں چند ہی منٹوں میں میرے قریب آ پہنچیں۔ سیتا کی ماں کا چہرہ سرخ و سفید اور شگفتہ تھا مگر اس پر پاکیزگی کا جلال بھی نمایاں تھا۔ اس کی آنکھوں میں میرے لئے ممتا کی چمک کوند رہی تھی۔ قریب آ کر وہ رک گئی۔

"تیرا نام کیا ہے بیٹے؟" اس نے رس گھولتی آواز میں سوال کیا۔

"مقدر!" میں نے کہا۔

یہ نام اس نے حیرت سے سنا۔ اس کی آنکھیں وقتی طور پر نم ہو گئیں اور وہ بولی۔ "سیتا تیرا نام بھول گئی تھی۔ کہاں سے آیا ہے تو؟"

"دربدر کی خاک چھانتا یہاں تک پہنچا ہوں۔ اب تو دلی کا تصور تک اجنبی معلوم ہونے لگا ہے۔" میں نے جذبات سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اس عورت نے آنکھوں ہی آنکھوں میں سیتا کو آگے بڑھ جانے کا اشارہ کیا۔ اور جب وہ کچھ دور نکل گئی تو وہ میرے قریب آ کر دھیمے لہجے میں بولی۔ "تو میری بچی کے ساتھ دغا تو نہیں کرے گا مقدر؟"

"میں نے اب تک اس کا احترام کیا ہے۔" میں نظریں جھکا کر بولا۔ "میں اس کی زبانی تمہاری داستان سن چکا ہوں۔ مگر یہ بتاؤ کیا تم اندرام کی بیٹی ہو؟"

"خاموش!" وہ سہمی ہوئی تیزی سے بولی۔ "اندرام یہی سمجھتا ہے کہ پنڈتوں کے جنگل سے بچائے جانے کے بعد سے اس کی لڑکی پرسادا کی زندگی گزر رہی ہے اور بھگوان جانتا ہے کہ یہ سچ ہے۔" یک بیک اس کی آواز بھرانے لگی۔ "میں نے ان ویرانوں میں زندگی کا آخری فریب کھایا۔ سیتا کی ان چاہی ماں بن گئی مگر انیس برس سے میں نے یہ راز اپنے دل میں چھپایا ہے۔ سیتا بھی نہیں جانتی کہ اس کا نانا سال میں ایک بار اس کی ماں سے ملنے ان ویرانوں میں آتا ہے۔ میں نے اندرام کے سیتاوادی میں سالانہ قیام ہی کی وجہ سے لڑکی کا نام سیتا رکھا ہے اور اسی راز کو چھپانے کی خاطر بستی سے دور ویرانی پہاڑوں میں رہتی ہوں...... اندرام نے مجھے تیرے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا اور مجھے خدشہ تھا کہ سیتا کے ساتھ میری یا خانقاہ کی طرف جانے والا تو ہی ہو سکتا ہے۔ میں تجھے بچانے کی خاطر خود اس آگ میں کود پڑوں گی مگر اس کے عوض تجھ سے راز داری کا عہد چاہتی ہوں۔"

"وہ کیا؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"اندرام کو بھی سیتا کے وجود کا علم نہ ہونے پائے۔ میرا باپ بہت دکھی انسان ہے۔ یہ خبر اس کی کمر توڑ کر رکھ دے گی۔ اس نے محض میری خاطر سنیاس کی زندگی اختیار کی ہوئی ہے۔ میرے انتقام کی آگ آج بھی اس کے وجود میں روشن ہے۔ یہ بات مزید دکھوں کا تماشا بن جائے گی۔"

"مجھے منظور ہے۔" میں نے کہا۔ "مگر تمہارا نام کیا ہے؟"

"سندری۔" وہ بولی اور مجھے احسان مندانہ نظروں سے دیکھتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

اندرام کی زندگی کے اسرار ہمالے کے ان پہاڑی ویرانوں میں بھی میرا تعاقب کر رہے تھے۔ مجھے یقین نہ آتا تھا کہ یہ جیتی جاگتی زندگی کے واقعات ہو سکتے ہیں۔ شروع سے آخر تک سب کچھ ایک پراسرار خواب معلوم ہو رہا تھا۔

سندری کے بڑھتے ہی سیتا میرے پاس آ پہنچی۔ "ماں کیا کہہ رہی تھی؟" اس کی آواز سے شوق اور پیار چھلکا پڑ رہا تھا۔

"مجھے تسلی دے رہی تھی۔"

"تو اس میں مجھے ہٹانے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ منہ بنا کر بولی۔

"تیری ماں ابھی تک تجھے شیر خوار بچی سمجھتی ہے۔" میں نے بات بدلنے کو کہہ کر رخ بدل لیا۔

"وہ اب ایک بڑا تماشا کرنے والی ہے۔" سیتا مٹھیاں بھینچ کر بولی۔ "ہم نے ادھر آتے ہوئے الاؤ میں بھاندناس کے ٹکڑے بھی ڈال دیئے ہیں۔ ابھی وہ تلوار کے بل پر اپنی سرداری کا اور الاؤ میں بھاندناس کی موجودگی کا اعلان کرے گی تو یہ سب پاگل ہو کر آگ پر ٹوٹ پڑیں گے۔ الاؤ میں بھاندناس کی موجودگی انہیں بوکھلا کر رکھ دے گی اور الاؤ کو فوراً ہی بجھا دیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے وہ سمجھیں کہ ان کے دیوتاؤں کو تیری بھینٹ قبول نہیں ہے لہٰذا وہ تجھے رہا کر دیں۔"

اس وقت تک سندری پتھریلے کمرے کی چھت پر جا پہنچی تھی۔ سردار نے سجدے میں گر کر اسے تعظیم دی۔ پھر وہ میدان سندری کی آواز سے گونجنے لگا۔ سجدے میں گرے ہوئے قبائلی اس کے حکم پر زمین سے اٹھ چکے تھے۔

سندری کی تلوار لہرا لہرا کر پرجوش آوازیں ان سے کچھ کہتی رہی تھی۔ اچانک سارے مجمع پر ہراس طاری ہونے لگا۔ ان کا بوڑھا سردار چھت سے اتر کر الاؤ کی طرف دوڑ پڑا تو وہ سب بھی سراسیمگی کے عالم میں اس کے ساتھ ہو لئے۔ پھر شاید انہیں خشک لکڑیوں کے انبار میں مقدس بھاندناس نظر آ گئی اور وہ سب آگ بجھانے کی سر توڑ کوششیں کرنے لگے۔

"یہاں تک تو ترکیب کارگر ہی رہی اب نہ جانے کیا ہوتا ہے۔" میں نے سیتا کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"میری ماں بہت ہوشیار ہے۔ میں نے کہا تھا نا کہ وہ تیری رہائی کا سبب بن کر آئے گی۔ اب دیکھ کہ میں بہت سچ کہتی ہوں۔"

وہ ابھی گھٹنوں تک آگ سے لتھڑے ہوئے تھے۔ کئی قبائلی بری طرح جھلس بھی گئے مگر وہ آگ بجھتی ہی چلی گئی۔ وہ کسی طرح جلتے سر دیکھ کے بھاندناس کے چند ٹکڑے انہیں نظر آ گئے وہ انہوں نے آگ سے باہر نکال لئے اور چہرے لٹکائے واپس اسی میدان میں لوٹ آئے۔

"اب ماں تیرے بارے میں دریافت کر رہی ہے۔" سندری کے بولنے پر سیتا نے بتایا۔

بہت سے جنگلی بیک وقت بولنے لگے اور میں نے دیکھا کہ سیتا کے چہرے کا رنگ اڑ گیا ہے۔ وہ اچانک بہت زیادہ گھبرا گئی تھی۔

"کیا بات ہے سیتا؟" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

"یہ کہتے ہیں کہ مقدس بھاندناس نے اپنے مجرم کی بھینٹ لینے سے انکار کر دیا ہے لہٰذا اب یہ سب تجھے بھگا دینے کی تجویز پر جواب ہو گئے ہیں۔"

"اب میرا کیا بنے گا؟"

"تجھے فکر کی ضرورت نہیں۔ میری ماں ہر قسم کے حالات سے نمٹنے کے لئے تیار ہو کر آئی ہے۔ مگر اب یہاں بھیانک بربادی منڈلا رہی ہے۔" اس نے مجھے تو دلاسا دینے کی کوشش کی تھی مگر خود اس کی آواز میں تشویش کے سائے لرزاں تھے۔

اور اس وقت اچانک مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔ میرا تابناک ماضی تصویر کی طرح میری نظروں میں گھوم گیا۔ میں ایک آسودہ تجارت پیشہ گھرانے کا لاڈلا فرزند تھا۔ تعلیمی ادوار میں آوارہ لڑکوں کی ہم نشینی نے مجھے اس قدر گستاخ بنا دیا کہ میں سب گھر والوں کا معتوب ہو گیا۔ میرے والد کو یہ صدمہ لے ڈوبا اور میں ہر چیز سے عاق کر دیا گیا۔ اسی کے ساتھ میرے تمام خوشامدی دوستوں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا اور میں اپنی جنم بھومی لاہور کو خیرباد کہہ کر شہر خرابات آ پہنچا۔ کراچی نے مجھے دولت کمانے کے آسان گر سکھائے تو جان و مال گنوانے کے سہل ذرائع بھی سامنے آتے چلے گئے۔ پھر مقدر کی گردش نے مجھے چڑھتے خون کی ترنگ سے میری خوشحالی پر قدرت نے جلد ہی مہر لگا دی اور میں بے گھر ہو کر سڑکوں پر نکل آیا اور اس تنگ دستی و در بدری کے حوالے مجھے وہ شخص ملا جس کی وجہ سے آج میں ہزاروں میل دور ہمالہ کے سرد کوہستانوں میں آدم خوروں کے رحم و کرم پر تھا۔ اگر اس وقت مجھے لیاقت آباد والا جمال سنیاسی نہ ملا ہوتا، اگر میں نے سیتا سے ملحق تنگ و تاریک اور پراسرار گلیوں میں اس کے ساتھ سونا نہ بنایا ہوتا تو بھاندناس کی طلب مجھے یوں رسوا نہ کرتی۔ جمال کیمیاگر تو اپنی زندگی ناکام حسرتوں میں

گنوار گرداھاکر کے طبیب مداسی نامی جنگلی کے ہاتھوں مارا گیا اور میں معمولی سونے کو بھی ترسا۔ اس کا آخری تاوان کہ اصل سونا بنانے کے چکر میں دیوانہ ہو گیا۔ میری زندگی کی ابتدا قزاقوں سے ہوئی گھر سے بے گھر ہوئے، وطن سے دور قافلوں سے، جنگلوں سے اور نہ جانے کہاں کہاں سے فرار ہوتا ہوا اب یہاں اس چوہے دان میں آ پھنسا تھا۔ شاید میری موت ان ہی وادیوں میں لکھی گئی تھی جو میں الشتاق بھوک بھول کھیلتا یہاں تک آ پہنچا تھا۔ مجھے یہ علم نہ تھا کہ ایک منزل پر مجھ جیسا پیشہ ور مفرور بھی بے دست و پا ہو کر رہ جائے گا۔

کراچی کی یاد میرے دل میں کسک بن کر ابھری۔ کہاں وہ شہر نگاراں اور کہاں یہ سنگلاخ ویرانے ۔۔۔ عظیم الشان عمارات، جگمگاتی روشنی، بے آواز موٹریں اور بے رحم رواں سیل انسانی کا سبع چھوڑ کر میں نے اپنے انجام کے لیے کس قدر بے نور و ویران جگہ کا انتخاب کیا تھا۔

میری سوچ کا تسلسل سندری کی تیز آواز سے ٹوٹ گیا۔ اس کا لہجہ اب بھی اٹل اور حاکمانہ تھا مگر آدم خور بھی سرکشی پر آمادہ نظر آ رہے تھے۔ بلند لہجوں میں بات چلتی رہی اور سیتا مجھے تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کرتی رہی۔

سندری انہیں ڈرا دھمکا کر میرے قتل سے روک رہی تھی اور وہ میرے بدن کے پارچوں سے اپنی آتش شکم سرد کرنے کے لیے بے چین تھے اور جب سندری کوئی فیصلہ کر کے پیچھے اتری تو سیتا نے مجھے بتایا کہ سندری میرے قتل کے جشن کو ایک روز کے لیے ملتوی کرانے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ کیونکہ وہ پورے چاند کی رات تھی اور سب آدم خوروں کو حصار میں محبوس عورتوں سے اپنا حساب چکانا تھا۔ لہٰذا فی الحال مجھے اسی حجرہ نما کمرے میں بند کرنے کا فیصلہ ہوا تھا۔ مجھے قید کر کے وہ سب حصار میں جا کر اپنے حیوانی جذبوں کی آگ سرد کرتے اور اگلے دن سندری کے سامنے مجھے ذبح کر کے میرے بدن کے گوشت کو تمام آدم خوروں میں بطور تبرک تقسیم کر دیا جاتا۔

کس قدر منصفانہ فیصلہ کیا تھا سندری نے۔ میرا جی چاہا کہ اس کا نرخرہ اپنے دانتوں سے چبا ڈالوں۔ شاید اس طرح وہ مجھے اپنی ملامت سے بچا کر اہرام اور سیتا سے متعلق پر اسرار قدیم رازوں کی حفاظت کا فیصلہ کر چکی تھی۔ جبکہ میں نے سیتا کو اہرام کے بارے میں بتانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ مجھے چاروں طرف سے آدم خوروں نے گھیر لیا۔ سیتا ان کی بھیڑ میں سے صاف نکل گئی تھی۔ الاؤ کی بھڑکتی روشنی میں دونوں ہم شکل عورتیں بڑے سکون سے اس طرف واپس جا رہی تھیں جدھر سے آتی ہوئی نظر آئی تھیں۔

اب میں ایک مرتبہ پھر روئے زمین پر بسنے والے ان وحشی آدم خور انسانوں کا غلام بن چکا تھا جو اپنے ہی ہم نسلوں بلکہ ساتھیوں کو کھا جانے کے عادی تھے۔

انہوں نے نہایت منظم طریقے سے مجھے گھیر کر پتھریلے تہ خانے تک پہنچایا۔ سردار جیسے کہ چھت پر پہنچا اور مجھے بلانے کے طریقے پر ایک بار پھر اسی ناقابل تسخیر کمرے میں اتار دیا گیا۔

تھوڑی دیر بعد زمین بے شمار قدموں کی دھمک سے گونج اٹھی جیسے بے شمار بدمست حیوان آوازیں سنائی دیتے اور چند ہی ثانیوں بعد حصار میں مقید عورتوں کی چیخیں گونجنے لگیں۔ ان کی آوازوں سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وحشی مردوں نے اندر گھستے ہی قتل عام شروع کر دیا ہو۔

یک بیک اٹھنے والے اس شور سے جیسے بھڑک کر وہ لپٹنے لگے۔ پھر میں نے پتھروں کے درمیان سے جھلکنے والا منظر بھی دیکھا جو الاؤ کے لہو رنگ عکس میں بھی نمایاں تھا۔

میری زندگی کی آس ٹوٹ چکی تھی۔ میرے لیے اب ہر منظر بے حیرت تھا۔ میں خالی الذہنی کے عالم میں اپنے پر لطف بستر پر بیٹھا حصار کے اس پار ہونے والے گھناؤنے مناظر دیکھ رہا تھا کہ اچانک چھت سے کسی کی سرگوشیانہ آواز ابھری۔

میں نے چونک کر اوپر دیکھا تو سندری یا شاید سیتا وہاں موجود تھی اور گھنگھرو والی رسی اندر لٹک رہی تھی۔

"جلدی باہر آ جا صفدر!" بولنے والی سیتا تھی اور اس کی آواز خوشی سے کانپ رہی تھی۔

یہ واقعہ میرے لیے سراسر غیر متوقع تھا۔ موت کے دہانے میں اترے ہوئے شخص کو یک بیک زندگی کی نوید مل جائے تو اس پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہونا فطری سی بات ہے۔ بے اختیار میری آنکھیں چھلک گئیں اور کوشش کے باوجود میرے حلق سے آواز نہ نکل سکی۔

میں مسرت سے کانپتا ہوا اوپر پہنچا تو وہ دونوں ماں بیٹیاں فتح مندی کے ساتھ اوپر موجود تھیں جیسے انہوں نے کوئی بڑا معرکہ جیت لیا ہو۔

"یہاں سے بھاگو سندری!" میں بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اگر انہوں نے ہم کو دیکھ لیا تو وہ سب آناً فاناً ہمیں گھیر لیں گے۔"

"ماں اتنی بے وقوف نہیں ہے صفدر!" سیتا شگفتگی اور پیار بھری مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

اور اس سکون نے مجھے مضطرب کر دیا۔ "میں نے ... رقیبوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں مگر میرے بارے میں وہ ...

اس میں تو؟

میرے خاموش ہوتے ہی سندری نے بڑھ کر میرا منہ چوم لیا۔ لہجے میں بولی۔ "بیٹے! آخری وجہ ہے آج میں نے اپنی زندگی کا مقصد حاصل کر لیا ہے۔"

میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اس سرخ و سفید دوشیزہ کو دیکھا۔ سندری کے قول کے مطابق سیتا کی عمر انیس سال تھی اور اس کے اعتبار سے سندری کسی طرح چالیس برس سے زیادہ کی نہ ہو سکتی تھی۔ یہ بھی اس کی طبعی عمر تھی ورنہ پہاڑی موسم، آزاد فضا اور بے فکری سے اس کے حسن کی ساری شادابی اپنے عروج پر تھی۔ نہ بشرے پر ڈھلتی عمر کی کوئی علامت تھی نہ جسمانی کساؤ میں کوئی فرق آیا تھا۔ اگر مجھے خود ہی نہ بتاتی کہ سندری اس کی ماں ہے تو میں ان دونوں کو بہنیں ہی سمجھتا۔ سیتا اور سندری میں فرق تھا تو بس اتنا کہ ایک نقش میں شوخی رچی ہوئی تھی جبکہ سندری کے چہرے پر نور چمک رہا تھا جو طویل ریاضت کرنے والے درویشوں کی پہچان ہوتی ہے۔

سندری چالیس برس کی تھی تو میں بھی بتیس سال سے کسی طرح کم نہ تھا۔ عمر کا اتنا کم فرق اور وہ مجھے بیٹا کہہ رہی تھی اور یہی نہیں بلکہ اس نے میرا منہ بھی چوم لیا تھا۔ سندری کی اس جسارت پر میرے سارے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔

"میری وجہ سے؟" میں نے سرد بھری نظر اس کے چہرے پر ڈال کر حیرت سے پوچھا۔ پھر جو نہی اس کی سیاہ اور روشن نظریں چار ہوئیں تو میرا سر جھکتا چلا گیا۔ اس کی عمر کچھ بھی سہی مگر اس کے چہرے پر برسنے والا جلال اسے ان کے مقدس رتبے کا ہی مستحق ٹھہرا رہا تھا۔

"ہاں ۔۔۔ وہ آج ہی تیرا قصہ تمام کر دیتے۔ میں نے ان سے زندگی مانگی مگر انہیں حکم دیا کہ یہ کام وہ کل پر ملتوی کر دیں۔ تیری قیمتی جان کی خاطر ان کو اس بے قیمتی میں تھی۔ وہ میرے اس حکم سے سرتابی نہیں کر سکتے۔ اب قبیلے کا ایک ایک فرد حصار میں ہے۔ ہم دونوں نے تجھے نکالنے سے پہلے دونوں حصاروں کے درمیان بندھے ہوئے جال کاٹ کر نکال پھینکے۔ اب وہ چاہیں بھی تو زندہ باہر نہیں آ سکتے۔ ان کا حشر ان کی عورتوں اور اولادوں کے ساتھ ہوگا۔"

"اوہ ۔۔۔ سندری! مقدس ماں! تم واقعی عظیم ہو۔ سیتا اگر یہیں جنم بھی لیتی تو مجھے حیرت نہ ہوتی۔ تم نے خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر سب کو بے بس کر دیا ہے۔ یہ غریب الوطن اجنبی تمہاری عظمت کو سلام کرتا ہے۔" میں بے پناہ مسرت میں ڈوب کر جذباتی ہو گیا۔

"اور اب میری سیتا تیرے حوالے ہے صفدر!" وہ میرا شانہ تھام کر اپنے دل پر جبر کرتے ہوئے بولی۔ "یہ ان پہاڑوں میں میری بیس سالہ زندگی کا حاصل ہے۔ اسے لے کر اپنی بارونق آبادیوں کی جانب لوٹ جا۔ میں نے اسے باہر کی دنیا کی ہوا بھی نہ لگنے دی تھی مگر تیرے سنائے ہوئے قصوں سے میری سیتا شہروں کو دیکھنے کے لیے تڑپ رہی ہے۔ میں اسی وقت تمہیں الوداع کہتی ہوں۔ جاؤ، بھگوان تمہیں سدا سکھی رکھے۔"

"ماں!" بے اختیار میرے دل کی گہرائیوں سے یہ لفظ ہونٹوں پر ابھر آیا۔ "تو ان ویرانوں میں کیا کرے گی۔ سیتا کے سوا تیرا یہاں کون رہ گیا ہے۔ تو ہمارے ساتھ نہیں چلے گی؟"

اس نے خاموشی سے میرا ہاتھ تھاما اور پتھریلی سیڑھیوں سے کھلی چھت پر آ گئی۔ یہاں سے اس نے سیتا کو وہ مضبوط خنجر تھمانے کے لیے دیا اور خود اس کے آگے چلے جانے کا انتظار کرتی رہی۔

"میں تم دونوں کے ساتھ نہ جا سکوں گی صفدر!" قید خانے سے ابھرتی ہوئی وحشیانہ چیخوں میں سندری کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔ "میرا باپ ہزاروں کوسوں کی مسافت طے کر کے صرف مجھ سے ملنے یہاں آیا ہے۔ اگر میں اسے یہاں نہ ملی تو پتھروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر مر جائے گا ۔۔۔ وہ بد نصیب یہی سمجھتا ہے کہ اس کی بیٹی کی آبرو ان ویرانوں میں محفوظ رہی ہے مگر میں جب سیتا کو دیکھتی ہوں میرے دل میں آگ سی بھڑک اٹھتی ہے۔ جی چاہتا ہے دنیا کے سارے مردوں کو ایک ہی تختے سے مسل دوں۔ مگر تجھے دیکھ کر میرا دل کھل اٹھا ہے۔ میری سیتا شہروں میں تیرے ساتھ جیئے گی اور سندری ان ویرانوں میں رہ کر اپنے پتا کا سواگت کیا کرے گی ۔۔۔ مگر میری ایک التجا ہے میرے بچے! سیتا کو اپنی پیدائش پر اختیار نہ تھا۔ اسے بھول کر بھی بن بیاہی ماں کی اولاد ہونے کا طعنہ نہ دینا ورنہ میری روح تجھ سے اس طعنے کا انتقام لے گی۔"

اس کی باتوں نے مجھے دلگیر کر دیا اور میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "تو فکر نہ کر ماں ۔۔۔ تیری بچی سدا سکھی رہے گی۔"

سیتا پھر پلٹ کر آئی تو گفتگو کا رخ بدل گیا۔

"اب آدم خوروں کا پورا قبیلہ اندر قید ہے۔ صبح سے پہلے شاید ان میں سے کسی کو بدلے ہوئے حالات کا علم نہ ہو سکے۔ تو ان کا کیا حشر کرے گی؟" میں نے پوچھا۔

"یہ اب نیا چاند نکلنے تک یونہی قید میں رہیں گے۔ بھوک ان کے دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دے گی اور اسی دوران تم دونوں اتنی دور نکل جاؤ گے کہ یہ کوشش کے باوجود تمہارا سراغ نہ پا سکیں گے۔" سندری اٹل لہجے میں بولی۔

"یہ بڑے سفاک ہیں ماں ۔۔۔ بھوک کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہ اپنی عورتوں اور بچوں کو ہی کھانا شروع کر دیں گے۔" میں نے کہا تو وہ

وہاں میں تو یہ سب ہی کا صفایا کر ڈالیں گے۔"

"میرے جیتے جی ایسا ہرگز نہ ہو سکے گا۔ اگر یہ اسی حرکت پر تل گئے تو میں ان کا نام و نشان تک مٹا دوں گی۔ میرے لشکو اندر دلی حصار توڑ دیں گے۔ پھر یہ کے چیتے ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے۔ خواتین ان کا تقدس نہیں یا چیتوں کا نشانہ، ایک ہی بات ہے مگر یہ سوچنے کے کا خمیازہ بھگت کر رہیں گے۔" سندری اپنے منصوبے کے ہر پہلو پر غور کر چکی تھی۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے دبی زبان میں سندری کو مخاطب کیا۔

"تو جھجک کیوں ... بول میرے بچے!" وہ میرے لہجے پر چونک پڑی۔

"تو جانتی ہے کہ شہر دنیا میں پیسے کے بغیر زندگی بہت دشوار ہے۔" میں نے دبی زبان میں کہا۔

"تیس برس!" وہ طویل سانس لے کر بولی۔ "لمبی مدت ہوتی ہے بیٹا! وہ سب تو میرے لیے ایک بھولا ہوا خواب بن کر رہ گیا ہے۔ مگر یہ بتا کہ تیرا مدعا کیا ہے؟"

"میں یہاں سے بھاندناس لے جانا چاہتا ہوں۔ میں اسی کی تلاش میں ادھر آیا تھا۔"

"میں جانتی ہوں ——— میں جانتی ہوں۔" وہ جلدی سے بول پڑی۔ "شاید اندرام نے تجھے میرے بارے میں سب کچھ ہی بتا دیا تھا۔ سیتا بے چاری تو شاید کچھ بھی نہ سمجھی ہو کہ میں بھاندناس کا متلاشی کیوں ہوں۔"

"لے جا ——— جتنی بھاندناس لے جا سکتا ہے لے جا۔" سندری قدرے سکوت کے بعد بولی۔ "مگر کل تجھے ہر قیمت پر یہاں سے نکل جانا ہے۔"

پھر ہم لوگ تین خچروں پر وہاں سے آدم خوروں کی ویران بستی کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں سندری نے برفانی انسان کا قصہ چھیڑ دیا۔ شاید سیتا اُسے پہاڑی خانقاہ کے سفر میں پیش آنے والے سارے واقعات سنا چکی تھی۔

وہ ساری رات ہم نے بستی کے ایک مکان میں سندری سے باتیں کرتے گزار دی۔ وہ عورت بے حد شفیق اور دلچسپ شخصیت کی مالک تھی۔ ایک لمحے کے لیے بھی مخاطب پر اکتاہٹ طاری نہ ہونے دیتی تھی۔ جب گفتگو نے بے تکلفانہ رخ اختیار کر لیا تو میں نے سیتا کی بات چھیڑ دی۔

"ماں! اس پر اب مجھے پورا حق ہے نا؟" میں نے سندری سے پوچھا۔

"ہاں ——— سیتا اب تیرے ہر حکم کی تعمیل کرے گی مگر یاد رہے کہ یہ ابھی تیری بیوی نہیں ہے۔ جب تک تو اُسے باقاعدہ نکاح میں نہ لے اس کی خلوت تجھ پر حرام ہے۔" سندری نے آخری الفاظ پر زور دے کر کہا۔

"ماں!" سیتا آخری الفاظ تو نہ سمجھ سکی مگر پہلے فقرے پر بول پڑی۔ "میں اس کی نوکر نہیں ہوں۔ اسے بھی میری بات ماننی پڑے گی۔ لیکن مشورہ تجھے دینا ہے جو آدم خور کرتے آئے ہیں۔"

سندری مسکرا اٹھی۔ "تو اب شہروں کے سفر پر جا رہی ہے۔ وہاں ہر چیز مختلف ہے۔ تجھے ہر قدم پر صفدر کی ہدایت کی ضرورت پڑے گی۔"

"یہ ماں کا حکم ہے اور مجھے ماننا ہوگا۔" میں نے شرارت کے ساتھ سیتا سے کہا۔

"میرا اندازہ ہے کہ تو مسلمان ہے۔" سندری بھی سمجھ چکی ہے کہ سیتا کو بھی اپنے مسلک میں شامل کرے۔"

سندری کے یہ الفاظ اچانک مجھے مونا کی یاد دلا گئے۔ اس عیسائی دوشیزہ نے بھی میری خاطر گھر بار، مذہب سب کچھ چھوڑ دیا تھا مگر میں اس کی حفاظت نہ کر سکا۔ وہ بدنصیب گھنٹہ گھر کی شاہراہوں پر ایک خونریز معرکے میں مجھ سے بچھڑ گئی تھی ہمیشہ کے لیے۔

آخر صبح اندھیرے ہم وہاں سے نکل پڑے۔ بستی سے نکل کر بعد میں اسی جگہ پہنچا جہاں پہلی بار میں نے بھاندناس کو چٹان سمجھ کر اپنی نشست کے لیے منتخب کیا تھا اور آدم خور مجھ پر آ پڑے تھے۔

وہ منحوس عنابی پتھروں سے مشابہ سخت پہاڑی جڑی بوٹی اسی جگہ پڑی تھی۔ اسے دیکھ کر میری آنکھیں چمک اٹھیں اور میں سندری کے ہاتھ سے تلوار لے کر اس پر ٹوٹ پڑا۔

وہ جڑی بہت سخت تھی۔ میں اسے بڑی گٹھڑیوں میں کاٹ کر تینوں خچروں پر لادنا چاہتا تھا مگر سندری نے میری اس بات کی مخالفت کی۔ اس کا خیال تھا کہ واپسی کا سفر بہت دشوار ہے۔ ہمیں خچر تو استعمال کرنے ہیں لیکن دو سواروں کے ساتھ تین باربردار خچر کسی طرح قابو میں نہ آئیں گے۔ لہٰذا مجھے سندری کی بات ماننی پڑی اور دو خچروں پر صرف ایک خچر لادنے کے حساب سے کٹائی شروع کر دی۔

میری طویل اور تھکا دینے والی جدوجہد کا ثمر آخر کار میرے سامنے آ چکا تھا۔ وہ بھاندناس جس کی تلاش میں نہ جانے کتنے لوگ دشت و صحرا میں بھٹک بھٹک کر اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے جس کے تذکرے پر کیمیاگروں کے چہروں پر چمک اور جوش کی لہر دوڑ جاتی وہ آخر کار میرے قبضے میں آ چکی تھی۔

بس ذرا سی دیر کی بات تھی پھر میں اپنے گوہر مقصود کے ساتھ واپس ہو سکتا تھا۔ ان پہاڑوں سے مجھے وہ نایاب چیزیں ملی تھیں۔ سیتا جو قریب کھڑی میرے جوش و خروش پر مسکرائے جا رہی تھی۔

پلوٹے

بلندی کی وہ رات میرے لیے کامرانی کی رات تھی
بلند و بالا پہاڑیوں کے درمیان پہاڑی پتھروں کے

عنابی بوٹی آدم خوروں کی بستی سے چند فرلانگ دور میں سیتا کے ہمراہ بھاندناس کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر پہاڑی خچر پر لادا رہا تھا۔ سندری خاموشی کے ساتھ ایک پتھر پر بیٹھی میرے جوش و خروش سے محظوظ ہو رہی تھی۔ اس کے یاقوتی ہونٹوں پر سوگوار مگر پروقار مسکراہٹ رقصاں تھی۔ میں آدم خوروں کی بستی سے حاصل کی ہوئی مقدس کلہاڑی سے بھاندناس کے ٹکڑے اُڑا رہا تھا۔ اس کی دھار پوری طرح میرا ساتھ دے رہی تھی۔ کیمیاگری کی جان میرے قبضے میں آ چکی تھی۔ تندرست اور بلند قامت خچر بار بار پتھریلی زمین پر اپنے سم مار کر مجھے روانہ ہونے کی یاد دلا رہے تھے۔

میرے ہاتھ تھکتے ہی نہ تھے۔ خچر پر بار پورا ہو چکا تھا لیکن میں اب بھی اس میں اضافہ کرنے پر تُلا ہوا تھا۔

"صفدر!" اچانک سندری کی محبت بھری آواز ہولے سے ویرانے میں گونجی۔

"کیا بات ہے ماں؟" میں نے پہلی بار پورے خلوص کے ساتھ اسے پکارا اور ماں کہتے ہوئے میں اپنے مقدر کی ستم ظریفی پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ پینتیس برس کا ایک مرد چالیس سالہ خوبرو اور صحت مند عورت کو ماں کہہ کر پکارنے پر مجبور تھا مگر اس وقت میرے وجود کے کسی گوشے سے ملامت کی ایک لہر بھی نہ ابھری۔ مجھے احساس ہوا کہ سندری کی عظمت صرف اور صرف ماں کے خطاب کی سزاوار ہے۔ دنیا کی ہر عورت محبوبہ، بیوی یا داشتہ ہو سکتی ہے مگر سندری ماں کے سوا کچھ بھی نہ تھی۔

"راستہ طویل اور بے حد دشوار ہے۔" سندری بھاندناس سے لدے ہوئے خچر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "یہ خچر اتنا بوجھ نہ سہار سکے گا۔"

میں نے لمحہ بھر کے لیے کچھ سوچا پھر مقدس کلہاڑی خود سندری کی طرف بڑھا دی۔ اس وقت ہلال کی وہ چاندنی رات اپنے آخری سانسوں پر تھی۔ کچھ ہی دیر کے بعد صبح طلوع ہونے والی تھی۔

سندری نے بڑھ کر اپنی جوان سال اور خوبرو بیٹی سیتا کو بے اختیار اپنی بانہوں میں بھینچ لیا اور دیوانہ وار اس کے لب و رخسار چومنے لگی۔ شاید بیٹی کو ہمیشہ کے لیے رخصت کرنے کے تصور نے اسے بے قرار کر دیا تھا۔ اس کی بڑی بڑی نیلی آنکھوں میں آنسوؤں کی ہلکی سی چادر لرزاں تھی جبکہ سیتا کا چہرہ انجانے جذبوں کی مسرت سے دمک رہا تھا۔ غالباً اسے ابھی تک اندازہ نہ ہو سکا تھا کہ وہ اب ہمیشہ کے لیے اپنی ماں سے جدا ہو رہی ہے اور اب کبھی اس سے مل نہ سکے گی۔

بیٹی سے الگ ہو کر سندری میری طرف آئی اور پُر وقار انداز میں گرمجوشی سے میری پیشانی چوم لی۔ اس کی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں اور ان میں بے شمار سوال رقصاں تھے۔

"صفدر۔ میرے بچے! دیکھ سیتا کو تیری ذات سے کوئی دکھ نہ پہنچے!" وہ بولی تو فرط جذبات سے اس کی آواز تھرا رہی تھی۔

"تو فکر نہ کر ... تیری بچی میری زندگی ہے۔ اسے میرے جیتے جی کوئی دکھ نہ پہنچے گا۔" میں نے تقریباً بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ماں ... ماں تو رو کیوں رہی ہے!" سیتا معصومانہ حیرت سے آگے بڑھی اور سندری کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ "کیا تو مجھے صفدر کے ساتھ بھیجنا نہیں چاہتی ہے؟"

سندری بلک بلک کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور بے اختیار سیتا کو ایک بار پھر اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ "میری بچی ... لڑکیاں کبھی گھر نہیں بیٹھتیں ... وہ ایک نہ ایک دن بابل کی گلیاں چھوڑ کر اپنا گھر آباد کرنے چلی جاتی ہیں۔ لڑکیوں کی رخصتی ماں باپ کے لیے مسرت اور اندوہ کی ایک عجیب تقریب ہوتی ہے مگر مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ اب کے بعد شاید کبھی تیری صورت نہ دیکھ سکوں!"

سندری کی آہیں اور اس کا گریہ دیکھ کر میرا دل بھی کانپ اٹھا۔ میں نے اپنے شہر میں پردیس کو بیاہی جانے والی کئی لڑکیوں کی رخصتی دیکھی تھی۔ وداع کے موقعے پر کلیجے کو چیر دینے والے الم انگیز نغمے بھی میں نے بارہا سنے تھے لیکن پتھروں اور چٹانوں سے گھری اس وادی میں سیتا کی رخصتی کی یہ تقریب بڑی عجیب اور یاس آمیز تھی۔ ایک بت بنی ماں اپنی بچی کو الوداع کہنے کھڑی تھی۔ وہاں کوئی نہ تھا جو بیٹی کے بعد اس کے دکھوں کا مداوا کرتا۔ جانے ان کے پنڈتوں کے ستم سے گھبرا کر ان ویرانوں میں پناہ لینے والی سندری کیسی بدنصیب تھی کہ تیس برس گزر جانے کے باوجود اپنے باپ کو نواسی کی پیدائش کا مژدہ سنانے کی ہمت نہ کر سکی اور اب مقدر نے ایک اور تجربہ فراق دروازے پر لا کھڑا کیا تھا۔ سیتا کو وہ میرے ساتھ رخصت کر رہی تھی۔ بن بیاہی ماں کی کنواری بیٹی کی بیاہی رخصتی ہو رہی تھی۔

سندری کو مردوں کی ذات کا بڑا تلخ تجربہ تھا۔ دن کے اُجالے میں ماتھوں پر تلک سجانے، چہروں پر تقدس طاری کیے دنیا سے بے نیاز رام کی مالا جپنے والوں نے اس کے ساتھ وہ سلوک کیا کہ شاید اس ستم پر چشم فلک بھی نم ہو گئی ہو۔ وہ اس حقیقت کو جانتی تھی کہ اس کے باپ اندرام کو انتقام نے اندھا کر دیا۔ جو خون کی ندیاں بہا کر اپنی عصمت و عفت بچا کر ان پہاڑوں میں لے آیا تھا۔ وہ وحشی اور خود غرض مردوں سے دور اور محفوظ رہ سکے مگر وہ بے چاری یہاں بھی کمزور اور مجبور ہی ثابت ہوئی۔ پہاڑی چوٹیوں کی تسخیر کو آنے والوں نے مظلومیت کا لبادہ اوڑھ کر سندری کو بھی مسحور کر لیا۔ انتقام پر مشتمل ہونا سندری کا حق تھا۔ اس نے اپنے دشمن کو نیست و نابود کر دیا مگر اس کے گناہ کی نشانی کو پروان چڑھانا ہی پڑا کیونکہ وہ عورت تھی جس کا وجود

بڑی مرادوں سے پایا تھا جو تمہارے سب کے لیے اولاد صرف اولاد ہوتی ہے!
اور مردوں کی ستم آشنا وہ عورت ایک بار پھر ایک اجنبی پر بھروسہ کر رہی تھی۔ اس نے بس ایک بار مجھ سے عہد لیا تھا کہ میں ویرانوں سے آبادی میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے سیتا کو اپنے مسلک میں لا کر اپنے ازدواج میں لے آؤں گا! اس کے بغیر سیتا کی خلوت مجھ پر حرام ہوگی۔ یہ اس کی کتنی بڑی خود فریبی تھی۔ میں نے دل میں عہد تو ضرور کیا ہوا تھا کہ سندری کی ہدایت پر عمل کروں گا مگر ویران راہوں کی حشر سامانیاں بار بار مجھے سوچنے پر مجبور کر دیتی تھیں!

سفر بہت کٹھن اور صبر آزما تھا۔ راستے میں ہر ہر قدم پر گناہ پرور تنہائیاں بکھری تھیں اور میں اپنے قول سے بھٹکا ہوا ایک بھوکا درندہ بن جاتا۔ اگر کہیں بھی میرا نفس عہد پر غالب آ جاتا تو کوئی نہ ہوتا جو سیتا کو میری دست برد سے بچا سکتا اور سندری شاید یہ سب جانتی تھی! آنسوؤں سے دھندلائی ہوئی آنکھوں میں یہ سارے وسوسے رقصاں تھے! اس کے لب خاموش تھے مگر اس کی گریاں آنکھیں مجھ سے التجا کر رہی تھیں! وہ مجھ سے میرے الفاظ اور میرے عہد کی توثیق طلب کر رہی تھیں! اس کے لہجے میں بھی اعتماد نمایاں تھا مگر سندری اس کی آنکھوں میں سکون نمایاں تھا۔ وہ ایک ایسی عورت تھی جس نے اپنی زندگی خود بنائی تھی جو زمانے کے ہر سرد و گرم سے آشنا تھی جس کا تجربہ اس کی عمر سے کہیں زیادہ تھا۔ راستے میں پیش آنے والے متوقع واقعات سے وہ بے خبر نہ تھی مگر اب بہتر زندگی اور بہتر مستقبل کے لیے اس کے پاس سیتا کو میرے ساتھ بھیجنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا!

میرے اور سیتا کے بدن پر دو دو گرم کھالیں موجود تھیں پھر بھی سندری نے اپنی دونوں کھالیں جسم سے اتار کر میرے حوالے کر دیں اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سر پر برف کی سل گرا دی ہو۔ وہ شہروں کی پیداوار ضرور تھی مگر اس کی عمر کا بیشتر حصہ انہی پہاڑوں میں گزرا تھا اور اب شہروں کا تمدن بھول چکی تھی! اس میں ان سنگلاخ پہاڑوں کی فطری معصومیت رچ بس گئی تھی۔ کھالیں میرے حوالے کر دینے کے بعد وہ اب میرے سامنے بے حجاب اور برہنہ کھڑی تھی! اس کا چہرہ بدستور یاسمن کے پھول کی طرح تمتما رہا تھا! اس کے انداز میں نہ عشوہ تھا نہ ادا، بشرہ پر نہ دعوت تھی نہ حجت بس یوں معلوم ہوتا تھا جیسے شہر کے کسی باسی نے اپنے پیروں سے جوتے اتار دیے ہوں۔

اور ان چند لمحوں میں شہری زندگی کا ایک روپ میرے سامنے ننگا ہو گیا! وہ رخ اب انتہائی گھناؤنا تھا مگر جب تک میں اس ماحول میں گھرا رہا وہ میرے لیے مسرتوں اور لازوال مسرتوں کی معراج تھا۔ کراچی کے کسی مے کدے میں رقص، رنگوں میں نہائی ہوئی گلابی میں دولہن! نازک دم گانوں کے جھپاکوں سے سبک سبک تن اور ننگے بدن رقاص لڑکیاں جب مغربی سازوں کے تیز شور پر ناچتے ناچتے لچکیلے جسموں سے لباس اچھال دیتی تھیں تو ان کے دعوت آمیز کھلے کھلے سینوں میں سانس گھٹنے لگتا تھا اور برہنہ شانی جسم گناہ بن کر جذبات کے گھر ناپید ہو جانے کی تمنا سے سسکنے لگتا تھا۔ عورت کا وہ روپ کس قدر گھناؤنا اور ذلت آمیز تھا ۔۔۔ اس جزوی عریانی کے برعکس سندری کی سراپا عریانی بھی کتنی پاکیزہ تھی۔ اس کی نگاہوں کی تمکنت شاید میرے جذبات تک میں اتر چکی تھی کہ اس سحر بیچ وجود میں کوئی ایسی تحریک بیدار نہ ہوئی جس کا احساس ہی بعد میں مجھے شرمسار کر دیتا ۔۔۔ اور اس وقت مجھے احساس ہوا کہ جسم بے حقیقت شے ہے صرف نگاہ اور اس میں کوندنے لپکنے والے جذبوں کا ہوتا ہے۔

"یہ تم دونوں رکھ لو راستے میں شاید ان کی ضرورت پڑ جائے!" کھالیں دینے کے بعد سندری گمبھیر لہجے میں بولی ساتھ ہی اس نے چاندی کی ایک انگوٹھی میری انگلی میں پہنا دی جس میں سیاہ پتھر کا بدنما نگ لگا ہوا تھا۔

میں نے سرد ہوا کے پیش نظر وہ کھالیں لے کر لوٹانا چاہیں مگر سیتا نے جھپٹ کر میرے بڑھتے ہوئے ہاتھ واپس کھینچ لیے۔ "رکھ لے ان کو بیٹا ماں رہتی ہے ورنہ تو راستے میں سردی سے اکڑ کر مر جائے گا!" اس کے لہجے میں تحکم سمٹ آیا تھا۔

میں نے ایک کھال اپنے خچر کی پشت پر ڈالی دوسری سیتا کے خچر کی پشت پر ڈال دی۔

"ماں! اگر تو یونہی روتی رہی تو میں تجھے چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں گی!" اچانک سیتا نحیف لہجے میں اپنی ماں سے بولی۔

"میں رو تو نہیں رہی بچی!" سندری نے جلدی سے اپنی آنکھیں خشک کر لیں اور اس کے لبوں پر سوگوار سی مسکراہٹ ابھر آئی! "میں تو پہلے بھی تجھ سے دور اپنی خانقاہ میں رہتی تھی بس فقط یہ خیال آ رہا تھا کہ اب اتنے جوش ملا لے میں دور جا کر تجھ تک نہ پہنچ سکوں گی!"

"صفدر مجھے تیرے پاس لے آئے گا ماں!" سیتا نے میری طرف دیکھتے ہوئے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں بیٹا!" میرے بولنے سے قبل سندری ہی بول اٹھی۔ "میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ صفدر محبت کرتا ہے ایک مکمل محبت تو اس کے ساتھ خوش رہے تو میرے لیے یہی سب کچھ ہوگا!"

پھر سیتا نے ان کھنڈرات کی طرف بھی جانا چاہا جہاں اس کے پروردہ لشکروں کے غول بیٹھے تھے مگر سندری نے سختی کے ساتھ اسے منع کر دیا! "وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں بس اب تم دونوں فوراً اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ میں چاہتی ہوں کہ راہ زنوں کی آمد سے قبل تم دونوں ان پہاڑوں سے اتنی دور نکل جاؤ کہ وہ کسی طرح تم تک نہ پہنچ سکیں!"

پھر سیتا نے اپنی ماں کی پیشانی پر الوداعی بوسہ دیا اور ہم دونوں اپنے اپنے خچر پر سوار ہو گئے۔ جانوروں میں سے لمبے لمبے بالوں کے گچھے میں بندھی ہوئی رسی میرے ہاتھ میں تھی۔

"الوداع میری بچی!" سندری نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا اور اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر نمی تیرنے لگی۔

میں نے جلدی سے اپنے خچر کو ایڑ لگائی اور مڑ کر سندری کو ہاتھ ہلایا اور یوں ہمارا مختصر سا قافلہ وہاں سے روانہ ہو گیا۔

نئے دن کا سورج تھوڑی ہی دیر میں طلوع ہونے والا تھا اور میرے لیے وہ زندگی کا عظیم ترین دن تھا! اپنی جدوجہد کے دوران میں بارہا میرے ذہن میں اس خیال نے سر ابھارا تھا کہ شاید عافیت نامی کسی خطے کا کبھی کہیں وجود ہی نہیں، یہ وہم کی پیداوار ہے! کئی بار یہ سوچا کہ شاید روئے زمین پر ایسی کسی چیز کا وجود ہی نہ ہوگا مگر آج عافیت نام کی ایک اٹل حقیقت ثابت ہو چکی تھی۔ میری خوش نصیبی کی معراج تھی کہ انسانوں کو لوٹنے والے سفاک اور خونخوار لٹیروں کو صرف سندری کی مدد سے چکمہ دے کر ان کی سرزمین سے وہ دولت بھی لے آیا جس پر کسی اجنبی کا قبضہ تو کیا وہ لوگ سایہ پڑنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔

راستے بہت زیادہ ناہموار اور خطرناک تھے۔ دھندلکے میں خچر قدم بہ قدم بڑھ رہے تھے۔ میں نے مڑ کر نگاہ ڈالی تو دھندلکے سے اجالے میں بہت دور ایک انسانی ہیولا بلند پہاڑی پر موجود تھا۔

"ماں ابھی تک ہمیں دیکھ رہی ہے!" میں نے سیتا سے کہا۔

اس نے بھی مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور پوری قوت سے چیخی۔

"ماں الوداع!" اس کی آواز پہاڑوں اور چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر اس وادی میں دیر تک گونجتی رہی۔

پھر اس بازگشت کے ڈوبنے سے قبل ہی فضا سندری کی دردناک اور بھرائی ہوئی آواز سے کانپ اٹھی! اس نے بھی الوداع کا جوابی نعرہ لگایا تھا۔

پھر اس بلند چوٹی سے وہ انسانی سایہ غائب ہو گیا۔ وہاں اب پہاڑوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔

ان اطراف میں دور دور کسی پگڈنڈی کا سراغ نہ تھا لیکن وہ علاقہ سیتا کا دیکھا بھالا تھا لہٰذا وہی میری رہنمائی کر رہی تھی۔

"ہم ان پہاڑوں سے کتنے عرصے میں نکل سکیں گے سیتا!" اسی سفر کی دوپہر کے وقت میں نے سیتا سے سوال کیا پھر فوراً ہی مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا مگر اس وقت تک سیتا قہقہہ مار کر ہنس پڑی تھی۔

"تو بالکل احمق لگتا ہے صفدر!" وہ ترنم ریز ہنسی کے دوران بولی۔ "میں تجھے بتا چکی ہوں کہ میں انہی پہاڑوں میں پیدا ہوئی اور پلی بڑھی ہوں۔ مجھے تو بس یہ معلوم ہے کہ دنیا میں ان پہاڑوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ تو باہر سے ان پہاڑوں میں آیا تھا تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ کتنی مسافت ہے!"

"تو بہت بدتمیز ہے سیتا!" میں نے مصنوعی غصہ سے کہا "بھلا اپنے مرد سے اس طرح بات کی جاتی ہے!"

"اپنا مرد!" اس نے حیرت سے کہا اور پھر ہنس پڑی "تو کیا اب میں تیری مالک ہوں!"

اس کے اس سوال پر میں محظوظ ہونے کے بجائے قدرے جھینپ گیا۔ "تیری ماں تجھے بتا چکی ہے کہ اب تجھے ہر حال میں میری بات ماننی ہوگی۔ اس کے بعد بھی تو مجھے اپنا غلام سمجھ رہی ہے!"

"تو نے تھوڑی دیر پہلے آپ کو میرا مرد کہا تھا" وہ منہ بنا کر بولی "اور ہاں اس خیال میں بھی نہ رہنا کہ میں تیری ہر بات بے چون و چرا مانوں گی!"

"نہ مانے گی تو ابھی تجھے واپس تیری ماں کے پاس چھوڑ دوں گا!" میں نے دھمکی دی۔

"اس خیال کو دل سے نکال دے" وہ گھٹیلی آواز میں غرائی "تو مجھے چھوڑ دے گا تو میں سائے کی طرح تیرا پیچھا کروں گی تیرے سفر کو کبھی چین نہیں مل سکے گا اور پہاڑوں سے نکلتے ہی تیرے سامنے آ جاؤں گی!"

"جی چاہتا ہے کہ اپنے بازوؤں میں دبا کر تیری پسلیاں توڑ دوں" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرا بدن بہت مضبوط ہے صفدر!" وہ تیکھے لہجے میں بولی "میں اپنے ہاتھوں سے نہ جانے کتنے آدم خوروں کو موت کے گھاٹ اتار چکی ہوں۔ میری پسلیاں توڑنا تیرے بس کی بات نہیں!"

"یہ تو مجھے وقت آنے پر پتہ چلے گا!" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ وہ برا سا منہ بنا کر خاموش ہو گئی۔

تیسرے دن ہم ان راہوں کو پیچھے چھوڑ آئے جن سے سیتا شناسا تھی راستے ابھی تک بہت خطرناک تھے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ راستے یکایک ایسی جگہوں پر جا کر رک گئے جہاں سے ایک قدم بھی آگے بڑھنا محال تھا۔ آگے ہزاروں فٹ بلند کھڑی ڈھلانیں یا نشیب حائل ہو جاتے! ایسے موقع پر ہمیں واپس جا کر دوبارہ نئے راستے کا انتخاب کرنا پڑتا جس کی وجہ سے ہماری پیش قدمی کی رفتار بہت سست پڑ چکی تھی!

راستے میں جا بجا بہنے والے چشموں کی وجہ سے پانی کی قلت نہ تھی۔ سیتا کو خاص طور پر فضا سے قریب درختوں میں اپنے چلنے والے تیروں کا اندازہ لگانے میں ملکہ حاصل تھا۔ کھانے پینے کے لیے جنگلی بیر اور پھلوں کی کمی نہ تھی اور یہ سب صرف سیتا کی وجہ سے ممکن تھا۔ ہماری راتیں کھلے آسمان تلے یا غاروں میں بسر ہوتی تھیں۔ میرے لیے اس علاقے کا موسم بہت سخت تھا۔ گرم کھالیں استعمال کرنے کے باوجود سرد ہوائیں پریشان کرتی رہتی تھیں مگر سیتا تو اس موسم کی عادی تھی کبھی کبھی سر شام ہی ہوا کر مجھے کانپتے دیکھ کر

اس نے اپنی کہانی بھی مجھ سے چھپا کر دی۔ ایسے مواقع پر میں نے کئی بار اس کے حسین سراپا پر بھرپور نظریں ڈالیں اور عجیب سی بے خودی میں کھو گیا کہ لیسے ہر موقع پر سندری کا معصوم چہرہ میری راہوں میں حائل ہو گیا۔

اس مرتبہ ہمارے سفر کی راہ کچھ مختلف تھی کیونکہ کئی روز گزرنے کے باوجود مجھے کوئی ایسی علامت نظر نہ آئی جو سیکھ بڑے فتنہ سا ہو۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس بار سیتا وادی کی راہ میں چھپنے کا امکان نہیں تھا جہاں استدلام کرتا ہوا آگے بڑھتا تھا۔

اس ہولناک سفر میں سیتا کی رفاقت جہاں میرے لئے تقویت کا باعث تھی وہاں میں سخت اذیت سے بھی دوچار تھا۔ ذہن میں دھرجانے کتنی بار جذبات کی یلغار کے حضور میں پھنسا مگر ہر مرتبہ کوئی غیبی ناد یب مجھے سنبھال کر بخوبی ہنگامہ خیزی سے کچھ بچا لیتا تھا۔

یہ سفر کے ساتویں روز کا ذکر ہے کہ خلاف معمول سورج کی کرنیں اس قدر تمازت کا احساس ہو رہا تھا اور تیز ہوائیں بدستور چل رہی تھیں اور مجھے معیار کے مطابق موسم کسی طرح خوشگوار نہ تھا کہ سیتا کو میں کافی دیر سے بیچ دیکھ رہا تھا۔ آخر اس سے نہ رہا گیا تو اس نے شانوں پر پڑی ہوئی ایک بھاری آواز دی۔ اس لئے وہ کھلا اپنے خچر کی پشت پر کھڑی ہو کر دہ ہاتھ سے پھسل گئی۔ سیتا نے چیخ چیخ کر مجھے پکارا۔ وہ کھال نہ مخلوق ہو چکی تھی اور خچر بیک بنر کی طرح جھولنے لگا۔ اس سے قبل کہ سیتا سنبھلتی خچر سے ٹکرا کر زمین پر پھینک کر نکلتا ہوا تیزی کے ساتھ ایک طرف بھاگ نکلا۔ اس کی آواز سن کر میرا خچر بھی بدکا مگر میں اس وقت تک ایسی کسی ناگہانی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ میں نے اس کی لگامیں دونوں ہاتھوں کے درمیان سختی سے پکڑ لیں اور اس طاقتور پہاڑی خچر کے تیور فوراً ہی ماند پڑ گئے۔

اس اثنا میں سیتا کا خچر کافی دور جا چکا تھا اور وہ کھال بھی تیزی سے اڑ کر اس کے تعاقب میں جا رہی تھی۔ میرے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ خچر کی پشت سے کود کر سیتا کا ساتھ دوں کیونکہ وہ ایک تنگ پگڈنڈی کی گزرگاہ تھی اور میں صرف اپنے خچر کو سنبھالے ہوئے تھا جبکہ کھال مسلسل مجھ سے ہو کر خچر کی پشت بھی جیسے کی جانب تھی۔ قرب و جوار میں کوئی ایسا درخت وغیرہ بھی نہ تھا جس سے میں ان دونوں خچروں کو باندھ سکتا۔

میں نے چیخ کر سیتا کو روکنا چاہا لیکن وہ اس وقت شتعال میں تھی سے ہنستی ہوئی لمبی تنگ فضا میں دائرہ بنا رہی تھی پوری قوت سے دوڑتی رہی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ ایک جگہ بھی اگر میرا پیر پھسلا تو انتہائی گہرائی میں وہ بھی کسی کھائی میں جا گرے گی۔

ادھر میرا خچر کو بھی جو کچیلی دونوں ٹانگیں فضا میں اچھال اچھال کر ہا رہا تھا، پھر نہ جانے کیا ہوا کہ دیکھتے دیکھتے ہی اس کا اگلا پیر پھسلا اور وہ بائیں جانب کچیلی ہوئی گہری کھائی میں گرتا چلا گیا۔

سیتا واپس آ جا! گر نے والے خچر کو دیکھنے کے فوراً بعد میں نے گھبرا کر چیخا! گو وہ کھال کے کنارے پر پہنچنے سے قبل ہی رک گئی!

پھر وہ کھائی میں گرا اور ایک پرشور دھماکے کے بعد اطراف میں سناٹا چھا گیا۔

سیتا واپس آئی تو ریز کی طرح جھلائی ہوئی تھی!

"تو میری بات کیوں نہیں سنتی؟" میں نے غصہ میں پوچھا۔

"میں بھی کیسی پاگل ہوں، تو خود اور ایسی بات پر مجھے ڈانٹ کیوں رہا ہے؟"

خچر ہاتھ سے نکلنے کی جھلاہٹ کا رخ میری طرف ہو گیا تھا۔

"اور اگر تیرا پیر پھسل جاتا؟" میں غرایا۔

"تو اس وقت میرے بجائے تو میرے لئے پریشان ہوتا" اس کا پارہ بدستور چڑھا ہوا تھا۔ "کھائی میں گرتی تو میں ہی مرتی نا۔ تیرا کیا بگڑتا!"

"تیرا جو جی چاہے کرتی پھر۔۔۔ میں تجھے ہرگز منع نہ کروں گا۔"

"میں بھاندرناس میں پھینک رہی ہوں؟" وہ میرے لفظ دہراتے ہوئے وارث خچر کی رسی کھینچتے ہوئے بولی۔

"نہیں" میں ایک دم تڑپ اٹھا۔ "اگر تو نے بھاندرناس کو چھو بھی لگایا تو اچھا نہ ہوگا۔"

"میں پھینکوں گی!" وہ تنک کر بولی۔

"نہیں!" میں اپنے خچر کی پشت سے نیچے کود کر غرایا۔

"تیرے لئے بھاندرناس مجھ سے زیادہ اچھی ہے؟" وہ غصے میں بھری ہوئی آواز میں بولی۔

"ہاں!" میں اس وقت غصہ میں آپے سے باہر ہو گیا تھا اس لئے روانی میں کہہ گیا۔

اس نے بھاندرناس سے لدے ہوئے خچر کی رسی میری طرف اچھال دی اور نیچے بیٹھ کر اچانک بلند آواز میں رونا شروع کر دیا۔

"میں نے کیا ظلم کیا ہے تیرے ساتھ؟" میں قدرے نرم پڑ گیا۔ "مجھے یہ توقع نہ تھی کہ وہ یوں ارمان کر کے یک بیک مجھ سے لڑ پڑے گی۔"

"تیرے لئے بھاندرناس کی سوکھی ٹکڑیاں ہی محبت زیادہ ہو گئی ہیں۔ تو نے مجھے میری ماں سے چھڑا کر لا یا تھا یہاں مجھ کو آنکھیں دکھانے؟" وہ روتے روتے بولی۔

"تو بھاندرناس کی دشمن کیوں ہو رہی ہے؟" میں چند ثانیے تک اس کے خاموش ہونے کا منتظر رہا لیکن جب وہ مسلسل روتی رہی تو تنگ آ کر مجھے بولنا ہی پڑا۔ "آخر اس نے تیرا کیا بگاڑا ہے؟"

"میرا خچر مر گیا اب کیا میں تیرے سر پر سوار ہو کر سفر کروں گی؟" اس نے بھولی ہوئی تفصیل آنسوؤں میں بیان کر کے میری جانب نظریں اٹھائیں۔ اس کے گالوں پر آنسوؤں سے تر تھے اور بڑی بڑی آنکھیں

میں بھی شگفتہ ہوتی چمک رہے تھے۔ میں اس کی نادانی پر بے اختیار ہنس پڑا۔ "بس اتنی سی بات ہے؟"

"بہاتی سی بات ہے؟" اس کے آنسو تھمنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے۔ "میری ماں ٹھیک کہتی تھی کہ محبت سنگدل اور مکار ہوتی ہے وہاں سے محبت جتا کر لے آیا اور اب چاہتا ہے کہ خود سواری کرے اور مجھے پیدل ساتھ لے چلنے کو کہے۔"

"اچھا یہ بتا کہ تجھے مجھ سے محبت ہے؟" میرا غصہ کافور ہو چکا تھا اور میں نے اس کی دلجوئی کی کوشش شروع کر دی تھی۔

"میں نے ماں کی مخالفت کی اور تیری طرف جاتے ہوئے مجھے سے کیا کہا تھا" وہ تیز لہجے میں بولی۔ "جو محبت نہ ہوتی تو ماں کو چھوڑ کر تیرے ساتھ کیوں آتی۔ تو شہروں کی بیٹھک لے کر آیا ہے میرے ساتھ آئی ہے ورنہ تو کبھی اپنی ماں کو نہ چھوڑتی۔"

"شہروں کا کام آ گئے یہ ہو گیا کہ ایک دم رونا بھول گئی اور حیرت بھرے لہجے میں پوچھنے لگی "کیا شہروں میں بھی لوگ خچروں پر سفر کرتے ہیں؟"

"نہیں" میں نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔ "وہاں عورتوں سے بار برداری کا کام لیا جاتا ہے اور ہر عورت اپنے مرد کو کندھوں پر اٹھائے پھرتی ہے!"

"میں تو ہرگز تجھے اپنے کندھے پر نہ اٹھاؤں گی" وہ دونوں ہاتھ جھٹک کر زمین سے اٹھ گئی۔

"میرا بھی یہی خیال تھا کہ تو دھان پان سی لڑکی ہے میرا وزن نہ سہہ سکے گی" میری سنجیدگی اب بھی برقرار تھی۔

"تو اچھا اب کو کیا کرنا ہے؟" وہ رونا دھونا بھول کر یک بیک مشتعل ہو گئی اور میرے خچر کے قریب آ پہنچی۔ "بس مجھے کندھے پر اٹھا کر خچر پر بٹھا دے" وہ بولی۔

اب تو محبت نہیں ہے تو شاید مجھے ہی وہ بات ختم کرنی ہے۔

"کی پشت سے صاف انکار کر دیا کہ اب میں تیار تو سواری کر کے ہی پیدل چلوں گا! بھاندرناس ہی پھینک دے میں اس خچر پر سوار ہو جاؤں گی" وہ خوش ہو کر بولی۔

"دیکھ سیتا! تو مجھے بہت عزیز ہے" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اگر شہروں میں گھومنے کے لئے پیسہ بہت ضروری ہے اور بھاندرناس کے بغیر ہم وہاں بالکل مفلس ہوں گے" وہ میری پوری بات سنے بغیر یقین کے عالم میں بے ساختہ آگے بڑھی میں اس کے تمام کو نظر انداز کر کے بولا "ہم بھاندرناس پھینکے بغیر بھی سواری کر سکتے ہیں۔"

"میں تجھے کندھے پر اٹھاؤں؟" وہ بے ساختہ کہنے لگی۔ "غرائی۔ یہی مطلب ہے نا؟"

اس کے تیکھے انداز میں میں مسکرا کر اس کے سے بولا

"تو بھی میرے خچر پر سوار ہو جا۔ یہ آسانی سے ہم دونوں کا بوجھ اٹھا لے گا۔"

اس نے غور سے میری طرف دیکھا پھر میری بات سمجھنے کی اس کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وہ شگفتہ لہجے میں بولی "کیا ہم دونوں کی شادی ہو گئی ہے؟"

"نہیں!" بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔

اس کے منہ سے اطمینان کا ایک گہرا سانس خارج ہوا اور وہ الٹے لہجے میں بولی "پھر تو یہ ناممکن ہے کہ ہم دونوں ایک خچر پر سواری کریں۔"

"کیوں؟" مجھے اس سادہ لوح لڑکی کے اس جواب پر حیرت ہوئی۔

"میری ماں نے مجھ سے کہا تھا کہ شادی کے بغیر مجھے اپنے بدن کو ہاتھ نہ لگنے دوں گی!" وہ صاف اور معصومانہ لہجے میں بولی۔

"مگر ان سات دنوں میں کئی بار میں تیرے بدن کو ہاتھ لگا چکا ہوں بھاری تھالی کی طرف جاتے ہوئے تو خود میرے گلے سے آ لگی تھی!" میں نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔

"میری ماں نے مجھے ایک بات کھلے لفظوں میں بتائی ہے۔ جب میں تیرے گلے سے لگی تھی اس وقت تک ماں نے مجھے کچھ نہ بتایا تھا۔"

"تجھے معلوم ہے کہ شادی کیسے کرتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔ میرے حواس اب آہستہ آہستہ مجبور ہو چلے تھے۔ جن جذبوں کو میں مدت تک دفن کرتا آ رہا تھا وہ اب بڑے عجیب انداز میں میرے وجود پر غلبہ پا رہے تھے اور اس بار مجھے سندری سے کیا ہوا عہد باطل ہوتا نظر آ رہا تھا۔

"نہیں!" اس نے بڑی بڑی آنکھوں کی جنبش کے ساتھ کہا۔ "ماں کہتی تھی کہ مرد اپنے عقیدے کے مطابق عورت سے شادی کرتے ہیں۔ تیرے یہاں کیسے ہوتی ہے شادی؟"

اور سیتا کے اس سوال نے میرے وجود کو جھنجھوڑ دیا۔ چاروں طرف بے جان اور ٹھوس چٹانوں کا لامحدود سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ لاکھوں ہاتھ لوہا نقوش میں مگر ایک خوبرو اور جوان سال دوشیزہ مجھ سے گرگ باراں دیدہ سے ایک ایسا نازک سوال کر رہی تھی جس کا جواب بدترین گناہ اور بہترین فریضے کے درمیان حد فاصل قائم کر رہا تھا۔

میرا حلق خشک ہونے لگا۔ سانس تیز ہو جانے کے سبب سینہ دھونکنی بن رہا تھا۔ میں نے خاموشی کے ساتھ دیا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

گلنار۔۔۔ جسے میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد پہلی بار چاہا اور وہ جنگلے دامنوں محبت کے جذبوں کا مول چکانے والی ایک بیسوا ثابت ہوئی۔ پھر لونا مارٹن میری زندگی میں آئی۔ سادہ، پکی، معصوم اور مظلوم لڑکی جو حسن میں بے شک بے مثال نہ تھی مگر جس کی وفاداری میں جس کا ثانی نہ تھا۔ پرونز آرٹ فیکٹری کی اس نے بہ مرتبہ ملازمہ کو میں نے اسی ادارہ کا اقتدار اعلیٰ بن کر چاہا اور

ٹوٹ گیا تھا اور آخرکار وہ اپنے مذہب اور گھربار سے بے نیاز ہو کر لونا سندری بن گئی۔ مگر اس وقت میرا ستارہ گردش میں تھا میرے اتفاقاً ہی تم پر میرا تعاقب کر رہے تھے۔ ٹھنڈو کی ایک ویران مضافاتی سڑک پر ایک خونریز تصادم میں وہ وفا پیشہ لڑکی میرے حریفوں کے نشانے پر آکر اپنی جان کھو بیٹھی اور میں اس کی بے گور و کفن لاش ایک بازار میں چھوڑ کر روپوش ہونے پر مجبور ہو گیا.....

سندری نے شاید میرے بارے میں درست اندازہ لگایا تھا، شاید میں واقعی محبت کو ترسا ہوا ایک معصوم انسان تھا!

میرا پہلا انتخاب صورت کا تھا، دوسرا سیرت کا! اب سیتا میرے سامنے تھی جس کا روان رواں حسن کا شاہکار تھا جس کی سیرت میں صرف وفا ہی وفا تھی۔ اُسے جیتنا میری آرزو تھی! میرا دل اس کا شیدا ہو چکا تھا۔ اگر سندری سے کیا ہوا عہد یاد نہ رہتا تو سیتا شاید جانے کب دوشیزگی کی سرحد عبور کر چکی ہوتی!

میری آنکھیں خمار سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ میں ایک گھاگ شکاری کی طرح پہلو بدلتی، بے چین سیتا کا جائزہ لے رہا تھا۔ بس چند قدم بھٹکنے کی دیر تھی اور وہ بے بس کر لی جاتی مگر دوسری طرف وہ اپنی ماں کی فرماں بردار بھی تھی۔ میری کسی چیز کو خندہ پیشانی سے قبول نہ کرتی۔ اگر وہ میرے جنون سے گھبرا کر ان راہوں پر بھٹک کر بھاگ نکلتی تو شاید میں اُسے بے قابو کر لیتا، یا خدا بہتر جانتا ہے وہ کسی کھائی میں جا گرتی یا شاید میں خمار سے اندھا ہو کر کہیں گر پڑتا اور شاید وہ دونوں خچر ہمیں صاف پڑا دیکھتے ہوئے کسی طرف بھاگ نکلتے!

یہ جذبات ہر طرح خطرناک تھے جب کہ میرا دل سیتا کا اسیر ہو چکا تھا ... میرے ذہن پر تعقوب ... رہا تھا ... یا پناہ، جبر یا صبر! مجھے دو میں سے ایک کا انتخاب کرنا تھا اور اچانک میرے ذہن کے سارے بند دریچے کھل گئے۔

میں عالم اور متقی تو ہرگز نہ تھا لیکن ان غیر آباد ویرانوں میں میرے سوا کوئی نہ تھا جو اس وقت سہارا دیتا! میں خود سیتا کو اپنے مسلک میں شامل کر سکتا تھا.....!

"سیتا!" میں نے طویل سکوت کے بعد بوجھل آواز میں اُسے پکارا۔ "یہاں قریب میں کوئی چشمہ یا ندی موجود ہو گی؟"

"ہاں ... نیچے وادی میں مجھے پانی کی جھلک نظر آئی ہے مگر تجھے کیا ہو گیا ہے، تیرے چہرے کی حالت بدل گئی ہے تو میرے سوال کا جواب بھی نہیں دیتا؟"

"میں ٹھیک ہوں، تیرے سوال کا جواب بھی دوں گا مگر پہلے ہمیں ندی تک پہنچنا ہے۔ ابھی سورج کی کرنوں میں حرارت باقی ہے۔ سورج ڈھل گیا تو میں پانی میں نہ اتر سکوں گا!"

میں بھی اپنے خچر سے اُتر پڑا۔ سیتا نے بھاندر ناس سے لدے ہوئے خچر کی رسی تھام لی اور ہم سنبھل سنبھل کر نیچے اُترنے لگے!

پُرپیچ اور تنگ ڈھلانوں سے گزر کر ہم اس مقام پر جا نکلے جہاں ایک تیز ندی کا پانی چھینٹیں اڑاتا، شور مچاتا تیزی سے نشیب میں بہا جا رہا تھا!

یہاں ایک کھلی چٹان سے دونوں خچر باندھ دیئے گئے۔

"تو یہاں کیا کرے گا؟" سیتا اچانک سراسیمہ اور پریشان نظر آنے لگی تھی۔

"غسل!" میں نے مسکرا کر کہا۔ "تو بھی مجھ سے دور ایسی جگہ چلی جا کہ میری نگاہ تیرے برہنہ جسم پر نہ پڑ سکے اور غسل کے بعد اپنے بدن کو کھال میں لپیٹ کر یہاں واپس آجا!"

"کیوں؟"

"کیا تجھے اپنی ماں کی ہدایت یاد نہیں رہی، جو کچھ میں کہتا ہوں تجھے اس پر عمل کرنا چاہیے!" میں نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

اس نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں سر کو جنبش دی اور آگے بڑھتی چلی گئی۔

میں بھی ندی میں کود گیا۔ پانی میں کودتے ہی ٹھنڈک کی ایک ناخوشگوار لہر پورے وجود میں سرایت کر گئی میں کافی دیر تک تیز پانی میں نہاتا رہا اور جب باہر آیا تو سورج کی حرارت سرد ہوا کے سامنے ماند پڑ چکی تھی۔ میں نے کانپتے ہوئے اپنا بدن خشک کی ہوئی کھالوں میں لپیٹ لیا۔

کچھ دیر بعد سیتا پرانی چٹان سے چلتی واپس آگئی۔ اس کے گیلے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر بالوں سے چھننے والے پانی کے موٹے موٹے قطرے چمک رہے تھے!

میں اُسے ساتھ لے کر ایک بار پھر ندی کے کنارے پہنچ گیا۔ "یہاں بیٹھ اور جس طرح میں منہ ہاتھ دھو رہا ہوں اس کی نقل کرتی جا!"

"اس سے کیا ہو گا؟" اس کی الجھن لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔

"جو ہو گا ابھی سامنے آ جائے گا۔" میں نے کہا۔ "ہاں دل میں یہ نیت ضرور کر لینا کہ اس طرح تو خود کو پاک کرنا چاہتی ہے۔"

پھر میں نے نہایت سکون سے وضو شروع کر دیا۔ ندی میں چھلانگ لگاتے ہی ذہن سے ساری دھند چھٹ چکی تھی لہٰذا پھر دل و دماغ میں کوئی تحریک پیدا نہ ہوئی۔ سیتا ساتھ میری ایک ایک حرکت پر غور کر رہی تھی اور خود بھی دہراتی جا رہی تھی!

یہ عمل پورا ہونے کے بعد میں نے اُسے وہاں سے اٹھنے ... ہم ندی کے کنارے ایک ایسی دراڑ میں آ بیٹھے جو ہوا سے ایک حد تک محفوظ تھی!

"اب غور سے سن کر میں تجھے اپنے مذہب پر لانے والا ہوں" ... سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "یہ بتا اب تک تیرا کیا مذہب تھا؟"

"ماں بتاتی تھی کہ ہم رام کے پجاری ہیں!" وہ آنکھیں ... ہوئے بولی۔ "وہ پہاڑی خانقاہ میں دن رات اسی کی پوجا ... تھی۔ میں جب اس سے ملنے وہاں جاتی تو وہ مجھے بھی ... کرتی تھی۔ ہم دونوں نے کئی بار مٹی سے رام ... مگر کامیابی نہ ہوئی۔ ماں کی دلی تمنا تھی کہ میرے گھر ... بت ہو، سیتا کے لئے اس نے پہاڑی خانقاہ کی ایک دیوار ... ابھری صورت الگ کرنی چاہی مگر وہ بھی ٹوٹ گئی!"

"رام کون ہے؟" میں نے اس سے پوچھا

"وہ نہیں ... ماں کیا کیا باتیں بتاتی رہتی تھی۔ وہ اپنے ... کے ساتھ آسمانوں میں رہتا ہے۔ اس نے اپنے سارے کام ... دیوی دیوتاؤں کو بانٹ دیئے ہیں!"

"میرا مذہب اسلام ہے اور ہمارا مالک خدا ہے مگر ہم کا کوئی ... ہے مگر اسے کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ اس کے حکم کے ... کوئی کام نہیں ہو سکتا!" اسے یہ سب بتاتے ہوئے میں نے ... اس کی آنکھوں سے رحمت اور دہشت کی ایک لہر ابھرتی محسوس ... ایسے خدا کا پجاری تھا جو ہر کام پر قادر ہے جس کا ... ہے جو اپنے ماننے والوں کو سب کچھ دیتا ہے ... دواڑ وار ادھر ادھر مارا مارا ... اب تک میں ... تھا۔ مجھے آزادی اور جنت ... بھول گئی ہیں ... مگر مشکلات میں وہ مجھے یوں یاد آتا تھا جیسے پریشانیاں ... کا ... ہوں بلکہ آسمان سے مجھ پر اتاری گئی ہوں۔

"تو بتاتا کیوں نہیں اپنے خدا کے بارے میں؟" مجھے اپنے ... بار سیتا نے پرشوق آواز میں پوچھا۔

"... صفات لازوال اور لاانتہا ہیں!" میں نے دھیمی اور ... آواز میں کہا۔ "یہ سب میں تجھے بعد میں بتاؤں گا، ابھی تجھے ... مذہب میں شامل کرنا ہے!"

پھر میں نے عقیدت میں ڈوب کر وہ کلمات پڑھانے شروع کئے جن کی ادائیگی کے بعد وہ میری ہم مذہب بن چکی تھی!

نکاح کے بارے میں میری معلومات نہایت ناقص تھیں ہاں اتنا علم ضرور تھا کہ ایک اسلامی فقہ کی رو سے نکاح کے جائز ہونے کے لئے دو گواہوں کا ہونا ضروری قرار پایا ہے اور دوسرا اسلامی فقہ گواہوں کے بغیر بھی نکاح کو جائز ٹھہراتا ہے۔

پھر میں نے اسے محرم اور نامحرم کا فرق سمجھایا۔ اس سے سوال کیا کہ کیا وہ مجھے اپنا شوہر قبول کرتی ہے جب اس نے اقرار کر لیا تو میں نے اُسے زن و شوہر کے حقوق اور فرائض سے مختصراً آگاہ کیا۔ پھر میں نے ایک چمڑی کھال کے مہر کے عوض اس سے تین بار ایجاب قبول کرایا۔ یوں میری دانست میں سیتا شرعی اعتبار سے میرے نکاح میں آگئی۔

مہر میں مقرر کی جانے والی کھال میں نے اسی وقت اس کے حوالے کر دی اور اُسے بتایا کہ اب وہ علی الاعلان خود کو میری بیوی کہے گی۔ اس وقت میری اپنی رائے یہ تھی کہ مرد و عورت کے مابین جب کوئی تیسرا فریق موجود نہ ہو اور وہ دونوں نکاح پر راضی ہوں تو ایسے نکاح کے جائز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کا کھلے بندوں اعلان اور اقرار کر لیا جائے۔ کیونکہ اعلان اور اخفا کا فرق ہی گناہ اور شریعت کے مابین ہے!

شادی کا یہ انداز سیتا کے لئے بڑا دلچسپ ثابت ہوا!

"اگر میرا خچر ضائع نہ ہوتا تو شاید ہماری شادی اس طرح نہ ہوتی۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

"شادی تو اٹل تھی، ہاں شاید دیر سے ہوتی!"

"یعنی تو نے مجھے اپنے ساتھ خچر پر بٹھانے اور بھاندر ناس بچانے کے لئے یہ شادی کی ہے؟" اس نے غور سے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ..." میں موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے جلدی سے بولا۔ "بھاندر ناس تجھ پر قربان کی جا سکتی ہے سیتا، تجھے پا کر میں سب کچھ کھو دینے کو تیار ہوں۔ شہروں میں مفلسی کی زندگی بھی گوارا کر لوں گا!"

"پھر میری خواہش ہے کہ تو بھاندر ناس اس ندی میں بہا کر اپنی نیت کی مضبوطی کا ثبوت دے۔ مفلسی میں بھی ہر دن تیرا ساتھ دوں گی!"

لمحہ بھر کے لئے مجھ پر تذبذب طاری ہوا مگر سیتا اس وقت غیر معمولی طور پر سنجیدہ تھی اور میں ہر قیمت پر اُسے اپنانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

میں نے لپک کر بھاندر ناس سے لدے ہوئے خچر کی رسّی

کھولی اور اسے ہانکتا ہوا ندی کی طرف لے چلا۔ سیتا کے شبہات نے میری دوسری کامیابی کا پندار چور چور کر دیا تھا۔ میری طویل جدوجہد کا ثمر میرے اپنے ہاتھوں ضائع ہونے والا تھا مگر یہ موقع میرے لئے سیتا یا جواہرات میں سے کسی ایک کے انتخاب کا تھا۔ اگر میں جواہرات بچانے کے لئے ذرا بھی بحث کرتا تو سیتا یقیناً مجھ سے ترک تعلق کر کے واپسی کی راہ پکڑ لیتی، خواہ اس میں اس کی جان ہی ضائع ہو جاتی!

میں نے خچر کی پشت سے جواہرات کا پہلا تھیلا اٹھایا اور بوجھل دل کے ساتھ ندی میں اچھال دیا۔ اسی وقت پیچھے سے سیتا کی آواز گونجی: "بس صفدر مجھے تیری نیت کا اعتبار آ گیا!"

اس کا یہ اعلان میرے لئے غیر متوقع تھا۔ میں پلٹا تو وہ ننگے پیروں نکیلے پتھروں پر دوڑتی میری طرف چلی آ رہی تھی اور قریب آ کر وہ والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئی۔

میں نے بھی خچر کی رسی چھوڑ دی اور پورے جوش و خروش سے اپنی اس نوبیاہتا پہاڑی دلہن کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

نہ جانے کتنی دیر وہ خچر یونہی کھلا رہا لیکن اسے فرار کی نہ سوجھی۔ وہ ندی کے کنارے اُگا ہوا سبزہ چرتا رہا اور وقفے وقفے سے آوازیں نکال کر اپنی موجودگی سے باخبر کرتا رہا!

"یہ سب تجھے پہلے کیوں نہ یاد آیا صفدر۔ اگر ہماری شادی ماں کے سامنے ہو جاتی تو وہ کس قدر خوش ہوتی۔ مجھے تیرے ساتھ بھیجتے ہوئے اس کا دل کانپ رہا تھا۔ وہ ڈر رہی تھی کہ کہیں خود اس کی طرح اس کی بیٹی سیتا بھی کسی فریب کا شکار نہ ہو جائے!" سیتا بولی

"نہ جانے وہاں اب کیا حالات ہوں!" میں پُرخیال لہجے میں بولا: "سندری بے چاری ساری زندگی تیری طرف سے تفکرات کا شکار رہے گی۔ ہمیں وہاں سے نکلے سات روز ہو چکے ہیں۔ اگر ہم ابھی واپسی کا سفر شروع کریں تو ہمارے پہنچنے سے پہلے تیری ماں آدم خوروں کے ہاتھ لگ چکی ہو گی اور وہ ہمیں زندہ نہ چھوڑتے"

"نہیں۔ اب واپسی کا خیال بھی چھوڑ دے!" وہ گھبرا کر جلدی سے بولی۔

"مگر بعد میں تو اپنی ماں سے ملنے کیسے آئے گی؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"ماں بتا چکی تھی کہ ایک بار میں تیرے ساتھ گئی تو کبھی واپس نہ آ سکوں گی، وہ تو میں تجھے چڑانے کے لئے کہتی تھی۔ تو میری ماں سے جلتا تھا نا!" وہ ہنستے ہوئے میری بانہوں میں آ گری۔

"اس لئے جلتا تھا کہ تیری ماں تجھ سے زیادہ حسین ہے!"

"جھوٹ" میں نے اپنے گھر میں صاف پانی کا ایک چھوٹا سا تالاب بنایا ہوا تھا۔ اس میں کبھی کبھار میں اپنا عکس دیکھتی تھی۔ میں بالکل اپنی ماں کی ہم شکل ہوں!" وہ اترا کر بولی

ہم نے وہ شب بھی اسی محفوظ دراڑ میں گزاری۔ سیتا نے اس رات کی سیاہی میں میرے دل پر ایسا اَن مٹ رنگ چڑھایا کہ آج بھی اس کا تصور میرے لئے سکون کی معراج ہے!

اگلے روز ہم وہاں سے آگے چل پڑے!

سفر کے گیارہویں دن ہم گھنے جنگلات میں داخل ہو گئے۔ میرا اندازہ تھا کہ اندر رام کے تعاقب میں میں اسی جنگل کے کسی حصے میں سے گزرا تھا اور اگر میرا یہ خیال درست تھا تو یہ بہت خطرناک تھا کیوں کہ اس جنگل میں درندوں کی کثرت تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد جنگل سے آنے والی آوازوں نے میرے اندیشے کی تائید کر دی اور مجھے اپنے تحفظ کی فکر ہوئی۔ یہاں خچروں کو قابو میں رکھنا بھی دشوار نظر آ رہا تھا کیونکہ وہ درندوں کا شور سن کر بار بار بھڑک اٹھتے تھے!

اندر رام کے ہمراہ سیتا وادی جاتے ہوئے جنگل کا سفر ایک رات میں ہی ختم ہو گیا تھا۔ اس سے آگے ہموار میدان تھے اور یہ پورا سفر گیارہ دن میں طے ہوا تھا مگر ہم اب تک بلند پہاڑوں میں ہی تھے۔ وہ وسیع و عریض میدان نظر نہ آیا تھا اور اگر یہ وہی جنگل تھا تو ہم اسے دس بارہ گھنٹوں میں عبور کر کے اس ندی تک جا پہنچتے جس کی دوسری جانب نوآکوٹ کی بستی واقع تھی!

"تجھے کوئی گیت آتا ہے سیتا؟" میں نے خوف کم کرنے کے لئے اس سے سوال کیا۔

"ہاں کئی گیت آتے ہیں جو ماں نے سکھائے تھے!" وہ شوق سے بولی۔

"تیری ماں کا بچپن کہاں گزرا تھا سیتا؟" میں نے اسے ٹٹولنے کی نیت سے پوچھا۔ میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ اپنی ماں کے افسوس ناک اور قابل رحم ماضی سے کس حد تک باخبر ہے۔

"مجھے ماں سے یہ پوچھنے کا خیال ہی نہیں آیا! ... تھی کہ آدم خوروں میں عورتوں کی ذلت وہ گوارہ نہ کر سکی ... جنگلوں میں پناہ لے لی۔ پھر پہاڑوں کی چوٹیوں کی ... ایک جماعت راستہ بھٹک گئی۔ میری ماں کئی دن چھپ کر ... رہی تاکہ وہ اس نئے علاقے میں کوئی ٹھکانہ ڈھونڈ سکے ... بیمار تھے اور سخت پریشان بھی۔ میری ماں کو ان پر ترس آیا ... آدم خوروں کے قبضے میں آ جاتے تو بے موت مارے جاتے ... [illegible]

ماں نے بڑی محبت سے ان کی دیکھ بھال کی، ان کا علاج کیا اور جب تندرست ہو گئے تو ان سفید چمڑی والے درندوں کو معلوم ہوا کہ ان ... اوروں میں میری ماں تنہا رہتی ہے تو ایک روز انہوں نے رات پر حملہ کر دیا۔ میری ماں نے بڑی جدوجہد کی مگر اپنا بچاؤ نہ کر سکی۔ مگر اس سے پہلے کہ باقی دو آدمی بھی اسے پامال کرتے لنگوروں نے ماں کی چیخیں سن کر ان پر حملہ کر دیا۔ دو کو تو لنگوروں نے ہلاک کر کے مار ڈالا مگر اپنی عزت کے دشمن کو میری ماں نے قید خانے میں پھنکوا دیا اور قید کر کے سسکا سسکا کر مار ڈالا۔ ان کی کھوپڑیاں بھی اس نے نشانی کے طور پر وہیں ڈال دیں ... اسی کی کوکھ سے میں پیدا ہوئی... اس سے پہلے میری ماں کہاں تھی یہ مجھے معلوم نہیں!"

سیتا کو ایک ایک نقش اپنی ماں سے ورثے میں ملا تھا، وہی شکل، وہی بڑی بڑی آنکھیں، گداز بدن، دراز قامت، غرض اس نے سب کچھ ماں سے پایا تھا مگر بالوں کی سرخی اور آنکھوں کی نیلاہٹ اسے اپنے بدیسی باپ سے ملی تھی!

اسی وقت قریب سے ایک گیدڑ کی آواز ابھری اور خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔

"تم اونچی آواز میں گانا شروع کر دو، میں بھی چیخوں گا" میں بولا: "اس طرح جنگلی جانور ڈر کر ہم سے دور رہیں گے!"

سیتا نے فوراً ہی میری ہدایت پر عمل کیا اور میں بھی اس کا ساتھ دینے لگا۔ وہ شادی بیاہ کے موقع پر ہندوستانی گھرانوں میں گائے جانے والا ایک قدیم گیت گا رہی تھی جو شاید اس کی ماں اپنے بچپن میں بکثرت سنتی رہی ہو گی!

گاتے اور شور مچاتے ہم یونہی بڑھتے رہے اور تقریباً چار گھنٹے بعد ہی ہم جنگل سے باہر نکل آئے مگر سامنے ایک بلند پہاڑی سلسلہ موجود تھا یعنی ہم ابھی تک نوآکوٹ کے نزدیک بھی نہیں پہنچے تھے۔

راتوں کو قیام اور دن کو مسلسل سفر۔ ابھی تک اس ماحول میں کسی تبدیلی کے آثار نہ تھے۔ ان وادیوں میں سردی فزوں تھی مگر ہمارے بدن پر اضمحلال کے بجائے چونچالی آئی تھی!

اس رات ہم ایک غار میں فروکش تھے۔ سیتا میری فرمائش پر ... غار میں ایک گیت سنا رہی تھی۔ وہی قدیم گیت جس کی تانیں ... ہر طرف ... ندیاں تھیں۔ رات تاریک اور موسم سرد تھا... سیتا کے گیت کے بول فضا میں گونج رہے تھے اور جب ... خاموشی ہوئی تو کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"سندری ... [illegible]

میں ڈوبی ہوئی آواز گونجی۔

میں بھڑک کر اپنی جگہ سے اٹھا۔ سیتا میرے بدن سے چپکی کانپ رہی تھی۔ اس دورافتادہ ویرانے میں اپنی ماں کا نام سن کر وہ دہل اٹھی تھی۔

میرے اٹھتے ہی اس چٹان پر آہنی زنجیریں آپس میں ٹکرائیں اور وہاں موجود ایک نیم انسانی ہیولا پیچھے اچھل کر اندھیرے میں معدوم ہو گیا۔

زنجیر کی جھنکار اور وہ قہر بار آواز میرے لئے اجنبی نہ تھی۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ دنیا بہت مختصر اور محدود ہے۔ اندر رام کسی آسیب کی طرح یہاں بھی آ پہنچا تھا!

ممکن تھا کہ وہ ادھر سے گزر رہا ہو مگر سیتا کا گیت سن کر ادھر آ پہنچا ہو۔ اس کی طاقت و سفاکی ... آنکھیں اندھیرے میں بھی دیکھنے پر قادر تھیں مگر وہ سیتا کے چہرے پر سندری کا فریب کھا گیا۔ مجھے ڈر تھا اشتعال کے عالم میں وہ کوئی انتہائی قدم نہ اٹھا لے!

"اندر رام... تم کہاں چھپ گئے۔ یہ تمہاری بیٹی سندری نہیں ہے!" میں پوری قوت سے چلایا اور رات کے اندھیرے میں میری آواز دور تک گونجتی چلی گئی۔

"یہ کون ہے صفدر؟" سیتا نے سرگوشی کی۔

"اندر رام!" میں نے بے چین نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ میری ماں کا باپ ہے؟"

سیتا کا یہ سوال میں نے ان سنا کر دیا۔ میرے کان اندر رام کی آواز کے منتظر تھے مگر اس کی تو آہٹ تک مفقود ہو چکی تھی جیسے وہ کوئی سایہ رہا ہو!

پھر فضا میں اچانک چھنکتے آہنی بیلنوں کا تیز شور ایک خچر کی آواز کے ساتھ بلند ہوا۔ میں بوکھلا کر پلٹا تو جواہرات سے لدا ہوا خچر بدک کر ایک طرف بھاگ نکلا تھا اور ایک نحیف و نزار ہیولا دوسرے خچر کی رسی کھولنے میں مصروف تھا۔

"اندر رام" میں پوری قوت سے چیختا ہوا اس کی طرف دوڑا۔ اس نے بس ایک پل کے لئے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور اگلے ہی لمحہ اس نے دوسرے خچر کی رسی کھول کر اس کی پشت پر اپنا لمبے پھل والا آہنی چھرا رسید کیا اور وہ خچر بھی بلبلاتا ہوا ایک طرف ہو لیا۔

"سندری! میں تجھے پیوند زمین کر دوں گا!" اندر رام کی آواز میں قہر و غضب کی بجلیاں کوند رہی تھیں اور وہ ہر مقابلے کے لئے تیار نظر آتا تھا۔

"اندر رام یہ سندری نہیں ہے!" میں دوڑتے ہوئے چیخا

"مجھے فریب دینے والی سندری!" وہ طنز اور حقارت کے ساتھ چیخا۔
"مجھے جس پر ناز تھا آج اس کا فریب سامنے آیا ہے۔ لعنت ہے میری زندگی پر۔ اب یہ سیتا میرے ہاتھوں ماری جائے گی، میں تو جہاں ہے وہیں رک جا ورنہ اپنے چھُرے کا پھل تیرے سینے میں اتار دوں گا۔"
غیر ارادی طور پر میرے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔
"انندرام یہ سندری کی بیٹی ہے۔ تیری نواسی سیتا ہے!"
"نواسی؟" انندرام نے چیخ کر چھُرے سے اپنی پیشانی پیٹ لی اور زہریلے لہجے میں بولا۔ "کیا سندری نے میری جوان نواسی کو جنم دیا ہے؟ کیا بنارس کے پنڈتوں نے اُسے یہاں بھی نہ چھوڑا؟" وہ بڑے کرب کے عالم میں کراہا۔ "رام ــــ تو کہاں سو گیا ہے۔ میں تیری مالا جپتے جپتے بوڑھا ہو گیا اور اس کا صلہ ـــــ اس کا صلہ یہ جوان نواسی ہے!" آخر میں اس کی آواز بھرا گئی۔
اس نے انکشاف کے صدمے سے نڈھال پا کر میں بے آواز آگے بڑھا مگر وہ چوکنا تھا۔ "خبردار جو تو آگے آیا۔ یہ اگر سندری نہیں ہے تو بولتی کیوں نہیں؟"
"بابا ــــ سندری میری ماں ہے، وہ اونچے پہاڑوں میں شکروں کے درمیان رہتی ہے!"
"شکرو!" انندرام نے پاگلوں کی طرح ہذیانی قہقہہ لگایا۔ "تو کیا سندری نے تجھے شکروں کے نطفے سے جنا ہے؟ اس مار ڈالوں گا اس بیٹی کو۔"
"انندرام ـ کیا ایک باپ اپنی بیٹی کے لئے؟" میں اس کی تواس حن زمیش میں آگیا۔ "سندری نے اپنی عزت کے دشمن کا بیٹا سنگھار محفوظ رکھا ہوا ہے۔ وہ دھوکہ کا شکار ہوئی تھی ورنہ وہ آج بھی معصوم اور پاکیزہ ہے!"
"شاید تو اس چھوکری کو بھگا کر لایا ہے؟" انندرام کی آواز زہر میں ڈوبی ہوئی تھی۔
"یہ میری بیوی ہے!"
"ناجائز لڑکی ناجائز بیوی ہی بن سکتی ہے؟" وہ ہذیانی انداز میں ہنسا۔ "میں نے سندری کی خاطر اپنی زندگی جہنم بنالی ہے اور وہ مجھ سے اپنی بیٹی چھپاتی رہی۔ اگر مجھے تصویر ہوتی تو اسے زنجیروں کی شکل میں سیتے قدموں میں لا ڈالتی اور میں اس کا قصہ تمام کر دیتا۔"
"انندرام، سیتا اپنی ماں کی ناجائز اولاد سہی مگر اب میری جائز بیوی ہے۔ اگر اس کے بارے میں ایک لفظ بھی کہا تو تجھے زندہ نہ چھوڑوں گا۔"
"شاید تجھے سندری نے بھاندناس دلا دی جو توصلیوں اس کی لڑکی بیاہ لایا۔ اب بھاندناس ہے جب سے تیرے میں جا رہا ہوں

میں سندری کی بوٹیاں اڑا دوں گا اور تم دونوں تو پھر بھٹک کر مر جاؤ گے۔ میں تمہیں بھی اپنے ہاتھوں مار دیتا لیکن ایک بوڑھا جوانوں کے مقابلے میں نہ ٹک سکے گا!"
"مگر میں تجھے زندہ جانے دوں گا ہرگز!" اس کی بڑبڑاہٹ میں کیا شامل ہو گیا؟ "تو ساری زندگی پاپ کا آکاس اسے بدی اور بدکاری بھینٹ رہا اور سندری کو جیتا ہوا گنوا بھیلنا پڑا ــ لیکن اب دیکھ کر تو کتنا دکھی ہے اور وہ کس قدر وہ تیری بیٹی ہو نہ ہو میری مال ضرور ہے!"
"بڑی ہمدردی ہے تجھے اس سے!" انندرام نفرت اور انتقام کا پیکر بنا ہوا تھا۔ "شاید سندری نے تجھے اچھی طرح ہے، کہیں تو اس کی کوکھ میں دھری ....."
انندرام کی بات پوری ہونے سے پہلے میں آگے بڑھا۔ اس نے میری زد سے بچنا چاہا مگر اب میری قوت برداشت جواب دے چکی تھی۔ انندرام نے آہنی چمٹا میری پنڈلیوں پر مارا، میں اچھل کر اس کاری وار سے تو بچ گیا لیکن آہنی پھل نے میرے پاؤں کی انگلیاں توڑ ڈالیں!
میرے دونوں ہاتھ انندرام کے نرخرے پر تھے۔ اس کے بدن سے لپٹی جولی آہنی زنجیروں کی جھنکار سے گونجا۔ اس نے ایک بار پھر آہنی پھل بلند کیا تاکہ میرے سر پر ضرب لگا سکے مگر سیتا نے بجلی کی سی پھرتی سے لپک کر اس سے چمٹا چھین لیا۔
انندرام بوڑھا ضرور تھا لیکن اس کی ہڈیوں میں بلا کی طاقت تھی پھر وہ تنفس کی عجیب و غریب مشقوں کا ماہر تھا شاید۔ میں پہلے تو بوکھلا گیا تھا پھر اس نے نہ جانے کیا حرکت کی کہ میری انگلیوں کے نیچے اس کی گردن پر پتھر کی سی سختی آ گئی۔ اس مکار نے اپنے گلے کی تمام رگوں کو اس طرح پھلا لیا کہ اب میرے لئے اس کا گلا گھونٹنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا اس کے ساتھ ہی اس کا پورا جسم بھی اکڑ گیا تھا!
میں نے صورت حال کا اندازہ ہوتے ہی بے مقصد قوت لگانے کی کوشش ترک کر دی اور اچانک اس کی دونوں ٹانگوں سے لپٹ کر اُسے زمین پر دے مارا۔ پھر اس سے قبل کہ میں اسے بے بس کر دیتا اس نے مجھے اپنے بدن سے دور اچھال دیا اور خود بھی اٹھ کر سیتا کی طرف لپکا تاکہ اس سے آہنی چمٹا چھین کر مجھ پر بھرپور حملہ کر سکے!
سیتا اپنی جگہ سکون سے کھڑی اس کی منتظر تھی۔ جیسے ہی انندرام اس کے نزدیک پہنچا وہ چمٹا ایک طرف پھینک کر ... اس نے لپٹ گئی ... سیتا

دیکھ سکا لیکن انندرام بری طرح کراہ کر پیچھے پھیلا اور زمین پر گر گیا۔
سیتا اس کے سر پر جا پہنچی اور اس کے اٹھنے کا انتظار کرنے لگی۔ اسی انتظار میں میں آہنی چمٹا لئے وہاں پہنچ گیا مگر سیتا نے سختی سے مجھے دخل اندازی سے روک دیا!
"اگر تیرا خون اصل ہوتا تو یوں مجھ پر ہاتھ نہ اٹھاتی۔" انندرام بیٹھے بیٹھے کراہا ہوا بولا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے بری طرح پیٹ دبایا ہوا تھا۔
میں نے اب آؤ دیکھا نہ تاؤ آہنی چمٹے کا پھل اس کی پیٹھ پر دے مارا۔ وہ زور سے چیخا اور زمین اس کے خون سے رنگین ہو گئی۔
"اپنی ماں کے بدخواہ سے بدلہ لینے میں میں تجھ سے پیچھے نہ رہوں گی!" سیتا نے یہ کہتے ہوئے آہنی چمٹا مجھ سے لے لیا۔ سیتا کی لگائی ہوئی ضرب کاری ثابت ہوئی۔ انندرام چند لمحے تڑپ کر بے جان ہو گیا اور سیتا نے نفرت سے اس کی لاش پر تھوک دیا۔
"ہمارے خنجر نکل گئے ... بہت برا ہوا! اس کام سے فارغ ہو کر" سیتا ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے بولی۔
"ابھی وہ زیادہ دور نہ نکلے ہوں گے انہیں تلاش کر کے ..." میں نے کہا۔ "مگر ان کی تلاش میں جانے سے پہلے انندرام کی لاش ٹھکانے لگا دو۔"
انندرام کے بدن پر گیروے رنگ کی دھوتی ... سامنے اس کے جسم سے آہنی زنجیریں اور پتھر کی تمام ... جلا کر یہ چیزیں آئندہ کسی نہ کسی موقع پر کام آ سکیں گی۔
انندرام کے بدن سے الگ ہوئے زرد کپڑے میں باندھ لیا، آہنی چمٹا سیتا کے پاس تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر ہم خچروں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ وہ ساری رات ہم نے خچروں کی تلاش میں بھٹکتے گزار دی۔ اگلا دن بھی اسی تلاش میں صرف ہوا لیکن خچر تو کیا ہمیں ان خچروں کا کچھ بھی سراغ نظر نہ آ سکا۔ مجھے سواری کے خچروں سے زیادہ سامان لادنے والے خچر کی فکر تھی اور اس فکر میں سیتا برابر کی شریک تھی۔ سیتا نے ابھی انندرام کے بارے میں مجھ سے ایک لفظ نہ پوچھا مجھے امید تھی کہ وہ اس واقعے کا صدمہ ختم ہونے کے بعد وہ کم از کم ایک بار مجھ سے ضرور بات کرے گی۔
اور یہ ہوا بھی یہی، اگلی رات جب تھک ہار کر ہم نے قیام کیا تو سیتا نے انندرام کا ذکر چھیڑ دیا۔ "کیا یہ درست ہے کہ میری ماں اس ... کی بیٹی ہے؟"

"ہاں۔" میں نے یہ اقرار کرتے ہوئے افسوس محسوس کیا۔
"مگر ماں نے تو کبھی اس کا ذکر نہیں کیا، تو بھی تو شاید اسی کا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا؟"
"ہاں ــــ یہ ایک لمبی کہانی ہے۔"
"میں پورا قصہ سننے کو بے چین ہوں، یہ کیسا مردود باپ تھا کہ خود اپنی بیٹی پر بدکاری کے الزام لگاتا تھا۔" وہ نفرت کے ساتھ بولی۔
میں نے سندری کی پہنائی ہوئی چاندی کی انگوٹھی کے نگ سے کھیلتے ہوئے بات شروع کر دی اور آہستہ آہستہ اسے انندرام اور سندری کے ماضی سے باخبر کر دیا۔ انندرام کی موت کے بعد اب یہ سندری سے کئے ہوئے ہر عہد سے بری ہو چکا تھا۔
"میری ماں نے مجھے کبھی نہ بتایا کہ برسوں پہاڑی علاقے میں رہ کر وہ کہاں جاتی ہے؟" سیتا دکھ بھرے لہجے میں بولی۔
"وہ تجھے کیا بتاتی ـــــــ اس نے تو اپنے باپ کی خوشی کی خاطر اپنا ہر شوق، ہر ارمان تج دیا تھا، اس کی خاطر شاید وہ تجھے بھی پیدا ہوتے ہی ہلاک کر دیتی مگر ماتا اس کائنات کا وہ جذبہ ہے جس کے سامنے دوسرے تمام جذبے ہیچ ہوتے ہیں!"
"چاندی کی یہ انگوٹھی جو ماں نے تجھے دی شاید اسے انندرام ہی سے ملی تھی۔" سیتا نے کہا۔ "مجھے تو کچھ پتہ نہ تھا کہ ماں کہاں جاتی ہے، ایک بار وہ ایسے ہی سفر سے لوٹی تو بدوضع سیاہ پتھر کے نگینے والی یہ انگوٹھی اس کے پاس تھی۔ میں نے پوچھا تو وہ بولی کہ انگوٹھی اسے پڑی ملی ہے۔"
"ہوگا۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔ "میرے لئے تو یہ سندری کی نشانی ہے۔"
"اب میں تجھے ایک بات بتاتی ہوں۔" کچھ دیر کے بوجھل سکوت کے بعد سیتا بولی۔
"وہ کیا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔
"ہم شہپولی میں مقیس بن کر ہرگز نہ جائیں گے۔" وہ مضبوط لہجے میں بولی۔
"بھاندناس ضائع ہو گئی مگر سیتا میں محنت کا چور نہیں۔ اب میں نے سمجھ لیا ہے کہ کیمیاگری کا میرے مقدر میں نہیں ہے۔ یہ ساری بھاگ دوڑ یہ پر مصائب زندگی تو تجھ تک رسائی کا بہانہ تھی۔ میں اب گھیلے لگا ہوں، میں شہپولی کر مشقت کروں گا اور تو کبھی مشقت نہ ہونے دے گی۔"
"تو نے اتنا عرصہ اپنے شوق میں گنوا دیا، اب میں تجھے وصول گری کے اس پار لے جاؤں گی۔ ہم وہاں سے کالی دھات کو زرد بنانے والا پتھر لائیں گے۔ تجھے اس کی بھی تو ضرورت تھی نا؟"
میری آتش شوق یک بیک پھر بھڑک اٹھی۔ "تو مجھے وہاں تک لے جائے گی سیتا! اگر میں نے پارس حاصل کر لیا تو میں دنیا کو حیران کر دوں گا۔ سائنس کہتی ہے کہ کسی بھی عنصر کے ایٹم میں ناقابل تبدیلیوں کے بغیر

اس کی ہیئت نہیں بدلی جا سکتی مگر میں یہ کر کے دکھا دوں گا۔" میں فرطِ جوش میں اس کے سامنے وہ باتیں کہتا چلا گیا جو اس کے ذہن کے لیے سمجھنے سے کم نہ تھیں اور وہ دیوانوں کی طرح بس میرا منہ تکتی رہ گئی۔

جاندنا اس کے علاقے کا رُخ کرنا اب میرے لیے ناممکن تھا۔ میں وہاں پہنچ جاتا مگر زندہ لوٹنا ناممکن تھا۔ میں نے یہ تجویز بھی سوچی کہ اپنی بے تحاشا بڑھی ہوئی داڑھی صاف کر دوں، اپنا اور سیتا کا سر منڈوا دوں، شہر پورٹ کرشنیو کا سامان بھی ہمراہ لے لوں تاکہ یہ بہروپ قائم رکھ سکوں۔ اس طرح وہ آدم خور تو کیا سندری تک مجھے نہ پہچان سکے گی مگر سیتا نے یہ تجویز رد کر دی۔ اس نے بتایا کہ آدم خوروں کے کھوجی جنگلوں پر پہنچ کر بھی مجھے پہچان لیں گے۔ وہ خدوخال سے نہیں انسانی جسم کی بو سے شناخت کا کام لیتے ہیں جسے بدلنا ناممکن ہے۔"

ڈھول گری کی طرف واپسی میں اب ایک سخت مشکل تھی۔ یہ علاقے سیتا کے لیے اجنبی تھے۔ یہاں سے راہ کا تعین اس کے لیے بہت دشوار بلکہ ناممکن تھا۔ میں اندرام کے ہمراہ سیاہ پتھروں والی سیتا وادی میں جا چکا تھا جس کے غاروں میں ہر طرف دیوی دیوتاؤں کی عجیب و غریب مورتیں تسلسل کے ساتھ ابھری ہوئی تھیں۔ اندرام کی ان اطراف میں موجودگی سے میں نے اندازہ لگایا کہ ہم لوگ سندری سے الگ ہونے کے بعد غلط راستے پر بھٹکتے رہے ہیں ورنہ سیتا وادی سے آدم خوروں کے قبیلے تک پہنچنے میں مجھے کل تین دن صرف ہوئے تھے اور لوٹ کر سیتا وادی پہنچنے میں کل گیارہ دن لگے تھے جبکہ اس مرتبہ بیس بائیس دن گزر جانے کے باوجود ہمیں راہ کا کوئی سراغ نہ ملا تھا۔ شاید ان بھول بھلیوں میں بھٹکنے کے بعد اب ہم سیتا وادی کے قریب پہنچے تھے۔ ورنہ اندرام کا ادھر آ نکلنا دشوار ہی تھا۔

یہ سوچ کر ہم نے ایک مرتبہ پھر سمت بدلی۔ راستے میں ایک ندی میں اندرام کے جسم سے اتاری ہوئی تمام چیزیں دھو لی گئی تھیں۔ ان سے خون اتر جانے کے بعد میں نے ساری مالائیں سیتا کے گلے میں ڈال دیں۔ دھوتی کا زرد کپڑا اپنے سر اور کانوں پر لپیٹ لیا۔ ایک زنجیر اپنے بدن پر کھالوں کو باندھنے کے لیے رکھ لی اور دوسری سیتا کو دی۔ باقی ناکارہ وزن سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔

جب میں نے اپنے ان اندازوں سے سیتا کو باخبر کیا تو وہ خوش نظر آنے لگی۔ "اب یہاں سے نکل جانے کی فکر کرو۔ اگر ہم آدم خوروں سے اس قدر قریب ہیں تو ان کے کھوجی کسی بھی لمحے ہمیں آ لیں گے اور سیتا وادی تو یقیناً ہمارا قبرستان ہی ثابت ہوگی۔"

"پھر تو نے ڈھول گری کی تجویز کیوں پیش کی تھی؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"آدم خوروں کا خیال ذہن سے نکل گیا تھا۔" اس کی نیلی آنکھوں میں مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔

ہم مزید تین دن پہاڑوں میں بے نیل و مرام گردش کرتے رہے۔ ایک طرف راستہ بھول جانے کی دہشت، دوسری طرف آدم خوروں کا خوف، غرض کہ میرا تمام وقت شدید اعصابی انتشار میں گزر رہا تھا۔ سیتا کو بھی صورت حال کی نزاکت کا پورا احساس تھا مگر اسے خود پر اتنا اختیار تھا کہ چہرے سے اپنی پریشانی کا اظہار نہ ہونے دیتی تھی۔

اندرام کے آہنی پنجے سے متاثر ہونے والی میری بائیں ہاتھ کی دو انگلیاں مستقل ورم آلود تھیں۔ گو چلنے سے ان میں تکلیف نہیں ہوتی تھی مگر مٹھی بند کرنے پر جان نکل جاتی تھی۔ سیتا نے ایک دو مرتبہ جنگلی پودوں کے رس سے مالش بھی کرنی چاہی لیکن تکلیف کی وجہ سے میں یہ تجربہ نہ کر سکا۔ سیتا نے ایک بار پورے خلوص کے ساتھ مجھے اپنے کندھے پر اٹھانے کی پیشکش کی جسے میں نے سختی سے مسترد کر دیا۔ ساتھ ہی اس کی یہ غلط فہمی بھی دور کر دی کہ شہروں میں مرد عورتوں کے کندھوں پر سواری کرتے ہیں۔

سندری سے رخصت کے شاید چھبیسویں دن سیتا خوشی سے یکدم اچھل پڑی۔ "صندر... صندر! یہ علاقہ تو مجھے جانا پہچانا لگتا ہے۔"

"واقعی؟" حیرت اور مسرت کے باعث میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

"تم یہیں رکو۔ میں ابھی آتی ہوں۔" وہ یہ کہہ کر ایک بلند ٹیلے پر جا چڑھی۔ پھر وہاں سے مسرت بھری آواز میں چیخی۔ "میں ٹھیک کہہ رہی تھی صندر! یہاں آ کر تم بھی یہ منظر دیکھو۔"

میں تیز تیز چلتا ہوا اس کے قریب جا پہنچا۔ اس ٹیلے کے پار چند سو گز آگے ایک بہت چوڑی اور گہری کھائی میلوں دور تک پھیلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

"ہم بستی سے واپس لوٹنے کے بجائے بہت پرے نکل آئے ہیں۔ جس طرف سے ہم آئے ہیں ادھر یہ کھائی میلوں تک پھیلی ہوئی ہے اور راستے میں اسے عبور کرنا ناممکن ہے۔ یہی بستی سے ڈھول گری کے لیے جو راستہ نکلتا تھا وہ یہاں سے تھوڑی دور جا کر اچانک ختم ہو جاتا ہے اور یہی راستہ آگے جنگلوں اور دلدلوں سے گزر کر ڈھول گری تک پہنچتا ہے۔"

"یہاں آدم خوروں کا تو اندیشہ نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں... اگر ہم ان کے قریب و جوار میں ہوتے تو شاید اچانک ہمیں آ لیتے مگر اب تو ان کے کھوجی بو کے سہارے اسی طرف پر نکلیں گے جو ہم نے اختیار کیا تھا اور ان کو راستے ہی سے واپس لوٹنا پڑے گا۔"

"یہاں سے واپسی کا سفر کیسے ہوگا؟"

[illegible]

گری کی طرف بڑھیں گے۔"

پہلے میں نے روا روی میں اس کی بات پر توجہ نہیں دی تھی۔ اس وقت میرا ذہن آدم خوروں کے خطرے میں الجھا ہوا تھا اور اب اس کے یاد دلاتے ہی میرا دل اچھل پڑا۔

اس اچانک دریافت نے میرا حوصلہ ایک بار پھر بلند کر دیا۔ شاید قدرت مجھ پر مہربان ہو چکی تھی جو مایوسی کے کٹھن لمحات میں یک بیک یہ نوید سامنے آئی تھی۔

اس بار سفر ایک نئے عزم کے ساتھ شروع ہوا۔ منزل متعین تھی، مقصد واضح اور راہیں شناسا سی۔ گو آگے سیتا کے بقول ڈھلوان، گھنی حقیر وادیاں بھی تھیں اور تاریک جنگلات بھی مگر اب میرے لیے راستے کی رکاوٹیں بے معنی تھیں۔ میرے سامنے جو مقصد تھا اس کے حصول کی راہ پر سامنے مصائب ہنستے کھیلتے برداشت کیے جا سکتے تھے۔

اس مرتبہ خلافِ توقع ہمارا رُخ بلندی کی جانب نہ تھا بلکہ مسلسل نشیب میں اتر رہے تھے۔ اور اس سے پیشتر میرا قیاس بھی یہی تھا کیونکہ بلندیوں میں دلدلوں کے امکانات بالکل نہیں ہوتے۔ پھر آہستہ آہستہ موسم بھی تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔ نہ جانے یہ تبدیلی کی عمومی لہر تھی یا دلدلوں کے قریب آنے کی وجہ سے کبھی کبھار فضا میں ہلکی سی گرمی کا احساس ہونے لگتا تھا۔

تین دن تک نشیب کی جانب یہ سفر جاری رہا۔ بالآخر ہم جہاں آ گئے تھے جہاں سے سامنے پھیلے ہوئے گھنے جنگلات نظر آ رہے تھے۔ ہمواری کے بعد ڈھلوانوں پر اوپر کی جانب اٹھتے چلے گئے تھے گویا ہم ان جنگلات سے دور تھے لیکن میلوں کے رقبے پر پھیلے ہوئے وہ جنگلات بلندی سے دھبوں کی صورت میں ہمارے سامنے بکھرے ہوئے تھے۔ بھوری چٹانوں کے پس منظر میں سیاہی مائل سبز دھبوں کی اصلیت پہلے سیتا نے پہچانی پھر مجھے ایک دشوار سفر کے لیے تیار رہنے کی ہدایت کی۔

اس روز سورج ڈھلنے سے ذرا دیر قبل ہم جنگلات میں داخل ہو چکے تھے لیکن میں نے وہ رات باہر ہی گزارنے کا فیصلہ کرنا مناسب سمجھا۔ ان اطراف میں ہر سو بے پناہ درندے اور حشرات بکھرے پڑے تھے لہٰذا پناہ گاہ کی تلاش میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ پورے راستے خورد و نوش کے مسائل سیتا کے ذمے تھے اور وہ انہیں بخوبی نبھاتی آ رہی تھی۔ شب باشی کے لیے غار کا انتخاب کرنے کے بعد غذا کا مسئلہ سامنے آیا تو سیتا نے جنگل میں گھسنے کی تجویز پیش کی۔ اس کا خیال تھا کہ مناسب پھل تلاش کر کے اندھیرا پھیلنے سے قبل ہی واپس لوٹ آئے گی مگر میرے لیے یہ مشورہ ناقابلِ قبول تھا۔ [illegible] ان جنگلات کے بارے میں مجھے ایسی کہانیاں سنائی تھیں [illegible] ان میں داخل ہونے کا تصور کسی معرکے سے کم نہ تھا۔

"یہ رات ہم فاقے میں بسر کر سکتے ہیں۔ تیرا جنگل میں جانا مناسب نہیں۔" [illegible] کچھ دیر کے تذبذب کے بعد اس نے [illegible] ڈالا۔

"ابتدا میں یہ جنگل گھنا اور پھیلا ہوا نہیں ہے۔" وہ بولی۔

"پھر میں تیرے ساتھ چلوں گا۔"

یہ سن کر وہ زور سے ہنسی۔ "تجھ سے شادی کرنے سے پہلے میں نہ جانے کتنی بار اس جنگل سے گزر چکی ہوں اور ادھر تو بڑے بڑے [illegible] اس وقت کوئی بکرا وغیرہ بھی ہاتھ لگ جائے تو جیسے یہاں ایک بکرا کو ترستا ہوا ہے۔"

"میں ایک بار تجھے بتا چکا ہوں کہ یہ رات میں بھوکا رہ کر گزار سکتا ہوں۔" میں اس پر آنکھیں نکال کر بولا۔

"مجھے بس پانی ہی کی فکر رہتی ہے۔" وہ روہانسی ہو گئی۔ "یہ زبردستی کا فاقہ میرے بس کا نہیں۔ میں ساری رات سو بھی نہ سکوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ جنگل جانوروں سے بھرا ہوا ہے۔ ہم میں سے ایک آدمی جاگتا ہی رہے تو بہتر ہے۔ کم از کم میں سکھ کی نیند سو سکوں گا۔"

اس نے ایک لمحے کے لیے کسی سے دانت پیس کر [illegible] کر لیا۔ "ابھی تو جانے میں یا ادھر جانے سے مجھے روک رہا ہے مگر یاد رکھ کہ تیرے سونے کے بعد جب بھی بھوک لگی میں خاموشی سے جنگل کی راہ لے لوں گی۔ اس وقت تو کیا کرے گا؟"

"اچھا چل، دونوں چلتے ہیں۔" میں ہار مانتے ہوئے [illegible]

"نہیں،" وہ ہاتھ جھٹک کر بولی۔ "اس وقت [illegible]

ہو گئی تھی [illegible]

سونے کی جگہ بنانے لگا۔ اس غار کا فرش بہت ناہموار ہے۔ بول، تو کون سا کام کرنے لگا؟"

"تو بعض اوقات بے جا ضد کرنے لگتی ہے۔" میں چڑ کر بولا۔

"شادی کے بعد سے تو مجھے بچی سمجھنے لگا ہے، ہر بات پر نصیحت کرنے بیٹھ جاتا ہے۔ شاید تو بھول گیا ہے کہ میں تیرے بغیر اسی ماحول میں اس عمر کو پہنچی ہوں۔"

"اچھا بابا ۔۔۔ تو جیت گئی۔" میں دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "میں گیا تو پھر شور مچانے لگی کہ زہریلے اور ناکارہ پھل اٹھا لایا۔"

وہ اچھل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی نیلی آنکھوں میں معصومانہ سی مسرت چمکنے لگی اور وہ میرے سینے سے اپنا رخسار رگڑتے ہوئے بولی۔ "تو بہت اچھا آدمی ہے، میری ذرا سی دھمکی پر ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ بس میں تھوڑی ہی دیر میں آتی ہوں۔"

وہ چلی گئی تو میں جہازی شکن اندام سے حاصل کیے ہوئے آہنی چھٹے کی مدد سے غار کے فرش پر ابھرے ہوئے نکیلے پتھر ہموار کرنے لگا۔ لیکن وہ غار نہیں بلکہ اس علاقے کی ساری زمین ایسی ہی تھی اور اسے صاف کیے بغیر آرام سے لیٹنا واقعی دشوار تھا۔

نہ جانے کتنی دیر میں اپنے کام میں مگن رہا۔ جب اندھیرے کے باعث بیتالی پر نظر پڑنے لگا تو میں چونکا اور ایک دم دہشت زدہ ہو کر غار سے باہر نکل آیا۔

باہر کافی اندھیرا پھیل چکا تھا، سورج پہاڑوں کے عقب میں روپوش ہو چکا تھا، قریبی جنگل سے جھینگروں اور نامعلوم جانوروں کا شور رہ رہ کر ابھر رہا تھا۔ اندھیرے میں چند قدم آگے کی چیز دیکھنا بھی دشوار ہوتا جا رہا تھا اور سیتا کا ابھی تک پتہ نہیں تھا۔

وہ نہ جانے کہاں رہ گئی تھی۔ میرے اندازے کے مطابق اسے کافی دیر قبل واپس لوٹ آنا چاہیے تھا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ کہیں میری خلاف معمول بحث کے نتیجے میں مجھے پریشان کرنے کی نیت سے وہ واپس آ کر آس پاس روپوش نہ ہو گئی ہو۔

یہ خیال آتے ہی میں دل ہی دل میں مسکرا اٹھا۔ عورت کوئی بھی ہو، خواہ کسی بھی قبیلے یا قوم سے، اس کی فطرت مرد کے معاملے میں یکساں فیصلے ہی صادر کرتی ہے۔

میں نے سوچا کہ اب مجھے پرسکون رہنا چاہیے کیونکہ وہ انتظار سے اکتا کر خود ہی میرے سامنے آ کھڑی ہو گی اور میں واپس غار میں جا کر صاف کی ہوئی جگہ پر دراز ہو گیا۔ میرے کان باہر سے ابھرنے والی کسی بھی آہٹ کے منتظر تھے۔

کراہتی کی حسرت آنکھوں میں اپنی پسند کی لڑکی کا انتخاب کر لے والا خوش پوش صفدر علی اس وقت شکار کے بہانے جنگلی درندوں کی تیز کھا میں یاد نے "سر بوری سے ٹکڑا اچھال کے ایک متوازن اور ویران میں اپنی بیوی کا منتظر تھا جو اس کے اور اپنے خوراک کی تلاش کے لیے جنگل میں گئی ہوئی تھی ۔۔۔ انتظار کا ایک ایک لمحہ اس وقت قیامت ہو کان کسی بھی لمحے سیتا کی آہٹ اور آواز سننے کے منتظر تھے گویا پورے پڑے گویا صدیاں گزر گئیں مگر وہاں میرے سانسوں کے زیر و بم کے سوا کوئی آواز سنائی دی جس پر میں چونکتا۔

پھر یہ سکوت اتنا گمبھیر ہو گیا کہ مجھے خلجان ہونے لگا۔ میں اضطراب کے عالم میں غار سے باہر کھلی فضا میں نکل آیا۔ یہاں اب ہر طرف اندھیرے کا راج تھا۔ میں ظلمات کے اس سمندر میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھورتا رہا لیکن وہاں کوئی ہیولا نظر نہ آیا۔

اب میرے دل میں عجیب خیالات سر اٹھانے لگے۔ اندھیرے کی چادر ان جنگلات کو ڈھک چکی تھی۔ میں نے گلا صاف کر کے پوری قوت سے سیتا کو پکارا اور میری آواز دہشت و جبل سے ٹکرا کر مایوس لوٹ آئی۔

میں نے گھبرا کر یکے بعد دیگرے کئی بار اسے پکارا مگر بے سود۔ پتہ نہ جانے کہاں بھٹک گئی تھی۔ بے اختیار میرا دل بیٹھنے لگا۔

اس وقت میرے لیے جنگل کا رخ کرنا ناممکن تھا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان حالات میں میرے لیے اس جگہ سے ہٹنا بھی ناممکن تھا کیونکہ نہ منزل کا سراغ تھا نہ راستوں کا نشان۔ جاتا تو کدھر جاتا۔ میں دل ہی دل میں گڑگڑا کر سیتا کی سلامتی اور واپسی کے لیے دعائیں مانگنے لگا۔ یہ درست ہے کہ وہ میری چاہت تھی مگر محبت اور پیار سے بڑھ کر وہ میری بقا کا ثبوت تھی۔ میں اس وقت جس مقام پر تھا وہاں سے نہ میں اپنی دنیا میں لوٹ جانے کے قابل تھا نہ پیش قدمی کر سکتا تھا۔ اگر اس وقت سیتا کو کچھ ہو جاتا اور وہ میرے پاس واپس نہ آتی تو میں ایک حقیر و بے بس چوہے کی طرح … اور سنگ چٹانوں کے اس بے رحم اور ناسا ہی جال میں پھنس چکا تھا۔

وہ پوری رات میں نے کرب، خوف اور بے یقینی کے عذاب میں گزاری۔ مجھے کسی پہلو چین نہ آتا تھا۔ دل یہ ماننے کو تیار ہی نہ تھا کہ سیتا راستہ بھٹک گئی ہو گی کیونکہ میں نے چلتے چلتے اسے جلد واپسی کی ہدایت کی تھی اور اگر اس نے اس ہدایت پر عمل کیا تھا تو یقیناً اتنی دور نہ گئی ہو گی کہ کسی مصیبت میں اس کی چیخیں مجھ تک نہ پہنچ سکیں۔ مگر اس کی کوئی آواز میرے کانوں تک نہ پہنچی تھی۔ نہ جانے وہ کہاں تھی اور اس پر کیا گزر رہی تھی۔

صبر طلب طویل ۔۔۔ انتظار کی وہ رات جوں توں کر کے ختم ہوئی اور جب اس وادی میں کہر کی دبیز چادر میں روشنی کے نقطے تیرنے لگے تو میں سخت سردی کی پرواہ کیے بغیر پاگلوں کی طرح جنگل کی طرف بڑھ گیا۔

چھوٹے درختوں سے گزرتے ہوئے میں نے کئی بار سیتا کو آوازیں دیں مگر اسے نہ ملنا تھا نہ وہ ملی اور میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔

وہ جنگل حیوانات سے بھرا ہوا تھا، جیسے جیسے میں آگے بڑھتا رہا فضا میں حیوانات کی بولیوں کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ درختوں کا درمیانی فاصلہ بھی کم ہوتا جا رہا تھا، پھر راستہ قدرے دشوار ہونے لگا۔ جھاڑیاں راستے میں حائل ہونے لگیں اور پھر درختوں کا پھیلاؤ اتنا گھنا ہو چلا کہ سورج کی براہ راست روشنی کے بجائے ملگجا سا اجالا جھلک رہا تھا۔ پھر سب سے پہلے بندروں کے غول سامنے سے گزرے، وہ درخت رنگا رنگ پرندوں سے آباد تھے اور ان کے سائے میں کھلی ہوئی خودرو جھاڑیاں اعلان کر رہی تھیں کہ ان پر سے درندے چلے پھرے بکثرت گزرتے رہتے ہیں اور ان سے میرا کسی بھی لمحے سامنا ہو سکتا ہے۔

جنگلی بکرے، ہرن، بارہ سنگھے، گینڈے، سؤر اور خوبصورت تیتر اس جنگل میں بھرے ہوئے تھے۔ میں شاخوں اور جھاڑیوں سے الجھتا سیتا کو پکارتا آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ جسم پر کئی خراشیں بھی آ چکی تھیں مگر سیتا کی تلاش کا جنون بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

جنگل میں دوڑتے دوڑتے دوپہر ہو گئی۔ مسلسل دوڑنے اور بھٹکنے کے باعث میں بری طرح ہانپنے لگا تھا۔ پیاس کے ساتھ ہی بھوک بھی ستانے لگی تھی۔ کئی بار میں نے درختوں کا پھل توڑ لیا لیکن زہر خورانی کے خوف سے باز رہا۔ بھیڑیے اور گینڈے چیتے اور جانور تھے جو انسان سے تو خوفزدہ ہو کر بھاگ سکتے تھے مگر زہریلا پھل کھا کر بے ہوش پڑے ہوئے انسان کو لقمہ بنانے میں انہیں ذرا بھی تردد نہ ہوتا۔

نہ جانے رات آئی یا میں بھٹک کر جنگل میں داخل ہو گیا کہ ہر چیز ایسی دھندلی نظر آنے لگی۔ برسوں پرانے تناور درختوں کی شاخیں یوں ایک دوسرے میں جڑی ہوئی تھیں کہ کھلا آسمان نظر نہ آتا تھا۔ زمین مضبوط جنگلی بیلوں اور نباتات کی خودرو بیلوں سے بھری ہوئی تھی۔

جنون کے باوجود مجھے اتنا ہوش تھا کہ جنگل میں تنہا سفر سے متعلق اندام کا کامیاب تجربہ خوب یاد رہا اور میں نے دیکھا کہ جنگل کے … آہنی چھٹے کے شور سے گھبرا کر ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ میں فیصلہ کر چکا تھا کہ اگر کسی حیوان نے رستے میں … تو آہنی چھٹے سے تلوار کا کام لوں گا۔

میں پاگلوں کی طرح تاریکی میں اپنا راستہ بناتا آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک قریب سے ایک ہولناک غراہٹ سنائی دی۔ اس کے جواب میں بے شمار پرندے اور چوپائے خوفزدہ آوازیں نکالنے لگے۔ پھر تاریکی میں مجھے سبز اور روشن گولیاں نظر آئیں جو زمین سے کم از کم تین فٹ کی بلندی پر متحرک تھیں۔

اسی وقت میں مجھے اس کا احساس ہو چکا تھا۔ وہ دونوں روشن آنکھیں مجھ سے صرف چند گز دور تھیں اور آہستہ آہستہ میری جانب بڑھ رہی تھیں اور غراہٹ کے بلند ہونے میں میرے حواس کا فیصلہ درست تھا تو وہ کسی گلدار کی آواز تھی۔

میں نے بوکھلا کر اپنے قریب موجود ایک جھکی ہوئی شاخ کا جائزہ لیا۔ میں اس وقت گنجان اور تاریک جنگل میں موجود تھا جہاں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا مگر جان کا خوف بہت بڑا ہوتا ہے۔ اس خطرے کے پیش نظر وقتی طور پر میری قوت بصارت کچھ زیادہ حساس ہو گئی اور مجھے اپنی دائیں جانب ایک درخت کا تنا دھندلا سا نظر آ گیا۔ اب اندازہ مجھ سے چھپا ہوا تھا۔ میرے لیے ایک ہی چارہ رہ گیا تھا۔ میں نے ایک جھپکی میں درخت کی طرف لپکنے کا اندازہ لیا ہی تھا کہ شاید میرا مد مقابل میرا ارادہ پڑھنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس جنون نما شام درندے نے ایک دبی دبی دہشت ناک غراہٹ اپنے حلق سے بلند کی۔ زمین پر گری ہوئی شاخیں اور خشک پتوں کے ٹوٹنے کی آوازیں ابھریں اور وہ جست لگاتا ہوا سیدھا میری طرف بڑھا۔

آہنی چھٹا ابھی میرے قبضے میں تھا۔ میں نے اس کے پھل مضبوطی سے اپنی گرفت میں لیے اور نگاہیں ان دو روشن نقطوں پر جما دیں جو میری طرف بڑھے آ رہے تھے۔ میرے پورے بدن پر لرزہ طاری تھا۔ موت بالکل سامنے چلی آ رہی تھی۔ امید کی ایک موہوم سی کرن اب بھی سہارا دے رہی تھی۔ چند ہی سیکنڈ میں وہ درندہ میرے مقابل آ گیا اور مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر رک گیا۔ اس کی روشن آنکھیں زمین سے قریب ہونے لگیں۔ شاید وہ اگلے پیروں پر جھک کر آخری اور فیصلہ کن چھلانگ لگانے کے لیے تیار تھا۔

میرا دل پسلیوں میں دھڑکنے لگا۔ ہیجان اور اعصابی اضطراب ناقابل برداشت ہونے لگا۔ مجھ میں اب اتنے انتظار کا یارا نہ تھا کہ میں اس کے حملہ آور ہونے کا انتظار کرتا۔ میں نے چھٹے کا پھل فضا میں بلند کیا اور ان دو روشن نقطوں کا اندازہ کر کے آگے بڑھا اور ایک تیز آواز کی چیخ کے ساتھ وہ چھٹا فضا میں پوری قوت سے لہرایا۔

اچانک میرے دونوں ہاتھوں کو ناقابل برداشت جھٹکا لگا جیسے چھٹا کسی ٹھوس چیز سے ٹکرایا ہو اور وہ میرے ہاتھ سے گرتے گرتے رہ گیا۔ اسی کے ساتھ وہ درندہ تڑپ کر پوری قوت سے دھاڑا۔ میں نے ان آنکھوں کو فضا میں کئی گز اوپر اٹھتے اور پرشور دھماکے کے ساتھ نیچے گرتے دیکھا اور اسی کے ساتھ میرا ہاتھ ایک بار پھر گھوم گیا۔ اس بار میرا وار خالی گیا اور میں ایڑیوں پر چکر کھا کر رہ گیا۔

اب درندے نے غرانا ترک کر دیا تھا … وہاں موجود تھیں۔ کچھ فاصلے سے غراہٹوں اور تڑپنے وغیرہ کے تھپکنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اسی کے ساتھ اندھیرے میں دوبارہ ایک جنگل بھانت بھانت کی خوفزدہ

حیوانی جبلتوں سے لڑ رہے تھے لڑھکا تھا۔ میں نے بار بار آنکھیں پھاڑ کر دیکھا … میں گھورا مگر شیر کا زخمی ہو کر فرار ہونا ایک حقیقت تھی۔ خوشی سے میرا سینہ پھول گیا۔

اس وقت میں نے بڑی مشکل سے کسی بیرونی مدد کے بغیر … انداز میں اس خون آشام درندے سے چھٹکارا حاصل کیا تھا مگر اس کے ساتھ مجھے ڈر تھا کہ یہ نجات طویل ثابت نہ ہوگی۔ زخمی شیر کبھی میری بُو کے سہارے اپنی شکست کا بدلہ لینے آ سکتا تھا۔

میں نے ابھی چیتے کو اپنی کمر سے بندھی ہوئی ڈوری میں اٹکا لیا اور خوشی و خوف کے ملے جلے جذبے کے ساتھ دوبارہ درخت پر چڑھنے لگا۔ شیر کی دہاڑ کر بھرنے والی غضب ناک آوازیں ابھی تک قرب و جوار ہی میں منڈلا رہی تھیں۔ اس کے ساتھ پورا جنگل شور و غل سے قیامت کا سماں باندھ رہا تھا۔

اندھیرے کے باعث میں یہ اندازہ نہ لگا سکا کہ وہ کس قدر … درخت سے کتنا دور تھا۔ اندازہ ہوا کہ اس میں کا کوئی … سے سابقہ نہیں پڑے گا۔ درخت کی شاخوں تک رسائی میں میرا سارا بدن تھکنے لگا تھا۔ شاخیں … کافی بلند اور سخت تھیں۔ میں نے سب سے اونچی شاخ … بیٹھ کر چند لمحوں تک سانس درست کیا پھر مزید اوپر چڑھنے لگا۔

خطرے سے باہر ہونے پر میرا ذہن ایک بار پھر سوچوں میں الجھ گیا۔ وہ قبیلے غاروں میں مجھے بستر پیدا کرنے کے کام میں مصروف چھوڑ کر … جیسے جنگل میں آ گئی تھی۔ ابتدا میں جنگل بہت گھنا تھا تاریک اور ذیلی جھاڑیاں … کے سبب … وحشت بھی موجود تھے ان حالات میں … زیادہ دور نکل جانے کا امکان نہ تھا اور اگر قرب و جوار میں … کسی جنگلی جانور وغیرہ کا خطرہ لاحق ہوا تو … سمجھ رہا تھا … وہ سب سوچ کر میں نے دو لوگوں کی رات اس کے … تھی۔

میں غاروں سے باہر گزاری تھی اور صبح ہوتے ہی اس کی تلاش میں نکل پڑا تھا۔ مجھے یاد تھا کہ میری چیتی قدم کے ساتھ جنگل گھنا اور دوسے تاریک ہوتا چلا گیا تھا۔ … وقت بھی گھور تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ رات ہو چکی ہے اس کا مطلب تھا کہ سیما کو مجھ سے بچھڑے ہوئے چوبیس گھنٹوں سے زائد وقت گزر چکا تھا۔

میں اسی سوچ بچار میں کھویا ہوا تھا کہ میری پنڈلیوں میں ہلکی ہلکی سوزش ہونے لگی۔ میں نے ہاتھ پھیرا تو کچھ کیڑوں کی موجودگی کے ساتھ ہی ہلکی ہلکی … بھی محسوس ہوئی۔ میں نے دونوں پنڈلیوں پر ہاتھ پھیر کر ان سے نجات حاصل کی تاہم … بدن پر ان کی سرسراہٹ محسوس ہونے لگی اور میں پاگلوں کی طرح انہیں اپنی جلد سے نوچ نوچ کر نیچے پھینکنے لگا۔ میری یہ جدوجہد زیادہ کارگر ثابت نہ ہوئی۔ وہ جس جگہ ایک مرتبہ کاٹ لیتے تھے وہاں جلد میں ناقابل برداشت سوزش ہونے لگتی تھی۔

انھیں نوچ پھینکنے کے باوجود لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جاتی تھی۔ … زخم خوردہ شیر کی آوازیں ابھی تک قرب و جوار ہی میں منڈلا رہی تھیں۔ اس کی غضب ناک دہاڑ کے ساتھ لیر الوکے اور پرندوں کے غول کے غول خوفزدہ آوازیں نکالتے ادھر سے ادھر اڑتے پھر رہے تھے۔ ایک طرف یہ ناگہانی مصائب مجھ پر مسلط تھے۔ درخت پر رہتا تو وحشی ہوتے ہوئے کیڑے مکوڑے نہ جانے میرا کیا حال کرتے۔ نیچے جاتا تو کوئی بھی درندہ غفلت میں مجھے پھاڑ کھاتا۔ دوسری طرف پچھلی شب بیداری اور دن بھر کی دیوانہ وار بھاگ دوڑ کے باعث رہ رہ کر غنودگی کا حملہ ہو رہا تھا۔ کیڑوں کے کاٹنے کی شدید تکلیف بھی غنودگی کی اس یورش کو روکنے میں مددگار ثابت نہیں ہو سکی۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر جاگنے کی کوشش کرتا رہا مگر گزرتے ہوئے ہر لمحے کے ساتھ میرے اعصاب شل ہوتے جا رہے تھے۔ میرے ذہن میں یہ خوف بھی جاگزیں تھا کہ اگر میں … پر سوتے ہوئے گر پڑا یا نیچے لڑھک گیا تو ہڈیاں پسلیاں ٹوٹ جائیں گی۔ اگر کسی درندے کی نظر پڑ گئی تو ایک ایسی عقوبت شروع ہو جائے گی جس کا اختتام صرف اور صرف اذیت ناک موت پر ہوگا۔ اس کے بعد میری روح تو جہاں بھی جائے جسم گوشت خور درندوں اور فضا میں پھیلی چیلوں کوؤں کا ہی لقمہ بنے گا۔

مجھ پر غفلت اور غنودگی کی اس یلغار سے دہشت سی چھا رہی تھی۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ اب ہاتھ پیر بھی میرے اختیار میں نہیں رہا جب میرے جسم کے کسی حصے پر سوزش ہوتی میں ہاتھ بڑھا کر اس جگہ کو ہلا یا کیڑوں کو وہاں سے ہٹانا چاہتا لیکن شدید کوشش کے باوجود ہاتھ جنبش نہ کر سکتے۔ پھر دفعتاً میرے ذہن میں ایک ڈراؤنا خیال آیا اور میرے غیر متحرک وجود میں … دہشت کی لہریں دوڑنے لگیں۔

میں نے سوچا کہیں یہ حشرات الارض تو نہیں … میرے زندہ وجود سے چمٹے ہوئے ہیں نہ جانے وہ میری شریانوں سے خون پی رہے تھے یا میری جلد ادھیڑ کر گوشت کے ریشے کھا رہے تھے۔ پھر میرا یہ اندیشہ قوی تر ہوتا چلا گیا۔ غالباً ان کے کاٹنے کے باعث ان کا زہر میرے دوران خون میں سرایت کر چکا تھا اور اب آہستہ آہستہ اپنا اثر دکھا رہا تھا۔ شاید ہاتھ پیروں کا سکوت اور غنودگی کا ناقابل مزاحمت حملہ ان کی زہر ہی کا ردعمل تھا۔

خوف اور دہشت کے تاثر … میں اچانک مدد کے لیے چیخنے لگا اور یہ جان کر مجھے خاصا سکون ہوا کہ ابھی میری آواز میری … تھی۔ میرے چیخنے چلانے سے جنگل میں … ہوتی حیوانی آوازیں یک بیک تیز ہو گئیں۔ … ایک دو بار میں نے سیما کو بھی پکارا مگر جلد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ میری چیخ پکار بالکل بے سود ہے اس طرح اپنی توانائی ضائع کرنے … اپنی طرف بڑھتی ہوئی موت کو خود ہی … لگا …

… کے سامنے بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ ہاتھ پیر بالکل مفلوج تھے۔ آواز کا … جواب دے چکی تھی۔ آنکھوں کے سامنے ہر طرف سیاہی مائل سبز تھے اور … جل رہا تھا اور میرے لیے تن بہ تقدیر ہو کر آخری لمحے کا … انتظار کرنے کے سوا کچھ باقی نہ رہا تھا۔

میری … جنگل میں پھرتے ہوئے درندوں کو میری طرف متوجہ … زخم خوردہ شیر بھی میری توقع کے مطابق ایک مرتبہ ادھر واپس آیا … کے ساتھ درختوں کے تنے اپنے مہلک پنجوں سے کھرچتا … وہاں سے لوٹ گیا۔ اس کے بعد کوئی بھیڑیا کافی دیر نیچے … کا منتظر رہا۔ اس کی … پھر … طویل انتظار کے بعد جھلاہٹ میں بدل گئیں اور آخر کار وہ بھی اپنے گمنام مسکن کی طرف لوٹ گیا۔

رفتہ رفتہ غنودگی کا اثر اعصاب سے ذہن تک پھیلنے لگا۔ … ذہن پر عجیب و غریب اور بے ربط خیالات نے یلغار کر دی تھی۔ میں … کو قابو میں رکھنے کے لیے ناکام جتن کیے پھر مجبوراً ساری توجہ … ہوئے بدن کی اذیت پر مرکوز کرنا چاہی مگر مجھے احساس ہوا کہ … ذہن بھی ماؤف ہوتا جا رہا ہے اور میرے لیے اپنا ذہن کسی ایک … پر مرکوز کرنا ناممکن ہو کر رہ گیا ہے۔

ایک ایک لمحہ اذیت اور بے بسی کی ناقابل برداشت یادگار … ہو رہا تھا اور اس رات شاید وقت کی رفتار بھی سست پڑ گئی تھی۔ … زمین کی گردش ہی تھم گئی تھی۔ ہر طرف لامتناہی اندھیرا پھیلا ہوا … بلا کی سردی سے میرا بدن اکڑا جا رہا تھا۔ اس درخت … شب بسری کا انتظام کرتے ہوئے مجھے وہم بھی نہ تھا کہ موسم اور حشرات الارض … سردی سے بچاؤ کے لیے میں نے اپنا … میں لپیٹ لیا تھا مگر میں کوئی بے جان مجسمہ تو نہ تھا۔ نقاہت … کے باوجود میرے بدن کی غیر ارادی اور غیر اختیاری جنبش … سے میرا بدن برہنہ کر دیا تھا۔ وہ تو قسمت ہی تھی جو اس رات سرد … نہیں چل رہی تھیں ورنہ اس حالت میں تو میں چند ہی گھنٹوں میں … ہو گیا ہوتا۔

آخر گھنے پتوں سے اوپر مجھے آسمان کی بہت ہلکی سی سفیدی جھلکتی نظر آئی۔ خوشی سے میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہو گئیں۔ شب ظلمات … کی وہ موہوم سی کرن میرے لیے بڑی امید لے کر طلوع ہوئی … مقامات کی طرح وہاں دھندلکے ہی نمایاں ہوئی۔ صبح کا … نہایت سست تھا۔ آخر پتوں سے چھن چھن کر آنے والی روشنی میں میری … اس قابل ہو گئیں کہ آس پاس کی چیزیں دیکھ سکیں۔ سب سے پہلے … نگاہ ڈالی۔ وہاں براہ راست روشنی کا کہیں گزر نہ تھا۔ … مجھے

درختوں سے منعکس ہوتی ہلکی روشنی نے وہاں کا پُراسرار اجالا مفقود کر دیا تھا۔

پھر میری نگاہ جسم پر اور … ہوئی کھال سے چپکے ہوئے حشرات پر پڑی اور میں دہشت سے چیخ پڑا۔ پتوں سے چھن چھن کر آنے والی روشنی میں میرے جسم سے سرخ رنگ کے بڑے بڑے چیونٹے چپٹے ہوئے تھے انھوں نے رات بھر میرے جسم کی کھال جابجا کھائی تھی اور اب گوشت کے ریشوں سے اپنی آتش شکم سرد کر رہے تھے۔ میری ٹانگیں، بازو، پیٹ کا نچلا حصہ اور دوسرے برہنہ اعضا ان زخموں سے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے میرے بدن کے ان حصوں پر سوراخ کر دیے گئے ہوں۔ ایسے ہر زخم سے بلا مبالغہ سیکڑوں چیونٹے لپٹے ہوئے تھے۔ زخموں کے آس پاس کہیں بھی خون بہنے کا کوئی نشان نہ تھا۔ زندہ انسانی گوشت کے ریشوں کے ساتھ ہی شاید وہ تازہ خون بھی بڑی رغبت اور مہارت سے پی جاتے تھے۔

میری دہشت سے پھٹی ہوئی نگاہیں ان خونی بلاؤں پر جمی ہوئی تھیں۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے جسم کے وہ حصے میلوں دور پڑے ہوں۔ بدن سے حرکت کی قوت سلب ہو چکی تھی۔ جسمانی فالج کی اس کیفیت میں میری آواز بھی حلق میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ میرا سارا بدن تیز بخار میں جل رہا تھا۔ سارے جوڑ پھوڑے کی طرح دکھ رہے تھے۔

یہ ننھے ننھے حشرات الارض تو میرے لیے شیر سے زیادہ خوفناک اور مہلک ثابت ہوئے تھے۔ مجھے آہستہ آہستہ ان خونی چیونٹوں کے بارے میں برسوں پہلے پڑھی ہوئی ایک بات یاد آ رہی تھی۔ یہ خونخوار اور موذی چیونٹے زمین کے بجائے سرسبز درختوں کی شاخوں وغیرہ پر دیمک کی طرح سوراخ بنا لیتے تھے۔ اس سے آگے ان کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہ تھا لیکن اب ان کا شکار ہو کر میں اس خوفناک تجربے سے گزر رہا تھا۔ اپنی ابتر حالت کے پیش نظر مجھے پورا یقین تھا کہ ان سرخ چیونٹوں کے جسم میں کوئی نہ کوئی زہریلا مادہ ضرور موجود ہوگا جو ڈنک اور ننھے ننھے سوراخوں کے ذریعے آہستہ آہستہ میرے دوران خون میں سرایت کرتا جا رہا تھا۔ اس زہر کے اثر سے میرے بدن میں ناقابل بیان درد کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ درجہ حرارت غیر معمولی حد تک بڑھ چکا تھا۔ نقل و حرکت … مجھے اپنے کسی عضو کی جنبش تک پر اختیار نہ رہا تھا۔ میں … شاخوں کے درمیان جس طرح پھنس کر بیٹھا تھا اس کی وجہ سے عدم توازن یا نیچے گرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ گوشت خور چیونٹے میری ہڈیوں سے کھال اور گوشت کا آخری ریشہ تک نوچ لیتے اور میں بے بسی سے درخت پر بیٹھا اس وقت تک یہ سب دیکھتا رہتا جب تک نقاہت، زہر یا دہشت سے روح قفس عنصری سے پرواز نہ کر جاتی۔ پھر اس درخت پر ہڈیوں کا ایک خشک ڈھانچہ رہ جاتا اور شاید

پھر کر بہر پرندے اس پنجر کو اپنا مسکن بنا لیتے!

صفدر علی کی خشک تحوڑی کھوپڑی اور پسلیوں کے کھوکھلے پنجر میں چمگادڑوں وغیرہ کے قیام کا تصور اس قدر دہشتناک اور روح فرسا تھا کہ میں کانپ اٹھا۔ اگر کانپنا کہا جائے تو صرف میرا احساس تھا ورنہ میرا جسم تو کانپنے کی قوت تک سے محروم ہو چکا تھا۔

دہ جانے کتنی دیر میں یوں ہی ہولناک اور حقیقی اندیشوں کے بارے میں سوچتا رہا۔ اپنے جسم کی بربادی کا جگر فراش منظر دیکھتا رہا۔ بعض چیونٹے جب میرا بدن نوچتے نوچتے سیر ہو جاتے تو حسب استطاعت ہوں یں ننگا ہوا کوئی گوشت کا ریشہ اپنے ڈنک میں دبا کر آسودہ انداز میں شاید اپنی کمین گاہ کی طرف چل دیتے تاکہ جب ان کے شکار کی ہڈیوں پر گوشت کا آخری ریشہ تک باقی نہ رہے تو وہ اپنے پس انداز کیے ہوئے ان خشک ریشوں پر دعوتیں اڑا سکیں۔

کتنا لرزہ خیز تھا وہ سماں..... میرا ذہن ابھی اسی ادھیڑ بن میں الجھا تھا کہ اچانک کسی جانب سے نقارے کی مدھم آواز ہوا کے دوش پر تیرتی ہوئی یک بیک میرا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔ سب سے پہلا خیال میرے ذہن میں یہی ابھرا کہ شاید مندری نے جا کر اپنے آدم خور قبیلے کو وندلوں کے حصار سے آزاد کرا لیا ہے اور اب وہ اپنے کھوجیوں کی مدد سے میری بو کے سہارے ان دور دراز جنگلات تک آ پہنچے ہیں۔ ادراں آدم خوروں کے لیے میرے دل میں ایک ہمدردی کا جذبہ ابھرا جس نے بروقت انسان کے مقابلے میں مجھے ان کے ساتھ بے حد الجھا دیا تھا۔ وہ ناخواندہ وحشی غیر مہذب اور آدم خور سہی مگر تھے تو مجھ جیسے انسان ہی..... اور جب انتخاب دو آدم خور نسلوں کے درمیان ہوا تو میرا ذہن چیونٹوں کے بجائے ان ہی کی طرف مائل ہوا۔

میں نے پہلی بار بے بسی کے بجائے غصے کے ساتھ ان سرخ چیونٹوں کو گھورا جو میرے بدن کو اپنی جاگیر سمجھ کر اس پر دندناتے پھر رہے تھے اور اسی کے ساتھ میں پوری قوت سے مدد کے لیے چیخ پڑا۔

میری چیخ پر بہت سے پرندوں نے خطرے کی تیز آوازیں بلند کیں، نقارے کی مدھم آواز یک بیک معدوم ہو گئی۔

چند منٹ کے بعد نقارے کی آواز دوبارہ سنائی دینے لگی۔

بھوک، خوف، بیماری، بخار اور نقاہت کے باعث اب مجھ پر غشی سی طاری ہونے لگی تھی۔ مجھے یقین نہ تھا کہ ان ڈھول بجانے والے لوگوں کی آمد تک میں زندہ رہ سکوں گا۔ یہی دہشت تھی کہ جب وہ مجھے جنگل ہی میں ڈھونڈتے بھٹکتے اور ناکام ہو کر واپس لوٹ جائے۔

میں نے کچھ لمحے بعد پھر سے پوری قوت سے مدد کے لیے تین مرتبہ پکارا۔ اسی کے ساتھ میری آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔ نقارے کی آواز بتدریج قریب آتی جا رہی تھی۔ شاید میری آواز ان لوگوں تک پہنچ چکی تھی اور اب وہ میری تلاش میں تھے۔

مگر میری حالت اب ابتر تھی۔ میں نے خود پر قابو پانے کی بہت کوشش کی لیکن میں اپنے حواس قائم نہ رکھ سکا اور بے ہوشی نے مجھے آ لیا۔

بے ہوشی کا وقفہ کتنا طویل تھا یہ مجھے یاد نہیں۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو سب سے پہلے میری نظریں پھوس کے چھپر پر پڑیں۔ میں نے پہلو بدلا تو مجھے نرم پیال کی موجودگی کا احساس ہوا۔ یہ ایک نہایت خوشگوار احساس تھا۔ اب میں حسب مرضی اپنے بدن کو جنبش دے سکتا تھا۔ نقاہت اب بھی باقی تھی۔ بخار سے میرا بدن اب بھی جل رہا تھا مگر میں ہمت کر کے پیال سے اٹھ گیا۔

یہ دیکھ کر میری حیرت اور مسرت کا ٹھکانہ نہ رہا کہ میں اس بار درخت کے بجائے پھوس کی ایک کشادہ اور صاف ستھری جھونپڑی میں موجود تھا۔ اسی کے ساتھ اس خونخوار چیونٹوں کے جان لیوا عذاب سے بھی نجات مل چکی تھی مگر بے شمار گہرے زخموں کے باعث میری ساری کھال سرخ ہو رہی تھی اور بدن پر ورم آ چکا تھا۔

کمزوری کے باعث مجھے چکر آ رہے تھے اور کھڑا رہنا میرے لیے دشوار تھا لہٰذا میں دوبارہ اسی پیال پر بیٹھ گیا اور اس صاف ستھرے جھونپڑے کا جائزہ لینے لگا۔

وہاں نکاسی کا صرف ایک ہی دروازہ تھا جو اس وقت بند نظر آ رہا تھا۔ پیال کے قریب ہی پانی سے بھرا ہوا مٹی کا ایک برتن موجود تھا۔ سندری کی دی ہوئی کھالیں پیال پر بچھی ہوئی تھیں البتہ اندام سے بچھایا چیتا کہیں نظر نہ آ رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ میں جن لوگوں میں موجود ہوں وہ میرے دوست ہوں یا دشمن مگر نرم دل ضرور ہیں ورنہ میری تیمارداری کی زحمت نہ کرتے۔

میں اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ اچانک باہر سے کسی کی آواز ابھری۔

"قیدی کا کیا حال ہے بچہ؟"

یہ آواز سن کر میں چونک پڑا۔ لہجہ شکستہ اور نامانوس سا تھا مگر زبان انگریزی ہی ہوتی یا جاپانی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی غیر ملکی زبان بولنے کا عادی ہو۔ "ابھی تک بے ہوش پڑا ہے!" یہ آواز کسی مقامی باشندے کی تھی۔ اس نے احترام آمیز لہجے میں پوچھنے والوں کو جواب دیا تھا۔

"وڈان! اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کی سوچ۔ مجھے اسی لڑکی کا ساتھی معلوم ہوتا ہے۔" یہ کوئی تیسری آواز تھی اور نہایت شستہ انگریزی میں بات کی گئی تھی!

"وہ مرغیار بہت بھولا آدمی ہے۔ وہ اسے جرگے میں پیش کرنے سے قبل کوئی قدم نہیں اٹھائے گا۔ تم نے دیکھا نہیں کہ اس نے اسے مجرموں کی طرح نہیں رکھا ہوا ہے اور ایک طبیب بھی اس کی تیمارداری پر مامور کیا ہوا ہے!"

ان کی گفتگو سن کر میرے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ یہ بات سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس دشوار گزار علاقوں میں دو غیر ملکیوں کی موجودگی کا اشارہ بات بھی یہی ہو کہ وہ میرے بارے میں کسی لڑکی کے حوالے سے سوچ رہے تھے۔ ان کا مقصد یہی تھا کہ کسی طرح سیتاان کے جنگل پر تسلط قائم کریں۔ وہ دونوں مجھے ٹھکانے لگانے کا ارادہ کر چکے تھے مگر اس قبیلے کا سردار ان کے ارادے میں حائل تھا۔

"دروازہ کھولو۔ ہم اسے دیکھیں گے!" اس بار شکستہ مقامی زبان میں جھونپڑے کے محافظ کو ہدایت دی گئی!

میری داڑھی مہینوں سے بڑھی ہوئی تھی جس سے الجھے ہوئے وحشت زدہ چہرے پر، جسم پر جانوروں کی کھالیں لباس کا کام دے رہی تھیں۔ ایسی حالت میں شاید کوئی بھی یہ اندازہ نہ کر پاتا کہ میں بیرونی دنیا کا مہذب نوجوان ہوں۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ ان دونوں کے سامنے انگریزی سے لاعلمی ظاہر کروں گا تاکہ ان کی باہمی غیر محتاط گفتگو سے مطلب نکال سکوں۔

چند لمحوں بعد جھونپڑے کا دروازہ کھلا اور دو قد آور سفید فام اندر داخل ہوئے۔ ان کے جسموں پر جیکٹ پڑی ہوئی تھی۔ ایک نہایت سکون سے سگریٹ پی رہا تھا جبکہ دوسرا نمایاں تھا۔ مجھے پیال پر بیٹھے دیکھ کر وہ دونوں ہی بری طرح چونکے۔

"یہ تو ہوش میں ہے۔" وڈان نے تجسس بھری حرکات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

دوسرے نے حیرت آمیز آواز میں اپنے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا۔ "دل سے غور سے دیکھو اسے..... کیا اس کی زبان سمجھنا ضروری ہے کہ یہ کون سی بولی بولتا ہے؟"

"وہ لڑکی بھی مر جانے کیا بکتی رہتی ہے۔ اس کی زبان سمجھنا بھی مشکل ہے۔ مجھے تو یہ پتھر کے زمانے کا کوئی باقی ماندہ جنگلی معلوم ہوتا ہے۔" اس نے میرے وحشت زدہ اور سپاٹ چہرے کو گھورتے ہوئے کہا۔

"تم — کون ہے تم؟" اس بار وڈان نے میرے قریب آ کر جھکتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔ وہ مقامی زبان بول رہا تھا۔

"جوموسانی!" میں بھرائی ہوئی خوفزدہ آواز میں بولا۔ "میرا بدن بہت زور سے دکھ رہا ہے۔ میں غاروں میں رہتا ہوں۔"

"جوموسانی!" وڈان نے پُرخیال انداز میں دہرایا پھر بولا۔ "شاید یہ کوئی پاگل ہے۔"

مگر اس سوال پر اچانک خوفزدہ ہو جانے کی اداکاری کی جسے دیکھ کر وہ دونوں ہنس پڑے اور کامیاب رہا۔ انہوں نے میرے ردعمل پر وہ دونوں ہنس پڑے تھے — مجھے ایک خطرناک لڑکی میرے قبیلے سے اٹھا لائی تھی۔ میں سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "وہ مجھ سے محبت کرتی تھی مگر مجھے اس سے نفرت تھی۔ یہاں پہنچنے پر ایک شام اس سے میرا جھگڑا ہو گیا اور وہ خاموشی سے کسی طرف نکل گئی۔ میرے لیے یہ علاقہ اجنبی ہے اس لیے میں خطرناک جنگل میں ناواقفی کے باعث مصائب میں گھر گیا۔"

میرے جواب پر ان دونوں نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا پھر وہی انگریزی میں بولا۔ "دیکھا میرا اندازہ درست ہی نکلا۔ اس کی حرکات و سکنات ہی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ یہاں تنہا نہیں تھی۔ یہ ممکن ہے جوموسانی کو کھو دینے کے بعد اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا ہو اور وہ ابھی تک اس کی منتظر ہے۔"

پھر وڈان نے مجھ سے لڑکی کے بارے میں بہت سے سوالات کیے اور میرے ہر جواب پر سیتاان کی شخصیت کا عکس نمایاں تھا۔

اس کے بعد وہ دونوں چلے گئے۔ جھونپڑے کا دروازہ ایک بار پھر بند کر دیا گیا!

میرے لیے یہ انکشاف مسرت افزا تھا کہ سیتاان کی قید میں ہونے کے باوجود زندہ تھی۔ مجھے سیتاان کی دلیری اور بے خوفی کا خوب اندازہ تھا مگر وہ ایک لڑکی ہی تو تھی جسے نہ جانے اس کی جانب سے ایک ہی ٹکراؤ تھی نہ جانے وہ اپنی آبرو کے تحفظ میں کہاں تک کامیاب رہی تھی!

کچھ دیر بعد جھونپڑے کے باہر آہٹیں سنائی دیں اور اس بار دس گیارہ افراد کا ایک ٹولی اندر آئی۔ یہ سب مقامی معلوم ہوتے تھے۔ ان کے بے ہنگم ہتھیاروں وغیرہ سے پسماندگی صاف ظاہر تھی۔

آنے والوں میں ایک دراز قامت اور مضبوط جسم کا ادھیڑ عمر شخص پیش پیش تھا جس کے داہنے شانے پر ایک بھاری نشوونما پر اجمان تھا۔

اس کی ہدایت پر آنے والوں میں سے ایک سفید ریش شخص نے بڑھ کر میرے زخموں کا جائزہ لیا پھر نرمی کے ساتھ مجھے ایک تلخ سفوف کی خاصی مقدار کھلائی اور وہ سب میرے پیال کے قریب بیٹھ گئے۔

"تمہارا نام جوموسانی ہے؟" دراز قامت شخص نے تیز لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

میں نے بے بسی سے ان سب کا جائزہ لیا پھر کمزور آواز میں بولا۔ "مجھے صرف اتنا بتا دو کہ میں یہاں کیوں قید کیا گیا ہوں؟ پھر تم اپنے بارے میں سب کچھ اگل دوں گا۔"

اس نے بے چینی سے دانتوں میں بھینچ رکھنے سے مجھے گھورا پھر بولا۔

"تم پر مینی کے قتل کا الزام ہے۔"

"مینی!" میں نے حیرت سے دہرایا۔ "یہ کون ہے؟"

"مینی میری بستی کی سب سے حسین لڑکی تھی!" وہ رنج اور غصے

کے ساتھ بولا۔ "کسی نے اسے قتل کر کے لاش جنگل کے آخری حصے میں دبا دی تھی مگر کسی مردہ خور جانور نے وہ لاش زمین سے کھود نکالی اور ہم ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہاں تک جا پہنچے۔ واپسی پر ہم جنگل سے انسانی ہڈیاں نشانی دیں اور ہماری ایک ٹولی نے مجھے ڈھونڈ نکالا۔"

"یہ میری بدنصیبی ہے۔" میں دھیمی آواز میں بولا۔ "اس قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں تو خود یہاں اپنی بیوی کی تلاش میں بھٹک رہا تھا۔"

"بیوی؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ "تم اپنی بیوی کے ساتھ یہاں کیا کر رہا تھا؟"

"میں اس کے ساتھ دسول گری کی طرف جا رہا تھا۔" میں نے کہا۔ "جنگل میں گھسنے سے پہلے ہم غاروں میں رکے اور وہ پھولوں کی تلاش میں جنگل میں گھس گئی اور لوٹ نہ سکی۔ باوجود ہولناکی کے میں بھی خطرات کی پرواہ کیے بغیر جنگل میں گھس پڑا مگر یقین کرو کہ میں نے ابھی تک ان جنگلوں میں کسی انسان کا سایہ تک نہیں دیکھا۔"

"تمہاری بیوی کہاں گئی؟" اس نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔ "ہم لوگوں نے جنی کی تلاش میں جنگل کا چپہ چپہ چھان مارا مگر کسی دوسری لڑکی کا سراغ نہیں ملا۔"

"مجھے علم ہے کہ وہ کہاں ہے!" میں دھیمی آواز میں بولا۔

غصے سے اس کا پارہ ایک دم چڑھ گیا۔ "کبھی ڈھونڈ رہا تھا اب بتاتا ہے کہ اس کا پتہ ہے کیا تم ہمیں احمق سمجھتے ہو!"

"میں تنہائی میں تم سے بات کروں گا سردار!"

"یہ سب جرگے کے رکن ہیں۔ ان کی غیر موجودگی میں کوئی بات نہیں ہو گی۔" میں نے ایک ثانیے کے لیے سوچا پھر سوال کیا۔ "ڈان اور ریتی تمہاری بستی میں کیا کر رہے ہیں؟"

سردار کا منہ حیرت سے کھلا پھر بند ہو گیا۔ "تم ان کے نام بھی جانتا ہے؟"

"میں ان کی زبان بھی جانتا ہوں سردار مگرو یہاں آ کے تو میں نے ان کی زبان سے ابھی ہمارے اور میں نے نئی بیوی کا سراغ پالیا۔ وہ ان ہی کی قید میں ہے!"

"ناممکن... ناممکن!" سردار تلملا کر غرایا۔ "وہ دونوں میرے معزز مہمان ہیں اور اس علاقے میں آباد قبیلوں پر ایک تحقیقی کتاب لکھنے یہاں آئے ہیں۔ وہ کبھی ایسی گندی حرکت نہیں کر سکتے۔"

"میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے سردار!" میں گڑگڑایا۔ "میری بیوی جنگلوں کی نہاں حسن ہے۔ اگر تم نے اسے زندہ برآمد کر لیا تو شاید وہ جنی کے بارے میں کچھ بتا سکے!"

سردار کچھ دیر تک سر جھکائے سوچ میں ڈوبا رہا پھر فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ "میں جنی کے قتل کے ایک اجنبی ملزم کی شہ پر ڈان کی بے عزتی نہیں کر سکتا۔ اگر یہ الزام غلط نکلا تو میں ان کا سامنا کرنے سے پہلے مر جانا پسند کروں گا۔ وہ میری مرضی اور اجازت سے یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

"میں جنی کا قاتل نہیں ہوں سردار۔" میں نے التجائیہ لہجے میں کہا۔ "میں صرف چاہتا ہوں کہ تم ڈان اور ریتی سے ٹکرا جاؤ۔ مجھے صرف آزاد کر دو تو یہ کام میں خود کر لوں گا۔"

پھر سردار جرگے کے ارکان سے مشورہ کرنے لگا۔ میں یہ بات کسی قدر میرے حق میں جانتا تھا۔ مگر وہ لوگ پسماندہ قبائلی ضرور تھے مگر ان کی قوتِ فیصلہ بہت بلند تھی۔ ان کا خیال تھا کہ جنی مر چکی ہے اور اگر میں قاتل ہوں تو جلد یا بدیر ان کے ہاتھوں اپنے کیفرِ کردار تک پہنچ جاؤں گا جبکہ سیتا ابھی تک زندہ تھی اور اس کی جانب سے ذرا بھی غفلت برتی جاتی تو شاید وہ ہلاک کر دی جاتی۔ محض میرے مشکوک کردار کی وجہ سے میری بات کو نظر انداز کرنا مناسب نہ تھا۔

اور آخر کار جرگے نے فیصلہ صادر کیا کہ مجھے سیتا کے بارے میں اپنے بیان کی صداقت ثابت کرنے کا موقع دیا جائے گا لیکن جنی کے قتل کا مقدمہ اس کے بعد پیش ہو گا۔

میرے زخموں پر اس رات جڑی بوٹیوں کا لیپ چڑھایا گیا۔ معالج ساری رات میرے سرہانے سے کان لگا کر دل کی دھڑکنیں گنتا رہا اور اپنے تجربے کے مطابق مجھے مختلف مشروبات پلاتا رہا جس کے نتیجے میں مجھے بار بار اور کثرت سے پیشاب آنے لگا۔

اس طبیب نے مجھے مرگ و حیات کے بارے میں قبائلی کہانیاں سنائیں۔ وہ نہایت سخت مزاج تھے اور خطرناک تھے۔ وہ لوگ قبیلے میں قتل، سازش، بغاوت اور زنا کے مجرموں کو ہاتھ پیر باندھ کر کیا قدآدم جوبی تابوت میں بند کر دیتے تھے اور وہ تابوت جنگل میں ڈال دیے جاتے۔ گوشت کی بو پا کر بے شمار سرخ چیونٹے تابوت میں سوراخوں سے اندر گھس جاتے اور تیسرے دن جب تابوت واپس لا کر کھولا جاتا تو اس میں صرف انسانی ہڈیوں کا خشک پنجر موجود ہوتا تھا۔ چیونٹے گوشت کھانے پر ہی اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ اپنے شکار کا دل اور آنتیں، جگر تک چٹ کر جاتے تھے۔ لوگ اپنے دشمنوں سے بدلہ لینے کے لیے بھی یہی طریقہ اختیار کرتے تھے۔

میرے معالج کی محنت جلد ہی رنگ لے آئی اور دو ہفتے کے قریب میں اپنے پیروں پر چلنے کے قابل ہو گیا۔ اس نے مجھے محافظ کے ذریعے فوراً ہی یہ خبر سردار تک پہنچائی۔ محافظ نے لوٹ کر اسے کوئی تفصیلی پیغام سنایا اور واپس اپنی جگہ چلا گیا۔

اگلی صبح جھونپڑے کے باہر نقل و حرکت کی بلکی آوازیں ابھریں۔ میرے اضطراب و اضطرار پر سکوت طاری ہو گیا۔ پھر بالآخر وہ مجھے لیکر باہر نکلا تو میں نے سر سبز درختوں سے گھرے اونچے نیچے پہاڑی راستے پر بہت سی سرخ مٹی کی پگڈنڈیاں موجود دیکھیں۔

"یہ سب تمہاری نگرانی کے لیے یہاں جمع ہیں۔" طبیب مجھ سے کہہ رہا تھا۔ "جس لمحے تم ڈان اور ریتی کے مکان میں داخل ہو گے یہ سب تمہارے ساتھ ہوں گے اور اگر تمہاری بیوی برآمد نہ ہوئی تو تم پر جنی کے قتل کے ساتھ ہی جرم بھی عائد ہو جائے گا۔"

"میں ابھی اس قابل نہیں ہوں کہ تنہا ان دونوں سے مقابلہ کر سکوں۔" میں نے کہتے ہوئے اپنے زخموں سے چور بدن میں سنسنی محسوس کی۔

سردار ان دونوں کو اپنے ساتھ شکار پر لے گیا ہے وہ لوگ پہاڑیوں میں گئے ہیں۔ میرے معالج نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

بڑی بڑی تیز دھار والی کلہاڑیوں کے محاصرے میں اس خوش منظر خطے کی بلند و سبز اور پہاڑی قدرتی خوبصورتی سے مالا مال تھا۔ دور تک وادیاں سبزہ زار بچھی ہوئی تھی۔ آسمان ابر آلود تھا۔ گھنے سرمئی بادلوں کے غول اس وادی پر اترے چلے آ رہے تھے اور مسرور ہو گئے۔

خاموشی چھائی تھی جن کے لمس سے میرے زخموں کی سوزش کو ٹھنڈک مل رہی تھی۔

اس خوشگوار ماحول میں چند سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم قریب کے بنے ہوئے بے شمار جھونپڑوں پر مشتمل بستی آ گئی۔ لوگ ادھر ادھر بکھری ہوئی گلیوں میں آتے جاتے دکھائی دیتے تھے کہیں بیٹھے بیٹھے باتوں میں مصروف تھے جن کی مسرت آمیز معصوم بے فکری بھی تھی۔ امن و سکون کی وہ وادی اس وقت کا منظر پیش کر رہی تھی۔

"میری اور دنیا سے الگ تھلگ الگ البیلی بستی ہے دوست!" اس کا گھر دیکھ کر میں نے اپنے معالج سے پوچھا۔

"یہاں سے چالیس میل کی مسافت پر جنوب میں ایک ہاٹ بازار ہے جہاں ایک بازار ہے سے رسد آتی ہے ہم لوگ وہاں جا کر ضروریات کی چیزیں لے آتے ہیں۔"

ہم بستی سے الگ تھلگ درختوں کے بیچ میں گھرے اور پھولوں کی بیلوں میں ڈھکی عمارت کے پاس وہ لوگ رک گئے۔

"یہ ڈان اور ریتی کی قیام گاہ ہے۔" وہ بولا۔ "تم تنہا اندر جاؤ۔ ان کی واپسی تک ہم عمارت کے گرد چھپے رہیں گے تاکہ تم بھاگنے کی کوشش نہ کرو۔"

میں نے چند ثانیوں تک عمارت کا جائزہ لیا پھر دروازے کے قریب مشرق کی طرف بڑھ گیا جس کا راستہ عمارت کے اندر تک پھیلی ہوئی تھیں۔

زخموں کی وجہ سے مجھے درخت کے سہارے اندر پہنچنے میں سخت دشواری پیش آئی مگر یہ میرے لیے ایک بڑا امر تھا۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ سیتا زندہ اور سلامت اسی عمارت میں موجود ہے۔

اندر سے عمارت کی ساخت بہت سادہ تھی۔ ایک کمرے میں دو بستر موجود تھے، دوسرے کمرے میں لکھنے پڑھنے کا سامان موجود تھا۔ دیوار پر چند بڑے بڑے نقشے آویزاں تھے جن پر جا بجا قلم سے نشانات لگا کر یادداشتیں لکھی گئی تھیں۔

مجھے وہاں ان دو کمروں کے علاوہ ایک کوٹھری بھی نظر آئی جس کا وزنی چوبی دروازہ مقفل تھا۔ میں نے دروازے سے منہ لگا کر کئی بار سیتا کو پکارا لیکن اندر گہرا سکوت چھایا رہا اور میرا دل بیٹھنے لگا۔ اگر اندر سیتا موجود ہوتی تو میری آواز سن کر کوئی نہ کوئی آہٹ ضرور پیدا کرتی۔ گویا اس قدر سکوت کا مطلب یہی تھا کہ جیسے وہاں کوئی ذی روح موجود نہ ہو۔ مگر مجھے خیال آیا کہ کہیں ان دونوں خبیثوں نے سیتا کو بستی سے باہر کسی غار وغیرہ میں نہ رکھ چھوڑا ہو۔ اس صورت میں میرا بیان مرکھپ جاتا بے سود تھا۔

جب میں مایوس ہو کر واپس لوٹ رہا تھا تو حوالگاہ میں سیتا کی کسی تلاش میں بستر کی تلاشی لی۔ وہاں اس کو کوئی چیز نہ ملی۔ ہاں امریکی ساخت کا ایک ننھا سا خودکار ریوالور ضرور مل گیا جس کا چیمبر بھرا ہوا تھا۔

میں نے سوچا کہ اس کوٹھری کا بھی جائزہ لے لینے میں کیا مضائقہ ہے۔ میں واپسی کے لیے مڑ رہا تھا کہ میری نگاہ فرش پر جھکے ہوئے گتے کے ایک بکس پر پڑی جس میں بلیک ڈاگ وہسکی کی بوتلیں ترتیب سے رکھی تھیں۔ یہ نعمت مجھے مہینوں بعد نظر آئی تھی۔ میں نے جلدی سے ایک بوتل نکالی اور اس کا کاک اڑا کر بوتل منہ سے لگا لی۔

وہ آتشیں سیال ایک لکیر بن کر میرے معدے میں اترتا چلا گیا۔ ایک لمحے کے لیے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مجھے پھندا لگ جائے گا کہیں زہر نہ ہو۔ باہری فضا میں دھند لگا گہرا ہو چلا تھا۔ شاید اس علاقے میں موسم کی پہلی برفباری شروع ہونے والی تھی۔

میں نے آہستہ آہستہ وہسکی کے کئی گھونٹ لیے اور میرا لہو گرم ہو کر جوش کھانے لگا۔

پھر اچانک باہر ایک کھٹکا ہوا میں اچھل کر بستر سے اٹھ گیا اور اس سے قبل کہ میں اس آواز کا سبب معلوم کرنے کی کوشش کرتا باہر سے دروازہ کھلنے کی چرچراہٹ ابھری اور ایک بیک میرے ہاتھ پیر پھول گئے نہ جانے وہ ڈان اور ریتی تھے یا سردار کے آدمی؟

مجھے اندیشہ تو یہی تھا کہ وہ دونوں خبیث برفباری کے باعث لیٹنے کی آواز نکالے یا دانستہ سردار کی مہلت سے بچھڑ کر لوٹ آئے ہوں گے۔ یہ خیال

کہتے ہی میں نے شراب کی بوتل اور بیرا دونوں ہاتھ میں سنبھالا اور لپک کر ان کے مطالعے کے کمرے میں جا گھسا۔ مجھے امید تھی کہ اس موسم میں وہ نکلنے کا ارادہ نہیں کریں گے۔ اس کمرے میں ایک دروازے کے پردے کی اوٹ میں میں نے خود کو اچھی طرح چھپا لیا۔

چند سیکنڈ بعد مجھے جوتوں کی دھمک کے ساتھ ہی رینی کی آواز سنائی دی۔ "پتہ نہیں آج سرزاد کو بیٹھے بٹھائے شکار کی کیا سوجھی تھی۔ اب کسی بھی لمحے برف باری شروع ہونے والی ہے مگر وہ واپسی پر آمادہ ہی نہ تھا۔"

"شکار تو ضرور ہو گا۔" ڈان کا لہجہ شوخ تھا۔ "اگر وہ آج بھی طاقت آزمائی پر تلی رہی تو میں اسے بے ہوشی کا انجکشن دے دوں گا۔" پھر کہہ کر اس نے بھرپور قہقہہ لگایا۔

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ دونوں یقیناً سیتا کے بارے میں بات کر رہے تھے۔

"یہ خیال میرے ذہن میں بھی آیا تھا۔" رینی بولا۔ "مگر میں بستر پر گرمجوش لڑکیوں کی رفاقت ہی پسند کرتا ہوں۔۔۔ تم نے بھی بڑے ہاتھ پیر چلائے تھے مگر آخر کار اسے ہتھیار ڈالنے پڑ گئے تھے۔"

"شٹ اپ رینی!" ڈان غصے میں غرایا۔ "ہم عہد کر چکے ہیں کہ بھول کر بھی کبھی اس کا ذکر نہیں کریں گے۔"

"سوری ڈان!" وہ جلدی سے بولا۔ "وہ اتنی لذیذ تھی کہ اسے بھولنا بڑا مشکل ہے۔ خیر آئندہ تم یہ ذکر نہیں سنو گے!"

یہ سن کر میرا خون کھول اٹھا۔ انھوں نے نہ صرف سیتا کو قید کیا ہوا تھا بلکہ نمی کو بھی انھوں نے ہی ٹھکانے لگایا تھا۔ شاید انھیں اندیشہ رہا ہو گا کہ نمی کسی جا کر سرزاد کو اپنی آبرو ریزی کی کہانی سنا دے گی اور سرزاد جیسے چودھری کا بدلہ ان کا مقدر ہے گا۔ تو راز چھپائے رکھنے کے لیے انھوں نے نمی کو ہلاک کر کے اس کی لاش جنگل ہی میں دبا دی ہو گی!

پھر شاید وہ دونوں لباس تبدیل کرنے لگے۔

"لو۔۔۔ برف باری بھی شروع ہو گئی!" اچانک رینی مسرت بھری آواز میں بولا۔

"بادل بہت گھر کے آئے ہیں! ہوا بھی رک چکی ہے۔ برف باری بھرپور ہوتی نظر آ رہی ہے!" ڈان نے گمبھیر سنجیدگی سے کہا۔

"قسمت ہم پر بڑی مہربان ہے ورنہ کہاں ہمالیہ کی پیڑ اور یہاں اور کہاں نیویارک کی مصروف مشینی زندگی۔ اتنی حسین برف باری میں نے شاید ہی کبھی دیکھی ہو!"

"اور ابھی تو ہم نے وہ آتشیں مشروب نہیں پیا جو ساقی الماس لے کر آیا تھا۔" ڈان کی مسکراتی آواز ابھری۔ "جو جو ساقی کی حاشی کو بھی نکال کے آؤ!"

"تھوڑی دیر توقف کرو ڈان۔" رینی نے مشورہ دیا۔ "برف باری ذرا تیز ہونے دو تاکہ ساری آبادی جھونپڑوں میں جا چھپے پھر اپنا کھیل شروع کر سکیں گے۔ اس دوران میں تم چاہو تو اپنا پیگ بھی تیار کر لو۔"

"ضرور۔ یہ کام ضرور کرو۔" ڈان جلدی سے بولا۔ "یہاں کے لوگ نہایت قدامت پسند ہیں۔ عورت کو کوئی ذرا سا بھی دیکھ لے تو چند برس پہلے میں نے کچھ ان کے ہاں آ کر گزارے تھے۔ وہاں کی یہ عام رسم تھی کہ مولوی کی رقم کے عوض لوگ لڑکیوں کو میرے ڈاک بنگلے پر چھوڑ جاتے تھے اور صبح سویرے خود ہی انھیں واپس لے جانے کے لیے آ موجود ہوتے تھے۔"

"یہاں کی عورتیں حسن کی دولت سے مالا مال ہیں۔"

پھر سے لہجے میں بولا۔ "میں نے ابھی تک بدصورت لڑکی اور معمولی شکل کی کوئی عورت نہیں دیکھی گویا یہ سارے انگور کھٹے ہیں!"

وہ دونوں غالباً شراب پیتے اور اسی قسم کی واہیات گفتگو کرتے رہے۔ میں نے بھی اپنی کمین گاہ میں بوتل سے منہ لگا کر دو گھونٹ لے لیے۔ وہ دونوں سیتا کے بارے میں جب مخش قسم کے تبصرے کرتے تو میرا خون کھول اٹھتا مگر اس وقت میں نے خود پر قابو پائے رکھا۔

ان کی گفتگو سے مجھے یہ اندازہ تو ہو چکا تھا کہ سیتا کو قید میں رکھا گیا ہے اور میری دانست میں وہ مقفل کوٹھری ہی اس کا زنداں ہو گی۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں وہاں سے اٹھے۔ میرے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ پہلے قفل کھولنے پھر دروازہ وا کرنے کی آواز آئی۔

"خوب۔ یہ تو شاید ہماری ہی منتظر ہے!" ڈان کی شوخ آواز میرے کانوں میں آئی۔ "اس کے ہاتھ بندھے ہیں مگر منہ کھلا ہے تو بہتر ہے۔ اس کے پیر کھول کر اسے خوابگاہ میں لے چلو۔ تو بے چاری اکتا گئی ہو گی۔"

میرے لیے اب خود پر قابو پانا دشوار ہو گیا۔ میں نے شراب کی بوتل وہیں رکھی اور پردہ اٹھا کر دبے قدموں باہر نکل آیا۔

راہداری کے آخری سرے پر کوٹھری کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ باہر کھلے آسمان تلے فضا میں ننھے ننھے برف کے ذرات گر رہے تھے۔

میں نے ایک لمحے کے لیے رک کر سوچا۔ کوٹھری تو خالی ہو چکی تھی۔ تاریکی تھی اور ویران مکان تھا۔ وہ دونوں مجھ سے جسمانی طاقت میں بہتر تھے۔ اگر میں ان کا مقابلہ کرنے میں ناکام رہا تو سیتا کی حالت کیا ہو گی؟ میں اپنی جان سے زیادہ اس کے لیے فکرمند تھا۔ میں کسی بھی خطرے کو مول لینے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

آخر میں نے فیصلہ کر لیا کہ ان کی خوابگاہ میں جا کر ان کا مقابلہ کروں گا۔ کوٹھری کی جانب سے پہلے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی مگر پھر جو آواز آئی اس نے میری سماعت پر گویا بجلی گرا دی۔ وہ سیتا کے ساتھ ان کی چھیڑ چھاڑ کی آوازیں تھیں۔ مجھے ان کی بیہودہ فرمائش کی آواز آئی۔

آخر چند ثانیوں بعد دھما چوکڑی کی آوازیں تیز ہو گئیں اور پھر وہ تینوں ایک دوسرے سے الجھے راہداری سے نکلتے نظر آئے۔ میں سانس روک کر دیوار سے چپک گیا۔

اس وقت سیتا کسی دہشت زدہ شیرنی کی طرح بپھری ہوئی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور منہ میں کپڑا ٹھونس کر ٹیپ چپکا دیا گیا تھا۔ وہ دونوں بار بار اسے قابو کرنے کی کوشش کر رہے تھے مگر سیتا کسی طرح ان کے بس میں نہ آ رہی تھی۔ جوں ہی وہ تینوں خوابگاہ میں گھسے، میں ریوالور سمیت تیزی سے دیوار کی اوٹ سے نکلا اور خوابگاہ کے دروازے پر جم گیا۔

سب سے پہلے ڈان کی نظر مجھ پر پڑی اور اس کے منہ سے ایک تحیر زدہ سی آواز نکل گئی۔ اسی کے ساتھ سیتا اور رینی نے بھی مڑ کر میری طرف دیکھا۔

"صفدر!" سیتا کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ شاید اس نے مجھے پکارنا بھی چاہا لیکن منہ بندھا ہونے کے سبب کوئی آواز نہ نکل سکی اور وہ تیر کی طرح میری طرف جھپٹی اور بانہوں کی طرح میرے سینے سے چمٹ گئی۔

"جہاں ہو وہیں رکے رہو!" میں ریوالور کی نال لہرا کر سرد اور بے رحمانہ آواز میں پھنکارا۔

"اوہ! یہ تو اردو اور انگریزی بھی بول سکتا ہے!" رینی بوکھلا کر بولا۔

"سیتا! الگ ہو جاؤ۔ پہلے مجھے ان مردودوں سے نمٹنا ہے۔" میں نے خالی ہاتھ سے سیتا کو تھپکتے ہوئے کہا اور وہ مجھ سے الگ ہو گئی۔

"تم کون ہو؟" ڈان مجھے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں بولا۔

"جو جو ساقی!" میں زہریلے لہجے میں بولا۔ "اور اب تم دونوں ہاتھ بلند کر کے سامنے والی دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔"

"ہم۔۔۔ مگر ہم نے ابھی تک لڑکی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے!" رینی ہکلایا۔ مارے خوف کے اس کی آنکھیں حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔

"میں سن چکا ہوں!" میں غرایا۔ "جو کہہ رہا ہوں وہ کرو ورنہ میں بے دریغ فائر کر دوں گا!"

ان دونوں پر کڑی نظر رکھتے ہوئے میں نے نہایت احتیاط اور خاموشی سے سیتا کے ہاتھ کھول دیے۔ ہاتھ آزاد ہوتے ہی اس نے اپنے منہ سے ٹیپ نوچا اور دیوانہ وار ان دونوں پر ٹوٹ پڑی۔ ڈان کمر پر لات پڑتے ہی منہ کے بل پتھریلی دیوار سے ٹکرایا اور کراہ کر رہ گیا۔ رینی کے منہ پر سیتا کا بھرپور تھپڑ پڑا اور اس کے ہونٹ سے خون کی لکیر نکل آئی۔

"سیتا! انھیں چھوڑ دو!" میں نے اسے پکارا مگر وہ تو غصے میں شاید اندھی ہو گئی تھی۔ اس نے میری ایک نہ سنی اور نہایت غصے میں ان دونوں کی مرمت کرتی رہی۔

اس مقابلے میں میں خاموش تماشائی بنا دروازے پر کھڑا رہا تاکہ وہ دونوں خبیث کمرے سے باہر نہ جا سکیں۔ مجھے خاموش پا کر شاید ان دونوں کا حوصلہ بڑھ گیا اور وہ یہ کوشش کرنے لگے کہ کسی طرح سیتا کو گھیر کر زیر کر لیں مگر جنگلوں اور پہاڑوں میں پلی وہ دوشیزہ تحقیق و تصنیف کا کام کرنے والے ان مردوں کے بس میں کہاں آتی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ دونوں بری طرح لہولہان ہو گئے اور چیخ چیخ کر مجھ سے التجا کرنے لگے کہ میں سیتا کو روک لوں۔

"سیتا! ابھی انھیں اپنی ٹانگوں پر چلنا ہے۔" آخر میں نے اس کو ہدایت دے ہی دی۔

سیتا نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو لرز رہے تھے۔ "صفدر۔۔۔ تیری کیا حالت ہو رہی ہے سارا بدن زخموں سے چور چور ہو رہا ہے!"

"یہ لمبی کہانی ہے اور شاید تیری ضد کا نتیجہ!"

"میری ضد؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔ تو پھولوں کی تلاش میں نکلنے کی ضد کرتی نہ ہم دونوں ان مصائب میں مبتلا ہوتے۔" میں نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "چلو اب تو جلدی سے ان میں سے کسی کا لباس پہن لے۔"

"تو ٹھیک ہی کہتا ہے۔" وہ جلدی جلدی پہنتے ہوئے بولی۔ "مجھ سے رخصت ہو کر جب میں پھولوں کی تلاش میں نکلی تو مجھے کہیں سے ان دونوں کے بولنے کی آوازیں آئیں۔ میں چھپتی چھپاتی وہاں تک جا پہنچی اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ یہ دونوں بھیڑیے کسی لڑکی کی لاش زمین میں دبا رہے تھے۔ تجسس میں مجھے کچھ بھی یاد نہ رہا۔ جب یہ لاش دبا کر واپس لوٹے تو میں بھی ان کے تعاقب میں چل پڑی۔ جنگل سے گزر کر یہ اس مکان میں آ پہنچے۔ مجھے یقین تھا کہ انھوں نے لڑکی کو مارا ہے۔ میں انھیں اس کی سزا دینا چاہتی تھی لہٰذا جب اندھیرا پھیل گیا تو میں درخت کے ذریعے مکان میں کود گئی۔ کودنے کی دھمک سے یہ ہوشیار ہو گئے۔ اگر طاقت کا مقابلہ ہوتا تو میں ذرا سی دیر میں ان کو ختم کر دیتی مگر ان کے پاس آگ برسانے والا ایک ہتھیار تھا جیسا اس وقت تیرے پاس ہے۔ اسے دیکھ کر میں ڈر گئی۔ دونوں نے مجھے باندھ لیا۔ یہ دو دن تک بار بار کوٹھری میں آتے۔ گو میں ہاتھ پیر بندھے ہونے کے باوجود ان کے قابو میں نہ آئی۔ انھوں نے آگ برسانے والے ہتھیار سے بھی دھمکایا مگر مجھے ماں کی ہدایت یاد تھی۔ میں نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا۔ تو رستے میں پڑی بکھری لیا۔"

"تو واقعی بڑی بہادر ہے!" میں نے تعریفی نظروں سے اسے دیکھا۔ چھری جیسی اور چکیلے بدن والے حسین الگ دکھائی دیتی تھی۔ اس کی نیلی آنکھوں میں معصومانہ چمک زندہ ہو گئی تھی اور سرخ و سفید چہرے پر بکھری ہوئی

مگر یہ وقت بحث کا نہیں تھا۔ سپاہی میرے ساتھ نکلنے والے مسلح سپاہی ابھی تک باہری موجود تھے یا برفباری سے گھبرا کر اپنی چوکیوں میں جا چکے تھے۔ میں نے سیتا کو ہدایت کی کہ ان دونوں کے ہاتھ پشت پر باندھ دے اور پیروں میں ایسے پھندے ڈال دے کہ وہ آہستہ آہستہ اپنے قدموں پر چل سکیں مگر بھاگ نہ سکیں۔ میرا ارادہ اسی وقت بستی میں جانے کا تھا۔

اس کام سے فارغ ہو کر ہم نے انھیں باہر ہانک دینا شروع کر دیا۔

"تم ہمیں کہاں لے جا رہے ہو؟" ڈان نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"بستی!" میں نے مختصر جواب دیا۔

"راستے میں بے شمار گڑھے ہیں جو بھاری برفباری کی وجہ سے چھپ چکے ہوں گے۔ ہمارے ساتھ تم دونوں بھی موت کے منہ میں جا گرو گے۔"

"فکر نہ کرو۔ تم ہماری رہنمائی کرو گے۔" میں بے فکری سے ہنسا۔

اس وقت ہوا میں بالکل بند تھیں، برفباری کا طوفان شدید ہو رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں مکان کے صحن میں برف کے سفید گالوں کی کئی انچ موٹی تہہ جم چکی تھی۔ برف کے روئی جیسے گالے ذرات چاہتے تھے، وہ مجرم پوری تیزی سے گر رہے تھے۔ میں نے جلد کر لیا کہ سیتا کا دروازہ کھول دیا۔

پھر جیسے ہی باہر نکلے برف کی سفید دھند میں سے مقامی محافظوں کی ٹولی اندر آئی۔ وہ سب سیتا کو دیکھ کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔

"یہ میری بیوی سیتا ہے۔" میں نے نیپالی زبان میں اپنے معاون کو بتایا۔ "اور یہ منی کے قتل کا چشم دید گواہ ہے۔"

"نہیں۔" ڈان الجھ کر بولا۔ "یہ موسانی جھوٹ بول رہا ہے۔"

"میں موسانی نہیں۔ میرا نام صفدر ہے مسٹر ڈان بریٹن۔" میں استہزائیہ لہجے میں بولا۔

سیتا کی برآمدگی کے بعد مقامیوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ ڈان اور ریٹی کو انھوں نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ ایک شخص تیز سیٹی کی مدد سے برف کی گہرائی کا اندازہ کرتا رہنمائی کرنے لگا۔ باقی سب لوگ ایک طویل قطار کی صورت میں اس کے پیچھے ہو لیے۔ بے تحاشا اور تیز برف باری میں چند گز دور کی چیز دیکھنا بھی مشکل ہو رہی تھی مگر مجھے امید تھی کہ ہم جلد ہی صحیح سلامت بستی میں پہنچ جائیں گے۔

"تمھارا قیدی اول درجے کا جھوٹا اور بدمعاش ہے۔" ڈان بہکی کی اداکاری کرتے ہوئے میرے معاون سے کہہ رہا تھا۔ "ہماری غیر موجودگی میں اس عورت کے ہمراہ چھپ کر کسی نیت سے اندر گھسا تھا۔ ہم غلاف توقع جلدی لوٹ گئے تو ان دونوں نے ہم پر حملہ کر دیا۔"

"اپنی زبان بند رکھو۔" معاون قہر بھری آواز میں بولا۔ "صفدر ہمارے سامنے تنہا اندر گیا تھا اور یہ لڑکی تمھاری قیام گاہ سے برآمد ہوئی ہے۔ اب جو کچھ کہنا ہو وہ جرگہ کے سامنے کہنا۔"

"یہ گڑیا کیا کر رہی ہے؟" سیتا نے غصیلی آواز میں پوچھا۔ "لگا دوں اس کے دو چار ہاتھ!"

"نہیں!" میں سختی سے بولا۔ "اب اپنے ہاتھ پیروں کو قابو میں رکھو۔ یہ لوگ ان دونوں سے تو وہی نمٹ لیں گے۔"

"مگر تیرے بدن پر یہ لیپ کیسا چڑھا ہوا ہے، بدن بھی سوجا ہوا ہے؟"

"شکر ہے کہ تجھے میرا خیال تو آیا۔"

"اے — زیادہ باتیں نہ کر۔ میں اس کو ٹھڑی میں ہر وقت تیری سلامتی کی دعائیں مانگتی رہی ہوں۔" وہ تیزی سے بولی۔ "یہ بتا کہ تو اس حال کو کیسے پہنچا ہے۔ اگر مقامیوں نے تیرے ساتھ ظلم کیا ہے تو میں ان کی پوری بستی میں آگ لگا دوں گی!"

"ان ہی لوگوں نے تو مجھے موت کے منہ سے بچایا ہے ورنہ اب تک تو میرا ڈھانچہ ہی باقی رہ گیا ہوتا۔" میں نے تشکر آمیز لہجے میں کہا۔

پھر سیتا کے اصرار پر میں نے اپنی پوری کہانی دہرا دی۔

میری بات ختم ہوتے ہی سیتا نے لپک کر میرا منہ چوم لیا اور سہمی ہوئی آواز میں بولی۔ "واقعی تیری قسمت اچھی تھی جو ان لوگوں نے تجھے بچا لیا ورنہ مر کر بھی چھوٹتے تو اس زمین پر ہم کا اٹل عذاب بھگتے جاتے ہیں!"

"رام نہیں فرمائے۔" میں نے اسے ٹوکا۔ "اب تو سنسان ہو گیا ہے۔"

بستی میں پہنچنے تک اتنی برف گر چکی تھی کہ پوری پگڈنڈیاں برف میں گھٹی جا رہی تھیں۔ ڈان اور ریٹی کے پیر کھوئے جا چکے تھے کیونکہ ان کے لیے قدم بڑھانا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

سردار کے جھونپڑے کی چھت سفید برف کے کئی انچ موٹے گالوں کے نیچے چھپ چکی تھی۔ تاحد نظر پھیلی ہوئی برف کی سفیدی میں ابھری ہوئی جھوس اور پتھر کی جھوری، سیاہ اور سرمئی دیواریں نہایت حسین لگ رہی تھیں۔

میرے اندازے کے مطابق اس وقت دوپہر کا وقت تھا لیکن وادی میں اترے ہوئے گہرے سرمئی بادلوں کی وجہ سے ہر طرف شام کا دھندلکا پھیلا ہوا تھا۔

سردار نے بذات خود حجرے سے باہر آ کر قیدیوں کے اس قافلے کا جائزہ لیا۔

میرے ہمراہ جانے والے معاون نے وہیں کھڑے کھڑے سردار کو مختصر الفاظ میں ساری روداد سنائی۔ اس دوران میں ڈان اور ریٹی مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑے رہے۔

سردار نے تحسین آمیز نظروں سے میری طرف دیکھا پھر ڈان ریٹی اور بوڑھے طبیب سمیت مجھے اور سیتا کو اندر جھونپڑے میں بلا لیا۔

جھونپڑے کے وسط میں فرش پر الاؤ روشن تھا، قریب ہی دو ادھیڑ عمر جرگے کے مقامی پنچوں کی آنکھیں صاف کر رہے تھے۔ شاید یہ سردار کے لیے جرگہ نشست بیٹھنے کی تیاری تھی!

معاملہ چونکہ سنگین تھا لہٰذا سردار نے اسی وقت اپنے جھونپڑے میں جرگہ طلب کر لیا تاکہ فوری طور پر اس مقدمے کا فیصلہ کیا جا سکے۔

"تمھاری یہ بات درست نکلی کہ منی کے قتل کے الزام سے تم اب بھی بری نہیں کیے گئے ہو۔" سردار نے مجھ سے کہا۔

"میرے تمام مصائب اور میری بیوی کی قید کا ذمہ دار میرے گمان میں یہ ہے سردار، اس کے قاتل بھی دونوں ہیں۔" میں نے جلدی جلدی کہا۔

"کیا ہے؟" سردار کے منہ سے تحیر آمیز طویل آواز نکلی۔

"انھوں نے نہ صرف اسے قتل کیا بلکہ پہلے اس کی آبرو ریزی بھی کی تھی۔" میں نے ڈان اور ریٹی کو خاموش پا کر پُرجوش لہجے میں کہا۔

"ڈان! کیا یہ الزام درست ہے؟" سردار نے گرجدار آواز میں سوال کیا۔

"نہیں۔ یہ بکواس کر رہا ہے۔" ڈان نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

پھر میں نے سیتا سے منی کی بربادی کی پوری کہانی سردار کو سب گواہوں کی موجودگی میں سنا دی۔ آخر میں وہ باتیں بھی بتائیں جو میں نے چھپ کر ان دونوں کے درمیان سنی تھیں۔ ان ہی کی بنا پر مجھے پتا چلا تھا کہ انھوں نے منی کو اپنا مجرمانہ راز چھپانے کی وجہ سے ہلاک کیا ہے جبکہ سیتا صرف اسی قدر بتا سکی تھی کہ وہ دونوں جنگل میں منی کی لاش چھپا رہے تھے۔

جرگے کے اراکین جمع ہوئے تو ڈان اور ریٹی پر کڑی جرح شروع ہوئی۔ وہ دونوں منی کے قتل سے صاف مکر گئے تھے مگر سیتا کو قید کرنے کا الزام تسلیم کر رہے تھے بلکہ ڈان نے تو اس حقیقت کو اپنی بے گناہی کا سب سے بڑا ثبوت بنا لیا تھا۔

اس کا کہنا تھا کہ سیتا کو اس نے چوروں کی طرح اپنے گھر میں گھستے دیکھ کر پکڑا تھا۔ پہلے وہ سمجھا کہ سیتا کوئی آوارہ خانہ بدوش لڑکی ہے۔ وہ دونوں بھی بے کیف دن گزار رہے تھے لہٰذا ان نے سوچا کہ لڑکی راہ پر لگ گئی تو وہ اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اس کی قید میں دو دن گزرنے کے باوجود سیتا راہ راست پر نہ آئی مگر راستے خطرات ہوں لیکن پھر بھی انھوں نے اسے زندہ رکھا کیونکہ ان کے نزدیک انسانی خون بہانا قابل نفرت کام تھا۔

بر قلابازی دیکھ کر میں ہکا بکا رہ گیا۔ اگر ان کا اعتراف میں نے اپنے کانوں سے نہ سنا ہوتا تو شاید میں بھی اس دلیل کو مان لیتا۔

"یہاں کیا بحث ہو رہی ہے؟" طویل سوال جواب سے اکتا کر سیتا نے مجھ سے پوچھا کہ کن لوگوں کی زبان اس کے لیے اجنبی تھی۔

اس پر میں نے اسے پوری صورت حال بتا دی۔

میری کردہ زور سے بنسی۔ تلخ گفتاری اور تضاد میں اس فضا میں اس کا لا پروایانہ قہقہہ سن کر سب لوگ چونک پڑے اور غصے سے اسے گھورنے لگے۔

"اجنبی! اپنی عورت کو لگام دو، یہ جرگہ ہے کوئی مسخرہ خانہ نہیں!" سردار تیوری پر بل ڈال کر ناگواری کے ساتھ بولا۔

میں سیتا کو ڈانٹنے کے لیے پلٹا ہی تھا کہ وہ بول پڑی۔ "اگر انھوں نے اس لڑکی کو قتل نہیں کیا تو ان سے یہ پوچھو کہ اس رات ان کے کپڑے خون آلود کیوں تھے!"

"خدا کے لیے خاموش رہو سیتا۔" میں بے بسی سے بولا۔ "یہاں ثبوت کے بغیر کوئی بات نہ مانی جائے گی، سردار تیری بے جا مداخلت سے ناراض ہو رہا ہے۔"

"میں بھی ثبوت دوں گی۔" یہ کہہ کر اس نے زبردستی ایک قہقہہ لگایا اور بولی۔ "میں اسی وقت وہ کپڑے لا سکتی ہوں۔ یہ لوگ اس کے قتل سے انکار نہیں کر سکتے۔"

"اسے باہر نکال دو!" سردار اپنے آدمیوں کی طرف پلٹ کر دھاڑا۔

"سردار! یہ لڑکی الزام دینے کو تیار ہے۔" میں نے اس کی خوشامد کی۔ "اسے اپنی خوشی پر قابو نہیں رہا ہے کیونکہ وہ منی کے قتل کی چشم دید اور ناقابل تردید شہادتوں سے واقف ہے۔"

"کیا یہ ہماری زبان نہیں بول سکتی؟" سردار کا پارہ ابھی تک چڑھا تھا۔ میں نے مایوسی سے سر کو نفی میں جنبش دی اور کہا۔ "یہ لڑکی بتاتی ہے کہ ڈان اور ریٹی کے خون آلود کپڑے وہ اسی وقت لا سکتی ہے!"

یہ الفاظ ایک بم کی طرح گرے۔ ڈان اور ریٹی کے اعصاب پر بجلی کی طرح گرے اور وہ دانت پیسنے لگا۔ "ہم نے کسی کو قتل نہیں کیا، وہ کپڑے ہماری غیر موجودگی میں ہماری قیام گاہ میں دبا لیے گئے ہوں گے۔"

بوڑھے اور تجربہ کار طبیب نے بے اختیار مسکرا دیا اور ڈان سے بولا۔ "مگر یہ لڑکی تو تمھیں کہاں رہی ہے کہ وہ کپڑے تمھارے مکان میں دبے ہیں۔ وہ کہیں بھی ہو سکتے ہیں۔ پھر صفدر میرے سامنے خالی ہاتھ تمھارے مکان میں گیا تھا۔"

پھر تو یوں محسوس ہوا جیسے ڈان کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہو۔ وہ غصے سے بولنے لگا۔ "میں دیکھوں گا تم میرا کیا بگاڑ لو گے۔ وہ کپڑے ایک تیتر کو ذبح کرتے ہوئے خون میں بھر گئے تھے جنھیں ہم نے اپنے مکان کے صحن میں دبا دیا تھا۔"

اب سارا بھرم کھل چکا تھا۔ شدید برفباری کے باوجود پورا

جرگہ روانگی کے لیے تیار ہوا۔ ڈان اور ریٹی بھی ساتھ تھے اور سیتا بلا خوف اللہ جیسے پر ثوتی سے اکڑی ہوئی میرے ساتھ چل رہی تھی۔

میرا کی نشاندہی پر جگن کے ایک تختے سے برف کے گولے ہٹائے گئے تو نیچے سخت زمین دکھائی دی۔ اسے کھودنے پر ڈان اور ریٹی کے خون آلود کپڑے برآمد ہوئے جنہیں سردار سمیت جرگے کے بیشتر ارکان نے پہچان لیا۔ ڈان اور ریٹی کے چہرے زرد پڑ گئے اور وہ سردار کے سامنے رحم کے لیے گڑگڑانے لگے۔

"دونوں نے واپس آنے کے بعد اپنے کپڑے تبدیل کر کے یہ خون آلود لباس زمین میں دبا دیے تھے۔ میں درخت پر چھپی یہ سب دیکھ رہی تھی۔" سیتا مجھے بتا رہی تھی۔

سردار نے بڑھ کر مجھے اور سیتا کو سینے سے لگا لیا۔ "ان دونوں قاتلوں کو سزا سلطان تمہارا انعام ہے۔ اب تم برفباری ختم ہونے تک اسی مکان میں میرے مہمان رہو گے۔"

"تم عظیم ہو سردار۔" میں وفور مسرت سے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اگر تم رحم دل اور انصاف پسند نہ ہوتے تو میں سیتا کو کھو کر رجی کے قتل کے الزام میں مارا جاتا۔"

"سردار!" اچانک ریٹی کی کانپتی ہوئی آواز ابھری۔ "میں نے ڈان کو منع کیا تھا کہ رجی کا قاتل یہی ہے۔ اس نے ہی رجی کو اٹھا لے جانے کا منصوبہ بنایا تھا اور وہ ڈان ہی کے ہاتھوں ہلاک ہوئی تھی۔"

"خاموش رہو کمینے سور۔" ڈان اس پر جھپٹ پڑا۔ "اس کے ساتھ منہ کالا کرنے میں تو مجھ سے آگے آگے تھا۔"

"خاموش!" سردار نے کرخت آواز میں انھیں جھڑکا۔ "اس بستی میں قتل اور زنا کی ایک ہی سزا ہے جو تم دونوں کو ملے گی۔ خبردار جو اپنی ناپاک زبان سے رجی کا نام لیا۔"

"میرے دل میں اپنا نیزہ اتار دو مگر مجھے سرخ بھیڑیوں کے حوالے مت کرو سردار!" ریٹی موت سے خوفزدہ آواز میں بولا۔ "اگر تم میری زندگی نہیں بخش سکتے تو مجھے میری پسند کی موت تو دے دو!"

سردار نے اس کی داد فریاد پر کان نہ دھرا اور ریٹی جماعت کو لے کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ مجھے اور سیتا کو وہ پہلے ہی اس مکان کا مالک بنا چکا تھا۔

جب ان کے دھندلے ہیولے برف کی دبیز چادر میں روپوش ہو گئے تو میں نے دروازہ بند کیا اور واپس لوٹا تو سیتا میرے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے ہونٹوں کے گوشے تھرتھرا رہے تھے اور آنکھیں نم تھیں۔

"صفدر!" اس کے مسکراتے ہوئے ہونٹوں سے جھنجھناتی ہوئی آواز نکلی اور وہ پاگلوں کی طرح مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کے بالوں اور شانوں پر ٹوٹا ہی برف کے ذرات کی تہ جمنی شروع ہو گئی تھی۔

میں نے نہایت محبت سے اس کے سرخی مائل بالوں کو چوما اور اسے سہارا دے کر کمرے میں لے آیا۔

کئی دن کی جدائی تھی اور وہ بھی ایسی کہ سیتا کو میری زندگی کا یقین تھا نہ مجھے اس کی سلامتی کی جانب سے اطمینان تھا۔ اب جو تنہائی، سکون اور تحفظ کے لمحات میسر آئے تو شوق دیوانگی بن گیا۔ مگر سیتا کی خوشی میں اداسی بھی شامل تھی۔ میرے دشمنوں کی فکر نے اسے پریشان کیا ہوا تھا۔

پھر میں نے غنیمت میں ہاتھ آئے ہوئے سامان کا جائزہ لینا شروع کیا۔ گرم کپڑوں، شراب اور سگریٹ کی خاصی تعداد چمڑے کے صندوقوں اور چوبی پیٹیوں میں موجود تھی۔ اس کے علاوہ خشک پھلوں اور گوشت کے چند سربند ڈبے تھے۔ اور کتابیں وغیرہ۔ ان میں ایک چیز جو سیتا کے لیے شدید حیرت کا باعث بنی وہ ایک خاصا فرسودہ نقشہ تھا جس میں خشک سیل پڑے ہوئے تھے۔

ان کے کاغذات اور ایک ڈائری سے پتا چلا کہ ڈان سماجیات کا ایک سکالر ہے۔ وہ انسان کے جدید سماجی رجحانات سے متعلق ایک مشہور اسٹڈی گروپ کا سربراہ تھا اور اس سلسلے میں کئی تحقیقاتی کتابیں لکھ چکا تھا۔ وہ "دورِ عصر انسان" نامی ایک کتاب کی تیاری کے سلسلے میں کئی دشوار گزار اور غیر مہذب علاقوں کی خاک چھانتا وہاں تک پہنچا تھا۔ اس کتاب میں وہ جدید ترین سائنسی ترقیوں سے استفادہ کرنے والے مہذب معاشروں اور علم کی روشنی سے محروم صدیوں پیچھے رہنے والے گمنام قبائل کے سماجی رجحانات کے تضاد کو واضح کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور ان کی رسوم سے براہ راست واقفیت کا جنون اسے یہاں تک لے آیا تھا۔ ریٹی ڈان کا اسٹینو اور سیکرٹری ہونے کے علاوہ گہرا دوست بھی تھا۔

ڈان ریٹی کے علمی مرتبے سے متعلق انکشافات نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ جو شخص خود سماجی اصلاحات کا دعوے دار تھا وہ اپنے مہذب ماحول سے نیم مہذب قبائلی ماحول میں آ کر کس قدر بدل گیا تھا۔ اس نے اپنے میزبان قبیلے کی ایک لڑکی سے جو سلوک کیا وہ اس کے درجے کے انسان کو کسی طرح زیب نہ دیتا تھا مگر پھر مجھے خیال آیا کہ انسان اپنی ذات پر نفاست، وسیع النظری اور تہذیب کے جتنے خول چاہے منڈھ لے مگر اس کی اصل وہی ہے جو پتھر کے دور کے انسان کی تھی۔ جب بہرا طاقتور کمزور کو فنا کر دینے پر تلا رہتا تھا۔ جہاں معمولی سی ذاتی ضرورت بھی اہم ترین اجتماعی اصولوں پر غالب رہتی تھی۔ صدیاں گزر جانے کے باوجود انسان کی جبلت وہی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اس کے اظہار میں محتاط ہے مہذب تھا مگر جب اور جہاں اسے موقع میسر آتا وہ سماج سے منقطع ہو کر اپنے آباؤ اجداد کی صف میں جا کھڑا ہوتا تھا۔

ڈان ریٹی کے کاغذات کا جائزہ لیتے ہوئے میں کافی دیر تک انہی خیالات میں کھویا رہا پھر میری توجہ اس علاقے کے بوسیدہ نقشے کی طرف مبذول ہو گئی۔ نقشہ بہت تفصیلی تھا۔ اس میں ۸۴ درجے طول البلد اور ۲۸ درجے عرض البلد پر کالی گپ نامی ایک بستی کے گرد قلم سے دائرہ لگا ہوا تھا۔ یہ وہی بستی تھی جہاں ہم مقیم تھے کیونکہ اس کے قریب ہی بھٹ گرہ کی بستی موجود تھی۔ ایک کچی پہاڑی سڑک نیپال کے جنوب مشرقی علاقے سے بھٹ گرہ پر ختم ہوتی نظر آ رہی تھی۔ نقشے میں کالی گپ سے وہاں تک جانے کا کوئی ذریعہ نظر نہ آتا تھا۔ کالی گپ کی سطح سمندر سے چودہ ہزار فٹ بلند تھی۔ اس سے اور آگے دلدلی علاقہ تھا۔ پہاڑوں میں دلدلی علاقے کی موجودگی ابھی تک میرے لیے ناقابل فہم تھی مگر نقشے پر اس بارے میں ایک نوٹ درج تھا۔ یہ دلدلی علاقہ دو ہزار فٹ بلند تھا اور وہاں جیسے جیسے پگھلنے والی گاہیں موجود تھیں جو بلندی سے بہہ کر آنے والے پانی کے باعث بتدریج خطرناک دلدلوں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ ان دلدلوں سے اس پار دھول گری کا گلیشیئر سے گھرا ہوا علاقہ تھا جہاں ہر قدم پر موت انجانی بلاؤں کی منتظر رہتی ہے۔

"یہ تم کہاں کھو گئے؟" سیتا میری خوف زدہ محویت سے بیزار ہو کر میرے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"یہ دھول گری پہنچنے کا نقشہ ہے۔" میں اس کی نیلی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مسکرایا۔ "ہماری منزل اب قریب آ پہنچی ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب تمہیں میری رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے؟" وہ خفگی بھرے لہجے میں بولی۔

"ہاں۔ کوئی خاص ضرورت تو نہیں ہے۔" میں اسے چڑانے کے لیے بولا۔ "یہ نقشہ بالکل واضح ہے بلکہ اس کی مدد سے تو شاید میں دلدلوں سے بھی بخیریت پار نکل جاؤں گا۔"

اس نے طیش کے عالم میں بڑھ کر وہ نقشہ مجھ سے چھین لیا اور بیچ بچاتے رکتے اس نے نقشے کے پرزے اڑا کر رکھ دیے۔

"یہ سب کچھ اس میں ہے۔" وہ غصے سے رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں خود ادھر جا چکی ہوں۔ دلدلوں سے گزرے بغیر کوئی ادھر نہیں جا سکتا۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ ان دلدلوں سے دھول گری تک کتنا راستہ ہے؟ اس نرم زمین پر جس کا قدم پڑا وہ تحت الثریٰ میں جا کر دم لے گا۔"

"اس دلدل میں بھی ایک محفوظ راستہ ہے۔" وہ مچل کر بولی۔ "میں آنکھ بند کر کے اس پر دوڑ سکتی ہوں۔"

"وہ تو جب دلدل آئے گی تو پتہ چلے گا۔" میں ہنس کر بولا۔ "ابھی تو ہم برفباری کی وجہ سے یہیں محبوس ہو کر رہ گئے ہیں۔"

"یہ بہت اچھا ہوا۔" اچانک اس کا غصہ کافور ہو گیا۔ "اگر ہم آگے بڑھتے تو برفباری میں کوئی طاقت ہمیں موت سے نہ بچا سکتی۔ برف کی سفید چادر کے نیچے قدم قدم پر موت بکھری ہوتی ہے۔ کوئی بھی قدم انسان کو گہری کھائیوں میں پہنچا سکتا ہے۔"

"خاموش جنگلوں اور پہاڑوں میں دور دور تک برف کی سفید چادر میں واقعی بڑے خطرات چھپے ہوتے ہوں گے۔" میں اس منظر کا تصور کرتے ہوئے بولا۔

"خاموشی اور سکون کا خیال اپنے دماغ سے نکال دو۔" وہ اپنا ہاتھ فضا میں لہرا کر بولی۔ "ان علاقوں میں برفباری کے بعد تھوڑی سی دیر خاموشی رہتی ہے پھر پہاڑیوں میں آگ بجھانے والی تیز ٹھنڈی ہوائیں چل نکلتی ہیں جو گھنے جنگلوں میں سے گزرتے ہوئے عجیب آوازیں پیدا کرتی ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے ان جنگلوں میں ساری دنیا کی بد روحیں جمع ہو کر رو رہی ہوں اور پہاڑوں سے بہہ نکلنے والی برف موت کا سماں باندھ دیتی ہے۔ میں یوں لگتا ہے جیسے ہواؤں کے بین سے پہاڑ بھی رو پڑے ہوں۔"

"ارے تم تو بڑی زبردست ادیب ہو!" میں حیرت سے اس کا منہ تکتے ہوئے بولا۔ "کون کہہ سکتا ہے کہ تو لنگوروں میں پلی ہوئی ایک جاہل لڑکی ہے۔"

"میرے لنگورا!" وہ اچانک اداس ہو گئی۔ "وہ مجھے اپنے درمیان نہ پا کر بے حد ان کھنڈرات میں بھٹکتے پھرتے ہوں گے۔ ماں بھی شاید اب خانقاہ پر جا چکی ہو گی۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ دھول گری کی طرف بھی اگر کسی برفانی انسان کی مادہ سے ٹکراؤ ہو گیا تو کیا ہو گا؟" میں نے اسے سنجیدہ ہوتے ہوئے دیکھ کر فوراً موضوع بدل دیا۔

"جو ہو گا دیکھا جائے گا۔" وہ بے زاری سے بولی۔ "اب مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

"جا۔ جنگل سے پھل لے آ۔" میں نے چھیڑتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"رام کے سر کام....."

"پھر وہی رام!" میں نے اسے ٹوکا۔

وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ "مذہب بدل گیا ہے مگر عادت نہ

دنوں میں جائے گی۔ میں لرز رہی تھی کہ خدا کے ہر کام میں کوئی بھلائی ہوتی ہے
تم یہاں پتھروں کے ٹکڑوں میں یہاں قید ہو گئیں تو ہمیں یہ اچھی پناہ گاہ ملی۔ میں یہ
کہتی ہوں کہ یہ ضروری نہیں رہتا تو ان دنوں برفباری نہیں آ سکتی۔"

"تو نے اس مشکل کا حل پہلے کیوں نہ سوچا تھا؟"

"میں موسموں کا حساب چاند سے لگاتی تھی مگر یہاں آتے ہی گھبراہٹ میں چاند ناس بکھر جانے کا اور میں سب کچھ بھول گئی۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

"اوہو۔۔۔ شاید تو اپنا چاند بھی وہیں چھوڑ آئی ہے۔" میں ہنسا۔

"دیکھ صفدر۔ تو اب ہر بات پہ میرا مذاق اڑانے لگا ہے۔"

"تو بات ہی ایسی کرتی ہے۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔

"میں نے یہ کب کہا کہ میں چاند وہیں چھوڑ آئی ہوں۔"

"پھر کیا مطلب تھا تیرا؟"

"میں اپنے گھر میں ہر چاند پورا ہونے پر ایک کالا پتھر طاق میں رکھ دیتی تھی۔ ہر مرتبہ آٹھ پتھر ہو جانے کے کچھ دن بعد برف گرنی شروع ہو جاتی تھی۔ یہ سلسلہ تین چار چاند چلتا رہتا اور جب برف پگھلنی شروع ہوتی تو میں پھر سے برف باری کے اگلے موسم کا حساب شروع کر دیتی تھی۔ ہم یہاں سے جلدی کوتی گھبراہٹ میں بھاگے تھے کہ میں گھر جا کر طاق میں کالے پتھر گننا بھول گئی تھی۔ شاید وہاں آٹھ پتھر ہو چکے تھے جبھی تو اتنی جلدی برف پڑنی شروع ہو گئی ہے۔"

اس کے ذہانت آمیز جواب نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ انسان کسی بھی زمانے میں اور کہیں بھی ہو وہ دوسری مخلوق سے اشرف ہی ہے۔ مجھ جیسی اور موجودہ بیسیوں صدیوں کے سائنسی نظام سے ناآشنا اس جاہل لڑکی نے اپنی ضرورت کے تحت ایک ایسا نظام اپنایا ہوا تھا جو ہر لحاظ سے مکمل تھا اور اسی وقت مجھے قدیم ماہ و سال کے حساب کی اہمیت کا صحیح احساس ہوا یہ وہ حساب تھا جو ہر طرح نہایت مفید تھا۔ چاند کا تمام زمین پر اس کے اثرات مسلم ہیں۔ سمندر کا مدوجزر، موسمی تبدیلیاں، انسانی مزاج کا تلون اور نسوانی نظام کی تبدیلیاں ۔۔۔ یہ سب چاند ہی کے عروج و زوال سے وابستہ ہیں جو ہر نئے دن ایک نئے انداز سے طلوع ہوتا ہے اور اس کی یہ باقاعدہ تبدیلیاں زمین پر مسلسل تبدیلیوں کی نقیب ہوتی ہیں جبکہ سورج ہر روز ایک ہی انداز میں طلوع ہو کر پھر اسی یکسانیت کے سمندر میں ڈوب جاتا ہے۔ اسی کی بدولت انسانی زندگی پر اثرانداز ہونے والی ان اہم تبدیلیوں کا سراغ پانا ممکن ہے ۔۔۔ کم از کم سیتا جیسی لاعلم اور قبائلی لڑکی تو ان بار جسم لکیروں کی موسم کا کوئی حساب ضرور دریافت کر پاتی۔

ڈان براؤن اور دیگر دلس کے سامان میں دو بڑے بڑے تھیلے بھی تھے جن میں گھس کر آدمی ڈوریاں کھینچنے کو حشرات الارض سے محفوظ رہتے ہوئے کہیں بھی بے فکری کی نیند سو سکتا ہے۔ میں نے اب آہستہ آہستہ سیتا کو ایسی چیزوں کے بارے میں سکھانا شروع کر دیا جو میں باقی سفر میں ساتھ لے جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ سیتا کے لیے بعض چیزیں کیا سے تھا دلچسپی کا باعث تھیں۔ یہ سب اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ جسے تو اپنے بدن پر موجود چرمی جیکٹ اور جیکٹ پہ حیرت ہو رہی تھی۔ جب اس کے اصرار پر میں نے بھی ایک ایسا ہی لباس پہنا تو وہ خوشی سے اچھل پڑی۔ "تیرے اس لباس میں تو تیری شان ہی کچھ اور ہو گئی ہے!"

میں نے اپنی بے تحاشا بڑھی ہوئی داڑھی پہ ہاتھ پھیرا اور سیتا کے تبصرے پہ ہنس دیا۔ "اس حلیے میں تو میں بالکل جنگلی معلوم ہو رہا ہوں گا۔"

"ہاں ہاں۔ میری بھی تو کچھ یہی رائے ہے۔" وہ جلدی سے بولی۔ "اس وقت تو بالکل جنگلی بھیڑیا لگتا ہے۔ جو اپنی کچھار میں مست ہو اور سامنے آنے والی ہر چیز کو اطمینان سے پھاڑ کھانے پر قادر ہو۔"

"تیرے نزدیک یہ شان ہے؟"

"اور کیا۔۔۔ مرد کی شان یہی ہوتی ہے۔" وہ میرے چہرے پہ نگاہیں جمائے ادھوری آنکھوں سے چمکتے ہوئے آنکھوں میں وحشت کی سرخی رچی ہوتی ہے۔ دھول مٹی میں اٹا چہرہ، الجھے ہوئے گرد سے اٹے بال اور بڑھے بڑھے سیاہ بالوں سے بھرا چہرہ یہ سب کتنا وجیہہ مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے!"

اس کی تعریف پر میرا سینہ فخر سے پھول گیا۔ گو بیرونی دنیا کی مہذب زبان میں وہ مجھے وحشی درندہ قرار دے رہی تھی مگر اس بیابان ماحول میں اور اس تیزی سے تغیر پذیر ماحول میں میری اور اس کی بقا کے لیے یہی پھرتیلا پن اور جنون بہت کارآمد تھے۔

اس سے ملنے کی خوشی میں میں اپنے دکھوں کو بھی بھول گیا تھا مگر طویل گفتگو اور محنت سے تکان طاری ہونے لگی تھی۔ اسی حالت میں مجھے دو بار بستی اور اس پتھریلے مکان کے درمیان بھی آنا جانا پڑا تھا۔ میں نڈھال ہو کر بستر پر دراز ہو گیا۔

برفباری ابھی تک یکساں رفتار سے جاری تھی۔ درختوں کی برف سے لدی شاخیں اور ٹہنیاں لحظہ بہ لحظہ زمین کی طرف جھکتی جا رہی تھیں اور فضا میں نہایت خوشگوار اور فرحت بخش خنکی رچی ہوئی تھی۔ میں نے بستر پہ دراز ہو کر دو تین گہرے گہرے سانس لیے اور مجھے اپنے پھیپھڑوں پر معمول سے زیادہ زور دینا پڑا۔ سمندر کی برفانی خانقاہ والی صورت حال یہاں بھی سامنے تھی۔ سطح سمندر سے زیادہ بلندی ہونے کے سبب یہاں ہوا میں آکسیجن کی مقدار قدرے کم تھی۔

آکسیجن کی کمی کا دوسرا اندازہ اس وقت ہوا جب سیتا نے آگ جلانے کی کوشش کی۔ یہ کام اس کے لیے کافی دقت طلب ثابت ہوا تھا۔

سارے دن برفباری اسی زور و شور سے ہوتی رہی۔ روشنی کا تو کہیں نام و نشان نہ تھا۔ برفباری کا کہرا اور دھند کا جب گہری تاریکی میں

رات کی آمد کا احساس ہوا اور ہم دونوں بستر پر دراز ہو گئے۔

اگلی صبح کئی بھی انسانی آوازوں کا شور میری بیداری کا باعث بنا بے زاری کے ساتھ آنکھیں کھول کر غنودگی کے عالم میں آوازوں کی سمت دیکھا تو بڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ سیتا کسی بھیڑنی کی طرح خوابگاہ کے سامنے یوں اڑی ہوئی کھڑی تھی گویا اسے گزر کر کسی کا اندر داخلہ ممکن نہ ہو۔ دروازے کے اس پار صحن میں میرا افغانی طبیب چند افراد کے ہمراہ تھا۔ ان کے ہاتھوں میں چند ٹوکریاں موجود تھیں۔

طبیب اپنی زبان میں نہایت احترام اور شرافت کے ساتھ اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ اس کی زبان تو سیتا کے لیے نامعلوم تھی مگر وہ اتنا ضرور سمجھ گئی کہ وہ مجھ تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ اس لیے سامنے [illegible] انہیں دھمکیاں دے رہی تھی کہ اگر انہوں نے اندر گھسنے کی کوشش کی تو وہ ان کی آنکھیں توڑ دے گی۔ طبیب کے لیے سیتا کی زبان نامعلوم تھی مگر وہ لوگ اس کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر باہر ہی رکے ہوئے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے سیتا؟" میں نے بستر سے اترتے ہوئے بلند آواز میں پوچھا۔

میری آواز سن کر بھی وہ میری طرف متوجہ نہ ہوئی۔ "سامنے مرد ہیں یہ تجھے دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں دیکھتی ہوں کیسے آگے بڑھتے ہیں!"

"صفدر! اس لڑکی کو سمجھاؤ۔ یہ نہ جانے ہماری طرف سے کس بات کا شک ہے۔" مجھ پر نظر پڑتے ہی میرا طبیب جلدی سے بولا۔

"ہٹ جاؤ راستے سے!" میں نے اس کا بازو کھینچتے ہوئے کہا۔ "یہ اپنے میزبانوں سے یہ سلوک کرتے تجھے شرم نہیں آتی؟"

اس نے غصے سے مجھے گھورا اور ہاتھ جھٹک کر دروازے سے ہٹ گئی۔ "ایک تو میں تیرے آرام کے لیے ان سے لڑی اور الٹا تو مجھ کو ہی جھڑک رہا ہے۔"

"میرے آرام کے لیے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔" اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور آواز بھرا گئی۔ "میں ان سے کہہ رہی تھی کہ تیری نیند خراب نہ کریں تو زخمی اور تھکا ہوا ہے مگر یہ جاہل لوگ بات ہی نہیں سمجھتے!"

"اور تو بڑی عالم فاضل ہے نا۔" میں اس کی نادانی پر ہنس دیا۔ "تو نے ان کی بات سمجھ لی تھی؟"

معاملہ رفع دفع ہوتے دیکھ کر گھٹنوں گھٹنوں برف میں کھڑے ہوئے وہ لوگ اندر داخل ہو گئے [illegible] سیتا کا جواب سنے بغیر میں ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تمہارا کیا حال ہے صفدر؟" طبیب نرمی اور محبت سے میرے چہرے پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔

"خشک ہوتے ہوئے زخموں کی سوزش ستا رہی ہے۔" میں نے محسوس کر لیا۔ "ورنہ تمہارے لیپ میں تو نہ جانے کیا جادو ہے۔ تکلیف بہت جاتی رہی ہے!"

"ہاں۔ میں نے اس لیپ پر جادو کیا ہوا تھا۔" وہ گہری سنجیدگی کے ساتھ بولا۔

"واقعی؟" میں اپنے مذاق کی اس سنجیدہ تائید پر اچھل پڑا۔

"ہاں۔" وہ نرم نرم برف سے نکل کر کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔ "اس علاقے میں بڑے پھن والا کالی ناس نامی ایک چتکبرا سانپ پایا جاتا ہے۔ اگر یہ کسی جاندار کو کاٹ لے تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ جسم کی تمام شریانیں کمزور ہو جاتی ہیں اور ان سے خون رسنا شروع ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھار جلد کے مساموں تک سے پسینے کے بجائے خون آنے لگتا ہے اور اس کا کاٹا چند ہی گھنٹوں میں مر جاتا ہے۔ یہ سانپ بہت مشکل سے پکڑا جاتا ہے۔ تمہارے لیے میں نے اس کی کھال حاصل کی تھی۔ اس کھال پر جادو بہت جلدی اثر کرتا ہے۔ لیپ میں کالی ناس کی چمڑی کا سفوف بھی ایک خاص مقدار میں شامل تھا۔"

اس کی باتیں سن کر میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ کالی ناس نامی سانپ کا تذکرہ سن کر مجھے بھاندر ناس یاد آ گئی جس کی طلب نے مجھے یہ دن دکھائے تھے مگر بھاندر ناس میرے قبضے میں آنے کے بعد تو وہ غائب ہو گئی تھی۔

"بابا! کیا یہاں بھاندر ناس بھی ملتی ہے؟" میں نے لرزتے دل کے ساتھ اس سے پوچھا۔

اس نے بالوں سے اٹے سر کو نفی میں جنبش دی۔ "سنا ہے کہ یہ نایاب جڑی بہت دور دراز کھنڈروں کے علاقے میں ملتی ہے۔ بڑا سے پوچھتے ہو؟ مگر تمہیں اس سے کیا مطلب ہے؟"

"ایسے ہی خیال آ گیا تھا۔" میں نے بات بنا دی۔

سب سے پہلے اس نے لیپ صاف کر کے میرے زخموں کا تفصیلی جائزہ لیا۔ پھر مطمئن ہو کر نیا لیپ چڑھا دیا۔ میرے زخم حیرت انگیز تیزی کے ساتھ بھر چلے تھے۔

پھر اس نے ساتھ لائے ہوئے تھیلوں میں سے خورد و نوش کی کافی چیزیں پیش کیں۔ سرداروں نے خاص طور پر چند شکار کیے ہوئے پرندے ہمارے لیے بھیجے تھے۔

"تم لوگ واقعی محسن شناس ہو!" میں نے اپنے احساس کو لفظوں میں ڈھال دیا۔

"مجھے تو دوہری خوشی ہے کہ تم ایک بے گناہ کے خون سے بال بال بچ گئے۔" وہ مسکراتا ہوا بولا۔ "ان دونوں پہلوؤں [illegible]"

"اب وہ کہاں ہیں؟"

"سردار کے تہ خانے میں۔" وہ بولا۔ "دوڑیں نکالنے سے لیے سردار کا ایک پیغام بھی لایا ہوں!"

"وہ کیا؟"

"ڈان اور رینی کے لیے چوبی تابوت تیزی سے تیار کیے جا رہے ہیں۔ پرسوں جو جلوس لیے تابوت جنگل میں چھوڑنے جائے گا اس میں تم بھی شریک ہو گے۔ اسی پر تمہارے اعزاز میں سردار دعوت دے گا اور وہیں تمہیں ایک انعام بھی دیا جائے گا۔"

"مگر برف باری سے راستے تو بند ہو چکے ہوں گے پھر یہ تابوت بھی برف ہی میں دب کر رہ جائیں گے!" میں نے پوچھے ہوئے کہا۔

"یہ تیرہ پیچ جارا دیکھا بھالا ہے۔ ہم گردن گردن برف میں بھی جنگل تک پہنچ سکتے ہیں۔" وہ عجیب بے نیازی کے ساتھ مسکرا کر بولا۔ "ان کے تابوتوں کو ایسی جگہ پر رکھا جائے گا جہاں پورے موسم میں برف کا ایک ذرہ بھی زمین تک نہیں پہنچ پاتا۔"

"افسوس کہ میں برف سے لدی اس وادی کی سیر نہیں کر سکتا۔" میں نے حسرت کے ساتھ کہا۔ "میرے لیے تو برف سے ڈھکی ہوئی سفید زمین پر راستہ پانا ہی دشوار ہو گا۔"

"ہاں۔ ایسی کوشش بھی مت کرنا!" وہ جلدی سے بولا۔ "اور اگر ایک آدھ روز میں برف پگھل بھی جائے تو یہ خیال رکھ کر سورج کی روشنی میں جانے تیلیے کی جو ند تو ر کا باہر نکلنا معیوب ہوتا ہے اور وارات ان کیلیے ہوتی ہے اس وقت کوئی مرد باہر نہیں نکلتا۔ تمہیں اس بات کا خیال رکھنا ہوگا۔"

"یعنی میں سیتا کے ہمراہ باہر نہ نکل سکوں گا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں۔ دن کی روشنی میں تم جہاں جاؤ کرو مگر سورج ڈھلنے کے بعد تم باہر نہیں نکلو گے ورنہ سردار اس بارے میں کسی کو رعایت نہیں دیتا۔"

"اگر یہاں اتنا سخت پہرہ ہے تو ڈان اور رینی اس لڑکی کو جنگل میں لے جانے میں کیسے کامیاب ہو گئے؟"

"انھوں نے ایک دوسرے پر الزام ڈالنے کی کوشش میں سب کچھ اگل دیا ہے۔ ان کے پاس دوربین نامی ایک ایسا حیرت انگیز آلہ ہے جو دور کی چیز کو قریب اور بڑا کر کے دکھاتا ہے۔ وہ سرحدوں پر بیٹھ کر چھت سے بستی کی عورتوں اور جوان لڑکیوں کی پہچان کر کے دیکھا کرتے تھے۔ یوں وہ بدنصیب ان کی نظروں میں آگئی اور اس روز سورج ڈھلنے پر جب وہ مویشیوں کے باڑے میں گئی تو ڈان نے اسے اٹھا لیا۔ ما را خوش میں کھیل سورج کی روشنی چھپ جانے کے بعد ہی کھیلا گیا تھا!"

وہ کافی دیر وہاں بیٹھا مجھ سے باتیں کرتا رہا اور مجھے اس نے کال کاپ کے باسیوں کے بارے میں بہت کی حیرت انگیز باتیں معلوم ہوئیں۔ وہ لوگ نہایت رحم دل اور امن پسند تھے۔ آسمان بجلی کے پجاری تھے۔ جب بھی گرج چمک شروع ہوتی تو وہ سمجھ لیتے ہیں کہ خداوند ان سے بھینٹ طلب کر رہا ہے۔ وہ فوراً ہی چار صحت مند بکرے مغلے آسمان تلے ذبح کر ڈالتے۔ ان کے خون سے بستی کا ہر فرد اپنی پیشانی پر ایک نشان لگا اور وہ اپنے اپنے جھونپڑوں میں گھس کر عبادت شروع کر دیتے جو کم از کم ڈیڑھ دن جاری رہتی تھی۔ ان کی عورتیں اپنے شوہر اور اولادوں کے سوا کسی کے سامنے نہ آتی تھیں۔ اولاد کی شادی ہوتے ہی ان سے الگ مجبور ہو جاتا تھا۔ اگر غلطی سے کوئی غیر مرد کسی گھر میں جا گھستا تو وہاں موجود عورتیں اور بالغ لڑکیاں چیخ کر ترک کر دیتیں اور جہاں جو تھیں وہیں اپنا چہرہ گھٹنوں میں چھپا کر زمین پر اوندھی لیٹ جاتیں اور اس وقت تک یوں ہی پڑی رہتیں جب تک آنے والے کو اپنی غلطی کا احساس نہ ہو اور وہ با آواز بلند اپنے آپ کو ملامت کرتا واپس نہ لوٹ جائے۔

ان میں شادی کی رسم بھی عجیب تھی۔ جب کوئی لڑکی بلوغت کی عمر کو پہنچتی تو سردار کا ایک مشیر مردانہ دربار میں باقاعدہ اس لڑکی کی صورت اور سیرت کی اچھائیاں برائیاں بیان کرتا پھر شادی کے خواہش مند لڑکے ایک ایک پتھر پر کوئی علیحدہ اور مخصوص نشانی لگا کر سردار کو دیتے۔ اس معاملے میں سردار کو اختیار تھا اگر وہ چاہے تو کسی لڑکے کو مقابلے میں شرکت سے روک دے۔ پھر تمام پتھر مٹی کے بنے ہوئے ایک رنگا رنگ تھال میں سجا کر لڑکی کے جھونپڑے پر بھیج دیے جاتے۔ لڑکی جس پتھر کا انتخاب کرتی وہی لڑکا اس کا شوہر قرار پاتا۔

چلتے وقت طبیب نے سیتا کی طرف دیکھا جو منہ چھپائے مجھ پر دل سے برف اڑا رہی تھی اور مجھ سے بولا۔ "یہ لڑکی تو بہت ضدی ہے۔ اس کے ساتھ تم کیسے گزارہ کرتے ہو؟"

"ضدی ضرور ہے مگر مجھے دیوانہ وار چاہتی ہے!" میں کہہ کر میں نے سیتا کو مخاطب کیا۔ "یہ لوگ جا رہے ہیں کیا تم انھیں الوداع نہیں کہو گی؟"

اس نے کچھ کہے بغیر ہاتھ ہلا کر اسی مخروطی کو خدا حافظ کہا۔

وہ لوگ کھلے ہوئے دروازے سے باہر نکل گئے۔ سیتا دروازہ بند کر کے کمرے میں لوٹ آئی۔

ناشتے پر سیتا کا غصہ کافور ہو گیا اور میں اسے وہ تمام باتیں بتانے لگا جو مجھے طبیب کی زبانی معلوم ہوئی تھیں۔

"مگر ہم اس مکان میں بند نہیں رہیں گے۔" وہ بولی۔ "میں نے باہر کا جائزہ لیا ہے۔ سفید اور نرم برف سے لدی ہوئی یہ وادی بہت حسین ہے۔ ہم باہر سیر کریں گے۔"

اس روز مطلع صاف تو نہ تھا لیکن بادلوں میں سرمئی سا نیا... تھا۔ ہلکے ہلکے بادل وادی میں اِدھر سے اُدھر سے نظر آ رہے تھے... ...تو اس بن وقفوں کا کوئی امکان نظر نہ آتا تھا۔ میں نے اپنے زخموں ...نے کے لیے ڈان اور رینی کے لانگ بوٹ پہن لیے تاکہ برف اور ...نمی براہ راست میرے زخموں کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ پھر میں چھڑی اٹھا ...ہاتھ لیکر سیتا کے ہمراہ باہر آ گیا۔

سیتا کے ہاتھ میں مقتول رینی ڈاکٹر اہرام کا وہ لمبا آہنی چھرا تھا جو ...ٹاپ ڈاؤن نے میری بے گناہی ثابت ہونے پر واپس کر دیا تھا۔ اس ...دو برف پر سرف کی گہرائی کا اندازہ کرنے کے لیے اپنا راستہ منتخب کر رہی تھی۔

میں قدرتی مناظر کی دلکشی میں کھو سیتا کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔ ہر ...بکھری ہوئی برف کی چادر میں جا بجا سرسبز درخت کھڑے ہوئے تھے ...زندگی اب چند ہی دنوں کی مہمان تھی پھر وہ بھی برف کی زد میں آ جائے ...ان کی برگ و بار سے محروم ننگی شاخیں برف باری کے مقابلے میں ...اس بے برگ و بار درختوں اور ٹیلوں سے بہت دور جو مقدس پہاڑی ...برف پوش چوٹیاں چمک رہی تھیں جہاں پورے سال منجمد ...سفید کہر چھائی رہتی تھی... ...ان کے آس پاس کہیں دھول گرد کا ...علاقہ تھا جہاں سبزہ ...ن اور نیلی نیلی جھیلیں... ...خوبصورت پرسکون منظر پیش کر رہی تھیں۔

کچھ دور چلنے کے بعد وہ آہنی چھرا میں نے لے لیا۔ سیتا میری ...برف پر قدم بہ قدم بڑھ رہی تھی۔ اس کے سرخ و سفید رخساروں پر ...مدھ بھری آنکھوں میں اور اس کے تند و تیز شباب میں رعنائی ...زندگی کی جھلکیاں کوند رہی تھیں۔ وہ میرے ساتھ ساتھ سنتی مسکراتی چل رہی ...تھی کہ اچانک اس کے منہ سے ایک تیز دہشت زدہ آواز نکلی اور ...بستہ قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔

میں نے بوکھلا کر اس کی طرف دیکھا تو اس کی نگاہیں کسی چیز ...پر گڑی ہوئی تھیں۔ حیرت سے آنکھیں باہر ابلی پڑ رہی تھیں۔ سیتا کی ...دہشت زدہ نظروں کے تعاقب میں میں نے بھی اسی طرف دیکھا ...تو سامنے برف پر نظر آیا اور جب اپنے اس "قاتل" پر نظر پڑی تو ...ماحول میں سانس رکتا ہوا محسوس ہوا... تمام تر جزئیات کے ساتھ میری ...آنکھوں کے سامنے متحرک ہونے لگی۔ زمین ہل رہی تھی یا وہ میرے حواس ...کا دھوکا تھا... لیتے لیتے قدموں پر کھڑا رہنا دشوار ...جھکنے کو تھا کہ میں نے آہنی چھرے کو داہنے ہاتھ میں پوری قوت سے بھینچ لیا اور ...شدت سے فوراً سیتا کے شانے کا سہارا لے لیا!

یہ کیسے ہو گیا صفدر؟" آخر سیتا کے حلق سے پھنسی پھنسی تحیر زدہ سی آواز نکلی۔

"یہاں پارس موجود ہے' راہ میں کہیں پارس ضرور ہے!" میں خوشی سے بے قابو لہجے میں بولا۔ میرا دل سینے میں یک بیک اتنی تیزی سے دھڑکنے لگا تھا کہ میں اس کی دھمک اپنی پسلیوں پر محسوس کر رہا تھا۔ میری حیرت سے اُبلی ہوئی نگاہیں انہدام سے حاصل کیے ہوئے وزنی آہنی چمٹے پر جمی ہوئی تھیں جو میں نے غیر ارادی طور پر پوری قوت سے اپنے داہنے ہاتھ میں دبایا ہوا تھا۔ سیاہ رنگ کے لمبے پھلوں والے اس چمٹے کا رنگ اب تبدیل ہو کر طلائی ہو چکا تھا۔

"پارس کے علاوہ دنیا کی کسی چیز میں یہ تاثیر نہیں کہ کالی دھات کو زرد کر سکے!" سیتا متحیر انداز میں بڑبڑاتے ہوئے چمٹے کو چھو کر دیکھنے لگی۔ پھر اس نے وہ چمٹا میرے ہاتھ سے لے لیا۔ اس عمل میں چمٹے کے دونوں پھل ٹکرائے اور ان سے جو آواز پیدا ہوئی اس میں آہنی جھنکار کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہ یقینی طور پر کسی ٹھوس اور لوہے سے زیادہ ملائم دھات کے آپس میں ٹکرانے کی آواز تھی۔ مجھے یقین ہو چکا تھا کہ معاملہ صرف رنگ کی تبدیلی کا نہیں بلکہ کسی محیر العقول واقعے کی بنا پر آہنی دھات کی ماہیئت سونے میں بدل چکی ہے۔

ہم دونوں کو اتنا تو یقین تھا کہ جب تک چمٹا سیتا کے ہاتھ میں رہا اس کا رنگ تو قائم تھا مگر میرے ہاتھ میں آنے کے بعد کسی وقت غیر محسوس طریقے پر یہ ساری تبدیلی عمل میں آ گئی۔ راستے میں ہم دونوں ہی اس آہنی چمٹے کو چھڑی کے طور پر استعمال کرتے آئے تھے۔ وادی میں ہر طرف برف کے نرم نرم اور سفید گالوں کی کئی فٹ موٹی تہ بچھی ہوئی تھی لہٰذا نادیدہ گڑھوں سے محفوظ رہنے کے انتخاب کے لیے پہلے ہم چمٹے کے پھل برف میں گاڑ کر سطح زمین کا اندازہ لگاتے پھر اپنے قدم آگے بڑھاتے تھے۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ چند سو گز کے اس راستے پر جو میری رہنمائی میں طے کیا گیا تھا، کہیں برف کی سطح سے نیچے زمین پر پارس موجود تھا جس کے مس سے لوہا سونا بن گیا تھا۔

جس گوہر مقصود کی تلاش میں ہم دونوں چوٹی کی خوفناک دلدلیں عبور کر کے دھول گری کے جان لیوا برف پوش علاقے میں جانے کا قصد کر کے ادھر آئے تھے وہ حادثاتی طور پر ہمارے آس پاس ہی کہیں موجود تھا۔ اس وقت برف ہٹانے کے لیے بیلچہ بہا نعمت تھی۔ اسی کی وجہ سے میں آہنی چمٹے کو چھڑی کے طور پر استعمال کرتا آیا اور اب ہماری کھوج کا اس مقام تک سامنے راستے پر نرم برف میں گہرے سوراخ ان مخصوص مقامات کی نشاندہی کے لیے موجود تھے جہاں آہنی چمٹے کے پھل نرم برف سے گزر کر ٹھوس زمین سے ٹکرائے تھے۔

اس وقت حیرت و مسرت کے باعث میری جو کیفیت تھی اسے بیان کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ کراچی کی [illegible] میں ملنے والے کیمیاگر نے مجھے کیمیاگری کا وہ راز بتایا تھا جس کی جستجو میں کتنے دیوانوں کا لہو چاٹ چکی تھی مگر کیا قسمت آبادی میں فردوس [illegible] تنگ و تاریک اور پُراسرار گلیوں میں رہنے والے جمال نے مجھے بتایا تھا کہ پارس کے تانبے کے بغیر کیمیا کی تیاری ناممکن ہے اور پارس [illegible] مشرقی پاکستان اور ہندوستان کی راہ سے نیپال سے تبت یا بھوٹان میں نیپال کے شہری علاقوں سے دُور دُور تھا۔ بھاندو نامی ایک افسر [illegible] آدم خور قبائلیوں سے ٹکرایا، برفانی انسان سے میرا تصادم ہوا جس کا [illegible] کی مہذب دنیا میں ایک قصہ بنا ہوا ہے اور پھر میں جیتا [illegible] کی مقدس زمین جو [illegible] میرے قبضے میں آ گئی مگر نیپال کا پُراسرار [illegible] اپنی جان کی بازی لگاتے لگاتے بھی مجھے اپنی اس بیش قیمت [illegible] کے ذخیرے سے محروم کر گیا اور اب اس کی ناجائز [illegible] سیتا کی رہنمائی میں جنگل پہاڑ [illegible] دلدلیں اور [illegible] پارس پتھر حاصل کرنے کا عزم کر چکا تھا مگر کیسی خوش نصیبی تھی کہ جس کی تلاش میں، میں جان کی بازی لگا دینے پر آمادہ تھا، میرے اس پاس ایک محدود علاقے میں کہیں موجود تھا اور مجھے صرف [illegible] برف ہٹا کر وہ پتھر زمین سے اٹھا لینا تھا..... یقیناً قدرت کو میری طویل محرومی اور بے بسی پر رحم آ گیا تھا جو مجھے اپنی مرادوں کا ساحل اتنی آسانی سے ملنے والا تھا۔

ہم دونوں نے نہایت احتیاط کے ساتھ اپنے عقب میں نرم برف میں پڑے ہوئے چمٹے کے گہرے نشان کے ارد گرد سے برف کے ڈھیر ہٹانے شروع کیے۔ برف روئی کے گالوں کی طرح نرم تھی لہٰذا احتیاط کے باوجود چند ہی منٹ میں بھوری پتھریلی زمین ہمارے سامنے آ گئی جس پر ننھے ننھے سنگریزوں کے علاوہ پتھر کے چند ٹکڑے بھی جہاں تہاں بکھرے ہوئے تھے۔

سیتا نے حیران اور پُرجوش مگر سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ "یہ کیسے پتہ چلے گا صفدر کہ ان میں پارس پتھر کون سا ہے؟"

"کیا تجھے اس کی پہچان نہیں ہے؟" میں نے ناامید لہجے میں پوچھا۔

اس نے مایوسی سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ "پارس کی کوئی خاص پہچان نہیں ہوتی۔ دھول گری کے ایک خاص علاقے میں ہر طرف چھوٹے بڑے سرمئی اور سیاہ پتھر بکھرے ہوئے ہیں۔ ان کی رنگت کے پارس پتھر بھی ہیں اور کالی دھات کو ان سے مس کیے بغیر پارس پتھر کا پتہ چلانا ناممکن ہے!"

[illegible] حقیقت [illegible] ہوئی [illegible] بھی [illegible] ذرہ [illegible] میں موجود وہ [illegible] سونا [illegible] کے طور پر جیسے توڑنے [illegible] والی وہ [illegible] گھڑی [illegible] خیرہ [illegible] پارس [illegible] کے لیے بالکل ناکارہ تھی۔

"اب [illegible] اسی وقت [illegible] سے [illegible]" بولا۔ [illegible] لگا۔

[illegible] ہوئے آہنی چمٹے [illegible] اتفاق عالم [illegible] ہوئے [illegible] اور دوسری [illegible] طلائی [illegible] کی [illegible] کا اندازہ [illegible] ممکن [illegible] آلود ہونے کی وجہ سے وقت [illegible] مجھے [illegible] اندازہ [illegible] اگر [illegible] نے چھڑی سے کام لیا تو شام [illegible] خطرے سے [illegible] پارس پتھر [illegible] کر سکتے۔

ابھی ہم تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ اچانک مجھے [illegible] آیا جو [illegible] اور [illegible] کے سامان [illegible] تھا [illegible] چلتے چلتے میرے [illegible] گم کر [illegible] چھڑی [illegible] نکالا [illegible] کہا۔ "اب [illegible] جانے کی ضرورت نہیں [illegible] ہمارے پاس [illegible] موجود ہے۔"

سیتا نے مجھ سے [illegible] لینا چاہا مگر میں نے اس کا [illegible] دیا کیونکہ وہ شوق میں [illegible] کر [illegible] بھی [illegible] ہو سکتا تھا۔

اپنے کام میں تجسس اور [illegible] رکھنے کے لیے [illegible] جہاں لوہے کی ماہیئت سونے میں تبدیل [illegible] کے نیچے چھپا ہوا [illegible] دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ [illegible] ہم دونوں کی پُرشوق اور تجسس [illegible] مگر [illegible] وہ لوہا [illegible] سونے میں تبدیل نہ ہوا۔

پھر [illegible] نشان کی طرف متوجہ ہوئے [illegible] برف کے [illegible] پتھر [illegible] زمین کا امتحان لیا گیا لیکن [illegible] بھی بے نتیجہ ثابت ہوا۔

[illegible] کے کام لیے ہوئے [illegible] سیتا نے [illegible] ہاتھ میں [illegible] تھا [illegible] وہ پارس [illegible] ہونے [illegible] پارس [illegible] سلسلہ [illegible] ہوئے سرد [illegible] برف [illegible] پتھروں کو [illegible]

[illegible] سے [illegible] تلاش [illegible] مسلسل ناکامی سے دل برداشتہ [illegible] سیتا [illegible] کی طرف [illegible] اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

[illegible] کے الفاظ پر غور کیا [illegible] دولت [illegible] کے لیے [illegible] مختلف مقاصد کی خاطر [illegible] دھاتیں [illegible] دھات کے [illegible] دھات کے سامنے [illegible] تھی اور اس [illegible] پارس [illegible] وغیرہ [illegible]

پارس [illegible] پتھریلی [illegible] سے [illegible] نگاہ [illegible] چلنے [illegible] آثار سے ظاہر ہو رہا تھا کہ [illegible]

"یہاں [illegible] ہوئے سیتا [illegible] مانو [illegible] مجھے یاد ہے [illegible] اس مقام تک [illegible] نہیں ہوا تھا۔"

سیتا نے بھی [illegible] سے اتفاق [illegible] عالم [illegible] پناہ گاہ کی طرف [illegible] بالکل [illegible] اچانک برفانی طوفان سے گھر گیا [illegible] بھی نظر آ رہا تھا [illegible] صورت میں [illegible]

میں جانکلنے کا اندیشہ موجود تھا مگر سیتا کے لیے برفانی طوفانوں میں اپنی راہ تلاش کرنا کوئی نیا کام نہ تھا۔ ہمالیہ کی وادیوں میں اس کی ساری عمر ایسے ہی بلکہ اس سے شدید طوفانوں سے کھیلتے گزری تھی۔ وہ نہایت مہارت کے ساتھ چھڑی کی مدد سے ٹھوس زمین تلاش کرتی پناہ گاہ کی طرف میری رہنمائی کر رہی تھی۔

حبیب کے علاج کے باعث میرے زخم تیزی سے بھر چکے تھے مگر ابھی جسمانی طور پر میں ایسی کسی مشقت کے قابل نہ تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں تکان کے ساتھ میرے بدن کے زخم خوردہ حصوں میں درد کی ناقابل بیان ٹیسیں سی اٹھنے لگیں مگر میں کسی نہ کسی طرح اس تیز رفتار سیتا کا ساتھ دیتا رہا۔

خدا خدا کر کے ہم پتھروں سے بنی ہوئی اس جھونپڑی نما عمارت تک جا پہنچے جو کانگا کے سردار نے ہمیں دے رکھی تھی۔ اتنی دیر میں برف کی سطح کئی انچ بلند ہو چکی تھی اور میرا ذہن اس اچانک برفباری سے اضمحلال اور مایوسی کا شکار ہو گیا تھا۔ برفباری اگر اسی رفتار سے چند گھنٹوں تک جاری رہتی تو نرم برف پر چلنے جیسے وہ سارے نشانات چھپ جاتے جن کے سہارے ہم مقامی قبائلیوں کی مدد سے پارس پتھر کی تلاش کا کام از سر نو شروع کر سکتے تھے۔

کمرے میں پہنچ کر سیتا نے طلائی چھتا لاپرواہی سے ایک طرف پھینک دیا اور اپنے لباس وغیرہ پر سے برف کے ذرات جھاڑنے لگی۔ اس لڑکی کی عمر انسانوں اور ان کی نئی تہذیب سے دور اپنی ذات کے خول میں گزری تھی۔ اسے کوئی اندازہ نہ تھا کہ لوہے اور سونے کی قیمت میں کیا فرق ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک تو یہ بس سیاہ دھات کے زرد ہونے کا عمل تھا۔

اس روز برفباری پچھلے دن سے بھی شدید تھی۔ کب شام آئی اور سورج ڈھلا، یہ پتہ ہی نہیں چلا۔ سیاہ گھٹائیں پہاڑوں سے گھری اس وادی میں یوں ٹھہری ہوئی تھیں جیسے اپنا سارا بادل ادھر ادھر ہی برسا کر ہی ٹلیں گی۔

سیتا کی محنت پھر لبستر پر اس کے حرارت آگیں قرب کی وجہ سے میرے جسم پر جڑی بوٹیوں کے لیپ کے بعد زخموں کی سوزش خاصی حد تک مندمل ہو گئی اور کسی وقت میری آنکھ لگ گئی۔

اگلے روز دن چڑھے اس طویل برفباری کا زور ٹوٹا اور وادی میں ہر طرف سورج کی حرارت سے محروم پھیکی پھیکی روشنی پھیل گئی۔ اس عمارت کے صحن میں برف کا انبار بلا مبالغہ کئی فٹ بلند ہو چکا تھا۔ مجھے تو شبہ تھا کہ اب ہم اس برف میں سے گزر بھی سکیں گے کیونکہ نرم برف کے گالوں کا یہ انبار یقینی طور پر قد آدم سے کچھ زیادہ ہی ہو چکا تھا۔

پھر یہ تیز ہوائیں چلنے لگیں۔ سورج کی کرنوں کی تپش بھی ان ہواؤں کی قیامت خیز خنکی کو کم نہ کر سکی۔ ہڈیوں میں اتر جانے والی یخ بستہ ہوائیں برف کو کھلاتی آوارہ روحوں کی طرح شور مچا رہی تھیں۔ جنگل کی جانب سے درختوں کے جھنڈوں میں سے گزرتی ہوئی ہواؤں کا سیٹیوں جیسا تیز شور عجیب ویرانی اور دل گرفتگی کا سماں باندھ رہا تھا۔ میں ہوا جب ہلاتے اس مکان کے چوبی شہتیروں کے درمیانی روزنوں سے گزرتیں تو یوں سب کچھ ہلاتے ہوئے بھی بری طرح چونک پڑتا۔ یوں لگتا اچانک پوری شدت سے ابھرتیں اور یک بیک معدوم ہو جاتیں۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا جیسے ہمارے قریب و جوار میں کوئی موذی جنگلی بلا اچانک چیخ مار کر اچانک اپنے بھٹ میں جا چھپی ہو۔

اس ہوا کے ساتھ ہی نیم نرم برفانی گالے تیزی سے پگھلنے لگے اور ہر طرف پانی کی لکیریں بہتی نظر آنے لگیں۔ اس کے ساتھ برفانی انبار کا اخراج غیر محسوس رفتار سے سمٹتے جانے لگی۔ میں بستر پر اونی کمبلوں میں چھپا یہ سب دیکھتا رہا۔ برفباری جو شمالی علاقوں میں بسنے والے شہری باشندوں کے لیے ایک تفریح اور ہلا گلا سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی۔ قریب سے کسی بھیانک دکھائی دے رہی تھی۔ اگر ہوا نہ چلے تو سالانہ صحت کی باشندے اپنے مکانوں میں محصور بلکہ مدفون ہو کر رہ جائیں اور ہوا چلے تو ہڈیوں تک میں اتر جانے والی سردی کے عذاب سے بچنا محال ہو جائے۔

وہ پورا دن اسی شور میں گزر گیا اور بستی کی طرف سے کوئی ادھر نہ آیا۔ میں جانتا تھا کہ ان طوفانی ہواؤں اور پگھلتے ہوئے یخ بستہ دھانوں میں باہر نکلنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ یہ ہوائیں غیر محسوس طریقے پر انسانی نظام پر اثر کرتی ہیں اور جب اچانک اعضائے رئیسہ ان کا شکار ہوتے ہیں تو معاملے کی سنگینی کا احساس ہوتا ہے مگر یہ ہواؤں کا شکار ہونے والے کی زندگی کے آخری سانس ہوتے ہیں اور اس وقت مرض کا تدارک ناممکن ہوتا ہے۔

موسم تیسرے روز بھی بگڑا ہوا تھا مگر برف کے جھکڑ بند ہو چل کر رہ چکے تھے۔ مجھے اس روز بستی سے کسی خبر کی امید تھی کیونکہ اس دن ڈھلان اور دریچوں کو چوبی تابوتوں میں بند کر کے مرغ جھونپڑیوں کے حوالے کرنے کا پروگرام طے تھا۔

دوپہر کے قریب جب سردی سے ٹھٹھرتی ہوئی سورج کی کرنوں میں کچھ جان پڑی تو بستی سے ایک سہ نفری جماعت آئی۔ وہ ہم دونوں کے لیے چیتے کی کھالوں کے بنے ہوئے دو لباس لائے تھے تاکہ ہم سردی سے محفوظ رہتے ہوئے بستی تک جا سکیں۔

میں اس مکان میں پڑے پڑے اکتا چکا تھا۔ بستی میں پہنچنے کے بعد میں سرگرمی سے پارس پتھر کی تلاش کے سلسلے میں کچھ مدد حاصل

کرنی تھی۔ ہم دونوں فوراً ہی تیار ہو کر ان کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ چیتے کی کھال سے بنے ہوئے لباس ایسے تھے کہ ان میں پورا جسم چھپ جاتا۔ سر اور چہرے کو ہوا سے بچانے کے لیے اسی کھال کی ٹوپیاں تھیں جن میں صرف آنکھیں اور ناک کا نچلا حصہ کھلا رہ جاتا تھا۔

راستے میں ہر طرف برف اور یخ بستہ پانی کی نالیاں سی بہتی نظر آ رہی تھیں۔ انہیں عبور کرتے ہم تھوڑی ہی دیر میں بستی کے قریب جا پہنچے۔ وہاں مقامی باشندے گرم ملبوسات میں لپٹے اپنے جھونپڑوں کے ان بوسیدہ حصوں کی مرمت کر رہے تھے جنہیں شدید برفباری سے نقصان پہنچا تھا۔ اس کام میں وہ سب ایک دوسرے سے تعاون کر رہے تھے مگر وہاں دور دور تک کسی عورت کا سایہ بھی نظر نہ آتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ بستی صنف نازک سے خالی ہو۔

کھلے میدان سے جھونپڑوں کے درمیان آ جانے پر سیتا نے اپنے سر اور چہرے پر منڈھی ہوئی بال دار چمڑی ٹوپی الٹ دی اور جب انہوں نے دیکھا کہ سورج کی روشنی میں ایک عورت کو یوں کھلے بندوں گھومتے دیکھ کر تقریباً تمام مقامیوں کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی ہو جاتی تھیں اور وہ سیتا کے بارے میں دبی دبی آوازوں میں تبصرے کرنے لگے مگر یہ غنیمت تھا کہ ہم سے کسی نے تعرض نہ کیا۔ غالباً پوری بستی ہی کو علم ہو چکا تھا کہ وہاں دو اجنبی آئے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے جنبی کی آبرو کے نشیب و فراز میں بہت جلد کیفر کردار کو پہنچ جانے والے تھے۔

ہمارے سفر کا اختتام پتھروں کے بنے ہوئے ایک بلند اور حویلی نما مکان پر ہوا۔ یہاں بستی کا بوڑھا طبیب ہمارا منتظر تھا۔ اس نے بڑی محبت سے ہمارا استقبال کیا۔ پھر ہم دونوں کو ساتھ لے کر حویلی کے عظیم الشان پھاٹک سے اندر داخل ہو گیا۔

حویلی کے کچے صحن میں مضبوط شہتیر گاڑ کر ایک عارضی چھپر بنایا گیا تھا جس کے نیچے کچھ مقامی لوگ لکڑی کے دو تابوتوں کا آخری جائزہ لینے میں مصروف تھے۔ قریب ہی ایک تپائی پر بہت بڑا نقارہ رکھا ہوا تھا اور چھپر سے ذرا دور حویلی کی اصل عمارت نظر آ رہی تھی۔

طبیب کو اس قبیلے میں خاص مرتبہ حاصل تھا۔ وہ صرف معالج ہی نہ تھا بلکہ اپنے سردار کا معتمد مشیر اور راز داں بھی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے گہری نظروں سے دونوں تابوتوں کا جائزہ لیا۔ کاریگروں سے ان کے بارے میں کچھ سوالات کیے پھر چوبدار کو نقارہ پیٹنے کا اشارہ کیا۔ نقارے پر چوٹ پڑی اور فضا ایک بھیانک آواز سے گونج اٹھی۔ جب پر سیتا غیر ارادی طور پر اچھل پڑی۔

سیتا کے چونکنے پر طبیب مسکرایا تھا۔ "یہ ہمارے قبیلے کا خاص نقارہ ہے جسے جنگ، دعوت یا خوفناک سزاؤں کے موقعے پر بجایا جاتا ہے۔ اس کی آواز میں عجیب دہشت پائی جاتی ہے۔" مقامی مصنف سیتا نے کہا۔ "ہم دو لوگ اپنے دشمنوں کو سزا دینے سے پہلے..."

میں اس موضوع پر طبیب سے کچھ دریافت کرنے ہی والا تھا کہ اچانک حویلی کی عمارت کی جانب سے ایک شور ابھرا۔ ساتھ ہی ایک بوڑھا کی پتھریلی عمارت سے نکلتی نظر آئی۔

آنے والوں میں بستی کا دراز قامت اور مضبوط جسم والا سردار پیش پیش تھا۔ اس نے کسی دھاری دار چیتے کی کھال بڑے فاخرانہ انداز میں اپنے جسم کے گرد یوں لپیٹ رکھی تھی کہ اس کا بایاں شانہ اور بازو برہنہ تھا۔ دائیں شانے پر اس کا پالتو شکرا نہایت سکون سے بیٹھا ہوا تھا۔ اس شکرے کی پنڈلیوں کی پشت بھی بھورے حصے کا رنگ ملا خوفناک چونچ کے قریب دونوں طرف سیاہ دھبے نمایاں تھے۔ گلے کے علاوہ سارے بدن پر شکستہ سیاہ لکیریں نظر آ رہی تھیں۔ ناخنوں پر چمڑے کا خول چڑھا ہوا تھا۔ وہ گرد و پیش سے بے نیاز بے حد آسودہ اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔

سردار کے پیچھے ڈاکن بر کی اور دیو ذکر تماشا نہ عبرت بنے آ رہے تھے۔ ان کے الجھے ہوئے خشک بال، بڑھی ہوئی داڑھیاں، گندے اور پھٹے ہوئے کپڑے، ان کے چہروں کی وحشت کو نمایاں کر رہے تھے۔ ان مصائب کے عادی نہ ہونے کی وجہ سے وہ پچھلی راتیں بے خوابی کے عالم میں گزارتے رہے تھے کیونکہ ان کی آنکھیں سرخ اور ورم آلود ہو رہی تھیں۔ ان دونوں کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور بہت سے مسلح افراد کی ایک ٹولی انہیں ہانکتی ہوئی چھپر کی طرف لا رہی تھی۔ سب سے آخر میں ایک شخص اپنے سر پر ایک وزنی ٹوکرا لیے چلا آ رہا تھا۔

یہ جلوس چھپر کے نیچے آ کر رک گیا۔ سردار نے قریب آ کر بڑی گرم جوشی سے میرا شانہ دبایا۔ سردار میری مزاج پرسی میں مصروف تھا کہ اچانک اس کا شکرا کریہہ اور تفصیلی آواز میں چیخا۔

سردار نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور بائیں ہاتھ سے ہولے ہولے اس کی پشت سہلانے لگا۔ سیتا سہم کر میرے شانے سے آ لگی۔

"وہ شاید اس لڑکی نے شکرے کو چھیڑا تھا۔" سردار مجھ سے کہہ رہا تھا۔ "اسے بتا دو یہ شکرا بہت خونخوار ہے اور پل بھر میں دشمن کی آنکھیں نوچ لیتا ہے۔ اس سے چھیڑ چھاڑ نہیں اسے زندگی بھر اٹھانی پڑے گی۔"

"تو نے اسے چھیڑا تھا؟" میں نے پلٹ کر سیتا سے پوچھا۔

"میں نے تو بس ہاتھ ہلایا تھا۔" وہ دونوں سے بھیگی ہوئی۔

"اور یہ مردو زن بڑی آسانی سے بچ نکلا!"
... سے ناراض ہوا اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

"صورت ہی سے جونک لگتا ہے۔" وہ پھر بڑبڑا کر بولی۔
اسی وقت ڈان بیرین خود پر قابو پاتے ہوئے تھرائی ہوئی آواز میں سردار سے مخاطب تھا۔ "کیا ہم بیٹے سے پہلے بھی کوئی ہوتے موت دی جانے ہے؟"

"ہاں!" سردار کا لہجہ اٹل تھا۔ "سرخ چیونٹے تمہارا مقدر قرار پاچکے ہیں۔"

"مجھے تم سے اتنی بے رحمی کی توقع نہیں ہے سردار ملنگا، میں مرنے کو تیار ہوں مگر خدا کے لیے کوئی آسان موت تجویز کرو۔"
ڈان کی آواز کانپ رہی تھی۔

"دشمنی کے ساتھ تم نے کون سی رعایت کی تھی ابھی ہاں تو!"
مجھے تمہاری پسند کا خیال کروں!" سردار ملنگا کی آواز میں نفرت و نفرت کے کوندے لپک رہے تھے۔ "اور موت کی دوسری صورت بھی کم بھیانک نہ ہوگی، ابو لوکس اور موت کے لیے تیار ہو!"

"وہ کیا ہے؟" ڈان بیرین کا لہجہ تجسس سے بھرپور تھا۔
"میرا شکرہ تمہاری بوٹیاں نوچے گا۔" سردار کا لہجہ سرد اور سپاٹ تھا۔ "میں تمہیں یہاں سے بھاگ نکلنے کے لیے ایک دن کی مہلت دیتا ہوں، پھر میرا شکرہ آزاد فضاؤں میں بلند ہوگا۔ میں نے اسے شکار سنبھالنے کے لیے سدھایا ہے۔ اس مہلت کے بعد تم جہاں اور جس حال میں ہو گے یہ تمہارے لیے تکے اڑا دے گا۔"

"نہیں نہیں!" ڈان ہذیانی انداز میں بڑبڑاتے ہوئے لڑکھڑا گیا پھر اچانک اس پر ہانگ کا دورہ سا پڑ گیا اور وہ اول فول بکنے لگا۔
سردار کا معالج خاص لوٹوں میں لائی ہوئی خاص مشروبات چھوٹی تابوتوں میں انڈیل رہا تھا۔ ان کے سامنے سرخ چیونٹوں کو فوراً متوجہ کیا جاسکتا تھا۔ پھر ڈان اور دری کو زرد رنگ کے مشروب کے پیالے پیش کیے گئے۔ وہ دونوں شاید کافی پیاسے تھے فوراً ہی سارا پیالہ پی گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے بے سدھ ہو کر زمین پر ڈھیر ہو گئے۔

ان دونوں کے ہاتھ کھول دیے گئے اور ان کے ساکت جسموں کو تنگ تابوتوں میں ڈال دیا گیا۔ اس سے پیشتر ان کے بدن سے سارے کپڑے تنگ کر دیے گئے تھے۔ پھر ان کے جسموں پر بھی کوئی چیز ملی گئی، پھر سردار کے اشارے پر تابوتوں کے ڈھکنے مضبوطی سے جڑ دیے گئے۔

میرے استفسار پر مترا نے بتایا کہ دونوں مجرموں پر سیال کا

اثر محض وقتی ہے ... انھیں محض اس لیے بے ہوش کیا گیا تھا تاکہ تابوتوں ... بند کیا جاسکے۔

ایک شخص نے نقارہ بجانا شروع کیا ... اور بیٹے بھی ... چوٹ لگاتا حویلی کے احاطے سے نکل ... چند مضبوط مقامیوں نے دونوں تابوت ... کندھوں پر اٹھالیے ... ہم دونوں اور اپنے معالج کے ہمراہ آخر ... تھا۔

شاید نقارے کی پہلی چوٹ کسی خاص اعلان کی حامل تھی ... باہر نکلے تو پورا میدان مقامی مردوں سے بھرا ہوا تھا۔ ان میں ... جوش و خروش بلکہ اشتعال پایا جاتا تھا۔
باہر نکلتے ہی نقارے کی آواز یک لخت تیز ہو گئی۔ سردار ... آگے بڑھ کر جلوس کی رہنمائی کی بیٹری لی۔ میں سیتا سمیت اس ... پیچھے تھا۔ پھر نقارہ بردار شخص جس کے بعد دونوں چوبی تابوت تھے۔ بستی کے مشتعل اور مغموم مردوں کے قافلوں کو ان کے انجام ... پہنچانے کی نیت سے چل رہے تھے۔

اس دوران میں میرے ذہن میں بار بار پارس پتھر کا خیال سر اٹھاتا رہا۔ میں پہلی فرصت میں سردار ملنگا کے معالج خاص سے اس انوکھے تجربے کے بارے میں گفتگو کرنی چاہتا تھا۔ میں پارس پتھر کے حصول سے ابھی تک بڑا نا امید تھا۔ میرا دل کہتا تھا کہ اگر سب ہی مقامیوں کی مدد سے میں اس پورے علاقے کا جائزہ لوں تو کہیں نہ کہیں پارس پتھر دریافت ہو ہی جائے گا مگر اس وقت یہ بات چھیڑنے کا موقع نہ تھا۔ قاتلوں کی آخری رسوم نے سب کی ... تمام لوگوں کے دلوں پر معصوم و مظلوم لڑکی بنی کے سوگ کے اثرات گہرے ہو گئے تھے۔

نقارے کی تیز اور وحشیانہ گونج پر جلوس تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اچانک چوبی تابوتوں میں سے کسی ... ڈان کی وحشت زدہ ... چیخیں ابھرنے لگیں۔ شاید وہ دونوں ہوش میں آچکے تھے اور اب خود کو بے دست و پا محسوس کرتے ہوئے خوف زدہ ہو گئے تھے۔

ان کی چیخوں کی کسی نے پروا نہ کی بلکہ وہ غصے سے ... بکنے لگے اور کبھی رو رو کر فریاد کرتے۔ مشتعل ہجوم ... کے جواب میں عجیب خاموشی طاری ہوئی تھی۔ نقارے کے شور کے سوا ... کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔
رفتہ رفتہ جلوس کی رفتار مزید تیز ہو گئی ... بعد سب لوگ دائرے کی صورت میں تابوتوں کے گرد ... قبائلی نے ایک لمحے کے لیے ہاتھ روک کر دفن ہونے ...

چوٹ لگائی اور سارے مقامی بلند آواز میں کوئی نامعلوم گیت گاتے تابوتوں کے گرد ناچتے آگے بڑھنے لگے۔ گیت میں بار بار بنی کا نام آرہا تھا جس کی بنا پر میں نے اندازہ لگایا کہ وہ شاید اپنے عقیدے کے مطابق بنی کی روح کی مغفرت کے لیے دعا گو ہیں۔
تھوڑی دیر بعد کالی کاپ کے مضافاتی جنگل کے آثار نظر آنے لگے۔ وہاں داخل ہونے کے بعد تابوتوں کے گرد پھیلے ہوئے مقامیوں کو مجبوراً قطار کی صورت میں سمٹنا پڑا کیونکہ وہاں راستہ بہت تنگ تھا۔ چند گھنٹوں کی پگڈنڈیوں سے گزرنے کے بعد جلوس یک بیک جنگل کے ایسے حصے میں جا پہنچا جہاں پر سو گھری تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ زمین پر سورج کی براہ راست روشنی کا گزر کہیں نظر آتا تھا۔ ہاں تو لوں اور شاخوں سے منعکس ہو کر زمین پر پڑنے والی روشنی کی وجہ سے آنکھیں قریب و جوار کا مرسری سا جائزہ لے سکتی تھیں۔
سردار ملنگا کے داہنے شانے پر بیٹھا ہوا خوفناک شکرہ سارے راستے خاموش اور پرسکون رہا تھا مگر نقارے کے شور سے سارے جنگلی پرندے خوف زدہ آوازیں نکالتے ادھر ادھر اڑتے پھر رہے تھے قریب ہی راستے سے جنگلی جانوروں کی وحشت زدہ آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ مگر اس جلوس کی جانب کسی درندے نے رخ نہ کیا۔
اونچے اونچے درختوں سے گھرے ایک کشادہ خطے میں پہنچ کر سردار رک گیا۔ یہاں زمین بالکل خشک پڑی ہوئی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ برف یہاں زمین تک پہنچ ہی نہ پاتی تھی۔ سردار کے اشارے پر دونوں تابوت اتار کر ایک درخت کے دیوہیکل تنے کے قریب رکھ دیے گئے۔
"ملنگا خدا کے لیے ہم پر رحم کرو۔" اچانک ایک تابوت سے ڈان بیرین کی کپکپاتی ہوئی آواز ابھری۔
"ظالموں کے ساتھ رحم کرنا سب سے بڑی بے رحمی ہے!" ملنگا نے جواب دیا۔
"تم بے حس، وحشی اور درندے ہو۔" دری حلق پھاڑ کر چیخا۔ "تم پر بہت جلد مسیح کا عذاب نازل ہوگا اور تم اپنی ہی پہاڑوں میں پس کر رہ جاؤ گے۔"
سردار ملنگا نے ان کی ذلیل اور قاتل کی ہرزہ سرائی پر کوئی توجہ نہ دی۔ نقارہ کی آواز تیز ہوئی، پھر سب لگے ہوا ہے کی ... تابوتوں کے گرد پھیل گئے۔
پھر اچانک میں نے ایک ہولناک منظر دیکھا۔ چوبی تابوتوں پر بہلائی گئی تیز خوشبو نے جنگل کے سرخ چیونٹوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھی۔ جنگل کے اس حصے میں پھیلی ہوئی ہلکی روشنی میں قریبی درختوں کے تنوں پر سے بہتے ہوئے سوراخوں سے بے شمار بہتے ہوئے سرخ چیونٹے نکل رہے تھے۔ وہ باہر آکر لمحہ بھر کے لیے شاید اپنی خوراک کی سمت کا اندازہ لگاتے پھر تابوتوں کی طرف چل پڑتے!

اور جب ان کی پہلی قطار تابوتوں تک پہنچی ... سے چیخنے کی آوازیں ابھریں اور مجھ سی تو سردار ملنگا نے بے اختیار دعائیہ انداز میں اپنے ہاتھ بلند کیے اور زیر لب کچھ بدبدانے لگا۔ دوسرے لوگوں نے بھی اس کی تقلید کی۔ ... سیتا کو ارشاد کیا اور ہم بھی اس دعا میں شریک ہو گئے۔ مجھے چونکہ اس دعا کا مقصد معلوم نہ تھا لہٰذا میں نے اپنے مقصد کے حصول کا میابی کی ... سلامت واپسی کی دعا مانگنی شروع کر دی جبکہ میرے نزدیک یہ سنگدلی کی باتیں یا ڈان اور دری کی سزا پانی سے زیادہ اہم تھا۔
ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے درختوں سے بے شمار چیونٹے ابل پڑے اور ہر سمت سے سرخ حشرات الارض کی لکیریں سی ناچ کر تابوتوں پر رینگنے لگیں۔ اپنے جسموں پر چیونٹوں کی سرسراہٹ محسوس کر کے وہ دونوں زخمی ہوئے جانوروں کی طرح تیز آوازوں میں چیخنے لگے۔
طویل اور عبرتناک سزا کا آغاز ہو چکا تھا۔ ملنگا اور دیگر لوگوں نے دعا ختم کی اور مجرموں کو وہیں سسکتا چھوڑ کر واپس خاموشی سے بستی کی جانب ...
"ان مجرموں پر حیف، انصاف کی طرف سے ظلم کا بہی ... بیٹھتا!"
کچھ دیر کی خاموشی کے بعد سردار ملنگا نے مجھ سے کہا۔
"میں تم لوگوں کے کردار سے بہت متاثر ہوں سردار!" میں نے اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔
"میں نے تم دونوں کے اعزاز میں بستی میں ایک بڑی دعوت کا انتظام کیا ہے اور یہ تم کو ایک ایسے انعام سے نوازا جائے گا جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوا ہے!"
"میری جان بچانا تمہارا احسان ہے، ملنگا کے سردار!" میں نے آہستہ سے کہا۔ "تمہارا انعام میرے لیے باعث عزت ہے مگر میں اس کے علاوہ تم سے کچھ اور بھی چاہوں گا۔"
"کچھ اور؟" سردار نے حیرت سے کہا۔ شاید میری یہ بات اس کو زیادہ پسند نہیں آئی تھی۔
"ہاں سردار... شاید میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ دھوال گری جاتے ہوئے ستم ظریفی کا شکار ہو گیا تھا۔"
"ہاں ہاں... مجھے یاد ہے!" سردار بولا۔ "...
"دھوال گری کے علاوہ میں پارس پتھر کی تلاش میں ہوں ... تلاش تھی۔"
"اوہ!" سردار یک بیک مضطرب ہو گیا۔ "پارس پتھر جس کے لمس سے کالی دھات زرد ہو جاتی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ دو دھات کس قدر قیمتی ہوتی ہے؟"
"میں یہ سب جانتا ہوں سردار اور یہی واقفیت مجھے تجربے کے شوق سے ان ہولناک ویرانوں میں لے آئی ہے مگر وہ ... پیش آیا کہ میری عقل دنگ رہ گئی ہے۔"

"کیسا!" قوم…

اس نے مختصر الفاظ میں اسے ابھی چھٹنے کے سوتے میں تبدیل ہوتی کہانی سنا دی۔ مہر رخ خاموش، بالکل خاموش سے ان کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

"یعنی تو کہتا ہے کہ میری اس بستی میں پارس پتھر موجود ہے!" وہ میرے خاموش ہونے پر جوشیلی آواز میں بولا۔

"ہاں سردار — میرا تجربہ تو یہی کہتا ہے۔"

"میں اسی کی کوشش میں تیری مدد کروں گا۔" وہ اضطراری انداز میں سیدھا ہو کر بولا۔ "میرے دل میں کمال کا بیٹ کی ترقی کے بڑے ارمان تھے مگر… اتفاق ہے یا کچھ اور ہے لیکن یہاں کا موسم بہت خراب ہے۔ کبھی پوری فصل ہاتھ نہیں آسکی۔ پھر بھی اس کے عوض بہت کم ہو کے تاجروں سے اتنا سامان لے آتے ہیں کہ پورا سال کسی نہ کسی طرح گزر جاتا ہے۔ اگر یہاں وہ قیمتی پتھر واقعی موجود ہے تو یہاں کا چپہ چپہ جان مازا ہوگا۔ مگر اس پتھر کی دریافت پہ میرا ابھی حق ہوگا!" وہ اس معاملے میں بہت زیادہ پرجوش اور جذباتی ہو گیا تھا۔

پارس پتھر کا بیٹا شریک ہے… ارادوں پر ایک ثابت ہوا اور میں نے نیم دلی سے کہا۔ "سردار! مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔!"

"وہ پتھر تیرا ہوگا — اسکے بعد میرا اور تیرے ساتھیوں کا حق ہوگا۔"

سردار نے یہ کہا تو میری جان میں جان آئی۔

"برف باری شروع ہونے سے پہلے ہی تلاش کی مہم کی ابتدا ہو جائے تو بہتر ہوگا۔" میں نے دبے لفظوں میں تجویز پیش کی۔

"وقت کی بات تیرا اعتراض بھی ٹھیک ہے۔" سردار نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "پتھر پہلے معبد میں دعوت کی تیاریاں مکمل ہیں۔ البتہ کل سویرے ہی ہم نئے کام کی ابتدا کر دیں گے۔!"

میں نے سیتا کو بھی اس تمام گفتگو سے آگاہ کر دیا۔ اسے سردار کی باتیں سن کر حد درجہ دلچسپی پر خاصی حیرت ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ سردار کو… ڈھول گری میں پارس پتھر کی موجودگی کا علم ہوگا۔

پھر دیر تک کسی نے یہی سوال سردار سے دہرایا۔ "کیا ان اطراف میں کسی کو علم نہیں کہ ڈھول گری کے علاقے میں پارس پتھر ملتا ہے۔؟"

سردار نے پورے یقین سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ "ہم لوگ بس ڈھول گری کا نام ہی سنتے آئے ہیں۔ ادھر جانے والا راستہ انتہائی خطرناک اور ناقابل عبور ہے اور آج تک کوئی ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔ کوئی نہیں جانتا کہ ڈھول گری میں کیا ہے۔؟"

"بڑی عجیب بات ہے!"

"لیکن تم یہ بتاؤ کہ ڈھول گری کیسے پہنچو گے کیونکہ یہ سارا علاقہ تمہارے لئے اجنبی ہے۔" سردار نے کافی دیر کے بعد… کے ایک پہلو پر توجہ دی۔ پارس پتھر پر سردار منگل کی بڑھتی ہوئی دلچسپی مجھے… لگ رہی تھی۔

"نہیں کہہ سکتا…" شیدا نے اس سوال کا جواب قدرے سوچ کر دیا۔ "یہ تو قسمت کی بات ہے۔ اگر ہم دونوں سلامت کالاگر پہاڑ کی گھاٹیوں میں داخل ہونے کے بعد… تک پہنچ گئے تو… کو ہم… اپنے انجام کو پہنچ چکے ہوتے۔!"

اس موضوع پر گفتگو یہیں ختم ہو گئی۔ سردار منگل کسی گہری فکر میں کھویا ہوا نظر آ رہا تھا۔

واپسی اسی وسیع پتھریلی حویلی پر ہوئی جہاں پہلے… کو تابوتوں میں بند کیا گیا تھا لیکن اس وقت عمارت کا حلیہ بدلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ عمارت کا ایوان… صاف کیا جا چکا تھا۔ رنگین مٹی سے خوبصورت… بنا دی گئی تھی۔ میدان میں… جنگلی پھولوں سے بھری ہوئی ٹوکریاں لئے موجود تھے۔ جیسے ہی ہم لوگ عمارت کے احاطے میں داخل ہوئے سامنے کھڑے ہوئے… ایک دلکش استقبالیہ نغمہ شروع کیا۔ ساتھ ہی وہ ٹوکریوں سے جنگلی پھول نکال کر ہمارے آگے راستے پر بچھانے لگے۔

معبد کی مضبوط اور سنگلاخ عمارت کے دیوہیکل دروازے پر سفید لبادوں میں ملبوس تین افراد موجود تھے۔ ان میں ایک شخص بہت زیادہ عمر رسیدہ اور بارعب تھا۔ اس کی سفید داڑھی اور بھنووں کے ساتھ بال روئی کی طرح سفید تھے جنہیں سیاہی نام کو بھی… اس عمر میں بھی خاصے مضبوط تھے۔ وہ کسی سہارے کے بغیر اپنے قدموں پہ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے گلے میں پتھر کی چند مالائیں… بھی جھول رہی تھیں۔!

اس کاہن نے پروقار انداز میں پہلے سردار کی پیشانی پر بوسہ دیا پھر میری پیشانی چومی اور ہمیں عمارت میں داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ سیتا یہاں نظرانداز کئے جانے پر برہم سی ہو گئی تھی اور گستاخ انداز میں اکڑ کر چل رہی تھی جیسے اس طرح وہاں اپنی موجودگی منوانا چاہتی ہو۔!

"تمہاری بیوی نے… کی تنظیم میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔" سردار منگل کا مصاحب توتل مجھ سے سرگوشیانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "وہ بہت بڑے اعزاز کی مستحق ہے۔ مگر ہمارے قبیلے میں مرد غیر عورتوں سے کبھی مخاطب نہیں ہوتے۔!"

اونچی ڈھلواں دار چھت والے وسیع کمرے میں ہر طرف… مشعلیں روشن تھیں۔ اور پتھریلے مستطیل پر ایک تخت بچھا ہوا تھا۔ وہاں جاتے ہوئے مجھے سیتا کو سمجھانے کا موقع مل گیا مگر میری وضاحت پر وہ اور زیادہ چڑچڑی ہو گئی۔ "کیا یہ لوگ عورت کو حقیر مخلوق سمجھتے ہیں۔ آخر تیرے لئے ان میں اور… میں کیا فرق ہے؟"

"ذرا ٹھنڈے دماغ سے کام لو۔ ممکن ہے یہ لوگ جلد ہی اس کی تلافی کر دیں!" میں نے سیتا کا ہاتھ دبا کر قدرے سخت لہجے میں کہا اور وہ منہ پھلا کر خاموش ہو گئی۔

خوشبوؤں سے مہکتے اس وسیع کمرے میں مرصع تخت پر کاہن اور سردار نے مجھے اور سیتا کو بٹھا لیا گیا۔ توتل بھی وہیں آ بیٹھا۔ باقی لوگ… کناروں پر بیٹھتے چلے گئے۔ بیٹھنے کے بعد ایک… بڑے بڑے تھال اٹھائے اندر داخل ہوئے اور وہ ہال بھنے ہوئے اشتہا انگیز خوشبو سے مہک رہا تھا۔

جب گوشت کے تھال ہر ایک پہنچائے گئے تو سردار کے اشارے پر کھانا شروع ہوا۔ گوشت کا ذائقہ محسوس کر کے میری اشتہا بھڑک اٹھی۔ اتنا لذیذ گوشت زندگی میں کبھی نہ کھایا تھا!

کھانے کے بعد لوگ ہٹ کر دیواروں سے جا لگے اور… آگئے۔ انہوں نے فحش حرکات سے عاری چند مقامی رقص پیش کئے جو… مطالب کرتے تھے۔

سردار منگل نے بھرپور انداز میں مجھے اور سیتا کو خراج تحسین پیش کیا۔ پھر ایک یادگار انعام کا اعلان کیا۔

توتل کے شانے پر ہاتھ رکھ کر میں نے وہ نامعلوم انعام قبول کرنے کا اعلان کیا… پرجوش نعروں سے خیر مقدم کیا گیا۔ سیتا اس تمام کارروائی پر خاموش تھی… کیونکہ یہ زبان اس کے لئے بالکل اجنبی اور ناقابل فہم تھی۔

"ہماری بستی میں وہ صدیوں پرانی رسم چلی آ رہی ہے کہ مہمان کو تحفہ…" سردار منگل کہہ رہا تھا۔ "شاید ہمارے مہمان کو اب تک علم ہو چکا ہو کہ… شادی تک لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کے صورت آشنا نہیں ہوتے۔ جس کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کی سیرت… خوبیاں اور خامیاں محبت کے اس… کے سامنے عیاں ہو جاتی ہیں۔ پھر شادی کا… میری اجازت سے مخصوص رنگ لگا کر ایک پتھر… کر دیا جاتا ہے اور… پتھر کے رنگا رنگ تھال میں… جو کوئی پتھر کا انتخاب کرتا ہے اس کا بھیجنے والا… اس کا شوہر قرار… آج… اس رسم میں ہم نے یہ طریقہ بدل دیا ہے۔!"

… دربار میں موجود لوگ اس اعلان پر… ہو گئے تھے۔ میں نے بوکھلا کر سیتا کی طرف دیکھا مگر وہ بیزاری سے چھت کی طرف گھور رہی تھی۔

"اپنے معزز مہمان کے لئے ہم نے بستی کی سب سے حسین ترین لڑکی کا انتخاب کیا ہے جس کے سامنے چاند کا منہ… ہے جس کی آواز… شرمندہ… لڑکی کی مخصوص… کے مطابق ایک لڑکی اسے… سردار کی… نخروں اور… کے… مگر میں شادی شدہ ہوں!" میں توتل کے قریب… کر…

اچانک توتل کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور وہ… کی پرواہ کئے بغیر تیز آواز میں غرایا۔ "ابھی… تہذیب… محسنوں کی توہین کی جائے!"

توتل کی تیز آواز پر ہال میں پرخاموشی کا سناٹا چھا گیا۔… بدمزگی کا سبب جاننے کے لئے بے چین تھا۔

"کیا بات ہے توتل؟ معزز مہمان کی تہذیب… کیا شکوہ پہنچا ہے؟" سردار منگل نے… بات کرتے ہوئے سوال کیا۔

"جانتے ہو مہمان سے خود پوچھ لے معزز منگا!" توتل…

"معزز سردار! میرا مقصد توتل کی دل آزاری ہرگز نہ تھا۔" میں نے… کا جائزہ لیتے ہوئے نرم اور خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"تو نے اس سے کیا کہا تھا؟"

"تم نے مجھے جو عزت بخشی ہے سردار! میں اس کا ہرگز مستحق نہ تھا۔ یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے جسے قبول کرنا میری خوش نصیبی ہوگی مگر میں نے توتل کو بتایا کہ میں شادی شدہ ہوں۔ اگر اس قبیلے کی کوئی نازنین میرے سپرد کر دی گئی تو میں ڈرتا ہوں کہ شاید اس سے انصاف نہ کر سکوں۔"

"مگر تو پہلے ہی وہ انعام قبول کرنے کا اعلان کر چکا ہے۔" سردار کا لہجہ بھی بگڑ گیا۔ "سردار کے الفاظ عہد کے برابر ہوتے ہیں کیا اب تو ہمارا انعام ٹھکرا کر ہمیں ذلت سے دوچار کرنا چاہتا ہے۔!"

بگڑتے ہوئے حالات نے مجھے حواس باختہ کر دیا اور میں جلدی سے بولا۔ "یہ لڑکی میری بیوی ہے سردار… شاید یہ اس بات کو کسی قیمت پر گوارا نہ کر سکے کہ اس کا مرد کسی دوسری عورت کے تعلق سے بھی پہچانا جائے۔ توتل کو اس کے مزاج کا خوب تجربہ ہے۔"

"ہمارے قبیلے کا کوئی سردار اپنی عورت کے سامنے اتنا بے بس نہیں ہوتا۔" سردار برہم ہو گیا۔

"میں اس انعام سے انکار نہیں کرتا سردار!" میں نے حالات سنبھالنے کی کوشش میں جلدی سے قطع کلامی کی۔ "یہ انعام تو میرے لئے عزت اور اعزاز کا باعث ہے۔ میری بات کو غلط سمجھا گیا۔ میں توتل کو صرف یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ میری بیوی تند خو ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں اس کی کسی زیادتی کے باعث مجھے اس بستی میں نظریں نیچی کرنی پڑیں۔!"

"کیا تو صرف یہی واضح کرنا چاہتا تھا؟" سردار کے لہجے میں شبہات رقصاں تھے۔

"ہاں سردار!" میں نے گہرے خلوص کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "صرف اتنی سی بات تھی۔ تمہارا انعام سے انکار میرے لئے بدنصیبی ہوگا۔"

میرے اس بیان پر… چھائی… کی نگاہوں میں اب بھی… وہ پہلا سا خلوص نہیں رہا تھا۔

"کیا یہ لڑکی جانتی ہے کہ ہماری جانب سے اسے کیا اعزاز دیا جانے والا ہے؟"

سردار نے سیتا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ یہ مقامی زبان سے بالکل ناواقف ہے۔" میں نے جلدی سے کہا: "میں خود مناسب موقع پر اسے پوری بات بتا دوں گا۔"

پھر تیر چلنے کے بعد بار بار ان تینوں سرداروں کی ہلکی پھلکی گفتگو خاصی مردانہ معلوم ہو گی۔ لوگ جہولیں تک پینچی سے عجیب فریب اور مضحکہ خیز نعرے بلند کر رہے تھے۔ سردار نے موقع میں آ کر مجھے بھی ان کے درمیان دھکیل دیا اور مجھے مجبوراً ان مضحکہ خیز اعمال کو دیر تک حصہ لینا پڑا۔ مقدس کاہن اپنے دونوں ساتھیوں سمیت تخت سے اتر کر کہیں جا چکا تھا!

یہ ہنگامہ کم و بیش دو گھنٹے جاری رہا۔ پھر مقدس کاہن کی آمد کے اعلان کے ساتھ ہی سب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ میں واپس تخت پر چلا گیا۔ سوائے سیتا کو موجود نہ پا کر میں نے بے چینی سے ہال کا جائزہ لینا شروع کیا۔ میرے اضطراب کو محسوس کر کے توتل نے بتایا کہ سیتا رقص کے دوران ہی خاموشی سے اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔

لیکن سیتا کے بارے میں اسی وقت مجھے پتا چلا کہ مقدس کاہن بستی کا ایک سنگین تھال لیے تخت کے پاس پہنچا۔ خوشبوؤں سے بسے ہوئے اس تھال میں سات بڑے بڑے بتے بچھے ہوئے تھے جن میں سے ہر ایک پر رنگین مٹی سے کچھ تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ مجھے ان میں سے ایک پتے کا اور اس کے ذریعے قربانی کی لڑکی کا انتخاب کرنا تھا!

میں دھڑکتے دل کے ساتھ ان سات پتوں کا باری باری جائزہ لے رہا تھا۔ اس وقت میں سیتا اور اپنی موجودہ مشکلات کو یکسر فراموش کر چکا تھا۔ ان میں سے ہر پتے کی جانب مجھے بستی کی ایک گوری حسینہ مسکراتی نظر آ رہی تھی۔ ہال میں موجود لوگ میرے انتخاب کا منظر دیکھنے کے لیے میرے گرد سمٹ آئے تھے۔ آخر میں نے آہستگی سے ان میں سے ایک پتہ اٹھا لیا۔

وہ پتہ اٹھاتے ہی پورا دربار مسرت آمیز نعروں سے گونج اٹھا اور مقدس کاہن نے ان نعروں کے درمیان میرے انتخاب کا اعلان کیا۔

وہ پتہ جیتنے والی لڑکی کا نام لاتی تھا۔ وہ سترہ برس کی دراز قد حسینہ تعلق رکھتی تھی۔ مقامیوں کی پرجوش مبارکباد کے درمیان مقدس کاہن مجھے ہجوم سے نکال کر ایک بغلی دروازے کی راہ سے معبد کے ایک عقبی کمرے میں لے گیا۔ سردار تنگا اور اس کا مصاحب بھی ہمراہ تھا۔

اس کمرے میں ہر طرف خوشبوئیں بکھری ہوئی تھیں۔ وسط میں سرخ پھول اور جنگلی بیلوں کی ایک مسہری موجود تھی جس کے سرہانے ایک موٹی شمع روشن تھی۔ "تمہیں انعام مبارک ہو مقدس مہمان!" سردار تنگا خوشی سے بھرپور لہجے میں بولا: "لاتی تھوڑی دیر میں یہاں پہنچا دی جائے گی اور معبد کا یہ کمرہ تم دونوں کی خوشیوں کا امین بنے گا۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ میں لاتی کو اپنی موجودہ قیام گاہ پر بلوا لوں؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" مقدس کاہن نے کہا: "اس وقت سے طلوع سحر تک اور اب اس بستی میں کوئی مرد کسی بھی سمت تنہا نہ نکل سکے گا۔ تمہارا وقت لاتی کے ساتھ رہے گا اور ہم لوگ یہ رات دربار ہال میں گزاریں گے۔"

"یعنی صبح میں لاتی کو وہاں لے جا سکوں گا؟" میں نے پوچھا۔

بالکاہن کا جواب اثبات میں تھا۔

کاہن اس کے بعد وہاں سے لوٹ گیا۔ تنگا اور توتل بھی پتھر کی تلاش کے بارے میں تبادلہ خیال کرنے لگے۔ تھوڑی دیر قبل دربار میں حماقت کی وجہ سے جو کدورت پیدا ہو گئی تھی اب صاف ہو چکی تھی۔ اور وہ دونوں طے کر چکے تھے کہ پتھر نذر کی رسم ادا کرنے کے بعد وہ تینوں مل کر مجھ پر چیزوں کے مہروں کے ساتھ زنجیر باندھ کر چھوڑ دیں گے تاکہ آسانی سے اس پتھر کا سراغ لگایا جا سکے۔

ان دونوں کے چلے جانے کے بعد میں کچھ دیر وہاں تنہا رہا تھا۔ کے رواج کے مطابق وہ میری بیوی بنائی جا چکی تھی لیکن میرے ذہن پر سیتا کے وجود کا بوجھ تھا۔ دوستی کے لیے تاحال ناکام تھی۔ میں نے لاتی سے پیچھا چھڑانے کی کوشش تو کی لیکن اس میں مجھے بری طرح ناکامی ہوئی تھی اور اب میں سارے مسائل کو بھول کر محض اس پیکر کا منتظر تھا جس کا حسن اس بستی والوں کے لیے باعث افتخار تھا۔ محروم و نامحروم اور گناہ و ثواب کی ساری باریکیاں میرے ذہن سے ہو چکی تھیں۔

پھر بیرونی دروازے سے کسی عورت کی کانپتی ہوئی آواز ابھری جس میں کسی کے بڑی بے چینی تھی: "بستی کے بہادر کو اس کا انعام مبارک ہو! اس کی دلہن آ پہنچی ہے۔"

میں نے چونک کر ادھر دیکھا اور دروازے میں ایک کو دیکھا۔ تیزی سے دلہن کے سامنے سے گزر کر کہیں معدوم ہو گیا اور خوشبوؤں میں بسی شرم و حیا کی ایک گٹھری چوکھٹ پر تنہا کھڑی رہ گئی۔ میں شوق نظارہ سے ادھر بڑھا مگر وہ سر سے پا تک ایک سیاہ چادر میں یوں پوشیدہ تھی کہ اس کی قامت و جسامت تک کا اندازہ لگانا دشوار تھا۔

"لاتی!" میں نے قریب ہو کر محبت آمیز اور مضطرب لہجے میں کہا۔

اس ساکت انبار میں ہلکی سی جنبش پیدا ہوئی۔ گھونگھٹ اٹھانے کے لیے میرے ذہن پر ایک طاری ہوئی۔ بہانے کے لیے اس بستی کی کیا رسم تھی! پھر میں نے اس بیہودہ خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ رسم جو کچھ بھی ہو اس کا مقصد ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اس کی پاکیزگی کی بنیادی طور پر ہی بندھی تھی اور میں لاکھ بے غاناں کی ایک بندھن میں بندھا ہوا مرد تھا۔

میں نے بڑھ کر اس گٹھری کو اپنی بانہوں کا سہارا دیا اور اٹھا کر مسہری پر ڈال دیا۔ اس کے وجود سے اٹھتی ہوئی مہک نے مجھے [illegible]

اب جو میں نے گھونگھٹ الٹ کر اس کا چہرہ دیکھا تو میرا سارا جوش و خروش کافور ہو گیا۔ میرے سامنے لاتی کی بجائے سیتا تھی۔

شمع کی بھڑکتی لو کی روشنی میں سرخ پھولوں اور جنگلی بیلوں کی سیج کی طرف بڑھتا ہوا میں شوق کے عالم میں لرزتی نگاہوں سے اس کی ایک جھلک دیکھ رہا تھا۔ یہ سب اس کے لیے سجائی گئی تھی۔

لڑکی کے وجود میں تیز سانسوں نے ایک طوفان سا برپا کر رکھا تھا۔ اس کے لرزتے ہوئے وجود کو محسوس کر کے میرے دل کی دھڑکنیں بے قابو ہونے لگیں مگر میں کسی نہ کسی طرح اپنے جذبات پر قابو پا گیا۔

دھڑکتے دل کے ساتھ میں نے آہستہ سے اس کا گھونگھٹ اٹھا دیا اور پھر ساکت رہ گیا۔ ایسی حسین صورت میں نے کبھی تصور میں بھی نہ دیکھی تھی۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں دراز پلکوں کی چلمن کے پیچھے چھپ کر مجھے دیکھ رہی تھیں۔ گلاب کی پنکھڑیوں جیسے نازک ہونٹ اور سفید دانتوں کی قطار جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو مگر آواز نہ نکل رہی ہو۔ سرخ رخسار، کشادہ پیشانی، وجاہت آمیز نقوش، ستواں ناک اور اس کے نیچے صراحی دار شہابی گردن... میں کئی منٹ تک حیران اور بے خودی کے عالم میں اسے دیکھتا رہا۔

میرا والہانہ شوق دیکھ کر اس کے چہرے پر وحشت کی جگہ ایک شرمیلی مسکراہٹ ابھر آئی۔ پھر اس نے شگفتگی سے اپنی پلکیں اٹھائیں اور دیر تک مجھے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے اپنے نازک ہاتھ سے شمع کی لو مدھم کر دی۔

چند ثانیوں تک میری بصارت نے کچھ کام نہ کیا۔ میرا ہاتھ دل کی کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا مگر اس کے دل کی دھڑکن بھی میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔ آخر مجھے اس کا وجود نظر آیا۔ پھر مسکراتی نظریں چار ہوئیں اور میں اس کے قریب جا پہنچا۔

وہ میری زندگی کی مختصر ترین رات تھی جو بہت جلدی بیت گئی۔ کاش وہ رات ختم نہ ہوتی۔ میری آتش شوق اس کے پہلو میں قرار نہ پا سکی۔ وہ رات یوں گزری جیسے کوئی خواب۔ جب دروازے کی راہ سے روشنی کا دھندلکا اندر آیا تو مجھے خیال آیا کہ ایسے میں توبہ توبہ رات بھی ختم ہو گئی!

میں نے آخری بار نظر بھر کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی غزالی آنکھوں میں آسودہ مسکراہٹ رقصاں تھی۔ میں جھک کر اسے رخصت کرنے لگا اور بولا: "میں جا رہا ہوں۔" میں نے اس سے کہا۔

"جاؤ، مگر میرا نام بھی بتا جاؤ۔" اس نے ترنم اور ملاحت بھرے لہجے میں کہا۔

"میرا نام صفدر ہے لاتی!" میں نے بے اختیار کہا۔

وہ اپنا نام دہراتی رہی اور مسکراتی رہی۔

معبد میں سب لوگ گہری نیند سو رہے تھے۔ تنگا، توتل، کاہن اور ان کے ساتھی مرجھائے ہوئے تخت پر دراز تھے۔ میں بھی ان کے درمیان جا کر لیٹ گیا مگر نیند نہ آئی۔

پھر رات گئے کئی گھنٹوں میں نیند کا خمار ہوا تو ان میں کہیں سے بھی سیتا کا خیال آیا۔ وہاں میں عجیب سے جذبات جنم لے رہے تھے۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ واقعی میری شادی کی پہلی رات ہو۔ بار بار یہ آرزو ہو رہی تھی کہ اس وقت لاتی یہاں اپنے بے تکلف وجود کے درمیان ہوتا۔ وہ کچھ کہتی کچھ سنتی، زندگی کے بارے میں پوچھتی، اس کا جواب دیتے ہوئے مجھے کچھ کہنا آتا۔ اس کی بے چینی سے لطف اٹھاتا اور اپنی خوش نصیبی کی پیروی کرتا!

مگر وہاں کوئی نہ تھا جسے میری گزری ہوئی رات کا علم ہوتا۔ وہ لوگ بیدار ہوئے تو کسی نے مجھ سے لاتی کے بارے میں کوئی سوال نہ پوچھا۔ معبد کے خادموں نے وہیں ناشتہ فراہم کیا۔ تنگا اور توتل نے ایک بار پھر پتھر کے بارے میں بات چھیڑ دی!

ناشتہ سے فارغ ہو کر جب لوگ واپسی کے لیے اٹھے تو میری نظریں بار بار اس بغلی دروازے کی طرف اٹھ رہی تھیں جس کے اس پار لاتی میری منتظر تھی۔ میری اس حد سے بڑھی ہوئی بے چینی کو توتل تاڑ گیا۔

"کیا میری قیام گاہ پر پہنچا دی جائے گی؟" اسے دیکھ کر میں نے پوچھا۔

وہ میرے قریب آ کر رازدارانہ لہجے میں بولا۔

"جی جناب! آپ اس کی فکر نہ کریں۔"

"سیتا کا کیا ہو گا؟" اس رات کے بعد وہ کہیں نظر نہ آئی تھی۔ اچانک توتل نے پوچھا اور میں چونک پڑا۔ اپنے جیسی ایک زندہ انسان کی شخصیت میں ڈوب کر میں سیتا کو بالکل ہی بھول بیٹھا تھا۔ وہ ہماری معروف شخصیت تھی لیکن میری وجہ سے بھی محروم ہو گئی تھی۔ معبد میں آنے کے بعد وہ جس لاتعلقی کا شکار ہو گئی اس سے ظاہر تھا کہ شاید وہ ناراض ہو کر وہ رات ہی کہیں نکل گئی تھی۔ نہ جانے اب وہ کہاں اور کس حال میں بسر کر رہی تھی اور اب وہ کہاں تھی؟

"مجھے کچھ علم نہیں توتل!" میں نے گھبرا کر کہا: "کچھ لوگوں کو اس کی تلاش پر مامور کرو۔ وہ بہت حساس اور خوددار لڑکی ہے۔ اگر مایوسی کے عالم میں اس نے خود کو نقصان پہنچا لیا تو میں خود کو کبھی معاف نہ کر سکوں گا۔"

"اگر وہ مل جائے تو اسے پکڑ دیا جائے؟" توتل نے دریافت کیا۔

"نہیں۔ اس کے ساتھ کسی گستاخی کی ضرورت نہیں۔ وہ جہاں کہیں بھی ملے اس کی دور سے نگرانی کی جائے اور فوراً مجھے اطلاع دی جائے!"

معبد سے نکلنے کے بعد سردار اور توتل چند ضروری امور نمٹانے چلے گئے تاکہ میری قیام گاہ کے قریب جو زمین پتھر کی تلاش کے کام کی ابتدا کر سکیں۔ اس کے بعد توتل وہ نشانیاں دیکھنے کے لیے بے چین تھا جو مجھے بتا چکا تھا۔

میں تھکا ہوا اور تھوڑی دیر میں اپنی قیام گاہ پہنچا تو وہاں سیتا کا کہیں پتہ نہ تھا۔ میرا ذہن اب مسلسل اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا مگر میں مجبوراً وہیں پر رکنے پر مجبور تھا۔

انتہائی اہم مسئلے پر بولتے ہوئے اس نے پہلے کا طلائی مدپ دیکھا [illegible] حیرت سے اچھل پڑا کیونکہ پہچانتا تھا اس وقت بھی دیکھ چکا تھا جب یہ اسے ملا تھا۔

"ابھی زمین صاف ہے، دھوپ بھی نکلی ہوئی ہے۔" سردار جلد ملک سے بولا۔ "فوراً تلاش شروع کر دینی چاہیے ورنہ برف گرنے لگی تو نہ جانے کتنے دن انتظار کرنا ہوگا۔"

"مگر میں شاید اس علاقے کی ٹھیک نشاندہی نہ کر سکوں۔" میں نے کہا "اس بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کے لیے ہمیں سیتا کو تلاش کرنا ہوگا۔"

دوپہر تک کالی گلاب کا چپہ چپہ دیکھ لیا گیا مگر سیتا کا کہیں سراغ نہ مل سکا بلکہ اس کے ساتھ کچھ ایسی عجیب اطلاعات موصول ہوئیں جن کی بنا پر میری پریشانی بڑھتی چلی گئی۔

سب سے پہلے جنگل کی طرف جانے والی ایک جماعت نے خبر لا کر دی کہ ژوان اور ہدری کے چاول کے بیوپاریوں کو کسی نے قتل کر ڈالا ہے اور اب ان دونوں مجرموں کا کہیں پتہ نہیں ہے۔ گو ان لوگوں کو اس بارے میں سیتا پر ذرا بھی شبہ نہ ہو سکا مگر میں خوب جانتا تھا کہ وہ جتنی معصوم نظر آتی ہے اس سے کہیں زیادہ خطرناک بھی ہے۔ کالی گلاب والوں نے اسے نظر انداز کر کے اس کے وجود میں شدید مستقل ردعمل پیدا کیا تھا۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد دوسری خبر یہ آئی کہ زعفران کے کھیتوں کے جتنے حصے تھے رات میں آگ نے خاکستر کر دیا۔

یہ تشویشناک خبریں سن کر سردار [illegible] لگا تھا۔ فوراً ہی ایک جماعت نے تباہ شدہ کھیتوں کا معائنہ کرنے چل دیا۔ کچھ لوگ کھیتوں کی چوکیداری پر روانہ کر دیے گئے البتہ توتل میرے پاس رہ گیا۔

"بستی میں یہ سب کیا ہو رہا ہے مصنف؟ تمہارا کیا خیال ہے؟" توتل نے متفکرانہ لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

"یہیں کوئی دشمن قبیلہ تو یہ سب حرکتیں نہیں کر رہا؟" میں نے خیال ظاہر کیا۔

میرے اس تجربے پر توتل [illegible] انداز میں ہنسا پھر بولا "مجھے تو سیتا کی روپوشی اور ان واقعات میں کچھ تعلق محسوس ہو رہا ہے۔"

شاید مجھے انکار میں سر ہلانا پڑا "نہیں وہ ہرگز ایسی حرکات نہیں کر سکتی۔ بھلا اس میں اسے کیا فائدہ حاصل ہونے لگا؟"

"فائدے کی بات نہیں۔" توتل سنجیدہ ہو گیا "میرے دوست! میں انسانی ذہن کو پڑھنے میں ملکہ رکھتا ہوں۔ میرا اندازہ ہے کہ سیتا انانیت پسند شخصیت ہے۔ اس کی خودسری کا تو تم بھی اندازہ کر چکے ہو۔ وہ ہر جگہ اپنی ذات کو لوگوں کی توجہ کا مرکز بنانا چاہتی ہے لیکن بدقسمتی سے کالی گلاب کی رسوم بہت مختلف ہیں۔ ہماری سردمہری سے شاید وہ مشتعل ہو کر ان حرکات پر اتر آئی ہو تاکہ اپنی اہمیت منوا سکے۔"

"نہیں — میں سیتا کو اچھی طرح جانتا ہوں۔" میں نے بظاہر پُراعتماد [illegible] وہ معصوم لڑکی [illegible] بے ضرر تو ایسی حرکات پر نہیں اتر سکتی۔"

"پھر بھی میری رائے یہ ہے کہ سیتا کو اب جلد از جلد تلاش کر لینا چاہیے۔ اگر ان حرکات کی پشت پر وہی سرگرم ہے تو اس کے لیے بڑے خطرات ہیں۔ ان لوگوں نے ان کی [illegible] کو آتش زدگی کر کے بہت برا کیا ہے۔"

"توتل — مصنف کے لیے [illegible] سیتا معصوم ہے وہ یقیناً کسی گمنام گوشے میں پڑی ہوگی اور جب اس کا غصہ سرد ہوگا تو وہ خود میرے پاس آ جائے گی۔"

"ایسا ہوا تو سب سے زیادہ خوشی مجھے ہوگی۔"

پھر سردار شام تک واپس آیا تو بہت زیادہ برہم تھا "نہ جانے کون [illegible] پڑ گیا ہے اور ابھی تک اس لڑکی سیتا کا بھی کوئی پتہ نہیں چل سکا۔"

"سیتا خود ہی لوٹ آئے گی سردار! آخر ہمیں پارس کی تلاش میں بھی تاخیر نہ کرنی چاہیے۔" میں نے موضوع بدلنے کی خاطر جلدی سے کہا "کسی حد تک میں بھی اس علاقے کی نشاندہی کر سکوں گا۔"

یہ بات سردار کی سمجھ میں آ گئی اور وہ سب لوگوں کو لے کر باہر نکل پڑا۔ میں نے اپنے اندازے کی بنا پر اس علاقے کی نشاندہی کی جہاں میری دانست میں پارس پتھر کی موجودگی کا امکان تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سردار کے آدمی اس علاقے میں پھیل گئے اور جہاں جہاں برف جمی ہوئی تھی اسے صاف کرنے لگے۔ کچھ لوگ پتھروں کا ایک [illegible] کے پیچھے [illegible] باندھ دی گئیں۔

سورج غروب ہونے سے ذرا دیر پہلے تک اس علاقے میں پارس پتھر کی تلاش پورے زور و شور سے جاری رہی مگر سوائے ناکامی کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ پھر بڑی تیزی کے ساتھ تلاش کی مہم ختم کر دی گئی تاکہ سورج ڈوبنے سے قبل وہ لوگ بستی میں اپنے اپنے جھونپڑوں تک پہنچ سکیں اور میں اپنی پناہ گاہ میں لوٹ آیا۔

مکان میں پہنچا تو ایک خوشگوار حیرت میری منتظر تھی۔ میری غیر موجودگی میں لاچی کو وہاں پہنچا دیا گیا تھا اور وہ مکان کی صفائی میں مصروف تھی۔ میری آہٹ پاتے ہی وہ میری طرف لپکی اور میرے سینے سے لپٹ گئی۔ وہ گہرے گہرے سانس لینے لگی جیسے شدید بھاگ دوڑ کے بعد جنگلی درندوں کے نرغے سے اسے نجات ملی ہو۔

"تم یہاں کب آئی؟" میں نے اسے قریب پا کر اپنی پریشانی میں نمایاں کمی محسوس کی۔

"ملکشتی کی پالکی والے کافی دیر پہلے مجھے یہاں اتار گئے ہیں۔" وہ بولی "مگر بستی سے الگ تھلگ اس تنہا مکان میں مجھے ڈر لگ رہا تھا۔ کئی بار یوں محسوس ہوا جیسے کوئی چھپ کر میری نگرانی کر رہا ہو۔"

[illegible] اس روز [illegible] ایسا [illegible] کیا تھا [illegible]

[illegible] برداشت نہ ہو سکا [illegible] سیتا [illegible] نے کہاں تھی اور صاحب کیا مقصود بنا رہی تھی۔ میں اس سے مل کر [illegible] تھا کہ وہ کالی گلاب والوں سے [illegible] کھیل رہی ہے۔ توتل سیتا پر اپنے شبہات کا اظہار کر چکا تھا۔ اگر یہی بات عام ہو [illegible] سیتا ان کی مجرم قرار پائی [illegible] بھی شدید عذاب میں گرفتار ہو جاتا۔

"میں نے سنا تھا کہ سرخ بالوں اور نیلی آنکھوں والی ایک خوبصورت [illegible] بھی تمہارے ساتھ یہاں آئی تھی مگر وہ مجھے کہیں نظر نہیں آئی؟" لاچی نے [illegible] بالوں سے کھیلتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں تم نے ٹھیک سنا تھا۔" میں گہرا سانس لے کر بولا "وہ [illegible] ہو گئی ہے۔"

"کیا اسے سردار نے کوئی الگ جھونپڑا دے دیا ہے؟"

"نہیں وہ مجھ سے ناراض ہے اور کہیں جا چھپی ہے۔"

لاچی اس کے بارے میں جاننے کے لیے بہت بے چین تھی مگر میں نے اسے ٹال دیا۔ اس لڑکی کو حسن کے ساتھ ہی قدرت نے ایک سادہ ذہن بھی عطا کیا تھا [illegible] بات کہاں تک [illegible] سیتا [illegible] خلاف [illegible] بحث نہیں کی بلکہ [illegible] کوشش [illegible]۔

میں اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود سونے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ پہلی رات کی بیداری، لاچی کے ساتھ گزارنے والی مصروفیات پھر دن بھر کی بھاگ دوڑ کے بعد میرا سارا بدن ٹوٹ رہا تھا۔ جسمانی تمام آرام کا طالب [illegible] ذہن [illegible] بے چین کیا ہوا تھا۔ آخر میں نے ایک بار پھر لاچی کے [illegible] کا سہارا لیا اور خود کو اس کے وجود کی [illegible] تنہائیوں میں گم کر لیا۔

اگلی صبح جب میں بیدار ہوا تو میرا ذہن بوجھل سا ہو رہا تھا۔

آنکھیں ملتے ہوئے میں نے بستر پر نگاہ ڈالی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ لاچی کا وہاں کہیں پتہ نہ تھا۔ اس کی جگہ سیتا میرے ساتھ سوئی ہوئی تھی۔

اس حیرتناک دریافت پر میں چند لمحوں کے لیے مبہوت سا رہ گیا [illegible] ہوئی سیتا [illegible]

[illegible] سوال [illegible] اس نے اپنی خمار آلود آنکھیں کھول دیں۔

"سیتا! تم [illegible] واپس کب آئی؟" میں نے اسے [illegible] سوال کیا۔

"ارے [illegible] کون سو رہی تھی؟" جواب دینے کے بجائے سیتا نے [illegible] مجھ سے سوال کیا۔

"وہ کہاں ہے سیتا!" میں نے جلدی سے پوچھا۔ "میرے شدید انکار کے باوجود وہ لڑکی انعام کے طور پر میرے حوالے کر دی گئی تھی مگر وہ گئی کہاں؟"

"وہ لڑکی زبردستی تیرے حوالے کی گئی تھی تو اس میں کھو کر مجھے بھول گیا۔"

"نہیں سیتا!" میں بولا "تیری جانب سے فکرمند تھا اور اگر میں اس کو ٹھکرا دیتا تو سردار میرا دشمن ہو جاتا۔"

"میں خوب جانتی ہوں مصنف!" سیتا نے پہلی بار مجھے ایسے لہجے میں مخاطب کیا کہ میں چونک پڑا "اس بستی والوں نے دانستہ مجھے نظر انداز کیا پھر ایک لڑکی تیرے حوالے کر کے مجھے تیرے پیار سے محروم کرنا چاہا۔ تو سمجھتا ہے کہ میں غافل تھی۔ میں رات درختوں میں چھپی سارا کھیل دیکھ رہی تھی۔ یہ تمام حرام کام تھے۔ اس نے مجھے ایسی حسین لڑکی کے جال میں پھانسا تھا کہ میں تیری قربت کو ترستی رہ جاتی۔ رات میں دیکھ چکی ہوں کہ تو اس پر کس حد تک فریفتہ تھا مگر اب وہ کبھی میری راہ میں حائل نہ ہو سکے گی۔"

سیتا کے یہ الفاظ میرے اعصاب پر کسی بم کی طرح گرے اور میں نے اسے تقریباً جھنجوڑ کر رکھ دیا "وہ کہاں ہے؟ تو نے لاچی کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟"

"میں نے ژوان ہدری کو [illegible] کر دیا۔" وہ فاتحانہ لہجے میں بولی "کالی گلاب والوں کی زعفران کی فصلوں کو آگ لگا دی پھر جب میں نے اس ناہنجار لڑکی کو تیری آغوش میں دیکھا تو میرا صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ میں نے ایک بوٹی کے سفوف سے تم دونوں کو بے ہوش کر دیا۔ اس لڑکی کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا اور میں نے تیرے پہلو میں اپنی جگہ سنبھال لی۔"

"مگر وہ ہے کہاں؟"

"اس کی یاد ستا رہی ہے؟" سیتا اس وقت حسد و رقابت کی زندہ تصویر بنی ہوئی تھی "آ میرے ساتھ آ۔ شاید اسے دیکھ کر تیرے ارمان ٹھنڈے ہو سکیں۔"

"سیتا! وہ لڑکی معصوم ہے وہ اپنی بستی کی رسوم کا نشانہ بنی ہے۔ وہ خود سے میرے پاس نہیں آئی بلکہ میرا دل بہلانے پر مجبور کیا گیا ہوگا۔"

سیتا کچھ نہ بولی اور مجھے ساتھ لے سیدھی اس کوٹھری پر پہنچی جہاں ژوان اور ہدری نے [illegible] قید کیا ہوا تھا [illegible]۔ میں دیوانہ وار اس کی طرف لپکا مگر چند قدم ہی پر مجھے رکنا پڑا۔ دہشت سے میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ لاچی کے حسین [illegible] حیرت اور [illegible] سے سیکڑوں گوشت خور چیونٹیاں چمٹی ہوئی تھیں اور اس کا بدن [illegible] ساکت تھا۔

میں نے دہشت زدہ نظروں سے سیتا کی جانب دیکھا اس کا چہرہ

حفاظت سے جنگل پار ہو جانا تھا۔ نیلی آنکھوں میں اطمینان رقصاں تھا۔ وہ کرید رہا تھا کہ تیز اور کاموں کی بیوی کی طرح سر نیہوڑائے کھڑی تھی۔

"تو نے سنا کیا سیتا؟" سبھی کے حلق سے دوری دوری آواز نکلی۔ "وہ بھی معصوم تھی، وہ کسی طرح سزا کی مستحق نہ تھی۔ تو نے بڑی سنگدلی سے اسے موت کا حکم دیا ہے۔"

"اس لڑکی میں اور مجھ میں کوئی فرق نہ تھا۔" وہ غصیلے لہجے میں بولی۔ "تو نے ہی مجھے بتایا تھا کہ شادی کے بغیر مرد اور عورت کا تعلق بہت بڑا گناہ ہوتا ہے اور لاچی نے یہ گناہ کیا تھا۔ یہی جرم تو اس نے وریں نے ثوبی کے ساتھ کیا تھا۔ اگر کالی گپھا والے کسی کو سزا دیتے ہیں تو میں نے بھی لاچی کے لیے وہی سزا منتخب کی ہے۔"

"ہر بستی کی رسم مختلف ہوتی ہیں۔" میں نے اس کی آواز کی گہرائی کو کنویں سے آتی محسوس کی۔ "کالی گپھا کی رسم کے مطابق تو ہر بیوی جل جاتی تھی۔"

"ایک معمولی سی وجہ بنا کر انہیں بخشتے۔" وہ ترش لہجے میں غرائی۔ "اگر اپنی بستی کا کوئی خوبصورت مجھے بخشش دینا تو گوارا کر لیتا کہ تیری سیتا کسی اور کا ہو جائے؟ وہ تو پچی کی طرف نہیں بڑھا تھا، وہ خود تیرے پاس آئی تھی اور میں نے اسے وہ سزا دی جس کی وہ مستحق تھی۔ میری زندگی میں دنیا کی کوئی عورت میری حق تلفی کر کے زندہ نہیں رہ سکتی۔"

"معاملہ واقعی بڑھ چکا ہے۔" میں نے بمشکل اپنی آواز میں کہا۔ "اب ان سوکھی ٹہنیوں کو یہاں سے ہٹانے کی صورت نکال ورنہ لاچی کے بعد ہم بھی آخری سانس لے سکتے ہیں۔"

"جب تک لاچی کی ہڈیوں پر گوشت کا ایک ریشہ بھی باقی ہے یہ کہیں نہ جائیں گے۔ میں نے ان کے ترشنے ہوئے کا بہت سے وہ منظر دیکھا ہے۔ لاچی کے جسم کے خاص حصوں پر لگائی گئی جوان سرخ چیونٹی سے بچنے کی کوشش بیکار ہے۔ یہ چیونٹے بھی اسی جنگل سے لائی تھی اور اب میں جب چاہوں ان کا مقابلہ کر سکتی ہوں۔"

"بہت برا ہوا سیتا! اب ہم اس بستی میں نہ رہ سکیں گے۔ کسی کو لاچی کی موت کی بھنک بھی لگ گئی تو ہم دونوں کا حشر خراب کر دیا جائے گا۔"

"بستی جانے کے بجائے اب یہاں سے نکلنے کی فکر کرنا ہوگی۔ یہ بھی دیکھ چکی ہوں کہ ننگا کو یہاں بارش کی تیزی کی کوشش میں بھی طرح ناکامی ہوئی ہے۔"

میں کو ٹھری کو اپنے مضبوطی سے مقفل کر دیا اور واپس رہائشی خیمے میں لوٹ آئے۔

تھوڑی دیر بعد توتل آیا۔ ہم نے اس کی سخت موسم کے باعث اس نے باہر ہی سے مجھے آواز دی۔ اندر آنے سے توقف کے بعد میں نے اسے اندر بلا لیا۔ سیتا خود کو سنبھال کر بیٹھی اور بڑے اندازے میں پوچھا: "یہ واپس آ گئی ہے؟" "ہاں یہی" نیل بابا پرچھائی کے انداز میں پوچھا: "یہ کسی مکان کی طرف گئی ہے۔"

پریشانی ہوئی تھی اور جنگل کے آدمی مل کے ساری بستی میں ڈھونڈتے پھرتے رہے۔ خزاں اور ریشمی فریب کے باوجود اپنے انجام تک پہنچنے کے لیے ابھی تک یہ عقدہ حل نہ ہو سکا کہ انہیں آزاد کرنے والا کون تھا۔ "وہ کہاں نہ پکڑے گئے؟" میں نے وحشی کے انداز کے ساتھ پوچھا۔

"سردار نے پوچھا تھا کہ ان کے تعاقب میں اعلان کیا تھا اور خوفناک درندہ آدمی رات کو اس جلد بازی میں لوٹ لے کر آ سکے جسے ہم پہچان اور ہمارے پرتاں خون میں تھے۔ اگر وہ ہمیں منھوں کو بھی بار رکھتے تو لوگوں کو جنگل کی گہری کھائیوں میں قید کر دیتے۔"

"مصیبت سے میں نے اس ہنگامے میں بات کی کوئی بھی فکر نہیں انہیں بے جان ہو کر نکلے۔ وہ کالی گپھا والوں کی احسان مند ہے۔ اس کی ہر طرف بستی سے ہی جواب دیا ہو چکا ہے۔" میں نے توتل کے ذہن سے خوفناک خیالات جھٹکنے کی کوشش کی۔

"زعفران کی فصل کا نقصان نہیں بہت مہنگا پڑے گا۔ ابھی کالی گپھا والوں پر نگہداری کا سایہ نظر آتا ہے۔" توتل تنگ پڑنے لگا۔ "اگر میری مدد قبول کرو تو شاید یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے۔" میں نے اپنے دل کی تکہ سے مجبور ہو کر فراخدلانہ پیشکش کی۔

"وہ کیا؟" توتل نے حیرت سے پوچھا۔

"میرے پاس جو سونے کا ٹکڑا ہے وہ میں سردار کی نذر کر کے پیش کروں۔ بہت سوں سے زیادہ سونا شاید بہت کچھ کر سکے اور پرانے دام دلاسکے کہ کالی گپھا والوں کی ضرورت بات پوری ہو سکیں۔"

یہ سن کر توتل خوش ہو گیا۔ "تو واقعی بہت ہمدرد ہے۔ میں ابھی واپس جا کر سردار سے بات کروں گا۔" یہ سنا جب کہ مرتا ہوا دروسی انداز بھی کچھ ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اچانک توتل نے لاچی کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ "اس بد نصیب لڑکی کا نام آتے ہی میرا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔ وہ واقعی بے حد حسین اور وفادار لڑکی ہے۔" میں نے کہا۔

"میں نے کیا اسے بری بیوی کی حیثیت سے قبول کر لینے کا" توتل نے میری دکھتی رگ کو چھیڑا۔

"لاچی کا رویہ سیتا کے ساتھ اس قدر بدتمیزانہ تھا کہ مجھے مجبوری میں جانے کا بہانہ ملا جو ایسے جھوٹ بولنے میں کانپ رہا تھا۔"

"شاید مگر لاچی کا باپ کہے گا۔" توتل بولا۔ "اپنی اکلوتی بیٹی سے اسے بے پناہ محبت ہے۔"

توتل کی آخری بات سن کر میرا دماغ بڑا پریشان ہو گیا۔ میں توتل یا سردار سے تو لاچی کے قتل کا واقعہ چھپا سکتا تھا مگر لاچی کے باپ کو مطمئن کرنا ناممکن تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اگلے دن علی الصبح ہی یہ فیصلہ کرنا تھا کہ یہاں سے فرار ہو جانا تھا ورنہ یہ آگ مجھے بھی جلا ڈالتی جو لاچی کو قتل کی سزا میں ملی تھی۔

رخ بچھتے ہوئے ہیں۔

توتل کے روانہ ہونے کے بعد میں نے سیتا کو خطرے سے آگاہ کیا۔ وہ صورتحال کی نزاکت پہلے ہی بھانپ چکی تھی اور اس کی رائے تھی کہ اب ہمیں جلد از جلد کالی گپھا سے نکل جانا چاہیے۔

سوارنگ کے جنگل کی کہانیاں بار بار میرا احساس ڈبو رہی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ جلد یا بدیر جب لاچی کے قتل کا علم ہوگا تو وہ ایک وقت میں ہمارے وسائل ہمارے خلاف کام میں لائے گا۔ بستی سے فرار کے بعد ہمارے پاس زیادہ سے زیادہ ایک یا دو چپے کی مہلت ہوتی پھر سردار کے آدمیوں کی ٹولیاں ہر طرف ہماری تلاش میں نکل کھڑی ہوں گی۔ ساتھ ہی اس کا جنگل بھی ہماری بو پر شاید نکل پڑتا اور شاید بستی کے کاہن بھی جادو کی مدد سے ہمارا پتا لگا لیتا۔

اس خطرے کے پیش نظر سب سے پہلے میں نے وہ سامان اکٹھا کرنا شروع کر دیا جو ہلکا پھلکا ہونے کی وجہ سے ساتھ لے جایا جا سکتا تھا۔ اس کے بعد ہم وہ سب چیزیں جو ہمارے جسموں سے مس ہوتی رہی تھی جلا کر ٹھکانے لگا دیں تاکہ سردار کے خونخوار جنگلی کتوں کی رہنمائی کا امکان نہ رہے۔

مکان کے دروازے کو بند کیے شام تک ہم ان چیزوں کا صفایا کرنے میں مصروف رہے۔ سرخ رنگ کا جو ایک چبوترہ بنایا تھا اور اب ہر طرف دھواں پھیل رہا تھا کہ اگر جلد از جلد کالی گپھا سے باہر نہ نکل جائیں تو کوئی ہمارے نقوش پا بھی ڈھونڈ لے گا۔

اور جب سورج غروب ہو گیا تو ہم نے مکان کا دروازہ اندر سے بند کیا اور درختوں کی جھکی ہوئی شاخوں کے سہارے آہستگی سے باہر کود گئے۔ مکان میں لاچی کی تیزی سے مسخ ہوتی ہوئی لاش کے علاوہ جابجا راکھ کے ڈھیر باقی رہ گئے تھے۔

آبادی سے کنی کاٹ کر ہم برق رفتاری سے شمال کی سمت میں بڑھنے لگے۔ آسمان پر اس وقت بھی بادل تیرتے پھر رہے تھے لیکن ان کی اوٹ سے کہیں کہیں اکا دکا تارے جھانک رہے تھے۔ جنگلی خشک ہواؤں کے ساتھ خزاں رسیدہ خشک پتے ادھر ادھر اڑتے پھر رہے تھے۔

"ایک بار ہم دلدلوں کے پار نکل جائیں تو کوئی ہم تک نہ پہنچ سکے گا۔" سیتا پرجوش لہجے میں بولی۔

"دلدلیں یہاں سے کتنی مسافت پر ہیں؟"

"شاید دو ڈھائی دن کا راستہ ہے۔" وہ سوچتے ہوئے بولی۔ "کالی وقت ہم نہیں رکیں گے۔ راستے میں ایک جنگل کا آخری حصہ ہی ہمیں عبور کرنا پڑے گا۔" "بشرطیکہ برفباری کی نہیں آگئے؟"

"برفباری ہو جائے تو ہمیں ہر خطرہ مول لے کر آگے بڑھنا ہی ہوگا کیونکہ کالی گپھا کا سردار یہ جان چکا ہے کہ ہم دھول گری کی طرف جانے والے ہیں۔ اس کا کوئی بھی تیر رفتار ہمیں راستے ہی میں آ لے گا۔" سیتا اس وقت ہٹ دھرم اور ہوشیار لڑکی کے بجائے بہترین رہنما کا کام کر رہی تھی۔ ہم بے تکان اپنی راہ پر بڑھے جا رہے تھے مگر قدرت ہمارے عزائم پر خندہ زن تھی۔ آدھی رات کے قریب جب ہم جنگل کے ویران حصے سے گزر رہے تھے تو اچانک ہوائیں بند ہو گئیں۔ آسمان پر بادلوں کے جھنڈ کے جھنڈ ٹھہرے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد ہمارے بدترین اندیشوں کی تصدیق ہو گئی۔ پہلے ہلکی ہلکی برفباری شروع ہوئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے برفباری نے شدت پکڑ لیا کہ ہمارے لیے سفر جاری رکھنا دشوار ہو گیا۔ یہ صورتحال ایسی نازک تھی کہ سیتا بھی حواس باختہ ہو گئی۔

"ہمیں ہر قیمت پر سفر جاری رکھنا ہے ورنہ کالی گپھا والے غفلت میں ہمیں آ لیں گے۔" اسے شاید سرخ جبڑوں کے ذریعے مسلط کی جانے والی بھیانک موت پریشان کر رہی تھی۔

"اس وقت حالات ہمارے لیے ناسازگار ہیں سیتا!" میں نے اسے دلاسہ دیا۔ "مجھے پورا یقین ہے کہ سردار ننگا کھوجیوں کو بند کر کے اپنے آدمی دلدلوں کی طرف روانہ کر دے گا۔ اگر ہم فی الحال اپنا راستہ تبدیل کر لیں تو اس ایک مصیبت سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں۔"

"مگر ہم کدھر جائیں گے؟"

"یہاں سے بہٹ گرو کی بستی سب سے قریب ہے۔ اگر میری یادداشت دھوکا نہیں دیتی تو وزاں ہیرن کے نقشے کے مطابق بہٹ گرو چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے۔"

"وہی بستی جہاں لا بیاں آئی تھیں؟" سیتا نے حیرت اور شوق سے پوچھا۔ "ہاں۔ فی الحال ہم وہاں پہنچنے کی کوشش کریں۔" میں نے کہا۔ "چند دن وہاں روپوش رہنے کے بعد ہم نئے سرے سے سفر کا آغاز کر سکیں گے۔"

میں نے اس نئے منصوبے پر سنجیدگی سے غور کیا۔ اس قدر شدید پہلے بہٹ گرو کالی گپھا سے خاصا قریب تھا مگر ہلکی سی برفباری بھی درمیانی راستے کو ناقابل گزر بنا دیتی تھی جس کی بنا پر مجھے یقین تھا کہ ننگا کو ہماری وہاں روپوشی کی خبر نہ مل سکے گی۔ ویسے خطرات تو وہاں بھی حائل تھے مگر دلدلوں کی جانب نکلنے میں زیادہ خطرات تھے جبکہ بہٹ گرو جانے میں صرف موسم کی احتیاط مطلوب تھی۔

برفباری میں راہ چلنے کے لیے میں نے پاسنگ کے تھیلے سے وہ سیکی دوست نکالی جو میں نے وزاں اور ریشمی کے سامان میں سے حاصل کی تھی۔ سیتا نے طلوع ہونا سنبھال لیا اور ہم شمال کے بجائے اندازے سے شمال مشرق کی سمت چلنے لگے۔

اس نئے رخ پر جنگل کی کثافت زیادہ ہی معلوم ہوئی۔

اور مشکل نصف گھنٹے بعد ہم سنگلاخ پہاڑی راستوں پر نکل آئے۔ یہاں ہر طرف یکساں چٹانیں بکھری ہوئی تھیں جن پر بطور بلند برف کی گہری تہیں جمتی جا رہی تھیں۔

وہ پوری رات ہم نے سفر میں گزاری۔ راستوں کی یکسانیت تھی کہ ختم ہونے میں ہی نہیں آتی تھی۔ ساری رات چلنے کے باوجود یہی معلوم ہوتا تھا کہ ہم جہاں سے چلے تھے وہیں کھڑے ہوں۔ صبح صادق کے قریب طوفان کی برف باری کا زور ٹوٹا مگر آسمان پر ابھی تک گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ ہم نے ایک کھاٹی میں رک کر تھیلے سے خورد و نوش کا کچھ سامان نکالا اور تھوڑی توانائی حاصل کرنے کے بعد پھر چل پڑے۔

"مصطفیٰ! چلتے چلتے سیتا نے مجھے مخاطب کیا۔ "چلو تو ہم ساری عمر بھی ان پہاڑوں میں بھٹکتے پھریں تو بھٹ گڑھ نہ پہنچ سکیں گے۔ ناہموار پہاڑی راستوں کی وجہ سے ہم سمت کا احساس بھی کھو چکے ہیں۔ ذرا اُجالا پھیلے تو کسی اونچے مقام سے قرب و جوار کا جائزہ لینا چاہیے۔"

اس کی تجویز معقول تھی لہٰذا میں اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

سورج طلوع ہونے پر ہم برف سے ڈھکی ہوئی ایک بلند چوٹی پر پہنچے اور میں نے بے اختیار سیتا کو بانہوں میں سمیٹ لیا۔

اس پہاڑی کے پار کافی نشیب میں بے شمار جھونپڑیوں اور نیم پختہ مکانات پر مشتمل ایک بستی پھیلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ مکانات سے جابجا سرمئی دھوئیں کے بادل لچکتے جھکتے انداز میں اوپر اٹھ رہے تھے بیشتر مکانات تازہ برف سے ڈھکے ہوئے تھے۔

اگر ہم جانے کے لیے تیز راہ پر بڑھتے رہتے تو اس بستی کے پہلو سے بے خبری کے عالم میں گزر جاتے۔ گو ہمیں یہ علم تو نہ تھا کہ یہ کون سی بستی ہے مگر پہاڑی ڈھلانوں پر آبادی کا پھیلاؤ دیکھتے ہوئے میرا دل کہہ رہا تھا کہ یہی بھٹ گڑھ کی آبادی ہے۔

منزل قریب پاکر جانے جسموں میں کہاں سے توانائی سمٹ آئی اور ہم تیز رفتاری سے پہاڑی سے اترنے لگے۔ سیتا کے چہرے پر پژمردگی کی جگہ بشاشت ابھر آئی تھی جس کا سبب مجھے بعد میں معلوم ہوا۔ وہ اصل بھٹ گڑھ پہنچنے کی امید نے اسے لادی دیکھنے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔ اس نے ساری عمر جس خیر تہذیبی حصار میں گزاری تھی وہاں جدید مشینی ایجادات کا تذکرہ تک گزر رہا تھا اور اب وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ ایک مشین بہت سے آدمیوں کا بوجھ اٹھا کر تیز رفتاری سے کیسے سفر کرتی ہے۔

بظاہر قریب نظر آنے والی وہ آبادی کافی مسافت طے کرنے کے باوجود سراب ہی ہوتی تھی۔ بری ناہموار اور دشوار گزار راستے ہوتے تھے کرتے تھک کر چور ہو گیا۔ آخر سیتا نے رکنے کی تجویز پیش کی جسے میں نے فوراً قبول کر لیا۔ اور ہم کھلی دھوپ میں ایک جگہ آ بیٹھے۔ اونچی ڈھلانوں سے پھسل کر آنے والی برف نیچے جمع ہو کر ہتھیلیوں کو ساتھ لیتی ہوئی جمی تھی پھر آہستہ آہستہ تیزی سے نشیب میں بہتی جا رہی تھی۔ گو ابھی ہوا ساکت تھی مگر فضا میں خاصی خشکی رچی ہوئی تھی۔

ہم وہاں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ اچانک سیتا اچھل پڑی۔ اس کی نگاہیں آسمان پر کسی چیز پر مرکوز تھیں پھر وہ تیزی سے بڑھتا ہوا بے حس و حرکت نقطہ مجھے بھی نظر آ گیا اور میرے ذہن میں سب سے پہلا سردار منگا کے شکرے کا آیا تھا۔

اگر وہ کوئی پرندہ ہی تھا تو اس میں کوئی حرکت نام کو بھی نہ تھی۔ طوفانی رفتار سے کسی پتھر کی طرح نیچے آ رہا تھا۔ میں نے فوراً تھیلے سے ریوالور نکالنا چاہا مگر اس سے پہلے وہ لپیٹے لپیٹے پنکھوں پر کھول چکا تھا۔ اور مشکل سو سوا سو فٹ کی بلندی سے ہم پر حملہ آور ہونے والا تھا۔

پھر تو لپک ہی وہ ایک کریہہ چیخ مار کر تیر کی طرح نیچے آیا۔ سیتا نے ایک طرف اچھل کر خود کو بچایا مگر وہ آخری لمحے میں سمت بدل کر سیدھا میرے چہرے پر آیا۔ میری شدید مدافعت کے باوجود اس نے اپنے تیز پنجے میرے بائیں شانے میں گاڑ دیے اور اپنے لمبے لمبے پھڑ پھڑا کر تڑپتی ہوئی چونچ سے میرا چہرہ نوچنے کی کوشش کرنے لگا۔

یہ ہولناک منظر دیکھ کر سیتا کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اس نے پھرتی سے طلائی چپٹا سنبھالا اور اس کے پھل سے شکرے کے پھڑپھڑاتے ہوئے دائیں پر اور جسم کے درمیانی جوڑ پر ضرب لگائی۔ اس وار سے شکرے کا توازن بگڑ گیا اور وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش میں چٹان سے کا خاصا گوشت پنجوں میں ادھیڑتا نیچے جا گرا۔ جتنی دیر میں سیتا اس تک پہنچتی وہ تیز چیخیں مارتا فضا میں پرواز کر گیا۔

میں اپنے شانے کے زخم کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ سیتا نے ہیجانی آوازوں کے ذریعے اس کی واپسی سے آگاہ کیا۔ وہ دیکھتے دیکھتے اپنے پروں کو پھیلاتا ایک لمبا چکر کاٹ کر واپس آ رہا تھا۔ سیتا نے زمین سے پتھر اٹھا کر اس کی طرف اچھالا اور وہ ایک بار فضا میں بالکل سیدھا نوے ڈگری کا زاویہ بناتا ہوا اوپر اٹھ گیا۔ پروں کی ہلکی ہلکی جنبش کے ساتھ وہ اتنا اوپر چلا گیا کہ ننھا سا کوئی دھبہ سا معلوم ہونے لگا۔ میں نے پھرتی کے ساتھ تھیلے میں سے ریوالور نکال لیا اور سیدھا ہوا تو وہ منحوس پرندہ حیرت ناک رفتار سے غوطہ مار کر نیچے آ چکا تھا اور فضا میں تقریباً ایک ہی جگہ رکا ہوا تھا۔ اس کے دائیں پر کی جنبش سے پتہ چل رہا تھا کہ سیتا کا لگایا ہوا زخم خاصا کاری ثابت ہوا ہے۔

میں نے فوراً ہی ریوالور سے نشست لی مگر وہ تیزی سے قلابازی کھا کر ایک لمبے دائرے کی صورت میں وہاں سے ہٹ گیا۔ اس مرتبہ وہ پہلے سے تیز رفتاری کے ساتھ واپس ہوا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ دیر تک زد پر آیا۔ میں نے فوراً گولی چلا دی لیکن اس کے وار سے خود کو بچانے کی کوشش میں نشانہ خطا گیا اور وہ ایک بار پھر اوپر اٹھتا چلا گیا۔

اب زیادہ دیر کھلی فضا میں رکنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ وہ پرندہ اس قدر پھرتیلا اور طرار تھا کہ ذرا سی غفلت پر کسی بھی سمت سے آ کر اپنا کام کر جاتا۔ میں نے سیتا کا ہاتھ تھاما اور ایک قریبی کھوکھلی چٹان میں جا چھپا۔ فضا میں شکرے کی تیز خوفناک چیخیں رہ رہ کر گونج رہی تھیں۔ ہم دونوں سردار منگا کے آدمیوں کی نظروں میں پڑ کر اس بلا کو فراموش ہی کر چکے تھے اور اگر سیتا مجھے بروقت اس خطرے سے آگاہ نہ کرتی تو وہ میری آنکھیں نوچ لے جانے میں کامیاب ہو چکا ہوتا۔

اس بار وہ خاصی دیر بعد کھوکھلی چٹان کے دہانے کے سامنے کھلی فضا میں نمودار ہوا اور تیزی سے ہماری طرف آیا۔ میرا نشانہ اس بار بھی خطا ہوا مگر ہم دونوں خود کو اس کی زد سے بچا گئے اور وہ اپنی پوری قوت سے چٹان کے ایک نوکیلے حصے سے جا ٹکرایا۔

پُرشور دھماکے کے ساتھ وہ نیچے گرا ہی تھا کہ سیتا نے اس کی گردن مٹھی میں دبوچ لی اور وہ کھوکھلی چٹان کے دہانے سے گھسٹ اٹھی۔ شکرے نے سیتا کے ہاتھوں میں تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیا اور اس نے مردہ شکرے کو باہر ڈھلوان پر اچھال دیا۔

میں خوف زدہ نظروں سے شکرے کے نیچے لڑھکتے ہوئے بے جان جسم کو دیکھتا رہا۔ گزرے ہوئے لمحات مجھے ایک بھیانک خواب کی طرح معلوم ہو رہے تھے۔ سردار منگا کا شکرا میرے تصور سے کہیں زیادہ بھیانک ثابت ہوا تھا اور اب مجھے پورا یقین ہو گیا تھا کہ وہاں موجودگی کو اس خونخوار پرندے نے زندہ ہرگز نہ چھوڑا ہوگا۔ وہ جس طوفانی رفتار سے غوطہ مارتا تھا اس کے پیش نظر اگر وہ اپنی کسی صورت رکتا بلکہ پوری قوت سے میرے چہرے سے آ ٹکراتا تو یقیناً میرا چہرہ ناقابل شناخت ہو گیا ہوتا۔

سیتا نے پوری توجہ اور مستعدی سے میرے شانے کا زخم صاف کیا۔ پٹی باندھی اور میں پر خطر احساسات میں سمٹنے لگی۔ یہاں پھر ہم حواس بحال کرنے کے بعد ہم ایک بار پھر نیچے اترنے لگے۔

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ بستی کی نواحی پہاڑیوں میں ہمیں جو پہلا شخص ملا وہ نیپالی زبان سمجھتا تھا۔ اس نے میرے وحشت زدہ حلیے کو بڑی حیرت سے دیکھا اور میرے استفسار پر بتایا کہ اس بستی کا نام بھٹ گڑھ ہی ہے۔

یہ سن کر میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا اور اس سے کہا۔ "ہم سیاح ہیں۔ بارہ روز سے جنگلوں اور پہاڑوں میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ کیا تمہاری بستی میں کہیں پناہ مل سکے گی؟"

"بستی میں سیاحوں کے لیے کوئی ہوٹل نہیں۔ اگر تم بہادر ہو تو جہاں تم رہنے کی جگہ مل جائے تو تم بھی ادا کر دو گے۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ وہ ہماری حالت کو دیکھ کر سمجھ گیا۔ راستے میں اس نے بتایا کہ ان اطراف میں چلنے والی پر فضائی کی شوٹنگ ہو چکی ہے۔ دو کی بجائے سے موسم اتنا خراب ہو جائے گا کہ ساری آبادی اپنے مکانوں میں محصور ہو کر رہ جائے گی۔ شہر سے ماہانہ رسد لے کر آنے والی لاری ابھی بھٹ گڑھ ہی میں تھی اور تین دن بعد واپس جانے والی تھی۔ اس کا مشورہ تھا کہ ہم شدید موسم سے بچنے کے لیے اسی میں نکل جائیں ورنہ کئی مہینے کے لیے بھٹ گڑھ میں پھنس کر رہ جائیں گے۔

میں نے اس کی ہمدردی کا شکریہ ادا کیا اور جب اس نے سوان بانٹ نامی ایک سرائے پر پہنچایا تو میں نے اسے اپنے سامان میں سے خشک گوشت کا ایک بڑا سا ٹکڑا دے دیا اور وہ خوشی خوشی واپس چلا گیا۔

سوان بانٹ پتھر اور گارے سے بنی ہوئی ایک مختصر سی عمارت تھی جس میں کل پانچ کمرے تھے۔ یہاں سیتا نے پہلی بار کوئی جیب سے دیکھا جب بوڑھے مالک نے ہمیں کمرہ دکھا دیا تو میں نے اپنے ارادے کے مطابق سیتا کو طلائی چپٹے کو چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر سکوں۔ اس وقت مشکل ضرور کرنے کے لیے جانے دیا اس وہی سوتا تھا اور اگر میں سوان بانٹ چھپانے جاتا تو اس میں پہلا خطرہ دھیرے جانے کا تھا دوسری طرف بھٹ گڑھ کے چھوٹا پن بھی جاتا ہے وہ سپنے آتا ہوجائے۔

ابھی میں نے اپنا کام شروع ہی کیا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے طلائی چپٹا بستر کے نیچے چھپا کر دروازہ کھولا تو سوان بانٹ کا بوڑھا مالک چہرے پر خوشامدانہ مسکراہٹ لیے موجود تھا۔

"کیوں تم مشکل میں ہو بچو! تو میں تمہارے کھانے پینے کا انتظام کر دوں۔" وہ مربیانہ لہجے میں بولا۔

"ابھی تم کسی بات کی فکر نہ کرو۔ آج ہم شہر گھومیں گے کل سے ہمیں کھانے پینے کا انتظام کرنا ہوگا۔" میں نے خوش دلی سے اسے ٹال دیا اور دروازہ بند کر کے میں نے دوبارہ چپٹا توڑنے کی کوشش شروع کر دی۔ سیتا کی مدد اور شدید محنت کے بعد میں اس کا ایک پھل توڑنے میں کامیاب ہو سکا۔ اس ٹکڑے کا وزن کسی طرح چھ سات تولے سے کم نہ تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ اس ٹکڑے کو بیچ کر میں بازار سے لوہا کاٹنے والی ایک مضبوط قینچی بھی خریدوں گا تاکہ باقی ٹکڑے آسانی سے کاٹے جا سکیں۔

اس کام سے فارغ ہو کر ہم دونوں نے منہ ہاتھ دھویا اور سونے کا چپٹا تھیلے کے اندر رکھ دیا۔ بڑا حصہ احتیاط سے چھپا دیا تھا۔

ابھی ہم بمشکل سرائے سے چند قدم دور ہی گئے ہوں گے کہ پیچھے سے بوڑھے سرائے والے کا ہانپتی ہوئی آواز میں مجھے پکارا۔ میں چونک کر پلٹا تو قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔

سرائے والے کے پاس ایک وردی پوش پولیس والا کھڑا ہوا ہماری طرف نگراں تھا۔ شاید وہ ہمارے نکلتے ہی مخالف سمت سے وہاں پہنچا تھا

سرائے دار

کے پاس وردی پوش سپاہی کو کھڑا دیکھ کر میرے ذہن پر خوف اور بے چینی کی ایک شدید لہر طاری ہو گئی اور میرے دماغ میں سب سے پہلا خیال یہ کوندا کہ اس سپاہی کی سون ہاٹ کے دروازے پر موجودگی کسی بڑے خطرے کی گھنٹی ہے لہٰذا مجھے سیتا کے ہمراہ فوراً کسی طرف بھاگ نکلنا چاہیے تاکہ بھٹ گڑھ کی پولیس ہمارا کوئی سراغ نہ پا سکے۔

ہمیں کالی گاپ سے فرار ہو کر یہاں پہنچے چند ہی گھنٹے گزرے تھے اور بس اسی دوران میں مقامی پولیس ہماری طرف متوجہ ہو گئی تھی یعنی جانے انھیں مجھ سے رابطے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی تھی۔ ان تمام حوصلہ شکن حالات کے باوجود میرے ذہن نے خود بخود فرار کی تجویز مسترد کر دی۔ پولیس سے بھاگ کر اس انجان علاقے میں خود کو غیر یقینی حالات میں روپوش رکھنا میرے لیے بڑا دشوار ہوتا۔ پولیس جلد یا بدیر ہم دونوں کو ڈھونڈ ہی نکالتی اور اس صورت میں ہم مفرور مجرموں کی حیثیت میں ان کی کوئی ہمدردی نہ جیت پاتے۔

میں نے بظاہر پولیس والے کی وہاں موجودگی کو نظر انداز کرتے ہوئے دھڑکتے دل کے ساتھ قدرے پریشان لہجے میں بوڑھے سرائے دار سے دھیمی آواز میں پوچھا۔ ”کیا بات ہے بڑے میاں؟“

”حوالدار صاحب آئے ہیں بیٹا! تمھارا ہی پوچھ رہے تھے۔“ بوڑھے نے کانپتی ہوئی خوشامدانہ آواز میں دھیمے سے جواب دیا۔

”خبردار! کسی موقع پر بھی تمھیں دخل اندازی کی ضرورت نہیں۔ معاملہ کچھ گڑبڑ نظر آ رہا ہے مگر میں خود ہی نمٹ لوں گا۔“ میں نے سرائے کی جانب واپس لوٹتے ہوئے سیتا کو تاکید کی۔

نیکر اور قمیص پر اوور کوٹ پہنے ہوئے وہ دبلی پتلی مرجھائی صورت والا سپاہی نخوت سے گردن اکڑائے کھڑا تھا اور نہایت مضحکہ خیز طور پر ہاتھ اٹھا کر روکتے ہوئے وہ ہم دونوں کو ایسے کڑے تیوروں سے گھور رہا تھا جیسے محض شبہ کی بنا پر ہمارا پورا شجرہ جان جانے کا خواہاں ہو۔ ہم قریب پہنچے تو بھٹ گڑھ کے اس شریک پہرے دار نے مجھ سے بے محابا سوال کیا۔ اس کا پہلا سوال ایک ایسی حقیقت کے بارے میں تھا جس پر کوئی بھی مقامی پورے یقین سے فیصلہ صادر کر سکتا تھا۔

”کیا باہر سے یہاں آیا ہے؟“ اس نے میرے بائیں شانے کے زخم پر بندھی ہوئی خون آلود پٹی کو خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں جی!“ میں نے جیسے بے تکلفی ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”ہم تو ... صرف ... ہیں۔ کچھ ... راستہ بھٹک گئے تھے۔ گیارہ دن کی ٹھوکریں کھانے کے بعد آج ایک انسانی آبادی کی صورت دیکھی ہے!“

”ہوں!“ وہ خالص افسرانہ شان سے غرایا۔ پھر چھڑی کی نوک سے میرے بائیں شانے کو ٹھوکا دیتے ہوئے پوچھا۔ ”یہ کیا ہے جی؟“ گو میرا زخم جیکٹ کے نیچے چھپا ہوا تھا مگر پٹی کی وجہ سے جیکٹ کافی پھولی ہوئی تھی۔

”چوٹ لگی ہوئی ہے۔“ میں نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ”کیا ہم پر کسی قسم کا شبہ کیا جا رہا ہے؟“

”یہ چوکی پہ پتہ چلے گا۔“ اس نے بید سے مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سپاہی کی معیت میں چند گز دور چلنے کے بعد ہم دائیں جانب گھومے اور ذرا ہی دیر بعد ایک ایسی چوڑی پتھریلی سڑک پر آ نکلے جہاں سے نشیبی ڈھلان میں دور تک پھیلی ہوئی بھٹ گڑھ کی عسرت زدہ بستی نظر آنے لگی۔ پتھر اور گھاس پھونس یا گارے سے بنے ہوئے مکانات کی کھڑی ڈھلان والی چھتوں پر رات کی گری ہوئی برف کے تودے ابھی تک موجود تھے۔ سردی سے ٹھٹھری ہوئی سورج کی نحیف و نزار کرنیں ان برفانی تودوں پر مشکل ہی اثر کرتی نظر آ رہی تھیں۔ سڑکوں پر بھی ابھی جا بجا برف موجود تھی اور جہاں برف نہیں تھی وہاں ہر طرف کیچڑ یا پانی ہی پانی نظر آ رہا تھا۔

”سنتری صاحب! ہمیں کوتوالی میں کیوں بلایا گیا ہے؟“ کچھ دیر تک خاموشی سے چلنے کے بعد میں نے سراپا انکسار بنتے ہوئے اس مضحکہ خیز سپاہی سے پوچھا۔

میری اس گستاخی پر اس نے پلٹ کر مجھے قہر بار نظروں سے گھورا مگر میرے سوال کا جواب دینے کی زحمت کیے بغیر خاموشی سے آگے بڑھتا رہا۔

جس مقام پر ہمارے اس سفر کا اختتام ہوا وہاں زمین میں گڑی ہوئی سرخی مائل ٹین کا ایک بوسیدہ بورڈ جھول رہا تھا جس پر بڑے بڑے الفاظ میں ”دفتر انچارج صاحب بہادر پولیس چوکی علاقہ بھٹ گڑھ“ لکھا ہوا نظر آ رہا تھا۔

اس بورڈ سے ذرا پیچھے انگریزوں کے زوال رسیدہ اقتدار کی نشانی ایک مظلوم سی عمارت واقع تھی۔ پہاڑی پتھروں اور گارے سے بنے ہوئے اس بلند لیکن مختصر کمرے پر بوسیدہ کھپریل کی چھت پڑی ہوئی تھی جو کسی زمانے میں یقیناً سرخ رہی ہو گی مگر اب سیاہی مائل ہو چکی تھی۔ اس چھت کی ڈھلان پر ابھی تک برف کے بڑے بڑے تودے جمع تھے جو آہستہ آہستہ پگھل رہے تھے کیونکہ کھپریل کی چھت کے چھجوں کے کناروں سے تسلسل کے ساتھ پانی کی بوندیں پتھریلی زمین پر ٹپک رہی تھیں۔ سپاہی مجھے اور سیتا کو ہمراہ لیے اندر گھسا تو وہاں کسی حقے کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔

حقے کی آواز میں چونکا اور دونوں جانب پھیلی ہوئی دھندلی روشنی میں کمرے کا جائزہ لیا تو وہ پولیس چوکی کے بجائے کسی یتیم خانے کی نیم تاریک کوٹھڑی لگ رہی تھی۔ کمرے میں ایک چارپائی پر میلے کچیلے بستر اور لحاف میں دبکا کوئی شخص نہایت سکون سے حقہ پی رہا تھا۔ چارپائی کے قریب ہی فرش پر کوئلوں سے بھری انگیٹھی دہک رہی تھی جس کے نیم سوختہ کوئلوں سے اٹھنے والے دھوئیں نے فضا کو ناخوشگوار بنایا ہوا تھا۔ چارپائی کے سرہانے دیوار سے لگی ہوئی ایک میز رکھی ہوئی تھی جس پر گرد آلود دو فائلوں، قلم دان اور ایک موٹے سے رجسٹر سے زیادہ ایک ڈنڈا نمایاں تھا۔

”کون ہے؟ لے آیا ہے بھولا؟“ ہماری آہٹیں گونجتے ہی حقے کی بے تابانہ گڑگڑاہٹ دم توڑ گئی اور اسی کے ساتھ چارپائی والے کی کرخت آواز ابھری۔

”بھولا تمہارا میں جانی ہوں حوالدار جی۔“ ہمیں لانے والے سپاہی نے اپنے انداز سے گویا دونوں کا تعارف کرا دیا۔ اب مجھ پر واضح ہو چکا تھا کہ اس سپاہی کا نام بھولا ہے جبکہ حقہ نوش شخص حوالدار ہے!

”اور یہ مجرموں کو لے آیا ہے؟“ حوالدار نے ایسے لہجے میں پوچھا جیسے اس وقت اسے چارپائی سے اٹھ جانے کی تکلیف ہوئی ہو۔ پھر لحاف کو حرکت ہوئی اور دھوئیں اور روئی کے ... میں لپٹے ہوئے حوالدار صاحب بہادر انچارج پولیس چوکی بھٹ گڑھ فرشی حقے کی نے سنبھالے حاضرین کے سامنے آ گئے۔

”یہ دونوں سون ہاٹ سے نکلے ہی تھے کہ میں نے انھیں جا لیا۔“ بھولا نے فخریہ لہجے میں کہا۔ ”لڑکی تو ٹھیک ٹھاک ہے مگر مرد کا بایاں شانہ زخمی ہے!“

”تم کون ہو بے؟“ حوالدار نے قریب آ کر باری باری ہم دونوں کا جائزہ لیتے ہوئے مشکوک لہجے میں سوال کیا۔

”میں بیوپاری ہوں!“ میں نے جلدی سے کہا پھر فوراً ہی قدرے جھوٹ سے کام لیتے ہوئے بولا۔ ”پتا جی برسوں سے کھٹمنڈو میں رہ رہے تھے۔ پھر ادھر کی سیر کو آ نکلا مگر راستہ بھٹک کر آدم خوروں کے قبضے میں جا پھنسا اور اب دھکے کھاتا یہاں تک آیا ہوں۔“

”کاغذات کہاں ہیں؟“

”وہ ... وہ تو فرار ہوتے وقت اسی قبیلے میں رہ گئے۔ بڑی مشکل سے جان بچا کر ان وحشیوں کے چنگل سے نکل سکا ہوں۔“ میں نے فی البدیہہ دوسرا جھوٹ بولا۔

”اور یہ لڑکی تمھاری کون ہے؟“

”یہ میری بیوی ہے!“

اس وقت ... [illegible]

پڑا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے ہمیں سون ہاٹ پہنچایا تھا۔ شاید ہمیں وہاں پہنچانے کے بعد اسی نے انعام وغیرہ کے لالچ میں پولیس چوکی میں دو بے دھرم سیاحوں کی آمد کی مخبری کی تھی۔

”بیوی؟“ اس نے حیرت سے کہتے ہوئے سیتا پر گہری نظر ڈالی پھر گمبھیر لہجے میں سوال کیا۔ ”اس لڑکی کے باقی رشتے دار کہاں ہیں؟“

”یہ ایک قبائلی لڑکی ہے اور اس کی ماں کی اجازت سے میں نے اس سے شادی کی ہے!“

”یا ڈیئر!“ حوالدار نے میرا جواب نظر انداز کرتے ہوئے گلے سے بے ساختہ لہجے میں یہ سوچ کر سیتا سے پوچھا کہ وہ شاید انگریزی سمجھ سکے۔

سیتا پہلے ہی اس سے بھنائی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ حوالدار کے منہ سے نکلے ہوئے دونوں انگریزی الفاظ اس کے لیے لایعنی تھے۔ وہ زور سے ہنس پڑی۔ ”یہ کیا بک رہا ہے؟“

”ابے یہ تو اردو بول رہی ہے۔“ حوالدار بھی کھسیانے انداز میں ہنسنے لگا۔

کافی دیر کی بحث کے بعد ساری صورت حال میری سمجھ میں آ سکی۔ دراصل اسی روز صبح سویرے کسی مقامی نے بھٹ گڑھ کی نواحی پہاڑیوں میں دو سفید فام آدمیوں کی مسخ شدہ بے جان لاشیں دریافت کی تھیں۔ ان کے جسموں پر بہت سے زخم موجود تھے اس کے علاوہ سارے بدن اور چہرے پر لمبی گہری خراشیں تھیں جیسے چاقو کے پھل سے ان کا بدن کاٹا گیا ہو۔ ان کی آنکھیں بھی بڑی بے رحمی سے نوچ لی گئی تھیں۔ اس تفصیل سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی کہ وہ لاشیں کالی گاپ سے فرار کے مجرموں ڈان برین اور بنسن کی رہی ہوں گی جنھیں بیتال نے چوپایا بونوں اور گوشت خور چیونٹوں کے عذاب سے فرار کا موقع فراہم کیا تھا مگر وہ دونوں اپنے انجام سے نہ بچ سکے۔ بیتال کے خون آشام لشکر نے واقعی ان دونوں کا کام تمام کر دیا تھا۔

بھٹ گڑھ جیسی بستی کے لیے یہ لاشیں سنسنی کا باعث بن گئی تھیں۔ مردہ گھر یا اسپتال نہ ہونے کے باعث وہ لاشیں خستہ حالی کے پیش نظر ایک عیسائی قبرستان میں اس مفروضے کے ساتھ دفنا دی گئی تھیں کہ ہر سفید چمڑی والا عیسائی ہوتا ہے۔ اس واقعے پر پوری بستی میں ہراس پھیلا ہوا تھا۔ ان حالات میں جب ہم دونوں بھٹ گڑھ پہنچے تو جانے سے پہلے بھولا نے حوالدار کو خبر کر دی اور چوکی سے فوراً ہی جا کر ہماری طلبی کے لیے روانہ کر دیا گیا۔

سیتا کی سرخ و سفید رنگت، نیلی آنکھوں، بھوری زلفوں

اور اس کے بے حجابانہ رویے سے مجبور ہو کر حوالدار اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے کہ سیتا امرت لال کی ساتھی ہے اور میں نے جوش اور رقابت کے جذبات سے مغلوب ہو کر ان دونوں کو قتل کیا اور سیتا کو لے بھاگا۔ اس شبے کو میرے شانے کے زخم اور گرفتاری کے حلیے سے بھی بڑی تقویت ملی مگر سیتا سے طویل بازپرس کے بعد حوالدار جو نہایت موٹے دماغ کا تھا، کے شبہات بے یقینی کا شکار ہو گئے۔

بھٹ گڑھ کی پولیس چوکی نہایت پسماندہ تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ اس علاقے میں جرائم کی شرح نہ ہونے کے برابر تھی۔ کسی قریبی شہر سے براہ راست مواصلاتی رابطہ نہ ہونے کے سبب بیشتر مسائل کے حل کا انحصار حوالدار کی صوابدید پر ہوتا تھا اور پیچیدہ مسائل اس بے عقل کے لیے دشوار ہو جاتے تھے۔ وہ مختصر روداد اور مجرم سمیت اپنے واحد سپاہی کی تحویل میں ہر دو ماہ بعد آنے والی لاری کے ذریعے علاقائی پولیس اسٹیشن روانہ کر دیتا جو بھٹ گڑھ سے ایک سو چار میل دور تھا۔

میں نے پوری گفتگو میں اس بات کا خاص خیال رکھا کہ میری زبان سے کالی کوپ کا نام نہ نکلے۔ مزید یہ کہ میں نے مرنے والوں سے اپنی شناسائی کا کوئی حوالہ نہ دیا۔ سیتا بھی شاید یہ نکتہ سمجھ چکی تھی لہٰذا اس کے منہ سے بھی کوئی قابل گرفت بات نہ نکلی۔

پر جوش بازپرس کا اختتام ہو گیا۔ یہ غنیمت تھا کہ باتوں میں الجھ کر اسے میری جامہ تلاشی کا خیال نہ آیا ورنہ ریوالور اور سونے کے ڈلی نما ٹکڑے کے بارے میں جواب دہی مشکل ہو جاتی۔ آخر کار وہ اپنی دھوتی سمیٹ کر دوبارہ چارپائی پر جا بیٹھا۔ بھورا انگیٹھی میں مزید کوئلے ڈال کر گڑگڑا رہا تھا اور جانی ایک خبیث جانور کی طرح وہاں موجود تھا۔

حوالدار نے گرد آلود میز سے ایک فائل اٹھائی اور اس میں سے ایک سادہ کاغذ نکال کر اس پر ہنسی سے میرا اور سیتا کا نام لکھا۔ میں نے اسے شہر کا ایک فرضی پتہ بھی لکھوا دیا۔ پھر اس نے مختصراً ہماری وہاں آمد کا سبب اور اپنی تفتیش کا خلاصہ لکھا۔ آخر میں میرے بیان پر اس نے یہ بھی لکھ دیا کہ یہ جوڑا اپنی فرصت میں بھٹ گڑھ سے واپس اپنے شہر چلا جائے گا۔ اس کاغذ پر اس نے میرے دستخط لیے۔ سیتا سے انگوٹھا لگوانے کے لیے سیاہی میسر نہ تھی لہٰذا حوالدار نے اپنے غلیظ تکیے کے نیچے سے سرمے کی ڈبیہ نکالی اور اس کی مدد سے کاغذ پر سیتا کے انگوٹھے کا نشان لیا اور یوں زبانی دھونس کے بعد وہاں سے نجات مل گئی۔

باہر آتے ہی سیتا مجھ پر برس پڑی۔ "تو اس قدر بزدل کیوں ہوتا جا رہا ہے۔ ان قبروں کے سامنے ذرا ذرا سی بات کیوں کر رہا تھا؟"

اس کے الزام پر میں جھلا گیا۔ "تجھے میری ہر بات میں بزدلی نظر آتی ہے۔ تجھے کچھ خبر ہے کہ یہ کون لوگ تھے؟"

"ہوں گے کوئی بھی۔" وہ لاپروائی سے بولی۔ "مگر میں ان قبروں کی مرمت کر سکتی تھی!"

"مرمت کی بچی! وہ سرکاری آدمی ہیں۔ ان سے الجھنے کے بعد کہیں امان نہ ملتی۔ یہ کوئی جنگلی علاقہ نہیں ہے۔ یہاں قانون پورا ہے اور ہر ایک کو اس پر چلنا ہوتا ہے!"

اب وہ پھر ڈھلنے لگی تھی۔ میں جلدی جلدی بازار کی طرف روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ کوتوالی سے نکلنے پر تعاقب نہیں کیا گیا تھا۔

سیتا کے لیے شہر کی معمولی معمولی چیزوں میں دلچسپی کے سامان پوشیدہ تھے۔ انسانی زندگی بسر کرنے کا منظم اور مربوط نظام اس کے لیے ایک عجوبہ تھا۔ ان سب سے بڑھ کر وہ سب سے پہلے لاری دیکھنے کے لیے بے چین تھی۔

بھٹ گڑھ کا بازار جھونپڑوں اور کیبنوں پر مشتمل تھا۔ میں عام سیاح کی طرح دوکانوں کا جائزہ لیتا دوکانوں کے رخ پر ایک کشادہ سی جگہ میں جا نکلا۔ قریب ہی ڈھلان دار سڑک پر لاری کھڑی نظر آ گئی اور پھر سیتا کو میں کسی طرح نہ روک سکا۔ وہ پرشوق انداز میں دوڑتی ہوئی لاری کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ اکا دکا خریداروں اور دوکانداروں نے اسے حیرت اور دلچسپی کی نظروں سے دیکھا مگر کوئی تعرض نہ کر سکے۔

لاری کے ٹائروں پر موٹی موٹی آہنی زنجیریں چڑھی ہوئی تھیں۔ سیتا کو شوق اور انہماک سے ان کا معائنہ کرتے دیکھ کر قریبی قہوہ خانے سے دو تین منچلے نوجوان اس کے قریب آ کھڑے ہوئے۔ اس سے قبل کہ وہ لوگ سیتا سے کوئی شوخی کرتے، میں تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں جا پہنچا۔

"لاری کب روانہ ہو گی؟" میں نے ان لوگوں کو اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لیے پوچھا۔

"پہلے تو تین دن بعد جانے کا پروگرام تھا لیکن اب شاید جلدی چلی جائے گی کیونکہ موسم بہت تیزی سے بدل رہا ہے۔ اگر چار چھ فٹ برف اور گر گئی تو سارے راستے بند ہو جائیں گے!" ان میں سے ایک بولا۔

سیتا نے جب دل بھر کر بس کا معائنہ کر لیا تو ہم نے بازار کے باقی حصے کا چکر لگا ڈالا۔ پورے بازار میں مجھے کوئی صراف نظر نہ آیا۔ پھر اچانک ہی مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔

ان بستیوں میں جہاں لوگوں کو پیٹ بھرنے کو دو وقت کی روٹی بمشکل میسر آتی ہو، وہاں صراف کا ہونا ناممکن سی بات تھی۔ ایسے مقامات پر قیمتی اشیاء کا لین دین بھی مہاجنوں کے ذریعے ہوتا ہے لہٰذا

اس بار میں کپڑے اور اونی کمبلوں کی ایک دوکان میں جا گھسا جہاں اس وقت کوئی گاہک نہیں تھا۔

موٹی توند والے دوکاندار نے ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔

"لالہ جی! ہمارے پاس پیسہ ختم ہو گیا ہے۔ یہاں کوئی چیز گروی رکھ کر پیسے دینے والا بھی ہے؟" میں نے اس پر اپنا مدعا واضح کیا۔

"چوری چکاری کا مال تو نہیں ہے؟" اس نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں، سونے کا ایک ٹکڑا میری ذاتی ملکیت ہے۔"

"دکھاؤ۔" اس کا تجسس بڑھ گیا۔

میں نے جیکٹ کی جیب میں سے سونے کا ٹکڑا نکالا اور اس کے حوالے کر دیا۔ اس نے بڑے غور سے اس ٹکڑے کا جائزہ لیا پھر اپنے عقب میں آویزاں تجوری کھولی۔ میں تجوری کی ایک جھلک ہی دیکھ سکا۔ اس میں سونے کے کئی زیورات، نقد رقم اور مزید کچھ سامان رکھا ہوا تھا۔ لالہ نے تجوری میں سے کسوٹی اور کانٹا نکال کر تجوری کو دوبارہ مقفل کر دیا۔

کسوٹی کی پرکھ کے بعد اس نے مستند باٹوں کے بجائے چند موتیوں اور کنکروں کے ذریعے اس ٹکڑے کا وزن کیا اور حساب جوڑ کر مجھے اس کا وزن دو تولے تین ماشے بتایا۔

"کیا غضب کرتے ہو لالہ جی! یہ ٹکڑا کسی طرح چھ تولے سے کم نہیں ہے!" میں نے اس سے وہ ٹکڑا واپس لینے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

اس کی آنکھوں میں یک بیک حریصانہ چمک عود کر آئی اور اس نے وہ ٹکڑا مضبوطی سے مٹھی میں دبا کر ہاتھ پیچھے کر لیا۔ "تمہارے پاس اس کی خریداری کی رسید تو ضرور ہو گی۔ مجھے دکھاؤ کہ اس پر کیا وزن لکھا ہوا ہے؟"

"رسید کی بات چھوڑو۔" میں نے غصہ ضبط کرتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "میں نے یہ سونا بیچنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے!"

"دیکھو جی! مجھے اس معاملے میں گڑبڑ نظر آ رہی ہے۔ تم سے بچہ نہ بچہ کر اب مجھے پولیس چوکی کو خبر کرنی ہو گی۔ ایسے معاملات میں ہمیشہ اپنی قانونی ذمہ داریاں پوری کرتا ہوں!"

میں سمجھ گیا کہ وہ خبیث لالہ میری دکھتی رگ پکڑ چکا ہے اور بے ایمانی سے وہ سونا ہضم کرنا چاہتا ہے۔ پولیس کا نام اس نے صرف بلیک میلنگ کے لیے استعمال کیا تھا ورنہ اس کا مقصد صرف یہ واضح کرنا تھا کہ آخر میں اس کی مرضی کے مطابق سونا اس کے ہاتھ دے دوں ورنہ وہ مجھے پولیس کے حوالے کر دے گا۔ حوالدار سے نجات ملے مجھے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی اور میں اتنی جلدی کسی تنازع میں الجھ کر دوبارہ حوالدار کا سامنا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ بے انتہا طیش کے باوجود مجھے اس سے اپنا رویہ مصالحانہ رکھنا پڑا۔

"لالہ! کیوں پردیسیوں کو پریشان کرتے ہو۔ اب اس کی رسید میں گلے میں لٹکائے تو نہیں پھرتا۔ تم کسی بھی جوہری فروش کی ترازو پر بھی اس کا وزن کرو تو یہ چھ تولے سے زیادہ ہی نکلے گا۔"

"وزن اس کا وہی ہے جو میں نے بتایا ہے۔" وہ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔ "پھر تمہارا نقصان ہی کیا ہے۔ ہم اسے رہن رکھ لیتے ہیں۔ رقم لوٹا دو گے تو یہ ٹکڑا واپس مل جائے گا۔"

"لاؤ۔ کیا حساب ہوا؟" میں نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس سے جیتنا میرے لیے مشکل تھا۔

"ایک سو بیس روپے تولہ سے دو سو ستر روپے۔" اس نے استفسار طلب نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" میں راضی ہو گیا۔

اس نے سونے کا ٹکڑا کانٹے اور کسوٹی کے ساتھ تجوری میں مقفل کر دیا اور بندی کی جیب سے نوٹ گن کر میرے حوالے کر دیے۔

ایک سو پینتیس روپے دیکھ کر میرا خون کھول اٹھا۔ "یہ کیا؟ یہ تو آدھی رقم ہے!"

"شاید پہلی بار کوئی چیز رہن رکھ رہے ہو؟" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کوئی بھی مہاجن یا ساہوکار رہن میں آدھی سے زیادہ رقم نہیں دیتا۔ پیسے لوٹا دو گے تو تمہاری چیز تمہیں واپس مل جائے گی۔ روپے پر چار آنے ماہوار سود دینا ہو گا۔"

"رہن پر لعنت بھیجو۔" میں جھنجھلا کر بولا۔ "پوری رقم نکالو تاکہ حساب ہی بیباق ہو جائے۔"

اس نے مایوسی سے اپنے سر کو جنبش دی۔ "سونے کے لین دین کا پرمٹ میرے پاس نہیں ہے لہٰذا میں اسے خرید نہیں سکتا۔ میں تو بس رہن رکھ کے لوگوں کی پریشانیاں حل کر دیتا ہوں۔"

"لیکن میں اسے بیچنا چاہتا ہوں۔"

"بیٹھ جاؤ۔" وہ لاپروایانہ شان سے بولا۔ "شاید جانی گشت پر ادھر آنے والا ہو گا۔ تم نے اسے مطمئن کر دیا تو جہاں چاہو اپنا سونا بیچ دینا۔" وہ بری طرح مجھ پر حاوی ہو چکا تھا۔

میں نے اسے خونخوار نظروں سے گھورا اور دل ہی دل میں اسے بے تحاشہ مغلظات بکتا اس کی دوکان سے باہر آ گیا۔

"کوئی اور چیز ہو تو کبھی رات کو بھی حاضر ہو بلا جھجکے چلے آنا۔ میں اسی دوکان میں سوتا ہوں۔" اس نے چلتے چلتے آخری نشتر لگایا۔

میں نے پلٹ کر اسے لعنت دکھائی اور وہ بے حیا مسکرا کر رہ گیا اور یوں اپنے دور کا ذہین و فطین انسان جاہلیہ کی ایک پسماندہ بستی کے مہاجن کے ہاتھوں لٹ گیا اور اُف تک نہ کر سکا۔

بہرحال میری ضروریات کے لیے وہ رقم کافی تھی۔ میں نے بازار سے کچھ پھل وغیرہ خریدے۔ لوہا کاٹنے والی قینچی حاصل کی اور واپس سون ہاٹ کی طرف چل دیا۔

سون ہاٹ کے عمر رسیدہ سرائے دار نے ہمارا استقبال کیا تو وہ کچھ پریشان سا تھا۔ میں نے اس سے اس کا سبب دریافت کیا تو وہ مسکرا کر رہ گیا۔ میں نے اسے مالی پریشانی میں مبتلا سمجھ کر دس روپے کا ایک نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ نوٹ لے لیا اور بولا۔ ”تمہارا نام کیا ہے بیٹا؟“

”داؤد دہقان!“ میں نے فوراً ہی وہ نام دہرا دیا جو میں نے پولیس چوکی پر لکھایا تھا۔

یہ سن کر بوڑھے کے منہ سے بے اختیار اطمینان کا ایک گہرا سانس نکل گیا۔ ”بھگوان کی کرپا ہے۔“ وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ”ورنہ میں تو بڑا پریشان تھا۔ سون ہاٹ کی چھت کے نیچے آج تک کوئی خونی لٹیرا کوئی چور اچکا نہیں آیا ہے۔“

”کیا قصہ ہے بابا! کھل کر بات کرو!“

”بیٹے پولیس والے دو گوروں کی لاشوں کے سلسلے میں تفتیش کرنے گئی پھر تھوڑی ہی دیر بعد خونیوں جیسے چہرے والا ایک خوفناک بوڑھا یہاں آیا۔ اسے صفدر نامی کسی شخص کی تلاش تھی جو کالی گاپ میں اس کی اکلوتی بیٹی لاچی کو قتل کر کے بھاگا ہے.....!“

”پھر۔ پھر تم نے اس سے کیا کہا؟“ میں نے بے تابی سے اس کی بات کاٹ دی۔ لاچی کے باپ کی یہاں آمد کی خبر پا کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

”کہتا کیا۔ وہ کالی گاپ کا بھلے آلا ہے یہاں کا کوئی قانون نہیں چلتا۔ ان تہذیبوں میں مسرور یا پھر جرگے کی مرضی چلتی ہے۔ پھر وہ بڈھا اس قدر مشتعل تھا کہ میرے لیے اس کا سامنا کرنا ہی دشوار ہو گیا تھا۔ مجھے تمہارا نام تو معلوم نہیں تھا مگر میں نے اس سے جان چھڑانے کے لیے کہہ دیا کہ صفدر نام کا کوئی آدمی سون ہاٹ نہیں آیا اور وہ قسمیں کھاتا لوٹ گیا کہ وہ اپنی بیٹی کے قاتل کو پاتال میں بھی زندہ نہ چھوڑے گا۔“

”تم نے بہت اچھا کیا بابا! ایسے خونی کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ کیا خبر وہ تم پر ہی حملہ کر بیٹھتا۔“ میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا۔ میرے ذہن کے کسی گوشے میں یہ خیال تھا کہ لاچی کا باپ یا کالی گاپ کا کوئی بھی شخص میری تلاش میں یہاں بہت جلد آ پہنچے گا۔

اس رات میں نے طلائی چھلے کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ کر ایک تھیلے میں چھپایا تاکہ وہ کسی کی نظروں میں نہ آ سکے پھر میں سیتا کے ساتھ ڈھول گری کی جانب پیش قدمی کے امکانات پر سنجیدہ خیال کرنے لگا۔ ان بدترین حالات میں سیتا اُدھر کا رخ نہ کرنے پر مصر تھی۔ کالی گاپ اور بھیٹ گرہ میں بیک وقت مخبری اور بدنامی میرے لیے ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ زندہ میں لمحہ بہ لمحہ خود کو عجیب و غریب حالات میں پھنستا محسوس کر رہا تھا۔ یہ بات تو یقینی تھی کہ سردار نے لاچی کی لاش دستیاب ہوتے ہی ہمارے تعاقب میں کوئی چھوٹا جماعت کالی گاپ سے ڈھول گری کی راہ پر روانہ کر دی ہو گی تاکہ دلدلوں تک پہنچنے سے پہلے ہی ہمیں جا لے۔ دوسری طرف لاچی کا باپ جوش انتقام سے اندھا ہو رہا تھا۔ اسے یہ تو یقین رہا ہو گا کہ اگر ہم ڈھول گری کی طرف گئے ہیں تو منگا کے آدمی ہر قیمت پر ہمیں پکڑ لیں گے لہٰذا وہ احتیاطاً بھیٹ گرہ کی طرف آ گیا تاکہ ہمارے فرار کی یہ راہ بھی مسدود کر سکے۔ اس کی یہاں موجودگی ہمارے لیے زبردست خطرہ تھی۔ کالی گاپ والوں کی مخصوص وضع قطع کی بنا پر تو میں شاید اسے پہچان لیتا لیکن اس کا چہرہ میرے لیے شناسا نہ تھا۔ وہ کہیں بھی ہمارے سامنے پڑ سکتا تھا اگر ہم اس کے ہاتھوں مارے جاتے تو قصہ ہی ختم ہو جاتا اور اگر ہم اس پر غالب آ جاتے تو بھیٹ گرہ کی دو نفری پولیس یا ملٹری سے جان بچانا محال ہوتا کیونکہ شہر میں اجنبی ہونے کے ناطے کسی بھی جرم کا پہلا شبہ ہم دونوں پر ہی ہوتا۔ اس کے علاوہ ایک اور خطرہ یہ تھا کہ اگر حوالدار کو یہ بھنک مل جاتی کہ کالی گاپ سے کوئی قتل کر کے فرار ہوا ہے تو وہ سرائے دار کی طرح ہماری معصومیت پر ایمان نہ لاتا بلکہ پہلی فرصت میں ہمیں پکڑوا کر لاچی کے باپ کے سامنے کر دیتا اور ہماری نجات محض خواب ہو کر رہ جاتی۔

جوں جوں میں حالات پر غور کرتا گیا میرے ذہن سے پارس پتھر کا بھوت اترنے لگا۔ میں نے مختصر سے قیام میں کالی گاپ والوں کی فطرت کے بارے میں بہت کچھ سیکھ لیا تھا۔ وہ دوستوں کے بہترین دوست اور دشمنوں کے بدترین دشمن تھے۔ بستی کی جانب سے انعام میں ملی ہوئی حسینہ لاچی کا قتل ان کی روایات کی بدترین توہین کے مترادف تھا گویا میں ان کے منہ پر بھرپور طمانچہ رسید کر کے بھاگا تھا۔ وہ اس قدر ضدی اور خود سر لوگ تھے کہ ہمارے گھیراؤ کے لیے ڈھول گری کی راہ پر [illegible] تک ہمارا انتظار بھی کر سکتے تھے۔ اب اُدھر کا رخ کرنا [illegible] میں پھنسنے کے مترادف تھا۔ وہ پوری رات میں نے لاچی کی طرف سے چوکنا رہ کر سوچ بچار میں گزار دی اور صبح ہوتے ہی میں نے سرائے دار سے روانگی کا ارادہ ظاہر کر دیا۔

”بیٹا! ابھی تو بس جانے میں دو روز باقی ہیں۔ ایسی سخت [illegible] تم کہاں جاؤ گے بچو!“ اس نے حیرت سے میری شکل تکتے ہوئے کہا۔

”بابا! ہمارے پاس رقم بالکل نہیں ہے!“ میں نے مفلسی جتائی۔ ”سرائے میں رہے تو واپسی کا لاری کا کرایہ تک نہ رہے گا۔“

”فکر نہ کرو۔ میں اتنا سنگدل نہیں ہوں۔“ بوڑھا فراخ دلی سے بولا۔ ”تم جو دس روپے دے چکے ہو وہ میرے لیے وہی کافی ہیں۔ تم بے فکری سے میری چھت کے نیچے بسر کر سکتے ہو۔“

میں نے اس سے کافی بحث کی لیکن بوڑھے کی شفقت کے آگے میری ایک نہ چل سکی اور مجھے اس کی پیشکش قبول کرنی پڑی۔

اس روز میں سارا دن سرائے سے باہر نہ نکلا۔ باتوں ہی باتوں میں سرائے دار سے لاچی کے باپ کے بارے میں اتنی معلومات حاصل کر لیں کہ اس سے سامنا ہونے پر اسے پہچان سکوں۔

اگلے دن بوڑھے سرائے دار نے بتایا کہ لاری اسی دن چلنے والی ہے۔ اسے یہ اطلاع اپنے کسی پڑوسی سے ملی تھی۔ بھیٹ گرہ میں لاری کی آمد اور اس کی روانگی کا کافی شہرہ ہوتا تھا۔ پوری بستی میں تقریباً بچے بچے کو اطلاع ہو جاتی تھی۔

میں نے جلدی جلدی اپنا سامان تھیلوں میں سمیٹا اور سیتا کے ہمراہ سرائے دار سے رخصت ہو گیا۔ میں نے راستے میں ایک دکان سے اونی چادریں بھی خریدیں اور انہیں ہم دونوں نے چوری لباس کی طرح اوڑھ لیا کہ لاچی کا باپ ہمیں نہ پہچان سکے۔ جنگلوں کے کنارے [illegible] کے بعد وہ اونی ٹوپیاں بھی اوڑھ لیں جن میں سے صرف ہماری آنکھیں نظر آتی تھیں۔

جب ہم بازار کے اس حصے میں پہنچے تو لاری کے قریب [illegible] دو آدمی نظر آئے۔ لیکن کا عملہ روانگی سے پہلے [illegible] دیکھ رہا تھا مگر ان سب میں نمایاں [illegible] قامت سفید ریش شخص تھا جس نے اپنے بدن پر ریچھ کی کھال لپیٹ رکھی تھی۔ اس کے لمبے لمبے سفید بال بے ترتیبی سے پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ جھریوں دار توانا چہرے پر بڑی بڑی آنکھوں میں وحشت چمک رہی تھی۔ آنکھوں کی سرخی اور ورم سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کئی راتوں سے جاگ رہا ہے۔ اس کا داہنا ہاتھ کلہاڑی پر جما ہوا [illegible]

اس کے ہاتھ میں تیز دھار کلہاڑی کی شکل کا ہتھیار موجود ہے۔ وہ بڑی بے چینی سے لاری کے دروازوں کے درمیان کچھ بجری زمین پر ٹہل رہا تھا اور ہر نئے آنے والے کو عجیب نظروں سے گھورنے لگتا تھا۔ اس کے انداز سے واضح تھا کہ وہ شدید بے چینی سے کسی ناپسندیدہ شخصیت کا منتظر ہے۔

میری چھٹی حس نے چیخ چیخ کر خطرے کا اعلان کر دیا۔ سرائے دار کے بتائے ہوئے حلیے کے مطابق وہ لاچی کا باپ ہی ہو سکتا تھا جسے میرے لہو کی پیاس نے بے چین کیا ہوا تھا اور اس کے علاوہ وہاں ایک بوسیدہ تپائی پر بھیٹ گرہ کا واحد سپاہی جانی اپنی وردی پر اوور کوٹ پہنے لوگوں سے ہنسی مذاق میں مصروف تھا۔

مجھے اتنا تو یقین تھا کہ ہماری ہیئت کذائی پر لاچی کا باپ ایک نظر میں ہمیں پہچان نہ سکے گا مگر جانی بہت بدتمیز اور گستاخ شخص تھا اور وہ ہماری مشکوک وضع قطع پر ضرور چونکتا اور شاید دست درازی کر کے ہماری چادریں کھینچ لیتا اور اس وقت ہمارے لیے لاچی کے باپ کے برہنہ خنجر سے بچنا محال ہو کر رہ جاتا۔

میں سیتا کا ہاتھ تھامے سامنے پڑنے والی پتلی تنگ گلی میں گھستا چلا گیا۔ چند قدم تیزی سے طے کرنے کے بعد میں نے ہوشیاری سے گرد و پیش کا جائزہ لیا پھر اپنی پشت کو ذرا سا جھکا کر منہ سے کسی مریض جیسی کراہیں نکالتا آگے ہو لیا۔

”یہ اچانک تجھے کیا ہو گیا؟“ سیتا میری اس اداکاری پر بوکھلا گئی۔

”مجھے تو تپ ہو گیا ہے۔“ میں کراہتے ہوئے خوف زدہ لہجے میں غرایا۔ ”میرے ساتھ چلتی آ۔ لاری پر لاچی کا باپ خنجر بدست کھڑا ہے۔“

سیتا میرے بدلے ہوئے لہجے سے شاید سہم گئی اور ایک لفظ کہے بغیر میرے ساتھ ہو لی۔

آبادی کا ایک طویل چکر کاٹ کر میں اندازے کی بنا پر اسی سڑک کی طرف ہو لیا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ لاری کے وہاں سے روانہ ہونے کے بعد اسے راستے میں روکا جائے ورنہ اس قید خانے میں تو چند روز بھی زندہ رہنا محال نظر آ رہا تھا۔

ایک جگہ میں نے کھیل میں مصروف چند بچوں سے لاری کی گزرگاہ کے بارے میں معلوم کیا پھر ہم سیدھا باندھ کر اسی طرف ہو لیے جدھر ہماری رہنمائی کی گئی تھی۔

نصف گھنٹے کی تھکا دینے والی بھاگ دوڑ کے بعد آخرکار ہم پتھروں سے بنی ہوئی اس پہاڑی سڑک تک جا پہنچے جس سے لاری گزرنے والی تھی۔

یہاں ہم چٹانوں کی آڑ میں تقریباً ایک گھنٹہ انتظار کرنا

پڑا تھا جو ویران بلندی سے لاری کے انجن کا تیز شور سنائی دیا اور ہم دونوں چادروں میں لپٹے سڑک پر آ گئے۔

جونہی ڈھلوان کے ایک موڑ سے بس گھوم کر نیچے پہنچی نظر آئی ہم دونوں سڑک کے وسط میں آ گئے اور ہاتھ لہرا لہرا کر لاری کے ڈرائیور کو رکنے کا اشارہ کرنے لگے۔ چند منٹ بعد ہماری کوششیں بار آور ہوئیں۔ شاید لاری والے نے ہمیں دیکھ کر ہی دو بار کرخت آواز والا ہارن بجایا تھا مگر میں اس وقت تک سڑک سے نہ ہٹا جب تک میرے کانوں میں انجن کی آواز کی تبدیلی نہ پہنچی۔ ڈرائیور نے رفتار سست کرنے کے لیے پچھلا گیئر تبدیل کر کے کچھ چھوڑا تو ایک بار انجن کی آواز تیز ہوئی پھر لاری کی رفتار بتدریج سست ہوتی چلی گئی۔

لاری رکتے ہی میں کلینر کے سوالات کو نظر انداز کرتے ہوئے سامان سمیت اندر گھس گیا۔ بینا نے بھی میری تقلید کی۔

"اسے کہاں جانا ہے؟" کلینر میرا ہاتھ جھنجوڑ کر بولا۔

"دو شہر" میں اس کی طرف پلٹ کر غرّایا۔ اس اثنا میں، میں لاری کے مسافروں کا جائزہ لے چکا تھا۔ اس میں کل گیارہ نفوس سوار تھے۔ ڈرائیور اور کلینر کے علاوہ تین بوڑھے، دو نوجوان مرد، ایک بارہ سالہ لڑکی اور مختلف عمروں کے پانچ بچے۔ اس کے علاوہ پچھلی نشستوں کے قریب کئی سربمہر تھیلے اور بوریاں وغیرہ پڑی ہوئی تھیں۔

ہم دونوں کے بیٹھتے ہی لاری پھر چل پڑی۔ مسافروں میں لڑکی کے باپ کو موجود نہ پا کر میں نے اطمینان کا سانس لیا اور سر سے ٹوپی اتار دی۔

"دو شہر سے لاری میں کیوں نہیں بیٹھے؟" نشست پر بیٹھنے کے بعد کلینر نے تلخ لہجے میں کہا۔

"میں تیری گردن پر سوار نہیں ہوا ہوں۔" میں اسے گھورتے ہوئے غرّایا۔ "تجھے کیا تکلیف ہے؟"

"کیوں جھگڑا کرتا ہے، موسم خراب ہے شاید اڈے پر پہنچنے میں بیچاروں کو لاری چھوٹنے کا ڈر ہوگا۔" ان مکالمات پر ایک تونا بوڑھا گھوم کر کلینر سے بولا۔

"اجی بابا تم نہیں جانتے ان لوگوں کو تو شاید کرائے کے پیسے بھی نہیں ہوں گے ان کے پاس۔" بڑھے سے یہ کہ کر اس نے میرے آگے ہاتھ پھیلا دیا۔ "کدھر جانا ہے کرائے کے پیسے نکالو!"

میں نے چرمی جیکٹ کی جیب سے نوٹوں کی گڈی نکال لی۔

"یہ لاری کہاں تک جائے گی؟"

نوٹ دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے کشادہ ہو گئیں اور وہ مرعوب لہجے میں بولا۔ "راستے میں اترنا ہو تو جو جگہ کہیں گے۔"

میں نے ایک نوٹ اس کے حوالے کر دیا۔ اس کے سامنے باقی رقم لوٹائی تو میں نے شان بے نیازی سے وہ واپس کر دی۔ اور تیز مستری کی طرح کچھ یوں میرا احسان مند نظر آنے لگا جیسے اس کے باپ نے بھی میری فیاضی سے بہرہ ور ہوتے ہوئے کہا ہوں۔

بینا بڑی حیرت کے ساتھ لاری کے سفر سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ اس کی نگاہیں کھڑکی سے باہر گڑی ہوئی تھیں جہاں تیزی سے بھاگتی ہوئی بھوری پہاڑیاں، برفانی تودے اور خزاں رسیدہ بے برگ و بار درختوں کی قطاریں نظر آ رہی تھیں۔ اسے شاید ابھی تک یقین نہ آ سکا تھا کہ وہ فی الحقیقت ایک تیز رفتار سواری میں بیٹھی ہے جو بیک وقت بہت سے آدمیوں اور سامان کو لے جانے کی استطاعت رکھتی ہے۔

بس کا راستہ بے حد ہولناک اور دشوار گزار تھا۔ جب گاؤں سے نکلنے کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہی چکردار مسلسل چڑھائی شروع ہوگئی اور بس رینگتی ہوئی اوپر جانے لگی۔ بائیں طرف برف پوش چٹانیں تھیں۔ دائیں طرف گہری کھائیاں اور سڑک پر جمی ہوئی شفاف برف کی سطح اس ڈرائیور کی مہارت کے لیے کٹھن آزمائش ثابت ہو رہی تھی۔ پہاڑی جنگلوں میں چھپی چنگھاڑتی یخ بستہ ہواؤں سے بچنے کے لیے ساری کھڑکیوں کے شیشے چڑھا لیے گئے تھے اور ان پر ترپال کے پردے ڈال دیے گئے تھے مگر بینا نے ترپال ہٹا دی تھی۔ اس کی تجسس بھری معصوم نگاہیں شفاف شیشوں کے اس پار بکھرے ہوئے حسین نظاروں میں گم تھیں۔

میری کوشش کے نتیجے میں لاری کا کلینر میرا دوست بن چکا تھا۔ اس کی زبانی پتا چلا کہ لاری کی پہلی منزل کاٹھ مندر ہے۔ اس بستی میں صدیوں پرانا لکڑی کا ایک حسین مندر موجود تھا جس کی مضبوطی میں صدیاں بھی خلل انداز نہ ہو سکیں۔ مندر کے صحن میں میٹھے پانی کا ایک چشمہ موجود تھا جس سے گرمیوں میں گرم اور گرمیوں میں یخ بستہ پانی بہتا تھا۔ قدرت کے اس بیش بہا عطیے کی بدولت کاٹھ مندر خاصا خوش حال علاقہ گنا جاتا تھا۔

بستی کے آثار نظر آتے ہی ڈرائیور نے بار بار ہارن بجانا شروع کر دیا اور جب لاری بستی کی حدود میں داخل ہوئی تو سڑک کے کنارے برف کے نرم تودوں میں بے شمار سرخ و سفید بچے چیخ چیخ کر لاری کو نرم نرم برف اچھالنے لگے۔

کاٹھ مندر کی آبادی ان دنوں شدید برفانی ہواؤں کی زد میں آئی ہوئی تھی۔ تند و تیز اونی کپڑوں میں لپٹے ہوئے لاری کے منتظر شوقین بچوں کے سوا سڑکوں پر کوئی دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہر طرف عجیب یاس انگیز ویرانی کا راج تھا۔ علاقے میں ہریالی کا کہیں نام نہ تھا۔ درختوں پر خزاں کا راج تھا۔ جو ان کی ٹہنیوں کو

پھولوں سے محروم، بلند و بالا، تناور درختوں کی ننگی شاخیں یاسیت کے تاثر کو اور گہرا کر رہی تھیں۔

پھر لاری ایک جگہ رک گئی۔ یہاں بار برداری ہونی تھی ... چند لوگ آ چکے تھے اور ان کی وہاں آمد کسی شوق کا نتیجہ نہ تھی۔ ان میں ایک آدمی کاٹھ مندر کے ڈاک خانے سے آیا تھا۔ اس نے ایک فارم پر کلینر کے دستخط لے کر دو پارسل اور چند خطوط پر مشتمل ایک سربمہر لفافہ اس کے حوالے کیا۔ پھر کلینر نے ایک فارم پر دستخط لے کر بھٹ گرہ آنے والی ڈاک اس کے حوالے کی۔ چند تاجروں کے سامان کے تھیلے ان کے سپرد کیے۔ آگے جانے والا سامان کاغذی خانہ پری کے بعد لاری میں بار کیا۔ ان کارروائیوں سے نمٹ کر کلینر نے ڈرائیور سے کچھ بات کی پھر میرے پاس آ گیا۔

"میرے خیر چلے گئے؟" اس نے قریب آ کر مجھ سے پوچھا۔

"کہاں؟"

"میری بیوی میری ماں کے ساتھ یہیں کاٹھ مندر میں رہتی ہے۔ میں آتے جاتے اس سے مل لیتا ہوں اور برفباری کے طوفانی موسم کے آغاز سے پہلے آخری پھیرے میں، میں ان دونوں کو اپنے ساتھ بھٹ گرہ لے جاتا ہوں۔ وہ دونوں بالکل تیار میری منتظر ہوں گی۔" اس نے بتایا۔

"کیا تم بھٹ گرہ ہی کے رہنے والے ہو؟"

"ہاں، وہاں میرے پاس سرکاری کوارٹر ہے!"

میرے لیے یہ موقع غنیمت تھا۔ لاری میں بیٹھ کر اپنے گھر سے بہتر تھا کہ اس شہر کے گلی کوچے بھی دیکھ لیے جائیں، کون جانے زندگی میں اس شہر میں آنے کا دوسرا موقع بھی میسر آ سکے!

اس معاملے میں بینا میری ہمنوا تھی۔ ہم دونوں جیسے ہی نشست سے اٹھے کلینر چونک کر ایک دم اگلی سیٹ میں کسی چیز پر جھک پڑا۔ ساتھ ہی اس کے منہ سے تحیر آمیز آواز بھی نکلی تھی۔

پھر میں نے بھی وہ حیرت ناک منظر دیکھا۔ بس کے آگے والی نشست کے عقب میں آہنی دستے لگے ہوئے تھے تاکہ پیچھے بیٹھنے والے انھیں پکڑ کر خود کو شدید دھچکوں اور جھٹکوں سے بچا سکیں۔ میرے آگے نصب آہنی دستہ اس وقت زردی مائل چمک دے رہا تھا۔ مجھے خیال بھی نہ تھا کہ جاتے سوار ہونے کے وقت اس کا کیا رنگ تھا۔

جوں ہی میری نظر اٹھی کلینر نے چلا کر کہا "وہ بڑبڑانے لگا۔ یہ سونا کیسے ہو گیا؟"

"وہ شاید ڈپو والوں نے بدل دیا ہوگا۔" میں نے لاعلمی سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ وہ مزید الفاظ سمجھ کر تو میری بات کی تیزی میں دھڑکنے لگے۔

"... نے ... سرکشی کی ... بھٹ گرہ

میں ایک رات میں اسی جگہ سویا تھا جہاں تم بیٹھے ہو۔ یہ سونا ہے کیا؟"

اور اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی میری نظر اپنے بائیں ہاتھ پہنچی اور یک بیک میرے ذہن میں خوشی کا ایک شدید جھکڑ ہوا۔ بینا بھی صورت حال کا اندازہ لگا چکی تھی اور اس وقت وہ پلکیں جھپکائے بغیر پرجوش انداز میں میرے بائیں ہاتھ کو گھورتے جا رہی تھی۔

مگر اس سے پہلے کہ بینا بولتی میں نے اپنے جوش و خروش کو دباتے ہوئے کلینر سے کہا۔ "چھوڑو، ہوا ہوگا کچھ، کیا تم اپنے گھر نہیں چلو گے؟"

"ہاں... آں!" وہ چونک کر بولا۔ "آؤ!"

راستے میں لاری کا کلینر مجھے کاٹھ مندر کے بارے میں بتاتا گیا۔ جا بجا بازار اور میں ہوں ہاں کرکے اسے ٹالتا رہا کیونکہ اس وقت میرا ذہن بے خیالی کے عالم میں خلاؤں میں تیرتا پھر رہا تھا۔ مجھے اپنے ارد گرد خوابوں کی ایک جنت رقصاں نظر آ رہی تھی۔ میری نظروں میں بار بار اپنے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں پہنی ہوئی وہ انگوٹھی گھوم جاتی تھی جس کی ایک انگلی میں چھوٹے سے سیاہ پتھر والی چاندی کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی۔ ان لمحات سے پیشتر وہ انگوٹھی میرے لیے بالکل بے حقیقت اور معمولی تھی۔ اس کی اہمیت صرف اس جذباتی رشتے کی وجہ سے تھی جو سندری نے اپنی یہ نشانی میرے حوالے کر کے قائم کیا تھا۔ سندری بے خبر سامان اور دوستوں کے حوالے میں تنہا ضرور تھی مگر اس کی فراخدلی بے مثال تھی۔ مجھے رخصت کرتے ہوئے وہ سادہ دل دوشیزہ مجھے کوئی قیمتی تحفہ تو نہ دے سکی، ہاں اس کی آنکھوں میں لرزتے ہوئے بہتے آنسو یا پھر نظا ہر بے وقعت نظر آنے والی چاندی کی انگوٹھی میرے لیے اس کی دلآویز یادگاریں تھیں اور یہ حقیقت ہے کہ سندری سے رخصت ہونے کے بعد بارہا میں نے اسے یاد کیا تھا۔ جب بھی انگوٹھی پر نظر پڑتی بے اختیار سندری یاد آ جاتی تھی جس نے اپنے باپ اندرام کی دی ہوئی وہ نشانی میرے حوالے کر دی تھی۔

اور اب میرے بائیں ہاتھ میں وہ انگوٹھی یک بیک یوں نمایاں ہو گئی تھی کہ مجھے صرف وہی نظر آ رہی تھی۔ اس کے سامنے میرا پورا ہاتھ اپنا وجود کھو چکا تھا اور اگر میرا خیال درست تھا تو وہ انگوٹھی روئے زمین پر میرے لیے اہم ترین مادی شے کا درجہ حاصل کر چکی تھی۔

لاری میں کلینر کی نشاندہی پر جب میں آہنی دستے کا جائزہ لے رہا تھا تو میں نے دیکھا تھا کہ میرے بائیں ہاتھ کی انگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی اس طرح گھومی ہوئی تھی کہ اس کا پتھر والا سیاہ نگ ہتھیلی کی طرف ہو گیا تھا اور میں اسی ہاتھ سے کافی دیر تک وہ دستہ تھامے بیٹھا رہا تھا اور شاید اسی نگ کے لمس سے وہ لوہا سونے میں بدل گیا تھا۔ یہ قیاس اندرام کے آتی چیلے کی ماہیئت کی تبدیلی کے راز سے بھی پردہ

ہٹتا جا رہا تھا۔ شاید نرم نرم برف سے لدی ہوئی زمین پر چلنے سے محفوظ راہ تلاش کرنے کے ہوئے کسی طرح اس نادر الوجود انگوٹھی میں جڑا ہوا پتھر آہنی چھلے سے مس ہوتا رہا اور یوں وہ لوہا ٹھوس سونے میں تبدیل ہو گیا۔

اتفاق رام نے وہ انگوٹھی سندری کو بلا وجہ نہیں دی تھی۔ میں جتنا غور کرتا تھا اسی قدر یہ امر یقین کو پہنچتا جا رہا تھا کہ بظاہر حقیر اور بے وقعت نظر آنے والی اس انگوٹھی میں نگ کی جگہ پارس پتھر جڑا ہوا ہے جو صدیوں سے محض پراسرار داستانوں کا ایک موضوع بنا ہوا تھا۔

کیمیاگری کا خبط شروع ہونے سے اب تک کے میرے تجربات نہایت جگر خراش تھے۔ بار آور ہو مراد ہاتھ آتے آتے بھٹک جاتی تھی یوں دکھ بھری کہ زندگی کی ڈور تک ہاتھ آتی رہی اور جب میں اپنی محنت جانی اور معقول یادوں کے باعث سارے صدمات جھیل کر بھاندرناس پالینے میں کامیاب ہو گیا تو یک بیک کہیں سے اتفاق رام خبیث شیطان بن کر نمودار ہوا اور مجھے میری اس بیش قیمت بازیافت سے محروم کر گیا اور میں انگلی میں پارس پتھر کی انگوٹھی پہنے اس کی اصلیت سے بے خبر سیتا کی تشفی اور دلجوئی کے سہارے دھول گری کی خوفناک دلدل اور پرفریب راہوں پر چل کھڑا ہوا مگر کاتب تقدیر میری ہر تدبیر پر خندہ زن تھا۔ یہ سفر بھی مجھے راس نہ آیا۔ سیتا ایک خون کی مرتکب ہوئی اور میں پل بھر میں اپنے میزبانوں کے محترم مہمان سے خونی مجرم کے درجے پر آ گرا اور کیمیاگری کے شدید جنون کو خیر باد کہتے ہوئے ناکام و نامراد ان ہولناک دلدلوں سے بھاگنا پڑ گیا اور اب جبکہ میں کیمیاگری اور پارس پتھر کو خواب کا فسوں سمجھ کر ناامید ہو چلا تھا تو یک بیک پتہ چلا کہ مجھے جس سنگ گراں مایہ کی جستجو ہے وہ تو پہلے ہی سے میری ملکیت ہے مگر اب میں شدید بے یقینی کا شکار تھا۔ مجھے کچھ یقین نہ تھا کہ قدرت نے کتنی مدت کے لیے اس انعام سے مجھے نوازا ہے اور یہ کب اچانک میرے قبضے سے نکل جائے گا۔

میری سوچ کا تسلسل اس وقت ٹوٹا جب ہم کلیبر کے مکان پر جا پہنچے۔ اس کی بوڑھی ماں کچے مکان کے دروازے کو تالا لگائے کسی کی منتظر تھی۔ اس کی بیوی کے جوان و رعنا چہرے پر اپنے شوہر کو سامنے پا کر طمانیت کی سرخی پھیل گئی۔

کلیبر نے محبت آمیز انداز میں ان دونوں کو ہمارے بارے میں بتایا پھر ٹین کا ایک صندوق اور ٹشوں کی ٹوکری پر مشتمل سامان لے کر وہ واپس چل پڑا۔

"یہ ہماری زبان نہیں جانتی۔" کلیبر نے اپنی بیوی کو سیتا کی دلچسپی لیتے دیکھ کر کہا۔ "یہ صرف ہندوستانی زبان جانتی ہے۔"

واپسی پر کلیبر نے مختلف راستہ اختیار کیا اور ایک ٹیکری سے ہمیں کاٹھ مندو کی مہیب عمارت دکھائی جس کے سنہرے کلس دور ہی سے چمک رہے تھے اور یوں بمشکل نصف گھنٹے میں ہی ہم لاری میں واپس پہنچ گئے۔

ہمارے جانے کے بعد مسافروں میں سے کسی نے سنہرے دستے کی طرف توجہ نہیں دی تھی، نہ ڈرائیور کو ہی اس بات کا علم ہو سکا تھا۔ کلیبر دونوں عورتوں کو لاری کے اگلے حصے میں بٹھا کر میرے ہی پاس لوٹ آیا۔

"میں آگے چلی جاؤں؟" اچانک سیتا نے مجھ سے پوچھا۔

"کیوں یہاں کیا برائی ہے؟" میں نے اس سے الٹا سوال کر دیا۔

"آگے سے آنے والا لاری کا شور مجھے اچھا لگ رہا ہے۔ قریب سے سنوں گی اور پھر سامنے والے شیشے سے راستہ بھی اچھا معلوم ہوگا۔" وہ خوشامدانہ لہجے میں بولی۔

"چلی جاؤ مگر کسی چیز سے چھیڑ چھاڑ مت کرنا ورنہ لاری پوری رفتار سے کسی کھڈ یا کھائی میں جا گرے گی۔" میں نے اسے تاکید کی۔

"سمجھ گئی ہوں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "مگر جناب! انگوٹھی سے ہوشیار رہو۔ میری ماں نے یہ تجھے بلا وجہ نہیں دی تھی شاید اسے نگ کی اصلیت معلوم تھی!"

"بک بک مت کرو۔" میں نے اسے گھورا۔ "اگر کسی نے تیری بات سمجھ لی تو ہمیں مار ڈالے جائیں گے۔"

وہ چپ چاپ باہر نکل گئی۔ چلتی لاری میں آگے بڑھنا اس کے لیے بہت دشوار ثابت ہوا۔ وہ کئی جگہ بری طرح لڑکھڑائی مگر کسی نہ کسی طرح میرے سہارے آگے پہنچ ہی گئی۔ اسے چھوڑ کر میں دوبارہ اپنی جگہ پر آ گیا۔

"دیکھو استاد.....!" کلیبر نے میرے برابر میں بیٹھتے ہوئے بات شروع کرنی چاہی مگر میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"ہو سکے تو کسی کو پتہ چلے بغیر یہ دستہ یہاں سے کھول لو۔" میں نے اسے مشورہ دیا۔

"کیوں؟"

"اس لیے کہ یہ خالص سونے کا ہے، پانسہ کھونے کا۔" میں نے تیز سرگوشی کی۔ "میں سیاحت سے پہلے برسوں صراف رہا ہوں اور میری آنکھ ہی کسوٹی کا کام کرتی ہے۔"

"دانشمند..... مگر یہ ہوا کیسے؟" وہ الجھن اور بے یقینی کے عالم میں بولا۔

"جیسے بھی ہوا ہو، یہ بعد میں سوچیں گے پہلے اسے نکال کر کہیں چھپا دو۔"

لاری میں مسافر کم ہونے کے سبب ہم سے اگلی نشست خالی پڑی ہوئی تھی۔ کلیبر نے اپنی جیب سے پیچ کس نکالا اور چند ہی منٹ میں اگلی نشست کی پشت کی آڑ میں دستہ کھول لیا اور میرے ہی ایما پر اس نے اپنی ماں کے صندوق کا تالا کھول کر دستہ اس میں چھپا دیا۔

"اگر یہ سونا ہی ہے تو ہم ٹھٹ پہنچ کر اسے بیچ کر مالا مال ہو جائیں گے۔" اپنے کام سے فارغ ہو کر وہ مسرت سے کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔

"وہ سونا تمہارا ہے مجھے اس سے کوئی غرض نہیں — سیاحوں کے لیے پیسہ بے حقیقت ہوتا ہے۔" میں نے شان بے نیازی سے جواب دیا۔

وہ میری بے نفسی سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ اسے لوہے کے سونے میں بدل جانے کے بارے میں شدید خلش تھی مگر جب وہ بلاشرکت غیرے اس کا مالک ہو گیا تو اس کے تجسس کی جگہ رازداری کے جذبے نے لے لی۔

دھندلکا پھیلتے پھیلتے لاری گوری شنکر نامی گاؤں جا پہنچی اور ڈرائیور نے یہاں شب باشی کا اعلان کر دیا کیونکہ رات میں ان ہولناک پہاڑی راستوں کا سفر یقینی موت کا پیش خیمہ تھا۔

یہ بستی بھی انتہائی پسماندہ اور عسرت زدہ تھی اور لاری پہنچنے تک اس کے گرد و پیش پرانے گرم کپڑوں میں ملبوس بہت سے لوگ آ چکے تھے جو واجبی معاوضے پر مسافروں کو اپنے گھروں میں ٹھہرنے کے لیے کوشاں تھے۔ کلیبر میرا اتنا گرویدہ ہو چکا تھا کہ میرے ساتھ ہی کسی مکان میں ٹھہرنا چاہتا تھا مگر مجھے انگوٹھی کی آزمائش کے لیے تنہائی درکار تھی لہٰذا ایک روشنی بڑھیا کے ساتھ ہو لیا جس کا مکان چند قدم کے فاصلے پر تھا۔

ہمیں جھونپڑے میں بستر دینے کے بعد بڑھیا باہر جانے لگی تو میں نے اسے روک لیا۔ یہاں غربت کا یہ عالم تھا کہ وہ لوگ معمولی معاوضے پر اپنا گھر مسافروں کے حوالے کر کے خود طوفانی سردی میں کھلے آسمان تلے پڑ جاتے تھے مگر میں نے یہ ظلم گوارا نہ کیا اور بڑھیا کو وہیں سونے کی اجازت دے دی۔

کچھ وقت گزرنے کے بعد جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ بڑھیا سو گئی ہوگی تو میں دبے پاؤں اپنی جگہ سے اٹھا۔ سیتا نے بڑھیا کا جائزہ لیا اور اس سے مطمئن ہو کر ہم دونوں چربی سے بنائے ہوئے چراغ کے نزدیک آ گئے جو جھونپڑے میں کونے میں رکھا ہوا اور کافی زیادہ تھا مگر

میں نے کسی وزنی چیز پر لوہے کی چھڑی کو ٹیک دی۔

روشنی میں غور سے چھڑی کا مشاہدہ کرنے کے بعد میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ انگوٹھی کا نگ اس کے آہنی پھل سے مس کیا۔ میری اور سیتا کی بے چین نگاہیں لوہے پر جمی رہیں۔ پھر آہستہ آہستہ لوہے کی سیاہی دھندلانے لگی۔ ساتھ ہی لوہے میں نہ جانے کہاں سے پیلی کی طراوت بھی سرایت کر گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے چھڑی کا پھل چمکتے ہوئے سونے میں تبدیل ہو گیا اور میں اسے پھینک کر والہانہ انداز میں سیتا سے لپٹ گیا۔

میرے لیے وہ خوشی کی معراج تھی۔ گو سیتا کو لوہے اور سونے کی قدر و قیمت کا فرق معلوم نہ تھا اس کے نزدیک یہ صرف رنگ بدلنے کی بات تھی مگر اس نے بھی میری خوشی کا بھرپور ساتھ دیا۔

اگلی صبح ابھی فضا میں روشنی کی پہلی کرن بھی نہ جھانکی تھی کہ ہماری میزبان بڑھیا بیدار ہو گئی اور چولہا گرم کر کے ہمارے لیے ناشتہ تیار کرنے لگی۔ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد میں اس سے رخصت ہو گیا۔ اسی دوران میں فضا لاری کے انجن کے شور سے گونج اٹھی۔ عین صبح صادق کے طلسماتی سکوت میں اس کا ہارن گونجا۔ یہ سواریوں کے لیے روانگی کا اعلان تھا۔

"یہ رکھ لو ماں!" میں نے جھونپڑی سے نکلتے ہوئے طلائی چھڑی اسے تھماتے ہوئے کہا۔ "یہ کسی ایماندار آدمی کے ہاتھ بیچ کر تو اچھے پیسے کما سکے گی۔"

وہ ضعیف ضرور تھی مگر بصارت کی اس میں اب تک کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ اس نے فوراً ہی اسے دیکھا اور سردی سے کانپتی ہوئی متعجب آمیز آواز میں بولی۔ "یہ تو میری چھڑی ہے مگر اس کا رنگ سنہرا کیسے ہو گیا؟"

"یہ سونے کی چھڑی ہے۔" دوسرا اعلان سن کر میں جلدی سے بولا اور سیتا کو لیے آگے بڑھ گیا۔

ہمارے سوار ہوتے ہی بس روانہ ہو گئی۔ بڑھیا اپنی جھونپڑی کے سامنے کھڑی حیران و پریشان نظروں سے چھڑی کو ٹٹولے جا رہی تھی۔

اس روز ہمیں سورج دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ صبح ہی سے وادیوں میں گہرے سیاہ بادل امڈے چلے آ رہے تھے مگر تیز ہوائیں بار بار انہیں منتشر کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ مجھے کلیبر کی زبانی پتہ چلا کہ لاری کے پچھلے حصے میں رکھے ہوئے ڈیزل کے ڈرم میں کسی طرح ننھا سا سوراخ ہو گیا جس کے باعث ڈرم کے پیندے سے مسلسل تیل رس رہا تھا۔ کھٹمنڈو سے چلتے وقت ہی لاری میں پینتالیس گیلن ڈیزل سے بھرا ہوا ڈرم رکھ دیا جاتا تھا جو حسب ضرورت دوران سفر کے لیے کافی ہوتا تھا مگر اب تک لاری کی ٹنکی میں بیس یا تیس گیلن ڈیزل ڈالا جا چکا تھا اور

کم از کم تیرہ میل کی مسافت باقی تھی۔ یہ سوراخ اگر گوری شنکر ہی میں دریافت ہو جاتا تو کوئی متبادل انتظام بھی کیا جا سکتا تھا مگر وہاں سے چند دو تین میل دور آ جانے کے بعد واپسی کی کوئی امکانی صورت نہ رہی تھی۔ وہ بھی پہاڑی سڑک اس قدر خطرناک اور پتلی تھی کہ اس پر لاری کا واپس گھمایا جانا ناممکن تھا۔ اسی طرح خطرناک موڑ اور خون آشام کھائیاں ریورس ڈرائیونگ میں حائل تھیں۔ لاری روک کر پیدل گوری شنکر جانے کا خیال ہی احمقانہ تھا کیونکہ اس طرح کافی وقت اور سوراخ کے ذریعے ڈیزل ضائع ہوتا اور اگر گوری شنکر میں کوئی خالی ڈرم مل بھی جاتا تو اسے لاری تک لانا محال تھا۔

کافی سوچ بچار کے بعد لاری روک دی گئی۔ میرے مشورے پر قریب ہی سے چند پہاڑی پتھر اٹھائے گئے اور ڈرم وزنی تھا، اس کا پیندا کسی نہ کسی طرح پتھروں پر ٹکا دیا گیا۔ اسے مضبوطی سے رکھنے کے بعد نیچے اتنی جگہ پیدا ہو گئی کہ ہاتھ داخل کیا جا سکے اور یوں ہی وہ سوراخ ڈھونڈ لیا گیا۔ کلینر نے لاری کے فرش پر لیٹ کر ایک انگلی سے سوراخ بند کر لیا اور یوں سفر دوبارہ شروع ہو گیا۔ میری اس بروقت تدبیر پر میرے ساتھی ہم سفر خوش نظر آ رہے تھے۔

مگر یہ خوش خیالی زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔ ایک جگہ لاری کو تیز جھٹکا لگا۔ پچھلے حصے سے عجیب سی آواز اور اس کے ساتھ کلینر کی چیخ ابھری۔ سامنے مسافر جو پشت سے اچھلے اور [illegible] تو سب کے چہرے اتر گئے [illegible] نکل گئی۔

جائزہ لینے پر پتہ چلا کہ جب تک ڈرم پیندے کی کوٹ پر ٹکا رہا غنیمت تھا مگر پتھروں پر ٹکائے جانے کے بعد سارا زور پیندے پر آ گیا جو بری طرح زنگ آلود اور کمزور ہو چکا تھا۔ جھٹکا لگتے ہی ایک پتھر پیندے کو پھاڑ کر اندر گھس گیا اور سارا ڈیزل ضائع ہو گیا۔

یہ صورت حال سخت تشویش ناک تھی۔ ڈرائیور نے دو ٹوک الفاظ میں اعلان کر دیا کہ وہ ٹنکی میں موجود ڈیزل کو لاکھ کفایت سے استعمال کرے مگر اب لاری کا موٹھ تک پہنچنا ناممکنات میں سے ہے۔ یہ سنتے ہی لاری میں ہراس پھیل گیا۔ نوجوان اپنی ساتھی برقعہ پوش لڑکی کی جانب سے تشویش کا شکار تھے اور جب مجھے یہ پتہ چلا کہ اس وقت ہم ایک غیر محفوظ علاقے میں ہیں جہاں جا بجا راہزن قبائل آباد ہیں تو میں بھی سخت الجھن میں پڑ گیا۔

لاری کا ڈرائیور واقعی بہت ہوشیار تھا۔ اب اس نے یہ ترکیب اختیار کی کہ ڈھلان اترتے ہوئے وہ لاری کا انجن بند کر دیتا تھا اور چڑھائی پر بحالت مجبوری انجن چلا لیتا تھا۔

یہ شاید سچ ہی ہے کہ مصیبت کبھی تنہا نہیں آتی۔ ادھر لاری انجن کے شدید بحران سے دوچار تھی ادھر آسمانی تیور بھی بدلے سامنے صاف آثار ہو چلی تھیں۔ پہلے ہوائیں بند ہوئیں پھر اچانک گہرے بادلوں سے برف گرنی شروع ہو گئی۔ ڈرائیور کو اب ڈھلان پر بھی احتیاط کے پیش نظر انجن چلانا پڑ گیا اور یوں ہمارا پورا کارواں سخت خطرات سے دوچار ہو گیا۔

برفباری شدید ہونے سے پہلے ہی ہوائیں چل پڑیں اور بادلوں کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ مگر برفباری ختم ہونے تک راستوں اور پہاڑیوں پر کئی انچ برف جم چکی تھی۔ یہ سطح سڑک پر سفر کے لیے اتنی خطرناک تھی کہ سڑک کے کنارے اور گڑھے اب بھی دیکھے جا سکتے تھے۔

اور ایک ڈھلان پر ڈرائیور نے انجن بند کرتے ہوئے آواز لگائی کہ اب گاڑی رک گئی تو آگے نہیں جائے گی۔ مسافر اپنی اپنی حفاظت کا انتظام کر لیں۔

میں نے ڈرائیور سے کہا کہ وہ آخری قطرے تک لاری کو چلاتا رہے مگر وہ نہ مانا۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ ڈیزل کی ٹنکی اگر ایک بار خالی ہو جائے تو سارا سسٹم ایرلاک ہو جاتا ہے جسے ٹنکی دوبارہ بھر دینے کے باوجود دور کرنا مشکل ہوتا ہے اور ایسے میں اگر بیٹری بھی ڈاؤن ہو جائے تو اس برف پوش پتھریلی سڑک پر لاری کو کھینچنا بھی محال ہو گا لہٰذا کیوں نہ دو چار میل کا ایندھن لیے بغیر لاری وہیں بند کر دی جائے۔

ڈیزل گاڑیوں کے بارے میں میری معلومات ناقص تھیں لہٰذا میں خاموش ہو رہا۔ پھر ڈرائیور کو نہ جانے کیا سوجھی کہ اس نے پھر انجن اسٹارٹ کیا اور [illegible] کے لیے جتنے پر لاری کنارے سے روک دی جہاں خاصی دور تک ڈھلان نظر آ رہی تھی اور [illegible] لاری آگے [illegible]

لاری کے تمام پہیوں میں پتھر لگانے کے بعد ڈرائیور و کلینر [illegible] کرنے لگے۔ ابھی موٹھ یہاں سے کم از کم پچیس میل دور تھا اور یہ مسافت ایک روز میں پیدل طے کرنا ناممکن تھا۔ اس وقت دن کے دو بجے تھے مگر دھند کا اتنا گہرا تھا کہ شام کا گمان ہوتا تھا۔

کافی مباحثے کے بعد طے پایا کہ وہ رات سب لوگ اسی جگہ لاری میں بند رہ کر بسر کریں۔ اگلے روز علی الصبح ڈرائیور پیدل موٹھ کی طرف چل دیتا۔ انہیں یہ تو یقین تھا کہ جب لاری مقررہ وقت پر موٹھ نہیں پہنچے گی تو وہاں سے امدادی پارٹی لاری کی تلاش میں نکلے گی۔ مگر انہیں یہ گمان بھی نہ ہو گا کہ بدنصیب لاری ڈیزل کی کمی کا شکار ہوئی ہے۔ پھر چونکہ سے لاری ایک دن پہلے روانہ ہوئی تھی لہٰذا موٹھ والے نہایت اطمینان سے اگلا دن تو انتظار میں گزار ہی دیتے اور یوں کم از کم ہمارے تین دن ضائع ہو جاتے۔

[illegible] ختم ہو گیا [illegible]

ایک ہی کنبے کے افراد ہوں۔ اس وقت بس کی کل آبادی ستر افراد پر مشتمل تھی۔ ان میں سے تین بوڑھے، پانچ بچے اور سیتا کے علاوہ مزید تین عورتیں تھیں اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری اب کل چھ افراد پر تھی۔ ڈرائیور، کلینر، جھٹ گڑھ سے آنے والے دو نوجوان، سیتا اور میں خود۔

متوقع خطرات پر گفتگو شروع ہوئی تو میں ان لوگوں کو لاری سے نیچے لے آیا کیونکہ اس طرح عورتوں اور بچوں کے حد سے زیادہ خوفزدہ ہو جانے کا امکان تھا۔ نیچے آ کر سب سے پہلے میں نے ان سے اسلحے کے بارے میں دریافت کیا۔ ڈرائیور اور کلینر جیب میں [illegible] والے شکاری چاقوؤں سے مسلح تھے۔ نوجوان نہتے تھے۔ میں نے انہیں اعتماد میں لیتے ہوئے اس ریوالور اور کارتوسوں کی موجودگی سے آگاہ کر دیا جو مجھے وان برین کے سامان سے مال غنیمت کے طور پر ہاتھ آیا تھا۔

میرا مفہوم سمجھ کر ڈرائیور پھیکے انداز میں ہنس دیا۔ "اگر لٹیرے آ ہی گئے تو یہ ریوالور بے کار ہو گا بابو! اگر تم نے ان کے ایک آدمی کو بھی زخمی کر دیا تو وہ صرف لوٹ مار ہی پر اکتفا نہیں کریں گے بلکہ چن چن کر سارے مسافروں کو مار ڈالیں گے۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" ایک نوجوان نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "یہ لٹیرے رائفلوں وغیرہ سے لیس ہوتے ہیں۔ لوٹ مار ہی ان کا پیشہ ہے۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم خود کو لٹیروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں۔" میں نے مایوسی سے کہا۔

"نہیں۔" ڈرائیور نے کہا۔ "اس سے بہتر یہ ہو گا کہ ہم لاری میں رک کر رات کو ان کے حملے کا انتظار کرنے کے بجائے خود ان کی بستی میں پناہ لے لیں۔"

"یہ سراسر احمقانہ تجویز ہے۔" میں نے سختی سے اس کی مخالفت کی مگر وہ چاروں میرے مقابلے میں ہم خیال ہو گئے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ لٹیرے عام حالات میں امن پسند ہوتے ہیں اور جب تک مشتعل نہ کیا جائے خون ریزی سے گریز کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ طے پایا کہ قیمتی سامان کو ڈیزل کے ٹوٹے ہوئے ڈرم میں چھپا دیا جائے اور دیگر اسباب لے کر سب لوگ اسی وقت لٹیروں کی قریبی آبادی کی طرف چل دیں تاکہ اندھیرا پھیلنے یا دوبارہ برفباری شروع ہونے سے قبل وہاں پناہ لے سکیں۔

لاری کے مسافروں کے ہمراہ قیمتی سامان بہت کم تھا البتہ نقدی خاصی تھی۔ بیشتر رقم اپنے سامان کے ساتھ ڈرم میں چھپا دی گئی۔ خیال تھا کہ اگر ڈاکوؤں نے ہماری غیر حاضری میں لاری کی تلاشی بھی لی تو وہ تیل کے ڈرم کا رخ نہیں کریں گے۔

ہم لوگ ایک [illegible] گھنٹے کی [illegible] کے بعد ایک چھوٹی سی آبادی کے آثار پا لینے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ وہاں بڑے تقریباً سولہ سترہ مکانات بنے ہوئے تھے۔

"یہاں کسی کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ڈرم سے ڈیزل بہہ گیا ہے۔" ڈرائیور نے سب کو دانشمندانہ ہدایت دی۔ "میں کسی اور خرابی کا بہانہ کروں گا تاکہ یہ لوگ ڈرم کی طرف متوجہ نہ ہوں۔"

بستی والے دور ہی سے ہماری جھلک دیکھ کر مکانوں سے نکل آئے اور ہمارے قریب پہنچنے کا انتظار کرنے لگے۔ ان کے تیور کچھ غیر دوستانہ نظر آ رہے تھے۔

ہم سب لوگ ان کے سامنے جا کر رک گئے اور ڈرائیور ان سے مخاطب ہو گیا۔ "ہم سب سرکاری لاری کے مسافر ہیں۔ لاری میں کوئی بڑی خرابی ہو گئی ہے اور وہ سڑک پر کھڑی ہے۔ ہم تم لوگوں کے احسان مند ہوں گے اگر موٹھ سے مدد آنے تک ہمیں یہاں پناہ دے دی جائے۔"

چند ثانیوں تک ان پر سکوت چھایا رہا۔ خطرناک چہروں والے مرد عجیب نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے پھر چہرے سے قدرے معزز نظر آنے والا ایک پستہ قامت شخص مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھا۔ "ہم کو کوئی اعتراض نہیں لیکن تمہیں یہاں رہنے اور کھانے پینے کا معاوضہ دینا ہو گا۔"

"اس کے لیے ہم تیار ہیں۔" ڈرائیور بولا۔

"تم لوگوں کے پاس کوئی قیمتی سامان تو نہیں ہے؟" اس پستہ قامت مکار شخص کے لہجے میں یہ سوال کرتے ہوئے بلا کا تجسس ابھر آیا۔

"تھوڑا بہت تو سب ہی کے پاس ہو گا۔" ہماری جماعت کے ایک بوڑھے نے ڈرائیور کو خاموش پا کر کہا۔

پستہ قامت شخص نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا جیسے یہ جان کر اسے اطمینان ہوا ہو۔ پھر بولا۔ "ہم یہاں تمہاری جانوں کی پوری حفاظت کریں گے لیکن سامان کے بارے میں ہمارا کوئی ذمہ نہ ہو گا کیونکہ یہاں آس پاس میں بہت سے ڈاکو رہتے ہیں جو آئے دن ہمارا مال و اسباب چرا لے جاتے ہیں۔ ہم ان کے ہاتھوں تنگ آئے ہوئے ہیں۔ اس لیے سامان کی کوئی ذمہ داری ہم پر نہ ہو گی۔"

"ہمیں تمہاری مجبوری کا پورا احساس ہے۔" بوڑھا بولا۔

پھر خود کو شریف ظاہر کرنے والے ان ڈاکوؤں نے بڑھ کر ہم سب کے ہاتھوں سے سامان لے لیا۔ اس طرح وہ نوعیت اور وزن کی بنا پر مال غنیمت کی مالیت کا تعین کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ہمیں ایک بڑے جھونپڑے میں چھوڑ کر وہ سب یکے بعد دیگرے تیزی سے کھسکتے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد میں [illegible]

باہر نکلا تو ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ غالباً وہ سب کسی جگہ یکجا ہو کر ہمیں لوٹنے کا منصوبہ تیار کرنے میں مصروف تھے۔

دیگر لوگوں نے بھی میری رائے سے اتفاق کیا۔ ہم سب یہ طے کر چکے تھے کہ اگر جوالوں کے تحفظ کے بدلے ہمارا سارا اسباب بھی لٹ جائے تو قطعی مزاحمت نہیں کریں گے۔ لیکن بظاہر خود کو حالات سے بے پرواہ ظاہر کرنے کے لئے فوتا میور نے اپنے تھیلے سے تاشوں کی گڈی نکال لی۔ بوڑھے اچوں کو سمیٹ کر علاقہ کی کوئی دلچسپ لوک کہانی سنانے بیٹھ گئے۔

میں نے نپے تلے انداز میں گفتگو کرتے ہوئے جوکر کی کوشش میں گڈی اٹھائی۔ اتنے عرصہ بعد وہ یادوں بھرے پتے ہاتھ میں آئے تو اجنبی اجنبی سے نظر آئے۔ اس وقت کسی کا دل کھیل میں نہ تھا مگر خود کو مصروف دکھانا بے حد ضروری تھا۔ آخر طے ہوا کہ ابتدا رمی سے کی جائے۔ میں نے پتے بانٹنے کے لئے اپنے ہاتھ میں موجود گڈی کی طرف دیکھا تو اچانک بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ گڈی میں حکم کی بیگم سب سے اوپر تھی۔ نہ جانے کب میں نے غیر ارادی طور پر اسے اوپر لگا دیا تھا۔ اپنی اس عادت کی وجہ سے ایک بار حلیہ بدل لینے کے باوجود کراچی میں پہچان لیا گیا تھا جب کہ میں قانون کو مطلوب تھا۔ پھر میں نے عرصہ دراز تک تاش کے کھیل کا منہ نہ دیکھا مگر یہ عادت شاید میرے لاشعور میں جڑ پکڑ چکی تھی۔

بظاہر ہم سب ہنس بول رہے تھے مگر چہرے پر تشویش کے سائے لرزاں تھے۔ علاوہ سیتا کے جو اپنی حرکات و سکنات سے نہایت بے خوف لگ رہا تھی۔ میں اسے پہلے ہی بس کا سفر منقطع ہو جانے کے سبب سے آگاہ کر چکا تھا اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس وقت ہم لٹیروں کے مہمان ہیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد ایک شخص ہمارے جھونپڑے پر آ پہنچا اور اس نے بستی والوں کی طرف سے ہمیں بتایا کہ اسی رات بستی میں مقامی طور پر ایک لڑکی بیاہی جانے والی ہے اور ہم سب اس تقریب میں بطور مہمان مدعو ہیں۔

ہمارے سامنے یہ دعوت قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ ہم میں سے ہر شخص سمجھ رہا تھا کہ ہمیں اپنے سامان کے پاس سے ہٹانے کے لئے بستی والوں نے یہ ڈھونگ رچایا ہے۔ ہماری عدم موجودگی میں وہ ہمارا سارا اسباب غائب کر دیں گے پھر ہم سے ہمدردی کرتے ہوئے سارا الزام نامعلوم لٹیروں کے سر تھوپ دیں گے۔ یہ سب جاننے کے باوجود ہمارے پاس اس دعوت سے فرار کی کوئی صورت نہ تھی۔

سیتا دعوت پر طاری قبولیت سے پہلے ہی ہتاڑ اور اکھڑی اکھڑی نظر آ رہی تھی۔ جب میں نے اسے یہ بتایا کہ شام کو کیا ہونے والا ہے تو وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں مجھ پر برس پڑی۔ "ہم سب دعوت میں جھک مارنے جائیں گے۔ تمہاں ان سب کو دیکھ لوں گی کوئی ایک تنکا بھی نہ لے جا سکے گا۔"

"شاید تو بھول رہی ہے کہ ان لوگوں کے پاس آتشیں اسلحہ کی جھلک بھی نظر آ رہی ہے۔"

"سیتا صرف ایک بار مرے گی۔" وہ برہم لہجے میں بولی۔ "تم لوگوں کا مکروہ رویہ دیکھتے دیکھتے میں تو بیمار پڑ جاؤں گی۔ کیا شہروں میں سب ہی ایسے ہوتے ہیں؟"

"مرنے کی بکواس تیری وجہ سے دوسری عورتوں کی مٹی پلید ہو جائے گی۔ میں برداشت نہیں کر پاتا۔ عورتوں کے بارے میں ہر شخص کا رویہ ایک ہی ہوتا ہے۔ وہ مرنے سے پہلے زندہ درگور کر دی جاتی ہیں۔"

"ہونہہ!" اس نے حقارت سے سر جھٹکا۔ "مجھے تعجب ہے کہ تو پاکر تیسے کے باوجود وہاں اور رہتی میرا کچھ نہ بگاڑ سکے۔"

"یہ عورتیں تیری طرح لنگڑی لولی نہیں ہیں۔ بس ایک بار ہی مر جائے چھوڑ کر ہی۔" وہ چند سیکنڈ تک خاموشی سے مجھے گھورتی رہی پھر اس کے لبوں کے گوشے کپکپائے اور وہ تیزی سے جھونپڑی سے نکل گئی۔ میں اسے پکارتا ہوا تیزی سے اس کے پیچھے لپکا مگر اس نے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ آخر میں نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا۔ اس کے شانے تھام کر میں نے اسے اپنی طرف گھمایا تو اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے اور اس نے سختی سے اپنے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔

"ارے! رو کیوں رہی ہے پگلی!" میں نے اسے پچکارا۔

"میں لنگڑی لولی ہی ہوں نا! میری ماں بھی لنگڑی تھی۔ جا اب کسی انسانوں جیسی پلی ہوئی لڑکی سے شادی کر لے۔" وہ غصیلی مگر گلوگیر آواز میں بولی۔

"یہ بات تو میں نے تعریف میں کہی تھی۔" میں بوکھلا کر بولا۔ "اگر ان کی تربیت بھی تیری طرح ہوئی ہوتی تو ہمیں ان کی کوئی فکر نہ ہوتی۔ وہ خود اپنی حفاظت کر لیتیں۔"

"نہیں۔۔۔ تو نے مجھ پر طنز کیا تھا۔"

"رام قسم طنز نہیں کیا تھا۔" میں اسے موم ہوتے دیکھ کر بولا۔ اور وہ روتے روتے یکایک کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "مسلمان ہو کر رام کی قسم کھاتا ہے۔"

اسے منا کر میں واپس جھونپڑے میں لایا تو ڈرائیور بولا۔ "کیوں بابو! جورو کو کیوں ستاتے ہو؟"

"مذاق بعد رواقع ہوئی ہے اور اس بات کی مخالف ہے کہ ہم دیدہ دانستہ لٹیروں کو اپنی مرضی مال کرنے کا موقع دیں۔"

"بات تو واقعی گھٹیا ہے لیکن کیا کریں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔" وہ منہ لٹکا کر بولا۔

اندھیرا پھیلتے ہی بستی ڈھولوں کے شور سے گونج اٹھی۔ ساتھ ہی ایک پستہ قد اور مکار رہزن دو آدمیوں کے ہمراہ ہمیں لے جانے آ پہنچا۔

گوپال کی بے چینی اور لالچی نگاہیں بدنصیب لاری کے اندر سے زیادہ سامان کا جائزہ لے رہی تھیں۔ آخری کوشش کے طور پر میں نے گوپال سے بچوں کو وہیں چھوڑ دینے کے لئے کہا لیکن وہ بگڑ گیا۔ اس نے کہا کہ کسی بھی شادی کے موقع پر بستی میں موجود ہر فرد کا چوپال میں آنا پڑتا ہے۔ کسی کا نہ آنا شادی کے لئے بدشگونی شمار کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد کوئی گنجائش ہی نہ رہی اور سب لوگ ان کی رہنمائی میں چوپال کی طرف چل پڑے۔ وہاں زمین میں گڑی ہوئی لکڑیوں پر جا بجا چربی کی مشعلیں جل رہی تھیں۔ تقریباً پوری ہی بستی موجود تھی۔ ایک آراستہ مسند پر ایک کریہہ صورت گنجا اور عمر رسیدہ شخص براجمان تھا۔ اس کے برابر میں ایک قدرے نیچے تخت پر ایک بے حد کمسن دوشیزہ لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ گوپال نے بتایا کہ وہ گنجا ان کی بستی کا سردار ہے اور لڑکی اس تقریب کی دلہن ہے۔

ہمیں وہاں پہنچا کر گوپال سیدھا سردار کے پاس گیا اور اسے ہم لوگوں کے بارے میں بتایا کیونکہ سردار نے خود ابھی ہماری طرف دیکھا تھا۔ پھر گوپال نے آراستہ مسند کے سامنے زمین پر لکڑیوں کا ایک الاؤ روشن کر دیا۔ اس مختصر سے الاؤ میں چوبی دستے والی ایک پتلی سی آہنی سلاخ پہلے سے دبی ہوئی تھی۔

الاؤ جل اٹھنے کے بعد ڈھولوں کی آواز تیز ہو گئی اور لٹیروں کا ہم عورتیں ایک گیت گاتے ہوئے مسند کے سامنے ناچنے لگیں۔ سردار کے اشاروں اور گوپال کی ہدایت پر ہماری عورتوں کو بھی اس رقص میں بادل نخواستہ شرکت کرنا پڑی۔ سیتا ان کی بھیڑ میں شامل ہو کر بھی اپنی حرکتوں سے بیزار لگ رہی تھی۔ وہ ناچتے ہوئے ہر بار کسی نہ کسی عورت کا پیر دبا دیتی تھی۔ گیت کے بول سمجھ میں نہ آ سکے لیکن ہلکی پھلکی سُریلی تانیں بھی ابھریں مگر وہ رسم بدستور جاری رہی۔ آہستہ آہستہ ہمارے ذہنوں سے سارے خطرات زائل ہونے لگے کیونکہ چند مقامی لڑکیاں بڑی بے باکی سے اپنے رقص میں جنسی انداز کی جھلکیاں دکھا رہی تھیں۔ پھر ڈھولوں کا آہنگ بدلا اور ان چند لڑکیوں کے علاوہ باقی سب عورتیں تماشائیوں میں لوٹ آئیں۔ اور تین نوجوان اچھل کر وسط میں جا پہنچے۔ میں ذہنی طور پر تماشائیوں کے باوجود گردو پیش سے غافل نہ تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ گوپال اور اس کے ساتھی لٹیروں کے ہمراہ وہاں سے کھسک گیا۔

وہ تین نوجوان قزاق اور ان کی ساتھی جو اب نازک اندام لڑکیاں تھیں حسن و کلام کے زنت سے سلوے بکھیر رہی تھیں۔ لڑکیاں ڈھولوں کے آہنگ پر ترنم کے ساتھ شب عروسی پر دلہن کی آرزوؤں کا برملا اظہار کر رہی تھیں اور لڑکے دولہا کی نمائندگی کرتے ہوئے انہیں ہر توقع پوری کئے جانے کا یقین دلا رہے تھے۔

رقص اور گیت کا یہ دور بہت طویل چلا۔ اس دوران جانے کس وقت گوپال واپس آ گیا تھا۔ شاید اسے مسافروں کا سامان ٹھکانے لگانے میں کوئی دقت پیش نہ آئی تھی۔

رقص ختم ہونے کے بعد گنجا سردار مسند سے اترا۔ اس نے الاؤ میں سے چوبی دستہ والی پتلی آہنی سلاخ نکالی جو تپ کر سرخ ہو چکی تھی۔ وہ دہکتی سلاخ لے کر سردار تخت پر بیٹھی لڑکی کے قریب پہنچا۔ اسی وقت دو عمر رسیدہ عورتیں بھی وہاں آ گئیں۔ سردار نے نہایت پھرتی اور مہارت سے گرم سلاخ کا نکیلا سرا لڑکی کے داہنے نتھنے میں اتار کر واپس نکال لیا۔ دھوئیں کا ہلکا سا مرغولہ بلند ہوا۔ لڑکی نے بے اختیار اپنے ہونٹ دانتوں میں بھینچ لئے مگر اس کے منہ سے اف تک نہ نکلی۔ سلاخ کے جلانے ہوئے سوراخ میں ایک عورت نے ایک پتلی سی بانس کی پروری ہوئی نالی چھیدنے کے بعد ہی کاجل دونوں کا تیل پر مہرایا گیا اور لڑکی کے کانوں میں بھی پتلی پتلی ڈنڈیاں پرو دی گئیں۔ اس وقت اتفاق سے گوپال میرے قریب کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اس سے اس ظلم کا سبب دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ شادی کی رات ناک اور کان اس لئے چھیدے جاتے ہیں تاکہ دلہن کو اس تکلیف کی وجہ سے کسی اور قسم کی اذیت کا احساس نہ ہونے پائے۔

ناک اور کان چھیدنے کے بعد لوگ کسی قریبی مقام سے مختلف برتنوں میں پانی لا کر چوپال کے وسط میں انڈیلنے لگے۔ یہ عمل اس وقت تک جاری رہا جب تک وہاں اچھی خاصی کیچڑ نہ ہو گئی۔ پھر سردار نے اپنی مسند کے قریب رکھا ہوا ایک ڈبہ وسط میں آ کر الٹ دیا۔ ڈبہ میں سے پانی کے ساتھ ہی کچھ خاصی بڑی مچھلیاں بھی کیچڑ میں گریں اور پانی ناکافی ہونے کے سبب بری طرح تڑپنے لگیں۔

ساتھ ہی تیزی سے ڈھول بجنا شروع ہوا اور وہی تین نوجوان جو قبیلے کی لڑکیوں کے ہم رقص رہے تھے نیم برہنہ ہو کر وسط میں آ کودے۔ تماشائی فرط جوش سے چیخنے چلانے لگے۔ پھر تڑپتی ہوئی مچھلیوں کے گرد سمٹ آئے اور وہ نوجوان پینترے بدل بدل کر کیچڑ میں تڑپتی ہوئی مچھلیوں پر وار کرنے لگے۔ تماشائیوں کے شور سے اندازہ ہوا کہ یہ کوئی اہم مقابلہ ہے۔ لوگ اپنے اپنے آدمی کی

زبردست حوصلہ افزائی کر رہے تھے اور وہ تینوں نیزے تول تول کر تیلی مچھلیوں کے کسی خاص حصے کو نشانہ بنا رہے تھے کیونکہ ابھی تک کسی مچھلی سے کوئی نیزہ مس نہیں ہوا تھا۔

یہ مقابلہ لاری کے مسافروں کے لئے بھی بے حد دلچسپ اور سنسنی خیز تھا۔ پھر ایک نوجوان نے نیزہ تول کر مچھلی پر وار کرنا چاہا۔ مچھلی اچانک تڑپی اور نوجوان نے بڑھتے ہوئے نیزے کو روکنا چاہا مگر اس کے مقدر نے یاوری نہ کی اور نیزہ کی انی زد میں آتی ہوئی مچھلی کے پیٹ میں پیوست ہو گئی۔

نوجوان نے سخت مایوسی اور جھلاہٹ کے عالم میں نیزہ کی انی زمین پر دے ماری۔ تڑپتی ہوئی مچھلی بے جان ہو چکی تھی۔ نوجوان نیزہ وہیں چھوڑ کر تماشائیوں کی بھیڑ میں شامل ہو گیا۔ اس کے رویے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مقابلہ ہار چکا ہے۔ اب میدان میں صرف دو حریف رہ گئے تھے۔ پانچوں مچھلیوں نے انہیں بری طرح زچ کیا ہوا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" سیتا نے جوشیلی آواز میں مجھ سے پوچھا۔

میں اسے کیا جواب دیتا۔ وہاں تو ہر ایک فرد جوش سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ کوئی بوڑھا ہوتا تو میں اس سے اس انوکھے کھیل کے بارے میں معلومات حاصل کرتا۔

وہ دونوں ہی ماہر نشانہ باز معلوم ہوتے تھے۔ بعض اوقات تو تڑپ کر آتی ہوئی مچھلی کے جسم کے کسی غیر مطلوبہ حصے سے نیزے کی انی یوں صاف بچا لے جاتے کہ لوگ عش عش کر اٹھتے۔ مقابلہ جوں جوں طول پکڑ رہا تھا۔ آخر کار مجھے ایک ادھیڑ عمر شخص بھیڑ کے پیچھے اکیلا کھڑا نظر آیا۔ وہ اس مقابلے میں کسی گرمجوشی کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔

اس کی زبانی مجھے بعض عجیب باتیں معلوم ہوئیں۔ اس دور دراز قبیلے میں لڑکی کے شوہر کے انتخاب میں کسی کی مرضی اور پسند یا ناپسند بالکل بے معنی تھی۔ لڑکیوں کے گناہ پرور رقص کے دوران تین نوجوانوں نے بیک وقت ہو کر دلہن کے لئے اپنی امیدواری کا اعلان کیا تھا۔ دلہن ان امیدواروں سے کھلے بندوں اظہار و اقرار کے بعد انہیں امتحان سے گزرنا تھا۔ ان تینوں کو پھرتی سے تڑپتی ہوئی کسی بھی مچھلی کی ایک آنکھ نیزہ سے پھوڑنی تھی۔ جو بھی سب سے پہلے اپنے نیزے کی انی کسی مچھلی کی آنکھ میں اتار دیتا وہی لڑکی کا مستحق قرار پاتا۔ مچھلی کے جسم کے کسی دوسرے حصے میں انی پیوست ہونے کی صورت میں وہ امیدوار مقابلے سے خارج کر دیا جاتا۔ میدان میں دو حریف رہ جانے کے بعد اگر ایک کا نیزہ مچھلی کی آنکھ کے بجائے جسم کے کسی اور حصے میں اتر جاتا تو وہ بھی مقابلے سے خارج قرار پاتا اور باقی رہ جانے والا آخری امیدوار مچھلی کی آنکھ پھوڑے بغیر لڑکی کا حقدار قرار پاتا۔

میری زبانی یہ تفصیلات معلوم ہونے کے بعد میرے ساتھیوں میں نئی دلچسپی پیدا ہو گئی اور اب وہ مقابلے کے ہر پہلو سے لطف اندوز ہونے لگے۔

"یہ تو بہت معمولی سی شرط ہے۔" معاملے کی نوعیت معلوم ہونے پر سیتا منہ بنا کر بولی۔ "بھلا مچھلی کی آنکھ میں نیزہ مارنا بھی کوئی بات ہے۔ لڑکی پانے کے لئے یہ شرط بہت آسان ہے۔"

"مگر وہ مچھلی کی آنکھ نہیں پھوڑ پا رہے ہیں۔" میں اس کے بڑے بڑے دعووں سے ہمیشہ چڑ جاتا تھا۔

"ہاں ہاں میں سمجھ گئی۔" وہ بے نیازی سے بولی۔ "یہ کام تو میں چٹکی بجاتے میں کر سکتی ہوں۔"

"اگر مچھلی تم ہوتی تو شاید تمہاری مسکراہٹ پر خود ہی اپنی آنکھ نیزے کی زد میں لے آتی۔" میں غصے میں بولا۔

مگر وہ اپنے دعوے پر اڑی رہی اور میں بھی اسے شرمندہ کرنے کے خیال سے گوپال کے پاس جا پہنچا جو سردار کے قریب ہی کھڑا تھا۔

"میری ساتھی بہترین نشانہ باز ہے۔ وہ بھی ان مچھلیوں پر اپنا نشانہ دکھانا چاہتی ہے۔"

اس نے حیرت اور بے یقینی سے میری طرف دیکھا۔ "یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔"

"وہ صرف دس منٹ کا وقت مانگتی ہے۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔ یہ ممکن ہے۔" وہ جلدی سے بولا۔ "مقابلہ شروع ہوئے بہت دیر ہو چکی ہے وہ دونوں بھی بری طرح تھک چکے ہیں اتنی دیر میں تازہ دم ہو لیں گے۔"

اس نے سردار سے مشورہ کر کے مقابلہ ملتوی کرنے کا اعلان کر دیا اور جب اس نے لوگوں کو سیتا کے دعوے کے بارے میں بتایا تو ہجوم میں تیز سرگوشیاں گونجنے لگیں۔ لوگ اسے یوں دیکھ رہے تھے جیسے اس کے سر پر اچانک سینگ نکل آئے ہوں۔

مقابلے کے دونوں حریف تھکے قدموں مگر پرجوش چہروں کے ساتھ تماشائیوں میں آ ملے۔

گوپال نے مقابلے سے خارج تیسرے امیدوار کا نیزہ سیتا کے حوالے کر دیا۔ سیتا نے ایک بار ہاتھ پر اسے تولا اور مجھ سے بولی۔ "یہ بہت ہلکا ہے۔ انہیں بتا دو کہ میں مچھلی کی آنکھ اس طرح پھوڑوں گی کہ نیزہ اس میں پیوست نہ ہونے پائے گا۔"

"زیادہ ماہرانہ مظاہرہ کرو۔ لوگ پہلے ہی تم پر مسکرا رہے ہیں۔"

"ابھی ان کی آنکھیں ندامت سے جھک جائیں گی۔ ہم کہتی ہوں بتا دو سب کو۔"

یہ جوان لڑکی اپنے حسن کے مظاہرے کی اجازت لینے پر سردار کی رضا مند ہے۔" میں نے سیتا کی تسلی کے لئے قبائلی زبان میں ایک مختلف بات کا اعلان کیا اور وہ مطمئن ہو کر نیزہ درست کرتی ہوئی تڑپتی مچھلیوں کی طرف بڑھ گئی۔

سیتا چند ثانیوں تک نہایت لاپرواہی سے فضا میں نیزہ لہرا کر مچھلیوں کی اچھل کود کا گہرا مشاہدہ کرتی رہی۔ اس کی ان تھک بانہوں کی چمک نمایاں تھا لہٰذا مجھے دل بھول کر اس کا منظر کرنے لگا۔ پھر وہاں ابھرتی مشعلوں کی سرخ روشنی میں سیتا کے ہاتھ سے ہوئے نیزے کی انی بجلی کی طرح چمکی اور ایک مچھلی کی آنکھ پھوڑ گئی۔ نیزہ مچھلی کی آنکھ پھوڑ کر نہایت صفائی سے فضا میں اٹھ گیا تھا اور زخم خوردہ مچھلی بری طرح تڑپنے لگی تھی۔

ہجوم کے تحسین آمیز نعروں نے آسمان سر پر اٹھا لیا اور میں نے فخر سے اپنا سر بلند کر لیا۔ اگر میں سیتا کے دعوے کا اعلان کر دیتا تو تماشائی اس کارنامے پر ششدر رہ جاتے۔

پھر سیتا نے بقیہ چار مچھلیوں کو چھوڑ کر اسی زخم خوردہ مچھلی کی طرف وار کیا۔ اس بار نیزے کی انی مچھلی کی آنکھ میں پیوست ہو گئی اور سیتا نے آخری سانسوں پر تڑپتی ہوئی مچھلی کو نیزے میں پروئے اوپر اٹھا لیا۔ ماحول اور ایک بار تیز ہو گیا۔ تحسین اور تعریف کے فلک شگاف نعروں سے گونجنے لگی اور سیتا نے نیزہ زمین پر پھینک کر میرے پاس آ گئی۔

"میں نے زندگی میں اتنا سچا نشانہ باز نہیں دیکھا۔" گوپال سرگوشی بھری آواز میں بولا۔ "یہ لڑکی انعام کی مستحق ہے۔ میں تیرے تمام ساتھیوں کو یہاں کا کرایہ معاف کرتا ہوں۔"

چند لمحوں بعد لڑکی کے دونوں امیدواروں کے درمیان دوبارہ مقابلہ شروع ہو گیا۔ اس بار ضرورت سے زیادہ پھرتی کے مظاہرے میں ایک حریف کا نیزہ مچھلی کے گلپھڑے میں اتر گیا اور اس کا مدمقابل خوشی سے فضا میں اچھل پڑا۔

کھلے آسمان تلے سرد ہواؤں میں سردار نے لڑکی مقابلے کے فاتح کے حوالے کر دی جو مقررہ شرط پوری کیے بغیر اس کا حقدار بن چکا تھا۔ دولہا دلہن سردار کی معیت میں جلوس کی شکل میں رخصت ہوئے اور ہم لوگ آدھی رات گئے اپنے جھونپڑے میں آ گئے۔

دوسری صبح جب کوچ کا میدان بالکل صاف تھا۔ گوپال اور اس کے ہمراہی جھونپڑی سے بستروں سمیت ایک ایک چیز اٹھا لے گئے تھے۔ پہلے میرا خیال تھا کہ ان لٹیروں نے ہمارا مال و اسباب چھپانے کی غرض سے ان کا دلچسپ منگ رچایا ہے مگر اس تقریب میں شرکت کے بعد میرا خیال قطعی بدل چکا تھا۔ شاید اس لڑکی کی شادی مستقبل قریب میں ہونے

والی تھی اور وہ ہمیں بالجبر لوٹنا بھی نہ چاہتے تھے ابتدا ہی میں ... کی بنا پر فوری طور پر لڑکی کی شادی کا فیصلہ کر لیا۔ اس طرح ایک پنتھ دو کاج ہو گئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد گوپال چند آدمیوں کے ہمراہ بوکھلایا ہوا ہمارے پاس آ پہنچا اور بکھرے ہوئے سامانوں کے درمیان پوچھا۔ "ڈاکو..... ڈاکو یہاں تو نہیں آئے تھے؟"

"ہمارا ایک ایک تنکا لوٹا جا چکا ہے۔" ایک نوجوان نے مایوسی سے کہا۔

"بستی میں بھی وہ بھیڑیے لوٹ مچا چکے ہیں۔" وہ واویلا کرتے ہوئے بولا۔ "دلہن کا مکان بھی صاف پڑا ہے مگر مجھے سب سے زیادہ تمہارے اسباب کی فکر تھی۔"

"اب ہم ہر خطرے سے بے نیاز ہو چکے ہیں۔" میں نے کہا۔ "جہاں تک کرائے کا سوال ہے پہلے ہی صاف کر چکا ہے ورنہ ہمیں تو تن کے کپڑے بھی یہیں چھوڑنے پڑ جاتے۔"

"ہم ایسے ظالم نہیں ہیں۔" وہ لیڈر نما شخص کے اعلان پر اتر آیا۔ "صبح ہم تمہارے آدمی کو ایک تندرست خچر دے دیں گے تاکہ شہر سے جلدی مدد آ سکے۔"

"یہ تمہاری بڑی عنایت ہوگی۔" ڈرائیور نے بے دلی سے جان بچنے پر دلی مسرت کے ساتھ کہا۔ "ورنہ بیماری شروع ہو گئی تو ہم یہیں محصور ہو کر رہ جائیں گے۔"

مال و اسباب کے ساتھ جو تھوڑی سی رقم بچی تھی وہ بیت چکی تھی اور اب کسی کو مزید چوری یا ڈکیتی کا ڈر نہ تھا لہٰذا رات کا باقی حصہ سب نے گہری نیند سو کر گزارا۔ خور و نوش کا بندوبست بستی والوں نے ہی کیا مگر خوراک بہت کفایت سے فراہم کی گئی۔ ناشتے سے نمٹتے ہی لاری کا ڈرائیور خچر کے ذریعے موڑ روانہ ہو گیا۔

وہ دن سب نے ڈرائیور کی سلامتی کی دعائیں مانگتے جھونپڑے ہی میں گزارا۔ اگلے روز دوپہر تک ڈرائیور خچر پر واپس آ گیا۔ موڑ سے وہ خچر کو بھی پک اپ پر لاد کر لایا تھا مگر سڑک سے آبادی تک دوبارہ اسی پر سفر کرنا پڑا۔ خچر بستی والوں کے حوالے کر کے ہمارا کارواں واپس لاری کی طرف روانہ ہو گیا۔ گوپال اور گنجے مگر وہ سردار نے بڑی گرمجوشی سے ہمیں رخصت کیا کیونکہ اس ڈاکے میں خاصا مال ان کے ہاتھ آیا تھا۔ طلائی چھپٹے کے گمے ہوئے تمام ٹکڑے بھی اسی ایک تھیلے میں تھے جو وہ لٹیرے ہماری عدم موجودگی میں اٹھا لے گئے تھے۔

سڑک پر لاری کے آگے ایک کھلی پک اپ موجود تھی۔ اس کے عقبی حصے میں مختلف اوزاروں کے علاوہ ڈیزل کا ایک ڈرم بھی موجود تھا۔ لاری تک آنے سے پہلے ہی لٹیروں نے کسی مقام پر پک اپ کو واپس گھما کر بقیہ راستہ ریورس ہی میں طے کیا گیا تھا تاکہ اب پک اپ کا رخ بھی موڑ کی طرف تھا۔

ہم لوگوں نے واپس آ کر سب سے پہلے ڈیزل کے اس ڈرم کا جائزہ لیا مگر وہ خالی پڑا ہوا ہماری ہوشیاری کا منہ چڑا رہا تھا۔ ان لٹیروں نے ہماری توقع سے کہیں بڑھ کر ذہانت کا ثبوت دیا تھا اور ہم ان کے خلاف کچھ بھی نہ کر سکتے تھے۔

ٹنکی میں ڈیزل بھرنے کے بعد سفر بڑے سکون سے جاری رہا۔ سارے راستے پک اپ ہماری لاری کے آگے آگے چلتی رہی۔ اندھیرا چھانے کے بعد رفتار کچھ سست کر دی گئی اور آخر کار رات میں لاری موڑ جا پہنچی۔

رات کا سناٹا موڑ کی چھوٹی سی بستی پر طاری تھا۔ نشیب و بلندیوں پر چھپے ہوئے مکانات سے آنے والی ٹمٹماتی روشنیاں خوب صورت سماں باندھ رہی تھیں۔ اور مجھے اس شہر میں اتنی رات گئے کسی گوشۂ عافیت کی تلاش دشوار نظر آ رہی تھی۔

مگر میرا یہ مسئلہ کلینر نے حل کر دیا۔ "اب تم کہاں جاؤ گے؟"

"فی الحال تو رات گزارنے کی فکر ہے۔" میں نے بے بسی سے کہا۔ "پھر کھٹمنڈو جانے کا ارادہ ہے۔"

"اس وقت تو کوئی جگہ ملنی مشکل ہے۔ میرے کوارٹر میں تنگی تو ہوگی مگر یہ رات وہیں گزار لو تو بہتر ہے۔"

میں نے اس کی پیشکش بلاتامل قبول کر لی۔

راستے میں میں نے اس سے ڈکیتی کی واردات پر افسوس کا اظہار کیا تو وہ ہنس پڑا۔ "میں نے سارا سامان کھو کر بھی بہت کچھ پایا ہے دوست! میں نے وہ طلائی دستہ ہر وقت اپنی جان سے لگا کر رکھا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے نیفے میں سے وہ طلائی دستہ نکال کر میرے سامنے کر دیا۔ اب تک میں یہی سمجھتا آ رہا تھا کہ کلینر نے وہ سونا ڈیزل کے خالی ڈرم میں چھپایا تھا جسے لٹیرے نکال لے گئے مگر اب مجھے اس کی خاموشی اور ہوشیاری کا پتہ چلا تھا۔

"نیفے میں ایک طرف یہ دستہ تھا اور دوسری طرف چاقو!" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "میں نے زندگی میں اتنی قیمتی کسی چیز کو چھونے تک کا تصور نہیں کیا تھا اور اب کوئی مجھے اس سے محروم نہیں کر سکتا۔"

کلینر سے زیادہ اس کی بیوی خوش مزاج تھی۔ دوسرے مسافروں سے الگ ہونے کے بعد جب کلینر نے تفصیل سے اسے میرے بارے میں بتایا تو وہ میری گرویدہ ہو گئی اور راستے بھر ہنس ہنس کر مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ سیتا کو اس کی بے تکلفی بری طرح کھل رہی تھی

اور رات کو سونے سے پیشتر اس نے اپنا ترجمان بننا ... زندہ بچ جانے کی اس امنگ نے ... کی۔ اس کی وجہ اس نے میرے اصرار پر بھی نہ بتائی۔

اگلے روز دوپہر کے وقت موڑ سے ایک لاری کھٹمنڈو روانہ ہونے والی تھی اس لئے میں ناشتے کے بعد ہی گھر سے نکل آیا۔ کلینر ہماری رہنمائی کے لئے ساتھ تھا۔ میرے ایما پر اس نے طلائی دستہ بھی ساتھ لے لیا تھا۔

موڑ قدرے کم بلندی پر واقع ہونے کے سبب بہت زیادہ سرد نہ تھا۔ ہواؤں میں خنکی ضرور تھی مگر چمکتے سورج کے سامنے یہ ہوائیں ناخوشگوار نہیں تھیں۔ موڑ سیتا کے لئے شہر عجائبات سے کم نہیں تھا۔ وہاں دو تین لاریاں بھی چلتی تھیں۔ شہر کے بعض باحیثیت لوگوں کے پاس جیپ گاڑیاں بھی تھیں اور ہاتھ سے کھینچے جانے والے رکشے تو قدم قدم پر عام تھے۔

سامان کی رسل و رسائل میں لاری کی اہمیت کے باعث شہر میں کلینر کی شناسائی کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ اس نے طلائی دستہ میرے حوالے کر دیا تاکہ میرے نام سے وہ کسی دکاندار کو فروخت کر سکے۔ اپنے نام سے وہ سونا بیچنے میں اس کی حیثیت مشکوک ہو جاتی۔

جس دکاندار کو ہم نے وہ دستہ دکھایا وہ پہلے تو ہکا بکا رہ گیا۔ شاید سونے کی اتنی بڑی مقدار اس نے کبھی اکٹھی نہ خریدی ہوگی۔ اس کا وزن کیا گیا تو وہ اڑتیس تولے سے زائد نکلا۔ سونے کی مالیت آٹھ ہزار سے اوپر ہی تھی۔ دکاندار نے مجھے پورے آٹھ ہزار کی پیشکش کی جسے میں نے قبول کر لیا۔ باہر آ کر وہ رقم میں نے کلینر کو دی تو خوشی سے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس نے بہت چاہا کہ کچھ رقم میں بھی رکھ لوں مگر میں نہ مانا اور اس نے لرزتے ہاتھوں سے وہ رقم جیب میں رکھ لی۔

موڑ کے بازاروں کی چہل پہل اور رونق دیکھتے ہوئے وقت اتنی تیزی سے گزرا کہ ہمیں احساس ہی نہ ہو سکا اور بھاگ دوڑ کر کے ہم بمشکل کھٹمنڈو جانے والی لاری میں سوار ہو سکے۔

کھٹمنڈو کی طرف میری واپسی کا سفر بہت کامران تھا۔ میں اپنا گوہر مقصود بہتر روپ میں حاصل کر چکا تھا۔ بھالندر ناس پالنے کے بعد میرے لئے بخارات اور تیزابی مادوں سے گریز ناممکن تھا جو آخر کار کیمیاگر کو خون تھوکنے پر مجبور کر دیتے ہیں جبکہ پارس کا صرف لمس ہی لوہے کو سونے میں بدلنے کی قدرت رکھتا تھا۔

کھٹمنڈو نیپال کا وہ شہر غدار تھا جس نے مجھے بے شمار دکھ پہنچائے تھے۔ جہاں قدم رکھتے ہی میں بری طرح غنڈوں اور بدمعاشوں کے چنگل میں جا پھنسا تھا جن کا سرغنہ کرپا رام تھا۔ ... کالی دیوتوں مجھ پر چھایا رہا۔ بھیرو زیرو لوانٹ نامی خفیہ جوئے خانے پر نہ صرف میرے ہاتھوں مارا گیا بلکہ جراثیم اور تعفن سے نجات پانے کے لئے مجھے اس کی لاش شراب میں ڈبو کر نذر آتش کرنی پڑی تھی۔ کھٹمنڈو کے منشیات کے تمام ٹھکانے اور سامنے غیر قانونی اڈے میرے ٹھکانے تھے پھر اس سیاہ تنظیم کے خفیہ سربراہ نرائن داس کی مشہور زمانہ روز آرٹ فیکٹری کا منیجر بنا۔ انہی دنوں میں نرائن داس اور داس کے خونخوار ہی قتلوں سے خونریز معرکے ہوئے اور میں نے تنظیم کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا۔ نرائن داس کی جوان اور خوبرو بیوی گیتا رانی ابھی تک مجھے یاد تھی جس کے گھناؤنے چہرے کو قدرت نے حسن کا دلفریب نقاب عطا کیا ہوا تھا۔ مونا مارٹن یاد آئی جو سکریٹری سے میری بیوی بنی اور ایک معرکے میں وہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے بچھڑ گئی۔ اس شہر کا سب سے بڑا گروہ بند پنڈت یاد آیا جس نے مجھ پر پے درپے کئی احسانات کئے مگر اپنا راز چھپانے اور رام رام کا تعاقب کرنے کے لئے مجھے اپنے ہاتھوں بے رحمی سے اس محسن کو ٹھکانے لگانا پڑا کیونکہ اس وقت میں قانون سمیت بے شمار دشمنوں کے نرغے میں تھا جو مجھ سے بہت قوی اور چالاک تھے۔

یہ واقعات یاد آتے ہی گویا میرے وجود میں سویا ہوا وحشت علی انگڑائیاں لینے لگا جو بے خوف تھا اور جس کے نام سے لوگ کانپتے تھے۔ ایک بار پھر میں اس شہر میں جا رہا تھا جو اب بھی میرے دشمنوں سے بھرا ہوا تھا۔ "ایسے دشمن جو اب بھی میرا سراغ پا کر میری ہلاکت کے لئے اپنے سارے وسائل داؤ پر لگا دیتے۔"

مگر اب میرا حلیہ کافی بدل چکا تھا۔ ہولناک پہاڑی وادیوں کے سفر، خون آشام بلکہ آدم خور بربری قبائل اور بے شمار دوسرے فطری خطرات نے میری ظاہری ہیئت تک بدل کر رکھ دی تھی۔ چہرے سفقوے اور حسین چہرے پر اب الجھے ہوئے لمبے بالوں کا ایک گھنا جنگل اگا ہوا تھا جو وقتی طور پر مجھے ان فوری دشمنوں سے بچانے میں معاون تھا۔ اپنے اس قدرتی بہروپ کی آڑ میں میں اپنے دشمنوں پر کسی بھی وقت کاری ضرب لگا سکتا تھا۔ اور اس مہم میں سیتا میری ہمراہی تھی جس کی سلامتی کی مجھے کوئی فکر نہ تھی۔ وہ خود خطرات کی رسیا تھی، ان میں کود کر حظ اٹھانے میں منفرد تھی۔

لاری یکساں رفتار سے بڑھتی جا رہی تھی اور میں ایک پرانے شہر میں داخل ہونے کے نئے انداز اپنانے کے بارے میں سوچ رہا تھا کیونکہ وہاں میرے بہت سے پرانے حساب باقی تھے جنہیں چکانے کی آرزو منزل قریب آنے کے ساتھ لحظہ بہ لحظہ شدید تر ہوتی جا رہی تھی۔

میں لڑکی کا تعاقب کرتی اپنی منزل کی طرف بڑھتی جا رہی تھی اور میں اپنے ذہن میں آنے والے وسوسوں کا شکار تھا۔ اور بہتر دھند کا چھٹنے سے گویا میرے چاروں طرف پھیلے علاقے نظر آنے لگے۔ اس جگہ سفید نسل کے ہپیوں کا پہاڑی مسکن تھا جو بہ لحاظ قریب آتا جا رہا تھا۔ پھر لاری لپک اور بیر جا کر رک گئی۔ طویل سفر سے اکتائے ہوئے مسافر سکون کا سانس لیتے نیچے اترنے لگے۔

"کیا رات یہاں پڑاؤ ہو گا؟" سیتا کی آواز نے میرے خیالات کا طلسم بکھیر دیا۔

"لاری اس سے آگے نہیں جائے گی۔" میں نے بھاری آواز میں کہا۔ "کچھ دن ہم اسی شہر میں قیام کریں گے اس کے بعد آگے روانہ ہوں گے۔"

گو شہر میں شام کا اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا مگر اس شہر کی زندگی اس وقت بھی رواں دواں تھی۔ لاری کے اڈے پر رنگا رنگ انسانوں، اشیاء اور دکانوں کا ایک ہجوم تھا جس کا ہر حصہ سیتا کے لئے عجائبات میں شامل تھا۔ گرد و پیش میں بے شمار اور بے پناہ عزم علی پی جو شے اپنی ترنگ میں کھوئے ہوئے تھے اور سیتا اس وقت کسی ایسے چوپائے سے مشابہ نظر آ رہی تھی جس نے پوری زندگی جنگل ہی میں بسر کی ہو پھر یک بیک اسے اپنے ہم نسلوں سے الگ کر کے انسانوں کی بھیڑ میں چھوڑ دیا گیا ہو۔

"یہاں میرا نام لینے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اچانک سیتا کے کان کے قریب سرگوشی کی کیونکہ اسی وقت قریب سے چند لڑکے اردو میں ہنسی مذاق کرتے گزر رہے تھے اور یہاں سیتا کی ہر بات بآسانی سمجھی جا سکتی تھی۔ پھر نام تو کسی بھی زبان میں ہو پہچانا جا سکتا ہے۔ مجھے پہلے اس خطرے کا بالکل احساس نہیں تھا مگر ان لڑکوں کی بول چال نے مجھے بروقت چوکنا کر دیا۔

اندرام کے تعاقب میں جب میں پہاڑی وادیوں میں داخل ہوا تو پچھلی سلطنت میں میں نے اپنا ماضی شہروں اور بستیوں میں دفن کر دیا تھا۔ میں یک نیا روپ لے کر ان برفانی وادیوں میں گھسا تھا جہاں میرے ماضی کا کوئی شناسا نہ تھا اور کھٹمنڈو کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی میرا مستقبل میرا ماضی تمام بھیانک خطرات سمیت سامنے آ گیا۔

چند ماہ کی مدت انسانی ذہنوں کے لئے بے حقیقت ہوتی ہے اور جو نام ایک دفعہ شہرت پا جائیں انہیں لوگ برسوں نہیں بھولتے۔ میں نے اپنی بقا کی جنگ لڑتے ہوئے اس شہر کے گلی کوچوں میں قدم قدم انسانی خون کی ہولی کھیلی تھی۔ میر خان، خان داس، گیتا رانی اور بجے سنہا جیسے نام، زیرو پوائنٹ اور آرٹ فیکٹری کا سب سے بڑا نام میرے ذہن میں تازہ تھے اور کھٹمنڈو والوں کو بھی یہ نام یاد ہوں گے میرے ہاتھوں ہونے والے خونریز واقعات ان کے ذہنوں میں تاحال محفوظ ہوں گے۔ شہر کی تاریکی میں کبھی لے کے ہٹتے چلنے پر خونریز یادیں نہ بھولی ہوں گی اور اگر کسی کو شبہ بھی ہو جاتا کہ میں وہی مفرور صفدر علی ہوں تو وہ میری آزادی کا آخری لمحہ ہوتا۔ پھر سولی میرا مقدر قرار پاتی یا زندان کی سلاخیں میری زندگی کا رفیق بن جاتیں۔ اور ان دونوں میں کوئی بھی صورت پسندیدہ ہرگز نہ تھی۔

"تیرا نام نہ لوں؟" سیتا نے مجھے گھورتے ہوئے حیرت سے کہا۔ "کیا تو چوری کر کے یہاں سے بھاگا تھا؟"

"ان بستیوں میں اپنے جانی دشمنوں کو بھی مارنا جرم ہے سیتا!" میں نے راہگیروں سے ہوشیار رہتے ہوئے کہا۔ "اور میں نے یہاں اپنے بیشتر دشمنوں کو مار ڈالا تھا اور اسی لئے یہاں کا قانون میرا استقبال کرے گا۔"

"پھر میں تیرا نیا نام رکھ دیتی ہوں۔" وہ شوخ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"وہ کیا؟"

"جانے کیوں گی میں اب سے تجھے۔"

میں نے اس پر کوئی تبصرہ نہ کیا۔ وہ راستہ بھر اور حیران نظروں سے دیکھتی رہی۔ اس پر بار بار حیرت کے دورے پڑ رہے تھے اور بھرپور سوالات کی بھرمار ہو رہی تھی جن کے باعث میرے لئے یکسوئی سے کچھ سوچنا ممکن نہ رہا تھا۔ میرے لئے اس شہر میں سب سے بڑا مسئلہ پناہ کا تھا اور میں بلا تامل تین مقامات کا رخ کر سکتا تھا۔ پہلی جگہ اندرام کی خوشبوؤں میں بسی وہ پہاڑی خانقاہ تھی جہاں اندرام کی تعلیمات سے مغلوب سفید نسلوں والے ہپی جمع رہتے تھے۔ دوسرا ٹھکانہ وہ کھنڈرات بن سکتے تھے جہاں کھٹمنڈو کے ہپیوں کا سب سے بڑا کیمپ تھا۔ اس کیمپ پر حکومت کرنے والا شہر کا خطرناک ترین گروہ اور میرا محسن بدھ میرے ہی ہاتھوں مارا جا چکا تھا اور اب اس کے بعد وہاں زیادہ چھان بین کا خطرہ نہیں رہا تھا۔ مگر میرا ارادہ تیسرے مقام پر جانے کا تھا۔ خان داس کی ہلاکت کے بعد اس کے گروہ کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس کی آوارہ اور ویران محل نما عمارت کو اس کے بعد کوئی آگے نہ بڑھا سکی ہو گی کیونکہ میر خان کی موت کے باعث پچھلی سطح کے تمام رابطے ٹوٹ کر رہ گئے تھے۔ اس اعتبار سے زیرو پوائنٹ کی عمارت ویران ہو گئی تھی۔ آبادی اور انسانوں سے دور وہ ایسا گوشہ عافیت تھا جہاں میں چند دن بے فکری سے گزار سکتا تھا۔

میں شہر کے نسبتاً کم آباد اور ویران علاقوں سے گزرتا اندھیرا گہرا ہونے سے ذرا ہی پہلے اس ویران عمارت پر جا پہنچا۔ بے آب و گیاہ جھیل کی چٹانوں سے گھری وہ عمارت اس

وقت بھی ویران نظر آ رہی تھی مگر اس کا بڑا دروازہ بند تھا۔ مجھے بخوبی یاد تھا کہ بدھ کے ساتھ رات کی تاریکی میں زیرو پوائنٹ سے ہوتے ہوئے جو لوگ وہاں رہ گئے تھے انہیں بڑے عمارت منتقل کرنے کی ہدایت کی تھی اور اس بڑے شخص کے ساتھیوں میں کوئی ایسا نہ تھا جو اس کی بات ٹالتا۔

"ہوشیاری کے ساتھ۔" میں نے سیتا کے کان میں تیز سرگوشی کی۔

سیتا یک بیک چوکنے انداز میں میرے قریب سمٹ آئی اور ہم دونوں چوپایوں کی طرح جھکتے ہوئے ایک دیوار کی اوٹ میں جا پہنچے۔ جلتے سروں پر عمارت کی ایک کھڑکی موجود تھی جو اس وقت بند تھی۔ کچھ دیر تک میں وہاں بیٹھا سن گن لیتا رہا مگر وہاں تو جھینگروں کے زمزموں سے ابھرنے والے دھیمے شور کے سوا کسی آواز کا وجود نہ تھا۔

پھر میں نے ایک پتھر اٹھا کر دروازے کے قریب اچھال دیا۔ اس کے گرنے کا شور رات کے سناٹے میں دور تک گونجا مگر پھر بھی زیرو پوائنٹ میں زندگی کے آثار پیدا نہ ہو سکے۔ میں نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لے کر وہ جگہ چھوڑ دی۔

کالی گاپ سے فرار ہوتے وقت میں نے ڈھلان اور رینگنے کے سامان میں سے اسلحے کے علاوہ ایک ٹارچ بھی ساتھ لے لی تھی جو اس وقت بھی تھیلے میں میرے ساتھ موجود تھی مگر عمارت کی پوری تلاشی لینے سے قبل میں اسے روشن کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

دروازہ ہاتھ رکھتے ہی بے آواز کھلتا چلا گیا۔ میں سیتا کا ہاتھ تھامے اندر داخل ہوا تو کسی شناسا بو کا ایک تیز بھبکا نتھنوں سے ٹکرایا۔ وہ بو شاید عمارت کی فضا ہی میں رچی ہوئی تھی۔ اندر قدم رکھنے کے بعد چند ثانیوں کے لئے ہمیں رک جانا پڑا تاکہ ہماری آنکھیں اندر پھیلے ہوئے گھور اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو سکیں۔ عمارت کا پورا نقشہ میرے ذہن میں محفوظ تھا۔ ہم نے باری باری اور بچتے ہوئے کمروں کا جائزہ لیا اور ہر جگہ بے ترتیبی محسوس کی کیونکہ ہر کمرے میں فرش پر مختلف چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ میں نے روشنی کئے بغیر اندازے سے قدم آگے بڑھائے اور پھر تہہ خانے کی طرف ہو لیا۔ اس بار میرے ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا۔

تہہ خانے کی آخری سیڑھی اترتے ہی میں نے طاقتور سرچ لائٹ روشن کر دی۔ سیتا کے منہ سے ہلکی سی تحیر آمیز آواز ابھری اور میری نگاہیں روشنی کے ساتھ اس لڑکی کے جسم پر ٹھہر گئیں جو زیرو پوائنٹ کے کمرے کے بیش قیمت ساز و سامان کے ملبے کے درمیان پڑا ہوا تھا۔

سیتا تیزی کے ساتھ اس لڑکی کی طرف لپکی تھی مگر میری غراہٹ نے اسے واپس لوٹ آنے پر مجبور کر دیا۔ لہٰذا مردہ لڑکی مدد کی ضرورت سے بے نیاز ہو چکی تھی۔ اس کی دائیں کنپٹی کے قریب فرشی قالین پر خون جما ہوا تھا۔

وہ لڑکی دراز قامت اور خوبرو ضرور تھی مگر وضع قطع سے ہپی لگ رہی تھی۔ زیرو پوائنٹ کی فضا میں رچی ہوئی چرس اور دیگر نشہ آور اشیاء کی بو، تہہ خانے میں بار کاؤنٹر کے عقب میں خالی الماریاں، ٹوٹا ہوا فرنیچر اور ایک لڑکی کی لاش مجھے بہت کچھ بتا رہی تھی۔ یقیناً کسی طرح ہپیوں نے اس عمارت کا سراغ پا لیا تھا اور شاید یہ زیادہ دن کی بات نہیں تھی کیونکہ تہہ خانے کی دیواروں وغیرہ پر گندے نشانات کی تعداد خاصی کم تھی۔ پھر شراب کی چند بوتلیں بھی بھری ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ زیرو پوائنٹ پر قابض ہونے والے ہپیوں میں یقیناً کسی بات پر معرکہ آرائی ہوئی ہو گی۔ جب کرسیاں وغیرہ چلیں اور اسی افراتفری میں ایک لڑکی ماری گئی۔ ایک قتل ہو جانے پر وہ سب ہی بدحواس ہو کر وہاں سے نکل بھاگے ہوں گے اور یوں ہمیں وہاں صرف ایک مقتولہ کا سامنا کرنا پڑا۔

لاش کو ہاتھ لگائے بغیر میں نے احتیاط سے اس کا جائزہ لیا۔ مرنے والی کی عمر مشکل سے بیس بائیس سال رہی ہو گی۔ اس کی کنپٹی کا زخم کسی بوتل یا دوسری وزنی چیز کی ضرب کا نتیجہ تھا۔ زخم پر جمے ہوئے خون کی سرخی اور لاش کی حالت بتا رہی تھی کہ زیرو پوائنٹ میں وہ خونریز تصادم برپا ہوئے چوبیس گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔

میں نے کاؤنٹر کے پیچھے لڑھکی ہوئی بلیک ڈاگ وہسکی کی ایک بوتل اٹھائی اور ایک اسٹول پر آ بیٹھا۔ جلتی ہوئی سرچ لائٹ کاؤنٹر پر رکھ دی اور بوتل کی سیل توڑ کر ایک لمبا گھونٹ لیا۔ تلخ ذائقے کی ایک دہکتی ہوئی لکیر میرے حلق سے معدے تک تیرتی چلی گئی اور الکحل کی تیزی سے میرا ذہن حرارت محسوس کرنے لگا۔ اب میں صورت حال کے بارے میں بہتر اور دو ٹوک فیصلہ کر سکتا تھا۔

"اس بوتل میں کیا ہے؟" سیتا نے ندیدی نظروں سے بوتل کو گھورتے ہوئے کہا۔

"شراب۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"یہ کیسی ہوتی ہے؟"

"اچھی ہوتی ہے مگر صرف مردوں کے لئے۔"

"مجھے بھی پلا دے نا۔" اس بیوقوف کے لہجے میں بلا کا شوق تھا۔

میں نے بوتل سے ایک اور گھونٹ لیا اور بوتل اسے تھما دی۔ سیتا نے چند ثانیوں تک اسے دیکھا پھر میری نقل کرتے ہوئے تیز شراب حلق میں انڈیلنی چاہی اور اس کا وہی رد عمل ہوا جس کی مجھے توقع تھی۔ اس کو بری طرح پھندا لگا اور وہ دونوں ہاتھوں سے سینہ دبائے بے تحاشا کھانسنے لگی۔ بوتل اس کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ

بھی تھی اور کھلتے کھلتے سیتا کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔ شراب کے باعث میں وہ سیتا کا پہلا اور آخری سبق تھا میں نے اس کی مدد کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ پورے تہہ خانے میں چکراتی اور کھانستی رہی۔ پھر بے دم سی ہو کر ایک کونے میں جا بیٹھی۔ میں اس سے لاپرواہ اپنے آئندہ اقدامات پر غور کر رہا تھا۔

وہ لاش اگر کسی غیر آباد جگہ پر ہوتی تو میں شاید ایک لمحے کے لئے بھی وہاں رکنے کا خطرہ مول نہ لیتا۔ مگر بھیڑیوں کے بارے میں میرا تجربہ وسیع اور تلخ تھا۔ ان کی حالت مردہ خور بھیڑیوں جیسی ہوتی ہے جب تک اپنے غول میں رہیں گے دلیر نظر آئیں گے مگر فساد برپا ہوتے ہی ہر ایک صرف اپنی فکر کرتا ہے اور اس خود غرضی کی وجہ سے زیادہ بزدل ہو جاتا ہے۔ مرنے والے ساتھیوں کو یکسر فراموش کر دینے میں انہیں ملکہ حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا مجھے یقین تھا کہ زیرو پوائنٹ کے بنگلے میں لوٹ کوئی اپنی زبان سے شکایت نہیں کرے گا نہ ہی ان میں سے کسی کی واپسی کا امکان تھا۔ البتہ اس جگہ قیام کرنے کی صورت میں لاش کا ٹھکانے لگایا جانا ضروری تھا ورنہ ایک دو روز میں وہاں تعفن کے باعث رکنا بھی دشوار ہو جاتا۔

زیرو پوائنٹ کے علاوہ جو دو ٹھکانے میری نظر میں تھے وہ محفوظ ضرور تھے مگر وہاں میں کم از کم اپنے ہم جلیسوں کی نظروں میں ضرور آ جاتا جبکہ میرے منصوبے کی کامیابی کے لئے کچھ عرصے کی روپوش زندگی نہایت ضروری تھی۔

سیتا پر پڑنے والا کھانسی کا شدید دورہ اب ختم ہو چکا تھا مگر اس کی آنکھیں اب بھی سرخ ہو رہی تھیں اور ان میں آنسو تیر رہے تھے۔ وہ میرے قریب آ کر بڑی غصیلی نظروں سے مجھے گھور رہی تھی۔

اس پر نظر پڑتے ہی میں بے اختیار مسکرا دیا۔ اور بولا "پیو گی؟"

"شراب پینے کی کیا ترکیب ہوتی ہے؟" وہ بھرائی ہوئی غصیلی آواز میں بولی۔

"ترکیب تو کوئی نہیں ہوتی۔" میں لاپرواہی سے ہنسا "تیرے سامنے میں نے یونہی بوتل منہ سے لگا کر پی تھی۔ دراصل شراب صرف مردوں کے پینے کی چیز ہوتی ہے۔"

"کیا مردوں کے حلق میں شراب کے لئے کوئی خاص سوراخ ہوتا ہے؟" وہ جلے کٹے لہجے میں طنزاً بولی۔

"یہ تو کسی کا گلا کاٹ کر ہی پتہ چلے گا۔" میں نے اسے اپنے قریب کھینچتے ہوئے کہا۔ "تجھے ہر بات میں میری نقل کرنے کا اتنا شوق کیوں ہے؟"

"میں تیری بیوی ہوں۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "تیری نہیں تو اور کس کی نقل کروں گی؟"

"تو جانتی ہے کہ اس وقت ہم کس عمارت میں ہیں؟" میں نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

عمارت کا ذکر آتے ہی اس کا سویا ہوا شوق دوبارہ جاگ اٹھا۔ "یہ تو بہت خوبصورت جگہ ہے میں نے ایسا غار آج تک نہیں دیکھا۔"

"یہ غار نہیں۔ انسانوں کی بنائی ہوئی ایک عمارت ہے۔"

"یہ زمین کے نیچے والا حصہ بھی بنایا ہوا ہے؟" سیتا نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ اندر رام کے تعاقب میں سیتا وادی کی طرف روانہ ہونے سے پہلے میں نے کافی عرصہ یہاں گزارا تھا پھر میرے ساتھی میرے خون کے پیاسے ہو گئے اور میں ایک خون آشام جدوجہد کے بعد یہاں سے زندہ سلامت نکلنے میں کامیاب ہوا تھا۔"

"پھر تو یہ بستی تیرے لئے خطرناک ہے۔"

"ہاں۔۔۔ اس شہر میں اب بھی میرے دشمنوں کی کمی نہیں ہے۔ اسی لئے میں نے تجھے اپنا نام لینے سے منع کیا تھا۔ یہاں بھول کر بھی مجھے صفدر کے نام سے نہ پکارنا۔"

"کیا یہ تیرا اپنا شہر ہے؟"

سیتا کے اس سادہ سے سوال سے میرے دل پر چوٹ لگی۔ اس سرزمین پر میں محض ایک غریب الوطن اجنبی تھا جس کو ہر طرف سے خونخوار دشمنوں نے گھیرا ہوا تھا۔ میرا اپنا شہر تو کراچی ہی تھا جس نے اپنی کھلی آغوش میں مجھے سمیٹ رکھا تھا۔ لاہور میں خاندانی اختلاف پیدا ہونے کے بعد کراچی نے مجھے زندگی کی ہر وہ آسودگی عطا کی تھی جس کی آرزو مدتوں سے مجھے محض ایک خواب معلوم ہوتی۔ یہی مگر میں اپنی ان مسرتوں اور آسودہ حالی کا اہل نہ ثابت ہو سکا۔ جوئے کی عادت نے میرے خطیر سرمائے کو یوں چاٹنا شروع کیا کہ جب مجھے اپنا مکان اور کرتن کے کپڑوں کے ساتھ کھلے آسمان تلے نکلنا پڑا تو مجھے یقین بھی نہ آ سکا کہ ایک لکھ پتی یوں مختصر سی مدت میں مفلوک الحال ہو سکتا ہے۔

"میرا شہر یہاں سے بہت دور ہے سیتا!" مجھے اپنی آواز کسی گہرے کنوئیں سے آتی ہوئی معلوم ہوئی۔ "ہم کچھ دن اسی عمارت میں گزاریں گے پھر میں روپ بدل کر یہاں سے باہر نکلوں گا اور جلد ہی تجھے اپنے شہر لے جاؤں گا۔ وہ مسرتوں اور زندگی کا شہر ہے جہاں بلند عمارتوں کے سائے میں لاکھوں انسانوں کا ہجوم ہر آن وقت کے تعاقب میں سرگرداں رہتا ہے اور وقت ہر موسم میں پھرتا تیزی سے گزرتا رہتا ہے۔ وہاں لوگ ایک دوسرے کی خوشیوں کے دشمن نہیں ہوتے۔ کسی کو اتنی فرصت ہی نہیں ہوتی کہ پلٹ کر دوسروں پر نظر ڈال سکے ہر ایک اپنی ذات کی جدوجہد میں معروف رہتا ہے۔ یہاں جس کا مقدر

یاوری نہ کرے یہ شہر اس کے لئے بڑا ظالم ہے۔ ایسے ویرانوں لوگوں کے دکھ بانٹنے والا دل بلی مشکل سے میسر ہوتا ہے۔ اکثر بیچارے لوگ ان ہی عمارتوں کے سائے میں سسک سسک کر ہر سانس کے لئے عذاب سے لڑتے ہیں۔ پھر کسی بھی لمحے ان کی سانس کی لڑی ٹوٹ جاتی ہے۔ نہ ان کا کوئی کھوا ہوتا ہے نہ انہیں یاد رکھنے والا۔۔۔ میں تجھے جلد از جلد اس شہر میں لے جانا چاہتا ہوں۔"

سیتا حیرت سے منہ کھولے میری باتیں سنتی رہی۔ جب میں خاموش ہوا تو بولی۔ "تو کبھی کبھی بڑی عجیب باتیں کرنے لگتا ہے۔ بھلا تیرے شہر کے لوگوں کو زندہ رہنے کے علاوہ اور کیا فکر ہے جو ہر وقت اس قدر معروف رہتے ہیں؟"

"تو پہاڑوں میں پلی ہے سیتا! یہاں مقابلے کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "شہروں میں صرف زندہ رہنا ہی کافی نہیں ہوتا۔ زندہ تو ہر جاندار رہ لیتا ہے۔ آوارہ چوپایوں کے ریوڑ دیہاں کوڑے کے ڈھیر کرید کرید کر اپنی خوراک ڈھونڈ لیتے ہیں۔ اصل مسئلہ بہتر طور پر زندہ رہنے کا ہوتا ہے اور اس مقابلے کی وہاں کوئی حد نہیں۔ وہاں قدم قدم پر تعیش کے اس قدر سامان بکھرے ہوئے ہیں کہ ان سب کو اپنے دامن میں سمیٹنے کے لئے پوری عمر نا کافی ہے۔"

"تیری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔" وہ سر جھٹک کر بولی۔ "اب یہ بتا کہ کیا اس سڑتی ہوئی لاش کے ساتھ یہاں رہنے کا ارادہ ہے تیرا؟"

"نہیں۔ اسے ٹھکانے لگانا ضروری ہے۔"

"مگر تو نے بتایا تھا کہ مہذب شہروں میں اپنے جانی دشمن کا قتل بھی جرم سمجھا جاتا ہے۔۔۔ اگر کسی نے اس لڑکے کے قتل کی ذمے داری ہم پر لگا دی تو کیا ہو گا؟"

"جو ہو گا دیکھا جائے گا۔" میں نے اسے اپنی باتوں میں الجھا لیا۔ "تیتی لڑکی کی لاش زیادہ بھاری نہیں تھی۔ زیرو پوائنٹ میں مجھے اس سے پہلے بھی ایک لاش تلف کرنے کا تجربہ تھا اور میرا خیال تھا کہ اس بار بھی وہی طریقہ کامیاب رہے گا جو میں نے امیر جان کی لاش پر آزمایا تھا لیکن رات کے وقت اس ویرانے میں بھڑکتی ہوئی آگ کا بھڑکنا دھواں میلوں دور سے بھی کسی کو متوجہ کر سکتا تھا۔ لہٰذا اس وقت میں نے لاش کو اوپر برآمدے پر ہی اکتفا کیا۔ باقی کام دن کے اجالے میں بہتر طور پر انجام دیا جا سکتا تھا۔ اس کے بعد بے خطر ہم وہاں رہ سکتے تھے۔ پہرہ داروں کی لوٹ مار اور توڑ پھوڑ کے باوجود زیرو پوائنٹ کے تہہ خانے میں سر دست اور محفوظ غذا کا اتنا ذخیرہ موجود تھا جو ہم دونوں کے لئے عرصے تک کافی ہوتا۔ اس تہہ خانے سے نمٹ کر جب میں نے ٹوٹا ہوا فرنیچر ہٹا کر تہہ خانے میں بچھے ہوئے قالین پر اپنے لئے جگہ بنائی اور سیتا

لائٹ گل کر کے ہم وہیں دراز ہو گئے۔

میں نے بوتل سے شراب کے جو گھونٹ لئے تھے نامعلوم تھی وہ میرے لئے اور سیتا کے منہ میں نیند لانے کے برابر ثابت ہوئے مگر طویل عرصے بعد لال پری کے اس وصال نے عجیب ہی رنگ دکھایا تھا اور میری رگ رگ میں ہلکی ہلکی سنسنی کی لہر یں سرایت کر چکی تھیں۔ میری یہ کیفیت نشے کی ذیل میں ہرگز نہ آتی تھی البتہ اسے سرور کہا جا سکتا تھا اور اسی سرور کے عالم میں میں نے سیتا سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی تو تہہ خانے میں پھیلی ہوئی تاریکی اس کی دل دوز شوخ ہنسی سے گونج اٹھی۔

اگلی صبح لاش تذر آتش کرتے ہوئے مجھ پر قنوطیت سی طاری تھی۔ جوں ہی میں نے زیرو پوائنٹ کے ایک کمرے میں لاش پر پھیلائے ہوئے کاغذوں وغیرہ کو آگ دکھائی۔ سیتا بے اختیار میرے قریب سمٹ آئی۔

"کیا یہ لڑکی ہندو تھی؟" اس نے سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بے یقینی لہجے میں کہا۔

"پھر تو اسے جلا کیوں رہا ہے؟" سیتا نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

اس وقت میرا ذہن کہیں اور کھویا ہوا تھا میں اس کے سوال کی تہہ تک نہ پہنچ سکا اور سرسری لہجے میں بولا۔ "یہ سب سے آسان طریقہ ہے۔"

"مگر یہاں تو کہتی تھی کہ صرف ہندو ہی اپنے مردے جلاتے ہیں۔ اور یہ کام بھی ہر جگہ نہیں ہوتا بلکہ مردے کی باقاعدہ شمشان لے جاتے ہیں۔ وہاں صندل کے ڈھیر میں گھی ڈال کر ارتھی جلائی جاتی ہے۔ تو نے تو کچھ بھی نہیں کیا لاش کو یوں ہی آگ لگا دی ہے۔"

"ہم یہ کام مجبوراً کر رہے ہیں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس کارروائی کا کسی مذہبی رسم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس سخت زمین میں قبر کھودنا کم از کم میرے لئے ناممکن تھا۔"

جب لاش نے آگ پکڑ لی تو ہم دونوں عمارت سے باہر کھلے میدان میں نکل آئے۔ اور ایک ٹیکری پر بیٹھے دیر تک عمارت سے اٹھتے دھوئیں کے سیاہ بادلوں کو دیکھتے رہے۔ تو ہم ہوا کی مخالف سمت میں بیٹھے ہوئے تھے مگر دھوئیں کی کثافت سے میں مرنے والی بدنصیب لڑکی کی بو یہ لگتی ہوئی ہیئت کے بارے میں بالکل صحیح قیاس لگاتا تھا۔ اور جب آہستہ آہستہ دھواں بالکل معدوم ہو گیا تو میں سیتا کا ہاتھ تھامے عمارت کی طرف چل دیا۔

اندر ماحول کا ایک سناٹا ہوا دھیرا سا منتظر تھا اور فضا میں گوشت پوست کے جلنے کی تیز بو ابھی تک رچی ہوئی تھی۔ ہم دونوں نے وہ سارا دن عمارت سے باہر گزارا جب تک ہم وہاں کسی لاش کی موجودگی

کے سامنے یہ نشانات مٹتے تو خشک ہواؤں نے فضا میں موجود اثرات بھی اس حد تک زائل کر دیے کہ جاناں اندر پہنچنا ممکن ہو گیا۔

زیرو پوائنٹ میں تقریباً دس گیارہ دن میرا قیام رہا۔ اس دوران میں میرے چہرے پر گھنی سیاہ داڑھی اُگ آئی جسے بے ترتیب رکھنے کے بعد میرے چہرے پر عجیب وحشت برسنے لگی۔ اوپر والے کمروں میں روز مرہ ضروریات کا سارا سامان ہمیشہ موجود رہا کرتا تھا۔ وہاں جاکر میں نے اپنے سر کے تمام بال بالکل صاف کر دیئے اور اسی پر اکتفا کرتے ہوئے ستوؤں یا مہارشی اندر رام کی تقلید میں اپنی بھنویں تک صاف کر دیں۔ میری یہ ہیئت کذائی دیکھ کر سیتا پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔ اگر میں نے یہ تمام کارروائی اس کے سامنے نہ کی ہوتی تو شاید وہ پہچاننے سے ہی انکار کر دیتی۔

لباس کے معاملے میں بھی زیرو پوائنٹ کی عمارت معاون ثابت ہوئی۔ گالی گلاب سے حاصل کیے ہوئے چوری کی ملبوسات کی جگہ میں نے کرتہ اور دھوتی پہن لی۔ زنانہ لباس چونکہ میسر نہ تھا لہٰذا وقتی طور پر سیتا کو بھی ایسے ہی کپڑے پہنانے اور آخری بار آئینے میں اپنا جائزہ لیکر میں وہاں سے نکل پڑا۔

اب میرا ارادہ ایک رشی کے روپ میں رہنے کا تھا۔ اس طرح حلیہ بدل کر میں خود کو بے شمار مسائل سے بچا سکتا تھا۔ ادیبی آمیا ضروری تھا جس میں مجھے باردک ٹوک نیپالی سرحد عبور کرکے ہندوستان میں داخل ہونے کی اُمید تھی۔

میرے لئے اس وقت سب سے بڑا مسئلہ سیتا کا تھا۔ وہ بنیادی طور پر ایک بے خوف مگر سادہ دل لڑکی تھی اور اس کی بے خبری میری گفتگو مجھے کسی بھی مرحلے پر دشواری میں ڈال سکتی تھی۔ کافی غور و خوض کے بعد میں نے اسے گونگی بہری لڑکی بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کی گوری رنگت، سرخ بال اور نیلی آنکھیں اسے ہر شبہ سے بچانے میں مددگار ہوتیں اور گونگی بہری بننے پر وہ میرے لئے کسی تشویش کا باعث نہ بنتی۔

طویل بحث کے بعد سیتا نہ صرف میرے منصوبے سے پوری طرح واقف ہو گئی بلکہ اس نے پورا پورا تعاون کرنے کا فیصلہ بھی کر لیا اور جب ہم دیرا تے عبور کرکے بستی میں داخل ہوئے تو وہ ایک پرجلال رشی کی معتقد کا بہروپ اختیار کر چکی تھی۔

شہر میں گھستے ہی میں نے بھی لاپرواہانہ انداز اختیار کر لیا تھا اور درشتی و نفرت سے ہری رام ہری اوم کے مستانہ نعرے مارتا اپنے طے شدہ رستے پر بڑھتا رہا۔ میرا یہ روپ اتنا کامیاب تھا کہ قریب سے گزرنے والا ہر شخص مجھے عقیدت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ کئی جگہ لوگوں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر مجھے عقیدت سے پرنام کیا اور میں ان پر حقارت آمیز نظر ڈالتا ہوا جواب دیئے بغیر رستاناتا رہا۔ دراصل یہی ان لوگوں کی نگاہ میں ایک پہنچے ہوئے بابا کی نشانی تھی اور یہ لوگ مجھے بڑی عقیدت سے دیکھتے رہتے تھے۔ ایک نے سیتا کے رنگ و روپ سے دھوکہ کھا کر اس سے میرے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہا اور سیتا نے حلق سے بے معنی آوازیں نکال کر انہیں ٹال دیا۔

آزادی اور تحفظ کے لازوال احساس کے ساتھ کھٹمنڈو کے بازاروں میں گھومتے ہوئے مجھے عجیب سی تسکین مل رہی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس سرزمین پر میرا وجود کسی اور کی مرضی کے تابع نہ تھا۔

ہندوستان میں اپنے قیام کے دوران مجھے نام نہاد پنڈتوں، پجاریوں اور رشیوں کے بارے میں خاصی معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ ان کے روایتی کردار پر بھرپور طریقے سے عمل کرتے ہوئے میں نے بازار سے ملکی اشیاء کی تھیلی حاصل کیں۔ غریب دکاندار نے میری کوشش کے باوجود قیمت وصول نہ کی۔ اس کے نزدیک یہی خوش بختی کی معراج تھی کہ ایک تارک الدنیا عابد اس کی دکان سے کوئی چیز لے جائے۔ بھوپوں نے تھائی دستکاری کے نمونے فروخت کرنے والی ایک دکان سے گہرے رنگ کے لباس خریدے۔ وہاں موجود غیر ملکی سیاحوں نے حیرت اور مسرت آمیز نظروں سے میرا جائزہ لیا جیسے میں ان کے لئے کوئی عجوبہ رہا ہوں۔

"اس مقدس ہستی کا کیا نام ہے خاتون؟" ایک سفید فام سیاح نے شستہ انگریزی میں سیتا سے دریافت کرنا چاہا اور سیتا نے بے معنی چند مہمل آوازیں نکال کر رہ گئی۔

"بے چاری گونگی ہے۔" اسی سیاح نے اپنی ساتھی سے کہا۔

"یہ سرزمین بڑی پُراسرار اور خوابناک ہے اسمتھ!" لڑکی کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ "یقیناً ہر دنیاوی عیش و عشرت سے بیزار نظر آنے والے یہ رشی ناقابلِ یقین قوتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ شاید اس لڑکی نے رشی کا کوئی معجزہ دیکھ لیا ہوگا جبھی گویائی سے محروم ہو گئی ہے۔ یہ لوگ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ان کی قوتوں کی کہانیاں عام لوگوں میں پھیلیں۔"

لباس خریدکر میں ترقی یافتہ قوموں کے ان اوہام زدہ سیاحوں کی عقل پر ماتم کرتا دکان سے باہر آ گیا۔ جب جدید علوم سے آشنا لوگوں کی توہم پرستی کا یہ عالم ہو تو ذہنی پسماندگی میں مبتلا ہجوموں کو معروضات کی پرستش سے کون سی طاقت روک سکتی ہے۔

اور اگر دیکھا جائے تو یہی مادی اور سائنسی ترقی انسان کو زندگی کے بندھے اصولوں سے انحراف پر اکسا رہی ہے۔ ہر نیا سائنسی نظریہ اپنے جلو میں ہزاروں نئے مسائل لے کر طلوع ہوتا ہے اور انسان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ سوچ بچار کرے مگر ایک عام آدمی کے ذہن میں اتنی سکت نہیں ہوتی۔ جب سوچتے سوچتے اس کا ذہن

جاتا ہے تو وہ ایک بیک فرار کی راہ اختیار کر لیتا ہے۔ تب وہ ایک اچھا لگتا ہے جو سہل ہو جہاں ایک رشی کے اشارے پر بہت بدلنے کا یقین ہو جہاں جان تو ڑ محنت کے بجائے پُر اسرار قوتوں کے سہارے کامیابیاں حاصل ہونے کی اُمید ہو۔ اس مرحلے پر انسان کی سہل پسند جبلت اور عقل کے درمیان پیکار چھڑ جاتی ہے جس میں اُبھرنے والے تضاد اور بے چینی سے نجات پانے کے لئے کشمکش میں ڈوب جاتا ہے کبھی چرس کے سہارے فرار چاہتا ہے اور کبھی ایل ایس ڈی کے ذریعے ایک نئی جنت تلاش کرنے میں مصروف رہتا ہے۔

میں یہ سب سوچتا اور اندر رام کی اس پہاڑی خانقاہ کی طرف بڑھتا رہا جہاں ایک رات میں نے ہپیوں کے بدمست غول میں بسر کی جہاں سنگی برون نامی ایک خوبرو لڑکی میرے رُکنے کا بہانہ بنی تھی۔ آزادی اور آزاد روی کے نام پر اندر رام نے انسانیت کی تذلیل کا گھناؤنا کاروبار پھیلا رکھا تھا اور زندگی کی ساری اقدار جنس کے گھناؤنے دلدل میں ڈوب کر رہ گئی تھیں۔

دوپہر کے قریب میں پہاڑیوں سے گھری اس وادی میں پہنچا جہاں ویرانی کا راج تھا۔ پوری وادی میں صرف تین خیمے لگے ہوئے تھے جن کے آس پاس دس بارہ ہپی قسم کے لڑکیاں دھوپ تاپ رہی تھیں۔ میری زبان سے بلند آہنگ ہرے رام کا نعرہ سن کر وہ سب چونک پڑے اور پھر اس طرح دوڑتے ہوئے میری طرف آئے جیسے انہیں مجھ سے جنت گم گشتہ مل جانے کی اُمید ہو لیکن قریب آکر ان کے چہرے وحشت سے تمتماتے ہوئے ماند پڑ گئے۔

"یہ ہمارا پوپ تو نہیں ہے۔"

"اسی کا کوئی چیلا معلوم ہوتا ہے۔"

"پیسہ نہیں ہے ہمیں چرس دلا سکے گا یا نہیں؟"

وہ اُمید و بیم کے عالم میں آپس میں تبصرے کرنے لگے اور میں بے نیازی سے اس غار کی طرف بڑھتا رہا جسے اندر رام اپنی خانقاہ کے طور پر استعمال کرتا تھا۔

"میرے مقدس باپ!" اچانک ایک لڑکی آگے بڑھ کر میرے قدموں میں بیٹھی اور کانپتی ہوئی آواز میں انگریزی میں بولی۔ "میرے ساتھی پیسہ پیسہ کو محتاج ہو چکے ہیں..... ہم......"

ابھی اس کی بات نامکمل ہی تھی کہ سیتا کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر غراتی ہوئی لپکی اور بالوں سے پکڑ کر اس لڑکی کو میرے قدموں سے دور اچھال دیا۔

وہ وادی لڑکی کی سُریلی چیخ سے گونج اٹھی۔

"تو..... گندی کُتیا! پوپ کو اپنے باپ کی میراث سمجھتی ہے" چیخنے والی لڑکی کے ایک دراز قامت ساتھی نے بیب کہتے ہوئے پلک جھپکتے میں چاقو نکال لیا۔

میں ایک شانیے کے لئے سکتے میں آ گیا مگر میری دخل اندازی سے قبل ہی سیتا نے سفاک چہرے والے اس ہپی پر چھلانگ لگا دی۔ وہ پھرتی سے ایک طرف سرک گیا اور سیتا اپنے ہی زور میں آگے جا گری۔ چاقو بردار لڑکے کی ویران آنکھوں میں خونی چمک لہرائی اور اس نے چاقو کی نوک پکڑ کر اسے سیتا کے بائیں پہلو میں اتارنا چاہا مگر میں نے بروقت اس کی کنپٹی پر لات ماری اور اس کا نشانہ خطا گیا۔ سیتا تو صاف بچ گئی مگر فضا میں اُڑتے ہوئے چاقو کا پھل ایک اور ہپی کی گردن میں دستے تک پیوست ہو گیا۔ زخم خوردہ ہپی کا بدن فضا میں اچھلا اور کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح زمین پر گر کر ساکت ہو گیا۔ شاید چاقو کا پھل شہ رگ کے آرپار ہو گیا تھا۔

یہ صورت حال دیکھتے ہی ہپیوں میں افراتفری پھیل گئی اور جس کے جدھر سینگ سمائے اُدھر بھاگ گیا۔ میں نے مشتعل سیتا کو بمشکل سمجھایا اور اپنے ساتھ لے کر خانقاہ کی طرف چل دیا۔

میرا اندر رام کی خانقاہ کی طرف آنے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ میں کچھ عرصہ وہاں گزار کر اپنی رشی کی حیثیت مستحکم کر سکوں۔ سندر کی دی ہوئی پارس پتھر والی انگوٹھی میرے پاس تھی اور میں اس کے سہارے خاصی شہرت حاصل کر سکتا تھا۔ خیال تھا کہ اس مرکزی شہر پر اپنا سکہ جمانے کے بعد جب میں سرحد کا رخ کرتا تو میرے بارے میں بے شمار کہانیاں پھیل چکی ہوتیں اور رستوں میں کسی کو بھی شبہ کا موقع دیئے بغیر قانون کی نظروں میں دھول جھونک کر سیتا کے ہمراہ سرحد عبور کر سکتا تھا مگر اس وادی میں آتے ہی سیتا کی حد سے بڑھی ہوئی جنگلی طبیعت کی بنا پر واقع ہونے والے حادثے نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ اس نے غالباً یہ سمجھ کر اس لڑکی کو مجھ سے دور اُٹھا پھینکا تھا کہ وہ مجھ سے عشق کا اظہار کر رہی ہے مگر اب جو کچھ ہو چکا تھا اسے لوٹانا ممکن نہ تھا لہٰذا میں نے سیتا سے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہ کہا۔ میرے لئے اتنا ہی غنیمت تھا کہ وہ قتل سیتا کے ہاتھوں نہیں ہوا تھا اور اس کے کئی گواہ بھی موجود تھے۔ اگر میں ان پر کسی طرح اپنی اہمیت واضح کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو وہ کسی بھی صورت میں حقائق نہ چھپاتے اور اس کے لئے مجھے ان کی واپسی کا انتظار کرنا ہوتا کیونکہ اس وقت تو قتل کی واردات ہوتے ہی وہ سب نہیں بھاگ نکلے تھے۔

اندر رام کی خانقاہ دیکھ کر سیتا کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ کئی ماہ کی مدت گزر جانے کے باوجود وہ غار ابھی تک تیز خوشبوؤں سے مہک رہا تھا۔ غار کے اندر ہر چیز جوں کی توں موجود تھی۔ اندر رام

کا عزیز ہو جو زندگی میں بھی کوئی اپنی وہاں داخل ہونے کی جسارت نہیں کر سکتا تھا۔

"یہ تیرے نانا اندرام کا مسکن تھا۔" میدان صاف پا کر میں نے سیتا سے کہا۔

"اور یہ تمام گوہرے اسی کے ساتھ رہتے تھے؟"

"ہاں ۔۔۔ وہ انہیں مفت نشہ فراہم کرتا تھا اور کھلی آوارگی کی ترغیب دیتا تھا۔ اس کی اپنی زندگی بھی یہاں بڑی رنگین گزرتی تھی۔"

"اب میں بھی۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔ "تو اسی لئے میرے نانا جیسا روپ دھار کر یہاں آیا ہے تاکہ خود بھی رنگ رلیاں منا سکے مگر کان کھول کر سن لے۔ میں تیری بیوی کا بول اور میرے جیتے جی ایسا ہرگز نہ ہوگا۔"

"تو بہت زیادہ وہمی ہے۔" میں سنجیدگی سے بولا۔ "وہ لڑکی میرے قدموں میں گر کر اپنی مفلسی بیان کر رہی تھی اور تو اس پر بھوکے شیر کی طرح ٹوٹ پڑی۔"

"جو لڑکی تیرے قریب آنے لگی اس کا یہی حشر ہوگا۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی۔ "وہ دور رہ کر بھی بات کر سکتی تھی۔"

معاً مجھے لاچی یاد آگئی اور میں پھریری لے کر رہ گیا۔ کالی کا پاپ کے سروا سنے وہ خوبرو لڑکی عزت افزائی کے طور پر مجھے انعام میں دی تھی اور سیتا نے جوشِ رقابت میں اس کے ننگے بدن پر گوشت نوچ نوچ کر اسے ہلاک کر دیا تھا کیونکہ وہ لڑکی اس کے شوہر کی آغوش کی زینت بن رہی تھی۔ سیتا ہر اعتبار سے ٹھیک تھی مگر میرے بارے میں ضرورت سے زیادہ حساس اور شکی تھی۔

شام کا دھندلکا پھیلنے سے تھوڑی دیر قبل غار سے باہر کچھ قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔ مجھے توقع تھی کہ آنے والے پجاری ہی ہوں گے مگر نئی جگہ اور نئے حالات کے تحت میں نے سیتا کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور غار سے باہر نکل آیا۔

باہر آتے ہی اچانک میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ سامنے کوتوالِ شہر کرن سنگھ وردی میں ملبوس ریوالور سنبھالے خانقاہ کی طرف بڑھا آ رہا تھا۔ اس کے ہمراہ کئی اور سپاہی بھی تھے۔ پیچھے چند پجاری چلے آ رہے تھے۔

"تم جو ہو وہیں ٹھہر جاؤ اور ہاتھ اوپر اٹھا لو۔" مجھ پر سایہ پڑتے ہی کرن سنگھ پوری قوت سے چیخا۔

غیر ارادی طور پر میرے ہاتھ اوپر اٹھتے چلے گئے۔ سیتا نے بھی میری تقلید کی۔

کرن سنگھ نیپال میں میرا پہلا شناسا تھا۔ ایک شہر میں اسی کے ہاتھوں حوالات میں بُری طرح مار کھائی۔ دوسری بار کھٹمنڈو میں بھی اس کے ستم کا نشانہ بننا پڑا۔ اگر رتنا مارش لیڈی لوٹ محبت کے سہارے مجھے زنداں سے نجات مل گئی۔ اس بار مجھے اتنا تو یقین تھا کہ سیتا کی موجودگی کے باعث کرن سنگھ مجھے صفدر علی کی حیثیت سے نہ پہچان سکے گا مگر اس کی گستاخانہ چیرہ دستیوں سے خود کو بچانا بڑا محال تھا۔

چند ہی منٹ میں وہ قافلہ خانقاہ کے دروازے پر آ پہنچا۔

"یہی ہے؟" کرن سنگھ نے پیچھے مڑ کر انگریزی میں پوچھا۔

"ہاں۔۔۔!" پجاریوں میں سے سیتا پر چاقو چلانے والا اسفل صورت شخص سامنے آگیا اور اب میں نے دیکھا کہ کرن سنگھ کے ساتھ آنے والے سارے پجاری وہی تھے جو قتل کی واردات کے عینی شاہد تھے۔

کسی جرم کے سلسلے میں آتی دیدہ دلیری کے ساتھ پولیس سے رجوع کرنا سیتا کے متعلق بات افسوسناک تھا بہرحال یوں معلوم ہو رہا تھا کہ قاتل نے خود کو اس معاملے میں مجھے ملوث کرنے کی کوشش کی تھی!

"او پنڈت! کیا نام ہے تیرا؟" کرن سنگھ نے اپنے مخصوص تحقیر آمیز لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔ زبان نیپالی تھی۔

"میرا نام ننگا راہے!" میں نے سیتا کو پوری طرح تحال سے باہر رکھنے کے لئے اندر ہی کہا۔ "اور یہ میری ساتھی سیتا ہے۔ یہ بول نہیں سکتی۔"

"ہوں!" کرن سنگھ نے ایک طویل ہنکارا ابھرا۔ "رشی اور پنڈت خون خرابہ کب سے کرنے لگے ہیں۔ اس لڑکی پر ایک پجاری کے قتل کا الزام ہے اور اب تم دونوں حراست میں ہو۔"

"یہ کیسا مکھول ہے حوالدار جی!" میں احتجاجی لہجے میں بولا۔ "قاتل تو خود تمہارے ساتھ کھڑا ہے۔ یہ خوفناک چہرے والا لمبا لڑکا۔ اسی کے چاقو سے وہ پجاری مرا تھا۔ بھولی سیتا کو قتل سے کیا سروکار؟"

"زیادہ باتیں نہ بنا!" کرن سنگھ نے آنکھیں نکال کر کہا۔ "یہ کہتے ہیں کہ تو اندرام کی خانقاہ پر قبضہ کرنے آیا تھا۔ انہوں نے روکا تو تیری ساتھی نے چاقو نکال کر حملہ کر دیا اور ان کا ایک ساتھی مارا گیا۔"

"بھلا مجھے خانقاہ پر قبضے کی کیا ضرورت تھی۔" میں پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "میں تو اندرام جی کی ہدایت پر یہاں آیا ہوں۔ ہم رشیوں کو جگہ سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہاں نہیں تو آسمان تلے کہیں اور آسن جما لیں گے۔ ہمیں خون خرابے کی کیا ضرورت ہے؟"

مگر بدمعاش کرن سنگھ اس وقت میری بات نہیں سن رہا تھا۔ اس کی بھوکی نگاہیں سیتا کے صحت مند جسم پر جمی ہوئی تھیں اور سیتا ان نگاہوں کا مطلب سمجھے بغیر کرن سنگھ کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی!

"حوالدار جی! اسے کیا گھورتے ہو۔۔۔" میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے آہنی زنجیروں کا شور پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"تو نے کیا نام بتایا اس کا۔۔۔ سیتا! ہاں سیتا ہی بتایا تھا۔"

"...پُرمعنی لہجے میں بولا۔ "مگر وہ گونگی تو خیر لگتی ہے۔"

"ہمیں تمہاری بکواس کا جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔" پھر کرن سنگھ نے ہم دونوں کے ساتھ اس قاتل لڑکے کو بھی حراست میں لے لیا۔ اس نے گرفتاری پر بڑا اودھم مچایا۔ اس کی سینہ زوری میرے لئے حیرانی کا باعث تھی مگر کرن سنگھ نے جلد ہی اسے خاموش کر دیا۔

اس موقعے پر پجاریوں نے غار میں سے اپنے سامان کا تھیلا ساتھ لینے کی اجازت نہیں دی کیونکہ اس میں ایک پستول بھی موجود تھا جس کی موجودگی کا کوئی جواز نہ ہوتا اور یوں کرن سنگھ کو سیتا پر دست درازی کرنے کا ایک اور بہانہ ہاتھ آ جاتا!

پہاڑیوں سے باہر پولیس کی دو گاڑیاں موجود تھیں۔ کرن سنگھ نے لاش کے سرسری معائنے کے بعد اس کو قبضے میں لیا اور ہم تینوں کو لاش سمیت ایک گاڑی میں بند کر دیا گیا اور جا کر کوتوالی کی جانب سفر شروع ہو گیا۔

اس وقت میرے ذہن میں کرن سنگھ سے پہلی ملاقات کے مناظر گھوم رہے تھے۔ ایک پرانی ٹرالی کے ذریعے نیپال میں داخل ہوتے وقت جب مجھے اپنے ساتھی جوزف سمیت چرس کی اسمگلنگ اور جعلی کاغذات پر سفر کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا تو ہم دونوں کو کسرا کانی کی آبادی میں بنے جیل خانے لے جایا گیا اور کرن سنگھ ہی تھا جو ہمارے سرحد سے قبل اسیر کمانا کسی ذریعے سے میری ضمانت کرا چکا تھا۔ جبر کی گرفت کے اشتعال کا سبب بن گئی اور اس نے مجھے ہلاک کرنے سے پہلے بُری طرح لہولہان کر کے رکھ دیا تھا۔ پھر دوسری بار اس سے کھٹمنڈو میں سامنا ہوا جب لوبا رتن سے شادی کے بعد شہر میں وقوعہ واردات سے پہلے ملی تھی جس کے نتیجے میں مجھے نقصِ امن کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا اور جب پولیس مجھے کوتوالی لے کر پہنچی تو وہاں کرن سنگھ انچارج تھا۔ وہ دیکھتے ہی مجھے پہچان گیا۔ اس بار کرن سنگھ کو مجھ پر تشدد کا موقع نہ مل سکا کیوں کہ اندھیرے کے کہیں میری رہائی پر مجبور کر دیئے گئے تھے!

کوتوالی پہنچ کر ہمارے بیانات لئے گئے۔ رات سے پہلے تمام ملزم اس درانتا مت امریکی بچی کو حوالات میں بھیج دیا گیا۔ پھر میری باری آئی۔ کرن سنگھ اس وقت سیتا کو وہیں روکنے کے موڈ میں نظر آ رہا تھا!

"حوالدار جی۔۔۔ لڑکی تو بیچاری گونگی ہے۔ اسے یہاں کیوں روک رہے ہو؟" میں نے ملتجی لہجے میں کرن سنگھ سے کہا۔

اس نے پھر پُرمعنی قہقہہ لگایا۔ "گونگی ہے! میں ابھی اسے بولنے پر مجبور کر دوں گا۔"

"نہیں۔۔۔ اس پر ظلم نہ کرنا۔" میں تڑپ کر اس کے سامنے آگیا۔ "میں تمہیں وچن دیتا ہوں کہ مالا مال کر دوں گا۔ اس لڑکی کو نہ ستاؤ۔"

"تیری جالی بجاری معلوم ہوتی ہے۔۔۔!" وہ سخت لہجے میں بولا۔ "تم جو کچھ بولو پہلے صاف کر دو۔" میں کرن سنگھ سے بھرپور مصالحت پر آمادہ تھا۔ اس کے قریب جا کر سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "میرے پاس ایک بہت بڑی طاقت ہے میں لوہے کو سونا بنا سکتا ہوں۔ میرے گرو اندرام نے مجھے یہ گُر سکھا کر یہاں بھیجا ہے۔ میں تمہیں مالا مال کر دوں گا۔"!

کرن سنگھ کی آنکھوں میں لالچ کی چمک پیدا ہوئی۔ چند ثانیوں تک وہ کچھ سوچتا رہا۔ پھر اشارے سے ہیڈ کو اس کمرے سے رخصت کر دیا!

چونکہ اس کمرے میں روشنی کا انتظام ناکافی تھا لہٰذا اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے اپنی انگوٹھی میں لگے ہوئے پارس پتھر کو ایک لوہے کی زنجیر سے مس کرنا شروع کر دیا تھا!

"تم لوہے کو سونا کس طرح بناتے ہو؟" اس نے میرے لئے پہلی بار تم کا لفظ استعمال کرتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ بہت زبردست علم ہے اور گرو کی اجازت کے بغیر اس کے بارے میں میں ایک لفظ بھی بتانے کی اجازت نہیں۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"تمہارا گرو اندرام کہاں ہے؟"

"وہ پہاڑوں پر گہری نیند لینے چلا گیا ہے۔" میں نے حقیقت سے بھرپور لہجے میں جھوٹ بولا۔ "وہ اپنے کام سے بہت تھک گیا ہے۔ اب شاید کئی دنوں بعد نیچے آئے گا۔ اسی لئے اس نے مجھے ادھر بھیجا ہے تاکہ اس کے چیلے اس کے غم میں دیوانے نہ ہو جائیں۔"

"میں نے سنا تو تھا کہ اندرام لوہے کو سونا بنا دیتا ہے۔ جب وہ اپنے سالانہ سفر سے واپس آتا تھا تو اس کے گلے میں جھولتی ہوئی ساری لوہے

کی زنجیریں سونے کی ہو چکی ہوتی تھیں مگر تب تک میں تو یوں ہی … رہا ہے۔؟

میں اس کے سامنے پہلی بار اعتماد کے ساتھ ہنسا پھر اپنے گلے سے وہ زنجیر اتار کر اس کی طرف بڑھا دی۔ جس سے میں بار بار تجربہ کر رہا تھا۔ کرن سنگھ نے دھندلکے میں اس زنجیر کا زردی مائل رنگ دیکھا۔ پھر بے تابی سے اسے روشنی کے قریب لے گیا۔ اور میں نے اس کے چہرے پر حیرت کے طوفان امڈتے دیکھے!

"یہ… یہ تو سونا معلوم ہوتا ہے!" وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ نیپالی پولیس فورس کے اس سخت گیر اور کینہ پرور افسر کی دکھتی رگ پر میرا ہاتھ پڑ چکا تھا۔ یک بیک میرا کھویا ہوا اعتماد بحال ہو گیا اور میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرم اور دوستانہ لہجے میں کہا۔ "ہاں… یہ ٹھوس اور خالص سونا ہے۔ اگر تم اس معاملے میں مجھے اور سیتا کو ملوث نہ کرو تو یہ سب تمہارا ہے!"

"لیکن… لیکن یہ قتل کی واردات ہے…" وہ اپنے ہاتھ میں بھاری سیروں وزنی طلائی زنجیر کو گھورتے ہوئے بڑبڑایا۔ "تمہارے خلاف کئی عینی شاہد موجود ہیں… مگر میں یہ سونا بھی کھونا نہیں چاہتا۔ گھر آئی لکشمی کو ٹھکرانے والے زندگی بھر رویا کرتے ہیں…!"

"تم یقین رکھو کہ قاتل نامعلوم ہے۔ تفتیش کے سامنے وہ سب کچھ اگل دے گا اور اگر تم یہ سونا چھپا کر مجھے قید کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہو تو یاد رکھنا کہ میں فوراً بتا سکتا ہوں کہ یہ صرف وہی زنجیر نہیں بلکہ تمہاری ملکیت میں موجود تمام سونے کو بھی میں واپس لینے کی قدرت بھی رکھتا ہوں!" میں آہستہ آہستہ کرن سنگھ پر حاوی ہو چلا تھا اور سیتا اب صورتحال سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

کرن سنگھ کچھ دیر تک کھوئی کھوئی نظروں سے اس زنجیر کو گھورتا رہا پھر دھیمی آواز میں بولا۔ "ٹھیک ہے میں تمہیں رہا کر دوں گا۔ نامعلوم قاتل بیان ہو کر اب سزا اسی کا مقدر بنے گی۔ میں ان گواہی دینے والی لڑکیوں کو حوالات میں ڈال دوں گا اور جب تنہائی میں سپاہی انہیں پامال کر دیں گے تو وہ خود چیخ اٹھیں گی۔ میں ان سے نمٹنا خوب جانتا ہوں…!"

پھر کرن سنگھ نے وہ زنجیر اپنی میز کی ایک دراز میں مقفل کر دی اور میرا بیان قلم بند کرنے کے بعد نہایت عقیدت کے ساتھ مجھے روانہ ہونے کی اجازت دے دی۔

کوتوالی کے عملے نے مجھے سیتا کے ہمراہ پوری عزت کے ساتھ روانہ ہوتے دیکھا تو وہاں دبی دبی سرگوشیاں پھیلتی چلی گئیں اور میں بے نیازی کے ساتھ باہر آ گیا۔

شہر پر رات کا اندھیرا گہرا ہو چلا تھا۔ کوتوالی سے باہر سڑک پر گہرے سناٹے کا راج تھا۔ دور سے آوارہ کتوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں یا پھر گشتی سپاہیوں کی تیز سیٹیوں کا شور رات کا سناٹا … دور تک پھیلتا چلا جا رہا تھا!

"ہرے کرشنا، ہرے رام!" فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے اچانک میں نے زور سے نعرہ مستانہ مارا اور سیتا اچھل پڑی۔

"کیا تو نے اپنا دھرم بدل لیا ہے؟" اس نے بیزاری کے ساتھ پوچھا۔

"دھرم نہیں… یہ ایک سوانگ ہے!" میں نے اس کا بازو تھپتھپا کر کہا۔ "اس کے بغیر ہم زندہ سلامت اپنی منزل تک پہنچنے کا تصور بھی کر سکتے تھے…؟"

آہستہ آہستہ ہم اس علاقے میں پہنچے جہاں ہندو دکانوں کے سائبانوں کے نیچے غربت زدہ مقامی گداگر اور آوارہ منش ہپی سردی سے سکڑے سونے کی کوشش میں مصروف تھے!

ہری اوم کے لگاتار نعرے لگاتا اور بیچ میں ہوتے ہوئے باقی ماندہ آدھی زنجیر دل کا شور پیدا کرتا میں ان کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔ اس وقت شب بسری کے لئے مجھے کسی محفوظ اور ویران گوشے کی تلاش تھی!

میں تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ عقب میں بھاری آہنی جھنکار سنائی دی۔ میں نے چونک کر پیچھے مڑ کر دیکھا تو … لاچی کا باپ کسی سایے کی طرح تیز روی سے ہمارے تعاقب میں چلا آ رہا تھا۔

اس کے جسم پر اس وقت بھی ریچھ کی وہی کھال موجود تھی جس کی ایک جھلک میں نے بھیٹ گرو کے لاری اڈے پر دیکھی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی نم آلود سرخ آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں اور داڑھی کے بڑے بڑے سفید بال ہوا سے اس کے سینے پر لہرا رہے تھے۔ اس وقت بھی اس کا داہنا ہاتھ کھال میں چھپا ہوا تھا۔

لاچی کا باپ اپنی بیٹی کے قتل سے باخبر ہوتے ہی کوتوالی کا چکر لگا کر ہمارے تعاقب میں نکل پڑا تھا۔ بھیٹ گرو پہنچ کر اس نے ہر جگہ ہمیں تلاش کیا پھر آخری لمحے تک لاری کے قریب کھڑا ہمارا انتظار کرتا رہا مگر ہم اسے جل دے کر نیپال کے دارالحکومت تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ مجھے معلوم تھا کہ اس لاری کے بعد بھیٹ گرو سے کئی گھنٹے تک کوئی سواری ملنے کا امکان نہیں تھا۔ پھر برف باری کے باعث راستے نہایت پرخطر اور دشوار گزار ہو چکے تھے مگر وہ غالباً انتقام کی آگ میں سلگتا صرف چند ہی دنوں میں ہمارا کھوج نکال کر کسی بدروح کی طرح بھیٹ گرو سے کھٹمنڈو آ پہنچا تھا!

مجھے یقین تھا کہ بھیٹ گرو سے لاری روانہ ہونے کے بعد اسے کسی نہ کسی طرح ہماری وہاں موجودگی پھر فرار کا علم ہو گیا ہو گا اور وہ کسی نہ کسی طرح کھٹمنڈو آ پہنچا۔ یہاں وہ محض اتفاقات کے انتظار میں فٹ پاتھوں پر وقت گزار رہا ہو گا۔ اس وقت مجھے وہاں سے گزرتے دیکھ کر تو اسے شبہ بھی نہ ہوا ہو گا کہ میں وہی سفید فام ہوں جسے اس کی اکلوتی بیٹی لاچی دل دے چکی تھی مگر اس نے سیتا کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا ہو گا اور اب وہ ہمارے پیچھے تھا!

… مجھے گھورتا پایا تو سیتا نے بھی میری تقلید کی اور بے اختیار اس کے منہ سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ خارج ہو گئی۔ "یہ لاچی کا باپ معلوم ہوتا ہے" اس نے کپکپاتی آواز میں سرگوشی کی۔

میں نے جھٹک کر فٹ پاتھ پر سوئے ہوئے لوگوں کا جائزہ لیا۔ پھر جھڑک کر بولا۔ "کیا تو بھول گئی کہ تو گونگی ہے…؟"

ہم نے اپنی رفتار تیز کر دی مگر اس بڈھے کی آہٹیں مستقل فاصلے سے مسلسل ابھر رہی تھیں۔ سیتا کا چہرہ دہشت سے جیسے زنگ آلود ہو چکا تھا۔ سردی کے باوجود میری پیشانی پسینے سے تر تھی۔ میں نے بارہا موت سے دو دو ہاتھ کئے تھے لیکن ایسی پر اسرار اور جاں گسل صورتحال سے کبھی دوچار نہ ہوا تھا۔ دشمن ہمارے عقب میں اور مسلح تھا۔ اپنی پسند کے وقت اور موقع پر وار کرنے کی آزادی اسے حاصل تھی۔ وہ ہماری ایک ایک حرکت کی کڑی نگرانی کر رہا تھا مگر ہم اس کے بارے میں بالکل لاعلم تھے۔ انہیں صرف یہ اندازہ ضرور تھا کہ وہ ہم سے چند گز دور چلا آ رہا ہے۔ ایسے میں اگر ہم یک بیک بھاگ نکلنے کی کوشش کرتے تو وہ پلٹا قاتل ہم پر وار کر دیتا اور میں یہ جانتا تھا کہ اس کا باپ والے رات کے گھور اندھیرے میں محض آہٹ پر نشانہ لگانے میں ماہر ہوتے ہیں!

ابھی یہ مشکوک تھا کہ لاچی کا باپ مجھے بدلے ہوئے حلیے میں پہچان سکا ہے یا نہیں مگر سیتا کی شناخت مصدقہ بات تھی اور شاید ہمارا دشمن ہمیں گھیر کر سیتا سے میرے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہتا تھا اور اگر یہ مفروضہ غلط تھے تو وہ ہمیں سمجھ سکا اور سمجھا کر تعاقب میں چلا آ رہا تھا اور جس لمحے بھی انسانی ذہنی رو بہک جاتی، فضا میں اترتا ہوا کوئی ہتھیار عقب سے ہمیں چاٹ لیتا۔

آخر کار میں نے اپنی جان پر کھیل جانے کا منصوبہ بنا لیا اور دبی آواز میں سیتا کو ہدایات دینے لگا کہ اس بھاگ دوڑ سے نجات مل سکے…!

اس وقت ہم سڑک کی داہنی جانب چل رہے تھے۔ چند قدم آگے بڑھنے کے بعد ہی ایک تنگ اور تاریک سی گلی سامنے آئی۔ سیتا آخری لمحے پر بجلی کی سی پھرتی سے اس میں گھس گئی اور میں سیدھا بڑھتا چلا گیا!

"ٹھہرو!" سیتا کے مڑتے ہی پیچھے سے وہ بوڑھا نیپالی زبان میں چیختا اور بھاگتا ہوا آگے چلا آیا۔ اس کا داہنا ہاتھ کھال سے باہر آ چکا تھا اور اس میں ایک تیز دھار خنجر چمک رہا تھا۔ اس وقت تک اندھیری گلی میں سیتا کے قدموں کی دھمک معدوم ہو چکی تھی اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہاں کچھ بھی نہ ہوا ہو!

لاچی کا باپ نہایت چالاک شخص تھا۔ اس نے گھور کر گلی کا جائزہ لیا لیکن وہاں سیتا کو نہ پا کر اس کا ہاتھ رک گیا۔ آخر وہ میری طرف گھوم گیا۔

اس نے گہری ناقدانہ نظروں سے میرے سراپا کا جائزہ لیا اور میں نے اپنے تمام تر خوف کے باوجود اپنے چہرے پر … بے تعلق بھکشوؤں کی نقل شروع کر دی!

"بابا… وہ لڑکی کدھر گئی؟" اس نے کرب اور عقیدت بھری مدھم آواز میں مجھ سے سوال کیا تو میرے دل کی دھڑکنیں سوا ہو گئیں۔ وہ مجھے بطور صفدر علی پہچاننے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اور یہ میری خوش بختی کی علامت تھی۔

میں نے پہلی بار غور سے اپنے اس جانی دشمن کی طرف دیکھا۔ اس کے تندرست اور توانا چہرے کی بے شمار جھریاں اس کے غم کی کہانی سنا رہی تھیں۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ "وہ لڑکی تم سے خوفزدہ تھی۔ وہ اور اس کا ساتھی کئی دن سے چھپتے پھر رہے تھے۔ انہیں ہر آن تمہارا خوف تھا اور اس وقت تم اچانک سامنے آئے تو لڑکی نے مجھ سے مدد کی آخری درخواست کی اور فرار ہو گئی۔"

"او خدا!" بوڑھے نے اچانک اپنا سر پیٹ لیا۔ "مجھے لڑکی سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔ اس کا ساتھی میری اکلوتی بچی کو قتل کر کے بھاگا تھا۔ میں اس کے تعاقب میں آیا اور پہاڑوں میں ٹھوکر کھاتا اس کے کھوج میں یہاں تک پہنچا تھا۔ میرا رواں رواں انتقام کی آگ میں جل رہا ہے۔ میں نے اس لڑکی کو پہچان لیا تھا۔ میں اس سے اپنی بیٹی کے قاتل کا ٹھکانہ معلوم کرتا اور اسے کچھ نہ کہتا۔ کہاں بھاگ گئی وہ…؟" بوڑھے کے بدن پر بری طرح ورم آلود زخم تھے جو جگہ جگہ سے کھائی تھیں۔ وہ یقیناً بھیٹ گرو سے یہاں تک پیدل ہی آیا ہو گا اور ان دنوں یہاں سواری کا تصور تک محال تھا۔ "شاید تمہیں صفدر علی کی تلاش ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں…!" بوڑھا میرے نام پر اچانک بھڑک اٹھا۔ "تم جانتے ہو اس کا ٹھکانہ؟ وہ خونی کہاں ملے گا…؟"

میں نے مایوسی سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی اور بولا۔ "وہ لڑکی بہت زیادہ خوفزدہ تھی۔ تمہارا زیادہ دور نہ بھاگ سکی ہو گی۔ ابھی کہیں چھپی کھڑی رہی ہو گی۔ اسے تلاش کرتے ہیں وہی صفدر تک تمہاری رہنمائی کرے گی اور تم خنجر چھپا لو ورنہ وہ اسے دیکھ کر پھر خوفزدہ ہو جائے گی!"

وہ میرے فریب کا شکار ہو گیا اور اپنا خنجر اس نے میرے حوالے کر دیا۔ "سیتا! بوڑھے کا خنجر میرے پاس ہے واپس آ جاؤ۔ اب چھپنے کی ضرورت نہیں رہی!" میں نے اس ویران گلی میں داخل ہو کر بلند آواز میں کہا۔

گلی کے اندھیرے میں دیوار سے چپکا ہوا ایک سایہ حرکت میں آیا۔ قدموں کی ہلکی سی چاپ ابھری اور سیتا اعتماد کے ساتھ چلتی ہمارے قریب آ گئی۔ اس وقت ہمارے درمیان ایک بے ضرر بوڑھا تھا اور ابھی تک کسی کی مداخلت کا اندیشہ نہیں تھا۔

"یہ بوڑھا میری بیٹی کا قاتل ہے اور میں نے اسے یقین دلا دیا ہے کہ تو اس کی رہنمائی کرے گی۔" میں نے اردو میں سیتا سے کہا۔

"تو چلو وہاں اسے!" سیتا نے شوخی سے کہا۔

"بابا مجھے تو کیا فرق پڑتا ہے میں اس سے بہت پہلے تنگ آ چکا ہوں!"

میں نے کہا پھر بوڑھے سے بولا۔ "لڑکی تیار ہے ہمارے ساتھ چلے آؤ…"

پوری طرح آزاد ہو چکے ہوتے اس بوڑھے کو زندہ چھوڑ دینا
سے کم نہ تھا مگر میں اب دشواریوں سے دو چار ہونا نہیں چاہتا تھا۔ کچھ دیر کا سفر
اس بار بھی مجھے دل نشیں لگا تھا۔ اپنے گزشتہ تجربات سے قدم نکالتے ہی مجھے
خون خرابے اور فساد میں ملوث ہونا پڑا تھا۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ شراب اور
منشیات کا کاروبار کرنے والے سیٹھ ... کی احسان فراموشی کی سزا دوں
اور پھر ان تمام لوگوں کی جان سال آوارہ مالک کروں ... حملوں کا
جواب دیتا رہوں مگر حالات ہر لمحہ بگڑتے جا رہے تھے کہ
مجھے ایک بار پھر ... صورتیں مقدر ... لہٰذا اب میرا
آخری فیصلہ تھا کہ ... کے باپ کو ٹھکانے لگاتے ہی مجھے آگے بڑھ جانا چاہیے
کافی دیر کے سفر کے بعد میں ... ایک لق و دق اور
ویران میدان میں جانے میں کامیاب ہو گیا جہاں دور دور تک انسانی
آثار نہیں ... دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔

چند میلوں کے بعد میں نے ... اچانک ... روک دیا۔

"رک کیوں گئے؟" بوڑھے نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔

"اس لئے کہ تمہارا ... " میں نے ... جب ...
سے ... میری ... پسلیوں میں ... دیا ... بوڑھے
کی آنکھوں میں ... حیرت ... جو ... میں ... ہی ...
... بوڑھے کے حلق سے ایک ... چیخ نکلی اور وہ دونوں ہاتھ
... زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

اس کا جسم ساکت ہونے تک ہم دونوں وہیں کھڑے رہے پھر
واپس بستی کی طرف چل دیے۔

وہ رات ہم نے ... سے ایک ... پر گزاری۔ اگلی
صبح ایک سستے ہوٹل سے ناشتہ کرنے کے بعد ہم پھر اندرام کی خانقاہ کی طرف
چل دیے۔ ... وہاں سے اپنا تھیلا لینا چاہتا تھا جس میں دیگر اہم سامان کے
علاوہ پستول اور ... موجود تھی۔

اس دوران میں ... بہت مصروف رہا۔ شاید ...
... کی کوشش ...
میری ... کی افواہیں گشت کرنے لگیں اور ...
کے ہجوم نے مجھے گھیر لیا۔ لوگ ... میری خوشامد ... کرتے اپنے
دکھڑے سناتے مگر میں حقارت سے انہیں دھتکار دیتا۔ ان میں بہت سے
... کی ... کہ میں انہیں ...
سکوں۔ میں نے ان میں سے ... اپنے گلے میں ڈال لیں اور جھوم جھوم
کر ... ام کے نعرے لگاتا ایک طرف ہو لیا۔

... مریدوں کے ... دو ...
تھوڑی دیر ... میری طرف متوجہ کر لیا۔ ... اندرام
کی ذات ... میری ... بھی ...

تھی جس نے اپنے ہاتھ ... میں ... بنا لیا تھا ... ہو رہے تھے۔
... عقیدت اور ... کی ... منطقی حد
پر گئی ... اندرام کا جانشین سمجھنے ... معتقدوں کا ہجوم
... اپنا حلقہ قائم کر لیا اور ... ساتھ ...
کے فلک شگاف نعرے لگانے لگے۔ اب مجھ پر معتقدوں کی یلغار شروع ہو چکی
تھی البتہ ان کی ایک بڑی تعداد ... جلوس سے باہر ... ساتھ چلی
آ رہی تھی!

مجھے صرف ایک دو دن یاد تھے ...
ہوتے میں نے ایک ... شروع کر دیا ...
... کی کوشش کر رہے تھے ...
...
ایک اہم فیصلہ کر لیا اور میری ...
... کے ساتھ ... ایک ...
دیوار کی جانب کر لیا۔

جلوس جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا ... آخری ... اپنے
ساتھیوں کی اندھی تقلید میں ... شامل ہوتے رہے۔ ان میں سے بعض
والہانہ انداز میں ... اپنے سر دھنتے ... ناچتے گا رہے
تھے۔ اس وقت مجھ پر اپنی عظمت کا عجیب احساس طاری تھا ...
میں ایک بے تاج بادشاہ کی حیثیت ...
... کامیابی سے
ایک بڑے ...

... میدان ... ایک ... اور
...
... سے معمولی طور پر ...
کی ...
... گیا۔ ... معتقدوں نے بھی ...
... موت ... شامل ہو گئے!

اس وقت کوئی بھی میری یا سیتا کی طرف متوجہ نہ تھا جس کے
... سیتا کا ہاتھ ... کے عقب میں
آتا چلا گیا!

مجھے یقین تھا کہ اس واقعے کی خبر ... میں ...
... اختیار
...

... سے ... واقعات نے سیتا کو ...
... کی ... تنہائی ...
... بے شمار سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

"اس ... کے لئے ... عقیدت ... "

اسے جلوس کے بارے میں بتایا۔ "اندرام ... سے ملنے ...
میں جاتا تھا پھر واپسی پر یہی سب کرتا تھا تو آج میں نے کیا ہے۔"

"تو یہ سامنے ... اسی کے مرید تھے؟" سیتا نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں ... انہیں برباد کر دینے ... اندرام کا بڑا ہاتھ ہے۔ وہ مجھ
... کو اپنے ... کے لئے منتخب کر لیتا تھا وہ احترام کی نظروں سے دیکھی جاتی تھی۔"
"پھر شاید قدرت نے اندرام کی ان ہی مکاریوں کا انتقام اس کی
بیٹی ... سے لیا ہے۔" ... اور ... کے ساتھ ... میری ماں کو ...
... کے اعمال کی سزا ملی تھی۔"

"وہ اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔" میں نے کہا۔ "اب ...
کو بھلا کر سونے کی کوشش کرو ... صبح ہم یہ شہر چھوڑ دیں گے۔"

اس رات ... صبح اٹھتے ہی ہم نے
شہر کا رخ کیا ... آبادی میں پہنچتے ہی ... قدم قدم پر تعظیم ... شاید
... لوگ ...
... رہے تھے۔

... والی لاری روانہ ہونے میں تھوڑی دیر باقی تھی لہٰذا میں نے
... سب ... تیار نہ تھا۔
ادھر ... مگر عقیدت مندوں کی ... جاری تھی کوئی بھی ...
... نے ... کو ہاتھ نہ لگایا اور ...
لاری ... سے اندر جا بیٹھا۔

... لاری کا انجن ... کلینر نے ڈرائیور کو اشارہ
دیا اور لاری ... کے بازاروں سے گزرنے لگی۔

یوں تو لاری کے تمام مسافر میری ذات میں دلچسپی لے رہے تھے اور
میری توجہ کے طالب تھے مگر میں ... زیر لب ... الفاظ
دہرا رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد میں نے محسوس کیا کہ لاری میں موجود دو لڑکا
خاص طور پر میری طرف متوجہ ہیں۔ ان کے ... سے صاف ظاہر تھا کہ وہ عزت
اور ... ناآشنا ہیں۔ ان کے چہروں کی ... واضح طور
پر ان کے ... کا اعلان کر رہی تھی۔

پھر ان میں سے ایک نے سیتا میں دلچسپی لینی شروع کر دی ...
لئے اب ... ممکن تھا میں نے پوری طرح آنکھیں کھول دیں
اور ... نظروں سے انہیں گھورنے لگا ... ان میں سے ایک
نے مجھ سے ... کی کوشش کی ... سیدھا ہو گیا۔

لاری ... اپنے مقررہ راستے پر رواں دواں تھی۔
مسافروں کی دبی دبی سرگوشیاں جاری تھیں ... میری موجودگی کی وجہ سے ...
احتیاط کی فضا ... تھی۔ مسافر ... آوازیں ... سے ہنسنے
سے بھی پرہیز کر رہے تھے!

اور جب لاری ایک لق و دق میدانی راستے پر دوڑ رہی تھی تو
ان دونوں بدمعاشوں نے گہری نظروں سے پوری بس کا جائزہ لیا۔ چند ثانیے
تک سر جوڑے کچھ سرگوشیاں کرتے رہے پھر اچانک ہی وہ دونوں ریوالور نکال کر
اپنی جگہوں پر کھڑے ہو گئے۔

"سارے مسافر خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھے رہیں!" ان میں سے ایک
چیخا۔ "اور ہاتھ اوپر اٹھا لیں۔"

اس اثنا میں دوسرا ... ڈرائیور کی پشت پر جا پہنچا تھا اور
اسے لاری روکنے کی ہدایت دے رہا تھا۔ لاری کی رفتار آہستہ آہستہ دم توڑنے
لگی اور جب لاری رک گئی تو ان میں سے ایک نیچے اتر گیا اور دوسرے
نے باری باری سارے مسافروں کو نیچے اترنے کا حکم دیا۔ میں نے دوسرے
مسافروں کے برعکس ابھی تک ہاتھ اوپر نہیں اٹھائے تھے مگر ... والے نے
دوبارہ مجھے کوئی حکم نہ دیا۔ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے غیر محسوس
طریقے پر اپنی گود میں رکھے ہوئے تھیلے میں سے پستول نکال لیا۔

جب ... آئے ... لڑکی تو لاری ہی میں رکی رہے گی۔" اس نے ... الفاظ ... زبان میں ادا کیے
تھے ... ! ان کے لہجے سے ان کے عزائم کی سیاہی جھلک رہی تھی۔ وہ
دونوں لاری کے مسافروں کا قیمتی سامان چھیننے کے ساتھ ہی سیتا پر بھی
ہاتھ صاف کرنا چاہتے تھے۔ ان میں سے ایک لاری سے باہر مسافروں کو
ریوالور کی زد پر روکے رکھنا اور دوسرا قیمتی مال جمع کرنے کے ساتھ سیتا سے
زبردستی کی کوشش کرتا اور یہ خیال ذہن میں آتے ہی میری کنپٹیاں ... انہیں ...
میں نے فوراً ہی پستول سے اندر والے کی داہنی ران چھید ڈالی۔ وہ تڑپ کر
پائیدان ... گیا۔ فوراً ہی چند مسافروں نے اسے بے بس کر دیا۔
یہ اتنی تیزی سے ہوا کہ باہر والے قزاق کو کچھ سمجھنے کی مہلت نہ
ملی۔ وہ ... سمجھا ہوگا کہ ان کے ساتھی نے ... ریوالور سے کسی کو زخمی کیا ہے اور
میں نے ... صورت حال سمجھنے کی مہلت دیے بغیر ایک کھڑکی کے قریب گیا۔ وہ
مسافروں سے ... لاری کی طرف متوجہ تھا۔ میں نے اپنا ہاتھ
اپنا پستول سیدھا کیا اور ایک ... دھماکے کے ساتھ اس کا بایاں شانہ
بری طرح زخمی ہو گیا۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے اڑ کر ... جا گرا۔
چند ثانیوں تک باہر کھڑے ہوئے مسافر ... اسے زمین پر
تڑپتا دیکھتے رہے جب میں نے انہیں للکارا تو انہوں نے فوراً ہی اسے
بے بس کر دیا!

ان دونوں کے زخم کاری تھے مگر جان لیوا نہ تھے۔ مسافروں میں
کوئی بھی ان سے رعایت کرنے کو تیار نہ تھا۔ ان کی ... آتی تو نوبت یہاں تک
کہ وہ بری طرح پٹنے لگے۔ آخر میری مداخلت پر کلینر نے ان کے زخموں پر
پٹی باندھی اور لاری تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے لگی!

نصف گھنٹے بعد لاری ... پہنچی۔ دونوں مجرموں کو ...

اسلحہ سمیت پولیس چوکی پر چھوڑ دیا گیا۔ وہاں چند مسافروں نے اپنے نام گواہوں کی فہرست میں لکھائے۔ مسافروں کی بہت بڑی تعداد عقیدت سے چوکی کے عملے پر بھی اثر انداز ہوئی اور انھوں نے میرے ساتھ برتاؤ بہت نرم رکھا۔

شام سے پہلے لاری اسلیکھ گنج پہنچ گئی۔ یہاں دوستی کی سرائے ابھی تک موجود تھی جہاں میں نے جاتے ہوئے خلقت کے تماشے دیکھے تھے۔ اس کے قریب ہی ایک مختصر سا صاف ستھرا سا نجی ہوٹل تھا۔ یہاں میں نے ہوٹل کی رہائش کو ترجیح دی۔

لاری سے آنے والے مسافروں کی زبانی میرے بارے میں عجیب عجیب کہانیاں اس شہر میں بھی پھیلنے لگیں مگر یہاں میرے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں ہوا۔

"کیا یہی تہذیب کہلاتی ہے۔" ہوٹل کے کمرے میں پہنچتے ہی سیتا بھڑک گئی۔ "یہاں تو ہر انسان بھیڑیا بنا ہوا ہے۔ یہ تو آدم خوروں سے بھی بدتر ہیں جنگل کے درمیان میری ماں نے کبھی رہنا پسند کیا۔"

"یہاں بھی اور ہر جگہ ساتھ ساتھ ہے سیتا۔" میں نے کہا۔ "عجیب اتفاق ہے کہ اس مرتبہ ہر جگہ برے واقعات ہمارا تعاقب کرتے رہے ہیں مگر تو فکر نہ کر اب ہم جلد ہی ایک نئے ملک میں داخل ہوں گے۔ وہاں سے میں تجھے اپنے شہر لے جاؤں گا۔"

اسلیکھ گنج میں ہمارا دو روزہ قیام خاصا خوشگوار رہا اور مجھے اپنی تھکان اتارنے کا بہترین موقع ہاتھ آیا۔ سیتا تنہائی میں میری بہترین رفیق ہوتی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ تبدیلیوں کی عادی ہوتی جا رہی تھی اور نئی چیزوں پر بولاؤں کی طرح جھپٹنے کی عادت بھی رفتہ رفتہ زائل ہوتی جا رہی تھی۔

تیسرے دن ہم اسلیکھ گنج سے سرحد کی طرف روانہ ہو گئے۔ سرحدی چوکی سے ذرا دور جب لاری رکی تو اس میں صرف پانچ مسافر رہ گئے تھے۔ چوکی کے عملے نے سب سے پہلے میرا استقبال کیا۔ ان کے چہروں سے عقیدت پھوٹ پڑ رہی تھی۔ شاید آنے جانے والوں سے وہ بھی میرے بارے میں بہت کچھ سن چکے تھے!

سرحدی دستے کا انچارج مجھے بڑی عقیدت سے اپنے کمرے میں لے گیا اور مجھے اپنی کرسی پر بٹھا کر خود میرے قدموں میں بیٹھ گیا۔ سیتا میرے پیچھے کھڑی ہو گئی تھی۔

"رشی جی — میں آپ کا بڑا شہرہ سنتا آیا ہوں۔ مجھ پر بھی کرم کریں۔ میری تین لڑکیاں شادی کے قابل ہو چکی ہیں۔ مگر پیسہ سے مجبور ہوں۔"

"فکر نہ کر۔ رام بھلی کرے گا۔" میں نے اس کی سمت اپنی ہتھیلی اٹھاتے ہوئے شان بے نیازی سے کہا۔

وہ میری لاپروایانہ گفتگو کے باوجود میرے قدموں سے لپٹا رہا۔ اس دوران سپاہی تیسری بار پیپر ویٹ پر اپنا کام دکھا رہا تھا۔ آخر جب لوہے نے سونے کا روپ اختیار کر لیا تو میں پیپر ویٹ اس کے سامنے ڈال کر رکھ دیا!

سونے کا وزنی پیپر ویٹ دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور جب اسے اپنی آنکھوں پر یقین آگیا تو وہ میرے پیروں سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا!

شاید زندگی میں پہلی بار قسمت اس پر مہربان ہوئی تھی کیونکہ اس کا پورا وجود رقت آمیز مسرت سے کسی خزاں رسیدہ پتے کی مانند کانپ رہا تھا اور وہ بلک بلک کر رو رہا تھا جیسے ان ہی آنسوؤں میں اپنا وجود گھلا دے گا۔

میں نے بمشکل اسے دلاسہ دے کر اٹھایا اور یوں ہم سرحد عبور کر کے بیر گنج سے ہندوستان کے سرحدی قصبے رکسول میں داخل ہو گئے۔ یہ خلاف توقع کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ چوکی کا عملہ مجھے سرحد عبور کرتے دیکھتا رہا اور میں تھوڑی دور جا کر لوگوں کے ہجوم میں گم ہو گیا۔

میرے لیے اب کسی رشی کا بہروپ غیر ضروری تھا لیکن احتیاط کے پیش نظر میں نے اس میں کوئی تبدیلی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

رکسول میں نہ کوئی ڈھنگ کی سرائے تھی نہ ہوٹل۔ پھر وقت بھی کافی تھا۔ میں سیتا کو ہمراہ لیے بسوں کے اڈے پر جا پہنچا۔ وہاں سے ایک بس موتی ہاری روانہ ہو رہی تھی۔ میں فوراً اس میں سوار ہو گیا۔ پہلے میرا ارادہ یہ تھا کہ رکسول سے سیتا کو ریل کے ذریعے موتی ہاری لے جاؤں گا تاکہ وہ اس سفر سے بھی لطف اندوز ہو سکے مگر اسٹیشن کا رخ کرتے ہی خیال آیا کہ یہ آخری بس بھی نکل سکتی تھی۔

لاری خاصی رات گئے موتی ہاری پہنچی۔ اس شہر میں رات ہو جانے کے باوجود خاصی رونق تھی۔ ہندوستان اور نیپال کی سرحد کا آخری بڑا شہر ہونے کی وجہ سے یہاں مجرمانہ سرگرمیوں میں خاصا زور تھا۔ پھر یہاں آوارہ گرد ہپیوں کی خاصی بڑی تعداد بھی پورے سال قیام پذیر رہتی تھی لہٰذا یہاں کی راتیں خاصی ہنگامہ پرور ہوتی تھیں۔

موتی ہاری میرا دیکھا بھالا شہر تھا۔ چند جیل سے فرار کے بعد میں قتل کے ایک مجرم شیکھر کے ساتھ اسی شہر میں ٹھہرا تھا۔ راستے میں ڈپٹی سالوں بنگالی ایک لڑکی اور اس کا بے غیرت دوست جو زرق ہمارے ساتھ ہو لیے تھے۔ شیکھر زبان نہ جاننے کے باوجود اس لڑکی کو شیشے میں اتارنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور ایک رات خاموشی سے اسے لے اڑا تھا!

یہی سب باتیں سوچتا ہوا میں جلد ہی ہوٹل جا پہنچا۔ ہوٹل کے مالک نے نہایت شائستگی سے ہمارا استقبال کیا۔

"کمرہ نمبر تین خالی ہے؟" میں نے اس سے استفسار کیا۔ دراصل نیپال جاتے ہوئے میں اسی کمرے میں ٹھہرا تھا اور اس کی نفاست مجھے پسند آئی تھی۔

"رشی جی شاید پہلے بھی اس ہوٹل کو رونق بخش چکے ہیں؟" ہوٹل والے نے دانت نکال کر خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"رشی جی الہام بھی ہو گیا کرتے ہیں؟" اچانک سیتا بول پڑی۔ نیپال کی سرحد عبور کرنے کے بعد میں نے اسے کھلی چھوٹ دے دی تھی مگر اب بھی وہ مجھے صفدر کے بجائے رشی گنگا رام کہہ رہی تھی۔ "انھیں کل رات خواب آیا تھا کہ آپ اس ہوٹل کے کمرہ نمبر تین میں ٹھہرنا ہے۔"

میں نے سیتا کو کڑی نظروں سے گھورا۔ ہوٹل کا مالک اس انکشاف سے مرعوب ہو گیا تھا اور کمرہ نمبر تین ہمیں دے رہا تھا۔

موتی ہاری سیتا کو بہت پسند آیا۔ یہ شہر نچلے طبقے کے غریب لوگوں یا کروڑ پتی تاجروں سے بھرا ہوا تھا۔ یہاں کے بدنام علاقوں کے باسی مال و اسباب کی غیر قانونی نقل و حرکت سے خونریزی تک تمام کام مناسب معاوضہ پر نمٹانے پر تیار رہتے تھے!

روزانہ شام کو میں سیتا کو ہمراہ لیکر شہر کے گرد پھیلے ہوئے سرسبز میدانوں اور گھنے جنگلوں کی سیر کو نکل جاتا تھا۔ اس دوران میں میں نے کچھ سونا فروخت کر کے اتنی رقم حاصل کر لی تھی کہ ہم آسانی سے وہاں گزر بسر کر سکتے تھے!

اب میرے لیے زیادہ دیر ڈھونگ چلانے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی لہٰذا میں نے مقامی پنڈتوں کا لباس پہننا شروع کر دیا تھا۔ بھنویں دوبارہ اگنے لگی تھیں البتہ سر پر میں روزانہ استرا پھروا تا تھا۔ داڑھی اور گنجا سر میری ہیئت بدلنے کے لیے کافی تھا کیونکہ یہاں مجھے پہچاننے والے بہ آسانی ہو سکتے تھے۔

موتی ہاری میں قیام کے چوتھے روز ہم دونوں سیر سے لوٹے تو ہوٹل والے کے پاس کاؤنٹر کے سامنے دو دبلے پتلے دراز قامت افراد بیٹھے نظر آئے!

"لیجیے رشی جی آگئے!" مجھے دیکھتے ہی ہوٹل والا اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس کا انداز دیکھ کر میں چونک پڑا۔

وہ دونوں آدمی شاید بالخصوص میرے ہی منتظر تھے۔

میں ان کے قریب پہنچا تو انھوں نے نہایت خوش خلقی سے اپنا تعارف کرایا۔ ان میں سے ایک کا نام اماگر نام سنگھ تھا۔ دوسرا مہتاب تھا جس کی بغل میں خاکی رنگ کی ایک سرکاری فائل دبی ہوئی تھی۔ اور وہ غور سے سیتا کا جائزہ لے رہا تھا!

وہ دونوں وہاں رکنے کے بجائے میرے ساتھ ہی سیڑھیوں کی طرف آگئے۔ ان کے تیوروں سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کسی سرکاری محکمے کی طرف سے آئے ہیں اور یہ بات میرے لیے سخت تشویش کا باعث تھی۔ آخر میں اپنے اعصاب پر قابو نہ رکھ سکا اور پہلی منزل پر اپنے کمرے کا قفل کھولتے ہوئے ان سے پوچھ ہی لیا۔ "آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟"

"کمرے میں چل کر تفصیلی گفتگو ہو گی۔" اماگر نام سنگھ خشک لہجے میں بولا۔ [illegible] کمرے میں پہنچ کر مہتاب نے دروازہ اندر سے [illegible]

"میرا تعلق انڈین سیکرٹ سروس سے ہے رشی جی!" اماگر نام سنگھ خشک لیکن مہذب لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوا۔ "ہم آپ سے کچھ اہم معلومات حاصل کرنے آئے ہیں۔"

"بھلا میں انڈین سیکرٹ سروس کے کس کام آسکتا ہوں!" میں نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"آپ موتی ہاری میں کہاں سے تشریف لائے ہیں؟" اماگر نام سنگھ نے پہلا سوال کیا اور مہتاب نے فائل کھول کر قلم سنبھال لیا۔

"میں نیپال سے آرہا ہوں۔" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔

"کاغذات؟"

میں نے اپنے وجود کے کسی گوشے سے خوف کی ایک سرد سی لہر اٹھتی محسوس کی اور بے بسی سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "کاغذات نہیں ہیں۔"

"آپ کی سکونت اور شہریت کس ملک کی ہے؟"

"نیپال!" اب مجھ پر اس بازپرس سے وحشت سوار ہونے لگی تھی۔

"نیپال کا پتہ؟"

"رشی اور سادھوؤں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔" میں نے ایک گہرا سانس لیکر کہا۔ "کالی کا آپ بھٹ گڑھ کاٹھمنڈو، سوکھا کٹھمنڈو اور نہ جانے کہاں کہاں رہتا آیا ہوں۔ گیان دھیان کی خاطر تو نگر نگر کی خاک چھاننی پڑتی ہے۔"

"خوب!" اس نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا پھر سب سے خطرناک سوال کیا۔ "ہماری معلومات کے مطابق آپ نے موتی ہاری میں ایک بار سات تولہ اور دوسری بار نو تولہ سونا فروخت کیا ہے۔ یہ آپ نے کہاں سے اور کیسے حاصل کیا؟"

چند ثانیوں تک میں سکتے کے عالم میں اس کا چہرہ تکتا رہا پھر تھکی ہوئی آواز میں بولا۔ "وہ سونا میری ملکیت ہی تھا!"

"مجھے اس پر شبہ نہیں۔" اس نے اپنے سوال کی وضاحت کی۔ "مگر آپ نے وہ کیسے حاصل کیا؟"

"میں کیمیاگر بھی ہوں!" میں ایک طویل سانس لیکر بولا۔ "آتی عمر گنوا کر میں نے بس یہی ایک ہنر سیکھا ہے جو میرے کام آتا ہے۔"

"کیا آپ اپنا یہ بیان ثابت کر سکتے ہیں؟"

"اگر سامان اور دیگر لوازمات مہیا کیے جائیں تو میں ہر وقت تیار ہوں مگر میں اس راز میں کسی کو شریک نہ کروں گا۔"

"آپ ہند کس مقصد سے تشریف لائے ہیں؟"

"نیپال میں شہرت سے تنگ آکر ہجرت کا رخ کیا ہے۔ وہاں کے لوگ گنگا رام کو سونا بنانے کی مشین سمجھنے لگے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ میں لوہے کو چھو دوں تو وہ سونا بن جائے۔"

"ہمارے مخبروں نے نیپال سے ایسی ہی اطلاع بھیجی ہے!" گرنام سنگھ کے یہ الفاظ میرے اعصاب پر کسی بم کی طرح گرے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ نیپال میں بھی انڈین سیکرٹ سروس میری نقل و حرکت کی نگرانی کر رہی ہے اور اس باز پرس کے ذریعہ محض میری صداقت کی آزمائش مطلوب تھی!

"جناب میں سمجھ نہیں سکا کہ میری بیکار ذات آپ کے لئے اتنی اہمیت کیوں اختیار کر گئی ہے۔" میں نے اپنی پیشانی سے پسینہ صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"وقت آنے پر آپ ہر بات جان لیں گے!" وہ اپنا چشمہ صاف کرتے ہوئے بولا "فی الحال اس تمام گفتگو کو اپنی ذات تک محدود رکھیں!"

گرنام سنگھ نے فائل کا سرسری جائزہ لیا اور مجھے بیکار کا چھوڑ کر وہ دونوں رخصت ہو گئے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ سیتا کے بارے میں انھوں نے ایک لفظ بھی نہ پوچھا تھا!

"یہ کیا چکر ہے؟" ان کے چلے جانے کے بعد سیتا نے پوچھا۔

"معلوم کرے... یہ کوئی بڑی مصیبت معلوم ہوتی ہے!" میں نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ "ہمیں اسی وقت خاموشی سے اس شہر کو خیرباد کہہ دینا چاہئے ورنہ گلو خلاصی مشکل ہو جائے گی۔"

پھر ہم نے بہت جلدی میں اپنا مختصر سامان سمیٹا اور ہوٹل کا حساب بے باق کر کے وہاں سے روانہ ہو گئے۔ اس مرتبہ میرا رخ ریلوے اسٹیشن کی طرف تھا۔

وہاں پتہ چلا کہ صبح چھ بجے پہلی ٹرین موتی ہاری سے حاجی پور روانہ ہوگی۔ ہم نے تیسرے درجے کے مسافر خانے میں ایک گوشہ سنبھال لیا مگر ذہن میں مسلسل یہ سوال ابھر رہا تھا کہ آخر انڈین سیکرٹ سروس میرے متعلق کیوں سرگرم ہو گئی ہے!

اچانک ہی میرا ذہن میجر اول کے قتل کی طرف گیا۔ وہ شخص پاکستانی مفادات کے لئے کام کر رہا تھا اور میں [illegible] کا شکار ہو کر ان کے [illegible] آدمیوں کے چنگل میں پھنس گیا تھا مگر وہ میرے ہاتھوں مارا گیا۔ پھر مجھے [illegible] ذاتی دلچسپی کی وجہ سے [illegible] جیل بھیج دیا گیا۔ بھاٹیہ نے میرے خلاف میجر اول کے قتل کا کیس محض اس وجہ سے کمزور کر دیا تھا کہ وہ خود کیمیا میں دلچسپی رکھتا تھا اور میری مہم میں شریک ہونا چاہتا تھا۔ پھر میں جیل سے فرار ہو گیا اور کھٹمنڈو میں بھاٹیہ سے میرا سامنا ہوا۔ وہ بھی یقیناً قدرت سے بھاگا تھا۔ شاید [illegible] کھٹمنڈو میں حکام نے کسی سازش کی بو پالی تھی اور یوں سیکرٹ سروس میری راہ پر لگ گئی تھی!

مگر اس مرحلے پر ایک اور بات تشویشناک تھی۔ اگر میجر اول ہی کا قصہ تھا تو سیکرٹ سروس والوں کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ گرنام کے روپ میں مقصد علی چھپا ہوا ہے جبکہ گرنام سنگھ نے اپنی گفتگو یا رویے [illegible] ایسا کوئی تاثر نہ دیا تھا۔ میرے ساتھ پراسرار رویہ رکھنے کے بجائے وہ لوگ مجھے اپنے کسی بھی مرکز پر بلوا کر مجھ سے تشدد کے ذریعے ہر بات اگلوا سکتے تھے۔

اس موضوع پر میں جتنا سوچتا گیا ذہن الجھتا رہا اور انڈین سیکرٹ سروس کی اس غیر معمولی دلچسپی کا جواز پانا میرے لئے ناممکن معلوم ہو رہا تھا۔

رات ڈھلتی رہی مگر میری آنکھوں میں دور تک نیند کا پتہ نہیں تھا۔ میرا ذہن مسلسل اسی گتھی میں الجھا ہوا تھا۔ آخر اسٹیشن کے گھنٹے نے صبح کے پانچ بجنے کا اعلان کیا اور میں سیتا کو بیدار کرنے لگا!

ہندوستان... پچاس کروڑ انسانوں کا ایک اتھاہ سمندر تھا جہاں میرا کوئی شناسا نہ تھا۔ ایک بار میں موتی ہاری سے نکل کر اس بیکراں سمندر میں شامل ہو جانے میں کامیاب ہو جاتا تو دنیا کی کوئی طاقت میرا سراغ نہ پا سکتی تھی اور تھوڑی ہی دیر بعد میری اس مہم کی ابتدا ہونے والی تھی!

موتی ہاری

موتی ہاری کا اسٹیشن ریلوے ٹریفک کے اعتبار سے نہایت غیر اہم اور قصباتی انداز کا نظر آتا تھا اور پھر صبح سویرے تو وہاں سناٹا ہونا قدرتی سی بات تھی۔ البتہ یہ ساری رات کوئلے سے چلنے والے اسٹیم انجن کا تیز شور یکساں آہنگ سے گونج رہا تھا۔ پلیٹ فارم سے کافی دور [illegible] کے [illegible] صبح کے ملگجے اجالے میں [illegible] انجن اور اس کی چمنی سے ابھرنے والے شعلوں کا [illegible] انعکاس عجیب آسیبی سماں باندھ رہا تھا۔ اس سے ذرا دور شنٹنگ یارڈ میں ریلوے کے کئی مستری [illegible] کے تسلسل سے جلنے والی لالٹینیں سنبھالے بوگیوں کے نچلے حصوں کی دیکھ بھال میں مصروف تھے اور پٹریوں کے درمیان آوارہ کتوں کے چند غول زمین سونگھتے اپنی خوراک کی تلاش میں سرگرداں تھے!

سیتا میرے شانے سے ٹیک لگائے [illegible] بیدار ہو گئی۔

"تو سوامی کہاں جا رہے ہیں؟" میری [illegible] آنکھوں پر نظر پڑتے ہی وہ چونک کر بولی۔

اس وقت تیسرے درجے کے اس مسافر خانے میں ہم دونوں کے سوا صرف دو افراد موجود تھے۔ ان میں سے ایک چادر تانے گہری نیند سو رہا تھا اور دوسرا ہمارے قریب ہی ایک چوبی بنچ پر [illegible] لاتعلقانہ انداز میں اونگھ رہا تھا۔

میں نے ایک نظر ان دونوں پر ڈالی پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا "بہت پریشان ہو سیتا! ہوٹل چھوڑنے والوں کا مسئلہ بار بار تمہیں [illegible] کرنے لگا ہے؟"

"تو وہ بات ہی ایسی پریشانی کی ہے۔" وہ میرے قریب کھسکتے ہوئے بولی "یہاں مجھے [illegible] عجیب عجیب چیزیں نظر آ رہی ہیں مگر [illegible] نہیں آ رہی [illegible] مجھے ہر چیز کے بارے میں بتانا ہی پڑے گا۔"

"[illegible]" [illegible]

کریں گے جیسے وہ [illegible] بڑا کالا انجن ان چمکتی ہوئی آہنی پٹریوں پر [illegible] میرے چہرے پر پریشانی کی جگہ ہلکی سی مسکراہٹ دیکھ کر سیتا کا سویا ہوا شوق دوبارہ بھڑک اٹھا اور اس کے دل میں ریل گاڑی کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کی خواہش بھڑک اٹھی۔

میں نے اپنا تھیلا سنبھال کر سیتا کو ہمراہ لیا اور پلیٹ فارم سے اتر کر پٹریاں عبور کرنے لگا تاکہ اسے قریب سے وہ انجن دکھا سکوں۔

انجن اور ریل کے بارے میں سیتا کو میری ہر بات ناقابلِ یقین معلوم ہوئی۔ وہ حیرت آمیز معصومیت کے ساتھ ایک ایک [illegible] مجھ سے بحث کر رہی تھی۔ آخر کار انجن پر لٹکے ہوئے فائرمین نے [illegible] سیٹی بجائی اور اسی وقت پٹریوں کے درمیان انجن ڈرائیور اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ ادھر آتا ہوا نظر آیا!

"چل اب انجن چلنے والا ہے!" میں نے اس کا ہاتھ [illegible] تیزی کے ساتھ اسے پلیٹ فارم کی طرف لیتا چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد انجن کو ریل کے ڈبوں کے ساتھ جوڑنے کی کارروائی شروع ہو گئی۔ سیتا بڑے انہماک کے ساتھ انجن کی ان حرکات کا مشاہدہ کر رہی تھی!

ٹرین اسٹیشن پر آئی تو ہم دونوں تیسرے درجے کے ایک ویران ڈبے میں جا بیٹھے جہاں ہم دونوں کے سوا کوئی موجود نہ تھا۔ میرا خیال تھا کہ موتی ہاری سے یہ ٹرین یوں ہی خالی روانہ ہوگی مگر دیکھتے ہی دیکھتے اسٹیشن پر آمد و رفت کا سلسلہ تیز ہو گیا اور جب ٹھیک چھ بجے ٹرین نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو ٹرین میں [illegible] مسافر سوار تھے۔ ہمارے ڈبے میں بھی اب دس گیارہ مسافر موجود تھے جن میں ایک سفید فام ہپی نوجوان جوڑا بھی تھا!

مسافروں کی موجودگی کے پیش نظر میں نے چہرے پر بیزاری طاری کیے ہوئے آنکھیں موند لیں اور [illegible] کوئی آواز نکالے بغیر ہونٹوں کو [illegible] انداز میں جنبش دینے لگا۔

بظاہر میں بوگی کے ماحول سے بالکل لاپرواہ تھا مگر آنکھیں [illegible] ماحول کا جائزہ لے رہی تھیں۔ دراصل موتی ہاری کے [illegible] ہوٹل میں گرنام سنگھ سے ہونے والی گفتگو نے مجھے بہت زیادہ محتاط کر دیا تھا۔ اس شخص نے مجھے یہ [illegible] کر دیا تھا کہ انڈین سیکرٹ سروس کو میرے بارے میں [illegible] اطلاعات مل چکی ہیں [illegible] نیپال [illegible] طویل [illegible] خود کو زیر نگرانی نہیں پایا تھا [illegible] اپنے اصل روپ [illegible] سراغ نہ چھوڑا تھا اور جب میں [illegible] کی طرف روانہ ہوا تو اس وقت میری نگرانی کرنے والے کا کہیں وجود [illegible] برف پوش پہاڑوں اور جنگلوں [illegible] نہایت خاموشی کے ساتھ [illegible]

یقین قوت کا مالک ہونے کی وجہ سے میں انڈین سیکرٹ سروس کی نظر میں آیا تھا اور جب میں نے نیپال سے ہندوستان کی سرحد کا رخ کیا تو نگران آنکھیں [illegible] پیچھا کر رہی تھیں۔

میرے لئے صورتحال کا یہ تجزیہ خاصا اطمینان بخش تھا۔ کم از کم ایک بات صاف ہو جاتی تھی کہ موتی ہاری میں ہونے والی باز پرس کا میجر اول کے قتل یا جیل سے فرار سے کوئی تعلق نہ تھا!

"اس بزرگ ہستی کا کیا نام ہے؟" اچانک بوگی میں عقیدت میں ڈوبی ایک نسوانی سرگوشی گونجی اور میں نے آہستہ سے آنکھیں کھول دیں۔

سفید فام ہپی جوڑا میرے سامنے والی نشست پر موجود تھا۔ لڑکی نے سیتا کو اپنا ہم نسل سمجھ کر میرے بارے میں انگریزی میں سوال کیا تھا اور وہ بیچاری بیوقوفوں کی طرح اس کا منہ تک رہی تھی!

"گنگارام جی!" میری آنکھیں کھلی دیکھ کر سیتا جلدی سے بولی "یہ لڑکی مجھ سے کیا کہہ رہی ہے؟"

میں نے اپنی وحشت ناک نگاہیں لڑکی کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔ تب [illegible] اور [illegible] آنکھوں کو اپنی جانب نگراں پا کر وہ سفید فام ہپی لڑکی بوکھلا گئی اور اس نے [illegible] انگلی سے [illegible] بناتے ہوئے اپنا سر جھکا لیا!

"اس کی آتما کس کی تلاش میں ہے؟" میں نے بوگی کے تمام مسافروں کو اپنی طرف متوجہ کر کے گمبھیر آواز میں سیتا سے کہا "ہم ان کی زبان تو نہیں جانتے مگر ان کے چہروں کی ریکھائیں پڑھ سکتے ہیں۔ یہ لڑکی نروان کی تلاش میں اپنی ساری پونجی لٹا چکی ہے اور اب اس کی جیب خالی ہے... یہ ہم سے مایا چاہتی ہے! اسے دھن کی ضرورت ہے تاکہ یہ ایک بار پھر ہزاروں میل دور اپنے لوگوں میں پہنچ سکے!"

سیتا نے جواب میں [illegible] میری باتیں سنتی رہی مگر میرے خاموش ہوتے ہی کچھ دور سے ایک خوش پوش شخص اٹھا اور اس ہپی لڑکی کے قریب آ گیا۔

وہ شاید انگریزی زبان سے واقف تھا اور [illegible] کی اسی قسم سے متعلق نظر آتا تھا جو [illegible] لڑکیوں سے [illegible] کی خاطر [illegible] قربان [illegible] سکتے ہیں۔

"رشی جی کا خیال ہے کہ تم غربت کا شکار ہو!" وہ [illegible] مسکرا کر اس ہپی لڑکی سے مخاطب ہوا "اور ان سے مدد کی طالب ہو۔"

لڑکی نے اپنا خوبصورت چہرہ اوپر اٹھایا اور [illegible] بڑی بڑی نیلی آنکھیں اس مسافر کے چہرے پر مرکوز کر دیں "کیا یہ بزرگ ہستی انگریزی سمجھ سکتی ہے؟" یہ سوال کرتے ہوئے اس کا لہجہ حیرانی آمیز اور [illegible] تھا!

"زبانیں ان لوگوں کے لئے بے معنی چیز ہے!" وہ مسافر سفید فام لڑکی کے قریب ہی ٹک گیا "[illegible] سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔" اسی دوران ہپی لڑکی کا [illegible] ساتھی [illegible] مسافر کو کینہ توز نظروں سے گھور رہا تھا جبکہ وہ شخص ان کے تیوروں سے لاپرواہ [illegible] بے خبر لڑکی کی [illegible] سے [illegible] رہا تھا!

"ریتا!" اچانک اس نے تیز لہجے میں لڑکی کو پکارا۔ "ختم کرو یہ بکواس!" اور اسی تحکم کے ساتھ وہ اٹھ کر دخل در معقولات کرنے والے مسافر کے سامنے آ گیا۔ "او مسٹر! یہ ہمارے بیچ کا معاملہ ہے۔ تم کو ٹانگ پھنسانے کا کیا کمیشن ملتا ہے۔ تم اس کے پرانے یار معلوم ہوتے ہو...!"

وہ لڑائی جھگڑے سے بچنے والا آدمی نظر آتا تھا۔ اس نے ایک نظر اس لمبے تڑنگے اور صحت مند ہپی کے سراپا پر ڈالی اور ہکلاتا ہوا آہستہ سے بولا۔ "میں... میں... تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں ہند کا ایک معزز شہری ہوں۔ مجھے کیا ضرورت پڑی ہے جو کسی کی دلالی کرتا پھروں...!"

ہپی نے ہنستے ہوئے لہجے میں ہند کے بارے میں کچھ نازیبا فقرے بلکہ فحش فقرے ادا کئے اور تلخ لہجے میں بولا۔ "میں یہاں کے معزز لوگوں سے خوب واقف ہوں جو ہر سفید فام لڑکی کو طوائف سمجھ کر بھوکے کتوں کی طرح اس کے گرد منڈلانے لگتے ہیں!"

اس ہپی کا رویہ سخت جارحانہ تھا۔ اس نے بڑی شخصی سے مسافر نے کہیں سے سہارا ملنے کی امید میں بے بسی سے بوگی کے مسافروں پر نظریں دوڑائیں مگر وہاں کوئی بھی اس انگریزی گفتگو کی سنگینی اور نزاکت سے واقف نظر نہ آتا تھا۔ میں نے بھی مکاری کے ساتھ اپنی آنکھیں موند لی تھیں۔

گو سیتا بڑی نابکار لڑکی تھی۔ گفتگو تو خاک اس کے پلے نہ پڑی مگر ہپی کے جارحانہ رویہ اور اس مسافر کی مظلوم صورت نے اسے سب کچھ سمجھا دیا۔ "ہیر گر! تجھ سے کیا مطلب ہے؟" بوگی میں سیتا کی تیز آواز گونجی تو مجھے بوکھلا کر آنکھیں کھولنا پڑیں۔ وہ ہپی اور ان دونوں کے قریب موجود تھی۔ سیتا کے چہرے سے صاف اندر اندر غصہ... الم رسیدہ مسافر کو خوشی حیرت ہوئی جس کا اظہار صرف اس کی آنکھوں تک ہی محدود رہا کیونکہ ان نازک لمحات میں زیادہ تکلفات کا موقع نہیں تھا۔ وہ اچانک ہی بولا۔ "یہ ہند کو گالیاں دے رہا تھا!"

"ہند؟" سیتا نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں دہرایا، پھر اتنی تیزی کے ساتھ اس لمبے تڑنگے ہپی کے پیٹ میں لات ماری کہ کسی کو کچھ سمجھنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ ہپی کی ہمراہی لڑکی خوفزدہ ہو کر ہلکی سی چیخ مار کر دور بھاگ گئی۔ سیتا کو فساد میں الجھانے والا بھی اس مہلت کو غنیمت جان کر ادھر ادھر بیٹھے ہوئے خوفزدہ مسافروں میں جا ملا۔ ادھر وہ دیو ہیکل ہپی سیتا کی لات کھا کر کسی شہتیر کی طرح دھڑام سے گر کر بوگی کے فرش پر آ گرا۔

"سیتا! یہ کیا ہو رہا ہے...؟" آنکھیں کھولتے ہی میں زور سے چیخا۔

"سالا اپنی عورت کو گالیاں دے رہا تھا...!" یہ کہتے ہوئے اس نے فرش سے اٹھتے ہوئے ہپی کی پشت پر پھر ایک لات رسید کی اور وہ توازن کھو کر ایک بار پھر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

سیتا کے جواب پر میری کھوپڑی بلبلا اٹھی۔ ابھی تک مجھے یہی حیرت تھی کہ آخر سیتا کو ہند سے اتنی محبت کیسے ہو گئی کہ اس کی توہین کا بدلہ لینے کے لئے وہ ایک طاقتور مرد سے الجھ پڑی مگر اب مجھے پتہ چلا کہ وہ بیچاری لڑکی کا نام ہند سمجھی تھی اور محض اس وجہ سے اس نوجوان پر چڑھ دوڑی تھی کہ اس کی دانست میں وہ اپنی ہمراہی لڑکی کو گالیاں دے رہا تھا!

سیتا کا یہ حملہ میری مداخلت کی بنا پر ادھورا رہ گیا اور وہ ہپی فرش سے اٹھ کر خوفناک تیوروں کے ساتھ سیتا کی طرف لپکا۔

میں نے بیچ میں آ کر اسے روکنا چاہا لیکن وہ غصے میں اندھا اور بہرا ہو چکا تھا۔ پھر جیسے ہی وہ قریب آیا سیتا نے میری گرفت میں ہونے کے باوجود اس کے چہرے پر ایک بھرپور گھونسہ رسید کیا اور وہ چند قدم پیچھے لڑکھڑا گیا۔ میرے لئے یہ موقع غنیمت تھا۔ میں نے سیتا کو چھوڑ کر اس کو دبوچ لیا۔ مجھے پیش قدمی کرتے دیکھ کر کچھ مسافروں کو بھی غیرت آئی اور تھوڑی ہی دیر میں کئی آدمیوں نے مل کر اسے پرسکون ہو جانے پر مجبور کر دیا!

سیتا کے آخری گھونسے نے شاید اس کا کوئی دانت ہلا دیا تھا یا شاید اس کا ہونٹ پھٹ گیا تھا کیونکہ اس کے دہانے سے خون کی ایک پتلی سی لکیر بہہ نکلی تھی اور وہ خاموش ہو جانے کے باوجود سیتا کو پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھور رہا تھا جبکہ سیتا دوبارہ اپنی جگہ پر آ بیٹھی تھی اور معصومانہ شوق سے کھڑکی سے باہر بھاگتے ہوئے مناظر سے لطف اندوز ہو رہی تھی!

"مارک! تم کبھی ٹھنڈے دماغ سے کام نہیں لیتے؟" ریتا اپنے سفید رومال سے اس کے دہانے سے بہتی ہوئی خون کی لکیر صاف کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "یہ درست ہے کہ اس ملک میں ہمیں ہر قسم کی جعلسازی اور لوٹ مار سے واسطہ پڑتا ہے مگر پھر بھی کوئی مقامی یہ گوارا نہیں کرے گا کہ تم اس کے ملک کو مخش اور گندے الفاظ سے نوازتے پھرو۔ تمہیں اپنے جذبات پر قابو رکھنا چاہئے...!"

"اپنا وعظ بند کرو!" مارک نے اسے جھڑک دیا۔ "میں تو جس دن سے یہاں آیا ہوں خود کو مکاروں اور لٹیروں کے غول میں گھرا ہوا محسوس کر رہا ہوں اور لیسا تم بھی ان ہی کی ترجمانی کر رہی ہو!"

"تم جو چاہے کہو مارک!" وہ دھیمی آواز میں بولی۔ "مگر اس وقت تمہارا اشتعال غیر ضروری تھا۔ وہ بیچارہ تو مجھے اس بزرگ کے بارے میں بتا رہا تھا۔"

"شاید تم بنارس کے اس مقدس بزرگ کو بھول چکی ہو جو ہمارے تین ہزار ڈالر ہضم کر گیا تھا اور پھر تم پر ہاتھ صاف کرنے کی فکر میں تھا۔ وہ بنارسی ٹھگ تو اس سے کہیں زیادہ مقدس معلوم ہوتا تھا۔" مارک نے تیز لہجے میں کہا۔ وہ دونوں آپس میں باتیں کرتے رہے۔ مارک کے لہجے کی تلخی بدستور باقی تھی اور وہ رہ رہ کر سیتا کو گھورے جا رہا تھا۔ ان دونوں کی باتوں سے مجھے پتہ چلا کہ وہ امریکی باشندے ہیں اور شادی کے فوراً بعد ہنی مون منانے ہندوستان کی طرف آ گئے۔ ان کے لباس رنگا رنگ اور بکھرے ہوئے تھے، بال بھی لمبے اور بے ترتیب تھے مگر ان کا ظاہری حلیہ کچھ بھی ہو وہ دونوں ہی اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھتے تھے... [illegible]

...نے ہو قرار پایا تھا۔

اس وقت باہر کا منظر پھیلے ہوئے میدانوں میں دور دور تک ہریالی کی ملائم کرنوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ صبح کی خوشگوار فضا میں جابجا پرندوں کے غول آسمان کی بیکراں وسعتوں میں تیرتے پھر رہے تھے۔ سیتا ان قدرتی مناظر میں اتنی محو تھی کہ شاید میری موجودگی کو بھی فراموش کر چکی تھی۔

اچانک ریل کے انجن نے ایک گھٹی گھٹی طویل سیٹی بجائی اور چند ثانیوں بعد ریل کی رفتار بتدریج سست پڑنے لگی۔ سب سے پہلے ہماری بوگی ایک کچے لیول کراسنگ سے گزری جہاں دو بیل گاڑیاں ٹرین گزرنے کے انتظار میں رکی ہوئی تھیں۔ اس سے آگے آبادی کے آثار نظر آ رہے تھے!

لیول کراسنگ سے گزرنے کے تھوڑی دیر بعد ٹرین دھول میں اٹے ہوئے ایک کچے پلیٹ فارم پر رک گئی اور یک بیک اسٹیشن سے چائے، پانی، انڈے اور ناشتہ فروخت کرنے والوں کی ملی جلی آوازیں آنے لگیں۔ اس چھوٹے سے دیہاتی اسٹیشن پر نام وغیرہ کی کوئی ایسی تختی نہیں تھی جس سے اس گاؤں کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکتا۔ ٹرین وہاں بمشکل چند منٹ رکی اور خورد و نوش کا سامان بیچنے والوں کو آخری سیٹی پر افراتفری کے عالم میں بوگیوں میں سوار ہونا پڑا۔

ٹرین دوبارہ روانہ ہوئی تو میں نے اپنے موجودہ حالات کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ موتی ہاری میں اخبارات کے ذریعے صاف ظاہر تھا کہ ہندوستان کا باقاعدہ عنقریب پاکستان کے خلاف محاذ آرائی پر تلا ہوا ہے۔ پاکستان اور ہندوستان کی سرحدیں تو عرصہ دراز سے بند تھیں پھر ان دنوں ہندوستان میں بنگلہ دیش کے معاملے پر خاص سرگرمی پائی جا رہی تھی۔ ان حالات میں میرے لئے کاغذات وغیرہ کے بغیر یہ تو ممکن تھا کہ میں کلکتہ کی جانب سے نام نہاد پناہ گزینوں وغیرہ میں مل کر کسی طرح مشرقی پاکستان پہنچ جاؤں لیکن ادھر کی خبریں بہت تشویشناک تھیں۔ محب وطن اور سرکش عناصر کے مستقل خون سے آلودہ ہوتے جا رہے تھے۔ جگہ جگہ قتل کی وارداتوں کی جگہ بلوؤں نے لے لی تھی۔ چند شر پسند اور تخریب پسندی کی طرف مائل لوگوں کا ایک انبوہ آزادی کے نام پر وہاں ٹوٹ پڑا اور ہر غیر بنگالی کو تہ تیغ کئے بغیر واپس نہ لوٹتا۔ میرے لئے مغربی بنگال سے مشکل ترین دریا عبور کرنا ناممکن تھا جبکہ مغربی پاکستان سے ملنے والی سرحد سے بھی سخت کشیدگی اور بھاری فوجی نقل و حرکت کی خبریں آ رہی تھیں۔ ایسے ماحول میں ادھر کا رخ کرنا بھی خطرناک تھا۔ بارودی سرنگیں، ہندوستانی سرحدی محافظ پھر پاکستانی فوجی... یکے بعد دیگرے ان سب سے بچ نکلنا بڑا محال نظر آتا تھا جبکہ انڈین سیکرٹ سروس کے افراد سے ملاقات کے بعد میں جلد از جلد ہندوستان کی سرزمین کو خیرباد کہہ دینا چاہتا تھا۔

ہمالیہ کے ہمراہ ایک برفانی علاقے اور ان اطراف میں بسنے والے... [illegible] درمیان سے سرحد عبور کرنے سے خوف آ رہا تھا اور یہ خوف بے سبب نہیں تھا۔ میری زندگی کے تجربات نے مجھے یہی سکھایا تھا کہ انسان جتنا مہذب اور ترقی یافتہ ہوا اتنا ہی خطرناک ہو گیا ہے...!

فی الحال میرا ارادہ یہی تھا کہ ہندوستان کے کسی بڑے شہر میں انسانوں کے بیکراں سمندر میں کھو جاؤں گا اور جب مجھے یقین ہو جائے گا کہ اب میں انڈین سیکرٹ سروس کے مخبروں کو جل دینے میں کامیاب ہو چکا ہوں تو پھر اپنے وطن کی راہ لوں گا مگر فی الحال مجھے اس سرزمین سے نکلنے کے آثار دور دور نظر نہ آتے تھے!

مظفر پور پر ٹرین تھوڑی دیر کے لئے رکی پھر حاجی پور کی سمت روانہ ہو گئی جہاں اس کا سفر ختم ہو جاتا تھا۔ سیتا کے ہاتھوں سے پٹنے والا انگریز جوڑا خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کوندنے والی وحشیانہ چمک ماند پڑ چکی تھی اور سیتا تو اپنے حلیے اور رویے کے لحاظ سے انوکھی شخصیت کی مالک تھی۔ اسے معمولی باتیں یاد رکھنے میں ملکہ حاصل تھا اور یہی مہارت وہ بڑے بڑے واقعات کو بھلا دینے میں ظاہر کرتی تھی!

حاجی پور میں ہم نے صرف دو راتیں بسر کیں پھر گنگا کے دوآبے... روانہ ہو گیا۔ جب میں پنڈتوں، مندروں اور لٹیروں کی پراسرار سرزمین پر اترا تو شہر کی عمارتیں سورج کی دم توڑتی کرنوں میں دور سے چمکتی نظر آ رہی تھیں۔ مجھے بے اختیار شری رام کی بیٹی اور سیتا کی ماں سنندری یاد آ گئی۔ اس بدنصیب ننگی بابو عورت نے بنارس کی سرزمین پر جنم لیا تھا مگر روحانی تقدس کے لبادوں میں چھپے نفس زدہ بھیڑیوں نے اپنے سفلی جذبات کی تسکین کی خاطر ایک مندر میں اسے لہولہان کر دیا... اور سنندری اب اپنی جنم بھومی سے ہزاروں میل دور ہمالیہ کے برفانی پہاڑوں میں چند وحشی بھالوں اور معصوم شکنوں سے گھری ایسی زندگی گزار رہی تھی جس کا ان شہروں میں تصور بھی ان کے لئے محال تھا۔ میرا جی چاہا کہ سیتا کو یہ سب بتا ڈالوں۔ اسے بتا دوں کہ اس وقت وہ اپنی ماں کے وطن میں ہے۔ اسے یہ بات کھول کر بتا دوں مگر میں اس کی ہمت نہ کر سکا۔ "او گنگا رام!" آس پاس سناٹا دیکھ کر سیتا نے میرے کندھے پر ہاتھ مارا۔ "یہاں اتر کے تو کہاں کھو گیا...؟"

"تیری ماں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"اور وہ ہم دونوں کے بارے میں سوچتی ہو گی۔" وہ بھی یک بیک اداس ہو گئی۔ پھر ہم خاموشی کے ساتھ ریلوے اسٹیشن سے کھلی فضا میں نکل آئے۔ ڈھلتے سورج کے سائے میں اس شہر کی زندگی بہت تیز رفتار اختیار کر چکی تھی۔ سڑکوں پر ملا جلا ٹریفک رواں تھا۔ دن بھر محنت مشقت کرنے والے ہزاروں انسان تیزی کے ساتھ اپنے گھروں کی سمت بڑھے جا رہے تھے اور اس ہجوم میں ہر تیسرا شخص جوگیوں کے لباس میں نظر آ رہا تھا۔ مالا ڈالے لمبے پھندنے... محنت کش لوگوں کے مقابلے میں بڑے پرسکون نظر آ رہے تھے۔ ... داڑھی ... کی مالا جپتے لوگوں کی بھیڑ میں الجھے ...

چھتری والے قدیم وضع کے یکوں سے بچتے بچاتے چلے جا رہے تھے۔ اس ماحول میں میری زرد دھوتی، گیروا اور دہشت زدہ داڑھی اپنی انفرادیت کھو چکی تھی۔ یہاں کا ہر پجاری، وشنو اور ہر جوگی پورا صفدر علی تھا!

عمارتوں میں بھی یہی رنگ نمایاں تھا۔ ہر طرف اونچے نیچے، چھوٹے بڑے، سادہ اور مرصع مندر ہی مندر کھبے ہوئے تھے۔ ان پر گونجتے گھنٹے بھی تھے، شنکھ بھی اور آشرم بھی۔ مختلف سمتوں سے بہت سی ملی جلی مترنم آوازیں بھجن وظیفے الاپ رہی تھیں اور ان آوازوں پر کلسی کی گھنٹیوں کا تیز شور سبقت لے جاتا تھا۔ مورتوں سے منقش، بہت سی رنگا رنگ برنج اور عمارتوں کے احاطوں میں بنے ہوئے طاقوں میں تیل کے دیئے رکھے ہوئے تھے جنہیں زائرین پنڈت عقیدت کے ساتھ جلانے میں مصروف تھے۔ فضا کی لطافت مجھے تھوڑی ہی دیر کی بات نظر آ رہی تھی۔ اندھیرا پھیلتے تک پورے شہر میں تیل کے اتنے چراغ جل اٹھتے کہ ان کے دھوئیں سے ساری فضا آلودہ ہو جاتی۔

میرے لئے یہ انوکھا ماحول اور اپنی ذات میں گم انسان بہت پسند آئے۔ ان میں خاصی تعداد بیرونی شہروں سے آنے والے یاتریوں کی بھی تھی اور اس شہر میں کوئی بھی اجنبی بڑی سہولت کے ساتھ اپنا آپ چھپا سکتا تھا۔ یہاں صفدر علی کے بہروپ پر کوئی شبہ نہیں کر سکتا تھا۔

سیتا کے لئے یہ سارے مناظر حیرت انگیز تھے۔ "یہ کون سی جگہ ہے۔ تو مجھے کہاں لے آیا ہے؟" اس نے سحر زدہ آواز میں میرے کان کے نیچے سرگوشی کی۔

"مہر سدام!" میں نے اسے گھور کر ایک نعرۂ مستانہ مارا۔ سیتا کی سیکنوں آنکھوں میں غصہ کی چمک لہرائی اور وہ گردن جھٹک کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

ریلوے اسٹیشن کے آس پاس کئی ہوٹل بھی تھے مگر میرا حلیہ ایسا نہ تھا کہ میں ہوٹل کا رخ کرتا۔ بنارس میں یاترا کے لئے آنے والوں کے لئے قدم قدم پر گئو شالے قائم تھے جہاں ٹھہرنے والوں سے کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا تھا۔ کھانا بھی لنگر سے مفت ہی ملتا تھا۔ یہ تمام اخراجات مندروں کے چڑھاووں سے پورے کئے جاتے تھے۔

شہر میں کافی دیر تک بے مقصد چکر لگانے کے بعد میں نے گنیش مندر کے احاطے میں واقع گنیش آشرم کو اپنے قیام کے لئے منتخب کیا۔ یاتریوں کا وہ مسافر خانہ کھپریل کی چھت کے نیچے بنے ہوئے ایک بڑے ہال پر مشتمل تھا۔ پتھر کی دیواروں میں ستونوں کی جگہ ہندوؤں کے گنیش دیوتا کی مورتیں تھیں۔ ہاتھی جیسی سونڈ والے گنیش دیوتا کا نام میں سن چکا تھا لیکن اس روز پہلی بار مجھے پتہ چلا کہ قدیم ہندوستانی دیومالا میں گنیش دیوتا کا کیا تصور ہے۔ شیوا مہادیو کا ایک بھگوان ہے جس سے خوف و دہشت، تباہی اور بربادی کے تصورات وابستہ ہیں۔ جب اس نے تشنگی کی مہربانی پاربتی دیوی سے تعلق قائم کیا تو پاربتی دیوی کی کوکھ سے گنیش نے جنم لیا۔ ہندوؤں میں کامیابی کا دیوتا سمجھا جاتا ہے اور شیوا اور پاربتی کا بڑا لاڈلا۔ گنیش آشرم کے ستونوں کی جگہ جو مورتیں نصب تھیں ان میں اس کا سر بہت بڑا اور ہاتھی سے مشابہہ تھا۔

اس تنہا ہال میں چھ سات دیئے گر لیمپ جل رہے تھے۔ ان کی روشنی میں وہاں سات مسٹنڈے پجاری براجمان تھے۔ ان سب کے اوپری حصے برہنہ تھے۔ ان سب کے جسم فربہ اور کھالیں چکنی تھیں۔ ہر ایک نے مسافر خانہ کے فرش پر بستر لگایا ہوا تھا۔ ہماری آہٹ پر تقریباً وہ سب ہی چونکے اور آشرم کی فضا ان کی اضطرابی سسکیوں سے گونج اٹھی۔

مگر یہ عقیدت میں ڈوبا ہوا کوئی پجاری تھا نہ دیوتاؤں کا داس۔ میری زندگی کا بیشتر حصہ ان مصروفیات میں گزرا تھا جو مستند طور پر ناپسندیدہ سمجھی جاتی ہیں اور میں ہر بدی کو دور ہی سے سونگھ لینے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ میں نے ان آوازوں میں جنسی پکار واضح طور پر سنی۔ ان کی بے رحم، چمکیلی نگاہیں سنجیدہ اور کھلے انداز میں سیتا کے حسین جسم کے نشیب و فراز ٹٹول رہی تھیں۔ میں نے یہ سب محسوس کیا لیکن اندر گھستے ہی واپس لوٹ جانا میرے بہروپ کی نفی کے مترادف تھا لہٰذا میں نے ان کی کو بیٹھے ہوئے ان سے ذرا دور ہی دیوار کے سہارے اپنا تھیلا رکھ دیا۔

"یہاں اپنی زبان کو قابو میں رکھنا!" میں نے دبی زبان میں سیتا سے کہا۔

"کیا تو دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں جانتا جہاں میں پوری آزادی سے بول سکوں؟" وہ غرائی۔

"ہوش میں رہ سیتا!" یہ کہتے ہوئے مجھے اپنے داہنی جانب آہٹ سنائی دی اور میں نے اچانک اپنا لہجہ اونچا کر دیا۔ "یہ رشیوں اور پجاریوں کے گیان دھیان کی جگہ ہے۔ اونچی آواز میں بول کر دوسروں کی عبادت میں خلل ڈالنا بہت بڑا پاپ ہے!"

"واہ سادھو جی! کیا بات کہی ہے!" میرے قریب ہی سے ایک بھاری آواز ابھری۔

میں نے بڑے اطمینان سے سر گھمایا تو تیل کی مالش سے چمکتے ہوئے سیاہ بدن اور کرخت چہرے والے ایک زرد دھوتی پوش کو اپنے قریب کھڑا پایا۔

"ہاں رشی جی!" میں سنجیدہ لہجے میں اس سے بولا۔ "یہ لڑکی نئی نئی دھرم میں آئی ہے۔ یہ باتیں ذرا دیر ہی سے اس کی سمجھ میں آئیں گی!"

"لڑکی سندر ہے!" اس نے والہانہ لہجے میں کہا۔ ایک ثانیہ کے لئے خاموش ہو کر میرے چہرے کے تاثرات پڑھے پھر جلدی سے بات کا رخ بدل لیا۔ "مگر سندر عورتوں کے ساتھ سندر آتما بھی ہونی ضروری ہے ورنہ دھرم کی بات پھیکی اور بے مزہ لگتی ہے!" یہ کہتے ہوئے وہ میرے قریب ہی فرش پر بیٹھ گیا۔

[illegible] ہوئے کہا۔

"یوں تو ساری دھرتی بھگوان کی بنائی ہوئی ہے!" اس نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے مصنوعی بے خودی کے ساتھ کہا۔ "مگر گیانیوں کے لئے بنارس سے اچھی جگہ پورے ہندوستان میں نہیں۔ یہاں کی مٹی تک میں بھگوان کی خوشبو رچی ہوئی ہے۔ میں برسوں پہلے برہلی سے یاترا پر آیا تھا اور اسی دن سے یہیں کا ہو کر رہ گیا۔ تم کہاں سے آ رہے ہو؟"

"رشیوں کا کوئی گھر ہوتا ہے نہ ٹھکانہ... نگر نگر کی خاک چھانتے پیدل یاترا کرتے ہیں!" میں نے ایک گہرا سانس کھینچ لیا۔ "میں نے کئی بار ادھر آنا چاہا مگر گرو نے کہیں اور بھیج دیا۔ اس بار گرو کی آگیا سے حاجی پور سے سیدھا ادھر ہی آ گیا ہوں!"

"حاجی پور سے آئے ہو؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا نام ہے تمہارے گرو کا؟"

"مہارشی اوم پرکاش!"

"مہارشی اوم پرکاش؟" اس نے ذہن پر زور دیتے ہوئے دہرایا۔ "اس آشرم میں پچھلے دو برس سے میرے ساتھ حاجی پور کے تین رشی ٹھہرے ہوئے ہیں۔ میں نے ان سے کبھی اوم پرکاش کا نام نہیں سنا!"

میں نے دل ہی دل میں خود پر ہزار بار لعنت بھیجی اور لاپروائی سے بولا۔ "پھر بھی جلدی سے بولا... نہ سنا ہوگا... وہ مورتوں سے دور بن باس لئے ہوئے ہیں۔ شہرت سے گھبراتے ہیں۔ ان کے چیلے بھی گنتی کے ہیں!"

"اوہ!" وہ ایک گہرا سانس لے کر بظاہر مطمئن ہو گیا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"گنگا رام!" میں نے جواب دیا۔

"اور یہ لڑکی؟" وہ چالاکی کے ساتھ پھر سیتا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"سیتا!" میں اپنے لہجے کی ناگواری نہ چھپا سکا۔

"رام اور سیتا!" وہ معنی خیز لہجے میں ذرا کر بے حیائی کے ساتھ ہنسا۔ "خوب اتفاق ہے اور خوب جوڑی ہے۔ تمہیں سیتا کہاں مل گئی تھی؟"

"رشی جی!" میں تیکھے لہجے میں غرایا۔ "بھگوان سے ڈرو۔ تمہارے لہجے سے پاپ کی بو آ رہی ہے!"

"ارے گنگا رام جی! ناراض ہو گئے!" وہ کھسیانے ہوتے ہوئے لہجہ بدل کر بولا۔ "اس کا روپ ہی ایسا ہے اس لئے پوچھ لیا تھا!" وہ زیادہ دیر میرے پاس نہ رکا اور واپس اپنے ساتھیوں میں چلا گیا۔ گنیش آشرم کے [illegible] کے لئے کہیں سے [illegible] تھا [illegible] اور اصلی گھی کے پراٹھوں پر مشتمل ہو جب تقسیم ہونے لگے آشرم کی فضا سازگار تھی۔

کھانے کے دوران سیتا کو [illegible]

[illegible]

"[illegible] کون وہ آدمی آئے تھے؟"

"پتہ نہیں کون تھے!" میں نے اس سے صاف جھوٹ بولا۔ "معلوم ہوتا تو ان سے روپیہ اینٹھ لیتا۔ ایکدم وہاں سے کیوں بھاگ گیا؟"

"اب مجھ سے زیادہ باتیں نہ بنا!" وہ لقمہ نگلتے ہوئے بولی۔ "اتنے عرصے تیرے ساتھ رہ کر میں تجھے اچھی طرح سمجھنے لگی ہوں!"

"کیا سمجھنے لگی ہے؟" میں نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"تو ہر خطرے سے بھاگتا پھرتا ہے۔ جب تک تیری جان پر نہ بن جائے لڑنے کی ہمت ہی نہیں کرتا!" اس نے بڑی سادگی سے کہا۔

"یعنی میں خطرے سے بھاگتا ہوں!" اس کے الفاظ مجھے چبھ گئے۔

"ہاں!" وہ بغیر ڈرے بولی۔

"اور جو جاتی انسان کو تو نے مارا تھا! کالی کا کب سے سوالی کا خونی تھا؟ کیا خود مر گیا تھا؟ لاچی کے باپ کو بھی بھول گئی جو تیرے پیچھے لپکا تھا؟"

"میں نے اس سے کب انکار کیا ہے؟" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولی۔ "میں تو کہہ رہی ہوں کہ جب تیرے فرار کے سب راستے بند ہو جاتے ہیں صرف اسی وقت تو ہتھیار اٹھاتا ہے!"

اس کی وضاحت پر میرا غصہ قدرے سرد ہوا۔ "شہروں اور جنگلوں کی زندگی مختلف ہوتی ہے۔ یہاں طاقت کا قانون نہیں چلتا!"

"اچھا!" اس کا انداز بیا تھا۔ "ہر جگہ صرف طاقت کا قانون چلتا ہے۔ اگر میں طاقتور اور بہادر نہ ہوتی تو جانے اب تک کتنی بار غنڈوں کا نشانہ بن چکی ہوتی۔ اگر کوئی دوسرا قانون ہے بھی تو وہ صرف طاقتور کو ہی سہارا دیتا ہوگا!"

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ کچھ دیر تک خاموش بیٹھنے کے بعد وہ بولی "تو نے بتایا نہیں کہ تو نے ان دونوں سے کترا کر کیوں بھاگا تھا؟"

"اس لئے کہ وہ یہ جانتے تھے کہ میں سونا بنا سکتا ہوں!"

"اوہ!" یہ سنتے ہی اس کی آنکھیں تحیر آمیز انداز میں پھیل گئیں۔ "تو وہ تجھ سے انگوٹھی مانگ رہے تھے!"

"نہیں... لیکن بے خبری میں اگر دس پندرہ آدمی ہم دونوں کو گھیر لیتے تو انگوٹھی کے ساتھ ہماری جان بھی جاتی رہتی!"

"تو اچھا! اس انگوٹھی سے اتنا سونا بنا لے کہ ہم زندگی بھر عیش کر سکیں۔ پھر وہ انگوٹھی کسی ندی میں پھینک دیں گے!" اس نے تجویز پیش کی۔

"تیری یہ تجویز بے وقوفی لگتی ہے!" میں سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "پارس پتھر کی دریافت اس دور کی بہت بڑی حقیقت ہے۔ اگر لوگوں کو علم ہو جائے کہ یہ پتھر میرے قبضے میں ہے تو دیکھتے ہی دیکھتے ساری دنیا میں میری شہرت ہو جائے گی۔"

"مجھے سبق نہ پڑھا!" وہ ہٹ دھرمی [illegible] ہر وقت میری برابری پر تلی رہتی تھی۔ اپنی ذات پر میری برتری کو وہ ایک لمحے کے لئے بھی تسلیم نہیں کرتی تھی۔ [illegible] کے ہاتھوں [illegible] بالکل پاگل ہو گیا تھا میں

کالی کا باپ مالولہ کے خوف سے اناپورنا کی طرف بھی نہ جا سکا۔ اپنی کافرقت میں تو یہ بنیل دراصل واپس آرہا تھا کہ اچانک ہی مجھے انگوٹھی کی حقیقت پتا چلی اور یہ انگوٹھی مجھے میری ماں نے دی تھی۔

کھانے کے بعد فرش پر دراز ہونے تک وہ مجھ سے بات ہی بہت کرتی رہی۔ اس دوران میں آشرم میں مقیم سادھو سنت اور رشی ہم سے کافی دور سر جوڑے سرگوشیوں میں مصروف تھے ان میں سے ایک چرس کا بھی عادی تھا۔ جب بھی وہ سگریٹ سلگاتا پورا آشرم چرس کی بو سے بھر جاتا۔ اس کے ساتھی محض شوق میں اس سگریٹ کا ایک آدھ کش لے لیتے تھے۔

ان کی دبی دبی سرگوشیوں پر میرے کان کھڑے ہوئے اور میں نے بستر پر دراز ہونے سے قبل سیتا کو ان کی طرف سے ہوشیار رہنے کا مشورہ دیا۔

"میں بھوک اور بدبو سے مردوں کو دور ہی سے پہچان لیتی ہوں۔"

وہ ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولی "مجھے تو ان سب کے منحوس چہروں پر شیطانی آشرم کی پرچھائیاں نظر آرہی ہیں۔ کیا سارے شہروں میں اب رام اور بھگوان کے نام پر یہی کھیل ہوتا ہے؟ اب تو مجھے یقین ہو چلا ہے کہ مندر کے بجائے بنک میں گناہ کے بارے میں سوچنا پاپ ہے؟"

میں سفر اور بھاگ دوڑ سے کافی تھکا ہوا تھا۔ تھیلا سر کے نیچے رکھ کر فرش پر دراز ہوا تو ذہن پر کوئی خاص فکر نہ تھی۔ بھگوان کے سائے میں میرے سارے تفکرات ختم ہو چکے تھے البتہ بھگوان کے ان سادھوؤں کی جانب سے ہلکا سا اندیشہ تھا اور وہ بھی پریشان کن نہ تھا کہ مجھے سیتا پر پورا اعتماد تھا۔ مجھے لیٹتے ہی نیند آگئی اور تھوڑی دیر میں ہی دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا۔

رات میں کسی وقت ایک دبی دبی چیخ کے باعث میری آنکھ کھل گئی اور میں ہڑبڑا کر اٹھنے لگا۔ خمار کے باعث بینائی پوری طرح کام نہیں کر رہی تھی لیکن ہاتھ سے ٹٹول کر میں نے فوراً یہ محسوس کیا کہ سیتا میرے پہلو میں موجود نہیں ہے اور اسی وقت میرے قریب انسانی ہیولا لہرایا! میرے سر کے پچھلے حصے پر ایک بھرپور ضرب پڑی اور میں کراہتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا!— دوبارہ ہوش آیا تو آشرم میں جالیوں سے نسیم سحری کے لطیف جھونکے آرہے تھے۔ مٹی کے تیل کے دیوار گیر لیمپ بدستور دھیمی روشنی میں جل رہے تھے ان کی شیشے کی چمنیوں کے اندر جم جانے والے سیاہ دھوئیں کے باعث بہت ہلکی روشنی چھن کر باہر آرہی تھی۔

آنکھ کھلتے ہی پہلا احساس شدید تکلیف کا تھا۔ میرے سر کا پچھلا حصہ کسی پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا مگر میں نے اس تکلیف کو اہمیت دیئے بغیر آشرم کا جائزہ لیا اور مجھ پر یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ ہاتھی کے سر والے دیوتا کے اس آشرم میں تنہا رہ گیا ہوں۔ سیتا اور ان ساتوں پنڈتوں اور پجاریوں کا کوئی پتہ نہیں تھا جو پچھلی رات سر جوڑے سازش کر رہے تھے۔

یک بیک مجھے تکلیف کا احساس شدید ہو گیا۔ میں نے ہاتھ لگایا تو انگلیوں پر خون کی نمی محسوس ہوئی۔ شاید پچھلی رات سیتا کے اغوا کے دوران ہی میری آنکھ کھلی تھی اور ان بدمعاش پجاریوں میں سے کسی نے میرے سر پر ضرب لگا کر مزاحمت کا آخری راستہ بھی مسدود کر لیا۔

سیتا اغوا کر لی گئی! معصوم اور باعصمت دوشیزہ کو پجاری اٹھا کر لے گئے اور پتھر کا بے جان دیوتا یہ سب دیکھتا رہا۔ اس کی مورتوں کے جاتے ہی یہ سارا گھناؤنا کھیل ہوا اور اسے اتنی بھی غیرت نہ آئی کہ ان غنڈوں پر آشرم کا کوئی ستون ہی گر جاتا۔

میرے وجود میں مایوسی، خوف، وحشت اور پھر انتقام کی خوفناک لہریں دوڑنے لگیں۔ تاریخ خود کو دہرا رہی تھی۔ سیتا کی ماں سندری بھی کسی آشرم کی باسی تھی۔ یہاں اس کا باپ اندرام محنت مزدوری کر کے اپنی بے ماں کی کمسن بچی کی پرورش کرتا تھا مگر ایک روز سندری اغوا کر لی گئی اور جب وہ بگڑی حالت میں بازیاب ہوئی تو اندرام کو پتا چلا کہ وہ ان مقدس بھیڑیوں کی ہوس کا نشانہ بنی ہے جو اپنے مسکن کے لئے عبادت گاہوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ یہ جان کر اندرام آتش فشاں بن گیا۔ وہ اپنی مظلوم بیٹی کو سینے سے لگائے خنجر لے کر میدان میں اترا اور پھر بعد میں کئی رشتوں اور شبہتوں کے خاتمے کے بعد وہ جنگل کی طرف فرار ہو گیا۔ محض اسی واقعہ کی دہشت سے سندری اپنی عمر بیماروں اور … تہذیب سے عاری خونی آشرم اور قبائل کے درمیان گزارتی تھی مگر باعصمت رہ سکے مگر وہاں بھی وہ فریب سے مغلوب ہو گئی اور اس کی کوکھ سے سیتا نے جنم لیا جس کا قانونی باپ کوئی نہ تھا!

اور اب وہی نبارکی تھا، وہی رتی اور منت تھے اور سیتا تھی۔ اسی کے جنگل میں کسی دلال کے بعد مرحلے سے گزر رہی تھی۔ وہ اب میری بیوی تھی۔ نفرت اور انتقام کے جذبات کی شدت سے میری رگیں پھٹنے لگیں۔ دوران خون میری کنپٹیوں کو پھاڑ دینے پر آمادہ ہو گیا۔ سیتا کے الفاظ رہ رہ کر میرے ذہن میں گونج رہے تھے۔ پچھلی رات وہ مجھے مادی سفر و قرار دے چکی تھی جو عورت اسی وقت جانوروں کی کہانیوں کو جنم دیتا ہے جب فرار کی ہر راہ مسدود ہو جائے۔

اور اب صلح و سکون کی ہر راہ مسدود ہو چکی تھی۔ میں نے اپنا تھیلا اٹھایا اور کسی سائے کی طرح آشرم کے عقبی دروازے سے مندر کے احاطے میں داخل ہو گیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ لوگ سیتا کو زیادہ دور لے جانے کی ہمت نہ کر سکے ہوں گے۔ انہوں نے مندر کے بڑے پجاری سے ساز باز کر کے وہیں سیتا کے لئے کوئی زنداں کوئی مقتل تیار کیا ہوگا۔

مندر کا ایک خوشنما احاطہ بنیل سے پانی سے بھرا ہوا تھا میں خاموشی سے اس کے سر پر جا پہنچا۔ "آشرم میں ٹھہرے ہوئے سادھو پجاری کہاں گئے؟" میری سرد اور سفاک آواز سن کر وہ چونک گیا۔

اس نے گھبرا کر خوفزدہ نظروں سے میری طرف دیکھا مگر جب …

"زیادہ نظرانہ … مجھے نہیں معلوم …"

دہرایا۔ "میری بیوی غائب ہے، بتاؤ کہاں ہے؟ مندر کے کس حصے میں ہے؟"

میں نے اچانک تھیلے میں سے خنجر نکال کر اس کی نوک سوجھ گار کے بائیں پہلو پر رکھ دی!

وہ یک بیک گڑ گڑا کر رو پڑا۔ "میں گنگا جلی اٹھاتا ہوں، مجھے نہیں معلوم۔ مجھے کچھ نہیں معلوم۔ ان کی رہائش ہی سے بڑی دولت ہے شاید وہ لوگ …"

"یہ کون ہے؟"

"وہ اتھا آشرم کے منتظم ہیں!" وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

میرے ذہن میں یک بیک آگ بھڑک اٹھی۔ سیاہ کار پجاریوں اور پنڈتوں کے لئے اتھا آشرم سے اچھا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ وہاں شہر بھر کی مشہور … کی بیوائیں داخل کی جاتی تھیں ان میں کمسن و غریب گھروں کی بدنصیب لڑکیاں بھی ہوتی تھیں جن کے مرنے سے بہت جلد وہ بکروں کی گنگا پالی ہو جاتے تھے۔ اتھا آشرم میں ان سب کو مقدس تربیت دیکر دیوداسی بنایا جاتا ہے۔ مقدس بھیڑیوں کے لئے اس سے اچھی شکار گاہ بھلا کیا ہو سکتی تھی۔ جہاں انہیں برے پانے کا اپنے شکار کے انتخاب کی آزادی حاصل ہو اور شکار بھی وہ جسے اتھا آشرم کا منحوس ٹھپہ لگنے کے بعد معاشرہ کسی قیمت پر قبول نہیں کرتا۔

اچانک ہی میرا ہاتھ چلا۔ خنجر کی نوک پسلیاں چیرتی اس کے دل میں اترتی چلی گئی۔ اس کے حلق سے بمشکل کوئی آواز نکل سکی وہ تڑپ کر نیچے گرا میں نے جلدی سے خنجر باہر کھینچ لیا۔ زخم سے جیسے لہو کا ایک فوارہ ابلا اور اس کا جسم بے جان ہو گیا۔

میں نے جلدی سے خنجر کا پھل تالاب کے تیز دھار میں دھویا اور اسے تھیلے میں ڈال کر تیزی سے آشرم کے راستے اس عمارت سے باہر نکلتا چلا گیا۔

ابھی سورج طلوع ہونے میں بہت دیر تھی۔ شہریوں اور پجاریوں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں رام کی مالا جپتی کانسی یا پیتل کی لٹیاں اٹھائے تیزی کے ساتھ شہر کی جنوب مشرقی سمت میں رواں تھیں جہاں گنگا کا پانی زیادہ بہتا تھا وہ اپنے تمام گناہوں کو شیوا جی کے سر سے بہنے والے اس مقدس پانی میں بہا کر سورج طلوع ہونے سے قبل ہلکے پھلکے ہو کر واپس لوٹ آتے تھے!

راستے میں جگہ جگہ جیتی جاگتی زندہ کاٹی گنگا کی آرتی کو لوٹنے کے … بکھری ہوئی تھیں۔ ان میں سے بیشتر گھونا آتاتیں آراستہ تھیں۔ ان کی گردنوں میں پتھروں وغیرہ کی مالائیں لٹکی ہوئی تھیں۔ پیروں میں پیتل اور کانسی کے گھنگھرو بندھے ہوئے تھے۔ جسموں پر رنگ برنگ منقش اور عریاں روحانی خول لپٹے ہوئے تھے۔ ایک جگہ گھونا آتا پیشاب کرنے میں مصروف تھی۔ گنگا اشنان کو جانے والا ایک برہمن … اس کے قریب پہنچا، کانسی کی لٹیا آگے جتا … اس سے اپنے چہرے اور بدن پر چھینٹے مارنے لگا۔ میں نے کسی تاثر کے بغیر یہ منظر دیکھا اور اپنی سمت میں چلتا رہا۔ اشنان … بڑا … اور اب …

وہ شہر اور اس کے راستے میرے لئے اجنبی تھے لہٰذا میں راستہ بھٹک گیا۔ کافی جدوجہد کے بعد میں اسٹیشن پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ وہاں سے واپسی کی راہ میں بہتر طور پر شناخت کر چکا تھا۔ اس اثنا میں سورج طلوع ہو چکا تھا۔ آہستہ آہستہ بازار بھی کھلتا جا رہا تھا۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ اتھا آشرم پر اگر منتیش کے پاس ان ساتوں میں سے کوئی موجود ہوا تو میرا زندہ بچ نکلنا مشکل ہو جائے گا لہٰذا اب ایک بار پھر میرے حلیے میں تبدیلی ناگزیر ہو چکی تھی۔ میں نے کافی غور و خوض کے بعد ایک دکان سے استرا خریدا اور کافی فاصلہ پر دوسری دکان سے ایک آئینہ لیا اور دونوں چیزیں ایک تھیلے میں ڈال کر اپنی راہ پر ہولیا۔

راستے میں مجھے پہلا جو مندر نظر آیا میں اس سے ملحق غسل خانے میں جاگھسا۔ اندر اچھی خاصی روشنی تھی۔ میں نے پھرتی کے ساتھ اپنی داڑھی مونچھوں کی صفائی کے ساتھ ایک بار پھر سر اپنی بھنوؤں کو بھی صاف کر دیا کیونکہ اپنی شناخت مٹانے کے لئے یہ اقدام ناگزیر تھا۔

سارے بال نالی میں بہانے کے بعد میں نے وہ آئینہ کھونٹی سے … اور استرا ساتھ لیکر باہر آگیا۔ گو داڑھی کی جگہ میری جلد کی قدرتی صاف رنگت میرے تازہ اقدام کی چغلی کھا رہی تھی مگر پھر بھی مجھے یقین تھا کہ بہت غور سے دیکھے بغیر کوئی مجھے نہ پہچان سکے گا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے وجود میں نفرت اور انتقام کے ساتھ سفاکی بھی جڑیں پکڑتی جا رہی تھی اور مجھے پورا یقین تھا کہ میں آسانی سے ان ساتوں مرہٹوں اور ان کے گرو منتیش کو ٹھکانے لگانے میں کامیابی حاصل کر لوں گا۔

جب میں اتھا آشرم کے دروازے پر پہنچا تو کہیں قریب ہی گجر نے صبح کے دس بجنے کا اعلان کیا۔ میں نے چند ثانیئے ٹھٹک کر عمارت کا جائزہ لیا۔ وہ ایک بہت وسیع احاطہ پر مشتمل تھی جس کے وسط میں ایک مندر کے کلس چمک رہے تھے!

اتھا آشرم کے رہائشی حصہ یا مندر میں مردوں کا داخلہ ممنوع تھا اور اس ہدایت پر عمل درآمد کے لئے ایک موٹی سی ادھیڑ عمر عورت پھاٹک پر براجمان تھی۔

"مجھے منتیش جی سے ملنا ہے ماتا جی!" میں نے عورت کے قریب جا کر ادب سے کہا۔

اس نے غضبناک نظروں سے مجھے دیکھا پھر چلائی "صورت سے تو کسی … لفنگے سوالی کی صورت جیسے بھولے سے گرو جی ہیں، تو نے مجھے ماتا کیسے کہا ہے؟"

"ا … ایک … پھر بھلا کیا …؟"

مگر وہ آپے سے باہر ہو گئی۔ وہ ہاتھ اٹھا کر میری طرف لپکی "حرامی! تجھ سے بڑی عمر کا ہو کر مجھے ماتا بتاتا ہے۔ ابے کیا تیرے باپ کو کوئی اور نہیں ملی تھی جو مجھے ماں بنانے چلا آیا ہے۔"

اس نے میری تمام تر مزاحمت کے باوجود میرے سینے پر مار جمایا
دیا۔ ”مجھے کیا پڑی ہے جو تیرے باپ سے اپنی پسلیاں تڑواؤں؟ سالا جو یہاں آتا ہے اپنے باپ کو میرا خصم ہی بنانا آتا ہے۔ ایسے میں کیا آتی گئی گزری ہوں کہ ہر سو کے بدلے مردوے سیتی پھروں۔“

اس کا شور سن کر کئی راہگیر بھی رک گئے۔ اس دوران میں پچھلی طرف سے ایک چوبی دروازہ کھلا اور ادھیڑ عمر کا ایک مضبوط جسم والا شخص باہر نکل آیا۔ ”کیا ہو رہا ہے سریتا۔؟“ وہ موٹی عورت کو گھورتے ہوئے غرایا۔

”ارے رمیش جی! پوچھو کیا ہوا۔“ وہ روہانسی آواز میں اس سے بولی۔ ”جب میرا مرد زندہ تھا تو کوئی آدمی مجھے چھیڑنے کی ہمت نہ کرتا تھا جیسے وہ مرا ہے سریتا کو ہر ایک اپنے باپ کی جاگیر سمجھنے لگا ہے۔ یہ مسٹنڈا آیا تو یہ بھی مجھے مارتا پیٹتا رہا ہے!“

رمیش میری طرف اور میں اس کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ بغیر داڑھی مونچھوں کے تھا۔ آنکھوں میں عجیب سی چمک کوندتی تھی جو اس کی عمر سے میل نہ کھاتی تھی مگر صحت اور تندرستی کے اعتبار سے وہ نوجوانوں پر بھاری تھا۔

”کوئی نیا یاتری معلوم ہوتا ہے؟“ رمیش بھاری آواز میں سریتا سے کہہ رہا تھا۔ ”پتہ نہیں تو آنے کے لفظ سے آتی کیوں چڑتی ہے۔ جلتی کو ہوا دیتی تجھے کل سمجھ کر آتا بھرتا ہے۔“

وہاں جمع ہونے والے راہگیروں کے سامنے رمیش کے منہ سے اتنی گھٹیا بات سن کر میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ آشرم کی آڑ میں کیا کچھ نہ کرتا ہوگا۔

”تجھے کیا کام ہے بھلا۔؟“ سریتا کو خاموش کرنے کے بعد رمیش میری طرف متوجہ ہوا۔

”تمہارے ہی پاس آیا تھا!“ میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

”آ جاؤ۔۔ میرے کمرے میں پردہ والا کوئی نہیں ہے!“ رمیش ہونٹ سے ہنستے ہوئے بولا۔

میں نے دو سیڑھیاں طے کیں اور چوکھٹ عبور کر کے رمیش کے پیچھے اس کے کمرے میں جا پہنچا۔ وہ کمرا کیا اچھا خاصا شبستان تھا۔ فرش پر قیمتی اور دبیز قالین بچھا ہوا تھا جس پر دیوار کے ساتھ چوکا و تکیے رکھے ہوئے تھے۔ چھت کے وسط میں ایک بہت بڑا مراد آبادی برقی فانوس جھلملا رہا تھا۔ اس کے دونوں جانب پنکھے لگے ہوئے تھے۔ کمرے کی فضا میں شراب کی ہلکی ہلکی بو رچی ہوئی تھی۔ جلد ہی میری نظر ایک کونے پر پڑی رکھی ہوئی ایک چوبی تپائی پر جا ٹکی۔ بوتل اور گلاس رکھا ہوا تھا۔

اس کمرے کا دوسرا دروازہ شاید اناتھ آشرم میں کھلتا تھا کیونکہ اس جانب سے ملے جلے نسوانی قہقہوں اور باتوں کا شور سنائی دے رہا تھا!

”رمیش بابو کیا تم مجھے بیٹھنے کو نہ کہو گے؟“ میں نے اسے اجنبی انداز میں اپنی جگہ پر بیٹھے دیکھ کر شکایت بھرے لہجے میں کہا۔

”بیٹھ جاؤ!“ وہ گلاس بھرتے ہوئے رو کھے لہجے میں بولا ”کیا کام ہے؟

میں بوسیدہ چپلیں اتار کر قالین پر بیٹھ گیا۔ اس وقت میں بہت پھرتی سے کام کر رہا تھا۔ رمیش سے اس وقت سیتا کے بارے میں بات کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ اس کے طور طریقوں سے ظاہر تھا کہ اسے شہر کے بارسوخ حلقوں میں رسائی حاصل ہے۔ بہتر یہ ترکیب ہی تھی کہ کسی طرح اسے اناتھ آشرم سے چلنے کے بعد بے بس کیا جائے۔

”رمیش بابو میں صرف دو چیزوں کا بھوکا ہوں۔“ میں نے سر جھکا کر بھی آواز میں کہنا شروع کیا۔ ”شراب اور عورت۔ میں دولت کے ایک ایسے خزانے پر قابض ہوں جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ پیسے سے یہ دونوں چیزیں خرید سکتا ہوں مگر کسبیوں سے مجھے نفرت ہے۔ آوارہ عورتیں میری عزت تو بن سکتی ہیں لیکن محبوبہ ہرگز نہیں۔۔۔“

”بولتے رہو! مجھے خاموش پا کر اس نے ٹوکا۔

”میں تم سے دولت کے عوض اپنے شوق کا سودا کرنے آیا ہوں۔“

”تمہارا مانند دماغ بھی ہے“ وہ بولا ”تمہارا حلیہ تو مجھے بھکاریوں کا سا لگتا ہے!“ میں نے اطمینان سے کہا ”مجھے خوش پوشی سے کوئی دلچسپی نہیں۔“ میں نے کہا ”کہ میرے لیے دو ہی شوق کافی ہیں۔ شراب اور شباب!“

”وہ خزانہ کیا ہے؟“ رمیش نے ارتھی کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

”تم نے پارس پتھر کا نام سنا ہے؟“ میں نے سرگوشی بھری سرگوشیانہ آواز میں پوچھا۔

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا شراب کا گلاس اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا اور وہ بے یقینی کے عالم میں بولا ”تم۔۔ تمہارا مطلب ہے۔۔۔؟“

”مطلب نہیں رمیش جی!“ میں اس کی بات کاٹ کر ہنسا۔ ”میں وہ پتھر حاصل کر چکا ہوں۔ یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔“

”دکھاؤ۔۔۔!“ اس نے بیتابی سے بایاں ہاتھ میرے آگے پھیلا دیا۔

”میں اسے ساتھ لیے نہیں پھرتا۔ کچھ لوگوں کو اس بات کا شبہ ہو چکا ہے۔ اگر تم کسی شام میرے ساتھ چلو تو میں تمہیں اس کا تجربہ کرا سکتا ہوں۔“

”یعنی تم لوہے کو اس کے لمس سے سونے میں بدل دو گے۔؟“

”ہاں!“ میرے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ ”اس اناتھ آشرم میں شہر کی حسین ترین بیوائیں بھی آتی ہیں۔ معزز گھرانوں کی بیوہ عورتیں مجھے تم تک لانے کا سبب بنی ہیں۔ اس معاملے میں بڑا کم نصیب واقع ہوا ہوں۔ دنیا کی ہر شے خرید سکتا ہوں مگر کوئی معزز عورت میری طرف توجہ ہی نہیں دیتی۔ اب تو میں اناکار تم بھا چکا ہے شاید میں تمہارے تعاون سے بہر سکوں!“ میں نے چند لمحے توقف کیا پھر بولا۔ ”میں اناتھ آشرم کی ایک ہر رنگین رات سونے سے خریدوں گا۔ میں تمہیں فی شب ایک سیر سونا دوں گا رمیش! تم لکھ پتی ہو جاؤ گے اور میں بھی مفلس نہیں ہو جاؤں گا۔ ایسا سودا شاید تم نے کبھی نہ کیا ہو!“

”شراب پیو گے؟“ رمیش اب مجھ سے مرعوب ہو چلا تھا۔

اس بار اس نے دو گلاس تیار کیے اور بولا ”ہمارے سماج میں ستی کی رسم تو ختم کر دی گئی مگر ہوا یہ کہ آج بھی بیوہ جو ان کا بوجھ ہی نہیں جاتی!

یہاں لائی جانے والی ہر عورت جانتی ہے کہ اب وہ کبھی آزاد دنیا میں اپنا نام نہ سنوا سکے گی۔ بڑے گھرانوں کی بیوہ بیٹیاں سیاحت کے بہانے مترو یا دیگر ملکوں تک بھی جاتی ہیں جہاں عورت صرف عورت ہوتی ہے۔ ماں بیوی اور بہن کے علاوہ عورت کا صرف ایک ہی روپ ہے اور اس روپ میں احترام کوئی دخل نہیں۔ یہ لڑکیاں وہاں آزاد روی اپناتی ہیں اور پھر ایک جان چکے ہمیشہ کے لیے کہیں کھو جاتی ہیں۔“ اس نے شراب کا گلاس رکھ کر سگریٹ سلگایا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ”مگر اناتھ آشرم میں آنے والیاں حسین ہونے کے باوجود آخر میں خود کو میرے سامنے مجبور پاتی ہیں۔۔۔ جو اس میں شاید تم اپنی پسند کو آزادی سے نہ اپنا سکو کیونکہ ابھی بچی نئی لڑکیاں حالات کو صحیح طور پر نہیں سمجھ پائی ہیں۔ چند دن بعد جب ان کے خاندان سے نے والے ملاقاتیوں کا زور ٹوٹے گا تو وہ اچانک تمہاری ہو جائیں گی۔ اس وقت میرا فلسفہ ان پر اپنا کام کرتا ہے۔“

”میں یہ سب دیکھ لوں گا۔“ میں نے اپنی کامیابی پر خوشی محسوس کرتے ہوئے کہا۔ ”مجھے بس یہ بات بتاؤ۔ اناتھ آشرم میں داخلے کی اجازت کب ملے گی؟“

”نہیں۔۔ میں اس عمارت میں تشدد اور دھاندلی کی ہرگز اجازت نہ دوں گا۔“ وہ جلدی سے بولا۔ ”یہاں ہر کام باہمی رضامندی سے ہوتا ہے!“

”میری ذات سے تمہیں کبھی شکایت نہ ہوگی!“ میں نے اپنا گلاس اس کی طرف بڑھایا اور فضا شیشے ٹکرانے کی ہلکی سی کھنک سے گونج اٹھی۔

”آؤ۔۔ میں تمہیں دکھاؤں کہ میرے اس خزانے میں کیسے نوادر چھپے ہیں۔“ گلاس خالی کر کے وہ خود ہی بولا اور میرا دل زخمی کر کے حلق میں آ گیا۔

رمیش پہلے پھاٹک کی طرف کھلنے والے دروازے پر گیا اور گردن باہر نکال کر سریتا کو کچھ ہدایات دیں اور اندر سے دروازے کی کنڈی چڑھا کر واپس آ گیا۔

آشرم کی طرف والا دروازہ کھلتے ہی میری نگاہیں خیرہ ہو گئیں۔ سامنے ہی لڑکیوں اور عورتوں کا ایک رنگا رنگ ہجوم تھا جن کے انداز سے بے حجابی نمایاں تھی پھر دل ہی میں کھٹکتے ہوئے دروازے میں میری اور رمیش کی موجودگی کا احساس ہوا اور ایک عورت جلدی جلدی اپنا لباس درست کرنے لگی!

وہ آشرم بہت وسیع تھا۔ اس میں احاطے کی دیوار کے ساتھ چاروں طرف دو رویہ کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ احاطے کی دیوار بہت اونچی اور خاردار تاروں کا جنگلہ تھا تاکہ کوئی ادھر سے کود کر اندر نہ آ سکے۔ وسط میں مستونی عمارت کھڑی ہوئی تھی۔ رمیش کے کمرے کے برابر ہی غسل خانوں کی قطار بنی ہوئی تھی جن کے سامنے دونوں کو نوٹ اور لکوں پر بیٹھے ہوئے کچھ عورتیں چرخی کی مدد سے کنوئیں سے پانی نکال کر بھری بھری آ بیٹھی تھیں۔ بھر رہی تھیں۔ کچھ لڑکیاں کھلی جگہ میں تولیہ جا رہی تھی۔ جہاں

گھاس اگی ہوئی تھی یا پھولوں سے لدی ہوئی کیاریاں اور گھنیرے درخت تھے جن کی چھاؤں میں بیٹھی کچھ لڑکیاں درختوں میں جھولے ڈالے جھولے میں ملکوں نہاتے رہتی تھیں۔

”اس اناتھ آشرم کا ماحول تو بہت اچھا ہے۔“

”یہاں آنے والی بیوائیں لے کے وارث آشرم کو ماہانہ چندہ دیتے ہیں مگر اس کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ بعض غریب عورتوں کا تو کوئی وارث ہی نہیں ہوتا۔ وہ دو وقت کی روٹی ملنے کی امید میں یہاں آ جاتی ہیں۔ چندے سے ملنے والی رقم بہت قلیل ہوتی ہے جس سے ان سب بیواؤں کے لئے روٹی کپڑے کا انتظام ناممکن ہے۔ یہ بات میں نے ان سب کو سمجھائی۔ وہ بھی جانتی ہیں کہ اب انہیں ساری عمر یہیں بسر کرنی ہے لہٰذا میں نے آمدنی کا دوسرا طریقہ نکال لیا۔ میں اس آمدنی کا بڑا حصہ کمانے والیوں پر ہی خرچ کرتا ہوں۔ یہاں کی زیادہ عورتیں سرخی پاؤڈر سے لے کر کپڑے تک اپنی پسند کے پہنتی ہیں اور میرے سامنے سکھ رہی بیوہ عورتیں ہار سنگھار کرتی ہیں۔“ رمیش نے اپنے طریقہ کار کی تفصیلی وضاحت کی۔

”اور جو عورتیں تمہاری ہدایات سے بغاوت کریں؟“ میں نے سوال کیا۔

”عقبی حصے کی ساری کوٹھڑیاں نئی بیواؤں اور ایسی عورتوں کے لئے مخصوص ہیں۔ میں نے ادھیڑ عمر اور سخت گیر عورتوں کو مقرر کیا ہوا ہے جو انہیں دوسری عورتوں سے ملنے سے روکتی ہیں اور ہر وقت مخالف خیالوں سے یہ بات انہیں ذہن نشین کراتی رہتی ہیں کہ وہ خضر راہ بن کر ان کی پیروی کریں۔ ان کے سامنے منصوبے بہتر یہ حکمت عملی کے عادی ہی تھے۔“

رمیش ساری ہی عورتوں سے بے تکلف تھا۔ اسے دیکھ کر وہ عمر رسیدہ بیوائیں بھی جمع ہو گئیں جنہیں رمیش نے لامحدود اختیارات کے ساتھ نظم و نسق کی نگرانی پر مامور کیا ہوا تھا۔

وہ ان سب سے کھلے الفاظ میں ناشائستہ مذاق اور گندی چھیڑ چھاڑ کرتا مجھے آشرم کی سیر کراتا رہا۔

کوٹھڑیوں کی سیر کے دوران ہی مجھے سیتا کی جھلک نظر آ گئی۔ میری فرمائش پر رمیش مجھے ان عقبی کوٹھڑیوں کی طرف بھی لے گیا جو معتوب عورتوں کے لئے مخصوص تھیں۔ میں نے ان بیماروں کو ہر کوٹھڑی دیکھی لیکن الم زدہ اور روتے بسورتے خوفناک چہروں میں سیتا کا دلکش چہرہ کہیں نظر نہیں آیا۔

”میں ایک اور کوشش میں لگا ہوا ہوں۔“ مسند کے قریب گزرتے ہوئے رمیش بولا ”میں نے اس سلسلے میں سامنے والے جنت جنت کا روان کو مراسلے بھیجے ہیں۔ اگر اس اناتھ آشرم میں کلوز سرکٹ ٹیلی وژن آ گیا تو میں کا مسئلہ بہت سہولت سے حل کر لوں گا!“

”یہ تو بہت مشکل معاشرتی طبقے و کمائی انہیں کیسے یہاں لاؤ گے؟“ میں نے پوچھ کر ہنسا۔

”یہ تو بہت چھوٹا سا مسئلہ ہے کہ آخر تمہیں اس سے زیادہ۔۔۔

پاکیزگی پر قائم رہ سکی ہو۔ وہ ہنس کر بولا ” میرے کمرا رہے ہیں ۔ ۔ ۔ اور دیوتاؤں کی تعداد کے اعتبار سے ہو شاید ہندو کلب سے بڑا ناتھ آشرم ہو اب اسمبلیوں کے انتخابات آنے والے ہیں۔ کوئی نہ کوئی جتن کر ہی لے گا۔ یکتائی کا ایسا موقع مشکل ہی سے ہاتھ آتا ہے۔“

میں نے اپنی دانست میں اس عمارت کا چپہ چپہ دیکھ ڈالا مگر سیتا تو کیا اس کی پرچھائیں تک مجھے نظر نہ آسکی مگر مجھے اتنا یقین ہو چکا تھا کہ رمیش اس کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔

”عزت دار عورتیں صرف چلنے کی وجہ سے تمہاری طرف توجہ نہیں دیتیں۔“ طویل راستہ طے کرتے ہوئے رمیش بولا۔ ”تمہارے خدوخال تو تیکھے دلکش ہیں مگر سر اور بھنویں منڈوا کر تم واقعی چھپے ہوئے لگتے ہو۔“ اس نے ہنستے ہوئے سر پیا کا تبصرہ دہرایا۔ ”میری مانو تو اپنی وضع قطع بدل لو۔ ہر عورت دولت مند اور خوبرو مرد کے خواب دیکھتی ہے جو اسے دنیا کی ہر شے خرید کر دے سکے۔“

”میں سدا کا جوگی ہوں رمیش بابو!“ میں نے دکھی ہو کر کہا۔

”بھلا بہروپ بدل کر کسی کو جیتا تو کیا جیتا۔ ۔ ۔ تم یقین نہ کرو کہ جو عورتیں بظاہر دیکھ لیکر مجھے جان آتی ہیں وہ حقیقت میں ڈوب کر اپنا سب کچھ میرے حوالے کرنے پر تیار ہو جاتی ہیں مگر ان کا جو بدیہ میرے جذبات پر برف کی تہہ جما جاتا ہے۔ میں سرکش گھوڑوں کا سوار ہوں۔ دوسروں کے سدھائے ہوئے گھوڑے مجھے نہیں بھاتے!“

پھر اس کمرے میں آگر میں نے اسے پارس پتھر کے بارے میں سخت رازداری کی تنبیہ کی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ یہ راز افشا ہونے کی صورت میں میرے ساتھ ہی وہ بھی مارا جائے گا اور کوئی تیسرا شخص پتھر پر قابض ہو جائے گا اور اس نے پورے خلوص سے رازداری کا وعدہ کر لیا۔

اس سے شام پہلے درگا مندر کے سامنے والے کا پروگرام طے کر کے میں اناتھ آشرم سے روانہ ہو گیا۔ وہاں سے کچھ دور نکلنے کے بعد میں نے گول چھتری والا ایک بجرا کرائے پر لیا اور دریائے گنگا کی طرف چل دیا۔

دریائے گنگا کے کنارے اس وقت بھی اشنان کرنے والوں کی خاصی بھیڑ جمع تھی۔

میں نے یہ منظر سرسری نظروں سے دیکھے پھر دریا کے کنارے کنارے دھارے کی مخالف سمت میں بڑھتا رہا۔

تھوڑی دور بعد چند ٹیلے عبور کرنے کے بعد میں راج گھاٹ کے ویران علاقے میں جا پہنچا۔ اس وقت یہاں دور دور تک کسی ذی روح کا وجود نہیں تھا۔ دریا کا سست رو پانی راج مندر کے صدیوں پرانے سنگین آثار سے ٹکرا کر بہہ رہا تھا۔ یہ پتھر کا بنا ہوا یہ مندر ستر ھویں صدی میں مقامی برہمنوں نے خاص طور پر اپنے لئے تعمیر کرایا تھا تاکہ وہ دوسرے نیچ طبقے کے لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر یاترا کے دنوں میں اپنی عبادت کر سکیں مگر اب یہ مندر ویران تھا۔ ہاں کبھی کبھار یاترا کے دنوں میں جب ہندو کے۔

گوشے گوشے سے ہندو یہ ست کر بنارس میں جمع ہوتے تھے تو گنگا کے کنارے تاحد نظر انسانوں کا ہجوم نظر آتا تھا۔ اس وقت راج مندر بھی چند مقامی پجاریوں کے قابض ہو جاتے اور یاترا ختم ہونے پر اسے پڑھاتے پیٹ کر سال بھر کے لئے چلے جاتے! میں نے سرسری گھوم پھر کر راج مندر کا جائزہ لیا۔ میرے مجوزہ پروگرام کے لحاظ سے یہ جگہ بہت مناسب تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مندر میں ایک تہہ خانہ بھی بنا ہوا تھا جس کے صندلی دروازوں کو بند کر دینے کے بعد بیرونی مداخلت کا ہر اندیشہ ختم ہو جاتا تھا۔

اپنے جائزے سے فارغ ہو کر میں واپس شہر روانہ ہو گیا۔ اس بار میں نے ساتھ درگا مندر کے پاس ہی چھوڑا! اس میں وہاں تک پہنچنے میں وقت تھوڑا۔ رمیش کے انتظار میں باقی وقت میں نے ایک ہوٹل پر چائے اور بازار کی سیر میں گزارا۔ اس دوران میں میرا ذہن سیتا کی طرف سے مسلسل پریشانی کا شکار رہا۔ مجھے یہ تو یقین ہو چلا تھا کہ گنیش آشرم سے اغوا کے بعد سیتا اناتھ آشرم ہی لائی گئی تھی مگر وہاں اس کا سراغ نہ پا کر مجھے سخت ذہنی دھچکا لگا۔ ایک خیال یہ بھی تھا کہ ان بدمعاشوں نے کہیں سیتا کو ٹھکانے ہی نہ لگا دیا ہو۔ دن بھر مجھے گنیش آشرم کا چکر لگانے کا وقت نہیں مل سکا۔ تاہم میرا ارادہ کہیں پر چلا گیا رات کی روپوشی کے بعد وہ سادھو کس وقت واپس لوٹے اور مندر کے خدمتگاروں کے قتل کا ان پر کیا رد عمل ہوا ہے۔ رمیش سے معاملات طے کرنے کے بعد اگلے روز میرا پہلا پروگرام گنیش آشرم ہی سے شروع ہوتا تھا!

رمیش مقررہ وقت سے قبل پہلے درگا مندر آ پہنچا۔ اس کے ہاتھ میں ایک مختصر سا وزنی پیکٹ بھی تھا جو خاکی کاغذ میں لپٹا ہوا تھا۔

”یہ کیسے مٹے؟“ میں نے ہنس کر سوال کیا۔

”لوہے کا ٹکڑا ہے۔“ وہ خباثت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ”میں نے سوچا کہ تم وہ لانا بھول جاؤ اور میرا تجربہ ادھورا رہ جائے۔“

”آؤ۔“ میں یہ کہہ کر تانگوں کی طرف بڑھ گیا۔

”جانا کدھر ہے؟“ اس نے آہستہ سے پوچھا۔

”راج مندر!“ میں نے سرگوشی میں کہا۔

راستے بھر ہم پر عجیب سا خاموشی طاری رہی۔ میں یہ ہر پہلو سے اپنے منصوبے کی خامیاں جانچ رہا تھا اور وہ شاید تصور میں خود کو لکھ پتی ہوتا دیکھ رہا تھا۔ سارا سفر اسی خاموشی میں طے ہو گیا۔ رمیش نے تانگے والے کو کرایہ دے کر میری ہدایت کے مطابق رخصت کر دیا۔

اس وقت دریا کے کنارے اندھیرا پھیل چلا تھا۔ دن کی روشنی ختم ہو چکی تھی۔ میں نے اپنے تھیلے میں سے ٹارچ نکال کر روشن کر لی اور اس کے سہارے راج مندر کی طرف بڑھنے لگے۔

”کیا تم نے پارس پتھر راج مندر میں چھپایا ہوا ہے؟“ اس نے بے چینی سے سوال کیا۔

”تم ذرا صبر کرو۔ ۔ ۔“ میں نے مختصر جواب دیا۔

ہندوستان میں شہر ورندبن کے سات مقدس شہروں بنارس، ہردوار، اجودھیا، دوارکا، متھرا، اجین اور کنچی پورم میں بنارس کا رتبہ سب سے بلند تھا۔ یہ دیوی دیوتاؤں، نوروں کی اوتاروں کی سرزمین کبھی جانی گئی ہے۔ سیتا کو میں یہاں دوبارہ بھی اپنے عروج پر تھی۔ مندر کی آب بیتی اور انتقام کے کرب کو میں سیتا کی قربت میں ہی جھیلنا سمجھ رہا تھا اور اسی شہر کیا رشتے دھرم سیوا کے نام پر جسم فروشی کا وہ گھناؤنا کاروبار کر رہا تھا جو ہر دین اور دھرم میں ناقابل معافی جرم ہے!

اور اب میں اس مقدس شہر سے گزرنے والے گنگا کے مقدس دھارے کے کنارے اپنا کھیل شروع کرنے والا تھا۔ یہ وہ گنگا ہے جس کا پانی ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق کوہ کیلاش کی چوٹی پر براجمان شیو جی کی جٹاؤں سے بہہ کر آ رہا ہے اور یہ پانی میرے ہاتھوں ایک پاپی کے لہو سے رنگین ہونے والا تھا کیونکہ گنگا جل ہر گناہ کو اپنے ساتھ بہا لے جاتا ہے اور رمیش میری نظر میں مجسم گناہ تھا جس کو مارنا باعث ثواب تھا۔

رمیش جوں جوں آگے بڑھ رہا تھا تیزی سے اپنا اعتماد کھوتا جا رہا تھا۔ اس کے وجود پر پارس کے تجسس کے ساتھ ہی ماحول کا خوف بھی طاری ہوتا جا رہا تھا۔ درگا مندر پر اس سے ملاقات کے وقت ہی میں نے دیکھ لیا تھا کہ وہ نہتا ہے۔ اگر اس کے جسم پر کوئی پوشیدہ ہتھیار تھا تو وہ پہلے ہی وار میں اس کی گرفت سے نکل جانے والا تھا۔

مندر میں پہنچ کر ہم رام کی ویرانی کے سامنے رک گئے میں نے ٹارچ کی تیز روشنی رمیش کے سراپا پر ڈالی تو وہ خنکی کے باوجود پسینوں میں نہایا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں سی لرزاں تھیں۔

”کیا ڈر رہے ہو رمیش؟“ میں نے ہنس کر پوچھا۔

”نن۔ ۔ نہیں۔“ وہ جلدی سے بولا۔ ”پارس پتھر کہاں ہے جلدی سے نکالو۔ اندھیرا میری بہت بڑی کمزوری ہے کیا تمہیں یاد نہیں کہ راج مندر کے اطراف میں سانپ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم تاریکی میں ان کا شکار ہو جائیں۔“

”لاؤ یہ لوہا مجھے دے دو۔ پارس تہہ خانے میں ہے!“ میں نے ہاتھ بڑھا کر لوہے کا پیکٹ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور اسے تہہ خانے میں اترنے کا اشارہ کیا۔

”تم لے آؤ میں یہیں انتظار کرتا ہوں!“ اس کی چھٹی حس شاید خطرہ بھانپ چکی تھی۔

چند ثانیوں تک صرف راج مندر کی دیواروں سے ٹکرانے والی لہروں کا شور ہی سنائی دیتا رہا پھر میں بولا۔ ”اگر تم خوفزدہ ہو تو چلو اپس چلتے ہیں!“

”نہیں۔ ۔ !“ مجھے واپس مڑتے دیکھ کر اس نے میرا بازو پکڑ لیا اور میں نے محسوس کیا کہ اس کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگی ہوئی ہیں۔ پھر بھی خوف پر لالچ غالب آگیا تھا۔ ۔ ۔ خوفزدہ ۔ ۔ ۔ میں نے اس کا بازو پکڑ کر تہہ خانے کی سیڑھیوں پر دھکیل دیا۔

کی اور صندلی دروازے کے بھاری پٹ بند کر دیئے۔ صدیوں پرانے زنگ خوردہ قبضوں کا شور سن کر وہ تیزی سے گھوما۔ ”اسے بند کیوں کر رہے ہو؟“

”احتیاطاً۔“ میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ آہستہ آہستہ میرا لہجہ بھی تبدیل ہو چلا تھا۔ ”صرف احتیاط رمیش جی! تاکہ کوئی ادھر نکلے تو تہہ خانے میں قبضوں کے شور سے ہمیں پتہ چل جائے گا اور ہم بہتر طور پر صورتحال کا مقابلہ کر سکیں گے۔“

”یہ ویران اور سنسان جگہ ہے!“ وہ تیز تنفس کے درمیان بولا۔ ”میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ برسوں سے یہاں سانپوں کا راج رہا ہے مگر تم تو ایسی احتیاط کر رہے ہو جیسے کوئی فوج حملہ کرنے والی ہو۔“

دروازہ کی کنڈی چڑھاتے ہوئے میں تھیلے میں سے پستول نکال چکا تھا۔ ”اپنا کام پورا کر کے ہی میں اس کی طرف مڑا اور کسی زہریلے سانپ کی طرح پھنکارا۔“ ”چپ! اس نقد کرو رمیش! میں جو حکم دے رہا ہوں اس پر عمل کرو۔“

”حکم!“ اس نے حیرت سے دہرایا۔ ٹارچ کی روشنی میں میں نے حیرت سے اس کی آنکھیں پیشانی پر چڑھتے دیکھیں۔

”ہاں حکم! تہہ خانہ کی محدود فضا میں میری سرد آواز گونجی اور میں نے اپنا پستول والا ہاتھ تھوڑا سے آگے بڑھا دیا تاکہ روشنی میں اسے پستول کا ہولناک سیاہ دہانہ نظر آسکے۔

”یہ کیا مذاق ہے بھئی راج!“ وہ جھینپی بے جان اور بے یقینی سی ہنسی کے ساتھ ہکلایا۔

”مجھے راج نہیں اگر ان سادھوؤں نے تمہیں بتایا ہو تو میرا نام گنگا رام ہے سمجھے۔ ۔ ۔ سیتا والا رام!“ میں نے پستول کی نال لہرا کر کہا۔

اس کے چہرے پر تاریکی سی اتر گئی۔ ”سیتا، گنگا رام۔ ۔ ۔ میں نہیں تم کیا کہہ رہے ہو؟ کن سادھوؤں کا تذکرہ کر رہے ہو؟“

”نیچے اترو!“ میں نے کرخت لہجے میں اسے جھنجھوڑا۔

وہ تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگا۔ ساتھ ہی وہ بولتا بھی جا رہا تھا ”اسی لئے تم نے مجھے سخت رازداری کی تنبیہ کی تھی۔ مگر مجھے شبہ ہو چکا تھا۔ میرے دونوں ہمارا شروع سے پیچھا کرتے رہے ہیں۔ تم میرا جو حشر کرو مگر مجھے نقصان پہنچا کر تم بھی ان دونوں کے ہاتھوں سے نہیں بچ سکو گے۔ وہ بڑے وار قاتل ہیں اور اب تک شاید مندر تک پہنچے ہوں گے!“

مگر اس کا یہ کھوکھلا فریب جانتا تھا۔ اگر کوئی ہمارا تعاقب کرتا تو راج مندر کی طرف آتے ہوئے وہ اس قدر خوفزدہ نہ ہوتا۔ میں نے اس کی ہر فریب کاری کا کوئی جواب نہ دیا اور سیڑھیاں اتر کر اس کے مقابل چند فٹ کے فاصلے پر جا رکا۔ ”سیتا کہاں ہے؟“ میں نے شہادت کی انگلی ٹریگر پر رکھ کر پستول کا بھاری دہانہ اس کے چہرے سے چند انچ کے فاصلے پر سیدھا کر لیا۔

”کون سیتا؟“ اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ ایک مرتبہ پھر وہ خود کو سنبھال کر سمجھ میں آجانے کے بعد وہ کافی حد تک خود کو سنبھال چکا تھا۔

میں نے ٹریگر پر دباؤ ہلکا کر کے پستول کی نال سے اس کے پیٹ پر سخت ضرب لگائی اور وہ چیخ مار کر پیچھے الٹ گیا۔

اس کے اٹھنے سے قبل میں دوبارہ اس کے سر پر سوار ہو گیا۔ اس کے منہ سے خون جاری ہو گیا تھا۔ شاید دو چار دانتوں نے جگہ چھوڑ دی تھی اور دونوں ہونٹ بری طرح پھٹ گئے تھے۔ وہ بار بار آستین سے اپنا دہانہ صاف کر رہا تھا۔

"بیٹا! مجھے ہر قیمت پر اپنے سوال کا جواب چاہیے!" میں نے سرد اور بے رحم لہجے میں کہا۔

"میں کسی سیتا سے واقف نہیں ہوں کے بچے!" وہ کراہتے ہوئے بولا۔ "تو نے میرے دو دانت توڑ دیے ہیں۔ میں اس کا بدلہ ضرور لوں گا۔"

"اگر زندہ بچ گئے تو ضرور بدلہ لینا۔ ابھی کوئی گولی ضائع کیے بغیر اسی طرح تیرا جوڑ جوڑ الگ کروں گا اور تو مر گیا تو ان ساتوں میں سے کوئی نہ کوئی ضرور زندہ بچے گا۔"

"وہ مر کر بھی تجھے سیتا کا پتہ نہ بتا سکیں گے۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے۔ تم نے مجھے زندہ رکھ کر [illegible] کہ خود ہی بول اٹھے گا۔" میں یہ کہتے ہوئے اس کے قریب پہنچ گیا۔

"میں ہرگز نہیں بتاؤں گا۔" وہ غرایا۔

میں نے پستول والا ہاتھ بلند کیا تاکہ اس کی [illegible] دائیں جبڑے پر ضرب لگاؤں مگر وہ میرا ارادہ جان چکا تھا۔ اپنی جگہ سے اچھلا اور تہ خانہ پستول کے ہولناک دھماکے سے لرز اٹھا۔ گولی کسی دیوار سے ٹکرائی تھی اور ساتھ ہی پستول میرے ہاتھ سے نکل کر تہ خانے میں کہیں جا گرا۔ مرتبان اب بھی [illegible] زمین پر گر گئی۔ گو وہ بدستور روشن تھی مگر ہم دونوں کے حلقے سے باہر الجھے ہوئے تھے۔

رمیش نے مجھے کسی جونک کی طرح اپنی گرفت میں لے لیا اور [illegible] سے میرے چہرے پر ٹکر رسید کرنی چاہی۔ میں چہرہ تو بچا گیا مگر بائیں کان پر ٹکر پڑتے ہی یوں محسوس ہوا جیسے میرے کان کا پردہ پھٹ گیا ہو۔ میں نے پوری قوت صرف کر کے [illegible] جگہ پیدا کی اور [illegible] رمیش اس کی جرأت پر تڑپ اٹھا اور اس کی گرفت سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ سب سے پہلے فرش سے جو چیز میرے ہاتھ آئی وہ خالی مرتبان کا [illegible] ٹکڑا تھا۔ [illegible] پوری قوت سے رمیش کے پیٹ پر مارنا چاہا مگر اس نے [illegible] کی بنا پر جھک کر [illegible] اور اپنی پیشانی زخمی کر بیٹھا۔

پیشانی سے خون کا فوارہ ابل پڑا [illegible] تھا۔ اس نے خود کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی مگر سنبھل نہ سکا اور کراہتے ہوئے بے ہوش ہو گیا۔ میں نے [illegible] کر کے اپنا پستول، تھیلا اور باقی سامان سمیٹا پھر اپنے [illegible] کی طرف توجہ دی۔ میرا کان اپنی جگہ موجود تھا مگر رمیش کی وحشیانہ ٹکر کے باعث اس کی جگہ سے کھال پھٹ گئی تھی۔ [illegible] حالت کے پیش نظر سوچنا کچھ [illegible] نہیں تھا۔ گو رمیش کی پیشانی کی ضرب [illegible] شدید اور گہری تھی مگر وہ صرف بے ہوش ہوا تھا۔ میں نے نہایت اطمینان سے اس کی جامہ تلاشی لی مگر کوئی قابل ذکر چیز ہاتھ نہ لگی۔ [illegible] کے علاوہ [illegible]

ونڈنگ کارڈ بھی تھے جو آنا تو آشرم کے [illegible] رستوں یا پھر گھوڑوں کے کام آتے ہوں گے۔ میرے اندازے کے مطابق رمیش بے پناہ قوت برداشت کا مالک تھا لہٰذا میں نے اس کی ظاہری حالت پر اطمینان کیے بغیر اس کی قمیص اتار کر اس کے دونوں ہاتھ قمیص سے کس دیے تاکہ ہوش میں آنے کے بعد وہ بھاگنے کے بارے میں نہ سوچ سکے لیکن میرے ہاتھوں ہر حالت میں مرنا ہی تھا مگر مجھے اس سے بہت کچھ معلوم کرنا تھا۔ زبان کے لیے نہ جانے کیا کچھ کرنا پڑتا۔ لہٰذا میں اپنی تمام توانائی کے اصراف میں خاصا محتاط تھا۔

رمیش نے ہوش میں آنے میں میرے اندازے سے کہیں زیادہ وقت لیا۔ جوں ہی اس نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں مجھے اپنے سر پر مسلط پایا۔

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اپنے حواس پر قابو پانے کے بعد اس نے نقاہت زدہ آواز میں کہا۔

"سیتا کا سراغ!" میں نے اس پر یکبارگی پھر واضح کیا۔

"اس کے بعد تم مجھے زندہ چھوڑ دو گے؟"

"وعدہ نہیں کر سکتا!" میرا لہجہ سرد تھا۔

"پھر تم میرے ٹکڑے بھی اڑا دو تو میری زبان نہیں کھلوا سکو گے۔"

"میں تمہاری تجویز ضرور آزماؤں گا۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اپنے تھیلے سے وہ تیز دھار استرا نکال لیا جو صبح میں نے داڑھی صاف کرنے کے لیے خریدا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے استرے کو گھورنے لگا۔

"اب یہ بھی بتا دو کہ تم اپنے جسم کے کس عضو سے سب سے پہلے محروم ہونا پسند کرو گے؟" میں نے اسے دہشت زدہ کرنے کے لیے سوال کیا۔ میری پوری کوشش یہی تھی کہ وہ مجھے مزید افزائش پر مجبور کیے بغیر ہی سب کچھ اگل دے تو بہتر ہے کم از کم اس اعصابی انتشار سے بچ سکوں گا جو لمحہ بہ لمحہ مجھ پر مسلط ہو جائے گا۔

"تم واقعی ایسا کرو گے؟" اس نے پھٹی پھٹی آواز میں پوچھا۔

"میں ہر تیاری کے ساتھ آیا ہوں۔"

"مجھے [illegible] کیا ملے گا؟" وہ اس وقت دنیا کا مظلوم ترین آدمی نظر آ رہا تھا۔

"سکون!" میں نے جواب دیا۔ "سیتا کی طرف اٹھنے والا ہر ہاتھ توڑ دوں گا۔ تم تو اس کے اغوا میں برابر کے شریک تھے۔"

"نہیں۔" وہ اپنے پھٹے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔ "وہ ساتوں سیتا کو لیے اچانک یہاں آ پہنچے تھے اور مجھے انہیں پناہ دینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ تمہارے اصل مجرم تو وہ ساتوں ہیں۔"

"یہ فیصلہ کرنا میرا کام ہے۔ تم صرف میری بات کا جواب دو۔"

"وہ سیتا کو لائے تو وہ بے ہوش تھی۔ وہ اسے آشرم کے مندر میں ایک زمین دوز کوٹھڑی میں قید ہے۔" وہ رک رک کر بولا۔

"کیا ان ساتوں نے اس کے ساتھ کوئی نازیبا سلوک کیا ہے؟" میں نے [illegible] کرتے ہوئے پوچھا [illegible]

کوٹھڑی میں لے جانے تک وہ ہوش میں آ گئی تھی۔ اس وقت ہم پانچ تھے۔ سیتا نے غیر متوقع طور پر ہم پر حملہ کر دیا۔ ہم بڑی مشکل سے بچ سکے۔

"بس میں نے چیخ کر اسے خاموش کر دیا اور تھیلے سے پستول نکالا۔"

"وہ نہیں ہوا تو تم کچھ سے بچو!" وہ دہشت زدہ آواز میں چیخا۔ "آشرم میں کبھی کسی کے ساتھ برا نہیں ہوا۔ میں چیخ چیخ کر اپنی بات کہہ رہا ہوں۔ وہ ساتوں بعد میں آئے تو میں نے انہیں روک لیا اور کہا کہ کوٹھڑی سے نکل آئیں۔"

"میرا ہاتھ رک گیا۔" سیتا تک پہنچنے کا کیا طریقہ ہے؟"

"مرتبان صرف پجاری کی خبر ہے۔ رات کو جب ہاتھ بند کر دیا جاتا ہے تو پجاری اکیلا ہی کوٹھڑی میں سوتا ہے۔ تم دروازہ کھلوا کر اس سے یہ کہنا کہ سیتا کو پھول چاہئیں تو وہ تمہیں اندر لے جائے گا۔ یہ جانے گا کیوں یا جائے گا۔ پھر وہ تم سے پھولوں کی قیمت کے بارے میں پوچھے گا۔ اشارہ گلاب ہے۔ سیتا کے نے تمہیں بتانا ہو گا کہ شنگی گلاب چاہیے۔ وہ تمہیں کرسی سے اٹھا لے گی اور وہ ہزار روپے طلب کرے گی۔ تم ادا کرنے کے بعد تم اسی وقت سیتا تک پہنچ سکتے ہو۔"

"اور اگر مجھ سے پہلے کوئی پہنچ چکا ہو تو؟" میں نے سوال کیا۔

"ان ساتوں کے علاوہ میں نے صرف تمہیں سیتا کا اشارہ بتایا۔ اور وہ شاید ہی آشرم کا رخ بھی نہ کریں گے کیونکہ کل رات کسی نے [illegible] ایک خدمتگار کو مار دیا ہے۔ شیام نے مجھے بتایا تھا کہ یہ شاید سیتا کے ہی کسی حرکت ہے مگر وہ لوگ ان ساتوں سے پوچھ گچھ کر رہا ہے۔ شاید وہ بھی ابھی پوری ہو۔ جب تم چاہو تو وہ شام گزر جائے کے بعد سیتا کو آشرم سے باہر لے جا سکتے ہو۔"

"تم نے مجھے بدترین حالت میں بہترین خبر سنائی، اس کا انعام کے مستحق ہو۔" میں نے پستول سیدھا کرتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں زندگی کی چمک کوندی اور پستول کے ٹریگر پر انگلی ہلتے ہی وہ زندگی کی ہر دلدل سے نکل گیا۔ گولی نے اسے کچھ سمجھنے کا موقع نہیں دیا تھا۔

میرا کام توقع کے خلاف جلد ختم ہو گیا۔ ابھی وقت باقی تھا لیکن رات بسر کرنے کے لیے ایک لاش کا قرب اتنا گوارا نہیں تھا جتنا میں سمجھتا تھا۔ میں فوراً ہی تہ خانے سے نکل آیا اور راج مندر سے واپس روانہ ہو گیا۔ آدھی رات گئے کسی سواری کا ملنا محال تھا لہٰذا میں پیدل ہی شہر کی طرف چل دیا۔ میرا ارادہ یہی تھا کہ اسی رات سیتا کو لا کر آشرم سے نکال لے جاؤں۔ راستے کے لیے میرے پاس تین ہزار روپے موجود تھے۔ میں نے فوری طور پر یہ بتا سکتا تھا مگر مرتبان کو یقین دلانا مشکل ہوتا کہ سونا اصلی ہے۔ اپنے رمیش کی [illegible] گاہک عورت کو تیار کرنا بہت [illegible] حاصل کی جائے۔

تیسری اور آخری صورت مرتبان کو تجوری کی لوٹ پر مجبور کرنے کی تھی لیکن اس میں ذرا بھی چوک ہو جاتی تو سارا معاملہ قبضے سے باہر ہو جاتا۔

نقب زنی میں سب سے بڑی قباحت یہی کہ بازار سے لینے لیا۔ شہر کے دکان کا انتخاب اگر غلط ہوتا تو یہ الٹا مصیبت بن جاتی۔ شہر کے بعد میں نے سیتا کی بازیابی کا معاملہ اگلے روز پر ملتوی کر دیا۔ کاروبار شروع ہونے کے بعد میں سونا بیچ کر تین ہزار روپے بھی بآسانی حاصل کر سکتا تھا اور اس میں کوئی خطرہ بھی نہیں تھا۔

مگر شہر کے کاروباری علاقے میں داخل ہوتے ہی میرا ارادہ بدل گیا۔ رمیش میرے ہاتھوں مارا جا چکا تھا۔ اس کی گمشدگی کی خبر پھیلتے ہی وہ ساتوں فوراً مجھ پر شبہ کرتے یا شاید اپنے تحفظ کی خاطر وہ کسی نہ کسی طرح مجھے اور سیتا کو اس معاملے میں ملوث کر دیتے۔ پولیس مجھے تو کیا ڈھونڈتی، ہاں سیتا ضرور آشرم سے سیدھی حوالات میں پہنچ جاتی لہٰذا مجھے جو کچھ کرنا تھا اسی رات کرنا تھا۔ بازار کے بیچ چکر لگانے کے بعد میرے اندازے کے مطابق اس شہر کے تاجر چوکیداروں وغیرہ کے معاملے میں کاہل واقع ہوئے ہیں یا تو سرے سے چوکیدار رکھتے ہی نہیں اور اگر رکھتے ہیں تو کہیں پڑے سو رہے تھے۔ ان دونوں میں مجھے ایک دوا فروش کی دکان نظر آئی جس کے چوبی دروازوں پر آہنی پٹی لگا کر دونوں سروں پر معمولی تالے لگائے گئے تھے۔

میں نے چوکنی نظروں سے ہر طرف کا جائزہ لیا اور پھرتی کے ساتھ ایک تالا پر قسمت آزمائی شروع کر دی۔ میرے پاس تقلی کنجی کا کوئی ہنر نہیں تھا بس ایک تار تھا جس کے ذریعے میں نے کوشش جاری رکھی کہ دور سے کسی کار کی تیز روشنیاں نظر آئیں۔ میں تیزی کے ساتھ دکان کے سامنے سے ہٹ گیا۔ کار تیزی سے قریب آتی جا رہی تھی اور میرے ذہن میں ایک نیا منصوبہ تیار ہو رہا تھا۔ کار قریب آئی تو میں دونوں ہاتھ اٹھا کر سڑک پر آ گیا۔

کار میں موجود شخص نے بریک لگا کر میرے قریب کار روک لی۔

"کہاں جا رہے ہیں سرکار؟" میں نے بتیسی غلاموں کی سی لہجے میں گھگھیا کر سوال کیا۔

"پاربتی پور!" لڑکھڑاتی ہوئی آواز ابھری۔

"سرکار! مجھے بھی وہیں جانا ہے۔ آدھی رات گئے شہر میں کوئی سواری بھی نہیں ہے!" میں نے جلدی سے اپنا مدعا بیان کیا۔

"بیٹھ جاؤ!" اس نے پھرتی کے ساتھ اس پرانی سیڈان کی اگلی نشست کا دروازہ کھولا اور کار کے واحد مسافر کے پہلو میں براجمان ہو گیا۔

جب کار دوبارہ سڑک پر چلنے لگی تو اس نے بات چھیڑی۔ "کہاں سے آ رہے ہیں سرکار؟"

"تم شراب پی کر اور رقم ہار کر آ رہے ہو پنڈت! تمہیں کیا تکلیف ہے؟" وہ خاصی ترنگ میں تھا مگر اسٹیئرنگ کو مہارت سے کنٹرول کر رہا تھا۔

"اتنی بڑی رقم ساتھ لیے پھرنا کوئی عقلمندی تو نہیں۔" اس کے کچھ نشے سے فائدہ اٹھانے کے لیے میں نے براہ راست مطلب کی بات چھیڑ دی۔

دیکھو رقم تو ہم نے نام ہی بلا دیتے تھے۔ وہ ہنسا! اب تو چند سو ہی رہ گئے ہیں!

مجبوراً ہی بجھا ایک دوران علاقہ میں پہنچ جانے باقی دیکھا کر آتش آف کر دیا۔ کار ایک بیز جھٹکے کے ساتھ خاصی دور گھسٹتی چلی گئی اور پھر رک گئی۔

یہ کیا بدتمیزی ہے؟ وہ غرایا۔

بدتمیز کہیں کا۔ اپنا منہ سنبھالو! میں نے پستول سامنے کر دیا۔

وہ لیٹن بورڈ سے لے گیا۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئی تھیں۔

میں نے اسکا پرس نکالا۔ اس میں کل بانس سو روپے موجود تھے۔

میں نے رقم نکال کر نوٹوں کا پلندہ رکھا اور جاپلی اس کی گود میں اچھال دی۔ "لیجئے اب سیدھے گھر چلے جاؤ۔"

اس روز مجھے پتہ چلا کہ بعض لوگ خراب ہو کر نہایت سعادتمند ہو جاتے ہیں کیونکہ اس نے ذرا بھی احتجاج کئے بغیر گاڑی اسٹارٹ کی اور اپنی راہ چلا گیا۔

تو یہ رقم سیتا کی رہائی کے لئے ناکافی تھی مگر اس کے بدلے کم از کم اپنی سیتا سے ضرور مل سکتا تھا!

میں تیزی کے ساتھ واپس ہو لیا۔ اپنی لمبے گئے آنا تو آشرم کا راستہ تلاش کرنا بھی کوئی آسان کام نہ تھا۔ انجوب وغیرہ کا دو رویہ سنسان دریچے والا ہلکا ہلکا آ بیچی شور ہی سمت کے بارے میں ہماری رہنمائی کر رہا تھا۔ ورنہ میں بالکل مخالف سمت میں بھی جا سکتا تھا!

مجھے شہر پہنچتے بارہ بج گئے۔ رات گزرنے میں اب تھوڑی ہی دیر باقی تھی۔ مجھے تو شبہ ہو چلا تھا کہ شاید اس وقت سرپتا آشرم کی کسی بھی لڑکی کو باہر بھیجنے پر آمادہ نہ ہو گی۔ رشی ہر معاملے میں اصول کا سخت پابند تھا اور اس کا ایک اصول یہ بھی تھا کہ سرو دنت کا تمام سلسلہ رات کی تاریکی ہی میں مکمل ہو جانا چاہیے۔

ساڑھے بارہ بجے میں آشرم کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اپنا خون بھاتی دروازہ... لا بیچ رکھوائی تھی!

بہت سے آدمی ایک جگہ جمع تھے جہاں سادھوؤں کا رشی کے تحقیق جاری تھا۔ بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ مجھے شبہ ہوا کہ کہیں رشی کی موت کا راز فاش نہ ہو گیا ہو!

میں نے لوگوں کی بھیڑ سے گزر کر اندر جانے کی کوشش کی۔

بلند ہوتی جا رہی تھیں۔ پھر یہ دیکھ کر میرا دل ڈوبنے لگا کہ آشرم کی چار دیواری میں آگ لگی ہوئی تھی۔ اس کے ایک حصے سے دھواں اٹھ رہا تھا... سب سے اہم کام تھا

پولیس بھی کئی گاڑیاں بھی موجود تھیں۔ لوگ نوجوان سپاہی کی مدد سے آگ پر قابو پانے کے ساتھ تحقیقات میں مصروف تھے!

جلد ہی میں بھی اس ہجوم میں جا پہنچا اور قریب سے پہلا شخص جو ملا میں نے اس سے سوال کیا کہ وہ لوگ وہاں کیوں جمع ہیں!

"ایمان سے سجا ہا جائے"! وہ بولا۔ "اور کیا... آشرم میں جاری تھا وہاں کا خون ہو گیا۔ خون پہ سپ کر ... گیا ہے ایک قتل اور گرفتاری کی بھی اطلاع ہے۔ جلنے والے ... کی جوابی کھیل رہا ہے۔"

مختلف لوگوں سے بات کرنے کے بعد مجھے اتنا پتہ چلا کہ آج آشرم میں رہنے والی کوئی بیوہ سات پجاریوں کو بری طرح لہولہان کر کے فرار ہو گئی ہے۔ اور سات پجاری موقع پر ہی ختم ہو چکے ہیں۔ باقی نازک حالت میں ہسپتال لے جائے جا چکے ہیں۔

مرنے اور زخمی ہونے والوں کی تعداد نے میرے کان کھڑے کئے پھر مجمع میں سیتا کا نام بھی لیا جانے لگا۔ لوگوں کے بیان کے مطابق وہ سات مقدس پجاری آج آشرم کے منتظم رشی کے گہرے دوست تھے اور اس کے کمرے میں سو رہے تھے کہ سیتا نامی گوری چٹی بیوہ نے کسی تیز دھار آلے سے ان سب کو بری طرح زخمی کیا اور آشرم سے فرار ہو گئی۔

کہانی عجیب اور حیرت ناک تھی مگر ابھی تک صحیح تفصیل کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ میرے لئے بس اتنا ہی کافی تھا کہ سیتا ان ساتوں کی ہوس کا نشانہ بننے کی بجائے ان سے اپنا انتقام لے کر صاف بچ نکلی ہے۔ لوگوں کے نزدیک وہ بیوہ تھی مگر میں جانتا تھا کہ اس کا سہاگ زندہ ہے۔ سیتا نے اپنی پیشانی پر مقدس پجاریوں کے لہو کی سرخی سجا کر اپنے سہاگ کی لاج رکھوائی تھی!

غیر ارادی طور پر میرا سر غرور سے تن گیا اور میں حارث کی تلاش میں جانے کے لئے اس بھیڑ سے نکل آیا۔ سیتا فرار ہو چکی تھی اور اس کو دوبارہ کر کے سامنے آ جانے کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ پولیس کے ہرکاروں کے ہاتھ آ جانے سے جان بھی جا سکتی تھی۔

مجھے سیتا کو ڈھونڈ نکالنا تھا...

مفرور

از

اقلیم علیم

حصہ دوم

اقلیم علیم

اناتھ آشرم

اناتھ آشرم کے سامنے رات کی سیاہی میں وہ رنگ جیسے بھرے ہجوم میں اپنا راستہ بناتا ہیں باہر نکل آیا تھا۔ لوگوں کی گفتگو سے رسیش کی چالاکی کا ایک ثبوت اور سامنے آگیا تھا۔ وہ اپنے ہر غیر قانونی کام کے لئے قانونی جواز پیدا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ سفید فام سینا کو بیوہ سمجھ رہے تھے۔ غالباً رسیش نے اناتھ آشرم کے رجسٹر میں سینا کے بارے میں اپنے فرضی اندراجات کئے ہوئے تھے جن سے پتہ چلتا ہو کہ وہ اناتھ آشرم میں داخل کی جانے والی کوئی لاوارث بیوہ ہے۔!

گنیش مندر میں غیر قانونی حرکتوں پر چلنے والے وہ سات مسٹنڈے پجاری میری ملکہ سینڈرا کی توقعات سے بڑھ کر بدکار اور بے خوف نکلے تھے۔ اسی مندر کے ویران حصے میں اونچی چھت کی جیومیٹری کے دوران میں رسیش نے مجھے بتایا تھا کہ گنیش مندر میں میرے ہاتھوں ہونے والے پجاری کے قتل کے سلسلے میں پولیس ان ساتوں پر شبہ کر رہی ہے اور ان کی نگرانی کی جا رہی تھی ــ دوسری طرف وہ لوگ یہ اندازہ بھی لگا چکے تھے کہ قتل کی اس واردات میں میرا ہاتھ ہے مگر سینا کے بارے میں یہ تمام خطرات بھی ان کے پاؤں کی زنجیر نہ بن سکے۔ وہ ذات کی نسبت سے اناتھ آشرم پہنچے ہوں گے کہ رسیش کے ساتھ مل کر بدنیت مندر کا کھیل چلاتی اور رسیش کو موجود پا کر انہیں اپنی دلی مراد پوری ہوتی نظر آئی ہوگی۔ دیکھا جائے تو شاید کسی قیمت پر انہیں سینا کے ساتھ ...

کی اجازت نہ دیتا۔ اس کے جنت میں جیا قیاس بھی تھا کہ اپنے اصولوں کے تحفظ کی خاطر وہ بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کرتا۔

پھر ان ساتوں نے یقینی طور پر سینا کو شب بیداری کر کے رسیش کے آشرم میں منتقل ... کی ہدایت پر سینا ... انگریز لڑکی ... کے حوالے کر دی ہو۔ ساتوں وحشی بھیڑیوں کو زیر کر کے میں کامیاب ہو گئی۔ چنانچہ اس کے ہاتھوں مارے گئے لیکن زخمی ہوئے اور وہ ایک بار پھر زار و قطار رو بن نکل گئی۔!

یہ سوچتے ہوئے بار بار میرے وجود میں غرور کا عنصر سرایت کئے جا رہا تھا مجھے اپنے مقصد پر شک آرہا تھا کہ میری نابری کوئی بے بس مظلوم اور ناتواں لڑکی نہیں تھی۔ مشرقی لڑکیوں کے برعکس اس کے وجود میں بہت عزم اور حوصلے کے وہ عقب پوشیدہ تھے جن کے سامنے جابروں کے سینے پھٹ پڑتے ہیں۔ اپنی عصمت کے تحفظ کے لئے وہ کسی کی محتاج نہ تھی۔ ساری عمر والیہ کے ساتھ برف زاروں میں رہ کر زندگی گزارنے کے باوجود وہ پاکیزگی سے بخوبی آشنا تھی۔ جس وقت میں نے لنگوروں میں پڑاں چڑھنے والی سینا کو کسی بھی خفت یا شرمندگی سے عاری اور مادر زاد برہنہ حالت میں دیکھا تھا تو میرے دل پر یقینی طور پر اس بات کا خیال تک نہیں تھا کہ سندری کی وہ حسین اور قیمتی ... اپنی طرف اٹھنے والی ہر ہوس کی نگاہ کو نوچ ڈالنے کی قوت بھی ہوگی۔ اب مجھے اس کا سبب پتا لگ گیا تھا۔ وہ گنگہ سے نسائی عورت کی بھولی بھالی بچی بن جانے والی نہیں بچلی گئی تھی بلکہ میرے دل کو یہ کہنے لگا تھا کہ وہ ساتوں وحشی جو کبھی فرار نہ ہو سکے

کیونکہ بانی کے بعد عورت اپنے آنسو تو بہا سکتی ہے، اپنے عزیزوں کا خون بہانا اس
کے لئے عملاً ناممکن ہو کر رہ جاتا ہے!

میں اپنے ذہن میں گونجتے ان واہیات خیالات میں کھویا نہ جانے کب اس ہجوم سے باہر نکل آیا۔ جب خیالات کا تسلسل ٹوٹا تو میں رات کے ہولناک سناٹے میں ایک ویران سڑک پر کھڑا ہوا تھا اور قریب و جوار سے آوارہ کتوں کا تیز شور رہ رہ کر سنائی دے رہا تھا۔

بنارس ایک بہت بڑا شہر ہے۔ نہ جانے یہ میرے مقدر کی خرابی تھی یا حالات کی ستم ظریفی کہ تقدس اور پاکیزگی اور امن کی اس سرزمین پر قدم رکھتے ہی میرا واسطہ گناہ کی بدترین اقسام سے پڑا تھا۔ میں خود کو بالکل اسی دھارے میں بہتا محسوس کر رہا تھا جس میں اندھا ہم اپنا ذہنی توازن کھو کر معمولی محنت کشی سے ایک خونی درندہ بن گیا تھا۔ مجھ میں اور ان خود ساختہ مہاتماؤں میں فرق صرف یہی تھا کہ ان کی طرح سفر کے خونی کمال تجربے کے نتیجے میں پیدا ہونے سے پہلے ہوئی تھی۔ مگر میرا ضمیر بیدار ابھی قائم تھا میرا سر ابھی بلند تھا اور یہی عزم مجھے سیتا کی تلاش کی مہم میں سہارا دیئے ہوا تھا۔

رات دھیرے دھیرے بیتی جا رہی تھی۔ لمحے خاموشی سے سرک رہے تھے اور دنوں کے فوں سے بھری ہوئی میری خودرو مورتی انسانوں کے اس جنگل میں جانے کہاں بھٹک رہی تھی۔ اس کا رنگ روپ، سراپا اور انداز لاکھوں میں منفرد تھا اسے بھیڑ بھاڑ میں الگ سے پہچانا جا سکتا ہے۔ مگر رات کی سیاہی اس کی مددگار تھی۔ جب رات بیت جاتی تو شہری زندگی سے ناآشنا وہ معصوم لڑکی اس اجنبی شہر میں کسی قیمت پر روپوش نہ رہ سکتی تھی۔ صبح کا اجالا پھیلتے پھیلتے اندھا ہم کا خونی فسانہ پورے شہر میں گونجنے لگتا۔ گنیش مندر میں قتل کی ایک واردات ہی نے پورے شہر کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ پھر یہ تو سات جنتوں کا معاملہ تھا!

حالات کی یہ تصویر بڑی بھیانک تھی۔ میرے بدن کے مساموں سے پسینہ پھوٹ [illegible]
[illegible] ایک سخت کڑی کی شکل اختیار کر چکی ہو۔ میری کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ میں سیتا کو کہاں تلاش کروں؟ اپنے دشمنوں سے معرکہ آرا کر وہ نہ جانے کدھر فرار ہو گئی تھی!

مجھے مسرور فرار دینے والی اب خود فرار ہو چکی تھی!

میں آنکھوں کی طرح بنارس کی سڑکوں پر مارا مارا پھرتا رہا لیکن مجھے سیتا کو کیا
[illegible]

آہستہ آہستہ صبح کی روشنی پھیلنے لگی اور ہر طرف چہل پہل شروع ہو گئی!

صبح کے اخبارات میں میری توقع کے مطابق اندھا ہم کے بارے میں ایک لفظ بھی نہ آیا تھا۔ رات کے تین بجے ہونے والے واقعات عموماً اگلے ہی دن اخبارات میں آنے کی بجائے بھی بڑے سے بڑے اخبار کے بھی آخری صفحات ایک ڈیڑھ بجے تک چھاپے کی مشینوں پر لگا دیئے جاتے ہیں۔ مگر دن بھر بنارس کے گلی کوچے سیتا کے نام سے گونجنے لگے۔ اس شہر کی تاریخ میں یہ واقعہ اتنا ہولناک تھا کہ تقریباً سارے ہی اخبارات نے سنسنی خیز سرخیوں کے ساتھ اس واقعہ پر تفصیلی ضمیمے نکال دیئے۔

میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ ایک ضمیمہ خریدا۔ اس کے پڑھتے ہی میری حالت غیر ہو گئی۔ خبر چونکا دینے والی تھی۔ مندر میں قتل کی خبر پھیلنے سے پہلے [illegible] قاتلہ کے ہنگامے۔ نیچے چند مقتول پنڈتوں اور زخمی ہونے والے مسکین مہنتوں کی تصاویر تھیں گزشتہ برس اندھا ہم کی نگہبانی میں سیتا کی بھی تصویر تھی۔ خبر یہ تھی کہ مرنے سے پہلے بتا گیا تھا کہ سیتا کو ایک ہی پہر میں پہلے ایک بار بنی ہوگئی اور وہ اندھا ہم کی قید سے چھوٹ گیا تھا۔ پچھلی رات سیتا کسی طرح سے ان کے کمرے میں گھسنے میں کامیاب ہو گئی اور سوتے ہوئے پنڈتوں کا خون کر کے بھاگ نکلی۔ اندھا ہم کے پجاری میری توقعات سے بڑھ کر چالاک تھے ان ساتھیوں نے سیتا کو ہی مجرم ٹھہرایا ہوا تھا۔ زندہ بچ جانے والے پنڈتوں نے اپنی جان کی خیرات کے عوض یہی بیان دیا اور سیتا کو ان کے سامنے لایا گیا تھا اور انھوں نے سیتا کو لانے والے کا جو حلیہ بیان کیا وہ میرا ہی تھا۔ اخبار کے مطابق پولیس نے شہر سے باہر جانے کا ہر راستہ سیل کر دیا تھا اور سیتا کے ساتھ ہی اسے لانے والے کی بھی تلاش ہو رہی تھی۔ اس طرح اپنی دانست میں اندھا ہم نے مجھے بھی پھانسنے کی کوشش کی تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ میں اندھا ہم میں قدم رکھنے سے قبل اپنی داڑھی اور بھنویں مونڈ کر اپنا حلیہ بالکل ہی تبدیل کر چکا تھا ورنہ بغیر دیر کیے دھر لیا جاتا!

مجھے کھانے پینے تک کا ہوش نہ تھا۔ میرے سر پر بس یہی دھن سوار تھی کہ کسی طرح اس شہر خرابات میں سیتا کو ڈھونڈ نکالوں جس کا نام بنارس کے ہر گھر اور ہر گلی کوچے میں لیا جا رہا تھا۔

جب شام کا اخبار آیا تو [illegible] دونوں [illegible]
[illegible] شام [illegible] سیتا کے بارے میں ایک نئی خبر تھی جسے پڑھتے ہی میرا ذہن [illegible]

چند شہریوں نے گنیش مندر کے عقب میں بہنے والے نالے کے قریبی ٹیلوں پر ایک وحشت زدہ لڑکی کو دیکھا جو مشکوک انداز میں وہاں چھپی ہوئی تھی۔ چند آدمی وہاں پہنچے تو وہ [illegible] ثابت ہوئی۔ پھر وہاں ایک شخص [illegible]
[illegible]
باقی لوگوں نے اسے گھیرنے کی کوششیں شروع کر دیں مگر کوئی بھی اسے زیر نہ کر سکا۔ جتنی دیر میں قریب و جوار سے دوسرے لوگ مدد کو پہنچتے لڑکی تین شہریوں کو زخمی کر کے بندر کی طرح قلانچیں بھرتی جھاڑیوں میں غائب ہو گئی۔ پولیس کو اطلاع ملتے ہی سارے علاقے کو گھیرے میں لے لیا تھا اور سیتا کی تلاش کی کارروائی پورے زور و [illegible]
خونخوار اور وحشی لڑکی کی تلاش میں مزید [illegible] فوج سے بھی مدد لی جا رہی تھی جن کے چند دستے فیض آباد کی چھاؤنی سے مشقوں کے سلسلے میں بنارس کے نواح میں آئے ہوئے تھے!

یہ خبر پڑھتے ہی میرا دل بیٹھ گیا۔ [illegible] بنارس میں لاکھوں جیسی [illegible] ماحول کا ایک حصہ تھی۔ یہ میرا ذاتی تجربہ تھا [illegible] پہاڑوں اور جھاڑیوں [illegible] اپنی راہ [illegible] اندھا ہم [illegible] گنیش مندر [illegible]

درمیانی راستے پر قائم تھا جس سے میں سیتا کے ہمراہ گزر چکا تھا انھوں نے راستے کی کوئی نہ کوئی نشانی پہچان لی ہوگی اور مجھ سے ملنے کی توقع میں ادھر ہی کا رخ کیا ہو گا مگر خوف، ہیجان اور بے اعتمادی کے سبب میری عقل پر پتھر پڑ گئے اور میں گنیش مندر کو بھول کر شہر ہی میں بھٹکتا رہا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر میں پچھلی رات سیدھا گنیش مندر چلا جاتا تو سیتا خود یا کسی نہ کسی طرح مجھ سے آ ملتی اور شاید ہم دونوں اُجالا پھیلنے سے قبل ہی کسی گاڑی میں چھپ کر شہر سے صاف نکل جاتے۔ مگر اب یہ موقع ضائع ہو چکا تھا۔ مجھے گنیش مندر میں موجود نہ پا کر سیتا مایوس ہو گئی ہوگی۔ پھر شہریوں سے تصادم کے بعد تو وہ ہرگز وہاں نہ رک سکتی تھی۔ گویا اس کا سراغ گم ہو چکا تھا لیکن یہ بات یقینی تھی کہ اب وہ بنارس سے شاید ہی باہر نکل سکے!

میری بھوک پیاس اڑ چکی تھی۔ رات کو نیند آئی تھی نہ دن میں سکون ملا تھا۔ شدید ذہنی انتشار کے عالم میں سارا دن شہر اور اس کے مضافاتی علاقوں میں بھٹکتا رہا تھا۔ صرف اس امید پر کہ شاید سیتا مجھے دیکھ لے اور کسی طرح مجھ سے آملے لیکن یہ میری احمقانہ خام خیالی تھی۔

ان روح فرسا حالات میں بعض اخباری خبریں میرے لئے امید کا پیغام تھیں۔ پولیس گنگا کے کنارے پھیلے ہوئے گھاٹوں، سادھوؤں اور جوگیوں کو حوالات کی سیر کرا چکی تھی۔ ادھر سیتا جیلا وطن ہو چکی تھی۔ [illegible] مختلف مقامات پر دیکھی گئی تھی۔ [illegible] اپنے قریب [illegible] کو دیکھ کر بھڑک اٹھتی تھی اور اتنی تیزی کے ساتھ غائب ہو جاتی کہ جب پولیس وہاں پہنچتی تو اس کا سراغ نہ ملتا۔ ایسی خبریں میرے لئے آسودگی کا باعث تھیں جن سے پتہ چل سکتا کہ سیتا ابھی آزاد اور زندہ ہے۔

شاید اس کے بستانے عروج پر پہنچ گئے جو ابھی تک وہ پولیس سے بچی ہوئی تھی اسے ہر بار نہتے شہریوں نے ہی دیکھا۔ مجھے ہر آن یہ دھڑکا لگا رہتا کہ کہیں مسلح پولیس کے نرغے میں نہ پھنس جائے اور پھر بچ نکلنے کی کوشش میں کسی گولی کا نشانہ نہ بن جائے!

جنتا کے بارے میں [illegible] خوف و دہشت کا شکار ہو چکی تھی۔ [illegible] طرف سے [illegible] اور اخبارات [illegible] سیتا کو [illegible] کے روپ میں پیش کر رہے تھے۔ ان کے بارے میں [illegible] زور و شور سے جاری تھیں۔ پھر [illegible] بلبلوں کی طرح [illegible] کہ سیتا قتل [illegible] کی واردات کے بعد [illegible] اور ہر بار وہ شہر سے باہر [illegible] ویرانوں میں نظر آئی [illegible] کے ساتھ نواحی علاقوں میں پھیل رہی تھی!
[illegible]

نا [illegible] گرفتار کر لی گئی [illegible] قاتل [illegible] وہ دھماکا تھا جو میرا [illegible]

چند [illegible] کے کانوں پر یقین نہ رکھا سکا [illegible] سیتا کی گرفتاری کی خبر ایک [illegible] کر دی تھی۔

گرفتاری [illegible] ناپسند ہوتا ہے [illegible] ہر کام انسان کی مرضی [illegible] کے مطابق [illegible] دنیا [illegible] جلسے [illegible] دم توڑ جائے [illegible]

[illegible] اور اپنے ساتھ لوریوں کی خبر پڑھ ڈالی۔

میری محبوب اور [illegible] بیوی سیتا [illegible] پکڑی گئی — وہ زندہ ہے۔

[illegible] دو دن اور چار گھنٹے [illegible] کے بعد ایک [illegible] بے خبر ہوئی تھی کہ ایک [illegible] کو جھاڑیوں میں [illegible] اور [illegible] وہ معاوضہ لے لیا گیا۔

پولیس پر سیتا کی دہشت کا یہ عالم تھا کہ اس خونخوار لڑکی کو پکڑ کر باہر نکالنے کے لئے جائے [illegible] کوئی بھی پیش قدمی نہ کر سکا اور جب [illegible] مس محسوس کر کے وہ باہر آئی تو چاروں طرف سے [illegible] کے دہانے اس کی طرف اٹھے ہوئے تھے [illegible] ساتھ [illegible] اسلحہ کی کارگزاری سے باخبر ہو چکی تھی لہٰذا اس نے بلا مزاحمت بے بس ہو کے حالات قبول کر لئے۔ پولیس اس کے بارے میں سخت رازداری سے کام لے رہی تھی۔ جب یہ بات پھیلی کہ بنارس کا ہر شہری سیتا کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے چین تھا۔ اس کے کارناموں اور جرائت مندانہ اقدامات کے باعث لوگوں میں اس کی طرف سے نفرت کا جذبہ اتنا شدید نہیں تھا جتنا [illegible]

بنارس [illegible] میرا [illegible] جتنا تھا۔ پیچھے ایسے واقعات پیش آتے چلے جا رہے تھے جن کی رفتار پر مجھے کوئی اختیار نہ تھا اور سیتا کو بچانے کی تمام تر کوششوں کے باوجود حالات کے اس دھارے میں تیزی سے بہا جا رہا تھا۔ سوتی باری سے میں محض اس وجہ سے فرار ہوا تھا کہ وہاں آنجہانی سیکریٹ سروس کے دو افراد پراسرار طریقے پر مجھ سے آ ٹکرائے تھے اور محض اس سے روپوش ہونے کے لئے میں موتی باری سے نکل پڑا تھا۔ پھر بنارس آنے میں میرے کسی خاص مقصد کا دخل نہیں تھا مگر یہاں مقدر کی گردش میں آنجہانی سیکریٹ سروس کا دو دستے تمام اندیشے دب گئے تھے کیونکہ میرے سامنے سیتا کی تلاش کا مسئلہ تھا اور اب کسی طرح اس کی پولیس سے گلو خلاصی مطلوب تھی۔

پولیس کسی بھی ملک اور شہر کی ہو مجرموں کے ساتھ اس کا رویہ یکساں ہی ہوتا ہے۔ پھر ہندوستان کی پولیس سے میرا واسطہ رہ چکا تھا۔ میری گرفتاری بھی ایسی تھی کہ مجھے ہر لمحہ پولیس سے ٹکراؤ کا خوف رہتا تھا۔ پھر سیتا تو محض ایک وحشی تھی۔ کم از کم یہی غنیمت تھا کہ وہ کوئی مجنون اور گمنام مجرمہ نہیں تھی۔ اس کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی لہٰذا اس امر کا امکان ختم ہو گیا تھا کہ حوالات میں پہلے دن ہی افسران روایتی انداز میں اس پر تشدد کا وہ انداز اختیار کریں جس کے لئے تفتیش کا پہلو نکل آتا ہے۔ مگر یہ بات تو طے تھی کہ اب سیتا کے مقدر میں زندان کی سلاخیں لکھی جا چکی تھیں [illegible] سے اس کو چھڑا کر [illegible] کسی نہ کسی طرح پھانسی کے پھندے پر پہنچایا جائے گا۔

میں اس کی پیاسا کا چشم دید گواہ تو نہیں تھا مگر اس کی مظلومیت اور مجبوری سے اچھی طرح واقف تھا مگر سیتا شاید کسی طرح عدالت سے اپنے بیان کی صداقت منوا سکتی تھی۔ زندہ بچنے والے مجرمون پجاری اس کے خلاف پوری قوت سے اپنے جھوٹے بیان کی وکالت کرتے اور یوں چار معصوم پنڈتوں کے قتل کے الزام میں سیتا تختہ دار پر کھینچ دی جاتی!

کم از کم یہ بات تو یقینی تھی کہ سیتا شہر ہی کی حوالات میں زیر حراست تفتیش [illegible]

سے بھی گفتگو نہیں کر سکتا تھا ورنہ میری ذرا سی بے احتیاطی میری آزادی کے لمحات کو مختصر کر دیتی۔ بدمعاش پنڈتوں کی مفروضہ کہانی کی بنیاد پر پولیس پہلے ہی میری ڈھونڈ رہی تھی مگر سب سے پہلے اس کا کھوج نکالنا بہت مشکل تھا۔ سیتا کے حوالے سے کسی کی تلاش تھی اور مجھے یقین تھا کہ میری تصاویر بہت پہلے ہی شناخت کر لی جا چکی ہیں۔ داڑھی اور بھنویں صاف ہونے کے باوجود کوئی بھی ذہین آدمی مجھے پہچان سکتا تھا کیونکہ بعض خبروں سے مجھے پتہ چل گیا تھا کہ گزشتہ دنوں میں پولیس نے پنڈتوں کی بات کے بجائے کسی حد تک میرا خاکہ... تیار کر کے اخباروں میں تشہیر کر دیا تھا۔ وہ خاکہ میری شکل سے تو نہیں ملتا تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ اس کی بنا پر جلد یا بدیر کوئی نہ کوئی مجھے پہچان لے گا۔

گرفتاری کے تیسرے روز سیتا سخت سیکیورٹی میں کسی بند عدالت میں... پیش کی گئی اور وہاں سے اس کے بیان کی جو تفصیلات جاری ہوئیں انہوں نے میرے چھکے چھڑا دیئے۔

سیتا نے ان چاروں کے قتل اور پنڈتوں کے زخمی ہونے کے سلسلے میں تقریباً وہی سب کچھ بتایا تھا جس کا مجھے پہلے سے اندازہ تھا اس نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جوش میں آ کر میری شخصیت کے چہرے سے نقاب بھی اتار دی تھی۔

اس نے بند کمرے میں عدالت میں کہا کہ وہ دنیا کی کسی طاقت سے نہیں ڈرتی۔ اس نے جو کچھ کیا وہ درست کیا ہے اگر عدالت نے اسے سزا دی تو وہ اسے بخوشی قبول ہے تاہم اس کا شوہر جان بچا کر بھاگ گیا ہے اور پھر کوئی طاقت اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔

"میرا شوہر پردیپ کا سب سے عظیم انسان ہے۔" اخبار نے اس کا بیان نقل کرتے ہوئے لکھا تھا اس نے پرتشدد پیمانوں میں ایک ویڈیو کیسٹ "[illegible]" کا ذکر کیا۔ "وہ اپنے دشمنوں کو ٹھکانے لگانے میں ناقابل یقین مہارت رکھتا ہے۔ تم مجھے قید کر دو مگر وہ مجھے رہا کرا لے گا۔ وہ بے حد ذہین ہے بلا کی طاقت ہے ابھی اس کا ثانی ملنا محال ہے اور ظلم سے دنیا کی ہر چیز خرید سکتا ہے۔ وہ جب چاہے لوہے کو سونا بنا کر [illegible] کر سکتا ہے جو کسی کے خواب و خیال میں بھی نہ ہو گی... تم سب اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے وہ جب چاہتا ہے صفر بھی ہو جاتا ہے جب چاہتا ہے گنگا رام بن جاتا ہے۔ وہ ایک انسان ہے مگر اس کے بے شمار بہروپ ہیں... میرا عقیدہ مجھ سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہ ہو گا۔"

یہ نزدیک میرے دشمنوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ سیتا نے نادانی میں میرے لئے بڑی دشواریاں کھڑی کر دی تھیں اور وہ ان کے نتائج سے بے خبر تھی۔ اس طرح اب پولیس میرے بارے میں ہر امکان پر غور کرنے پر مجبور ہو جاتی اس کے ساتھ کیمیا گری کا اہم راز بھی افشا ہو چکا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ عدالت اور پولیس کی کڑی بازپرس کے باوجود سیتا نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ میں لوہے کو سونا کیسے بناتا ہوں۔

اس کے بعد تو مجھے ہر پر کڑی نظر رکھنی پڑی... اپنے وجود میں اتری محسوس ہونے لگی مجھے ہر آن یہ دھڑکا لگا رہتا کہ کہیں کوئی مجھے پہچان نہ لے۔

اگلے کئی روز اخبارات میرے بارے میں سیتا کے انکشافات کو خوب اچھالتے رہے۔ اور معاملہ سنگین جرم بہت واضح اور اتنا ہی جرم موجود تھا لہٰذا عدالتی انداز میں مقدمہ کی مسلسل سماعت ہوتی رہی اور چار ماہ بعد عدالت نے اسے عمر قید کی سزا سنا دی۔

اپنے ہوش میں اس فیصلے نے پہلی بار مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں بھری دنیا میں تنہا رہ گیا ہوں۔ سیتا کے جیل چلے جانے کے بعد اسے دیکھنے یا اس سے ملنے کی ہر امید دم توڑ گئی۔ اب تو ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ میں بھی خود کو قانون کے حوالے کر دوں اور اپنے گروہ ناکردہ گناہوں کی پاداش میں زندان میں ڈال دیا جاؤں۔ اگر سیتا کے قریب رہ سکوں۔ سیتا کی زندگی کے بہترین بیس سال جیل کی نحوست زدہ فضا کے لئے منتخب کئے گئے تھے۔ اپنے شوہر پر ناز کرنے والی وہ حسین و جمیل لڑکی جب طویل انتظار کے بعد بوڑھی ہو جاتی تو [illegible] تک یا کا میرے تصور ہی سے ہیبت ناک تھا... وہ تصور اتنا خوفناک تھا جس میں سیتا بڑھاپے کے بیمار ڈھانچے کی صورت میں بہار جیل کے آہنی پھاٹک سے نکل رہی تھی۔

میں یک بیک بے چین ہو گیا۔ دل میں ہوک سی اٹھی۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ خلوص دل سے میں جیل میں سیتا کے ملاقاتی کی حیثیت سے جاؤں گا۔ اگر قدرت کا فیصلہ یہی تھا کہ میں سیتا کے ہمراہ [illegible] کا قیدی بن جاؤں تو اس فیصلے کو کون ٹال سکتا تھا۔ ورنہ دوسری صورت میں شاید قانون کے محافظوں کی بصارت مجھے پہچاننے سے معذور ہو جاتی۔

میں اپنے سینے میں سلگتی آگ کو دبائے اس [illegible] سے نکلا جسے ان دنوں میں نے بسیرے کے لئے استعمال کیا تھا اور اپنے خیالات میں کھویا شہر کی طرف چل پڑا۔ میرا ارادہ اسی دن جیل میں جا کر سیتا سے ملنے کا تھا۔

میں اپنے خیالات میں گم شہر کی طرف چلا جا رہا تھا کہ اچانک میری چھٹی حس نے قرب و جوار میں کسی خطرے کی موجودگی کی نشاندہی کی۔

میں نے چونک کر آس پاس کا جائزہ لیا اور میرا دل یک بیک کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا اس وقت میں شہر سے [illegible] فاصلے پر تھا جہاں [illegible] اگر نظر آتے تھے مگر میرے عقب میں چند قدم کے فاصلے پر دو دراز قامت اور [illegible] پتلونوں کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے شانے ملائے میرے پیچھے بڑھے چلے آ رہے تھے۔ بس ایک لحظہ کے لئے میری نظر ان پر پڑی اور میں نے محسوس کیا کہ ان کی عقابی نظریں میری پشت پر جم کر رہ گئیں۔ ان کے ہونٹوں پر [illegible] مسکراہٹ رقصاں تھی۔

غیر ارادی طور پر میرے قدموں کی رفتار تیز ہو گئی مگر وہ آہٹیں بدستور اسی فاصلے سے سنائی دیتی رہیں۔ وہ دونوں موت کے فرشتوں کی طرح میرے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ میں نے ایک [illegible] کے لئے سوچا۔ [illegible] یونیفارم میں نہیں تھے لیکن [illegible] یہ بتا رہا تھا کہ میرا تعاقب کرنے والے [illegible] اگر وہ سرکاری کارندے ہوتے تو مجھے یوں [illegible] کرنے کے بجائے اپنے شبہات دور کرنے کے لئے کوئی [illegible] بازپرس کرتے اور [illegible] ایک رائے قائم کر لیتے۔

میں نے اپنی رفتار اور تیز کر دی مگر وہ [illegible] میں نے چلتے چلتے اپنا سر پیچھے گھمایا۔ وہ [illegible] ملائے چلے آ رہے تھے۔ مجھے [illegible] ایک نے سر جھکا لیا اور اپنے ساتھی کے کان میں کوئی سرگوشی کی اور وہ دونوں ایک ساتھ

دوڑنے لگے [illegible] سرد اور بے رحمانہ [illegible] زندگی جھلک رہی تھی!

یہ کیفیت ہیجان انگیز تھی۔ اگر وہ مجھ سے [illegible] مجھے [illegible] آتا پریشانی نہ ہوتی لیکن ان کے اس خاموش تعاقب نے میرے اعصاب ہلا کر رکھ دیئے۔ میں نے تہیہ کر لیا [illegible] اور شاید ان کے قدم بھی سست پڑنے لگے۔

اور جب میں ایک قدرے بارونق علاقے میں پہنچا تو میری قوت برداشت جواب دے گئی۔ میں چلتے چلتے ایک دم رک گیا اور وہ دونوں آگے بڑھتے چلے آئے اور میرے قریب دو قدم پر رک گئے۔

"تم لوگ میرا پیچھا کیوں کر رہے ہو؟" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے پرسکون لہجے میں ان سے پوچھا۔

"پیچھا...؟" ان میں سے ایک ہنسا۔ "بھلا ہم تمہارا پیچھا کیوں کرنے لگے؟"

"تم کافی دور سے میرے پیچھے لگے ہوئے ہو!" میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "میں بالکل قلاش اور مفلس آدمی ہوں۔ بھگوان کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دو!"

"اگر ہم خاموشی سے ایک ہی راستے پر چلے آ رہے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم تمہارا تعاقب کر رہے ہیں۔" ان میں سے ایک میری طرف جھک کر سخت لہجے میں بولا۔

"چھوڑ یار... کیوں وقت خراب کر رہا ہے!" اس کا دوسرا ساتھی بیزاری سے بولا۔ پھر غور سے میرے چہرے کی طرف گھورتے ہوئے بولا "پنڈت جی تم نے داڑھی کب صاف کرائی ہے؟"

میرا دل یک بیک ڈوبنے لگا۔ مگر میں نے اپنے لہجے پر قابو رکھتے ہوئے کہا۔ "فرض کرو کہ چند دن قبل ہی صاف کرائی ہے؟"

"شاباش!" وہ کھل کر [illegible] مجھے [illegible] اگر تم انکار کرتے تو اپنے چہرے پر تازہ [illegible] داڑھی کے سبب نمایاں ہونے والی صاف رنگت کا جواز پیش نہ کر پاتے! اب جلدی سے اپنا نام بھی بتا دو!"

"کیا ہم یہ ساری گفتگو کسی اور جگہ نہیں کر سکتے؟" میں نے [illegible] پوچھا۔

مگر وہ بلا کا چالاک تھا شاید اس نے میری آنکھوں میں مکاری کی پرچھائیں دیکھ لی۔ فوراً سخت لہجے میں بولا۔ "[illegible] کو قریب [illegible] اور موت سے دوستی کرا دیتے ہیں۔ [illegible]"

میں نے [illegible] "پتہ نہیں تم کس کی بات کر رہے ہو...؟"

"اس کی ضرورت نہیں!" وہ غرایا۔ "ہم دونوں کی جیبوں میں بھرے ہوئے [illegible] موجود ہیں۔ تم کسی بھی [illegible] لہٰذا حماقت کی ضرورت نہیں خاموشی سے ہمارے ساتھ چلے آؤ۔"

"عجیب صورت ہے پتہ نہیں تم لوگ کس غلط فہمی کا شکار ہو!" میں [illegible] کر بڑبڑایا۔ مگر ان کا [illegible] ہوا۔ آخر کار ان میں سے ایک آگے ہو لیا۔ میں [illegible] اس کی تقلید کرنے لگا۔ دوسرا چند قدم کے فاصلے سے میرے پیچھے چلنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ہم [illegible] رنگ کی ایک [illegible] کے قریب پہنچ گئے۔ [illegible] مجھے ساتھ [illegible] نشست پر بیٹھ گیا۔ دوسرے آدمی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور

کار تیزی سے ایک طرف چل دی۔

"تم لوگ کون ہو؟" کچھ دیر کے سکوت کے بعد میں نے [illegible] پوچھا۔

"اس شہر میں ہمارے نام کا سکہ چلتا ہے۔" [illegible] "ہمیں تم سے کوئی پرخاش نہیں ہم صرف سونا بنانے کی ترکیب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

میں نے دل ہی دل میں سیتا کو ایک موٹی سی گالی دی۔ [illegible] نکلے تھے۔ عدالت میں اس کی ہرزہ سرائی کے نتیجے میں پولیس کے علاوہ [illegible] افراد بھی میرے پیچھے لگ چکے تھے۔

"سونا!" میں نے خاموشی کے بعد [illegible] انداز میں [illegible] "سونا بنانا اگر ایسا ہی آسان ہوتا تو اس وقت میں تمہیں فٹ پاتھ پر گھومتا ہوا نظر نہ آتا۔"

"بکواس مت کرو!" [illegible] "میں تمہاری اصلیت کی تہہ تک پہنچ چکا ہوں اور اگر تم نے میرے ساتھ تعاون نہ کیا تو زبردست خسارے میں رہو گے۔"

"میں نفع نقصان سے بے نیاز ہوں۔" میں آخری حد تک مزاحمت کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"یہ وقت بتائے گا۔" وہ الفاظ چبا کر بولا۔

پھر سفر خاموشی سے جاری رہا۔ [illegible] سڑک پر طویل سفر طے کرنے کے بعد [illegible] ایک [illegible] سڑک پر آ گئی جس کا اختتام ایک چوبی پھاٹک پر ہوا۔ پھاٹک کے [illegible] درختوں کے [illegible] پھیلے ہوئے تھے اور فضا پرندوں کی چہکار سے [illegible] تھی۔

ہارن کی آواز پر ایک بوڑھے نے پھاٹک کھول دیا۔ [illegible] دھول اڑاتی تیزی سے اندر [illegible] گئی۔ وہ [illegible] بہت بڑا باغ تھا جس کے [illegible] میں [illegible] ایک [illegible] عمارت بنی ہوئی تھی [illegible]

وہ دونوں مجھے [illegible] عمارت میں داخل ہو گئے [illegible] خاصی [illegible] ہر [illegible] موجود نظر نہ آتا تھا۔

چوبی عمارت کے [illegible] ڈرائنگ روم کے بجائے [illegible] ایک بے رونق کوٹھڑی میں [illegible] یہاں فرش پر ایک میلی سی دری بچھی ہوئی تھی۔ [illegible] جھول رہے تھے۔

وہاں میرے ہاتھ سے تھیلا چھین لیا گیا۔ [illegible] نے اسے فرش پر [illegible]

"میں پنڈت نہیں [illegible] ہوں!" [illegible] تمہارا اندازہ درست تھا۔

"شاباش!" [illegible] بولا "ہم [illegible] نہیں [illegible] گے۔ ہمارے وسائل لامحدود ہیں اور اگر [illegible] اعتماد [illegible] آدمی جیل [illegible] سیتا کو [illegible] گمراہ [illegible]"

"سیتا کا یہ [illegible] تھا [illegible] کوشش [illegible] کا [illegible] حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔" میں نے کہا۔ "[illegible] اس سلسلے میں [illegible] تعاون کر سکتا ہوں۔"

"استاد کی طرف سے اس معاملے میں منڈن کو پورا اختیار حاصل ہے۔" اب بارود بردار بولی پڑا۔ "یہ سوچنا وہا ہے جس کو صرف ایک ہی نوبت ہے۔ جاہے سے سونا تیار کیا اور ہم سیتا کو آزاد کروا لیں گے۔ اس کے علاوہ ہر بات بیکار ہے۔"

"مگر میں بتا رہا ہوں کہ بھٹی میں سونا بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکا!"

"بڑی بڑی سے بات کرتے ہوئے تم سب یہی کر سکتے ہو!" منڈن غرایا۔

"اگر تم اشنڈ کے سامنے تم سچ مچ کھول دیں۔ یہ کام میں اگر تم نے کبھی کر دیئے جائیں تو ہم بند تم کو ہی جو توجہ دے سکیں گے اور اگر تم ہماری نظروں سے نکلے اور تمہارا یہ بیان سچ ثابت ہوا تو تم پولیس کے حوالے کر دیں گے۔ گتھی سلجھنے کے بچارے کے قتل کے سلسلے میں وہ تمہاری تہمیں تمہارے خلاف ہوا اور تم پھانسی کے پھندے سے بچ نہیں جاؤ گے اور پھر تم بچ کر سیتا کے ہاتھوں بھی ہو گے اور صرف اس کے سمجھانے کے بعد پولیس سے جھوٹ بولا ہے مگر تمہارے جانے والوں نے ہر چیز اگل دیا ہے۔"

میری نظریں اپنے اس سامان پر تھیں جو منڈن نے تھیلے سے فرش پر الٹ دیا تھا۔ منڈن نے آگ کا دھماکا بجھا کر رکھ دیا تھا مگر میں ان کی آنکھوں کو ایک استعمال کر چکا تھا ان کے علاوہ فرش پر دو ہتھیار اور بھی تھے۔ ایک تو خنجر تھا۔ دوسرا خنجر تھا جس کا پھل گھسا ہوا تھا اور ایک طرف گولی کی دھار کا لٹکا ہوا تھا۔ دوسرا اوزار تھا۔ اس کی دھار کو منڈن کی کسی جانب کرتے ہوئے میں اسے حسب ضرورت استعمال کر سکتا تھا۔ خنجر مجھ سے زیادہ دور منڈن کے گھٹنے کے قریب پڑا ہوا تھا۔ اگر میری جنبش سے ایک لمحہ قبل ہی اسے میری نیت پر شبہ ہو جاتا تو خنجر جیسے ہاتھ لگتا ناممکن تھا۔ میں بیٹھا ہر طرح سے بچتا رہا۔ مجھے منڈن کی گفتگو سے سمجھ نہ آئی کہ پیدا ہو گیا مگر میرا ذہن تیزی سے اس سے نجات حاصل کرنے کے منصوبے پر کام کر رہا تھا۔

"تمہارا فیصلہ بہت سخت ہے منڈن!" آخر کار میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ گفتگو کی ابتدا کی۔ "میں تمہیں ہر طرح یقین دلانے کو تیار ہوں کہ میں آج تک سونا بنانے میں پوری کامیابی حاصل نہیں کر سکا۔ میں ہر کامیابی حاصل کر چکا ہوں مگر میرا بنایا ہوا سونا اصل کے مقابلے میں زیادہ سخت ہوتا ہے اور کسوٹی پر بھی فرق کی بات کرے گا۔ اگر آنکھ سے دیکھنے سے بڑا تجربہ کار صراف بھی دھوکا کھا جائے گا اور زرگری کے لئے مجھے بیچارے ناسمجھ ایک بڑی دکان بھی چاہیے جہاں پر بیٹھ والے آدم خور خیالی قبائلی پوچھتے ہیں۔ میں اسی کی تلاش میں الاپور کی طرف گیا تھا مگر میرا مقصد یاد رہتا تھا کہ میں تمہاری تیاری کے عمل کا مشکل ترین حصہ تھا کہ میں وہاں سے واپس بھاگ سکتا۔ تم چاہو تو تمہیں تمہارے سامنے ایسا سونا تیار کر کے دے سکتا ہوں مگر اس سے پہلے تمہیں سیتا کو جیل سے نکالنا ہوگا تاکہ میں بے فکری کے ساتھ اپنا کام کر سکوں۔"

"اس سونے پر لاگت کیا آتی ہے؟" منڈن کو شاید میری گفتگو پر یقین آ گیا تھا۔

"بڑے ہیرے موتیوں پر یہ سونا صرف لکھا ہوا ہے۔" میں نے بتایا۔ "اس کی لاگت اصلی سونے کی قیمت سے زیادہ ہی آتی تھی۔"

"اور اگر اسے اصلی سونے میں ملا دیا جائے تو کیا ہوگا؟" وہ میری گفتگو میں دلچسپی لیتے ہوئے بولا۔

اس کی تجویز پر میں واقعی اچھل پڑا۔ "ہاں... یہ تو میں نے سوچا ہی نہ تھا۔ ٹھیک

لگتے ہو۔ یہ تجربہ کامیاب رہے گا۔ اگر ہم ایک خاص تناسب سے ان دونوں کو ملا کر سونے کی اینٹیں ڈھالیں تو کوئی کسوٹی ہماری چال نہ پکڑ سکے گی۔ اس طرح ہم پارا بانی دنیا کے بازاروں سے زیادہ سونے کی پیٹیاں بنا سکتے ہیں۔" یہ بات پوری کرتے ہی مجھے اپنی کا خیال آیا۔

منڈن کی تجویز پر میں چونکا تھا جیسے اصل سونا تیار کرنا واقعی عجیب سی بات نہ ہو۔ حالانکہ یہ مسئلہ ہارے کے دل میں اٹکا باقی تھا اور اب بڑی تیزی سے کھلتے ہوئے جیسے میں ہر مقدار میں اعلیٰ ترین معیار کا سونا بنا سکتا تھا۔ بہرحال منڈن کی تجویز پر مجھے یہ خیال ضرور ہوا کہ اگر کراچی یا جان مسیتا ہی کے ساتھ زرگری کرتے ہوئے ہستی بن میں یہ خیال آیا کہ اگر اس وقت میں اپنے ملک اور اپنے شہر میں بہتر زندگی گزار رہا ہوں۔ جادو، بارس کی تلاش کی نہیں ہوتی جو ناقابل بیان صعوبتیں جھیلی تھیں۔ خیر میں ان سے بچ جاتا اگر اگلے ہی لمحے میں جوش و ولولے کو رد کرتا۔ میں نے ان صعوبتوں کے بیچ بھاری دام اٹھائے تھے۔ سیتا جو شاید کی صدی کی سب سے عجیب لڑکی تھی، محض جادوگری کی دولت کے بجائے میری بیوی بن گئی تھی۔ اور بہار کا تیز حادثہ بیچ کی شاید سب سے بہتر دولت تھی جو ہم میں سے ہر ایک کے ہاتھ لگا تھا!

"یہ معاملہ ذرا مختلف ہے۔ مجھے استاد سے اجازت لینی پڑے گی۔" منڈن نے کہا۔ "اگر میں تمہیں یہ بتا دوں کہ سیتا کو جیل سے نکالنا ہمارا کام نہیں ہے۔ اگر استاد ہمارے منصوبے سے متفق ہو گیا تو تمہیں فوراً بتا دیا جائے گا کہ کام شروع کرا دیا جائے گا۔ ہم سیتا کو جلد از جلد باہر نکالنے کی کوشش کریں گے۔ گو اس بات میں وقت کی کوئی شرط قابل قبول نہیں ہو سکتی!"

گفتگو معقولیت کے رخ پر تھی۔ اس وقت میرے سامنے بے شمار مسائل کھڑے ہوئے تھے اور سیتا کی رہائی کے معاملے میں یہ بالکل بے بس تھا۔ سیتا کے لئے تو جیل سے نکل بھاگنا تو ممکن ہی نہ تھا۔ اب اگر بارک یہ گرو ان لوگوں کی نظروں میں آنے بغیر مجھے ان کا تعاون حاصل ہو جاتا تو یہ میری خوش قسمتی تھی۔ بعض اوقات بڑے لوگوں سے بھی قدرت بعض بہت اچھے کام لے لیتی ہے اور مندری شاید ایسی ہی صف میں شمار کیا جانے والا تھا اور مجھے اس موقع سے فائدہ اٹھانا تھا۔

ہر شے پر حاکم جیسے کی طرح یقیناً ان لوگوں کا بھی مضبوط گروہ رہا ہوگا۔ میں کیمیا گری کے ذریعہ ان کی ہمدردیاں جیت سکتا تھا۔ منڈن اور ان کی جمعیت سیتا کے لئے زبردست سہارا تھی۔ پھر میں ان کی پناہ میں روپوشی کا طویل عرصہ گزار سکتا تھا حتیٰ کہ ٹیکسلا اور سیتا کے افسانے محض خواب بن جاتے پھر میں سیتا کو لے کر با آسانی اپنے ملک کی طرف نکل سکتا تھا!

میں نے خنجر اور راستے کو نظر انداز کر دیا۔ ان سے الجھنے میں سراسر نقصان تھا۔ بول بھی تنہا میں اپنے دشمنوں میں اضافہ ہی کرتا اور سیتا کے تنہا اتنے محاذوں پر ہر ہر پیکار ہونا مشکل ترہو جاتا!

"مجھے اس بات کا احساس ہے!" میں نے منڈن سے کہا۔ "اور جب ہم ایک تجربہ کر رہے ہیں تو میں صرف یہ کہوں گا کہ ہمارے معاہدے کی بنیاد ٹیک پر ہی ہے۔"

اس کے بعد وہ کافی دیر خاموش رہا۔ پھر اس نے کہا کہ یہاں سے باہر نکلنا ہوگا۔ ہم تھیلے اٹھا کر ہم میدان تک آئے تو منڈن مجھے لے کر چلا گیا... اس کا ساتھی جس کا نام جسونت رائے تھا، میرے ساتھ کھڑا رہا۔

"کیا یہ درست ہے کہ تم ایک بڑے ملک سے آئے ہو؟" جسونت نے پر تعجب سا مجھے یہ پوچھا۔

"ہاں... وہ مجھے وہیں ملی تھی۔"

"مگر وہ یہاں کیسے پہنچی؟" اس نے پوچھا۔

"یہ بہت لمبی کہانی ہے۔" میں نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔ "مگر وہ اس قدر دلیر اور خوبصورت لڑکی ہے کہ جاننے والے اس کا تصور تک نہیں کر سکتے ہیں!"

"تمہارا یہ غیر قانونی طریقے سے پولیس کو بتانا چاہتے ہو؟" وہ بولا۔ "مگر اس کے بعد وہ کبھی آزادی کا سانس نہ لے سکے گی۔ میں نے اس کی تصویریں دیکھی ہیں۔ اس کا رنگ سے چہرہ مہرہ تو کھول کر ہی بہچانا جائے گا اور جب بھی وہ کھلے بندوں باہر نکلی دھر لی جائے گی۔"

"اس کا مجھے بھی اندازہ ہے۔ میں اسے گمنامی اختیار کرنے پر آمادہ کر لوں گا۔"

"جس قدر پرکشش ہے اس سے زیادہ شوہر پرست ہے۔"

"اس کا تو مجھے اندازہ ہے۔" وہ لطف لیتے ہوئے ہنسا۔ "وہ تمہیں دیکھ کر زمین کا سینہ بھی ٹٹولتی ہے اور طاقتور مرد سمجھتی ہے اور تمہارے بارے میں اس نے اپنے فخر کا اظہار کرتے ہوئے کبھی بے احتیاطی کا ہے۔"

"ہاں... اس معاملے میں وہ میری نادان دوست ثابت ہوتی ہے!"

"محض اسی بیان کی وجہ سے تم ہمارے ہاتھ لگے ہو۔"

"خیر یہ تو شاید میری خوش قسمتی ہے!" میں نے کہا۔ "مجھے سیتا کی رہائی اور روپوشی کے لئے تمہاری مدد کی ضرورت ہے جو تم لوگوں سے مل سکے گی ورنہ اس شہر میں تو پیا جیتا رہتا اور شاید کبھی کسی مضبوط گروہ تک پہنچ پاتا۔"

"تم تو مجھے بہتر طور پر جانتے ہو گے کہ یہ سارے روپے، سادھو، جوگی اور گروہ سارے مذہبی پیشوا ہیں۔ انہیں پیٹ رہتے ہیں کیمیا گری سب سے برتر ہے۔ یہ باپ تو محض مجبوری کا دوسرا نام ہے۔ وہ انہیں دولت مل جائے تو ان میں سے بیشتر سونے کے پیچھے لگا ہوئی کی دلدل میں فرق ہو جائیں۔ سیتا کا پتا پوچھنے کے بعد ایک طرف تو سامنے لگے شہر میں تمہاری بوالعجبی کی خبریں پھیلی ہیں دوسری طرف دولت حاصل کرنے کے وسیلے ہم پیشہ کا ملتے ہیں ہمیشہ لوگ تمہارا نام لیتے پھرتے تھے۔ تاؤلوں کے خاندان کے علاوہ ہیں۔ اس بار ہمیں یہ اتفاق ہی تھا کہ سب سے پہلے ہم نے تمہارا سراغ لگایا۔"

"اچھا... اسی لئے میں اسے خوش قسمتی شمار کر رہا ہوں۔" میں نے اپنی بات کی مزید وضاحت کی۔ "پولیس تو مجھے سیدھا جیل ہی پہنچاتی۔ لاہمی گیر ملتا امکان ہے کہ وہ لوگ اپنے ہاتھوں میں پھنستا تو وہ قید خانے سے کہیں جانے کے صرف اپنے لئے سونا بنانے کا معاملہ ہی رکھتے۔ تم سے اور وہ جیسے ہاتھ سونا اگلنے والی مشین کا سارا قرار ہی نکلتے۔ مجھے سیتا کو مجھے نظر انداز کر دیا!" میں نے اسے پھر یہ بتا کر مطمئن کیا۔ یہی مجھ کے مطمئن ہوا۔

"تم میری توقع سے کہیں زیادہ ہوشیار ہو۔ تمہاری سوچ بالکل درست ہے!"

تھوڑی ہی دیر بعد منڈن بھی آ پہنچا۔ اس کے چہرے سے خوشی کا اظہار ہو رہا تھا۔ "استاد راضی ہو گیا نظر آ رہا ہے۔ تھوڑی دیر میں خود ہی یہاں پہنچ کر تم سے بات کرے گا۔"

"تمہارا استاد کون ہے؟" میں نے اس کی آمد سے قبل اس کے بارے میں جاننا مناسب سمجھا۔

"سردار جسونت سنگھ اس علاقے میں پھلوں کے باغات کا سب سے بڑا ٹھیکیدار ہے۔ منڈن کے آ جانے کے بعد جسونت راؤ خاموش ہی رہا تھا۔ جس عمارت میں تم اس وقت موجود ہو یہ سردار جی کے ذاتی باغ میں واقع ہے۔ اس کے علاوہ ہر سال وہ سرکاری اور نجی باغات کی فصلیں نیلام پر خریدتا ہے۔"

"یہ تو بڑا منافع بخش کاروبار ہے!" میں نے کہا۔ "اور اس میں اپنے پیر فقیر کیا بات ہے جو وہ تم لوگوں کو ساتھ رکھنے پر مجبور ہے!"

"منافع ضرور ہے لیکن اتنا نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔ بعض اوقات تو ٹھیکیدار آندھی کی نذر بولی کی اونچی لے جاتا ہے کہ ایک ہی جھٹکے میں ہزار روپے کی رقم خرچ ہو جاتی ہے۔" منڈن مجھے بتا رہا تھا۔ "پھر سردار جی کے شوق ایسے ہیں کہ ان کے لئے قارون کا خزانہ بھی کم ہے۔ اس لئے ہم جیسوں کو ہماری معاوضوں پر پال رہا ہے۔ اس نے آج تک ہمیں شکایت کا موقع نہیں دیا۔"

"کاروبار کیا ہے؟" میں نے ہوا میں سوال اچھالا۔ جسونت بھی یکبارگی جاگ اٹھا۔

"فی الحال صرف کیمیا گری!" وہ ہنسا۔ "ایسے دھندے میں زیادہ جان نہیں ہوتی جس کام سے تمہارا تعلق ہے وہ ان کی سب سے بہتر حیثیت ہے۔"

تھوڑی دیر بعد ان کا استاد وہاں آ پہنچا اور اپنے نام کی طرح جو پیار زیادہ نظر آیا۔ منڈن کے بقول اس کا نام ہم نے بھی سنا تھا۔ سردار جسونت سنگھ کی تصویر کے سرا کھلا ہوا تھا اور سردار جسونت سنگھ جو اونچے اور قد و قامت کے لحاظ سے ڈاکو ہی نظر آتا تھا۔

چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد، سوتی کرتے، خوفناک تیور، کیا ہوا چہرہ اور کرخت آواز۔ یہ سراپا تھا سردار جسونت سنگھ کا۔

اس نے فراخدلی کے ساتھ مجھ سے کیمیا گری کے موضوع پر گفتگو کی اور آخر یہ طے ہو گیا کہ میں اپنی بہترین کوششیں اس کے لئے وقف کر دوں گا۔ جسونت نے سیتا کی رہائی میں اپنی پوری مدد کا یقین دلایا اور عارضی طور پر میری تنخواہ دو ہزار روپے ماہانہ مقرر کر دی!

"سیتا کی رہائی کے لئے تمہیں کچھ دن انتظار کرنا ہوگا۔" جسونت کہہ رہا تھا۔ "ابھی وہ نئی قیدی ہے۔ اس کی حرکتوں کی وجہ سے جیل کا سارا عملہ اس کی طرف سے چوکنا ہوگا۔ تھوڑے دن بعد جب جیل کا عملہ اسے عام قیدیوں میں شمار کرنے لگے گا تو ہم اپنا کام شروع کر دیں گے۔"

"ٹھیک ہے!" میں نے کہا۔

میں جسونت کے ہمراہ ایک قیمتی اور آرام دہ صوفے پر براجمان تھا کہ منڈن اور جسونت فرشی قالین پر بیٹھے ہوئے تھے!

"اس معاہدے کی خوشی میں تم مجھے ملک کی ایک بہترین محفل میں لے جاؤ۔ مگر بھولو مت کر لو تو اپنی صورت مشکوک ضرور ہو جائے گی۔ بہرحال یہ دعوت میری طرف باقی رہے گی۔" اس نے کہا۔

"یہ میری عزت افزائی ہے!" میں نے انکسار سے کہا۔ "سیتا کے سوا مجھے بیا

بنا ایک کسی عورت سے رغبت نہیں رہ گئی ہے۔"

"شراب پیتا ہے؟"

جیسے میرا جملہ اس کی آنکھوں میں جھانکا اور دھیمی آواز میں بولا۔ "یہ عشق سے میرا شوق رہا ہے اور اب تو اس کی ضرورت بھی ہے۔"

اسی عمارت کے کسی حصے میں ریفریجریٹر بھی موجود تھا۔ تنڈن جھٹ سے ٹرے میں وہسکی کی ایک بوتل، جگ، گلاس اور برف کے ٹکڑوں سے بھری ہوئی پلاسٹک کی بالٹی لے آیا اور بھوت کے ساتھ ہم شراب نوشی میں مصروف ہو گئے۔

کچھ دیر بہکنے کے بعد بھوت اپنی کار میں واپس لوٹ گیا جسے وہ خود ہی چلا رہا تھا۔ اور ہم بھی اسی عمارت میں لوٹ گئے!

اس عمارت کا نام تارا کاٹیج تھا۔ باہر بھی تارا لاج لکھا تھا۔ بھوت کا رکھا ہوا نام نہیں تھا بلکہ پشتوں سے اس کا یہی نام چلا آ رہا تھا اور اب بھوت ہی اس کا واحد وارث تھا۔ اس نے خاصی عمر گزر جانے کے باوجود شادی نہیں کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شادی غریب آدمی کی ضرورت ہوتی ہے اور جو شخص ہر رات اپنی من پسند لڑکی کی ادائیں خریدنے کی استطاعت رکھتا ہو اس کے لیے شادی زندگی کے لیے کم ہے۔

اسی گفتگو میں تنڈن نے آنا تھا شرما کا بھی نام لیا۔ بھوت مگر ان ادوار کا بھی حریف تھا اور میرا وہ ایک حلقۂ خم معاوضوں کے علاوہ شرما کو عطیات دیتا تھا۔

"یار۔۔۔ وہ سالا بھی پتہ نہیں کہاں غائب ہے! آنا تھا شرما کے نام پر جو شخص رابطہ کرتا ہے وہ جس وقت آنا تھا شرما رہتا تھا تب سے اس کا ادارہ بھی نہیں چل رہا ہے۔"

رستم نے کہہ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ دی۔

"میرا خیال ہے کہ وہ اس وقت آشرم ہی کے کسی حصے میں روپوش ہے یا پھر اور جو تشی ہونے پر گمنامی میں ہو گا۔ اگر آنا تھا شرما کی آڑ میں کاروبار کے دھندوں کا ایک بھی جیل پتی تو بنارس والے اس کی کھال اڑا دیتے۔ وہ چونکہ بازار کے ٹوٹ سے روپوش ہو گیا ہے۔ یہ قصہ جب جانے پر ایک روز کسی نئی کہانی کے ساتھ سامنے آ جائے گا۔"

میرا جی چاہا کہ انھیں بتا دوں کہ گنگا کے کنارے ویران راج مندر کے تہہ خانے میں آنے کا شرما دو دن تک وہ مندر کا شرد یکھ چکیں لیکن میری چھٹی حس نے مجھے روک دیا۔ فی الحال یہ لوگ کرسی پر بیٹھے تھے لیکن ان کے پاس دھندا چلنے والے ایک روز خود کو بھی ان میں پھنسا سکتے ہیں۔ انھیں یہ بتا کر میں انھیں اپنے خلاف ایک قتل کا ناقابل تردید ثبوت فراہم کر دیتا جسے وہ کسی بھی مرحلے پر میرے خلاف استعمال کر سکتے تھے۔ جبکہ اس وقت میرا دامن بالکل صاف تھا۔ گنیش مندر کے مہنت کے قتل کا کوئی گواہ نہیں تھا اور میں کسی بھی اچھے وکیل کے ذریعے اس الزام سے صاف بچ سکتا تھا۔

حالانکہ میں بالکل آزاد اور بہترین حالات کے اندر بیٹھا تھا مگر میرا اصول یہی تھا کہ کسی بھی کام کی ابتدا سے پہلے میں اس کے بدترین پہلوؤں کو نظر میں سامنے رکھ لیتا تھا اور یہی اصول آج تک میری آزادی کا سبب بنا ہوا تھا ورنہ میں کبھی کا زیرِ دام گرفتار ہو چکا ہوتا!

بعد گنگا ان دونوں نے تارا کاٹیج کے ایک حصے میں بتائی ہدایت کے مطابق بھی تیاری شروع کر دی اور رستم نے ایک گوشے میں جا کر اپنے بازو سے جڑی کی صورت میں بندھا ہوا وہ کاغذ کھولا جس پر میں نے بڑی احتیاط سے معلوم کیمیا گری کا پورا نسخہ تحریر کیا ہوا تھا۔ اس میں ہر جزو کی مقدار اور طریقہ کار وغیرہ عبارت کے بارے میں اہم باتیں درج تھیں۔

بھاشا اس کی تراش کو سمجھنے کے لیے اس کا غذ کی جان سے حفاظت کی تھی کیونکہ ایک بار ایسے کھو دینے کے بعد بھاشا اس ہنگل سے کسی طرح بھی مجھے پاس بھیجا گیا اور وہ کاغذ میرے نزدیک اس کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ مٹی سے بچی اسے ضائع کرنے کے بارے میں نہ سوچا اور آج وہ کاغذ میرے لیے ایک بار پھر اہمیت اختیار کر گیا تھا۔

کیمیا گری کے لوازمات کی فراہمی پانچ روز تک ہو گئے۔ بھوت نے مطابق مجھے پانچ سیر کا گھول تیار کرنا تھا اس تجربے کی مقدار کے بعد آئندہ کا لائحہ طے کیا جاتا جس کا انحصار بازار میں اس کی کامیاب کھپت پر تھا۔

پھر ایک روز تارا کاٹیج کا ایک حصہ مختلف جڑی بوٹیوں کی آمیزش سے مہک اٹھا۔ ملک بدولت بھی رستم، تنڈن اور بھوت بڑے شوق سے سارے کام دیکھ رہے تھے اس کی تاب نہ لا سکے اور بڑی عجلت سے نکل گئے۔

میں نے اس شب بڑی مہارت اور یکسوئی سے اپنے کام کو انجام دیا۔ کیمیا گری سے مجھے جنون کی حد تک دلچسپی رہی تھی اور یہ پہلا موقع تھا کہ میں بالکل اپنے مرضی کے مطابق اسے سرانجام دے رہا تھا۔ میری سرپرستی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ بھوت کو پوری طرح اپنے شکنجے میں لینا چاہتا تھا اس لیے میری خواہش تھی کہ میرا تجربہ کامیاب ہو!

میرا کام گیارہ روز جاری رہا۔ اس دوران بھوت نے خود بھی تارا کاٹیج کا دورہ کیا اور میں نے بڑی تفصیل سے اسے حوصلہ افزا خبریں سنائیں۔

گیارھویں روز میں نے کانپتے ہاتھوں سے انگاروں کی تپش سے جو مرکب باہر نکالا وہ ابھی پوری طرح ٹھنڈا بھی نہیں ہوا تھا کہ تنڈن اور بھوت میرے قریب آ گئے۔ ان کی حیرت سے پھٹی ہوئی آنکھیں اس سرخی مائل سنہرے سیال پر مرکوز تھیں جو سونے کا رنگ اختیار کر چکا تھا اور ابھی اس میں دھات کے جوہر کی خرابی کی جانچ کے لیے اسے پرکھا جانا باقی تھا۔

اگلے روز تجربہ گاہ میں سالمے کا معائنہ کیا۔ مجھے سونے سا لگا۔ مگر اسے بیچنے سے پہلے اسے مختلف تجربات کی کسوٹی پر پرکھا جانا لازمی تھا۔ یہ سالمہ بظاہر سونے کی تمام خوبیاں رکھتا تھا مگر ابھی اس کی ساخت کے حوالے سے پوری طرح جانچ پڑتال ہونا باقی تھی۔ چنانچہ میں نے اسے کسوٹی پر پرکھا۔ سونا کھرا تھا اور اس میں ملاوٹ کا شائبہ تک نہ تھا۔ اس کی رنگت اور چمک بالکل خالص سونے جیسی تھی اور اسے عام بازار میں سونے کی جگہ بیچنا ممکن تھا۔

میرے اس کامیاب تجربے نے بھوت کو دیوانہ کر دیا اور وہ تھوڑی دیر کے لیے ...

میری بنائی ہوئی مصنوعی اینٹ کو جب بھوت کے سامنے رکھا گیا تو وہ کہتا ہے کہ یہ سونا نہیں ہے یہ تو اصل سے بھی زیادہ اصلی معلوم ہوتا ہے۔ "وہ جوش میں گھٹی گھٹی آواز میں بولا۔

"میں کہہ چکا ہوں مہاراج، کوئی آنکھ سے کوئی اسے شناخت نہیں کر سکتا مگر کسوٹی پر اس کا کس بھی کی سرخی لیے جاتا ہے...."

"سالا... اسے اصلی سونے میں ملا!" وہ بیدار ہو کر بلاتے ہوئے اضطراری انداز میں بولا۔ "تیرے ہاتھ چومے جانے کے قابل ہیں۔ میرے دوست ہم سے اصلی سونے میں ملا کر فروخت کریں گے!"

بھوت سونے کی چند گٹھیاں آمیزش کے لیے منتقل کیا تھا جو میں نے واپس کر دیں۔ صحیح نتائج کے لیے پانچ سو تولہ کی تعداد جو اس نے چند ہی گھنٹے میں منڈی کے ہاتھ بھجوا دیا۔

تجربے کی ابتدا میں نے چار تولے پالش سے کی۔ میرا ارادہ اس تجربے کی اس قدر مصنوعی سونا ملانے کا تھا۔ مجھے امید تھی کہ میرا تجربہ کامیاب ہو گا۔

اس دوران میں اپنے بنائے ہوئے سونے کی ایک اور نہایت عمدہ تجربہ کی۔ خالص سونا ۹۹۔۹ اور دیسی سونا گیارہ ٹنچ کا جاتا تھا اور میں نے تیار کیا ہوا سونا اس سے دو درجہ اوپر چلا جاتا تھا مگر یہ فرق اتنا باریک تھا کہ عام صراف اس کا پتہ نہیں چلا سکتے تھے صرف تجربہ گاہ میں یہ بات معلوم ہو سکتی تھی۔

پھر میں نے اور اضافہ کرتے ہوئے اپنے بنائے ہوئے سونے کی مقدار بڑھا دی اور چار تولے میں چار تولے گیارہ ماشے ملاوٹ کے بعد بھی کسوٹی پر سے خالص دکھائی دی۔ اس مقدار میں اضافہ کیا تو سرخی بہت نمایاں ہونے لگی۔ لہٰذا میں نے چار اور ساڑھے چار تولے کی نسبت کو محفوظ سمجھتے ہوئے معیار مقرر کر لیا۔

وہ سونا جب آئی رہ بازار بھجوایا اور اس وقت اس کی خوشی قابل دید تھی جب بازار جانے والے نے اسے ایک مشہور صراف کے ہاتھوں سونا فروخت ہو جانے کی خبر سنائی۔

اب تجربہ پیشے بالکل جانے پاس کم و بیش پانچ سیر مصنوعی سونا موجود تھا جس کی تیاری پر تین ہزار روپے آئے تھے لاگت کی قیمت لاکھوں میں بیٹھتی تھی۔ بھوت نے سب سے پہلے کی ٹوکل سونے کی فروخت کرنے کی ہدایت کی۔ اس کے بعد مجھے ایک بار پھر تجربے کے لیے وہاں جانا تھا...

دو دن کی بیری صحت پر گمراہ ہوا تھا۔ ایک ماہ کے آرام کے بعد میں کیمیا گری کا کاروبار شروع کرنا چاہتا تھا جس کے نتیجے میں بھوت کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتیں۔

اگلی صبح تنڈن ایک ایسی خبر لایا جس نے ہمیں تشویش میں ڈال دیا۔ جیل سے بھاگے ہوئے قیدی گرفتار ہو چکے تھے اور اب جیل کے حکام کو یقین تھا کہ جیل سے باہر کوئی منظم گروہ ہے جس کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ پولیس نے ان قیدیوں کو ریمانڈ پر لے لیا تھا اور وہ جلد ہی ان سے اس گروہ کے بارے میں معلوم کر لیتے۔ یہ خبر سنتے ہی ہم سب پریشان ہو گئے۔ بھوت نے ہمیں تسلی دی مگر اس کی آنکھوں میں بھی تشویش تھی اور وہ جانتا تھا کہ اگر پولیس تک ہمارا سراغ پہنچ گیا تو ہم سب کے لیے مشکل ہو جائے گی...

سے قریب ہے گئی۔ اس کے ایک گٹر کا ڈھکنا اٹھایا تو اندر نالے کی دیوار میں تازہ کھدی ہوئی ایک سرنگ کا دہانہ نظر آیا تھا۔ سارے قیدی ایک ایک کر کے اس سرنگ میں گھستے چلے گئے اور جب وہ کھلی فضا میں آئے تو سیتاپور کی آبادی سے ایک طرف نکل جانے والی تھی۔ بندوں کا ایک جتھا پیچھا کرتا ہوا ان کے پیچھے تھا۔

"یہ کیسے ممکن ہوا حسونت؟" میں نے اس سے حیرت کے ساتھ پوچھا۔

"پہلے میرا خیال تھا کہ ایسا کا بندوبست تھا لیکن وہ تو یہ خبر سنتے ہی اچھل پڑا۔ پتہ نہیں وہ سرنگ کیسے تیار ہوئی۔ جیل کا پورا عملہ معطل کیا جا چکا ہے اور حفاظتی انتظامات میں غفلت برتنے کے الزام میں گرفتار کیا جا چکا ہے۔ شاید وہ سب یہ مجرمانہ غفلت کے الزام میں مقدمہ چلے گا۔"

میں فوراً ہی تارا کاٹیج سے نکل پڑا۔ سیتا ایک بار پھر آزاد تھی۔ اگر سب کچھ ٹھیک رہا تو اس کا قائم ہو جائے گا۔ میری درخواست کے ہی بھوت کے لیے اس کی ساری شہر میں پھیلا دیے تھے تاکہ سیتا جہاں بھی نظر آئے اسے حفاظت اور احترام کے ساتھ تارا کاٹیج پہنچا دیا جائے!

سیتا کے بارے میں ہر لمحہ شہر میں نئی افواہیں گونج رہی تھیں۔ پھر ڈیڑھ دو گھنٹے بعد شہر کے مختلف حصوں سے اس کے دیکھے جانے کی افواہیں پھیل رہی تھیں۔ پھر یہ پتہ چلا کہ بنارس میں پائے جانے والے ہزاروں بندروں کی وجہ سے یہ سارا ڈرامہ ممکن ہوا۔

بنارس جیل میں بھی بے شمار بندر دن رات منڈلاتے رہتے تھے۔ پہلا کام تو انھیں روکنا ہی تھا مگر وہ جیل کی بلند و بالا فصیل عبور کر کے اندر گھس آتے تھے اور عرصہ دراز سے جیل میں ان کی خاصی تعداد ہو چکی تھی۔ سننے میں آیا ہے کہ تمام بندر سیتا سے بے حد مانوس تھے۔ وہ دن رات ان کے ہاں بھری رہتی تھی۔ سیتا کو کھانے میں ملی ہوئی دال روٹی کی مقدار کی ان کو قطرہ بھر شیرینی وغیرہ موجود رہتے تھے جبکہ اس کے پاس پوری تنبیہ کے ساتھ ایک بھی لقمہ نہ آتا تھا۔

کڑی نگرانی کے دوران پتہ چلا کہ جیل میں بندروں کے لیے ہر قسم کی مراعات یافتہ قیدیوں کے کمروں سے خورد و نوش کی بہترین چیزیں اٹھا لے جاتے تھے اور سیتا کو پہنچا دیتے تھے۔ کئی بار سیتا کو بندروں کے ساتھ کھانے پینے میں مصروف دیکھا گیا۔

عام خیال یہ تھا کہ سیتا نے بندروں کو جیل سے باہر پیغام رسانی کے لیے استعمال کیا تھا اور یوں وہ سرنگ کے ذریعے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

تنڈن نے بتایا کہ مسٹن کا میرے حوالے کی ہوئی تھی لہٰذا میرے لیے تارا کاٹیج واپسی کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ میں بے مقصد کار کو بنارس کی سڑکوں پر دوڑاتا رہا۔ میرے بدن پر اب گیروے لبادے کے بجائے انگریزی وضع کا لباس تھا۔ سر کو ایک ٹوپی سے چھپا لیا تھا جبکہ بڑی بڑی مونچھوں کی جگہ اب چھوٹے چھوٹے بال اگنے لگے تھے جن کی وجہ سے میری صورت کچھ بدل سی گئی تھی۔

میں بار بار شہر کے مختلف گنجان علاقوں میں گاڑی روک کر لوگوں سے گفتگو اور سیتا کے بارے میں خبریں جمع کرتا رہا لیکن افواہوں کے سوا کوئی کارآمد بات معلوم نہ ہو سکی۔ جیل سے فرار کے بعد سیتا یوں روپوش ہو گئی تھی جیسے اسے زمین نگل گئی ہو۔

اس وقت شاید رات کے گیارہ بجے کا عمل تھا۔ میں ایک تھیٹر کے قریب پنواڑی کی دوکان سے سگریٹ خرید رہا تھا کہ اچانک پشت سے کسی نے مجھے دھکا دیا میں کاؤنٹر پر گرتے گرتے بچا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک بندر کو اپنے شانوں پر موجود پایا۔ اس نے میری ٹوپی خود اوڑھ لی تھی اور اب نہایت آسودہ انداز میں جھولے کی طرح میری گردن پر سوار تھا۔

ہندوستان میں بندر کو گائے کی طرح مقدس سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس کی نسل ہنومان کے دیوتا رام چندر جی سے ملتی جلتی ہے اور وہاں کے لوگ بندروں کی ہر شرارت کو برداشت کرتے ہیں بلکہ خندہ پیشانی سے قبول کرنے کے عادی ہیں۔ بلکہ اکثر محض بندروں کی ضیافت کے لیے مخصوص مقامات پر حلوہ، مٹھائی، پوریاں اور پیڑے رکھے جاتے ہیں تاکہ ہنومان جی کی خوشنودی حاصل ہو سکے۔

میرے آس پاس موجود لوگوں نے بندر کی اس گستاخانہ حرکت پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ میرا خیال تھا کہ میری کھوپڑی پھاڑ دی جائے گی۔ ہندوؤں کے نزدیک بندر ایک مقدس جانور ہے مگر میری عقل کو بھلا تقدس سے کیا غرض، فلسفے سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ میں نے اس بندر کا ہاتھ پکڑا اور بے دردی سے اسے دور فٹ پاتھ پر اچھال دیا۔

وہ خوفزدہ چیخیں مارتا ایک ملگر الاو لڑھکنے کے بعد مجھے گھورتے ہوئے خوخیانے لگا۔ میری ٹوپی فٹ پاتھ پر گر گئی تھی۔

اس بندر کی بدمعاشی پر تو سب خاموش تھے مگر میرے رویّے پر لوگوں کے تیور بگڑ گئے اور وہ حقارت سے مجھے گھورنے لگے۔

"تمہیں شرم نہیں آتی اس بے زبان پر ظلم کرتے ہوئے؟" ایک شخص نے زہر خند لہجے میں مجھ سے کہا۔

میں نے فوراً ہی بگڑتی ہوئی صورت حال کا جائزہ لیا اور اس شخص کے لہجے سے اپنے خیال میں انتہائی نفرت کے طوفان کو مصنوعی مسکراہٹ کی آڑ میں چھپاتے ہوئے بولا۔ "غلطی ہو گئی جناب — دراصل میرے شانوں پر کئی دن سے شدید درد ہے کہ بس اس کا وجود ہی تکلیف کا باعث بن گیا ہے۔"

میری معذرت کارگر ثابت ہوئی۔ لوگوں کے تیور نرم پڑ گئے مگر وہ خبیث بندر وہیں بیٹھا مجھے کھلیاں مار رہا۔ وہ بار بار چند قدم آگے سرکتا اور دوبارہ اپنی جگہ پر لوٹ جاتا۔

جب میں سگریٹ خرید کر دوکان سے ہٹا تو وہ پھر میری طرف لپکا۔ اس بار میں نے اسے چکمہ دیا اور وہ حلق سے عجیب سی آوازیں نکالتا میرے قدموں میں آ گرا تھا۔

میں نے جھک کر نرمی سے اس کا سر سہلایا اور واپس کار کی طرف بڑھا مگر اس نے میری پتلون کا پائنچہ پکڑ لیا اور مجھے ایک طرف کھینچنے کی کوشش کرنے لگا۔

وہ میری نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھانے پر تلا ہوا تھا۔ میں نے پہلے پہل پتلون کا پائنچہ چھڑانا چاہا مگر وہ تو میرے حق میں جونک بن گیا تھا۔ اسی کوشش میں میری پتلون کا وہ پائنچہ پھٹ گیا اور مجھے اپنی کوشش ترک کرنی پڑی ورنہ پتلون اوپر تک پھٹتی چلی جاتی۔

اس جگہ بندر کی مرمت کرنے میں تو میری مرمت کا خطرہ تھا لہٰذا میں نے عقل مندی سے کام لیتے ہوئے اس کے باوجود بندر کی خواہش کے مطابق ایک طرف چل پڑا۔

تھوڑی ہی دور چلنے کے بعد سڑک ویران ہو گئی۔ بندر نے ابھی تک میرا پائنچہ پکڑ رکھا تھا۔ میں نے ایک تاریک گوشے میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں اور پھر بائیں لات چلا دی مگر میں اس کے زور میں گھوم کر رہ گیا۔ وہ بندر پھرتی سے شاید بھانپ کر میری لات کی زد سے دور جا کھڑا ہوا تھا۔

پھر اس سے قبل کہ میں اپنا توازن سنبھالتا وہ بندر جست لگا کر دوبارہ میری طرف آیا اور میری چندیا پر دھپ مار کر دوسری طرف نکل گیا۔

دور کی ایک ... مجھے وہ بندر یاد آ گئے جنہوں نے ہمالیہ کے پہاڑوں پر مجھے اپنے نرغے میں لیا تھا اور پھر مجھے اپنی مرضی کے مطابق چلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ... کوششوں کے باوجود انہیں ... سے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔

یک بیک میرے ذہن کے سارے بند دریچے کھلتے چلے گئے۔ ہمالیہ کے بندر سیتا کے ساتھ ... تھے ... بھی — سیتا جیل سے بھی فرار ہو چکی تھی۔ ... اب ایک بندر مجھے کسی خاص سمت لیے جانے پر مُصر تھا!

تیز تیز میرے قدم اسی طرف اٹھ گئے جدھر بندر مجھے کھینچ رہا تھا۔

جب بندر نے مجھے راہ راست پر آتے دیکھا تو آہستہ آہستہ ایک بار پھر میرے قریب آ گیا۔ میں نے نیچے جھک کر اسے پکارا۔ میری جانب سے خیرسگالی کے اس اظہار کے جواب میں وہ اچھل کر میری گود میں سمٹ آیا۔

اس مرتبہ بندر حلق سے عجیب و غریب سی دبی دبی آوازیں نکالتا آگے آگے جا رہا تھا اور میں پوری رفتار سے اس کی تقلید کر رہا تھا۔

تقریباً پون گھنٹہ بعد ہم شہر کی آبادی سے باہر آ گئے اور میرا دل موہوم اندیشوں کی بنا پر تیزی سے دھڑکنے لگا۔ آبادی کے اختتام پر ایک گھنا جنگل پھیلا ہوا تھا۔ تاروں کی چھاؤں میں مجھے بہت سنبھل کر چلنا پڑ رہا تھا کیونکہ قدم قدم پر گڑھے اور پتھر بکھرے ہوئے تھے۔

پھر جیسے ہی ہم جنگل میں آگے بڑھے آبادی کی روشنیاں بھی عقب میں ٹیلوں کی اوٹ میں چھپ گئیں۔ ہر طرف گہری تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔

اچانک اس بندر نے ایک تیز چیخ ماری اور بجلی کی سی سرعت سے دوڑ کر کہیں روپوش ہو گیا۔ میں نے ... انداز میں پکار کر اسے واپس بلانا چاہا مگر میری ایک نہ چلی اور میں اس گھمبیر سناٹے میں تنہا کھڑا رہ گیا۔

آہستہ آہستہ میرے مساموں سے ... نکل رہے تھے۔ گرمی نہ ہونے کے باوجود میرا بدن پسینے میں ڈوبتا جا رہا تھا اور دل کی دھڑکنیں کنپٹیوں میں گونج رہی تھیں۔ ... آوازیں اپنی تمام ... کے ساتھ ڈوبنے لگی تھیں۔

بندر کی چیخیں تو چند لمحوں بعد ہی ... میرے کان کسی ... کے منتظر تھے اور میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

آخر مجھے بہت دور تاریکی میں ایک ہیولا متحرک نظر آیا۔ میں غور سے دیکھنے کے بجائے پیٹ کے بل زمین پر لیٹ گیا۔ لیٹنے کے باعث وہ سایہ میری نظروں سے روپوش ہو گیا مگر چند لمحوں بعد وہ ٹیلوں کی اوٹ سے نمودار ہوا۔ پھر فضا میں ایک دبی دبی سی بھاری آواز ابھری۔

"مسعود بابا!" کسی نے مجھ کو پکارا تھا۔

آواز ابھری اور ڈوب گئی مگر مجھے اس کی بازگشت اس ویرانے کے ذرے ذرے سے گونجتی معلوم ہو رہی تھی۔ میں بجلی کی سی سرعت سے اٹھا اور آگے بڑھا پھر شاید وہ سایہ بھی میری طرف لپکا اور میں نے پاگلوں کی طرح اسے بانہوں میں سمیٹ لیا۔

جذبات کا تلاطم اتنا شدید تھا کہ مجھے اپنا دل پھٹ جانے کا خوف لاحق ہو گیا۔ مسرت اتنی بے پایاں تھی کہ اس میں ڈوب کر میری زبان گویائی سے محروم ہو گئی۔

"مسعود! تو کہاں تھا؟" میرے کان کے نیچے کسی کی بھرائی ہوئی آواز گونجی۔

میرے الفاظ حلق میں پھنس کر رہ گئے۔ بولنا چاہا مگر زبان نے ساتھ نہ دیا۔ پھر اچانک مجھے اپنی پشت پر ... کی کھنک سنائی دی۔ میں نے اسے اپنی بانہوں سے الگ کر دیا۔

اس کے بائیں ہاتھ میں وزنی ہتھکڑی جھول رہی تھی۔

"سیتا میری جان! میں تجھ سے شرمندہ ہوں!" میری آواز کانپ رہی تھی۔ الفاظ ادھورے تھے اور نظریں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

اسی وقت قریب سے ایک پتلی سی ... بولی۔ میں نے دیکھا تو مجھے یہاں لانے والا عظیم بندر سیتا کے قریب زمین پر بیٹھا ایک پتھر لڑھکا رہا تھا۔

"تو کہتا تھا کہ بنارس بڑا مقدس شہر ہے۔ یہاں ہر طرف امن اور شانتی ملے گی۔"

"نہیں سیتا! اب میں کسی سے یہ نہ کہوں گا۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "مجھے معلوم نہیں تھا کہ تقدس کا روپ دھار کر اس شہر میں ایسے درندے بستے ہیں جن میں ہر ایک اور ہر شخص کا ہولناک جسم دکھائی دیتا ہے۔ جو مسعود کا احترام جانتے ہیں نہ خدا کو تسلیم کرتے ہیں۔"

"اس شہر سے بھاگ نکل مسعود — یہاں تو میں زندہ درگور ہو گئی ہوں۔ یہاں کی ماں بیٹی ... کے قانون اندھے اور بہرے ہیں۔" اس کی آواز ... نمایاں تھی۔ "یہ آبرو بچانے والے کو قاتل کہتا ہے اور عصمت کے لٹیروں کو مظلوم کہتا ہے۔"

میں نے جھک کر اسے سہارا دیا۔ تنہائی میں ... سیتا اپنے شوہر کو سامنے پاکر محض ایک لڑکی رہ گئی تھی جو اپنے تحفظ کا ذمہ دار صرف اپنے شوہر کو تصور کرتی ہے۔ اسے اس حال میں دیکھنے والے یقین نہ کرتے کہ ابھی چند گھنٹے قبل ... خون کا دریا عبور کر کے عصمت بچانے اور جیل سے فرار ہونے والی سیتا وہی ہے۔

پھر ہم دونوں سیتا کی ... ایک ... اور ... تھا جس پر سیتا پچھلی رات سے مقیم تھی۔

"اتفاق ہی سے تو بندر ... ہی مسعود!" وہ آہستہ آہستہ معمول پر آتی جا رہی تھی۔ "جیل میں بعض بندروں کی وجہ سے میرا وقت بڑا اچھا گزرا۔ اگر انہیں شبہ بھی ہو جاتا کہ میں بندروں کو اپنی بات سمجھا سکتی ہوں تو شاید مجھے سلاخوں دار کوٹھڑی کی بجائے پختہ دیواروں کے درمیان ڈال دیا جاتا۔ میں جس سرنگ سے فرار ہوئی وہ میرے لیے جیل میں پلنے والے بندروں نے تیار کی تھی۔ میں نے چند ہی دن میں انہیں ایسا سدھایا تھا کہ میرے فرار تک کسی کو سرنگ کی موجودگی یا تیاری کا شبہ نہ ہو سکا۔ پھر تیری تلاش کے لیے بھی میں نے بندروں ہی کا سہارا لیا۔ میرے پاس تیرا ایک رومال اور چند چیزیں موجود تھیں۔ ان کی بو کے سہارے اس وقت پورے شہر میں چالیس پچاس بندر تجھے ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے۔"

"ارے باپ رے!" میں پہلی بار ہنسا۔ "میرے لیے تو یہی ایک مصیبت بن گیا تھا۔ یہ کسی قیمت پر میرا پیچھا چھوڑنے پر تیار نہ تھا بلکہ اس نے تو میری پتلون بھی زخمی کر دی۔"

"تیری بو پر لگا ہوا ہر بندر تیری ٹوپی لیتے ہی تجھے ادھر آنے پر مجبور کرتا یا تیرے ہاتھوں مارا جاتا۔" وہ فخریہ لہجے میں بولی۔ "تو چاہے تو اب شہر لوٹ کر یہ بات آزما سکتا ہے۔"

"مجھے شہر جانے کی ضرورت نہیں — اب ہم یہیں سے کسی طرف نکل جائیں"

جائیں گے۔ اس شہر کا بچہ بچہ تیری صورت پہچان لے گا۔"

"وہ کیسے؟" اس کی معصومیت قابلِ پرستش تھی۔

"تیری تصویریں اخباروں میں چھپی ہیں۔"

اخبارات کے بارے میں وہ کافی دیر بعد میری بات سمجھ سکی۔ پھر ہم نے گزشتہ ہوئے دنوں کے بارے میں گفتگو شروع کر دی۔

سیتا کے ساتھ گنیش آشرم سے اغوا کے بعد جو واقعات پیش آئے تھے جن کا میں پہلے ہی اندازہ قائم کر چکا تھا۔ جس رات میں رمیش کو اپنے پاس رکھنے کے لئے گنگا کنارے واقع راج مندر میں گیا تھا اس رات وہ سادھو وہاں آشرم پہنچے۔ پجاری نے سیتا کو بہلا پھسلا کر مندر کے تہہ خانے سے باہر بلایا اور سیتا کو ان سادھوؤں کے ہمراہ رمیش کے کمرے میں بند کر دیا۔

وہ سب بڑی بے دردی سے شراب پیتے تھے۔ سیتا کو دیکھ کر وہ خوشی سے پاگل ہو گئے اور اسے نچوڑنا چاہا مگر سیتا نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے ان کو پہلے شراب نوشی ختم کرنے کا مشورہ دیا اور انہیں اپنے ہاتھ سے شراب پلانے لگی۔ جب وہ نشے میں بالکل دھت ہو گئے تو وہ سب وحشت پر سوار ہو گئے اور وہ سیتا کے ساتھ زیادتی پر اتر آئے۔

ان کی دست درازی سے پہلے سیتا کا ارادہ تھا انہیں دھوکہ دے کر کسی نہ کسی طرح وہاں سے نکل بھاگے گی۔ شراب کی تاثیر کے بارے میں [illegible] کا تجربہ اسے خوب یاد تھا۔ ان دونوں کی بے حیائی پر سیتا مشتعل ہو گئی اور اس نے رمیش کے کمرے سے ایک چھری اٹھائی اور بلا امتیاز ان سادھوؤں پر ٹوٹ پڑی۔

سیتا کے شکاروں کی جو حالت تجربے سے گزری [illegible] کمرے کا دروازہ کھولا تو جیسا خون آلود چھری فضا میں لہراتی باہر نکل بھاگی۔ وہ چھری ابھی تک سیتا کے قبضے میں موجود تھی کیونکہ آشرم سے زندہ سلامت نکلنے کے بعد اس نے چھری کو ایک جگہ چھپا دیا تھا۔ گرفتاری کے وقت وہ غیر مسلح تھی۔ جیل سے فرار کے بعد سب سے پہلے اس نے وہ چھری حاصل کی تھی تاکہ اپنے کسی بھی حریف کو ٹھکانے لگانے میں اسے دشواری کا سامنا نہ ہو۔

ادھر جیل میں بندروں نے سیتا کے فرار کے کارنامے انجام دیئے تھے۔ کھانے پینے کے سامان کی فراہمی تو معمولی سی بات تھی۔ جب بھی وقت ملتا ایک بندر سوتے ہوئے سنتری کی جیب سے چابیوں کا گچھا نکال لایا تھا۔ ان ہی میں ایک چابی کے ذریعے سیتا نے آہنی کٹہرے میں لگا ہوا تالا کھول کر اپنے ہاتھ [illegible] آزاد کرا لیے۔ پہلی کوٹھڑی کا تالا بھی اس نے چابی ہی سے کھولا۔ [illegible] چابیاں تھیں جنہیں آزما کر سیتا نے آہنی دروازوں کے تالے کھول لئے اور [illegible] کے لئے [illegible] وہ سب [illegible] کی [illegible] سیتا کے پیچھے پولیس، چابیاں سیتا نے [illegible]۔

پہلے تو میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اب شہر واپس جا کر [illegible]۔

دونوں کو میں نے رات ہی رات کسی طرف نکل جانا چاہیے لیکن یہ فرار [illegible] دشواریاں پیدا کر دیتا۔

فی الحال پہلا مسئلہ سیتا کے لئے لباس کی فراہمی کا تھا۔ قیدیوں کا یہ لباس ہر وقت خطرے میں ڈالتا تھا۔ پھر ہتھکڑی سے نجات بھی ضروری تھی۔ تیسرا مسئلہ ہتھیار کا تھا۔ فرار کی اس راہ پر غیر مسلح چلنا [illegible] حفاظت [illegible]۔ چوتھا اور آخری مسئلہ خاصی رقم کی فراہمی کا تھا کیونکہ ہندوستان میں صدیوں سے ہونے والی معاشی ناہمواریوں کے باعث رشوت بہت مقبول تھی اور رقم کی مدد سے ہم بہت سے الجھاؤں سے بچ سکتے تھے اور ان تمام مسائل کے لئے میرا شہر جانا ضروری تھا۔

ایک مرتبہ میری شخصیت پر سے پردہ ہٹ جاتا تو [illegible] بنارس پولیس کی حدود میں آبادی کا رخ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ [illegible] تھا کہ صرف ایک دن توقف کیا جائے۔ سیتا اسی مقام پر روپوش رہے [illegible] باغ لوٹ جاؤں۔ اگلی رات میں اپنے بندوبست کے ساتھ اسی جگہ [illegible] اور ہم دونوں خاموشی سے کسی طرف نکل جاتے۔

کافی بحث کے بعد سیتا میری تجویز سے متفق ہو گئی اور میں صبح کا اجالا پھیلنے سے قبل وہاں سے واپس روانہ ہو گیا۔ سیتا نے میری تلاش میں [illegible] بندروں سے حفاظت کے پیش نظر وہ بندر میرے ساتھ کر دیا جو مجھے [illegible] تک لایا تھا۔ اس نے اپنے حلق سے عجیب عجیب سی آوازیں نکالیں جنہیں بندر غور سے سنتا رہا اور سیتا کے خاموش ہوتے ہی میری سمت [illegible] ساتھ چل دیا۔

بندروں کے بارے میں سیتا کا قیاس درست تھا۔ اس ویرانے سے کار تک پہنچنے کے دوران میں مختلف مقامات پر وہ بندر میری بو پا کر [illegible] لپکے تھے مگر سیتا کا بھیجا ہوا بندر انہیں روکنے میں کامیاب ہو گیا ورنہ میں [illegible] پہنچنے کے قابل ہو سکتا۔

میں واپس باغ پہنچا تو صبح کے پانچ بجنے والے تھے۔ ٹنڈن اور جیم شاید میرے انتظار میں جاگ رہے تھے کیونکہ انجن کا شور سنتے ہی وہ باہر نکل آئے۔

ان کے ہاتھوں میں سگریٹیں دبی ہوئی تھیں، بال بکھرے ہوئے تھے، آنکھیں نیند اور شراب کے خمار سے گہری سرخ ہو رہی تھیں، کیونکہ ان کے سانسوں سے وہسکی کی بو آ رہی تھی۔

"کہاں رہ گئے تھے؟" میرے اترتے ہی ٹنڈن ہاتھ ہلا کر چلایا، پھر اس کی نظر میری بھیگی ہوئی پتلون پر پڑی۔ شاید پنڈلی کا زخم بھی نظر آ گیا کیونکہ چونک کر بولا تھا "تمہارے جسم تو زخمی ہے؟"

"ہاں میں بمشکل جان بچا کر آ سکا ہوں۔" میں نے فوراً ہی ذہن میں کہانی تراش لی۔ [illegible]

"کیوں؟ کیا ہوا؟" وہ مجھے سہارا دیتے ہوئے بولا۔

"[illegible] کتوں میں اتنی جرأت نہیں ہوئی [illegible]

سے باقاعدہ مقابلہ کریں۔ شاید پولیس اب میرے تعاقب کے لئے کتے بھی استعمال کر رہی ہے۔" میں نے ڈرائنگ روم کے صوفے پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔

"لیکن پولیس کے کتے تمہارا تو تعاقب نہیں کر سکتے۔ ہر کتے کے ساتھ رکھوالا ضرور ہوتا ہے۔" ٹنڈن نے میری زخمی ٹانگ کا معائنہ کرتے ہوئے کہا۔ جسونت داؤ کسی کمرے سے فرسٹ ایڈ کا سامان لینے چلا گیا تھا۔

"مجھے یہ سب نہیں معلوم۔ میں بھلا کر ہی لوٹا۔ میں سیتا سے اتفاقی ملاقات کی امید میں شہر کے ایک غیر آباد حصے میں ٹہل رہا تھا کہ ایک قد آور کتا مجھ پر حملہ آور ہوا۔ میرے ستارے اچھے تھے کہ میرا ایک ہی [illegible] اسے بے ہوش کر گیا ورنہ وہ کسی قیمت پر مجھے زندہ نہ چھوڑتا..... تم میرا پستول واپس کر دو۔ اس کے بغیر موجودہ حالات میں باہر نکلنا مخدوش ہے۔"

"پستول تمہاری امانت ہے اور میں ابھی تمہیں دے دیتا ہوں۔ ہو سکتا ہے تم پر حملہ آور ہونے والا کتا پاگل ہو۔ تمہیں انجکشن ضرور لینے پڑیں گے۔"

"میں [illegible] بات یہ ہے کہ انجکشن لگوانے کے تصور ہی سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔"

"مگر یہ بہت ضروری ہے۔"

"میں انجکشن نہیں لگواؤں گا۔ کتے کی طرح بھونکتے ہوئے پاگل ہو جانا مجھے پسند ہے۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔

"انجکشن تو لگوانے ہی پڑیں گے۔ استاد جی ایک اہم آدمی کا یوں ضائع ہونا پسند نہیں کریں گے۔" ٹنڈن فیصلہ کن لہجے میں بولا اور جسونت کے لائے ہوئے سامان سے زخم صاف کرنے لگا۔

کئی گھنٹے گزر جانے کے باعث زخم پر خشک خون کی پپڑیاں جم چکی تھیں مگر اسپرٹ سے تو جیسے بدن میں آگ سی لگ گئی۔ ٹنڈن کسی پیشہ ور ڈسپنسر کی طرح اپنے کام میں لگا رہا اور مرہم وغیرہ لگا کر میری پنڈلی پر پٹیاں لپیٹ دیں۔ ڈریسنگ سے فارغ ہوتے ہی ٹنڈن نے الماری سے میرا پستول لا دیا اور میں شدید تکان کا بہانہ کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

بیدار ہوا تو دوپہر کے بارہ بج رہے تھے۔ ٹنڈن میرے قریب ہی مسہری پر موجود تھا۔ اس کی زبانی پتہ چلا کہ میرے سوتے ہوئے ڈاکٹر آیا تھا اور میرے پیٹ میں پہلا انجکشن لگایا جا چکا ہے۔

کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر میں نے کار سنبھالی اور شہر روانہ ہو گیا۔ چلتے ہوئے کاٹیج سے میں نے لوہے کا ایک ٹکڑا ساتھ لے لیا تھا۔

راستے ہی میں اس لوہے کو پارس پتھر کے لمس سے میں نے سونے میں تبدیل کیا۔ ایک دکان پر نہایت رازدارانہ انداز میں اسے فروخت کیا کیونکہ ہندوستان میں گولڈ کنٹرول اسکیم کے تحت سونے کا غیر سرکاری لین دین غیر قانونی قرار دیا جا چکا تھا۔

پھر میں نے بازار سے خریداری کی۔ خشک خوراک کے چند [illegible]، سیتا کے ساتھ کے چند [illegible] زنانہ لباس، جوتے، ایک عدد [illegible] ایک چھری، [illegible] شکار کی چاقو، [illegible] کے کارتوسوں کا ایک ڈبہ اور چند

ضرورت کی اشیاء خریدنے کے بعد میں نے بنارس کے ایک ہوٹل میں چھ بجے تک آرام کیا تاکہ آخری بار [illegible] کر سکوں۔

میں ہوٹل سے باہر آیا تو رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میں کار اسٹارٹ کر کے سیتا کی طرف روانہ ہو گیا۔

گاڑی کو آبادی کے آخری سرے پر چھوڑ کر میں سوٹ کا پیکٹ اور چند ضروری چیزیں بڑے تھیلے میں لے کر ویرانے میں داخل ہو گیا۔ سیتا شاید بڑی بے چینی سے منتظر تھی۔ میرا سایہ دیکھ کر تیزی سے پیڑ سے اتر آئی۔ آج اس پر وہی [illegible] خوشی طاری تھی جو میں نے پہلے دن محسوس کی تھی۔

اس پُرہول ویرانے میں لڑکی تو کیا کسی جری مرد کا بھی ایک دن اور دو راتوں تک روپوش رہنا اسے نیم مردہ کر دینے کے لئے کافی تھا مگر سیتا کے خمیر میں خوف اور بزدلی جیسے عناصر شامل ہی نہیں تھے۔ اس آزادی کا یہ عرصہ اس نے یوں گزارا تھا جیسے اپنے مکان میں ہی رہتی آئی ہو۔

سیتا کی کمین گاہ آبادی سے بہت دور تھی اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ پستول سے فائر کر کے اسے ہتھکڑی سے نجات دلاؤں گا مگر سائلنسر کا نہ ہونا [illegible] آخری اقدام تھا۔

سب سے پہلے میں نے سیتا کا لباس تبدیل کرایا۔ پھر ہوٹل سے خریدی ہوئی تازہ اور گرم گرم غذا سے اس کی خاطر کی اور آخر میں پستول کی نال ہتھکڑی کے حلقے کے ایک سرے پر رکھ کر فائر کر دیا۔ وہ ویرانہ ہولناک دھماکے سے لرز اٹھا۔ ساتھ ہی سیتا کے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی۔ میں نے بوکھلا کر ٹارچ روشن کی تو وہ مسکرا رہی تھی۔

فائر کے نتیجے میں سیتا کی کلائی پر چند خراشیں ضرور آئی تھیں مگر اس کی چیخ کا زخم سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ دھماکے کا غیر ارادی ردعمل تھا۔

پھر ہم تیزی سے سڑک کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

کار کے اطراف میں دور تک کسی ذی روح کا پتہ نہیں تھا۔ میں نے دانستہ کار سڑک پر اس طرح پارک کی تھی کہ درختوں کے سائے میں وہ تاریکی ہی کا ایک جزو نظر آتی تھی۔

"میں اپنے ساتھ تمہارا حلیہ بدلنے کا سارا سامان لایا ہوں مگر بنارس سے نکلنے تک تمہیں کار کی ڈگی میں چھپا رہنا ہوگا۔" میں نے سیتا سے کہا تو وہ خلافِ توقع اعتراض کی بجائے خوش ہو گئی۔ اس کے لئے تو یہ ایک انوکھا تجربہ تھا۔

ڈگی کھول کر ریوالور، ٹارچ اور شکاری چاقو کے علاوہ سارا سامان میں نے اس میں رکھا۔ ڈگی کے ڈھکنے کے نیچے لگے ہوئے ماؤنٹ ربڑ کی پٹی کو کاٹ کر اس طرح نکال پھینکا کہ ڈگی بند ہونے کے بعد سیتا کو تازہ ہوا بھی ملتی رہے اور گاڑی چلنے کے دوران میں ڈھکنا غیر معمولی شور پیدا نہ کرے۔

"اچھا سیتا! اب خاموش رہنا۔" میں نے اس کے رخسار پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ "جب تک میں ڈھکنا کھول کر آواز نہ لگاؤں اور جب گاڑی کہیں رکی ہوئی ہو تو ذرا بھی حرکت نہ کرنا ورنہ ہم دونوں چوہوں کی طرح پکڑے جائیں گے۔"

"اچھا جی!" وہ طنز کر ابولی۔ "میں تو اتنی عقلمند بھولی ہوں کہ شاید ابھی یہیں بیٹھے ہی تمہاری خاطر درخت پر بیٹھے بیٹھے میرا بدن پھوڑے کی طرح دُکھنے لگا ہے۔"

سیتا جی کی ہٹ واضح ہوئی۔ میں نے آہستگی سے ڈالی کا دھکا منتقل کر دیا اور اطمینان کا گہرا سانس لیتا اپنی نشست پر بیٹھنے لگا۔

"ٹھہرو صفدر!" دروازے کے ہینڈل پر میرا ہاتھ پڑتے ہی عقب سے کوئی للکارا اور میرا وجود لرز کر رہ گیا۔ میں جھلا کر آواز کی سمت میں گھوما تو تاروں کی مدھم روشنی میں ٹنڈن ایک ٹیلے پر ریوالور دست کھڑا نظر آیا۔

"تت ۔۔۔ تم یہاں؟" میں غیر ارادی طور پر ہکلایا۔

"ہاں! تم سمجھ رہے تھے کہ مجھے چکمہ دے کر بھاگ جاؤ گے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "مگر مجھے صبح ہی تمہاری کہانی پر شبہ ہو گیا تھا۔ اگر تمہارا بیان کیا ہوا کشتی کا حلیہ درست تھا تو اس کے حملے کے نتیجے میں تمہارے سطحی زخم ناقابل یقین تھا اور ڈاکٹر نے تمہاری بے ہوشی کے دوران ہی میرے شبہ کی تصدیق کر دی۔ ان میں کوئی خراش دانتوں سے نہیں آئی تھی۔ وہ سب تو ایسے زخم تھے جیسے کسی ہلکے جانور کے پنجوں سے۔ خونخوار کشتی کے پنجے بھی بدن سے گوشت کے لوتھڑے نوچ لیتے ہیں۔۔۔۔۔۔ تمہارے اسی جھوٹ نے مجھے چوکنا کیا اور آج دوپہر سے میں تمہارا پیچھا کر رہا ہوں۔ تمہاری تیاری سے مجھے شبہ ہو گیا تھا کہ تم نے سیتا کا سراغ پا لیا ہے اور اب فرار کی تیاری کر رہے ہو۔۔۔۔ مگر تم یہ بھول گئے کہ تم استاد سے ایک معاہدہ کر چکے ہو۔ اسے توڑ کر تم بنارس سے زندہ نہ نکل سکو گے۔"

"میرا راستہ نہ روکو ٹنڈن! اس وقت میں تنہا پہاڑوں تک سے ٹکرا جاؤں گا۔"

"پہاڑ نہیں صرف ٹنڈن سے ٹکرا کر دیکھو۔" اس نے ریوالور سیدھا کیا۔ اب اس کے اور میرے درمیان مشکل دس بارہ فٹ کا فاصلہ رہ گیا تھا اور ہم دونوں درخت کے سائے میں کھڑے تھے۔ "میں ایک کے مقابلے میں ایک کا قائل ہوں۔ اس خونی لڑکی کو ڈھونڈ کر تم نے میرا کام بہت آسان کر دیا ہے۔ وہ پہلے استاد سے کہہ رہا تھا۔ سلامتی اسی میں ہے کہ واپس تانگے پاس چلو ورنہ تم پر گولی چلاتے ہوئے مجھے کوئی دکھ نہ ہو گا اور میں لڑکی سمیت یہ آسن استاد کے حوالے کر دوں گا۔"

"میں کیمیا گری کا نسخہ تمہارے حوالے کرنے کو تیار ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اس نے چیخ کر مجھے وارننگ دی اور میں نے ہاتھ اٹھا دیے۔

"اس نسخے میں ساری تحریر موجود ہے۔" میں نے قدرے توقف کے بعد بات جاری رکھی۔ "تجربے کے دوران تم خود اس بات کے شاہد رہے ہو۔ استاد کو صرف معنوی سونا چاہیے۔ صفدر علی اس کے لیے بیکار ہے۔ مجھے خاموشی سے نکل جانے دو۔"

"کسے کیا چاہیے اور کون کس کے لیے بیکار ہے، یہ فیصلہ کرنا صرف استاد کا کام ہے۔ اگر وہ مطلب کی بات مل گیا تو ممکن ہے تم خود بخود جا سکو گے۔" اس کا جواب اٹل تھا۔

"تم بھی میرے ساتھ نکل چلو۔ میں تمہیں مالا مال کر دوں گا۔ کیمیا گری کے علاوہ میں پارس پتھر کا بھی مالک ہوں جو ابھی تک صرف افسانہ بنا ہوا تھا۔"

"تم تخت سلیمان بھی دے دو تو ٹنڈن استاد سے غداری نہیں کرے گا۔"

"ٹنڈن!" میں نے نرم لہجے میں اسے سمجھانا چاہا۔ "تم جانتے ہو کہ سیتا کے ہمراہ اس وقت یہی بتانا شاید آخری اور بھرپور چنگ لڑ رہا ہے۔ میرے لیے بنارس سے نکلنے کا یہ بہترین موقع ہے۔ میں ابھی استاد سے شکوہ نہیں کر رہا۔ کیمیا گری کا راز تمہارے حوالے کر رہا ہوں۔ میری آزادی کے بدلے تو فخر نہ کرو۔ میرے دوست! مجھے جانے دو۔"

"نہیں ۔۔۔ یہ ناممکن ہے۔" وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ "استاد کی شاگردی میں آج تک ٹنڈن نے کبھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ استاد داغ ہے اور ٹنڈن اس کی تابع طاقت۔"

"پھر تم نے میرے تعاقب کا فیصلہ کیوں کیا؟"

"یہ استاد کے حکم کے مطابق تھا۔ اس نے مجھے اور جسونت کو تمہاری حفاظت پر مامور کیا ہوا ہے۔" وہ اپنے موقف سے قدا بھی ہٹنے کو تیار نہ تھا۔ میں اسے باتوں میں الجھا کر سوچنے کی مہلت بھی لے رہا تھا۔ میرا ذہن تیزی سے کام کرنے میں مصروف تھا اور میں اس بدترین صورت حال کو اپنے حق میں بدلنے کی کوئی تدبیر نہیں سوچ پا رہا تھا۔

"تم جانتے ہو کہ سیتا جیل سے کیسے فرار ہوئی؟" میں نے اچانک نہایت سکون کے ساتھ سوال کیا۔

"یہ میرا دردِ سر نہیں۔ پولیس کو اس کی فکر ہونی چاہیے۔"

"نہیں، تم بھی سوچو۔" میں نے اب بڑے اعتماد سے کہا۔ "سیتا کو جنوں کی زبان پر ملکہ حاصل ہے۔ بنارس جیل میں پھرنے والے بندروں نے اس کے لیے خفیہ سرنگ بنا رکھی تھی۔"

"یہ تم مجھے کیوں بتا رہے ہو؟" اس کے لہجے میں حیرت کے ساتھ پریشانی بھی تھی۔ شاید میرے لہجے کے سکون اور اعتماد نے اسے چکرا دیا تھا۔

"اس لیے کہ بندروں کا ایک غول سیتا نے کل رات سے تمہاری نگرانی پر مامور کیا ہوا ہے اور اگر اب تم نے صرف لہجہ بھی تیز کیا تو تمہارے پیچھے بندروں کی فوج تمہارے ٹکڑے اڑا دے گی۔" میں نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ ٹنڈن کو میری بات پر یقین آ گیا۔ اس کی گردن غیر ارادی طور پر پیچھے گھوم گئی اور یہی وہ مہلت تھی جو مجھے درکار تھی۔

میرا ہاتھ تیزی سے جیب میں گیا۔ اعشاریہ تین آٹھ کا عجیب و غریب ہتھیار برآمد ہوا جس کا سیفٹی کیچ پہلے ہی ہٹا ہوا تھا اور ایک زبردست چیخ کے ساتھ گولی نکل کر پگھلا ہوا سیسہ ٹنڈن کے سینے میں اتر گیا۔ وہ کربناک چیخ کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے سینہ دبائے زمین پر گر گیا۔ اس کا چھٹا سارا ریوالور نہ جانے کہاں جا گرا تھا۔

میں نے ریوالور جیب میں رکھا۔ ٹنڈن کا بدن ابھی تک تڑپ رہا تھا۔ اس کا زندہ بچنا میرے لیے بہت خطرناک تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میں سیاہ دوستی کے ذریعے سیتا سمیت فرار ہو رہا ہوں۔ میں زمین سے ایک پتھر اٹھانے کے لیے جھکا تاکہ دوسرا فائر کیے بغیر اس کا سر کچل کر اسے موت کی سرحدوں میں دھکیل سکوں کہ اچانک فضا میں گھوڑوں کے سموں کی تیز آوازیں ابھریں۔ میں پتھر چھوڑ کر تیزی سے سیدھا ہو گیا۔

اتنی دیر میں دو گھڑ سوار گشتی سپاہی میرے سر پر پہنچ چکے تھے۔

"غضب ہو گیا! غضب ہو گیا!" میں نے اچانک ہذیانی اور اضطراری انداز میں چیخنا شروع کر دیا۔ "وہ خونی لڑکی میرے ساتھی کو مار گئی۔۔۔۔ اس کا پیچھا کرو حوالدار جی۔ وہ ابھی اس میدان میں بھاگی ہے۔ اس کے بائیں ہاتھ میں جھکڑی پڑی ہوئی ہے۔"

گھبرا گئی وہ؟ "خونی لڑکی" کا نام آتے ہی ان کا دوران خون تیز ہو گیا۔ اس وقت لاش کی دریافت سے زیادہ اہم سیتا کی بازیابی تھی۔

"اُدھر ۔۔۔ اُدھر بھاگی ہے کسی خشگمند کی طرح۔" میں نے سامنے ہاتھ اٹھا دیا۔

ان کی آنکھوں میں دُہری ترقی اور کئی چپکتی اضافوں کی حسرت چمکی۔ اور وہ بولے "ہم اس کے پیچھے جاتے ہیں۔ تم ہماری واپسی تک یہیں رکو۔" یہ کہتے ہی انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور ویران میدان میں گھستے چلے گئے۔

میں نے پتھر اٹھا کر ٹنڈن کے سر پر رسید کیا۔ خون کے فوارے چھوٹے اور اس کا بدن ایک بار اچھل کر بے جان ہو گیا۔

میں نے پھرتی سے کار کا انجن اسٹارٹ کیا اور تیزی سے آگے بڑھا لے گیا۔ گشتی سرکار کا تھا۔ تاریکی اور دیہاتی سی کے باعث وہ سپاہی نہ کار کا نمبر نوٹ کر سکے تھے نہ انہیں اس کی ساخت یاد رہی ہو گی۔ قلیل ترین تنخواہ پانے والے ان مفلوک الحال کانسٹیبلوں کے لیے ہر موٹر صرف موٹر ہوتی ہے۔ اس کا نام ماڈل ہوتا ہے نہ ساخت ۔۔۔ اور ان کی یہ لاعلمی میرے لیے کامیابی کی کلید تھی۔

ابھی تک سنسنی خیز رکاوٹوں اور حادثات کے باوجود میرا منصوبہ کامیاب جا رہا تھا اور اگر کوئی مزید رکاوٹ سامنے نہ آئے تو میں بس چند ہی گھنٹوں میں وسیلے لگا کے اُس پار مرزاپور پہنچ سکتا تھا۔

ہیڈ لیمپس کی روشنی میں تیز کار کی ویران سڑک پر بل کھاتی ہوئی سیاہ ناگن کی طرح چمک رہی تھی۔ کار کی رفتار ظاہر کرنے والی سوئی ستر اور اسی کے درمیان لرز رہی تھی اور میرا بس چلتا تھا کہ اسے پاسبان کی طرف کراس کر کے پیغان الہی کے تعاقب میں اڑا لے جاؤں۔

سنگِ سیاہ

اسٹیشن کا انجن اپنی پوری قوت سے غرّا رہا تھا۔ گزرتے ہوئے سنسنی خیز لمحوں کے تصور سے میرا سارا بدن پسینے میں نہا گیا تھا۔ اگر شدن بندھوں کے بارے میں میری مفروضہ منطق درست ثابت نہ ہوتی اور ٹرک پل پر ہی کھڑے رہ جاتا تو ہم پر وقت منڈلا رہا تھا اور یہی دھڑکا تھا کہ اسی لمحے ملک عدم کو سدھار جاتا اور سیتا ایک بار پھر قیدی کی طرح استاد بھوپت سنگھ کے قبضے میں چلی جاتی۔ جو بنارس کی بیٹیوں کے باغات کی ٹھیکیداری کی آڑ میں بڑے پیمانے پر بدمعاشی کرتا تھا اور اگر ناگر کا شور سن کر ان پہنچنے والے گھوڑے پر سوار سپاہی عقل سے پیدل نہ ہوتے تو میں انہیں سیتا کے فرضی ہونے کے تعاقب میں دوڑنے میں کامیاب نہ ہو پاتا!

میری خوش قسمتی تھی کہ دشمن کا انجام اور سنسنی خیز جدوجہد میں بار بار ایسے مواقع آتے کہ جہاں موت میرے نزدیک سے گزر جاتی، لیکن ہر بار ایک غلط اندازہ یا ایک غلط قدم میری موت کا باعث بن سکتی تھی مگر میں نہ غیر انسانی قوتوں پر اعتبار رکھتا تھا نہ دیدہ دانستہ خطرات مول لیتا تھا۔ میرے تجربے کا نچوڑ یہی تھا کہ انسان مشکل ترین حالات میں بھی اپنے حواس برقرار رکھے اور اس کی حرکات و سکنات اس کی عقل کے تابع ہوں تو انسان ہر وقت کے خطرناک جنگل سے بچ نکلتا ہے۔

میں نے جتنا ممکن تھا بنارس کی سڑکیں اور اسٹیشن روانہ ہوتے ہوئے اپنے ماضی کے بارے میں سوچا اور میرا سینہ فخر سے پھول گیا۔ مجھے قدرت نے بدترین حالات کو بھی اپنے حق میں موڑنے کی صلاحیت سے نوازا تھا اور میں اس سے بھرپور فائدہ اٹھا رہا تھا۔ کراچی کی پولیس سے فرار ہو کر مجھ پر زندگی تنگ ہو چکی تھی، عزرائیل کے گرگوں کے ہاتھ تنگ دلی کا مجھ پر موت ہونا، انڈین آرمی کی تربیت پانے سے قبل دھیان کی خوفناک گرفت کی عادت نہ ہونا اور نام نہاد جوانوں کے سامنے آ کر انسانوں سے بھرے قبیلے سے مقابلہ بیت کے بالمقابل دوسرے سے معرکہ آرائی، انسان کی ماد سے حساب کتاب کا مقابلہ کالی کے لب میں ڈاکو اور دین کی دنیا میں مفرور ڈاکو کا قلب لانے کے لیے اپ کا انتقام، انڈین سیکرٹ سروس کی بازپرس، بنارس کے مقدس غنڈوں کی دشمنی اور اب استاد بھوپت سنگھ کے نمک خواروں اور ان لوگوں سے فرار — میں نے اب تک ہر قسم کے مرحلے پر خطرے کے ستاروں کو ڈوب ڈوب کر ابھرتے دیکھا تھا۔ میں اس جان توڑ جدوجہد سے اب تنگ آ چلا تھا۔ دل پر دن بدن بوجھ سا بڑھتا جا رہا تھا۔ مجھے سیتا جیسی مثالی بیوی مل چکی تھی۔ دولت اور اس کے لیے تمام سہولتیں خریدنے کے لیے بھی میرے پاس تھی اور میں کسی پرسکون مقام پر عام آدمیوں کی طرح گھریلو زندگی بسر کرنا چاہتا تھا مگر یہ معلوم نہ تھا کہ اب تک تعاقب کرنے والے ابھی بھی میرے پیچھے ہیں۔ بھلا کون سوچ سکتا تھا کہ بنارس جیسا امن و آشتی کا شہر ان لوگوں کی بدولت قتل و غارت گری کے لیے ایک کا ڈیرہ بن گیا تھا؟ گمراہ تھے ساتھ میری زندگی کے تمام ناکام کچھ ان دنوں بے جا اور میرے ساتھ جو پیش آتے چلے جا رہے تھے۔

سیتا میری ہدایت کے مطابق نہایت خاموشی سے کار کی ڈگی میں دبکی پڑی ہوئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ شاید جھٹکوں وغیرہ سے بے نیاز گہری نیند سو گئی ہے۔ تھوڑی دیر بعد اسٹیشن شہر کے نسبتاً بیدار علاقے میں داخل ہوا تو میں نے رفتار کم کر دی۔ اس علاقے میں تیز رفتاری خطرناک ہو سکتی تھی اور لوگوں کو میری طرف متوجہ کر سکتی تھی اور میں کسی بھی ناگہانی مصیبت سے دوچار ہو سکتا تھا۔

منظر کی ہلاکت کے بعد اب وہ سیاہ اسٹیشن بھی میرے لیے خطرے کا نشان بن گئی تھی۔ جونہی بھوپت سنگھ کو اس واقعہ کا علم ہوتا وہ اسی لمحے مجھے اور سیتا کو تلاش کرنے کی مہم شروع کر دیتا۔ منظر کی ہلاکت ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ پھر صرف دو ہی صورتیں تھیں: اسٹیشن کے حوالے سے ہندوستان کے آخری سرے تک میرا تعاقب کیا جاتا یا مجھے نئی شناخت اختیار کرنی پڑتی۔ مسئلہ یہ تھا کہ بنارس سے نکلنے سے قبل اسٹیشن سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ کسی بارونق علاقے میں اسٹیشن چھوڑ کر دوسری کار چوری کرنا بہتر نہ تھا کیونکہ اس میں یہ قباحت تھی کہ ڈگی سے نکلتے ہوئے سیتا کو ایک جھلک بھی کوئی دیکھ لیتا تو وہ آسانی سے پہچان لی جاتی۔ چاہے اسے کتنا ہی چھپا لیا جاتا، جبکہ ویران علاقوں میں کار تبدیل کرنے کا موقع نظر نہ آ سکا۔

بالآخر میں نے تقدیر پر بھروسہ کر کے اسٹیشن ہی میں سفر جاری رکھنے کا فیصلہ کیا کیونکہ وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور گھوڑوں کے ہمراہ مجھے بے پناہ خطرات کا سامنا تھا۔ خدا خدا کر کے میں شہر کی آخری بستی سے بھی گزر گیا اور اسٹیشن بنارس سے مغرب کی طرف جانے والی اس شاہراہ پر دوڑنے لگی جو دریائے گنگا کے کنارے کنارے آگے بڑھتی تھی اور بنارس کے مقام پر سیاہ کا پاٹ عبور کرتی ہے۔ مگر میں فی الحال اتنا طویل سفر کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا بلکہ ارادہ دو میل ہی سے گنگا کو عبور کر کے مرزا پور پہنچنے کا تھا جو بنارس سے بہت قریب ترین اور نسبتاً محفوظ قیام گاہ تھی۔

تقریباً نصف گھنٹے بعد سڑک پر مجھے ایک چوبی بورڈ کا نشان نظر آیا۔ میں چونکا اور میں نے کار کی رفتار سست کر کے بائیں طرف موڑ دی۔ میں اپنے خیالات میں گم اس تاریک سڑک پر دوڑتا جا رہا تھا کہ اچانک نظر کچھ فاصلے پر سڑک پر پولیس چوکی پر پڑی۔ ان پولیس والوں کو دیکھ کر میرا رنگ اڑ گیا۔ آگے کھڑے ہوئے دو آدمیوں کے کندھوں سے رائفلیں لٹک رہی تھیں۔ شدید بیماری کا دورہ وان سیتا کی تلاش میں شہر کی ناکہ بندی سے متعلق تھی۔

لیکن یہ میرے محض وہم بھی ہو سکتا تھا۔ سامنے کھڑا سپاہی پولیس کی وردی میں مسلح تھا اور آگے بڑھنے میں خطرات پوشیدہ تھے۔ اگر بیماری کا دورہ ہو تو بنارس سے فرار کی راہیں مسدود کرنے کے لیے لگائی گئی تھی تو پولیس والے گاڑی کی مکمل تلاشی لیتے اور ڈگی میں موجود سیتا ایک بار پھر پابند سلاسل کر دی جاتی۔

میں نے ذہنی طور پر ہر خطرے سے نمٹنے کا عزم کر لیا اور پستول اپنی جیب میں دبا لیا۔ اگر میں ان سے کام نکالنے کے لیے مجھے دو چار خون کرنے پڑتے تو اب میں ذہنی طور پر اس کے لیے تیار تھا۔

کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی دیکھ کر سپاہی چوکنے ہو گئے اور سڑک کے درمیان میں کھڑے ہو کر میرے قریب پہنچنے کا انتظار کرنے لگے۔ جب فاصلہ کچھ ہی رہ گیا تو ایک سپاہی نے ٹارچ جلا کر مجھے رکنے کا اشارہ کیا۔ وہیلے نے کی آواز سے میری سانسیں رک گئیں، اتنا سوچنے کا وقت بھی نہ ملا اور اسٹیشن ان کے سامنے آ کر رک گئی۔

میں نے بریک لگا کر کھڑکی کا شیشہ نیچے کیا۔ میں نے دیکھا کہ بیلا اور دوسرا سپاہی گاڑی کی پچھلی طرف جا رہا تھا۔ پولیس والے نے شاید شبہ کی بنا پر گاڑی کی نمبر پلیٹ پر روشنی ڈالی۔

میں نے سپاہیوں پر نظریں جمائے رکھیں۔ یہ سخت خطرے کی بات تھی۔ گاڑی کی پچھلی طرف سے خطرہ بڑھ چکا تھا اور گاڑی کی ڈگی میں سیتا موجود تھی۔

ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر میرے منہ پر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور کہا "باہر نکلو!" میں نے سوال کیا "ہاں، کیوں؟" "ادھر آؤ۔ ہاں۔ بتاؤ یہ گاڑی کس کی ہے؟" وہ اس بار لہجے میں غرّایا۔

میں نے تیزی سے اپنا لائحہ عمل مرتب کیا۔ مجھے اپنے ہاتھ میں پستول کی موجودگی کا احساس تھا۔ بڑے بڑے دیوقامت ہاتھ کا لمس محسوس ہوا جس کے باعث اس کی نظروں سے اوجھل ہو کر میں نے گن کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ان کا نشانہ بنانا چاہتا تھا کہ اندھیرے میں ایک مرتبہ پھر سیتا کی ایک مدھم آواز ابھری۔

"ارے یہ تو استاد بھوپت کی گاڑی ہے!" دوسرا سپاہی چیخا۔

اس انکشاف پر مجھ سے باز پرس کرنے والا سپاہی ٹھٹھک گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر کار کی نمبر پلیٹ پر روشنی ڈالی اور واپس میری طرف آیا۔

اس دوران بیماری میری نظروں میں سمجھ میں آتی ہوئی صورتحال کا خطرہ منڈلا رہا تھا۔ گاڑی کی پہچان کرنے والے کی آواز سے ظاہر تھا کہ وہ لوگ بھوپت کے نمک خوار ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ یا تو میں اس کا اپنا آدمی ہوں یا پھر گاڑی چوری کر لی گئی ہے۔ یہ اندازہ کرتے ہی میں نے اپنا ہاتھ پستول سے ہٹا لیا۔ اگر اس نے گاڑی پہچاننے میں ذرا بھی تاخیر کی ہوتی تو اب تک ان میں سے کوئی ایک ڈھیر ہو چکا ہوتا۔

"گاڑی تو استاد کی ہے مگر تم کون ہو؟" وہی سپاہی قریب آ کر بولا۔ اس کے لہجے میں اشتباہ آمیز تجسس تھا۔

"بھوپت کے سوا کون اتنی بڑی گاڑی خریدنے کی استطاعت رکھتا ہے؟ اب میں اس گاڑی سے اتر آیا۔" انجن اب بھی اسٹارٹ ہی تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" اس نے سوال کیا۔

"گاڑی میں بیٹھ کر جنگل جا رہا ہوں۔ اگر تم مجھے گرفتار کرنا چاہتے ہو یا خاموشی سے جانے دو۔ اگر دیر ہو گئی تو صبح تک سب کو اطلاع ہو جائے گی اور تمہاری نوکری بھی جائے گی!"

میں نے جواب دیا۔ اس نے آواز کا جواب دینے کے بعد کہا "تمہارے بارے میں ہمیں کوئی اطلاع نہیں۔ یہ سب تو گاڑی کی تلاشی لینے کا حکم ملا ہے۔"

"تمہیں گاڑی کا نمبر، ماڈل اور منزل درج کرنا پڑے گی۔ تمہارے نام بھی لکھنے ہوں گے۔ مجھے استاد بھوپت سنگھ سے ملنے والے احکامات پر عمل کرنا ہے۔"

میں نے کھڑکی سے ہاتھ ڈال کر انجن بند کر دیا اور چابی ہاتھ میں لے کر اس کی طرف اچھالی۔ "گاڑی یہاں کھڑی ہے، بے شک دیکھ لو۔ میں استاد کا پیغام لے کر جا رہا ہوں۔ میرے پاس پولیس کو جواب دینے کا وقت نہیں ہے۔ استاد تم لوگوں کی حماقت بالکل برداشت نہیں کرے گا!"

"کیوں بات لگاتے ہو بھائی!" اچانک ایک دوسرا سپاہی قریب آ کر نرم لہجے میں بولا۔ "بھلا تم دونوں کی کیا ضرورت ہے؟ یہ گاڑی تو آج رات اس پل سے گزرنی ہی تھی۔"

"شاباش!" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ "تم جیسے ہوشیار آدمی کو تو اس شہر کا کوتوال ہونا چاہیے!"

"استاد بادشاہ آدمی ہے۔" وہ کہنے لگا۔ "اگر اسے پتا چل گیا کہ ہم نے اس کا مال پکڑا ہے تو وہ پہلے سے زیادہ تنگ کرے گا اور ہم تینوں غریب معطل کر دیے جائیں گے۔"

"تمہیں کیا معلوم میاں!" میں نے کہا۔ "اگر ہم سیتا کو پکڑنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ استاد بھوپت سنگھ جیسے دس آدمیوں کی ناراضگی بھی معاف کر دیں گے۔"

"تم لوگ میرا وقت کیوں خراب کر رہے ہو!" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ غصے سے کہا۔ "گاڑی کو نکلنے دو یا واپس جانے دو۔"

کانسٹیبل نے اسٹیشن کی جانب دیکھتے ہوئے چند ثانیوں تک کچھ سوچا پھر بولا۔ "تم چلے جاؤ مگر یاد رکھنا کہ آج کی رات ہم اس پل سے گزرنے والی ہر گاڑی کو چیک کر رہے ہیں۔"

"میں خوب جانتا ہوں!"

اسٹیشن کا انجن بیدار ہوا اور کار پوری رفتار سے سڑک پر آگے بڑھتی چلی گئی۔ پل کے نیچے دریائے گنگا کا پانی تاروں کی چھاؤں میں جابجا چمک رہا تھا۔ اس کی لہروں کا شور ایک عجیب نغمہ بکھیر رہا تھا اور میں دل ہی دل میں اس خطرناک مرحلے سے بچ نکلنے پر خدا کا شکر ادا کر رہا تھا۔ قدرت غیر محسوس انداز میں میری مدد کر رہی تھی اور بنارس شہر میں اسٹیشن کار کا تبدیل نہ ہونا بھی اسی بہتری کا مظہر تھا۔ اسٹیشن تو استاد بھوپت کے حوالے سے تلاشی کی زد سے صاف بچ نکلی تھی اگر اس وقت میں کسی دوسری کار میں ہوتا تو تلاشی کے نتیجے میں سیتا کی برآمدگی اور گرفتاری یقینی تھی۔

ڈیش بورڈ میں لگے ہوئے میٹر سے ظاہر ہو رہا تھا کہ پٹرول کی ٹنکی اب زیادہ دور ساتھ نہیں دے سکے گی اور وہ علاقہ میرے لیے اجنبی تھا۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ آبادی کس طرف ہو گی اور پٹرول کہاں مل سکے گا۔ میرے سامنے یہی صورت تھی کہ جہاں تک ممکن ہو گاڑی کے سہارے سفر جاری رکھا جائے اور جب کار رک جائے تو ہم پیدل ہی کسی جانب نکل چلیں۔

مرزا پور میری توقع کے برخلاف بنارس سے بہت قریب نکلا۔ شہر کی روشنیاں نظر آتے ہی میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔

اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ شہر پر ہر طرف خوابناک خاموشی چھائی تھی۔ سڑک پر اسٹیشن کے سوا کوئی دوسری سواری نظر نہیں آ رہی تھی۔

اب میرا ارادہ یہ تھا کہ جلد از جلد کسی محفوظ مقام پر کار روک کر سیتا کو ڈگی سے نکالوں اور اسے پرتعیش ہوٹل میں لے کر اسٹیشن سے مستقل نجات حاصل کر لوں۔

مگر اس کام کے لیے رات کا وقت ہی مناسب تھا۔ چھوٹے سے شہر میں آتی رات گئے ایک مرد اور برقعہ پوش عورت کو پیدل قدمی کرتے دیکھ کر کوئی شخص شبہات کا شکار ہو سکتا تھا اور اگر کسی سپاہی وغیرہ سے سامنا ہو جاتا تو برقعہ پوش کے بارے میں بھی کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکتا تھا۔

اس وقت میں کئی خطرات پر [illegible] ایک آسودہ حال رہائشی علاقے سے گزر رہا تھا کہ کار کے انجن نے پہلے پہل کی ہچکیاں لیں [illegible] پٹرول کی سوئی کے آخری حد کو چھونے [illegible] ایک جھٹکے [illegible] کی حرکت رک چکی تھی۔

میں کار سے اتر کر پٹرول کی ٹنکی کا جائزہ لینے کے بہانے ڈکی کے قریب آیا!

اور آہستگی سے سینا کو [illegible] کوئی جواب نہ ملا تیسری آواز پر ڈکی میں [illegible] کی حرکت ہوئی اور سینا کی خود [illegible] کیا بات ہے؟"

"سینا! ہم دوسرے شہر میں ..."

"یہ ڈبہ تو کھول!" اس نے میری بات درمیان ہی سے اچک لی۔ "اندھیرے میں اب میرا دم گھٹ رہا ہے میں باہر آؤں گی۔"

"تو بہت اچھی لڑکی ہے۔" میں جلدی سے خوشامدانہ لہجے میں بولا۔ "ہم بلا کسی [illegible] سے نکل چکے ہیں مگر اس وقت آبادی کے درمیان گاڑی کا پٹرول ختم ہو گیا ہے۔ یہاں تجھے باہر نکالنے میں دیکھے جانے کا خطرہ ہے۔ بس تھوڑی دیر اور [illegible] گاڑی کسی ویرانے میں پہنچ کر تجھے اس ڈبے سے نکال دوں گا۔ میری [illegible] تک [illegible] ہم سادھے [illegible] رہ۔"

"اگر تو جلدی نہ آیا تو میں چیخنا شروع کر دوں گی۔" ڈکی میں سے اس کی شرارت آمیز آواز ابھری۔

"بس میں ابھی آتا ہوں۔"

میں نے گاڑی کی ڈکی کا ڈھکنا گرا کر [illegible] ایک طرف چل دیا۔

میری دست [illegible] کے مطابق [illegible] کے قتل کو ڈھائی گھنٹے کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس مدت میں یہ سب ہو سکتا تھا کہ گھر والوں کے بیچے پولیس آ کر اپنی حماقت کا احساس کر چکی ہو۔ [illegible] اپنے بیٹے کی وجہ سے یقیناً پولیس کی نظروں میں [illegible] شاید خوبصورت [illegible] کو بھی یہ خبر مل چکی ہو کہ جب اسے واردات کے سیاہ کار کی موجودگی کا علم ہوا ہو گا تو اس نے تمام [illegible] کی جو سب راز تھے میرے بارے میں معلوم کیا ہو گا۔ آشٹن صاحب میری دو نوکرانیوں کا قتل خوبصورت جیسے [illegible] کے لیے کوئی معمولی بات نہیں ہوگی۔ مجھے یقین تھا کہ اب تک پولیس نے جنازے میں آشٹن اور [illegible] کی تلاش شروع ہو چکی ہو گی جب اعلیٰ حکام نے پل والی چیک پوسٹ سے رابطہ قائم کیا ہو گا تو [illegible] آشٹن کا سراغ مل سکا ہو گا۔ وہاں موجود سپاہی نے محض غلط فہمی میں آشٹن کو نکل جانے دیا تھا اور جب ان کو علم ہوتا کہ وہ گاڑی بھاگنے والا [illegible] کا ساتھی تھا تو وہ کسی بھی قیمت پر اپنی حماقت کا اعتراف نہ کرتے اور یہ بھی ایک بات اطمینان کا باعث تھی کہ فوری طور پر پولیس کی توجہ مرزا پور اور اس کے نواح میں مرکوز رہ پاتی اور جب تک کسی دوسرے نتیجے سے مرزا پور پولیس وہ آشٹن دریافت ہوتی میں سینا کے ہمراہ کہیں دور نکل چکا ہوتا۔

تھوڑی دیر کی کوشش کے بعد ایک پٹرول پمپ مجھے نظر آ ہی گیا۔ سالا

اسٹارٹ [illegible] پر پڑا سو رہا تھا۔ ایک کار نزدیک لیمپ کے قریب [illegible] مجھے بیٹھے [illegible] بھی [illegible] جانے پر اس کے چہرے پر [illegible] کے آثار ظاہر ہوئے۔

"کیا مصیبت ہے؟" میرے جھنجھوڑنے پر اس نے [illegible]

مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"میری گاڑی کا پٹرول ختم ہو گیا ہے۔" میں نے لجاجت سے کہا۔

"تو میں کیا کروں؟" وہ جھنجھلا کر بولا اور پھر آنکھیں موند لیں۔

"تم پٹرول دینے کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہو!" میں نے [illegible] سے [illegible] خشمگیں ہوتے ہوئے کہا۔

اس نے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا۔ وہ [illegible] آواز میں بولا۔ "تو لے دے [illegible] گا، گھر میں [illegible] رات [illegible] ہے۔"

اس نے مجھ سے کافی بحث کی مگر میں نے معقول زائد رقم [illegible] پہنچانے کا وعدہ کیا [illegible] پٹرول لیا اور واپس چل پڑا۔ اتنے پٹرول سے [illegible] باآسانی پمپ تک آ سکتا تھا۔

آشٹن کے لیے پٹرول کی یہ نادانستہ فراہمی میرے لیے بھی کوفت کا باعث [illegible] گاڑی جس علاقے میں بند ہوئی وہ اگرچہ رہائشی علاقہ [illegible] تو میں [illegible] نکال لیتا مگر اس وقت ڈر یہ تھا کہ اگر بے خوابی کا کوئی مریض ہی کھڑکی سے [illegible] کہ ایک کار [illegible] سے پراسرار انداز میں ایک عورت [illegible] پولیس کو اس طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرے گا جبکہ میں ایسے معاملات [illegible] سے حتی الامکان دامن بچا رہا تھا۔

میں انہی خیالات میں گم چلا جا رہا تھا کہ اچانک میرے قریب [illegible] جیپ تیز رفتاری سے اسی طرف نکل گئی [illegible] آشٹن چھوڑ آیا تھا۔ جیپ [illegible] پر پولیس کا [illegible] امیر پر [illegible] اور جیپ کی رفتار [illegible] تیز تھی۔

میں دل ہی دل میں آنے والے خطرات کے بارے میں سوچ کر لرز رہا تھا [illegible] ٹھوکر [illegible] جب سیاہ آشٹن نظر آئی تو میری نگاہ پولیس جیپ پر [illegible] آشٹن کے قریب پولیس جیپ کے علاوہ دو موٹر سائیکلیں [illegible] کی روشنی ہی میں [illegible] پولیس والے [illegible] کھڑے تھے۔

میں نے پٹرول سمیت ڈبہ ایک طرف پھینک دیا [illegible]

[illegible] ہر طرف ناامیدی اور مایوسی کی گھٹائیں [illegible] [illegible] کی رات میری بلا سیری اور [illegible] کے وہ [illegible] آشٹن کی ڈکی میں بند بے حس و حرکت پڑی [illegible] تقدیر کی [illegible] تھی [illegible] [illegible] بالکل ہی مجبور اور بے بس تماشائی تھا۔

پولیس کی وہاں موجودگی سے کم از کم ایک بات تو ثابت ہو گئی کہ مرزا پور پولیس کو آشٹن اور اس کے سوار کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو چکا ہے [illegible] ایک کمزور سا امکان یہ تھا کہ آشٹن کی [illegible] سپاہیوں نے [illegible]

عزت [illegible] کا اعتراف کر لیا [illegible] کا [illegible] کر [illegible] کے ہوں [illegible]

[illegible] کے طور پر آشٹن کے بارے میں ساری تفصیلات بذریعہ وائرلیس قریب و جوار کے مراکز کو پہنچا دی ہوں اور مرزا پور کی گشتی گاڑی نے آشٹن کو پہچان لیا ہو۔

[illegible] فاصلہ ہونے کے باعث مجھے کچھ علم نہ تھا کہ آشٹن کے سلسلے میں وہاں کیا کارروائی ہو رہی ہے۔ [illegible] ڈکی کھول کر سینا کو برآمد کر چکے تھے [illegible] مجرم بیکار تھا اور گاڑی اس کی توجہ سے کبھی بری تھی تو ان کے قریب مقامات میں کہیں بھی سینا کی [illegible] کی ایک بھرپور کوشش کر رہے تھے۔

میں نے پٹرول کے لیے واپس جاتے سے قبل سینا کو خاموشی کی ہدایت کی تھی اور مجھے یقین تھا کہ اگر آشٹن کے قریب آ گیا [illegible] تو سینا ڈر کے مارے [illegible] آواز نہ نکالے گی۔ دوسری طرف کار کے [illegible] وغیرہ [illegible] پولیس منطقی طور پر یہی سمجھ رہی ہوگی کہ مفرور مجرم مرزا پور پہنچتے ہی گاڑی چھوڑ کر بھاگ نکلے ہیں۔ اس صورت میں وہ یہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ ان کے نرغے میں آئی ہوئی کار کی ڈکی میں ان کی مطلوبہ لڑکی [illegible] ہے۔

اور اس تجزیے کے بعد میں نے آخری قدم اٹھانے کا فیصلہ کر ہی لیا۔

وہ علاقہ چونکہ متمول لوگوں پر مشتمل تھا اس لیے پولیس دونوں نے رات کے سناٹے میں سائرن وغیرہ بجا کر خوف و ہراس پیدا کرنے سے خلاف معمول گریز کیا تھا جس کا نتیجہ مکانات کی کھڑکیاں بند ہونا تھا۔ علاقے کے لوگ سکون سے سوئے ہوئے تھے سنسنی خیز واقعے سے بے خبر اپنے بستروں پر دبکے سو رہے تھے۔

میرے لیے اس وقت آشٹن سے زیادہ دور رہنا مناسب تھا۔ میں نے دیکھ لیا کہ قریب ہی فون کے کھمبوں کا جائزہ لیا اور پھر ایک وضع دار عمارت کی طرف ہو لیا۔ عمارت بہت بڑی تھی۔ [illegible] غالباً [illegible] مکانات تھے میں ان میں سے جس فون والے مکان کے گیٹ پر پہنچا تھا وہاں پر کسی ایل تیواڑی کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔

میں نے گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ دوسری کوشش میں فوراً ہی دروازے کے عقب سے غنودگی میں ڈوبی ہوئی نسوانی آواز ابھری۔ "کون ہے؟"

"میں کلیان چند ہوں، بیگم صاحبہ کلکتے سے آیا ہوں!" میں نے نرمی اور نہایت شائستہ آواز میں کہا۔

"کلیان چند... کلکتے سے؟" عورت نے آواز بلند حیرت سے دہرایا پھر پوچھا۔ "آپ کس کام سے آئے ہیں، تیواڑی جی سے ملنے آئے ہیں؟"

"مجھے تو منتر صاحب نے ایک خط دے کر بھیجا ہے۔ اہل خانہ کی بیماری کا [illegible] اگر تیواڑی جی سو رہے ہیں تو انہیں جگانے میں کچھ [illegible] لیکن اگر [illegible] تو صبح اللہ سے بات ہو جائے گی۔"

عورت کچھ ہچکچاہٹ سے ظاہر تھا کہ مکان میں اس کے اور تیواڑی کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو وہ خود دیکھ بھال کے بجائے اسی کو بھیجتی۔

تھوڑے توقف کے بعد دروازہ کھول دیا گیا۔ میں نے عمر رسیدہ عورت کے سامنے [illegible] [illegible] عورت کو تعظیم دی اور اندر بلائے جانے کا منتظر رہا۔

میرے شریفانہ رویے نے اسے خاصا متاثر کیا اور اس نے مجھے اندر بلا لیا۔

[illegible] اندر آ کر [illegible] نشست گاہ میں داخل ہو گیا۔

پھر وہ عورت جوں ہی دروازہ بند کر کے پلٹی میں نے اچک کر اسے دبوچ لیا۔ میرا دایاں ہاتھ پوری قوت سے اس کے گلے پر جم گیا اور میں نے اسے چیخنے کی مہلت دیے بغیر بائیں ہاتھ سے اس کی کنپٹی پر بھرپور ضرب لگائی اور اس کا بدن بے جان ہو کر میرے ہاتھوں میں جھول گیا۔

میں نے اس کا ساکت بدن آہستگی سے قریبی قالین پر ڈالا اور نزدیک ہی دروازے کا پٹ کھول دیا تاکہ بوقت ضرورت کسی ناگہانی مصیبت کی صورت میں فوراً باہر بھاگ سکوں۔

اس گھر میں میرا کام بہت مختصر تھا۔ میں نے بیرونی دروازے کی ضربیں [illegible] بھی میرے کانوں کی طرف [illegible] آہٹ پر بھی [illegible] تھے [illegible] تھا اور میں جلدی جلدی ٹیلی فون ڈائرکٹری کی ورق گردانی کر رہا تھا۔

چند ہی لمحوں میں مجھے مطلوبہ نمبر مل گیا۔

مرزا پور پولیس ہیڈ کوارٹر والے اس وقت شاید بہت مصروف تھے کیونکہ مجھے فوراً ہی جواب مل گیا اور میں نے انسپکٹر ڈیوٹی پر موجود کسی بڑے افسر سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

"آپ لوگوں نے میلی گڑھ میں اس آشٹن کو کیوں گھیر رکھا ہے جناب؟" منہ چھپائے پر میں نے مدہم اور بڑی خفیف آواز میں کہا۔ "کیا اس میں کوئی لاش پڑی ہوئی ہے؟"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" دوسری جانب تشویش بھرے لہجے میں پوچھا گیا۔

"میں نے خواب کا مریض ہوں اور میرے مکان کے قریب پولیس کی موجودگی نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ اگر وہ دونوں پکڑے گئے ہیں تو پولیس والے اس آشٹن کو یہاں سے ہٹوائیں! اس بار میں [illegible] کھانسی کے درمیان میں بولا۔ "مجھے امید ہے کہ آپ آواز تیواڑی کو متوجہ کر سکے گی۔"

"کون دونوں؟ کیا آپ نے انہیں دیکھا تھا؟" دوسری طرف سے حیرت اور خوشی کے ساتھ پوچھا گیا۔

"ارے دیکھا کیا جناب — وہ تو میرے سامنے اس گاڑی سے اتر کر ایک سفید بس میں بیٹھ گئے ہیں۔ شاید مجھے ہی وہ بس کے مالک کو گاڑی کی چوری کا پتہ چلے گا۔ وہ آشٹن ابھی تک یہاں کھڑی ہوئی ہے۔ بس بہت تیزی سے چلا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک انگریز لڑکی بھی تھی۔"

"انگریز لڑکی؟ افسر کا لہجہ ہیجان آمیز تھا۔ آپ نے بس کا نمبر دیکھا؟"

"نمبر دیکھا تو کیا کرتا میں نے بھولا پڑا یاد تھا کہ بس ایم کے تین سو ستر نمبر تھا اس کا!"

"آپ کہاں سے بول رہے ہیں؟"

"نہیں بابا۔ میں ان سب جھگڑوں میں نہیں پڑتا۔ مجھے تو بس یہ کہنا ہے کہ پولیس کو میرے مکان کے پاس سے ہٹا لو!"

یہ کہہ کر میں نے ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ ڈائرکٹری اور ریسیور کو قرینے سے رکھا۔ پھر فون کا ایک تار کھینچ کر توڑ دیا تاکہ اس گھر کی مالکہ ہوش میں آ کر پولیس کو فون کر کے اس نئی آفت میں نہ پھنسے اور پھر اس کارروائی کے بعد میں پچھلی طرف کے راستے مکان سے نکل آیا۔

پولیس ہیڈ کوارٹر سے اسٹیشن کی نگرانی کرنے والوں کو احکام ملنے میں یقیناً
کچھ وقت لگتا جبکہ میں اب ایک ایک لمحہ استعمال کرنا چاہتا تھا۔

میں پولیس پٹرول پمپ کی سمت ہی چلا گیا تھا۔ میری نظر ایک طرف کھڑی ہوئی کار کی نمبر پلیٹ پر پڑی اور میرا سر پیٹ لینے کو جی چاہنے لگا۔ اس کار کا وہی نمبر تھا جو پولیس کو بتا چکا تھا۔ شاید پٹرول ڈلواتے ہوئے یہ نمبر میرے لاشعور سے چپک گیا ہوگا جو میں نے سفید مرسڈیز کے حوالے سے دہرا دیا۔ غنیمت یہ تھی کہ وہ کار ایک ایسی جگہ پر کھڑی ہوئی تھی جہاں سڑک سے گزرتے ہوئے اس کا دیکھا جانا مشکل تھا ورنہ میرا سارا منصوبہ کھٹائی میں پڑ جاتا۔

بہ حیثیت لوگ چھوٹے مکانوں میں رہیں تو چور اچکوں کا مقدر ہوتی ہو جاتا ہے۔ گو میں ریجوڈ ہو چکا تھا مگر اس وقت میری ضرورت ایک کار کی متقاضی تھی جسے خریدنا ناممکن تھا لہٰذا مجبوراً مجھے چوری کے بارے میں سوچنا پڑا۔

چند گلیوں میں بھٹکنے کے بعد مجھے ایک غیر مقفل کار نظر آ گئی۔ میں نے اس کا بانٹ اٹھا کر تشنی کے دو تار جوڑے اور اس کا انجن جاگ اٹھا۔ میں نے بانٹ بند کر کے کار تیزی سے گلی میں سے نکال لی۔

ایک لمبا چکر کاٹ کر جب میں پہلی مرتبہ اس سڑک پر پہنچا تو پولیس کی وائرلیس جیپ وہاں سے جا چکی تھی۔ مرسڈیز بھی وہاں سے روانہ ہو چکی تھی۔ میں نے وہ گاڑی دور ہی روک لی اور اس کی پچھلی نمبر پلیٹ پر کیچڑ لگا دی۔ جاسوس صاف ستھرے علاقے میں کیچڑ بھی مفقود نہ تھی۔

مرسڈیز کے نکل جانے کے بعد میں آگے بڑھا۔ اسٹیشن کے قریب اس وقت ایک سپاہی موجود تھا جو فٹ پاتھ پر بیٹھا بیڑی سلگا رہا تھا۔

میں نے اسٹیشن کے سامنے اپنی کار روک دی اور اتر کر سپاہی کے پاس جا پہنچا۔ "کیا اس گاڑی سے کوئی ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے؟ ابھی یہاں کافی پولیس موجود تھی؟" میں نے پوچھا۔

"تم نے سیتا کا نام سنا ہے؟" وہ رازداری کے لہجے میں بولا۔ "جس نے بنارس میں پندرہ جیسی بڑی مار دیئے اور جیل توڑ کر بھاگ نکلی تھی۔"

اس نے سیتا کے لئے ہلاک ہونے والوں کی تعداد کو پندرہ تک پہنچا دیا تھا۔ میں نے جلدی سے سر ہلا کر سیتا کی تعریف کا اقرار کیا۔

"پھر لوگ اسی کو پکڑنے کے چکر میں ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے وہ اسی کار (گاڑی) میں تھی اور اب سفید مرسڈیز میں بھاگ گئی ہے۔" وہ بیڑی کا کش لیتے ہوئے بولا۔

میں نے جیب سے اپنا ریوالور نکال کر اس کی بائیں پسلی سے لگا دیا۔ "دوسری طرف منہ کر کے خاموش کھڑے رہو۔ اگر ذرا بھی آواز نکالی تو سیدھے بھگوان کو پیارے ہو جاؤ گے۔"

وہ گھگھیاتے ہوئے دوسری سمت میں گھوم گیا اور میں نے اس پر کڑی نظر رکھتے ہوئے احتیاط سے اسٹیشن کی ڈگی کھول دی۔

"تشریف لے آؤ" ڈگی کھلتے ہی سیتا کی آواز آئی اور وہ اچھل کر باہر آ گئی۔

میں نے ریوالور کی مدد سے اس سپاہی کو دوسری کار کی پچھلی نشست پر بٹھا دیا اور اسے سیتا کے حوالے کرنے کے بعد اسٹیشن کا مقفل دروازہ کھول کر اس کے اندر سے سامان نکال لیا۔ ڈگی میں سے ہر قسم کا ذخیرہ نکال کر اس کی پچھلی میں منتقل کر لیا تھا۔

یہ ساری کارروائی چند لمحوں میں مکمل ہو گئی اور میں اس سپاہی کو بطور یرغمال بنا کر ایک طرف روانہ ہو گیا۔ اس بار میرا رخ ایک ویرانے کی طرف تھا۔

وہ سپاہی ایک جھلک دیکھتے ہی سیتا کو پہچان گیا تھا اور اسی کے ساتھ وحشت و ہذیان میں مبتلا ہو گیا۔ سیتا نے جب اس کی مسلسل بکواس کا کوئی نوٹس نہ لیا تو اس کی کھوپڑی پر دستی ریوالور سے ضرب لگا کر اسے خاموش کر دیا۔ سیتا کو اتنا اندازہ بھی نہ ہو سکا کہ وہ پہلے ہی مر چکا ہے یا صرف بے ہوش ہوا ہے۔ وہ تو اس کے جسم سے بدن کو پائیدان پر ٹکائے نہایت انہماک سے کار کی سواری کا لطف لے رہی تھی اور پر خطر حالات سے بالکل بے پرواہ نظر آ رہی تھی۔

"بنارس سے چلتے ہوئے تو نے مجھے گاڑی کی ڈگی میں کیوں بند کر دیا تھا؟" اسے نرم نرم سیٹ پر بیٹھے ہوئے اچانک میری زیادتی کا خیال آ گیا۔

"تجھے بند نہ کرتا تو اب تک جیل پہنچ چکی ہوتی!"

"جیل تو وہاں بھی مرے سے آ لوں گی" وہ ترنگ میں بولی۔ "مگر یہ بتا کہ تیل لانے میں اتنی دیر کیسے ہو گئی؟ تیرے جانے کے بعد تو وہاں بھانت بھانت کی بولیاں سنائی دے رہی تھیں!"

"کیا کہہ رہے تھے؟"

"میری ہی کچھ باتیں تھیں۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ میں کالی گاڑی سے بھاگ گئی!"

"وہ تمہیں کھول کھول کر دیکھ رہے تھے؟"

"ایک دو دفعہ ہاتھ تو مارا تھا کسی نے ... ان کے ہاتھ لگتے لگتے رہ گئی ...
لیے ہوئی تھی۔ مگر وہ گاڑی شاید کسی بڑے آدمی کی تھی وہ اسی کا انتظار کر رہے تھے۔"

"یہ تجھے کیسے پتہ چلا؟"

"ان میں کوئی کہہ رہا تھا تلاشی لینے کو کہہ رہا تھا مگر دوسروں نے منع کر دیا ..."

وہ بولی پھر کسی فوری خیال کے تحت دوبارہ مخاطب ہو گئی۔ "ہم کب تک ایسے بھاگتے پھریں گے سفر؟ ... شہروں میں لوٹ کر اپنا گھر ... ہم کب تک ...؟"

"بالکل بھول گئے ہیں تو اس گھر کی آرزو کو صندلا یاد کر کے ... بھول جاتا ہوں ... لیکن تجھے بھی کیا اب بھی یاد ہیں گے؟"

یک بیک میرا دل اداس ہو گیا۔ میں پر سکون زندگی کی طرف ... "جیلوں اور منصفوں سے کوئی کتنا بچے ... جب میرا بس چلے تو ابھی ... ہی میں اپنا گھر آباد کر لوں!"

پھر کار میں گہری خاموشی چھا گئی۔

شہر سے باہر آنے کے بعد میں نے ایک ویرانے میں کار روکی اور بے ہوش سپاہی کو گاڑی سے باہر سڑک کے کنارے اس طرح ڈال دیا کہ آنے جانے والی گاڑیوں کے مسافر با آسانی اسے دیکھ کر اس کی مدد کو پہنچ سکیں۔ پھر میں نے سیتا کو برقعہ پہنا دیا۔ لباس اس کے لئے قطعی نیا اور الجھن آمیز تھا لیکن جب نقاب کے بارے میں بتایا تو اس نے بڑی خوشی سے یہ الجھن قبول کر لی۔

اس بار میں نے مراد آباد سے بڑی شاہراہ پر بڑے شہروں کے راستے اختیار کرنے کے بجائے گاؤں کے کچے کنارے اور دیہات سے گزرنے والی سڑکوں ہی کو ترجیح دی ...

جا الہ آباد جا پہنچے۔

شہر کے ایک دور افتادہ حصے میں گاڑی چھوڑ کر ہم نے کچھ دور پیدل سفر کیا پھر رکشے اور بسوں کے ذریعے اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ فی الحال ہم نے ریل سے سفر کرنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ ادھر پولیس کی موجودگی اور گرفتاری کا خطرہ تھا۔

الہ آباد سے فتح پور اور پھر کانپور تک ہم نے بس کے ذریعے سفر کیا۔ اس دوران میں میں اخبارات کا مطالعہ کرتا رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ ان علاقوں میں بنارس کے واقعات کی زیادہ گرما گرمی نہیں تھی۔ البتہ اخبارات کے اندرونی صفحات پر میرے اور سیتا کے بارے میں پولیس کی کارروائیوں کی خبریں ضرور ہوتی تھیں جن سے پتہ چلتا تھا کہ پولیس کو ابھی تک ان ہی علاقوں میں ہماری موجودگی کا شبہ ہے۔

مراد آباد میں گمنام ٹیلی فون اور پھر میرے ہاتھوں پولیس کی درگت کا قصہ اخبارات میں سرے سے آیا ہی نہیں تھا۔ دوسری طرف یہ بھی پتہ چلا کہ ... عارضی گرفتاری کے سپاہیوں نے اسٹیشن کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا تھا مگر ... اس کار کی موجودگی ثابت ہو گئی تو انہیں باعزت بری کر دیا گیا اور انہیں معطل کر دیا گیا۔

بنارس سے نکلنے کے بعد پہلی مرتبہ کانپور میں آرام نصیب ہوا تھا لہٰذا ہم نے ایک آدھ روز کانپور میں ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہاں اسٹیشن کے قریب ہی ایک درمیانے درجے کا ہوٹل تھا۔ میں نے مسٹر اور مسز اکبر کے نام سے ... کمرہ کرائے پر لے لیا۔

وہاں پہنچنے کے بعد سیتا ... مجھے بڑا عجیب سا لگا ... بڑے شہروں کی بہت سی چیزوں پر اس کی حیرت ... اس کی غیر معمولی حرکات ... کا حیرت سے ... پھر وہ ... ایسے احمقانہ سوالات کرتی کہ میں چکرا جاتا۔

ہوٹل کا ... دیکھ کر ... جیل کے لفظ پر ... ہوٹل کا ایک خدمتگار بھی موجود تھا۔

جونہی لفٹ کا دروازہ بند ہوا اور وہ ایک خفیف سے جھٹکے کے ساتھ اوپر اٹھنے لگی تو سیتا نے خوفزدہ ہو کر میرا بازو پکڑ لیا اور جب خدمتگار نے مڑ کر دیکھا تو سیتا ... کے لیے تیار ہو گئی۔

سب سے پہلے اس نے ایک کھڑکی سے جھانک کر بازار کا منظر دیکھا اور پھر کمرہ ... "کیا یہ تیرا گھر ہے؟"

"ہاں! یہ ہوٹل کا ایک کمرہ ہے" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اس کمرے کے آدمی کہاں ہیں؟ ..."

"... یہ بلب کیسے جلتا ہے؟"

"بجلی سے"

"یہ بجلی کیسے جلاتے ہیں؟"

"بجلی ... کام کرتی ہے"

"بجلی ... یہ بجلی کیا ہے؟"

... اندھیرے میں ... کمال ہے کہ تجھے آج تک یہ پوچھنے کا خیال نہیں آیا۔"

"چل یہ تو بتا دے کہ اس کمرے کو بجلی چلاتی ہے مگر بجلی بھی تو آدمی ہی بناتے ہوں گے ناں؟"

"نہیں! بجلی مشینوں سے بنتی ہے آدمی ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔"

وہ حیرت زدہ ہو گئی۔ "مشینیں بجلی بناتی ہیں، پھر بجلی مشینیں چلاتی ہے، تیرا یہی مطلب ہے ناں؟" اس نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"تو اس میں دانت نکالنے کی کیا بات ہے؟" میں چڑ کر بولا۔

"یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ انڈے سے مرغی پیدا ہوئی پھر مرغی سے انڈا۔ اب میں پوچھوں کہ بجلی بنانے والی مشین کو کتنے آدمی چلاتے ہیں تو تو کہے گا وہ بجلی ہی سے چلتی ہے!"

"نہیں" میں نے غصے کو ضبط کر کے کہا۔ "بڑی مشینیں کوئلے، ڈیزل یا گیس سے چلتی ہیں۔ اسے پانی سے بھی چلایا جا سکتا ہے ... اور اسے بھی طاقت سے بھی چلایا جاتا ہے۔ آیا کچھ تیری کھوپڑی میں یا نہیں؟"

"مجھے کیا معلوم یہ سب چیزیں کیا ہوتی ہیں" وہ دیدہ دلیری کے ساتھ بولی۔ "میں تو یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ ... شہروں کے ... طاقتور ہوتے ہیں ... کہ اس کمرے کو چلانے میں کسی آدمی کی طاقت نہیں لگتی۔ بھلا طاقت کا کام بغیر طاقت کے کیسے ہو سکتا ہے؟"

"شہروں میں بسنے والے تیری طرح طاقتور نہیں ہوتے بلکہ چالاک اور مکار ہوتے ہیں۔ وہ طاقت کا کام بھی ہتھیاروں سے نکال لیتے ہیں" یہ کہتے ہوئے میں نے اپنی جیب سے پستول نکال کر دکھایا۔ "اگر اس میں پوری گولیاں بھری ہوں اور شہر کا ایک ہی کمزور بچہ کسی شخص پر انگلی کے خفیف سے دباؤ سے سات بڑے بڑے آدمیوں کو ٹھکانے لگا سکتا ہے۔ شہروں میں کا ہر کام ایسا ہی ہو جاتا ہے۔"

میری اس بات پر وہ قائل ہو گئی کیونکہ پستول کا کرشمہ تو وہ بار ہا خود بھی دیکھ چکی تھی۔

وہ رات ہم نے ہوٹل کے کمرے میں گہری نیند سوتے ہوئے گزاری۔ اگلے روز صبح دس بجے کے قریب سیتا کو کمرے ہی میں محدود رہنے کی ہدایت کر کے میں باہر نکل گیا۔

بازار سے میں نے ... کا حلیہ حاصل کیا پھر ایک ہوٹل کے قریب کیبن میں ... اس کے بعد ... موجود تھا۔

بہت سی تلاش کے بعد میں نے کانپور کے بدنام علاقے میں ایک نوجوان کا انتخاب کیا اور پچاس روپے کے نوٹ اس کی مٹھی میں تھما کر اس سے ایک فرضی شخص کے بارے میں دریافت کیا۔

"سادھو۔ یہ نام تو میں پہلی بار سن رہا ہوں!" نام سن کر وہ گہری سوچ میں پڑ گیا۔ "یہ کرتا کیا ہے؟"

"سادھو میرے ساتھ تین برس تک کام کرتا رہا ہے۔ وہ سونے کا دھندہ کرتا تھا۔ ایک جھگڑے میں سات سال کی جیل ہو گئی۔ میں نے سنا ہے کہ رہا ہو کر وہ چند ماہ پہلے یہیں آیا ہے۔ اس کا پتہ ٹھکانا مجھے نہیں معلوم۔ اس نام کے

سہالے کیا اس کی تلاش ہے؟"

"اگر حلیے سے آگر بھی اس نے چالاکی اختیار کی ہے تو صرف کوٹھاری سنز سے ہی اس کا سراغ مل سکے گا۔" وہ بولا۔

"کون کوٹھاری سنز؟"

"ہاں!" وہ شخص اپنی جیب میں نوٹ ٹھونستے ہوئے بولا۔ "وہ لوگ جانے کے بیوپاری ہیں مگر بیوپار وہ ناجائز سونے کا ہی کیا کرتے ہیں۔ سادھو کو اپنے شہر میں اپنے مال کا ان کے علاوہ کوئی خریدار مل سکا ہوگا۔"

میں نے اس سے کوٹھاری سنز کا پتہ دریافت کیا اور پھر اسی طرف روانہ ہوگیا۔

بازار میں وسیع بازار میں کوٹھاری سنز کا دفتر ایک وسیع اور عالیشان عمارت کی پہلی منزل پر واقع تھا جس دفتر کی شان و شوکت دیکھ کر پل بھر کے لیے ششدر رہ گیا پھر شیشے کے دروازے سے گزر کر اندر داخل ہوگیا۔

اس وسیع ہال میں راہداری پر قالین روش بچھی ہوئی تھی جس کے دونوں طرف کئی میزوں پر لوگ اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ داخلی دروازے سے چند گز دور ہال پر ہاروڈ کمرے بنے ہوئے تھے جن کے دروازوں پر باوردی چپراسی موجود تھے۔

پینٹ ہال میں چوبے کی ترتیب سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ دفتر کا بھی حصہ شاید کھاتوں وغیرہ کے گودام کے طور پر استعمال ہوتا ہوگا۔

میرے اندر داخل ہونے پر جب کسی طرف سے پذیرائی نہ ہوئی تو میں ان دونوں کمروں کی طرف بڑھتا چلا گیا جہاں چپراسی موجود تھے۔

"مجھے بہت ہی اہم کاروباری سلسلے میں سیٹھ صاحب سے ملنا ہے!" کمروں پر ہندوؤں کے بجائے ناموں کی تختیاں دیکھ کر میں نے ایک چپراسی سے کہا۔

"آپ نے ان سے ملاقات کا وقت طے کیا ہوا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔ مگر میں ایک بہت ضروری کام سے آیا ہوں۔"

"مشکل ہے جناب!" وہ سر ہلا کر بولا۔ "کمرے میں میٹنگ ہو رہی ہے۔"

"میں انتظار کر لوں گا!"

"آپ کی مرضی۔" وہ سر جھکا کر بولا۔ "ویسے تو شاید دیر سے فارغ ہوں گے۔"

میں ان کمروں کے باہر ملاقاتیوں کے لیے پڑے ہوئے صوفوں پر بیٹھ کر ہال کا مشاہدہ کرنے لگا۔

میں نے بھاری مقدار میں سونا فروخت کرنے کا فیصلہ اس لیے کیا تھا کہ اب مجھے حالات سازگار نظر آ رہے تھے۔ یوں کانپور سے ایک نئی جیپ خرید کر اس کے ذریعے ہندوستان سے نکلنے کا منصوبہ بنا رہا تھا کیونکہ وہ تمام ذرائع مجھے مخدوش نظر آ رہے تھے جن میں لوگوں کی بھیڑ ہوا کرتی ہے اسٹیشن۔ اور جیپ پیدل یا چوری کی گاڑی کے ذریعے اتنی طویل مسافت طے کرنی ناممکن تھی۔

تھوڑی دیر بعد کھٹ کی آواز کے ساتھ کمرے کا دروازہ کھلا تو ایک کمرے سے تین آدمی باہر آئے تھے اور ان میں سے ایک میرا شناسا تھا۔

میں نے جلدی سے ایک اخبار اٹھا کر اپنا چہرہ چھپانا چاہا مگر مجھے دیر ہو چکی تھی۔ استاد بھوپت سنگھ پہلی ہی نظر میں مجھے پہچان چکا تھا اور یک بیک اس کی آنکھوں میں شیطانی چمک ابھر آیا تھا۔

بھوپت سنگھ کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر اس کے ساتھ کھڑے دونوں جس کے لیے دونوں افراد بوکھلائے ہوئے نظر آنے لگے اور فوراً ہی انھوں نے نکالیا کہ میرے اور بھوپت کے درمیان نگاہوں کی سرد اور خونیں جنگ جاری ہو رہی ہے۔

بھوپت سنگھ کی وہاں موجودگی کا ایک جواز تو فوراً ہی میری سمجھ میں آ گیا۔ اسے کمپنی کے لیے جو سونا جاہلکار تھا اس کا بھگتت بازار میں فروخت کرنا تھا۔ یہ بات مجھے اپنے تجربے کے دوران میں لشمن کی زبانی ہی معلوم ہو چکی تھی۔ دوسری وجہ کوٹھاری سنز کا دم سکوا نے الی گفتگو سے ظاہر تھا یہ لوگ بڑے جلیے ہیں کے لیے دیں ہو آس پاس کے علاقوں میں اجارہ دار بنتے ہیں لہٰذا ممکن ہے لشمن کی موت کے بعد سونے کی گیّی فروخت کے سلسلے میں بھوپت سنگھ بھی ادھر کا بھی ہو آ پہنچا ہو۔ اب یہ میری بدقسمتی ہی تھی کہ میں نے کوٹھاری سنز کے لیے اسی وقت کا انتخاب کیا جب میرا زخم خوردہ حریف یہاں موجود تھا۔

اب مجھے یہاں تک پہنچنے پر افسوس ہو رہا تھا۔ اگر چپراسی سے بات کرنے کے بعد میں لوٹ جاتا تو وہاں رک کر از خود خطرے کا انتظار کرنے کی حماقت سے بچ جاتا مگر اب یہ تاسف بیکار تھا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا اور مجھے فوری طور پر اپنے بچاؤ کی تدبیر کرنی تھی۔

"او بندے۔ ادھر آ!" بھوپت سنگھ نے بڑی رعونت سے مجھے اشارہ کیا۔

میں دل ہی دل میں خود پر لعنت بھیجتا اس کی طرف چل پڑا اس وقت چاقو کے سوا میرے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا۔ اپنا پستول میں جھونپڑے میں چھوڑ آیا تھا کیونکہ اپنے وزن کی وجہ سے وہ جسم یا لباس کے کسی بھی حصے میں چھپا کر پوشیدہ نہ رہتا۔

میں اس سے چند فٹ دور ہی تھا کہ وہ کسی سے بولا "کمرے میں چلو!"
اس کے ساتھ کمرے سے باہر آنے والے دونوں آدمی اندر غائب ہو گئے۔

بھوپت نے خونخوار نظروں سے مجھے بھی اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ وہ دروازہ بند کر کے خود بھی اندر آ گیا۔ باہر موجود چپراسی بیوقوفوں کی طرح ہمیں دیکھتے رہ گئے۔

وہ نہایت وسیع و عریض کمرہ تھا جس کے تقریباً وسط میں ایک بڑی منقش صندلی میز پڑی ہوئی تھی۔ میز کے گرد دس کرسیاں اور منقش صندل کی تھیں۔ میز کے پیچھے وہ دونوں افراد اپنی بھاری کرسیوں پر بیٹھے تھے جو شاید کوٹھاری سنز کے مالکان ہی تھے۔

"سیٹھ! اب مجھے ایک ضروری کام ہے!" بھوپت سنگھ میری طرف نظر انداز کرتے ہوئے دوستانہ لہجے میں ان سے بولا۔

"بولو بابا۔ ہم تو بھی تمہارا یار ہے!" ان میں سے ایک ادھیڑ عمر شخص بولا مگر اس نے پرسکون رہنے کی کوشش کی تھی مگر اس کے لہجے میں تشویش کے آثار نمایاں تھے۔

"مجھے اس لونڈے کو تھوڑی دیر بند کرنے کے لیے جگہ چاہیے..."

صرف بوری اور کچھ رسی منگوا دو!" بھوپت سنگھ نے میری طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"ارے بابا!" وہ خوفزدہ اور دبے ہوئے لہجے میں بولا۔ "یہ کیا مذاق کرتا ہے!"

"مذاق نہیں۔ میں تو اس کی تلاش میں تھا ہر ہر جی!" بھوپت سنگھ تیز لہجے میں بولا۔ "یہ میرا بیلی پھر اس کا بھاگا تھا اس کی شامت ہی کھینچ لائی یہاں آ پھنسا!"

"بابا ایسا نہیں کرتا!" ہر ہر جی خوشامدانہ لہجے میں بولا۔ "سالے کو چپ چاپ گاڑی میں بٹھاؤ اور لے جاؤ۔ ادھر اپنا دفتر تک گڑبڑ نہیں ہونا چاہیے۔"

"رتن جی!" اس بار بھوپت نے دوسرے آدمی کو مخاطب کیا۔ "ایک بوری دو میں اسے بے ہوش کر کے اپنے کندھے پر اٹھا لے جاؤں گا!"

"ارے مصیبت!" رتن جی جھنجھلا اور رونی سی آواز میں بولا۔ "پریس پر تم سالا ادھر ہماری فرم میں آ گیا یہ کیوں تھا؟"

"سونا!" میں نے بریف کیس پر ہاتھ مارا۔

"کدھر کا مال ہے؟" رتن جی کا تجسس کا غصہ بہہ گیا اور اس کے لہجے میں بیوپاری کا بیوپاری مصلحت سمٹ آئی۔

"سونا ہی صرف سونا ہوتا ہے کسوٹی پر دیکھو اور دام لگاؤ!" میں نے بریف کیس اس کے آگے میز پر الٹ دیا اور خود کرسی پر بیٹھ گیا۔

بریف کیس کی ڈلیاں دیکھ کر وہ تینوں ہی چونکے اور جب رتن جی نے اس کا ڈھکنا کھولا تو تینوں کی نگاہیں ٹھہر گئیں۔

"اپنا استاد بھی میرا یار ہوگا! ایڈوانس کچھ ہی کم ہے!" میں نے کہا۔

ہر ہر جی سونے کا نام سنتے ہی بھوپت سنگھ کی دلانے کے سوئی لگا چکا تھا۔ اس نے ترازو نکال کر سونے کا جائزہ لیا۔ چند ثانیے تک وہ دونوں سرگوشیوں میں مشورہ کرتے رہے آخر رتن جی سونے پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے مجھ سے مخاطب ہوا۔ "کیا دام چاہیے؟"

"ایمانداری سے دام چاہیے!" میں بولا۔ بھوپت سنگھ خاموشی سے ساری گفتگو سن رہا تھا شاید وہ میرے ساتھ تم کو بھی پولیس میں لیجانے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔

رتن جی نے سونے کے دام ایمانداری سے ہی لگائے۔ دکان کے منشی میں سے پھر دو چار نوٹ گنے۔ ترازو سونے کا وزن لیا۔ حساب لگایا گیا تو رقم دو لاکھ سے اوپر ہی تھی۔ رتن جی نے حساب کا پرچہ میرے آگے سرکا دیا۔

"ٹھیک ہے.... رقم لاکر دو!" میں نے لاپروائی سے کہا۔

"لیکن پانچ ماکندہ ہے تو گن نے گا! ابھی چیک دے گا۔" ہر ہر جی نے چیک بک کھولتے ہوئے کہا۔

"کل دیکھ لینا بہرحال تم کیا نبھاؤ گے!" بھوپت سنگھ بول اٹھا۔ "اس وقت تم صرف بوری منگوا دو!"

"یہ سیٹھ بھی اب اپنا بیوپاری ہے تو لوگ باہر جا کر اپنا فیصلہ کر لو!" رتن جی خوشامدانہ لہجے میں بھوپت سے بولا۔ "ادھر کوئی گڑبڑ نہیں۔ اندر سے چار آدمی کے جیسے بن آدمی اور تم بازار اور سب لوگ بھی سمجھے گا کہ ہم نے کسی کو جان سے مروا دیا ہے۔"

"اچھا! اپنا میرا پرانا اعتبار ہے۔ ... کی معاملے میں ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔ ال... بے چاروں کو مشکل میں کیوں ڈالتے ہو!" میں نے فراخدلی کے ساتھ کہا۔

"سفر اچھا رہا کہ بابا!" رتن جی نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا دی۔ "تیرا فیصلہ بھی استاد کو دینا ہے نا؟"

"ہاں ہاں۔ میرا اور استاد کا ایک ہی معاملہ ہے۔"

"بیٹا دوں تو میرے ساتھ کوئی گڑبڑی نہ کیا تو بھرے بازار میں گردن توڑ دوں گا!" استاد بے اختیاری سے مجھے گھورتے ہوئے غرایا۔ شاید اسے امید نہیں تھی کہ میں اتنی آسانی سے خود کو اس کے حوالے کر دوں گا۔ وہ سمجھ رہا تھا میری کوئی چال کھیل رہا تھا۔ حالانکہ حقیقت یہی تھی کہ بغیر ہتھیار کے میں اس سے نہ جیت سکتا تھا جسامت میں تو وہ مجھ سے برتر ہی تھا مگر اس کے کوٹ کے نیچے پستول بھی لٹک رہا تھا جسے وہ کسی بھی وقت استعمال کر سکتا تھا لہٰذا میری کوشش یہی تھی کہ میں بھنور کے بجائے اپنے قدموں سے چل کر اس جگہ سے نکلوں۔ کھلی فضا میں ہی میں خود پر اپنی مدافعت کر سکتا تھا۔

دفتر سے باہر آ کر بھوپت سنگھ مجھے فٹ پاتھ پر ایک طرف لے چلا۔ میری بے چین نگاہیں فٹ پاتھ کے سامنے کھڑی ہوئی گاڑیوں میں بھوپت کی کار تلاش کر رہی تھیں۔

کوٹھاری سنز سے کافی دور بھوپت کی مرسڈیز کار موجود تھی۔ اس نے چابی میرے حوالے کر دی۔ "تم گاڑی چلاؤ گے اور اگر میری مرضی کے خلاف ذرا بھی حرکت کی تو گردن توڑ دوں گا۔"

"میں آج بھی اسی طرح با اعتماد ہوں استاد جیسے تارا کالونی میں پہلے روز تھا۔" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "اگر لشمن دوستی کے نام پر دغا نہ کرتا تو میں آج بھی تمہارے ساتھ ہوتا!"

"لشمن اور دغا!" اس نے تحقیر سے جھٹک کر کہا۔ "دغا تو اس کے خمیر میں ہی نہیں تھی۔ میں جانتا ہوں کہ وہ تیری ہی دغا کے ہوتے مارا گیا ہے!"

اس کے منہ سے یہ حقیقت سن کر میں چونک پڑا۔ "یہ تم نے کہا؟ یہ سراسر جھوٹ ہے!"

"کہتا کون؟ یہ تو میرا اندازہ ہے اور ہمیشہ میرے اندازے ٹھیک درست ہوتے ہیں!"

"تمہارا دعویٰ غلط بھی ہو سکتا ہے استاد!" میں نے اس کے تنفس پر کاری ایک مکّی مکروڑتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہارا اندازہ درست ہوتا تو آج میں دریدہ نہ بھاگ رہا ہوتا!"

"میں ایک شاید اسے لیے تھا خوش ہوا اور بات میری دکھتے ہوئے مصنوعی غصے کے ساتھ بولا۔ "جب عورت بیچ میں آجائے تو بڑے بڑوں کی وفاداریاں دغا لے جاتی ہے۔ وہ سیتا کا ٹھکانہ معلوم کر چکا تھا مگر اس نے مجھے ایک لفظ نہ بتایا۔ وہ میری آڑ میں سے نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔ اس روز میں نے لشمن کا پیچھا کیا کیونکہ اس کی باتوں سے مجھے شبہ ہو چلا تھا۔ وہ سیتا کو کسی سے ملانے کے بہانے اسٹیشن پر اپنے کسی ٹھکانے پر لے جانے کے ارادے سے تال پہنچا اور میں نے رنگے ہاتھوں اسے پکڑ لیا۔ تب اسے زندہ چھوڑنے نہ چاہتا تھا مگر سیتا کو جب اس کی غداری کا علم ہوا تو اس نے اشتعال میں لشمن کو گولی مار دی۔ میں اس کا غصہ اسی جوش میں تھا بلکہ اس نے پھر

سے شیطان کا سر بھی کچل دیتا۔"

"وہ لڑکی اعشاریہ تین آٹھ کا پستول چلا سکتی ہے؟" بھوپت کے لہجے میں طنز تھا۔

"وہ چوڑیاں پہنانا اور پستول کو بھی کر سکتی ہے" نظر شرم سے جھکا لی تھی استاد!"

"دشمنوں میں درجن آدمیوں سے مار پیٹ دوسری بات ہے مگر تمہارے جیسے پولیس والے

سمجھیں لشکارنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔"

"میں بحث نہیں کرتا۔ کسی نے پیتا ہے تو خود دیکھ لو گے" میں اور شیطان کے قتل کے بعد

بوکھلا کر بھاگ نکلا کیونکہ ایک طرف تھانہ عتاب جیتا دوسری طرف پولیس کا خوف!"

"تو اب کیوں پیچھے سے چلا جا رہا ہے؟" استاد کے لہجے میں تجسس تھی جو میرے دل میں اتر گئی تھی۔

"جانتا ہوں یا مجبوری لیکن بھاری ہے" میں بولا۔ "ویسے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم مجھے پولیس کے حوالے نہیں کرو گے۔"

"کیوں؟"

"میں تمہارے لیے سونا بنانے والی مشین ہوں استاد" میں لڑکی کی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "مجھے پولیس کے حوالے کر کے تم گھاٹے میں رہو گے۔ مجھے سب معلوم ہے کیا عزت کے کھیل میں تم کتنا کماتے ہو پھر تمہاری معیار کی حیثیت کیسے تو قارون کا خزانہ بھی کم ہے۔"

"تیری بیوی کہاں ہے؟" اچانک ہی وہ پوچھ بیٹھا۔

"اسی شہر میں۔ اجازت دو تو اسے بھی ساتھ لے لوں۔"

"میں کچی گولیاں نہیں کھیلا۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔ "پتہ بتا دے میرے آدمی اسے تیرے پاس لے آئیں گے۔"

"شیطان جیسے آدمی" میں نے تباہی میں گھڑت کہانی میں حقیقت کا رنگ بھر کے نیچے زہریلے لہجے میں کہا۔ "وہ دس بھی ہم نے لوٹ لیے ہاتھ نہ لگا سکیں گے۔"

"تم دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کے بارے میں بڑھ چڑھ کر ڈینگیں مارتے ہو" بھوپت نے پُرشور قہقہہ مار کر کہا۔ "عدالت میں اس نے تیرے بارے میں ایسی باتیں کی تھیں کہ تو اس دنیا کا انسان معلوم ہی نہیں ہوتا تھا اور اب تو ایک معمولی شوفر کی طرح میرے اشاروں پر کار چلا رہا ہے۔"

جب کار کارنر واسٹیٹ ہوٹل کی طرف مڑی تو میں چونک پڑا۔ مجھے شبہ ہوا کہ شاید بھوپت سنگھ کو میرے ٹھکانے کا سراغ مل چکا ہے اور اگر اتفاق کو ٹھاری سفر میں اس سے مل گئے تو اس کے آدمی ہوٹل ہی میں مجھ پر ہاتھ ڈال دیتے۔

ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں کار روک کر ہم دونوں نیچے آئے تو آنے والے لمحات کے تصور سے میرا دماغ گھومنے لگا۔ بھوپت کے ہونٹوں پر فتح مندانہ مسکراہٹ تھی جو میری قابلیت کو سلگانے کے لیے کافی تھی۔

میں نے اس سے دوبارہ بچ جانے کے امکانات کا جائزہ لیا مگر وہ مروڈ میری طرف سے پوری طرح باخبر تھا۔

میری اس وقت جان میں جان آئی جب بھوپت سنگھ نے اسٹیل ہوٹل کی پہلی منزل پر جاتی راہداری سے ایک کمرے کا تالا کھولا اور مجھ سے پہلے اندر گھستا چلا گیا۔

جب بھوپت سنگھ میرے سامنے آیا تو اس کے ہاتھ میں ریوالور دبا ہوا تھا۔

"صفدر علی! اب تیری سلامتی اسی میں ہے کہ پارس پتھر میرے حوالے کر دے ورنہ بلاوجہ یہاں سے بھی دور نکل سکتا ہے نکل جا!"

اس کے منہ سے پارس پتھر کا نام سنتے ہی میں چونکا۔ بھلا مجھے بے خیالی میں بجلی کا ننگا تار چھو لیا ہو۔ "پارس پتھر!" میرے منہ سے سرسراتی ہوئی سرگوشی نکلی۔

"ہاں۔ پارس پتھر کی وہ انگوٹھی جو سیتا کی ماں نے جا بیتی کو دی اور اپنی جیب حوالے کی تھی۔" بھوپت سنگھ کا ایک ایک لفظ میرے اعصاب پر ہتھوڑے برسا رہا تھا۔

"کیسا پارس استاد؟ یہ تم کس کی بات کر رہے ہو!" میں نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔ مجھے اپنا وجود اندر سے کھوکھلا محسوس ہو رہا تھا۔ میرے الفاظ تھے اور میں شاید سے عاری تھا۔ بھوپت سنگھ نے میرے وہم و گمان کے خلاف اچانک میری شہ رگ پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔

"میں تجھے ابھی بتا سکتا ہوں مگر یہ بات وجہ نہیں بتانا ضروری نہیں سمجھتا" وہ مسکرا رہا تھا

اور وسیع القلب تاجر کی طرح مجھے تاریک جزیرہ زندگی کی تو یہ دے رہا تھا کہ میری رسائی وہاں تک ہے جہاں پرندے پر نہیں مار سکتے۔ عدالت کے ریکارڈ پر سیتا کا بیان ہے کہ اس کی ماں نے مجھے پارس پتھر کے نگ والی انگوٹھی دی تھی۔ حکومت نے اس خبر کو دبا دیا اور اگر مشن مدد لا جاتا تو شاید میری ذات محفوظ رہ جاتی۔ مجھے سیتا کے کیس کی فائلوں تک دکھائی۔ اب اپنے وقت سے وہ انگوٹھی اتار کر میز پر رکھ دے ورنہ اس کمرے سے نکل جا میں انگلی سمیت وہ انگوٹھی تیرے جسم سے جدا کر لوں گا!"

"شاید تجھے بھی کرنا پڑے گا بھوپت! یہ بھی ممکن ہے تو گیا یہ انگوٹھی میری اب تک کی زندگی کا نچوڑ ہے تو اتنی آسانی سے اسے حاصل نہ کر سکے گا۔"

"شہزادہ جی ایک قدم بھی آگے بڑھا تو!" بھوپت نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"ورنہ تو کیا کرے گا؟" میں پاگلوں کی طرح ہنسا۔ "گولی چلائے گا تو اس کے شور سے کمرے کے باہر پورا ہوٹل جمع ہو جائے گا اور تیرے لیے ہمیشہ کا جنگل بن جائے گا۔"

"تو ایک خطرناک اشتہاری مجرم ہے میں تیرے دل میں گولی اتار دوں گا تو مجھے لوٹنے میرے کمرے میں آیا اور میں نے اپنی حفاظت کی خاطر تجھے قتل کر دیا... وہیں نکل جا!"

غیر ارادی طور پر میرے قدم رک گئے اور میں کرسی پر جا بیٹھا۔ "سیتا جانتی ہے کہ میں کوٹھاری سفر کیا ہوا ہوں تمہیں سے اپنی موافقت میں دوسری جانب چلی۔ مجھے کوئی نقصان پہنچا تو سیتا منظر عام پر آ کر اس کا اعلان کر دے گی۔ میرے بغیر وہ ایک لمحہ بھی نہیں رہ سکتی اور جب تم اور سیتا پولیس کے ہاتھ لگ گئے تو میرا ایک کونہ بھی جائے گا کہ صفدر علی تیرے کمرے میں گھسا تھا یا تو اسے اغوا کر کے لایا تھا۔"

"میں یہ شہر چھوڑ دوں گا ملک چھوڑ دوں گا۔ میرے جیسے انسان کسی بھی جنگل میں... اب بھی کہتا ہوں کہ انگوٹھی میرے حوالے کر دے اور میں تجھے زندہ چھوڑ دوں گا۔"

اس کے تیور خطرناک تھے۔ وہ انگوٹھی حاصل کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اس کے انداز سے میں اندازہ لگا چکا تھا کہ اس کوشش میں وہ میرے قتل سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ میری لاش سے انگوٹھی اتار لینے کے بعد وہ ہوٹل سے ...

اسے مار ڈالے گا سیتا و دل دہلی تھی وہ تو قسمتی تھی اگر پکی ہوتی تو بھوپت کی فرصت میں کہیں زیر بحث ہو سکتا تھا۔ میں اس وقت بے حد خطرناک صورت حال میں پھنس گیا تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ انگوٹھی دینے کے بعد بھوپت میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا!

میں نے انگوٹھی اتارنے کے لیے ہاتھ سامنے کیا تو میں بڑی شدت سے رہ گیا۔ انگوٹھی میرے ہاتھ میں موجود تھی مگر اس کا سیاہ نگ غائب تھا۔ میری لاعلمی میں نہ جانے کہاں گر چکا تھا۔

میرے چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھ کر شاید بھوپت کو بھی معاملے کا کچھ اندازہ ہو گیا اور وہ ریوالور کو بالائے طاق رکھتے ہوئے میرے قریب آ گیا۔ "کیا ہوا۔۔۔ کیا بات ہے؟"

"نگینوں کا تو ندارد!" میں بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "پارس پتھر کہیں گر چکا ہے۔"

اس صدمے سے میری حالت اتنی غیر ہو گئی کہ بھوپت نے بحث کیے بغیر میرے بیان کی صداقت کو تسلیم کر لیا اور ریوالور جیب میں اڑس کر مجھے دلاسہ دینے لگا۔

"وہ مل جائے گا، فکر نہ کر۔" وہ میری پشت سہلاتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں بولا۔ "تو نے اسے کب تک انگوٹھی میں موجود دیکھا تھا؟"

"آج دوپہر میں نے اس کے نگ سے سونا بنایا تھا جو میں نے کوٹھاری سیٹھ کو فروخت کیا ہے۔" مجھے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"پھر تو کہاں کہاں گیا تھا؟"

"یہ تو مجھے پتا نہیں ہے کہ میں نہ جانے کہاں کہاں بھٹکتا پھرا ہوں۔" میں چاندی کی خالی انگوٹھی کو گھورتے ہوئے بولا۔ "نہ جانے وہ نگ اب کس کی ٹھوکروں میں پڑا ہو گا۔ میرا مقدر تو خراب ہی تھا استاد، مگر تم بھی کچھ کم بدنصیب نہیں ہو۔ تمہاری باری آئی تو پارس ہی کھو گیا!"

"میرے ساتھ چل، میں شہر کا ذرہ ذرہ چھلنی میں چھنوا دوں گا۔" وہ میرا ہاتھ تھام کر بولا۔

"اور اسے مجھ سے چھین لے گا۔ یہ بھی تو کہو نا استاد!"

"نہیں۔ اب وہ پتھر میری اور تیری مشترکہ ملکیت ہو گی۔ تو اس پتھر کو پہچانتا ہے اور میں اسے ڈھونڈنے کے وسائل رکھتا ہوں۔"

"مگر سیتا کو بتا دوں ورنہ وہ میرے انتظار میں پریشان ہو گی۔"

"وہ کہاں ہے؟"

"اسی ہوٹل کی چوتھی منزل پر۔" میں نے کہا اور ہم دونوں بیک وقت شکست خوردہ انداز میں چل پڑے۔

چند ثانیوں قبل ہمارے درمیان بغض و عداوت کی ناقابل عبور خلیج حائل تھی۔ ہماری راہیں جدا تھیں، ہمارے مفادات متصادم اور ہمارے عزائم متضاد تھے۔ ہم ایک دوسرے سے حفاظت کر رہے تھے مگر تقدیر نے پلک جھپکتے میں ہمیں ایک ہی راستے پر لا کھڑا کیا تھا۔ اب ہم ... ایک دوسرے کے سب سے زیادہ ... نظر آ رہے تھے۔

سیتا نے میری آواز سنتے ہی دروازہ کھول دیا۔ میرے ساتھ ایک خوفناک صورت والا اجنبی دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی مگر ... اندر آ گیا۔

"یہ میرا دوست اور پرانا آقا بھوپت ہے سیتا۔ تھوڑی دیر قبل ہم ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے مگر اب دوست ہیں۔ آج میری انگوٹھی سے پارس پتھر کا نگ کہیں گر گیا ہے اور ہم دونوں اسے ڈھونڈنے جا رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ پوری رات میں واپس نہ آ سکوں۔"

میں زیادہ دیر وہاں نہیں رکا۔ مجھے ڈر تھا کہ بھوپت کہیں شیطان کا قصہ نہ چھیڑ بیٹھے کیونکہ اس بات سے پہلے ہی میں بھوپت کو ایک فرضی کہانی سنا چکا تھا۔

ہوٹل سے ہم دونوں سیدھے کوٹھاری سیٹھ پہنچے۔ اس وقت صرف دفتر کا ... وہاں موجود تھا۔ اس نے ہمیں چوروں کی طرح آتے دیکھا تو اسے شدید حیرت ہوئی۔

"سیٹھ تو گھر چلے گئے بابا!" وہ ہماری آمد کا مقصد سمجھنے سے پہلے ہی بول پڑا۔

"ہمارا ایک قیمتی نگ گر گیا ہے ہم اسی کی تلاش میں آئے ہیں" میں نے ... پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

"دیکھ لو۔ ضرور دیکھ لو!"

ہم نے فرش کا چپہ چپہ چھان مارا جہاں سے میں گزرا تھا مگر پارس تو کجا اس کا سایہ بھی نہ مل سکا۔

اس کے بعد ہم نے پیدل شہر کا وہ تمام حصہ چھان مارا جہاں سے میں دوپہر میں گزرا تھا۔ ہم جس انہماک اور توجہ سے زمین کو گھورتے چل رہے تھے اس کی بنا پر کئی منچلے راہگیروں نے ہم پر فقرے بھی چست کیے مگر اس وقت ہماری ساری توجہ پارس پتھر کی جستجو میں ڈوبی ہوئی تھی۔

رات کے نو بجے ہم اس ناکام مہم سے تھکے ہوئے اس ہوٹل میں پہنچے جس کے کیبن میں بیٹھ کر میں نے لوہے کو سونے میں تبدیل کیا تھا۔

دوپہر والے کیبن میں اس وقت کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے لہٰذا ہم کچھ دیر ہال میں ہی بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ کیبن خالی ہو گیا تو ہم اندر جا پہنچے۔

مختصر سا کیبن اس وقت بالکل صاف پڑا ہوا تھا اور اگر پارس پتھر وہیں گرا تھا تو اس کا ابھی تک وہاں پڑا رہنا ناممکن تھا کیونکہ اس قسم کے کیبنوں کی دن میں کئی بار صفائی ہوتی ہے۔

جب ہوٹل والا آرڈر لینے آیا تو میں نے اس سے صبح والے ویٹر کے بارے میں دریافت کیا۔

"وہ آج کچھ جلدی چلا گیا۔ ویسے اس کی ڈیوٹی صبح سات سے شام کے سات بجے تک ہوتی ہے۔" وہ میز صاف کرتے ہوئے بولا۔

"تم کب سے ہو؟" بھوپت نے سوال کیا۔

"میں شام سے صبح کے سات بجے تک رہتا ہوں۔ اس لڑکے سے آپ کو کیا کام ہے بابو جی؟"

"آج دوپہر کو ہم اسی کیبن میں اپنا پرس بھول گئے تھے جس میں کچھ قیمتی کاغذ بھی تھے۔" میں نے بات بناتے ہوئے کہا۔

"او ہو۔ شاید اسی لیے وہ خوش بھی ہو گا۔ وہ سالا آج بڑا خوش تھا ... دو دن کا بہانہ کر کے گیا ہے اور کسی شراب خانے میں کتے کی طرح شراب پی رہا ہو گا۔"

"تم نے کبھی کسی کتے کو شراب پیتے دیکھا ہے؟" بھوپت نے غصے سے پوچھا۔ وہ

خود بادہ نوش تھا اس لیے یہ چھچھوری مثال برداشت نہ کر سکا۔

"تم..... نہیں صاحب!" بھوپت کے لہجے پر وہ بوکھلا گیا۔ "وہ تو میں نے مثال دی تھی۔"

وہ آگے بڑھ کر چلا گیا تو بھوپت مجھ سے بولا۔ "حرام زادوں کو خود تو اتنی آمدنی ہوتی نہیں کہ اپنی ضرورتیں بھی پوری کر سکیں اور اپنے شوق پورے کرنے کے لیے ان کی نظر سمگلروں کے حلال کے پیسے پر رہتی ہے۔ جس دن کوشش سے شراب کو منہ لگا لیا نیچ ذات ہو تو کیا ایک چھوڑ دیں گے۔"

"اسے چھوڑو یار۔" میں رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "میرا خیال ہے کہ ہمیں اسی وقت اس وزیر کو پکڑنا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اسے ضائع نہ کر دے۔"

"یہ کام صبح پر ہی رکھ۔ اب تو میں تھک گیا ہوں۔" بھوپت نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ویسے تو بتا کہ پارس پتھر کا رنگ روپ کیسا ہے؟"

"سفید رنگ کے موتی جیسا گول مٹول ہے۔" میں نے سفید جھوٹ بولا۔

ہم مزید کچھ دیر اسی کیبن میں بیٹھے رہے۔ وہ سرکاری افسر دوبارہ آیا تو میں نے پارس سے پیچ دلانے کے بارے میں بات چھیڑی اور میں نے نہایت خوبصورتی سے اس کا نام پتہ معلوم کر لیا۔ اس وزیر کو احساس بھی نہ ہو سکا ہو گا کہ اس سے میری ساری گفتگو کا مقصد اسی میں تھا۔

ہم وہاں سے واپس چلے تو بھوپت خاموش اور فکرمند تھا۔

"استاد! ایک بات میرے ذہن پر کچوکے لگا رہی ہے۔" میں نے اسے اپنی الجھن کا شریک بنانا چاہا۔

"کیا؟" وہ یوں چونکا جیسے کسی گہری سوچ میں گم رہا ہو۔

"اگر سیٹھ کریم سے پارس پتھر ملا تھا تو وہ اس کی اصلیت کیا جانتے؟ اس کے جلد لوٹ جانے کی کوئی وجہ مجھے شک سے الگ نظر نہیں آتی۔" میں نے اس ہیرو کے بارے میں کہا جو دن میں پہلے سرور کر چکا تھا۔

"جیسا تو نے بتایا ہے سفید اور گول پتھر دیکھ کر اسے شبہ ہوا ہو گا کہ وہ کوئی قیمتی چیز ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے وہ موتی بازار میں بیچنے کی کوشش کی ہو اور وہ اچانک سے چھین ہو گیا۔ پیچھے گاڑی گھماؤ۔ ہمیں اسی وقت وہی بازار چلنا ہے۔ دیر کرنے میں خطرہ ہے کہ پارس ہاتھوں ہاتھ نہ نکل جائے کہ ہم اس کا سراغ نہ پا سکیں۔"

میں نے فوراً گاڑی گھمائی۔ پارس کے بارے میں میرے جھوٹ کی بنیاد پر بھوپت نے جو کچھ کہا تھا وہ درست تھا مگر میں تو اچھی طرح جانتا تھا کہ پارس سیاہ رنگ کا چھوٹا سا ایک پتھر ہے۔ گہرے سیاہ رنگ کے سوا اس میں کوئی بات قابل توجہ نہیں تھی۔ وزن اور بھدی ساخت کی بنا پر وہ سینکڑوں عام پتھروں کے گروہ کی طرح بظاہر بے قیمت نظر آتا تھا مگر بھوپت کے اس فیصلے سے مجھے پورا اتفاق تھا کہ ہمیں فوراً ہی سیٹھ کو پکڑنا چاہیے۔ سچ تو یہ ہے کہ بھوپت اگر واپس ہوٹل چلا جاتا تو میں اس سے الگ ہو کر ہی معاملے کا کھوج نکالنے چل پڑتا۔ اس طرح میرا دوہرا فائدہ ہوتا۔ اول تو وقت کا زیاں نہ ہوتا دوم اگر مجھے پارس پتھر مل جاتا تو میں بھوپت کو صاف جل دے جاتا اور وہ بیش قیمت نایاب پتھر بلا شرکت غیرے میری ملکیت ہوتا۔

بھوپت سنگھ کے لیے کاٹھیاواڑ نیا شہر نہیں تھا۔ چند منٹ بعد ہی گاڑی ایک ایسے علاقے میں جا پہنچی جہاں سے آگے بڑھانا ممکن نہیں رہا تھا۔

"اب کدھر استاد؟" میں نے آگے بائیں اور سامنے کی تنگ تنگ گلیوں کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"آگے پیدل چلنا ہو گا۔ یہ سے چوک ہو گئی گاڑی دور ہی چھوڑ دینی تھی۔ اس طرح ہم ان کی نظروں پر آ گئے۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

اس وقت رات کے دس بج چکے تھے۔ وہ علاقہ سرکاری روشنی سے محروم تھا لہٰذا گاڑی سے اترتے ہی بغیر جانے پہچانے جانے کا امکان نہیں تھا۔ میں نے گاڑی دوسری گلی میں پیچھے ہٹائی اور ایک جگہ موقع دیکھ کر اسے لاک کر دیا۔ اس بار میں تقریباً دو فرلانگ دور ایک کتا دو سر لگائے کھڑا تھا۔

گاڑی لاک کر کے ہم پیدل اسی طرف چل دیے جدھر سے آئے تھے۔ بازار ابھی تو نہایت ہی گٹر کا نام تھا کیونکہ وہاں بازار جیسی کوئی چیز نہیں تھی اور منتشر جھونپڑیوں پر مشتمل اس گنجان آبادی کو لیتے ہوئے عاشا بیچنے کیا گیا تھا کہ یہی بازار کا کوئی علاقہ زندگی گزاری کا کیا متبادل بھی منفرد ہے کیونکہ بل کھاتی ہوئی تنگ گلیوں میں گندے پانی کے چھپڑ ہوئے اس ترتیب سے بنائے گئے تھے کہ آدمی ان گلیوں میں سیدھا پیدل چلنا چاہے تو قدم قدم پر دوسری جگہ بدبودار پانی سے بھرے ہوئے گڑھوں میں گرنا مقدر ہو چکا تھا۔ جگہ جگہ جھونپڑیوں سے باہر کھلی فضا میں سونے کے شوقین لوگوں کی چارپائیاں بھی بچھی ہوئی تھیں اور کچھ جگہ بلب پر جگمگاتا آبادی کے لیے کھلتے دریچے کی بجائے سرائے کا منظر پیش کر رہی تھی۔

اس اندھیرے میں بھی نجانے کتنی مرتبہ گڑھوں پر پڑ کر بدلتا پڑا اگر اس قدر روشنی سے نکل گیا۔ آخر کار ہم آبادی کے وسط میں ایک نسبتاً کشادہ حصے میں آ نکلے جہاں بکرے بیچنے کے چبوترے سے بورڈ پر ایک بیمار سی لالٹین آخری سانس لے رہا تھا۔

یہاں آ کر بھوپت کی مہارت جواب دے گئی اور اس نے کسی سے بنانے کا مکان دریافت کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ ایک طرف حقہ نوشی میں مصروف لوگوں کے اجتماع کا رخ کرنے کی نیت رکھتا تھا مگر میں نے اسے روک دیا اور اسے ساتھ لیے سیٹھ کریم کی بیٹی کے چندے نور شے کی طرف گھوم گیا۔

اس گلی میں جھونپڑیاں بھی کشادہ تھیں۔ شاید اسی وجہ سے گلی میں چارپائیوں کا سلسلہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ گلی کے سات ہی مکان کے دروازے پر تالا جھول رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ بنے خان گھر پر موجود نہیں ہے۔

"دروازہ بند کا ہے استاد!" ہمارے چپاتیوں کی آہٹ پر بوڑھی کی "یہاں تک آئے ہو تو تلاشی لے لیں۔ شاید سیٹھ نے وہ پتھر یہیں چھپا کر رکھا ہو!"

"آزمانے میں کوئی حرج نہیں!"

اسی وقت کوئی نرم سی چیز پوری قوت سے میرے پیروں سے ٹکرائی۔ ایک بلی آواز نکالتی کسی طرف بھاگی گلی کی اس اضطرابی حرکت پر میں چپاتیوں سے چپا ٹکرایا۔

"کون ہے؟" فوراً ہی اس جھونپڑی سے ایک کمزور سی نسوانی آواز گونجی۔

"بنے خان کا گھر یہی ہے کیا؟" بھوپت نے زور سے میرا شانہ دبا کر اشارۃً سوال داغ دیا۔

اور اندر سے جو جواب آیا وہ نہایت عجیب تھا۔ "اس حرامی کا میرے گھر میں کیا کام۔ یہ لو سالا دروازہ دیکھ بھال!"

بھوپت نے دستک دینے کے بجائے جھٹکے سے دروازے پر ایک ٹھوکر رسید کر دی اور ٹوٹی ہوئی کنڈی کے ساتھ دروازہ پورا کا پورا اندر کی جانب کھل کر میرے ہاتھ میں آ گیا۔

ہم دونوں دروازہ کھول کر پھرتی سے اندر گھس گئے اور دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔

اندر سے دروازے کی کنڈی چڑھا کر ہم پلٹے تو ایک عجیب منظر میرا منتظر تھا جھونپڑی میں لالٹین کی زرد اور مدھم روشنی میں سارا سامان بے ترتیبی سے بکھرا ہوا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے جلدی میں سامان کی تلاشی لی ہو اور جھونپڑی کی عقبی دیوار بلکہ چپاتیوں کا نچلا حصہ ٹوٹا ہوا تھا جس میں سے ایک آدمی باآسانی گزر سکتا تھا۔

ہم نے نظروں ہی نظروں میں خیالات کا تبادلہ کیا اور ایک لمحہ بھی وہاں رکے بغیر باہر نکل آئے اور تیزی سے واپس چل دیے۔

آبادی سے باہر آنے تک ہم بالکل خاموش رہے۔ سنسان گلیوں میں آتے ہی بھوپت زخم خوردہ سانپ کی طرح پھنکارا۔ "شاید کوئی اور بھی پارس پتھر کی تلاش میں ہے۔ مجھے گہری چوٹ ہوئی ہے۔"

"لالٹین کا روشن ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی ہم سے پہلے ہی وہاں سیدھا گھس گیا تھا۔ جھونپڑی تلاشی اس کے جانے کے بعد ہی لی گئی ہے۔ جھونپڑی تیار کرنے کوئی آدمی بنے کی اندر گھسنے کی جرأت کر سکتا ہے جو اس علاقے سے پوری طرح واقف ہو!"

"ہاں۔ وہاں تو اس طرح دیوار سے بار بار ٹھونک کر ساتھ میں کی آواز گلی میں گھوم رہی تھی جان بوجھ کر۔ یہ ترکیب کسی جلد باز آدمی کا ہی کام معلوم ہوتا ہے وہ دو طرح جنتی ہوا تھا۔"

"بنے خان شراب پینے کو لندن بار جاتا رہتا ہے لہٰذا اسے وہیں دیکھنا چاہیے۔"

میں نے تجویز پیش کی اور وہ تائید میں گردن ہلا کر اٹھ کھڑا ہو گیا۔

اس وقت مجھے بھوپت کی ایک بہت بڑی کمزوری کا علم ہوا۔ چوٹ کھا کے بیٹھنے میں اس کے حواس قابو سے باہر ہو جاتے تھے اور وہ صحیح فیصلہ کرنے کی قوت سے محروم ہو جاتا تھا۔

لندن بار میں ہم ماکا ہی پہنچے ہوئے تھے۔ وہاں بنے خان کی بار میں سے خاص یاری تھی۔ اس کی جی بھائی کو معلوم ہو چکا تھا کہ پچھلے گھنٹے دو دن سے ادھر نہیں آیا ہے۔

بنے کی گمشدگی اور اس کے مکان کی تلاشی نے حالات کو ایک نیا موڑ دے دیا تھا۔ مجھے بھوپت کی اس بات پر یقین آنے لگا تھا کہ کوئی اور بھی پارس پتھر کا دیوانہ چکر میں ہے اور غالباً وہ بنے خان اس کے ساتھ ہے۔ ہم پیری کی نظروں پر تھا۔ میں ارادہ کر چکا تھا کہ کسی بھی طرح بنے خان تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں تو پارس پتھر کا سراغ مل جائے گا۔

اس سلسلے میں رہ رہ کر ایک خیال مجھے پریشان کر رہا تھا۔ بنے خان مجھ سے کہیں زیادہ ہوشیار اور اپنی دانست میں بے حد شاطر تھا۔ وہ پہلے ہی واپس ہو گیا ہو اور وہاں اتفاقاً اپنا انکشاف ہو گیا ہو کہ کسی جگہ وہ پارس پتھر جڑا ہوا ہے جس کی تلاش میں ایک دشت و جنگل کی خاک چھانتا پھرا تھا۔ شاید اسے اس معاملے میں خوش نصیب تھا ہو سکتا ہے قدرتی طور پر کسی اتفاق کے تحت اس پتھر کی خاصیت کا علم ہو گیا اور وہ میرا گم شدہ پتھر لے کر کہیں روپوش ہو گیا۔

اب میرے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ ہم دوبارہ اسی ہوٹل کا رخ کریں جہاں بنے خان کام کرتا تھا اور وہاں کسی کو رشوت دے کر بنے خان کے ٹھکانے کا کھوج نکالیں۔

وہاں پہنچتے ہی تو دور ہی سے ہوٹل میں کئی پولیس والے موجود نظر آئے۔ باہر ان کی ایک گاڑی بھی موجود تھی۔ میں نے فوراً ہی گاڑی ایک گلی میں گھما لی۔ اس ہوٹل پر پولیس کی موجودگی کسی بڑی مصیبت کا پیش خیمہ نظر آ رہی تھی اور اب میں پولیس سے حتی الامکان دور ہی رہنا چاہتا تھا۔

"اب بھاگ کیوں رہا ہے؟" بھوپت غرایا۔ "پولیس والا تو نہیں کھا جائے گی۔ دیکھ تو سہی چل کر کیا قصہ ہوا ہے؟"

"نہیں میرے باپ! ہرگز نہیں۔" میں بوکھلا کر بولا۔ "میں آج دو بار اس ہوٹل میں جا چکا ہوں۔ تیسری بار کسی نے پہچان لیا تو سامنے لگے پکڑے گناہ کے بدلے جائیں گے۔ میں تو ادھر کا رخ بھی نہیں کروں گا!"

"دراصل ہم دونوں ہی تو کے پھٹے ہیں۔" وہ اچانک دکھی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "مجھے بتا کیا تجھے امید تھی کہ کاٹھیاواڑ جیسے شہر میں کھڑے ہو کر ایک تھکے سے پتھر کا یوں سراغ مل جائے گا؟"

"میری ذہنیت کے بارے میں تم اتنے وثوق سے بات کرنے کا حق نہیں رکھتے استاد!" میں اسے گھور کر بولا۔

"ایسے جواب ہے میری بات کا؟" اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے کم از کم مجھے دو گالی جیسی معنوں میں نہیں دی تھی۔

"نہیں مجھ کو بھی امید تھی۔" میں نے کہا۔ "امید نہ ہوتی تو تمہارے ساتھ شہر بھر میں دھکے کیوں کھاتا پھرتا!"

"جب ہم دونوں ہوٹل میں گئے تھے ہمیں اسی وقت بنے کے بارے میں پوری معلومات حاصل کرنی تھیں۔ اگر ہم سے پہلے وہ پولیس کے ہتھے چڑھ گیا تو ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں گے!"

"اس وقت مجھے وہم بھی نہ تھا کہ وہ پتھر بنے کو ملا ہو گا یا اسے اس کی حقیقت کا اندازہ ہو گیا ہو گا۔"

"یقین سے تو اب بھی کچھ نہیں کہہ سکتے۔" وہ بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ پولیس کی آمد کا کوئی دوسرا ہی سلسلہ ہو مگر بنے سالا کہاں غائب ہو گیا؟"

"اس شہر میں ٹھکانے کچھ آدمی ہیں۔" میں نے چند نامیوں کے ترقت

کے بعد پوچھا۔

"پولیس میرا حشر کر دے گی۔" وہ چونک کر بولا۔ "کیوں آدمیوں کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

"وہ ایک ہی کافی ہے۔" میں نے کہا۔ "ہوٹل والیس پہنچ کر تم اسے قبضے کے ہوٹل بھیجو جہاں مقابلے میں زیادہ معلومات جمع کر سکتا ہے۔ وہ ہوٹل پہلے بھی رات بھر کھلا رہتا ہے۔"

ببوبت پر جوش کر اچھل پڑا۔ "ایسی ترکیبیں تو سالا شیطان بھی نہیں سوچتا تھا آج سے تو میرا پکا یار ہے!"

"جوش کی باری بلیوں کی دیوار ہوتی ہے استاد! ہالا واسطہ بس پارس پتھر میں شراکت کا ہے۔ اس سے آگے کچھ نہیں۔" میں نے کہا۔

باتوں ہی باتوں میں ہم ہوٹل پہنچ گئے۔ ببوبت کا نشی اسٹیٹ ہوٹل کی پہلی منزل پر اس سے چوتھے کمرے میں مقیم تھا۔ وہ ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ سوتے سے یوں اچانک اٹھایا گیا تو بوکھلایا ہوا نظر آ رہا تھا اس کے منہ سے چند بے ربط باتیں نکل کر ببوبت کو غصہ آ گیا۔ نیچے تو وہ دار ماتحتوں کے حق میں وہ بلا کا سخت گیر اور بے رحم آدمی تھا اس نے نشی کو بازو سے پکڑ کر باتھ روم میں دھکیلا اور اس پر ٹھنڈے پانی کا شاور کھول دیا۔

ٹھنڈے پانی کی پہلی ہی بوچھار میں اس کی گھگھی بندھ گئی اور نیند کا سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ کپڑے پانی میں بھیگ کر اس کے بدن سے چپک گئے تھے۔

"کپڑے بدل کر دو منٹ میں باہر آ جا ورنہ کھال اتروا دوں گا۔" ببوبت تولیے سے اپنے ہاتھ وغیرہ خشک کرتا ہوا باتھ روم سے نکل آیا۔

نشی بے چارہ دو منٹ سے پہلے ہی کم تھر تھر کانپتا ہوا باتھ روم سے آ گیا۔ ببوبت نے اسے نہایت تفصیل سے اس کا کام سمجھایا۔ اسے یہ معلوم کرنا تھا کہ پولیس وہاں کیوں آئی تھی اور اگر پولیس کی آمد کا تعلق بنے خان کی ذات سے تھا تو اس کے لیے زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنی تھیں۔

نشی چلا گیا تو میں بھی چوتھی منزل پر اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ سیتا سخت بے زاری کے عالم میں میری منتظر تھی۔

"آ گیا! فرصت مل گئی تجھے پارس پتھر کی تلاش سے؟" وہ میری صورت دیکھتے ہی برس پڑی۔

"شش!" میں نے چونک کر اسے اشارہ کیا اور دبی ہوئی آواز میں بولا۔ "پارس کا بھول کر بھی نام مت لینا ان کمروں کی آواز باہر تک سنائی دیتی ہے۔"

"تو میں کیا کروں!" وہ تنک کر میرے مقابل آ گئی۔ "تجھے کچھ ہوش ہے میرے کھانے پینے کا۔ بڑی وعدے کر کے لایا تھا مجھے اس سے تو بن مانس کی زندگی اچھی تھی۔"

"کھانا منگا لیا ہوتا جان!" میں مسکرا کر بولا۔ "میں سارے شہر کی خاک چھان کر آ رہا ہوں اور اب تیرے کھانے کی فکر کروں!"

"خاک چھاننا تو شاید تیرا مقدر ہی بن گیا ہے!" وہ ترش لہجے میں بولی۔ "جنگل پہاڑ اور ندیاں دیکھ لیں اب شہروں کی خاک چھاننے کی باری آئی ہے۔"

اس کی بات بہت کڑوی تھی مگر اندر کا دل کچھ ایسا ہی تھا میں نے ٹھہر کر ہنستے ہوئے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ "اس وقت میں صرف تیری وجہ سے یہاں آیا ہوں۔ پارس پتھر ملنے کی ذرا سی امید بندھی ہے۔ شاید میں رات بھر باہر مصروف رہوں گا...!"

"یہ رات کا باہر رہنا مجھے پسند نہیں۔" وہ منہ بنا کر بولی۔ "باہر کے کام دن کے اجالے میں ہی کیے جاتے ہیں۔ رات آرام کے لیے بنائی گئی ہے۔"

میں نے اسے چھوڑ دیا اور آنکھیں پھاڑ کر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ "پہلی بار تو جنگلوں میں بسنے والی آج شہری عورتوں جیسی بات کرتی ہے۔"

"اگر تو چاہتا ہے تو میں بھی شہر کے شور سے نکل رہی ہوں اور تجھ سے پہلے لوٹ آؤں گی!"

"یہ شہر تیا ہے۔ راستے نئے ہیں تو یہیں آرام کر میں کل تجھے شہر گھماؤں گا۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں تجھی راستے سے ایک بار گزر جاؤں وہ ساری عمر مجھے یاد رہتا ہے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "مجھے میری شہر کی ضرورت نہیں۔"

"اوہ!" میں اچانک کچھ سنجیدہ ہو گیا۔ "تجھے اس کمرے میں اکیلے سوتے ڈر لگ رہا ہو گا!"

"سندری کی بیٹی نے ڈرنا سیکھا ہی نہیں۔" وہ بنیادی طور پر معصوم تھی۔ بس میرے ایک ہی طعنے پر اس کی ذہنی رو بہک گئی۔ "اب تو رکنا بھی چاہے گا تو میں تجھے باہر نکال دوں گی۔ میں تنہا اس کمرے میں سوؤں گی میرا نام سیتا ہے سیتا!"

"شہر نہیں گھومے گی؟" میں نے اسے چھیڑا۔

"شہر کی ایسی کی تیسی!" وہ مکا فضا میں لہرا کر بولی۔ "تو نے مجھے ڈرپوک کہا ہے اب تو میں یہ اسی کمرے میں رات گزاروں گی۔"

"بھوک زور کی لگی ہے؟" مجھے یاد آیا کہ بازار سے خریدے ہوئے خشک غذا کے چند ڈبے ابھی تک میرے سامان میں موجود ہیں۔

"بھول جائے گا تو کھاؤں گی۔" وہ سوچ کر بولی۔

میں نے چند ڈبے کاٹ کر خود بھی اس کے ساتھ کھانا کھایا۔ سیتا دن بھر وہ مجھ سے بیس منٹ تک باتیں کرتی رہی۔ میں ذہنی طور پر پارس پتھر پر لعنت بھیج کر وہ رات سیتا کی زلفوں کے سائے میں گزار دوں مگر سیتا میری بیوی بھی محبوبہ تھی جو ایک بار جیت نہ جائے تو جانے کا دھڑکا لگا رہتا ہے اور جب چلی جائے تو اس کے لوٹ آنے کا پورا یقین ہوتا ہے!

"تو پھر تو اکیلی ہی سوئے گی؟" کھانے سے فارغ ہو کر میں نے مکارانہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں!" اس نے مختصر سا جواب دیا اور میں باہر نکل آیا۔

پہلی منزل پر ببوبت سنگھ کسی پنجرے کے شیر کی طرح بھرا ہوا اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا مجھے دیکھتے ہی پھٹ پڑا۔ "چالیس منٹ ہو گئے نشی اور وہ حرامزادہ ابھی تک نہیں پہنچا۔"

"وہ ہوٹل یہاں سے کافی دور ہے استاد! اور دبی ہوئی منزل کا بھی بتا۔ اتنی رات گئے سواری ملنا بھی تو مشکل ہے۔" میں نے اپنی دانست میں مظلوم نشی کی وکالت کی۔

"سواری!" استاد حقارت سے بولا۔ "وہ میرا نشی ہے کسی چوڑے چمار کا نہیں وہ خود بھی کار رکھتا ہے۔ اب تک تو اسے آ جانا چاہیے تھا۔"

"وہ کام پورا کر کے ہی آئے گا۔ تم بلا وجہ پریشان ہو رہے ہو تھوڑی دیر کا کام کر رہا ہو گا۔ ابھی یہ رات جاگ کر ہی گزر جائے۔"

"نشی پورا خبطی الحواس ہے!" وہ اچانک کچھ سوچ کر تپ گیا۔ "پتہ نہیں پتہ کے خاور ہوٹل کا پتہ مجھ بھی گیا تھا یا اب پولیس کے شہر میں بھٹکتا پھر رہا ہو گا!"

"تم بھی عجیب ہو استاد! لڑکوں کو مرعوب و دہشت زدہ کر کے لطف اٹھانا شاید تمہارا شوق ہے۔ اگر پتہ نہ ملا تو وہ لوٹ ہی آئے گا۔"

"ہرگز نہیں!" وہ پورے یقین کے ساتھ بولا۔ "اسے ہوٹل ڈھونڈنے میں چار دن بھی لگ جائیں تو اب وہ پوری معلومات جمع کیے بغیر نہیں لوٹے گا۔"

"جب تم یہ جانتے ہو تو بلا وجہ جھنجلا کیوں رہے ہو؟"

"اکیلا پن مجھے کھانے کو دوڑتا ہے۔ میرے ساتھ جب تک ایک دو آدمی نہ ہوں دل نہیں لگتا۔ اب تو آ گیا ہے تو مجھے کوئی پریشانی نہیں۔"

"شادی کر لو یہ بات جاتی رہے گی!"

وہ زور سے ہنسا۔ "شادی تو ہر رات ہی کرتا ہوں اور صبح طلاق ہو جاتی ہے مگر جب سامنے کام آ جائے تو ببوبت سنگھ عالم کو بھی ٹھکرا دیتا ہے۔"

"کاش تم پہلے ملے ہوتے!"

"کیا ہوتا؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"میں تمہیں بتاتا کہ صفدر علی کیا شے ہے۔ گزرنے والی زندگی میں ایک موڑ ایسا بھی آتا ہے جب پیار سامنے کھیل رہا ہو اور کوئی کھوٹ نہیں۔" میں اچانک جذباتی ہو گیا۔ "آدمی چاہتا ہے کہ اس کا اپنا گھر ہو اس کی اپنی بیوی ہو جو اس کے ہر حکم کے لیے اپنا سر جھکا دے۔ یہ احساس انسان کو اس کی عظمت کا احساس دلاتا ہے کہ وہ پہلے طور پر کسی کے تحفظ اور کفالت کا ذمہ دار ہے۔"

"فلسفہ بھی بگھار لیتا ہے۔" وہ پھر ہنسا۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ اندر آنے والا ببوبت سنگھ کا نشی تھا۔

"کیا ہوا؟" ببوبت نے دروازہ بند کرتے ہوئے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

"مارا گیا!" نشی ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "پیل گلی میں کسی نے پیٹیوں میں پچکار کر اسے ختم کر دیا۔"

"کسے ختم کر دیا؟" ببوبت نے اسے گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

"بنے خان! اس کی لاش پولیس کے قبضے میں ہے!" نشی جلدی سے کہہ اٹھا۔

سنتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں سست پڑ گئیں! امید کی ڈور ہوئی بیٹی ملتے ملتے پھر آس بندھی تھی اس خبر نے وہ آس بھی توڑ دی تھی۔

نشی کی زبان سے جیسے ہی یہ انکشاف ہوا کہ پہلی دانی گلی میں چھرے سے ہلاک ہونے والا بنے خان تھا ببوبت نے نشی کے منہ پر زور سے تھپڑ مارا اور گریبان کو جھٹکا دے کر ایک کونے میں پھینک دیا جیسے بنے خان کے قتل کا ذمہ دار نشی ہی رہا ہو!

اس وقت ببوبت کی حالت قابل دید تھی۔ غصہ اور بے بسی کے عالم میں اس کی زبان سے نکلی ایسی نازیبا گالیاں اس قدر بے جو شائع طور پر قطعی ناممکن تھیں۔ نشی بے چارہ صوفے پر سہما سکڑا خوفزدہ نظروں سے استاد ببوبت کو تکے جا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ناگواری کی ایسی جھلک تک نہیں تھی۔ ببوبت کے ملازمین شاید پہلے ہی اس کے عادی تھے اس وجہ سے وہ ببوبت کی بے جا زیادتیاں برداشت کر لیتے تھے۔ ورنہ عام حالات میں ببوبت کو پیٹے گریبان ایک دو لوگ بھی جمع رکھتا محال ہو جاتا!

گو ابھی تک مجھے ایسا کوئی سراغ نہیں ملا تھا جس کی بنا پر یقین کے ساتھ کہا جا سکے کہ میری انگوٹھی سے گرنے والا پارس پتھر لازماً بنے خان ہی کو ملا تھا مگر وقوعہ کا رخ اسی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ بنے خان کی ہوٹل سے غیر معمولی انداز میں جلد روانگی، اس کی کھوپڑی پر مشتبہ کے آثار کا پایا جانا پھر اس کی لاش کی روشنی کی خبر یہ ایک ہی سلسلے کی کڑی تھیں!

تاہم ابھی اور بنے خان کے قتل پر مکمل اگر ایک بات اور واضح ہو گئی تھی کہ اگر پارس پتھر بنے خان ہی کو ملا تھا تو اس کے علاوہ کوئی اور بھی اس راز سے واقف تھا اور بنے خان محض پارس پتھر ہی کی وجہ سے مارا گیا تھا۔

"وہ کیسے مارا گیا! کس نے مارا اسے؟" اچانک کمرے میں ببوبت سنگھ کی دبی دبی مگر غضبناک غراہٹ گونجی۔ وہ نشی کے مقابل کھڑا اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔

"پپ... پتہ نہیں استاد!" وہ ہکلایا۔

"ذرا ٹھہر کر بات کرو استاد!" میں نے ببوبت کا شانہ دباتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "اسے بے چارہ کیوں لپکتے ہو یہ ہے جو بنے خان کے قتل میں اس کا کیا قصور ہے!"

ببوبت سنگھ نے مڑ کر مجھے گھورا پھر صوفے پر بیٹھا اور آنکھ سے مجھے اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ اب نشی سے مجھے بات کرنی ہے۔

"بنے خان کی موت کی اطلاع کیسے ملی نشی؟" میں نے کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سلگاتے ہوئے اس سے دریافت کیا۔

"پولیس دونوں کو اس کی خبر بیٹا مالی ہوٹل والے چپل گلی کے ایک ویران گوشے میں پڑی ملی تھی۔ لاش کی تلاشی بھی لی گئی تھی۔ شاید قاتل بنے کے پاس کسی چیز کی تلاش میں تھا۔ پولیس نے ایک بل کے ذریعہ ہوٹل کے نام کا سراغ لگایا۔ وہ بل بنے خان کی جیب سے نکلا تھا۔ پھر پولیس بنے خان کے مکان پر گئی۔ اس کا سارا سامان بے ترتیبی سے بکھرا ہوا تھا۔ کسی نے جلدی میں وہاں کی بھی تلاشی لی تھی۔ اس کے بعد پولیس نے ہوٹل پر دیا دیا۔ ملازمین کے بیانات لے جا چکے ہیں

اور پس منظر یہ چلا کہ بنے خان پیٹ میں درد کی شکایت کی بنا پر ہوٹل سے جلدی چلا گیا تھا۔ ایک بیرے نے یہ بھی بتایا کہ بنے کے چلے جانے کے بعد دو آدمی ہوٹل میں اس کی کھوج میں آئے تھے۔ ان میں سے ایک کا کہنا تھا کہ دوپہر میں وہ اپنا بٹوہ اس کیبن میں بھول گیا تھا جہاں بنے خان کی ڈیوٹی تھی۔ وہ دونوں بنے خان کے گھر کا پتہ معلوم کر کے چلے گئے تھے۔ منشی مشتاق احمد بیان دینے کے بعد چلا گیا۔

میری اور استاد بھوت سنگھ کی نگاہیں چار ہوئیں۔ معاملہ خاصا سنگین ہو گیا تھا۔ ہماری قسمت اچھی تھی کہ جو ہوٹل پر پولیس کو دیکھتے ہی ہم نے ادھر کا رخ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ورنہ ہمیں بنے خان کا پتہ ٹھکانا بتانے والا بیرا ہمیں فوراً ہی پہچان لیتا۔ اور ہم دونوں اسی وقت دھر لئے جاتے۔ بھوت سنگھ تو شاید کسی نہ کسی طرح بچ بھی نکلتا مگر میری گلوخلاصی ناممکن ہو جاتی کیونکہ میں پولیس کو اپنا کوئی پتہ ٹھکانہ نہیں بتا سکتا تھا۔ پھر شاید جلد ہی مجھے سیتا کے معاون کی حیثیت سے پہچان لیا جاتا اور پھر میں بھی سیتا جیسی ناقابل تصور دشواریوں کا شکار ہو جاتی!

"وہ لکھنؤ میں ہی ہیں معلوم ہوا ہے؟" اس بار بھوت سنگھ نے منشی کو للکارا۔

"ایک بات اور پتہ چلی ہے استاد!" وہ جلدی سے بولا۔ "بنے کے جانے کے بعد سے ہوٹل کا ایک باورچی بھی غائب ہے جسے بیان کے لئے تھانے بلایا گیا تو پتہ چلا کہ وہ موجود نہیں ہے۔ اس کی ڈیوٹی ہوٹل میں رات کو تھی۔ باورچی خانے میں کام کرنے والے ایک مددگار نے بتایا کہ وہ تمام پیچھے ایک ضروری کام کو بہانہ کر کے جلدی میں کہیں گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں لوٹ آئے گا مگر ابھی تک اس کا کوئی پتہ نہیں چلا!"

"نام کیا ہے اس باورچی کا؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"دیوان داس!" منشی نے کہا۔ "مگر استاد! یہ بتا دوں کہ پولیس دیوان داس کو اہمیت نہیں دے رہی اب ان کا سارا زور ان دو آدمیوں کی تلاش پر ہے جو بنے کو تلاش کرتے ہوٹل پر پہنچے تھے!"

منشی کی یہ بات خاصی منطقی تھی۔ پولیس کہیں کی بھی ہو مسائل کے حل کے لئے مختصر ترین اور سب سے آسان راستہ اپناتی ہے۔ انھوں نے بنے خان کے قتل کے بارے میں یہ فرض کر لیا ہوگا کہ شروع میں جو کچھ موجود تھی جو بنے کے ہاتھ لگی اور وہ خوشی خوشی ہوٹل سے چلا گیا۔ جب ہوٹل کے مالک کو رقم کی گمشدگی کا علم ہوا تو وہ بنے کی تلاش میں ہوٹل پہنچا۔ ان دونوں کو بنے خان ہوٹل پر موجود نہ ملا تو وہ بنے کی تلاش میں بنے خان کی جھونپڑی کا سامان تہس نہس کیا اور جب اس سے بھی کوئی امید نظر نہ آئی تو کسی نہ کسی طرح انھوں نے بنے خان کو پکڑ لیا۔ انہوں نے رقم اور بٹوہ حاصل کرنے کا اظہار کیا ہوگا اور جب ان دونوں نے اس کی جامہ تلاشی لینے کی کوشش کی تو بنے نے مزاحمت کی ہوگی۔ لہٰذا ان دونوں میں سے کسی نے بنے خان کو ہلاک کر ڈالا اور لاش کی جامہ تلاشی کے ذریعے اپنا بٹوہ اور رقم حاصل کر کے بھاگ نکلے۔ گویا اب پولیس کی نظروں میں بنے خان کا قاتل استاد بھوت سنگھ قرار پایا تھا!

"اس بیرے نے ان دونوں آدمیوں کا کیا حلیہ بتایا ہے؟" بھوت سنگھ نے کچھ سوچنے کے دوران ہی منشی سے سوال کیا۔

"وہ بیرا پولیس کو بیان دینے کے بعد باہر اپنے ساتھیوں کو ساری روداد سنا رہا تھا۔" منشی ڈرتے ڈرتے بولا۔ "ان میں سے ایک آدمی کا حلیہ تو تم سے ملتا ہے استاد! دوسرا آدمی درمیانہ قامت گسرتی بدن کا مالک خوبرو جوان تھا!" آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے اس نے معنی خیز نظروں سے میرا جائزہ لیا تھا۔

بھوت نے خلاف معمول یہ عرض کرنے کے بجائے کہ اس کے گھر میں بیٹھے رہنے کے بعد کچھ دیر تک کمرے میں گمبھیر خاموشی چھائی رہی جسے بھوت نے توڑا۔

"اب کیا کرنا ہے؟"

"جو کچھ کرنا ہے جلدی کرنا ہے!" میں سگریٹ کا ٹکڑا جوتے کے نیچے مسلتے ہوئے بولا۔ "جتنی تاخیر ہوگی بازی ہمارے ہاتھ سے اتنی ہی دور نکلتی جائے گی!"

"دیوان داس کا کھوج کہاں لگایا جائے؟"

"اس کے علاوہ اور کوئی راستہ بھی نہیں ہے!"

"کیا خبر منشی کی غلطی ہو!" استاد بھوت نے پچھاڑ کھانے والے انداز میں... سے دیوان داس کا پتہ معلوم کیا اور یہ حقیقت ہوا کہ منشی ان گنت دفعہ باورچی کا پتہ نکال لے آیا تھا!

سیتا کو میں پہلے ہی بتا چکا تھا کہ ساری رات ہوٹل سے باہر بھاگ دوڑ میں گزرے گی۔ لہٰذا ہم دونوں فوراً ہی ہوٹل سے روانہ ہو گئے۔

دکانوں پر مشتمل وہ علاقہ آدھی رات گئے ویران پڑا ہوا تھا۔ کسی بازار کا ڈکا آوارہ کتوں کی غم ناک غراہٹیں ہی اس علاقے میں زندگی کی موجودگی کا احساس دلا رہی تھیں۔ استاد کی کالی مرسیڈیز سست روی سے سڑک پر بڑھی جا رہی تھی کہ اچانک میری نظر جیسے ہی بائیں کے بڑے سے بورڈ پر پڑی اور میں نے اشارہ دیا استاد نے اچانک بریک لگا دیئے!

دیوان داس اسی دکان سے ملحق گلی میں کسی کوٹھری میں رہتا تھا۔ یہ بھی طے کیا کہ بھوت آہستہ رفتار سے گاڑی اسی سڑک پر گھماتا رہے گا تاکہ اسے کسی جگہ رکنے سے گاڑی پر کسی کی نظریں نہ جم سکیں۔ مجھے تنہا دیوان کی کوٹھری سے باہر نکلنا تھا۔ وہاں سے باہر نکل کر سیٹی بجا کر اشارہ دیتا اور استاد گاڑی لے کر پہنچ جاتا۔ اور اگر میں اس کوٹھری میں کسی افتاد کا شکار ہو جاتا تو استاد دس منٹ انتظار کے بعد خود بھی وہاں آ پہنچتا۔

مجھے امید تھی کہ پولیس ابھی اس سلسلے میں بنے خان کے قتل کی گتھی سلجھانے کے بعد زیادہ مستعدی کا مظاہرہ نہیں کرے گی اور آدھی رات گئے مخص رسمی کاروائی کی خاطر دیوان کی کوٹھری کا رخ نہیں کرے گی۔

گلی میں اسٹریٹ لائٹ کی ناکافی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں سڑک کے بجائے نالیاں وغیرہ عبور کرتا ہوا ایک ہی قطار کی ساتوں کوٹھری کے سامنے جا پہنچا۔ بظاہر وہاں بھی سناٹے کا راج تھا۔ تقریباً تمام کوٹھریاں مقفل تھیں۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس گلی میں بھی چھوٹے چھوٹے دکانداروں نے

ایک آدھ بیٹھک بنا رکھا تھا اور دن بھر کام کرنے کے بعد وہ دکان میں ہی پڑ رہتا ہوگا ورنہ پہنچنے کی کسی طرح بھی رہائش کے قابل نہیں تھی!

چند لمحوں تک میں اس غیر مقفل کوٹھری کے سامنے کھڑا اندر کی آہٹ لینے کی کوشش کرتا رہا مگر وہاں تو گہرے سناٹے کا راج تھا۔ گھبراہٹ کا سا... ناٹا!

پھر میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ جلد دروازے پر آہستہ سے دستک دی اور جواب کا منتظر رہا۔ مگر جواب ندارد! دوسری دستک ذرا تیز تھی اور اس بار اندر سے کسی کی کروٹ بدلنے کی مخصوص سی آواز ابھری "کون ہے... بھاگ جاؤ! مجھے نیند آ رہی ہے!"

"کنڈی کھولو! میں دیوان داس ہوں!" میں نے اپنا منہ دروازے کے قریب لا کر اس طرح سرگوشی کی کہ اندر والے کو میری آواز پر شبہ نہ ہو! مگر فوراً ہی میرا دل دھڑک اٹھا۔ اگر بولنے والا خود دیوان داس ہی ہوا تو کیا ہوگا؟

مگر کیا شبہ... اسے تو فوراً ہی تعجب ہو گیا۔ شاید نیند نے اس کے حواس کو پوری طرح مفلوج کیا ہوا تھا۔ اندر سے آہٹ کے ساتھ ہی اس کی بھاری آواز ابھری "تو کیوں آ گیا ہے؟ کیا ٹرین نہیں ملی؟"

میں جواب دیئے بغیر سانس روکے کھڑا رہا۔ اس کے جملے پر میرا دل اچھل پڑا تھا۔ ٹرین کے ذکر سے ظاہر تھا کہ دیوان داس اندر موجود نہیں ہے اور جو کوئی بھی بول رہا ہے اسے یہ معلوم ہے کہ دیوان داس ٹرین سے کہیں جانے والا تھا۔ جواب میں دروازے کی کنڈی کھلی میں بیٹھے دھکیل کر اندر گھستا چلا گیا۔ اندر موجود شخص بوکھلا کر پیچھے جا گرا اور میں نے پھرتی سے دروازہ بند کر دیا۔

دیوار پر ٹنگے ہوئے سوئچ بورڈ پر ہلکی روشنی کا دودھیا بلب جل رہا تھا۔ اس روشنی میں میں نے دیکھا کہ وہ کوٹھری میرے اندازے کے عین مطابق بہت ہی تنگ ہے! اس کے بقیہ حصے میں فرش پر بستر لگا ہوا تھا۔ دوسرا بستر لپٹا ہوا دیوار کے کنارے رکھا ہوا تھا۔

"کک... کون ہے؟" میرا استقبال کرنے والا خوفزدہ آواز میں بولا۔

"دیوان داس کہاں ہے؟" میں نے اس کے گریبان سے پکڑ کر فرش سے اٹھاتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

وہ ادھیڑ عمر، متوسط قامت اور اعصاب زدہ سا شخص تھا۔ اس کا چہرہ مقابل آتے ہی شراب کا تیز بھبکا میرے نتھنوں سے ٹکرایا!

"تم کون ہو؟" اس نے خوف زدہ لہجے میں اپنا سوال دہرایا۔ اس کی سرخ سرخ آنکھیں دہشت کے باعث معمول سے زیادہ پھیلی ہوئی تھیں۔

"تیرا باپ!" میں نے اس کی گردن پر گرفت مضبوط کی اور وہ کراہ کر رہ گیا۔ "دیوان داس ٹرین سے کہاں گیا ہے؟"

"پتہ نہیں... م... مجھے پتہ نہیں!" وہ ہکلاتا جا رہا تھا۔ قریب المرگ کی طرح خوف زدہ ہو گیا تھا۔

میں نے اچانک اپنی پتلون کی بیلٹ سے بھوت سنگھ کا دیا ہوا ریوالور نکالا۔ "مجھے فرصت نہیں ہے!" میں نے ریوالور کی نال اس کی پیشانی پر لگا کر کہا۔ میرا لہجہ دھیما مگر دہشت ناک تھا۔ "اگر دو منٹ میں دیوان کا پتہ نہیں بتایا تو کھوپڑی اڑا دوں گا!"

"نہیں نہیں!" وہ ہکلا کر گھگھیانے لگا۔ "مجھے مار دو گے مگر مجھے زبان بند رکھنے کے لئے پانچ ہزار روپے دیئے گئے ہیں! میں اس کا ٹھکانا نہیں بتا سکتا!"

یقین کر اچانک میرا خون کھول اٹھا۔ دیوان جیسا قلاش باورچی اسے اتنی بڑی رقم کی قیمت کیسے دے سکتا؟ پانچ ہزار روپے دیئے گئے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ نہ صرف پانچ ہزار حاصل کر چکا ہے بلکہ اس سے سونا زیادہ رقم بھی چکا ہے!

میں نے نال سے اس کی پیشانی پر ضرب لگائی اور وہ ہلکی سی چیخ مار کر نیچے لڑھک گیا۔ اس کی چیخ میرے اعصاب پر بم کی طرح گری اور میں نے بیدردی سے اس کے نرخرے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میرے کان باہر سے آنے والی کسی آہٹ پر لگے ہوئے تھے۔ مجھے ڈر تھا کہ گلی میں اگر کوئی موجود تھا تو اس نے وہ چیخ ضرور سن لی ہوگی۔

میری پوری توجہ باہر مرکوز تھی۔ جب کئی منٹ گزر گئے اور کوئی مداخلت نہ ہوئی تو میں دوبارہ اپنے شکار کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ میرے بیچے دبا ہوا بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا جیسے ذرا بھی جنبش کرے گا تو موت اسے آ دبوچے گی!

"وہ... وہ لکھنؤ گیا ہے! اس کے پاس کہیں سے بہت موٹی رقم آ گئی ہے وہ بڑا خوش تھا!" میں سمجھ گیا کہ وہ نشے میں انداز میں بولنے لگا۔

"لکھنؤ میں وہ کہاں ملے گا؟"

"مجھے بتا کر نہیں گیا!" وہ روتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "مگر وہ ہمیں بتائی ہوئی ہے اس نے کہ وہ مجھے پر ضرور جائے گا!" اس کی آنکھیں رحم طلب انداز میں میرے چہرے پر بھی جمی ہوئی تھیں۔

"لالا اٹھا کر باہر نکل!" میں نے چند ثانیے سوچنے کے بعد اسے حکم دیا۔

"مجھے چھوڑ دو مہاراج... غریب آدمی ہوں! مجھ سے مار ڈالو تم مجھے کو شیر اس مرد کی نے تمہارا کیا بگاڑا ہوگا!" اس کے چہرے پر نزع کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر رو رہا تھا جیسے قدموں پر گر کر گڑگڑانے لگا اس سے آنے والے وقت نے... دیا۔ میری اب تک کی ساری محنت برباد ہو جاتی اگر کوئی مجھے یہاں پہچان جاتا! اپنا سراغ نہیں چھوڑا تھا اور نہ کوئی میری نئی منزل کا پتہ چلا سکتا تھا۔

اس بڈھے کو اب زندہ چھوڑنا میرے اصولوں کے خلاف تھا۔ مجھے یقین ہے دیوان کے تعاقب میں لکھنؤ جانا تھا جبکہ یہ بڈھا زندہ رہ کر کسی اور کو بھی اس راز کا پتہ دے سکتا تھا۔ خصوصاً دیوان کے بارے میں اس کا تذکرہ پولیس کے بعد جب پولیس دیوان کی روپوشی کے سلسلے میں اس سے پوچھ گچھ کرتی تو ماحول افسروں کی نظر سے وہ کچھ بھی نہ چھپا سکتا تھا۔ یوں میری مہم مشکلات کا شکار ہو جاتی!

پہلے میرا ارادہ یہ تھا کہ اسے باہر لے جا کر کسی ویران مقام پر ٹھکانے لگا دوں مگر اس کی ختم ہوتی کیفیت نے مجھے اسی وقت کچھ کر گزرنے کی دعوت دے دی تھی۔

وہ زمین پر پڑا ہوا تھا۔ میں نے ریوالور جیب میں رکھا اور اسے اٹھا کر چارپائی پر لٹا لیا۔ فرصت کے ساتھ چند لمحے گھور کر ڈالی آواز میں بکتا رہا...

اس کی خشونت بھری انگلیوں کے تنگ ہوتے ہوئے حلقے کے ساتھ ساتھ دم توڑ گئیں۔ چند منٹ بعد میں اس کی بے جان لاش کو کوٹھری میں منتقل کر کے واپس لوٹ آیا تھا۔ چابی میں نے ایک گٹر میں پھینک دی تھی!

انجن کی تیلی روشن ہوتے ہی جنوب سمت میں کسی کار کی روشنیاں جل اٹھیں اور تیزی کے ساتھ وہ کار میرے سامنے آ رکی۔

"کیا ہوا؟" بھوت نے میرے بیٹھتے ہی سوال داغ دیا۔

"ہمیں لکھنؤ جانا ہے!" میں سرد اور جذبات سے عاری لہجے میں بولا۔

"تجھے کیا ہوا ہے؟" بھوت نے میرے بے حس لہجہ پر چونک کر پوچھا۔

"گاڑی وہاں سے چلاؤ استاد!" میں سیاہ اور خشکی سڑک پر گھورتے ہوئے بولا۔ "میں آج تک قاتلوں، اسمگلروں اور سازشیوں کو مارتا آیا ہوں مگر آج پہلی بار ایک بیگناہ بڈھے کے خون سے ہاتھ رنگنے پڑے ہیں۔ مگر اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا!"

"کس کا خون کیا تو نے؟" بھوت میری زبان سے یہ انکشاف سن کر اچھل پڑا۔

"دیوان جی کے ساتھ رہتا تھا۔ رازداری کی قیمت کے طور پر اسے بااختیار لٹیے دیکھ کر آج بات لکھنؤ کی طرف گیا ہے۔" میں نے کہا۔

"تو قتل کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟" بھوت نے حیرت سے پوچھا۔

میں محبت سے بے رحمانہ انداز میں ہنسا۔ "پارٹنر جی کی فطرت میں یہی کی ہے۔ کھیلتا آیا ہوں استاد! تمہاری شراکت کے بعد پہلی ہی واردات ہوئی تو تم اس کا جواز پوچھ رہے ہو..... وہ سمجھا جاتا تھا کہ دیوان کہاں ہے اور جب ہم پارس پتھر تک پہنچیں گے تو کسی کو بھی اس کا ٹھکانہ معلوم نہیں ہونا چاہیے.....!"

"ٹھیک ہے، ماہی ہوا تو اب افسوس بیکار ہے بیٹا!" بھوت بولا۔ "آج کل جن کی دم اٹھا کر دیکھو گے وہی شیطان کا باپ نکلے گا۔"

اب میرے سامنے پہلا مسئلہ یہ تھا کہ سیتا کو کہاں چھوڑا جائے۔ اگر اسے بھی لیے جاؤں تو بی دو شہر رہا باجود تو وہ ہرگز میرا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوتی جبکہ موجودہ غیر یقینی حالات میں اسے ساتھ لیے پھرنا نہ صرف میرے لیے بلکہ خود سیتا کے لیے بھی خطرناک تھا!

بھوت کا ارادہ اسی وقت لکھنؤ روانہ ہونے کا تھا مگر جب میں نے اُسے سیتا کے بارے میں اپنی تشویش سے آگاہ کیا تو وہ ہوٹل کی طرف ہو لیا۔

"یہاں لکھنؤ میں میری ایک جاننے والی رہتی ہے سیتا کو ہم ان کے پاس چھوڑ سکتے ہیں!" کافی سوچ بچار کے بعد بھوت نے تجویز پیش کی۔

"تمہاری جاننے والی!" میں طنزیہ لہجے میں بولا۔ "طوائف ہے تو وہ کیا کم ہو گی!"

"میرے اتنا بھروسہ کر" بھوت بگڑ گیا۔ "رنڈی بڑی بد معاش ہوتی ہے مگر جب کسی کو چاہنے لگے تو اس کے لیے جان بھی دے دیتی ہے۔"

"تو وہ تمہاری محبوبہ ہے؟" میں سنجیدہ ہو گیا۔

"میں محبوب پالا ہی نہیں تھا..... وہ چپکے ہوئے لہجے میں بولا۔ "وہ کئی برس سے میری دیوانی ہے۔ آج جھوٹوں کہو تو بی بیاہ پر تیار ہو جائے۔ سیتا کو وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھے گی!"

"کوئی اور ترکیب سوچو استاد!" میں نے غیر متفق لہجے میں کہا۔ "میری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ سیتا کبھی طوائف کے قریب بھی نہ پھٹکے گی خواہ وہ میری ہی داشتہ کیوں نہ بنی ہو۔"

"میں مجرم اور کوئی بھولا نہیں جانتا کہ مرد اپنی بیوی کے بارے میں کتنے حساس ہوتے ہیں۔ اس کے لیے تو تجھے ہی کوئی صورت نکالنی ہوگی.....!" بھوت نے تجیہ لڑا لیا۔

بھوت سے گفتگو ختم کرنے کے بعد جب میں نے اپنے ہوٹل میں اپنے کمرے پر دستک دی تو صبح طلوع ہونے والی تھی۔ فضا میں عجیب سا جالے کی خنکی رچی ہوئی تھی۔ سیتا نے فوراً ہی دروازہ کھولا تھا۔ اس کی بڑی بڑی غلافی آنکھیں رت جگے سے حسین تر ہو گئی تھیں۔ سرخ بال بے ترتیبی سے اس کے چہرے اور شانوں پر بکھرے ہوئے تھے.....!

"ذرا سست ہو گئی تھی؟" میں نے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس نے سوال کیا۔

"فرصت تو مل گئی مگر ایک نہیں تھا!" میں نے مڑ کر دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

"پڑ رہی تھی جہنم میں!" وہ جل کر بولی۔ "ساری رات گزار کر آئے ہیں اور اب پھر پارس جی کی رٹ لگا رکھی ہے.....!"

میں نے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا اور وہ کسی سہمے ہوئے بچے کی طرح میری آغوش میں دبک گئی..... "اگر وہ جنگل ہی کھو جاتا تو میں بھی اس پر لعنت بھیج دیتا مگر اس کو کچھ کچھ سراغ ملا ہے میری جان! ان عورتوں میں قاروں کے اس خزانے کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں جو تیرے آرام کے لیے، تیرے گھر، زیور اور بچوں کے لیے تیرا کاروبار مناسبت ضروری ہے.....!"

"میں کب کہتی ہوں کہ اسے بھول جاؤ!" وہ میرے سینے میں منہ گھسا کر منمنائی۔ "مجھے تو یہ شکایت ہے کہ اس کے چکر میں تو مجھے بالکل بھول گیا ہے.....!"

اس کی شکایت بالکل بجا تھی۔ وہ بھی گوشت پوست کا پیکر تھی جس کی سانس کے ساتھ جذبوں کا ایک سمندر ٹھاٹیں مارتا رہتا ہے۔ پھر اس کے دل میں بہت سی آرزوؤں کا سیلاب بے نام تھیں۔ اسے میں نے جرام سے نکال کر زندگی کے وہ رموز سکھائے تھے کہ اسے عملی تجربہ نہ تھا۔ اب اگر وہ میری بے رخی اور عدم توجہی کی شکایت کرتی تھی تو اس میں اس سے زیادہ میرا قصور تھا۔

جب سورج طلوع ہوا تو سیتا کے دل سے غبار چھٹ چکا تھا۔ اس نے میری ساری کوتاہیاں معاف کر دی تھیں۔ اس خوشگوار احوال میں میں نے اسے اپنی نئی پریشانی سے آگاہ کیا.....!

"میں یہاں تنہا ہرگز نہ رہوں گی۔" میری بات سمجھ ہی وہ بول اٹھی۔ "تم کبھی مجھ پر بوجھ نہیں تھی۔ اپنی حفاظت میں خود کر لوں گی مگر چلوں گی تمہارے ساتھ!"

"میرے ساتھ جانا خطرناک ہے سیتا! تیری جان بھی جا سکتی ہے۔"

"مجھے تو یہ بھی منظور ہے مگر چلوں گی ساتھ!" اس نے بے رخی کی کے لیے تم کا لفظ استعمال کرتے ہوئے کہا۔

اس کی یہ تجویز واقعی معقول تھی۔ لکھنؤ میں ہمارا کام صرف اتنا تھا کہ دیوان کو بھی پائی کے کوٹھے پر پکڑیں اور اس سے پارس کی کہانی اگلوا لیں۔ اگلی کارروائی کا انحصار دیوان کے بیان پر تھا!

میں نے سیتا کو سامان سمیٹنے کی ہدایت کی اور خود پروگرام طے کرنے بھوت کے پاس چلا گیا۔ وہ کافی پیتے ہوئے میرا ہی انتظار کر رہا تھا!

"کیا طے ہوا.....؟"

"سیتا ہمارے ساتھ چلے گی!" میں نے بتایا۔ "یہاں سے وہ برقع میں ہمارے ساتھ ہوگی۔ رستے ہی میں تو بے حساب دیکھ کر ہم اسے لڑکی میں بند کر دیں گے۔"

"لکھنؤ پہنچنے کے بعد کیا ہوگا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"وہاں زیادہ سے زیادہ چند گھنٹوں کا کام ہے! ان دو حالات میں وہ گاڑی ہی میں رہے گی۔" میں نے اطمینان سے کہا۔

"اور اگر گاڑی میں اس کی نقل و حرکت سے کوئی ادھر متوجہ ہو گیا؟"

"یہ میرا دو سرا قدم ہے۔" میں اعتماد کے ساتھ مسکرایا۔ "وہ بنارس سے تمہاری کالی آشرم میں اسی طرح مزاحم پہنچی تھی!"

"بھیس بدل دینا بیٹی سے تو صاف نکل گیا تھا....." وہ حیرت سے بھوت کو گھورتا رہا۔

میں نے نیچے کاؤنٹر پر جا کر اپنا حساب صاف کیا اور سیتا کو برقع میں سوار کر کے اپنے مختصر سامان سمیت ہوٹل سے باہر آ گیا۔

پارکنگ لاٹ میں بھوت اپنی گاڑی میں ہمارا منتظر تھا۔ اس نے احترام کے ساتھ سیتا کے لیے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا اور مجھے آنکھ مار کر بولا۔ "بیٹھ جا پٹھے تو بھی پیچھے بیٹھ جا! آج میں ڈرائیوری کروں گا.....!"

گاڑی روانہ ہوئی تو اس کے ملتے بیٹھے جیسے بیٹھے جیسے تھے کہ گاڑی کا بولا کے سیتا کا برقع بانقاب۔ آدمی نے باسے شناخت کے اعتبار سے سیتا ہاتھ سے لے گئی تھی خطرناک تھی اس کے سرخ بال، منفرد و غلافی آنکھیں، جمنا گوری رنگت نمایاں اور دراز قامت سبھی ایسی نشانیاں تھیں جنہیں ایک جھلک دیکھ کر بھی کوئی پہچان سکتا تھا!

جب تک گاڑی آبادی میں رہی بھوت خاموش رہا پھر جیسے بی میں جو ہم دونوں خاموش بیٹھے تھے۔ پھر بھوت ہی نے سکوت توڑا۔ "بھائی! تیرا مرد تو بہت خوش قسمت ہے۔ تم دونوں کا گزارا کیسے ہوتا ہے۔؟"

"پیار کا گزارا پیار ہی کے ساتھ ہوتا ہے!" سیتا کی شرم سے آواز ابھری۔ "میرے لیے یہ محبوب ہے اور اپنے دشمنوں کے لیے خونخوار!"

"یہ بات تو بالکل ٹھیک ہے۔" بھوت نے ہنستے ہوئے لہجے میں بولا۔ "یہ تھوڑے دن پہلے تک میرا دشمن تھا مگر اب تو میرا لنگوٹیا یار ہے!"

سیتا نے مسکرا کر میٹھی نظروں سے میری طرف دیکھا پھر بھوت سے بولی۔ "تمہاری اور صفدر کی دوستی بھی نئی نئی معلوم ہوتی ہے۔؟"

"ہاں!" وہ گہری سانس لے کر بولا۔ "اگر پارس پتھر کھو جاتا تو شاید حالات کچھ مختلف ہوتے مگر اب ہم دونوں ایک کشتی کے سوار ہیں.....!"

"پارس سے تیرا کیا واسطہ؟" سیتا چونک پڑی۔

"اس نے اپنا حصہ ڈھونڈ نکالا ہے" میں نے اکیلے کی بات نہیں کی اور بات سنبھالنے کے لیے اچانک دخل اندازی کرنا پڑا۔ "اب بھوت پارس پتھر میں میرا شریک ہے۔"

"کیوں؟" سیتا نے پھر آنکھیں نکالیں۔ "میری ماں نے وہ پتھر سونپ دیا ہے، اس میں کسی کو شریک کرنے کا تجھے کیا حق ہے.....!"

"تیری حماقت نے مجھے اس حصہ داری پر مجبور کیا ہے!" میں اسے گھور کر بولا۔

"میں نے کیا حماقت کی ہے؟"

"تو نے عدالت میں پارس پتھر کے بارے میں بہت کچھ کہا تھا.....؟"

"ہاں کہا تھا۔ پھر؟" وہ میری بات کاٹ کر سینہ زوری پر اتر آئی۔

"پھر یہ کہ بہت سے لوگ اس پتھر کی دھن میں ہمارے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں۔ بھوت تو شریف آدمی ہے جو شراکت پر راضی ہو گیا!" میں نے اسے بتایا۔

"بھائی..... تو بہادر ضرور ہے مگر ذرا بیوقوف بھی ہے!" بھوت نے قہقہہ لگا کر ہماری بحث میں دخل دیتے ہوئے کہا۔ "بھلا عدالت میں تجھے پارس کی کہانی دہرانے کی کیا ضرورت تھی.....!"

"چھوڑو استاد! اب کیوں اس بات کو چھیڑ رہے ہو؟" میں نے جلدی سے کہا۔ "سیتا سے بعض اوقات والہانہ وارفتگی میں حرکات سرزد ہو جاتی ہیں!"

بھوت نے میرے نقش پر ایک جاندار سا قہقہہ لگایا۔

راستے میں ایک جگہ گاڑی روک کر سیتا کو ڈگی میں چھپا دیا گیا۔ قسطوں پر آدھا سفر کا نصف نکالنے کے بعد وہ ڈگی میں چلنے پر فورا شکن سہنا سے باقی لکھنؤ تک کا سفر کسی خاص واقعے کے بغیر خیریت سے ہو گیا۔ دنیا شہر کے گوشے کے حالات پر وقت نے معاشی اور تعلیمی اعتبار سے گہرا اثر ڈالا تھا مگر زبان اور رہن سہن کے سلسلے میں اس شہر کی تہذیب اب بھی نمایاں تھی۔

راستے میں دو تین جگہ رک کر بھوت نے منزل مقصود کا پتہ معلوم کیا اور اس شہر کے سرا پا انکسار باسیوں نے بڑی خوش دلی سے اس کی رہنمائی کی۔ دراصل ہم اس علاقے میں جا رہے تھے جہاں بھی بائی مقیم تھی!

کار ایک محفوظ اور نسبتاً ویران مقام پر پارک کر کے ہم دونوں آبادی کی طرف ہو لیے۔ بھی بائی کے بالاخانے پر ہماری ملاقات ڈھلتی عمر کی ایک سانولی عورت سے ہوئی جو اپنے اطوار سے ہی نائکہ نظر آ رہی تھی۔

"آیئے سرکار، آج تو اس بالاخانے کے مقدر کا ستارہ عروج پر ہے کہ شرفا دل کے جانے بھی یہاں چلے آئے ہیں!" اس نے گرم جوشی سے کہا۔

اس کی رہنمائی میں ہم دونوں ایک مختصر لیکن صاف ستھرے کمرے میں پہنچے جہاں فرش پر دری اور سفید براق چاندنی بچھی ہوئی تھی۔ چاندنی کے وسط میں قالین بچھا ہوا تھا کمرے کے دو ٹائیٹ اور دالان کے قدموں کی گلی جستوں سے جاذب نظر گلستہ آئیں۔ قالین کے گرد چاندنی پر چھوٹے چھوٹے گاؤ تکیے رکھے ہوئے تھے۔ دیوار کے ساتھ ایک گوشے میں طبلے کی جوڑی، ہارمونیم اور موسیقی کے دو تین دیگر آلات رکھے ہوئے تھے.....!

"بھی بائی کہاں ہے؟" کمرے میں پہنچنے کے بعد بھوت نے قدرے توقف کے بعد اس سے براہ راست اپنے مطلب کی بات چھیڑ دی۔

"سوئی ہے سرکار!" وہ شفقت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "ساری رات

ناچنے کے بعد دوپہر ڈھلے تک سوتی رہتی ہے۔ حکم ہو تو اسے ابھی بیدار کردوں؟"

میری اور بھوبت کی نگاہیں چار ہوئیں۔ اس وقت دونوں کے جذبات تقریباً یکساں ہی تھے بلکہ بھوبت کی آنکھوں سے تو دیوان کے لیے نفرت کی چنگاریاں برستی محسوس ہو رہی تھیں!

دیکا تیور سے آرہا ہوں!" بھوبت نے جیب سے چند نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میرا بھتیجا کل رات سے غائب ہے۔ مجھے اس کے دوست سے پتہ چلا کہ وہ تمہاری بائی کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہے۔ اسی کی تلاش مجھے یہاں تک لائی ہے!"

اس نے نوٹ لیکر سر کو خفیف سا خم دیا پھر حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولی۔

"سرکار! نام کیا ہے آپ کے بھتیجے کا؟"

"دیوان داس!" بھوبت بولا۔ "وہ بہت خبطی ہے۔ محض مذہب کے باعث گھر اور جاگیر چھوڑ کر کئی برسوں سے روپوش تھا۔ مدت کے بعد مجھے اس کا سراغ ملا تو وہ میرے یہاں پہنچنے کی خبر پاتے ہی وہاں سے غائب ہوگیا۔"

میں نے دیکھا کہ دیوان داس کا نام آتے ہی اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے مگر جب اس نے بھوبت کی زبان سے دیوان کی جاگیر کا تذکرہ سنا تو فوراً انداز میں نرمی آگئی۔ "وہ اکثر یہاں آتا تھا۔ مگر بیچارے کی جو حرکتیں سامنے آئیں... تو سنا تھا کہ وہ لکھنؤ کے کسی ہوٹل میں باورچی کا کام کرتا ہے۔ آپ نے وہاں معلوم کیا ہوتا!"

"وہ دیکھتے خاندان کے نام کو بٹا لگانے پر تلا ہوا ہے!" بھوبت نے غصے سے کہا۔ "مجھے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔ بس تم سے میری ایک گزارش ہے کہ وہ یہاں آئے تو اسے کسی ترکیب سے روک لینا۔ میں دو چار دن کا ادھر ادھر ہو کر واپس آؤں گا۔"

"لکھنؤ میں وہ اکثر دلبر خان کے پاس ٹھہرتا ہے۔ پچھلی مرتبہ یہاں بھی اسی کے ساتھ آیا تھا۔ گستاخی معاف ہو، سرکار میں ذرا صاف گو ہوں۔ اگر آپ اسے یہاں آنے سے روک دیں تو یہ مجھ غریب بندی کی بڑی خدمت ہوگی۔"

"کیوں؟"

"جب سے اس نے مجھ پر کیا جادو کیا ہے کہ جیسے آفت بھی پیچھے پیچھے سے منہ پھیر لیتی ہے۔ اگر دلبر خان کا ڈر نہ ہو تو پتہ نہیں جانے کیا گزر گئی ہوتی۔"

"خیر خیر، ایک بار وہ مجھے مل جائے پھر میں سب ٹھیک کرلوں گا۔ ہاں یہ دلبر خان کہاں رہتا ہے؟" بھوبت کی اداکاری لاجواب تھی۔

"اے سرکار! وہ تو پرانے لکھنؤ میں رہتا ہے!" وہ جلدی سے بولی۔

"میں اس کا نام ضرور جانتی ہوں، پتہ سے واقف نہیں۔"

اب وہاں وقت ضائع کرنا بیکار تھا۔ بھوبت چند رسمی باتوں کے بعد وہاں سے نکل آیا۔

"سالا بچ کر کہاں جائے گا۔ جلد ہی ہاتھ آئے گا!" بھوبت دانت پیس کر بولا۔

"سالا نہیں، بھتیجا کہو استاد!" میں نے ہنس کر کہا۔

بھوبت کی زبان سے میری اس بات کے جواب میں جو کلمات برآمد ہوئے وہ بھی معقول نہیں جو دیوان داس کے شایان شان تھے!

دلبر خان پرانے لکھنؤ میں شیطان کی طرح مشہور تھا۔ ہم کئی گھنٹے اس کی تلاش میں پھرتے رہے لیکن اس کا کہیں سراغ نہ مل سکا۔ ہر جگہ سے اس کے ایک نئے ٹھکانے کا پتہ چلتا مگر دلبر خان کہیں بھی موجود نہیں تھا!

دوپہر کے وقت تھک ہار کر ہم دونوں ایک گھٹیا سے ہوٹل میں کھانا کھانے بیٹھے تو اچانک وہ خود ہی ہمارا پتہ پوچھتا ہوا ہمارے پاس آ پہنچا۔ وہ ایک سرائے کے ہی ہوٹل میں سراسیمگی سے داخل ہوا۔

"میں نے سنا ہے کہ تم دونوں کو میری تلاش ہے!" وہ لاپروائی سے ہمارے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

میں نے اس کے سراپا کا جائزہ لیا۔ وہ چھریرے مگر کسرتی بدن اور دراز قد کا مالک تھا۔ لمبی لمبی گردن پر خوبصورت چہرہ، باریک ترشی ہوئی مونچھیں گھنگھریالے بال، کان میں سونے کی بالی لٹک رہی تھی۔ کرتے کے گریبان میں سونے کے قیمتی بٹن واضح طور پر اس کا تعارف کرا رہے تھے!

"دلبر خان! دیوان داس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" میں نے آگے جھک کر اچانک اس سے سوال کر ڈالا۔ اب براہ راست گفتگو کے سوا کوئی راہ مناسب نہیں تھی!

وہ سپاٹ نظروں سے چند ثانیے تک میری طرف دیکھتا رہا پھر بیحد گمبھیر آواز میں بولا۔ "خاموشی کے ساتھ یہاں سے باہر نکل چلو۔"

اس وقت تک ہمارے لیے کھانا نہیں لگایا گیا تھا۔ لہٰذا ہم دونوں نے فوراً ہی وہ میز چھوڑ دی!

"تم نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا!" ہوٹل سے باہر آکر بھوبت نے دلبر خان کو ٹوکا۔

"تم دونوں سے اس کا کیا تعلق ہے؟" دلبر نے الٹا سوال کر ڈالا۔

"ہم اس کے دوست اور رازدار ہیں!" میں نے آہستہ سے کہا۔ "یہ جگہ بات کرنے کے لیے یہاں مناسب نہیں ہے۔ ہمیں کہیں تنہائی میں بات کرنی چاہیے۔"

دلبر خان نے تانگے کو بلانے کے لیے ہاتھ اٹھایا مگر میں نے اسے روک دیا۔

"ہمارے پاس گاڑی ہے۔"

بھوبت نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ میں دلبر کے ساتھ پچھلی نشست پر بیٹھ گیا اور ہماری کار دلبر کی بتائی ہوئی سمت میں روانہ ہوگئی!

"دیوان داس میرا جگری دوست ہے اور یہ بات پورا لکھنؤ جانتا ہے۔ کل رات اس کے ہاتھوں ایک خون ہوگیا ہے۔ واردات کے بعد وہ میرے گھر آیا تھا مگر میں وہاں موجود نہیں تھا۔ جب رات گئے میں واپس آیا تو گھر میں دیوان کا ایک پرچہ پڑا ہوا تھا کہ وہ لکھنؤ چھوڑ کر جا رہا ہے۔ میں فوراً ہی وہاں سے روانہ ہوگیا۔"

"تو وہ کانپور میں خون کرکے آیا ہے؟" دلبر خان گہرا سانس لیکر بولا۔

"ہاں... اور پولیس اس کی تلاش میں ہے۔ پولیس سے یہ بات زیادہ دیر تک چھپی نہیں رہے گی کہ دیوان لکھنؤ کی ایک طوائف کچھی بائی پر مرتا ہے۔

پولیس کے یہاں پہنچنے سے پہلے اسے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"وہ بہت ہی ذلیل ہے!" اچانک دلبر خان غصیلے لہجے میں بولا۔ "وہ آدھی رات گئے گھبرایا ہوا میرے پاس پہنچا تھا۔ اس کے پاس اٹھارہ ہزار روپے نقد موجود تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ کانپور سے ایک لمبا ہاتھ مار کر بھاگا ہے۔ مجھے ذرا بھی شبہ ہوتا کہ وہ قتل کرکے آیا ہے تو اس سے دور ہی رہتا۔ لکھنؤ میں بڑے بڑے بدمعاش میرے نام سے کانپتے ہیں مگر اللہ کا شکر ہے کہ آج تک میرے ہاتھ سے کسی کی نکسیر بھی نہیں پھوٹی ہے۔"

"کمال ہے کہ دیوان نے اس معاملے میں تم پر بھی اعتماد نہیں کیا!" میں نے حیرت سے کہا۔

"وہ مولچند ہوٹل کے کمرہ نمبر سات میں جیسپال کے نام سے ٹھہرا ہوا ہے۔ اسے تاکید کی ہے کہ اب وہ مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرے۔" دلبر خان تلخ لہجے میں بولا۔ اس نے میری طرف کا رخ بھی کیا تو جیل کی ہوا کھانے لگا۔"

"تو تم ہمارے ساتھ نہیں چلو گے؟" میں نے اپنی خوشی پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔" دلبر کا لہجہ تلخ اور اٹل تھا۔ "جو سالا دوستی میں بھی دھوکہ دے اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔ مجھے اگلے چوک پر اتار دینا!"

بھوبت نے کسی تنبیہ کے بغیر ڈرائیور کی طرح اگلے چوک پر گاڑی روک دی اور دلبر خان خاموشی سے وہاں اتر گیا۔

"میں تو پہلے ہی سمجھ گیا تھا۔ کیا بات ہے بہت خوش نظر آرہے ہو؟" بھوبت نے گاڑی آگے بڑھا کر پوچھا۔

"میں نے اندھا جوا کھیلا تھا۔" میں ہنس کر بولا۔ "میرا خیال تھا کہ دیوان نے اسے سب کچھ بتا دیا ہوگا۔ اسی وجہ سے میں نے اپنی دانست میں صحیح بات کہنے کا فیصلہ کیا۔ میرا خیال تھا کہ خان کے قتل کا حوالہ دے کر اسے میں اپنی اور دیوان کی دوستی کا یقین دلا سکوں گا۔"

"پورا سے نہ صرف یقین آگیا بلکہ اس نے دیوان کو ہماری جیب میں ڈال دیا!" بھوبت اس کامیابی پر بہت زیادہ خوش تھا!

مولچند ہوٹل کی تلاش بہت آسان ثابت ہوئی۔ یہ قدیم وضع کا صاف ستھرا اور پرسکون اقامتی ہوٹل تھا۔ استقبالیہ کلرک سے معلوم ہوا کہ بورڈ کے مطابق سات نمبر کمرہ ابھی تک جیسپال راؤ کے نام پر بک تھا!

بھوبت باہر گاڑی میں ہی بیٹھا تھا اور میں اپنا ریوالور جیب میں چھپائے سات نمبر کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔

دوسری دستک پر اندر سے کسی کی دبی دبی سی آواز ابھری۔ "کون ہے؟"

میں نے جلدی سے راہداری کا جائزہ لیا۔ وہ راہداری بالکل خالی اور سنسان تھی۔ میں نے دروازے کے قریب منہ لے جاکر سرگوشیانہ آواز میں کہا۔

"دروازہ کھولو جیسپال! مجھے دلبر نے بھیجا ہے!"

اندر کچھ آہٹیں سنائی دیں اور چند سیکنڈ کے بعد دروازہ کھول دیا گیا۔ مگر کھلتے ہوئے پٹ کے عقب میں وحشت سے ستا ہوا ایک جانا پہچانا چہرہ نظر آیا۔ "کیا بات ہے؟" اس نے مشکوک نظروں سے میرا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"وہ مجھے تمہیں بلایا ہے!" میں نے انتہائی ضبط اور تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"اندر آجاؤ۔" اس نے دروازہ پوری طرح کھول دیا۔

میں اطمینان سے اندر داخل ہوگیا۔

"اس نے مجھے کیوں بلایا ہے؟" دیوان نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم، اسی سے پوچھ لینا!" میں نے لاپروائی سے کہا۔ "وہ کہہ رہا تھا کہ کانپور سے پولیس کی ایک جماعت یہاں آ پہنچی ہے اسے دیوان داس کی تلاش ہے۔"

"جسٹس!" آہستہ بولو۔" وہ اچانک بوکھلا گیا اور سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "یہاں میرا نام جیسپال ہے۔"

جب وہ تیار ہو رہا تھا تو میں نے بساط پر ایک اور چال چلی۔ "اپنا اہم اور ضروری سامان ساتھ لے لینا۔ شاید اب تمہاری ادھر واپسی نہ ہو۔ پولیس سب سے پہلے سارے ہوٹلوں کو چیک کرے گی۔ دلبر نے تمہاری رہائش کا دوسرا انتظام کردیا ہے۔"

دیوان داس نے لباس تبدیل کرنے کے بعد ایک بریف کیس ساتھ لیا اور چلنے کے لیے تیار ہوگیا۔

"تم میرے نکلنے کے بعد باہر آنا۔ میں فٹ پاتھ پر تمہارا انتظار کروں گا۔" اس بار اپنی گرفت مضبوط پاکر میں نے اپنی حکمت عملی میں تھوڑی سی تبدیلی کرتے ہوئے کہا۔ "تم خاموشی سے میرے پیچھے چلے آنا۔ ہوٹل سے کچھ دور ایک گاڑی ہماری منتظر ہے۔"

"چلو!" اس نے نیم مردہ آواز میں کہا۔

میں سگریٹ سلگا کر لاپروایانہ انداز میں ہوٹل سے باہر آگیا۔ اور یوں فٹ پاتھ کے کنارے پر رک گیا جیسے سواری کا انتظار ہو۔ مگر میری چور نگاہیں ہوٹل کے دروازے پر مرکوز تھیں!

چند منٹ بعد ہوٹل کے دروازے سے دیوان داس نکلتا نظر آیا۔ اس وقت وہ بہت زیادہ خوفزدہ اور سہما ہوا تھا!

جب اس نے مجھے دیکھ لیا تو میں کار کی طرف چل دیا جہاں بھوبت کار لئے میرا منتظر تھا۔ میں نے پچھلی نشست پر بیٹھ کر اس وقت تک دروازہ بند نہیں کیا جب تک میرا شکار پنجرہ میں نہ آگیا۔

وہ بری طرح ہانپ رہا تھا جیسے کئی میل کی دوڑ لگا کر آیا ہو!

بھوبت نے ناخوشگوار نظروں سے میری طرف دیکھا اور مزید تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔

"دیوان داس! تم اطمینان سے بیٹھے جاؤ۔" میں نے اسے پیار سے گدگدی کی۔ "آج تیرے کس نے تمہارا خوبصورت چہرہ پہچان لیا تو ہم تینوں جیل میں پہنچ جائیں گے!"

اس نے فوراً ہی ہدایت پر عمل کیا اور اطمینان سے بیٹھنے کے بعد پوچھا۔ پھر

کتنی دیر جاری رہے گا۔

میں اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ انگریز تو مہ جبوپت سے کار کی ڈرائیور کی طرف لیجانے کے لئے کہا۔ سیٹ پر لاوارہ کے جیبی مطابق ایجان دس انگریزی سے انگلی ناطہ تھا کیونکہ میری بلاوجہ پہنچ گئے کے بجائے وہ بہلوان کی طرح میرا چہرہ تکتا رہا۔ کا نیور کے ایک تیسرے درجے کے ہوٹل کے باورچی کا انگریزی کا عمدہ واقف ہونا ناممکن سی بات تھی!

پارس پتھر میرے ہاتھ سے نکل کر مٹی میں گم ہو چکے تھے اور طویل سفر کے نتیجے میں آخر کار دلیپ ایک ماہ کے بعد دوبارہ پہنچا تھا۔ مجھے تو کوئی امید بھی کہ اس سے پہلے پارس کا سراغ مل سکے گا مگر اب اس کے سامنے بھی پہنچ گیا تھا۔ مجھے اب یاد آئے وہ لمحات جو سنسنی خیز تھے یا جبوپت کی سمت ... ڈرائیونگ کے بعد وقت کی رفتار تھوڑی ہی معلوم ہونے لگی تھی۔

پھر ایک پل میں ملاقات سٹرک پر اترا جبوپت ... بہت مجھے اشارہ کیا اور میں نے فوراً ہی جیب سے پیاوڈ نکال کر اس کی قیمت ادا کی۔ وہ لڑکا جیب دیکھتے ہی وہ فراخی انداز میں مسکرانے لگا۔

"پیتے خلاف سے ملنے والا پتھر کہاں ہے ... دیکھے پلا لڑکی کا اس کا عمل چپکی ... [illegible]" پوچھا تو میں نے کہا۔

"بیپ ... یہ پتھر نہیں ... یہ تیرے مجھے لگتا ہے ... [illegible]"

"میں بھول..."

"جبوپت مت بول۔ میں مر گیا ... اگر مجھے اس کے کی آزمائش کی تو میں تم میری اذیت دے کر مار ڈالو گا۔ میں تیرا چہرہ جیسے گھول ملا دوں گا۔"

"وہ پتھر بیٹے خان نگل گیا تھا۔" وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔

"نگل گیا تھا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں سر ... وہ بیچ کھا دیا!"

"تجھے کیسے پتہ ...؟"

"وہ پتھر [illegible] ... ایک ایک [illegible]"

دور ہوتے جوتے [illegible]

اسی وقت جبوپت نے تیلوں کے درمیان کاؤنٹر کے قریب ادب سے رپورٹ میں رکھوا دیا۔ ... پاس رقم نہیں ہے لہذا کہہ ... مجھے تو تم جاتا ہی چلا جاتا۔

کل رویہ بیٹے خان نے ہوٹل کے کیبن میں ایک کام کر کر ... کے لئے ٹیر حاضر ہی کی ... سیاہ رنگ کا ... پتھر چوری ہوا ... اس کی تیاری سے ... دلیپان ... جو بالکل ... ہو جائے گا۔

پارس کا ذکر آتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا مگر جبوپت کی نظروں سے مجھے گھورنا رہا تھا۔ اس کے لہجے پر ... آنا بیان تھے۔

"وہ پارس ہی کا ذکر کر رہا ہے استاد۔" میں نے دلیپان ... آنکھ ماری
"مگر تو نے مجھے بتایا تھا کہ وہ سفید رنگ کا ... پتھر ہے۔"

جبوپت نے تیخ ہے یہ انکی ... کا سبب ظاہر کر دیا۔

"نیچے ... نہ بتا ... تمہیں ... کروں گا۔" ... دلیپان ... کی بات جاری رکھنے کو کہا۔

"بیٹے خان نے دو چھری ... اپنی جیب میں ڈال لیا۔ دلیپان بچ نکلا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے پیاز کاٹنے کے لئے ہوٹل کے اسٹور کی چابی کی ضرورت پڑی تو بیٹے خان کی جیب میں رکھی تھی۔ اس نے چابی نکالی اور جیب سے تو وہ میں چابی جیب کر رہے گئی۔ پانچ چابیاں چھری پر چڑھی تھیں ... دونوں اچھل پڑے۔ ہم نے سب کی نظروں سے چھپ کر ایک فالتو چابی ... سکو ... بھی سونے کی طرح ... ہو چکی تھی۔ اسی وقت بیٹے خان نے مجھے کیبن سے نکلے ... پتھر کے بارے میں بتایا۔ ہم دونوں نے اس پتھر کو ... پر ایک چھری پر گھسا۔ اور وہ بھی حیرت انگیز طور پر سنہری ہو گئی۔ بیٹے خان نے وہ چھری اور چابیاں ساتھ لے لیں اور ... کر کے ہوٹل سے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ... بھی ... سے نکل پڑا۔ ہمارا ارادہ تھا کہ ایک ساتھ وہ چابیاں اور چھری فروخت کریں گے اور اگر وہ سونا ہی ثابت ہوا تو نوکری چھوڑ دیں گے اور کالے پتھر کے ذریعے خوب دولت کمائیں گے۔ بیٹے خان کی چھری پر پتھر گیا اور ... کالا پڑ گیا تھا۔ میں پہلے غصے سے چپ ... تھس گیا اور سامان کی تلاشی لے ڈالی مگر وہ ان چھری یا چابیوں کا پتہ ... اس کے چہرے کا ... طرح ... شہر میں بیٹے خان کو ڈھونڈتا رہا مگر ... نہ چلا سکا۔ بیٹے خان کی وعدہ خلافی اور غداری پر مجھے غصے سے برا حال ہو رہا تھا ... بیٹے خان مجھے مل گیا۔ میں نے اپنا ... کے بارے میں ... جیب نوٹوں سے بھری ہوئی تھی۔ ... چھری ... پتھر کے بارے میں ایک لفظ بھی ... پانچ ہزار روپے نکال کر مجھے دیئے اور کہا کہ چھری کا ... جھگڑا ... بیٹے خان کے ... جیب سے باہر ... چکا تھا کہ چھری اور چابیوں کا ... سو ثابت ہو چکا تھا۔ ... بیٹے خان ... کی ہے اسے دھمکانے کے لئے ... نکال لیا اور بیٹے خان ... بھر گیا۔ اسی ... یانی ... جاقو اس کی پسلیوں میں ... بیٹے خان نے اسی حالت میں جیب سے وہ پتھر نکالا اور ... پہلے ... نگل گیا۔ اسے خون میں لت پت دیکھ کر میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ میرا ارادہ اسے قتل کرنے کا نہیں تھا۔ میں تو اسے دھمکا کر اپنا جائز حصہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ جب مجھے اس کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو میں نے اس کی جیب سے ساری رقم نکالی اپنی کوٹھری سے سامان لیا اور اپنے ساتھ رہنے والے بڑھے کو پانچ ہزار روپے دے کر اسی وقت لکھنؤ آ گیا۔ وہ پتھر میرے پاس نہیں ہے۔ ہاں بیٹے خان کی جیب سے ملنے والی رقم اس بستہ میں میرے ساتھ ہے۔ تم یہ ساری رقم لے لو مگر مجھے زندہ چھوڑ دو ..."

"تو وہ پتھر بیٹے خان نگل گیا تھا؟" میں ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔
"ہاں ... [illegible]"

"کیا پارس پتھر ہوا نے نگلا ہے اور یہ اس کی لاش کے ساتھ ہی دفن ہو جائے گا؟"

"تمہیں اس بات کا پورا یقین ہے؟" میں نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں بس اس نے وہ پتھر نگلا تو سے چھڑا بھی نکلا تھا۔ پارس اس کے پیٹ میں ہوگا۔" وہ امید بھری نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

میری اور جبوپت کی نظریں چار ہوئیں اور میں نے دلیپان کو گاڑی سے اترنے کا حکم دیا۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے دروازہ کھولا اور پانی ... کی طرح جھک گیا۔ "تم مجھے زبان سے ... نہیں اتروں گا۔ تم مجھے مار ڈالو گے ..." اس نے دیوانہ وار ... وحشت زدہ ہو گیا۔

"سالے کی ... جبوپت گاڑی سے اترتے ہوئے غرایا اور اس نے ... دروازہ ... اسے کھینچ لیا۔

نیچے اترتے ہی دلیپان ... جبوپت سے لپٹ پڑا۔

معاً میرے ذہن میں ایک انوکھا خیال آیا۔

پارس کا سراغ مل چکا تھا اور مجھے یقین تھی کہ بیٹے خان کی لاش کے پوسٹ مارٹم کے نتیجے میں وہ پولیس کے ہاتھ لگ جائے گا۔ جبوپت ... لئے بیکار تھا۔ پارس پتھر کے ... پولیس ... میں ... ہاتھ میں پستول ... سیدھی کی۔ اسی وقت جبوپت کا پشت میری جانب تھی۔ میں نے ... بائیں پہلو پر گولی چلا دی۔

ایک زبردست دھماکہ ہوا اور دلیپان ... کی چیخ میں دب گیا۔ فائر کے ... ہو کر دلیپان میری زد میں آ گیا تھا۔

دوسرا نشانہ دلیپان ہی بنا تھا مگر ... دونوں ایسی غیر یقینی ... جبوپت کا رنگ اڑ گیا۔

وہ دلیپان کو چھوڑ کر تیزی سے میری جانب ... دلیپان کی ... اس کی طرف اٹھی ہوئی تھی ... "یہ کیا کر رہے ہو ...؟"

... میں جلد ہی ... دیوانہ وار چیخ پڑا۔

میں نے سوچا شاید ... فائر ... پارس پتھر کے ... جبوپت میرے ... مسکراتے ہوئے ریوالور ... کر لیا۔

"... بھگوان ... ہے؟" جبوپت آسمان کی طرف سر اٹھا کر بولا۔ "... مجھ سے ... میں تو سمجھا کہ میری باری آ گئی ہے۔"

"کیوں ... ہو استاد؟" میں ہنس کر بولا۔

اس وقت تک دلیپان ... دم توڑ چکا تھا۔ ہم دونوں نے ... لاش کی ... تفصیلی تلاشی لی مگر ... بیٹے خان کی ... ایک پرانی ... میں ... نوٹوں کی ... تعداد موجود تھی۔ یہ ... رقم تھی جس کے حوالے دلیپان نے ... تھا۔ یہ رقم دلیپان ... بیٹے خان کو ہلاک کر کے حاصل کی تھی اور اب یہ ... آ چکی تھی۔

... سے ... پر ... سنبھالے ... جبوپت

بوکھلا کر بولا۔ "اب یہ گاڑی آگے بڑھا لے ... لاش ... پکڑی جائے گی۔"

"استاد! تم بھی ... تم ہی ... سمجھے ... میں نے ... ڈکی کھول دی۔ سیتا ... ہی ... اچھل کر باہر آ گئی۔"

اس کا شہابی چہرہ ... سرخ ہو رہا تھا ... پسینے ... بیشتر ... ہو رہا تھا۔ اس کا ... بالکل ... پسینے میں بھیگی ہوئی تھیں۔

"کیا بات ہے؟ تیری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" میں نے بوکھلا کر پوچھا۔

وہ ... طبیعت تو ٹھیک ہے مگر اس ڈبے میں میرا دم گھٹ رہا تھا ... ہوا دار نہیں ہے؟

بے اختیار میرا ... اپنا سر پیٹ لوں۔ اگر ہمارا سفر طویل ہو جاتا اور ہمیں سیتا کو ڈکی سے ... نکالنے کا موقع نہ ملتا تو شاید وہ حبس دم کا شکار ہو جاتی۔ بنارس سے فرار ہوتے وقت جب میں نے ... جبوپت ... سیاہ آسٹن کی ڈکی میں بند کیا تھا تو ... اس طرح ... سیتا کو تازہ ہوا ملتی رہے مگر ... ڈکی میں بند کرتے وقت مجھے ہوا کے مسئلہ کا بالکل بھی دھیان نہ رہا تھا۔

"استاد! اب سیتا کو ڈکی میں بند کرنے سے پہلے مجھے ڈکی کا سسٹم خراب کرنا پڑے گی۔" میں نے جبوپت سے کہا۔

"بیٹے! تو چاہے تو ... میں ... کر سکتا ہے۔" جبوپت نے ... سے کہا۔

"اسے ... تم دونوں نے کیسے مارا ہے؟" اسی وقت سیتا نے جبوپت کے ... دلیپان ... کی لاش دیکھی اور اس کی طرف لپک پڑی۔

"پارس کے چکر میں!" طویل سانس لے کر بولا۔ "بیٹے خان ... پتھر ... پھینک دے گا۔"

"پارس مل گیا؟" سیتا نے لاش کے پاس سے ... ہو کر واپس آتے ہوئے پوچھا۔

"بقدر ... ہو گا تو ... جائے گا۔" میں نے کہا۔

ڈکی ... کا بندوبست کرنے کے بعد سیتا کو ایک بار پھر اسی میں منتقل کر دیا گیا اور ... گاڑی واپس روانہ ہو گئی۔

شام ہونے سے قبل ہم ... پہنچ گئے۔ سب سے پہلے جبوپت نے ... سے ... دن ... کا ... جو ... ملا کر ... اور پتھر کا ... ایک ... ویرانے میں سیتا کو ڈکی سے نکال کر سیٹ پر بٹھا دیا گیا اور ہم ... ہوٹل جا پہنچے۔

وہاں ایک کمرے ... سیتا کو میں نے ... چھوڑا اور ایک ... سے کچھ ضروری سامان لے کر واپس آ گیا۔ جب ... کر ... پولیس ... جا چکا تھا تاکہ بیٹے خان کی لاش کے پوسٹ مارٹم ... معلومات حاصل کر سکے۔

رات ... کے قریب جبوپت واپس آیا تو سیتا ... پہچان ... نے خضاب سے اس کے بال سیاہ کر دیئے تھے ... لباس کے ساتھ ... بلاؤز میں ... جدید فیشن کے مطابق ...

وہاں تاریک عینک چڑھی ہوئی تھی۔

"یہ کون ہے؟" اندر گھستے ہی وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔

"یہ بیچاری کوئی اور ہے۔ اپنے ملک سے سیاحت کے شوق میں نکلی تھی مگر یہیں ختم ہو گیا اور یہ دیکھ کے آنکھوں پر عینک لگا کر لٹا دیا۔"

"بہت خوب ولڈنیا......" اس کا تبصرہ دھواں تھا کیونکہ اس کی حماقت آمیز حیرت پرستیاں کی ہنسی چھوٹ گئی جبکہ اس نے آواز پہچانی، تم ہو تو ٹھہرو ذرا وہ مجھ کو گالوں پر طمانچے لگانے لگا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے استاد؟" میں نے ہنستے ہوئے اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔

"مجھے تو خوشی ہے کہ میری محنت کام آئی اور تم بھی اسے نہ پہچان سکے۔"

"تو بھی پورا بازی گر ہے۔" بھوت صوفے پر دراز ہوتے ہوئے بولا۔ "اب تو کسی کا باپ بھی اسے نہ پہچان سکے گا۔"

"ابھی ایک کسر رہ گئی ہے۔ مجھے اس کی نیلی آنکھوں کا رنگ بدلنا ہے۔" میں نے کہا۔

"کانٹیکٹ لینس۔" وہ تحیر آمیز لہجے میں بولا۔ "تمہیں اس سے الجھن نہیں ہو گی؟"

"یہ تو دوسرا یا الجھن ہے۔ بھلا اسے کیا الجھن ہو گی۔" میں ہنس کر بولا۔ "تین لاکھ سے اوپر کے چند ہزار کا تو شاید مجھے ... ہو جائیں گے!"

"میں بے ایمان نہیں ہوں۔" وہ جھنجھلائے لہجے میں بولا۔ "اس میں آدھی رقم تیری کب سے چاہیے تو آ گئی! بانٹ لیتے ہیں۔"

ایمانداری کی بات یہ ہے کہ اس وقت تک پیسے کے معاملے میں مجھے بھوت سے سخاوت کی امید نہیں تھی مگر میں نے اس کی پیشکش پر غیر معمولی خوشی کا اظہار نہیں کیا۔ سرسری طور پر اسے ہی اپنی رقم کا امین مقرر کر دیا۔

"اب ایک بڑی خبر سن لے بیٹے!"

"کیا؟" اس کے انداز نے مجھے چونکا دیا۔

"بتے خان کی لاش کا پوسٹ مارٹم ہو چکا ہے۔ اس کے معدے سے ... ولایتی وہسکی ... اور چند ادھ چبائی چیزیں نکلی ہیں۔"

"اور پارس؟"

"پارس نہیں، وہ گدھا گیا۔" بھوت بدستور اسی انداز میں بولا۔ "آپریشن روم کی جھلکی کمک سے معلومات حاصل کی ہیں اور ان سب پر ساڑھے چار ہزار روپے خرچ کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ پارس کسی کے ہاتھ نہیں لگا۔"

"ہو سکتا ہے ڈاکٹر کا معدہ کاٹتے ہوئے پارس کے لمس سے کوئی آلہ سونے میں بدل گیا ہو اور سرجن نے رپورٹ میں اس کا تذکرہ ہی نہ کیا ہو۔"

"رپورٹ آنے سے پہلے میں نے پوسٹ مارٹم کرنے والے عملے سے معلومات حاصل کی ہیں۔" وہ بولا۔ "یہ بھی بتا دوں کہ آج کل سرجری میں عام لوہے کے بجائے اسٹین لیس اسٹیل کے آلات استعمال ہوتے ہیں اور تو خود ہی بتا چکا ہے کہ اسٹین لیس اسٹیل پر پارس کا تجربہ بے اثر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے مجھے اندیشہ ہوا کہ سرجن نے پارس کو معمولی پتھر سمجھ کر پھینک نہ دیا ہو، چنانچہ میں نے صبح سے شام تک ... کوڑا اور گند چھان مارا مگر مجھے پارس کہیں نظر نہ آیا۔"

"اگر بتے خان نے وہ پتھر نگلا تھا تو اس کے معدے سے برآمد ہونا چاہیے تھا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ سالا مرتے مرتے بھی الٹا ہمیں چکر دے گیا۔" بھوت بیزار لہجے میں ... کرتے ہوئے بولا۔

میں ... کہ میں سمجھنے سے قاصر رہ سکا۔

"تمہیں یاد ہے کہ دیوان نے تمہیں کیا بتایا تھا؟" میں ایک فوری خیال کے تحت چونک کر بولا۔

"بتے نے مرنے سے پہلے پارس نگل لیا تھا۔"

"یہ نہیں کہ بتے کو پارس نگلنے کی وجہ سے پھندا بھی لگا تھا۔" میں نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"ہاں... ہاں، یہ کہا تو تھا دیوان داس نے۔" میرے جوش سے بھوت بھی مضطرب ہو گیا۔

"لہٰذا پارس اس کے معدے سے نہ برآمد ہونے کی وجہ ہو سکتی ہے۔" میں مٹھیاں بھینچ کر کھڑا ہو گیا۔

بھوت نے غیر یقینی سے مجھے گھورا۔ اس کے لب کانپے اور ... پھر اس نے سر جھٹکا لیا۔ شاید میری پُر پیچ گفتگو پر اس کے ذہن میں جو سوال نے جنم لیا تھا جو سیال کی موجودگی کی وجہ سے زیر لب ہی دم توڑ گئیں۔

"پھندے کی وجہ سے پارس بتے خان کے منہ سے نکل گیا ہو گا جسے ... بد حواسی کی وجہ سے دیوان داس نہ دیکھ سکا یا......"

"یہی بات ہے ... یہی بات ہے۔" بھوت اچھل پڑا۔ "پارس بھی اس کی طرح چپل والی گلی میں ہی پڑا ہو گا!"

"ایک صورت اور بھی ہو سکتی ہے استاد!" میں نے اپنی بات پوری کی۔

"اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی بیٹے!" وہ قریب آ کر میرے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "تیرا دماغ کوڑی بہت دور کی لاتا ہے لیکن اس کے علاوہ دوسری بات ممکن ہی نہیں۔"

"اور اگر وہ پتھر حلق سے اترنے کے بعد معدے میں پہنچنے کے بجائے آنت ہی میں پھنس رہ گیا ہو؟" میں نے سوچتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں منہ کے پیچھے کی آنتیں کھینچ لوں گا۔" اس بار بھوت ضبط نہ کر سکا۔ کمال کے تجربات کرنے کی کوشش میں وہ اپنی گفتگو کا بھرم ... تھا۔

"مگر وہ سور کا بچہ مر چکا ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "اس کی لاش ..."

"میں نے یہ معلوم نہیں کیا۔" وہ جھنجھلا کر بولا۔ "میں نہ صرف اس کی لاش ... حاصل کروں گا۔"

"جوش نہیں استاد، ہوش سے کام لو۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "ابھی ہم چپل والی گلی میں جا رہے تھے، اب لاش حاصل کرنے پر آ گئے!"

"اب وقت ضائع نہیں کیا جا سکتا۔" وہ غرایا۔ "تو چپل والی گلی میں جا کر واردات کے آس پاس پارس تلاش کر، میں لاش حاصل کرنے کی تدبیر کرتا ہوں۔"

"میں ادھر نہیں جاؤں گا۔" میں نے کہا۔ "ابھی قتل کی واردات تازہ ہے۔"

"جگہ جگہ پولیس کا ... ہو گا ... میرا ان اطراف میں پایا جانا خطرناک ہو گا۔"

"اور لاش تو ... نہیں ملے گی ..." وہ مطمئن لہجے میں بولا۔

"یہ دونوں کام تم ہی کرو گے، جان جاؤ گے استاد!" میں اس کے لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

"ہاں... میرے ... کرنے کے ... ممکن ہے۔" اس کا لہجہ ... بولا تھا۔

"تو بھوت منشی کس کام آئے گا؟"

"چند نوٹوں کے لیے وہ سو قتل پر تیار ہو سکتا ہے۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ "تو چالاک حرام خور ہے بیٹے! کام سے بچنے کی ترکیبیں خوب نکالتا ہے۔"

"مت دو یہ بیٹے کا خطاب۔ مجھے پسند نہیں ہے۔" اچانک میں نے کہا۔

"کیوں؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "تو خود ہی تو مجھے استاد کہتا ہے!"

"ٹھیک ہے تم میرے استاد ہی سہی مگر یہ خطاب سن کر مجھے ادھوری گالی کا احساس ہوتا ہے؟"

میری بات سن کر وہ زور سے ہنسا۔ "اب آگے کے پیچھے اور بھوت سنگھ کے پیچھے میں کیا فرق ہے؟"

"ہو گا مگر مجھے محسوس نہیں ہوتا۔" میں نے تیکھی بات کہہ ڈالی۔ مگر اس کے ذہن پر اپنی بڑائی کا احساس اتنی شدت سے مسلط تھا کہ میری بات کی جھنک نہ پہنچ سکا اور اس نے ... سے یہ خطاب ترک کرنے کا وعدہ کر لیا۔

پھر ہم دونوں نے پروگرام طے کیا کہ صبح کو بھوت لاش کے بارے میں معلومات حاصل کرے گا اور پھر منشی کو لاش کے حصول پر مامور کرنا تھا۔ اس نے خود مجذوب کے روپ میں چپل والی گلی میں پارس کی تلاش کا بیڑا اٹھایا تھا۔ کسی ہوشمند آدمی کے لیے گلی کے پتھروں کی چھان بین ... ناممکن سی بات تھی۔

صبح کے پانچ بجے بھوت ... ہوٹل سے چلا گیا اور ہم دونوں ... سو گئے ... کا منشی کا بندوبست کروں گا۔

ساڑھے نو بجے دروازے پر دستک کے مسلسل شور سے میری آنکھ کھل گئی۔ دروازہ کھولا تو بھوت سامنے موجود تھا۔ اس کے چہرے سے کامیابی پھوٹ رہی تھی۔

"لاش کا بندوبست ہو گیا ہے۔" اندر آتے ہی اس نے بولنا شروع کر دیا۔ "لاوارث ... بتے خان کا کوئی وارث نہیں ہے اور ہوٹل والا اس کے کفن دفن پر ... روپے خرچ کرنے سے جان بچا رہا ہے۔ آج کل تو پیسے کے بغیر مرنا بھی مشکل ہے۔ ... اٹھانے میں بھی دو چار سو لگ ہی جاتے ہیں۔"

"تو بتے خان کی لاش کہاں ہے؟"

"وہ لاوارث لاشوں کے ساتھ سرد خانے میں پڑی ہے۔ اسے آج دوپہر تک سرکاری خرچ پر دفنانے کا پروگرام تھا مگر منشی نے ہسپتال جا کر خود کو بتے خان کا ماموں ظاہر کیا ہے۔ وہ کاغذی خانہ پری کے بعد تھوڑی دیر میں لاش حاصل کر لے گا۔ میں نے سلامت پورے میں ایک مکان کرائے پر لے لیا ہے۔ منشی لاش لے کر وہیں پہنچے گا۔"

اس نے مجھے سلامت پورے والے مکان کا محل وقوع بھی سمجھایا اور ... ہم ... سے بھوت کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

راستے میں بھوت کو چپل والی گلی کے قریب چھوڑ کر میں ٹیکسی میں سلامت پورے روانہ ہو گیا۔ جوں جوں پارس کی بازیابی کی امید ... میرے اعصاب پر ناقابل بیان تناؤ طاری ہوتا جا رہا تھا۔

مکان تلاش کرنے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ وہ ... مکانات پر مشتمل آبادی تھی ... کسی کے میری طرف متوجہ ہونے کا کوئی امکان نہ تھا۔

گرد و غبار سے اٹے ہوئے ویران کمرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ مکان طویل عرصے سے غیر آباد ہے۔ میں نے بھوت کی ہدایت کے مطابق مکان کے احاطے میں ... انتظار کے لیے ... کیونکہ اندر کوئی ... نظر آ رہی تھی۔

انتظار کا ایک ایک لمحہ میرے لیے اعصاب شکن تھا۔ تقریباً گیارہ بجے کے قریب پھاٹک پر ایک گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ میں نے پھاٹک کھولا تو منشی ایک گاڑی میں موجود تھا۔ اس کی اسٹیشن ویگن کے پچھلے حصے میں سفید چادر سے ڈھکی ہوئی لاش موجود تھی۔

میں نے پھرتی سے ... اور منشی نے گاڑی برآمدے کے سامنے کھڑی کر دی۔ پھاٹک بند کرنے کے بعد ہم نے احتیاط اور خاموشی کے ساتھ لاش اتاری اور سیدھے غسل خانے میں لے گئے تاکہ ... بتے خان کے قتل کو چھتیس گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا لہٰذا لاش میں ہلکی ہلکی بدبو پیدا ہو چکی تھی۔ اگر موسم خوشگوار نہ ہوتا تو اب تک لاش کبھی کی گل چکی ہوتی۔

چادر ہٹائی تو بتے خان کی ہیبت ناک لاش برہنہ حالت میں سامنے آئی۔ پسلیوں کے زخم کے علاوہ اس کا پیٹ چاک تھا۔ سرجن نے پوسٹ مارٹم کے بعد پیٹ کے زخم کو بند کرنے کے بجائے کمر اور پیٹ کے گرد ایک چوڑی پٹی کس دی تھی۔

اس ... لاش کو دیکھ کر میں کانپ اٹھا۔ جیتے جاگتے انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارتے ہوئے میں نے کبھی ایک لمحے کے لیے تردد نہیں کیا تھا۔ قتل اور خونریزی کے معاملات میں میرے تمام فیصلے فوری اور اٹل ہوتے تھے مگر ایک لاش پر تجربہ آزمائی کا یہ تجربہ میرے لیے نیا تھا۔ میں سب کچھ سہی لیکن عقیدے کے اعتبار سے مسلمان تھا اور لاش کی بے حرمتی پر میرا دل کسی طرح آمادہ نہیں ہو رہا تھا کیونکہ مرنے والا بھی مسلمان ہی تھا۔

"استاد کہاں ہیں؟" منشی کی کھردری آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"کیا اس نے تمہیں کوئی ہدایت دی تھی؟"

"ہاں... ان کی واپسی تک مجھے تمہارے ساتھ رکنا ہے۔" منشی خوف زدہ نظروں سے لاش کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

میں نے جیب سے ساڑھے انچ لمبے پھل والا کمانی دار چاقو نکالا اور کھٹکا دبا کر اسے بے آواز کھول لیا۔ منشی میرے ہاتھ میں چاقو دیکھ کر غسل خانے سے ... گا۔

"یہ لو۔" میں نے چاقو اس کی طرف بڑھایا۔ "اسے ... سے لاش کی پسلیوں کے اوپری حصے اور گردن کے درمیان شگاف ڈالو۔"

"ہم... میں... میں بیگلہ... کام نہیں کر سکتا۔" وہ دہشت زدہ گھگھیائی ہوئی آواز میں بولا۔

"یہ لاش تمہیں لپیٹ نہیں جائے گی۔" میں نے زہر آلود لہجے میں کہا۔

"نہیں۔" وہ پھنسی ہوئی آواز میں بولا۔ میری ہدایت سن کر اس کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔

میں نے اسے چھری اور چاقو کی دھار کا جائزہ لیا اور چاہتے خان کی لاش پر خنجر آزمائی کے لئے تیار ہو گیا۔

زندگی سے بھرپور کسی انسانی جسم پر چاقو کی دھار کچھ اور ہی اثر رکھتی ہے۔ گوشت خان کے مردہ اور سرد جسم پر چاقو کی نوک یوں اترتی جیسے نرم کیچڑ میں انگلی دھنس جائے۔ کام کی ابتدا کراہت آمیز تھی مگر جیسے جیسے میں اپنی پارٹی کا تصور ذہن پر لاتا، سوار ہو کر میرے ہاتھ مہارت سے چلنے لگے۔

گلے سے حلق تک چیرنے والی غذا کی نالی تک میں نے انسانی جسم میں محفوظ راستوں سے گزاری ہے۔ یہ تجربہ مجھے اسی روز حاصل ہوا۔ پیٹ کے نچلے حصے میں پہنچ کر خان کا کام آسان ہوا اور آنتوں کا گچھا سامنے آ گیا۔ مگر غذا کی نالی تلاش نے مجھے پریشان کر دیا۔ پسلیوں کے درمیان ہاتھ ڈالے بغیر اس کا جائزہ لینا ممکن نہ تھا۔ اور آخر میں نے پسلیوں کے درمیان بھی شگاف ڈال دیا۔

جب میں اس شگاف میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولنے لگا تو مختلف نالیاں وغیرہ ٹٹول رہا تھا تو جسم کے باہر لگی ہوئی گھنٹی یکبارگی چیخ اٹھی۔ منشی کے حلق سے بھی گھٹی گھٹی خوف زدہ چیخ نکلی اور میں بھی بری طرح اچھل پڑا۔ میرا ہاتھ منشی کے خون آلود پنجے سے باہر نکل آیا جیسے اعضاء پر ہوا کا ہجوم ہوتا ہے۔

میں لاش چھوڑ کر تیزی سے باورچی خانے میں سرک گیا اور منشی نے باہر جا کر دیکھنے کا حکم دیا میری ہدایت سن کر اس کے چہرے پر ایسی تیزی آ گئی جیسے میں نے کسی چھری سے ذبح کرنے کے ارادے کا اظہار کیا ہو۔ اس نے خوف زدہ نظروں سے میری طرف دیکھا لیکن میری سرد اور سفاک نگاہوں کی تاب نہ لا سکا اور باہر کی طرف ہو لیا۔

اس کے نکلتے ہی میں نے تیزی سے اپنی پوزیشن بدلی تاکہ آنے والے کے تشدد بھری نظروں سے بچ سکوں اور ایسی اطلاع حاصل نہ کر سکیں جس کی بنا پر میں چوہے کی طرح مارا جاؤں۔

تھوڑے سکوت کے بعد میرے کانوں میں بھوت کی گھٹی ہوئی آواز آئی۔ وہ بلند آواز میں اپنے معتقد کی طرح اپنے ناشائستہ رشتوں کا اعلان کر رہا تھا۔

اس کی آواز پہچان کر میں آگے سے نکل آیا اور بھوت پر نظر پڑتے ہی ششدر رہ گیا۔ اس وقت بھوت کے بدن پر چیتھڑے ہوئے بھول لٹک رہے تھے۔ سر کے بال خاک آلود اور رسی کی طرح الجھے ہوئے تھے۔ بڑی بڑی آنکھوں میں لہو کی سرخی رقصاں تھی۔ وہ ہر بار اپنے ہاتھ میں ایک وزنی تھیلا اٹھائے منشی کے ہمراہ چلا آ رہا تھا۔

"کب آئے؟ تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تو میں نے ہر جگہ تلاش کیا ہے۔" میں نے ترش لہجے میں سوال کیا۔ "زندگی کی ہے اور اس کو غیر سرکاری پوسٹ مارٹم جاری ہے۔" میں نے

اس کے ہاتھ میں لٹکے ہوئے تھیلے کو گھورتے ہوئے کہا۔

قریب آ کر اس نے تھیلا فرش پر پلٹ دیا اور جیسے ہی مچھلیاں سرخی اور سیاہ سنگریزے ڈال بکھر گئے۔ اس کے ساتھ ہی مشک کی ایک ہلکی بھی پھیلی جس میں بھوت کے لئے کچھ سیپ بھی سے تھے۔

"میں اس گلی میں گیا ہے، جہاں وہ چمکتی تھی، جس کا ہار اس کی زندگی ہمارے چار چاروں طرح آپ دیکھے۔"

"ماشاء اللہ تم نے کی ہی بڑی ہے چاقو بھی وہیں ہے۔" میں نے اپنی جان بچاتے ہوئے کہا۔

اس وقت بھوت کی حالت ابتر تھی اس نے مجھ سے بچتے ہوئے غسل خانے میں جا گھسا۔

میں نے تجربے تجسس سے تاکہ اس کے ہوئے ہوئے تھا۔ اچھی طرح پھیلا لئے۔ دو گھڑی تک ان کا جائزہ لیا مگر ادھر مچھلی ہوئی تو کیا ان کا ہی تھا۔ ان لوگوں نے اور اس کی ذرا سی بھی دوری نہیں پہچانی تھی۔

کچھ دیر بعد بھوت نہا کر غسل خانے سے نکلا اور تنے ہی مجھ سے بلکہ میں سوال کیا۔

"یہ سب مشعوف مچھلیاں کیسا استاد!" میں نے تلخی سے کہا۔ "اور ادھر سے کچھ برآمد ہوا؟"

"صرف غلاظت۔" بھوت نے برا سا منہ بنا کر بولا۔ "میں نے چوبی جائزہ کر کے دیکھی مگر بارود جیسی کوئی چیز نہیں ملی۔"

"یہ ناممکن ہے استاد!" میں نے آہستہ سے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ بھوت نہیں بولا تھا۔"

میں نے کسی مقصد اور ارادے کے بغیر اس ڈبے کا ڈھکنا کھولا تو ایک نظر دیکھ کر میری اس بات پر بھوت کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا!" بھوت بوکھلا کر بولا۔ "ہماری ہی لاش میں ہو گا استاد! اتنا بار ہو گئے ہیں، اور اس بھی ان کے نیچے ادھیڑ دوں گا۔"

"چاقو کیا کرے گا!" وہ پھر سے پر اعتماد کے ساتھ بنسا۔ "پسلیوں کی ہڈیاں تک بھی توڑ دی ہیں۔ گردے سے ہڈیوں تک اور کچھ بھی نہیں ملا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ میں نے اسے چھپا لیا ہے؟" وہ بھڑک کر بولا۔ میں نے تجربے کے ساتھ ریوالور بھی نکال کر ایک وقت ہے اور شاید ثابت ہو گا۔

"کر لیا اور مرے لہجے میں بولا۔ "میرا خیال غلط ہے استاد! تم بدل گئے ہو۔ شاید تم نے اسے چاقو کے پھل پر ہی رکھ لیا ہے کہ کوئی اور چیز ملی ہو گی۔"

"بکواس مت کرو۔" وہ غرایا اور ریوالور جیب میں ڈال لیا۔ تو مجھے چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔ ہم دونوں اس میں برابر کے شریک ہیں۔

میرا تیج اطراف میں پھیلا۔ "آدمی بڑا لطیفہ ہے استاد! دولت اور ہوشیاری کو پسند نہیں کرتا۔ پتھر لیا ہوا۔ ملا ہو میں تمہاری تلاشی لوں گا۔"

"تم پر بے شک تم میری تلاشی لے سکتے ہو۔" وہ متنفر آمیز لہجے میں بولا۔ "میری زندگی میں یہ ممکن ہے۔"

"تمہاری زندگی کی بھی حیثیت ہے کہ اس وقت کا سب سے اہم مسئلہ تلاشی ہے۔ تم نے میری تمہاری لاش ہی کی تلاشی لے لو گے۔"

"وہ خاموش ہو گئے..." وہ غرایا اور میری طرف لپکا۔

"وہیں رک جاؤ بھوت!" میں ریوالور نکال کر تو وہ سہم کر بولا۔ "ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو مجھے تلخ لو گے۔ وہیں رک کر ہاتھ اٹھا لو!"

میری اس دھمکی پر اس کے بڑھتے قدم رک گئے مگر اس نے ہاتھ اٹھانے کے بجائے تمسخر بھرے لہجے میں بولا۔ "چلو تم ہی دیکھو تو کیا تھا۔ اس عمارت کے لوگ یہاں پڑوس سے بیگانہ تو رہتے ہیں مگر ایسے لا تعلق بھی نہیں کہ گولیوں کے دھماکے انہیں متوجہ نہ کر سکیں۔"

"ہماری کہانی ہے۔" میں نے اس کی للکار کو نظرانداز کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "وہ ہیرے کہاں ہیں؟" وہ بے یقینی سے مجھ کو گھورنے لگا۔ "ہم نے خان سے فرار ہونے کی وہیں انتظامی مسئلہ دو کا ہے" وہ صرف یہ کہا ہے۔

میں نے چند سیکنڈ کے وقفے میں اپنی صورتحال کے بارے میں سوچا۔ پارٹی تو ہر طرح بھوت کے قبضے میں تھا اور وہ منشی سمیت میرے مقابلے پر آمادہ تھا۔ اس مکان میں ان دونوں کو قتل کر دینے کی صورت میں میرے لئے شدید خطرہ تھا۔ اگر میں انہیں ویسے ہی رہنے دیتا تو دونوں رہائی کے بعد مجھے اتنی مہلت نہ ملتی کہ بھوت کی مکمل جامہ تلاشی لے پاتا۔ جتنی دیر میں تلاشی میں مصروف رہتا منشی کے نکل جانے کے امکانات بڑھ جاتے اور سکریٹری اپنی صورت میں سرعت سے فرار ہو کر رہ جاتیں۔ کیونکہ منشی کے بغیر پولیس کو ملنا سراسر ہلاکت کے مترادف تھا اگر میں نشانہ چوک جاتا تو منشی ان میں سے ایک بھی زندہ بچ نکلتا تو میرا انجام وہشت ہوتا۔ سر جوڑ کر اسے بیچنے بیٹھا بے خبری میں ماری جاتی اگر بھوت کے آدمی ہاتھ ڈالتے یا پولیس دھاوا بولتی۔ صورت ہیرے کے لئے خوش گوار نہ ہوتی۔ تیسری زاویہ یہ تھی کہ میں ریوالور کی مدد سے ان دونوں کو اس مکان سے کسی ویرانے میں نکال لے جاتا جہاں مجھے ہیرے کا پتہ معلوم ہو سکتا تھا اور ان کی تلاش کا موقع مل جاتا مگر بھوت اتنا احمق نہیں تھا کہ ریوالور کی زد پر میرے کسی ایسے حکم کی تعمیل کرتا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ خود کہہ چکا تھا کہ اس مکان میں میرے لئے ایک مشکل ہے کہ بند کمرے کے باوجود گولیوں کی آواز باہر تک پہنچ کر آس پاس کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کو دعوت دینا ثابت ہوگا۔

یہ سارا تجزیہ شکل چند سیکنڈ میں مکمل ہو گیا اور میں اچانک حرکت میں آ گیا۔ میں نے چیخ کر بھوت کو حکم دیا۔ بھوت کے چہرے پر حیرت بکھری۔ وہ مجھے روکنے کی ناکام کوشش کرتا رہا مگر پھر جب میں نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کر کے ٹریگر پر انگلی دبائی اور ہتھیلی پر رکھ کر اس کی طرف بڑھایا تو اسے میری بات پر یقین نہ آ سکا۔

"تم اور مجھے گولی مارو گے استاد؟" اس نے دکھ بھرے لہجے کے ساتھ کہا۔

خطرہ مول لیتے ہوئے اس سے کہا۔

اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے ریوالور لے لیا اور جب اس کی توقع کے برعکس میں نے اپنا ہاتھ واپس کھینچا اور پلاسٹک کا پٹا اسے دے دیا تو وہ اپنی زبان بند نہ رکھ سکا۔ "تو میری تلاشی نہیں لے گا۔"

"میں بہت ذلیل ہوں استاد!" میں بھرائی ہوئی ملامت آمیز آواز میں بولا۔ "پارس کا نام آتے ہی میری آنکھوں پر خود غرضی کا پردہ پڑ گیا تھا۔ میں تمہاری دوستی کے قابل نہیں ہوں۔ مجھے اپنے ہاتھوں سے گولی مار دو۔"

جیسا کہ میرا اندازہ تھا بھوت میری اس ناقابل فہم اداکاری پر شدید الجھن اور حیرت کا شکار ہو چکا تھا۔ میں اس کی نفسیات سے واقف تھا اور اسی لئے میں نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا کہ پھر وہ ریوالور اس کے حوالے کر دیا۔ اور وہ مبہوت رہ گیا۔

"تیری باتیں بعض اوقات مجھے حیران کرتی ہیں۔" وہ ریوالور ہاتھ میں تولتے ہوئے بولا۔ "مجھے تو کوئی دماغی بیماری کا مریض معلوم ہوتا ہے۔"

"یار! میری بہت بڑی کمزوری تھا استاد! شراب ہی اس کمزوری سے بچا سکتی تھی۔ پھر اسے کا تجربہ کر چکا ہوں۔" میں نے نظریں جھکا کر کہا۔

"اب تو پارس کا ہی کوئی دعویدار نہیں ہے؟" وہ مسرت اور بے یقینی کے عالم میں بولا۔

"نہیں۔" میں نے آہ بھر کر کہا۔ "میں اسے کھو چکا تھا اگر وہ واقعی

"تمہارے پاس ہے تو یہ بازیابی تمہاری کوششوں کے سبب ہوئی ہے۔" اس پر صرف تمہارا حق ہے سمجھ لو یہ ہمیشہ کے لئے گم ہو چکا ہے۔"

"شاید... شاید تو واقعی پاگل ہو گیا ہے!" اس نے ریوالور جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ "پارس کو آزاد کر مجھ پر لالچ غالب آ گیا تھا۔ میں تمہیں اس میں برابر کا حصہ دوں گا۔ وہ قیمتی یا قسم ہو سکتا ہی چیز نہیں ہے۔ ہم مل کر اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔"

اس کے ایمانداری کے اظہار پر میں دل ہی دل میں ہنسا۔ درحقیقت کیسی ستم ظریفی تھی کہ ابھی ابھی ہم دونوں محض پارس کے لئے ایک دوسرے کو خون کا پیاسا ہو رہے تھے اور اب دونوں ہی اس بارے میں مخلص اور ایک دوسرے کا ہمدرد بنا ہوا تھا۔

"مجھے پارس نہیں صرف تمہیں چاہئے استاد!" میں گہرا سانس لے کر بولا۔ "پارس تمہیں مبارک ہو۔ تم مجھے صرف اتنا کرو کہ رقیب و دیوار کو تمہاری ضرب سے ملنے والی رقم میں میرا حصہ میرے لئے کافی ہے۔ اسکے سہارے میں سکون سے اپنی زندگی کی ابتدا کر سکوں گا۔"

"مجھے یقین نہیں آتا۔ یقین نہیں آتا۔" وہ حیرت سے بولا۔ "تو وہ لاکھ کہاں ہے؟ میں وہ ساری رقم تجھے دے دوں گا۔"

"اب بتے خان کی لاش کا کیا ہے گا؟" میں نے معصول لہجے میں پوچھا۔

"یہ اس کا رشتہ دار کفر اب نا ہے۔ یہ بیک بیک اس کی زندہ دفن ہو گرانی۔ یہ لاش بتے خان کے محلے میں لے جائے گا۔ ادھر مسلمانوں کی خاصی آبادی ہے آسانی سے غسل اور کفن دفن کا انتظام ہو جائے گا۔"

"اور تم نے اس کی لاش کو درمیان سے کھول دیا ہے؟"

منشی اس کا بندوبست کرے گا۔" بھوپت پہلی بار اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اب تک کی ساری گفتگو میں ہم دونوں نے بری طرح اسے نظرانداز کیا ہوا تھا۔ "تھوڑے فاصلے سے پٹیاں باندھ کر زخم کو بند کر دیا جائے گا۔ وہ جاہلوں کی بستی ہے۔ منشی ذہانت سے کہے گا کہ ہسپتال میں پوسٹ مارٹم اس طرح ہوتا ہے یہ تو معمولی سی بات ہے۔"

پھر وہ منشی کو ہدایات دینے لگا۔ اس سے فارغ ہو کر ہم دونوں باہر نکل آئے!

"استاد گاڑی تم چلاؤ!" ڈرائیونگ سیٹ کے قریب پہنچ کر میں نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

بھوپت نے میری درخواست نہ ٹالی اور اسٹیرنگ سنبھال لیا۔ میں اسکے برابر میں بیٹھ گیا۔ اس کی واسکٹ کی بائیں جیب میں ریوالور کا سیاہ دستہ جھانک رہا تھا جو کسی بھی لمحے میری گرفت میں آ سکتا تھا!

گاڑی روانہ ہوئی تو شام ڈھل چکی تھی۔ سورج آہستہ آہستہ مغرب کی طرف جھکتا جا رہا تھا۔ ہمارے راز دفن ہو چکے تھے اور میں بالکل خاموش تھا۔

"کیا بات ہے... خاموش کیوں ہے بلبل؟" میری طویل خاموشی پر بھوپت نے تعجب کیا۔

"میں تمہارے ساتھ اب سر اٹھا سکوں گا استاد!" میرے پاس ہی سے گھبرائے دل افسوس کا اظہار ہو رہا تھا۔ "ورنہ زبان کھول دوں گا جیب میں جب تک تمہارا ساتھ لکھا ہے تمہارے غلام کی طرح رہوں گا۔"

"اچھے اتنا سلسلہ نہ کر!" بھوپت نے حقیقی پدرانہ شفقت سے کہا۔ "بڑے بڑے جوانوں میں ایسی غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں۔ شکر ہے کہ تجھے ہوش آ گیا۔ چلو پہلے ہی ہوش آ گیا۔!"

"تم عظیم ہو استاد!" میں نے بوجھل آواز میں کہا۔ "تمہاری جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو بھی ریوالور ہاتھ آتے ہی اس کو بھیجا اڑا دیتا جو سامنے مقابل ہوتا۔"

"میری نانا سی مجھے کھا جائے گی!" وہ میری ران پر ہاتھ مار کر بولا۔ "اس منظر کو بھول جا۔ میں تجھے ہنستا کھیلتا دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"شراب ہی سینے میں جمود کو توڑ سکے گی۔"

"یہ کہا ہے پارس!" اس نے قہقہہ لگایا۔ "بوتل کی یاد ستانے لگی!"

"سالے کو ڈیون ابھی شراب چھوڑ بیٹھے ہیں۔"

"شراب خانے کی گھٹن کے بجائے کھلے آسمان تلے ہی جیتی گے استاد!" میں

"یہ تو نے میرے دل کی بات کی ہے! شراب ہو اور تنہائی بھی تو وہ بالا ہو جاتا ہے۔"

پھر اس نے شراب عورت اور تنہائی کے فلسفے پر نہایت غالبانہ طبیعت مذاکرہ شروع کر دیا۔ ذاکرہ اس لئے کہ میں تو اس کی گفتگو کی جگہ کی شناخت ہی نہیں سر ہلا ہلا کر اس کی تائید کرتا رہا!

شہر میں بھوپت سنگھ نے ایک جگہ کار روکی اور کچھ دیر بعد واپس آیا تو اخبار کے کاغذ میں لپٹے ہوئے دو پیکٹ اس کے ساتھ تھے۔

"تیرا مقصد حرمتی ہے۔ کھول کر دیکھ تیرے لئے کیا لایا ہوں!" گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے وہ بولا۔

میں نے کاغذ پھاڑا تو واقعی دل خوش ہو گیا۔ بلیک لیبل وہسکی تھی جو ان دنوں ہندوستان میں تقریباً نایاب ہو گئی تھی۔ دو بوتلیں ہی سے ہیں گے۔ ایک تیری ہے دوسری میری۔" اس نے آگاہ کیا۔

پھر گاڑی شہر سے مضافات کی طرف بھاگنے لگی۔ بھوپت نے سنگل تو مل گیا سیاہ اور سنسان تھا۔ میرے منصوبے کا نصف حصہ وہ خود مکمل کر گیا اور جب سڑک سے اتر کر اس نے سنگلاخ پہاڑیوں کے قریب گاڑی روکی تو آسمان پر نگارنگ شفق کا رنگ لرزاں تھا۔ رات کا جنم ہونے کا وقت قریب ہی تھا!

ہم نے بوتل ہی ابھی بند کیا میرا ہاتھ چلا اور بھوپت کے ہونٹ کی تعلیم بیلی ریوالور میرے قبضے میں آ گیا تھا۔

"یہ کیا کر رہا ہے؟" بھوپت بوکھلا کر بولا۔

"شراب اور تنہائی میسر ہو تو سرور دو بالا ہو جاتا ہے استاد!" میں نے رچ میں بولا۔ "اور دیکھا بھی تم میری تنہائی کے دشمن ہو اور تمہیں ختم کرنا میرا مقصد ہے!"

وہ فوراً الرٹ ہو بیٹھا۔ "تو بھی بچوں جیسا مذاق کرتا ہے۔" الفاظ تو کہے لیکن گھبراہٹ میں پیچھے ہٹ رہے تھے۔ شاید وہ سمجھ چکا تھا کہ میں نہایت مکاری کے ساتھ اسے جال میں پھانس لایا ہوں۔ "یہ ریوالور جیب میں رکھ لے۔ کہیں مذاق ہی مذاق میں گولی نہ چل جائے۔"

"گاڑی سے اترو!" میں غضبناک لہجے میں دہاڑا۔

اس نے فوراً میرے حکم کی تعمیل کی اور میں اسے ذرا بھی مہلت دیئے بغیر اسے کور کئے کار سے باہر آ گیا۔ "پارس کہاں ہے؟" میں نے سرد لہجے میں اس سے دریافت کیا۔

"مم... میری جیب میں! مگر تو نے تو وہ پتھر مجھے بخش دیا ہے!" وہ ہکلایا!

"وہ میری وقتی چال تھی استاد! میں پاگلوں کی طرح ہنسا۔ "پارس میرا ہے میرا ہی رہے گا۔ صفدر علی کی زندگی میں کوئی اسے مجھ سے نہیں چھین سکے گا۔"

"تو دھوکہ باز ہے صفدر!" وہ غصہ اور بے بسی کے عالم میں بولا۔ "آج تو نے شاید اسی لئے فراست کا فریب رچایا تھا کہ وہاں تو فائر نہیں کر سکتا اور یہاں... یہاں تو نے مجھے موت کے جال میں پھانس لیا ہے!"

"پیسہ بچھو! یہ جیب بند کئے جانے کے ہو جاؤ... ہاتھ بچانے کی ضرورت نہیں صرف زبان سے بتاؤ کہ پارس تمہاری کس جیب میں ہے؟"

"واسکٹ کی اوپر والی جیب میں!" اس کے حلق سے بے جان سی آواز نکلی۔ فوراً ہی میں نے گولی چلا دی۔ ویرانے میں دھماکے سے گونج اٹھی۔ اس کا بایاں بازو میں آیا اور وہ لگی جس میں اسکا دل رہتا ہے اس نے پہلو پہ ہاتھ رکھا اور چند سیکنڈ میں دم توڑ دیا!

میں چند لمحوں تک دور کھڑا اس کی لاش کا جائزہ لیتا رہا اور جب پکا موت کا یقین ہو گیا تو میں اس کی طرف بڑھا اور خون میں تر واسکٹ کی اوپر کی جیب سے پتھر نکال لیا۔

میری انگلیاں بیک وقت تیزی سے تھرکنے لگیں اور میں نے جلدی سے اسے باہر کھینچ لیا۔ میری زندگی کی کلی ہوئی جیسے طلسم ٹوٹا! بلاشبہ وہ پارس پتھر کا وہی سیاہ اور بدوضع پتھر تھا جو میری انگوٹھی سے گم ہو گیا تھا۔ گو وہ بھوپت کے گھڑے کے پاس تھا اور گرم خون میں تر تھا مگر میں اسے ہزاروں پتھروں میں بھی پہچان سکتا تھا!

پارس کا حصول ہی معاملہ کے بعد جیت گئے گر طریقہ پر میں نے پارس دیا ہے کھونے کے بعد دوبارہ میرے قبضہ میں آیا تھا اور اس بازیابی کے درمیان میں لاتا رہا تھا۔ بنے خان سے لے کر بھوپت سنگھ تک چار آدمی میرے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے اور اب پانچویں کی باری تھی!

پارس میں نے پوری احتیاط کے ساتھ رومال میں لپیٹ کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور دوبارہ بھوپت سنگھ کو بپتول بھی ساتھ ہی لے لیا۔ ابھی اس خوفناک ہتھیار سے مجھے اور کام بھی لینا تھا۔

بھوپت کی خون میں لتھڑی ہوئی لاش کو میں نے کہیں چھپانے کی ضرورت نہ سمجھی۔ رات کی سیاہ چادر تیزی کے ساتھ اس سنگلاخ ویرانے پر ڈھلتی آ رہی تھی اور رات انسان کے ہر راز کی امین ہوتی ہے۔ عام گزرگاہ سے کافی دور اس علاقے میں بھوپت کی لاش اسی وقت دریافت ہو سکتی تھی جب اس پر منڈلانے والے مردہ خور گدھوں کے غول کسی کی توجہ کا مرکز بنتے!

بھوپت کی سیاہ مرسڈیز میں میرا واپسی کا سفر بے حد پرسکون تھا۔ میری کھوئی ہوئی دولت میرے قبضے میں آ چکی تھی۔ پارس پتھر میں شراکت کا ایک خود ساختہ دعویدار میرے ہاتھوں اپنے عبرتناک انجام کو پہنچ چکا تھا اور اب میں اسکے پیغمبر کے صفایا کرنے کے بعد میں پوری طرح آزاد اور خود مختار ہونے والا تھا۔

جب میں شہر میں داخل ہوا تو رات آ چکی تھی۔ شہر میں ہر طرف روشنیوں کی چکا چوند ہو رہی تھی یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اہالیان کا شہر پارس پتھر کی بازیابی پر چراغاں کر کے میری خوشیوں میں اپنی دلی شرکت کا اظہار کر رہے ہیں۔

مرسڈیز ہوٹل سے دور چھوڑ کر میں رنما ہوٹل پہنچا۔ وہاں بیتا بڑے صبر اور سکون کے ساتھ میری منتظر تھی۔ اس کے جسم پر اب بھی مغربی طرز کا وہی لباس تھا جو میں نے اسے پہنایا تھا۔ سیاہ بالوں نے اس لباس سے مل کر اس کی شخصیت کو ہی بدل کر رکھ دیا تھا۔

"پارس کا کیا ہوا؟" اس نے کمرے کا دروازہ بند کرنے کے بعد دھیمی آواز میں سوال کیا۔

میں نے مسکراتے ہوئے جیب سے وہ سیاہ اور بدوضع کنکر نما پتھر اسے نکال کر دکھایا اور کہا۔ "اب یہ بلاشرکت غیرے ہمارا ہے؟"

"پہلے تو تم نے بتایا تھا کہ بھوپت سنگھ اس میں برابر کا شریک تھا!" وہ حیرت سے بولی۔

"اس کا حصہ اسے مل گیا!" میں نے گلے پر انگلی چھری کے انداز میں پھیرتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"تو نے اسے مار دیا!" وہ قدرے حیرت اور خوشی کے ساتھ بولی۔ "مجھے پہلے ہی شک ہو گیا تھا کہ تو موقع پاتے ہی اس کا کام تمام کر دے گا۔"

"ہاں... تو ولی ہے نا!" میں چڑ کر بولا۔ "تجھے ہر بات وقت سے پہلے ہی معلوم ہو جاتی ہے۔"

"ایسا بھی کیوں ہوتا ہے؟" وہ مسکراتے ہوئے ایک ادا کے ساتھ میرے سینے سے آ لگی۔ "میری پرورش ایسے ماحول میں ہوئی ہے کہ بعض واقعات کے

بارے میں مجھے پہلے سے یقین ہو چکا تھا کہ تیرا دوست جیوپت سی سے مکار اور کینہ توز آدمی تھا۔ میرا بس چلتا تو اسی وقت جیوپت کا کام تمام کر دیتی جب تو نے مجھے پارس پتھر یعنی اس کی خرابی کے بارے میں بتایا تھا۔ میری ماں کی دی ہوئی چیز میں کوئی بھی تیرا شریک نہیں ہو سکتا۔"

"اب ہمارا یہاں رکے رہنا خطرناک ہوگا۔" میں نے اس سے کہا۔ "جیوپت کی کار موجود ہے' ہم اسی وقت کار کے ذریعے روانہ ہو رہے ہیں۔"

"یہ جیوپت شاید اسی لئے پیدا کیا گیا تھا کہ ہمارے کام آ جائے۔" میری بات سن کر وہ زور سے ہنسی۔

"وہ کیسے؟"

"پہلے بھی ہم اسی کی گاڑی میں بھاگے تھے اور اب یہاں بھی اسی کی کار کام آئے گی۔" اس نے ہنستے ہوئے اپنی بات کی وضاحت کی۔

"یہی نہیں' اس کی گاڑی میں لاکھوں روپے سے بھرا ہوا ایک بریف کیس بھی رکھا ہوا ہے۔ یہ رقم اس ملک سے نکلنے میں ہمارا ساتھ دے گی۔"

"کیا ہمیں اسی وقت روانہ ہونا ہے؟" سیتا نے مجھ سے پوچھا۔

"ہاں۔ ابھی اور اسی وقت!"

"پھر پہلے کھانا کھا لو' پتہ نہیں دوبارہ کب نصیب ہو!"

اس کی بات معقول تھی۔ میں نے کمرے میں ہی کھانا طلب کیا اور کھانے کے دوران میں نے سیتا کو پوری تفصیل سے آنے والی دشواریوں سے آگاہ کر دیا۔ پارس پتھر کی بازیابی کے بعد اب میں ہر قیمت پر کاٹھمنڈو نکل جانا چاہتا تھا کیونکہ تیرتھ اور آگ کے راستے مجھے اپنا سفر جاری رکھنا تھا اور کھوج سے نکلنے کے بعد پہلی فرصت میں کوئی نئی یا پرانی جیپ خریدنی تھی ... ہندوستان کی سرحد عبور کرنے تک سیتا کو ... رہنا تھا ... کے بدلے ہوئے حلیے کا کوئی نام نہ ہے!

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میں نے سیتا کو اپنا مختصر سامان سمیٹنے کی ہدایت دی اور خود ہوٹل کے برآمدے میں لگے فون پر اسٹیشن ہوٹل سے رابطہ قائم کیا۔

میری خوش قسمتی تھی کہ جیوپت سنگھ کا منشی اپنے کمرے میں پہنچ چکا تھا۔

"منشی! تمہارا کام ختم ہو گیا؟" کمرے سے سلسلہ ملتے ہی میں نے سوال کیا۔

"ہاں صاحب!" وہ میری آواز پہچان کر بولا۔ "مگر ... کی طبیعت بگڑ گئی ہے!"

"تم آدھے گھنٹے کے اندر ... بازار کی نکڑ پر پہنچو' وہیں بات ہوگی۔" میں نے احتیاط کے پیش نظر بات کاٹ دی۔

"میں آ جاؤں گا۔" اس کے لہجے میں خوف کی ہلکی سی جھلک تھی۔ "مگر تم ابھی ... کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"وہ کیوں؟" اس کے لہجے نے مجھے چونکا دیا۔

"منشی دہلی سے اندر ایکسائز سروس کے دو افسر آئے ہوئے ہیں' انہیں تم دونوں کی تلاش ہے؟"

"ٹھیک ہے' تم وہاں پہنچ کر میرا انتظار کرو۔"

میں نے سلسلہ منقطع کیا تو میرا دل تیزی کے ساتھ دھڑک رہا تھا ... میرے ذہن میں وہ منظر گھوم رہا تھا جب نیپال سے ہندوستان کے قصبہ موتی ہاری میں پہنچنے سے ہو چکے تھے۔ وہ چاند ہوٹل میں ... سروس کے دو افسر مجھ سے ملے تھے ان میں سے ایک کا نام گرنام ... دوسرے کا نام پرتاپ جیت تھا۔ وہ میری گرفتاری کے ارادے سے ... اُن کے ٹھکانوں کے ... سے میری نقل و حرکت پر ... بھیجے گئے تھے۔ ان دونوں نے سختی سے مجھے ... دیا تھا کہ میں ...

ذاتی تمام گفتگو راز میں رکھوں۔ موتی ہاری میرا قیام ... حیثیت سے تھا اور اب سیکرٹ سروس والے صفدر علی کی تلاش ... کا مطلب تھا کہ وہ لوگ پہچان چکے تھے کہ میں بھیس بدل کر ... اور وہ گزشتہ دو دن میں میری طرف سے پوری طرح باخبر تھے۔

میں حساب صاف کرنے کی نیت سے کاؤنٹر پر گیا اور ... ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وہاں دو افراد رجسٹر پر جھکے ... مصروف تھے۔

میں نے فوراً واپس لوٹنا چاہا مگر اس وقت تک دیر ہو چکی تھی ... میں سے ایک نے سر سری طور پر میری طرف سر گھما لیا تھا اور اب ... میں جھجک بھی عود کر آئی تھی۔ وہ کسی شکاری کی طرح میری ... اور میری یہ تصدیق کر دو دونوں چہرے میرے شناسا تھے ... پرتاپ کے چہرے کو تو میں ناخنوں میں بھی پہچان سکتا تھا۔

مگر حیرت اور خوف کی بات یہ تھی کہ وہ دونوں ... مجھے میرا بدلا ہوا حلیہ بھی ان کی نگاہ سے ... نہ سکا۔ جب وہ موتی ہاری میں مجھ سے ملے تو میرا نام ... جنوبی ہند کی ... اور داڑھی بے تحاشا بڑھی ہوئی ... گیروا لباس تھا جبکہ موجودہ حالت میں ... سر کے بال ... تھیں ... انگریزی وضع کا تھا!

کوشش کے باوجود میرے قدم ... رک سکے ... چلتے چلتے دونوں کے چہروں پر ... مسکراہٹ ابھر آئی ... مجھ سے بولا۔ "آئیے گنگا رام صاحب! ہمیں آپ ہی کی تلاش تھی۔"

... پاس جوابی مسکراہٹ کے سوا کچھ نہ تھا ... ساتھ میرا بھی ... گرنام نے طلب کیا تھا ... چونکہ ... میں نے اپنا نام ... رجسٹر میں ...

"ان کا حساب صاف کر دو ... اسی وقت ہوٹل چھوڑ رہے ہیں" گرنام نے ... دیکھے بغیر کہا ... رجسٹر ... وہ ورق گردانی کر رہا تھا۔

جواب میں ... چلیں' میں بل تیار کرکے ادھر آ رہا ہوں ... دبے لہجے میں بولا۔

گرنام کا اشارہ پاکر میں اپنے کمرے کی طرف ہو لیا۔ اس خاموشی سے سوچنے میں مصروف تھا۔

... ان دونوں کو دیکھ کر میری ... دروازہ کھولا ... ملاقاتیوں کو وہ کسی بھی نظر میں ناپسند ... سیتا نے ... زبان نہ کھولی۔ گونگوں کی طرح خاموش رہی۔ ... کمرے کا دروازہ بند کیا ... دامن چھوڑ دیا۔

"... نہ تم نے ہماری ... کے بغیر ... پارس کیوں چھوڑا؟"

"اس لئے کہ تم نے مجھے ... کا حکم نہیں دیا تھا۔" میرا لہجہ بھی تیز ہو گیا ... ایک تحقیر ...

"ہم نے ... نہیں دیا تھا کہ مجھے امید تھی کہ ... تم کوئی ... کی حماقت نہیں کرو گے۔" وہ غرایا۔

"... امید کرکے تم زیادہ دن اس ادارے کی ملازمت نہیں کر سکو گے جس کی وردیاں تم نے ... ہو۔" میں ... آنکھیں نکال کر بولا۔

"ہوش میں رہ کر بات کرو۔" پرتاپ نے میرا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیا۔ "تم پہلے ہی انسانی جانوں کے اتلاف اور دہشت گردی کے الزامات میں ... اور تم ذمہ دار افسروں سے مخاطب ہو۔"

"یہ غیر ضروری گفتگو ہے' مجھے یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" میں نے پرتاپ کا ہاتھ اپنے گریبان سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"پارس پتھر کہاں ہے؟" گرنام کے الفاظ مجھے کسی گھیرے کی تنگی سے کم محسوس نہیں ہوئے۔

میں نے خود بایاں ہاتھ اس کے سامنے کر دیا جس میں پارس کے نگینے والی انگوٹھی موجود تھی۔ "پارس یہاں ہوا کرتا تھا!"

"وہ اب کہاں ہے؟" گرنام کے لہجے میں شبہات لرزاں تھے۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم جیوپت کی تلاش میں تھے!" میں ہنس کر بولا۔ "اسے ڈھونڈ نکالو تو پارس کا پتہ چل جائے گا!"

ان دونوں نے ایک ثانئے کے لئے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر گرنام دھیمے لہجے میں بولا۔ "تم ہماری توقع سے زیادہ چالاک ہو صفدر علی۔ اگر بنارس میں تمہاری ساتھی لڑکی عدالت میں پارس پتھر کا ذکر نہ کرتی تو شاید ہم کبھی تمہارا سراغ نہ پا سکتے۔ لڑکی کے اسی بیان نے ہمیں تمہاری اہمیت کا احساس دلایا مگر جب ہم بنارس پہنچے تو لڑکی ضمانت پر رہا ہو چکی تھی... کہاں ہے وہ؟" یہ کہتے ہوئے اس نے گہری نظروں سے سیتا کی طرف دیکھا۔

یہ ... کہ میرا ... مجھے پہچاننے والے وہ دونوں خفیہ افسر بھی سیتا کے ... دھوکا کھا گئے ہیں۔ میں آہستہ سے ہنسا اور بولا۔

"اس لڑکی کو ... وہ ایک ... اگر کوئی لڑکی ہے جسے میں نے ... دی

ہے' سیتا تو نہ جانے کہاں ہوگی؟"

"مرزا پور میں تمہارے ساتھ کون لڑکی تھی؟" یہ سوال پرتاپ نے کیا تھا۔

"وہ آزاد فطرت لڑکی تھی' شہروں کی پابند زندگی اسے راس نہ تھی ایک رات وہ مرزا پور میں مجھے ایسی چکمہ دے کر آج تک نہ مل سکی۔"

"اور اسے تم کیا کہتے ہو؟" گرنام نے سیتا کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"میں تو اسے سیتا ہی کہتا ہوں۔ یہ گونگی ہی نہیں جاہل بھی ہے' پڑھ لکھ بھی نہیں سکتی۔ اسے میں نے یوں ساتھ رکھ لیا کہ یہ دوسری کسی عورت کے برخلاف میری سرگرمیوں کے لئے کبھی خطرہ نہ بن سکے گی۔"

"چالاک نہ بنو صفدر علی!" گرنام کا غصہ شدت اختیار کر چکا تھا۔ "میرے پاس تمہارے لئے بہت بڑی پیشکش ہے۔"

"میں تو بقول تمہارے مجرم ہوں' میرے لئے پیشکش یا رعایت کیوں؟" اس کے الفاظ میرے لئے واقعی حیران کن تھے!

"تمہاری تلاش کی مہم میں ہی جیوپت ہماری نظروں میں آیا اور اس کا کھوج لگاتے ہم یہاں پہنچے ہیں۔ اگر پارس اسی کے پاس ہے تو ہماری گفتگو ... ہوگی۔ تم بہ ظاہر مجرموں کی طرح مقدمہ چلے گا' جیل یا پھانسی تمہارے نصیب کی بات ہے!"

"گویا تمہاری دلچسپی صرف پارس سے ہے؟"

"ہاں!"

"یہ دلچسپی سرکاری ہے یا غیر سرکاری؟" میں نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"یہ سوال قبل از وقت ہے' ابھی جیوپت کا پتہ کیا ہے؟"

گرنام پھر مکاری پر اتر آیا تھا۔ ابھی مجھے منشی سے پتہ چل ہی چکا تھا کہ وہ دونوں اسٹیشن ہوٹل میں ... تھے۔ چنانچہ میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "اسٹیشن ہوٹل!"

"مگر وہ آج صبح سے وہاں نہیں ہے!"

"یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ تم لوگوں کے علاوہ ایک اور پارٹی پارس پتھر کے جنون میں مبتلا ہے۔ اگر جیوپت ان کے ہاتھ لگ گیا تو پارس کے ساتھ ہی جان سے بھی جائے گا۔ وہ لوگ جس وقت مجھ تک پہنچے وہ پتھر جیوپت کے قبضے سے نکل کر جیوپت کی حویلی میں جا چکا تھا۔"

"مگر کیسے؟" گرنام یہ سن کر مضطرب ہو گیا۔

"پستول کی زد پر سب کچھ ہو سکتا ہے۔" اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے میں شکست خوردہ انداز میں ہنسا۔ "جیوپت کو عدالت کے ریکارڈ ہی سے پتہ چلا تھا کہ میرے پاس پارس پتھر ہے۔ پھر کل اس نے مجھے گھیر لیا۔ اس وقت میں بھی اسٹیشن ہوٹل میں مقیم تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور میں نہتا ___ پھر بھی میں نے انگوٹھی اتارنے کے بہانے اس پر حملہ کر دیا جس کا مقصد کی خرابی کی اس دھینگا مشتی میں پارس انگوٹھی سے نکل گیا۔ پھر سوئے اتفاق یہ ہوا کہ گرا ہوا پستول جیوپت کے ہاتھ آ گیا اور وہ اس کی زد پر پارس پتھر [illegible]

کر کے حماقت کی گیا۔"

"جب کبھی وہ کل صبح سے غائب ہے' رات بھی ادھر نہیں پہنچا۔" پرتاپ نے میری اس کہانی پر تبصرہ کیا۔

"میں کل صبح تک اسٹیشن ہوٹل ہی میں تھا۔ جو چھ یا گیارہ بجے کے قریب ہوا۔ اس کے بعد ہی میں نے وہ ہوٹل چھوڑ دیا اور کل رات یہاں آ گیا۔"

"کل سارا دن کیا کرتے رہے؟"

"پاگلوں کی طرح بھوپت کی تلاش میں بھٹکتا رہا۔" میں نے کہا۔

میں محسوس کر رہا تھا کہ آہستہ آہستہ ان دونوں کو میری اس داستان پر یقین آتا جا رہا ہے۔ ابتدائی تلخ کلامی کے بعد میرے ساتھ ان کا رویہ اعتدال پر آتا جا رہا تھا اور اب میں ان کی جانب سے کسی بھی پیشکش کا منتظر تھا جس میں مشترکہ طور پر بھوپت کی تلاش کا ذکر ہو۔

"پارس پتھر کی تلاش میں دوسری پارٹی کون ہے؟" گرنام ان دونوں میں سینئر معلوم ہوتا تھا کیونکہ زیادہ تر سوالات وہی کر رہا تھا۔

"بنارس ہی کے کچھ غنڈے ہیں' میں انہیں صرف چہروں سے پہچانتا ہوں۔"

"بھوپت کہاں مل سکتا ہے؟"

"میں کیا جانوں!" میں نے غصیلے لہجے میں کہا جو ان دونوں کے دل میں میری لاعلمی کی جانب سے شبہات پیدا کر رہے تھے۔

"تم جھوٹ بولتے ہو۔" گرنام پر میری اداکاری کا خاطر خواہ اثر ہوا۔

"میں تمہارا دوست نہیں ہوں کہ تمہیں جا کر بتاؤں!" میں گہری سنجیدگی کے ساتھ بولا۔ "بھوپت کے بنارس میں ایک ایسے ٹھکانے ہیں جہاں اس کے دشمنوں کے لیے صرف موت تقسیم ہوتی ہے۔ میں جان پر کھیل کر تمہیں وہاں لے بھی جاؤں تو اس پر قابو پانے کے بعد تم مجھے جیل میں دھکیل دو گے کیونکہ پارس اس کے پاس ہے اور تمہیں اسی کی ضرورت ہے!"

"اگر تمہاری مدد سے پارس پتھر مل گیا تو یقین رکھو کہ ہم تمہاری طرف سے چشم پوشی اختیار کر لیں گے بلکہ ممکن ہے کہ پولیس ہاتھ دھو لے گی۔"

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے ہندوستان کے حکمران ہو!"

"میں حکمران نہیں مگر میری پشت پر حکومت ہے۔ مجھے وسیع اختیارات حاصل ہیں!" وہ جوش میں آ گیا۔

"پولیس سے بچاؤ ناکافی ہے۔ پارس چھن جانے کے بعد میں تو فقیر ہو جاؤں گا۔ مجھے عزت اور روزگار بھی درکار ہے۔ پھر پارس تو صرف میری ملکیت ہے۔ بھوپت نے اس پر حماقت اور دھوکے سے قبضہ کیا ہے۔" میری اداکاری میں خاصا زور پیدا ہو گیا تھا۔

"یہ سب ہو جائے گا۔ حکومت ہر قیمت پر پارس خرید لے گی۔" گرنام تنگ آ کر کھڑا ہو گیا۔

"اور اگر یہ وعدے فریب ثابت ہوئے تو؟"

"اس وہم کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔" گرنام جھنجلا گیا۔

ہم میری مرضی کے مطابق موڑنے چکی تھی۔ اپنا سامان لے کر میں ...

کے ہمراہ کر کے سے نکلا پھر راستے ہی میں مل گیا۔ اس کے ہمراہ کو ذرا ...

نے حساب بیباق کیا اور ہم چاروں ہوٹل سے باہر نکل آئے۔

ہوٹل کے سامنے ہی ان کی سرکاری جیپ موجود تھی۔ گرنام نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی' میں اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ سیتا اور پرتاپ پیچھے بیٹھ گئے۔

"پہلے تو کل جگجیت چلتے ہیں۔" گرنام نے مڑ کر پرتاپ سے کہا۔

"کچھ آدمی بھی ساتھ لے لیں گے؟"

"زیادہ بھیڑ بھاڑ ہوئی تو سب بے موت مارے جائیں گے۔" میں نے کہا۔ "انہیں پکڑنا ہے تو اب وقت برباد نہ کرو۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ تو کل جگجیت ہی پتا چلے گا کون ہوگا۔ آپ اگر گھر پر ہی ملنا ہوگا وہ کسی ٹھکانے سے انتظام کر لے گا تو دیر ہو جائے گی۔" پرتاپ نے میری تائید کی۔

اور یوں جیپ میری بتائی ہوئی سمت میں روانہ ہو گئی۔ میں گرنام کو کانپور کے اس مضافاتی ویرانے کی طرف لے جا رہا تھا جہاں میں نے بھوپت کا کام تمام کیا تھا۔

راستے بھر میں ان دونوں کو باتوں میں الجھائے رہا تاکہ انہیں تمام کارروائی کے بارے میں سوچنے کا موقع نہ مل سکے۔

اور جب گاڑی شہر سے نکل کر مضافاتی سڑک پر دوڑ رہی تھی، حقیقی لست سے سیتا کی سریلی سی چیخ کے ساتھ "خوفزدہ" آواز ... ساتھ ہی فضا فائر کے شور سے گونج اٹھی۔

"ارے گر گئی بول پڑی!" گرنام بوکھلا کر بولا۔ اس کا ہاتھ اسٹیئرنگ پر بھٹک گیا تھا۔

میں نے پیچھے گھوما تو سیتا پرتاپ پر بری طرح برس رہی تھی اور پرتاپ بے غیرتوں کی طرح بیٹھے دیکھ رہا تھا جیسے اس پر دورہ پڑ گیا ہو۔

"کیا بات ہوئی سیتا؟" گرنام نے پوچھا جو سیتا کا چیخنا چھوٹ جانے سے فضول تھا۔

"ذلیل نے میری ران پر چٹکی لی تھی!" سیتا غصے میں آپے سے باہر ہو رہی تھی۔

اس وقت گرنام نے گاڑی سڑک کے کنارے روک دی۔ ... پر چھلانگ کر پرتاپ پر ٹوٹ پڑا۔ اس کی جتنی جتنے بے معنی آوازیں ... اور جب تک وہ مدافعت کے لیے تیار ہوتا میں اس کے جبڑے ... کر چکا تھا۔

"ہٹ جاؤ۔ الگ ہٹو ورنہ میں گولی مار دوں گا۔" ...

اور میں پرتاپ کے بارے میں تحقیق کا لبادہ بکھا جیسے اتر گیا۔

پرتاپ کے اترتے اترتے سیتا نے اس کی پشت پر لات جمائی اور وہ بدحواسی کے عالم میں گرنام کے قریب جا کھڑا ہوا۔

"کیا ہوا تھا؟" گرنام نے اس سے پوچھا۔

"ذلیل رنجیت تو شروع ہی سے مشتبہ تھا۔ وہ تمہاری اور سیتا ..."

پھر سے لگی رہتی تھی جیسے ساری باتیں سمجھ رہی ہو۔" پرتاپ اس کے بعد ... مگر ہر تجربہ کار مرد جانتا ہے کہ کسی غیر لڑکی کو یوں چونکنا عجیب سی بات تھی ... آ رہا تھا۔" اور زبان پر ایک کہ ابھی میں نے اس کی ران پر چٹکی لی اور تم نے دیکھا کر مجھے ... ورنہ تکلیف میں بولی تھی بری کا!"

"بکواس۔ میں تم سے ہی پوچھتی ہوں۔" اس ذلیل آدمی نے سیتا سے نا شائستہ ... مذاق کرنے کی جسارت کی ہے' میں اسے سبق دوں گا!"

"مجھے نا شائستہ مذاق کرتا ہوا تو چٹکی لینے کے بجائے کوئی اور حرکت ..." پرتاپ اپنا جبڑا سہلاتے ہوئے بولا۔ "یہ لڑکی کون ہے؟"

اس کی بات معقول تھی لہٰذا میں نے موضوع بدل دیا۔ "یہ سیتا ہی ہے اس سے فاصلہ رکھ کر بات کرنا ورنہ گردن توڑ دے گی!"

میں نے کچھ تیار رہنا ہے تو خود غصہ آگیا اور اسی بہانے سرگوشی میں اسے اپنے منصوبے سے آگاہ کر دیا اور یوں جیپ کا سفر دوبارہ شروع ہو گیا۔

منزل مقصود قریب آ جانے پر میں نے جیپ کی رفتار سست کروا دی پھر بائیں طرف سڑک سے نیچے کچے راستے پر اترنے کی ہدایت دی۔

کچی زمین پر اترنے کے بعد جیسے ہی جیپ سیدھی ہوئی اس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں زمین پر ٹائروں کے نشان نظر آئے۔ وہ گرنام خوشی سے اچھل پڑا۔

"وہ یہیں آیا ہے۔ ٹائروں کے نشان تازہ ہیں!"

میں دل ہی دل میں اس کی نادانی پر ہنسا۔ یہ نشانات شام کے وقت مسافروں کی آمد و رفت سے بنے تھے اور گرنام یہ نشان دیکھ کر ایسی عقلی فاش بھول کر اس نے پھرتی کے ساتھ جیپ کی روشنیاں گل کر دیں۔

"یہیں جیپ چھوڑ دو' یہیں دو تین فرلانگ پیدل چلنا ہوگا۔ بھوپت کے آدمی یہاں سے وہ بھی ہوشیار ہو جائیں گے!" میں نے تجویز پیش کی۔

جیپ فوراً ہی ایک چٹان کی اوٹ میں روک دی گئی اور ہم چاروں نیچے اتر گئے۔ حالانکہ میری جیب میں بھوپت سے حاصل کیا ہوا بھرا ہوا پستول موجود تھا مگر میں نے تو غیر مسلح ہونے کی بنا پر آگے چلنے سے انکار کر دیا۔

اس پر وہ دونوں مذہب کا شکار ہو گئے۔ تاریکی میں ان کی نظر بچا کر چپ چاپ ... میں نے کسی کو میں ... اور ہم سب کو قدم ملا کر اپنے پیچھے آنے کی ہدایت کی۔ پرتاپ کو سب سے آخر میں آنا تھا۔ وہ مجھے مسلح کر کے ذرا بھی خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھا ... پھر ان کی گھنگور تاریکی میں پہیہ کے علاوہ سیتا بھی ہر لمحہ پرتاپ کے دیواروں کی زد میں تھی اور جانتا تھا کہ ذرا بھی چالبازی کی گنجائش نہ تھی۔

"ہمیں بہت احتیاط سے بے آواز آگے بڑھنا ہے۔" میں نے ان کے اعصاب پر دہشت سوار کرنے کی نیت سے کہا۔ "یہاں سے کئی فرلانگ آگے غاروں میں اس کا مسکن ہے اور ایک اونچے ٹیلے پر ہر وقت مسلح پہرے دار گھومتا رہتا ہے جو ہمیں دور ہی سے دیکھ سکتا ہے!"

"غار؟" گرنام نے حیرت سے کہا۔ "ان ٹیلوں میں غار کہاں سے آ گئے؟" ... سامنے مضافاتی سڑک ... اس علاقے سے واقف تھا۔

پتھر کا لا گیا ہے اس کھدائی کے نتیجے میں گہرے گہرے غار بن گئے ہیں۔" میں نے جلدی سے بات بنائی۔

ہم چاروں رات کے گھور اندھیرے میں چٹانوں سے چپکے قدم بہ قدم آگے بڑھ رہے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں بھرے ہوئے ریوالور تھے جو کسی بھی لمحہ آگ اگلنے کو تیار تھے۔

سنسنی خوف اور بے یقینی کے ساتھ ہم کافی دور تک نکلے چلے گئے پھر اچانک ہی میں نے دبی دبی خوفزدہ آواز میں سرگوشی کی۔ "پیچھے ہٹ جاؤ۔"

اور ہم چاروں بیٹھے کے بل پتھریلی زمین سے چپک گئے۔

"کیا بات ہے؟" گرنام نے آہستہ سے پوچھا۔

"سامنے والے ٹیلے پر میں نے ابھی ایک سایہ حرکت کرتے دیکھا ہے۔" میں نے کہا۔

پرتاپ چونکہ سب کے آخر میں تھا لہٰذا میری اور گرنام کی سرگوشیانہ گفتگو سننے کے شوق میں پیٹ اور کہنیوں کے بل رینگتا ہمارے قریب آ گیا۔

گرنام دبی دبی آواز میں اسے صورتحال سے آگاہ کرنے لگا۔ میرے لیے بہترین موقع تھا۔ ان کے اعصاب پر اس وقت بھوپت سوار تھا' نگاہیں اندھیرے میں آگے مرکوز تھیں اور وہ ہم سے بالکل ہی غافل تھے۔ میں نے خفیف سا ہاتھ ہلا کر سیتا کو اشارہ کیا اور ہم دونوں چیتوں کی طرح بے آواز ان پر ٹوٹ پڑے۔

میں گرنام کی پشت پر سوار ہوا اور سیتا نے پرتاپ کو دبوچ لیا۔ فضا ان کی خوفزدہ چیخوں سے لرز اٹھی۔ میں نے اپنی جیب سے بھوپت کا پستول نکالا اور پل بھر میں ایک ہولناک دھماکے کے ساتھ گرنام کی کھوپڑی کے پرخچے اڑ گئے۔ ادھر سیتا پرتاپ کی پشت پر سوار اس کے بال پکڑ کر بار بار اس کا چہرہ پتھریلی زمین سے ٹکرا رہی تھی۔ اور وہ کسی ذبح ہوتے ہوئے سانڈ کی طرح چیخ رہا تھا۔

میں نے سیتا کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا اور چند قدم پیچھے ہٹ کر پرتاپ کی کھوپڑی میں بھی گولی اتار دی۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ پرتاپ کی مشکل آسان ہو گئی اور ایک بار پھر وہاں گہرا سناٹا چھا گیا جیسے وہاں کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

ان دونوں کے ریوالور اور شناختی کاغذات حاصل کر کے ہم دونوں سرکاری جیپ میں واپس روانہ ہو گئے۔ اس کامیابی پر سیتا بے حد خوش تھی۔

"جب پرتاپ نے چٹکی لی تھی تو تجھے بولنے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے اسے چھیڑا۔

"چلتے چلتے اس نے اچانک چٹکی لی تھی اور چیخ کے ساتھ ہی میری زبان بھی چل پڑی۔ کسی ناگہانی مصیبت کے وقت گونگوں جیسے رونے کا انداز نا ممکن ہے!"

"تو جگہ جگہ میرے لیے دشواریاں پیدا کرتی آ رہی ہے!"

"تو کلا گھورنٹ میرا!"

"تو نے بنارس کی عدالت میں پارس کا نام لے کر بڑا ظلم کیا ہے!"

"میں ایک ہی تو غلطی کی تھی۔ اب کب تک اس کے طعنے دیے جائے گا؟"

وہ فقرہ بار وہ پایا ہے میں پولی اور اپنے اسکرٹ کے دامن سے الجھنے لگی۔

"ایک غلطی!" میں گہرا سانس لے کر بولا۔ "اس ایک غلطی کے نتیجے میں تین خون ہو چکے ہیں۔ اگر تو زبان نہ کھولتی تو کھوجیت، گرنام اور پرتاپ میرے پیچھے نہ لگتے!"

"اور وہ جو تین آدمی تیری لاپروائی سے مرے ہیں!" وہ غصیلے لہجے میں بولی۔

"وہ کون ہے؟"

"دیوان داس! اس کا ساتھی بڈھا اور رشیدے خان!"

"چل حساب برابر ہو گیا!" میں زور سے ہنسا۔ "دراصل اگر مجھ سے پارس پتھر نہ کھویا جاتا تو ان تینوں کی باری نہ آتی۔ گرنام کا وقت پورا ہو چکا تھا۔ انگوٹھی سے پارس کا گرنا تو ان کی موت کا ایک بہانہ تھا!"

شہر کے ایک حصے میں ہم نے جیپ چھوڑ دی جہاں سے سواری مل سکتی تھی۔ جیپ میں ڈھکنوں سے بھرا ہوا بریف کیس بھی موجود تھا۔ ان میں صرف ایک فائل میری ذات سے متعلق تھی جس میں نے وہ ڈھکن تو رکھ لیا اور بریف کیس میں سے باقی فائلیں جیپ میں ڈالیں اور ٹیکسی پکڑ کر [illegible] کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہاں ٹیکسی چھوڑ کر ہم کھوجیت کی رسٹ ہاؤس میں سوار ہوئے اور گاڑی کو جانی بازار کی طرف ڈال دی۔ کھوجی کو وقت دیئے مجھے ڈیڑھ گھنٹہ گزر چکا تھا مگر وہ مقررہ مقام پر ابھی تک ایک پول کے ساتھ کھڑا انتظار کر رہا تھا۔

میں نے اسے گاڑی میں بٹھایا اور دوبارہ اسی ویرانے کی طرف چل دیا جہاں تین تازہ لاشیں موجود تھیں۔

راستے میں مہرشتی کو کوئی سوال کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ [illegible] بات کی اور [illegible] لاشوں کے قریب لے جا کر روک دی۔

"دیکھو مہرشتی! لاشیں دیکھ کر [illegible] آج تو دو لاشیں [illegible] اور شیرے ڈھونڈنے ہی گزر رہے ہیں!"

دونوں لاشوں کے چہرے مسخ ہو چکے تھے مگر میرے حکم پر مہرشتی ڈرتا ڈرتا ان کے قریب گیا۔ ٹارچ کی روشنی میں ان کے چہروں کا جائزہ لیا اور بتایا کہ یہی دونوں اسٹیل ہوٹل میں میری اور کھوجیت کی تلاش میں پہنچے تھے۔

"بڈھے خان کی لاش کا کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"محلے والوں نے اسے دفن کر دیا۔ کل دو سو روپے خرچ ہوئے!"

میں نے پچھلے سے جیب میں [illegible] اور [illegible] جہاں اس کا آقا شاید اس کا منتظر تھا۔

پھر میں نے صورت حال کو پیچیدہ بنانے کے لئے کھوجیت کا پستول [illegible] کی لاش کے قریب ڈالا۔ گرنام کا ریوالور اسی کے قریب پھینکا اور پرتاپ کا [illegible] ہوا اور ساتھ لے کر گاڑی میں آ گیا۔

کاغذوں میں ایسا کوئی ثبوت نہیں رہ گیا تھا جس سے پتا لگے کہ صفدر علی وہاں پہنچا تھا۔ [illegible] تلاش اور [illegible]

بارہ بجی کا کوئی شاہد نہ رہا تھا۔ انڈین سیکرٹ سروس کے دو [illegible] مجھے پہچان اور [illegible] میں پہچان سکتے تھے۔ میرا سراغ پا کر [illegible] حسرت اگلی [illegible] ٹھکانے لگ چکے تھے۔

اب پارس کا موجود نہ ہونا [illegible] جارس کی عدالت کے ریکارڈ [illegible] شاید انڈین سیکرٹ سروس کی چند گنتی [illegible] میری ملکیت تھا۔

مگر گرنام سنگھ کی زبانی اس معاملے کا ایک نیا پہلو سامنے آیا [illegible] اور وہ عقدہ بھی کھل گیا تھا جو مدت سے مجھے پریشان کر رہا تھا۔

دراصل موتی بازار میں [illegible] انڈین سیکرٹ سروس کے [illegible] کسی ناخوشگوار واقعے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ انہیں [illegible] کوئی پارٹی ہندوستان آ رہی ہے جو [illegible] انہوں نے اس پارٹی کے لئے اپنا جال بچھا دیا۔ اور جب ان کی [illegible] میں نے انہیں پارس کے بجائے کیمیا گری کی داستان [illegible] مطمئن ہو گئے اور شاید اپنے مرکز سے ہدایات لینے کی خاطر مجھے چھوڑ دیا [illegible] جال میں پھنسنے سے قبل ہی [illegible] پار کر گیا۔

پھر پارس کے واقعات کے نتیجے میں [illegible] میاں نے [illegible] سیکرٹ سروس کو میری طرف متوجہ کر دیا۔ [illegible] دیکھتے ہی گرنام اور پرتاپ سمجھ گئے کہ صفدر علی وہی شخص ہے [illegible] موتی بازار [illegible] اور بنارس میں [illegible] انہوں نے [illegible] کے تعلق کا بھی سراغ نکال لیا اور کھوجیت کو تلاش کرنے کا [illegible]

بدقسمتی سے [illegible] سیکرٹ سروس والوں کا [illegible] اور وہ حکومت کی جانب سے پارس پتھر کا [illegible] مطالبہ کرتے [illegible] بھی حاصل کر لی۔

اب مجھے صرف ایک ہی خوف تھا، گرنام اور پرتاپ کی لاشیں [illegible] ملتے ہی سیکرٹ سروس [illegible] کے ساتھ میری تلاش میں [illegible] گروہ [illegible] سے مقابلہ [illegible] اور منظم سرکاری تنظیم کے مقابلے میں صرف ایک ہی بات [illegible] کہ ان کے پاس اب کوئی ایسا آدمی نہ تھا جس نے مجھے دیکھا ہو۔ [illegible] میری جو تصاویر [illegible] ہوں گی ان میں میرا حلیہ [illegible] میں جدید [illegible] صفدر علی کے [illegible] محض تصویر دیکھنے والا کوئی بھی [illegible] نہیں کہہ سکتا تھا کہ صفدر علی اور [illegible] ایک ہی شخصیت کے دو روپ ہیں۔

میرے لئے اصل خطرہ [illegible] بنارس میں [illegible] ہوا۔ [illegible] حلیہ [illegible]

[illegible] ہو چکی تھیں تو ایک دوسرے سے آنکھ بچاتے ہوئے شاید [illegible] مینا کی راہیں جدا ہو چکی تھیں [illegible] خوشگوار مستقبل پا سکتے۔ [illegible] مینا سے علیحدگی کا تصور ہی مجھے وحشت سی ہونے لگی۔ میں نے کار چلاتے ہوئے نظریں بچا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ ذہن میں چھپنے والی ان آندھیوں سے بے خبر معصومانہ [illegible] سیٹ سے ٹیک لگائے اونگھ رہی تھی۔

میرا اور مینا کی رفاقت طویل تو نہیں تھی مگر اس مختصر رفاقت کا ہر لمحہ [illegible] میری خاطر اس نے اپنی جنم بھومی کو خیرباد کہہ دیا تھا، اپنی ماں کو [illegible] کے خون میں تنہا چھوڑا [illegible] زندگی کی بنیاد ڈالی۔ مجھے اس طرح ٹوٹ کر چاہا کہ مجھے خود پر ناز ہونے لگا [illegible] عیب اور میری ہر برائی کو یوں محبت سے گلے لگایا جیسے وہ کوئی [illegible] سچائی ہو۔ [illegible] سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی آبرو کے تحفظ میں اس نے [illegible] بھی [illegible]

پھر دل مجھے ملامت کرنے لگا۔ میں آزادی کی خاطر اسے ٹھکرا رہا تھا [illegible] مینا کی قیمت پر آزادی تو کیا زندگی بھی ہیچ تھی!

میں نے کار کی [illegible] پر [illegible]

خلاف توقع [illegible] دکھائی، بلکہ خمار آلود آنکھیں کھول کر [illegible] نظروں سے مجھے دیکھا اور مسکرا کر [illegible] شانے سے لگا دیا۔

ابھی شاید [illegible]

"کیا اب بھی [illegible] ارادہ ہے؟" گاڑی سڑک سے [illegible] مینا بولی۔

"ہاں!" میں نے مختصر سا جواب دیا۔

"کیسے؟" اس نے مجھے تقریباً جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

"ارے [illegible] کیا کر رہی ہے؟" میں اسٹیرنگ سنبھالتے ہوئے [illegible]

میں [illegible] گاڑی رک گئی اور اندھیرے میں مینا کے [illegible]

"میری باری!" وہ [illegible] آواز میں بولی۔ "مار لے ایک گولی [illegible] ایک دن تو مجھ سے اکتا جائے گا [illegible] ہزار لڑکیاں مل جائیں گی۔" یہ کہتے ہوئے [illegible]

میں نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔ میری بات کو سچ سمجھ کر [illegible] مرنے پر آمادہ تھی [illegible]

"ہاں!" [illegible]

گھبرائیں کیوں نہ ہوا وقت بڑا ساتھی چھوڑ گئے تو [illegible] آنکھیں بدل لیتا ہے۔ میں سب سمجھتی ہوں۔ تو نے مجھ سے پیچھا چھڑانے کے بارے میں نہ جانے کتنی بار سوچا ہوگا۔ اگر میرا مقدر یہی ہے تو تیرے ہاتھوں مر کر بھی سکھ ملے گا۔"

اس نے میری کنپٹی پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ میں کھلکھلا اٹھا اور اس مذاق کو فوراً ہی ختم کر دیا۔ "تجھ پر تو ہر بات کا الہام ہوتا ہے۔ بچے تو بتا میں یہاں دوستی کرانے آیا ہوں؟"

میں نے گرنام کی جیب سے حاصل کی ہوئی فائل نکالی اور کار کی اندرونی بتی روشن کر کے اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ اس میں میری گیارہ تصاویر موجود تھیں۔ کچھ [illegible] میری [illegible] میں اتاری گئی تھیں اور دو تصویریں موتی بازار کی تھیں [illegible] بہت سے کاغذات پر میری نقل و حرکت کے بارے میں تفصیلی اطلاعات تھیں ان کاغذات پر جابجا سرخ اور نیلی سیاہی سے لمبے چوڑے نوٹ لکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے دو کاغذات سے مجھے پتا چلا کہ سیکرٹ سروس کو اپنی حکومت کے لئے میری خدمات مطلوب تھیں۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ مجھے گرفتار کر کے حکومت ہند کے سامنے [illegible]

میں نے کار سے باہر نکل کر ان تمام کاغذات کو آگ لگا دی۔ گرنام اور پرتاپ کے شناختی کاغذات بھی ان ہی شعلوں کی نذر کئے اور اس وقت تک کھڑا رہا جب تک سارے کاغذات راکھ میں نہ بدل گئے۔

اس کام سے فارغ ہو کر میں دوبارہ آگے روانہ ہو گیا۔

اگلے روز صبح نو بجے کے قریب ہم قنوج میں داخل ہوئے اور [illegible] میں نے ایک ویران مقام پر [illegible] چھوڑ دی کیونکہ اب جیپ [illegible] خطرے کی علامت تھی۔

قنوج میں میں نے سب سے پہلے گلے میں لٹکایا جانے والا سفری تھیلا خریدا اور بریف کیس سے ساری رقم اس میں منتقل کر لی۔ پرتاپ کا ریوالور اور مینا کے چار کپڑے بھی اسی میں ٹھونس لئے اور دونوں بریف کیس [illegible] بچا کر شہر کے گندے نالے میں پھینک دیئے۔

اس تھیلے سے قطع نظر یہ تھیلا زیادہ معقول تھا اور اس [illegible] کسی جیپ کی خریداری کرتے ہوئے [illegible] کی خریداری ابھی مناسب نہیں تھی۔

شہر میں آوارہ گردی کے دوران میں نے کئی [illegible] کی اور آخر کار ایک جگہ مجھے چار سال پرانی لینڈ روور پسند آ گئی۔ اس کی اصل خوبی یہ تھی کہ اس کا انجن بہت جاندار تھا اور باڈی [illegible] مضبوط [illegible] استعمال کی گئی تھی۔ جیپ میں کیبن کا نہ ہونے کے باعث اتنا طویل سفر خوشگوار [illegible] میرے پاس رقم کی کوئی کمی نہیں تھی مگر خود کو شبہے سے بالاتر رکھنے کے لئے میں نے مول تول میں کافی وقت صرف کیا اور [illegible] میں وہ گاڑی خرید لی۔

رسید پر میں نے اپنا نام سنیل موہن لکھوایا اور رقم کی ادائیگی کے بعد چابی اور رجسٹریشن کے کاغذات لے کر وہاں سے چل دیا۔

کراچی میں اپنا مکان پارک کئے ہوئے مجھے کم و بیش ڈھائی سال ہو گئے تھے۔ اس دوران میں میں نے زندگی کے نت نئے روپ دیکھے تھے، غلطی بھری وجہ سے ترقی کے عروج تک دیکھے مگر آج میں پہلی بار حقیقی معنوں میں ایک نئی زندگی کا آغاز ہوا تھا۔ سید بریانی والا آئی انگریز لیڈر دور میری زندگی میں تھی۔ ایک محروم انسان کے لئے کسی عورت کا حصول کتنا جذبات انگیز ہوتا ہے، اس کا اندازہ مجھے اسی روز ہوا۔ قنوج کی سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے ہوئے میرا دل بھر آیا!

مگر یہ جذباتی اُبال مجھ پر زیادہ دیر طاری نہ رہ سکا۔ اس زمانے میں میرا ہر کام ٹھوس اور مصلحت آمیز ہوتا تھا۔ اب سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ میں نے اپنی ذات پر کیسا سخت اور ناقابلِ رسائی خول منڈھا ہوا تھا۔ عام انسانوں کی طرح میں کبھی جذبات کا شکار نہیں ہوا۔ میرا دماغ ہر مرحلے پر حاوی رہا اور کبھی میرا دل موم بھی ہوا تو بس چند ثانیوں کے لئے۔ اس کے بعد میں وہی صفدر علی ہوتا جو سینے میں پتھر کا دل رکھتا تھا اور ناتا اپنی راہ میں حائل ہونے والی ہر رکاوٹ کو چھوڑے اڑا دینے کی صلاحیت رکھتا تھا جس کے فیصلے فوری اور اٹل ہوتے تھے۔ وہی صفدر علی اب قنوج کی سڑکوں پر رواں تھا۔

پاکستان سے نیپال اور پھر مالیکی پرانی وادیوں تک کا میرا سفر بالکل بے نام سا تھا۔ میں جہاں جانا چاہتا تھا اس کا خواب لے کر کراچی سے نکلا تھا مگر سنسنی، وحشت اور موت کی دہشت سے جب میں نے جہاں اس جستجو کا آغاز کیا میری کایا پلٹ دی۔ آزادی میں بدل گئی۔ میرے حریف اندر ہی اندر پوچھی جانے والی دوستی قیمت پا کر ختم کر دی اور اپنی دانست میں نیپال سے بے خیلی و مرام تک لوٹا تھا۔

مگر قسمت اپنی تمام تر ستم ظریفیوں کے باوجود مجھ پر مہربان تھی۔ میں نے پارس جانا کیا جو ہر دور کی سب سے بڑی دریافت تھی۔ اس سے محروم ہوا اور آخر کار اب پھر اس پر قابض تھا۔ میرے سامنے ایک نئی منزل تھی۔ چھوٹنے والا ہر لمحہ مجھے اس سرحد کے قریب لے جا رہا تھا جس کی دوسری جانب میرا ماضی اپنی تمام تلخیوں اور محرومیوں کے ساتھ دفن تھا، جہاں میں سیتا کے ساتھ اپنا گھر آباد کر سکتا تھا!

"تو کیا سوچ رہا ہے؟" سیتا نے میرے بازو میں چٹکی لے کر مجھے خیالوں سے چونکا دیا۔

"تو نے پہلے بچے کا نام کیا رکھے گی سیتا؟" میں نے شوخ لہجے میں سوال کیا۔

"یہ سوچ رہا تھا تو؟" اُس نے غصے سے پوچھا۔

میں نے مسکرا کر اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"اب صفدر کا بچہ کہوں گی!" وہ دانت پیس کر بولی۔ "تو مجھے کبھی اپنے دل کی بات نہیں بتاتا۔ ہمیشہ ٹال دیتا ہے!"

"اور لڑکی ہوئی تو اسے سیتا کی بچی کہے گی۔ یہی بات ہے نا؟"

میں نے اُس کا آخری فقرہ نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

"میں کتنی دیر سے کیا سوچ رہا تھا تو؟" وہ پا جیسے تنہ سے میرے پیچھے پڑ گئی۔

"مجھے تو ہر بات پہلے سے معلوم ہوتی ہے۔ میں تمہارے ساتھ تمہارے پیچھے پڑا ہوا تھا!"

"تمہارے میں پیچھے کودجاؤں گی!" یہ کہتے ہوئے اُس نے کار کا دروازہ کھول لیا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا اور ہونٹ کانپ رہے تھے۔

"تو بچوں کی طرح ذرا ذرا سی بات پر روٹھ جاتی ہے۔ بند کر لے!" میں نے اُسے پچکار کر کہا۔ "میں یہ سوچ رہا تھا کہ راستے سے ہٹ جانا چاہئے، آگے کئی راستے پڑتے ہیں!"

اُس نے جیپ کا دروازہ بند کر کے قفل لگا دیا۔

"دیکھا، کس طرح دھوکا دیا ... مجھے مرنے سے ڈراتا ہے۔"

"ہاں! ہاں!" میں نے کہا۔ "دنیا کی ہر عورت اپنے مرد کو ڈراتی ہے۔ آخر کو تو بھی تو عورت ہی ہے نا!"

"صفدر! یہ عورت اور لڑکی میں کیا فرق ہوتا ہے؟" اُس نے قریب کھسک کر شوق سے پوچھا۔

"بس شادی کا فرق ہوتا ہے!"

"سمجھ گئی، سمجھ گئی!" اُس نے جلدی سے میری بات اچک لی۔

ہمارا سفر بہت سکون سے جاری رہا۔ میں نے پولیس کی بھاری جمعیت کہیں بھی نہیں دیکھی۔ سیتا ہمکتی ہوئی بے انتہا خوشی سے دمک رہی تھی۔ یوں ہی ہنستے کھیلتے ہم آگرہ پہنچ گئے۔ وہ شہر تاج محل کی وجہ سے بے شمار سیاحوں کا گڑھ ہے۔ یہاں ہر خطّے کا آدمی دیکھنے کو ملتا تھا اور اسی وجہ سے ہمارے لئے بہت گنجائش تھی۔

پچھلی بھاگ دوڑ کا تکان اتارنے کی خاطر میں نے آج یہیں ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا۔ سیتا نے بھی میرے اس خیال کی تائید کی۔ ٹورسٹ ان نامی ہوٹل میں ہم ٹھہر گئے۔

آگرہ میں ہمارا بیشتر وقت ہوٹل میں آرام کرتے گزرا۔ دونوں تھوڑی دیر کے لئے تاج محل اور دوسری یادگاریں دیکھنے بھی چلے گئے تھے۔

میں نے دوسرے ہی روز ایک دکان سے سیتا کے لئے کئی کانٹیکٹ لینس خرید لئے۔ ان میں مجھے مطلوبہ سیاہ رنگ کے لینس مل گئے۔ نیلی آنکھیں سرمئی نظر آنے لگیں، میری دانست میں یہی کافی تھا۔ سیتا کا روپ ان لینسوں کی وجہ سے الجھن ... آنکھیں ان کی عادی ہوتی چلی گئیں۔

آگرہ میں قیام کے چوتھے دن اخبارات نے سنسنی خیز خبر دی۔ جیسے ہی صبح میں نے دیکھا، بڑی خبریں موجود تھیں۔ چودہ پت سیتا چار دن لاشیں شناخت کر لی گئی تھیں مگر پوری خبر میں کہیں بھی کرنا پا اسٹاپ کی سرکاری حیثیت کا تذکرہ نہیں تھا۔ اور نہ کہیں بھی میرا نام آیا تھا۔ سرکاری ذرائع نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا مگر اخبارات نے اپنے طور پر کہانی مکمل کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ بات کوئی راز نہیں تھی کہ چودہ پت غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث رہتا ہے۔ اخبارات کی کہانی میں سارا زور اسی بات پر تھا۔ منشی نے اپنے آقا کو دغا دے کر ہلاک کیا پھر اسی کے آدمیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور سب مارے گئے اور مرتے مرتے گرنام نے منشی کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔ اخبارات کی رائے میں سارا جھگڑا اسی تجوری کے لئے تھا جو چاروں کی ہلاکت کے بعد کسی نامعلوم شخص کے قبضے میں چلی گئی۔ اس رائے کی حمایت میں اخبارات نے ان زیورات کو حوالہ دیا تھا جو لاشوں کے قریب ملے تھے۔

ان لاشوں کی بازیابی کا ردعمل میری توقع کے برعکس بہت شدید اور فوری ہوا کیونکہ اسی شام پولیس کی ایک جماعت ہوٹل میں مقیم سیاحوں کو چیک کرنے آ پہنچی۔ وہ پارٹی میرے کمرے تک بھی آئی مگر بہت خوش اخلاق اور باوقار رویے کے باعث وہ مجھ سے زیادہ سوالات کی جرأت نہ کر سکے اور معمولی سی پوچھ گچھ کے بعد چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد چلے گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد منیجر سراپا ندامت بن کر میرے کمرے میں آیا۔ وہ اُس کی زبانی مجھے پتا چلا کہ پولیس کی بھاری جمعیت پورے شہر میں چیکنگ کر رہی ہے۔ اونچے درجے کے ہوٹلوں میں ٹھہرنے والے سیاح اور مسافر بھی اس چھان بین سے نہیں بچے تھے۔ پولیس کو کسی مجرم کی تلاش تھی جس کا نام بتانے سے وہ گریزاں تھا:

"نام سے تو پولیس والے بھی مجرم تک نہیں پہنچ سکتے!" منیجر نے معذرت قبول کرتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔ "مجرم دنیا کا ہوشیار ہے تو خود کوئی اور نام اختیار کر چکا ہوگا۔"

"پولیس بھی جانتی ہے جناب!" منیجر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "ہم آپ کسی سے ذکر نہ کیجئے گا، انھوں نے مجھے مجرم کی تصویریں دکھائی تھیں۔"

"تصویریں!" میرا دل اچانک کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔

"جی ہاں۔ وہ کوئی جوڑا ہے۔ مرد گنجے سر، بغیر بھنوؤں اور داڑھی والا کوئی پنڈت ہے۔ اُس کی ساتھی سرخ بالوں اور نیلی آنکھوں والی ایک عام لڑکی ہے!" منیجر نے بتایا۔ "انھوں نے پہلے مجھے تصویریں ہی دکھائی تھیں مگر آپ کسی سے ذکر نہ کریں، انھوں نے مجھے راز داری کی تاکید کی تھی۔ وہ دو تصویریں ہر پولیس پارٹی کے پاس موجود ہیں!"

"آپ بے فکر رہیں!" میں نے اسے تسلی دی اور تھوڑی دیر بعد وہ چلا گیا۔

ہم دونوں کی تصاویر کی موجودگی کا مطلب یہ تھا کہ پولیس ٹھیک راہ پر تھی۔ میں نے جیپ میں ملنے والی جو فائل جلائی تھی اس کے علاوہ بھی سیکرٹ سروس والوں کے پاس ہم دونوں کی تصویریں تھیں۔

ہمارا اور سیتا کا حلیہ بالکل ہی بدل چکا تھا۔ انفرادی طور پر ہم سے کسی کا بھی پہچانا جانا ناممکن تھا مگر ایک بات بہت خطرناک تھی۔ حلیوں کی وجہ سے ٹورسٹ ان کا منیجر اور پولیس پارٹی دھوکے کا شکار ہو گئی تھی مگر کمبخت ہم ان کی توجہ سے بچ گئی۔ ہم سمجھ گئے تھے کہ پولیس کو جس جوڑے کی تلاش تھی اس میں مرد مقامی اور لڑکی غیر ملکی نام تھی۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ہم دونوں مجرموں کی طرح پولیس کے ذہن میں موجود تھے۔ مقامی اور سفید فام رنگت کا یہ سنگم ایسا تھا کہ جلد یا بدیر پولیس میری طرف متوجہ ہو سکتی تھی اور پولیس کی تندہی سے یہ ظاہر ہو چکا تھا کہ تصویروں کا بنیاد پر تلاش میں ناکامی کے بعد دو تین ہی روز میں پولیس بڑے پیمانے پر ہر اس جوڑے کو چیک کرے گی جو مقامی مرد اور سفید فام لڑکی پر مشتمل ہو۔ پولیس کے لئے لاکھوں کی آبادی میں ایسے چند سو جوڑوں کو چیک کرنا نسبتاً بہت آسان تھا۔

مزید ایک خرابی یہ تھی کہ چودہ پت کی رہائش گاہ قنوج میں تھی۔ مگر میں اُس کی فرم ٹیٹ بنا کر اسے بند کر دیتا تو اس جلے ہوئے ڈھانچے کو واردات سمجھ کر پارٹی اٹھالے جاتے۔ انھیں دوسرے شہروں تک سپاہی ناکوں کی تلاش کی توقع نہ مجرم کی نوبت ہی نہ آتی جبکہ موجودہ صورت حال میں پولیس بآسانی یہ اندازہ کر لیتی کہ میں قنوج تک ضرور پہنچا تھا اور پھر قنوج سے بھاگ کر میری تلاش پر زور دیا جاتا۔ قنوج سے دو ہی شاہراہیں آگے نکلتی ہیں۔ ایک گنگا کے مغربی کنارے کی آبادیوں کو چھوتی علی گڑھ جاتی ہے، دوسری فرید آباد اور آگرہ کے نواحی علی گڑھ تک جاتی ہے۔ یوں آگرہ، علی گڑھ اور دہلی پر پولیس زیادہ توجہ دیتی کیونکہ علی گڑھ سے آگے قریب ترین بڑا شہر دہلی ہی ہے۔

میرے لئے اب اپنی حکمت عملی پر نظرثانی ضروری ہو گئی تھی۔ پولیس کی آمد کے فوراً بعد ٹورسٹ ان کو خیرباد کہنا مشکوک ہوتا لہٰذا میں نے بڑے اضطراب کے عالم میں وہ دن کمرے میں محدود ہو کر گزارا اور اگلی صبح ہم نے ہوٹل چھوڑ دیا۔

سیتا خاصی دور کی کسی نشستوں کے درمیان چھپ گئی اور میں ونس دئے آگرہ سے روانہ ہو گیا۔ متھرا اور علی گڑھ کے راستے میں بڑھتا چلا گیا کیونکہ دہلی اب میرے لئے زنداں ہی ثابت ہوتا۔ علی گڑھ سے آگے خورجہ اور سنبھل ہوتے شام سے پہلے پہلے ہم بابڑ جا پہنچے۔ یہ ہندوستان کا ایک چھوٹا سا غیر معروف شہر ہے۔ یہاں ایک ہوٹل سے میں نے خورد و نوش کا کچھ سامان بندھوایا اور آگے چل پڑا کیونکہ دن کے مسلسل آرام کے بعد میں طویل ڈرائیونگ کرنے پر بھی تو میرے اعصاب شل ہو گئے مگر اب غفلت مہلک ہو سکتی تھی۔ مجھے ہر قیمت پر اپنا سفر جاری رکھنا تھا۔

شام کے دھندلکے میں بابڑ اور میرٹھ کے درمیان کھیتوں میں ایک جگہ میں نے اور سیتا نے سیر ہو کر کھانا کھایا، پھر اس سے گرم گرم چائے معدے میں

انڈیلی اور میں نے سگریٹ سلگا کر ریڈیو دوبارہ آگے بڑھا دی۔

میرٹھ نہایت کشادہ، صاف ستھرا اور پرسکون شہر ہے، ہم رات کے تقریباً نو بجے بیٹھے میں داخل ہوئے تو وہاں ہر طرف سناٹے کا راج تھا۔ میں نے سیتا کو عقبی حصے سے نیچے بڑا سہارا دیا نشست پر بٹھا دیا۔

وہ ساری رات ہم نے سفر میں گزاری۔ مظفر نگر، پانی پت، کرنال اور بے شمار چھوٹے چھوٹے دیہات پیچھے بعد دیگرے گزرتے رہے اور اگلی رات گیارہ بجے ہم شرقی پنجاب کے شہر انبالہ میں جا پہنچے۔

چھتیس گھنٹوں کی مسلسل ڈرائیونگ نے مجھے بے حال کر دیا تھا، مسلسل بیٹھے بیٹھے میرا جوڑ جوڑ دکھنے لگا تھا، آنکھوں پر ورم آ گیا تھا اور سوزش سے شدید تکلیف ہو رہی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ اب آرام نہ کیا تو راستے میں کوئی خطرناک حادثہ پیش آ سکتا ہے کیونکہ ان راستوں پر رات کے وقت مال بردار ٹرکوں کی تیز روشنیاں مخالف سمت سے آنے والی چھوٹی گاڑیوں کے ڈرائیوروں کو تقریباً اندھا کر دیتی ہیں جبکہ میرے اعصاب ان کی روشنیوں کے جواب دے چکے تھے۔

انبالہ دور اور پار ہوٹل او سطاً درجے کا صاف ستھرا رہائشی ہوٹل تھا۔ اس کے سکھ منیجر نے بڑے اخلاق کے ساتھ ہمارا استقبال کیا اور ہم اپنے کمرے میں پہنچتے ہی گہری نیند سو گئے۔

مجھے سوئے نہ جانے کتنی دیر گزری تھی کہ اچانک کسی نے پوری قوت سے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا، میری آنکھیں کھولنا ابھی مشکل ہو رہا تھا پھر میرے کانوں میں نقاروں کا شور گونجنے لگا اور میں ہڑبڑا کر بستر سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"باہر کوئی ہے!" سیتا نے میرے کان کے نیچے سرگوشی کی اور اب میں نے غور کیا تو واقعی کوئی دروازے پر دستک دے رہا تھا۔

"کون ہے؟" میں نے غنودگی اور جھنجھلاہٹ کے عالم میں سیتا سے پوچھا۔

"پتہ نہیں کون ہے۔ کافی دیر سے دستک دے رہا ہے!"

میں نے میرے کان کھڑے ہوئے اور یک بیک ساری غنودگی کافور ہو گئی۔ "تو کون ہے۔ کیا دیر ہوئی؟" میں نے اس سے پوچھا۔

اس نے زور سے اثبات میں سر ہلایا اور میرے اشارے پر جا در اوڑھ کر بستر پر لیٹ گئی۔

"کون ہے؟" میں نے بوجھل مگر اونچی آواز میں پوچھا۔

"دروازہ کھولیں۔ پولیس!" باہر سے آواز ابھری اور یکایک میرا دل ڈوبنے لگا۔

اپنے اوسان برقرار رکھتے ہوئے میں نے دروازہ کھول دیا۔ باہر منیجر ایک سب انسپکٹر اور ہیڈ کانسٹیبل کے ہمراہ موجود تھا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے بیزار اور چڑچڑے لہجے میں پوچھا۔

"ہمیں آپ سے کچھ سوال کرنے ہیں!" سب انسپکٹر نے نرم لہجے میں کہا۔

"کیا اس شہر میں صبح طلوع نہیں ہوتی جو آپ اس وقت تشریف لائے ہیں؟" میں نے رسٹ واچ دیکھتے ہوئے زہریلے لہجے میں کہا۔ میری رسٹ واچ اس وقت رات کے سوا دو بجا رہی تھی۔

"سرکاری فرائض دن اور رات کے پابند نہیں ہوتے جی!" سب انسپکٹر ناگواری سے تیوری پر بل ڈال کر بولا۔

"فرمائیے۔ میں آپ کی کیا خدمت کروں؟" میں نے چبا چبا کر بولنے والے لہجے میں کہا۔

"آپ کا نام؟" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"عقیل مرزا!" میں نے جواب دے کر سکھ منیجر کی طرف دیکھا جو ہمیں بتا سکتے تھے۔ "تمہارے رجسٹر میں اپنا پورا شجرہ لکھ کر دیا تھا۔"

"جناب میرا قصور تو اتنا ہے کہ میں نے تھانے میں آپ کی آمد کی اطلاع دی تھی!" منیجر گھگھیایا۔

"کیا میں صورت سے تمہیں چور، ڈاکو، خونی لگتا ہوں!" میرا تفرو ... تھا۔

پولیس کے ساتھ میرا یہ رویہ بہت مناسب تھا جس کے بغیر وہ با وردی سرکاری اہلکاروں کے سامنے اتنی دیدہ دلیری نہیں دکھا سکتا۔ اسی بات نے سب انسپکٹر کو مطمئن کر دیا۔ منیجر کو میرے غصے کے بعد وہ معذرت آمیز لہجے میں بولا۔ "منیجر بے قصور ہے عقیل صاحب! ... طرف ہوٹل کی انتظامیہ کو حکم ہے کہ دیسی مرد اور غیر ملکی لڑکی جوڑے کی آمد سے فوری تھانے کو فوراً باخبر کیا جائے ...."

"تاکہ انہیں پھانسی پر لٹکایا جا سکے!" میں نے چبا چبا کر اس کی بات کاٹ دی۔

میری اس بات پر وہ انسپکٹر بے اختیار مسکرا دیا۔ "آپ لاہور سے آ رہے ہیں؟"

"جی ہاں!" میں نے غصے سے جواب دیا۔ "میرا نام عقیل مرزا ہے اور میری تمام تر شناخت یہاں لائی ہے۔ چنانچہ مطابق سیتا رنجیت بھی آئی ہے جو میری ساتھی لڑکی ڈیفنی شہزادی ہے ...... اس کے ساتھ سامان کے ساتھ چوری ہو گئے اور وقت گزاری کے لیے میں نے اس لڑکی کو اپنے ساتھ لے لیا۔ اب مجھے سونے کی اجازت ہے؟"

ہیڈ کانسٹیبل میرے چہرے سے محفوظ ہو رہا تھا جبکہ زیر لب مسکرائے جا رہا تھا۔ یہی حال سب انسپکٹر کا تھا مگر اس کی مسکراہٹ میں تسلسل نہیں تھا۔

"بہت بہت شکریہ۔ اب آپ آرام کر سکتے ہیں!" سب انسپکٹر نے کہا اور میری جان میں جان آئی۔

"میں صبح ہوٹل چھوڑ دوں گا" میں نے منیجر سے کہا۔ "میرا بل تیار رکھنا!"

"میرا مشورہ ہے کہ آپ ہوٹل تبدیل نہ کریں عقیل صاحب!" سب انسپکٹر کا لہجہ دوستانہ تھا۔ "آپ دوسرے ہوٹل میں گئے تو وہاں بھی پولیس آپ کو زحمت دے گی۔"

"مشورے کا شکریہ!" میں نے کہہ کر دروازہ بند کر لیا۔

جب پولیس والے باہر چلے گئے تو سیتا نے مصنوعی بہادری سے ہاتھ اٹھا کر چادر اپنا چہرے سے ہٹا دی اور ہنستی ہوئی بولی۔ "چلے گئے؟ کون تھے وہ لوگ؟"

"پولیس!" میں نے اس کے کان کو چھو کر کہا۔ "اس وقت ہم ذرا یہاں کے بہاری اور تمہاری تلاش میں پولیس والے بیچ کے چوٹی تک کریں۔"

"میں بہت گھبرا گئی تھی!" وہ ایک دم اداس ہو گئی۔

"ہم میں سے ایک مزدور ہے!" میں بستر پر دراز ہوتے ہوئے بولا۔ "اگر میری بیوی سفید داڑھی کالی ہو جائے تو کوئی ہماری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا!"

وہ شرمیلے انداز میں مسکراتے ہوئے میرے پہلو میں دراز ہو گئی۔

"سینڈی!" کچھ دیر بعد سیتا کی دھیمی سی آواز ابھری۔ "کیا تمہیں نیند نہیں آ رہی؟" میں نے سر گھما کر پوچھا۔

"تو کس بستی میں گھر بسائے گا؟" اس نے سوال کیا۔

"کیا مطلب؟"

"یہاں تو بستی کا نام ہوتا ہے نا، تیری بستی کا نام کیا ہے؟" اس کی معصوم آواز میں ایک عجیب سی تڑپ تھی۔

"وہ ہے لاہور!" میں نے اسے جواب دیا۔ "ان دنوں میں سے کسی شہر میں اپنا گھر آباد کریں گے۔ لاہور میری جائے پیدائش ہے، میری ماں، میرے بھائی، میرے سب گھر والے لاہور ہی میں بستے ہیں۔ میں تجھے مال روڈ دکھاؤں گا، انارکلی کی تنگ گلیوں اور کشادہ دکانوں کی سیر کراؤں گا!" لاہور کا ذکر آتے ہی میرے دل میں ایک لاوا سا ابل پڑا۔ "چوبرجی، شالامار، بادشاہی مسجد، داتا دربار، شاہی قلعہ، لارنس گارڈن، شالیمار باغ، ناگنے شمشی کے ہاتھ پھیلائے شمیتیوں میں نہانے لگا میں .... لاہور دیکھ کر تو پاگل ہو جائے گی سیتا۔ وہاں میری بھابھی اور بہن نے تو مجھے نئی زندگی دی تھی۔ اونچی اونچی عمارتوں کے سائے میں لاکھوں انسانوں کا وہ شہر بھی عجیب ہے جہاں سمندر کی لہریں ... روشنی دیکھتے ہی آرزو بن کر ساحل پر اپنا دم توڑ دیتی ہیں۔ میں تجھے تیرنے والے جہاز دکھاؤں گا۔ یہ چھوٹے چھوٹے شہر اپنی ہی دنیا رکھتے ہیں۔ وہاں کلفٹن ہے، بڑی بڑی تفریح گاہیں ہیں .... سب حال کی آخری رہتے ہیں۔ مجھے بیں تو سانسے جہازوں کے سائرن اور مچھیروں کا آواز سے جاگ اٹھتے ہیں۔ وہ منظر جاتا ہے۔ نیرنگئے سائرنوں کے ساتھ میں تجھے سب دکھاؤں گا سیتا، یہ سب دکھاؤں گا۔"

"وہ ہے کراچی!" سیتا نے آہستہ سے زیر لب دہرایا جیسے یہ نام یاد کر رہی ہو۔ "بچے وہاں سا شہر آپ کے لیے ان میں سے ہے؟"

"لاہور!" میں نے کہا۔ "وہاں سے لیکن ایک دن کی مسافت پر ایک شہر ہے جس کے سمندر کنارے بکھرا ہوا ہے۔" سیتا محبت کے ساتھ میرے بالوں میں محبت بھری انگلیاں پھیرتی ہوئی نرم بانہوں میں سمیٹ کر میری محبت بھری انگلیاں میں نیند میں ڈوب گیا۔

اس رات میں ذہنی طور پر لاہور اور کراچی میں گھومتا رہا۔ سیتا کی باتوں میں باتیں ڈالے میں ان دونوں شہروں کا چپہ چپہ دیکھا۔

میں بیدار ہوا تو دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ میں نے سیتا کو آواز دی مگر جواب ندارد۔ پھر میں نے سر کی جانب کروٹ لی تو تکیہ اور بستر خالی پڑا ہوا تھا۔ میں نے دوبارہ اسے پکارا، میرے لاشعور سے خوف کی ایک لہر ابھری اور پورے وجود میں سرایت کر گئی۔ میں نے لپک کر باتھ روم دیکھا، مسہری کے نیچے تلاش کیا مگر سیتا کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

میرے کانوں میں سیٹیاں سی گونجنے لگیں۔ سیتا بہت نادان تھی، میری اجازت کے بغیر وہ ہوٹل کے کمرے سے قدم بھی نہیں نکالتی تھی مگر اب وہ لاپتہ تھی۔

لباس تبدیل کر کے میں نیچے پہنچا۔ دربان سے دریافت کیا، استقبالیہ کلرک سے پوچھا مگر سب نے سیتا کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔

جوں جوں سیتا کی تلاش میں ناکامی کا احساس بڑھ رہا تھا، مجھے اپنی ساری توانائی اور صلاحیتیں زائل ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔

میں نے ہوٹل میں اپنا سامان اٹھایا اور وہاں سے نکل گیا۔ سارا دن میں پاگلوں کی طرح انبالہ شہر میں بھٹکتا رہا مگر مجھے سیتا کا سایہ تک نظر نہ آیا۔ شام ڈھلے میں آخری امید لیے ہوٹل پہنچا تو وہاں کوئی اچھی خبر نہ ملی۔ سیتا کبھی نہ لوٹی تھی۔ میرے دل و دماغ پر اداسی نے ڈیرے ڈال دیے۔ میں شکستہ دل اپنے کمرے میں پہنچا اور تکیے میں منہ چھپا کر بلک کر رو دیا۔

اس روز میں زندگی میں پہلی بار آواز اور ہچکیوں سے رویا۔ میرے دل کا غبار کسی طرح صاف نہیں ہو رہا تھا۔ زندگی بے کیف اور بے رنگ نظر آنے لگی تھی۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ سیتا مصیبت میں ہے ورنہ تا دم واپس آجاتی۔ کبھی مجھ سے دور نہ رہتی۔ اسے تو میرے قریب رہنے کا جنون تھا۔ وہ مجھے تنہا چھوڑ کر میری بے خبری میں کہاں جا سکتی تھی!

وہ پوری رات میں نے سیتا کی یاد اور فراق میں جاگتے گزار دی۔ راہداری میں ابھرنے والی ہر آہٹ پر میرے دل میں امید کی چنگاری بھڑک اٹھتی اور آہٹ معدوم ہونے کے ساتھ ہی راکھ ہو جاتی۔

اگلے روز مجھ سے صبر نہ ہو سکا۔ میں نے ہوٹل کو خیرباد کہا اور خالی الذہنی کے عالم میں ایک طرف روانہ ہو گیا۔

شعوری طور پر میں نے کئی مرتبہ شہر سے نکلنے کی کوشش کی لیکن لاشعور مجھے اسی شہر کی سڑکوں پر بھٹکاتا رہا۔ جب ہر زرد قامت، گوری اور گوری لڑکی کو غور سے دیکھتا تھا۔ مجھے نہ جانے کیوں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سیتا کسی بھی لمحہ اچانک میرے سامنے آ جائے گی۔

کاتب تقدیر نے میرے نصیب میں گردش ہی گردش لکھی تھی۔ سیتا میرے ہمراہ آئی تو پارس مل گیا۔ پارس ملا تو اب سیتا روٹھ گئی۔ ایک خوشی نصیب ہوتی تھی تو دوسری جاتے کئی اور درد ناک حادثہ اس خوشی کو بھولا ہوا خواب بنا رہا تھا

شاید یہی وجہ تھی کہ میں نے مجبوراً تمام حلقوں کی مدد لینے کا ارادہ کر لیا۔ میں اس قدر مجبور تھا کہ سیتا کی تلاش میں قانون کی دہلیز پر دستک بھی نہیں دے سکتا تھا۔ اس لیے وقار مرزا جیسے پر زیر اثر کوئی ٹھکانا تھا، سیتا کا کوئی نشان ملنے کی امید بھی نہیں تھی۔ بد نام ٹھکانوں کا سراغ پانا میرے لیے مشکل تھا۔ آخر مجبوری کے عالم میں، میں نے ایک بار پھر اس ترکیب پر عمل کرنے کی ٹھان لی۔

جیب میں معقول رقم لے کر جب میں ایک تانگے میں سوار ہوا تو جوان سال کوچوان نے عزیزی بنیالی میں منزل کا پتا پوچھا۔

"کسی اچھی جگہ لے چلو۔" میں نے بے دلی سے کہا۔

"بازار ۔۔۔ بازار چلنا ہے یا پرائیویٹ ٹھکانے لے چلوں؟" اُس نے ذرا جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

"بازار چلو۔" میں دل پر جبر کر کے مسکرایا۔

تھوڑی ہی دیر میں پائل اور چوڑی کا شور سنائی دینے لگا۔ میں نے تانگہ وہیں رکوایا اور کوچوان کی مزید رہنمائی قبول کیے بغیر بازار حسن کی گلیوں میں کھو گیا۔

وہ بازار حسن قطعی میری سمجھ میں نہ آ سکا۔ دو منزلہ، سہ منزلہ مکانوں میں دریچوں کے پیچھے ایسے ایسے سراپا نظر آتے کہ نگاہ ٹھہرنے سے ڈرتی۔ سجاوٹ اور بکھیرے نقوش، کڑھت کے گہنے اور تانپورے کی آواز۔ یہاں سب کچھ تھا، لیکن آنکھوں میں حیا نہیں تھی۔ بکھری اور بکھری نسوانی ہنسی ہر طرف بکھری ہوئی تھی اور میں بھی اُن کی نگاہوں کی زد میں آتا چلا گیا۔

میرے انداز میں اضطراب، چال میں بے یقینی اور نگاہوں میں ایسی بے چینی تھی کہ ایک دہیڑ عمر کا دلال تیزی سے میرے قریب آ کھڑا ہوا۔ میں ان دنوں میں راہ کا ساتھی بن گیا جو نئے آنے والوں کی تاک میں رہتے ہیں اور ایسی ہی حرکات کو دور سے سونگھ لیتے ہیں اور صرف اسی پر ہاتھ ڈالتے ہیں جن سے کچھ ملنے کی امید ہو۔

"باؤ! جلدی بڑی گڑوی ہے!" وہ میرے قریب آ کر بولا۔

"ہاں!" میں نے بیس روپے اُس کی مٹھی میں دبا دیے اور وہ میرا ہاتھ تھام کر ایک تاریک گوشے میں لیتا چلا گیا۔

"ایک لڑکی میری عزت کو بیس ہزار روپے لے کر بھاگی ہے۔" میں نے اُس سے کہا۔ "مجھے اسی کی تلاش ہے۔"

"بیٹھ وہاں ایسا نہیں کرتیں باؤ۔" وہ بولا۔ "کوئی شوقین ہوگی۔ ان بیچاریوں کا تو روزگار یہی دھندا ہے۔ گاہک کی چوری کرتیں تو دھندا ہی ختم ہو جاتا ہے۔"

"میں یہ نہیں کہتا۔" میں نے اپنی بات کی وضاحت کی۔ "میں اُسے ڈھونڈنے کے دو ہزار روپے دینے کو تیار ہوں، مجھے آدمی چاہئیں۔"

"دو ہزار!" اُس کی آنکھوں میں حریصانہ چمک عود کر آئی۔ "جگا اُستاد آج کل بھی نکال لے گا۔ چلو اس سے بات کر لو۔"

جگا اُستاد اسی علاقے میں دیسی شراب اور افیون کا کاروبار کرتا تھا۔ خاصی آن بان اور ہیبت والا آدمی تھا۔ بھنگ چرس کا ماہر بھی۔ وہ کیچ بیٹھے دکان سے باہر چارپائی پر بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ میرے والے نے دور ہی سے آواز لگائی۔ "اُستاد! مہمان لایا ہوں!"

"آ جا بھائی ۔۔۔ اِدھر بیٹھ جا۔" جگا نے حقے کی نے چھوڑ کر میرے لیے جگہ بنائی۔

میری درخواست پر جگا نے اپنے تمام خوشامدیوں کو بھگا دیا۔ میں نے مناسب الفاظ میں اُسے اپنے مسئلے سے آگاہ کر دیا۔

"ہوں ۔۔۔ بیس ہزار روپے لے کر بھاگی ہے!" جگا نے کش لے کر کھانستے ہوئے کہا، پھر سوال کیا۔ "کہاں سے اُٹھائی تھی؟"

سیتا کے بارے میں گفتگو سخت ذلت آمیز تھی مگر میں نے بہت کچھ کہا۔ "میری اپنی بیوی یا بہن کی تلاش کے لیے لوگ غنڈوں کی مدد نہیں لیتے۔"

"مگر دوستے کے پاس سے لے گیا تھا گوری لڑکی تھی!" اس نے پوچھا۔

"غیر ملکی؟" اُس نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں!" میں نے کسی بدترین تبصرے کی توقع کرتے ہوئے جواب دیا اور سیتا کا حلیہ بھی دہرایا۔

"پھر ٹھیک ہے۔ یہ دھندا چلتا ہے اور یہاں کی لڑکیاں بھی تو ہیں۔ کوئی ٹھکانے والی دیسی چھوکری بھی تو لا کر بیچ جاتی ہے۔ ہمارا اصول یہی ہے جیسا کہ مجھی کو پتہ ہے، چھوکری اپنے سے دیکھو!"

"تو اُسے تلاش کر دو گے؟"

"ہاں ۔۔۔ چار ہزار لوں گا؟" وہ غور سے میری طرف دیکھنے لگا۔ "ایک ہزار نقد، تین لڑکی ملنے کے بعد!"

"منظور!" میں نے جیب سے ہزار روپے نکال کر اُسے پکڑا دیے۔

"لڑکی کہاں بھاگی ہے؟" جگا نے رقم گنتے ہوئے جیب میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

یہ سوال خاصا ٹیڑھا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا۔ "میں ہو آیا ہوں۔ اسی چارپائی پر بیٹھا ہوں، تم لڑکی کو کسی بھی طرح ڈھونڈ لو!"

"میں ملتا ہوں انہیں، کیا پتا ملتی ہے تو کل شام تک مل جائے گی۔"

میرے لیے یہ سودا برا نہیں تھا۔ میں وہاں سے واپس چلا آیا۔ لینڈ روور اسی طرف کھڑی تھی۔ راستے میں، ڈھیلی ڈھالی حالت میں، ورنہ پوشیدگی کراس برسی کا باقاعدہ امکان تھا۔

میں جب کام مکمل کر کے واپس ہوٹل پہنچا تو جگا نے مجھے بیچنے کی خوشی کرنی ہے اور شہر کی خبریں ملی ہیں تو صبح سے پہلے پہنچا دو۔ ہوٹل بند ہونے کے وقت جگا نے مجھے وہی جگہ دکھائی تھی۔ خیر، پانی دیوار کے سہارے نکالی اور دری بچھا کر نیم دراز ہو گیا۔

دوسری رات میں نے بستر میں بیٹھ کر گزاری۔

وہاں آیا اور بتایا کہ ابھی تک لڑکی کا سراغ نہیں مل سکا۔ میری سرخ آنکھیں دیکھ کر اس نے مجھے دکان کے عقبی حصے میں بھیج دیا۔

"اُدھر جا کر سو لے، کوئی خبر آئی تو اٹھا لوں گا۔"

دن گزرا، شام ڈھلی، پھر رات بھی آئی اور جگا نے اپنی ناکامی کا اعتراف کیا۔ "سب جگہ ڈھونڈ لیا، پورا شہر چھان مارا مگر تمہاری بتائے حلیے کی لڑکی کہیں بھی نہیں مل سکی۔"

بالآخر مایوس و نامراد وہاں سے لوٹ آیا۔

سیتا کی تلاش میں جگا کے آدمیوں کی ناکامی نے مجھے سخت مایوس کیا۔ میرا اب انتظار کرنا بےکار تھا۔ اخباروں میں بھی کوئی ایسی خبر نہیں آئی تھی جس سے یہ ظاہر ہو کہ سیتا پولیس کے ہاتھ لگ گئی ہے۔ اس کی جانب سے میں مکمل طور پر مایوس تھا۔

سیتا کے یوں لاپتہ ہو جانے پر میرے قوی مضمحل ہو گئے تھے۔ اضطرار اور روحانی تھکن میں، میں نے لینڈ روور ایک بار کے سامنے روک دی۔ اس سے قبل میں نے شراب ترک نہیں کی تھی، مگر کبھی کبھار صرف سرور کے لیے پیتا تھا، مگر اس رات تو شراب میں ڈوب جانے کو جی چاہتا تھا۔ پے در پے جام معدے میں خالی ہوتے گئے، ماضی کا بلاوا آتا رہا، مگر سیتا کا تصور ذہن سے چپکا ہوا تھا۔

جب میں نے پانچویں پیگ کا آرڈر دیا تو بیرے نے غور سے میری طرف دیکھا۔ کاؤنٹر پر جا کر چیف بارٹنڈر سے کچھ گفتگو کی اور جب وہ شراب لایا تو اس کی کاٹھ کا انداز بدلا ہوا تھا۔

میں نے بیرے کو بلایا تو وہ کچھ سہما ہوا تھا۔ "چیف بارٹنڈر کو بھیجو!"

میں نے ہاتھ ہلا کر اسے ہدایت دی اور وہ فوراً ہی لوٹ گیا۔

"دیکھیں، پانی ملانے کی ضرورت نہیں، جب چڑھنے لگے گی تو میں خود اُٹھ جاؤں گا!" میں نے چیف بارٹنڈر سے آہستگی سے کہا۔

میرا لہجہ ظاہر ہے بری طرح کھولا ہوا تھا۔ "معاف کیجئے گا جناب، بہت سے لوگ زیادہ پی کر ہنگامہ کھڑا کر دیتے ہیں۔ بعض کرم فرما تو اپنے قدموں پر چل کر باہر جانے کے قابل بھی نہیں رہتے۔ ہم گاہکوں کے مفاد میں ہی پانی ملاتے ہیں۔"

"اپنا مفاد مجھے زیادہ عزیز ہے!" میں نے کہا اور وہ ہاتھ کو خم دے کر چلا گیا۔

باہر سے تکوں کے بھونے جلنے کی اشتہا انگیز خوشبو آ رہی تھی اور میں آہستہ آہستہ شراب خوری کے ساتھ شکم میری کرتا رہا۔

رات گیارہ بجے شراب خانے میں صرف میں رہ گیا تھا۔ وہاں لوگوں میں بارہ بجے کا رجحان زیادہ نہیں تھا۔ بیرے نے مجھے بوتلیں مزید خرید کر دیں۔ مجھے جب یہ محسوس کیا کہ اب انتظامیہ بار بند کرنے کی تیاری کر رہی ہے تو بل ادا کر کے باہر آ گیا۔

رات کی خنک ہوا جیسے ہی میرے چہرے سے ٹکرائی تو میرے دماغ میں گرد گردی سی پھیل گئی اور میں ہوتے ہوئے لڑکھڑانے لگا۔

لینڈ روور اسٹارٹ کر کے وہاں سے میں روانہ ہوا تو میں بڑی حد تک حواس میں تھا اور فیصلہ کر چکا تھا کہ اب اس شہر خرابات کو خیرباد کہہ دوں گا۔

گاڑی تیز رفتاری سے شہر سے نکلی اور شاہراہ پر آ گئی۔ میں نے سنگ میل دیکھتے ہوئے اسٹیرنگ لاہور کی سمت میں کاٹ لیا۔

کھلی سڑک پر ٹھنڈی ہوا کے جھونکے سرور میں اضافہ کر رہے تھے۔ میرے حواس ابھی معطل نہیں ہوئے تھے مگر میں محسوس کر رہا تھا کہ تھوڑی دیر بعد ذہنی طور پر بالکل ناکارہ ہو جاؤں گا کیونکہ سامنے سے جب بھی کوئی گاڑی تیز روشنیوں کے ساتھ آتی، میرا ہاتھ اسٹیرنگ پر بہکنے لگتا اور زبان سے غیر ارادی طور پر غلیظ گالیاں اُبلنے لگتیں۔

اپنی حالت کا اندازہ کرتے ہوئے میں نے ویران شاہراہ پر ایک جگہ گاڑی بند کر دی، چابی جیب میں ڈالی اور سر اسٹیرنگ پر ٹکا کر زور زور سے گانے لگا۔

مجھے اتنا یاد ہے کہ میں گانے کے بولوں میں زبردستی سیتا کا نام شامل کر رہا تھا کہ اچانک ایک زوردار دھماکا ہوا اور فوری طور پر میرا ذہن تاریکی میں ڈوب گیا۔

مجھے ہوش میں لانے کا باعث سارے بدن اور سر میں اُٹھنے والی شدید ٹیسیں تھیں۔ جب میں نے آنکھیں کھولیں تو خود کو ہسپتال کے بستر پر موجود پایا۔ میرے گرد کئی نرسیں، ایک ڈاکٹر اور دو پولیس افسران موجود تھے۔

"مجھے کیا ہوا؟ میں کہاں ہوں؟" میں نے بستر سے اُٹھنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

"لیٹے رہیں، آرام سے لیٹے رہو۔" ڈاکٹر نے جلدی سے میرے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "تمہارے سر اور ہاتھوں پر خاصے زخم آئے ہیں۔"

"کیسے؟ یہ زخم کیسے آئے؟" میرے ذہن پر اب بھی دھند سی چھائی ہوئی تھی۔

ڈاکٹر کا اشارہ پا کر ایک پولیس افسر میرے قریب آ گیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ "تم کیسے ہو صفدر علی؟"

"بہت تکلیف ہے!" میں نے کہا، پھر اچانک میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا۔ "میں تو سنیل بنا ہوا تھا۔ پولیس افسر نے مجھے صفدر علی کیوں کہا؟"

"تم شراب پی کر اپنا لینڈ روور ویران سڑک پر کھڑی کیے ہوئے تھے کہ پیچھے سے ایک ٹرک تمہاری گاڑی سے ٹکرا گیا۔ تم جلد ہی ٹھیک ہو جاؤ گے!" پولیس افسر مجھے تسلی دے رہا تھا۔

"مم ۔۔۔ مگر میں صفدر علی نہیں، سنیل ہوں، سنیل بوٹن!" میں نے کمزور آواز میں احتجاج کیا۔

"ذہن پر زور مت دو!" وہ مسکرا کر بولا۔ "مجھ سے غلطی ہو گئی، تم سنیل ہی ہو!"

"اور سیتا کہاں ہے؟" ذہن کی تاریکی کے باوجود یہ سوال میری زبان سے نکل ہی گیا۔ اس وقت نہ زبان میرے قابو میں تھی نہ اعصاب۔

"وہ بھی آ جائے گی۔ تم آرام کرنے کی کوشش کرو۔"

میری آنکھوں پر بہت زور پڑ رہا تھا میں نے آنکھیں موند لیں اور چند ہی ثانیوں میں غافل ہو گیا۔

تیسرے روز میں اس قابل ہو سکا کہ اپنی حالت اور نئے حالات کے بارے میں کچھ سوچ سکوں میرے پاس جو ادھیڑ عمر نرس مامور تھی وہ بہت نرم خو اور شفیق تھی۔ اس نے بتایا کہ جب میں ہسپتال لایا گیا تو اسی نے مجھے فرسٹ ایڈ دی تھی۔

"تم شاید اسٹیئرنگ پر سر اور کہنیاں ٹکائے ہوئے تھے" میرے استفسار پر اس نے بتایا "تمہارے سر اور پیشانی اور کلائیوں پر گہرے زخم آئے تھے۔ ٹرک کا ڈرائیور اور کلینر ٹرک چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ تمہیں ایک راہگیر نے بے ہوشی کی حالت میں یہاں پہنچایا۔ تمہارے سر اور پیشانی کے زخموں سے شیشے کی کرچیاں نکالنے کے لئے آپریشن بھی کرنے پڑے تھے۔"

"مگر سسٹر!" میں نے اس سے پوچھا "پرسوں ایک پولیس افسر مجھے صفدر علی کہہ رہا تھا جب کہ میرا نام سہیل ہے!"

وہ میٹھے انداز میں مسکرائی "ہمیں ہر حادثے کی صورت میں پولیس کو بھی مطلع کرنا پڑتا ہے جب آپریشن کے لئے تمہارے سر اور بھنوؤں کے بال صاف کئے گئے تو تھانے سے آنے والا کانسٹیبل چونک پڑا۔ پھر پولیس کے اعلیٰ افسران کی بھاری جماعت آپریشن کے دوران ہی تھیٹر میں پہنچ گئی ان کے پاس تمہاری تصویریں تھیں جن میں تم زخموں کے باوجود پہچانے جا رہے تھے [illegible] پروا بھی نہیں تھی۔ پھر ان ہی کے سامنے تم نے بے ہوشی کے عالم میں بار بار کسی مینا کو پکارا اور انہوں نے متفقہ رائے دی کہ لیفٹ روڈ سے ملنے والے کاغذات فرضی ہیں تمہارا نام صفدر علی ہے۔ سنا ہے گاڑی سے چار لاکھ روپے سے زیادہ رقم بھی ملی تھی وہ پولیس کے قبضے میں ہے؟"

میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ شاید زندگی میں پہلی بار مجھ سے تقدیر نے دغا کی تھی۔ ایسی دغا کہ اب میں پچھلے دن کا قیدی ہو کر رہ گیا تھا۔

"میں کب تک چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤں گا سسٹر؟" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد میں نے سوال کیا۔

"شاید ایک ہفتہ تک!" وہ چادر درست کرتے ہوئے بولی "تمہارے علاج کے بارے میں ہمارا ادارہ سخت ہدایات دی گئی ہیں کیونکہ تمہیں اہم ترین شخصیت قرار دیا گیا ہے۔ یہ مینا تمہاری کون ہے؟"

"میری بیوی!" میں نے سینے میں درد کی ایک لہر سی اٹھتی محسوس کی۔ "وہ کہاں ہے سسٹر؟ اس کا کوئی پتہ چلا؟"

"کسی کو کچھ نہیں معلوم۔ آپ کے بارے میں اعلیٰ سرکاری حکام تو سرگوشیوں کے انداز میں باتیں کرتے ہیں" وہ چپ ہو گئی۔ "مجھے ایک بار لگتا ہے کہ جیسے بری طرح تمہارے دل و دماغ پر حیرانی طاری ہے۔ کہاں گئی وہ؟"

میں نے اس کی بات کا جواب دیے بغیر آنکھیں میچ لیں۔

اسی روز اچانک مجھے پارس پتھر کا خیال آیا اور میں نے یہ دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا کہ میرے کپڑے میرے بدن پر موجود تھے۔ [illegible] کی داہنی جیب ٹٹولی تو پارس وہاں موجود تھا۔ میرے ہاتھ میں [illegible] انگوٹھی دیکھنے کے بعد شاید کسی کو بھی میری جامہ تلاشی کا خیال نہیں [illegible] ورنہ اب تک پارس پتھر بھی [illegible] کسی سائنسی تجربہ گاہ کی توجہ کا مرکز بن رہا ہوتا۔

چوتھے روز سرجن گپتا نے پٹیاں تبدیل کرنے کے بعد مجھے چلنے پھرنے کی اجازت دے دی اور اسی کے ساتھ ملاقاتیوں پر عائد پابندی بھی ہٹا لی۔ پابندی کا ہٹنا تھا کہ میرے کمرے میں ملاقاتیوں کا تانتا بندھ گیا۔ [illegible] والے اپنی حرکات و سکنات اور رکھ رکھاؤ سے سرکاری افسران ہی نظر آتے تھے۔ ہر ایک مجھے سہیل کے نام سے مخاطب کرتا اور مجھ سے [illegible] لیکن مجھ سے مینا یا پارس پتھر کے بارے میں ذکر تک نہ کیا۔

میں بستر پر پڑا ان سب کے چہرے تکتا رہا۔ میری حالت قربانی کے اس بکرے جیسی تھی جس کے ذبح کئے جانے میں چند دن باقی ہوں اور ہر طرح اس کی خاطر مدارت دیکھ بھال کی جا رہی ہو مگر جان جانے کی بجائے اس کی جان نکلی جا رہی ہو۔

میں جانتا تھا کہ میرے ساتھ یہ فیاضانہ سلوک چند دن کا ہے اور میرے صحتیاب ہوتے ہی میرے ساتھ کوئی خوفناک کھیل شروع ہونے والا ہے۔

ایک روز جب نرس نے میرا لباس تبدیل کرانا چاہا تو میں نے سختی سے انکار کر دیا اور بات اتنی بڑھی کہ سرجن گپتا کو بیچ بچاؤ کرنے آنا پڑا۔

"تمہارا لباس میلا ہو گیا ہے بیٹے! کپڑے تبدیل کرا لو!" سرجن نے شفقت سے کہا۔

"خدا کے لئے سرجن! مجھے مجبور نہ کرو" میں نے التجا کی۔ "ہسپتال کا لباس مجھے کفن معلوم ہوتا ہے۔ مجھے کفن نہ پہناؤ۔"

بوڑھا سرجن مسکرا کر سر ہلانے لگا "اگر تمہاری حالت ابتر ہوتی تو آپریشن تھیٹر ہی میں تمہارا لباس بدل دیا جاتا۔ خیر میں تمہیں مجبور نہیں کرتا۔"

ہسپتال میں رہتے ہوئے میں نے بالا ہی بالا مینا کے بارے میں جاننے کی کوشش کی مگر کچھ معلوم نہ ہو پایا اور آخر ایک روز مجھے ہسپتال سے فارغ کر دیا گیا۔

سرجن گپتا مجھے ہمراہ لے کر اپنے دفتر میں پہنچے تو وہاں دس بارہ افراد میرے منتظر تھے۔ ان میں ایک باوردی سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی تھا سب نے باری باری مجھے صحتیابی پر مبارکباد دی۔ ایس پی نے نوٹوں سے بھرا ہوا وہ تھیلا میرے حوالے کر دیا جو میں نے لکھنؤ میں خریدا تھا۔

"اس میں چار لاکھ تین ہزار روپے ہیں!" ایس پی نے ایک [illegible] ہوئے کہا "یہ تھیلا لیفٹ روڈ سے ڈھابے کے [illegible] طرح برآمد ہوا تھا۔ [illegible] ایک سوٹ کیس ریوالور بھی ہے؟"

[illegible] مختصر الفاظ میں کہا [illegible]

تھا۔ چیک کی رپورٹ بھیجی تھی اور اس پر لاکھ سے سرکار کی مہر لگی ہوئی تھی اور رقم بھی ہیں اس نے مجھے وہ سرکاری ریوالور بھی لوٹا دیا تھا جو میں نے پرتاب کو [illegible] خلاف ترک کے حاصل کیا تھا۔ یہ سب سوچ سوچ کر میرے دماغ کی [illegible] کی طرح ہو رہے تھے۔

رقم اور ریوالور کی واپسی کے کاغذات پر دستخط کرنے کے بعد میری چھٹی ہو گئی اور اب ان میں سے ایک لمبا اور دراز قامت شخص آگے بڑھ آیا۔

"آئیے سہیل صاحب! اب آپ میرے مہمان ہیں" اس نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا میں نے بے بسی سے اس کی جانب دیکھا [illegible] نظروں اور [illegible] اور اس کے ساتھ ہو لیا۔

ہسپتال کے برآمدے سے لگی ایک چمکتی ہوئی شیورلیٹ کھڑی ہوئی تھی باوردی ڈرائیور نے پھرتی سے اس کا دروازہ کھولا اور میں گاڑی میں سوار ہو گیا میرے ساتھ اس لمبے کے علاوہ مزید دو افراد بھی شیورلیٹ میں آ گئے اور گاڑی تیز رفتاری کے ساتھ باہر روانہ ہو گئی!

احاطے میں کئی اور سرکاری گاڑیاں ابھی تک موجود تھیں۔

"سہیل صاحب! آپ سگریٹ پئیں گے!" لمبے نے بڑے احترام سے مجھے سگریٹ پیش کرتے ہوئے سوال کیا۔

میں نے قہر بار نظروں سے اسے گھورا۔ یہ ڈرامہ میرے لئے ناقابل برداشت ہو چلا تھا میں نے اس پر گالیوں کی بے تحاشہ بوچھاڑ کر دی۔

اسٹیئرنگ پر ڈرائیور کا ہاتھ بہکا۔ اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا اور فوراً ہی سیدھا ہو گیا۔ لمبا اور اس کے دونوں ساتھی تشویشناک سنجیدگی سے میرا جائزہ لے رہے تھے اور ان کی خاموشی میرے اشتعال کو حد سے زیادہ بڑھاتی جا رہی تھی۔

"سہیل صاحب! یہ آپ کو کیا ہو رہا ہے، خود کو سنبھالئے!" لمبے نے مجھ سے دور کھسکتے ہوئے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"صرف کمینے! میں سہیل نہیں صفدر ہوں، صفدر علی!" میں آپے سے باہر ہو کر اس پر ٹوٹ پڑا۔ "تم سب جانتے ہو کہ مجھے ذہنی طور پر مفلوج کرنے کے لئے یہ چکر چلا رہے ہو۔ بتا حرامزادے! میری مینا کہاں ہے؟ تم نے اسے کہاں چھپایا ہے؟"

اس کے سنبھلنے کے باوجود میں نے اس کے چہرے پر ایک گھونسہ رسید کر دیا۔ شیورلیٹ کا ڈرائیور بہت ہوشیار تھا۔ اس نے پھرتی سے کار سڑک کے کنارے روک دی اور ان سب نے مل کر مجھے قابو کر لیا۔

غصے سے میرا ذہن کھول رہا تھا۔ انہوں نے جسمانی طور پر مجھے بے بس کر دیا مگر میری زبان نہ رک سکی۔ [illegible] اور میں تقریباً گرا پڑا ہوا ان کے ہاتھوں میں نڈھال ہو گیا۔

"کیا ہوا؟ اسے کیا ہوا؟" ان میں سے کسی کی بوکھلائی ہوئی آواز ابھری۔

"واپس واپس ہسپتال چلو!" بہت دور کی باریک سی آواز میرے کانوں میں آئی اور میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

دوبارہ ہوش آیا تو میں نے خود کو نرم اور آرام دہ بستر پر موجود پایا۔ میں نے حیرت کے ساتھ اس کمرے کا جائزہ لیا وہ دوہرے بستر والی ایک پُرتکلف خوابگاہ تھی۔ دیواروں پر ہلکا نیلا رنگ تھا اور کھڑکیوں پر اسی رنگ کی مناسبت سے پردے لٹک رہے تھے۔ فرش پر قالین بچھا ہوا تھا۔ کمرے میں بستر سے ذرا دور ایک شخص آرام کرسی پر نیم دراز اونگھ رہا تھا۔ پردوں سے چھن کر آنے والی ہلکی روشنی سے اندازہ ہوتا تھا کہ ابھی شام نہیں ہوئی ہے۔

میں نے غور سے اونگھتے ہوئے شخص کا جائزہ لیا اور اچانک مجھے غصہ آ گیا۔ یہ وہی لمبا شخص تھا جس نے شیورلیٹ میں مجھے سگریٹ پیش کی تھی اور میں نے اس پر حملہ کر دیا تھا۔

میں کوئی آواز پیدا کئے بغیر کسی چیتے کی سی مکاری اور پھرتی کے ساتھ بستر سے اترا۔ ہوش میں آ جانے کے باوجود میرے سر میں شدید درد ہو رہا تھا مگر میرے لئے یہ موقع بہت قیمتی تھا۔

[illegible] سے مینا پُراسرار طور پر بچھڑ گئی تھی اور وہیں سے میرے لئے حیرتناک واقعات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ مینا کے فراق میں میں نے [illegible] اس کا غم بھلانے کے لئے دل کھول کر شراب نوشی کی۔ اسی حالت میں [illegible] ایک ٹرک [illegible] کو ٹکر ماری اور میں بے ہوشی کے عالم میں ہی صفدر علی کی حیثیت سے پہچان لیا گیا مگر اعلیٰ پولیس افسران اور دوسرے سرکاری حکام بضد تھے کہ مجھے سہیل [illegible] کے نام سے پکارتے تھے۔ نجانے وہ مجھ سے کیا چاہتے تھے۔ اس کمرے میں اس انداز [illegible] کی دعوت کا مطلب [illegible] ابھی تک ان کی گرفت اور تحویل میں تھا اس وقت مگر میں اس لمبے کو غنودگی کے عالم میں زیر کر لیتا تو چند ہی لمحوں میں اس کی زبان سے ہر سچ اگلوا سکتا تھا!

بستر سے اترتے ہی میں نے بے چین نگاہوں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ مگر مجھے اپنا وہ بیگ کہیں نظر نہ آیا جس میں چار لاکھ تین ہزار روپے کے علاوہ [illegible] سیکرٹ سروس کے [illegible] ریوالور موجود تھا۔ مجھے یہ بھی یاد تھا کہ ہسپتال سے رخصت ہوتے وقت ایک ایس پی نے [illegible] مجھے واپس دیا تھا۔

جب تک پارس پتھر میرے قبضے میں تھا۔ مجھے رقم کی کوئی فکر نہیں تھی مگر موجودہ صورت حال میں وہ بھرا ہوا ریوالور میرے لئے نئی زندگی کی نوید بن سکتا تھا مگر میں اتنا بھی سہل پسند نہیں تھا کہ محض نہتا ہونے کے خوف سے اس لمبے کو خود پر مسلط ہونے کی کھلی چھوٹ دے دیتا۔

میں دبیز قالین پر بے آواز قدموں سے چلتا کرسی کے سرہانے جا پہنچا۔ اس کے قریب تپائی پر رکھی ہوئی بلوری ایش ٹرے اٹھا کر اس کی کنپٹی پر دے ماری مگر [illegible] شاید وہ کچھ زیادہ ہی ہوشیار ہو گیا اور وزنی ایش ٹرے کنپٹی کے بجائے اس کے داہنے شانے پر پڑی

گھٹنے کے حلق سے اذیت میں ڈوبی ہوئی ایک چیخ بلند ہوئی اور اس ہی کے ساتھ تین مسلح باوردی سپاہی خوابگاہ میں گھس آئے۔ شاید وہ خوابگاہ سے باہر نگرانی پر مامور تھے مگر وہاں پھیلی ہوئی بے خاموشی کے باعث میں نے اُن کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا تھا۔

"ہینڈز اپ!" تینوں سپاہیوں نے اپنی بندوقیں مجھ پر سیدھی کرتے ہوئے بیک وقت حکم دیا مگر اُن کے لہجے سے خوف کی کپکپاہٹ نمایاں تھی۔

گنجا اس وقت اپنا زخمی شانہ دبائے جیسے [illegible] مجھے کینہ توز نظروں سے گھور رہا تھا: "تم یہی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گے؟" اس نے اپنا شانہ دباتے ہوئے زہریلے لہجے میں کہا۔

"کمینہ چوہا!" میں نے مسکرا کر کہا۔ "میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم کون ہو، میں کن لوگوں کی قید میں ہوں اور اس وقت کہاں ہوں؟"

"ابھی سب پتہ چل جائے گا!" وہ غرّایا پھر ایک سپاہی سے بولا: "میرے شانے کی ہڈی متاثر ہوئی ہے تم جیپال صاحب کو خبر کر دو، وہی تمہیں سب کچھ بتا دیں گے۔"

حکم ملتے ہی کیا جانے والا سپاہی فرمانبرداری سے سر جھکا کر وہاں سے چلا گیا اور گنجا اپنا شانہ دبائے مسہری پر جا بیٹھا۔ اُس کے بشرے سے سخت اذیت کا اظہار ہو رہا تھا۔

میں سپاہیوں کی بندوقوں کی پرواہ کئے بغیر سکون سے اس آرام کرسی پر دراز ہو گیا جس پر وہ گنجا بیٹھا تھا۔ سپاہی بدستور مجھ پر بندوقیں تانے کھڑے تھے مگر اُن کے انداز سے [illegible] ظاہر ہو رہا تھا جیسے مجبوری کے تحت انہیں اپنے کسی دلی افسر یا معزز مہمان پر ہتھیار اٹھانے پڑ گئے ہوں۔

جیپال جو کوئی بھی رہا ہو شاید اسی عمارت کے کسی حصے میں موجود تھا کیونکہ چند ہی منٹ بعد وہ سپاہی کے ہمراہ [illegible] ہوا وہاں آن پہنچا۔

دراز قامت گنجا اپنے شانے کی تکلیف کے باوجود دوڑ کر اندر میں کھڑا ہو گیا۔ "سر! میرے شانے کو اس نے بری طرح زخمی کر دیا ہے!"

"شاید تم سو گئے تھے؟" آنے والے نے کھچڑی مونچھوں کے نیچے سے اُسے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔

"اونگھ گیا تھا ذرا" گنجا بولا "اگر بروقت ہوشیار نہ ہو جاتا تو شاید میرا سر بھی اپنے شانے کا نشانہ بنتا!"

"بکواس بند کرو ... فوراً ہسپتال جاؤ!" اُس نے گھرکا۔ "اگر ہڈی ٹوٹ گئی ہوئی تو ہسپتال سے ہی مجھے فون کر دینا!"

گنجا آہستہ آہستہ کمرے سے نکل گیا۔ اس شخص کے اشارے پر تینوں سپاہی بھی میری اس بے نام خوابگاہ سے نکل گئے۔ وہ سگار کا کش لگاتے ہوئے اس وقت تک انہیں دیکھتا رہا جب تک وہ پردہ ہٹا کر باہر نہ چلے گئے۔

"میں جانتا ہوں کہ تم بہت دلیر اور خونخوار ہو!" وہ سگار سلگاتے ہوئے پہلی بار مجھ سے مخاطب ہوا۔ "مگر تمہارے سر اور جسم کے کئی حصوں پر ابھی تک ٹانکے موجود ہیں۔ ایسی حالت میں تمہیں ہنگامہ آرائی کے بجائے سکون سے کام لینا چاہئیے۔"

"مشورے کا شکریہ!" میں طنزیہ لہجے میں بولا "مگر میں اپنے محسن کا نام جاننا چاہتا ہوں!"

"جیپال سنگھ!" اُس نے سگار کا کثیف دھواں کمرے کی فضا میں چھوڑتے ہوئے کہا۔

"جیپال صاحب ... مجھے بھی تمباکو نوشی سے کچھ شغف ہے! تمہارا دھواں میری بے چینی کا باعث بن گیا۔"

"یہ لو!" جیپال نے بے خوفی کے ساتھ میرے قریب آ کر ایک سگار میرے حوالے کر دیا۔ اُس کا یہ رویہ مجھے بہت پسند آیا!

جسمانی اعتبار سے وہ مجھ سے کمزور اور قد میں [illegible] تھا۔ چند منٹ پہلے میں اس کے ایک ماتحت کو شدید طور پر زخمی کر چکا تھا مگر پھر بھی [illegible] باوجود اُس کے رویے سے یہ ظاہر نہ ہوتا تھا کہ وہ مجھ سے خوفزدہ ہے۔

میں نے یہ سوچتے ہوئے سگار سلگایا۔ وہ بولا: "بستر پر آرام کرو تاکہ میں یہاں بیٹھ کر تم سے کچھ ضروری گفتگو کر سکوں!"

میری پہلی کوشش ناکام ہو چکی تھی اور مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ باہر تین مسلح محافظ ابھی موجود ہیں لہٰذا اب جیپال سنگھ کی [illegible] کوئی جواز نہیں رہ گیا تھا۔ میں مسکراتے ہوئے آرام کرسی سے اٹھا اور بستر پر دراز ہو گیا۔ جیپال سنگھ نے کرسی سنبھال لی۔

"تمہارا کس محکمے سے تعلق ہے؟" قدرے سکوت کے بعد میں نے پوچھا۔

"سیکرٹ سروس!" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولا۔

"مجھے حراست میں کیوں لیا گیا ہے؟"

"حراست نہیں، حفاظت کہو!" اُس نے اپنی دانست میں تصحیح کی۔

"جب تک باہر مسلح محافظ موجود ہیں میرے نزدیک دونوں میں فرق نہیں!" میں تلخ لہجے میں بولا۔ "بھلا ایک غریب الوطن اجنبی سے سیکرٹ سروس کو اتنی دلچسپی کیوں پیدا ہو گئی ہے؟"

"بظاہر تم غریب الوطن ضرور ہو، مگر اجنبی نہیں۔ کیا تم مجھے نام بتاؤ گے؟"

"حادثے سے قبل سیفل موشن اور اب صفدر علی!"

"خوب!" اُس کی آنکھیں یک بیک چمک اٹھیں۔ "حادثے میں تمہارے سر پر شدید چوٹیں آئی تھیں اور سرجن کپتان کی ہدایت تھی کہ تم سے کوئی ایسی بات نہ کی جائے جو ذہنی جھٹکے یا تشنج کا باعث بنے اسی لئے ہم خاموش تھے مگر اب تم خود کو موجودہ صورت حال کے لئے تیار کر چکے ہو اور شاید مجھ سے بات کرنے کو تیار ہو!"

"میں اگر مجرم ہوں تو مقدمہ چلا کر مجھے سزا دو ورنہ رہا کر دو۔ تمہاری عنایات میری سمجھ سے باہر ہیں!" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"تمہارے خلاف زبردست ثبوت ہیں صفدر علی!" [illegible]

[illegible] سے متعلق وہ کچھ بھی [illegible] ویران تہہ خانے سے برآمد ہوا [illegible] بھی تمہارے خلاف رکھا گیا ہے۔ سردار کھجوت کے آدمی [illegible] تمہارا باپ کھجوت اور تین [illegible] انسانوں کا قتل، [illegible] سب تمہارے کھاتے میں ہیں صفدر! عدالت میں ان الزامات کو ثابت کرنا بھی مشکل نہ ہوگا۔ رولر کی بیٹی ابھی جلد یا بدیر ہمارے ہاتھ آ جائے گی جو ہر جرم میں تمہارا ساتھ دیتی رہی ہے۔"

"اگر تم مجھ پر نفسیاتی حربے آزما کر ان جرائم کا اقرار کرانا چاہتے ہو تو [illegible] میں بے تعلق ہوں!" میں نے تیز لہجے میں کہا۔ "میں [illegible] طور پر تمہارے ملک میں [illegible] واقعات کو [illegible] ثابت نہ کر سکو گے! میں ان میں سے کسی سے واقف نہیں!"

وہ [illegible] انداز میں ہنسا۔ "مجھے تم سے یہی امید تھی۔ [illegible] تم تسلیم کر لو کہ تم نے پراسرار حالات [illegible] کے بعد [illegible] اور اپنی دانست میں حالات کو پیچیدہ بنا دیا۔ مگر ہسپتال سے رخصت کے وقت تم نے اپنی بیوی کے پردے [illegible] کئے ہیں!"

وہ قدرے خاموش ہوا اور میں نے اپنے وجود میں بے چینی کی ایک بڑی سرسراہٹ سی محسوس کی۔ [illegible] ہسپتال سے رخصت ہوتے وقت تم نے سوچے سمجھے [illegible] وہ سر پر [illegible] کا [illegible] جس میں پارس کا [illegible] حلفیہ اقرار کیا ہے کہ وہ چیز یہ تمہاری ملکیت نہیں [illegible] تمام تفصیلات بھی درج [illegible] خلاف [illegible] شہادت کا درجہ رکھتا ہے۔ تم عدالت میں [illegible] کا کوئی قانونی جواز [illegible] پارس کی موجودگی کا [illegible] تمہارے قتل کا الزام [illegible] پھانسی کے پھندے تک پہنچنے کے لئے کافی ہوگا!"

"مجھے جیل کی کوٹھری کے بجائے اس آرام دہ خوابگاہ میں رکھ کر تم چند [illegible] مرکزی [illegible] ہو!" میں نے اس پر طنز کیا۔

"میں تم سے سمجھوتہ کرنا چاہتا ہوں!" وہ بجھے ہوئے سگار کو دوبارہ سلگاتے ہوئے بولا۔

"وہی سمجھوتہ جو تم کو [illegible] تعاقب [illegible] تک لائی تھی؟"

"اگر تم اپنی ذات پر حد سے زیادہ اعتماد کے سبب مارا گیا۔ مگر اب [illegible] تمہیں [illegible] سینکڑوں [illegible] ہیں۔"

"مگر قیمت [illegible] بڑی ہوگی!" اس وقت مجھے [illegible] جیسے [illegible] معلوم ہوا تھا جیسے پارس میرے پاس نہ ہو۔

"ہاں ... میں حکومت کی طرف سے وعدہ کرتا ہوں کہ پارس مل جانے کے بعد تمہارے اور [illegible] پر دو ہی اختیار کئے جائے گی [illegible] چاہو [illegible] حکومت تمہاری [illegible] کرے گی۔ [illegible] کی طرح [illegible] زندگی گزار سکو گے؟"

میں نے جیپال کو دوسری طرف متوجہ پا کر احتیاطاً اپنی پتلون کی جیب ٹٹولی اور پارس کی موجودگی کا احساس پاتے ہی میرے بدن میں ایک نئی امنگ دوڑ گئی۔ میں نے نرم اور مصالحانہ لہجے میں کہا: "پارس پتھر میرے پاس نہیں ہے ہسپتال میں میں تمہاری تحویل میں تھا۔ اگر وہ پتھر میرے پاس ہوتا تو ابھی تک برآمد ہو چکا ہوتا۔ یہ محض تم لوگوں کی خوش فہمی ہے!"

"وہ تمہارے پاس ہی ہے! ہو سکتا ہے کہ تم نے اسے کہیں چھپا دیا ہو!"

میں زور سے ہنسا۔ "اگر تم کو یہی شبہ ہے تو مجھے اسی حالت میں فوراً ملک بدر کرا دو۔ میں وہ پتھر تمہارے ملک سے نہ لے جا سکوں گا!"

میرے لہجے پر جیپال کو غصہ آ گیا۔ "میں احمق نہیں! تم جیسے بڑے بڑوں سے میں خوب واقف ہوں۔ پارس جیسی چیز کے لئے ذہن [illegible] طرح منصوبہ بندی کی گئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم نے پارس کسی بہت ہی محفوظ جگہ چھپا دیا ہوگا۔ تم ایک مرتبہ زندہ سلامت ہند سے نکل گئے تو سال دو سال بعد [illegible] کسی بھی [illegible] یا بہروپ میں یہاں آ کر گے پھر پارس تمہارا ہی ہوگا!"

اچانک میرے ذہن میں ایک انوکھی تدبیر نے جنم لیا۔ [illegible] میں آج تک ذہن نے بھی میرا ساتھ نہ چھوڑا تھا اور اب میں اسی کی تدبیر کے ذریعہ ایک تیر سے دو شکار کر سکتا تھا۔ مجھے صرف زبان ہلانا تھی [illegible] اس مہلت کا فائدہ اٹھا کر میں اپنے آخری فرار کی بے داغ منصوبہ بندی بھی کر سکتا تھا۔

"جیپال صاحب! میں پارس پتھر کے بارے میں واقعی اہم ترین بات جانتا ہوں!" میں نے چند ثانیوں تک [illegible] کا مصنوعی اظہار کرنے کے بعد کہا۔

"وہ کیا؟"

"یوں نہیں! اس کے عوض تمہیں میری رہائی کا وعدہ کرنا ہوگا!" میں نے مکارانہ لہجے میں کہا۔

"اپنے بیان کی تصدیق تک تم ہمارے مہمان رہو گے، جس طرح پارس مل گیا تم آزاد کر دیئے جاؤ گے!" وہ پرجوش لہجے میں بولا۔

"مگر میں اس وعدے پر کیسے اعتبار کر لوں؟" میں ابھی [illegible] میں بولا۔

"جہاں عام آدمی مجبور ہو جاتے ہیں وہاں سے ہمارا اختیار شروع ہوتا ہے!" وہ فخریہ لہجے میں بولا۔ "انڈین سیکرٹ سروس میں میرا نام طاقت اور اختیار کی علامت کے طور پر لیا جاتا ہے۔ آج تک میری زبان سے ایسے الفاظ نہیں نکلے جنہیں اوپر والوں نے ٹھکرایا ہو۔ میرے وعدے اٹل ہوتے ہیں!"

"پارس پتھر مجھے سیتا کماری نے دیا تھا!" میں نے مطمئن ہو کر اپنی بات شروع کی۔ "شاید اس بیچاری کو پارس کی حقیقت کا احساس تک نہ تھا مگر میں نے اس پتھر کی اصلیت جان لی پھر جب ہر طرف سے لوگ بھیڑیوں کی طرح پارس کی طرف لپکے تو سیتا تڑپ اٹھی۔ وہ حساس اور جذباتی لڑکی نہیں چاہتی تھی [illegible] اس کی [illegible] کا باعث بنے پھر وہ پتھر اجنبیوں کے ہاتھ لگ جائے۔ میں نے جو پتھر پارس چھینا تو وہ سیتا نے سنبھالا

اور اب وہ پارس صیت کہیں کھو گئی ہے۔ تم پارس پتھر حاصل کرنا چاہتے ہو تو میری سیتا کو تلاش کر دو۔ مجھے وہ مل جائے تو میں اس پر سے ہزاروں پارس پتھر بھی قربان کر سکتا ہوں!" آخری فقروں پر میری آواز بھرا گئی۔

"وہ جلد ہی ہمارے قبضے میں ہو گی۔" جیپال مٹھیاں بھینچ کر کرسی سے اٹھ گیا۔ "سرا کون کی ناکہ بندی جاری ہے۔ سرحدوں پر کڑی نگرانی ہے میں آج ہی سخت ترین احکامات جاری کرائے دیتا ہوں۔ وہ ہم سے بچ کر کہیں نہ جا سکے گی۔"

اس مرحلے پر میرا جی چاہا کہ جیپال کو سیتا کے بدلے ہوئے حلیے سے آگاہ کر دوں۔ اسے بتاؤں کہ سیتا اب سیاہ زلفوں اور سرمئی آنکھوں والی دیہاتی دوشیزہ کا روپ اختیار کر چکی ہے مگر کسی غیبی طاقت نے میری زبان بند کر دی۔

"سیتا کی تلاش تک میری یہاں کیا حیثیت ہو گی؟" میں نے سوال کیا۔ "تم مراعات یافتہ قیدی کی طرح اس عمارت میں محدود رہو گے۔"

جیپال کے لہجے میں تحکم ابھر آیا تھا۔ پل بھر میں وہ شفیق دوست سے ایک سخت گیر حاکم کا روپ بدل چکا تھا۔ "تمہیں اس خواب گاہ کے سوا کسی کمرے میں داخل ہونے کی اجازت نہ ہو گی۔ ہاں تم لان اور برآمدے میں نکل سکتے ہو اور آؤ میں تمہیں احتیاط کے طور پر ایک تماشا بھی دکھا دوں!"

میں کچھ حیران سا اس کے ہمراہ کمرے سے نکل آیا۔

عمارت کا برآمدہ اونچا اور بہت وسیع تھا۔ جہاں بندوب سپاہی کسی نادیدہ دشمن پر ٹوٹ پڑنے کے لئے تیار کھڑے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ ان کی یہ مستعدی جیپال کی وجہ سے تھی اور اگر وہ موجود نہ ہوتا تو یہ سپاہی برآمدے کے فرش پر دراز گپیں لڑا رہے ہوتے۔

اس پختہ برآمدے کے آگے خاصا طویل و عریض سرسبز لان پھیلا ہوا تھا گھاس کی دبازت، تازگی اور گہرے سبز رنگ سے پتہ چل رہا تھا کہ اس سبزہ زار کی بہت زیادہ دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ لان پر مناسب فاصلوں سے رنگا رنگ پھولوں کے تختے پھیلے ہوئے تھے۔ میں نے ایک خاص بات یہ محسوس کی کہ پورے احاطے میں کہیں بھی کوئی اونچی جھاڑی یا ایسا درخت موجود نہیں تھا جسے کوئی آڑ کے طور پر استعمال کر سکے۔ لان کے آخری سرے پر سات آٹھ فٹ اونچا آہنی جنگلا لگا ہوا تھا جس سے چند فٹ کے فاصلے پر احاطے کی پختہ اور فصیل نما دیوار نظر آ رہی تھی۔ آہنی جنگلا احاطے کی دیوار سے یکساں فاصلے پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک لگا ہوا تھا اور اس پر مستزاد خاردار تاروں کی وہ دو رویہ باڑھ تھی جو احاطے کی دیوار پر لگی ہوئی تھی۔ ان تاروں کا درمیانی فاصلہ اتنا تھا کہ انہیں چھوئے بغیر کوئی شخص دیوار پھلانگ کر اندر نہیں آ سکتا تھا۔ میں آنکھیں حیرت سے سارے انتظامات سے دیکھتا رہا۔

"بچے آؤ!" جذبات سے عاری جیپال کی سپاٹ آواز نے میری محویت کا طلسم توڑ دیا۔

میں اس کی تقلید میں سیڑھیاں عبور کر کے پیچھے اترا اور چند قدم بڑھے

کے بعد بڑی طرح چونک پڑا۔ جیسے ذہن میں ہانیہ کی بے وقوفی پیدا ہوا ہو۔ میں بیٹھنے والے نے آدم خور قبائل گھوم گئے جو اپنی عورتوں کو چھپا اور ناپاک تصور کرتے ہوئے دو بڑی باڑھ کے وسط میں قید رکھتے تھے اور ان دونوں باڑھوں کے درمیان آدم خور چیتوں کو کھلا رکھتے تھے تاکہ کوئی عورت فرار ہو سکے، نہ کوئی باہر سے اندر گھس کر ان کی مجبور و مظلوم عورتوں کو گزند پہنچا سکے۔

"تمہیں کتوں کے بارے میں کچھ معلومات ہیں؟" جیپال نے لان کے تقریباً وسط میں پہنچ کر مجھ سے اپنے انفرادی لہجے میں دریافت کیا۔

"نہیں!" میں نے جنگلے کے عقب میں گھومتے ہوئے مختصر جواب دیا!

جیپال نے ایک گہرا سانس لیا اور بولا۔ "چھوٹے قد کے یہ کتے دیکھنے کے لئے بے نظیر ہیں۔ یہ روسی نژاد کتے دو نسلوں کے ملاپ سے پیدا کئے گئے ہیں۔ ان کی سماعت کی حس غیر معمولی طور پر تیز ہے اور یہ سونگھنے سے زیادہ کانوں پر بھروسہ کرتے ہیں۔ یہ صرف اس وقت بھونکتے ہیں جب بھونکے ہوں ورنہ بالکل خاموش گھومتے رہتے ہیں اور اپنی زد میں آنے والے کسی بھی جنبش کو نہایت خاموشی سے اس وقت تک بھنبھوڑتے رہتے ہیں جب تک وہ بے حس و حرکت نہ ہو جائے۔ ان کی وحشی خونریزی دیکھنے میں آئی ہیں بے ہوشی یا موت کے سوا کوئی کیفیت انسان کو ان کتوں سے نجات نہیں دلا سکتی!"

اس وقت ہم دونوں جنگلے کے قریب پہنچ چکے تھے۔ ہماری آہٹیں پا کر یا بو سونگھ کر چار کتے ہمارے سامنے آ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ کوئی آواز نکالے بغیر ہانپتے ہوئے ہمیں گھورے جا رہے تھے۔ ان کی ہلتی ہوئی دُمیں ساکت ہو چکی تھیں۔ نگاہوں میں غیظ و غضب کی سرخی دہک رہی تھی۔ اگر ہمارے درمیان آہنی جنگلا حائل نہ ہوتا تو شاید وہ چاروں ہم پر ٹوٹ پڑتے۔

خرگوش سے ذرا زیادہ جسامت والے وہ سیاہ کتے ہر وقت احاطے کی دیوار اور آہنی جنگلے کے درمیان اس عمارت کی حفاظت پر مامور رہتے تھے شاید جیپال کو میرے بارے میں کچھ زیادہ ہی معلومات حاصل ہو چکی تھیں اور وہ مجھے یہ بندوبست دکھا کر جتانا چاہتا تھا کہ اس بار میری فرار کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہو سکے گی۔

"یہ انتظام ناقابل شکست نہیں ہے!" میں نے اسے اپنے حوصلے کا مظاہرہ دکھانے کے لئے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ کیسے؟" جیپال چونک پڑا۔

"کتوں کو زہریلا گوشت دیا جا سکتا ہے۔ پھر آمد و رفت کا راستہ تو ضرور اس جنگلے کی زد سے باہر ہو گا؟" میں نے کہا۔

"یہ کتے تربیت کے اپنے ہوئے گوشت پر پالے گئے ہیں۔" وہ فخریہ انداز میں مسکرایا۔ "دوسرا گوشت وہ سونگھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ ان کتوں کی غذا ایک راز ہے مگر یہ راز میں تمہیں بتا رہا ہوں.... صرف اس لئے کہ لاعلمی میں تم کوئی قدم نہ اٹھاؤ۔"

"نہیں!" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "تم اسے

کے بتانے ہو کہ میں ان دیواروں کے اندر ہوں اور یہاں تمہارا کارندہ ہر وقت چوکس کرنا ناممکنات سے ہو گا!"

"خیر!" وہ لاپرواہی سے شانے اچکا کر بولا۔ "یقینی تم لوگ اس عمارت میں آمد و رفت اتنی آسان نہیں ہے۔ شناختی کاغذات، سیکرٹ سروس کا اجازت نامہ اور شناخت کے اوقات طے ہو جانے کے بعد آہنی جنگلے میں دروازہ بھی ریکارڈ میں کھولا جاتا ہے کہ صرف پھاٹک کا حصہ آمد و رفت کے لئے یا ٹرک استعمال کیا جا سکتا ہے باقی سارا احاطہ پھر بھی کتوں کی زد میں ہوتا ہے۔ رہا سوال جیسے رشوت عام ہونی شروع ہوئی ہے، ہم انہی کتوں کے لئے انسانوں پر انحصار کم کرتے چلے جا رہے ہیں!"

"شاید وہ وقت بھی آ جائے جب سیکرٹ سروس میں کوئی انسان بھی نہ ملے!" میں نے بھی قدرے ناگواری سے طنز کیا۔

"صفدر، سرحد سے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں!" جیپال آنکھیں نکال کر غرایا۔ اس نے پہلی بار مجھ سے غیر دوستانہ لہجے میں بات کی تھی۔ "میرے دوستانہ رویے کا مطلب نہیں کہ میں تمہیں اپنے سر پر سوار ہو جانے کی اجازت دے دوں گا!"

"مجھے افسوس ہے!" میں نے معذرت آمیز لہجے میں جلدی سے کہا۔ "تمہاری دوستانہ باتوں میں، میں اپنی حیثیت بھول گیا تھا!"

"جب تک سیتا یا پارس پتھر نہیں مل جاتا، تمہیں ہر لمحے یہ یاد رکھنا ہو گا کہ تم ہمارے قیدی ہو!" اس کے لہجے میں اب پہلے جیسی اداسی تھی۔ "حفاظتی انتظامات کے بارے میں آخری بات یہ ہے کہ احاطے کی دیوار پر جو خاردار تاروں کی دو رویہ باڑھ ہے اس میں ہر لمحہ برقی رو دوڑتی رہتی ہے اور اس سرکٹ کا فیوز بیٹری سے منسلک ہے۔ برقی رو کی یہ مقدار آناً فاناً کسی بھی جاندار کو بھسم کرنے کے لئے کافی ہے!"

اس عمارت کے حفاظتی انتظامات واقعی زبردست تھے۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں تروتن وجگتی کے کسی معرکے کے خلاف بغاوت کے جرم میں اس کے محفوظ ترین زنداں میں پھینک دیا گیا ہوں جہاں سے بھاگنے کی کوئی راہ نہیں ہو سکتی۔

"یہ کون سی عمارت ہے؟" میں نے آہستہ سے سوال کیا۔ "میرا خیال ہے کہ دلی میں کوئی ایسی جگہ بھی ہو گی جہاں مجھ سا کوئی شخص قید کیا جاتا ہو گا؟"

"تم اس وقت انبالہ میں ہی ہو!" جیپال واپس ہوتے ہوئے بولا۔ "یہ عمارت ہماری گفتگو میں آ پہنچی ہے۔ لوگ اسے قرآن ہاؤس کے نام سے جانتے ہیں۔ یہاں صرف وہ خطرناک سیاسی قیدی رکھے جاتے ہیں جو باغیانہ رجحانات کے مالک ہوں اور حکومت انہیں نظر بندی میں رکھنا چاہتی ہو۔ چند سال پہلے یہاں آزاد ہند فوج کا ایک سرغنہ موجود تھا!"

"تمہارا بہت بہت شکریہ!" میں نے کہا۔ "تم نے مجھے کھل کر بات کی ہے اور اب مجھے سمجھ میں آ گیا ہے کہ میں کن ہاتھوں میں ہوں!"

"میں نے ساری گفتگو اسی لئے کی ہے کہ تم یہاں سے بھاگنے کی کوشش

نہیں کرو گے!" وہ غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں تمہاری توقعات پر پورا اتروں گا!" میں نے خلوص سے کہا۔

مجھے خواب گاہ میں پہنچا کر جیپال رخصت ہو گیا۔ میں بہت دیر تک اپنی نئی مشکلات کے بارے میں سوچتا رہا۔ مستقبل کا کوئی نقشہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایک طرف سیتا کی پراسرار گمشدگی نے میرا ذہنی سکون تباہ کیا ہوا تھا، دوسری طرف میں خود انڈین سیکرٹ سروس کے ناقابل شکست حصار کا قیدی تھا۔ وہ لوگ ہندو سرکار کے نام پر مجھ سے پارس پتھر طلب کر رہے تھے۔ خدا کا شکر تھا کہ انہیں ابھی تک شبہ نہیں ہو سکا تھا کہ پارس پتھر میری تحویل میں ہے۔

ابھی تک وہ لوگ مجھ سے مساوی اور معقول طریقے پر پیش آ رہے تھے کیونکہ انہیں پارس پتھر کے بارے میں میری ذات سے خاصی امید تھی۔ سیتا کی تلاش میں ان کا ناکام ہو جانا یقینی تھا کیونکہ سیتا کا روپ بالکل ہی بدلا ہوا تھا۔ ایک آدھ ماہ بعد جب اس کے بالوں سے خضاب رنگ سیاہی مائل ہونی شروع ہوتی اور اس کے بالوں کا سرخی رنگ لوٹنے آتا تو وہ توجہ کا مرکز بن جاتی۔ مجھے یہی اندیشہ تھا کہ کسی وجہ سے ایک بار بھی سیتا کی آنکھوں سے کنٹیکٹ لینس نکل گئے تو وہ انہیں دوبارہ لگا سکے گی اور یوں اس کی نیلی آنکھیں اس کی اصلی شخصیت کا بھرم کھول دیں گی۔

سیتا کی تلاش سے مایوس ہو کر جب سیکرٹ سروس دوبارہ میری طرف رجوع کرتی تو یقینی طور پر اس کا رویہ جارحانہ ہوتا کیونکہ میں ان کے سامنے اپنی افادیت سے محروم ہو جاتا اور وہ یقیناً آخری کوشش کے طور پر میری زبان کھلوانے کے لئے تشدد کی راہ اختیار کر سکتے تھے۔ پھر یہ مراعات باقی رہتیں نہ عزت قائم رہتی جو کہ سیاسی تبدیلیوں کے لئے ایسے بے جا تبدیلی لائے جا سکتے تھے ان کے بنائے ہوئے عقوبت کدے بھی روح کو لرزا دینے والے ہوتے۔ جلد یا بدیر میں کسی کال کوٹھری میں حقیر مجرموں کی طرح ان کے سفاکانہ تشدد کا نشانہ بن رہا ہوتا۔

اور پھر سیتا کا مسئلہ مجھے خاصا پیچیدہ نظر آ رہا تھا۔ وہ جس درد و غم کی لڑکی تھی اس کے پیش نظر یہ بات عقل سے بعید نظر آتی تھی کہ کوئی اسے ہوٹل کے کمرے سے اٹھائے جاتا اور میں اس کے پہلو میں بے خبر سوتا رہتا۔ جذباتی ابال اور احمقانہ جوش دب جانے کے بعد مجھے احساس ہوا تھا کہ اسے کھونے میں خود میرا ہاتھ ہے!

سیتا نے آخری رات میرے مذاق میں خاصی تلخ باتیں کہی تھیں۔ اسے میں سیتا وقت گزاری کا سامان سمجھا تھا۔ اسے میری باتیں کڑوی کسیلی کہی گئی تھیں اور وہ ایک حساس لڑکی تھی۔ شاید اسے میری بات بری لگ گئی تھی۔ اس نے سوچا ہو گا کہ میں اس سے بیزار ہو گیا ہوں۔ اس احساس کے ساتھ اس نے میرے ہمراہ وقت ضائع کرنے میں تو ہین محسوس کی ہو گی اور یوں محض میرے مذاق کے باعث وہ مایوس ہو کر خاموشی سے انسانوں کے بیکراں سمندر میں کہیں گم ہو گئی۔ مجھے نہ اس کی منزل کا پتہ تھا، نہ عزائم کا اندازہ!

کافی سوچ بچار کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا کہ جیپال کو سیتا کے حلیے کے بارے میں ساری باتیں بلا کم و کاست بتا دی جائیں تاکہ انڈین سیکرٹ سروس کے ذریعے میری بیوی مجھے واپس مل جائے۔ جب ہم ازدواجی رشتے میں منسلک

ہو چکے تھے تو ہماری تقدیر بھی مشترک ہوئی چاہیے تھی۔ یا میں تجوری کی کیفیت کے ساتھ بے بھگڑ زندگی بسر یا نامزیں سیکرٹ سروس کے ہاتھوں کربناک موت زدہ نہ جگہ جیاکو ہمیشہ روشن پر روشن ہونا چاہیے تھا۔

میں نے پہلو سے لیے اس فیصلے کا جائزہ لیا اور آخرکار باہر ایک سپاہی کو طلب کرنے کے لیے مسہری کے سرہانے لگا برقی گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔

"جیپال صاحب کو اطلاع دو کہ میں ان سے فوراً بات کرنی چاہتا ہوں!" سپاہی کے آنے پر میں نے کہا اور وہ نہایت سعادت مندانہ انداز میں سر کو خم دے کر چلا گیا۔

چند منٹ بعد برآمدے میں چند آہٹیں سنائی دیں پھر ایک شخص میری خوابگاہ میں داخل ہوا مگر وہ جیپال سنگھ نہیں تھا۔

وہ جو کوئی بھی تھا، پہلی ہی نظر میں مجھے اچھا نہ لگا۔ دبلا پتلا شخص تھا طویل القامتی چہرے پر رخساروں کی ہڈیاں نمایاں طور پر ابھری ہوئی تھیں۔ بھنچے بھنچے ہوئے ہونٹ، اسرار مار گھنی بھوئی سیاہ آنکھیں جن میں زندگی کی چمک کے بجائے موت کی بے رونقی رچی ہوئی تھی۔ اس کا داہنا کان سنتا یہ پیدائشی طور پر ناقص تھا کیونکہ داہنے کان کی جگہ گوشت کا ایک لوتھڑا سا جھول رہا تھا۔

"اے۔ ڈی جی واپس جا چکے ہیں! اُن کی غیر موجودگی میں تم مجھ پر اعتبار کر سکتے ہو۔" اس شخص کا لہجہ بھی آنکھوں کی طرح سرد اور سپاٹ تھا۔ اُس کی شخصیت کا مجموعی تاثر کچھ ایسا تھا جیسے کسی فرعون کی صدیوں پرانی لاش نے ممی سے نکل کر چلنا پھرنا شروع کر دیا ہو۔

"اے۔ ڈی جی!" میں نے دل ہی دل میں دہرایا۔ گویا میرا معاملہ اعلیٰ پیمانے پر طے کیا جا رہا تھا۔ دو آرجیپال انڈین سیکرٹ سروس کا اسسٹنٹ ڈائرکٹر جنرل ہی تھا تو میرے لیے بچاؤ کی کوئی امید بے سود تھی۔ میرے لیے ان مشکلات کو ٹالنا ضروری تھا مگر مجھے بچاؤ کے امکانات میں سے ضرور نظر آ رہا تھا۔

"تم کس اے۔ ڈی۔ جی کی بات کر رہے ہو؟" میں نے غلط فہمی کا امکان دور کرنے کے لیے انجان بن کر اس سے سوال کیا۔

"تمیز سے بات کرو!" خلاف توقع اُس نے سرد لہجے میں مجھے ڈانٹ دیا اور میں نے اسی لمحے اپنے ذہنوں میں سر زنش سے رکھ لیا۔

"بدتمیزی!" میں نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔ "تمہارا کان شاید کچھ زیادہ ہی حساس واقع ہوا ہے۔ میں نے جیپال سنگھ سے ملنے کی خواہش کی تھی۔ تم اے۔ ڈی۔ جی کی خبر لائے ہو؟"

میری اس بات پر وہ ذرا بھی نہ بھڑکا۔ اُس کے ہونٹ خفیف سے کھنچے شاید وہ مسکرایا تھا پھر اُس کی دبی دبی گھٹی ہوئی آواز ابھری۔ "غیب سے جیتی آہا لوگوں نے شاید تمہارے ذہنی توازن پر خراب اثر ڈالا ہے مگر یقین کرو کہ آخرکار جب تم مکمل طور پر میری تحویل میں دے دیے جاؤ گے تو میں تمہارے کانوں پر ہی سب سے پہلے توجہ دوں گا۔ نمبر دو یہ کہ جیپال صاحب ہی اس عمارت میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر جنرل کہلاتے ہیں وہ یہاں سے سیدھے ایئرپورٹ گئے ہیں اور کچھ دیر بعد تم سے

باہر ہو جائے گئے۔ انہیں جو کچھ کہنا ہے مجھ سے کہو یا خاموشی سے بستر پر پڑے رہو!"

"تم کون ہو؟"

"عام حالات میں اس عمارت میں صرف میرا اختیار چلتا ہے۔ تمہارے لیے صرف اتنا جاننا کافی ہے کہ جیپال صاحب کے جانے کے بعد یہاں بناوٹ صورتِ حال معمول پر آ چکی ہے!"

"مجھے تمہارے عہدے یا اختیارات سے کوئی دلچسپی نہیں!" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "میں صرف تمہارا نام جاننا چاہتا ہوں!"

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتا مسہری کی طرف آیا۔ اُس کے ہونٹوں پر ایک ہوئی زہریلی سی مسکراہٹ رقصاں تھی مگر دھندلائی آنکھیں بدستور بے نور اور سرد تھیں۔

میرے بالکل قریب آ کر اُس نے دونوں ہاتھ کمر پر باندھ کر بولا: "مجھے ڈاکٹر سیدی کہتے ہیں!" فقرہ مکمل ہوتے ہی بجلی کی سی سرعت سے اُس کا داہنا ہاتھ فضا میں لہرایا اور جب تک میں اپنی مدافعت کے بارے میں سوچوں اس کا فاقتور مکا میری پیشانی پر پڑا اور میں کراہتا ہوا مسہری پر ڈھیر ہو گیا۔

میں اُن لوگوں کا قیدی ضرور تھا مگر زخمی اور تازہ زخموں کے باعث میرا اعصابی نظام بہت زیادہ حساس ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر سیدی نے میری پیشانی پر مکا رسید کر کے بہت حد تک مجھے حواس باختہ کر دیا۔ میری نگاہوں کے سامنے ستاروں کی ایک دھندلائی ہوئی کہکشاں رقص کرنے لگی۔

میں نے مسہری پر بیٹھے بیٹھے بلند آواز میں ڈاکٹر سیدی کو برا بھلا سنائی جو میرے حافظے میں موجود تھی پھر اُس سے چند ناشائستہ رشتوں کا اظہار کیا اور جب اُس کا بڈیوں بھرا چہرہ دوبارہ میری نگاہوں کی زد میں آیا تو وہاں وہی ساکت بیٹھے والی مسکراہٹ موجود تھی۔

اب میرے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ سیدی کے والدین کے بارے میں بھی اپنی رائے کا اظہار کروں کیونکہ اس جیسے موذی کی پیدائش میں ان کا ہاتھ تھا مگر انہوں نے کوئی نیک کام نہیں کیا تھا۔

اسی دوران میری ہنگامہ آرائی نے مسلح محافظوں کو خوابگاہ میں آنے کی دعوت دی مگر ڈاکٹر سیدی نے نہایت سکون کے ساتھ انہیں باہر بھیج دیا۔

"یہ شور اور واویلا بند کرو!" اس بار وہ بلند آواز میں مجھ سے مخاطب ہوا۔ "میں وہ بات جاننا چاہتا ہوں جو سننے کے لیے تم جیپال کو بلا رہے تھے!"

"تم جانور سے بھی بدتر ہو گئے!" میں غصے سے بپھرا ہوا تھا۔ "میں صرف جیپال سے بات کروں گا۔ تم چلے جاؤ یہاں سے!"

"ٹھیک ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں، شاید ان سے رابطہ ہو جائے!" اُس نے لاپروائی سے کہا اور وہاں سے واپس چلا گیا۔

میں کافی دیر تک مسہری پر بڑے غصے میں کھولتا رہا۔ سیدی جیسا ظالم ڈاکٹر میں نے زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ اوّل درجہ کا مکار اور بے رحم آدمی نظر آتا تھا۔ اُس نے میری ابتر حالت کی پروا کیے بغیر جس طرح بے رحمی سے مکا رسید کیا تھا اُس کی توقع کسی بھی مہذب انسان سے نہیں کی جا سکتی تھی۔

جا سکتی تھی۔ پھر جیپال کے برعکس اس مردود میری کسی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔ اُس کے انداز سے ظاہر تھا کہ میرے معاملات میں اُسے ذرا بھی دلچسپی ہوتی تو وہ میری زبان کھلوانے کے لیے تشدد کا آغاز کر چکا ہوتا۔

جب میرے اعصاب ذرا بحال ہوئے تو میں آتش دان میں پہنچا۔ آئینے میں صورت دیکھی تو مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا۔ میرا پورا سر پٹیوں میں بندھا ہوا تھا اور چہرے سے میں برسوں کا مریض معلوم ہو رہا تھا۔

میں نے تنہائی کاٹنے اور اس عمارت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی نیت سے باہر موجود محافظوں کو کمرے میں بلا لیا۔

"تم لوگ میرے ساتھ تاش کھیلو گے؟" میں نے ان تینوں سے دریافت کیا۔ انھوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں باہمی تبادلۂ خیال کیا پھر ایک بولا۔

"میں صاحب سے اجازت لے کر آتا ہوں!" اور میرے جواب دینے سے پہلے ہی وہ کمرے سے نکل گیا۔

چند منٹ بعد وہ واپس آیا تو اُس کے ہاتھ میں تاش کی گڈی موجود تھی۔

"صاحب نے اجازت دے دی ہے مگر تم ہمارے ساتھ کوئی چالاکی نہیں کرو گے!"

"تم فکر نہ کرو!" میں مسکرایا۔

پھر ہم چاروں فرشی قالین پر ہی بیٹھ گئے۔ انھوں نے اپنی بندوقیں ایسی جگہ رکھیں جہاں وہ میری رسائی سے دور اور ان کے قریب تھیں۔ میں نے نیچے رکھی ہوئی گڈی اٹھائی اور تاش سیدھے کر کے الٹ پلٹ کرنے لگا۔ اُن سے گفتگو کرتے ہوئے چند لمحوں کے بعد میری نظر گڈی پر پڑی اور میں چونک پڑا میری برسوں پرانی عادت ابھی تک میرے لاشعور سے چپکی ہوئی تھی۔ گڈی میں جوکر کا پتہ سب سے اوپر موجود تھی۔

کھیل شروع ہوا! آہستہ آہستہ جھجک ختم ہوا اور ہلکی پھلکی گفتگو بھی چل پڑی۔

"اگر اس عمارت میں صرف تم لوگوں کا ساتھ ہو تو یہ قید بھی راحت ہے!" ایک مرحلے پر موقع غنیمت جان کر میں نے بات چھیڑی۔

"تم قیدی ہو یہاں؟" اس بات پر تینوں ہی چونکے تھے مگر استفسار ایک نے کیا تھا۔

"کیا یہاں قیدیوں کے علاوہ بھی کوئی آتا ہے؟" میں نے الٹا سوال کیا۔

"ہمیں تو بتایا گیا تھا کہ تم یہاں ایک اہم مہمان کے طور پر لائے گئے ہو اور تمہاری سخت حفاظت کی جا رہی ہے!"

"اگر مہمان کے سر پر ہر وقت تین گھڑی ہوئی بندوقیں مسلط ہوں تو وہ خود کو قیدی ہی سمجھے گا!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں نے انہیں شبہ کا کوئی موقع دیے بغیر ان سے بہت سی باتیں دریافت کیں۔ لیکن وہ بیچارے اس عمارت کے بیشتر معاملات سے بے خبر تھے۔ ان کا واسطہ صرف اپنے سارجنٹ سے پڑتا تھا جو اس عمارت کے حفاظتی انتظامات کا ذمہ دار تھا۔ سارجنٹ سمیت اس عمارت میں کل گیارہ افراد زمینوں پر مشتمل حفاظتی دستہ متعین تھا۔ انہیں عمارت سے باہر جانے کی سخت ممانعت تھی۔ کھانا وغیرہ بھی دیں

تا تھا یوں وہ اس عمارت میں کل وقتی ملازم تھے۔

وہ عمارت کافی وسیع تھی گو حفاظتی عملے کا گزر بیرونی عمارت کے سوا حتی الامکان عمارت کے اندرونی حصوں سے دور رہنے کا حکم ملا ہوا تھا۔ ڈاکٹر سیدی اس عمارت میں آمر مطلق کا درجہ رکھتا تھا اور لوگ اس کے سامنے تک سے کانپتے تھے۔ آج تک کسی کو علم نہیں تھا کہ وہ کس قسم کا ڈاکٹر ہے مگر افواہ یہ تھی کہ وہ بہت ماہر نفسیات واقع ہے۔ اس سمت عمارت میں کام کرنے والے وہیں مقیم رہتے تھے۔ ہر شخص کو اپنی باری کے مطابق مہینے میں ایک بار چار دن کی مسلسل چھٹی ملتی تھی۔ اس چھٹی کے علاوہ کوئی باہر نہیں جا سکتا تھا۔ یہاں رہنے والوں کا بیرونی دنیا سے صرف اتنا رابطہ تھا کہ ہفتے میں ایک بار گاڑی روزمرہ ضروریات کا سامان اور رسد دراڑ پہنچانے آتی تھی۔

پہلے تو مجھے شبہ ہوا کہ شاید وہ پہلی طرح میرے مشتبہ کرنے کے لیے ان تینوں کے ذریعہ عمارت کے بارے میں میرے سامنے پراسرار باتیں پہنچائی جا رہی ہیں مگر جلد ہی مجھے یقین ہو گیا کہ وہ لوگ سچ بول رہے ہیں۔ بیسویں صدی میں ایسی عمارت کا وجود میرے لیے سخت حیرت کا باعث تھا۔ یہ بیسا لگتا تھا جیسے میں کسی طلسمی قلعے میں آ پھنسا ہوں جہاں کوئی کسی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ اور جہاں داخلے کے بے شمار راستے ہوں مگر نکاسی کی ہر راہ مسدود ہو۔

شام پانچ بجے ایک شخص نے ڈاکٹر سیدی کا پیغام لا کر وہ محفل برہم کر دی۔ سیدی نے مجھے فوراً طلب کیا تھا۔ یہ پیغام سنتے ہی میرا دل خوشی سے دھڑکنے لگا۔ شاید وہ دورِ حاضر کے میرے بارے میں وسیع اختیارات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

میرے پاس اس بلاوے سے مفر کی کوئی صورت نہ تھی۔ میں بادلِ ناخواستہ سیدی کے قاصد کے ساتھ ہو لیا۔ برآمدے میں نکلنے کے بعد ایک طویل چکر کاٹ کر میں راہداری میں داخل ہوا۔ اس وقت پوری عمارت پر ہولناک سکوت طاری تھا۔ خاص طور پر اس کشادہ راہداری میں آنے کے بعد تو ہمیں اپنے قدموں کی آواز کے سوا کوئی آہٹ نہیں سنائی دے رہی تھی۔

باہر سے وہ دو منزلہ عمارت جتنی وسیع تھی اُس کی اندرونی ساخت اسی قدر پیچیدہ تھی۔ راہداریوں اور کئی اندرونی دالانوں سے گزر کر آخر کار ہم ایک راستے کے آخری حصے پر پہنچے۔ وہاں ایک بند دروازہ موجود تھا۔ مجھے لانے والے نے اپنی جیب سے کوئی چیز نکال کر دروازے میں بنے ہوئے بٹن کے ایک چوکور خانے میں رکھی اور وہ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ جب وہ آدمی پھرتی کے ساتھ اپنا ہاتھ جیب میں واپس ڈال رہا تھا تو میں مسہری رنگ کے دھات کے ایک چوکور ٹکڑے کی بس جھلک ہی دیکھ سکا۔

اس دروازے کے پیچھے تہہ خانے کی تنگ و تاریک سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں۔ ہم دونوں نے پہلی سیڑھی پر قدم ہی رکھا تھا کہ دروازہ کسی خودکار نظام کے تحت بند ہو گیا۔

سیڑھیوں کا اختتام ایک راہداری میں ہوا جس میں دونوں طرف دو دو دروازے موجود تھے۔ دائیں جانب آخری دروازہ نیم وا تھا اور میں جا

سے مشینی کھٹکوں کی ملی جلی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میکھرا لانے والے نے اسی کمرے کی طرف بڑھتا ہوا مجھے اندر جانے کو کہا اور خود وہیں رک گیا۔

میں اندر داخل ہوتے ہی چونک پڑا۔ اس کمرے میں ایک بہت بڑا ریڈیو کنسول موجود تھا اور اس کے آگے دو آدمی کانوں پر ہیڈ فون چڑھائے دھیمی آواز اور ناقابل فہم زبان میں کچھ کہے جا رہے تھے۔ ساتھ ہی پنسل سے پیڈ پر نوٹ لیتے جا رہے تھے۔ ان کے پیچھے ڈاکٹر بیدی موجود تھا اور دروازے سے لگ کر شاید میرا ہی منتظر تھا۔

"جی سکس ون ٹائیگر پر آپ کے لیے کال!" مجھے دیکھتے ہی بیدی نے ایک آپریٹر سے سرد سپاٹ اور تحکم آمیز لہجے میں کہا۔

"یس سر!" اُس نے جلدی سے کہا۔ پھر اُس نے اپنے سر پر چڑھے ہوئے ہیڈ فون کا پلگ پینل پر لگے ہوئے ساکٹ میں لگا دیا اور اُس کی انگلیاں پھرتی کے ساتھ مختلف ڈائلوں اور کھٹکوں سے الجھنے لگیں۔

وہ عمارت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے لیے طلسم ہوش ربا بنتی جا رہی تھی۔ مواصلات کا وہ مکمل اور ریڈیائی نظام اس عمارت کی اہمیت کا ایک اور بڑا ثبوت تھا۔

"تم نے مجھے کیوں بلایا ہے؟" میں نے بیدی سے یہ سوال کرتے ہوئے اپنے لہجے میں کڑواہٹ کا عنصر محسوس کیا۔

"شش!" اُس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

اور پھر وہ آپریٹر بیدی کی ہدایت پر عمل پیرا تھا۔ کافی دیر کی کوشش کے بعد کنسول میں لگے ہوئے کسی خفیہ اسپیکر سے دھیمی سی نسوانی آواز ابھری تھی۔

"جی سکس ون ٹائیگر – ریسیونگ!" ریڈیو آپریٹر پہچانتے ہی آپریٹر کی زبان مشینی انداز میں چل پڑی۔

"جی سکس ون ٹائیگر – ریسیونگ۔ اوور!" چند سیکنڈ کے بعد ایک بھاری مردانہ آواز ابھری۔

وہ آواز سنتے ہی بیدی لپک کر ریڈیو کنسول پر پہنچ گیا۔ "جی سکس ون ٹائیگر! ریمنڈ اسپیکنگ۔ مجھے اُن سے بات کرنی ہے۔ اوور!"

وہ بہت حساس وائرلیس ریسیونگ سیٹ تھا جس پر آواز بالکل صاف اور واضح سنائی دے رہی تھی۔ میری نظر کنسول پر لگے ہوئے مونوگرام پر گئی۔ وہاں امریکہ کے مشہور زمانہ ادارہ سی۔ آئی۔ اے کا نام لکھا ہوا تھا جو لاسلکی اور ریڈیائی مواصلات میں دور جدید کا راہنما سمجھا جاتا ہے۔

"ہیلو ریمنڈ۔ میں جیک بول رہا ہوں۔ اوور!" قدرے سکوت کے بعد کمرے میں آواز ابھری اور مجھے یہ پہچاننے میں ذرا بھی دشواری نہیں ہوئی کہ بولنے والا جسپال سنگھ تھا۔

"وہ میرے ساتھ موجود ہے سر! اوور!" ڈاکٹر بیدی کے الفاظ احترام آمیز تھے مگر لہجہ سپاٹ اور سرد۔

"میری بات کراؤ اس سے۔ اوور۔"

بیدی نے مڑ کر مجھے دیکھا۔ "جسپال صاحب سے بات کرو!"

میں اپنے عروج کے دنوں میں جرائم کی دنیا کا بے تاج بادشاہ کہلاتا تھا۔ قانون کے محافظ مجھ پر ہاتھ ڈالنے کے باوجود بھی مجھ سے ڈرتے تھے مگر بیدی جو کچھ بھی تھا، ماہر نفسیات ضرور تھا۔ اُس نے اپنی قوت اور وسائل کے بھرپور مظاہرے کے ذریعے مجھے احساس دلا دیا تھا کہ اس کے سامنے میں چھوٹا اور بے بس ہوں۔ احساس کمتری شدت سے مجھ پر غالب آ رہا تھا۔

"میں صفدر علی بول رہا ہوں۔ اوور!" میں نے کنسول پر لگے ہوئے مائیکروفون کے قریب جا کر کہا۔

"ہاں۔ کیا بات ہے؟ اوور!"

"سیتا کے بارے میں چند فضول سی باتیں بیدی نے چھپایا تھا۔ اُس کی تلاش کے سلسلے میں یہ باتیں اہم ہیں۔ ... میں نے سیتا کے متعلق خدشات بیان کیے ہوئے ہیں۔ اُس کی نیلی آنکھوں کا نقش ... کا رنگ تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اب وہ سگریٹ اور بالوں میں سفید دھاگے ... کی ہوئی ہے جو پہلی نظر میں ہی نظر آ جائے گی۔ اوور!"

"تم نے یہ باتیں بتا کر بڑی حماقت کی ہے صفدر!" جسپال سنگھ کی مسرت آمیز آواز ابھری۔ "اور اب تمہارا ہر وقت مجھ سے رابطہ ہونا مشکل ہے۔ تم یہ کیسے بتا سکتے ہو کہ ڈاکٹر بیدی کو بتا سکتے ہو؟ اوور!"

اُس کا نام سنتے ہی میرے ذہن پر جیسے ہتھوڑا سا پڑا۔ "یہ مشکل ہے۔ ڈاکٹر بیدی کا ساتھ میری زندگی تلخ کر دے گا۔"

"وہ بہت ہمدرد انسان ہے صفدر!" جسپال بولا۔ "جہاں تک اس کے ماہر نفسیات ہونے کا تعلق ہے، وہ تمہاری بہتری کی ذہنی گتھیوں کو سلجھا سکے گا۔ اوور!"

"ماہر نفسیات! مجھے تو وہ خود ایک نفسیاتی مریض معلوم ہوتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اُس نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔" میں بگڑ کر بولا۔

"اوہ۔ تھوڑا صبر کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس وقت میں بہت مصروف ہوں۔ تمہاری خاطر ایک میٹنگ سے اٹھ کر آیا ہوں۔ اوور اینڈ آل!" ریسیونگ ایریا میں بھی خاموشی ہو گئی۔

"باہر نکلو!" بیدی کا لہجہ شاید جذبات اور مفادات کا کوئی اثر لیے بغیر سدا یکساں رہتا تھا۔

تہہ خانے کی راہداری میں آ کر اُس نے ریڈیو روم کا دروازہ بند کر دیا۔ مجھے خواب گاہ سے یہاں پہنچانے والا شاید پہلے ہی جا چکا تھا۔

"سنو صفدر!" دروازہ بند کرنے کے بعد وہ سختی سے میری طرف مڑا۔ "حادثے کے بعد جب تمہیں پہلی بار صفدر علی کی حیثیت سے یہاں لایا گیا تو تمہارے علاج کی ذمہ داری میں نے ہی قبول کی تھی۔ بے ہوشی کے عالم میں تم جو باتیں کیا کرتے تھے میں نے صرف اسی کی بنا پر جسپال کو بتا دیا تھا۔ تم جیسے خودغرض لوگ ناکامیوں میں جلد ہی مبتلا ہوا کرتے ہیں۔ میں انسانوں کے ذہنوں میں جھانکنے کی بے پناہ صلاحیت رکھتا ہوں اور میرا دعویٰ ہے کہ تم کبھی تک ہمارے ساتھ مخلص نہیں ہو۔ پارس پتھر ملنے کی بے تمہاری کی تیاری کی ہے۔ جب تک تمہارے ساتھ رویہ نرم رکھا جائے گا، تم مکاری اور منافقت برتتے رہو گے۔ تم صرف اور صرف تشدد کے سامنے سچ اگل سکتے ہو۔ ذرا سی تکلیف پر

ہی جانے کا ارادہ ہی نہیں ہے۔ وہ بہت تیزی سے ... نہیں ہوتا۔ کیا یہ پارس پتھر کی دستیابی تک تمہاری زندگی اور صحت کے محافظ بنے ہوئے ہیں۔ بقول سقراط بری بات ہے لیکن اب تک تم پارس پتھر کا سراغ لگا چکے ہوتے!"

"بڑے مجبور ہو تم زمین داروں کے سامنے!" میں نے طنز کیا۔

"اتنا زیادہ بھی نہیں۔" وہ سکون سے بولا اور میرا ہاتھ تھام کر تہہ خانے کے ایک کمرے میں گھس گیا۔ "یہاں جسمانی تشدد سے مجبور ہو جانا ہوا ولا، یہ تمہاری انفرادیت آدمی کی چیخ کی جگہ ہے۔ یہ بچھو میری تجربہ گاہ ہے۔ اس کمرے میں میری کوششوں کے نتیجے میں تین برس قبل آگ لگنے سے ہی آزاد ہونے سے بچ گیا۔ وہ ایک بڑی طاقت کے حامی بیدی کی سازش کر چکے تھے۔ جب اس کی ذرا سی جھلک مل گئی، جس سازش کا پتہ لگا، گردن کا ایک رگ کاٹ کر اُس کمرے میں صرف تین ہفتے کی محنت کے بعد اس نے پورا منصوبہ اگل دیا۔ سازشی کیا جان کاٹ دی گئیں اور سازشی لیڈر لندن بھاگ گئے۔ اب وہ وہاں رہ کر جلا وطنی کی زندگی گزار رہے ہیں۔"

"جناب! مجھے بتائیے یہ صندوق ہے بیدی؟" میں نے حقارت سے کہا۔

"یہ صندوق دیکھ رہے ہو تم؟" وہ ہیکڑ تجربے پر توجہ دلاتے ہوئے بولا۔ "اس میں آدمی کو لٹا کر ڈھکنا مقفل کر دیا جاتا ہے۔ اس صندوق میں تین خون کی نالیاں ہیں جن میں حسب خواہش جھاپ یا بھاپ کا گرم پانی گزارا جاتا ہے۔ مجھے صرف ایک بٹن دبانا پڑتا ہے اور سارا کام خود بخود ہوتا چلا جاتا ہے۔ صندوق کی ساخت ایسی ہے کہ وہ باہر کی حرارت جذب کر لیتا ہے اور اپنی حرارت خارج کرتا ہے۔ یہ تدبیری نصف گھنٹہ جسم کی گرمی سے لطف اندوز ہوتا ہے اور اُس کے بعد صندوق کے اندر درجہ حرارت آہستہ آہستہ نیچے گرتا ہے۔ بیکار ہے کہ آج تک کوئی قیدی اس صندوق میں تین سے زیادہ بڑی تبدیلیاں برداشت نہیں کر سکا۔ اس صندوق کی تبدیلیوں کی تفصیل بہ ہی تو دیر تک وہ خونریزی کا شکار ہو چکے ہوتے ہیں۔ وہ بری طرح ٹوٹ کے اثرات ہو چکے تھے!"

"تم پیدا ہوتے ڈاکٹر، تمہیں سیکرٹ سروس کے بجائے کسی جیل کا جلاد ہونا چاہیے تھا!"

"مارنا آسان کام ہے۔" وہ بھیڑیے کی طرح سنگدل تھا اور اب مسکرا رہا تھا۔ "اذیت دے کر جلانا مہارت کا کام ہے۔ جیتے جی مہارت کا کام! تمہیں جان کر خوشی ہوگی صفدر کہ میرا کوئی شکار آج تک میرے ہاتھوں مارا نہیں گیا۔"

"مسکتی ہوئی قاتل زدہ زندگی سے تو موت بہتر ہوتی ہے۔"

"ہر صورت اس وقت یہ تصور کرنا آسان ہے۔" وہ اُن سے پوچھو جو یہاں سے زندہ گئے ہیں۔ زندگی اتنی بے وقعت نہیں ہے کہ اسے کوڑیوں کے مول نیلام کر دیا جائے۔ اگر ایسا ہی ہو جائے تو زندگی، محبت، طاقت اور رہنمائی سے محروم ہمارے دن پہنچے ہیں۔ ورنہ خودکشی کر بیٹھیں!"

"تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"اس لیے کہ آخر کار تمہیں اسی کمرے میں لانا ہے۔ یہاں کی ہر چیز ظاہر نفسی اور خوشی نے بتایا کہ اس کے پیچھے تشدد کی ایک بڑی دنیا پوشیدہ ہے۔ وہ نرم دل آدمی ہے۔ مسٹر بیدی، یہاں کا خلا سے یہ بیچ کرسی جیسی چیز لگتا جاتی ہے۔ اس پر بیٹھنے والے مہذب آدمی کے مریض بن کر نکلتے ہیں۔"

"میں جا رہا ہوں۔ تمہارے پیچھے! تم مجھے بلا وجہ خوف زدہ کر رہے ہو!" میں چیختا ہوا دروازے سے باہر نکل گیا۔

وہ مرے ہوئے بولا: "نادانی میں ہنسنا یہ ہمارا کام ہے۔ ساحت کرے ساڑھے چار دن میں صفدر میری مدد کے بغیر تم اس دروازے کو بھی نہ کھول سکو گے۔ یہ اندرونی سیکرٹ سروس کا اہم ترین خفیہ مرکز ہے۔ یہاں آنے والے صرف میری ترتیب پر عمل کر کے صحیح الدماغ رہ سکتے ہیں۔"

میں تہہ خانے سے نکاسی کے دروازے پر پہنچ کر رک گیا۔ اس نے واقعی مجھے جنبش تک نہ کی۔

"یہ تو ڈیجیٹل کنٹرول کا کمال ہے۔" اُس نے جیب سے چپٹی کا ایک ٹکڑا نکال کر کوڈ لکھا، جس پر ڈیجیٹل جھلکی ابھری ہوئی تھی۔ وہ تاکیدا اُس نے دروازے میں بنے ہوئے چھید کے فریم میں رکھا اور فوراً ہی دروازہ کھل گیا۔

"جلدی باہر نکلو!" وہ چپٹی کا ٹکڑا واپس اپنی جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔ "اسی سیکنڈ کے بعد دروازہ پھر بند ہو جائے گا!"

میں تیزی سے دروازے کی دوسری طرف نکل گیا۔

"اب تمہیں اندازہ ہو چکا ہوگا کہ یہاں تم کس قدر مجبور اور محکوم ہو؟" راستے میں وہ بولا: "میں مسکرا رہا ہوں۔ تمہیں اور ہزاروں کان رکھتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم بھی تو اپنا کام کر رہے ہو۔ ذرہ سا تو تاش کھیلتے ہوئے تم نے ان سے اس عمارت کے بارے میں پوچھا۔ پھر جانے کی ناکام کوشش کی تھی۔ تمہیں یاد رکھو کہ یہاں کوئی شخص صرف وہی جانتا ہے جو ضروری ہے، زیادہ نہیں جانتا۔"

میں نے اس سے مزید الجھنا مناسب نہ سمجھا اور کمرے میں لوٹ آیا۔

اگلے تین روز وہاں غیر معمولی خاموشی اور سکون سے گزر گئے۔ مجھے کھانا وغیرہ وقت پر مل جاتا تھا۔ غیر معمولی بات یہ تھی کہ اس دوران میں بیدی مجھے کہیں نظر نہ آیا۔

چوتھے روز صبح سویرے وہ میرے کمرے میں آ موجود ہوا اور مسکراتے ہوئے بولا: "آج تم باہر جا رہے ہو۔ تمہارے زخم بھر چکے ہیں، تھوڑی دیر بعد پٹیاں کھول دی جائیں گی۔"

میں نے پھر مسرت حیرت کے ساتھ سنی اور پوچھا: "کیا پارس مل گیا ہے؟"

"مل جائے گا۔" اُس نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"سیتا کا کچھ پتہ چلا؟" اس کے لہجے نے میری بے چینی بڑھا دی!

"ہاں!" وہ مختصر سا جواب دے کر واپس جانے کے لیے پلٹ گیا۔

میں نے لپک کر سامنے سے اس کا راستہ روک لیا اور سخت لہجے میں پوچھا: "کہاں ہے سیتا؟ مجھے بتاؤ ورنہ تم اس کمرے سے زندہ نہ جا سکو گے!"

"وہ چندی گڑھ کے نواح میں کہیں چھپی ہوئی ہے۔ ہمارے مخبروں نے اسے دیکھا تھا!"

"انھیں کیسے پتہ چلا کہ وہ سیتا ہی ہے؟" میں نے حیرت اور خوشی سے مغلوب ہو کر اگلا سوال کیا۔

"وہ ملیں گے تو ان سے پوچھوں گا۔"

"تم جھوٹے ہو۔ بکواس کرتے ہو۔" میں نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔ "سیتا یہاں لائی جا چکی ہے۔ اس لیے تم مجھے اچانک رہا کر رہے ہو۔ وہ تمہارے ہاتھ آ گئی ہے اور اب تم اس پر تشدد کرو گے۔ میں یہاں سے ہرگز نہیں جاؤں گا۔"

وہ ہر کام بائیں ہاتھ سے کرنے کا عادی تھا۔ لہٰذا اس وقت بھی اس کا وہی ہاتھ چلا اور میری کنپٹی اس کی قربت سے جھنجھنا اٹھی۔ میں قالین پر لڑکھڑا کر بے ہوش ہو گیا۔

میں کتنے عرصے بے ہوش رہا اس کا مجھے علم نہیں البتہ یہ مدت دس گھنٹے سے کسی طرح کم نہیں تھی کیونکہ میں صبح بے ہوش ہوا تھا اور جب دوبارہ حواس بحال ہوئے تو رات کے آٹھ کا عمل تھا۔

ہوش میں آنے کا پہلا سبب وہ گرم گرم لیس دار لمس تھا جو مجھے اپنے چہرے پر محسوس ہو رہا تھا تو اس کی بو بھی کے ساتھ ہی اس میں حرارت آمیز سانسوں کا احساس بھی شامل ہو گیا۔ میں نے کسمساتے انداز میں آنکھیں کھولنے اور پہلو میں اس وجود کو ٹٹولنے کی کوشش کی جس کے سانس میرے چہرے سے ٹکرا رہے تھے تو بیک وقت دو انکشافات ہوئے۔ اول یہ کہ میں ننگی زمین پر پڑا ہوا تھا دوم یہ کہ اس وقت سردی ناقابل شدید تھی۔

میں ہڑبڑا کر زمین سے اٹھا اور دفعتاً ایک ہلکی سی چیخ سے گونج اٹھی۔ منہ چاٹنے والا کتا مجھے بیدار ہوتا دیکھ کر وہاں سے بھاگ نکلا تھا۔

کافی دیر تک تو میری سمجھ میں نہ آ سکا کہ یہ سب کیا ہے اور میں کیونکر اس حال کو پہنچا مگر خاص طور سے ایسے حالات میں انسان کی بڑی مدد کرتے ہیں۔ سردی کی شدت نے ذرا بھی دیر نہیں کی تو اس معمول پر پہنچائے اور مجھے گزرے ہوئے واقعات یاد آ گئے۔

ڈان ہاؤس یا بی ڈورنا اس عمارت کی زمین پر پڑا پایا جانا اس امر کا کھلا ثبوت تھا کہ ڈاکٹر جیدی انتہائی کمینہ خصلت انسان تھا۔ اس کی یاد آتے ہی میں نے جلدی جلدی اپنی جیبوں کی تلاشی لی اور یہ معلوم کر کے قدرے اطمینان ہوا کہ پارس پتھر ابھی تک میری تحویل میں تھا۔

میرے بدن پر ابھی تک وہی کپڑے موجود تھے جو میں انبالہ روڈ پر حادثہ کا شکار ہوتے وقت پہنے ہوئے تھا۔ میں نے ڈان ہاؤس میں ان کپڑوں کو ایک بار دھلوایا ضرور تھا مگر اب وہ کچھ زیادہ صاف ستھرے نہیں رہ گئے تھے۔

پھر مجھے سیتا یاد آئی اور میں تڑپ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ مجھے یقین تھا کہ انڈین سیکرٹ سروس اسے گرفتار کر چکی تھی اور اب وہ ڈان ہاؤس میں ڈاکٹر جیدی کے ستم کا نشانہ بن رہی ہوگی۔ ان لوگوں کو میرے اس بیان پر یقین آ چکا تھا کہ پارس پتھر سیتا کے پاس ہے۔ جب تک وہ ہاتھ نہ آتی میں ان کا قیدی بنا رہتا اور سیتا نے مجھ سے ایک موقع پر کہا تھا کہ اپنے بیان کی تصدیق تک مجھے انڈین سیکرٹ سروس کا قیدی رہنا ہوگا۔ جب ہی سیتا کی گرفتاری کے بعد مجھے چھوڑ دیا گیا کیونکہ ان کی دانست میں میں ان کے لیے بے کار تھا۔

میں نے خوف سے جھرجھری لیتے ہوئے وحشی کی طرح گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ وہاں ہر طرف ویرانی کا راج تھا۔ تاروں کی سیاہ چمکیلی سڑک دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے اطراف میں کھلا میدان تھا۔ اِکا دُکا درخت ایک طرف میدان سے بہت دور تھے۔ روشن نقطے جھلملا رہے تھے جن سے اس طرف آبادی کی موجودگی کا پتہ چل رہا تھا۔

میں کہاں اور کس شہر میں تھا۔ مجھے علم نہ تھا۔ میں سخت جھلاہٹ اور بے بسی کے عالم میں اس ویران میدان میں ہو لیا جس کے اس پار آبادی نظر آ رہی تھی۔

میں جہاں بھی تھا اب مجھے جلد از جلد انبالہ پہنچنا تھا۔ نہ جانے یہ محض اتفاق تھا یا ان لوگوں کی سوچی سمجھی تدبیر کہ ڈان ہاؤس میں جانے اور وہاں سے آتے ہوئے دونوں مرتبہ میں بے ہوش تھا اور اس عمارت کے محل وقوع سے باخبر نہ ہو سکا تھا۔ مگر مجھے امید تھی کہ اس جیسی ہیبت اور شوکت والی عمارت دور دور مشہور ہوگی۔ اس کا اصل نام تو پتہ نہیں تھا مگر ڈان ہاؤس کے حوالے سے وہاں کا کوئی بھی رہنے والا مجھے وہاں پہنچا دیتا۔ پھر اس عمارت کے احاطے کی دیوار غیر معمولی طور پر بلند تھی اور اس پر خاردار تار کی دوہری باڑھ بھی موجود تھی۔ ان نشانیوں کی بنا پر ایک چھوٹے سے شہر میں اس عمارت تک پہنچنا میرے لیے اتنا دشوار نہیں تھا۔

سوچتے سوچتے میرا ذہن دکھنے لگا۔ چلتے چلتے قدم تھکنے لگے مگر وہ شیطانی روشنیاں ابھی اسی فاصلے پر تھیں جو میں نے ہوش میں آتے ہی دیکھا تھا۔ رات اندھیری اور راستہ ناہموار ہونے کے علاوہ غیر ہموار بھی تھا۔ میں گرتا پڑتا نصف شب کے لگ بھگ آبادی میں داخل ہو ہی گیا مگر اس وقت کسی کا ملنا محال تھا۔

میرے سامنے پہلا مسئلہ سردی سے بچاؤ اور شب بسری کا تھا۔ دکانیں تو کب کی بند ہو چکی تھیں پھر رہنا تھا مگر اس رات تو تنہا بند ہو کر مجھے خود ہی کرنی تھیں۔

پہلے میں نے کسی گھر میں گھس کر دو ایک گرم کپڑے چرانے کا ارادہ کیا مگر اس کو عملی جامہ پہنانے کی ہمت نہ کر سکا۔ سیکرٹ سروس سے گزرنے کے بعد میری ذات پر میرا اعتماد ڈھل کر رہ گیا تھا اور میں یہ پسند نہیں کرتا تھا کہ چوری جیسے جرم میں حوالات کی سیر کروں۔

آبادی میں گھومتے ہوئے اچانک میری نظر ایک دروازے پر لٹکتے ہوئے ٹاٹ کے پردے پر پڑی اور بے اختیار میرے قدم اسی طرف بڑھ گئے۔

مسئلہ حل ہو چکا تھا۔ بے دھڑک بڑھا ہوا مگر اس وقت میرا یہ حال تھا کہ جیب میں پارس پتھر موجود ہونے کے باوجود ٹاٹ کا پردہ چرانے پر مجبور ہو گیا تھا۔ پردہ چند کیلوں کے ذریعے چوکھٹ میں لٹکا ہوا تھا۔ دو تین جھٹکوں کے بعد ٹاٹ کا وہ پردہ صحیح سالم میرے ہاتھ میں آ گیا اور میں [illegible] کی طرح اوڑھ کر ایک طرف ہو لیا۔

وہ رات میں نے ٹاٹ اوڑھ کر [illegible] بدلتے بستری اور قریب

چاروں طرف کی نقل و حرکت محسوس کر کے اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

سورج طلوع ہونے تک مجھے ٹاٹ اوڑھے رہنا پڑا۔ اس کے بعد مجھے اپنے وہ چار لاکھ سے زائد روپے یاد آئے جو بے ایمان ڈاکٹر جیدی نے کھا لیے تھے۔ وہ رقم پاس ہوتی تو بازار کھلتے ہی اپنے لیے کچھ گرم ملبوسات وغیرہ خرید سکتا تھا مگر اب تو مٹھی بھر چیزوں سے آتش شکم سرد کرنے کی بھی استطاعت نہ تھی۔

سیکڑوں جیسے جیسے میں سونا بیچنے کی کوشش خطرناک تھی تو یہ کسی بھی چیز کو پارس پتھر کے لمس سے سونے میں بدلنا آسان تھا مگر آگے بڑا کام مشکل تھا۔ اول تو سونے کا لین دین کرنے والے کسی ادارے کا پتہ چلانا محال تھا۔ پھر ان کو بھی معلوم ہو جاتا تو وہ یہ سمجھتے کہ چوری کا مال بیچ رہا ہوں جبکہ میں پہلے ہی خطرہ مول لینے کا باز تھا۔

میرے بدن پر بوسیدہ کپڑوں کے سوا کوئی قیمتی چیز بھی نہیں تھی۔ اس نازک صورت حال میں اچانک میری نظر اپنے چاندی کی انگوٹھی پر پڑی جو بے بسی کی ہولناک وادیوں میں سیتا کی معصوم سندری نے مجھے پہنا دی تھی۔ اس میں پارس [illegible] میری جیب میں تھا اور یہ انگوٹھی دو یا تین روپے میں بک سکتا تھا۔

چاندی کے ظروف بنانے والوں کے بازار میں چاندی کا لین دین کرنے والے کئی مکین نظر آئے۔ میرا مدعا جان کر دوکاندار نے گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لیا پھر اس کی نگاہیں میرے دھول میں اٹے ہوئے ننگے پیروں پر جم کر رہ گئیں۔

"یہ چوری کی نہیں ہے۔" اس کی نگاہیں بھانپ کر میں جلدی سے بول پڑا اور اپنا ہاتھ اس کے سامنے کر دیا۔ "یہ دیکھو میری انگلی پر اس انگوٹھی کا نشان موجود ہے، مجبوریوں نے مجھے اس حال کو پہنچا دیا ہے۔ ورنہ یہ انگوٹھی جیسے تحفے لاکھوں روپے میں بھی سستی تھی۔"

اس نے اظہار تاسف میں سر کو جنبش دی، انگوٹھی کا وزن کیا اور ستر روپے ساتھ میرے میری طرف بڑھا دیے۔

میں نے سب سے پہلے جو چیزیں تھیں تمام ایک گھٹیا سے ہوٹل میں خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا پھر پرانے کپڑوں کے بازار کی طرف چل دیا۔

اس روز پہلی مرتبہ مجھے تیزی سے بدلتے ہوئے فیشنوں کی افادیت کا اندازہ ہوا اور بازار میں لاکھوں کی تعداد میں تقریباً نئے جیسے ملبوسات کے ڈھیر نظر آئے جو بے شمار غریب لوگوں کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔

اس بازار سے مجھے اپنے سائز کی قمیض پتلون بھی مل گئی اور سویٹر تو شاید میرے ہی لیے بنایا گیا تھا۔ اس خریداری کے بعد بھی میری جیب میں سو روپے باقی بچے جس سے میں نے اپنے لیے ایک چپل خریدی۔ اور میں یوں اپنی حالت سدھارنے کے قابل ہو سکا۔

ایک باغ کے ویران سے گوشے میں میدان صاف دیکھ کر میں نے جلدی جلدی لباس بدل ڈالا۔ پرانی پتلون کی جیب سے پارس پتھر اور دستی [illegible] نکال کر اسے باہر سڑک پر آ گیا۔

سڑکوں اور بازاروں سے گزرتے ہوئے میں نے کئی جگہ لوگوں سے ڈان ہاؤس کا پتہ پوچھا لیکن ہر ایک نے لاعلمی کا ہی اظہار کیا۔ ایک شخص نے نہ جانے کیا سمجھ کر بگڑی ہوئی پنجابی میں واہیات باتیں اور سیٹھ کی گردان کرتے ہوئے ایک راستہ بتا دیا۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ اسی راستے پر ہو لیا مگر بتائی ہوئی منزل پر پہنچ کر کھوپڑی گھوم گئی۔ وہاں میدان میں بہت سی جھونپڑیاں اور چھپروں میں جنگلی جانور بند تھے اور ایک طرف کپڑے کا بڑا سا اسٹیج لگا ہوا تھا جس پر دو بار سرکس کے الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ شاید وہ ڈان ہاؤس کو ڈانس ہاؤس سمجھا تھا۔

میرے پاؤں پر ایک مرتبہ پھر گردش سوار ہو چکی تھی۔ میں کبھی سیتا کے بارے میں سوچ رہا تھا اور کبھی پارس پتھر کے ذریعے کچھ رقم حاصل کرنے کے بارے میں منصوبہ بنا رہا تھا۔

اسی سوچ بچار کے دوران میری نگاہ ایک شخص پر پڑی جو کھجور بازار میں ٹاٹ بچھائے سامنے قیمتی پتھروں کی انگوٹھیاں لیے بیٹھا تھا۔

میں نے دیکھا کہ اس کے پاس چپل کے علاوہ لوہے کی بھی انگوٹھیاں تھیں۔ میں نے مختلف انگوٹھیوں کا جائزہ لینے کے بعد دام پوچھے تو اس نے ہر انگوٹھی کی قیمت دو روپے بتائی۔ ظاہر تھا کہ یہ خریداری میری گنجائش سے باہر تھی مگر میرے ذہن میں ایک زبردست تدبیر آ چکی تھی اور میں اپنی کارگزاری آزمانے کے لیے بے چین تھا۔

مختلف انگوٹھیاں دیکھتے ہوئے میں نے دو روپے کی ایک انگوٹھی پیتل کی بیلٹ میں ڈال لی اور ناپسندیدگی کا عذر کر کے وہاں سے اٹھ گیا۔ خوانچہ فروش سے دور نکل آنے کے بعد میں نے وہ انگوٹھی اسی انگلی میں پہن لی جس میں پہلے سندری کی دی ہوئی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔

انگوٹھی والا ہاتھ جیب میں ڈال کر میں کچھ دیر پارس پتھر کو انگوٹھی سے مس کرتا رہا پھر جب ہاتھ باہر نکالا تو یہ دیکھ کر میرا دل خوشی سے اچھل پڑا کہ میری انگلی میں طلائی انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔

میں ایک مرتبہ پھر چاندی والوں کے بازار میں جا نکلا اور کئی بار جائزہ لینے کے بعد ایک ایسی دوکان میں جا پہنچا جس کا مالک صورت ہی سے خدا ترس نظر آ رہا تھا۔

"کیا لینا ہے؟" اس نے گدی پر بیٹھے ہی بیٹھے سوال کیا۔

"بزرگوار لینا تو کچھ بھی نہیں۔ مجبوری آپ کے پاس لے آئی۔ بات تو شرمناک ہے مگر میرے حالات بہت خراب ہیں اور میں اپنے باپ کی یہ نشانی فروخت کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے لہجے میں درد اور ملال کا دریا سموتے ہوئے کہا۔

"یہ تو سونے کی ہے۔" دوکاندار انگوٹھی کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

"سونے ہی کی ہے اور میرے لیے جان سے زیادہ عزیز تھی۔" میں نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"بیٹا دس پانچ روپے نے تولوں دھڑ [illegible] ہے۔" وہ انگوٹھی لوٹاتے ہوئے بولا۔

"میں بہت تنگ دست ہوں مگر بے غیرت نہیں۔ دس پانچ ہی سہی میرے لیے تو اس انگوٹھی کے دس ہزار بھی کم ہیں۔" میں نے اس کا ہاتھ واپس

کر دیا۔

"یہ تمہاری ہی ہے؟" میری بات سن کر بوڑھے نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں!" میں نے ایک بار پھر وہی انگلی آگے کر دی جس میں سند کی نشانی مدتوں پہنے رہا تھا۔ اس انگلی کی جڑ میں سفید حلقہ بہت نمایاں تھا۔

تھوڑی سی بحث کے بعد میں نے وہ انگوٹھی بیچ کر سات سو روپے کی رقم حاصل کر لی اور اپنی کامیابی پر نازاں دکان سے باہر نکل آیا۔

جنگ و جنگ کا ایک مرحلہ نہایت خوبی سے طے ہو چکا تھا اور اب میں ڈاکٹر بیدی سے آخری ٹکراؤ کے لئے تیار تھا۔ میں گھومتا پھرتا شہر کے اس علاقے میں جا پہنچا جہاں بڑے بڑے مکانات واقع تھے میں گھنٹوں اس علاقے میں چکر لگاتا رہا۔ بے شمار لوگوں سے ڈان ہاؤس کا پتہ پوچھا مگر اس نام پر ہر ایک نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ اتنے بڑے شہر میں وہ عمارت اتنی مشہور نہیں کہ جتنی میں اب تک سمجھتا چلا آیا تھا۔

اس مرتبہ میں پارس پتھر کے استعمال میں بہت محتاط تھا۔ چاہتا تو کئی کئی بھاری مقدار تیار کر کے اونے پونے داموں میں بیچ دیتا اور لاکھوں کا مالک ہو جاتا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ اس بار میری بے فکری اور خطرات سے کھیلنے والی فطرت میں بڑی تبدیلی آ چکی تھی میں محتاط اقدامات کر رہا تھا اور اس کی سب سے بڑی وجہ ڈاکٹر بیدی تھا۔ بظاہر اس کی باتیں بے تکی تھیں اور بے مقصد معلوم ہوتی تھیں لیکن اس کا ہر لفظ میرے لاشعور سے چپک کر رہ گیا تھا اس نے اس قدر جارحانہ انداز میں میری توہین کی تھی کہ اب میں خود کو اندر سے کھوکھلا محسوس کر رہا تھا۔

میں نے انبالہ کے ایک سستے ہوٹل میں کمرہ کرائے پر لے لیا اور باری باری شہر کے مختلف حصوں میں گھومنے لگا لیکن مجھے کہیں بھی ایسی کوئی عمارت نظر نہ آئی جس کا احاطہ غیر معمولی طور پر بلند ہو یا اس کی دیوار پر خاردار تاروں کی باڑھ لگی ہو۔

جائیداد کے دلالوں، پوسٹ آفس، میونسپل کمیٹی۔ کوئی جگہ ایسی نہ رہی تھی جہاں سے میں نے ڈان ہاؤس کا پتہ معلوم نہ کیا ہو مگر مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ البتہ ہر نئی ناکامی کے بعد میری جھنجھلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

سیتا ڈاکٹر بیدی کی قید میں جا چکی تھی اور اسے چھڑائے بغیر میری زندگی بے مقصد تھی۔ میں ساتویں روز سیدھا سٹی پولیس اسٹیشن جا پہنچا اور ہیڈ محرر سے انسپکٹر انچارج سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔

انبالہ کی پولیس بھی پہلی کوشش اور سست تھی۔ کوتوالی میں کئی افراد کے بعد بمشکل مجھے انچارج سے ملاقات کی اجازت ملی جو عہدے کے اعتبار سے انسپکٹر تھا۔

"میرا نام صفدر علی ہے!" میں نے اس کے کمرے میں پہنچ کر کہا۔

میرا خیال تھا کہ یہ سنتے ہی اسے مفرور صفدر علی یاد آ جائے گا اور مجھے فوراً ہتھکڑیاں لگا دی جائیں گی مگر وہ لاتعلقانہ انداز میں میرا چہرہ تکتا رہا۔ "اس شہر میں کہیں انڈین سیکرٹ سروس کا دفتر ہے۔ وہ عمارت ڈان ہاؤس کہلاتی ہے۔ مجھے وہاں پہنچنا ہے کہ دوست ڈاکٹر بیدی سے ملنا ہے۔"

وہ سیکرٹ سروس کے نام پر چونکا اور میرے خاموش ہوتے ہی بولا "سیکرٹ سروس ہے! اس کا ہمیں کوئی پتہ نہیں۔ تم کہاں سے آئے ہو؟"

"بنارس سے!" میں نے بے زاری کے ساتھ کہہ ڈالا۔

پیش کردہ نظر کا اور حیرت سے بولا "صفدر علی! بنارس والا؟" پھر وہ ایک دراز میں کچھ ٹٹولنے لگا۔ آخر کار ایک فائل اس کے ہاتھ نظر آئی۔ فائل کی ورق گردانی کرتے کرتے ایک جگہ وہ رک گیا اور چند سطروں تک پڑھنے کے بعد فائل بند کر دی۔

"تم جاؤ جی! ہم کسی سیکرٹ سروس کو نہیں جانتے۔" فائل بند کر اس نے بے رخی سے کہا۔

اس کا یہ رویہ میرے لیے حیرت کا باعث تھا۔ صفدر علی از بنارس کے حوالے سے وہ جس طرح چونکا اس سے ظاہر تھا کہ وہ میرے بارے میں باخبر ہے پھر اس شہر میں کچھ ہی دن پہلے پولیس ڈیٹی چلتے پھرتے تلاش میں مصروف رہی تھی۔ آخر فائل میں ایسی کیا بات تھی کہ انسپکٹر میرے ماضی کو بھول کر مجھے کوتوالی سے چلتے کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"میں وہی صفدر علی ہوں جس پر بنارس اور کانپور میں کئی افراد کے قتل کا الزام ہے!" میں اپنی بے توقیری پر جھلا گیا اور پاگل کر دینے والی طیش کا اظہار کر بیٹھا۔

"ہمیں کچھ نہیں معلوم۔ چلو باہر جاؤ!" وہ جلدی سے بولا۔

غصے اور تجسس نے اس وقت میری عقل کی چولیں ہلا دیں اور میں اس کے سر ہو گیا "تمہیں نہیں معلوم مگر میں بتا رہا ہوں کہ میں پولیس کا مطلوب مجرم ہوں!"

"تمہارا دماغ خراب معلوم ہوتا ہے" وہ غرایا۔ "ابھی سیکرٹ سروس کا پتہ مانگ رہے تھے اور اب مفرور مجرم بن رہے ہو۔ شاید اخبار میں تصویر چھپوا لینے کا شوق ہے تمہیں!"

"دماغ تمہارا خراب ہے!" میں نے میز پر مکا مار کر دہاڑا "تم سب مجھے پاگل کرنا چاہتے ہو۔ میں باہر جا کر لوگوں کو بتاؤں گا کہ میں قاتل ہوں اور پولیس مجھے پہچاننے سے انکار کرتی ہے!"

وہ تشویش زدہ نظروں سے مجھے گھورتا رہا پھر ٹیلی فون کا ریسیور اٹھاتے ہوئے بولا "تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ تم باہر جاؤ۔ میں ... بلاتا ہوں۔"

میں اس کے کمرے سے باہر آ گیا مگر ٹیلی فون پر انسپکٹر کی آواز مجھے صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "... سر۔ وہ آ گیا ہے۔"

"صاحب وہ بنارس والا آخر میرے پاس آ پہنچا!"

"ہاں ہاں وہی اشتہاری مجرم صفدر علی!... مجھے ... قتل کے مقدمے سے متعلق ... کہتا ہے مجھے گرفتار کرو ... وہ کیا صاحب مگر وہ بضد ہے کہ پولیس کے خلاف ... رہا ہے ... پہلے تو وہ سیکرٹ سروس کے دفتر کا پتہ پوچھنے آیا تھا۔"

نام بتا رہا تھا... ہاں جی بات تو بہت خطرناک ہے... جی جی ہاں!"

اس کے بعد وہ بار بار جی جی ہاں کرتا رہا۔ شاید دوسری جانب سے لمبی ہدایات دی جا رہی تھیں۔

ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع کرنے کے بعد اس نے مجھے اندر بلایا اور پوچھا "تم اپنی گرفتاری چاہتے ہو یا ڈاکٹر بیدی کا پتہ؟"

"بیدی۔ مجھے اس کا پتہ چاہیے!"

"سیکرٹ سروس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔ "نہ ہم پورے شہر میں ڈان ہاؤس نام کی کسی عمارت سے واقف ہیں۔ تم سیدھے دہلی چلے جاؤ۔ وزارت داخلہ کے ڈپٹی سیکرٹری کو اپنا مسئلہ بتاؤ۔ وہ تمہیں سب کچھ بتا دیں گے۔"

"اور میں گرفتار ہونا چاہوں تو؟" میں نے پوچھا۔

"ہم تمہیں گرفتار کر کے پاگل خانے بھجوا دیں گے۔" وہ بولا۔

"پاگل خانے؟" میں غرایا۔

"ہاں۔ تم پاگل ہو۔ شہر میں تمہاری وجہ سے نقص امن کا خطرہ تھا تم خود کو کبھی صفدر علی کہتے ہو کبھی صفدر حسن کا بھائی بتاتے ہو۔" وہ بولا۔

اس کی بات پر میں دانت پیس کر رہ گیا۔ اس کا ... واقعی ذہین آدمی تھا۔ شاید محکمہ پولیس کو کہیں سے ہدایات مل چکی تھیں کہ صفدر علی کا قصہ بھلا دیا جائے اسی لئے میری فائل بند کی جا چکی تھی مگر میری دھمکی خطرناک تھی۔ میں شہر میں واقعی شور مچا دیتا کہ میں صفدر علی ہوں اور پولیس مجھے گرفتار نہیں کر رہی تو ... کے علاوہ وہ پولیس کے خلاف نفرت بھی پھیل جاتی۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے ... اور اوپر کی ہدایت کی پابندی کرتے ہوئے بڑا عمدہ راستہ نکالا تھا۔ مجھے پاگل قرار دے کر پولیس پاگل خانے بھجوا دیتی اور چند ہی دن بعد میں وہاں واقعی پاگل ہو جاتا۔ کسی کو خبر تک نہ ہوتی کہ صفدر علی کون تھا اور کہاں گیا!

میں کوتوالی سے نکلا تو غصے سے میرا دماغ کھول رہا تھا۔ جی چاہتا تھا کسی بلند مقام پر کھڑے ہو کر پورے شہر کو اپنے گرد جمع کروں اور انہیں بتاؤں کہ میں اس دور کا سب سے عظیم انسان ہوں۔ میں ایسے پتھر کا مالک ہوں جس کے مس سے لوہا سونے میں بدل جاتا ہے اور لوگوں کی نظروں میں میرے احترام کی جھلکی پیدا ہو جائے۔ انہیں صحیح معنوں میں میری عظمت کا اندازہ ہو جائے۔

میں انہی خیالات میں غلطاں چلا جا رہا تھا کہ اچانک میرے کانوں میں سیتا کا نام آیا۔ میں تیزی سے پلٹا تو دو آدمی گرد و پیش سے بے خبر باتیں کرتے چلے آ رہے تھے۔ ان کے سوا دور تک کوئی نہ تھا۔ میرے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے اور وہ باتیں کرتے میرے قریب سے لاپرواہانہ انداز میں گزر گئے۔

میں بے آواز قدموں ان کے پیچھے ہو لیا۔

"کب کی بات ہے؟" ان میں سے ایک پوچھ رہا تھا۔

"کل شام پکڑی گئی ہے۔ سنا ہے دھوکے سے ہاتھ آئی ہے۔"

دوسرا بولا۔

"اتنی بہادر لڑکی کو تو ضرور دیکھنا چاہیے۔ کیا تم بتا سکتے ہو اس کا پتہ؟"

"سیتا!" یہ سن کر میرا دل بے اختیار شدت سے دھڑک اٹھا۔ "اس کا ساتھی تو پہلے ہی پکڑا گیا تھا مگر پولیس نے یہ خبر دبا دی تھی۔"

"ہاں تمہارا بھائی بتا رہا تھا تو سول ہسپتال میں وارڈ بوائے ہے آپریشن کے وقت وہ وہیں پہنچایا گیا تھا۔"

اب مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور میں لپک کر ان دونوں کے برابر میں جا پہنچا۔

"کیا سیتا پکڑی گئی؟" میں نے ان سے پوچھا۔

ان دونوں نے حیرت اور ناپسندیدگی کے ساتھ میری طرف دیکھا پھر ایک بولا "کون سیتا؟"

"وہی جس کی تم باتیں کر رہے تھے۔" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں وہ کل شام پکڑی گئی ہے۔ سنا ہے ڈان ہاؤس میں ہے۔" وہ سرسری انداز میں بولا۔

"ڈان ہاؤس؟" حیرت اور خوشی سے میرا ذہن فضا میں پرواز کرنے لگا "یہ کہاں ہے؟"

"بہت بڑی بلڈنگ ہے کہیں دیکھی تو ہے مگر اس وقت یاد نہیں!" پھر وہ اچانک مشتبہ نظروں سے مجھے گھورنے لگا "کیا سیتا تمہاری رشتہ دار ہے؟"

"نن... نہیں!" میں بوکھلا کر بولا "بس اسے دیکھنے کا شوق ہے۔"

"تم ٹھہرے کہاں ہو؟" دوسرے نے سوال کیا۔

"راجہ ہوٹل میں!"

"ارے ہم بھی تو اسی ہوٹل میں ہیں۔" وہ چونک کر بولا۔

"میں سولہ نمبر کمرے میں ہوں۔ میرا نام دلیپ ہے۔ ڈان ہاؤس کا پتہ یاد آ جائے تو مجھے بتا دینا۔ بڑی مہربانی ہوگی۔"

"اچھا اچھا بتا دیں گے۔" پہلا میری مداخلت سے کچھ ناخوش نظر آ رہا تھا۔

"بھول نہ جانا بھائی!" میں نے پھر تاکید کی "تمہارا کونسا کمرہ ہے؟"

"کمرہ نمبر دو!" وہ بولا "تم فکر نہ کرو ہم تمہیں وہاں پہنچا بھی دیں گے۔"

وہ مجھ سے جلد از جلد پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔

"بہت بہت شکریہ!" میں نے جلدی سے کہا اور یہ سوچ کر ان سے الگ ہو گیا کہ زیادہ چپکے رہنے سے وہ ناراض نہ ہو جائیں۔ میں اس وقت تک وہیں کھڑا امید کے ان فرشتوں کو دیکھتا رہا جب تک وہ ایک موڑ پر نظروں سے اوجھل نہ ہو گئے۔

میں ہوٹل واپس پہنچا تو میرا ذہن کافی ہلکا ہو چکا تھا۔ ان دونوں کا اتفاقی ٹکراؤ میرے لیے معجزے سے کم نہیں تھا۔ اب میری یہی دعا تھی کہ

انھیں جلد از جلد ڈان ہاؤس کا بھولا ہوا پتہ یاد آجائے تاکہ میں وہاں پہنچ کر ڈاکٹر بیدی سے انتقام لے سکوں۔ میری زندگی میں وہ پہلا اور شاید آخری شخص تھا جس نے مجھے بے پناہ ذہنی اذیت پہنچائی تھی۔

جب ذہن پر بار نہ ہو تو سوچنے کی قوت بھی تیز ہو جاتی ہے۔ ایک بات رہ رہ کر میرے ذہن میں چبھ رہی تھی کہ جب بیدی نے مجھے ناکارہ بنا کر قید سے اڑا دیا تھا تو اب پولیس کو میری گرفتاری سے کیوں باز رکھا ہوا تھا۔ ایک خیال یہ بھی آیا کہ شاید بیدی کے بیٹے کی جذبیت ہے جسے ابھی تک واپس مل گیا ہو مگر یہ دلیل بے وزن سی محسوس ہوئی۔ ڈان ہاؤس میں قید سے رہائی تک میں نے کسی بھی مرحلے پر سیکرٹ سروس والوں سے پارس پتھر کے بارے میں کوئی مصالحتی گفتگو نہیں کی تھی جس کی بنا پر وہ محکمہ پولیس کو میری جانب سے چشم پوشی کے احکام جاری کرتے۔ یہ ہدایت یقیناً میری رہائی کے بعد جاری کی گئی تھی جس کا مطلب صرف یہی ہو سکتا تھا کہ ڈاکٹر بیدی میرے ساتھ کوئی لمبی بازی کھیل رہا تھا جس میں اسے اپنی فتح کا یقین تھا۔

ان تمام نکتوں سے ملاقات کے بعد صورت حال فیصلہ کن موڑ لیتی نظر آ رہی تھی۔ ان حالات میں پارس پتھر کو ساتھ لیے پھرنا حماقت تھا۔ جھگڑا لڑائی میں وہ کہیں گم بھی ہو سکتا تھا یا میری شکست کی صورت میں بیدی کو میری لاش سے وہ پتھر حاصل ہو سکتا تھا۔ میں اس پتھر کو کھلے سمندر میں پھینک سکتا تھا مگر یہ گوارا نہ تھا کہ وہ بیدی یا اس کے قبیلے والوں کے آقاؤں کی ملکیت بنے!

دوسری طرف اس شہر میں میرا کوئی رازداں تھا نہ کوئی ٹھکانہ، میں پارس پتھر چھپاتا تو کہاں چھپاتا۔ ذہن پر زور دیتے دیتے میرے ذہن میں ایک ترکیب آ ہی گئی۔ پارس پتھر چھپانے کے لیے ہوٹل کے اس کمرے سے بہتر جگہ کوئی نہ تھی۔

ہر ٹوٹی اور نچلے درجے کے ہوٹلوں میں واجبی سی اوپری صفائی پر توجہ دی جاتی ہے۔ اگر اس کمرے میں کوئی ناقابل رسائی جگہ میسر آ جاتی تو میں پارس وہاں چھپا سکتا تھا اور ڈاکٹر بیدی کے معرکے سے نمٹنے کے بعد بشرط زندگی اسے دوبارہ حاصل کر سکتا تھا۔

سب سے پہلے میری نظر فولادی پائپ کی چارپائی پر گئی۔ فولادی دوہری بنائی کے درمیان وہ ننھا سا پتھر برسوں محفوظ رہ سکتا تھا مگر اس میں خرابی یہ تھی کہ کسی ہنگامی ضرورت کے تحت وہ چارپائی کسی دوسرے کمرے میں بھی جا سکتی تھی اور مجھے پارس پتھر حاصل کرنے کے لیے راجہ ہوٹل کی تمام چارپائیاں چھاننی پڑتیں۔

کافی سوچ بچار اور تلاش کے بعد ایک تجویز میرے ذہن میں آ ہی گئی۔ میں کمرے سے نکلا اور کاؤنٹر سے چیونگم کا پیکٹ خرید کر واپس آ گیا۔ اپنی تجویز پر عمل کرنے کے لیے مجھے کھانے کا انتظار تھا۔

کھانا آیا تو میں نے بیرے سے چھری بھی منگوالی۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں نے اندر سے دروازے کی چٹخنی چڑھا دی اور ہوا دان کے سامنے کرسی رکھ دی اور کھڑکی کا پردہ پوری طرح پھیلا دیا۔

پھر میں نے کمرے میں موجود دیوار گیر چوبی الماری کھولی اور اس کے سب سے اوپری خانے کی نچلی جڑ میں لگی ہوئی تختی میں چھری کی نوک سے سوراخ کر دیا کہ پارس پتھر اس میں سما سکے۔ اس دوران میں میرے دانت چیونگم چبانے میں مصروف تھے۔

میں نے پارس پتھر اس میں ڈال کر اوپر سے چیونگم بھر دی پھر اس پر فرش کی مٹی رگڑ کر اسے ہم رنگ کر دیا۔ اول تو وہ اوپری خانہ بھی کوئی مسافر استعمال نہ کرتا کیونکہ فرش پر کھڑے ہو کر نہ دیکھا جا سکتا تھا۔ اگر کوئی بالفرض کرسی وغیرہ پر کھڑا ہو بھی جاتا تو پارس کے چھپنے کے بارے میں ذرا بھی شبہ نہ ہوتا۔ نہایت غور سے دیکھنے پر بھی یہی معلوم ہوتا کہ لکڑی کی سطح ہموار رکھنے کے لیے اس جگہ سفید بھربھرا دار مسالا لگا دیا گیا ہے۔

اس کام سے فارغ ہو کر میں سگریٹ پیتا ہوا باہر نکلا تاکہ میں بیٹھے والوں سے سلام دعا کر لوں۔ وہ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی پہچان گئے۔

کھانے کے بعد ہم تمہاری طرف آنے والے تھے۔

"دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔" میں مسکرا کر بولا۔

"دراصل شہر میں ہمارا کام ختم ہو گیا ہے۔ ہم کل صبح چلے جانا چاہتے تھے مگر تم سے وعدہ کر لیا تھا اس لیے سوچا کہ ڈان ہاؤس کا پتہ بتا دیں گے۔"

"پتہ یاد آ گیا تم کو؟" میں نے خوشی سے پوچھا۔

"ہاں۔ موتو یہی پور لگ رہا ہے۔ یاد تو کیا خاک آتا دراصل شام کو ہم ادھر سے گزرے تو بورڈ نظر آ گیا۔"

"کیا بات ہے تمہیں لڑکی دیکھنے کا بڑا شوق ہے۔ اس کی تصویریں دیکھ دیکھ کر" دوسرے نے میری غیر معمولی دلچسپی پر کہا۔

"لڑکی ذات میں اتنا حوصلہ کبھی دیکھا نہ سنا اسے ذرا قریب سے دیکھنا چاہتا تھا۔" میں نے بات بنانے کے لیے ہنس کر کہا۔

"قریب سے یا چھو کر؟" وہ بولا اور دونوں ہی ہنس پڑے۔ میں بھی ان کے ساتھ شریک ہو گیا۔

میری خواہش تھی کہ ان کے جانے سے قبل ایک بار ان کے ہمراہ ڈان ہاؤس دیکھ لوں تاکہ بعد میں وہاں پہنچنے میں دشواری نہ ہو لیکن میری اس خواہش کا اظہار مجھے ان کی نظروں میں مشکوک بنا دیتا لہٰذا میں خاموش رہ گیا۔

"کرم علی سے تو ملنا ہی ہے۔ اسے بھی ساتھ لے لو راستے میں ڈان ہاؤس دکھا دینا۔" کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ایک نے کہا۔

"ہاں ہاں! ذرا اور تفریح بھی ہو جائے گی۔" میں نے جلدی سے تائید کی۔

چائے وغیرہ پینے کے بعد میں نے کمرے سے سوئٹر لیا اور ہم ہوٹل سے نکل آئے۔ میں نے ٹیکسی روکنی چاہی تو ان سے پتہ چلا کہ قریب ہی ان کی گاڑی موجود ہے۔ تھوڑی دور بہت پرانے ماڈل کی ایک سیاہ فورڈ پرفیکٹ ہوٹل سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔ ان میں سے ایک مجھے ساتھ لے کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا، دوسرا پچھلی نشست پر قابض ہو گیا۔

وہ گاڑی نہایت خستہ حال تھی۔ تیسری کوشش میں وہ اسٹارٹ ہوئی۔ چلاتے ہی پتہ چلا کہ وہ بھی اتنا ہی اناڑی تھا جتنا گاڑی کے احوال سے معلوم ہوتا تھا۔ گاڑی روانہ ہوئی تو میں اپنی خوش بختی پر نازاں تھا۔ مگر حسن اتفاق کے باعث میرا ڈان ہاؤس میں گھسنا مشکل تھا مگر میں باہر رہ کر بھی بیدی کا انتظار کر سکتا تھا۔ اس کی زندگی کی گھڑیاں اب جلد ہی پوری ہونے والی تھیں۔ وہ باہر آتا تو میں ہفت دو دو لگا کر گاڑی کے ذریعے بھی اس کا تعاقب کر سکتا تھا۔ اسے ٹھکانے لگانے کے بعد سیتا کو آزاد کرانے میں کوئی مشکل نہیں تھی۔ بہتر یہی تھا کہ بیدی کو سمندر میں بند کیا جاتا جس کے اندر نصف گھنٹہ بعد شدید کیفیات رونما ہوتی تھیں۔

میں ان ہی خیالات میں غلطاں تھا۔ گاڑی تیزی کے ساتھ ایک ویران سڑک سے گزر رہی تھی کہ میرے سر کے عقبی حصے پر کوئی سخت چیز کی شدید ضرب لگی اور میں فوراً ہی ہوش کھو بیٹھا۔ میرا ذہن تیزی کے ساتھ تاریکیوں کی دلدل میں گہرا —— اور گہرا ڈوبتا جا رہا تھا۔

جانے کتنی دیر اور کتنی دور میری بے ہوشی کا یہ سلسلہ جاری رہا۔

جب دوبارہ ہوش آیا تو میں ایک آرام دہ مسہری پر پڑا ہوا تھا۔ میں ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے اٹھا اور دل تیزی سے ڈوب گیا۔ یہ خود ڈان ہاؤس نامی اس زیر زمین کمرے میں ایک بار مجھے ڈاکٹر بیدی تو دکھا چکا تھا اور جس مسہری پر میں پڑا ہوا تھا اس کے بارے میں خود بیدی نے مجھے بتایا تھا کہ اس کے صرف ایک اشارے پر مسہری بجلی کے جھٹکے مارنے لگتی ہے اور رات میں اٹھنے والے ساری زندگی کے لیے مرگی کے مریض بن کر رہ جاتے ہیں۔

میں بوکھلا کر مسہری سے نیچے کود گیا اور زمین سے قدم لگتے ہی ایسا محسوس ہوا جیسے بے شمار چیونٹیاں سی چلنے لگیں اور میں خود بخود بار بار فضا میں اچھلنے لگا۔ اس وقت مسہری محفوظ تھی مگر فرش میں بجلی دوڑ رہی تھی جس کے مسلسل جھٹکوں نے میرے اعصاب ہلا کر رکھ دیے تھے اور مجھے ڈر تھا کہ زیادہ دیر میں فرش پر کھڑا رہا تو میرے خون کی بیشتر مقدار برقی تحلیل کا شکار ہو جائے گی۔ اسی اچھل کود کے درمیان میں بمشکل تمام دوبارہ مسہری پر جا بیٹھا اور خوف زدہ نظروں سے فرش کو گھورنے لگا جہاں کارپٹ کا چکنا اور چمکدار سطح پر کوئی برقی تار وغیرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ مگر اس کے باوجود وہاں برقی رو موجود تھی!

اس وقت میرے ذہن پر غصہ یا جھنجھلاہٹ کے بجائے دہشت طاری تھی۔ بیدی میرے ساتھ نہ جانے کیا کھیل کھیل رہا تھا۔ ڈان ہاؤس سے ایک مرتبہ مجھے میری مرضی کے خلاف رہا کیا گیا مگر بعد کے حالات نے مجھے اس قدر مشتعل کر دیا کہ پوری طرح میں پاگلوں کی طرح اس عمارت کا پتہ تلاش کرتا رہا اور اسی دوران میں مجھے بے بس کر کے دوبارہ ڈان ہاؤس میں پہنچایا جا چکا تھا!

ڈان ہاؤس کے اس عجیب و غریب زیر زمین کمرے میں تین گھنٹوں تنہا پڑا رہا۔ میرا ایک ایک لمحہ مستقل دہشت کی بے یقینی کیفیت میں گزر رہا تھا۔ مسہری کے خواص میں بیدی کی زبانی سن چکا تھا۔ فرش کا کرنٹ تجربہ مجھ پر گزر چکا تھا۔ اب یہ ہمت نہ تھی کہ دوبارہ نیچے اترنے کی کوشش کرتا۔ یہی مسہری پر چپ بیٹھے کا حوصلہ تھا۔ جانے دو آرام دہ بستر کس لمحے جھٹکے دینے شروع کر دیتا۔

کافی دیر بعد میرا مغلوج ذہن سوچ بچار کے قابل ہو سکا اور میں نے اپنی حالت پر غور کرنا شروع کر دیا۔ جن حالات میں مجھے دوبارہ ڈان ہاؤس پہنچایا گیا اس سے یہ بات تو صاف ظاہر تھی کہ مجھے کسی خاص مقصد کے تحت اس عمارت سے باہر نکالا گیا تھا اور کھلی فضا میں بھی میری نگرانی کی جاتی رہی تھی۔ شاید ڈاکٹر بیدی کو شبہ تھا کہ میں سیتا کے ٹھکانے سے واقف ہوں یا میں نے پارس پتھر کسی خفیہ ٹھکانے پر چھپایا ہوا ہے۔

ان دونوں میں سے کوئی بھی اندازہ درست ہوتا تو میں ڈان ہاؤس سے رہائی پاتے ہی سیتا کے پاس دوڑا جاتا یا پھر خفیہ ٹھکانے سے پارس پتھر حاصل کرنے کی کوشش کرتا اور یوں میرے تعاقب میں لگے ہوئے انڈین سیکرٹ سروس کے کتے سیتا یا پارس تک رسائی حاصل کر لیتے۔

میں جتنا غور کرتا رہا میرا یہ نظریہ اسی قدر پختہ ہوتا گیا۔ ڈان ہاؤس سے غیر متوقع رہائی کے وقت مجھے شبہ ہوا تھا کہ شاید انھوں نے سیتا کو پکڑ لیا ہے اور اب مجھے آوارہ کر کے بار رہے ہیں۔ مگر بعد کے حالات نے میرے شبے کو تقویت دی تھی اور میں رہائی پانے کے بعد بھی پاگلوں کی طرح ڈان ہاؤس کی کھوج میں بھٹکتا رہا تاکہ وہاں پہنچ کر اپنی سیتا کو ڈاکٹر بیدی کے ظلم و ستم سے نجات دلا سکوں مگر یہ میری کھلی بے وقوفی تھی۔

اگر سیتا ان کے ہاتھ آ گئی ہوتی تو انھیں اس سے معلوم ہو جاتا کہ پارس اس کے پاس نہیں ہے اور وہ مجھے رہا کرنے کے بجائے مجھ پر تشدد کا فوری آغاز کر دیتے۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ لوگ ابھی تک بالکل تاریکی میں تھے اور انھوں نے مجھے چارہ بنانے کی کوشش کی تھی۔

رہا ہونے کے بعد محض اتفاق تھا کہ میں نے پارس کو لاپرواہ انداز میں استعمال نہیں کیا بلکہ بے سر و سامانی کے عالم ہی میں وقت گزارا۔ دوسری طرف میں ڈان ہاؤس کی کھوج میں لگا رہا اور جب انھیں یہ علم ہوا کہ میرا ذہن ماؤف ہی کی آخری سرحدوں کو چھو رہا ہے اور میں نے کوتوالی پہنچ کر اپنی گرفتاری پر اصرار کیا ہے تو انھوں نے واپس بلانے ہی میں عافیت سمجھی اگر میں واقعی شور مچا دیتا کہ میں بیدی کا سفید فام ہوں جس پر سیتا کے قتل کی متعدد

واردات کی وفاداری عام کی جاتی رہی ہے اور اب پولیس مجھے گرفتار کرنے پر آمادہ نہیں تو زہرف رائے عامہ پولیس کے خلاف ہو جاتی بلکہ ہمارے گروں کے درمیان بھی تلخیاں جنم لے لیتیں کیونکہ آنا تو صاف ظاہر ہو چکا تھا کہ میرے معاملے میں پولیس حکام کے اختیارات سیکرٹ سروس والوں نے محدود کر لیے تھے۔

یہ سوچتے سوچتے اچانک مجھے مسہری کا خیال آگیا۔ اگر وہ مسہری بستی جھٹکے مار رہی تھی تو اس میں کسی نہ کسی جگہ بجلی کے تار ضرور ہوں گے۔ اگر میں ان کا سراغ لگا کر انھیں نوچ ڈالتا تو مسہری بے ضرر ہو جاتی اور میں اس پر آرام سے سو سکتا تھا!

یہ فیصلہ کرنے کے بعد میں نے احتیاط کے ساتھ سفید چادر ایک طرف الٹ دی۔ چادر کے نیچے اسی رنگ کے کپڑے سے منڈھا ہوا اسپرنگوں والا گدا تھا۔ جو اقدام میں نے پوری احتیاط کے ساتھ گدے کا ایک حصہ اٹھا کر اس کے نیچے مسہری کا ڈھانچا دیکھا اور جائزہ لیا۔ میں غور سے دیکھنے کے باوجود کہیں بجلی کے تاروں کی موجودگی کا سراغ نہ لگا سکا۔ میں نے دوبارہ گدے کے مختلف کونے اٹھا کر مسہری کا جائزہ لیا۔ مگر مجھے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ البتہ ایک غیر معمولی بات میرے مشاہدے میں آئی۔

مسہری کے چاروں پائے فرش میں دفن تھے۔ گویا کسی نے انھیں لوہے کا خول چڑھا کر فرش میں دبا دیا گیا تھا۔ فرش میں دو دو بالشت دفن مسہری میں سرایت کر گئے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ کسی کھوکھلے پائے میں سے زمین میں برقی تار جیسے طریقے سے گزار کر مسہری کے ڈھانچے سے منسلک کیے گئے تھے۔ ان تاروں کو پکڑنا ہے۔ ڈاکٹر ہیدی کے ان شیطانی نیکی خانے کو میں پہلے انتظار کر رہا اور ملازم کے لیے نقصان پہنچانا آسان نہ تھا کیونکہ اندر آتے ہوئے بہ احتیاط اطمینان کے ساتھ مجھے اس کمرے میں چھوڑ دیا تھا۔

مسہری کو بدستور رہنے دیتے ہوئے میرے ذہن میں ایک انوکھا خیال آیا۔ میں نے اسکول میں کسی وقت پڑھا تھا کہ برقی رو خشک لکڑی، ربر یا کپڑے وغیرہ میں سے نہیں گزر سکتی۔ اسی وجہ سے بجلی کے تاروں پر کام کرنے والا محنت کش ربڑ کے دستانے استعمال کرتا ہے۔ کمرے میں کہیں بھی لکڑی کی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی۔ لہذا میں نے بستر کی چادر اٹھائی اور اس میں سے دو بڑے بڑے ٹکڑے پھاڑ لیے۔ انھیں پیروں پر باندھ کر میں کسی بھی خطرے کے بغیر فرش پر چل پھر سکتا تھا۔

مجھے یاد تھا کہ پچھلی مرتبہ ڈاکٹر ہیدی نے کسی خاص تدبیر کے بغیر اس کمرے کا دروازہ کھول کر بند کیا تھا۔ اگر اس وقت بھی وہ کمرہ غیر مقفل تھا تو میں اسے کھول کر راہداری میں کسی جگہ چھپ سکتا تھا اور جیسے ہی ہیدی یا کوئی اور شخص میری نگرانی کے لیے آتا، میں اسے بے بس کر کے چابی کا دوچار کو نکال کر سکتا تھا جس کے بغیر تہ خانے سے نکالنے کا راستہ کھولنا ناممکن تھا۔ میں ایک بار تہ خانے سے نکل جاتا تو میری آزادی کے امکانات روشن تھے!

میں نے بڑی احتیاط کے ساتھ چادر سے پھاڑے ہوئے کپڑے کے ٹکڑے اپنے پیروں پر باندھے اور دونوں پیر مسہری سے نیچے لٹکا دیے۔ میں نے آخری بار اچھی طرح

خود کو اور اس بات کو سوچ لیا کہ اگر میں مستقبل میں بھی جانے وقت کو روکنا بھی ترک کر دوں، تمہاری زندگی کی پرواہ نہیں کر سکتی۔

میں نے پورے اعتماد کے ساتھ چمکدار فرش پر قدم رکھا تو میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی، برقی جھٹکوں اور مسہری سے پیدا ہونے والی تکلیف کا تصور بھی ذہن میں گونج رہا تھا۔ جانے فرش میں کیسی برقی رو دوڑ رہی تھی۔ بے آواز طریقے سے بھی اندر کھسک گئی۔

میں کئی منٹ وہاں ٹھہرنے کے بعد بمشکل مسہری پر جا بیٹھا۔ میرے پورے بدن پر تشنج کی سی کیفیت طاری تھی۔

اس بار مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ دروازہ بند ہے لیکن تہ خانے کی راہداری سے ہلکی سی آہٹ کی آواز ابھری۔ دروازہ کھلا اور ڈاکٹر ہیدی کا مانوس چہرہ نظر آیا۔ وہ پیار سے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں کوئی مسکراہٹ نہ تھی۔ مگر پتلے پتلے ہونٹوں پر وہی طنزیہ مسکراہٹ تھی جو خاص طور پر نمایاں ہو رہی تھی۔

"ویلکم مسٹر!" اس نے کہا۔ "ہمارے مہمان میری ایک بات سن لو۔"

"سلطان کی تمام باتیں تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ تم بھی تعاون کرو گے۔"

اس نے مسہری کے پاس آواز میں کہا۔

"تمہارے ذہن میں یقیناً کسی قسم کا بھرم ہے……"

"شٹ اپ!" وہ بجلی کا جھٹکا لگنے کے بعد میں چیخا۔ "میری بات پر کوئی الزام لگا تو میں تمہیں مسخ کر دوں گا!"

اپنا مسخ شدہ کان درست کرتے ہوئے وہ بولا۔ "ٹھیک ہے، لیکن تمہاری زندگی کا بھی خیال رکھنا ہے۔ یہ تو تم نے ذہانت سے کام لیا ہے۔ تمہاری مغرورانہ باتیں میری نظروں میں رہی ہیں!"

"کان کھول کر سن لو! اب تمہارے پاس زندہ رہنے کا ایک ہی راستہ ہے۔ کسی کی عزت اب تمہاری زبان سے وابستہ ہے۔ اگر تم نے یہ کام کر لیا تو میں بھی چپ رہوں گا لیکن سیتا کے بارے میں ذرا بھی تمہارے ذہن میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔"

میں پوری قوت سے چیخا۔ "میں نے کچھ نہیں کیا!" اس کا ایک ایک لفظ میرے دل پر نقش ہو گیا۔ اگر میں اس کا جواب دے دیتا تو یہ مناسب ہوتا۔ اس وقت حالات کچھ بھی ہوں میں نے خاموشی سے کچھ نہ کہا۔

چند سیکنڈ تک گہری اور بوجھل سی خاموشی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ "اور تم نے بہادری دکھانے کے سارے ہی فن آزما لیے!"

اس کی نظریں میرے پیروں پر بندھی ہوئی دھجیوں پر جم گئیں۔ چادر کے پھٹے ہوئے ٹکڑے بندھے ہوئے تھے۔ میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔

"اس کمرے میں تمہیں کوئی ایسی چیز نہیں ملے گی جو فرش پر پھیلی برقی رو سے بچا سکے۔ یہ چادر اور گدے کا غلاف بھی کیمیائی ریشوں سے بنا ہے جن سے برقی رو گزر سکتی ہے۔ یہ تہ خانہ ہے، کسی جیل کا زنداں نہیں!"

"تم بھی سے کیا چاہتے ہو؟"

"چند سوالوں کے صحیح صحیح جوابات!"

"کیا پچھلی بار بھی تم یہی پوچھنے آئے تھے؟"

"اس ملاقات کا تعلق بھی نئے واقعات سے ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "اندر میں چلا۔ میں نے غور سے دیکھا کہ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس کمرے میں وہ کھڑا تھا اور میں دست بستہ بیٹھا تھا۔"

"سیتا کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"سوالات کا حق صرف مجھے ہے!" اس نے گھورتے ہوئے کہا اور پوچھا۔ "یہ بتاؤ کہ پارس پتھر کہاں ہے؟"

"سیتا کے پاس!"

"یہ کیا بات ہے؟" وہ جارحانہ لہجے میں بولا۔ "اگر تم نے وہ پارس پتھر چھپا لیا ہے تو اسے حوالے کرنے کا فیصلہ نہیں کیا تو میں اپنے طریقوں سے تمہاری زبان کھلواؤں گا!"

"اگر تم نے یہ جھوٹ گھڑنے کا تہیہ کر رکھا ہے تو میں مجبور ہوں!"

"تمہاری دوست پتھر کے ٹکڑوں کے ساتھ نکالے گئے تھے۔ پھر تمہارے پاس ان کا کیا جواز ہے کہ تم راجہ ہوٹل کے اخراجات ادا کرتے رہے تھے؟"

"میں نے چاندی کی انگوٹھی فروخت کی تھی!" میں نے سکون سے جواب دیا۔ "وہی انگوٹھی جس میں پارس پتھر کا نگ جڑا ہوا تھا!"

"وہ تم نے صرف سترہ روپے سات پیسے میں فروخت کی تھی!" اس نے طنزیہ انداز کے ساتھ کہا۔ "یہ مت بھولو کہ ڈاکٹر ہیدی سے نکلنے کے بعد کی ہر بات میری نظروں میں رہی ہے!"

میں نے اپنے دل کی دھڑکن پر قابو پانے کی کوشش کی۔ میں نے ایک لمحے کو سوچا کہ وہ ایک رات میں اسے جوڑ کر سنا رہا تھا جیسے وہ سب کچھ جانتا ہو۔

"یہ مت بھولو کہ میں تمہاری فطرت جان چکا ہوں۔ تم جس طرح آنکھیں چرا رہے ہو اس سے میری اطلاعات کی تصدیق ہوتی ہے۔ تم ایک اوسط درجے کے معمولی انسان ہو مگر یاد رکھو کہ تمہاری ہر بات میں تمہیں ساری عمر یاد رہے گی!"

"جب تمہیں سب کچھ معلوم ہے تو مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"تصدیق، صرف تصدیق!" وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔ "اب سنو، کہ تم نے چاندی کی انگوٹھی بیچنے کے بعد پرانے کپڑوں کے بازار سے کپڑے خریدے ایک منشی کی دکان کے بعد تمہاری جیب میں صرف اتنی ہی رقم بچی ہوئی تھی پھر تم نے جو ہوٹل میں قیام کیا اور انگوٹھی بیچنے والے کے پاس گئے۔ وہاں تم نے کپڑے خریدے۔ اس کا جو حصہ ملا اس کے بعد تم نے کپڑوں کی کچھ خریداری کی۔ انگوٹھی بیچنے کے بعد گلستان کیفے میں تم نے وہ انگوٹھی دکھائی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ تم نے وہ انگوٹھی چھپائی ہوگی۔ چوری کا سبب یہی ہے۔"

جبکہ تمہارے پاس کل پونجی اتنی ہی تھی جتنی انگوٹھی کے دام ملے تھے۔ پھر تم چاندی کا کاروبار کرنے والوں کے علاقے میں گئے اور تم نے بہت مکاری کے ساتھ تین سترہ روپے مالک کو پیش کرکے سونے کی ایک انگوٹھی خریدی۔ اس بوڑھے نے چند ہی منٹوں میں سب کچھ اگل دیا اور انگوٹھی بھی ہمارے حوالے کر دی۔ اس انگوٹھی کی ساخت بالکل وہی ہے جو شبیہ فروش کی بنی انگوٹھیوں کی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ تم نے وہ پرانی انگوٹھی جب اپنے سونے میں منتقل کیا اور انگوٹھی پہن کر سارے شہر میں دندناتے پھرے۔ اس طرح یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اگر پارس پتھر سیتا کے پاس ہے تو تمہارے پاس وہ انگوٹھی چند منٹوں میں طلائی کیسے بن گئی؟"

جتنی دیر وہ بولتا رہا، میں تیزی کے ساتھ سوچتا رہا اور اس کے خاموش ہوتے ہی مسکرا کر اعتماد کے ساتھ بولا۔ "بعض اوقات قدرت بڑی ستم ظریفی دکھاتی ہے ڈاکٹر ہیدی! حالات کے پیش نظر تمہارے شبہات بجا ہیں مگر یہ سب اتفاقات تھے۔ خوفناک اتفاقات! بات صرف اتنی ہے کہ میں نے بازار سے جو پرانے کپڑے خریدے، ان میں پتلون کی ایک جیب سے وہ انگوٹھی ملی تھی جسے میں نے بیچ دیا۔ خواجہ زرتشت کے پاس جس شخص نے رکھی تھی وہ سیتا کی ماں کی دی ہوئی نقرئی انگوٹھی بیچنے کے بعد مجھے ایک خالی انگوٹھی بڑی تکلیف دہ لگی تھی۔ میرا ضمیر مجھے مسلسل سرزنش کر رہا تھا اور میں اس احساس کے زیر اثر تھا۔ اس حالت میں میں کوئی سستی سی انگوٹھی پہننا چاہتا تھا جو اس نے مجھے تحفے میں دی تھی!"

"تم ایک جھوٹ چھپانے کے لیے مسلسل جھوٹ بولے جا رہے ہو!" اس نے چیختے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں مان ہی نہیں سکتا کہ کسی پرانی پتلون کی جیب سے کوئی طلائی انگوٹھی نکل سکتی ہے!"

"اس لیے کہ تم نے کبھی پرانے کپڑے استعمال نہیں کیے۔ جن کا گزر اسی اترن پر ہوتا ہے ذرا ان سے پوچھو وہ لوگ جو خریدے ہوئے کپڑوں کی جیبیں بڑی امید سے ٹٹولتے ہیں اور انگوٹھی تو چھوٹی سی حقیقت ہے۔ بعض اوقات ان کپڑوں میں سے قیمتی زیورات، نقدی اور کرنسی تک برآمد ہوتی ہے!"

"ہو سکتا ہے۔" وہ جلدی سے بولا۔ "مگر میں یہ ماننے کو تیار نہیں کہ ایک ہی شخص کے ساتھ یکے بعد دیگرے اتنے اتفاقات ہو سکتے ہیں۔"

"اسی لیے میں نے انھیں خوفناک اتفاقات کہا ہے ڈاکٹر!"

"اس کہانی سے میں قائل نہیں ہو سکتا۔" اس کا سرد لہجہ خاصا سخت تھا۔ "مجھے صرف اور صرف پارس چاہیے ورنہ تم اس تہ خانے میں سسکتی ہوئی زندگی گزارو گے!"

"شاید سیتا تمہارے ہاتھ نہیں آ سکی۔" میں نے وہ اگر دیکھ کر شوشہ چھوڑا۔ "وہ بچ کر جا چکی ہوگی اور میں تمہاری خباثت سے بچ سکتا تھا!"

"جلد ہی وہ بھی اسی جگہ ہوگی۔" ڈاکٹر ہیدی کا لہجہ شکست کی غمازی کر رہا تھا۔ "لیکن اس کے بعد بھی وہ یہاں ہم تک پہنچی ہوئی مشکل ہے۔"

کردو، یہ بات تجربہ گاہ کی میز پر لکھی ہے۔"

"مجھے امید ہے کہ تم سب آدمی اُسے کوئی گزند پہنچائے بغیر گرفتار کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"وہ خود مشکلات کو دعوت دے رہی ہے، پچھلے مشکل ترین سے گھیر لیا گیا تھا مگر وہ ہتھیار ڈالنے کے بجائے مقابلے پر اتر آئی۔ ہمارا ایک مخبر مارا گیا اور دو افراد زخمی ہوگئے۔ وہ خود بھی صحیح سلامت نہ نکل سکی، میرے آدمیوں کی رپورٹ ہے کہ اُس کا ایک شانہ زخمی کردیا گیا ہے۔"

"یہ بہت برا ہوا۔" میں نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔ "اگر تم چیتا کو زندہ پا سکو تو اسے بچا کر لے آنا۔ ڈاکٹر اسے نقصان نہیں پہنچانا چاہیے۔"

"پارس پر تجربے جلد کرو، ہم اسے بالکل بھول جائیں گے۔" ڈاکٹر حیدری کا لہجہ سنسناتے خنجر جیسا تھا۔

"کوئی ایسی شرط پیش کرو جس پر میرا اختیار ہو۔"

"تمہیں فیصلہ کرنے کے لئے صرف دو گھنٹے کی مہلت دے رہا ہوں اس کے بعد ہی کارروائی کا آغاز کردوں گا۔" یہ کہہ کر حیدری کمرے سے نکل گیا۔

بازی لمحہ بہ لمحہ ہاتھ سے نکلتی جارہی تھی۔ حیدری کی دھمکی میں نے چیلنج سمجھی تھی۔ حوصلہ زندہ ضرور تھا مگر ایک بے یار و مددگار قیدی کب تک ان کے چنگل سے بچ سکتی تھی۔ چیتا نے بار بار ان لڑکوں کو مطلع کرنے کا ایک مقصد تو حل ہو چکا تھا۔ مجھے پتہ چل گیا تھا کہ وہ آزاد اور بخیریت ہے مگر دوسرا مقصد حاصل ہوتا نظر نہیں آرہا تھا۔ یہ امکان بھی کم تھا کہ آسانی سے پتہ چلا کر جرار ڈان ہاؤس تک آسکے گی۔ میرے لئے مقدر بدلنے کو تیار نہ تھی۔ مجھے ڈر یہ تھا کہ کہیں اس معرکہ آرائی کے نتیجے میں چیتا کو ناقابلِ تلافی جانی نقصان نہ پہنچ جائے۔

اس وقت پارس پر تجربہ ہونے کے ایک حیلہ تھا اس کو شش میں مصروف تھا۔ مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ میں کب تک اس بارے میں اپنی زبان بند رکھ سکوں گا۔ تشدد کے نتیجے میں انسان اپنے اعصاب و عضلات پر کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ ایسی صورت میں اس کی زبان سے وہی بات نکلتی ہے جو سچ ہو۔ اس جانگسل معرکہ میں بھی حیدری کے الفاظ مجھے امید کی روشنی دکھا رہے تھے۔

ڈان ہاؤس میں پچھلی قید کے دوران اُس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں دشمنوں کے ساتھ تو تعلق نہیں ہوں، پارس جہاں کہیں ہے میری آنچ میں ہے جب تک میرے ساتھ وفادار رہے رکھا جائے گا، میں مکاری اور ممارفت پر تلا رہوں گا۔ اُس کے تجربے کے مطابق مجھ جیسے سادہ اور خود غرض لوگ لاکھوں میں چند ہی ہوا کرتے ہیں، میں دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ میرے بارے میں حیدری کا یہ فیصلہ درست ثابت ہو اور میں اس کے تشدد کو جھیل سکوں۔

اس کمرے میں وقت کا کوئی احساس نہیں تھا جب حیدری دو آدمیوں کے ساتھ وہاں آیا۔ تب مجھے اندازہ ہوا کہ پچھلی ملاقات کو دو گھنٹے گزر چکے ہیں۔ اُس کے ساتھ آنے والے دونوں افراد جیسا لوں کے مخصوص سفید کوٹ پہنے ہوئے تھے، ایک کے ہاتھ میں دوائی جیسی بیگ لٹکا ہوا تھا۔

"تم بار ہا فیصلہ کیا بار بار؟" حیدری نے آتے ہی سوال کیا۔

"پچ کے بعد فریب ہی اپنانا پڑتا ہے!" میں اب ہر ترین جان کے مقابلے کے لئے تیار ہوچکا تھا۔

حیدری نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ انھوں نے سیاہ چرمی بیگ کھول کر اس میں سے موٹی سی سرنج اور ایک شیشی نکالی، سیال سرنج میں منتقل کیا اور میری طرف بڑھے۔

اس وقت مجھ پر نہ جانے کیسی تنزلی کیفیت طاری ہوگئی، میں نے شدید مزاحمت نہیں کی اور انھوں نے سرنج کا سارا سیال بازو میں اتار دیا۔ وہ زندگی بھر ایک مخصوص سانچ کی صورت میں میری رگ رگ میں پھیلتی چلی گئی۔

"میری مہارت اور تمہاری قوت ارادی کی جنگ شروع ہو گئی۔ صفدر علی!" ڈاکٹر حیدری کی آواز مجھے بہت دور کسی گنبد سے آتی سنائی دی۔

میں نے جواب دینا چاہا مگر میری زبان بھاری اور خشک ہو گئی تھی۔ میں ایک لفظ بھی نہ بول سکا اور تیزی کے ساتھ میری چیتنا مضمحل ہوگئی۔

دوبارہ ہوش آیا تو میں اس تابوت نما صندوق میں لیٹا ہوا تھا، جس میں ہلنے جلنے کی بھی گنجائش نہیں تھی۔ حیدری مجھے پہلے ہی بتا چکا تھا کہ صندوق کے دونوں پہلوؤں اور بالائی حصے میں تابکاری شعاعیں ہیں جن میں حسب مرضی درجہ حرارت بڑھایا جا سکتا ہے۔ بیس ڈگری پر بند کیا گیا تھا۔ میرے سامنے سوراخ دار شیشہ لگا ہوا تھا۔ میرے پہلو میں صندوق میں نصب کنٹرولوں میں بیٹھے آدمی کو میں دیکھ تو نہ سکتا تھا لیکن محسوس کر رہا تھا۔

"ہوش میں آگئے صفدر!" میرے کانوں کے قریب حیدری کی آواز ابھری۔ میں چونک پڑا، اسی کے ساتھ حیدری دوبارہ بولا۔ "تمہارے دونوں کانوں کے قریب صندوق میں اسپیکر لگے ہوئے ہیں اور تم تک میری آواز پہنچ رہی ہے۔ صندوق میں ایک حساس مائیکروفون بھی ہے جو تمہاری آواز مجھ تک پہنچائے گا۔"

اسی کے ساتھ چند منٹ میں صندوق کا درجہ حرارت بڑھنے لگا۔ میں نے بے چینی سے اپنا سر گھمایا، مگر حیدری مجھے نظر نہ آسکا۔

ابتدا میں حرارت آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ پھر یوں محسوس ہوا جیسے مجھے کسی کڑاہی میں بند کر کے بھٹی میں جھونک دیا گیا ہو۔ جسم کے سارے مساموں کے دہانے کھل گئے۔ پسینہ پانی بن کر بہنے لگا۔ بہتی ہوئی لکیریں بھر برووں کا باعث بننے لگیں۔ میرے لئے یہ بڑھتا ہوا حرارت ناقابل برداشت تھی۔ میں نے اپنا سر اٹھا کر پشت صندوق کی سطح سے اٹھانا چاہا مگر اس کی جگہ بھی کوئی سوا... بے سود۔ ان کوششوں میں مجھے اندازہ ہوا کہ تپش کے باعث...

...دیں جو حرکت کرنے سے مجبور تھے، جیسے ہی ہوش ہوتا ہوں جاتے ہیں ٹیں لگے ہیں۔ تپش کے بعد وارد ہونے والے سرا جھا بے اختیار کراہیں نکلنے لگیں۔ ذہن میں اس عذاب سے یقیناً بہتر ہوگی۔ شدید تپش کا نشو ہی اس بہت آزار تھا۔ میں نے اپنے ہونٹ دانتوں میں بھینچ لئے۔ جسم کی ہر خم شاید گرمی کی طرف سے میری توجہ ہٹا سکتے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں پسینے کی صورت میں بہتے ہوئے پانی کی اتنی مقدار خارج ہو چکی تھی اور جسم کے باعث حلق میں کانٹے پڑ گئے۔ انسان کے ہاتھوں انسان کی بے بسی اور مجبوری کا اس سے زیادہ روح فرسا منظر میں نے کبھی نہ دیکھا تھا نہ سنا!

میں جانکنی کے عالم میں کراہ رہا تھا، اچانک میرا ذہن تاریک ہو گیا۔ پانی سے محرومی کا یہ دور جلد ختم ہو گیا، مجھے پتہ نہیں چلا۔ یوں لگا جیسے میرا اپنا ذہن اپنے خشک حلق میں بیٹھ گیا ہو... میں تپش کا احساس ہوا ہے، جب میرے ہونٹوں اور گرم زبان کی تکلیف سی تپتی حلق میں پہنچی تو مجھے اندازہ ہوا، میری آنکھوں سے اپنے ہونٹ زخمی کر چکا ہوں جن سے خون بہہ رہا ہے۔ یوں لگتا جیسے زندگی کا نام ہی نکل گیا ہو۔ وقت کی رفتار تھم کر رہ گئی تھی۔ مجھے زندگی کا دھیما پن بھی مجھے اس صندوق میں بند کئے بیس گھنٹے ہو گئے تھے۔ تابکاری توانائی تیزی کے ساتھ زائل ہوتی جا رہی تھی اور میں نڈھال ہوتا جا رہا تھا۔

اچانک اس صندوق میں تپش کم ہونے لگی، راحت کا ایک نیا پل مجھ پر حاوی ہونے لگا۔ میں نے خوشی سے اپنی آنکھیں کھولیں۔ میرے اعصاب میں سرایت کرنے لگی، میں نے اپنی خشک اور حرارت تیزی کے ساتھ اپنی شدت کھوتی جا رہی تھی۔ چہرہ وجسم کے پسینے میں ایک عجیب سی خنکی آتی جا رہی تھی۔ میں نے چند گہرے سانس لئے اور بدن ڈھیلا چھوڑ دیا، مگر یہ سرور ایک جھٹکے میں ختم ہو گیا۔ ہر احساس پر بڑی طرح حاوی ہوتی جا رہی تھی۔ میرے بدن میں کپکپاہٹ سی ہونے لگی۔ پھر کپکپی کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ صندوق کے آہستہ آہستہ ٹھنڈے ہوتے ہوئے حفاظتی شیشے پر دو بخارات کی لکیریں تھیں... جو میرے سانسوں کے ساتھ خارج ہو رہے تھے۔ قطرہ قطرہ ٹپک رہی تھی۔ میرے نتھنوں اور آنکھوں سے پانی بہنے لگا، میرا جسم جمتا جا رہا تھا... پھر میرے دانت بجنے لگے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری تمام ہڈیاں برف بن کر... سمٹتا چلا جا رہا ہوں اور میرا بدن بری طرح کانپنے لگا۔

"تم کچھ نہیں جانتا، میں کچھ نہیں جانتا، مجھے چھوڑ دو۔" میں دانت بجاتے ہوئے ہذیانی انداز میں پوری قوت سے چیخا۔

میرے کانوں کے قریب ہے حد دلخراش ہنسی کی آواز ابھری، پھر حیدری کے لفظ کانوں میں پڑے۔ "تم سب جانتے ہو صفدر علی! تمہاری زبان سے سچ سننا میرا آرزو بن گئی ہے۔ ابھی تمہاری قوت ارادی باقی ہے۔ تھوڑی دیر بعد تمہاری اعصابی قوت کا شیرازہ بکھر جائے گا اور تم کسی ننھے سے بچے کی طرح بلک بلک کر مجھے سب کچھ بتا دو گے۔"

میں تیزی سے اپنے اعصاب پر گرفت کھوتا جا رہا تھا۔ کوئی نہ نقطہ گھمایا یہ سامنے رقص کرنے لگے کہ ہی تم اس صندوق سے نکل گئے، وہ سچ بتا دو، پچ اور صرف سچ ہی اس وقت تمہیں بچا سکتا ہے...

میرے دماغ کی کوئی رگ پھڑکی، حیدری ماہر نفسیات تھا، وہ میرے احساسات جگا رہا تھا۔ مجھے مصائب کی دہشت میں مبتلا کرکے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کیوں نہ اپنے احساسات شل کر دوں، گرمی، سردی، سچ اور جھوٹ، سب شعور کے کھیل ہیں۔ میں نے پکارا۔ میرا سر اور بدن پوری قوت سے صندوق کے فرش پر پٹخ مارا۔ میرے حلق سے گھگھیائی ہوئی چیخ بلند ہوئی، آنکھوں کے سامنے چمکتا ہوا ستاروں کے ننھے کہکشاں رقص کرنے لگی اور میں ہر احساس سے بے نیاز ہوگیا۔

اس مرتبہ ہوش آیا تو مجھے صندوق سے اسی عمارت کی ایک آرام دہ خواب گاہ میں منتقل کیا جا چکا تھا۔ میرا پورا بدن بخار میں جل رہا تھا۔ ذہن رواں پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ میرے بدن پر کئی کمبل پڑے ہوئے تھے مگر پھر بھی سردی لگ رہی تھی اور دانت بج رہے تھے۔

شاید میری آواز والے سے پتہ چلا کہ میں ہوش میں آگیا ہوں۔ ڈاکٹر حیدری فوراً ہی میرے سرہانے آپہنچا۔ "میں تمہاری جان کا دشمن نہیں، مجھے صفدر! اب جلد ہی سچ بتا دو گے، دوسرا رخ کیا ہے؟"

"کیسا دوسرا رخ؟" میں... بخار کی... رہا... کراہتے ہوئے بولا۔

"ابھی میں نے تمہارا علاج شروع نہیں کیا ہے۔" وہ عجیب ہولا "پہلے مجھے اپنی ادھوری کہانی پوری کرو، تاکہ میں تمہاری دیکھ بھال شروع کر سکوں۔"

"کونسی کہانی؟ کیسی کہانی؟ تم نہیں تو کیا بک رہے ہو؟" میں نے بے زاری کے عالم میں پوچھتے ہوئے اپنا چہرہ کمبلوں میں چھپا لیا۔

"بے ہوشی کے عالم میں تم بتا چکے ہو کہ تم نے پارس ایک صندوق میں چھپا رکھا ہے۔" عبیدی کی سرد اور مکارانہ آواز گونجی۔ "اب اس کا پتہ بھی بتا دو۔"

یہ انکشاف میرے لئے شدید صدمے کا باعث بنا۔ چند لمحوں کے لئے میں اپنا سارا دکھ بھول گیا۔ میرا خیال تھا کہ شدید مصائب اور تکالیف نے میرا دماغ ماؤف کر ڈالا ہے مگر اسی لمحے مجھے ایک اچھوتا خیال سوجھا اور میرا یہ اندیشہ باطل ہو گیا۔

میں نے اپنا سر جھکائے رکھا اور فوراً ہی بولا۔ "میں نے سیتا کو جنگل میں، سپنڈل کی لکڑی میں سوراخ کر کے اسی میں پارس چھپایا تھا۔ اس کے پیچھے سرنگ کھدی ہوئی تھی۔"

"وہ سپنڈل کہاں ہے؟"

"وہی تو سیتا ساتھ لے گئی ہے۔" میں نے زہریلی مسکراہٹ سے جواب دیتے ہوئے کہا۔ "پارس کو جہنم میں ڈالو، تم میرا علاج کرو!"

"سیتا بھی وہی ہے!" ڈاکٹر عبیدی کی جھلائی ہوئی آواز ابھری۔ "اس لڑکی کو بھی بے غیرتی کا کام سیدھا ہوتا نظر نہیں آتا!"

عبیدی کو میری بات پر یقین آگیا اور اسی وقت میرا علاج شروع کر دیا گیا۔

عبیدی کو فرشتہ کر دیا تھا کہ جیسے انا خیرہ کر دی تھی۔ اس کی انتہا یہ تھی کہ اس کا انتقام ایک ایسا انعام تھا جس کے سامنے قیدخانے کی ساری اذیتیں بچوں کا کھیل محسوس ہونے لگی تھیں۔ اس مردود نے ایذا رسانی کی جس کے دوران اپنی مہارت اور مکاری کی انتہا کر دی تھی اور میں یہ سمجھ چکا تھا کہ اس کا بدترین حربہ بھی میری زبان نہ کھلوا سکے گا۔

ڈان ہاؤس میں ڈاکٹر عبیدی کو روز مرہ کے لئے علاج کرتا رہا۔ معمولی تکلیف میں نمایاں افاقہ ہوا مگر میرے گھٹنوں میں درد رہا۔ جانے کا ارادہ ترک کر دینا تھا۔ ڈاکٹر عبیدی نے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ شاید جوڑ مجھے زندگی بھر کے لئے اپاہج بنا کر رکھ دے گا۔

گو عبیدی کو میری بات پر یقین آگیا تھا مگر اس نے یہی بتا دیا تھا کہ سیتا کی گرفتاری اور پارس پتھر کے حصول تک مجھے اس کا قیدی رہنا ہوگا۔

تیسرے ہفتے میرے گھٹنوں کا درد کم ہونا شروع ہوا۔ عبیدی کے ٹیکے یہ تبدیلی معجزے سے کم نہ تھی۔ اس کے بعد ایک گھنٹے کی چہل قدمی تجویز کر دی۔ سورج طلوع ہونے کے بعد اس کی تیز روشنی میں ایک آدمی پکڑ کر سہارا دیتے ہوئے گھٹنوں پر روغن لگاتا۔ مگر پھر بھی اس کے سہارے سے وہ ادھر ادھر ٹہلتا رہتا۔

میری طرف سے بے نیازی برتی جا رہی تھی۔ عبیدی جب کبھی اس کی طرف سے غافل پڑا رہتا تھا تو مجھے ساتھ لے جاتا اور میں اس کی

موجودگی میں ہر لحظہ یہی سوچتا رہتا کہ کس طرح اسے اپنا شکار بناؤں۔ حالانکہ اس نے جو سلوک کیا، اس کے نزدیک وہ قابل معافی تھا۔ اپنے دام میں آئے ہوئے حریف کو بدترین سلوک کا مستحق سمجھتا ہے۔ اس کی اصل وجہ اس کی وہ قسم تھی جو ایک بار اس نے میری زبان سے سنی تھی۔ اپنے اپنے ہیں کہانی تھی۔ مجھے جب کبھی اس کے الفاظ یاد آتے تو میری کنپٹیوں میں ٹھوکریں مارنے لگتا۔

مجھے ڈان ہاؤس میں دو ہفتے ہو گئے اور ایک ہفتے کا عرصہ گزر گیا۔ سیتا کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چل پاتا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ وہ بچ نکلی ہے۔ اُس کے ہوسیوں سے بچ کر عبیدی کو دھوکے کا پتہ چلا ہوگا۔

مگر میں سیتا سے بخوبی واقف تھا۔ جنگلوں اور پہاڑوں پر چڑھنے کے باعث اس میں بے حد حیرت انگیز قدرتی صلاحیتیں تھیں۔ کسی بھی جگہ میں چھپے بیٹھے جنگل نما میں لڑ کر مرنا پسند کرتی۔ عبیدی کے کتوں کو چکمہ دے کر نکل گئی تھی اور عبیدی نے اسے کہا تھا خوش فہمی میں مجھے قیدی بنا لیا ہوا تھا۔

صورتِ حال کا یہ تجزیہ میرے لئے کتنا بہتر تھا کہ ڈان ہاؤس میں تا مرتے دم رہنا میرے لئے قابل قبول نہیں تھا۔ فیصلہ کیا کہ کسی طرح عبیدی کا اعتماد جیت لوں تاکہ کسی مرحلے پر اس سے ساتھ ہو جاؤں اور اٹھا کر باہر نکل سکوں۔

ایک شام عبیدی میرے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے معلوم ہے؟ پی رہے تھے۔ ان دنوں عبیدی مجھ پر کچھ اتنا ہی مہربان تھا کہ میں نے بھی شراب پینا شروع کر لیا تھا۔

"ڈاکٹر! اس بار مجھے یہاں آئے کتنے دن ہو گئے ہیں؟ کیا میرا اصل بیٹا..." میں نے پوچھا۔

"اٹھائیس دن۔" وہ کچھ سوچ کر بولا۔

"اگر سیتا پر میں ہاتھ نہ آئی تو کیا میں یوں ہی پڑا رہوں گا؟" قال کر مسکراتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر عبیدی نے بڑا سا منہ بنایا، سیتا کا نام اس کی کمزوری تھی۔

"جو لوگ ہوادار کو ملکیت میری دانست میں تو تمہارا ہے..."

"میں اسے جانتا ہوں، وہ اب تک نہ جانے کہاں پہنچ گئی... کے دھیمے لہجے میں کہا۔

"تم... اور موضوع پر بات نہیں کر سکتے، جہاں... کا ارادہ...

پیچ کر تلخ لہجے میں بولا۔

"یہ بہت ضروری ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "آخر تم کو ملے گا کیا؟"

"پارس! پارس!" وہ میز پر مسلسل کے مارے...

"تم پارس جانتے ہو کیا ہے؟"

اس نے مجھے یوں دیکھا جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات کہی ہو۔

لا پروائی سے بولا۔ "ایک ہی بات ہے!"

"نہیں، بہت فرق ہے دونوں باتوں میں!" میں ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

"جہاں تک مجھے علم ہے میری حکومت کو پارس پتھر سے اس کی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اُس کے سوا دھیان پتھر پر مبذول تھے۔ بے پناہ دولت حاصل کرنے کے لئے۔"

"میں جانتا ہوں۔" میں نے شراب کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "افراط زر، مہنگائی، تجارت اور عالمی کساد بازاری کے اس دور میں صرف سونا ہی غربت، بیروزگاری، سماجی دشواریوں کا واحد حل ہے۔ قرار دیا گیا ہے۔ دونوں کے مسائل کو حل کر سکتا ہے۔"

"مجھے سیاسیات سے کوئی دلچسپی نہیں!" وہ آہستہ سے بولا۔ "میں صرف یہ جانتا ہوں کہ اس وقت خوش نصیبی سے پارس پتھر ہندوستان میں موجود ہے اور میری حکومت ہر قیمت پر اسے حاصل کرنے کا تہیہ کر چکی ہے۔"

"اگر تم ایسا کر سکو تو اس کی... گیا۔ تمہاری پوزیشن کی خبر بیچنے سے بہتر خاموشی سے سونے کے ذخائر میں اضافہ کرتے!" میں نے کہا۔

"سونے کی بات ہے؟"

"اس سلسلے میں، میں تم سے تعاون کر سکتا ہوں!" میں نے پورے اعتماد سے کہا۔

"وہ کیسے؟" ڈاکٹر عبیدی نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا تم کو سیتا کا ٹھکانا معلوم ہے؟"

"سیتا اور پارس کو بھول جاؤ ڈاکٹر!" میں نے آنکھ جھپک کر کہا۔ "پارس قدرت کا ایک خزانہ ہے، وہ خود ڈھونڈنے سے نہیں ملتا۔ مجھے مل گیا تھا اور اسی طرح کبھی بھی مل سکتا ہے۔ میں جادو ٹونے کے ذریعے سونا بنا سکتا ہوں!"

"پارس کے بغیر؟" اس کے منہ سے حیرت میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری۔

"ہاں۔ اس قوت کی بجلی کے بغیر۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم نے پارہ، آگ، تیزاب اور کچھ جڑی بوٹیاں درکار ہوں گی!"

"مجھے یہ خبر عبیدی صاحب تک پہنچانی چاہئے۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "وہ لوگ ... کرنے آ چکے ہیں۔"

"ایک بات بتا دوں۔" میں نے اس سے کہا۔ "میرا بنایا ہوا سونا اسی وقت کارآمد ہوگا جب اس میں ہم وزن اصلی سونا ملا دیا جائے!"

اس رات ہم دونوں بہت دیر تک باتیں کرتے رہے اور ایک موقع پر عبیدی کی زبان سے ایسی بات نکل گئی جس سے مجھے پتہ چلا کہ ڈان ہاؤس کی وہ عمارت نیا میں نہیں تھی۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ میں اس وقت کسی نامعلوم مقام پر قید تھا۔ اس عمارت کا محل وقوع راز میں رکھنے کی خاطر بھی یا انجینئر نے مجھے انداز میں ڈالا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں اندازہ لگانے کے باوجود جنگل اور خاردار تاروں کی باڑھ والی عمارت تلاش کرنے میں ناکام رہا تھا۔

اگلے روز صبح سویرے ڈان ہاؤس میں غیر معمولی چہل پہل شروع ہو گئی۔ مجھے بھی خلافِ معمول بیدار کر دیا گیا۔ ڈاکٹر عبیدی کا کہیں پتہ نہیں تھا جو میں اس سے کچھ معلومات حاصل کرتا!

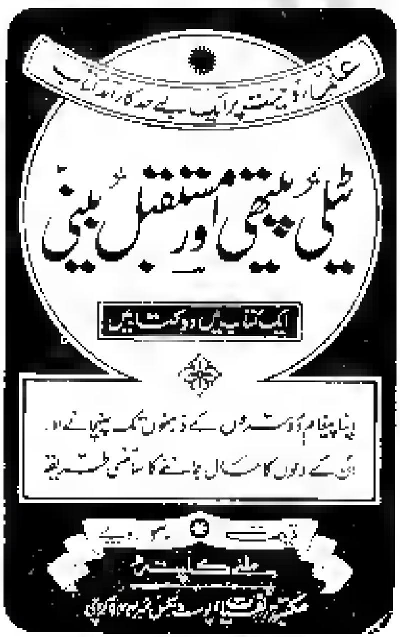
نو بجے فضا میں کسی بھاری ہیلی کاپٹر کے انجن اور پنکھوں کا تیز شور سنائی دیا۔ میں برآمدے میں آیا تو فوج کے نشانات والا ایک بھاری ہیلی کاپٹر ڈان ہاؤس پر چکر لگا کر آہستہ آہستہ مشرق کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے نصف گھنٹہ بعد ڈان ہاؤس کی رکھوالی کرنے والے کتوں کے نگہبان مصروف نظر آئے۔ کتوں کو چھپا دیا گیا اور عمارت کے دروازے جنگلے لگا دیئے گئے۔ اس کا مطلب تھا کہ ڈان ہاؤس میں کچھ لوگ آنے والے تھے!

اسی دوران عبیدی میری تلاش میں آیا۔ "تم اپنے ہی کمرے میں رہو۔ ضرورت پڑنے پر میں تمہیں کانفرنس روم میں بلوا لوں گا۔ تم تیار رہنا!" وہ مجھے تقریباً دھکیلتا ہوا خوابگاہ میں لے گیا اور جاتے ہوئے باہر سے دروازہ بند کر دیا!

میں بستر پر دراز سگریٹ پیتا رہا۔ مجھے امید تھی کہ میری حکمتِ عملی کے ذریعے میں جلد ہی اس قید سے نجات حاصل کر لوں گا۔

تقریباً گیارہ بجے خوابگاہ کا دروازہ کھولا گیا۔ آنے والا ڈاکٹر عبیدی ہی تھا۔

"دارالحکومت سے اعلیٰ اختیاراتی ٹیم آئی ہے، وہ لوگ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔" اس نے مجھے مختصراً بتایا۔



"اسی کیمیاگری کے چکر میں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ تانبہ، نیوکلیئر پروجیکٹ کے مشیر ڈاکٹر رامانند بھی آئے ہیں۔"

"یہ کس قسم کے ڈاکٹر ہیں؟" میں نے اُس کے ساتھ چلتے ہوئے سوال کیا۔

"صفِ اوّل کے اُن سائنسدانوں میں ہیں جو جوہری طبیعیات میں اُن کی رائے سند کا درجہ رکھتی ہے۔" ڈاکٹر بیدی شاید آنے والوں میں ڈاکٹر رامانند ہی سے متاثر تھا۔

"یہ مجھ سے کیا گفتگو کریں گے؟" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہ کچھ تو کریں گے۔ آنے والوں میں وزارتِ خزانہ کے سکریٹری، اسٹیٹ بینک آف انڈیا کے گورنر اور جسپال صاحب شامل ہیں۔"

ڈان ہاؤس کا کانفرنس روم مختصر لیکن انتہائی عالیشان تھا۔ ڈاکٹر بیدی مجھے دروازے پر ہی چھوڑ کر لوٹ گیا اور سیکرٹ سروس کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر جنرل نے بڑے تپاک کے ساتھ مجھے خوش آمدید کہا۔ میں [illegible] کی وجہ سے کچھ بے چینی سی محسوس کر رہا تھا جب اس نے باری باری اُن سے میرا تعارف کرایا۔ ڈاکٹر رامانند انتہائی ضعیف شخص تھا مگر موٹے موٹے عدسوں کے پیچھے اُس کی آنکھیں زندگی کی حرارت سے روشن تھیں۔ لیکن [illegible] وزارتِ خزانہ کا سکریٹری تھا اور [illegible] گورنر کا نام [illegible] تھا۔ [illegible] قدرے معقول نظر آتا تھا۔

"ہم لوگ تمہارے منصوبے کی تفصیلات جاننے کے لئے آئے ہیں!" چند منٹ کی رسمی گفتگو کے بعد جسپال نے مجھے مخاطب کیا۔

"پارس پتھر کی وجہ سے کسی حد تک مجھے قیدِ تنہائی میں رہنا پڑ رہا ہے۔ میں اس تنہائی سے تنگ آ گیا ہوں۔ میں نے بیدی کو بتایا تھا کہ میں پارس کے بغیر بھی سونا تیار کر سکتا ہوں!"

"سونا — تیار کر سکتا ہوں!" رامانند نے چونک کر زیرِ آواز میں دہرایا۔ "برخوردار کیا کہنا چاہتے ہو تم؟ شاید تم نے میری پوری بات نہیں سنی تھی ورنہ اچھل پڑتا۔"

"میری بات بہت سیدھی اور آسان ہے ڈاکٹر صاحب!" میں نے احترام آمیز لہجے میں کہا۔ "میں تانبہ اور پارے سے سونا تیار کر سکتا ہوں گو اس میں صرف ایک کسر رہ جاتی ہے۔ میرا بنایا ہوا سونا ہر اعتبار سے مکمل ہوتا ہے۔ رنگ اور کثافت کی بنیاد پر کوئی شبہ نہیں کر سکتا، مگر اس میں اصلی سونے کے مقابلے میں تھوڑی سی وہ خامی ہے جو کسوٹی پر پکڑی جاتی ہے۔ میں ایک تجربہ کر چکا ہوں۔ اگر میرے بنائے ہوئے سونے میں برابر کی مقدار میں اصلی سونا ملا دیا جائے تو اس کی شناخت ناممکن ہو کر رہ جاتی ہے!"

"تم کس طرح یہ سونا تیار کرتے ہو؟" رامانند کے چہرے پر بے اعتباری نمایاں تھی۔

"کیمیا!" میں نے آہستہ سے کہا اور بابا سائیں کے ساتھ مجھے لیاقت آباد والے سنیاسی کے الفاظ یاد آئے اور میں نے اپنے لہجے میں زور پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "کیمیا دھاتوں کا آواگون ہے ڈاکٹر صاحب! آپ سائنس کے آدمی ہیں، ہو سکتا ہے یہ بات آپ کو عجیب لگے مگر میرا تجربہ ہے کہ سونا تیار کرنا ناممکن نہیں۔"

"ناممکن۔ برخوردار بالکل ناممکن ہے۔" رامانند جھنجھلایا۔ "اگر تم سائنس کی ابجد سے بھی واقف ہو تو ضرور جانتے ہو کہ ہر عنصر کے ایٹم کی ماہیت جداجدا ہے۔ ایٹم اور نیوکلس کی ساخت میں شکست کے بغیر ایک عنصر کو دوسرے میں بدلنے کا تصور ہی احمقانہ ہے۔"

"میری علمی استعداد تو اتنی نہیں کہ آپ سے بحث کر سکوں لیکن [illegible] اپنا بنایا ہوا سونا دیکھنے کی دعوت دیتا ہوں!" میں نے کہا۔

"جڑی بوٹیوں اور آگ کے سہارے ایسی تبدیلی [illegible] میرے نزدیک قابلِ قبول نہیں!" بوڑھے رامانند کے چہرے پر [illegible] اور نمایاں ہو گئی۔ "یہ بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی [illegible] اور دو دھاتیں ہوتے ہیں۔ برخوردار تم تو سائنس کی [illegible] کرتے ہو۔ یہ ٹوٹکوں اور جڑی بوٹیوں کا کھیل نہیں [illegible] کے ری ایکٹر درکار ہوتے ہیں جو [illegible] کنٹرول ہوتے ہیں۔ سونا بنانا ابھی کوئی بڑا مسئلہ نہیں رہا [illegible] گیا ہے مگر وہ اصل سونے سے کئی گنا مہنگا ہے۔ یہ منصوبہ [illegible] ہی دم توڑ چکا ہے!"

"جیسے کوئی دعویٰ پیش کر رہا۔ مگر میری [illegible]" [illegible]

"تو میں اس سے دستبردار ہو جاتا ہوں!"

"اور بہو — دل برداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں!" [illegible] میرے قریب اٹھ آیا۔ "ہو سکتا ہے سونے کے رنگ کی کوئی ترکیب ہو۔ میں ہمیشہ تجربات کی حوصلہ افزائی کرتا رہا ہوں۔ تم [illegible] نہیں بتاؤ گے کہ تم نے کیا بنایا ہے!"

"اب میں ایک بات اور پوچھوں گا!" میں نے مسکرا کر کہا۔

"وہ کیا؟"

"کیا محض تجربے کے [illegible] سے لوہے کو سونے میں تبدیل کر [illegible]" میں نے پوچھا۔ جسپال کا چہرہ خوشی سے جگمگا اٹھا۔ [illegible] حیرت سے یہ ساری گفتگو سن رہے تھے۔

بوڑھا دوست ہنسا۔ "شاید تم پارس پتھر کی بات کر رہے ہو۔ میں اس کی کہانیاں میں نے بھی پڑھی ہیں مگر یہ ان [illegible] کی [illegible] جو محنت کئے بغیر ایک جھٹکے میں کروڑ پتی بننے کا خواب دیکھا کرتے ہیں۔"

"اور اگر میں کہوں کہ چند دن پہلے تک پارس پتھر میرے [illegible] میں نے اس سے خاصی مقدار میں سونا تیار کیا اور [illegible] کیا تھا!"

"میں اسے تمہارا دماغی خلل کہوں گا!" رامانند نے [illegible] جھنجھلاتے ہوئے انداز میں کہا۔

میں اُسے بتانا چاہتا تھا کہ یہ میرا دماغی خلل نہیں [illegible] دنیا [illegible] میں سیکرٹ سروس کا قیدی ہوں اور اس کی [illegible] کے ذریعہ [illegible] حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے مگر جسپال نے [illegible] مجھے روک دیا۔

"ڈاکٹر صاحب میرا خیال ہے کہ [illegible] اپنی دریافت آپ کے [illegible] تجربے کی [illegible] میں کوئی حرج نہیں!" جسپال نے کہا۔

"ہاں ہاں — یہ پیشکش تو میں خود کر چکا ہوں!" بڈھا فضا میں ہاتھ [illegible] بولا۔

"تمہارے اس تجربے پر کتنی لاگت آئے گی؟" وزارتِ خزانہ کے سکریٹری [illegible] نے پہلی بار زبان کھولی۔

"چند ہزار روپے!" میں نے لاپروائی سے کہا۔

"بجٹ بہت معمولی ہے!" [illegible] نے گورنر سے مخاطب ہو کر کہا۔ "فائدہ تو بہرحال [illegible] لگ جا سکتی ہے۔ میرا خیال تھا کہ یہ کوئی بڑا منصوبہ ہو گا۔"

"تمہیں اس دھات کی تیاری میں کتنا عرصہ لگے گا؟" رامانند نے [illegible] سوال کیا۔

"اگر آج سامان مل جائے تو شاید تین دن کافی ہوں گے!" میں نے [illegible]

"ٹھیک ہے!" رامانند نیشونت راؤ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "یہ تین دن میں اسی جزیرے پر گزاروں گا۔ میرا دولت دیہات [illegible] پر ہے!"

"جیسی آپ کی مرضی!" نیشونت راؤ نے کہا۔

میں نے مڑ کر جسپال کی طرف دیکھا۔ چند دن پیشتر مجھے بیدی سے معلوم ہو چکا تھا کہ [illegible] نہیں ہے۔ مگر جسپال نے شروع ہی سے مجھے اس غلط فہمی میں مبتلا رکھا تھا اور اب ڈاکٹر رامانند کسی جزیرے [illegible] بات کر رہا تھا۔

اس مرحلے پر جسپال نے مجھے کانفرنس روم سے باہر بھیج دیا۔ بیرونی [illegible] ڈاکٹر بیدی بے چینی کے ساتھ میرا منتظر تھا۔ وہ مجھے ساتھ لے کر رہائشی کمرے کی طرف چل رہا۔

"یہ کون سا جزیرہ ہے؟" کمرے میں پہنچنے کے بعد میں نے بیدی سے [illegible] سوال کیا۔

"جزیرہ!" میرے سوال پر وہ بُری طرح چونکا تھا۔

"ہاں۔ جب میں نے تمہیں ایک دوستانہ پیشکش کی ہے تو [illegible] مناسب نہیں ہے!" میں نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔

"اوہ کچھ نہیں۔ اس جزیرے کا نام [illegible] ہے۔" بیدی حقیقت [illegible] "ہم اس وقت [illegible] جنوب مغربی سمندر میں موجود ہیں!"

"یعنی بحیرۂ [illegible] مالدیپ کے آس پاس؟" میں نے پوچھا اور بیدی نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

سیکرٹ سروس شروع ہی سے میرے ساتھ بہت بڑا کھیل کھیل رہی تھی۔ [illegible] نواح میں سینکڑوں میل دور تک بھی سمندر کا نام و نشان نہیں [illegible]

اخبار میں ہے۔ ان لوگوں نے مجھے طیارے کے ذریعہ ہی اخبار سے اس جزیرے پر منتقل کیا تو یہ سفر کسی طرح چار پانچ گھنٹوں سے کم نہیں تھا۔ پھر طیارہ وغیرہ کا استعمال بھی پوری طرح یہی ممکن ہو سکتا تھا۔ اس کا مقصد یہ ہوا کہ ذہن میں ہر آمد و رفت کے موقع پر ان لوگوں نے میرے حافظے کی کئی گھنٹوں کی مدت بھلائی ہوئی تھی۔ یکایک مجھے احساس ہوا کہ اپنی تمام جافرو[illegible] کے باوجود ان لوگوں کے سامنے میں بالکل بے حیثیت ہوں!

میری اس وقت تک زندگی گزارنے کی سرگرمیوں کا مقصد ہی تھی۔ اگر میں اپنی ذات کے ساتھ [illegible] بھی دلچسپی میں شامل تھی۔ مگر سیاست اور فوجی مسائل عملی طور پر میری دلچسپیوں سے خارج تھے۔ جزیرے کے تذکرے نے مجھے آج محسوس کرایا کہ [illegible] کے دوران میں [illegible] اخبارات کا مطالعہ کیا [illegible] میرا مقصد صرف [illegible] اخبارات میں پڑھا تھا کہ ہندوستان نے علاقائی سمندروں میں اپنی [illegible] بڑی طاقتوں کے بحری بیڑوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھے۔ شاید مجھے حفاظت اور رازداری کے خیال سے ایسے ہی کسی جزیرے پر لایا گیا تھا۔

میں انہی خیالات میں کھویا رہا۔ بیدی نے واپس جا کر ایک خدمتگار کے ذریعے مجھے وہسکی کی ایک سربند بوتل بھجوائی۔ میری طرف سے شبہ دور ہو جانے کے بعد اُس کا رویہ بہت معقول ہو گیا تھا مگر میری نظر میں اس کا مقام بلند نہ ہو سکا تھا۔

کافی دیر بعد جسپال میرے پاس آیا۔ "تمہیں رامانند سے الجھنے کی ضرورت نہیں!" اُس نے آتے ہی کہا۔ "ابھی اس سے تمہاری ملاقاتیں اور ہوں گی۔ اس کا کام صرف اتنا ہے کہ تمہارے بنائے ہوئے سونے کا معیار جانچ سکے۔"

"وہ تو تجربے کو جھٹلاتا ہے۔ تمہیں پارس پتھر کی کارگزاری دیکھ لیتا تو پاگل ہی ہو جاتا!" میں نے کہا۔

"ہندوستان میں اس کے پائے کا دوسرا آدمی نہیں۔ دنیا کے چند گنے چنے سائنسدانوں میں اس کا شمار ہوتا ہے اور وہ اپنے بارے میں ضرورت سے زیادہ حساس بھی ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ وہ کم سے کم تمہارے ساتھ زیادہ وقت گزارنے پائے!"

"میرے کام کا آغاز کب ہو گا؟"

"آج —" اس نے اٹل لہجے میں کہا۔ "تم سامان بتا دو!"

میں نے احتیاط کے ساتھ اپنے بازو پر بندھا ہوا تعویذ کھولا جو ابھی تک سیکرٹ سروس والوں کی نظرِ کرم سے بچا ہوا تھا۔ جسپال نے حیرت سے مجھے تعویذ اور اس کے کاغذ کا دوسرا [illegible] کھولتے دیکھا جس پر نسخۂ کیمیا درج تھا۔ میں نے نہایت تفصیل کے ساتھ نسخے پر جڑی بوٹیوں کی مقدار لکھوا دی۔ بھٹی اور کٹھالیوں وغیرہ کے بارے میں بھی ہدایات دے دیں۔

"نسخہ خاصا طویل ہے!" جسپال کاغذ پر ایک نظر ڈالتے ہوئے

بولا: "بھٹی ذخیرہ لگنے میں ابھی وقت صرف ہوگا۔ تم کل شام سے پہلے کام کا آغاز نہیں کر سکو گے۔"

"ہاں چند تولہ تیزاب، سونا اور نمک شورہ کا تیزاب بھی درکار ہوگا۔" میں نے بتایا۔

"سونے کا کیا ہوگا؟" جسپال نے پوچھا۔

"میں اپنے تیار کیے ہوئے سونے اور اصل سونے کی ملاوٹ والا نمونہ بھی ساتھ ہی تیار کروں گا تاکہ [illegible] بھی آزما سکے!"

"ہاں یہ مناسب رہے گا۔"

"خریداری کے لیے کسی تجربہ کار شخص کا جانا ضروری ہے۔ ہر چیز اصل ہونی چاہیے!" میں نے چلتے چلتے اسے تاکید کی۔

"تم بے فکر رہو، یہ میرا کام ہے!"

اگلے روز دوپہر کے وقت مجھے اطلاع دی گئی کہ سارا سامان وہاں پہنچ چکا ہے۔ بیدی مجھے ساتھ لے کر [illegible] کے ایک اندرونی کمرے میں جہاں جسپال ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

"اس کمرے میں ہوا کی نکاسی کا انتظام کافی ہے؟" میں نے وہاں پہنچتے ہی کہا۔

"تم فکر نہ کرو، بھٹی کی گرمی تمہیں پریشان نہیں کرے گی۔" جسپال نے [illegible] کہا۔ اس وقت جسپال ہی سارے انتظامات کا براہِ راست ذمہ دار معلوم ہو رہا تھا۔ اس کی موجودگی میں بیدی کی شخصیت پس منظر میں چلی گئی تھی۔

"گرمی نہیں، تجربے کے دوران یہ کمرہ زہریلے بخارات سے بھر جائے گا مجھے اپنی صحت بھی عزیز ہے!" میں نے جواب دیا اور جسپال کمرے کی ایک دیوار توڑ کر اگزاسٹ فین نصب کرانے کے احکامات پر تبادلۂ خیال کرنے لگا۔

اسی رات میں نے تجربے کا آغاز کر دیا۔ [illegible] بھٹی روشن کی۔ تجربے کے آغاز سے قبل جسپال نے نہایت مکارانہ طریقے پر اپنا اطمینان کر لیا تھا۔ اس کے لائے ہوئے سامان کے علاوہ میرے پاس کوئی اور چیز نہیں تھی۔ میں نے وزن کر کے چالیس تولے تانبے کی پتلی پتلی سلاخیں کٹھالی میں ڈالیں اور چند سفوف ڈال کر اسے آگ پر رکھ دیا۔ برقی پنکھے کی تیز ہوا آگ کو بھڑکا رہی تھی۔ شعلے کمرے کی بند فضا میں لپکتے تھے۔ وہاں صرف سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ بھٹی کے پنکھے کی ہوا کا دھیما [illegible] رقص کر رہا تھا۔

میں نے کنکھیوں سے جسپال اور بیدی کا جائزہ لیا۔ دونوں کرسیوں پر بیٹھے نہایت انہماک سے بھٹی کو گھور رہے تھے۔ میں نے کٹھالی بھٹی پر سے اتار لی اور [illegible] اس میں ڈالنے لگا۔ کٹھالی سے تیز دھواں اٹھ رہا تھا۔ [illegible] اس کے بعد میں نے چند بوٹیوں کے سفوف کٹھالی میں ڈالے اور اسے دوبارہ بھٹی پر چڑھا کر بیٹھ گیا۔

چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ کٹھالی میں سے نارنجی اور سرخی [illegible] رنگ کا تیز زہریلا دھواں اٹھنا شروع ہو گیا۔ اس کثیف دھوئیں کی حالت میں جسپال اور بیدی تو اپنے [illegible] کمرے سے نکل گئے مگر میرا وہاں رہنا ضروری تھا۔

"صفدر، باہر آ کر سانس لو! یہ موذی بخارات [illegible]" باہر سے کھانسی کے دوران بیدی نے مجھے پکارا۔

"میری فکر نہ کرو!" میں نے کسی ماہر کیمیا گر کی طرح [illegible] "چند منٹ کی بات ہے پھر تم بھی اندر آ سکو گے!"

بھٹی سلگتی رہی۔ میری نظریں آنچ پر جمی ہوئی تھیں [illegible] وقفے وقفے سے [illegible] آخر کار آگ اس کثیف دھوئیں [illegible] باہر کی راہداری سے جسپال اور بیدی کے قدموں کی چاپ [illegible] رہی تھیں۔ وہ دھواں صاف ہونے کے انتظار میں باہر ہی [illegible]

"اندر آ جاؤ، اب دھواں صاف ہو گیا!" میں نے [illegible]

"اُف۔ یہ تو بڑا موذی کام ہے!" جسپال اندر آتے ہی بولا۔ "اس کے لیے تو واقعی کھلی جگہ درکار ہے!"

"کیمیا کھیل نہیں ہے جسپال صاحب!" میں نے [illegible] "کیمیا گری [illegible] ہے۔ یہ دھواں براہِ راست پھیپھڑوں کو گلا دیتا ہے [illegible] ہے دور رہنا مناسب ہے۔ [illegible]"

جسپال زور سے ہنسا۔ "تم بھی اسی [illegible] بیٹھے رہنا!"

صفدر، [illegible] رات دیکھتے دیکھتے گزر گئی۔ [illegible]

جب ان دونوں نے مجھے بھٹی کے قریب بیٹھے اور [illegible]

جسپال نے مسکرا کر بولا "بڑا! تم آرام کرو۔ [illegible] صبح تمہاری واپسی سے قبل [illegible] نہ ہو گا!"

بھٹی روشن رہنے کے بعد [illegible]

میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "اس تانبے کو پارے میں ڈالنے کے [illegible]"

"تانبہ کیسا لگتا ہے؟"

میں نے [illegible] جنبش دی "مجھے اس مرحلہ [illegible] ٹھنڈا ہونے کا اور پھر پگھلنے پائے گا۔ اس وقت [illegible] تانبے میں رچ کر اپنا کام دکھا چکے ہوں گے!"

"تمہاری باتیں کسی داستان سے کم نہیں ہیں!" جسپال [illegible]

"اس میدان میں کبھی بات کرو تو وہ اس میں [illegible] اور تم گھسیٹ لاتا ہے۔ بھلا یہ بھی ممکن ہے کہ [illegible] دھواں کرنے کا ارادہ ہے!"

"ابھی کچھ دیر [illegible] سامنے آ جائے گا [illegible]"

آنے کے بعد میں ایک بار پھر [illegible] بے پروائی کے ساتھ [illegible]

بالآخر صبح کا دھندلا سا اجالا پھیل چلا تھا جب تانبے کی وہ سلاخیں [illegible] موم کی طرح پگھلنے لگیں اور ان سے ہلکا ہلکا دھواں [illegible] میں نے فوراً بھٹی کا برقی پنکھا بند کر دیا اور دہکتے ہوئے کوئلوں پر [illegible] کر دیا۔

پارے کی مقررہ مقدار چینی مٹی کے کھلے منہ کے مرتبان میں تیار تھی۔ [illegible] کٹھالی میں [illegible] سلاخیں نکالیں اور پارے کے مرتبان میں ڈال دیں۔

گرم گرم [illegible] پارہ میں ڈوبا تو مرتبان میں چند [illegible] زہریلے دھوئیں کے بادل فضا میں بلند ہوئے اور میں نے فوراً ہی مرتبان کا منہ بند کر دیا۔

"کیا کام ختم ہو گیا؟" جسپال نے حیرت اور مسرت کے ساتھ پوچھا۔

"فی الحال آگ کا کام ختم ہوا ہے۔ اب چوبیس گھنٹے بعد اس مرتبان [illegible] چاندی کی طرح چمکتی سلاخیں برآمد ہوں گی جنہیں کیمیا کی زبان میں سفید [illegible] کہا جاتا ہے!"

"یعنی اب پرانے کا [illegible] چڑھ جائے گا؟"

"جی نہیں۔ تانبہ تو اب جل گیا جو کچھ رہ گیا ہے وہ پارے کے [illegible] ہو جائے گا۔ تم کسی سلاخ کو کاٹو گے تو اندر سے بھی وہی [illegible] نکھار چکا ہو گا!"

انگیٹھی کی [illegible] بجھانے کے بعد میں نے سارا سامان [illegible] مقفل کیا اور خوابگاہ میں لوٹ آیا۔ [illegible]

[illegible]

میں الجھا رہا۔ [illegible] ہر فانی انسان سے [illegible] کے غول میں گھرا رہا۔ [illegible] جب ڈاکٹر بیدی نے مجھے بیدار کیا تو آدھی رات بیت چکی تھی۔ [illegible]

"[illegible] نے معلوم کیا ہے کہ تمہارا کام کس مرحلے میں ہے؟" بیدی نے مجھے مطلع کیا۔

"وہ کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"[illegible] کے پاس مقیم ہے۔ کل واپس چلا جاتا ہے!"

"شاید کل شام تک میں تو نے اس کے حوالے کر سکوں گا!"

رات کے کھانے کا وقت تو کبھی کا گزر چکا تھا مگر میری خاطر بیدی نے سارا انتظام کرایا۔ [illegible] کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر میں دوبارہ اسی کمرے میں جا پہنچا جہاں تانبے کو پارہ چاٹ رہا تھا۔

"جسپال کہاں ہیں؟" میں نے [illegible] بیدی سے پوچھا۔

"وہ شام کو بنگلور چلے گئے کل تک لوٹ آئیں گے!"

اور اسی وقت میرے ذہن میں [illegible] ڈاکٹر بیدی میرے ساتھ [illegible] ساتھ دوستی [illegible] لیکن میں ایک لمحے کے لیے بھی وہ [illegible] کے لیے استعمال کی تھی۔

"کمرے کا دروازہ بند کر دو!" میں نے بیدی سے کہا تو مجھے اپنی آواز عجیب سی لگی۔

"اس کی کیا ضرورت ہے؟ میری اجازت کے بغیر کوئی اندر نہیں آئے گا۔"

"تمہاری اجازت کی پابندی نہیں ہے؟" چند منٹوں کے توقف کے بعد مجھے بہانہ سوجھ گیا۔ "اب مجھے سفید سونے کو ہوا سے بچانا ہے ورنہ تجربہ برباد ہو جائے گا!"

اس نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں شانے جھٹکے اور دروازہ بند کر دیا۔

پھر میں نے مقررہ وقت پر چینی مٹی کا مرتبان کھولا۔ [illegible] تانبے کے کشتے کے ساتھ یکجان ہو چکا تھا۔ اب مرتبان میں سیاہ رنگ کا ایک ٹھوس ڈلا پڑا ہوا تھا۔

میں نے فخر اور مسرت کے ساتھ اسے مرتبان سے باہر نکال لیا۔

"یہ کیا ہو گیا؟" بیدی نے حیرت سے پوچھا۔

"پارہ [illegible] دھات ہے۔ اب اپنی انفرادیت کھو چکا ہے!" میں نے وہ ڈلا شیشے کے ایک جار میں ڈالتے ہوئے کہا۔

میں نے بیکر اٹھا کر پانی جیسے رنگ والا ایک [illegible] تیزاب شیشے کے جار میں ڈالا اور گھڑی دیکھ کر پورے تین منٹ منتظر رہا۔ پھر میں نے [illegible]

سنائی دی اور فیسا ورنگ بولے سفید دھواں اُٹھنے لگا۔ میں جار بانگ جتنا لئے اُس کا مشاہدہ کرتا رہا۔ محلول تیزی کے ساتھ فضا میں تحلیل ہوتا جا رہا تھا پھر چند ہی منٹ میں جار خشک ہو گیا۔ اس کے اندر سفید سونے کی جگہ سُرخ رنگ کا ڈلا موجود تھا۔

یہی عمل میں نے مسلسل تین مرتبہ دہرایا تو ڈلے کا رنگ تیزابی سونے کی چمک لینے لگا۔ میں نے فخریہ بیدی کی طرف دیکھا وہ حیرت سے منہ پھاڑے میں جانکی دیکھے جا رہا تھا۔

میرے حساب سے اب تماشہ ختم ہونے لگا تھا۔ وجود میں ایک عجیب سا شور اور سنسنی تھا کیوں کہ میرا شکار اب میرے چنگل میں تھا اور اپنے انجام سے بے خبر تھا!

اس وقت میرے اختیار میں بہت کچھ تھا۔ میرے پاس ایسے کیمیائی مرکبات موجود تھے جن کی ایک چٹکی چائے جیسے میں اُس کا کام تمام کر سکتی تھی۔ اور کچھ نہیں تو شورے کے تیزاب میں ذرا سا سفوف ڈال کر میں گلاس اس کے حلق کے نیچے جاتا تو تیزاب سے پیدا ہونے والی آنتوں کی جلن آسانی اس کا تھیہ پاک کر سکتی تھی۔ مگر میری دانست میں وہ مردود اتنی آسان موت کا حقدار نہیں تھا۔ تب سے مجھے وہ لمحے ابھی تک یاد تھے جب اس نے مجھے تنگ و تاریک کوٹھری میں پابہ سلاسل کیا تھا! کیسا ہولناک عذاب تھا وہ اذیت رسانی کا! جب گرمی سے جان جل رہی تھی تو ٹھنڈی آہ نہ بھر رو پاتے ابھرتی تھی اور جب وہ حرارت لفظ ایجاد دیتی تھی اس وجہ گر جاتا تھا تو حرارت کی آتی شدید خواہش اور طلب جاگ اٹھتی کہ اگر پانی کا ایک قطرہ بھی سامنے آ جائے تو اس کرب انگیز اور ہڈیوں میں پیوست ہونے والی ٹھنڈ سے نجات پانے کے لئے کوئی بھی بے خطر کود پڑے۔

ڈاکٹر بیدی کے مقدر میں کیا جانا تھا کہ وہ میرے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچے مگر میں اُسے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر سسکتے ہوئے مرتے دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کی اذیت کے لئے جتنے حیلے اور جو دقت فرماتے میری انا کو اسی قدر تسکین ملتی مگر میری تشویش یہ بھی تھی کہ ساری کوششوں کی خاموشی سے انجام پائے وہ پھر قید و بند سے آزاد ہو مگر کسی کو دیکھا سکے کہیں نہ جا سکے!

میں نے اُس کی طرف پشت کر کے ایک گلاس میں شورے کا تیزاب بھر لیا یہ ترکیب میرے معیار پر پوری اترتی نظر آ رہی تھی۔

"یہ بحارات بہت زہریلے تھے!" میں نے پانی سے کلی کرتے ہوئے کہا۔ "یہ پلکے سے ابر کی طرح میری زبان اور تالو پر جم گئے ہیں اور جب تک میں کوئی اچھی چیز کھاؤں گا یہ میرے معدے میں پہنچ کر میری ہلاکت کا سامان کر دیں گے۔ ذرا مردوئی لے کر میرا منہ تو صاف کر دو!"

بیدی پیشہ کے اعتبار سے نفسیات دان تھا مگر عملی طور پر وہ اس وقت میری کیمیا گری کے سحر میں مبتلا تھا۔ اس کا جلیبیلا ب جاتا تو شاید وہ ڈبہ مری اس ہوشیاری پر جو مجھ کو میرا دارا اُس پر کار گر رہا۔ اُس نے بُرا سا منہ بنایا پھر بادل نخواستہ سر پتے ہوئے روٹی آنکھوں میں خوف کی لہر ابھری اور وہ بولا "میرے منہ کا ذائقہ بھی بہت تلخ ہوا ہے۔ پہلے میرا دہانہ وغیرہ سند و کی فرسٹ ایڈ بکس سے روئی لے لو وہ سامان کی پیٹی ہے!"

اس وقت اُس کی نفسیات دانی جانے کہاں سو رہی تھی۔ میرے مقابلے میں وہ ایک عام آدمی تھا۔ شہر کا گیلوٹ ہے میں نے اُسے صیغے پر بٹھا دیا اُسے دکھانے کے لئے اُٹھا لیا روئی کا پھریرا تھا اُس کی زبان صاف کرنے سے پہلے میں نے تیزاب سے بھرا ہوا گلاس بھی اُٹھا لیا۔

میں نے آخری بار دہشت پر نظر ڈالی وہ بستر پر کھڑا تھا اس کا دہانہ پوری طرح کھلوایا چاہتا کہ میں اپنی آزادی کر کے اس طرح پھیلا دے کہ منہ بند نہ کر سکے۔ ڈھیلے سروں کے نیچے دب گئی۔ اُس کی چیخیں جس نے ہونٹ کی قوت سے اچھلنا چاہتا تھا کہ میں نے شورے کا تیزاب اُس کے حلق میں انڈیل دیا۔ اُس کے حلق سے لرزہ خیز غرّاہٹیں اُبھریں اور میں نے جھٹکے سے بچتے ہوئے اُس کا چہرہ تکئے کے نیچے دبا دیا اور خود بھی بچتے ہوئے خالی گلاس فرش پر پھینک دیا۔

وہ کسی سانڈ کی طرح میری گرفت سے نکلنے لگا۔ اس پہ تکلیف غالب آتی اور مزاحمت دم توڑنے لگی تو میں اسٹریچر کے پیچھے دوڑ پڑا۔ وہ اندھوں کی طرح بے آبی سے بچتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا اور منہ کے بل فرش پر گر گیا۔ اُس کو جبڑے دیکھ کر میرا دل دہل رہا تھا۔ میرے دماغ میں بجلی کی سی تیزی سے تیزاب پلانے کی کوشش میں پکڑ لیا گیا تو میرا حشر کیا ہو گا۔ خدا ہی جانے گا۔

اُس کا سارا چہرہ جھلس چکا تھا۔ جلد جگہ جگہ سے پھٹ گئی۔ سینہ اور پیٹ کے اوپری حصے کا بھی یہی حال تھا۔ آنکھیں کو دیکھنے کے بعد وہ سخت نظر آ رہے تھے۔ آنکھیں گلے کے عمل سے دب رہی تھیں جب اُس کا دم نکلا تھا۔ ہونٹ غائب ہو چکے تھے اور سیاہ دانتوں کی ایک ایک اینچ لمبا کٹورا بن کر مسکرا رہا تھا۔

مجھے اس پر چند لمحوں کے لئے رحم آیا مگر ذہن میں انتقام کی آگ بھڑکی۔ شاید اسے اتنی اذیتیں تو معاف کر سکتا تھا مگر اس کا کیا کیا بیمار پول جس نے مجھے بیدی کی وہ حالت بھی دکھائی! وہ اظہار کے وسیلوں سے محروم ہو چکا تھا۔ اب اس کی مزا یہ تھی کہ زندگی کو طول دیا جائے۔ بچ جانے کو بچانے کی کوشش کی جائے۔ وہ اٹھ رہا تھا ٹھوکریں کھا رہا تھا اور پھر گر رہا تھا۔ تیزاب کیا اور اس پر بیدی کے دونوں ہاتھ جھلس گئے۔ کوئی امید نہیں تھی لیکن میرا انتظام شاید اس کی زندگی کو طول دیتا۔ بیٹا، روکو سکتا تھا۔ آنکھوں کے منظر پھیر آتا ہے اس جہاں سے جھکتے تھے۔ اُس کا پورا وجود اس وقت اس کے لوتھڑے کی طرح پھیلا ہوا تھا۔

باقی تھی جس زبان سے اُس نے میری ناپختہ کاری کا مارگرایا تھا اب وہ زبان سیاہ دانتوں میں پھنسی رہتے ہوئے گل رہی تھی! اس میں اب ذرہ برابر ہمت تھی نہ دیکھنے کی صلاحیت۔ وہ ایک بیٹے پر پڑا تھا اس کا پورا بدن بار بار فضا میں اُچھل رہا تھا۔ میں اپنا حساب چکا کر آخری بار غور سے دیکھا اور اچانک چیختے ہوئے دروازہ کھول دیا۔

رات کا اندھیرا آخری سانسوں پر تھا مگر ڈان ہاؤس کے رکھوالے بیدار تھے۔ آناً فاناً میں اونگھتی ہوئی راہداریوں سے سات آدمی نکل آئے۔ "غضب ہو گیا۔ بیدی کو بچاؤ! اس نے دھوکے میں تیزاب پی لیا۔ وہ مر جائے گا۔"

وہ سارے بے دریغ کمرے میں گھس پڑے۔ وہ رحمانی گولیاں تھے جو دیکھ بھی۔ مگر چند سیکنڈ ان میں کوئی اس کا پتہ اور اچھلتے ہوئے لوتھڑے کے قریب جانے کی ہمت نہ کر سکا۔

آخران ہی میں سے کسی کا ذہنی تجربہ بیدار ہوا۔ ایمبولینس دوڑائے گئے اور وہ لوگ بیدی کے مکروہ وجود کو اسٹریچر پر ڈالے لے گئے!

"کمرے میں کوئی قدم نہ رکھے!" میں نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا اور اسٹریچر کے پیچھے دوڑ پڑا۔

اس مرتبہ ان لوگوں نے جو راستہ اختیار کیا وہ میرے لئے بالکل نیا تھا۔ یہ راہداری چوں کی مسٹ میں دو پیچ کے آمد میں جا نکلا جس کے آگے ایمبولینس کھڑی تھی۔ زجاجاتی پس منظر میں مٹے ہوئے آٹے سے تیزی کی گاڑی کا انجن بیدار تھا۔ زرد پیتر رنگ کا رو شن دائرہ تیزی سے گردش کر رہا تھا۔

میرے لئے ڈان ہاؤس سے نکل بھاگنے کا یہ نادر موقع تھا۔ میں سٹریچر کو سہارا دینے کے بہانے جھپٹ کر سب سے پیچھے ایمبولینس میں گھس گیا۔

وہاں اس وقت ہنگامی صورت حال تھی۔ کسی کو اس پوری طرح کام کرنے کا ہوش تھا جو کہ انہیں علم ہوا کہ میں اسٹریچر سے کبھی پہلے ایمبولینس میں داخل ہو چکا تھا۔ اسٹریچر رکھ کر ٹک لیا گیا اور کسی نے گرجتی آواز میں کہا۔ "آپ نیچے آ جائیں سر!" الفاظ تو مؤدبانہ تھے مگر لہجہ تحکمانہ تھا۔

"بیدی کا مرنا ہے اُسے ہر قیمت پر پہنچانا چاہیے۔ میں اسے تم لوگوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا!" میں نے چیخ کر کہا۔

"ہم احکام کے مجبور ہیں سر!" ایک گارڈ نے بغلی دروازہ کھول کر نفرت بھرے لہجے میں کہا اور نہایت بدتمیزی سے میرا بازو تھام کر مجھے باہر کھینچ لایا۔ ان کا سخت گیر رویہ دیکھ کر میں نے اصرار ترک کر دیا۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ الفاظ کی حد تک وہ ضرور میرا احترام کریں گے مگر عملی طور پر اور من مانی کرتے ہوئے انتہائی ضربات لگانے سے بھی گریز نہیں کریں گے جب کہ اب تک احترام کا مظاہرہ ان کا شیوہ نہیں تھا۔

مجھے گھورتا ہوا ایک گارڈ بھی ایمبولینس میں گھس کر دروازہ کھینچ لیا گیا۔

سفید کوٹ میں ملبوس شخص طبی آلات کا وزنی صندوق اُٹھائے دوڑتا ہوا آیا اور ایمبولینس کے عقبی حصے میں چڑھ گیا۔ یہی وضع قطع سے ڈاکٹر یا شفاخانہ ڈسپنسر لگ رہا تھا۔

ایمبولینس تیزی کے ساتھ آگے بڑھ گئی اور میں تھکے قدموں سے اپنی خوابگاہ میں لوٹ آیا۔ میں پوری کوشش کر رہا تھا کہ میرے چہرے سے اداسی اور صدمہ کا اظہار ہو مگر خوشی سے میرا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ میں نے بیدی کے ساتھ اپنا حساب بڑے اچھے طریقے سے چکا دیا تھا۔ اس کی ایذا رسانی سے لوگ زندہ ضرور بچ نکلتے تھے مگر معذور ہو جاتے تھے۔ اور وہ خود بھی میرا انتقام بھگت کر زندہ تھا مگر مکمل طور پر معذور ہو چکا تھا۔

خوابگاہ سے ملحق غسل خانے میں گرم پانی کا ہر وقت انتظام رہتا تھا۔ میں دل کھول کر شاور کے نیچے نہایا پھر گرم پانی بند کر کے ٹھنڈے پانی کی ٹونٹی کھول دی۔ مجھے ہلکی سی کپکپی آئی۔ میں نے ٹھنڈے پانی کو بند کر کے دوبارہ گرم پانی کھول دیا۔ وہ میں بار گرم ٹھنڈے کا یہ عمل دہرانے کے بعد میں نے شاور بند کر دیا۔ اب میں خود کو نئے دن کے لئے بالکل تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔ میں کا ایک ایک خلیہ روشن ہو گیا تھا اور اب میرے امکانات بے پناہ تھے۔

تھوڑی دیر بعد خاکی پتلون اور جرسی میں ملبوس ایک اوسط قامت گٹھیلے جسم والا آدمی دو گارڈوں کے ہمراہ میرے کمرے میں آیا۔ اسے میں پہلی بار دیکھ رہا تھا۔

میں نے اداکاری شروع کر دی اور بستر پر پڑا اداس نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔ ظاہری طور پر میں اداس تھا مگر اس کی آنکھوں سے ذہانت ٹپک رہی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں اندازہ لگایا کہ وہ مجھ سے یا اس کے ترتیب کا درجہ رکھنے والا ہے!

"میں اس اسٹیشن کا سیکنڈ ان کمانڈ ہوں۔ ڈاکٹر بیدی کے حادثے کے بعد سے سائیکو ٹریٹ میری تحویل میں ہے!" میں نے خشک لہجے میں اپنا تعارف کرایا۔ "مجھے جمشید واڈ کہتے ہیں۔"

اس کی گفتگو سے ظاہر ہوا کہ ڈان ہاؤس کا اصل نام سائیکو فورٹ ہے یہ نام عمارت کے خواص سے خاصی مطابقت رکھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کا نام ڈان ہاؤس ہی ہوتا تو پہلی بار یہ نام بتانے کے بعد مجھے رہا نہ کیا جاتا۔ ہر لوگ جتنی عمارت کے نام اور محل وقوع کی رازداری کے سلسلے میں حد سے زیادہ محتاط تھے مگر یہ موقع ایسا تھا کہ میں ایسی ہی باتوں پر توجہ مرکوز کر دیتا!

"تم نے بہت دیر کی ڈاکٹر!" میں نے بھاری آواز میں کہا۔ "بیدی کی حالت بہت خراب تھی۔ کسی ذمہ دار آدمی کو اس کے ساتھ جانا تھا۔" میں نے بڑی روانی سے انگریزی میں بولنا شروع کر دیا۔ "ہر شخص اپنے فرائض کو خوب جانتا ہے۔ آئندہ اپنی احتیاط کے اظہار میں احتیاط کیا کرو۔"

"شاید..... شاید اس عمارت میں تمہیں کم انسان سمجھتے ہیں!" میں نے گھر

پچے میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

پھر واڈیگر نے اپنے ہاتھ میں دبے ہوئے چند کاغذات پر نظر ڈالی اور بولا "مگر اس وقت یہاں آ کر رہنے کا مقصد یہی ہے کہ اس وقت تمہیں یہاں ہونا چاہیے تھا!"

"میں جانتا ہوں کہ مجھے کس وقت کیا کرنا چاہیے!"

"بحث کی ضرورت نہیں، یہاں ہر کام شیڈول کے مطابق ہوتا ہے تمہیں دو بجے رات تک اس وقت تک مصروف رہنا ہے جب تک تیسرا ساتھی نہ آ جائے!" وہ کاغذات پر نظریں دوڑاتے ہوئے بولا "یہ شیڈول مجھے میڈی کے دفتر سے ملا ہے!"

"میڈی کے حادثے نے شیڈول پر اثر ڈالا ہے!" میں نے مزید بھی آواز میں کہا "اگر یہ کاغذات اتنے ہی ٹھیک ہیں تو ان میں یہ بھی لکھا ہوگا کہ میرا تجربہ کس قدر خطرناک اور توجہ طلب ہے!"

"ہاں کل کی رپورٹ میں یہ بھی لکھا ہوا ہے!" اس نے کاغذات پر سے نظریں ہٹائے بغیر تلخ لہجے میں اقرار کیا "تمہارا کام واقعی بہت نازک ہے!"

"میں نہیں چاہتا کہ ضرورت سے زیادہ ذہنی دباؤ کے باعث میں بھی تجربہ لے کر میڈی کے حال کو پہنچ جاؤں؟" میں نے مزید وضاحت کی

"ٹھیک ہے!" وہ یک بیک نرم پڑ گیا! "ہو سکتا ہے کہ تم میڈی کو بہت زیادہ پسند کرنے لگے ہو مگر اس حادثے سے ہمت ہارنا فضول سی بات ہے بہتر یہی ہے کہ تم جلد از جلد اس کام کو مکمل کرو جس پر میڈی تمہارے ساتھ مصروف تھا یہ میرا دوستانہ مشورہ ہے!"

"مجھے صرف تھوڑی دیر کا سکون اور تنہائی درکار ہے!"

"اچھا — اب یہ بتاؤ کہ ڈاکٹر کے ساتھ کیا ہوا تھا؟"

"مجھے کچھ علم نہیں۔ میڈی صوفہ پر دراز تھا۔ میں نے شوربہ کے تیزاب کی بچی ہوئی مقدار گلاس میں بھر کر اس کے پاس رکھوا لی ہوئی تھی۔ پھر گلاس ٹوٹنے کے شور اور چند بھیانک آوازوں پر میں چونکا تو میڈی صوفہ پر مچل رہا تھا اس کا سرخ شعلہ چہرہ اور ٹوٹا ہوا خالی گلاس دیکھتے ہی مجھے سنگین صورتحال کا اندازہ ہو گیا اور میں نے دروازہ کھول کر شور مچایا!"

"گڈ!" اس نے سرسری انداز میں کہا۔ یہ لفظ اس نے یقینی طور پر میرے بیان کی تحسین کی خاطر استعمال کیا تھا مگر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میڈی کے انجام پر تسلی کا اظہار کیا ہو!

ڈان ہاؤس یا سائیکوویٹ کی گھٹی بند زندگی میں یہ دو علاوہ بدمستی کا باعث بنا ہوا تھا لوگ خود کو اس واقعے سے لاپرواہ ظاہر کرنے کی پوری کوشش کر رہے تھے مگر ہر طرف ہلچل کا سا سماں تھا وہاں شاید میڈی کے سوا کسی کو علم نہ تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ واڈیگر کی باتوں سے بھی پتہ چل رہا تھا کہ میڈی کے زخمی ہونے کے بعد کاغذات اور میڈی کی لکھی ہوئی رپورٹوں کے ذریعے اسے میری مصروفیت کا علم ہوا تھا۔ ان حالات میں ہر شخص کا میری طرف مشکوک اور خوفزدہ نظروں سے دیکھنا فطری امر تھا۔

دس بجے کے قریب میں دوبارہ عارضی تجربہ گاہ میں گیا۔ وہاں بالکل واضح دکھائی دے رہا تھا کہ میں نے بھٹی میں ٹکڑوں کی ایک وضع تیار کی ہوا الماری ڈالا تھا اور ٹکڑوں سے بجلی کرنے کے بعد میں اس وقت تک وہاں رہا جب تک سارے ٹکڑے پھر میں نے بھٹی کا برقی پنکھا بند کر دیا اور بھٹی کے دہانے پر کمرہ باہر نکل آیا۔

مجھے محافظوں سے میڈی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا نے ایک گارڈ کے ذریعے واڈیگر کو پیغام بھجوایا اور تھوڑی ہی دیر میں

"میڈی کا کیا حال ہے؟" میں نے اس کے آتے ہی سوال کیا۔

"بہت برا حال ہے سانس اور غذا کی نالیاں بصارت بھی ضائع ہو چکی ہے۔ نلکی ڈالنے کے باوجود آکسیجن پیش آ رہی ہے!" اس نے بتایا۔

"کیا وہ اکالی میں ہی ہے؟"

"ہاں اسے ڈی جی خود ڈول ہسپتال بھیجے ہوئے میڈی کا آپریشن شروع ہو سکتا ہے۔ جو کچھ میں نے سنا ہے اگر وہ بچ موت کی سرحد پر کھڑا ہے اور کسی بھی لمحہ بری خبر آ سکتی ہے!"

مجھے جانے دو! میں صرف ایک بار میڈی کو دیکھنا چاہتا ہوں نے التجا کی۔

"ناممکن!" وہ اٹل لہجے میں بولا۔ "اے ڈی جی نے سختی سے ہدایت کی ہے کہ تمہاری خصوصی حفاظت کی جائے!"

"حفاظت یا نگرانی؟" میں نے تلخ انداز میں "سائیکوویٹ میں دونوں الفاظ ہم معنی ہیں!" واڈیگر نے سے کہا۔

شام سے ذرا دیر پہلے واڈیگر نے مجھے بتایا کہ جیپال نے تجربے کی تکمیل کے بارے میں دریافت کیا تھا کو نصف شب سے پہلے یہ کام ناممکن ہوگا۔ اس اطلاع کی بنا پر کو مزید ایک روز اکالی میں رہنے پر آمادہ کر لیا تھا بات کہیں واڈیگر کے ہمراہ اپنی تجربہ گاہ میں جا پہنچا

کو چھو کر دیکھا تو وہ سرد ہو چکا تھا میں نے اسے الٹ دیا سوا کچھ نظر نہ آتا تھا، تیار کیے ہوئے ٹکڑوں کے سونے کا ڈلا نکالا اس کا رنگ بد صورت تھا میں نے مارا اور وہ کچھ اندر دب گیا۔

پہلے کے مقابلے میں میرا بنایا ہوا سونا نرم ہو چکا تھا۔

پھر میں نے کسوٹی پر جیپال کے لائے ہوئے سونے سے لکیر لگایا اس کے بعد اپنے خود ساختہ سونے سے لکیر ڈالی جو بالکل ہم رنگ تھی میرا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا!

لعاب سا تھا اور یہی وہ عیب تھا جس کی بنا پر لیاقت آباد کا جمالی سنیاسی اپنا کی بات نہ کر سکے تھا! بھی اصل سونے اور خود ساختہ سونے کی برابر کی مقدار ہو تو ان کا وزن یہی مصروف ہو گیا اور واڈیگر سے بھی باتیں شروع کر دیں۔

میڈی سے میری دوستی کا لازمی نتیجہ پیدا ہوا تھا۔ اس کا جانشین بھی مجھ ہو چکا تھا عہدے کے اعتبار سے وہ اے ڈی آر کا کرنل تھا اپنے قیام کے دوران میں کیپٹن مجاہر کے بعد واڈیگر مجھے دوسرا فوجی افسر تھا اور بیل کی طرح یہی اپنے افسران سے بددل تھا۔ وہ افسر درمیانے جثے کا آدمی تھا اور اس کا رنگ صاف مگر جب کرنل واڈیگر کی ترقی کا موقع آیا تو اچانک ہی اس کی خدمات فیکٹری سروس کو مستعار دے دی گئیں۔

میں اپنے کام میں مصروف تھا اس کی کوئی ہوئی اور وہ فوراً ہی وہاں سے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی واپسی جیپال اس کے ہمراہ تھا!

"میڈی کا کیا حال ہے؟" اسے دیکھتے ہی میں نے کام چھوڑ کر سوال کیا۔

"فکر نہ کرو وہ ٹھیک ہو جائے گا!" جیپال کے ہونٹوں پر شگفتہ مسکراہٹ ابھری۔ "وہ ابھی خطرہ سے باہر نہیں ہے مگر پہلے سے بہتر ہے!"

"خدا کرے وہ ٹھیک ہو جائے!" میں نے اس کے حق میں گڑگڑا کر صدق دل سے دعا کی۔

"تمہارا کام کتنی دیر میں ختم ہو جائے گا؟" جیپال نے اپنا اکتا ہوا اشتیاق چھپاتے ہوئے پوچھا۔

"شاید آدھ گھنٹہ میں صرف باقی ہے!" کہتے ہوئے میں نے اپنا بنایا ہوا سونا اس کے حوالے کر دیا۔ کے لیے اس میں سے ایک ٹکڑا

جتنی دیر میں کام میں لگا رہا جیپال وہیں بیٹھا سگار پیتا رہا میں چاہتا تھا کہ میڈی کے ناقابل بیان کرب کا تذکرہ کرے اپنی معذوری بیان کرے مگر وہ شیشے کی طرح خاموش

کام ختم کر کے ہم تینوں اپنے کمروں میں لوٹ گئے سائیکوویٹ جیسے ناقابل شکست حصار میں تن تنہا اس حصار کے محافظ کے گریبان پر ہاتھ ڈالنا بری ہمت کا مرانے سے افضل تھا!

اگلے روز صبح کانفرنس روم میں میری طلبی ہوئی۔ وہاں دری بچھے تھے ڈاکٹر راماند، یشونت راؤ، جے بی کھتری اور جیپال۔

"میڈی کا کیا حال ہے؟" ڈاکٹر راماند نے بیٹھتے ہی

"سونا تیار کر لیا تم نے؟" ڈاکٹر راماند نے قہقہہ مار کر پوچھا۔

"ابھی نہیں کوشش ضرور کی ہے اب تصدیق یا تردید آپ کا شعبہ ہے!" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور اس کے سامنے میز پر ڈال دئیے۔ یشونت اور کھتری کی نگاہیں راماند پر مرکوز تھیں جو کھول رہا تھا اس نے سونے کے تقریباً ہم وزن دونوں ٹکڑے نکالے انھیں الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد اس نے باری باری ان کی کثافت کا اندازہ لگایا اس کی خوش مزاجی یک بیک سنجیدگی میں بدل گئی تھی "ان دونوں میں کیا فرق ہے؟" مجھ ہی سے کہا گیا تھا۔

"یہی فرق میں بھی جاننا چاہتا ہوں!" میں نے انکسار آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"رنگت تو وزن ہے — کیا اندر بھی ان کا یہی رنگ ہے؟" اس نے ایک بار پھر باری باری دونوں ٹکڑوں کو تولا۔

"جی — میں کاٹ کر دیکھ چکا ہوں!"

"خیر!" بوڑھے نے دونوں ٹکڑے چرمی بٹوے میں ڈال لیے۔ "میں دو تین روز میں ان ٹکڑوں کی لیبارٹری رپورٹ یشونت راؤ کو بھجوا دوں گا تم لوگ کر لینا۔"

"ڈاکٹر صاحب! دونوں میں کوئی دیکھوں؟" یشونت راؤ نے ذرا جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ہاں — ضرور دیکھو!"

یشونت اور کھتری نے باری باری دونوں ٹکڑوں کا معائنہ کیا مگر کا معنی خیز نتیجہ برآمد نہ ہوا انھوں نے کوئی تبصرہ کیے بغیر دونوں کو چرمی بٹوے میں رکھ دیے۔

"اس پر لاگت کیا آئے گی؟" کھتری نے ایک معقول سوال کیا۔

"چار پانچ روپے تولہ یا اس سے بھی شاید کم!" میں نے کہا اور اس بے چارے کی آنکھیں حلقوں سے نکل کر پیشانی پر جا چڑھیں۔

اس کے بعد بھی وہاں کچھ دیر مزید گفتگو ہوئی لیکن غیر معیاری تھی اصل میں ہر شخص چار پانچ روپے تولہ لاگت والے سونے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ راماند بظاہر لاپرواہی برت رہا تھا مگر اس کے بشرے سے شدید ذہنی الجھن عیاں تھی۔

آخر یہ اجلاس ختم ہو گیا۔ اس بار جیپال پہلی مرتبہ مجھے برآمدے تک ساتھ لایا جہاں انھیں لانے والی فوجی گاڑی موجود تھی۔

انھیں رخصت کرنے کے بعد جیپال میرے ساتھ میرے کمرے میں آیا۔ واڈیگر شاید پہلے سے وہاں موجود ہمارا منتظر تھا اور ایک عجیب بات یہ تھی کہ اس وقت میرے کمرے کے باہر ایک کے بجائے چار مسلح گارڈز موجود تھے ہر ایک کے شانے سے اسٹین گن لٹک رہی تھی۔

اچانک میری چھٹی حس نے خطرے کا نعرہ لگایا۔

"دروازہ بند کر دو!" جیپال نے واڈیگر سے کہا اور اس نے بڑھ کر دونوں پٹ بھیڑ دیے البتہ کنڈی نہیں لگائی تاکہ حسب ضرورت دروازہ فوراً

کھولا جاسکے۔

میں نے بھیڑیوں کے غول میں گھرے کسی وحشت زدہ ہرن کی طرح جسپال کی طرف دیکھا اور میرا دل ڈوبنے لگا۔

اس وقت جسپال کا چہرہ بہت گمبھیر ہو رہا تھا۔ چمکتی ہوئی آنکھوں میں ہلکی ہلکی سرخی جھلک رہی تھی۔ وہ سگار کا گوشہ بے رحمی سے دانتوں میں بھینچے مسلسل مجھے گھور رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں تھے اور اس وقت میں نے پہلی بار محسوس کیا کہ جسپال کی پتلون کی داہنی جیب غیر معمولی طور پر بھاری نظر آ رہی ہے۔

"کیا بات ہے جسپال صاحب؟" میں نے قدرے گھبراتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ "خیریت تو ہے!"

"خیریت نہیں ہے صفدر علی!" وہ غضبناک گڑگڑاتی ہوئی آواز میں بولا... "سیدی مر گئی۔ سیکرٹ سروس ایک بہترین آدمی سے محروم ہو چکی ہے۔"

"اوہ!" بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔ "یہ بہت برا ہوا۔ ابھی تو اسے زندہ رہنا تھا۔"

"شاید... شاید تم اسے اس مجبور حالت میں زندہ دیکھنا چاہتے تھے!" جسپال غرا کر بولا۔ سگار فرش پر پھینک کر اس نے ایڑی سے مسل دیا۔ "مگر کیوں؟ اس کی زبان بہت پہلے بند ہو چکی تھی مگر اس نے تمہاری بہترین دیکھ بھال کر کے مہربانی کا اظہار کر دیا تھا۔ تم نے کیوں مارا اسے؟"

"میں نے... میں نے مارا اسے؟" میں حیرت سے تقریباً چیخ پڑا۔ "اس نے تو خود تیزاب پیا تھا!"

"شاید یہ سچ ثابت ہو جاتا مگر وہ اتنا احمق نہیں تھا صفدر کہ اپنے دانت کو کھولنے کے لیے منہ میں چھپی آہنی پنجی کو کھینچتا اور پھر تیزاب پیتا!" اس کا ایک ایک لفظ زہر میں ڈوبا ہوا تھا۔

اچانک میری نگاہوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ مجھے یاد آیا کہ سیدی کے چہرے ہوئے دانت میں تیزاب انڈیلنے کے بعد میں آہنی پنجی نکالنا بھول گیا تھا۔ تیزاب پڑتے ہی اس کا چہرہ اس قدر بھیانک اور ڈراؤنا ہو گیا تھا کہ کہیں بھی پنجی کا ابھار نظر نہیں آیا تھا۔

"میں رات کو ہسپتال سے روانہ ہوا تو وہ مر چکا تھا۔ اگر فوراً پنجی نکال دی جاتی تو آکسیجن کی ٹیوب اتارنے کا راستہ بن جاتا۔ شاید وہ زندہ بچ جاتا۔ بات سے پہلے میرے ذہن میں اب آ رہی ہے صفدر علی۔ وہ پنجی رکھتے ہی میں نے سمجھ لیا تھا کہ یہ تمہارا کام ہے۔ میں تمہیں گھونٹ ڈالنا چاہتا تھا۔ مگر تحریری ضرورت کی خاطر میں نے اپنے سینے پر صبر کی سل رکھی اور ان لمحوں کا انتظار کرتا رہا۔"

ہیبت سے میرے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔ میں کسی بت کی طرح بے حس سنتا رہا۔ جسپال کی خاموشی میں رقت اور مظلومیت کی ایک لہر کے وجود میں ڈوب گئی۔ میں گڑگڑا کر اس کی طرف لپکا مگر اس نے پھرتی کے ساتھ اپنی داہنی جیب سے ریوالور نکالا اور فوراً ہی اس کا سیفٹی کیچ ہٹا دیا۔

"وہیں رک جاؤ صفدر... ورنہ میں گولی مار دوں گا!" جسپال پھر غرائی آواز میں دہاڑا اور مجھ پر ایک بار پھر سکتہ طاری ہو گیا۔

میں اس وقت جہاں تھا وہیں رک گیا۔ شاید جسپال نے ابھی تک سیدی کی موت کے بارے میں کرنل واٹر کو اپنے خیالات سے آگاہ نہیں کیا تھا کیونکہ اس کے منہ سے نکلتے ہی ڈاکٹر کے سرخی مائل چہرے پر حیرت کے آثار دور ہی سے دیکھے جا سکتے تھے۔

"تم مجھے مارنا چاہتے ہو تو ضرور مار دو مگر مجھ پر سیدی کے قتل کا الزام تو نہ دھرو۔" میں نے گھبرائی ہوئی آواز میں جسپال سے کہا۔

"سیدی کے قتل کا الزام نہ دوں!" وہ زہریلے لہجے میں بولا۔ "کیا تم کہنا چاہتے ہو کہ اس نے تیزاب خود اپنے حلق میں انڈیل لیا تھا؟"

"ہو سکتا ہے کسی حادثے کے سبب ایسا ہوا ہو مگر میں اس سے بالکل بری الذمہ ہوں۔ میری بدنصیبی صرف یہ ہے کہ کوئی گواہ نہیں ہے اور تم مجھ پر اعتبار کرتے نظر نہیں آتے۔" میں نے بجھے بجھے لہجے میں کہا۔

"سیدی کے ساتھ کیا ہوا تھا؟" جسپال نے خود کو سنبھالتے ہوئے مجھ سے پہلی بار دریافت کیا۔ اس کے ہاتھ میں تھمے ہوئے ریوالور کی نال بدستور میرے سینے کی طرف تھی۔

"میں کرنل واٹر کو پوری بات بتا چکا ہوں۔"

"میں وہ جھوٹ دوبارہ سننا چاہتا ہوں۔" جسپال کا لہجہ زہر میں ڈوبا ہوا تھا۔

"یہ درست ہے کہ میری زبان سے سچ اگلوانے کے لیے مجھ پر زندگی کی انتہا کر دی گئی تھی مگر اس کے سینے میں [illegible] نے دیکھے اور پرخیال لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "عجیب بات ہے [illegible] سمجھتا رہا ہے۔ میرے حق میں بھی [illegible] لیکن ایک بار میری بچپن [illegible] کے بعد وہ میرے لیے مخلص ترین دوست بن چکا تھا۔ [illegible] میری بدنصیبی کی رات تھی۔ میں نے ایک گلاس میں شورے کے تیزاب کی ہوئی مقدار صوفے کے قریب رکھ دی تھی تاکہ صفدر صوفے کو [illegible] وہ تیزاب استعمال کر سکیں مگر اس وقت [illegible] بخارات سے سیدی خوفزدہ ہو گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ [illegible] اس کے بارے میں ہم کچھ نہیں اور وحشی غلاظت کے ساتھ ہلاک کر دیں گے۔ اگر تمہیں اس کے دانت میں سے آہنی پنجی ملی ہے تو وہ بھی اسی کی ہوگی۔ وہ فرسٹ ایڈ بکس سے روئی اور پنجی لے کر [illegible] تھا جب میں نے آخری بار اسے زندہ سلامت دیکھا تو وہ سوئی سے داڑھ صاف کرنے کی تیاری کر رہا تھا اور تیزاب کا گلاس اس کے نزدیک رکھا ہوا تھا۔ مجھ سے بس اتنی غلطی ہوئی کہ میں نے اس سے کہا کہ کہیں اس کا پاؤں لگ کر تیزاب فرش پر نہ گر جائے۔ میں اپنے کام میں مصروف ہو گیا اور اسی وقت میں نے [illegible] شیشے کا گلاس فرش پر گر کر چکنا چور ہو چکا تھا اور سیدی کا [illegible] سامنے تھا وہ ادھ موئے کی طرح ٹوٹتا ہوا کمرے میں لڑکھڑا رہا تھا اور اس کے حلق سے وحشتناک غیر فطری آوازیں ابھر رہی تھیں۔"

"تم نے پہلے مجھے یہ ساری تفصیلات نہیں بتائی تھیں۔" کرنل واٹر نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"مجھے کیا معلوم تھا کہ مجھ پر ہی سیدی کا قاتل ہونے کا شبہ کیا جائے گا۔" میں نے جھلاہٹ بھرے لہجے میں کہا۔ "نہ ہی تم نے تفصیلات میں زیادہ دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔"

"یہ سراسر بکواس ہے۔" جسپال غرایا۔ "مجھے تمہاری کہانی کے ایک لفظ پر بھی یقین نہیں۔"

"میری بدقسمتی ہے جسپال!" اس وقت مجھ پر دیوانگی کا دورہ پڑا اور میری آواز خود بخود بھرانے لگی۔ "اگر تم مجھے سیدی کا قاتل سمجھتے ہو تو مجھے گولی مار دو۔"

"تمہارے کارناموں کا واحد انعام قتل ہی ہے صفدر!" وہ ریوالور کی نال جھکا کر بڑی اور غصے کے عالم میں بولا۔ "مگر کچھ لوگ تمہیں زندہ دیکھنے کے متمنی ہیں۔ بعض اوقات انسان موذیوں کو بھی پالنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور میں تمہیں بدترین قسم کا موذی سمجھتا ہوں۔ تم اب تک سیکرٹ سروس کے تین آدمیوں کو ہلاک کر چکے ہو۔"

"تین نہیں۔ صرف دو۔ جسپال!" میں بے حد سہما ہوا کر مسہری پر گر گیا۔

"ہیڈ کوارٹرز سے احکام آنے تک اسے کمرہ نمبر دو میں بند کر دو۔" جسپال نے مجھے گھورتے ہوئے واٹر کو حکم دیا۔

"کیسے احکام؟" میں یک بیک گھبرا گیا۔ "کیا تم لوگ مجھے پھانسی چڑھانے کی امید لگائے بیٹھے ہو؟"

"کاش ایسا ہو سکے۔" جسپال دانت پیس کر بولا۔ "کاش روما منڈی کی رپورٹ یہ ظاہر کرے کہ تمہارا بتایا ہوا سونا بے حقیقت اور فریب نظر ہے جس سے ہمارے اوپر والوں کو یقین ہو گیا کہ تم سونا نکالنے میں کوئی مدد نہیں کر سکتے تو وہ تمہیں بلا روک ٹوک میرے حوالے کر دیں گے۔ اس وقت میں تم سے سیدی کے قتل کا حساب ضرور چکاؤں گا۔"

اس دوران ڈاکٹر چاروں مسلح گارڈز کو اندر لے آیا اور انہیں آہستہ آہستہ میرے بارے میں کچھ تفصیلی ہدایات دینے لگا۔

ان کی گفتگو ختم ہونے کے بعد چاروں گارڈوں نے مجھے اسٹین گن کی نوک پر کمرے سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا۔ باہر نکلتے ہی ان میں سے ایک آگے ہو لیا۔ میں اس کی تقلید کرنے لگا۔ میرے پیچھے باقی تینوں گارڈ چلے آ رہے تھے۔

جسپال سے گفتگو کے بعد مجھے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ نفرت اور انتقام کی حالت میں کی ہوئی کوئی بھی کارروائی محفوظ نہیں ہو سکتی۔ سیدی نے [illegible] صورت گزارا اور مجھ پر یہ حقیقت باقی تھا۔ اس نے میری سینے کے پاس ہی ایسے الفاظ استعمال کیے تھے کہ ہر لفظ تیر بن کر میرے دل میں ترازو ہو گیا تھا مگر سائیکو فورٹ میں میری حیثیت ایک بے بس اور مجبور قیدی سے زیادہ نہیں تھی۔ لہٰذا فوری طور پر میں سیدی کو سبق دینے سے کترا گیا۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ میرے جسم کا ہر زخم بھرنے لگا مگر میری انا کا کاری زخم ہرا ہی رہا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ سائیکو فورٹ میں رہتے ہوئے مجھے امید تک نہیں تھی کہ میں سیدی پر ہاتھ ڈال سکوں گا مگر اس رات کے سناٹے میں جب سیدی کو اپنے ساتھ پایا تو میرے ذہن میں انتقام کی ہولناک لہر نے انگڑائی لی اور میں نے فوری منصوبے کے تحت اسے بدترین عذاب میں مبتلا کر دیا۔ نجانے وہ کامیابی کا نشہ تھا یا اس کے جھلسے ہوئے مسخ شدہ چہرے کی ہیبت کہ میں اس کے منہ میں پھنسی ہوئی آہنی پنجی کو بالکل بھول گیا اور میری یہی بھول اب مجھے مصائب کا پھندا بنتی نظر آ رہی تھی۔ اس بار مجھے نجات کی ہر راہ مسدود نظر آ رہی تھی۔

تاریک اور پیچ در پیچ نیم روشن اور پراسرار راہداریوں کے جال سے گزرنے کے بعد ہم نجانے کس حصے میں عمارت سے باہر آ چکے تھے اور اب سر پر نیلا آسمان نظر آ رہا تھا۔ مگر اجالے سے سورج کی تیز روشنی میں نکل آنے کے باعث میری آنکھیں چندھیانے لگی تھیں۔

چند ثانیوں بعد میری بصارت معمول پر آئی تو میں نے دیکھا کہ ہم پختہ فرش پر موجود ہیں۔ سائیکو فورٹ کا خاردار تاروں والا بلند جنگلہ ہم سے بمشکل پندرہ سولہ گز دور رہ گیا تھا۔ تاروں کی اس باڑھ کے پیچھے عمارت کی غیر معمولی مستطیل فصیل کھڑی ہوئی تھی۔ تاروں اور پتھریلی دیوار کے درمیان خونخوار جسیم جسامت والے لمبے لمبے بالوں میں چھپے چار سیاہ کتے بے چینی سے ہماری طرف متوجہ تھے۔ ان کی سونگھنے کی قوت بلاشبہ بہت تیز تھی۔ وہ نجانے کہاں سے عین موقع پر وہاں آ پہنچے تھے۔ ان کی سرخ آنکھوں میں ویرانی اور خون کی پیاس رچی ہوئی تھی۔ جبڑوں سے باہر لٹکی ہوئی سرخ زبانیں اور ان کے قدموں کی بے چین حرکات نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ وہ واقعی بہت خونخوار نظر آ رہے تھے اور شاید جسپال نے ان کی خاموش فطرت کے بارے میں سچ ہی کہا تھا کیونکہ حرکات و سکنات سے غضبناک اور برہم نظر آنے کے باوجود انہوں نے ابھی تک اپنے حلق سے کوئی ہلکی سی آواز بھی نہیں نکالی تھی۔

عمارت سے باہر آنے کے بعد ہمارا سفر بمشکل چند منٹ جاری رہا۔ پھر ہماری رہنمائی کرنے والا گارڈ گیراج نما ایک کمرے کا مقفل دروازہ کھولنے لگا۔

بڑے پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کے ذریعے ہم لوگ یکے بعد دیگرے اندر داخل ہوئے تو یہ دیکھ کر میرا دل خوشی سے اچھل پڑا کہ وہ کوئی عقوبت کدہ نہیں تھا۔

وہ ایک وسیع و عریض، روشن اور ہوادار کمرہ تھا۔ ہم جس ذیلی کھڑکی سے اندر داخل ہوئے وہ پوری دیوار کی چوڑائی اور اونچائی پر مشتمل دو پٹ

والے دو اسپرنگ آہنی دروازے میں بنی ہوئی تھی۔ کمرے کی اندرونی دیواریں سپاٹ اور بے نقش تھیں جن پر ہلکا سبز رنگ کیا ہوا تھا۔ کمرے کے عین وسط میں فرش پر اسفنج کا بہت موٹا گدا بچھا ہوا تھا۔ چھ فٹ لمبے اور اسی قدر چوڑے اس گدے پر بچھی ہری چادر اور دو نرم تکیوں سے پتہ چل رہا تھا کہ یہ میرا بستر ہوگا۔ کمرے کے ایک گوشے میں چھوٹا سا ایک اور کمرہ تھا جس کا دروازہ بند کمرے ہی میں تھا۔ سائیکو فورٹ کی فصیل کی جانب والی دیوار میں دو فرانسیسی طرز کے دریچے بنے ہوئے تھے۔ چار چار فٹ اونچے یہ دریچے فرش سے چند انچ اوپر سے شروع ہو کر چھت تک چلے گئے تھے۔ ان پر باہر کی طرف شیشے کی شفاف چادر نصب تھی اور اندر کی طرف خوبصورت ڈیزائن والی مضبوط آہنی جالی لگی ہوئی تھی۔ پہلی ہی نظر میں مجھے اندازہ ہوگیا کہ اس آہنی جالی کے بیل بوٹے اس طرز پر ڈیزائن کیے گئے تھے کہ ان میں سے ہاتھ باہر نکالنا ناممکن تھا۔

پورے کمرے میں بس وہ دو آہنی زنجیریں ہی ایسی تھیں جن سے پتہ چل رہا تھا کہ میں وہاں قیدی کے طور پر لایا گیا ہوں۔ وہ دونوں مضبوط چمکیلی زنجیریں چھت کے وسط میں فوم کے بستر کے عین اوپر لگے ہوئے ایک چوکور صندوق سے جھول رہی تھیں۔ زنجیروں کے دوسرے سرے بستر پر پڑے ہوئے تھے اور ان کے آخر میں ہتھکڑیاں لگی ہوئی تھیں۔

ایک محافظ نے اپنی اسٹین گن شانے سے لٹکائی اور جیب سے چابیاں نکالتے ہوئے جوتوں سمیت بستر پر چڑھ گیا۔

"اوپر چلو۔" میرے قریب موجود ایک گارڈ نے اپنی اسٹین گن کی نال میری پسلیوں میں چبھاتے ہوئے مجھے بھی گدے پر چلنے کا حکم دیا۔

میں نے پلٹ کر اسے گھورا اور کچھ کہے بغیر گدے پر چڑھ گیا۔

چند ہی سیکنڈ میں میری دونوں کلائیاں آہنی ہتھکڑیوں میں قید ہو چکی تھیں۔ پھر ایک گارڈ نے اپنی خاکی جیکٹ کی جیب سے چھوٹا سا چوکور ڈبہ نکالا۔ میں اسے دلچسپی اور حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ڈبے میں ایک جگہ چٹکی سے کوئی چیز باہر نکالی اور چند ہی ثانیوں میں کئی فٹ لمبا تار کا ایریل سا اس ڈبے پر لہرانے لگا۔

گارڈ اس ڈبے کو اپنے داہنے کان اور ہونٹ کے قریب لے گیا۔ اس کا انگوٹھا ڈبے پر لگے ہوئے کسی نظر نہ آنے والے سوئچ کو گھما رہا تھا۔

پھر ڈبے سے ابھرنے والا ہلکا ریڈیائی شور مجھے بھی سنائی دیا۔ غالباً وہ والی ٹاکی قسم کا کوئی وائرلیس ٹرانسمیٹر ریسیور سیٹ تھا جو قریبی رابطہ کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

"ہیلو کنٹرول۔۔۔ ہیلو کنٹرول۔۔۔" گارڈ بار بار دہرا رہا تھا۔ "میں او۔پی۔ون بول رہا ہوں۔"

"کنٹرول ریسیونگ۔ ہیلو، او۔پی۔ون!" چند ثانیوں بعد ریسیور پر ہلکی سی آواز ابھری۔

"میں کمرہ نمبر دس سے بول رہا ہوں۔" او۔پی۔ون نے کہنا شروع کیا۔

"قیدی کو ہتھکڑیاں لگائی جا چکی ہیں اور وہ پوزیشن میں ہے۔ اس کا وزن [illegible] کلوگرام کے قریب ہوگا۔"

"اوکے۔" دوسری طرف سے بے پروائی کے ساتھ کہا گیا۔

"اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھالو۔" ایک گارڈ نے مجھ سے کہا۔ اچانک میرے ذہن میں ایک خطرے نے سر ابھارا۔ [illegible]

ابھی تھوڑی دیر پہلے کسی کو میرے وزن سے آگاہ کیا گیا تھا اور اب میرے [illegible] جانب سے تھے۔ چھت میں لگے ہوئے صندوق میں غائب ہوتے ہوئے [illegible] زنجیروں کے دوسرے سرے یقینی طور پر کسی مربوط مشینی نظام سے [illegible] اور اب مجھے بار بار فضا میں معلق کر کے اس گدے پر پھینکا جانے والا [illegible]

"میں ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔" میں نے تیز لہجے میں کہتے ہوئے [illegible] مٹھیوں میں جکڑ لیں۔ ہتھکڑیوں اور میری مٹھیوں کے درمیان زنجیروں کا اتنا جھول رہ گیا تھا کہ چھت تک پہنچنے کے بعد بھی زنجیر پر [illegible] باآسانی گدے پر آ سکتا تھا۔ اچانک گرنے کے مقابلے میں [illegible] بلکہ بڑی حد تک محفوظ نظر آ رہا تھا۔

"تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے [illegible] کا لہجہ سخت اور دھمکانہ تھا۔

"تم میرا بدن چھلنی بھی کر دو تو اب میں تمہارے سامنے سر نہیں جھکاؤں گا۔"

"ہم تمہیں ہاتھ بھی نہ لگائیں گے۔" وہ غصے اور تحقیر آمیز لہجے [illegible]

"خرافاتی اور بدکردار قیدیوں کے لیے یہ کمرہ بڑا پرسکون ہے اور خود سر [illegible] اذیت میں مبتلا رہتے ہیں۔"

"بہر حال ٹھیک ہے او۔پی۔ون۔" والی ٹاکی کے سیٹ پر ابھرا۔

"قیدی کسی کشتی پر آمادہ ہے۔ تم اپنا کام شروع کرو۔" او۔پی۔ون [illegible]

"اوکے۔"

اور اسی کے ساتھ چھت میں نصب صندوق سے بہت [illegible] ابھرنے لگی جیسے کسی پنکھے کی موٹر گردش میں آگئی ہو۔ اس آواز کے [illegible] زنجیر کے دونوں حصے آہستہ آہستہ اس صندوق میں سمٹنے لگے۔

میرا دل یک بیک تیزی سے دھڑکنے لگا۔ میری نگاہیں [illegible] ابھرتے ہوئے اس شیطانی صندوق پر جمی ہوئی تھیں جس میں [illegible] میکانزم پوشیدہ تھا۔

میں نے پوری قوت سے زنجیریں مٹھی میں تھامی ہوئی تھیں [illegible] ہونے کے ساتھ ساتھ میرے ہاتھ آہستہ آہستہ بلند ہوتے جا رہے تھے۔ چاروں گارڈ دور کھڑے دلچسپی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

پھر میرے دونوں ہاتھ سر سے اوپر بالکل سیدھے ہو گئے [illegible] بتدریج مختصر ہوتی جا رہی تھیں۔ میں نے آہستہ آہستہ [illegible] کر دیا۔ میری کوشش یہی تھی کہ اوپر اٹھتے وقت میرے [illegible] زور آئے۔ میری مٹھیوں میں دبے ہوئے حصے اور ہتھکڑیوں کے درمیان [illegible] کے کافی [illegible] میرے پیروں پر آ تا [illegible]

جب میں پنجوں کے بل کھڑا ہوا تو میری مٹھیوں پر زور آنا شروع ہوا اور میں فضا میں معلق ہونے کی تیاری کرنے لگا۔ اس وقت تک میرا سارا بوجھ مٹھیوں پر منتقل ہو چکا تھا کہ اچانک زنجیریں میری گرفت سے نکل گئیں۔ میرے حلق سے تیز وحشت زدہ چیخ نکلی اور میں اچھل کر چاروں شانے چت نرم گدے پر گر پڑا۔

چند ثانیوں تک میری سمجھ ہی میں نہ آسکا کہ کیا ہوا ہے۔ دہشت اور آسیب زدگی کے عالم میں بے حس و حرکت پڑا رہا۔ میری پھٹی پھٹی نگاہیں چھت میں نصب صندوق پر جمی ہوئی تھیں۔ زنجیروں کے غائب ہوتے ہوئے سرے اب رک چکے تھے البتہ میرے گرنے کے جھٹکے سے زنجیریں ابھی تک جھول رہی تھیں اور میرے پورے بدن میں سنسنی کی ایک تیز لہر دوڑ رہی تھی۔

"سسٹم ری سیٹ کر کے اسٹارٹ کرو۔" او۔پی۔ون نے والی ٹاکی سیٹ پر کہا۔

کمرے میں ایک بار پھر گھوں گھوں کی ہلکی سی آواز گونجنے لگی اور چھت میں لگے صندوق سے دھیرے دھیرے آہنی زنجیریں نکلنے لگیں۔

"جو حکم دیا گیا تھا اس پر عمل کرو ورنہ طاقتور برقی جھٹکے تمہارے بدن سے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیں گے۔" دوسرے گارڈ کی کرخت آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

برقی جھٹکے کا نام آتے ہی میرے اعصاب پر دہشت سوار ہو گئی۔ میں بوکھلاہٹ کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھا اور کمرے کے وسط میں بے اختیار ہو کر پھر دونوں ہاتھ بلند کر کے کھڑا ہو گیا۔

دونوں ہتھکڑیوں سے منسلک زنجیریں مختصر ہوتی رہیں اور جب زنجیروں کا جھول ختم ہو گیا تو یک بیک گھوں گھوں کی آواز رک گئی۔

او۔پی۔ون ایریل دبانے کے بعد والی ٹاکی دوبارہ جیکٹ کی جیب میں رکھ چکا تھا۔ اس بار وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔ "اب تم آرام کرو، زنجیریں دو گھنٹے کے بعد خود بخود ڈھیلی ہوں گی۔ اس دوران تم آرام کر سکتے ہو۔ کھانا مقررہ وقت پر آئے گا۔ یہ یاد رکھنا کہ ان زنجیروں پر تم نے زور آزمائی کی ذرا بھی کوشش کی تو شدید برقی جھٹکا تمہارا استقبال کرے گا۔"

"مگر ان زنجیروں کے ساتھ میں باتھ روم تک کیسے پہنچ سکوں گا؟"

"جب زنجیریں ڈھیلی ہوں گی تو تم باآسانی وہاں تک پہنچ سکو گے۔"

پھر وہ چاروں وہاں سے لوٹ گئے۔ میں نے باہر سے دروازہ مقفل ہونے کی آواز سنی اور ان چاروں کی وزنی آہٹیں دور ہوتی چلی گئیں۔

گو میرے دونوں ہاتھ اوپر اٹھے ہوئے تھے اور میں انہیں ذرا بھی نیچے نہ کر سکتا تھا مگر زنجیروں کے تناؤ میں اتنی گنجائش ضرور تھی کہ میں آگے بڑھ کر [illegible] چاروں طرف گھوم سکتا تھا۔

شاید ان زنجیروں کا ایک برقی جھٹکا کھا چکا تھا اس لیے بڑی احتیاط [illegible] سسٹم سے [illegible] تو دور کی بات ہے مجھے اپنی [illegible]

اور غیر ارادی حرکات سے بھی خوف آنے لگا تھا۔ پھر دفعتاً میرے ذہن میں بیدی کا خیال در آیا۔ وہ ذہین ضرور تھا مگر شیطان سے زیادہ تخریبی رجحانات کا مالک! سائیکو فورٹ کے زیر زمین کمروں میں ہی اس کے چند تجربات جھیل چکا تھا اور اب کمرہ نمبر دس میں قید تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ ان ہولناک زنجیروں کا منصوبہ بھی بیدی کے ذہن کی پیداوار رہا ہوگا۔ وہ میرے ہاتھوں مر چکا تھا مگر اس کے تخلیق کیے ہوئے عفریت قدم بہ قدم میرا تعاقب کر رہے تھے۔

بیدی کے ہر نظام میں بجلی کی کارفرمائیاں ضرور پوشیدہ تھیں۔ اندھیری راتوں کو روشنی کی چکاچوند اور سرد دنوں کو حرارت کی لذت سے نوازنے والی قوت سے بیدی نے خوفناک کام لیے تھے۔ اس وقت میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔

سائیکو فورٹ کی پوری عمارت میں شب و روز ایک خاموش سی گونج محسوس ہوتی تھی جیسے کہیں میلوں کی گہرائی میں کوئی چھوٹی سی مشین تسلسل کے ساتھ چل رہی ہو۔ گو اس موضوع پر اس وقت تک کسی سے میری بات نہیں ہوئی تھی مگر مجھے یقین تھا کہ ساگا کی نامی اس جزیرے پر برقی فراہمی کا کوئی مرکزی نظام نہ ہوگا۔ ہر مرکز اپنی ضروریات کے مطابق خود بجلی پیدا کرتا ہوگا۔ اس خیال کی روشنی میں مجھے خاموش گونج کا جواز بھی نظر آتا تھا۔ شاید اسی عمارت کے کسی ساؤنڈ پروف حصے میں انجنوں وغیرہ کی مدد سے جنریٹر چلائے جاتے تھے۔ ان کا تیز شور ساؤنڈ پروف دیواروں سے گزر کر دم توڑ دیتا تھا۔ لیکن ارتعاش کی لہریں مسلسل گونج کی صورت میں ہر طرف تیرتی رہتی تھیں۔

اگر میں کسی طرح برقی فراہمی کے اس نظام کو ناکارہ یا برباد کر دینے کے قابل ہو جاتا تو سائیکو فورٹ کا ہر حفاظتی حصار برقیہ غائب ہو کر رہ جاتا۔ مگر فی الحال اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ پہلے مجھے اس جنجال سے چھٹکارا پانا تھا۔

فرانسیسی طرز کے دونوں دریچوں پر دانستہ باقاعدہ پردے نہیں ڈالے گئے تھے۔ میں سارا دن انہی کی طرف منہ کیے کھڑا رہا۔ وہاں ابھرنے اور سونے اور ویرانی کے سوا دن بھر کچھ نظر نہ آیا۔ آدمی کی تو پرچھائیں کا بھی پتہ نہیں تھا۔ ہاں خاردار تاروں کے پیچھے کبھی کبھار خرگوش نما خونخوار کتے ٹہلتے نظر آ جاتے تھے یا کھلے آسمان کے سناٹے میں گزرنے والے سمندری پرندوں کی تیز آوازیں آ جاتی تھیں۔

کھڑے کھڑے میری ٹانگیں سن ہونے لگیں۔ بازو شل ہونے کے قریب تھے۔ ہاتھوں کو مسلسل اٹھائے رکھنا دنیا کا بدترین عذاب معلوم ہوتا تھا مگر برقی جھٹکوں کی دہشت نے یہ سب سہنے پر مجبور کیا ہوا تھا۔ دریچوں کے باہر پھیلی ہوئی دھوپ کو ڈھلتے ہوئے سائے نگل گئے۔ پھر ان سایوں پر تاریکی غالب آنے لگی تو مجھے اندازہ ہوا کہ اس کمرے میں ٹیوب لائٹس روشن تھیں۔ کمرے کی موجود روشنی کے باعث مجھے باہر کی بڑھتی ہوئی تاریکی میں کچھ نظر نہ آیا۔ آہنی جالیوں اور شیشے سے گزر کر میرے فرش پر پڑنے والی روشنی اندھیرے اجالے کے اس تضاد کو اور نمایاں کر رہی تھی۔

میں کرب اور مایوسی کے عالم میں جا روش کھڑا تھا کہ اچانک اوپر سے ایک ہولناک آواز گونجی اور میری نبضیں یک بیک تیز ہو گئیں۔ چھت میں نصب صندوق سے ابھرنے والی زنجیروں اور مسلسل گھنٹوں گھنٹوں کی آواز نے مجھے چونکا کر اپنا سر اوپر اٹھایا تو بے اختیار میرے ہونٹوں سے ایک سکون آمیز گہری سانس آزاد ہو گئی۔

میری صبر آزما مشقت کا پہلا مرحلہ بیت چکا تھا۔ شاید آٹھ گھنٹے گزر چکے تھے کیونکہ اب دونوں زنجیریں آہستہ آہستہ نیچے آ رہی تھیں۔ اچانک میرے ذہن پر بیتے شدید معمولات نے یلغار کر دی۔ کچھ دیر بعد مجھے محدود آزادی کے دو مکمل گھنٹے میسر آنے والے تھے۔ اسی وقت آہنی پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھلی اور ایک بے آواز سایہ باہر کی پھیلی ہوئی تاریکی سے اندر داخل ہوا۔ شاید سائیکو فورٹ میں عام حالات میں بیرونی روشنیاں جلنے کا رواج نہ تھا۔

آنے والا قوی الجثہ ہندوستانی کھانے کی ٹرے فرش پر ایک طرف رکھ کر واپس چلا گیا۔ اس نے رسمی طور پر بھی میری طرف توجہ دینے کی زحمت نہیں کی تھی۔ اس کے جانے کے بعد ذیلی کھڑکی بند ہو گئی۔

اس وقت تک زنجیریں اتنی نیچے آ چکی تھیں کہ میں اپنے ہاتھ گرا سکتا تھا۔ ہاتھوں کو جنبش دیتے ہی میرے منہ سے کراہ نکلی۔ میرے دونوں بازو پھوڑوں کی طرح دکھ رہے تھے اور ان میں دوران خون سست پڑنے کے سبب ورم آ گیا تھا۔

جوں ہی طوالت پذیر زنجیروں نے اجازت دی میں فوراً فرش پر دراز ہو گیا۔ آٹھ گھنٹے تو کیا میرے لئے کئی کئی دن چلتے رہنا بھی کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ جوانی کی ولولوں میں انتقام کے تعاقب کے دوران اور پھر سنسنی سے پُر جاسوسی مشاغل کے سلسلے میں مجھے شب و روز کی پرواہ کئے بغیر کئی کئی دن چلنا پڑا تھا لیکن میں نے اتنی تھکن کبھی محسوس نہیں کی تھی جو گزشتہ آٹھ گھنٹوں میں مجھ پر طاری ہو چکی تھی۔

دراز ہوتی ہوئی زنجیریں جب ایک ڈھیر کی صورت میں میرے سینے پر جمع ہونے لگیں تو مجھے اٹھنا پڑا۔ اور میں احتیاط سے زنجیریں فرش پر پھیلانے لگا۔ اگر ایک بار وہ الجھ جاتیں تو انہیں سلجھاتے ہوئے میں بلاواسطہ کسی برقی جھٹکے کا شکار ہو سکتا تھا۔

اور پیڈرو سن کے بیان کے مطابق جب زنجیر کھنچنے کا عمل موقوف ہوا تو میں باآسانی باتھ روم میں پہنچ گیا۔ منہ ہاتھ دھونے کے بعد میں نے کھانے کے برتن اٹھائے اور شاہانہ انداز میں کھانے میں مصروف ہو گیا۔ ہر چیز تازہ اور خوش ذائقہ تھی۔ البتہ ایک بات سائیکو فورٹ کے منتظمین کی ہوشیاری کا اعلان کر رہی تھی۔ پلیٹیں، چمچے، ٹرے، پانی کی بوتل حتیٰ کہ گلاس تک پلاسٹک کا بنا ہوا تھا۔ پلاسٹک کی معمولی سی چیز کسی بھی طرح ہتھیار یا اوزار کے طور پر استعمال نہیں کی جا سکتی تھی۔

کھانے سے فراغت کے بعد میرے اعصاب پر غنودگی سوار ہونے لگی۔ اس کے ساتھ سگریٹ کی طلب نے بھی سر اٹھایا مگر وہاں تمباکو نوشی کا بندوبست نہیں تھا۔ میں نے اپنی کلائی پر نظر ڈالی مگر وہاں [illegible] صرف نشان گھڑی کی یادگار رہ گیا تھا۔ [illegible] سے نکلنے کے بعد مجھے گھڑی [illegible] یا پابند رہنے کی عادت ہی ختم ہو چکی تھی۔ وقت کے بارے میں [illegible] صرف اندازے سے کام لیتا تھا۔ میری دانست میں زنجیریں [illegible] نصف گھنٹہ گزر چکا تھا۔ گویا ابھی میرے پاس ڈیڑھ گھنٹے کی مہلت تھی۔ [illegible] میں یہ ڈیڑھ گھنٹہ سو کر بھی گزار سکتا تھا مگر [illegible] کا خوف بری طرح مسلط تھا۔ اگر میری آنکھ بروقت نہ کھلتی تو [illegible] لازمی تھے۔ آخر میرے ذہن نے اس کا حل بھی تلاش کر لیا۔ میں نے [illegible] کے دامن سے کچھ [illegible] ایک پٹی پھاڑی اور باتھ روم میں [illegible] کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے بالوں کا ایک گچھا پٹی کے ایک سرے سے کس دیا۔ بستر پر واپس آ کر پٹی کا دوسرا سرا میں نے ایک زنجیر [illegible] باندھ دیا۔ اب زنجیروں کو لپیٹنے والی چرخی چلنے کے چند ہی منٹ بعد [illegible] کھنچنے لگتے اور میں بروقت بیدار ہو سکتا تھا۔ مجھے امید تھی کہ [illegible] والا وہ معمولی سا زور برقی جھٹکے کا سبب نہیں بنے گا۔

اس بندوبست کے بعد میں [illegible] کمبل ڈال کر [illegible] ہو گیا اور چند ہی منٹ میں میری آنکھ لگ گئی۔

یوں تو میں گہری نیند سویا لیکن میرے تحت الشعور پر [illegible] خوف اتنی شدت کے ساتھ طاری تھا کہ جوں ہی میرے بالوں پر کھنچاؤ آیا میں ہڑبڑا کر بیدار ہو گیا۔ میں کسی مشینی پتلے کی طرح معمول کے مطابق [illegible] کھڑا ہو گیا۔ اسی وقت مجھے پٹی کا خیال آیا اور میں نے پھرتی کے ساتھ اسے زنجیر کی کڑی سے کھول دیا ورنہ وہ پٹی میرے بالوں کو جڑ سے اکھاڑ دیتی۔

مشین کے گڑگڑاتے شور کے ساتھ زنجیریں مختصر ہوتی گئیں۔ آخرکار مشین بند ہو گئی۔ میں ایک مرتبہ پھر آٹھ گھنٹے کے لئے [illegible] ہو چکا تھا۔

اگلے روز صبح سویرے حسب معمول ڈاکٹر واڈ میرے پاس آیا۔ [illegible]

میں زنجیروں کی قید میں کھڑا آرام کے [illegible] گھنٹے کا منتظر تھا۔ [illegible] احکام آ گئے [illegible] دیکھتے ہی حوالہ کیا۔

اس نے مرکوئی میں جنبش دی اور گہرے پر آ بیٹھا۔

"زنجیروں کا یہ نظام بہت خوفناک ہے۔ تم لوگ [illegible] سنگدل ہو۔" میں نے یہ کہتے ہوئے اپنے لہجے میں [illegible] کا عنصر محسوس کیا۔

"سائیکو فورٹ میں قدم قدم پر ایسے جال بکھرے ہوئے ہیں۔" [illegible] لہجہ بھی چونکا دینے والی حد تک فخریہ [illegible] سے عاری تھا۔ "یہ زنجیریں قیدی کو سوچنے کی صلاحیت سے محروم رکھتی ہیں۔"

[illegible]

طلب لہجے میں سوال کیا۔

"نہیں —" وہ بدستور سنجیدہ اور پرسکون تھا۔ "زنجیروں کے سرکٹ میں ایک ٹائم سوئچ لگا ہوا ہے۔ اگر تم ان زنجیروں پر زور آزمائی جاری رکھو تو ہر پانچ منٹ کے بعد ایک برقی جھٹکا لگتا رہے گا اور اگر تیسرے جھٹکے کے بعد بھی قیدی راہ راست پر نہ آئے تو جھٹکا مارنے کے بجائے زنجیریں چرخی پر لپٹنے لگتی ہیں اور قیدی کو فرش سے اوپر معلق کر دیتی ہیں۔"

"شاید تم میرے پاس کسی مقصد سے آئے ہو؟" میں نے سوال بدلا۔

"ہاں — آج میں نے تمہاری پوری فائل پڑھی ہے۔" اس نے بلاتامل جواب دیا۔ "کیا پارس پتھر کا وجود حقیقت ہے؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "ہند سرکار مجھ سے اسی کا مطالبہ کر رہی ہے۔"

"وہ میں پڑھ چکا ہوں۔" ڈاکٹر جلدی سے بولا۔ "پارس سیتا کے قبضے میں ہے اور وہ کہیں روپوش ہے۔ تم نے رضاکارانہ طور پر ہیدی کو [illegible] کے ذریعے سونا بنانے کی پیشکش کی تھی۔"

میں کوئی جواب دیئے بغیر اس کے چہرے پر نظریں جمائے کھڑا رہا۔ میری چھٹی حس مجھے کسی بڑے خطرے کی خبر دے رہی تھی۔ اس وقت سیتا کا نام بھی مجھے بے چین نہ کر سکا۔

"تمہاری فائل میں ہیدی کے آخری تجزیے تمہارے حق میں [illegible] کہلانے میں تم ادنیٰ درجے کے مکار اور خودغرض انسان ہو مگر ہیدی کے نفسیاتی تجزیوں کے نتیجے میں راہ راست پر آ گئے تھے۔ مگر ہیدی کی ذاتی ڈائری کے کچھ مندرجات مجھے تم تک لانے کا سبب بنے ہیں۔"

"وہ کیا؟" میں نے اپنے وجود میں خوف کی ایک سرد سی لہر دوڑتی ہوئی محسوس کی۔

"ابھی تک میرے سوا کوئی اور اس ڈائری سے واقف نہیں۔" ڈاکٹر نے دھیمے لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "اپنی موت یا قتل سے دو روز پہلے کی تاریخ میں ہیدی نے تمہارے بارے میں چند خوفناک ریمارک لکھے تھے۔ پارس پتھر کے سلسلے میں تمہاری ذات سے مایوس ہونے کے بعد وہ تمہیں ناکارہ قرار دے چکا تھا۔ [illegible] کے بارے میں تمہاری پیشکش کے بعد اس نے لکھا تھا کہ اگر یہ تجربہ کامیاب ہو جائے تو وہ اوپر والوں سے سفارش کرے گا کہ آپریشن کے ذریعے تمہاری دونوں ٹانگیں گھٹنوں کے جوڑ سے نکال دی جائیں تاکہ معذور ہونے کے بعد تم کبھی فرار ہونے کی کوشش نہ کرو اور خاموشی سے سرکار کے لئے سونا بناتے رہو۔ اس نے تمہارے ذہن کو تابع تو کر لیا تھا مگر تمہارے رجحانات سے خائف تھا۔ اس کی رائے تھی کہ تم کسی بھی وقت [illegible] یا فرار پر آمادہ ہو سکتے ہو۔ اپنی موت کے باعث وہ اپنی تجاویز کو سرکاری ریکارڈ پر منتقل نہ کر سکا ورنہ اب تک کسی آپریشن تھیٹر میں تمہاری ٹانگیں کاٹی جا چکی ہوتیں۔"

یہ سن کر میرا سانس سینے میں گھٹنے لگا۔ ہیدی کا یہ تجزیہ اور مشورہ حیوانیت کی آخری سرحدوں کو چھو رہا تھا۔

"اب میں اس مشین کا کمانڈر ہوں۔" ڈاکٹر نے توقف کے بعد پھر بولنے لگا۔ "سپہ گری میرا آبائی پیشہ ہے اور میں اب تک میدان جنگ میں بے شمار دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہوں۔ چند حق تلفیوں کے باوجود میں اپنی سرکار کا بھی وفادار ہوں مگر میرا ضمیر درندگی کا مخالف ہے۔ تم میرے قومی مجرم اور قاتل ہو مگر پھر بھی تمہیں معذور کرنے کی تجویز پر صاد کرنے پر خوش نہیں ہو سکتا۔ وہ تمہیں پھانسی پر چڑھا دیں، قید کریں یا مار ڈالیں۔ ان تین کے سوا ہر صورت حیوانیت کے راستے پر لے جاتی ہے۔ اگر تم کھلے دل سے عہد کرو کہ جب تک میں اس مشین کا کمانڈر ہوں تم میرے احکام کی بے چون و چرا تعمیل کرو گے تو میں ہیدی کی یہ ڈائری جلا دوں گا ورنہ اسے بھی سرکاری ریکارڈ میں شامل کر دوں گا۔"

میرے دل میں بے اختیار ڈاکٹر کے لئے عزت و احترام کے جذبات اُمڈ آئے۔ وہ صحیح معنوں میں سچا اور کھرا سپاہی تھا جو ظالم کے گلے [illegible] دیتا ہے مگر مجبور کو سہارا دیتا ہے۔ میں نے تھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم عظیم انسان ہو ڈاکٹر — میں غلام کی طرح تمہارے ہر حکم کے سامنے سر جھکاتا چلا جاؤں گا۔ تم میرے دشمن ہی سہی مگر میں شریف دشمن کا بھی احترام کرتا ہوں۔"

"شکریہ۔" ڈاکٹر نے سرسری لہجے میں کہا۔ "مگر مجھ سے کسی ناجائز فائدے کی امید نہ رکھنا۔ میرا اور تمہارا رشتہ صرف فاتح اور مفتوح کا ہے۔ اگر تم نے سرکار کے مفادات سے ٹکرانے کی کوشش کی تو تمہارے سینے میں اترنے والی پہلی گولی میری ہو گی۔"

"میرے لئے یہی ایک رعایت بہت بڑی ہے کہ میں دونوں ٹانگوں سے معذور ہونے سے بچ گیا ہوں۔ اگر تم زندگی بھر بھی سائیکو فورٹ کے کمانڈر رہے تو مجھے اپنا غلام پاؤ گے۔"

وہ مزید کچھ کہے بغیر اٹھا اور چلا گیا۔

اپنی جدوجہد اور مہم جوئی سے بھرپور زندگی میں کراچی سے بمبئی اور پھر آگرہ تک مجھے اپنے جتنے دشمن ملے وہ کم ظرف اور بے اصول تھے۔ ہر ایک اپنے محدود مفادات کی خاطر میری جان کا خریدار بنا پھرتا تھا مگر اس سیاہ فام ڈاکٹر نے میرے احساس کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اپنے عہدے اور ذمہ داریوں کے لحاظ سے اس وقت وہ میرا جانی دشمن تھا لیکن ہیدی کی ایک خفیہ تحریر سامنے آ جانے پر اس نے اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہا اور مجھے دل سے ساری بات بتا دی۔ سیتا کے بعد وہ پہلا آدمی تھا جس کے لئے میں نے عزت، احترام اور محبت کا جذبہ اپنے دل میں ابھرتا محسوس کیا۔

نہ جانے وہ قسمت کی مہربانی تھی یا مہربانی کا آغاز کہ اگلی صبح مجھے ایک سنسنی خیز اطلاع ملی۔ شاید کاتب تقدیر کو یہ پسند نہ آیا کہ میں کرنل واڈ جیسے شریف انسان کے ساتھ [illegible] کی قید بھگتوں۔ تقدیر مجھے ہر آن جدوجہد میں مصروف دیکھنا چاہتی تھی۔

اس صبح میں زنجیروں کی قید سے دو گھنٹے کی آزادی کی مہلت بستر

پردہ دراز ہو کر گزر رہا تھا کہ آہنی پھاٹک پر کچھ آوازیں سنائی دیں اور کرنل واڈیکر اندر داخل ہوا۔ اس کا چہرہ دمکتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ بھنچے بھنچے ہونٹوں اور مشتعل نگاہوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اندر ہی اندر کسی بات پر کھول رہا ہے۔ میں اس کے احترام میں اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"میں جا رہا ہوں مسعود!" واڈیکر نے سخت اور جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔

"کہاں کرنل؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"میرا انڈین آرمی میں فوری تبادلہ کر دیا گیا ہے۔" اس کی دھیمی آواز کی گہرائی میں غصے کی بجلیاں تڑپ رہی تھیں۔ "انڈین سیکرٹ سروس والوں کی نظر میں میری وفاداریاں مشکوک ہیں۔ میں ماتحت تو رہ سکتا ہوں مگر سائیکو ورٹ کا کمانڈر نہیں رہ سکتا۔"

اس لمحے مجھے کرنل واڈیکر پر بہت رحم آیا۔ ملازمت کے سلسلے میں بعض لوگ پیدائشی طور پر بدنصیب ہوتے ہیں۔ جب آرمی میں اس کی ترقی کا معاملہ سامنے آیا تو اسے بے رحمانہ طریقے پر انڈین سیکرٹ سروس میں بھیج دیا گیا اور جب یہاں اس کے قدم جمنے لگے تو فٹ بال کی طرح ٹھوکر مار کر اسے واپس کیا جا رہا تھا۔

"مجھے تمہاری مختصر رفاقت ہمیشہ یاد رہے گی کرنل۔" میں نے دلاسا دینے کے لہجے میں کہا۔ "اور شاید اب میں سائیکو ورٹ میں تم سے کئے ہوئے معاہدہ کا پابند بھی نہیں ہوں۔"

"نہیں۔" اس نے بلا تامل کہا۔ "میری طرف سے تم پر اب کوئی پابندی نہیں ہے۔"

میں نے چند ثانیوں تک تذبذب کے عالم میں اس کی طرف دیکھا۔ پھر اس کے قریب جا کر سرگوشیانہ پُراسرار لہجے میں پوچھا "جسپال؟"

اس نے میرا مفہوم پا لیا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس مرتبہ واڈیکر کا مستقبل تباہ کرنے کی پوری ذمے داری جسپال پر تھی۔

اس کے بعد ہم دونوں کی الوداعی نظریں ملیں اور واڈیکر دل شکستہ وہاں سے لوٹ گیا۔

سائیکو ورٹ پر کرنل واڈیکر کا جانشین پاٹھک بنایا گیا تھا۔ اول درجے کا کمینہ، خود غرض اور انا پسند آدمی۔ دوسروں کے بارے میں جھک جھک کر گفتگو کرنا اس کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ ان دنوں سائیکو ورٹ میں میری ذات شاید ضرورت سے زیادہ اہمیت اختیار کر گئی تھی کیونکہ صبح واڈیکر سے ملاقات کے بعد سر شام میرے کمرے میں چھ مسلح اور تنومند محافظ آ پہنچے۔

اس وقت زنجیریں تنی ہوئی تھیں اور میں دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھائے مجبوری کی حالت میں کھڑا ہوا تھا۔ وہ سب مجھ سے تھوڑی دور رک گئے۔ بار بار ان کی نظریں اپنی گھڑیوں پر جا رہی تھیں۔ شاید وہ کسی متوقع وقت پر کسی خاص واقعے کے منتظر تھے۔

ان کے انتظار کا سبب مجھ پر اس وقت واضح ہوا جب آٹھ گھنٹے کی متوقع مدت پوری ہونے سے بہت پہلے خلاف معمول مشین چل پڑی اور زنجیریں ڈھیلی ہونے لگیں۔

جب تک مشین بند نہیں ہوئی وہ سب مستعد اور چوکنے انداز میں اپنی جگہوں پر کھڑے رہے۔ پھر ان ہی میں سے ایک نے جیب سے چابیاں نکال کر میرے ورم آلود ہاتھ ہتھکڑیوں سے آزاد کئے۔ ابھی میں اطمینان کا سانس بھی نہ لے پایا تھا کہ اسی دیو ہیکل محافظ نے پھرتی کے ساتھ میری دونوں ٹانگیں اپنی بانہوں میں جکڑ کر کسی وحشی کی طرح گھسیٹ کر گرا دیا۔

میرے حلق سے چند خوفناک غراہٹیں نکلیں اور نامعلوم طور پر گالیاں بھی مگر جب تک میں اس افتاد کو سمجھ کر کسی باقاعدہ جسمانی مزاحمت کا آغاز کرتا وہ سب مجھے اپنے ساتھ لائے ہوئے ٹاٹ کے ایک بڑے سے تھیلے میں ڈال چکے تھے اور اس کا منہ باندھ رہے تھے۔

اس سلوک پر میری کھوپڑی ہی گھوم گئی مگر اب چیخ و پکار بے سود تھی۔ مجھے جو کچھ کرنا تھا اس کے لئے تھیلے سے رہائی کا انتظار ضروری تھا۔ میں ناچار بے تقدیر خاموش ہو گیا۔

پھر تھیلے کا سفر جاری ہوا۔ تھوڑی دیر بعد تھیلا نیچے رکھ دیا گیا اور اس کے ساتھ کسی کی تحسین آمیز آواز میرے کانوں میں آئی جو میرے لانے والوں سے مخاطب تھی۔

ایک جھٹکے کے ساتھ جب تھیلے کا منہ کھلا تو میں اچھل کر باہر آ گیا۔ چند ثانیوں تک تیز روشنی کے باعث مجھے کچھ پتہ نہ چل سکا کہ میں کہاں ہوں اور میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ جب آہستہ آہستہ چندھیائی ہوئی آنکھیں تیز روشنی سے مانوس ہوئیں تو مجھے پتہ چلا کہ میں ایک بڑے کمرے میں موجود ہوں۔ پورے فرش پر نرم اور دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ کمرے کی عقبی دیوار میں بلب کچھ اس طرح نصب تھے کہ ان کے نیچے کمرے کا ایک حصہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ باقی کمرہ تیز روشنی میں نہایا ہوا تھا۔ میں اور مجھے لانے والے چھ کا چھ روشنی میں کھڑے تھے۔ دیواروں وغیرہ سے منعکس ہونے والی روشنی اگرچہ ناکافی تھی مگر پھر بھی کمرے کے تاریک حصے میں ایک بڑی میز کا ہیولا محسوس کیا جا سکتا تھا۔ میز کے عقب میں ایک سگریٹ کا دھواں اٹھتا ہوا اس جگہ پر کسی شخص کی موجودگی کا پتہ دے رہا تھا اور دھواں صاف ہوا تو مجھے تھوڑی بلندی پر دو چمکدار آنکھیں بھی نظر آئیں۔ وہ جو بھی تھا میز کے عقب میں اونچی کرسی پر براجمان تھا۔

"مسعود علی! تم جہاں ہو وہیں رکے رہو گے۔ اگر تم نے میری طرف آنے کی کوشش کی تو چند گرام پگھلا ہوا سیسہ تمہارا استقبال کرے گا۔" میز کے عقب سے دھمکی آمیز مکارانہ آواز ابھری۔

"تم کون ہو؟" میں نے بے حد کرخت سوال کیا۔

"پاٹھک والے!" اس نے جواب دیا۔ "یہ بات ذہن میں رکھنا کہ میں جیدی اور واڈیکر کی طرح عقل سے محروم نہیں ہوں۔ کچھ لوگ تمہیں [illegible] دیکھنے کے متمنی ہیں اور میں تمہیں ان کے حوالے کرنے سے [illegible] دینے کا شوقین نہیں ہوں گا۔" وہ چند ثانیوں کے لئے خاموش ہوا پھر گونجدار لہجے میں بولا "تم لوگ فی الحال کاریڈور میں ٹھہرو۔"

تعمیل پر ان کی ایڑیوں سے ہم آہنگ ٹھک ٹھک کی سی دھمک پیدا ہوئی اور وہ قطار کی صورت میں کمرے سے باہر نکل گئے۔ خود کار دروازہ ان کے جاتے ہی خود بخود بند ہو گیا۔

"تم نے مجھے یہاں بلانے کے لئے جو وحشیانہ طریقہ اختیار کیا ہے میں اس کی شکایت سائیکو ورٹ کے کمانڈر سے ضرور کروں گا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ اس وقت تک مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہی سائیکو ورٹ کا نیا سربراہ ہے۔

"میں تمہاری شکایت مسترد کرتا ہوں کیونکہ میں خود اس اسٹیشن کا سربراہ ہوں۔ کرنل واڈیکر اپنی حماقتوں سمیت واپس کیا جا چکا ہے اور اب تمہیں یہاں کوئی رعایت حاصل نہ ہو گی۔ واقعات اور حالات کی روشنی میں سیکرٹ سروس والے تمہیں ڈاکٹر جیدی کے وحشیانہ قتل کا مجرم قرار دے چکے ہیں اور تمہیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ایک قیدی کی طرح ہر حکم کی تعمیل کرنا ہو گی۔"

"میرے لئے کوئی نئی اطلاع نہیں ہے۔" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "قیدی صرف قیدی ہوتا ہے۔ اس کا کوئی درجہ نہیں ہوتا۔ میں ہمیشہ سے ہی سائیکو ورٹ میں اپنی قیدی کی حیثیت تسلیم کر چکا ہوں اور اگر تمہیں بتایا گیا ہو تو تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ میں علم کی تحصیل سے بے چون و چرا تعاون کرتا رہا ہوں۔"

"یہ تمہاری چالاکی تھی جسے جیدی نہ سمجھ سکا اور وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔" وہ دھواں اڑاتے ہوئے بولا۔ "میں نے اسی لئے کہا ہے کہ میں نہ جیدی ہوں اور نہ واڈیکر۔"

"جو بھی ہو، خوبصورت ضرور ہو۔" میں نے اس کی بکواس پر اپنا چہرہ بمشکل سنبھالا۔ "ورنہ اتنی احتیاط سے اندھیرے میں نہ چھپے ہوئے ہوتے۔"

وہ جلدی میں آنے کے بجائے زور سے ہنسا۔ "جب تم مجھے جان لو گے تو انتقام کے تصور ہی سے تمہاری روح لرزنے لگے گی۔ فی الحال میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔"

"مجھے یہاں کیوں طلب کیا گیا ہے؟"

"تبدیلیوں سے آگاہ کرنے کے لئے۔" وہ اچانک سنجیدہ ہو گیا۔ "آج کی رات تم بستر پر گزارو گے۔ کل سے یہاں ایک تجربہ گاہ کی تیاری شروع ہو جائے گی جہاں تم سونا بنانا شروع کرو گے۔"

"کیا نمونوں کی رپورٹ آ گئی؟" میں نے خوشی سے پوچھا۔

"ہاں ایسے وقت پر آ گئی۔" پاٹھک والے کا لہجہ خشک تھا۔

"سونا کا کچھ نتیجہ ملا؟" میں نے بڑے مسرور لہجے میں پوچھا۔ پاٹھک کا بار بار بولتا ہوا رویہ مجھے اس سوال کی تردید کر رہا تھا۔ وہ مجھ سے تھوڑی حد تک خواہ مخواہ کا شاکی معلوم ہو رہا تھا۔

"تمہیں معلوم ہونا چاہئے [illegible] کے سامنے پہنچا دیا جائے گا۔ لہٰذا آئندہ یہ احمقانہ سوال دہرانے کی ضرورت نہیں۔"

تاریک میز کے عقب میں پاٹھک کے ہاتھ کا سایہ جنبش میں آیا۔ شاید اس نے کوئی بٹن وغیرہ دبایا تھا کیونکہ فوراً ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور گارڈز کا دستہ دوبارہ اندر گھس آیا۔

"قیدی کو کمرہ نمبر بیالیس میں پہنچا دو۔" پاٹھک نے انہیں حکم دیا۔

"او کے سر!" محافظوں میں سے ایک نے کہا اور میں گارڈز کی کسی ہدایت کے بغیر ہی کمرے سے واپس چل دیا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس بار مجھے تھیلے میں ٹھونس کر لے جانے کے بجائے اپنے پیروں پر چلنے کی آزادی تھی اور میں مزید بحث میں الجھ کر اس آزادی کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔ اس طرح مجھے کم از کم پاٹھک والے کے کمرے کا محل وقوع معلوم ہو سکتا تھا۔

بظاہر سائیکو ورٹ میرے لئے ناقابل شکست آہنی حصار بنا ہوا تھا۔ اس کے کسی نظام میں رخنہ ڈالنا قریب قریب ناممکن سا نظر آ رہا تھا مگر اس کے باوجود جیدی پر میرا وار چل گیا تھا۔ اگر کسی مرحلے پر مجھے ذرا بھی ڈھیل ملتی تو کم از کم میرا راستہ پاٹھک کے کمرے پر پہنچ کر اسے یرغمال بنا سکتا تھا کیونکہ کسی یرغمال کے بغیر سائیکو ورٹ سے مجھے اپنی دال گلتی نظر نہیں آ رہی تھی۔

محافظ شاید میرا ذہن پڑھنے پر بھی قادر تھے کیونکہ دروازے سے باہر آتے ہی ان میں سے ایک نے اپنی جیب سے ایک سیاہ پٹی نکالی اور میری آنکھوں پر کس دی۔ میں نے اس کارروائی پر فی الحال کسی برہمی کا اظہار نہیں کیا کیونکہ اس موقع پر ذرا سی غلط حرکت مجھے دوبارہ بوری اور زنجیروں والے کمرے میں پہنچانے کا باعث بن سکتی تھی جبکہ میرے ورم آلود بازو آرام کے طلبگار ہو رہے تھے۔ کئی دنوں کی مسلسل مشقت کے نتیجے میں میری دونوں بغلوں میں غدود ابھر آئے تھے جو ہاتھ گرانے پر تکلیف دے رہے تھے۔

وہ رات میں نے اسی خوابگاہ میں بے خبر سوتے گزاری جہاں ایک سے قبل بھی میں رہتا آیا تھا۔ شاید وہی کمرہ سائیکو ورٹ میں بیالیس کا کہلاتا تھا۔

اگلے روز دوپہر کے قریب پھر میری طلبی ہوئی۔ اس بار مجھے ڈرائنگ روم کی طرز پر آراستہ ایک پرتکلف کمرے میں پہنچایا گیا جہاں چند لوگوں کے درمیان ڈاکٹر رامانند بھی موجود تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ بوڑھا ایک والہانہ جذبے سے میری طرف لپکا۔

"واہ رے لڑکے! تو نے میری ضد پوری کر دی ہے۔ وہ دونوں نمونے یکساں ہیں..... بالکل اصلی سونے سے۔ شاید میری تجربہ گاہ انہیں بطور سونا ثابت کر چکی ہے۔" وہ پرجوش انداز میں میرا شانہ دباتے ہوئے بلند آواز میں بولا۔

میں نے آہستگی سے اس کا ہاتھ اپنے دکھتے ہوئے شانے پر سے ہٹا دیا اور پُراعتماد مسکراہٹ کے ساتھ بولا "مجھے خوشی ہے کہ آپ کی تجربہ گاہ

نے میرے تجربے کو تسلیم کر لیا؟"

"لا محالہ یہی ہوا ہے۔" وہ میرا ہاتھ تھام کر مجھے ایک صوفے پر اپنے پہلو میں بٹھاتے ہوئے بولا۔ اس کے ایک ایک لفظ سے ناقابل بیان جوش اور حیرت کا اظہار ہو رہا تھا۔

"آگ، تانبہ، پارہ اور چند جڑی بوٹیاں میرے تجربے کا نچوڑ ہیں۔" میں نے وہاں موجود بعض چہروں پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

"مجھے پورا یقین ہے کہ ان چیزوں کے سوا تمہارے تجربے میں کوئی اور عنصر شامل نہیں تھا۔" راما نند کا علم اور اس کی سائنسی منطق ٹھوس ثبوت کے باوجود میرے کام میں کوئی نا کامی تلاش کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

"بالکل اتنا ہی جتنا آپ کے بیٹے یا ڈاکٹر مہدی کے نہ ہونے کا یقین ہے۔"

"ڈاکٹر مہدی؟" راما نند اس غیر متعلقہ تبصرے پر بری طرح چونکا۔ "تو کیا اس تجربے میں وہ تمہارا نگران تھا؟ وہ کس مضمون کا ڈاکٹر تھا؟"

"نگران ضرور تھا مگر اس کا اور میرا رشتہ استاد شاگرد کا نہیں تھا۔ وہ اس عمارت کا اور اس آشرم کا سربراہ تھا اور میں اس کا قیدی۔ اس نے نفسیات کے شعبے میں ڈاکٹریٹ کیا تھا مگر بدقسمتی کہ اس تجربے کے دوران وہ ایک حادثے کا شکار ہو کر مر گیا۔" میں نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

"اوہ، یہ تو بہت برا ہوا۔ شاید میں اس سے کبھی ملا تھا۔" راما نند کے پرجوش چہرے پر سوگواری بکھر گئی۔

"یہ میری زندگی کا بدترین حادثہ تھا ڈاکٹر صاحب۔" میں فوری طور پر سوچے ہوئے منصوبے کے تحت بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ "گو میں ڈاکٹر مہدی کا قیدی تھا مگر طویل قید میں وہ میرا گہرا دوست بن گیا تھا۔"

"ڈاکٹر راما نند کا وقت ضائع نہ کرو مسعود علی۔" گندمی رنگت والے ایک دراز قامت شخص نے قدرے تلخ لہجے میں دخل اندازی کی اور میں اس کی آواز پہچان گیا۔ وہ یقینی طور پر پاٹھک والے ہی تھا۔

"پاٹھک صاحب! ڈاکٹر راما نند اپنے وقت کا خود بھی احساس رکھتے ہیں۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"دیکھا سر آپ نے۔" پاٹھک نے شکایتی لہجے میں اپنے برابر بیٹھے ہوئے ایک جسیم مگر ادھیڑ عمر شخص سے کہا جس کی بڑی بڑی آنکھیں شروع ہی سے ہمارا گھور کر دیکھ رہی تھیں۔ "یہ ضرورت سے زیادہ سرکش ہے شاید اسے یہ بات اچھی طرح سمجھا دی گئی ہے کہ یہ ہر بدزبانی کے لئے آزاد ہے۔ ہم تو اس کے باوجود اسے کوئی کڑی سزا دے نہیں سکتے۔"

"میرا خیال ہے کہ سائیکو فورٹ میں مجھ پر بدترین سزا آزمائی گئی ہے۔" میں ڈاکٹر راما نند کو کسی نہ کسی طرح اپنی بے پناہ مظلومیت کا احساس دلانے پر تلا ہوا تھا۔ "شب و روز تہہ خانے کے گھٹن زدہ ماحول میں رہنے کے سبب میرے ہاتھ ابھی تک بے دم ہیں، میری آنکھوں میں تھکن ابھر آئی ہے، الجھنوں نے میری اعصابی قوت کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ ایسی ہی کسر رہ گئی ہے پاٹھک صاحب اگر آپ مجھے پھانسی پر چڑھا دیں۔"

"مسعود! ہر شخص سے ڈھنگ سے بات کرو۔" خوابناک آنکھوں والا جسیم شخص نرم لہجے میں بولا۔ "قتل کے جرم کے لئے ہندوستان کے قانون میں پھانسی کا پھندا ہے۔ یہ جلدی بہت بڑی رعایت ہے کہ تم ابھی تک زندہ ہو۔"

"مگر میں نے کسے قتل کیا ہے؟" میں نے بے بسی کے ساتھ ان سب کی طرف دیکھا جیسے کوئی معصوم ساہر خونی بھیڑیوں کے نرغے میں گھر گیا ہو۔

"ڈاکٹر مہدی کو — اس کا وحشیانہ قتل تم نے کیا تھا مسعود علی۔" وہ مسکراتے ہوئے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"مگر وہ حادثہ تھا جناب!" میں احتجاجی لہجے میں کراہا۔

"کوئی احمق ہی اسے حادثہ تسلیم کرے گا۔ جاسوسوں نے تمہاری وارداتیں ثابت کی ہیں۔ ان کے پاس ناقابل تردید دلائل موجود ہیں۔" وہ سرد آواز میں بولا۔

"آپ با اختیار ہیں اور میں محکوم و مجبور۔ شاید میں سرجھکا کر رہوں۔ اگر آپ چاہیں تو مجھے دوسری جنگ عظیم میں بے شمار مرنے والوں کا قاتل بھی قرار دے سکتے ہیں۔"

"شٹ اپ۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر چیخا۔ اس کی خوابناک آنکھوں میں یکایک بے رحمانہ چمک کوندنے لگی جیسے موقع ملتے ہی وہ میرا ٹینٹوا دبا دے گا۔

"مسعود! تم گفتگو کے آداب سے ناواقف ہو۔" صورت حال بگڑتے دیکھ کر راما نند جلدی سے بولا۔ "سیکرٹ سروس کے سربراہ سے تمہیں تمیز سے بات کرنی چاہیئے۔"

"سربراہ؟" میرے منہ سے تحیر آمیز آواز ابھری اور میری نگاہیں اس خوابناک آنکھوں والے کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

"ہاں — جنرل گوندہ سیکرٹ سروس کے ڈائریکٹر جنرل ہیں۔ ہم جیسے مسائل حل کرنے آئے ہیں اور تم دشواریاں پیدا کر رہے ہو۔" ڈاکٹر راما نند کا لہجہ میرے لئے ملامت آمیز تھا۔

"میں معذرت خواہ ہوں جنرل۔" میں نے کمزور آواز میں کہا۔ "طویل عرصے کی قید نے ذہنی طور پر مجھے بالکل ناکارہ کر کے رکھ دیا ہے۔"

"اگر ابھی سے تمہارا یہ حال ہے تو تم منصوبہ آگے کیسے بڑھا سکو گے؟" جنرل جو ابھی تک خاموش بیٹھا ہوا تھا پہلی بار بولا۔ "سونے کی تجارت پھیلانے پر تیاری کیسے ممکن ہوگی؟"

"سونا بعد کی بات ہے لالہ جی۔" ڈاکٹر راما نند نے ہاتھ اٹھا کر بات کاٹ دی اور مجھ سے بولا۔ "مسٹر مسعود! میں نے دونوں نمونوں کا تجزیہ کیا ہے۔ وہ ہر اعتبار سے یکساں ہیں۔ طبعی اور کیمیائی خواص میں وہ خالص سونے کے ثابت ہوئے ہیں۔ جوہری ساخت میں بھی کوئی فرق نہیں ہے البتہ میری آنکھوں نے ایک فرق محسوس کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ میرا وہم ہو لیکن کوئی آلہ اس وہم کی تصدیق نہیں کر سکا۔ آلات کے مطابق دونوں نمونوں کا تعلق مجھ و…

… سنہری کر دیا تھا مگر حرارت ملنے کا کوئی آلہ وہ درجہ مجھے اشارہ سے زیادہ نہیں بتا سکا۔ میرا خیال ہے کہ ان میں سے ایک نمونے کا درجہ پگھلاؤ معیار کے مقابلے میں ایک سنٹی گریڈ کا چند ہزارواں حصہ زیادہ تھا۔"

"آپ کا خیال درست ہے ڈاکٹر۔" میں دل ہی دل میں راما نند کے بے پناہ مشاہدے کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا جہاں جدید دور کے حساس ترین سائنسی آلات کام نہ کر سکے وہاں راما نند کی نگاہ پہنچ گئی۔ "میں نے آپ کو دو نمونے دیئے تھے۔ ان میں سے ایک خالص سونا تھا اور دوسرا اصل سونے اور تجربے سے بنائے ہوئے سونے کا ایک متناسب مرکب تھا۔ میرا خیال ہے کہ اگر آپ مصنوعی سونے کے وجود سے لاعلم ہوتے تو یہ فرق سامنے نہیں آتا۔"

"ناممکن تھا۔" راما نند نے وثوق سے کہا۔ "اور اب بھی میں اسے فرق تسلیم نہیں کرتا۔ یہ ایک احساس ہے، ہو سکتا ہے کہ فریب نظر ہو۔"

"یہ آپ کا انکسار ہے ڈاکٹر۔"

"میں نے دونوں نمونوں کے ٹکڑے دو بڑی تجربہ گاہوں میں بھیجے ہیں۔ جب تک امریکی خلائی تحقیقاتی ادارے 'ناسا' اور برطانوی رائل کالج کی تجربہ گاہوں سے تجربے کی تفصیلات نہ آجائیں میں سونے کی تجارت پھیلانے پر تیاری کے حق میں نہیں ہوں۔"

"میں حکم کا غلام ہوں۔"

"ڈاکٹر راما نند کی خواہش ہے کہ ایک بار تم یہ تجربہ ان کی موجودگی میں دہراؤ۔ ان کی اس خواہش کو اعلیٰ ترین سرکاری حلقوں کی تائید حاصل ہے۔" لالہ نے کہا۔

"کیا میرے تجربے پر کوئی شک کیا جا رہا ہے؟" میں نے اسی سے سوال کیا۔

"نہیں — ہرگز نہیں۔" راما نند جلدی سے بولا۔ "میں خالص علمی نقطہ نظر سے اس تجربے کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ دنیا کی تاریخ کا ایک انقلاب انگیز کارنامہ ہے۔"

"میں آپ کے سامنے ہیچ علم انسان ہوں۔ تحقیقی کاموں میں میرا فرشتہ ہونا محال ہے۔"

"تحقیق کی بات نہیں کرو۔" ڈاکٹر راما نند مسلسل میری دلجوئی میں لگا ہوا تھا۔ "تم اپنا کام کرتے رہنا۔ میں دخل دیئے بغیر دیکھتا رہوں گا۔"

"پھر میں تیار ہوں۔"

"کام کب سے شروع کرو گے؟" راما نند کی آنکھوں میں اشتیاق کے دیپ جل اٹھے۔

"مسائل حل ہو جانے پر منحصر ہے میں تو ابھی تیار ہوں۔"

"کیسا عجیب تصور ہے۔" ڈاکٹر راما نند خود کلامی کے انداز میں بولا۔ "ننھی ننھی نادیدہ ذرات کی ریڈیائی تابکار شعاعوں کا خوف اور پھر ایک عنصر کی جوہری ماہیت دوسرے جوہر میں بدل جاتی ہے۔ ایسا لگتا ہے شعور اور نمو کا جنتر طریقہ جدید سائنس کو بھی نہ دریافت ہو سکے گی۔" پھر چونک کر وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔ "یہ علم تم نے کہاں سے اور کیسے حاصل کیا تھا؟"

"ایک بوڑھے شخص سے جو ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں گھسا شب و روز خون تھوکتا اور کھانستا رہتا تھا۔" میں نے مخمل پر بھاری آواز کے سے اعتماد سے کہا۔ "اور پھر اپنے ایک پیشہ ور رقیب کے ہاتھوں ناگہانی موت کا شکار ہو گیا تھا۔"

"کوئی جوگی؟"

"نہیں — وہ ایک مسلمان فقیر تھا۔" میں پوری گفتگو میں پاکستان کے ذکر سے دامن بچا رہا تھا ورنہ اپنے بدنصیب استاد جمال کا ذکر کرتے ہوئے میری نظروں میں کراچی کی بستی لیاقت آباد کے وہ شب و روز گھوم رہے تھے جب میں فردوس سینما سے ملحقہ پر اسرار گلیوں میں چھپ کر جمال کے ساتھ کیمیا گری کرتا رہتا تھا۔

"بچپن میں سادھو جوگیوں وغیرہ کے بارے میں میں نے بہت سی کہانیاں سنی تھیں کہ وہ سونا بنا لیتے ہیں۔" ڈاکٹر راما نند کا تصور ماضی کے دھندلکے میں کھو گیا۔ "مگر یہ کہانیاں میرے لئے کبھی حقیقت نہ بن سکیں۔ پھر جب میں نے سائنس کی ٹھوس حقیقتوں کا مطالعہ کیا تو یہ کہانیاں بکھر گئیں۔ روئے زمین پر جتنے بھی عناصر پائے جاتے ہیں ان میں سے ہر ایک کی واضح اور الگ نشانیاں ہیں۔ الگ مزاج ہے، الگ خواص ہیں۔ ہر عنصر کا ایٹم اپنی انفرادی ساخت رکھتا ہے اور اس ایک ننھے سے ایٹم میں ناقابل یقین حد تک ایک پوری کائنات متحرک ہوتی ہے۔ ایٹم اپنے نظام شمسی سے کسی حد تک مطابقت رکھتا ہے۔ اس کے مرکز میں نیوٹرون اور پروٹون ہوتے ہیں جن کی مثبت برقی بار والے پروٹون ہوتے ہیں جن کے باہر کئی مستقل دائروں میں منفی بار والے الیکٹرون شب و روز دیوانہ وار گردش کرتے رہتے ہیں۔ یہ ٹھوس چیز ساکن نظر آتی ہے مگر کوئی نہیں جانتا کہ اس ننھے سے وجود میں اربوں ننھے ننھے ذرات رقصاں اور گرداں ہیں۔ اس پورے نظام میں ایک ناقابل شکست مقناطیسی کشش ہوتی ہے جو اس نظام کو ہم آہنگ رکھتی ہے۔ اگر یہ قدرتی کشش منہ زور ہو جائے تو لوہا کبھی خود بخود سونا بن جائے، کبھی سیسے کا روپ دھار لے اور کبھی چاندی کا اظہار کرنے لگے۔ مگر یہ ناممکن ہے۔ ان ذرات کی باہمی کشش اتنی شدید ہوتی ہے کہ صرف تابکار شعاعوں کی ہولناک بوچھاڑ ہی اس کا خاتمہ کر سکتی ہے اور یہ کام عملی فضا میں نہیں ہوتے...... مگر تمہارے تجربے نے ان سب حقیقتوں کو جھٹلا دیا ہے مسعود۔ اگر تم سے یہ کارنامہ ایک بار سرزد ہوتا تو میں اپنے علمی عقیدے کی نفی کرتے ہوئے اس کو معجزہ کہہ دیتا مگر...... مگر تمہارا تو دعویٰ ہے کہ تم حسب مرضی جب چاہو اور جتنا سونا چاہو بنا سکتے ہو۔ تمہارے اس دعوے نے میرا علمی غرور خاک میں ملا دیا ہے۔" عینک کے موٹے موٹے عدسوں کے پیچھے بوڑھے راما نند کی آنکھیں دھندلانے لگیں۔ "میں نے باون برس کی علمی ریاضت کے بعد جو کچھ سیکھا تم نے اسے بے حقیقت بنا کر

رکھ دیا ہے مگر...... مگر میں ایک بار اپنی آنکھوں سے تمہارا پورا تجربہ کامیاب ہوتا دیکھ لوں تو میں کیمیا گری سے بادل برس جیسے ہی شراب کو سچ ثابت کرنے کے بعد چند لمحوں میں علم کی سچائیاں پالی ہیں۔"

"نہیں ڈاکٹر صاحب ۔۔۔ میرا تجربہ آپ کے علم کی توہین نہیں ہے۔" راماننڈ جذباتی ہو رہا تھا لہٰذا اسے تالیوں میں رکھنے کے لیے مجھے بولنا ہی پڑا۔ "علم تو تجربے کی کوکھ سے جنم لیتا ہے اور تجربہ ہر لمحے نئی سچائیاں سامنے لاتا ہے۔ اگر یہ عمل رک جائے تو ساری ترقیاں ایک لمحے میں رک کر رہ جائیں۔"

"صفدر علی!" جنرل گوندا کی پاٹ دار آواز نے مجھے عرش سے فرش پر کھینچ لیا۔ "ڈاکٹر راماننڈ کی نظروں میں تم ایک باصلاحیت آدمی ہی سہی مگر سیکرٹ سروس کے لیے تم محض ایک مجرم ہو کئی انسانوں کے قاتل! مجھے امید ہے کہ تم اپنی یہ دوہری حیثیت ہر وقت یاد رکھو گے۔ اگر تمہاری حماقتوں کی وجہ سے کسی وقت انتخاب کا مسئلہ سامنے آیا تو پہلا حق ہمیں حاصل ہوگا اور ہم تمہیں صرف قاتل سمجھتے ہیں۔"

"کئی انسانوں کا قاتل؟" ڈاکٹر راماننڈ نے پوچھنے والے انداز میں دہرایا۔ "لڑکے! جنرل تمہارے بارے میں درست کہہ رہے ہیں؟"

"ان کا منصب جان لینے کے بعد مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں کہ جنرل کی کسی بات کی تردید کر سکوں۔" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

"تمہیں اسی تمام سامان کی ضرورت ہے جو پچھلے تجربے کے لیے منگوایا گیا تھا؟" پاٹھک والے نے اپنی گود میں رکھی ہوئی ایک فائل کی ورق گردانی کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔" میرا مختصر سا جواب تھا۔

پھر سب لوگ منتشر ہونے لگے۔ مجھے واپس کمرہ نمبر چالیس میں پہنچا دیا گیا۔

اگلے روز میں پھر اسی کمرے میں تھا جہاں میں نے کیمیا گری کے دوران ڈاکٹر جیدی سے چاند ہونا تک انتقام لیا تھا۔ اس بار کمرے میں چار مسلح گارڈز موجود تھے اور سابقہ تجربے کی روشنی میں اس امر کا بھی اہتمام رکھا گیا تھا کہ زہریلے بخارات وغیرہ ان کی مستعدی یا موجودگی پر اثر انداز نہ ہوں۔ ان سب کے چہروں پر گیس ماسک چڑھے ہوئے تھے جن کا رابطہ ایک پتلی سی نلی کے ذریعے ہوا یا آکسیجن کے ان چھوٹے چھوٹے سلنڈروں سے تھا جو ان کی پشت کے ذریعے انہوں نے کمر سے لٹکائے ہوئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد پروفیسر راماننڈ بھی وہاں آپہنچا۔ اس کے چہرے پر سنسنی آمیز جوش نمایاں تھا۔ شاید پاٹھک والے اور جنرل گوندا نے میری طرف سے بہت زیادہ خوفزدہ کر رکھا تھا۔

"اب تم اپنا کام شروع کر دو۔" پاٹھک والے نے مجھے ہدایت دی وہ ڈاکٹر راماننڈ کے ساتھ ہی وہاں پہنچا تھا لہٰذا بظاہر اس کے ساتھ ہی نگرانی پر آمادہ تھا۔

"تم نے اچھا کیا کہ گارڈز کو گیس ماسک فراہم کر دیئے بہتر ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب کے لیے بھی یہ بندوبست کرا دو۔" میں نے پاٹھک سے کہا۔

"اوہ! تم میری فکر مت کرو۔" راماننڈ اپنا پورا ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا۔

"بخارات بہت زہریلے ہوتے ہیں ڈاکٹر صاحب!"

"جب تم انہیں برداشت کر سکتے ہو تو وہ مجھ پر بھی اثر انداز نہیں ہو سکیں گے۔" وہ اعتماد کے ساتھ بولا۔ "میں تیز گیس کا عادی نہیں ہوں۔ میری زندگی کا بیشتر وقت تجربہ گاہوں میں گزرا ہے۔"

میں خفت آمیز انداز میں مسکرا کر رہ گیا اور بھٹی روشن کرنے کی تیاری کرنے لگا۔

کٹھالی میں تانبہ، بوٹیوں کا سفوف وغیرہ ڈال کر میں نے بھٹی روشن کر دی۔ تھوڑی دیر بعد جب زہریلے بخارات کا گھٹا بادل کمرے کی فضا میں پھیلا تو پاٹھک والے پر شدید کھانسی کا دورہ پڑا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ دبائے لڑکھڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔ مگر ڈاکٹر راماننڈ پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ تیزی سے پھیلتے ہوئے شعلوں کے انعکاس سے اس کا چہرہ سرخ نظر آ رہا تھا۔ بھوری اور نیلی میں الجھی ہوئی آنکھوں میں اشتیاق اور ولولے کی ایسی چمک تھی جو ان آنکھوں میں کبھی بجھتے ہوئے بجھتے ہی نظر آتی ہے۔

جب مصروفیت کے لمحے گزر گئے اور میں نے کمرے کی ساری فضا میں سوال کرتا ہوا پر کھولیں تو میں ڈاکٹر راماننڈ کی طرف متوجہ ہوا۔ مایوسی کے اس گھپ اندھیرے میں اس کی ذات میرے لیے امید کی کرن بنی ہوئی تھی۔ پہلی بار اس نے مجھ پر ملامت بھی کی تھی مگر مجموعی طور پر اس کا رویہ میرے حق میں مثبت تھا۔

یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ میرے تجربے کو جھٹلانے والا ایک ہی راماننڈ اس بار میرے تجربے کا واحد گواہ تھا۔ کھانسی کے دورے کے بعد پاٹھک نے دوبارہ اس کمرے میں قدم نہ رکھا۔ بس ڈاکٹر راماننڈ کو پیغام بھجوا دیا کہ اس کی حالت خراب ہے لہٰذا وہ وہاں نہ آسکے گا۔ یہ اطلاع میرے لیے خوشخبری سے کم نہیں تھی۔ پاٹھک کی غیر موجودگی میں، میں راماننڈ پر آزادی کے ساتھ اپنے سحر کا بھرپور آزما سکتا تھا۔

"اب یہ آگ تانبے کا نکھار چھین لے گی۔" میں نے بھٹی کے شعلوں پر نظریں جما کر اپنے قریب بیٹھے ہوئے راماننڈ سے آہستہ سے کہا۔

"تم نے اس میں جو سفوف ڈالے ہیں، ان کا کیا کام ہے؟" مجھے گفتگو پر آمادہ پا کر راماننڈ نے اپنا پہلا سوال داغ دیا۔

"یہی سفوف پارے کے ساتھ مل کر اس تانبے کو تیار کریں گے جب میں بھٹی سرد کروں گا تو کٹھالی میں موجود تانبہ اپنی انفرادیت کھو چکا ہوگا۔ اسے میں جس رنگ میں چاہوں رنگ لوں گا۔" میں نے ذرا الجھا سا جواب دیا۔

"جس رنگ میں چاہو رنگ لو گے؟" راماننڈ نے حیرت سے پوچھا۔

"میں نے محاورتاً کہا ہے۔ دراصل اس کے بعد میں تانبہ کو پارہ کی مدد سے سفید سونے میں بدل لوں گا۔"

"یہ بجائے خود بڑی عجیب سی بات ہے۔"

"عجیب تر ہے ڈاکٹر صاحب لیکن میرا تجربہ کامیاب رہا تو آپ دیکھیں گے کہ یہ ناممکن نہیں ہے۔" میں نے غیر محسوس طریقے پر گفتگو کو موڑ دیا۔

"تو کیا تمہیں اپنے تجربے کی کامیابی پر شبہ ہے؟" راماننڈ کا چونکنا فطری متوقع تھا۔

"اگر یہ سفوف اور مرکبات صحیح ہیں تو میں سرخرو ہوں گا۔" میں سوچنے کے انداز میں اپنی گفتگو کو ایک خاص رخ دے رہا تھا۔

"تم پہلے بھی ایک بار ان ہی چیزوں کی مدد سے سونا بنا چکے ہو۔ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم جب چاہو تانبہ آگ پر رکھ کر سونے کی تیاری شروع کر سکتے ہو۔ آخر اب ان شبہات کا کیا جواز ہے؟ ایسا تو نہیں کہ تمہیں میری موجودگی ناگوار محسوس ہو رہی ہو؟"

"نہیں ڈاکٹر صاحب۔" میں جلدی سے بولا۔ "آپ کی موجودگی تو میرے لیے فخر کا باعث ہے۔ ایک عام شخص آدمی مجھ جیسے کیمیا گر کے لیے یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ ہند کا مایہ ناز ماہر طبیعیات اس کے تجربے کا گواہ ہو اور مجھے تو قاتل کا بھی خطاب ملا ہوا ہے۔"

"شاید تم سیکرٹ سروس والوں کے رویے سے بدظن ہو۔" راماننڈ کا لہجہ ہمدردانہ ہو گیا۔

"آپ درست سمجھے۔" میں نے شاکی لہجے میں جواب دیا۔ "دراصل یہ لوگ طویل عرصے سے میرا پیچھا کر رہے تھے۔ اسی دوران بدقسمتی سے ان کے دو ایسے آدمی پراسرار طریقے پر مارے گئے جو میرا پیچھا کر رہے تھے اور ان لوگوں نے مجھے قاتل سمجھ لیا۔ اب تک میں بہت سے اعزازی عہدوں کا ذکر سنتا آیا تھا لیکن یہ لوگ عملاً کچھ نہیں کرتے بس نام کے ساتھ ایک اضافہ ہو جاتا ہے اور اب میں بھی خود کو اعزازی قاتل سمجھنے لگا ہوں۔"

"اور وہ جیدی کا کیا قصہ تھا؟" راماننڈ کا تجسس بیدار ہو چکا تھا۔

"ایک طرح میں اس کا قاتل ہوں۔" میں نے بھٹی میں کوئلے ڈالتے ہوئے مجرمانہ لہجے میں اعتراف کیا۔ "دراصل یہ لوگ ہمیشہ سے میرے خون کے پیاسے ہیں۔ یہ نہیں چاہتے کہ کیمیا گری کے سلسلے میں میرے تجربات کامیاب ہوں اور وہ مجھے ایذائیں دے کر ہلاک کر سکیں۔"

"یہ عجیب سی بات ہے۔" راماننڈ بولا۔ "میں نے دارالحکومت کے ذمہ دار لوگوں سے سنا ہے کہ تمہاری کیمیا گری کی خبر حکومت کو سائیگو ٹرسٹ کے حوالے سے پہنچائی گئی تھی۔"

"یہ لمبی کہانی ہے ڈاکٹر صاحب!" میں گہرا سانس لے کر بولا۔ "ساتگاؤں میں شبہ تھا کہ پارس نامی ایک پتھر میری تحویل میں ہے جس کے لمس سے لوہا سونے میں بدل جاتا ہے......"

"یہ تو سراسر بکواس ہے۔" وہ میری بات کاٹ کر برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔

"یہی بات میں بھی کہتا رہا ہوں یہاں کسی کو میری بات پر یقین نہ آیا۔ مجھے ایسی ہولناک اذیتیں پہنچائی گئیں کہ شیطان بھی پناہ مانگے۔ یہ لوگ پہلے ہی دو آدمیوں کی ہلاکت پر پچھتا رہے تھے اور کسی بہانے مجھے ہلاک کرنا چاہتے تھے مگر دارالحکومت کے کچھ بڑوں کی خواہش تھی کہ پارس ملنے تک مجھے ہر قیمت پر زندہ رکھا جائے۔ جب تشدد کا سلسلہ دراز ہونے لگا تو مجھے مجبوراً اعتراف کرنا پڑا کہ میں کیمیا گر ہوں۔" میں خاموش ہو کر بھٹی کی طرف متوجہ ہو گیا اور بلا مقصد کوئلے کریدنے لگا۔ مقصد یہ تھا کہ اپنی کہانی میں راماننڈ کی دلچسپی کا اندازہ کر سکوں۔

"بولتے رہو...... کام کے ساتھ ساتھ بولتے رہو۔" راماننڈ کی بے چین آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"آپ کو یہ سب بتانے سے کیا فائدہ ڈاکٹر صاحب!" میں نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔ "اگر جنرل گوندا یا پاٹھک کو علم ہو گیا کہ میں نے ان کے انتہائی حیثیت کی کہانی آپ کو سنادی ہے تو میں ایک نہ ختم ہونے والے عذاب میں مبتلا ہو جاؤں گا۔"

"میں اگر تمہارا دوست نہیں ہوں تو دشمن بھی نہیں ہوں۔" راماننڈ نے مجھے دلاسہ دیا۔ "تم یقین رکھو کہ یہ تمام باتیں میری ذات تک محدود رہیں گی بلکہ میں نے تمہاری سچائی محسوس کی تو شاید میں تمہاری مدد کر سکوں۔ دارالحکومت میں ہر طبقہ میری بات پر توجہ دیتا ہے۔"

"سیکرٹ سروس والے میرے اس اعتراف کو جان بچانے کا بہانہ سمجھے۔" میں نے اپنی من گھڑت کہانی جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "جب بے ہوشی اور ہذیان کے عالم میں بھی ڈاکٹر جیدی نے میرے منہ سے کیمیا گری کا تذکرہ سنا تو ناچار اس نے پاٹھک والے اور جنرل کو میرے اعتراف سے باخبر کر دیا۔ اس کا رد عمل یہ تھا کہ مجھے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کا موقع دیا جائے۔ اس کی آڑ میں جب مجھے ناکامی ہوتی تو انہیں پتا ہے میری ہلاکت کی فکر چھوڑ دیتے اور پھر سیکرٹ سروس والے مجھے موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ پھر آپ سے پہلی ملاقات ہوئی۔ میں نے تجربے کا آغاز کیا تو جیدی میرے سر پر مسلط تھا۔ وہ شروع ہی سے میرا حوصلہ پست کرتا رہا۔ اس نے کھل کر میرا مذاق اڑایا۔ بار بار میری توجہ ہٹانے کی کوشش کی مگر میں اپنے کام میں لگا رہا۔ جب اس نے مجھے سفید سونے کو رنگتے دیکھا تو اسے اپنا منصوبہ خاک میں ملتا نظر آیا۔ اس نے مجھ سے میرا بنایا ہوا سونا چھین لیا جسے صرف رنگ کرنا باقی تھا۔ وہ اس ٹکڑے کو تیزاب میں گلا کر برباد کرنے پر تلا ہوا تھا تاکہ مجھے جھوٹا قرار دے سکے۔ یہ میرے لئے زندگی اور موت کا معرکہ تھا۔ اسی کمرے میں دست بدست مقابلہ ہوا اور عین اس وقت جب وہ میرا سونا تیزاب میں ڈالنے والا تھا میں نے تیزاب کا برتن الٹ دیا۔ جیدی کا مقدر گردش میں تھا۔ اس کا پورا چہرہ تیزاب سے جھلس گیا اور وہ چند دن ہسپتال میں رہنے کے بعد مر گیا۔ سیکرٹ سروس کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر جنرل جسپال کو اس حادثے نے ہلا دیا۔ جیدی کی موت نے میرے حق میں ایک اچھائی کی کہ میرا بنایا ہوا سونا تجزیے کے لیے آپ کے حوالے کر دیا گیا۔ جسپال کو ڈر تھا کہ جیدی کی موت کی تحقیقات کے سلسلے میں کسی دوسرے ادارے کے لوگ مقرر نہ کر دیے جائیں۔ اس صورت میں یہ بات

اگل دیتا۔ بیدی تو مرہی چکا تھا، جیسپال اور اس کے ساتھی بھی سرکاری عتاب کا نشانہ بنتے۔ بہتر تھا سائیکوفورٹ سے کامیاب کیمیاگری کی خبر جاری کر دی گئی اور بیدی کی ہلاکت اس کامیابی کے چرچوں میں دب گئی۔ پہلے تجربے کے بعد سب جانتے ہیں کہ میں سونا بنا سکتا ہوں لہٰذا اب ان کی آخری حرکت یہ ہو سکتی ہے کہ جڑی بوٹیاں وغیرہ بدل دی جائیں۔ ان میں ذرا بھی فرق ہوا تو تجربہ ناکامی پر منتج ہوگا۔"

"اوہ ......" میں خاموش ہوئے تو راماننداکے چہرے پر تشویش کے سائے لرزنے لگے۔ "تم بہت گمبھیر خطرے سے دوچار ہو۔"

"بس یہ جانتا ہوں کہ اب تک زندہ ہوں ورنہ میرے جسم سے آتی بوٹی نہ گزر کی جا چکی ہے کہ اب تک کی وقتی بھی بہت تو مر چکے ہوتے میں ان کے سامنے اپنی مظلومیت کی بھرپور تصویر پیش کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہو چکا تھا۔

"یہ لوگ واقعی تمہارے خون کے پیاسے ہیں۔" وہ بڑبڑایا۔ "اب کچھ میں آیا کہ اس روز جنرل گوندہ اور پاٹھک کا رویہ اس قدر جارحانہ کیوں تھا۔ وہ اسی لئے بار بار تمہیں یاد دلا رہے تھے کہ تم صرف ان کے قیدی ہو اور ان کے احکام کی خلاف ورزی تمہاری موت ہوگی۔"

"ہو سکتا ہے کہ میری موت ان ہی کے ہاتھوں لکھی ہو مگر میں آسانی سے ہتھیار نہ ڈالوں گا۔"

"میں تمہیں ان کے ہاتھوں نہیں مرنے دوں گا۔" راماننداکی پرجوش آواز میں عزم کی پرچھائیاں لرزاں تھیں۔ "تم نے اچھا کیا کہ مجھے اعتماد میں لے لیا۔ میں ایک بستی کے دماغ جنونی کی سیسنٹ سمجھتے دل کا قوی ہر ملک میں ہوتے ہیں مگر ہمارے فوجی عقل سے بالکل یتیم ہیں۔ یہ لوگ ہر مسئلے کا حل جنگ یا تسلی سمجھتے ہیں۔ بھلا تمہیں مار کر وہ ہندو سرکار کی کیا خدمت کریں گے بجز اس کے کہ کتنا اضافہ کریں گے جو تمہارے عظیم انقلابی تجربے کی کیا آبیاری کریں گے۔ یہ جہاں بھی چھائے ہوئے ہیں وہاں توازن کی جگہ جنون جھلکتا ہے۔"

"شاید سیکرٹ سروس پر ان ہی کا قبضہ ہے؟" میں نے معصومیت سے شوشہ چھوڑا۔

"جنرل گوندہ سیکرٹ سروس کے بہت سے لوگ ہیں اور ریٹائرڈ فوجیوں کی تو بھرمار ہے اور یہی نہیں یہ لوگ ہر طرف ہاتھ پھیلا رہے ہیں۔ ہم اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر دنیا تیاگ کر بیٹھے ہیں تاکہ جوہری توانائی کو پروان چڑھا سکیں تاکہ اس سے بجلی پیدا ہو، ہمارے مریضوں کا علاج ہو، صنعت و زراعت کو فروغ ہو مگر یہ ہم سے ایٹمی دھماکوں کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ میں ہر میٹنگ میں برملا کہتا ہوں کہ ہم جوہری توانائی کے استعمال کے سلسلے میں بین الاقوامی معاہدوں کے پابند ہیں۔ یہ مطالبے ہمارے قریب ملک پر ظلم کے برابر ہیں کوئی نہیں سنتا۔ معاہدے کی بات کرتا ہوں تو ہر جنگی ماہرین کو میں طعن آمیز جواب ملتا ہے کوئی جنرل نہیں سمجھتا مگر جب دیکھیں گے چل پڑے ہیں تو ایک وقت آئے گا جنرل مجھے طاقت کے توازن کی باتیں سمجھانے لگے ہیں۔"

رامانند کی یہ گفتگو میری ذات سے سراسر غیر متعلق تھی مگر وہ شاید اسے دل کی بھڑاس نکالنے کا پورا موقع دیا۔ اس بہانے مجھے رامانند کی ایک کمزوری کا بھی علم ہو گیا۔ وہ اپنے فوجی افسروں سے بے انتہا بدظن تھا اور میں اس کی ہمدردیاں جیتنے کے لئے اس کمزوری سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

"آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں ڈاکٹر صاحب!" میں نے مغموم لہجے میں کہا۔ "میرے مقدر میں جو لکھا جا چکا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ کیا خبر یہ بات کہ لوگ آپ کا نام ایک اعزازی قاتل کے ساتھ لینے لگیں۔"

"یکدم اس بات کو وہ بیٹھے کر اچھا کہ سوار ہو گیا۔" مجھے سب معلوم ہے میں اصولوں کی خاطر کسی بات کی پروا نہیں کرتا۔ یہ تجربہ تمہارا کام ہو تب تم بھی دور، میں تمہیں یہاں سے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ تم اپنی مرضی کی زندگی گزار سکو گے۔ پھر میں دیکھوں گا کون تمہارے سامنے آتا ہے۔"

اچانک میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ابھی تک میری عقل ہی کام نہ کر رہی تھی کہ میں رامانند کو شیشے کا سوچ رہے تھے کہ تم کس طرح کہوں کہ وہ مجھے اپنے ساتھ باہر لے چلے مگر اس نے خود ہی یہ تجویز پیش کر کے میری مشکل آسان کر دی تھی۔

"آپ عظیم انسان ہیں ڈاکٹر صاحب!" میں نے اپنی بے پایاں خوشی پر قابو پاتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"عظمت تمہارے لئے ہے جو کوڑیوں کے مول سونا بنا سکتے ہو۔ اگر تمہارا یہ تجربہ کامیاب بھی رہا تو میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔ اس طرح یہ تمہیں وقت ہو جائے گی۔ فوجی سکون کے بجز تمہارے سوا کوئی میں دھماکہ ہونا بھی مشکل ہو جائے بھلا تم کیا کر سکو گے۔" میرا انکسار رامانند کی نظر میں تازیانہ کا کام کر رہا تھا۔

بات بنتی دیکھ کر میں نے بھی اپنی آنچ تیز کر دی اور چند دیگر تجربے انہماک سے اپنے کام میں لگا رہا۔ شام ڈھلنے کے بعد میں نے پانی کی مقدار سے بھرا ہوا مرتبان قریب سرکایا اور پانی کے چھینٹے مار کر بھٹی سرد کی۔ پھر آنچی چمچے سے تلچھٹ کے ٹکڑے ہوئے ٹکڑے الٹ کر پانی کے مرتبان میں ڈال دیئے۔ وہ چند ماؤس تڑپتے ہوئے دھوئیں کا زہریلا بادل اٹھا اور میں نے مرتبان کا منہ بند کر دیا۔

جب میں طویل انگڑائی لے کر اٹھا تو رامانند حیران سا نظر آ رہا تھا۔

"کیا کام ختم ہو گیا؟" اس نے پوچھا۔

"آج کا کام ختم ہوا ہے۔ اب چوبیس گھنٹے بعد میں مرتبان کا منہ کھولوں گا تو اس میں چاندی کی طرح چمکتا ہوا سفید سونا موجود ہوگا۔"

ہم دونوں ساتھ ساتھ باہر نکلے۔ دو محافظ ڈاکٹر کی رہنمائی کر رہے تھے اور دو مجھے اپنے کمرے کی طرف ہنکانے لگے۔ میں اپنے کمرے میں پہنچا تو پاٹھک میرے بستر پر دراز میرا منتظر تھا۔

"میں نے تمہارے پچھلے تجربے کے بارے میں بیدی کی لکھی ہوئی رپورٹ پڑھ کر ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ شام کے سات اور ساڑھے سات کے درمیان تمہیں اپنے کمرے میں ہونا چاہئے۔ اور اس وقت سات بج کر

پچیس منٹ ہوئے ہیں۔" وہ اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولا "شاید اسی وجہ سے تم والٹر کی جلدی بھیجے گئے ہو۔" میں نے خفگی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "دراصل رامانند سے گفتگو کرتے ہوئے وقتی طور پر یہ فراموش کر چکا تھا کہ میں سیکرٹ سروس کے آہنی حصار کا قیدی ہوں جہاں معمولی سی بات کا بھی ریکارڈ رکھا جاتا ہے اور بدنصیب بیدی تو شاید مجھے بغیر سوچے سمجھے کا بھی قائل نہ تھا۔ اگر میرے بارے میں اس کی تحریری آراء واقعی کے بجائے کسی اور کے ہاتھ لگی ہوتیں تو اب تک میری موت میں چند ہی گھنٹوں سے کاٹ کر مردہ خود پر جلد کو ملائی اچک لی ہوتی۔"

"آج تم سفید سونا تیار کر کے آئے ہو؟" اس نے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم اپنا تجربہ جلد از جلد ختم کر لو تاکہ رامانند یہاں سے دفع ہو۔"

"اس سے بدظن نظر آتے ہو؟"

"جنرل گوندہ اسے سخت ناپسند کرتے ہیں۔ محض سرکاری مجبوریوں کی بنا پر وہ یہاں ٹھہرا ہوا ہے۔" پاٹھک اپنے لئے سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا۔

"میں بھی سگریٹ پیتا ہوں۔" میں نے آہستہ سے کہا اور اس نے جلتی ہوئی سگریٹ ہونٹوں سے نکال کر میری طرف اچھال دی اور خود دوسری سگریٹ جلانے لگا۔

"یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں یہاں کئی مہینے گزارنے کے باوجود سائیکوفورٹ والوں کا مزاج نہ پا سکا۔" میں نے سگریٹ کا گہرا کش لیکر کہا۔ "کیوں .... کیا یہاں جن بستے ہیں؟"

"جنرل کا بھی ایک مزاج ہوتا ہے۔ مگر بیدی کو میں کبھی نہ سمجھ سکا۔ ایک مرتبہ پھر وہ میرے خون کا پیاسا تھا۔ پھر دوست ہوا تو شراب نوشی تک میں شریک کر لیا تھا۔ اس کے باوجود مجھے کچھ علم نہیں ہوتا تھا کہ وہ کب اچانک برس پڑے گا۔ تمہارا رویہ بھی اس وقت بہت معقول ہے مگر بیدی نے مجھے پہلے ہی بحوثی کر رکھا ہوا تھا۔"

"یہ عادت صرف تجربہ کی وجہ سے ہے۔" وہ اٹھتے ہوئے خشک لہجے میں بولا۔ "مجھ سے شراب نوشی کی دعوت کی توقع مت رکھنا۔ میں اپنے قیدیوں کو منہ لگانے کا عادی نہیں ہوں۔"

رامانند سے قربت اور دوستی گفتگو کے بعد پاٹھک کے ان جملوں نے میرے تن بدن میں آگ لگا دی۔ میں نے غصے میں اس کی دی ہوئی سگریٹ قالین پر پھینک کر جوتے سے مسل دی۔

پاٹھک میری طرف دیکھے بغیر دروازے میں لوٹ گیا۔

اگلی صبح پہرہ دوبارہ آیا تو اس کے تیور درست تھے۔ وہ مجھے اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اپنی جگہ پر سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"تم نے بڈھے سے کیا کہا اس کی ہے؟ وہ تقریباً میرے سر پر سوار ہو گیا تھا۔"

یکایک میرا دل ڈوبنے لگا۔ آنکھوں کے سامنے پرچھائیاں کانپنے لگیں۔ مجھے صلاحیتوں کا یہ خیال آیا کہ شاید میں نے بڈھے کے سامنے جو کچھ ضرورت سے زیادہ مظلوم بنا کر پیش کیا تھا اور اس کے دل میں میری ہمدردی کا کچھ زیادہ ہی جذبہ امڈ آیا۔ شاید وہ اپنے دل کا غبار نہ چھپا سکا اور پاٹھک پر لعنت ملامت شروع کر دی۔

"کس بڈھے سے؟ کیسی بکواس؟" میں نے مدافعانہ لہجے میں پوچھا۔

"رامانند کا منہ سوجا ہوا ہے۔ وہ میرے ساتھ بدتمیزی سے پیش آیا ہے۔" وہ تلملاتے ہوئے لہجے میں بولا۔ وہ شاید رامانند کے پاس سے سیدھا میرے کمرے میں آیا تھا۔

"تم سے پہلے بھی یہاں کے چند گھنٹوں کے لئے سائل پر جھگڑا اور عقل ٹھکانے آ جانے کی۔" اپنی ذات کو بخوشی نہ ہوتے دیکھ کر میں شیر ہو گیا۔

شاید میری تحریر کی مضحکہ خیز تصویر اس کی نظروں میں گھوم گئی کیونکہ وہ غصہ بھول کر اچانک زور سے ہنس پڑا۔ "بیدی پر تمہارا پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے مگر وہ بیچ پیدل کی طرح میں سوالیہ سائے کے؟"

"اگر میں نے بدتمیزی کی تھی تو تم مجھ پر کیوں چڑھ دوڑے؟"

"میں سمجھا شاید تم نے اس کے کان بھرے ہیں۔"

"میرے لئے اس کی اور تمہاری حیثیت ایک ہی ہے۔" میں نے اطمینان سے کہا۔ "تم تو چلے آئے تھے۔ وہ سارا دن وہیں بیٹھا زہر پلا رہا تھا۔ اچھا کسار رہا۔ ان خیالات کا اظہار کرنے میں کئی دن لگ گئے ہیں نے اسی لئے کہا تھا کہ اس سے بھی بات کرنے دو۔"

"شاید یہی بات ہے۔" وہ پرخیال انداز میں بولا۔ "اس کے بوڑھے اعصاب اب ایسی مشقتوں کے قابل نہیں رہے۔"

یوں میں نے بگڑی ہوئی بات سنبھال لی اور پاٹھک میرے پاس سے رخصت ہو گیا۔

شام کو مجھے عارضی تجربہ گاہ میں بلایا گیا تو رامانند پہلے سے وہاں موجود تھا۔ رسمی گفتگو کے بعد میں نے بڑے اہتمام سے مرتبان کا منہ کھولا اور میری زبان سے چند تحیر آمیز کلمات بلند ہوئے۔

"کیا ہوا ......؟ کیا ہوا؟" رامانند بیٹھے بیٹھے ہڑبڑا کر بدحواسی کے انداز میں قریب آیا اور اس کی نظریں مرتبان کی تہہ میں جم گئیں جہاں پارے میں جھلسا ہوا تانبہ نمایاں نظر آ رہا تھا۔

"کیا کچھ غلط ہو گیا؟" رامانند نے سہمی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"سب کچھ غلط ہو گیا۔" میں نے ڈرامائی انداز میں دونوں ہاتھوں میں اپنا منہ چھپا لیا۔ "یہاں مجھے ذلیل کیا جا رہا ہے ڈاکٹر صاحب۔ میرے حساب سے اس وقت مرتبان خشک ہونا چاہئے تھا۔ پگھلا ہوا تانبہ پارے سے یکجان ہو کر ٹھوس نقرئی دھات کی صورت اختیار کر چکا ہوتا۔"

"تمہارے اندیشے درست تھے ...... اب افسوس نہ کرو۔" ڈاکٹر رامانند میری طرف جھک کر تسلی آمیز سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

رامانند مجھے تسلی دیتا رہا اور میری اداکاری جاری رہی۔ اسی دوران کسی گارڈ نے پاٹھک کو تجربہ گاہ میں "گڑبڑ" کی خبر پہنچا دی اور وہ مضحکہ خیز

حالت میں بوکھلایا ہوا وہاں آپہنچا۔ اس کے ہاتھ میں تو کا ریوالور دبا ہوا تھا
اس کی آہٹ پاکر راما نند نے اس کی طرف دیکھا اور قہر آلود لہجے میں
بولا۔ "اس خبیث کو پوسٹ مین اٹھا کر لے جاؤ۔ پاٹھک صاحب! یہاں کوئی خطرہ
نہیں ہے۔"

میں بھولی بھولی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا اور جیب میں
ڈالے ... کھڑا رہا۔

"مجھے اطلاع ملی تھی کہ یہاں کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔" پاٹھک تیز تیز
سانسوں کے درمیان بولا۔

"گڑبڑ تجربے کے ساتھ ہوئی ہے۔ اس بار صفدر علی ناکام ہو گیا ہے۔"
راما نند کی آواز میں طنز کی کاٹ نمایاں تھی جیسے پاٹھک بالکل نہ کچھ سکا اور
وہ سمجھا بھی کیسے جب کہ وہ در پردہ ہونے والی گہری سازش سے لاعلم تھا
"یہ کیسے ممکن ہوا؟"

"ہماری غیبتوں کا فتور ہے پاٹھک صاحب!" راما نند نے اپنے
دانست میں پاٹھک پر بھرپور اور براہ راست وار کیا۔ "لکھ کر رکھ لیجئے کہ یہ
ملک کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔"

"میں سمجھا نہیں ڈاکٹر صاحب!" اس بار پاٹھک کے لہجے میں
ناگواری عود کر آئی تھی۔

"آپ کچھ نہیں سمجھیں گے۔" راما نند کو اپنے غصے پر قابو پانا دشوار
ہو رہا تھا۔ "آپ معصوم پیدا ہوئے تھے اور معصوم ہی پرلوک کو سدھاریں
گے۔۔۔۔ بس یوں سمجھئے کہ میں صفدر کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔"

راما نند کی باتیں بہت تیز و تند تھیں۔ پاٹھک کا چہرہ غصے کی شدت
سے سرخ ہو گیا اور ہونٹوں کے گوشے کانپنے لگے۔ ڈاکٹر کے سامنے تو اس
کی زبان نہ کھل سکی وہ گارڈز کی طرف گھوما اور پوری قوت سے حلق کے
بل چیخا۔ "گٹ آؤٹ۔"

میں بظاہر حیرت کی تصویر بنا کھوئی کھوئی نظروں سے خلا میں گھور
رہا تھا مگر میرے پورے حواس اس عارضی تجربہ گاہ میں ہونے والے مقابلے پر
مرکوز تھے۔ میرے لئے یہ صورت حال بے حد دلچسپ اور لذت انگیز تھی۔

"آپ۔۔۔۔ آپ چاہیں تو اسی وقت تشریف لے جا سکتے ہیں
مگر صفدر سائیکو فورٹ کا قیدی ہے آپ اسے نہیں لے جا سکیں گے۔" راما نند
کا مرتبہ اس وقت بری طرح پاٹھک کی جذباتی کے آڑے آ رہا تھا۔ اس
کے عہدے کا احترام اور ادب آمیز تھے مگر میں اس کے دل کا حال خوب سمجھ
رہا تھا۔ جب تک آدمی ذہن میں ابھرنے والی گالی اپنے حریف کو سنا نہ دے
وہ گالی اسے اپنی ہی ذات پر چبھتی محسوس ہوتی ہے اور پاٹھک کا دماغ تو
اس وقت شاید گالیوں کا کارخانہ بنا ہوا تھا۔

اس کا جواب سن کر راما نند مٹھیاں بھینچ کر کھڑا ہو گیا۔ "میں اسی وقت
جنرل گوندھ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ سائیکو فورٹ کے مواصلاتی رابطے کوئی بیرونی
آدمی استعمال نہیں کر سکتا۔" پاٹھک نے اپنا فتویٰ صادر کر دیا۔ "اگر آپ
چاہتے تو جنرل سے خود بات کر کے ڈاکٹر کی خواہش اس تک پہنچا دو
جنرل چاہتا تو اسے ڈاکٹر کو بلانے کی ہدایت کر دیتا۔"

"خواہ وہ ڈاکٹر راما نند ہی ہو؟" راما نند پیر پٹخ کر غرایا۔
"جی ہاں۔" پاٹھک کی آواز اس سے بھی اونچی تھی۔
چند لمحوں تک وہ دونوں آمنے سامنے خاموش کھڑے ایک
دوسرے کو چبا ڈالنے والی نظروں سے دیکھتے رہے۔ میں کسی بت کی
طرح بے جان بیٹھا ہوا تھا جیسے ناکامی کے صدمے سے مجھ پر سکتہ طاری
ہو گیا ہو۔

"میں جا رہا ہوں اسی وقت۔" راما نند کی آواز غصے سے لرز رہی
تھی۔ شاید اس کے ساتھ زندگی میں کبھی ایسا توہین آمیز سلوک نہیں کیا گیا
"تم دیکھنا کہ صفدر کو تم خود میرے دروازے پر چھوڑنے آؤ گے۔"

اس مرتبہ پاٹھک کو میری وہاں موجودگی کا علم ہوا اس نے میری
طرف دیکھا۔ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ کسی خیال کے تحت پھر راما نند سے مخاطب
ہو گیا۔ "آپ کی فوری روانگی مشکل ہے۔ سائیکو فورٹ کے حفاظتی نظام
میں آپ کے لئے راستہ بنانے میں کچھ دیر لگے گی آپ انتظار کریں یا
انتظام مکمل ہوتے ہی اطلاع کرا دوں گا۔"

"میں جانتا ہوں۔۔۔ سب جانتا ہوں۔ اس وقت تم کس کی زبان
کا سکہ چلا رہے ہو وہ جنتیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔" راما نند پیر
پٹختے ہوئے تیزی کے ساتھ باہر نکل گیا۔

"صفدر!" اب پاٹھک میری طرف متوجہ ہوا۔ اس مرتبہ اس کا لہجہ
ہتک کا مظہر تھا۔

میں کچھ نہ بولا تو اس نے میرا گریبان پکڑ کر مجھے صوفے سے اٹھا
دیا۔ میں نے جھٹکنے کی لاجواب اداکاری کی اور بیزار کر سوال کیا۔ "تم
کون ہو؟"

میری حرکات و سکنات اس قدر فطری تھیں کہ پاٹھک بائے ہو
نہ کر سکا اور قدرے نرم پڑتے ہوئے بولا۔ "کیا ہوا تھا یہاں؟"

"میں نے مرتبان کھولا تو اس میں سفید سوت کے جیسے پایا۔
جھلسا ہوا تار نما الگ نظر آ رہا تھا۔ میں نے راما نند کو پیش کیا کہ
باتیں کیا تو وہ برہم ہو گیا۔ پھر مجھے یاد نہیں۔"
"تجربہ کیوں ناکام ہوا؟"

"مجھے یقیناً کوئی غلطی ہوئی ہے۔ اس بار میں نے ضرورت سے
زیادہ اعتماد سے کام لیا اور ہر چیز پر مقدار میں پڑھے بغیر کام شروع کر دیا
میں نے غلطی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں کل پھر کام شروع کروں گا۔ میرا تجربہ
نہیں ہو سکتا۔"

"اپنے کمرے میں جاؤ۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" پاٹھک بولا
نے کہا اور مجھے سہارا دے کر باہر لے آیا۔ وہاں وہ بوکھلائے ہوئے گارڈ

مجھے سہارا دینے کے لئے موجود تھے۔
سائیکو فورٹ میں اگلا دن بڑا سنسنی خیز تھا۔ مجھے بہت سی باتیں
پاٹھک والے سے معلوم ہوئیں جو بجھے دل پر داشتہ نظر آ رہا تھا۔
راما نند کو سرکاری طور پر ایک ہیلی کاپٹر ملا ہوا تھا جو پائلٹ سمیت
اگلی وینڈ پر موجود تھا لہٰذا وہ رات ہی کو جنرل سے پرواز کر گیا۔ اس نے
رات کا خیال نے بعد وفاقی دارالحکومت میں کھلبلی مچا دی۔ اس کا مطالبہ تھا
کہ پاٹھک والے کی نگرانی میں فوری طور پر گاڑی سے بھیجا جائے
ورنہ وہ استعفیٰ دے کر امریکہ چلا جائے گا۔ صبح طلوع ہونے سے قبل وزارت
دفاع اور خزانہ کے سیکرٹری نے فون پر جنرل گوندھ کو پوری صورت حال
سے آگاہ کیا۔ ادھر پاٹھک والے راما نند کے روانہ ہونے سے قبل ہی
پوری واقعہ جنرل کو سنا چکا تھا۔ جنرل نے نئی دہلی سے وائرلیس رابطے پر پاٹھک
والے کو اس کے جرأت مندانہ رویے پر مبارکباد بھی دی تھی۔ جنرل گوندھ کا
اس تجربے سے براہ راست کوئی تعلق نہیں تھا مگر وہ نہ جانے کب سے
راما نند کے خلاف دل میں کدورت لئے بیٹھا تھا لہٰذا اس نے پاٹھک کی نگرانی
سے بھی بری روانگی کو انا کا مسئلہ بنا لیا۔ اس نے سیکرٹری دفاع سے صاف
کہہ دیا کہ وہ مجھے حوالے کرنے پر تیار ہے مگر وہ مجھے کس کے ہمراہ راما نند کے
پاس بھیجے یہ اس کے اپنے محکمے کا معاملہ ہے جو صرف اسی کی صوابدید کے
مطابق طے ہوگا۔ اس بارے میں اس نے سیکرٹری کا حکم تسلیم کرنے سے
انکار کر دیا جب اس پر اوپر سے دباؤ ڈالا گیا تو اس نے پاٹھک کو
میری منتقلی کا نگران مقرر کرنے کے ساتھ ہی اپنا استعفیٰ داخل کر دیا۔ جسے
سیکرٹری نے قبول مت کرنا مگر اس کی منظوری کی خبر یقینی تھی۔
پاٹھک کو یہ ساری تفصیل جنرل سے ملی تھی۔ راما نند کے ممنوع
عمل کا اس کا شمار تھا کہ اس نے چند گھنٹوں میں سب کو معطل کرا دیا اس
نے تو یہ کہا تھا کہ دکھایا مگر پاٹھک مجھے ساتھ لے جانے میں شدید قلت
محسوس کرنے کے باوجود کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔
"آخر ڈاکٹر کو مجھ سے کیا ہمدردی ہو گئی ہے جو وہ مجھے یوں ہی بلانے
پر تلا ہوا ہے؟" میں نے انجان بنتے ہوئے پاٹھک سے سوال کیا۔
"سور کا بچہ پاگل ہے اور اپنی سنک کو اصول کا نام دیتا ہے۔"
پاٹھک نے تلخ لہجے میں کہا۔ "بس ایک بات اس کے منہ سے نکل گئی ہے
اب وہ اسے منوا کر رہے گا۔"

"جنرل سے اسے کیا پرخاش ہے؟"

"اسے فوجی وردی پہننے والے ہر شخص سے نفرت ہے۔" پاٹھک بولا۔
"یا شاید علوم الٰہی وہ ہندو کے بڑھتے ہوئے فوجی اخراجات کا سبب
نفرت ہے۔ ایک زمانے میں تو اس نے ہندو کی افواج میں تخفیف کی
مہم زور و شور سے شروع کی تھی اور شاید وہ کامیاب بھی ہو جاتی کہ
اتفاق سے پنجاب کے علاقے میں پاکستانی فوجوں سے ہمارا تصادم ہو گیا اور یہ
تحریک دب گئی۔"

"کمال ہے کہ ایسا خبطی اور ضعیف سا آدمی ایسے بڑے بڑے
مسائل کھڑے کر رہا ہے۔"

"اس کی کھوپڑی میں الو کا بچہ بھرا ہوا ہے۔ معاملے کو سامنے کی
باتیں بھی نظر نہیں آتیں۔ بھلا مناسب فوجی طاقت کے بغیر ہم اپنی سرحدوں کا
دفاع کر سکتے ہیں؟ پھر پاکستان تو ہمارے لئے ایک مستقل روگ بنا ہوا
ہے جس دن اسے اپنی عسکری برتری کا یقین ہو گیا اس کی فوجیں کشمیر
پر چڑھ دوڑیں گی۔"

میں نے اس کا تبصرہ نہایت سکون سے سنا۔ جنت میں داخل ہونے
کے بعد میں نے کسی کو ہوا بھی نہ لگنے دی تھی کہ میں پاکستانی ہوں لہٰذا میرے
لئے اس سے بحث کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

نو بجے کے قریب میری آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھ دی گئی۔ ہدایات
کرنے پر معلوم ہوا کہ میری روانگی کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں اور پاٹھک گاڑی
میں میرا منتظر ہے۔

گاڑی چلنے کے بعد جیسے ہی روانہ ہوئی تو میں نے سائیکو فورٹ کے آسیب سے
نجات ملنے پر خدا کا شکر ادا کیا۔ مجھے یقین تھا کہ میں ایک بار کسی بھرے پرے شہر میں
پہنچ گیا تو جلد ہی فرار کی کوئی نہ کوئی راہ نکال لوں گا۔ سائیکو فورٹ میں تو میں ہر ہتھیار
سے محروم ہو کر رہ گیا تھا۔

سائیکو فورٹ سے سڑک بالکل سیدھی جاتی تھی کیونکہ بیچ تک ایک پہیہ بھی
نہیں گھوما۔ کچھ دور آگے جانے کے بعد گاڑی کہیں نہیں مڑی۔ پھر کچھ دیر بعد سمندر کی لہروں
کا دھیما دھیما شور سنائی دیا اور گاڑی ترچھی ہو کے بائیں طرف مڑ گئی۔ اس
بار شاید سڑک ساحل کے متوازی تھی کیونکہ تھامس رینگ سمندر کا شور اسی فاصلے
پر ابھرتا اور دم توڑتا رہا۔

گاڑی ہیلی پیڈ پر ہیلی کاپٹر کے قریب ہی رکی تھی کیونکہ چند قدم چلنے
کے بعد ہی پاٹھک نے کسی کے ساتھ مل کر مجھے سیڑھیاں چڑھنے میں مدد دی پھر مجھے
ایک نرم اور آرام دہ نشست پر بٹھا دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ہیلی کاپٹر کا خوابیدہ انجن
بیدار ہو گیا اور سر پر پنکھے کا تیز شور سنائی دینے لگا۔

چند منٹ بعد انجن کی آواز تبدیل ہوئی اور دیکھا کیا میرے سینے پر دباؤ
بڑھ گیا۔ ہیلی کاپٹر تیزی سے اوپر اٹھتا جا رہا تھا۔ ہم آنکھوں کی پٹی میں بھی سرزمین کو خیر باد
کہہ چکے تھے۔

اس وقت میرے دل میں شدید خواہش ابھری کہ اپنی آنکھوں سے پٹی
ہٹا کر اس جزیرے کو ایک بار دیکھ تو لوں جہاں میں نے کئی مہینے بے خبری کے
عالم میں گزارے تھے۔ میں نے اس خواہش کا اظہار پاٹھک سے بھی کیا لیکن اس نے
سختی سے منع کر دیا ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ وہ ریوالور لئے میرے پیچھے بیٹھا ہے اور اس کی نظریں
مسلسل مجھ پر جمی ہوئی ہیں۔

ابھی ہیلی کاپٹر کے اڑنے کا عمل جاری ہی تھا کہ اچانک ایک شدید جھٹکا
لگا۔ باہر فضا میں ہلکے سے دھماکے کی آواز آئی۔ میں نے آنکھوں سے پٹی نوچ
دی اور بے تحاشا سیٹ چھوڑ دی۔

"سمندری جہاز میں آگ لگ گئی ہے ...." انجن میں لگے ہوئے اسپیکر پر پائلٹ کی آواز گونجی۔ میں اس سے آگے کچھ نہ سن سکا اور میرے ہاتھ پیراشوٹ کی طرف بڑھ گئے۔

اس وقت تک انجن ناکارہ ہو چکا تھا۔ ہیلی کاپٹر کا عقبی حصہ آگ کے گولے میں بدلتا جا رہا تھا اور کشش ثقل اس ڈولتی ہوئی مشینری کو تیزی سے نیچے لیے جا رہی تھی۔

معاً میری نگاہ کھڑکی سے باہر گئی۔ زمین ہم سے چند سو فٹ دور رہ گئی تھی۔ اس وقت پیراشوٹ کا استعمال بے کار تھا۔ جب تک یہ پوری طرح کھلتا ہم چٹان اور ریت سے ٹکرا کر ٹکڑوں میں بدل چکے ہوتے۔ ہیلی کاپٹر اپنے وزن کے باعث گرنے کی رفتار میں تیز ہو جاتا۔

اچانک دروازہ کھلا اور پائلٹ اچھل کر ہیلی کاپٹر سے باہر کھلی فضا میں نکل گیا۔ بے ساختہ پاگلوں کی طرح میرا شوٹ میں الجھا ہوا تھا۔ ہم دونوں نے تقریباً ایک وقت باہر چھلانگ لگائی۔ میں نے تو چاہتے ہوئے بھی اضطراری طور پر پائلٹ کی پیراشوٹ کی ایک ریشمی ڈوری پکڑ لی تھی۔

میری آنکھیں بند تھیں۔ تیز اور سرد ہوا کے باعث سمندر میں میرا وجود تیزی سے نیچے چلا جا رہا تھا۔ ذہن ناامیدی کے باوجود پیراشوٹ کھلنے کے جھٹکے کا منتظر تھا۔ اچانک میرے پیروں پر چوٹ لگی اور میں تیزی کے ساتھ پانی میں اترتا چلا گیا۔ ریشمی ڈوری جھٹکے کے باعث میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔

ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں میرے ذہن نے پوری صورت حال سمجھ لی اور میں نے اپنا سانس روک لیا۔ یہ غنیمت تھا کہ میں ٹھوس زمین کے بجائے سمندر میں گرا تھا اور زمین چھونے ہی جسم کے پرخچے اڑ جاتے۔

سطح سمندر پر ابھرنے میں مجھے کتنی دیر لگی اس کا مجھے صحیح اندازہ نہیں کیونکہ بے خبری میں جسم میں داخل ہو جانے والے کھارے سمندری پانی کے باعث مجھے یہ عرصہ بہت طویل معلوم ہو رہا تھا۔ البتہ جب پانی کی سطح سے سر ابھارا تو ساحل چند سو گز دور نظر آیا۔

میں نے تیرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ سمندر کی تیز اور سرکش لہریں میرے وجود کو بازوؤں سے زیر کیے ہوئے تھیں۔ سائیکوفرنٹ کے کئی دن ہوئی بدترین جھکڑیوں میں ہاتھ جکڑے رہنے کے باعث میرے بازو تیرنے کے قابل نہ رہے تھے اور خود سے تیر کر ساحل تک پہنچنا قطعی ناممکن نظر آ رہا تھا۔

میں نے پوری قوت سے مدد کے لیے چیخنا شروع کر دیا۔ میرے اعصاب پہلے بے ہوشی کی کمزوری سے چھائی جا رہی تھی مگر میں خود کو پانی کی سطح پر رکھنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے مسلسل چیخ رہا تھا۔ کہیں قریب ہی کوئی اور بھی مدد کے لیے چیخا۔ اس کے بعد میری ساری مزاحمت ناکام ہو گئی اور میں بے ہوش ہو گیا۔

اس مرتبہ میں ہوش میں آیا تو خود کو ہسپتال کے ایک صاف ستھرے اور پرسکون کمرے میں موجود پایا۔ میرا پورا جسم درد میں جکڑا ہوا تھا۔ ایک مسلمان

میرے داہنے ہاتھ میں ٹوٹی ہوئی ڈریپ لگی ہوئی تھی جو حرکت کرنے سے ہلنے لگی۔ مجھے معمولی سی نقاہت کے سوا کوئی اور احساس نہیں تھا۔ میں نے نرس کو پکارا اور وہ ایک مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف آئی۔

"میں کہاں ہوں سسٹر؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"اکاگی کے ہسپتال میں۔" وہ بولی۔ "تم کو تیرنے والے کچھ لوگوں نے بے ہوشی کی حالت میں سمندر سے نکالا تھا۔ ہیلی کاپٹر میں تم دونوں کی امدادی پارٹی روانہ کر دی گئی تھی۔"

"ہیلی کاپٹر میں میرے ساتھ دو افراد اور بھی تھے ان کا کیا ہوا؟"

"پائلٹ محفوظ رہا۔ بس جسم پر چوٹیں آئی تھیں جو جلد ٹھیک ہو گئیں۔"

"میرے بدن پر تو کوئی ضرب نہیں آئی؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"نہیں، میں نے سنا ہے کہ تمہارے ساتھ سخت تشدد کیا گیا تھا۔ مگر یہ بڑی اچھی بات ہے کہ تم اتنی بلندی سے گر کر بچ گئے۔ ڈاکٹر کہتا ہے کہ تم خوش قسمت ہو کہ ایسے حادثے کے بعد تمہارے جسم پر کوئی خراش تک نہیں آئی۔"

تھوڑی دیر بعد مجھے اس ڈریپ سے بھی نجات مل گئی جب میں نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ میرے کمرے کے سامنے ہسپتال کا وسیع لان تھا اور باہر سڑک پر ٹریفک رواں دواں تھا۔ کچھ فاصلے پر ایک مختصر سا سبزہ زار نظر آیا جس کے آگے عمارت کا دوسرا بلاک تھا۔ مجھے دانستہ الگ کمرے میں رکھا گیا تھا۔

ہیلی کاپٹر کے حادثے کے سلسلے میں دوسرے روز ایک تحقیقاتی ٹیم ہسپتال پہنچی اور میرا بیان لیا گیا۔ وہ لوگ جلد ہی واپس چلے گئے۔ ہیلی کاپٹر کا حادثہ پورے ہسپتال میں گفتگو کا موضوع بنا ہوا تھا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ ساتھ بیٹھا سر میری سمت جس طرح ہٹا تھا اس نے زندگی کو خطرے سے بچانے کے لیے پچھلے حصے پر ہی انحصار کیا۔

آگ لگنے کے بعد ہیلی کاپٹر جزیرے سے مشرقی ساحل پر چند سو گز دور گہرے پانی میں گرا تھا۔ حادثے کا سبب ابتدائی تحقیقات کی رو سے انجن میں کوئی اتفاقی فنی خرابی کا نتیجہ تھی۔ پائلٹ بالکل صحیح سلامت بچ نکلا۔ وہ بھی سمندر میں گرا مگر خود تیر کر ساحل پر پہنچ گیا تھا۔ البتہ پائلٹ اتنا خوش قسمت نہیں رہا تھا۔ میرا شوٹ کی رسیوں میں الجھا ہونے کے باعث اسے سمندر میں گرنے کے بعد بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ میرا شوٹ ڈوب گئی تھی اور اس کے جسم پر بھی کئی جگہ خراشیں آ گئی تھیں۔

دو روز ہسپتال میں گزارنے کے بعد تیسرے دن مجھے ڈسچارج کر دیا گیا۔ استقبالیہ کمرے میں پائلٹ میرا منتظر تھا۔

"تمہارے زخم کیسے ہیں؟" اس پر نظر پڑتے ہی میں نے گرمجوشی سے پوچھا۔

"بس سفر کے قابل ہو چکا ہوں۔" وہ مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔

"یعنی سفر کا بھی ارادہ ہے؟"

"جب تک نیا حکم نہ ملے پرانا آخری حکم اسٹینڈ کرتا ہے۔" مجھے اب آہستہ آہستہ یاد آ رہا تھا کہ وہ جب تک مجھے کراچی نہ پہنچا دے گا۔ اب سفر کے قابل ہوتے ہی مجھے آخری ہدایات کی تعمیل کرنی ہے۔"

جب وہ مجھے لے کر باہر نکلے تو میں نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا اس مرتبہ بھی ہیلی کاپٹر پر ہی جانے کا ارادہ نہیں ہے؟"

"نہیں، اس بار ہمارے لیے شیشوں والی گاڑی موجود ہے۔" وہ ہنس کر بولا۔ جب ہم باہر آئے تو ایک عمدہ فیٹ کی ایمبولینس موجود تھی جس پر ریڈکراس کے نشانات نمایاں تھے۔ اس کے پچھلے حصے کے شیشوں پر سفید رنگ کیا ہوا تھا۔ ہم دونوں اس میں سوار ہو گئے اور ایمبولینس وہاں سے روانہ ہو گئی۔ اس بار میرے دل میں کوئی خوف نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ سفر بخیر و خوبی منزل پر ہی ختم ہوگا۔ ابھی تک تو میرا تجربہ یہ تھا کہ جو بھی ریڈکراس کی آڑ میں سفر کرتا ہے وہ جزیرے چھوڑنے کی آرزو کرتا ہے مگر اکاگی کی سرزمین میرے قدموں تک کھینچ لاتی ہے۔ یہ تو بالکل ناممکن سی بات تھی۔

ایمبولینس رکی تو ہم دونوں نیچے اترے۔ میرے سامنے دو پہیوں کی ایک چھوٹی سی ٹرین کھڑی تھی۔ میں نے دیکھا کہ یہ پرائیویٹ ایئرپورٹ کا رن وے تھا جس پر ایک چھوٹا سا ہوائی جہاز کھڑا تھا۔ سامنے قریب ہی ایک بھاری مال بردار ٹرک جس کا عقبی حصہ ڈھکا ہوا تھا اور عقب میں کنٹرول ٹاور کی مختصر سی عمارت نظر آ رہی تھی۔

ہم دونوں کے بعد دیگرے ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گئے۔ پائلٹ اور اس کے ساتھی پرواز سے پہلے کی تیاریوں اور دیکھ بھال میں مصروف تھے۔ ہیلی کاپٹر کے کیبن میں عملے کے علاوہ صرف دو ہی افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ ہمارے سوار ہونے کے چند منٹ بعد پائلٹ نے انجن اسٹارٹ کیا۔ کنٹرول ٹاور سے چند فقروں کا تبادلہ ہوا اور ہیلی کاپٹر فضا میں اٹھتا چلا گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ہم اتنی بلندی پر پہنچ گئے کہ کھڑکی سے پورا جزیرہ نظر آنے لگا۔ پورا جزیرہ جیسے سمندر کی گود میں ابھرے ہوئے کچھوے کی طرح نمایاں نظر آ رہا تھا۔ جزیرے پر جگہ جگہ سرسبز و شاداب علاقہ تھا۔ وسط میں پہاڑی پر ایک وسیع عمارت کا ہیولا نظر آ رہا تھا۔ شاید وہی سائیکو فورٹ تھا۔ جس کے کالی دور جزیرے کے مغربی ساحل سے ملا ہوا عمارات کا ایک طویل سلسلہ تھا جس کے اختتام پر ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ ایرفیلڈ کا آخری سرا مشرقی ساحل سے تقریباً ملا ہوا تھا۔

ہیلی کاپٹر شور مچاتا کھلے سمندر پر شمال کی سمت میں پرواز کر رہا تھا۔ نیچے سمندر کے سینے پر ابھرے ہوئے بے شمار ویران اور دلدلی جزیرے نقطوں کی طرح نظر آتے جا رہے تھے۔ پھر اچانک میری نظر مشرق کی طرف گئی اور مجھے ایک سیاہ دھبہ نظر آنے لگا۔ یہ ہندوستان کا جنوبی ساحل تھا جو جزیرہ عرب کی سرکش موجوں کے سامنے صدیوں سے ڈٹا ہوا تھا۔ میں کھوئے کھوئے انداز میں کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔ اکاگی کی جزیرہ نما قلعہ بندی کے بعد میں ایک بار پھر اپنے جیسے انسانوں میں پہنچنے والا تھا۔ سائیکو فورٹ میں بھی انسان بستے تھے لیکن وہ چلتے پھرتے روبوٹ کے مانند تھے جن کے جسم مختلف ضرور تھے لیکن ان کے سینوں میں پتھر کے دل تھے۔ وہ

جذبات سے عاری اور حکم کے غلام تھے۔ میں جب تک وہاں رہا انسانوں میں گھرا ہونے کے باوجود تنہائی کے کربناک احساس سے دوچار رہا مگر مجھے فخر تھا کہ وہ وحشت ناک ماحول اور سنگین قلعہ بھی میرے عزائم کی راہ میں دیوار نہ بن سکا۔ میرے منصوبوں میں تاخیر ضرور ہوئی مگر کامیابی میرا ہی مقدر بنی۔ میں نے ڈاکٹر جیدی سے انتقام لینے کا فیصلہ کیا اور آخرکار وہ عبرتناک موت سے دوچار ہوا۔ میں نے سائیکو فورٹ سے نکل جانے کا عزم کیا اور ڈاکٹر رانا جیسے عظیم ماہر کا پتا لگا کر جانے میں کامیاب ہو گیا۔

پھر مجھے سیتا یاد آئی۔ جدید تہذیب سے ناآشنا، پہاڑوں اور جنگلوں کے ماحول کی پروردہ وہ دلربا نازنین جسے میں نے کبھی محبت سے دیکھا اور جو محض میری خاطر اپنی قبیلے کی سرداری کو ٹھکرا دیتی اور انگریزوں کے غول میں تنہا چھوڑ آئی۔ اسے میں نے صرف اپنی زبان کی بنا پر کھو دیا تھا۔

وہ جن حالات میں کمرے سے غائب ہوئی اور بعد میں مجھے وقتاً فوقتاً اس کے بارے میں جو اطلاعات ملیں ان کی بنا پر مجھے پورا یقین تھا کہ اسے اغوا نہیں کیا گیا۔ رات کے اندھیرے میں وہ مجھ سے رخصت ہو کر چلی گئی تھی۔ میں نے کبھی اس کے احساس دلایا کہ محض اس کی وجہ سے میرا ذہن الجھا ہوا ہے اور مجھے اسے چھوڑنا ہوگا۔ غالباً اس نے اپنی خاطر میری آزادی اور میرے مستقبل کی خاطر اس نے اچانک چلے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے اپنی دانست میں میری ذات پر احسان کیا تھا مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ اس طرح وہ مجھے ناقابل برداشت روحانی کرب کے جنگل میں پھنسا رہی ہے۔ وہ میری محبوبہ تھی۔ بیوی تھی اور رحمت تھی اور رخصت کیا گیا تھی۔ اس کی موجودگی میں، میں نے کبھی اس کی اہمیت کو تسلیم نہیں کیا مگر اب مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس جیسے ہزاروں کے بغیر صندل کی ذات نامکمل تھی۔

سچی بات تو یہ ہے کہ گھری رفاقت بدترین محرومی کی کوکھ سے جنم لیتی ہے۔ کراچی میں بے شمار حسین لڑکیوں کے ساتھ بھی خوشی کو ترستا رہا تھا۔ شراب کے خمار میں ڈوب کر میں نے خود جانے کتنی لڑکیوں کو تسکین بخشا تھا مگر کسی محبت کا یقین دلایا مگر ان میں کسی نے اپنی بیوی کا انتخاب نہ کر سکا۔ میں انھیں فریب دیتا رہا اور وہ مجھے لوٹتی رہیں۔ شراب، شباب اور پیسے کا شغل مشغلہ مجھے کبھی سکون نہ دے سکا۔ میں جوا یا صحرا نوردی کی طرح ہر رات ایک نئے سراب کا پیچھا کرتا تھا مگر منزل کبھی نہ پا سکا۔

ہاں جب سیتا کے ساتھ میں نے ندیوں، پہاڑوں اور جنگلوں میں اپنی زندگی کے بدترین دن گزارے جہاں موت کے فرشتے ہر سو میری بو سونگھتے پھر رہے تھے تو پہلی بار مجھے محبت، رفاقت اور دوستی کے آسمانی جذبوں کا عرفان حاصل ہوا اور میں نے سیتا کو اپنا لیا مگر اب میری سیتا انسانوں کے ٹھاٹھیں مارتے طوفانی سمندر میں نہ جانے کہاں کھو چکی تھی۔ اس بار مجھے یقین نہ تھا کہ میں دوبارہ اس کو پا سکوں گا۔

میں یادوں اور خیالوں میں کھویا رہا۔ وقت بے قدموں گزر گیا۔ ساحل کے اس پار دھندلکوں میں روشنیاں جل اٹھیں جیسے ناامیدی میں امید کے لیے

جگمگا اٹھے ہوں۔ نیچے سمندر کی لہروں کا اضطراب رات کے اندھیرے نے نگل لیا اب وہاں غضب ناک لہروں کی جگہ ایک سیاہ چادر سی پھیلی ہوئی تھی۔

"اب ہم بمبئی سے کتنی دور ہیں؟" پہلی بار میں نے پاٹھک سے سوال کیا۔

"وہ سامنے بمبئی کی بندرگاہ ہے۔" پاٹھک نے انگلی سے ایک طرف اشارہ کیا اور بے اختیار میری نظریں اسی طرف اٹھ گئیں۔

میرے سامنے رنگ و نور کا ایک دلفریب سماں بکھرا ہوا تھا۔ بلند و بالا عمارتوں کی روشن کھڑکیاں تاروں بھرے آسمان کو جھلملا رہی تھیں۔ ان کے دامن میں تیرتی کشتیوں میں جہازوں کی کچھ قندیلیں اور بہت سی ننھی منی چنگاریاں جگمگا رہی تھیں۔ کچھ روشنیاں سمندر کے سینے پر متحرک رہی تھیں۔

ہیلی کاپٹر کی رفتار خاصی تیز تھی۔ وہ منظر لمحہ بہ لمحہ واضح تر ہوتا چلا گیا۔

پھر ہمارا ہیلی کاپٹر بندرگاہ سے باہر لنگر انداز جہازوں پر سے گزرا۔

انجن اور پنکھڑیوں کے گیس شور پر جہاز کے ہوٹر کی تیز آواز بھی سنائی دی۔ بندرگاہ پر دیو ہیکل مشینیں کرینوں کے ... جیسی نظر آرہی تھیں میں مصروف نظر آئے۔ وہاں رات کا سکوت کہیں نظر نہ آتا تھا۔ زندگی ہر طرف رواں دواں تھی۔

پھر وہ منظر پیچھے رہ گئے اور ہیلی کاپٹر آہستہ آہستہ دائیں سمت چلنے لگا۔ بلندی بھی بتدریج کم ہوتی جا رہی تھی۔ آخرکار ہم جگمگاتے علاقے پر جا پہنچے۔ پائلٹ نے جو ہیلی پورٹ کے کنٹرول ٹاور سے رابطہ قائم کیا۔ نیچے زمین سے کے اطراف میں لگی ہوئی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ کنٹرول سے کلیئرنگ سگنل ملتے ہی ہیلی کاپٹر نیچے جانے لگا۔ اس کی تیز سرچ لائٹ روشن ہوئی، وہ ایئر فیلڈ کا بڑا حصہ اس حد تک روشن ہو گیا کہ زمین پر پڑی ہوئی کیل بھی دیکھی جا سکتی تھی۔

ایئرپورٹ کے اس دور افتادہ حصے میں چند گاڑیاں نظر آرہی تھیں اور زرد وردی میں ملبوس ایک شخص ایئر پورٹ کے سفید سگنل کارڈ کو ہوا میں لہرا کر ہیلی کاپٹر کی رہنمائی کی کوشش دے رہا تھا۔

آخرکار ہیلی کاپٹر زمین سے جا لگا۔ پنکھڑیوں سے آنے والی تیز ہوا کے جھونکوں سے یہاں آندھی کا سا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ سگنل دینے والے کی وردی بری طرح پھڑپھڑا رہی تھی۔ ان ہی جھونکوں میں ہم دونوں ہیلی کاپٹر سے اترے اور تیز ہوا سے پناہ لینے کے لیے دور کھڑی گاڑیوں کی طرف دوڑ پڑے۔

یہاں پاٹھک ہلے کا استقبال کرنے والوں میں شاید سیکرٹ سروس کا ایک کارندہ بھی موجود تھا جو تکلفاً ہی نے ناموں کی حد تک لوگوں کا تعارف کرایا۔ اس موقعے پر مجھے نظر انداز کر دیا گیا۔

جتنی دیر وہ لوگ باتوں میں مصروف رہے میں نے آس پاس کا جائزہ لیا اور پھر یہ انکشاف ہوا کہ ہم ایئرپورٹ کے بجائے اس سے ملحق آرمی ہیڈ کوارٹر پر اترے ہیں۔

چند منٹ بعد میں پاٹھک ہلے کے ہمراہ ایک امپالا کار میں سوار ہوا۔ سیکرٹ سروس کے مقامی ایجنٹ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

نصف گھنٹے بعد جا کے سفر کا اختتام ایک بہت بڑے مکان پر ہوا جس کے پھاٹک پر بجے ہوئے تختی پر روشن حروف میں "ڈاکٹر راج سنگھ" کندہ تھا۔

"پاٹھک ہلے صاحب! ڈاکٹر صاحب سے ملنے آئے ہیں۔"

سیٹ پر موجود شخص نے مختصر سی بات کہی اور وہ کیبن میں چلا گیا۔ میں نے اسے کیبن میں ٹیلی فون کا چونگا کان سے لگاتے دیکھا، وہ اندر کا ہمر پر ڈاکٹر رانا صمد سے بات کر رہا تھا۔

چند منٹ بعد گارڈ نے اندر جانے کی اجازت دے دی۔

دور و یہ اونچے اونچے درختوں کے درمیان بجری کی پختہ سڑک پر ٹائروں کی آواز گاڑی کی گونج دیر تک رہی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے پر لیمپ پوسٹ لگے ہوئے تھے لیکن ان کی روشنی بہت مدھم تھی۔ باہر کا منظر نہیں کر رہی تھی۔ درختوں کے عقب میں شاید باغ تھا جہاں ادھر سے جھینگروں کا مسلسل شور گونج رہا تھا۔ ان کی آوازوں میں مینڈکوں کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔

جب ہیڈ لائٹس کی روشنی میں سامنے سڑک کا موڑ ختم ہوا، نظر آیا آپ پیچھے میں یہ سمجھ کر دیکھ رہا تھا کہ کوئی عالیشان کالونی ہے جو اس احاطے کے ایک ویڑھ فرلانگ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ قدیم طرز کی ایک بڑی سی عمارت نظر آئی جس کے برآمدے میں ڈاکٹر رانا صمد اوورکوٹ پہنے نفس نفیس موجود تھا۔

"اے لڑکے! میں تو تمہارا انتظار کرتے کرتے تھک گیا تھا۔"

اتر تے ہی رانا صمد خوشی سے چہکتا ہوا میری طرف لپکا۔ میں نے سنا تھا کہ ڈیل کا ہیرا تباہ ہو گیا تھا۔ تمہیں پڑھ میں تو تمہیں آ گئیں۔ پہلے کے ... اس والہانہ انداز میں مجھے گلے سے لگا لیا۔

"میں ٹھیک ہوں ڈاکٹر صاحب!" اس کا خلوص دیکھ کر مجھے ... سی طاری ہونے لگی۔ میرا جی چاہا کہ اس عظیم انسان کے قدموں میں گر کر اعتراف کر لوں کہ اب تک میں اسے بے وقوف بناتا رہا ہوں۔ مجھ سے ہر قدم پر دھوکا نہیں کروں گا مگر میں یہ نہ کر سکا۔

ڈاکٹر نے پاٹھک سے گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ "سنا تھا تمہیں کہیں چوٹ تو نہیں آئی؟"

"بس مقدر! مجھے تم نے بچا لیا۔" پاٹھک نے بجھی مسکراہٹ سے ... اس کے چہرے سے شکست خوردگی کی ساری علامات ظاہر تھیں۔

پھر ڈاکٹر رانا صمد سب کو لیے ڈرائنگ روم میں لے گیا۔ اسی دوران میں مجھے پتہ چلا کہ تیسرے آدمی کا نام جیکب تھا۔

اندر پہنچ کر رانا صمد میرے ساتھ گفتگو میں مصروف ہو گیا اور اپنے ساتھ لاتے ہوئے بریف کیس میں سے کچھ کاغذات نکالنے لگا۔

"ڈاکٹر صاحب! آپ یہ کاغذات پڑھ لیں۔ صفدر علی کی ... کے سلسلے میں آپ کو ان پر دستخط کرنے ہوں گے۔" پاٹھک نے کہا۔

"یہ تو پوری کتاب ہے۔" رانا صمد نے اس کے ہاتھ سے کاغذ لیتے ہوئے کہا۔ "تم زبانی خلاصہ بتا دو میں دستخط کر دوں گا۔"

"صفدر علی کا ماضی بڑا پراسرار اور مشکوک ہے۔" پاٹھک نے چبے تلے الفاظ میں کہنا شروع کیا۔ "یہ ایک دہشتی کی صورت میں ہندوستان میں داخل ہوا اور خیال کو سیکرٹ سروس کی سخت ہدایات کے باوجود صفدر نے دلچسپی بڑھانی شروع کر دی۔ قتل، رقابت گری کے متعدد واقعات میں ملوث تھا اگرچہ اس وقت بھی یہ تصدیق ہو چکی تھی کہ سیکرٹ سروس کے دو افسران کو قتل کیا جو اسے پہچان گئے تھے۔ آخرکار سیکرٹ سروس نے اسے گرفتار کر لیا مگر یہ تحویل میں ہونے کے باوجود صفدر نے وحشیانہ طریقے پر ڈاکٹر سیکرٹ سروس کے تمام واقعات سے بخوبی واقف ہیں اور صفدر علی کو پہچاننے ہیں۔ اب ہم آپ سے صرف وزارت دفاع اور خزانہ کے حکم سے رہا کیا جا رہا ہے، اب اس کی پوری ذمہ داری آپ پر ہوگی۔ صفدر کے بارے میں کسی طرح ذمہ دار ہوگی۔ یہ نہایت خطرناک اور مفرور مجرم ہے۔"

اس دوران میں رانا صمد حیرت سے منہ پھاڑے مجھے یوں گھور رہا ہے جیسے میرے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔ پاٹھک کے خاموش ہوتے ہی وہ دھیمی آواز میں بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ یہ لڑکا میرے لیے کسی پریشانی کا باعث نہیں ثابت ہوگا۔" اور اس نے پاٹھک سے قلم لے کر کاغذات پر دستخط کر دیے۔

"ان کاغذات کی ایک نقل آپ رکھ لیں۔" پاٹھک نے اپنے دستخط ثبت کرنے کے بعد چند کاغذ ڈاکٹر کے حوالے کر دیے۔

پھر کچھ دیر کے بعد ان دونوں نے الوداع کہا اور رخصت ہو گئے۔ میرے لیے یہ بات حیرت ناک ثابت ہوئی کہ اس ملاقات میں ان دونوں میں سے کسی نے سائیکوفزکس کے تلخ واقعات کا ذکر نہیں کیا۔

"آپ نے مجھے ان کے چنگل سے نکال کر مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔" میں نے گاڑی جانے کے بعد رانا صمد سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کوئی احسان نہیں کیا۔" وہ میرا شانہ تھپتھپاتے ہوئے فراخ دلی کے ساتھ بولا۔ "میں نے اپنے ضمیر کی آواز پر عمل کیا ہے۔ اگر میں تمہیں بے قصور سمجھتے ہوئے ان ساتھیوں کے رحم پر چھوڑ دیتا تو میرا ضمیر ہمیشہ مجھے کچوکے لگاتا رہتا۔ یہ احسان تو میں نے اپنی ذات پر ہی کیا ہے۔"

واقعی میں رانا صمد مجھے اپنے اسٹڈی روم میں لایا جہاں در و دیوار گھیرے الماریاں ضخیم سائنسی کتابوں سے بھری ہوئی تھیں۔

"یہ جگہ بہت پرسکون ہے۔" رانا صمد گلابی کاغذات ایک دراز میں رکھتے ہوئے بولا۔ "تم یہاں اطمینان سے اپنا کام کر سکو گے۔ ابھی کچھ عرصہ میں بھی یہاں رہوں گا۔ مرے کے دن ایکسرے جی ٹیوبل راڈ فیڈنگ سسٹم میں خرابی ہو گئی ہے۔ اس کے بعد میں تارا پور چلا جاؤں گا۔"

"تارا پور کا کام کتنے دن میں ختم ہو گا؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی کچھ اندازہ نہیں۔" وہ لاپروائی سے بولا۔ "یہ ری ایکٹر کا معاملہ ہے اہم حفاظتی نظام ہے۔ اس کے بغیر ری ایکٹر ایٹم بم ثابت ہو سکتا ہے۔" "مجھے اپنے کام میں ہر قدم پر آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہوگی۔"

"کیسی رہنمائی؟ میں تو خود تم سے کچھ سیکھنے کا متمنی ہوں!" اس نے حیرت سے کہا۔

"بمبئی میرے لیے نیا شہر ہے۔ سامان کی خریداری پھر لیبارٹری کے بے اصل ہونے کی فراہمی میرے بس سے باہر ہوگی۔ بندر میں سونے کا میں نے قانونا جرم ہے۔"

"اوہ! تم اس کی فکر نہ کرو۔ وہ سب سرکاری طور پر ہو گا۔ میرا بیٹا یہیں رہتا ہے، وہ ہر وقت تمہاری مدد کرے گا۔"

"آپ کا بیٹا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں!" رانا صمد خوشی سے بولا۔ "میں ابھی اسے بلاتا ہوں۔"

"ارشاد بیٹا!" قدرے توقف کے بعد رانا صمد نے بلند آواز میں پکارا اور مجھ پر حیرت کا شدید حملہ ہوا۔ تذکرہ بیٹے کا تھا اور نام نسوانی۔

"آئی بابا!" کسی قریبی کمرے سے سریلی سی آواز ابھری اور میری حیرت پریشانی سے بدل کر رہ گیا۔

فوراً ہی کسی کے دوڑتے ہوئے ننگے پیروں کی دھمک سنائی دی اور جب وہ دھمک اسٹڈی روم کے دروازے پر پہنچی تو میرا سانس اوپر کا اوپر، نیچے کا نیچے رہ گیا۔

دروازے میں ایک سبک اندام، دراز قامت بے حجاب شوخ صورت دلربا نازنین سیاہ جین اور جیکٹ میں ملبوس کھڑی حیرت سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کے معصوم اور شوخ چہرے پر بکھری ہوئی حیرت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے میری وہاں موجودگی کی توقع نہیں تھی۔ وہ اپنے بابا کی آواز سن کر جس حال میں تھی اسی حال میں ننگے پیروں وہاں دوڑی آئی تھی اور اب خود کو اس حال میں ایک جوان اجنبی کے سامنے پا کر بوکھلا گئی تھی۔

"آؤ بیٹا، حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ صفدر علی ہے اور اب اسی گھر میں رہے گا۔" عدسوں کے پیچھے چھپی ہوئی آنکھیں لازوال محبت کے نور سے جگمگا رہی تھیں۔

"یہ... یہ ہے صفدر علی!" وہ حیرت سے جھجکتے ہوئے بولی۔ "صورت سے تو کچھ ایسا نہیں لگتا کہ یہ سونا بھی بنا تا ہوگا!" اس کے الفاظ بیان کے ساتھ ساتھ ...

"بیٹا! تو کیا تم نے اسے مریخ کی مخلوق سمجھ رکھا تھا؟" باپ بیٹی میں حد سے زیادہ محبت کے ساتھ ہی بے تکلفی بھی پائی جاتی تھی۔

"میں تو سمجھ رہی تھی کہ یہ ڈراؤنے چہرے اور بڑے بڑے بازوؤں والا کوئی جوگی ہو گا!"

رانا صمد بے اختیار ہنس پڑا۔ "مگر یہ تو سندر سا لڑکا ہے...۔ آؤ یہاں اپنے بابا کے پاس آ کر دیکھو کیسا ہے یہ بیٹا!"

"میں جوتے پہن آؤں بابا!" وہ یہ کہہ کر جانے کے لیے مڑی مگر رانا صمد نے اسے روک لیا۔

"آجاؤ!" اس نے پکارا۔ "یہ تو دن رات یہیں رہے گا اب اس کے سامنے تکلف کیسا!"

وہ فوراں پر بیا بیٹی کی طرح آئی اور رانا منصور کے سامنے جھکی اور بوسہ دیتے
اس کا سرخ و سفید رخسار چھو لیا۔ یکایک میرے جسم میں خون ناقابل بیان گردش
کرنے لگا اور میں نے بے دلی سے اپنے ہونٹوں کو مسل ڈالا۔

وہ لڑکی غیر ضروری بے حجاب اور نیاست شگفتہ حسن کی جیتی جاگتی تھی۔

میں نے اس کی طرف سے نظریں ہٹانی چاہیں مگر وہ میرے سامنے ہی آ بیٹھی۔

"بابا! یہ کون لگ ہے کیا؟" بیٹھتے ہی اس نے مجھ پر سوال کر دیا۔

"لڑکے! تم شرمیلے ہو؟" رانا منصور مسکراتے ہوئے مجھ سے بولا۔

"تم خود اسے جواب دو ورنہ یہ تیرا سر کھا جائے گا!"

رانا منصور کی زبان سے ایسی گفتگو روشنی کے لیے مروّجہ صیغے تھے کچھ حیا
نہیں معلوم ہوا اس کے ترنگ انگ میں نسائیت بھری ہوئی تھی۔ حسن ایسا کہ
دیکھنے والا خود شرما جائے!

"زبان تو ہے!" میں نے اوشا سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اور تم سونا بھی بناتے ہو؟" اس نے شوخی سے پوچھا۔

"تمہیں اپنے بابا کی بات پر یقین کرنا چاہیے!"

وہ بیہودہ جواب پر بوکھلا گئی۔ "یقین تو ہے... بس ایسے ہی پوچھ
رہی تھی۔"

"کھانے کی میز لگواؤ۔" رانا منصور نے فوری خیال کے تحت کہا۔ "صفدر
اکیلا ہے آیا ہے بھوکا ہو گا، کھانے پر بات کر لینا۔"

اوشا وہاں سے چلی گئی۔

"میرا بیٹا میرے ہر راز کا شریک ہے۔" رانا منصور صوفے کی پشت گاہ
سے سر ٹکا کر بولا۔ "میں ہر کام میں اس سے مشورہ ضرور کرتا ہوں اور میرے
ذہن سے سارا بوجھ اتر جاتا ہے۔"

"اچھا کیا آپ نے بتا دیا۔" میں محتاط ہو کر بولا۔ "ورنہ میں تو ڈر رہا تھا
کہ کہیں کل سے اوشا کی سہیلیوں کے سامنے میری نمائش نہ شروع ہو جائے۔"

"اوشا بہت شوخ ہے مگر اس کی ذات سے آج تک کبھی بھول کر
بھی اس نے میرا کوئی راز افشا نہیں کیا۔"

پھر اس نے اپنی اور اوشا کی مختصر چند جملوں میں دردناک کہانی چھیڑ دی۔
رانا منصور کی بیوی اوشا کی ولادت کے بعد ہی چل بسی تھی۔ اس وقت رانا
جوان تھا۔ کئی لڑکیاں اس سے شادی کی خواہش مند تھیں مگر رانا منصور نے اوشا کی خاطر
ایسے ہر رشتے کو ٹھکرا دیا۔ اس نے جہاں اوشا کو باپ کی شفقت دی وہیں
ماں بن کر اسے پروان چڑھایا۔ اسے بہترین اداروں میں تعلیم دلائی۔ وہ بیرونی
دورے پر جاتا تو اوشا اس کے ساتھ رہتی۔ رانا منصور کو دنیا کی ہر
شے سے زیادہ اپنی لاڈلی سے پیار تھا۔ گفتگو کے دوران ہی میں نے اندازہ لگا لیا
کہ رانا منصور کے ذہن کے کسی گوشے میں اوشا کی شادی کا تصور نہیں تھا۔ وہ یہی
سوچتا تھا کہ اوشا سدا اس کے ساتھ رہے گی۔

کھانے کے دوران میں اوشا کی زبان چلتی رہی۔ تھوڑی ہی دیر میں
میری جھجک بھی دور ہو گئی اور ہم پرانے دوستوں کی طرح بے تکلفی سے
باتیں کرنے لگے۔ پتہ بھی نہ چلتا تھا کہ کون باپ ہے اور کون بیٹی [illegible]
مغرور ناگن... جسے مقدر نے رانا منصور کی گود میں ڈال دیا تھا۔

اس رات میں سنجیدگی سے اپنے مستقبل کے بارے میں [illegible]
خوابوں میں گم تھا تاریک مستقبل میری بے چینی بڑھا رہا تھا [illegible]

جس رات کراچی کے ساحل سے دور میری لانچ [illegible]
جوئے میں سب کچھ ہار کر وہ میرے سکون کی آخری رات تھی [illegible]
بچپن سے پراسرار علوم داستہ سوزش کو اور ادبی کے بعد میں نے [illegible]
منتخب کی اور اعلیٰ تعلیم کی اسی راستے پر دوڑا جا رہا تھا [illegible]
سے اپنے دل کو ٹٹولا اب میں کس بات کی طلب کر رہا تھا [illegible]
شن سیتا کا نام ذہن میں چمکنے لگا۔ اگر سیکرٹ سروس [illegible]
تک میں پارس پتھر سمیت سرحد عبور کر کے پاکستان پہنچ جاتا [illegible]
اپنا گھر بسا لیا ہوتا۔ اپنا گھر آزادانہ دل اور اپنے بچے — [illegible]
آرزو تھی جو اب کہیں دور کھو کر رہ گئی تھی۔

مگر اب سیتا کہیں کھو چکی تھی۔ اس کی یادیں ہی باقی رہ گئی تھیں [illegible]
میں قانون کے خوف سے بچا لیا گیا تھا اور رانا منصور کی پناہ [illegible]
کتاب کے اندر اوراق کی صورت میں اس کے سامنے [illegible]
کے طلسم میں پھنس کر اس نے ان حقیقتوں کو ٹھکرا دیا تھا [illegible]
کے جواب میں رانا منصور نے میرے ساتھ جو مہربان رویہ اختیار کیا [illegible]
قدموں کی زنجیر بنتا جا رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ [illegible]
رہ کر بھی اسے دغا دے کر ہندو سے فرار ہو سکوں گا [illegible]
دیتا تو میرے مستقبل کا جواب ضرور تھا مگر وطن سے دور [illegible]
میں کبھی سکون سے نہ رہ پاتا... میری جان میرے [illegible]
تصور پر چھائے تھیں۔ ہندوستان میں سب کچھ [illegible]
سار رہتا... پھر شاید کسی موڑ پر اوشا کی محبت [illegible]
کی کمی بھی مگر سیتا کی محبت کا یہ کوئی مول نہ تھا۔

پھر اچانک مجھے پارس پتھر یاد آیا۔ وہ میرا [illegible]
قبضے میں نہ تھا۔ میں ہندوستان کے ایک سب سے [illegible] بیٹھا تھا [illegible]
میرے [illegible] ایک الماری کے [illegible]
رانا منصور کے پاس سے بھاگ نکلنا [illegible] ہندوستان [illegible]
کا تصور بھی محال تھا جبکہ ممبئی سے [illegible] کے طویل سفر [illegible]
تھے۔ ساتھ ہی کورٹ میں میری ہر شناخت موجود تھی [illegible]
میری بے شمار تصاویر لی گئی تھیں۔ انگلیوں کے نشانات لیے گئے [illegible]
کر کے میرے جسم پر موجود ہر نشانی کا ریکارڈ تیار کیا گیا [illegible]
دوران میں یہ بھی نوٹ کر لیا گیا کہ میری [illegible]
ہے جو میں نے عرصہ دراز قبل [illegible] کے سبب [illegible]
ریکارڈ کی موجودگی میں میرا بچنا محال نظر آتا تھا [illegible]
کر رکھا تھا سیکرٹ سروس والے مجھے رانا منصور کے حوالے کر کے [illegible]

[illegible] مگر وہ مجھ سے اچھی طرح واقف تھے۔ وہ اور پوشن راہ گھر
[illegible] پوشیدہ آنکھیں حیرانی سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔
[illegible] رانا صاحب مجھے ذہن میں آتے ہی تک میں خود
[illegible] ہندو سرکار کے خزانے کے لیے مصنوعی سونا
[illegible] خاموشی پوشیدہ آنکھوں کو مطمئن کرتے اور جب تک میری
[illegible] آزادانہ فیصلہ کر سکوں۔

[illegible] رانا منصور میرے جاگنے سے قبل ہی جا چکا تھا۔ ملازم نے اطلاع
[illegible] کی فوج اس عمارت میں پھیلی ہوئی تھی۔ ان میں
[illegible] اور دارو غہ صفائی ہر بہت بھی۔
میں ناشتے ہی میں مصروف تھا کہ اوشا آ گئی۔

"صبح بخیر مس اوشا!" میں نے ملائم مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"صبح بخیر! رات آرام سے تو سوئے؟" اس نے میری [illegible]
[illegible] بیٹھتے ہوئے کہا۔

"نئے ماحول میں پہلی رات گھر سے باہر ایسا ہی رہتا ہے!"

"مگر تمہیں مطمئن لگتا ہے!" اس کے چہرے پر [illegible]
[illegible] ہی غائب ہو گئی۔

"اوہ یہ... روانی میں کہہ گیا۔" میں نے سنبھل کر وضاحت کی۔ "میرا
مطلب تھا کہ نئی جگہ ہے ایک دو دن میں عادی ہو جاؤں گا۔"

اس کے حسین چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی [illegible] آرائش
[illegible] آئندہ اس بارے میں سوچ کر تبصرہ کرنا؟"

"ڈیڈی کہاں ہیں؟"

"وہ جا چکے ہیں۔ تم میرے ساتھ خریداری کے لیے چل رہے ہو، بابا
[illegible] آئیں گے ہمیں ان سے پہلے لوٹ آنا ہے۔"

ناشتے کے بعد میں اوشا کی گاڑی میں وہاں سے چل دیا۔

ممبئی کی سڑکیں بھانت بھانت کے لوگوں اور ٹریفک کے اژدہام
[illegible] بھری ہوئی تھیں۔ اوشا ماہرانہ انداز میں گاڑی چلاتی اور مجھ سے باتیں
[illegible] کرتی رہی۔

سب سے پہلے وہ مجھے [illegible] ڈپارٹمنٹل اسٹور میں لے گئی۔ وہاں
[illegible] میرے لیے بہت سے ریڈی میڈ
[illegible] شیو کا سامان [illegible] وہ مسلسل خریدے
[illegible] رہا تھا۔

"روشن تمہیں جیسے کم سے کم ساری زندگی ساتھ رکھنے کا فیصلہ
[illegible] اسٹور کے ایک گوشے میں تنہائی پا کر میں نے کہا۔

"تو کیا تمہارا یہاں سے بھی بھاگنے کا ارادہ ہے؟" اس نے برجستہ
[illegible] مجھے خاموش کر دیا۔

شاید رانا منصور کے لیے ساری خریداری وہی کرتی تھی [illegible]
[illegible] اس نے [illegible] پر ملا دی ہے۔

اسی دوران میں اچانک میری نظریں دو قوی ہیکل آدمیوں پر پڑیں جو اسٹور کے
ایک ستون کی آڑ میں کھڑے تھے۔ سیکرٹ سروس کے ایجنٹ جیلب کو میں
فوراً پہچان گیا۔ وہ میری طرف اشارہ کر کے دوسرے آدمی کو کچھ بتا رہا تھا۔
میرے گھورتے ہی وہ پھرتی سے سامان سے لدی الماریوں کے درمیان گھس
گیا۔ دوسرے نے بھی اس کی تقلید کی۔

میں دوسرے آدمی کا چہرہ تو نہ دیکھ سکا البتہ اس کی چال میں کچھ
لنگڑاہٹ ضرور محسوس کی۔ وہ سرخی رنگ کے دھاری دار سوٹ میں ملبوس تھا۔

میں نے اوشا سے اس قصے کا کوئی ذکر نہ کیا اور بل ادا کر کے ہم اسٹور
سے باہر آ گئے۔ اسٹور کے ملازمین نے سارا سامان پچھلی نشست پر ڈھیر کر دیا۔

پھر گاڑی کا رخ جدید بازاروں سے زیورات کی طرف ہو گیا۔ ایک
جگہ گاڑی پارک کرنے کے بعد اوشا نے بتایا کہ اب ہمیں کیا کرنی ہے زیورات
کی خریداری کرنی ہو گی۔

ممبئی کے بازاروں میں حسن کے جلووں کی کمی نہ تھی۔ منی اسکرٹ، منی
ساڑی، جینز، قمیص شلوار، کھلے گلے کے ملبوسات [illegible] موجود تھا مگر اوشا میں
کچھ ایسی بات ضرور تھی کہ لوگوں کی نگاہیں رک رک کر اس کا پیچھا کرتیں۔ دیر تک
دکان دکان خاک چھاننے کے بعد ہم لدے پھندے واپس ہوئے۔

سارا وقت میری بے چین نظریں ہر طرف جیلب اور سرخی سوٹ والے لنگڑے
کو ڈھونڈتی رہیں جو ڈپارٹمنٹل اسٹور میں جیلب کے ساتھ راز و نیاز میں مصروف
نظر آیا تھا۔

ہماری غیر موجودگی میں رانا صاحب نے ڈاکٹر کو فون کر رکھا تھا کہ وہ دیر سے
گھر لوٹیں گے۔ لہٰذا میں اوشا کے ہمراہ مکان کے [illegible] میں مصروف ہو گیا۔ میں جلد
سے جلد ڈاکٹر رانا منصور پر اپنے تجربے کی سچائی ثابت کرنا چاہتا تھا لہٰذا ایک
کمرے کا انتخاب کرنے کے بعد میں نے بھٹی وغیرہ لگانی شروع کر دی۔

یہ کمرہ عمارت کے آخری حصے میں واقع تھا۔ اس کی کھڑکی عقبی حصے
میں کھلتی تھی جہاں ویران [illegible] تھا جہاں روشنی کا بھی کوئی بندوبست
نہیں تھا۔

"پتہ نہیں تم نے بابا پر کیا جادو کیا ہے کہ وہ ہر وقت تمہارا دم بھرتے رہتے ہیں!" اوشا میرا ہاتھ چلاتے ہوئے اچانک بولی۔

"تمہارے بابا بہت سیدھے اور سچے انسان ہیں انھوں نے اپنی آنکھوں سے میری مظلومیت دیکھی اور میری مدد پر تل گئے!"

"مجھے تو تم بھی اول درجے کے مکار لگتے ہو!" وہ کھلکھلاتا ہوا قہقہہ مار کر بولی۔

"تمہارا سایہ پڑنے لگتا ہوگا؟"

"میں مکار ہوں؟"

"ہاں!" میں نے اس کی نظروں میں نظریں ڈال کر کہا "بابا کے سامنے وہ دودھ پیتی بچی بنی رہتی ہو اور جب تنہا ہوتی ہو تو خرانٹ بڑھیوں کے سے رویے کا اظہار کرتی ہو!"

"بابا میرے مزاج شناس ہیں۔ ان کی موجودگی میں میں ہر فکر سے بے نیاز ہو جاتی ہوں۔" وہ بولی۔

"اور اکیلے میں کیا پریشانیاں گھیر لیتی ہیں؟"

اس نے نظریں جھکا لیں اور ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولی "بابا نے مجھے ایسی تربیت دی ہے کہ مجھ میں بلا کی خود اعتمادی ہے مگر بنیادی طور پر میں ایک لڑکی ہوں۔ باپ کے پکارنے سے لڑکا تو نہیں بن سکتی۔ ہمارے معاشرے میں لڑکی کا ذرا بھی غیر محتاط رویہ بے شمار مصائب کو دعوت دے بیٹھتا ہے۔"

"تمہیں اپنی اس کمزوری کا احساس ہے؟"

"بہت شدید!" وہ بولی اور میرا دل دھڑک اٹھا۔

"تو اس کا علاج کیوں نہیں کرتیں۔ کہو تو میں بابا سے بات کروں؟"

"کیا؟" اس نے بڑی بڑی سرمگیں آنکھیں اٹھا کر میری طرف دیکھا۔

"شادی کیوں نہیں کر لیتیں؟"

"شٹ اپ!" وہ بگڑ کر بولی۔ "تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تم سے شادی کر لوں گی! خرابی تو یہی ہے کہ جس سے بے تکلفی سے بات کرو وہ شادی کرنے پر تل جاتا ہے!"

"میں شادی شدہ ہوں!" میں نے ہمت سے کہا "میرا یہ مقصد نہیں تھا۔"

"کیا؟" حیرت سے اس کا منہ کھلا رہ گیا۔

اس وقت باغ میں کھلنے والی کھڑکی کے باہر مجھے خشک پتوں کے چرچرانے کی ہلکی سی آواز آئی۔ میں دوپہر کو جیکب کے ساتھ سرخ موٹ والے لٹھ کو دیکھنے کے بعد سے لاشعوری طور پر بہت زیادہ محتاط تھا لہٰذا چیتے کی سی پھرتی سے کھڑکی کی طرف لپکا۔

کھڑکی سے باہر گھپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ وہاں جو بھی تھا کھڑکی پر پڑا ہوا دیکھتے ہی باڑھ کی طرف لپکا اور میں نے اسے لڑکتے ہوئے کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا دی۔

باڑھ چند گز کی دوری پر تھی۔ باغ میں گھسنے کی کوشش میں وہ جھاڑیوں میں الجھ کر گرا اور میں اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اس پر ٹوٹ پڑا۔

ہم دونوں ایک دوسرے سے الجھے ہوئے خشک جھاڑ زار میں [illegible] اس نے کسی وحشی بھیڑیے کی طرح غرا کر میرے چہرے پر [illegible] رسید کی اور میری گرفت اس پر کمزور پڑ گئی۔

اس نے نہایت پھرتی سے مجھے ایک طرف اچھالا اور [illegible] باغ میں گھستا چلا گیا۔ میں نے سر جھٹک کر اپنے منتشر حواس [illegible] قدموں کی دھمک کے تعاقب میں خشک پتوں کو مسلتا ہوا [illegible]

پھر تاریکی میں اس کا بھاگتا ہوا ہیولا مجھے نظر آیا [illegible] دوڑتے دوڑتے اچانک وہ پلٹا۔ ایک زبردست دھماکے سے فضا [illegible] جیسے پھیپھڑے اچانک خالی ہو گئے اور گولی چند انچ کے فاصلے [illegible] کے ساتھ گزر گئی۔ میں بے اختیار لیٹنے کے لیے زمین پر گر گیا۔

اسی اثنا میں حملہ آور کے قدموں کا شور دور ہوتا [illegible]

پھاٹک کی طرف سے سنتریوں کی تیز سیٹیوں کا شور [illegible] عمارت میں بھی اچانک ہی چلی خوفزدہ چیخیں گونجیں [illegible] آواز تھا [illegible] وہ ہذیانی انداز میں مسلسل مجھے پکار رہی [illegible]

"میں زندہ ہوں!" میں زمین سے اٹھتے ہوئے چلایا [illegible] مسلح حملہ آور کے تعاقب میں اس ویران اور سنسان [illegible] اس وقت موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

اندھیرے میں واپس لوٹتے ہوئے میں نے [illegible] ٹھوکر کھائی تو وہاں جان کی کمی محسوس ہوئی۔ وہ جو بھی تھا [illegible] کی طرح خائف و قصور رہا۔

میں کھڑکی کے راستے اندر پہنچا تو اوشا کو [illegible] "گولی تمہاری پیشانی پر لگی ہے [illegible] کون تھا وہ [illegible]" ملازموں کی بھیڑ نے مجھے گھیرے میں لے لیا تھا۔

سخت کوفت اور تکلیف کے باوجود میں [illegible] لگی ہوتی تو میں زندہ نہ ہوتا۔ یہ معمولی سا زخم ہے!"

"تم نے اسے پکڑ تو نہیں لیا تھا؟"

"ابھی بتاتا ہوں ملازموں کو واپس بھیج دیجیے!" [illegible] سہلاتے ہوئے کہا پھر اچانک ہی مجھے ایک خیال آیا [illegible] لوٹتے ہوئے ملازموں کو واپس بلا لیا "کیا سب لوگ موجود ہیں؟"

بے چینی اور خوفزدہ نظروں نے بھیڑ کا جائزہ [illegible] ہوئی پھر مشترکہ جواب ملا "جو رجو نہیں ہے۔"

"اسے تلاش کر کے پکڑ لو!" میں نے [illegible]

وہ چلے گئے تو میں اوشا کو اس قصے کے بارے میں [illegible] نظر میں کھڑکی سے باہر ویران باغ میں [illegible] چمکاتے سیٹیاں بجاتے چکراتے پھر رہے تھے۔

اسی وقت باغ میں ایک اور فائر ہوا اور [illegible] انسانی چیخ سے گونج اٹھی۔ اوشا چیختی ہوئی مجھ سے [illegible] سے ہٹی۔ اس کا پورا بدن خوف سے کانپ رہا تھا!

[illegible] رات اول اس قدر سنسنی خیز اور ہولناک تھا کہ مجھے [illegible] اپنی آغوش میں ڈوبتی ہوئی [illegible] اوشا کے [illegible] بالکل محسوس نہ ہو سکا۔ دہشت اور بے [illegible] جو اس وقت میرے ذہن پر مسلط تھے!

[illegible] کھڑکی سے ویران اور تاریک باغ اب بھی نظر آ رہا تھا۔ مسلح [illegible] کے ناچتے ہوئے روشن دائرے ادھر ادھر نمودار ہو کر غائب [illegible] خطرے کی علامت تھا۔ اس کا مطلب تھا [illegible] ابھی تک اسی ویران اور تاریک باغ کے کسی جھنڈ میں چھپا ہوا تھا [illegible] سکتا تھا۔

[illegible] انسانی چیخ یقینی طور پر باغ میں ایک قتل [illegible] ہو چکی تھی [illegible] گولی چلنے کے بعد ہی چیخ گونجی تھی اور چیخ بھی اسی کی تھی [illegible] سناٹا [illegible] خوفزدہ ہو کر یک بیک خاموش ہو چکے تھے اور [illegible] بے نقل و حرکت کسی آہٹ کی تلاش میں تھے۔

اس رات مکان کے کسی قریبی حصے سے چند ملی جلی خوفزدہ آوازیں اور [illegible] سنائی دیں اور پھر ملازموں کی دہشت زدہ [illegible]

[illegible] میں اچانک چیخا اور کھٹکے کی چند آوازوں کے ساتھ ہی وہ کمرہ اندھیرے میں ڈوب گیا۔

[illegible] ہونے کے باعث سب لوگ چھپے ہوئے قاتل کے [illegible] تاریکی پھیلانے پر مجبور [illegible] خطرہ ٹل گیا تھا۔

"سب لوگ نیچے بیٹھ جاؤ ورنہ کسی بھی کھڑکی میں سوراخ ہو سکتا ہے!" [illegible] ان سب کو ہدایت دی اور خود بڑی بے جگری کے ساتھ اوشا [illegible] بنانے لگا۔ وہ خوف کی شدت سے بے ہوش ہو چکی تھی۔

"نا بیٹا چھوڑو!" میں نے دبی آواز میں پوچھا۔

"نہیں [illegible]" کی کانپتی ہوئی آواز سنائی دی "ہم مکان سے نکلے [illegible] کی دوسری آواز سنائی دی اور ہم واپس [illegible] پلٹ پڑے!"

"[illegible] بے ہوش پڑی ہیں! میں باہر جا رہا ہوں۔ میری واپسی تک [illegible] سب اسی کمرے میں رکے رہنا!" میں کسی چوہے کی طرح کھڑکی کی طرف [illegible]

"ٹھہرو [illegible] بابو!" وارڈ صفائی جوبرٹ کی [illegible] آواز [illegible] "ہو جان کو خطرہ ہے!"

[illegible] انتظامیہ نے اپنے ملازمین کو میرا نام موہن کانت [illegible] سب مجھے اسی نام سے پکارتے تھے!

"ہو سکتا ہے کہ [illegible] کی مدد حاصل [illegible] زندگی بچا سکے! بزدلوں کی طرح ہم کب تک اس کمرے میں بند رہیں گے!" میں نے کہا۔

اندھیرے میں کوئی میری طرف لپکا اور میرا بازو پکڑ لیا "وہ آخری چیخ موہن بابو!" جوبرٹ کی سرگوشیانہ آواز سنائی دی "اب تک وہ ہو چکا ہوگا اگر قاتل ابھی باغ میں ہے تو [illegible] اور باہر کی مسلح سنتری بھی ادھر موجود ہیں۔ اندھیرے میں دوست دشمن کی تمیز نہیں ہوتی۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی سنتری دھوکے میں تم پر گولی چلا دے!"

اس کے شبہات معقول تھے لہٰذا میں رک گیا۔

باہر جھینگروں کا شور ایک بار پھر شروع ہو چکا تھا مگر سنتریوں کی سیٹیوں کی کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ شاید وہ ابھی تک جانوں کے خوف سے کہیں دبکے پڑے تھے۔

پھر اچانک ہی مجھے [illegible] نشست گاہ کی طرف لپکا [illegible] نمبر ڈائل کیا تو دوسری طرف گھنٹی بجنے کی آواز آتی رہی مگر کسی نے ریسیور نہیں اٹھایا۔ میں نے سلسلہ منقطع کر کے دوبارہ نمبر ملایا تو فوراً ہی ایک بوکھلائی ہوئی خوفزدہ سی آواز ریسیور میں سنائی دی۔

"مسٹر [illegible] کچھ باغ میں ہے [illegible] ایک لاش پڑی ہوئی ہے!"

"تم دونوں کہاں غائب تھے؟"

"دوسرا فائر ہوتے ہی ہم چھپ گئے تھے سرکار! اندھیرے میں بڑی مشکل سے لاش تک پہنچے ہیں بھولا! [illegible]"

"تم اپنے کیبن میں ٹھہرو۔ میں ادھر آ رہا ہوں!" میں نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں کمرے میں واپس لوٹا تو اندھیرے میں آہٹ تھی۔ ملازمین نے اوشا کو خوابگاہ میں لے جا [illegible] اس کمرے میں میرا انتظار کرتی رہی۔

میری دانست میں اب وہاں اندھیرا رکھنا حماقت ہی تھا۔ باغ کا معرکہ نمٹ چکا تھا مرنے والا مر گیا تھا اور قاتل بھی یقیناً بھاگ نکلا تھا لہٰذا میں نے کمرہ روشن کر دیا۔

روشنی میں اوشا کو دیکھتے ہی مجھے شدید ذہنی صدمہ پہنچا۔ اس کا گلابی شہابی چہرہ خوف سے زرد پڑا ہوا تھا۔ بڑی بڑی سرمگیں آنکھیں گزرے ہوئے واقعات کی دہشت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ روشنی ہوتے ہی [illegible] کانوں میں پھر اچانک اوشا کی نگاہیں میرے چہرے پر پڑیں اور وہ بے اختیار سسک کر رو پڑی۔

"اوشا بی بی! ہمت سے کام لو!" جوبرٹ نے گھبرائی ہوئی ہمدردانہ آواز میں اپنی مالکن کو دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

"رونے کی ضرورت نہیں۔ اس حادثے سے تمہارے اعصاب متاثر ہوئے ہیں۔ کمرے میں جا کر آرام کرنے کی کوشش کرو!" میں نے [illegible] سہلاتے ہوئے نرم آواز میں کہا۔

وہ روتے روتے اچانک خاموش ہو گئی اور دھیمی آواز میں بولی "میں یہاں اکیلی نہیں رہوں گی۔ تمہارے ساتھ باہر جاؤں گی!"

"تم کہاں تھیں جاوشنا!" میں نے اُسے بھی اُچکا یا۔ سلمیٰ ملازمین
قہا خانے پاس موجود تھیں۔ میں تو رابرٹ کو لینے جا رہا ہوں۔"
"میں تمہیں یہاں جانے دوں گی، حملہ آور ابھی باہر لان میں چھپے ہوئے
ہیں، وہ تمہیں دیکھتے ہی گولی مار دیں گے۔" دوشنا کی آنکھوں میں
جھانکتے ہوئے بولی۔
"میں نے ابھی انٹرکام پر ایک سنتری سے بات کی ہے، وہ بڑا پریشان
تھا۔ حملہ آور بھاگ چکے ہیں اور باغ میں ایک شخص زخمی حالت میں بے ہوش
پڑا ہوا ہے۔"
"تم پولیس کو کیوں نہیں بلاتے، وہ خود سب دیکھ لیں گے۔"
"تم پولیس کو فون کرو، میں پھاٹک تک جا رہا ہوں، بچوں کی بھی
خبر لو۔"
اس بار وہ کچھ نہ بولی اور تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اس کمرے سے
نکل گئی۔
میں نے ملازمین کو دوشنا کا خیال رکھنے کی ہدایت کی اور خود رابرٹ
کے کمرے کی جانب چل دیا جہاں ارجن سنگھ کی ڈیوٹی رہتی تھی۔
چند ہی منٹ میں میں پھاٹک پر جا پہنچا۔ سنتری ارجن سنگھ رائفل
سنبھالے کیبن کے باہر بے چینی کے ساتھ میرا منتظر تھا۔
"وہ دوڑ گئے مہرن بابو!" میرے آتے ہی ارجن سنگھ کی زبان
مشین گن کی طرح چل پڑی۔ "پہلے فائرنگ ہوئی، پھر ہم دونوں للکارتے ہوئے
اندھیرے میں باغ میں گھسے۔ ہمیں دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک سنائی
دی۔ پھر دوسرا فائر ہوا، ایک چیخ سنائی دی اور کسی کے زمین پر گرنے کا
شور۔ دھپ سی آواز سنائی دی، اسی وقت بھوجا نے ایک سائے کو دیوار
پھلانگ کر باہر کودتے دیکھا، وہ اس کی طرف لپکا مگر بھوجا کچھ نہ کر سکا۔
[illegible] ہم جب تک وہاں پہنچے گھونسا
کے پاس بے ہوش پڑا ہے۔"
"وہ کہاں پڑا ہے؟"
ارجن سنگھ نے بتایا کہ وہ باغ میں گھنی جھاڑیوں کے پاس بے ہوش پڑا ہے جسے
جھاڑیوں اور گھنی بیلوں کی وجہ سے پہلے ڈھونڈنا مشکل ہو رہا
تھا۔ ارجن سنگھ کے پاس ٹارچ تھی جس کی روشنی میں ہم اسے پہچان چکا تھا۔
تھوڑی ہی دیر میں ہم وہاں جا پہنچے۔
لاش پر روشنی پڑتے ہی میں چونک پڑا۔ اس کے ملبوس پر بھی جگہ جگہ خون کے دھبے
واضح نظر آ رہے تھے جو کسی طرح خون اور مٹی میں لتھڑ چکا تھا۔ اچانک میرے
ذہن میں کچھ یاد آیا۔ یہ وہی شخص تھا جسے میں نے دوپہر کے وقت جیکب اور دوشنا
کے ہمراہ ریستوران میں دیکھا تھا۔
یہاں میں نے اسی سیکرٹ سروس کے مقامی ایجنٹ جیکب کو اسی
قسم کے سوٹ میں ملبوس ایک شخص کے ہمراہ ہوٹل کی لابی میں گفتگو کرتے دیکھا تھا۔
اس کے چہرے کو دیکھتے ہی مجھے شبہ ہوا تھا کہ جیکب نے اس سے بات میں کچھ بتایا تھا۔

دوراب اسی قسم کے سوٹ میں ملبوس ایک اور شخص [illegible]
چیخی جس کا بھی کوئی کرنے والا یقینی طور پر وہی آدمی تھا جو
ہمراہ دیکھا تھا مگر اس کی موت کا سبب بیرونی کے ناقابل [illegible]
اسے کیسے پتا چلا اور مارنے والا کون تھا؟
میں ان سوالات پر جتنا غور کرتا، اتنا ہی الجھتا جاتا۔ یہ
والا وہی تھا جسے دوپہر کو میں نے جیکب کے ہمراہ دیکھا تھا۔ [illegible]
کسی طرح سیکرٹ سروس سے وابستہ تھا۔ شاید جیکب نے [illegible]
مامور کیا تھا، مگر میں سیکرٹ سروس والوں سے چوکنا [illegible]
میں آ چکا تھا کہ جیکب کے اندیشوں کے مطابق سیکرٹ سروس [illegible]
کا تعلق اختیار نہیں کی تھی۔ وہ ماسکو کی طرف سے بھی [illegible]
بے چین تھے۔ شاید انہیں یقین تھا کہ کبھی میری کوئی چال [illegible]
میں سے معلومات حاصل کرنے کو خوش ہی تھی [illegible]
تھا۔ وہ ہدایات کے مطابق وہ دیکھنے آیا [illegible]
بھی تیار تھا۔ روز ہاؤس میں کیا چکر چلا رہا ہوں یہاں [illegible]
آئی تھی مگر اس کے قتل کا معمہ نہایت پیچیدہ تھا۔ [illegible]
بھر زیادہ ہو گیا تھا جو سیکرٹ سروس والوں کے خوف سے بچا ہوا تھا۔
ہم لوگ دشمن کو چھوڑے بغیر وہاں سے ہٹ گئے۔ [illegible]
پاس گیا تو میں ارجن سنگھ اور رابرٹ کے ہمراہ [illegible]
کی آمد کا منتظر رہا۔
پھر اچانک دوشنا نے انٹرکام پر مجھے بلایا۔
"تم وہاں کیا کر رہے ہو؟ مجھے یہاں اکیلے ڈر لگ رہا ہے!"
میں نے ریسیور اٹھایا تو دوشنا کی تیز آواز سنائی دی۔
"کیا تم نے پولیس کو فون کر دیا؟" میں نے پوچھا۔
"ہاں — وہ آنے ہی والے ہوں گے، تم واپس آ جاؤ۔"
"میں یہاں ڈاکٹر صاحب کا انتظار کر رہا ہوں!" میں نے
کہا۔ "باغ میں ایک آدمی زخمی اور بے ہوشی کی حالت میں پڑا ہے۔"
"اوہ بھگوان!" اس کی سہمی ہوئی آواز ابھری۔ [illegible]
"ابھی کچھ پتا نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "ہم نے اسے [illegible]
ڈاکٹر ہی بتائے گا کہ وہ زندہ ہے یا مر چکا ہے۔"
"مہرن! میں تمہاری منتی کرتی ہوں، لوٹ آؤ [illegible]"
خوفزدہ آواز سنائی دی۔ "مجھے ڈر لگ رہا ہے!"
اسی وقت پھاٹک پر ڈاکٹر راماشند کی کار کی روشنی [illegible]
میں جلدی سے بولا۔ "ڈاکٹر صاحب آ گئے، ابھی آتا ہوں۔"
یہ کہہ کر میں نے سلسلہ منقطع کر دیا!
ڈاکٹر راماشند نے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں [illegible]
گاڑی روکی تو تیز آواز میں ارجن سنگھ سے کچھ [illegible]
ہمراہ رابرٹ پر پڑی اور وہ گاڑی سے اتر کر قریب آ گیا۔

"چلو، کیا ہوا ہے یہاں؟" وہ کار سے اُترتے ہوئے بولا۔
"جی، آپ کا انتظار کر رہا تھا۔" میں پھیکے انداز میں مسکرایا۔
"تمہاری پیشانی بھی زخمی ہے!" وہ چونک کر میری طرف لپکا۔
"میرے پاس ایک بری خبر ہے ڈاکٹر صاحب!" میں نے قدرے جھجکتے ہوئے
کہا۔ قتل کی اطلاع دے کر میں اس بوڑھے کے حواس زائل کرنا
نہیں چاہتا تھا۔
"کیسی خبر؟ کیا ہوا؟ اوشنا بیٹا کہاں ہے؟" راماشند نے بڑی احتیاط
سے اضطراری طور پر میرا گریبان مٹھیوں میں جکڑ
لیا۔ اس کی آنکھوں میں ناقابل بیان کرب سمٹ آیا تھا۔ عدسوں کے پیچھے
آنکھوں میں دہشت سمٹ آئی تھی۔
"اوشنا بالکل خیریت سے ہے!" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "وہ اپنے
کمرے میں آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔"
میرے گریبان پر راماشند کی گرفت قدرے ڈھیلی پڑ گئی۔ چہرے پر ایک
سکون پھیل گیا۔ "اگر اوشنا بیٹا خیریت سے ہے تو کوئی خبر بری نہیں ہو سکتی۔
باقی حادثات انسانی زندگی کا ایک حصہ ہوتے ہیں۔ ہاں تو کیا خبر ہے
تمہارے پاس؟"
"آج کچھ لوگ چوروں کی طرح روز ہاؤس میں گھسے تھے!" میں نے
ایک ہی سانس میں پورا قصہ بیان کرنے سے گریز کرتے ہوئے کہا۔
"ارجن اور بھوجا کیا کر رہے تھے؟" راماشند غصے میں بولا۔ "کیا وہ
بچ نکلے یہاں سے؟"
"باغ میں ایک لاش پڑی ہوئی ہے!"
"واقعی؟" راماشند کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "تفصیل سے بتاؤ،
پہلے بتاؤ کہ یہ سب کیسے ہوا، کون گھسا تھا اندر؟"
میں نے اپنی جانب سے کسی قسم کے اضافے کے بغیر پورے
واقعات تفصیل سے سنا دیے۔ [illegible] جیکب اور مقتول کے تذکرے
سے گریز کیا۔
"یہ عجیب بات ہے۔" ڈاکٹر بہت پریشان ہونے پر بولا۔ "ہو سکتا ہے
حملہ کرنے والے تعداد میں دو ہوں۔ ایک جائزہ لینے اندر گیا ہوگا
اور دوسرا پھاٹک کے قریب رہا ہوگا۔ پہلے نے دوسرے کو قریب آتے دیکھ کر
دشمن سمجھ لیا ہوگا۔ [illegible] غلط فہمی میں کسی مغالطے کا شکار ہو کر روز ہاؤس
والوں کا آدمی سمجھ کر اس نے بے سوچے سمجھے اس کا کام تمام کر دیا۔
چلو، ذرا مرنے والے کا جائزہ تو لے لوں!"
ہم دونوں لاش کے قریب پہنچے۔ ڈاکٹر راماشند میری توقع سے زیادہ مضبوط
اعصاب کا مالک تھا۔ اس نے جھک کر بہت قریب سے اس کا جائزہ لیا اور ٹارچ
سیدھی کر کے بولا۔ "مرنے والا وہی معلوم ہوتا ہے جسے تم نے جھاڑیوں میں پکڑا تھا۔
تمہارا کیا خیال ہے؟"

"خیال نہیں، یہ یقیناً وہی ہے!" راماشند بولا۔ "تم نے بتایا کہ اس نے
جھک کر تمہاری پیشانی پر ٹکر ماری تھی۔ ٹکرانے کے باعث اس کی پیشانی کا
اوپری حصہ بھی پھولا ہوا ہے۔"
میں نے ٹارچ کی روشنی میں اس کا جائزہ لیا اور ڈاکٹر کی ذہانت
کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کی پیشانی پر ابھرا ہوا گول نشان بہت نمایاں
تھا جو پہلی مرتبہ میری نظروں میں نہ آ سکا تھا!
"معاملہ تشویشناک ضرور ہے مگر اب یہ پولیس کی ذمہ داری ہے۔"
ڈاکٹر راماشند واپس لوٹتے ہوئے بولا۔ "روز ہاؤس میں ایسا واقعہ پہلی بار ہوا
ہے۔ اب مجھے حفاظتی انتظامات میں اضافہ کرنا ہوگا۔"
"اس تاریک باغ میں روشنیاں بھی بہت ضروری ہیں۔" میں نے
دبی زبان میں کہا۔
"پہلے میں نے اسے عیاشی سمجھ کر اس طرف توجہ نہیں دی تھی کہ ایک
بوڑھے کیلئے بجلی پیدا کرنے کے لئے جنریٹر زیادہ ضروری نہیں ہے۔ مگر اب یہ شدید
ضرورت بن گئی ہے۔ میں کل ہی کام شروع کرا دوں گا تاکہ کوئی دوبارہ اندھیرے
سے فائدہ نہ اٹھا سکے!"
میں دل ہی دل میں مسکرایا۔ ڈاکٹر راماشند اس سنگین صورتحال کو
محض چوروں اُچکوں کا معاملہ سمجھ رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ کسی نہ کسی مرحلے پر اسے
خود ہی معاملے کی گہرائی کا علم ہو جائے گا۔ [illegible]
مجھے اور ڈاکٹر راماشند کو لیے پاس [illegible] دوشنا کی طبیعت بحال
ہو گئی۔ ڈاکٹر نے جان بوجھ کر یہ بتایا کہ باغ میں ایک لاش پڑی ہوئی
ہے۔ یہ سن کر اوشنا سہم سی گئی مگر مجموعی طور پر اس کا رویہ حوصلہ افزا رہا۔
ہم تینوں کھانے میں مصروف تھے کہ جگدیش باجوہ کے بارے میں خبر لایا۔
وہ طیارے کے ذریعے یہاں پہنچ رہا تھا اور کسی کو بتائے بغیر لان میں چلا گیا تھا
جہاں وہ کافی دیر تک بے خبر سویا رہا تھا۔ یہ معلوم ہو کر مجھے کم از کم اتنا
اطمینان ہو گیا کہ اس خونیں ڈرامے میں روز ہاؤس کے کسی باسی کا ہاتھ نہیں تھا۔
گو ابو نانے پولیس کو وہاں قتل کی اطلاع نہیں دی تھی مگر کرنل کی ابھی
ڈاکٹر راماشند کی نیا ٹھ کی اہمیت سے پوری طرح باخبر تھے، پولیس کی بھاری
جمعیت وہاں پہنچی تو وہ لوگ ہر قسم کی صورتحال سے نمٹنے کے لئے تیار ہو کر
آئے تھے۔
آناً فاناً ہی جائے واردات پر تیز روشنی والی سرچ لائٹوں کا بندوبست کیا
گیا اور کئی پولیس اہلکار اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔
ڈی ایس پی اپنا تفتیشی عملہ اور چند دوسرے افراد کے ہمراہ روز ہاؤس کے
مکینوں کے بیانات لینے ڈرائنگ روم میں آ گیا۔
واقعات جس طرح پیش آئے تھے بے کم و کاست اسی طرح بیان کر دیے
گئے۔ جس وقت میرا بیان ہو رہا تھا وہاں کوئی ملازم موجود نہیں تھا۔ بہ احتیاط
محض اس لئے رکھی گئی تھی کہ انہیں جیکب اور اس کا نام ظاہر ہونے سے روکا جائے
[illegible] ایک شخص کی وہاں موجودگی غیر ضروری حد تک مشکوک ثابت ہو سکتی

تھی جبکہ ڈاکٹر میری ذات کو ہر ہنگامے سے بچانا چاہتا تھا!

اسی دوران میں باہر کام کرنے والوں کی جماعت میں سے ایک انسپکٹر بوکھلایا ہوا وہاں آیا اور ڈی ایس پی کو تخلیے میں لے گیا۔ ہم جتنی ان کی حرکات و سکنات بخوبی دیکھ رہے تھے مگر ان کی آوازیں ہم تک نہیں پہنچ رہی تھیں۔

انسپکٹر نے اپنے افسر کو جلدی جلدی کچھ بتاتے ہوئے اپنی جیب سے کوئی چیز نکال کر دکھائی اور ڈی ایس پی یک بیک مضطرب نظر آنے لگا۔ چند لمحوں تک وہ اُسے الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا پھر اس نے وہ چیز احتیاط سے جیب میں ڈالی اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ہماری طرف آیا۔

"ڈاکٹر صاحب! کیا آپ کا ٹیلیفون استعمال کر سکتا ہوں؟" اُس نے آتے ہی گھبرائے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

"خیریت تو ہے؟" راما نند کو اس اضطراب پر حیرت تھی۔

"معاملے کی نوعیت بہت سنگین ہو گئی ہے۔" ڈی ایس پی نے پیشانی مسلتے ہوئے کہا "مرنے والے کی جیب سے انڈین سیکرٹ سروس کا شناختی نشان برآمد ہوا ہے۔ مجھے اعلیٰ افسران کو فوراً اس کی اطلاع دینی ہوگی!"

"سیکرٹ سروس؟" راما نند کسی کٹ کھنے کتے کی طرح غرایا "یہ لوگ باز نہیں آئے اپنی حرکتوں سے! انھیں ڈاکوؤں کی طرح [illegible] میں داخل ہونے کا حق کس نے دیا؟"

"میں بھی آپ ہی کی طرح لاعلم ہوں جناب!" ڈی ایس پی بوکھلا کر بولا۔

"یہ کیسی [illegible] ہے!" راما نند غصے سے پاگل ہوا جا رہا تھا "اوشا بیٹا! تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ میں ابھی جنرل گونڈو کا دماغ درست کرتا ہوں!"

"بابا، صفدر کو میرے ساتھ بھیج دو!" اوشا نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"جاؤ!" راما نند جھنجھلا کر بولا "مجھے صفدر کی ضرورت ہے!"

اوشا تقریباً دوڑتی ہوئی نشست گاہ سے نکل گئی تاکہ اس کی آنکھوں میں امڈتے ہوئے آنسو کوئی نہ دیکھ سکے۔

راما نند غصے میں بڑبڑاتا ہوا فون کرنے لگا۔ خاصی دیر بعد وہ مطلوبہ نمبر ملانے میں کامیاب ہو سکا اور بھیڑیے کی آواز میں بولا "میں راما نند بول رہا ہوں، جنرل گونڈو کہاں ہیں؟"

"سو رہے ہیں تو اٹھا دو!" تھوڑے توقف کے بعد وہ ٹیلیفون میں دہاڑا۔

جب تک دوسری طرف جنرل گونڈو فون پر نہ آیا ڈاکٹر راما نند کسی زخمی شیر کی طرح بار بار پہلو بدلتا رہا۔

"شب بخیر جنرل!" جنرل کے لائن پر آ جانے پر راما نند زہر بجھی آواز میں بولا "مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں سوتے سے اٹھایا مگر تم نے میری نیند بھی حرام کی ہوئی ہے!"

"یہ پوچھو کیا نہیں ہوا!" جنرل کا جواب سننے کے بعد وہ تلخ لہجے میں بولا "تمہارے آدمی چپکے چپکے ٹھگ لٹیروں کی طرح دیوار پھاند کر میرے مکان میں گھسے، صفدر علی پر فائر ہوا اور اب تمہارے محکمے کے ایک آدمی کی لاش میرے ویران باغ میں پڑی ہے!"

"کیسے نہیں ہو سکتا۔ یہ ہوا ہے جنرل!" راما نند کے لہجے میں [illegible] کم نہ تھی "پولیس [illegible] مرنے والے کی جیب سے سیکرٹ سروس کا شناختی نشان برآمد کیا ہے!"

"میں پوچھتا ہوں کہ صفدر علی سے اب تمہارا محکمہ کیا چاہتا ہے؟ [illegible] بری الذمہ ہو چکے ہو۔ تم نے مجھ سے [illegible] کی نگرانی کیوں ہو رہی ہے؟"

"سرکاری احکام! سرکاری احکام!" راما نند [illegible] بولا "یہ آسمان سے نہیں اترتے، سیکرٹ سروس کے [illegible]"

"میرا بھی یہی خیال ہے جنرل!" وہ چیخا "تم [illegible] جیسے پرچھائیں [illegible] کو اتنا دیدہ دلیر نہیں ہونا چاہیے کہ [illegible] رات گئے شریف لوگوں کے گھروں میں گھستے پھریں!"

"یہ ہنگامی حالات کا ناجائز استعمال ہے!" راما نند [illegible] مشتعل ہو گیا "ہنگامی حالات کا یہ مطلب نہیں کہ تم [illegible] خاک میں ملاتے رہو!"

"ٹھیک ہے! تم سمجھا دو میں اس معاملے کو کہاں تک لے جاتا ہوں [illegible]" فقرہ ادھورا چھوڑ کر اس نے پوری قوت سے ریسیور پٹخ دیا۔ [illegible] بند کر دیا تھا۔

"حرامزادہ کہتا ہے کہ ہنگامی حالات کے تحت [illegible] ہیں!" راما نند غصے میں پیر پٹختے ہوئے بولا "جب [illegible] ہے تو عام آدمی تو ہر وقت سولی کے نیچے کھڑا ہے [illegible] ڈال دیں!"

راما نند کے بگڑتے ہوئے تیور دیکھ کر ڈی ایس پی [illegible]

"کیا وہ اب بھی میری نگرانی کروا رہا تھا؟" میں نے تجسس سے [illegible] کو چھیڑا۔

"ہاں۔ وہ کہتا ہے کہ تمہاری حوالگی محض [illegible] سیکرٹ سروس کا اب بھی [illegible] تمہاری نگرانی کے سرکاری احکامات [illegible]"

"[illegible]" میں بولا "آپ مجھے ان کے حوالے کر دیں ڈاکٹر! [illegible] دونوں پریشان ہو گئے ہیں!"

"شٹ اپ!" راما نند پوری قوت سے دہاڑا [illegible]

میں دم بخود ہو کر [illegible] ٹھٹک گیا۔

اوشا کی خوابگاہ کا دروازہ کھلا ملا۔ [illegible] نے مجھے کھلا [illegible] عالم میں [illegible] ایک کمرہ [illegible] نہ ملی۔

اس وقت مجھے چھپا [illegible] نظر آئی۔ اس سے [illegible]

[illegible] معلوم ہو رہا تھا۔ عمارت میں ایک لاش پڑی [illegible] باہر ہو رہا تھا۔ باغ میں ہر طرف پولیس [illegible] موجود تھی۔

[illegible] قدموں چھت پر پہنچا تو اس کی پشت میری طرف تھی [illegible] شاید گھٹنوں میں سر دیے رو رہی تھی کیونکہ اس کی دبی دبی سسکیاں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

"اوشا۔ کیا ہو رہا ہے؟" میں نے نزدیک سے اُسے پکارا۔

"اب کیوں آئے ہو!" وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی "جاؤ۔ تمہاری ضرورت تو بابا کو ہے نا!"

"ڈاکٹر نے مجھے روکا تھا اوشا!" میں اُس کے قریب جا کر بیٹھ گیا "میں ان کے حکم کے سامنے دم نہیں مار سکتا!"

"تو اب کیوں آئے ہو میرے پیچھے؟" اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"تمہارے بابا نے بھیجا ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

اُس کے چہرے پر مایوسی کا سایہ لہرانے لگا۔ شاید وہ میری زبان سے [illegible] اور سننا چاہتی تھی۔ اس وقت میرے دل نے ملامت کی مگر میں اُس سے [illegible] ان کی دلجوئی [illegible] نظر بچا گیا ہوں تو اُسے [illegible] خوشی ہوتی۔ بعض اوقات سیدھے اور سچے الفاظ بھی کیسے سنگدل ہو جاتے ہیں [illegible] نازک جذبوں کو تار تار کر دیتے ہیں!

"تم نے بابا کے [illegible] کو اپنی ذات پر حد سے زیادہ مسلط کر رکھا ہے [illegible] ہر وقت ان کی خوشنودی کی فکر رہتی ہے!" [illegible] سر جھکائے آہستہ سے بولی۔

"وہ میرے محسن ہیں اوشا!" میں جلدی سے بولا "تمہیں اندازہ نہیں [illegible] میں کیسے ہولناک مظالم جھیل رہا تھا۔ ڈاکٹر نے مجھے وہاں سے خرید لیا ہے!"

"تمہاری نظروں میں میری کیا حیثیت ہے؟" اچانک وہ ایک نازک سوال کر بیٹھی۔

"تم میرے محسن کی بیٹی ہو!"

"اس کے علاوہ؟"

میں الجھ کر اس کی بات کی تہ تک پہنچ گیا۔ [illegible] اور تجربہ کار [illegible] الفاظ کے پردوں میں [illegible] احساس کو پڑھ لینے میں ماہر تھا۔ میں نے کہا "[illegible] تم ایک خوبصورت، جوان اور ذہین لڑکی ہو جس پر کوئی [illegible] دل مچل سکتا ہے!"

"اپنے دل کی بات کرو!" اوشا کا لہجہ شوخ ہو گیا۔ معلوم ہی نہ ہوتا تھا [illegible] سسکیاں لے کر رو رہی تھی۔

"میں شادی شدہ ہوں اوشا!" میں سنجیدہ ہو گیا۔

"لیکن تمہاری بیوی تو تمہیں چھوڑ کر بھاگ گئی!"

[illegible] تیز نظروں سے گھورا۔ اُس کے الفاظ نے میرے دل پر گہری چوٹ لگائی۔ سیتا پر بے وفائی کا الزام لگانے والی شاید مجھے اپنی وفا کے دام میں الجھا رہی تھی۔

صفدر علی کی زندگی میں حسینوں، ساتھیوں اور بے شمار ملاقاتوں کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ [illegible] کی پشت پر چند الفاظ یا چند لمحات ہوتے تھے اور اوشا نے محض اس ایک فقرے کی وجہ سے میری نگاہوں میں اپنا مقام کھو دیا۔

وہ بے انتہا حسین، الھڑ، شوخ، دراز قامت، گداز بدن، خوش گفتار اور سب سے بڑھ کر جوان سال لڑکی تھی مگر میں صرف اس وجہ سے اُس کا احترام کرتا آیا تھا کہ وہ میرے محسن کی بیٹی تھی اور میری ہمدرد تھی۔ مگر اپنی ساری خوبیوں کے باوجود وہ سیتا کا بدل ہرگز نہیں تھی۔ [illegible] میں آنے کے بعد میں نے کئی بار ٹھنڈے دل سے اس کے بارے میں سوچا تھا۔ اس کا سراپا نفس کے سرکش گھوڑوں کو مہمیز دیتا تھا مگر دل کے نازک تار سیتا کے گیت گنگناتے تھے۔

"وہ مجھے چھوڑ کر نہیں بھاگی تھی اوشا!" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"اُس نے میری بہتری کے لیے اپنا الگ راستہ چنا تھا، وہ بھی میری تلاش میں بھٹک رہی ہوگی!"

"تم اسے بھول نہیں سکتے؟"

"شاید اس کا جسم بھول جاؤں!" میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا "مگر اس کے والہانہ جذبے میری زندگی کا سرمایہ ہیں!"

"میں اس سے خوبصورت ہوں نا؟" بظاہر یہ ایک سوال تھا مگر اس کا لہجہ [illegible] تھا۔ وہ آہستہ آہستہ میرے گرد گھیرا تنگ کر رہی تھی۔

"میں نے سیتا کو بہت قریب سے دیکھا تھا مس راما نند!" میں نے [illegible] میں آگ سی بھڑکتی محسوس کی "میں اس کا اور تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا!"

"بس... پتہ نہیں، تم کب... کیا کب ہو گے!" میرے الفاظ پر وہ اچانک سہم گئی اور اپنے ہی جسم میں سکڑنے لگی۔

میں آہستہ سے ہنس دیا "اپنے کمرے میں چلو، تمہارے بابا پریشان ہیں!"

میری اس تجویز پر اُس نے اطمینان کا سانس لیا اور میرے ہمراہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئی۔ اس کو خوابگاہ میں پہنچا کر میں ڈرائنگ روم میں آیا تو راما نند کسی [illegible] کی طرح سر جھکائے اداس بیٹھا ہوا تھا جس کی سربازار بے حرمتی ہو گئی ہو۔

ڈی ایس پی مجرموں کی طرح سر جھکائے ڈاکٹر کے سامنے صوفے پر بیٹھا تھا۔ ان دونوں کے علاوہ وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔

میرے قدموں کی آہٹ سن کر ڈاکٹر راما نند نے سر اٹھایا اور شکست خوردہ لہجے میں بولا "مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے لیے کچھ نہ کر سکا!"

"آپ کے مجھ پر کئی احسانات ہیں ڈاکٹر!" میں نے حیرت سے کہا۔

"انسان ماں کے پیٹ سے کچھ بنیادی حقوق لے کر پیدا ہوتا ہے!" وہ جذباتی لہجے میں بولا "آزادانہ نقل و حرکت تمہارا پیدائشی حق ہے۔ مگر مجھے بتایا گیا ہے کہ سیکرٹ ایجنٹ کشور کے قتل کی گتھی سلجھنے تک تم روزنامہ میں نظر بند رہو گے!"

"مگر اس معاملے میں، میں بے قصور ہوں۔"

"میں سب کچھ کہہ چکا۔" راناصاحب ہاتھ اٹھا کر تھکے ہوئے لہجے میں بولا۔

"لوگ کہتے ہیں کہ تمہارے ہاتھوں بڑی کئی جانیں خطرے میں ہیں۔ نہ جانے کیوں برا کیا نہیں ہوا کچھ دنوں سے۔"

"مسٹر صفدر! اس عمارت میں آپ پر کوئی پابندی نہ ہوگی۔ بس آپ کا باہر نکلنا بند کیا جا رہا ہے۔" ڈی ایس پی خوشامدانہ لہجے میں بولا۔

"مجھے دکھ صرف اس بات کا ہے کہ میری ذات کی آڑ لے کر ڈاکٹر صاحب جیسی مقدس ہستی کو رسوا کیا جا رہا ہے۔ ورنہ یہ پابندی میرے لئے پچھلی زندگی سے بدرجہا بہتر ہے۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں ڈی ایس پی سے کہا۔

اس کے بعد ڈاکٹر رانا شکست خوردہ انداز میں اپنی خوابگاہ میں چلا گیا۔ بیرے کے بیان کے بعد مجھے بھی چھٹی مل گئی اور پولیس نے عملے کو ملازمین پر چھوڑ دیا۔

میں نے وہ ساری رات بستر پر بے چینی سے کروٹیں بدلتے گزاری۔ میرا ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ کبھی میں اپنے بے نام مستقبل کے بھیانک اندیشوں میں مبتلا ہو جاتا۔ کبھی ببیتا کی یاد ناقابل برداشت خلش بن کر سینے میں چبھنے لگتی۔ اور کبھی اوشا کا شاداب و شگفتہ حسین سراپا نگاہوں میں ناچنے لگتا۔

اگلی صبح جب میں ناشتے کی میز پر پہنچا ہوں تو ماحول ابھی اجنبی سا محسوس ہوا۔ ڈاکٹر رانا کے ذہن پر پچھلی رات کا بوجھ ... کے بارے میں اس کی بات درست ہی تھی۔ اوشا پر رات کی جذباتی گفتگو کا آسیب سوار تھا۔ شاید میرے الفاظ ابھی تک اس کے ذہن میں ڈنک مار رہے تھے کیوں کہ اس کا نیم مردہ وجود اب خالص سوالیہ نشان بن چکا تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اب میں بھی نچلے دل میں اوشا کی نفرت سے چور چور سا محسوس کر رہا تھا۔ ڈاکٹر کے سامنے اس سے گفتگو کرتے ہوئے خوف آ رہا تھا کہ کہیں میری کسی بات سے اسے شبہ نہ ہو جائے کہ میں اوشا میں ایک مختلف انداز میں دلچسپی لینے لگا ہوں۔

"تم کل سارا سامان لے آئے تھے؟" چائے پیتے ہوئے ڈاکٹر رانا نے مجھ سے سوال کیا۔

"ہاں۔ پہلی فرصت میں آپ کے حکم کی وجہ سے!"

"آج میں باہر نہیں جا سکوں گا، کیوں نہ ابھی کام شروع کر دیا جائے!"

"پچھلی رات کی کوفت سے چھٹکارا پانے کی تجویز بہتر ہے!"

"اچھا یاد دلایا!" ڈاکٹر چونک کر بولا اور اس نے بیٹھے بیٹھے ملازم اشوک کو آواز دی۔

"وہ لوگ گئے یا ابھی تک یہیں ڈنڈے بجا رہے ہیں؟" ڈاکٹر رانا نے اس سے سوال کیا۔

"چلے گئے مالک!" اشوک مؤدب ہو کر بولا۔ "صبح کے چار بجے واپس گئے تھے۔"

"لاش اٹھا لے گئے؟"

"لاش تو لے گئے مالک مگر دو سپاہی باہر پھاٹک پر موجود ہیں!"

اشوک کے پیچھے پیچھے بے ساختہ جنبش پڑی۔ ... پولیس افسران آبادی کا توازن برقرار رکھنے کے لئے ایک ... سپاہی نہ چھوڑ گئے ہوتے۔

"کسی ایکسپیڈیشن کو پکڑ کر عمارت پر اس طرح ... کر دو کہ رات میں باغ کو کوئی حصہ ایک نہتے ... میری اجازت کے بغیر احاطے سے عمارت میں قدم نہیں رکھ سکے۔"

ناشتے سے فارغ ہو کر ہم تینوں اس کمرے میں گئے جہاں ... لگائی ہوئی تھی۔ تجربہ گاہ کی ابتدا سے قبل باغ کا جائزہ لیا۔

سورج کی تیز اور چمکیلی دھوپ کے باوجود ... جنگل کا سماں بندھ رہا تھا۔ درخت گھنی جھاڑیوں اور بیلوں کی طرح تھی جس نے ... پڑی ہوئی تھی وہاں اب زمین ... بڑا دھبہ نظر آ رہا تھا جس کے گرد چیونٹے لٹ لٹ ہو رہے تھے۔

پھر میں نے تجربہ گاہ میں آ کر اپنا کام شروع کر دیا ... ترتیب دینے کے شوق سے میری تمام کارروائیاں دیکھ رہے تھے۔ ... کیا۔ بس کھانے کے وقت اوشا باہر گئی اور ... وہاں آ پہنچی۔ ہم نے وہیں کھانا کھایا اور جب باہر شام ... تو میرے کام کا پہلا مرحلہ مکمل ہو گیا۔ میں نے تجربہ گاہ میں تالا ڈالا اور اس کا منہ بند کر کے ہم وہاں سے لوٹ آئے۔

"بابا! یہ کام تو صفدر تمہاری تجربہ گاہ میں بھی کر سکتا تھا" ... سے لوٹتے ہوئے اوشا نے کہا۔

"کر تو ضرور سکتا تھا بیٹا!" ڈاکٹر بولا۔ "مگر جب تک وہاں مکمل صفائی نہ ہو کام کرنا ..."

"کیا ادونا ہاؤس میں تجربہ گاہ ہے آپ کی؟" ...

"ہاں۔ رہائشی عمارت کے عقب میں ایک چھوٹی سی ... مگر وہاں ہر قسم کی سہولتیں موجود ہیں۔ لیکن ..."

"اپنے کام کے لئے رہائشی کمروں سے الگ ... بلا وجہ ملازمین وغیرہ میری طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔"

"جاؤ، ایک نظر تجربہ گاہ پر ڈال لو۔ شاید تم ... نہیں گئے ہو۔"

"آپ تھکے ہوئے ہیں پھر کسی وقت دیکھ لوں گا!"

"میں تو اب آرام کروں گا۔ تم اوشا کے ساتھ چلے جاؤ۔ آدھا سا گھنٹہ ... ہے۔" رانا نے محبت آمیز لہجے میں کہا۔

"چلئے مس نیم حاکم صاحب!" میں نے اوشا سے کہا۔

رانا نے میرے اس جملے پر قہقہہ لگایا مگر اوشا ... انداز میں مسکرا کر رہ گئی۔ پچھلی رات کے حادثے ... نے اسے ... لیا تھا۔

راستے میں ... کے بعد ہم بالکل خاموش عمارت کے عقبی حصے کی طرف چلتے رہے۔ ... یہ پابند ... نظر آ رہی تھی۔

... اٹھانے والا تھا یا کوئی عجیب ... تھا! مسلسل خاموشی کو توڑنے کی ... میں نے پہل کی۔

اس نے بڑی بڑی خمار آلود نظریں اٹھا کر میری طرف دیکھا اور مجھے ... اپنی طرف متوجہ پا کر مسکرا دی۔ "وہ میرا اعتراض کیوں ہونے لگا۔ تم سے ملے ... آیا تھا۔"

"اچھا تو تم چھت پر چڑھ کر کہیں اور دوڑی تھیں؟"

"میری مرضی۔ میں جہاں بھی جاؤں!"

"بالکل بالکل!" میں جلدی سے بولا۔ "تم چاہو تو کسی درخت کی ... پر بیٹھ کر بھی رو سکتی ہو، بھلا میں تمہیں ٹوکنے والا کون ہوتا ہوں۔"

"تم بے وقوف ہو۔" وہ جھینپتے ہوئے انداز میں ہنس دی۔

"بے وقوف نہ ہوتا تو اب تک تمہارے حسن کے قصیدے پڑھ پڑھ کر تمہیں اپنے دام میں پھنسا چکا ہوتا۔" میں اس پر چھائی ہوئی جھجک دور کرنے پر تلا ہوا تھا۔

"مجھے افسوس ہے صفدر کہ رات میں نے تم سے کچھ ایسی باتیں کہیں جو مجھے زیب نہ دیتی تھیں۔" وہ یک بیک بہت زیادہ سنجیدہ ہو گئی۔

"خوف بڑی بری چیز ہے مس اوشا!" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔ "عام حالات میں انسان اپنی ذات پر ایک خول چڑھا لیتا ہے۔ اس کے سارے جذبے اسی خول میں پروان چڑھتے ہیں اور معاشرتی اخلاقی مجبوریاں جن جذبوں کے اظہار میں آڑے آتی ہیں وہ اسی خول میں دم توڑ دیتے ہیں۔ مگر خوف اس خول کو حیرت ناک طور پر ختم کر دیتا ہے اور انسان وہی کچھ کہہ اٹھتا ہے جو اس کے دل میں ہو۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو!" وہ آہستہ سے بولی۔ "اگر پچھلی رات کے واقعات پیش نہ آئے ہوتے تو شاید ... میری زبان کبھی نہ کھلتی!"

"تم میری بیوی کے بارے میں کیا جانتی ہو؟"

"مجھے افسوس ہے صفدر کہ میں نے رات اس کے بارے میں کچھ نازیبا الفاظ کہے۔" وہ ندامت آمیز لہجے میں بولی۔ "میرا خیال ہے کہ تم اسے بہت زیادہ چاہتے ہو۔"

میں خاموشی سے اس کے ساتھ تجربہ گاہ کی طرف بڑھتا رہا۔

"پاپا تمہاری بڑی تعریف کرتے رہتے ہیں" ... وہ قدرے توقف کے بعد پھر بولی۔ "اور تم سے ملنے تک میں اپنی زندگی سے مطمئن تھی مگر ایسا لگا کہ مجھے یہ احساس ہوا کہ ماں باپ کی کائنات کی ساری خوشیاں بھی بیٹی کے ... محبوب کی ایک ... مسکراہٹ کا بدل نہیں ... ایک عورت کو ضرورت ہے ایسا مرد جس کی زندگی کا محور وہ خود ہو!"

... میں صرف ...

"... ہوں اوشا۔ مگر تمہیں نہیں۔ میرا ماضی تمہارے لئے بے نام ہے۔ آج تنہا ایک بدنام مجرم ہوں۔ یہ صرف ڈاکٹر کی نوازش ہے کہ میں تمہاری چھت کے نیچے آزادی کی سانس لے رہا ہوں۔"

اس نے اپنے شانے پر سے میرا ہاتھ ہٹا دیا۔ "میں قدامت پسند ماحول میں نہیں پلی بڑھی صفدر۔ میں رنگ برنگی تقریبات میں جاتی ہوں جہاں ہر عمر اور ہر رنگ کے ... ہوتے ہیں۔ مگر تم سے ملنے کے بعد میرے دل میں ایک خلش نے سر اٹھایا ہے جو کسی طور بھی ختم نہیں ہو رہی!"

"میرے اور تمہارے راستے جدا ہیں اوشا!" میں راستے میں پڑے ہوئے ایک پتھر کو ٹھوکر مارتے ہوئے بولا۔ "میں ایک ... مجرم ہوں۔ میری وجہ سے تمہارا مستقبل برباد ہو گا۔ مجھے بھولنے کی کوشش کرو۔ تمہیں مجھ سے بہتر ساتھی مل جائیں گے!"

"مجھے یقین نہ کرو!" وہ قدرے تیز لہجے میں بولی۔ "تم ... کو سمجھا سکو گے اور میں تمہیں نہیں بھول سکتی۔ یہ اختیاری باتیں نہیں ہوتیں!"

"وقت ہر زخم مندمل کر دیتا ہے۔" میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "ہم اچھے دوستوں کی طرح ساتھ رہ سکتے ہیں!"

"اندھیرا بڑھ گیا ہے۔ واپسی میں دیر ہو جائے گی۔ واپس چلو!" وہ کسی فوری خیال کے تحت بولی اور ہم مکان میں لوٹ آئے۔

پچھلی رات میں سو نہ سکا تھا۔ پھر دن بھر کام میں لگا رہا۔ اس لئے بستر پر گرتے ہی گہری نیند نے آ لیا۔ نہ جانے وہ کیا احساس تھا کہ گہری نیند میں بھی ایک دم چونک پڑا۔ پھر کمرے کی مدھم روشنی میں مجھے اپنے قدموں کی سمت ایک سایہ بیٹھا ہوا نظر آیا۔ میں چادر اچھال کر بستر سے اٹھ گیا۔ آنکھوں میں نیند کا گہرا خمار چھایا ہوا تھا۔ میں نے بوکھلا کر روشن کر دیا۔

چند سیکنڈ بعد میری چندھیائی ہوئی آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہوئیں تو پتا چلا ... اوشا میرے کمرے میں موجود تھی۔

اس کے جسم پر ایک ... موجود تھا۔ سیاہ زلفیں گورے گورے شانوں پر بکھری ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھیں سرخ اور متورم ہو رہی تھیں۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو؟" میری تیز سرگوشیانہ آواز کسی سانپ کی پھنکار سے مشابہ تھی۔

"ایک لڑکی چوروں کی طرح، ننگے پیروں تمہارے کمرے میں کیوں آ سکتی ہے؟" اس کا لہجہ...... اس وقت بے تحاشا جذباتی تھا۔

"نکل جاؤ اوشا! میرے کمرے سے نکل جاؤ!" میری آواز کانپ اٹھی۔

"میں چور بن کے نہیں آئی۔ دوست بن کر آئی ہوں!" وہ براہ راست میری آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"دوستی ایک مقدس رشتہ ہے اوشا!" میری زبان لڑکھڑا رہی تھی مگر میرا وجود تیزی سے بکھرتا جا رہا تھا۔ "اندھیروں میں صرف گناہ پروان چڑھتا ہے!"

"میں یہاں گناہ سمیٹنے نہیں آئی۔"

"میں کہتا ہوں نکل جاؤ!"

"دیکھنے کر نکال دو جلی جاؤں گی!" وہ بیٹھے کے سہارے نیم دراز ہو گئی۔ میں مشتعل ہو کر اس کی طرف لپکا اور ایک جھٹکے سے اس کا بازو اپنی آہنی گرفت میں جکڑ لیا تاکہ اسے دھکے دے کر باہر نکال سکوں لیکن اس کے نرم اور گداز بازو کا لمس محسوس ہوتے ہی میرے جسم میں کروڑوں چیونٹیاں رینگنے لگیں۔

"مجھے بھوکی نظروں سے نہ دیکھو میں تمہارے محسن کی بیٹی ہوں صفدر!" اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔

میں دوراہے پر کھڑا اسے گھورے جا رہا تھا۔ دوران خون کیک بیک تیز ہو چکا تھا۔ دل حلق میں دھڑک رہا تھا۔ آنکھیں سلگنے لگی تھیں۔

وہ میری لاعلمی میں وہاں آئی تھی اور میری بے خبری میں چلی گئی۔ لیکن روزینہ دیر تک سوتا رہا۔ بیدار ہوا تو راماننہ جا چکا تھا۔ اوشا رسوئی میں مصروف تھی۔

ناشتے کے دوران ہی وہ میز پر آ گئی۔ اس کے چہرے پر ندامت تھی نہ حجاب۔ وہ فاتحانہ شان سے میری آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔

"میں ڈاکٹر کے سامنے کبھی نظر نہ اٹھا سکوں گا اوشا!"

"شٹ اپ!" وہ مسکرائی "یہ زندگی کے کھیل ہیں۔ میں ڈاکٹر راماننہ کی بیٹی ضرور ہوں مگر ایک عورت بھی ہوں۔ بابا تو شاید یہ بتاتے بتاتے بھول گئے جب کہ میری اصلیت کیا ہے؟"

"جب میں نے بابا سے تمہاری شادی کی بات کرنے کی تجویز کی تھی تو تم بچوں کیوں گئی تھیں؟" میں نے اسے چھیڑنے کے لئے ماضی کو چھیڑا۔

"اس وقت وہ بات قبل از وقت تھی!"

"تم تو یہ کہہ کر یہ بھی نہیں کہیں شاید خود کو ڈاکٹر کی زندگی میں رہنے کا راز وہ رکھنا چاہا!"

"غلطی ہو گئی تھی!" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی پھر اچانک بولی "ایک سوال کا جواب دو گے؟"

"سوال پر منحصر ہے!"

"تم نے سیتا کو قریب سے دیکھا اور اب تم فیصلہ کر سکتے ہو کہ سیتا اور اوشا میں کون بہتر ہے!" وہ میری پسند کو جیتنے کے لئے اخلاق اور شائستگی کی ہر حد کو عبور کر جانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

"سیتا کبھی بھی میری رفیق نہ رہی۔ تم سے تو کل ہی تعارف ہوا ہے" میں نے نہایت خوبصورتی سے بات ٹال دی۔

"میں نے سنا تھا کوئی پنڈت تھی؟"

"ہاں!" میں نے مختصر سا جواب دیا۔ کسی کی زبان سے سیتا کا تذکرہ سن کر مجھے الجھن سی ہو رہی تھی۔ ذہن بار بار بے وفائی کا طعنہ دے رہا تھا۔

"جب وہ تم سے بچھڑ گئی تو اب کیسے مل گئی۔ وہ یہاں آنے سے رہی اور تم تو ہمیشہ کے لئے یہاں رہنے کا فیصلہ کر چکے ہو"

"کل رات سے میں اسے بھولا ہوا ہوں۔ اس کا ذکر نہ کرو تو بہتر ہے!"

میں نے جھنگ کر اس کی ٹھنڈی رگ پر ہاتھ ڈال دیا۔

میری توقع کے عین مطابق اوشا کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ اپنی دانست میں وہ مجھ پر پابندی لگانے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

محبت انسان کو واقعی اندھا کر دیتی ہے۔ وہ خوبصورت لڑکی اپنی محبت کا شیش محل بناتے ہوئے یہ بھول چکی تھی کہ ایسے مرتبہ پتا ہے جو گھاٹ گھاٹ کا پانی پی چکا ہے جس کی سب سے مستحکم اساس کو ملا کر رکھ دیا ہے

اس روز خلاف معمول ڈاکٹر راماننہ معمول سے پہلے گھر آ گیا۔ اس کے چہرے سے بے پناہ مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔

وہ مجھے پکارتا ہوا اندر گھسا اور جوش میں آ کر پاگلوں کی طرح مجھ سے لپٹ گیا "مبارک ہو صفدر! ناممکن ممکن ہو گیا۔ آ گئی ہے۔ دونوں نمونے یکساں ہیں۔" میں نے بے چینی سے بات کاٹی "تم آزاد ہو!"

"آزاد؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں ہاں۔ نظر بندی کے احکام واپس لے لئے گئے ہیں" وہ پھولے نہ سما رہا تھا۔

اس شام ہم بے زبان کھوو تھوڑ ڈاکٹر راماننہ سفید سونے کا ڈلا دیکھ کر حیران رہ گیا "یہ کون سی دھات ہے؟"

"یہ تمہیں ڈاکٹر!" میں نے جواب دیا "ہماری زبان میں سونا کہلاتی ہے!"

"یہ دھات تم نے کبھی ایسی ہی چمکیلی سفید ہو گی؟"

"ہاں!"

"ایسی دھات میں زندگی میں پہلی بار دیکھ رہا ہوں!" راماننہ نے کہا "تم جس کے کر یہ جو تم بیچتے میں ہو؟ تم اس کا ایک ٹکڑا مجھے تجزیہ کرا دو گے؟"

میں نے آری سے اس کا ایک چھوٹا ٹکڑا کاٹ کر ڈاکٹر راماننہ نے تقریباً چھ تولہ وزنی ایک اور ٹکڑا کاٹا اور وہ اوشا کو دے دیا "یہ زیور بنوا لینا اوشا..... یہ اس بات کی نشانی ہے کہ ہم کبھی ملے بھی تھے"

پھر ڈاکٹر کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی گئیں۔ سفید سونے کو پرکھنا اس کے لئے عجیب ترین تجربہ تھا۔ وہ منہ پھاڑے اس ٹکڑے کو دیکھ رہا تھا۔

اور جب یہ کام ختم ہوا تو ڈاکٹر راماننہ حیرت زدہ رہ گیا۔ زیر لب کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ اس کے الفاظ میرے لئے ناقابل فہم تھے۔

"ڈاکٹر!" میں نے آہستہ سے اسے پکارا۔

"اس قدر آسان۔ ایسا بے خطر طریقہ!" وہ کھوئے ہوئے انداز میں بولا۔

"آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود یقین نہیں آتا کہ یہ سب کچھ..."

"اب اس کو زم کرنا باقی ہے وہ دو دن لیا ہے!" میں نے سونے کی رنگت نکال کر اسے سمجھا دیا۔

"اس کا بھی ایک مختصر طریقہ ہے!" ڈاکٹر نے للچائے ہوئے انداز میں پوچھا اچانک۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی ننھا سا بچہ اپنے بزرگ سے مٹھائی مانگ رہا ہو۔

میں نے اس کا ایک ٹکڑا ڈالا کر کوٹ دیا۔ اور سونے کی نرمی لانے کی مزید آسان ترکیب بتا دی۔

اگلے روز صبح سویرے اسسٹنٹ بنک آ کر ڈاکٹر راماننہ کے دو افسران کی نئی زمین کے دو سو بیگھے حاصل کرنے کے لئے ڈاکٹر راماننہ کے حوالے کر گئے۔ ان میں مجموعی طور پر ایک سو دس کے قریب سونا چھوٹی چھوٹی اینٹوں کی شکل میں موجود تھا۔

میں اپنا کام شروع کرنے ہی والا تھا کہ اوشا سے پتہ چلا کہ راماننہ نے دونوں نمونوں کا تجزیہ کرنے اپنی تجربہ گاہ کی طرف دوڑ رہا تھا۔ اس وقت میں خوشی میں اتنا سرشار ہو چکا تھا کہ بے اختیار اوشا کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

"ہٹو..... یہ کیا بدتمیزی ہے!" میری اس حرکت پر وہ بری طرح بوکھلا گئی۔

"یہ بدتمیزی نہیں ابتدائے عشق ہے!" میں نے اپنے بازوؤں کا حلقہ اس کے گرد ڈھیلا کرتے ہوئے کہا۔

"چھوڑ دو مجھے!" وہ خوفزدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔ "کسی ملازم نے دیکھ لیا تو؟"

"شرم کر خود ہی بھاگ جائے گا!" میں نے یہ کہتے ہوئے اس کی ناک پکڑ لی اور اسے اپنے ہاتھوں کی گرفت سے آزاد کر دیا۔

جب تحقیق کر کے دوبارہ پلٹا میں کامیاب ہوئی تو اس کی ناک پر ہلکے نشانات نظر آ رہے تھے اور ناک سرخ ہو گئی تھی۔

"اب ہم ڈاکٹر کے ساتھ تجربہ گاہ میں چلیں گے دیکھیں وہ کیا کرتے ہیں"

"شٹ اپ! میں نہیں جاؤں گی آپ کے ساتھ!"

"کیوں کیا بات ہے؟ کاٹ کھاؤں گا تمہیں؟" میں نے قہقہہ مار کر بولا۔

"میری ناک پر نشان پڑ گیا ہے! بابا کو کیا بتاؤں گی؟"

"کہہ دینا صفدر نے ناک گھسوائی تھی"

ہم ابھی کمرے سے باہر نکلے ہی تھے کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ اوشا نے لپک کر ریسیور اٹھایا۔ چند سیکنڈ بعد اس کی حیران کن آواز سنائی دی "صفدر علی تمہارا فون ہے۔ یہ ڈاکٹر راماننہ کا مکان ہے!"

مجھے واقعی حیرت ہوئی کہ بلا کون ہو سکتا ہے۔ "وہ میرا نام بھی جانتا ہے! مجھے اچھی طرح اوشا میں صفدر کا دوست ہوں دشمن نہیں"

نے فون کر کے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔

"ہیلو..... میں صفدر بول رہا ہوں" میں نے بے تابی سے کہا۔

میں کہا۔

"اگر تم موجودہ حالات سے نجات کے خواہاں ہو تو آج شام چھ بجے پتا زرا کے بال روم میں ملو" دوسری جانب سے ایک بھاری مردانہ آواز سنائی دی اور فون بے جان ہو گیا۔

میں کئی سیکنڈ فون ہاتھ میں لئے ہیلو ہیلو کرتا رہا پھر ریسیور رکھ دیا۔ اوشا بصد اضطراب قریب کھڑی حیرت سے مجھے دیکھ رہی تھی "یہ بمبئی میں تمہارا کون شناسا پیدا ہو گیا کیا کہہ رہا تھا؟"

"کچھ بھی نہیں۔ میری آواز سنتے ہی فون بند کر دیا!" میں نے کہا۔

"عجیب بات ہے؟" اس نے شانے اچکائے۔ "مجھے تو لگتا ہے کہ بمبئی میں کچھ لوگ تمہارے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں!"

"ذہن پر زور دو!" میں لاپروایانہ انداز میں بولا "ڈاکٹر سے بھی اس فون کال کا تذکرہ نہ کرنا۔ وہ خواہ مخواہ پریشان ہوں گے۔"

"تمہاری شخصیت مجھے کبھی کبھی بہت پراسرار نظر آنے لگتی ہے۔ سیکرٹ سروس والے اگر تم سے خائف رہتے ہیں تو اس کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہو گا" وہ بولی۔

"پراسرار شخصیت!" میں زور سے ہنسا "وہ لوگ مجھ سے نہیں، میری قوت برداشت سے خائف ہیں بیبی! کیا تم یقین کرو گی کہ ان کے تشدد کے تمام حربے میری ذات پر ناکام ہو چکے ہیں؟"

"میں نے وہ کاغذات پڑھے ہیں جن کے ذریعے تمہیں سیکرٹ سروس والوں نے باندھے رکھا ہے" وہ دوبارہ اپنی ہتھیلی سے اپنی ناک کا ہر اسہلاتے ہوئے بولی۔ "ان میں لکھا ہے کہ تم ایک روشنی کے روپ میں نیپال سے ہند میں داخل ہوئے تھے مگر تمہاری گفتگو اور طریقوں سے پتہ چلتا ہے کہ تم نے جدید زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ تم بعض انگریزی الفاظ روانی میں بول جاتے ہو۔ مجھے تو شبہ ہے کہ تم کسی یونیورسٹی میں تعلیم پاتے رہے ہو۔ رشی اور جوگی تو یہ جانتے بھی نہیں ہیں کہ کھانے کی میز پر دونوں ہاتھوں سے چھری کانٹے کو کیسے سنبھالا جائے!"

"میرے بارے میں ذہن پر زیادہ زور نہ دو!" میں اس کا شانہ تھپتھپا کر بولا "کھٹمنڈو میں بے شمار ہوٹل ہیں جن میں بیشتر تعلیم یافتہ لڑکیاں تھیں!"

"تمہاری تعلیمات کیا تھیں؟"

"ہرے کرشنا ہرے رام!" میں نے اپنی آنکھ دبا کر ہپی کو مشرقی رشی کے انداز میں بھونڈے سے لگا کر کہا۔

"ہرے رام!" وہ حیرت سے بولی "تو تمہارا تعلق اس طبقے سے تھا جو عالمگیر پیمانے پر مزید سوسائٹی کی تحریک چلا رہا ہے؟"

"یہ کوئی باقاعدہ تحریک نہیں ہے" میں نے کہا "دنیا میں ہر طرف جنسی اور معاشی ناآسودگیوں کا راج ہے اس لئے نئی نسل ہر قید و بند سے آزاد معاشرے کے قیام کی طرف راغب ہے۔ اب یہ محض اتفاق ہے کہ ایک شخص یہ تحریک نیپال میں چلاتا ہے تو اس سے ہزاروں میل دور دشمن یونین میں بیٹھے ہوئے ہماری طرح بھی..."

کبھی ہیں خود آگے بڑھاتے ہیں۔"

"اور تم مجھے اخلاقیات کا درس دیتے ہوئے تھے!" وہ پھر بڑھتی ہوئی حیرت سے بولی تو نہیں پا سکی تھی۔

"ڈاکٹر! امانت کی جیسی اور جیسی نوش جنس زدہ لڑکیوں میں پڑا تو تم ہے اوشا۔ لوگ مجھے خود خوبصورت کہتے ہیں مگر میں تمہاری طرف بڑھتے ہوئے ڈر رہا تھا۔"

"عورت سے ڈرتے تھے؟" وہ مسکرا کر بولی۔

"تم سب کچھ جان کر مجھے قریب آئی ہو تو میرے لئے لذت ہے اگر میں تمہیں اپنی چاہت سے قریب دیتا تو میری روح کا عذاب بن جاتا۔"

"تم اور بابا، دونوں مجھے ضمیر کے قیدی لگتے ہو!" وہ قہقہہ لگا کر بولی۔

"تم تجربہ گاہ میں نہیں گئیں؟ ڈاکٹر کا تذکرہ آتے ہی مجھے یاد آیا۔" وہ بابا اکیلے ہیں، پریشان ہو جائیں گے۔"

"وہ اپنے بیٹے ہیں اور ان کی خبر گیری کا دعویٰ کرتے ہو۔"

"دعویٰ نہیں! انہیں وہاں مدد گار کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

"ان کا ایک اسسٹنٹ وہاں ہوتا ہے۔ کام کے دوران میں کسی اور کی وہاں موجودگی کو پسند نہیں کرتے۔"

"تو اب تک وہ کہاں تھا؟"

"شادی کے مہینے بھر کی چھٹی پر دہلی گیا تھا، آج ہی واپس آیا ہے!"

میں اٹھ کر ام پر تجربہ گاہ کا نمبر ملانے لگا۔

"ہیلو!" دوسری طرف سے مردانہ سپاٹ آواز ابھری۔

"ڈاکٹر کو دو، میں بول رہا ہوں!"

"کیا بات ہے لڑکے؟" چند لمحوں بعد ڈاکٹر کی محبت بھری آواز سنائی دی۔ "آپ وہاں کب تک مصروف رہیں گے؟"

"رات ہو جائے گی!"

"تو آج مجھے چھٹی چاہیے!"

"کیسی چھٹی؟" ڈاکٹر حیرت سے بولا۔

"آج شام میں باہر کھانا کھاؤں گا۔"

"اور بابا۔ میں بھی باہر کھانا کھاؤں گی۔" اوشا میرے اوپر جھک کر ماؤتھ پیس میں چیخی۔

ڈاکٹر کے ہنسنے کی آواز سنائی دی پھر وہ بولا "لے جاؤ، اسے بھی ساتھ لے جانا۔ کس ہوٹل میں جاؤ گے؟"

"بونانزا۔" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہہ دیا۔

"اچھی جگہ ہے۔ مگر جلدی لوٹ آنا۔" یہ کہہ کر ڈاکٹر نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

"تم میرے ساتھ نہیں جاؤ گی۔" میں نے ریسیور رکھ کر اوشا سے کہا۔

"میں تمہارے سر پر سوار ہو کر تمہیں جاؤں گی۔" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"تو تم جاؤ۔ میں یہیں دال دلیہ کھا کر سو رہوں گا۔" میں اٹھتا چلا جا رہا تھا تاکہ آزادی کے ساتھ معاملے کی تہہ تک پہنچ سکوں۔ اس کے ٹیلی فون نے

مجھے بے چین کر دیا تھا۔ اگر وہ واقعی میرا کوئی ہمدرد تھا تو یقیناً مجھے ہندوستان سے فرار کی پیشکش سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ ممکن ہے نہیں آتا تھا کہ وہاں میرا کون سا ایسا مخلص پیدا ہو گیا! مجھ سے پارس کی قیمت پر فرار کے موقع کا وعدہ کیا جاتا۔ یہ بھی ہو سکتی تھی اور میں نہیں چاہتا تھا کہ کسی دیسے ہنگامے میں ترقی ہے۔

"بونانزا امپیریل ہوٹل ہے۔ وہاں ہر شام کسی کے حسن کا وہ مجھے جلانے کے لئے بولی۔

"تو یوں کہو کہ نگرانی کے لئے ساتھ جا رہی ہو۔"

"وہاں میری شناسائی کا حلقہ بہت وسیع ہے۔" وہ بولی۔ "میں خود تمہیں ان سے متعارف کراؤں گی۔"

"مگر کس رشتے سے؟"

"تم تو پاک کا نٹ ہو بیٹے، دور کے رشتہ دار۔" اس کے ہر سوال کا جواب موجود تھا۔

شام کو وہ چلنے کے لئے تیار ہوئی تو میں اسے دیکھتا رہ گیا۔ اور بار بار مجھ یوں قدرت خدا کے عطا کی تحسین کرتی رہی۔ مسکرا دی۔ میں اپنی ہوئی تمدار لانبی پلکیں جو مرے دکھتی رہی اور ستواں ناک کی جڑ میں اس کی آنکھوں کے کٹورے دوسرے چہرے تک پہنچے تھے۔ بکھرے بکھرے رخساروں کی رنگت ایسی شوخ و دلربا تھی کہ بنانے انہیں ذرا خشک کر دیا تھا۔ بظاہر اس نے ہنستے ہوئے ہونٹوں پر لگایا تھا جو سرخ شعلہ کی لپ اسٹک پر پڑنے والی روشنی کے انعکاس کے سبب پر تبسم کے قطرے چمکتے نظر آتے تھے۔ اوپری ہونٹ کے درمیان ابھار کے باعث اس کے ادھ کھلے ہونٹوں میں ہر دم کشش پیدا ہو گئی اس وقت تو کسی سجائے پہلی رات کی کنواری سہاگن نظر آ رہی تھی۔

"کسی کو قتل کرنے کا ارادہ ہے کیا؟" میں نے بے تکلفی سے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم میرے پہلے اور آخری مقتول ہو!" وہ کھنکتی ہنسی ہنس کر گاڑی میں چلا دوں گا۔" میں نے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے

"ڈرائیونگ بھی جانتے ہو؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"مردوں کے لئے ضروری ہے۔"

"نشی اور دھوکہ دہی جانتے ہیں۔" وہ دروازے سے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولی۔ "بظاہر دنیا جہاں دیتے ہیں بنگلہ شکار کھیلتے ہیں۔"

"شکار تم جیسا ہو تو شاید دنیا بھی شکاری بن جائے۔" میں چابی لگاتے ہوئے بولا۔

"ریا؟" اس نے حقارت سے کہا۔ "میں جا رہی ہوں۔"

ہندی ویدمالا میں ہر دیوی دیوتا کو جنس کے شرمناک پجاری کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔"

"یہ تو تمہارے دھرم کا ایک عقیدہ ہے!"

"میں تو آج تک مندر میں گئی بھی نہیں۔" وہ بولی۔ "بہت سے مندر تو عجائب خانے بنے ہوئے ہیں۔"

مجھے اچانک بنارس یاد آ گیا۔ وہاں کا ایک تجربہ یاد آیا، جہاں ہندو معاشرے کی ٹھکرائی ہوئی بدنصیب بیواؤں سے عیش اجتماعی بیہودگی کے نام پر پیشہ کرایا جاتا تھا۔

"مندر میں گئیں نہیں تو یہ سب کیسے معلوم ہوا؟" میں اوشا کی ڈریسنگ ٹیبل اٹھاتے ہوئے بولا۔

"مندر جانے والوں سے ملتی جلتی تو رہتی ہوں!" وہ بے زاری سے بولی۔ "لمبی لمبی بتاؤں اور گیرے لباس والے پنڈت، مہنت اور پجاری سادھو میں آنے والیوں کو ایسی بھوکی نظروں سے گھورتے ہیں کہ توبہ ہی بھلی۔ میری ایک سہیلی نے ہری بھی ہے مندر جانا چھوڑ دیا۔ شیو مندر کا ایک پجاری اسے نظروں ہی نظروں میں نگل جانے کی کوشش کرتا تھا۔"

"یہ اس لئے کہ تمہاری قسم کی ان رعونت کی وجہ سے ہر مشن پجاری کی آنکھوں میں عجیب سی وحشت سما جاتی ہے!" میں اس کی گفتگو میں دلچسپی محسوس کر رہا تھا۔

"وہ یہی تو ہے حقیقت ہے۔" وہ ساری کا پلو اٹھاتے ہوئے بولی۔ "بالشت بھر لاڈ اور ساڑی کے درمیان اس کی کمر دکھائی دے گئی۔ میری سہیلی کی ماں اسے پوجا پاٹ کے لئے لے جاتی تھی۔ وہ پجاری کی آشیرباد کے لئے جھکتی، پجاری کے سامنے جھک جاتی تھی۔ وہ خبیث اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے کے بہانے اس کے رخساروں پر بھی ہاتھ پھیرتا تھا۔ عقیدت کی ماری ماں کو یہ سب نظر نہ آتا تھا۔ پھر ایک روز جب پجاری نے اس کی ماں کی نظر بچا کر اس کے گال پر چٹکی لی تو اس نے وہاں جانا ہی چھوڑ دیا۔"

"پجاری بوڑھا ہو گا!"

"ہاں۔ قبر میں پیر لٹکائے بیٹھا تھا مردود۔" اس نے دو انی میں کہا۔ "ڈالا پجاری بھی مجھ سے ہی غصے سے مجھے گھورنے لگی۔

"ایسے نہ دیکھو، ہاتھ بہک جائے گا۔" میں نے ویران سڑک پر گاڑی بڑھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو لگتا ہے کہ تم نے بھی عیاشی کے لئے سوانگ رچایا تھا۔" وہ دانت پیس کر بولی۔

"ایسا ہوتا تو منہ لگ جاتا تو زندگی بھر مندر کی چوکھٹ نہ چھوڑتا۔" میں اور زور سے ہنسنے لگا۔

"سچ سچ بتاؤ تمہارا اصل نام کیا ہے؟" وہ چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد بولی۔ "یہ مسلمان تھے کیسے ہوئے تھے؟"

"میرا کوئی بھی نام نہیں تھا۔ یتیم خانے والوں نے صفدر بنا دیا۔ لندن میں ایک سیتا کا نام تھا۔" میں نے کہا۔ مجھے اس کے ہاتھ جھٹکا لے کر پھرتی سے جھپٹنا تھا۔

"پھر سیتا اور میان صفدر!" وہ بولی۔ "یہ کیسی ہوئی تم ہندو بنے گئے ہو ظاہری طور پر۔ دھوتی پہن لی تو پنڈت، دھوتی اتاری اور مسلمان۔"

میرے پھولوں کی طرح لگا ہوا ہاتھ جھنجلا کر ہنسنے کی وجہ سے وہ فوراً ہی سمجھ گئی کہ گفتگو کی روانی میں وہ کوئی غلط بات کہہ گئی ہے۔ اس بار اسے اس قسم کی گفتگو سے پرہیز کرنے پر مجبور تھی لہٰذا زبان نہ کھولی۔ لیکن دانتے بابی اور سیدھی کرتی رہی!

اس سے گفتگو کرنے کے باوجود میں غافل نہیں تھا۔ گاڑی ڈرائیو کرنے کی یہی وجہ تھی کہ میں عقب نما آئینے میں پیچھے کا خیال رکھنا چاہتا تھا۔

جس وقت ہم روز ہاؤس سے نکلے، سڑک ویران پڑی ہوئی تھی۔ پھر کہیں سے ایک گاڑی ہمارے پیچھے لگ گئی۔ شاید میں اس کی طرف متوجہ بھی نہ ہوتا مگر وہ لوگ اپنی حماقت کی وجہ سے میری نظروں میں آ گئے۔ جب بھی کوئی دو گاڑیاں ہمارے درمیان حائل ہوتیں وہ اپنی ہیڈ لیمپس بجھا لیتے تھے پھر ایسے ہی کسی موقع پر دوسری روشنیاں جلا لیتے تھے۔ اسی طرح وہ اپنی دانست میں عقل مندی کر رہے تھے مگر یہی احتیاط میری ہوشیاری کا سبب بن گئی تھی۔

"وقت کیا ہوا ہے؟" میں نے عقب نما آئینے میں دیکھتے ہوئے اوشا سے سوال کیا۔

"پونے آٹھ بجے ہیں۔"

"پہلے ہم کسی دیہاتی سڑکوں والے علاقے میں چلیں گے۔"

"کیوں؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"ہمارا تعاقب ہو رہا ہے!"

اوشا نے بے اختیار اپنا سر پیچھے گھمایا۔

"یہ کیا حماقت ہے، سیدھی بیٹھی رہو!" میں غرایا اور وہ یوں حیرت سے مجھے گھورنے لگی جیسے میرے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔

اس کے لئے میرا لہجہ نامانوس تھا!

اوشا کے بتائے ہوئے راستوں سے گزر کر جب ہم مالابار ہل کے علاقے میں داخل ہوئے تو وہ جیپ بدستور پیچھے لگی ہوئی تھی۔ تعاقب کا یقین ہو جانے پر میں نے اوشا کی ہدایت پر گاڑی بونانزا کے راستے پر ڈال دی۔

بونانزا ایک تین منزلہ شاندار ہوٹل تھا جو کچھ عرصہ قبل بمبئی میں تعمیر کیا گیا تھا۔ جس وقت میں ہوٹل کے احاطے میں گاڑی پارک کر رہا تھا وہ جیپ تقریباً رینگتی ہوئی پھاٹک کے سامنے سے گزر گئی۔ جیپ کے اگلے حصے پر ترپال اور دروازے چڑھے ہونے کے باعث میں یہ نہ دیکھ سکا کہ اس میں کتنے آدمی ہیں۔

میں اوشا کے ہمراہ بونانزا کے استقبالیہ لاؤنج میں داخل ہوا تو بے شمار نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ سرخ رنگ کی زرتار ساڑی اور کمر سے بلاؤز کے درمیان اس کے جسم کے بعض ایسے نازک زاویے نظر آ رہے تھے کہ نگاہیں وہیں پر جم کر رہ گئیں۔ گھر سے چلتے ہوئے اس نے ساڑی کا آنچل

بڑے اہتمام کے ساتھ لپیٹا ہوا تھا مگر یوں تراش کر اُس نے بے تکلف چھوڑ دیا تھا۔

وہیں اوشا کو اپنی چند ہم سن لڑکیوں کی ٹولی نظر آ گئی اور وہ میرا ہاتھ تھام کر انہیں پکارتی اُن کے پیچھے لپکی۔

اُن سب نے اوشا کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا مگر مجھے حیرت سے دیکھا۔ اوشا نے باری باری اُن سب سے میرا تعارف کرایا۔

"شاید انکل کو یاد آ گیا ہے کہ تو ابھی لڑکی نہیں لڑکی ہے!" ایک چلبلی سی لڑکی نے فقرہ چست کیا اور وہ ہال نقرئی گھنٹیوں کے ترنم سے گونج اٹھا۔ سب کھلکھلا کر ہنس پڑی تھیں۔

"تم سب تو احمق ہو گئی ہو!" اوشا کا چہرہ دہک اٹھا۔ اُس نے میرے سامنے حیا کو بالائے طاق رکھ دیا تھا اور لڑکیوں کے سامنے شرما رہی تھی۔

پھر ان کی باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ میری بے چین نگاہیں گرد و پیش کا طواف کر رہی تھیں تاکہ کوئی شناسا چہرہ نظر آ سکے۔

وہ میرا شناسا تو ہرگز نہیں تھا مگر برامدے کے ایک کھمبے کے قریب کھڑا شہادت کی انگلی کے اشارے سے مجھے اپنی طرف بلا رہا تھا۔ دور سے اُسے دیکھنے والے یہی سمجھتے کہ وہ انگلی کے اشارے سے سگریٹ کی راکھ جھاڑ رہا ہے!

"تم اندر چلو۔ میں ابھی آتا ہوں!" میں نے اوشا کے کان میں سرگوشی کی اور وہاں سے کھسک لیا۔

میں اُس شخص کے قریب سے گزرتا ہوا نیم تاریک راہداری میں داخل ہو گیا۔ وہ بھی ہوشیار معلوم ہوتا تھا، میرے پیچھے اندر چلا آیا۔

راہداری کے فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ اس کے اختتام سے آنے والی ہلکی ہلکی آوازوں سے پتہ چلتا تھا کہ اُدھر بلیئرڈ روم واقع ہے!

اس شخص نے مجھے راستے ہی میں آ لیا اور تقریباً میرے برابر میں آ کر استفسار طلب لہجے میں سرگوشی کی "صفدر علی؟"

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میرے ساتھ آؤ!" یہ کہہ کر وہ داہنے ہاتھ پر ایک دروازے میں گھس گیا۔

"تم نے دیر کر دی آنے میں!" راستے میں اُس نے کہا۔

"ڈاکٹر کی بیٹی میرے ساتھ آنے پر تُل گئی تھی!"

"وہی سُرخ ساڑھی والی؟" اُس نے پوچھا۔

"ہاں!" میں نے اُسے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں کہا تاکہ وہ اوشا کے بارے میں کوئی نازیبا بات سوچ رہا ہو تو اُسے زبان سے ادا نہ کر سکے۔

وہ تو مجھ سے بھی زیادہ مضبوط بدن کا مالک تھا۔ اُس کے جسم پر نفیس تراش کا سیاہ سوٹ موجود تھا۔ شاید عام حالات میں وہ شریف آدمی ہی ثابت ہوتا مگر مجھے اُس کے بشرے سے خباثت جھلکتی دکھائی دے رہی تھی۔

ڈائننگ ہال کا طویل چکر کاٹ کر ہم دونوں ایک عقبی راستے سے ہوٹل کے سرسبز لان پر جا نکلے۔ وہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر رنگین ہلکی روشنیاں اندھیرا دور کرنے کے لیے کافی تھیں۔ البتہ لان کے آخر میں بنا ہوا سوئمنگ پول روشنیوں میں نہایا ہوا تھا!

موسم سرد ہونے کی وجہ سے سوئمنگ پول تو ویران پڑا ہوا تھا البتہ میں گلاب کے تختوں کے قریب ایک عشق زدہ نوجوان جوڑا اطراف سے غافل [illegible] چھپ کر کھٹ پٹ چلا رکھا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"میں تمہارا بہی خواہ ہوں، کیا تمہارے لیے اتنا جاننا کافی نہیں!" اُس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر بے رحمانہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تمہاری قسم کے لوگ بلا مقصد ہمدردیاں نہیں بانٹتے پھرتے!"

"خوب! تو اتنی سی دیر میں تم نے میری قسم بھی پہچان لی!"

"آدمی کا پیشہ چہرے پر لکھا ہوتا ہے! میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم کون ہو اور اس ہمدردی کی آڑ میں مجھ سے کیا چاہتے ہو!" میں نے صاف اور بے لاگ بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ مجھے ایک ویران گوشے میں لے گیا اور میرے مقابل کھڑا ہو کر بولا۔

"میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم موجودہ حالات سے خوش ہو یا نہیں؟"

"اب میں قانون کا نہیں بلکہ ڈاکٹر کا قیدی ہوں! میں یہاں سے نکل بھاگنا چاہتا ہوں!" میں نے جواب دیا۔

"میرے آدمی چوبیس گھنٹے میں تمہیں یہاں سے نکال سکتے ہیں!"

"معاوضہ کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"معاوضے کی بات ٹھکانے پر پہنچ کر طے کر لیں گے!"

"معاوضہ بتا دو، میں سوچ کر جواب دوں گا!"

وہ پھیکی سی بے رحمانہ انداز میں ہنسا "جب بات ہو گئی تو [illegible] بے کار ہے۔ معاوضہ تمہاری حیثیت کے مطابق ہی ہوگا!"

"پھر بھی میں جاننا چاہتا ہوں!" مجھے فضا میں خطرے کی بُو محسوس ہونے لگی تھی۔ میں نے آس پاس نظر دوڑائی لیکن وہاں ہم دونوں کے سوا کوئی موجود نہیں تھا۔ عشق زدہ وہ جوڑا بھی کب کا [illegible]

"بچوں کی سی ضد نہ کرو!" یہ کہتے ہوئے اُس نے اپنا داہنا ہاتھ پتلون کی جیب میں ڈالا تو کوٹ کے نیچے بغلی ہولسٹر سے جھانکتا ریوالور نظر آ گیا۔ ریوالور دکھا کر اُس نے مجھ پر واضح کر دیا تھا کہ میں اُس کے رحم و کرم پر ہوں۔

میں نے کوئی موقع دیے بغیر اُسے پوری قوت سے [illegible] لیا اور اسی کے ساتھ اچھل کر اُس کے چہرے پر بھرپور ٹکر رسید کی۔ اُسے مجھ سے اس قدر فوری ردعمل کی توقع نہیں تھی۔ [illegible] وہ پیچھے الٹ گیا۔ میں نے زمین سے اٹھنے کا موقع دیے بغیر اُس کے سینے پر [illegible] ہو گیا اور وہ ہولسٹر سے ریوالور نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر تو میں نے اُس کے چہرے کی [illegible] خراب کر دیے اور ریوالور کا دستہ [illegible] آ گیا۔

اُس نے بائیں ہاتھ سے مجھے اپنے سینے سے پرے جھٹکنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ میں کسی جونک کی طرح اُس سے لپٹا ہوا تھا۔

میں نے اپنی پوری قوت صرف کر کے اُس کے جبڑے پر کئی گھونسے رسید کیے۔ گھونسے برسانے کی بجائے کاش میں نے ریوالور چھین لیا ہوتا۔ پھر نہ جانے کس طرح اُس نے اپنی ٹانگیں ہوا میں اچھال کر میری گردن پر قینچی لگا دی اور میں اپنے ہی زور میں پیچھے کو الٹ گیا۔ گردن کی ہڈی پر پڑنے والا دباؤ اتنا شدید تھا کہ ریوالور میرے ہاتھ سے نکل گیا۔

اُس نے میری گردن ٹانگوں میں جکڑے جکڑے میری پسلیوں پر ایک شدید ضرب لگائی اور مجھے چھوڑ دیا۔

میں پھر کر زمین سے اُٹھا تو ریوالور کی سیاہ نال میرے سینے کی طرف اُٹھی ہوئی تھی۔ اور وہ آستین سے اپنا بار بار دہانہ صاف کر رہا تھا۔

"مُڑ کے پیچھے دیکھو لوں گا تم کو!" وہ غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔

"ریوالور جیب میں رکھ کر ابھی دیکھ لو، جو گرا وہی ہار جائے گا!" میں نے اسے اشتعال دلانے کی نیت سے کہا۔

"ریوالور میری جیب میں ہے!" وہ ریوالور جیب میں رکھتے ہوئے بولا "اگر تم نے ہلکی سی چالاکی بننے کی کوشش کی تو میں فائر کر دوں گا!"

"تمہاری پتلون برباد ہو جائے گی!"

"بھاگ کر تم آگے آگے ہمارے راستے سے پارکنگ لاٹ کی طرف چلو!" وہ غرایا۔ "اگر بھاگنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا، فوراً ہی تمام عمر کے لیے سو جاؤ گے!"

میرے لیے اس خبیث کا حکم ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں چہل قدمی کے انداز میں اُس کے بتائے ہوئے راستے پر ہو لیا۔ عقبی لان کا جنوبی سرا پارکنگ لاٹ سے تقریباً ملا ہوا تھا۔ اس طرف روشنی بھی ناکافی تھی لہٰذا وہاں کسی کی نظر پڑنے کا امکان نہیں تھا! اُس کی گاڑی لان کے قریب ہی موجود تھی۔ اُس نے وہاں پہنچ کر اپنی جیب سے چابی میری طرف اچھال دی۔

"گاڑی تم چلاؤ گے مگر میرے بتائے ہوئے راستوں پر!"

اُس کی ہدایت کے مطابق پہلے میں نے بائیں طرف کا دروازہ کھولا۔ پھر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف جانے کے لیے قدم بڑھایا ہی تھا کہ اُس نے للکارا "ادھر نہیں! اسی طرف سے اندر چلو!"

میں نے دل ہی دل میں اُسے گالیاں دیتے ہوئے اُس کے حکم کی تعمیل کی۔ اندر گھستے ہی کوئی موقع دیے بغیر وہ بائیں طرف والی سیٹ پر آ بیٹھا۔

اُس کی ہدایت پر گاڑی چلاتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ میں اچھی حماقت پر اُتر آیا۔ اگر میں اس سے انکار کر دیتا کہ میں گاڑی چلانا نہیں جانتا تو یقیناً ریوالور کا نشانہ بنتا۔ شاید مجھے بھگانے کا منصوبہ بناتے ہوئے اُسے امید نہیں تھی کہ میں سامنے آتے ہی کسی پالتو کتے کی طرح دُم ہلانے لگوں گا [illegible]

کبھی ٹھکانے پر لگا دوں گا۔

بمبئی ان لوگوں کا مسکن ہے۔ اس شہر میں ہندوستان کی ہر نسل کا فرد پایا جاتا ہے۔ مدراس سے لے کر کلکتے اور پنجاب تک ہر خطے کا آدمی یہاں بستا ہے۔ بھانت بھانت کی بولیاں مل کر یہاں ایک نئی زبان کو جنم دیتی ہیں۔ بے شمار ثقافتیں آپس میں گڈمڈ ہو کر بمبئی کا ایک انوکھا روپ دھار چکی ہیں۔ سامنے ٹریفک کے بھرے ہوئے ریلے تھے۔ آنکھوں سے دو رویہ پیدل چلنے والوں کی بھیڑ تک ہر سواری موجود تھی۔ اور انسانوں کی ٹولیاں در ٹولیاں ایک دوسرے سے بے پروا کندھے اور کہنیوں سے اپنا راستہ بناتے چلے جا رہے تھے۔

تھوڑی دیر میں زندگی کا یہ روپ پیچھے رہ گیا۔ اب کار ایک طویل اور ویران شاہراہ پر چلی جا رہی تھی جس کے دونوں طرف بے آب و گیاہ میدان یا کھجوروں کی جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

میں نے چور نظروں سے اپنے دشمن کی طرف دیکھا۔ اُس کا داہنا ہاتھ ڈیش بورڈ کے نیچے اس طرح ٹکا ہوا تھا کہ ہاتھ میں موجود ریوالور کی نال میری طرف تھی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اُس نے ریوالور جیب سے نکال لیا تھا۔

سڑک پر میلوں دور آبادی کے آثار نظر آئے تو میں نے اسے چھیڑا۔ "کہاں لے جانے کا ارادہ ہے مجھے؟ ہم میلوں پیچھے چھوڑ آئے ہیں!"

"بکواس مت کرو!" وہ جلے کٹے لہجے میں بولا۔

گاڑی کی رفتار موٹر کے قریب تھی۔ میری نظریں بار بار ریوالور کی طرف جا رہی تھیں۔ اور میں کوئی بڑا خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

پھر ایک بار وہ اپنی پنڈلی پر کھجانے کے لیے جوں ہی نیچے جھکا میں نے گاڑی بائیں طرف پھیلے ہوئے ناہموار کچے میدان میں اُتار دی اور پوری قوت سے بریک لگا دیے۔ وہ جھٹکا کھا کر ڈیش بورڈ پر جا گرا۔

میں نے گیئر ہینڈل کے پیچھے اُس کی گردن دبوچ لیا۔ کلچ آزاد ہوتے ہی گاڑی نے ایک جھٹکا کھایا اور انجن بند ہو گیا۔

میں نے اُس کا سر پوری قوت سے [illegible] ڈیش بورڈ کے نچلے حصے سے مارا۔ پھر اُس کے چہرے پر لگاتار گھونسے برسانے لگا۔ وہ ایک گٹھڑی کی صورت میں پائیدان میں پڑا ہوا تھا۔ مجھے ہر گھونسے سے اس پر برتری حاصل تھی۔ پھر لگے ہی لگے اُس کی ران کے نیچے دبا ہوا ریوالور میرے قبضے میں آ چکا تھا۔

اب اس پر زور آزمائی بے کار تھی۔ میں دروازہ کھول کر باہر کود گیا۔ وہ پائیدان پر پڑا کراہتا اور گالیاں بکتا رہا۔

"نیچے اُترو!" میں سرد اور سفاکانہ لہجے میں غرایا۔ "ورنہ میں تمہارے چیتھڑے اُڑا دوں گا!"

وہ دہشت کے عالم میں لڑکھڑاتا ہوا فوراً ہی باہر آ گیا۔

"میرے پاس وقت کم ہے لہٰذا مجھے اپنی ہر بات کا جواب مختصر اور صحیح چاہیے!" میں نے کہا۔ "اگر مجھے شبہ بھی ہوا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو تو گولی مار دوں گا۔ یہاں کوئی تمہاری مدد کو نہ آئے گا!"

"پ۔ پوچھو!" وہ ہانپتے ہوئے بولا۔ اُس کے سارے کس بل نکل

بیٹھے تھے۔

"تمہارا نام؟"

"انجن، پورا نام انجم خان ہے!"

"تم مجھے کہاں لے جا رہے تھے؟"

"بند روڈ کی ایک ویران حویلی میں پہنچانا تھا!"

"تم کس کے لیے کام کر رہے ہو؟"

"اس کا نام معلوم نہیں۔ کوئی رومی ہے۔ وہ بیلا پور کی لال حویلی میں میرا انتظار کر رہا ہوگا۔"

"رومی؟" مجھے اپنے کانوں پر یقین نہ آ سکا۔

"ہاں، اس نے تمہیں لانے کے دس ہزار دیے تھے۔ آدھی رقم میں پیشگی لے چکا ہوں۔" وہ کوشش کے باوجود سیدھا کھڑا نہیں ہو پا رہا تھا۔

"روز ہاؤس کس نے فون کیا تھا؟"

"میں نے۔ اس نے مجھے تمہاری تصویر دکھائی تھی اور بتایا تھا کہ تم روز ہاؤس میں رہتے ہو۔" وہ کراہتے ہوئے بولا۔ "یہ پوچھ گچھ بعد میں کر لینا۔ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے چلو۔ شاید میری کوئی پسلی ٹوٹ گئی ہے!"

"وہ رومی کہاں ہے؟"

"اس کا ٹھکانہ نہیں معلوم، ویسے بوا نزرا میں رہتا ہے۔"

"اس کا حلیہ؟"

"گورا رنگ، گھونگریالے بال، پیشانی پر کسی چوٹ کا گہرا نشان ہے۔"

"کچھ روز پہلے راما چندر کے مکان میں کون گھسا تھا؟" میں نے اندھیرے میں بیلا پور کی لال حویلی ... آخری سوال کیا۔

"میں... میں نہیں تھا۔"

میں نے اسے گھور کر دیکھا۔ دھماکے کے ساتھ گولی اس کے پہلو میں اتر گئی۔ اس کے حلق سے نکلنے والی کربناک چیخ نے ... کے ساتھ دم توڑ دیا اور اس کا جسم فضا میں اچھل کر ساکت ہو گیا۔

میں نے ... کو اسٹارٹ کیا اور تیزی کے ساتھ شہر کی طرف ہو لیا۔ راستے میں میں نے اپنے حلیے کا جائزہ لیا۔ میرا لباس بری طرح شکن آلود ہو چکا تھا۔ ... کے کئی تازہ دھبے اندھیرے میں بھی چمک رہے تھے ... اس حالت میں میرے ہوٹل تک جانا ... کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

وہ بڑی غنیمت تھی کہ روز ہاؤس میں بوا نزرا تک میرا پیچھا کرنے والے ... پہنچنے سے پہلے ہی ... گئے ہوں گے اور اب پورے ... میں میری تلاش جاری ہوگی۔

راستے میں کچھ ... ہوا تھا کہ شاید مجھے کوئی ملنے والا ہی میرا تعاقب کر رہا ہو۔ ... سیکرٹ سروس ... تھے۔ ... اس کی ... میرا پیچھا نہیں ... تھا۔

شہر کی حدود میں داخل ہوتے ہی میں نے وہ کار ... پہنچ کر ... تاریک گلیوں سے گزرتا ہوا ایک ایسی جگہ ... جہاں ٹیکسی ملنے کی امید تھی!

ٹیکسی ڈرائیوروں کی عادات کے لحاظ سے ... نہیں، بڑے پانچ روپے زائد پر سودا طے ہوا اور میں واپس روز ہاؤس پہنچ گیا۔

کار کو چھوڑنے سے قبل میں نے کوٹ کے تینوں بٹن لگا لیے تھے۔ دیکھنے والے یہی سمجھتے کہ میں نے سردی سے بچاؤ کی تدبیر کی ہے ... میں نے قمیض پر لگے ہوئے خون کے دھبے چھپائے تھے۔ ... تین دو کا ریوالور میری جیب میں موجود تھا۔ اس کا چاقو ... الگ کر کے راستے میں پڑنے والے ایک نالے میں پھینک دیا تھا۔

روز ہاؤس کے سنتری نے ٹیکسی کے ہارن پر دروازہ ... گزشتہ واقعات نے انہیں بہت زیادہ محتاط بنا دیا تھا۔ غنیمت ہوا کہ دور ہی سے میری آواز پہچان لی اور پھر ان دونوں کی نظروں ... بغیر اندر پہنچ گیا۔

گھنٹی کی آواز پر جگدیش نے دروازہ کھولا اور حیرت سے ... رہ گیا۔ "ارے موہن بابو! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟ ..."

"اوشا خیریت سے ہے؟ آ گئی ہوگی!" میں نے جلدی سے ... جھگڑا ہو گیا تھا کسی سے؟ ذکر نہ کرنا ورنہ بلاوجہ ڈاکٹر ... اس نے مجبوراً خوفزدہ نظروں سے ... کی طرف دیکھا اور میرے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

خواب گاہ میں پہنچ کر میں نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اپنا جائزہ لیا ... میرے چہرے پر ... چہرہ سیاہ مٹی میں لتھڑا ہوا تھا جس میں گھاس کے تنکے ...

شاید ریلوے لائن کے ... میں لڑھکنے ہوئے میرا حلیہ ...

حیرت تھی کہ ٹیکسی ڈرائیور نے ... کوئی میری اس حالت کو ... کا جواز بھی خود بخود ذہن میں آ گیا۔

سامنے سے آنکھوں پر پڑنے والی ہیڈ لائٹس ... غور سے قابل ہی نہیں ... چند ثانیوں تک کچھ دیکھ سکے ... رات کے اندھیرے نے مجھے بڑی مشکلات سے بچا لیا تھا ... کی سڑکوں پر سناٹا چھا گیا ہوا۔

جلدی جلدی لباس تبدیل کر کے میں ڈرائنگ روم میں آیا ... راما چندر ابھی تک تجربہ گاہ میں مصروف تھا ... ڈائریکٹری کی مدد سے بوا نزرا کا نمبر ملایا اور ... راما چندر کو فون پر بلا سکے۔

... آواز کچھ زیادہ ہی خراب اور ... سنائی دے رہی تھی۔

"میں موہن بول رہا ہوں، اوشا!" میں نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "شدید مجبوری کی بنا پر میں واپس روز ہاؤس آ گیا ہوں۔ تم بھی ... معذرت کر کے جلدی لوٹ آؤ!"

"اوہ!" اس کی غصیلی آواز سنائی دی۔ "وہ سب تمہارا انتظار کر رہی ہیں! اب وہ میرا مذاق اڑائیں گی!"

"انہیں بھی ساتھ لے آؤ۔ تمہارا جلد از جلد گھر پہنچنا ضروری ہے!" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"کیا کوئی خطرناک بات ہے؟" اس بار اس کی آواز سے تشویش نمایاں تھی۔

"ٹیلی فون پر کچھ مت کہو۔" میں غصے میں برس پڑا۔ "فوراً گھر پہنچنے کی کوشش کرو۔ کار کی چابی تمہارے پرس میں ہے۔" یہ کہہ کر میں نے اس کا جواب سنے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں سگریٹ سلگا کر حالات کے اس نئے رخ پر غور کرنے لگا۔ میں قانون سے بھاگا ہوا ایک معمولی مجرم تھا۔ آخر میری ذات میں کون سے سرخاب کے پر لگ گئے تھے کہ اب سیکرٹ سروس کے علاوہ ایک دوسری ... بھی مجھے اغوا کرنے کے لیے کسی غنڈے کو دس ہزار روپے میں خریدنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ سیکرٹ سروس کی دلچسپی کا سبب واضح تھا۔ ان کی نظروں میں میں قاتل بھی تھا اور ... بھی۔ وہ تنظیم بنیادی طور پر ملکی مفادات کی نگران تھی۔ ڈاکٹر راما چندر کی ... کے باعث مجھے اس کے حوالے کیا جا چکا تھا اور میں اس بات پر رضامند ہو چکا تھا کہ روز ہاؤس میں رہتے ہوئے ... کے لیے سونا بناتا رہوں گا۔ راما چندر ... میری مظلومیت کا واحد گواہ تھا جس نے اس بے چارے نے مجھ پر بھروسہ کر لیا تھا مگر سیکرٹ سروس والے میرے ماضی کے چہرے ... نقاب ... تھے۔ وہ میری فطرت سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ ڈاکٹر راما چندر کو قتل کر کے میں کسی وقت بھی بھاگ نکلوں گا۔ لہٰذا ڈاکٹر کے علم میں لائے بغیر وہ ہر وقت میری نگرانی کرتے رہے تھے مگر یہ دوسری ... سمجھ سے بالاتر تھا۔

میں اسی سوچ بچار میں ڈوبا ہوا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔

میں نے خاموشی سے ریسیور اٹھا لیا۔ جب دوسری جانب سے گھبرائی ہوئی آواز میں کئی بار ہیلو ہیلو کہا گیا تو میں نے پوچھا۔ "آپ کس سے بات کرنا چاہتے ہیں؟"

"موہن کانت صاحب موجود ہیں؟"

"بول رہا ہوں!" میں نے کہا، دوسری جانب لائن اچانک بے جان ہو گئی۔

ریسیور رکھتے ہوئے میرے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ شاید مجھے کھونے کے بعد سیکرٹ سروس والوں نے اپنی توجہ اوشا پر مرکوز کر دی تھی۔ جب انھوں نے ... کا کھانا ... کرنے کے بعد تنہا واپسی پر آمادہ دیکھا ہوگا تو کسی ذہین شخص کو روز ہاؤس میں میری موجودگی کا شبہ ہوا اور یوں مجھے وہ عجیب و غریب فون کال ریسیو کرنی پڑی۔

تھوڑی دیر میں اوشا بھی آ پہنچی۔ اس بار وہ اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ وہی پری پیکر ... تھی جس نے ... میرے تعارف پر چہکتا ہوا تبصرہ کیا تھا۔

"میں نینی کو بھی ساتھ لے آئی۔ ویران راستے پر اکیلے ڈرائیو کرتے ہوئے مجھے ڈر لگتا ہے!" اوشا نے نینی کی موجودگی کا جواز پیش کیا۔

"یہ نینی صاحبہ ہیں ... جن کی وجہ سے ... دیا تھا۔" میں نے اوشا کو تنگ کرنے کے لیے کہا۔

اوشا نے دانت پیس کر مجھے غصے سے گھورا اور میں مسکرا کر نینی سے مخاطب ہو گیا۔ "اب آپ کو اکیلے یہاں سے جاتے ہوئے ڈر نہیں لگے گا؟"

"تم بے وقوف ہو!" اوشا چڑ کر بولی۔ "نینی یہیں رہے گی۔ میں نے بڑی مشکل سے اس کی ماں کو فون پر منایا ہے ورنہ تم اسے بھی بھگا دیتے!"

"معاف کیجیے گا مس نینی...!"

"مس نہیں، مسز نینی ورما!" اوشا میری بے وقوفی پر جھنجھلائی۔ "ان کی شادی کو دو سال ہو چکے ہیں۔ ان کے پتی فلائٹ پر گئے ہوئے ہیں، اسی لیے یہ میرے ساتھ آ گئیں ورنہ تم تو مجھے اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے!"

"کیا بچے نانی کے پاس رہیں گے؟" میں نے سادگی سے پوچھا۔

اوشا نے کار ... پکڑ کر مجھے دروازے کی طرف دھکیل دیا۔ "پتہ نہیں تم کیا الٹی بات کہتے ہو۔ پہلے بتا دیا ... تو اب بچوں کی اماں بنانے پر تلے ہو!"

نینی میری باتوں سے بہت زیادہ دلچسپی لے رہی تھی۔ شروع ہی سے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ ... خوش ذوق اور تعلیم یافتہ خواتین کی صحبت میسر آئی تھی ... قادر الکلام تھا۔

... اوشا ... ایسے مذاق کا ... کا رخ پلٹ دیا ... نینی ... کی نظروں میں ... جو ہر عورت اپنے شوہر کے لیے رکھتی ہے ...

"بابا کہاں ہیں؟" اوشا نے مجھ سے پوچھا۔

"تجربہ گاہ میں ہیں۔ ان کا کھانا وہیں جائے گا!"

"آؤ نینی، ہم ڈرائنگ روم میں چلتے ہیں!" اوشا نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ "موہن نے بوا نزرا کا ڈنر تو گنوا دیا۔ اب ہمیں ... پڑے گی!"

نینی نے ... پلٹ کر میری طرف دیکھا اور بے اختیار میری ... آنکھ پھڑک گئی۔ نینی کی نگاہوں میں وضاحت پوشیدہ تھی جیسے کہہ رہی ہو کہ میں خود نہیں جانا چاہتی۔ یہ اوشا کی ضد ہے ... تم سے محفوظ رکھنے پر تلی ہوئی ہے!

وہ دونوں باتیں کرتی ڈرائنگ روم میں چلی گئیں اور میں ... کے صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ نینی کو دیکھنے کے بعد تھکان کا احساس کچھ اور بڑھ

گیا تھا۔

اس مہلت کو غنیمت جان کر میں نے میا ڈری فون کیا۔ بیسویں پر دوبارہ وہی مشینی آواز سنائی دی "وجیہت!"

"وجیہت صاحب! ڈاکٹر کس وقت تک فارغ ہوں گے؟"

"شاید صبح ہو جائے!" اُس نے کہا۔

"اگر مدد کی ضرورت ہو تو میں بھی وہاں آجاؤں!"

"آپ آنا چاہیں تو ضرور آجایئے" ڈاکٹر صاحب تو ابھی کام میں مجھ پر بھی بھروسہ نہیں کرتے!" اُس نے خوبصورت الفاظ میں مجھے ٹال دیا۔

"ڈاکٹر کو بتا دیں کہ ہم لوگ لوٹ آئے ہیں۔ اودشا کی ایک سہیلی بھی ساتھ آئی ہے!" میں نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

کھانے کی میز پر میں نئی کے سامنے بیٹھا۔ اس عورت میں بے انتہا جاذبیت پائی جاتی تھی۔ ایسی غیر مرئی کشش جسے عورت مرد ہی محسوس کر سکتے ہیں۔

میں نے میز کے نیچے اپنی ٹانگیں آگے تک پھیلا دیں۔ اودشا اپنی ذات کو میز کے نیچے بدل چکی تھی۔ اب میری دلچسپی کا محور نئی کی ذات تھی۔ وہ مسکراتی ہوئی بڑی بڑی آنکھوں کے گوشوں سے میری طرف جھانکتی تو میرے دل کی دھڑکنیں بے ربط ہو جاتی تھیں۔

"اس میں شک نہیں ہے! انہیں نے پلیٹ کا پہلا لقمہ لیتے ہی بُرا سا منہ بنایا "ہود سے معاف کیجئے گا! یہ میں نے بنایا ہے!" نئی نے نوالہ کر شک دال میری طرف بڑھا دیا۔ اسی وقت میز کے نیچے اس کا پیر میرے پیر سے ٹکرایا۔ میں نے چور نظروں سے دیکھا۔ اس کے ہونٹ معذرت کے لئے کھلے مگر مجھے تو چہرہ پا کر وہ کھانے میں مصروف ہو گئی۔

چند لمحوں کے بعد اس کا سینڈل میری چپل سے آ ملا۔ بیک وقت ہم دونوں کی نظریں اٹھیں اور جھک کر چلی گئیں۔ اس کا مطلب تھا کہ میرا اشارہ درست تھا وہ میرا دشا کا مذاق اڑانا اور دوستی پر پوری طرح آمادہ تھی!

میں نے چپل اتار دی اور میرا پیر اس کی پنڈلی سے چھونے لگا۔

"آپ تکلف کر رہی ہیں مس نئی!" میں نے پیر کے انگوٹھے سے نئی کی پنڈلی میں ہلکی سی چٹکی لیتے ہوئے کہا۔ جیسے شور مچتے ہی جگہ لینی شرارت کا ماجرا۔

"جی شکریہ! میں لے رہی ہوں!" اس کے حلق سے بھنسی بھنسی آواز نکلی۔

"ارے نئی! کا ذکر واس کا!" اودشا نے تقریباً چیخ کر اسے خبردار کیا" وہ چار جلی کئی سنا دو گی "تو ہونٹ بیاشنا رہ جائے گا!"

نگاہیں پھر اٹھیں ملیں اور جھک گئیں۔ نئی کی پنڈلی پر میرے پیر سخت اور گھر دے میں کی کارروائی کا میدان کھلا اور وسیع ہو گیا۔

"یہ کہاں رہتی ہیں؟" نئی نے اودشا سے پوچھا۔

"ابھی تو ہوٹل میں ٹھہرے ہیں رہنے کا بندوبست ہے مکان ہے، پھر دیکھو کدھر جانے دیں!"

"جس دن سے میں نے یہاں کا خیال آیا کرے بل کی بہن لڑکا ہوں ، اس کو تو گولیں جانے گا!" میں نے اودشا سے کہا اور نئی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس کے گڈو کو۔

کس طرح چمکتے ہوئے دانت مجھے بے حد حسین معلوم ہوئے۔ جی چاہا کہ وہ یوں ہی ہنستی رہے!

"یہ تم پر چوٹ کر رہا ہے!" اودشا نے نئی کو تاؤ دلانے کی کوشش کی "تمہارا پوما ننا والا چہرہ دیکھ رہا ہے اور تم دانت نکال رہی ہو!"

"جس کے دانت حسین اور آبدار ہوں وہ ہنسنے میں بخل کیوں کرے!" مجھے نئی کے دانتوں کی تعریف کا ایک موقع میسر آ گیا۔

"آپ کیوں اُچھر رہے ہیں بے چارہ کو!" نئی نے مجھ سے نظروں ملا نہیں اور مشکل تو یہ ہے کہ اودشا کسی بات کے پیچھے نہیں چھوڑتی!" میں نے کہا "آپ شاید اس کی کالج کی ساتھی ہیں۔ اس زمانے کی کوئی بات بتا دیں!"

"کالج!" اودشا ایک ٹھنڈا سانس لے کر بولی "کیوں نئی! وہ بھی عجیب زمانہ تھا۔ اب بھی کل کی سی بات معلوم ہوتی ہے!"

"اچھا وقت بہت جلدی گزر جاتا ہے!" میں نے نئی کو بولنے کا موقع دیئے بغیر بات اُچک لی "کچھ دیر بعد ہم ان خوشگوار لمحوں کو یاد کر رہے ہوں گے جو ہم اب میز کے گرد گزار رہے ہیں!"

میری نگاہیں نئی کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس کا رنگ یوں تپ رہا تھا جیسے میں نے بھری محفل میں اس کا کوئی راز فاش کر دیا ہو اور میرے پیر کے نیچے سے اُٹھتی ہوئی پنڈلی اچانک کہیں غائب ہو گئی۔

نئی نے جیسے تیسے کر کے پلیٹ میں بچا ہوا لقمہ ختم کیا اور ہاتھ دھونے اُٹھ گئی میں نے سوچا کہ وہاں بیٹھے رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا لہٰذا میں بھی اٹھ گیا۔ نئی واش بیسن سے نکل رہی تھی کہ میں ہاتھ دھونے اندر گھسا۔ اس نے کترا کر نکل جانے کی کوشش کی اور میرے سینے سے آ ٹکرائی۔

"اُف میری پنڈلی!" اس نے پشت پر اودشا کی آواز سن کر میں گڑبڑا کر پیچھے ہٹ گیا اور نئی بوکھلائی ہوئی باہر بھاگ گئی۔

میری توقع کے برعکس اودشا نے سونے کا بندوبست جلد ہی کر لیا اور نئی کو ہمراہ لے کر اپنی خوابگاہ میں گھس گئی۔ میں گزرے ہوئے حسین لمحوں کی یادیں لئے اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔

ابھی میں پہلی سگریٹ بھی ختم کر پایا تھا کہ اودشا وہاں آ موجود ہوئی۔

"کچھ اہم باتیں آپ کو بعد میں کروں گی۔ پہلے یہ بتاؤ کہ اپنا تو مزاج کیسا ہے؟ ہو گئے اور تمہارے داہنے جبڑے پر ورم کیسا ہے؟" وہ اس وقت بہت سنجیدہ تھی۔

"بھیجی لٹیروں کا تحفہ ہے!" میں اپنا جبڑا سہلاتے ہوئے بولا "بات یہ ہے کہ پارکنگ لاٹ کے قریب ایک آدمی ٹوٹ پڑا۔ وہ میرا بٹوہ چھیننے کی کوشش کر رہا تھا جب اس کی مرمت ہوئی تو بھاگ نکلا۔ مجھ پر تعاقب کرنے والوں کی بات سوار تھی اس لئے تردد ہو کر بھاگ نکلا۔ مار پیٹ کے بعد میرا حلیہ اس قابل نہیں تھا کہ تمہاری سہیلیوں کا سامنا کرتا!"

"جان بچانے ہو تو ایسا تم سے آگے آگے ہوتا ہے!" وہ مسکرا کر بولی۔

"مقدر ہی کچھ ایسا ہے!"

"اچھا اب میری کچھ باتوں پر سوچ سمجھ کر جواب دینا!" اودشا نے کچھ سنجیدہ ہو کر کہا

"میں بغیر سوچے بولنے کا عادی تو نہیں ہوں!"

"کیا نئی کی ہیرو تم کیا کر رہے تھے؟"

"کھانا کھا رہا تھا!"

"اس کے علاوہ؟" اس کی سنجیدگی گہری ہو گئی۔

"باتیں کر رہا تھا!" کہنے کی حد تک تو میں نے ٹھیک ٹھیک جواب دے دیا مگر اس کی باتوں سے مجھے وحشت ہونے لگی۔ دل میں پہلا خیال یہی آیا کہ شاید اس نے مجھے نئی سے ٹانگیں لڑاتے دیکھ لیا ہے۔

"جھوٹ مت بولو!"

"مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے، شاید تمہیں میرا نئی سے بے تکلف ہونا پسند نہیں آیا!" میں نے اسے دبانے کی کوشش کی۔

"تم پنڈلی کس کی سہلا رہے تھے؟" اس نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"پنڈلی؟ کیسی پنڈلی؟ یہ دماغ خراب ہوا ہے تمہارا!" میں بوکھلا کر بستر سے اُٹھ گیا۔

"ہاں ۔۔۔ مجھے بتاؤ تم اپنے پیر سے کس کی پنڈلی سہلا رہے تھے!" وہ غصے میں تلملا کر بولی۔

"تم مجھے بے تحاشا کرو جو میں نے کسی کی پنڈلی کو چھوا بھی ہو!" میرا لہجہ دفاعی تھا۔ میں زندگی میں بے شمار جھوٹ بولے اور ڈنکے کی چوٹ اس پر اڑا رہا مگر اس کے طرح میں کبھی شکنجے میں نہیں پھنسا تھا جیسا اودشا نے مجھے گھیر رکھا تھا۔

"کھاؤ قسم!" وہ جھلا کر بولی۔

"خدا کی قسم! میں نے کسی کی پنڈلی کو چھوا تک نہیں" میں نے پورے خلوص اور سنجیدگی سے اپنی بے گناہی کا یقین دلایا۔ قسم کھاتے ہوئے میں نے بپاؤ کا تنکا پکڑ رکھا تھا۔ قسم پر پیچھے کی حد تک کھائی گئی تھی پیچھے کا حاجت تو پیدا ہو جاتا تھا۔

اودشا غصے میں بھری ہوئی چند ثانیوں تک مجھے گھورتی رہی پھر مسہری پر بیٹھ کر اچانک رونے لگی۔

"کیا ہوا؟ مجھے کچھ تو بتاؤ!"

"مجھے اب پتہ چلا کہ تم نئی کے دھوکے میں میری پنڈلی سے کھیل رہے تھے تم بھنورا اور وہ آوارہ دوشیزہ تو ہیں! میں دیکھ رہی تھی جیسے بس چلے تو تم ہر سے قربان ہو جاؤ گے!" وہ روتے ہوئے بولی اور میں دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر فرش پہ بیٹھ گیا۔

میں جو رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا میں نے اسی وقت فیصلہ کیا کہ اب اگر کبھی میز کے نیچے کسی سے پیر ٹکرائے تو بلند آواز میں معذرت ضرور کر دوں گا تاکہ ایسی کسی غلطی کا امکان نہ رہے۔

کھانے کی میز پر میں نے جتنا لطف اٹھایا تھا اودشا کے انکشاف نے وہ کرکرا کر دیا تھا۔ مجھے ہتھیار ڈالنا پڑا۔ اس بات کی مجھی کو مسرت ہے کہ اعصاب اودشا اور نئی کے لمس کا فرق محسوس نہ کر سکے۔ کسی نے ٹھیک کہا ہے کہ جب ذہن پر عورت سوار ہو تو سارے حواس معطل ہو جاتے ہیں۔

میں اودشا کو بڑی مشکل سے منا سکا۔ وہ تو نئی پر بھی برسنے پر تلی تھی میں نے اُسے احساس دلایا کہ یہ سارا مسئلہ غلط فہمی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ نئی اس قصے سے واقف ہے مگر گھر بلانے کے بعد اس کی ذات پر کیچڑ اچھالی گئی تو اودشا سہیلیوں میں بدنام ہو جائے گی۔ یہ نکتہ خاصا کارگر رہا اور اودشا خاصی دیر بعد میری باہوں سے الگ ہوئی تو اس کا غصہ رفع ہو چکا تھا۔

ناشتے کے وقت تک ڈاکٹر یاماند تجربہ گاہ سے واپس نہیں آیا تھا۔ میرے ہم تینوں تھے اور ترتیب وہی رات والی تھی۔ میں اودشا کی وجہ سے تقریباً خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ جتنی الامکان نئی کی طرف دیکھنے سے بھی گریز کر رہا تھا کہ کہیں بات کا بتنگڑ نہ بن جائے۔

"تم آپ خاموش ہیں!" چائے پیتے ہوئے نئی نے مجھے ٹوک ہی دیا۔

"یہ صورتاً ڈر رہے کے بعد یوں شروع کرتے ہیں!" اودشا بول پڑی۔

نئی کھلکھلا کر ہنس پڑی میں نے ختنے اور بے بسی کے ساتھ اودشا کو گھور کر اُس نے مجھے زبان دکھا دی۔ اس وقت وہ کسی آدمی کی طرح ہنستی آ رہی تھی۔ ہنسی سے نئی کے آنسو نکل آئے تھے وہ رومال سے آنکھیں خشک کر رہی تھی کہ میری پنڈلی سے بہت آہستگی سے کسی کا نرم نرم پیر ٹکرایا۔

میں نے جلدی سے ٹانگیں سکیڑ لیں۔ اور جتنی انداز میں پیچھے ہٹ کر منہ سے نکلا "سوری!" میری نگاہیں اس وقت اودشا کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"سوری کو مین صاحب!" نئی سے ختنے ہوئے ادا ہونے والا یہ فقرہ نئی کا تھا شاید وہ اظہار افسوس کے لئے تیار نہ تھی۔ اسے توقع بھی نہ رہی ہو گی کہ سینڈل کے بغیر لڑانے والا اس کا دشمنی کا پیچھا یوں ٹھکرا دوں گا۔

بات کو مجھے سونا کہنا تھا خاموش رہ کر چوٹ دل میں پی گیا اور لب خاموش رہ کر نئی کے لبوں کا خمار جذب کرنا تھا تو سوری کہہ کر اسے ٹھکرا دیا۔ اودشا ہم دونوں سے بے خبر آہستہ آہستہ چائے کا کی کے گھونٹ لے رہی تھی۔

جانے سے قبل دیر پہلے چند سیکنڈ کے لئے اودشا ہم دونوں سے غافل ہوئی اور نئی نے میز سے کارڈ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

کارڈ پر صرف تین سطریں چھپی ہوئی تھیں کیپٹن ورا۔ اس کا چھوٹا سا بھی میں نے وہ کارڈ جلدی سے جیب میں اُڑس لیا۔ اودشا ڈیوٹی کے ہمراہ نئی کو چھوڑنے چلی گئی۔

تجربہ گاہ سے ڈاکٹر یاماند کی واپسی دوپہر کے قریب ہوئی۔ مسلسل کام اور بے خوابی کے باعث اس کے بوڑھے چہرے پر بے شمار جھریاں ابھر آئی تھیں اور آنکھوں سے مایوسی کا اظہار ہو رہا تھا۔

"جیسے تم مضبوط ہو تا جیسے جو وہ کوئی عجیب سا تجربہ" ڈاکٹر آتے ہی بولا "میں اسے ہر طرح آزما چکا۔ نہ اس کی تحلیل ہوتی ہے نہ کوئی معیاری تجربہ کارگر ہوتا ہے۔ منجمد ہونے کے کیمیائی خواص اصل کے مطابق ہیں۔ طبعی خواص بہت مختلف!"

"اس طرح مسلسل محنت اچھی نہیں ڈاکٹر صاحب!" میں نے اسے سہارا دیا اور سہارا دے کر بٹھاتے ہوئے کہا "آپ آرام کا خیال بھی رکھا کریں!"

"ہاں تمہارے ساتھ رات کیا ہوا تھا!" یاماند نے اچانک سوال کیا۔ جھلکتی

نے فون کر کے مجھے تحریر کی کاوش کا سب کچھ بتا دیا تھا۔"

"میں نے اسے منع کیا تھا۔"

"سب سے لازم مجھے یہ بات بتانا تھی۔" پاما نے بولا۔ "اگر ان پر اعتماد نہ ہو تو میں انہیں مجھے کہ میں ایک منٹ بھی بے فکری سے نہ رہ سکوں۔"

میں نے ڈاکٹر کو بھی وہیں کہ ان سنادی تھا اور شاکو بتا چکا تھا۔

"آخر یہ سیکرٹ سروس کب تمہارا ساتھ چھوڑے گی۔"

"انہیں بھول جائیں۔" میں نے کہا۔ "اپنی دانست میں اس طرح وہ میری اور آپ کی حفاظت کر رہے ہیں۔ جب تک وہ ہمارے آڑے نہیں آتے میں ان کو بھلائے رکھنا ہوگا۔"

"او تم چائے لیں گے؟"

"وہ بچی کو چھوڑنے گئی ہے آتی ہی ہوگی۔"

"میں سونے جا رہا ہوں کوئی اہم کال آئے تو جگا دینا۔"

اس شام اوشا کے روکنے کے باوجود میں گھر سے نکل پڑا۔ میں جلد از جلد اس روسی لڑکی تک پہنچنا چاہتا تھا جس نے انجن کا دستہ مجھے تھمایا تھا۔ انجن سے مالا گیا زیور اولوشا نے کوٹ کی بغلی جیب میں چھپایا تھا۔

ابھی اندھیرا پھیلنے میں کافی دیر تھی لہٰذا میں نے کار چوپاٹی کے راستے پر ڈال دی۔ یہ البیوس مکان ایک مختصر لیکن خوشنما بنگلے پر مشتمل تھا۔

میں نے جینی کے مکان کے سامنے کئی چکر لگائے مگر وہاں جانے کی ہمت نہ کر سکا۔ مجھے اس کے گھر کے ماحول وغیرہ کا کوئی اندازہ نہیں تھا پھر مجھے خیال آیا کہ کوئی رکاوٹ ہوئی تو میں یوں خاموشی سے اپنا کارڈ جیسے حوالے کر دوں گا۔

میں کار اس کے مکان کے احاطے میں لیتا چلا گیا۔

ہارن کی آواز پر ایک بوڑھی خادمہ برآمد ہوئی میں نے اسے اپنا نام مونس ہی بتایا۔

چند منٹ کے بعد جینی خود ہی آ گئی۔ شاید اسے یقین نہیں تھا کہ میں اتنی جلد اس تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ اس نے خندہ پیشانی اور خوش دلی کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ پچھلی ملاقات میں ہم دونوں میں کچھ زیادہ باتیں تو نہیں ہو سکی تھیں ہاں اشاروں کنایوں میں ہم نے ایک دوسرے پر اپنا مدعا واضح کر دیا تھا۔ ایسی حالت میں دو ملاقاتیں بڑی بے تکلفی ثابت ہو چکی تھی۔ جینی کے پاس اتفاقاً تھے نہ میرے پاس کوئی موضوع تھا۔

"آپ کے پتی نہیں ہیں؟" سب سے پہلے میں نے اہم ترین سوال ہی پوچھ ڈالا۔

"وہ ان دنوں یہاں نہیں ہوا بار ہیں۔ ان کا بیشتر وقت باہر گزرتا ہے۔" اس کے لہجے میں دکھ چھپا ہوا تھا۔ شاید اس کا شوہر اسے مسلسل نظر انداز کرتا رہا تھا۔

"آپ یہاں تنہا رہتی ہیں؟" میں نے اس کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"میری ایک بھی ماما اور ایک بوڑھی ماما ساتھ رہتی ہے۔"

اس کا ڈرائنگ روم دیکھ کر میری آنکھیں کھل گئیں۔ آرائش میں حسن اور نزاکت کا ایسا حسین امتزاج کم ہی نظر آتا ہے کمرے کے ایک گوشے میں چھوٹا سا

بابنا ہوا تھا جس میں کئی الماریاں شراب کی بوتلوں سے بھری ہوئی تھیں۔

"یہ شوق شاید بچپن ورثے کا ہے۔"

"وہ یہاں رہتے اب میں جوان کے شوق رکھے جاتے ہیں آپ کچھ پسند کریں گے؟"

"شیمپین!" میں نے مسکرا کر کہا۔

اس نے دو چھوٹے پوٹے کا گلاس تیار کیا۔ شیمپین میری طرف بڑھاتی پھر ہنستے ہوئے بولی۔ "پچھلی رات آپ کا اوشا سے جھگڑا تو نہیں ہوا تھا؟"

"نہیں تو!" میں نے سفید جھوٹ بولا۔

"وہ کافی دیر آپ کے لئے پریشان رہی تھی۔ شروع ہی سے وہ ضد ہے۔ بات بات پر رقابت کا مسئلہ کھڑا کر دیتی ہے۔" وہ مسکرا کر مزید بولی "کیا پہلے کوئی عشق کر چکی ہے؟"

"عشق تو میں نے کیا تھا۔" وہ آزردہ لہجے میں بولی۔ "مگر جو شوہر مجھے ملا ہے باقی بھی دور ماشادی سے پہلے جیسے ہی تھے وہ اب میں ان کے بیاہ کر اجڑ چکی ہوں۔ اوشا میری بہت ہی پیاری دوست ہے۔ یہ بھی گوارا نہیں تھا کہ میں اپنا زیادہ وقت اس کے بجائے دوسرا کے ساتھ گزاروں۔"

"آپ حسین ہیں جوان ہیں آپ میں کس چیز کی کمی ہے جو ورما صاحب آپ سے دور رہتے ہیں؟" میں اس کی بالواسطہ تعریف کرتے ہوئے بولا۔

"ان کے پاس ڈیوٹی کا بہانہ ہے۔" وہ طویل سانس لے کر بولی۔ "مجھے معلوم ہے کہ وہ کوشش کر کے اپنی ڈیوٹی یورپ وغیرہ کے ریسٹ پر لگواتے ہیں۔ دراصل شادی یا عشق کا حسرتناک انجام ہوتی ہے موہن صاحب!"

میرا اس کے قریب کھسک گیا۔ "مسئلہ انتخاب کا ہوتا ہے۔ اگر ورما کوئی معقول آدمی ہوتا تو آپ جیسی عورت کے چرنوں میں پڑے رہنے کی آرزو کرتا۔"

"چھوڑیئے۔" وہ گلاس خالی کر کے بولی۔ "مجھے یہ بتائیے کہ آپ بچھے بچھے سے کیوں لگ رہے ہو!"

"میں اسی کی معذرت چاہنے آیا ہوں!" میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"معذرت تو میں نے اسی وقت آپ کی آنکھوں میں پڑھ لی تھی۔" وہ آہستہ سے میرا ہاتھ دباتے ہوئے بولی۔

"اس وقت میری آنکھوں میں کیا پڑھ رہی ہیں آپ؟"

وہ اچانک وہاں سے اٹھ گئی۔ میں نے اس قربت میں اپنی ذات کو بکھرا ہوا پایا۔ ورما کی بے وفائی کے باوجود اس کے قدموں میں لغزش در آئی کہ وہ سنبھل نہ سکی۔ میں جانتا ہوں یہ جادو ہے جو سر چڑھ کر بول رہا ہے میں بدتمیزی کی تلافی کرنے گئی ہوئی ہوں۔"

دوسرا گلاس لبریز کر کے وہ واپس آئی اور ٹہلتے ہوئے کچھ سوچ کر مسکرائی۔

"کیا سوچ رہی ہیں آپ؟"

"اگر اس وقت اوشا یہاں آ جائے تو کیا ہو؟ آپ اسے کیا بتائیں گی؟"

"کیا وہ اکثر یہاں آتی رہتی ہے؟"

"نہیں، مجھے آپ کی آمد پر حیرانی ہے کہ مجھے دل جلانے کا موقع ملا دی ہوتی ہے۔"

یہ چیک وغیرہ۔" اس نے مجھ سے کہا۔ جینی کی بہن بڑی دلچسپ تھی۔ کیا جانتا ہوں کہ میں اس کی بڑی چھوٹی دونوں بہنوں کا دیوانہ ہوں۔

جینی کی بہن کے اعلیٰ ترین فلمی حلقوں کے باعث یہ شہر یقین دلاتی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر سرخی کی وجہ سے شاید دیکھنا ہی نہیں بنتی تھی اور جنبشوں میں اس طرح کے پھوٹ رہے تھے جیسے بجلی کی سی چمک ہو۔

"یہ چیک نہیں، یہ ویسٹ انڈیز کا ہے" میری خود نگاہ اٹھی پھر تحریر پڑھی۔ "ہر روز یہ نئی خوشی ہوتی ہے۔"

سسکی کی سی ہر جنس تیز رفتاری نے اگرچہ اسی تیزی سے مسدود کر دی تھی۔ ان دنوں وہ ویسٹ انڈیز جیسے جزیروں کا سفر کر رہی تھی۔ مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ کس حد تک ان کے ساتھ خود کو گم کر چکی ہے۔ یہی جینی کی معصوم آنکھوں میں جیسے ایک اداسی سی جھلکتی تھی۔

"یہ میری خوش نصیبی ہوگی اگر اسی بہانے آپ کی خوابگاہ میں قدم رکھ سکوں۔" میں نے کہا۔

"وہ دو سالوں سے کسی مرد کا ہاتھ تک نہیں لگا ہوتا۔" جینی کا لہجہ کرب میں ڈوبا ہوا تھا۔ "ورما جی نے آتے بھی پیار تو چھوڑو صرف دوستوں کے ساتھ گزرتے ہیں!"

"آپ ورما کے طلاق کیوں نہیں لے لیتیں؟" میں نے اپنے دل میں اس کے لئے ہمدردی کی تڑپ محسوس کی۔

"طلاق!" وہ یوں میری طرف گھومی جیسے میں نے اسے گالی دے دی ہو۔ "یہ خود مختار ہو کر اپنا شوہر درست نہیں کر سکتی موہن صاحب۔ ہمارا ہندو معاشرہ عورت کی ان باتوں کو قبول نہیں کرتا۔ وہ تو صرف مرد کا ہی حق ہے کہ وہ جب چاہے اپنی راہ بدل لے۔ ورنہ عورت کی زندگی تو ختم ہو جاتی ہے۔ طلاق لینے والی ایسی عورتوں پر دنیا والے کیسی کیسی باتیں بناتے ہیں۔" یہ آخری الفاظ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔

"مجھے افسوس ہے جینی دیوی کہ میں نے انجانے میں آپ کو صدمہ پہنچایا۔" میں نے سر جھکا کر کہا۔

"چھوڑیں موہن صاحب ان باتوں کو۔" آنکھوں میں آنسو ہونے کے باوجود وہ مسکرا دی۔ "آپ چند لمحوں کا آسودگی کی تلاش میں یہاں آئے ہیں تو کیا اسے یوں ہی ضائع کر دیں گے؟"

"اوشا یہ سب جانتی ہے؟"

"اوشا!" اس نے کہا۔ "آپ کو حیرت ہوگی موہن صاحب کہ میری اندھی زندگی کا اندھیرا اوشا سے بے خبر ہے۔ یہاں سے ہر روز ورما کے محبت بھرے فرضی خطوط لکھتی ہوں۔ میری ماں یہ سمجھتی ہے کہ ورما مجھے دل و جان سے چاہتا ہے جس دن وہ حقیقت جان گئیں، زندگی کی یہ فضا ان کے لئے کوئی جادو نہ رہ سکے گا!"

اتنا کہہ کر اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے صوفے سے اٹھا لیا اور بے تکلفی سے بولی۔ "تم نے جو دکھ بھری باتیں چھیڑ دیں، میں چاہتی ہوں کہ آپ سب کچھ بھول جاؤ اور مجھے اپنی خوشیوں میں شریک کر لو!"

جینی کی خوابگاہ شاہانہ طور پر آراستہ تھی۔ فرش پر ہاتھ کا بنا ہوا دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ کھڑکیوں پر گہرے نیلے رنگ کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ سنگھار میز

ایک ایسی خوب صورت شیشے سے بنی ہوئی تھی جس کے عین مقابل اونچی تپائی پر ایک بجلی کی روشن رکھی ہوئی تھی۔ دوسری تپائی پر آئینے کے ساتھ سائیڈ ٹیبل پر سجا ہوا تھا۔ دوسری سائیڈ ٹیبل پر وہائٹ ہارس کی دو بوتلیں اور ایک گلاس رکھا ہوا تھا۔

جینی مجھے کسی بچے کی طرح اپنی شاہانہ خوابگاہ کا جائزہ لیتے دیکھ رہی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اس نے اپنا جوڑا کھول کر بالوں کو گریبان سے باہر ڈال کر پیچھے پر بکھیر دیا۔

"تھینک یو ڈارلنگ!" میں اس کی اداؤں پر پاگل ہوا جا رہا تھا۔ مگر میں نے خود پر ضبط کرتے ہوئے صرف اس کی پیشانی چومنے پر اکتفا کیا۔ اور کوٹ اتار کر بیڈ پر پھینک دیا اور ٹائی کرسی پر ڈال دی۔

باہر سے ایک دو گلاس پینے کے بعد وہ کسی قدر مدہوش ہو گئی۔ وہ اپنے پہلو میں کسی آدمی کی بجائے اپنی تنہائی کو محسوس کرتے ہوئے بولی۔ "ٹی وی کا جیٹ شاید مرد وقت تیار رکھا تھا۔" میں نے سر ہلایا۔ اور ٹی وی اسکرین پر رنگین مناظر ابھرنے لگے۔ ٹی وی اسکرین سے منعکس ہونے والی روشنی میں میں نے اسے دیکھا تو اس کی آنکھیں نیم وا تھیں۔

اسکرین پر ایک رنگین تاریخی فلم شروع ہو گئی۔ وہ مجھ سے یوں لپٹی ہوئی تھی جیسے اس کا تعلق اس دور سے تھا جب انسان لباس کی قید سے آزاد تھا۔

وقتی آوازیں وہ ٹھہر جاتی، دیکھتی کہ خواب گاہ کے فرش پر ہوتی رہ جاتا ہے۔ ایک جیتے جاگتے مرد کی آواز سنائی دیتی۔

جب ہم وہاں سے نکلے تو رات کے دس بج چکے تھے۔

ہوا تیز اور بالکل ٹھنڈی تھی۔ مجھے قدم قدم پر امید تھی کہ شاید انجن کا رستہ آ جائے گا۔ اسی خیال سے میں نے اپنی جیب پر ہاتھ پھیرا، وہ موجود تھا۔ اس کے بعد میں نے سوچا کہ جینی کو ابھی بتا دوں کہ ادا کاری کے طور پر میں نے جو کہا اس کی تلافی کر دوں۔ وہ گلاس کی طرف دیکھ کر بولی۔ "لگتا ہے آپ کسی گہری سوچ میں ہیں؟"

"کتنا بڑا اس نے کہا۔" "کوئی خبر کہاں ہے؟"

"ہاں اوشا کی پریشانی پر ندامت کا بڑا احساس ہے۔" میں نے اپنے فکر کی وضاحت کی۔

"مگر فکر نہ کریں۔" وہ بولی۔ "شاید میں اسے لینے جاؤں۔" اس نے بتایا میں نے جیب سے پانچ کا نوٹ نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا اور وہاں سے ہٹ گیا۔

کار اسٹارٹ ہوتے ہی میرا ذہن دوبارہ انجن کی طرف چلا گیا۔ اس کی حقیقت جاننے کا خیال مجھ پر سوار تھا۔ وہاں جینی بھول گئی اور قدم قدم کا سوال کرتے ہوئے ہی مجھے شک سا گزرا کہ ٹیلی فون بوتھ کے قریب لوگ کھڑے تھے جو میری معلومات حاصل کر رہے تھے۔

میں اپنے بنگلے کی طرف سے دور اس پاس پہنچا۔ ایک بار جونہی چند مسافروں کو لے کر لفٹ اوپر روانہ ہوئی تو میں تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

تیسری منزل کی راہداری ویران پڑی ہوئی تھی مگر پھر بھی احتیاطاً میں نے

وہ اس منزل کے پچھلے کمرے میں مقیم تھا اور وہ کمرہ راہداری کے آخری سرے پر تھا۔

میں تالوں کا جائزہ لیتا ہوا جلد ہی پچھلے کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر میں اس کے بارے میں بہت کچھ جان سکتا تھا۔

میری جیب میں بھرا ہوا ریوالور بھی تھا اور چند ٹکڑے تار کے بھی۔ میں نے تیل کی چابی دو تاروں میں [illegible] ہوا تھا پہلی بار اس تالے کو کھول لیا اور دروازہ کھلتے ہی میں اندر داخل ہو کر دروازہ دوبارہ مقفل کر دیا۔ ان دروازوں میں دو بڑی خوبیاں تھیں۔ ان کے قبضے بے آواز تھے اور قفل ایسی ساخت کے کہ اندر سے ناب گھماتے ہی کھل جائیں مگر باہر سے چابی کے بغیر نہیں!

اندر گھستے ہی میں نے ریوالور ہاتھ میں لے لیا تھا۔ سب سے پہلے میں نے باتھ روم کا جائزہ لیا۔ پھر ڈریسنگ الماری دیکھی اور آخر میں مسہری کے نیچے جھانکا مگر وہاں کوئی نہ تھا۔

کمرے میں [illegible] ہوٹل کی ملکیت نظر آ رہی تھی۔ میں نے ڈرائنگ ٹیبل کی دراز میں جھانکا۔ الٹ پلٹ کر دیکھا مگر وہاں کاغذ کا ایک پرزہ بھی نہ مل سکا۔

آخر میری توجہ الماری میں لٹکے ہوئے ملبوسات پر گئی۔ میں نے باری باری ساری جیبیں دیکھ ڈالیں لیکن چند سکوں اور سگریٹ کے ٹکڑوں کے سوا کچھ نہ ملا۔

میں کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے حیران تھا کہ اس طرح میں اس کی شخصیت اور مقاصد کے بارے میں خاصی معلومات حاصل کر سکوں گا مگر یہاں تو میدان صاف پڑا ہوا تھا۔ چند ملبوسات کے علاوہ وہاں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے پتا چل سکے کہ کون وہاں مقیم ہے۔ مجھے شبہ ہوا کہ یا تو [illegible] نے مجھے کمرے کا غلط نمبر دیا ہے یا میں غلطی سے کسی اور کمرے میں گھس آیا ہوں!

یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ ہوٹل میں قیام کرنے والا کوئی غیر ملکی اتنا مختصر سامان رکھتا ہو [illegible] پاسپورٹ اور سفری کاغذات کا بھی پتا نہیں تھا۔ ملبوسات کے علاوہ ایک سستا سا سفری بیگ نظر آ رہا تھا جو شاید اس [illegible] لینے کے لئے استعمال کرتا ہوگا۔

اچانک میری نظر ردی کاغذات کی ٹوکری پر پڑ گئی۔ اس میں کاغذ کے پرزے پڑے ہوئے تھے۔ ان میں ایک لفافے کے پھٹے ہوئے ٹکڑے بھی تھے جو آسانی سے جوڑے جا سکتے تھے۔ میں نے پھرتی کے ساتھ انھیں جوڑنا شروع کیا اور لفافے سے اس کا نام معلوم ہو گیا۔ اور یہ بھی پتا چل گیا کہ وہ [illegible] کمرے میں رہ رہا ہے۔ لفافے پر مسٹر الانوف، کمرہ نمبر تین سو چار [illegible] لکھا ہوا تھا۔ لفافے پر [illegible] کے ٹکٹ تھے نہ کوئی مہر۔

باقی پرزوں پر سرسری نظر ڈالنے سے ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ ان پر روسی زبان لکھی ہوئی ہے لہٰذا میں نے انھیں جوڑنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور سارے پرزے اسی طرح جیب میں ٹھونس لئے فرصت میں [illegible] کارآمد ثابت ہوتا۔

کمرے میں نظر آنے والا سامان اتنا ناکافی تھا کہ [illegible] کے باوجود مجھے کوئی چیز نظر انداز ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔ [illegible] تو ہوٹل کے سفر پر نکلنے والے ساتھ لے جاتے ہیں۔

جب میں آخری بار مسہری کے نیچے جھانک رہا تھا تو اچانک [illegible] کسی کے کھولنے کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ میں پھرتی کے ساتھ پلٹا مگر [illegible] اس وقت ریوالور بھی میری جیب میں پڑا ہوا تھا۔

میرا دشمن دروازہ مقفل کر کے آگے بڑھ آیا۔ اس کے ہاتھ میں [illegible] کا ایک چھوٹا سا پستول تھا جس کا رخ میری جانب تھا۔

"خوش آمدید مسٹر صفدر!" اس نے روسی لہجے میں انگریزی [illegible]

اس کی آواز سرد اور جذبات سے عاری تھی۔ "مجھے امید نہیں تھی کہ تم خود [illegible] تک چلے آؤ گے!"

وہ دراز قامت اور چوڑے جسم کا مالک تھا۔ سر پر چھوٹے چھوٹے بال تھے۔ پیشانی کے وسط میں زخم کا نشان اس قدر نمایاں تھا [illegible] چھوٹی نظر آتی تھیں۔ جسم کے مقابلے میں اس کی آنکھیں چھوٹی [illegible] چمکیلی تھیں۔ چہرے اور [illegible] ہوئے جبڑوں کے نیچے اس کا چہرہ [illegible] کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں کسی عجیب ساخت کا [illegible] اور بائیں ہاتھ میں وزنی بریف کیس [illegible] تھا۔ شاید وہ اپنی ساری [illegible] اسی بریف کیس میں ساتھ لئے پھرنے کا عادی تھا۔

"تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اس کا سکون میرے لئے [illegible] کا باعث بن رہا تھا۔

"میں الانوف ہوں اور تمہارا کام [illegible] کرنا چاہتا ہوں۔" اس کا لہجہ سفاکانہ تھا۔ "اب تم ہاتھ اوپر اٹھا لو اور دیوار سے ناک لگا کر کھڑے ہو جاؤ۔ یاد رکھنا کہ میرے پاس بے حد خوفناک ہتھیار ہے۔ میں فائر کروں گا تو کوئی [illegible] نہیں ہو گا۔ اس میں سے ہلکی سی آواز کے ساتھ ایک سوئی اڑ کر تمہارے بدن میں [illegible] جائے گی اور وہ سوئی [illegible] زہر [illegible] تمہاری [illegible] ہوٹل [illegible] دوں گا۔ اور کوئی نہ جان سکے گا کہ تم کبھی یہاں آئے تھے؟"

میں ہاتھ نیچے گرائے اسے گھورتا رہا۔

"قتل کے معاملے میں میرا ہاتھ نہیں رکتا صفدر!" وہ بے حد پرسکون تھا۔ "[illegible] میں میرا ایک شکار تم دیکھ چکے ہو۔ جلدی کرو!"

"تو کشور کے قاتل تم ہو؟" میرے منہ سے بے اختیار نکلا اور میں نے [illegible] اٹھا کر اپنا چہرہ دیوار سے لگا لیا۔ اس بار میں واقعی کسی خطرناک [illegible]

اس کی پرسکون آواز [illegible] قدموں کی دھمک میرے کانوں میں گونجنے لگی۔ موت کو اپنے قریب پا کر [illegible] تیز ہو چکی تھی۔

قالین پر بے آواز قدموں کی دھمک میرے عقب میں [illegible] ہو گئی۔ اس کے بھاری سانسوں کی آواز بھی [illegible] کے سکوت میں صاف سنائی دے رہی تھی۔

نرم

پھر اس نے بائیں ہاتھ سے میرے جسم کے مختلف حصوں کو ٹٹولنا شروع کیا۔ میری پشت اس کی جانب تھی اور میرے ہاتھ فضا میں اٹھے ہوئے تھے۔ اس کے ہاتھ میں کوئی روایتی ہتھیار ہوتا تو [illegible] خطرہ مول لے لیتا [illegible] کی صورت میں مجھے زخمی ہی کر پاتی۔ اس صورت حال میں [illegible] کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا [illegible] کیونکہ [illegible] جسم کے کسی بھی حصے میں پیوست ہو جاتی تو موت یقینی تھی۔

آخر اس نے میری جیب سے ریوالور نکال لیا اور [illegible]

"[illegible] حاصل کیا ہے۔"

"یہ وہی ریوالور ہے جو الانوف میں نے [illegible] دیا تھا جو [illegible]"

[illegible] اس کا مطلب یہ تھا کہ [illegible] نے مجھے پہچاننے کے لئے بہت [illegible] حاصل کر لیا تھا۔

مجھے جیب تلاشی کرنے کے بعد اس نے مجھے پلٹ کر بیٹھنے کی اجازت دے دی [illegible] اور خود مجھ سے [illegible] پر بیٹھ گیا۔ [illegible] اس کے ہاتھ میں بھی [illegible] اس کے استعمال میں [illegible]

"میں کل رات [illegible] لیکن تم بچ گئے [illegible]"

چند ثانیوں تک اس نے سکوت توڑتے ہوئے کہا۔ [illegible] [illegible] کے انتخاب میں [illegible] تھا۔

"مجھے بلانے کے لئے تم نے بہت [illegible] طریقہ اختیار کیا تھا۔" میں نے بے خوف لہجے میں کہا۔ [illegible] سے یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ میں اس سے خائف نہیں ہوں۔

وہ مجھے [illegible] [illegible] مجھے شاید محسوس ہوئی۔

"مجھے یقین نہیں تھا کہ تم آنے سے قبل ہی [illegible] [illegible] جب تم جانتے تھے کہ [illegible] [illegible] نکلے تھے۔ [illegible]"

"میرے کام میں [illegible] ضروری ہے۔" وہ ایک عجیب نظر آنے لگا۔ [illegible] مجھے [illegible] سے نفرت [illegible] [illegible] کیا ہوں؟

"اگر تم میرے مددگار [illegible] بات کر [illegible] تھی؟"

"[illegible] کی صورت میں [illegible]"

[illegible] [illegible]

"اس معاملے [illegible] خوف ہو سکتے ہو۔"

[illegible] رہے ہو؟"

"مجھے ذرا بھی امید نہیں تھی کہ تم مجھ سے الجھ پڑو گے اور [illegible]" [illegible] آہستہ آہستہ اس کا لہجہ اعتدال پر آنے لگا تھا۔

"مسٹر الانوف! میں جس [illegible] حالات کا شکار ہوا ہوں۔ یہاں سے فرار [illegible] مکمل [illegible] کوئی [illegible] نہیں کروں گا۔" میں نے [illegible] "تمہاری باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ تم یہاں میری مدد کرنے کے لئے باہر سے یہاں بھیجے گئے ہو [illegible] میں کیوں دلچسپی لے رہے ہو؟"

اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ چند ثانیوں تک وہ مجھے گھورتا رہا پھر بولا "مجھے [illegible]"

"میرے [illegible] یہاں سے نکالنا چاہتی ہے۔"

"کیوں بھئی! [illegible]" میرے منہ سے بے اختیار نکلا اور میں اچھل کر [illegible]

"روسی [illegible] کا یہ مقصد نہیں ہو سکتا۔"

"مقصد ضرور ہوگا مگر میں اس سے لاعلم ہوں۔" اس کے عجیب وضع کے پستول کی نال [illegible] [illegible] شہادت کی انگلی [illegible] "مقصد کے بارے میں مجھ سے [illegible] اسی وقت بات کریں گے جب تم اس تعیینے [illegible]"

"جہنم کے بجائے روس کی قید؟" میں [illegible] [illegible] اور مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی [illegible] [illegible] [illegible] خوفناک [illegible]"

"اب تم زندہ رہو گے [illegible] [illegible] [illegible] تمہارے [illegible] [illegible] وہاں سے نکال لے جانے کا مقصد [illegible] بالکل [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] تیار ہو جاؤ۔"

مجھے اپنی [illegible] [illegible] الانوف کی آنکھوں میں جھانکا اور [illegible] "مجھے [illegible] کے لئے [illegible] وقت کا ہے۔"

الانوف نے اپنی ریسٹ واچ دیکھی اور بولا "اس وقت رات کے گیارہ [illegible] بجے ہیں میں تمہیں [illegible] کی مہلت دیتا ہوں۔"

میں [illegible] انداز میں [illegible] دیا۔ "میں [illegible] کی بات کر رہا ہوں۔ مجھے [illegible] تنہائی چاہئے تاکہ میں [illegible] فیصلہ کر سکوں۔"

وہ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور سرد لہجے میں بولا "تم کسی [illegible] [illegible] [illegible] جلد [illegible] [illegible]"

میں نے بے چارگی سے سر جھکا دیا۔ "میری [illegible] کیا صورت ہو گی؟"

"وہ میرا کام ہے۔" [illegible] لہجے میں بولا "تم [illegible] [illegible] پھر [illegible]"

بھگا رہا ہے کہ سونے میں بدل سکتی ہے۔"

"پارس؟" میں نے وحشت زدہ لہجے میں دہرایا۔ "مگر وہ یہاں نہیں ہے۔"

"بکواس مت کرو۔" وہ بے یقینی کے عالم میں غرایا۔ "وہ تمہارا ہے اور تمہارے ہی پاس رہے گا۔ کیونکہ اسے تمہارے ساتھ ہونا چاہیے۔"

یہ حال بہت خوفناک تھا۔ الالوت کی اصل دلچسپی پارس ہی سے تھی۔ مجھے پارس سیٹ چند سے باہر نے ہونے کی کوئی بھی اُمید نظر نہ آئی کیونکہ انڈین سیکرٹ سروس جو بھاری جانی نقصان اٹھانے کے بعد میری طرف سے بہت زیادہ محتاط ہو گئی تھی۔ الالوت مجھے دولت کا لالچ دے کر پارس تک پہنچنے کا راستہ پا گیا۔ یا تھا مجھے یقین تھا کہ جیسا لوگوں نے سوچا کہ پارس کے بغیر وہ میری زندگی کا آخری لمحہ ہو گا اور الالوت وہ نایاب پتھر ہے کر خاموشی کے ساتھ ہمیشہ کے لئے نکل جائے گا۔

"مگر وہ میرے پاس نہیں ہے۔" اس کا مقصد واضح ہو جانے سے میری خود اعتمادی بحال ہو گئی۔ جب تک مجھے علم تھا وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے مجھے اس سے ہر طرح اپنی جان کا خطرہ تھا۔ مگر اب صورت حال مختلف تھی۔ وہ پارس پتھر کی طرح میں تھا اور مجھ کی طرح روشن پراسرار سے جواہرات پہچانی تھی۔ اسے ہر قیمت پر پارس درکار تھا۔ پارس کے بغیر وہ میری جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ چنانچہ بڑی اطمینان سی حرکت ہر ایک اسے پارس کا سفر کرنے کے بعد وہ شخص ایک مرتبہ ہاتھ کر کے بھی دوام واپس لوٹ جاتا۔

"اگر تمہارے پاس ہوتا تو اب تک انڈین سیکرٹ سروس اسے حاصل کر چکی ہوتی۔" وہ مسخرانہ انداز میں مسکرایا۔ "وہ قسمت تمہاری نہیں تم نے چھپایا ہے تو اس سے حاصل کرو ورنہ پارس کے تو تمام تمہارے ساتھ ہی دفن ہو جائے گا۔"

"میں تمہارا کام تم اس کے لیے بہت ضروری ہو چکا ہے۔ پارس اس کے پاس ہے۔ وہ...." میں نے بے ساختہ لہجے میں کہنا شروع کیا لیکن اس نے درمیان ہی میں میری بات کاٹ دی۔

"تمہاری اب تک کی ساری سرگرمیاں میرے علم میں ہیں۔ تمہاری دلچسپی کو یقینی طور پر معلوم ہو چکی ہوگی۔ اور جلد ہی وہ بھی تمہارے پاس آ جائے گی۔"

"الالوت کوشش میں ہے کہ بات کرو۔" اس کے شکایت آمیز فقرے کے ساتھ میں کھول اُٹھا۔ "تمہارا میری بیوی سے واسطہ نہیں ہے۔"

"شٹ اپ!" وہ میز پر مکا مارتا ہوا بولا۔ "یہ پارس مرد کے لئے بڑی پرکشش واشتہ ہوتی ہے۔ تمہارا اندر کی لڑکی کے ساتھ تعلق ہے مگر تم نہیں جانتے کسی بیوی کا تذکرہ زیب نہیں دیتا۔"

خاموشی سے اس نے میرا جواب ہی دیا تھا مگر میری دلکشی کی طاقت میں ایک دم بھڑک گیا۔ "انہیں قریب آنے دو، آج میرے ساتھ کسی کی بیٹی ہے۔"

وہ بہت جلد قریب ہو گیا۔ میرے نزدیک ہوتے ہی اس کی طرح تھادی آگ کی طرح ہو چکی تھی۔ میں ان کے قریب سے آواز کی گرمی محسوس کر رہا ہوں۔"

یہ تب میں کانپ اٹھا۔ وہ تیزی سے کبھی تم جیسی سے معصوم لفظوں کی بھی اور لالچ کی طرح والہانہ انداز میں سے جاننا چاہتا تھا۔ میں بیٹھا فوراً بولا تھا۔ مگر جیسے ہی تمہاری پارس کی نظروں میں وہ پارس کا تصور ہو گئی تھی۔ اس کے

باعث مخالفات ہو جائے گی یا پھر بھاگ جانا وہ میری بات سن رہا تھا۔ تمام شہر کو میں پوری طرح گھیر لیا گیا ہے۔ ان کو یقین ہے کہ تمہارا پارس کا ملبوسے مان لیا۔ آگ میں تھا اور اب دولت پر ہے اعتماد سے ہاتھ نہیں روشنی جیسے چمک رہا تھا۔

اگر وہ ہندوستان کے تمام اسٹیٹوں کی ہر ایک بھی مل جاتی تو وہ ملک کے خزانوں کو کبھی زمین کے نیچے چھپی کوئی بھی نہ دیتا۔

"اپنے تصورات سے باہر آؤ۔ میں نے تمہارے متعلق سب کچھ معلوم کر لیا ہے۔" کیا چاہتے ہو؟" میں نے تلخ لہجے میں الالوت سے کہا۔

"میں پارس کے ساتھ تم سے تبادلہ چاہتا ہوں۔ تمہاری ذات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک سودا ہے۔" پھر وہ پارس کا بیٹ کیس جس کے اندر پتھر رکھا ہوا تھا اور جس پر پتھر کے ٹھنڈے اور سرد ہاتھوں کا لمس اب تک محفوظ تھا، اس کے حوالے کر دوں۔

"میں پارس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"میں تم سے بہتر ان حرکتوں سے واقف ہوں۔ مسٹر شفقت؟" وہ بولا۔ "مجھ میں ہوتا اور میرا پلوری کی دولت کیوں ہوتی۔ میں نے ہمیشہ تمہارا فائدہ ہی سوچا ہے۔" اس کی آواز میں بھی ٹھنڈک تھی۔ "تم نے ہمیشہ میرا کہا ہے۔"

"میں جوشیلا ہونے سے بچا ہوں۔ ہماری دوستی کی حقیقت ہے۔" اس کا لہجہ بدلا ہوا تھا۔ "تم اپنی جگہ ٹھیک ہو۔ مگر یہ بات ہمارے درمیان طے ہو چکی ہے کہ تم نے ہمیشہ بے وقوفی کی ہے۔ بدلے میں کسی گولی سے بچنا اور بچ نکلنا کیسے ممکن ہو۔ تمہارا پارس جو تمہاری زندگی کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔"

اس کی دھمکی کو سن کر میرے بدن میں چیونٹیاں رینگنے لگیں۔ میں نے ناخنوں کے لئے ایک لفظ بھی نہ بول سکا۔ خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

"تم پارس کو کس لئے چاہتے ہو؟" آخر میں نے بے چارگی کے ساتھ پوچھا۔

"مجھے اس کا علم ہو گیا ہے۔"

"پارس میری جان سے باہر ہے۔"

"میں بچے اور عورتیں نہیں ہوں۔" وہ کھوکھلے لہجے میں بولا۔

"اگر تم سونا چاہتے ہو تو پارس کے بغیر بھی دے سکتا ہوں۔" میں نے اسے پیشکش کی۔

"سونا!" وہ حقارت سے ہنسا۔ "سونے کی ہمیں کوئی کمی نہیں ہے۔ ہمارا یہ خطہ سونے اور تیل سے بھرا ہوا ہے۔ ہمارے ملک کے وسائل بے پناہ ہیں۔ ملکوں کے لئے ہماری کوششیں ناکام ہو سکتی ہیں۔ ہمارے لئے نہیں۔ پارس کے بہترین دماغ اس کی حقیقت پر تحقیق کر رہے ہیں۔ جلد ملک دیگر ریاستوں کے لئے کام کرتا ہے۔ وطن کی خدمت کے لئے نہیں۔"

اس کی گفتگو میرے لئے عجیب تھی۔ وہ پر اسرار سی باتیں کر رہا تھا اور کسی سیکرٹ ایجنٹ کی زبان سے ایسی فرسودہ باتیں ابھی عجیب لگی تھیں۔

"تو تمہارا ملک سائنسی تحقیق کے لئے پارس حاصل کرنا چاہتا ہے۔" میں نے طویل سانس لے کر کہا۔

"میرا قیاس تھا۔" وہ خفیف انداز میں غرایا۔ "ہمیں مزید کوئی ضرورت نہیں۔ پارس کے بارے میں یہ بات ہمیں معلوم ہے کہ وہ پارہ سونے کو لوہا بنا دیتا ہے۔" "تو تم کیا چاہتے ہو؟"

"سچ سچ بتاؤ ہیرے جیسے باہر ہے اس کے باعث ہیں سوچ بچار فضول ہے۔"

یہ بات تمہاری سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ "مجھے پیچھے ہٹ جاؤ۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔ "چہرہ دیوار کی طرف کر کے کھڑے ہو جاؤ۔" وہ پستول لہرا کر بولا۔

میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ چند منٹ بعد اس نے مجھے مڑنے کی اجازت دی۔ اس دوران میں وہ ایک سیاہ لبادہ اوڑھ چکا تھا اور اس کے سر پر ایک رنگ کا ہیٹ نظر آ رہا تھا۔

"پیچھے قالین پر بیٹ کے بل بیٹھ جاؤ۔ اور اپنا ہاتھ آگے پھیلا دو۔" اس نے مجھے مختصر تحکم کی ہدایت دی۔ "اور اپنا بازو کھینچ کر تنگ کر دو۔"

"میں احمقانہ حرکتوں کے لئے تیار نہیں ہوں۔" میں جھنجھلا کر بولا۔

"میرا حکم ہے، وہ کرو۔" الالوت سرد لہجے میں بولا۔

میں بادل نخواستہ اس کی ہدایت پر عمل کرتا چلا گیا۔ قالین پر پیٹ کے بل لیٹا اور دونوں ہاتھ آگے کی طرف پھیلا دیئے۔ میری نگاہیں اس کی حرکات پر جمی ہوئی تھیں۔

"اب اپنا چہرہ بائیں طرف کر لو۔" اس کا اگلا حکم تھا۔

چند لمحوں تک سناٹا رہا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے کسی ترکیب سے بے ہوش کرنے کا ارادہ رکھتا ہے مگر اچانک ہی مجھے اپنی بائیں کلائی کے اوپر ایک چبھن محسوس ہوئی۔ ایک لمحہ کے لئے میری کلائی میں سوئی سی چبھی۔ اسی لمحے مجھے اپنی کلائی پر ایک تیز گرم لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔ ان لمحوں میں ایسا لگا جیسے میرے لئے عجیب سی تشنگی تھی۔ اس وقت میرے مقابلے میں وہ خود بھی بے بس ہو چکا تھا۔ میں پوری قوت سے اچھل کر اس پر جھپٹ پڑا۔

اس کے حلق سے ایک دبی دبی سی آواز نکلی مگر وہ خفیف سا بیچ کر بچ نکلا اور اس کے بعد میرا ایک بار پھر حملہ اس کی بغل میں پڑا اور وہ پلک جھپکتے میں میری زد سے نکل گیا۔

میں نے اسے پکڑنے کے لئے ساتھ کوئی چیز اٹھانے کی کوشش کی مگر جیب میں ڈالے ہوئے ہاتھوں نے اپنا عجیب ساخت کا پستول اور کوٹ کی جیب سے نکال لیا۔

یہ حیران کن تھا۔ میں رک گیا اور میری نگاہ اپنی کلائی پر جم گئی۔ میری کلائی پر تقریباً ایک انچ چوڑی اور ایک لٹ ہول جیسا نشان ابھر آیا تھا۔ اس کی سطح ٹنڈنگ سی سرخ تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ جلد کے اندر کوئی چیز ہے۔ الالوت مطمئن انداز میں میرے قریب کھڑا تھا جیسے وہ بھی خوفزدہ نہ ہو۔

"میلو اور پیسٹول کو ہتھکڑی پہنا کر ایک جانب ڈال دو۔" اس نے میری طرف اچھال دی۔ الالوت نے ایک جانب میری طرف بڑھتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔ "یہ ایک کپسول ہے جو تمہاری کلائی میں میں نے داخل کر دیا ہے۔ اسے باہر نکالنے کی کوشش نہ کرنا۔ تمہارے جسم میں چھوڑ دیا گیا ہے۔"

"یہ کیا مصیبت ہے؟" میں نے اس پراسرار مقصد کو جانتے ہوئے پوچھا۔

"اس کے ساتھ سودے بازی مت کرو۔" وہ بولا۔ "کیونکہ جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ وہ مکمل کنٹرول کرتی ہے۔ میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔"

یہاں سے جنگل میں ہرن کی طرح پھنسا ہوا تھا۔ اگر ایک غلطی کے ذریعے وہ آہستہ بڑھا میری کلائی سے چپکی زہری سوئی میرے گلے لگانے پر آمادہ ہو جاتا مگر اب صورت حال مختلف تھی۔ میں نے اچانک دوسری ہتھکڑی بھی مقفل کی اور چابی اس کی طرف پھینک دی۔

"گڈ۔" وہ چابی واپس لے جانے پر الالوت کچھ مطمئن اور خوش نظر آنے لگا۔ "اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ یہ کیا مصیبت ہے۔ اس سے تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ انڈین سیکرٹ سروس اور ہمارے بی ڈی میں کتنا خوفناک فرق ہے۔"

"مگر پارس نہ ہو تو مجھے زندہ حاصل کر لو گے؟" میں کوشش کے باوجود اپنا یہ خطرہ زبان پر آنے سے نہ روک سکا۔

"وہ میں بعد میں دیکھوں گا۔" الالوت نے مذاق اور تجربہ کی خوشی سے قہقہہ لگایا۔ "فی الحال تمہاری حیثیت پہلے کسی ہاتھ کے کتے سے زیادہ نہیں ہے۔ تمہاری بائیں کلائی پر ایک جدید قسم کا دھماکہ خیز ادھر ڈالا گیا ہے جو دس پل کے کاٹنے سے بھی میرے ایک اشارے پر پھٹ کر تمہیں بیست و نابود کر سکتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے اوورکوٹ کی اندرونی جیب سے ایک آلہ نکالا اور مجھے دکھاتے ہوئے بولا۔ "یہ الیکٹرانک کا کنٹرول ہے۔ میں جونہی اس کا سوئچ دباؤں گا تمہاری کلائی پر بندھے ہوئے اس بارود کا ڈیٹونیٹر عمل کرے گا اور پھر ایک شدید دھماکے کے ساتھ بیٹ جائے گا۔ پھر تمہارے جسم کے چیتھڑے ہی اڑ جائیں گے اور زمین کا یہ خوبصورت گوشہ لاش کی لپیٹ میں آ جائے گا۔"

میں نے بیل بار اپنے وجود میں وحشت کی لہر دوڑتی محسوس کی اور خطرہ نظروں سے اس جیتے سیاہ گھیر کو گھورنے لگا جو آستین کے نیچے چھپنے کے بعد کسی کو بھی نظر نہ آ سکتا تھا۔

"اگر تم نے ہتھکڑی توڑنے کی کوشش کی تو ہتھکڑیوں کے باعث یہ خود بخود بھی پھٹ سکتا ہے۔ اب تم خاموشی کے ساتھ نیچے اتر کر ہوٹل سے باہر نکلو اور وہاں کسی ٹیکسی اسٹینڈ پر کھڑا میرا انتظار کرو۔ اگر تم نے راستے میں کسی سے بات کرنے کی کوشش کی یا بھاگنا چاہا تو یاد رکھنا کہ میں جانی نقصان کی پرواہ کئے بغیر سوئچ دبا دوں گا۔ میں دور سے بھی پیچھے رہ کر تمہاری نگرانی کروں گا۔"

اس وقت پہلے دن کی رفتار سست ہو چکی تھی۔ میں نے بہت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس شعبدے سے مجھے مرعوب کرنے کی کوشش نہ کرو۔ میں جانتا ہوں کہ الیکٹرانکس سے ڈیٹونیٹر کیا ہوتا ہے۔"

"یہ اچھی بات ہے۔ مجھے اس طرح تمہیں کہنے کے بعد اس کام کو بہت زیادہ خوش گوار ہو گیا تھا۔" "عقلمندوں کو شکار کر کے مجھے ہمیشہ خوشی ہوتی ہے۔"

"شاید تم نے ہوا کرا سی لئے تمہارا بنایا ہے کہ یہاں سے چلا جاؤں کا۔ حالانکہ در اصل میں یہ طے کر چکا تھا۔" میں نے اسے گھورنے کی نیت سے کہا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ الالوت سے الگ ہونے سے قبل اس عجیب تجربے کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر لوں تاکہ ٹیکسی اسٹینڈ تک جاتے ہوئے میں بیٹھے بیٹھے کوئی معقول لائحہ عمل مرتب کر سکوں۔

اس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور مجھے کور کئے ہوئے دروازے میں نکل آیا۔ کمرے کا خودکار دروازہ ہمارے پیچھے مقفل ہو گیا۔

میں اس کے ہمراہ لفٹ کے بجائے سیڑھیوں سے نیچے اترا۔ الاتوف میرے ہمراہ لوگوں کی نظروں میں آنے سے بچ رہا تھا۔ نچلی منزل پر وہ دانستہ مجھ سے کافی پیچھے رہ گیا۔

رات کے دو بج رہے تھے مگر بریانزا میں زندگی کے ہنگامے عروج پر تھے۔ ہال مرکزی طور پر ایئر کنڈیشنڈ تھا مگر اس کے باوجود فضا شراب اور سگریٹ کے دھوئیں کی ملی جلی بو سے بوجھل ہو رہی تھی۔ [illegible] میں نے مڑ کر دیکھا تو الاتوف مجھ سے تھوڑی دور [illegible] میں ہاتھ ڈالے بلا ارادہ انداز میں چلا آ رہا تھا۔

میں براہ راست دروازے سے باہر نکلنے کے بجائے [illegible] ہال میں گھسا تھا [illegible] نظر آ جانے [illegible] مجھے پہچان لے [illegible] ثابت نہ ہو سکے۔

بریانزا سے نکلتے ہی رات کی ویرانی اور سرد ہواؤں نے میرا استقبال کیا۔ مگر [illegible] الاتوف کی دھڑکنوں [illegible] رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے ڈر یہ تھا کہ کہیں کسی جھٹکے کے باعث وہ [illegible] پھٹ جائے۔

ویران [illegible] میں کوئی آہٹ نہیں سنائی دے رہی تھی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو الاتوف [illegible] ان کے چہروں پر [illegible] تھے۔

چلتے چلتے مجھے ایک جگہ بجری اور پتھروں کا ڈھیر نظر آیا۔ [illegible] ٹیکسی [illegible] کیا ہوا تھا۔

"[illegible] الاتوف کو [illegible]"

اس وقت الاتوف نے میرا ہاتھ تھاما اور تیزی کے ساتھ ایک ٹیکسی میں جا گھسا۔ [illegible] نکلنے پر [illegible] لگی۔

"اسے بتا دو کہ ہمیں جلال پور جانا ہے۔" الاتوف نے مجھ سے انگریزی میں کہا۔

اچانک میرے ذہن میں ایک انوکھی تدبیر آئی [illegible] الاتوف [illegible]

[illegible] الاتوف نے [illegible] مجھ سے [illegible]

"ڈرائیور میری بات پر توجہ نہیں دے رہا [illegible]"

میں کہا "یہ مجھے جلال پور سے جانا [illegible] ہے" [illegible] نے [illegible]

"وہ ڈرائیور میری ترجیح سے زیادہ ہوشیار نکلا اور [illegible]

سکون سے بولا "کیا چیز ہی چلانی ہے؟"

اب الاتوف چونک سکتا تھا [illegible] انگریزی میں اس سے [illegible]

"کہا ہے کہ اس کے پاس ... دوست [illegible]"

"اس [illegible] سے پہلے [illegible] ڈالے جا الاتوف [illegible]

بلا لیں اسے [illegible] ادا کر دوں گا۔"

"[illegible] ہوشیار ہونے کا موقع دیئے بغیر [illegible] دوں گا۔"

"[illegible] ڈرائیور [illegible] کا اصل [illegible] تھا۔

"یہ کیا کہہ رہا تھا؟" چند لمحوں کے بعد الاتوف نے پوچھا۔

"میں نے اسے بتایا کہ ہم نے جلال پور میں پہلے سے وہ [illegible]

میں نے [illegible] جواب دیا۔

الاتوف [illegible] مطمئن ہو گیا اور میں [illegible] کا انتظار [illegible] میرے اعصاب پر [illegible] سبب [illegible] الاتوف [illegible] ہو جاتا [illegible] موت [illegible] پیشانی سے پسینے کی بوندیں پھوٹنے لگیں۔

چلتے چلتے گاڑی نے اچانک جھٹکے لینے شروع کر دیئے اور ڈرائیور [illegible] بلند آواز میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے بے چینی کا اظہار کرنے لگا۔

"کیا ہوا؟" الاتوف نے اس کی طرف جھک کر [illegible] انگریزی میں [illegible] پوچھا۔

یہ بات ڈرائیور کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے [illegible] کرتے ہوئے کہا "پٹرول ختم!" اس کے ساتھ ہی اس نے انجن بند کر دیا اور گاڑی [illegible] گاڑی [illegible] سڑک [illegible]

اور جب [illegible] تو ڈرائیور [illegible] ٹیکسی سڑک سے نیچے [illegible] لگا دیئے اور پھر [illegible] آگیا [illegible]

[illegible] چکا تھا اور اب چند ہی [illegible] میری قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا۔

میں ڈرائیور کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا [illegible]

"[illegible] باہر نکلتے ہی میرے [illegible] ڈرائیور [illegible]

میں نے [illegible] ایک [illegible] میری طرف اٹھا [illegible]

ڈیش بورڈ [illegible] الاتوف کو [illegible] اور [illegible] سے [illegible] ڈرائیور [illegible] ٹیکسی [illegible]

الاتوف [illegible] سے [illegible] انداز کر دیا۔

[illegible] اچانک [illegible]

"یہ کیا مذاق ہے؟" ڈرائیور کی اس حرکت پر میں چلا اٹھا۔

"[illegible] ڈرائیور کا لہجہ سخت اور جارحانہ تھا [illegible] کے بارے میں [illegible] مجھے [illegible]

انتقام [illegible] کر [illegible] اسے [illegible] نہیں۔ "اچھا"

[illegible] ریوالور والے ہاتھ [illegible]

"میرے پاس ....." میں نے [illegible] ڈرائیور کے منہ [illegible]

[illegible] تھا [illegible] وقت [illegible] کے عقب سے الاتوف کی آواز آئی۔

[illegible] الاتوف میری طرف [illegible] تھا جو میرے [illegible] تھا۔

میں نے [illegible] اطمینان کا سانس لیا [illegible]

الاتوف نے اس [illegible] تمام کر دیا تھا۔

[illegible] ڈرائیور کی لاش [illegible] ٹیکسی کی ڈکی [illegible] ہوئے [illegible] ہونے [illegible]

[illegible] الاتوف نے اسے [illegible] میرے [illegible] ہوئے [illegible] الاتوف کی [illegible]

سلاخ [illegible]

میری یہ حرکت نہایت غیر متوقع تھی۔ الاتوف لاش [illegible] ڈرائیور [illegible] لاش کے نیچے [illegible] پوری قوت سے آہنی سلاخ اس کے سر [illegible]

[illegible]

میں نے [illegible] الاتوف کی [illegible] سے [illegible] ٹیکسی [illegible]

[illegible] الاتوف [illegible] اور [illegible]

میں نے سب سے پہلے [illegible] کلائی [illegible] ٹیکسی کی ڈرائیونگ سیٹ [illegible] اور الاتوف [illegible] ٹیکسی کی نشست پر ڈالیں اور الاتوف [illegible]

پہلے میں نے آہنی سلاخ [illegible] الاتوف زندہ [illegible] کے سر [illegible] زخم سے [illegible] ہو گیا [illegible]

[illegible] سے [illegible] اور [illegible] کی [illegible] واپس [illegible]

[illegible] الاتوف [illegible] کا [illegible]

جا سکتا تھا۔ میں نے جیب ہی میں وہ حصہ دبایا [illegible] جانب ایک ہولناک دھماکا [illegible] دیا اور رات کے اندھیرے میں شعلوں کی سرخی [illegible] دھماکے کا شور [illegible] الاتوف نے جو کچھ کہا تھا اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں تھا [illegible] میرے [illegible] کی [illegible] حالات [illegible] سے پسینوں میں بھیگا ہوا [illegible] شہر کی طرف چل پڑا۔

ویران سڑک سے شہر کی طرف [illegible] ہوئے میری پوری [illegible] کے سڑک [illegible] سے [illegible] میدان [illegible] ڈیڑھ [illegible] بے شمار [illegible] پیدا ہو سکتی تھیں۔

اس وقت مجھے [illegible] کے [illegible] اور [illegible] سے آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرنے میں مصروف تھا [illegible] تمام [illegible] کی قیام [illegible] ہوا [illegible] پراسرار [illegible] کے بعد میں [illegible] مجھے اپنے مشن میں خلاف توقع کامیابی حاصل ہوئی [illegible] الاتوف کے [illegible] حالات میرے قابو سے باہر [illegible] میں نے نہایت ہوشیاری سے الاتوف کا [illegible] مشکل نظر آ رہا تھا۔

میں جب [illegible] سے نکلا تو [illegible] مسافت کے بعد [illegible] تھا [illegible] بہت [illegible] کے ساتھ [illegible] معلوم تھا [illegible] ایک [illegible] جس میں [illegible] اس کے [illegible] میں نے اپنی [illegible] تھا مگر بات [illegible] گئی کہ [illegible] واقعات [illegible] مجھے یقین تھا [illegible] سورج نکلنے سے پہلے [illegible] لاش [illegible] الاتوف [illegible] انتظامیہ [illegible] ٹیکسی [illegible] سے [illegible] الاتوف کی موت [illegible] مجھے [illegible] الاتوف کے [illegible] میں دریافت کیا تھا۔

[illegible] مجھے [illegible] کے سلسلے میں [illegible] الاتوف [illegible] عام شہری [illegible] الاتوف کے [illegible] اور [illegible] ہوتا [illegible]

[illegible]

اندھیرا بھی میرے لئے اجنبی شہر تھا اور یہاں میرے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں تھی۔

میں اس بارے میں جتنا سوچتا، مایوسی بڑھتی ہی چلی گئی۔ پھر اچانک مجھے مسز جیلی یاد آئی۔

بڑی بڑی آنکھوں والی وہ موٹی خاتون ان مشکل لمحات میں میرے قریب [illegible] وہ عورت کسی حد تک مجھ پر فریفتہ تھی اور اس نے میری ذات کا بھید پا لیا تھا۔ اس کے گھر میں بڑھیا ماما کے سوا کوئی نہ تھا۔ میں کچھ عرصے کے لئے اس کے گھر میں چھپ سکتا تھا۔

وہاں جانے سے پہلے میں لالا روف کے بریف کیس سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ویسے بھی وہ خاصا وزنی تھا اور نقل و حرکت میں حارج ہو رہا تھا۔ جلد ہی مجھے ایک ویران مقام پر لیمپ پوسٹ کی پیلی زرد روشنی نظر آئی۔ میں اس طرف ہولیا۔

گرد و پیش سے غافل ہو کے میں نے لالا روف کی جیب سے نکلنے والے چابیوں کے مختصر سے گچھے کا جائزہ لیا اور بریف کیس کی چابی تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کا بریف کیس عجیب ساخت کا تھا۔ [illegible] چابی کے سوراخ کے پیچھے [illegible] میں نے باری باری [illegible] کوئی کھٹکا سنائی دیا پھر میں نے جونہی تالے میں چابی گھمائی ایک ہلکا سا دھماکا ہوا اور میرے چہرے کے سامنے دھوئیں کا ایک گرم اور کثیف بادل چھا گیا۔ ہاتھوں کی جلد جلتی ہوئی محسوس ہوئی اور میں اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

میرے دونوں ہاتھوں کی جلد جھلس چکی تھی [illegible] بریف کیس جل رہا تھا۔ شاید بریف کیس کے تعلق کے ساتھ کوئی حفاظتی نظام موجود تھا [illegible] ترکیب اختیار کئے بغیر قفل کھولنے جانے کی صورت میں وہ چیز جل کر راکھ ہو جائے۔ اور [illegible] متعلقہ شخص کے ہاتھوں تک نہ پہنچ سکے۔

میں دہشت اور سکتے کے عالم میں چند ثانیوں تک جلتے ہوئے بریف کیس کو دیکھتا رہا۔ جلتے ہوئے ہاتھوں کی سوزش نے مجھے بے چین کر دیا اور میں بے چارگی کے عالم میں شہر کی طرف دوڑ پڑا۔ جلی ہوئی سیاہ کھال پر بلبلے سے ابھر آئے تھے [illegible] لگے تھے!

پھر میری نظر ایک [illegible] پڑی۔ میں نے [illegible] جا کر [illegible] ہاتھ ٹھنڈے پانی میں ڈال دیئے [illegible] ناقابل برداشت [illegible] میرے ہاتھ [illegible] تکلیف سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

میرے پاس وقت بہت کم تھا۔ میں نے [illegible] کسی [illegible] میں ڈال دیئے اور [illegible] ہاتھوں کو [illegible] اس [illegible] سکون [illegible] ایک بار پھر آگے چل پڑا۔

رات کی ویرانی میں اکا دکا [illegible] گزر رہی تھیں۔ مجھے شہر کے راستوں کا کچھ علم نہیں تھا اور میں ایسی حالت میں تھا کہ اتنی رات گئے کسی [illegible] مشتبہ نظروں کا سامنا کر سکوں۔ آخر میری نگاہ [illegible] ایک بھکاری پر پڑی۔

وہ چیتھڑوں کا انبار اپنے جسم پر لپیٹے سکڑا ہوا [illegible] بیٹھا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ پشت پر چھپائے اور آہستہ سے اسے پکارا۔ [illegible] نکالے بغیر ہی مجھے [illegible] کے بعد اس نے [illegible] میری بات سننے پر آمادگی ظاہر کی [illegible] اس کا چہرہ [illegible] تھا۔

"بابا! چھاؤنی کا راستہ کس طرف ہے؟" میں نے [illegible] سوال کیا۔

وہ عجیب سا اور غیر فطری انداز میں [illegible] ہوں۔ تجھے شرم نہیں آتی کہ اتنی معمولی سی بات کے لئے [illegible] کو ستا رہا ہے؟"

وہ [illegible] جملہ [illegible] نظر [illegible] کے ساتھ [illegible] رہی ہیں۔

[illegible] مسکن [illegible] پہنچنے میں کامیاب ہو گیا [illegible] میرے [illegible] ہاتھوں پر [illegible] شدید تکلیف محسوس کر رہا تھا۔

مسز جیلی [illegible] کے مکان کے احاطے کی دیواریں [illegible] نہیں [illegible] حفاظت [illegible] میرے لئے [illegible] دستک [illegible] بھاگنے کا [illegible]

احاطے کی دیوار اونچی ہونے کے سبب مجھے اندر پہنچنے کے [illegible] میں [illegible] سکے۔

میں شام کے وقت اس مکان میں آ چکا تھا [illegible] عشرت کے [illegible] لمحات بھی گزار چکے تھے لہٰذا مجھے خوابگاہ کے [illegible] اندازہ تھا۔

مسز جیلی [illegible] کے خوابیدہ مکان کے احاطے میں [illegible] عمارت کے عقبی حصے کی طرف جاتے ہوئے [illegible] مقصد [illegible] استعمال [illegible] رات کے سناٹے میں کسی [illegible] کی طرح [illegible] مجبور تھا۔

عقبی سمت پہنچتے ہی [illegible]

میں [illegible] آگے بڑھا [illegible] خوابگاہ کی کھلی ہوئی کھڑکی میری نظر کے [illegible] کھڑکی کے [illegible] پردے [illegible] پیچھے [illegible] روشنی [illegible]

[illegible] اس کی ذات سے میری کوئی [illegible] ہمدردی [illegible] خوابگاہ میں اپنے [illegible] نفرت اور انتقام [illegible]

اس نے میری دوستی کی خاطر اپنے شوہر سے [illegible] وہ میری [illegible] دوسری ملاقات [illegible] عورت [illegible] ہو جائے اور اگر وہ [illegible] ہو جائے تو وہی [illegible] ہو جاتا ہے!

میں نے کسی چیتے کی سی [illegible] کے ساتھ [illegible] دونوں [illegible] ایک خوفناک [illegible] میرے حلق [illegible] آنکھیں پھٹ گئیں۔

میں نے [illegible] جیب سے وہ عجیب پستول نکالا جس نے [illegible] ایک [illegible] زہریلا تیر [illegible] پیوست ہو گیا۔

میں نے [illegible] لاش [illegible] میں [illegible] پناہ [illegible] لینے کے لئے [illegible]

اس وقت [illegible] عمارت کے سامنے والے [illegible]

مجھے [illegible] چند ہی [illegible]

گلی بھی [illegible] مکانات [illegible] تیزی سے روشن ہونے لگی تھیں۔

اس وقت [illegible] ہاتھوں کی تکلیف [illegible] احاطے کی [illegible] اس گلی میں ایک طرف دوڑنے لگا۔

فضا میں اب [illegible] انسانی آوازوں کے ساتھ ہی پولیس کی سیٹیاں بھی سنائی دینے لگی تھیں۔

میں اس گلی کے آخری سرے پر پہنچ کر [illegible] میدان [illegible] داہنی طرف [illegible] کے سامنے میں دوڑ پڑا۔

رات کے سناٹے میں دور [illegible] گونجتی ہوئی خوفزدہ [illegible] مگر اب فضا کا سکوت باقی نہیں رہا تھا [illegible] اندھیرے [illegible] آوازوں [illegible] کی تیز سیٹیاں [illegible]

میں پوری قوت سے بھاگ رہا تھا اچانک سامنے سے ایک کار [illegible] اس وقت میرے پاس [illegible] تھا۔

میں نے سڑک کے وسط میں [illegible] کار کو روکنے کے لئے [illegible] ہلانے شروع کر دیئے [illegible]

مگر اس کار کا ڈرائیور [illegible] معلوم ہوتا تھا [illegible] بریک لگا [illegible] اور میرے قریب لا کر کار روک دی۔

"مجھے لفٹ چاہئے!" میں نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"کہاں جانا ہے [illegible]" [illegible] میری حالت [illegible] پولیس کی سیٹیوں کے شور نے [illegible]

میں نے [illegible] ایک بھیانک سی گالی دی اور اس سے قبل کہ وہ [illegible] لالا روف کے [illegible] سے نکلے ہوئے زہریلے تیر نے اپنا کام کر دکھایا۔ وہ سٹیرنگ [illegible] بے جان [illegible] ڈھلک گیا [illegible] اس کا [illegible] ہو گیا۔

اس وقت [illegible] جنون اور دہشت [illegible] میں نے [illegible] اسے ایک طرف دھکیلا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ ساتھ ہی انجن اسٹارٹ کر دیا۔ میں [illegible] خطرناک علاقے سے [illegible]

رستوں کے بجائے کھلی سڑک کی راہ اختیار کی اور چند ہی لمحوں میں ساحت بنگلہ کو پیچھے چھوڑ دیا۔

مگر اس وقت دہشت سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے جب میں نے اپنے پیچھے ایک پولیس کار کا تیز سائرن سنا۔ بے اختیار میری نگاہیں عقب نما آئینے پر گئیں تو مجھے ایک کار تیزی سے قریب آتی نظر آئی جس کی چھت پر سرخ روشنی تیزی سے گھوم رہی تھی۔

اس وقت میری کار کی رفتار ایک سو میل فی گھنٹہ تھی۔ میں نے ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا [illegible] تھی۔ [illegible] اس رفتار پر جا رہا تھا۔

رفتار بڑھا دینے کے بعد میرے اور پولیس کار کے درمیان مسافت کا فاصلہ کم ہوگیا [illegible] کے لئے بالکل بے حقیقت!

میں نے کار کے [illegible] ہو رہی ہے۔ ——— اور میں اس معرکے کو کسی صورت [illegible] سکتا ہوں۔ اگر اس کار میں میرے ساتھ ایک لڑکی کی لاش نہ ہوتی تو شاید میں رک کر پولیس پارٹی کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا مگر موجودہ حالات میں یہ اقدام خودکشی کے مترادف تھا۔

پھر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ فضا یکلخت ایک ہولناک دھماکے سے لرز اٹھی [illegible] ہوگیا۔ میں نے تیزی کے ساتھ گاڑی کو لہرانا شروع کر دیا۔ چند ثانیوں تک سکوت رہا پھر ایک اور فائر ہوا اور کار کا عقبی شیشہ چور چور ہوگیا۔ گولی اسے توڑ کر ونڈ شیلڈ کے پار نکل گئی اور مجھے اس کی دوسری طرف دیکھنا مشکل ہوگیا۔ جس جگہ گولی لگی وہاں ایک سوراخ ہوگیا تھا اور پورا شیشہ اس بری طرح چٹخ گیا تھا کہ ڈرائیونگ ناممکن ہوگئی۔

میں نے بریک لگانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اچانک کار کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ میں اچھل کر چھت سے جا ٹکرایا۔ اسی وقت ایک پرشور دھماکے اور اعصاب شکن جھٹکے سے کار رک گئی۔ میں بدحواسی کے عالم میں دروازہ کھول کر باہر کود گیا۔ کار ایک چبوترے پر چڑھ کر [illegible] پول سے اس طرح ٹکرائی تھی کہ پول زمین پر آ گرا تھا۔ غنیمت یہ ہوا کہ بجلی کے تار گاڑی پر نہیں گرے تھے مگر میں گاڑی سے کود کر اندھا دھند ایک طرف بھاگا تو سامنے ہی بجلی کے تار گرے نظر آئے۔ میں پوری احتیاط سے ان پر سے کود کر آگے دوڑ پڑا۔

پولیس کار اب بہت قریب آچکی تھی۔ مجھے بھاگتے دیکھ کر ایک [illegible] لگا اور پھر بے شمار آوارہ کتے بھونکتے ہوئے اپنے مسکنوں سے باہر نکل آئے اور جلوس کی صورت میں میرے ساتھ ساتھ دوڑنے لگے۔

کتوں کے شور کے ساتھ ہی وہ علاقہ پولیس کار کے سائرن اور سیٹیوں کے شور سے گونج اٹھا۔ میں اس وقت تنگ اور تاریک گلیوں میں دوڑ رہا تھا جہاں دو رویہ نیم پختہ مکانات بنے ہوئے تھے۔ اسی وقت

میرا ذہن بڑی تیزی کے ساتھ نجات کی کوئی راہ تلاش کر رہا تھا کہ مجھے ایک کھلا ہوا دروازہ نظر آیا۔ میں مڑ کر [illegible] شور و غل سن کر اس مکان کے ایک کمرے سے [illegible] سایہ باہر آ رہا تھا جس وقت مجھے اس کی موجودگی کا احساس [illegible] تاخیر ہو چکی تھی۔ میں [illegible] زور سے اس سے جا ٹکرایا [illegible] اس کے حلق سے ایک خوفناک غراہٹ ابھری۔

چہرے پر ایک طاقتور گھونسا پڑا۔ میں لڑکھڑا کر زمین پر [illegible] اس شخص نے آگے بڑھ کر [illegible] صحن کا [illegible] کیا۔ شاید اسے یقین تھا کہ میں اس کی واپسی سے [illegible] واپس آکر اس نے مجھے گریبان سے پکڑ کر زمین سے اٹھایا اور [illegible] ہوا ایک کمرے میں لے چلا۔

"[illegible] کون ہو؟" میں نے ہانپتے ہوئے اس سے [illegible] کیا مگر وہ کچھ بولا نہیں اور کمرے میں پہنچ کر اس نے جب [illegible] اچانک روشنی ہونے کے باعث میری آنکھیں چندھیا گئیں [illegible] بینائی قدرے بحال ہوئی تو میں نے اسے اپنی آنکھوں [illegible]

"مجھے پناہ چاہیے۔" میں نے اپنے حواس یکجا کرتے ہوئے اس سے کہا۔

"پولیس تمہارا پیچھا کر رہی ہے؟" [illegible] سنتے ہوئے [illegible] لہجے میں سوال کیا۔ [illegible] اور اس کے [illegible] سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوئی [illegible]

"ہاں، میرے ہاتھ سے ایک آدمی مارا گیا ہے۔" میں نے [illegible]

"تم بے فکر رہو [illegible] خوش [illegible] ہے۔" [illegible] اس کے لہجے سے اطمینان جھلک رہا تھا۔ "مگر یاد رکھنا [illegible] کوشش تمہیں لے ڈوبے گی۔"

"میری شناخت [illegible] الجھنے کی حماقت [illegible]" تو قدرے [illegible] کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

اس نے مجھے اسی کمرے میں [illegible] چارپائی [illegible] اور خود باہر جانے لگا۔

"میرے دونوں ہاتھ [illegible] ہوئے ہیں۔" میں نے اسے [illegible] اور گرفتاری کی دہشت کم ہو جانے کے سبب زخموں کی [illegible] سے ابھر آئی تھی۔ "تمہارے پاس مرہم پٹی کا بندوبست ہوگا؟"

اس نے روشنی میں [illegible] زخموں کا جائزہ لیا [illegible] مرہم کی ڈبیہ نکال کر [illegible] اس کے بعد [illegible] کر کے وہ کمرے سے نکل گیا اور [illegible] چڑھا دی۔

تقریباً نصف گھنٹے بعد فضا پر سکوت چھا گیا۔ پولیس والے تلاش میں بھٹکتے ہوئے کہیں دور نکل گئے تھے اور [illegible]

[illegible] ذہن [illegible] پر [illegible] سکون [illegible] مہلت [illegible] وہ دوبارہ کمرے میں آگیا۔ میں نے [illegible] روشنی [illegible] کر دی تھی۔

[illegible] کا ہلکا ہلکا اجالا پھیلتا نظر آیا۔ فضا پر [illegible] طلوع ہو رہی تھی۔

"اب تم اپنی کہانی سناؤ۔" اندر آکر وہ نہایت سکون سے [illegible] بیٹھ گیا۔

[illegible] باہر بھیجا تھا۔ میں نے چند ثانیوں کے سکوت [illegible] شروع کیا۔ مگر کچھ عرصے سے [illegible] مجھے مجبوراً [illegible] کی طرف فرار ہونا پڑا۔ یہاں کی [illegible] میری ساری پونجی ختم ہو گئی۔ [illegible] میں ایک [illegible] میں چوری کی نیت سے گھسا مگر [illegible] شور مچا دیا۔ میں بمشکل وہاں سے جان بچا کر نکل سکا مگر [illegible] پولیس میرے پیچھے لگ گئی۔ راستے میں میں نے ایک کار روکی اور جب وہ [illegible] میں نے اسے مار دیا اور اس کی کار لے بھاگا [illegible] ایک حادثے کا شکار ہو گئی۔ پولیس میرے تعاقب میں تھی [illegible] اندھا دھند [illegible] بستی میں گھس آیا۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"امیر خان!" [illegible] میرے منہ سے اپنے ایک [illegible] کا نام نکل گیا۔

[illegible]

[illegible] نکلے۔

"[illegible]" میں نے حیرت سے [illegible] "عجیب نام ہے۔ کون ہے یہ؟"

[illegible] اس شخص نے کہا۔ [illegible]

[illegible] ہے۔

"[illegible] کیا ہے؟"

"[illegible]" اس نے جواب دیا۔ [illegible]

[illegible]

"[illegible] کوئی [illegible] نہیں [illegible] تمہارا احسان مند رہوں گا۔"

[illegible]

ٹھاکر [illegible] گفتگو سے مطمئن ہو گیا [illegible] مجھے [illegible] چلا گیا اور میں بستر پر دراز ہو گیا۔

اس وقت دونوں ہاتھ ناکارہ ہو جانے کے باعث میں معذور ہو کر رہ گیا تھا اور اس حال میں خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

دوپہر کے قریب ٹھاکر واپس آیا تو میں گہری نیند سو رہا تھا۔ اس نے مجھے جگایا اور خوش خبری سنائی [illegible] شام کے وقت مجھے اپنے ایک دوست سے ملانے لے چلے گا۔ وہ میرے لئے تندوری نان اور کباب وغیرہ ساتھ لایا تھا۔

شام کو روانگی سے قبل میں نے اپنا لباس اتار کر ٹھاکر کا ایک جوڑا پہنا۔ سر پر پگڑی باندھی اور ہم دونوں [illegible] سے نکل کھڑے ہوئے۔

شہر میں روشنیاں جل اٹھی تھیں۔ زندگی پوری آب و تاب [illegible] سے رواں دواں تھی اور ہماری ٹیکسی ساحلی علاقے کی طرف بڑھتی جا رہی تھی۔

بندرگاہ کے نواحی علاقے میں ایک شراب خانے کے سامنے ٹیکسی رک گئی۔ سامنے ہی بڑے بڑے روشن حروف میں سیلرز کلب کا نام جگمگا رہا تھا۔ وہ علاقہ جہازوں کے لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ جگہ جگہ سستے شراب خانے اور ہوٹل بکھرے ہوئے تھے اور غیر ملکی جہازوں سے اترنے والے ملاح طویل سمندری سفر کے بعد [illegible] ہوٹلوں پر ٹوٹے پڑ رہے تھے جیسے چند گھنٹوں بعد قیامت آنے والی ہو۔

ٹھاکر نے ٹیکسی کا بل ادا کیا اور مجھے ساتھ لے کر سیلرز کلب میں داخل ہوا۔ اندر قدم رکھتے ہی تیز موسیقی اور تیز آوازوں کے ملے جلے شور نے ہمارا خیر مقدم کیا۔

سیلرز کلب کے نیچی چھت والے ہال میں صرف رنگین قمقموں کی [illegible] روشن تھیں اور [illegible] رنگ برنگی روشنیوں کے متحرک ہالے میں ایک نیم عریاں [illegible] رقاصہ میزوں کے درمیان [illegible] پھر رہی تھی۔ ہال کے ایک سرے پر بنے ہوئے [illegible] تیز آوازوں میں ساز بجا رہے تھے اور رقاصہ [illegible] کے ساتھ اپنے جسم [illegible] واضح کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میزوں پر ہر رنگ اور نسل کے لوگ موجود تھے۔ فضا شراب اور تمباکو کے دھوئیں کی ملی جلی بو سے بوجھل تھی۔ رقاصہ جدھر جاتی لوگ کرسیوں سے اٹھ کر رقص میں اس کا ساتھ دینے لگتے پھر جیسے ہی کوئی ہاتھ اسے گرفت میں لینے کے لئے آگے بڑھتا، رقاصہ کسی چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر دور نکل جاتی۔

ٹھاکر مجھے سیدھا کاؤنٹر کی طرف لیتا چلا گیا جہاں ایک پستہ قامت خوش لباس چینی موجود تھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی چمکدار آنکھیں [illegible] شناسائی کے انداز میں ٹھاکر کی طرف اٹھ گئیں۔

"اندر جانا ہے۔" ٹھاکر نے قریب جا کر سرگوشی کی۔

"یہ بھی ساتھ جاتا ہے؟" چینی نے [illegible] لہجے میں اردو میں پوچھا اور اس کی [illegible] نظریں مجھ پر جم گئیں۔

"ہاں، استاد سے ملنا ہے۔" ٹھاکر بولا۔ اس کی آواز اس قدر دھیمی تھی کہ میں بھی بمشکل ہی سن سکا۔

چینی نے دراز کھول کر [illegible] کے دو [illegible] نکالے اور [illegible] ٹھاکر کی مٹھی میں تھما دیے اور بولا:

"ماسٹر [illegible]"

ٹھا کر مجھے ساتھ لے کر راہ داری سے گزرتا ہوا چلا گیا۔ ہم عقبی راہ داری میں نکلے تو اس کے آخری سرے پر ایک شخص نے راستہ روک لیا۔ ٹھاکر نے چینی سے ملتے ہوئے لفظوں میں کچھ کہا تو اس نے راستہ چھوڑ دیا۔

آگے راہ داری نیم تاریک تھی۔ اس کے اختتام پر نیچے جانے والے زینے تھے۔ ٹھاکر نے دھکیل کر نیچے اترتا چلا گیا۔ زینوں کے اختتام پر ایک بند دروازہ تھا۔ ٹھاکر نے دروازے پر دو بار دستک دی اور دروازے کے پیچھے موجود مسلح دربان نے دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی تہ خانے سے گرم ہوا کے تیز جھونکے باہر آئے اور ٹھاکر مجھے لے کر اندر گھس گیا۔ بیلرز کلب کا وہ تہ خانہ جوئے کی چھوٹی سی دنیا تھا، جہاں مختلف لباس والے بڑے بڑے مقامی قسمت آزمائی کر رہے تھے۔ بیلیارڈ پر بھی جوا ہو رہا تھا لیکن رقم کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ سارا کام ٹوکنوں کے ذریعے ہو رہا تھا۔ ٹھاکر نے بتایا کہ تہ خانے میں آنے والے مختلف مالیت کے ٹوکن خریدتے ہیں اور واپسی کے وقت وہ ٹوکن معمولی سی رقم ادا کر کے ہر شخص کو ٹوکنوں کے بدلے رقم ادا کر دی جاتی ہے۔ میری دانست میں یہ بندوبست کچھ عجیب سا تھا۔ اگر پولیس کے چھاپے سے بچاؤ کے لیے رقم کے بجائے ٹوکن جاری کیے جاتے تھے تو یہ ایک احمقانہ اقدام تھا، کیونکہ اس طرح سارا الزام منتظمین کے سر آتا تھا۔

تہ خانے کے ایک کمرے میں میری ملاقات دلگیر سنگھ سے ہوئی۔ وہ ایک نہایت کم گو اور خوش شکل نوجوان تھا۔ اگر اس کے داہنے رخسار پر جاقو کے زخم کا ایک لمبا سا پرانا نشان نہ ہوتا تو یہ کہنا دشوار تھا کہ دلگیر سنگھ جیسا شخص ایسا ہے۔

• تو یہ ہے ماسٹر خان! مجھے دیکھتے ہی دلگیر قہقہہ مار کر بولا۔ تم جاؤ ٹھاکر میں اس سے خود بات کر لوں گا۔

ٹھاکر نے ادب سے سر کو خم دیا اور واپس چلا گیا۔

• بیٹھو ماسٹر امیر خان! دلگیر سنگھ نے صوفے پر دراز ہو کر سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ اور یہ بتاؤ کہ تمہاری کہانی میں کتنا سچ ہے؟

• کیا میں جھوٹ بالکل نہیں بولتا ہے؟

• شام کے اخبار پڑھے ہیں تم نے؟ پہلی بار دلگیر سنگھ کا لہجہ سخت تھا۔ میں نے بے سروکاری میں گردن ہلا دی۔

• صبح طلوع ہونے سے قبل بمبئی میں پانچ قتل ہوئے ہیں۔ دلگیر سنگھ نے کش لیتے ہوئے اطمینان سے کہا۔ ایک طوائف کے کوٹھے پر گولی چلنے سے اس کا ایک گاہک ہلاک ہوا۔ جلد ہی جانے والی سڑک پر ایک ٹیکسی بم کے دھماکے سے اڑا دی گئی جس میں ٹیکسی ڈرائیور اور ایک سردی مسافر ہلاک ہوا۔ چوپاٹی کے علاقے میں ایک بڑھیا کو چھپن روپے اپنی خواب گاہ میں ایک زہریلے تیر کا نشانہ بنا اور ایک کھیت سے ملکانی ہوئی کار میں کار والے کی لاش ملی ہے۔ وہ بھی زہریلے تیر کا نشانہ بنا ہے۔

وہ خاموش ہو گیا اور میرا دل کھوپڑی میں دھڑکنے لگا۔ دلگیر سنگھ کی گفتگو

بالکل واضح تھی۔ وہ مجھے بتا رہا تھا کہ جو طریقۂ قتل کی کیسانیت سے ظاہر ہو کر کہ یہ قتل کیے ہیں۔ مجھے شدید صدمہ کی بات تو تھا کہ یہ سب واقعات چوکی تھی۔ طویل مدت کے بعد جب کیپٹن ممتا کر جوئی کی یاد تازہ کارخ کیا تو میں نے اسے ممتا کا آشنا سمجھ کر جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور یوں میرے حساب میں ایک اور نام کا اضافہ ہو گیا۔

• مجھے پتہ نہیں تھا کہ چوپاٹی والے مکان میں بڑھیا تنہا میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔

• خوب! وہ زور سے ہنسا۔ بہت بھی دار معلوم ہوتے ہو۔ کئی لمحوں تک خاموش رہ کر پھر بولا۔ زہریلے تیر جیسے لگتے ہیں۔

• سرکنڈے کی نالی میں پھونک مار کر شکار کرتا ہوں۔

چھوٹی بولا۔ مگر جانتے ہو کہ وہ تیر کہیں گر گئی۔ گرنے کے بعد تیر چھپا کر ختم کیا تھا۔

• کیا کیا کام جانتے ہو؟

• جیب تراشی کے علاوہ ہر کام کر سکتا ہوں۔

• تاش کے کھیلوں میں شارپنگ کر لیتے ہو؟

• یہ تو میرا خاص شعبہ ہے۔ میں نے انکسار سے کہا۔

• آؤ ذرا دیکھوں تمہارا کھیل۔ وہ یہ کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

• زخمی میرے بائیں ہاتھ زخمی ہیں۔

• ہاں، تمہارے ہاتھ کیسے زخمی ہوئے؟

• سگریٹ سلگاتے ہوئے میرے ہاتھ پیڑول سے جھلس گئی ہے۔

• تم یہیں رہو گے اور چار روز میں تمہارے ہاتھوں کے ٹھیک ہونے پر تمہارا کھیل دیکھوں گا۔ اس کے بعد ہی تم کو کام پر لگایا جائے گا۔

بیرا ایک ماہ تک میں نے بات ٹال دی تھی۔

تھے جو کلب کے کھیل کھیلنے والے جواریوں کو کرائے پر دے دیے جاتے تھے۔ میں جہاں ٹھہرا رہتے تھے، ان ہی میں سے ایک کمرہ مجھے دے دیا گیا اور زخموں پر لگانے کے لیے چند مرہم بھی فراہم کر دیے گئے۔

اگلے دنوں میں مجھے عجیب و غریب معلومات حاصل ہوئیں۔

کلب کا جوا خانہ باقاعدہ سرکاری لائسنس کے تحت چلایا جاتا تھا۔ اس آوارہ عورتوں کو بھی خاصا دخل تھا۔ وہ عام حد تک سرکاری نشستیں نہیں پائی جاتی تھیں۔ دلگیر سنگھ ان سے ماہانہ وصول کرتا تھا۔ ٹوکن سسٹم جاری کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ہر کوئی تہ خانے سے نکلنے والے کی جیب میں کتنی رقم ہے، ایسا ہی ہوا کہ بھاری رقمیں جیت کر نکلنے والے بیلرز کلب سے تو باہر جانے سے قبل لوٹ لیے گئے اور لٹیرے جوا خانے ہی کے تنخواہ دار ملازم تھے جو کھیلتے تھے اور عمل کرتے تھے۔ ان کا نشانہ عام طور پر وہ طرح ملتے جن کے جوا جیت

دلچسپ طور پر تھے۔ ان چینیوں اور جاپانیوں کو قوس قزح سے ملحقہ ایک گوشے میں سے ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا۔ شروع سے ہی اس میں تھی ہوئی۔ لڑکیاں انعام وغیرہ بھی دے دیا جاتا، کسی طرح بھی جیب پر دلگیر کے علاوہ

تھا۔

ترسیتی عجیب و غریب تھا۔ ہم کمرے میں بیٹھے تھے۔ اس کا باپ مسلمان تھا۔ اس کی ماں کا تعلق تضادات کا مجموعہ ہے۔ دونوں کو عشق ہو گیا، مگر شادی کی کوئی صورت نہ تھی۔ ابا اور بھاگ کر فرار ہو گئے۔ اس کی ماں نے دہلی پہنچ کر اسلام قبول کیا اور شادی کی۔ بیچارے گھر کا خرچ چلتے ہوئے ایک ہی شہر میں فرقہ وارانہ فسادات شروع ہو گئے۔ دونوں فرقوں کے بلوائیوں کے ہاتھوں ہلاک اور زخمی ہوئے۔ اسی دوران جیالی پارٹی تھی اور وہ جوڑا دہلی کے ایک ہوٹل میں جوئی ملازمت کر رہا تھا۔

ایک دن جب صلح و آشتی قائم ہوئی اور دلگیر سنگھ کے باپ کو کسی نے بلا لیا تو اس کی ماں کا گزارا کیسا ہوا؟ تو وہ مطالعہ تھی۔ اس کی کوکھ سے جنم لینے والا یہی دلگیر سنگھ تھا۔ اس کی دکھ سے جوان ہونے تک اس نے ماں باپ کا حسن پایا تھا۔ بیمار ہو گئی ماں بے ایک گوردوارے کے دروازے تک آ جانا تھا۔ پھر مدتوں سڑکوں پر پلنے والے اس لڑکے کا نام کچھ اور رکھا گیا۔ ماں کی بیماری کا عقیدہ جب اس کی حقیقت کا علم ہوا تو وہ باغی ہو گیا۔ اسے بہت گہرا دکھ ہے کہ سو تیلے باپ نے اس کی داڑھی اور پگڑی میں بھی اضافہ کیا۔ لوگوں نے بتایا کہ بھی اگر وہ خوب رو دیا اور جو اچھا کیا وہ بڑی ہی اچھی کمائیوں کا نام لینے لگا۔ تب ان سے پوری ملاقات بھی جو دنیا کے تمام مذہبوں کے منافی انسان لیا ہو۔ جب اس نے اپنا باپ جو مسلمان تھا اور سکھ بھی۔ نہ مسلمان۔ اس نے اپنے کو کسی مذہب کی حدود میں قدم تک نہ رکھا۔ اسی کے قریب دلگیر سنگھ کی جائز و ناجائز آمدنی کا بیشتر حصہ مجبور لوگوں کے کام آتا تھا۔

بیلرز کلب کے جوئے خانے میں فرش پر بیٹھی ہوئی ایک بیٹھی اور الجھانے والی کی تو نظر نہ آ سکا، اپنے بچے جسے کہ ہر اک جوئے کا بڑا ماہر اور ماہر تھا۔ جب سے میری آمد کے تماشے کا یار بنا، دلگیر سنگھ کو اپنا رقیب بھی بنا لیا۔ وہ جب بھی کچھ الجھا ہو ان کا پیچھا کرتا۔

قریب ہو اور ہم میں کافی بیٹھے رہنا ہوا تھا۔ جہاں دلگیر سنگھ کا ملازم تھا بلکہ سمجھ کر کے تمام ملازمین میں یہ بات نہیں تھی۔ کلب کا ماحول بھی ایسا ہی تھا۔ ابھی بات کی بابت یہ جواب آیا کہ وہ ختم کر چکا ہے۔ ابھی شرط لگا کر ہر بار شہرت نہ ہونے کی بنا پر اسے رہا کر دیا گیا۔ ایک دن ایک حریف کو اس نے بری طرح زخمی کر دیا۔ لوگ جانتے تھے کہ قاتل کون ہے مگر سب معافی مانگ کر اپنے باوجود بے حسی دکھائی گئی اور معاف نہ کیا جا سکا۔ لوگ

جانتے تھے کہ جنگ بہادر کے خلاف زبان کھولنے والے کے لیے قبرستان کا راستہ کھلا ہوا جانے گا۔ اپنی بیس سالہ سرگرمیوں سے قطع نظر جنگ بہادر بھی ایسی ہی خصلت والے چینیوں کا بے تاج بادشاہ سمجھا جاتا تھا اور اس کے ذریعے شاطر شہر میں بٹکے ٹھکانے تھے۔ اس کے ساتھ والوں میں جس کی ذات کے علاوہ اختیار اور دورے کی بنیاد پر بڑی شہرت تھی۔ کوئی بھی شخص جنگ بہادر کا اشارہ پا کر بھی کے بیٹوں سے ہر کام لے سکتا تھا۔

کئی دن تک اس کا بیمار بیمار کمرے میں ہی قید رہا۔ اس دوران میرے ہاتھوں کے زخم بڑی تیزی سے ٹھیک ہو رہے تھے مگر جنگلی ملاقات کے بعد میں نے ماتم کا سایہ بھی نظر نہیں آیا۔ وہ شاید نادر کی بات کو رنگ کرتا تھا۔ اگر جنگ بہادر کا نام اس کے ساتھ ملوث نہ ہوتے پائے اور وہ جنگ سارے معاملات بڑی مہارت سے نمٹا لیتا تھا۔

تیسرا ہی شام میری طبیعت بگڑ گئی۔

بیلرز کلب کی عمارت دو منزلہ تھی۔ تہ خانے کے علاوہ دوسری منزل پر بیٹھک تھی اور اس کی اوپری منزل پر جنگ بہادر کی رہائش تھی۔ مجھے عمارت کی اوپری منزل میں طلب کیا گیا تھا۔ جہاں جنگ بہادر اپنے ڈرائنگ روم میں میرا منتظر تھا۔

اس کے ڈرائنگ روم کی آرائش دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ دیوار پر ٹنگے قیمتی ہتھیار اور جاپانی آرٹ کے نمونے سجے ہوئے تھے۔ دیواروں پر صدیوں پرانے نفیس قالین اور تلواریں آویزاں تھیں۔

• تمہارا نام کیا ہے؟ جنگ بہادر کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

• امیر خان! میں نے جواب دیتے ہوئے محسوس کیا کہ میرے سامنے کوئی گر پڑی ہے۔ اور جنگ بہادر کا سوال خالی از زحمت نہیں ہے۔

وہ چند لمحوں تک مجھے چاٹ جانے والی نظروں سے گھورتا رہا۔ پھر بجلی کی سی سرعت سے میری طرف لپکا اور اس سے پیشتر کہ میں اس کے عزائم کا اندازہ لگاتا، اس نے گلے کی تختی سے پیچھے کی جانب فضا میں اچھال دیا۔ میرے حلق سے ایک سی چیخ نکلی اور میں قالین پر آ گرا۔ جنگ بہادر بجلی کی سی تیزی سے میرے سینے پر سوار ہو گیا اور اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے میری شانے کی ہڈیاں دبانی شروع کیں۔ مجھ کو لگا جیسے میرا جسم بے جان ہونے لگا۔

• یہ کیا بدتمیزی ہے؟ چھوڑو مجھے! میں نے چیخ کر کہا۔

جواب میں اس نے رکے بغیر مجھے چند گالیاں دیں اور بولا۔ اگر تم نے دو منٹ میں اپنا اصلی نام نہ بتایا تو میں تمہیں ساری عمر کے لیے معذور کر دوں گا۔

اس مردود کی انگلیوں کی گرفت اور مہارت برداشت سے باہر تھی۔ اس نے اپنے آزادانہ ڈرائنگ روم میں مجھ پر حملہ کر دیا۔ اگر اسے ذرا بھی شبہ ہوتا کہ میں اس کے راز سے چونکا دینے والے آدمی کو دیکھ رہا ہوں تو وہ یقیناً کسی اور حربے کا انتخاب کرتا۔

میں نے اس کی خوفناک گرفت سے بچنے کی کوشش کی مگر اس کی گرفت

چنگ ہوا نے میرے چہروں پر اپنی انگلیوں کا دباؤ بڑھا دیا اور میں درد سے تڑپ اٹھا۔

"نام... نام بتاؤ؟"

"سعد علی۔" بے اختیار میرے منہ سے نکلا اور وہ اچھل کر میرے سینے سے اتر گیا۔

رہائی پاتے ہی میں ملتے اور جنون کے عالم میں اس کی طرف لپکا مگر اس نے اپنی جگہ چھوڑے بغیر مجھے وارننگ دی: "اگر میرے ڈرائنگ روم کو ذرا بھی نقصان پہنچا تو میں تمہاری ہڈیاں توڑ دوں گا۔ آپے سے باہر ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس کے لہجے میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ میں جہاں تھا، وہیں رک گیا۔

ڈرائنگ روم میں دلچسپ ساخت کی ایک آبنوسی کرسی موجود تھی۔ چنگ ہوا اس پر بیٹھ گیا اسی وقت مکان کے کسی دور افتادہ حصے میں گھنٹی بجنے کی آواز آئی اور فوراً ہی ایک دبلا پتلا مگر دراز قامت چینی سینے پر ہاتھ باندھے وہاں آ موجود ہوا۔

چنگ ہوا نے چینی زبان میں اسے کچھ ہدایت دی اور وہ سر جھکائے وہاں سے لوٹ گیا۔

"بوڑھے ساتھی اس بدتمیزی کی کیا ضرورت تھی؟" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد میں نے تلخ لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"اس لیے کہ تم جھوٹ بول رہے تھے۔"

"مگر نام کی کیا حیثیت ہے، میرا نام کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

"بڑا فلسفی ہے۔" وہ طنز آمیز انداز میں مسکرایا۔ "آج کے اخبارات میں تمہاری تصاویر شائع ہوئی ہیں۔ سعد علی کو گرفتار کرانے والے کے لیے بڑا انعام رکھا گیا ہے مگر امیر خان کی نوے شہر کا کسی کو پروا نہیں ہے۔"

"اخبارات میں میرا جرم کیا بتایا گیا ہے؟"

"عجیب بات یہی ہے کہ تمہارے جرم یا الزام کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ بس اشتہارات میں تمہاری تصاویر ایک خطرناک مجرم کے طور پر چھپی ہیں۔ اب تم مجھے بتاؤ گے کہ پولیس کیوں اتنی شدت سے تمہاری تلاش میں ہے؟"

"میں بتا چکا ہوں کہ اسٹر پولیس میرے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ آج کل ہر طرف کی پولیس مشتبہات کی تلاش میں ہے۔"

اسی اثنا میں چنگ ہوا کا دراز قامت چینی ملازم سبز چائے لے آیا اور چنگ ہوا نے ایک پیالی اور قہوہ دانی میرے پاس بھیج دیا۔

"بے عزتی کے بعد عزت افزائی میری سمجھ سے باہر ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ پہلا سبق تھا اور مجھے امید ہے کہ دوبارہ تم کوئی غلطی ثابت نہ کرو گے۔ میں اپنے آدمیوں کے منہ سے جھوٹ برداشت نہیں کر سکتا۔"

"مگر میں تمہارا آدمی کب سے ہو گیا؟"

"جس وقت تم شکر کے مکان میں گھسے تھے۔ پولیس سے بچنے چھپنے والے بہت سے جرائم پیشہ کو کیا ثابت ہونے لگے ہیں؟"

"زنجیر شکنی پہلا سبق ہے۔"

اچانک چنگ ہوا کا چہرہ غضبناک ہو گیا۔ وہ سرگوشیانہ انداز میں غرایا۔

"نیویارک کی اس عمارت کی بھی اس کا نام لیا۔ تمہارا ایسٹ سیلز کلب میں دیکھا ہی تھا اور شنے کی موت کا سامنے کی طرح جہاں آنا چاہو چلا جا سکتا ہے۔"

"باہر پولیس میری متلاشی ہے، اگلے آپ کسی دن اخبارات میں میری تصاویر بھی دیکھی ہوں گی۔ اب ..."

"تمہارے ہاتھوں کے زخم کیسے آئے؟" جواب کے بجائے سوال کر ڈالا۔ وہ سمجھ رہے ہیں پوری طرح ... تھا کہ میری کیمیا گری وغیرہ کے قصے انہیں بکھرے ... دیکھے تھے ورنہ یہ باتیں بھی چنگ ہوا کے علم میں ہوتیں۔

"زخم تیزی سے بہتر ہو رہے ہیں۔"

ان زخموں کے بارے میں تمہاری کہانی ... ہوتے بولا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ دھماکے سے ... بھی تعلق رکھتا ہے۔"

"ٹیکسی؟" میں حیرت آمیز انداز میں ہنسا۔ "بمبئی میں قدم رکھنے کے بعد میں نے تو اس کے سوا کسی سواری میں قدم نہیں رکھا۔"

"آج پولیس ... نے تحقیقات کی ہیں ... کے قریب سے گزرنے والی گاڑی تھی، سواریوں میں ایک ... تھا۔ اندھیرے کے باعث وہاں موجود ڈرائیور ... علاوہ کچھ نہ دیکھ سکے کہ ٹیکسی سے ... کے علاوہ ... چلے ہوئے ... سے تمہارے ... بھلا تم تو ٹیکسی کے سوار پر مسافر معلوم ہوتے ہو؟"

"اگر ایسا ہے تو میں یقیناً غیر انسانی قوتوں کا مالک ..." ہنس کر کہا مگر چنگ ہوا نے ... استدلال سے ... "ٹیکسی کا حادثہ شہر سے میلوں دور ہوا ... دھماکے سے اڑا کر ... اور ... کھیل نہیں ہے اور ان حرکات کا کچھ نہ کچھ مقصد ..."

"خیر، میرے لیے صرف یہی جاننا کافی ہے کہ تم پولیس سے ... اور پناہ کے متلاشی ہو۔ فی الحال تم اسی مکان میں ... دن میں ہاتھوں کے زخم ٹھیک ہو جائیں۔ تم ... جگہ بھیج دوں گا جہاں پولیس کا سایہ بھی نہ پڑ سکے گا۔"

"بمبئی سے باہر؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں!" اس کا جواب بے حد مختصر تھا۔

"مگر مجھے تو ... آگیا تھا کہ مجھے کلب میں آئے ... دنوں ... پر سامنا کیا جائے گا۔"

"اس وقت یہ اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنی شدت سے پولیس کو مطلوب ہو۔ محض دو قتل کرنے والے کے لیے بمبئی پولیس اس قدر ... کا اہتمام نہیں کر سکتی اور شاید چنگ تو یہ بھی آسانی سے کر لیتے ہیں ... الزام ... سونا جائے گا۔"

تمہارے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ میری چھٹی حس جاگ اٹھی اور ... "میری شاید چنگ کو ... مشکلات کیا ہے؟"

"میرے ساتھ ایسا ... تمہارے لیے جو کام ... ہوں ... اور وہاں تم خود کو محفوظ بھی پاؤ گے۔"

بے اختیار میرے سینے میں کسک سی اٹھی، چنگ ہوا انسان کی صورت میں ... بالکل ... مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے جہاں بھی بھیجنے والا ہے وہ جگہ ... بدنامی سے ... ایک جہاں سے نکل کر دوسرے جہاں ... پہنچ جانا تھا ... سیکرٹ سروس کی یا چنگ ہوا کی میرے ... کوئی فرق نہیں تھا کہ میں دن بدن اپنے دشمنوں کی تعداد میں ... قانون کے نگہبان افسروں کے علاوہ اب قانون شکن ... بھی میرے ... میں ... ہو رہے تھے۔ پارس پتھر ... ایک ... میری محبوب بیوی سیتا میری زبان کے کاری زخم کھا کر ... سے بچھڑ چکی تھی۔ میں ان دشمنوں کی طرف ایک قدم آگے بڑھاتا مگر تقدیر مجھے سو قدم پیچھے دھکیل دیتا تھا۔

"کیا میں اپنے طور پر کوئی راہ اختیار کر سکتا ہوں؟" میں نے ... ایک مختصر سا سوال کیا۔

"تمہارے سامنے انتخاب کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" ... ہوئے وہ کرسی سے اٹھ گیا۔ "اگر میری تجویز ناقابل قبول ہو تو پولیس کا ... کرنے کے لیے تیار رہو۔" ... دفعتاً ہاتھ کھینچ لیے اور میری ساکھ ... گئی۔

"مجھے کام کی نوعیت بھی تو معلوم ہونی چاہیے۔"

"یہ بیکار کاروباری اصولوں کے منافی ہے۔" وہ ... مسکرایا۔ "مناسب وقت آنے پر یہ بات خود بخود تمہیں معلوم ہو جائے گی۔"

اس گفتگو کے بعد وہ پیچھے ڈرائنگ روم میں چلا گیا اور اس کے جاتے ہی ... ملازم کسی آسیب کی طرح اچانک میرے سر پر مسلط ہو گیا۔

"آئیے آقا! میں آپ کو کمرے میں پہنچا دوں۔" اس نے ادب سے سر جھکا کر ... ہاتھوں سے اشارہ کیا۔

بظاہر اس کا لہجہ احترام آمیز تھا مگر اس کے تیوروں سے ظاہر تھا کہ اگر میں نے تامل سے کام لیا تو وہ مجھے کندھے پر لاد کر وہاں سے ... ناچار میں اس کے ساتھ ہو لیا۔

وہ مجھے مختلف راہداریوں سے گزارتا ایک آراستہ کمرے میں لے گیا جہاں ضرورت کا ہر سامان موجود تھا اور بولا۔

"... آرام فرمائیں گے۔ اگر اس کمرے سے باہر نکلنے کی ضرورت ہو تو گھنٹی بجا کر مجھے طلب فرما لیجئے گا۔ تنہا باہر نکلنے کی صورت میں آپ مشکلات سے دو چار ہو جائیں گے۔"

میں اس مردود کو قہر بار نظروں سے گھورنے لگا مگر وہ میری نگاہوں کی پرواہ کیے بغیر کسی مشین کی طرح مسکراتا رہا۔

دوسرے ہی لمحے اس نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

چنگ ہوا کے مکان میں گہرا سکوت طاری تھا۔ مشرب اور شراب خانے سے آنے والے شور کے سوا کوئی آہٹ سنائی دیتی تھی۔ شاید اس مکان میں چنگ ہوا اور اس کے ملازم کے سوا کوئی نہ رہتا تھا اور وہ ملازم تو مجھے کمرے میں چھوڑنے کے بعد ایسا غائب ہوا کہ کھانے کے وقت تک اس کا سایہ بھی کہیں نظر نہ آیا۔

وقت گزاری کے لیے میں بستر پر دراز ہو کر گزرے ہوئے واقعات پر غور کرنے لگا۔ مجھے وہ رات یاد آ رہی تھی کہ میں نے ... کے شوہر کو اپنی سفاکی کا نشانہ بنایا تھا۔ شوہر کی توجہ کرتی ہوئی وہ عورت میرے ہاتھوں بیوی کے ... میں ... سو گئی تھی مگر اب اس ... کے ازالے کی کوئی صورت باقی نہ رہی تھی۔

میں ابھی سوچ بچار ہی میں غلطاں تھا کہ چنگ ہوا کا ملازم کھانے کی ٹرالی دھکیلتا ہوا کمرے میں آیا۔ جب تک میں کھانے میں مصروف رہا وہ کمرے میں موجود رہا اور میرے فارغ ہوتے ہی ٹرالی لے کر واپس چلا گیا۔

گیارہ بجے میں نے کمرے کی روشنی گل کر دی۔ اس وقت پورے مکان میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ میں نے بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کی مگر نیند کا کوسوں پتہ نہیں تھا۔ مکان میں چھایا ہوا گہرا سکوت بار بار مجھے چونکا کر گھومنے پھرنے پر اکسا رہا تھا۔

جب بڑھتی ہوئی بے چینی کے باعث میرا بستر پر ٹھہرے رہنا محال ہو گیا تو میں آہستگی سے بستر سے اترا اور ننگے پیروں چلتے ہوئے دروازے کی اوٹ میں دیوار سے چپک کر سن گن لینے کی کوشش کرنے لگا مگر باہر گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ شاید چنگ ہوا کا ملازم بھی سو چکا تھا۔

میں بڑی احتیاط سے پنجوں کے بل چلتا ہوا دروازے کی اوٹ سے نکلا اور جوں ہی میں کھلے ہوئے دروازے کے درمیان پہنچا سامنے سے ایک چمکدار خنجر سناٹے سے اڑتا ہوا آیا اور دائیں جانب کی چوکھٹ میں پیوست ہو گیا۔ میں ہلکی سی چیخ مار کر پیچھے اچھل گیا۔ اسی کے ساتھ خوابگاہ کے باہر تیز روشنی پھیل گئی۔

چند سیکنڈ بعد چنگ ہوا کا دبلا پتلا دراز قامت چینی ملازم چہرے پر ندامت کے آثار لیے بغیر جھکتا میری طرف آیا۔

"ارے آقا! آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں؟" اس کا لہجہ سراسر انکسار آمیز تھا۔ "دراصل مجھے دن میں کام سے فرصت نہیں ہوتی اور میں بے خوابی کا بھی مریض ہوں اس لیے رات کو اندھیرے میں خنجر سے نشانہ بازی کی مشق کرتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے بے موقع شغل سے آپ کو

رخصت ہوئی۔ دروازے کی چوکھٹ سے تیز دھار خنجر نکالتے ہوئے وہ خواب گاہ میں گھس آیا۔

اس کی بو اس پر میرا خون کھول اٹھا۔ میں اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ وہ باہر بیٹھا میری نگرانی کر رہا تھا اور جوں ہی اس نے اندھیرے میں مجھے باہر نکلتے دیکھا۔ پلک جھپکتے میں خنجر چھپا کر مجھے واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ وہ اب مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں کوئی شیر خوار بچہ ہوں۔

میں غرا کر اس پر جھپٹ پڑا۔ میرا اندازہ تھا کہ میں اس نحیف و نزار ڈھانچے کو پل بھر میں مسل کر رکھ دوں گا لیکن اس نے میرے حملے سے قبل ہی لپک کر میرے تڑپتے ہوئے دونوں ہاتھ مضبوطی سے جکڑ لیے اور ذرا بھی جنبش کا اظہار کیے بغیر پرسکون لہجے میں بولا۔

"میں اپنی غلطی پر معافی کا خواستگار ہوں جناب! آپ کے دونوں ہاتھ زخمی ہیں۔ اگر میرے ہاتھوں سے آپ کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو کمپنی میری چمڑی ادھیڑ دے گی۔ میں پھر التجا کرتا ہوں کہ مجھے معاف فرما دیں۔"

اس کی گفتگو سے میرا پارہ اور چڑھ گیا۔ میں نے زور زور سے اپنی کلائیاں چھڑانی چاہیں مگر اس کی چوبی انگلیوں میں بلا کی طاقت تھی۔ اس کی انگلیاں مجھے اپنی زخمی جلد میں پیوست ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔

زخموں کی تکلیف اچانک بڑھ جانے کے باعث میں نے مزاحمت ترک کر دی اور وہ میرے ہاتھ چھوڑ کر پھرتی سے کئی قدم پیچھے سرک گیا۔ خنجر وہ پہلے ہی نیفے میں اڑس چکا تھا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے! میں تمہاری صورت نہیں دیکھنا چاہتا۔" میں نے شکست خوردہ آواز میں کہا۔

"مجھے معلوم تھا کہ آپ یہی کہیں گے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہاں آنے والے کسی مہمان کو آج تک میری صورت پسند نہیں آئی۔ مگر میں آپ کا مددگار ہوں۔ میں پھر التجا کروں گا کہ جب مکان میں اندھیرا پھیلتا ہو تو مجھ نابکار کو خبر دیے بغیر باہر نہ نکلیں۔ اگر میری لاپروائی سے آپ کو کوئی زخم آ گیا تو میں کبھی خود کو معاف نہ کر سکوں گا۔ ہمیں اپنے مالک کے مہمانوں کا پورا احترام کرنا ہوتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ نابکار دروازے سے نکل گیا اور وہاں ایک بار پھر گھپ اندھیرا چھا گیا۔

چینگ ہوا کے آسیبی مکان میں میں پورے دس دن مقیم رہا۔ اس دوران میں نہ صرف میرے ہاتھوں کے زخم بھر گئے بلکہ تھائی کی ہولناک [illegible] جگہ نئی کھال بھی آنے لگی۔ اس پوری مدت میں چینگ ہوا ہمیشہ میرے ساتھ نرم و ملائم ہی رہا۔ اس نے پہلی شب کے واقعے کا بھی کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ ادھر اس کے ملازم کا رویہ اس حد تک احترام آمیز تھا کہ میں اس کے سامنے خود کو ناسمجھ بچہ سمجھنے لگا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ہر وقت پوشیدہ رہ کر میری نگرانی کر رہا ہے۔ اگر اس میں یہ خوبی نہ ہوتی تو چینگ ہوا مجھے اپنے گھر میں ٹھہرانا مشکل پاتا۔

گیارہویں رات چینگ ہوا اس کمرے کے قریب [illegible] کرنے میں کامیاب ہو گیا اس کی چھ وقت آمد پر مجھے [illegible]

"پریشانی کی ضرورت نہیں آج رات تمہیں اپنے [illegible] نے سوچا جانے سے پہلے تم اپنے دل کی خلش بھی نکال لو [illegible]"

"دل کی خلش؟" میں نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں۔" اس نے تاش میرے سامنے بستر پر بکھیرتے ہوئے [illegible] تمہیں پچھاڑوں گا۔"

"اگر تم پچھاڑ سکے۔" میں نے تاش سمیٹتے ہوئے کہا۔

"تو تمہیں ہی تمہارا خانہ بھی ہلکا ہو جائے گا۔"

میں نے حسب عادت تاش کی گڈی کو کئی بار [illegible] دونوں میں ہمارے دلچسپ کے کنارے پر ناخن سے نشان [illegible] کناروں کی موٹائی میں معمولی سا اضافہ ہو گیا ہے جس سے [illegible] کرسکتی تھیں۔

میں نے تاش پھینٹنے شروع کیے۔ ایک [illegible] تھا۔ کارڈ ایک دوسرے سے چپکے اور [illegible] ہاتھ میں آ گیا۔

"فاؤل!" چینگ ہوا فوراً اچھل پڑا اور میں نے [illegible] سمیٹ لیے۔

میں نے صاف صاف تاش بانٹے اور چینگ ہوا [illegible] میری چالاکی پکڑ لی۔ آخر میں نے شرمندہ ہو کر اسے [illegible] کی عادت دریا زیادہ قیمتی ہے میں زندگی بھر پہلی بار اس [illegible]

"جوئے خانے کو نقصان میں چلانا میرے کسی کے بس کی بات نہیں" بولا۔ "میرا کلب سے منسلک پولیس کو بھی [illegible] ہمارے پاس جوئے خانے کا لائسنس بھی ہے۔ ایک [illegible] رقم بھی جاتی ہے اور میرا خیال ہے کہ کوئی بھی [illegible] دیکھ۔۔۔۔۔"

"مجھے کہاں روانہ ہونا ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"ایک چھوٹا سا بحری سفر ہے۔" اس نے کہا۔

"کھلے سمندر سے ڈلیوری لینی ہے؟" میں نے تجسس [illegible]

میں سوال کیا۔

"کام کی نوعیت منزل پر پہنچ کر ہی معلوم ہوگی" وہ [illegible] مسکراتے ہوئے بولا۔ "کام بے حد دلچسپ اور جوش [illegible]"

میرے ذہن میں ان دنوں کی یاد تازہ ہو گئی جب [illegible] کے ایک جزیرے پر ساحلی خوب صورتی گزرا رہے تھے [illegible] شاندار مہماں نوازی کے طفیل ناکافی سے رہا ہو کر [illegible] بار پھر کسی گمنام منزل پر سمندر کے سفر پر جا رہا تھا۔

شراب خانہ بند ہونے کے بعد رات کے تین بجے [illegible]

ہمارے پاس چینگ ہوا کے لائے ہوئے چند [illegible] ہوا تھا پیغام ورباء میرے پاس چینگ ہوا کے لائے ہوئے چند تحائف ہیں سو کچھ بھی نہ تھا جسے مجھے دیر لگتی۔ ہوٹل الایونس سے میں جو تنخواہ والا سا استعمال ہونے والا چیتھڑا بنا [illegible] بوٹ کی جیب میں چھپایا ہوا تھا اس میں اب بھی گیارہ [illegible] جمع ہو چکے تھے۔

سیرن کلب کے باہر ایک سیاہ گاڑی میں تین افراد میرے منتظر تھے۔ میں نے بھی ان کے حوالے کیا اور گاڑی تیزی کے ساتھ سڑک پر دوڑنے لگی۔

سیرن کلب ممبئی کے ایک ساحلی علاقے میں واقع تھا اس لیے [illegible] تھی کہ اس سفر کا اختتام جلد ہی ہوگا۔ خلاف توقع سفر کافی دیر تک جاری رہا۔ گاڑی کی کھڑکیوں کے شیشوں پر سفید رنگ ہونے کی بنا پر سب کچھ اوجھل تھا۔ [illegible] ہو سکا جب گاڑی رکی اور مجھے نیچے اترنے کو کہا گیا تو میرے کانوں میں سمندر کی سرکش موجوں کا شور سنائی دیا۔

اس وقت ہم ساحل سے متصل چٹانوں میں کھڑے تھے۔ [illegible] ہوئے بادل جھکے ہوئے آسمان کی چھاؤں میں سیاہ سمندر کے سینے پر بل کھاتی موجیں ابھر رہی تھیں اور کنارے پر ایک چھوٹی سی کشتی کا ہیولا [illegible] رہا تھا۔

میرے ہمراہ گاڑی سے ولیت نامی ایک شخص اترا جس کے بعد گاڑی واپس کے راستے پر چل پڑی۔

ولیت مجھے ساتھ لے کر چٹان سے بندھی ہوئی لانچ نما بوٹ کی طرف بڑھا۔ چٹان سے رسی کھول کر ہم دونوں اچھلتے پانی میں اترے۔ بوٹ ہیچ پانی میں رہ گئے اور جب ہمارے گھٹنوں سے اونچا پانی آ گیا تو دونوں اچھل کر کشتی میں سوار ہو گئے۔

پلاسٹک کے چپوؤں کے سہارے ہم کشتی کو گہرے پانی کی طرف بڑھاتے رہے۔ اس علاقے میں تاحد نظر ساحل ویران پڑا ہوا تھا اور سب بے ہنگم چٹانوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

ولیت کی ہدایت پر کشتی کا رخ درست کیا جانے لگا پھر ولیت نے بحری جہاز کی ٹارچ سے ہوائی سگنل دینا شروع کیا۔ مقررہ وقفوں کے تین بار جلنے بجھنے والا اشارہ ابھرتے ہی گہرے سمندر میں کافی دور سبز رنگ کی ٹمٹماتی روشنی نمودار ہوئی اور پھر معدوم ہو گئی۔

"ہمیں اس طرف جانا ہے۔" ولیت نے معدوم ہونے والی روشنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور ہم ایک بار پھر پلاسٹک کے چپوؤں سے کشتی کھینے لگے۔

تقریباً ایک گھنٹے کی مشقت کے بعد ہمیں گہرے سمندر میں لنگر انداز ایک بحری جہاز کا ہیولا نظر آنے لگا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے پر وہاں کچھ چھوٹے سے لوگ بھی کام میں مصروف نظر آئے۔

کشتی جیسے ہی جہاز کے قریب پہنچی، ان میں سے ایک [illegible]

آواز گونجی جو تاریک بوٹ کی جانب سے سنائی دی۔

"وہ چھپ رہے!" ولیت ہم پر ہاتھ اٹھا کر پوری قوت سے چیخا کیونکہ ہم ہوا کی مخالف سمت میں جا رہے تھے اور ابھی بوٹ ہم سے کافی دور تھی۔

"انچلے آ رہے" بوٹ سے کہا گیا۔

پرسکون سمندر کی موجوں سے لڑتے ہوئے تھوڑی ہی دیر میں ہم اس بوٹ کے قریب پہنچ گئے عرشے سے رسے کی سیڑھی لٹکائی گئی اور ہم دونوں باری باری اوپر چڑھ گئے۔ کشتی کو بھی اوپر کھینچ لی گئی اس کے ساتھ بوٹ کا ڈیزل انجن بیدار ہو گیا۔

اندھیری رات میں سمندری ہوا کے خنک تھپیڑے اگرچہ ناگوار نہیں لگ رہے تھے مگر کچھ ایسے خوشگوار بھی نہیں تھے۔ بوٹ پر مچھلیوں کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ عرشے پر پہنچنے کے بعد میں اندھیرے میں آگے بڑھا تو سیر بچھے ہوئے جالوں میں الجھ گئے۔

اسی وقت بوٹ کا لنگر اٹھا دیا گیا اور وہ ہچکولے کھاتی آہستہ آہستہ رخ بدلنے لگی۔

عرشے پر میرے ساتھ ولیت کے علاوہ دو آدمی اور موجود تھے ان میں سے ایک کے ہاتھ میں محدود روشنی والی سنگل ٹارچ تھی جس کے شیشے پر سبز فلٹر لگا ہوا تھا۔ وہ مختصر وقت کے لیے حرکت میں آ چکی تھی مگر اس کی تمام روشنیاں ابھی تک گل تھیں۔ ہمیں اسی سنگل ٹارچ کی محدود سبز روشنی میں کیبن تک پہنچایا گیا جہاں وہیل پر ایک داڑھی والا خوفناک شخص نیلی جین اور جیکٹ پہنے مصروف تھا۔ کنٹرول پینل پر لگی ہوئی چھوٹی چھوٹی رنگین روشنیوں کے انعکاس میں اس کا چہرہ بہت بھیانک لگ رہا تھا۔ کیبن میں اس کے علاوہ دو تین افراد اور موجود تھے۔

ان سب کے لباس ماہی گیروں جیسے تھے اور وہ بوٹ میں ساخت کے اعتبار سے چھوٹا فشنگ ٹرالر معلوم ہو رہی تھی۔ بوٹ کا انجن بہت طاقتور تھا کیونکہ رخ درست کرنے کے بعد اس کی رفتار تیزی کے ساتھ بڑھی تھی اور اب وہ سیدھی جا رہی تھی۔

"اسے بتا دیا ہے نا؟" وہیل پر موجود شخص نے مڑے بغیر کسی کو مخاطب کیے بغیر سوال کیا۔

"سنو!" اچانک ولیت نے میرا شانہ جھنجوڑ کر کہا۔ "ہم کھلے سمندر میں ماہی گیری کے لیے جا رہے ہیں تمہارا نام اور باپ کا نام بدل کر [illegible] رکھ دیا گیا ہے۔ عمر [illegible] سال باپ کا نام [illegible] سمجھ گئے؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ اس وقت میرا ذہن ماضی کے ان دنوں میں بھٹک رہا تھا کہ کراچی میں میرا بھی یہی کام تھا مگر میں نے کبھی اس کی طرح بحری سفر نہیں کیا تھا۔ میں شان و شوکت سے اپنی فرم کے دفتر میں بیٹھا تھا اور میرے کارندے کھلے سمندر میں لنگر انداز جہازوں سے مال لا کر بازار میں پھیلاتے تھے پھر جس دور میں عروج پر پہنچا تھا اسی راستے سے میرا زوال شروع ہوا۔ میری ساحل نما لانچ پر چھاپہ پڑنے کی خبر جس وقت مجھ

تک سینٹر میں تاش کی بازی پر بازی ہار رہا تھا اور ساحل کی اطلاع ملنے پر اتھک بازی میں اپنا سجا سجایا گھر بھی ہار کر رات کے کمروں سے مطلب پر نکل رہا تھا۔ اس کے بعد سے میں در بدر بھٹکتا رہا تھا اور اب مقدر نے ایسے مقام پر لا کھڑا کیا تھا کہ ملاحوں کی ایک فوج کی قیادت کرنے والا اصغر علی ایک بے لگام دار بن کر معمولی ملاح کی طرح سمندر میں چھپی چھپی مفرور بنا ہوا تھا اور یہ میری بدنصیبی ہی تھی کہ اس وقت میرا نام بھی پیا نہ تھا۔ میری ملازمت بول دی گئی تھی۔ میری عمر پر ڈاکہ ڈالا گیا تھا مگر کس سبب تم جیسے پر مجبور تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہمیں بندرگاہ کی روشنیاں نظر آنے لگیں، اسی کے ساتھ موٹر بوٹ کی بھی ساری روشنیاں جل اٹھیں، رفتار میں بھی تبدیلی کا احتمال آ گیا۔

موٹر بوٹ بندرگاہ کے بیرونی علاقے سے گزر رہی تھی کہ کسٹم پولیس کی ایک گشتی لانچ سے رکنے کا سگنل موصول ہوا۔ موٹر بوٹ کے کپتان نے دانت پیس کر چند مغلظات اور غیر مغلظ گالیاں دیں اور چند منٹ میں بوٹ کی رفتار دم توڑ گئی۔

اس کے ساتھ ہی کسٹم والوں کی بوٹ ساتھ آ لگی۔ چند سوال جواب ہوئے۔ ہماری بوٹ سے ایک شخص کاغذات لے کر کسٹم والوں کی بوٹ پر گیا، اور ایسا ہی گیری کا پرمٹ دیکھنے کے بعد انھوں نے سفر جاری رکھنے کی اجازت دے دی۔

وقت گزرتا رہا، بندرگاہ کو ہم بہت پیچھے چھوڑ آئے۔ سمندر کے مشرقی کناروں سے سفیدی جھلکنے لگی، ستارے دھندلانے لگے۔ پھر نیم سحری کے خفیف جھونکے سرسراتے فضا میں بحری پرندے معصوم آوازیں نکالتے قطار در قطار خوراک کی تلاش میں پرواز کرنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے سورج طلوع ہو گیا۔

میرے ساتھ کیبن میں بیٹھے ہوئے سب لوگ اونگھ رہے تھے مگر بوٹ کا ناخدا پوری بشاشت سے اپنے کام میں مصروف تھا۔

دفعتاً میرے ذہن میں ایک خیال کوندا۔ میرے پستول میں اب بھی گیارہ مہلک تیر موجود تھے اور تعداد میں کل سات تھے، ان میں سے چھ اونگھ رہے تھے، ساتواں بوٹ چلانے میں منہمک تھا۔ میں با آسانی ان سب کو زیر کر سکتا تھا۔

میں نے آہستگی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اونگھنے والوں میں سے کوئی چونکا اور میں نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اپنی جیب سے پستول نکال لیا۔

"جنٹلمین! میری بات ان سب کے اعصاب پر کسی بم کے دھماکے کی طرح گری اور وہ ہڑبڑا کر عجیب و غریب آوازیں نکالنے لگے۔ ناخدا نے اپنے مفلر کو ایک ادنیٰ کا الٹی سمت کر پوری قوت سے آہنی پہیے پر گھونسہ مارا اور دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

"میرے ہاتھ میں مہلک تیر برسانے والا پستول موجود ہے" میں نے

باری باری ان سب کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "اور اس کی گولی تمہارے جسم کے کسی بھی حصے میں پیوست ہو جائے تو ایک سیکنڈ میں موت واقع ہو جائے گی لہٰذا اب وہی کرو جو میں کہوں۔"

"کلام ایسا تھا جیسے ہم کوئی جتن کرتے" ناخدا تلخ لہجے میں بولا۔ حال سے ذرا بھی خائف نظر نہ آتا تھا اور خونخوار نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔

"تم بوٹ کی رفتار کم کرو۔" میں نے اسے حکم دیا۔

"ہاتھ اٹھا کر یہ کرنا مشکل ہے۔" وہ مضحکہ خیز لہجے میں بولا۔

"دیکھو کسی قسم کی حرکت کی تو سمجھ لو تمہیں ختم کر دوں گا۔"

میں اس وقت ایسی خطرناک صورت حال سے دوچار تھا۔ ان لوگوں نے مجھے بیجان میں مبتلا کر دیا تھا۔ اگر مجھ سے ذرا بھی چوک ہو جاتی تو میری بوٹیاں اڑا دیتے۔

ناخدا موٹر بوٹ کی رفتار کم کرنے میں مصروف ہو گیا۔

"اور ولیپ! تم باقی لوگوں کے ہاتھ پشت پر باندھ دو۔ ان سب کے بعد یہ جھگڑے دوڑ" میں نے اگلا حکم دیا۔

ولیپ نائلون کی رسیاں اٹھانے لگے۔ گزرتا رہا ان کی باری مسلسل مجھ پر مرکوز تھیں مگر میں سرفروش سے پوری طرح چوکنا تھا۔ ناخدا نے اچانک بوٹ کی رفتار بڑھا دی اور میں اس سے ہم کلام تھا۔ مگر میں ایسی حرکت کے لیے تیار تھا۔ میں ایک طرف کی لگام دوڑ کر بچ گیا اور پستول کی نال ناخدا کی طرف اٹھائی۔ اس نے رفتار کم کرنے میں مصروف ہو گیا۔

نیچے گرنے والوں میں سے کسی کو چھوڑ کر لٹانے کے بعد ولیپ نے فرش پر ایک کونے میں پڑا ہوا جال میری طرف اچھالا پر میری انگلی چل گئی۔ وہ حلق سے کوئی آواز نکالے بغیر فرش پر اس کا عبرتناک حشر دیکھ کر باقی پانچوں کے چہرے ہلدی کی طرح سفید پڑ گئے۔

میں نے ان میں سے ایک کو ولیپ کا چھوڑا ہوا کام کرنے کا حکم دیا، جب وہ فارغ ہو گیا تو میں نے خود اس ایک کی پشت ان سے مطمئن ہو کر میں نے چھٹے کو خود جکڑ دیا۔ وہ میرے رعب سے اس قدر خوف زدہ تھا کہ اس نے ذرا بھی مزاحمت نہیں کی۔

"مائیکل! اسمیدان صاف کرنے کے بعد میں نے ناخدا سے کہا وہ بشرے سے ناگواری کے اثرات لیے میری طرف دیکھتا رہا۔

"ولیپ نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی تو اس کا حشر سامنے ہے" میں نے کہا۔

"تم نے اسے مار دیا؟" وہ حیرت سے تقریباً چیخ پڑا۔

"ہاں —— ان زہریلے تیروں کی صفت ہی یہ ہے کہ کوئی چھینکنے کی مہلت بھی نہیں ملتی" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔

مائیکل نے باری باری سے تمام ساتھیوں کا جائزہ لیا۔

کی آواز میں بولا۔ "اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"یہ موٹر بوٹ کہاں جا رہی تھی؟"

"بوٹ کی منزل کا علم ولیپ کو تھا لیکن تم نے اسے مار دیا۔" اس نے الٹا جواب دیا۔ "اب یہ وہیں جائے گی جہاں تم چاہو گے۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم لوگ کھلے سمندر میں کسی جہاز سے اسمگلنگ کا مال لینے جا رہے تھے" یہ کہہ کر میں اس کے جواب کا منتظر رہا مگر وہ خاموش رہا تو چند لمحے کے توقف کے بعد میں نے کہا۔ "مگر اب یہ بوٹ واپس ساحل کی طرف مڑے گی۔"

"یہ ناممکن ہے مسٹر!" اس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "مگر یہ کوشش بھی بے معنی ہے کہ تم دوبارہ کھلے سمندر سے واپس آنے والی ہر بوٹ کو پولیس چیک کرتی ہے۔ پھر ہم اتنی جلدی واپس لوٹیں گے تو انہیں یقیناً شبہ ہو گا۔"

"کیا مقصد ہے تمہارا؟" اس کی گفتگو نے مجھے الجھن میں ڈال دیا۔

"میں خود اس زندگی سے تنگ آیا ہوا ہوں" وہ سنجیدہ تھا۔ "میرا خیال تھا کہ تم نے کوئی چال بازی کی تو میں کوئی رعایت نہ کروں گا اور سمندر میں پھینک کر تمہیں جان دینی پڑے گی" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"میں جانتا ہوں۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔

"پھر اب کیا ارادہ ہے؟"

"ابھی ہم یہیں چھپیں گے" اس نے اداس لہجے میں جواب دیا۔

"تم بھی تو ان ہی خطرات سے بھاگ رہے تھے؟"

"مجھے تم پر اعتماد نہیں ہے تو میں وہی کروں گا جو تم کہو گے۔"

"نہیں میں تمہاری تجویز سننا چاہتا ہوں" میں نے کہا۔

"دو چند ناٹیکل میل کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "کھلے سمندر میں مچھیروں کی ایک بستی ہے جو پرتگیزی اور آباد جزیرہ موجود ہیں ہم وہاں پناہ لے سکتے ہیں، ان کا کوئی جہاز نظر آ گیا تو ہم اس سے مدد لے کر نکل سکتے ہیں۔"

میں خاموش رہا اس کی تجویز پر غور کرتا رہا۔ بمبئی جانے کا مطلب تھا کہ ایک بار پھر ان ہی خطرات میں گھر جاؤں جن سے نجات حاصل کرنے کی کوشش میں تھا۔ پولیس، انڈین سیکرٹ سروس اور ایڈورڈ سمتھ کے مجرم کے گروہ کے لوگ — ان میں سے کوئی بھی خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ ہم نے آخر کوئی جزیرہ تلاش کرنے کی اجازت دے دی۔ وہ جنگ لڑتے رہے اور کمپاس کی مدد سے سمتوں کا تعین کرنے لگا میں ہی کچھ سنبھال کر بیٹھا رہا۔ میرے سامنے کھلے سمندر میں سمت کا کوئی تعین نہیں تھا، ہر طرف حد نگاہ تک سمندر کا نیلگوں پانی ہی پانی تھا۔ مجھے خوشی تھی کہ مائیکل اتنی آسانی سے میرے ساتھ رہنے پر آمادہ ہو گیا ورنہ شدید مشکلات سے دو چار ہو سکتا تھا۔

اپنا پیٹ بھر لیا کیونکہ خالی پیٹ کے سبب مجھے مشکل کا احساس ہو رہا تھا۔ ایک تجربہ مائیکل کے حوالے کیا اور جب سورج مغربی افق کے اس پار ڈوب رہا تھا تو مائیکل بے اختیار خوشی سے چلا اٹھا۔

"ہم ایک جزیرے کے قریب ہیں۔ سامنے خشکی نظر آ رہی ہے۔"

میں نے اس سے محفوظ فاصلے پر رہتے ہوئے ونڈ شیلڈ سے دیکھا اور کچھ دور سمندر کے سینے پر سرسبز درختوں کی قطار ایک لکیر کی صورت میں ابھری ہوئی نظر آئی۔ گو مائیکل کا رویہ میرے ساتھ بہت ہی مصالحانہ تھا مگر میں آخر تک کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہیں تھا۔

سورج ڈوب گیا، بوٹ کی روشنیاں ایک بار پھر جل اٹھیں مگر وہ جزیرہ قریب نہ آیا۔ مجھے جاگتے ہوئے چوبیس گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا اور میرے اعصاب بوجھل ہونے لگے تھے، سر بری طرح چکرا رہا تھا۔

خدا خدا کر کے نصف شب کے قریب بوٹ ساحل کے قریب پہنچی۔ میں مائیکل کے پیچھے کھڑا ساحل کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے یکے بعد دیگرے تین مرتبہ بوٹ کا سائرن بجایا اور یہ دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کہ ساحل پر تین بار سبز روشنی بالکل اسی طرح جلائی اور بجھائی گئی جس طرح ناف بوٹ کے لیے موٹر بوٹ پر جلائی اور بجھائی گئی تھی۔

مگر مجھے خطرے کا اندازہ قدرے تاخیر سے ہوا۔ میری حیرت سے فائدہ اٹھا کر مائیکل کسی چیتے کے پنجے کی طرح مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ شکل سے ویسے ہی میرے اعصاب شکستہ ہو رہے تھے۔ مائیکل کی جتنی بھی ٹکر نے مجھے بوٹ کے چوبی فرش پر ڈھیر کر دیا اور پستول میری گرفت سے نکل گیا۔ اس کے بعد میرے سر پر ایک بھاری ہتھوڑا سا پڑا اور میرا ذہن تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

مجھے دوبارہ ہوش آیا تو میں مٹی اور پھوس کی بنی ہوئی ایک جھونپڑی میں پیال پر پڑا ہوا تھا جس کی چھت پر سیمنٹ کی چادریں پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے پیال سے اٹھنا چاہا لیکن چکروں کے باعث دوبارہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ میرا پورا سر کسی پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔

میں نے سر گھما کر پورے جھونپڑے کا جائزہ لیا مگر وہاں میرے سوا کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔ میں نے چند لمحوں تک اپنی بکھری ہوئی قوت کو مجتمع کیا اور بلند آواز سے مائیکل کو پکارا۔

میری آواز کے جواب میں جھونپڑے کے دروازے پر قدموں کی آہٹ سنائی دی پھر کچھ مردوں کا ایک خبیث اور سیاہ چہرہ دروازے میں نظر آیا۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے میرا جائزہ لیا اور اس کے قدموں کی آہٹیں آہستہ آہستہ دور معدوم ہو گئیں۔

تھوڑی دیر بعد پھر فضا میں قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس بار آنے والے تعداد میں دو تھے۔ جب وہ اندر آئے تو ویگر سنگھو ان میں پیش پیش تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"کیا حال ہے میرا ہیرو" اس نے پیال پر بیٹھتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

"مائیکل نے میرا امر تو نے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔" میں کراہتے ہوئے بولا۔

"یہاں آتے ہوئے راستے میں تو نے جو کچھ کیا وہ بگڑے والوں کا کام ہے۔" دلگیر سنگھ جلاف توقع معاملہ فہمانہ انداز میں پیش آ رہا تھا۔ "مگر اب یہ چکر ختم ہو جانا چاہیے۔ میں نے ویت کا خون تجھے صرف اس لئے معاف کیا ہے کہ وہ عقل کو کام میں طاقت سے لینے لگا تھا اور اس جزیرے پر مجھے عقل والے کی ضرورت ہے۔"

"یہ کون سی جگہ ہے؟"

"سرکاری ریکارڈ میں یہ ویران جزیرہ ہے مگر یہ ملکیت ہے میری۔ آدمی یہاں افیم اور چرس کی بڑے پیمانے پر کاشت کرتے ہیں ان کی تعداد ایک سو نہیں ہے۔ مجھے ہر ل رہ کر ان سے کام لینا ہے۔ آج سے اس جزیرے پر تیرا حکم چلے گا۔"

"ابھی تو میں بستر سے بھی اٹھنے کے قابل نہیں ہوں۔"

"میرا یہ مطلب نہیں ہے جب تک تو سنبھل نہیں جاتا میں یہیں رہوں گا ویسے میری واپسی جلد از جلد ہونی ہے۔"

دو دن میں میری طبیعت سدھر گئی۔ اس دوران یہ سوچ کر مجھے کوفت ہوتی رہی کہ مائیکل نے نہایت مکاری سے مجھے بیوقوف بنایا تھا۔ اس کا شروع سے جو پروگرام تھا اس نے مجھے دھوکے میں رکھ کر اسی پر عمل کیا اور مجھے آخر تک اس پر شبہ نہ ہو سکا۔

طبیعت سدھرنے کے بعد میں نے دلگیر سنگھ کے ہمراہ جزیرے کا چکر لگایا۔ وہاں کسی زمانے میں گھنا جنگل رہا ہوگا مگر دلگیر نے جنگل کی ساحلی پٹی چھوڑ کر جزیرے کے اندرونی حصے سے سارا جنگل صاف کروا دیا تھا اور وہاں دور دور تک افیم اور چرس کے لہلہاتے کھیت تھے جن کی دیکھ بھال کے لئے جزیرے پر وہ مجرم جمع کئے گئے تھے جو سنگین جرائم کے تحت پولیس کو مطلوب تھے۔ دلگیر سنگھ یہاں ان کی تمام بنیادی ضروریات پوری کرتا تھا اور ان سے سختی کے ساتھ پورا کام لیتا تھا۔ ان میں کچھ عورتیں بھی تھیں جن سے کوئی مشقت نہیں لی جاتی تھی۔ ان کا کام صرف یہ تھا کہ مقررہ باریوں کے مطابق جزیرے کے باسیوں کے ساتھ وقت گزاریں۔

جزیرے کے ساحل پر جنگل باقی چھوڑنے کا مقصد یہ تھا کہ اس علاقے سے گزرنے والے بحری جہاز جزیرے کے وسطی حصے میں ہونے والی کارروائیوں سے بے خبر رہ سکیں۔ بیچ سے ذرا ہٹ کے سمندر سے ایک گہری نہر جزیرے میں لائی گئی تھی جس نے ایک کھاڑی کی صورت اختیار کر لی تھی۔ منشیات کی کاشتکاری کے لئے ساری آبی ضروریات انہی کنوؤں سے پوری ہوتی تھیں جن پر کثیر رقم سے ڈیزل سے چلنے والے پمپ نصب کئے گئے تھے۔ اس وسیع و عریض جزیرے پر زیر زمین میٹھے پانی کے ذخائر طویل عرصے کے لئے کافی تھے۔

"ان میں ایک لڑکی بہت طرار ہے۔" جزیرے پر مقیم عورتوں کے بارے میں بتلاتے ہوئے دلگیر سنگھ نے کہا۔ "اس پر ہاتھ ڈالنا [illegible] لازم ہے اور میرے آدمی اسے اندر دت لائے تھے [illegible] ہوئے لوٹیں گے وہ موقع قریب جس چھلکے دیتی۔ ایک [illegible] ذرا اس سے ہوشیار رہنا۔"

"دو روز میں اس کا سارا کس بل نکال دوں گا۔"

"تو بتا اگر جزیرے کا انتظام چلانے کے لئے تیرے [illegible] بتا انہیں کیسے سنبھال سکوں گا؟"

"تیرے بھوپڑے کے ریوالور سے [illegible] اس کی چوجیاں میں ذرا ہلا کر تیرے حوالے کر دوں گا۔"

دلگیر سنگھ نے جس طرح ویت کا خون معاف کیا [illegible] پیش نظر شاید یہ عافیت [illegible] جائے تاکہ وہ لوگ صرف [illegible] اور اس کی کہانیوں کو بھول جائیں [illegible] شہروں میں بچتے ہوئے نکاسی کی راہ تلاش کرنا میرے لئے مشکل تر ہوتا چلا گیا تھا۔

جس وقت دلگیر سنگھ مجھے جزیرے پر موجود [illegible] مجھے اسلحے کا ذخیرہ اور شراب کی [illegible] دکھا رہا تھا [illegible] سے شور و غل کی آوازیں آنے لگیں [illegible]

"پھر ہو گیا بلوہ۔" دلگیر سنگھ غصے میں بولا۔

"عورتیں بھی جھگڑے میں شریک ہیں۔"

"عورتیں کیا وہی حرامزادی ہوگی۔" دلگیر سنگھ ایک [illegible] حوالے کرتے ہوئے بولا۔ دوسری اس نے خود سنبھال لی [illegible] کو بالا [illegible] کر جائے وقوعات پر پہنچ [illegible]

"کون حرامزادی؟" میں نے سرسری طور پر سوال کیا۔

"وہی پردیسانی کی بچی سیتا اور کون۔" دلگیر سنگھ [illegible] سے بولا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ [illegible]

پر ایک ہی سیتا تھی جس کی تلاش میں [illegible] ہوں اور وہ بدنصیب مجھ سے [illegible] اس گمنام جزیرے [illegible] غول [illegible] اپنی آبرو کی حفاظت میں مصروف تھی۔

میرا سینہ غرور سے تن گیا۔ وجود میں [illegible] سرایت کر گئی۔ دلگیر سنگھ کے جملے [illegible] میرے سینے میں [illegible] بے اختیار [illegible] رائفل کی [illegible] دلگیر سنگھ [illegible]

"دماغ چل گیا ہے تیرا؟" وہ بے اختیار چیخ اٹھا۔

"دماغ نہیں چلا اب تو ہوش آیا ہے۔" دلگیر سنگھ [illegible]

مجھے میں کہا اور اسی وقت [illegible] شور [illegible] سنبھالنے اس شور میں کیا [illegible] نہیں [illegible] رائفل اٹھائے بے اختیار [illegible]

[illegible]

پڑتا ہے نظر سفیدی مائل سبز پودے لہلہا رہے تھے [illegible] جزیرے کے سفید بیش [illegible] نمایاں تھا [illegible] سفید رنگ کے پھول [illegible] ان کے درمیان بھورے رنگ کے [illegible] خاص ترتیب سے [illegible] کئے گئے تھے کہ [illegible] سفید [illegible] جمع کر کے حاصل کیا جا سکے [illegible] کھیتوں کے [illegible] کی طرف [illegible] بلا رہی تھیں۔

"سفید [illegible] کیا ہو گیا ہے تجھے؟" مجھے اچانک [illegible] دلگیر سنگھ [illegible] گر میں نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔ سیتا کا نام [illegible] بے قرار [illegible] ایک ایسی لہر [illegible] گئی تھی کہ مجھے اپنی حرکت پر [illegible] نہیں رہا تھا۔

کھیتوں کو عبور کرنے کے بعد میں اس میدان میں پہنچا جہاں پھونس کے [illegible] سامنے میں [illegible] کیا جاتا تھا۔ وہاں کئی [illegible] کسی طرح [illegible] نہیں اور کھیتوں میں کام کرنے والے [illegible] کے گرد جمع تھے۔

[illegible] کے لباس [illegible] سے چھوٹ گئے تھے [illegible] انگاروں [illegible] تماشائیوں میں عورتیں بھی شامل تھیں [illegible] جمع کر [illegible] والیوں کی حوصلہ افزائی کر رہی تھیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" اچانک دلگیر سنگھ غضبناک آواز میں چیخا۔ اور [illegible] کے عقب میں کھیتوں کی طرف دوڑ لی [illegible] اس کی [illegible] جیسے [illegible] موت کی [illegible] لڑنے والیوں کے چہرے [illegible] دلگیر سنگھ [illegible] نہیں ہوا تھا میں نے رائفل [illegible] اور دیوانہ وار ان پانچوں کے [illegible] ان سب کے چہرے شدید ضربات کے باعث سوجے ہوئے [illegible] پر لگے ناخنوں کی لمبی لمبی خراشوں سے تازہ خون رس رہا تھا [illegible] پہچاننا نہیں آ سکتی تھی۔

[illegible] اچانک [illegible] پانچ ناتیوں کے لئے حیرت ہوئی [illegible] ایک [illegible] کی [illegible] "یہ عورت [illegible] کون ہے [illegible] ہم اپنا فیصلہ بعد میں کر لیں گے۔"

[illegible] اس لڑکی نے اچھل کر میرے پیٹ میں لات ماری اور میرے [illegible] سب [illegible] زمین پر گرا لیا۔

[illegible] رائفل اٹھاؤ۔" اچانک اس سانولی لڑکی کی آواز گونجی اس [illegible]

[illegible] اس وقت [illegible] کے ہر کونے سے اٹھی اور اسی کے ساتھ [illegible] آواز سنائی دی۔ [illegible] جو کسی نے زمین سے رائفل اٹھائی [illegible] رائفل کی طرف بڑھنے والوں کے

بڑا عمل کا جائزہ لے رہا تھا جب وہ ان سے علیحدہ ہو گیا تو اس کی آواز دوبارہ گونجی۔ "اسے چھوڑ دے سیتا ورنہ تیرا بھیجا اڑا دوں گا۔"

سیتا شکست خوردہ انداز میں میرے سینے سے اتر گئی۔ دوسری دو لڑکیوں نے بھی میرے ہیر آزاد کر دیئے اور میں نفرت آمیز انداز میں گھورتا ہوا اٹھ گیا۔ میری نگاہیں اس لڑکی پر جمی ہوئی تھیں جسے دلگیر سنگھ نے سیتا کہہ کر پکارا تھا۔ مگر وہ میری گمشدہ سیتا ہرگز نہیں تھی۔

"یہ کمینہ چار سو میاں کیوں آیا ہے؟" سیتا دلگیر سنگھ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غرا رہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ کولہوں پر ٹکا رکھے تھے۔

"ہوش میں رہ کر بات کر۔" دلگیر کسی درندے کی طرح غرایا۔ "یہ اس جزیرے کا نگران ہے اور تیری بوٹیاں بھی اڑا سکتا ہے۔ تیرا بہت ناقابل برداشت ہوتی جا رہی ہے!"

"مجھے واپس اندر بھجوا دے میں ایک منٹ بھی یہاں نہیں رکوں گی۔" وہ اپنے پھٹے ہوئے لباس اور زخموں سے بالکل بے پروا نظر آ رہی تھی۔

"تیرے باپ کا گھر نہیں ہے جہاں تیری مرضی چلے گی۔" دلگیر سنگھ نے رائفل کی نال اس کے پیٹ کی طرف گھمائی۔ "یہاں جب یا بھی پرانا شے پاک کروں۔"

"میں مجبور ہی ہوں مگر یہاں کسی کو اپنا کر کے جاؤں گی [illegible] سے کوئی اس قابل نہیں ہے کہ میرے قریب آ سکے۔ میں نے تیرے پاس باندی بننے کے لئے [illegible] ہاں کیا۔ کھانے پینے کے بدلے میں سارا دن کھیتوں میں کام کرنے کو تیار ہوں لیکن بکاؤ مال ہرگز نہیں بنوں گی۔" وہ واپس پلٹتے ہوئے بولی۔

دلگیر سنگھ نے اس مرتبہ اسے یکسر نظر انداز کر دیا اور ایک توی الجثہ عورت سے مخاطب ہو گیا جو لڑنے والیوں میں شامل تھی۔ "کیوں نمبر چلی! کیا ہو رہا تھا یہاں؟"

"میں اس کو کھا رہی تھی سرکار۔" وہ روتے ہوئے کراہتی ہوئی بولی۔ "مگر اس نے بال نوچ کر مجھے زمین پر گرا لیا۔ حرامزادی کے بدن میں سانڈ جیسی طاقت ہے۔ اگر یہ تینوں نہ آ جاتیں تو آج وہ مجھے مار ہی ڈالتی اور سارے لوگ کھیتوں سے نکل نکل کر اسے شہ دینے لگے۔ ہر ایک اس کا خوشامدی بنا ہوا تھا۔"

"اب اسے سمجھانے کی ضرورت نہیں، میں اس کا علاج کروں گا۔" دلگیر سنگھ نے سرد لہجے میں کہا اور واپس ہو لیا۔ میں بھی بادل ناخواستہ رائفل اٹھا کر سر جھکائے اس کے پیچھے چل دیا۔

"تو نے مجھ پر رائفل کیوں اٹھائی تھی؟" وہاں سے دور نکل آنے کے بعد دلگیر نے سرد لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"غلطی ہو گئی۔" میں نے مجرمانہ لہجے میں اعتراف کیا۔

"مگر کیوں؟" وہ غضبناک لہجے میں غرایا۔ "تجھ کو یہ ہمت کیسے ہوئی؟ کیا اس لئے کہ میں نے تجھے ویت کا خون معاف کر دیا تھا؟"

"سیتا کا نام سن کر میں حواس کھو بیٹھا تھا۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "میری بیوی کا نام بھی سیتا ہے اور وہ مہینوں سے مجھ سے بچھڑی ہوئی ہے۔"

رگھبیر نے پُرخیال انداز میں طرف بیٹھی ہماری دو چند سیکنڈ کے بعد بولا۔
"کتاب مجھے کچھ کچھ یاد آ رہا ہے۔ میری بیوی بچی تو نہیں جس نے بنا کسی میں
کسی پنڈتوں کا خون کیا تھا؟"

"پنڈتوں کا نہیں، پاپیوں کا۔" میں نے صورتِ حال کی تصحیح کی۔ "وہ
اسے ایک انا تھ آشرم میں اٹھا لے گئے تھے۔ وہاں اپنی عزت بچانے کے لئے
اسے خونریزی کرنا پڑی تھی ورنہ وہ بڑی معصوم اور محبت کرنے والی لڑکی تھی۔"

"کہاں گئی وہ؟" رگھبیر کے لہجے میں تجسس پوشیدہ تھا۔

"پتہ ہوتا تو اس کا سراغ نہ لگا لیتا۔ بس یوں لگتا ہے جیسے زمین اسے
نگل گئی ہو۔" اس تذکرے پر میرے دل کے زخم ہرے ہو گئے۔

"میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ مجھ سے کوئی بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔" رگھبیر سنگھ
میرے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "ورنہ اسی وقت تیرا کام تمام کر دیتا۔"

"سیتا کے نام پر مرنے کا مجھے ذرا بھی افسوس نہ ہوتا۔"

"بڑی محبت ہے اپنی بیوی سے؟" وہ قدرے ہنسا۔

"لوگ کہتے ہیں کہ ایک عورت بیک وقت بیوی اور محبوبہ نہیں ہو سکتی
مگر سیتا سے میرے دونوں رشتے تھے۔ وہ بڑی باوفا اور دلبر لڑکی ہے۔"

"کہاں بچھڑی تھی وہ تجھ سے؟"

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اپنے ملک میں یا سیاحت کا سارا خرچ نکالنے کے بعد [illegible] رہتے ہیں۔"

"تمہاری معلومات بہت وسیع ہیں۔" ڈگلس [illegible] مجھے [illegible] کام کر سکتا [illegible]

[illegible] ہوتے ہی [illegible]

"میرے [illegible] آیا تو [illegible] مجھے [illegible]

ڈگلس نے مجھے [illegible] کے ساتھ [illegible] کے حالات میں [illegible] جا سکتے ہیں۔"

[illegible]

[illegible] سے پوچھا۔

"اس پورے میں سارے جہاز [illegible] کا سفر ہے؟"

[illegible] سے بچ نکلے ہو۔ [illegible]

[illegible] گیا ہے۔

[illegible]

[illegible] سلامتی۔

[illegible] ان کے پاس پہنچا۔

[illegible] ہو گئی۔

"[illegible] سے مطلب ہے؟"

[illegible] تعلق ہے [illegible]

[illegible] جائے گی۔"

[illegible]

[illegible] ضرورت ہو [illegible] آتی۔"

[illegible]

[illegible] ہوتی ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہیں؟"

[illegible] کے پاس پہنچا۔ [illegible]

[illegible]

"[illegible] اس نے حرکت کیسے کی؟"

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہے۔"

[illegible]

جھونپڑیوں میں دیے روشن ہونے کے بعد [illegible] گرج اٹھی۔

[illegible] نہیں تھا۔

میں [illegible] چلا گیا۔

[illegible] کے بغیر [illegible] چلی گئی۔

[illegible] آرہا ہے۔

[illegible] جانب گئی۔

"سیتا!" میں نے کمرے کے وسط میں رک کر اسے پکارا۔

[illegible]

اس کے لہجے میں [illegible] کیوں؟

"کیا تمہارا نام سیتا نہیں ہے؟"

"میرا نام [illegible] ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"[illegible] تمہیں سیتا کیوں کہتے ہیں؟" [illegible]

[illegible]

[illegible] میں جواب دیا۔

[illegible]

بیانی۔ کچھ بھی تو مجھ سے مشتبہ نہیں تھا اور بچی عقل کے اندھوں نے اسے بیٹا
کا نام دے رکھا تھا۔

میں غسل خانے سے منہ ہاتھ دھو کر آیا تو دستر خوان تیار تھا۔ مہمانوں کی
سربلندی کے ساتھ ہی میں نے مرغابی کا تازہ سالن دیکھا تو حیرت ہوئی۔ فرنٹیئر
نے بتایا کہ اس نے اپنی غلیل سے وہ مرغابی شکار کی تھی۔ اس جزیرے پر بسنے
والوں کو کوئی ہتھیار رکھنے کی اجازت نہیں تھی لہٰذا پرندوں کے شکار کے لیے
غلیل جیسا ہتھیار ساتھ رکھنے کے لیے کام نہ دیتے ہوتے تھے۔

میں نے کھانا شروع کیا تو وہ سامنے بیٹھی میرا چہرہ تکتی رہی۔ کچھ دیر بعد
مجھے اس کا بھی خیال آیا۔ "تم نے کھانا کھا لیا؟"

"نہیں تم کھا لو۔ بچے کھا چکے ہیں۔ کھا لوں گی۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ معلوم ہو
رہا تھا کہ وہ بڑی سرکش لڑکی ہے جس نے جزیرے پر ہنگامہ کھڑا کیا ہوا تھا۔

"یہ بہت ہے، میرے ساتھ کھا لو۔" میں نے غور سے اس کی طرف
دیکھتے ہوئے کہا اور وہ جھجکتے ہوئے میرے ساتھ کھانے میں شریک ہو گئی۔
"تم نے حجوت کی اور جانی کے ساتھ زیادتی کیوں کی تھی؟" کھانے سے فارغ
ہو کر میں نے سوال کیا۔

"زیادتی؟" اسے اچانک غصہ آ گیا۔ "جو میں وہ دونوں کر رہے تھے؟"
"کیا کر رہے تھے؟" میں نے حیرت سے دوہرایا۔
"وہ سب یہاں چھپ چھپ کر تمہاری شراب پی رہے تھے۔"
"تمہیں کیسے پتا کہ وہ میری اجازت کے بغیر پی رہے تھے؟"
"میں دیکھ چکی تھی۔ ان کے سر پر بھی کبھی ایسے وقت بیٹھے ہیں ان کے چہروں
پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور مجھے دیکھ کر وہ بوتلیں چھپانے لگے؟"
"اور تم نے انہیں باہر نکال دیا؟" میں آہستہ آہستہ اس کی ذات میں دلچسپی
لینے لگا۔ بظاہر وہ اس جزیرے کی واحد مخلوق تھی جو میری دلچسپی کا سبب بن سکتی تھی۔
"نکال دیا۔ وہ کمینے جانی تم بھی پانی پر اتر آیا تھا۔ بالکل جنگلی ہے جنگلی۔"
اس نے حقارت سے کہا، پھر قدرے آہستہ سے بولی۔ "فرنٹیئر کا سے کیا ماجرا
کہ گیا وہ تو بالکل بے وقوف ہے۔"
"بے وقوف نہیں، وہ بچہ ہے۔" میں نے اسے جھڑکا۔
"مرتا ہے تو مر جائے۔ وہ جل کر بولی تو میں نے اس کے منہ پر تھوڑی سی
ہنسی لیں۔"
"تم مردوں سے اتنی نفرت کیوں ہے؟"
"مرد؟" اس نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "یہاں مرد ہیں کہاں؟"
"تو یہ سب تجھے کیا نظر آتے ہیں؟"
"کتے ہیں کتے۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "مرد تو اپنی عورت کے دکھ درد کا ساتھی
ہوتا ہے۔ یہاں تو سب چند ٹانیوں کی عیاشی کے لیے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔"
"تیری شادی ہو گئی ہے کیا؟" اس کے لہجے نے مجھے یہ سوال
کرنے پر مجبور کر دیا۔
"ہمارے یہاں شادی نہیں ہوتی۔" وہ ایک بے کیف ادا سے بولی۔ اس
کے لفظوں میں حسرت تھی۔ "شادی بیاہ شریف لڑکیوں کے نصیب میں ہوتا ہے۔"

طوائف زادیوں کے نہیں۔
طوائف زادیوں کے۔

"ہاں۔" اس کے لبوں پر ایک سیکا سا ہنسی نمودار ہوئی۔ "جب رات گئے مرد آئیں گے تب
میری زندگی میں اب تک صرف ایک مرد آیا ہے جس کے نام پر میں نے
اور بچی اولاد لگائی تھی۔"
"میں سمجھا نہیں۔"
"مجھے بچپن سے میری آبرو کی حفاظت کا سبق دیا جاتا تھا۔" اس نے بتانا
شروع کیا۔ "ہمارے کوٹھے پر ہر قسم کے گاہک آتے تھے لیکن مجھے
سخت پردے میں رکھا جاتا تھا پھر کوٹھے پر میرا مجرا ہوا اور مجھے دیکھنے کو
سجایا گیا۔ گئے چنے رئیس زادوں کو دعوت دی گئی۔ اس رات میری بولی لگنی
تھی۔ وہ سب بہانے سے ہر ایک نے مجھے قیمتی تحفے دیے، بعد میں مجھے پتا چلا کہ رئیس
زادوں میں ہر ایک میرا خریدار تھا اور وہ دعوت نہیں تھی بلکہ میرا نیلام گھر تھا۔
پھر ناب نے میری بولی کروڑوں ہزار نقد دیے اور وہ جوہر بانٹ کر لے گیا۔ ان
کی اور میری بولی جیت لی۔ یہ اس نے مجھے چند برس ہی گھر میں گزارنے کے لیے
نہیں سوچا۔ میری اگر تو جبھی سے شادی بے شک نہیں ہوئی تھی لیکن دل ہی دل
سے انہیں اپنا پتی سمجھتی ہوں۔ میری راتیں بستر بدلنے والوں سے مجھے سخت
نفرت ہے۔ یہ طوائف کہلانے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ عورت بیاہ کے
بغیر کسی مرد کے بستر پر چلی جائے۔"
"اب کیا کہتی ہے۔ سنا ہے تم جو تم ان لوگوں کو مار رہی ہو۔" میں نے پوچھا۔
"میرا مقصد بھی یہی تھا۔ وہ یہ خیال ہے مجھے میں بولی۔" میرے ساتھ زیادتی
ہو رہی ہے۔ میں بھی کر آتی تھی۔ کہیں بھی جا بیٹھتی ہیں دو چار دن ان کے
خرچ پر ... یہ پابندی سے ملتا رہتا تھا اور اس کے علاوہ وہ تحفے بھی
بھیجتے رہتے تھے۔ کچھ عرصے پہلے اچانک ان کا آنا جانا بند ہوا خرچ ملنا بند
ہوا اور تین مہینے بعد وہ بھی رک گیا ...."
میں نے سنا کہ وہ بھی پاکستان کی کسی دوسرے ملک کے چکر میں پڑ گئے ہیں۔ ان کا
انتظار کرتی رہی مگر وہ لوٹ کر نہ آئے۔ دو تین مہینے میری ماں نے مجھے
مجبور کرنے لگی کہ اب کسی کا خیال چھوڑ دوں اور ہر روز نئے گاہک کو راضی
کروں۔ میں نہ مانی۔ میرا دل کہتا تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ ضرور آئیں گے۔
میں اپنی ماں اور محلے والیوں کے دباؤ کے باوجود اڑی ہوئی تھی۔ ماں دوسری
طرف میرے خلاف سازش ہو رہی تھی۔ ایک دن کے انتظار میں رہی تھا
کہ ان کی گرفت مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ ایک رات میں نے بتایا کہ
میری ماں شراب کے نشے میں دھت ایک ویسکی آدمی کو لے آئی۔
مجھے پتا لگا کہ وہ میرا نیا گاہک ہے۔ وہ اسے لے کر وہ چلی گئی۔ وہ دروازہ باہر سے بند کر دیا۔
اس آدمی سے بہت ماری ماری ہوئی۔ پھر اچانک میں نے اس کے پیٹ
میں بڑا ہوا خنجر کھینچ لیا اور اس کے دل پر زور سے دے مارا۔ وہ چیخا اور جلا
دیا۔ جیسے کسی کا جنون ہو اور میں اس کے اوپر گرا پڑا تھی۔ ساری رات وہاں رہی
گزری اور وہ میرے ہاتھ میں خنجر لیے بیٹی تھی۔ خوف سے میں نے چیخیں ماری۔

بھی تو اور پھر بے بھاگ گئی۔ تین دن اندر دے کر گاؤں میں پھرتی
رہی۔ پھر جزیرے کی کشتی نے مجھے پکڑوا دیا۔ وہ دو آدمی تھے۔ انہوں نے مجھے
یہاں لایا۔ انہوں نے مجھے اپنے پاس چھپے ہوئے چند نوٹوں کا لالچ دے
کر یہاں بھی پر وہ پکڑ لیے گئے اور مجھے کشتی میں ایک جگہ چھپا دیا۔ وہاں سے مجھے
جزیرے پر لایا گیا۔ جو کچھ آیا تو میں اس جزیرے پر تھی۔"
اس کے خاموش ہوتے ہی میرے حلق سے ایک گہری سی آواز نکلی۔
اس لڑکی کے بارے میں میرے تمام قیاسات غلط نکلے تھے۔ میں ابھی تک
اسے میرے درجے کی کوئی طوائف سمجھتا رہا تھا جو اپنے جرائم کی پردہ پوشی کے
لیے ... جو اب بھی کر سکتی تھی مگر یہ بات میری توقع کے خلاف خاصی دلیرانہ اور
وفا کا ثبوت ہوا تھی۔
رات کو میں اندرونی کمرے میں سو رہا۔ وہ میری پروا کر کے سو گئی۔
یہ پلی بھی میرے دعوے کی بنا پر اسے میری ذات پر اتنا بھروسہ ہو گیا تھا
کہ وہ بے خوف میرے ہمراہ ایک ہی چھت کے نیچے رہنے پر راضی ہو گئی
تھی اور یہ میرے لیے خوش گوار احساس تھا۔
جزیرے پر اگلے چند روز پرسکون گزرے البتہ میں نے یہ تو محسوس کیا کہ
جانی کے رویے میں خفیف سی تبدیلی محسوس کی۔ شاید اسے میں گیتا کے بارے
میں میرا طرزعمل پسند نہیں آیا تھا۔ اگر وہ جزیرے پر پہلے چند روز گلا
گھونٹ کر کسی وقت ان کے چنگل میں پھنس ہی جاتی مگر اب اس
پر ہاتھ ڈالنا ممکن نہ رہا تھا۔
جزیرے پر میرا وقت سکون سے گزر رہا تھا کہ رات شور و غل کی آواز سے
میری آنکھ کھل گئی۔ میں ہڑبڑا کر بستر سے اٹھا اسی وقت گیتا بھی کمرے سے
نکل آئی۔
"معلوم ہوتا ہے کہیں فساد ہو گیا ہے۔" وہ اندر آتے ہی گھبرائی ہوئی آواز میں
بولی۔
"تم یہیں رہو۔ میں دیکھتا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے ٹارچ سرہانے سے اٹھا
اور رائفل کندھے سے لٹکا کر باہر اندھیرے میں نکل گیا۔
جزیرے کے رہائشی علاقے میں ایک عجیب ہنگامہ برپا تھا۔ ہر کوئی
باہر نکلے ہوئے تھے۔ مشعلوں کی طرح جل رہی تھیں۔ وہ سارے تھے۔ ہلکا پانی کے
نالوں کا شور آ رہا تھا۔ ایسا ماحول تھا جو کسی بھی سے تباہی کے آثار سے جڑا
ہوا تھا۔ ایسا بھی سوچا جا سکتا تھا کہ جس طرح اس کی آواز سے بھری ہوئی
ساری بے ترتیب ہو کر بکھر گئے تھے۔
جانی نے چند نامعلوم لوگوں کو تلاش کا جائزہ لیا۔ پھر رائفل سے ایک
ہوائی فائر کر دیا۔
اچانک ان کا شور بند ہو گیا۔ یہ سب سہم کر سن رہے تھے اور ان کو دیکھتے ہی ....
سامنے کھڑا تھا۔ بھیڑ میں سے ایک نے دیا۔ چلا کر بولے اور گھٹ گئے
... تیرا بستی کو ... ہوش میں آیا تو ... وہ سب لوگ ہکا بکا کھڑے کسی کی

بڑے بڑے درجے نظر آئے مگر وہاں کوئی زخمی موجود نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے
حیرت ہوئی۔ وہاں خون کی جو مقدار نظر آ رہی تھی اس کے مطابق ایک دو آدمیوں
کا بے ہوش ہونا معمولی سی بات تھی۔
میں نے رائفل کندھے سے لٹکائی اور جیب سے پستول نکال کر ایک
جھونپڑے میں گھس گیا۔ اندر ناکافی روشنی میں بالکل خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔
جھونپڑے میں پچھے بیان بستر پر لیٹوں سے حس و حرکت پڑا ہوا تھا جیسے گھنٹوں سے
بے خبر سو رہا ہو۔ مگر وہاں بستر پر لیٹے ان کے ہونٹوں سے ہوتے ہوئے سانسوں کی
آوازیں ان سب کی ... کو ... چغلی کھا رہی تھیں۔
"کیا ہو رہا تھا یہاں؟" میں نے ٹارچ کی روشنی ڈال کر ایک سرے سے دوسرے
سرے تک گردش دیتے ہوئے غصیلی آواز میں بولا۔
جواب میں کوئی نہ بولا۔ وہ دم سادھے پڑے رہے۔
اچانک ٹارچ کی روشنی میں میری نظر دروازے کے قریب ہی
ایک چٹائی پر پڑے ہوئے شخص پر پڑی جو پہلو بدلتے ہوئے آہستہ سے کراہا تھا۔
میں نے لپک کر اس کے قریب پہنچا تو وہ شدید زخمی تھا۔ اس کے سر سے بہنے والا
خون بالوں سے رس رس کر گیلی زمین پر پھیلتا جا رہا تھا۔
میں نے غصے میں اس کے قریب ہی لیٹے ہوئے ایک شخص کو گریبان
سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا اور بھرتی سے اپنی ٹانگوں پر کھڑا کر دیا۔
"کیا ہو رہا تھا یہاں؟" میں غرایا۔
"جب .... پتہ نہیں۔" وہ ہکلایا۔ "میں تو شام سے بے خبر سو رہا ہوں۔"
میں اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھور کر رہ گیا۔ اس کی زرد آنکھوں میں
دور دور تک نیند کا پتہ نہیں تھا۔
"یہ کیسے زخمی ہوا؟" میرا پارہ بتدریج چڑھتا جا رہا تھا۔
"پتہ نہیں۔" وہ معصومیت سے پلکیں جھپکا کر بولا۔ "یہ شام کو تو بالکل
ٹھیک ٹھاک تھا۔"
میں غصے میں اس پر برس پڑا اور وہ کسی قیدی کی طرح منہ لٹکائے سارا کچھ
سنتا رہا۔ بکھرا ہوا مشتعل، بازار سے ایک لفظ نہ بولا۔ میری چیخ و پکار سن کر سب
لوگ نے بیدار ہونے کی اداکاری کی اور دیکھتے ہی دیکھتے سب میرے گرد جمع ہونے لگے۔
میں نے بلند آواز میں ایک بار پھر ان سے دریافت کیا کہ یہاں کیا ہنگامہ
تھا۔ بالکل ویسا ہی جواب ملا جیسا ایک آدمی نے دیا تھا۔ گویا سب نے ایک
زبان ہو کر جواب دیا کہ وہ لوگ وہاں ہونے والے کسی ہنگامے کا علم نہیں رکھتے۔
معاملہ جو کچھ بھی رہا ہو اگر وہ جھوٹ نہ بولتے تو میں سرسری باز پرس
کے بعد وہاں سے لوٹ جاتا۔ مگر اب معاملہ سنگین ہو گیا تھا۔ ہنگامے کا سبب در اصل
وہ تو ہنگامے کے دوران ہی سے صاف مکر چکے تھے۔
میں نے باری باری تمام جھونپڑیوں کا جائزہ لیا مگر ہر جگہ سے
وہی جواب ملا۔ مجھے یہ گفتگو ایک بے بسی کی تھی۔ جس جگہ میں مجھے جانی
بھی نظر آیا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا جیسے کسی طرح سوچا ہوا تھا اور چہرے پر کئی تازہ
خراشیں بھی نمایاں تھیں۔

"تم بتاؤ کیا ہوا تھا یہاں؟" میں نے اسے گریبان پکڑ کر اپنے سامنے کھینچ لیا۔

"کچھ نہیں ہوا ماسٹر!" اس نے حیرت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا پھر مجمع کی طرف نا پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا اور سب ہی نے اپنے سروں کو اثبات میں جنبش دی۔

اب یہ بہت لمبے سوال سے تھا گردش واپس لوٹ جانا [illegible] اضطراب تھا میں نے ان سب کو اپنے بستروں پر جانے کا حکم دیا۔

اس کے بعد میں نے باری باری ہر لیٹ کا جائزہ لینا شروع کیا تو یہ انکشاف ہوا کہ وہاں دو شدید زخمی بے ہوش پڑے ہیں یا سات افراد کے چہروں اور جسم پر شدید مار پیٹ کے نشانات نمایاں تھے جن میں جانی بھی شامل تھا میں نے ان سات لوگوں کو الگ کر دیا۔ دو چار آدمی زخمیوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے۔

باقی لوگوں کے ہجوم کو ساتھ لے کر میں اس جگہ پہنچا جہاں زمین پر خون کے تازہ دھبے پڑے ہوئے تھے اور وہاں سے خون کی بوندیں جھونپڑوں تک جا رہی تھیں۔

"یہ کیا ہے؟ اگر یہاں کچھ ہوا نہیں تو یہ خون کہاں سے آیا؟ لوگ زخمی کیسے ہوئے؟" وہ دھبے دیکھنے کے بعد میں ان پر برس پڑا۔

"جھگڑا تو ہوا ہے؟" ایک مسکین صورت شخص نے [illegible] لہجے میں کہا "مگر سب کچھ خاموشی سے ہوا ہے، ہمیں بالکل علم نہیں ماسٹر!"

"زخمی ہی کچھ بتا سکیں گے ماسٹر! ہم سو گئے تھے [illegible] کوئی شور نہیں سنا۔" ایک اور شخص نے کہا۔

اچانک ہی مجھے جوشی کا خیال آیا، وہ ابھی تک مجھے نظر نہیں آیا تھا۔ استفسار پر پتا چلا کہ وہ اپنی باری کے مطابق شرمیلا کے ساتھ رات بسر کر رہا تھا۔ میں نے جھونپڑوں اور ان کے ساتھیوں کو بھی طلب کیا مگر وہ بھی جھوٹ بولتے رہے۔ جوشی بھی ان کا حمایتی تھا۔ ان تمام بدمعاشوں نے شاید یک زبان ہو کر جھوٹ بولنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔

"زخمیوں کی حالت سدھر جائے تو انہیں بھی میرے پاس بھیج دینا۔" میں نے الگ کیے ہوئے سات افراد کو ساتھ لے کا اشارہ کرتے ہوئے ہجوم سے کہا۔

"اچھا ماسٹر!" ایک ساتھ کئی آوازیں سنائی دیں۔

اس وقت مجھ پر انتہائی غصہ طاری تھا [illegible] خاموشی سے [illegible] مگر مجھے [illegible] نے خاموشی اختیار کرلی۔

"[illegible] کیسے ہوئے؟" [illegible] ان پر برس پڑا۔

"[illegible] گیا تھا ماسٹر! اسی وقت سے [illegible] جھگڑا ہو گیا ہے۔" [illegible] نے نظریں جھکا کر کہا۔

"اور اس کے باوجود [illegible]" میں غرایا۔

"مجھے [illegible] ماسٹر" وہ مسکین لہجے میں [illegible] "کئی [illegible] نظر آ رہی ہیں۔"

[illegible] کی [illegible] پھر اس کے [illegible]

بڑے دھڑلے سے بولا اور وہ خوف زدہ ہو کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"تم میری کھال بھی اُتروا دو تو میں اف نہ کروں گا۔" وہ [illegible] بولا "مجھے بتاؤ ماسٹر کہ تم میری زبان سے کیا سننا چاہتے ہو، میں وہی کہوں گا۔"

"میں صرف حقیقت جاننا چاہتا ہوں ورنہ [illegible] کروں گا۔" اس کا یہ جملہ مجھے تقریباً پاگل کیے دے رہا تھا۔

"[illegible] دلا رہا ہے [illegible]" گیتا نے مداخلت کی [illegible] دخل اندازی کی۔

"ماسٹر! اس گیتا کو خاموش کرو۔" [illegible]

"جزیرے پر ہم صرف تمہارے تابع ہیں، کسی اور کے حکم [illegible] کی [illegible] گے۔"

اس کے الفاظ نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ میرے [illegible] اس کی [illegible] تڑپ کر [illegible] دیا۔

"میرے نام پر ایک پاگل کتا بھی [illegible] لوگوں کو حکم دے سکتا ہے [illegible]" میں نے چیخ کر باقی لوگوں سے کہا [illegible]

"ہاں ماسٹر! ہم جانتے ہیں۔" سب ہی نے یک زبان ہو کر [illegible] بولا "جھینگا تو عقل سے کورا تھا۔ اچھا ہوا کہ تم نے اسے سزا دے دی [illegible] قابل تھا۔"

"تم لوگ جاؤ [illegible] تمہارا راشن بند رہے گا۔" میں نے غصے سے [illegible] اس جیسے [illegible] زبان کو اس جزیرے پر [illegible] دی جا سکتی۔"

وہ [illegible] جھینگا کی لاش اٹھا کر چلے گئے۔

اگلے روز صبح پتا چلا کہ رات کے واقعے کے بعد [illegible] دو افراد چل بسے۔ ان کی لاشیں [illegible] دی گئیں۔

دوپہر کو میں کھانے کے لئے [illegible] پہنچا تو گیتا نے مسکرا کر [illegible] استقبال کیا۔ مجھ پر پچھلی رات کی شکست کی شدید جھلاہٹ سوار تھی [illegible] اسے نظر انداز کرنا چاہا مگر اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر میرا راستہ روک لیا۔

"میں تمہاری بڑی احسان مند ہوں [illegible]" یہ کہتے ہوئے وہ اتنے قریب آ گئی کہ میں اس کے سانس اپنے [illegible] محسوس کر رہا تھا [illegible] نے سر اٹھا کر [illegible] میری آنکھوں میں [illegible] گیتا کا یہ انداز ایسا غیر متوقع تھا کہ [illegible] جھلاہٹ [illegible] اور مسکراتے ہوئے پوچھا "یہ اچانک احسان مندی کا [illegible] مسلط ہو گیا تم پر؟"

"تم نے اس گھناؤنے جزیرے پر میری عزت بچائی [illegible]"

[illegible]

اس کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی [illegible] ورنہ میں تو اب تک [illegible] درمیان [illegible] دے چکی ہوتی۔ پچھلی رات تم نے ایک آدمی کو صرف اس لئے [illegible] کہ اس نے مجھے گالی دی تھی، تم نے میرا [illegible] جیت لیا ہے [illegible]"

میں نے [illegible] وہاں دوستی رفاقت کی [illegible]

[illegible] نہیں [illegible] گیتا کے لئے محبت کا جذبہ [illegible] موجود نہ تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ پچھلی رات میں نے جھینگا کو صرف اس لئے ہلاک کیا تھا کہ اس وقت میں مشتعل تھا [illegible] نے میرے سامنے [illegible] لہجے میں زبان کھولی تھی۔ اگر وہ [illegible] گالیاں بکتا تو میں [illegible] درگزر کر دیتا۔ مگر اس نے میرے [illegible] گستاخی کا ارتکاب کیا تھا جس کی مناسب سزا وہی تھی جو اسے دی گئی تھی۔

اس جزیرے پر [illegible] میرے لئے [illegible] تھا کیونکہ [illegible] جنہوں نے [illegible] اس جزیرے [illegible] میرا اقدام ایک انقلاب کا محرک [illegible] حفاظت [illegible] میں دو خون کئے [illegible]

[illegible] کے بعد گیتا نے مجھے چھیڑا "تمہیں پتا چلا [illegible] کیا ہوا تھا؟"

میں نے [illegible] لاعلمی [illegible]

"میں نے کھوج نکالی۔" وہ [illegible] لہجے سے بولی۔

"کیسے؟"

"جوشی [illegible] تھا۔ اس نے سب کچھ [illegible]" [illegible] خاموش ہو گئی۔

"[illegible] ہوا نہیں؟"

"وہ [illegible] نہیں [illegible] کسی کی بے ایمانی پکڑی گئی، اور پھر بلوہ ہو گیا۔ وہ [illegible] شامل تھے [illegible] لائے تھے۔"

"[illegible]"

"[illegible]"

"[illegible]"

"[illegible]"

"مجھے تمہارا جوشی نے؟"

"[illegible] نے [illegible] کہ تمہیں نہ بتاؤں۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"اور تم نے بتا دیا۔"

"[illegible]"

اگلے روز صبح سویرے میں نے جوشی کو جا لیا۔ وہ [illegible]

کھڑے ہو گئے۔

"کیا ہو رہا ہے؟" میں نے ایک [illegible] کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے پوچھا۔

"[illegible] ماسٹر! [illegible]" [illegible] کھل اٹھا۔

"تم میرے ساتھ آؤ جوشی!" میں نے پرسکون لہجے میں کہا اور وہ [illegible] میرے پیچھے ہو لیا۔ میں نے ایک بار بھی مڑ کر اس کی طرف نہیں دیکھا [illegible]

کھیتوں سے نکلنے کے بعد میرا رخ گھنے جنگل کی طرف ہوا تو جوشی پر اضطراب طاری ہونے لگا [illegible] پریشان کر رہا تھا۔

"ماسٹر! کیا کوئی خاص بات ہو گئی ہے؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

میں نے پلٹ کر اسے [illegible] نظروں سے گھورا اور بولا "بہت خاص۔ میں تم سے [illegible] بات کرنا چاہتا ہوں جہاں ہماری بات سننے والا کوئی نہ ہو۔"

جنگل [illegible] پہنچ کر میں رک گیا۔

"پچھلی رات جھونپڑیوں کی طرف کیا ہوا تھا؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر [illegible] سوال کیا۔

"[illegible] پر جھگڑا ہوا تھا ماسٹر!" اس نے نظریں جھکا [illegible]

"پھر تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا تھا؟" [illegible]

[illegible]

"مجھے [illegible] لوگوں کے ساتھ [illegible] ماسٹر!" [illegible]

"[illegible]"

"[illegible] ماسٹر!" [illegible] "[illegible]"

"نظام!" میں نے حقارت سے کہا "[illegible]"

"یہ [illegible] کا حکم تھا ماسٹر!" وہ بے چارگی سے بولا۔

"کیا؟"

"ہاں ماسٹر!" وہ بولا "[illegible] ایک خطرناک آدمی ہے۔ [illegible]"

"کیوں [illegible] آخر کیوں؟" میں جھلا [illegible]

"جب تک کوئی آدمی [illegible] شکایت [illegible] ماسٹر" وہ خوفزدہ لہجے میں بولا [illegible]

کا کھوج لگوانا بیکار ہے جب تک یہ روتے ہوئے تمہارے در پر نہ آ جائیں ان کے ذاتی معاملات میں دخل نہ دو۔ ان کی عادتیں بگڑی ہوئی ہیں۔ یہ چاہتے ہیں دشمن پر حملہ کرنے میں اپنی باری کا حق ہو۔ چالیس ہزار سگریٹ کے بدلے دوسروں کو مروا سکتے ہیں۔"

"اور تم بھی ان کے ساتھی ہو؟" میں غرایا۔

"ہم بھی ان ہی کی طرح لائے گئے تھے ماسٹر۔" اس نے سہمے ہوئے لہجے میں اعتراف کیا۔ "جب تک ہم میں انتقام تھا، ہم ان پر چھائے رہے، تمہارے آ جانے کے بعد ہم ذہنی طور پر ٹوٹ گئے ہیں۔"

"جانی بھی جواری ہے؟"

"ہاں ماسٹر۔ وہ تو اس بات پر بھی شرطیں لگاتا ہے کہ پانی پر چلتی ہوئی کون سی مرغابی پہلے اڑے گی۔ وہ کھانے کے بغیر رہ سکتا ہے جوا کھیلے بغیر نہیں۔"

"اور وہ بھی مجھ سے جھوٹ بول رہا تھا۔"

"مجبوری تھی ماسٹر۔ وہ خود جوا کھیل رہا تھا۔ اسی کی بے ایمانی پر بلوہ ہوا تھا۔ مگر میں کل سارا دن فکر میں رہا کہ موقع ملے تو تم کو سب بتا دوں۔ وہ لوگ غداروں کو معاف نہیں کرتے۔ انہیں پتہ چل جاتا کہ میں نے تمہیں ساری بات بتا دی ہے۔"

"فکر کرو۔ اب سب بات بتا دو۔" میں اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے قطعی لہجے میں بولا۔ "یہ جھگڑا خاموشی سے جانی نقصان کے بغیر نمٹ جائے اس میں حل نہیں ہوگا لیکن لڑکوں کے بیچ مجھے ہتھیار اٹھانا پڑے گا۔ میں یہاں اندھا اور بہرا بن کر نہیں رہ سکتا۔ جزیرے پر خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے اور جانے کب سے جمع کیے ہوئے ہیں۔ میری اجازت کے بغیر کوئی شکار نہیں ہوگا۔"

"میں بتا دوں گا ماسٹر۔"

"اس جزیرے پر ان سنہ ... دشمن ہے ... انہوں نے جانی کے ساتھ بلا لیا تھا، مگر آئندہ ... اجازت نہیں دوں گا۔"

"تمہاری مہربانی ہے ماسٹر۔"

"اور سنو! اچانک میرا لہجہ نرم پڑ گیا۔ "کیا تمہیں جل سکتی ہے؟"

اس کا منہ احمقوں کی طرح کھل گیا اور وہ میرا چہرہ دیکھنے لگا۔ "تم ... مگر ... میں نے تو اسے نہیں مانگا ماسٹر۔ وہ تمہاری دوستی ہے۔"

"تم نے نہیں مانگا مگر میں اسے تمہارے حوالے کر سکتا ہوں۔"

"اوہ ماسٹر! تم کتنے عظیم انسان ہو۔" اس کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو جھلکنے لگے اور وہ بے تابانہ انداز میں دونوں ہتھیلیاں ملنے لگا۔

"مگر ایک شرط ہے۔" میں پرسکون لہجے میں بولا۔

"میں ہر شرط پوری کرنے کو تیار ہوں۔"

"جانی کیسا آدمی ہے؟" میں نے چند لمحوں کے توقف کے بعد سوال کیا۔

"جواری ہے ماسٹر!" اس کے منہ سے روانی میں نکل گیا۔ پھر کان کا خیال آتے ہی وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپانے لگا۔

"جانتا ہوں۔ میں یہ سننا چاہتا ہوں۔" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"یہاں سب سگریٹ کے عادی ہیں ماسٹر! انہوں نے ایک پیکٹ روزانہ

کے حساب سے کوٹہ مقرر کیا ہے۔ مقدار میں کوئی بھی جانی ہی تقسیم کرتا ہے اور ہر ایک ساتھ کے بجائے چھ پیکٹ فی ہفتہ دیتا ہے اور ان چھ پیکٹوں سے وہ جوئے کی ترغیب دیتا ہے۔ کسی بھی رات اسے دو ... تمام دولت جیت لیتا ہے ... بچھا لیا۔"

"اور کا جیتنے سے غرض بھی جوڑتا ہے۔" میں نے کہا۔

جوشی کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ مجرم جیسے عین موقع پر کسی کی زبان پر ... کرنے تو اس کے سامنے بیٹھے ہر تجربے سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ کبھی اس کا ساتھ نہیں دیا۔ ماسٹر میرے لیے تو مظہر کے دن ... ہے جو بیٹھے میں ایک بار مل جاتی ہے۔" وہ خود دو لہجے میں گنگنایا تھا۔

"جانی کا کام تمام کر دو۔" میں اس کی طرف جھک کر بولا۔ ... بھی مٹ گیا اور کہا بھی جزیرے پر میری آمد میں صرف تمہارا ہاتھ ہے۔"

وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا۔ شاید میرے الفاظ کی صداقت جانچ رہا تھا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ میں یہ بات اسے آزمانے کے لیے نہیں کہہ رہا تو بڑے اعتماد سے بولا۔ "یہ بہت آسان کام ہے ماسٹر! شاید میں اسے پورا کر دوں گا۔"

"جلدی کیا ہے؟ بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔"

"وہ ہر روز غروب آفتاب کے ساتھ ہی ٹیلے پر بیٹھ جاتا ہے ماسٹر!" وہ رازدارانہ انداز میں بولا۔ "کل وہ وہاں بیٹھا ہوگا اور میں پیچھے سے بڑا سا پتھر گرا دوں گا، پانی کا ریلا چپکے سے آ کر اس کا کام تمام کر دے گا۔"

اس کی ترکیب واقعی لاجواب تھی جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہر لحاظ سے پیشہ ور قاتل ہے۔ ورنہ پانی جیسی بے ضرر چیز سے ایسا مہلک کام لینا کسی عام ذہن کا کام نہیں تھا۔

اسی رات میں ... اور وہ ... پر بیدار تھا اور میرا ذہن اب واضح طور پر جزیرے سے فرار کا نقشہ تیار کر رہا تھا۔

یہ بری امر سے قبل ہر حال میں جوشی اور جانی سے ان تعلقات کے ساتھ مجھے اور وگیر سنگھ جیسے چالاک شخص نے انہیں یا کسی معقول سبب کے بغیر غائب کر دیا ہوگا۔ جزیرے سے فرار کے لیے جو صورت میں نظر آ رہی تھی وہ یہ تھی کہ وہ لوگ وگیر سنگھ کی عدم موجودگی سے لاعلم تھے اور میں کوئی بہانہ بنا کر انہیں استعمال کر سکتا تھا۔ مگر مجھے اصل خطرہ شبلی سے تھا جو ... سے تھا۔ وہ کسی بھی لمحے پر ... سارے منصوبے پر پانی پھیر سکتے تھے۔

اگر میں کسی چیز کے بغیر انہیں راہ سے ہٹانا تو ممکن ہے ... کی جانب سے شبہات کا شکار ہو جاتا۔ لہٰذا میں نے اضافی تفصیلات سے ... اٹھانے کی کامیاب کوشش کی تھی۔

جوشی اور جانی سادہ باطن جیسے ہیں ... جزیرے کا ... جانتے ہیں مجھے ... کی صورت میں انہیں اپنے اور ... پیٹ ... سا چہرہ ...

کاش کر کے اپنی ناک میں محسوس کرتے رہتا ہے مگر جیب دو افراد کو کیساں اور سادہ پاتا ہے ... کر ایک ہی کرسی سونپ دی جائے تو ان کے دلوں میں ایک ... اختیار ہونے کا جذبہ سے بدگمانی پیدا ہو جاتی ہے۔ میں نے بعض اسی فارمولے کا جائزہ لیا۔ ... جو شی کو کرید دیا تھا اور وہ میری توقع کے عین مطابق جانی سے بدظن نکلا۔ ... منصوبہ یہ تھا کہ جوشی جوشی اپنا کام مکمل ہونے کی خبر لائے میں اسے اپنے ہاتھوں ہلاک کر دوں۔ اس طرح میں یہ خود کو ... رکھتا تھا کہ جوشی نے جانی کو کیا جانے میں حرکت کر رہا ہے اپنے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ... پر تمام لوگ ... سے بے فکر ہو سکتا تھا۔ ایسے حالات ... میں جزیرے پر رسد لانے والی موٹر بوٹ کا انتظار ... کی ضرورت تھی۔ جب وہ اسے دیکھتا کہ جوشی اور جانی کے جسم اپنی گھر زنی میں ... ہوں تو وہ ... تیار ... اور ... کہانی سنا ... ہو جاتا ... اسی وقت میری طرف متوجہ ہونے کا سبب بن جاتی۔

"کہاں کھوئے ہوئے ہو؟" میری بیوی خاموشی سے اکتا گئی تھی۔ وہ میرے بالوں میں اپنی مخروطی انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔

"تقدیر پر غور کر رہا تھا۔" میں نے وینس کی مخروطی ماں تک دودھیا روشنی میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے اندر مجھے لاکر کہاں اٹھا لیا ہے۔"

"تم نے مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" وہ شکایتی لہجے میں بولی۔

"میں وگیر سنگھ کا پرانا ساتھی ہوں۔ دوستی اور وفاداری کی قیمت ادا کرتے ہوئے یہاں پہنچا گیا ہوں۔"

"آزاد اور سب ہی جانتے ہیں۔" وہ بولی۔ "مگر سنا ہے کہ جب تم یہاں آئے تھے لہو لہان تھے۔"

"یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔" میں نے ہنس کر لاپروایانہ انداز میں کہا۔ "جزیرے کے لوگوں کی زندگی اسی طرح گزر رہی ہے یہاں ہر شخص کی حالت میں لایا جاتا ہے کیا تم اپنا قصہ بھول گئی ہو؟"

"یہ تو ٹھیک ہے۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "مگر میری اور تمہاری حیثیت میں بڑا فرق ہے۔"

"اصول سب کے لیے یکساں ہیں۔"

سانپ کی تخت کے ہیولے کو چپکے سے ہلکی سی آوازیں ابھریں، جیسے کوئی تنگ ... کسی تنکے اور خوشبو میں مسکرا کر ہو ... کھجوروں کے اٹھ کر دیکھا ... سے اس کونے میں نظر ڈالی مگر وہاں بیٹھی ... روشنی میں وہاں کوئی نظر نہ آیا۔

"کیف جاؤ، کچھ نہیں ہے۔" میں نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

اسی وقت گیٹ کے عقب سے ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ اچھل کر میری گود میں آ گری۔ وہ تقریباً بیک وقت اٹھ کر سامنے دیکھنے لگے ... خوفناک چہرے پر بھاگ نکلے۔

"ماسٹر ... دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دو۔" جانی نے اپنے ہاتھ میں دبی ہوئی ... کا رخ میرے سینے کی طرف کیا ہوا تھا۔

"یہ کیسے بے ہودگی ہے؟" میں غرایا۔

"مجھے ... جوشی کا ... عقب میں ... خود

جیسی سستی نظر آ رہا تھا۔ اس کی آواز میں خستگی تھی اور آنکھوں میں ملامت تھی۔

میری بازی الٹ چکی تھی۔ میں نے جوشی کی وفاداریاں پرکھنے میں سخت دھوکا کھایا تھا اور اب میرے پاس ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔ مگر بچ نکلنے کی ایک موہوم سی امید مجھے باوقار رویہ اختیار کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

"تم دونوں کس کی اجازت سے اندر گھسے ہو؟" میں نے ہاتھ بلند کیے بغیر پرسکون لہجے میں کہا۔

"اجازت لینے کا تکلف تو ہم اسی وقت سے ترک کر چکے ہیں۔ اس سوال کا جواب بھی دے سکے گا۔" جوشی نے فاتحانہ لہجے میں کہا۔ "وہ تو یہیں ہماری نگرانی میں آ کر ... کا ... گیا تھا مگر تم ہمیں ... کے خود ہی ہمارے سامنے آ گئے ہو۔"

"ذرا عقل سے کام لو جانی۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تمہیں کوئی شدید غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"غلط فہمی!" وہ استہزائیہ انداز میں بولا۔ "غلط فہمی تو تم کو ہوئی تھی جو تم پانی کی تیکھی میں میری لاش تیرانے کا خواب دیکھ رہے تھے۔"

"میں تو تمہاری حفاظت کرنا چاہتا ہوں۔" میں نرم لہجے میں بولا۔ "میں جوشی کو آزما رہا تھا۔ شاید جلد ہی تمہیں بھی کسی بات کا احساس ہو جاتا۔ میں آنکھیں بند کر کے کسی پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ میں نے یہ سب احتیاط کی خاطر کیا ہے۔"

"تمہارا کوئی گروہ نہیں ہے۔" اس بار جانی کا لہجہ سخت تھا۔ "اور ہم ایک دوسرے کے گواہ ہیں۔ یہ معاملہ ... جلد ہی گروہ ... یہاں تمہارے سوا کسی کے پاس اسلحہ نہیں ہے۔ مگر اس دوسرے ... خطرناک ... پہلے لوگوں کو خفیہ طریقے سے جانے کے حوالے کرنا یقینی ہے۔ اگر بچتے ہو تو جلد ہی دونوں موٹر بوٹ آنے والی ہے۔ ہم استاد کو تمام سمجھا دیں گے اور وہ تمہارا فیصلہ کر دے گا۔"

میں نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔ کچھ دیر پہلے میں جزیرے سے فرار کے جو سہانے خواب دیکھ رہا تھا وہ آن واحد میں چکنا چور ہو گئے تھے مگر ابھی مجھے یہ اطمینان تھا کہ وگیر سنگھ شہر سے نہیں بلکہ ملک سے باہر گیا ہوا تھا اور ان دونوں کے لیے فی الحال انتظار کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

دوسری طرف مجھے یہ اندیشہ بھی تھا کہ کہیں وگیر سنگھ نے اپنی روانگی کے بارے میں غلط بیانی سے کام نہ لیا ہو۔ وہ لوگ بہت بڑے شاطر تھے جو اپنا کام باز چالاکی سے کرتے تھے۔ میں نے ان کی صلاحیتوں کے بارے میں غلط اندازہ لگایا تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میری یہ سازش اور تگ و دو منطقی طور پر نہایت ضروری تھی۔ اگر وہ لوگ لاپروائی کا ثبوت دیتے اور معاملات انہیں کو سونپ دینے کے عادی ہوتے تو کبھی کامیابی کی اس منزل سے ہمکنار نہ ہو پاتے جو اب ان کے سامنے تھی۔

جوشی نے میری مکمل جامہ تلاشی لی اور بڑے اطمینان سے اسلحے کے ذخیرے کی ... تمام ... اور ... چابیاں حاصل کر لیں جو کا تیکھی کی ...

تھا۔ میری راکفل اور ریوالور بھی چھین لیا گیا۔

"اب تم ان جھونپڑیوں میں ہمارے ساتھ کام کرو گے۔" جانی نے کہا۔ "یقیناً ہمارا اندازہ ان پودوں کی آبیاری کرنے والی لڑکیوں کی دیکھ بھال کرتی ہو گی۔ اختیار کی طرف سے فیصلہ ہونے تک تم جزیرے پر ایک عام مزدور کی طرح کام کرو گے۔"

"اس حرکت کے بعد تم کو بھگتنا ہو گا جانی۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میری تجویز کے بعد تم کون سے مزے کرو گے۔ ایک مرتبہ پھر اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لو۔"

"اس جزیرے پر تجویز اور تقریر کے معنی الفاظ میں ماسٹر۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولا [illegible] جزیرے پر سب لوگ ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔"

"میں خود ان [illegible] جزیرے کے ساتھ نکالیں گے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

"داخلی پہلے جاؤ ماسٹر۔" پیچھے سے جانی نے پکارا۔ "وہاں تمہیں کچھ بھی نہیں مل سکے گا۔"

میں واپس پلٹا لیکن اس دوران سے مخاطب تھی۔ "مجھے بھی برداشت ہے۔"

"وہ ماسٹر کو پہچانتی ہیں۔" جانی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "جو تم سے مخاطب ہوا ہے اس کی باتیں بہت اس مشرق کو تمہارا اب تم دونوں اس جزیرے کے مالک ہیں جسے اس کو رشتی کی شکل کر اس نے بار بار جھگڑے سے نہیں پکڑا۔"

"میں نے اب تک تمہاری ہر بدتمیزی کو برداشت کیا ہے۔ اگر تم اسے بدزبانی کی تو زبان کھینچ لوں گا۔" میں غصے سے تیوری سے جانی کو گھورتے ہوئے کہا۔

"تم تنہا ہو گئے تو بہت جلد ہی جان جاؤ گے کہ تمہارا جوش ٹھنڈا پڑ جائے گا۔" جانی دھمکی کی لہر میں میری جانب اٹھتے ہوئے بولا۔ "مگر تمہارے ساتھ ہم رہے گی ضرورت جھونپڑیوں میں ہر ایک کے ساتھ یکساں سلوک کیا جاتا ہے۔ ماسٹر تمہیں کچھ دن تو باقی مزدوروں کے ساتھ گزارنے پڑیں گے۔"

"مجھے اس سے اطمینان نہیں۔" میں غرایا۔ "کیا میں مرضی کے مطابق رہ سکوں؟"

"ماسٹر کیسے سلوک چاہتے ہیں؟" جوزفین نے تمسخر سے پوچھا۔

"ہاں ہمیشہ کی طرح رکھا جاتا ہے مجھے۔" وہ سیدھا ہاں کر لیں۔

"کل ہی سے یہ فیصلہ ہو جائے گا۔" جوزفین نے [illegible] کے جلتے کٹھن دن کی شادی ہو گی اور حقیقت تمہیں کہیں باہر نکال دے گا۔"

میرے لیے اس وقت خاموشی ہی مناسب تھی۔ میں نے گھوم کر دیکھا گئی۔ [illegible] ایک جھونپڑی کے اندر کے لیے تھا۔ اندر ایک بستر اور ایک کرسی تھی۔ [illegible] سب کو ساتھ لے کر چلا گیا۔

میں نے چند لمحے اس کی قید میں اپنی صورت حال پر غور کیا [illegible] کے باہر جھونپڑیوں کی قطار اور ایک لڑکی جو دروازے کے قریب بیٹھی ہوئی تھی دکھائی دی۔

میں اندر گیا دونوں کی آنکھوں میں بیٹھی خاموشی سے [illegible] دیکھنے لگا رہے۔ پھر اس نے سکوت توڑتے ہوئے کہا۔ "چلو ایک بات پوچھوں؟"

"کیا؟" میں نے اس کی طرف کروٹ لیتے ہوئے پوچھا۔

"تم کو سب سے پہلے کیسے یہاں لایا گیا ہے۔ جزیرے [illegible]"

سب کیا ہو گیا؟ بارہ بجے تک جزیرے کے سامنے زندان تھے۔

میں نے غور سے اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ وہاں تعجب کا تاثر نہ تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور کہا۔ "میں تمہیں جانتی ہوں۔"

"تم یہ مجھے بتا دو۔" میں نے لہجے میں حیرت پیدا کی۔

"ہاں، میں نے بہت حد تک مجھے دیکھا۔" وہ بولی۔ "جیسے ساری زندگی کسی کی غلطی سے ملا ہو۔"

"میں پہلے بھی تمہارے ساتھ تھی۔ اب بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ یہاں سے نکلنے کا کوئی موقع دے تو دے گی۔"

"مجھے خیال ہے کہ ہمیں اب ان حالات کا آدمی تیار کر دے گا ان کے بعد ہمیں اس بارے میں سوچنا چاہیے۔"

جنگل میں داخل ہوا تو مجھے پیچھے سے [illegible] سے دیکھا۔ لوگ ہر طرف سے میرے گرد جمع ہونے لگے۔

"ماسٹر بھی دھر آ گیا۔" ماسٹر کو بھی دیکھتے ہی کسی نے کہا۔ [illegible] ان کے چہروں پر بیک وقت خوشی اور حیرت کے آثار تھے۔ [illegible] کسی حرکت کے لیے تیار تھا۔ جب ان پر نظر ڈالی تو وہ سب اپنی جگہوں پر جم گئے۔ ان کے ساتھ مزدوروں کی بستی تھی۔ [illegible] ہمیشہ جس طرح کا ماحول تھا ہر طرح سے ان سب کے لیے جھونپڑیوں کی قطار اور اس دن کی طرح کی [illegible]

میں نے ان کا بھی حال معلوم کیا۔ [illegible] اور ایک دوسرے کو کپڑے، ماچس اور دیگر اشیاء کے لیے وہ [illegible] تھے۔ [illegible] کی شکل میں تبدیل ہو گئی تھی۔

شام کو جب کام سے تھکے ہارے لوٹے تو سب نے کام چھوڑ دیا۔ [illegible] ایک نئے ساتھی کے لیے جنگل میں نکل گئے۔ [illegible]

"ماسٹر جنگل سے بھاگنے کی کیا بات ہے؟" ایک نوجوان نے پوچھا۔ "[illegible] کوشش کی۔"

"نہیں، زمین کھو گئے تھے۔" میں نے ان سب کی طرف دیکھا۔ "[illegible]"

"[illegible] ایک دن ہم بھی یہاں سے بھاگنے کی کوشش کریں گے۔"

"ہمیں یہ بات کرنا ہے۔ یہ کام کسی وقت ہو جائے گا۔ ایک ساتھ [illegible] کے پیچھے پڑ جائے تو یہاں جنگل کی کوئی کمی نہیں۔"

اس کے چہرے پر سب سے ایک منحوس تاثر تھا۔ ایک سمندر کنارے کا منظر تھا۔

بالائی منزل پر ایک بڑا کمرہ تھا جس میں [illegible] جھونپڑیوں کے پیچھے [illegible] تک جزیرے کا جو حصہ تھا وہ [illegible] جنگل کے اندر [illegible] ایک [illegible] وہاں سے [illegible]

معروف تھے۔ جزیرے پر جو بھی لوگ [illegible] ان کے ساتھ [illegible] کر دیا تھا۔ [illegible]

وہاں پہنچے تو سب لوگ کھانے پینے کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ جنگل کے اندر ایک خاموش [illegible] کے ساتھ سب کچھ ہو رہا تھا۔ [illegible] تازہ دم ہو کر جزیرے کے [illegible] اور ایک قطار [illegible] سے کام لیتے تھے۔

جزیرے کے [illegible] اس وقت [illegible] کے دروازے پر [illegible] ایک خاموشی سے نکالا اور جھونپڑیوں کے قریب چلا گیا۔ [illegible] کے ساتھ [illegible] جنگل کی طرف نکل گیا۔

اس رات میں نے [illegible] ایک دوسرے کے ہاتھ میں کچھ [illegible] جزیرے کے [illegible] ایک عجیب [illegible] کا منظر [illegible] وقت کے ساتھ [illegible] کا معاملہ تھا۔ [illegible] ایک [illegible]

میری حویلی کے پیچھے [illegible] مجھے یہاں [illegible] ماسٹر [illegible]

"ماسٹر ان جھونپڑیوں میں [illegible]" وہ خاموشی سے [illegible] جانی کے ساتھ [illegible] کی بات [illegible]

[illegible] ایک طرف [illegible] جزیرے کے [illegible]

تمہیں کبھی نہیں چاہیے تھا اس کا جانا۔ مائیکل پر چلنے کا کام دے کر میں نے انکار کر دیا۔ البتہ [illegible] اس وقت اسے تسلیم کر لوں گا جب تک خود دیکھ نہ لوں۔

ڈاکٹر [illegible] سے [illegible] کا تذکرہ کر چکا تھا۔ اس [illegible] میں ہر جگہ [illegible] جزیرے کے [illegible]

سب لوگ یہاں مجھے ماسٹر کے نام سے پکارتے تھے۔

اس مرتبہ [illegible] خاموشی کے ساتھ [illegible] جزیرے کے [illegible] کے باعث [illegible] اور میں [illegible] کے لیے تیار [illegible]

وہ جزیرہ [illegible] ایک [illegible] میں نے [illegible] کے بعد [illegible] میں کامیاب ہو گیا۔ اس دوران میں وہ [illegible] مقام پیدا کر چکی تھی۔

"تمہارا آج یہاں [illegible] ہے؟" [illegible] نے سوال کیا۔

"ہاں، شاید میرے بارے میں کوئی نئی بات آئی ہے۔" میں نے کہا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"اندازہ ہے میرا۔ [illegible] کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟"

"اگر وہ تمہیں [illegible]" میری باتوں سے [illegible] نظر آنے لگی۔

"میں [illegible] نے فیصلہ کر لیا ہے۔" وہ مجھ سے یہاں کام لیں گے یا مار ڈالیں گے اور کسی ایسے شخص کو تجربہ کرنے کے لیے بھیجیں گے جو جزیرے پر اصول [illegible] کا انتظار کرے گا۔"

میرے کی بات سن کر [illegible] اس نے [illegible] اپنا [illegible] میرے [illegible] تمہاری ہی ذات کا سہارا ہے۔ انہیں کچھ ہو گیا تو میں کیا کروں گی؟"

"میرا کبھی آسمان سے اترا ہوا نہیں [illegible] اس کا کام [illegible] جب حالات سے مجبور ہونا پڑے گا۔"

وہ چلتے چلتے رک گئی اور سامنے آ کر میری آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ [illegible] آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔ [illegible] کی [illegible] کے بعد وہ [illegible] انہوں نے تمہارے ساتھ [illegible] جزیرے پر بہتر ہے کہ میں سمندر کی مچھلیوں کی خوراک بن جاؤں۔"

وہ [illegible] سے اس کے رخسار پر چپت مار دی۔

"میں نے تمہیں مرنے کے لیے نہیں بلایا ہے۔ [illegible] کی نیت سے آیا ہوں۔"

"کیا؟" اس نے پُراُمید لہجے میں پوچھا۔

"کیونکہ جزیرے پر بوٹ موجود ہے۔" میں نے کھلے میدان میں آس پاس نظریں دوڑاتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "رات کے اندھیرے میں ہم اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"نہیں۔" وہ اس تجویز پر سہم گئی۔ "وہ ادھر سے غافل نہ ہوں گے۔ ان کے پاس ہر قسم کا اسلحہ ہے اور ہم نہتے ہیں۔ غلیل سے ان کا مقابلہ نہ کر سکو گے۔"

"مقابلے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔" میں نے کہا۔ "اگر خطرہ مول لیے بغیر کام بننے کی صورت نظر آئی تو کوشش کروں گا۔ ورنہ صبر۔"

"میں خاک بھی نہیں سمجھی۔"

"جب مچھیروں میں سناٹا پھیل جائے تو مجھے کھیتوں کے پاس اس پیال میں آگ لگانی ہو گی جہاں منوں کے حساب سے خشخاش کے سر کٹے ہوئے جمع ہیں۔" میں نے اسے اپنے منصوبے سے آگاہ کرنا شروع کیا۔ "وہ پیال ایک مرتبہ آگ پکڑ لے تو جزیرے پر پھیلی ہوئی فصل کو خاکستر کر سکتی ہے۔ شعلے بھڑک گئے تو وہ سب ادھر بھاگیں گے اور بوٹ کے قریب شاید ہی کوئی رہے گا۔ اگر میری ترتیب کے مطابق میدان صاف ہوا تو میں بوٹ پر قبضہ کر لوں گا۔ تیرے آگ لگانے اور شعلے بھڑکنے کے درمیان خاصا وقت ہو گا اور میں اس سے فائدہ اٹھا کر تاریکی کے پیچھے ہوتے ہوئے وہاں پہنچ جاؤں گا۔ تم بوٹ کے پاس مجھ سے آ ملو گی۔ دراصل میں پہلے سے وہاں موجود رہنا چاہتا ہوں تاکہ ماحول اور افراد کا جائزہ لے سکوں، ورنہ بوٹ پر قبضے کے وقت گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"اور اگر تمہیں پہلے ہی مرتبہ مل جانے تو کیا ہو گا؟ اگر میری ہمت جواب دے گئی تو... میری مدد کرو گے؟ میری زندگی کا مقصد پورا ہو گیا۔ وہ بھی ادھورا رہ گیا تو میں مر جاؤں گی۔"

"نہیں!" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "اگر میں نے فیصلہ کر لیا ہے تو اس وقت تک انتظار نہیں کروں گا جب تک تم آ نہ جاؤ گی۔ انہیں تو اس وقت ہوش آئے گا جب وہ بوٹ کے انجن کا شور سنیں گے ورنہ کھیتوں کی طرف لگی ہوئی آگ ان کے اعصاب پر سوار ہو گی۔"

"تم بوٹ چلا لو گے؟" اس نے بے یقینی کے عالم میں پوچھا۔

"ہاں! مجھے اپنے اس فن پر پورا اعتماد تھا۔" یہاں سے اتنی دور تو کیسے بھی جا سکتا ہوں، لیکن ان کی گولیاں ہم تک نہ پہنچ سکیں۔"

"اور اگر ہم کھلے سمندر میں بھٹک گئے؟" اس کا بدن ہولناک موت کے تصور سے بید مجنوں کی طرح کانپ رہا تھا۔

"اس جزیرے پر بھٹکنے سے وہ موت بہتر ہو گی۔" میں نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

"تمہارے ساتھ مرنے میں زندگی ہی زندگی ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ مسکرا دی اور میں نے ایک بار پھر اسے سینے سے لگا لیا۔

اسے حوصلہ دلانے کے بعد میں نے سنبھل سنبھل کر آگے بڑھنا شروع کیا۔ اسے اپنے منصوبے سے آگاہ کر دیا تھا۔ گو کہ سمندر کی کیفیت، کشتی بالکل ہی ڈھلتے جا رہی تھی، لیکن مجھے اندازہ تھا کہ کہیں سمندر اتنا آرام دہ بھی نہ ہو گا۔ پر قبضہ کرنے کے بعد جو وہاں سے جزیرے سے باہر نکل جانا تھا۔

جزیرے پانی کا ٹاپو تھا مگر اس کی سطح اتنی بلند ہو گئی تھی کہ ہم سمندر کو عبور کرنے میں طویل وقت گزار دیں۔ سمندر کے تمام جزیروں کے اوقات سے بے خبر ہو کر ادھر ادھر بھاگنا خطرناک ہو گیا تھا جب کہ پورے اختیارات کے ساتھ ہیں۔ قریب کا کوئی مقام نہ تھا اور میں نے جو منصوبہ بنایا تھا اس کے تحت جزیرے میں جو وقفہ ہو جائے گا اس کا فائدہ اٹھا کر نکل جانا ممکن ہو کر رہ جائے گا۔

پھر میں نے بڑی احتیاط سے جنگل کی پگڈنڈی کو پار کیا جہاں سے میں پیال کے ڈھیر تک پہنچ سکتا تھا۔

نے اندھیرے میں اپنی کمپنی پر ایک نظر ڈالی اور تیزی سے آگے بڑھ کر رخصت ہو گیا۔ میں نے ایک بھری ہوئی تیلی جلا کر ادھر ادھر دیکھا۔

جو میں نے اپنے ساتھ لے لی تھی۔

میں دیر تک وہاں کھڑا کبھی تاریکی کو دیکھتا رہا کبھی ان جھونپڑیوں کو جن میں غائب ہو گئے تھے۔ پھر میں نے اپنی جیب سے ماچس نکالی اور ہتھیلیوں کے درمیان چھپا کر ایک سگریٹ سلگا لی۔ اس وقت عزیزم کی کامیابی یا ناکامی کی بات تھی جو بھی شے ہو، پیٹ بھر کے دونوں جہاں بھول جاتا۔ اس سے میرا حوصلہ بڑھا اور مجھے سلگنے کا موقع ملا۔

سگریٹ پھونکنے کے دوران میں نے ایک بار پھر اپنے منصوبے کا جائزہ لیا اور سگریٹ کا ٹکڑا مسلتے ہوئے کاٹیج کی طرف بڑھنے لگا۔

جزیرے پر پراسرار خاموشی اور ہولناک اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی تھوڑی دیر پہلے جو جنگل میں جھینگروں کا شور تھا وہ اب بالکل ختم ہو چکا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے تمام مخلوق نے کسی جگہ جا سونے کا فیصلہ کر لیا ہو۔ کبھی کبھی کسی طرف سے کوئی آواز سنائی دے جاتی تھی۔

میں کاٹیج کے عقب میں آسانی سے پہنچ گیا۔ وہاں بھی گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ ایک لمحے کے لیے مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں وحشت کی لہر اترتی ہوئی محسوس ہوئی کہ کہیں وہ لوگ میرے ارادوں سے باخبر ہو کر کاٹیج میں پڑے غافل ہونے کے بجائے میری گھات میں کہیں چھپے ہوئے نہ ہوں!

میں کسی چیتے کی طرح کاٹیج کی عقبی دیوار کی جڑ سے چپک کر بیٹھ گیا۔ میرے سارے حواس پوری طرح کام کر رہے تھے مگر سمندر کی لہروں کے یکساں شور کے سوا کوئی حرکت یا آواز نہیں سنائی دے رہی تھی جو میری پریشانی کا سبب بنتی۔

میرے نقطۂ نظر سے کاٹیج کی تعمیر میں ایک شدید نقص تھا۔ اس کی عقبی دیواروں میں کوئی کھڑکی یا روشن دان نہیں تھا جس کے ذریعے میں اندر کا جائزہ لے سکتا۔ میں نے چاروں طرف نظر ڈالی، میرے ہاتھ کاٹیج کی دیوار سے لگے ہوئے تھے اور کان زمین سے لگا دیے۔ اس ناقدرے بے آرامی کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ کاٹیج میں کوئی بھی نہیں ہے اور کاٹیج ویران پڑا ہے۔

میں دوبارہ پیچھے ہٹ گیا اور محفوظ فاصلہ اختیار کرنے کے بعد میں نے کاٹیج کے سامنے کی طرف بڑھنے لگا۔ کاٹیج کا جو حصہ ساحل پر پھیلے ہوئے جنگل کی طرف تھا سامنے کا حصہ جزیرے کے اس حصے کی جانب تھا جہاں ایک بیل کے متوازی سمندر کا ہموار ساحل تھا اور دوسرے پہلو پر جنگل اور ٹیلے پھیلے ہوئے تھے۔

درختوں کی اوٹ سے نکل آنے کے بعد احتیاط کے پیشِ نظر مجھے پیٹ کے بل زمین پر رینگنا پڑا۔ اس علاقے میں خودرو پودوں اور خشک جھاڑیوں سے پاک تھا۔ اس لیے مجھے کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ تھوڑی دیر بعد میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں سے مجھے کاٹیج کا دروازہ اور روشن کھڑکیاں نظر آ رہی تھیں۔ جب معمول اندر دیے روشن تھے جن کی روشنی باہر گر رہی تھی۔ گھر کا عکس نمایاں تھا۔ دروازہ بند تھا اور اس کے باہر ایک وزنی قاسمت سا تالا لٹکا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ ایک سرے سے دوسرے کونے تک سناٹا اور کرفیو کا عالم ہے۔

اپنے قد و قامت کی بنا پر وہ جانی یا جوشی سے بالکل مختلف تھا اور ٹھگنا گشت کے دوران میں وہ شہزادی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ البتہ جب بھی وہ جھونپڑیوں کے لیے کھوکی سے باہر نظر ڈالتا تھا، روشنی میں سے گزر جاتا۔ میں نے اسے پہچاننے کی پوری کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اگر اس کے کندھے سے جھولتی ہوئی رائفل صاف نظر آتی تھی۔

اس طرف بھی مجھے کاٹیج سے کوئی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس بوڑھے نے صلاح و مشورہ اور سرگوشیاں کیں جو میں نے بھی لیکن وہ قائم رہے کہ اس وقت کاٹیج ویران پڑا ہوا ہے۔ اگر اندر کچھ مخاطب لوگ موجود ہوتے تو کاٹیج کی حفاظت کے لیے ایک مسلح پہرے دار ہونا ضروری تھا۔ لیکن اس جگہ کوئی بھی نظر نہ آیا۔ ایک وسیلہ بھی یا کوئی بھی ... غیر متوقع طور پر بعید از قیاس تھی کہ وہ تنہا رہتا ہو۔ پہرے داروں کو بے مقصد گزر دیا۔ اس کی جگہ جو جی آیا تھا وہ اس وقت جوشی اور جانی کے ہمراہ جھونپڑیوں کی طرف گیا ہوا تھا اور اسی وجہ سے وہاں طوفان بدتمیزی برپا ہوا تھا۔

یہ منصوبہ قائم کرنے کے بعد میں دوبارہ عقبی حصے کی طرف لوٹ آیا اور اس بار جزیرے اور کاٹیج کے درمیانی حصے کا رخ کیا۔

موٹر بوٹ کا سیاہ انجن میری دوری سے نظر آ رہا تھا۔ اس پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ میں درختوں اور جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا بتدریج ایک حد تک بوٹ کے قریب پہنچ گیا۔ پتھروں اور چٹانوں سے بنا ہوا گھاٹ کا فرش مجھ سے کچھ فاصلے پر ہی رہ گیا تھا۔

بوٹ پر سناٹا دیکھ کر میں نے ایک پتھر اٹھایا اور پوری قوت سے پانی کی طرف اچھال دیا۔ عرشے یا چوبی فرش پر پتھر ڈھلکنے کی سمت سے میری کمین گاہ کا اندازہ ہو سکتا تھا اس لیے میں نے پانی کا انتخاب کیا تھا۔ پتھر کرنے سے پہلے میں پر خطر تھا، لیکن پتھر گرا تو بوٹ سے کوئی آواز نہیں آئی۔ مجھے اطمینان ہو گیا۔ پھر میں نے بوٹ سے دور ہٹتے ہوئے پیچھے کا ایک دھماکا سنائی دیا۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف کھسکتا چلا گیا۔

"کیا بات ہے؟" وہ کاٹیج کی طرف سے شاید گارڈ نے چیخ کر کہا۔

"کوئی پانی میں کودا ہے۔" بوٹ والے نے چیخ کر کہا۔ اس بار میں نے آواز پہچان لی۔ وہ یقینی طور پر دانگلی ہی تھا۔

پھر عرشے پر طاقتور ٹارچ کی روشنی چمکتی نظر آئی۔ وہ بگلی جھک کر ندی کا جائزہ لے رہا تھا۔ دوسرا گارڈ بھی بلند آواز میں کچھ پوچھتا ہوا تیزی سے بوٹ کی طرف آ رہا تھا۔ شاید وہاں ان دونوں کے سوا کوئی تیسرا موجود نہیں تھا۔

میرے لیے یہ سنہری موقع تھا۔ جونہی میں نے گارڈ کو بوٹ کی طرف بڑھتے دیکھا میں کسی چوپائے کی طرح پوری قوت سے کاٹیج کے دوسرے پہلو کی طرف دوڑ پڑا۔ اس بار میں نے طویل چکر کاٹنے میں اتنا وقت ضائع نہیں کیا اور پیچھے سے گھوم کر پھرتی سے کاٹیج کے صدر دروازے پر پہنچ گیا۔

بے آواز قدموں سے وہاں پہنچ کر میں نے چند ثانیوں کے لیے گارڈ کے ان دونوں کی نقل و حرکت اور گفتگو کرنے کی دھیمی آوازیں بدستور آ رہی تھیں۔ میں نے دروازے کا بولٹ سرکایا اور پھرتی سے اندر گھس گیا۔

اس وقت میرا دل کنپٹیوں تک دھڑک رہا تھا۔ بدن کے سارے مساموں کے منہ کھل گئے تھے۔ اگر مجھ سے ذرا بھی غلطی ہوتی تو وہ کاٹیج میرا مقبرہ بن سکتا تھا۔

اندر کی طرف بڑا کمرہ تھا جس کے سرہانے جرمن علاقوں میں پوشیدہ تین رائفلیں کندوں کے بل دیوار کے سہارے کھڑی ہوئی تھیں۔ میں نے پھرتی کے ساتھ ایک رائفل پر قبضہ کیا۔ چوبی صندوق سے کارتوسوں کی ایک پیٹی نکال کر گلے میں ڈال لی۔ سامنے پڑے ہوئے چھری اٹھائی اور تیزی سے باہر آ گیا۔ وہ دونوں ابھی تک بوٹ پر کے جائزے میں مصروف تھے۔ میں نے دروازہ بند کر کے کنڈی لگائی اور پوری رفتار سے گھنے جنگل کی طرف دوڑ پڑا۔

اس غیر متوقع کامیابی نے میرا حوصلہ بلند کر دیا۔ اس وقت میرا جی چاہا کہ رائفل سے ویرانہ وار فائر کر کے شور و شر برپا کر دوں مگر اس معرکے میں تدبیر ہی فیصلہ کن تھا۔

گو مجھے معلوم تھا کہ کاٹیج میں ساری رائفلیں ایک ہی ساخت کی تھیں اور چوبی صندوق میں بھری ہوئی کارتوسوں کی پیٹیاں ان کے لئے کافی تھیں مگر باہر رکھی ہوئی رائفلوں کی تعداد نے مجھے شک میں مبتلا کر دیا تھا۔ عام طور پر جوشی کے لیے صرف دو رائفلیں کافی تھیں جبکہ وہاں تین رکھی ہوئی تھیں۔ یہ امکان بھی تھا کہ شاید وہ جزیرے پر آنے والوں کی ملکیت ہوں اور ان کی ساخت مختلف ہو۔ ایسی صورت میں ایک آدھ کے بعد رائفل، لکڑی کے ٹکڑے کے برابر ہو جاتی۔

کارتوسوں کی افادیت کا سراغ لگانے کے لیے میں جنگل سے گزر کر سیدھا ساحل پر پہنچ گیا جہاں سمندر کی سسکتی ہوئی موجیں ساحل پر دم توڑ رہی تھیں۔

میں نے جب رائفل چرمی غلاف سے نکالی تو اپنی خوش بختی پر میرا دل اچھل پڑا۔ وہ رائفل اسی ساخت کی تھی جو کاٹیج میں رکھے ہوئے فولادی صندوق کا...

مفقود اسلحہ کی تھی، وہ گرنگیوں کی ایک حالت میں خوشگوار ہے کام آ ہی گئی تھی۔ وہ ہتھیار تو صندوق میں مقفل رکھا تھا اگر قاصل بکھری چیزیں صندوق میں بند مقفل رہتا تھا اور مجھے کا خیال تھا کہ جب تک ... بغیر قاصل بکھری چیزوں سے زیادہ بے مصرف ہے۔ لوگ اسے غلطیوں سے دیکھتے رہتے اور کچھ اسی فلسفہ کی بنا پر اس وقت میں یہ اس کا قفل کھولنے میں بے فکر ہوتا ہے اور میں کامیاب ہو گیا تھا۔

رائفل کو چھپا غلاف میں نے ایک جگہ زمین میں دفن کیا اور کارتوس کو پیٹی نکال سے پہچان کر بکھری قمیص کے نیچے بیلٹ میں اُڑس کر مونگے کی پہاڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہاں انتظار نے مجھے کافی دیر تک کھیتوں کی طرف شعلوں کی سرخی نظر آتی رہی کیونکہ وہاں سے آنا خطرے سے میرے اندازے کے مطابق اسے گرے وہ گھنٹے گزر چکے تھے اور وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر کافی دیر پہلے واپس آ جانا چاہیے تھا۔

جب یہ انتظار طویل سے طویل تر ہونے لگا تو مجھ پر وحشت سوار ہونے لگی میری چھٹی حس اب مستقل خطرے کا اعلان کر رہی تھی مجھے محسوس ہونا تھا کہ گئی کسی ہے شدید مشکل سے دوچار ہو چکی ہے۔ اگر وہ کہیں پھنس گئی تھی تو چیخ و پکار نے یقیناً میرا دل کر اسکس کی ہوا کے وقت سنائے میں اگر جزیرے کے ایک سرے پر انسانی چیخ بلند ہوتی تو وہ کافی دور تک سنی جا سکتی تھی۔

مایوسی اور جھنجلاہٹ کی آخری سرحدوں پر پہنچ کر میں نے خبر کا جائزہ تو سارا اور اسرورگیا مستعد کا پانی خطرات کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ منصوبہ کا دشوار ترین مرحلہ میری توقع کا کامیابی کے ساتھ طے ہو گیا تھا مگر سہل حصہ پورے ہونے کے دوران وہ آ نہیں سکے تھے مجھے غصے کے ساتھ گہرا رنج بھی آنے لگا جو حیرت ہونے کے ناطے ناقص العقل واقع ہوئی تھی۔

رائفل کارتوس اور خنجر ہی میرے وہ ہتھیار تھے جنہیں ایک عرصہ سے کسی موقع پر استعمال کر کے گنوانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا لہٰذا مایوسی اور جھنجلاہٹ کے عالم میں ایک بار پھر واپس ادھر روانہ ہوا جہاں میں نے رائفل کا چرمی غلاف دفن کیا تھا۔

میں نے غلاف نکال کر رائفل اس میں ڈالی۔ کافی کوشش کے بعد میں نے بیس کارتوس بھی اسی غلاف میں ڈال دیئے کیونکہ چرمی بیلٹ میں دفن کرنے کی صورت میں نمی سے کارتوس ضائع ہو سکتے تھے۔ خنجر بھی میں نے کسی طرح اس غلاف میں سما گیا۔ میں نے وہ غلاف اور کارتوسوں کی پیٹی پوری احتیاط سے ایک خشک قطعہ زمین میں دفن کر دی اور اوپر اسی طرح مٹی بکھیر دی کہ باریک النظر بھی اس مقام پر کسی کو شبہ نہ ہو سکے۔

اس بار میں کا رخ سے مخفوظ فاصلہ اختیار کر کے واپس جھونپڑیوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں ہر طرف سکوت اور سکون چھایا ہوا تھا کہیں کوئی متحرک ہیولیٰ کے آثار نہیں نظر آ رہے تھے میں نے باری باری پانچوں جھونپڑیوں کا طواف کیا مگر سونے والوں کے خراٹوں کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دی اور پھر کے ...

سنائی دینے والی آواز ... مجھے پانچوں سے ساتھ ...

مشرف کی گھیری چند مرد چکے تھے اور بیشتر کی اسکان نظر آتا تھا کہ وہ ... کی زیادہ تر زندہ تھی۔

کچھ دیر تک کے چھوٹے جھونپڑوں کی طرف سے ایک کر جو کچھ نے میرے دل کو بڑھایا۔ جنگلی کے پودوں کا سایہ نہ تھا مگر منصوبے کے حوالے سے ... میں ناک لگانی تھی۔

خشک پودوں کے انباروں کے درمیان ایک جگہ مجھے زمین پر ایک انسانی ہیولا نظر آیا۔ میں دھڑکتے دل سے قریب پہنچا تو جانا کہ میری شکوک نفرت اور غصے کا نشانہ پورا ہوا تھا۔

وہ گنی تھی زمین پر چت لیٹی زمین پر بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی اور اس کی حالت سے ظاہر تھا کہ دشمنوں نے اس پر بھی حربہ آزمایا تھا۔ نکال لے قریب گیا اس کے چہرے کی رنگت ہو چکی تھی ... ہوئی چند لمحوں کی بات مجھے صورت حال کا کچھ کچھ اندازہ ہونے لگا اور اسی کے ساتھ مجھے خود پر قابو پانا دشوار ہونے لگا۔

میں اس کے قریب بیٹھ گیا اور اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کرنے لگا۔ پرندوں کی ہلکی ہلکی آوازوں سے پتا چلا کہ اب رات بھیگ کر صبح ہونے کا اعلان کرنے والی ہے۔ میری کوشش یہی تھی کہ جو بھی ہو جلدی سے کچھ ... کروں میں اس کو کسی دور افتادہ گوشے میں لے جاؤں جہاں وہ جنگلیوں کے باعث وحشیانہ تشدد اور مذاق کا نشانہ بننے سے بچ سکے۔

ابھی اسی دوران میں مجھے کہیں قدموں کی ہلکی سی آہٹ سنائی دی اور میں چاروں طرف کا جائزہ لینے لگا مگر دوبارہ مجھے کوئی آہٹ سنائی نہ دی۔ پھر ہر کسی جانب سے مجھ پر چیختی ہوئی بہت سی آوازیں آنے لگیں اور میں گھیرے میں آ گیا۔

"پکڑ لو اسے! یہ دشمن ہے" کے شور سے جنگلی آوازیں اور ہاتھ ... ہمیں سامنے کھڑے ہو گئے۔

سب سے پہلے جو شخص میرے قریب آیا وہ ہٹا کٹا تھا اس نے بڑی قوت سے اس کے چہرے پر مکا مارا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے گیا۔ افراد بہت کچھ جلتے تھے میرے دوبارہ تیار ہونے سے پہلے ہی انہوں نے مجھے دبوچ لیا۔

"لڑکی کی لاش ابھی یہاں تھی؟" جنگلی نے ان کو یاد دلایا۔

"لاش؟" میں حیرت اور غصے سے تقریباً چیخ پڑا۔

"ہاں اس نے ہمارے بچوں اور سرکش کی سزا ہے" جانی کا لہجہ سرد اور بے حد سخت تھا۔

"رائفل کہاں ہے؟" اس بار جو شخص مجھ سے مخاطب ہوا میری نگاہ نے پہچانا اور وہ اپنے حواس بحال کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

"ہم تم سے بات کر رہے ہیں" ... میرے پاس ... نہیں تو ... اگر رائفل ہوتی تو تم لوگ ... بچ نہ پاتے۔"

جانی بے ساختہ ہنسا اور جیسے ہی کر ... ناک لگائی تو محض اتفاق تھی کہ ... چوکی ... کو ... ہوش میں لاتے ...

نیلام کی بالکل مخالف میں تھا کہ ... بعد میں ... دبا گیا اور اسی طرح بکھر گئے۔

... اس کا خیال ہے ... ندر تم کبھی ...

"میں خود ہی سرنگوں سے ملنا چاہتا ہوں" میں جھپٹ کر ... لیجے ...

"استاد کا حکم بہت واضح ہے تمہارا اتفاق ہو" جھنجلا۔

وہ چار روز مسلح تھے انہوں نے مجھے اس طرح گھیر لیا میرے لئے کسی بچاؤ کی گنجائش نہیں تھی اور میں سر کے ساتھ ان کی طرف اپنی روشنی میں وہ مجھے لے چلے۔ ایک شخص نے گئی کی بہت انسانی بنتے ہیں گنتے پہاڑ کی طرف کے قریب پہنچ کر دوش وار سرکی طرف بڑھ گیا اور جانی مجھے ہمراہ لیے اندر داخل ہو گیا۔

کاٹیج میں قدم رکھتے ہی میرے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ روشنی کی ملگجی ... یہ جنگ بہا سہری ... خونخوار نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔

وہ ایک بار پھر سے پٹی کی قوت اور مہارت کا مظاہرہ کر رہا تھا جب اس نے ہلکے کا کپ کی ادھر ادھر ... منزلیں ... کے ساتھ مجھے کسی فیصلہ ... کی طرح بیچ ... کر کے پیچھے بولنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"جانی! تم باہر جاؤ!" چنگ ہوا نے چند لمحوں تک مجھے گھورنے کے بعد حکم دیا اور جانی نوراً ہی کمرے سے نکل گیا۔

"تم جانتے ہو کہ میرے سامنے تمہاری کیا حیثیت ہے؟" یہ جنگ ہوا نے میری کے بولنے پر بات سے شراب کا گلاس اٹھا کر ایک گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "لہٰذا میرا وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں جو کچھ پوچھتا ہوں اس کا سیدھا سیدھا جواب دو۔"

"میں تمہیں مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔" میں نے بچی ہوئی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "پہلے یہ بتاؤ جو کچھ کیا استاد کی ہدایت کے مطابق کیا گیا ہے؟"

"میرا استاد سے رابطہ نہیں ہو سکا۔" وہ چونک کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے یہی خیال کیا ہے کہ یہ معاملہ میری مرضی کے مطابق ہی طے ہونا چاہیے۔"

"جانی اور جوشی نے میرے خلاف صرف اس لئے کارروائی کی ہے کہ انہیں استاد کی ہدایت کے مطابق جوشی کی وفاداریاں آزمانے کے لیے اسے ہدایت ملا تھا۔"

"میں سن چکا ہوں۔" وہ پرسکون لہجے میں بولا۔ "تمہاری زبان سے کوئی بات سننا چاہتا ہوں۔"

"اس بار تمہیں الجھن کیا ہوئی؟" میرا لہجہ پُر اعتماد تھا۔

اس مختصر آواز میں جانی کو پکارا اور وہ فوراً ہی اندر آ گیا۔

"رائفل کا معاملہ کیا ہے؟" چنگ ہوا نے اس سے سوال کیا۔

"نہیں معلوم کیسے ہوئے جانی کیا ہے" ... مجھے گھورنے لگا۔ "اس کے بعد یہ بیرکت ماسٹر کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا۔"

"کیسی رائفل؟" میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "تم خود ہی دیر پہلے تو ... رائفل کے بارے میں سوال کر چکے ہو۔"

"مقصد کیا بتاتے ہو؟" چنگ ہوا نے میری بات پر کوئی توجہ نہ دی۔

جانی سے اگلا سوال کیا۔

"وہ ابھی تک لاپتہ ہے کہ رات کے لئے بھی حفاظتی تدبیر ہوا ہو۔ چند سیکنڈ کے لئے مائیکل کی لاش کا سہارا لے کر پورٹ کی طرف گئی تھی مگر وہاں سے بھی کوئی کا رد وانہ اس کی نظروں میں تھا؟"

میرا دل ہی دل میں مسکرا اٹھا۔ منوج یقیناً وہی شخص تھا جسے جنگل کے کاٹیج میں گھسا تھا۔ اپنی جان بچانے کے لئے اس کے پاس جھوٹ کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اگر اس کی غیر حاضری کے بارے میں مائیکل کو علم ہو جاتا تو وہ شاید وہاں سے نہ بچنے کی تمہید کھانے پر تل جاتا۔

"منوج کو یہاں بھیجو۔" چنگ ہوا کا لہجہ سرد تھا۔

چند منٹ بعد منوج وہاں پہنچا دیا گیا۔ اس وقت چنگ ہوا نے شراب کا گلاس خالی کر دیا تھا۔

"تم صفدر کا خیال رکھو" جانی کو یہ ہدایت دیتے ہوئے چنگ ہوا بستر سے اتر گیا اور منوج کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ "بولا کیوں نمک حرام! جھوٹ بولنے سے باز نہیں آئے گا؟"

"میں جھوٹ نہیں بولتا استاد!" وہ تقریباً کراہتے ہوئے بولا۔

اچانک چنگ ہوا بجلی کی رفتار سے فضا میں اچھلا اور منوج اس طرح چیخ مار کر کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح زمین پر گر گیا۔ اس کے اٹھنے سے قبل ہی چنگ ہوا اس کی پشت پر سوار ہو گیا اور اس کی انگلیاں جونکوں کی طرح منوج کی گردن کی ہڈی کے گرد گرفت میں پیوست ہونے لگیں۔

اچانک منوج کے ہاتھ پیر بے جان ہو کر ڈھیلے پڑ گئے مگر اس کے حلق سے کربناک چیخیں ابل رہی تھیں۔

"پورٹ سے کاٹیج کا راستہ کتنا تھا؟" چنگ ہوا نے نیچے اور پُر سکون لہجے میں سوال کیا۔

"نہیں!" منوج نے ہچکی کے درمیان بے اختیار کہا۔

"تم کتنی دیر وہاں رہے تھے؟" چنگ ہوا کا لہجہ مضحکہ خیز تھا۔

"چار پانچ منٹ!"

چنگ ہوا اچھل کر اس کی پشت سے اتر گیا۔ "اتنی دیر میں تو کیا کیا ... نہیں کیا جا سکتا تھا!"

منوج چند سیکنڈ تک اسی مفلوج حالت میں زمین پر پڑا رہا پھر یوں اچھل کر اٹھا جیسے دوبارہ چنگ ہوا کے سوار ہو جانے کا خطرہ ہو۔

"میں جاؤں؟" منوج نے اٹھتے ہی خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

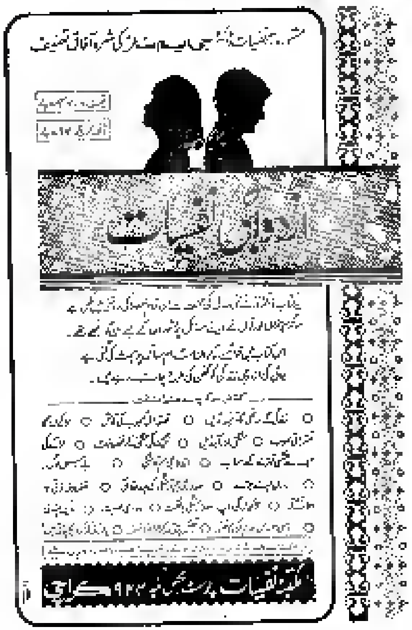
"یہاں کوئی آہٹ تو نہیں ہوئی تھی؟" چنگ ہوا نے پوچھا۔

"نہیں استاد!" وہ کراہتے ہوئے بولا۔ "میں واپس آیا تو پراٹ اس طرح چڑھا ہوا تھا۔"

"جاؤ اور اس سزا کو یاد رکھنا۔"

"صفدر، رائفل تم نے ... اس بار چنگ ہوا کا لہجہ دھیما اور مکمل طور پر میری طرف متوجہ تھا اور اس کے تیور خراب نظر آ رہے تھے۔

"شاید اب تم مجھے کسی نئی سازش کا ایجنٹ بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔"



چنگ ھوا سے جھٹکے کے باعث میرے ذہن پر جو تھا بیٹ سوار ہوا تھا وہ بھی اس وقت میرے ہوش آئی۔ ڈیمی سوزا کہیں سے تیزی کے عالم میں گھٹنوں پر بکھر گیا۔ نشانہ اس کا چیخ کر مجھے دادو دے رہے تھے بعض بڑے رنگ سے بیچ کے کولوں پر بیٹھا کو ذہن سے ڈیمی سوزا کو للکار رہے تھے۔ مگر میرے وحشیانہ حملوں نے اسے ذرا سی دیر میں بدحواس کر دیا۔ اور ڈیمی اسے موقع ملا وہ لہولہان چہرہ لیے پلٹ کر جھونپڑیوں کی طرف سرپٹ بھاگ گیا اور سارے تماشائی نے میری جیت کی خوشی میں چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔

آہستہ آہستہ میرے گرد سے بھیڑ چھٹنے لگی۔ میں ان سب سے کٹ کر ایک طرف ہو لیا۔ جہاں سے مجھے پتہ چلا کہ مجھے پانی کی ٹنکیوں کی دیکھ بھال کا بڑا کام بھی مل گیا ہے۔ روزینے کے وقت تمہ سنوار نمبر کی جانب سے ڈیوٹی کے لیے آنکھ کا خوف ستا رہا تھا وہاں شاید جنگ ہوا اپنا کام ختم کر کے واپس جھونپڑی جا رہا تھا۔

اسی وقت گرنٹن پانی کے پاس ایک دھیڑ عمر شخص اپنا کام چھوڑ کر میرے قریب آگیا اور راز دار لہجے میں بولا۔ "بہت خوب گٹی ماسٹر!"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے تجسس جھلک رہا تھا۔ گو جنگ ہوا کے ہاتھوں شکار کا یہ زخم کھانے کے بعد میں کوئی نئی مصیبت مول لینے کے لیے تیار نہ تھا، میں چپ تا ہوں کہ سمجھتا رہا پھر بولا "کیا تم میں کیا کام ملا ہے؟"

"بیٹ پر بیٹھنے کے بغیر اس شیطانی جزیرے سے نکلنا ناممکن ہے ماسٹر!" وہ بجری جزیرہ کو چبا کے لہجے میں بولا۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا گرنٹن۔" میں نے قدرے جھنجھلا کر بولا "کیا تم اس لیے یہاں لائے گئے تھے وہ لوگ تم کو فرار ہونے کا موقع فراہم کرتے رہیں؟"

اس نے اضطراری طور پر میرے بازو پہ ہاتھ رکھ دیا۔ "اس سے ماسٹر ایسا مقصد نہیں کہ شاید دماغ میرا خراب ہو گیا ہے۔"

یہ کہہ کر گرنٹن پانی کے اسی تیزی کے ساتھ وہاں سے جا جیسے اس نے ناحق کیا اور بہت کے ہاتھوں مارا جائے گا۔

وہ تو چلا گیا مگر میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ آخر اس نے کس بنا پر میرا فرار نکالا ہے۔ میں اس نے ڈیوٹی پر بیٹھ کر کے جزیرے سے فرار ہونا چاہتا تھا۔ وہ جس اعتماد کے ساتھ میرے پاس آیا تھا اس کی بنا پر مجھے یقین تھا اور وہ بڑی حد تک میرے عزائم سے آگاہ ہے اور شاید خود بھی فرار کے چکر میں تھا۔

یہ خیال آتے ہی میں گرنٹن کی تلاش میں سرگرداں ہو گیا جن خیالات نے دل کو بہلا رکھا تھا نہیں کیا تھا۔ اس بے رحم سرزمین پر ایک آدھ ہم خیال کا مل جانا نعمت سے کم نہ تھا اور میں نے اس نعمت کو ٹھکرا کر سخت حماقت کا مظاہرہ کیا تھا۔

میرے اصرار کے ہر سے رویے نے یقیناً اسے سہا دیا تھا۔ اگر وہ واقعی فرار کے کسی منصوبے پر کام کر رہا تھا تو راز داری کے پیش نظر کسی بھی وقت مجھ کو ختم کرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔

کافی جستجو کے بعد ایک ٹنکی کے وہ مجھے ایک کٹیا میں نظر آ ہی گیا۔ مگر وہ تنہا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ دو آدمی اور بھی موجود تھے۔ میری آمد کی بھنک پڑتے ہی وہ تینوں چونک کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے چہروں سے ظاہر تھا کہ وہ میرے سامنے ہچکچا رہے ہیں۔

"میں ان کی کیفیت تو سمجھ گیا ان کی پروا کیے بغیر مسکراتا ہوا کہنے لگا کیا بات ہے یار گرنٹن! مجھے اپنی بدکلامی پر افسوس ہے۔ تم لوگ ایسے میرا عذر سمجھ کر بھلا دو۔"

"فراخ دل تو ہمارا بھی دوست کر سکتے ہیں ماسٹر۔" خوشگوار لہجے میں بولا۔

"میں غلط فہمی دور کرنے آیا ہوں۔" میں اپنی بات کہتا گیا۔ "تم لوگ مجھ پر بھی بھروسا کر سکتے ہو۔"

"کیسی غلط فہمی؟" گرنٹن نے نرم لہجے میں پوچھا۔

میں نے باری باری اس کے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ "غلط فہمی کی بات کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے تمہارے بارے میں سوچا ہے۔"

"تم ان کے سامنے کھل کر بات کر سکتے ہو۔" گرنٹن بولا۔

"دراصل مجھے کئی گھنٹے سے تمہارے بارے میں وحشت ہو رہی ہے۔"

"تو شاید یہ وقت ہو گیا ہے؟" میں نے متحیر لہجے میں کہا۔

"تم کسی غلط فہمی کا ذکر کر رہے تھے۔" خوشگوار لہجے میں بولا۔

"ہاں، دراصل اس وقت تم اپنے سامنے سے بھی کہ مجھے بتاؤ، مجھے برداشت ہے۔"

"اور فرار والی بات؟" گرنٹن نے اپنی زبان میں کہا۔

"وہی بات تو مجھے پریشان کرنے کا سبب بنی ہے۔"

گرنٹن چونک کر مجھے بغور دیکھنے لگا۔ "تم نے صحیح سمجھا ماسٹر، یہاں پچھلے دنوں ہم تینوں نے فرار کا فیصلہ کر لیا تھا۔"

"اوہ خدا!" بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔ "تو تمہارا منصوبہ اس حد تک آگے بڑھ چکا ہے!"

"اگر تم درمیان میں نہ آتے تو اس بار ہم نکل گئے ہوتے۔ البتہ تمہاری وجہ سے ہم بہت زیادہ ہو گئے تھے اور سوچتے رہے کہ تمہارا ساتھ کیا ہو سکتا ہے، ہم نے دیکھ لیا تھا۔ ہمیں تو یقین سا ہو چلا تھا کہ تم پکڑے جاؤ گے..."

"پھر کیا ہوا؟"

"وہ ہار گئی۔" میں نے سادہ سے لہجے میں کہا۔ "ان لوگوں نے اسے پکڑ کر جھونپڑیوں کے پاس دیکھ لیا تھا۔ ایک جزیرے پر جو لوگ ہیں ان کا خیال تھا کہ ہم نے بوٹ پر قبضہ کر لیا تھا۔"

"ماسٹر تمہارا دماغ واقعی لاجواب ہے!" گرنٹن پرجوش لہجے میں بولا۔ "فرار کے لیے اس سے بہتر موقع ملنا ناممکن ہے۔ ایک بار بوٹ کا انجن تو بن گیا تو کوئی طاقت ہمیں نہیں روک سکتی۔ اب مجھے یقین ہے کہ ہم جلد ہی اس جزیرے سے فرار ہو سکیں گے۔"

"کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ اس منصوبے سے ہم چاروں کے سوا کوئی اور واقف نہیں ہے؟" میں نے دھیمی آواز میں سوال کیا۔

"ہاں۔" گرنٹن بولا۔ "میں نے پوری احتیاط کے ساتھ تم سے بات کی تھی مگر تمہارے منفی رویے نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ اور میں نے راز داری کی خاطر یہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔"

"ہم سے زیادہ دیر غائب رہنا مناسب نہیں۔" میں نے کہا۔ "شام کو جھونپڑیاں بند ہونے سے پہلے ملیں گے۔ تو پھر بات ہو گی۔"

"ہاں یہ تجویز مناسب ہے۔"

وہاں کا ماحول ایسی حصہ میں نے حاصل کیا جو چند ہوئے گزارے۔ ہمارا کام مصروف تھا مگر ذہن میں فرار کے نئے منصوبے کا خاکہ تیار کر رہا تھا اور اس بار یہ منصوبہ خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس دوران میں دو مرتبہ میرا جانا جزیرے پر ہوتے ہی سامنا ہوا مگر میں نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی تھی اور نہ ہی اس نے مجھ سے الجھنے کی کوشش کی۔

شام کو جب جزیرے پر تاریکی کا گھٹا چھا گیا تو لوگ اپنی مزدوری کی مشقت آمیز دن سے تنگ آ کر اپنا کام ختم کر کے دوسری جانب کی جھونپڑیوں میں گھس گئے۔ مجھے بار بار یہی گرنٹن پانی کے نظر آیا۔ اس وقت وہ کچھ پریشان سا نظر آیا۔ پہلا تو میں نے اس کی طرف بڑھنا چاہا لیکن وہ مجھے دیکھ لینے کے باوجود تیزی سے ایک جانب بڑھتا چلا گیا۔

چند لمحوں میں اس کے رویے میں نمایاں تبدیلی میرے لیے بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ شاید ان تینوں نے اپنے منصوبے پر غور کیا ہے اور اب وہ کسی مجھے ساتھ شامل کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ جھونپڑیوں کے آس پاس میں نے ان تینوں کو بہت تلاش کیا مگر مجھے ان کا سراغ نہ ملا۔ تھک ہار کر میں نے اس گھاٹ کا رخ کیا جہاں لوگ سمندر کی ہوا سے لطف اندوز ہونے آیا کرتے تھے۔ مگر اس بھیڑ میں وہ تینوں موجود نہیں تھے۔

اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی میں جھونپڑیوں کی طرف لوٹ آیا۔ وہاں جھونپڑیوں کی ٹولیاں چھپ کر بیٹھی تھیں جن میں سے کوئی بھی ہم میں سے ایک نہیں تھا۔

اندھیرا پھیلنے کے بعد میں پیشاب کرنے کے لیے میدان کی طرف گیا تو وہیں تیری جانب سے اچانک گرنٹن نکلا۔ شاید وہ میرا انتظار کر رہا تھا۔

"تم مجھ سے ملنے آئے ہو...؟" میں نے کہا ہی چاہا مگر گرنٹن نے خوفزدہ انداز میں میرے ہونٹوں پر ہاتھ رکھنے کی التجا کی اور میرے الفاظ حلق ہی میں دم توڑ گئے۔

"شاید آج تمام دن تمہاری نگرانی کی جا رہی ہے ماسٹر!" گرنٹن نے میرے کان کے قریب سرگوشی کی۔ "اسی وجہ سے ہمیں آج کی ملاقات کا ارادہ ترک کرنا پڑا۔"

"کون لوگ میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں؟" میں نے قدرے تعجب اور خوف سے پوچھا۔

"ان لوگوں نے خاص طور پر تمہاری نگرانی کی ہدایت دی ہے۔" گرنٹن کی آواز میں خوف نمایاں تھا۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈیمی سوزا ہی نے ان کی ریپورٹ کا حکم دیا ہے۔ میں نے بھی اندازہ لگایا تھا کہ وہ تم سے بدلہ لینے کا موقع تلاش کر رہا ہے۔ ہم تینوں کی خواہش ہے کہ اب جلد سے جلد یہاں سے فرار ہو جائیں۔ تمہارے ہاتھوں پٹنے کے بعد وہ ہمیشہ تمہیں اپنا دشمن سمجھتا رہا ہے اور جب تک اسے موقع نہیں ملتا وہ ہمیشہ ماسٹر انتظار کرتا رہے گا۔"

گرنٹن کا ڈیمی سوزا کے بارے میں اس طرح بات کرنا مناسب نہیں تھا اس لئے میں واپس جھونپڑی کی طرف آگیا۔ ڈیمی سوزا میں پہلی بار میری طرف منہ کیے لیٹا ہوا تھا۔ میں نے اس کی موجودگی محسوس کی تھی اور مجھے پورا یقین تھا کہ اس نے محض انتقام کی وجہ سے ڈیمی سوزا کو میرے پیچھے لگایا تھا۔

گو جنگ ہوا میرے رویے سے دھوکا کھا گیا تھا اور اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا کہ اس کا بیج سے جو کسی مرنے والے واقعی پر میرے پاس نہیں تھی مگر ہوا لی اور جو شخص اب تک میرے جانب سے مشکوک تھے۔ انھیں یقین ہو جانے کی علامات نمایاں تھے جن میں یہ واقعی کی تیز خبر مل گی۔ اور ہوں ڈیمی سوزا بھی وقفے وقفے سے پہنچ جائے گا۔ یہ میری خوش قسمتی ہی تھی کہ گرنٹن نے بروقت ڈیمی سوزا کی نگرانی کا سراغ نکالا ہے ورنہ میں باآسانی کسی بھی وقت رنگے ہاتھوں پکڑا جا سکتا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے ڈیمی سوزا؟" میں نے دانستہ وہاں رک کر اسے چھیڑا۔ وہ ایک بیک اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "ماسٹر! اب میرے ساتھ دشمنی تمہاری تم کو پڑے گی۔"

"تم اچھے رویے پر شرمندہ ہوں یار۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "صبح میں کہیں سے چل کر آ رہا تھا۔ سارا غصہ تمہارے سر پر اتر گیا۔"

اس نے دوبارہ سے تعجب لگایا اور بیٹھا ہوا بولا۔ "صبح تو میں بے خبری میں مارا گیا ورنہ اس وقت تم اپنے چہرے سے معذرت کر رہے ہوتے۔"

"میں جواں مردوں کی قدر کرتا ہوں۔" میں نے ٹھیک کر دوستانہ انداز میں اس کا شانہ تھپتھپایا۔ پھر قدرے مسکراتی آواز میں بولا۔ "اس جزیرے پر میرا اچھا دوست بن سکتے ہو۔ مگر تمہیں معلوم ہے؟" وہ یک بیک متعجب نظر آنے لگا۔

"میں چاہتا تھا کہ تمہیں پکڑ کر رکھتا۔ یہ سمجھو کہ تم بہادر جزیرے پر میرا محکوم بنا تھا۔ میرا ہی خواب بھی دیکھتا رہا تھا۔"

"آپ نے کبھی سے شکایت کرنے کی کیوں کوشش نہیں کی؟ میں تمہاری بچپن کی ہی بات پوچھ رہا ہوں۔" اس نے سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔

"مجھے کیا ضرورت تھی؟" میں نے ہوا ہی سے کہا۔ "مجھے معلوم تھا کہ تم مجھ سے ناراض ہو اور شاید بدلہ لینے کے چکر میں ہو اس لیے میں مناسب سمجھا کہ تمہارے پاس چلا آیا۔"

"یہ تم نے بہت اچھا کیا۔" وہ میرا ہاتھ دباتے ہوئے بولا۔ "باقی وعدہ کرو بھلک بھی نہ ہونے دینا کہ تم اپنے تعاقب سے باخبر ہو گئے تھے۔ یہ وعدہ کرو تو ہماری دوستی پکی۔"

"یہ وعدہ رہا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

ڈیمی سوزا نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ مجھ سے ہاتھ ملایا۔

"شاید ان دونوں نے تمہیں میرے پیچھے لگایا تھا؟" میں نے سرسری انداز میں کہا۔

"ان۔ جانی نے حکم دیا تھا کہ تم سے پوشیدہ رہ کر تمہاری نگرانی کروں۔ شاید انہیں معلوم تھا کہ میرا تم سے جھگڑا ہوا تھا اور میں تمہارا دشمن ہو چکا ہوں۔ اگر اس کے پتہ چلنے پر نگرانی کا کام رک جاتا ہے تو مجھ پر ہی شامت آجائے گی۔"

"تم فکر نہ کرو۔" میں نے خوش دلی سے کہا۔ "آپ بھی اپنا کام کرتے رہو اس نے نگرانی کا کوئی مقصد بھی بتایا تھا؟"

"ہاں۔ اس نے بتایا تھا کہ تم نے دوسروں کو دھوکا دینے کے لیے ایک نقلی بندوق بنائی ہے۔ وہ اس کا سراغ حاصل کرنا چاہتا تھا۔"

میں دل ہی دل میں ہنسا۔ یہ وہ لوگ خائف ہونے کے باوجود ایک مرد رائفل کی گمشدگی کا اعلان کرنے کی ہمت نہیں کر پائے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ جزیرے والوں کو میرے مسلح ہونے کی بھنک بھی مل گئی تو جزیرے سے فرار میں دلچسپی رکھنے والوں کی خاصی بڑی تعداد میری جان بچانے کا کام کر جائے گی۔ جب کہ وہ کسی بھی قیمت پر مجھے طاقتور دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔

کھانے سے فارغ ہو کر میں تاش کھیلنے والوں میں جا ملا۔ تاش اس لیے ضروری تھا کہ وہاں کھلاڑی ہر وقت موجود رہتے تھے۔ کھیل پھر بھی جاری تھا۔ وہ لوگ چھوٹے انداز میں کھیلنے کے عادی تھے۔ کھیلتے دن رات کے بعد کی بازی بھی ختم کر کے وہاں سے اٹھ گیا۔

"آج رات کسی وقت آؤں گا۔ ہوشیار رہنا۔" وہ ایک کسی جانب سے نکلا اور میرے کان میں سرگوشی کر کے میرے آگے بڑھ جانے لگا۔

میں اسی وقت اپنی جگہ پہنچ گیا۔ ملاقات کے دوران وہ سب تیزی سے مکمل ہو گئے۔ بے تحاشا ہی کسی ہلکے سے غیر معمولی واقعے کی توقع ہو چلی تھی۔

رات گئے سب جھونپڑیوں میں خوابیدہ سناٹا طاری ہو گیا تو مجھے قدموں کی آواز میں کسی کے دبے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ پل بھر میں چوکنا ہو کر دروازے کی طرف بڑھا۔ تو رنگیلا مجھے اشارے سے باہر بلا رہا تھا۔ میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر چادر اوڑھی اور اس کے ساتھ جھونپڑی سے باہر نکل آیا۔

جھونپڑیوں کے عقب میں جنگل تھا۔ وہیں دو آدمیوں کے درمیان گرش اور رنجیت بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے اور رنگیلا کو دیکھ کر ان کے چہرے کھل اٹھے۔

"ڈمی سونا کہاں ہے؟" گرش نے سرگوشی میں زبان کھولی۔

"اس کا اصل ذخیرہ قریب ہے اس وقت وہ بھی محفوظ ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"خوب!" میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "تم لوگ واقعی بہت سمجھدار اور باخبر ہو۔ اب میں تمہارے منصوبے کی تفصیلات سننا چاہتا ہوں۔"

"ہمارا منصوبہ بہت خطرناک ہے ماسٹر۔" گرش نے قدرے سنجیدگی سے بولا۔ "ہم تو اس جزیرے پر آ کر پچھتا رہے ہیں۔ ہم نے سوچا تھا کہ آسانی سے دولت لے کر نکل جائیں گے۔ ایک ہی رات میں دو آدمیوں کا سامنے آ جانا خطرناک تھا۔ اگر ہم کسی بھی طرح پکڑے جاتے تو سارا معاملہ چوپٹ ہو جاتا۔ یہ حالات دیکھ کر ہم سمجھ گئے کہ ہمارا منصوبہ ناکام ہو گیا ہے۔ ہم اس بات سے بہت متاثر تھے کہ تم نے تنہا ان سے ٹکرا جانے کا فیصلہ کیا تھا اس لیے ہم نے تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے۔"

"مگر تمہارا منصوبہ کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"ہم دونوں مہم کے لیے تیار تھے ایک بار پھر سب کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لیے۔" گرش کہنے لگا۔ "ہم نے ایک بار ان کے ٹرک پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ہم اس پر سوار ہو کر آزادی حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن ہمارا منصوبہ بن نہ سکا۔ جزیرے پر ہمیں بہت سے خطرات کا سامنا ہے۔"

تم کو معلوم ہے کہ ڈاکٹر بیسویں صدی کے ساتھ ساتھ مہم کے ایک خفیہ ادارے کے لیے کام کرتا ہے۔ پیچھے چل کر ہمیں بھی یہی شبہ ہوا تھا، پھر ہم نے بہت غور کیا۔ آخر ان دونوں کو اعتماد میں لے لیا۔ تم پوچھتے ہو کہ ہم کون ہیں، ہمارا مقصد کیا ہے؟

"وہ لوگ صرف ایک خاص مقصد کے لیے آئے ہیں۔ انہیں تمہارے بارے میں پہلے ہی معلوم تھا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"نہیں اس بار ہم جلدی آ نکلیں گے۔" رنجیت بولا۔

"وہ کیوں؟"

"شاید تمہیں معلوم ہو کہ اس جزیرے سے جانے والی کشتی ہر روز آتی ہے۔ یہاں سے سونے کی چیزیں اور مختلف سامان کی کھیپ باہر جاتی ہے۔ ایک دستے کی نگرانی میں بیرونی ممالک کو تیار کیا جاتا ہے۔ چند دنوں میں یہاں ایک بڑا جہاز آنے والا ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ وہ ابھی پہنچنے والا ہی نہیں آئے گی۔"

"اگر ایسا ہے تو ہمیں جلد از جلد قدم اٹھانا ہوگا۔ آج جانے کے بعد بھی رات کو وہ جگہ ہمیں دیکھنا ہے کہ ہم وہاں تک پہنچ کر اس جزیرے پر قبضہ کرلیں۔ اس طرح اپنے کام کا ذخیرہ بھی ہم اپنی تحویل میں لے سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہمارے ایک خفیہ منصوبے کے مطابق ہی ممکن ہو سکے گا۔"

"مگر ماسٹر! وہ دونوں مسلح ہیں۔" اس پر ہاتھ ڈالنا آسان نہیں ہوگا۔

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔" میں نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ ہمیں کسی طرح جنگل کے راستے فرار ہونے کا موقع مل جائے۔ وہاں تو سرکاری پہرے دار بھی رہتے ہیں۔ نگرانی سخت ہو جاتی ہے اور شام کے بعد کوئی شخص باہر نکلے تو سمندر کی تہہ میں بھیج دیا جاتا ہے۔ اصل کام ان لوگوں سے بچنا ہے اور یہ بات ہے جب ہم اس جزیرے پر آ کر پہلے ہفتوں میں کامیاب ہو جائیں۔ چونکہ یہ لوگ ہم کو معزول کر کے یہاں کا حکمران بنا دیا گیا ہے۔"

"اس میں کوئی وقت نہیں۔ تمہاری ساتھیوں کی بھی ضرورت ہے۔ تم بیٹھے رہو اور ہم لوگ تمہارے ساتھ ہیں۔" گرش نے منہ سے کہا اور پوچھا۔ "کس سے کیسے ملو گے؟"

"کل دوپہر کسی طرح ڈمی سونا اگر اس حد تک منتقل کرا دیا جائے تو پھر ہم دیکھیں گے۔ سب کچھ بتا دوں گا۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"کیا تمہاری یہ بات دل کی بات ہے؟" گرش نے پوچھا۔

"کیا میں وہاں تمہیں یہ بھی بتا دوں؟" اس بار میں چونکا۔

"اس بار تم نے ہمارے دل کی بات کہہ دی اور کچھ ہی دیر بعد ایک صندوق کسی خطرناک منصوبے کا حصہ بن جائے گا۔"

"صندوق نہیں وہ اصل رائفل ہے۔" میں نے سرگوشی کی۔ "ایک بار اسے حاصل کر لو، تو ساری طاقت تمہاری ہے۔ اس جزیرے کا تاج تمہارا ہوگا۔"

"اصلی!" ان دونوں کی آنکھیں حیرت سے ابل پڑیں۔ "وہ کہاں ہے؟ پاس ہے؟"

"وہ میں نے کل رات کا تحفہ بنا رکھی تھی۔" میں نے کہا۔

"اسے کہاں چھپا رکھا ہے؟" گرش نے بے تابی سے پوچھا۔

"یہاں کہیں۔ ہر وقت میرے ساتھ رہتی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "جب ضرورت ہوگی وہ سامنے آ جائے گی۔ ابھی کسی کو اس کے بارے میں بتانا مناسب نہیں ہے۔" "تمہارے علاوہ اور کوئی اس ٹھکانے سے واقف ہے؟" گرش نے پوچھا۔

رنجیت نے غور سے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

اس کے چہرے پر کوئی عجیب تاثر پوشیدہ تھا جس نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے چند لمحے خاموشی سے اسے گھور کر دیکھا پھر سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے اپنی خاموشی کو محسوس کرنے دو۔" میں بولا۔ "اس جزیرے پر میرا بھی ایک ٹھکانا ہے۔ وہاں تک پہنچنا آسان نہیں۔ تم اپنا بندوبست کر لو تو وہ رائفل تک پہنچ جائے گا اور جزیرہ آسانی سے ہمارا ہوجائے گا۔"

"اچھا۔ ہم نے تو یہ کچھ سوچا ہی نہیں۔" رنجیت کی آواز ابھری۔ "اگر تم بتا دو ابھی سے تو ہم تیاری شروع کر دیں۔"

"وہ تو وقت آنے پر خود ہی سامنے آ جائے گا۔ فی الحال سب راز ہے۔" میں نے کہا تو وہ بیٹھ گیا۔

"کیا تمہیں ہم پر اعتماد نہیں؟"

"پورا اعتماد ہے۔" میں نے کہا۔ "مگر رائفل کے معاملے میں مجھے مجبور نہ کرو۔ یہ ہمیشہ میرے پاس رہے گی اور وقت آنے پر ہم سب کے کام آئے گی۔"

"تو کیا تم رائفل حاصل کر لو گے؟" گرش نے پوچھا۔

"یقیناً۔" میں نے کہا۔ "اگر مجھے وہاں تک پہنچنے کا موقع مل گیا۔"

"تو اس وقت رائفل کون نکال لے جائے گا؟" رنجیت نے کہا۔ "ڈمی سونا تو ابھی جزیرے پر ہی ہے اور سب محفوظ ہے۔"

"رائفل کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو۔ باقی سارے کام ہم مشورے سے کریں گے۔"

"ماسٹر! تمہارا لہجہ ابھی سے حکم دینے جیسا ہے۔" گرش نے کہا۔ "ہم تمہارے ماتحت نہیں۔ آخر ہمارا بھی کوئی مقام ہے۔"

"نہیں غلط فہمی ہوئی ہے گرش۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "اگر اب بھی تمہیں اعتماد نہیں تو تم اپنا راستہ اختیار کر سکتے ہو۔ ایسے کاموں میں صبر و تحمل بہت ضروری ہوتا ہے۔"

"ہم اس انتظار میں تھے کہ ماسٹر جیسا شخص ہمارا ساتھی بنے۔ ماسٹر! تمہارے انتخاب کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ مشکل یہ ہے کہ کل تم ڈمی سونا کو ہٹانے کی پوری کوشش کرو گے۔ اب جلدی سو جانا اچھا ہے۔"

اس کے بعد ہم کچھ دیر رک کر جھونپڑیوں کی طرف واپس ہو لیے۔

اس رات میں پل بھر کے لیے بھی نہ سو سکا۔ مجھے شبہ ہو گیا تھا کہ گرش کے ساتھیوں نے رائفل کا سراغ لگانے کے لیے میری راہ پکڑ لی ہے۔ یہ بڑا پیچیدہ کام تھا۔ رات کے آخری پہر تک میں جاگتا رہا۔ پھر کسی وقت آنکھ لگ گئی۔ صبح جب اٹھا تو میں نے جان لیا تھا کہ جزیرے پر کسی بڑی واردات کی تیاری ہو رہی ہے۔ رائفل والا معاملہ مجھے اپنے ساتھیوں سے بھی پوشیدہ رکھنا تھا۔ ایک دن وہ وقت آئے گا جب رائفل ان کے ہاتھ لگے گی اور جزیرہ ایک آزاد سرزمین بن جائے گا۔ میری کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ یہ سوچ کر میں جب تک رائفل ہاتھ میں نہ آ جائے اسے چھپائے رکھوں گا۔

اگلی صبح سب لوگ کام پر نکل گئے تو میں گرش والے جھونپڑے میں جا گھسا جس میں ان کے سامان کی تلاشی لی۔ دشمن والے صندوق کو کالا بھی کھول کر دیکھا۔ مگر وہاں کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جو میرے شبہات کو تقویت پہنچاتی۔ میں دوبارہ تالا بند کر کے اپنے کام پر روانہ ہو گیا۔

دن چڑھے خبر ملی کہ ڈمی سونا کے سر پر کسی نے خنجر سے شدید ضرب لگا کر اسے بے ہوش کر دیا ہے۔ اسے فوری طور پر اس کے جھونپڑے میں پہنچا دیا گیا جہاں وہ بے ہوش پڑا تھا۔

ڈمی سونا کے زخمی ہونے کی اطلاع مجھے دوسروں کی زبانی ملی۔ گرش اور رنجیت یا رنگیلا کا کہیں پتا نہیں تھا۔

اس پیچیدہ صورت حال میں بے چین ہو کر میں وہاں سے چل پڑا۔ آخر میں ان تینوں کی تلاش میں وہاں سے نکل گیا۔ خاصی تگ و دو کے بعد بالآخر ریچھوں کے پیچھے ایک ویران جگہ پر مجھے رنگیلا نظر آیا۔ وہ دوسری طرف پشت کیے کسی کام میں مصروف تھا۔ پھر اس نے ایک شخص کو زمین سے اٹھا کر کچھ گھسیٹ لیا۔ اسی وقت میں نے اسے آواز دی اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔

جوں ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی، اس نے ہاتھ میں دبی ہوئی چیز چھپانے کی کوشش کی۔ لیکن اس کے پیچھے پتلون کی بیلٹ میں اڑس کر چھپائی گئی رائفل پر میری نظر پڑ چکی تھی۔ اور بیلٹ پہچان چکی تھی۔

میں اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے اس کے قریب پہنچا تو زمین پر جنگل کے پتوں میں لپٹے ہوئے جھلسے ہوئے کچھ کپڑے ہوئے تھے۔ بڑی ترتیب سے بکھرے پڑے ہوئے تھے۔

"ادھر کیسے آ نکلے ماسٹر؟" رنگیلا نے مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے خوشی چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے سوال کیا۔

"تمہاری ہی تلاش تھی۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "ڈمی سونا! کس نے زخمی کیا ہے؟"

"یہ گرش کی کارستانی ہے۔ اس نے اسی لیے یہ کام اپنے ذمے لیا تھا۔ اس کا مقابلہ بہت ضروری ہو گیا ہے۔"

"چلو تم میرے ساتھ آؤ۔"

"کہاں؟"

"رائفل لینے۔" میں نے سرگوشی میں کہا اور وہ فوراً میرے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گیا۔

تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ جنگل میں انسانی آوازوں کو بہت دور چھوڑ آئے۔ اب جنگل کی ویرانی میں پرندوں کی آوازیں ہی سنائی دے رہی تھیں۔

"کدھر جا رہے ہیں ماسٹر؟" کچھ دیر بعد رنگیلا اپنی بے چینی چھپا نہ سکا۔

"جزیرے کے شمالی ساحل کی چٹانوں میں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"اوہ! وہ تو جزیرے کا وہ علاقہ ہے جہاں ہر قسم کے خطرات ہیں۔ وہاں سے تو ہماری آوازیں بھی سنی جا سکیں گی۔"

"کیا کوئی ایسی جگہ ہے جہاں سے کوئی ہم تک پہنچ سکے؟"

"ایسی باتیں کیوں کر رہے ہو ماسٹر؟" وہ بھونڈے انداز میں ہنسا۔

لفظ بلفظ اس کے ذہن سے محو ہو کر بہت پیچھے چھوٹ رہے تھے۔ وہ
بار بار اپنے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔
"پیاس لگ رہی ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔
"ہاں۔ گلا خشک ہو رہا ہے۔"
"شراب کے دو گھونٹ لے لو۔" اس بار میرا لہجہ سرد اور سفاک تھا۔
"شراب؟" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "شراب یہاں کہاں ماسٹر؟"
میں نے بغل کی [illegible] سے اس کی بوتل کی [illegible] میں [illegible]
باہر کی جو نکال لی۔ "یہ تمہارے لیے ہے۔"
"لاؤ..." اس نے اضطراری انداز میں ہاتھ بڑھا دیا۔ [illegible]
[illegible]
"تمہارے پاس ولایتی شراب کہاں سے آئی؟" میں نے بے پروائی سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سرد لہجے میں سوال کیا۔
[illegible] وہ [illegible] کھاتے ہوئے بولا۔
میرا ابھرا ہوا غصہ اس کے [illegible] اور وہ [illegible] مجھے اچانک گیا۔ میں اس کے سنبھلنے سے پہلے اس کے سر پر پہنچ گیا تھا۔ جوگی جانی نے تمہیں [illegible] کے عوض یہ دی تھی؟"
"نن... نہیں۔" وہ میری توقع سے زیادہ جلدی سنبھلا تھا۔
"کیوں؟ میں یہ تھوڑا اس کے [illegible] میں تم جوگی جانی [illegible] کر رہے تھے اور [illegible] پتا چلا [illegible] فرار کا منصوبہ لے کر میرے پاس آئے تھے۔"
"یہ غلط ہے۔" وہ اپنا سینہ بائیں بازو سے دباتے ہوئے بولا۔ "جانی نے مجھے [illegible] میں رکھا تھا۔ اس نے [illegible] کی [illegible] تھی۔"
میں نے [illegible] لگایا۔ "تم غلط آدمی سے ٹکرا گئے ہو۔ بوتل کا [illegible] نہیں ہوں۔"
"ہم... [illegible] رات سے ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ [illegible] ہم تمہیں [illegible] سے نکال کر لے جانا چاہتے تھے [illegible] اپنا ارادہ بدل دیا ہے... تم یقین کرو ماسٹر! ہم اس تجربے سے اکتا گئے ہیں۔ میری زندگی اب [illegible] میرا انتظار کر رہی ہو گی۔ اگر میں جلدی واپس نہ گیا تو میری بیوی جوان بیٹیاں غلط راستوں پر چلی جائیں گی۔ اب ہم یہ تجربہ کرنا ہے [illegible]"
میں نے بدستور [illegible] شراب اپنے حلق میں انڈیل لی اور [illegible] میں بیٹھے ہوئے شکلا پر [illegible]
شکلا کے حلق سے ایک کربناک چیخ نکلی اور اس کا چہرہ زخم سے جیسے [illegible] سرخی میں ڈوب گیا۔
میں نے جھک کر اپنے [illegible] قوت سے اس کا [illegible] دیا۔ اس کا [illegible] پوری قوت سے اچھلا اور [illegible] نے [illegible] کے لیے [illegible] ختم [illegible] اپنا [illegible] ہاتھ میرے حلق میں [illegible] میرا [illegible] سے

اپنا رشتہ توڑ چکا تھا۔
میں اس کی لاش کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے [illegible]
کھڑا ہوئے سمندر کی سرکش موجوں کے سپرد کر دیا۔ پانی [illegible]
[illegible] مچھلیاں [illegible] ہر سمت سے اور جب [illegible]
سمندر کی طرف [illegible] مچھلیوں کا ایک ہجوم [illegible]
گیا۔ [illegible] کے ساتھ وہاں [illegible] اپنے ہاتھ [illegible]
کھیتوں کی [illegible] حالات [illegible]
[illegible] خصوصی [illegible]
شام کو کام ختم ہونے کے بعد [illegible] سے سامنا [illegible]
سے [illegible] کھانا [illegible] اس نے [illegible]
چھٹی کے وقت [illegible]
نے خلاف معمول گرمجوشی سے ان کا استقبال کیا۔
"ماسٹر شکلا [illegible] اس بجرے سے [illegible]
کان میں سرگوشی کی۔
میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو اس کے [illegible]
گرمش [illegible] تھا۔ میں نے [illegible] رخصت کر دی۔
جب دوسرے [illegible] ہم تینوں سے آگے نکل گئے تو [illegible]
"کیا پوچھو۔"
"تم ہی پوچھو۔" انگرش نے دھیمی آواز میں کہا۔
چند لمحوں [illegible] کی [illegible]
نے کھنکار کر آہستہ سے کہا۔ "شکلا کا کچھ پتا ہے ماسٹر؟"
"[illegible] اس [illegible] خیال ہے کہیں [illegible]
نہیں [illegible] کیا۔
"دوپہر سے اس کا کہیں پتا نہیں ہے۔" انگرش [illegible]
"تو اس کا مجھ سے کیا تعلق ہے؟" میں نے [illegible] پوچھا۔
"کھانے کے وقفے میں اسے تمہارے ساتھ [illegible]
دیکھا گیا تھا۔" اس نے [illegible] لہجے میں کہا۔
"مجھے [illegible] کرنے والے اس طرح غائب ہو جاتے [illegible]
صاحب! [illegible] پتا نہیں [illegible]
"ماسٹر... [illegible] ہم سے غلطی ہو [illegible]
کرنا چاہیے تھی۔ جب تک ہمیں [illegible] کا علم نہیں ہوا [illegible]
کام کر رہے تھے کہ اب تمہارے ساتھ ہیں۔"
"میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں۔" میں نے [illegible]
"ماسٹر! [illegible] ایک بار ہمیں معاف کر دو۔ [illegible]
"تمہیں [illegible] سچ [illegible] کے [illegible]
"جانی [illegible] ایسے [illegible] تو [illegible]
حقارت سے [illegible] شکلا کی لاش [illegible] مچھلیوں [illegible]

اس انجام سے دوچار ہونے والے ہو" جیب جوزل گھنوں
[illegible] بنا دیا ہے۔ اس انجام
[illegible] نہیں کرتا۔"
[illegible] کر اس بار تم غلطی پر ہو۔ تم جس طرح چاہو گے [illegible]
[illegible] ہی بولا۔
[illegible] بہت جانثار [illegible] اور جو بھی دور میں نے شکلا کو [illegible]
میں نے [illegible]
[illegible] بہت اس تجربے پر [illegible] کے [illegible]
جانی نے [illegible] شراب [illegible] کا [illegible] اور [illegible]
[illegible] کو کہ تم نے جینا سیکھ لیا ہے۔ [illegible]
[illegible] کھو [illegible] ہیں۔" رنجیت نے کہا۔
[illegible] خاموشی [illegible] اس خوف سے تمہیں [illegible]
[illegible] سے رپورٹ طلب کر لی گئی تو تم انہیں کیسے مطمئن کرو گے؟
[illegible] انہیں [illegible] ملاقات سے با خبر [illegible] جائے
[illegible] تھیں۔ آج رات [illegible] ہی [illegible] ہے۔
[illegible] کیا جائے گا۔" اس مرتبہ گرمش نے [illegible]
[illegible]
[illegible] کا کیا ماجرا ہے؟"
انہیں اسے جانی اور جوگی نے براہ راست تمہارے پیچھے لگایا [illegible]
[illegible] نہیں تھا۔ اس نے [illegible] اتفاق میں [illegible] دیا تھا۔
اس وقت تک تمہیں [illegible] کی اصلیت کا علم نہیں تھا پھر تم نے کس [illegible]
تمہیں [illegible] کے عزائم سے آگاہ کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔
"انہیں [illegible] اپنے [illegible] گئے کہ تم جزیرے پر [illegible]
[illegible] حاصل کر سکیں۔ ہم [illegible] کی طرف سے ہوشیار [illegible]
[illegible] ہو گئے پھر اس طرح ہم تمہارے قریب بھی آ گئے تھے۔
[illegible] کوئی مطلب نہیں تھا۔"
"اب صرف ایک ہی صورت ہے کہ تم پر میں بھروسا کر سکتا ہوں۔" میں [illegible]
[illegible]
[illegible] منظور ہے۔" انگرش جلدی سے بولا۔
[illegible] آسان نہیں ہے۔" میں نے ان کے چہروں کا جائزہ لیتے [illegible]
[illegible] رات جوگی یا جانی کو ٹھکانے لگانا ہو گا۔ دوسرے [illegible]
[illegible]
[illegible] دونوں کے چہرے لٹک گئے۔ "یہ تو واقعی بہت لمبا کام [illegible]
[illegible] نہیں۔" میں نے کہا۔ "یہ میرا وعدہ ہے کہ تم [illegible] بہت قریب رہ کر تم دونوں کی حفاظت [illegible]
[illegible] بحث کرنے لگے۔ تھوڑی دیر [illegible] انہیں [illegible]
[illegible] اس معاملے میں انگرش زیادہ پرجوش تھا۔

"تم [illegible] سے ان دونوں میں سے ایک کو بھی وہیل کی طرف
[illegible] بہترین بات یہ ہو گا کہ تم نے [illegible] کا ٹھکانا تلاش کر لیا ہے۔ وہ [illegible]
[illegible] ہی [illegible] کر لینا۔ اگر اس نے [illegible] کی کوشش کی
تو میں [illegible] سے اس کا کام تمام کر دوں گا ورنہ یہ کام تم دونوں کو کرنا
ہو گا۔" انہیں آمادہ پا کر میں نے تجویز پیش کی۔
"ٹھیک ہے۔ تو آج ہی رات یہ کام کرنا ہے۔" رنجیت نے
سوال کیا۔
"ہاں۔ بلکہ خیال ہے دوسرے کو [illegible] بھی نہ ملنے پائے۔ اگر وہ
دونوں آ گئے تو پھر کچھ نہیں ہو سکے گا۔ تم دونوں خطرے میں پڑ جاؤ گے۔"
"ہمیں اندازہ ہے۔" گرمش [illegible] سر ہلا دیا۔
"[illegible] اب رات کو ملاقات ہو گی۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور
ان دونوں سے الگ ہو گیا۔
اس روز میرے [illegible] تھا [illegible]
لیے سب سے پہلا کام یہ تھا کہ [illegible] داخل کروں اس کے
بعد میرا کام نسبتاً آسان تھا۔
سورج غروب ہونے تک [illegible] سے [illegible]
اور جب [illegible] کا تو میں احتیاط کے ساتھ [illegible]
میری [illegible] گرمش [illegible] رنجیت [illegible]
[illegible] احتیاط کے ساتھ [illegible]
[illegible] جہاں میں نے [illegible] تھوڑی [illegible]
[illegible] انگلیوں سے [illegible]
"تھوڑی دیر بعد [illegible] میں نے [illegible]
[illegible] واپس پلٹ دیا۔
وہ چاند کا آخری رات تھی۔ [illegible] جنگل
[illegible] آوازوں سے گونج رہا تھا۔ میں [illegible]
[illegible] احتیاط سے آگے بڑھ [illegible] مقامات پر احتیاط [illegible]
[illegible] کے عقب
سے [illegible] جانے کے [illegible] کی
طرح [illegible] کے بعد میں [illegible]
[illegible] کامیاب ہو گیا۔
سب سے پہلے میں نے [illegible] کا جائزہ لیا [illegible] میرے علاوہ
کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر میں ایک محفوظ مقام
پر بیٹھ گیا۔
[illegible] وقت [illegible] نصف شب کے قریب مجھے [illegible]
آنے والے راستے [illegible] قریب آ [illegible]
تھوڑی دیر [illegible] انسانی [illegible] باتیں کرتے [illegible] قریب آ گئے کہ [illegible]
کی گفتگو کا ایک ایک لفظ آسانی سے سن سکتا تھا۔

نہیں کہیں کہیں بے وجہ چمک رہی تھی۔" اچانک گریشی کی دل دوز اور دردناک چیخ
کھلے میدان میں ایک ایسے مقام پر رک گئے جو [illegible] کی طرح [illegible] رہی تھی۔
ان میں سے ایک سیاہ زمین کا جائزہ .... لینے جیسے ہی جھکا، باقی
دو بھوکے بھیڑیوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑے۔ جوشی کی دل دوز چیخ تک
[illegible] سے [illegible] تھا۔ مگر اس کو ساتھیوں کی قوت سے دبا لیا گیا ہے۔
پھر ایک ساتھی کے ہاتھوں میں دانتی نظر آئی۔ اگلے ہی لمحے اس کا گلا دبوچ کر
قوت اور گھٹی گھٹی آواز کے ساتھ جس کے سر پر پڑا۔ اس بار شاید جوشی کی پوری
قوت سے [illegible] اس کی چیخ نکل [illegible]
میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

دانتی والے کا ہاتھ ایک بار پھر گردش میں آیا۔ گنڈاسے کی آواز خاصی بلند
تھی مگر اس بار کوئی انسانی چیخ نہ ابھری۔

دو ساتھی کلھوڑے [illegible] درست کرنے لگے۔ تیسرا زمین پر [illegible]
حرکت پڑا ہوا تھا شاید اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

میں بے سدھ اپنی جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ پھر گریشی کی اونچی آواز فضا میں گونجی۔
"ماسٹر! ہم تیار ہو چکے ہیں۔ تم کہاں ہو؟"

"رنجیت! [illegible]" میں نے دھیمی آواز میں [illegible]
[illegible] دانتی والے نے [illegible] میرے حکم کی تعمیل کی اور اپنی کمین گاہ سے نکل آیا۔
جوشی کی لاش بہت بھیانک نظر آ رہی تھی۔ میرے پاس اس کا جائزہ
لینے کے لئے زیادہ وقت نہیں تھا۔ میں نے اس کی جیبوں کی تلاشی لی تو [illegible]
دو ہریکا ایک ہولناک پستول نکلا جس کا چیمبر بھرا ہوا تھا۔ وہ جانا پہچانا [illegible]
جانی پہچانی تھیں۔ ان میں سے ایک اسلحے کے جس [illegible] اور دوسری [illegible]
کے نام کی تھی۔ پھر میں اور جوشی تصویر میں تھی [illegible] جوشی نے رنجیت کو
دے دی۔

"واپس کہاں سے لائے؟" میں نے گریشی کے شانے پر ہاتھ مارتے
ہوئے کہا۔

"میں کا منظر کے تعاقب میں [illegible] ہاتھ تھا۔ ہم نے اسے وہیں پایا
گمشدہ قفل کا نام آتے ہی وہاں سے نکل آیا۔" گریشی نے بتایا۔

"ماسٹر! اب تو شاید ہم نے تمہارا اعتماد جیت لیا ہے؟" رنجیت نے ہنستے
ہوئے کہا۔

"ہاں! اب ہم [illegible] کام کر سکیں گے۔" میں نے کہا۔

جوشی کی لاش وہیں زمین میں دبا دی گئی۔ اس کی قبر کھودنے میں [illegible]
نے خاصا کام ملا لیا۔ اس سے فارغ ہو کر ہم تینوں کاٹیج کی طرف چل دیئے۔
کاٹیج پر گہرا سناٹا محیط تھا۔ جانی اندر سے دروازہ مقفل کر کے سو رہا ہوا
تھا۔ ہم نے کوئی آہٹ پیدا کئے بغیر کاٹیج کا طواف کیا مگر اندر گھسنے کا کوئی راستہ
نظر نہیں آیا۔

میرے لئے بامیک کر جانی کے بیدار ہونے کا انتظار کرنا بہت مشکل
تھا۔ میں سارے کا سارا [illegible] کے آدھے میں [illegible] حل کرنا چاہتا تھا تاکہ کاٹیج کے

اچانک مجھے [illegible] کے ساتھ ہی [illegible]
اسی سوچ بچار میں مجھے کاٹیج کا وہ [illegible]
کے لئے بنا ہوا تھا۔ [illegible] درخت کی جھڑی [illegible]
کاٹیج کی چھت پر کودنے میں کامیاب [illegible]
ثابت ہوا۔ زینے کے اختتام پر بنا ہوا [illegible]
تھا۔ میں نے ایک جھری میں سے ہاتھ ڈال کر [illegible]
ہوا جانی کی خوابگاہ میں داخل ہو گیا۔

جزیرے پر گرمی کے باعث وہ صرف [illegible]
کی چٹان زدہ روشنی میں وہ کسی بے جان [illegible]
پہلے تو میں نے سوچا اسے بستر [illegible]
وہ بستر میرے یا میرے ساتھیوں کے کس کام آتا؟ [illegible]
سے بستر کا ایک سرے کا اسے وہ [illegible] کر دیا [illegible]
اس کی پسلیوں میں مارا۔

وہ سو تے سوتے [illegible]
کے بستر پر بیٹھے گریشی نے اسے بالوں سے پکڑ کر [illegible] کھینچ لیا۔
وہ بے تحاشا کراہیں [illegible] نرمی کی لاش کی طرح [illegible]
میں نے اسے ذرا بھی مہلت نہیں دی۔ براہ راست اس کے [illegible]
پسلیوں کا تشدد [illegible] ہولناک دھماکے کے ساتھ [illegible]
سے نکل گئی۔

جانی کا جسم صرف چند لمحوں کے لئے فضا میں اچھلا [illegible]
فرش پر اس کے سینے سے ہونے والے خون سے رنگین ہو چکا تھا۔
میں نے دروازہ کھولا تو گریشی اور رنجیت بھوکوں کی طرح [illegible]
"ہم عظیم ہیں ماسٹر! تم واقعی عظیم ہو۔ ہم زندگی بھر تمہارے غلام [illegible]
"اگر کچھ پستوں [illegible] چلا ہوتا [illegible]
ہو گئے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور وہ دونوں بے [illegible] ہو گئے۔
کاٹیج میں [illegible] شراب کی بوتلوں سے بھری پڑی [illegible]
طرح اس کی طرف بڑھے [illegible]
[illegible] اس لاش کو [illegible]
"پہلے یہ لاش باہر ڈال کر فرش صاف کر [illegible]
میں نے کہا۔

"آج کی رات [illegible]
ہاتھ بڑھایا [illegible]
[illegible] رنجیت [illegible]
لاش باہر پھینکنے کے بعد دونوں [illegible]
گوشت کے [illegible]
کاٹیج کا دروازہ بند کر کے [illegible]
تھی وہ [illegible]

ہو گئی تھی۔ وہ دونوں اپنی اپنی آرزوؤں میں بازی جیت چکے تھے۔
[illegible] کی آنکھ کھلی تو میں کاٹیج کا دروازہ باہر سے مقفل کر کے کھیتوں
[illegible] ساحل پر چلا گیا۔ [illegible]
[illegible] کہ ان [illegible]
[illegible] وہاں موجود تھی [illegible]
"تم میرے ساتھ [illegible]" ایک لمحہ [illegible] اس جزیرے کا مالک [illegible]
[illegible] مسعود ہو۔

جزیرے پر [illegible] ساحل کی طرف [illegible]
[illegible]
"ہیلو پیٹر! وہ بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔
"پیٹر! ہماری کشتی سے باخبر ہو۔ [illegible]
[illegible] جلدی کرو [illegible]
[illegible] کے حکم کی تعمیل کرو۔" وہ سر جھکا کر [illegible]

[illegible] اور ساحل پر فرق [illegible] میں نے سخت لہجے
[illegible]
[illegible] جزیرے کو گشت لگانا [illegible]
[illegible] جب [illegible] تھے۔
[illegible] اس بار گریشی نے زبان کھولی تھی۔

"یار!"
[illegible] کوئی بے اعتماد جیتوں کی [illegible] اگر تم اجازت
[illegible] طرح [illegible] میں چلے جائیں۔" اس نے کہا۔
[illegible]
[illegible] پستول کے خیالات [illegible]

[illegible] میں نے کہا۔ [illegible] کی صورت میں تم
[illegible]
"تم [illegible]" گریشی نے کہا۔
"میں نے [illegible] کہا۔ تم دیکھ چکے ہو [illegible] ایک
[illegible] ساحل سے وہ [illegible] اپنے ساتھ
[illegible]
[illegible]
"[illegible]" میں نے جواب دیا۔ [illegible]
[illegible]
[illegible] اور وہ [illegible]

کے ساتھ بے حد بڑھ کر درست ہو گئے البتہ ہم نے [illegible] تینوں دروازوں کا
کاٹیج میں ساتھ ہی کھانا کریں گے تاکہ روزانہ [illegible] پر تبادلہ خیال ہو سکے اور
ساتھ ہی وہ دونوں اعلیٰ قسم کی شراب [illegible] سے بھی لطف اندوز ہو سکیں۔
اس کے بعد جزیرے پر [illegible] سکون سے وقت گزرنے لگا۔ ان دونوں
میں گریشی اور رنجیت میرے ساتھ [illegible] بے تکلف ہو گئے۔

جزیرے کے افق پر [illegible] کے ساتھ [illegible] موٹر بوٹ کے انجن کی گھوں گھوں
آواز سن کر بے اختیار میرے حلق میں آ گیا۔

اس وقت وہ پہاڑ [illegible] اور میں کاٹیج میں اکیلا تھا۔ میں نے باہر
آ کر [illegible] گھاٹ سے جوان لیا تو بوٹ [illegible] سے جزیرے میں داخل ہو رہی تھی۔ دن کا اجالا
ہونے کے باعث روشنیوں کے اشارے [illegible] ضروری تھے۔

[illegible] کھڑکی [illegible] سے واپس ہو لیا۔ اسی وقت گریشی اور رنجیت کی دوبارہ
موجودگی بہت ضروری تھی۔ اور وہ دونوں جانے کہاں مصروف ہو رہے تھے۔

[illegible] قدم چلا تھا کہ سامنے سے وہ دونوں آتے ہوئے نظر آئے۔
شاید انہوں نے بھی موٹر بوٹ کی آواز سن لی تھی۔

ہم نے جلدی [illegible] کے ساتھ [illegible] سنبھالیں۔ [illegible]
[illegible] نے [illegible] ساتھ لے لیا اور بوٹ کی آمد سے
پہلے ہی ہم نے گھاٹ کو [illegible] لیا۔

کچھ دیر بعد بوٹ [illegible] گھاٹ سے آ لگی۔ بوٹ سے [illegible] کا ایک [illegible]
[illegible] ایک [illegible] آ گیا۔ اس نے وہ [illegible] سے
[illegible] بوٹ کا انجن بند کر دیا۔

"[illegible] جانی [illegible] کدھر ہے؟" بوٹ سے کسی نے چیخ کر کہا۔ وہ
آواز [illegible] بوٹ کے کپتان [illegible] کی تھی۔

سب سے پہلے گھاٹ پر اترنے والا [illegible] کاٹیج کی طرف چل دیا اور
بوٹ کا [illegible] بھی باہر آ گیا۔

[illegible] حیثیت میں جب وہ [illegible] کی طرف بڑھ رہے تھے تو ہم
[illegible] نے اچانک خود کو ظاہر کر دیا۔

"[illegible]!" [illegible] پستول سے ہوائی فائر کرتے ہوئے غرایا۔
ان میں سے کچھ نے [illegible] طور پر ہاتھ اٹھا دیئے۔ سانولا [illegible] سے جیسے
[illegible] ہی [illegible] اس کا ہاتھ [illegible] جیب [illegible] گیا تھا۔
[illegible] وقت دو فائر ہوئے۔ گریشی کی رائفل کے ایک فائر نے دونوں کو
[illegible] پستول سے نکلی ہوئی گولی نے ساحل [illegible]
[illegible]

"[illegible]" اچانک [illegible] انگلیوں پر
سوال ہے؟"

[illegible] ہم ان کو یہیں [illegible] کے
[illegible] سامنے [illegible]
[illegible] کی اور تیزی کے ساتھ وہاں سے واپس ہو لیا۔

میں درختوں کی اوٹ سے نکل ہی رہا تھا کہ اچانک سامنے سے فائر ہوا۔ گولی سیدھی داہنے شانے سے چھو کر نکل گئی اور میں وہیں جھاڑیوں میں ڈھیر ہو گیا۔

کوئی تین گز کے فاصلے پر جو آدمی ملاح تھا اُس کا بھاری جسم جھاڑیوں میں پڑا ہوا تھا۔ ایک درخت کے تنے کی اوٹ میں کھڑا ہوا تھا جس سے اس نے مجھ پر فائر کیا تھا۔ شاید گھاٹ کی طرف جاتے ہوئے اس نے مجھے دیکھ لیا تھا اور وہ فائر کرنے کے لیے ہی چھپ گیا تھا۔ واضح کر رہی تھی۔

میں جہاں تھا وہاں سے رینگ کر ایک اور درخت کی اوٹ تک پہنچا جو اس کے بائیں جانب تھا۔ مجھے ذرا بھی مہلت دیے بغیر وہ پھر فائر کر بیٹھا۔ اس کا نشانہ اس بار بھی خطا ہوا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ زیادہ دور نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر میں اس کے قریب پہنچ جاؤں تو اسے بے بس کر سکتا ہوں۔ میرا ہاتھ ریوالور کی طرف گیا مگر اسی وقت ایک ایک لمحہ بیش قیمت تھا۔ میں نے جھاڑیوں میں دبک کر اس کی آہٹ لینے کی کوشش کی اور پھر اس پر چھلانگ لگا دی۔

ہم دونوں ایک ساتھ ہی زمین پر گرے اور ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔ اس کا ریوالور ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔ میں نے اسے نیچے دبوچ کر اس کی گردن پر گرفت مضبوط کر دی۔ وہ بری طرح ہاتھ پیر مار رہا تھا اور آزاد ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی داہنی آنکھ سے خون بہہ رہا تھا۔

میں نے تعجب سے اس کا جائزہ لیا۔ وہ بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا اور اس کی زبان باہر نکل آئی تھی۔

میں اسے وہیں چھوڑ کر واپس گھاٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں گرینش اور رنجیت ان چاروں کو گھیرے کھڑے تھے۔ وہ زخمی ہو چکے تھے اور ان میں سے ایک کا بازو ٹوٹ چکا تھا۔

"ان چاروں کی تلاشی لو" میں نے رنجیت کے ہاتھوں سے رائفل لیتے ہوئے اسے حکم دیا۔

"ماسٹر یہ غدار ہیں۔ انہیں عقل سکھانی ہو گی۔" مائیکل نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔ "استاد کے ہاتھوں انہیں سبق ملنا چاہیے۔"

"شاباش ماسٹر!" میں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"یہ چاروں بڑے خطرناک ہیں۔ ان کے ہتھیار چھین لینے کے بعد رنجیت نے جیبوں سے نکالا اور ان کے ہاتھ پیچھے باندھ دیے۔"

"انہیں کشتی میں ڈال دو" میں نے کہا۔ "ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا یہ بعد میں طے ہو گا۔" گرینش کو بڑا افسوس تھا۔

"انہیں ان چاروں کے خون کا حساب دینا ہو گا ماسٹر!" مائیکل نے کہا۔ "تم نے دیکھا نہیں یہ ہمیں کس طرح کاٹ ڈالنا چاہتے تھے۔"

- بکواس بند کرو مائیکل! میں نے تحمل کی انتہا کو پہنچتے ہوئے کہا۔ "یہ یاد رکھو کہ میں تمہارے بغیر بھی بوٹ چلا سکتا ہوں۔"

میری یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ وہ خاموش ہو گیا۔ انجن اسٹارٹ کرنا بھی دشوار تھا مگر ان الفاظ کا اثر ہوا۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔

گرینش اور رنجیت کی واپسی تک ہم ان چاروں کو بوٹ پر لے آئے تھے۔ مائیکل قدرے مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ حالت قابلِ رحم تھی۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ خشک ہونٹوں پر زبانیں پھیر رہے تھے اور آنکھیں ایسی تھیں جیسے وہ کسی بھی لمحے دھاڑیں مار کر رونا شروع کر دیں گے۔

- اب چاروں کے پیر بھی باندھ دو۔ ان دونوں نے رنجیت سے کہا۔ اس نے پھرتی کے ساتھ حکم کی تعمیل کی۔ انہیں اندر والی کوٹھری میں چھوڑ کر ہم باہر نکل آئے۔

- ماسٹر وکٹر! آپ نے وقتی طور پر ان کی جان بخشی کر دی ہے لیکن مجھے یقین نہیں آ رہا۔ باہر آتے ہی گرینش بولا۔

- مجھے تو یہ سب ایک عجیب خواب لگ رہا ہے۔ میں بولا۔ "مجھے صرف ایک قتل کرنا تھا مگر یہاں تو ہمیں اتنا سب کچھ کرنا پڑ گیا اور اب معلوم نہیں ابھی کیا کیا ہونا ہے۔"

- مسٹر گرینش! میں نے اس کے قریب جا کر کہا۔ "ابھی تو یہ بدمعاش ہے۔ میں اسے مار دینا چاہتا ہوں لیکن تم بھی مجھے بتاؤ کیا میرے احکام پر عمل کرتا رہے گا؟"

- مگر میں تو ابھی بھی استقامت نہیں کر سکتا ماسٹر!

- یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ بس میری بات میں ہاں ملاتے رہنا۔

- ابھی تک تو یہی کرتا آیا ہوں۔ وہ دبے دبے انداز میں بولا۔ میں کچھ دیر ان دونوں سے باتیں کرتا رہا۔ پھر بیٹھا رہا۔

داخل ہو گیا۔ وہ چاروں بدستور فرش پر پڑے ہوئے تھے۔

- ماسٹر! ہم چلتے ہیں۔ مائیکل نے تلخ لہجے میں کہا۔

- پانی چاہیے یا شراب؟ میں نے جانتے ہوئے پوچھا۔

- اتنی خونریزی دیکھنے کے بعد تو شراب ہی ضروری ہے۔

اس بار بھی لہجہ خشک تھا۔

- مزید خون خرابہ دیکھنے کا شوق ہو تو مرتے ہی لڑکی لے آنا۔

کہہ کر میں نے باری باری ان کا جائزہ لیا۔ پھر ان میں سے ایک کو گھورنے لگا جس کی حالت سب سے ابتر نظر آ رہی تھی۔ وہ بند تھیلے کی طرح فرش پر پڑا ہوا تھا۔

- اٹھو! میری غراہٹ سنتے ہی وہ اچھل کر اٹھا۔ میں اسے گھسیٹ کر لے گیا ہوں۔ ان تینوں کو ان کی پسند کی شراب دو۔

پیک اس کی جان میں جان آئی اور وہ زبان چلانے کے قابل ہو گیا۔ اس نے ہڑبڑا کر گلاس اپنی طرف کھینچ لیا۔

پانچوں نے ندیدوں کی طرح شراب کے گلاس خالی کیے۔ آہستہ آہستہ ان کے چہروں پر رونق آنے لگی۔ میں نے انہیں شراب پینے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے جھوم جھوم کے پیتے ہوئے ہمیں شکریہ ادا کیا۔ تم لوگ حفاظت میں ہو۔ اپنے مقصد سے ذرا بھی تجاوز کیا تو۔ نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔ میں نے سگریٹ سلگا کر مائیکل سے کہا۔

"میں جہنم میں جاؤں گا تو ضرور جاؤں گا۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "ہم لوگ مجبور ہیں۔" مائیکل نے کہا۔ "ان میں سے تین تو پہلے ہی مارے جا چکے ہیں اور اب تم ہمیں بھی مار دو گے۔" میں نے پستول کی نال بلند کرتے ہوئے کہا۔ "ماسٹر! تم مجھے کوئی چالاکی کرنے کی کوشش کرتے دیکھو گے تو بے شک گولی مار دینا۔"

"تم جانتے ہو کہ میں وقت ضائع کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ کہہ دو کہ تم بھی وہی سوچ رہے ہو جو میں سوچ رہا ہوں۔ کہ تمہارے بغیر بوٹ نہیں چل سکے گی تو یہ خیال ذہن سے نکال دو۔"

"اب تک کوئی بھی چلا نہیں سکا ماسٹر!" وہ جوتے گھسیٹ کر آہستہ سے بولا۔ "بوٹ چلانے کے لیے اب تم بڑا فن ہے۔ میرا ایک بہترین ملاح موجود ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا اور رنجیت کو پکارا۔

رنجیت آگیا تو میں نے اس سے کہا۔ "رنجیت! تم انہیں کھانا دو۔" پھر میں نے گرینش سے کہا۔

گرینش پہلی مرتبہ ایک فاتح کی طرح ان کے سامنے سگریٹ کا کش لیتا ہوا۔ مائیکل کی طرف مسکراہٹ لیے ان کے پاس سے گزرا۔

رنجیت کے برعکس گرینش نے انہیں بے حد حقارت سے دیکھا۔ مائیکل کا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا۔ "ماسٹر! تم نے ان لوگوں کو معاف کر دیا جو ہمیں مارنا چاہتے تھے؟"

"ٹھیک ہے ماسٹر! تم لوگ یہاں سے نکل جاؤ گے تو ہمارا کیا ہو گا؟"

"کیا تم کبھی سمندر کا سفر کر چکے ہو؟" میں نے پوچھا۔

وہ فخریہ انداز میں بولا۔ "بڑی بات تو نہیں کرتا ماسٹر! بس ساری عمر سمندروں میں ادھر سے ادھر کرتے گزاری ہے اور شاید اب مجھے یہاں ایسا ہی کرنا ہے۔"

"گرینش! تمہارا بھی یہی حال ہو گا۔"

"بہت خوب۔" وہ پھر پُر اعتماد لہجے میں بولا۔ "مگر بوٹ میں تیل، پانی اور کھانا تو کافی ہے۔"

"بس یہ سمجھ لو کہ اس بوٹ کو کوئی نہیں چھو سکتا ماسٹر!" آخر کار مائیکل بولا اور وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔

- تم فکر نہ کرو۔ تمہاری تلاش میں اسی جزیرے پر چھوڑ جاؤں گا۔ میں نے پستول کی نال بلند کر کے اسے دکھاتے ہوئے کہا۔

- بوٹ میں خود چلاؤں گا۔ وہ جھلا کر بولا۔

- اگر یہ تمہاری رضا کارانہ پیشکش ہے تو میں قبول کرتا ہوں۔ میں نے زیر لب کہا۔

- پھر میرا کیا ہو گا ماسٹر! گرینش نے رنجیت کی مناسبت سے پُر زور لہجے میں احتجاج کیا۔

- دفع ہو جاؤ باہر! میں غرایا۔ اگر آئندہ میری بات میں دخل دیا تو قوتِ گویائی سے محروم کر دیے جاؤ گے۔

گرینش سہم جانے کی اداکاری کی اور وہ دبے قدموں باہر چلا گیا۔

- وہ بھی میرے ساتھ جائے گا۔ چند سیکنڈ کی خاموشی کے بعد میں نے مائیکل کو آگاہ کیا۔ اور جہاں تک مجھے تم پر بھروسا ہو گا میں انہیں ٹھکانے لگا کر گرینش کو تمہارا کام سونپ دوں گا۔ کوئی غلط خیال ذہن میں سرابھارے تو اس پہلو پر ضرور غور کر لینا۔

- واپسی کا سفر کب ہو گا؟ مائیکل نے شکست خوردہ لہجے میں سوال کیا۔

- اسی وقت۔

- اب شام ڈھل رہی ہے۔ وہ باہر دیکھتے ہوئے بولا۔

- ہم ان اندھیروں میں باہر نکلے تو سمندر میں بھٹک سکتے ہیں۔ ہمارا سفر اندھیرے میں ہی شروع ہو گا۔

- رات کے وقت ساحل والوں کی گشتی کشتیاں چپے چپے پر گھومتی رہتی ہیں۔ ہم ان سے بچ کر نکل نہیں سکیں گے۔

- یہ تمہاری نرسنگ وارنگ ہے۔

- ہم آج صبح ہی پورٹ بلیئر سے نکلے تھے۔ وہ تشویش آمیز لہجے میں بولا۔ اور آج ہی واپس ہو گئے تو کسٹم والے لازماً ہم پر شبہ کریں گے۔

- مگر تم جزیرے سے اسی رفتار سے واپس جا سکتے ہو جس رفتار سے پہنچے ہو۔

- ظاہر ہے کہ ہم یہاں زیادہ دیر نہیں رک سکتے۔ جزیرے پر کام پورا کرنے کے بعد چار پانچ دن کھلے پانی میں ماہی گیری کرتے ہیں، پھر واپسی کا سفر اختیار کرتے ہیں۔

- بوٹ میں خوراک وغیرہ موجود رہتی ہے؟

- ہاں۔ اگر کمی ہو تو تم جزیرے سے ساتھ لے سکتے ہو۔

- ٹھیک ہے۔ دو تین دن ہم کھلے سمندر میں ماہی گیری کریں گے۔ میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

- بمبئی پہنچنے کے بعد میرا کیا بنے گا؟ مائیکل نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

- میری طرف سے تم آزاد ہو گے۔

- مگر جنگ بہادر کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ اس غداری کے بعد وہ میرے خون کا پیاسا ہو جائے گا۔ مائیکل کے چہرے سے پریشانی ہویدا تھی۔

- یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ میں نے خشک لہجے میں کہا۔ تم چاہو تو خود

اس سے قبل کہ وہ پستولوں کی نال کے زور پر مجبور کئے جانے کی کہانی سے مطمئن ہونے کے لئے کوئی بات ہوتی؛

"یہ اس لئے کہ تم ابھی تک اس راز سے واقف نہیں ہو ماسٹر!" مانیکل اب ذہنی طور پر میری جانب مائل ہوتا جا رہا تھا۔

"اگر تم سچے اور مخلص ہو تو میں تمہاری مدد کروں گا۔"

"تم نہیں جانتے مقدر میں کیا لکھا ہوا ہے۔" وہ الجھن میں پڑ گیا [illegible] پھر لہجے سے بولا۔ "اس مہم کے بارے میں تو میں یہ بات جانتا ہوں مگر تمہارے بارے میں مجھے کوئی تجربہ نہیں، کیا معلوم تم مجھے خطرے میں گھرا چھوڑ کر غائب ہی ہو جاؤ۔"

"تمہارے ہوتے ہوئے میں نے اسے پوری طرح منتقل کرنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا ورنہ فرار اور رہائی کی آرزو ایک خواب سے زیادہ نہیں تھی۔"

لاپرواہ انداز میں آہستہ سے بولا۔ "ہاں توپوں والے ان رضاروں میں نہیں چھوٹے ماسٹر جہاں آدمی کو اپنے اگلے سانس کا بھی بھروسہ نہ ہو۔"

"پھر میں تمہیں اپنے ساتھ رکھنے کا وعدہ کرتا ہوں۔" میں نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

"مگر میں خاموش نہ رہوں گا۔"

"تم نے تمہیں میرے ساتھ تمام عیش کی زندگی بسر کرو گے۔"

اس گفتگو کے بعد وہ مطمئن نظر آنے لگا۔ میں نے اس کا ہاتھ [illegible] پھر باہر دیکھنے اور کاٹیج سے باہر نکل آیا۔

باہر آتے ہی میری نظر گرفتن پر پڑی، وہ ایک ٹیلے پر کھڑا اچک اچک کر کافی دور تک کوئی دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ رنجیت کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

"کیا بات ہے گرفتن؟" میں نے دور ہی سے اسے پکارا۔

میری آواز سنتے ہی وہ چونک گیا اور تیر کی طرح میرے قریب آ پہنچا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"کیا بات ہے، تم پریشان کیوں ہو؟"

"ماسٹر ہم خطرے میں گھرنے والے ہیں۔" وہ سہمی ہوئی آواز میں بولا۔ "مزدوروں کو کسی طرح بھنک مل گئی ہے کہ کچھ لوگ بوٹ پر [illegible] بیٹھے ہیں اور فرار ہونے والے ہیں اور اب وہ خاموشی سے کاٹیج کو گھیرنے کی فکر میں ہیں۔"

"رنجیت کہاں ہے؟ تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟" یہ سوال کرتے ہوئے مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں چیونٹیاں سی رینگتی محسوس ہو رہی تھیں۔

"رنجیت درخت پر سے جائزہ لے رہا ہے۔" اس نے ایک اونچے درخت کی طرف اشارہ کیا اور مجھے اس کی شاخوں کے درمیان رنجیت نظر آیا۔ وہ دراصل بستی کی جانب نگراں تھا۔ بستی کی طرف سے پہلے شور کی آوازیں آئی تھیں اور پھر اچانک خاموشی [illegible] اسے شبہ ہوا ہے۔"

"تم کاٹیج کا خیال رکھو، وہ چاروں اندر بندھے ہوئے تڑپ رہے ہیں۔" میں نے ہدایت کی اور خود بھی درخت پر چڑھنے لگا۔

ابھی پہنچے ہی تھے کہ صورتحال کی سنگینی کا اندازہ ہو گیا [illegible] میں مسلح افراد جنگلی چیونٹیوں کی طرح [illegible] کی جانب بڑھ رہے تھے۔

رنجیت بھی دانیل کی پیچھے سے باہر [illegible] ان کی طرف فائر کر دیا۔ [illegible] نے دوسرا فائر کر دیا۔

[illegible] میرے لئے [illegible] انہوں نے غضبناک انداز میں چیخ [illegible] حملہ کر کے پوری قوت سے [illegible] نظر آ رہے تھے۔

ہم دونوں پھرتی سے نیچے آ گئے، [illegible] چند منٹ کی مہلت مل رہی تھی [illegible] سے ان چاروں کو آزاد کیا اور فاضل [illegible] کا صندوق [illegible] چلا دیا۔

جارحے باہر آتے ہی گرفتن اپنے کام میں مصروف ہو گیا [illegible] سلامت پہنچانا ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ [illegible] صندوق موجود تھے۔ اگر [illegible] سمندر میں پہنچنے سے پہلے بوٹ کو غرقاب کر سکتے تھے۔ ایک ہی [illegible] استعمال سے واقف تھا۔

ہوا کے دوش پر ابھرنے والی [illegible] آ پہنچی تھیں۔

گرفتن کاٹیج میں مٹی کا تیل چھڑک کر آگ دکھا چکا تھا [illegible] کاٹیج ہولناک شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔

"ماسٹر! میں آ رہا ہوں۔" موٹر بوٹ کا انجن اسٹارٹ [illegible] فضا میں گرفتن کی مضطربانہ آواز ابھری۔ شاید [illegible] چل رہی تھی۔

"جلدی آؤ!" بوٹ کے عرشے سے کوئی [illegible] آواز [illegible]

چند ہی سیکنڈ میں گرفتن آ پہنچا، وہ اپنے ساتھ [illegible] بھی اٹھا لایا تھا۔

ہم بھی دو عرشے پر [illegible]

[illegible] ہوا بھی [illegible] وہ جنگلیوں کی طرح [illegible] آگے بڑھتے آ رہے تھے۔

[illegible] بچنے کے لئے [illegible] کی تلاش میں [illegible]

[illegible] میں شدید زخمی ہو کر زمین پر گر گئے، مگر آنے والوں میں [illegible] کے عالم میں [illegible] آگے ہی بڑھتے آئے۔ [illegible] کے علاوہ [illegible] نکال [illegible] آدمیوں کا ایک ٹولہ بوٹ سے دس پندرہ گز [illegible] پہنچ چکی تھی۔

[illegible] حیرت کی بات یہ تھی کہ ان کے ساتھ عورتیں بھی شامل تھیں۔ [illegible] شدید خطرہ لاحق ہو گیا تھا [illegible] ہمارے لئے جان لیوا بھی ثابت ہو [illegible]

[illegible] پرواہ کئے بغیر [illegible] کی طرف آنے لگے، ان کے ہاتھوں [illegible] پوری قوت سے [illegible] میں ڈوب گئیں۔

[illegible] دیکھا تو رنجیت اور گرفتن [illegible] خون سے رنگین ہو گیا تھا [illegible] پانی میں ڈوب [illegible]

میں نے اپنے [illegible] کا رخ کنارے سے [illegible] کرنے والوں کی طرف کیا۔

[illegible] دیا، [illegible] ان کے قدم اکھڑ گئے، [illegible] رنجیت اور گرفتن نے پوری کر دی۔ ان [illegible] نے دوبارہ [illegible] تو مشتعل ہجوم [illegible] سے پسپا ہو رہا تھا، مگر جب فائر ہوئے تو ان میں بھگدڑ مچ گئی۔

چند [illegible] میں رہ گئے جنگلات میں معدوم ہو گئے مگر ان کی چیخوں نے اب بھی آسمان سر پر اٹھایا ہوا تھا۔ بھاگنے والوں کو اتنا ہوش کہاں تھا کہ زخمیوں کو اٹھا کر لے جاتے، وہ جہاں تھا وہیں پڑا زندگی کی آرزو میں تڑپ رہا تھا۔

بوٹ مناسب رفتار اور احتیاط کے ساتھ کھلے سمندر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ہم تینوں تھوڑے تھوڑے وقفے سے ہوائی فائرنگ کرتے جا رہے تھے تاکہ جنگلی [illegible] دوبارہ سامنے آنے کی ہمت نہ کر سکیں۔

پھر جب موٹر بوٹ خلیج کی آخری موڑ سے گھوم کر کھلے سمندر [illegible] نظر آیا تو میں ایک بار پھر [illegible] ہو گیا۔ [illegible] کے دہانے پر موجود تھے اور نہایت [illegible] کے ساتھ [illegible] کو تیر [illegible] دھکیلنے کی کوششوں میں مصروف تھے تاکہ [illegible]

"[illegible] اگر [illegible] تو ہم [illegible] کی طرح مارے جائیں گے!"

فاصلہ کم تھا مگر [illegible] وہ لوگ ہوشیار ہو چکے تھے، بوٹ کو دیکھتے ہی [illegible]

نشانہ کاری نہ رہا۔

"بوٹ کی رفتار تیز کر دو۔" میں چیخا۔

"ایک بار مجھے بھی حکم دو ماسٹر!" کیبن سے مائیکل چیخا۔ "میں ان کا بھوسہ اڑا دوں گا۔"

"کچھ مت کرو۔ اس خونی حشر سے ہمیں زندہ باہر نکالو۔" میں دوبارہ فائر کرتے ہوئے چیخا۔

اور اسی وقت وہ اچانک فضا مشین گن کے بھیانک شور سے لرز اٹھی۔ چند لمحوں تک تو میں سمجھ ہی نہ سکا کہ مشین گن کہاں ہے اور کدھر فائر ہو رہا ہے۔ مگر بوٹ کو لگنے والے جھٹکوں سے فوراً ہی ساری صورت حال واضح ہو گئی۔

کیبن کی چھت پر گھومنے والی ایک ہلکی مشین گن نصب تھی جسے محض ایک بٹن دبا کر بیٹریوں کی مدد سے حرکت میں لایا جا سکتا تھا۔ مشین گن کی بیرل کو حسب منشا اٹھایا اور جھکایا بھی جا سکتا تھا اور یہ ساری کارروائی کنٹرول کیبن میں نصب بٹن دبا کر عمل کی جا سکتی تھی۔

میں ابھی بمشکل جھکتا ہوا کیبن میں مائیکل کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے چہرے پر اعتماد بحال ہو چکا تھا اور وہ بوٹ چلانے کے ساتھ ہی بار بار مشین گن کے فائر کی سمت بھی تبدیل کرتا جا رہا تھا۔

مشین گن کے مسلسل فائر نے حملہ آوروں کے اوسان خطا کر دیئے تھے۔ دوسری جانب [illegible] کی حرکت ختم ہو چکی تھی۔ مشین گن کی گولیوں نے کئی کو زندگی سے محروم کر دیا تھا۔ ان کی خاصی تعداد نے کاری زخم کھائے اور تھوڑی دیر میں چند ہی لمحوں میں صاف ہو گیا۔

"تم نے پہلے اسے کیوں نہ چلایا؟" میدان صاف ہو جانے پر میں نے حیرت کے ساتھ مائیکل سے سوال کیا۔

"اب میں تمہارا ماتحت ہوں ماسٹر!" وہ عجیب لہجے میں بولا۔ "میں نے اپنا مستقبل تمہارے حوالے کر دیا ہے۔"

"میرے آدمیوں سے ٹکراؤ کے وقت تم نے یہ گن کیوں استعمال نہ کی؟"

"اس وقت ہم سب کیبن سے باہر آ چکے تھے۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو اس وقت حالات مختلف ہوتے۔"

میں احمقانہ انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔

چند منٹ کے بعد ہم شہر کے دہانے سے بخیر و خوبی گزر گئے۔ ہمارے سامنے تاحد نظر سمندر کا پانی لہریں لے رہا تھا۔ غروب ہوتے ہوئے سورج کی قرمزی کرنوں نے پانی کو نارنجی رنگ دے دیا تھا۔ ہمارے عقب میں جزیرے سے بھانت بھانت کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور درختوں کے وسط میں آگ کے ہولناک شعلے بھڑک رہے تھے۔ شاید پورا گاؤں بری طرح آگ کی لپیٹ میں آ چکا تھا۔

میں نے رنجیت اور گرنش سے رائفلیں لے لیں اور انہیں ایک صندوق میں منتقل کر دیا۔ میری جیب میں موجود [illegible] جو

میں نے رنجیت کے حوالے کر دیا۔

"تم ہر وقت میرے ساتھ رہو گے۔" [illegible] گرنش سے کہا۔ "تم مائیکل سے گفتگو سے پرہیز کرو گے۔ [illegible]

میں تمہاری حقیقت جانتا ہوں۔ اسے ایک بار [illegible] سفر کے سلسلے میں زیادتی ہو تو وہ بھی انگلیوں پر نچا سکتا ہے۔"

"میں یہ جانتا ہوں ماسٹر!" گرنش نے سر جھکا دیا۔

اندھیرے پھیلنے تک سفر معمول کے مطابق جاری رہا۔ [illegible] ساتھی بھیڑ کے ساتھ اپنا اپنا کام انجام دے رہے تھے۔ [illegible] وغیرہ سے بھرپور [illegible] اس کے بعد مائیکل [illegible]

"ماسٹر! اب گرنش بوٹ چلائے گا۔" مائیکل نے [illegible] میں انگڑائی لے کر کہا۔ "میں تھک گیا ہوں۔"

"وہ وہیل کے قریب بھی نہ پھٹک پائے گا۔" میں نے [illegible] کہا۔ "جب تک تم حکم ماننے سے انکار نہیں کرو گے [illegible]"

"مجھ پر اتنا تو بھروسہ کرو ماسٹر! ہم مل بانٹ کر کام چلا [illegible]" نے التجا کی۔

"میں سمندری راستوں سے ناواقف ہوں۔ [illegible] پڑھنے کے بعد تم ایک دوسرے پر راستہ بھٹکانے کے الزام [illegible] بیٹھا تمہارے راستے کا نقشہ بنانا جا رہا ہے؟"

"ہیرو نقشہ بنا رہا ہے؟" مائیکل نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔ اس کا مستقبل کے بارے میں [illegible]

پھر وہ بولا۔

"مگر رفتار اور فاصلے کا کیا ماسٹر؟"

"ختم کرو۔" میں نے [illegible]

"ترجیحی تکبیر بنا رہا ہے۔ مجھے نہیں معلوم وہ کیا کر رہا ہے۔ [illegible] نظام کر رکھا ہے؟"

مائیکل اچانک [illegible] جیسے اس کے ذہن سے [illegible] اندھیرے کی چادر گہری ہوتے ہی [illegible]

[illegible] ہر طرف تاحد نظر پانی ہی پانی بکھرا ہوا تھا۔ [illegible]

مائیکل نے اپنے ساتھیوں کو [illegible]

بوٹ کی رفتار سمندر کے تموج کے [illegible] رک گئی۔ اب وہ موجوں کے سینے پر ہچکولے لے رہی [illegible]

بوٹ کب رکی درحقیقت مجھے [illegible] کا علم [illegible]

[illegible] یوں معلوم ہوتا تھا جیسے [illegible] کوئی نشانی بھی نہیں تھی جس سے فاصلے کو متعین کر کے [illegible] کا اندازہ کر سکے۔ وہ تو جب [illegible] جانے لگے تو مجھے پتہ چلا [illegible] رکی تھی۔

مائیکل

اور اس کے ساتھی بری طرح تھکے ہوئے تھے۔ ادھر ہم تینوں کی حالت بھی ابتر تھی۔ چنانچہ میں نے انہیں تیاریوں سے روک دیا۔ کم از کم اس بات کو ہم سب [illegible] تھا۔ تاکہ دن کے اجالے میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر سکیں۔

مائیکل نے بتایا کہ احتیاطی اقدامات کے طور پر جزیرے سے واپسی پر بوٹ اس وقت تک [illegible] کھلے سمندر میں رکی رہتی ہے جب تک اس کے [illegible] کی گنجائش ختم نہیں ہو جاتی۔

چنانچہ میں نے مائیکل سمیت سونے کی تیاری کی۔ اس سے [illegible] ہم دونوں میں سے ایک کو جاگتے رہنا ضروری ہے۔ [illegible] ادا کرنی تھی [illegible] وہ [illegible]

سونے سے قبل میں نے رنجیت اور گرنش کو واضح الفاظ میں [illegible] اور حکمت عملی سے آگاہ کر دیا کہ [illegible] کوئی ناقص فعل [illegible] انہیں یہ بھی ہدایت کر دی کہ گرنش مائیکل کے آدمیوں سے بھی [illegible] رنجیت ان سے دوستی پیدا کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ وہ کس حد تک بوٹ کو اپنی [illegible]

اس ساری پریشانی کا سبب مائیکل کی ذات تھی۔ میں مختصر ترین مدت میں [illegible] کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ وہ اگر بغاوت یا سرکشی پر آمادہ ہو جاتا [illegible] کام نہ لے سکتا۔ [illegible] بات تو یہ ہے کہ میں خود بھی مائیکل کے [illegible] اس کی حرکات و سکنات کا مشاہدہ کر کے بوٹ کو چلانے کے قابل ہو سکوں۔ راستوں کا تعین بہرحال میرے بس سے باہر تھا۔

بوٹ تین دن تک کھلے سمندر میں [illegible] رہی۔ مائیکل پیشہ ور ملاحوں کے ساتھ مشینی جالوں سے مچھلیاں پکڑتا رہا۔ آخر کار [illegible] مائیکل نے مجھے بتایا کہ اب وہ [illegible] کے لئے تیار ہے [illegible]

مجھے پہلے ہی [illegible] کی زبانی علم ہو چکا تھا کہ جزیرے سے [illegible] کی مسافت پر ہے [illegible]

[illegible] اور بوٹ کا انجن آہستہ آہستہ بوٹ کو [illegible] مائیکل کے منہ سے تیز آواز نکلی۔

"خیریت ہے مائیکل؟" میں نے [illegible] کر سوال کیا۔

"اندھیرے [illegible] سامنے [illegible]"

شفاف چاندنی کے اس پار کھلے سمندر پر نظریں جماتے ہوئے سوال کیا۔

میں نے بہت غور سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سامنے کی طرف دیکھا لیکن وہاں اونچی نیچی لہروں کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔

"کیا ہے وہاں؟ مجھے تو کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آئی۔"

"وہ..... وہ ادھر دیکھو!" مائیکل نے انگلی سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "کیا ہے وہ؟"

اور اچانک ہی میری بھی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ سمندر کی ابھرتی ڈوبتی لہروں کے عقب میں افق کے نزدیک کسی جہاز کا مدھم سا ہیولا نظر آ رہا تھا۔

"شاید جہاز ہے؟" میں نے ادھر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ "مگر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟ تم تو خاصے گھبرا گئے ہو۔"

"میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ اسی طرف آ رہا ہے۔" وہ دائیں ہاتھ سے اپنی پیشانی مسلتے ہوئے بولا۔

"یہ کھلا سمندر ہے۔ کوئی بھی جہاز کسی بھی طرف جا سکتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے [illegible] آنکھوں سے لگا لی۔

وہ واقعی ایک جہاز تھا۔ مگر [illegible] سے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہ کس سمت جا رہا ہے۔ مگر میں نے مائیکل کی تسلی کی خاطر کہا۔ "تم اس کی فکر نہ کرو۔ بوٹ کو اپنے راستے پر رکھو۔ وہ کسی اور سمت سفر کر رہا ہے۔"

"میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں ماسٹر! [illegible] سمندری سفر کرنے والوں کی [illegible] بڑی تیز ہو جاتی ہے۔ وہ خطرات کو دور ہی سے بھانپ لیتے ہیں۔"

"تمہاری بوٹ تباہ کن جہاز سے کم نہیں ہے۔" میں نے یاد دلا کر کہا۔ "اگر خطرہ ہوا تو مشین گن کا فائر اسے غرق کر دے گا۔ اس میں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"اس میں بہت [illegible] ہے۔ بوٹ [illegible] کی وجہ [illegible] مسلسل [illegible]"

بوٹ آگے بڑھتی رہی۔ جہاز کا ہیولا بتدریج واضح ہوتا جا رہا تھا۔

"یہ کوئی عجیب سا جہاز ہے ماسٹر!" کچھ دیر تک خاموشی سے سفر کے بعد [illegible] اور لہروں کے شور میں مائیکل کی آواز ابھری۔

"وہ جہاز تمہارے حساب پر سوار ہو گیا ہے۔"

"نہیں ماسٹر! میں نے [illegible] بہت دیکھی ہیں۔ یہ ایسا جہاز ہے [illegible] سمندر میں بھی [illegible] جاتا ہے۔ اس کا [illegible] ہے۔ آخر یہ [illegible] کہاں؟"

"آؤ میں اس کے [illegible] کوئی تحقیقاتی جہاز ہے۔ وہ لوگ شاید اس علاقے میں سمندر کے بارے میں تحقیق کرنے آئے ہوئے ہیں۔"

تھوڑی ہی دیر بعد میری ساری کوشش بھی دھری رہ گئی۔ سامنے سے آنے والا جہاز اب بہت واضح ہو گیا تھا۔ [illegible] کے باعث مستول پر لہراتا ہوا پرچم پہچاننا مشکل ہو رہا تھا۔ جہاز تو شاید رک چکا تھا، لیکن اس کے پہلو سے ایک تیز رفتار موٹر بوٹ لپکتی ہوئی جھاگ اڑاتی سیدھی ہماری طرف چلی آ رہی تھی۔

"اب [illegible] کیا ہوگا؟" مائیکل نے شانے پکڑ کر مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اس کی آواز میں وحشت کے ساتھ لرزاں تھے۔

"تمہاری بوٹ پر [illegible]؟" میں نے چند ثانیوں تک سوچنے کے بعد سوال کیا۔

"ہمیں [illegible] لے جاؤ گے؟" وہ [illegible] پاگلوں کی طرح چیخنے لگا۔ "[illegible] سامنے سے [illegible] پہنچے ہیں۔ شاید [illegible] واقعات کا علم ہو گیا ہے۔ وہ اتنا با اختیار آدمی ہے کہ جب چاہے [illegible] جہاز بھی ہمارے مقابلے میں لا سکتا ہے۔"

"وہ جو بھی ہوں۔۔۔ ہمارے [illegible] گے؟" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"تم ان کی بوٹ غرق کر دو گے؟" مائیکل کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

"ہاں۔۔۔ اگر وہ مقابلے پر اتر ہی آئے تو ہم مجبور ہوں گے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "تم بوٹ روک دو۔ مگر اس کا انجن بیدار رہے۔ جب وہ چند سو گز دور رہ جائیں [illegible] ہوائی فائر [illegible] دینا۔ [illegible] رفتار [illegible] تو ہم کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے۔"

"مگر...... مگر وہ تو سفید پرچم لہرا رہے ہیں۔" مائیکل چلایا۔

میں نے جھنجھلا کر ہونٹ بھینچ لیے۔ "جب تک وہ اپنا مقصد بتا نہیں دیتے، دور ہی رکھنا ہوگا۔"

"جیسا حکم، استاد!"

"میں گریٹ کو ساتھ لے کر عرشے پر جا رہا ہوں۔ ان سے معلوم کرتا ہوں کہ وہ کیا چاہتے ہیں اور کون ہیں؟"

"جاؤ۔۔۔ تم پر مسیح کا سایہ ہو!" مائیکل نے دائیں ہاتھ کی انگلی سے اپنے سینے پر کراس بناتے ہوئے کہا۔

عرشے پر آ کر مجھے اس بات کی خوشی ہوئی کہ ہم ہوا کے رخ پر جا رہے تھے۔ [illegible] چیخ کر اپنی آواز [illegible] تک پہنچانا ناممکن سی بات تھی۔

ہماری بوٹ کی رفتار سست پڑنے لگی تھی اور بوٹ کے عقب میں پانی کے [illegible] ختم ہو گئی۔ [illegible] بوٹ رک چکی ہے۔

جب [illegible] بوٹ چند سو گز [illegible] سے ہماری بوٹ [illegible] مائیکل حسب ہدایت ہوائی فائر کر چکے تھے۔

جب کھلے سمندر میں فائرنگ کی آواز دور تک [illegible] پوری قوت سے چلایا۔ "[illegible] رک جاؤ۔"

چند ثانیوں کے سکوت کے بعد سفید پرچم والی بوٹ سے [illegible] آواز ابھری جو شکستہ لہجے میں انگریزی بول رہا تھا۔ "[illegible] ہیں، انگریزی کے علاوہ دوسری زبان نہیں سمجھتے۔"

میں نے پوری آواز سے انگریزی میں اپنی بات دہرائی [illegible] دی کہ اگر ہدایت کی تعمیل نہ کی گئی تو ان کی بوٹ غرق کر دی جائے گی۔

میری بات مکمل ہوتے ہی اچانک اس بوٹ کا رخ [illegible] کی شکل میں [illegible] ساتھ ہی اس [illegible] اور [illegible] کر دیں گے۔

[illegible] کہ جب وہ بوٹ دوبارہ ہماری [illegible] ہم [illegible] نہیں [illegible] زندگی؟"

اس کے [illegible] سے ظاہر ہو [illegible] چہرہ [illegible] ہو گئے۔

اب [illegible] بات [illegible] سامنے آ گئی۔ [illegible] والوں کا [illegible] علامت تھی۔

[illegible] جی۔ پی۔ کے ایک [illegible] کی [illegible] چار کے ساتھ قید کر لیا تھا [illegible] کھیل کر [illegible] کامیاب ہو گیا تھا [illegible] اور مجھے [illegible] شاید [illegible] کہاں [illegible] سمندر کی [illegible] میں [illegible] سزا [illegible] ہیں۔

اس [illegible] صرف ایک [illegible] تھا جب [illegible] ہو چکا تھا۔ [illegible] معلوم ہو گیا [illegible] پر [illegible] کی [illegible] پیچھے [illegible] جھٹکا [illegible] معلوم ہوتا تھا۔

"[illegible] نے [illegible] اور [illegible] میں [illegible] بھی [illegible] پیچھے [illegible] تھا۔

"ماسٹر [illegible]" مجھے [illegible] مائیکل [illegible] میری آواز [illegible] تھی۔

میں نے سامنے دیکھا تو سفید پرچم والی بوٹ تیزی سے [illegible]

[illegible] بوٹ میں [illegible] بہت [illegible]

"تم بہت مجبور ہو ماسٹر!" مائیکل طویل سانس لے کر ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی بڑی پراسرار سی تھی اور آنکھوں میں ایک عجیب وحشت سمٹ آئی تھی۔

اس نے کچھ ہی دیر بعد [illegible] اور [illegible] ثانیوں بعد سامنے [illegible] گولیوں کی زد میں آ گئی۔

[illegible] نے بوٹ کا رخ [illegible] کی سرتوڑ کوشش کی۔ مگر [illegible] مائیکل نے [illegible] دیا۔ اور وہ بوٹ [illegible]

[illegible] سے [illegible] کے مسلسل [illegible] ہماری [illegible] لہٰذا با آسانی زد میں آ گئی۔ اس کے [illegible] پہنچ چکے تھے۔

اس سے قبل کہ بوٹ کے گرد خوفناک بھنور پیدا ہوتا، میں نے [illegible] سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ دوسروں نے بھی [illegible] واقف نہیں تھا۔ اس نے مائیکل [illegible] چند لمحات [illegible] اس نے [illegible] سمندر میں [illegible]

ہم [illegible] سمندر میں [illegible] تھے۔ وہ شاید ایسی صورت حال [illegible] تیار تھے [illegible] کہ ان میں سے کئی [illegible]

[illegible] تیزی کے ساتھ ہماری [illegible] جب کہ ہم میں سے [illegible] صلاحیت [illegible]

[illegible] ایک ساتھ ایک عجیب سی لرزا دینے والی [illegible] ایسا معلوم ہوا جیسے زخم کھانے والا [illegible]

[illegible] زخم کھانے والے [illegible] کی سطح کے نیچے بیٹھتے چلے گئے۔

[illegible] بوٹ [illegible] تقریباً سب [illegible] ثابت نہیں ہوا [illegible] سفید پرچم والی بوٹ سے سمندر میں کودے ہیں اور [illegible] تیار ہیں۔

[illegible] تھوڑی ہی دیر میں میں نے دیکھا کہ وہ [illegible] پانی کی سطح پر ابھر آئے ہیں۔ شاید وہ [illegible] میں نے پیچھے نظر ڈالی تو [illegible]

قاعدہ پانی میں فائرنگ کر سکتا تھا۔

[illegible] اسی وقت پلاسٹک سے بنی ہوئی ایک چھوٹی سی موٹر بوٹ جھاگ اڑاتی ہمارے سروں پر آ پہنچی۔ اس میں نیلی وردی میں ملبوس ایک سفید فام سوار تھا۔

نیلی وردی والے نے فلک شگاف قہقہہ لگاتے ہوئے کچھ کہا۔ اس کا لہجہ [illegible] تھا۔ مجھے [illegible] نے اسی لہجے میں جواب دیا۔ پھر مجھے [illegible] بوٹ میں ڈال دیا گیا۔ [illegible] باقی [illegible] کے نیچے غوطہ لگا کر غائب ہو گئے۔

پلاسٹک کی موٹر بوٹ تیز رفتاری کے ساتھ جہاز کی طرف واپس چل دی۔ [illegible] اپنے چہرے سے [illegible] اور اب اس کی سرد نیلی آنکھیں میرے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔

چند ثانیوں کے بعد اس نے [illegible] انداز میں سر ہلایا اور [illegible] "[illegible] صندل؟"

میں نے [illegible] سے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"مجھے توقع [illegible]" مگر وہ [illegible] انداز میں [illegible] لگا۔ ساتھ ہی وہ اپنے ساتھی سے روسی زبان میں گفتگو بھی کرتا جا رہا تھا۔

[illegible] سمندر [illegible] اور [illegible] شاید وہ [illegible] ساحل تک [illegible]

تھوڑی دیر میں جہاز قریب آ گیا۔ اس پر [illegible] انگریزی حروف میں جہاز کا نام [illegible] لکھا ہوا تھا۔ اس کے نیچے قدرے چھوٹے حروف میں [illegible] کے الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ اور مستول پر [illegible] کے نشان والا سرخ پرچم لہرا رہا تھا۔

جہاز کے عرشے پر عملے کے بہت سے افراد بے چینی سے [illegible] بوٹ کے منتظر تھے۔ انہوں نے روسی زبان میں بہت سے سوالات کیے۔ میرے ساتھ آنے والے [illegible] نے شاید انہیں یقین دلا دیا [illegible] سمندر میں [illegible] ہی ان کے استفسار ختم ہو گئے۔

رسی کی سیڑھی کے ذریعے مجھے اوپر جانا پڑا۔ وہاں سب افراد نیلی وردیوں میں ملبوس تھے۔ ان میں بعض [illegible] ان کی [illegible] پر [illegible] کے منقش نشان [illegible] تھے۔ جو شاید ان کے عہدوں کا امتیاز ظاہر کرتے تھے۔

وہاں ایک ادھیڑ عمر شخص نے بڑھ کر میرا استقبال کیا اور مسکراتے ہوئے بولا "تم ہی صندل [illegible] کے نام سے پہچانے جاتے ہو؟" اس کا [illegible] انگریزی [illegible] چہرے کے نقوش اور لہجے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ روسی نژاد ہے۔

[illegible] صندل کے نام کے [illegible] افراد [illegible] میں بھی [illegible]

سے ایک ہوا تھا۔ میں نے وقت بچانے کے لیے کہا۔

"میں صرف ایک مقصد کی کوشش تھی اور تم جو بھی ہو؟" اس بار اس کے چہرے سے مسکراہٹ یکسر غائب ہو گئی۔

"میری کوشش تھی؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"بس کچھ عرصے سے میرا شانہ تمام پیالہ ایک تنگ، اچھا ہی ہے تم ہوتے ہو تو میرے ساتھ آؤ، ابھی سب کچھ جان لوگے۔"

چند سیڑھیاں اترنے اور ایک نیم تاریک راہداری سے گزرنے کے بعد وہ میرا ہاتھ تھامے ایک کیبن میں گھس گیا۔

کیبن صاف ستھرا تھا۔ جس میں ایک سنگل بیڈ اور الماری کے سوا کوئی فرنیچر قابل استعمال نہیں تھی۔ بیڈ پر کوئی شخص ہے جس وہ حرکت پڑا ہوا تھا۔ اس کے سر سے پیروں تک ایک سیاہ چادر اوڑھی ہوئی تھی۔

بڈھے نے بڑھ کر اس شخص کے چہرے سے چادر کھینچ لی اور میری طرف دیکھ کر بولا۔ "شاید تم اسے جانتے ہو!"

وہ ایک جیب کترا تھا۔ اسے دیکھتے ہی میرا سوال لب تک آیا۔ میرے سامنے پیرس کے ایک چلتے ہوٹل کا ماسٹر شدہ وہ شخص پڑا تھا۔ اس کا سارا بدن زخموں سے چور تھا جس کے جسم پر کسی تیز دھار نے بے شمار نشانات کے نشانات چھوڑے ہیں۔ شاید وہ اس بڈھے کا ساتھی تھا جو اب تک چلتا رہا تھا۔

"یہ...... یہ کیسے ہوا؟" میں نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد سوال کیا۔

"تمہاری تلاش میں!" اس بڈھے کا لہجہ سرد تھا۔ "اچھا ہوا تم نے اپنا پیچھا کروا لیا ورنہ تمہارے دشمن خود تمہاری تلاش میں بہت جلد نکلنے والے ہو جاتے؟"

بڈھے کی اس بات کو دیکھ کر مجھے جو شدید ذہنی جھٹکا لگا۔ میں ابھی اس پر قابو نہیں پا سکا تھا کہ وہ شخص مجھے لے کر ایک آرام دہ کیبن میں داخل ہو گیا۔ جہاں ایک جوان عمر روسی لڑکی پہلے سے موجود تھی۔

وہ ایک صوفے پر بیٹھی کسی کتاب سے شغل کر رہی تھی۔ وہ بڈھا دیکھ کر مجھے بھی وہ وہاں سے چل گئی۔ وہ شخص مجھے ایک ڈیک کے آخری حصے پر لے گیا۔ جہاں ریسٹورنٹ بنا ہوا تھا۔

"تم ہمارا ساتھ دو گے؟" اس نے سگریٹ سلگانے کے بعد سوال کیا۔

"اگر اس وقت وہ وہاں گیا ہوتا تو میں زندہ نہ ہوتا۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب کیا تم مجھے اپنا قیدی بنانا چاہتے ہو؟"

"بہر حال، تم نے ہمیں بہت پریشان کیا ہے۔ جو کچھ ہوا اس کے بعد تم روپوش ہو گئے۔ ایک آدمی ہر طرف تمہیں ڈھونڈ رہا تھا۔ تمہیں اپنا سراغ مٹا دینا چاہیے تھا، مگر تم کسی پہ بھروسہ نہیں کر سکتے۔ اس لیے ہمیں مجبوراً پیچھا کرنا پڑا تاکہ تم کسی خطرے سے بچ سکو۔"

سے جا رہے تھے۔ اور آخری بار میں نے ایک جہاز کو دیکھا جس کے مالک کو گرفتار کیا گیا۔ یہ بھی بہت سخت حالات ہیں۔ ہماری جماعت سے وہ ہاتھ دھو بیٹھا۔ مگر اس نے جاسوسی کا پتہ بتا دیا۔ آخری بار چہرہ اس مقام پر نظر انداز کر دیا۔ یہ کرتے ہوئے خطرناک ہے اور جہاز کی طرف جانا منع ہے۔ یہ تمام اور کم عرصے میں ہی ہماری نظروں میں آ گئے۔ چہرہ بدلنے کے بعد یہ دکھائی دیتا ہے۔ یہ اس پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ہماری تحویل میں ہو، اور ہم جلد از جلد تمہیں مقررہ مقام پر پہنچا دیں گے۔

"آخری تقریر میری بھی لکھا جا چکا ہے کہ میں تیار ہوں۔"

"تقریر؟" اس بار وہ گنے چنے الفاظ میں بولا۔ "مگر یہ صرف ایک جہاز جا رہا ہے۔ مگر تمہارے جانے کے بعد یہ بات ہم دوسروں سے کیسے چھپاتے؟"

"ایک خونریز تصادم کے بعد میں وہاں سے فرار ہوا ہوں!"

"فرار؟" وہ اس بار پھر ہنسا۔ "پہلے تم الارم کو آن کر کے فرار ہوئے اب وہ فرار تمہارے لیے پھندا بن گیا۔"

"میں اب تمہارا قیدی ہوں؟" میں نے سر جھکا کر کہا۔ "تم میرے ساتھ جو سلوک چاہو روا رکھو؟"

"وہ لڑکی کہاں ہے؟"

"کون؟" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

اس نے جیب سے ایک تصویر نکال کر اس کی مسکراہٹ کرتے ایک بنگلے کا راستہ دکھایا۔ "تم سیتا ہو سکتی ہو۔ یا میں بتا دوں پانچ فٹ سات انچ، نیلی آنکھیں، سر کے بال سنہرے اور کمر صندل کی جیوری کا ہے!" وہ تنا چھوڑ کر رک گیا۔

یہ سن کر میرے دل کو ناقابل بیان تکلیف ہوئی۔ میری سیتا سے جدائی ہوئی تھی۔ اور اس کے ہونے کے باوجود اب بھی اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ مجھے اس کا شعور معلوم ہوتا تو اب تک میں مسعود کی لاش کو بھی دیکھ لیتا۔ میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"مسعود پتہ نہیں کہاں ہے؟" وہ غصے سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"بہتر ہے... ہم ایک طویل سانس لے کر رہ گئے۔ اس جہاز پر ہم نہیں ہیں۔ وہ میں نے سیتا کے پیچھے کی ڈیوٹی پر لگایا تھا۔ اب اسے ڈھونڈنا ہو گا۔"

"مجھے تمہاری قیمت پر اس کی جان بچانا ہو گی۔ اس کے بغیر تمہاری ذات بے کار ہے۔ ہمیں دراصل وہی چاہیے۔"

مگر اسے ڈھونڈنا میرے بس سے باہر ہے۔ اگر وہ زندہ نہ ملی تو؟

"یاد رکھو اسے کہیں روپوش کر دوں گا۔ وہ تمہارے کسی کام کی نہیں۔"

"دیکھو کہ یہ تم سرد مہری سے پیش آ رہے ہو۔ اگر وہ مل گئی تو تم بھی آزاد ہو جاؤ گے۔ اس کے شبہ میں ہی شامل ہو جاؤ گے۔"

"میں اس کی کوشش کروں گا۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ مگر ...

"یہ بات بھی ذہن میں رکھنا کہ تمہارے حوالے کر دوں گا؟"

اور وہ سمجھ گیا کہ اس نے اپنے خنجر کو کہیں چھپا رکھا ہے تو اس کے بعد ہمیں سارے جنگ جو نوجوانوں کے پرانے ہتھیاروں کو تلاش کرنے پڑیں گے۔ یہ بچے بھی ہیں اور انہیں بھی سرحد پار جانا ہے۔ ان کا علم نہیں ہوا ہے سو مجھے پاس ہی بیٹھے رہنا۔ ہمیں خفیہ طور پر معلومات تمہاری ذمے داری ہے؟

"مجھے ساحل پر اتار دو، اگر سیتا مل گئی تو وہ خود مجھے تلاش کرے گی۔ اس وقت تک مجھ پر نگرانی رکھو۔ میں بہت جلد تمہیں خبر دوں گا۔"

"بس یہی صورت ہے کہ تمہیں چند معلوم ہو گا یوں؟" بڈھے نے میری تجویز پر ایک دم بھڑک گیا۔ اور اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے مقابل آ کھڑا ہوا۔

"میں نے تمہاری تجویز پر غور کیا ہے!" اس نے جلدی سے صفائی پیش کی۔ "میں نے تمہیں اتنی وفاداریوں کے بعد پہچانا ہے اور اب تمہیں ساحل پر نہیں اتار سکتا۔ کیا یہ میرے ساتھ بدترین مذاق نہیں ہے؟"

"مذاق نہیں میں تمہیں سمجھا رہا ہوں میرے محترم دوست!" میں نے نرمی سے کہا۔ "تمہیں یہ سب کچھ بتانے میں مجھے اپنی حرکت کی آزادی چاہیے۔"

"یہ بس تمہاری خوش فہمی ہے۔ میرے آدمی تمہیں پولیس سے آزاد کرا لیں گے۔ لیکن تمہاری گرفتاری کی خبر کا نوٹس لے لیا جاتا ہے۔ اگر جرم ثابت ہو گیا تو تمہیں ساری زندگی جیل میں گزارنی پڑے گی۔ میں ایسا کھیل نہیں کھیل سکتا؟"

"پھر شاید میری صحت تمہارے لیے اچھی نہ ہو گی۔" میں نے منہ بنا کر کہا۔

چند لمحوں تک وہ گہری سوچ میں ڈوبا رہا۔ پھر بولا۔ "تمہاری نجات نہایت مشکل ہے۔ تم جانتے ہو تم کس خطرے میں ہو۔ سازش کی وجہ سے تم نے ایک ایسی تنظیم کے خلاف کام کیا ہے جو برسوں سے سرگرم ہے۔ کسی بھی ملک کی پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔ یہ ایسے جرائم ہیں جنہیں ہندوستانی حکومت کبھی معاف نہیں کرتی۔ انگلستان کی عدالت میں تمہیں ساحل پر قدم رکھنے کی اجازت بھی نہیں دی جاتی۔"

"فرض کر لو جو سلوک چاہو کرو، اگر وہ عدالت میں ہمارا تعلق بیان کر دے تو ہم بھی سب سے باہر ہیں۔" میں نے بیزاری سے کہا۔

"اچھا!" اس نے بڑی نرمی سے پیچھے ہٹ کر کہا اور روسی زبان میں کچھ بڑبڑاتا ہوا ٹیلیفون کی طرف بڑھ گیا۔

فون پر چند منٹوں تک گفتگو کرنے کے بعد وہ پھر میری طرف آیا اور بولا۔ "آؤ میرے ساتھ آؤ۔ میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری تقدیر میں کیا لکھا ہے!"

میں اس کے ساتھ اٹھ گیا اور قدم بقدم اس کے ساتھ چلتا رہا۔

ایک بار پھر مجھے جہاز کے ساتھ چلتے ہوئے جہاز کی کیبن کا راستہ دکھایا۔ جہاز کے سب سے نچلے حصے میں بنے ہوئے کیبن کی طرف لے گیا جہاں عمومی طور پر کسی تجربہ کار کا سامان موجود تھا۔

بلاشبہ یہ جگہ عموماً پرانے جہازوں کی تباہ شدہ چیزوں کے مختلف ٹکڑوں ...

میں مصروف تھے۔ بعض جگہ ان کی مدد کے لیے لڑکیاں بھی موجود تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ روسیوں کے معیار کے لحاظ سے حسین ہی ہوں۔ لیکن میری نگاہوں میں مشرقی کا مقبول چہرہ اور کردار حسن بسا ہوا تھا۔ پیلے رنگ اور بھاری کولہوں والی کوئی لڑکی توجہ کے قابل نظر نہ آئی اور شاید مجھے جوڑ یا مجھے ان عیاشی کے نقطہ نظر سے نہیں دیکھا تھا۔

بڈھے کے اشارے سے وہاں موجود لوگوں سے سلام دعا کر کے ایک مختصر سے شخص کے قریب جا کر جو ایک گلابی رنگ کا مختلف سیال لیے اس میں پھونک کر بلبلوں کی حرکت کا بغور مشاہدہ کر رہا تھا۔

"مسٹر اسپاسکی!" اس بار بڈھے نے اس شخص سے روسی کی بجائے انگریزی میں مخاطب کیا تھا۔ "یہ ہمارا مہمان ہے۔ اسے تھوڑے سے عرصے کے لیے کولمبو پہنچانا ہے۔ جب اس کے اعصاب بالکل بحال ہو جائیں تو مجھے خبر کر دینا!"

اسپاسکی کی چمکتی آنکھوں میں حیرت ابھری اور اس نے بڈھے سے روسی زبان میں کچھ گفتگو کی جو خاصی دیر جاری رہی۔

"میرا کیا ہو گا؟" اسپاسکی کے خاموش ہوتے ہی بڈھے نے انگریزی میں بولا۔ "تم سارے کی ہدایت کرو میں اس سلسلے میں اپنی رپورٹ ساتھ لیے جا رہا ہوں...."

بڑھا شانے اچکا کر رہ گیا۔

بڈھے نے جاتے جاتے ایک بار میری طرف ترحم آمیز نظروں سے دیکھا۔ اس کی نیلی آنکھوں میں میرے لیے ہمدردی کی جھلک ابھر آئی تھی۔ میں اس سے نگاہیں چار ہوتے ہی دوستانہ انداز میں مسکرایا مگر اس نے میری مسکراہٹ کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ پلٹ کر تیزی سے کسی سے گفتگو میں مصروف ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد سپاہی اور بیکروں میں ملبوس دو قوی الجثہ روسی وہاں آ پہنچے۔ ان کی آستینوں کے نیچے ان کے بازوؤں کی ابھری ہوئی تو انا مچھلیاں بے چینی سے پھڑک رہی تھیں۔ انہوں نے آتے ہی روسی کو سلام کیا اور اسپاسکی کو تعظیم دی اور کینہ توز نظروں سے مجھے گھورنے لگے۔

اسپاسکی تحکم آمیز لہجے میں نہ جانے انہیں کیا سمجھانے لگا۔

اسپاسکی کے خاموش ہوتے ہی وہ دونوں پھرتی سے میرے دونوں پہلوؤں پر آ گئے اور میری بغلوں میں ہاتھ ڈال کر مجھے تقریباً گھسیٹتے ہوئے آگے لے چلے۔

"مجھے چھوڑ دو میں خود تمہارے ساتھ چل رہا ہوں!" میں نے جھنجلا کر کہا۔

وہ دونوں اچانک یوں کھلکھلا کر ہنس پڑے جیسے کسی بچے نے ان کے سامنے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو۔ مگر انہوں نے اپنی زبان سے ایک لفظ نہیں کہا۔

ریسٹورنٹ میں موجود لوگوں نے میری طرف ذرا بھی توجہ نہیں دی۔ سب سر جھکائے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ ایک آدھ نے ان دونوں کے مضبوط شکنجوں پر برا سا منہ بنا کر ان کی طرف دیکھا مگر ان شیشوں پر اس کا ...

کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ بدستور اپنے روایتی انداز میں سرگوشیاں کرتے رہے ایک طرف کھسکتے رہے۔ وہ ان لوگوں میں سے معلوم ہوتے تھے جو اپنی قوت برداشت کے سامنے دوسروں کے ہر جذبے کو ہیچ سمجھتے ہیں۔

اس تگ و دو کا اختتام پھر ایک کمرے پر ہوا جہاں دیوار کے سہارے ایک آہنی اسٹینڈ میں مختلف رنگوں کے گیس کے سلنڈر کھڑے تھے ہر سلنڈر سے ایک ربڑ کی نالی منسلک تھی جس کا دوسرا سرا ایک ڈیوائس گیر یا پمپ سے لگا ہوا تھا۔ وہ ڈیوائس گیر یا پمپ دیوار میں گڑا کہیں غائب ہو گیا تھا۔

ان دونوں نے شانوں سے باہر نکال کر مجھے فرش پر بٹھا دیا اور سیاہ زرد رنگ کا ایک آہنی خود پہنانے لگے۔ اس میں دو پلاسٹک کی چکنی چکنی نلکیاں لگی ہوئی تھیں اس خود کی ساخت اس قدر بے ہودہ تھی کہ اسے سر پر منڈھ دیئے جانے کے بعد سر سے گردن تک پورا چہرہ چھپ گیا تھا حتیٰ کہ آنکھوں کے سامنے بھی کوئی سوراخ یا شیشہ نہیں تھا البتہ سانس لینے میں کوئی دشواری نہیں ہو رہی تھی۔

ان دونوں نے اپنی کارروائی مکمل کرنے کے بعد مجھے چھوڑ دیا۔ جہاں تھا وہیں بیٹھا رہا کیونکہ عملی طور پر میری حیثیت کسی نابینا جیسی تھی۔

چند ثانیے اسی طرح سکوت اور خاموشی کے عالم میں گزر گئے۔ اس دوران میرا ذہن روسی جہاز البانوف کے کمانڈر چیکوف کے الفاظ میں الجھا رہا۔ اس وقت تک مجھے کوریگن گیس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا بس اتنا جانتا تھا کہ شہری استعمال کے پانی میں سے جراثیم کے خاتمے کے لئے یہ گیس پانی میں ملائی جاتی ہے بلکہ کراچی میں اپنے قیام کے دوران کئی بار یہ سنا بھی تھا کہ پانی میں کوریگن کا ذائقہ تک محسوس ہوتا ہے۔ اس بنا پر میرا اندازہ تھا کہ گیس زیادہ خطرناک نہیں ہوگی جبکہ چیکوف نے یہ گیس میرے لئے کڑی سزا کے طور پر تجویز کی تھی اور وہ اس کے ذریعے میرے اعصاب ریزہ ریزہ کرنا چاہتا تھا۔

میں اسی سوچ بچار میں کھویا ہوا تھا کہ اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ناک سے حلق تک کوئی جلتی ہوئی چیز گزر گئی ہو۔ بے اختیار مجھے کھانسی آگئی اور اسی کے ساتھ پلاسٹک ماسک کا اگلا حصہ کسی خود کار اسپرنگ کی مدد سے خود بخود اوپر ہٹ گیا۔

کھانسنے کے ساتھ ہی مجھے اپنے حلق اور سینے میں خراش اور جلن سی محسوس ہوئی۔ اور اس بار میرے دہانے سے کھانسی کے ساتھ خون کے چند قطرے بھی فرش پر آ پڑے۔ اسی کے ساتھ کھانسی میں ناقابل برداشت شدت آگئی۔

میں نے دونوں ہاتھ سے سینہ دبا کر کھانستے ہوئے بے چارگی کے ساتھ ہر طرف سر گھمایا مگر وہاں میرے سوا کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔ مجھے لانے والے شاید مجھے اس کمرے میں مقفل کر کے کہیں چلے گئے تھے۔

میں نے اپنی کھوپڑی اور گردن میں پھنسے ہوئے اس خود کو اتارنے کی ناکام کوشش کی مگر وہ بہت مضبوطی کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ دوسری بار کوشش کے باوجود سانس لینے کا طریقہ دریافت کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کھانسی کا دورہ طول پکڑ رہا تھا۔ خود کا اگلا حصہ ایک بار اچانک اس طرح گرا کہ میرا پورا چہرہ اس میں بند ہو کر رہ گیا اور اس کے اندر تیزی سے کوریگن گیس بھرنے لگی۔ میں نے سانس روک کر خود کو اس مصیبت سے بچانا چاہا۔ آنکھوں کی سوزش میرے لئے ناقابل برداشت تھی لیکن میرے پھیپھڑے زیادہ دیر سانس نہ روک سکے اور سانس لیا میرے اندرونی نظام تنفس میں آتش گیر سی تیزابی چلی گئی۔

اس بار کھانسی کا دورہ بہت شدید تھا کھانسی کے ساتھ ہی ماسک کا اگلا حصہ پھر اوپر اٹھ گیا۔ اس بار میری حالت بہت ابتر تھی۔ میرے منہ سے خون کی پتلی سی لکیر بہہ نکلی حلق کی خراشیں چند ثانیوں کے لئے بھی کھانسی نہ رکنے دے رہی تھیں۔

نہ جانے کتنی دیر میری یہی کیفیت رہی پھر جب کھانستے کھانستے نڈھال ہو کر فرش پر ڈھیر ہو گیا اور اسی عالم میں مجھ پر غشی طاری ہو گئی۔

آنکھ کھلی تو میں نے ذہنی غنودگی کے سے ہی عالم میں اپنے قریب بیٹھی ہوئی کسی چیز کا وجود محسوس کیا جو کسی سائے کی مانند مجھ پر جھکا ہوا تھا۔

چند ثانیوں بعد جب میری بصارت اور ذہنی بحالی ہو گئی تو میں نے اسے دیکھا اور ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

اس کے جسم پر جو لباس تھا مغربی طرز معاشرت کے اعتبار سے [illegible] تھا مگر مشرقی معیار کے مطابق وہ تقریباً نیم برہنہ تھی۔

اس کے سنہرے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ نیلی آنکھوں میں دلچسپی نمایاں تھی اور چھوٹے چھوٹے گلابی ہونٹوں پر معصوم سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"تم کیسے ہو؟" اس نے مسہری پر میرے قریب ہی بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔ اس کے بدن سے عجیب سی بھینی بھینی مہک پھوٹ رہی تھی۔ میں یہ اندازہ نہ کر سکا کہ یہ اس کے بدن کی خوشبو تھی یا اس نے کوئی خوشبو لگائی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر اذیت ناک بے ہوشی کے بعد میرا ذہن لذت انگیز خواب کے سمندر میں غوطے لینے لگا۔

"میں بہت تھکا ہوا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ میری آواز کمزور ہو رہی تھی۔ "میں اس وقت کہاں ہوں اور تم کون ہو؟"

اس نے کسی خوفزدہ ہرنی کی طرح دروازے کی طرف دیکھا پھر میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "تم یہیں آرام کرو۔ میں بڑی مشکل سے تمہارے پاس آئی ہوں۔ جہاز کے ایک انجن میں کچھ خرابی ہو گئی ہے اور چیکوف وہاں مصروف ہے۔"

اس کا لہجہ غیر ملکی تھا اور انگریزی اس کی مادری زبان نہیں تھی مگر اس وقت میرے لئے ہر زبان ناقابل فہم تھی۔ اس کا ہاتھ میرے سینے پر تھا اور میرے بدن میں آہستہ آہستہ حرارت سی گونج رہی تھی جو کسی بھی وقت بھڑک سکتی تھی۔

"تم وہی ہو نا جسے میں نے چیکوف کے کیبن میں دیکھا تھا؟" میں نے غور سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا جو اس نے میرے سینے پر رکھا ہوا تھا۔

"میں نے مدتوں بعد کسی عورت کو اپنے اوپر مہربان دیکھا ہے۔" میں نے مسہری سے اٹھنا چاہا مگر نقاہت کے باعث آنکھوں کے سامنے تاریک دائرے رقص کرنے لگے اور مجبوراً مجھے دوبارہ بستر پر دراز ہونا پڑا۔

"میں جا رہی ہوں۔" وہ اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے بولی۔ "پھر کسی وقت آؤں گی۔ اپنے دماغ پر زور دو ورنہ احمقانہ حرکتوں میں پڑے رہے تو تمہاری لاش بھی سمندر میں پڑی نظر آئے گی۔"

"تم کون ہو؟" میں نے پہلی بار اس کی ذات کے بارے میں تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔ اس سے قبل تو میرے ذہن پر صرف جنس سوار ہو گئی تھی۔

"ایک لڑکی۔" اس نے کہا اور کھلکھلا کر ہنستی ہوئی کیبن سے نکل گئی۔

میں کافی دیر تک بستر پر پڑا اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ جاتے جاتے وہ اپنی دلچسپی کی مہک سے سرشار کر گئی تھی۔ بظاہر وہ کافی بے تکلف لگی اور پہلی مرتبہ اس نے جس انداز میں چیکوف کو بتانا تھا اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ جہاز کے عملے میں ہی شامل ہے اور اپنی اطوار کے باعث چیکوف کی منظور نظر بھی ہے۔

ذہن سے اس کی خوبصورتی کا بھوت اترا تو میں نے سنجیدگی سے موجودہ حالات کے بارے میں غور کیا اور جوں جوں میں سوچتا رہا میرا یقین پختہ ہوتا گیا کہ چیکوف مجھ پر اب دو طرفہ وار کر رہا ہے۔ خود تشدد کے ذریعے پارس پتھر حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور دوسری طرف وہ لڑکی جذباتی طور پر میرے قریب رہ رہی ہے تاکہ کسی موقع پر میری زبان کھلوا سکے۔ شاید چیکوف کو میرے بارے میں معلومات حاصل ہو گئی تھیں اور وہ اپنی دانست میں ان سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اس بے چارے کو یہ معلوم نہیں تھا کہ صفدر علی عورتوں کا رسیا ضرور ہے مگر ان کی غلامی قبول نہیں کرتا۔

لڑکی کے چلے جانے کے کم و بیش چند ساعت بعد ہی چیکوف وہاں پہنچا۔ اس وقت اس کے جسم پر خنکی وردی کے بجائے ڈانگری تھی جو جا بجا تیل گریس اور سیاہی کے دھبے لگے ہوئے تھے اس کی جیبوں میں مختلف اوزار موجود تھے۔

"تمہارے حواس کچھ ٹھکانے آئے یا نہیں؟" اس نے مجھے بیدار پا کر ماتھے سے پسینہ صاف کرتے ہوئے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"میرے حواس شروع ہی سے ٹھکانے پر ہیں۔" میں نے کچھ [illegible]

"[illegible] کرسی پر کر میرے پاس [illegible] میں تمہیں [illegible] پارس پتھر دے دو تو میں تمہیں

زندگی کی ضمانت دینے کو تیار ہوں ورنہ تمہاری لاش سمندر میں پھینک دی جائے گی اور اگر وہ لڑکی ہسپتال گئی تو یہی سلوک اس کے ساتھ بھی کیا جائے گا کیونکہ اس کے قبضے سے پارس پتھر برآمد ہو جاتا ہے۔"

"اگر مجھے مارنے کے لئے بہانہ درکار ہے تو یہ شرط خاصی مناسب ہے۔" اس بار میں نے بھی طنز آمیز لہجے میں کہا۔ "آخر تم مجھ سے اس بات کا مطالبہ کیوں کر رہے ہو جو قطعی طور پر میرے اختیار سے باہر ہے اور میں اسے کسی طرح پورا نہیں کر سکتا۔"

"پارس پتھر کسی بھی مرموز ہے اور اس پر ماسکو کا حق ہے۔ وہ ہر حال میں ماسکو پہنچ جانا چاہئے۔" وہ ٹھوس لہجے میں بولا۔ "یہ تحقیق کا ایک بہترین موضوع ہے۔ تمہیں زندہ چھوڑ کر یہ عظیم مقصد حاصل نہیں کیا جا سکتا کہ تم وہ پتھر اس کے خفیہ ٹھکانے سے نکال کر کسی اور کے حوالے کر دو گے۔ جانے پر تلاش کرتا رہوں گا۔ یہ کام جتنا جلد ہو سکتا ہے۔"

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔" میں نے استہزائیہ انداز میں [illegible] جانتا تو واقعی ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"تمہیں سوچنے کے لئے صرف دس گھنٹے دیئے جا رہے ہیں۔ یہ دس گھنٹے پورے ہونے سے قبل مجھے تسلی بخش جواب چاہئے۔"

اس کے بعد اس سے مزید بحث بے سود تھی۔ وہ اپنی بات ختم کر کے باہر چلا گیا۔

تقریباً نصف گھنٹے بعد وہ لڑکی آئی۔ وہ بہت جلدی میں معلوم ہوتی تھی۔ اندر آتے ہی اس نے دروازہ بند کیا اور تیزی سے میرے قریب آگئی۔

"مسٹر! تمہیں دس گھنٹے بعد مار کر سمندر میں پھینک دیا جائے گا؟" اس نے ہیجان آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"مجھ سے چالبازی کی کوشش نہ کرو۔ یہ بات تمہیں چیکوف سے بھی معلوم ہو سکتی تھی۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"بے وقوف آدمی! میں تمہیں پسند کرنے لگی ہوں۔" وہ جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"بڑی خوشی کی بات ہے۔" میں نے بدستور زہریلے لہجے میں کہا۔ "چیکوف سے کہو کہ مجھے مارنے کے بعد سمندر میں پھینکنے کے بجائے تمہارے حوالے کر دے۔ میری لاش محفوظ کر کے اپنی خوابگاہ کے کسی خالی گوشے میں سجا لینا۔"

"تم مجھے کیوں نہیں سمجھتے احمق آدمی؟" وہ اچانک روہانسی ہو گئی۔ "میں چیکوف سے تنگ آچکی ہوں وہ بدترین جنسی مریض ہے۔ اگر تم نے میرے ساتھ بھی یہ رویہ رکھا تو اس کا غیر انسانی سلوک مجھے خودکشی پر مجبور کر دے گا۔"

"تمہیں اس پراسرار پتھر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے؟" میں نے بے یقینی سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"جہنم میں جائے پتھر۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔ "مجھ پر اعتبار کر سکتے ہو تو کرو۔"

دوسری جاری کہاں، جو میرے مقدر میں لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"روزیلا ــــ میں اس جہاز پر چیف کی سیکرٹری کے طور پر ملازم ہوں مگر وہ ہمیشہ سے مجھے اپنی مرضی پر چلاتا رہا ہے۔ وہ اوّل درجے کا خبیث اور بے حیا ہے۔ میری کسی حسن بھی بات سے براہ راست پر نہ لا سکی۔ اس جہاز پر کسی میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ چیف کے خلاف سر بھی اٹھا سکے۔ اسی لئے میں نے تم پر بھروسا کیا ہے۔ اس کے ساتھ میں تمہیں پسند بھی کرنے لگی تھی۔ تم پہلے ایسے مرد ہو جو موجود ہیں جو عورتوں کو متوجہ کرتے ہیں۔ چیف تو اس قدر وحشی ہے کہ اسے میری کسی بھی نسوانی خوبی سے دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے بس ایک کھلونا بنا رکھا ہے۔"

"اتنی تفصیل کی ضرورت نہیں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "تمہاری بات میں سمجھ چکا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"اس منحوس جہاز سے نجات۔"

"میرے کتنے ساتھی اس جہاز پر قیدی ہیں؟" میں نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد روزیلا سے دریافت کیا۔

"ایک بھی نہیں۔" وہ فوراً بولی۔ "تمہارے سوا ہر ایک کو خونخوار چیف نے کھلے سمندر میں ہی ہلاک کر دیا تھا۔"

"اور تم چاہتی ہو کہ میں تنہا چیف سے بھڑ جاؤں؟" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "دیکھیں اس کی بدسلوکیوں کے باعث تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا ہے؟"

"تم بس میرا ساتھ دینے کا وعدہ کرو، سارا کام میں خود نبٹا لوں گی۔ آخری مرحلے پر مجھے ایک ساتھی کی ضرورت ہوگی۔"

"جب تک منصوبے کا پورا علم نہ ہو میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔"

"جہاز پر دو انجن ہیں۔" وہ میرے قریب آ کر سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔ "دونوں کو تیل کی فراہمی ایک ہی جگہ سے کی جاتی ہے۔ اس ٹنکی میں تیل کو ٹھنڈا رکھنے کے لئے تیل کی نالیوں میں سے ٹھنڈا پانی گزارا جاتا ہے۔ میں ایک ایسی جگہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوں جہاں سے پانی تیل میں مل سکتا ہے۔ اس بات کا کسی کو علم بھی نہ ہو گا اور اچانک انجن کام کرنے سے انکار کر دیں گے۔ اتفاق سے اس وقت ایک انجن خراب ہے۔ جب دوسرا بھی ناکارہ ہو جائے گا تو جہاز کھلے سمندر میں رک جائے گا۔ اور انجنوں کی وہ خاموشی ہو گی۔"

"اس منصوبے میں ہم دونوں کی رہائی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔" میں نے خاموشی کا وقفہ طویل ہوتے دیکھ کر اسے یاد دلایا۔

"ہنگامی حالت کا اعلان ہوتے ہی چیف سمیت سارا عملہ انجنوں کی مرمت اور خرابی کا سراغ لگانے میں مصروف ہو جائے گا۔ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر ہم عقبی حصے سے سمندر میں اتر جائیں گے۔ انجن بند ہونے کے سبب روشنی بھی نہیں ہو گی۔ رات کے اندھیرے میں ہم لائف بوٹ لے کر آسانی سے فرار ہو سکیں گے۔" اس نے وضاحت کی۔

"اور اس کے بعد کیا ہو گا؟"

"پلاسٹک کی سفید کشتی بہت تیز رفتار ہوتی ہے۔ اسے پکڑنا ان کے بس سے باہر ہو گا۔ ویسے جہاز پر اس ساخت کی صرف ایک ہی کشتی ہے۔"

"اگر ہم پر فائرنگ کی گئی؟"

"اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "عقب ایک تو سب سے ویران اور عقبی حصے میں ہے۔ اگر رہتے پر اندھیرا ہو تو کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو گی۔"

"زبانی حد تک تو تمہارا منصوبہ بے داغ ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ عملی طور پر یہ کہاں تک کارآمد ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ عین وقت پر دونوں انجنوں کے بند ہونے سے چیف کو شک گزرے اور جہاز پر ایسی ہنگامی حالت پیدا ہو جائے کہ جس کی تم توقع کر رہی ہو۔"

"یہ مشکل ہے۔ پھر اس کا امکان صرف اسی وقت ہو گا جب کوئی یکسوئی کے ساتھ سوچ سکے۔ تم اسے نہیں جانتے۔ وہ ہنگامی حالت میں بھی وہ نکات نظر انداز کر جاتا ہے۔"

"بہرحال میں تیار ہوں ــــ لیکن یہ منصوبہ تمہارا ہے، اس لئے تمام اختلافات کا جائزہ لینا تمہاری ذمہ داری ہے۔" میں نے کہا۔

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں اپنا کام دکھانے سے پہلے چیف کو لے کر کیبن میں سے آؤں گی۔ جاتے جاتے آخری بار مجھے اس کی حرکتیں ایک بار برداشت کرنا پڑیں گی۔ جب بستر پر لیٹے یہ سوچنے لگے گی تو ہر کام میرے منصوبے کے مطابق ہوتا جائے گا۔" وہ اس ماحول سے بے حد بیزار نظر آ رہی تھی۔ "مگر تم نے ابھی تک یہ نہیں پوچھا کہ تمہارا کام کیا ہے؟"

"تمہاری تنظیم کے علاوہ بھی مجھے کچھ کرنا ہے؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"تمہارے وجود پر کوئین کے اثرات بھی گہرے ہیں، اس لئے تمہیں مشقت کا کوئی کام نہیں دوں گی۔ جہاز پر خطرے کا سائرن بجتے ہی اپنے کیبن میں آگ لگا کر باہر نکل آنا۔ یہاں کوئی نہیں ہے اور عقبی حصہ قریب ہے جو ذرا سی کوشش میں آگ پکڑ لے گا۔ مگر دروازہ کھلا رکھنا تاکہ کسی کو فوراً ہی آگ کا علم نہ ہو سکے۔"

"شاید یہ کیبن کچھ اہم تنصیبات سے ملحق ہے؟" میں نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

اس کی آنکھیں حیرت سے کشادہ ہو گئیں۔ "تم تو میری توقع سے زیادہ ہوشیار ہو۔ اس کیبن کے ساتھ ہی ریڈار اور ریڈیو کنٹرول روم ہے۔ وہاں سے تمہیں باآسانی میزائل کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔ ایک بار کمرہ آگ پکڑ لے تو وہ نظام ناکارہ ہو کر رہ جائے گا۔"

"مگر کیسے؟"

"کنٹرول روم کو بجلی فراہم کرنے والے تار چھت سے گزرتے ہیں۔ ان تاروں کو چھپانے کے لئے عارضی چھت بنائی گئی ہے۔" وہ گھڑی دیکھتے ہوئے جلدی جلدی بولی۔ "تار تمہارا نشانہ ہوں گے۔"

"اگر ایسا ہے تو میں ابھی چھت توڑ کر تاروں کو ناکارہ بنا دیتا ہوں۔"

کو تباہ کر دوں گا۔" میں نے پورے وثوق سے کہا۔

"بہتر تو یہی ہوگا۔ مگر میں نہیں چاہتی کہ اس کام میں تم اتنی توانائی ضائع کر بیٹھو کہ عین فرار کے موقع پر مجھے تم کو سنبھالنا پڑ جائے۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں تم پر بوجھ نہیں بنوں گا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"میری ہدایت ہے، سائرن کی آواز کے ساتھ ہی تمہیں کام شروع کرنا ہے۔ اس کے بعد عرشے کے آخری حصے پر میرا انتظار کرنا۔" اس نے جاتے جاتے ایک بار پھر یاد دہانی کراتے ہوئے کہا۔

"تم بے فکر ہو کر جاؤ۔ چیف تمہاری آغوش کا متلاشی ہوگا۔"

وہ مجھے آنکھ مار کر وہاں سے چلی گئی۔

کچھ کر گزرنے کا مقام آتے ہی میری توانائی تیزی سے بحال ہوتی چلی گئی۔ شاید یہ میری مضبوط قوت ارادی کا کمال تھا جو نقاہت کے احساس پر غالب آتی چلی گئی۔ میں نے اپنے کمرے کی چھت کا بغور جائزہ لینا شروع کر دیا اور تھوڑی ہی دیر میں ایک ایسے کمزور جوڑ کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو گیا جسے میں معمولی سی کوشش سے اکھاڑ سکتا تھا۔

روزیلا کے چلے جانے کے بعد تقریباً دو گھنٹے کی مدت شدید اعصابی تناؤ اور انتشار کے عالم میں گزری۔ میرے کان بے چینی کے ساتھ خطرے کے سائرن کی ڈراؤنی آواز کا انتظار کر رہے تھے۔

وہ آواز اچانک ہی سنائی دی۔ اس سے قبل جہاز کو دو ہلکے جھٹکے لگے اور پھر سائرن پوری قوت کے ساتھ چیخ اٹھا۔ میں نے پھرتی کے ساتھ کرسی چھت سے نشان زدہ حصے کے نیچے کھینچی اور جوڑ میں انگلیاں پھنسا کر پلائی وڈ کا ٹکڑا نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔

میں نے ابھی اس کا ایک ہی سرا اکھاڑ پایا تھا کہ اچانک بجلی غائب ہو گئی اور کیبن میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔ شاید بیٹری کو محفوظ رکھنے کی خاطر جہاز کی ساری روشنیاں گل کر دی گئی تھیں تاکہ اس توانائی کو اہم ترین ضروریات کے لئے بچایا جا سکے۔ انجن بند ہونے کی صورت میں سارا بوجھ غالباً شاید محفوظ بیٹریوں پر منتقل ہو گیا تھا۔

میرے لئے یہ تاریکی نیک شگون تھی۔ باہر راہداری میں بھاگ دوڑ اور چیخ پکار کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کسی بھی لمحے کوئی شخص دروازہ کھول کر میرے کیبن میں گھس سکتا تھا مگر اندھیرا ہو جانے کے بعد میں اس خطرے سے پوری طرح محفوظ ہو چکا تھا۔

تھوڑی سی کوشش کے بعد پلائی وڈ کا ایک بڑا سا ٹکڑا چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ میرے ہاتھوں میں آ گیا اور میں نے سہارا لے کر اسے فرش پر گرا دیا۔

اسی وقت کیبن میں لگے ہوئے کسی دیوار گیر اسپیکر پر ایک مردانہ آواز سنائی دی جو روسی زبان میں کچھ اعلان کر رہی تھی۔ اعلان ختم ہوتے ہی اسپیکر بے جان ہو گیا اور میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ اپنی جیب سے ماچس کی ڈبیا نکالی۔

دیاسلائی کی رگڑ کی آواز کے ساتھ ہی شعلہ بھڑکا اور کمرے میں پریشان زدہ روشنی پھیل گئی۔ میں نے دیاسلائی کی لو بجھتے ہی اپنا ہاتھ بلند کیا اور چھت میں پیدا ہونے والے خلا میں سے اندر داخل کر دیا۔

وہ تاریک خلا جوں ہی روشنی میں نہایا، میرا دل خوشی سے بلیوں اچھل پڑا۔ چار موٹے موٹے برقی تار اور بے شمار باریک تاروں کا ایک گچھا اس تاریک خلا میں سے گزرتا ہوا نظر آیا۔ وہ اتنا قریب تھا کہ میں نے پنجوں کے بل اچک کر ان تمام تاروں کو چھو لیا۔

دیاسلائی اپنے آخری سانس پر تھی۔ میں نے شعلے کے تاروں پر ڈال دیا اور وہ وہاں گرتے ہی بجھ گئی۔ میں نے تاروں کو چھو کر اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ موٹے تاروں پر جو خول منڈھا ہوا ہے وہ آسانی سے آگ نہ پکڑے گا۔ البتہ باریک تاروں کے فوراً ہی جل جانے کا امکان تھا۔

اس اندازے کے پیش نظر میں احتیاط کے ساتھ کرسی سے نیچے اترا اور مزید ایک تیلی سلگا کر کمرے کا فرش دیکھنے لگا تاکہ جلنے کو فوری طور پر تباہ کرنے کا بندوبست کیا جا سکے۔

اس تمام کارروائی میں مجھے بمشکل چند منٹ صرف ہوئے اور میں نے تاروں کے اوپر کاغذ پھیلا کر ان کو آگ دکھا دی۔

اس کے بعد میرا وہاں رکنا اور نتائج کا انتظار کرنا غیر ضروری تھا۔ میں نے خلا میں سے آنے والے انعکاس کی مدد سے کمرے میں سے ہر اس شے کو جو جلد آگ پکڑ سکتی تھی اٹھائی اور اوپر ڈال دی۔ اس میں بستر کی سوتی چادر، میز پوش، کمبل اور تولیہ تک شامل تھا۔

میری یہ محنت جلد ہی بارآور ثابت ہوئی اور آگ تیزی کے ساتھ بھڑک اٹھی۔

میں پھرتی کے ساتھ دروازے کے قریب پہنچا چند ثانیوں تک کان لگا کر راہداری میں نقل و حرکت کا اندازہ لگاتا رہا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہاں مکمل سناٹا ہے تو میں دروازہ کھول کر پھرتی سے باہر آ گیا اور دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔

تنگ راہداری میں گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ وہاں سمتوں کے تعین کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ مجھے ایک چوک یہ ہوئی کہ روزیلا سے یہ معلوم کرنا بھول گیا کہ میرا کیبن جہاز کے کس حصے میں واقع ہے۔ بہرحال وہ موقع حوصلہ ہارنے کا نہیں تھا۔ میں محض قیاس کے سہارے تیز تیز قدموں سے ایک طرف ہو لیا۔

تقریباً چھ سات منٹ ... میں بھول بھلیوں میں بھٹکتے ہوئے کسی مجبور پرندے کی طرح ... مگر کامیابی کے احساس نے خوف کو مٹا دیا تھا۔ اب مجھے صرف اس بات کی فکر تھی کہ جلد از جلد مقررہ مقام پر پہنچ سکوں۔

خاصی جدوجہد کے بعد میں بیرونی سیڑھیوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد مجھے میدان صاف ملا۔ سیڑھیوں پر کئی آدمی مجھ سے ٹکراتے ہوئے گزرے لیکن اندھیرے اور ہنگامی حالت کے باعث کسی کو ہوش نہیں تھا کہ وہ کس سے ٹکرایا ہے۔

میں عرشے پر پہنچا تو وہاں چند لڑکیاں ریلنگ کے سہارے کھڑی بیک وقت بول رہی تھیں۔ ان کے لہجوں میں ہراس کا عنصر نمایاں تھا۔ شاید وہ اندھیرے اور سناٹے سے گھبرا کر عرشے پر نکل آئی تھیں کہ اختیاطی خطرناک حالت پیدا ہو جائیں تو جلد ہی لائف بوٹ پر جگہ پا سکیں۔

میں ان سے کترا کر عرشے کے پچھلے حصے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ وہاں روزیلا کے بیان کے مطابق سناٹا چھایا ہوا تھا۔ شاید سارے جہاز کے انجن روم اور اس کے گرد و نواح میں اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔

میں تاروں بھرے آسمان کے سائے میں عرشے کے تقریباً بالکل آخر میں اس مقام پر پہنچا جہاں پلاسٹک کی برق رفتار لائف بوٹ موجود تھی تو نائیلون کے رسوں کے ایک ڈھیر کے عقب سے مجھے سسکی کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔

میں چونک کر غیر ارادی طور پر ایک کالم کی اوٹ میں چھپ گیا۔ تاریکی میں میری نگاہیں رسوں کے انبار کی طرف لگی ہوئی تھیں مگر میں کوشش کے باوجود وہاں کسی کی موجودگی محسوس نہ کر سکا۔

پھر اچانک کسی نے عقب سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں اچھل کر پیچھے کی طرف پلٹا اور اس سے قبل کہ میرا ہاتھ پوری طرح حرکت میں آتا میں نے روزیلا کو پہچان لیا۔

"اگر انہیں علم ہو گیا تو وہ کسی بھی لمحے یہیں آ پہنچیں گے۔"

"ابھی وقت باقی ہے ——— وہ سرخ بتی دیکھ رہے ہو جب تک وہ نہیں بجھ جاتی کنٹرول روم کے تار سلامت رہیں گے۔ ان کے بجھنے کے بعد ہی ہم سمندر میں اتریں گے۔"

یہ میری خوش نصیبی ہی تھی کہ اس دوران کسی طرف مکمل سکوت چھایا رہا۔

اب سرخ روشنی غائب ہو رہی تھی۔ لیکن یہ میری لگائی ہوئی آگ کی بھڑک رہی تھی۔ کنٹرول روم کو بجلی کی فراہمی منقطع ہو چکی تھی اور ایک طرف سے کثیف دھوئیں کے بادل اُڈ رہے تھے۔ ساتھ ہی بے شمار آوازوں کا ملا جلا شور بھی ابھرنے لگا تھا۔ شاید روزیلا نے وقت کا اندازہ صحیح رکھا ہوا تھا ———

برقی فراہمی کا سلسلہ منقطع ہو جانے کے باعث لائف بوٹ کو سمندر میں اتارنے میں خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر روزیلا شاید پہلے ہی اس انتظام کا بغور مشاہدہ کر چکی تھی اس لئے اس کی مدد سے ہم نے یہ کارروائی پوری کر لی۔

پھر رسّی کی سیڑھی کے ذریعے پہلے روزیلا بوٹ میں گئی اور اس کے بعد میں بھی نیچے پہنچ گیا۔ میں نے چپّوؤں کی مدد سے بوٹ کو کچھ آگے بڑھایا۔ پھر روزیلا نے اس کا فوراً انجن اسٹارٹ کر دیا اور بوٹ اچانک تیزی کے ساتھ آگے کی طرف بڑھی۔

جہاز پر گھور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ حالانکہ ابھی تاریکی ہی تھی لہٰذا ہم بے روک ٹوک آگے بڑھتے رہے۔ میں نے کافی دور نکل آنے کے بعد چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور اچانک ایک نئی تشویش نے میرے ذہن کو آ لیا۔

جہاں تک چاروں طرف نگاہ جاتی تھی سمندر کا پانی ہی پانی پھیلا ہوا تھا اور کہیں بھی خشکی یا روشنی کا دھبہ نظر نہیں آ رہا تھا اور خاص طور پر میرے لئے سمندر میں سمتوں کا احساس بے معنی تھا۔

"ہم کدھر جا رہے ہیں روزیلا؟" میں نے اپنی آواز میں ٹھہراؤ قائم رکھتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"جنوب اور اس کے جہاز سے دور۔" وہ قہقہہ لگا کر بولی۔

"ایسا تو نہیں کہ ہم ساحل کے بجائے مخالف سمت میں جا رہے ہوں؟"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" اس کے لہجے میں ذرا بھی پریشانی نہیں تھی۔

"میں سمندر میں ڈوب کر مرنا پسند نہیں کرتا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"اگر تمہاری یہ خواہش پوری ہو تو میں ہر خطرہ مول لے سکتی ہوں۔ سمندر ایک خوبصورت سی چیز ہے۔" وہ اندھیرے میں میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ اس کی نیلی آنکھوں میں ایک بار پھر چمک عود کر آئی۔

میں اپنی جگہ سے اُٹھا اور اس کے پہلو میں جا بیٹھا۔ اسی وقت میری نظر ڈائل بورڈ پر پڑی۔ وہاں چمکدار ڈائل اور سوئی والا ایک قطب نما موجود تھا جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ لائف بوٹ مشرق کی طرف سفر کر رہی ہے۔

میرے منہ سے اطمینان کا ایک طویل سانس آزاد ہو گیا۔ مجھے یہ تو معلوم تھا کہ ہم بحیرہ ہند کے علاقے میں کسی جگہ موجود تھے اور اگر قطب نما درست تھا تو مشرق کی طرف سفر کرتے ہوئے ہم جنوبی ہندوستان کے مغربی ساحل پر کہیں بھی پہنچ سکتے تھے۔ جو ترپونڈرم سے مانڈوی تک پھیلا ہوا تھا۔

"تم فنکارہ سی ہو۔" میں نے سوال کیا۔

"تمہیں کیا لگتی ہوں؟"

"کوئی معصوم سی مگر باغیانہ ذہن کی مالک ہو۔"

"میں بیس برس کی ہوں۔" وہ اپنا سر میرے سینے سے لگا کر بولی۔ اس کے گداز بدن کا لمس میرے ذہن پر سرور طاری کر رہا تھا۔ جہاز کے تہہ خانوں سے نکل آنے کے بعد میرے لطیف احساسات پھر سے بیدار ہو گئے تھے اور ذہن پر یہ تصور حاوی ہوتا جا رہا تھا کہ کھلے سمندر کی لامحدود وسعتوں میں ایک حسین اجنبی دوشیزہ میری ہم سفر ہے [illegible] وہ اپنے بارے میں [illegible] بیدار ہو گئی تھی۔

"تم کیا سوچ رہے ہو؟" اس نے مجھے تقریباً جھنجھوڑ کر پوچھا۔

میں نے اس کی گرفت [illegible] اپنا چہرہ چھپا لیا۔ "میں تمہارے قرب کی لذت میں کھویا ہوا تھا۔"

وہ کسی تتلی کی طرح میرے بازوؤں میں سمٹ آئی اور آہستہ سے بولی۔ "تم سمندری لہروں سے بھی زیادہ [illegible] ناقابل تسخیر معلوم ہوتے ہو۔"

[illegible]

"میں تمہارا ساتھ ہرگز نہ چھوڑوں گی۔" وہ آنکھیں موند کر بولی۔ "تم نے مجھے جیت لیا ہے۔ مجھے زندگی کی اس سب سے [illegible] ہے جس کے لئے میں ترستی رہی ہوں۔"

"تم کتنا بولتی ہو۔" میں نے اس کے نرم [illegible] آواز میں کہا۔

"میرے لئے بھی اعتراف ہے۔" وہ بولی۔ "مجھے اپنی بانہوں میں [illegible] پہلے ہی ہم [illegible] گے۔"

"ساحل پر پہنچنے سے پہلے یہ اندازہ [illegible] ہے۔"

[illegible] ہندوستان کی سرزمین [illegible] تک آ پہنچی۔

میں اس کی [illegible] وقت کر رہا [illegible]۔

"مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں۔" وہ میری طرف دیکھ کر [illegible]



میں بولا۔ "اگر تم واقعی پارس چھوڑ کے جا رہے ہو تو ہم یقیناً نہ سال گزار سکیں گے۔ مگر معاش انسان کی ہر حس سے زیادہ ضرورتوں کو نگل جاتی ہے۔"

میں نے نرمی سے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: "تم فکر نہ کرو۔ میں پارس چھوڑ کے بغیر بھی تمہیں عیش کرانے کی استطاعت رکھتا ہوں۔"

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔" وہ بہرحال [illegible] سے بھرپور لہجے میں بولی۔ وقت بہت بہتر ہو جائے گا [illegible] کے بعد بڑی جلدی [illegible] کہ اس نے تو ایک بوٹ یہاں [illegible] سے ہم آسانی کسی دوسرے ساحل سے جا لگیں گے۔

پھر وہ ہنستے ہوئے لیٹ گئی۔ اس کا جسم انتہائی حسین اور دلکش تھا لیکن اچانک مجھے خیال آیا کہ کہیں مجھے وہ اپنے حسن کے دام میں نہ الجھا رہی ہو تاکہ اس طرح پارس پتھر کا سراغ لگا سکے جو اس کے باپ نے میری گفتگو سے پہلے ہی میرے ذہن میں چھپا رکھا تھا۔ ۔ ۔ یہ خیال آتے ہی اس کا گداز بدن ہوتے لیتے یک بیک سانپ کی طرح محسوس ہونے لگا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے نقاب کی اوٹ میں سے مجھ پر حملہ کیا ہو اور اسی لمحے میرے سامنے اس کا اصلی چہرہ اجاگر ہو گیا۔

میں تیزی سے اٹھا اور بوٹ کے مختلف حصوں کی تلاشی لینے لگا اگرچہ مجھے قریب سے ہی ایسی چیز کا سراغ نہ ملا، جو اس کا اصل مقصد ہو۔ مجھے یقین تھا کہ اس بوٹ پر کوئی ایسی چیز تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا جو رزینا کے عزائم پر روشنی ڈال سکے۔

میں نے بوٹ کا چپہ چپہ چھان مارا مگر مجھے کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ اسی دوران میں کئی بار ابھرتی لہروں نے مجھے پریشان کیا اور دور سے ساحل کی روشنیاں نظر آئیں جو فضا میں معدوم ہو گئیں۔

تلاشی مکمل ہو چکی تھی لہٰذا میں مایوس ہو کر عرشے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ رزینا گہری نیند سو رہی تھی۔ مگر اب اس کے چہرے پر میری تلاشی ختم ہو چکی تھی جب کہ وہ [illegible] سے ہر شبہات کی تردید کر رہی تھی۔ وہ میری بہترین رفیق تھی اور مجھے اس کے ساتھ سفر کی جاری رکھنی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ روشنیاں واضح ہو گئیں۔ مگر وہ ساحل نہیں بلکہ کشتیاں تھیں۔ شاید وہ ماہی گیروں کی بادبانی کشتیاں تھیں جو اپنے کام میں مصروف تھے۔ ان کی لالٹینوں کی روشنی دور سے دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ اگر ان کے قریب جائیں تو وہ ہماری مدد کر سکتے ہیں۔ اس طرح رات گزرنے سے پہلے ساحل پر پہنچنے کا امکان نظر آ رہا تھا لیکن سوائے ماہی گیروں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

میں نے آہستہ سے رزینا کو جھنجھوڑا اور وہ ہڑبڑا کر بیدار ہو گئی۔ اسی وقت وہ اپنا لباس سمیٹے گٹھڑی کی صورت میں سو رہی تھی۔ اس کے بال اس کی پشت سے لگے ہوئے تھے اور چہرہ اپنے بازوؤں میں چھپائے وہ اسی کروٹ لیٹی ہوئی تھی۔

"اف ۔ ۔ کیا بات ہے؟" اس نے بیدار ہوتے ہی گھبرا کر نیند بھرے لہجے میں پوچھا۔

"ہم کسی ساحل کے آس پاس ہیں۔" میں نے کہا۔ "سامنے سمندر میں کچھ مچھیروں کی کشتیاں ہیں۔ مچھیروں نے بتایا ہے کہ ہمیں ساحل کی طرف جانا ہے۔ وہ بہت جلد ہی ہم تک پہنچ جائیں گے۔ ان کی دست برد سے نہ بچا سکوں گا۔"

وہ خمار انگیز انداز میں مسکرائی [illegible] بیٹھ گئی اور پھر اپنے شانے سے لگا لیا۔

"ہم کسی ویران ساحل کی طرف جا رہے ہیں۔" وہ سمندر کے بیچ چمکتی روشنیوں کو دیکھ کر پرخیال لہجے میں بولی۔

"بوٹ مسلسل مشرق کی طرف بڑھ رہی ہے۔" میں نے قطب نما کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ویسے ہمارے لیے یہ ویران ساحل زیادہ بہتر ہوگا۔ ان کشتیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے اگر ہم الاؤ جلا کر روشن کریں تو بہتر ہوگا۔" اس نے تجویز پیش کی۔

"اگر ہم ان سے بچ کر نکل سکیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

وہ مجھ سے متفق ہے کہ اب تک ہمارے انجن کی آواز سن چکے ہوں گے۔ وہ ہنس کر بولی۔ "اب یہ احتیاط بے کار ہے۔ ان سے نمٹنا اتنا مشکل نہ ہوگا۔"

پھر اس نے ایک سوئچ دبایا اور بوٹ کے آگے سمندر میں لہراتی روشنی کی دھند پھیل گئی۔

"ہیئے ۔ ۔ ۔ کون ہے؟" چند ثانیوں بعد کسی نے پکارا تو مجھے اسپین میں لکھا۔

"مسافر!" میں نے منہ پر ہتھیلیوں کا پیالہ بنا کر پوری آواز سے جواب دیا۔

"ادھر کا رخ کیوں نہیں کرتے ہو؟" ادھر سے سوال کیا گیا۔

"ہمیں مدد کی ضرورت ہے۔"

"وہیں ٹھہرو، ہم آ رہے ہیں۔"

میں نے انجن بند کر دیا۔ مسلسل سفر کے بعد سے تھوڑی دیر آرام بہتر تھا۔ دوسری طرف وہ روشنیاں حرکت کر رہی تھیں اور ہلکی سی موجوں پر اچھلتی ہوئی ہماری طرف بڑھ رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ کشتیاں ہم سے کافی قریب آ گئیں کہ ہمیں ان کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ دونوں دو بادبانی کشتیاں تھیں جن کے ملاح بادبان سمیٹ رہے تھے۔

ہم سے تھوڑا فاصلے پر ایک کشتی سے کوئی پانی میں کود پڑا۔ رزینا نے چونک کر پوچھا۔ "کیا کوئی ادھر آ رہا ہے؟"

"شاید، وہ مچھیرے ہیں۔"

کچھ دیر بعد ہماری بوٹ کے قریب ہی پانی میں ایک تندرست اور نوجوان شخص کا سر ابھرا۔ "کہاں سے آئے ہو؟" اس نے منہ سے پانی اگلتے ہوئے سوال کیا۔

"ہمارا جہاز خراب ہو گیا۔"

"ادھر سمندر خراب ہے۔" اس نے کہا۔ "یہاں ایک جزیرہ آباد ہے۔" کہتے کہتے وہ اچانک خاموش ہو گیا۔ شاید بیل پر اس کی نظر رزینا پر پڑی تھی۔

تھی۔ وہ اسے گھورنے لگا۔ آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں میں ایک چمک آ گئی۔ پھر وہ بولا۔ "یہ لڑکی کون ہے؟"

"میری دوست ہے۔" میں نے غصہ برداشت کرتے ہوئے جواب دیا۔ اس شخص کے لہجے سے حقارت اور گستاخی نمایاں تھی۔

وہ زور سے ہنسا۔ "تم لوگ اتنے بڑے جہاز سے بھاگ کر آئے ہو؟"

"ہاں، بھاگ کر آیا ہوں۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "یہ بتاؤ کہ راستہ کدھر ہے۔ یہیں ساحل پر پہنچنا ہے۔"

وہ اجازت لیے بغیر لپکا اور بوٹ میں کود آیا۔ اس کے جسم پر صرف جانگیہ موجود تھا اور پورے بدن سے پانی ٹپک رہا تھا۔ اس کی ہوس ناک نظریں رزینا پر گڑی تھیں جو ہر اشتیاق انداز میں اپنے لباس سے کھیل رہی تھی۔

"راستہ بتا دیں گے تو انعام ملے گا؟" اس نے اپنے بالوں سے بھرے سینے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔"

"پھر یہ بات مان لو گے؟" اس کی ہوس ناک نظریں رزینا کے بدن پر رینگ رہی تھیں۔ "اگر تم نے بدمعاشی کی کوشش کی تو میں تمہارے ہاتھ پیر توڑ دوں گا۔" میں نے اس کے عزائم بھانپتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔

"بہتر ہے تم مجھ سے بات کر لو۔" وہ بھی بیباکی پر اتر آیا اور براہ راست مطلب پر آ گیا۔ "یہ لڑکی ہم کو دے دو اور بوٹ لے کر چلے جاؤ ورنہ ہمیں کشتی بہت ڈبو دیں گے۔" پھر وہ جواب کا انتظار کیے بغیر گھوما اور بلند آواز میں اپنے ساتھیوں سے بولا۔ "اوئے ساتھیو! یار تو ایک گلفام چھوکری ہے۔"

یہ پیغام سنتے ہی دونوں کشتیوں پر ہل چل مچ گئی۔ اور بیک وقت کئی آدمی کود کر سمندر میں تیرتے ہوئے آ گئے۔

"کیا بات ہے؟" رزینا نے سرد اور پرسکون لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

"ارے واہ، یہ تو بولتی بھی ہے۔" نا لفنگا شخص پر جوش لہجے میں رزینا کا کا ہاتھ پکڑ کر خوشی سے چیخا۔ "سندری کی آواز بھی مٹھاس ہے۔"

میں نے پوری قوت سے اس کے پیٹ میں لات رسید کی اور وہ چیختا ہوا سمندر میں جا گرا۔ رزینا کے لیے اب صورت حال پوری طرح واضح ہو چکی تھی۔ مجھے یہ حرکت مہنگی پڑ سکتی تھی۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ صورت حال کی نزاکت کا اندازہ ہوتے ہی اس نے اپنے دستی بیگ میں سے ایک چھوٹا ریوالور نکال لیا۔

میری لات کھا کر سمندر میں گرنے والا جنونی ہی تھا جس نے اپنے سنبھلنے کے بعد دوبارہ بوٹ کی طرف آ رہا تھا کہ رزینا نے آگے جھک کر اسی پر فائر کر دیا۔ دھماکے کے ساتھ ہی اس کا بھیجا گولی کی زد میں آ گیا اور وہ پانی کی سطح پر گر کر چیختا اچھلنے لگا۔

تاریک سمندر میں تیرنے والوں کو خوف زدہ کر دیا۔ ان کی چیخیں گونج اٹھیں اور ساتھ ہی سمندر میں بھی گہرا سناٹا چھا گیا۔ "جو بھی قریب آیا اس کا یہی حشر ہوگا۔" وہ لوگ گھبرا گئے اور وہاں پکا کر رہے تھے اس لیے اب کسی کو ہمت نہ تھی۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ رزینا کے ساتھ وہ شرارت پر آمادہ تھے۔ کر سکتے ہیں کہ ان کا ان میں سے کسی کی زبانی آگے کسی تو نقصان پہنچ [illegible]

کی جو جنگ کا عزم ہو چکا تھا لہٰذا میں نے رزینا کو انجن اسٹارٹ کرنے کا اشارہ کر دیا۔

اس وقت میں نے دیکھا کہ دونوں کشتیوں پر کئی افراد بند بندوقوں کی طرح دھکیلتے ہوئے بادبان کھولنے میں مصروف تھے۔ شاید ان کے پاس آتشیں اسلحہ نہیں تھا لہٰذا وہ ہم سے مقابلے کے بجائے تعاقب کی تیاری کر رہے تھے۔

"ذرا ہوشیار رہنا۔" میں نے سمندر کا جائزہ لیا۔ "یہ لوگ چھری چاقو ہر وقت ساتھ رکھتے ہیں اور ان کا نشانہ بھی پختہ ہوتا ہے۔"

اسی وقت انجن اسٹارٹ ہو گیا اور لانچ بوٹ جھٹکے کے ساتھ تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی دونوں بادبانی کشتیاں بھی حرکت میں آ گئیں۔ ان میں سے دوسری کشتی کو ابھی صورت حال سے باخبر کر دیا تھا لہٰذا وہ بھی آگے بڑھیں۔ مگر بوٹ کی رفتار کا مقابلہ کرنا ان کے بس سے باہر تھا۔ ہم تھوڑی دیر میں نظروں سے اوجھل ہونے جا رہے تھے۔

"مجھ سے مشرق کی سمت چلو۔" میں نے کہا۔ "اس طرف بھی کچھ فاصلہ طے کریں گے۔"

"یہ لوگ کیا چاہتے تھے؟" رزینا نے ٹھٹھک کر بیٹھتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

"تمہارا اغوا۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "جو انہیں راس نہ آ سکا۔"

"یہ نہیں مرد عورت کے معاملے میں ہاتھ خون کیوں بہتے ہیں۔" وہ بڑبڑائی۔

"لیکن تم نے بھی کمال کیا۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ دست بدست مقابلہ ہوگا اور خون کے علاوہ ہم کوئی راہ اختیار نہ کر سکیں گے۔ تم نے مجھے یہ بھی نہ بتایا کہ تمہارے پاس ریوالور موجود ہے۔"

"بتا کر کیا کرتی۔ وقت پڑنے پر تم نے خود ہی دیکھ لیا۔" وہ سرسری لہجے میں بولی۔ پھر چند ثانیوں کے توقف کے بعد پوچھا۔ "میرے سونے کے بعد تمہیں کسی چیز کی تلاش تو نہیں رہی تھی؟"

"یہ خیال کیوں آیا؟" میں نے حیرت سے کہا۔ ویسے مجھے یہ بات دل ہی دل میں اب مجھے بیگ کو ٹٹولنے پر افسوس ہو رہا تھا کہ وہ یقیناً بوٹ کے ہر گوشے میں جھک کر پارس کی تلاش کرنا چاہتی ہوگی۔

"تم تجسس کی طبیعت کے مالک ہو۔" اس نے ہنس کر کہا۔ "اگر تم ابھی لیٹے تو مجھے حیرت ہوتی۔ میں تمہاری طبیعت کو پہچان چکی ہوں۔"

"ہو سکتا ہے کہ تمہاری بات درست ہو مگر تمہاری ذات کے بارے میں میرا سارا تجسس اسی وقت ختم ہو گیا تھا جب تم نے خود کو میرے حوالے کر دیا تھا۔"

"مجھے تمہیں پہچاننے کی ضرورت بھی ہو سکتی تھی۔" وہ بے پرواہی سے بولی۔ "میں تمہیں پہچانتی ہوں۔ وہ اس وقت بالکل وہی بات کہہ رہی تھی جو میرے ذہن میں موجود تھی۔ مگر میں نے بڑی خوبصورتی سے اس کی تردید کی۔"

"میرے لیے یہ سوچنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔" میں نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "عورت کسی مقصد کے لیے دی جاتی ہے۔ اگر تم جہاز پر رہتے ہوئے مجھے پسند نہ کرتیں تو میں یہ سمجھ لیتا کہ تم مجھ سے کسی مقصد کے حصول کے لیے مجھے استعمال کر رہی ہو۔ لیکن سمندر پر یہ بالکل الگ خیال ہے۔"

"میں ... اب سب کچھ تمہیں صاف صاف بتا چکی ہوں۔ اب چاہے تم مجھ پر اعتبار کرو یا نہ کرو، میں تمہارا ساتھ ہرگز نہ چھوڑوں گی۔"

"مجھے تم پر اعتبار ہے سوفی!" [illegible]

[illegible]

"تم اس کے بھیس میں ... [illegible]

[illegible]

"تو آخر وہ ہے ... [illegible]"

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

میرا اس وقت جسمانی طور پر خاصا کمزور تھا۔ جہاز پر اسماعیل نے مجھے جو کلوروفارم سنگھایا تھا میری اعصابی قوت اس کے اثر سے ابھی بحال نہ ہوئی تھی، طور پر مجروح تھی لہٰذا ساحل تک پہنچتے پہنچتے تھکن سے میرا برا حال ہو چکا تھا۔

خشکی پر آنے کے بعد میں کافی دیر تک ریت پر پڑا اپنی منتشر قوت کو یکجا کرتا رہا۔ اسی دوران میں نے قرب و جوار کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ میں واپس اس مقام پر نہیں ہوں جہاں سے میں روانہ ہوا تھا۔

خشک اور خاردار جھاڑیوں میں کچھ دیر تک بھٹکنے اور چلا کر بار بار پکارنے کے بعد آخر کار قریب ہی سے مجھے اس کا جواب ملا اور میں وہاں پہنچ گیا۔

میں نے گیلا اطلس اتار کر خشک کپڑے پہنے اور دوڑ لگانے کو تیار ہو گیا۔ اس وقت مجھے شدت سے اس کی گرمجوشی اور حیات آفرین معیت کی ضرورت تھی۔

معاً میں نے پہلو بدلا اور دلاور پر جھپٹ پڑا اور میں اس کی چھاتی پر سوار ہو گیا۔ مجھے یقین ہے کہ اس نے مجھے پہچان لیا ہو گا مگر شاید اس نے بھانپ لیا تھا کہ میری اس حرکت میں محبت کی بجائے سرد مہری کارفرما تھی۔

چند ثانیوں تک ہم دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔ اس کی نظروں میں پہلے جیسی حیرت موجود تھی اور میں شکاری جانور کی طرح بے رحمی سے اسے گھور رہا تھا۔

"کیا بات ہے تمہیں اچانک کیا ہو گیا ہے؟" آخر وہ بولی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کی جگہ خوف نمایاں ہوتا جا رہا تھا۔

میں جیسا کہ اندازہ ہے میرا مقصد یہی تھا کہ اسے خوف زدہ کر کے جسمانی تشدد کے بغیر اس سے ہر بات اگلوا لوں۔ تم شباب کا سہارا لے کر کہاں گئی تھیں؟ "کہاں نہیں، حقیقت تو یہ ہے" وہ زبان سے اپنے ہونٹوں کو تر کرتے ہوئے بولی۔ "میں ایک ٹیلے کی اوٹ میں گئی تھی۔" اس کے لہجے کا زیر و بم اس کی دروغ گوئی کا غماز بن رہا تھا۔

"سچ بولو ورنہ"۔ میں غرایا۔ "ورنہ میں دریا کے کنارے ادھر بھی پہنچ سکتا ہوں۔"

اچانک اس کے لبوں کے گوشے کپکپائے اور وہ جھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "اگر تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں تو بہتر یہی ہے کہ اپنے ہاتھوں سے مجھے مار دو۔"

اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی اور ان میں خون اتر آیا۔ بے اختیار میرا ہاتھ دوسری طرف بڑھا اور میں نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔ اس کے رخسار پر تھپڑ مارنے لگا تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

پہلے میں ایک چمکیلی چیز میں نے تھوڑا سا پیچھا کیا تو وہ باہر نکل کر ریت پر گری۔ "یہ کیا ہے؟" میں نے وہ چیز اس کی آنکھوں کے سامنے لہرائی۔

اچانک اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔ "تم نے میرا پیچھا کیا تھا؟"

"میں قریب کھانے والوں میں سے نہیں ہوں۔" میں نے اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر کہا۔ "بتاؤ کس سے بات کر رہی تھیں؟"

"میں تمہیں ہر بات بتا دوں گی مگر تم میری بات کی صداقت کا یقین نہیں رکھو گے۔ مجھ سے نہ پوچھو تو بہتر ہے۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں بولی۔

"مگر میں ہر صورت سننے کے لئے تیار ہوں۔" میں نے اس کو اس کے کپڑے سے پکڑ کر گھسیٹا۔ اس سے پیشتر میں جو چیز ہاتھ لگی اسے جھٹکا جو ریت سے نکل کر زمین پر گر گیا تھا۔

"میں نے جہاز سے رابطہ قائم کیا تھا۔" وہ زمین پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "میں نے ایک دوسری عورت کے شناختی کارڈ استعمال کر کے جن سے بات کی تھی میں یہ جاننا چاہتی تھی کہ وہ لوگ ہمارے متعلق کچھ جانتے ہیں یا نہیں۔"

"کہانی دلچسپ ہے مگر کمزور ہے۔" میں نے کہا۔ "تم نے مجھے تاریکی میں رکھا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم نے کال کی تھی جس کا جواب تمہیں ملا تھا۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تم مجھ پر یقین نہیں کرو گے۔" وہ بھیگے لہجے میں بولی۔

"تم نے کال کے بارے میں اپنی وضاحت پیش کر دی، مگر دوسرا پہلو؟" میں نے اعتماد سے کہا۔ "اس گفتگو میں یقیناً کوئی ایسا پہلو ہے جو الگ سننے لائق ہے۔ تم نے پہلے بھی ایسی کالز کی ہیں اور ہر بار مجھے بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس کے علاوہ میں یہ بھی جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارے ہر حرکت اور ہر آواز سے پتا چلتا تھا کہ میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ جوزف نے کس مقصد کی خاطر تمہیں میرے پیچھے لگایا ہے۔"

"آئی لو یو" وہ جھنجھلا کر بولی۔ "تصادم سے پہلے میں ایک بار تمہاری محبت میں ڈوب جانا چاہتی ہوں۔ اس کے بعد جو تم چاہو کر سکتے ہو۔" اس نے کہتے ہوئے دونوں بازو پھیلا کر مجھے اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"مجھے پہلی بات کا جواب دو، ورنہ میں تمہاری یہ خواہش بھی پوری نہیں ہونے دوں گا۔"

"جوزف تمہاری ہر حرکت کی نگرانی کرانا چاہتا تھا۔"

"پلاسی پر کیا مرا ہاتھ لگنے کیلئے؟"

"ہاں"۔ وہ بولی۔ "مگر اسے اندازہ نہیں تھا کہ تم میری ذات کو حاصل کرنے کے باوجود اپنے حواس سے کام لیتے رہو گے۔"

"تو دلاور کا منصوبہ بھی تم نے اسی کے ایما پر بنایا تھا؟"

"ہاں — وہ سب ڈھونگ تھا۔ منصوبہ حقیقت کا رنگ دینے کے لئے اس نے تمہیں بھی شامل کیا تھا تاکہ تم یقین کر لو کہ میں ان سے بیزار ہوں۔ وہاں آگ بجھانے کا سارا انتظام تھا۔ تمہارے نکلتے ہی اس پر قابو پا لیا گیا ہو گا۔"

"اور جوزف کے بارے میں تم نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا؟"

"نہیں وہ سچ تھا۔ جوزف پاگل ہے۔ جب وہ کے رقابت سے ..."

یہ ترتیب ہم دونوں کی جان ہی پر جاتی ہے۔ اس نے پورا اچانک ایک طویل سانس لیا اور پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "وہ پہلے ہی تمہاری ذات کا بھوکا ہے۔ میں نے جوزف کے احکام کی تعمیل نہیں کی۔ تمہارا قرب بھی حاصل کر لیا۔ اس نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں انہیں تمہارے حالات سے مطلع کروں۔ جوزف کو تمہیں پہنچانا تھا۔ اس لئے اس نے مجھے کمرے کا تعین نہیں کیا تھا۔"

"تمہارا اصلی کردار کیا ہے؟"

"تمہارے سامنے ... سی۔ بی۔ آئی کی ایجنٹ تھی۔ وہ پوری طرح جوزف کے گروہ کی رکن ہے۔ میں پوری طرح اپنے فرائض انجام دیتے ہوئے محض تمہاری کنیز ہوں۔ آؤ میرے قریب آجاؤ" اس کے آخری الفاظ میں التجا بھی ہوتی تھی۔

"تم پوری طرح مجھے دھوکا دینا چاہتی ہو۔" میں نے کہا۔ "یقین سے کہو کہ تمہیں آخری بات کا جو مجھے اور جو کچھ ہوا ہے اس کا تمہیں بھی علم نہیں ہے؟"

"تمہیں ایک بار سچ بولنا ہو گا جو میرے سینے میں چھپا ہوا ہے" وہ گڑگڑا کر بولی۔

"میں اس کی باتوں کی صداقت کا یقین نہیں کر سکا۔ یہ عورت کتنا شاطر ہے۔ اسے کبھی بھی کوئی بات چھپا سکتے ہیں۔ میں نے ایک نئے زاویے سے سوچا اور اس کا بھید چپ چاپ معلوم کر لیا۔"

"تم ایک بزدل اور بد ترین قسم کی ہو۔" میں نے کہا۔ "تم مجھ پر کیسے بھروسہ کر سکتی ہو؟"

وہ میری نگاہوں کا بغور جائزہ لیتی رہی۔ ایک عجیب سی حالت میں ہتھیار اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے ایک عورت کو ہلاک کر دیا تھا۔ جو ٹوٹے ہوئے دل کی طرح اپنے بچے کے لئے تڑپ رہی تھی۔ اس کی خاطر میں نے اپنے باپ سے گستاخی کی تھی۔ اپنی ماں کی خاطر اپنے گھر سے نکل دیا گیا۔ ہلاکت کے بعد بھی اس کی طرح وہ میرے سامنے تھی۔ میں عاشق بن کر پہنچ جاتا تھا۔ تمہارے ساتھ رہ کر بھی میں نے اس کو کھو دیا۔ وہ بار بار تنہا رہ گئی۔

آخر کار وہ رو رو کر مجھ سے لپٹ گئی اور بچوں کی طرح ہذیانی انداز میں چلانے لگی۔ میں نے اس کی محبت کو ٹھکرا دیا۔ ایک طرف پڑے ہوئے لباس کو اٹھا کر پہن لیا اور میں نے پستول جیب میں ڈال لیا۔

میرا خیال تھا وہ میرے پیچھے آئے گی۔ اس کے نرم بستر میں پڑی ہو گی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ اپنی جگہ بیٹھی تھی۔ ایک عجیب سی خاموشی تھی۔ اس نے آخری بار مجھے پکارا۔ مگر میں نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ جونہی میں نے قدم بڑھایا اس کی چیخ سنائی دی۔

وہ چیخ مار کر پیچھے گر گئی اور زمین پر مچل کر رہ گئی۔

میری آنکھوں میں نفرت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اس کی گستاخی اور کمینگی نے مجھے پاگل کر دیا۔ وہ زمین پر پڑی تھی۔ میں نے بری طرح پستول کا رخ اس کی طرف کیا اور اس کی پیشانی کا نشانہ لے کر گولی چلا دی۔

اس کی چیخ دھماکے کی گونج سے بھی بلند ثابت ہوئی۔ اس کا چہرہ بھی خون میں نہا گیا تھا۔ مجھ پر جیسے وحشت طاری تھی۔ مجھے ذرا بھی افسوس نہیں ہوا۔ جس کی وجہ سے زمین پر پڑی اس کی لاش حرکت سے محروم ہو چکی تھی۔

میں نے گنجان جھاڑیوں میں سے گڑھا کھود کر ریتلی زمین کھود کر ایک گڑھا کھودا اور ساحل کی ریت سے اس کی لاش کو گڑھے میں دفن کر دیا۔ اس کے بعد جو چیز بھی ملی میں نے ٹوکری میں ڈالی۔ پرس میں جو کچھ تھا وہ بھی خالی جیب میں ڈال لیا۔ ریسیور اور دیگر چیزیں بھی اسی جگہ دفن کر دیں۔ معدوم جگہ کی لاش کو گڑھے میں دفن کر دیا۔

اس کارروائی سے فارغ ہو کر وہاں سے سارے نشانات مٹا دئیے۔

اس کے بعد میں نے ساحلی علاقے سے دور چلنا شروع کیا۔

مجھے چلتے چلتے صبح کے آثار نظر آنے لگے۔ فضا میں پرندوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ ہوا میں عجیب سی خوشبو تھی۔ میں کافی دور نکل آیا۔ جس سے مجھے یہ پتہ چل سکا کہ میں بھارت کے کس علاقے میں موجود ہوں۔

سورج طلوع ہونے کے بعد مجھے ایک طرف کچھ کچے مکانات نظر آئے جہاں فضا میں دھواں اٹھ رہا تھا۔ شاید وہاں لوگ کھانا پکانے میں مصروف تھے۔

میں نے پرس سے ملنے والا چھوٹا آئینہ نکال کر دیکھا۔ میرا چہرہ بدلا ہوا تھا۔ جیسے جیسے بال بڑی طرح بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے پر کئی دن کی تھکن اور زندگی کی علامات تھیں۔ سیاہی کی صورت میں نمایاں تھیں۔ آنکھیں شب بیداری اور تھکان کے باعث سرخ ہو رہی تھیں۔

میں نے جسم کے حالات کیلئے ذہنی طور پر تیار ہو کر اس انداز میں بستی کی طرف چل دیا۔ جہاں چند مکانات موجود تھے۔

مجھے دیکھتے ہی وہ کھیل کود چھوڑ کر بچے میری طرف دوڑ پڑے۔ ان کے چہروں سے خوف ظاہر ہو رہا تھا۔ ان کے قریب پہنچ کر میں نے انہیں دیکھ کر مسکرایا اور ان کے چہروں پر مسکراہٹ ابھرنے لگی۔

"یہاں کون سی جگہ ہے بیٹا؟" میں نے ان کے قریب پہنچ کر نرم لہجے میں دریافت کیا۔

بچوں نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگے۔ وہ زبان میں کچھ کہنے لگے۔ ان کی زبان میرے لئے اجنبی تھی۔ بار بار مجھے اندازہ ہوا کہ وہ مقامی زبان بول رہے ہیں۔

"یہ بستی؟" میں نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

ایک دو بچے ہاتھ سے اشارہ کر کے مجھے کچھ سمجھانے لگے۔ پھر وہ بھاگ کر جلدی جلدی کچھ کہنے لگا۔

اس کے الفاظ تو میری سمجھ سے باہر تھے لیکن اشاروں سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ مجھے بستی میں چلنے کو کہہ رہے ہیں۔

میں ان بچوں کے ساتھ بستی کی طرف چل دیا۔ وہاں لوگوں کی حیرت زدہ نظروں نے میرا استقبال کیا۔ وہ مجھے گھور کر مشکوک انداز میں دیکھ رہے تھے۔

بھی میں بتانے لگے۔

"کون ہو بھائی؟ تم بچوں کی کہانی کو غور سے ... ایک ادھیڑ عمر شخص نے مجھ سے پوچھا۔

"ایک ... مسافر!" میں نے جواب دیا۔ "جنگلوں کی مہربانی ہے کہ یہاں تم نے ... ورنہ جانے مجھے کب تک جنگل پڑتا۔"

"یہیں جانا تو بڑا ... ہے۔ اس بستی میں ... کے سوا کوئی زبان ... دونوں سے میرے ... پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟"

"یہ گنٹھ ..." وہ مجھے جھونپڑیوں کی طرف لے جاتے ہوئے بولا۔

وہ لوگ ... کے مہمان نواز تھے۔ انہوں نے میری کافی خاطر مدارت کی۔ میں نے انہیں اپنے بارے میں ... کہانی سنائی کہ وہ میری طرف سے مطمئن ہو گئے ... چند روز ... ٹھہر گئے۔ لیکن ... نے جو ایک ... تھا۔ میں اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کی خاطر ... مدت میں ساحلی علاقے سے دور نکل جانا چاہتا تھا۔

تیسرے روز میں ... سے چلنے والی بیل گاڑی میں سوار ہوا۔ بیل ... کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے ... طاقت سے بھاگنے پر مجبور کر دیتا۔

جب سورج مغرب کی طرف ڈھل رہا تھا ... گاڑی والے ... جانا تھا ... میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور ... پیدل ہی سڑک پر چل دیا۔

وہاں مجھے کوئی ... انتظار کرنا پڑا تب وہاں ایک بس ... آتی دکھائی ... تو وہ دھول اڑاتی میرے قریب آ کر رکی۔

"یہاں جا رہی ہے؟" گاڑی رکنے سے قبل ہی ... دروازے سے ... کر پوچھا۔

"بمبئی!" میں ... ہوئے ... کر بس میں سوار ہو گیا۔

... بمبئی ... لگے ... سیٹیں ...

"یہ جہاں جا رہی ہے میں وہیں جاؤں گا۔" میں نے ... کیا۔

... مجھے ... کھڑکی ... ایک ... نشست پر بیٹھ گیا۔

... کے قریب والی نشست پر بیٹھے ہوئے ایک شخص کے پاس ... دوبارہ میری طرف بھی دیکھ جاتے تھے۔ میں بظاہر ان کی طرف سے ... تھا مگر میری توجہ ان پر ہی مرکوز تھی۔

پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور میرے برابر میں خالی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ... بس کے اگلے حصے میں ... تھا۔

وہ شخص چند ثانیوں تک میرا چہرہ ... پھر ... مجھ سے مخاطب ہوا۔ "تم کہاں جانے کیلئے اس بس میں سوار ہوئے ہو؟"

میں نے ... اس کی طرف دیکھا ... "یہ بس ... منزل ان کی ہوتی ہے ... وہیں ... ڈال دوں گا۔"

میرے ... نے اس کو خاصا متاثر کیا اور وہ ... بولا "لگتا ہے ... پاس ... ہو؟"

میں آہستہ سے ہنس ... کر شانتی ... ڈھونڈ رہا ہوں۔

"مجھے ... لال ..." اس شخص نے ... آگے ہاتھ بڑھایا۔

"جو تم ..." جنی لال کے ان الفاظ پر ... کان کھڑے ہو گئے۔ شاید وہ کوئی ... تھا ... سادہ لباس ... تھا۔

"تیرے دماغ پر ... ہے ... ساتھ ... بدتمیزی کی! ... سنتری نے ... ہو گا۔"

"سنتری ... میں ... معاف کر دو ..."

اور جنی لال نے ... ہاتھ ... نظروں سے ... شاید ... زبردستی بس میں سوار ہو گیا ہوں۔ شاید ... اس نے مجھ سے براہ راست بات کرنے کی کوشش کی ... بڑھ دوں گا۔

سنتری ... بیٹھا مجھ سے باتیں کرتا ... نہیں کیا۔ بس ... مسافر ... جگہ جگہ ... مسافروں کو ... چڑھاتی منزل کی طرف رواں تھی۔

شام جب رات کی آغوش میں پناہ لینے لگی تو بس ... پہنچ کر ... نیچے اتر گیا۔ مسافر بھی اپنا اپنا اسباب سمیٹ کر دھیرے دھیرے نیچے اترنے لگے۔

اترنے کے بعد جنی لال اور سنتری نے بڑی محبت سے مجھے رخصت کیا۔ میں ... اپنے راستے پر ہو لیا ... مجھے تو ... شہر کے کسی ... علاقے میں ... ہو گا۔

میں اپنی دھن میں ... جا رہا تھا ... میری ... کوئی ... پڑی ... کے نیچے سے کوئی ... میری ... جیسے کوئی ... ہو۔

میں نے ... قریب ... اور تیزی کے ساتھ ... ایک ... میں ... جہاں ... کے ... تھے ...

... کی ہیئت کی ... پڑی ہوئی تھی۔ شاید وہ ... لے گئے ... کام جاری تھا۔

... میں ... نے جیب سے ... نکالا ... کا ... پہنچ گیا۔ میں ... اس ... کا ... تھا ... کے لئے ... کوئی ... ہی ... اس ... والے ...

... میں نے ... دل کے ساتھ سر ... سوچ لیا۔

... لہروں کا شور سنائی دے رہا ... آہستہ آہستہ ایک ... تبدیل ہو گیا ... بار بار ... اس کے نام کے علاوہ ... زبان کے ... نہیں ... سکا۔

پھر ایک ... منصوبہ کے تحت میں ... ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ...

...:

... کیلئے ... ہو گیا ... ایک ... عمل ... بار بار ...

... نے ... کے بعد ... کیا ... ہوا ... انگریزی زبان استعمال کی تھی۔

"میں ... تم ... بول رہے ہو نا؟"

"تم اپنے باپ کو خوب جانتے ہو ... ہی ہو رہا تھا۔

"تم نے ... کے ساتھ بہت ظلم کیا ہے ... استعمال کرتے ... اور ... ایک عورت ہے ... نے ... بات ... کر ... اس نے مجھے ... سے ... اب وہ ... ہو ... ہم دونوں ... نہیں ہو سکتے؟"

وہ ... زبان ... کی طرح ... شاید ... اس ... کے عالم میں ... کا ... اس کی ... ساتھ ... نے ... اگر اسے ... مل گیا تو وہ ... بھی ...

"اسے تم سے ... مل سکتا تھا ... نہیں مل سکتا ... وہ ... ساتھ کیا کرے گی۔"

"تم ... میں اس ... ایک مرتبہ بات کرنا چاہتا ہوں!"

"یہ ممکن ہے وہ ... ہو؟"

... بال پکڑ کر اسے اپنے قدموں ... وہ ... آیا۔

... میں نے ... کیا ... نہیں ... بتا ... وہ ... ہم ... بات ... گے ... میں ... گا۔"

"... دینا ... شدت سے تقریباً ... تھا کر اب اسے کہیں ... نہ مل سکے گی۔ جانے ... تم دونوں کو ... نکل ہیں گے۔"

"خدا ... سے ... وہ ... خراب ... میں نے اس کا ... اڑاتے ہوئے ... سوچ ... کر دیا۔

میں نے ... اور ... ایک ... کر ... کے ... اور ... پر ... آیا۔

اس ... کے ... میں ... کو ... اس کی ... ہو ... کا ... نہیں ... کے ... ساتھ ... ہے۔

... ایک ... کے ... تھا۔ مجھے ... والے ... آخر ... میں ... اس ... وقت ... کر ... ساتھ ... جانی نقصان ... دوسری ... کی ... تھا۔ ... خوفناک نہیں تھیں۔

وہ رات میں نے ... کے ایک ... میں ... شدید ... کے باعث ... کی ... آنکھوں میں ... بیٹھا ... رہا تھا۔

اپنی شدید ... بات کے ... ہی ... اور ... کی ... اس ... کے ... کی ... سے ... کسی ... دیکھتی۔

... کے ... ایک ... بازار میں ... اپنا ... دیا۔

... سب سے پہلے میں نے اپنی ... اس کے بعد اپنی ظاہری ہیئت میں ... کے ... کا لباس خرید لیا اور ... کے ... دیا۔

اس وقت میں ... سے ... تھا ... میرے ... ایک ... کے ... کے ... اور ... کے ...

پتھر کے حصول کی خاطر میرے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ ان سے میرا گلا ڈشیڈ سے ٹلہ یہ تصور نہ جا رہا تھا۔

سوچنے کی ایک بات یہ بھی تھی کہ مجھے ڈاکٹر یا منتظمین کی تحویل میں دیئے سے قبل انڈین ایجنٹ مجھ سے مل چکا ہو گا اور ... میری ... شناخت اپنی فائلوں میں محفوظ کر لی تھی۔ اس سلسلے میں ... کوئی تفصیل ... دونوں کے حساب سے میری مختلف تصاویر لی گئی تھیں۔ انگلیوں کے نشانات بھی محفوظ تھے ... مجھے یقین تھا کہ ... میں گیا تو میرے لیے ... ہو جائے گا۔ ... اس بار مجھے پھونک پھونک کر قدم رکھنا تھا۔

نیپال کی ... کے بعد سب سے پہلے ... سفر کے لیے ... میں ...

ساوتری کی ایک مورتی ... کے دوران ... میں نے اپنے ... پر مجبور کیا ... سامنے صرف دو راستے تھے۔ ہندوستان میں ... کی نجات ... اور پھر نیپال کے ... پارس پتھر حاصل کر کے ... سرحد عبور کر ... ہندوستان کی ... میں ... کیا تھا ... کی ماں ... ساتھ ... رخصت کیا تھا ... پر ... ہوئی تھی۔

میں جانے ... کی تلاش میں ... تو ... کی زندگی ... جہاں ... سندری ... کے چنگل سے نکال کر نئی زندگی کی ... سندری نے مجھے ... پارس پتھر ... نیپال کی ... ہندوستان کی سرحد میں قدم رکھتے ہی ... مشکلات نے گھیر لیا۔

نیپال میں ... کے بعد میں نے جو کچھ حاصل کیا تھا وہ میں پیچھے ... آیا۔

پہلے میری ... سے ... ہو گئی۔ اس کے بعد پارس بھی میرے ہاتھ سے ... چلا گیا ... حاصل کرنا ... میں ... نہیں تھا۔

میرے لیے دو ہی راستے تھے ... پارس پتھر کو بھول جاؤں اور ہندوستان سے فرار کی کوشش کروں ... پارس پتھر حاصل کروں۔ ... ہندوستان ... ہو سکتا تھا۔

میں نے بہت ... دونوں ہی ... خطرات تھے۔ ہندوستان میں ... ان ... مجھے ... پر ... میری ... وقت بھی ... ہو سکتی تھی۔ ... قید ... ذہنی اور جسمانی عذاب جھیلے تھے ان کا تصور کر کے ہی میرا ... اٹھا تھا۔

ہندوستان سے نکلنے کی راہ بھی ... وہاں ... ہوائی اڈے ... کے قریبی ... مجھے ... ملاقات ... ہندوستان میں ... بہت مشکل تھا ... ان ... مختلف ... میرا ... پتہ بھی ... سکتا ہے۔

... سوچنے کے بعد ... وہاں میرے ... ڈاکٹر ... بمبئی ... کا خطرہ ... کیا ... سے ... ہو جانے کے خطرات ... تھے؟

... سوچتے ... صاحب ... میرے ... بمبئی ... خطرات ... داخل ہو جانے ... ہوں۔

... بیگم ... دہلی ... کی ... کے اسٹیشن ... بچ کر ... خلاف ... گیا تھا۔

ایک بار ... دوسری بار ... مجھے ایک ... کے لیے تیار تھا۔

بمبئی کا ریلوے اسٹیشن ... شہر ... انسانوں سے بھرا ہوا تھا ... کوئی ... میں نے ایسے ... کی کوشش کی۔

اسٹیشن کے باہر ... کی سواریاں ... میں ... جانے کی ... کرنے کا فیصلہ کیا۔

ایک ... دوسری جانب ... کا ایک ... تھا ... ایک ... کے ساتھ ... ہو کر ... میں ... وقت ... اور ایک ... لگا۔

بمبئی کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی ... صاحب ... شروع ... کی ... ہوٹل ... جانے کے ... مجھے ... ایک ... سے اشارہ کر کے مجھے بلایا۔

میں ... ایک جانب ... دیکھا ...

... کی کار کے پیچھے سے ... دوبارہ ... کے ... پر ... ہوں گی۔

میرا ... بھی ... تو ... کہ ... میرے سر پر آ پہنچی۔

... تم اس حال میں؟ اس نے ... تمام ... حیرت ...

... نے ... اس کی طرف دیکھا اور ... لہجے میں کہا۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے ... میرا نام ... کے ... ہے؟

... میری بات ... میں نے ... پہچان لی۔

... ہے ... شاید ... پھر ... تھا ... لوگ ... ہو کر ... بات ... بمبئی ... ہی ...

... سفید ساڑھی ... آسمان سے ... اس وقت ... کے کانوں ... کر ...

... تمہارا نام ... ہے؟ ... مجھے ... دل میں ... کہا۔

... نام ... میں ... تمہاری تصویریں ... تم نے ... بھی ... دوستی کی تھی؟

... آپ مجھے ... انکشافات کر رہی ... حیرت سے پاگل ہو ... ایک عورت کو ... بمبئی سے ... نہیں دیتا۔

... میری طرف دیکھا اور ... لہجے میں ... پہچان لیا کہ تم ... ہو؟

... میں ... لیا پیلا پڑ ... نے ... اقصانی ... تھی؟

... کون ... تھے؟

... اپنے سامنے سے ... دیکھنا ... اس وقت ... ہیں ... تمہیں ... دیکھ کر ... تھا۔

... کے پیچھے ... سمجھ ... رہے ہو ...

... کیا ... جب ... بعد میں ... کتنا یاد کرتی رہی ہوں؟

تم ... سے کہاں رہ گئے تھے؟

ہاں ... اب ... بچھڑے ... کی سازش ... کے بعد ... وہ ... بچھڑ کر ... انہیں ... کر دیا۔

تو کچھ نہیں کیا؟

... کی ... کو ... بمبئی ... ہم کہاں جا رہے تھے؟

... اس بات ... ہم ...

... اپنے ... کہ ... پہچان گئی ہو۔

آج تو مجھے بھی اس بات کا یقین آ گیا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

تم آج کل ... ہو؟

ہاں ... زبان ... حقیقت سے آگاہ کیا۔

میری ذات سے ... ہو؟

جب ... ایک ... میرے ... تم ... جلدی ... گئے؟

... کر کے ... نہیں ... کر ... میں نے مکان بدل لیا ہے۔

... مکان ... نہیں تھا۔

وہاں ... سے ... میں ... کا ... میں نے نیا مکان ... کی ... ہے؟

... میں نے اپنے الفاظ ... بدل دیا ... کیسی ہیں؟

ٹھیک ہیں ... میری ... بھی ... عذاب ہے؟

میں ... مکان میں داخل ہو کر ... شیشے ... بمبئی ... گیا تھا۔

... تم نے ... کیا ... اپنے ... کر لیا۔

... میں نے ... کرنے کے ... ایک

"ڈپریشن دور کر دیا تھا مگر اب تم سامنے آئے ہو تو سب کچھ یاد آگیا۔" وہ مجھے اپنے کمرے کی طرف لے جاتے ہوئے گلٹ بھرے لہجے میں بولی۔

"میں ایک شعوری مجرم ہوں" میں نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ اسے [illegible] ساتھ دے سکوں گا۔ یہ بات سمجھ لو اس وقت میری آزادی تمہارے ایک شناسا کی مرہون منت ہے؟"

"میں اس نے کچھ نہیں کہا تھا، اس سے پہلے تمہارے خوف سے [illegible]" [illegible] اس نے مجھے [illegible] پر ہتھیلی رکھ کر تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "میں جانتی ہوں کہ تم ذہین اور قابل ہو۔ تمہارے ساتھ مل کر میں اچھا کام کر پاؤں گی۔"

"کام؟" دوبارہ میں نے سیدھا ہو کر بے تکلفی سے دراز ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں، اندرونی آرائش کا کام بہت سود مند ہے۔ ایک ایک مکان کا ٹھیکہ لاکھوں کا ہوتا ہے۔ وقت گزاری کے ساتھ ہی پیسہ۔ اور اس کی بھی تو ضرورت ہے؟" وہ میرے چہرے پر سے بالوں کے چھلے ہٹا کر ایک طرف ڈالتے ہوئے بولی۔ اس وقت وہ میرے ساتھ کسی محبوبہ اور وفا شعار بیوی کی طرح بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔

"مگر میں تمہارے کس کام آسکوں گا؟" میں نے پوچھا۔

"تم بہت سمجھ دار ہو گے۔ سارا انتظام اور حساب کتاب نہیں دیکھنا ہو گا؟"

"میری حیثیت ایک مجرم کی ہے۔ میں کیسے اس طرح منظر عام پر آسکوں گا اور پھر پولیس کی گرفت میں آجاؤں گا؟"

"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے تم تازہ دم ہو جاؤ۔" اس نے میرے سینے پر انگلی مار کر کہا۔

"میرے پاس لباس بھی نہیں ہے۔" میں نے باتھ روم میں گھستے ہوئے کہا۔

"تمہارے واسطے کچھ لے آئی ہوں، پہن لو گے؟"

"کپڑے میں نکال کر دیتی ہوں، تم نہا لو، میں ابھی آکر دیکھوں گی۔"

غنی کے باتھ روم میں ایک بڑی الماری جس میں قیمتی عطر کی خوشبو [illegible] بھری ہوئی تھی۔ ساری [illegible] نہایت نفیس تھیں۔ میں کافی دیر تک شاور کے نیچے کھڑا رہا، پھر بدن خشک کر کے لباس بدلنے لگا۔

باہر آیا تو غنی میک اپ کے لوازمات سے سجی ہوئی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی اپنا جوڑا اتار رہی تھی۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" اس نے آئینے ہی میں مجھ پر نظریں مرکوز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"شاید میں بے وقت آگیا ہوں۔ ابھی ناٹک کا مرحلہ باقی ہے۔" میں نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔

"تم بہت شریر ہو گئے ہو۔" کہہ کر وہ ڈریسنگ ٹیبل سے اٹھی اور اپنا جوڑا اتار کر اس نے بستر پر رکھ دیا۔ "اب کیا ارادہ ہے؟ ہم کہیں باہر چلیں گے؟"

میں نے جو پہلے [illegible] مشکلات پر غور کر رہا تھا [illegible] کرتے ہوئے کہا۔ "اب تو تمہارا قرب ایک خواب معلوم ہوتا ہے۔"

"آنکھیں بند کر کے میری باہوں میں چلے آؤ۔"

"اس سے کیا فرق پڑے گا؟"

اس نے ہاتھ بڑھا کر سوئچ آف کر دیا اور کمرے میں [illegible] میں سوئچ کی طرف بڑھا [illegible] غنی کی [illegible] ہنسی سے [illegible] گیا۔ غنی [illegible] میرے سامنے موجود تھی [illegible] بجھا دیا اور پھر [illegible] گم ہوگیا۔

میں نے دیکھا میرے ہاتھوں میں غنی کا آنچل تھا اور وہ [illegible] اپنے قریب رکھے ہوئے نیلی ریشمی سیٹ پر ڈال دیا۔

"تم پھر کہاں ہو؟" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ تمہاری آنکھوں سے [illegible]"

"بھوکا نہیں ہوں [illegible] کھانے کا انتظام کرتی ہوں؟"

کچن میں فریج [illegible] کی بجائے خود [illegible] بیرے نے جلدی جلدی [illegible] گوشت [illegible] ہوگیا۔

"تم لوگ گوشت کھاتی ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"لذیذ ہوتا ہے۔" وہ چٹخارہ لے کر بولی۔

"اور تمہارا دھرم؟"

"دھرم کی بات مت کرو۔ [illegible] یہ سب [illegible] اور لذیذ گوشت [illegible] کے بجائے [illegible] اپنے چہرے پر [illegible] یہ سب فرسودہ خیالات ہیں۔"

"میں اس کی بات پر [illegible] اگر کسی کو پتہ چل جائے؟"

"[illegible] گوشت [illegible] مجھے [illegible] سے بچے رہیں۔"

اسی وقت گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔

اس نے گھڑی دیکھی [illegible] کر بولی۔

[illegible] میں [illegible] دل کے [illegible] تیزی سے باہر نکل گئی۔ اسی وقت وہ دوبارہ [illegible]

غنی کو شاید کوئی [illegible] تھی۔

میں نے چولہا بند کیا اور تیزی کے ساتھ کچن سے نکل [illegible] گھس گیا۔ اس [illegible] کمرے میں [illegible]

اس وقت تک غنی [illegible] اس کے کمرے کی الماری کھول [illegible] بند کر لیا۔ میرے کان دروازے کی طرف لگے ہوئے تھے [illegible] کسی [illegible] خطرے کا [illegible] مجھے کسی خطرے کا [illegible] تھی۔

حیا

مرگئی تھیں [illegible] جانی پہچانی [illegible] چند لمحوں کے بعد میرے کانوں میں ایک شوخ اور شریر آواز آئی اور [illegible] وہ آواز اجنبی نہیں تھی۔

[illegible] سب سے پہلے پوجا کی تیاری کر رہی تھی۔ غنی کی نرم اور کھنکتی [illegible]

[illegible] سو گئی؟" اس مرتبہ ایک معنی خیز سوال پوچھا گیا تھا اور دونوں [illegible] قریب آتی جا رہی تھیں۔

"تیرے سارے سوالوں کی؟" غنی نے قہقہہ لگایا۔

"تیرے چہرے کا رنگ کیوں اڑا ہوا ہے؟ کیا میں غلط وقت پر آگئی؟"

"ارے کوئی ہے؟" اس مرتبہ پوچھنے والی کی آواز میں حیرت نمایاں تھی۔

[illegible] ایک جگہ رک گئی اور غنی کی آواز سنائی دی۔ "میرے چہرے [illegible] ہوا ہے مگر تو اس وقت کیسے آئی ہے؟"

"[illegible] سوچا تجھ سے بھی ملتی چلوں۔"

"تو اب یہ نوبت آگئی ہے۔" غنی معنی خیز لہجے میں بولی۔ "کیا دال [illegible] ہے؟"

[illegible] ہوئی آواز سنائی دی۔ "میرا اندازہ درست [illegible] تیری تو نیت ہی خراب ہے۔"

"[illegible] ابھی آئی۔" غنی کی آواز سنائی دی۔ شاید وہ میری طرف [illegible] اجاؤں گی۔"

"[illegible] ہیں؟"

"[illegible] میں آئی۔"

میں [illegible] غنی کی خواب گاہ میں الماری میں چھپا بیٹھا تھا۔ آوازوں سے [illegible] آنے والی ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہے اور شاید غنی [illegible] چند ہی لمحوں بعد غنی کی آہٹ [illegible] خواب گاہ [illegible]

اس مکان کی ساخت ایسی تھی کہ ڈرائنگ روم سے خواب گاہ کو دیکھا [illegible] لمحات میں سے تھے جب میں نے آہستگی سے الماری کا پٹ کھول دیا۔ [illegible] جھک کر مسہری کے نیچے جھانک رہی تھی۔ الماری کے [illegible] آواز پر وہ خوفزدہ انداز میں پلٹی [illegible] مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرے پر [illegible] مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے اپنے لبوں پر انگلی رکھ کے اسے [illegible] اشارہ کر دیا تھا۔

[illegible] قدموں تیزی سے میری طرف آئی اور جھک کر سرگوشیانہ [illegible] اندازہ ہو گیا ہے۔" اور فوراً ہی خواب گاہ سے نکل گئی۔

[illegible] کر کے آئی ہو [illegible] غنی کے [illegible] پہنچتے ہی [illegible] معصوم مگر آوارہ مزاج لڑکی اوشا کی [illegible] آواز سنائی دی۔

[illegible] ہے چوری پکڑی جانے پر غنی برہم ہو گئی تھی [illegible] شبہ ہوا ہو گا کہ اوشا چھپ کر اس کی نگرانی کر رہی تھی۔

"دیکھو اس نہیں تمہاری لپ اسٹک پھیلی ہوئی ہے۔"

وہ غنی کی آواز میں اطمینان کی گہری جھلک تھی، شاید وہ [illegible] گیا ہوگا۔

اوشا کافی دیر وہاں موجود رہی اور نہایت بے باکی کے ساتھ غنی کے ساتھ اوباش قسم کی گفتگو کرتی رہی۔ غنی چونکہ میری موجودگی کی وجہ سے محتاط تھی لہٰذا وہ بیشتر وقت خاموش ہی رہی۔ اوشا نے کئی بار غنی کو کریدنے کی کوشش کی مگر غنی پھر بھی کھل کر گفتگو نہ کرسکی جبکہ اوشا میری موجودگی سے بے خبر زبان کے جوہر دکھاتی رہی۔

وہ اس وقت شاید کسی مختصر لباس میں تھی کیونکہ وہ غنی کو اپنے ڈرائیور کا قصہ سنا رہی تھی جو اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر موجود تھا۔ بقول اوشا اس بڈھے کی نگاہیں مسلسل اوشا کی ٹانگوں پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ ڈرائیونگ کے باعث اوشا بے خبر ہے مگر وہ خبیث عورت اس کی ہر بات نوٹ کر رہی تھی۔

جب اوشا چلی گئی تو میں الماری سے نکل آیا۔

غنی دروازہ بند کر کے واپس آئی تو میں کچن میں موجود تھا۔ مجھے پیاز کاٹتے دیکھ کر وہ لپک کر اندر آگئی۔ "کیوں شرمندہ کرتے ہو مجھے؟"

"تمہاری اس بدتمیز دوست نے مجھے بھوکا مار دیا۔" میں نے آنکھیں موند کر کہا۔

"اوشا دن بدن بدتمیز ہوتی جا رہی ہے۔ آج کل ہر جگہ اس کا چرچا ہے۔ آج کل بیک وقت دو مسلمان لڑکوں کو الّو بنا رہی ہے۔"

"الّو بنا رہی ہے؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "یا ان دونوں نے اسے کھلونا بنایا ہوا ہے؟"

"بات تو یہی ہے۔" وہ مترنم آواز میں کھلکھلا کر ہنس دی اور اس کے دونوں رخساروں میں خوبصورت گڑھے نمایاں ہوگئے۔ "چھری خربوزے پر گرے یا خربوزہ چھری پر، نقصان خربوزے ہی کا ہوتا ہے مگر مصیبت یہ ہے کہ ایک لڑکا بے حد سنجیدہ ہو گیا ہے اور اوشا سے بار بار شادی کی درخواست کر رہا ہے۔ اور وہ خود بھی محسوس کر رہی ہے کہ وہ اس معاملے کو نہیں سنبھال سکے گی اور کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"کیسی گڑبڑ؟"

"وہ دھمکی دے رہا ہے کہ اوشا نے اسے ٹھکرا دیا تو وہ خودکشی کر لے گا۔ اگر اس نے واقعی ایسا کر لیا تو اوشا کا نام اخباروں کی سرخیوں میں آجائے گا اور ماتا جی تو شاید صدمے سے مر ہی جائیں۔ وہ ابھی تک اوشا کو پارسا سمجھتی ہیں۔"

"وہ بہت ہی احمق معلوم ہوتا ہے۔ جب شادی کے بغیر اوشا کو حاصل کر چکا ہے تو اس بکھیڑے میں کیوں پڑ رہا ہے۔"

"مردوں کا کچھ پتہ نہیں ہوتا۔" وہ سیف اسٹیک لکڑاتی کرتے ہوئے بولی۔ "جانے اُس نے اوشا کی کون سی ادا بھا گئی ہے۔"

"اور وہ اس کے دوسرے معاشقے سے بھی واقف ہے؟"

"بھلا کیوں نہ ہوگا۔" وہ تیوریاں چڑھا کر بولی۔ "سب ہی جانتے ہیں مگر اس نے براہ راست کبھی اوشا سے اس معاملے میں بات نہیں کی۔"

"پھر وہ مرد نہیں مردود معلوم ہوتا ہے۔"

"مردود؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "یہ کیا ہوتا ہے؟"

"یہ مرد کی جمع ہوتی ہے۔" میں نے سرسری لہجے میں کہا۔

کھانے کے دوران ہم دونوں ڈائننگ ٹیبل پر ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے تھے اچانک ہی میرے ذہن میں نینی کی پہلی ملاقات کی یاد تازہ ہوگئی۔ بے اختیار میرا پاؤں آگے بڑھا اور نینی کی پنڈلی پر پھسلنے لگا تو وہ ہنس پڑی۔

"شکر کرو کہ اس وقت اوشا نہیں ہے۔" وہ بولی۔ "ورنہ اس بار بھی میرے دھوکے میں اسی کی پنڈلی سہلانی شروع کر دیتے۔"

"اور اس رات وہ بھی زبان سے ایک لفظ نہ بولی مگر میرے ... ہی مجھ سے لڑ پڑی کہ میں اس کو نظر انداز کر کے تم پر ... ڈال رہا ہوں۔"

"کہتی تو صحیح تھی۔"

"تمہارے سامنے اس پر توجہ دینا ہی مشکل تھا۔ تمہارے حسین چہرے پر چھائی ہوئی شگفتگی اور آنکھوں میں جھلکتی دلکشی نے مجھے فوراً ہی تمہاری جانب متوجہ کر دیا تھا۔ سچ سچ بتاؤ کہ میری طرف سے تمہارے دل میں بھی چور تھا؟" میں نے لذیذ گوشت کا ایک پارچہ نگلتے ہوئے کہا۔

وہ اپنے گلاس میں ... اور اس کی ... پر لکیر جما کر بولی۔ "میری جگہ کوئی بھی عورت ہوتی تو وہی کرتی جو میں نے کیا۔ عورت منقولہ پراپرٹی نہیں ہوتی کہ انسان ایک عمارت کی طرح اسے خرید کر بھول جائے۔ عورت جیتے جاگتے جذبات کی مالک ہوتی ہے اور پھر اب تو وہ دور آ گیا ہے کہ خالی مکانوں تک پر ناجائز قبضے ہو جاتے ہیں۔"

"ونا کی موت کے بارے میں تم نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔" اس شخص کے بارے میں اپنا تجسس میں اس بار بھی نہ دبا سکا۔

اس نے چند ثانیوں کے لئے مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ پھر بولی۔ "تمہیں اس ذکر سے الجھن ہوتی ہے۔ تمہیں آخر ونا سے اتنی دلچسپی کیوں ہو گئی ہے؟"

"آخر اسے مارنے والا کون تھا؟"

"تم نہیں جانتے؟" اس نے ایسے لہجے میں کہا کہ میرے بدن میں وحشت کی ایک سرد سی لہر سرایت کر گئی۔

"بھلا میں کیسے جانوں گا۔" میں نے کھوکھلا قہقہہ لگا کر کہا۔

"تو تم سے کھل کر بات کرنی ہی پڑے گی۔" وہ طویل سانس لے کر بولی۔

"دیکھو میں تمہیں ایک بات بتا دوں کہ ونا کا قاتل ... مجرم ہی مگر میرا محسن ہے۔ اس نے مجھے ایک ایسی ... سے چھٹکارا دلوایا جو میرے لئے جہنم سے کم نہ تھی۔"

"میں آپ کی تمہید کا مطلب نہیں سمجھا۔" میں نے ...

"اب سمجھے ... جو مطلب بھی معلوم ہو جائے ..." وہ سنجیدہ ہوگئی تھی۔ "ونا اس رات کئی مہینے بعد گھر آئے تھے وہ ... کے نشے میں دھت تھے۔ رات گئے ہم دونوں ... تب میں نے ... سے گولی چلنے کی آواز سنی ... وہ میری بانہوں میں تھے اور ہم پیار کی باتیں کر رہے تھے کہ ... بدن نے جھٹکا لیا اور وہ بے جان ہو گئے۔ ان کا ... آنکھیں دیکھ کر میں سمجھ گئی کہ وہ مر چکے ہیں۔ ... پاگلوں کی طرح چلانے لگی اور چلاتے چلاتے ہی بے ہوش ... ہوش آیا تو میں اسی کمرے میں تھی میرے سرہانے ... اور ایک ڈاکٹر کئی پولیس والوں سمیت موجود تھا اور ... جب میری حالت سنبھل گئی اور ونا کی ارتھی چلی گئی تو پولیس ... مجھ سے پوچھ گچھ شروع کی اور اسی دوران انہوں نے ... اس وقت تک مجھے پتہ نہیں تھا کہ تمہارا اصل نام صفدر علی ہے ... انہوں نے تمہاری تصویر دکھائی تو میں نے انہیں بتا دیا ... کے ہاں تم سے مل چکی ہوں۔ انہوں نے کھود کرید ... کی مگر میں نے صاف انکار کر دیا کہ اس کے بعد تم مجھ سے ... اگلے روز کے اخباروں سے مجھے پتہ چلا کہ اسی رات ... اور طیبی اور تم پر قتل ہونے کا شبہ تھا۔ ان میں ایک ... بھی تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ ونا کی موت بھی ایک ... شاید اسی لئے پولیس مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھ ... وہ کئی روز تک آتے رہے۔ وہ ... دہراتے تھے مگر ہر بار میرا ایک ہی جواب تھا۔ آخر انہوں نے ... کہ صفدر علی ایک بھیانک مجرم ہے اور وہ جہاں بھی مجھے نظر ... انہیں خبر کر دوں۔"

اس کے خاموش ہونے کے بعد میں چند ثانیوں تک مبہوت سا بیٹھا رہا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ نینی مجھے اپنے شوہر کا قاتل سمجھنے کے باوجود مجھ سے اتنے خلوص سے پیش آ سکتی ہے۔

"تو اب کیا کہتے ہو؟" مجھے ... دیکھ کر اس نے ... مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"کس بارے میں؟"

"ونا کو کس نے مارا تھا؟"

"یقین کرو نینی کہ مجھے کچھ علم نہیں۔"

"میرا تو خیال تھا کہ شاید تم اس رات بھی مجھ سے ملنے آئے ... مجھے ونا کے ساتھ دیکھا تو جل گئے ہو گے کہ میں کسی غیر کے ساتھ ... بنی ہوئی ہوں۔ تم مجھ پر تو وار نہ کر سکے مگر ونا کو ٹھکانے لگا دیا۔ ان کا قیاس سو فیصد درست تھا تو تمہیں مرد کی نفسیات خوب ..."

اس کے الفاظ سن کر میرا دل ڈوبنے لگا۔ مگر میں نے لہجے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "میں نے تو ادھر کا رخ بھی نہیں کیا اور نہ ان دونوں ... سے واقف تھا۔ دراصل میں اسی وجہ سے غائب ہوا کہ کچھ ... لوگ مجھے پھنسانے کی کوشش کر رہے تھے اور تم دیکھو کہ میری بدقسمتی ... قتل میرے نام لکھے گئے۔ حد تو یہ ہے کہ ان ... کے باعث تم نے بھی مجھے قاتل سمجھ لیا۔"

"... سے تو فرق کیا ہوا۔" اس نے اپنا سر محبت بھرے انداز میں ... سینے سے لگا دیا۔ "میرے لئے تو تم وہی صفدر علی ہو جسے میں ... سب کچھ سمجھ لیا ہے۔"

میں نے آہستگی سے اس کے مہکتے ہوئے گیسو چوم لئے۔ "میں ... بھی سر نہ اٹھا سکوں گا نینی! تم نے اپنے سلوک سے ... خرید لیا ہے۔"

کھانے سے فارغ ہو کر ہم خواب گاہ میں آ گئے۔ نینی نے تیز ... روشنیاں گل کر دیں اور خوشبوؤں سے مہکتی ہوئی خوابگاہ میں مدھم سی ... روشنی رہ گئی۔ نیم تاریکی کے باعث بڑی پراسرار، دلآویز، عریانی اور ... جسم کے خدوخال ابھرے ابھرے نظر آنے لگے۔ نینی نے ... اٹھایا اور شراب کا جام لبریز کرنے لگی۔ کمرے میں ... ریڈیو اور وی سی آر بھی موجود تھا جس پر پہلے بھی کچھ غیر اخلاقی ... دیکھ چکا تھا۔

حرارت سے میری کنپٹیاں جل رہی تھیں۔ نینی نے شیمپین کا ... لبریز جام سے ٹکرایا۔ ہلکی سی اس کھنک کے ساتھ ہی اس نے ... آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی اور اس کے رخساروں ... سرخی نمایاں تھی۔ "وی سی آر آن کر دوں؟" اس نے ... آواز میں پوچھا۔

"نہیں، اندھیرا کر دو۔"

... کے ساتھ خواب گاہ اندھیرے میں ڈوب گئی ... اس کا منتظر رہا مگر وہ نہ آئی تو میں نے ... "پیاری نینی!"

"ہاں ... ادل" وہ کسی گوشے سے منمنائی۔

"کہاں ہو تم؟" میں نے شکستہ آواز میں پوچھا۔

"تلاش کرو۔" اندھیرے میں اس کی مترنم ہنسی گونجی۔

"اس اندھیرے میں؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "چوٹ لگ ..."

"لگنے دو۔" وہ ضدی لہجے میں بولی۔

میں نے آہٹ پیدا کئے بغیر آواز کے سہارے اسے جا لیا اور بازوؤں میں اٹھا کر اسے بے دردی سے مسہری پر پھینک دیا۔

جب تک ذہن میں آگ بھڑکتی رہی، احتیاط کا سرچشمہ سوتا رہا مگر جب یہ آتش فشاں ریزہ ریزہ ہو کر گمنام پہنائیوں میں بکھر گیا تو میرے ذہن کے کسی گوشے میں بچھو نے ڈنک مارا۔ نینی صدا بہار اور میری شیدا سہی مگر اس کا مخبر بن جانا بھی بعید از قیاس نہیں تھا۔ ہند کی پولیس اس کو میرے بارے میں مطلع کر چکی تھی اور میں انڈین سیکرٹ سروس کو بھی مطلوب تھا۔ مجھے یقین تھا کہ کئی ماہ گزرنے کے بعد بھی وہ چین سے نہ بیٹھے ہوں گے۔ ہر وہ جگہ جہاں سے میرا ذرا بھی رابطہ رہا تھا ان کی نظروں میں ہوگی اور پھر ممبئی میں تو میرے کئی ... ہی ... تھے۔

اگر ایک بار انہیں میری بو مل جاتی تو میں خونخوار بھیڑیوں کے غول میں گھر جاتا اور میرے لئے کہیں پناہ ممکن نہ ہوتی۔ اس وقت میرا کسی ایک جگہ رکے رہنا خطرناک تھا۔

میں نے سر اٹھا کر نینی پر نظر ڈالی۔

"کہاں جا رہے ہو؟" وہ تھکی ہوئی آواز میں پوچھنے لگی۔

"دماغ پر گرمی چڑھ گئی ہے نہانے جا رہا ہوں۔"

"تو میں کیا کروں گی؟"

"اب تم بھی سو جاؤ۔" میں نے کہا اور باتھ روم میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔

ٹھنڈے پانی کی پھلجھڑی سی پھوار میرے ذہن کو جھٹکے دیتی ہوئی راستے سے اعتدال پر لے آئی۔ نینی کسی مرد کی چاہت کو ترسی ہوئی تشنہ لب عورت تھی جس کی پھلواڑی میں مسرت کے چند لمحے ڈالنا خود میرے لئے بھی ذہنی اور جسمانی آسودگی کا باعث تھا مگر وہ میری منزل نہیں تھی۔ وہ میرے راستے کا ایک خوشنما اور دلکش سنگ میل تھی مگر اسے منزل نہیں بنایا جا سکتا تھا۔

جنت میں ایک ... کے بعد دیگرے کئی عورتیں میری زندگی میں داخل ہوئیں۔ اوشا بھی کچھ کم طرحدار نہیں تھی۔ اس کے شاداب و شگفتہ حسن اور بدن کے فسوں خیز پیچ و خم انسان کو دیوانہ کر دینے کے لئے کافی تھے مگر میری گمشدہ سیتا کے سامنے اوشا، نینی اور سوزیلا کی ہر ادا ... تھی۔ وہ کچھ بھی سہی مگر پھر بھی ... تھیں۔ اوشا کنواری ہونے کے باوجود گھاٹ گھاٹ کا پانی پی چکی تھی اور اب تو اس کی حرکتیں اس موڑ پر پہنچ چکی تھیں کہ اس کے باپ کا نام اچھلنے کا ڈر پیدا ہو گیا تھا۔ نینی نے شاید سچ کہا ہو کہ اس نے اپنے شوہر سے پہلی بار محض میری خاطر بے وفائی کی تھی۔ میں اس کی خوابگاہ سے لذتیں چرانے والا پہلا غیر مرد تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ ونا کی موت کے بعد نینی بھی آوارگی کی راہ اختیار کر چکی ہے۔ اس مکان میں بظاہر وہ اپنی ماں کے ساتھ مقیم تھی مگر اس کے باتھ روم میں مردانہ استعمال کی خاص چیزیں موجود تھیں جن سے ظاہر تھا کہ اس کے پاس لوگ آتے جاتے

ہو لیے گئے۔

ایسی عورتوں کے چکر میں میں اپنی عاقبت خراب نہیں کر سکتا تھا۔ زندگی کے بھرپور تجربے کے ساتھ میرے دل پر سیتا کی عظمت کا نقش اور گہرا ہوتا جاتا تھا۔ وہ بدی کے حصار میں گھر کر بھی فرشتوں سے زیادہ پاک اور معصوم دل کی مالک تھی اور یہ عورتیں نفاست کے خول چڑھا لینے کے باوجود اندر سے گھناؤنے کردار کی مالک تھیں۔ ان میں اور کوٹھا سجانے والیوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ وہ جنس بیچ کر رقم بٹورتی ہیں اور یہ دیوی جنس کے حوالے سے آسودگی حاصل کرتی تھیں۔ ان کا کاروبار بارٹر سسٹم کے تحت چل رہا تھا کیونکہ مالی طور پر وہ خود کفیل تھیں۔

نہاتے نہاتے میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ نینی کا گھر چھوڑ دوں گا۔ بدن خشک کرتے کرتے میں نے قد آدم آئینے سے پردہ ہٹایا تو میری داڑھی نظر آئی۔ بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔ میں نے غیر ارادی طور پر ریک سے شیونگ مشین اٹھائی مگر فوری خیال کے تحت اسے واپس رکھ دیا۔ شیو بنا لینے کے بعد ہر وہ شخص با آسانی مجھے پہچان سکتا تھا جس نے بمبئی کے اخبارات میں میری تصویر دیکھی ہوگی جبکہ یہ بے ترتیب داڑھی میرے لیے ایک آڑ تھی۔

میں نے کھدر کا لباس دوبارہ زیب تن کیا اور بال وغیرہ سنوار کر غسل خانے سے باہر آ گیا۔ وہ بدستور مسہری پر دراز تھی اور خوابگاہ میں ہلکی سبز روشنی موجود تھی۔

"تم نے داڑھی نہیں بنائی؟" وہ مجھے دیکھتے ہی تھکی ہوئی آواز میں بولی۔

"کیا اس حلیے میں برا لگتا ہوں نینی؟" میں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"وحشی لگتے ہو۔"

"عورتیں وحشی اور جنگلی مردوں کو پسند کرتی ہیں۔"

"ایسا ہی ہوتا تو مہذب سماج کی عورتیں افریقہ کے جنگلوں میں بھاگ گئی ہوتیں۔"

"جب وہ وہیں افریقہ جا سکتی ہیں تو بھاگنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور ہاں، یہ اس چھت کے نیچے میری پہلی اور آخری رات ہے نینی! اس لیے خواہش ہے کہ ہو سکے تو اسے یادگار بنا لو۔"

"کہاں جاؤ گے تم؟" میری بات سنتے ہی اس کا نشہ ہرن ہو گیا۔

"یہ بھی مجھے ابھی نہیں پتہ۔" میں نے اداس لہجے میں کہا۔

"تم میں کیا کمی ہے؟" وہ جھنجھلاہٹ بھرے لہجے میں بولی۔ "کیوں موڈ خراب کرتے ہو۔ یہ واہیات باتیں دن کے اجالے میں بھی ہو سکتی ہیں۔"

لذت و سرور کے ان لمحات میں اچانک میرے اعصاب سن ہو کر رہ گئے۔ یوں محسوس ہوا جیسے سوتے ہوئے میرے سر پر یکایک کوئی وزنی شہتیر آ گرا ہو۔

میری نگاہیں اندھیرے میں بھٹکنے لگیں۔

"کہاں کھو گئے؟" نینی جھنجھلا کر بولی۔

گھنٹی بجی۔

اور اسی وقت دوبارہ گھنٹی بجی اور نینی مجھے جھنجھلا کر [illegible]

"دفع ہونے دو، ہوگا کوئی رانگ نمبر۔ ٹیلیفون بھی ایک مصیبت ہے۔" مگر میں اس سے متفق نہ ہو سکا۔ نینی فون کی گھنٹی [illegible] آسیبی انداز میں بجے جا رہی تھی۔ وہ جو بھی تھا نینی کو جگا کر رہنے پر تلا ہوا تھا۔

مجھے متوجہ نہ پا کر نینی مایوسی اور جھلاہٹ کا شکار ہو گئی۔ ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل کے نچلے خانے سے فون کا ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو۔" وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں بولی [illegible] دوسرے ہی لمحے اس کی آواز میں حیرت کی جھلک آ گئی۔ [illegible] معاً مجھے خیال آیا کہ نینی کے باتھ روم میں بھی فون لگا ہوا ہے۔ شاید وہ بھی اسی کا ایکسٹینشن تھا۔ میں نے پھرتی سے بستر چھوڑا [illegible] روم میں جا کر دوسرے فون کا ریسیور اٹھا لیا۔

"تم کیا کر رہی ہو نینی؟" دوسری جانب سے ایک مردانہ [illegible] مردانہ آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"سونے کی کوشش کر رہی تھی جانی!" نینی کا لہجہ خوشامدانہ [illegible] اس کی آواز اس کی مخروطی انگلیوں کی چٹکی کھا رہی تھی۔ اس کا سانس [illegible] چڑھا ہوا تھا۔

"پھر فون اٹھانے میں اتنی دیر کیوں لگی؟" مرد کا لہجہ سخت [illegible]

"میں سمجھی تھی کوئی رانگ نمبر ہوگا۔ کوئی سرپھرا آدھی رات کو فون پر تنگ کر رہا ہے۔ میں تو ریسیور کریڈل سے نیچے رکھنے والی تھی۔" نینی نے برجستہ ایسا سفید جھوٹ بولا کہ میں دل ہی دل میں اسے داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

"تم تنہا ہو؟"

"ہاں ... آں۔" اس بار وہ ہکلا گئی۔ "تم کیسی باتیں کر رہے ہو [illegible] آدھی رات گئے تمہیں کیا سوجھی ہے، کھل کر بات کرو نا۔"

"واقعی تنہا ہو؟" مرد نے نینی کی بات نظر انداز کر کے [illegible]

"ہاں بابا۔ تنہا ہوں۔ تم چاہو تو خود آ کر دیکھ سکتے ہو۔"

"اس کا مطلب ہے وہ چلا گیا۔" اس نے کہا۔

"کون؟" نینی کی آواز میں تجسس تھی۔

"وہی آوارہ گرد جو گاڑی میں تمہارے ساتھ آیا تھا [illegible] سمجھا۔ کون تھا وہ اور تم سے رخصت ہو کر کہاں گیا ہے؟"

مرد کا لہجہ توہین آمیز تھا۔ اس بار نینی برہم ہو گئی۔ "اپنا [illegible] ابھی ہم دونوں صرف دوست ہیں۔ اگر [illegible] ہے کہ تم میرا پیچھا کرتے رہتے ہو تو شاید مجھے [illegible] پڑے گی۔ وہ ایک معزز مہمان تھا۔ اگر میں نے گھر بار [illegible]

[illegible] ہوں مائی ڈیئر؟ [illegible] قصور ہو گیا کہ تم رات کے دو بجے مجھے فون کر رہے ہو۔"

"اس لیے کہ وہ ابھی تک تمہارے ساتھ موجود ہے۔" مرد کا لہجہ [illegible]

تب نینی کسی شیرنی کی طرح غرائی اور ریسیور رکھ دیا۔ [illegible] ریسیور میں مرد کی بڑبڑاہٹ سنی۔ پھر اس نے [illegible] چھوڑ دیا۔ میں آہستگی سے باتھ روم سے نکل آیا۔ نینی غصے کے [illegible] مسہری پر دراز تھی اور سگریٹ سلگا رہی تھی۔

[illegible] خوابگاہ میں واپس آتے ہوئے اس سے پوچھا۔ "کون تھا یہ؟"

"[illegible] مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔" وہ سگریٹ کا کش لیتے ہوئے [illegible] والی بلڈنگ کے ایک فلیٹ میں رہتا ہے۔ پہلے بھی [illegible] پاگل میری خوابگاہ میں جھانکتا رہتا تھا۔ میں جب بھی لباس تبدیل [illegible] اس کا فون آ جاتا اور وہ شاعری شروع کر دیتا۔"

"[illegible] لباس بدلتی ہو؟"

"نہیں بیٹے تو مجھے بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کہاں سے مجھے [illegible] میرا فون نمبر کہاں سے معلوم ہوا۔ جب میں اس سے [illegible] تو اسی نے بتایا کہ وہ ایک روشندان سے میری [illegible] روشندان کبھی میری نظروں میں نہیں آیا مگر [illegible] اس کے انکشاف کے [illegible] روشندان پر [illegible] جس کے شیشوں پر سیاہ رنگ کا [illegible] ہو چکا تھا۔"

"شاید اس کا راستہ بھی اسی رخ پر ہے۔ شاید وہ شام ہی سے [illegible] نگرانی کر رہا ہے۔ مجھے باہر نکلتے دیکھ کر آخر [illegible] ہو گا مگر یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ ایک شخص مجھے تمہارے [illegible] دیکھ چکا ہے۔"

"کیا فرق پڑتا ہے؟" وہ لاپروایانہ انداز میں بولی مگر اس کے لہجے [illegible] کا اظہار ہو رہا تھا۔

"کون سے فلیٹ میں رہتا ہے وہ؟" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

[illegible] خوف زدہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ "کیا کرو گے تم؟"

"[illegible]" میں نے اسی لہجے میں کہا۔ "تم فلیٹ [illegible] اکیلا رہتا ہے نا؟"

"ہاں اکیلا ہی ہے۔" وہ بولی۔ "اسی لیے میں نے بھی اس میں دلچسپی [illegible] تھی۔ وہ خود بھی [illegible] خیال ظاہر کرتا تھا۔ میں نے سوچا شادی [illegible] اس کے مالی حالات بھی اچھے معلوم نہیں ہوتے جب [illegible] مجھے ڈھیل دینے پر بھی مجبور ہو گا۔"

"[illegible] طور پر شوہر بنانا چاہتی تھیں۔ [illegible] خیر تم فلیٹ نمبر تو بتاؤ اس کا۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ [illegible]"

"سامنے عشرہ ہاؤس میں دوسری منزل پر گیارہ نمبر فلیٹ ہے اس کا مگر اس وقت تمہارا ادھر جانا مناسب نہیں۔ غصے میں بات بگڑ سکتی ہے۔"

"وہ تمہارا [illegible] بھی نہیں معلوم ہوتا نینی!" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ خراب مالی حالات میں کوئی اس علاقے میں رہائش کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ پھر اس کے فلیٹ میں تو فون بھی ہے۔ شاید اسے تمہارے مکان کی نگرانی پر مامور کیا گیا ہے اور اس احمق نے اب اپنی شامت کو دعوت دی ہے۔"

"مگر کیوں؟" نینی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"اس لیے کہ وہ ہر قیمت پر مجھے پکڑنا چاہتے ہیں۔ شاید انہیں موہوم سی امید رہی ہو کہ میں تمہاری طرف آنے کی کوشش کروں گا۔ اب مجھے پورا یقین ہے کہ اوشا اور اس کے گھر کی بھی نگرانی جاری ہوگی۔ شاید وہ مجھے پہچان نہیں سکا ورنہ ابھی تک پولیس یہاں دھاوا بول چکی ہوتی۔"

"تم باہر مت جاؤ۔" وہ کانپتی ہوئی میرے سینے سے آ لگی۔ "ایسا نہ ہو کہ تمہیں نقصان پہنچ جائے۔ میں گاڑی میں چھپا کر تمہیں باہر نکال دوں گی۔"

"اب میرا یہاں رکنا خطرناک ہے نینی!" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے پہلے ہی سے یہ اندیشہ تھا۔ اگر یہ فون نہ بھی آتا تو میں کل تمہارے گھر سے چلا جاتا۔ میں تم سے کہہ چکا تھا کہ اس چھت کے نیچے یہ میری آخری رات ہے۔ پتہ نہیں اس مردود نے کیا سوچ کر تمہیں فون کیا ہے۔ اگر قسمت مجھے موقع دے رہی ہے تو مجھے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔"

"میرا دل لرز رہا ہے صفدر!" وہ میرا بازو تھام کر بولی۔

میں نے پیار سے اس کی پشت سہلاتے ہوئے کہا۔ "مجھے کوئی عقبی راستہ بتاؤ کہ میں اس خبیث کی نظروں میں آئے بغیر یہاں سے نکل سکوں۔"

"میرے مکان کی پچھلی دیوار پڑوسیوں کے احاطے سے ملی ہوئی ہے۔" صورت حال کی نزاکت محسوس کر کے وہ سراسیمہ نظر آنے لگی تھی۔ "پہلو والے مکان میں تمہیں سامنے ہی سے جانا ہوگا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں پیچھے والوں کے احاطے سے نکل جاؤں گا۔ سامنے کے دروازے پر کوئی سایہ بھی نظر آیا تو کتا ہوشیار ہو جائے گا۔" پھر میں نے فوری خیال کے تحت کہا۔ "میرے جانے کے بعد خوابگاہ کی یہ سبز روشنی جلنے دینا تاکہ وہ پردے کے پیچھے انعکاس دیکھ کر اسی غلط فہمی میں رہے کہ میں یہاں موجود ہوں اور تمہارے ساتھ رنگ رلیاں منا رہا ہوں۔"

لباس تبدیل کر کے وہ مجھے اپنے ہمراہ کچن میں لائی اور روشنی کیے بغیر عقبی کھڑکی کھول دی۔ تاریکی میں تھوڑی دور سات فٹ بلند دیوار نظر آ رہی تھی۔

"اب کب ملو گے صفدر؟" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ تاریکی میں اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔

بھی میں رہا تو کبھی نہ کبھی ضرور آؤں گا۔" میں نے اسے بانہوں میں سمیٹ کر ــــــــ کہا اور وہ بلک بلک کر رو پڑی۔

مگر تینی کے آنسو میرے قدموں کی زنجیر نہ بن سکے۔ میں اسے روتا چھوڑ کر کچن کی کھڑکی سے تاریکی میں کود گیا۔ اور جب میں احاطے کی پچھلی دیوار سے نیچے کود رہا تھا تو تینی کا سایہ کچن کی کھڑکی میں موجود تھا اور وہ مضطربانہ انداز میں فضا میں ہاتھ لہرا رہی تھی۔

میں آہستگی سے نیچے کود گیا۔ نرم اور ٹھنڈی گھاس پر قدم پڑتے ہی دھپ کی ہلکی سی آواز ہوئی۔ وہاں خاصی دور تک اندھیرے کا راج تھا۔ عمارت کے برآمدے میں ایک برقی زرد بلب جل رہا تھا۔ میں چند ثانیوں تک اسی جگہ بیٹھا کسی رد عمل کا منتظر رہا مگر وہاں بدستور سناٹا چھایا ہوا تھا۔

میں احاطے کی دیوار کے ساتھ ساتھ احتیاط سے ایک طرف بڑھنے لگا حتیٰ کہ نکاسی کا راستہ میری نظروں میں آ گیا۔ آہنی پھاٹک بند تھا اور وہاں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ میں کسی دقت یا رکاوٹ کے بغیر ذیلی کھڑکی کھول کر باہر آنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر آہنی پٹ یوں بند کر دیا کہ دور سے دیکھنے پر اس عمارت کے مکینوں کو یہ شبہ ہو سکے کہ کوئی اس کھڑکی سے باہر گیا ہے۔

تینی کے بارے میں تو مجھے پورا یقین تھا کہ وہ میرے بارے میں اپنی زبان بند رکھے گی مگر گپتا سے خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ اسے مجھ پر شبہ ہو سکتا تھا کیونکہ تینی ایسی گری پڑی یا گئی گزری عورت نہیں تھی کہ اپنی ویران راتوں میں زندگی کے رنگ بھرنے کے لیے مشکوک اور آوارہ گرد لوگوں کا سہارا لیتی پھرے۔ لہٰذا لازمی طور پر گپتا کو میری اصلیت پر شبہ ہو جاتا اور اگر وہ میرے اندازے کے مطابق کوئی سرکاری مخبر تھا تو تینی سے کڑی باز پرس شروع ہو سکتی تھی اور وہ غیر مہذب ہندوستانی پولیس کے تشدد کے سامنے سچ اگلنے پر مجبور ہو جاتی۔ ایک بار بھی سرکاری اہلکاروں کو بھنک مل جاتی کہ میں یہاں اس کے نواح میں موجود ہوں تو پورے وسائل کے ساتھ میرا گھیراؤ شروع کر دیا جاتا۔

ان پیچیدگیوں سے بچنے کی واحد صورت یہی تھی کہ میں گپتا سے فوری اور فیصلہ کن ملاقات کروں۔ میں مکانوں کے گرد ایک طویل چکر کاٹ کر اس سڑک پر آ گیا جو تینی کے خوبصورت بنگلے اور شریا ہاؤس کے درمیان واقع تھی۔ اس سڑک پر روشنی کا خاصا انتظام تھا اور ایک کھمبے کے ساتھ لگی ہوئی تختی پر ہندی میں سڑک کا نام لکھا ہوا تھا۔

شریا ہاؤس نامی عمارت مجھے دور ہی سے نظر آ گئی۔ زینوں کے اوپر انگریزی میں بڑے بڑے حروف میں عمارت کا نام لکھا ہوا تھا۔ میں نے رک کر دوسری منزل پر نظر ڈالی مگر وہاں تمام کھڑکیوں کے پیچھے گہری تاریکی کا راج تھا اور ایسی ہی کسی تاریک کھڑکی کے پیچھے سے گپتا تینی کے مکان کی نگرانی کر رہا تھا۔

میں سڑک عبور کرنے کی نیت سے فٹ پاتھ سے اتر رہا تھا کہ اچانک شریا ہاؤس کے زینوں سے ایک دراز قد اور قوی الجثہ [illegible] اترتا نظر آیا۔ زینوں سے اتر کر وہ رکے بغیر سڑک عبور کرنے [illegible] پر اعتماد انداز میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جس نے مجھے [illegible] اس کی نظروں میں آنے سے قبل پھرتی سے ایک تناور درخت [illegible] میں ہو گیا جو سامنے کے فٹ پاتھ پر لگا ہوا تھا۔

وہ شخص سڑک عبور کر کے سیدھا تینی کے [illegible] چند ثانیوں بعد وہ احاطے میں غائب ہو گیا۔ شاید اس نے [illegible] کھول لیا تھا۔

یک بیک میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ [illegible] میرے لیے یہ بڑی خوشی کی بات تھی کہ میرا عاقبت اندیش [illegible] کمین گاہ سے باہر آ چکا تھا۔ میں تقریباً دوڑتا ہوا تینی کے [illegible] وہ دراز قامت سایہ روشن برآمدے میں کھڑا دروازہ کھلنے [illegible] پھاٹک میں بنی ہوئی جھری میں سے اس کی نگرانی کرنے لگا۔

چند ثانیوں بعد اندر سے تینی کے سوال کے جواب [illegible] نام بتایا۔ وہ میرے اندازے کی تصدیق ہو گئی۔ وہ گپتا ہی تھا [illegible] دھیما تھا مگر رات کے سناٹے میں میں نے اس کی آواز [illegible]

اسی وقت سڑک پر کسی کار کے ہیڈ لیمپ کی روشنی [illegible] پھرتی سے تینی کے احاطے کی دیوار کے ساتھ فٹ پاتھ پر [illegible] کر دیکھنے والا مجھے آوارہ گرد نشئی ہی سمجھے۔

"کیوں آئے ہو اس وقت یہاں؟" تینی کی دبی دبی مگر برہم آواز [illegible] کانوں سے ٹکرائی۔

"اب صبر نہیں ہوتا۔ یہ رات تمہارے ساتھ گزاروں گا [illegible] سنائی دیا۔

تینی نے کچھ کہا مگر اسی وقت تیز رفتار کار قریب پہنچ گئی [illegible] انجن کے شور میں میں کچھ بھی نہ سن سکا۔ کار گزر گئی تو میں نے [illegible] مگر وہاں سناٹا تھا۔ اٹھ کر اندر جھانکا تو وہاں برآمدہ ویران پڑا [illegible] وہ دونوں اندر جا چکے تھے۔

میں نے ایک سیکنڈ بھی ضائع نہیں کیا اور پھرتی سے اندر [illegible] تینی کی کار کے برابر سے گزر کر برآمدے میں پہنچا اور [illegible] دی۔ اندرونی راہداری روشن ضرور تھی مگر ویران پڑی ہوئی تھی [illegible] دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا اور مجھے اپنی خوش بختی پر رشک آنے [illegible] نہیں تینی دروازہ پلٹ کر بند کرنا بھول گئی تھی یا اس نے دانستہ [illegible] رکھا تھا۔ اسے یہ تو معلوم تھا کہ میں گپتا کی خبر لوں گا۔ جب [illegible] لپٹے دروازے پر دیکھا تو سمجھ گئی ہوگی کہ میں بھی اس کے تعاقب [illegible] مجھے وہاں پہنچ سکتا ہوں اور اس نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا۔

میں دروازہ کھول کر راہداری میں داخل ہو گیا۔

"کمال ہے۔ کہاں گیا وہ؟" اندر قدم رکھتے ہی میرے کانوں [illegible]

[illegible] آئی۔

"وہ تھوڑی دیر بعد چلا گیا تھا۔ آخر تمہیں اس میں کیا دلچسپی پیدا ہو گئی؟" تینی کی غصیلی آواز تھی۔

"[illegible] میں تو مسلسل کھڑکی میں بیٹھا رہا ہوں۔ وہ گیا کہاں سے؟ [illegible] بندی چنائی کر رہی ہے یا میں نے اسے سینے میں چھپا لیا ہے۔" [illegible] چلا کر بولی۔

"[illegible] تو خیر ٹھیک ہے۔" اس کا لہجہ مکارانہ تھا۔ "ذرا دیکھو تو [illegible] وہ کون ایسا خوش نصیب ہے کہ تمہارے سینے تک [illegible]

"مجھے پتہ نہیں تھا کہ تم اتنے گھٹیا ذہن کے مالک ہو گے۔ نوکروں سے [illegible] جاؤ دفع ہو جاؤ۔" تینی کا پارا جذبات سے چڑھتا جا رہا تھا۔

"[illegible] ہونے والی ہے۔ اب جا کر کیا کروں گا؟"

"خبردار! جو مجھے ہاتھ لگایا۔" تینی اچانک غرائی۔ شاید گپتا اس پر دست درازی کر رہا تھا۔ "میں ابھی پورے محلے کو بیدار کر دوں گی۔"

"یہ ارادہ بھی نہیں ہے۔ کوئی گھر سے نہیں نکلے گا۔ تم چیخ سکتی ہو [illegible] آج میں ہرگز یہاں سے نہ جاؤں گا۔"

"دفعتاً پیچھو!" میں نے اچانک ڈرائنگ روم میں آ کر سخت لہجے میں [illegible] بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ تینی کی طرف بڑھتے ہوئے ہاتھ [illegible] گئے اور وہ پھرتی سے ایڑیوں کے بل میری طرف گھوما۔ [illegible] دیکھتے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"صفدر!" تینی مسرت بھرے انداز میں بولی اور میری طرف دوڑ پڑی۔ [illegible] میرا نام سن کر گپتا کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

"ت... تم صفدر علی ہو؟" اس نے ہکلاتے ہوئے حیرت سے کہا۔

"اب تینی کی حماقت سے تم میرا نام جان ہی گئے ہو تو یہ بھی سن لو [illegible] تعمیل میں ذرا بھی تاخیر کی تو بے موت مارے جاؤ گے۔ اپنے [illegible] اٹھا لو۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

اس نے چوں چرا کیے بغیر میرے حکم کی تعمیل کی۔ وہ مجھے یوں حیرت سے دیکھ رہا تھا جیسے میں کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ہوں۔

"تم لباس تبدیل کر لو۔" میں نے تینی کے سلیپنگ سوٹ کا جائزہ لیتے [illegible] ہم باہر چلیں گے۔"

"ابھی؟" اس نے رسٹ واچ دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں اسی وقت۔"

وہ خوشی سے اپنی خواب گاہ میں چلی گئی اور میں صوفے پر دراز ہو گیا۔ [illegible] ہاتھ اٹھائے [illegible] کھڑا ہوا تھا۔

"تمہاری اصلیت کیا ہے؟ [illegible] میں نے روزینہ سے حاصل کیا [illegible] میں پہلا سوال کیا۔

[illegible] زبان پھیرتے ہوئے [illegible]

"دوست! عاشق ساری ساری رات گھر کی نگرانی نہیں کرتے۔ یہ سرکاری کتوں کا کام ہوتا ہے۔" میں نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "مجھے صرف یہ بتاؤ کہ تمہیں کس نے نگرانی پر مامور کیا ہے؟"

"میں تینی سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ تم اس سے پوچھ سکتے ہو۔" وہ بوکھلا کر بولا۔

"تو اس وقت منہ کالا کرنے کیوں آئے تھے؟"

"تینی کی خواب گاہ میں بار بار روشنی جلتی بجھتی دیکھ کر میرے دل میں کھوٹ آ گیا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ تمہارے ساتھ رنگ رلیاں منا رہی ہے اور ان ہی خیالات نے مجھے بھی بہکا دیا۔"

"مگر تم نے تینی کی واپسی تک اپنی اصلیت نہ بتائی تو میں تمہیں کتے کی موت ماروں گا۔" میں نے سرد لہجے میں اس کو آگاہ کیا۔ "تمہاری زندگی کا دار و مدار تمہاری زبان پر ہے۔"

اس کے چہرے سے شدید اندرونی کشمکش کا اظہار ہونے لگا۔ وہ بے چینی سے بار بار پہلو بدلنے لگا۔ پھر اچانک ہی بول پڑا۔ "میں انڈین سیکرٹ سروس کا انفارمر ہوں۔"

"تینی کے پیچھے کیوں لگائے گئے تھے؟"

"مجھے تمہاری ہی تصاویر دکھائی گئی تھیں اور یہ ہدایت تھی کہ جیسے ہی تمہیں یہاں دیکھوں کیپٹن کو فوراً مطلع کر دوں۔"

"تو آج تم نے اسے خبر دی؟"

"نہیں! ابھی تک میں تمہیں پہچان ہی نہیں سکا۔ اگر اب بھی تینی تمہارا نام نہ لیتی تو مجھے پتہ بھی نہ چلتا کہ تم صفدر علی ہو۔"

"تو آج تم نے کسی کو کوئی رپورٹ نہیں دی؟"

"نہیں۔" وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔

اسی وقت تینی نیلے رنگ کی جینز اور جیکٹ پہن کر آ گئی۔ میری ہدایت پر اس نے پوری احتیاط سے گپتا کی تلاشی لی مگر اس کے پاس چاقو کے سوا کوئی ہتھیار نہیں تھا۔

پھر میں گپتا کو لے کر تینی کی کار کی پچھلی سیٹ پر اس طرح پھیل کر بیٹھ گیا کہ کھڑکی میں سے میرا یا گپتا کا دیکھا جانا ممکن نہ تھا اور تینی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

کار باہر نکال کر تینی نے پھاٹک مقفل کیا اور دوبارہ اپنی سیٹ پر آ گئی۔ "کہاں چلنا ہے؟"

"کسی ویران اور غیر آباد علاقے میں۔" میں نے کہا۔

"وہاں... وہاں کیوں لے جا رہے ہو مجھے؟" گپتا خوفزدہ لہجے میں بولا۔ "میں نے تمہیں ہر بات سچ سچ بتا دی ہے۔ اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"ابھی تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔" میں نے تینی کو چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں سیکرٹ سروس والوں کو تمہارے ذریعے ایسی چوٹ دینا چاہتا ہوں کہ وہ آئندہ کے لیے میرا خیال ترک کر دیں۔"

گاڑی روکو — جو تم کہو گے میں ماننے کے لئے تیار ہوں — میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گا۔"

"منی کا بنیاد کھاؤں گا تم کو۔" میں اطمینان سے بیٹھے میں بولا۔ "اب خاموش بیٹھے رہو۔ اگر بکواس جاری رکھی تو مجھے دوسرا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔"

"بھگوان کے لئے مجھ پر رحم کرو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ منی کو اپنی بہن سمجھوں گا۔ صرف اس بار مجھے معاف کر دو۔" وہ گڑگڑانے لگا۔

"میرے ناجائز رسالے کہلاؤ گے۔" میں اس رشتے کا تصور کر کے دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ "اب بکواس بند کرو ورنہ تمہاری بہن گاڑی الٹ دے گی۔"

کچھ دیر بعد منی نے ایک ویرانے میں گاڑی روک دی۔ میں پیچھے اتر آیا اور گپتا کو بھی اپنی ہی جانب سے نیچے آنے کا حکم دیا۔ جونہی اس نے گاڑی کے دروازے سے سر باہر نکالا میں نے پوری قوت سے پستول کا آہنی دستہ اس کی کنپٹی پر رسید کیا اور وہ کراہ کر وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس کا آدھا دھڑ پائیدان سے باہر جھولنے لگا۔ میں نے اس کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے باہر گھسیٹ لیا۔

"تم نے مار ڈالا اسے؟" منی خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"فکر نہ کرو، وہ زندہ ہے۔ بس بے ہوش ہو گیا ہے۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "اب تم واپس جاؤ۔ یہ یاد رکھنا کہ آج تم نہ مجھ سے ملی ہو نہ تم نے گپتا کو دیکھا ہے۔ اگر اس وقت کسی نے تمہیں گاڑی چلاتے دیکھا بھی ہوگا تو اسے پچھلی سیٹ پر کچھ نظر نہ آیا ہوگا۔ واپسی پر تم کسی میڈیکل اسٹور سے چند خواب آور گولیاں خرید لینا اور گھر جا کر وہ کھا کر سو جانا۔ اگر تمہارے گھر پر پولیس کی نوبت آ جائے تو تم کہہ سکتی ہو کہ اعصابی ہیجان کے باعث تمہیں نیند نہیں آ رہی تھی لہٰذا تم دوا خریدنے نکلیں اور واپس آ کر سو گئیں۔"

"تم کیا کرنے جا رہے ہو؟" وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں تو اس وقت گاڑی بھی نہ چلا سکوں گی۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"بچوں جیسی باتیں نہ کرو۔" میں نے اسے تسلی دی۔ "میں اس خبیث سے کچھ اور معلومات حاصل کروں گا پھر اسے چھوڑ دوں گا۔ مگر یہ خود سیکرٹ سروس والوں کی طرف رجوع نہ کر سکے گا۔ وہ غداری کی کڑی سزا دیتے ہیں۔ میں نے تمہیں محض اس لئے ترکیب بتائی ہے کہ کہیں گپتا کی روپوشی کے سلسلے میں تمہیں پریشان نہ کیا جائے۔"

"وعدہ کرو کہ تم اسے ہلاک نہیں کرو گے۔" وہ بے اعتباری کے عالم میں بولی۔

"احمق ہو گیا؟" میں نے ہنس کر اس کے رخسار پر ہلکی سی چپت لگائی۔ "مجھے کیا ضرورت ہے جو بلاوجہ اس بے چارے کا خون کر دوں۔ اس نے تو خود ہی گھبرا کر ہر بات اگل دی ہے۔"

میری اس گفتگو سے منی کی دہشت قدرے کم ہوئی اور وہ میرے سینے سے آ لگی۔ کچھ دیر بعد وہ وہاں سے رخصت ہوئی تو اس کے اعصاب اعتدال پر پہنچ چکے تھے اور لبوں پر آسودہ مسکراہٹ رقصاں تھی۔ مجھے اطمینان ہو گیا کہ وہ کوئی حادثہ کئے بغیر میرے منصوبے کے مطابق [illegible] پہنچ جائے گی۔

جب اس کی کار کی عقبی سرخ روشنیاں بہت دور [illegible] ہو گئیں تو میں نے قرب و جوار کا جائزہ لینا شروع کیا [illegible] ایک مناسب جگہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ گپتا [illegible] نے اسے ہاتھوں پر اٹھا کر لے جانا مشکل تھا [illegible] مشکوک نشانات بن جاتے لہٰذا مجھے اس کے ہوش میں آنے [illegible]

تیسری سگریٹ کے خاتمے پر اس کے جسم نے حرکت [illegible]

اسے بغلوں میں سہارا دے کر قدموں پر کھڑا کر دیا اور [illegible] ساتھ ہو لیا۔

ایک ٹیلے پر پہنچ کر میں نے اچانک اسے دھکا دے دیا [illegible] سے خوفزدہ چیخیں نکلتا تیزی سے ڈھلوان پر لڑھکتا چلا گیا [illegible] پہنچنے سے قبل اس کی آوازیں دم توڑ چکی تھیں۔

میں نے نیچے اتر کر اس کا جائزہ لیا تو وہ دم توڑ چکا تھا [illegible] بدن زخمی ہو گیا تھا اور گردن کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی۔

میں اسے اسی حال میں چھوڑ کر وہاں سے [illegible] موجودگی کا ایک گواہ مر چکا تھا اور وہ سب سے [illegible] در اصل میرے ہاتھوں گپتا کی موت کی [illegible] جاتی تھی۔ اس نے گپتا کے سامنے میرا اصل نام لے کر اس کو [illegible] ناگزیر بنا دیا تھا۔ اس سے پیشتر گپتا کو کچھ شبہ [illegible] دیکھنے کے باوجود مجھ پر صفدر علی ہونے کا شبہ نہیں کر سکا تھا [illegible] زیادہ رقابت کے جذبے نے میرے خلاف بھڑکا دیا تھا۔ اگر [illegible] ڈوبے منڈلا رہا ہوتا تو شاید میری طرف اتنی توجہ بھی نہ دیتا۔

منی کے باعث میرے ہاتھوں یہ دوسرا قتل تھا [illegible] نرم خو برہمن زادی میری خواہش کے برعکس غیر محسوس طریقے پر [illegible] اہمیت اختیار کرتی جا رہی تھی مگر اس بار میں نے [illegible] سامنے آگئی تو میں ہر قیمت پر اس سے بچ نکلنے کی کوشش کروں گا [illegible] قریب آ کر وہ میرے ذہن پر اپنے شباب اور ادا کی [illegible] کسی اور کی آغوش میں دیکھنے کا تصور بھی خون کو [illegible] میرے لئے یہی بہتر تھا کہ اس سے گریز کروں ورنہ میرے ہاتھوں مارے جانے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو سکتا تھا۔

اس رات کا باقی ماندہ حصہ میں نے ایک [illegible] گزارا اور دن نکلتے ہی بے مقصد ایک طرف ہو لیا۔ اب [illegible] جیب میں بہت معمولی رقم موجود تھی اور ابھی مجھے کچھ اندازہ [illegible] میں کب تک بمبئی میں بھٹکتا رہوں گا۔

وہ بہت [illegible] پہلے میں گودی کے علاقے میں [illegible] مجھے وہاں [illegible]

[illegible] ہندوستان سے فرار کی کوئی راہ نکال سکتا تھا [illegible] پاکستان لے جاتے ہوئے کسی جہاز کے گودام میں چھپ جاتا [illegible] کسی دوسری بندرگاہ پر لنگر انداز ہوتا تو میں وہاں پوشیدہ طریقے [illegible] نکلنے کی کوشش کر سکتا تھا۔

گودی کے مین پھاٹک کے باہر بوسیدہ لباس میں [illegible] مزدور بے چینی سے قطار بند تھے۔ میں بھی خاموشی سے [illegible] قطار کے آخر میں دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

میرے آس پاس قطار میں جو مزدور موجود تھے ان کی زبان [illegible] تھی۔ وہ ایک دوسرے سے مسلسل باتیں کئے جا رہے تھے [illegible] ہنگامہ [illegible] قہقہے اور شور سنائی دیتا اور [illegible] دو چار مزدور آپس میں گالی گلوچ اور عملی مذاق پر تلے ہوئے [illegible] مزدور چیخ چیخ کر ان کی حرکتوں کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔

"تم چپ [illegible] کیوں ہے؟" اچانک کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ [illegible] آواز کرخت مگر لہجہ محبت آمیز تھا۔

میں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ ایک تنومند پٹھان تھا۔ [illegible] سرخ و سفید چہرے پر بڑی بڑی مونچھیں موجود تھیں [illegible] آستین میں سے اس کا مشقت کا عادی کسرتی بدن نظر آ رہا تھا [illegible] جسم اور بارعب چہرے کے باوجود اس کی آنکھوں میں ملائمت [illegible] تھی۔

"میں [illegible] نہیں ہوں خان صاحب!" میں نے مسکرا کر کہا۔

"خو [illegible] خاموش بیٹھی ہے۔" [illegible] وہ ایک گہری سانس لے کر بولا "تم ادھر نیا معلوم ہوتی ہے۔" خان صاحب نے جس طرح میری جنس تبدیل کی اس پر مجھے بے اختیار [illegible] بمبئی میں [illegible] کمانے آیا ہوں۔"

وہ میرے قریب ہی ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور [illegible] "ادھر پیسہ کمانے [illegible] ابھی پیسہ [illegible] سونا پیسہ گھر بھیجتی ہے۔ ادھر کام ابھی [illegible] کیسی ہے؟"

"[illegible] معلوم نہیں۔ یہ خانہ خراب [illegible] کب ادھر آتی ہے [illegible] ہم فجر پڑھ کر [illegible] ہوتی ہے۔ [illegible] مزدوری [illegible] جاتی ہے۔ [illegible] پڑے گا۔" آخری فقرہ اس نے بڑی [illegible] استعمال کیا تھا۔

"[illegible] کیسے ہو گیا؟"

"[illegible]" وہ میرے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "[illegible] خانہ خراب [illegible] ابھی تم سے محبت [illegible]"

[illegible]

اس نے دزدیدہ نظروں سے گرد و پیش کا جائزہ لیا اور پھر بہت آہستگی سے قطار میں میرے آگے سرک آیا۔ جب کسی نے اس کی حرکت پر توجہ نہ دی تو وہ خوش ہو گیا اور رازدارانہ لہجے میں بولا "ابھی ہمارا باری جلدی آئے گا۔ خو چہ تم کسی شریف کا اولاد معلوم ہوتی ہے۔"

پھر وہ اپنی جیب میں [illegible] تلاش کرنے لگا۔ اسی دوران اس کی جیب سے ایک کارڈ باہر گرا جس پر اس کی تصویر لگی ہوئی تھی اور شپنگ کے کسی ادارے کا نام بھی چھپا ہوا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"یہ اندر جانے کا چٹھی ہے۔" وہ کارڈ جیب میں رکھ کر تمباکو کی چٹکی نکالتے ہوئے بولا "تمہارا پاس یہ چٹھی نہیں ہے؟"

میں نے سر کو نفی میں جنبش دی۔

"ادھر کیا کرتی ہے؟" خان صاحب محبت آمیز انداز میں مجھ پر برس پڑے اور ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے "اس کھڑکی پر یہ چٹھی صبح صبح ملتا ہے۔ آٹھ بجے کے بعد [illegible] دو تین روپیہ رشوت دو تو سارا کام ہو جاتی ہے۔ اس کے بغیر کوئی تم کو گودی میں گھسنے نہیں دے گی۔"

اس وقت قطار میں ہلچل پیدا ہو گئی۔ سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور قطار آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔ شاید دوسری شفٹ کے لئے مزدور ڈیوٹی پر لئے جا رہے تھے۔

وہ قطار میں آگے نکل جانے پر بہت خوش تھا۔ اس نے مجھے دعوت دی کہ میں اگر رات کے دس بجے اسے وہیں ملوں تو وہ اپنے خرچے پر مجھے کھانا کھلائے گا اور صبح سویرے میرے لئے گودی میں کام کرنے کا اجازت نامہ بھی بنوا دے گا۔

میں مایوسانہ انداز میں قطار سے الگ ہو گیا۔

رات دس بجے تک میں آوارہ گردی کرتا رہا۔ مجھے امید تھی کہ شاید میں غیر قانونی نکاسی کی کوئی راہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا مگر یہ کوششیں بار آور نہ ہو سکیں۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ میں اس سادہ لوح پٹھان سے دوستی کر لوں گا تاکہ کم از کم سونے کا ٹھکانہ تو مل سکے۔ اس بھرے شہر میں وہ شخص فرشتے کے روپ میں مجھ سے ٹکرایا تھا اور اس کی پیشکش سے فائدہ نہ اٹھانا حماقت کے مترادف تھا۔

وہ مزدوروں کی بھیڑ میں ساڑھے دس بجے [illegible] گودی کے پھاٹک سے باہر آیا اور والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔

"اوئے خو چہ جان! آج ہم نے [illegible] کمایا ہے۔ ابھی ہم تم کو روٹی کباب کھلائے گی۔"

اس کا نام شاہ گل تھا اور وہ واقعی بڑا سادہ دل انسان تھا۔ اس کی [illegible] کی غلیظ اور کچی آبادی میں تھی جہاں جھونپڑوں اور انسانوں کی آبادی میں [illegible] برقرار رکھا گیا تھا۔ [illegible]

نالیاں اور کچی گلیاں وہاں کے باسیوں کے لئے کسی زحمت کا باعث نہیں تھیں۔ وہ ان سب چیزوں سے بے نیاز خوش و خرم زندگی گزار رہے تھے۔

شاہ گل مجھے فارس روڈ کے علاقے میں ایک سستے سے ہوٹل میں لے گیا۔ یہ بمبئی کے خوش نما چہرے کا بدترین ناسور تھا جہاں پورے ملک کی غلاظت جمع تھی۔ علاقے میں ٹراموں کا شور و ہنگامہ تھا۔ لکڑی اور کنکریٹ کے گودام تنہا پڑے تھے مگر یہاں نالیوں سے ساز اور آواز کا کسیلا آہنگ گونج رہا تھا۔ دروازوں پر سرکنڈوں کی چٹائیاں پڑی ہوئی تھیں اور پیچھے مدھم روشنی میں جاندار نگاہ جھکے سے غفلت پر جوان اور ادھیڑ عمر عورتیں ناچتی نظر آ رہی تھیں۔ غلیظ نشست پاؤں سے گزرنے والے ہر دروازے کے سامنے رک کر چند لمحوں تک مبادی نظروں سے ناپنے والیوں کے حریصانہ آمیز اشاروں کا نظارہ کرتے اور آگے بڑھ جاتے۔ ہوٹلوں میں اس وقت بھی خاصا رش تھا۔ لوگ قدم قدم پر دلال گھوم رہے تھے جو راہ گیر کے کان کے پیچھے جنس کی قیمتوں میں ان کی خوبیاں بتاتے۔ پھر کسی تاریک گوشے میں سرگوشیاں ہوتیں اور سودا طے ہوتے ہی گاہک کسی چق کے پیچھے غائب ہو جاتا۔ چق کے عقب میں جلترنگ کی آواز ابھرتی، پھر سیاہی اور وہاں اندھیرا پھیل جاتا۔ اندر کسی پڑے کے ہاتھوں میں موتیے کے گجرے اور گلاب کے ہار ہوتے، آگے لٹکے ہوتے تھے کہیں فرش پا تھ پر رکیک شاعرانہ رنگین تصویریں بیچنے والے جھکے ہوئے تھے۔ ان کے گرد بھی نوجوان لڑکوں کا ہجوم تھا جو ہندی، چینی اور امریکی، یورپی عورتوں کی تصویریں ایسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا جیسے نگاہوں ہی نگاہوں میں ان کاغذی پریوں کو زندہ کر کے چبا جائے گا۔

شاہ گل کھانے کا آرڈر دے کر بے نیازی سے اپنا اخلاقی پہلو بھولتے دکان کی طرف دلچسپی سے فٹ پاتھ پر ہونے والے رنگ ڈھنگ کے تماشے دیکھ رہا تھا۔ وہ ہوٹل بھی کسی طرح کا ٹھیکہ تھا جہاں بیٹھنے والوں اور نکلنے والوں کے بعد بمشکل اتنی جگہ رہ گئی تھی کہ ہوٹل کا بہت نامناسب پن وہاں بیٹھ سکے۔ اسی لئے ساری میز کرسیاں اور فرش باہر فٹ پاتھ پر بچھی ہوئی تھیں اور سر پر بوسیدہ شامیانہ تنا ہوا تھا۔

شاہ گل نے بڑی بے رغبتی سے اور میں نے بڑی بے چارگی سے کھانا ختم کیا۔ اس دوران مجھے کئی بار مینی کا گھر اور کمرہ یاد آیا جہاں میں نے بڑی نفاست سے پچھلی رات کا کھانا کھایا تھا۔

کھانا کھا کر ہم باہر نکلے تو ایک وقت کئی دلال ہماری طرف لپکے۔ ان میں سے ایک کسی سرداری کا نمائندہ تھا جو مجھے نظر انداز کر کے پوری طرح شاہ گل کی طرف متوجہ تھا اور اسے مختلف قسم کی حسیناؤں کی آغوش سے بالیاب ہونے کی دعوت دے رہا تھا۔ اس نے چند ہی سیکنڈ میں شاہ گل کے سامنے اس سرداری کے مزاج کی تعریف بیان کر ڈالی۔ جو شاہ گل کی طرح دراز قد اور توانا تھی۔ وہ مزید مجھے ایک بنگالن سے ملوانے پر مصر تھا جو بقول اس کے چھوئی موئی کی طرح نازک اور چاندنی سے زیادہ حسین تھی۔ مگر ہم اس کے بھی خریدار نہیں تھے۔

فارس روڈ سے نکلنے کے بعد ہم پیدل ہی دل بھرانے نکلے تھے لیکن شاہ گل نے سب کو ڈانٹ کر بھگا دیا۔ تازہ گوشت کے ساتھ بلکہ منڈی سے باہر آ کر شاہ گل نے ایک طویل سانس لیا۔

"کیا بات ہے شاہ گل؟" بڑی ٹھنڈی سانس لے رہے ہو؟" میں نے اسے حسرت بھرے انداز میں چھیڑا۔

"یہ عورتیں خواہ مخواہ دل خراب کر دیتی ہیں۔" وہ رنج سے بولا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے پیسوں کا سوال ہمارے سامنے آ کر بیٹھ گیا ہو۔"

"تو تم پیسے خرچ کر دیتے ہو تمہیں؟" میں ہنس کر بولا۔

"جب ہم بمبئی آئے تو ہمارا ارادہ بھی یہ تھا کہ ہم کچھ عرصہ دل کا ارمان پورا کرے گا۔" وہ بے چارگی سے بولا۔ "ابھی ایک دو دن کا کرایہ ہے مگر تم شہر کے چکر میں پڑے رہے تو ایک روز بھوکے بیٹھنا پڑ جائے گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

میری توقع کے برعکس وہ زور سے ہنس پڑا۔ "ہم آج کا جواب ٹھاٹھ سے دیں گے۔ ہم بھی بڑی چالاک ہے۔"

"کیا چالاک ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں بتائے گی۔" وہ زور زور سے سر ہلانے لگا۔ "پھر جو پوچھو۔"

اس سے چھڑ چھاڑ کرتا میں اس کی کھولی پر پہنچا تو وہ ایک مشقتی اور بان کی ایک بوسیدہ چارپائی کے علاوہ صرف ایک مٹکا اور گلاس موجود تھا۔

"اس کھولی میں ہم دونوں کیسے سوئیں گے شاہ گل؟" میں نے کھولی کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"تم چارپائی پر سوئے گا۔"

"مگر وہ تو تمہارے لئے بھی کم ہے، میرے لئے جگہ کہاں سے آئے گی؟"

"تم فکر مت کرو، ہم زمین پر سو جائے گی۔" وہ زور سے بولا۔ شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔

اور پھر ابھی میں شاہ گل سے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ وہ چارپائی میرے حوالے کر کے سیل زدہ زمین پر دراز ہو گیا اور تھوڑی ہی دیر میں اس کے خراٹوں سے کوٹھڑی گونجنے لگی۔

میں کافی دیر تک بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا مگر گرمی اور چارپائی کے کھٹملوں نے مجھے سونے نہیں دیا۔ لہٰذا میری بھی آنکھ لگ گئی اور اگلی صبح سورج نکلنے سے پہلے ہم پھر گودی پر پہنچ گئے۔ شاہ گل مزدوری کرنے لگا اور میں نے اجازت لے کر اپنی تلاش میں نکل گیا۔ اسی وقت مجھے خیال آیا کہ تصویروں کے ذریعے اپنا خاکہ بنا کر شاید کسی ملا جلا لہٰذا میں چپکے سے الگ ہو گیا۔ میں یہاں تصویر دے کر مزید کسی کو فون میں شمس قوی دیتا رہا تھا۔

گودی کے قریب ہی بحری جہاز کو لوڈنگ کرنے اترا تو مجھے کام مل جانے کی امید ہوئی۔

بولنے کی کوشش کامیاب ہو گیا۔ اندھیرے ہوتے گرد آلود گھر کی وہ کوٹھی جو جل ہوتی ہوئی اور کونے کی طرح بکھرا بگڑا نظر آ رہا تھا، شب کے اندھیرے میں دم بدم گزشت کرنے لگا۔

راستوں پر سخت پہرے اور دیوار پر مسلح پہرے داروں کی اونچی بلندی میں وہ اپنے راستے اختیار کرنے کی ہمت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ نہ ہی اس کوٹھی کی کھڑکی میری واحد امید تھی۔

کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد سر کاری گاڑی وہاں آئی اور کوٹھی کا گھر خالی کر کے واپس چلی گئی۔

اسی وقت وہاں چند لوگ اس طرح کھڑے تھے کہ میں ان کی نگاہوں سے محفوظ رہ کر اپنی کارروائی نہیں کر سکتا تھا۔ کوٹھی کے قریب دیوار کے سائے میں اس طرح بیٹھ گیا جیسے شب بھر کی تھکاوٹ میں کوئی پریشان حال مزدور ہو۔

ایک بار بھوک پیاس سے بے حال ہو کر میں پھر لوٹ کر کھڑکی میں پڑا اور ایک طویل دیوار کے سہارے کھڑا ہو گیا۔ وہاں جو لوٹے، وہ بھی کچھ دیر بعد جا رہی تھیں۔

وہ کچا سا ایک چھوٹا سا ٹوٹے گھر تھا جو چند بڑی بڑی عمارتوں کے عقب میں تھا۔ شاید نگہبانوں کو توقع بھی نہیں رہی ہوگی کہ کوئی اس طرف سے اندر داخل ہو سکتا ہے لہٰذا وہاں کوئی نگران موجود نہیں تھا۔ دیوار پھلانگ کر گھر سے باہر نکل آیا۔

انتہائی احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ میں کسی کی نظروں میں آئے بغیر اس عمارت میں شامل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ مجھے یقین تھا کہ اندر داخل ہو جانے کے بعد کوئی میری طرف مشکوک نظروں سے نہیں دیکھے گا۔

گودی کے شور، مزدوروں کی بھاگ دوڑ اور ٹرکوں کی آمدورفت نے ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ میں تیز تیز قدموں سے چل رہا تھا جیسے مجھے کسی خاص کام کے لئے دوڑ دوڑا ہوں اور جلد ہی کسی جگہ پہنچنا چاہتا ہوں۔ گودی میں اس سمت کا تعین کر چکا تھا جہاں پر وہ جہاز لنگر انداز تھا۔ میں نے وہاں اپنا کافی وقت صرف کیا تو پتہ چلا کہ میرا کسی جہاز تک پہنچنا مشکلات میں سے ہے۔

جہاز پر کام کرنے والے مزدوروں کی نگرانی ایک سپروائزر کر رہا تھا۔ مزدوروں کے شناختی پرمٹ پر سختی سے چیکنگ ہو رہی تھی۔ اس شخص کی نظر بچا کر جہاز کی طرف نہیں جا سکتا تھا۔ دوپہر کو جب پہلی شفٹ کا اختتام ہوا تو مزدوروں کی ٹولیاں کام چھوڑ کر اپنے اپنے سپروائزر کی جانب بڑھنے لگیں جو بار بار ان کے نام پکار کر نمبر گن رہا تھا۔ اس انتشار میں دوسری شفٹ کے مزدوروں نے تیزی سے اپنی پوزیشن سنبھالنا شروع کر دیا۔

میں چپکے سے اس انتشار سے فائدہ اٹھا کر ان کی صفوں میں جا ملا۔

بولنے کی کوشش کرتا اور اس میں کامیاب بھی ہو جاتا تو یہ جہاز پر چھپنا محال تھا۔ شفٹ ختم ہونے پر سپروائزر کو میری گنتی کا علم ہو جاتا اور فوری طور پر اس مخصوص جہاز کے چپے چپے کی تلاشی شروع ہو جاتی۔

ان افسوس ناک صورت حال کے باوجود میں جہاز میں سوار ہونے کا ارادہ ترک نہیں کر سکا۔ میں نے اس کا بھی جائزہ لیا کہ میں رات کے وقت محافظوں کی نظروں سے بچ کر کسی بھی چھوٹی کشتی یا دیگر وسیلے سے جہاز میں چھپ جاؤں جسے اگلے دن روانہ ہونا ہو۔ مگر میں نے یہ ارادہ فوراً ہی ترک کر دیا۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا کہ مزید اور خلاصی نہایت بے دردی کے ساتھ سامان کے گرد قوی دستے لگا رہے تھے اور پھر بھی بار بار ایسا ہوتا کہ رنگ برنگ نہایت لاپرواہی سے ادھر ادھر پھینک دیا۔ اس کوشش میں قوی امکانات اس بات کے تھے کہ جہاز کے گودام تک پہنچنے سے قبل ہی میری پسلیاں ٹوٹ جائیں یا میری لاش گہرے سمندر میں غرق ہو جاتی۔ جب کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی صورت پسند نہیں آتی۔ رات کے دس بجے جب دوسری شفٹ ختم ہوئی تو میں مزدوروں کے ہجوم کے ساتھ بندرگاہ سے نکل آیا۔

اس رات میں نے شاہ گل کے یہاں جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ میری جیب میں کل دو تین روپے رہ گئے تھے اور مجھے اپنی خاص مزدوری کا بندوبست کرنا تھا۔

میں پیٹ کا جہنم سرد کرنے کے لئے ایک سستے سے ہوٹل میں بیٹھا تو میری نظر ایک اردو اخبار پر پڑی۔ میں نے فوراً ہی اس کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اخبار میں کہیں بھی گیتا یا مینی کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔ البتہ درمیانی صفحے پر میری نگاہ ایک اشتہار پر رک کر جم گئی۔

وہ بمبئی کی کسی فرم کی جانب سے مشرق وسطیٰ کے لئے بھاری تعداد میں مزدوروں کی بھرتی کا اشتہار تھا۔ اس میں کارپنٹر، پلمبر، الیکٹریشن، ویلڈر اور ڈرائیورز سے لے کر قلیوں تک کی فہرست موجود تھی۔ میں نے تفصیل سے اس اشتہار کا معائنہ شروع کر دیا۔

اشتہار کے مطابق مشرق وسطیٰ کے ایک ملک میں ان افراد کی فوری ضرورت تھی۔ مناسب امیدواروں کو تجربے وغیرہ کی اسناد کے ساتھ فوری طور پر دیئے گئے پتے پر طلب کیا گیا تھا۔

میں نے وہ رات نفسیاتی کشمکش اور چھوٹی چھوٹی امیدوں میں گزاری اور میری جیبوں میں ڈھائی ہزار روپے آ گیا جو میری بہت سی ضروریات کے لئے کافی تھا۔

مقررہ دن میں اخبار میں دیئے ہوئے پتے پر پہنچ گیا۔ ایک پرانی سی عمارت کی نچلی منزل میں دو کمروں پر مشتمل دفتر تھا جس کے باہر سینکڑوں افراد کی بھیڑ موجود تھی جس نے مجھے خاصا مایوس کیا۔ میرا خیال تھا کہ میں وہاں فوراً ہی اپنا انٹرویو دے کر نکل جاؤں گا مگر فرصت تو درکنار وہاں باری کا آنا بھی محال نظر آتی تھی۔

دس بجے کے قریب ایک مدقوق سا بوڑھا آدمی کمرے سے باہر نکلا۔

اس کے ہاتھوں میں سائیکلو اسٹائل کئے ہوئے فارموں کا ایک پلندہ تھا۔ اس نے کاؤنٹر کے پیچھے اپنی کرسی سنبھالی اور امیدواروں سے رجسٹریشن فیس کے نام پر بیس روپے اینٹھ کر فارم بانٹنے لگا۔ میں اس حرکت سے سمجھ گیا کہ یہ سب روٹی کمانے کا دھندا ہے لیکن میرے لئے ایسے ہی لوگ کارآمد ہو سکتے تھے۔ لہٰذا میں نے بھی فارم خرید لیا۔

وہاں آنے والوں میں بیشتر لوگ جاہل تھے جو ایک روپیہ دے کر کسی سے فارم بھرواتے تھے۔ میں نے ایک مدراسی لڑکی سے فارم بھروا کر اپنا فارم پُر کرکے جمع کرا دیا۔ اس کے نتیجے میں جلد ہی میری باری آگئی۔ میں نے فارم میں اپنا نام اجمل خان لکھا تھا۔

اندر کمرے میں ایک میز کے پیچھے ایک ادھیڑ عمر کا گنجا شخص موجود تھا۔ اس نے عینک کے اوپر سے موٹے شیشوں کے پیچھے سے میری طرف دیکھا اور نام پوچھا: "اجمل خان؟"

میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور اس نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب میں اطمینان سے بیٹھ گیا تو وہ بولا۔ "کچھ پیسے ویسے بھی خرچ کر سکتے ہو یا کمیٹیوں ہی پر اعتماد کرکے چلے آئے ہو؟"

"پیسے؟ کتنے پیسے خرچ ہوں گے۔" میں نے پوچھا۔

"دو ہزار کرایہ ہے اور چار پانچ سو اوپر خرچ ہوں گے جتنی جلدی کی جگہ پیسے جمع کرا دو گے اتنی ہی جلدی کام ہو جائے گا۔ پاسپورٹ ہے نا؟"

"رقم تو میں دے دوں گا مگر پاسپورٹ نہیں ہے میرے پاس۔"

میں نے حیرت سے کہا۔ "اس چکر میں پڑا تو کئی دن لگ جائیں گے۔"

"تم رقم جمع کرا دو، میں کوشش کروں گا۔" وہ میرے فارم پر کچھ لکھتے ہوئے بولا۔ "تمہارا کیس ایسا ہے کہ لیبر پول رکھتا ہے۔ کام ہو جائے گا تو چند دنوں میں پیسے واپس مل جائیں گے۔"

"کیا پاسپورٹ کے بغیر ہی جا سکوں گا؟" میں نے حیرت کے ساتھ رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

"کوشش کریں گے۔" وہ بیزاری کے ساتھ بولا۔

"اور یہ تو بتائیں کہ مجھے کتنی رقم خرچ ہو گی؟" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

"پاسپورٹ والے ہوائی جہاز سے جائیں گے اور تمہیں لانچ سے جانا ہو گا۔ اب جاؤ یہاں سے، مجھے دوسروں کا بھی انٹرویو لینا ہے۔ بس کل رقم جمع کرا دو۔" وہ مشینی انداز میں جلدی جلدی بولا۔

میرے لئے حالات کا یہ رخ حیرت ناک اور مسرت آمیز تھا۔ سوال یہ تھا کہ ہر سوال جواب کے بجائے محض امید دلا کر جیب ٹٹولی جاتی تھی اور یہ خاصا مناسب طریقہ تھا۔ مجھے اُمید نہیں تھی کہ ان لوگوں کی سمگلنگ کے لئے ادارے بمبئی میں کیسے کھلے بندوں کام کر رہے ہوں گے۔

"رقم ابھی دے دوں؟" میں نے پوچھا۔ "دو چار سو کم ہوں گے۔"

"تم پہلے وہ کچھ دو جو ابھی دے سکتے ہو۔ بلا وجہ میرا وقت کیوں برباد کر رہے ہو؟" وہ غصیلے لہجے میں بولا۔

میں نے دو ہزار تین سو روپے اس کے حوالے کر دیئے۔ اس نے جسم گن کر فارم پر ایک بار پھر کچھ لکھا اور نوٹ سے علیحدہ اُسے الگ رکھ دیا۔

"اب اگلے ہفتے آنا اور دو سو روپے بھی لیتے آنا۔"

وہ مجھے گھورتے ہوئے بولا اور میں جلدی سے اس کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

میں اس وقت خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ مجھے ... میرے فرار کی اس آسانی صورت نکل آئی تھی کہ اب بھی مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اگلا ہفتہ میں نے بمبئی میں بھٹکتے گزارا۔ اس دوران ... اور دیگر جیب بھاری والے علاقوں میں جیب تراشی کی کئی وارداتیں کیں ... کامیابی کے بعد سے میرا حوصلہ کافی بڑھ گیا تھا اور نقب زنی کے ... میں یہ کام آسان بھی نظر آیا تھا۔

ان ملاقاتوں کے نتیجے میں میرے پاس ایک دفعہ پھر کافی رقم جمع ہو گئے۔ میں نے ادھر بھی بدستور بُرے حالی ہوئی تھی البتہ ... کافی مضبوط ... بعد ہفتے کے لباس کو تبدیل کر دیا تھا۔

مقررہ دن میں اس ادارے کے دفتر پہنچا تو خاصی دیر بعد اندر جانے کی اجازت مل سکی کیونکہ اس روز وہاں میدان بالکل صاف تھا۔

اس کمرے میں وہ مدراسی لڑکی اپنے اردگرد جو اس کے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ گھٹنوں سے اوپر کے اسکرٹ میں اس کی لمبی ... ٹانگیں جھانک رہی تھیں اور چہرے سے سکون کا اظہار ہو رہا تھا۔ ... جھنے کے باوجود اپنے کام میں مصروف رہا۔ البتہ لڑکی میری طرف متوجہ ہو گئی۔ "کیا مانگتا ہے؟"

"مجھے صاحب نے بلایا تھا۔"

"نمبر بولو۔" وہ لمبے ناخنوں سے اپنی ہرابھی لٹ سے کھیلتے ہوئے بولی۔

"یہ تو ... اجمل خان۔" میں نے میز پر اس کے قریب جھکتے ہوئے کہا۔

اس نے چند ہی سیکنڈ میں میرا فارم نکال لیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں بولی۔ "پیسے لایا ہے؟"

میں نے جیب سے رقم نکالی اور گن کر دو سو روپے اس کی طرف بڑھا دیئے۔ وہ سحر انگیز انداز میں میری انگلیوں کو چھوتی ہوئی رقم لے کر اس نے اپنے باس کو خرچہ کر ... جبکہ باس اپنے کام میں مصروف تھا۔ اس نے ... تبسم کرنے لگا۔

"سیلرز کلب جانا ہے؟" ... ... جیب میں ڈال کر ...

... ممبئی میں ایک ہی سیلرز کلب تھا جو گودی کے قریب ہی واقع تھا۔ وہ جہاز راں کی ملکیت تھا اور بندرگاہ کا ایک خفیہ کام جزیرے کی طرف میرے پچھلے سفر کی ابتدا بھی سیلرز کلب ... تھی اور اس بار پھر وہی نام میرے سامنے آ رہا تھا۔

"وہ گودی والا؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں۔" وہ جلدی سے بولا۔ "آج شام سات بجے ادھر جاؤ۔ ساتھ تیار ... وہاں ایک آدمی ہو گا۔ جیسا وہ بولے، ویسا ہی کرنا۔ اب ادھر آنے کی ضرورت نہیں۔"

اسی وقت لڑکی جنوبی ہندوستان کی کسی زبان میں اس سے مخاطب ہو گئی۔ چند منٹوں تک وہ آپس میں باتیں کرتے رہے۔ پھر وہ مجھ سے بولا۔ "تمہیں پانچ سو روپیہ اور دینا ہو گا۔ لانچ کا خرچہ بہت بڑھ گیا ہے۔"

بے اختیار میری نظریں لڑکی کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ میری ہی طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے بے اختیار اسے ایک آنکھ ماری اور جیب سے رقم ... وہ بوکھلا کر کاغذات الٹنے پلٹنے لگی۔

اس شخص نے جس انداز میں رقم مانگی تھی اس کی بنا پر مجھے فوراً ... کہ لڑکی نے اپنی مادری زبان میں اُسے اطلاع دی ہو گی کہ میری جیب میں ابھی بھاری رقم موجود ہے جو ان کے ہاتھ آ سکتی ہے لہٰذا اس شخص نے فوراً ہی مزید پانچ سو کا مطالبہ کر دیا۔

میں نے ناچار مزید پانچ سو اس کے حوالے کئے اور دفتر سے باہر نکل آیا۔

ابھی میں چند قدم ہی چلا تھا کہ عقب میں اونچی ایڑی والے سینڈل کی آواز ابھری۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ مدراسی لڑکی میرے پیچھے چلی آ رہی تھی۔ وہ میرے قریب آ کر رک گئی اور چند لمحوں تک ... گھبراہٹ سی ظاہر ہوئی۔ شاید وہ مجھ سے گفتگو کا آغاز کرنے کے لئے مناسب جملہ نہ ڈھونڈ پا رہی تھی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے اس کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"مس رینا جارج!" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"مدراسی ہو؟"

"نہیں، منگلور کی رہنے والی ہوں۔" مجھے اس کا توجہ پاکر اس کا حوصلہ بڑھ چکا تھا۔

"میرے پاس کس لئے آئی ہو؟" میں نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"تم ہی نے تو ادھر اشارہ کیا تھا۔" وہ ایک جھینپ کر مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

... اور موقع پرست تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اگر اس نے میرے ... کیا تو وہ مجھے لوٹنے کا ... کوشش کرے گی ... اسے آنکھ مارتے ہوئے میرے ذہن میں کوئی خاص مقصد نہیں تھا مگر وہ خود ہی میرے پیچھے چلی آئی تھی۔ میں اس کے بھرپور سراپا کا جائزہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ اس کی جلد کی رنگت گہری گندمی تھی مگر وہ متناسب تھی کہ اس مرحلے میں کسی جوان عورت کا ایک ایک عضو تصویر کی صورت ہوتا ہے۔

میں نے اس کے شانے ——— پر بے تکلفی سے ہاتھ رکھ دیا۔ "میرے ساتھ چلو۔"

"ابھی؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "مسٹر جگدیش مشکل سے چھٹی دیں گے۔"

"کوشش کرو، میں دس منٹ تک سامنے والے ٹکڑ پر تمہارا انتظار کروں گا۔" میں نے دوبارہ آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

جواب میں اس نے بھی مجھے آنکھ ماری اور واپس چل دی۔ رینا اس کی واپسی تقریباً آدھے گھنٹے میں ہوئی۔ میرے پاس آتے ہی بولی۔ "ایک دن کی تنخواہ کٹے گی، اس شرط پر چھٹی ملی ہے۔"

میں دل ہی دل میں اس کی چالاکی پر عش عش کرنے لگا۔ وہ نہایت خوبصورت انداز میں معاملے کے مالی پہلو کی طرف آ رہی تھی۔

"سوال یہ ہے کہ اب ہم کہاں جائیں گے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارا گھر نہیں ہے؟"

"گھر ہوتا تو بھلا سوچنے کی کیا بات تھی؟"

"تو میرے فلیٹ چلو۔ راستے سے کھانے پینے کا کچھ سامان لے لیں گے۔"

اس نے فراخدلانہ پیشکش کی اور اشارہ کرکے ایک ٹیکسی روک لی۔ ٹیکسی کی پچھلی نشست پر وہ مجھ سے چپک کر بیٹھ گئی اور شوخ نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

ٹیکسی ایک بازار میں چھوڑ دی گئی۔ اس نے خریداری شروع کی تو میں نے دل پر جبر کرکے سو روپے اس کے حوالے کر دیئے۔ میری خواہش تو یہی تھی کہ وہ تھوڑا بچے دام بتائے مگر مجھے اپنی یہ خواہش غیر مناسب سی معلوم ہوئی۔

سو روپے لے کر اس کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ پہلے سے زیادہ جوش و خروش سے ضروریات زندگی کی خریداری میں مصروف ہو گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ پورے ماہ کی ضروریات خریدنے پر تل گئی ہو۔

ہم جب اس کے مختصر سے فلیٹ میں داخل ہوئے تو وہ سامان تلے دبی ہوئی تھی اور اس کا چہرہ عجیب سی مسرت سے دمک رہا تھا۔ وہ اس فلیٹ میں تنہا رہتی تھی۔ میں جاتے ہی اس کے بستر پر دراز ہو گیا۔

"کیا تھک گئے ہو؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہیں قریب پاکر اداکاری کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔" میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا۔ "اگر تم برا نہ مانو تو ذرا میرا بدن دبا

دو-تین عرصے سے اس ملازمت کے لئے مطلوب رہا ہوں اور اب تو شاید اس کام کو کبھی چھوڑ بھی نہ سکوں۔"

"تم کتنی تنخواہ پر جانا چاہتے ہو؟" اس نے میری ٹانگیں دباتے ہوئے سوال کیا۔

"پتہ نہیں۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔ "یہاں سے تو جو تنخواہ بھی ملے گی وہ بڑے شوق اور محنت سے میں وہاں بھی رہوں گا اور میں آنکھیں موند کے اس کے ہاتھوں کے حیات افروز لمس سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس نے شرافت کا ثبوت دیا۔ اس دوران میں اس کی زبانی کبھی کی ملازمت پیشہ لڑکیوں کے بارے میں انتہائی عجیب و غریب کہانیاں معلوم ہوئیں۔ جن کی بنا پر میں اس سے ہمدردی کئے بغیر نہ رہا۔ جب میں واپس چلنے لگا تو میں نے اسے دو سو روپے دیئے تو جذبہ احسان سے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اور میں تیزی سے واپس چل دیا۔ میلوڈ کلب کو ختم کرتے ہوئے میرے دل میں نفرت کی بجلی سی کوند گئی۔ مجھے ایسا ہی لگا جیسے میں نے ... اپنی جان بھی دینے کو تیار رہتا تھا۔ میں نے شروع ہی سے جائزہ لیا تو کاؤنٹر پر ایک اجنبی چہرہ موجود پایا۔

ٹھیک چار بجے میں میلوڈ کلب میں داخل ہوا۔ ہال میں سناٹا تھا۔ کاؤنٹر پر والا شخص موجود تھا۔ اور کسی کو رخصت کر رہا تھا جو میرے آنے سے روانہ ہو گئے تھے میں اس کے قریب پہنچ گیا۔

اس نے استفسار طلب نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں بے تکلفی سے کرسی کھینچ کر اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

"پیاسی ہو؟" اس نے سرگوشیانہ لہجے میں مجھ سے سوال کیا اور میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آج رات گیارہ بجے مغربی گھاٹ کی پہاڑیوں میں۔" اس نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"کیا آج ہی روانگی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا

"ہاں بس وقت ہو جاتا ہے۔" وہ بولا۔ "ابھی مجھے بہت کام کرنا ہیں۔"

میں نے اسے گھورتے ہوئے میز چھوڑ دی۔ میرے کلب سے نکلنے سے قبل ہی ایک اور شخص اس کے پاس پہنچ چکا تھا۔

میں نے بازار سے ایک تھیلا خریدا جس میں کچھ سامان ڈالا جو سگریٹ، ماچس، بسکٹ، وہسکی کی ایک بوتل اور بھنے ہوئے چنوں پر مشتمل تھا۔ سفر کا کرایہ میں نے اس طرح کمر پر باندھ لیا کہ آسانی سے دیکھا نہ جا سکے۔ آخر میں ایک اونی کمبل خریدنے کے بعد میرے پاس نو سو روپے رہ گئے تھے۔ وہ میں نے اپنے موزوں میں چھپا لئے۔

رات کے گیارہ بجے مغربی گھاٹ کی پہاڑیوں میں مجھے تقریباً تمام مسافر پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ان کے آدمی چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔

جب انہیں میرے بارے میں اطمینان ہو گیا تو مجھے ... لے گئے۔

وہاں ہندوستان کے ہر علاقے کے لوگ ... موجود تھے۔ ان میں چھ سات عورتیں بھی تھیں ... رات کے گہرے اندھیرے میں سب لوگ ... تھے۔ لے جانے والوں نے سختی کے ساتھ کوئی روشنی استعمال کرنے پر پابندی لگائی ہوئی تھی۔

جانے والوں میں ہر ایک کے پاس کچھ نہ کچھ سامان موجود تھا ... نے اندھیرے میں ہی تمام چیزوں کا جائزہ لیا ... ساڑھے بارہ بجے تک سب لوگ وہاں پہنچ گئے۔ ایک ...

بھیڑ بکریوں کی طرح مسافروں کی گنتی شروع کی۔ اسی دوران پہاڑی کے ... سے گونجنے لگیں۔ یک بیک ہر شخص خوفزدہ ہو گیا ... سرگوشیاں گونجنے لگیں۔

"خاموش!" گنتی کرنے والے کا ایک ساتھی غرایا۔ "جو بولے گا ... گلا دبا دیا جائے گا۔ سب لوگ زبان بند رکھو۔"

انجنوں کی گڑگڑاہٹ رفتہ رفتہ قریب آتی جا رہی تھی ... گھٹے ہوئے دو بار بردار ٹرک وہاں آ پہنچے۔ دونوں ٹرکوں کی ... گل تھیں۔

"چلو... ٹرکوں میں بیٹھو۔" اندھیرے میں کسی کی آواز گونجی اور پھر وہاں بھونچال آ گیا۔ ہر شخص سب سے پہلے سوار ہونے کے لئے ... عورت بوڑھے اور جوان کا امتیاز ختم ہو چکا تھا۔ لوگ گرتے اور ایک دوسرے سے ٹکراتے کے باوجود خاموش تھے کہ کہیں لے جانے والوں کا مزاج نہ بگڑ جائے۔ ایک شخص کا ٹین کا صندوق کافی زور سے میرے گھٹنے سے بھی ٹکرایا اور میں بے اختیار کراہتا ہوا زمین پر بیٹھ گیا۔ دوسرے لوگ مجھ سے ٹکراتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں میدان صاف ہو گیا۔ سب لوگ ٹرکوں پر پہنچ چکے تھے۔ میں بھی ایک ٹرک کے پائیدان پر کھڑا ہو گیا اور وہ دونوں ٹرک ... زمین پر آہستہ آہستہ ایک طرف بڑھنے لگے ... سفر کرنے کے عادی معلوم ہوتے تھے۔

نصف گھنٹے بعد رات کے سناٹے میں لہروں کا شور سنائی دینے لگا۔ جھاڑیوں کی اوٹ سے نکلنے کے بعد سمندر میں موجود ... دونوں ٹرک اسی مقام پر خالی کرا لئے گئے۔ لانچ ساحل سے ... فٹ گہرے پانی میں موجود تھی۔ لوگوں کو حکم دیا گیا کہ اپنا اپنا سامان ... اٹھا کر لانچ کی طرف چل دیں۔

اس ... حکم پر کچھ لوگوں خصوصاً عورتوں نے احتجاج ... کی لیکن تنگ گالیوں نے ہر ایک کو احساس دلا دیا کہ اس وقت سب ... کے رحم و کرم پر ہیں ... ان کا ...

لانچ جس جگہ لنگر انداز تھی وہاں کم از کم تین فٹ گہرا پانی تھا جس میں لہروں کے اچھال کے باعث توازن برقرار رکھنا بہت مشکل تھا مگر لوگ کسی تک ... گرتے پڑتے کسی نہ کسی طرح لانچ پر پہنچے گئے۔ میں نے کشتی کے نزدیک ایک جگہ پر قبضہ جما لیا جہاں سے تیز ہوا اور پانی کی بوچھاڑ سے بچاؤ ہو سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد جب ملاحوں کی ڈانٹ پھٹکار کے نتیجے میں ہر شخص جہاں کا تہاں بیٹھ گیا تو لانچ کا انجن چلا دیا گیا۔ ساتھ ہی کچھ مسافروں نے زیر لب ... اشلوک پڑھنے شروع کر دیئے۔

پھر بوٹ نے ساحل چھوڑ دیا اور جیسے جیسے وہ سمندر کے گہرے پانیوں میں بڑھتی گئی میرے دل پر اس وقت عجیب سی حسرت چھائی ہوئی تھی ... آزادی کے تصور سے ناچ رہا تھا۔

لانچ کی رفتار بتدریج تیز ہوتی گئی۔ کھلے ہوئے حصوں میں موجود مسافر پانی کی بوچھاڑ سے بھیگنے لگے۔ لانچ پر ابھی تک کوئی روشنی نہیں جلائی گئی تھی۔ ... سمندر میں پہنچنے تک نہ جانے کب تاریکی برقرار رکھنی ضروری سمجھی گئی تھی۔

پھر ملاحوں نے اندھیرے ہی میں ترپالیں کھولنی شروع کر دیں اور تھوڑی دیر بعد لانچ کا خاصا بڑا حصہ پانی کی بوچھار اور ہوا سے محفوظ ہو گیا۔

کسی منچلے نے بیٹری ٹرانزسٹر نکال کر آن کر دیا۔ تاکی سریلی آواز سنتے ہی ایک ملاح غراتا ہوا اس کی طرف لپکا اور ٹرانزسٹر چھین کر سمندر میں پھینک دیا۔ "خانہ خراب لانچ پر چھاپہ پڑوا دے گا۔ ہم لوگ ابھی چین سے ..." تھوڑی دیر بعد جب سب منگا ہو کر ناچنا شروع کر دیا۔

... لانچ غراتی اور جھاگ اڑاتی کھلے سمندر کے سینے پر تیزی سے آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ ان لوگوں نے سفر کے لئے نہ جانے کون سی راہ منتخب کی کہ کافی دیر گزر جانے کے باوجود کسی بھی طرف روشنیاں یا بندرگاہ کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔

اسی وقت ایک عورت کی حالت بگڑنے لگی۔ وہ بوٹ کے آخری حصے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے پہلے بعد دیگرے دو ابکائیاں آئیں اور وہ ڈھنگ آوازیں کرنے لگی۔

اس مرتبہ لانچ کے عملے نے غیر معمولی شرافت کا ثبوت دیا اور اس عورت کو کوئی شربت دیا گیا جسے پینے کے بعد اس کی حالت سنبھلنے لگی۔ اس کا گھرانہ آخری سرے سے اٹھ کر وسط میں میرے قریب جگہ دلا دی گئی جہاں ہچکولوں کا اثر نسبتاً کم تھا۔

تاریکی اور ملاحوں کی جھڑکیاں ... کے باعث لانچ کی فضا میں ... طاری تھا کہ اچانک ساری روشنیاں جلا دی گئیں اور مسافر اٹھ اٹھ کر ایک دوسرے کا جائزہ لینے لگے۔

"اب جو جی چاہے کرو۔" عملے میں سے کسی نے اعلان کیا۔ مگر اس سے پہلے ہر مسافر کھانے اور ناشتے کے بیس روپے نکال لے۔"

کچھ مسافروں نے اس مطالبے پر احتجاج کیا اور بتایا کہ وہ جو رقم ... لانچ کا کرایہ ادا کر چکے ہیں ... انہیں بڑا ...

روکھا سا جواب دیا گیا کہ وہ پیسے ادا نہیں کریں گے تو انہیں منزل تک بھوکا رہنا ہوگا۔

بیچارے لوگوں کی لوٹ مار کا شاید آخری مرحلہ تھا جو انہوں نے حسب منشا پورا کر لیا۔ ملاحوں نے تمام مسافروں سے بیس روپے فی کس وصول کر لئے گئے۔

رقم کی وصولیابی کے بعد اضافی بتیاں گل کر دی گئیں تاکہ لوگ بیٹھے بیٹھے سونے کی کوشش کر سکیں۔ گو وہ لانچ خاصی بڑی اور کشادہ تھی مگر ... سو مسافر بھرنے کے بعد آزادانہ نقل و حرکت کی گنجائش بھی ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ ... نشستوں پر جگہ نہ مل سکی تھی وہ سامان پر ہی بیٹھے ہوئے تھے۔

میں سگریٹ پیتے پیتے اونگھنے لگا۔ ہندی سمندری حدود سے بخیر و عافیت نکل آنے کی خوشی میں کافی عرصہ بعد میں نے سکون محسوس کیا تھا۔

جب میری آنکھ کھلی تو افق کے مشرقی گوشے سرخی میں نہائے ہوئے تھے۔ سمندر میں پڑنے والا یہ سرخ انعکاس نظروں کو بہت بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ لانچ کے تقریباً سبھی مسافر بیدار ہو چکے تھے۔ بوٹ کے آخری سرے پر مضبوط بلیوں کے سہارے دو کین سمندر پر معلق تھے جو رفع حاجت سے فراغت کے کام میں آتے تھے اور ادھر مسافروں کا خاصا ہجوم تھا۔

سورج طلوع ہونے کے ساتھ ہی ناشتے کا دور شروع ہو گیا۔ پہلے ہر مسافر کو گیہوں کی ایک روٹی تھوڑے سے اچار کے ساتھ دی گئی پھر پھیکی اور بدمزہ چائے تقسیم کی جانے لگی۔ پانی کے بارے میں پہلے ہی اعلان کر دیا گیا تھا کہ کسی مسافر کو چوبیس گھنٹوں میں دو گلاس سے زیادہ پانی نہیں دیا جائے گا۔

چائے حلق سے اتارنے کے بعد میں نے مسافروں کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اس پوری بھیڑ میں ایک لڑکی مجھے سب سے الگ تھلگ نظر آئی۔ وہ وسط میں ایک صندوق پر بیٹھی اور قد سے بڑا سا سال لپیٹے ہوئی تھی۔ اس کے نقوش بھی خاصے دلکش تھے۔ شاید وہ تنہا اس لانچ پر سفر کر رہی تھی۔ ورنہ دوسری عورتیں اپنے مردوں کے ہمراہ تھیں۔

کچھ دیر توجہ دینے کے بعد اس کے ہراس کا سبب بھی مجھ پر واضح ہو گیا ایک ملاح مسلسل اس لڑکی کے گرد منڈلا رہا تھا اور شاید اس سے چھیڑ چھاڑ بھی کر رہا تھا۔ فاصلہ زیادہ ہونے کے باعث میں کوئی بات تو نہ سن سکا مگر اس شخص کے چہرے پر پھیلی خباثت آمیز مسکراہٹ اور لڑکی کی وحشت نے مجھ پر صورت حال واضح کر دی۔ دوسرے مسافر اس لڑکی اور اس کی پریشانی سے لاتعلق نظر آ رہے تھے۔

میں اپنی جگہ سے اٹھا اور لڑکی کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے بڑی بڑی خوفزدہ آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور اپنے ہی وجود میں سمٹنے کی کوشش کرنے لگی۔

"آپ کچھ پریشان ہیں؟" میں نے نرم لہجے میں اس سے پوچھا۔

"جی... نہیں تو۔" وہ ہکلا کر جلدی سے بولی۔

"وہ اکیلا دیکھ کر آپ کو تنگ کر رہا ہے؟ اجازت ہو تو یہاں بیٹھ جاؤں؟" میں نے اس کے برابر بیٹھتے ہوئے نیچی آواز میں کہا۔

"تو آپ اسے دیکھ رہے ہیں؟" وہ ایک طویل سانس لے کر بولی۔ "شکر ہے کہ اس لانچ پر کوئی تو آنکھوں والا بھی ہے۔"

"وہ کیا چاہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔ مجھے فوراً ہی اپنے سوال کی احمقانہ نوعیت کا احساس ہوا مگر اس سے قبل کہ میں اس سے معذرت کرتا، وہ نظریں جھکا کر بولنے لگی۔

"وہ رات ہی سے آتے جاتے ——— چھیڑ رہا ہے۔ دو مرتبہ وہ الٹے میرے اوپر گر بھی چکا ہے۔ جب بھی اس کی طرف دیکھتی ہوں، ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہے۔"

"آپ کو تنہا ایسے سفر سے گریز کرنا چاہیے تھا۔ یہ لوگ کھلے سمندر میں آ کر بھیڑیوں سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔" میں نے ناصحانہ انداز میں کہا۔

"اس دنیا میں میرا اپنے پتی کے سوا کوئی نہیں ہے۔" وہ اداس لہجے میں بولی۔ "وہ تین سال قبل ایک خون کر کے روپوش ہو گیا تھا۔ اسے پکڑنے کے لیے سرکار نے میری نقل و حرکت پر پابندی لگا دی تھی۔ تین برس سے ہر روز تھانے میں حاضری دیتی ہوں۔ پچھلے دنوں مجھے پتہ چلا کہ وہ مسقط میں کام کر رہا ہے۔ میرے لیے پاسپورٹ حاصل کرنا ناممکن تھا۔ اس لیے یہ راستہ اختیار کرنا پڑا۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ میرا انتظار کر رہا ہوگا۔"

اس کی مجبوری سن کر میرا دل لرز اٹھا۔ بعض اوقات حالات انسان کو کتنا مجبور اور بے بس کر دیتے ہیں کہ وہ شخص بھگوڑا بن کر رہ جاتا ہے۔

"اس سے خون کیسے ہو گیا تھا؟" میں نے گفتگو بڑھانے کے لیے سوال کیا۔

"مذاق مذاق میں ایک دوست کو چھری مار دی تھی۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "وہ مجھ سے بڑی محبت کرتا تھا۔ اس کے ایک دوست نے خط لکھا ہے کہ وہ شخص اس نے مجھ سے خط و کتابت نہیں کرتا کہ پولیس کو بھنک بھی مل گئی تو میرا جینا اجیرن حرام کر دے گی اور وہ بھی پکڑا جائے گا۔"

"شاید اس سفر کی تجویز تمہارے پتی ہی نے اس دوست کے ذریعے بھیجی ہوگی؟"

اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور نظریں جھکا لیں۔

اسی وقت وہ بدمعاش ملاح وہاں آ پہنچا اور میرا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ "او مجنوں کا اولاد! چلو اپنی جگہ پر جا کر بیٹھو۔"

میں اسے خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا کھڑا ہو گیا مگر لہجے پر قابو رکھتے ہوئے پرسکون انداز میں بولا۔ "یہ عورت میرے ساتھ ہے، ایسے الفاظ استعمال مت کرو۔"

اس نے لڑکی پر ایک نظر ڈالی اور شانے اچکا کر چل دیا۔ لڑکی تشکر آمیز نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

میں نے کسی نہ کسی طرح اپنی نشست کے قریب ہی اس کے لیے جگہ پیدا کر لی اور اسے وہاں بلا لیا۔ اس کے ساتھ زبان کا مسئلہ ہونے کی وجہ سے میرا سفر اچھا گزر سکتا تھا۔

لڑکی کا نام پاربتی تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ راج پال نامی ایک شخص کے ذریعے اس لانچ پر پہنچی تھی اور اس نے مسقط پہنچنے کے لیے چار ہزار روپے ادا کیے تھے۔

میرے پاس آنے کے بعد پاربتی اس ملاح کی براہ راست دست درازی سے تو محفوظ ہو گئی تھی مگر اس کی نظریں اب بھی پاربتی کی طرف اٹھی رہتی تھیں۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ اس کا کوئی تدارک نہ کیا گیا تو یہ معاملہ سنگین صورت اختیار کر لے گا۔

کافی سوچ بچار کے بعد میں وہاں سے اٹھ گیا اور سیدھا لانچ کے کپتان کے کیبن میں جا پہنچا۔ مجھے وہاں دیکھتے ہی کپتان کی تیوریاں چڑھ گئیں مگر جب میں نے ملاحانہ انداز میں اسے اپنی آمد کا مقصد بتایا اور دو تین بار میں نے اسے یہی بتایا کہ پاربتی میری رشتے دار ہے۔

"خشکو بدمعاش ضرور ہے مگر تم اسے کچھ دے دلا کر معاملہ ختم کر سکتے ہو۔" پوری بات سننے کے بعد کپتان نے مشورہ دیا جو میرے لیے حیران کن تھا۔

"میں سمجھا نہیں۔" میں نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

"سو دو سو روپے دے دو تو وہ چھوکری کو اپنا مال سمجھنے کو چھوڑ دے گا۔" اس نے صاف الفاظ میں کہا۔

"دیکھتا ہوں، شاید کچھ رقم نکل ہی آئے۔" میں نے بے چارگی کے انداز میں منہ لٹکا کر کہا اور وہاں سے باہر نکل آیا۔

میں ان لوگوں کی ذہنیت اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ نیچے سے اوپر تک وہ سب پیسے کے غلام تھے۔ اگر انہیں پتہ چل جاتا کہ میرے پاس خاصی رقم موجود ہے تو وہ اسے بھی ہتھیانے کی کوشش شروع کر دیتے۔

میں نے باتھ روم کے طور پر استعمال ہونے والے ایک کیبن میں جا کر موزے میں سے ایک سو بیس روپے نکال کر جیب میں ڈالے اور پاربتی کے پاس لوٹ آیا۔

میں نے اسے نئے موڑ سے آگاہ کر کے مزید احسان جتانا مناسب نہیں سمجھا اور کچھ وقت گزار کر دوبارہ کپتان کے پاس پہنچ گیا۔ رقم دیکھ کر وہ جس طرح خوش ہوا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس میں خود اس کا بھی خاصا حصہ ہوگا۔ رقم لے کر اس نے مجھے یقین دلایا کہ اب خشکو زیادتی کو تنگ نہیں کرے گا۔ چلتے چلتے میں نے اس پر یہ بھی واضح کر دیا کہ میں نے اپنی آخری پونجی اس کے حوالے کر دی ہے اور میں بالکل تہی دست ہو گیا ہوں تاکہ وہ میری ذات سے مزید منفعت کی کوئی امید وابستہ نہ رکھے۔

لانچ پر دوپہر کا کھانا ابلی ہوئی مسور کی دال، اچار اور دو روٹیوں پر مشتمل تھا۔ صبح کے مقابلے میں وہ روٹیاں خشک تھیں۔ شاید لانچ پر اتنی روٹیاں لادی گئی تھیں جو پورے سفر میں کام آ سکیں البتہ دال وغیرہ تازہ بنائی جا رہی تھی۔

"تین دن تک یہی ملتا رہا تو میں تو بیمار ہو جاؤں گی۔" پاربتی نے بے مزہ دال کھاتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس کچھ بسکٹ موجود ہیں، چاہو تو تھیلے سے نکال لینا۔" میں نے پلیٹ میں بچنے والی دال سمندر میں پھینکتے ہوئے کہا۔

اسی طرح سمندر پر تین دن گزر گئے۔ لانچ یکساں رفتار سے سمندر پر بڑھی چلی جا رہی تھی۔ ہر طرف پانی ہی پانی پھیلا ہوا تھا۔ منظر کی یکسانیت سے بیشتر مسافر اکتائے ہوئے نظر آنے لگے تھے۔ اس دوران اس بدمعاش نے مجھے شکایت کا کوئی موقع نہیں دیا۔ کپتان نے شاید درست ہی کہا تھا، رقم ملنے کے بعد وہ پاربتی کو اپنی ماں بہن سمجھنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔

ابلی ہوئی دال اور باسی روٹیاں کھا کھا کر مسافروں کا ہاضمہ برباد ہو چکا تھا۔ تیز دھوپ سے جھلسے ہوئے چہروں پر نقاہت کی زردی ناچ رہی تھی۔ بیمار اور لانچ کے آخری سرے پر بنے ہوئے معلق کیبنوں کے سامنے قطار لگی رہتی تھی۔

چوتھی شام لانچ کا عملہ کچھ مستعد نظر آنے لگا۔ لانچ کی رفتار بھی سست پڑنے لگی۔ پھر اس خوش خبری کا بھی اعلان ہوا کہ آنے والی رات کے اندھیرے میں لانچ ساحل سے جا لگے گی۔ یہ سنتے ہی نقاہت زدہ اور پریشان حال مسافروں میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ ہندوستان کا ساحل چھوڑنے کے بعد ہر آنکھ خشکی کی جھلک دیکھنے کو ترس گئی تھی۔

خدا خدا کر کے سورج غروب ہوا مگر لانچ پر خلاف معمول کوئی روشنی نہیں جلائی گئی۔ میں پہلے ہی محسوس کر چکا تھا کہ اس بار پہلے جیسی احتیاط برتی جانے لگی کیونکہ لانچ اب سمندر میں بے مقصد گھوم رہی تھی۔ وہ لوگ اندھیرا پھیلنے سے پہلے ساحل کا رخ نہیں کرنا چاہتے تھے۔

پھر سمندر کے تاریک سینے پر اچانک کچھ روشنیاں جل اٹھیں اور لانچ کے عملے پر گھبراہٹ طاری ہونے لگی۔ لانچ کی رفتار یک بیک تیز ہو گئی اور روشنیوں سے اس کا فاصلہ بڑھنے لگا۔

کافی دیر بعد مجھے اصل صورت حال کا علم ہوا۔ وہ لوگ ان روشنیوں کو کوسٹ گارڈ کی کشتیاں سمجھے تھے اور انہیں اپنے مشاہدات پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ ان کے اندازے کے مطابق خلیج کے دہانے پر کچھ جہاز موجود تھے۔ ان انجانی روشنیوں کی بنا پر ان کا دعویٰ تھا کہ وہ ایرانی بحریہ کے جہاز تھے۔ لانچ کو اس حالت میں خلیج کا رخ کرنے کا تصور ہی خودکشی کے مترادف تھا۔

ایرانی بحریہ کے جہاز اور گشتی کشتیاں ایک دو مہینے میں ایک بار تو ضرور اس سے باہر کھلے سمندر کا گشت لگاتی تھیں۔

بدقسمتی سے دور نکل آنے کے بعد لانچ کی رفتار سست کر دی گئی۔ ساحل سامنے آتے آتے یکایک دور ہو جانے پر سارے مسافروں کی امیدیں ٹوٹ گئیں۔ ادھر لانچ کا سارا عملہ کپتان کے کیبن میں جا گھسا تھا۔ شاید بالکل ان ہی صورت حال سے نمٹنے کی تجاویز پر غور کر رہے تھے۔

"میں ابھی آتا ہوں۔" میں یہ کہہ کر پاربتی کے پاس سے اٹھ گیا اور تاریکی میں اس طرف بڑھنے لگا جدھر کپتان کے کیبن کا دروازہ تھا۔

مگر جونہی میں کیبن کے عقب سے نکلا، اچانک ایک کرخت آواز فضا میں ابھری۔ "کون آتا ہے اس طرف؟"

میرے قدم وہیں جم کر رہ گئے۔ تاریکی میں کیبن کے سامنے ایک قد آور انسانی ہیولا موجود تھا جو جارحانہ انداز میں کمر پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔

"مجھے کپتان سے ملنا ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"ابھی وہ کسی سے نہیں ملے گا، واپس جاؤ۔ ادھر میٹنگ ہو رہا ہے۔" اس نے میرے لہجے کی نرمی کا کوئی اثر لیے بغیر تحکمانہ انداز میں کہا۔

ناچار میں اپنی جگہ پر واپس لوٹ آیا۔

"کہاں گئے تھے؟" میرے جاتے ہی پاربتی نے سوال کیا۔

"معلوم کرنے گیا تھا کہ اب لانچ کب تک ساحل پر پہنچے گی۔"

"تو کیا پتہ چلا؟" اس نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"کیبن میں میٹنگ ہو رہی ہے۔ میں کسی سے بات نہیں کر سکا۔"

"معاملہ خطرناک معلوم ہوتا ہے۔" اس نے سہمی ہوئی سرگوشیانہ آواز میں کہا۔

"یہ پورا سفر ہی خطرناک ہے۔ اگر میں تمہارا شوہر ہوتا تو ہرگز ایسا احمقانہ مشورہ نہ دیتا۔" میں نے بے اختیار جواب دیا اور وہ یک بیک سٹپٹا گئی۔

"میں نے یہ بات کسی بری نیت سے نہیں کہی ہے۔" میں نے اسے خاموش پا کر اپنی بات کی وضاحت کی۔ "اگر سامنے مسافر تماشائی نہ بنتے تو تم سفر کے آغاز ہی میں ایک بدترین صورت حال سے دوچار ہو گئی تھیں۔"

"میں زندگی بھر تمہارا احسان نہیں بھولوں گی۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "مگر میرے آدمی کو کچھ نہ کہو۔ تم نہیں جانتے کہ وہ کس طرح مجھے لوٹ کر چاہتا تھا۔"

"میرے الفاظ سے تمہاری دل شکنی ہوئی ہو تو مجھے معاف کر دو۔ شاید تمہارے شوہر کو اندازہ نہیں تھا کہ اس قسم کا غیر قانونی سفر کرنا کسی شریف اور گھریلو عورت کے بس کی بات نہیں ہے۔"

"اس لانچ پر تم نہ ہوتے تو نہ جانے میرا کیا حال ہوتا۔" وہ میرے شانے سے سر ٹکا کر رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ "تم انسان نہیں فرشتہ ہو۔"

اس گفتگو کے بعد میرے ساتھ پاربتی کا رویہ خاصا بے تکلفانہ ہو گیا۔ پہلے وہ میرے اور ایک ملباری بوڑھے کے درمیان اس احتیاط سے سکڑی ہوئی بیٹھی تھی کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ میرے یا اس بوڑھے کے جسم سے مس نہیں ہو رہا تھا مگر پھر اس نے اپنے اور بوڑھے کے درمیان میرا تھیلا رکھ دیا اور خود میرے جسم سے چپک کر بیٹھ گئی۔

سامنے مسافر شدید ذہنی الجھن کے عالم میں کسی حوصلہ افزا خبر کے منتظر تھے۔ رات گہری ہو جانے کے باوجود ہر شخص بیدار تھا۔ خشکی کی

ٹھنڈی خنک ہوا کی لوریاں بھی ان پراگندہ ذہنوں کو غنودگی میں مبتلا کرنے کی کوشش کر رہی تھیں کہ کپتان نے آکر اچانک فیصلہ سنا دیا۔

اس کی دانست میں خلیج کا دہانہ ایرانی بحریہ کے گشتی جہازوں کی گزرگاہ تھا اور وہاں سے بچ کر جانا مشکل تھا۔ ملکی حدود میں داخل ہونے کے بعد بھی ایرانی بحریہ سے بچنا مشکل تھا۔ اگر لانچ وہاں چلی جاتی تو سب کچھ ضائع ہو جاتا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ لانچ دو روز تک یونہی سمندر میں بے مقصد بھٹکتی رہتی۔ کپتان نے اپنا مشن بچانے کی خاطر لانچ کو خلیج کے ایک غیر آباد جزیرے کے قریب لنگر انداز کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

دوسری طرف لانچ پر راشن کی حالت نازک تھی۔ خشک روٹیوں اور پانی سمیت ہر چیز ختم ہونے والی تھی جبکہ ساحل پر اترنے میں کم از کم دو دن باقی تھے۔ لہٰذا فیصلہ کیا گیا تھا کہ ہر مسافر کو صرف آدھی روٹی روز دی جائے گی۔ پانی صرف اشد ضرورت کے وقت دیا جائے گا۔

کھلے سمندر میں یہ خیال کہ محض دو دن کی مسافت باقی ہے، سب ہراساں ہو گئے۔ دو عورتوں نے تو بلند آواز میں رونا شروع کر دیا۔

"جس نے بھی لانچ پر فضا خراب کرنے یا لوگوں کو بھڑکانے کی کوشش کی اسے بلا جھجک کھلے سمندر میں پھینک دیا جائے گا۔" کپتان کے ان آخری الفاظ نے سب کو سمجھا دیا۔ عورتوں کا رونا بھی فوراً رک گیا۔

"خطے سے ہوشیار رہنا۔" میں نے پارتی کے کان کے قریب سرگوشی کی۔ "یہ کافی لوگوں کی نظروں میں آ چکا ہے اور غذائی بحران میں کسی کی بھی نیت خراب ہو سکتی ہے۔"

پارتی نے تھیلے کا بیلٹ اپنی کلائی کے گرد مضبوطی سے لپیٹ لیا۔

کچھ دیر بعد لانچ مجوزہ مقام پر لنگر انداز ہو گئی۔ اس کے ساتھ مسافروں کو ٹہلنے کی اجازت بھی مل گئی مگر لائٹر یا ماچس جلانے کی ممانعت تھی۔ سگریٹ سے سگریٹ سلگائی جا سکتی تھی یا کیبن میں جا کر سگریٹ سلگائی جا سکتی تھی۔ ٹہلنے کے دوران سگریٹ کا سلگتا ہوا سرا ہتھیلی کے درمیان اس طرح پوشیدہ رکھنا تھا کہ کش لیتے وقت کسی بھی طرف سے سرخی نہ دیکھی جا سکے۔

جزیرہ کہاں تھا یہ کسی کو بھی نہیں معلوم ہو سکا۔ ہر طرف سمندر کی پُرسکون لہریں نظر آ رہی تھیں مگر وہاں شدید بدبو موجود تھی۔ مسافروں کے استفسار پر ملاحوں نے بتایا کہ وہ بدبو دلدل کی وجہ سے ہے اور جزیرہ پانی چڑھنے کی وجہ سے زیرِ آب ہے۔ نرم دلدلی زمین صرف اسی وقت نظر آتی ہے جب پانی اترا ہوا ہوتا ہے۔

انجن کا تیز شور اور شدید ہچکولے ختم ہونے کے باعث میرے اعصاب پر چھائی غنودگی طاری ہونے لگی۔ پارتی مجھ سے پہلے ہی سو چکی تھی۔ سوچتے سوچتے نجانے کب میری بھی آنکھ لگ گئی اور مجھے کسی چیز کا ہوش نہیں رہا مگر صبح کا اجالا طلوع ہونے سے قبل ہی اچانک میری

آنکھ کھل گئی۔ چند ثانیوں تک تو میں خالی الذہنی کے عالم میں جہاز کی چھت کو گھورتا رہا۔ کنپٹیاں بری طرح دکھ رہی تھیں اور آنکھیں جلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ پھر مجھے پارتی نظر آئی۔ وہ کسی بچے کی طرح میرے کندھے پر سر رکھے بے خبر سو رہی تھی۔ میں نے بے خیالی میں اس کا چہرہ دیکھا جو اس کی نیند میں دوبارہ نکھر گیا تھا۔ چند منٹ تک کسی بے جان مورت کی طرح اسی کو دیکھتا رہا۔ ہوئی اس حسین دوشیزہ کو دیکھتا رہا جس کا حسن نیند کے عالم میں اور زیادہ نکھر آیا تھا۔ پھر میری نظر اس کے داہنے ہاتھ پر پڑی اور بے ساختہ میرا بیلٹ تو یاس سکڑ کر رہ گیا۔

میرے بیگ کی بیلٹ بدستور پارتی کی داہنی کلائی میں لپٹی ہوئی تھی مگر بیگ غائب تھا۔ کسی نے تیز دھار چاقو سے بیلٹ کاٹ کر بیگ اڑا لیا تھا۔

میرے آس پاس موجود تمام مسافر گہری نیند سو رہے تھے۔ ان کے تیز خراٹوں سے گونج رہی تھی۔ لانچ کے کسی حصے میں کوئی بچہ ہچکیاں لے رہا تھا۔ ایک دو بوڑھے افراد گہری نیند سو رہے تھے یا تھوڑی تھوڑی دیر بعد کراہ رہے تھے۔

اس وقت تک میرے حواس پر غصہ چھایا ہوا تھا۔ پھر وہ بھی کسمسائی اور چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

"تم سوئے نہیں؟" اس نے بوجھل آواز میں سوال کیا۔

"نیند نہیں آئی۔" اس سے نظریں ملائے بغیر میں نے صریح جھوٹ بولا۔

"بیگ کہاں گیا؟" میں نے اس کی توجہ اس کی داہنی کلائی کی طرف دلائی۔

"ہائے! وہ بوکھلا کر بولی۔ "کوئی بیگ اڑا لے گیا۔ شاید میں نے بیٹھے بیٹھے کچھ دیر کے لئے اونگھ لی ہو۔ میرے جاگتے ہوئے کون اٹھا سکتا ہے۔"

"چلو اب الٹی ہوئی دال اور سوکھی روٹی پر گزارا کرنا ہو گا۔"

"تلاش کرو۔ شاید چرانے والے کو ابھی تک بیگ چھپانے کا موقع نہ ملا ہو۔" اس نے اپنی کلائی سے بیلٹ کے بل کھولتے ہوئے کہا۔

"بے سود ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "جو لوگ ایسے کام کرتے ہیں وہ بہت چالاک ہوتے ہیں۔ نیند سے فائدہ اٹھا کر اپنا کام چلانے والا اب تک بیگ خالی کر کے سمندر میں پھینک چکا ہو گا۔"

"لعنت ہو چوری کرنے والے پر۔" وہ بیلٹ ایک طرف پھینکتے ہوئے بڑبڑائی۔

اگلی صبح لانچ کے مسافروں کے لئے ایک بری خبر لے کر آئی۔ مسافروں میں سے ایک ادھیڑ عمر شخص رات میں کسی وقت چل بسا۔ سفر کی ابتدا ہی میں نقص غذا کے باعث اسے آنتوں کی بیماری لگ گئی تھی اور وہ ساحل پر پہنچنے سے پہلے ہی آخری منزل پر پہنچ گیا۔ جب کپتان وغیرہ اس کی لاش اٹھانے آئے تو ... لاش کے قریب ہی ... کو ... تھے۔

کچھ بیمار تھے، بہت بیمار تھے ان کی حالت تو بہت ہی ابتر تھی۔ شاید انہیں مرنے والے کی لاش میں اپنا مستقبل نظر آ رہا تھا۔

موت کی تصدیق کے بعد ملاحوں نے اس کی لاش سمندر کی موجوں کے حوالے کر دی۔ بے سروسامانی اور کسمپرسی کی موت کا یہ سماں ایسا تھا کہ کئی افراد کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ لاش کو لہروں کے حوالے کرنے کے بعد ملاح متوفی کے سامان کی طرف متوجہ ہو گئے جو ایک گٹھڑی پر مشتمل تھا۔ اس میں پہننے کے چند کپڑے، تھوڑی سی ہندوستانی کرنسی اور کچھ کاغذات موجود تھے۔ گٹھری کپڑوں کے درمیان چھپا ہوا اپنا بیگ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کے لئے میرے چند تصویروں کے لفافے تھے ابھی تک دونوں سروں پر موجود تھے اور اسی گٹھری میں ایک تیز دھار چاقو بھی موجود تھا۔

مرنے والے نے لانچ پر آخری کام جو کیا وہ میرے بیگ کی چوری تھا۔ شاید اسے اندازہ تھا کہ اس کا وقت آنے والا ہے اور اپنی ہوئی دال کا اور روٹی سے موت کے منہ میں جا رہا ہے۔ میرا بسکٹوں وغیرہ سے بھرا ہوا بیگ اس کی نظروں میں رہا ہو گا اور اس نے موقع پاتے ہی اسے چرایا مگر اجل کے بے رحم ہاتھوں نے اسے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ چوری کا یہ مال چکھ بھی سکتا۔

میں نے کپتان کو بتایا کہ وہ بیگ میرا ہے اور رات چوری ہو گیا تھا مگر ہر شخص نے میری طرف اشتباہ آمیز نظروں سے دیکھا۔ اس کی وضاحت بھی ہو پائی ناممکن تھی کہ ایک قریب المرگ اور نحیف و نزار شخص اپنی آخری سانسوں پر ایسا کام کرنے کا فیصلہ کر سکے۔ مگر جب میں نے کٹی ہوئی بیلٹ کا باقی حصہ لا کر دکھایا تو سب خاموش ہو گئے اور کپتان نے بیگ میرے حوالے کر دیا۔

"یہ کہاں سے ملا؟" میرے ہاتھ میں بیگ دیکھتے ہی پارتی حیران رہ گئی۔

"مرنے والے کے سامان میں سے ملا ہے۔"

"سچ؟" وہ حیرت سے بولی۔

"ہاں۔" میں نے اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اگر لانچ کے عملے کا خوف نہ ہوتا تو سارے مسافر بھی ایک دوسرے پر بھوکے گدھوں کی طرح ٹوٹ پڑتے۔ ناکافی اور ناقص غذا نے ہر ایک کو زندگی کی سرحدوں پر لا کھڑا کیا ہے۔ جب میں نے کپتان سے یہ بیگ لیا تو کئی مسافر مجھے بھوکی اور خونخوار نگاہوں سے گھور رہے تھے۔"

"پھر ایک بات کہوں؟" وہ آہستہ سے بولی۔ "ابھی تم اس سرحد سے بہت دور ہو۔"

"میرے دل کا حال تم کیا جانو۔" میں لاپروائی سے ہنس دیا۔

اسی وقت پتہ چلا کہ کپتان نے اچانک سفر جاری رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ نظر نہ آنے والے زیرِ آب جزیرے کے ساحل سے لنگر اٹھا لیا گیا اور لانچ ... آہستہ آہستہ ... رفتار ... ہو گئی۔

فضا پر عجیب سا سکوت چھایا ہوا تھا۔ سمندر بظاہر پُرسکون تھا مگر عملے کے افراد کو غیر معمولی طور پر سرگرم دیکھ رہا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کی نگاہیں بار بار شمال مشرق کی طرف اٹھ رہی تھیں جہاں آسمان پر ہلکی ہلکی سرخی دھند پھیلی ہوئی تھی۔

میں نے ملاحوں کو ریت کے ان ہوتے، جنہوں نے ہمیشہ کی طرح سب نے سختی سے زبان بند رکھی۔ مجھے معلوم تھا اور کپتان بھی یہی سمجھتا کہ کوئی بہت بڑا خطرہ ہے مگر یہ صورت حال زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ اس وقت ہم کھلے سمندر میں تھے اور ساحل نظر کہیں بھی نہیں آ رہا تھا کہ اچانک تیز ہوائیں چلنے لگیں۔ ان کے ساتھ ہی سمندر میں سرکش لہریں ابھرنے لگیں جن کی شدت سے لانچ ہچکولے کھانے لگی۔

"ہوشیار! سمندر میں طوفان آنے والا ہے۔" ہواؤں کے آسیبی شور میں بیک وقت کئی ملاحوں نے چیخ کر خطرے کا اعلان کیا۔

یہ الفاظ مسافروں کے شکستہ اعصاب پر بجلی بن کر گرے۔ ہر طرف دہشت اور سنسنی پھیل گئی۔ ہر ایک خوفزدہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

میں اضطراب کے عالم میں کپتان کے کیبن میں جا گھسا۔ وہ بے چینی کے ساتھ کیبن میں ٹہل رہا تھا۔

"اب کیا ہو گا؟" میں نے جاتے ہی سوچے سمجھے بغیر سوال داغ دیا۔

"جو مقدر میں ہے۔" اس نے ادھ جلی سگریٹ چوبی فرش پر پھینک کر ایڑی سے مسل دی۔ شدید پریشانی کے باوجود وہ پُرسکون نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"طوفان میں یہاں سے روانہ ہونے کی کیا ضرورت تھی؟" میرا لہجہ درشت تھا۔

اس نے غضبناک تیوروں سے میری طرف دیکھا اور غرایا "ایک ہی سیلاب لانچ کو دلدل میں پھنسا دیتا۔ دلدل میں سسک سسک کر مرنے سے یہ بہتر ہے کہ کھلے سمندر میں جدوجہد جاری رکھی جائے۔ یہ باتیں میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اب تم یہاں سے دفع ہو جاؤ ورنہ سمندر میں پھنکوا دوں گا۔"

اسی وقت لانچ کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ کپتان لڑکھڑا کر دیوار کے سہارے سنبھل گیا اور میں اچھل کر کسی گیند کی طرح فرش پر گرا۔ اسی کے ساتھ ہواؤں کے ہولناک شور میں باہر سے کئی مسافروں کی دلدوز چیخیں سنائی دیں۔ میں لپک کر باہر نکلا۔ اپنی چوٹوں کا مجھے احساس بھی نہیں ہوا تھا۔

لانچ کے عرشے پر قیامت کا سماں تھا۔ سارے مسافر ایک دوسرے سے لپٹے گڑگڑا رہے تھے۔ پتہ چلا کہ اچانک ابھرنے والی سے جو جھٹکا لگا تھا اس کے نتیجے میں تین مسافر سمندر میں جا گرے تھے۔

اس طوفان میں کسی کی ہمت نہیں تھی کہ انہیں بچانے کی کوشش کرتا۔ بپھری ہوئی موجیں پل بھر میں ان بدنصیبوں کو نہ جانے کہاں بہا لے گئی تھیں۔

"انجن بند کرو۔" اچانک کوئی بری طرح سے چلایا۔ "ورنہ لانچ ..."

کے تختے کھل جائیں گے۔ خونی لہروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دو۔"
انجن بند کر دیا گیا۔ ہولناک لہروں نے لانچ کو بار بار اچھالنا شروع کر دیا۔ جیسے ہی کوئی لہر لانچ سے ٹکراتی وہ فضا میں ابھرتی۔ طوفانی ہوائیں بڑی تیزی سے بہتی جا رہی تھیں۔ سمندر کے بپھرنے کی اس طرح کہ بڑے بڑے تھے کہ تھوڑی دور کی چیز دیکھنا بھی محال ہو رہا تھا۔

"بچاؤ!" اچانک میرے کانوں میں ایک دردناک چیخ گونجی اور میں بے چین ہو گیا۔ یہ آواز لازمی طور پر پارتی کی تھی۔ ہواؤں کی مسلسل چیخیں سنائی دینے لگیں۔ میں دہشت زدہ مسافروں پر گرتا اور ان کو پھلانگتا ہوا تیزی سے آگے بڑھا اور میرا دل دھک سے رہ گیا۔ کہ پارتی اپنی جگہ موجود نہیں تھی۔

اسی وقت ایک بار پھر پارتی کی دہشت زدہ چیخ ابھری۔ وہ لانچ پر ہی موجود تھی۔ یہ اندازہ کر کے میری پریشانی ختم ہو گئی کہ وہ سمندر میں نہیں گری بلکہ لانچ پر ہی موجود ہے۔ اس کی دوسری آواز گھٹی گھٹی تھی جیسے کوئی اس کا منہ بند کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

میں کسی زخمی بھیڑیے کی طرح غراتا ہوا کیبن کی طرف بڑھا اور کیبن میں گھس پڑا۔ وہاں ایک ملاح پارتی کو گرائے اس پر سوار تھا جسے میں نے پہچان لیا۔ یہ وہی ملاح تھا جو پہلے بھی پارتی پر بری نظریں ڈالے۔

اس نے پارتی کا لباس کئی جگہ سے پھاڑ دیا تھا اور اس کوشش میں تھا کہ پارتی کو گھسیٹ کر کیبن کی طرف لے جائے مگر وہ کسی جونک کی طرح فرش سے چپکی ہوئی تھی۔

میں نے ملاح کی بے خبری میں پشت سے اس پر ٹوٹ پڑا اور اسے پارتی کے سینے سے گرا ہوا دور تک رگیدتا لے گیا۔

میرے اچانک اور وحشیانہ حملے نے اس جنس زدہ ملاح کو بوکھلا دیا اور وہ ہذیانی انداز میں اپنے ساتھیوں کو مدد کے لیے پکارنے لگا۔

میں نے لگاتار اس کے چہرے پر کئی ضربیں رسید کیں۔ پھر اس کے بال پکڑ کر اس کا چہرہ پوری قوت سے فرش پر دے مارا۔ اس کے حلق سے ایک کربناک چیخ نکلی اور چہرہ اور فرش اس کے خون سے رنگین ہونے لگا۔

"مارو... اس کے ہاتھ پیر توڑ کے سمندر میں پھینک دو۔" اچانک کوئی غرایا۔

میں پھرتی سے اپنے شکار کو چھوڑ کر اٹھ گیا۔ پارتی کے پاس دو ملاح لمبے لمبے چاقو لیے کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک کے چاقو کی نوک پارتی کی طرف تھی اور وہ چاقو پھینکنے کی تیاری کر رہا تھا۔

"پارتی۔ یہاں سے نکل جاؤ۔" میں چیخ کر ہذیانی انداز میں چیخا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ چاقو کا پھل سیدھا پارتی کے دل میں اتر جائے۔

چاقو تھامے ملاح کے آگے بڑھتے قدموں کی دھمک سنائی دی اور اسی وقت لانچ کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ جیسے کسی دیو نے

نے لانچ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا ہو۔ ان دونوں میں سے ایک وہ لڑکھڑا کر کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح نیچے آ گیا۔ اور اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے چاقو کا پھل پارتی تک آنے کی بجائے اس کے ساتھی کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ اس کے حلق سے ایک کربناک چیخ بلند ہوئی جو ایک تیز ہچکی پر ختم ہو گئی۔

تیسرا ملاح... جھٹکے سے سنبھل گیا تھا اور غراتا ہوا میری طرف بڑھا لیکن میں نے فوری فیصلے کے تحت ہاتھ اٹھا کر تیز لہجے میں کہا۔ "رک جاؤ۔ تمہارا کوئی نقصان نہیں چاہتا۔ خدا کے لیے رک جاؤ۔"

اسی وقت پے در پے جھٹکوں نے کپتان کو بالائی منزل پر پہنچا دیا۔ اس نے شاید میرے الفاظ سن لیے تھے کیونکہ اس نے آتے ہی اپنے آدمی کو روک دیا۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟" کپتان غصے اور ہیجان کے عالم میں چیخا۔ "لانچ طوفان میں گھری ہوئی ہے اور تم لوگ یہاں خون کی ہولی کھیل رہے ہو؟"

"ہمیں کچھ نہیں معلوم۔ اچانک یہ چیخا تو ہم ملاح ادھر آئے۔ ہم جیسے ہی ادھر آئے تو یہ شخص ہمارے ساتھی پر درندے کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔"

"یہ بدمعاش تمہارے آدمی کے ہاتھوں مارا گیا ہے کپتان۔" میں جلدی سے بولا۔ "وہ لڑکی کو زبردستی کیبن میں لے جا رہا تھا۔"

کپتان نے غصے سے آگے بڑھ کر ایک غلیظ سی گالی دی اور بولا۔ "وہ کیا ہے کہ طوفان میں کسی کو کسی کا ہوش نہ رہے گا۔" پھر اپنے آدمیوں سے بولا۔ "اٹھا کر دیکھو اگر وہ زخمی ہے تو مرہم پٹی کر دو اور اگر مر گیا ہے تو اس کی لاش سمندر میں پھینک دو۔ ہم سب کی خیریت ہے۔ یہ طوفان بہت خطرناک ہے۔ اس سے جلد نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا۔"

میں دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوا پارتی کی طرف بڑھا۔ پارتی ایک کونے میں گھسی دہشت سے کانپ رہی تھی۔ اس وقت ہر مسافر کا عالم یہ تھا کہ کسی لہر کے ساتھ ہی چیخیں بلند ہوتیں اور لہر کے آنے سے پہلے ہی جیسے کسی نے ہاتھ ڈال کر پھینک دیا ہو۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے بے شمار مسافر غضبناک لہروں کا لقمہ بن گئے۔ ہواؤں کے شور اور انسانی آوازوں کے درمیان کسی مسلمان مسافر نے بلند آواز میں اذان دینی شروع کر دی۔ ہندو رام رام کا جاپ کر رہے تھے۔ سکھ گرنتھ صاحب کے پاٹھ دہرا رہے تھے۔ کسی نے اپنی ماں کا نام پکارا۔ سب کے طریقے تمام تھے مگر مقصد ایک ہی تھا۔ ہر شخص دل ہی دل میں خدا سے دعا مانگ رہا تھا کہ طوفان جلد ٹل جائے۔

تیز طوفانی ہواؤں کے ساتھ سمندری لہروں کی بوچھاڑ اور موسلادھار بارش شروع ہو چکی تھی۔ لگتا تھا جیسے سب کچھ اس طوفان میں دھنس گیا تھا۔

اچانک ایک طرف سے دہشت زدہ چیخیں بلند ہوئیں۔ سوراخ، سوراخ! لانچ کے پیندے میں ایک سوراخ ہو گیا تھا۔

سارا سامان پھینک دو۔ اچانک کپتان ہذیانی کیفیت کے عالم میں چلایا۔

سمندر میں پھینک دو۔

زندگی اور موت کے اس فیصلہ کن دور سے پہلے بھی لوگوں کے دلوں میں پیسے کی محبت آئی تھی۔ کپتان کا حکم سننے کے بعد جو کچھ ہاتھ لگا سب پھینک دیا گیا۔

کپتان یہ دیکھ کر غصے میں پاگل ہو گیا اور اس نے سامان پر بیٹھے ہوئے مسافروں پر ٹھوکروں اور گالیوں کی بوچھار کر دی۔ "سامان پھینک دو ورنہ اس کے ساتھ تمہیں بھی جہنم واصل کر دوں گا۔"

ملاحوں نے ایک طرف سے سامان پھینکنے کی ابتدا کر دی۔ یہ دیکھ کر وہاں بیٹھے ہوئے مسافر بھی اپنا سامان اٹھا اٹھا کر پھینکنے لگے۔

کچھ ملاح ہتھیلیوں سے وہ حصہ دبائے بیٹھے تھے جہاں سے پانی اندر آ رہا تھا۔ درحقیقت وہ کوئی سوراخ نہیں تھا بلکہ لانچ کے پیندے میں تختوں کا جوڑ کھل گیا تھا جو سطح سے چند انچ نیچے تھا۔ لانچ کا وزن کم ہونے کی صورت میں اگر لانچ کچھ اونچی ہو جاتی تو وہ حصہ پانی سے ابھر آتا۔

مسافروں کا سارا سامان پھینک دیا گیا مگر وہ حصہ پھر بھی پانی میں ڈوبا رہا۔ کپتان نے یہ صورت حال دیکھ کر اونچی آواز میں کچھ الفاظ کہے اور سارے ملاح بھوکے درندوں کی طرح مسافروں پر ٹوٹ پڑے۔

جب تک لوگ کچھ سمجھے، ملاح پھرتی کے ساتھ کئی مسافروں کو سمندر میں پھینک چکے تھے۔ اکثریت کی زندگی بچانے کے لیے چند لوگوں کی قربانی دی جا چکی تھی۔

جونہی یہ صورت حال مسافروں کی سمجھ میں آئی ہر ایک جونک کی طرح تختوں سے لپٹ گیا۔ لوگ ایک دوسرے کے پیچھے اور نشستوں کے نیچے چھپنے لگے تاکہ ملاح ان تک نہ پہنچ سکیں۔ کئی افراد نے بھاگ کر کیبن میں پناہ لینے کی کوشش کی مگر ان کو گھسیٹ کر باہر نکالا اور ملاحوں نے انہیں بھی سمندر میں اچھال دیا۔

اس وقت لانچ پر دہشت اور خوف کا ایسا بھیانک سماں تھا کہ انسان ایسی انسانیت سوز زندگی میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔ خوش نصیبی کی تلاش میں بہت سے لوگ سمندر کی بھینٹ چڑھائے جا چکے تھے۔ لہروں کے ابھرنے اور ہواؤں کے باعث فضا میں ہیبت ناک سی چیخ بلند ہوئی۔ غنیمت یہ تھا کہ میں ایسی جگہ بیٹھا ہوا تھا جہاں ملاحوں کی دسترس ذرا مشکل تھی۔ ان تک پہنچنے سے پہلے انہیں اپنا کام کرنا تھا۔

"بس، اب ختم کرو۔" اچانک کپتان دہاڑا اور بجلی کی طرح حرکت کرتے ہوئے ملاح رک گئے۔ شاید لانچ سے اتنا وزن کم کیا جا چکا تھا اور تختوں کا جوڑ بالائی سطح سے اوپر آ گیا تھا۔ اگر کپتان اس وقت وہ خوفناک فیصلہ نہ کرتا تو لانچ کے تختوں کو اکھاڑ دیتا اور پھر لانچ تباہ ہو جاتی۔

لیکن اس کے بعد بھی لانچ کی حالت ابھی تک خطرناک ہی تھی۔

ملاح کچھ کی کوشش کر رہے تھے مگر مسافروں میں سے کسی کے زندہ بچ جانے کا امکان نہیں تھا۔

لانچ لہروں کے دوش پر پیچھے ہٹ کر اپنی منزل کی طرف رواں تھی کہ اچانک زبردست لہروں کے تصادم سے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے لانچ کا پیندا ہی کھل جائے گا۔ مسافروں کی چیخیں بلند ہو گئیں۔ پارتی بھی چیخ مار کر میرے سینے سے لپٹ گئی۔

وہ طوفان ایک ڈراؤنے خواب کی طرح دیر تک جاری رہا۔ ہر لمحہ یہ خوف لاحق تھا کہ کوئی تیز و تند موج لانچ کو الٹ کر باقی ماندہ مسافروں کو بھی سمندر کی ہواؤں کے دوش پر اچھال دے گی۔ مگر اس کے بعد کوئی خوفناک واقعہ پیش نہ آیا۔

خدا خدا کر کے طوفان کا زور ٹوٹنے لگا۔ آوارہ ہواؤں کا آسیبی شور مدھم پڑنے لگا۔ میں نے آہستگی سے اپنے سینے سے لپٹی ہوئی پارتی کو ہلایا۔ وہ بے جان مورتی کی طرح نیچے لڑھک گئی۔ میں نے جلدی سے اس کی نبض ٹٹولی تو وہ دھیمے دھیمے چل رہی تھی۔ دل کی دھڑکنیں بھی جاری تھیں۔ شاید وہ خوف اور دہشت کی زیادتی کے باعث بے ہوش ہو گئی تھی۔

طوفان کی شدت نے لانچ پر رہ جانے والے مسافروں کو بے حال کر دیا تھا۔ کئی مسافر بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ اور کئی ابکائیاں کیے جا رہے تھے۔ طوفانی موجوں کے جیسے الٹ دینے نے ہر شخص کو نڈھال کر دیا تھا۔ اس وقت میری حالت بھی ابتر تھی۔ میری آنکھوں کے سامنے رنگ رنگ کے بے شمار دائرے گردش کر رہے تھے۔ سانس اکھڑا ہوا تھا۔ حلق تک کڑواہٹ آ رہی تھی۔

میں نے پارتی کو بانہوں میں اٹھا کر لیٹ جانے کی کوشش کی مگر نقاہت اور جسم پر چوٹوں کے باعث میں ایسا نہ کر سکا۔ اس کا بوجھ بھی میں سنبھال نہ سکا اور اسے بانہوں میں لیے وہیں ڈھیر ہو گیا۔ میں بے ہوش تو نہیں ہوا مگر نڈھال ہو کر وہیں پڑا رہا۔ آنکھیں کھولنے تک مجھے کمال معلوم ہو رہا تھا۔ سب کے کانوں میں تمام آوازیں آ رہی تھیں مگر یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ میلوں دور سے آ رہی ہوں۔

کچھ دیر بعد طوفان کا زور بالکل ٹوٹ گیا اور لانچ سمندر پر سکون سے تیرنے لگی۔ اس کا انجن بھی کب کا بند پڑا ہوا تھا۔

"جو لوگ بچ گئے ہیں، انہیں سمندر میں پھینکا نہیں جائے گا اور لانچ صاف کر دو۔ سمندر کے رحم پر نہیں چھوڑا جائے گا۔" اچانک کپتان کی آواز سنائی دی۔

میں نے آنکھیں کھول کر اٹھنا چاہا مگر میرا بدن ٹوٹا پڑا تھا۔ آنکھیں کھولنا چاہیں تو پپوٹے بوجھل ہو رہے تھے۔ طوفان کے دوران بہانے کے اعصاب پر تناؤ کے باعث اب اس صورت حال کے ٹل جانے کے بعد وہ ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ جان لیوا اعصابی تناؤ نے ادھ موا کر رکھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کوئی میرے پاس بھی آ پہنچا اور بے دردی سے میرا بازو پکڑ کر ہلانے لگا۔

"ارے زندہ ہے یار؟" کسی نے پانی کی ٹھوکر میری پسلیوں پر جماتے ہوئے کہا۔ مگر میں جواب نہ دے سکا۔ وہ مجھ کو لیٹے ہوئے میرے حواس کا جائزہ لے چکے تھے۔ بس ابتدائی سماعت کسی حد تک بحال تھی۔ میں سب کچھ سن پا رہا تھا لیکن

ہلنے یا حرکت کرنے کے قابل نہیں تھا۔

"میرا نمبر بھی ہے!... اچانک کسی کی مجروح سی سرگوشی نما آواز ابھری جس نے مجھے چونکا دیا تھا۔ چھوکری بھی رو رہی ہے، ساحل بہت پیچھے رہ گیا ہے!"

اچانک مجھے اپنے پاس غیر فطری سناٹا چھا گیا۔ پھر پانی اور ہوا کے شور میں سرگوشیوں کی بھنبھناہٹ سنائی دینے لگی۔ اس وقت تک میں ہوش میں تو آ چکا تھا مگر میرا ذہن مجھے سنبھالا دینے کی قوت سے محروم تھا۔

چند ثانیوں بعد کسی نے اپنا وزنی ہاتھ میرے کاندھے پر رکھ دیا۔

پھر ایک آواز سنائی دی جو بڑی جانی پہچانی سی تھی: "زندہ ہے ابھی!"

میرے ذہن میں ایک بجلی سی کوند گئی... وہ ملاح میرے اغوا کنندگان کا سرغنہ بھی رہ چکا تھا اور شاید اب وہ جہاز کے ساتھیوں کا انتقام لینے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ وہ پہلے بھی ایک بار اسی حالت میں سمندر میں پھینک چکے تھے کیونکہ ملاحوں نے انہیں مزید مسافروں کو سمندر میں پھینکنے کا اختیار دیا تھا۔ وہ آسانی سے مجھے مروا سکتے تھے!

"چھوکری تو [illegible] سال کا بدن دیکھ کر کیا [illegible]" وہ کسی ملاح نے شاید پہلی بار [illegible] کے بعد [illegible] میں [illegible] کی۔

"ہمارے ٹھکانے لگا دو، چھوکری تو پھر بھی ساتھ ہے، ہم تم کو [illegible]!" ایک شخص کی آواز ابھری۔ جلدی کرو، سالا ہوش میں آ جائے تو ایک نیا ادھم مچائے گا!

پھر میری بغلوں میں ہاتھ ڈال کر مجھے ایک طرف گھسیٹا جانے لگا۔ میں نے اپنے جسم کو حرکت دینی چاہی مگر بے سود۔ چیخنا چاہا لیکن آواز مفقود تھی۔ بس ذہن میں بچاؤ کے لئے شور کر رہا تھا مگر وہ خاموش فریاد میرے سینے ہی میں گھٹ کر رہ گئی تھی جب کہ وہ لوگ [illegible] دوسرے لوگوں کے لئے کوئی وجود ہی نہ رکھتے تھے۔

"بہت بھاری ہے سالا!" کسی نے کہا، پھر میری پسلیوں میں ٹھوکر ماری۔ وہ [illegible] ایک جھٹکا [illegible] ایک چیخ بلند ہوئی جس میں بے پناہ موت کا خوف [illegible] اچانک مجھے جھٹکا لگا۔ میرا سر کسی سخت چیز سے ایک کنارے سے ٹکرایا۔ میرے اعصاب پر [illegible] ختم ہو گیا اور میں نے اپنے ہاتھ سے اپنے سر کو [illegible]۔

پھر آہستہ آہستہ میں نے آنکھیں کھولیں۔ جب [illegible] کے سامنے [illegible]۔ مجھے حیرت ہوئی کہ [illegible] کوئی موجود نہیں ہے۔ میری چیخ [illegible] سے خوف کے مارے [illegible] بھاگ کھڑے ہوئے تھے [illegible] مسافروں [illegible] چکے تھے۔ مجھے [illegible] کا [illegible]۔

یہ دیکھ کر حیرت [illegible] کھڑے ہو گئے [illegible] موجود تھا [illegible] سمندر [illegible] اور [illegible] کے حوالے کیا جا چکا ہوتا۔

[illegible] کسی [illegible] کا [illegible]

احساس نہیں ہوا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ جس ٹھوکر کے باعث میں بچ گیا تھا وہ [illegible] کیوں نہیں تھی میں [illegible] فیصلہ نہ کر سکا کہ چیخ کا سبب [illegible] تھی یا ٹھوکر کی چوٹ!

[illegible] حالی [illegible] لانچ کی جانب [illegible] کھڑا ہو گیا۔ میرا بدن پسینوں میں نہایا ہوا تھا اور گزشتہ ہونے والے [illegible] کی وحشت سے دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

میں آہستہ آہستہ اپنی جگہ پر واپس آیا۔ پارٹی ابھی تک بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ میں آہستہ آہستہ اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔

طوفان گزر جانے کے بعد سمندر خلاف معمول کچھ زیادہ ہی پرسکون ہو گیا تھا۔ آسمان بالکل صاف تھا اور سورج کی تیز کرنیں براہ راست جسم پر پڑ رہی تھیں۔ شام ہوتے ہوتے ہماری لانچ ایک بار پھر سمندر میں بے مقصد تیر رہی تھی۔ انجن بند تھا۔ ادھر ادھر [illegible] گرم تھی۔

پارٹی ہوش میں آنے کے بعد [illegible] طوفان کا [illegible] طوفان میں چالیس مسافر کام آ گئے تھے۔ جب میں نے اسے بتایا کہ میں کس طرح موت کے [illegible] سے بال بال بچا ہوں تو اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"ہم کب تک یوں کھلے سمندر میں [illegible] رہیں گے!"

"میں سمجھتی ہوں بہت کم لوگ اتنا [illegible] ہوں گے!"

"[illegible] دونوں [illegible] کو چھوڑ کر [illegible] لانچ پر ہم [illegible]" بولے تو وہ لوگ میرا کیا حشر کر سکتے ہیں [illegible] ان کی نظروں میں [illegible] کے علاوہ وہ بھلا اور کیا کر سکتے ہیں؟ میں نے ان کی نگاہوں میں [illegible] شوخ لہجے میں کہا [illegible]

"میری رائے ہے کہ وہ لوگ ابھی تک [illegible] کر رہے ہیں؟" وہ بظاہر [illegible] ایک [illegible] بیٹھے ہوئے بولی۔

"مجھے [illegible] کسی بھی خوبصورت لڑکی کی حمایت کرنا [illegible] نہیں چاہتا!"

"تم نے کبھی ان سے شکایت کیوں نہیں کی؟"

"وہ بے چارہ کیا کر سکتا ہے [illegible] میں [illegible] سے [illegible] جائے گا!"

"ہم سمندر میں کب تک یوں ہی بھٹکتے رہیں گے؟"

"جب تک قسمت میں لکھا ہے!"

"تم عجیب آدمی ہو!" وہ مسکرا کر [illegible] بڑبڑائی۔

"کیا عجیب بات دیکھی تم نے مجھ میں!"

"کسی بات کی پرواہ ہی نہیں کرتے، نہیں معلوم کہ کشتی والے تمہاری جان کے دشمن ہیں اور [illegible] تو مار ڈالیں گے [illegible] مگر تم پھر بھی [illegible]"

"موت تو اٹل ہے آج نہیں تو کل آ جائے گی کوئی اسے نہیں ٹال سکتا۔ اور زندگی ہے تو سب مل کر بھی میرا بال بیکا نہ کر سکیں گے۔"

"تم مجھ سے ملاقات کرنے؟" اچانک اس نے عجیب سے لہجے میں سوال کیا۔

"یہ خیال کیسے آیا تمہیں؟" میں نے چونک کر اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"تم سوچتے ہو گے کہ میں بڑی احسان فراموش ہوں۔"

"میں نے تم پر کون سا احسان کیا ہے جو یہ سوچوں گا؟"

"ظاہر ہے ہو۔" وہ آزردہ ہو کر بولی۔ "تمہارا احسان تو میں ساری عمر نہ بھول سکوں گی۔ یہ بھیانک سفر اور تمہارا ساتھ مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔"

"تم یہ ساری باتیں اپنے پتی کو بھی بتاؤ گی؟"

وہ چند ثانیوں کے لئے سوچ میں پڑ گئی۔ پھر آہستہ سے بولی: "نہیں۔"

"وہ تو بڑا چھوٹے دل کا آدمی ہے۔ یہ برداشت نہیں کر سکے گا کہ اس کے علاوہ بھی کسی دوسرے کا احسان مند ہوں اور اس کا نام میرے دل پر نقش ہے۔"

"شاید وہ یہ بھی یقین نہ کرے کہ میں نے تم سے اپنی عزت کے دام وصول نہیں کئے ہیں۔"

"ہاں۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ "اصل بات یہی ہے۔ ہمارے یہاں عورت جب گزرے وقت کسی کے احسان تلے دب جائے تو اس کے چرنوں پر پاپ سمجھا جاتا ہے۔ وہ [illegible] کر بھول جائے گا مگر تمہیں کبھی نہ بھول سکے گا۔"

"حالانکہ تم ....!"

اس نے جلدی سے میری بات کاٹ دی۔ "تم اپنا من چاہا کر دو، پاپی احسان تو پورا نہیں ہے۔"

"مگر میں تم سے کسی چیز کا طلبگار نہیں۔ تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔"

"تم نے جو بھلا میرے ساتھ سلوک کیا۔ اب مجھے بھی حق ہے کہ تمہارے ساتھ جو سلوک چاہوں اختیار کر لوں۔" وہ بے حد شوخ انداز میں مسکرا کر بولی۔

وہ میرے قریب کھسک آئی اور سرگوشیانہ لہجے میں بولی: "جانتے ہو میں کون ہوں؟"

"ایک جوان اور مظلوم لڑکی!"

"نہیں۔ میں پاربتی ہوں اور تم میرے شیو ہو۔" وہ گرم گرم سانسوں کے درمیان بولی: "اور ازل سے پاربتی کا کام شیو کی سیوا ہے۔ تم نے شیو ہی کی طرح تو دیا ہے۔"

"دھرم سے مجھے زیادہ دلچسپی نہیں۔"

"دھرم سے زیادہ تو تمہیں قصے میں دلچسپی ہے!" وہ شوخ لہجے میں بولی۔ "پاربتی دیوی جیسے جنم جنم [illegible] شیو کو پانے کے لئے تپسیا کرتی رہی [illegible] لاکھوں کروڑوں [illegible] بھی پوجا کرتی رہی۔"

"تمہیں ایسی باتیں کرتے شرم نہیں آتی؟"

"دھرم کی باتیں [illegible]" وہ آہستہ آہستہ بے خود ہوتی جا رہی تھی۔

"شاید تم نے کبھی [illegible] سمندر کے بیچ [illegible]"

جہاں آ کر آدمی رہتی دنیا کی [illegible] مل جاتا ہے جو سمندر میں [illegible] نکلے۔ ان کے لئے بھی خبر گیری ہے۔ بالکل قصے تو بہلانے کے لئے ہیں۔"

"کوئی بہت [illegible] سن کر تو تمہارے [illegible] نظر آنے لگا۔"

"[illegible]" وہ دھیمے سے بولی۔ [illegible]

"[illegible] مجھے تم اپنے دھرم [illegible] سے دور رکھو۔"

"میرا دھرم؟" وہ دھیمے سے بولا۔ "کیا تم بندہ [illegible] مجھے اچانک اپنی غلطی کا خیال آ گیا۔ اور میں جلدی سے بولا: "سچ کہا۔ مجھے دھرم سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

باتوں ہی باتوں میں وقت تیزی سے گزر گیا۔ پھر جب شام کا دھندلکا پھیلا تو لانچ کا انجن اسٹارٹ ہو گیا۔ مسافروں کا ایک ہجوم اپنا سامان سنبھالنے لگا۔ کپتان نے بتایا کہ لانچ کی خستہ حالت کے پیش نظر کھلے سمندر میں سفر کرنے کے بجائے ساحل کے ساتھ ساتھ چلنا مناسب ہو گا۔ اس کے امکانات اس وقت تک معدوم تھے لہٰذا فیصلہ کیا گیا کہ تمام مسافروں کو کھلے سمندر میں واقع ایک ویران ساحل پر اتار دیا جائے۔ کپتان کو یہ خیال تھا کہ وہ اپنے عملے سمیت اس وقت تک مسافروں کے ساتھ ساحل پر رہے گا جب تک امدادی لانچ کے ذریعے منزل کی طرف روانگی کا انتظام نہ ہو جائے۔

مسافروں کے لئے یہ نوید حوصلہ افزا تھی۔ ساحل کا لفظ ہی ان کے لئے خوشیوں کا باعث تھا۔ پل بھر میں آگ گزرتے ہوئے ہولناک حادثے کی ہولناکی اور ان کے دلوں میں زندگی کی ایک نئی لہر پیدا ہو گئی۔ چھ روز تک مسلسل لہریں اور آسمان دیکھتے دیکھتے مسافر اکتا چکے تھے اور جب ساحل کی امید نے ان کے دلوں میں تازہ ولولے بیدار کر دیئے تھے۔

پاربتی بھی بہت خوش تھی مگر مجھے کپتان کے اس فیصلے سے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ میں نے کئی بار اپنے ذہن کو ٹٹولا مگر اپنے اس ذہنی ردعمل کا کوئی جواز نہیں پا سکا۔

جوں جوں اندھیرا گہرا ہوتا گیا میرا ذہنی اضطراب بھی بڑھتا چلا گیا۔ لانچ کھلے سمندر میں خاصی تیزی سے کسی نامعلوم منزل کی طرف بڑھتی جا رہی تھی۔

کپتان کو کیبن کے باہر ریلنگ کے سامنے کھڑا دیکھ کر میں اس کے پاس پہنچا۔ میرے قدموں کی آہٹ سن کر اس نے گردن سے میری طرف دیکھا۔

"ہم کتنی دیر میں ساحل پر پہنچ جائیں گے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"ساحل نظر آتے ہی تو بتایا جائے گا۔" وہ چڑچڑے لہجے میں بولا۔

"ہم کس جگہ اتریں گے؟" میں نے اس کے چڑچڑے پن کو نظر انداز کرتے ہوئے اصل سوال داغ دیا۔

جواب میں اس نے گھور کر چند ثانیوں تک مجھے دیکھا۔ پھر خاموشی سے واپس ہو لیا۔

کہ دیر بعد کپتان کے گلے میں دوربین نظر آنے لگی۔ مسافروں میں بے چینی بڑھ گئی۔ وہ پانی کا جہاز کہ ٹوٹے ہوئے گھورا اندھیرے میں ساحل تلاش کر رہا تھا مگر ابھی کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

اسی کشمکش کے عالم میں کئی گھنٹے گزر گئے۔ مسافروں کے لئے انتظار ہر لمحہ بوجھل ہو رہا تھا۔ بلآخر جب کہ ساحل سے ٹکرانے اور دم توڑنے کا وقت قریب آیا تو ساحل نظر آنے لگا۔

"ساحل .... ساحل آ گیا!" ایک مسافر خوشی سے بے اختیار چیخ اٹھا۔ ایک ملاح فوراً ہی اس کی طرف لپکا اور چند گالیوں کے ساتھ اس کی گردن پر ہاتھ جڑ دیا۔ "اب آواز نکالی تو گلا دبا دیا جائے گا۔"

چیخنے والا سہم کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ طوفان کے دوران میں ملاحوں کی سفاکی میں نے دیکھی تھی اور جانتا تھا کہ ملاحوں کو کپتان کی ہر بات کو پورا کرنے پر مجبور کیا جا رہا تھا۔

رفتہ رفتہ دھندلکے میں تاریک ساحل ایک سیاہ لکیر کی طرح نظر آنے لگا۔ دم توڑتا ہوا تحرک مرتعش ہونے لگا۔ ویران تاریک اور خاموش ساحل کا منظر پھیلا ہوا تھا۔

انجن بند کر دیا گیا اور لانچ اپنے ہی زور میں خاموشی سے ساحل کی طرف بڑھنے لگی۔ مسافروں کے چہرے مسرت سے کھلے پڑ رہے تھے۔ آواز نہیں نکال سکتے تھے مگر ان کی آنکھوں کی طرح [illegible] آسمان تک اٹھتے ہیں۔ مگر سخت گیر ملاحوں کے خوف سے ان کی خوشیاں ان کے ہونٹوں پر منجمد تھیں۔

اتھلے پانی میں پہنچنے کے بعد لانچ کا انجن بند ہو گیا اور وہ ساحل کے متوازی تیرنے لگی۔ ایک ملاح نے لنگر ڈال کر آہستگی سے پانی میں گرا دیا۔ کچھ دیر تک پانی پر تیرتے اور غوطے لگانے کے بعد اس ملاح نے اشارہ کیا۔ کپتان کو بتایا کہ اس مقام پر پانی کی گہرائی مناسب ہے۔

"ساحل کا بھی جائزہ لو۔" کپتان نے دبی آواز میں حکم دیا۔

لانچ اس جگہ رکی رہی۔ تھوڑی دیر بعد ساحل پر گئے ہوئے ملاح نے واپس آ کر سب ٹھیک ہونے کی اطلاع دی اور یہ بھی بتایا کہ وہاں کوئی آبادی موجود نہیں ہے۔ ساحل پر ایک چھوٹی سی پہاڑی بھی ہے۔

مسافروں کو اترنے کا حکم ملا۔ کئی افراد جوش میں نیچے کود پڑے اور پانی کی گہرائی کا اندازہ نہ ہونے کی بنا پر ڈبکیاں کھانے لگے۔

بڑی مشکل سے ملاحوں نے بروقت تمام مسافروں کو پہلے ساحل پر اتارا۔ وہاں پانی کمر تک تھا اور ایسی حالت میں تیرتے ہوئے توازن برقرار رکھنا بہت مشکل تھا۔

بیشتر سامان پہلے ہی سمندر میں پھینکا جا چکا تھا جو رہ گیا تھا وہ بہت مختصر تھا۔ لانچ تیزی کے ساتھ خالی ہونے لگی۔ کپتان بدستور لانچ پر ہی موجود تھا۔

میں نے کمر سے بندھا ہوا ریوالور بڑی احتیاط سے اپنی بغل کے قریب لٹکا لیا۔ اگر پانی کے باعث گر جاتا تو بڑی مشکل ہو جاتی۔ پھر میں پاربتی کے ہمراہ اتر گیا۔ اس وقت میں نے گردن تک پانی میں قدم رکھا تھا اس نے میرے قریب آنے کی بہت کوشش کی مگر پانی کے تیز بہاؤ میں بہہ گئی اور دوبارہ اچانک پھر میرے پاس آ گئی۔

اور وہ اچانک پھر میرے پاس آ گئی۔

"جلتے ہوئے بدن پر ٹھنڈا پانی کیسا لگ رہا ہے؟" میں نے مسکرا کر شوخ لہجے میں کہا۔

"تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔" وہ ہنس کر بولی۔

جب کچھ لمحوں بعد سارے مسافر ساحل پر آ گئے تو ملاحوں نے بچے ہوئے انسانوں کی اس بھیڑ کو ٹیلوں کی طرف ہانکنا شروع کر دیا۔

نرم نرم اور ٹھنڈی ریت اس وقت ایک نعمت غیر مترقبہ معلوم ہو رہی تھی۔ اس سے ذرا دور ہی بڑے بڑے ٹیلے تھے۔ ان ٹیلوں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ ٹیلوں کو عبور کرنے کے بعد لانچ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اور مسافروں کو ٹیلوں کی اوٹ میں جگہ تلاش کرنے کا حکم دے دیا گیا۔

مسافر خوشی خوشی اپنے ٹھکانے بنانے میں مصروف تھے کہ ملاحوں کی ٹولی خاموشی سے پیچھے ہٹنے لگی۔ میں شروع ہی سے ان کی طرف سے ہوشیار تھا۔

"تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟" میں نے ایک ملاح کا راستہ روک کر سخت لہجے میں پوچھا۔

"لانچ سے کھانے پینے کا سامان لانا ہے۔" وہ جھکی ہوئی آنکھوں سے میرے چہرے پر نظر ڈال کر بولا۔ "آؤ تم بھی ساتھ آ جاؤ۔"

"لانچ دیکھنے کی ہے کی؟"

"نہیں۔ لیکن کسی کا دل ہی تو بے چین ہے؟" وہ خلاف توقع شریفانہ لہجے میں بولا۔ تاکہ ان کے اجالے میں اس کے چہرے کی نظروں کو پڑھ سکے۔ یہ کہہ کر وہ چلنے لگا۔

اس کے شریفانہ رویے نے مجھے ہوشیار کر دیا۔ میں نے جیب سے ریوالور نکال لیا۔ "ٹھیک جاؤ اور میری طرف دیکھو!"

وہ بجلی کی سرعت سے میری طرف گھوما اور ریوالور کا ہیبت ناک دہانہ دیکھتے ہی دہشت سے اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ قدم جہاں تھے وہیں گڑ کر رہ گئے۔

اس وقت ہم دونوں ایک جگہ ایک ٹیلے کی اوٹ میں تھے جہاں ہمارا دیکھ لیا جانا مشکل تھا۔ اس کے بیشتر ساتھی لانچ کی طرف جا چکے تھے۔ جو رہ گئے تھے ان کی کسی بھی لمحہ آمد کا اندیشہ تھا۔

"تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟ جلدی بتاؤ ورنہ جیسا کہ ماروں گا۔" میں غرور سے اس کا کان پکڑ کر ہوئے سخت سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

"مالک .... لانچ سے کھانا لانے!" وہ ہکلاتے ہوئے تمام بولا۔

"میرے ساتھ آؤ۔ یہ بھی تمہاری خطرے سے بچنے کے لئے ایک طرف اشارہ کر دیا۔" میں بولا۔ اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔

"مجھے جانے دو۔ وہ مجھے چھوڑ کر نکل جائیں گے۔" وہ گڑگڑا کر بولا۔

"تو تم لوگ ہمیں یہاں اکیلا چھوڑ کر جا رہے ہو؟" میں نے دانت پیس کر خونخوار لہجے میں غرایا۔ اس کے ساتھ مجھے وہ تمام ذہنی خلش کا سبب بھی معلوم ہو گیا تھا جو میری چھٹی حس نے خطرے کی صورت حال کو پہچان کر حاوی ہو رہی تھی۔

میرے لہجے کی سختی بھانپ کر وہ بے چوں و چرا میرے ساتھ ہو لیا۔

اس وقت میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں نے اس شخص پر ہاتھ ڈال کر بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ اگر میں اسے چھوڑ دیتا تو وہ لوگ وہاں تک پہنچ سکتے تھے۔ اسے ہلاک کرنے کی صورت میں وہ سب اس وقت تک فرار ہو جاتے جب تک کسی کو اپنے ساتھی کی تلاش ہوتی۔ میرے لئے لانچ کو روکنا کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا۔

میں نے اضطراری کیفیت میں اچانک اس کی کنپٹی پر ناک مارا اور وہ ایک ہلکی سی چیخ مار کر زمین پر گر کر تڑپنے لگا اور پھر لڑھکتا ہوا ایک چٹان کی جھول میں جا گھسا۔

نادر کے رد عمل کے بارے میں میرا تجزیہ سو فیصد درست ثابت ہوا۔ نادر کے شور کے ساتھ ہی رات کا سناٹا انسانی شور و غل سے گونج اٹھا۔ شور کا اصل مرکز مسافروں کی طرف تھا۔ شاید نادر کی چیخ وہاں تک پہنچ گئی تھی اور سمندر کی جانب سے بھی اِدھر اُدھر آوازیں ابھرنے لگیں۔ پھر سناٹے میں لانچ کے انجن کی گڑگڑاہٹ سنائی دی جو بتدریج دور ہوتی جا رہی تھی۔

میں انجن کی آواز میں اپنے چڑھتے ہوئے سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لانچ والے نادر کا شور سن کر یہ سمجھے ہوں گے کہ کسی گشتی جہاز نے اچانک دھاوا بول دیا ہے۔ اسی لئے وہ بلا توقف لنگر اٹھا کر بھاگ نکلے تھے مگر مجھے بے سروسامان مسافروں کی پریشانی کا افسوس تھا جو شاید مختلف سمتوں میں بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد لانچ کے انجن کا شور رات کے سناٹے میں گم ہو گیا۔ اس کے ساتھ مسافروں کا شور بھی مختلف سمتوں میں معدوم ہوتا جا رہا تھا۔

میں اپنا زخم سنبھالے احتیاط کے ساتھ چٹانوں سے نکل آیا۔

سمندر کے کنارے خون کی ایک پتلی لکیر سی دور تک بنی ہوئی تھی... کئی جہاں وہ مسافر پڑے ہوئے تھے... ان میں سے ایک کے زخم سے بہتا ہوا خون ریتلی زمین پر بہت دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کی صورت دیکھ کر ہی اندازہ ہو گیا کہ اس کی موت کا یقین کرنے کے بعد اس طرف کی راہ اختیار کی تھی جہاں لانچ کے بدنصیب مسافروں کو شب بسری کے لئے ٹھہرایا گیا تھا۔

وہاں پہنچ کر میرے اندیشوں کی تصدیق ہو گئی۔ کھانے پینے کی چیزیں بکھری ہوئی تھیں اور اندھیرے میں وہاں جوتے اور کچھ چھوٹی موٹی چیزیں بکھری پڑی تھیں۔ مسافروں کا تقریباً سارا سامان طوفان سے بچاؤ کی خاطر سمندر میں پھینک دیا گیا تھا اور جو کچھ ان کے پاس رہ گیا تھا وہ دہشت کے باعث وہاں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ بچے کھچے سامان پر اداسی کی لہر سی چھائی ہوئی تھی۔

مسافروں کو جس انداز میں اس ویران ساحل پر اتارا گیا تھا اس سے پیشتر بھی نہ جانے کتنے متعدد لوگ یہ دکھ جھیل چکے تھے۔ نا گہانی طوفان کے باعث لانچ کی حالت اتنی خستہ ہو چکی تھی کہ اس کا سمندر میں ٹھہرنا اور خلیج کا سفر جاری رکھنا بہت دشوار تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ کسی بھی وقت لانچ کے تختے اپنی جگہ چھوڑنا شروع کر دیتے۔ لہٰذا اس نے مسافروں کو ایک ویران ساحل پر دھوکے سے اتار دیا۔

ساحل پر اتار دیا۔ اس کا شیطانی منصوبہ یہی تھا کہ مسافروں کو وہاں چھوڑ کر واپس فرار ہو جائے۔ اور مرنے والا شخص جو اس منصوبے کا اعتراف کر چکا تھا ان حالات میں مسافروں کا وہاں چھوڑ کر جانا لازمی تھا مگر میرے منصوبے نے ناکامی کے باعث وہ حالات کو اپنی طرح سمجھے بغیر بھاگ گئے۔ ان حالات میں بہتری کا بس ایک ہی پہلو تھا کہ وہ لوگ جو مسافروں کے ساتھ آرام سے یہاں آ گئے تھے اب وہ جدوجہد میں صرف کیا جا سکتا تھا۔

تب مجھے لڑکی کا خیال آیا۔ وہ بھی رات کے اندھیرے میں نجانے کس طرف نکل گئی تھی۔ وہ عورت اپنی حرکتوں کے باعث آہستہ آہستہ میرے اعصاب پر سوار ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے بچھڑ جانے سے میں خاصی دشواریوں سے بچ گیا تھا۔

میں نے لڑائی کے ایک مرتبہ پھر جائزہ کیا اور بعد میں دوبارہ کر چلا۔ رات کے اندھیرے میں چلنے کا جائزہ لینے کے بعد میں ایک جگہ ڈھونڈ رہا تھا۔ تھوڑی سی چٹان کی اوٹ میں اس وقت میرے لئے کوئی خواب گاہ میں موجود پرتکلف بستر سے کم نہیں تھی جس کی میں عرصہ دراز سے آرزو کر رہا تھا۔ مسلسل تھکان نے مجھے نڈھال کر دیا تھا۔ میں تھوڑی دیر میں ہی گہری نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

وہ ساری رات میں نے جیسے ایک خواب کی طرح بسر کی۔ پھر دن چڑھا جب سورج کی گرمی کے باعث میری آنکھ کھل گئی۔ بیدار ہونے کے ساتھ ہی وہ سورج کی تپش میری رگوں میں اتر گئی۔

میرا لباس پسینے میں شرابور تھا۔ سمندری ہواؤں میں شامل نمک میرے بدن پر جم گیا تھا شدید گرمی اور پسینے کے باعث جگہ جگہ کھارا تھا۔ سورج مشرقی افق سے تھوڑا ہی بلند ہوا تھا۔ میری ریسٹ واچ اس مقام پر ناکارہ ہو چکی تھی کیونکہ اس جگہ کے مقامی وقت کا مجھے علم نہیں تھا۔ پھر بھی سورج کی بلندی کو دیکھتے ہوئے میرا اندازہ تھا کہ صبح کے نو دس بجے ہوں گے مگر اس وقت ہوا میں گرمی بہت بڑھ رہی تھی۔ جن چٹانوں کا سایہ موجود تھا وہ ہموار چٹانیں دھوپ کی شدت سے تپ رہی تھیں۔

میں گہرے گہرے سانس لیتا ہوا ایک سایہ دار جگہ پر پہنچ گیا۔ وہاں جلتی ہوئی زمین اور سورج کی براہ راست تپش سے تو نجات مل گئی مگر گرم ہوا پھر بھی جسم کے کھلے ہوئے حصوں کو جھلسا رہی تھی۔

میں نے اپنی قمیض کے سامنے کے بٹن کھول دیے۔ گرمی اور بدن کی سوزش سے مجھے شدید وحشت ہو رہی تھی۔ پھر میرا گلا بھی خشک ہو رہا تھا۔ میں نے تھوک نگلنے کی کوشش کی مگر دہانہ پہلے ہی خشک پڑا ہوا تھا۔ یہ میرے لئے تلخ تجربہ تھا۔

میرا قیاس درست تھا کہ اگر میں مزید کچھ دیر وہاں رکا رہا تو دوپہر تک سورج اس قدر آگ برسانے لگے گا کہ میرے لئے سایہ دار جگہ سے باہر نکلنا مشکل ہو جائے گا۔ پانی کے بغیر اس غضب کی گرمی سے مقابلہ کرنا میرے بس سے باہر تھا۔ مجھ سے چند سو گز کے فاصلے پر ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجود تھا مگر میں وہ پانی پیاس بجھانے کے لئے استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ ناقص غذا اور مسلسل سفر کے باعث میرا حال پہلے ہی خراب تھا اور پیاس شدید تھی۔ اگر میں

پیر بہت ... اور شاید آخر تک اس دھوپ میں جیتے جاگتے پیلے ہو چکے ہوتے۔ بہر حال اب فیصلہ کیا تھا۔

میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا باہر نکلا۔ گرم ہوا کے تھپیڑے میری آنکھوں کی طرح جسم اور کپڑوں کو چھو رہے تھے۔ یہ احساس ہو رہا تھا کہ تھوڑی ہی دیر میں میرا جسم موم کی طرح پگھل کر بہہ جائے گا۔

ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر میں نے دور دور تک کا جائزہ لیا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میرے چاروں طرف پانی تھا جس میں سارا ساحل گھرا ہوا تھا۔ میں ایک چھوٹے سے جزیرے کا قیدی تھا۔

پھر فوراً ہی مجھے دوسرے بدنصیب مسافر یاد آئے جو رات کے اندھیرے میں نہ جانے کہاں بکھر گئے تھے۔ ان میں سے کوئی مجھے نظر نہیں آیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ دہشت میں وہ سب سمندر میں جا ڈوبے تھے۔

تمام اندیشے ذہن سے جھٹک کر میں نے سر اٹھایا اور جس طرف بھی نظر گئی دور دور تک پانی ہی پانی نظر آیا۔ کافی دیر تک ادھر ادھر کا جائزہ لینے کے بعد میں نے سمندر کا رخ کیا۔ اب یہ دیکھ کر میرا دل ڈوب گیا کہ سورج کی روشنی میں سمندر کی سطح دور تک چمک رہی تھی۔ چٹانوں کے پیچھے ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ... حد نظر تک ریگستان پھیلا ہوا تھا۔ گرم ہواؤں کے باعث اس جزیرے میں سمندر کا ہی روپ نظر آتا تھا۔ کافی دیر تک میں بے یقینی کے عالم میں ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ اس دوران میرا ذہن بالکل سن ہو چکا تھا۔ ... میرے لئے یہ بات ناقابل یقین تھی کہ سراب اس قدر قریب اور حقیقت سے قریب تر ہوتا ہے۔

... جھلستا ہوا صحرا اور پیچھے ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر۔ میرے لئے کوئی راہ نہیں تھی جس پر وہ گھاٹیاں اور پتھریلے ٹیلے مجھے سایہ فراہم کر سکتے تھے۔ ان گرم چٹانوں پر کوئی بھی انسان اس ہولناک گرمی کا کب تک مقابلہ کر سکتا تھا؟

میں نے فوری سفر کا ارادہ ترک کر دیا۔ ان ٹیلوں کے سائے سے نکلنے کے چند منٹ بعد ہی میری حالت اس قدر خراب ہو جاتی کہ میرے لئے آگے بڑھنا ناممکن ہو جاتا۔ دھوپ کی تپش اور گرمی کا زور ٹوٹنے کے بعد ہی سفر شروع کرنا مناسب تھا۔

میں ایک سایہ دار جگہ پر لیٹ گیا جہاں ہوا کے براہ راست جھونکے بھی نہیں آ رہے تھے مگر اس کے باوجود وہاں تپش بہت شدید تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں کسی تنور کے پاس بیٹھا ہوا ہوں۔

میں نے سونے کی کوشش کی مگر اس قدر خوفناک صورتحال میں سو جانا ممکن نہ تھا۔ لحظہ بہ لحظہ بڑھتی ہوئی گرمی کے ساتھ ساتھ پیاس کی شدت بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ ... بدن کے اندر جلن کی شدت بالکل ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔

... اپنے جسم کو سمیٹ کر حرکت دینا چاہ رہا تھا تاکہ گرمی کے اثرات سے بچا جا سکے مگر میرے لئے زیادہ دیر تک ... مشکل ہو گیا۔ پسینے میں بھیگا ہوا لباس جسم سے چپکا جا رہا تھا۔ تنگ آ کر میں نے وہ جگہ چھوڑ دی اور سمندر کی طرف چل پڑا۔

ساحل پر اور دیگر چیزوں کو ایک جگہ رکھ دیا اور خود کپڑوں سمیت پانی میں اتر گیا۔

اس قیامت خیز گرمی کے مقابلے میں پانی بہت فرحت بخش تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر کے پانی میں غوطہ لگایا اور دیر تک ڈوبا رہا۔ ایک لہر میرے اوپر سے گزر گئی اور میں نے سیدھے ہاتھ پیر چلا کر پانی میں تیرنے کی کوشش کی مگر تھوڑی ہی دیر میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ کام اتنا آسان نہیں۔ پیاس کی شدت میں انسان کی توانائی خاصی تیزی سے زائل ہوتی چلی جاتی ہے۔ میں کنارے پر آ کر لہروں میں لیٹ گیا اور لہریں میرے جسم سے ٹکرا کر واپس لوٹنے لگیں۔

اچانک میری نظر ٹیلوں کے ایک دور افتادہ حصے پر پڑی اور میں چونک پڑا۔ کوئی انسانی سایہ کھاڑیوں سے نکل کر لڑکھڑاتا ہوا ساحل کی طرف آ رہا تھا۔ چند ہی لمحوں میں میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ پاریتی تھی۔

"پاریتی!" میں نے اٹھ کر اسے پکارا۔

اس کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ اس نے وحشت سے چاروں طرف دیکھا اور مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ دیوانوں کی طرح چیختی ہوئی میری طرف دوڑ پڑی۔ قریب آ کر وہ اچانک ہی میرے بدن سے لپٹ گئی۔ میں نے اسے اپنی بانہوں میں لے کر اس کو سہارا دیا مگر وہ مجھے دیکھتی ہی بے ہوش ہو گئی۔ اس کی آنکھوں کے حلقے اور ہونٹ سوجے ہوئے تھے اور وہ نیم بیہوش ہو چکی تھی۔

میں نے اسے احتیاط سے پانی میں لٹا دیا اور خود وہیں بیٹھ کر اس کا جائزہ لینے لگا۔

جب دو چار لہریں اس کے بدن پر سے گزر گئیں تو اچانک اسے ہوش آ گیا۔ پھر اس نے تیزی کے ساتھ مجھ سے الگ ہو کر ... اپنے ہاتھ کے انداز میں تھوڑا سا سمندری پانی پی لیا۔

"یہ پانی مت پیو!" میں چیختا ہوا اس کی طرف لپکا۔ مگر اس پر میری بات کا کوئی اثر نہیں ہوا اور جب میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے اوپر اٹھایا تو وہ نڈھال ہو کر میرے شانے سے لگ گئی۔

"سکین! سمندر کا پانی کس قدر کڑوا ہے۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

"یہ تمہاری آنتوں کو برباد کر دے گا۔"

"پیاسا مرنے سے تو بہتر ہی ہوگا!"

"رات سے کہاں تھیں تم؟"

"جہاز کے پیچھے ایک ویران جگہ میں چھپ گئی تھی۔ تمہیں ڈھونڈنے کی ہمت نہیں پڑی۔ سب پیاس سے بے حال ہو کر گھبراہٹ میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے؟"

میں دل ہی دل میں افسوس کر رہا تھا۔ میرے نادر سے وہ بھی جہاز کے وہم میں مبتلا ہو گئی تھی۔ "باقی لوگ کہاں گئے؟" میں نے پوچھا۔

"سب کا یہی حال تھا۔ وہ ادھر بھاگ گئے۔" وہ نیم خوابیدہ لہجے میں بولی۔ "شاید اس جگہ پر پیاس کی شدت سے مرنے والی تھی۔ خالی پیٹ میں سمندر کا پانی پی کر اس نے اپنے اوپر بہت بڑا ظلم کر لیا تھا۔"

اس نے پیالے کی مانند ہاتھ کر کے پانی سے بھرا اور ایک مرتبہ پھر بے ہوش ہوتی لڑکی کے ہونٹوں سے لگایا۔ شکار کھیلنے والی گرم ہوا سے محفوظ اس کھنڈر میں لے آیا جو میں نے بڑی دشواری سے تلاش کی تھی۔

اسے سلا کر میں باہر ایک پتھر کے سہارے بیٹھ گیا۔ میرا ذہن اس وقت گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں ہندوستان سے فرار ہونے میں تو کامیاب ہو گیا تھا مگر مقدر کی گردش ابھی باقی تھی۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ میں کس علاقے میں موجود ہوں اور سامنے پھیلا ہوا صحرا کتنا وسیع ہے اور پہلی آبادی یہاں سے کس فاصلے پر ہو سکتی ہے۔

میں نہ جانے کیا کیا سوچتا رہا۔ پھر پاربتی کی کمزور آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

میں نے اس کی طرف دیکھا اور میرا دل لرز کر رہ گیا۔ وہ نقاہت کے عالم میں بستر زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کا حسین چہرہ زرد پڑا ہوا تھا یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے گلاب کی پتیاں سوکھ چلی ہوں۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے اور وہ آنکھیں میری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ اس کے پتلے پتلے تر جھلسے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ابھر رہی تھی۔

"تمہیں معلوم ہے کہ ہم کہاں چلے آئے ہیں؟" میں نے اس سے دریافت کیا۔

"گرمی کی شدت کے علاوہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ یہ کون سی جگہ ہے، یہاں تو آسمان سے آگ برستی معلوم ہو رہی ہے!"

"ہم ایک صحرا کے کنارے ہیں۔ وہ کہیں یہاں چھوڑ کر بھاگ گیا ہے مسلمان کا ایک آدمی اور دیا۔ پتہ نہیں اس قیامت کی گرمی میں باقی لوگوں کا کیا حال ہوا ہوگا؟"

"تو وہ گرمی تم نے چلائی تھی؟" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

میں نے نفی میں سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"اتنی دور کیوں بیٹھے ہو... میرے قریب آ جاؤ!" اس کے لہجے میں التجا سی ہوئی تھی۔

"وہ دور رہنا ہی بہتر ہے۔ نہ جانے کب تک ہمیں صحرا کا پیاسا رہنا ہوگا۔ زندگی کم ہو گئی تو ہم تھک جائیں گے، وہاں کوئی سفر کرنا ناممکن ہے!"

"مجھے لگتا ہے کہ سر آخری سفر آ گیا ہے؟" وہ ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بجھتی ہوئی آواز میں بولی۔ "میرے قریب آ جاؤ۔ شاید اسی طرح میری زندگی کچھ طویل ہو جائے۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے میری آخری سانس جاری ہو!"

"یہ صرف پانی کا اثر ہے!" میں نے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "میں نے اسی لیے تمہیں وہ پانی پینے سے منع کیا تھا مگر تم نہ مانیں!"

"مجھے لگتا ہے!" وہ ایک بار پھر کپکپاتی آواز میں بولی۔ "شاید میرا خیال غلط تھا کہ ہم بچ جائیں گے، ابھی تک نہ جانے پیاس ختم نہ ہوئی!"

"زیادہ باتیں نہ کرو، بولنے سے پیاس کی شدت اور بڑھ جائے گی!"

"تو ٹھیک ہے، پھر چپ ہو جاتی ہوں!" وہ مسکرا دی۔ ٹہنی کی طرح بولی۔

"اچھا ساگر!" میں نے دوبارہ آنکھ لگائی۔ سیلاب کا ذکر دیا۔

وہ پاگلوں کی طرح جنس دی۔ "ساگر! ہو کر بھی پیاسے ہو؟ اگر علم ہو تو میرے من کی آگ تو بجھا دو... یا یہی نہیں کر سکتے؟"

"اپنے ذہن پر قابو رکھو پاربتی! ہم بہت جلد کسی منزل تک پہنچ رہے ہیں!"

"مجھے پتہ ہے کہ تم مجھ سے ناراض ہو۔" وہ اسی لہجے میں بولی۔ "تمہیں چاہیے تھا کہ یہاں ساگر سے پہلے ساتھ اتنا ظلم نہ کرو!"

میں نے اپنی نگاہیں دوسری طرف پھیر لیں۔ اس نے کئی بار مجھ کو مخاطب کرنے کی کوشش کی مگر میں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ جب کافی دیر تک اس کی آواز سنائی نہ دی تو میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ایک مرتبہ پھر گہری نیند سو چکی تھی۔

وقت کی رفتار سست پڑ چکی تھی۔ میرے لیے ایک ایک لمحہ گزارنا مشکل ہو رہا تھا۔ زبان اور ہونٹ بالکل خشک ہو گئے تھے اور گزرنے والے لمحات کی ہیبت سوا تھی۔ اپنی بقا کی خوفناک جدوجہد میں مجھے وہ سارے لمحے ایسے گزارنا ضروری تھے جن کی یادیں مجھے یہ صورت حال یاد دلا رہی تھیں۔

خدا خدا کر کے سورج کی تپش اور گرم ہواؤں کی شدت میں کچھ کمی ہوئی۔ میں نے اپنی پناہ گاہ سے باہر نکل کر فضا کا جائزہ لیا۔ زمین اب بھی جل رہی تھی مگر مجموعی طور پر موسم قدرے بہتر ہو گیا تھا۔ میں نے واپس آ کر پاربتی کو جگایا۔ وہ بمشکل اٹھی اور خوفزدہ انداز میں بار بار پلکیں جھپکانے لگی۔ اس کا ستا ہوا چہرہ خوف کے مارے زرد ہو رہا تھا۔ وہ بار بار اپنی زبان سے اپنے ہونٹوں کو تر کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"کہیں سفر شروع کرنا ہے پاربتی!" میں نے نرم لہجے میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ کھوئی کھوئی نظروں سے میرے چہرے کو تکنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ میں لیا اور ہمیت اپنا سامان سنبھالا پہلے ہی سمیٹ چکا تھا لہٰذا اس کا ہاتھ تھام کر کھلے آسمان کے نیچے آ گیا۔

"پانی... ساگر وہ دیکھو سامنے کوئی جھیل ہے!" وہ اچانک بولی اور خوشی سے دیوانہ وار چیخ اٹھی۔ اس کی نگاہیں تپتے ہوئے صحرا کی وسعتوں میں کہیں مرکوز تھیں۔

گرم ہواؤں کے انعکاس کے باعث چمکیلی ریت کافی دور سے لہراتی ہوئی پانی کی طرح نظر آ رہی تھی۔ میں نے مایوسی کے ساتھ کہا۔ "یہ جھیل نہیں، وہ سراب ہے پاربتی!"

"نہیں، تم غور سے دیکھو۔" وہ پرجوش لہجے میں بولی۔ "بھلا سراب بھی ایسا ہو سکتا ہے؟ ہم تھوڑی دیر میں وہاں تک پہنچ جائیں گے۔"

میں نے اس کی تردید کرنی مناسب نہ سمجھی۔ یہ امید اس میں نئی توانائی پیدا کر سکتی تھی۔ ہم اسی طرف چلنے لگے۔

سمت کا تعین ایک ہی انداز میں آسانی تھا۔ سورج اور اپنے علاقے کا اندازہ

سے میں نے اپنا سفر شروع کیا اور ہم آگے بڑھتے گئے۔

"وہ جھیل کتنی دور ہے ساگر! تم تھک تو نہیں گئے؟" پاربتی نے نڈھال سی آواز کے سکوت کے بعد پر امید لہجے میں سوال کیا۔

"زندگی کی دعا مانگو پاربتی! اپنے بارے میں سوچنا چھوڑ دو۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "اگر کوئی آبادی کا نشان مل گیا تو ہم اس صحرا سے زندہ نکل سکیں گے!"

"کیوں، کیا ہم راستہ بھول گئے ہیں؟" وہ فوراً لہجے میں بولی۔ "اس جھیل کے آس پاس کوئی نہ کوئی بستی ضرور ہوگی، وہ لوگ ہماری مدد کر سکیں گے!"

اس وقت تک ہم کافی آگے نکل آئے تھے۔ میں چلتے چلتے رک گیا اور مڑ کر پیچھے دیکھا۔

"کیا بات ہے؟" وہ سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔

"ہم اس جھیل کے قریب نہیں پہنچ سکے!" میں نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھو اب وہاں بھی پانی ٹھاٹھیں مارتا نظر آ رہا ہے!"

وہ پلٹی اور پھر حیران رہ گئی۔ مگر اس کے ذہن پر ابھی تک خوش فہمی سوار تھی۔ جلدی سے بولی۔ "پانی تو یہ ہے مگر وہ شاید سمندر ہوگا!"

"سمندر! میری بات غور سے سنو! سمندر تو جانوروں اور انسانوں کی اسٹیمر... دیکھو وہ کیا ہے؟"

میں نے سر اٹھا کر اس سمت میں دیکھا۔ اس کے منہ سے تحیر آمیز چیخ نکلی۔ پھر میں نے بائیں جانب بھی دیکھا تو دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گئی۔ "ادھر... یہ تو ہر طرف پانی ہی پانی پھیلا ہوا ہے!"

"وہ سراب ہے، جس کو تم سمجھ رہی ہو!" میں نے بہت سے نرمی سے کہا۔ "ہر طرف سراب کا سراب ہے۔ یہ پانی نہیں، یہ چمکتی ریت ہے جو ہوا کی لہروں کے ساتھ تھرتھراتی ہے۔ اس کا خیال چھوڑ دو، ہم بہت جلد اس سے نکل جائیں گے۔"

میرے چہرے پر نااُمیدی پھیل گئی اور وہ دل شکستہ انداز میں میرے ساتھ چلنے لگی۔ ہم دونوں کے لیے قدم اٹھانا اب بہت مشکل ہو رہا تھا۔ سفر دشوار ہو رہا تھا۔ بھوک اور پیاس کی کوشش کر رہے تھے مگر تپتی ریت پر ہمیں قدم گھسیٹنے پڑ رہے تھے۔ صورت حال یہ تھی کہ بدن جھلس رہا تھا۔ جوتیوں میں ریت بھر گئی تھی جس سے میرا براحال تھا مگر مجھے جوتے اتار کر شانوں سے لٹکانے پڑے کیونکہ جوتوں کے اندر ریت کی ایک جلن بھری ہوئی تھی۔ وہ اس زبان کے ساتھ سفر نہایت دشوار ہو گیا تھا۔

خدا خدا کر کے آگ برساتا سورج مغرب کی جانب غروب ہونے لگا۔ آسمان پر سرخ و سنہری رنگوں کے حسین امتزاج پھیل گئے۔ آنکھوں کی تکان ختم ہو گئی اور پھر سرد ہوا کا جھونکا چلا آیا۔

"سورج غروب ہو چکا ہے۔ اب سمتوں کا خیال رکھنا ہوگا، ورنہ ہم راستے سے بھٹک جائیں گے!" میں نے کہا۔ "ہمیں ہر قیمت پر بالکل سیدھا چلنا ہے ورنہ ہم اسی صحرا میں بھٹکتے رہیں گے!"

"بہت چلا نہیں جاتا ساگر!" وہ کراہتے ہوئے بولی۔ "میری آنکھیں گھونگھٹ کی طرح ڈھلکی جا رہی ہیں۔"

وہ بیٹھ گئی تھی۔ میں اس کے قریب بیٹھ گیا اور اس کو سہارا دے کر

سامنے پانی کی طلب شدت سے اذیت پہنچا رہی تھی۔

"یہیں تھوڑی دیر رک جاؤ!" میں نے اس سے کہا۔ "سستانے سے پہلے نشان لگانے دو تاکہ بعد میں ہم کسی اور سمت پر نہ چل پڑیں۔"

ریت نرم تھی۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے شمالاً جنوباً ایک نالی بنا کر نشان لگایا، تاکہ میں نے ایک مثال ہر سمت پر ایک چھوٹا سا ٹیلا بنا دیا، جو سفر کے دوبارہ آغاز میں ہماری رہنمائی کر سکتا تھا۔ پھر میں ریت پر دراز ہو گیا۔ ریت اب بھی کافی گرم تھی۔

پاربتی لرزتی ہوئی میرے پہلو میں لیٹ گئی۔ اس کا بدن بخار سے تپ رہا تھا۔

"تمہیں بخار ہو گیا ہے!" میں نے چونک کر کہا۔

"تم مجھ سے پرے کیوں ہو؟ اپنی بانہوں میں لے لو، میں ٹھیک ہو جاؤں گی!" وہ میرے سینے پر سر رکھ کر التجا آمیز لہجے میں بولی۔

"میں نے تم سے نفرت کے ساتھ نہیں لیا!" میں نے آہستگی کے ساتھ اپنے بازو اس کے جسم کے گرد حمائل کر دیے۔

میرے ہاتھوں کا لمس محسوس کر کے وہ شرارت آمیز لہجے میں بولی۔ "مجھے اسی طرح بھینچ لو!"

میرے وجود میں کرب کی چیونٹیاں رینگنے لگیں۔

میں نے اسے الگ کر دیا اور خود بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگا۔ ہوا میں تازگی اور خنکی پیدا ہو چلی تھی۔ ریت بھی ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ سر پر تاروں بھرا آسمان جگمگا رہا تھا۔ صحرا کی وہ رات اپنی سحر انگیز اور دلکش تھی کہ یقین کرنا مشکل تھا کہ دن میں یہ صحرا جہنم کا منظر پیش کر رہا تھا۔ تاریکی اور سناٹے کا وہ احساس میرے لیے نیا تھا کیونکہ میرے ساتھ جو لڑکی موجود تھی وہ تکان، پیاس اور بھوک کے باوجود میرے قریب آنے کو بے تاب تھی۔

"وہاں کیوں بیٹھ گئے ساگر؟" وہ میرا دامن پکڑ کر مجھے اپنی جانب کھینچتے ہوئے بولی۔

"پاربتی! پانی سے اٹھنے والی یہ سرکشی ختم کرو، اس پر قابو پاؤ!" میں نے بے تابی سے سگریٹ کے کش لیتے ہوئے کہا۔

"تو جہاں جاؤ گے وہ خوابناک آواز میں بولی۔ "دیکھو یہ کتنی پیاری رات ہے، ٹھنڈی ہوا اور خنک ریت کا بستر، نہ جانے پھر کبھی نصیب ہو یا نہیں!"

"یہ باتیں بھول جاؤ پاربتی!"

وہ میرے قریب آ گئی۔ "ایسا نہ کہو ساگر!"

اس کی بے باکانہ جسارتوں سے گھبرا کر میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور غراتے ہوئے بولا۔ "مجھ سے دور رہو پاربتی، میں کوئی کھلونا نہیں ہوں!"

"کھلونا نہیں، تم تو میرے پیاسے ہو ساگر!" وہ میرے قدموں سے لپٹ گئی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "مجھے اس طرح نہ ٹھکراؤ، میں تمہیں پیار کرتی ہوں!"

پھر وہ بیمار اور پیاسی عورت اٹھی اور اچانک مجھ سے لپٹ گئی۔ چند لمحوں تک میں منتظر رہا کہ شاید وہ خود ہی الگ ہو جائے گی، مگر وہ جنون کے عالم میں

حد سے تجاوز کرنے لگی تو میں نے اسے پیچھے دھکیل دیا۔
وہ ہلکی سی چیخ مار کر ریت پر جا گری۔
"مجھے ذرا سی دیر ہو جاتی تو؟ جب سردار سفاک نے مجھے بلایا تھا اگر اب میرے بدن کو چھونے کی کوشش کی تو خنجر مار مار کر چہرہ لہولہان کر دوں گا۔"
"تم..... تم مجھے خنجر مارو گے؟" اس نے حیرت کے ساتھ کہا۔ میرے بے رحم رویے نے اسے حقیقی دنیا میں لوٹ آنے پر مجبور کر دیا تھا۔
"ہاں!" میں نے درشتی سے جواب دیا۔ "تمہاری قوت مزاحمت تمہاری حماقت کی بھینٹ نہیں چڑھ سکتا۔ مجھے ہر قیمت پر اس صحرا سے زندہ نکلنا ہے۔ ستاروں کی مدد سے ہم کیسے اس صحرا سے نکل سکیں گے۔" وہ اچانک غصیلے لہجے میں چیخی۔ "پھر نظر انداز کر کے تم راستہ بھی نہ پا سکو گے۔"
پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور میری جانب ہولی اور ہولی ریت جھاڑنے لگی۔
اس کی نشان کر بار بار وہ میرے مصائب میں اضافہ کرتا جا رہی تھی۔
تنہا تیزی سے لپکا اور اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر اسے زمین سے اٹھا لیا۔ وہ بری طرح چیخی اور آسیہ جیسی کمزور ہو گئی۔ ساتھ ہی وہ میرے چہرے اور سینے پر گھونسے بھی مارتی جا رہی تھی۔
میں نے اپنے ہاتھ سے اس کے بال کھینچے اور دوسرے ہاتھ سے اس کے رخسار پر ایک بھرپور طمانچہ رسید کیا۔ صحرا کے سناٹے میں طمانچے کی آواز کے ساتھ ہی پارتی کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا۔ وہ یک بیک پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔
اس کا بدن ڈھیلا پڑ گیا تھا اور اس نے اپنا چہرہ ہتھیلیوں کے درمیان چھپا لیا تھا۔ میں نے اس کے بال چھوڑ دیئے۔
"سب کچھ بیان کر دیا ہے۔ ذرا سی تیزی کر بیٹھ کر ایسا گستاخ بن کر کیا ہوں۔ میں سمجھ گیا" اور وہ بیٹھ کر روتی رہی۔
جب غاصی دیر تک اس کے رونے میں فرق نہ آیا تو مجبوراً مجھے دوبارہ بولنا پڑا۔
"یہ رونا دھونا بند کرو۔ یہاں میرے علاوہ کوئی نہیں سنے گا۔ بہتر ہے کہ لیٹ کر آرام کر لو۔ کیونکہ جیسے ہی اندھیرا ہو جائے گا اور ستارے چمکنے لگیں گے، ہم سفر پر روانہ ہو جائیں گے۔"
"میرے ساتھ تم کو ایسا سلوک کیوں کرنا پڑا؟" وہ روتا ہوا لہجے میں بولی۔ میں دل ہی دل میں اس کی جھنجلاہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولا۔ "اس لئے کہ تمہاری آنکھیں دکھ رہی تھیں اور تم صحرا کی پیاسی بھی ہو!"
وہ کچھ کہے بغیر ریت پر لیٹ گئی۔ سورج کی تپش دوبارہ تیز ہونے لگی تھی۔
مجھ پر گہری غنودگی کا شدید حملہ ہو گیا تھا۔ اگر میں سو جاتا تو ایک انتہائی قیمتی وقت ضائع ہو جاتا، اور کسی بات کے لئے ہمارے پاس وقت نہیں تھا۔ جب کبھی رات کے خنک سناٹے میں ہم کہیں آبادی یا نخلستان تک پہنچنے کی کوشش میں تھے۔ میرے اندازے کے مطابق جب ستارے ہم سے تقریباً نصف گھنٹہ گزر گیا تو میں نے اسے پکارا۔
"ہاں!" وہ فوراً ہی بولی۔
"اٹھ جاؤ۔ اب چلنا ہے!"

اس نے بے چون و چرا میرے حکم کی تعمیل کی اور ہم روشن پہلو پر چلتے ہوئے ستاروں کے سہارے شمال کی سمت میں بڑھنے لگے۔ پارتی نے خلاف معمول میرے ہاتھ کا سہارا نہیں لیا تھا۔ خاموشی کے ساتھ بوجھل قدموں سے چل رہی تھی۔
نہیں معلوم کتنی دیر گزر گئی۔ پارتی کے چلنے ہوئے سانسوں کی آواز میرے کانوں میں آ رہی تھی۔ ساتھ ہی اس کی رفتار بھی سست پڑ گئی تھی۔ پھر ایک جگہ وہ رک گئی۔ میں نے خاموشی سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں تھکن نمایاں تھی۔ میں بھی رک گیا۔ سفر کے دوبارہ آغاز کے بعد سے ہم دونوں نے ایک دوسرے سے بالکل بات نہیں کی تھی اور اس وقت بھی یہ خاموشی اپنی پوری شدت کے ساتھ برقرار تھی۔
وہ کچھ دیر کے لئے زمین پر بیٹھ گئی۔ میں شمال کی طرف منہ کر کے بیٹھا ہوا تھا۔ پارتی کے کھانسنے کی آواز سن کر اس کی طرف متوجہ ہوا تو وہ چلنے کے لئے تیار تھی۔ میری اور اس کی نظریں چار ہوئیں اور وہ مقررہ سمت میں چلنے لگی۔ زیرلب مسکرا کر اس کے پیچھے ہو لیا۔
وہ پوری رات اسی طرح خاموشی سے سفر کرتے گزر گئی۔ خشکی کے باعث پیاس کی شدت میں نمایاں کمی آ گئی تھی مگر بھوک اور تکان پوری طرح اعصاب پر غالب تھی۔ میرے مقابلے میں پارتی کی حالت ابتر تھی۔ وہ اس قدر نڈھال تھی کہ ریت میں تقریباً گھسٹ رہی تھی۔
آہستہ آہستہ آسمان پر سفیدی نمودار ہونے لگی۔ دن نکلنے والا تھا اور دور دور تک ریت کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ آنے والے دن کا تصور کر کے تصور ہی سے مجھے وحشت ہونے لگی۔ سفر کا آغاز کرتے ہوئے یہ خیال بھی نہیں آیا تھا کہ جھلستا ہوا بنجر اور بے آب و گیاہ صحرا ہمیں دوبارہ کوئی سایہ فراہم نہ کر سکے گا۔
سورج طلوع ہونے سے قبل جب سپیدۂ سحر پوری طرح پھیل گیا تو دیکھ کر میں کانپ اٹھا۔ آسمان کے شمال مشرقی حصے پر گرد و غبار پھیلا ہوا تھا۔ اسی قسم کی گرد و غبار ریت کے طوفان سے پہلے بھی نظر آئی تھی اور میں اس طوفان کی ہلاکت خیزی سے بخوبی واقف تھا۔
اس روز ہوا میں پہلے سے تیزی آ چکی تھی۔ سورج کے بلند ہونے کے ساتھ تمازت میں شدت پیدا ہو رہی تھی اور آندھی بڑھ رہی تھی۔
"بس..... پانی ساگر!" چلتے چلتے اچانک پارتی نے بے چارگی سے کہا۔ "تم چوکتے کیوں نہیں؟" طویل خاموشی کے بعد وہ پہلی بار مجھ سے مخاطب ہوئی تھی۔
میں نے بے چارگی سے قریب دیکھا۔ دور دور تک ریت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ شمال مشرقی افق پر چھایا ہوا گرد و غبار بڑھتا آ رہا تھا۔ زمین انگاروں کی طرح تپ رہی تھی اور آسمان سے آگ برس رہی تھی۔ ان حالات میں ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ پارتی نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "کچھ بھی ہو جائے مجھے بے ہوش ہو گئی۔ میں خود بھی کچھ ایسی ہی صورت حال سے دوچار تھا۔ آگ برسانے والے سورج کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے میں ریت پر ڈھیر ہو گیا۔"

رفتہ رفتہ ہوا بہت تیز ہو گئی اور پیاس کی شدت سے زبان باہر نکل آئی۔ مجھے پانی نہ ملا تو پہنچنے میں کچھ تاخیر ہو گئی تھی!
پورے تین سال بعد جب میں نے شمال مشرق میں رک کر آواز دی تو وہاں گرد و غبار تھا۔ پارتی کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ میں نے شانوں سے پکڑ کر اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ ہمیں کسی طرح یہ کوشش کرنی تھی کہ اس دھوپ میں زندہ رہیں۔ میں نے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں اس کے چہرے پر رکھ دیں اور اپنے سہارے سے اٹھا کر بٹھایا اور سر کو ریت پر ٹکنے نہ دیا تاکہ اس کا رابطہ میرے بدن سے برقرار رہے۔
مجھے ان بیٹیوں کا خیال آیا جو خوشی کے سہارے جیتے رہتے ہیں۔ اپنے پیاروں کی طرح خوار ہوئے تھے۔ وہ سب نہ جانے کہاں تھے۔ صحرا کی بے رحم دھوپ میں ان سب کو اس طرح مٹی کی تپش میں کسی کا نام و نشان تک باقی نہ رہا تھا۔
پارتی بے ہوشی کے عالم میں بھی رہ رہ کر پانی، پانی کی صدا لگا رہی تھی۔ میں نے چاہا کہ میرے لبوں پر بیاں کر کے سامنے لا سکتے تھے۔ بار بار وہ سسکنے لگتی اور بے چینی سے پہلو بدلنے لگتی۔ مجھے لگا جیسے وہ ابھی دم توڑ دے گی۔
ایک طرف پانی نایاب تھا، دوسری طرف گرمی کی شدت کے باعث میرے لباس کے بالائی حصے کی دھاریاں بھی جل رہی تھیں۔ جسم سے کوئی چیز بھی خارج ہو سکتا تھا۔ میں نے اپنے بدن سے سارے کپڑے اتار کر اسے ایک سایہ فراہم کیا۔
پہنچنے کے بعد اس نے اپنا منہ اٹھا کر مجھے بے قراری سے دیکھا اور پھر پانی مانگتے ہوئے اپنی ہی زبان چاٹنے لگی۔ وہ ایک بار پھر صحرا کی سنگلاخ حقیقت ثابت ہوئی۔ وہ صحرا کی تپش تھی اور ریت کے باریک ذرات کی گرد اڑ رہی تھی۔ اچانک اس نے جھٹکا کھایا اور میں دیوانہ وار اپنے بدن کے ہر حصے کو چاٹنے لگا۔ جب میرے حلق میں کانٹے چبھنے لگے تو میں پارتی کی طرف پلٹا۔ وہ اب بے سدھ پڑی تھی۔
میں نے جھنجھوڑ کر اسے ہوش میں لانا چاہا مگر وہ ہوش و حواس کھو چکی تھی۔ اس کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔
میں ابھی اسی کشمکش میں مصروف تھا کہ تیز ہوا کے ساتھ غبار اڑنے لگا۔ سر اٹھا کر دیکھا تو وہ خوفناک طوفان سر پر آ پہنچا تھا۔ سورج گرد کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ ...... صحرا کی وسعت میں ریت کی دیواریں اٹھنے لگیں۔ جیسے صحرا کے سینے پر ریت کے بگولوں کا رقص شروع ہو گیا تھا۔ چھوٹے چھوٹے ٹیلے ریت کے ستونوں کی طرح آسمان کی طرف اٹھ رہے تھے جن کی بلندی کا اندازہ مشکل تھا۔
طوفان چند ہی لمحوں میں اس قدر شدید ہو گیا کہ میں نے آنکھیں کھولے رکھنا بھی مشکل تھا۔ ریت کے باریک ذرات پوری قوت سے نوکیلی سوئیوں کی طرح چہرے اور جسم پر چبھنے لگے۔ ہواؤں کی سنسناہٹ میں پارتی کی کراہیں گم ہو گئیں اور وہ ریت کے ڈھیر تلے دبنے لگی۔
جو بگولے گرد اب بنے ہوئے تھے طوفانی رقص میں مصروف تھیں۔
آندھی کے تیز جھونکوں نے میرا لباس میرے ہاتھ سے چھین لیا۔ میں نے لباس سمیٹنے کی ناکام کوشش کرنے کے لئے ہی جیسے آنکھیں کھولیں، جلتی ہوئی ریت کے ذرے میری آنکھوں میں گھس گئے۔ میں بے اختیار پوری طرح چیخنے لگا۔ لباس میرے ہاتھ سے نکل گیا۔
میں آنکھیں بند کیے ٹھوکریں کھاتا زمین پر ٹٹولتا ہوا بمشکل پارتی کے قریب پہنچا اور جلتی ہوئی ریت پر سینے کے بل لیٹ کر اپنا چہرہ پارتی کے پہلو میں چھپا لیا۔ اپنے دونوں ہاتھ میں نے اس کے چہرے پر رکھ دیئے تاکہ اس کا ناک اور نظام تنفس ریتیلے ذرات سے زیادہ متاثر نہ ہو سکے۔
آندھی کی شدت لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ خوفناک آوازوں اور سیٹیوں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بے شمار عفریت پاگل ہو کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے ہوں اور ریت میں ہم کو دفن کرنے پر تلے ہوں۔ البتہ اس آندھی کے باعث گرمی میں اچانک خاصی کمی آ گئی تھی۔
"بس... پانی..." پارتی نے کسمسا کر بولنا چاہا لیکن اس کی آواز حلق ہی میں گھٹ کر رہ گئی۔ پھر اس کا جسم تیزی سے حرکت میں آیا۔
"میری آنکھیں!" وہ خوف اور اذیت کے عالم میں اچانک چیخی۔ شاید وہ ہوش میں آ گئی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر گرد و پیش کا جائزہ لینا چاہا مگر ریت نے اسے اندھا کر دیا۔
"آندھی آئی ہوئی ہے!" میں اپنا چہرہ اس کے سینے میں چھپا کر چیخا۔ "آنکھیں اور منہ بند رکھو۔ اپنا چہرہ میرے جسم میں چھپا کر مجھ سے لپٹ جاؤ۔"
وہ کسی بیل کی طرح مجھ سے لپٹ گئی۔ اس وقت شرم و حیا، تکلف اور فاصلے کا ہر احساس مٹ چکا تھا۔ چند ہی سیکنڈ کی کوششوں میں ہم دونوں نے اپنے جسموں کو ایک دوسرے کے بدن میں اس طرح چھپا لیا کہ ریت سے چہرے محفوظ ہو گئے۔
"یہ کیا ہو رہا ہے ساگر؟" وہ خوف سے لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔
"ریت اور ہوا کا ہولناک طوفان آ گیا ہے!" میں نے کہا۔ "جب تک یہ طوفان باقی ہے، اسی طرح چپ چاپ لیٹی رہو۔"
"پانی، میرا حلق سوکھ چکا ہے ساگر!" اس نے دردناک آواز میں کہا اور اپنی تپتی ہوئی لکڑی کی طرح خشک زبان میرے جسم کے ایک حصے سے مس کی۔ "اس بار میں زندہ نہ بچ سکوں گی، میرا آخری وقت آ گیا ہے!"
میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کا پیاسا دہانہ نمی کی تلاش میں بار بار میرے جسم پر رینگ رہا تھا۔ میں بھی سارے خاموش پڑا ہوا تھا۔ ریت کے باعث میرے بدن کا سارا پسینہ خشک ہو چکا تھا۔
پھر اچانک ہم دونوں بیک وقت چیخ پڑے۔ یوں محسوس ہوا جیسے مشرق و مغرب کے عفریت ہم دونوں پر ٹوٹ پڑے ہوں۔
میں نے اپنے جسم کو حرکت دینے کی کوشش کی اور فوراً ہی ایک ہولناک حقیقت کا احساس ہو گیا۔ غضبناک ہواؤں کے دوش پر ریت کی تہیں ...

بلکہ اپنے پیٹ تودے اور ٹیلے اڑتے پھر رہے تھے اور ہم دونوں ایک تودے میں دب چکے تھے۔ سانس کے ساتھ ریت نتھنوں میں گھس رہی تھی جو مستقل ہو جانے کے باعث سینے میں جلن اور گھٹن ہونے لگی تھی۔

زندہ دفن ہو جانے کا احساس اس قدر بھیانک تھا کہ میں نے اپنی تمام قوت مجتمع کر کے زور لگایا اور ریت کے انبار سے نکل آیا۔ پھر ریت نے آنکھوں میں معمولی سی بصیرت پیدا کی تو پاربتی کا حال دیکھا۔ اس کا پورا جسم ریت میں دفن تھا بس ایک ٹانگ تودے سے باہر نکلی ہوئی تھی جو کسی طرح پھڑپھڑا رہی تھی۔

میں نے ریت سے اپنی پنڈلیاں باہر نکالیں اور پاربتی کی ٹانگ پکڑ کر اسے باہر کھینچنے لگا۔ میری یہ کوشش بار آور ہوئی مگر باہر نکلنے تک وہ بے ہوش ہو چکی تھی [illegible] اور سانس رک رک کر آ رہا تھا۔

میں اپنے ہوش و حواس میں تھا اور اس سے قدرے بہتر حالت میں ہونے کے باوجود بے بس تھا اور اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

میں اپنا چہرہ گھٹنوں میں چھپا کر پاربتی کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ چیختی چنگھاڑتی دہشت زدہ ہوائیں اس روز شاید صحرا کو تہس نہس کر دینے پر تلی ہوئی تھیں۔ ہوا کے طوفانی جھکڑوں نے کئی بار مجھے اپنی جگہ سے دور اچھال دیا مگر میں بار بار پاربتی کے قریب آ گیا۔ جب تک اس کے جسم میں زندگی کی رمق بھی باقی تھی میں اسے ریت میں زندہ درگور ہونے کے لئے بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ بار بار [illegible] ریت میرے بدن پر ایسے آ گرتی تھی جیسے کچھ [illegible] ہتھیلیوں میں بھر بھر کر مجھ پر ریت پھینک رہے ہوں [illegible] پاربتی کے بدن کو [illegible] ریت کی [illegible] محسوس ہوتی [illegible] کے جسم کو ایک [illegible] دلا کر اس بوجھ سے نجات دلا دیتا۔

پھر اچانک سیٹیوں کا [illegible] میں ایک [illegible] کی بلبلاتی ہوئی آواز آئی۔ طوفانی ہواؤں اور ہولناک [illegible] کے باوجود میں نے آنکھیں [illegible] آنکھ کھلتے ہی میرا دل خوشی سے اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ایک اونٹنی اپنے بچے سمیت طوفان سے گھبرا کر بلبلاتی ہوئی صحرا میں [illegible] دوڑتی پھر رہی تھی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر دیوانہ وار اونٹنی کے پیچھے لپکا۔ میرے قدم ریت میں دھنس رہے تھے۔ ہوا مجھے پیچھے [illegible] ریت کے ہولناک [illegible] مجھے اندھا کئے دے رہے تھے مگر دہشت زدہ اونٹنی ان مصائب کے باوجود بلبلاتی ہوئی سبک رفتاری سے دوڑی جا رہی تھی۔

پھر اچانک ایک غضبناک جھونکے نے اونٹنی کے بچے کو فضا میں کئی گز پیچھے اچھال دیا۔ وہ بری طرح چیخا اور بلبلاتا ہوا [illegible] دور کر [illegible] جا پڑا۔

وہ اونٹنی طوفان سے گھبرائی ہوئی ضرور تھی مگر اس ہولناک آفت میں بھی اس کا ممتا کا جذبہ پوری طرح بیدار تھا۔ بچے کی [illegible] چیخیں سن کر وہ پوری قوت سے بلبلائی اور [illegible] بچہ بھی اس کے ساتھ تھا۔

اونٹنی نے گردن گھما کر اپنے بچے کے [illegible] دیکھا پھر

دردناک آوازیں نکالتے ہوئے اس کے گرد بے تابانہ دوڑنے لگی [illegible] ایک بیک جھکے بہت زور سے ریت پہ بیٹھ گئی۔ اسی وقت [illegible] دیا۔ جس میں اونٹنی اور اس کے [illegible] بچے [illegible] نظروں سے [illegible] ثانیوں بعد وہ [illegible] اونٹنی اپنی [illegible] بیٹھی تھی۔ اس کے بچے نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔ [illegible] ہو چکا تھا۔

"ساگر ... ساگر!" اچانک ہوا کے [illegible] ابھرنے لگیں۔ [illegible] کے عالم میں [illegible] یکسر فراموش کر چکا تھا۔ [illegible] میں آ چکی تھی اور مجھے اپنے قریب نہ پا کر دہشت زدہ ہو گئی تھی۔

ریت کے ہولناک طوفان کی زد میں آئے ہوئے اس لق و دق صحرا میں تنہائی کا احساس کسی بھی انسان کے لئے موت سے زیادہ بھیانک تھا۔ دہشت پاربتی کی آواز میں نمایاں تھی۔

"میری آواز کے سہارے چلی آؤ۔" میں پلٹ کر [illegible] میری نگاہیں اس جگہ مرکوز تھیں جہاں میں نے اسے چھوڑا تھا مگر [illegible] تھا۔ ریت کی دبیز چادر میرے اور پاربتی کے درمیان حائل تھی۔

"تم کدھر ہو ... کہاں ہو تم؟" اس کی دہشت زدہ آواز [illegible] ریت کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔ جھکڑوں کے [illegible] قریب آ [illegible]

اس کی التجا سن کر [illegible] کانپ اٹھا۔ میں نے ایک بار اونٹنی کی طرف دیکھا۔ وہ بدستور اپنا منہ ریت میں چھپائے بیٹھی تھی۔

"میں آ رہا ہوں پاربتی!" میں نے چیخ کر کہا اور تیزی سے [illegible] پاربتی تک پہنچنے میں مجھے شدید دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک [illegible] ریت کے زبردست ریلے میں [illegible] مگر میں نے [illegible] لیا۔ وہ صحرا کے سینے پر کسی [illegible] آنکھیں میچے بے بس [illegible] کھڑی ہوئی تھی۔

"آؤ میرے ساتھ آؤ!" میں نے اس کا ہاتھ تھام کر [illegible] کھینچتے ہوئے کہا۔

"ساگر! یہ" وہ بلک کر میرے سینے سے آ لگی۔ "مجھے [illegible] ساگر [illegible] مرنا نہیں چاہتی۔"

"ہمت رکھو اور میرے ساتھ آؤ۔" میں نے واپس پلٹتے ہوئے [illegible]

"قریب ہی ایک اونٹنی موجود ہے، ہمیں [illegible]"

اس نے مجھ سے کئی سوال کئے مگر میں نے کوئی جواب [illegible] اپنے ساتھ گھسیٹتا ہوا تیزی سے آگے چل پڑا۔

جب آسمان سے آگ برس رہی تھی تو [illegible] بدترین عذاب معلوم ہو رہی تھی پھر پیاس کی شدت نے [illegible] حاضر ہو گیا [illegible] ثابت کر دیا۔ بھوک، پیاس [illegible] ہو چکا تھا اور اب [illegible]

طوفان سے نجات حاصل کی جائے۔

[illegible] جدوجہد کے بعد میں [illegible] اونٹنی تک پہنچنے میں کامیاب [illegible] بچے کے پہلو میں گردن ریت میں چھپائے بیٹھی تھی [illegible] کے باعث ریت میں منہ چھپائے رکھنے میں کامیاب [illegible] تھا۔ وہ بار بار گردن [illegible] ریت میں چھپا [illegible] کر باہر [illegible] کے ساتھ اپنا [illegible] گھومنے لگتا۔

[illegible] اونٹنی کی پشت پر سوار ہو کر اس کی گردن سے لپٹ جاؤ۔" [illegible] سے کہا۔ اس نے [illegible] آنکھوں سے میری [illegible] آگے بڑھ گئی۔

[illegible] اونٹنی [illegible] درمیان سوار ہونے کے [illegible] بری طرح روندا جاتا۔

[illegible] گردن سے لپٹی ہوئی تھی۔ اس کے [illegible] ایسا محسوس ہوا جیسے وہ [illegible] گئی ہو۔

[illegible] بڑے بڑے بال تھے [illegible] کیونکہ اس کے [illegible] سنبھالا ہوا تھا۔

[illegible] اونٹنی [illegible] لیتے ہوئے [illegible] ہم دونوں کو [illegible] اچھال دے۔ اونٹنی کی [illegible] طرح چیخ رہی تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ اونٹنی کا [illegible] وہ آسانی سے ہم دونوں کی [illegible] اس مشکل سے نجات دلا سکتا تھا۔

جب اونٹنی اپنی [illegible] کوشش میں ناکام ہو گئی تو [illegible] ایک طرف [illegible]

[illegible] نرم اور گہری ریت کے باوجود وہ اونٹنی تیز رفتار [illegible] کے باعث وہ بار بار [illegible] اور پھر [illegible] میں دھکیلے گئے۔ آگر اس تیز رفتار [illegible] اس کی [illegible] بن جاتا۔ میں آنکھیں بند کئے [illegible] بیٹھا رہا۔

[illegible] وہ طوفان زدہ اونٹنی میرے اور پاربتی کے لئے [illegible] کی [illegible] بھی ظاہر تھا [illegible] کوئی نخلستان یا [illegible] ضرور موجود ہے۔ مجھے یقین تھا کہ [illegible] اونٹنی کے حواس بحال ہوں گے تو وہ سیدھی [illegible] اس لئے یقین نہیں تھا [illegible] کی [illegible] باقی

کرنے والے ہر [illegible] کو تکمیل نہیں دیتے۔ وہ اونٹنی ایسے ہی کسی نخلستان سے بھٹک کر آ بھی گئی تھی۔ بہرحال میرے لئے دونوں صورتوں میں بہتری اور امید افزا صورت حال [illegible] رہی تھی۔

سینکڑوں میل کی رفتار سے [illegible] والے اس طوفان کی شدت میں کمی کے [illegible] آثار نظر نہیں تھے۔ اونٹنی بار بار جھٹکے دے رہی تھی [illegible] تیز رفتاری سے بھاگی جا رہی تھی۔ ہوا کے تیز و تند جھونکے بار بار اس کے قدم اکھاڑنے کے درپے تھے مگر پھر بھی وہ گرتے گرتے سنبھل جاتی تھی۔

دوڑتے دوڑتے وہ ایک جگہ ریت کے زبردست بھنور میں پھنس گئی۔ میرے لئے اس کی پشت پر جمے رہنا دشوار ہونے لگا۔ پھر جھٹکا دے کر وہ اچانک رک گئی اور اس سے قبل میں کوئی اندازہ قائم کرتا وہ تیزی کے ساتھ بیٹھتی چلی گئی۔

جھکڑوں کے سبب پاربتی زور زور سے چیخنے لگی۔ چیخ سن کر آنکھوں میں قدرے بصیرت پیدا ہوئی تو پاربتی [illegible] حالت میں اونٹنی کی گردن سے چمٹی ہوئی تھی اور اونٹنی ریت پہ [illegible] رہی تھی۔ اس کا بچہ اس کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔ میں نے جلدی سے پاربتی کو اپنی طرف کھینچ لیا اور وہ میرے ساتھ دونوں کوہانوں کے درمیان بیٹھ گئی۔ اونٹنی کی گردن پر جھولنے کے مقابلے میں یہ جگہ بہت بہتر تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہوا کا زور ٹوٹنے لگا۔ چنگھاڑتے ہوئے غضبناک جھکڑوں کی جگہ سرسراتی ہوئی ہوا رہ گئی جیسے عذاب میں مبتلا آوارہ روحیں اس ریگزار میں روتی پھر رہی ہوں۔ فضا میں ریت کی مقدار بھی کم ہو گئی پھر تیزی سے وہاں ریت کا بادل چھا گیا جو صحرا کے سینے سے آسمان کی بلندی تک پھیلا ہوا تھا۔ سورج بدستور بادل میں چھپا تھا۔ اس کی چمک اور کرنوں کی تمازت کو اس غبار نے ماند کر رکھا تھا۔

صحرا میں آگ کا تجربہ سب کچھ پلٹ چکے تھے۔ مگر [illegible] فضا اس قابل ہو گئی تھی کہ آنکھیں کھلی رکھ سکوں۔

"طوفان گزر گیا ساگر؟" پاربتی نے بے یقینی کے عالم میں ڈوبی ہوئی آواز میں مجھ سے سوال کیا۔ اس کا بدن دہشت سے ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

"ہاں ہم نے کئی گھنٹے اس مصیبت میں گزارے ہیں۔ اب دیکھو یہ اونٹنی ہمیں کہاں لے جاتی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تمہارے کپڑے کیا ہوئے؟" اس نے میرے برہنہ جسم کے بارے میں پہلی مرتبہ سوال کیا۔

"طوفان میں اڑ گئے۔"

وہ میرے سینے سے پشت ٹکا کر بیٹھ گئی اور طویل سانس لے کر بولی "کیسا بھیانک طوفان تھا۔ ہم نے کبھی [illegible] آج تم نے اسے بھی مات کر دیا۔"

"سنبھل کر بیٹھو میں اونٹنی کو اٹھاتا ہوں۔" میں نے اسے ہوشیار کیا اور وہ گھٹنے کر ان سے لپٹ کر بیٹھ گئی۔

پھر میں نے اونٹنی کی پشت پر زور سے کئی ہاتھ مارے اور وہ تیزی

کے ساتھ اٹھی تھی۔ اس بار اس کی چال متوازن ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ اپنی خاص سبک رفتاری کے ساتھ صحرا کے سینے پر دوڑنا شروع کر چکی تھی۔ میرے علاوہ پارتی کے بوجھ کو وہ اپنا فرض سمجھ کر اٹھا رہی تھی کیونکہ اس نے ہمیں اپنی [illegible] تنگ کر دی تھیں۔

طوفان کی ہیبت ختم ہونے کے بعد بھوک اور پیاس نے ایک بار پھر تنگ کرنا شروع کر دیا۔ ریت کے غبار میں سرخی مائل دھوپ [illegible] سنگ ریزوں سے ایک طرف دشت ہی تھی۔ اس کے سکون سے ظاہر تھا کہ وہ بے مقصد نہیں [illegible] وہ منزل سے واقف ہے اور یہ بات میرے لیے امید افزا تھی کہ جلد یا بدیر ہم کسی آبادی یا سرسبز مقام پر پہنچنے والے تھے۔

اونٹنی کی پشت پر [illegible] آہٹ سوا کر دی [illegible] مگر میں جانتا تھا [illegible] بے اختیار کی آنکھیں [illegible] بیٹھیں گا۔

"ساگر! مجھے پیاس ستا رہی ہے!" پارتی نے پہلو بدلتے ہوئے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"پیاس!" میں نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اپنے چاروں طرف پھیلے ہوئے ریت کے سمندر کا جائزہ لیا۔ "یہ ہولناک پیاس ہمیں لے ڈوبے گی، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کیا کریں!"

"سورج ڈوبنے والا ہے، تیسری رات بھی شروع ہو جائے گی۔"

"میں جانتا ہوں، اس اونٹ کا خزانہ ابھی نہیں [illegible] ورنہ اس کا لہو ہماری پیاس بجھا سکتا تھا۔" میں نے حسرت زدہ لہجے میں کہا۔

"ایسی وحشت ناک باتیں مت کرو ساگر۔" پارتی سہم کر بولی۔ "مجھے ویسے ہی تم سے خوف معلوم ہوتا ہے۔"

"میں مجبور ہوں! اس اونٹنی کے کوہان میں اتنا پانی موجود ہوگا جو ہمارے لیے کافی ہو۔ پیاس بجھانے کے لیے اس کا کاٹا جانا ضروری ہے!"

"بس چپ ہو جاؤ [illegible]" وہ دہشت سے لرز [illegible] "تمہاری جیسی [illegible] زندگی [illegible] ہے!"

اس کے بعد میں خاموش ہو گیا۔

اور اسی خاموشی کے دوران مجھے وہ پانی یاد آ گئی۔ بے اختیار میرا دل تڑپ اٹھا، آنکھوں میں نمی ابھر آئی اور سینے پر [illegible] بوجھ محسوس ہونے لگا۔

وہ مجھ سے ایسی بچھڑی تھی کہ اپنا سراغ بھی نہ چھوڑا تھا۔ [illegible] کے اجنبی گلی کوچوں سے گزر کر وہ نہ جانے کہاں نکل گئی تھی۔

مینا میری محبت، میری چاہت تھی۔ [illegible] کا شیش محل تھی۔ [illegible] کے پہاڑوں میں [illegible] میں نے سب کچھ پایا تھا۔ اس کی ذات میں محبت، [illegible] قربانی، [illegible] حسن اور [illegible] جو نازو نعم میں پلنے والیوں میں بھی مفقود ہوتا ہے۔ وہ [illegible] ماں کی [illegible] تھی مگر اس کو اپنے وجود [illegible] پر بے پناہ قابو حاصل تھا۔ اس کے کردار نے میری ذات کو بے مول خرید لیا تھا اور مجھے اپنا اسیر بنا کر وہ [illegible] کہاں نکل گئی تھی۔

"تم رو رہے ہو ساگر؟" اچانک پارتی نے چونک کر حیرت [illegible] آنسوؤں کی بوندوں کو [illegible] ٹپکتے دیکھ لیا تھا۔

"میں رونا نہیں جانتا پارتی!" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "کسی کی یاد میں بے اختیار آنسو امڈ آئیں تو اسے رونا نہیں کہتے۔"

"کسی کی یاد میں؟" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "تو تم بھی [illegible] وہ کون خوش نصیب ہے جو تمہارے دل کی مالک ہے!"

"وہ چاند کا ٹکڑا [illegible] کا سا دل رکھتی ہے!"

"تفصیل سے بتاؤ۔" وہ تجسس آمیز لہجے میں بولی۔ [illegible] پیاس کے احساس میں بھول گئی تھی۔ "تمہاری زبان سے [illegible] میں تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تمہارے سینے میں پتھر کا دل [illegible] کے لیے موم ہو چکا ہے!"

"کبھی میرا فرض [illegible] ہو گیا تھا پارتی!" میں [illegible] لہجے میں بولا۔ [illegible] کی آرزو ابھری تھی مگر [illegible] مجھے اصل زندگی کا عرفان بخشا [illegible] میرے سر پر [illegible] قریب ہوا [illegible] میرے دل میں [illegible] انہیں شادی کے [illegible] اپنا دل [illegible]

"مگر میرے لیے تو تمہاری باتیں بھی نہیں پہیلیاں!" [illegible] لہجے میں سرگوشی کی۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ [illegible] تھا اور جب انسان کی [illegible] پر نادم ہوتا ہے۔

"بولو ساگر۔ جواب دو!" مجھے خاموش پا کر اس نے اصرار کیا۔

"تم نے مجھے دیوتا سمجھا ہے پارتی تو دیوتا ہی سمجھو!"

"دیوتا بھی اپنے سیوکوں کے [illegible] پیش کر دیتا، تم تو مجھے [illegible] جیسے میں [illegible] کوئی بھاری بول!"

"مجھے [illegible] پارتی اس [illegible] بھوک، پیاس اور مصیبت [illegible] اس [illegible] میں پانی کی چند بوندیں بھی مل جاتیں تو [illegible] مجھے دنیا کی سب سے بڑی نعمت مل گئی۔"

"اس صحرا میں پانی ایک سپنا ہے اور تم زندہ حقیقت ہو۔" [illegible] میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ "تم [illegible] محسوس [illegible] جانتی ہوں۔"

اس نے ایسی بات کہی کہ [illegible] مجھے اپنی [illegible] تھی۔ میں نے سر [illegible] پارتی [illegible] خاموش [illegible] سوچا

خاموش ہو گئی۔ صحرا پر [illegible] سکوت اور ویرانی کا راج تھا۔ تیز [illegible] سورج ڈھل چکا تھا مگر فضا میں [illegible] غبار [illegible] کی طرح [illegible] آواز قدموں سے [illegible] کی گونج [illegible] پہلے تو میں اسے بھی سراب سمجھا پھر [illegible] معلوم ہوا [illegible] ٹیلوں تک [illegible] کے بعد [illegible] اونٹنی کی پشت پر [illegible] ہو کر [illegible]

[illegible] نخلستان کے دھندلے آثار نظر آ رہے تھے۔

[illegible] وہ زندگی بخش منظر دیکھا اور بے اختیار [illegible] طرح نخلستان [illegible] کی [illegible] کرنے لگی۔

[illegible] بہت دور تھے۔ تھوڑی دیر میں سورج غروب ہو گیا [illegible] تاریکی چھا گئی [illegible] کے ساتھ ہوا میں فرحت بخش [illegible]

[illegible] اونٹنی کا کم [illegible] طویل سفر سے گھبرا کر اس نے [illegible] کی [illegible] آ گئی۔ [illegible] ایک [illegible] کے جھنڈوں سے

[illegible] نخلستان بھی قریب تھا، [illegible] پیاس کی [illegible] اونٹنی [illegible] پیچھے [illegible] بے اختیار اونٹنی کی پشت سے کود پڑا۔ [illegible] آنکھیں پکڑ کر [illegible] اونٹنی کے پیچھے [illegible] کی [illegible] میرے [illegible]

[illegible] پارتی نے بھی [illegible] اونٹنی [illegible] صحرا میں [illegible] رو کر [illegible]

"[illegible] ساگر؟" [illegible] وہ میری طرف [illegible]

[illegible] پوچھ رہی ہوں [illegible] وہ اونٹنی تھی!"

[illegible] وہ میری بات [illegible] حیرت سے بولی۔

[illegible] تم [illegible] پیاس [illegible]

[illegible] میرے [illegible] لہجے میں بولا۔

[illegible] آواز نکلی "واقعی ہماری [illegible] مجھے تو [illegible] نہیں تھا کہ وہ اونٹنی ہے!"

[illegible] اس [illegible] ہی دیکھیں!" میں [illegible]

[illegible] نخلستان [illegible] اور [illegible]

جا رہا تھا۔

تاریکی میں کچھ دور اونٹنی کا ہیولا نظر آ رہا تھا۔ وہ سکون سے اپنے چارے کو دور بھا رہی تھی۔ اس بار میں بے قدموں اس کی طرف بڑھا میرا ارادہ تھا کہ میں اس کی دونوں پچھلی ٹانگیں پکڑ لوں گا اور پہلے پارتی ڈر ڈر کے اپنے گی پھر وہ اونٹنی کی ٹانگیں [illegible] کر دوں اپنا حلق تر کر لوں گا۔

مگر وہ وحشی اونٹنی میرے اندازے سے زیادہ ہوشیار اور چالاک تھی۔ اس کی پچھلی ٹانگیں میری امید کے برخلاف پوری طرح میری گرفت میں آ گئیں مگر وہ اس بار بری طرح بپھر گئی اور پل بھر میں اس نے مجھے کسی گیند کی طرح اچھال دیا اور تیر کی طرح اندھیرے میں سیدھی بھاگتی چلی گئی۔

میں پارتی کے سہارے کراہتا ہوا زمین سے اٹھا تو اونٹنی اپنے بچے سمیت اندھیرے میں کہیں غائب ہو چکی تھی۔ صحرا کے سینے پر کالی رات [illegible] روشنیاں دھندلاتے ہوئے نقطوں کی طرح ٹمٹما رہی تھیں۔ غنیمت یہ تھا کہ تاریکی میں ان روشنیوں کے سہارے ہم نخلستان کی سمت کا تعین کر سکتے تھے ورنہ پوری رات تاریکی کے سمندر میں گزارنی پڑ جاتی۔

نخلستان کے راستے کا تعین کرتے ہوئے مجھے اپنی حماقت کا بھی احساس ہونے لگا۔ اتنی قریب اونٹنی سے ہاتھ دھونے سے پہلے [illegible] مسلسل [illegible] اس کا خیال آیا تو اپنے [illegible] اونٹنی بھی ہاتھ سے نکل گئی اور پیاس بھی نہ بجھ سکی۔ میں کھڑے ہوئے [illegible] پر [illegible] پارتی کے سہارے روشنیوں کی طرف ہو لیا۔

"کیا تمہارا زیادہ زخمی ہوا ہے؟" پارتی نے ہمدردانہ لیکن سکھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"زیادہ ہو جاتا کم۔ تم اس کا کیا کرو گی؟" میں نے چڑ کر پوچھا۔

"ساگر تم مجھ سے اس قدر بے زار کیوں ہو؟" اس نے روہانسی آواز میں پوچھا۔ "مجھ سے ایسی کون سی خطا سرزد ہو گئی ہے؟"

"تم معصوم ہو، خطا تو سراسر میری ہے۔"

"اب ہم وحشی لوگوں میں جا رہے ہیں۔ اب تو میرے ساتھ ایسا سلوک مت کرو [illegible] جانے وہ ہمارے ساتھ کس طرح پیش آئیں۔"

"میں نے تمہاری حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ اسے ترک کرنے کی کوشش کروں گا۔ مگر تم مجھ سے محبت کرنا ترک کر دو۔"

"اگر تم مجھے خاموش دیکھنا پسند کرتے ہو تو اب میں تمہیں مخاطب کیے بغیر نہیں بولوں گی۔ مجھے صرف تمہاری خوشی عزیز ہے۔ تم شروع سے میری ذات کے بارے میں [illegible] اصلاحات کرتے ہو کہ میں تمہاری کسی خواہش کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔"

"یہاں سب سے بڑا مسئلہ زبان کا ہوگا۔ ہم ان لوگوں کو شاید اپنی کوئی بات بھی نہ سمجھا سکیں گے۔" میں نے اس کا جواب نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"کم از کم بھوک اور پیاس سے تو نجات پا سکیں گے۔" مجھے گفتگو پر آمادہ پا کر وہ جلدی سے بولی۔

"وہ یہ بھی جاننا چاہیں گے کہ تم کون ہو، کہاں سے اور کیسے آئے ہو؟"

"ہم قانون سے بچ کر یہاں آگئے ہیں۔ پتہ نہیں وہ لوگ ہمیں قبول بھی کریں گے یا پولیس کے حوالے کر دیں گے؟" وہ بولی۔

"اب میری بات غور سے سنو۔" میں نے کہا۔ "ہم اتفاقیہ طور پر یہاں نہیں آئے۔ ہماری لانچ خوفناک طوفان میں گھر گئی اور ہمیں سمندر میں بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ ہمارا مال و اسباب اور کاغذات سب لانچ کے ساتھ غرق ہو گئے ہم بمشکل ساحل تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکے ہیں۔"

"میں سمجھ گئی، میری زبان سے اس کے خلاف ایک لفظ بھی نہ نکلے گا۔"

صحرا کی رات تیزی سے بھرپور انداز میں اپنے قدم جما رہی تھی۔ ہم دونوں افتاں و خیزاں، مشتاق ہو کر روشنیوں کی طرف بڑھتے رہے۔

جیسے جیسے ہم آگے قدم رکھتے جا رہے تھے، ہمیں ایک ایک انچ فاصلہ عبور کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ سورج کی تپش تو ختم ہو چکی تھی مگر پیاس کی شدت سے ہماری خشک زبانیں منہ سے باہر نکل پڑ رہی تھیں۔

پھر ہم اس نخلستان کے اتنے قریب پہنچ گئے کہ اندھیری رات میں درختوں کے لمبے ہیولے دوبارہ نظر آنے لگے۔ روشنیوں کے حلقے بھی واضح ہو گئے تھے۔

"مدد.... مدد!" دفعتاً میں غیر ارادی طور پر بے اختیار چلا اٹھا اور پارٹی بھی خوفزدہ انداز میں مسلسل شور مچانے لگی۔

چند ہی ثانیوں بعد ہماری کوششیں بارآور ہوئیں اور نخلستان کی طرف سے کچھ لوگوں کی ملی جلی آوازیں آنے لگیں۔ ہم ان کا مفہوم تو نہ سمجھ سکے لیکن بلند لہجوں سے اندازہ ہو گیا کہ ہماری آوازیں ان تک پہنچ گئی ہیں۔

مدد ملنے کی امید پیدا ہوتے ہی میرے حوصلے نے ساتھ چھوڑ دیا۔ پیاس کا احساس شدید تر ہو گیا۔ آنکھوں میں ناقابل برداشت جلن ہونے لگی۔ نگاہوں کے سامنے بے شمار تارے اور روشن دائرے پھیلنے لگے۔ پنڈلیاں بید مجنوں کی طرح کانپنے لگیں اور میں ہذیانی انداز میں چیختے چیختے ریتلی زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ پارٹی مجھ سے پہلے ہی گر کر بے ہوش ہو چکی تھی۔

میں زمین پر گر گیا تھا مگر میرے حواس ابھی کام کر رہے تھے۔ نرم زمین پر کچھ دور دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک سنائی دے رہی تھی۔ میں نے ایک بار پھر چیخ کر آنے والوں کو سمت کا تعین کرانے کی کوشش کی مگر میری خشک زبان حلق میں چپک کر رہ گئی اور کوئی آواز نہ ابھر سکی۔

پھر لالٹینیں سنبھالے ہوئے کئی افراد مجھے اپنی طرف آتے نظر آئے۔ میں نے بمشکل تمام اپنا ہاتھ فضا میں لہرایا۔ میرا ہاتھ دیکھتے ہی آنے والے چلا اٹھے۔ شاید اس وقت تک وہ محض قیاس کی بنا پر ایک طرف دوڑ رہے تھے اور میرا ہاتھ لہراتا دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا کہ انہوں نے سمت کے تعین میں کوئی غلطی نہیں کی ہے۔

میرا اٹھا ہوا ہاتھ اچانک بے جان ہو کر گر گیا۔ اور کسی بے جان لوتھڑے کی طرح میرے پہلو میں آ گرا۔ اس کے ساتھ میرا ذہن بھی بے نام تاریکیوں کی دھند میں ڈوبتا چلا گیا۔

دوبارہ ہوش آیا تو میں نے خود کو ایک جھلنگے پر لیٹا ہوا پایا [illegible] اور میرے جسم پر کمبل پڑے ہوئے تھے۔ [illegible] دیا۔ ایک لمحے کے لیے میں وحشت زدہ ہو گیا تھا کہ [illegible] نے کہیں مردہ سمجھ کر مجھے دفن نہ کر دیا ہو۔

میرا بدن بری طرح جل رہا تھا۔ آنکھوں سے [illegible] میرا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ میں نے اپنے دانتوں میں زبان کو جنبش دی تو [illegible] تبدیلی کا احساس ہوا۔ شاید بے ہوشی کے دوران مجھے کچھ پلایا گیا تھا [illegible] ابھی تک حلق میں موجود تھی۔

اسی وقت میرے قریب کوئی دھیمی آواز میں بولا [illegible] اٹھنے کی کوشش کی مگر میری گردن بری طرح اکڑی ہوئی تھی [illegible] آہستہ آہستہ میں اٹھ بیٹھا اور سوچوں کے بے ربط تانے بانے [illegible] میرے قریب ہی فرش پر پارٹی بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ [illegible] میں دفن تھا مگر سورج کی تپش والی [illegible] زندگی سے عاری معلوم ہو رہا تھا۔ وہ تندرست ہونے کے بجائے ایک لاش معلوم ہو رہی تھی۔

میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اس کے لبوں کو جنبش ہوئی [illegible] زبان سے کراہوں کے درمیان چند مبہم فقرے نکلے جن میں میرا نام بھی شامل تھا۔ بے ہوشی کے عالم میں بھی وہ ساگر کو پکار رہی تھی۔

میرا جلتا ہوا بدن پسینوں میں نہایا ہوا تھا اور میں اب بھی [illegible] خیال اور بے ہوشی کے عالم میں پارٹی کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک باہر قدموں کی آواز ابھری اور چند ثانیوں بعد بے داغ سفید جبے اور عمامے میں ملبوس ایک لحیم شحیم عرب وہاں آ پہنچا۔ اس کے ایک ہاتھ میں تسبیح موجود تھی جو تیزی سے اس کی انگلیوں میں پھسل رہی تھی۔

"صباح الخیر یا رفیق!" مجھے بیدار پا کر وہ نرم لہجے میں بولا۔ میں اس کا مفہوم تو سمجھ گیا مگر مناسب جواب نہ دے سکا [illegible] رک کر رہ گیا اور وہ میرے قریب آ پہنچا۔

پھر اس نے کچھ دیر بعد عربی میں مجھ سے کئی مرتبہ بات کرنے کی کوشش کی مگر جواب میں میرا سر نفی میں جنبش کر کے رہ گیا۔

"پاکستانی؟" وہ فوراً ہی بولا۔

میرا دل چاہا کہ اس کا سر دبوچ لوں [illegible] میرا ذہن منطقی انداز میں کام کر رہا تھا۔ پارٹی میرے ساتھ تھی اور [illegible] ساتھ مل کر جو کہانی تیار کی تھی اس میں پاکستان کا کہیں ذکر نہ تھا [illegible] دونوں کی شناخت ظاہر ہو جانے کا خطرہ تھا [illegible] مبتلا کر دینے کی حماقت دانستہ [illegible] جاتے۔

"نہیں!" میں نے سر نفی میں جنبش دے کر کہا۔

"ہندی؟" [illegible] سوال کیا۔

"ہاں!" میں نے اثبات میں جواب دیا۔

وہ مجھے چھوڑ کر دروازے تک گیا اور وہاں سے عربی میں کسی سے [illegible] دوسرا شخص جو پہلے والے سے زیادہ لمبا تھا مگر اس کی آواز میرے [illegible] پہنچ رہی تھی۔

[illegible] دونوں کے درمیان گفتگو ہوتی رہی پھر دوسرا آدمی [illegible] اندر آیا۔ وہ بھی سفید جبے اور عمامے میں ملبوس تھا۔ اس کے ہاتھ میں [illegible] تسبیح موجود تھی۔ وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے میری طرف آ رہے تھے مگر تسبیح کے دانے [illegible] انگلیاں مسلسل چل رہی تھیں۔ شاید کے ذکر کے ساتھ ہی [illegible] بھی جاری تھی۔

[illegible] کر دیکھ کر میں چونک پڑا۔

پہلا عرب دراز قامت اور جوان تھا۔ دوسرا آدمی ادھیڑ عمر تھا۔ [illegible] عیاں تھی۔ عجیب بات یہ تھی کہ عربی ماحول میں رہنے کے باوجود اس کی آنکھیں نیلی تھیں۔ یہی اس خطے کے ماحول سے ماورا [illegible] اصل واقف نہیں تھا مگر بعد میں پتہ چلا وہ آنکھیں میرے ذہن پر نقش [illegible]۔

[illegible] قریب آکر وہ شخص دوستانہ انداز میں مسکرایا پھر بولا: "[illegible] یہ سلطانی کے خلاف بولتا ہے اور کہتا ہے۔" [illegible] اس وقت میرے اور پارٹی کے درمیان ایک پہلو بچاؤ [illegible] نیلی آنکھوں والے کا چہرہ دوسرے کے مقابلے میں بہت کم انداز سے [illegible] کسی طرح نسوانی وجاہت سے کم نہیں تھا۔

"تم ہندی ہو؟" نیلی آنکھوں والے نے توڑ توڑ کر پوچھا۔

"ہاں!" میں نے جواب دیا۔

"انگریزی سمجھتے ہو؟" وہ تسبیح کے دانے گھماتے ہوئے بولا۔

"ہاں!"

"تو ہم انگریزی میں بات کریں گے۔" وہ فرش پر بچھی ہوئی چٹائی پر [illegible] بولا۔ "مجھے ہندی پر پورا عبور نہیں ہے۔"

"مگر اردو تو...؟"

"ہاں اردو اور ہندی ایک ہی بات ہے۔" وہ ہنس کر انگریزی [illegible] ساتھی سے مخاطب ہو کر عربی میں جلدی جلدی کچھ کہنے لگا۔ [illegible] مستعد ہو کر وہ نوجوان کمرے سے چلا گیا۔ نیلی آنکھوں والا [illegible] کے ساتھ تسبیح کے دانوں سے کھیلتا رہا پھر بولا: "تمہاری [illegible] ہے؟"

"[illegible] شدید درد اور نقاہت میں مبتلا ہوں!" میں نے انگریزی [illegible]۔

"[illegible] شدید ہے۔ یہ حالت کسی بھی وقت خراب ہو سکتی ہے!"

"[illegible] بھی پریشان کیا ہے؟"

"[illegible]" میں نے سر کو نفی میں جنبش دے کر کہا۔ "الحمد للہ پارٹی کے علاوہ تمہیں کوئی چیز نصیب ہو بھی جائے گی۔ تم خوش قسمت ہو کہ اس صحرا کے طوفان میں گھرنے کے باوجود زندہ سلامت اس نخلستان تک پہنچ گئے ورنہ وہ ہوائیں تمہاری ہڈیاں تک اڑا لے جاتیں!"

"طوفان کیا؟" میں نے سوال کیا کیونکہ اس نے انگریزی میں طوفان کا لفظ نہیں استعمال کیا تھا جو میرے لیے نامانوس تھا۔

"ریت کی آندھی کو طوفان کہتے ہیں یا طوفان کا مطلب ریت کا طوفان ہے جو ہولناک تھا۔ تمہاری قسمت اچھی تھی کہ تم بچ گئے ورنہ اس آفت سے صحرا کو عبور کرنے والا خوش نصیب کون ہے!"

"یہ کون سی جگہ ہے؟ تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ چھوٹی سی بستی الشرجہ کہلاتی ہے اور میرا نام طالب ہے!" وہ تسبیح کے دانوں کو بار بار گردش دیتے ہوئے بولا۔ "تمہاری اور تمہاری بیوی کی حالت بہت ابتر تھی اس لیے پہلے ابتدائی دیکھ بھال کرائی۔ اب میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم کہاں سے اور کیسے آئے ہو؟"

"ہم ہندوستان سے آ رہے تھے کہ چند دن قبل ہماری لانچ طوفان میں گھر کر غرقاب ہو گئی۔ ہم کسی نہ کسی طرح ساحل پر پہنچے تو سامنے صحرا پھیلا ہوا تھا۔ ہم کئی دن سے بھوکے پیاسے بھٹک رہے تھے۔ ہمیں کوئی پناہ گاہ نہ ملی تھی۔ پھر ریت کی آندھی نے گھیر لیا۔ یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔" میں پارٹی کی ہدایت کے مطابق الفاظ کی ترتیب کے بغیر بولا۔

"کہاں جا رہے تھے؟"

"مسقط، ملازمت کے لیے۔"

"مجھے امید ہے کہ تم نے سچ بولا ہوگا۔" وہ لاپروایانہ انداز میں کہنے لگا۔ "ساحل پر سمگلروں کے قتل جیسے کئی واقعات کا ارتکاب کرنے والے مجرم بھی عموماً انہی راستوں سے بچ کر صحرا کا رخ کرتے ہیں۔ مگر ایسے مجرموں کو کبھی پناہ نہیں دیتے۔ تمہاری بد نصیبی تمہارے چہرے اور حالت سے ظاہر ہے۔ ہم تمہاری پوری مدد کریں گے۔ نام کیا ہے تمہارا؟"

"ساگر... اور وہ پارٹی ہے!"

"تمہاری عورت بہت خوبصورت ہے۔" وہ سادگی کے ساتھ بولا۔ "اس بستی میں تم دونوں محفوظ ماحول میں رہو گے۔" پھر لہجہ بدل کر بولا۔ "یہ یاد رکھنا کہ ابھی کئی دن تک تم بستر سے اٹھنے کے قابل بھی نہ ہو سکو گے۔ اگر تم کسی بات سے بھاگ رہے ہو یا مجرم ہو تو ایک آدھ روز میں شہر سے سپاہی یہاں آ پہنچیں گے۔ وہ جلد ہی گشت لگانے آتے ہیں۔ اگر تم جھوٹ بول رہے ہو تو بچ نہیں سکو گے۔ اکثر مجرم نخلستانوں میں پناہ لیتے ہیں۔ اس لیے یہ نخلستان ہی سب سے پہلے پولیس کی تلاش کا مرکز بنتے ہیں۔"

"میں اپنے محسنوں کو شرمندہ نہیں کروں گا۔"

"جب تک تم اپنے پیروں پر چلنے کے قابل نہ ہو جاؤ، یہیں رہو۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "[illegible] ترک کر کے اٹھ جاؤ گے!"

"بہت شکریہ الشیخ!" میں نے مسکرا کر کہا۔ "تم واقعی مخلص اور مہربان انسان

معلوم ہوتے ہو میں تمہاری پوری بستی کا زندگی بھر ممنون رہوں گا۔"

وہ چلا گیا اور میں وہاں ایک بار پھر تنہا رہ گیا۔ ارجی بدستور بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔

اس صحرائی بستی کے بسنے والے خاصے مہمان نواز اور مخلص لوگ تھے۔ ان کی زبان سے لاعلمی کے باوجود میری اور ارجی کی دیکھ بھال میں کوئی کوتاہی نہیں کی گئی۔ مجھے تین روز کے علاج کے بعد چلنے پھرنے کی اجازت مل گئی مگر ارجی کا معاملہ زیادہ پیچیدہ ہو گیا تھا۔ سمندری پانی پی جانے کے باعث اس کی آنتوں میں زخم ہو گئے تھے جن کو مندمل کرنے کے لیے اسے مسلسل صحرائی جڑی بوٹیوں کے کڑوے کسیلے عرق پلائے جا رہے تھے۔

اس دوران ارجی بستر پہ پڑے پڑے اکتاہٹ محسوس کرنے لگی تھی۔ کبھی اٹھنے بیٹھنے کی کوشش کرتی مگر اس میں ناکام رہتی۔ اس کے لیے چند قدم چل کر بیت الخلا تک جانا بھی سہارے کے بغیر مشکل ہو جاتا تھا۔

اس کے حسین چہرے پر زردیاں ابھر آئی تھیں۔ آنکھوں کے گرد گہرے سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔ سرخ و سپید رنگت مرجھا کر زردی میں ڈھل چکی تھی۔ وہ ہر وقت یوں بستر پہ پڑی رہتی تھی جیسے اس کا آخری وقت قریب آ گیا ہے اور وہ میری باہوں میں آخری سانس لے گی۔

ذہنی حالت سدھرنے کے بعد ایک روز میں جھونپڑے سے باہر نکلا تو [illegible] میرا استقبال کیا۔ سرسبز درختوں کے [illegible] اس نخلستان میں بھی دن کے وقت گرمی ناقابل برداشت تھی۔ میں چند ہی قدم چلا تھا کہ میرا بدن پسینوں میں نہا گیا اور جلد پر چپچپاہٹ سی محسوس ہونے لگی۔

النخل کے بیشتر باسی اپنے مکانوں میں دبکے ہوتے تھے۔ میرے سامنے پھیلی ہوئی نخل کے آخر میں بنے ہوئے ایک میدان میں بہت سے ننگے بچے بے پرواہ [illegible] کھیلنے میں مصروف تھے۔ میں کھجور کے چند جھنڈ پار کر کے [illegible] انہیں کھیلتے دیکھنے لگا۔ جھونپڑے کی یکسانیت سے بیزار ہو چکا تھا اور اس وقت کھلی فضا میں چہل قدمی کرنا چاہتا تھا۔

کھیلتے ہوئے بچوں نے میری وہاں موجودگی پر خاص توجہ نہیں دی۔ جب کافی دیر بعد میرا بدن گرمی اور پسینے کے باعث چپچپانے لگا تو میں واپس جھونپڑے میں چلا آیا۔

وہاں مجھے موجود پا کر ایک شخص ارجی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے زور زور سے بولنے کی آوازیں باہر تک سنائی دے رہی تھیں۔ مگر ارجی شاید اس کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ جب میں اندر پہنچا تو وہ آنکھوں میں آنسو لیے بس سنے جا رہی تھی۔

میرے قدموں کی آہٹ پا کر وہ شخص تیزی سے میری طرف لپکا اور میرا شانہ پکڑ کر مجھے تقریباً جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اس کے ساتھ وہ عربی میں کچھ کہتا بھی جا رہا تھا۔

میری طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر وہ میرا ہاتھ تھام کر باہر چلا آیا۔

"کہاں جا رہے ہو ساگر؟" ارجی نے پوچھا۔

"معلوم نہیں یہ کہاں لے جا رہا ہے۔ شاید [illegible]" میں نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

[illegible] کے دوران جب صحرائی لوگ اپنے لباس [illegible] مگر الشوقی والوں نے علاج کے ساتھ ہی مجھے ایک لباس بھی [illegible] مجھے تیز چلنے میں خاصی الجھن ہو رہی تھی۔ ایک بار [illegible] اور اس شخص [illegible] ایک مکان کی بیرونی دیوار میں نصب دروازے سے اندر داخل ہوا تو اندر سرسبز باغات موجود تھے اور ان باغات کے درمیان چند کمروں پر مشتمل [illegible] مکان موجود تھا۔

مکان کے دروازے پر پہنچ کر اس شخص نے دستک دی [illegible] ایک سیاہ فام لمبے قامت شخص نے دروازہ کھولا اور دونوں کو اندر بلا لیا۔

مجھے لانے والا [illegible]
خادم سے [illegible] پھر دروازہ کھول کر [illegible]
خادم دروازہ مقفل کر کے مجھے عمارت میں اندرونی کمروں کی طرف لے چلا۔

اس سفر کا اختتام ایک ایسے کمرے میں ہوا جہاں پورے فرش پر نرم اور بیش قیمت قالین بچھا ہوا تھا اور دیوار کے کنارے دونوں جانب مخمل کے غلاف والے تکیے رکھے ہوئے تھے۔ کمرے کے وسط میں ایک بہت بڑی جگمگاتی ہوئی منقش تھال میں کسی سفید دھات کا [illegible] رکھا ہوا تھا۔ اس کی چلم باہر نکلی ہوئی تھی اور حقے میں نصب سلاخوں پر [illegible] ہوئے تھے جن کی مدد سے ایک وقت میں کئی افراد حقہ نوشی کر سکتے تھے۔ دیواروں پر ایک قطار کی صورت میں کثیر تعداد میں [illegible] نصب تھے ان میں موم بتیاں موجود تھیں [illegible] روشن دان سے آنے والی سورج کی روشنی [illegible] تک رہی تھیں۔

مجھے لانے والے نے اشاروں کی مدد سے مجھے بتایا کہ [illegible] انتظار کرنا ہے [illegible] آراستہ نشست گاہ دیکھ کر [illegible] خاصا مرعوب ہو چکا تھا۔ جھجکتا ہوا [illegible] ایک گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھ گیا۔

مجھے لانے والا سیاہ فام دروازہ بند کر کے واپس چلا گیا۔

مجھے وہاں بیٹھے [illegible]

[illegible] ایک بار میں دیوار کے قریب [illegible] دروازے کے قریب ابو خالد موجود تھا۔ [illegible]

[illegible] پہنے ہوئے تھا۔ اس کے سر پر [illegible] سیاہ ٹوپی [illegible] سفید رومال [illegible] کنپٹیوں کے سفید بال نمایاں نظر آ رہے تھے۔

"کیسے ہو ساگر؟" ابو خالد نے آگے بڑھتے ہوئے نرم اور [illegible] سوال کیا۔ ہلکے گلابی ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھری تھی۔

[illegible] میں نے پہچاننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

[illegible]

ابو خالد چند لمحوں تک تسبیح کے دانے گھماتا رہا پھر بولا۔ [illegible]

"مزدور صرف محنت کرتا ہے۔ میں [illegible] نہیں ہوں۔"

"مگر تم مزدور نہیں ہو۔" ابو خالد کا لہجہ یک بیک سرد ہو گیا۔ "[illegible] انگریزی نہیں جانتے۔"

[illegible]

"میں نے تمہیں مذاق کرنے کے لیے نہیں بلایا۔" وہ [illegible]

"[illegible] کیا ہو گا؟"

"[illegible] احکام کی تعمیل۔" وہ [illegible] لہجے میں بولا۔

[illegible]

[illegible] ساتھ پل بھر میں [illegible] ہو گیا تھا۔

"[illegible] میں اسے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں۔" وہ کسی بھیڑیے کی طرح غرایا۔ "تم کام کی ابتدا ہی غلط [illegible] سے کر رہے ہو۔"

"وہ میری عورت نہیں ہے۔" اس کے تیور دیکھ کر میرا حوصلہ ٹوٹ گیا۔ "اگر وہ میرے ساتھ نہیں رہ سکتی تو وہ جہاں جانا چاہے اسے وہیں بھجوا دو۔"

"پھر کیا ہے وہ؟"

"میری ایک بد نصیب ہم سفر۔" میں نے کہا۔ "وہ اپنے شوہر کے پاس مسقط جا رہی تھی۔"

"اسے مسقط پہنچوا دیا جائے گا مگر اب تم اس سے نہیں ملو گے۔"

"ایک بار بھی نہیں؟"

"نہیں۔" ابو خالد نے غرا کر تسبیح میرے منہ پر ماری۔ "میرے احکام پہ سوال کرنے والوں کا حشر جاننے کے لیے یہ مزا کافی ہے۔"

تسبیح پوری قوت سے میری ٹھوڑی اور دہانے پر پڑی تھی۔ میرا نچلا ہونٹ بری طرح زخمی ہو گیا تھا اور گرم گرم خون میرے دہانے میں بھرتا جا رہا تھا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر قریب کھسک آیا اور قالین سے اپنی تسبیح اٹھا کر [illegible] بولا۔ "مجھے حکم عدولی کرنے والوں سے نفرت ہے۔ [illegible] ہمیشہ میرے حکم کی تعمیل کرتے ہیں [illegible] اگر [illegible] تو ہمیشہ [illegible] رہو گے ورنہ [illegible] تنخواہ بھی وصول کرنے کے قابل نہ رہو گے۔ میری بات مانو گے تو [illegible] زندہ رہنا سیکھ جاؤ گے۔"

میں اپنا گرم گرم خون نگل گیا اور [illegible] آواز میں بولا۔ "تمہیں مجھ سے کبھی شکایت نہ ہو گی۔ تم ہمیشہ مجھے اپنا [illegible] غلام پاؤ گے۔"

"شاباش!" وہ میرا شانہ تھپتھپا کر بولا۔ "میرے ساتھ آؤ میں تمہیں تمہاری نئی قیام گاہ دکھا دوں۔"

میں [illegible] اس قوی ہیکل شخص کے پیچھے ہو لیا۔ وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا [illegible] راہداری میں ایک طرف چلا گیا۔ [illegible] سیاہ فام خادم نے پھرتی کے ساتھ جھک کر ابو خالد کو سلام کیا اور [illegible] تک کر کھڑا ہو گیا۔

میرے ہونٹ کے زخم سے خون بدستور جاری تھا۔ دل کی دھڑکن کی شدت سے کنپٹیوں میں دھمک [illegible] اس وقت میں بے بس تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں نے ابو خالد کی غلامی قبول کر کے [illegible] میرے ہاتھ [illegible] دس ہزار [illegible] کے عوض میں نے اپنی آزادی ابو خالد کے ہاتھ فروخت کر دی تھی اور [illegible] جس کے بعد [illegible] مشکل [illegible] نظر آ رہا تھا۔

مٹی

گارے اور لکڑی سے بنی ہوئی بلند فصیل کے اندر بنا ہوا وہ مکان وسعت اور تعمیر کے اعتبار سے اس نخلستان میں کسی محل سے کم نہیں تھا۔ پہلے پہل چند کمروں پر مشتمل جس عمارت کو محل کہا جاتا رہا وہ بعد میں اس فصیل میں واقع تعمیرات کا معمولی حصہ ثابت ہوئی۔

سورج کی تیز روشنی میں ابو خالد کے پیچھے قدم اٹھاتا ہوا ایک طرف چلا جا رہا تھا۔ دھوپ کی حدت سے گھاس اور نباتات جھلسنے کے لیے مرجھائے ہوئے تھے۔ مختلف سمتوں میں بنے ہوئے مکانات پر گہرا سکوت طاری تھا کبھی کبھار کسی کمرے کی دیواروں کے پیچھے سے لوگوں کے ہنسنے بولنے کی آوازیں سنائی دے جاتی تھیں۔

پھر مجھے دور ہی سے اونٹوں کا اصطبل نظر آیا۔ ایک کٹ وہ چھپرے کے نیچے بہت سے اونٹ قطار در قطار بیٹھے جگالی میں مصروف تھے۔ ان کے سامنے مٹی کے بڑے بڑے برتنوں میں سبز چارہ اور پانی قرینے سے رکھا ہوا تھا۔ ہوا کے جھونکوں کے ساتھ اس سمت سے ہلکی ہلکی بدبو کے بھبکے بھی آ رہے تھے۔

ابو خالد مجھے لیے ہوئے اسی طرف جا رہا تھا۔ ابھی ہم اس چھپر سے تھوڑی دور ہی تھے کہ مجھے چیزوں کے درمیان ایک انسانی سایہ حرکت کرتا نظر آیا۔

"ابو مالک!" ابو خالد نے سخت تحکمانہ اور اونچی آواز میں اسے پکارا۔

وہ شخص اس کی آواز سنتے ہی تیزی کے ساتھ کچھ کہتا ہوا ہماری طرف لپکا۔ اس کے ہاتھ میں بیلچہ موجود تھا جس کی مدد سے وہ شاید زمین صاف کرنے میں مصروف تھا۔

ابو خالد اور ابو مالک میرا ذہن ان دو ناموں میں الجھ گیا۔ عجیب سے نام تھے اور بڑی حد تک یکساں۔ کوئی بھی ہوتا تو ناموں کی یکسانیت سے انہیں بھائی بھائی سمجھتا مگر میں ان کے مفہوم سے واقف تھا۔ ناموں کے اعتبار سے ایک خالد کا باپ تھا دوسرا مالک کا یعنی ان کے اصل نام کچھ اور تھے مگر اس نخلستان میں شاید لوگوں کو اولاد نرینہ کے حوالے سے یاد کرنے کا رواج تھا۔

میں ابھی سوچنے میں مصروف تھا کہ ابو مالک قریب آ پہنچا۔ وہ دبلا پتلا، دراز قامت، پھرتیلا آدمی تھا۔ اس کی جلد کی سیاہ رنگت بتا رہی تھی کہ وہ پیدائشی طور پر کسی صحرا کا باشندہ ہے اور بیشتر وقت کھلے آسمان تلے گزارنے کا عادی ہے۔

وہ دونوں چند ثانیوں تک آپس میں کچھ باتیں کرتے رہے۔ [illegible] سمجھ میں نہ آنے والی عربی میں بولتا رہا۔ ابو مالک وقفے وقفے سے میری طرف دیکھ کر تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دیتا رہا۔

اپنی بات ختم کر کے ابو خالد میری طرف متوجہ ہوا اور انگریزی میں بولا۔

"اب ابو مالک تمہارا آقا ہے۔ تمہیں اس کی ہر ہدایت پر عمل کرنا ہے۔"

میں نے بادل ناخواستہ اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ ابو مالک کا حشر میں دیکھ ہی چکا تھا کہ وہ چھپرے کے نیچے اونٹوں کی پھیلائی ہوئی غلاظت بیلچے سے سمیٹ رہا تھا اور اب میرے مقدر کی ستم ظریفی تھی کہ وہ شخص میرا آقا مقرر کر دیا گیا تھا۔

ابو خالد نے ایک بار پھر عربی میں ابو مالک کو کچھ سمجھایا پھر واپس چلا گیا۔

ابو مالک نے اپنے سفید سفید دانت چمکاتے ہوئے محبت سے [illegible] میں نے بے چارگی سے اس کی طرف دیکھا اور [illegible] کرنے لگا۔

"ہندوستانی ہو؟" ابو مالک نے میری بے چارگی جانچتے ہوئے [illegible] میں سوال کیا اور میں حیرت سے اس کا منہ تکنے لگا۔ [illegible] شخص کے منہ سے صاف لہجے میں اپنی زبان سن کر مجھے یوں محسوس ہوا [illegible] نے میرے سر پر اچانک ہتھوڑا مار دیا ہو۔

"حیران کیوں ہوتے ہو؟" مجھے خاموش پا کر اس نے کہا اور [illegible] پھر مسکرانے لگا۔ سیاہ فام چہرے پر موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے سفید دانتوں کی ادھ کھلی قطاریں عجیب معلوم ہو رہی تھیں۔

"تم بہت اچھی اردو بولتے ہو!" میں نے اس کے برابر [illegible] بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میں بائیس سال سے اسی علاقے میں رہ رہا ہوں۔"

"تو تم عربی نہیں ہو؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"بائیس برس یہاں گزارنے کے بعد تو مجھے خواب بھی عربی میں آنے لگے ہیں۔ تمہیں دیکھ کر میں خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ کئی سال بعد میں [illegible]"

"ابو خالد بھی ہندی جانتا ہے؟"

"ٹوٹی پھوٹی بول لیتا ہے۔" اس نے کہا پھر قدرے [illegible] لہجے میں بولا۔ "آئندہ اس طرح اس کا نام نہ لینا۔ عملی طور پر وہ [illegible] ہے اور شیخ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔"

"تو کیا اصل شیخ کوئی اور ہے؟" ابو مالک کے [illegible] چہروں کے بھاؤ سمٹتے ہوئے تھے اور [illegible] جو عجلت میں [illegible] ابو خالد کی بیہودگی کی ضرب سے [illegible] مجھے احساس دلا رہی تھی کہ نادانستگی میں کس غلط جگہ الجھ گیا۔

"آہستہ آہستہ تم سب کچھ جان جاؤ گے۔" ابو مالک نے [illegible] کہا پھر اچانک سوال کیا۔ "نام کیا ہے تمہارا؟"

"وقار یاسر!" میں نے جواب دیا۔

"اچھا نام ہے۔ کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"دہلی!" بے اختیار میرے منہ سے نکل گیا۔ بعد میں احساس ہوا کہ اچھا ہی ہوا ورنہ ابو مالک میری طرف سے شبہات میں مبتلا ہو جاتا۔

"اسی لیے تم اتنی اچھی ہندی بول لیتے ہو۔" وہ کہہ رہا تھا [illegible] ہندوستان میں تو ہندی جاننے والے تیزی سے ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ شمالی علاقوں کی بھی [illegible] ہوتی جا رہی ہے۔"

جواب میں میں نے خاموشی اختیار کرنے میں ہی عافیت سمجھی۔ ابو مالک نے اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا بیلچہ ایک طرف زمین پر رکھ دیا اور اپنے [illegible] ایک کمرے کی طرف رخ کر لیا۔

[illegible]

[illegible] الفاظ کے معانی ظاہر کیا اور حقیقت تو یہ تھی [illegible] کے بعد محض اونٹوں کی پھیلائی ہوئی غلاظت صاف [illegible] ہو گیا تھا۔

[illegible] ضرورت تو یہ ہے کہ شب و روز مجبور کسی درخت کی چوٹی پر کر لیا بسیرا [illegible] تم خود ہی معلوم ہو جائیں گی۔"

"مجھے کیا کام کرنا ہوگا؟"

[illegible] خود ہی معلوم ہوتا ہے۔" اس نے پہلی بار مجھے گھورتے ہوئے [illegible] "کیا تمہیں شیخ کے الفاظ یاد نہیں رہے؟"

[illegible] میں نے جلدی سے کہا۔ "میرا مطلب تھا کہ مجھے کس [illegible] آتا ہے؟"

[illegible] سب سے پہلے تم کو مسلمان بنانا ہے!" وہ مجھ پر ایک بھرپور [illegible] ہوئے بولا۔

"مسلمان؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں دہرایا۔

[illegible] آ جاؤ تو پتہ چل جائے گا۔" وہ ٹین کے ایک صندوق میں کچھ [illegible] ہوئے بولا۔

[illegible] ہاتھ میں چند نوٹ دیکھ کر ایک بار اس کا مفہوم [illegible] میں جلدی سے بولا "اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں [illegible] اس مرحلے سے گزر چکا ہوں!"

[illegible] اس کی نگاہیں میرے چہرے پر جم گئیں۔

[illegible] اوقات کچھ ضروریات مجبور کر دیتی ہیں۔"

[illegible] اس نے گٹھری اٹھا کر صندوق میں واپس ڈال دیے [illegible] پر بیٹھ گیا میں نے بھی اس کی تقلید کی۔

[illegible] تمہارا نام وقار یاسر ہے۔" وہ تھوڑی خاموشی کے [illegible]

[illegible] ضرورت کیا ہے؟"

[illegible] کی ضرورت نہیں۔" وہ سخت لہجے میں بولا۔ [illegible] جو کہا جائے اسے ایک دفعہ میں پوری طرح [illegible]

[illegible] ہے۔ اگر حرج نہ ہو تو مجھے صفدر علی بنا دو [illegible] کی خواہش ظاہر کر دی۔

[illegible] سوچتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ "کوئی حرج نہیں۔ [illegible] ہے۔"

[illegible] درست کا نام ہے۔"

[illegible] نام پر مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" وہ نرم لہجے میں [illegible] خیال رکھو گے [illegible] دو چار روز [illegible]

"یعنی میں اونٹوں کی غلاظت سمیٹوں گا؟" میں نے کراہت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"میں نے مشکل زبان استعمال نہیں کی ہے۔" اس بار ابو مالک کا لہجہ زہریلا تھا۔ "اگر تمہارے [illegible] تو تمہارا علاج کرنا پڑے گا۔"

"میں خود کو سنبھال لوں گا بس چند روز میں یہ [illegible] اصطبل کی عادت پڑ جائے گی۔" میں نے خوشامدانہ لہجے میں جلدی سے کہا۔

وہ مزید کچھ کہے بغیر لکڑیوں کے چولہے پر اپنے لیے قہوہ تیار کرنے لگا۔

"مجھے سگریٹ مل سکے گی؟" میں نے کچھ دیر کے بوجھل سکوت کے بعد دریافت کیا۔

"باہر دوکان پر ملتی ہے۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔

"مگر فی الحال میں قلاش ہوں۔ پہلی تنخواہ ملنے تک میری گزر اوقات کیسے ہوگی؟"

"تم کتنی تنخواہ پر ملازم رکھے گئے ہو؟"

"دس ہزار!" میں نے کہا۔

چند ثانیوں تک وہ زیر لب کچھ بڑبڑاتا رہا ساتھ ہی اپنی انگلیوں پر گنتا بھی جا رہا تھا۔ اپنا حساب مکمل کرنے کے بعد بولا۔ "تمہیں کھانا فراہم کیا جائے گا اس کے اخراجات منہا کر کے تمہیں تقریباً تین ہزار ریال ملیں گے چاہو تو مجھ سے دو چار سو ریال ادھار لے لو۔"

"پانچ سو ریال دے دو۔" میں نے کہا۔

اس نے اپنے جبے کی اندرونی جیب سے سعودی نوٹوں کی ایک گڈی نکالی اور گن کر چار سو ریال میرے حوالے کرتے ہوئے ساتھ ہی ٹین کے صندوق سے انگریزی سگریٹ کے دو پیکٹ نکال کر میری طرف بڑھائے اور یوں پانچ سو کی رقم پوری کر دی۔

"یہاں سعودی کرنسی چلتی ہے؟" میں نے نوٹ گننے کے بعد سگریٹ سلگاتے ہوئے اس سے سوال کر ڈالا۔

"یہ آزاد علاقہ ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک یہاں ہندوستانی کرنسی رائج تھی مگر پچھلے پندرہ سالوں سے سعودی کرنسی رائج ہے کیونکہ یہاں سے سعودی علاقہ بہت قریب ہے۔"

"تم بائیس سال سے اسی نخلستان میں مقیم ہو؟"

اس نے قہوہ کی ایک پیالی میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "سترہ سال میں اسی علاقے کی مختلف ریاستوں میں نوکری کرتا رہا۔ پانچ سال پہلے میں نے شیخ کی ملازمت اختیار کی اور اس کے ہمراہ الشروع آ گیا بس جب ہی سے یہاں ہوں۔"

"تمہارا اصل نام کیا ہے؟" اسے گفتگو پر آمادہ پا کر میں نے اگلا سوال کیا۔

"اصل نام میں پانچ سال پہلے بھول چکا ہوں۔" وہ مسکرا کر بولا۔ "ان علاقوں میں ہر شخص کو پہلی اولاد نرینہ کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے۔ شیخ نے مجھے ابو مالک بنا دیا اور اب میں خود بھی یہی محسوس کرنے لگا ہوں [illegible]

مالک نامی کسی بیٹے کا باپ ہوں۔"

"تمہارے بیوی بچے؟"

"میں ان بکھیڑوں سے ہمیشہ آزاد رہا ہوں۔" وہ قدرے تلخ لہجے میں بولا۔ "مگر یہ یاد رکھنا کہ یہ باتیں تمہارے سینے میں ہی دفن رہنی چاہئیں۔ اگر تم بستی کے آدمیوں کے رازوں کی حفاظت نہ کر سکے تو کسی روز ناگہانی کوئی پاگل اونٹ تمہاری کھوپڑی چبا ڈالے گا۔"

اس کے الفاظ سن کر میرے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ یہ بالکل واضح دھمکی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ میری ذرا سی بے احتیاطی مجھے کسی جان لیوا مصنوعی حادثے سے دوچار کر سکتی تھی۔

قہوہ ختم کر کے ابو مالک جھونپڑی سے باہر نکل گیا۔ میں خالی الذہنی کے عالم میں جھونپڑی کے دروازے پر آ کھڑا ہوا۔ ابو مالک اونٹوں کے درمیان کہیں روپوش ہو چکا تھا۔

اس شخص نے وہ تپتی ہوئی دوپہر باہر ہی گزاری۔ مجھے سخت حیرت تھی کہ وہ کس خمیر کا بنا ہوا ہے جو بیلوں گدھے کی طرح بے سوچے سمجھے کام میں لگا رہتا ہے۔ اس مویشی خانے میں اگر باقاعدگی سے صرف دو وقت بھی صفائی کر دی جاتی تو بہت کافی تھی۔ اس قدر دھوپ اور گرمی میں مسلسل ایسے غیر ضروری کام میں مصروف رہنا میرے لیے ناقابل فہم تھا۔

سورج غروب ہونے سے کچھ دیر قبل ابو مالک واپس آیا۔ اس کا سیاہ چہرہ اور لباس پسینوں میں نہایا ہوا تھا۔

"تم یہیں موجود ہو؟" مجھے دیکھ کر اس نے حیرت سے کہا۔

"پھر کہاں جاتا؟"

"باہر نکلو۔ ذرا دیکھو صحرا کے سینے پر کیسی حسین اور سرسبز بستی آباد ہے۔" وہ تولیے سے پسینہ خشک کرتے ہوئے بولا۔

"تو کیا مجھے گھومنے پھرنے کی مکمل آزادی ہے؟"

"یہ قید خانہ نہیں ہے بھائی۔" وہ طویل سانس لے کر بولا۔ "کام کے وقت کام کرو پھر تم آزاد ہو۔ ذرا بستی کا مختصر سا بازار بھی دیکھو۔ یہاں تمہیں کوئی خدمت گار نہیں ملے گا۔ اپنا ہر کام تمہیں خود سرانجام دینا ہوگا۔ باہر نکلو تو عورتوں کی حرمت کا خیال رکھنا۔ ان پر بری نظر ڈال کر تم زندہ نہ رہ سکو گے۔"

"ایک بات بتا سکو گے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"عورت کے نام پر شاید تمہیں اپنی ہم سفر یاد آ گئی ہے۔" اس کا ذہن فوراً معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا۔ "یہی بات ہے نا؟"

میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ "شیخ نے مجھے اس سے ملنے سے منع کر دیا تھا۔ وہ یہیں ہے یا کسی طرف روانہ کر دی گئی ہے؟"

"بے فکر رہو عورت ہے وہ۔" ابو مالک کسی خیال کے زیر اثر مسکراتے ہوئے بولا۔ "ان دنوں ان کی حفاظت میں بستی کے دل کی طرف روانہ کر دیا گیا ہے جہاں سے اسے مستقلاً پہنچا دیا جائے گا۔ وہ قریب ایک بار بیٹھنے کے لیے ترتیب

دی تھی جب اسے پتہ چلا کہ میں زندگی بچانا چاہتا ہوں تو اس نے شکار کرنے کے عوض مجھے اپنے جسم کی پیشکش کر ڈالی تھی۔"

اس کے یہ الفاظ سن کر مجھے ذہنی صدمہ ہوا۔ انجام کا دعویٰ کرنے والی چند ہی دنوں میں کسی بستی میں جا کر ... ہوا کہ اب وہ الشفیع ... نہیں رہی تھی وہ خدا ... کے باعث ... پر خود سری پر آمادہ ہو سکتا تھا۔

ابو مالک نے خیمے میں لالٹین روشن کرنے کے بعد کھانا چکھنے کو کہا اور میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ احاطے میں ... کا کام دیتا تھا۔ وہاں دریاں ... غرب ... ابو مالک نے بتایا کہ وہ سب شیخ کے ملازم ... کے لیے مجھے ان کے ہمراہ وہیں آ بیٹھنے کا موقع ... بغیر ... کے سالن پر مشتمل کھانا میری توقعات سے کہیں ... سیر ہو کر کھانا کھایا جس کے بعد قہوہ ... کسی کو موجود تھی۔ ... بالکل تھا جیسے ... بہرحال ابو مالک نے بتایا کہ وہ مویشی خانے ... کا وجود ... زندہ اور صحت مند رہنے کے لیے بہت ضروری ہے۔

وہ رات میں نے ابو مالک کی جھونپڑی میں ... اس قدر خطرناک حالات سے دوچار ہونے کے باوجود مجھے ... اگلی صبح میں ابو مالک کے ہمراہ ناشتے کے لیے پہنچا ... چند عجیب سوالات ذہن سے چپکے تھے جن کا جواب ... سے نظر آتا تھا۔

ابو خالد کون تھا؟ بستی کے لوگوں کے مقابلے میں ... اور خود خال مختلف تھے مگر اس کے باوجود وہ ... تھا یہ بات کسی طرح میرے ذہن میں نہیں سما رہی تھی ... کہ اس صحرائی بستی میں ابو خالد نے اپنی ذات کے گرد ایک ... خول منڈھا ہوا تھا۔ آخر یہ سوانگ رچانے کی کیا ضرورت تھی ... اہم بات یہ تھی کہ اس نے مجھے خطیر معاوضے پر ملازمت ... ناشتے کے بعد ابو مالک مجھے مویشی خانے میں لے آیا ... میں کچھ مویشی ... اونٹ موجود تھے۔ ابو مالک مجھے تفصیل سے ... میں بتانے لگا۔ جب وہ بول رہا تھا تو اس کے لہجے سے ... تھی جیسے وہ اپنے قریبی رشتے داروں اور اولادوں کا ذکر کر رہا ہو۔ وہاں جماعت بہ جماعت کے اونٹ بھی تھے ... باوجود اسے ... ایرانی اونٹوں سے ... رنگ کے ... تک وہیں ... جن میں سے ... بیان کر ڈالیں۔ ان ... بے مخصوص تھے جو وقت ضرورت شیخ کے آدمی وہاں ... اونٹنیاں دودھ نکالنے کے علاوہ ... اور ... لیے ... کھانا ... تھے۔

پتہ ایک بار اس پورے گروہ کو نخلستان کے نواح میں جا پہنچا تھا ... پیدا ہوا تھا۔

وہ کرائن ولی ایرانی نسل کی ایک اونٹنی کے قریب جا کر ابو مالک پیار اور محبت سے اس کی گردن سہلانے لگا۔ اونٹنی نے اپنی تھوتھنی اس ... پیچھے لگا دی۔ وہ آرام کے عالم میں جگالی کر رہی تھی۔ اس کی دونوں ... ہے مضبوط ... تھے اور اس کے قریب ہی اس کا ایک بچہ زمین پر پڑا تھا۔

"اس کا نام صالقہ ہے۔" ابو مالک مجھے بتانے لگا۔ "چند روز قبل ... اپنے دو بچوں سمیت غول سے بچھڑ گئی تھی۔ اسی روز صحرا میں آندھی ... کا خوفناک طوفان آیا۔ یہ اسی روز کا ذکر ہے جب تم الشفیع پہنچے ... رات کے اندھیرے میں صالقہ واپس پہنچی تو اس کے ساتھ صرف ... دوسرا بچہ شاید طوفان کے باعث کسی اور طرف نکل گیا یا ... کسی تودے میں دب گیا۔ یہ اسی روز سے بہت سوگوار ہے ذرا اس ... طور پر چیزیں کھاتا ہے۔"

مجھے بہت خوشی ہوئی کہ صالقہ سے اپنی پرانی شناسائی کا اعتراف کروں ... یہی وہ اونٹنی تھی جس کی پشت پر میں نے پادری کے ہمراہ صحرا کا وسیع ... طے کیا تھا۔ وہاں اس کا ایک بچہ میرے ہی سامنے گر کر اس کی ہڈی ٹوٹنے کے ... تھا۔ ... صحرا کے وسط میں صالقہ مجھے بہت ... آئی تو شاید میں ... صحرا میں بھٹک بھٹک کر مر گیا ہوتا۔

... اسے تقریباً سامنے ہی مویشی ابو مالک سے حد درجہ مانوس ... اس کے شناساؤں کو قربانی سمجھتے تھے۔ اس تعارفی تقریب کے خاتمے ... مجھے ... تھا دیا اور میں اپنے مقدر کو کوستا غلاظت کی صفائی ... مصروف ہو گیا۔ ابو مالک وہاں سے چلا گیا۔

وقت جیسے جیسے سرکتا رہا میں وہاں بالکل تنہا تھا مگر وہ دیکھ رہا تھا جیسے ... دہکتی ہوئی سرخ آنکھیں پوشیدہ کر رکھی ہوں ... مجھے خیال آیا کہ اس تنہائی سے فائدہ اٹھا کر جھونپڑی میں ... ابو مالک کے سامان کی تلاشی لے ڈالوں تاکہ اس کے بارے میں ... معلومات حاصل ہو سکیں مگر میں اس کی دھمکی کا تصور کر کے اس ارادے کو ... عملی جامہ نہ پہنا سکا۔

"دوپہر کے کھانے کے وقت بھی ابو مالک واپس نہ آیا۔ آخر میں تنہا کھانے ... چلا گیا۔ مجھ سے پہلے وہاں صرف دو افراد موجود تھے۔ میں نے ... سامان لیا اور دری پر بیٹھ کر کھانے میں مصروف ہو گیا۔ کھانے ... وہاں مکمل خاموشی چھائی رہی۔ دونوں مقامی کبھی کبھار اتفاقاً نہ ... مجھے میری طرف دیکھنے لگتے تھے۔ میں نے ان کی نگاہوں ... مسکراہٹ سے دیا مگر اس سے آگے کوئی پیش رفت نہ ... کھانے سے فارغ ہو کر واپس اپنے کام میں لگ گیا۔ ... مجھے وہ تمام ... اپنے کام میں مصروف رہے ...

عربی میں پُرجوش لہجے میں مرحبا، اہلاً وسہلاً وغیرہ کی گردان شروع کر دی اور میں محض ہونق کی طرح سر ہلاتا ان کے قریب جا پہنچا۔ ان میں سے ایک لپک کر دو قدم آگے آیا اور مجھ سے مصافحہ کر کے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر پھیرے۔ پھر باری باری میرے دونوں رخسار چوم لیے۔ پھر دوسرے نے بھی اس کی تقلید کی۔

اس کے بعد میں ان کے فقروں کا مفہوم بالکل نہ سمجھ سکا۔ انھوں نے بھی میری بے چارگی کو محسوس کرتے ہوئے مجھے سمجھانے کی مزید زبانی کوششیں ترک کر دیں اور اشاروں کی مدد سے بتایا کہ انھیں دو عدد اونٹ درکار ہیں۔ میں نے سر ہلا کر انھیں اجازت دے دی۔

شام کا اندھیرا پھیلنے سے قبل وہ دونوں واپس آ گئے۔ اس دوران میں ابو مالک مسلسل غائب تھا۔ میں نے آخری بار چھپر کے نیچے صفائی کی اور پھر جھونپڑی میں چلا گیا۔

وہاں پہنچا تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ابو مالک نہایت بے فکری کے ساتھ چٹائی پر گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ میری لاعلمی میں نہ جانے کس وقت وہاں آ پہنچا تھا۔ پھر مجھے اس کے سرہانے چند چرمی پیٹیاں رکھی ہوئی نظر آئیں جو اس سے پہلے وہاں موجود نہیں تھیں۔

دن بھر گرم اور مرطوب ہوا میں کام کرنے کے باعث میرا سارا بدن چپک رہا تھا مگر وہاں نہانے کے لیے پانی موجود نہیں تھا۔ میں نڈھال ہو کر چٹائی پر ہی دراز ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد ابو مالک بیدار ہوا۔ چند تابڑتوڑ انگڑائیاں لینے کے بعد لالٹین روشن کرنے لگا۔

"تم کہاں گئے ہوئے تھے؟" میں نے نرم لہجے میں سوال کیا۔

"باہر کچھ کام تھا۔ کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی تم کو؟"

"تمہارے بغیر میں خود کو بے سہارا محسوس کر رہا تھا۔"

"وہ کیوں؟"

"صفائی کی حد تک تو کوئی دشواری نہیں مگر جب دو مقامی اونٹوں کے لیے آئے تو میں پریشان ہو گیا۔ میرے لیے مقامی زبان سمجھنا دشوار ہے۔ پھر میں لوگوں سے واقف بھی نہیں۔"

نیم تاریکی میں اس کی دبی دبی گرمی ہنسی کی آواز گونجی۔ "تم بے فکر رہو۔ یہاں کسی میں جرأت نہیں کہ بے ایمانی کر سکے۔ جو بھی آئے تم اونٹ اس کے حوالے کر سکتے ہو۔"

"پھر لوگ مجھ سے دریافت کیے بغیر بھی جانور لے جا سکتے ہیں!"

"نہیں۔" وہ بولا۔ "تمہاری اجازت کے بغیر کوئی ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ اس طرح ہمیں یہ معلوم رہتا ہے کہ کوئی اونٹ ہمارا تو گم نہیں ہو گیا ہے۔"

"بہرحال مجھے یہاں رہنا ہے تو زبان تو سیکھنی ہی پڑے گی۔"

"آہستہ آہستہ خود ہی سیکھ جاؤ گے۔"

اگلے روز ابو مالک نے صبح سویرے ہی ان چرمی پیٹیوں میں سے ایک

کو کھولا تو اس میں افیون موجود تھی۔ وہ نہایت اطمینان کے ساتھ افیون کی بھاری مقدار گھونٹنے میں مصروف ہو گیا اور مجھے ہدایت کی کہ میں رات بھر کی غلاظت سمیٹ کر فوراً واپس آ جاؤں۔

میری مدد سے جب اس نے افیون تیار کر لی تو اس کے سیاہی مائل محلول کو ایک کنستر میں منتقل کیا گیا اور پھر وہ کنستر باہر لے گیا۔

مجھے یہ دیکھ کر شدید حیرت ہوئی کہ افیون کی بو پاتے ہی جتنے بھی اونٹ تھے یک بیک مضطرب ہو گئے اور مظلوم آوازوں میں بلبلانے لگے۔ ابو مالک نے وہ کنستر ایک اونٹ کے آگے رکھ دیا اور وہ جیسے پانی کے ساتھ غٹاغٹ وہ محلول پیتا چلا گیا۔

کنستر خالی ہو جانے کے بعد ابو مالک نے اس اونٹ سے کچھ کہا اور وہ جھرجھری لے کر زمین پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے لبادے کی جیب سے متعدد تعویذوں والا ایک ہار نکالا اور اس اونٹ کی گردن سے باندھ دیا۔ ہاں موجود بیشتر اونٹوں کی گردنوں میں اسی قسم کے بوسیدہ ہار پڑے ہوئے تھے مگر ابو مالک نے جس اہتمام کے ساتھ وہ ہار باندھا تھا اس سے کسی حد تک مجھے معاملے کا اندازہ ہو گیا تھا۔

ابو مالک چند اونٹوں کو افیون کے سہارے اپنی مرضی کا غلام بنا چکا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ان ہار کی تعویذوں میں کچھ خفیہ پیغامات پوشیدہ ہوں گے جنھیں اس نشہ باز اونٹ کے ذریعے ابو مالک کسی خاص منزل پر پہنچانے والا تھا۔ اس صحرائی بستی میں ہر روز نت نئے اور حیرت انگیز واقعات میرے سامنے آتے جا رہے تھے۔

وہ اونٹ بے مہار تھا۔ اس کے گلے میں پڑی ایک رسی کے ذریعے کھونٹے سے بندھا ہوا تھا۔ اس کی گردن میں ہار باندھنے کے بعد ابو مالک نے رسی کا سرا آزاد کر دیا اور اونٹ کی پشت پر زور سے تھپکی مار کر کچھ ناقابل فہم الفاظ ادا کیے۔ اونٹ جھرجھری لے کر اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستہ آہستہ ایک طرف چل دیا۔ اس کا رخ حویلی کے احاطے سے نکاسی کے راستے کی طرف تھا۔

ابو مالک اس وقت تک وہیں کھڑا پرخیال نظروں سے اس اونٹ کو گھورتا رہا جب تک وہ حویلی میں بنی ہوئی عمارات کی بھول بھلیوں میں غائب نہ ہو گیا پھر میری طرف دیکھتے ہوئے مسکرانے لگا۔

"کچھ سمجھ میں آیا؟" چند ثانیوں کے بعد اس نے دوستانہ انداز میں میرے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے سوال کیا۔

"سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ یہ کس طرف جا رہا ہے؟"

"اس کا ایک ہی تنگ بندھا راستہ ہے۔ صحرا کے بغیر آسانی سے عبور کر جائے گا۔"

"تو یہ سعودی علاقے کی طرف گیا ہے؟"

اس نے فخر کے ساتھ سر کو اثبات میں جنبش دی۔ "صحرا میں پیغام رسانی کے لیے اس سے موثر اور بے خطر کوئی طریقہ نہیں۔"

رفتہ رفتہ الشریخ میں ابو مالک کا مصروف دائرہ واضح ہوتا جا رہا تھا۔

میں ہلکے انداز میں مسکرا دیا۔ "اور منزل پر اس کی گردن سے تعویذوں والا ہار اتار لیا جائے گا؟"

"ہاں!" وہ جھونپڑی کی طرف چلتے ہوئے بولا۔ "وہاں سے نئے پیغامات لے کر آئے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں روک سکتی [illegible] افیون کی طلب اسے دوبارہ اسی مقام پر پہنچا دے گی۔"

اونٹوں کی غلاظت سمیٹنے والا وہ دبلا پتلا اور [illegible] شخص مجھے یک بیک بہت پراسرار اور خطرناک نظر آنے لگا۔

ابو مالک کی توقع کے عین مطابق پانچویں روز [illegible] اونٹ آ پہنچا۔ میں نے فوراً ہی ابو مالک کو اطلاع دے دی۔

اس اونٹ کے لیے ایک بار پھر افیون کا کنستر تیار کیا گیا [illegible] خاص کر تھی جب اونٹ کو اپنا منتقل کیا گیا تو وہ [illegible] کی گردن میں پہلے ہار سے مشابہ مگر مختلف رنگ کی ڈوری والا ہار موجود تھا۔ اونٹ کا پیر باندھنے کے بعد ابو مالک نے وہ ہار کھولا اور وہاں سے چلا گیا۔ میرے ذہن میں بے شمار سوالات الجھ رہے تھے اور میں بے چینی سے ابو مالک کا منتظر تھا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آیا تو میں نے موقع پا کر بات چھیڑ دی۔

"یہ کام تم شیخ کے لیے ہی کرتے ہو؟"

"الشریخ میں ہر کام اسی کے لیے کیا جاتا ہے۔"

"تم بھی شیخ کے پاس کبھی گئے تھے؟"

وہ زور زور سے ہنسنے لگا۔ "شیخ بہت مصروف آدمی ہے۔ تم تو واقف ہو کہ جب تم بھٹک کر یہاں پہنچے تھے تو وہ الشریخ میں تھا مگر وہ اکثر باہر رہتا ہے۔"

"تو اس کے نہ ہونے کی صورت میں بستی کا انتظام کون چلاتا ہے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"اس کا انتظام خود بخود چلتا ہے۔ جہاں ہر شخص اپنے کام اور حکم عدولی کی صورت میں انجام سے واقف ہو وہاں کسی نگران کی ضرورت نہیں۔"

"تم [illegible] ہو نا؟"

"میرا اچانک تمہیں کیسے یاد آ گیا؟" اس وقت وہ خاصے خوشگوار موڈ میں تھا۔

"تمہاری یہ بستی [illegible] شیخ اور تمہارے کام ایسے پراسرار ہیں کہ سوچتے سوچتے میرا دماغ گھٹنے لگا ہے۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تم سے کی ہوئی ہر بات اپنے سینے میں دفن رکھوں گا۔ [illegible] شاید مقصد سمجھنے کے بعد میں بہتر طور پر تمہارے کام آ سکوں۔"

"یہاں ہر آدمی کسی نہ کسی کام [illegible] دی گئی جو کہا جائے گا۔ سوچنے اور سمجھنے کی کوشش میں [illegible]"

ابو مالک کے اس [illegible] جواب نے میری [illegible]

لیے اپنے طور پر حاصل کر لی ہوں گی۔

شروع میں میرا وقت گھٹن اور اضطراب کے عالم میں گزر رہا تھا۔ وہاں [illegible] زبان تھا اور اس کا دو تین مواقع کے علاوہ [illegible] نہیں تھا۔ بالآخر [illegible] کے دوران [illegible] دوستی گانٹھنے میں کامیابی حاصل [illegible] ابو مالک نے مجھے کام چلانے کے لیے عربی [illegible] کوشش کرتا تھا [illegible] فرصت کا بیشتر [illegible] کے ساتھ گزاروں تاکہ جلد از جلد عربی زبان سیکھ لوں۔

[illegible] اونٹنیوں کا دودھ دوہتے اور افیون گھونٹتے مجھے [illegible] ہو گیا اس دوران میں میں اس حد تک عربی سے واقف ہو گیا تھا کہ [illegible] سے دیر تک گفتگو کر سکوں۔

[illegible] ایک نوجوان مجھے اپنے رتبے کا آدمی معلوم ہوا [illegible] اس کے ساتھ [illegible] بستی سے [illegible] نکل گیا اور وہاں [illegible] ٹھنڈی ریت پر دراز ہو کر [illegible] اس کی باتوں سے [illegible] کہ وہ میری نیت پر [illegible]

[illegible] اس نے میرا سوال [illegible] "[illegible] تمہارا خیال [illegible] زندگی کا [illegible] ہو سکتا ہے؟"

"[illegible] خیال ہے کہ اس بستی میں شیخ کی ملازمت سب سے بہتر ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ [illegible] بے شک ایسا معلوم ہوتا [illegible] بالکل [illegible] کر رہ گیا ہوں۔"

"[illegible] ہوں؟"

"[illegible] میں نے محض عزت اور آسائش کے لیے [illegible] کی تھی [illegible] سے غلاموں جیسا سلوک کرتا ہے اور آسائش کا تصور [illegible] دوسری طرف بستی والے شیخ کے ملازموں سے خوفزدہ رہتے ہیں [illegible] پسند نہیں کرتے۔"

"[illegible] اندازہ نہیں ہو سکا۔"

"[illegible] زبان پر عبور حاصل ہو گیا تو چند ہی دنوں میں کچھ [illegible] عرصے بعد تم بھی میرے خیال سے متفق ہو جاؤ گے۔"

"[illegible] بدظن معلوم ہوتے ہو؟"

[illegible] خوفزدہ ہو گیا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "نہیں [illegible] میں سب سمجھ گیا۔ تم یقیناً میرے خیالات کا جائزہ لینے [illegible] بھیجے گئے ہو۔"

[illegible] میں نے [illegible] کہا۔ "میں تو خود [illegible] یقین [illegible] کوئی مخبر نہیں ہوں۔"

[illegible] اسے اپنے خلوص کا یقین دلا سکا اور جب [illegible] والا انکشاف کیا۔

[illegible]

اگر وہ گر بے گناہوں پر اس کے ظلم کی دہشت نہ ہو تو وہ اس کے پیچھے [illegible]

"اس بستی کا شیخ ہی ہے نا؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"اس کا ارشد جیسا قد، جھلسی ہوئی گندمی رنگت، دبیز [illegible] اور نیلی آنکھیں تم نے بستی میں کہیں اور دیکھی ہیں؟" وہ حقارت آمیز لہجے میں بولا۔ "وہ بھوک کا پیاسا بے سر و سامانی کے عالم میں یہاں پہنچا تھا۔ امیر معظم نے اس پر رحم کھا کر اسے پناہ دی مگر پھر نہ جانے کیا ہوا کہ امیر معظم نے اس کی جوان اور خوبصورت لڑکی سے شادی کر لی اور خود گوشہ نشین ہو گئے۔ ابو خالد آہستہ آہستہ بستی کے معاملات پر چھاتا چلا گیا۔"

"تو اس کی کوئی لڑکی بھی ہے؟"

"ہاں! وہ عراق جیسے بڑے شہروں میں یہاں آئی تھی۔ اس حسن کی آنکھوں میں غضب کا جادو ہے۔ جوان اور گداز بدن کے [illegible] امیر کو اپنے سحر میں گرفتار کر لیا۔ سچ پوچھو تو ابو خالد نے اپنی بیٹی امیر کے اقتدار کے عوض بیچی ہے ورنہ پانچ برس قبل وہ ابو مالک اور اپنی بیٹی کے ساتھ یہاں پہنچا تو بھوک اور پیاس سے تینوں لب گور پہنچے ہوئے تھے۔"

"تو امیر معظم کو ان حالات کا اندازہ نہیں؟"

"ان کی عمر ستر برس سے [illegible] اور وہ لاولد ہیں۔ انھیں الشریخ سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ لوگوں کو یقین ہے کہ ابو خالد نے اولاد کا لالچ دے کر ہی اپنی بیٹی امیر کے حرم میں پہنچائی ہوگی۔ اس کے آنے کے بعد امیر معظم اپنی بیویوں کو بالکل بھول چکے ہیں۔ جب ابو خالد باہر ہوتا ہے تو اس کی بیٹی امیر کے سامنے فرمان جاری کرتی ہے۔ امیر کے اہل خاندان کو باپ بیٹی نے بالکل بے دخل اور مجبور کر دیا ہے۔ بستی کے لوگ بالکل غیر مسلح ہیں مگر ان دونوں کے دس بارہ جاں نثار خطرناک قسم کے اسلحے سے لیس رہتے ہیں۔ وہ بربریت پر اتر آئیں تو ایک گھنٹے میں پوری بستی کو قبرستان بنا سکتے ہیں۔"

مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں بے شمار چیونٹیاں سی رینگتی محسوس ہوئیں۔

"ابو مالک کیسا آدمی ہے؟"

"وہی سب سے زیادہ خطرناک اور ابو خالد کا منہ چڑھا ہے۔" فواد تلخ لہجے میں بولا۔ "بس یوں سمجھو کہ ہر وقت ایک خونخوار بھیڑیئے کے پنجے میں جکڑے ہوئے ہو جو کسی بھی وقت تمہیں جبڑوں کے درمیان کچل سکتا ہے۔"

"آخر ابو خالد کو اس بستی سے کیا دلچسپی ہے جبکہ وہ اپنا بیشتر وقت باہر گزارتا ہے؟"

"اس دولت و اقتدار نے امیر معظم سے کہا تھا کہ ان کی تمام اراضی خرید لیا ہے اور اب وہ بھی الشریخ سے دور جانے لگا۔" فواد اب کھل کر مجھ سے بات کر رہا تھا۔ "ہمیں صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ بستی کے لوگ سب اس کے غلام بنا لیے گئے ہیں اور وہ کسی بدروح کی طرح ہم پر مسلط ہے۔"

"اس کا اصل نام کیا ہے؟"

"کوئی نہیں جانتا۔" وہ سر جھٹک کر بولا۔ "اس نے خود کو ابو خالد کہہ کر متعارف کرایا تھا اور وہ اسی نام سے پہچانا جانے لگا جبکہ مجھے شبہ ہے کہ

اس کی کوئی اولاد بھی ہو۔"

"نیلی؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "وہ کون ہے؟"

اس نے خاموش رہ کر چند ثانیوں تک خوفزدہ نظروں سے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ چاندنی رات میں صحرا میں ہر طرف ویرانی کا راج تھا۔ وہ اضطراری طور پر میری طرف جھک گیا اور دھیمی آواز میں بولا۔ "مجھے وہ بھی اس کی کوئی لونڈی معلوم ہوتی ہے۔ وہ کسی ایسے چکر میں معلوم ہوتا ہے۔"

"بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟" میں نے بے اعتباری سے بولا۔

"تم پہلے آدمی ہو جس کے سامنے میں نے یہ بات کہی ہے۔ میں اپنی آنکھوں کو کیسے جھٹلا سکتا ہوں۔ میں نے ابوخالد کو ایسے انداز میں نیلی کے ساتھ دیکھا ہے کہ میں انھیں باپ بیٹی مان ہی نہیں سکتا۔ پھر اس کی زبان سے کسی نے خالد کا تذکرہ نہیں سنا۔ اگر واقعی اس کا کوئی بیٹا ہوتا تو ان پانچ سالوں میں کم از کم ایک آدھ بار ضرور اپنی ماں سے ملنے آتا۔ کیا یہ تمام باتیں تمھیں مشکوک نہیں لگتیں؟"

"ابوخالد اور نیلی کو اس حال میں دیکھنے کے بعد تم کیسے بچ گئے؟"

"میں امیر معظم کی رہائش گاہ میں ہر شام تازہ پھولوں کے گلدستے سجانے پر مامور ہوں اور میری رسائی ہر جگہ ہے۔ میں نے پردوں کے درمیان سے نیلی کی خوابگاہ میں اسے دیکھا تھا۔ وہ دونوں کسی بات پر بے حد خوش تھے۔ میں ان کی گفتگو نہ سن سکا مگر جب ابوخالد نے اسے بانہوں میں لیا تو میں وہاں سے ہٹ گیا۔ ان دونوں کو علم ہی نہ ہو سکا کہ میں نے انھیں دیکھ لیا ہے۔"

"تم چاہو تو ہم التسویج کو ابوخالد کے شکنجے سے نکال سکتے ہیں۔" میں نے قدرے سکوت کے بعد دھیمے اور پُراعتماد لہجے میں کہا۔

وہ خوفزدہ نظروں سے مجھے گھورنے لگا پھر سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔

"مجھے تو تم پاگل نظر آتے ہو۔ اس سے ٹکرانا اپنی موت کو دعوت دینے کے برابر ہے۔"

"وہ بھی ہم جیسا انسان ہے۔" میں نے اسے حوصلہ دلانے کی کوشش کی۔

"مگر تم اس کے مسلح جاں نثاروں کو کیوں بھول رہے ہو۔" وہ بولا۔ "وہ سب عرب ضرور معلوم ہوتے ہیں مگر وہ انھیں باہر سے لایا ہے۔ انھیں ہمارے اہل قبیلہ کا خون بہاتے ہوئے ذرا بھی ملال نہ ہوگا۔"

"اگر ہم ابوخالد کو مار دیں تو وہ ہتھیار اٹھانے کی ہمت بھی نہ کر سکیں گے۔" میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں بولا۔

وہ میرا ہاتھ جھٹک کر ایک دم کھڑا ہو گیا اور خنکی کے باوجود اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمکنے لگیں۔ وہ عجیب سی خوفزدہ نظروں سے مسلسل مجھے گھورے جا رہا تھا۔

"کیا بات ہے فواد؟" اسے خاموش پا کر میں نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"تمھارے الفاظ سے خون کی بو آ رہی ہے مسافر۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔ "مجھے تو تم ابوخالد سے زیادہ خطرناک نظر آتے ہو۔"

"بیٹھ جاؤ! مجھے رب کریم نے ابھی تمھاری ضرورت ہو جاتی ہے فواد۔" میں نے کہا۔ "میں اگر صحرا میں بھٹک کر مر جاتا تو میری کہانی ختم ہو جاتی۔ میری ایک حسین اور وفاشعار بیوی ہے۔ میں اس سے بچھڑ کر یہاں آپھنسا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میں ابوخالد کے چنگل سے بھی نکل سکوں گا۔ اس کا تختہ الٹ کر التسویج کی تقدیر بھی بدل سکیں گے اور میں واپس اپنی بیوی تک بھی لوٹ سکوں گا۔"

اسے سمجھانے کی ہر کوشش میں مجھے ناکامی ہوئی۔ ابوخالد سے نفرت کے باوجود اس میں کسی عملی کارروائی کا حوصلہ نہیں تھا۔ میری باتوں کے جواب میں وہ یہی کہتا رہا کہ ابوخالد ایک پہاڑ ہے جس سے ٹکرا کر ہم فنا ہو جائیں گے اس کا کچھ نہ بگڑے گا۔

کافی دیر بعد ہم دونوں اپنے اپنے خیالات میں کھوئے ہوئے خیمہ گاہ سے واپس لوٹ آئے۔

اس رات میں ایک پل کے لیے نہ سو سکا۔ سینا مجھے شدت سے یاد آ رہی تھی۔ اسے مجھ سے بچھڑے طویل مدت گزر چکی تھی۔ اس کا بات بات پر الجھنا، روٹھنا اور جلدی مان جانا یاد آ رہا تھا۔ خود غرض انسانوں سے دور ہمالیہ کی گود میں پروان چڑھنے والی سینا نہایت سادہ اور معصوم فطرت کی مالک تھی۔ اس کی بے خوفی اور جرأت کے سامنے ہر مشکل ہیچ تھی۔ میں نے عیش و عشرت کی ایک طویل زندگی گزاری۔ بے حساب دولت اور شباب میں اپنی زندگی کا ہر لمحہ حسین بنا رہا تھا۔ اس کے بعد مقدر نے مجھے ایک بار مجرم بنا دیا اور میں پناہ کی تلاش میں پے در پے جرم کا ارتکاب کرتا ہوا بھٹکتا رہا۔ پھر ہمالیہ کی برف پوش چوٹیوں کے سائے میں سینا مجھے ملی تھی اور روح فرسا جدوجہد کے بعد اس کی بن بیاہی ماں سندری نے اسے میرے حوالے کر دیا۔

سنگلاخ وادیوں میں بے سروسامانی کے باوجود سینا کی رفاقت میں میں نے جو دن گزارے وہ میری زندگی کا نچوڑ تھے۔ اسے اپنا کر مجھے احساس ہوا کہ اپنے باپ کی دولت سے دستکش ہونے کے بعد میں جس عافیت کے پیچھے بھاگتا رہا وہ محض سراب کی مانند تھی۔ قدرت نے سینا کی صورت میں مجھے پھر اپنا اعتماد اور سکون کے صحیح مفہوم سے آشنا کر دیا تھا۔

سندری نے مجھے دو تحفے دیے اور وہ دونوں بے مثال تھے۔ سینا کی صورت میں مجھے بیوی مل سکی تھی اور مندری پارس پتھر کا جوڑا مل سکا تھا جس کی مہربانیوں کے طفیل میں نے اپنی منزل پا لی تھی اور میں اس وقت جب دل میں اپنے چھوٹے سے خوبصورت گھر اور مستقبل کا ارمان لیے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا جیسے میری زبان کا ذائقہ بدل گیا تھا جیسے سب کچھ گئی اور اس کے بعد پارس پتھر بھی میرے اختیار میں نہ رہا۔

پارس کے بارے میں تو مجھے امید تھی کہ میں جب بھی انبالہ پہنچوں گا کامیاب ہوا۔ راجہ بہروپ نے منتر پڑھ کر کسی الماری کے ایک خانے میں چھپا ہوا پتھر میری ملکیت بن جائے گا۔ وہ محفوظ تھا مگر سینا کے بارے میں مجھے کچھ علم نہیں تھا۔

میں نے چند سوال کیے لیکن وہ بھی میری رہنمائی نہ کر سکتے تھے۔ سینا جانتی تھی کہ ہندوستان کی سرحد عبور کرنے کے بعد لاہور یا کراچی کو اپنی منزل بنا سکتی ہے۔ میں نے والہانہ انداز میں اسے ان نکھرے شہروں کے قصے سنائے تھے۔ مجھے امید تھی کہ وہ آخری سانسوں تک میرا انتظار کرے گی۔ وہ ہندوستان کی سرحد عبور کر چکی تھی تو یقیناً لاہور یا کراچی میں میری تلاش کر رہی تھی مگر میں صحرائے عرب کے ایک دور افتادہ نخلستان میں ایک ایسے شخص کا قیدی بن چکا تھا جس کی رضا کے بغیر میرے لیے کہیں جانا ممکن نہیں تھا۔

میں رات بھر کروٹیں بدلتا اور سوچتا رہا۔ صبح سویرے ابومالک بیدار ہوا تو خیمے کے فرش پر کروٹیں بدلنے کے باعث الجھے ہوئے بستر کو دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

"تم رات سوئے نہیں؟" وہ حیرت سے بولا۔

"ابومالک! اب میں ایک پل یہاں نہیں رک سکتا۔" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"تمھیں کیسے معلوم ہوا؟" وہ چونک کر بولا۔ "کب؟"

"میں تمھیں بتانے والا تھا کہ دو ایک روز میں تم یہاں سے بھیج دیے جاؤ گے۔"

"میں اپنے وطن کی بات کر رہا تھا ابومالک!" میں افسردہ ہو کر بولا۔ "آج رات میرے سینے کے زخم ہرے ہو گئے ہیں۔ میں آزادی چاہتا ہوں۔ تم سے میرا وعدہ ہے کہ میں نے یہاں جو کچھ دیکھا یا سنا وہ ہمیشہ میرے سینے میں دفن رہے گا۔"

وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تکتا رہا پھر مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "تمھاری متورم اور سرخ آنکھیں اور پیشانی پر ابھری ہوئی رگیں بتا رہی ہیں کہ تم کسی پریشانی میں ہو۔ مجھے اپنی مشکلات بتاؤ شاید میں تمھاری مدد کر سکوں۔ اکیلا آدمی سوچ سوچ کر پاگل ہو جاتا ہے۔"

"میری مشکلات کا حل یہاں سے نکلنے میں ہے۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"تمھیں وہ سفر یاد آ رہا ہے کیا؟"

"وہ پست اخلاق کی عورت تھی۔" میں حقارت سے بولا۔ "وہ تو اپنے جسم کو میرے حوالے کر چکی تھی۔ ایسی عورت کو بھلا کون یاد کر سکتا ہے؟"

ایک لمحے کے لیے ابومالک کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ "کسی کے حرم کی خواتین سے ایسی حقارت سے بات نہ کرو۔ خدا کی پناہ۔"

حرم کے حوالے سے ابومالک کا یہ غیر اختیاری ردعمل مجھے بہت کچھ کہتا تھا۔ میں نے اپنے شبہات کو تقویت دینے کے لیے کچھ مزید کہنا چاہا اور اس سے سب خاموش ہو جانے کی بجائے آزادی کا مقصد ظاہر کر رہا تھا۔

میرا یہ تیر نشانے پر بیٹھا۔ ابومالک نے آگے بڑھ کر غصے سے میرا گریبان تھام لیا اور تقریباً میرے چہرے سے اپنا چہرہ ملا کر کسی زخمی سانپ کی طرح پھنکارا۔ "میں آج کل کے چھوکروں کے باغیانہ خیالات سے خوب واقف ہوں مگر یہ یاد رکھنا کہ آئندہ میرے سامنے حرم کے بارے میں زہر افشانی کی تو زبان کھینچ لوں گا۔ ایک مرد کبھی اپنے مقدس دیوتاؤں کی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔"

میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہ گیا اور وہ میرا گریبان چھوڑ کر باہر چلا گیا۔ اس کے الفاظ میرے لیے شدید حیرت کا باعث ثابت ہوئے تھے۔ محض اتفاقی طور پر ہی اس سے یہ اگلوانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ وہ ہندو ہے۔ مجھے اپنا کر وہ مذہب بچا کر اس نے اعتراف کر لیا تھا کہ وہ مسلمان نہ ہونے کے باوجود اس بستی میں نامعلوم مقاصد کے تحت مسلط ہوا تھا۔

ابوخالد اس بستی میں یقیناً کوئی بڑا کھیل کھیل رہا تھا۔ اس کی ذات ہنوز میرے لیے پُراسرار تھی۔ وہ ایک ہندو کو مسلمان بنا کر رکھتا اس طرح کسی فاحشہ کو اپنی بیٹی بنا کر اسے حرم میں بٹھا رہا تھا۔ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ پانچ برس قبل وہ بھٹک کر التسویج نہیں پہنچا تھا بلکہ اپنے مقاصد کے تحت منظم منصوبہ کا لبادہ اوڑھ کر وہاں آیا تھا تاکہ اپنے قدم جما سکے اور وہ اپنی اس کوشش میں بڑی حد تک کامیاب نظر آ رہا تھا۔

مجھے التسویج آئے کئی ہفتے گزر چکے تھے اور میں خاصی حد تک خود کو مقامی ماحول کے سانچے میں ڈھال چکا تھا مگر اب ابومالک نے مجھے کہیں اور دماغی کشمکش کی الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ اگر مجھے اس خوفناک چنگل سے رہائی پانے کی کوشش کرنی ہی تھی تو التسویج میں رکنا میرے لیے ضروری تھا۔ وہاں کے ماحول اور لوگوں کو سمجھنے میں مجھے خاصا وقت لگ سکتا تھا جبکہ میرے لیے اس قید کا ایک ایک لمحہ گزارنا دشوار ہو رہا تھا۔ سینا کی یاد نے مجھے ناقابل بیان اضطراب سے دوچار کر دیا تھا۔

اس روز میں دیر تک تفکرات میں گھرا رہا۔ میرے ذہن میں کئی منصوبے جنم لے رہے تھے مگر میں کسی ایک فیصلے پر نہیں پہنچ سکا۔ فیصلہ کرنے سے قبل میرے لیے یہ جاننا ضروری تھا کہ التسویج میں میرا قیام کتنے دن تک رہے گا۔

دوپہر میں ابومالک نظر آیا تو میں تیزی سے جا لیا۔

اس نے سرد مہری سے میری طرف دیکھا۔ اس کے رویے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ صبح کی گفتگو کی تلخی کو ابھی تک فراموش نہیں کر سکا ہے۔

"مجھے التسویج سے کہاں بھیجا جا رہا ہے؟" میں نے اس سے سوال کیا۔ اپنے لہجے سے میں نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ میں صبح کی تلخ کلامی فراموش کر چکا ہوں۔

"جہاں تمھاری ضرورت ہے۔" اس نے روکھے لہجے میں جواب دیا۔

"روانگی کب ہوگی؟" میں نے دوسرا سوال کیا۔

"کل شام!" اس بار خلاف توقع اس نے معقول جواب دیا اور یہ

کمرکراگے بڑھ گیا۔ میں کئی ثانیوں تک اسی جگہ کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

اگلی شام روانگی کا مطلب یہ تھا کہ کچھ کر گزرنے کے لیے میرے پاس صرف ایک رات تھی۔ اس حویلی میں رہتے ہوئے دن کی روشنی میں کوئی بھی کارروائی میرے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ پہلے میں نے سوچا کہ ایک تیز رفتار اونٹ لے کر خاموشی سے وہاں سے صحرا کی طرف نکل جاؤں لیکن حویلی کے دونوں راستوں پر تعینات مسلح محافظ میری اس غیر معمولی روانگی پر شبہ میں پڑ سکتے تھے۔ اگر میں انھیں دھوکا دے کر نکلنے میں کامیاب ہو بھی جاتا تو یہ خبر زیادہ دیر پوشیدہ نہ رہتی اور ابومالک کے سدھائے ہوئے تیز رفتار اونٹوں پر سوار لوگ مجھے زیادہ دور نکلنے سے قبل ہی جالیتے۔

سورج غروب ہونے تک میں ہر زاویے کا جائزہ لے کر ایک بڑا فیصلہ کر چکا تھا جس کی ناکامی میری مکمل شکست اور تباہی پر منتج ہوتی مگر یہ فیصلہ میرے لیے ناگزیر تھا۔

جب چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا اور ابومالک کھانے سے فارغ ہو کر چارپائی پر دراز ہو گیا تو میں نے لالٹین کی لو نیچی کی اور اس کے قریب ہی دراز ہو گیا۔

لمحے دھیمے دھیمے سرک رہے تھے۔ میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ آنے والے لمحوں کی سنسنی رفتہ رفتہ میرے اعصاب پر سوار ہوتی جا رہی تھی۔

میں بظاہر چارپائی پر بےحس و حرکت پڑا ہوا تھا مگر میری بار بار کھل جانے والی آنکھیں ... کافی دیر گزرنے کے بعد جب مجھے یقین ہو گیا کہ ابومالک گہری نیند سو چکا ہے تو میں کوئی آواز پیدا کیے بغیر آہستگی کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھا۔

"کیا نیند نہیں آ رہی مصطفیٰ؟" نیم تاریکی میں ابومالک کی دھیمی آواز میرے اعصاب کے لیے کسی بم کے دھماکے جیسی ثابت ہوئی اور میں بے اختیار اچھل پڑا۔

"ہم..... میں پیشاب کرنے جا رہا ہوں۔" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"تو ڈر کیوں گئے؟" یہ کہہ کر وہ ہنسا۔ مجھے اس کی آواز میں تمسخر کی جھلک محسوس ہوئی۔ یوں معلوم ہوا تھا جیسے وہ خبیث میرے ارادوں سے واقف ہو گیا ہو۔ میرا ارادہ تو یہی تھا کہ اسے سوتے ہوئے آسانی سے زیر کر لوں گا مگر یوں معلوم ہوا تھا جیسے اس کی چھٹی حس اسے خطرے سے آگاہ کر چکی ہو۔ اس نے مجھے اپنی بیداری کا احساس دلا کر مضطرب کر دیا تھا۔ میں کچھ سوچے سمجھے بغیر اچانک ہی اس پر ٹوٹ پڑا۔

میرا حملہ اس کے لیے غیر متوقع ثابت ہوا۔ اس نے میری زد سے بچنا چاہا مگر شاید اسے میرے عزائم کا اندازہ کرنے میں تھوڑی تاخیر ہو چکی تھی۔ وہ پوری کوشش کے باوجود میری گرفت سے نہ بچ سکا۔ اس کے نرخرے پر میری گرفت کے باعث اس کی چیخیں خرخراہٹوں میں بدل کر رہ گئیں۔

اس کا گلا گھونٹنا میرے منصوبے میں شامل نہیں تھا۔ اس طرح اس کے قتل کا الزام براہِ راست مجھ پر ہی عائد کیا جاتا۔ گرفت نرم کرنے پر میں اسے چلانے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ ایسی صورت میں پل بھر میں وہاں ہجوم جمع ہو جاتا اور میں موقعۂ واردات پر رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا۔

اس کے مچلتے ہوئے جسم پر سوار ہو کر میں نے گردن دبوچے رکھی اور اوپر اٹھایا اور پوری طاقت سے زمین پر دے مارا۔ اس کا بدن میری گرفت میں ... طرح مچلا۔ اندھیرے میں اس کی سیاہ آنکھیں تحیر کے عالم میں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

سر کے پچھلے حصے پر لگنے والی ضرب نے اس کو نیم بےہوش اور کمزور کر دیا تھا۔ میں نے اسے ذرا بھی مہلت دیے بغیر یہ عمل دو تین بار دہرایا اور وہ ان پے در پے ضربوں کی تاب نہ لاتے ہوئے بےہوش ہو گیا۔

میں نے اس کے نرخرے پر سے اپنے ہاتھ اٹھا لیے مگر اس کے سینے پر ... انداز میں سوار رہا۔ جب کئی ثانیوں تک اس کے بدن نے کوئی جنبش نہ کی تو ہانپتے ہوئے اس کے بدن سے اتر گیا۔

اس خبیث کو بےہوش کر دینے کے بعد میرا کام نسبتاً آسان تھا۔ میں جلدی سے باہر نکلا اور چھپائی ہوئی رسی لے آیا۔

اس کے ہاتھ پیر مضبوطی سے باندھنے کے بعد میں نے اس کے حلق میں کپڑا ٹھونس دیا اور اسے شانے پر ڈال کر باہر لے آیا۔

... اندھیرے میں مجھے دشواری نہیں ہوئی پھر میں نے وہیں بندھے ہوئے ایک شتر ... کی مہار تھام کر اسے ... جھٹکا دیا اور وہ بلبلاتا ہوا اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔

ابومالک ... اونٹوں کی ... مہار کو ... میں نے ... فاصلہ اختیار کیا ... حملہ آور ہو ... پھر اس کی نکیل کو آہستہ آہستہ ... ابتدا میں وہ اونٹ اس ناگہانی مصیبت سے گھبرا گیا مگر جب یہ حرکت تسلسل کے ساتھ جاری رہی تو وہ غصے میں بپھرنے لگا۔ اس کے دہانے سے سفید سفید کف جاری ہونے لگا اور وہ جھٹکے کے ساتھ غضبناک آوازوں میں بلبلاتا ہوا آگے کی طرف لپکتا تھا مگر پاؤں میں بندھی ہوئی رسی نے اس کی نقل و حرکت کا دائرہ بہت محدود کیا ہوا تھا۔

جب اس اونٹ کا اشتعال حد سے بڑھ گیا تو میں اس کی ... ابومالک کے عقب میں محفوظ فاصلے پر جا کھڑا ہوا۔ اب اونٹ کا رخ براہِ راست ابومالک کی جانب تھا اور وہ حد سے زیادہ مشتعل نظر آ رہا تھا۔ میں نے اس بار کافی زور سے مہار کو جھٹکا دیا اور اونٹ غضبناک انداز میں بلبلاتا ہوا آگے بڑھا۔ پیروں میں بندھی ہوئی رسی نے جب اسے مزید آگے بڑھنے نہ دیا تو اس کی گردن مہار کے تناؤ سے نجات پانے کے لیے پیچھے کی جانب جھکتی چلی گئی۔

پھر جیسے ہی اونٹ کو اپنے قریب کسی کی موجودگی کا احساس ہوا وہ پوری قوت سے بلبلایا اور ابومالک کی کھوپڑی اپنے دہانے میں دبوچ لی۔ میں نے ایک بار پھر مہار کو جھٹکا دیا اور اس اونٹ نے تکلیف سے ... ہو کر اپنی پوری وحشیانہ قوت سے ابومالک کی کھوپڑی چبا ڈالی۔

... ابومالک ...

... کے عالم میں بُری طرح تڑپا اور کچلی ہوئی کھوپڑی سے بہتا ہوا ... بدن کو رنگین کرنے لگا۔

اندھیرے میں اونٹ کی آنکھوں سے دہشت ٹپک رہی تھی۔ میں نے ... کے سہارے باندھ دیا اور جلدی جلدی ابومالک کی لاش ... کھول دیں۔ اس کی لاش جھٹکے سے دھماکے کے ساتھ ... گری۔

کچلی ہوئی کھوپڑی اور خون میں نہائے ہوئے چہرے سے کراہت کے ... ابومالک کے منہ میں ٹھنسا ہوا کپڑا نکالا اور رسی کی ... ایک انبار کے پیچھے چھپا دیا۔

میں واپس آیا تو ابومالک کا بدن آہستہ آہستہ کانپ رہا تھا جسم کی حرارت ... باقی تھی۔ میں نے اونٹ کی مہار کا بندھا ہوا سرا آزاد کیا اور پھر ... زور زور سے چیخنا شروع کر دیا۔

میری دہشت زدہ ہذیانی چیخوں نے رات کا گہرا سکوت درہم برہم کر دیا۔ چند لمحوں بعد قصبے میں بنے ہوئے مکانات وغیرہ سے لوگ ... باہر نکلتے نظر آئے مگر ان سب سے پہلے وہ مسلح محافظ دوڑتے ہوئے وہاں آ پہنچے۔

جب انھوں نے ٹارچ کی روشنی میں ابومالک کی ہیبت ناک اور ... حالت دیکھی تو ان پر ہیبت طاری ہو گئی۔ مجھے بھی اس وقت پہلی بار ... اونٹ کے جبڑے میں کیسی وحشیانہ قوت موجود ہے۔

پھر اونٹ کا جائزہ لیا گیا۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں ... تیزی کے ساتھ جگالی کر رہا تھا اور اس کا دہانہ خون آلود جھاگ سے ... تھا۔

اس اثنا میں کافی لوگ وہاں جمع ہو چکے تھے۔ ہر ایک نے اس حادثے کے بارے میں مجھ پر طرح طرح کے سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

میں نے ہر ایک کو یہی بتایا کہ میں ... گہری نیند سویا ہوا تھا کہ اونٹ کے زور زور سے بلبلانے کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اندھیرے میں ایک انسانی ہیولا اونٹ کی مہار تھامے ہوئے ... دیکھا ہی تھا کہ اونٹ نے اس شخص کا سر چبا ڈالا۔ ... مجھے بھی معلوم نہیں تھا کہ مرنے والا ابومالک ہے۔

... لوگوں نے ... یقین کر لیا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ ... بدقسمتی سے ابومالک غلطی سے اس کی ... زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

... وہاں بھیڑ جمع رہی۔ اس دوران میں محافظوں نے ... اور ... ہدایات کی روشنی میں ... کر گئے۔ جانے سے پہلے انھوں ...

... سے ... رہنے کی ہدایت کی تھی۔

رات کا باقی حصہ میں نے جاگتے ہوئے گزارا۔ بظاہر میرے منصوبے کا ابتدائی حصہ میرے اطمینان کے مطابق پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ ابومالک کو راہ سے ہٹانے کے بعد الشریخ سے میری فوری منتقلی کا خدشہ ختم ہو چکا تھا اور مجھے قدرت نے مہلت دی تھی۔ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر میں اپنی روانگی کے منصوبے کے دوسرے حصے پر بآسانی عمل کر سکتا تھا۔

صبح نمودار ہونے کے بعد امیر معظم کا ایک ہرکارہ میرے پاس آیا اور بتایا کہ ابومالک کی تدفین کے بعد میری پیشی ہوگی لہٰذا میں واپسی کے بجائے ... میں پہنچوں جہاں سے ہرکارہ مجھے راستہ بتائے گا۔

ابومالک کی تدفین کے موقع پر الشریخ کی تقریباً پوری آبادی موجود تھی مگر کسی کو اس کے مرنے کا ملال نہیں تھا۔ اس کی موت غیر معمولی حالات میں ہونے کے باوجود لوگ اس اندوہناک حادثے پر تبصرہ کرنے سے گریز کر رہے تھے جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ الشریخ کی مقامی آبادی میں صرف ابوخالد ہی نہیں بلکہ اس کے ملازمین بھی ناپسندیدگی کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔

اسی بھیڑ میں مجھے فواد بھی نظر آیا۔ اس کی بےچین نگاہیں کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔ میں نے ہاتھ ہلا کر اسے اشارہ کیا تو وہ تیر کی طرح میری طرف آیا اور میرا ہاتھ تھام کر مجھے بھیڑ سے باہر لیتا چلا گیا۔

"تم نے اسے مار دیا؟" اس نے سرگوشی کرتے ہوئے ... ہیجان اور مسرت سے لبریز لہجے میں سوال کیا۔

"کسے؟" میں نے انجان بنتے ہوئے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"اب مجھ سے اڑنے کی کوشش مت کرو۔" وہ میرا شانہ دباتے ہوئے پُرجوش لہجے میں بولا۔ "مجھے معلوم ہے کہ وہ تمہارے ... کا نشانہ بنا ہے۔ بخدا! مجھے تو اب تک یقین نہیں آ رہا کہ وہ مر گیا ہے۔ ابومالک کے تنخواہ دار اس نخلستان میں عزت اور رفاقت کے ... سمجھے جاتے ہیں۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "ایک اونٹ نے اس کی کھوپڑی چبا ڈالی ہے اور وہ اونٹوں کا ماہر تھا۔ میرا اس کی موت سے کیا تعلق ہے؟"

"خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔" وہ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد قدرے ... لہجے میں بولا۔ "مجھ سے یقیناً سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ میں خود کو تمہارے اعتماد کا اہل ثابت کروں گا۔ تم ہماری بستی کے لیے رحمت بن کر آئے ہو۔ میں تمہاری ہر ... اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا۔"

ابومالک پر میرا وار چل چکا تھا اور میرا حوصلہ ایک بار پھر بلند ہو گیا تھا۔ لیکن وجود میں سویا ہوا وہ ... بیدار ہو چکا تھا جو حکمرانوں سے ٹکرانے کے ... اٹھانے کا عزم رکھتا تھا۔ میں فواد جیسے شخص کی ... کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔

"ابومالک کی موت کا اس گفتگو سے کوئی تعلق نہیں جو میں نے تم سے کی تھی۔" میں نے نرم لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "اگر ... قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا تو تم میرے ساتھ ہو گے۔ ان لوگوں ..."

حماقت سے کم نہ ہوگا۔"

اس کی آنکھوں میں بے اعتباری کے ساتھ ہی اضطراب سمٹ آیا۔

"تم آدھی رات کو بھی مجھے طلب کرو گے تو میں سر کے بل دوڑتا آؤں گا۔"

یہ کہہ کر وہ مجھ سے الگ ہو گیا۔

ابو مالک کی خون آلود کفن میں لپٹی ہوئی لاش کو سپردِ خاک کرنے کے بعد میں حسبِ ہدایت دیوان عام میں جا پہنچا۔

میرا نام سن کر بوڑھے چوبدار نے مجھے سر سے پیر تک بغور دیکھا پھر بولا۔ "امیر معظم آج کل بیمار ہیں۔ ان کی بیگم نے تمہیں زنان خانے میں طلب کیا ہے۔"

"مجھ سے کوئی قصور تو سرزد نہیں ہوا؟" میں نے عاجزانہ لہجے میں اس تجربہ کار بوڑھے چوبدار سے دریافت کیا۔

"یہ وہاں پہنچ کر نگران کے روبرو رکھنا۔ ہاں گستاخی کرنے والوں کا سر شانوں سے محروم کر دیا جاتا ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

پھر وہ مجھے ساتھ لے کر اس وسیع عمارت کی پیچ در پیچ اور آراستہ راہداریوں میں داخل ہو گیا۔

چند راستوں سے گزرنے کے بعد جب میں عمارت کے خاص حصے میں داخل ہوا تو میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ تفصیل سے اندر جانے پر عمارت کی بیرونی ساخت یکساں لگتی، مٹی اور گارے کی کھردری دیواریں جن میں محراب دار دروازے لگے ہوئے تھے مگر عمارت کے اس حصے میں پہنچ کر پتہ ہی نہ چلتا تھا کہ میں اسی سادہ سی عمارت میں موجود ہوں۔ فرش پر دبیز قالین بچھے ہوئے تھے۔ دیواروں پر منقش اور بیش قیمت ٹائل جڑے ہوئے تھے۔ جگمگاتے ہوئے نفیس فانوس اور دیوار گیر مشعل دان کاریگری کی بہترین مثال تھے۔ کھڑکیوں اور دروازوں پر لمبے ریشمیں پردے پڑے ہوئے تھے جن کے اوپری سروں پر کانسی کی چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ پردوں کو جنبش ہوتے ہی وہ گھنٹیاں بجتیں اور مترنم آواز میں گونج اٹھتی تھیں۔

عمارت کے اس حصے میں کنیزوں کا راج تھا۔ دور دور تک کوئی مرد نظر نہ آتا تھا۔ مجھے لانے والے نے اس مقام پر مجھے ایک ادھیڑ عمر عورت کے حوالے کیا اور خود واپس چلا گیا۔

"میرے پیچھے چلے آؤ۔" اس عورت نے کہا اور ایک پردے کے پیچھے غائب ہو گئی۔

میں پردہ اٹھا کر اندر داخل ہوا تو بھونچکا رہ گیا۔ وہ ایک وسیع اور آراستہ کمرہ تھا جو بھینی بھینی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ دیواروں کے ساتھ چینی کے بڑے بڑے گلدانوں میں پھول سجے ہوئے تھے۔ کمرے کے تقریباً وسط میں ایک باریک پردہ اس طرح پھیلا ہوا تھا کہ وہ کمرہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ پردے کے اس پار ایک زرنگار مسند بچھی ہوئی تھی۔ اس جانب روشنی اس قدر کم تھی کہ وہاں کی کوئی چیز واضح دیکھنا تقریباً ناممکن تھا۔

ادھیڑ عمر عورت نے مجھے کمرے کے روشن حصے میں رک کر انتظار کرنے کو کہا اور خود ایک بغلی دروازے سے کہیں چلی گئی۔

میں کافی دیر وہاں بیٹھا دھڑکتے دل کے ساتھ آنے والے لمحات کا انتظار کرتا رہا۔ بیگم کی طلبی نے مجھے شدید الجھن میں ڈال دیا تھا۔ میں اس موضوع پر جتنا سوچتا اسی قدر پریشانی میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ ایک خدشہ یہ بھی تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ ابو مالک کی موت پر سازش کا شبہ ہو گیا ہو۔

میں سر جھکائے اسی سوچ میں گم تھا کہ اچانک ایک مترنم نسوانی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ "عبدل کیا سوچ رہے ہو؟"

میں گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ [illegible] موجود تھا۔ میری سمت والے حصے میں روشن شمعوں کا انعکاس مسند والی کے [illegible] مجھے [illegible] پیدا کر رہا تھا۔ میری نگاہیں جس کے عالم میں اسی طرف [illegible] باادب اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

"تم پریشان مت ہو۔" مسند والی نے میری تعظیم کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔ مجھے ابو مالک کی موت کا بہت قلق ہے۔ آخر یہ حادثہ کیسے ہوا؟"

"وہ بہت نیک نفس انسان تھا۔ میں اس کی جگہ [illegible] ہو گیا۔ میں نے آہستہ آہستہ [illegible] ابو مالک کی کھوپڑی [illegible] کا بدن [illegible] اور مدد کے لیے چلانے لگا۔"

"مگر وہ آدھی رات گئے وہاں کیوں گیا تھا؟"

"مجھے علم نہیں۔ وہ اکثر آدھی رات کو گھنٹوں وہاں بیٹھا رہتا تھا۔" میں نے جواب دیا۔ "اسے [illegible] بہت پسند تھا اور وہ اکثر ان کی ترتیب بنایا کرتا تھا۔"

"تمہاری [illegible]"

"وہ ایسی موت کا حقدار نہیں تھا۔" میں نے سوگوار لہجے میں کہا۔

"تمہیں علم ہے کہ کل تمہیں کہاں روانہ کیا جانے والا ہے؟" چند ثانیوں کے [illegible] سکوت کے بعد بیگم نے مترنم لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں۔ ابو مالک مجھے بتا چکا ہے۔"

"اس کی موت نے میرے لیے دشواری پیدا کر دی۔"

"غلام حاضر ہے جو حکم ہو بجا لائے گا۔"

"اندر آ جاؤ۔" اس بار بیگم کا لہجہ قدرے دھیما تھا۔

میں جھجکتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھا اور باریک پردہ اٹھا کر پردے کے [illegible] حصے میں داخل ہو گیا۔ پردوں کی جنبش کے ساتھ ہی اوپر لگی ہوئی چاندی کی گھنٹیاں بج اٹھیں۔

"قریب آ جاؤ۔" مجھے پردے کے قریب ٹھٹکتے دیکھ کر اس نے [illegible] کہا اور میں دھڑکتے دل کے ساتھ اس کے نزدیک جا پہنچا۔

[illegible]

سر اٹھانے لگی۔

وہ امیر معظم کی بیوی یا بہن تھی مگر اس وقت وہ خود مجھے اپنا [illegible] تھی۔ اس نے میرے سامنے کسی الجھن کا اعتراف کیا تھا۔ مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ [illegible] طرف لایا تھا جہاں کسی مرد کے قدم نہ گئے تھے!

بے اختیار میری نگاہیں اس کی طرف اٹھیں اور پھر حیرت و ستائش کے عالم میں اسی پر جم کر رہ گئیں۔

اگر اس میں جان نہ ہوتی، اگر میں اپنے کانوں سے اس کی مدھر آواز نہ سن چکا ہوتا تو میں اسے مرمر سے تراشا ہوا حسن کا ایک مجسمہ سمجھتا۔ مگر وہ جیتی جاگتی عورت میرے سامنے موجود تھی۔ حسن کا ایسا بھرپور شاہکار [illegible] لطیف [illegible] تصور بھی نہیں کر پاتا تھا۔

شانوں کے دونوں طرف بکھرے ہوئے ریشمیں [illegible] سیاہ بال [illegible] کشادہ پیشانی [illegible] گلابی ہونٹ [illegible] جن سے [illegible] گردن [illegible] سرخ لباس [illegible] نظر پڑتے ہی میرا دل دھڑکنا بھول گیا۔

اس کے گلے میں، کلائیوں پر اور انگلیوں میں قیمتی ہیروں کے بیش قیمت زیورات جگمگا رہے تھے۔ اس کی [illegible] انگلیاں [illegible] کے عالم میں [illegible] مسند کے تکیے کو دبا رہی تھیں۔ جیسے وہ شدید اضطراب کے عالم میں تھی۔

اس کی بڑی بڑی آنکھیں [illegible] ہوئی تھیں۔

"تمہیں معلوم ہے آج تمہیں کہاں بھیجا جانے والا ہے۔" پھر رک کر توقف کے بعد [illegible] نے دھیمی اور الجھی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"قسمت نے ابو مالک کو یہ بتانے کی مہلت نہ دی۔"

"سورج اٹھنے کے بعد تم یہاں سے اونٹ پر سوار ہو کر شمال کی طرف روانہ [illegible] اگر تم راہ میں بھٹکے تو کل سورج کی تمازت بڑھنے سے قبل صحرا عبور کر کے [illegible] پہنچ جاؤ گے۔ وہاں یوسف نامی ایک تاجر ہے جو تمہیں [illegible] تمہیں اس سے [illegible] ایک نشانی دوں گی اور پھر اس کی ہدایات پر عمل کرنا۔" [illegible] دیکھتے ہوئے چاندی کی ایک وزنی انگوٹھی میری طرف بڑھا دی جس پر [illegible] عبارت ایک باریک خط میں [illegible] کندہ تھی۔

انگوٹھی لیتے ہوئے میرا ہاتھ اس کی نرم و نازک انگلیوں سے ٹکرایا اور میرے بدن میں سنسنی کی ایک عجیب سی لہر دوڑ گئی۔

تاہم [illegible] کیفیت سے میرے دل کا حال عیاں ہو چکا کیونکہ اس کے لبوں پر دلکش مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

"ابو مالک کی موت سے اگر کوئی دشواری پیدا ہوگی تو تم میری خدمت [illegible]"

[illegible] ہے۔ میرے چند لمحوں کے توقف کے بعد ایک بار پھر [illegible] ہرانی۔

"تمہارا [illegible] اس خط کو کوئی دوسرا نہ پڑھ سکے گا۔" [illegible]

[illegible]

بہت دشوار ہے۔ وہ صرف حکم کی تعمیل کرنی جانتا تھا۔

امیر معظم کے جاں نثاروں میں کیا کوئی بھی اس قابل نہیں ہے؟" میں نے ڈرتے ڈرتے سوال کر ڈالا۔

"میرے علاوہ اس کا کوئی بھی جانتا نہیں ہے۔ وہ بولی تو اس کے لہجے میں [illegible] نمایاں تھا۔ اور مجھے اپنے آدمیوں پر سے کسی پر اعتماد نہیں کہ ابو مالک کی جگہ لے سکوں۔"

میں خاموش رہا۔ اس کی جھکتی ہوئی نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور [illegible] ہلکی سی لرزتی ہوئی دھڑکنوں کے ساتھ اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ ان آنکھوں کے بدلتے ہوئے تاثرات میرے لیے حیرت و دلچسپی کا باعث تھے۔

"میری طرف کیا دیکھ رہے ہو؟" اچانک اس نے بے حد لبھانے والی مترنم آواز میں پوچھا۔

"تمہارے حسن اور دلکش سراپے کی شوخی والوں کی خوشبو [illegible] تلاش کر رہا ہوں۔" [illegible] اس بار میری [illegible] کی خواہش [illegible] وہ جو میرے روبرو تھی ایک عورت [illegible] جس کی آنکھوں میں ابھرتی ہوئی تحریر کو پڑھ چکا تھا۔

"کیا تمہیں پتا نہیں کہ میری طرف نگاہیں اٹھانے والوں کا سر قلم کیا جا سکتا ہے؟"

"تمہارا حکم ہو تو میں یہ سر خود تمہارے قدموں میں ڈال سکتا ہوں۔" [illegible] ایک عجیب حوصلہ بخشا۔ تھا۔

اس نے مضطرب نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا پھر گویا ہوئی۔ لہجے میں ہلکی سی جھجک تھی [illegible] تمہیں [illegible] اور کچھ۔

اس بار وہ مجھے لے کر جس آرام گاہ میں داخل ہوئی وہ کسی بھی نوجوان دل کو مسحور کر دینے کے لیے کافی تھی۔ مجسمہ اور نقاشی [illegible] اس کی جھلکی ہوئی آراستہ خوابگاہ میں ضرورت کی ہر وہ چیز موجود تھی جس کا تصور کیا جا سکتا تھا۔

میرے اندر داخل ہوتے ہی اس نے پلٹ کر دروازہ بند کر دیا اور کمرہ بالکل تاریک ہو گیا۔

"یہ لمحات تم اسی خوابگاہ میں بھول جاؤ گے۔" میرے قریب سے اس کی سرگوشی کی آواز ابھری۔

ادب، احترام اور تکلف کے لبادوں میں لپٹی ہوئی زندگی کا تصور تک نہیں تھا۔ اس لیے جب مجھے طلب کیا تو میرے دل پر جذبات مسلط ہو رہے تھے۔ میں نے [illegible] میں اسے جیت لیا تھا اور اب وہ میرے جسم و روح پر حاوی تھی۔

اس کے بارے میں جب تو دونے مجھے بتایا تھا کہ یہ بیگم امیر معظم کی اپنی چہیتی اور لاڈلی ہے۔ [illegible] میں پھنسایا ہوا ہے اور [illegible] نے اس کے ساتھ [illegible] تمام احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھا تھا۔ [illegible] ایک عجیب سی لذت میں وہ میرے ہونٹوں کی [illegible] طرح میری باہوں میں سمٹ گئی۔ حسن و شباب کا وہ شاہکار میری قربت سے بے تاب [illegible] میری گرفت میں آ گیا تھا۔

بادہ [illegible] کا جام لبریز ہو چکا تھا۔ [illegible] خوابگاہ کا [illegible] رنگینی کی آغوش میں [illegible] کے طور پر [illegible] کی حیثیت رکھتی تھی اور میرے [illegible]

علی نسیم کو سطر بہ سطر پڑھ رہا تھا۔

وقت بہت جلدی گزر گیا۔ یہ تو وقت کا شعور بھی کھو بیٹھا تھا۔ مگر لیلیٰ کی نظر ہر پہلو پر تھی۔ وہ شکل مجھے سونا لال کی نزاکت اور دلداری کا احساس دلا سکی اور جب میں دوبارہ اس کے قریب پہنچا تو اس کے لبوں پر وہ مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی جو میرے ساتھ شکست کھا جانے کے باوجود کسی فاتح کی طرح بڑی دلداری سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"لوازم سفر کے بعد تیسرے پہر روانہ ہو جائیں گے۔" اپنی مسند پر بیٹھنے کے بعد اس نے کہا۔

"سفر بڑی لمبی ہے اس لیے بہتر ہو گا اگر [illegible] کسی جگہ کو دوبارہ سفر پر بھیج دیا جائے۔"

"بکواس مت کرو۔" وہ اچانک غرائی۔ اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ یکبیک غائب ہو گئی۔ "میں یہ بتا چکی ہوں کہ تمہاری روانگی اٹل ہے۔"

اس کے لہجے پر میری کھوپڑی چٹخ اٹھی۔ چند لمحوں قبل میری بانہوں میں سسکنے اور کراہنے والی عورت اب یوں اجنبی بن کر مجھے حکم دے رہی تھی جیسے میں اس کا محض زر خرید غلام ہوں۔ اس نے مجھے احساس دلا دیا تھا کہ اس کے لیے میری حیثیت کسی کھلونے جیسی تھی جسے دل بھر جانے کے بعد بے دردی کے ساتھ توڑا بھی جا سکتا تھا۔ خوابگاہ میں میرے اور اس کے درمیان جو رشتہ قائم ہوا تھا وہاں سے نکلتے ہی اس کی حیثیت ختم ہو چکی تھی۔ وہ لیلیٰ الشیوخ کی سب سے مقتدر اور معزز عورت تھی اور میں اس کے احکام کا پابند!

اس ملاقات سے قبل بھی سب کی نگاہیں میرا تعاقب کر رہی تھیں۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے ہر شخص میرے اور لیلیٰ کے تعلق سے واقف ہو چکا ہے۔ لیلیٰ نے آخر میں میرے ساتھ جو سلوک کیا اس نے میرے دماغ میں چنگاریاں بھر دی تھیں۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں چیخ چیخ کر وہاں موجود لوگوں کو بتا دوں [illegible] مگر میرے لیے یہ ممکن نہیں تھا۔ اس کے بارے میں لوگ جو کچھ سوچتے وہ الگ بات تھی سب سے پہلے میری ہی گردن اڑا دی جاتی۔

راستے ہی میں فواد مجھ سے آ ٹکرایا۔ وہ کافی دیر سے مجھے تلاش کر رہا تھا۔

"کہاں سے آ رہے ہو؟" اس نے مجھے دیکھتے ہی سوال کر ڈالا۔

"[illegible]"

"کیا ملکہ نے تمہیں طلب کیا تھا؟" وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے تجسس آمیز لہجے میں بولا۔ "کس لیے بلایا تھا اس نے؟"

"ابو مالک کی موت کا واقعہ میری زبانی سننا چاہتی تھی۔"

"تم نے دیکھا ہے؟"

"ہاں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "اچھی طرح دیکھا۔"

"اب خدا کو حاضر جان کر کہو کہ کیا اس کے علاوہ تمہارے درمیان [illegible]"

"ہاں، میں نے کہا تھا۔ تمہارا اندازہ بالکل غلط ہے۔"

"کیا!" اس کے حلق سے تحیر آمیز آواز نکلی۔ میرے چہرے پر اس کا چہرہ دیکھ کر اتر گیا تھا جیسے میرے الفاظ پر اسے صدمہ ہوا ہو۔

"تم نے جو کچھ اندازہ لگایا ہے اس سے کہیں آگے ہے۔" میں نے [illegible] کی خاطر اسے اپنا راز دار بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ "لیلیٰ نے خلوت سے جلوت میں آ کر جو میرے ساتھ توہین آمیز سلوک کیا تھا اس نے میرے دماغ میں آگ بھڑکا دی تھی۔ میں اسے بھول کر بھی اس توہین کا انتقام لینا چاہتا تھا اگر میرے جانے کے بعد میرا راز اس کے ذہن میں کھٹکنے لگا ہے۔"

"کیا مطلب ہے؟ کیا کہنا چاہتے ہو؟ تم کھل کر بات کرو نا۔"

"یہاں نہیں، تنہائی میں۔"

وہ اس قدر مضطرب تھا کہ اس نے مجھے کھانا کھانے کی مہلت بھی نہ دی۔ "چلو آؤ۔" وہ میرا ہاتھ تھام کر مجھے فصیل سے باہر لے گیا۔

آبادی سے خاصی دور درختوں کے سائے میں وہ کنویں کی منڈیر پر بیٹھ گیا۔ اس وقت وہاں ہر طرف سناٹے کا راج تھا۔ کام کرنے والے آرام کی خاطر اپنے گھروں کو جا چکے تھے اور دیر تک ان کی واپسی کا امکان نہیں تھا۔

"ہاں اب بتاؤ۔"

"لیلیٰ تمہارے حرم کی بے حیا اور آوارہ ہے۔"

"یہ تو میں پہلے ہی کہہ چکا تھا۔" وہ جلدی سے بولا۔

"مگر وہ تمہارے تصور سے کہیں آگے ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

میرے ان الفاظ پر وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا پھر نیم مردہ لہجے میں بولا۔ "تم نے کس بات سے اندازہ لگایا؟"

"اگر ایک اجنبی نوجوان کچھ دیر گفتگو کے بعد ایک نامحرم عورت کی خوابگاہ میں پہنچ جائے تو اس سے تم کیا اندازہ لگاؤ گے؟"

وہ بے یقینی کے انداز میں مجھے گھورنے لگا۔ "تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"ہاں، وہ خود مجھے اپنی خوابگاہ میں لے گئی تھی!"

وہ بدستور مجھے گھورے جا رہا تھا۔ جوش کے باعث اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا پھر میری توقع کے برعکس اچانک ہی وہ مجھ پر ٹوٹ پڑا۔

اگر میں اس وقت پھرتی کا مظاہرہ نہ کرتا تو خنجر سیدھا [illegible] مگر میں نے بروقت پھرتی سے [illegible] اور وہ میرے ساتھ لپٹا ہوا زمین پر گر گیا۔ وہ مجھے بری طرح گھسیٹ رہا تھا۔

"ناپاک جنگلی! تمہاری یہ جسارت کہ تم لیلیٰ کی خوابگاہ میں جا پہنچے۔ وہ جو کچھ بھی ہے مگر الشیوخ کے امیر کی بیوی ہے۔ تمہیں اس جسارت کی سزا بھگتنی پڑے گی۔" وہ [illegible] جنون کے عالم میں غرا رہا تھا [illegible] مگر میرے ذاتی تجربے کے باعث [illegible] اسے یہ گوارا نہیں تھا کہ ایک بے یار و مددگار غیر ملکی اس حرم کی عزت پر ڈاکہ ڈالنے میں کامیاب ہو جائے۔

"فواد — پاگل مت بنو۔" میں اس کے چہرے پر وحشیانہ حملوں سے خود کو بچاتے ہوئے بولا۔ "پہلے میری پوری بات سن لو۔"

"[illegible]

[illegible] اور وہ حرامزادی بھی میرے ہی ہاتھوں انجام کو پہنچے گی۔ تم نے الشیوخ والوں کے چہرے گناہ کی سیاہی سے آلودہ کر دیے ہیں۔"

اس کے تیور خطرناک تھے۔ میں نے پوری کوشش صرف کر کے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ جب وہ ہاتھ چھڑانے میں کامیاب نہ ہو سکا تو اس نے میرے پیٹ پر گھٹنا رسید کرنے کی کوشش کی مگر میں نے [illegible] اسے دور اچھال دیا۔

وہ چت گرا اور میرے اٹھنے سے قبل ہی کسی سانپ کی طرح جھپٹا اور میری طرف لپکا۔ اس بار میں نے مٹھی بھر ریت اس کے چہرے پر دے ماری۔ آنکھوں میں ریت پڑنے کے باعث وہ جہاں تھا رک گیا اور مغلظات بکتے ہوئے اپنی آنکھیں صاف کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

میں نے اٹھ کر اپنا لباس درست کیا اور اس سے مخصوص فاصلے پر رہ کر [illegible] جب اس نے اپنی آنکھوں سے ہاتھ ہٹائے [illegible] "حیرت ہے!"

[illegible] وہ دونوں ہتھیلیوں سے آنکھیں ملتے ہوئے شکست کے عالم میں [illegible]

اچانک مجھے ایک تدبیر سوجھ گئی۔ میں نے اپنی انا کی تسکین کے لیے اسے [illegible] وہ جذباتی نوجوان اس وقت قریباً حقیقت کا [illegible] تھا جب کہ اس کی غیرت میرے لیے موت کا پیغام بن سکتی تھی۔

"[illegible]" میں نے [illegible] لہجے میں کہا۔ "وہ مجھے اپنی خوابگاہ میں لے گئی۔ [illegible] اگر میں اس کی دعوت قبول نہ کرتا تو اس کی طرف سے زندہ نہ نکل سکوں گا۔ وہ اپنا راز چھپائے رکھنے کے لیے مجھے ابو مالک کے قتل کے جرم میں ہلاک کرا دیتی۔ [illegible] خوابگاہ کی تنہائی میں [illegible] ایک بے حقیقت مرد کو [illegible] اپنی سیج پر آنے کی [illegible] اور آخر کار [illegible] مجھے وہاں سے نکل جانے [illegible] میرے ایک دوست نے سوچ سمجھ کر مجھے [illegible] کا فیصلہ کیا ہے [illegible] فیصلے کا [illegible] ہو۔"

وہ سرخ سرخ آنکھیں جھپکاتے ہوئے مسلسل مجھے دیکھے جا رہا تھا پھر خاموشی [illegible] اس کے حلق سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔ "تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"میں نے تمہیں حقیقت بتا دی ہے۔ اگر تم اسے جھوٹ سمجھتے ہو تو پھر [illegible]"

[illegible]

"وہ حسین ساحرہ ہے۔ اس کی چمکتی ہوئی نیلی آنکھوں میں کسی ناگن جیسی کشش ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ کسی کو پسند کرے اور پھر بھی پیاسی رہ جائے۔"

"یہ پسند اور ناپسند کی بات نہیں فواد!" میں نے اسے سمجھایا۔ "تم ابھی نادان ہو۔ ذاتی حزن و ذلت سے کوئی شخص ایک صحیح نہیں کر سکتا۔ اگر وہ [illegible] اپنی پسند کا اظہار کر بھی دیتی تو [illegible] انکار کی مجال نہ ہوتی اور شاید اس وقت میں ابو مالک کے قاتل کی حیثیت سے تختہ دار پر لٹکا ہوا تمہارے سامنے موجود ہوتا۔"

"اگر تم سچ بول رہے ہو تو [illegible]" وہ اب اعتدال پر آتا جا رہا تھا۔ "مجھے معاف کر دو میں نے تمہیں سمجھنے میں غلطی کی تھی۔"

"اس کو قدرت نے بے پناہ حسن اور کشش سے نوازا ہے۔" میں نے [illegible] "مجھے [illegible] زندگی میں اس جیسی عورت نہیں دیکھی۔ [illegible] مجھے ڈر ہے کہ کوئی دوسرا آدمی اس کی نظروں کو نہ بھا جائے۔ تمہیں اس کا تدارک کرنا ہو گا۔"

"اسے میں زندہ نہ چھوڑوں گا۔" وہ خلا میں گھورتے ہوئے خوفناک لہجے میں بڑبڑایا۔ "میں اس کی زندگی کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل کر دوں گا تاکہ الشیوخ والوں کو کسی اجنبی کے سامنے سر جھکا کر نہ چلنا پڑے۔ [illegible]"

"خدا تمہیں کامیاب کرے۔" میں نے دبے لہجے میں کہا۔

"لیکن آج ہی اسے ٹھکانے لگا دوں گا۔" وہ میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "تم اس مقصد کی تکمیل میں میری کیا مدد کر سکو گے؟"

"[illegible] مجھے یہاں سے رخصت ہونا ہے۔" میں نے افسردہ لہجے میں کہا۔ "اور اس معاملے میں جلد بازی مناسب بھی نہیں۔ تمہیں اپنی حفاظت کا بھی خیال رکھنا ہو گا۔"

وہ [illegible] میری حفاظت کی فکر کر رہا [illegible] "اس علاقے میں زہریلے بچھو کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ [illegible] کو سدھار جائے گی۔"

"کیا یہاں واقعی ایسے موذی بچھو ہوتے ہیں؟ میں نے تو اب تک ایک بھی نہیں دیکھا۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"وہ صحراؤں میں ہوتے ہیں۔ [illegible]" وہ بولا۔ "[illegible]"

"اس کے مقدر میں ایک گمنام منزل کا سفر درپیش ہے۔"

"اس کا تو آخری وقت آ پہنچا ہے۔ اس کے حکم کی تعمیل کر کے کیا کرو گے؟"

"تم بھول رہے ہو کہ یہاں تمام عربوں کے روپ میں [illegible] بھی موجود ہیں وہ مجھ سے جواب طلب کر سکتے ہیں۔"

میں تو [illegible] لیلیٰ اور ابو خالد کو ناقابل شکست سمجھتا آیا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "شاید [illegible] لیلیٰ کو ابو خالد کے ساتھ [illegible]

استعمال کیا۔ تم نے ان کے خلاف میری بہت مدد کی اور اب اس کا نتیجہ سامنے آنے والا ہے تو تم اس شہر کو چھوڑ کر جا رہے ہو۔"

"مجھے خود افسوس ہے لیکن تمہاری بستی میں اچھے دن گزارے ہیں۔"

پھر ہم دوستانہ ماحول میں باتیں کرتے وہاں سے واپس چل دیے۔ راستے میں کئی بار مجھے خیال آیا کہ فرحو کو ان لوگوں کے ذریعے خفیہ پیغام رسانی کے طریقوں وغیرہ سے آگاہ کر دوں لیکن ڈاکٹر بلی سے تعلق کے بعد اس بات کو بھی کاٹ سکتے کہ میں زبان کھولنے کی جرأت نہ کر سکا۔

ایک نازک موضوع پر زبان کھول کر میں اس کا اعتماد کھو چکا تھا اور ابھی دوسرا خطرہ مول لینے کا حوصلہ نہیں تھا۔

فرحو سے رخصت ہو کر میں جب اپنے ٹھکانے میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ ایک قاصد مجھے تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں جھونپڑے میں پہنچا تو وہ ایک مہر بند تھیلا لیے دروازے پر میرا انتظار کر رہا تھا۔

چند ثانیوں کی رسمی گفتگو کے بعد اس قاصد نے چرمی تھیلا میرے حوالے کر دیا۔ "تم آج کل دیر سے کہاں غائب تھے؟ میں ہر جگہ تمہیں تلاش کر چکا تھا۔"

"باہر نخلستان کی طرف نکل گیا تھا۔ روانگی سے پہلے الشوبح کے حسین نظاروں کو آخری بار دیکھنا چاہتا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"تیار ہو جاؤ۔ ہمیں اب یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے۔"

"تو تم بھی میرے ساتھ جاؤ گے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"شاید تم تنہا منزل تک نہ پہنچ سکو گے۔ تمہیں بخیر و عافیت منزل تک پہنچانا میری ذمہ داری ہے۔" اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

یہ سن کر مجھے مایوسی ہوئی۔ الشوبح سے روانگی کی اطلاع ملنے کے بعد سے میں مسلسل یہ سوچ رہا تھا کہ میں برکہ پہنچنے کے بعد راستے پر سفر کر کے اس آخری جنگل سے بھی نکل جاؤں گا۔ ایک بار یہ ویران صحرا سے نکل کر کسی بڑے شہر تک پہنچ جاتا تو ہوٹل کے ذریعے اپنے فرار کا بندوبست کر سکتا تھا اور اپنے گھر تک پہنچ پاتا۔ ممکن تھی کسی نہ کسی طرح پاکستان پہنچنے کا بندوبست کر سکتا تھا۔ جہاں میری بیٹا میری منتظر تھی۔ ایک بار اپنی کھوئی ہوئی محبت کو پھر پا لیتا تو جیسے میرے بدن پر پتھر کی بارش کی بے بسی بھی آسان ہو جاتی۔

"تم باہر جا کر سواری کے لیے اونٹوں کا انتخاب کر لو۔ اس اثنا میں میں اس چرمی تھیلے میں بند چیزوں کا جائزہ لے لوں۔"

وہ میری اس تجویز پر کوئی اعتراض کیے بغیر اٹھ کر باہر چلا گیا۔ میں نے مہر توڑ کر چرمی تھیلے کا منہ کھولا تو چند کاغذات کے ساتھ ایک تیز چلنے والا مشکلی ہوا تعویذ بھی نظر آیا۔ یہ تعویذ بالکل اسی قسم کا تھا جس قسم کا اونٹوں کے ذریعے پیغام رسانی میں استعمال کیا جاتا تھا۔

تعویذ کے ساتھ موجود کاغذات پر عربی کے بجائے ہدایات انگریزی میں میرے لیے ہدایات درج تھیں۔ میرے لیے یہ بات بھی حیرت کا باعث ثابت ہوئی کہ الشوبح جیسی معمولی آبادی میں بھی انگریزی زبان پر قدرت رکھنے والا کوئی ایسا شخص موجود تھا جس پر بلی کو پورا بھروسہ تھا۔ اگر وہ اس کا معتمد ہوتا تو بلی ہدایات لکھوانے کے لیے اسے ہرگز استعمال نہ کرتی یا پھر وہ خود انگریزی زبان سے بخوبی واقف تھی لہٰذا اس نے خود ہی یہ تمام ہدایات درج کی تھیں۔ اگر میرا دوسرا اندازہ درست تھا تو بلی صحیح معنوں میں مکار عورت تھی۔ اس نے انگریزی زبان سے اپنی واقفیت کو بڑی خوبی سے اب تک راز میں رکھا ہوا تھا۔ سب لوگ یہی جانتے تھے کہ وہ ایک خالص عرب عورت ہے اور مقامی زبان کے علاوہ کوئی بولی نہیں جانتی۔

ہدایات کے مطابق مجھے صرف نانی اس شخص کی رہنمائی میں برکہ پہنچنا تھا۔ وہ شخص مجھے برکہ پہنچا کر واپس لوٹ آتا۔ اس بستی میں مجھے اپنے طور پر یوسف مجذوب سے ملنا تھا اور ہدایت راز داری کے ساتھ اسے بلی کی دی ہوئی نقرئی انگوٹھی دینی تھی۔ انگوٹھی لینے کے بعد جب یوسف مجھے پہچان لیتا تو چرمی تعویذ اس کے حوالے کر کے مجھے پوری طرح اس کی ہدایات پر عمل کرنا تھا۔

کاغذات کا مطالعہ کرنے کے بعد میں نے لکھی ہوئی ہدایات کے مطابق ان کاغذات کو جلا دیا۔ چرمی تعویذ البتہ اپنے لباس میں چھپا لیا۔

"کیا تم فارغ ہو گئے ہو؟" اچانک باہر سے مسعود نے دریافت کیا۔

"ہاں۔ آ جاؤ۔"

وہ آیا تو سلگتے ہوئے کاغذات کو حیرت سے دیکھنے لگا۔ "یہ کیا ہے؟"

"اپنے کام سے کام رکھو۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "جن چیزوں سے مطلب نہ ہو ان کی جستجو میں پڑنا تمہارا کام نہیں۔"

"چلو۔ یہ بڑی اچھی بات ہے کہ تم ان باتوں سے واقف ہو۔" وہ خوش دلی کے ساتھ بولا۔ "چلو اب یہاں سے باہر نکلو۔ میں نے دو اونٹ منتخب کر لیے ہیں۔"

اونٹوں پر سوار ہو کر ہم دونوں جب کچی فصیل سے باہر آ گئے تو بلی اپنی تمام تر سحر کاری سمیت اسی چار دیواری میں رہ گئی تھی۔ باہر نکلے تو آبادی عبور کرنے سے قبل ایک درخت کے سائے میں فرحو بیٹھا نظر آیا۔ مجھے پہچانتے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور الوداعی انداز میں ہاتھ ہلانے لگا۔

میری اور فرحو کی دوستی سے الشوبح میں بہت سے لوگ واقف تھے لہٰذا میں نے بلا تامل اونٹ کو روک دیا اور اسے بٹھا کر اس کی پشت سے اتر گیا۔

ذرا دیر جھک کر میرے سینے سے لگ گیا۔ "تو تم واقعی جا رہے ہو؟" چند لمحے ہوتے ہوتے اس نے سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں۔"

"زندہ رہو۔" وہ دھیمی مگر پُرجوش آواز میں بولا۔ "یہ اس چڑیل کی آخری رات ہے۔ اپنی آنکھوں سے اس کا حشر تو دیکھ لو۔"

"میں مجبور ہوں دوست۔" میں نے کہا۔ "دیکھتے نہیں کہ مسعود میرے سر پر مسلط ہے!"

"اوہ۔ تو یہ تمہارا نگران ہے۔" وہ تحیر زدہ لہجے میں بولا۔

"ایسا ہی سمجھ لو۔"

"خدا کی قسم یہ اپنی حرکتوں سے یہودی کی اولاد نظر آتا ہے۔ اس سے زیادہ ذلیل شخص الشوبح میں ڈھونڈنے سے نہ ملے گا۔ ایک بار رات دنیا کی تاریکی میں اس نے ایک بڑھے کا پیٹ چاک کر دیا تھا مگر یہ بیان نہ دے اور مرحوم کا پیٹ صاف نکلا۔"

"اس سے میں نمٹ لوں گا۔ یہ بتاؤ کیا یہاں واقعی ایسے بھوت پائے جاتے ہیں جن کے ڈنک مارنے سے پتھر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے!"

وہ مضطرب سا انداز میں ہنس دیا۔ "اور سے وہ تو میں نے کہا تھا کہ ایسے ان بچھوؤں کا وسیلہ ہاتھ نہیں لگ پاتا۔"

"مسعود دیر ہو رہی ہے۔" اسی وقت مسعود نے مجھے پکارا اور میں جلدی سے فرحو کے ساتھ روایتی عرب بوسوں کا تبادلہ کر کے واپس مڑ گیا۔

تھوڑی دور تک سفر خاموشی کے ساتھ جاری رہا۔ بستی سے باہر نکلنے کے بعد یہ سکوت مسعود ہی نے توڑا۔

"وہ کیا پوچھ رہا تھا؟"

"تم نے غیر متعلقہ باتیں شروع کر دیں۔" میں تیز لہجے میں غرایا۔ "یوں خاموشی کے ساتھ بیٹھو ورنہ سفر کس طرح کٹے گا؟" وہ بے حیائی کے ساتھ زور زور سے ہنسنے لگا۔

"اس کے لیے بہت سے موضوع پڑے ہیں۔"

"آخر اس میں کیا خرابی ہے؟" وہ ڈھٹائی کے ساتھ بولا۔ "اس سے تمہاری دوستی بہت گہری معلوم ہوتی ہے۔"

"یہ مرحلہ پڑا سب سے الجھنا ہے سو وہ تمہارا نفرانہ بھی بار دیا خواہ مخواہ جنس دیا۔" وہ واقعی بہت اچھا دوست ہے۔ پوچھ رہا تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔"

"اور تم نے اسے بتا دیا؟"

"میں احمق نہیں ہوں۔ میں نے اس سے یہی کہا کہ میں دو چار روز میں لوٹ آؤں گا۔ ایک اہم کام سے کہیں جا رہا ہوں۔"

"مگر اس کے انداز سے تو معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سب کچھ جانتا ہو۔"

"یہ تمہاری بینائی کا قصور ہے۔"

"تم آدمی اچھے ہو مگر ذرا جلدی طیش میں آ جاتے ہو۔" یہ کہہ کر وہ ایک بار پھر زور زور سے ہنسنے لگا۔

برکہ تک کا سفر بہت طویل اور اکتا دینے والا تھا۔ الشوبح کی بستی کو پیچھے چھوڑ دینے کے بعد ہر طرف تا حد نظر ریت ہی ریت پھیلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ گو کہ سورج کی تمازت دم توڑ چکی تھی مگر پھر بھی حدت ناقابل برداشت تھی۔ اگر میرے پاس کنویں کے میٹھے پانی سے لبریز چھاگل موجود نہ ہوتی تو میرے لیے سفر جاری رکھنا دشوار تھا۔

ادھر دونوں اونٹ سست رفتاری کے ساتھ ریت اڑاتے ہوئے



تھے بے پرواہ یوں تھک رفتاری سے چلے جا رہے تھے گران پر تھک آتا تھا۔ صعود کی حالت بھی اونٹوں سے زیادہ مختلف نہیں تھی۔ اس کے انداز میں بھی لاپروائی اور سکون نمایاں تھا۔

سورج ڈھلنے سے ذرا دیر پہلے ہم نے ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ مطلع صاف ہونے کی بنا پر صعود بہت خوش تھا کیونکہ رات میں ستاروں کی مدد سے وہ سمت کا بہتر تعین کر سکتا تھا۔ مجھے اپنی اختر شناسی کی فکر تھی اور میں اس بات پر خوش تھا کہ کم از کم اس بار ہولناک ریتیلے گرداب میں پھنسے بغیر میں اپنی منزل پر پہنچ سکوں گا۔

صعود اپنے ہمراہ ایک تھیلے میں دنبے کی بھنی ہوئی لذیذ ران میں لے کر آیا تھا۔ صحرا کے وسیع سینے پر دانتوں سے ادھیڑ ادھیڑ کر وہ ران میں کھاتے ہوئے میں خود کو الف لیلوی داستان کا کوئی سحر طراز کردار سمجھ رہا تھا۔

خورد و نوش کے بعد سفر دوبارہ جاری ہو گیا۔ دوران سفر میں نے محسوس کیا کہ صعود بے فکر نظر آنے کے باوجود پوری طرح مستعد تھا۔ شاید اسے اسی قسم کی تربیت دی گئی تھی کہ وہ کسی بھی صورت حال سے مطلق نہ رہ جاتا تھا۔

میں نے کئی بار اس امر کا جائزہ لیا کہ اس پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دوں تاکہ مجھے فوری طور پر ابوخالد کے جال سے نجات مل جائے مگر ایک خونخوار چیتے کے ساتھ اس حیثیت کو زیر کرنا ناممکن ہی نظر آیا۔ میں اتنا ماہر نشانہ باز تو نہیں تھا کہ اونٹ کی پشت سے اس کو پہلے ہی وار میں ٹھکانے لگانے میں کامیاب ہو جاتا اور پہلے وار کا ناکام ہونے کے نتیجے میں وہ نہ صرف میری زد سے باہر نکل جاتا بلکہ مجھے اس کی جوابی کارروائی سے بھی بچاؤ کرنا پڑتا جبکہ وہ تازہ دم نظر آ رہا تھا اور میرے اعصاب اس صورت آمیز سفر کے نتیجے میں بکھرتے جا رہے تھے۔

اگلی صبح کا اجالا پھیلنے سے قبل ہمیں کافی دور بستی کے آثار نظر آئے اور صعود کا چہرہ کھل اٹھا۔ "ہم بہت جلدی پہنچ گئے ہیں۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ یہی ہماری منزل ہے؟" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جھجکتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"میں یہاں بارہا آ چکا ہوں۔ ہر کام میرے لیے نئی جگہ نہیں ہے۔" بستی میں پہنچنے تک خاصا اجالا پھیل چکا تھا۔ وہ کچے اور نیم پختہ مکانوں پر مشتمل قدیم وضع کی بستی تھی جس کے مکین اس وقت تک گہری نیند سو رہے تھے اور کہیں کہیں آوارہ کتے مکانوں کے سامنے پڑے اونگھ رہے تھے۔

صحرائی اونٹ نرم اور ٹھنڈی ریت پر کوئی آواز پیدا کیے بغیر تیزی سے گلی در گلی پیچ در پیچ راستوں پر آگے بڑھتے اور آخر کار ایک جگہ صعود نے اپنا اونٹ روک دیا۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی۔ اونٹوں کی نکیل ایک مدفون پتھر سے باندھ کر ہم دونوں اتر گئے۔

صعود نے آگے بڑھ کر ایک چوبی دروازے پر آہستہ آہستہ مسلسل تین بار دستک دی۔

"کون ہے؟" اندر سے ایک غرّاتی ہوئی خوابیدہ آواز ابھری۔

"رات کا کتا۔" صعود نے اپنا منہ دروازے کے قریب لے جا کر اتنی آہستگی سے کہا کہ صبح صادق کے سناٹے میں اس کی آواز دور تک نہ سنی جا سکے۔

اندر والے نے اسی لہجے میں غرا کر لیلیٰ کی ماں کو ایک ثقیل گالی دی کیونکہ عربی زبان میں رات کو لیلیٰ ہی کہا جاتا ہے پھر ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا گیا۔

دروازہ کھولنے والا شاید کھلے ہوئے پٹ کی آڑ میں ہو گیا تھا کیونکہ وہ مجھے کہیں نظر نہ آیا البتہ اس کی تحکمانہ آواز سنائی دی "اندر آ جاؤ۔"

صعود نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر مجھے آگے بڑھا دیا اور میں کھلے ہوئے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ میرے پیچھے صعود بھی اندر آ گیا۔

"کتے کے ساتھ دکھوا بھی آیا ہے۔" دروازہ کھولنے والے اس شخص نے تلخ لہجے میں تبصرہ کیا۔

اس بار میں وہ آواز سنتے ہی اس کی طرف گھوم گیا۔

کچی چھت والے کمرے میں پھیلی ہوئی مدھم روشنی میں ایک دراز قامت شخص دروازہ بند کر رہا تھا جس کی پشت قدرے خمیدہ تھی اور اس کے بدن پر ایک پھٹی ہوئی جیکٹ جھول رہی تھی نچلے دھڑ کو چھپانے کے لیے ایک عجیب سے پھٹے پرانے ملبوس کا سہارا لیا گیا تھا۔

دروازہ بند کر کے وہ گھوما تو اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی میرے بدن میں سنسنی کی ایک لہر دوڑ گئی۔

اس کے سر کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے اور ان الجھے ہوئے بالوں کے نیچے اس کی خوفناک آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ ان انگاروں میں ایسی شیطانی قوت پوشیدہ تھی کہ خود کو اس کے سامنے بالکل برہنہ محسوس کر رہا تھا اور وہ مسلسل میری ہی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی نال میں ٹھہری ہوئی غلیظ داڑھی کے درمیان اس کے گلابی ہونٹ چبا رہے تھے اور وہ سراپا کراہیت کی لعنت سے مغلوب تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" اس نے میرے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر چبا کر جلنے والے تحکمانہ انداز میں دونوں سے کہا۔

میں مشینی انداز میں فرش پر پڑی ہوئی گندی چٹائی پر بیٹھ گیا۔ صعود بھی میرے نزدیک ہی آ بیٹھا۔

عمر سے ناواقف ادھیڑ عمر شخص نے اپنی جیکٹ میں ہاتھ ڈال کر کچھ

نکالا اور اسے اپنی ہتھیلی پر پھیلا کر ایک نظر اس کا جائزہ لیا اور نہایت بے دلی کے ساتھ اسے اچانک گیا اب وہ میری ذات سے کھیل رہا تھا۔

وہ منہ میں موجود چیز کو چباتا ہوا فرش پر پڑے ہوئے اپنے بستر پر دراز ہو گیا اور چھت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس کتیا کو اس بار کیا تکلیف ہوئی ہے؟"

"اس بے حد دی ہے اس کا نام نورمقدس راہب۔" صعود دردمندانہ لہجے میں بولا۔ "تم جانتے ہو کہ وہ خیر کے وانے پر ہیں کیونکہ بڑی کے لیے کام کر رہی ہے جو کہ ایسی جوان لڑکی ہے جو محض ایک مقصد کی خاطر نے شباب کی بہاریں خود ہی کچل کچل کر جانا پسند کرے۔"

وہ خونخوار عفریت بے رحمانہ انداز میں ہنسا۔ "شیطے کی وانے میں نہیں گردن میں بیٹھی ہے وہ۔" اس نے اپنی بھوک مٹانے کے لیے صاف بھی راستے نکال لیے ہوں گے۔"

"خیر! مجھے اس سے غرض نہیں کہ تم اس کے بارے میں کیا سوچتے ہو۔" صعود قدرے ناپسندیدگی کے ساتھ بولا۔ "میں اسے تمہارے پاس پہنچانے پر مامور کیا گیا تھا اور اب میں واپس جا رہا ہوں۔"

"جاؤ... رب لایزال تمہاری مدد کرے۔" وہ لیٹے لیٹے استہزائیہ انداز میں بولا۔ "اس سے کہہ دینا کہ اس کی چھتیں مجھے ابھی تک یاد ہیں جب بھی فرصت ہوئی میں اس شرح ضرور آؤں گا۔ وہ تو شاید اس سے نکلنے کی تمنا کر چکی ہے۔"

"میں یہ نہیں کہوں گا۔" صعود اٹھتے ہوئے بولا۔ "چاہو تو کہہ کر دیکھ لو۔"

"جاؤ جاؤ۔" وہ ہاتھ لہرا کر غرایا۔ "تم کتے نہیں جانتے تم بدو ہی نہیں وہ اپنی چھاتیوں سے دودھ پلاتی ہے۔ کسی روز میں خود ہی اسے بتا دوں گا۔"

میں دم بخود ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا جو یقیناً خود میرے لیلیٰ ہی کے بارے میں تھی۔ شاید کسی موقع پر وہ اس مجذوب کی زندگی کی شاندار ہی بخش چکی تھی مگر حالات نے اسے ایسے مرتبے پر پہنچا دیا تھا کہ نامعلوم وجوہ کی بنا پر وہ لیلیٰ کے احکام و ہدایات کی پابندی کرنے پر مجبور تھا مگر اس کے باوجود وہ کسی بھی مرحلے پر اپنے دل کا غبار نکالنے اور لیلیٰ پر اپنی برتری ثابت کرنے کا موقع نہیں جانے دیتا تھا۔

صعود کمرے سے نکل گیا اور باہر جا کر اس نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ چند ثانیوں کے لیے اس کمرے میں سکوت چھا گیا۔ میں الفاظ ہی تجویز کر رہا تھا کہ بات شروع کرنے کے لیے الفاظ منتخب کر رہا تھا کہ وہ لیٹے لیٹے غرایا۔ "اگر تو کوئی بات کرنا چاہتا ہے تو اس کے ساتھ ذبح ہو جا۔ میرے پاس ضائع کرنے کے لیے وقت نہیں ہے۔"

میں نے خاموشی سے اپنی انگلی سے چاندی کی انگشتری اتاری اور اس کی طرف بڑھا دی۔ اس نے لیٹے لیٹے ہی گردن موڑ کر انگوٹھی کا جائزہ لیا پھر کسی پاگل کی طرح اسے جھپٹ کر اپنی مٹھی میں چھپا لیا۔ اس کی انگلیاں اس کی جسمانی طاقت سے کہیں زیادہ مضبوط تھیں کیونکہ انگوٹھی کا آنا محال تھا۔

"تو اس کا بھیجا ہوا ہے۔ بتا کیا کام لایا ہے تو؟"

میں نے جیب سے چرمی تعویذ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اوہ! تعویذ دیکھتے ہی اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔" تو اس کا فرستادہ ضرور ہے مگر مقصد نہیں معلوم ہو سکا۔"

اس وحشی کی بیزار سی آواز بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے اصل کہانی سے گریز کا فیصلہ کرتے ہوئے ایک جھوٹا قصہ چھیڑ دیا۔ "مقصد یہ کہ تو یہ بھی بتا دوں کہ اس کے بدن پر کتنے تل ہیں اور کہاں کہاں ہیں؟"

اس نے تعویذ جیب میں ڈال لیا اور اچھل کر سیدھا بیٹھ گیا۔ "آخر تیرے لہجے ہی سے ظاہر ہے یہ بتا کہ کیا اب بھی وہ پہلے کی طرح ترو تازہ ہے؟"

"پہلے تو میں نے اسے نہیں دیکھا تھا مگر یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ اب بھی امادوں کی شہزادی ہے۔ اگر میرا بس چلتا تو اس کے قدموں پر سسک سسک کر جان دے دیتا۔"

"بدبخت لیلیٰ!" اس مرد قلندر نے کرکرا کر دوبارہ اپنے سینے پر ہاتھ مارا اور ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے دوبارہ بستر پر دراز ہو گیا۔ چند ثانیوں بعد وہ قدرے اداس لہجے میں خود ہی بڑبڑانے لگا۔ "بارہ برس پہلے وہ اس شرح سے جاتے ہوئے تم دونوں کے پیچھے کالا بان کے ساتھ یہیں ٹھہری تھی۔ اسی وقت سے میرا دل اس کے لیے تڑپ رہا ہے۔ ایک رات میں نے اسے تقریباً زیر کر ہی لیا تھا مگر وہ مجھ سے خائف رہتی تھی بری طرح چیخنے چلانے لگی اور میں اپنے بال نوچتا باہر نکل گیا۔ تو مجھ سے زیادہ خوش نصیب ہے لڑکے کہ اس کے بدن کے تل تک گن آیا۔ وہ تو رب لایزال کا انعام ہے جو صرف مومنین کی جھولی میں ڈالا جاتا ہے۔"

"تم جیسے درویش پر یہ تمہارے منہ سے ایسی باتیں بھی بس گفتگو" میں نے اس کی ہذیانی کیفیت کے پیش نظر اپنے دل کی بات کہہ ہی ڈالی۔ "درویش کے سینے میں بھی دل ہوتا ہے لڑکے۔ پتھر کا ٹکڑا نہیں وہ گمراہ انسان ہے کالا بان اور وہ تو پتھر کو بھی پگھلا دینے کی طاقت رکھتی ہے۔"

"کالا بان اس کا محبوب تھا کیا؟" میں نے... اپنے ذہن میں ابھرنے والے سوال کو دل میں دبا نہ سکا۔ "کالا بان کون تھا؟ جس کی بربادی کے لیے کام کر رہی تھی وہ اس کا مقصد کیا تھا؟" آوارہ مزاج راہب کی باتوں نے ان سوالات کے بارے میں میرا تجسس مہمیز کر دیا تھا۔

"وہ اس کا باپ تھا وہ بہت عظیم آدمی ہے۔ ہم سب کا باپ ہے اس کا دماغ لاکھوں کے لشکر پر حاوی ہے۔"

"مگر میں نے تو سنا تھا کہ لیلیٰ کا باپ ابوخالد ہے۔" نیلی آنکھوں والا طویل قامت شخص نے میں نے حیرت سے کہا۔

"وہ ایک چھوٹے سے گروہ کے سربراہ کا نام ہے۔ حقیقی راہب نے عقیدت کی بنا پر انہیں لقب "الشیخ" میں دیا ابوخالد ہے۔ یہاں فلسطین اور دان میں لوگ اسے سمجھتے ہیں۔ اسرائیل میں وہ بن حیان ہے۔ اگر وہ لیلیٰ کے ساتھ نہ ہوتا تو اس رات میں یقیناً اسے پہچان کر کھا جاتا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے نفرت کے تصور سے مٹھیاں سختی سے بھینچ رکھی تھیں۔ موجود ہیں۔

اس بار اسرائیل کا نام کسی بچھو کے ڈنک کی طرح میرے ذہن میں پیوست ہو گیا اور معاً مجھ پر ساری صورت حال واضح پس منظر کے ساتھ روشن ہو گئی۔

اسرائیل جو عرب دنیا کے سینے میں ایک لاعلاج ناسور کی حیثیت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ ہر طرف اپنے پنجے پھیلا رہا تھا۔ اسے عربوں کی عسکری اور مالی قوت سے شدید خطرات لاحق تھے اور میں نادانستگی میں شاید ان کی کسی زیر زمین تنظیم کا شکار ہو گیا تھا۔ اسرائیل میں بن حیان کہلانے والا ابوخالد یقیناً اس گروہ کا سرغنہ تھا اور اس نے کسی خاص مقصد کے لیے میرا انتخاب کیا تھا۔ وہ خلیج کے دہانے پر اپنے سازشی عناصر کا جال پھیلانے کی مساعی میں مصروف تھا۔

بہر کیف یوسف اور اس کے والد نے ایک مرکز چلا رکھا تھا۔ اس سے منگے صحرا کے وسط میں الشیخ پر ابوخالد کی گرفت مضبوط تھی۔ اور اس سے منگے سعودی سرحد کے پار بھی ان کا کوئی مرکز کام کر رہا تھا۔ جہاں ابو خالد انہی کے ذریعے خفیہ طریقے پر پیغام رسانی کیا کرتا تھا۔

وہ سب بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے مگر ان میں یہودی بھی تھے اور ہندو بھی۔ اپنے مذموم مقاصد کی خاطر انہوں نے اپنے نام اور مذہب تک بدل لیے تھے کیونکہ ان کا نشانہ ایک تھا۔ مجھے پورا یقین ہو چلا تھا کہ آوارہ مزاج، رنگین طبیعت اور حسین مرد ساحرہ لیلیٰ بھی کٹر نسل پرست یہودن تھی جسے محض امیر کو مطلوب کرنے کی خاطر ابوخالد نے مجھ پر سازش کے ذریعے حرم میں پہنچایا تھا اور مسعود نے جس ہولناکی سے پہلے لیلیٰ کی خدمات کا تذکرہ کیا وہ مصنوعی پر اسراریت تھی جو طاقت اور سازش کے ذریعے پورے علاقے میں اپنے قدم جمانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تو کیا وہ واقعی بن حیان کی بیٹی ہے؟" میں نے کروٹ بدلتے ہوئے سوال کیا۔

"بن حیان نے آج تک شادی نہیں کی۔" وہ آنکھیں پھول کر بولا۔ "لیلیٰ ذلیل اور کمینی عورت ہے مگر بہت دیدہ دلیری ہے۔ تو دیکھنا کہ آہستہ آہستہ اثر کرنے والے زہر کی طرح ایک روز وہ امیر کو نگل جائے گی۔ یہ بدبخت زہر کی ایک مقررہ مقدار کسی مشروب میں ملا کر ہر رات کو پیش کر رہی ہے وہ لاولد ہے سو اگر اس نے تو الشیخ بن لیلیٰ کی خواہش کا حق دار ہو گا اس علاقے میں ایک مضبوط مرکز کی ضرورت ہے۔"

یوسف کے الفاظ سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ یہ ساری باتیں میرے لیے غیر متوقع تھیں۔ مجھے گزری ہوئی ایک ایک بات یاد آنے لگی۔ تو لوٹنے مجھ سے ان مبہم الفاظ کے بارے میں نفرت آمیز لہجے میں بات کی تھی جنہیں ابوخالد یا سے لایا تھا۔ میں اب تک وہ بظاہر عرب تصور کرتا تھا مگر وہ ایسے تھے جنہیں الشیخ والوں کا طور بدلتے ہوئے قطعی ملال نہ ہوتا۔

وہ سادہ دل صحرا نشین عرب اپنی آستین میں پلنے والے سانپوں سے لاعلم تھے۔ نادانستگی میں انھوں نے سازش کی آگ اپنے گھروں میں بھی روشن کر لی تھی۔ میرا الشیخ کی مٹی کی گداز جسموں اور گوری رنگت والی لڑکیاں نہ جانے کن کن گھروں میں پہنچ چکی تھیں اور سازش کو پروان چڑھا رہی تھیں۔

"میں رات بھر کا تھکا ہوا ہوں۔ اگر اجازت ہو تو دو چار گھنٹے کی نیند لے لوں؟" میں نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"سو جاؤ! میں نے تمہیں کب روکا ہے۔ لیلیٰ کی بستی میں رہنے والوں کے لیے میرا البتہ یہ وقت مناسب ہے۔ وہ میری دشمن بھی ہے اور مجبور بھی۔" وہ ڈرتا ہوا اپنے لہجے سے اٹھ گیا۔ "میرے بیٹے کی طرح بگڑ گیا۔ اب تو بی رات شروع ہوئی ہے۔ اس بستر پر تمہیں بہت آرام ملے گا۔"

میں اس کا شکریہ ادا کر کے بستر پر جا لیٹا۔ یوسف دماغ کی چولیں ہلا گئیں۔ سعودی اور مجھ میں بے شمار باتیں تھیں جیسے اسے مدت سے بغیر دھوئے استعمال کیا جاتا رہا ہو۔ میں نے کراہیت کے احساس کے تحت بستر چھوڑنا چاہا لیکن وہ آرام دہ تھا۔ میں اس خبیث جو رشتے سے بچنا چاہتا تھا تو مجھ پر غور کرنا چاہتا تھا۔ حالات کے بدلتے ہی سنسنی خیز موڑ کے باعث میرے لیے اب فوری فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا۔

مجھے کم از کم ایک بات کا اطمینان ضرور تھا کہ الشیخ سے بچتے بچتے میں قدرت کے دل میں نفرت اور انتقام کی ایسی آگ بھڑکا دی تھی جسے اس کے ہاتھوں زندہ بچنا محال تھا۔ ان حسین فتنے کا خاتمہ ہو جانے کے بعد اگر الشیخ کی بستی ان لوگوں کے چنگل سے آزاد ہو جاتی تو ان کی کامیابیوں کی شدت میں کمی ضرور آ جاتی۔ دوسری طرف بستی کا حکمران ناگہانی موت کا شکار ہونے سے بچ جاتا جو لیلیٰ کی موت کے بعد اس کے معالج ہی پتہ لگا لیتے اور وہ زہر خورانی کے ہاتھوں تیزی سے سب کو ہوتا جا رہا ہے۔

میرے بستر پر دراز ہونے کے بعد یوسف وہاں سے چلا گیا۔

میرے ذہن پر بھی آہستہ آہستہ غنودگی طاری ہونے لگی اور آخر کار میں گہری نیند سو گیا۔

میں بیدار ہوا تو اس کمرے میں بدستور نیم تاریکی کا راج تھا۔ دروازے کی نچلی جھری سے روشنی کی ایک لکیر اندر آ رہی تھی۔ جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ابھی دن باقی ہے۔ باہر سورج ڈھلنے کے بعد کمرے میں سیلن کا احساس بڑھ گیا تھا۔

میں اٹھا تو قریب ہی مٹی کے ایک برتن میں دودھ اور کھجوروں سے بھری ہوئی ایک پلیٹ موجود تھی۔ جو یوسف نے شاید میرے ہی لیے رکھی تھی۔

دودھ کھجوریں بادی النظر میں کچھ معلوم ہو رہی تھیں مگر ان کی مقدار سے زیادہ مٹھاس موجود تھی۔ میں نے اچھی طرح شکم سیر ہو کر کھجوریں کھائیں۔ دودھ کا پیالہ خالی کیا اور پھر یوسف کے مکان سے باہر چل دیا۔

وہاں آنے کے بعد اس کی جانب سے مجھ پر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی تھی اور اس وقت وہ خود بھی نہ جانے کہاں غائب تھا لہٰذا میرے لیے حالات کا جائزہ لینے کا یہ بہترین موقع تھا۔

بحر ہند کے کنارے واقع ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جہاں بندرگاہ ہونے کے باوجود صحرائی زندگی کے آثار نمایاں نظر آتے تھے۔ مردوں میں برقعہ بھی تھے اور غیر برقعہ بھی۔ مگر عورتوں میں حسن کی فراوانی پائی جاتی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے میں گھاٹ پر جا نکلا جہاں خاصی تعداد میں بادبانی کشتیاں اور چھوٹے جہاز لنگر انداز تھے۔ وہاں اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ میرے یہاں سے بھاگ نکلنے کا اچھا موقع ہے۔ میرے پاس سعودی ریال کی معقول رقم بھی موجود تھی جس کی مدد سے میں سمندری سفر کے انتظامات کر سکتا تھا اور کسی کو میرے نکلنے کی کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی۔

خاصی دیر تک جائزہ لینے کے بعد میں نے ایک ملاح سے بات کر لیا۔

میرے مخاطب پر وہ چونک کر میری طرف متوجہ ہوا اور سر سے پیر تک بغور میرا جائزہ لینے لگا جب کہ میں پہلے ہی اس کا مکمل جائزہ لے چکا تھا۔

اپنے لباس اور ظاہری حالت کی بنا پر وہ خاصا مفلوک الحال نظر آ رہا تھا اور مجھے امید تھی کہ معقول رقم کے لالچ میں وہ میرا کام کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔

"کیا میں تم سے واقف ہوں؟" مجھے سر سے پیر تک گھورنے کے بعد اس نے چھبتے ہوئے استفہامیہ لہجے میں سوال کیا۔

"کیا اس بستی میں اجنبیوں کے ملنے پر پابندی ہے؟" میں نے الجھتے ہوئے کہا۔

"کہو کیا کام ہے؟"

"اگر فرصت ہو تو میں کہیں بیٹھ کر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"میرے ساتھ آؤ!" وہ کہہ کر ایک طرف مڑ گیا۔

ساحل سے ذرا دور ایک چھپر کے نیچے چٹائی بچھی ہوئی تھی جسے شاید وہ سستانے کے لیے استعمال کرتا رہا تھا۔ وہیں ایک حقہ اور تمباکو سے بھرا ہوا ڈبہ بھی موجود تھا۔

اس نے مجھے بٹھانے کے بعد آگ سلگا کر چلم تیار کی اور حقے کے گہرے گہرے کش لیتا میرے پاس آ بیٹھا۔

"پہلے اپنا نام بتاؤ۔" اس نے حقہ میرے قریب رکھتے ہوئے کہا۔ "کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ میں نے اب سے پہلے تمہیں یہاں نہیں دیکھا۔"

"نام مسعود علی ہے۔" میں نے حقے کا کش کھینچتے ہوئے کہا۔ "بھٹکتا ہوا اس بستی تک آ نکلا ہوں اور اب کسی ایسی جگہ پہنچنا چاہتا ہوں جہاں سے میں اپنے ملک جا سکوں۔"

"کون سا ملک ہے تمہارا؟" وہ نرم لہجے میں بولا۔

"ہندوستان۔" میں نے جواب دیا۔ "اس کام کے لیے میں تمہیں معقول معاوضہ دینے کے لیے تیار ہوں۔"

میرے جواب پر اس نے غیر معمولی انداز میں ہنکارا بھرا پھر بولا۔ "اس سے پہلے بھی بہت سے پریشان حال ہندی میں نے دیکھے ہیں جو بھٹکتے ہوئے ادھر آ نکلتے ہیں مگر تم پہلے آدمی ہو جو تعلیم یافتہ نظر آتے ہو اور پھر فصیح عربی بھی بولتے ہو۔"

"ابھی تک تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" میں نے بے راہ راست موضوع پر لانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تم چاہو تو یہاں سے تمہیں بحر ہند میں لے جا کر کسی لانچ وغیرہ میں سوار کرایا جا سکتا ہے تو اس کام کے لیے کتنی رقم خرچ کر سکتے ہو؟"

"یہ الٹا سوال ہے۔" میں ہنس کر بولا۔ "تم اپنا معاوضہ بتاؤ۔ میں تمہیں سعودی ریال کی صورت میں ادائیگی کر سکوں گا۔"

اسی وقت نہ جانے کہاں سے اچانک ایک بدصورت اور کھڑے مزاج شخص وہاں آ پہنچا اور اس نے لات مار کر حقہ دور اچھال دیا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" وہ حقارت آمیز لہجے میں بولا۔ "یہ یوسف درویش کا مہمان ہے اور اسے میزبان کی ہدایت پر تمہاری نیت کا امتحان لینے بھیجا گیا تھا۔"

اچانک اس شخص کا چہرہ دھواں ہو گیا اور وہ گھبرائی ہوئی آواز میں مجھ سے بولا۔ "خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔ میں نے تم سے کوئی دھوکہ نہیں کیا تھا۔ میں تو خود تمہاری نیت کا اندازہ لگا رہا تھا۔ میں کبھی ایسے سیدھے سادے لوگوں میں نہیں پڑتا۔ اب بچے والا دن گزارنے کی فکر میں

ملتی رہے تو اس کے لیے وہی کافی ہوتی ہے۔"

نووارد نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے لے کر واپس بستی کی طرف چل دیا۔

"میرا ہاتھ چھوڑ دو۔ میں کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔" میں نے کچھ دور چلنے کے بعد تیز لہجے میں نووارد سے کہا اور اس کے ساتھ چلتے چلتے ٹھٹک گیا۔

وہ شخص بہت بدتمیز تھا۔ اس نے میرا ہاتھ چھوڑ کر خونخوار نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر اچانک ہاتھ گھما دیا۔

میں نے اس کے تھپڑ سے بچنے کی بہت کوشش کی مگر پھر بھی میری کنپٹی اس کی زد میں آگئی اور چوٹ کھا کر میں بپھر گیا۔

میری بھرپور ٹکر اس کے سینے پر پڑی اور وہ کسی زخمی بھینسے کی طرح ڈکراتا ہوا پچھاڑ کھا کر چت زمین پر جا گرا۔

شاید اسے مجھ سے اتنے شدید اور فوری ردعمل کی توقع نہیں تھی۔ زمین پر گرنے کے بعد وہ چند سیکنڈ تک یوں ہی ساکت پڑا رہا اور میں لپک کر اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔ میں اس مردود پر اپنی ساری جھلاہٹ نکال دینا چاہتا تھا۔

میں نے اس کے منہ پر پے در پے کئی زبردست گھونسے رسید کیے مگر اس کے منہ سے کوئی آواز نکلی نہ اس نے اپنے طور پر حرکت کرنے کی کوشش کی۔ اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں، منہ کھلا ہوا تھا اور ہر گھونسے کے ساتھ اس کی گردن ایک طرف ڈھلک جاتی تھی۔

معاً مجھے احساس ہوا کہ میرا شکار مر چکا ہے اور میں ایک لاش کے سینے پر چڑھا بیٹھا ہوں۔ یہ احساس ہوتے ہی مجھے جھرجھری سی آ گئی اور میں اس پر سے اتر گیا۔

پہلے میں نے اپنے دل کو سنبھالنے کی کوشش کی کہ وہ شاید میری ٹکر کے باعث محض بے ہوش ہوا ہے مگر جب میں نے اس کے سینے سے کان لگا کر اس کے دل کی دھڑکن سننے کی کوشش کی تو مجھے سخت ناکامی ہوئی اور یہ یقین کر لینا پڑا کہ ٹکر کے باعث اس کی حرکت قلب بند ہو چکی ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے مزاحمت کی قوت سے محروم ہو چکا ہے۔

اس پر جوابی حملہ کرتے ہوئے میری نیت یہ نہیں تھی کہ میں اسے ٹھکانے ہی لگا دیتا مگر وہ بدبخت میری توقع سے کہیں زیادہ بے جان نکلا اور ایک ضرب بھی نہ سہہ سکا۔ میرے لیے اب وہاں رکنا بے سود تھا۔ اس خلاصی کے جشن آنے والے تجربے کی روشنی میں یہ مشکل تھا کہ میں کہیں پناہ لے سکتا یا کسی اور قدم کا لالچ کر کے وہاں سے نکلنے کی کوشش کرتا۔ ایسی کسی کوشش میں فوری کامیابی بہت مشکل تھی۔ جب تک میرے نکلنے کا انتظام ہوتا، یوسف کو اپنے ایک ہرکارے کی موت کی اطلاع مل جاتی اور اس خلاصی کے ذریعے جب اسے یہ پتہ چلتا کہ وہ شخص موت سے قبل اسی علاقے میں آخری بار میرے ساتھ دیکھا گیا تھا تو یوسف کے آدمی میری بو پر لگ جاتے اور میرے لیے بچ رہنا محال ہو جاتا لہٰذا بہتر یہی تھا کہ میں خود یوسف کے پاس پہنچ جاؤں۔

میں یوسف کے مکان پر پہنچا تو وہ اپنے بیڈروم میں بیٹھا شراب پینے میں مصروف تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اچھل پڑا۔

"آ میری جان! میں تیرا ہی منتظر تھا۔" وہ مسرت آمیز لہجے میں بولا۔ "میرے پاس بیٹھو اور ذرا مجھے میری لیلیٰ کا احوال سناؤ تاکہ اس کا سرور کچھ دوبالا ہو سکے۔"

"میں ایک بری خبر لایا ہوں۔" میں نے قدرے گھمبیر سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"بری خبر؟" اس نے جھلاتے ہوئے لہجے میں کہا اور گلاس کی آدھی بھری ہوئی بوتل سب سے اوپر اٹھا کر زمین پر دے ماری اور شیشے کی کرچیوں کے ساتھ ہی شراب فرش پر پھیل گئی۔ "کیا بری خبر کے لیے تو کسی برے وقت کا انتظار نہیں کر سکتا تھا؟"

"مرنے والے کسی گھڑی کا انتظار نہیں کرتے۔ تمہارا ایک آدمی میرے ہاتھوں ناگہانی مارا گیا ہے۔" میں نے ــــ اس کے سامنے صاف صاف اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔

"مارا گیا؟ میرا آدمی؟" وہ حیرت سے بولا۔ "کیا بک رہا ہے؟"

"اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھا کر پہل کی تھی اور جب میں نے اس کے سینے پر ٹکر ماری تو اس کا دل دھڑکنا بھول گیا۔"

"وہ کون تھا اور یہ کیسے ہوا؟ میں پوری بات جاننا چاہتا ہوں۔"

"میں اس کے نام سے ناواقف ہوں۔ وہ بدصورت اکھڑ مزاج آدمی تھا۔ اس کی آنکھیں بھی بھینگی تھیں۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں کس کی اجازت سے باہر گھوم رہا ہوں۔ جب میں نے اسے بتایا کہ میں تمہارا مہمان ہوں قیدی نہیں تو اس نے مجھ پر ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور میں نے طیش میں آکر اس کے ٹکر دے ماری اور اس کا قصہ پاک ہو گیا۔"

"اس کی لاش کہاں ہے؟"

"گھاٹ کے قریب ہی ریت میں پڑی ہے۔"

"تو خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔" وہ بولا۔ "لیلیٰ نے بھی تیرے بارے میں یہی لکھا ہے۔ میں تجھے زیادہ دن یہاں نہیں رہنے دوں گا۔"

"تو کیا مجھے کہیں اور جانا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

وہ پاگلوں کی طرح ہنسا۔ "ہاں، تیری منزل ابھی بہت دور ہے۔"

"اب میں مسلسل سفر سے اکتا گیا ہوں۔" میں نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں کچھ دن یہاں رہ کر آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

"آرام قبر کے علاوہ کہیں نہیں ملتا۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "بہت جلد تجھے اس ابدی آرام گاہ میں بھیجنے کا بندوبست کیا جا سکتا ہے۔"

اس کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا اور میں اس کے بستر پر دراز ہو گیا۔

☆☆

یوسف کی واپسی سورج غروب ہونے کے بعد ہوئی۔ اس بار وہ پک اپ جیپ میں دو افراد کے ہمراہ آیا تھا۔

آنے والوں کا رویہ خاصا خشک اور کاروباری تھا۔ یوسف نے انہیں میرا نام بتایا اور وہ دونوں مجھے یوں گھورنے لگے جیسے قربانی سے قبل بکرے کا جائزہ لے رہے ہوں۔ پھر ان میں سے ایک نے پہلی بار زبان کھولی۔ "مسٹر صفدر۔ ہمیں امید ہے کہ تم ہمارے ساتھ تعاون کرو گے کیونکہ اسی میں تمہاری بہتری مضمر ہے ورنہ ہم اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کسی حد کی پرواہ نہیں کیا کرتے۔"

اس کے منہ سے صاف ستھری انگریزی سن کر مجھے خاصی حیرت ہوئی۔ اس بار میں نے بھی عربی کے بجائے انگریزی بولنے کو ترجیح دی۔ "آخر کس سلسلے میں میرے تعاون کے طلب گار ہو؟"

"جو کہا جائے بے چوں و چرا کرتے رہو۔" وہی شخص بولا۔ "میں انتہائی بتا دوں کہ اگر تم نے کسی معاملے میں مزاحمت کی کوشش کی تو ہم تشدد کی راہ بھی اختیار کر سکتے ہیں۔"

"آخر تشدد کی کیا ضرورت ہے۔ کیا تم لوگ کسی جرم میں مجھے اپنا شریک بنانا چاہتے ہو؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"سوالات کرنے کی ضرورت نہیں۔" اس بار دوسرے آدمی نے کہا۔ "ہم ابھی ایک سفر پر روانہ ہو رہے ہیں۔ تمہاری آنکھوں پر کالی پٹی بندھی ہوگی۔ راستے میں کہیں گاڑی روک لی جائے تو تم بالکل خاموش رہو گے۔ اگر تمہارا نام لے کر براہ راست مخاطب کیا جائے تو بھی تم گونگے بنے رہو گے۔"

"یہ سفر کتنے دن جاری رہے گا؟"

"دیکھو! بحث کرنے اور ہوشیار بننے کی کوشش مت کرو۔" پہلا آدمی جھلا کر بولا۔ "چند گھنٹے بعد تمہاری آنکھوں سے پٹی ہٹا دی جائے گی۔"

"جو کہا جا رہا ہے اسے اچھی طرح سن لو۔" اس بار یوسف نے کہا۔ "یہ لوگ موت کے ہرکاروں سے کم نہیں ہیں۔"

"میں ہر بات سن اور سمجھ چکا ہوں۔" میں نے کہا۔

پھر آنے والوں میں سے ایک نے بڑھ کر میری آنکھوں پر ریشم کے سیاہ تسموں والی ایک عینک اس طرح چڑھا دی کہ میرے لیے کچھ بھی دیکھنا ممکن نہ رہا۔

مجھے دونوں بازوؤں سے سہارا دے کر جیپ کی پچھلی نشست پر بٹھایا گیا۔ ان میں سے ایک شخص میرے پہلو میں بیٹھ گیا اور جیپ کا انجن اسٹارٹ کر دیا گیا۔ مجھے لے جانے والوں اور یوسف کے درمیان رسمی فقروں کا تبادلہ ہوا اور ایک جھٹکے کے ساتھ جیپ حرکت میں آگئی۔

نامعلوم اور ناہموار راستوں پر جیپ کا سفر جاری رہا۔ میرے کانوں میں انجن کے شور کے سوا کوئی دوسری آواز نہیں آرہی تھی جس کی بنا پر میں نے اندازہ لگایا کہ ہم کسی ویرانے میں سفر کر رہے ہیں۔ ویسے بھی اس علاقے میں بربرستی سے نکلنے کے بعد دور دور تک آبادی کا نام و نشان نہ تھا۔ ہوا کی خنکی یا رخ کی بنا پر بھی میرے لیے یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا کہ یہ سفر ساحل سمندر کے ساتھ جاری ہے یا جیپ صحرا کی طرف بڑھ رہی ہے۔

تھوڑی دیر بعد ناہموار راستہ شروع ہو گیا۔ جیپ بری طرح اچھلتی کودتی آگے بڑھ رہی تھی۔ میرے برابر میں بیٹھے ہوئے شخص کی وجہ سے آنکھوں تک ہاتھ لے جانا ممکن نہیں تھا۔ میں نے بھنوؤں وغیرہ کو حرکت دے کر بہت کوشش کی کہ سیاہ تسموں والی عینک کو سرکا کر ذرا سی جھری پیدا کر سکوں مگر مجھے اپنی اس کوشش میں کامیابی نہ ہو سکی۔

جیپ کو ہچکولے دینے والا یہ سفر کم و بیش چار گھنٹے جاری رہا۔ اس کے بعد جیپ ایک جھٹکے سے روک دی گئی۔

"کون ہے؟" قریب ہی سے کسی نے اونچی آواز میں پوچھا۔ یہ آواز یقینی طور پر جیپ کے باہر سے آئی تھی اور بولنے والے کا لہجہ سخت تھا۔ زبان انگریزی تھی۔ اس کے بولنے کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ امریکی قومیت سے تعلق رکھتا ہے۔ میرے لیے یہ بات حیرت کا باعث تھی کہ اتنے طویل سفر کے بعد میں جو پہلا آدمی ملا وہ غیر ملکی تھا۔ جیپ جس انداز میں گھنٹوں ناہموار راستوں پر دوڑتی رہی اس سے پتہ چلتا تھا کہ اس وقت ہم لوگ صحرا کے کسی دور افتادہ اور دشوار گزار علاقے میں موجود ہیں۔

"عقاب!" ڈرائیونگ سیٹ والے نے جیپ کے انجن کے شور میں چلا کر کہا۔

پھر کوئی جیپ کے قریب آیا۔ ان دونوں کے کاغذات طلب کیے گئے جو انھوں نے شاید پیش کر دیے۔ اس کے بعد ٹارچ کی روشنی میرے چہرے پر ڈالی گئی۔ سیاہ ریشمی پٹی کے باوجود میری تاریکی کی عادی آنکھوں نے اس روشنی کے انعکاس کو محسوس کر لیا۔

"یہ کون ہے؟" اس بار پوچھنے والے کی آواز میں امریکی لہجہ سنائی دیا۔

"شکار!" میرے برابر والے نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"چلے جاؤ۔ آپریشن روم میں شیخ تم لوگوں کا منتظر ہے۔"

جیپ ایک بار پھر آگے بڑھ گئی۔ اس بار اس کی رفتار خاصی سست تھی۔ چند منٹ بعد شاید ناہموار راستہ ہموار سڑک میں تبدیل ہو گیا۔

کیونکہ جیپ کو لگنے والے شدید جھٹکے یک بیک ختم ہو گئے اور رفتار میں بھی تدریجاً کمی آ گئی۔

اس بار جیپ رکتے ہی میرے برابر والے نے میری آنکھوں سے وہ عینک اتار دی۔ باہر پھیلی روشنی چبھتی ہوئی تھی جو فوری طور پر مجھے بہت ناگوار لگی اور میں چند ثانیوں تک کسی اندھے کی طرح دیدے جھپکاتا رہا جیسے تاریک کوٹھری سے اچانک چمکتی ہوئی دھوپ میں پھینک دیا گیا ہو۔ پھر جب میری آنکھیں اس روشنی کی عادی ہو گئیں تو میں جیپ سے نیچے اتر آیا۔

یہ دیکھ کر حیرت سے میری آنکھیں کھلی رہ گئیں کہ ہم لوگوں کے عقب میں تھوڑی دور ایک مختصر سا ساحل دور تک پھیلا ہوا تھا جس پر ہلکے قسم کے دو چھوٹے جہاز لنگر انداز ہوئے تھے۔ ان سے تھوڑے فاصلے پر ایک کیبل کا پٹرہ بھی نظر آ رہا تھا۔

سامنے سیمنٹ کی چادروں اور آہنی فریم سے بنی ہوئی ایک لمبی سی بیرک نما عمارت تھی جس پر بڑے بڑے سیاہ حروف میں تیل کی تلاش اور صفائی کا کام کرنے والی ایک مشہور کمپنی کا نام لکھا ہوا تھا۔

اس عمارت کے عقب میں کئی بلند و بالا آہنی ڈھانچے نظر آ رہے تھے جن کا تعلق شاید تیل کے لیے کھدائی کرنے والے بھاری آلات سے تھا۔

مجھے زیادہ دیر تک اس جگہ کا جائزہ لینے کا موقع نہیں مل سکا اور وہ دونوں مجھے ساتھ لے کر اس بیرک نما عمارت میں داخل ہو گئے۔

راہداری میں دائیں جانب ایک دروازے سے ہم داخل ہوئے تو وہاں ایک لمبی سی کانفرنس ٹیبل کے عقب میں کھچڑی بالوں والا ایک ادھیڑ عمر شخص ہمارا منتظر تھا۔

اس کمرے کی دیواروں پر جا بجا بہت سے چھوٹے بڑے چارٹ اور گراف لگے ہوئے تھے جن میں رنگین ماکروں والی پنیں لگی ہوئی تھیں۔ ایک جانب دیوار گیر بلیک بورڈ پر چاک سے بہت سے نام اور ٹریولنگ کے اوقات لکھے ہوئے تھے۔

کھچڑی بالوں والے نے بڑے تپاک سے ہم تینوں کا استقبال کیا۔ اس کے پرجوش رویے نے چند ثانیوں کے لیے یہ احساس ذہن سے مٹا دیا کہ میں ان لوگوں کا قیدی بنا ہوا ہوں۔

کرسی پر بیٹھتے ہی اس نے تینوں کو سگریٹ پیش کی۔ میز پر رکھی ہوئی ایش ٹرے پہلے ہی سگریٹ کے بجھے ہوئے ٹکڑوں سے بھری ہوئی تھی۔

اسی میز پر انٹرکام بھی موجود تھا۔ اس شخص نے ایک بٹن دبا کر کسی کو چار کپ کافی اور کچھ سینڈوچ وغیرہ لانے کی ہدایت کی اور ان دونوں کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"تم لوگ پروگرام سے ایک گھنٹہ دس منٹ لیٹ آئے ہو۔" کھچڑی بالوں والے سفید فام نے مسکراتے ہوئے ان دونوں سے کہا۔

"اس شخص نے برکلے میں ایک قتل کر دیا تھا۔ یوسف اس کو ٹھکانے لگانے میں مصروف تھا۔ ہم بروقت پہنچ گئے ہوتے۔"

"قتل؟ کس کا قتل؟" کھچڑی بالوں والے نے حیرت سے سوال کیا۔

ان دونوں میں سے ایک نے وہی کہانی سنا دی جو اس قتل کے بارے میں وہ یوسف مجذوب کو سنا چکا تھا۔ یہ سن کر مجھے غصہ آ گیا کیونکہ کم از کم اس قتل کی حد تک میری ذات غیر ضروری شبہات کا شکار ہونے سے بچ گئی تھی۔

"اب یہاں سے میں ساڑھے تین بجے پرواز کروں گا۔" کھچڑی بالوں والا بولا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ بن حیان بہت برہم ہوگا۔"

"بن حیان؟" مجھے لانے والوں میں سے ایک نے بے ساختہ کہا۔ "تو کیا وہ خود وہاں موجود رہ کر اس معاملے کی نگرانی کرنا چاہتے ہیں؟"

کھچڑی بالوں والا ہنس دیا۔ "اس کے لیے یہ کوئی اتنا بڑا معاملہ نہیں ہے۔ اتفاق سے وہ تل ابیب میں ایک اہم مشن میں مصروف ہے اور میں شکار کے بارے میں اسے پیغام بھیج چکا ہوں۔ ویسے بھی وہ ہر بات سے ذاتی طور پر باخبر رہتا ہے۔"

تل ابیب!

یہ نام میرے ذہن پر ہتھوڑے کی ضرب کی طرح محسوس ہوا۔ گمنام منزل اچانک سامنے آ گئی تھی۔ وہ لوگ گھیر گھار کر مجھے تل ابیب لے جا رہے تھے۔ اب یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہو چکی تھی کہ میں کسی یہودی تنظیم کا شکار ہوا ہوں۔

ہیلن، ہالینڈ، یوسف مجذوب، ابو خالد۔ یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔

مگر میرے لیے حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ لوگ میری ذات میں اس قدر دلچسپی کیوں لے رہے تھے۔ میں نہ کسی سیاسی اہمیت کا مالک تھا نہ مالی اعتبار سے میری ذات ان کے لیے سود مند تھی۔ پھر آخر وہ کس مقصد کے لیے اتنے مصارف برداشت کر کے مجھے الشویخ سے تل ابیب لے جا رہے تھے۔ انھیں مجھ سے بہت کم معاوضے اور ترقی پر بہت سے شکار دستیاب ہو سکتے تھے۔ پھر معاً مجھے یاد آیا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ میری اصلیت جان چکے ہوں اور مجھے غیر علاقوں میں رکھنے کے بجائے مجبور کرنا چاہتے ہوں کہ میں وہ نایاب پتھر ان کے حوالے کر دوں۔ مایوسی اور خطرے کے اس عالم میں مجھے طرح طرح کے امکانات ذہن میں ابھرتے نظر آنے لگے تھے۔

مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ شاید ہندوستان کی سرکاری ایجنسیوں کو علم ہو چکا ہے کہ میں ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ملک سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ پھر شاید انھیں یہ بھی معلوم ہو گیا ہو کہ میں کس سمت میں نکلا ہوں۔ ہند اور اسرائیل کے تعلقات بہت گہرے تھے۔

ہیرے کے لیے انھوں نے اپنے حلیفوں کو اعتماد میں لے لیا۔ اب یہ سوچوں کے ہولناک طوفان میں گھر کر میں خود ہی الجھ کر بیٹھا۔ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ اگر میرا قیاس درست ہے تو میں ہیرا ان کو دے بھی دیتا تب بھی وہ لوگ کسی نہ کسی طرح میرے ہاتھ ڈالے ہی رہتے۔

کافی اور سینڈوچ کے دوران میں وہ تینوں آپس میں باتیں کرتے رہے اور میں مسلسل سوچ میں کھویا رہا۔ موجودہ حالات کا کوئی جواز میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ یہ تصور بھی بڑا احمقانہ لگ رہا تھا کہ محض ہیرے کی بازیابی کے لیے میری ذات بین الاقوامی اہمیت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ مگر اس کے سوا کوئی اور سبب نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔

سوچتے سوچتے میرے دماغ کی چولیں ہل گئیں تو میں نے اپنے مسئلے کے بارے میں سوچنا ترک کر دیا۔ موجودہ حالات کے پیش نظر یہی بہتر تھا کہ میں خود کو حالات پر چھوڑ دوں۔ جلد یا بدیر صورت حال خود بخود واضح ہو جائے گی۔

میں اپنے خیالات میں اس وقت تک ڈوبا رہا جب تک کہ کھچڑی بالوں والے نے پرواز کی روانگی کی تیاری کے لیے نہ کہا۔

"مجھے کہاں لے جایا جا رہا ہے؟" میں نے اپنے لانے والوں میں سے ایک شخص سے وضاحت کے لہجے میں دریافت کرنا چاہا۔

"تل ابیب!" اس نے سرد نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہمارے سربراہ تمھیں پکار رہے ہیں اور اب چند گھنٹوں بعد تم اس سرزمین پر قدم رکھو گے جہاں ہیکل سلیمانی کے نگرانی کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اپنے حلق میں کوئی چیز اٹکتی محسوس کی۔ "تم بتا رہے ہو تو میں وہاں جانے کے لیے تیار ہوں۔ تم جیسے مہربان لوگوں کی موجودگی میں بھلا کیا کر سکوں گا۔"

اس عمارت کے باہر وہی جیپ موجود تھی۔ پھر چاروں اس میں سوار ہوئے اور کھچڑی بالوں والا ڈرائیو کرنے لگا۔ آخر ہم لوگ ایک چھوٹے طیارے کے قریب پہنچ گئے۔

"الوداع ورشتاں!" ان دونوں نے ہاتھ لہرا کر مجھ سے کہا۔ "ہم تمھاری خوشگوار پرواز کے لیے دعا گو ہیں۔"

ورشتاں نے مسکرا کر انھیں جواب دیا۔ پھر وہ طیارے میں سوار ہوا۔ میں بھی اسی کے ساتھ اندر پہنچ گیا۔

مجھے پائلٹ کے برابر والی نشست پر بٹھا کر ورشتاں نے حفاظتی تسمے کس دیے۔ پھر ایک خود مجھے بتایا جس کے ساتھ تحریری رسالہ بیٹھنے کے لیے کیبن کی نشست تھی۔ اس طیارے کی ساخت اور انتظامات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ محض مختصر فاصلے کے لیے مخصوص اور مناسب ہے جبکہ میری دانست میں یہاں سے تل ابیب کا فاصلہ کافی تھا۔

اپنی نشست پر تیار ہونے کے بعد ورشتاں نے مائیکروفون پر مجھ سے میری خیریت دریافت کی اور میں نے اسے بتایا کہ میں آرام سے ہوں۔

پھر ورشتاں نے کنٹرول پینل پر لگی ہوئی ایک گھنڈی کو آہستگی اور احتیاط کے ساتھ جنبش دی۔ اسی کے ساتھ میری ناک نے ایک تیز اور ناگوار سی بو محسوس کی مگر اس سے قبل کہ میں اس کی نوعیت وغیرہ پر غور کرتا، میرے نظام تنفس میں داخل ہونے والی وہ بو اپنا اثر دکھانے لگی۔ محفوظ پرواز اور میری طرف سے بے فکری کی خاطر ورشتاں نے مجھے مفلوج کر دینے ہی میں عافیت سمجھی تھی۔

چند سیکنڈ بعد انجن اسٹارٹ کرنے والی تیز آنے والی گڑگڑاہٹ غائب ہو گئی اور تنفس پر پڑنے والا آخری دباؤ بھی ختم ہو گیا۔

"اب تم آرام سے سفر کر سکو گے۔" مائیکروفون سے گزر کر ورشتاں کی نرم آواز مجھے اسپیکر میں سنائی دی۔

میں نے بولنا چاہا مگر میری زبان بھاری ہو چکی تھی۔ پھر جب میرا ذہن بے نام تاریکی کے سمندر میں ڈوب ڈوب کر ابھر رہا تھا تو مجھے جہاز کا کھٹکا انجن اسٹارٹ ہونے کا شور سنائی دیا۔ پھر سرخ اور سبز رنگ کی بہت سی دھندلی دھندلی روشنیاں نمودار ہوئیں۔ جہاز نے رن وے پر دوڑنا شروع ہی کیا تھا کہ میں پوری طرح بے ہوش ہو چکا تھا۔

مجھے کچھ اندازہ نہیں کہ وہ سفر کتنی دیر جاری رہا اور کس طرح گزرا۔ جب مجھے دوبارہ ہوش آیا تو میں ایک آراستہ اور آرام دہ خوابگاہ میں صاف ستھرے نرم بستر پر موجود تھا اور خوابگاہ میں ایئرکنڈیشنر کا دھیما دھیما شور گونج رہا تھا۔

میں نے لیٹے لیٹے اس کمرے کا جائزہ لیا اور مجھے اندازہ ہوا کہ میں جن لوگوں کے درمیان موجود ہوں ان کا برتاؤ میرے ساتھ ہمدردانہ ہی رہے گا۔

سفر کی تکان یا بے ہوش کرنے والی گیس کے اثر سے میرے جسم پر میٹھا میٹھا سا درد ہو رہا تھا۔ اسی لیے میں بستر پر ہی پڑا رہا۔ غالباً ورشتاں مجھے تل ابیب پہنچا چکا تھا اور اسرائیل میں موجودگی کے تصور نے میرا سارا تجسس تباہ کر دیا تھا۔

"خوش آمدید صفدر!" اچانک کمرے میں ایک دلکش نسوانی آواز گونجی۔ "تم خود کو کیا محسوس کر رہے ہو؟"

میں ہڑبڑا کر بستر سے اٹھ گیا اور بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا لیکن وہاں حیرت ہے کسی عورت کا سایہ بھی موجود نہ تھا۔ خوابگاہ کا دروازہ بدستور بند تھا اور میں اس کمرے میں تنہا موجود تھا۔

اس بار ہنسی کی کھنکتی ہوئی جھنجھناہٹ سنائی دی جس میں بلا کی جنسی کشش موجود تھی۔ پھر وہ بولی۔ "میں تم سے بہت دور ہوں لیکن پریشان ہونے یا چونکنے کی ضرورت نہیں۔ میری آواز تم تک ریڈیائی

لہروں کے ذریعے پہنچ رہی ہے جو اندر کی نقلیں اپنے سامنے اسکرین پر دیکھ رہی ہوں۔ تم جو کچھ کہو گے پوشیدہ مائیکروفون اسے مجھ تک پہنچا دیں گے۔"

میں ایک طویل سانس لے کر دوبارہ بستر پر دراز ہو گیا۔ "تم کون ہو اور میں کہاں ہوں؟"

"یہ تم نے اچھا کیا کہ لیٹ گئے۔" وہ بولی۔ "ابھی تمہیں مزید آرام کی ضرورت ہے۔ میں کرنل ریشا ہوں اور اس وقت تم اسرائیل میں موجود ہو۔"

"تمہاری آواز بہت دلکش ہے۔ میں تمہارا چہرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔" میں نے اپنی دانست میں خاصا جارحانہ اظہار کیا۔

"میں تم سے ضرور ملوں گی۔" وہ بُرا منائے بغیر اسی پرسکون اور میٹھے لہجے میں بولی۔ "مگر فی الحال یہ ممکن نہیں۔ میں کیپٹن ماریا کو تمہارے پاس بھیج رہی ہوں۔ وہ تمہاری میزبان ہوگی۔ تم بلاتکلف ضرورت کی ہر چیز طلب کر سکتے ہو۔"

"شکریہ کرنل ریشا۔ تم خاصی نرم دل معلوم ہوتی ہو۔"

"یہاں تم لوگوں کو ہمیشہ نرم دل اور مہربان پاؤ گے۔ فی الحال میں تم سے اجازت چاہتی ہوں۔ کیپٹن ماریا جلد ہی تمہارے پاس پہنچ جائے گی۔"

اس کے بعد وہ آواز غائب ہو گئی۔

حالات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میں اسرائیلی انٹیلی جنس کے کسی خاص شعبے کی تحویل میں ہوں۔ آخر یہ لوگ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے تھے۔ ان کے عزائم کیا تھے؟ میرے لیے یہ گتھی بے حد پیچیدہ ہو رہی تھی اور اس کا حل صرف ان ہی لوگوں کے پاس تھا۔

کچھ ہی دیر بعد کیپٹن ماریا قیامت بن کر کمرے میں آ پہنچی۔ سرخ و سفید بھبھوکا چہرے اور نیلی آنکھوں والی وہ طرح دار لڑکی اس قدر حسین تھی کہ میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کے ترشے ہوئے سنہرے بال کیپ کے نیچے سے جھانک رہے تھے۔ جسم پر چست خاکی قمیض تھی جس کے شانوں پر فوجی نشانات چمک رہے تھے۔ آدھی آستینوں میں سے اس کے گورے گورے سڈول بازو نظر آ رہے تھے۔ قمیض کے ساتھ اس نے خاکی رنگ کی اسکرٹ پہنی ہوئی تھی جس میں چمڑے کی بیلٹ سے چمڑے کا ہولسٹر جھول رہا تھا اور اس میں سے ریوالور کا سیاہ دستہ بھی جھانک رہا تھا۔

خاکی اسکرٹ کے نیچے سے بھری بھری ٹانگیں اور سڈول پنڈلیاں میرے اعصاب پر چھانے لگے۔ اتنی خوبصورت لڑکی میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ ہونٹوں پر دعوت انگیز مسکان لیے میری طرف نگراں تھی اور اس کی آنکھوں میں دلچسپی کے آثار صاف پڑھے جا سکتے تھے۔

"میں کیپٹن ماریا ہوں مسٹر صفدر، تمہاری میزبان۔" اس نے قریب آ کر خالص امریکی لہجے میں کہا اور داہنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے مسکراتے انداز میں نرمی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کے نرم و گداز ہاتھ کا لمس محسوس کرتے ہی میرے وجود میں آگ سی بھڑک اٹھی۔

"تم کیسے ہو؟" اس نے بستر کے قریب پڑی ہوئی کرسی کا رخ درست کرتے ہوئے سوال کیا۔

"ٹھیک ہوں۔"

"معلوم ہوتا ہے ہندوستان میں لڑکیوں سے طویل مصافحہ کا رواج پایا جاتا ہے۔" وہ قہقہہ مار کر بولی اور میں نے بوکھلا کر ہاتھ چھوڑ دیا۔

"شکریہ۔" یہ کہہ کر وہ ہنستی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کیا تم واقعی اسرائیلی فوج میں ہو؟" میں نے تعریفی انداز میں اس کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"کیا تم مجھے کوئی بہروپیہ سمجھ رہے ہو؟" وہ بے تکلفی سے بولی۔ "اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو کرنل تمہیں میرے بارے میں بتا چکی ہے۔"

"لڑائی جھگڑا اور گولہ بارود چلانا تمہاری جیسی لڑکیوں کا کام نہیں ہے۔"

"جب نفری کم ہو اور دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہو تو لڑکیاں کیا خواتین بھی توپیں داغنے پر مامور کر دی جاتی ہیں۔" وہ یک لخت سنجیدہ ہو گئی۔

"تمہیں کسی حقیقی جنگ کا تجربہ ہے؟"

"دو جنگوں میں میں نے محاذ پر اپنے دستوں کی قیادت کی ہے۔" اس نے فخریہ لہجے میں کہا، پھر اپنے سینے پر آویزاں تمغوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "یہ میرے ان ہی کارناموں کی یادگار ہیں۔ ویسے تو ہم ہر وقت ہی برسرپیکار ہیں۔"

"اگر تم جیسی لڑکی محاذ پر موجود ہو تو سپاہیوں کا مورال ویسے ہی بلند رہتا ہوگا۔" میں نے سنجیدگی سے گریز کی خاطر کہا۔

اس نے بُرا سا منہ بنایا۔ "یہ تم اپنے یہاں کی بات کر رہے ہو۔ ہمارے مرد اور عورتیں خندقوں میں کئی کئی دن پہلو بہ پہلو پڑے رہتے ہیں اور کسی کو مخالف جنس کا خیال نہیں آتا۔ محاذ پر صرف جنگجو ہوتا ہے، نہ عورت نہ مرد۔"

"پھر تو اسرائیلی مردوں کی مردانگی مشکوک معلوم ہوتی ہے۔" میں ہنس کر بولا۔ وہ لڑکی بہت جلد بے تکلف ہو جانے والی معلوم ہوتی تھی اور اس سے دوستی بڑھانا سود مند نظر آ رہا تھا۔

جواب میں اس نے بھی ایک مترنم قہقہہ لگایا۔ "یہ نہ کہو۔ معاملہ ہو تو عورتوں کے حق میں وہ بھیڑیے بن جاتے ہیں۔ یہ دیکھو۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی دائیں ٹانگ میرے سامنے کر دی جہاں اس کی

ران پر نرم اور چکنی جلد پر کسی زخم کا ایک بڑا سا ابھرا ہوا نشان تھا۔ "سینائی میں ایک محاذ پر میں ستر گھنٹے تک اپنے ساتھی کے ساتھ خندق میں پڑی مشین گن چلاتی رہی۔ گولے پھٹ رہے تھے۔ جب جنگ بندی کا اعلان ہوا، وہ اپنے ریٹنگ کی پناہ میں مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ جنون کے عالم میں اس نے اپنے دانت میری جلد میں گاڑ دیے تھے اور میں کئی دن بعد چلنے کے قابل ہو سکی تھی۔"

"اور اس کا کیا حشر ہوا؟"

"دو مہینے کے لیے گوریلا ٹریننگ کیمپ میں بھیج دیا گیا۔ معمولی اور ذاتی باتوں پر ہم اپنے سپاہی ضائع نہیں کرتے۔"

"مگر ڈسپلن بھی تو کوئی چیز ہے۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"میں نے ڈسپلن کہاں توڑا؟ اگر میں اسے روکنا چاہتی تو شوٹ کر دیتی۔" وہ سادگی سے بولی۔ "میں نے تو اسے محض گوریلا ٹریننگ کیمپ بھجوایا تاکہ آئندہ وہ عورتوں کے ساتھ ظلم سے باز رہے۔"

"بڑی رنگین زندگی ہے تمہاری!" میں نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"ہم آتش فشاں کے دہانے پر جنت بسانے کی کوششوں میں ہیں مسٹر صفدر۔ دور سے تمہیں رنگین نظر آتی ہے مگر یہ تو سوچو کہ جنگ کے تقاضے کیا ہوتے ہیں۔ نہ جانے کتنی لڑکیاں شادی کے سپنے آنکھوں میں بسائے محاذ پر برستی آگ میں جل گئیں۔ ہماری زندگی کو بھی مسرت سمیٹنے میں نصیب نہیں، تو آخر کیا کریں؟"

"آتش فشاں کے دہانے پر جنت!" میں نے اس کے الفاظ دہرا کر سوال کیا۔ "یہ تو بتاؤ کہ یہ کوشش مجبورانہ نہیں ہے کیا؟"

"ہم سر چھپانے کی جگہ چاہتے ہیں مسٹر صفدر۔" وہ جذباتی لہجے میں بولی۔ "ہمیں زمین کا جو ٹکڑا ملا ہے وہ اتنا مختصر ہے کہ ایک سرے سے دوسرے سرے پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہ ٹکڑا بھی ہمارے وجود کو جھیلنے کو تیار نہیں۔ ہماری بقا کی خاطر ہم ہر وقت جنگ کے لیے تیار رہتے ہیں اور کچھ پتہ نہیں کب جنگ چھڑ جائے۔"

"صحراب تو عرب کا قول ہے، تمہاری سرحدوں کے بارے میں جو کہا۔"

"درست ہے مگر عرب اسے تسلیم کہاں کرتے ہیں۔ ہم محفوظ سرحدیں چاہتے ہیں جن میں رہ کر ہم اپنی جنت تعمیر کر سکیں۔"

"تمہارے منہ سے یہ خشک گفتگو اچھی نہیں لگتی۔"

"اسرائیل میں تم کسی بچے کو بھی چھیڑو گے تو وہ یہی باتیں بتلائے گا۔ میں نے کہا نا کہ ہمارے لیے بقا کا مسئلہ ہے اور تم اسے خشک گفتگو کہتے ہو۔ اقوام متحدہ میں لوگ آتے ہیں، لچھے دار باتیں کرتے ہیں اور ہمارے مسئلے کو سمجھے بغیر ہمیں طنز و تضحیک اور گالیوں کا نشانہ بنا کر چلے جاتے ہیں۔ در اصل کوئی بھی سنجیدگی سے ہماری بات سننے کو تیار ہی نہیں ہوتا۔"

"امریکہ نے ہمیشہ تمہارا ہی ساتھ دیا ہے۔"

"اس لیے کہ وہ مجبور ہے۔" وہ تیزی سے بولی۔ "اس نے ہمیں ایک یتیم بچہ سمجھ کر اپنی سرپرستی میں لیا تھا اور ہماری حمایت کرتا رہا۔ مگر آج وہ ہمیں اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔ اس کی مجبوری یہ ہے کہ وہ ہماری حمایت میں اتنا آگے نکل چکا ہے کہ اس کے لیے پسپائی ممکن ہی نہیں۔ اسرائیل کی بقا اور سلامتی اس کے لیے انا کا مسئلہ بن چکی ہے۔"

"اچھا یہ باتیں ختم کرو۔ مجھے اپنے بارے میں کچھ باتیں بتاؤ۔"

"پوچھو۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "جہاں تک ممکن ہوا ضرور بتاؤں گی۔"

"لہجے سے تم خالص امریکی معلوم ہوتی ہو۔" میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

اس نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ "میں سن ۱۹۵۷ء میں اپنے باپ کے ساتھ ہجرت کر کے یہاں آئی تھی۔ وہ امریکی ایئر فورس میں ہوا باز تھا اور محض اسرائیل کے لیے استعفیٰ دے کر یہاں آ گیا اور اب بھی ایئر فورس میں ملازم ہے۔"

"شادی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

وہ مسکرا دی۔ "اچھا سوال کیا ہے تم نے۔ بولو تم تیار ہو میرے ساتھ شادی کے لیے؟"

میں اس بے ہودہ سوال کے لیے تیار نہیں تھا۔ ایک ایسی لڑکی جو چند لمحوں پہلے اپنے ایک ماتحت کے ساتھ اپنے جنسی تعلق کا اعتراف کر چکی ہو کسی بھی طرح ایک شریف آدمی کے قابل نہیں تھی۔

"اسرائیل میں مرد کم اور عورتیں زیادہ ہیں۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد وہ بولی۔ "پھر میرے نزدیک شادی جنسی ضرورتوں کو پورا کرنے اور افزائش نسل کا دوسرا نام ہے۔ شادی کے بغیر میں بہتر طور پر اپنی فطری ضروریات پوری کر لیتی ہوں۔ جہاں تک افزائش نسل کا سوال ہے میں دو عدد بچوں کی ماں ہوں۔"

"بچے؟" میں نے شدید حیرت کے عالم میں پوچھا۔

"ہاں ہاں۔ اس طرح چونک کیوں رہے ہو؟" وہ دوبارہ ہنسنے لگی۔ "بچے شادی کی دستاویز پر دستخط کرنے سے وجود میں نہیں آتے۔ جو ملک حالت جنگ میں ہو اور برسر پیکار ہو وہاں اخلاقی اقدار برباد ہو جاتی ہیں۔ جائز اور ناجائز کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور ہم تو تیس برس سے برسرپیکار ہیں۔ ہم سے ان روایتی اقدار کی توقع رکھنا ظلم ہے۔"

"اور وہ بچے تمہارے پاس ہیں؟"

"سرکاری خرچ پر ترسری ملک چلا رہے ہیں۔ میں ان سے ملنے ضرور جاتی ہوں۔"

"اور بچوں کا باپ؟"

"ایک نہیں، دونوں کے الگ الگ باپ ہیں اور وہ بھی ضرور وہاں جاتے ہوں گے کیونکہ وہ ان کے وجود سے بے خبر نہیں ہیں۔"

"بڑے ہو کر ان بچوں کا مقام کیا ہوگا کیپٹن؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ میرے لیے اس کی دو ٹوک باتیں شدید حیرت کا باعث ثابت ہو رہی تھیں۔ اخلاق کے اس زوال کا تصور بھی میرے لیے ناممکن تھا جہاں ایک عورت کھلے بندوں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتی پھرے۔

"ان کا مقام آسمانوں میں طے ہو چکا ہے۔" وہ بڑے اعتماد سے بولی۔ "ہو سکتا ہے میرے بچوں میں سے ہی کوئی آنے والے دنوں میں اسرائیل پر حکمرانی کرے۔ جب جرمنی کے ظالم ہٹلر کے ایک بیٹے کو عزت کی معراج پر پہنچا سکتے ہیں تو اسرائیل والے ان سے کم فراخ دل نہیں ہیں۔ تم ان کے مقام کی فکر کرو۔ مسٹر صفدر ان کے مقدر میں جو لکھا جا چکا ہے وہ انہیں ضرور مل کر رہے گا۔"

"تم واقعی عجیب عورت ہو۔" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

"اگر تم مجھے عجیب کہتے ہو تو اسرائیل میں تمہیں ہزاروں لڑکیاں عجیب ہی ملیں گی۔" اس نے اپنے حکم کی جیب سے سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے کہا۔

میں نے اس کی پیش کی ہوئی سگریٹ سلگا کر چند کش لیے پھر سکوت توڑتے ہوئے سوال کیا۔ "کیپٹن! کیا تم بتا سکتی ہو کہ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟"

"اگر مجھے معلوم ہوتا تو ضرور بتا دیتی۔" وہ فضا میں دھوئیں کے مرغولے بکھیرتے ہوئے بولی۔

"تم ایک ذمہ دار عہدے پر مامور ہو کر از کم تمہیں اتنا تو معلوم ہونا چاہیے کہ مجھے تم لوگوں کی تحویل میں کس لیے دیا گیا ہے؟"

"تمہیں چند دن بعد گوریلا جنگ لڑنے والوں کے تربیتی کیمپ میں بھیج دیا جائے گا۔" وہ چند تانیوں تک سوچنے کے بعد بولی۔

"مگر کس لیے؟ میں نے تو کسی خاتون کے ساتھ دہشت گردی کا کوئی مظاہرہ نہیں کیا ہے؟"

میرے اس بھرپور جملے پر وہ بھرپور انداز میں ہنس پڑی اور میں بھی اس کا ساتھ دینے لگا۔ جب اس کی ہنسی تھمی تو وہ بولی۔ "تمہیں مزا کے طور پر وہاں نہیں بھیجا جا رہا، تمہیں باقاعدہ اس تربیت کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ شاید تمہیں خلیج کے کسی علاقے سے یہاں لایا گیا ہے؟"

"ہاں۔" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "اگر میرے مقدر میں وہی تربیت لکھی جا چکی ہے تو میں مہلت کے یہ چند روز کل اوپ دیکھنے میں گزارنے جا رہا ہوں۔"

"ضرور دیکھو۔" وہ جلدی سے بولی۔ "اس طرح تم اسرائیل کو بہتر طور پر سمجھ سکو گے۔"

"مجھے کوئی گائیڈ مل سکے گا؟"

"یہاں تم مہمان کے طور پر مقیم ہو۔ جہاں کہو گے گائیڈ ساتھ جائے گا مگر میرا مشورہ ہے کہ اکیلے ہی شہر گھومنے کی کوشش کرنا۔"

"اجنبی شہر اور راستوں میں بھٹکنے کا بھی امکان ہے۔"

"فکر کرو، بھٹکنے نہیں دیے جاؤ گے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے ایک پاکٹ سائز کا ایک کارڈ نکال کر میری طرف بڑھایا۔ "کہیں بازپرس کی جائے تو یہ بتا دینا، تلاشی نہیں لی جائے گی۔"

میں نے وہ کارڈ دیکھا تو اس پر میرا ایک تصویر چسپاں تھی اور ساتھ ہی میرا نام بھی درج تھا۔ کارڈ کے اوپر انگریزی میں اسپیشل اسٹیٹس کے الفاظ درج تھے۔ ان کے نیچے گیارہ ہندسوں پر مشتمل ایک نمبر درج تھا اور کارڈ کے نیچے کی سمت موجود تھے۔ پورا کارڈ پلاسٹک سے کور کیا تھا۔

"میری یہ تصویر کب لی گئی؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"اسرائیل کی سرزمین پر اترنے کی۔" وہ ہنس کر بولی۔ "اب تم ان چھوٹی باتوں پر پریشان ہونا چھوڑ دو۔ یہاں تمہارا واسطہ بڑی بڑی چیزوں سے پڑے گا۔"

"مگر اس وقت تو میں بے ہوش تھا۔ اس تصویر میں بالکل تمہیں کسی ہوئی ذہنیت، میں پوری طرح ہوش و حواس میں نظر آ رہا ہوں۔" میں نے غور سے اپنی تصویر دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے کہا نا کہ یہ معمولی باتیں ہیں۔" وہ بولی۔ "اگر تمہارے لیے کوئی کام ہو تو بتاؤ ورنہ آرام کرو۔ جب بھی باہر جانا چاہو بلا روک ٹوک جا سکتے ہو مگر واضح کر دوں کہ دانستہ بھٹکنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"تم بے فکر رہو۔ ویسے میرے لیے تمہارا تصور ہی کافی ہے۔" میں نے آخری فقرہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

میری زندگی کے قریب سے نشہ تھی ہو۔

"اسرائیل میں تم پہلی لڑکی ہو جس سے میری ملاقات ہوئی ہے۔"

"مگر میرے لیے تم پہلے مرد نہیں ہو۔" اس بار وہ دھیمے لہجے میں بولی۔ "میں ہر شخص کے لیے آتش سیال الفصول نہیں ہوں۔"

"کیپٹن میں تمہیں پسند کرنے لگا ہوں۔" میں نے اس کا ہاتھ تھام کر جذباتی لہجے میں کہا۔ "یہ رات میں تمہارے ساتھ بسر کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ دھیمے سے مسکرا دی۔ "یہ رات نہیں دن ہے۔ باہر نکل کر دیکھو کیسی چمکتی ہوئی دھوپ پھیلی ہوئی ہے۔"

میرا بھی حفت آمیز انداز میں ہنس دیا۔ "اس کمرے میں تو اندھیرا ہی نہیں ہوتا کہ دن ہے یا رات!" میں نے کہتے ہوئے ... کر دی

... اپنے قریب بٹھا لیا۔

"میں اس وقت ڈیوٹی پر ہوں۔" وہ مسکرا کر شوخ لہجے میں بولی۔ "ایک نگران کی حیثیت سے میری خدمت میں تمہاری ڈیوٹی ہے۔"

کمرا اندھیرے میں ڈوب گیا اور اس کی کسی خوبصورت کا اندھیرا ... بکھر گیا۔

"مجھے بہت جلد بھول جاؤ گے صفدر!" جذبوں کی ہولناک ... کی بکھی آواز سنائی دی جو کسی گہرے کنویں کی تہہ سے ... معلوم ہوتی تھی۔

"تمہیں بھلانے کے لیے پتھر کا دل چاہیے کیپٹن!"

"مجھے بار بار عہدے کا احساس کیوں دلا رہے ہو؟" اس کی ... آواز ابھری۔ "کیا میرا نام تمہارے ذہن سے اتر گیا ہے؟"

"تمہارا نام!" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "چاہوں بھی تو بھلا سکوں گا۔"

"اس کے باوجود کہ میرا وطن اسرائیل ہے اور میں یہودی ہوں۔"

"یہودیوں کا کوئی وطن اور مذہب نہیں ہوتا مانا یا؟"

"مگر مسلمان اسرائیل اور یہودیوں سے نفرت کرتے ہیں۔" اس ... سے گھٹی ہوئی سہمی سی آواز نکلی۔

"میں مسلمانوں کی وکالت میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ معاً میرے ... تجربے کی للکار گونجی۔ وہ میری مجبوری تھی۔ پہلی بار شاید ... اب تک وہ کچھ کر رہی تھی جو اسے فرائض کے پیش نظر ... کرنا چاہیے تھا۔ جہاں سے حجاب سرکنے ... ہو رہے تو کہاں سے کس پردے میں سرکا کر اندر جھانکنا چاہتی تھی۔ ... حرارت آگیں آغوش میں سمٹتے ہوئے میرے منہ سے ... نکلی۔ اس نے شاید مجھے سب سے مؤثر نفسیاتی حربے کا ... اس کا دار اس کی پیمائش میں فیصلہ کر لیا۔

"... مجھے میرا اصل نام نہیں معلوم۔ میرا اصل نام ورویا ساگر تھا۔ ... نے صفدر بنایا ہے۔ مجھے کسی سے عداوت نہیں۔"

"... مجھے تو یاد ہی نہیں رہا۔" میری آغوش میں وہ اٹھلا کر ... ہوئے۔

"ہاں ... کے دل میں اسرائیل سے ہمدردی کے جذبات ... میں نے سرکاری اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بات کی ... ذاتی تحفظ کے احساس میں دب گئی تھی مگر اب شر کا شکار ... اس کے وجود سے سلگتی ہوئی آگ کو پوری ... گوشوں میں مصروف تھا۔ میرے لیے وہ حسرت کے ... تھے۔ میں یہودی افواج کی ایک ذمہ دار افسر پر مسلط تھا۔ ... میں نے اسے آلۂ کار بنایا ہوا تھا اور وہ میرے اصل جذبات ... اس آگ میں جلتی جا رہی تھی۔

"میں جانتی ہوں۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "جب مذہب کے نام پر ہندوستان کے دو ٹکڑے کر کے پاکستان بنایا گیا تو ہر طرف فسادات کیے گئے مگر مذہب کے نام پر جب بالشت بھر زمین پر اسرائیل قائم ہوا تو ہر طرف طوفان اٹھ گیا۔ حالانکہ تم سب سے ہمدردی ہونی چاہیے۔ ان کی حمایت مسلمانوں کو جیسے ایک گالی ہو گئی۔"

"اگر ہماری سرکار کے سامنے کچھ مجبوریاں نہ ہوں تو وہ کھل کر تمہاری حمایت کر سکتے ہیں۔"

"ختم کرو ان خشک باتوں کو۔" اس کا مطلب پورا ہو چکا تھا۔ اس کے لیے اب یہ موضوع بے کار تھا۔

اور جب کمرے میں پھیلا ہوا گناہ پرور اندھیرا رفع ہوا تو اس کا چہرہ لہو لہان تھا۔ اس بار صفدر اس کے بدن پر زیادہ ہی گہرے تبسم کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس لباس نے کیا قیامت چھپائی ہوئی ہے۔

"آخر کار تم نے بھی گوریلا کیمپ جانے کا جواز پیدا کر ہی لیا۔" وہ اپنے گداز بازو کو ہوتے ہوئے سہلاتے ہوئے بولی۔

"غور کرو گی تو شاید مجھے کئی بار اس کیمپ میں بھیجنا پڑے گا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"ہاں۔ مجھے احساس ہو رہا ہے۔" اس نے ...... بھیگے ہونٹ پر زبان پھیر کر کہا۔ "اب میں جا رہی ہوں۔ میری ضرورت محسوس ہو تو سرہانے لگا ہوا سبز بٹن دبا دینا۔"

"تم جاتی کہاں ہو؟ میں تمہیں ابھی دبائے دیتا ہوں۔" میں نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں!" وہ جلدی سے بولی۔ "مجھے کچھ ضروری کام ہے۔"

اور وہ چلی گئی۔ میں دوشیزگی کو کے بستر پر دراز ہو گیا اور اپنے ذہن میں اس گفتگو کو ترتیب دینے لگا جو میرے اور اس کے درمیان ہوئی تھی۔ اس گفتگو پر میں جتنا غور کرتا گیا، یہ بات واضح ہوتی چلی گئی کہ اسرائیلی میری ذات کو کسی خاص مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے مگر اصل مسئلہ کی ابتدا سے قبل وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ میں اسرائیل اور یہودیوں کے بارے میں کن خیالات کا مالک ہوں۔ یہ جاننے کے لیے انہوں نے تجسیدی طریقہ کار کے بجائے ... اصل ...



اختیار کیا تھا۔ ماریلے نے اس کمرے میں جو رویہ اختیار کیا وہ شاید
ان ہدایات کے عین مطابق تھا جو اسے دی گئی تھیں۔ اگر مجھے ذرا بھی
یہ شبہ بھی ہو جاتا تو میں اپنی جانب سے پیش قدمی شروع کر دیتا یا پھر شاید
وہ میرے بستر پر پہنچ کر ہی دم لیتی۔ اگر میں اس کو نظرانداز کرتا تو وہ میرے خلاف
براہ راست اقدامات بھی کر سکتی تھی۔

یہی سب سوچتے سوچتے مجھے گہری نیند آ گئی۔

آنکھ کھلی تو فوراً غسل خانے میں نیم گرم پانی کے شاور کے نیچے
کافی دیر تک کھڑا رہا۔ میرا ذہن خالی تھا۔ کبھی میں سوتیا کے بارے
میں سوچنے لگتا کبھی مجھے اپنے بہن بھائی یاد آتے جن سے میں مدت پہلے
بچھڑ گیا تھا۔

خواب گاہ میں ایک الماری میں میرے سائز کے تین جوڑے
موجود تھے جو میری لاعلمی میں وہاں پہنچائے گئے تھے۔ میں لباس تبدیل
کر کے باہر نکلا تو اندھیرا پھیل چکا تھا۔

میں جس کمرے میں مقیم تھا وہ ایک تین منزلہ خوبصورت عمارت
کے فلیٹ میں واقع تھا۔ اس فلیٹ کے بقیہ کمرے ویران پڑے تھے
البتہ ان میں آرائش اور سہولت کا سارا سامان میسر تھا۔ ماریلے نے اپنی طلب
کے لیے مجھے جس انداز میں گھنٹی بجانے کا مشورہ دیا تھا اس سے معلوم
ہوتا تھا کہ وہ خود بھی اسی عمارت کے کسی فلیٹ میں مقیم ہے۔

میں نے لفٹ کے قریب لگی ہوئی گھنٹیوں کی فہرست دیکھی
جس میں میرا نام بھی موجود تھا مگر اس فہرست میں کسی عورت کا نام
موجود نہیں تھا۔

باہر تل ابیب کی کشادہ اور روشن سڑکیں ٹریفک کے ہجوم سے
پر تھیں۔ جا بجا ہوٹلوں، دکانوں اور مصنوعات کے بڑے بڑے
سائن بورڈ روشن تھے۔ میں بھی فٹ پاتھ پر پیدل چلنے والوں کے
ہجوم میں شامل ہو گیا۔

تل ابیب میں گو شبینہ زندگی معمول پر تھی۔ فضا نوجوانوں کے بے
فکرے قہقہوں سے گونج رہی تھی۔ سڑکوں پر بے پروا نوجوان جوڑے بھینی
بھینی خوشبوؤں میں بسے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے مختلف سمتوں میں
رواں دواں تھے۔ بیشتر لڑکیاں کھلے ہوئے تنگ بلاؤز اور منی
اسکرٹ پہنے ہوئے تھیں۔ گورے رنگ کی ...... اور عورتیں
خوش مزاجی کو دیکھ کر گمان ہوتا تھا کہ وہ تل ابیب نہیں، یورپ کے بے
فکروں کا کوئی تفریحی مرکز ہے۔

مگر اس کے باوجود ماحول پر عجیب سی ہیبت طاری تھی۔ اہم
مقامات پر جابجا ریت سے بھری ہوئی سینکڑوں بوریوں کے انبار لگے
ہوتے تھے۔ ہر چند سو میٹر کے فاصلے پر فضائی حملوں کی صورت میں پناہ کے
لیے پناہ گاہوں کی نشاندہی کرنے والے بورڈ لگے ہوئے تھے۔ جگہ جگہ
خندقیں بنی ہوئی تھیں۔ گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس کے اوپری نصف
حصوں پر سیاہ رنگ موجود تھا۔ تمام عمارتوں وغیرہ پر بلیک آؤٹ کیا ہوا
تھا کہ بلندی پر پرواز کرنے والے دشمن طیارے ان کو ...
میں انہیں نہ پہچان سکیں۔ ان سب پر مستزاد وہ بھاری فوجی گاڑیاں
تھیں جو تھوڑے تھوڑے وقفے سے گڑگڑاتی ہوئی سڑکوں پر گشت کر رہی
تھیں۔ ان تیاریوں کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا تھا جیسے کسی ... جنگ
چھڑنے والی ہو مگر لوگوں کے اطمینان اور بے فکری سے ظاہر ہوتا تھا کہ
وہ ان تیاریوں کے عادی ہیں۔ کسی کے بھی چہرے سے اضطراب یا
خوف کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ میرے لیے یہودیوں کا یہ رویہ حیرت کا
باعث تھا۔

تل ابیب میں جا بجا بڑے بڑے ہوٹل، شراب خانے، رقص گاہیں
اور تفریح کے لیے دوسرے بہت سے مقامات موجود تھے جہاں ...
کے لیے بڑی کشش تھی۔

مختلف گلیوں اور بازاروں سے گزرتا ہوا جب میں ایک نیم تاریک
پرسکون علاقے میں پہنچا تو خود بخود میرے قدم ایک شراب خانے کی طرف
اٹھ گئے۔

شراب خانے کی فضا دھوئیں اور مختلف شرابوں کی بو سے
بوجھل تھی۔ تھوڑے تھوڑے فاصلوں پر لگے ہوئے اسپیکروں سے دھیمی
آواز میں ہیجان خیز مغربی موسیقی ابھر رہی تھی اور جوان سال خوبرو
یہودی لڑکیاں گاہکوں کو مسکرا مسکرا کر شراب پیش کر رہی تھیں۔

جب میری فرمائش پر ایک لڑکی ...
کا ڈبل پیگ لے کر آئی تو گلاس، سوڈے کی بوتل اور ساتھ میں میز پر رکھتے
ہوئے غیر ضروری طور پر وہ جھکی۔

"کچھ سینڈوچ وغیرہ؟" اس نے اسی طرح جھکے جھکے مجھ سے
دریافت کیا۔

"اپنے لیے بھی ایک ڈبل پیگ لے کر اسی میز پر آ جاؤ۔"

"ڈیوٹی کے دوران ہمیں گاہکوں کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت نہیں
ہے۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "دس بجے میری ڈیوٹی ختم ہوگی پھر
کہیں چلیں گے۔" آخری فقرے اس نے تائید طلب لہجے میں کہے تھے۔

"دس بجے میں دوبارہ آؤں گا۔"

"ضرور آنا۔ میں انتظار کروں گی۔ میرا نام ... ہے۔" وہ
ایک قاتل ادا کے ساتھ مسکراتی ہوئی دوسری میزوں کی طرف چلی گئی
... دیر کے بعد ... سے نکلا تو ... ہوا کے جھونکوں سے
ہلکا ہلکا سرور آنے لگا اور میں سیدھا ایک طرف چل دیا۔

کافی دیر بعد میں نے خود کو ایک ایسے علاقے میں پایا جہاں
سڑکیں ویران پڑی ہوئی تھیں اور دور دور تک کوئی راہگیر بھی نظر نہیں
آ رہا تھا۔

میں نے رک کر واپسی کے راستے کا جائزہ لینا چاہا مگر کچھ بھی
نہ سوچ سکا۔ بار والی لڑکی سے وعدہ تو محض رسمی تھا میں ...

... پہنچا ہی جاتا تھا۔

ابھی میں ... نہ جانے کہاں سے میرے عقب میں ایک شخص
... چند قدم قبل تک وہ طویل فٹ پاتھ ویران
... پل بھر میں اس کا یوں ظاہر ہونا اس بات کا غماز تھا
... کے سہارے چپکا پہلے سے وہاں کھڑا تھا۔

وہ بے آواز قدموں سے چلتا ہوا میرے قریب آ کر رک گیا۔ اس
... کے قریب سول والے جیسے موجود تھے اور چہرے سے وہ
... نظر آ رہا تھا۔

"شناخت؟" اس نے براہ راست میری آنکھوں میں دیکھتے
... طلب کیا۔

میں اس وقت نشے کے سرور میں تھا اور میرے لیے وہ ملک
نیا تھا مگر میں ایسے معاملات سے نمٹنا خوب جانتا تھا۔ میں نے
... سوال کر ڈالا۔ "تم کس اختیار کے تحت میری شناخت طلب
کر رہے ہو؟"

"یہاں کوئی شخص بغیر اختیار کے کوئی کام نہیں کرتا۔" اس نے
... کر اپنی جیب سے نکال کر شناختی کارڈ میری طرف
بڑھا دیا۔

کارڈ پر جو کچھ بھی لکھا ہوا تھا وہ میرے پلے نہ پڑ سکا مگر کارڈ
... اسرائیلی حکومت کا حصری نشان
... تھا۔

میں نے خاموشی سے اپنا کارڈ نکال کر سامنے رکھ دیا۔ کارڈ کا
... اس کے چہرے کے جو تاثرات تھے ان کی بنا پر کہا جا سکتا ہے
... وہ میرے بارے میں پہلے سے سب کچھ جانتا ہے اور کارڈ
... طلب کیا تھا کہ مجھ سے بات کرنے کا بہانہ پیدا کر سکے۔

"... اپنے فلیٹ کا راستہ بھول گیا ہوں۔" میں نے کارڈ واپس لیتے
... اپنی تازہ پریشانی سے آگاہ کیا۔

"میرے ساتھ چلے آؤ۔" اس نے کہا۔

... چھوٹی چھوٹی تنگ گلیوں سے گزرنے کے بعد ہم پھر ایک
... سڑک پر آ گئے جہاں سے اس نے ٹیکسی لی۔ میں پچھلی اور وہ
... نشست پر بیٹھ گیا۔

مجھے عمارت کے سامنے اتار کر وہ اسی ٹیکسی میں ... چلا گیا۔

... لباس تبدیل کرتے ہوئے جب میں نے پتلون کی
... جیب ... تو حیرت سے میرا دل تیزی کے ساتھ دھڑک اٹھا۔
میری جیب میں ... کا ایک ٹکڑا موجود تھا جو جیل
... دوران کسی نے نہایت مہارت سے میری جیب میں پہنچا
... تیار ہوتے وقت جیب میں کوئی پرچہ وغیرہ موجود نہیں
... میں نے احتیاط سے اس کی تہیں کھولیں تو اس پر انگریزی میں ایک
جملہ تحریر تھا۔ "زندگی چاہتے ہو تو کل شام سات بجے ڈنگل اسٹریٹ
کے آخری کاؤنٹر والی لڑکی سے بادام ... طلب کرو۔" تحریر کے
نیچے کسی کے دستخط کے بجائے فلسطینی افواج آزادی لکھا ہوا تھا۔

رقعہ پڑھ کر میرے بدن کے سارے مسامات کھل گئے
مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ واقعی فلسطینی افواج آزادی کے کسی رکن
نے میری جیب میں پہنچایا ہے یا شخص مجھے آزمانے کے لیے اسرائیلیوں
نے میرے ساتھ یہ حرکت کی ہے۔ اس بارے میں میرے انداز کی
ذرا سی غلطی مجھے موت کے دہانے پر پہنچا سکتی تھی۔

پھر مجھے معلوم تھا کہ وہ کوئی ٹی وی کیمرے کی زد میں ہے جس سے
کرنل ریشا مجھے دیکھ سکتی تھی۔ اگر وہ میرے ہاتھ میں یہ پرچہ دیکھ کر میرے
تاثرات دیکھ لیتی تو میں اس پرچے کی اصلیت پر یقین کرنے کے باوجود
ان لوگوں کو اس کے بارے میں بتانے پر مجبور تھا۔ ایسی صورت میں ...
براہ راست ... پر ہاتھ ڈال دیتے اور میں فلسطینی
افواج آزادی کے دشمنوں کی فہرست میں شامل ہو جاتا۔

میں نے ... سے وہ رقعہ دوبارہ جیب میں ڈال لیا اور احتیاط
کے ساتھ اس کمرے میں ... تلاش کرنے لگا۔

جس وقت کرنل ریشا نے مجھ سے گفتگو کی تھی میں اپنے بستر پر موجود تھا،
جس کا مطلب یہ تھا کہ کیمرہ جہاں بھی تھا بستر اس کی زد میں آ سکتا تھا۔

اس مفروضے کی بنا پر میں جلد ہی کیمرہ تلاش کرنے میں کامیاب
ہو گیا۔ کیمرہ نہایت مہارت کے ساتھ ایک دیوار گیر پینٹنگ میں اس طرح
نصب کیا گیا تھا کہ اس کا لینس پینٹنگ کے ... شیشے سے مل گیا
تھا اور وہ ایک خوش قسمتی سے ایسی جگہ لگا ہوا تھا جہاں سے لینس کا رخ
ذرا ... تبدیل کیا جا سکتا تھا۔

یہ دیکھ کر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس طرح کم از کم ایک
ذہنی دباؤ سے بچ گیا تھا اور اب مجھے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ میں پرچے میں
درج ہدایت کو قبول کروں یا اسے ... یا اسے باخبر
کر دوں۔

کافی سوچ بچار کے بعد میں نے پہلے ماریلے سے بات کرنے کا فیصلہ کر
لیا۔ وہ رقعہ میں نے اپنے سلیپنگ سوٹ کی جیب میں رکھ لیا۔

گھنٹی کا بٹن دبانے کے تقریباً دس منٹ بعد ماریلے آئی۔ اس
وقت وہ ہلکے گلابی رنگ کے ... ڈریس میں خوبصورت اور ...
شخصیت سے بہت مختلف نظر آ رہی تھی۔

"ہیلو ماریا۔ اس وقت تو تم بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔"
میں نے تپاک سے اس کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔

"تم بہت دیر سے واپس آئے ہو۔"

"راستہ بھٹک گیا تھا۔ اگر ایک آدمی ... مجھ کو ...
تو شاید ابھی تک واپس نہ آتا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"کون آدمی؟" وہ ایک طویل سانس لے کر بولی۔ "تم کس وقت

اس کی موجودگی کا علم ہوا؟"

"شروع ہی سے وہ میری نظروں میں آگیا تھا۔" میں نے بد اختر مجبوراً بولا۔

"ملیا کی تدبیریں بر بل پڑ گئے۔" مجھے امید نہیں تھی کہ وہ اس قدر گھٹیا ثابت ہوگا۔" پھر موضوع بدلتے ہوئے بولی۔ "تمہاری شام کیسی گزری؟"

"سعودی ریال دے کر شراب مل گئی ورنہ خشک ہی گزرتی۔"

"اور اس سے دوبارہ نہیں ملے؟"

"کس سے؟" اس بار حیران ہونے کی باری میری تھی۔

"خیر چھوڑیں اسے۔" وہ قہقہہ مار کر بولی۔ "وہ ابھی تک تمہارا انتظار کر رہی ہوگی۔"

"تمہارے بعد کسی سے ملاقات کو دل نہیں چاہتا۔"

"پھر ملنے کا وعدہ کیوں کر آئے تھے؟"

"یہ معلوم نہیں تھا کہ مجھ پر کڑی نگرانی کی جائے گی۔ میں تو بس یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اسرائیل میں ملازمت پیشہ لڑکیاں کس حد تک قابل حصول ہیں۔"

"یہ یاد رکھنا کہ یہاں نگراں آنکھیں ہر قدم پر تمہارا پیچھا کرتی ہیں۔"

"شاید وہ بھی کے مناظر بھی کرنل سیٹلائٹ ٹی وی پر دیکھ چکے ہوں گے؟"

"کرا یا ٹ ہوگا۔" وہ جھینپ کر بولی۔ "اندھیرے میں کام کرنے والے کیمرے بھی ایجاد نہیں ہو چکے ہیں۔"

"گویا یہ تو دیکھا ہوگا؟"

"تم بھی ہے آزاد ہو۔ سیکاٹ حول رہتی ہیں۔ یہ گفتگو بھی ریکارڈ ہو رہی ہے۔"

"تم نے تمہیں اس پر کوئی تشویش نہیں ہے۔" میں نے فوراً اس کی دکھتی رگ پکڑ لی۔ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کمرے میں اگر قتل بھی کر دی دی جائے تمہیں کرنا چاہیے۔"

"ظاہر ہے۔" وہ سکون سے بولی۔ "یہ سمجھنا کہ اس وقت میں تمہاری مردانہ وجاہت سے مرعوب ہو کر تمہارے قریب آگئی تھی میں تمہیں بتا چکی تھی کہ ان معاملوں میں میں بہت تجربہ کار ہوں۔ تمہارے ذہن کی گہرائی میں اترنے کے لیے وہ کارروائی ضروری تھی اور اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے ہیں۔"

"عورتوں کو فوجی جانے کا واقعی بڑا فائدہ ہے۔" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"کوئی نئی بات سوجھی ہے کیا؟"

"گرد بارود کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ اپنے قدرتی ہتھیاروں کے استعمال پر آ جائیں تو چند عورتیں پورے شہر کی حفاظت کر سکتی ہیں۔"

وہ خاموش رہی مگر وہاں موجود رہی۔ اس کی طرف سے میرے دل میں عجیب خلش پیدا ہو گئی تھی۔ اسے اس بات پر فخر تھا کہ وہ اپنے جسم کے سہارے میرے خیالات معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اسے بتا دینا چاہتا تھا کہ وہ عقل سے بالکل پیدل ہے کیونکہ میں نے عقل اپنی لذت اندوزی کا ذریعہ بنایا تھا ورنہ میرے اصل خیالات کی پرچھائیں بھی اسے نظر نہ آتی۔

مگر میں اس سے یہ نہ کہہ سکا۔ میں نے اس کے کلیسٹنگ کے بارے میں دریافت کیا مگر اس کے بارے میں اس نے ایک لفظ نہ بتایا البتہ یہ خبر سنا دی کہ تل ابیب میں میرا قیام صرف تین ہفتے کا ہوگا جس کے بعد مجھے تربیت کے لیے بھیج دیا جائے گا۔

ساری گفتگو میں نہ اس نے یہ تاثر دیا کہ میں کسی امتحان سے دوچار کیا گیا ہوں نہ میں نے سبز قدے کے بارے میں اسے کچھ بتایا۔

کیپٹن ماریلہ کے جاتے ہی میں نے بیگ کا معائنہ کیا کہیں کپڑے بدلتے ہوئے سبز قدے اس طرح چھپا کر جلا دیا کہ اگر کوئی کیمرہ وہاں بھی موجود ہو تو کسی طرح کاغذ کے اس پرزے کو اپنی گرفت میں نہ لے سکے اس کام سے فارغ ہو کر میں بستر پر آگیا۔

اگلے روز میں نے کیپٹن ماریلہ سے کچھ مہلت کی رخصتی حاصل کی اور باہر نکل کر مجھے کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ریگل اسٹور والا سنسنی خیز پروگرام صبح ہی سے میرے ذہن پر مسلط تھا۔ وہاں جانے سے قبل میں ایک بار اس دوکان کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔

میرے لیے سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ اس عمارت سے باہر قدم رکھتے ہی میری نگرانی شروع کر دی جاتی۔ اگر میں ریگل اسٹور کا پتہ دریافت کرتا تو میرے آگے بڑھتے ہی پیچھا کرنے والا ان راہ گیروں سے فوراً باز پرس کرتا اور پھر اس کے ذہن پر یہ الجھن پیدا ہوتی کہ آخر اس مخصوص دوکان میں کس لیے اتنی دلچسپی لے رہا ہوں۔ کافی سوچ بچار کے بعد میں نے دو پہر کے قریب بھی پیدا کو بلایا اور اس سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں کچھ نئی خریداری کرنی چاہتا ہوں۔

اس نے فوراً ہی میرے ساتھ چلنے کی پیشکش کر ڈالی مگر میں نے یہ کہہ کر اسے خوبصورتی سے ٹال دیا کہ شاید اس طرح میرے ساتھ وہ گروہ میرے ذہن میں مزید چھا جانے کا ارادہ رکھتی ہے۔

اس نے مجھے کئی اسٹورز کے نام بتا ڈالے مگر ان میں ریگل اسٹور کا نام نہیں تھا۔ پھر میری خواہش پر وہ سیاحوں کی رہنمائی کرنے والے ایک انگریزی کتابچے کا بندوبست کرنے چلی گئی۔

مجھ تک پرچہ پہنچانے والے مضبوط تنظیم اور وسائل کے مالک معلوم ہوتے تھے جب ہی میرے تل ابیب آتے ہی ان کو خبر مل گئی۔ اگر انھوں نے کسی مزید وضاحت کے بغیر ریگل اسٹور کا نام استعمال کیا تھا تو اس دکان کو اتنا مشہور ہونا چاہیے تھا کہ ایک اجنبی بآسانی اسے تلاش کر سکے۔

تھوڑی ہی دیر بعد ماریا کتابچہ لے آئی۔ چند تامیوں تک میں

دوڑاتے مجھے کچھ کھاتی رہی پھر واپس لوٹ گئی۔

تنہا رہ جانے کے بعد میں نے تل ابیب کے خریداری کے مراکز کھولا تو دوسرے کالم کی آخری سطر میں ہی ریگل اسٹور کا تذکرہ تھا۔ وہ دوکان اس کتابچے کے مطابق عورتوں کے ملبوسات کی خریداری کے لیے شہرت رکھتی تھی۔

میں تنہا سے جانے ہی اس عمارت سے نکل کھڑا ہوا۔ اِدھر اُدھر گھومتا ہوا نقشے کی مدد سے ڈیڑھ گھنٹے میں اس شاہراہ پر پہنچا جہاں ریگل اسٹور واقع تھا۔

وہ کئی منزلہ عمارت کے گراؤنڈ فلور پر پھیلی ہوئی کافی بڑی دوکان تھی۔ میں آہستہ قدموں سے اس کے سامنے سے گزر گیا۔

سہ پہر کے بعد میں نے مختلف دوکانوں میں گھوم کے وقت صرف کیا۔ اس دوران میں میں نے ایک لائٹر اور لپ اسٹک وغیرہ کی خریداری بھی کر ڈالی۔ پھر میں دھڑکتے دل کے ساتھ ریگل اسٹور کی طرف ہولیا۔

ابھی میں اسٹور سے تقریباً ایک فرلانگ دور ہی تھا کہ اچانک عقب میں ایک ہولناک دھماکا ہوا جس سے زمین لرز اٹھی۔ آس پاس موجود لوگوں نے چیخیں ابھریں اور اچانک وہاں بھگدڑ مچ گئی۔ لوگ چیختے ایک دوسرے پر گرتے پڑتے بھاگے جا رہے تھے۔ میں نے بڑی مشکل سے آگے کی طرف قدم بڑھایا۔

ریگل اسٹور تک افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ ٹولیوں کی شکل میں کھڑے اس طرف دیکھ رہے تھے جہاں چند ثانیوں قبل دھماکا ہوا تھا۔ کہیں فاصلے سے ایمبولینس کے سائرن کی دل کو چیر دینے والی آواز سنائی دے رہی تھی۔

ریگل اسٹور کے قریب میں نے اپنی رفتار سست کر دی۔ گھڑی پر نظر ڈالی تو ساڑھے پانچ بجنے میں پانچ منٹ باقی رہ گئے تھے۔ میں بظاہر سکون کے ساتھ اسٹور میں داخل ہو گیا مگر اس وقت میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔

اسٹور میں داخل ہو کر سب سے پہلے میں نے ایک عمدہ ٹائی خرید ڈالی تاکہ چند منٹ تک میری وہاں موجودگی اسٹور کے عملے کی نگاہوں میں کھٹکے کیونکہ عورتوں کی خریداری کے مرکز میں مردوں کا تنہا گھومنا ہر جگہ معیوب سمجھا جاتا ہے۔

ان الماریوں کا جائزہ لے کر میں نے رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو پانچ منٹ باقی تھے۔ میں نے سینٹ کی ایک شیشی خریدی اور ٹہلتے ٹہلتے ہوئے آخری کاؤنٹر کی طرف بڑھنے لگا۔

وہاں ایک سرخ و سفید لیکن قامت معصوم سی لڑکی کاؤنٹر پر کھڑی سامان سجانے میں مصروف تھی۔ میں نرم سیٹی بجا کر اس کی طرف متوجہ کیا، ابھرا۔

"بادن ایکج کا بلاؤز۔" جیسے ہی وہ میری طرف گھومی میں نے آہستگی سے مخصوص انداز میں وہ عجیب تشناسی فقرہ دہرا دیا۔

اس نے اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھا اور شناسائی کے انداز میں مسکرا دی۔

اس نے ایک شوکیس سے زنانہ جرسیوں کے کئی پیکٹ نکال کر میرے سامنے کاؤنٹر پر رکھ دیے جیسے میں ان ہی کی خریداری کے لیے آیا ہوں۔ پھر ان کی قیمتیں لکھتے ہوئے چہرے کو متوجہ کیے لہجے میں بولی۔

"فوراً اسٹور سے نکل کر دائیں طرف جاؤ۔ پہلے ٹیکسی اسٹینڈ پر سرخ رنگ کی تین سو تیرہ نمبر کار موجود ہے۔ ڈرائیور خود تمہیں پہچان لے گا۔"

"مگر میرا پیچھا کیا جا رہا ہے۔" میں نے ایک جرسی کو الٹتے پلٹتے ہوئے کہا۔

"جانتی ہوں۔" اس بار وہ غرائی۔ اس کی آواز چہرے پر پھیلی ہوئی سدا بہار معصومیت سے بالکل بھی ہم آہنگ نہیں تھی۔ "وہ جہنم واصل ہو چکا ہوگا۔"

میں مزید کچھ کہے بغیر واپس پلٹ گیا۔ اسی وقت تیز رفتار ایمبولینس سائرن بجاتی ہوئی اسٹور کے سامنے سے گزر کر اسی طرف بڑھتی چلی گئی جدھر ہولناک دھماکا ہوا تھا۔

رقم کی ادائیگی کر کے میں اسٹور سے باہر نکلا اور فٹ پاتھ پر دائیں طرف چل دیا۔

دھماکے سے پھیلی ہوئی ابتری ابھی تک موجود تھی۔ لوگ دو دو چار چار کی ٹولیوں میں بیٹھے تبصرے کرنے میں مصروف تھے۔ میں سر جھکائے ان سب کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔ ایک آدھ جگہ انگریزی میں ہونے والی گفتگو سے پتہ چلا کہ کسی دہشت پسند تخریب کار کے پھینکے ہوئے بم سے ایک شخص ہلاک اور دو زخمی ہوئے تھے۔

لڑکی کے الفاظ اور اس تفصیل سے مجھے رہ رہ کر خیال آرہا تھا کہ مرنے والا میرا نگران ہی رہا ہوگا۔ شاید میرے تعاقب سے باز رکھنے کے لیے اسے مار ڈالا گیا تھا اور لڑکی کو اس منصوبے کا مکمل علم تھا ورنہ وہ اتنے اعتماد کا مظاہرہ نہ کر پاتی۔ البتہ یہ بات یقینی تھی کہ زخمی ہونے والے دونوں افراد ناگہانی زد میں آگئے ہوں گے۔

تل ابیب کی بھری پُری شاہراہ پر ایک سرکاری اہلکار کو نشانہ بنانا واقعی دل گردے کا کام تھا۔

ٹیکسی اسٹینڈ ریگل اسٹور سے زیادہ دور نہیں تھا۔ یہاں بھانت بھانت کی گاڑیوں میں ایک ہی سرخ کار دکھائی دے رہی تھی۔

جس وقت میں اس کی نمبر پلیٹ دیکھ رہا تھا تین دو ڈھے شور مچاتی ہوئی ایمبولینس زخمیوں وغیرہ کو لے کر واپس جا رہی تھی۔

میں کار کا نمبر دیکھ ہی رہا تھا کہ کسے ہوئے بدن والا ایک سرخ و سفید نوجوان میرے قریب آ کر کھڑا ہوا اور بولا۔ "تو تم آ ہی گئے۔ چلو گاڑی میں آ جاؤ۔"

"ہاں بیٹے! اسے غریب الوطنی کا درد کبھی نہیں بھول سکتے۔"

"مگر ان کی صفوں میں گھسنے کے ساتھ ہی تم کو اپنے گھروں کی خبر نہیں رہتی۔"

"کیا تم کو کوئی خاص بات معلوم ہوئی ہے؟"

"تمہارے خلاف یہ لوگ اپنی عورتیں بھی ہر طریقے پر استعمال کر رہے ہیں۔"

"ہاں میں جانتا ہوں۔ آوارہ کتیوں کی طرح ان کو ہمارے بیچ چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ ان کی زلفوں میں الجھ کر ہم سب کچھ، اپنے مقصد کو بھول جائیں۔"

"اور وہ گھروں تک میں داخل ہو گئی ہیں۔"

"نہیں!" اس نے حیرت اور بے اعتباری سے کہا۔ "کسی عرب سے امید نہیں کر سکتا کہ وہ ایک یہودن سے شادی کرے گا۔"

"مگر وہ مسلمان بن کر ان کے سامنے جاتی ہیں۔ الشویخ میں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔" میں نے کہا۔

"کیا؟ تم نے کیا دیکھا وہاں؟"

میں نے اسے مختصر الفاظ میں لیلیٰ اور ابن حیان کی کہانی سنائی۔

"اوہ۔ تم تو بہت کچھ جانتے ہو میرے دوست!" وہ مضطربانہ [illegible] "ابن حیان کا نام میں نے بہت سنا ہے۔ [illegible] وہ پہچانا جاتا ہے مگر مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ لیلیٰ جیسی [illegible] لڑکیاں ہماری جاسوسی پر مامور ہیں۔ خدا کرے کہ وہ [illegible] ہماری جاسوس ہو۔ میں جلد ہی اس کا پتہ چلاتا ہوں۔ [illegible] اس کا ایک بھی ساتھی زندہ نہ نکل پائے گا۔ [illegible] اس کے حواری بچ نہ سکیں گے۔ یہ انسانی خون اور [illegible] پر پلنے والے بھیڑیے ہیں۔ انہیں روئے زمین پر کہیں [illegible]"

"[illegible] مجھے مزید آگاہ کیا۔"

"[illegible] کے بارے میں تم جلد ہی اچھی خبر سنو گے۔"

"میں تم سے تفصیل سے گفتگو کرنے کا خواہاں ہوں میرے دوست۔"

"اب میں نے تم کو بھائی کہا ہے تو میرا نام بھی سن لو۔ مجھے محمود [illegible]" میں نے گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس حقیقت کی خبر ملتے ہی یہ سرحد تمہاری تلاش شروع ہو جائے گی۔ تمہیں واپس چلا جانا چاہیے۔ اگر زندگی نے وفا کی تو انشاءاللہ پھر کبھی [illegible]"

"تم نے کہاں جانا ہے؟"

"جب وطن نہیں رہا تو ٹھکانہ کہاں ہوگا۔" وہ مسکرا کر بولا۔ "فی الحال ایک ہوٹل میں پناہ گزین ہوں۔"

[illegible]

"یہ میں خود نہیں جانتا۔ ہماری تنظیم میں کوئی بھی ضرورت سے زیادہ ایک لفظ نہیں جانتا کیونکہ ہمیں کچھ علم نہیں ہوتا کہ کون کب پکڑا جائے گا اور جب بے پناہ تشدد شروع ہوتا ہے تو کسی نہ کسی کے اعصاب جواب دے جاتے ہیں۔ ایسے موقع پر زیادہ معلومات تنظیم کے لیے خطرناک ثابت ہوتی ہیں۔" اس نے مجھے تسلی بخش جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے ایک موڑ پر اندھیرے میں گاڑی روک لی۔

"یہاں سے تم بائیں طرف گھوم کر گلی میں چلے جاؤ۔ کچھ دور بعد ایک چوراہا ملے گا۔ وہاں سے دائیں طرف جانے والی سڑک تمہاری بلڈنگ کے عقب میں پہنچا دے گی۔"

"شکریہ۔" میں نے سامان کی تھیلیاں سنبھال کر اترتے ہوئے کہا۔

"فی امان اللہ۔" اس نے کہا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

کاتب تقدیر نے میرا مقدر جانے کیسی گھڑی میں تحریر کیا تھا کہ میں جن پیچیدگیوں سے جس قدر دامن بچا رہا تھا اسی قدر پیچیدہ تر حالات میرے آڑے آ رہے تھے، اور اس بار تو حد ہی ہو گئی تھی۔ میں دونوں طرف سے انتہا پسندوں میں گھر گیا تھا جن میں ایک مظلوم تھا اور دوسرا غاصب۔ میں مظلوم کی مدد کرنا چاہتا تھا مگر میری نکیل غاصب کے ہاتھوں میں تھی۔

اسی ادھیڑ بن میں کھویا میں فلیٹ پہنچا اور دروازہ کھولا تو مادیا اپنی پوری فوجی یونیفارم میں ملبوس تین ماتحت افراد کے ساتھ وہاں موجود تھی۔

میرے اندر گھستے ہی اس نے اپنے سروس آٹومیٹک کی نال میری طرف اٹھا دی اور سرد لہجے میں بولی۔ "ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"

تھیلیاں میرے ہاتھوں سے گر گئیں، اور میرے ہاتھ خود بخود بلند ہو گئے۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی مادیا ہے جو میری آغوش میں کئی گھنٹے گزار چکی تھی۔

"تلاشی لو اس کی۔" مادیا نے اپنے ایک ماتحت کو حکم دیا۔

میری جیبوں کی تلاشی لی گئی جو مادیا کے نقطہ نظر سے ناکام ثابت ہوئی کیونکہ میری جیبوں میں کرنسی، سگریٹ، لائٹر اور رومال کے سوا کچھ نہیں تھا۔

پھر مادیا نے خود تھیلیوں کا جائزہ لیا اور سخت لہجے میں بولی۔ "یہ کس کے لیے خریدی گئی ہیں؟"

"تمہارے لیے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا، پھر اس کا بھرپور بایاں ہاتھ میرے چہرے پر پڑا۔ "شٹ اپ!"

میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ مادیا اچھل کر مجھ سے محفوظ فاصلے پر چلی گئی اور اس کی ہدایت پر میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں۔

میں کچھ کہے بغیر اگلی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور کار کا طاقتور انجن بیدار ہوتے ہی گاڑی گھوم کر تیزی سے سڑک پر پھسلتی چلی گئی۔

"کرنل ریشا سے تمہاری ملاقات ہوئی؟" اس نے کچھ دیر بعد براہ راست پہلا سوال کیا۔

"نہیں۔ مگر کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ اس گفتگو سے پہلے ہم ایک دوسرے کا تعارف حاصل کر لیں۔" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"میرے بارے میں صرف اتنا جاننا کافی ہے کہ میں تل ابیب میں فلسطینی افواج آزادی کا نمائندہ ہوں۔ ہاں تمہارے بارے میں میں ضرور جاننا چاہوں گا۔" وہ اسٹیرنگ سے کھیلتے ہوئے بولا۔

"تو تم فلسطینی ہو؟"

"ہوں۔ وقت ضائع نہ کرو۔ اپنے بارے میں تفصیل بتاؤ۔"

"میں پاکستانی ہوں......"

"پاکستانی؟" اس نے حیرت سے میری بات درمیان ہی سے اچک لی۔ "مگر مجھے تو پتہ چلا تھا کہ پُراسرار حالات میں آرمی انٹیلی جنس کور میں لایا جانے والا شخص ہندی ہے۔"

"یہ لمبی کہانی ہے۔ وہ مجھے ہندی ہی سمجھتے ہیں۔ انہوں نے مجھے الشویخ میں پکڑا تھا اور اب وہ [illegible] ٹریننگ کیمپ میں بھیجنے والے ہیں۔ پتہ نہیں وہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔"

"تم ہمارے [illegible] ہو۔" وہ پُرجوش لہجے میں بولا۔ "خون کو خون پہچانتا ہے۔ مجھے نہ جانے کیوں پوری امید تھی کہ تم ضرور آؤ گے۔ [illegible] تھوڑی دیر پہلے تمہارے [illegible] پر گرا ہے۔"

"تو اسے مادیا لائی تھی؟"

"ہاں۔ [illegible] بھی نہ پہچانی جائے گی اس کی۔" وہ نفرت سے بولا۔ "مجھے افسوس صرف اس بات کا ہے کہ [illegible] بھی اس کی وجہ سے زخمی ہو گئے۔"

"کیا فلسطینی بھی زخمی ہونے والے ہیں؟"

اندھیرے میں اس نے سر گھما کر چمکتی ہوئی آنکھوں سے مجھے گھورا۔ "وہ فلسطینی ہوں یا یہودی، راہ گیر تھے۔ ہماری جنگ ان سے ہے جو مسلط ہو کر ہماری زمین پر دندنانے کے منصوبوں میں شامل ہیں۔"

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"اطلاعات۔" وہ بولا۔

"کیسی اطلاعات؟ ابھی تو میں یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے کیا کام لینے والے ہیں۔ پھر مجھ پر ہر وقت کڑی نظر رکھی جاتی ہے۔"

"وہ تم سے ایک بہت بڑا کام لینے والے ہیں۔" وہ گاڑی کو ایک ویران راستے پر گھماتے ہوئے بولا۔ "وہ لوگ ہمارے بارے میں بہت جانتے ہیں مگر ہم بھی اپنی جانوں پر کھیل کر تل ابیب میں اپنے قدم جمانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اس کوشش میں یکے بعد دیگرے سینکڑوں

فلسطینی کرنل ریشا کے آدمیوں کے ہاتھوں تشدد کے باعث ہلاک ہو گئے ہیں مگر ان کا خون رائیگاں نہیں گیا۔ ہمارا پہلا مقصد ان قاتلوں کو ٹھکانے لگانا ہے۔ میں صرف اس کا حلیہ [illegible] باآسانی [illegible] سکے گی۔ وہ جو کچھ کہیں تم [illegible] آدمی خود تم سے رابطہ رکھیں گے۔ کرنل ریشا کا حلیہ اور [illegible] سے متعلق تم جو کچھ معلوم کر سکو ان آدمیوں کے ذریعے [illegible] تمہاری وفاداری آزمانے کے بعد [illegible] گیا تھا۔ ہمارا آدمی صرف وہی ہوگا جو تمہیں [illegible] خون کا حوالہ دے گا۔"

"میں پوری طرح تمہارا ساتھ دینے کو تیار ہوں مگر میرے بھی کچھ مسائل ہیں۔" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا؟"

"میری بیوی کافی عرصے سے مجھ سے بچھڑی ہوئی ہے۔ [illegible] سب جھگڑوں سے جان چھڑا کر پاکستان جانا چاہتا ہوں تاکہ اسے تلاش کر سکوں۔"

"فلسطین کے نہ جانے کتنے بچے اپنی ماؤں سے [illegible] بھائیوں سے اور [illegible] اپنے سہاگ سے بچھڑی ہوئی [illegible] در بدر ہیں۔ ان کا کوئی گھر ہے نہ وطن۔ اگر تمہاری وجہ سے [illegible] کوششیں کامیاب ہو گئیں تو ہم ان کی [illegible] اپنی بیوی کی تصویر مجھے دو۔ میرے آدمی پاکستان کا چپہ چپہ چھان ماریں گے۔ تحریک کے بہت سے لڑکے وظیفوں پر پاکستان میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ وہ تمہارا کام کریں گے مگر خدا کے لیے [illegible] ہماری [illegible] ہمارے لیے ایک خواب [illegible] بن کر رہ گیا ہے۔"

"میرے پاس اس کی کوئی تصویر نہیں ہے۔"

"پھر تم جو کوشش کرنے کو تیار ہوں۔"

"اب تک میں [illegible] کے تحت قسمت پر شاکر رہا [illegible] اب ایک مقصد کی خاطر [illegible] کروں گا۔" میں نے اداس لہجے میں کہا۔ "تمہاری باتیں بہت معقول ہیں۔"

"مجھے تم سے یہی امید تھی میرے بھائی۔" وہ بھرائی ہوئی پُرجوش آواز میں بولا۔ "اگر مجھے پہلے سے علم ہوتا کہ تم پاکستانی ہو تو [illegible] دھمکی کے بجائے التجا آمیز رقعہ [illegible]"

"رنگیلا اسٹوڈیو کی وہ معصوم سی سیلز گرل بھی تمہاری تنظیم کی رکن ہے؟"

"ہاں۔ وہ بہت پُرجوش کارکن ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ لبنان کے فلسطینی کیمپ میں پروان چڑھی ہے۔ وہ معصوم صورت نظر آتی ہے مگر اس کے دل میں انتقام کا [illegible] جوالا مکھی ابل رہا [illegible]

فلیٹ کے نیچے بند سیاہ شیشوں والی ایک سفید گاڑی موجود تھی۔ مجھے اس کے عقبی حصے میں دو افراد کے ساتھ سوار کرا دیا گیا۔ تیسرے نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی جبکہ ماریا اس کے ہمراہ اگلی نشست پر جا بیٹھی۔

کچھ دیر کے بعد اس سفر کا اختتام دمشق کے مضافات میں بنی ہوئی ایک وسیع و عریض عمارت کے کمپاؤنڈ میں ہوا جہاں کئی خطرناک سے کتے رکھوالی کے لیے موجود تھے۔ وہ شاید ماریا اور اس کے ساتھیوں کی بو سے مانوس تھے کیونکہ پہلے وہ غراتے ہوئے گاڑی کی طرف لپکے اور پھر ان چاروں کے پاؤں سونگھ کر دُمیں ہلانے لگے۔

عمارت میں پہنچنے کے بعد مجھے ماریا کے اشارے پر وہ تینوں لے چلے گئے اور میں کمرے میں اس کے ساتھ تنہا رہ گیا۔

"یہ چیزیں کس کے لیے خریدی گئی تھیں؟" چند ثانیوں کے بعد ماریا نے سرد لہجے میں اپنا سوال ایک مرتبہ پھر دہرایا۔

"شاید دوبارہ دھتکار دیئے جانے کا ارادہ ہو رہا ہے تمہارا؟" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"وہی بے مقصد شاپنگ کے لیے جو تم نے یہ شام باہر گزاری ہے؟"

"تمہارے نزدیک یہ چیزیں بے مقصد ہو سکتی ہیں، میرے لیے ان کی جذباتی اہمیت ہے۔" میں نے چیزوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"جذباتی اہمیت؟" وہ استہزائیہ لہجے میں بولی۔ "کیا تم مجھے ایسی مجبور تصور کرنے لگے ہو؟"

"مجبور نہیں بھی ہو تو بھی اسرائیل کی سرزمین پر تم پہلی لڑکی ہو جس سے میری دوستی استوار ہوئی ہے۔"

"آج شام تم کہاں کہاں گئے اور کس کس سے ملے؟" اس نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد سوال کیا۔

"تل ابیب میرے لیے اجنبی شہر ہے۔" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔ "سڑکوں اور دکانوں کے نام مجھے یاد نہیں۔ اس کے علاوہ میں کسی سے نہیں ملا۔"

"راستے میں تم نے کوئی حادثہ دیکھا؟"

"ہاں — ایک جگہ بم کا خوفناک دھماکا ہوا تھا۔"

"کسی عمارت میں یا شاہراہ پر؟"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔"

"کیوں؟"

"دھماکا ہوتے ہی وہاں بھگدڑ مچ گئی تھی لہٰذا میں ابھی نقصان کا جائزہ لینے کے لیے وہاں ٹھہرنے کی ہمت نہ کر سکا۔" میں نے سکون سے کہا۔

"بعد میں بھی تم نے اُدھر جانے کی کوشش نہیں کی؟"

"نہیں۔" میں نے یہ کہہ کر ایک اور سوال داغ دیا۔ "تو کیا تم اس دھماکے کا ذمہ دار مجھے ٹھہرانے کی کوشش کر رہی ہو؟"

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دھماکا بم [illegible]" وہ براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"راڈرک؟"

"وہی شخص جسے تمہاری حفاظت پر مامور کیا گیا تھا۔" ماریا نے [illegible] کی نالی سے اپنا رخسار سہلاتے ہوئے کہا۔ "اس کی لاش ٹکڑوں میں تبدیل ہو گئی اور حملہ آور کا پتہ نہیں چل سکا۔"

"یہ عجیب اتفاق ہے۔"

"ہمارے تفتیشی بیورو نے جائے حادثہ کے پاس سے [illegible] کر لیا ہے۔ اس قسم کے بم عموماً فلسطینی دہشت پسند استعمال کرتے ہیں [illegible] حملے کے دو ہی مقاصد نظر آتے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ وہ لوگ تم سے [illegible] کرنا چاہتے تھے لہٰذا راڈرک کو راستے سے ہٹانے کے بعد ان کو تم سے [illegible] مگر تمہاری باتوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ بیورو کا یہ نظریہ غلط ہے [illegible] امکان یہ ہے کہ وہ لوگ ہمیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ تمہاری یہاں آمد کے مقاصد سے واقف ہیں۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ راڈرک محض اتفاقاً دھماکے کا نشانہ بن گیا ہو اور بم میرے لیے بھی ہو سکتا تھا؟" میں نے اسے اُلجھانے کے لیے کہا۔

"ممکن ہے — یہ بھی ممکن ہے۔" وہ پُرخیال لہجے میں بولی۔ [illegible] "حملے کے وقت وہ تم سے کتنے فاصلے پر چل رہا تھا؟"

"مجھے کچھ بھی یاد نہیں۔" میں نے [illegible] لہجے میں کہا۔ "تمہیں بتا چکا ہوں کہ راڈرک کی موت کا علم مجھے تمہاری زبانی ہوا ہے۔ وہ میری نگرانی پر مامور کیا گیا تھا۔ مجھے کیا پڑی تھی کہ اس کی [illegible] غلط کام تو کر نہیں رہا تھا۔"

میرے چہرے پر [illegible] بے اختیار تبسم پھیل گیا۔ اس وقت [illegible] کسی ایسے بچے کی طرح نظر آ رہی ہے جس سے اس کی پسند کا کھلونا [illegible] لیا گیا ہو۔"

"کھلونا تو سامنے موجود ہے مگر ہاتھ بندھے ہوئے ہیں [illegible]" کے چہرے پر نظریں جما کر بولا۔ "مجھے ہتھکڑیاں کس خوشی میں لگائی گئی ہیں [illegible]"

"تمہیں سیف ہاؤس لانے کے لیے کس طرف [illegible]"

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"میرے ماتحتوں کے سامنے تمہیں اپنی زبان پر قابو رکھنا چاہیے [illegible]"

"مگر وہ چیزیں میں نے تمہارے ہی لیے خریدی تھیں [illegible] تمہارے سوال کا کوئی اور جواب نہیں تھا۔"

"خیر — میں اپنے رویے پر معذرت خواہ ہوں۔"

"صرف معذرت کافی نہیں۔ میرے ہاتھوں کو آزادی بھی چاہیے۔"

اس نے اپنی قمیص کی جیب سے چابی نکالی اور ہتھکڑیاں کھول دیں۔ دونوں ہاتھ آزاد ہوتے ہی میں نے اچانک [illegible]

[illegible]

"تم بھی کسی [illegible] سے کم نہیں ہو۔" نجات ملنے پر وہ اپنا چہرہ [illegible] سہلاتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"یہ صرف ہتھکڑیاں لگانے کا انعام تھا۔ ابھی تو ایک عدد تھپڑ [illegible] باقی ہے۔" میں نے یہ الفاظ چبا چبا کر ادا کیے مگر ان سے [illegible] احساسات جھلک رہے تھے۔

"یاد رکھنا کہ میں اسرائیل کے [illegible] جسمانی دفاع کے بے شمار [illegible]" وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "[illegible] تمہاری نظروں میں جہاں سے دفاع کے لیے کافی ہیں [illegible] تم جان سے جاؤ گے۔"

"اب ان باتوں کا وقت نہیں۔" وہ سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولی۔ "[illegible] کی موت کا معاملہ بہت سنگین ہے۔ میں ہر قیمت پر حملہ آور کا سراغ [illegible] ابھی [illegible] میں جا رہی ہوں۔ مجھے دیکھنا ہے کہ وہ [illegible] جا سکتے ہیں۔"

"تو کیا ان پر تشدد ہو گا؟"

"ایسا ہی ایسا۔" وہ بے رحمانہ لہجے میں بولی۔ "[illegible] کی زبانیں کھل جائیں گی۔ ان میں سے دو چار مر بھی جائیں تو مجھے [illegible]"

"مگر وہ بے گناہ بھی تو ہو سکتے ہیں۔" میں نے حیرت آمیز لہجے میں [illegible] "[illegible] ہے کہ مجرم ان میں کوئی ایک ہی ہو سکتا ہے اور امکان [illegible] ہے کہ شاید وہ بھی صاف نکل گیا ہو اور تمہارے بیورو نے بے گناہ [illegible] کو پکڑ لیا ہو۔"

"ہمارے نزدیک ان میں کوئی بے گناہ نہیں۔" وہ سپاٹ لہجے میں [illegible] فلسطینی عورتوں کی کوکھ میں پیدا ہونے والے بچوں کو بھی اپنا [illegible] جاتے ہیں کیونکہ ہمارے خلاف جارحیت میں ان کا بچہ بچہ شریک [illegible] اپنی مظلومیت کے نام پر ہمارے خلاف نفرت کا زہر پھیلا [illegible]

[illegible] جاؤں گا۔" میں نے بحث سے گریز [illegible] موضوع تبدیل کر دیا۔ مجھے آہستہ آہستہ اسرائیلیوں کے [illegible] پسند نظریات کا پتہ چل رہا تھا جو فلسطینی مفادات کے [illegible] تھے۔ میرے لیے یہ مناسب نہیں تھا کہ کھل کر ماریا کی مخالفت [illegible] اس طرح میرا وہ مقام کھو دوں جو میں نے چند دنوں میں بنا [illegible] میرے لیے سب سے زیادہ اطمینان کی بات یہی تھی کہ ماریا کو میری [illegible] کیا تھا۔ میرے فلسطینی افواج آزادی کی طرف سے ملنے [illegible] پیغام پر عمل کرنے جو [illegible] کھیلا تھا وہ کامیاب ہوتا نظر [illegible]

"[illegible] کی ضرورت نہیں۔" [illegible] ماریا کہہ رہی تھی۔ [illegible]

[illegible] خطرہ ہے۔ تم اسی عمارت میں محدود رہو گے اور تمہیں ضرورت کی ہر چیز یہیں مہیا کر دی جائے گی۔"

"تو مجھے اسی کمرے میں تنہا ہونا ہوگا؟" میں نے [illegible] ہوئے کہا جہاں بمشکل قالین، صوفے اور تین کرسیوں کے سوا کچھ موجود نہیں تھا۔

"فی الحال تمہیں رکنا ہے بعد میں تمہیں کوئی معقول کمرہ دے دیا جائے گا۔" وہ اُٹھتے ہوئے بولی۔

"اور میں کرنل ریشا سے کب مل سکوں گا؟"

"اس سے ملنا تقریباً ناممکنات میں سے ہے۔ وہ بہت مصروف عورت ہے۔"

"مگر اس نے مجھ سے خود وعدہ کیا تھا۔"

"غیر ضروری وعدے بھول جانے میں اسے ملکہ حاصل ہے۔ جب میں تمہاری ہر ضرورت پوری کر سکتی ہوں تو اس سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟"

"اس کی آواز بہت حسین ہے۔" میں اچانک بول دیا۔

"تم عورتوں کے بہت رسیا معلوم ہوتے ہو؟" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولی۔

"حسن کا پرستار ہونا کوئی بُری بات تو نہیں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ [illegible] بن حیان [illegible]

"بن حیان کا نام احترام سے لو۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔ "[illegible] میں اسے پوجا کی حد تک لوگ پسند کرتے ہیں۔ ہماری جدید حکمت عملی [illegible] کے ذہن سے جنم لیتی ہے۔ جب مستقبل کا مورخ ہماری تاریخ لکھے گا تو بن حیان [illegible] قوم کا ہیرو کہلائے گا۔"

"میں اس کی شخصیت سے بہت متاثر ہوں۔ ایک بار اس سے ملنا چاہتا ہوں کیونکہ میرا اصل آقا تو اب بھی وہی ہے۔"

"تمہاری خواہش اس تک پہنچا دی جائے گی۔" یہ کہہ کر وہ اس کمرے سے چلی گئی۔

یہ بہت غنیمت تھا کہ میں ان لوگوں کی نگاہوں میں [illegible] ثابت کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن دوسری طرف [illegible] بالکل صحیح اندازہ [illegible] فلسطینی [illegible] چکا ہوں۔

ایک پاکستانی ہونے کے ناطے میرے ذہن میں [illegible] خلاف نفرت جاگزیں تھی جو تل ابیب پہنچنے کے بعد [illegible] فلسطینیوں کے بارے میں جو الفاظ ادا کیے [illegible] قوم کی ذہنیت کی غمازی کرتے تھے۔ ان کے نزدیک [illegible] اور مردوں کے امتیاز کے بغیر فلسطینی قابلِ گردن زدنی [illegible] حریت پسند [illegible] کامیاب [illegible] مگر [illegible] فلسطینی ان سفاک یہودیوں کے [illegible] تھے [illegible] میں مصروف تھا میں آرام سے اس کمرے میں بیٹھا

ہوا تھا اور بوگ ناکردہ گناہ کی پاداش میں اپنا بیمانی کے ہولناک انجام
فرما عمل سے دوچار ہوئے۔

پھر در بدر خیمہ فوجی یونیفارم میں ملبوس ایک شخص نے مجھے اسی
عمارت کے ایک ایسے کمرے میں پہنچا دیا جہاں خوابگاہ کے بنیادی لوازم
موجود تھے۔ اس نے مجھے بتایا کہ کسی محافظ کی موجودگی کے بغیر میرے لئے
اس کمرے سے نکلنا ممنوع ہے۔

دیکھے رونما ہونا آئی تو بہت خوش تھی۔

"کیا حملہ آور کا پتہ چل گیا تھا؟" میں نے اس کے بستر پر بیٹھتی ہوئی
مسرت بھرا پتے ہی اپنا پہلا سوال کر ڈالا۔

"وہ سب پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔" وہ میرے سامنے بیٹھ کر بولی۔ "ایک
آدمی ان کے سامنے سسک سسک کر دم توڑ چکا ہے [illegible] ہو
چکے ہیں مگر ابھی تک ان میں سے کسی نے زبان نہیں کھولی ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ واقعی اس حملے کے بارے میں واقف نہ
ہوں۔" ضبط کے باوجود یہ کلمات میری زبان پر آہی گئے۔

"کمانڈر کا خیال بھی یہی ہے مگر میں اس سے متفق نہیں ہوں۔"

"تو کیا [illegible] تمہاری نگرانی میں ہو رہا ہے؟"

"نہیں۔۔۔ اگر یہ میری ذمے داری ہوتی تو تمہارے ملنے سے قبل
تشدد کا سلسلہ ختم نہ ہوتا تاوقتیکہ آخری آدمی بھی دم توڑ دیتا۔" وہ تلخ لہجے
میں بولی۔

میرے دل نے اس بالواسطہ اطلاع پر خاصا اطمینان محسوس کیا کہ اس
بہیمانہ تشدد کا سلسلہ ٹوٹ چکا تھا مگر بظاہر خوش دلی سے بولا۔ "تمہیں
دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ ایسے خوبصورت چہرے والی اتنے سخت
دل کی مالک ہے۔"

"میں اگر سخت دل ہوتی تو تم ابھی تک عقوبت کے جہنم میں لٹک
رہے ہوتے۔"

"اس میں تمہارا کیا دخل تھا۔ تم نے تو محض احکام کی تعمیل کی تھی۔"
میں شوخ لہجے میں بولا۔

"احکام میں مقصد کا تعین کیا جاتا ہے طریقہ کار ہمارا اپنا ہوتا ہے۔"

"تو جو بھی طریقہ کار ہو اس میں بعض اوقات [illegible] رہتی ہے۔"

"اس کے لئے بھی ایک حد مقرر رکھی ہوتی ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔
"مگر میں نے تمہیں یہ حد عبور کرنے کی اجازت دے دی۔"

"اس لئے کہ تم کو یقیناً کمانڈر [illegible] بھی دیکھ رہی تھی۔"

"مجھے یہی تو تمہیں بھی دیکھ رہی تھی۔"

"ان فلسطینیوں سے معلومات نکلوانے کے لئے یہ حربہ کیوں نہیں
آزمایا جاتا؟" میں نے سرسری خیال کے تحت کہا۔

"وہ صرف اتنی بات کہتے ہیں۔" اس کا لہجہ ایک دم تلخ ہو گیا۔ "کمانڈر
نے تشدد کا سلسلہ رکوا دیا ہے اور ان میں سے تین افراد کا انتخاب کر کے
انہیں لڑکیوں کے حوالے کر دیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اگر اس طرح بھی
ان سے کچھ نہ اگلوا سکا تو کسی اور طریقے پر سوچا جائے گا۔"

"تمہاری قوم کی لڑکیاں قربانی کے جذبے سے سرشار [illegible]
میں نے یہ کہتے ہوئے اپنے دل کے کسی گوشے میں [illegible]

"قربانی؟" وہ [illegible] آمیز انداز میں بولی۔ "[illegible]
کوئی حملہ آور ہے تو کیا یہ طریقہ کار تمہیں [illegible] نظر نہیں آتا [illegible]
[illegible] اور اب ایک یہودی لڑکی اس کی آغوش میں [illegible]
رہی ہے تاکہ شراب اور اپنی اداؤں کے سہارے اس سے [illegible]
سکے۔ یہ تو بہت شرمناک طریقہ ہے۔"

"اپنا اپنا سوچنے کا انداز ہے۔"

"ہمارے نظام میں ایک بہت بڑی اچھائی ہے جو کبھی کبھی [illegible]
خامی کی صورت بھی اختیار کر جاتی ہے۔" وہ لاپرواہ لہجے میں بولی۔

"وہ کیا؟"

"یہاں کوئی شخص دوسرے کی ذمے داری میں اس وقت تک دخل
اندازی نہیں ہو سکتا جب تک اسے ایسا کرنے کا حکم نہ دیا گیا ہو۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔"

"میں نے کہا نا کہ کبھی یہ خامی بھی بن جاتی ہے۔ اب اسی واقعے
کے سلسلے میں [illegible] کے باوجود [illegible]
کرنے سے نہیں روک سکتی۔ یہ تو ایسا ہی ہوا کہ میدان جنگ سے بھاگتی ہوئی
ہزیمت خوردہ فوج اپنی جان بچانے کے لئے اپنی ہی قوم کی [illegible] لڑکیوں
کو بے دست و پا کر کے پیچھے چھوڑ جائے تاکہ ان کے
تعاقب میں لگی ہوئی فاتح فوج کے سپاہی لڑکیوں کے چکر میں پڑ کر ان کا
تعاقب ترک کر دیں۔"

"مثال تو تم نے بہت موزوں سوچی ہے۔" میں نے [illegible] لہجے میں کہا۔

"تم اب باہر جانے کے لئے آزاد ہو۔" اس نے اپنی [illegible]
سے ایک چابی نکال کر میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "نیچے پارکنگ میں
گاڑی موجود ہے یہ اسی کی چابی ہے۔ تمہیں ہوٹل یہاں سے [illegible]
بھیج دیا جائے گا لہٰذا یہ وقت بہتر طریقے پر استعمال کرنے کی کوشش کرو۔"

"اور راستہ بھٹکنے کی صورت میں کیا ہو گا؟"

"گاڑی میں وائرلیس موجود ہے۔ تمہیں بس صرف آن کرنا ہو گا۔
[illegible] پر ہی کام کرتا ہے۔ [illegible]
[illegible]"

[illegible] سے تعرض نہ کیا۔ وہاں [illegible]
[illegible] واقف ہو جاتا تھا۔

سورج اس وقت ڈھلنے ہی والا تھا [illegible]
[illegible] روشنیوں [illegible]

[illegible] ایک دوسرے کی باہنوں میں باہیں ڈالے [illegible]
[illegible] کے گرد کئی مرتبہ چکر لگایا اور شہر کی ان [illegible]
[illegible] پھر اچانک میرے ذہن پر [illegible] شام سی اداسی طاری [illegible]

[illegible] جانے کہاں تھی اور کس حال میں تھی۔ [illegible] کی تہذیب کے
[illegible] جانے کن کوچوں میں بھٹک رہی تھی۔ مجھے یقین [illegible]
[illegible] کے بعد وہ بھی [illegible] ہو گی۔ اس کی
[illegible] ہوں گی اور اس کا [illegible] دل [illegible]
[illegible] نے [illegible] کے بعد حاصل کیا تھا، اس
[illegible] آسانی کے ساتھ گنوا دیا تھا۔

[illegible] عالیشان ہوٹل میں [illegible]
[illegible] اشتہا انگیز [illegible]
[illegible] شراب [illegible]
[illegible] موسیقی [illegible] رہی تھی۔

[illegible]

"[illegible] تو آپ کے ساتھ [illegible]
[illegible] بیان کیا۔

[illegible] میں نے [illegible] سے کہا اور [illegible]
[illegible] سے [illegible]

"[illegible] ہیں؟"

"میرا نام [illegible] ہے [illegible] سے [illegible] کر کے یہاں
[illegible] ہوں۔"

"[illegible] کے سلسلے سے [illegible] آیا ہوں۔"

"[illegible]" وہ [illegible] لہجے میں بولی [illegible] ہمیشہ سے میری
[illegible]
[illegible] دنیا کے [illegible]

"میرا خیال ہے کہ یہ شام ہم [illegible]
"[illegible] ہوٹل [illegible] ہوئی ہوں۔"

[illegible]

ہو گئی اور ہم دونوں نے وہ [illegible]

[illegible] کشادہ تھی مگر وہ [illegible] میرے قریب کھڑی ہوئی تھی
اس کے جسم سے خوشبو کی [illegible] لپٹیں [illegible] اٹھ رہی تھیں [illegible] نے ناقدانہ
نظروں سے اس کا جائزہ لیا اور [illegible] کے ساتھ
ہی وہ متناسب جسم کی بھی مالک تھی۔

"[illegible] رنگت کے [illegible] معلوم ہوتا ہے [illegible]"
کے [illegible] وہ میری طرف جھک کر سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔

اس [illegible] تیسری منزل پر [illegible] میں نے جلدی سے
اپنا ہاتھ اس کی کمر سے ہٹا لیا اور ہم دونوں راہداری میں آ گئے۔

[illegible] کے سامنے رک کر اس نے [illegible] چابی تلاش کی
اور [illegible] کمرے میں داخل ہو گئی۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی۔

[illegible] کمرے میں خاصا خوشگوار [illegible]
[illegible] کے لئے میں نے
[illegible] کا استعمال ہی مناسب سمجھا [illegible]
[illegible] ہوئی۔

[illegible] مسلسل [illegible] اس نے [illegible]

[illegible] کے بعد [illegible] حیرت سے [illegible]
[illegible] کر کے مجھ سے بولی۔ "کوئی [illegible] تم
سے بات کرنا چاہتا ہے۔"

"مجھ سے؟" میں نے بے یقینی کے ساتھ سوال کیا۔

"ہاں تم سے" وہ ریسیور کان سے ہٹاتے ہوئے بولی [illegible]
[illegible] دوسری طرف [illegible] آواز [illegible]
[illegible] رہا ہے۔"

میں نے حیرانی کے عالم میں اس سے ریسیور لیا۔ "ہیلو [illegible]؟"

"[illegible] تم نے [illegible]
میرا خیال ہے کہ تم [illegible]
ایسا [illegible] نہیں دیتا۔" میں نے [illegible] لہجے میں جواب دیا۔

"آدھے گھنٹے کے اندر اندر اسی مقام پر پہنچو جہاں [illegible]
تھے۔" وہ [illegible] کو نظر انداز کرتے ہوئے [illegible] آواز میں بولا۔ "تم شدید
خطرے سے دوچار ہو۔"

"کہاں؟" میں نے سوال کیا مگر اس سے پہلے ہی [illegible] کی آواز کے
ساتھ فون بے جان ہو چکا تھا۔ میں نے [illegible] کے ساتھ ریسیور رکھ دیا۔

"کون تھا؟" [illegible] نے میری پریشانی [illegible] سوال کیا۔

"کوئی پاگل تھا۔"

"مگر وہ تمہارے نام سے واقف تھا۔"

"لیکن میں اس کی آواز تک سے ناواقف ہوں۔"

جواب میں وہ کچھ نہ بولی مگر اس کے چہرے سے بے اختیاری صاف جھلک رہی تھی۔

"میرے لیے ایک لارج پیگ بناؤ۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اس سے کہا اور وہ خاموشی سے میری ہدایت کی تعمیل میں مصروف ہو گئی۔

میں ہولے ہولے اس کی پشت سہلاتے ہوئے اس پُراسرار فون کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ آواز اور لب و لہجہ کسی طرح محمود کا نہیں تھا جبکہ تل ابیب میں وہی فلسطینی افواج آزادی کے نمائندے کے طور پر مجھ سے ملا تھا۔ دوم یہ کہ میں کسی خفیہ پروگرام کے تحت اس ہوٹل میں اوسکارا کے ساتھ وقت گزارنے چلا آیا تھا۔ وہ لوگ لاکھ منظم سہی مگر ان کے لیے میری نقل و حرکت کی اتنی باضابطہ اطلاعات رکھنا ممکن نظر آتا تھا۔

دوسرا امکان یہی تھا کہ تفتیشی پولیس یا شین بیت کی نظروں میں میری ذات ابھی تک شبہات سے بالاتر قرار نہیں پا سکی تھی۔ لہٰذا بظاہر مجھے واٹر پولیس سے آزاد کر کے گھومنے پھرنے کی آزادی دے کر ایک نگران میرے تعاقب میں لگا دیا گیا تھا۔

اس شخص کی فراہم کی ہوئی اطلاع کی بنیاد پر ان لوگوں کو اوسکارا کے کمرے میں میری موجودگی کا علم ہوا اور انہوں نے مجھے گمنام فون کر ڈالا۔ مقصد یہی رہا ہو گا کہ اگر میں اس سے پیشتر کسی مشتبہ شخص سے مل چکا ہوں تو فون کال سے بوکھلا کر اس کے ٹھکانے پر دوڑا چلا جاؤں گا اور میرا وہ مبینہ کردار ان کے سامنے ننگا ہو جائے گا۔

میں اس بارے میں جتنا غور کرتا گیا میرا خیال اسی قدر پختہ ہوتا گیا کہ یہ فون کال میرے لیے ایک جال کی حیثیت رکھتی ہے۔

"ذرا آپریٹر سے معلوم تو کرو کہ فون کرنے والے نے اسے تمہارے کمرے کا نمبر دیا تھا یا نام بتایا؟" میں نے ایک فوری خیال کے تحت اوسکارا سے کہا۔

"یہاں سارے داخلی کمروں میں الگ نمبروں والے براہ راست ٹیلیفون لگے ہوئے ہیں۔ میری دانست کے مطابق آپریٹر نہیں ہے۔ ویسے اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" وہ بولی۔

"میں یہ سوچ رہا تھا کہ تل ابیب میں مجھ جیسے ایک سیاح کا کون سا حریف پیدا ہو گیا؟"

"تم نہ بتانا چاہو تو اور بات ہے مگر اس فون نے تمہیں پریشان ضرور کر دیا ہے۔" وہ گلاس میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "کسی دیوانے کی سی بات ہوتی تو تمہارا تعجب بجا تھا مگر اس کی باتوں کا انداز زیادہ دیوانوں جیسا نہیں تھا۔"

"میرے لیے پریشانی کی بات یہ ہے کہ اس شخص نے مجھے فوراً یہاں سے چلے جانے کا حکم دیا ہے۔ تمہارے متعلق کرنے سے" نرم لہجے میں کہا۔

"مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تمہیں کہیں طلب کیا ہے۔" وہ

براہ راست میرے چہرے پر نظریں جما کر بولی۔

"واہمہ ہو گا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"واہمہ نہیں... تم بھول گئے کہ آخر میں تم نے اس سے اس کے متعلق ایک مختصر سوال کیا تھا۔ شاید تم کچھ نہیں سمجھے کہ وہ شخص تمہیں طلب کر رہا ہے تاکہ اس بارے کے بارے میں تم سے کچھ پوچھ سکے۔"

میں نے دل ہی دل میں اس کی ذہانت کو سراہا مگر بظاہر مسکرا کر میں بولا۔ "تم واقعی کافی چالاک ہو۔ اس نے مجھے یہاں سے روانہ ہو کر نامعلوم جگہ پر پہنچنے کے لیے کہا تھا جس کے تعلق سے کچھ کہا مگر اس نے جگہ کی وضاحت کیے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ ہو سکتا ہے کہ فون کرنے والا شخص خبطی نہ رہا ہو اور یہ کال غلط فہمی کا نتیجہ ہی ہو۔"

"غلط فہمی؟" وہ دھیمے سے ہنسی۔ یہ بالکل

بے بنیاد مفروضہ ہے... وہ فون تمہارے ہی لیے تھا۔ تم اس کمرے میں تم نہیں ہو پھر بھی وہ فون اسی کمرے میں آیا۔ اس کا مطلب تو یہی ہے کہ وہ تمہیں بھی جانتا تھا۔ تمہاری نقل و حرکت سے پوری طرح باخبر ہے پھر بھلا وہ تم کے نام ہی نہیں جانتے۔ مجھے تو شبہ ہے کہ اس وقت اسرائیل میں صرف تمام کا دوسرا شخص مشکل ہی سے دستیاب ہو سکے گا۔"

"آخر تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" میں نے سنجیدہ گھورتے ہوئے اضطراب سے پوچھا۔

"ایک فون کرنے کی اجازت چاہتی ہوں۔" وہ مجھ سے نظریں چراتے ہوئے بولی۔

"کیسے؟"

"اس فون کال نے تمہاری حیثیت مشکوک بنا دی ہے۔" وہ صاف صاف انداز پر اتر آئی۔ "ایک امن پسند اسرائیلی شہری کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ تمہارے یہاں سے روانہ ہونے سے پہلے میں پولیس کو پوری صورتحال سے باخبر کر دوں۔ تمہارے بارے میں آخری فیصلہ وہی کر سکتے ہیں۔ اگر تم بے گناہ ہو تو تمہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔"

اسی وقت دروازے پر کسی کی تیز دستک سنائی دی اور میں بوکھلا کر بستر سے اتر گیا۔

اوسکارا نے بڑھ کر پھرتی سے دروازہ کھول دیا اور اسی وقت میری نظر اس دیوار گیر سنگھار میز پر پڑی جو پہلے اوسکارا کے پیچھے پوشیدہ تھا۔ اس نے مجھے باتوں میں الجھا کر ایمرجنسی کال جیسی کوئی بٹن دبایا تھا جس نے کسی فرد کی موجودگی میں میرے متوقع اختیار پسندانہ ردعمل سے محفوظ ہونے کے دروازہ کھلتے ہی سوٹ میں ملبوس ایک دراز قامت سفید فام شخص سپاہیوں کے ہمراہ کمرے میں گھستا چلا آیا۔

"گڈ آفٹر نون۔" میں اپنے بستر پر چادر لپیٹے ہوئے بیٹھا تھا۔ وہ آواز میں بولا۔

"یہ کیا ماجرا ہے مادام اوسکارا؟" میں نے ان سے پوچھا۔

"ابھی بتاتی ہوں۔" یہ کہہ کر اوسکارا میری طرف متوجہ ہو گئی۔ "تم بغداد کی جگہ اپنا لباس تبدیل کر سکتے ہو۔ اس اثنا میں میں بھی اپنا کام کر لوں گی۔ پولیس کی آمد تک یہ تینوں یہیں موجود رہیں گے۔ مجھے امید ہے کہ تم میری نازک پوزیشن کے باعث اس احتیاطی تدبیر کا برا نہیں مانو گے۔"

"جہنم میں جاؤ تم اور تمہاری احتیاطی تدابیر۔" میں غصے میں بڑبڑاتا ہوا غسل خانے کی طرف چل دیا۔

غسل خانے میں پہنچ کر میں شاور کے نیچے کھڑا ہو گیا اور نیم گرم پانی کی دھاروں میں نہاتے ہوئے اس نئے موڑ کے بارے میں سوچنے لگا۔

میرا ذہن فون کال کے بارے میں اس منطقی نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ وہ اسرائیلی حکام کی جانب سے ہی کی گئی ہے۔ اوسکارا کے احساس ذمہ داری نے ان کی اس چال کو بری طرح ناکام بنا دیا تھا۔ ان کے نقطۂ نظر سے اوسکارا نے میرے پھنسنے کی راہ مسدود کر دی تھی کیونکہ کال کے نتیجے میں بالفرض میں اپنے کسی رابطے سے ملنے دوڑا چلا جاتا تو پولیس کی مداخلت نے اسے ناممکن بنا دیا تھا۔ مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ ذہین اور منظم افراد پر مشتمل اسرائیلی حکام سے ایسی بھونڈی کارروائی کیونکر سرزد ہوئی۔

جب مجھے غسل خانے میں کافی دیر ہو گئی تو زور زور سے دروازہ پیٹا جانے لگا۔ اس بار کئی ملی جلی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

"دروازہ توڑنے کی ضرورت نہیں۔ میں باہر آ رہا ہوں۔" میں نے چلا کر کہا اور شاور بند کر کے اپنا بدن خشک کرنے میں مصروف ہو گیا۔

لباس پہن کر میں باہر نکلا تو وہ کمرہ اچھے خاصے جلسہ گاہ کا سماں پیش کر رہا تھا۔ تین عدد پولیس افسران اپنی وردیوں میں ملبوس وہاں موجود تھے۔ وہ کے ہاتھوں میں خودکار پستول تھے ہوئے تھے جن کی بیرل میں ... دروازہ کھلنے کی آہٹ پاتے ہی غسل خانے کی طرف اٹھ گئی تھیں۔ ہوٹل کے تینوں بیرے اور اوسکارا سہمے ہوئے صوفے کے عقب میں اس طرح کھڑے تھے جیسے فائرنگ کا آغاز ہوتے ہی صوفے کی آڑ میں پناہ لے لیں گے۔

"ہینڈز اپ!" مجھ پر نظر پڑتے ہی کوئی چلایا۔

میں نے پرسکون انداز میں اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔ "یہ کیا مذاق ہے؟ میں پاگل کی طرح غیر مسلح ہوں۔"

مگر میری بات پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ تیسرے غیر مسلح شخص نے بڑی تفصیلی طور پر میری تلاشی لی جس کے بعد ہاتھ گرا لینے کی اجازت دے دی گئی۔

"ایک منٹ۔" اس افسر نے جیسے ہی مجھ سے گفتگو کا آغاز کرنا چاہا، میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔ "میں یہ واضح کر دوں کہ میں کسی وکیل سے مشورے کے بغیر تم لوگوں کے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس کی ضرورت ہی نہ پیش آئے" ایک افسر نے تضحیک آمیز انداز میں کہا۔ "فی الحال تمہاری حیثیت محض ایک مشتبہ شخص کی ہے۔"

میں نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر بار بار الٹا پلٹا اپنا شناختی کارڈ نکالا جس پر سب سے اوپر انگریزی میں "آرمی انٹیلی جنس کور" کے الفاظ مع مونوگرام موجود تھے۔

یہ مونوگرام دیکھ کر اوسکارا بھی اسی طرف لپکی اور پولیس افسر کے شانوں پر سے اچک کر اس کارڈ کو دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تو تم آرمی انٹیلی جنس کور سے متعلق ہو؟" وہ پولیس افسر شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ دونوں تالوں کے والے اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی ڈھیلے پڑ گئے تھے۔

"یہ کارڈ دکھانے کے بعد میں تمہارے کسی سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔" میں نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"مجھے افسوس ہے سر معذرت کہ ہم نے آپ کو زحمت دی۔" وہ پُراخلاق لہجے میں بولا۔ "اگر ہمیں آپ کی حیثیت کا اندازہ ہوتا تو ہم فون کال پر یوں دوڑے نہ چلے آتے۔"

"مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ کوئی سرکاری آدمی ہے۔" اوسکارا نے خجالت آمیز لہجے میں اپنا دفاع کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے تو ایک محب وطن شہری کی حیثیت سے اپنی قومی ذمہ داری پوری کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس پر مجھے ذرا بھی افسوس نہیں ہے۔"

"میں آپ کا مشکور ہوں مس اوسکارا۔" وہ افسر مسکراتے ہوئے نرم لہجے میں بولا۔ "مجھے امید ہے کہ آپ اس غیر ضروری واقعے سے ہرگز مایوس نہیں کریں گی۔ آپ لوگوں کے تعاون کی بدولت ہمیں امن و امان کے دشمن دہشت پسندوں پر قابل شکست برتری حاصل رہی ہے۔"

مجبوراً تیسرے درجے کی نظروں کے تبادلے کے بعد جب پولیس پارٹی جانے لگی تو میں بھی ان کے پیچھے ہو لیا مگر کمرے سے نکل بھی نہ پایا تھا کہ اوسکارا نے میرا بازو تھام کر مجھے واپس کھینچ لیا۔

میں اس کا ہاتھ جھٹک کر تیزی سے اس کی طرف پلٹا۔ "کیا بات ہے؟"

"مجھ سے ناراض ہو گئے ہو؟" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ اس کی آنکھوں کے گوشوں میں نمی تیر رہی تھی اور ہونٹ کپکپا رہے تھے۔

"میں امن پسند شہریوں کی زندگی میں خلل ڈالنے کا عادی نہیں ہوں۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔

اسی وقت بیرا اوسکارا کا حکم سر جھکائے بجا لانے کے بعد قریب سے گزر کر باہر چلا گیا۔ وہ لوگ تمام صورتحال سے یکسر لاتعلق نظر آنے لگے تھے۔

"تم مجھے کیوں نہیں۔" وہ میرے بالکل قریب آ کر بولی۔ "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ پورا اسرائیل ہر وقت دہشت پسندوں کے خطرے سے دوچار رہتا ہے۔ جب بھی کہیں دھماکا ہوتا ہے یا آگ لگ جاتی ہے اور بہت سے بے گناہ شہری موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جو فقط اسی سبب ہے کہ ہم ہر مشکوک بات سے فوراً سرکاری اہلکاروں کو باخبر کرتے رہیں۔"

کچھ دنوں کے لیے خود کو میری جگہ رکھ کر سوچو۔ لیکن حالات

میں تمہارا مددگار ثابت ہوتا۔"

"مسز لوتھی!" میں نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا۔ "ہم دو مختلف راہوں کے مسافر ہیں۔ شام کی تنہائی نے چند ثانیوں کے لئے ہمیں یکجا کر دیا۔ میں یہاں سے باہر جاتے ہی انہیں بھول جاؤں گا۔ کل کلاں اگر تم کبھی میری بغل میں ہو گی تو میرے بارے میں سنجیدہ ہونے کی کوشش کیوں کر رہی ہو۔ اس سے تمہیں کچھ حاصل نہ ہو گا۔"

وہ میرے ان الفاظ پر چند ثانیوں تک ہونقوں کی طرح مجھے گھورتی رہی پھر بولی۔ "جاتے ہو تو جاؤ۔ نکل جاؤ یہاں سے۔ میں تو صرف یہ چاہتی تھی کہ جاتے ہوئے تمہارے دل میں یہ خلش باقی نہ رہے کہ میں نے دانستہ تمہاری بے عزتی کرانے کی کوشش کی ہے۔"

"اس کمرے میں ہم دونوں نے کون سا معاشرت کا کام سرانجام دیا ہے جس میں بے عزتی کے بارے میں سوچا جائے۔ ویسے تم جیسی لڑکیاں واقعی لذیذ ہوتی ہیں۔"

یہ کہہ کر میں اس کے جواب کے منتظر ہوئے بغیر تیزی سے باہر آگیا۔ میں نے رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو نصف گھنٹے کی مہلت ہونے کو تھی۔ اگر اس فون کال میں ذرا بھی صداقت تھی تو اس وقت میں کسی شدید خطرے سے دوچار تھا۔

پھر اچانک مجھے خیال آیا کہ وہ کال کرنل کی بھی ہو سکتی ہے جو کسی ناگہانی خطرے میں پھنسنے والا تھا۔ فرضی کال کی صورت میں بھی اس کا محرک دانستہ کوئی ڈرامہ رچانے کی کوشش کرنا تھا۔ اگر اچھی دانست میں مجھے کال کے درست ہونے کا یقین دلا سکتا۔

ہوٹل سے باہر آیا تو پولیس کا رنگ دیکھ کر پارکنگ لاٹ سے باہر جانا پڑا۔ پولیس افسر نے مجھے میری جیپ پر بیٹھ کر کار میں سے ہاتھ ہلایا اور ٹریفک کے ہجوم میں شامل ہو گیا۔ میں آہستہ آہستہ اپنی فائیو سٹار کی طرف بڑھتا رہا۔

کار میں ایک ویران مقام پر پہنچ جانے کے بعد میں نے ڈیش بورڈ میں لگے ہوئے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کر دیا۔ چند ہی ثانیوں بعد ہیڈ کوارٹر سے میرا رابطہ ہو گیا۔

"مصطفیٰ کالنگ۔" مسلسل جانے پر میں نے کہا۔ "میں فوری طور پر کیپٹن ہارلے سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اوور۔"

چند ثانیوں تک دوسری جانب سکوت طاری رہا۔ پھر کاغذوں کے دبے دبے شور میں کچھ کاغذوں کے اُلٹنے پلٹنے کی سرسراہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ جانے وہ میرے بارے میں کاغذات کا مطالعہ کر رہا تھا یا کیپٹن ہارلے کا ٹھکانے کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہیلو مسٹر مصطفیٰ۔ اوور۔" سکوت کے بعد اس آواز نے مخاطب کیا۔

"بول رہا ہوں۔ اوور۔"

"کیپٹن ہارلے کو تلاش کرنا ناممکن ہے سر۔ اوور۔"

"لیکن دانشمندی یہی ہے۔ اوور۔"

"سوری سر۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اوور۔"

"کرنل ریٹا؟"

"آپ کرنل سے بات کریں گے؟ اوور۔" آپریٹر نے حیرت سے سوال کیا۔

"میرے لئے ایک موقع ہے۔ فوراً کرنل سے ملاؤ۔"

"ہولڈ آن۔"

ایک مرتبہ پھر ٹرانسمیٹر پر سکوت چھا گیا۔ تقریباً ڈیڑھ دو منٹ بعد ایمپلی فائر سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ "ہیلو۔ کرنل ریٹا ہیئر۔ اوور۔"

"میں مصطفیٰ بول رہا ہوں کرنل۔ اس وقت میں بہت شدید خطرے سے دوچار ہوں۔ کچھ دشمن میری ٹوہ میں لگے ہوئے ہیں۔ اوور۔"

"کیا تعاقب ہو رہا ہے؟۔۔۔۔ اوور۔"

"مجھے کچھ علم نہیں۔" یہ کہہ کر میں نے مختصر الفاظ میں اس پُر اسرار ٹیلی فون سے لے کر پولیس کی آمد تک کے پورے واقعات اسے سنا ڈالے۔ "اور اس نے کہا تھا کہ تم شدید خطرے سے دوچار ہو۔ اوور۔"

کرنل ریٹا کی دلکش آواز میں فکر کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔ "مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھے کہاں بلانا چاہتا تھا۔ اس نے مجھے آدھے گھنٹے کی مہلت دی تھی جو پوری ہو چکی ہے اور اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کدھر جاؤں۔ اوور۔"

"تم اس وقت کہاں ہو؟ اوور۔"

"گرینڈ ہال ہوٹل سے شاید مشرق کی طرف ایک ویران علاقے میں کھڑا ہوں۔ اوور۔"

"نہیں اس طرف نہیں جانا چاہیے تھا۔" کرنل نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔ "جس قدر جلد ممکن ہو سکے سٹی ہال پہنچو اور وہاں سے واپس چلے آؤ۔ اپنا ٹرانسمیٹر آن رکھنا۔ اوور۔"

"او کے کرنل۔ میں کوشش کرتا ہوں۔"

"خدا تمہارا ساتھ دے۔ اوور اینڈ آل۔"

ٹرانسمیٹر خاموش ہو گیا اور میں عقب نما آئینے میں سڑک کا جائزہ لینے لگا۔

میں دل ہی دل میں بہت خوش تھا کہ میں نے بچا ہوا ہی جال... صرف ناکام ہو چکا تھا بلکہ میں نے ان لوگوں کو بھی الجھن میں ڈال دیا تھا... کار کو گھما کر میں شہر کی سمت... پہنچا اور پھر گاڑی کی رفتار راستے پر ڈال دی۔

راستے میں خلاف توقع کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا اور... منزل پر جا پہنچا۔ وہاں علاقے میں اس وقت بھی تاریکی کا راج تھا... میں کہیں کہیں سے گاڑیوں کا شور اُبھر رہا تھا۔

سے کھول کر پچھلا دروازہ کھول دیا تھا۔

"ہیلو، ریڈیو آپریشن۔" کار کا انجن بند کرنے کے بعد میں نے انٹرکام پر کہا۔

"جی ہاں جناب۔ اوور۔" فوراً ہی جواب دیا گیا۔

"کرنل ریٹا کہاں ہیں؟ اوور۔"

"وہ یہاں موجود نہیں ہیں۔ آپ اس وقت کہاں ہیں؟ اوور۔"

"میں منزل پر پہنچ چکا ہوں۔ اوور۔"

"آپ کے لئے پیغام ہے کہ آپ اپنے کمرے میں رک کر ان کا انتظار کریں۔ آپ ٹرانسمیٹر بند کر کے جا سکتے ہیں۔ اوور۔"

"شکریہ۔ اوور اینڈ آل۔" میں نے ٹرانسمیٹر آف کیا اور گاڑی سے اتر آیا۔

کمرے میں پہنچنے کے تقریباً دس منٹ بعد ہی ایک شخص مجھے بلانے آگیا۔

"کس نے بلایا ہے؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"مجھے علم نہیں۔" اس نے سادگی سے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے کہ کمانڈنگ آفیسر نے بلایا ہو۔"

"کمانڈنگ آفیسر کون ہے یہاں؟"

اس سوال پر اس نے یوں حیرت سے میری طرف دیکھا جیسے میری لاعلمی پر اسے سخت تعجب ہوا ہو۔ پھر بولا۔ "کیا تم نہیں جانتے کہ یہاں کرنل ریٹا ہی... ہیں۔"

میں نے دل ہی دل میں وہ مارا کا نعرہ لگایا پھر سنجیدگی کے ساتھ اس کے سامنے اپنی لاعلمی کا اعتراف کر لیا۔

اس شخص نے مجھے ایک دفتر میں پہنچا دیا جہاں ایک عمر رسیدہ مگر تنومند شخص فائلوں میں سر کھپا رہا تھا۔ اس نے موٹے موٹے شیشوں کے پیچھے سے خوفناک انداز میں میرا جائزہ لیا اور پھر مجھ سے کہتے ہوئے بولا۔ "تمہارا کارڈ کہاں ہے؟ ذرا دکھاؤ تو مجھے۔"

میں نے اپنا کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے غور سے کارڈ کو دیکھا اور بار بار میرا اور کارڈ کا جائزہ لیا جیسے اطمینان کرنا چاہتا ہو کہ اس پر میری ہی تصویر لگی ہوئی ہے۔ پھر آہستگی کے ساتھ کرسی سے اُٹھ گیا۔

"میرے ساتھ آؤ۔"

میں اس کی ہدایت پر اس کے ساتھ چل دیا۔

چند برآمدے اور ویران راہداریوں سے گزر کر ہم لفٹ کے سامنے رک گئے۔ اس نے لفٹ میں داخل ہو کر بٹن دبایا اور لفٹ نیچے جانے لگی۔ لفٹ رکنے کے بعد ہم باہر آئے تو میں نے اندازہ لگایا کہ ہم ایک تہہ خانے میں آ چکے ہیں۔ میں اگر وہ اس عمارت کی پہلی ہی منزل پر پہنچا... مطلب یہ تھا کہ اس عمارت کا زیر زمین پھیلاؤ... زیادہ وسیع ہے۔

اس بار وہ بڑے سے آراستہ راہداری میں وہ شخص ایک کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ وہاں صرف ایک میز بچھی ہوئی تھی جس پر چھوٹی سی ایک ٹرانسمیٹر مشین قرینے سے رکھی ہوئی تھی۔

"گڈ ایوننگ مادام!" اس بوڑھے نے مشین پر جھک کر مودبانہ لہجے میں کہا۔ یہ دیکھ کر مجھے بے اختیار ہنسی آگئی کہ گڈ ایوننگ کہتے ہوئے وہ اپنا ہاتھ پیشانی تک لے گیا تھا جیسے مشین کے بجائے مادام خود اس کے سامنے موجود ہو۔

"ہیلو مائیک!" اسی مشین سے کرنل ریٹا کی جانی پہچانی مترنم آواز اُبھری۔ "تم انتظار کرو اور مصطفیٰ کو اندر میرے پاس بھیج دو۔"

"جاؤ۔" بوڑھے نے اس کمرے کے ایک بغلی دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میں دھڑکتے دل کے ساتھ اس کی طرف بڑھا۔ ابھی میں دروازے سے دو قدم دور ہی تھا کہ وہ چوبی پٹ بغیر آواز کے دیوار کے سہارے ایک طرف سرکتا چلا گیا۔ خلاء کے اس پار مناسب روشنی پھیلی ہوئی تھی لیکن سامنے لگے ہوئے پردے کی وجہ سے اندر دیکھنا مشکل تھا۔

میں اندر داخل ہوا تو دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ جونہی قریب میں نے پردے کو سرکا کر آگے بڑھا تو اچانک میرے اعصاب پر سنسنی چھا گئی۔

میرے سامنے قدرت کے شاہکار ایک حسین ترین شاہکار کی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میز پر کئی ٹائپ رائٹر ٹیلی فون پڑے تھے۔ کچھ فائلوں اور کاغذات سے بھری ہوئی ٹرے بھی موجود تھیں۔ اس کے مقابل والی دیوار پر مختلف نقشے آویزاں تھے جو اس وقت حیران بیٹھے ہوئے تھے۔

"کیا تم دیکھ رہے ہو؟" اس خوفناک سناٹے سے آواز نکلی تو میں حیرت سے چونک گیا۔ ہیلی اور مترنم آواز نے دلوں میں کہرام مچا دیا تھا۔

"یہیں کرنل!" میں نے اپنے جذبات کی بے اختیار دھڑکنوں پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اس قدر حسن نے حیران کر دیا تھا۔"

"یہاں بیٹھ جاؤ۔" اس نے میز کے پاس رکھی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی شیریں آواز میں کہا۔ "قریب سے دیکھ کر تمہیں شدید مایوسی ہو گئی ہو گی۔"

میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس قدر دلکش آواز کی مالک خاتون کے ساتھ قسمت نے ایسا بھیانک مذاق کیا ہو گا۔

ادھر سے ادھر تک کرتے ہی اسی بہتر سمجھا کہ وہ صدمے سے... اپنا چہرہ ہٹا لیا۔ وہ میرے قریب آ کر بولی۔ "یہ سرخ کی جنگ کا تحفہ ہے۔ میرا سر سے پیر تک بُری طرح جھلس گیا تھا۔ میں نے دو سال تک پیچھے دل سے موت کی آرزو کرنے کے بعد زندگی پائی ہے۔ میرے سر کی جلد اور پورے جسم پر بے شمار سفید نشانات ہیں جیسے مجھے برص کا مرض ہو گیا ہو۔"

"آپ جیسوں کے سامنے حسین چہرے بے معنی ہیں کرنل۔" میں ایک لمحے اپنا جوڑ لگ بھگ کہنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اس کے سر پر وگ موجود تھی، چہرہ کسی حد تک جھلسا ہوا تھا اور اس پر اتنا کچھ موجود تھا کہ چیزوں کی ساخت تک نمایاں نظر آ رہی تھی۔ دائیں آنکھ شاید ضائع ہو چکی تھی کیونکہ اس خلا میں پتھر کی بے حس آنکھ موجود تھی۔ روشنی کے ردعمل کے طور پر معمولی سکڑنے پھیلنے سے قاصر تھی جس کے نتیجے میں اس کی دونوں پتلیوں میں ٹیڑھا پن اور فرق نمایاں تھا۔ اس کا سینہ کسی بنجر صحرا کی طرح سپاٹ تھا۔ اپنی درازقامتی کے ساتھ وہ عجیب و غریب معلوم ہو رہی تھی۔

"میں حسن و عشق کے فلسفے سے اچھی طرح واقف ہوں۔" وہ خشک لہجے میں بولی۔ "مجھے بدصورتی سے نفرت ہے۔ آدمی کو وہی کہنا چاہیے جو اس کے دل میں ہو۔"

"یقیناً۔" میں بوکھلا کر مشکل ہی ایک لفظ ادا کر سکا۔

"تم کو میں نے یہاں اس لئے طلب کیا ہے تاکہ تمہیں تمہاری آنے والی فرض داریوں سے آگاہ کر سکوں۔" میں سر ہلا کر رہ گیا۔

"اس طرح میری بڑی الجھن دور ہو جائے گی۔ مجھے آج تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ مجھے کس مصرف کے لئے اسرائیل لایا گیا ہے۔"

"کیپٹن ادریا تمہیں بتا چکی ہے کہ تم کو جلد ہی صحرائی طرف کے کور یلا تربیتی کیمپ میں بھیجا جانے والا ہے۔" وہ سگار کا کش لے کر دھواں فضا میں اگلتے ہوئے بولی۔ "گو تمہیں اسرائیل لانے اور اس کے جواز کا فلسفہ سمجھنے کا موقع نہیں ملا ہے مگر مختلف ذرائع سے تمہارے ذہنی رجحانات کے بارے میں جو اطلاعات ملی ہیں ان کی بنا پر یقین ہے کہ آگے چل کر تم ہمارے لئے بیش بہا سرمایہ ثابت ہو سکو گے۔ اسرائیل چاروں طرف سے اپنے دشمنوں میں گھرا ہوا ہے جو جنون کے عالم میں پوری یہودی قوم کو صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہتے ہیں مگر ہم پیچھے ہٹنے کے بجائے اپنے قدم بڑھانے کا عزم کئے ہوئے ہیں۔ ہماری مملکت برسوں کی محنت اور منصوبہ بندی کے نتیجے میں قائم کی گئی ہے۔ ہماری نہ جانے کتنی نسلوں نے جلاوطنی اور ذلت کی صعوبتیں برداشت کی ہیں۔ ہمارے معبد تک ان کی منتیں، شادی کی تقریبیں بھی یہ باتیں تاریخی حقائق پر مبنی ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ فلسطین میں یہودی بھی بستے آئے ہیں۔ اگر مسئلہ صرف فلسطین کا قیام ہے تو وہ جنم لے چکا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اب اس کا نام اسرائیل ہے۔ ہمارے دشمن فلسطین نہیں بلکہ مسلم فلسطین چاہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کبھی اس پر ہم رضامند ہو جائیں لیکن یہ ریاست اسرائیل کی سرحدوں سے باہر قائم ہو گی۔ ہم اپنے مقاصد کے لئے کئی جنگی محاذوں پر دشواریاں درپیش ہیں۔ ہمارے بے شمار افراد سراغ رسانی اور چھاپہ مار تخریبی کارروائیوں کے لئے دشمن کے علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں مگر محدود افراد اور وسائل اور شناخت کے خطرے کی وجہ سے ہمیں دوسرے ذرائع پر بھی انحصار کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے ذرائع سے اسرائیل کے لئے مددگاروں کی تعداد فراہم کرتے ہیں تم جیسے جسمانی ساخت اور اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک ہو۔ تمہیں عراق کے مخصوص حالات کے پیش نظر تربیت دی جائے گی جس کے بعد تمہیں سرحد کے اس پار ہمارے مفادات کے لئے کام کرنا ہو گا اور ہم تمہارے تمام متعلقین کی ضروریات پوری کرتے رہیں گے۔"

"مقصد معلوم ہو جانے کے بعد شاید میں بہتر طور پر تربیت سے فائدہ اٹھا سکوں گا۔" میں نے کہا۔ کرنل ریشا کی گفتگو نے میرے وجود میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑا دی تھی۔

"ہمارے وسائل کا تمہیں کسی حد تک اندازہ ہو چکا ہو گا۔" وہ میرے چہرے پر نظریں جما کر بولی۔ "اسرائیل کے مفادات سے غداری کرنے والوں کو کہیں پناہ نہیں ملتی۔"

"اس بات کا مجھے بخوبی اندازہ ہے مگر میرے لئے تو ابتدا ہی سے دشواریاں سامنے آتی جا رہی ہیں۔" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"کیسی دشواریاں؟"

"کوئی میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اسرائیل کی سرحدوں سے باہر وہ شاید میرے لئے جان لیوا خطرات پیدا کرنے کا سبب بن جائے۔"

"اس کا خیال ذہن سے نکال دو۔" وہ کرسی کو آہستہ سے گردش دیتے ہوئے بولی۔ "اس کا انتظام کیا جا چکا ہے۔"

"کیا وہ پکڑا گیا؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"میں نے کہا نا کہ اسے ذہن سے نکال دو۔" وہ اپنے الفاظ پر زور دے کر بولی۔ "وہ فون کال محض عظامیر کا نتیجہ تھی۔"

"اوہ۔ میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔" میں ایک بہت بڑی الجھن سے بچ گیا ہوں۔"

"اس پر اپنے تمام متعلقین کے نام اور پتے لکھ دو۔" اس نے میز پر ایک پیڈ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "انہیں کچھ عرصے تک باقاعدگی سے معقول رقم ہر ماہ ملتی رہے گی مگر وہ تمہارے مشاہرے میں سے منہا کر لی جائے گی۔"

"میرا کوئی شناسا نہیں۔ بس ایک بیوی تھی وہ بھی بچھڑ چکی ہے۔" میں نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"خیر۔ تو دس ہزار ہندوستانی روپوں کے مساوی مقامی کرنسی تمہیں ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو ملے گی۔ بعد میں سرکاری اخراجات کے لئے تمہیں وسیع اختیارات بھی مل جائیں گے۔" اس نے میری بات پر کوئی توجہ کئے بغیر جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔

"کیا میری بیوی کی تلاش میں کچھ مدد مل سکتی ہے؟" میں نے پرامید لہجے میں سوال کیا۔

"کہاں ہے وہ؟"

"مجھے شبہ ہے کہ وہ سرحد عبور کر کے ہندوستان سے پاکستان پہنچ چکی ہے۔"

"ہم کوشش کریں گے۔" اس نے فیصلہ کن انداز میں سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "پاکستان میں ہمارے ایجنٹ... [illegible]"

جانے رنگ سے سرگرم رہتے تھے۔ وہاں کے حالات ہماری کارروائیوں کے لئے سخت دشوار ہیں۔ پھر بھی ایک حد تک ہم بہتر بنا رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تربیت کے دوران بیوی کی یاد تمہیں ستاتی ہو۔ اس کے بعد میری بیوی ہے اگر تم بہت جلد اسے بھول جاؤ گے۔ کام سے فراغت کے لمحات بہت حسین گزریں گے۔"

"نہیں کرنل! میں اسے کبھی نہ بھول سکوں گا، وہ ہمیشہ میری کمزوری رہی ہے۔"

"محبت اور لگاؤ سب نظر فریبی ہے۔ مقصد اور عزم ہی سب کچھ ہیں۔ جب کسی عورت میں حسن اور کشش برقرار رہتی ہے مرد پروانہ وار اس کے گرد چکر لگاتا رہتا ہے۔ ایک بار عورت کو خدانخواستہ کچھ ہو جائے کہ عورت کا سب کچھ ضائع ہو جائے تو وہ اس سے اکتا جاتا ہے۔"

مجھے لگا جیسے کرنل کو یہ تجربہ شاید ہی سے ہو چکا ہے۔ ان معاملوں میں ہم لوگ خدا جانے کیسے مختلف واقع ہوتے ہیں۔

"میں دیکھوں گی کہ تمہارے لئے کیا کیا جا سکتا ہے مگر تربیت سے پہلے کچھ ممکن نہیں۔" اس نے مسکرا کر معنی خیز لہجے میں کہا۔ "اب تم جا سکتے ہو۔"

"شب بخیر کرنل!" میں اٹھ کر احتراماً قدرے جھکا اور باہر نکل آیا۔ میں خدا کا بے حد شکر گزار تھا کہ اس سے نکلا تو بوڑھا یہودی میرا منتظر تھا۔ لفٹ کے ذریعے نیچے پہنچنے کے بعد ہم دونوں الگ ہو گئے۔ اسی نے میرا شناختی کارڈ مجھے واپس کر دیا تھا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر میں نے لباس تبدیل کیا اور اسٹرام کے پہلے ریلی دونوں کی ہدایت کے مطابق ایک مقامی انگریزی اخبار پڑھنے لگا۔

ابھی مجھے بیٹھے ہوئے چند منٹ ہی گزرے تھے کہ کسی نے دستک دیئے بغیر دروازہ کھول دیا اور ایک لڑکی بے تکلفی سے اندر گھس آئی۔

"گڈ نائٹ ڈارلنگ!" وہ نہایت سریلی آواز میں بولی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم کچھ بہت تھکے ہوئے ہو۔" میں نے اسے چونک کر دیکھا۔ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا ایسا ہی کچھ ہو رہا ہے کہ تم مجھ سے ملنے کی بے تکلفی سے بیٹھ گئی۔" میں ہچکچا گئی۔

"ڈارلنگ میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ میرا کیا نام ہو گا۔"

"وہ مسکرا دیئے بغیر وہ اندر آ گئی۔" اس وقت وہ حد درجہ شگفتہ موڈ میں نظر آ رہی تھی۔ "ہو سکتا ہے کہ تم ابھی کرنل سے مل کر آئے ہو؟"

"ہمیں ایک دوسرے کی قربت نہیں رہنا چاہیے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"ارے یہ تو بہت بڑا اعتراف ہے۔ یہاں ہر ایک کو معلوم ہو چکا ہے کہ تم اس سے مل کر آئے ہو۔" وہ میرے سینے پر انگلی رکھتے ہوئے بولی۔

"اعتراف ہو گا مگر میرے نزدیک وہ بیہودہ شخص کا ایک حصہ تھا۔"

"تمہیں اس فون والے قصے کا پتہ چلا؟" اچانک اس نے سوال کیا۔

"کون سا فون؟"

"مگر جب وہاں ہی تم نے کوئی کال ریسیو نہیں کی تھی؟"

"ہاں وہاں۔" میں اس تذکرے پر بے ساختہ چونک گیا۔ "تمہیں کیسے پتہ چلا اس کے بارے میں؟"

"وہ کیپٹن ہنری کی حرکت تھی، ایک بار کے لئے معطل کر دیا گیا۔" وہ اس حقیقت پر خاصی مسرور نظر آ رہی تھی۔

"یہ کیپٹن ہنری کون ہے؟ پورا قصہ بتاؤ۔"

"یہ وہی نامعقول گندا شخص ہے۔" وہ منہ بنا کر بولی۔ "تشدد اور وحشیانہ سختی کا ماہر ہے۔ براہ راست کرنل کی ماتحتی میں کام کرتا ہے۔ اس نے تمہارا نام بھی مشتبہ افراد کی فہرست میں لکھا تھا۔ فلسطینیوں سے بازپرس میں ناکامی کے بعد اس نے ایک آدمی تمہارے پیچھے لگا دیا تھا۔ پھر چند روز پہلے تمہیں فون کر کے اسے پورا یقین تھا کہ ماڈرن گرل کے بعد کوئی نہ کوئی مشکوک شخص تم سے ملا ہو گا۔ اس یقین کی بنا پر اسے یقین ہو چکا تھا کہ فون ملتے ہی تم دوڑتے ہوئے ادھر جاؤ گے اور تمہارے ساتھ ہی وہ کسی کی موت کا قصہ وار بھی دھر لیا جائے گا۔"

"مگر یہ بات کھلی کیسے؟" میں نے تعجب ظاہر کرتے ہوئے سوال کیا۔

"بس سمجھ لو کہ یہ بھی ہنری سے خطرہ محسوس ہونے لگا تھا۔ پہلے انہوں نے بیچ میں تجسس ظاہر کیا تھا مگر عجلت اور غلط طریق کار کی وجہ سے خود ہی عتاب کا نشانہ بن گیا۔"

"سنا ہے کہ پولیس کی مداخلت اور ناکامی کے بعد کیپٹن نے خود ہی کرنل کو پورے قصے کی اطلاع دی تھی اور انعام میں معطلی کا پروانہ مل گیا۔"

"وہ ریکھ میں لٹکتے ہوئے بہت کچھ معلوم ہوتا ہے۔"

"سمجھو ہماری بات ہے۔ وہ تو اس قابل بھی نہیں تھا کہ اسے سارجنٹ کا عہدہ بھی دیا جاتا۔ وہ تو ہنسانا پسند کرتی ہوں۔" تھیری نے بتایا۔ "کرنل بہت سخت ہیں۔"

"تمہاری خوشی سے صاف ظاہر ہے۔"

"کرنل ریشا کی شخصیت اور آواز کا خوف اترا یا اب بھی باقی ہے؟" اس نے چالاکی کے ساتھ موضوع بدلتے ہوئے سوال کیا۔

"ایک عتاب سے وہ قابل رشک زندگی گزار رہی ہے۔"

"سنا ہے کہ حادثے سے پہلے وہ بے حد حسین تھی۔ مگر اس کے مرتبے کو بھی نظر انداز کیا جائے تو بھی کچھ کمال نہیں۔ دوسری عجیب شخصیت کے ساتھ بھی وہ عجیب انداز سے اور زندگی بسر کر رہی ہے۔"

"تمہیں یہ سن کر حیرت ہو گی کہ ہسپتال سے فارغ ہونے کے بعد وہ کئی چینی اور عربی سے عشق ہے اور یہ پسند نہیں کرتی کہ عام لوگوں میں اس کے بارے میں کچھ چرچا ہو۔ صرف یہ ہے کہ لاوارث کی بھی اس سے نہیں مل سکتے۔"

"یہ جینس کون ہے؟"

"کرنل کا بڑے نام سے تھیری ہے وہی پوچھا تو تمہیں پیچھے سے پتا ہو گا۔"

"اوہ۔ وہ تو بیحد مختلف آدمی ہے۔" میں ہنستے ہوئے بولا۔

"حد تو یہ ہے کہ اس سے تعارف تک کی نوبت نہیں آسکی لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ہی لڑکی کو نہ دیکھ سکا ہو۔ اسٹیرنگ تو اپنا اُف سے بہت قریب ہی رہتا ہے۔"

"میں نے کہا تا کہ وہ بولنے نام اسٹینوبے۔" وہ بولے نام پر زور دیتے ہوئے بولی۔ "جب تیز ہوا یا حملے ذہن پر لی جاتی ہیں تفصیلی خط و کتابت اور ٹیپ کرنے سے بچا رہتی ہے۔"

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور ماریا جلدی سے مسہری سے اٹھ کر اس کی جانب گئی۔ میری آواز پر بیرا کھانے کی ٹرے لیے اندر چلا آیا۔

اگلی صبح میں ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر اس چھوٹے آوارہ گردی کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ جوں ہی میں نے گاڑی عمارت کے احاطے سے نکالی، اچانک دائیں جانب سے ایک گرا گرا شخص گاڑی کے سامنے آ گیا۔ اگر میں فوراً ہی بریک نہ لگا دیتا تو وہ یقیناً زخمی ہو جاتا۔

میں کھڑکی سے سر نکال کر اسے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ وہ خود معذرت خواہانہ انداز میں میری طرف بڑھا اور پل بھر میں میرے قریب آ کر ہاتھ پھیلا دیا۔

"گاڈ از گڈ!" اس نے کن انکھیوں سے پچھلی نشست پر رکھی سوزی کی طرف دیکھتے ہوئے زیر لب سرگوشی میں کہا اور یک بیک میرے وریدوں میں خون تیز ہو گیا۔

میں نے جیب سے پرس نکالا اور اس طرح اس کا جائزہ لینے لگا جیسے اس میں مناسب مالیت کے سکے تلاش کر رہا ہوں۔

"میں اسے دیکھنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔" میں نے سکہ نکالتے ہوئے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"گڈ!" وہ جذبات سے عاری لہجے میں بولا۔ "دو بجے دوپہر پبلک لائبریری کے ریفرنس ہال میں پہنچو۔ وہاں بلاوجہ کسی کو شبہ نہ ہو…"

میں نے ایک سکہ اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا اور وہ بلند آواز میں دعائیں دیتا ایک طرف ہو گیا۔ میں نے گاڑی تیزی سے آگے بڑھا دی۔

میں نے اپنا بیشتر وقت شہر کی سڑکوں پر بے مقصد آوارہ گردی کرتے ہوئے گزارا۔ اس دوران میں بار بار میری نظر عقب نما آئینے میں نظر آنے والی اس سیاہ سیڈان کار پر جمی رہی جو کافی دیر سے میرے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ اس میں ڈرائیونگ سیٹ پر ایک ہی آدمی موجود تھا۔ … کے لیے میں نے … مگر اس بار میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ وہ کار دائیں جانب مڑ کر میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

میں گاڑی اسی شاہراہ پر بڑھاتا چلا گیا۔ مجھے خیال ہوا کہ وہ کار کسی دوسری … میں نے اس کا خیال ذہن سے جھٹک دیا۔

بینک … اس طرح … کی تھی کہ … کرنے کے لیے سڑک کے درمیان کسی رکاوٹ کی ضرورت تھی۔ … گھاس کا وہ قطعہ … میں پڑ کر بھی … واپسی کی راہ اختیار کر لیں۔

کچھ دیر بعد آبادی کے آثار بھی پیچھے رہ گئے اور میں سرسبز مضافاتی علاقے میں آ نکلا جہاں دونوں طرف سڑک سے ملحق چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں … رہی تھیں۔ … نہ ہونے کے سبب مجھے بھٹکنے کا اندیشہ تھا لہٰذا میں سیدھا ہی چلتا رہا۔

پھر اچانک میری نظر ایک … بھاری جسم کے شخص پر پڑی جو سڑک کے کنارے کھڑا ہاتھ ہلا کر مجھے رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

پہلے تو میں نے اسے نظر انداز کرنے کا ارادہ کر لیا مگر اس کی بے تابی دیکھ کر مجھے رحم آ گیا۔ اس ویران سڑک پر ٹریفک بہت کم تھا اور … میں نے گاڑی … ایکسیلیٹر پر سے پاؤں ہٹا لیا۔

میں نے گاڑی اس کے قریب روکی تو وہ مضطربانہ انداز میں میری طرف آیا۔ اس کی … سفید پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں چمک رہی تھیں۔

"جناب کیا آپ میرے … جا رہے ہیں؟" اس نے … لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"مین ٹاؤن جانے تک مجھے سیدھا ہی جانا ہو گا۔"

"اوہ۔ پھر تو بہت اچھا ہے۔" وہ خوش ہو گیا۔ "یہاں سے دو میل آگے میرا فارم ہے۔ مجھے وہاں اتارنے کے بعد چند فرلانگ آگے آپ کو مین روڈ مل جائے گا۔"

میں نے دروازہ کھول دیا اور وہ شکریہ آمیز انداز میں اپنی ممنونیت کا اظہار کرتا ہوا میرے پہلو والی نشست پر بیٹھ گیا۔

"تم یہاں کیا کر رہے تھے؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"کسی نیک دل انسان کا انتظار کر رہا تھا۔" اس نے کھیسیں نکال کر جواب دیا۔

"مگر تم یہاں تک پہنچے کیسے؟" میں نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

جواب میں اس نے پھرتی سے اپنے جیکٹ کی اندرونی جیب سے ریوالور نکال کر میری طرف تان لیا۔ "… مجھے اندازہ تھا کہ تم … کی تلاش میں سیدھے ہی آؤ گے۔"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی … میری طرف نگراں تھی۔ ریوالور کا سیفٹی کیچ ہٹا ہوا تھا اور اس کی شہادت کی انگلی ٹریگر پر تیار تھی۔

اسی وقت دائیں جانب کی ایک پگڈنڈی سے … نظر آئی جو … میرا تعاقب کرتی رہی تھی اور پھر غائب ہو گئی تھی۔

اس وقت … کی ڈرائیونگ سیٹ پر … والی ایک … مشتبہ …

میرے ساتھ موجود شخص نے بایاں ہاتھ لمبا کر کے اسے اشارہ کیا اور سیڈان فوراً حرکت کر کے شاہراہ پر نکل گئی۔ شاید اس کا ڈرائیور پہلے ہی سے منتظر تھا۔

"چالاکی کی کوشش کیے بغیر گاڑی چلاتے رہو۔" وہ شخص غرایا۔ "کوئی بدمعاشی کی تو میں بلا تامل تمہیں شوٹ کر دوں گا۔"

"آخر تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"ابھی سب پتہ چل جائے گا۔" وہ دانت نکوس کر بولا۔ "تمہارے … معلوم ہوتے ہیں جو آتے ہی جلد ہی گرفت میں آ گئے۔"

میں نے … کے بارے میں سوچا۔ اگر میں اسے … کرتا … اغوا کے بارے … باخبر ہو سکتے تھے۔ وہ جو کچھ بھی ہو مگر … فلسطینی افواج آزادی کا آدمی نہیں تھا۔ اس کا رویہ میرے ساتھ معاندانہ تھا جب کہ ابھی تک میں نے فلسطینی افواج آزادی کے کسی فرد کو فریب دینے کی کوشش نہیں کی۔

مگر وہ … میری ایک ایک حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ مجھے تذبذب کا شکار ہوتے دیکھ کر شاید وہ بھانپ گیا۔ "خبردار جو کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی۔ مجھے معلوم ہے کہ اس گاڑی میں ٹرانسمیٹر موجود ہے۔" اور اسی … کے دوران میں اس نے … سے لگے ہوئے وہ چند … کھینچ کر توڑ ڈالے جو واضح طور پر ٹرانسمیٹر کے لیے تھے۔

عقب نما آئینے میں کالی سیڈان مختصر سے فاصلے پر نظر آ رہی تھی۔ میرے لیے یہ صورت حال بڑی الجھن آمیز تھی۔ میں اپنی حماقت کی وجہ سے اس جال میں پھنسا تھا۔ اگر میں راستے ہی میں کسی ذیلی سڑک پر نکل گیا ہوتا تو اس صورت حال سے بچ سکتا تھا۔ مجھے مضافات کی طرف نکلتے دیکھ کر ہی شاید وہ بھانپ گیا تھا کہ میں سیدھا جاؤں گا لہٰذا وہ کسی مختصر راستے سے مجھ سے پہلے وہاں پہنچ گیا۔ ہو سکتا ہے کہ … شروع ہی سے ان کے ساتھ رہی ہو جسے پوری توجہ نہ دینے کے باعث میں نہ دیکھ سکا ہوں۔

کچھ دور چلنے کے بعد اس نے مجھے ذیلی سڑکوں میں گاڑی اتارنے کا حکم دیا۔ میرے سامنے تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ سیڈان شاہراہ پر ہی رکی رہ گئی۔

ناہموار کچا راستہ جھاڑیوں اور ٹیلوں کے درمیان اچھلتا … آگے بڑھتی رہی۔ جیسے ہی … میں ایک اونچا سا ٹیلہ نظر آنے لگا اس شخص کی ہدایت پر میں نے گاڑی ٹیلے کی اوٹ میں لے جا کر روک دی۔ اب اس کا شاہراہ پر سے دیکھا جانا ناممکنات میں سے تھا۔

"اب میری ہی طرف سے نیچے اتر آؤ۔" وہ اپنی سمت کا دروازہ کھول کر نیچے اترتے ہوئے بولا۔ انجن بند کر کے چابی اپنی جیب میں ڈال چکا تھا۔

میرے سامنے اس ہدایت پر عمل کرنے … ہی میں عافیت تھی۔ … کہ اس کے …

پچھلی نشست پر ایک دستانے … ہوئے تھے۔ وہ کوئی پیشہ ور قاتل … ہوتا تھا جو کام سے پہلے اس کی جزئیات پر غور کر لینے کا عادی تھا۔

"اب تمہارے ساتھیوں کی طرف چلیں؟" میں نے سوچ کی تیز رفتاری میں آنکھیں سکیڑتے ہوئے خوش دلانہ لہجے میں سوال کیا۔

"اس عقلمندی کا مظاہرہ کرتے رہے تو جلد ہی گلو خلاصی ہو جائے گی۔" اس نے ریوالور کی نال کے اشارے سے میری بات کی تائید کرتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

"تم اپنا … بتاتے ہی کیوں نہیں … عقلمندی کا مظاہرہ کر سکوں۔" میں آگے بڑھتے ہوئے بولا کیونکہ وہ خاصا منتظر نظر آ رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ میری … سے پہلے ہی … نہ کر دے۔

"اس کا بھی وقت آ جائے گا۔" وہ کسی کٹکھنے کتے کی طرح غرایا۔

"ہو سکے تو اسی وقت سے فائدہ اٹھاؤ۔ شاید اس طرح تم اس بھاگ دوڑ سے بچ جاؤ۔ مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ تم اپنی بات منوانے والوں میں سے ہو۔"

میرے آخری فقرے نے اس پر خاطر خواہ اثر کیا اور وہ فوراً کچھ نہ کہہ سکا۔

"کس سوچ میں پڑ گئے میرے بھائی؟" میں نے سر جھکا کر کہا۔

"مجھے سوچنے کی ضرورت نہیں۔" وہ تیزی سے بولا۔ "… تمہاری چالاکی سے نمٹنے کے لیے ہم … برباد ہونے کی پرواہ بھی نہیں کریں گے۔"

"تم نے میری پیشکش کا جواب نہیں دیا!"

"تم اتنی آسانی سے ہتھیار ڈالنے والے تو نظر نہیں آتے!" وہ قدرے الجھن آمیز لہجے میں بولا۔

"آخر تم مجھ سے چاہتے کیا ہو؟"

"بکواس بند۔" اس بار وہ جھلا کر بولا۔ "تم سے ہم سکون کے ساتھ نمٹیں گے۔ میرے ساتھ چالبازی کی ہر کوشش ناکام ہو گی۔"

وہ شاہراہ خاصی بلندی پر واقع ہوئی تھی … سڑک تک پہنچنے کے دوران میں مجھے کوئی گاڑی نظر نہیں آئی۔ سیڈان بدستور اپنی جگہ پر موجود تھی۔

جب ہم دونوں … قریب پہنچے تو سیڈان میں موجود … کو کامیابی سے … دیکھ کر مسرت سے … میرے … میں چونک پڑا اور بے اختیار میرے قدم رک گئے۔ میں گھور کر اس کا چہرہ تکنے لگا۔

"آگے بڑھو ورنہ زخمی کر دوں گا۔" وہ غرایا۔

"تو تم … ہو!" میں نے طویل سانس لے کر کہا۔

"… ہی ہوں …" وہ … آواز میں بولا۔ "… کے لیے … زبان پر … معلوم ہوتا ہے!" … تم یقیناً اس عورت کے لیے … استعمال کیا تھا جو … ڈرائیونگ سیٹ …

پر موجود تھی۔

"تو کیا تم اپنی معطلی کا بدلہ لینے کے لئے میرے پیچھے لگے ہو؟"

"بدلہ بزدلوں سے لیا جاتا ہے تم تو میرے لئے چیونٹی سے بھی زیادہ بے وقعت ہو۔"

"کرنل ریٹا تمہارے یہ خیالات جان کر خاصی مسرور ہو گی۔"

"ان ہی لوگوں نے تمہارا دماغ خراب کیا ہوا ہے۔ میں پہلے بھی تم سے بہتر کارکردگی مہیا کر سکتا ہوں ... اب دیکھوں گا کہ تمہارے بغیر کون سا کام رک سکتا ہے۔"

"تم نے جو قانونی طریقہ اختیار کیا ہے کیپٹن" میں نے سنجیدگی سے کہا "کرنل نے تمہیں اپنی مرضی سے سزا دی ہے۔ اس میں میرا کیا دخل ہے؟"

"دخل؟" وہ پاگل کی طرح ہنس پڑا۔ "مجھے یقین ہے کہ میلانڈک کی موت کی آڑ میں تم کسی گھناؤنی حرکت میں ملوث ہوئے ہو اور میں اسے ثابت کر دکھاؤں گا۔"

"تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے" میں نے نرم لہجے میں کہا "میرے ہاتھ بالکل صاف ہیں۔ آخر میں تم لوگوں کے خلاف کسی سے اور کس طرح ساز باز کر سکتا ہوں؟"

"گاڑی میں بیٹھو" اس نے بائیں ہاتھ سے مجھے دھکا دیتے ہوئے کہا۔

میں پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھا اور وہ بھی پھرتی سے میرے برابر بیٹھ گیا۔ پھر اس سے قبل کہ میں پھرک کر دوسرے کنارے ہو جاتا اس نے تیزی کے ساتھ ریوالور کا دستہ میری کنپٹی پر رسید کیا اور میں ہلکی سی چیخ مار کر بائیں پہلو پر لڑھک گیا۔

اس وقت تک شہر سے باہر ہوائی اڈے کے میدان کو عبور کیا جا چکا تھا۔ مجھے ہوش آیا تو درد سے میری کنپٹی پھٹی جا رہی تھی اور نگاہوں کے سامنے بے شمار رنگین دائرے ناچ رہے تھے۔

آہستہ آہستہ میرے حواس بحال ہوئے تو مجھے پتہ چلا کہ میں تختوں اور شہتیروں سے بنے ہوئے ایک چھوٹے مگر مضبوط کمرے میں قید ہوں۔ جھریوں سے آنے والی مدھم سی کرنوں سے پتہ چل رہا تھا کہ ابھی دن ڈھلنے میں کافی دیر باقی ہے۔

اس کمرے کے ایک گوشے میں خالی چوبی کریٹ ایک انبار کی صورت میں جمع تھے۔ فضا میں سڑے ہوئے پھلوں کی ملی جلی بو پھیلی ہوئی تھی۔

میں خاصی دیر تک پوری توجہ سے کوئی آواز سننے کی کوشش [illegible] — [illegible] کوئی آواز سنائی دی۔

آخر کار تھک ہار کر میں [illegible] سے اٹھ گیا اور دروازے [illegible] آزمانے کی کوشش کرنے لگا مگر یہ کوشش بے سود ثابت ہوئی پھر [illegible] دیواروں کے تختوں کا جائزہ لیا مگر وہ شہتیروں کے ساتھ مضبوطی سے جڑے ہوئے تھے مگر کسی مناسب اوزار کی مدد سے انہیں ہٹایا جا سکتا تھا جب کہ اس ویران کوٹھڑی میں کمزور تختوں کے سوا کوئی چیز موجود نہیں تھی۔

میری رسٹ واچ اس وقت چار بجا رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ میں لگ بھگ پچھلے تین گھنٹے بے ہوشی کا شکار رہا۔ مجھے صبح ملنے والے پیغام کا خیال آیا جس کے مطابق مجھے [illegible] بجے پبلک لائبریری کے ریفرنس ہال میں ایک فلسطینی سے ملنا تھا۔

میں نے جھریوں میں سے باہر کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ اس کمرے کے چاروں طرف بے ترتیبی کے ساتھ سبزہ اگا ہوا تھا یوں معلوم ہوتا تھا جیسے عرصے سے وہاں کسی کا گزر نہ ہوا ہو۔ ہو سکتا تھا کہ کسی زمانے میں وہاں کچھ باغات وغیرہ رہے ہوں کیونکہ خودرو سبزے کے درمیان کہیں کہیں اونچے مگر بے ترتیب پودے بھی نظر آ رہے تھے جو دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے بزبان حال سے فریاد کناں تھے۔ جبری نے مجھے قید کرنے کے لئے یقیناً ایسی جگہ کا انتخاب کیا تھا جہاں میں چیخ چیخ کر مر بھی جاتا تو میری آواز کسی انسان کے کانوں تک نہ پہنچ پاتی۔ اور وہ خود بھی نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ میرے [illegible] وہاں بیٹھ کر سگریٹ پھونکنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ جب اندھیرا پھیلنے لگا تو چوہوں نے بھی ہمت کر کے [illegible] اور [illegible] کوٹھڑی میں دندناتے ہوئے [illegible] کئی بار میں نے ان کے کراہیت آمیز [illegible] بدن اور ٹانگوں پر بھی محسوس کیا مگر [illegible] سے الجھ کر اپنی توانائی ضائع کرنا مناسب نہ سمجھی۔

[illegible] اندھیرا پھیل گیا چوہوں کی یلغار شدید ہوتی گئی [illegible] رویے سے غالباً انہیں تجربہ ہونے لگا کہ ان کے درمیان کوئی [illegible] انسان نہیں بلکہ بے جان [illegible] موجود ہے جس پر انہیں پوری طرح تصرف حاصل ہے کیونکہ [illegible] کے سہارے میرے بدن پر چڑھنے لگے۔ میں نے جھلا کر ہاتھ جھٹکا اور ایک چوہا میری گرفت میں آ گیا باقی چوکڑیاں مارتے فرار ہو گئے۔ ہاتھ میں آنے والے چوہے کو میں نے پوری قوت سے سامنے والی دیوار پر دے مارا۔

اس کارروائی سے کچھ دیر کے لئے تو سکون ہو گیا مگر پھر وہی طوفان بدتمیزی شروع ہو گیا۔ [illegible] ہے کہ کیپٹن جبری مجھے بند کر کے اطمینان سے کہیں جا چکا ہے۔ اس کی جلد واپسی کے بھی کوئی آثار نہیں تھے جبکہ ان چوہوں کے درمیان رات بسر کرنے کا تصور ہی [illegible] اور ناقابل برداشت تھا۔

[illegible] کچھ [illegible] آئی کسی طرح [illegible] ہو جاتی تو [illegible] خوفزدہ [illegible] میں پہلے [illegible]

اور اس خیال نے فوراً ہی ایک ولولہ انگیز روپ دھار لیا۔ اگر یہ وحشی کی ہی تصویر تھی تو کیوں نہ اس کوٹھری کو آگ لگا دی جائے۔

میری واسکٹ کی جیب میں کافی تیلیاں موجود تھیں۔ کوٹھری کی تعمیر میں لکڑی ہی زیادہ استعمال کی گئی تھی اور ایک گوشے میں چھوٹے چھوٹے خشک تختوں کے کریٹ انبار کی صورت میں جمع تھے۔ میں آسانی سے انہیں آگ دکھا سکتا تھا اور جب کوئی حصہ جل کر منہدم ہو جاتا تو میں آگ میں اچھی طرح گھرنے سے قبل ہی اس قید سے نجات حاصل کر سکتا تھا۔

میں دل ہی دل میں اپنی حماقت پر افسوس کرتا آگ سلگانے کی کوشش کرتا رہا۔ مجھے افسوس اس بات کا تھا کہ اتنی آسان راہ فرار موجود ہوتے ہوئے بھی میں نے کافی وقت گنوا دیا تھا۔

آگ سلگانے کی کوشش میری توقع کے برعکس خاصی صبر آزما ثابت ہوئی۔ ماچس کی سلائی سے تختوں کو براہ راست جلانا مشکل تھا لہٰذا میں ادھر ادھر سے کاغذ اور گھاس پھونس جمع کرنے لگا۔

جس وقت میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ ماچس کی تیلی رگڑ کر ڈھیر کو آگ لگائی اس وقت فضا میں ایک انوکھی گونج سنائی دی جو بتدریج واضح ہوتی جا رہی تھی۔

جب میں ہوش میں آیا تو فضا میں نے وہاں کوئی مشینی شور نہیں سنا تھا مگر وہ آواز بھی قریب آ گئی اور کوئی جیپ ہوا آگے بڑھتا چلا گیا جیسے جیسے وہ جنگلی علاقے سے دور ہوتی گئی اس کے ساتھ ساتھ مزید زمین کی لرزش اور آوازوں کی گونج بھی چل رہا تھا کہ وہ خاصی تیزی پیدا کرتے ہوئے گزر رہے تھے۔

فضا پر ایک بار پھر سکوت چھا گیا جیسے چوہوں کا شور توڑ رہا تھا۔ چوبی کریٹ آہستہ آہستہ آگ پکڑ رہے تھے اور چوہے حدت سے گھبرا کر فرار کی راہیں تلاش کر رہے تھے۔

اپنی کامیابی پر نازاں میں ہنری کے بارے میں سوچنے لگا۔ دنیا میں لوگوں کی دو اقسام پائی جاتی ہیں یا ذہین یا بے وقوف مگر ہنری میں دونوں خصوصیات بیک وقت پائی جاتی تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے حماقتوں کا ارتکاب محض جلد بازی کی وجہ سے ہوتا ہو مگر میرے معاملے میں تو ہنری کی ساری غلطیاں میری خوش بختی کا باعث بن رہی تھیں۔

اب یہ سوچ سوچ کر میرا دل خوش ہو رہا تھا کہ جب وہ واپس آئے گا تو سلگتی ہوئی راکھ کے ڈھیر کو دیکھ کر سر پیٹ لے گا۔ وہ اپنی وجہ سے مطمئن ہو گیا تھا اور اگر اس کی قید سے نجات کے بعد میں پولیس کے تحت وہ سرکاری حکام کے پاس جانے پر آمادہ ہو جاتا تو وہ اپنی اس ناقابل برداشت غلطی کا معاوضہ ادا کرنے کی پاداش میں شدید عتاب کا شکار ہو سکتا تھا۔

آہستہ آہستہ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ تمام تر تنظیم اور اعلیٰ وسائل کے باوجود اسرائیل کے انتقامی ذہن رکھنے والوں میں ایسے خود سر لوگ بھی گھسے ہوئے

ویسے جوانی بذات خود ہی بڑے پر مقدم سمجھتے تھے لیکن ہنری ایسے بھی اور سمجھتا نامعقول تھا۔

تختے دھڑا دھڑ جلنے لگے گرمی کی وجہ سے مجھے کوٹھری کے دوسرے کونے میں جانا پڑ گیا۔ آگ تیزی سے پھیل کر اب چاروں کونوں کو چاٹنے لگی تھی۔ شعلوں کی لپک بہ بار اس سرسراہٹ سے گونج رہی تھی جیسے کئی سانپ چھوٹے ہوئے پھنکار رہے ہوں۔

مزید کچھ دیر گزری تو چوبی دیوار کا ایک جلتا ہوا حصہ چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ نیچے آ رہا۔ شعلوں کے لہرنگ اندر کا سارا حصہ دور تک ویران اور خود رو جنگل چھپا ہوا نظر آ رہا تھا مگر ابھی میرا باہر نکلنا ممکن نہ تھا۔ گرتے ہوئے اور جلتے تختوں میں سے کافی شعلے بھڑک رہے تھے جو مجھے اپنی لپیٹ میں لے سکتے تھے۔ میرے لیے تھوڑا سا انتظار ضروری تھا!

اسی وقت بہت دور کسی کار کے انجن کی غراہٹ سنائی دی۔ اس آواز پر میرے کان کھڑے ہو گئے رات کے سناٹے میں کون اس ویرانے کا رخ کر سکتا تھا جب کہ شام ہی سے مجھے کسی کار کے گزرنے کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

کار کے انجن کا شور لمحہ بہ لمحہ صاف ہوتا چلا گیا۔ مجھے یقین ہو گیا آنے والا ہنری ہی ہو سکتا ہے۔ میرے اعصاب پر تناؤ طاری ہونے لگا۔ پھر گرتے ہوئے تختوں کے درمیان سے مجھے آنے والی کار کی ہیڈ لائٹ گھومتی نظر آئی۔ وہ کار جنگل سے گزر کر اسی طرف آ رہی تھی۔

میرے لیے انتخاب کی راہ مسدود ہو چکی تھی۔ ہنری کی قید میرے لیے موت کا پروانہ تھی یا اس نے اپنی بات ثابت کرنے کے لیے انتہائی اقدام اٹھا لیا تھا کہ وہ ہرگز مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔ بہرصورت مجھے فرار ہونے کی کوشش ضرور کرنی تھی۔ اس کا مقصد تھا موت سے قبل

میں اپنی زبان کھول دیتا تو مجھ سے چھٹکارا پانے کے بعد وہ آزادی کے لیے کم از کم دو ملکوں پر بڑا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ شاید ہنری کے تشدد کے سامنے زیادہ دیر نہ ٹھہر سکتا اور پھر اس کی عقل انعام میں بدل جاتی۔ وہ اس قصے میں ہیرا بن کر سامنے آتا بلکہ شاید اس نے اپنی موت کے بعد ان دونوں کو پیش کیا اور وہ صرف ایک ترکیب کے کام نہ نکلے بلکہ انہوں نے صورت حال پیدا کر دیا تھا۔

میری نجات ہنری کی موت تھی۔ اس نے ہاتھ سے جو کر دیا کہ جنگل میں روپوش ہونے کی کوشش کروں۔

کار کی روشنیاں بری طرح اوپر نیچے ہو رہی تھیں شعلوں نے شاید ہنری پر صورتحال واضح کر دی تھی اور وہ راستے کی خرابی کی پرواہ کیے بغیر تیز رفتاری سے بڑھا آ رہا تھا۔

میں نے ایک تختہ اٹھا کر ایک طرف سے انگارے ہٹانے شروع

زرد پیلے فضا میں رقص کرنے لگے اور چنگاریاں اڑنے لگیں۔ اسی وقت ہنری نے نشانہ لے کر فائر کیا۔ میں اضطراری طور پر ہٹ گیا اور میں گر کر آگ ہی میں جا پڑا۔

میرے نتھنوں میں بال جلنے کی تیز بو آئی۔ پنڈلیوں پر کئی جگہ انگارے لگے۔ مجھے وقت اپنی قمیص کی آستین سے ہوئی جس نے آگ پکڑ لی تھی۔ تکلیف اور دہشت سے بے اختیار میری چیخ نکل گئی اور میں نے دیوانہ وار جلتی ہوئی قمیص ایک طرف پھینک دی۔

"وہ رہا" کار کے انجن کے شور پر حاوی مجھے ہنری کی پرجوش چیخ سنائی دی۔ شاید اس کے ہمراہ کار میں کوئی اور بھی موجود تھا۔

میں پوری قوت سے کئی فٹ اونچی گھاس اور جھاڑیوں میں بھاگا تاکہ قریب آتی ہوئی کار کا رخ بار بار تبدیل ہونے لگا۔

شاید وہ لوگ مجھے کار کی ہیڈ لائٹس کی زد میں لینا چاہ رہے تھے۔ اگر ایک بار میں اس روشنی میں نہا جاتا تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے بچ جانے سے نہیں بچا سکتی تھی۔

کار اتنی قریب آ چکی تھی کہ ہنری کو میری تلاش کے لیے اس کی ضرورت نہ تھی۔ یقیناً کم از کم تین کار کے ہیڈ لیمپس کی شعاعیں اچھل رہی تھیں۔ مختلف سمتوں میں ہنری کے ساتھ کسی عورت کی پرجوش آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ وہ شاید وہی عورت تھی جو کمبل سے اغوا کے وقت میدان چلا رہی تھی۔

اس وقت موت کی دہشت سے میرا گلا خشک ہو رہا تھا۔ بھاگتے رہنے کی صورت میں میرے لیے زیادہ دیر تک زندہ رہنا ناممکنات میں سے تھا کیونکہ خود رو جنگل قابو میں نہیں تھا اور اگر میں فوراً زمین پر لیٹ جاتا تو شاید تیزی سے جاتی کار کے پہیوں کے نیچے کچلے جانے کے بھی اتنے ہی امکانات تھے جتنے زندہ رہ جانے کے!

ان کڑے لمحات میں میرا ہر قدم فیصلہ کن تھا۔ زندگی اور موت کے اس کھیل میں میرا بدن پسینے میں نہا گیا۔ آگ سے لگنے والے زخموں کا کوئی احساس باقی نہیں رہا تھا۔ ذہن میں خیالات کی آندھی چل رہی تھی!

پھر یک بیک میں پیٹ کے بل اسی طرح زمین پر لیٹ گیا کہ گاڑی کی روشنی مجھ پر نہ پڑے اور میں پہیوں میں کچلا نہ جاؤں۔ گھومتی ہوئی کار کا اسٹیئرنگ آہستہ آہستہ دائیں بائیں گھوم رہا تھا۔

"کہاں غائب ہو گیا؟" غصے اور جھلاہٹ میں ڈوبی ہوئی ہنری کی آواز سنائی دی۔

"مجھے تو نہیں معلوم" عورت کی آواز ابھری۔

"اُلو کی پٹھی! اسے تم نے دیکھا ہے مجھے؟" وہ اس پر برس پڑا۔ پھر کوئی خیال آتے ہی وہ ایک جوشیلے انداز میں چیخ پڑا "وہ رہا"

کار کی رفتار ایک دم تیز ہو گئی۔ فضا میں غبار کا طوفان اڑا اور وہ پلک جھپکتے میں کافی آگے نکل گئی اور میں نے اٹھ کر اپنی پوری

قوت سے ادھر دوڑنا شروع کر دیا جدھر سے کار آئی تھی۔

کچھ دور جا کر ہنری کو اندازہ ہو گیا کہ وہ ہوا سے جھولتی ہوئی جھاڑی سے دھوکا کھا گیا ہے۔ اس نے تیزی سے گاڑی واپس گھمائی۔ اس بار پھر میں روشنی کی زد میں آنے سے بال بال بچا۔ اگر پیچھے گرنے میں پل بھر کی بھی تاخیر ہو جاتی تو روشنی کا دائرہ میرے سر پر آ پہنچتی۔

اچانک کار کا انجن بند کر دیا گیا۔ روشنیاں بھی معدوم ہو گئیں۔

میں نے ایک بار پھر زمین سے اٹھ کر پوری طاقت سے دوڑ لگا دی۔

پیچھے مڑ کر نہ دیکھنے کے باعث اس بار مجھے پتہ نہیں چل سکا کہ ہنری کیا چال چلنے والا ہے۔ مجھے ہوش اس وقت آیا جب اچانک عقب سے ٹارچ لائیٹ کی تیز روشنی نے مجھے ڈھونڈ نکالا۔

"فائر!" ہنری پوری قوت سے چیخا۔

میں پھرتی سے زمین پر گرا اور گولی مجھ سے تقریباً ایک فٹ کی بلندی سے سنسناتی ہوئی گزر گئی۔ اس بار ٹارچ لائیٹ کا دائرہ کم و بیش میرے اوپر گردش ہی کرتا رہا اس کے ساتھ ان دونوں کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

میں نے پہلو کے بل زمین پر رینگنا شروع کر دیا۔ کانٹوں اور خاردار جھاڑیوں کی وجہ سے مجھے کئی دفعہ اپنی غیر ارادی چیخوں کو سینے میں دفن کرنا پڑا۔ اگر پھر بھی وہ دونوں ٹارچ لائیٹ کی روشنی میں جھاڑ جھنکاڑ کی جنبشوں کو دیکھ کر میری چال سمجھنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس بار دو فائر ہوئے۔ ایک گولی مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر زمین پر پڑی۔

میں جانتا تھا کہ ان دونوں کے پاس دو پستول رہے ہوں گے۔ فاضل راؤنڈ یقیناً جیب میں ہوں گے کیونکہ ہنری گولیاں ضائع کرنے کے بعد وہ محتاط ہو گئے۔ جب کہ میرا مفاد اسی میں تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ گولیاں چلا کر وہ بھی خالی ہاتھ ہوں تو میں آسانی سے ان سے نمٹ سکتا تھا۔

ہنری اپنے دفاع میں ایک پستول اور تھیلی سے ٹارچ لیتا آیا تھا مگر موقع پر چیخ کر اس کے ہوش اڑ گئے ہوں گے۔

روشنی میرے ارد گرد جنبش کرتی رہی تا ہم لمبے اشجار اور گھاس وغیرہ میں چھپنے کے باعث ان کے لیے دشوار تھا کہ وہ روشنی مسلسل ایک ہی نقطے پر رکھ سکیں۔ مجھے جب بھی موقع ملتا میں پھرتی سے ایک جگہ سرک جاتا۔

اور جب وہ اپنے اندازے کے مطابق مجھ سے تین گز آگے بڑھ گئے تو وہ رک گئے۔ اور مجھے ہنری کی جھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"تم دیکھ لئے جا چکے ہو۔ خاموشی سے خود کو ہمارے حوالے کر دو ورنہ بھون دیئے جاؤ گے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس وقت روشنی جس جگہ مرکوز تھی میں اس سے کافی فاصلے پر تھا۔ میں نے بہت احتیاط کے ساتھ ارد گرد کا جائزہ لیا۔ ان دونوں کی نسبت میں ان کی کار سے قریب تھا۔ میرے

تعاقب میں آ جاتی کہ وہ سڑک سے جل رہا تھا۔ کلاڑیوں کے جھنگوں کی آوازیں رات کے سناٹے میں گونج رہی تھیں۔ بھیانک سلسلے تھے اور نیچے تھے کہ اگر وہاں ایک آدھ میل کے علاقے میں بھی کوئی ہوتا تو جلد ہی اس طرف متوجہ ہو جاتا۔

میں نے زمین سے ایک پتھر اٹھایا اور بغیر آواز پیدا کیے اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔ چند ثانیوں تک اندازہ لینے کے بعد میں نے پوری قوت سے سرچ لائٹ کی طرف پتھر پھینک دیا۔ سرچ لائٹ پر کوئی اثر نہ پڑا البتہ فضا ایک سرد چیخ سے گونج اٹھی۔ اس کے ساتھ ہی تیزی کی بجائے تعاقب کا انداز بھی منافی ہوا۔ سرچ لائٹ کا رخ تبدیل ہوا اور مجھے جھاڑیوں میں گری ہوئی لڑکی بجلی کی طرح نظر آ گئی۔ وہ پیچھے واپس تعاقب کو دبانے کی طرح کراہ رہی تھی اور ایک سایہ اس پر جھکا ہوا تھا۔

میں نے تیزی سے کئی پتھر اٹھائے اور پوری قوت سے ان دونوں کی طرف پھینک دیئے۔ اس بار لڑکی کے ساتھ ہی تیزی کی بھی چیخ سنائی دی اور سرچ لائٹ فوراً ہی بجھا دی گئی۔ اس کے ساتھ فضا میں پے در پے فائر ہوئے جو بالکل غلط سمت میں کیے گئے تھے جب کہ میں جنگل کے خود پر پتھر پھینکنے کے بعد کی زمین پر دراز ہو چکا تھا۔

مجھے خوشی تھی کہ تیزی کی کئی گولیاں ضائع ہو چکی تھیں۔ چوٹ کھا کر غصے سے بے قابو ہونے کے باعث وہ میرے لیے آسانی پیدا کر رہا تھا۔

جب کئی منٹ گزر گئے اور سرچ لائٹ بھی روشن نہ ہوئی تو مجھے چوکنا ہونا پڑا۔ ناگہانی پتھراؤ کے خوف سے تیزی سرچ لائٹ دوبارہ روشن کرنے کی ہمت نہ کر سکا تھا مگر اس کے ساتھ فضا میں پراسرار سناٹا چھا گیا تھا۔ شاید وہ دونوں اب خاموشی سے مجھے گھیرنے کے چکر میں تھے۔

میں گھٹنوں اور پیٹ کے بل تیزی سے ان کی کار کی طرف رینگنے لگا۔ کھلی فضا کے مقابلے میں کار کی آڑ میں ہی زیادہ محفوظ رہ سکتا تھا۔ [illegible] میرے لیے تیزی کا [illegible] تھی۔ رات کے گھپ اندھیرے میں ایک دوسرے کے بہت قریب سے دو حریف موت کی سی خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے کی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک فریق نہتا اور تنہا تھا جبکہ دوسرا مسلح اور معاون ہمیت۔ اس وقت میری ساری حس کانوں میں سمٹ آئی تھی۔ اپنے دل کی دھڑکن کسی نقارے کی بے ترتیب گونج کی طرح سنائی دے رہی تھی۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

ہوتا ہوا میں کار کی ایک [illegible] تھی۔

میں نے بہت احتیاط کے ساتھ اور [illegible] سے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر کار کا جائزہ لیا۔ وہ بالکل خالی نظر آئی۔ میدان صاف دیکھ کر میری ہمت بندھی اور میں ذرا آگے بڑھا۔ [illegible] ہوئے شیشوں میں سے کار کی خالی سیٹیں نمایاں نظر آ رہی تھیں۔

[illegible] ایک موہوم سی امید کے سہارے [illegible] ڈرائیونگ سیٹ کی کھڑکی سے ہاتھ اندر ڈال دیا اور اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے ہاتھ [illegible] اگنیشن کی سے ٹکرایا تو بے اختیار مجھے اپنے مقدر پر رشک آنے لگا۔ وقت کی بساط [illegible] تیزی کے خلاف جا رہی تھی۔

اسی وقت مجھے کسی جانب سے کسی کے گہرا سانس لینے کی مدھم سی آواز آئی۔ میں نے بے اختیار چابی سمیت اپنا ہاتھ باہر کھینچا اور [illegible] سے زمین پر [illegible] لیا۔

اندھیرے میں چند ثانیوں تک آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کے بعد مجھے ایک دوسرے میں الجھے ہوئے دو تاریک ہیولے اپنی جانب بڑھتے نظر آئے۔ نہ جانے وہ پسپائی اختیار کر رہے تھے۔ [illegible] مجھے بھانپنے کی کوئی [illegible] ان کے دونوں میں [illegible] میں کار کے پچھلے حصے میں [illegible] گاڑی کے پیچھے [illegible] ابھی بھی [illegible] بیدار ہونے کی صورت میں فوری طور پر [illegible] لمحے طویل سے طویل تر ہوتے چلے گئے آخر کار کے پیچھے سے ان دونوں کے بڑھتے ہوئے قدم مجھے نظر آنے لگے۔

میری آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو چکی تھیں اور وہ لحظہ بہ لحظہ قریب ہوتے جا رہے تھے۔ میں نے [illegible] عورت کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ نمایاں تھی جب کہ مرد اسے سہارا دے کر کار کی طرف لا رہا تھا۔ شاید وہ میرے پتھراؤ سے شدید زخمی ہو گئی تھی۔

بڑھتے ہوئے چار قدم میدان کے عقبی دروازے کے قریب آ کر رک گئے۔ وہ مجھ سے اتنے قریب تھے کہ میں چاہتا تو ہاتھ بڑھا کر انہیں چھو سکتا تھا۔

پھر آواز پیدا کیے بغیر آہستگی سے دروازہ کھولا گیا جس کا اندازہ میں نے قدموں کی جگہ کی تبدیلی سے لگایا پھر عورت کار میں داخل ہوئی۔ اس کے وزن سے کار کی باڈی نے دھیمے سے جنبش کی اور پھر ساکت ہو گئی۔ مرد باہر ہی رکا رہا البتہ اس نے دروازہ بند کر دیا۔

[illegible] ایک گولی [illegible] مرد کی مدھم سرگوشی مجھے سنائی دی جس کے بعض الفاظ میں سن نہ سکا مگر جیسے تیسے میں نے خیال [illegible] کو مؤثر اور مناسب الفاظ سے پر کر دیا۔ [illegible] اس سے ہوشیار رہنا وہ [illegible] وہ اور بھی [illegible] رہے گا۔

"میرے شانے [illegible] کی ٹوٹ گئی ہے [illegible] میں بے ہوش ہونے والی ہوں۔" عورت کی لرزتی ہوئی دھیمی آواز میں درد کی انتہا چھپی ہوئی تھی۔

"وہ ابھی ان ہی اطراف میں بھٹک رہا ہے [illegible] میں اسے زندہ نہیں چھوڑ سکتا۔ [illegible] وہ [illegible] واپس آ جاؤں گا۔ وہ لومڑی کی طرح مکار ہے [illegible] سے [illegible] احتیاط کرو۔"

"بس یہی کیا۔"

مرد پر ایک ہی دھن سوار تھی وہ عجلت سے آیا تھا اندھیرے میں وہ بے قدموں اسی طرف واپس چل دیا اور میں نے پہلی بار اطمینان کا سانس لیا۔

جس پستول میں ایک گولی رہ گئی تھی، وہ عورت کے حوالے کر کے ہنری کا بھرا ہوا پستول لے کر میری تلاش میں گیا تھا۔ عورت زخمی تھی اور تکلیف سے بے حال تھی میرے لیے ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ کسی طرح خاموشی سے عورت کے پستول پر قبضہ کر لوں۔

مرد کی طرف سے میں وقتی طور پر خاصا مطمئن ہو چکا تھا اور اب میرا ذہن اس عورت سے نمٹنے کی تدبیریں سوچنے میں مصروف ہو چکا تھا۔ میں نے ڈگی کے پیچھے سے نکل کر پچھلے شیشے میں سے کار کے اندر جھانکا تو عورت مجھے نظر نہ آسکی۔ جب میں اور اوپر اٹھا تو ڈرائیونگ سیٹ والی کھڑکی سے اس کے سر کا نچلا حصہ نظر آیا۔ غالباً وہ تکلیف سے بے حال ہو کر سیٹ پر دراز ہو گئی تھی۔

میں کسی چوہے کی طرح چلتا ہوا گاڑی کے بائیں جانب والے عقبی دروازے کی طرف پہنچ گیا جدھر عورت کا سر موجود ہونا چاہیے تھا۔ میں کئی منٹ تک سانس روکے اس کی سن گن لیتا رہا مگر کار میں گہرا سکوت طاری تھا۔

میں آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے اٹھا اور سر دیکھ کر ہی ٹھٹک کر رہ گیا کہ عورت بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں پستول کا دستہ دبا ہوا تھا اور ہاتھ سینے پر موجود تھا۔ بایاں ہاتھ کسی بے جان لوتھڑے کی طرح سیٹ سے نیچے جھول رہا تھا۔

میں نے پھرتی اور احتیاط کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ عورت کا جسم بدستور سیٹ پر بے حس و حرکت پڑا رہا۔ میں نے ایک جھٹکے سے پستول اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ ایک اہم مرحلہ بہت آسانی سے طے ہو گیا تھا اور وہ گولی میرے قبضے میں آ چکی تھی جسے قسمت نے ہنری کی موت کے لیے بچا رکھا تھا۔ مجھے اسلحہ برتری کے باوجود اس پر برتری حاصل ہو چکی تھی۔

اگلا مرحلہ دیر لینے میں سر کرنے سے پہلے ہنری کو اس طرف دوبارہ متوجہ کرنے کا تھا۔ پہلے میں نے کار اسٹارٹ کرنے کے بارے میں سوچا مگر فوراً ہی ایک بہتر تجویز ذہن میں آ گئی۔

اگر میں ایک بار ہارن بجا دیتا تو ہنری یہی سمجھتا کہ اس کی ساتھی نے درد کی ناقابل برداشت شدت سے مجبور ہو کر بجایا ہے۔ اس کا یقینی اسی وقت میں یہی تجزیہ ہوتا ہے کہ وہ فوراً واپس آ جاتا اور میں بہتر طور پر اس کے مقابلے کے لیے تیار ہو جاتا۔

میں نے ایک بار آہستہ سے ہارن بجایا اور پھر تیزی سے کار کی ڈگی کے نیچے گھس گیا۔

مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ بمشکل دو منٹ گزرے ہوں گے کہ میں نے ایک سمت سے اسے آتے دیکھ لیا۔

مجھے یقین تھا کہ اس وقت وہ پوری توجہ سے کار کی طرف نگراں ہوگا۔ میں نے ڈگی کے نیچے اپنے بدن کو جنبش دے کر اپنی پوزیشن ایسی کر لی کہ وہ پوری طرح مجھے نظر آتا ہے جبکہ میں اس کی نظروں سے محفوظ ہوں۔

وہ آگے آتے آتے کار سے پندرہ بیس قدم دور ٹھٹک گیا۔ اس نے دبی زبان میں عورت کو سونیا کہہ کر پکارا اور ساتھ ہی خود زمین پر لیٹ گیا۔ اس کی اس حرکت نے اچانک مجھے بوکھلا دیا تھا۔ یقیناً اس نے خطرہ بھانپ لیا تھا جب ہی وہ کار کی طرف آتے آتے رک گیا تھا اور اس کے پاس سرچ لائٹ بھی تھی اگر وہ استعمال کر لیتا تو شاید میں اس کی نگاہوں سے نہ بچ پاتا۔

میں نے اضطراری طور پر اپنے حلق سے کراہنے کی ہلکی سی آواز نکالی اور وہ بھی دھوکے کا شکار ہو گیا۔

اس کے بڑھتے ہوئے قدم جوں ہی میرے قریب آئے میں نے اس کے پیٹ کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا۔ ہولناک دھماکے کے ساتھ ہی اس کی چیخ ابھری اور اس کا ہیولا اچھل کر زمین پر گر گیا۔

جب تک اس کے تڑپنے اور کراہنے کی آوازیں آتی رہیں، میں اپنے مورچے سے باہر نہیں نکلا اور جب اس طرف سکوت چھا گیا تو میں زمین سے اٹھا اور پھر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کر دی۔

میں نے ہیڈ لیمپس روشن کر کے کار کا رخ گھمایا تو ہنری کی خاک اور خون میں آلودہ لاش دکھائی دی اور مجھے جھرجھری آ گئی۔

سونیا نے ابھی جلتا بجھتا مجبور کر اس کی موت کا اعلان کیا پھر اس کا بھرا ہوا پستول اور سرچ لائٹ اٹھا کر واپس ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔

میرے شکار کے لیے آنے والوں میں سے ایک مر چکا تھا دوسری میری قیدی تھی۔ خاصی دور ٹیلوں کی اوٹ میں چھوٹا گوٹھ اب بھی دھندلا نظر آ رہا تھا۔

میں نے کار اس راستے پر ڈال دی جہاں سے میں نے ہنری کو آتے دیکھا تھا۔

وہاں میرے اور ہنری کے درمیان اتنی بھاگ دوڑ ہوئی تھی کہ کار کی آمد کا راستہ میرے ذہن میں محفوظ نہیں رہ سکا تھا۔ میں خاصی دیر تک صحرا میں بھٹکتا رہا۔ آخر کار جھاڑیوں کا وہ سلسلہ مجھے نظر آ گیا جو کار کی گزرگاہ کی نشاندہی کر رہا تھا۔ عقب کا آسمان میں کہرے سے ابھرتے ہوئے بلند ٹیلے نظر آ رہے تھے۔ اس کہرے کی تہ میں اتنی کثرت سے ہنری کی ابتدائی کیفیت تھی کہ پوری رات وہ آگ بجھنے کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔

کار ناہموار راستے پر ہچکولے کھاتی آگے بڑھتی رہی، میرا ذہن الجھا ہوا تھا کیونکہ اب آنے والے حالات کے بارے میں سوچنے میں مصروف تھا۔

کچھ دیر بعد گھنی جھاڑیاں ختم ہو گئیں اور ریگستانی راستہ مسدود ہو گیا کیونکہ سامنے مٹی کے اونچے ٹیلے تھے۔ بے ہنگم ٹیلوں کا سلسلہ ایک دیوار کی صورت میں پھیلا ہوا تھا۔ مٹی پر گاڑی کے ٹائروں کے نشانات بالکل واضح تھے لہٰذا میں ہلکی رفتار میں بڑھتا رہا اور بھول بھلیوں جیسے پیچ در پیچ راستے سے گزرنے کے بعد میں ٹیلے عبور کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ان ٹیلوں کے عقب میں ایک تنگ سا راستہ پھیلا ہوا تھا اور اس کے اختتام پر کسی قدر فاصلے پر پختہ سڑک کے آثار نظر آ رہے تھے۔

تقریباً نصف گھنٹے کی مسافت کے بعد میں سڑک پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہاں اگر میں نے عقب میں نگاہ ڈالی تو ٹیلوں کا تسلسل بھی نظر نہیں آ سکا۔ وہ چھوٹی سی کچی بستی ٹیلوں کے اس پار نشیب میں واقع تھی اور سڑک سے گزرنے والوں کی نگاہ کا وہاں تک جانا بھی ناممکنات میں سے تھا۔

میں نے گاڑی سڑک کے کنارے روک کر عقبی نشست پر پڑی ہوئی لڑکی کا جائزہ لیا تو وہ ہچکیوں کے باعث قدرے ہوش میں آ چکی تھی اور دھیرے دھیرے کراہ رہی تھی۔

سڑک پر اس طرح رکے رہنا کسی کو مداخلت کی دعوت دینے کے مترادف تھا۔ اس وقت رات کے بارہ بج رہے تھے اور تکان سے میرا برا حال تھا۔ مگر میں شہر کا رخ کرنے سے پیشتر لڑکی کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔ میں نے وہ کار دوبارہ کچے میدان میں اتار دی۔

ایک ٹیلے کی اوٹ میں گاڑی کھڑی کرنے کے بعد میں عقبی نشست پر پہنچ گیا۔ اس وقت تک لڑکی کی آوازوں میں قدرے تسلسل پیدا ہو گیا تھا۔ وہ کراہنے کے ساتھ بار بار کسی انجانی زبان میں بڑبڑا رہی تھی۔

میں نے سب سے پہلے اس کے شانے کی ہڈیاں ٹٹول کر دیکھیں۔ دائیں شانے پر میرا ہاتھ لگتے ہی وہ بے چین ہو گئی۔ مگر اس دوران مجھے اندازہ ہو گیا کہ ہڈی ٹوٹی تو نہیں تھی البتہ شدید ضرب کی وجہ سے اس پر کافی ورم آ گیا تھا۔

میں کچھ دیر تک اس کا سر اپنی گود میں لیے اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرتا رہا۔ آخر کار بار آور ثابت ہوئی اور چند ثانیوں کے سکتے کے بعد وہ ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔

"ہنری.... ہنری!" اس نے اندھیرے کے باعث مجھے ہنری سمجھتے ہوئے مضطربانہ لہجے میں کہا۔ "وہ کہاں گیا؟ خدا کے لیے اب تو مجھے ہسپتال لے چلو۔"

میں دانستہ خاموش رہا۔

میری خاموشی نے شاید اسے چونکا دیا۔ اندھیرے میں اس کی چمکتی ہوئی بڑی بڑی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ پھر وہ ہذیانی عالم میں تحیر آمیز چیخ کے ساتھ بولی۔ "تم کون ہو؟ بولتے کیوں نہیں؟ ہنری کہاں ہے؟"

"مشورہ ماننے کی ضرورت نہیں، میں سرد لہجے میں بولا۔ تمہیں ہنری

تک پہنچانے کے لیے مجھے تمہاری پیشانی میں صرف چند تولہ پگھلا ہوا سیسہ اتارنا ہوگا۔"

"اوہ!" اس کے حلق سے تحیر آمیز خوفزدہ آواز ابھری۔ "میرے خیال میں تم نے اسے مار ڈالا۔ شاید تم صفدر علی ہی ہو؟"

"ہاں میں صفدر علی ہوں۔ اگر تم زندہ رہنا چاہتی ہو تو مجھے اپنے کچھ سوالات کے جواب چاہئیں، ورنہ میں تم سے چھٹکارا پانے کی کسی آسان ترکیب پر عمل کروں گا۔"

"مجھے.... مگر تم مجھے نہیں مار سکو گے۔" وہ ہکلا کر بولی۔

"اس لیے کہ تم خوبصورت اور جوان ہو؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تم.... تم کالے خون والوں پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

اس کے یہ الفاظ میرے اعصاب پر دھماکے کا باعث ثابت ہوئے۔ کالا خون فلسطینی افواج آزادی دستوں کا شناختی کوڈ تھا جس کے ذریعے میں انہیں پہچان سکتا تھا۔ لڑکی نے کالے خون کا حوالہ دے کر مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ اگر وہ فلسطینیوں کے گروپ ہی سے تعلق رکھتی تھی تو اسے میرے خون کے پیاسے کے ساتھ تعاون کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس لڑکی نے دانستہ نادانستہ میرے اغوا میں ہنری کی مدد کی اور میں تھوڑی دیر قبل موت کے دہانے میں پہنچنے سے بال بال بچ سکا تھا۔ اگر وہ واقعی فلسطینیوں کے مقاصد کے لیے کام کر رہی تھی تو شاید ہنری کے ساتھ وہ آخری لمحے تک میری وفاداری کا امتحان لینا چاہتی تھی پھر شاید وہ خود ہی ہنری کے مقابلے میں میری مدد کے لیے تیار ہو جاتی۔

مگر اس کے لہجے میں اعتماد کا فقدان تھا۔ اس نے کالے خون کا حوالہ دیا تو اس کا لہجہ سہما ہوا سا تھا۔ اگر وہ فلسطینی ہی تھی تو اسے بدلے ہوئے حالات پر اطمینان کا سانس لینا چاہیے تھا جبکہ اس نے میرے ہاتھوں ہنری کی غیر متوقع موت پر شدید حیرت کا اظہار کیا تھا۔

"تم کس کالے خون کی بات کر رہی ہو، آج کی دنیا میں ہر شخص کا خون سفید ہو چکا ہے۔" میں نے سرد لہجے میں ساری صورتحال کا تجزیہ کرنے کے بعد کہا۔ "میں رنگدار نسل سے تعلق رکھتا ہوں مگر میرا اندازہ ہے کہ تمہارے ضمیر میں کہیں بھی سیاہ چمڑی کا گزر نہیں ہوا۔"

"تم خوب سمجھتے ہو کہ میں کس کالے خون کی بات کر رہی ہوں۔ تم مجھے دہشت زدہ کرنا چاہتے ہو۔" وہ سیٹ پر آگے سرکتے ہوئے بولی۔

"مجھے احمق نہ سمجھو لڑکی!"

"ہم.... مجھے تمہاری مدد کے لیے ہنری کے پیچھے لگایا گیا تھا۔ تم میری بات پر یقین کیوں نہیں کرتے؟"

"اس سلسلے میں میرا کون جھنجھوڑ چکا ہو گیا؟" میرا لہجہ تلخ تھا۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے حکم دیا گیا تھا جس کی میں پابند تھی۔"

"حکم دینے والا کون تھا؟"

"قاسمی ہادی" وہ برجستہ بول اٹھی۔

لڑکی کے اس جواب نے مجھ پر ساری صورت حال یک بیک واضح کر دی۔ فلسطینی قومی آزادی کا نمائندہ محمود جو مجھ سے شیخی ڈائریکٹ کے روپ میں ملا تھا، اپنی تنظیم کی حکمت عملی کے بارے میں اگر کئی باتیں بتا گیا تھا جن میں ایک یہ بھی تھی کہ تنظیم کے افراد اپنی معلومات کا غیر ضروری طور پر تبادلہ نہیں کرتے اور خاص طور پر ناموں کے بارے میں تو انتہائی رازداری برتی جاتی تھی تاکہ ایک شخص کی گرفتاری دوسروں کے لئے موت کا پھندا نہ بن سکے۔

مگر اس لڑکی نے بلا تامل مجھے قاسمی ہادی کا نام بتا دیا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ تنظیم کی نمائندہ تو کیا ہوتی اس کے طریقہ کار سے بھی ناواقف تھی۔ اس نے خود کو میرے چنگل میں بے بس پاکر اپنی نجات کے لئے ایک بھرپور چال چلنے کی کوشش کی تھی۔

اس چال سے یہ بھی ظاہر تھا کہ ہنری اور اس لڑکی کو یہ تو پہلے ہی یقین تھا کہ میں اسرائیل کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی فلسطینیوں کے ساتھ شامل ہو چکا ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ مجھ پر اعتماد انداز میں کالے خون کا حوالہ نہ دیتی۔ اس کی زبان سے اس کوڈ کا اظہار بتا رہا تھا کہ ہنری کی معلومات خطرناک حد تک وسیع تھیں اور شاید اسی وجہ سے اس نے مجھ پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔

ایسی صورت حال میں لڑکی کا زندہ رہنا میرے لئے خطرناک تھا۔ وہ ایک بار میری گرفت سے نکل جاتی اور اسے علم ہو جاتا کہ ہنری میرے ہاتھوں مارا جا چکا ہے تو وہ ساری معلومات براہ راست اسرائیل کے آرمی انٹیلی جنس یہودیوں فراہم کر سکتی تھی جس کے بعد میری گلو خلاصی ناممکن تھی۔ میرے لئے بہتر یہی تھا کہ اس لڑکی سے ساری معلومات اگلوانے کے بعد میں اسے ٹھکانے لگا دوں۔

"قاسمی ہادی؟" میں نے چند ثانیوں کی پرتفکر خاموشی کے بعد دہرایا۔ "یہ کون شخص ہے جو اس کا نام میرے لئے اجنبی ہے۔"

"وہ اسرائیل میں فلسطینیوں کے ایک گروپ کے لئے کام کر رہا ہے۔"

"ہنری سے تمہارا کیا رشتہ تھا؟"

"اس کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے مجھے جنسی سطح پر اس سے تعلقات استوار کرنے پڑے تھے۔" لڑکی کی گھبراہٹ آہستہ آہستہ کم ہونے لگی تھی۔

"اور اگر وہی تعلقات میں بھی قائم کرنا چاہوں تو؟"

"مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ مگر خدا کے لئے پہلے مجھے یہاں سے لے چلو، میری حالت بہت ابتر ہوتی جا رہی ہے۔" وہ میرا ہاتھ تھام کر بولی۔

"جب تک مجھے پوری طرح یقین نہیں ہو جاتا کہ تم فلسطینیوں کے لئے کام کر رہی ہو میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔" میں نے اندھیرے میں اس کے چہرے پر نظریں جما کر کہا۔

اس نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ "تمہیں مجھ پر ابھی تک یقین نہیں آیا؟"

"نہیں!" میں نے تامل بھرے لہجے میں کہا۔

"میرے خدا! آہ" وہ روہانسے لہجے میں بولی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس طرح تمہیں اپنی صداقت کا یقین دلاؤں۔ تم خود ہی بتاؤ کہ میں تمہیں کس طرح یقین دلا سکتی ہوں؟"

"ایک بات ذہن نشین کر لو کہ میں اسرائیل آنے سے پہلے بھی یہودیوں کے لئے کام کر چکا ہوں۔" میں نے اسے خائف کرنے کے لئے جھوٹ بولا۔ "اور میں ان کے بہت سے رازوں اور طریقہ کار سے پوری طرح واقف ہوں۔ تم اس بارے میں جو کچھ جانتی ہو بتا دو۔ مجھے تمہاری اصلیت کا پتہ چل جائے گا۔"

"مگر یہاں تو ان کے کئی گروپ کام کر رہے ہیں۔ پتہ نہیں تم کس کے بارے میں جانتے ہو؟" وہ اس بار خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"دیکھو مجھ سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "میرا وقت ضائع نہ کرو۔ اگر قاسمی ہادی نے تمہیں میری حفاظت پر مامور کیا ہے تو ظاہر ہے کہ میں اسی کے گروپ سے متعلق ہوں۔"

"وہ تو جارج حیاش کے پاپولر فرنٹ میں شامل ہے۔"

"بات جاری رکھو۔" خاموش پاکر میں نے لقمہ دیا۔ "درمیان میں، میں کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔ میرا فیصلہ تم آخر میں سن سکو گی۔"

"تم بہت سخت دل کے مالک ہو۔" وہ مایوسانہ لہجے میں بولی۔ "دیکھو مجھے زبان کھولنے پر مجبور نہ کرو۔ میں اپنی تکلیف کو بھول کر بھی تمہاری ہر خواہش پوری کرنے کو تیار ہوں۔"

"خواہش؟" میں سفاکانہ انداز میں ہنس دیا۔ "اگر میں اس وقت درندگی پر اتر آؤں تو یہاں میلوں کے رقبے میں کوئی تمہاری آواز سننے والا نہیں ہوگا۔"

"اس خطے میں فلسطینیوں کے بہت سے گروپ کام کر رہے ہیں۔" چند لمحوں کی بوجھل خاموشی کے بعد اس نے کہنا شروع کیا۔ "اسرائیل سے باہر ان کی پالیسیاں اور نظریات آپس میں بری طرح متصادم ہیں، مگر ان کا مقصد ایک ہی ہے۔ مگر بعض تشدد اور دہشت گردی کے ذریعے عالمی رائے عامہ کو فلسطین کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں اور کچھ پرامن سیاسی سرگرمیوں میں یقین رکھتے ہیں۔ مگر اسرائیل میں ان کے لئے سنگین خطرات ہیں جس کی وجہ سے وہ آپس میں تعاون کرتے ہیں۔ قاسمی ہادی نے مجھے بتایا تھا کہ تم ہنری کے لئے کام نہیں کر رہے۔ مگر تم یقینی طور پر کسی فلسطینی گروپ سے وابستہ ہو کیونکہ تمہارے خلاف اور سلامتی سے شدید دلچسپی ہے اس لئے اس نے اپنے طور پر تمہاری مدد اپنی ذمہ داری سمجھی۔ جب ہم کیفے کے قریب ڈرک مارا گیا تو ہنری نے ابتدائی تفتیش کے بعد یہ نظریہ قائم کر لیا کہ اس حادثے میں تمہاری ذات بھی کسی نہ کسی طرح ملوث ہے۔ قاسمی ہادی کو کسی طرح اس بات کی بھنک مل گئی اور اس نے مجھے ہنری کے ساتھ لگ جانے کا حکم دے دیا۔ اس نے یہ بھی بتا دیا

... کسی وقت تم پر خطرہ محسوس کر لیں تو کالے خون کا حوالہ ... ہو سکے گی۔ وہ تمہارے گروپ کی ماہیت اور حکمت عملی سے ... ہے۔ مگر تمہارے کوڈ ورڈ سے کسی طرح باخبر ہو گیا تھا۔"

"... ہنری ایسا تو کر چکا تھا کہ تم ایک دو دن میں ہی اس کی ... مہمان بن گئے۔"

"... پروانہ ملنے کے بعد سے وہ مسلسل میرے ساتھ تھا۔ ... پر سخت خفا تھا اور وہ تمہیں اذیتیں دے کر تمہاری ... بتا تھا کہ بچے اور پردادوں کو بتا سکے کہ وہ اپنی آستین میں ... پرورش کر رہے ہیں اور اسے بلاوجہ مورد عتاب کیا گیا ہے۔ ... تمہارا سر انجام دینا چاہتا تھا اسی لئے مجھے ساتھ لے آیا ... اس کے حریف نہیں بن سکتی تھی۔"

"میرے اغوا کا پروگرام کب بنایا گیا؟"

"... آج ہی۔" اس نے کہا اور میرے قریب سرک آئی۔ "اگر تم خود ہی ... سڑک پر نکل آتے تو وہ کہیں سے تمہیں گھیر لیتا۔ وہ ... سے تمہارے تعاقب میں لگا ہوا تھا۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے قدرے نرم آواز میں سوال کیا۔

"... رستانی۔"

... بھی بہت چالاک اور مکار تھی۔ مجھے اپنی باتوں ... میرا ہاتھ تھام کر مجھے یوں اپنے پوشیدہ وجود سے آشنا ... کی جس طرح کوئی نرم دل انسان کسی اندھے ... لیتا ہے۔

... بیا تھا مگر وہ راستہ بہت پیچ دار تھا۔ کرستانی مجھے مغلوب ... اپنے جسم کی تکلیف کو یکسر فراموش کر چکی تھی اور میرے ... بھی شاید سے اندازہ ہو چکا تھا کہ اس کے الفاظ مجھے ... لہذا اب وہ اپنے جیتے جاگتے اور مستقبل ہوئے گداز وجود ... میرے ذہن سے شبہات کی دھند چھٹنے کی کوشش میں مصروف تھی۔

"... مجھ سے دور رہو کرستانی!" اس کے بڑھتے ہوئے حوصلے کو ... میں نے کرخت لہجے میں کہا۔

"مجھے اس طرح نہ دھتکارو!" وہ خوشامدانہ لہجے میں بولی۔ "میں ... لمحوں کی مسرت بھی نہ مل سکی تو مجھے زندگی بھر اس کا قلق ... گا۔"

"مجھے معمولی مسرتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" میں نے ... کے ساتھ جیب سے پستول نکالتے ہوئے کہا۔ اس کی کنپٹی ... رکھ دیا۔

اس کا بدن سیٹ پر پوری قوت سے اچھلا اور پائیدان میں گر گیا ... نے دروازہ کھول کر لاش کو باہر نکال دیا اور کیمپ کے پیچھے کر ... کے ساتھ سفر کے آغاز سے قبل ہی اپنے

اعصاب کو اعتدال پر لانا چاہتا تھا۔

سگریٹ ختم کرنے کے بعد میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور آہستہ آہستہ گاڑی کو سڑک پر لے آیا۔

تاروں کی چمکتی ہوئی سیاہ سڑک میرے سامنے دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ جگہ میرے لئے بالکل اجنبی تھی۔ وہاں پھیلی ہوئی ویرانی سے اندازہ ہوتا تھا کہ میں تل ابیب سے کافی دور ہوں۔ میں نے اللہ کا نام لے کر گاڑی ایک سمت میں ڈال دی۔

تقریباً نصف گھنٹے تک میرا سفر کسی روک ٹوک کے بغیر جاری رہا۔ اس دوران مجھے نہ کوئی گاڑی نظر آئی نہ ہی کہیں روشنیاں نظر آئیں جن سے پتہ چلتا کہ ان اطراف میں کوئی آبادی بھی موجود ہے۔ اسرائیل کے بارے میں میرا تصور یہ تھا کہ وہ نہایت مختصر اور گنجان آباد ملک ہوگا۔ مگر میرا یہ تجربہ ان قیاسات کی سراسر نفی کر رہا تھا جو میں نے اسرائیل دیکھنے سے پہلے قائم کئے تھے۔

نصف گھنٹے کے بعد مجھے مدھم سی روشنیوں کے چند نقطے نظر آئے جو لحظہ بہ لحظہ واضح ہوتے چلے گئے اور جب میں قریب پہنچا تو ہیڈ لائٹس کی روشنی میں مجھے چند فوجی خیمے نظر آئے جو سڑک کے کنارے ایک قطار کی صورت میں ایستادہ تھے۔

اس مقام پر سڑک کے دونوں جانب دو عدد پول لگے ہوئے تھے جن سے ایک آہنی زنجیر اس طرح بندھی ہوئی تھی کہ راستہ توڑے بغیر گزرنا محال تھا۔ سڑک کے بائیں جانب تین باوردی فوجی کھڑے مجھے رکنے کا اشارہ کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک آٹومیٹک گن سے فائرنگ کے لئے بالکل تیار تھا۔

میں نے کار کے ایکسیلیٹر سے پاؤں ہٹا لیا اور ان تینوں سے چند فٹ کے فاصلے پر کار روک دی۔

"کون ہے؟" ایک فوجی انجن کے شور پر حاوی اونچی آواز میں پکارتا ہوا کار کی طرف بڑھنے لگا۔ "انجن بند کر دو۔"

میں نے فوراً ہیڈ لیمپس بند کر کے انجن آف کر دیا۔

تاریکی میں آنے والے کے فوجی جوتوں کی دھمک قریب آ کر تھم گئی۔ اس وقت تک میں بھی کار سے نیچے اتر چکا تھا۔ بقیہ دو فوجی بدستور اپنی جگہ پر موجود تھے۔

آنے والے نے عبرانی زبان میں مجھ سے کچھ دریافت کیا جو میرے بالکل پلے نہ پڑ سکا۔

"میں صرف انگریزی سمجھ سکتا ہوں۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

اس نے ٹارچ روشن کر کے سر سے پیر تک میرا جائزہ لیا پھر جھنجھلائے لہجے میں سوال کیا۔ "معلوم ہوتا ہے تم ... کر رہے ہو۔"

"میرا تعلق آرمی انٹیلی جنس کور سے ہے۔" میں نے بیٹھتے ہوئے

اپنا کارڈ نکالنے کے لئے جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ وہ ایک دم بھڑک اٹھا۔

"ہینڈز اپ!" کلاشنکوف جھکا کر وہ غرایا۔ "کوئی غلط حرکت کی تو ابھی بھون دیئے جاؤ گے۔"

میں نے خاموشی سے دونوں ہاتھ اٹھا لیے۔

"اب کیبن کی طرف چلو۔"

میں کیبنوں کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ میرے پیچھے ہو لیا۔ میں نے اس کی طرف گھوم کر کہا۔ "میرے ساتھ کار میں ایک مسافر اور بھی موجود ہے۔"

"وہ کہاں چھپا ہوا ہے؟" وہ تیزی سے بولا۔

"وہ ایک خوبصورت لڑکی ہے جو مردہ حالت میں پچھلی پائیدان پر پڑی ہوئی ہے۔" میں نے چلتے ہوئے پرسکون انداز میں جواب دیا۔

"ہولی!" میرے پیچھے آنے والے نے بلند آواز میں اپنے ساتھی کو مخاطب کیا۔ "ذرا اس کی جیپ میں گاڑی دیکھنا ہوں، یہ کہہ رہا ہے کہ اس میں ایک لاش پڑی ہے۔"

"لاش؟" دوسری جانب سے کسی کی حیرت آمیز آواز ابھری۔

پھر مشین گن والے نے جھپٹ کر مجھے کور کر لیا اور مجھے ایک خیمے تک پہنچا دیا گیا جہاں ہیڈ کوارٹر کی روشنی میں ایک ادھیڑ عمر فوجی بوٹوں تک کوچ پر یونیفارم سمیت سو رہا تھا۔ اس کے قریب ہی وائرلیس ٹرانسمیٹر اور ٹرانسمیٹنگ سیٹ تپائی پر رکھا ہوا تھا۔

قدموں کی آہٹ سن کر وہ ادھیڑ عمر شخص بیدار ہو گیا اور کوچ پر پڑے پڑے خالی الذہنی کے عالم میں میرا چہرہ تکنے لگا۔ اس کے شانوں پر چمکتے ہوئے نشانات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میجر ہے۔

مجھے لانے والوں میں سے ایک نے مختصر الفاظ میں اسے میری کہانی سنا دی۔

لاش کا ذکر آتے ہی میجر کی آنکھوں میں چمک عود کر آئی اور وہ اچھل کر بستر سے نیچے آ گیا۔ "اس کی جامہ تلاشی لی تم نے؟"

"ابھی لیتا ہوں سر!" یہ کہہ کر ایک فوجی نے میری جیبیں ٹٹول کر ریوالور برآمد کر لیا اور اس کی نال سونگھ کر اسے میجر کی طرف بڑھا دیا۔

میجر نے بھی نال کا دہانہ اپنی ناک سے لگا کر سونگھا پھر خونخوار نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس کی نال سے ابھی تک جلی ہوئی بارود کی بو آ رہی ہے۔"

"تازہ فائر کے بعد آنی ہی چاہیے میجر!" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "اگر اجازت ہو تو میں ہاتھ گرا کر اپنی کہانی سنا دوں؟"

"ضرور سناؤ۔" وہ ریوالور سے کھیلتے ہوئے بولا۔

اسی وقت تیسرا فوجی بوکھلایا ہوا وہاں آ پہنچا اور اس نے میجر کو سیلوٹ مار کر سنسنی خیز انداز میں کہا۔ "یہ درست کہتا ہے سر! کار میں ایک جوان اور خوبصورت لڑکی کی خون آلود لاش موجود ہے۔ آپ خود چل کر دیکھ لیں۔ لگتا ہے کہ قتل کی واردات تازہ ہے۔"

"نصف گھنٹہ قبل وہ زندہ تھی!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اور اس سے ذرا دیر قبل اس کا ساتھی بھی زندہ تھا۔"

"ساتھی؟" بیک وقت کئی حیرت آمیز آوازیں ابھریں۔

"ہاں۔ اس کی لاش میں ویرانے میں چھوڑ آیا ہوں۔" میں نے پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "اگر اجازت ہو تو میں آپ لوگوں کو اپنا شناختی نامہ دکھا دوں۔"

"کون ہو تم؟" میجر نے سوال کیا۔

میں نے اپنی جیب سے کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ کارڈ دیکھتے ہی اس کی پیشانی پر گہری شکنیں نمودار ہو گئیں۔ "تم ادھر کہاں جا رہے ہو؟"

"راستے کا اندازہ نہیں تھا اس لئے ادھر نکل آیا ہوں۔ میں تل ابیب جانا چاہتا ہوں۔"

"تل ابیب؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "شاید تمہیں علم نہیں کہ اس چیک پوسٹ سے آگے خطرناک ذیلی علاقہ شروع ہو جاتا ہے جس سے آگے شامی فوجوں کے مورچے ہیں۔"

"اوہ۔ تو میں شامی سرحد کے قریب موجود ہوں۔" میں نے اپنی کھوپڑی سہلاتے ہوئے کہا۔

"ان دو لاشوں کا کیا قصہ ہے؟"

"لڑکی کا ساتھی تفتیشی بیورو کا کیپٹن ہنری تھا۔ اس نے لڑکی کی مدد سے مجھے اغوا کر کے اس علاقے میں ایک کیبن میں قید کر دیا تھا۔ میں بمشکل تمام ان سے نمٹ سکا۔ لڑکی بھی میرے ہاتھوں ماری گئی۔"

"مگر تم ایک ہی جنس کور سے متعلق ہو تو آخر اس نے تمہیں کیوں اغوا کیا تھا؟ میری معلومات کے مطابق تفتیشی بیورو اسی کور کے تحت کام کرتا ہے۔"

"ذاتی عناد۔"

"میں نہیں مان سکتا۔" وہ بے اعتباری سے بولا۔ "سرکاری اہلکار ذاتی اختلافات کے سبب ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی نہیں کرتے۔"

"تم وائرلیس پر اوپر والوں سے بات کر سکتے ہو۔" میں نے پرسکون لہجہ برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ "کیپٹن ہنری میرے خلاف کام کر رہا تھا۔"

"اوپر والے؟" وہ چونک کر بولا۔ "میں خود وسیع اختیارات کا مالک ہوں مسٹر صفدر! تمہیں پوری طرح مجھے مطمئن کرنا ہوگا۔"

"مجھے کوئی عذر نہیں مگر بات صرف اتنی ہے کہ میرا جلد از جلد تل ابیب پہنچنا ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہو سکا تو خاصی پیچیدگی پیدا ہو جانے کا امکان ہے۔"

"یہاں سے تل ابیب کی مسافت کم از کم تین گھنٹے کی ہے۔ تم صبح سے پہلے وہاں نہیں پہنچ سکو گے اور اگر ضرورت ہوئی تو تمہارے لئے

اور بھی طلب کر سکوں گا۔"

"یہ بہتر ہوگا میجر!" میں نے احسان مندانہ لہجے میں کہا۔ "مسلسل سفر کے باعث میرے اعصاب بری طرح بکھر کر رہ گئے ہیں۔"

"بیٹھ جاؤ۔" وہ کیبن میں کی تپائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا پھر فوجیوں سے مخاطب ہوا۔ "تم لوگ بھی جاؤ۔ فکر کی ضرورت نہیں۔"

"اور لاش کا کیا کیا جائے سر؟"

"پڑی رہنے دو۔ اتنی جلدی خراب نہیں ہوگی۔"

ان کے چلے جانے کے بعد میجر نے اپنے تھرماس سے گرم گرم کافی پیالیاں بھریں اور سگار سلگا کر کوچ پر دراز ہو گیا۔

میں نے بھی کافی پیتے ہوئے اپنی کہانی چھیڑ دی۔ میں نے اسے ہر بات من و عن بتا دی علاوہ اس بات کے جس کے تحت مجھے مرنے والی لڑکی ملی تھی۔ اس کی موت کے بارے میں میں نے یہی بتایا کہ ہنری کی موت ہوتے ہی وہ ریوالور سمیت کار کی اگلی سیٹ کے پیچھے چھپی ہوئی تھی تاکہ جس وقت میں فرار کی نیت سے کار میں سوار ہو جاؤں تو وہ بے خبری میں مجھے نشانہ بنا سکے مگر میری خوش قسمتی سے میں اسے زیر کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ چھینا جھپٹی میں ریوالور چلا اور وہ میرے ہاتھوں اپنے منطقی انجام کو پہنچ گئی۔

"تم اس جگہ کی نشاندہی کر سکتے ہو جہاں تمہیں قید کیا گیا تھا؟" میجر نے کافی کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"مشکل ہے کیونکہ سارا راستہ یکساں قسم کے درختوں اور ویرانوں سے گھرا ہوا ہے۔ پھر اندھیرے کے باعث کوئی نشانی بھی ذہن میں محفوظ نہیں رہ سکی ہے۔"

"جنوبی جھونپڑی میں لگی ہوئی آگ تو شاید اب بھی روشن ہوگی۔"

"وہ سڑک سے دور واقع نشیب میں واقع ہے کہیں سڑک سے میں اس کا شعلہ بھی دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔"

"نشیب کی آگ نظر نہیں آئے گی؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"دراصل درمیان میں بہت اونچے ٹیلے حائل ہیں۔ میں کوشش ضرور کر سکتا ہوں مگر مجھے کامیابی کا فی الحال کچھ بھی یقین نہیں ہے۔"

"اور تم فوراً تل ابیب جانا چاہتے ہو؟"

"ہاں۔"

"صاف بات تو یہ ہے کہ تمہارا پولیس کیس ہے۔ شہری حدود میں ہونے والی وارداتوں سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔ مجھے پولیس کو باخبر کر دینا چاہیے، پھر وہ جانیں اور تم جانو۔ مگر میرا قیاس ہے کہ تمہاری کہانی درست ہے۔ میں ہیڈ کوارٹر سے گفتگو کرتا ہوں۔ شاید تمہارا مسئلہ حل ہو جائے۔"

اس کے بعد وہ بیک وقت کافی اور سگار سے شغل کرتا رہا۔ کافی ختم کرنے کے بعد وہ وائرلیس سیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کچھ دیر کی کوششوں کے بعد اس سے رابطہ مل گیا۔

وائرلیس پر گفتگو عبرانی زبان میں شروع ہوئی اور چند ہی فقروں کے بعد وہ ریسیور کان سے ہٹا کر میری طرف متوجہ ہو گیا۔

"تم کس گاڑی میں ہو؟"

"کالی سیڈان ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"مگر وہ تو بتاتے ہیں کہ تم فائر برڈ میں نکلے تھے جو وائرلیس ٹرانسمیٹر سے مزین تھی۔" اس نے استفہامیہ لہجے میں سوال کیا۔

"فائر برڈ کا ٹرانسمیٹر میرے اغوا کے وقت ہی ناکارہ کر دیا گیا تھا۔ وہ اس وقت بھی کسی ویرانے میں پڑی ہوگی۔ اس وقت میں کیپٹن ہنری کی کار میں ہوں۔"

وہ مجھ سے مزید کچھ کہے بغیر دوبارہ وائرلیس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس بار گفتگو چند منٹ تک جاری رہی۔ اس دوران دوسری جانب والا مسلسل بولتا رہا۔ میجر بس ہوں ہاں کرتا رہا اور آخر یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"وہ لوگ چند روز سے تمہاری تلاش میں ہیں۔" وہ ایک طویل سانس لے کر میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "فائر برڈ کے ٹرانسمیٹر سے رابطہ منقطع ہو جانے پر انہیں تشویش تھی۔"

"تو کیا اب میں تل ابیب واپسی کی امید کر سکتا ہوں؟"

"میرا خیال ہے کہ تمہیں راستہ سمجھا دیا جائے تو تم تنہا ڈرائیونگ کر لو گے؟"

"ہاں، تم اس کی فکر نہ کرو۔"

"میں خود ایک جیپ میں تمہارے پیچھے چلتا ہوں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "تمہیں یہاں سے واپس جانا ہوگا۔ راستے میں تم اس مقام کی نشاندہی بھی کر سکو گے جہاں ہنری کی لاش پڑی ہوئی ہے۔"

"یہ بہت مشکل ہے میجر!" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔ "ہنری کی لاش سڑک سے بہت دور ٹیلوں میں پڑی ہوئی ہے اور مجھے شک ہے کہ کسی طرح اس مقام کی نشاندہی نہ کر سکوں گا۔"

"اگر واقعی یہ ممکن نہیں تو پھر میرا جانا بے سود ہے۔"

تھوڑی دیر بعد میں اس چیک پوسٹ سے واپس روانہ ہو گیا۔ لڑکی کی لاش بدستور میرے ساتھ تھی۔ راستے کے بارے میں میجر نے مجھے ساری تفصیلات سمجھا دی تھیں جن کے مطابق مجھے اسارہ نامی ایک بستی کے پولیس اسٹیشن پر پہنچنا تھا۔ وہاں سے آگے کوئی میری رہنمائی کے لئے موجود ہوتا۔

اسارہ ایک مختصر اور صاف ستھری آبادی تھی۔ پختہ اور یک منزلہ عمارات پر مشتمل مکانات پر رات کا خواب ناک سناٹا طاری تھا۔ مجھے پولیس اسٹیشن پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ وہاں عمارت کے احاطے میں ایک گشتی کار کے پاس چند پولیس افسر میری آمد کے منتظر تھے۔

انہوں نے مجھ سے میری شناخت کے علاوہ اور کچھ طلب کیا نہ کوئی بات کی اور فوراً مجھے گشتی کار کی عقبی آرام دہ نشست پر منتقل کر دیا گیا اور وہ کار فوراً روانہ ہو گئی۔ لاش والی سیاہ کار پولیس کے

ایک ڈرائیور نے سنبھالی اور وہ پیچھے روانہ ہو گئی۔

سکون اور تحفظ کا احساس میسر آتے ہی مجھ پر نیند کا شدید غلبہ ہونے لگا اور میں گاڑی کے ہچکولوں کے درمیان گہری نیند سو گیا۔

جب دوبارہ میری آنکھ کھلی تو صبح طلوع ہو چکی تھی، ہر طرف سورج کی تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی اور ابھی تک کار ویران راستوں پر دوڑ رہی تھی۔ کالی سیڈان مستقل فاصلے کے ساتھ پیچھے چلی آ رہی تھی۔

صبح کے آٹھ بجے کے قریب ہم اس عمارت میں جا پہنچے جہاں ان دنوں میرا قیام تھا۔ چونکہ متعلقہ سنتریوں نے شاید گیٹ کھولنے کے ساتھ ہی فون پر اوپر والوں کو خبر دی کیونکہ میرے کار سے اترتے تک ماریا برآمدے میں آ چکی تھی۔ اس کے ہمراہ تین افراد اور بھی تھے۔

نہایت مختصر اور رسمی تعارف کے بعد ماریا نے کالی سیڈان کی نشست کا جائزہ لیا اور اسامہ جتنی واپس آ گئی۔

ماریا کے ساتھ آنے والے افراد پولیس کے عملے کو ساتھ لے گئے اور وہ مجھے اپنے ہمراہ لے کر اوپری منزل کی طرف چل دی جہاں میرا کمرہ واقع تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہاری ذات میں کون سی ایسی خاص بات ہے جو ساری مصیبتیں تمہارا تعاقب کرتی رہتی ہیں۔" ماریا نے میرا ہاتھ تھام کر کہا۔

"میں انہیں تو ہرگز مصیبتیں نہیں سمجھتا۔"

"تم احمق ہو۔" وہ مصنوعی جھنجھلاہٹ سے بولی۔ "مجھے کیا ضرورت ہے جو میں تمہارا پیچھا کرتی پھروں گی؟"

"ظاہر ہے۔" میں نے سنجیدگی سے اس کی بات اچک لی۔ "تمہاری خاطر تو تمہارے بے شمار ماتحت گوریلا کیمپ کی صعوبتیں جھیلنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔"

"ہنری تم سے کیا چاہتا تھا؟" میرے کمرے میں پہنچنے کے بعد اس نے سوال کیا۔

"مجھے یہ جاننے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ شاید وہ مجھ سے کوئی من مانا اعتراف کرانے کا منصوبہ تیار کیے بیٹھا تھا۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔

"یہ معاملہ سنگین صورت اختیار کر گیا ہے۔" وہ سنجیدگی کے ساتھ بولی۔ "تمہیں اپنی مدافعت کے لیے ہر وقت تیار رہنا ہوگا ورنہ مصائب سے دوچار ہو جاؤ گے۔" ایک لمحے کے توقف کے بعد اس نے پوچھا۔ "تم ہنری کے ہاتھ سے بچ کیسے نکلے؟"

اس پر میں نے مختصراً ماریا کو تفصیل سے ہنری والی پوری کہانی سنا دی۔

"تو وہ عزرا فرم پر آخری وار کرنے کے چکر میں ماری گئی ہے۔" میرے خاموش ہو جانے پر ماریا نے میرے ہاتھوں مرنے والی کے بارے میں تبصرہ کیا۔

"شاید وہ تمہاری شناسا تھی؟"

"عزرا پورے تل ابیب میں بدنام تھی۔" ماریا سگریٹ کا کش لے کر بولی۔ "ہنری سے دوستی ہونے سے پہلے وہ ایک ہوٹل میں بزنس کرتی تھی، پھر ہنری اس پر فریفتہ ہو گیا اور اس نے ہوٹل کی ملازمت ترک کر دی۔ وہ مدت سے شادی کے بغیر میاں بیوی کی طرح رہ رہے تھے۔"

"اگر تم اجازت دو تو میں نہا دھو کر لباس تبدیل کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور۔" وہ جلدی سے بولی۔ "فی الحال تم آرام کرو۔ میں کچھ دیر بعد آؤں گی۔"

"اور اس لاش کا کیا ہوگا؟"

"اس کی تم فکر نہ کرو۔ ہنری کی لاش کے ساتھ ہی وہ بھی پہنچا دی جائے گی۔"

"ہنری کی لاش؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔" وہ بولی۔ "اطلاع ملتے ہی اس علاقے میں پولیس کا عملہ پہنچ گیا تھا۔ آگ کے باعث وہ جگہ آسانی سے مل گئی اور ہنری کی مسخ شدہ لاش بھی مل گئی۔"

ماریا چلی گئی اور میں غسل خانے میں گھس گیا۔

گرم پانی کے نیچے نہانے کے بعد میں باہر آیا تو لباس تبدیل کرتے ہوئے میں نے کال بیل دبا دی جس کے بعد ایک ملازم میرے پاس آ پہنچا۔

میں نے اسے شراب اور چند ہلکی پھلکی چیزیں لانے کا حکم دیا مگر وہ بدستور وہیں کھڑا رہا۔

"کیا بات ہے؟" میں بال خشک کرتے ہوئے ناگواری سے اس کی طرف گھوم گیا۔

وہ اپنے ہونٹوں پر اپنی شہادت کی انگلی رکھے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

اس کی سرد نگاہیں اور اپنی غیر محفوظ حیثیت کا اندازہ کر کے میرے بدن کے مساموں سے ٹھنڈا پسینہ پھوٹ پڑا۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ فلسطینی افواج آزادی کا رکن ہے۔ اپنی دانست میں اس نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کر کے ڈکٹا فون وغیرہ کے خلاف احتیاطی تدبیر کی تھی مگر مجھے پورا یقین تھا کہ اس کمرے میں کہیں نہ کہیں خفیہ ٹی وی کیمرہ بھی ضرور نصب ہوگا جس پر میری ہر حرکت دیکھی جا رہی ہوگی۔ ہنری والے سنگین معاملے کے بعد وہ لوگ مجھے یوں کھلی چھوٹ نہیں دے سکتے تھے۔

"کیا بات ہے؟ اس حرکت کا کیا مطلب ہے؟" میں نے غرا کر اس سے سوال کیا۔

میرے اس رویے پر اس کی نگاہوں میں تحیر کی جھلکیاں ابھر آئیں۔ پھر اس کے لبوں نے کوئی آواز پیدا کیے بغیر جنبش کی اور میرے لیے یہ سمجھنا مشکل نہ ہوا کہ وہ کالے خون کا حوالہ دے رہا تھا۔

میں وقت ضائع کیے بغیر اچانک اس پر ٹوٹ پڑا۔ وہ غصے سے ... پشت کے بل فرش پر ڈھیر ہو گیا اور میں نے آتے ہی اس کا نرخرہ دبانا شروع کر دیا۔

وہ ضعیف شخص تھا میرے اس جارحانہ رویے سے بری طرح ... اس نے کئی مرتبہ بولنا بھی چاہا مگر اس کے حلق سے خرخراہٹ کے سوا کوئی آواز نہ نکل سکی۔

میں اسے جلد از جلد ٹھکانے لگا دینا چاہتا تھا تاکہ کسی کی مداخلت سے پہلے قصہ ختم ہو جائے۔ اسی وقت باہر راہداری میں کسی کے قدموں کی دھمک سنائی دی اور میں نے جنون کے عالم میں اس کا سر فرش پر دے مارا۔

... کا گزر ہوا دوسرے ہی لمحے خون کے چھینٹے کے ساتھ ہی بوڑھے کے ہاتھ پیر بے جان ہونے لگے۔ اس کے ہونٹوں پر نیلاہٹ پھیل چکی تھی۔

میں اس پر سے اترا ہی تھا کہ دو تین مسلح افراد دروازہ دھکیل کر اندر چلے آئے۔

"ارے یہ تو بری طرح زخمی ہے۔" بوڑھے کو سسکتے اور تڑپتے ہوئے دیکھ کر ان میں سے ایک حیرت سے بولا۔

"جلدی اسے اٹھاؤ۔ اگر بروقت طبی امداد نہ دی گئی تو یہ مر جائے گا۔" دوسرے نے یہ کہتے ہوئے بوڑھے کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اٹھا لیا۔

وہ دونوں میری طرف ذرا بھی متوجہ نہیں ہوئے اور بوڑھے کو لے کر عجلت کے ساتھ وہاں سے نکل گئے۔

میں تاسف آمیز انداز میں وہیں کھڑا قالین پر پڑے خون کو دیکھتا رہا پھر بوجھل دل کے ساتھ بستر پر جا لیٹا۔

مجھے یقین تھا کہ اس کمرے میں بھی کوئی خفیہ کیمرہ نصب ہے جو میری حرکات کسی سکرین تک پہنچاتا رہا ہے۔

... کے بارے میں میرے نظریے کی تائید ان افراد کی آمد سے ہو گئی ... بالکل خاموشی کے ساتھ میں نے ... قالین پر گرنے کے سبب سے اس کے گرنے کا دھماکا بھی معمولی تھا ... کی طرف متوجہ ہونے کا امکان نہیں تھا۔

... شخص کو ڈاکٹر ... بوڑھے کو ... دیکھ چکا اور اسے ایک بوڑھے کی زندگی سے دلچسپی ... کہ اس کی زبان سے اس کی کہانی سن سکے ... نے بوڑھے کی مدد کے لیے دو آدمی روانہ کیے۔ مگر مجھے پورا ... کا علم ہو رہا تھا۔ بوڑھا بدنصیب اپنی کہانی سینے میں دفن کیے ... چکا تھا اور کسی قسم کی جلدی اس کے کام نہ آ سکی تھی۔ اس کے لیے ...

زندگی کے ہولناک عذاب سے دوچار کر دیتے اور پھر وہ نہ صرف میرے بارے میں بلکہ اپنے تمام فلسطینی تنظیموں کے بارے میں زبان کھولنے پر مجبور ہو جاتا۔ ترجیحی مفادات کا تقاضا یہی تھا کہ ایک فرد کی موت کے منہ میں دھکیل دیا جائے۔

ماریا حسب پروگرام دوپہر سے قبل ہی آ پہنچی۔

"تم نے بوڑھے پر قاتلانہ حملہ کیوں کیا تھا صفدر؟" اس نے آتے ہی سرد لہجے میں سوال کیا۔ اس وقت اس کا انداز بالکل بدلا ہوا تھا۔

"اس لیے کہ اس نے مشکوک حرکات کا آغاز کر دیا تھا۔" میں نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کیسی مشکوک حرکات؟"

"اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے زبان بند رکھنے کا اشارہ کیا تھا اور مجھے شبہ تھا کہ اس کے پاس کوئی اسلحہ بھی موجود ہے۔"

"حالانکہ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ اس عمارت میں تم ہر طرح محفوظ ہو۔"

"تم نے تو ایک بار یہ بھی کہا تھا کہ میں اسرائیل میں بالکل محفوظ رہوں گا۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "مگر اس کے باوجود ایک بار میں بال بال بچا اور بے چارہ ڈرائیور ناگہانی مارا گیا اور دوسری مرتبہ میں ہنری کے ہاتھوں اذیت ناک موت کا شکار ہوتے ہوتے بچا۔"

"تمہاری ذات تو وبال جان بنتی جا رہی ہے ہمارے لیے۔"

"میں اپنی مرضی سے یہاں نہیں آیا تھا۔ تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ مجھے میری مرضی کے خلاف اس سرزمین پر لایا گیا ہے اور میں حالات کے سامنے بے بس ہوں۔"

"تمہارے ہاتھوں زخمی ہونے والا بوڑھا دم توڑ گیا ہے۔" وہ اسی سرد لہجے میں بولی۔ "تمہاری وجہ سے گزشتہ چند دنوں میں یہ تیسرا جانی اتلاف ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کیپٹن ماریا! میں ان جانوں کے ضیاع پر دلی تعزیت کرنے کو تیار ہوں۔"

"کان کھول کر سن لو صفدر! کہ اب تم ہمارا اعتماد کھو چکے ہو۔" وہ بولی۔ "وقت آ گیا ہے کہ تم از خود ہمیں اپنی تمام سرگرمیوں اور اصلیت سے باخبر کر دو۔"

"میرے شب و روز کا ایک ایک لمحہ تمہارے سامنے ہے۔"

"میں اسی لیے یہ بات کہہ رہی ہوں۔"

"تو کس بنا پر؟" میں نے تعجب آمیز لہجے میں کہا۔ "میں شروع سے آخر تک سربراہ مملکت کی ہدایت پر پوری طرح عمل پیرا رہا ہوں۔"

"ڈیوڈ پر قاتلانہ حملے کی واردات پوری تفصیل سے دیکھی گئی ہے۔" اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کسی ہوٹل سے بھاگنے والوں کو کیا میرے بیان پر شبہ ہو سکتا ہے؟" میں نے بظاہر مضحکہ خیز لہجے میں کہا مگر ماریا کے ان الفاظ پر میرا

دل یکبارگی تیزی سے دھڑک اٹھا تھا۔ اس کے الفاظ میرے شبہات کی تائید کر رہے تھے اور مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میری چھٹی حس ہر قدم پر میری بے مثال رہنمائی کر رہی ہے۔

"کیوں بھول رہی ہو کہ یہ مناظر ٹیلی وژن کی وسیع اسکرین پر دیکھے گئے ہیں۔ شاید تمہیں علم نہیں کہ ہم کسی بھی وقت ٹی وی پر نگرانی کر سکتے ہیں اور اس پوری واردات کی ویڈیو فلم بھی تیار ہو رہی ہے جو جلد ہی دستیاب ہو جائے گی۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے۔ یہ فلم تمہیں بتائے گی کہ میرے حملے کا سبب کیا تھا۔ ڈیوڈ کا اسرار اور جارحانہ انداز میں پیش آیا تھا اور میرا ردعمل منطقی تھا کیونکہ میں چند ہی گھنٹوں قبل ہنری کے ساتھ ایک خوفناک معرکے سے دوچار ہو چکا تھا۔"

"مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ تم ان آسائشوں کو ٹھکرا کر الگ راہ اختیار کر رہے ہو۔"

"اگر میرے مقدر میں یہی لکھا جا چکا ہے تو شاید میں کوشش کر کے بھی اس سے نہ بچ سکوں گا۔"

وہ تلخ انداز میں ہنس پڑی۔ "تمہیں چند گھنٹوں کی مہلت دی جا رہی ہے۔ ہنری اور ڈیوڈ کے معاملات کے بارے میں تم تحریری رپورٹ تیار کر لو۔ اس کے مندرجات کی بنیاد پر تمہارے مستقبل کا فیصلہ کیا جائے گا۔"

"رپورٹ میں ضرور تیار کروں گا مگر اس سے پہلے میں کرنل یوسٹانا سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"وہ مصروف عورت ہے۔ اب تم براہ راست میرے چارج میں دیئے جا چکے ہو۔ اس لئے کرنل کے بارے میں سوچنا چھوڑ دو۔" اس نے خشک لہجے میں کہا۔

"میری رپورٹ میں ان باتوں کے علاوہ کچھ نہ ہوگا جو تم مجھ سے سن چکی ہو۔"

"اس کے باوجود میں تمہاری تحریر چاہتی ہوں۔" اس نے فکرمند لہجے میں کہا۔ "شاید لکھتے ہوئے تمہیں کچھ ایسی باتیں بھی یاد آ جائیں جو تم دانستہ بھول رہے ہو۔"

[illegible] وہاں سے چلی گئی۔

میں نے تھوڑی دیر میں اپنی رپورٹ مکمل کر لی۔ [illegible] اس کو میں نے کئی بار پڑھا اور مطمئن ہو کر دوبارہ بستر پر دراز ہو گیا۔ رپورٹ میں کوئی لفظ یا فقرہ ایسا نہیں تھا جس کی بنا پر میری گرفت ہو سکے بلکہ [illegible] میری کہانی کچھ زیادہ مربوط ہو گئی تھی۔ مگر میں جانتا تھا کہ اب میرے لئے یہاں کے راستے مسدود ہوتے جا رہے ہیں۔ وہ لوگ ایک بار شبہ میں پڑ جانے کے بعد آسانی سے میرا پیچھا نہ چھوڑتے۔

اسی شام ماریا نے میری بار مجھ سے ملاقات کی۔ اس بار مجھے ایک وسیع کمرے میں طلب کیا گیا تھا جہاں مجھے عجیب سا احساس [illegible]

"معلوم ہوتا ہے کہ اب تک تمہیں اپنی حیثیت کے بارے میں غلط فہمی ہے۔" اس نے سرسری انداز میں رپورٹ پڑھنے کے بعد [illegible]

"میں جانتا ہوں کہ یہاں میں محض جیل کا ایک قیدی ہوں۔"

"ایسے ہی جاؤ۔" ماریا نے پیچھے مڑ کر [illegible] سے ایک جھٹکے سامنے نکل کر مجھ پر ٹوٹ پڑے۔

اس کمرے میں مختلف زاویوں سے تین طاقتور سرچ لائٹس کا اس طرح اہتمام تھا کہ ان کے عقب میں وسیع ہال کا آخری حصہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ سرچ لائٹس کے سامنے والی دیواروں کی [illegible] کچھ اس قسم کی تھی کہ ان سے روشنی [illegible] جل رہا تھا۔ اس اندھیرے میں کچھ لوگ موجود ہیں۔

سرچ لائٹس کے درمیان ایک خوبصورت سا [illegible] تھا جس پر ایک پیچیدہ مشین نما آہنی کرسی رکھی ہوئی تھی۔ اس کرسی کے ساتھ ایسے حصے بھی منسلک تھے جن کے ذریعے بیٹھنے والے کی نقل و حرکت کی آزادی سے باآسانی محروم کیا جا سکتا تھا۔

وہ لوگ مجھے کرسی کے حصے سے [illegible] گئے اور مجھے بٹھانے کے بعد پھرتی سے یہ سب [illegible] خودکار شکنجوں میں کس دیا۔ میری پنڈلیاں، بیٹھنے کے ساتھ ہی [illegible] گرفت میں آ چکی تھیں۔ [illegible]

مجھے بے بس کرنے کے بعد وہ لوگ پھرتی سے اندھیرے میں معدوم ہو گئے اور ماریا کرسی کے مقابل ہی ایک مختصر [illegible] ڈیسک پر پہنچ گئی۔

اندھیرے میں کچھ سرسراہٹ سی ہوئی [illegible] اور پھر ایک بھاری سی آواز [illegible]

ماریا مجھے پوری طرح نظر آ رہی تھی۔ اس نے بڑے انداز سے [illegible] شہادت کی انگلی فضا میں لہرا کر کھانی اور پھر ڈیسک کا ایک بٹن دبا دیا۔

[illegible] آہستہ آہستہ ... فرش سے بلند ہونے لگی۔ [illegible]

بلندی پر پہنچنے کے بعد [illegible] اس کے ساتھ ہی میرے بدن کو ایک خفیف برقی جھٹکا لگا۔ میرا جسم [illegible] سا کسمسا کر رہ گیا۔

پھر یکبارگی سرچ لائٹس کی روشنی بہت تیز ہو گئی اور ان کی [illegible] مجھے اپنے جسم میں چبھتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ ابھی میں اس عمل سے سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ ایک بار پھر پوری قوت سے [illegible] تیز تر ہو گئی۔

چند ہی سیکنڈ میں مجھے اپنی طاقت کا احساس ہو گیا [illegible] ساتھ گردش میں ڈال دیا۔ [illegible] میں خاموش ہو کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ مجھے بہت ساری [illegible]

[illegible] محسوس ہو رہا تھا۔

[illegible] سے تمہارا ربط ہے یہ گردش کی ہو [illegible] آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

[illegible] سے ہو رہی تھی جتنی خاموش رہ کر ماریا نے ایک بار پھر [illegible] اس بار جتنی میں کچھ ہو الٹی طرف ایک شدید برقی جھٹکے [illegible] طرح جھٹکے پہ ہو چکا دیا۔ میرے اعصاب بری طرح جھنجھنا [illegible]

[illegible] جھٹکوں کے اثرات سے تم طویل عرصے تک [illegible] خاموش ہو گئے۔ میں سکون آواز میں کہنے لگی۔ [illegible] سے گزار دیا جائے گا۔ [illegible] آنکھیں [illegible]

[illegible] تمہارے بدن میں سے گزر [illegible] اور اس کے اجزاء میں تحلیل کر دیئے گئے اور اس [illegible] کسی مرحلے سے [illegible] کہ اپنے اعصاب کی قوت [illegible] مجبور ہو جاؤ گے [illegible]

[illegible] ہو چکی ہوگی۔

[illegible] مجھے اپنی آواز [illegible] ہو کر چند ہی لمحوں میں [illegible]

"[illegible] تمہیں کس کا پیغام [illegible] تھا؟"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"[illegible] اسے کس لئے ہلاک کر دیا؟"

"[illegible] مجھے اپنی جان کے لئے خطرہ نظر آ رہا تھا۔" اس تکلیف دہ [illegible] جانے کون سی مقناطیسی قوت پوشیدہ تھی کہ مجھے [illegible] محسوس ہو رہی تھی۔

"اپنے جواب کی وضاحت کرو۔"

[illegible] ہوتے ہوئے [illegible] کی یاد سرچ لائٹس کی [illegible] کو اپنے سامنے سے گزرتا محسوس کر رہا تھا۔ [illegible] ہونے کی وجہ سے میرے ذہن پر غنودگی کی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ [illegible] جس نے مجھے خطرے سے آگاہ کیا تھا۔ مجھے [illegible] سے آگاہ محسوس ہوا [illegible] کھول [illegible] لمحے میں [illegible] اور اس کی لہریں [illegible] اندر [illegible]

[illegible] سے نکل کر [illegible] سے اوپر اٹھا جا رہا ہوں اور پھر [illegible]

[illegible] کی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی محسوس ہوئی۔

"تم جسے دیکھ رہے ہو اس کے سامنے [illegible] کو کسی بھی سوال کی آواز سنائی دی۔"

"ہاں" میں نے اپنے سینے سے جواب ابھرتا محسوس کیا مگر میرے کان اپنی آواز نہ سن سکے۔

اس کے ساتھ اس کے سوالوں کی چند دھیمی دھیمی سی گونج سنائی دی جیسے کہ وہاں طبی آلات کے مرکز سے بہت دور [illegible] معروف ہو رہا ہو۔ اس کے چند ہی ثانیوں بعد احساس بھی ذہن کی اتھاہ گہرائیوں میں کہیں ڈوب گیا۔

دوبارہ مجھے ہوش آیا تو میں اپنے بستر پر موجود تھا۔ میرا دل [illegible] دھڑک رہا تھا اور آنکھوں کے سامنے بے شمار رنگین نقطے ناچ رہے تھے۔ میرے بدن پر ایک کمبل پڑا ہوا تھا۔ بدن پسینوں میں شرابور ہو رہا تھا۔ شاید مجھے شدید بخار چڑھ گیا تھا۔

کئی سیکنڈ کے بعد میری بصارت معمول پر آئی تو مجھے ماریا کا حسین چہرہ نظر آیا۔ وہ میرے قریب ہی موجود تھی۔ [illegible] دیکھ کر [illegible] مجھے پھریری سی آ گئی۔

"کیسے ہو تم؟" اس نے نرم لہجے میں سوال کیا۔

"ٹھیک ہوں لیکن" میں نے بولنے کی کوشش کی تو شدید کمزوری محسوس کی۔ "تم نے مجھے کیا کر دیا ہے؟ بخار تو مجھے پہلے نہیں تھا۔"

"تمہارے جسم نے تمہیں اس حال کو پہنچایا ہے۔" وہ ہنس کر بولی۔

"[illegible] کمزوری تو چار دن تک رہے گی، یہ چار دن پہلے کی بات ہے۔"

"چار دن؟" میں نے حیرت سے کہا اور کہنیوں کے سہارے بستر سے اٹھنا چاہا مگر جکڑنے کے سبب دوبارہ لیٹنے پر مجبور ہو گیا۔ "ابھی کچھ دیر پہلے تو تم مجھے کمرے میں لے جا رہی تھیں۔"

"وہ چار دن پہلے کی بات ہے۔ اب اپنے ذہن پر زور نہ دو۔ تم جلد ہی صحت یاب ہو جاؤ گے۔"

"تم کتنی مہربان ہو [illegible]" میں نے مسکرا کر کہا اور جمائی لے کر کمبل میں منہ ڈھانپ لیا۔ مجھ پر ایک بار پھر غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔

اس کمرے میں جب میری آنکھ کھلی تو میری حالت خراب ہو گئی تھی مگر نقاہت اس قدر شدید نہیں تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے بدن میں توانائی کی لہر دوڑ رہی ہو۔ [illegible] ماریا نے بتایا کہ مجھے خود [illegible] کر دیا تھا [illegible] ہوش کی اس منزل پر پہنچا کر مجھے [illegible] کا بھی احساس نہ ہو سکا۔ [illegible] ماریا کے اطمینان سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ان لوگوں کو تفتیش کا نتیجہ بہت زیادہ اطمینان بخش رہا ہے۔

میں کئی دن بستر سے اٹھنے کے قابل نہ ہو سکا۔ اس دوران کئی بار ماریا میری مزاج پرسی کے لئے آئی۔ میں نے کئی بار اس سے کرید کرید کر پوچھنا چاہا کہ وہ مجھ سے کیا کچھ معلوم کر چکی ہے مگر اس نے ہر بار نہایت خوبصورتی سے

موضوع گفتگو رہا اور میری الجھن بدستور برقرار رہی۔

تیسرے روز مجھے یہ اطلاع دیے بغیر [illegible] تھا کہ اس عمارت کے ایک ایسے حصے میں پہنچا دیا گیا جہاں سات فلسطینی [illegible] کے سامنے ایک شناختی پریڈ کے لیے موجود تھے۔

"ان سب کو غور سے دیکھو اور ایسے شخص کو پہچاننے کی کوشش کرو جسے تم پہلے کبھی کہیں دیکھ چکے ہو۔" یارا نے جذبات سے عاری لہجے میں مجھے حکم دیا۔ [illegible]

[illegible] کے اس حکم کے ساتھ [illegible] ان ساتوں میں کسی کی بھی ظاہری حیرت انگیز مشابہت موجود تھی۔ بے اختیار میری نگاہیں اس قطار کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھسلتی چلی گئیں اور میں نے [illegible] محمود [illegible] تھا۔۔۔

شاید وہ لوگ میری زبان سے محمود کا حلیہ اگلوانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ پھر اس سے ملتے جلتے خدوخال اور جسامت والے فلسطینی انہیں نظر آئے پکڑ لیے گئے۔

عباس [illegible] اسرائیلی افسران گہری نظروں سے میرے اور قیدیوں کے چہروں کے تاثرات کا مشاہدہ کر رہے تھے اور جب قطار کے ایک سرے پہنچنے کے بعد [illegible] قیدیوں کے چہرے ابھی تک دہشت سے زرد ہو رہے تھے۔ شاید انہیں یہ بھی علم نہیں تھا کہ انہیں کس جرم کی پاداش میں قید کر کے اس شناختی پریڈ کے لیے لایا گیا ہے۔

میرے قریب پہنچنے پر یارا نے استفسار طلب نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"ان میں سب چہرے میرے لیے اجنبی ہیں۔" میں نے تھکی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"ان نوجوانوں میں تمہیں کسی کی بھی مشابہت نظر آتی ہے؟" افسر نے قطار میں سے [illegible] سوال کیا۔

"ہاں۔" میں نے اعتراف کرتے ہوئے اپنے حلق میں کوئی [illegible] چیز اٹکتی ہوئی محسوس کی۔

"کیوں وقت ضائع کر رہے ہو سلمان؟" یارا نے [illegible] لہجے میں کہا۔

"صرف چند منٹ کی بات ہے۔" اس نے شائستہ لہجے میں جواب دیا پھر مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ "ان میں جو شخص محمود سے قریب ترین مشابہت رکھتا ہے ذرا ایک بار اس کی نشاندہی کر دو۔"

ایک بار پھر [illegible] مشاہدہ کرنے کے بعد ایک [illegible] کی طرف اشارہ کر دیا جو محمود سے سب سے کم مشابہت رکھتا تھا۔

سلمان نے قلم اور کاغذ سنبھال کر مجھ سے سوالات شروع کیے [illegible] حتی الامکان اسے گمراہ کرنے کی کوشش کرتا رہا [illegible] ملاقات میں مجھے محمود اور اس کے مقاصد زیادہ عزیز تھے۔

اس کے بعد مجھے دوبارہ کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

اگلے چند روز میرے لیے نہایت صبر آزما ثابت ہوئے۔ میرا تمام وقت اس کمرے میں گزرتا تھا۔ حالات سنبھل جانے کے بعد میں نے کمرے سے باہر نکلنا چاہا لیکن مجھے [illegible] کے ساتھ واپس بھیج دیا گیا۔ اس دوران میری صرف دو مرتبہ یارا سے ملاقات ہوئی۔

اس نے صاف الفاظ میں مجھے بتا دیا کہ وہ لوگ [illegible] واقف ہو چکے ہیں اور اب مجھے مزید تربیت کے لیے بھیجنے کا پروگرام منسوخ کیا جا چکا ہے۔ اور اب میرے مستقبل کا انحصار صرف اس امر پر ہے کہ میں فلسطینی [illegible] کے اسرائیلی [illegible] ان کی مدد کروں۔

اس کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ میری زبان سے بہت کچھ اگلوا چکے ہیں [illegible] بعض باتیں ان سے پوشیدہ [illegible] میری زبان [illegible]

[illegible] اور اس کے ذریعے انسان کے شعور [illegible] معاملات کا انحصار سوالات کی نوعیت پر ہوتا ہے [illegible] کے بارے میں [illegible] اس کے بارے میں سوالات کر کے انہوں نے [illegible] معلومات حاصل کر لی تھیں مگر جن چیزوں کے بارے میں سوالات نہیں کیے گئے وہ ابھی تک ان سے پوشیدہ تھے۔

میرے صحت یاب ہونے کے بعد یارا نے مجھے بتایا کہ مجھے [illegible] سے نکالا جا رہا ہے۔ اس کے بعد مجھے اپنی [illegible] کا بندوبست کرنا تھا۔

"کیا اب میں اسرائیل سے باہر جا سکتا ہوں؟"

اس نے [illegible] مسکراہٹ کے ساتھ [illegible] "جب تک محمود گرفتار نہیں کر لیا جاتا تمہارا مستقبل غیر یقینی ہوگا۔ [illegible] کی موت کا انتقام لینا ہے۔"

"کیا ابھی تک ان کا کوئی آدمی تمہاری گرفت میں نہیں آ سکا؟"

"تم کس کے آدمی کی بات کر رہے ہو؟" [illegible] "ہمیں [illegible] بنا رہے ہو گے؟"

"میرے علاوہ اور کون [illegible] پکڑا گیا؟" میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنا سوال دہرایا۔

"تمہارا [illegible]" وہ بولی۔ "محمود کا ابھی پتہ نہیں چل سکا [illegible] کی موت کے بعد [illegible] جس لڑکی سے [illegible] لیتے گئے تھے وہ اس واقعے کے اگلے روز ہی ملازمت چھوڑ [illegible] لائبریری کے [illegible] تلاش جاری ہے مگر مجھے یقین ہے کہ [illegible] وہ مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی [illegible]"

[illegible] میں نے الجھن [illegible] سوال کیا۔

"[illegible] کے لیے کافی ہے۔" [illegible] ان کی نظروں میں انسانی [illegible] کی کوئی قیمت نہیں ہے۔"

"[illegible] موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے۔"

"[illegible] سلوک کے مستحق ہو؟ ہاں اگر تم [illegible] حاصل کر لو گے۔"

"[illegible] کے خلاف مجھ سے [illegible] جا رہا ہے؟"

"[illegible] پر عمل کرو گے؟"

"[illegible] بہت قریب ہے [illegible] گرفتار کر لیا جائے گا۔"

[illegible]

"[illegible] اب تمہاری ذاتی رائے کیا ہے؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"میں نے تمہارے ساتھ اچھا وقت گزارا ہے۔"

"[illegible] جانے سے پہلے ان چند لمحوں کی تجدید کیوں نہ کی جائے؟" میں نے [illegible] قریب کرتے ہوئے کہا۔

[illegible]

"[illegible] اس وقت کا انتظار کروں گی جب تم [illegible] ہو گے۔"

"وہ وقت دوبارہ کب آئے گا؟" [illegible]

[illegible]

"محمود — [illegible]" [illegible]

[illegible]

میں نے [illegible] کی گرفت سے [illegible]

[illegible]

اس روز شام کو جب مجھے اس عمارت سے نکالا گیا تو میرا [illegible] کارڈ واپس [illegible] چکا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے وزارت داخلہ کی جانب سے جاری کیا ہوا شناختی کارڈ دے دیا گیا تھا جس میں مجھے [illegible] تھا۔ اس کے ساتھ مجھے ایک ہزار اسرائیلی پونڈ بھی دے دیے گئے تھے۔

"یہ [illegible] کب تک میرا ساتھ دے گی؟" میں نے اس شخص سے سوال کیا جو میری [illegible] کا حکم لے کر آیا تھا۔

"یہ معقول رقم ہے۔ اس کے ختم ہونے سے پہلے ہی تم کوئی ملازمت تلاش کر سکتے ہو۔"

روانگی کے وقت میرے ساتھ خاصا [illegible] سلوک کیا گیا۔ اس شخص نے مجھے عمارت کے پھاٹک سے باہر [illegible] چھوڑ دیا اور خود [illegible] واپس چلا گیا۔

میں نے [illegible] سگریٹ سلگائی اور [illegible] کے بعد ایک طرف چل پڑا۔

[illegible] خاصی تعداد موجود تھی۔ میں نے [illegible] ایک کمرہ کرائے پر لیا [illegible] کے عالم میں [illegible] اپنے کمرے میں گزرتا تھا۔

[illegible]

پھر میں نے سوچا کہ [illegible]

لہٰذا تیسرے دن میں نے ملازمت کے لیے [illegible]

[illegible] کھانے کے بعد [illegible] ملازمت [illegible] سے ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

[illegible]

اس [illegible] تیز رفتار [illegible] گئے تھے۔ [illegible] کا نشانہ بن سکا۔

"[illegible] ہو گئے؟" [illegible]

میں [illegible] دروازہ کھول کر [illegible] سے باہر نکل آیا۔

[illegible]

"یہ گولیاں معلوم ہوتی ہیں" ڈرائیور نے فیصلے کے لہجے میں بولا "مگر حیرت ہے کہ فائرنگ کا کوئی دھماکا نہیں سنائی دیا۔ تم نے کسی کو گولیاں چلاتے دیکھا تھا؟"

"برابر سے گزرنے والی ایک تیز رفتار کار سے بے آواز فائر ہوئے تھے" میں نے جواب دیا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تل ابیب میں تمہارا کوئی جانی دشمن ہے۔"

اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں اس کی چمکتی ہوئی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ "میں سیدھا سادا آدمی ہوں ... تمہاری کس وجہ سے قتل کی کوشش کی گئی ہے؟"

"یہی میری وجہ ہے" میں نے حیرت سے کہا اور پھر اپنا شناختی کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔ "تل ابیب میں ابھی تک میں کسی کو دوست نہیں بنا سکا، دشمن کہاں سے پیدا ہو جائیں گے۔"

"باخبر ... ہو گیا۔" وہ کارڈ دیکھ کر مجھے لوٹاتے ہوئے بولا "یہ فلسطینیوں کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔ جب ان کا بس نہیں چلتا ... دہشت کے ... سامنے ... ہیں۔"

"فلسطینی؟" میں نے حیرت سے کہا "میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے جو وہ ہماری جان لینے کے درپے ہو جائیں گے؟"

"تم عقل سے پیدل معلوم ہوتے ہو" وہ جھلا کر بولا "گاڑی میں بیٹھو۔ اب پہلے پولیس اسٹیشن جانا ہو گا تاکہ مجھے انشورنس کمپنی سے ... مل سکے۔"

"تم پولیس اسٹیشن جاؤ۔ میں یہاں سے دوسری ٹیکسی لے لوں گا" میں نے ... نکالتے ہوئے کہا۔

"اندر بیٹھو" وہ مجھے تقریباً دھکیلتے ہوئے بولا "تم اس حادثے کے چشم دید گواہ ہو۔"

ٹیکسی روانہ ہوئی تو میرا دماغ ... میں سمجھ چکا تھا ... پہلا ناکام ... شاید ... اس کے ساتھی میرا سراغ لگانے میں کامیاب ہو چکے تھے ... ان کے آدمی ... معلومات فراہم ... اسرائیلی حکام ... اجتماعی سلامتی کے اصول پر عمل کرتے ہیں ... خطرہ لاحق ... سے مٹا دیا جاتا ہے ... ان کے ساتھیوں کو نا قابل تلافی نقصان نہ پہنچ جائے۔

تل ابیب کی کشادہ سڑکیں یک بیک مجھے موت کا جال معلوم ہونے لگیں ... اسرائیلی حکام کی تائید و حمایت سے محروم ہو چکا تھا اور فلسطینی ...

میرے سلطے کی ... تھے ... خود ان کے ... قاتلانہ حملے ... اسرائیلی حکام نے مجھے اپنی تحویل سے نکال دیا تھا۔ ... ایک ملازم نے کہا۔

حالات اور واقعات ان کی منشا کے عین مطابق ... فلسطینیوں کے لئے ... کوئی چارہ نہیں تھا۔

قاتلانہ حملے کے بعد ... آزاد وطن کے مستحق ہیں؟ ... کا ذمہ ... میں آیا تھا۔

... آسان ہو جاتا۔

کافی دیر کی حیرانی کے بعد اس نے تین پتلونیں پسند کیں اور انہیں ... ٹرائیل روم کی طرف چلا گیا ... پہلی ... پتلونیں سینے لگا۔

"... اس کی آواز سنائی دی۔

"تینوں ... میں اپنا کام چھوڑ کر ... ٹرائیل روم کی طرف لپکا۔

... پتلون ... ٹرائیل روم کی طرف گیا ... وہ ... بند کر لیا۔

... واقعہ ... پر ... شخص ... تھا۔

میں نے لائٹر کے شعلے سے وہ پرچہ جلا کر اس کی راکھ کو فلش کے ذریعے گٹر میں بہا دیا اور باتھ روم سے باہر نکل آیا۔

نیچے آ کے خانے پر گیا وہ کارڈ تو بہت بیچارا تھا جو بیچارے کو دکان کے یہودی مالک کو تنہائی کی وجہ سے [illegible] کی آڑ لے کر فلسطینیوں اور ان کے مقاصد کے خلاف زہر افشانی کرتا تھا وہ اتفاق سے ہماری سرزمین پر [illegible] کی پیداوار تھی۔ مجھے اپنے دل میں بھی شرمندگی تھی کہ دو سرے زمانہ میں [illegible] اور اپنے متعصب مالک کی باتوں میں آ کر میں بھی فلسطینی تحریک سے متنفر ہو گیا تھا۔

اسرائیل کی سرحد پار [illegible] زمین دوز کام کرنے والے حالات سے جانتے بوجھتے تھے وہ دشمن کے ملک میں سرگرم تھے اور اپنے خلاف کیے جانے والے پروپیگنڈے کی تردید نہیں کر سکتے تھے۔

ان لوگوں سے پہلی مرتبہ براہ راست رابطہ قائم ہو جانے پر مجھے فخر آمیز مسرت محسوس ہو رہی تھی۔ سب سے بڑی خوشی اس بات کی تھی کہ عمر زکی ابھی تک موجود تھا اور مجھ سے ملنے والا تھا۔ گو سیف اختیارات اور بے شمار وسائل رکھنے والے اسرائیلی حکام ابھی تک اس کا سراغ لگانے میں ناکام ہو چکے تھے۔

محمود کے چہرے کے تاثرات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے بہت دکھ اور بیچارگی کا احساس ہے اور شاید وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کا بیٹا اسے بچانے کی کوشش کرنے والا بوڑھا آدمی ہے جو اتفاق کس وجہ سے مارا گیا ہو گا۔

ڈیوڈ کے خانے کے بعد میں جب کارلٹن پہنچا تو وہاں زندگی کی رعنائیاں اپنے شباب پر تھیں۔ بال جھکتے ہوئے گوشت کے پارچوں اور شراب کی تیز بو سے مہک رہا تھا۔ سیزر کی جاگر میں کھانا کرتا کہ خوشبو اور سمیر کی بو بھی روشنی پھیلی ہوئی گوشت کی مہک سے الگ تھی مگر احتیاط کے سبب میں نے یہ پروگرام ترک کر دیا۔ اسرائیلیوں سے ملنے سے پہلے اپنے معمولات میں کوئی فرق نہیں لانا چاہتا تھا۔

حسب معمول میں نے کمرے ہی میں کھانا طلب کیا اور بستر پر دراز ہو گیا۔

وقت کی رفتار بہت سست تھی، دیر تک بے چینی لمحہ لمحہ گزرتا چلا جا رہا تھا۔ میں کچھ دیر تک سگریٹ پیتا رہا اور اندھیرے میں خاموش لیٹا کسی غیر معمولی آواز پر کان لگائے رہا۔ محمود نے اپنے پیغام میں مجھے خبردار کر دیا تھا کہ یہ راہ کے بغیر کمرے سے باہر نہ نکلنے کی ہدایت کی تھی۔ مگر میں اس مرحلے پر کوئی بھی احتیاطی تدبیر نظر انداز کرنا نہیں چاہتا تھا جو اس ملاقات کی ناکامی کا سبب بن سکے۔

میرا کمرہ کارلٹن ہوٹل کی تیسری منزل پر واقع تھا جب کہ عمر زکی پہلی منزل پر رہتا تھا اور لفٹ کے ذریعہ وہاں تک پہنچنے میں مجھے صرف چند سیکنڈ لگ سکتے تھے۔ دو بجنے میں دس منٹ پہلے میں نے بستر چھوڑا اور کمبل کے نیچے دو تکیے اس طرح رکھ دیے کہ بادی النظر میں بستر پر کسی شخص کی موجودگی کا گمان ہوتا تھا۔

میں کسی چور کی طرح دبے قدموں اپنے کمرے سے نکلا اور [illegible] میں نے سر نکال کر راہداری میں جھانکا جو دور تک ویران پڑی ہوئی تھی۔ میں نے چور نگاہوں سے دروازہ مقفل کیا اور لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔ اچانک ایک بار ارادہ بدل دیا۔ احتیاط کا تقاضا تھا کہ لفٹ کی حرکت کی آواز سے بچنے کے لیے زینے استعمال کروں جو ہر منزل کی چاروں منزلوں پر آواز پیدا ہوتی اور [illegible] کسی کو مجھ تک رسائی میں لفٹ کے قریب پہنچا دیتی۔ جہاں تک ہو سکتا احتیاط کے ساتھ میں پہلی منزل پر پہنچا اور سیدھا اس کمرے کی جانب بڑھا جس کا نمبر مجھے بتایا گیا تھا۔ دستک دینے سے پہلے میں نے اطراف کا جائزہ لیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور [illegible] پیچھے پلٹ کر راہداری میں دیکھا پھر دروازہ کھلا اور میں اندر داخل ہو گیا۔ کمرے میں تاریکی تھی اور میرے پیچھے کسی نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔

وہ کمرہ بہت تاریک نہیں تھا، اس میں ایک کھڑکی تھی جس میں سے باہر کی روشنی آ رہی تھی۔ شاید ایسے ہی وقت کے لیے یہ کمرہ منتخب کیا گیا ہو گا۔ دھندلکے میں مجھے کچھ نظر نہیں آیا۔ وہ ہر روز وہاں بیٹھا رہتا ہے اور [illegible] کسی کو اس کی آنکھیں دکھائی نہیں دیتیں۔ آواز اس طرح ابھری جیسے وہاں کوئی زندہ روح موجود نہ ہو۔ میں چند لمحوں تک ساکت و صامت اپنی جگہ کھڑا رہا۔ پھر اس نے ہلکی سی آواز نکالی۔ اسی آواز کے ساتھ ہی اچانک میرے چہرے پر ایک ٹارچ کی روشنی پڑی اور وہ ایک لمحے تک مجھ پر مرکوز رہی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس روشنی میں میرا پورا وجود عریاں ہو گیا ہو۔ اندر چلے آؤ۔ تاریکی میں مجھے عمر زکی کی دھیمی آواز سنائی دی۔ وہی اور اسی نے میرے پہنچتے ہی مجھے اطمینان اور سکون کی لہر سرایت کر گئی۔

وہ روشنی گل کر دو۔ میں نے مدھم آواز میں کہا۔

اندھیرے میں کوئی ہنسا اور پھر بجلی روشن ہو گئی۔ ایک اشارہ ساتھ ہی مجھے ایک ادھیڑ عمر شخص نظر آیا جو درمیانے قد کا تھا۔ اس کے چہرے پر سیاہ داڑھی تھی اور پستہ قد ہونے کے باوجود وہ بہت مضبوط جسم کا مالک نظر آتا تھا۔ اس کے پیچھے ایک نوجوان کھڑا تھا۔ ان میں سے کسی کو میں نہیں جانتا تھا۔ عمر زکی کا سانولا چہرہ، سیاہ آنکھیں اور گھنی سیاہ داڑھی تھی۔ میں نے پہلی نظر میں اسے پہچان لیا۔

اس نے آگے بڑھ کر مجھے گلے لگا لیا اور بہت دیر تک مجھے بھینچے رہا۔

تم بالکل ویسے ہی ہو۔ تمہیں دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی ہے۔ میں نے مسکرا کر کہا اور اس مرتبہ میں نے اس کے دائیں ہاتھ میں دبا ہوا پستول دیکھا جس کی نال ابھی تک میری طرف تھی۔

تمہارا حلیہ تو بالکل بدل گیا ہے۔ قریب جا کر میں نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

حلیہ بدلنا تو اب تک ضروری ہو گیا ہے۔ وہ دھیمے سے ہنس کر بولا۔ یہ تشویش ناک بات ہے کہ تم اتنی دیر سے پہنچے ہو۔

میری آنکھیں اندھیرے میں ابھی دیکھنے کی عادی نہیں ہوئی تھیں۔ میں نے کہا۔ کوئی غلط آدمی اس کمرے میں قدم رکھتا تو ایسے ہی روشنی ڈال کر اس کے منہ پر سورج کر دیتے؟

وہ صرف [illegible] ہوا تھا جو تمہارے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ وہ کہتے گئے۔ آفیسر انچارج کے لیے تم نے اپنے بچاؤ کے لیے اسے خاموش کر دیا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ وہ تمہاری نظر کی تعریف کر رہا تھا جو اتنی دیر تک اس پر ٹکی رہی تھی۔

میں تمام کوششوں کے باوجود مطمئن نہیں ہوں۔ اسرائیلی فوج نے اسے مارا، یا کہ وہ بچ جائے گا یہ ابھی طے نہیں ہوا۔ لیکن خدا کے سامنے سب کچھ آشکار ہو گا۔ بعد کے واقعات نے مجھے بتایا۔

خدا اس کی مغفرت کرے۔ وہ عمر کا بڑا ہو گیا تھا۔ محمود نے بوجھل لہجے میں کہا۔ وہ بچہ ہی نہیں جانتا تھا۔ وہ سپاہی تھا اور محض پیسے کی خاطر مارا گیا۔

میں شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ اس کے بعد میں اس کا نشانہ بن گیا۔ میں نے کہا۔ اگر وہ مجھ کو بچانے کی کوشش میں بیٹھ جاتا تو ایک لفظ بھی نہ کہتا۔

اوہ، اچھا۔ میں نے تحیر آمیز آواز میں پوچھا۔

ہاں، کیپٹن مارا گیا بعد میں مجھے بتایا گیا تھا۔

اگر وہ بچ جاتا تو اس کا سلسلہ بہت آگے بڑھ سکتا تھا۔ میں نے کہا۔ [illegible] کے ساتھ اس کا تعلق بہت گہرا تھا۔

وقعت ہو کر رہ جاتی ہے۔ وہ دل شکستہ انداز میں بولا۔ اگر وہ یہ دیکھ لیتا کہ تم یہ آزمائش کرتی ہے تو تمہارا کوئی قصور نہیں۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے۔

ہاں۔ الشرفیہ سے کوئی خبر آئی؟

بیلی گیج کے کاٹنے سے وہ بچی۔ اس کے ہر تجربے کی وجہ سے تھا جس پر داخل ہوتے ہی اسے ڈس لیا۔ اب وہاں ششیے کی ٹکیاں بکھری ہیں۔ بیلی کے سلیح جاں نثاروں کی لاشیں ابھی تک بکھری کے درختوں سے جھول رہی ہیں۔ فوادی ایک لڑکے کے رہائی زبردست کام آیا ہے۔

بیلی کے قوت میں مجھے کھٹکے منصوبہ ہی کا تھا۔ میں نے بتایا۔ اس نے ضد کیا تھا کہ وہ اس پر آبرو باختہ عورت کو اسی طریقے سے گرفتار کر کے پہنچائے گا۔ دہر کر میں سپیکر سے وہ بولنے لگے، دھار الیاس کر دیا تو سب کچھ عیب اور اس کے حامیوں کا صفایا کر دیا ہے۔ وہ وہاں بہت کم سیلاب تھا۔ اس علاقے پر ان کی ہر وقت سرگرمی ہے اور وہ مدد لینا اور حمایت نہیں کر سکیں گے۔ ہم نے ہوتے ہی یہاں کیپٹن ہنری کا خیال آ گیا۔ ہنری کو مار کر تم نے ثواب کا ایسا وہ بھی بہت بڑا موذی تھا۔ جب تم منزلہ چھت پر چیک لائبریری کے بڑے کمرے میں بیٹھے تو میرا ساتھی شک کا شکار تھا مگر بعد کی خبر نے بہت حوصلہ افزا نکلیں۔ تم واقعی بہت بہادر شخص ہو۔

تمہیں شاید یہ جان کر حیرت ہوگی کہ ہنری تمہارے ہاتھوں ہی بہت کچھ جان گیا تھا۔ اس نے اپنے طور پر وہ ساری کہانی درست ثابت کر دی۔ اس کی بیوی لڑکی نے کاتے کو اچانک جوالے کر کے پیش کر دیا تھا مگر یہ ان کی کمزوری جانب کیا اور وہ بچے ہاتھ سے نکل گئی۔

یہ معلومات اس تک کیسے پہنچیں؟ عمر نے حیرت سے کہا۔

قاضی اور تمہیں کر جانتے ہو؟ میں نے آہستہ سے پوچھا۔

نہیں... کیا وہ اس کیپٹن کا پتا لگا چکا ہے؟

ہنری کی ساتھی لڑکی نے مرنے سے پہلے بتایا تھا کہ قاضی لوگ کیپٹن ہنری کا انتظام کرتا تھا اور وہ جارج حیات کے سلسلے پر کارروائی کرنے کی خاطر آیا ہے۔

قاضی لوگ کی وفات پر مجھ کو رو لا پھر عمر زکی نے مسکرانے کی کوشش کی۔ اس نے کہا۔ میرے دوست تم بہت عظیم آدمی ہو۔ تم نے اس مختصر عرصے میں ہی آستین کے سانپوں سے ہوشیار کیا ہے۔ قاضی اولاد کے بارے میں مجھے عرصے سے شبہ تھا کہ وہ اسرائیلی حکام کے مقاصد کی سرکاری طرف داری ہے اور اب تم نے اس کی تائید کر دی ہے۔ وہ بوڑھا آدمی پیشہ ور اسکالر ہے اور حکام کے ایک گروپ سے مستقل وابستہ ہے۔ اس کی خدمات حاصل کی جاتی رہی ہیں مگر اب پتہ چلا کہ وہ انہیں ڈبل کراس کر رہا ہے۔ اور ان کے ساتھ مل کر وہ ہنری کے لیے بھی کام کر رہا تھا۔ اس کے آفریٹ اور فلسطینی سے گہرے مراسم ہیں اور وہ ہمیں آسانی سے نقصان پہنچا سکتا ہے۔

آر شاید اسے راستے سے ہٹانا پڑے گا۔

اسے مارنا بھی آسان نہیں، وہ بہت ہوشیار اور چالاک آدمی ہے۔

میں اپنی موجودہ زندگی سے اکتا گیا ہوں۔ محمود اب بھی بڑا پرامید ہے۔

میں حصہ لینا چاہتا ہوں۔" میں نے اس سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

"تم اس طرح ان کی نظروں میں آ گئے ہو کہ اسرائیل میں رہ کر کچھ کام کرنا چاہتے ہو تو انہیں کوئی بڑا کام نہیں کرنے دیں گے۔ فی الحال تمہیں حالات سے سمجھوتہ کرنا ہوگا اور کرسی پلٹ بھی کھل گئی ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ تمہارے درمیان کیا تعلقات ہیں لیکن کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ سلطان نے تانیا سے کہا اور مجھے یہ بھی علم ہے کہ وہ تمہاری طرف سے آنکھیں بند کیے ہوئے بہت زیادہ چوکنے ہوئے ہوں گے۔"

"تم بھی تو ان کی نظروں میں آ چکے ہو۔"

"میری بات اور ہے۔" وہ ہنس کر بولا۔ "انہوں نے کبھی میرا چہرہ نہیں دیکھا ہے۔ میں نے کبھی اپنی تصویریں ان کے پاس نہیں جانے دیں۔ پرنٹ، تمہارے بارے میں تو انہوں نے پہلے ہی ایک ضخیم فائل تیار کر لی ہوگی۔"

"تو پھر میں اسرائیل سے نکل جاؤں کر ترجیح دوں گا۔"

"یہ حالات پر منحصر ہے۔ تھوڑا سا صبر کرو۔ جیسے ہی موقع ملا میں تم سے رابطہ قائم کروں گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ بے کار بیٹھنا تمہارے لیے مشکل ہے۔"

"تم سے ملاقات کی کیا صورت ہوگی؟"

"اسے مجھ پر چھوڑ دو۔ نہ جانے کب دوبارہ تمہیں سی۔ آئی۔ اے کا نشانہ بنا ڈالیں۔" وہ خوش دلی کے ساتھ میرے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"سیکرٹ سروس کا ایک تجربہ کار آدمی!" میں نے چند ثانیے کے توقف کے بعد کہا۔

"وہ کیا؟"

"کیوں نہ میں قاضی ہادی سے مل لوں؟"

"وہ لوگ تمہیں اس کا موقع کہاں دیں گے؟"

"یہ بات میں پہلے ہی طے کر چکا ہوں۔ میں نے کہا تھا کہ اگر تم تیگون کی جانب سے کوئی بات طے ہو تو مجھے بھی سن لینا چاہیے۔"

"اس لیے کہ وہ مسلسل تمہاری نگرانی کرا رہے ہیں۔"

"اس وقت میرا نگران کہاں ہے؟"

"تمہارے فلیٹ کے ہی ایک کمرے میں بے ہوش پڑا ہوگا۔ شروع میں میں اسے دیکھ کر حیران ہوا کہ وہ مجھے بہت معمولی سے واقف ہے۔ میں نے ایک لڑکی سے دوستی کا ناٹک کیا۔ وہ بار میں ہوٹل بند ہونے کے بعد اس کے کمرے میں چلا جاتا ہے اور آج رات میری تقلید میں مرتے کے نشے میں مست ہے، میں مزے سے چلا آیا اور وہ لڑکی میرے ساتھ آئی تھی۔"

"پھر قاضی ہادی کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟"

"تمہیں معاملے کی نزاکت کا اندازہ نہیں۔ وہ لوگ قاضی ہادی کو شکنجے میں کس کر لومڑی کی طرح جال بچھائے بیٹھے ہیں۔ آسانی سے تم اس تک نہیں پہنچ سکو گے۔"

"اس کا تم فکر نہ کرو۔ ایسے مشکل کاموں میں مجھے مزہ آتا ہے۔"

"اور پھر تمہیں کون بچائے گا؟"

"کرنل صاحب۔" میں اس کا سوال نہ سمجھ سکا۔

"قاضی ہادی کے سلسلے میں تم مارے گئے کیا بتاؤ گے؟"

"اور وہ" میں طویل سانس لے کر بولا: "اس بارے میں میرا ارادہ پکا ہے۔ میں قریب رہ کر دیکھو اس پر بھی نظر رکھ سکتا ہوں۔"

"ہاں یہ درست ہے۔"

اس کے بعد وہ مزید کچھ دیر وہاں بیٹھا اور سے باتیں کرتا رہا پھر جانے کے قریب میں نے وہ کمرہ چھوڑ دیا۔ باہر راہداری سنسان پڑی ہوئی تھی۔ میں خاموشی سے سیڑھیاں عبور کر کے تیسری منزل پر اپنے کمرے میں جا پہنچا اور جا کر بستر پر دراز ہو گیا۔

کافی دیر تک میں نحوست کے ساتھ پڑا اس ملاقات کے بارے میں سوچتا رہا۔ آخر کار میری آنکھ لگ گئی۔

اگلی صبح میں قدرے تاخیر سے اٹھا۔ دکان پہنچا اور ابھی پہنچا ہی تھا کہ کسی نا معلوم شخص نے فون پر مجھے ہدایت کی تھی اور میری عدم موجودگی کی اطلاع پا کر اپنا نام بتائے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

نصف گھنٹے بعد پھر کال آئی۔ مالک دکان نے فون مجھے دیا۔

مصطفیٰ! دوسری طرف سے کسی نے فوراً سوال کیا۔

"بول رہا ہوں!"

"میں کالے خون کا ہرکارہ بول رہا ہوں۔ تمہیں اس شہر میں قاضی ہادی نامی ایک شخص کا کھوج نکالنا ہے اس کا پتہ پاک کرنا ہے۔"

"مگر... مگر" میں نے کچھ بولنا چاہا لیکن فون کرنے والا بہت ہوشیار تھا۔ اس نے فوری طور پر سلسلہ منقطع کر دیا اور میں نے ایک گہری سانس لے کر ریسیور کو ہینڈل پر ڈال دیا۔

"کوئی دوست ہے؟" مالک دکان نے آنکھ مار کر سوال کیا۔

"ہاں۔ دوست ہی سمجھو۔" میں نے خوش مزاجی سے اس کا سوال ٹال دیا۔

اس روز میں سارا دن فکر میں کھویا رہا۔ خود سے بہت سے ملاقات نے میرا حوصلہ بہت بلند کر دیا تھا اور مجھے یہ احساس ہونے لگا کہ اسرائیلیوں کے سلسلے میں بھی ممتاز حیثیت کا مالک ہوں اور یہ تاثر بھی مجھے بار بار کوئی بڑا کام کر گزرنے پر اکسا رہا تھا۔

مجھے یہ تو معلوم تھا کہ کسی کی مدد کے بغیر اسرائیل کی سرحد عبور کرنا میرے لیے ناممکنات میں سے ہے مگر میں یہ بھی جانتا تھا کہ میں زیادہ عرصے تک یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا نہ رہ سکوں گا۔

رات کو دکان بند کرنے کے بعد میں ہوٹل کے بجائے شہر کے قدیم حصے کی طرف ہو لیا۔ اس مقصد کے لیے میں نے قدرے طویل ویران راستہ اختیار کیا تاکہ کم از کم اپنا تعاقب کرنے والے سے اطمینان حاصل کر سکوں۔ اس وقت میری حالت کسی ایسے وحشی سانڈ جیسی تھی جسے اس کی ضرورت سے زیادہ خوراک مل گئی ہو اور وہ اپنا زور آزمانے کے لیے ہر طرف اکڑتا پھر رہا ہو۔

تھوڑی ہی دیر میں مجھے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا اندازہ

ہاں کا جائزہ لینے میں کامیاب نہ ہو سکا اور وہ بہت محتاط انداز میں میرا تعاقب کر رہا تھا۔

آخر کار میں تنگ و تاریک گلیوں پر مشتمل ایک محلے میں داخل ہو گیا۔ اس پر پیچ علاقے میں میرا تعاقب جاری رکھنے کے لیے اسے بھی دشواریاں پیش آ رہی تھیں اور میں اسے تھکانے کے لیے بے مقصد ایک گلی سے دوسری گلی میں جاتا رہا۔

ایک بار جوں ہی ایک تاریک حصے میں موڑ پر مجھے ایک بوسیدہ سا دروازہ نظر آیا، میں پھرتی سے اس میں داخل ہو گیا۔ چند ثانیوں بعد باہر قدموں کی آواز سنائی دی جو موڑ پر معدوم ہو گئی۔ وہ شاید یہ سمجھا کہ میں اس موڑ سے گھوم گیا ہوں۔

سیڑھیاں ویران پڑی تھیں اور عمارت کے اوپری حصے سے کسی نقل و حرکت کی کوئی خاص آواز نہیں سنائی دے رہی تھی لہٰذا میں نے سیڑھی کی زمین کی اوٹ میں چھپا رہا۔ مجھے یقین تھا کہ اپنے شکار کو کھو دینے کا احساس ہوتے ہی وہ بوکھلا کر واپس آئے گا۔ اور ہوا بھی یہی۔ چند منٹ بعد وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا سیڑھیوں کے پاس سے گزرتا چلا گیا۔ اس بار میں نے اس کا تفصیلی جائزہ لے لیا۔ وہ دراز قامت اور چھریرے بدن کا نوجوان تھا۔

اس کے جاتے ہی میں سیڑھیوں کی اوٹ سے نکلا اور سیڑھیوں کے بل تقریباً دوڑتا ہوا گلی کے موڑ تک پہنچا اور پھر معمول کے مطابق چلنے لگا۔

کچھ دیر کے بعد میں الفتلیس نامی علاقے میں مروان نامی ایک شخص کے قہوہ خانے پر جا پہنچا۔ خود نے مجھے بتا چکا تھا کہ مروان خود قسم کا آدمی ہے اور اپنے قہوہ خانے میں سیاسی گفتگو کرنے والوں کو بھی دیتا ہے مگر اس کے باوجود فلسطینیوں کی خاصی تعداد وہاں آتی تھی اور وہاں ہی میں گھل مل کر قاضی ہادی تک رسائی کی کوئی صورت نکالی جا سکتی تھی۔

قہوہ خانے میں خوش گپیوں کے دور چل رہے تھے۔ میزوں کے گرد بیٹھی ہوئی ٹولیاں شطرنج وغیرہ کھیلنے میں مصروف تھیں۔ ہر ایک میز پر ایک کی لمبی بلند حقہ بڑی نے کے ساتھ موجود تھا جو تمباکو کی ساتھ میں پیچھے لگے ہوئے تھے جو مسلسل استعمال کیے جا رہے تھے۔

میں قہوہ خانے میں داخل ہو کر ایک ایسی میز پر جا بیٹھا جہاں ایک نوجوان تنہا بیٹھا کچھ حساب کرنے میں مصروف تھا۔ میرے بیٹھنے پر اس نے کاغذ سمیٹتے ہوئے غور سے میری طرف دیکھا۔

"میں تمہاری تنہائی میں مخل تو نہیں ہوا؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"نہیں... میں تمہاری موجودگی کا..." اس نے جواب دیا۔

"تم میرے مہمان ہو۔ بتاؤ کیا پینا پسند کرو گے چائے قہوہ یا کافی؟"

"قہوہ!"

میری آمد کے بعد وہ اپنا سارا حساب کتاب بھول گیا اور مجھ سے باتوں میں مصروف ہو گیا۔ اس کا نام ابراہام ڈیوڈ تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں جب تکلف کی دیوار گر گئی تو اس نے اپنی تنہائی کا سبب بھی بتا ڈالا۔

وہ کویت کی وزارت اطلاعات میں ملازم تھا اور اپنی چند عادتوں کی وجہ سے بیشتر مالی دشواریوں سے دوچار رہتا تھا۔ کویت میں شراب بندی کی وجہ سے پینے والوں کو بہت مہنگے داموں چور بازار سے شراب حاصل کرنی پڑتی تھی جبکہ ابراہام بلا نوش تھا۔ رفتہ رفتہ وہ اس قدر مقروض ہو گیا کہ اسے اپنے کسی شناسا سے مدد کی امید نہ رہی ساتھ ہی واجب الادا قرضوں کی ادائیگی بھی محال نظر آنے لگی۔

قرض خواہوں کے پے در پے تقاضوں سے تنگ آ کر ایک روز وہ خاموشی کے ساتھ اپنا بستر بوریا سمیٹ کر کویت سے عراق اور اردن کے راستے اسرائیلی مقبوضہ علاقوں میں فرار ہو گیا۔ اسرائیل اور دیگر ممالک کے کشیدہ تعلقات کی وجہ سے وہاں وہ اپنے قرض خواہوں کے تقاضوں اور ان کی قانونی کارروائیوں سے پوری طرح محفوظ تھا۔

مگر کسی نہ کسی طرح یہ خبر مقبوضہ علاقوں میں آباد لوگوں تک بھی پہنچ گئی کہ وہ لوگوں کا پیسہ کھا گیا ہے۔ اس کے قرض خواہوں میں کچھ ایسے بھی تھے جن کے رشتے دار مقبوضہ علاقوں میں موجود تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابراہام کا سماجی مقاطعہ کر دیا گیا۔ پھر جب وہ بیت المقدس سے کسی نہ کسی طرح تل ابیب پہنچا تو وہ خبریں اس کا تعاقب کرتی ہوئی ان تک پہنچ گئیں اور وہ یہاں بھی بائیکاٹ کا شکار ہو گیا۔

"میں نے سنا ہے کہ بہت سے لوگ جرائم کے ارتکاب کے بعد اسی طرح اسرائیلی مقبوضہ علاقوں میں آ کر پناہ لیتے ہیں اور ان کا کچھ نہیں بگڑتا۔ تم تو خیر مجبوری کے تحت آئے ہو۔" میں نے گفتگو آگے بڑھاتے ہوئے ایک خاص پہلو اختیار کیا۔

"بہت سے لوگ تو نہیں، ہاں اکا دکا جرائم پیشہ ہر علاقے میں ہوتے ہیں اور اس قسم کے حالات سے فائدہ اٹھاتے ہیں مگر میں شاید بہت ہی بدقسمت واقع ہوا ہوں۔" اس نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"میں نے سنا ہے کہ قاضی ہادی نامی ایک شخص عمان میں کسی قتل کرنے کے بعد اسرائیل آ گیا تھا اور یہاں وہ بڑی خوشحال زندگی گزار رہا ہے۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"مشش!" اس نے اچانک مجھے خاموش کر دیا۔ "اس قہوہ خانے میں اس کا نام لو۔ مروان جیسا صلح پسند آدمی بھی اس کی یہاں آمد پسند نہیں کرتا۔"

"تو کیا یہاں بھی وہ ایسے ہی دھندوں میں ملوث ہے؟" میں

نے حیرت سے سوال کیا۔

"کسی نے تمہیں غلط معلومات فراہم کی ہیں۔" وہ قہوے کا گھونٹ لیتے ہوئے بولا۔ "وہ تو شروع ہی سے یہیں رہتا آرہا ہے مگر خود کو بڑی کسی فلسطینی مشہور کیا ہوا ہے۔ اس کے بارے میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ کوئی نہیں جانتا کہ اس کی بے پناہ آمدنی کے کیا ذرائع ہیں۔"

"پھر تو وہ اسرائیلی پولیس کی نظروں میں بھی ہوگا۔"

"ختم کرو اس منحوس کے تعلق کو۔ اس سے زیادہ بے ضمیر شخص میں نے شاید ہی دیکھا ہو۔"

مجھے وہ کام کا آدمی نظر آرہا تھا۔ میں نے اس کے موڈ کا لحاظ کرتے ہوئے اس سے ادھر ادھر کی باتیں چھیڑ دیں۔ اس دوران میں مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ تل ابیب میں رہ کر بھی معاشی نا آسودگی کا شکار ہے لہٰذا میں نے اسے اپنے ساتھ شراب نوشی کی پیشکش کی جو اس نے فوراً قبول کر لی۔

دیوان بار میرے مقصد کے لیے خاصا مناسب ثابت ہوا۔ وہاں میزیں مناسب فاصلے پر تھیں اور بدھ کا دن ہونے کی وجہ سے وہاں گاہکوں کا بھی رش نہیں تھا۔

ہم نے وہاں بیٹھ کر تین پیگ پیے جس کے بعد ابراہام آہستہ آہستہ سرور میں آنے لگا۔ اس کے حواس پر ذرا بھی اثر نہیں ہوا تھا۔ البتہ ہمارے درمیان تکلف کی رہی سہی دیوار بھی غائب ہو گئی تھی۔

"باہر پارک میں چل کر بیٹھتے ہیں۔" اس نے تیسرا پیگ خالی کرنے کے بعد میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور میں نے فوراً ہی رضامندی ظاہر کر دی۔

شراب کی بوتلیں لے کر ہم پارک کی کھلی فضا میں ایک پُرعافیت گوشے میں پہنچ گئے۔

تھوڑی ہی دیر میں شراب نے اس کے اعصاب پر پوری طرح اپنا رنگ جما لیا اور میں نے موقع پا کر اس کے خیالات کا رخ ایک بار پھر قاضی ہادی کی طرف موڑ دیا۔

یہ میری خوش قسمتی ہی تھی کہ ابراہام کو قاضی ہادی کے بارے میں خاصی معلومات حاصل تھیں اور جلد ہی اس نے زہر بھی اگل دیا کہ وہ کبھی کبھار قاضی ہادی کے لیے کچھ مخبری کا کام بھی کرتا رہتا ہے جس میں ایک شخص سے کچھ معلومات یا مواد حاصل کر کے اسے دوسرے تک پہنچانا پڑتا ہے اور قاضی ہادی ایسے کاموں کے لیے اسے معقول معاوضہ ادا کرتا رہا ہے۔

اس کے بیان کے مطابق قاضی ہادی کے کئی ٹھکانے تھے مگر یہ جاننا مشکل تھا کہ وہ رات کہاں بسر کرے گا۔ شہر میں اس کی کئی داشتائیں بھی تھیں مگر وہ بھی اس کی نقل و حرکت سے زیادہ تر لاعلم ہی رہتی تھیں البتہ جمعے اور اتوار کی درمیانی رات وہ بلیو ہوٹل میں خوش فعلیاں کرتے ہوئے گزارتا تھا اور وہ اس سے ملاقات کا واحد یقینی وقت اور موقع ہوتا تھا۔

اس کے بعد میرا وہاں رکنا بے سود تھا۔ میں نے باقی بچی شراب بھی اس کے حوالے کی اور اسے گھاس پر دراز چھوڑ کر کسی اہم کام کا بہانہ کر کے وہاں سے رخصت ہو گیا۔

محمود جیسے با رسوخ اور جرأت مند آدمی نے قاضی ہادی کے بارے میں ایسی حوصلہ شکن گفتگو کی تھی کہ میرے دل ہی دل میں اس سے مل جانے کی خواہش پیدا ہو گئی تھی۔ محمود کی باتوں سے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے قاضی ہادی ہر وقت بکتر بند اور مسلح محافظوں کے گھیرے میں رہتا ہے جنہیں دھوکا دینا ناممکنات میں سے ہے۔

میرے اگلے چند روز سخت الجھن اور بے چینی کے عالم میں گزرے۔ اس دوران میں نہ مجھے محمود کی جانب سے کوئی ہدایت ملی اور نہ ہی ماریا یا اس کے محکمے سے میرا کوئی رابطہ قائم ہوا۔

اس دوران میں میں نے باقاعدگی سے مقامی اخبارات کا مطالعہ شروع کر دیا تھا۔ ہر روز میری نگاہیں کوئی بھی یا اس کے اپاہج خانے کے بارے میں کوئی بڑی خبر تلاش کرنے کی ناکام کوشش کرتی تھیں۔ ہر محاذ پر ایسا جمود سا چھایا ہوا تھا کہ بعض اوقات مجھے وحشت ہونے لگتی تھی۔ میری چھٹی حس مجھے بتا رہی تھی کہ میرے ساتھ جلد ہی کوئی بڑا معرکہ پیش آنے والا ہے۔

اسی تجسس اور بے کلی کے عالم میں آخر کار جمعے اور اتوار کی درمیانی رات آ گئی جو میرے لیے یادگار ثابت ہونے والی تھی۔

اس روز دوکان دوپہر ہی میں بند ہو جاتی تھی۔ شام کو میں نے نہا دھو کر مناسب لباس پہنا اور پھر بلیو نائٹ ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔

میں نے جتنی جلدی پہنچنے کے لیے ٹیکسی ہوٹل [illegible] کیا تاکہ مجھے وہاں زیادہ وقت انتظار کی کوفت [illegible] گزارنا پڑے [illegible] وقت [illegible] میں [illegible]

[illegible] میں نے مناسب نہ سمجھا۔ بلیو نائٹ جیسے ہوٹل [illegible] تنہا جانا عجیب محسوس ہوتا تھا جو خوش مزاج [illegible] جوڑوں کی شکل میں [illegible] لوگوں کی توجہ کا نشانہ بن سکتا تھا لہٰذا میں نے طے کر لیا تھا کہ [illegible] کو ساتھ لے جاؤں گا جو اس رات کو جشن کے لیے کسی ساتھی کی تلاش میں بھٹک رہی ہو۔

شام کے وقت تل ابیب کے بارونق بازاروں میں [illegible] لڑکیوں کی خاصی تعداد ہوتی تھی [illegible] سے اشتراکی تھیں [illegible] کے انتخاب میں [illegible] کا تجربہ [illegible] تھا۔ [illegible] قاضی ہادی [illegible]

میں پوری رات ملٹن میں گزار سکتا تھا اور کوئی بھی میری طرف متوجہ نہ ہو پاتا۔

میں نے چیل ممنی کے انداز میں کافی فاصلہ طے کر ڈالا مگر مجھے کسی لڑکی کا سامنا نہ ہوا جس کی کسی ادا نے مجھ پر قسمت آزمائی پر مجبور کیا ہو۔ میں نے اپنے انداز میں رنگینی کا عنصر شامل کیا ہوا تھا اور قریب سے گزرنے والی ہر لڑکی کو گرسنہ نگاہوں سے گھور رہا تھا مگر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یک بیک تل ابیب میں آباد تمام خوبرو دوشیزائیں گناہ آلود زندگی سے تائب ہو گئی ہوں۔

آخر کار میں ملٹن ہوٹل بھی جا پہنچا۔ کوئی ساتھی نہ ملنے کے باعث ذہن پر جھلاہٹ سی سوار ہو رہی تھی۔ منصوبے کی ابتدا میں یہ ناکامی مجھے بری طرح کھل رہی تھی۔

اب میرے پاس آخری چارہ یہی تھا کہ میں بال روم میں آخری کوشش کروں۔ وہاں سازندے والز کی دھن بجا رہے تھے اور چکنے ہوئے فلور پر رقص کی صورت میں متعدد جواں سال جوڑے رقص میں مصروف تھے۔ فلور کے گرد چھوٹی چھوٹی بیشتر میزوں پر لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

میں وہاں داخل ہو کر چند ثانیوں تک اسی طرح چاروں طرف نظریں دوڑاتا رہا جیسے مجھے کسی تنہا ساتھی کی تلاش ہو۔ اسی دوران میں کسی جانب سے ایک خوبرو دوشیزہ تیر کی طرح میری طرف لپکی اور بے تکلفی سے شام بخیر کہہ کر میرے پاس رک گئی۔

میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ مجھے آنکھ مار کر بڑے بے باک انداز میں مسکرانے لگی۔ "مجھے محسوس ہوتا ہے کہ شاید تم بھی آج تنہائی محسوس کر رہے ہو۔"

"تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔" میں نے اس کا ہاتھ تھام کر ایک خالی میز کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "تم تنہائی کے ستائے ہوئے مردوں کو پہچاننے میں ملکہ رکھتی ہو۔"

"یہ میرا پیشہ نہیں ہے۔" وہ جلدی سے مگر شگفتہ لہجے میں بولی "میں ایک اچھے ادارے میں سیکرٹری کے عہدے پر کام کرتی ہوں۔"

"جز وقتی مشغلے کے طور پر یہ کام بھی اچھا ہے، ثواب بھی ملے گا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"کیا پینا پسند کرو گی؟" میں نے ایک میز منتخب کرنے کے بعد اس سے دریافت کیا۔

"تم نے اپنا نام ابھی تک نہیں بتایا۔" اس نے شکایتی انداز میں کہا "ویسے تم غیر ملکی معلوم ہوتے ہو۔"

"اوہ... مجھے افسوس ہے مس فلورا۔"

"مس نہیں، مسز فلورا۔" اس نے میرا جملہ کاٹ کر تصحیح کی۔ "میرا شوہر اسرائیلی فوج میں ملازم ہے اور ان دنوں کسی سرحدی مقام پر متعین ہے۔"

"خوب!" میں نے تعریفی لہجے میں کہا "مجھے عبداللہ علی کہتے ہیں اور میں سیاحت کی غرض سے اسرائیل آیا ہوں۔ تم جیسی خواتین کی بدولت اس سرزمین میں سیاحوں کے لیے بڑی کشش ہے۔"

"تم عرب تو نہیں ہو، کیسے کہہ رہے ہو؟" وہ بہت جلد بے تکلف ہو جانے کی عادی معلوم ہوتی تھی۔

"اس پر لعنت ہو جو تم جیسی نعمت پر شک کرے۔" میں نے جلدی سے کہا "میں تو حقیقت بیان کر رہا تھا۔ تم واقعی جنت کی حور معلوم ہوتی ہو۔"

"تم خوش دل اور مہربان ہونے کے ساتھ ہی ساتھ کسی حد تک صاف گو بھی واقع ہوئے ہو۔" وہ ایک ادا کے ساتھ مسکرا کر بولی۔

"پھر تو سونے پر سہاگہ ہے۔"

"یہ ماننے کے بعد میں ویسے تو سب [illegible]" وہ میز کے نیچے قدموں کو گھسیٹتے ہوئے بولی "میں اپنا بل خود ہی ادا کر سکوں گی۔"

"اس کا اظہار کر کے تم نے مجھے بے حد صدمہ پہنچایا ہے فلورا۔" میں نے تاسف آمیز لہجے میں کہا "اگر یہ بات ذہن میں نہ لاتیں تو میں تمہاری میزبانی کو اپنے لیے اعزاز سمجھتا۔"

"میں اس اقدام کو خود داری بھی سمجھتی ہوں۔ ایک بار اسی طرح ایک خوش وضع نوجوان مجھے مل گیا تھا۔ اس نے [illegible] میری دعوت قبول کی۔ میں شاید کوئی دل پھینک شہزادی ہوں۔ ہم لوگ ایک عمدہ ڈنر کو اپنا میزبان تصور کر بیٹھے۔ جب بل آیا تو دونوں مل کر بھی اسے ادا کرنے کے قابل نہیں نکلے۔"

"بڑی شرمناک صورت حال پیدا ہوئی ہوگی اس موقع پر۔"

"اس ہوٹل کا منیجر شریف آدمی تھا۔ مجھے صرف دو گھنٹے اس کے ساتھ بسر کرنے پڑے اور سارا معاملہ نمٹ گیا۔"

"میرے ساتھ تمہیں ایسا کوئی تلخ تجربہ نہیں ہوگا۔"

"مجھے تم سے یہی امید تھی۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"تمہارا شوہر فوج میں کس عہدے پر ملازم ہے؟" میں نے محض گفتگو کا سلسلہ جاری رکھنے کی نیت سے اس سے سوال کیا۔

"وہ میجر ہے۔" فلورا تلخ لہجے میں بولی "اول درجے کا دل پھینک اور جواری واقع ہوا ہے۔"

"حیرت ہے کہ تمہارا حسن بھی اسے قابو میں نہ رکھ سکا۔"

"ساری مصیبت اسی وجہ سے آئی۔ وہ میری محبت میں گرفتار ہو گیا تھا مگر مجھے حاصل کر لینے کے بعد اس کا رویہ بدل گیا۔ اس کے دوستوں سے مجھے پتہ چلا ہے کہ ان دنوں وہ اپنے یونٹ کی ایک لڑکی کے عشق میں مبتلا ہے جو سارجنٹ کے عہدے پر کام کرتی ہے۔"

"یہ کوئی مناسب جوڑ نہیں معلوم ہوتا۔"

"بالکل نہیں! [illegible] اعلیٰ افسر [illegible] دوسری

ہے جب کہ وہ لڑکی صرف مڈل پاس ہے اور اس کا باپ ایک گوالا۔"

"جب تم یہ سب جانتی ہو تو اس سے علیحدگی کیوں اختیار نہیں کر لیتیں؟"

"طلاق لے کر میں اس سے کچھ بھی حاصل نہ کر سکوں گی۔" وہ [illegible] لہجے میں بولی "میجر کی بیوی کے طور پر مجھے معاشرے میں جو عزت حاصل ہے اس لیے میں نے کبھی اس بارے میں سوچنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ویسے عملاً ہم دونوں میں کافی عرصے سے ترک تعلق کی کیفیت ہو رہی ہے۔"

"شاید معاشی طور پر وہ تمہاری کچھ کفالت کرتا ہوگا؟"

"وہ اپنی ہی کفالت کر لے تو کافی ہوگا۔" وہ زہر خند کے ساتھ بولی "جوئے کے سلسلے میں بیشتر اپنے دوستوں کا مقروض رہتا ہے۔ اپنی زندگی کے لیے میں نے ملازمت کی ہوئی ہے اور تفریحی مشاغل کے لیے بھی تم جیسے فراخ دل ساتھی مل جاتے ہیں۔"

"اس قسم کے ہوٹلوں کا خرچ خاصا مہنگا پڑتا ہوگا۔" میں نے [illegible] لہجے میں کہا۔

"اپنا معاملہ بالکل الگ ہے۔" وہ ہنس کر بولی "تم فکر نہ کرو، میں جب تفریح کے موڈ میں ہوتی ہوں تو فراخ دلی سے کام لیتی ہوں۔"

دوسرے راؤنڈ کے لیے موسیقی شروع ہوئی تو میں فلورا کی کمر میں ہاتھ ڈال کر ڈانسنگ فلور پر آ گیا اور وہ میرے بدن سے چپک کر تھرکنے لگی۔

ویسے وہ رقص میں ماہر تھی اور اس کی مہارت قابل رشک تھی۔ اس کے قدم موسیقی کے آہنگ کا ساتھ دے رہے تھے اور مجھے اس سلسلے میں کافی دشواری پیش آ رہی تھی۔ تیز دھنوں پر اچھل کود میں مجھے کبھی دلچسپی نہیں ہوئی تھی۔ [illegible] والے رقص مجھے پریشان کر دیتے تھے۔ اس کے باوجود [illegible] مجھے [illegible] نہیں بلکہ اس نے میرے قریب رہنے کا کوئی بھی موقع ضائع نہیں کیا۔

[illegible] تک میں وہیں موجود رہا۔ اس دوران میں مجھے وہاں کوئی ایسا شخص نظر نہ آیا جس پر میں قاضی الادی ہونے کا شبہ کر سکتا۔ آخر میں بل ادا کر کے ڈائننگ ہال کی طرف ہو لیا۔

ڈائننگ ہال کی طرف جاتے ہوئے اچانک میرے ذہن میں ایک نئی تدبیر نے جنم لیا جس کے سلسلے میں قاضی الادی کو دور سے دیکھ سکتا تھا۔ میں نے فلورا کو استقبالیہ کاؤنٹر کے نزدیک چھوڑا اور خود تیزی سے کاؤنٹر کے سامنے بنے ہوئے ٹیلی فون بوتھ میں گھس گیا۔

ڈائریکٹری سے ملٹن کے استقبالیہ کاؤنٹر کا نمبر تلاش کر کے میں نے فون میں نمبر ڈائل کیا۔ [illegible] سے میری نگاہیں کاؤنٹر پر لگی ہوئی تھیں۔

سرخ بالوں والی لڑکی نے میری گھنٹی بجنے پر فون اٹھایا اور مجھے [illegible]

"قاضی الادی موجود ہیں؟" میں نے [illegible] لہجے میں دریافت کیا۔

"آپ کون صاحب ہیں؟" لڑکی کی سہمی ہوئی آواز سنائی دی۔

"میک آرتھر۔" میں نے جواب دیا۔

"معاف کیجئے جناب یہ انکوائری کا نمبر ہے، اگر آپ دوسرے نمبر پر رنگ کریں تو آپریٹر ان سے سلسلہ ملا دے گی۔ وہ اس وقت [illegible] ہال میں ہیں۔"

"میں جانتا ہوں کہ مجھے کب اور کہاں فون کرنا ہے۔" میں نے یہ کہہ کر ہاتھ سے کریڈل دبا کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

ریسیور بدستور میرے ہاتھ میں تھا۔ چند ثانیوں تک استقبالیہ کاؤنٹر والی ریسیور تھامے رہی پھر اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور رومال سے اپنی پیشانی صاف کرنے لگی۔

میں مزید کچھ دیر بوتھ میں ریسیور لیے موجود رہا اور پھر باہر آ گیا۔ اس وقت میرے دل کی دھڑکن یک بیک تیز ہو چکی تھی۔ میرا شکار میرے ساتھ اسی چھت کے نیچے موجود تھا۔ اب مجھے دیکھنا تھا کہ وہ کس قسم کے خلاف [illegible] ہوشیار شخص بھی [illegible] ایک مشکل [illegible] مجبور تھا۔

"تمہیں [illegible] سے دلچسپی ہے؟" ڈائننگ ہال کی طرف جاتے ہوئے میں نے فلورا سے سرسری لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے [illegible] ہے۔" [illegible] ہم لوگوں میں یہاں [illegible] کوئی [illegible]

نہیں سمجھ سکا۔" میں نے کہا "یہ تو تمہیں اپنے قریبی تعلق کے باعث [illegible] ایک دوسرے کے بارے میں [illegible] کس طرح [illegible]

"شاید تم کسی ایشیائی ملک سے [illegible]"

"اسرائیل بھی [illegible] ایشیا [illegible] نہیں ہے۔"

وہ ہنس پڑی۔ "اسرائیل کی بات مت کرو۔ یہاں تو تم جیسے [illegible] ملک کے لوگوں سے مل سکتے ہو۔ میرا مطلب تھا کہ تم جنوب مشرقی ایشیا کے کسی ملک کے باشندے معلوم ہوتے ہو۔"

"اگر ایسا ہو تو کیا؟ [illegible] کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے؟"

"یقیناً!" وہ [illegible] لہجے میں بولی "تمہارے علاقوں میں شادی کے بعد مرد عورت کو اپنی ملکیت تصور کرتا ہے۔ اور اس کے بارے میں اسی قدر حساس بھی ہوتا ہے اور عورتوں نے بھی اس [illegible] کو تسلیم کیا ہوا ہے جبکہ ہمارے یہاں شادی محض ایک [illegible] ہے۔ یہاں میاں بیوی کی حیثیت محض دوستوں جیسی ہوتی ہے [illegible] اولاد کی پیدائش سے شروع ہوتی ہے اور اولاد کے بالغ ہونے پر ختم ہو جاتی ہے۔ باقی تمام شعبوں میں ان کی انفرادی خوشیوں کے وہ خود ذمہ دار ہوتے ہیں۔"

ہر خواہ وہ جنس ہی کیوں نہ ہو۔"

"جنسی آسودگی تو تمام خوشیوں کی کلید ہے۔ آخر اس کے لیے کوئی ایک فریق اپنی آزادی سے کیوں دست بردار ہو جائے؟"

"پھر انسانوں اور جانوروں میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟"

"سب سے بڑا فرق تو یہی ہے کہ وہ شادی کی کسی دستاویز پر دستخط نہیں کرتے۔" وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔ پھر سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولی۔ "سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ اولاد کے معاملے میں بھی جانوروں میں اجتماعی ذمہ داری کا رواج نہیں پایا جاتا۔"

ڈائننگ ہال میں پہنچ کر میں نے اپنے پرس سے ایک معقول رقم نکال کر خاموشی سے اس کی طرف بڑھا دی۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے نوٹوں کو ہاتھ لگائے بغیر حیرت سے کہا۔

"یہ مٹھائی ہے... ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ اگر ایک گھنٹے تک میری واپسی نہ ہو تو تم یہ بل ادا کر کے گھر جا سکو گی۔"

"شکریہ! صبح سے پہلے گھر جانا نہیں چاہتی۔"

"میں کوشش کروں گا کہ جلد واپس آ جاؤں۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اگر صبح ہو جائے تو فکر نہ کرنا۔ تم کو یہیں ملوں گی۔"

میں اس سے اٹھا اور فوراً لفٹ کے ذریعے نیچے کی طرف چل دیا۔ اس وقت میرے پاس تیز دھار اور چوڑے پھل والا ایک شکاری چاقو موجود تھا جس کا پھل ایک بٹن دبانے ہی پر دستے سے کھل جاتا تھا۔ نائٹ کلب میں جانے سے پہلے میں نے اسے احتیاطاً ساتھ لے لیا تھا۔ وہاں اسلحہ کی تلاشی ہوتی تھی، اس لیے ریوالور ساتھ لانے کے بجائے اس چاقو پر ہی انحصار کر لیا تھا۔

چاقو بوتی پتلون کی جیب میں مناسب طریقے سے رکھ کر میں وہاں سے باہر آ گیا۔ اب وہ ہوٹل جہاں میرے کام آ سکتا تھا جب کہ ریوالور جیب میں دیکھنے پر بھی کسی کو اس کی موجودگی کا شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔

بلیئرڈ ہال میں اس وقت مدہوش اور عریانی اپنے شباب پر تھی۔ کھیلنے والوں کے علاوہ وہاں تماشائی عورتوں کی بھی خاصی تعداد موجود تھی۔ ہال کی فضا شراب، تیز پرفیوم، سگریٹ کے دھوئیں کی تیز بو سے بوجھل ہو رہی تھی۔ وہاں پہنچتے ہی مجھے ایک اسکور بورڈ پر قاسمی لکھا ہوا نظر آیا اور میں اس میز پر جا پہنچا۔ وہاں دوسری میزوں کے مقابلے میں زیادہ تماشائی جمع تھے۔

اسکورنگ کے ذریعے مجھے فوراً ہی پتہ چل گیا کہ قاسمی ہاری کون ہے۔ وہ بڑے جسیم، سنہرے بالوں اور سرخ و سپید چہرے والا ادھیڑ عمر کا شخص تھا۔ وہ بہت توجہ اور انہماک کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھا اور اسے پہلے ہی برتری حاصل تھی۔

قاسمی ہاری کو پہچان لینے کے بعد میں تماشائیوں سے ذرا الگ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ وہ جتنا چاہتا اتنا وقت لے سکتا تھا اور میں بھی اسے دیکھے بغیر نہ رہ سکا۔ مگر میری نظر اس سے زیادہ اس کے حریف کھلاڑی کے تماشے کی طرف اٹھ رہی تھی۔

وہاں سرخ بالوں والا ایک شخص جس کی وجہ سے اس پورے ہال میں شور تھا۔ وہاں چند نیم برہنہ لڑکیاں موجود تھیں جو اپنے کھلاڑی کے کھیل کو سراہ رہی تھیں۔ ان کے علاوہ میں وہاں کسی حافظ کی موجودگی محسوس نہ کر سکا۔

میں نے قاسمی ہاری کو اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔ وہ ویسے بھی اس ہال کا مالک تھا اور سیکڑوں کے ہجوم میں پہچانا جا سکتا تھا۔ بلیئرڈ ہال میں میرے پیچھے اس پورے ہال کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ میں تھوڑی دیر بعد وہاں سے نکل آیا اور تیزی کے ساتھ اس کے لمحات کی منصوبہ بندی میں مصروف تھا۔ میں ڈائننگ ہال میں داخل ہوا تو وہاں میز خالی پڑی ہوئی تھی اور ایک بیرا وہاں سے خالی برتن سمیٹ رہا تھا۔

"جو خاتون یہاں بیٹھی تھیں وہ کہاں گئیں؟" میں نے بیرا کے قریب جا کر سوال کیا۔

"چلی گئیں۔" اس نے مجھ پر سرسری نظر ڈال کر کہا۔

میں نے جیب سے ایک نوٹ نکال کر اسے پکڑا دیا اور بیرے نے سرکو ہلکی جنبش دے کر جیب میں ڈال لیا۔ وہ میری طرف پوری طرح متوجہ ہو گیا۔

"فوراً میرے ساتھ آؤ۔" میں نے ایک خالی گوشے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ مگر وہاں وہ میری آواز سن چکی تھیں۔ وہ میری گفتگو سن چکی تھی۔

"انہوں نے کوئی پیغام چھوڑا ہے؟" اس گوشے میں پہنچ کر میں نے بیرے سے کہا۔

"پیغام تو نہیں چھوڑا مگر وہ بہت جلدی میں روانہ ہوئی ہیں۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "وہ یہاں اکیلی بیٹھی تھیں کہ ایک شخص چند منٹ کے لیے ان کے پاس آیا۔ اس کی گفتگو سے وہ کچھ پریشان نظر آنے لگیں۔ اس کے جاتے ہی انہوں نے بل طلب کیا اور میری ٹپ کی رقم یہیں چھوڑ کر چلی گئیں۔"

"اس سے بات کرنے والا یہاں موجود ہے؟"

"وہ... وہ جا رہا ہے۔" اس نے اچانک پچھلی طرف دیکھتے ہوئے نکاسی کے راستے کی طرف اشارہ کیا جہاں سیاہ سوٹ میں ملبوس ایک دراز قامت شخص سگریٹ سلگاتا ہوا باہر جا رہا تھا۔

میں بیرے کو وہیں چھوڑ کر تیزی سے نکاسی کے راستے کی طرف چلا۔ میرے وہاں پہنچنے تک وہ شخص باہر نکل چکا تھا۔ میں دروازہ عبور کر کے پارکنگ لاٹ میں آیا تو وہ چلتا چلا گیا۔ دربان نے میرے پیچھے دروازہ کھول دیا اور میں باہر آ گیا۔

ہوٹل سے پارکنگ لاٹ تک راستہ روشن تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں حیران تھا کہ آخر اتنی جلدی وہ شخص کہاں غائب ہو گیا۔ جب کہ اس کے پیچھے نکلنے کے بعد میں بغیر وقت ضائع کیے دوسرے راستے پر آ گیا تھا۔

وہ شخص کہیں چھپ کر بیٹھا تھا۔ اسی طرح مجھے ہوٹل کے دالان میں گولیوں کا خیال آیا۔ ڈائننگ ہال کے دروازے سے نکاسی کے راستے تک میں دیوار کے ساتھ چلتا ہوا پہنچ گیا۔

وہ شخص مجھے بیرے سے بات کرتے دیکھ کر چوکنا ہو گیا تھا اور شاید آخری لمحے پر اس نے بھانپ لیا تھا کہ میں اس کے تعاقب میں ہوں۔ لہٰذا وہ چھپ کر بیٹھ گیا تھا۔ میں چند گاڑیوں کے بیچ گملوں کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔ یہ خیال آتے ہی میں بجلی کی سی سرعت سے پیچھے گھوما مگر اس وقت تک وہ میرے قریب آ چکا تھا۔

اسے دیکھتے ہی میرے بڑھتے ہوئے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔ وہ دراز قامت خوب صورت شخص تھا۔ اس کے لبوں پر اس وقت زہریلی مسکراہٹ نمایاں تھی اور اپنا ہاتھ پتلون کی جیب میں تھا جس میں سے ریوالور کی نال کا ابھار صاف نظر آ رہا تھا۔

"بہتر یہی ہے کہ میری ہدایات پر عمل کرتے رہو۔" اس نے مجھ سے چند قدم دور رک کر دھیمے لہجے میں کہا۔ "اگر تم نے ذرا بھی چالاکی کی کوشش کی تو تمہارے جسم میں ریوالور کی نال سے سوراخ ہو جائے گا۔"

"یہ تم نے اپنے تجربے ہی سے واضح کیا ہے؟" میں نے خوف کی بجائے مسکراہٹ سے کہا۔ "تم کسی غلط آدمی کو پکڑ رہے ہو۔"

"زیادہ باتیں مت کرو اور پارکنگ لاٹ کی طرف چل پڑو۔ تم میرے آگے آگے چلو گے۔"

"مجھے دھمکی مت دو۔" وہ ایک قدم آگے بڑھ کر غرایا۔ "مسٹر سید مرتضیٰ!" میں نے شانے اچکا کر لاپروایانہ انداز میں کہا۔ "اس طرح میرے پیچھے آ کر دیکھنے والوں کو خواہ مخواہ شبہ ہو گا کہ میری دوستی ہے اور تم میرے پیچھے ہو۔ یہ نال تمہاری جیب سے صاف دکھائی دے رہی ہے۔ دیکھنے والے یہی سمجھیں گے کہ دو دوست جا رہے ہیں۔"

"میں کہتا ہوں بکواس بند کرو۔" میری تقریر سن کر وہ جھلا سا ہو گیا اور آگے بڑھ کر بولا۔ "ورنہ گولی مار دوں گا۔"

"اگر تم نے ٹھہرنا ہے۔" میں نے اسے آنکھ مار کر کہا۔ کیونکہ اس دوران میں مجھ پر ابھار کی حقیقت واضح ہو چکی تھی۔ اس ابھار میں نال کے گول دہانے کے بجائے نوکیلے کنارے نمایاں تھے۔ پھر اس جیب کا ابھار بھی ایک حد تک کم تھا۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ پتلون کی جیب میں سے کسی چیز کا ابھار بنا کر مجھے مرعوب کرنا چاہتا ہے۔ مگر اس کو یہ علم نہ تھا کہ میری ذات پر ایسے شعبدے بے اثر ثابت ہوں گے۔

اس نے ایک غصیلی سی نگاہ مجھ پر ڈالی اور ہاتھ جیب سے نکال کر مجھ پر جھپٹا۔ میں نے بھی فوراً پھرتی سے اس کا وار خالی کیا۔ وہ فضا میں اڑتا ہوا قریب آیا۔ میں پھرتی سے ایک طرف سرک گیا اور ساتھ ہی اس کے چہرے پر ایک مکا رسید کر دیا۔ ضرب بھی لگا دی۔

اس کے حلق سے ایک عجیب سی کراہ نکلی اور وہ پیٹ کے بل زمین پر اوندھا گر پڑا۔ روشنی پردہ تک گھسٹتا چلا گیا۔

اس سے قبل کہ وہ سنبھلتا میں نے کمر کی طرف سے اپنی جیب سے شکاری چاقو نکال لیا اور اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔

چاقو کے پھل کھلنے کا کھٹکا سن کر وہ بری طرح بپھرا اور مجھے پشت سے گرانے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے میرے شکنجے سے نکلنے کے لیے اپنا پورا زور صرف کر دیا۔

"کسی طرح پڑے رہو۔" میں نے اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر چاقو کی نوک سے اس کی گردن پر ہلکا سا زخم لگاتے ہوئے کہا۔ "اگر ذرا بھی حرکت کی تو یہی پھل تمہاری شہ رگ اڑا دے گا۔"

اس دھمکی کا میرے شکار پر خاطر خواہ اثر ہوا اور اس نے ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ دیے۔

"قاسمی ہاری کی کار کا نمبر کیا ہے؟"

اس نے جلدی سے ایک نمبر بتایا۔ اسی وقت پارکنگ لاٹ کی جانب سے کوئی ہوٹل سے باہر آتا دکھائی دیا اور میں نے اپنے شکار کے گلے پر چاقو کی تیز دھار پھیر دی۔

وہ شخص بری طرح تڑپا اور اس کے ساتھ ہی اس کی شہ رگ سے خون کا فوارہ ابلنے لگا۔ یقین ہوتے ہی میں نے اسے چھوڑ دیا اور تیزی سے ایک طرف بھاگ گیا۔

وہ شخص اپنا خون ٹوٹتے ہوئے فرش پر جس بری طرح تڑپا اس کی جگہ پارکنگ لاٹ میں دو گھنٹے ہوئے کار کے نیچے جھک پڑتے۔ وہ بڑی تیزی سے جاتے ہوئے اسے پیچھے مڑ کر میں نے ہاتھ پر کی سیٹ میں بیٹھ گیا۔ اب نکاسی کے راستے پر کوئی خوف نہیں تھا۔ چاقو خون آلود تھا اور میرے ہاتھ میں تھا اور میں اپنے دونوں ہاتھوں پر تازہ خون کی چپچپاہٹ بھی محسوس کر رہا تھا۔ ایسی حالت میں ہوٹل لوٹ جانا میں کسی روشن علاقے کا رخ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

دوڑتے دوڑتے میں ہوٹل کے ویران عقبی علاقے میں جا نکلا۔ اس طرف اندھیرے کی آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ دیوار کی دوسری طرف ایک بڑے خالی پلاٹ پر تعمیری کام ہو رہا تھا جو دو روز سے بند ہو چکا تھا مگر سیمنٹ اور کنکریٹ کے ڈھانچے وہاں سے نظر آ رہے تھے۔ میرے لیے وہ جگہ مناسب تھی۔ میں دیوار پھاند کر پھرتی کے ساتھ دوسری طرف کود گیا۔ گو اس خالی پلاٹ پر بھی جگہ جگہ مرکری لائٹس لگی ہوئی تھیں مگر اس کے باوجود بیشتر حصہ گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔

اسی تاریکی میں مجھے ایک جگہ پانی کا بھرا ہوا تالاب نظر آ گیا جس کے کنارے کنکریٹ کے بلاک بنانے والی مشین کھڑی تھی۔ مشین کی آڑ میں بیٹھ کر میں نے نہایت سکون کے ساتھ ہاتھ دھوئے۔ چاقو کا تیز پھل بھی پانی میں دھو لیا۔ خون آلود پتلون تاریکی کے باعث میں اپنے لباس کا جائزہ نہ لے سکا۔

اسی وقت کہیں سے ایمبولینس کے سائرن کی تیز آواز سنائی دی۔

جو خطرہ بہت قریب آتی جا رہی تھی پھر وہ آواز جلتی ہوئی ماحول کے قریب دیوار میں کہیں معدوم ہوگئی۔

پہلے میں نے اس فلیٹ پر جو کسی عمارت کے نامکمل اور تاریک ڈھانچے میں جا کر کچھ دیر آرام کرنے کا ارادہ کیا مگر سے فوراً ہی مسترد کردیا کسی جنگ پر پناہ لینا جیسے اس وقت خطرناک تھا۔

تھوڑی دیر وہاں رک کر سانس ٹھیک میں کرنے کے بعد میں وہاں سے اٹھا اور دشمنوں سے بچتا بچاتا نکاسی کے راستے کی تلاش میں ہولیا اس ویران تعمیراتی علاقے سے نکلنے میں کچھ دشواری پیش نہیں آئی باہر آکر میں کچھ دور پیدل چلتا رہا پھر ایک ٹیکسی میں سوار ہوگیا۔ کارلٹن ہوٹل سے دو تین بلاک کے فاصلے پر میں نے ٹیکسی چھوڑ دی اور پیدل ہوٹل کی طرف چل دیا۔ اس وقت شکاری چاقو میرے پیٹ پر ایک بوجھ بنا ہوا تھا۔ میں جلد از جلد اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا مگر اس وسیع شہر میں کچرے کے سوا مجھے کوئی محفوظ مقام نظر نہیں آرہا تھا اسرائیلی شہریوں کے احساس ذمہ داری کے بارے میں مجھے پہلے ہی ایک تلخ تجربہ ہوچکا تھا جو میری خوش نصیبی کے باعث ایک جال سے نجات کا سبب بن گیا۔ مجھے یقین تھا کہ میں نے وہ چاقو کسی کھلی جگہ پر پھینکا تو اس کے کھانچوں میں رہ جانے والے خون کے ذرات کی بنا پر وہ چاقو پولیس کے حوالے کردیا جائے گا اور پھر فنگر پرنٹ کے ذریعے وہ آسانی سے مجھے اس قتل میں ملوث کرلیں گے۔

دوسری طرف قاتلوں اور ہوٹل کے دیگر سے بھی مجھے خطرہ تھا ان دونوں کے بیانات میری نشاندہی کے لیے کافی ہوتے علاوہ از یں مجھے یہ بھی یقین تھا کہ کیپٹن ماریا کے محکمے کا کوئی نہ کوئی فرد میری نگرانی پر لگا ہوا ہوگا۔ اور اس نے بڑی حد تک واردات کا مشاہدہ کیا ہوگا مجھ کے آدمی نے فون پر کال سے خواہ کے حوالے سے مجھے قاضی ہادی کے بارے میں جو ہدایت دی تھی وہ یقینی طور پر ٹیپ کی گئی ہوگی۔ البتہ اس کے بعد میری نگرانی میں بے پروائی برتی گئی ہو۔ سب باتوں کے باوجود مجھے یقین تھا کہ اس قتل کے سلسلے میں میری نشاندہی ہی نہیں کر سکیں گے ان لوگوں نے بڑے شکار کے لیے چارے کے طور پر مجھے رہا کیا تھا اور وہ ایک معمولی حادثہ سمجھ کر نظر انداز کردیتے۔

اگر وہ مجھے عدالت میں ہتھکڑی پہنچ کر ان کے پاس ہزاروں ثبوت موجود تھے کوئی نا آیہ ہوگا یا مجھ سے معاملہ نہ کرنا چاہتا تھا تو ان کو باعزت طور پر رہا ہونا چاہئے تو مجھے جرم اور اس کی واقعے کے قتل کے جرم میں پھانسی کے پھندے تک پہنچا سکتے تھے مگر انہوں نے یہ سب نہیں کیا تھا۔

ہوٹل کے بیانات ایک عجیب سے مجھے ابھی تک قتل تھی۔ میں ایک بات سے خوفزدہ تھا کہ ان کا تو قتل کرنے کی وضاحت کرسکتا تھا۔

آخرکار میں نے ایک ہوٹل تلاش کرلیا۔ دو تین مرتبہ اس کا طواف کرنے کے بعد مجھے موقع مل گیا اور میں نے وہ چاقو

اندھیرے میں ہوتے گندے نالے میں پھینک دیا۔ میں ہوٹل کا ڈرائنگ روم ختم کرنے کے بعد میں بے فکری کے ساتھ ہوٹل کی طرف ہولیا۔

کاؤنٹر سے روانگی کے وقت میں نے چابی واپس کاؤنٹر پر جمع نہیں کرائی تھی۔ میں استقبالیہ کاؤنٹر کی نظروں میں آئے بغیر سیڑھیوں کے ذریعے اوپر پہنچا اور اپنے کمرے کا قفل کھول کر پھرتی سے اندر داخل ہوگیا۔

آئینے میں اپنے سراپا کا جائزہ لیا تو میرا دل ابھی کارکردگی پر جھوم اٹھا میرے چہرے پر خون کی کوئی علامت نہیں تھی جس سے مجھ پر شبہ کیا جاسکتا کہ میں کسی جھگڑے میں ملوث رہا ہوں۔ البتہ میری قمیص کی دونوں آستینوں پر کہیں کہیں ناپاک خون کے دھبے موجود تھے۔

میں نے ناخون کے دھاگے سے بنی ہوئی وہ قمیص باتھ روم میں لے جاکر آگ لگا دی۔ اس طرح چند لمحوں میں مصنوعی دھاگوں کی وہ قمیص راکھ کا ڈھیر بن گئی اور ہوا میں تحلیل ہوگیا۔ اگر وہ کوئی سوتی قمیص ہوتی تو اسے جلانے کیلئے مجھے گھنٹوں صرف ہوجاتے۔

سلیپنگ سوٹ میں بستر پر دراز ہونے کے کچھ وقفے بعد میں نے داخلی فون سروس کو کھانے کا آرڈر دے دیا۔

اس رات دو بجے تک میں کسی پولیس پارٹی کی آمد کا انتظار کرتا رہا مگر مجھے پتہ ہے دروازے پر کسی نے دستک نہ دی اور آخرکار میں گہری نیند سو گیا۔

اگلے روز اتوار تھا۔ میں دیر تک سوتا رہا پھر اٹھا اور نہانے دھونے کے بعد ہال کی طرف چل دیا تاکہ رات والے حادثے کے بارے میں اخبارات کا جائزہ لے سکوں اور ساتھ ہی لوگوں کے تبصرے بھی سن سکوں۔

اخبارات میں اس قتل کے بارے میں متضاد قسم کی خبریں لگی تھیں۔ جن سے معلوم ہوتا تھا مقامی پولیس کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے میں ناکام رہی تھی مرنے والے کو قاضی ہادی کا ملازم بتایا گیا تھا اور اسی حوالے سے ایک اخبار نے لکھا تھا کہ وہ قتل آپس کی کسی چپقلش کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔

میں چائے نوشی کے دوران اخبار پڑھنے میں مصروف تھا کہ دو تنو مند افراد میری میز پر آکر میرے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ ان کا یہ طریقہ اور بے تمیزی بھی تھی۔ ہال میں بیشتر میزیں خالی پڑی ہوئی تھیں اور ابھی انہیں میری میز پسند تھی تو اخلاقاً انہیں مجھ سے اجازت لینی چاہئے تھی۔

"فرمائیے۔ میں آپ لوگوں کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟" میں نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے ان دونوں سے شائستہ لہجے میں دریافت کیا۔

"پچھلی رات کے کارنامے کی خبریں پڑھ رہے تھے؟" ان میں سے ایک چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر جمی تھیں۔

"آخر یہ لوگ آئن سٹائن کے پیچھے ہی کیوں پڑے ہیں" سوچا مجھے انجان بنتے ہوئے ان سے سوال کیا۔ [illegible]

یہی نہیں کہ

"ہماری پولیس کا خون قیامت تک تمہارا پیچھا کرے گا۔" دوسرا شخص نتھنے پھلاتے ہوئے سرد اور سفاکانہ لہجے میں بولا۔ "پولیس تم تک پہنچے نہ پہنچے مگر ہم اپنے دشمنوں کو خوب پہچانتے ہیں۔"

"اگر تم ہلٹن ہوٹل میں مارے جانے والے شخص کے بارے میں بات کررہے ہو تو میں تمہیں بتادوں کہ اس کے بارے میں میں نے ابھی ابھی پڑھا ہے۔ اس شہر میں میری کسی سے دشمنی نہیں۔ تمہیں شاید یہ کہ میں کوئی خطرناک غلط فہمی ہوئی ہے۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"وہ بھی دیکھ لیا جائے گا فی الحال تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہے۔" دوسرے شخص نے اپنی شرٹ کی تہہ کیس میں چھپے ہوئے پستول کی نال جھلاتے ہوئے کہا۔

"ہوش میں رہ کر بات کرو۔" میں کرسی پیچھے کھسکا کر غصے سے کھڑا ہو گیا۔ "میں تمہارا زرخرید نہیں ہوں جو تم میرے ساتھ اس طرح پیش آرہے ہو" کسرتی جسم والا کچھ بولنا ہی چاہتا تھا کہ اس کے ساتھی نے اسے خاموش رکھتے ہوئے جلدی سے کہا "معاف کیجئے گا مسٹر صفدر! قاضی ہادی نے تمہیں ایک مہمان کے طور پر بلایا ہے۔"

"مہمان بلانے کے لیے تو خواہ گینڈے ہی بھیجے جاتے ہیں" میں نے ان کے ساتھی کو گھورتے ہوئے کہا۔

کسرتی جسم والا تو غریب کچھ غور کر رہ گیا اور ان کا ساتھی احتجاجی لہجے میں بولا "تم بھی اپنی زبان کو لگام دو۔ ٹائلوں کے ساتھ یہ رویہ تمہیں زیب نہیں دیتا۔"

"جاؤ اور قاضی ہادی سے کہہ دینا کہ میں اسے اپنے کمرے میں پوری خوشی سے خوش آمدید کہوں گا۔"

"وہ تمہارے پاس آئے گا!" کسرتی جسم والے نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔

"ضرور آئے تو اپنے گھر خوش رہے۔ مجھے ان سے ملنے کا شوق نہیں ہے" "یہ یاد رکھنا کہ تم دن دہاڑے کسی بڑی شاہراہ سے بھی اٹھائے جاسکتے ہو۔" وہ دونوں اپنی کرسیوں سے اٹھتے ہوئے بولے۔

"اپنے نام بتاتے جاؤ تاکہ میں پیشگی رپورٹ میں پولیس کو بتا سکوں کے نام بھی لکھوا دوں۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"اگر تم نے پولیس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تو تمہاری پسلیاں توڑ دی جائیں گی۔ ایسی کوئی بھی احمقانہ کوشش تمہیں مہنگی پڑے گی۔" کہہ کر وہ دونوں تیزی سے وہاں سے چلے گئے۔

دن کا باقی حصہ میں نے ان واقعات کے بارے میں سوچتے ہوئے گزارا۔ محمود نے مجھ سے قاضی ہادی کے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ درست ہی تھا۔ اس پر ہاتھ ڈالنے کے چکر میں میرے ہاتھوں اتفاقاً ایک شخص مارا گیا تھا مگر پولیس پر اسرار طور پر خاموش ہے۔ میں ناکام رہا تھا۔ مجھے قاضی ہادی کی اہمیت کا اندازہ ہو رہا تھا

مگر قاضی ہادی بہت زیادہ باخبر شخص ہے۔ وہ اپنے دوستوں سے واقف ہو یا نہ ہو مگر اپنے دشمنوں کی بو پالینے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتا تھا۔

اس موڑ پر مجھے بہت شدت سے تنہائی کا احساس ستانے لگا۔ محمود کا کوئی پتہ نہیں تھا ورنہ میں تیسری سے خبردار ہوتے ہوئے حالات کی روشنی میں اس سے مشورہ لے سکتا تھا۔ قاضی ہادی کو ٹھکانے لگانا اب ناممکن نظر آرہا تھا۔ میں ان لوگوں کی نگاہوں میں آچکا تھا اور اب قاضی ہادی کو کسی اور دشمن کی جانب سے بھی نقصان پہنچتا تو اس کے آدمی بلاوجہ مجھے پرچڑھا دوڑتے۔

شام تک میں خیالات کے اسی بے مقصد تسلسل سے الجھتا رہا اور ذہنی سکون کے لیے سینما جانے کے ارادے سے باہر نکل آیا۔

ہوٹل سے فٹ پاتھ پر آتے ہی ایک ٹیکسی میرے قریب آکر رکی اور میں پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر اس میں سوار ہوگیا۔

"میجسٹک سینما!" میں نے ٹیکسی کے حرکت میں آتے ہی ڈرائیور کو ہدایت دی۔

"بہت بہتر جناب!" ڈرائیور نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

ٹیکسی چلتی رہی اور میں اپنے خیالات میں ڈوبا رہا۔ خیالات کی یورش اس وقت ٹوٹی جب مجھے احساس ہوا کہ ٹیکسی ایک ویران سڑک پر سفر کررہی ہے۔

میں تل ابیب میں نیا ضرور تھا مگر مشہور مقامات کے علاوہ قریبی راستوں اور فاصلوں سے کافی حد تک واقف ہوچکا تھا۔ میرے [illegible]



منصوبے کے مطابق ہارلیم سے سیدھا بیگ کاٹ تک دس منٹ کی مسافت تھی ٹیکسی کو چلتے ہوئے تقریباً دو گنا وقت ہو چکا تھا۔

"یہ تم کہاں جا رہے ہو؟" میں نے تیز لہجے میں ڈرائیور سے پوچھا

"بہتر یہی تھا جناب۔" وہ مسکراتے ہوئے معصومانہ لہجے میں بولا۔

"ٹیکسی والے دوسرے موڑ کے راستے میں یہ دیوار کہاں سے آ گیا؟"

میں نے اس کے شانے پر مضبوطی سے ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

اس نے فوراً ہی بریک لگا کر ٹیکسی روک دی۔ "اڈیسا اسٹریٹ پر آگ لگی ہوئی ہے جناب اس لیے مجھے اس طویل راستے سے جانا پڑ رہا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے وہاں ایک کروڑ پتی شخص کا اسٹور میں آتشزدگی ہو گئی ہے اور آگ تیزی سے بے قابو ہوتی جا رہی ہے۔"

"آگ!" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"جی جناب۔ خدا جانے کتنی معصوم جانیں اس آگ کی نذر ہو جائیں گی۔" وہ اداس لہجے میں بولا "محلوں پر مشتمل کی عمارت ہے مگر جلد کے ختم ہونے تک خبروں کو جیسے رہتے ہیں اسے ٹیلیفون پر زندگی کا عمر بھر ٹیلیفون ہی بجتا رہتا ہے سب کسی کی باری آ جاتے ہیں۔"

"ٹیکسی گھماؤ۔" میں نے سختی سے ہدایت کی "میں اڈیسا اسٹریٹ کی آگ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

اس وقت تک ٹیکسی سڑک کے کنارے رک چکی تھی اور ڈرائیور نے انجن بھی بند کر دیا تھا۔ میری ہدایت پر اس نے سیلف لگایا مگر انجن خاموش رہ گیا۔

"اب یہ کچھ دیر تک سٹارٹ نہ ہو سکے گی۔" ڈرائیور میری طرف مڑ کر معذرت آمیز انداز میں بولا "گرم ہو کر سیلف کا انجن جام ہو جاتا ہے جب تک گاڑی ٹھنڈی نہ ہوگی اسے پہلے سے اسٹارٹ کرنا دشوار ہوگا"

"مجھے کس احمق نے کہا تھا کہ انجن بھی بند کر دو۔"

"ہو کہاں بہت میں غلطی ہو گئی جناب آپ کے سوال نے مجھے سراسیمہ کر دیا تھا۔"

"دھکے سے اسٹارٹ کرو گاڑی۔"

"یہ اکیلے سے ذرا مشکل ہے۔" وہ آہستہ سے بولا "آپ اسٹیرنگ تھام آ جائیں میں دھکا لگاتا ہوں۔"

میرے پیچھے ہو تو بہتر صاحب تھی۔ میں بائیں طرف کا دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ سے اترا اور جیسے ہی میں ڈرائیور کے کھلے ہوئے دروازے کے سامنے پہنچا وہ پھرتی سے سیٹ سے اٹھا اور مجھے فضا میں کسی بڑے سکرو ڈرائیور کا آہنی دستہ چمکتا نظر آیا جو زناٹے کی آواز کے ساتھ میری کنپٹی سے ٹکرایا اور میں لڑکھڑا کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔



اس دلچسپ ناول کے بقیہ واقعات

تیسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیے



[illegible]

[illegible] ... کرنے لگا۔

[illegible] ... ساتھ میں بہہ گئیں۔

[illegible]

[illegible] ... سوال کیا۔

[illegible] ... چاروں طرف سے نمایاں تھے۔

میں اس کمرے کے ایک گوشے میں [illegible] ہوا تھا جب [illegible]

[illegible]

"تم اس وقت میرے آقا قاضی نادی کے مہمان ہو اور میں ان کی ایک ادنیٰ کنیز ہوں جسے تمہاری خدمت پر مامور کیا گیا ہے۔" وہ دیدہ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے محبت آمیز لہجے میں سوال کیا۔ اس کی جھکی جھکی خمار آلود نظروں نے میرے دل کے تار کو جھنجھنا کر رکھ دیا۔

"میرا نام صالقہ ہے۔"

"تمہارا نام صورت سے بھی پیارا ہے۔" میں نے اس کے قریب جا کر اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "تم ضرور آسمانی [illegible] بجلی ہو جس کی چوٹ لگا جاتی ہے تو چہرہ اور حواس کو معطل کر دیتی ہے۔"

"یہ ناچیز جو کچھ بھی ہے آپ کی غلام ہے۔" اس نے شرما کر اپنا چہرہ دوسری طرف گھماتے ہوئے کہا۔ "اگر خواہش ہو تو کوئی مشروب پیش کروں؟"

"مشروب بھی پیش کرو مگر مجھے پینے میں مزہ نہ ہوگا۔" اس لڑکی کے حسن اور انداز نے میری طبیعت میں عجیب سا نشہ پیدا کر دیا تھا۔

"اس چھت کے نیچے قاضی نادی کے دوستوں کے سوا کسی کا گزر نہیں ہوتا اور دشمنوں کے لیے نہیں ہے۔ میرا آقا تو ویسے بھی دشمنوں کو ہلاک کر دینے کا عادی ہے۔"

لڑکی کے آخری جملے نے مجھے چونکا دیا۔ ان الفاظ سے ظاہر تھا کہ وہ [illegible] معصوم سادہ لوح اور ناتجربہ کار سمجھا تھا مگر [illegible] وہ تیز تھی۔ مجھے کوئی عورت رسیدہ مجھ کو نظر آئی جو شیطان کے [illegible] کرنے کے لیے ایک جھٹکے کا منتظر ہو۔

مجھے زبان پر تیزی سے سمجھ آ گیا۔ [illegible] ایک بات ہو گئی [illegible] بھری بھری [illegible] بے تاب ہو گئی اور میں ایک گاؤ تکیے کے سہارے قالین پر بیٹھ گیا۔

وہ ایک جام میرے لیے اور دوسرا اپنے لیے تیار کر کے [illegible] رات کے [illegible] بجے تھے۔

"یہ میرے آقا کے ذخیرے کی سب سے پرانی شراب ہے جس کے ذائقے کی طلب [illegible] جب کسی کو [illegible]" اس نے مشروب کا جام میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اس عزت افزائی کے لیے میں تمہارا اور قاضی نادی کا شکر گزار ہوں۔" میں نے اس کے ہاتھ سے جام لیتے ہوئے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ اس شراب کے شوق میں [illegible]"

اس کے چہرے سے مسکراہٹ ایک دم غائب ہو گئی۔ "تم مہمان ضرور ہو مگر تمہیں یہ اختیار نہیں ہے کہ [illegible] کے بارے میں [illegible]

[illegible] اڑا کر رہ۔"

"تمہیں نہیں معلوم؟" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اس قیمتی شراب کا ذائقہ چکھنے کے لیے مجھے اپنی جان کی بازی لگانی پڑی [illegible] میری دونوں آنکھوں کی بصارت بھی چھن جاتی تو مجھے حیرت نہ ہوتی۔ دوستوں اور رشتہ داروں کی [illegible] پسند نہیں کیا۔"

"مجھے معلوم [illegible] خود تمہارے پاس آئے گا۔ یہ شکایت تم اسی سے کرو تو بہتر ہوگا۔ میرا کام تو صرف اتنا ہے کہ تمہارے آرام کا خیال رکھوں۔"

"بہت نفیس شراب ہے۔" میں نے پہلا گھونٹ لے کر کہا۔ [illegible] کے جیسے ذائقہ [illegible] اس میں عجیب سی تلخی بھی پائی جاتی ہے۔"

"یہ تلخی ہی تو [illegible]" میرے [illegible]

"کیا بات [illegible] معلوم ہوتے ہو۔"

"میں نے جو محسوس کیا وہ کہہ دیا۔"

"تم اچھے خاصے شاعر ہوتے تو بڑا نام پیدا کرتے۔"

"تمہارا یہ لباس اور تمہارا بدن [illegible] مجھے بدن کی شاعری [illegible] جا رہا ہے۔"

"بدن کی شاعری؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہارے بدن کا رقص دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"[illegible] یہ انتہائی [illegible] کرنا چاہو تو دوسری بات ہے۔"

"میں اس وقت تمہارا رقص دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"[illegible] ان الفاظ [illegible] خوشی سے کہا [illegible] یہاں موسیقی [illegible] موجود ہے۔"

"موسیقی کا تصور [illegible] نہیں ہوگا۔"

"کون دوسرے؟" اس نے [illegible] حیرت سے کہا۔ [illegible] کے سوا اس وقت [illegible] کوئی نہیں [illegible]

"تو اس وقت [illegible] نہیں ہوں۔"

"تم [illegible] قاضی نادی کے باغات میں [illegible] جگہ [illegible] یہاں [illegible] باغات میں [illegible] رہتا ہے۔"

"تو کیا مجھے باہر نکلنے کی اجازت ہے؟" [illegible] پہلے [illegible] باغات [illegible]

"ضرور جا سکتے ہو مگر ایک [illegible] ہے۔"

"وہ کیا؟"

"ان کو [illegible] محافظوں سے [illegible]

ہیں۔ ایک [illegible] کی گردن [illegible] دیتے ہیں۔"

"اس [illegible] تو کوئی [illegible] ہو سکتا ہے۔"

"[illegible] بھائی [illegible] میں [illegible]"

"[illegible] سے ملازم [illegible]"

میں صالقہ [illegible] ہو گیا۔

[illegible] دونوں [illegible] صالقہ کو دیکھ [illegible] مصروف ہو گئے۔ ان دونوں کے [illegible] اور دونوں [illegible] ایک [illegible] کے ساتھ [illegible] صالقہ [illegible] کی طرح [illegible] دونوں کے [illegible] نظر آ رہے تھے [illegible] آنکھیں اور [illegible] کے باعث [illegible] نظر آ رہے تھے۔

میں [illegible] کرتے ہوئے صالقہ کے ساتھ [illegible] میں [illegible] محافظوں میں سے ایک [illegible] دوسرا [illegible] تعاقب میں ہو لیا۔

"یہ [illegible] کہاں آ گئے ہیں؟"

"اس [illegible]" صالقہ آہستہ سے بولی "رات کے وقت [illegible] کیا [illegible]"

پھر [illegible] کے بعد [illegible] اس عمارت پر نظر ڈالی [illegible] ایک [illegible] دور سے [illegible] دوسرے سے [illegible] صالقہ نے بتایا [illegible] عمارت میں [illegible] یکساں ہیں۔

باغ [illegible] مجھے [illegible] دلچسپی تھی اور میں نے [illegible] بہت ہی [illegible] ان [illegible] کی صورت میں [illegible] تھا [illegible] جسموں سے ظاہر ہوتا تھا کہ [illegible] کے [illegible] جا سکتے ہیں [illegible] ہو سکتا تھا۔

[illegible] میں واپس [illegible] صالقہ نے [illegible] موسیقی کا [illegible] ایک [illegible] اس نے [illegible] کے ساتھ [illegible] صالقہ [illegible] نے [illegible] شراب سے [illegible]

صالقہ کی [illegible] آواز [illegible] صالقہ [illegible]

ہے۔ اس کے بدن کا ہر ہر حصہ بھی ساکت تھا اور [illegible] ہونے لگے۔ پھر [illegible] ایک [illegible] موسیقی کا [illegible] گویا [illegible] بجلی [illegible] اس کے بدن [illegible] رہی تھی۔ [illegible] سانس لینے [illegible] پھٹنے لگا۔

ایک طرف شراب میرے [illegible] دوسری طرف صالقہ [illegible] مجھے بے خود کیے دے رہا تھا [illegible] رہا اور جب اس نے [illegible] کر کے مجھے [illegible] تو وہ [illegible] قلعات کا [illegible] کر [illegible] بیٹھ گیا۔

رات کے سناٹے میں صالقہ [illegible] حسینہ کا وجود جیسے [illegible] بڑا [illegible] تھا۔ میرے لیے اس کے قدموں پر نظریں جمانی مشکل ہو گئیں۔ حجاب [illegible] اور [illegible] عادی [illegible]

آخر میرے اعصاب جواب دے گئے اور میں نے [illegible] چیخ اٹھا "ختم کر دو یہ ناچ [illegible]"

"جب تک تم خود نہ مجھے روکو گے میرے قدم یونہی گردش میں رہیں گے۔" موسیقی میں [illegible] آواز [illegible] دی۔

میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میرے [illegible] معمولی سی بات تھی۔

مگر جب میں نے پہلی مرتبہ اسے پکڑنا چاہا تو وہ یوں پھسل کر میری بانہوں سے نکل گئی کہ میں حیران رہ گیا۔ وہ بدستور ناچتی رہی [illegible] دوبارہ [illegible] کیا۔ [illegible] طرح [illegible] میں قالین پر بیٹھ [illegible] گئی۔

خدا خدا کر کے [illegible] اور صالقہ کے [illegible] گئے۔

"رقص [illegible] کیسا لگا؟" [illegible] میں صالقہ کی [illegible] سی آواز ابھری۔

"نہیں۔"

"یہ بہت خوبصورت رقص ہے۔" اس نے مجھے [illegible] صحرائی [illegible] کے ایک قبیلے کا خاص رقص ہے جو [illegible] کے بعد [illegible] کیا جاتا ہے۔"

"اب میری [illegible] ہیں اب سونا چاہتا ہوں۔ [illegible] تمہارے آقا سے بھی ملاقات کرنی ہے۔"

"سونا چاہتے ہو؟" اس نے [illegible] لہجے میں سوال کیا۔

"میرے [illegible] صالقہ" میں نے کہا اور اس کے جواب کی پروا کیے بغیر [illegible] ہو گیا۔ میں قاضی نادی پر [illegible] کرنا چاہتا تھا کہ میں [illegible] اس کے [illegible] وہ اپنے اشاروں پر [illegible]

صبح صالقہ نے مجھے بیدار کیا تو قاضی نادی [illegible] آ چکا تھا۔

اور ناشتے پر میرا انتظار کر رہا تھا۔

میں نے مصافحہ کی رسمی علیک سلیک کے بعد خود بخود سکون سے منہ ہاتھ دھویا اور دوسرے کمرے میں جا پہنچا جہاں قاضی بادی میرا منتظر تھا مجھے دیکھتے ہی اس نے روزنی چھوڑ دی اور تپاک کے ساتھ میری طرف بڑھا۔ اس کی گرمجوشی کے جواب میں میں نے خاصی سرد مہری کا مظاہرہ کیا اور جب ہم دونوں ناشتے پر آمنے سامنے بیٹھ گئے تو میں نے تیکھے لہجے میں اس سے سوال کیا کہ میرے ساتھ یہ سولہ سنگ رچانے کا کیا مقصد تھا، مجھے اس کی وضاحت کرنا ہوگی۔

"ناشتہ کر کے پھر سکون سے باتیں ہوں گی۔" وہ انڈے کی زردی چباتے ہوئے بولا۔ "تمہیں یہ سوانگ دیکھ کر معلوم ہو گیا ہوگا کہ میرے آدمی جہاں چاہتے ہیں تمہارے ساتھ کمال ہوشیاری سے پیش آ رہے ہیں اپنی جاتیں بھول جاتے ہیں وقت پر ہی احترام کرتا ہے۔"

"میں نے بنا ہے تم اپنے دشمنوں کو شکار کرنے کے عادی ہو۔ پھر میرے ساتھ یہ ڈرامہ کرنے کا کیا مقصد ہے؟" میں نے سب ادب پیتے ہوئے دریافت کیا۔

"تم فضا لوگوں کے چکر میں پڑ کر میرے دشمن ہو گئے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ پوری کہانی سننے کے بعد تم بھی میرے ہم نوا ہو جاؤ گے۔"

"میں سننا چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"ساقی تم باہر جاؤ۔" قاضی بادی نے قریب کھڑی ہوئی لڑکی سے کہا جو سر جھکا کر باہر چلی گئی۔

"کیسی لڑکی ہے؟" اس کے چلے جانے پر قاضی بادی نے مسکرا کر مجھ سے سوال کیا۔

"یہ میرے صبر کے لیے کڑا امتحان ثابت ہوئی ہے۔"

"امتحان؟ اسے میں نے تو اسے انعام بنا کر تمہارے پاس بھیجا تھا۔"

"دوستی کا یقین ہونے سے پہلے میں کوئی انعام قبول نہیں کرتا۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر جواب دیا۔

میرے الفاظ پر ایک لمحے کے لیے قاضی بادی کے چہرے پر غصے کی سرخی نمودار ہوئی مگر جب وہ بولا تو اس کے لب و لہجے میں وہی پہلے جیسی حلاوت موجود تھی۔ "دراصل یہ تمہاری خوبی ہے جس نے مجھے متاثر کیا۔ تم سے کچھ صاف صاف باتیں کرنے والا ہوں میں منتظر ہوں۔"

"تمہیں خبر ہے کہ میں خود ایک فلسطینی ہوں۔" اس نے جیسے اچانک مجھے خاموش رہنے کے بعد گفتگو کا آغاز کیا۔ "گو میں عرصے سے اسرائیل میں رہتا ہوں مگر میری معلومات کے مطابق تم فلسطینی بھی اکثریت میں ہیں۔ مگر حقیقی وطنیت میں دشمن کے لیے ایک مشکل کا سبب بنی ہوئی ہے۔ یہ سب میرے دشمنوں کا پروپیگنڈہ ہے حقیقت یہ ہے کہ اسرائیل میں رہتے کے باوجود فلسطینیوں کے کاز کی جتنی خدمت میں نے کی ہے کوئی حامی نہیں کر سکتے گا۔" وہ تیزی سے جذباتی لہجے میں کہنے لگا۔ "اور محض یہی وجہ ہے کہ میرے ایک جان نثار کا قاتل اس وقت میرے ساتھ ایک دستر خوان پر میرے مہمان کی صورت میں بیٹھا ہوا ہے۔"

"مہمان کہہ کر مجھے دھوکے میں نہ ڈالو۔ یہاں تم ایک قیدی کی حیثیت رکھتے ہو اور اطلاع یہ تھی کہ یہاں تمہارا آنا جانا کسی کی نظر میں آ جائے تو تمہارے مشورے یہاں تک آ پہنچتے۔ مجھے یہاں سے زندہ نکلنا نصیب نہ ہو سکے گا۔"

"یہ غلط ہے۔" وہ پُرزور لہجے میں بولا۔ "تم بہ عزت و احترام یہاں آئے ہو اور اسی طرح تم جب چاہو آزادی سے واپس جا سکتے ہو۔ جب اپنی مرضی سے یہاں آ گئے ہو تو میں تم سے بات کروں گا۔"

"اگر یہ درست ہے تو پھر مجھے اغوا کر کے یہاں کیوں لایا گیا؟"

"محض تمہاری ضد کی وجہ سے۔" وہ جذباتی لہجے میں بولا۔ "یہ پیچیدگی سے بھری کہانی ہے ہوٹل کے سامنے میں بتا سکتا تھا نہ کسی اور کے سامنے تمہیں کسی طرح قائل نہیں کر سکتا۔"

"یہ کون سی جذباتی بات ہوئی؟ وہ کون سا مفاد تھا جس نے تمہیں مجبور کیا؟ میں نے سنا ہے کہ وہ تمہارا جاں نثار تھا۔ انھوں نے مجھ پر اس کا قاتل ہونے کا الزام لگا کر مجھے گرفتار کر لیا تھا۔"

"کیا واقعی؟" قاضی بادی نے حیرت سے پوچھا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں اپنے آدمیوں پر اتنا بھی اعتبار نہیں ہے کہ ان کی کامیابی پر مطمئن ہو سکو۔"

"ہو سکتا ہے کہ انھوں نے ایسا کیا ہو مگر یہ میری ہدایت کی صریح خلاف ورزی تھی۔ ان کا کام صرف اتنا تھا کہ میری دعوت تم تک پہنچا دیں۔ دراصل کاشی ہی باطل تھا جس نے ان لوگوں کے ساتھ تمہارا تعارف کرایا۔ میں حیران تھا کہ کاشی تمہارے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں سامنے پا کر جذباتی ہو گئے ہوں۔ میں ان سے جواب طلب کروں گا اور وہ تم سے اپنی گستاخانہ حرکت کی معافی مانگیں گے۔"

"مجھے اب بھی یقین نہیں آتا کہ میں یہاں تمہارا مہمان ہوں۔" میں نے کہا۔ "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہاں تمہاری طرف سے کوئی بدظنی کر رہا ہے تو میں یہاں نہ آتا۔"

"یہ لو۔" اس نے اپنے لباس کی جیب سے کار کی چابی نکال کر میری طرف بڑھا دی۔ "باہر میری گاڑی موجود ہے۔ ناشتہ ختم کر کے جہاں چاہو جا سکتے ہو۔ گاڑی میں بعد میں منگوا لوں گا۔ گفتگو اسی وقت ہوگی جب تم اپنی مرضی سے یہاں آؤ گے۔"

"بہتر یہ ہوگا کہ اسی بات پر تم میرے ساتھ کسی کمرے میں آ جاؤ۔" میں نے چابی لیتے ہوئے کہا۔ قاضی بادی کے خلوص نے کسی حد تک مجھے شش و پنج میں ڈال دیا تھا۔

"میرا وہاں آنا مناسب نہ ہوگا۔ تم اسرائیلی حکام کی نظروں میں

اور شاید تمہاری نگرانی بھی ہو رہی ہے۔ اس لیے گفتگو یہاں نہیں ہو سکتی۔ میں نے دوبارہ یہاں آنے سے پہلے تمہیں اطمینان کرنا ہوگا کہ پیچھے سرکار کے لوگ تمہارے تعاقب میں نہیں۔"

"کیا کسی وقت میری نگرانی نہیں ہو رہی تھی؟"

"اس کا اطمینان ہو جانے کے بعد ہی کاشی کی گرفتاری عمل میں آئی تھی۔ کاشی اگر اس سے زیادہ بیچ میں پہنچ جاتا تو تمہیں اس کا پتا چل جاتا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ دوران میں یہ ساری چالاکیاں سامنے موجود تھیں تاکہ تم یہ حقیقت اپنی نظر سے اوجھل نہ ہونے دو کہ تم کسی منصوبے کا حصہ بنا کام ہونے کا خدشہ نہ ہو سکے۔"

ناشتہ ختم کرنے کے بعد ہم مزید چند منٹ ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ پھر قاضی بادی نے بڑے تپاک سے مصافحہ کر کے مجھے رخصت کیا۔ میں نے قاضی بادی کی مستانہ سی کار میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا اور بے یقینی کے ساتھ پورٹیکو سے نکل کر اس کے راستے کی طرف موڑ دیا۔ قاضی بادی ہاتھ ہلا کر اندر چلا گیا اور میں بھوک کی طرح شعبے میں فوراً ہی گیٹ کی طرف بڑھا اور گاڑی کو سڑک پر ڈال کر فوراً ہی پھاٹک سے نکل گیا۔

کچھ راستے سے سڑک پر آنے تک مجھے یقین تھا کہ قاضی بادی کے آدمی میرا راستہ روک لیں گے اور مجھے طاقت کے زور پر دوبارہ کنکریٹ کے اس مضبوط مکان میں پہنچا دیا جائے گا۔ مگر میرے یہ اندیشے غلط ثابت ہوئے اور میں بخیر و عافیت شاہراہ پر آ گیا۔

دراصل اگر میں نے قاضی بادی کا رویہ اور اس کی ہدایات کی مخالفت میں تامل کیا تو کوئی ناخوشگوار فیصلہ کرنے کے بجائے جب کسی قسم کا خطرہ نظر نہ آیا تو میں سمجھ گیا کہ قاضی بادی کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گیا۔

وہ نہ جانے مجھ سے کس سلسلے میں بات کرنا چاہتا تھا۔ مجھے کم از کم اس کے عزائم سے واقفیت مزید حاصل کرنی چاہیے تھی۔ مجھے یہ اطمینان ہو چکا تھا کہ قاضی بادی نے اپنے فارم پر مجھے قید نہیں رکھا تھا۔ بلکہ برابری کے ساتھ بات کرنا چاہتا تھا۔ یہ اطمینان ہو جانے کے بعد وقت ضائع کرنا بے سود تھا۔ لہٰذا اگلے چوراہے سے میں نے گاڑی واپس گھما لی۔

ڈیڑھ گھنٹے بعد میں دوبارہ اس کے فارم پر موجود تھا۔ اس وقت سکون پر نگہبان محافظ مامور تھے اور میری ملاقات کا پتہ تھا۔ گفتگو ہونے کی ضرورت اس لیے پیش نہیں آئی کہ مکان کے دروازے پر پہنچ کر اندر کا اونچا مہمل دروازہ کھل گیا۔ میں نے گاڑی کا ہارن بجایا اور چند ہی منٹ بعد کمیں ایک ملازم آ پہنچا۔

"قاضی بادی کہاں ہیں؟"

"وہ تو کب کے باہر جا چکے۔" وہ اپنے ماکس کی گاڑی کو حیرت سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"کہیں گئے ہیں؟"

"شہر سے کوئی ضروری جیب لے کر آیا تھا۔"

"یہاں کون موجود ہے؟"

"نہیں جناب، اندر کوئی بھی فون پر بھی نہیں بیٹھی۔"

یہ ناکامی مجھے بہت بری طرح کھل گئی۔ اگر قاضی بادی میرے ساتھ کوئی لب کھیل کھیل رہا تھا تو وہ یقینی طور پر مجھ پر برتری حاصل کر چکا تھا۔ اپنی گاڑی میرے حوالے کر کے وہ اطمینان سے شہر چلا گیا تھا اور میں یہاں سے سفر کے لئے بے چین تھا۔

میرے لئے اب کار لے کر واپسی کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ لہٰذا میں واپس شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

میں تمام حالات کے بارے میں سوچتا ہوا شہر کی جانب جا رہا تھا کہ ایک خیال نے مجھے پریشان کر دیا۔ اسرائیلی حکام میرے ہی فلسطینی افواج آزادی کے کارندوں کے درمیان نفرت اور عداوت کی خلیج پیدا کرنے کی کوششوں میں ناکام رہ چکے تھے۔ ان کا یہ نیا مقصد حاصل کرنے کے لئے انھوں نے مجھ پر معمولی تاجر کا الزام لگا کر میں حاصل کیا تھا۔ مگر مجھ پر خاصا حیرت ناک انکشاف ہوا تھا۔ وہ بے ساختہ واقعات کی تہ تک پہنچ گیا اور میں بڑی مشکلات سے بچ گیا تھا۔

میں نے محمود سے ملاقات میں خود ہی قاضی بادی کا پتہ صاف لینے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ محمود کی یا جیب لوڈ میں ابھی تک اسرائیل میں موجود ہے۔ اخبارات میں کاروس کے قتل کی تفصیلات پڑھ کر اس نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ اس قتل میں میرا ہاتھ تھا۔

اب اگر محمود اس کار کو قاضی بادی کی کار دیکھ کر میرے شہر میں قاضی بادی کی گاڑی میں تنہا گھومتے دیکھتا تو لازمی طور پر یہی نتیجہ اخذ کرتا کہ میں قاضی بادی کے ہاتھوں بک گیا ہوں اور پھر غداری کے الزام میں شاید میرا تیہ پانچہ صاف کر دیا جاتا۔ میں اپنا نقطہ پر جتنا سوچتا رہا اسی قدر میرے شبہات یقین میں بدلتے چلے گئے۔

قاضی بادی خود بہ میرا انتظار کئے بغیر جس طرح چلا گیا اس کی بنا پر مجھے یقین ہونے لگا کہ مجھ سے کسی اہم موضوع پر گفتگو محض بہانا تھا وہ مجھے اپنی باتوں میں الجھا کر اسی مقصد کو پورا کرنا چاہتا تھا کہ میں اپنی دلی کا یقین کر لوں کہ اس کی گاڑی میں روانہ ہو جاؤں اور فلسطینی افواج آزادی کے کارندے مجھے اس حال میں دیکھ کر میرے پیچھے لگ جائیں اور میری نگرانی کرنے والے سرکاری اہلکاران پر بھرپور طریقے سے ہاتھ ڈال سکیں۔

ابھی تک مجھ کو اندازہ ہو سکا تھا کہ اسرائیلی حکام مجھے چارہ بنا کر فلسطینی افواج آزادی کے اسرائیل میں رکن تک پہنچنا چاہتے تھے۔ جو مقصد وہ براہ راست حاصل نہ کر سکے کاروس کے قتل کے بعد قاضی بادی کے ذریعے حاصل کرنا چاہتے تھے۔

جیسے اس خیال کو اس سے بھی تقویت ملتی تھی کہ عثمان کے بیرے اور سنہ قیوم راجہ کے بیان کے بعد کالا وس کے قتل کے بارے میں پولیس کی پوری طرف توجہ نہ تھی۔ اس پتے اور بھی لازمی تھا کہ تعارف کے دوران ہی نے کھوا لیا پا اصلی نام بتایا تھا مگر پولیس مجھے نظر انداز کر چکی تھی۔ [illegible] دوسری جانب سے جال تنگ کیا جا رہا تھا۔

یہ سوچ کر میرے بدن کے مساموں سے پسینہ نکل گیا۔ مرحوم منظفر خواہ مخواہ [illegible] کے ہاتھوں [illegible] اس وقت سے مجھے ابھی تک یاد تھی۔ [illegible] کلاقت [illegible] تھا اور اس کی لاش [illegible] سے دریا میں پھینک گئے تھے۔ جو پہلے [illegible] ایک اہم سرکاری عہدے کا چارج رکھتے تھے بیوی وفا داری پر شبہ ہو جانے کے بعد اپنی [illegible] اجتماعی مفاد کی خاطر جو کچھ کر گزرے تھے تم نہ تھا۔

میں نے شہری صدود کے آغاز سے قبل ہی [illegible] ایک بازار میں کھڑی کر دی اور کھڑکیاں دروازے مقفل کر کے ٹیکسی [illegible] بیٹھ گیا۔ [illegible] سب سے پہلے میں نے ڈائریکٹری سے قاضی ہادی کے گھر کے فون نمبر نوٹ کیے پھر ایک پبلک بوتھ سے اسے ٹیلی فون کر ڈالا۔

"مجھے یقین تھا کہ تمہاری [illegible] جلد ہی ختم ہو جائے گی۔" میرا نام سن کر وہ مسرت بھرے لہجے میں بولا "اب بتاؤ تم کب آنے کے لیے تیار ہو؟"

"کیا اب بھی میری آمد ضروری ہے؟"

"تم بول کہاں سے رہے ہو؟" دوسری جانب سے پوچھا گیا۔

"ایک پبلک بوتھ سے!"

"ٹھیک ہے۔ تمہاری آمد اب بھی ضروری ہے۔ مجھے بہت اہم باتیں کرنی ہیں۔"

"وہ فلسفہ میں دو بار [illegible] تمہارے نام [illegible] تھا مگر تم وہاں سے [illegible] چکے تھے؟"

"اوہ، یہ مجھے آپ کی جلدی تمہاری واپسی کی امید نہیں تھی ورنہ ضرور انتظار کرتا۔" [illegible] سنائی دی۔

"تمہاری کار میں نے شہر میں داخلے سے قبل [illegible] مارکیٹ میں چھوڑ دی تھی۔ [illegible] جب چاہو آدمی بھیج کر منگوا سکتے ہو۔"

"یہ تم نے بہت اچھا کیا۔ اس سلسلے پر مناسب نہیں [illegible] کسی [illegible] تمہارے تعلقات کی نوعیت کا علم ہو۔" اس نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔

اس کا یہ تبصرہ میرے لیے حیرت کا باعث ثابت ہوا۔ میرے اندازے کے مطابق تو اسے میرے اس اقدام کی مخالفت کرنی چاہیے تھی بلکہ میں نے

یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ میں [illegible] شام ہو جانے کے بعد [illegible] جیفنائیا ہوٹل [illegible] کر لیے۔

اگلے روز میں دوکان پہنچا تو گزشتہ روز کی غیر حاضری پر مجھ سے طلبی ہوئی۔

"میں بیمار ہو گیا تھا!"

"تم غلط کہتے ہو۔ میں نے ہوٹل سے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ تم [illegible] سے وہاں سے غائب تھے اور رات پھر واپس نہیں ہوئے۔" دوکان [illegible] نے میرا جھوٹ فوراً پکڑ لیا۔

"[illegible] شام میں نے ایک دوست کے یہاں [illegible] پی لی تھی [illegible] رات انہی کے گھر بسر کی تھی۔"

"دوست مرد تھا یا عورت؟" دوکاندار اس معاملے میں بہت [illegible] واقع ہوا تھا۔

"مرد ہی ہے۔"

"وہ کون ہے جو کل [illegible] تمہارے لیے پوچھتی رہی؟" اس نے [illegible] لہجے میں سوال کیا۔

"میرے لیے پوچھتی رہی؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"ہاں۔ شاید چار مرتبہ فون کیا تھا اس نے!"

"میں تو یہاں کسی لڑکی کو نہیں جانتا۔ کسی چلتی پھرتی لڑکی سے ملاقات بھی ہوئی ہے تو دوکان کا نمبر دینے یا ذکر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ شاید اس معاملے میں بہت [illegible]"

"[illegible] نظر [illegible] ہے کہ وہ [illegible] واقعات ہوتے ہی رہتے ہیں۔"

"جی میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ مجھے تو ایسا کوئی تجربہ نہیں۔"

"اب اس کا فون آئے تو [illegible]" [illegible] کے ساتھ بولا۔

تھوڑی ہی دیر بعد اس کا فون آ گیا۔ اس وقت میں قریب ہی موجود تھا۔ [illegible]

[illegible]

میں نے [illegible] کے ہاتھ سے فون لے لیا [illegible]

[illegible] اسپیکنگ!" میں نے [illegible]

[illegible]

مجھے [illegible] آواز سنائی دی [illegible] پہچان لیا۔

[illegible]

"[illegible] ہو جائے تم بھی [illegible] ہو سکتے!"

"میں [illegible] رہا تھا۔"

"[illegible] تمہیں [illegible] کی کسی عورت [illegible] ہو۔"

"[illegible] ملاقات ہوئی ہو [illegible] کے بیٹے کی قدر کی یہ ضرورت ہے۔ تم [illegible] اختیار نہیں کر سکتیں؟"

"[illegible] ہرگز نہیں [illegible]" [illegible]

"[illegible] پر [illegible] سے یہ [illegible] ہی پیدا ہو سکتی ہے [illegible] لینے کے لیے [illegible] کے وسائل استعمال کی ہیں۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہے؟"

"یہ [illegible] نہیں یہ حقیقت ہے [illegible] آؤ گے [illegible] ہو رہا تھا [illegible] سے بات کر سکتی ہو۔"

"مجھے [illegible] سے بات کرنے کی ضرورت نہیں [illegible] مرتبہ [illegible] ہوئے [illegible] تمہاری موت [illegible] والا دل [illegible]"

"[illegible] ہو؟" میں نے اسے [illegible] کیا۔

"[illegible]" [illegible] سلسلہ منقطع کر دیا۔

"کون تھی؟" [illegible] دوکاندار نے [illegible] سوال کیا۔

"ایک [illegible] افسر ہے!"

"[illegible] تھی؟"

"[illegible] سرکاری [illegible] کے قانون کا اطلاق ہوتا ہے [illegible] جاری [illegible]"

"[illegible] کسی [illegible] نہیں [illegible] قانون کا [illegible] آگے ہی [illegible]"

[illegible] اس فون نے [illegible] یہ تو صاف ظاہر ہو گیا کہ [illegible] کے قتل کی تفتیش [illegible] پولیس [illegible] بیان [illegible] لیا گیا [illegible] آخری بار اس کی [illegible] گیا تھا [illegible] میں [illegible]

اس کے بعد دو ہی صورتیں ممکن تھیں۔ اول تو یہ کہ [illegible] جس [illegible] بارے میں اپنے خاص مقاصد کے تحت [illegible] پولیس کے پاس [illegible] تھا اسے [illegible] کی ہدایت دے دی گئی تھی۔ [illegible] مقصد [illegible] ان لوگوں کے مقاصد [illegible] افضل تھا۔

لیکن [illegible] قاضی ہادی

مرحوم [illegible] سے مجھ سے [illegible] ان کو [illegible] تھا [illegible] شاید [illegible] کی [illegible] میں [illegible] کے [illegible] پر موجود تھا۔

اس سلسلے میں جتنا سوچتا [illegible] الجھتا چلا گیا۔ [illegible] اگر [illegible] کا ایک تصور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ مجھے [illegible] قاضی ہادی کی [illegible] سرکاری [illegible] اور [illegible] رکھی تھی۔

آنے والے دنوں میں [illegible] کوشش [illegible] کے بارے میں [illegible] ہر وقت ذہن [illegible] رہے۔

[illegible] کے ساتھ [illegible] قاضی ہادی [illegible] نہیں تھا مگر [illegible] کے اقبال [illegible] رکھتا ہے۔

اس کے [illegible] کے بارے میں [illegible] ذہن [illegible] مطالب [illegible] سب سے [illegible] قاضی ہادی [illegible] انکار کر دیا تھا۔

[illegible] کی شام [illegible] تیار ہو کر ہوٹل سے نکل [illegible] قریب ایک ٹیکسی [illegible] جس کا ڈرائیور [illegible] چھوڑ [illegible] کے [illegible] کیا تھا [illegible]

کافی دیر تک [illegible] مقصد [illegible] جب [illegible] ہو گیا کہ [illegible] قاضی ہادی [illegible] تعلقات [illegible]

"اس [illegible] میرے سر پر کیا [illegible] تھا؟ [illegible]" [illegible] سے سوال کر ہی ڈالا۔

"[illegible] ہوتے [illegible] والا [illegible] تھا۔"

"[illegible] اور تمہارا [illegible] معلوم ہوتا ہے۔"

"[illegible] ساتھ [illegible] ایک [illegible] کام بھی کر سکے [illegible]"

"[illegible] تو تمہارا [illegible]!"

اس نے آنکھیں موندے اپنے جلوس پاپیڈا ہے سے وہ سکرو ڈرائیور
اٹھا کر مجھ سے دو پاس کا دستہ جا ختم ایک ٹریفک بند پر ڈالا تھا۔
باقی راستہ خاموشی سے کٹا اور جب اس نے ٹیکسی شاہراہ سے
نیچے اتارتے ہوئے پہاڑ کے لیے راستہ لیا تو میں نے آہستہ سے اس کی
کھڑکی پر سکرو ڈرائیور کی نوک سے دستک دی تو اس نے چیخ مار کر سیٹ پر جھک
گیا۔ میں نے اسٹیئرنگ خود اپنی سنبھال لیا تھا ورنہ اس کا ہیجان جانے
کے باعث گاڑی کسی ایک کھائی میں جا گرتی اور انجن بند ہو گیا۔
میں نے پیچھے ڈرائیور کے بے ہوش جسم کو خالی سیٹ پر سرکایا
اور خود اس کی جگہ سنبھال لی۔ پھر ٹرانسمیشن دبا کر گاڑی چلانے سے پہلے منتظر
تھا کہ ٹیکسی کا ارادہ چھوڑ کر وہ دوبارہ سڑک پر نکل آیا اور جب ٹیکسی کو باغ
پہنچی تو مجھے خود ڈرائیونگ کرتا دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔
ٹیکسی رکتے ہی اسے اپنا بے ہوش ساتھی نظر آ گیا اور اس نے
مضطربانہ انداز میں مجھ پر سوال داغ دیا "اسے کیا ہوا؟"
"اتفاق سے کسی ہیجان نے سر پر ضرب لگاتے ہوئے اضطراب سے کہا۔
"ہم نیچے پہنچے تو ہم نے اسے ادھر پڑا دیکھا۔"
"یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔" وہ مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے تاسف آمیز
لہجے میں بولا۔
"انتقام اپنا اسیری کی کمزوری ہے۔ یہ اگر کئی برس بعد بھی مجھ سے مل
جائے تو میں اس کو معاف نہیں کروں گا" میں نے قاضی ہادی کو متاثر کرنے کے لیے کہا۔
"مگر اب ہم دوست ہیں!"
"ابھی تک ہمارے درمیان ایسی کوئی بات طے نہیں پائی ہے"
میں نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "اگر دوستی ہو گئی تو دنیا میں تم
کو مجھ جیسا جاں نثار نہیں مل سکے گا۔"
جانے قاضی ہادی نے شراب کا دور شروع کر دیا۔ وہ قیمتی اور
پرانی شرابوں کا رسیا تھا اور ہر قسم کی شراب کے بارے میں معلومات
رکھتا تھا۔
"اس روز ہم نے گفتگو کہاں چھوڑی تھی؟" قاضی ہادی نے موضوع
کی طرف آتے ہوئے دریافت کیا۔
"تم اپنے فلسطینی ہونے کا ذکر کر رہے تھے" میں نے کنکھیوں
سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو اس کے چہرے پر ایک رنگ
سا آ کر گزر گیا۔
"نہیں، تم جس پروپیگنڈے کا ذکر کر رہے تھے وہ بیہودہ تھا اور
کا پھیلایا ہوا تھا اور مجھے اس کی پروا نہیں۔" وہ بڑا اعتماد سے لہجے میں بولا۔
"تمہارے بارے میں جہاں تک مجھے علم ہے تم فلسطینی نہ ہونے کے
باوجود ہمارے لئے گہری ہمدردی کے جذبات رکھتے ہو اور عملی طور
پر... کچھ کر گزرنے کے لئے تیار ہو۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم یہاں
جدوجہد اختیار کرنے کے بعد کوئی قدم اٹھاؤ گے تاکہ ہماری تحریک کو تقویت

مل سکے۔"
"کیا تم بھی یہاں کسی تحریک کے سربراہ ہو؟"
"یہاں فلسطینیوں کے کئی گروپ کام کر رہے ہیں۔" وہ مشورہ
دیتے لہجے میں بولا۔ "مقصد سبھی کا ایک ہی ہے مگر طریقہ عمل جدا ہے۔
اسرائیل میں رہ کر کام کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ یہاں حکام بہت ہوشیار
رہتے ہیں اس لئے تنظیموں کی گروپ بندی میں کام کرنا پڑتا ہے۔
دنیا طریقہ کار ہے۔ وہ اسرائیل کے اہم جگہ اور سرکاری مراکز کو نقصان
پہنچانے میں لگا ہوا ہے مقصد صرف یہی ہے کہ ساری دنیا کی توجہ حاصل کر سکیں۔
دوسرا گروپ فلسطینی کا ہے۔ یہ عمل کاروائیوں سے گریز کر کے
ہمیں ہمارا اسرائیلی مظالم کے بارے میں تصویری کتابچے شائع
کر کے راتوں رات اسرائیلی بستیوں میں پھیلا دیتا ہے تاکہ عام لوگوں
کو علم ہو سکے کہ ان کے اخبارات اگلے دن فلسطینیوں پر ظلم و ستم
کے بارے میں خبریں شائع کرتے ہیں۔ ان کے مقاصد پر یہ
کے باوجود معصوم فلسطینی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر کیا گزرتی
ہے۔ اور ایک گروپ فلسطینی افواج آزادی کے نام سے اسرائیلی
گوریلا کاروائیوں میں ملوث ہے جس کے ساتھ بدقسمتی سے تعلق
رابطہ ہے۔
یہ لوگ آئے دن بم دھماکوں اور آتش زنی وغیرہ کی کاروائیوں
سے ہمارے کاز کو شدید نقصان پہنچا رہے ہیں۔ ان کی شدت پسندی
کی وجہ سے مہذب دنیا میں ہمارا وقار مجروح ہو رہا ہے اور اس
سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس گروپ کا رہنما ایک مقامی نو
جنوبی لبنان ہے۔ وہ اسرائیل کی سرحدوں پر فلسطین کے نام
رکھنے کے نعرے کے نام پر بہت سے دوست ملکوں سے
فنڈ وصول کرتا ہے جس کا کوئی حساب کتاب نہیں ہوتا البتہ
والے دوستوں کی تسلی کے لئے وہ ہر دو چار مہینے بعد اسرائیل
میں کوئی بڑا دھماکہ کرا دیتا ہے اور فلسطینیوں کا نام بدنام
کی مذمت بن جاتا ہے۔ تم خود بتاؤ کہ اس قسم کی حرکتیں کس حد تک
کے مہذب ملکوں کو فلسطینیوں کے مسئلے کی طرف ہمدردانہ توجہ
پر مجبور کر سکتی ہے؟"
"تمام حالات میں ایسی کاروائیوں کی شدید مذمت کروں گا"
"گڈ" وہ شوخی بھرے لہجے میں آیا "محمود ایک تم جیسا
اسرائیل میں وہ میری ملاقات ہوئی جو اپنی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ
ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس نے تمہیں اسی لئے میرے پیچھے لگایا ہے
ہوں گا کہ تم خود کوئی فیصلہ کرو اور اگر میری باتیں تمہیں بہتر معلوم ہوں
تو اس تخریب کار کے مقابلے میں میرے ہاتھ مضبوط کرو۔"
"تم نے کچھ سوچا ہے کہ کوشش کیوں نہیں کرتے"
"وہ بہت چالاک اور گھاگ ہے اور ہم یہ واقع ہوا ہے۔ پیٹے سائے تک سے

اور چھلاوے کی طرح اپنی نمین گاہیں بدلتا رہتا ہے۔ میں نے کئی بار اس
سے ملنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ میں تو خیر اس کا دشمن ہوں ہی میرے تو
اس کے پیچھے اپنی جان بھی چھڑک نہ دیکھ سکے۔ خود تم سے ہی وہ کسی با طریقہ
سے ملے گا۔"
"اوہ نسا ہر ایک بار اس کی طرف سے تم پر نام آ گیا تو حد بھی ہو گئی۔"
"وہ یقینی سی بات ہے۔ اگر وہ مجھے ملا بھی یا جتنا کو بھی
بہت سے ہوا تو میں فیصلہ بہت مشکل ہو جائے گا کیوں کیا کر سکتا ہو"
قاضی ہادی نے کہا "میں تقاضا کرتا ہوں۔ ابھی تمہیں یہ جاننا ہے کہ
کوئی بھی نہیں جانتا ہے تمہیں معلوم ہو گا کہ رنی ادا پر نگاہ رکھا تھا اس
نے تمہارا قتل بھی کرنے کی کوشش کی ہے۔"
"مگر خود میرے بارے میں یہاں مختلف باتیں مشہور ہیں۔"
"مثلاً؟"
"تمہارے اسرائیلی حکام سے گہرے مراسم ہیں۔"
"اس لئے کہ میں نے کبھی مقامی قانون کو پامال کرنے کی کوشش نہیں
کی۔ میرے بارے میں معلوم کرنا ہو تو یہاں پارلیمنٹ کے ذمہ دار لوگوں
سے بات کرو جنہیں میرے اسرائیل کے طفیل بعض بے مثال کامیابیاں ہوئی
ہیں۔ میں ہمیشہ ان کے کام آتا رہا ہوں۔"
"خیر مجھے ان باتوں سے کوئی مطلب نہیں۔ یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے
کیا چاہتے ہو؟" میں نے گفتگو کو اختصار دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا
"تو گویا تم میرا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو؟"
"مجھے فلسطین کے مسئلے سے زیادہ اپنی سلامتی عزیز ہے۔"
"میں سمجھا نہیں!"
"میں ایک بار اس سے مل چکا ہوں اور سچ تو یہی ہے کہ اسرائیلی حکام
کی نظروں میں بھی آ چکا ہوں۔ اسے ہر وقت یہ دھڑکا رہتا ہوگا کہ کہیں
میں اس کی گرفتاری کا سبب نہ بن جاؤں اور اس کا یہ خوف کسی وقت میری موت
کا سبب بھی بن سکتا ہے۔"
"میں تو خود تمہیں یہی بات سمجھا رہا تھا۔"
"لیکن اب کسی گروپ وغیرہ کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا۔ تم بھی صرف
یہ بتاؤ کہ اس کے سلسلے میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟"
"اسے زندہ یا مردہ ایک بار میرے سامنے لے آؤ۔"
"میں یہ کام کر گزروں گا مگر میری بھی ایک شرط ہے۔"
"وہ سے بغیر منظور کرنے کو تیار ہوں۔"
"اسرائیلی سے اب میرا دل اکتا گیا ہے۔ میں یہ کام ہوتے ہی یہاں
سے نکل جانا چاہتا ہوں۔"
وہ اس کا بھی وعدہ کرتا ہوں۔ جس نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے
کہا۔
میں نے وہ رات قاضی ہادی کے ہاں اس شاندار بسر کی۔ دوسرا
کھانا میں کھا لیا۔ ان جو ہمیں اور شہر کی تمام بڑی جگہوں کو دیکھنے

کی سیرو تفریح کی جو بعض جگہوں اور مشاہروں کے لالچ میں اس کے اشارے
پر ناچنے کو تیار رہتی تھیں۔
اگلی صبح جب میں ہادی کی کوٹھی سے باہر آیا تو ٹیکسی ڈرائیور میرا
منتظر تھا۔
"ہمارا حساب بے باق ہو چکا ہے" میں نے اندر بیٹھتے ہوئے کہا
"مجھے علم ہو چکا تھا جناب کہ آپ کو زیادہ چوٹ نہیں آئی تھی" وہ بولا
"میں معذرت کر کے ایجنٹ بن گیا اور اس وقت دل سے میرا جی چاہ رہا ہے
کہ آپ سے ملاقات میں پیچھے کی سوچ آپ ہی نے مجھے کسی
بڑے حادثے سے آگاہ کر دیا۔ میں خوف محسوس کر رہا تھا۔ وہ گلی چھوٹی سی ہوئی
تھی۔ آگے کام کاجوں پر سپاہی تعینات رہے تھے اور دو ٹرکوں پر بنائے گئے
کی جگہوں کی جانب دور دور وحشت کا سماں باندھ رہی تھی۔
پھر ایک مکان کے گرد فوجی دستے کا گھیرا نظر آیا۔ وہاں دور تک
تماشائیوں کی بھیڑ جمع تھی جو فلسطین کے خلاف نعرے لگا رہی تھی۔
اور اسرائیلی فوجی ان لفظوں کے نشے سے مار رہا کر اس مکان سے عورتوں، بچوں
بچوں اور مردوں کو باہر نکالا جا رہا تھا۔
یہ منظر دیکھ کر میں نے ٹیکسی رکوا دی۔ لوگوں سے استفسار کے
نتیجے میں پتہ چلا کہ پچھلی رات ہم کے دھماکے کے بعد اس مکان پر حملہ کیا گیا تھا
اور اس کی لاش کا بھی پتہ نہیں چل سکا اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نکل گئی
ہو گئی تھی۔
شہر میں لوگ اس حادثے کا سوگ منا رہے تھے کیا سبب تھا۔
فلسطینیوں کے کئی مکانات کو توڑ پھوڑ کر نذر آتش کر دیا گیا اور فوج مشتبہ
افراد کی گرفتاری کے لیے حرکت میں آ گئی تھی۔
عام اسرائیلی شہریوں کے نزدیک ابوالمیسی ایک نہایت ہی دلیر اور
مہربان عورت تھی جو شہر کی معذوروں کا محتاج خانہ چلاتی تھی، کسی کو معلوم
نہیں تھا کہ ابوالمیسی کا بھیانک روپ کیا تھا۔ اس کے ٹی وی پر سفارت میں کام کرتا
تھا۔ اخبارات میں بھی اس کی موت کی خبریں شائع ہوئیں۔ اس کی شخصیت کے
دوسرے روپ کا کہیں ذکر نہ تھا۔ ہر جگہ اسے خدا ترس اور نیک سیرت خاتون
کے روپ میں اچھالا گیا تھا۔
ان بے گناہ فلسطینی عورتوں اور بچوں پر یہودی سپاہ کا ظلم دیکھ کر
میرے دل میں آگ سی بھڑک گئی۔ جیسے ہی نے آنکھیں اسرائیلیوں کا مسلط
منظم سازش کا نتیجہ تھا۔ انہوں نے اپنے کارندوں سے محمود ابو جبل کو ایک بار
الزام عورت پسند لوگوں کے سر تھوپ دیا۔ انہوں نے بے شمار مجاہدین آزادی
کی قتل سے اپنے ساتھیوں کے نمو کا سبب بنا اور ان کے ہاتھ سے ایک
درد مند خواتین کا بھیانک قتل قرار دے کر نفرت کی مہم چلائی جا رہی تھی۔
ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مشرق کے سینے میں واقعی ناسور ابھر آیا ہو
وہاں بسنے والے سازشی یہودیوں کے مالک تھے اور اپنے مکر
کے سہارے انہوں نے پوری دنیا میں اپنی مظلومیت کا ڈھنڈورا
پیٹ رکھا تھا۔

میں نے اپنے دل میں عہد کیا کہ جب تک جان میں جان ہے، وطن کے مفادات کو پامال کرنے میں اپنا بھی کوئی حصہ نہیں ڈالوں گا۔
شخصی مجھے وہاں اتار کر چلا گیا تھا۔ میں پیدل ہی ایک طرف چل دیا۔ میرے ذہن میں لاوا پک رہا تھا لیکن میں حالات کے شکنجے میں بے بس تھا......

اسی عالم میں، میں ایک فلیٹ میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر کے کیپٹن مارہا کے دفتر کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔
وہ پہلی ہی کوشش میں لائن پر مل گئی۔
"کون ہے؟" میری آواز کو پہچان کر اس نے سرگوشی میں سوال کیا۔
"کیپٹن مارہا!" اس نے شائستہ لہجے میں کہا۔
"تم نے کرنل ربیکا کی لاش کے ٹکڑے کرنے کی کوشش کی؟" میں نے انتہائی حیرت سے سوال کیا۔
"تم... ... تمہارا کیا مطلب ہے؟" وہ ہکلا کر بولی۔
"اب تمہاری باری ہے!"
"نہیں... نہیں!" فون پر اس کی چیخ ابھری، مگر اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی، میں نے سلسلہ منقطع کر دیا اور باہر نکل آیا۔
اس وقت میرا ارادہ یہی تھا کہ اسرائیل کے بڑے بڑے عہدیداروں کو فون پر ایسے تماشے لگاؤں اور ان کو دھمکیاں دوں تاکہ اپنی جانوں کے خوف میں پڑ کر وہ اپنے جارحانہ رویے سے باز آ جائیں۔
میں سر جھکائے بڑھتا رہا۔
اچانک کسی نے پیچھے سے گردن پر ہاتھ مارا۔ اس کی یہ ضرب اتنی شدید تھی کہ میں لڑکھڑا کر زمین بوس ہو گیا۔ ہوش کھونے سے پہلے میں نے دیکھا، وہ میرے اوپر جھکا ہوا تھا۔ اور وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے ساتھ چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے ایک گلی میں گھستا چلا گیا۔
میں نگاہوں کو جھانکنے میں غلطی کیسے کر سکتا تھا۔ اس اچانک ملاقات پر خوشی سے میرا دل باغ باغ ہو گیا۔ مایوسی اور صدمے کی اس کیفیت میں مجھے شدت سے کسی ایسے ساتھی کی ضرورت تھی جس سے باتیں کر کے میں اپنے دل کا غبار نکال سکوں۔
وہ شخص کئی موڑ کاٹ کر مختلف گلیوں میں گھومتا رہا، پھر ایک ویران گلی میں بوسیدہ سے مکان میں گھستا چلا گیا۔ میں نے تعاقب کیا۔ باہر کا جائزہ لیتے ہوئے تسلی کی اور دشمنوں کے تعاقب سے محفوظ ہونے کا یقین کرتے ہوئے اندر داخل ہو گیا۔
مجھے کمرے والا دروازے کی اوٹ میں میرا منتظر تھا۔ میرے داخل ہوتے ہی اس نے دروازہ بند کر کے کنڈی چڑھا دی۔
وہ ایک تنگ تاریک سا دو منزلہ مکان تھا جس کی دیواریں نم زدہ اور چھت والے دو کمرے ہی تھے۔ پرانے طرز کے بنے ہوئے دروازے اور پنکھے دیکھ کر لگتا تھا کہ جیسے صدیوں سے یہاں کوئی نہیں رہا۔ ہر طرف مکڑی کے جالے ہی جالے تھے اور چھت سے لٹکا ہوا پنکھا کیبال اور مسلسل شور کے ساتھ گردش میں تھا۔

کر رہا تھا اور پلنگ کے نیچے ایک پرانی سی چھتری رکھی ہوئی تھی جس کے ساتھ لیٹا ہوا سگریٹ پی رہا تھا۔
"آؤ... کیا حال ہے؟" مجھے دیکھتے ہی اس نے لپک کر گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔
"خدا کا شکر ہے کہ اس وقت تم سے ملاقات ہو گئی، ورنہ میں تو پورے اسرائیل کو جہنم بنا دینے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔" میں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔
"تم بہت بے صبر آدمی ہو عبداللہ... کاموں کو تم نے ایسے مقام پر پہنچا دیا جہاں اس پر ہاتھ ڈالنے کے تصور ہی سے لوگ کانپ جاتے ہیں۔"
"وہ تو چند لمحوں کی بات تھی۔ اگر مجھے ذرا بھی تاخیر ہو جاتی تو میں دشمنوں کے ہاتھوں پکڑا جاتا۔" یہ کہتے ہوئے میں نے چونک کر پوچھا، "کیا بات ہے؟ تم اس طرح کیوں لیٹے ہوئے ہو؟"
"کرنل ربیکا کی گاڑی سے ٹکرانے والا شخص میں ہی تھا۔ بائیں ٹانگ پر گھٹنے کے قریب کچھ زخم آیا تھا۔ اگر اس سے زیادہ چلنے پھرنے کی کوشش کی تو زخم سے خون جاری ہو جائے گا۔" وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔
"تو یہ کام بھی تم ہی نے انجام دیا ہے؟"
"نہیں... میں تو صرف آپریشن کی نگرانی کر رہا تھا۔ میرے علاوہ وہاں تیرہ آدمی اور بھی موجود تھے۔"
"ان میں تمہارا کتنا حصہ ہے؟"
"میں تو بس چھوٹی سی کڑی ہوں۔" وہ مسکرا کر بولا۔
"وہ کیا تنظیم ہے جس نے تمہیں یہاں کوئی سرچشمہ یا اڈا وغیرہ دیا ہے؟"
"احمد نے بہت اچھی ٹریننگ دی ہے۔" وہ اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔
"یہ تو بتاؤ کہ تم نے مجھے کس سے ملوایا ہے؟"
"کرنل ربیکا کے قتل کے بعد مجھے یہ پتا چلا کہ مسرت ہوئی ہے۔ وہ تو دشمن کی موجودگی کی خبر دیتی تھی۔ اس کی ہلاکت سے دشمن والوں کی انٹیلی جنس کو سخت دھچکا لگا ہے، ان کی نیندیں برباد ہو گئی ہیں۔"
"وہ کیسے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"تو اب ہمارا ایک سیکرٹ بھی کاروائی کے لیے ملک میں ایک تنظیم ایک شخص کے ہاتھ آ گیا۔ لیکن اب اس کے ساتھ ہی وہ خود بھی ایک کارروائی کر رہا ہے، جس پر ان کا خیال ہے کہ ان کا ایک ساتھی اس سے مر گیا ہے۔"
"تمہارے پاس تو واقعی بڑی گہری خبریں ہیں۔" میں نے کہا۔ "ایک ہی اطلاع ہے کہ میں جیسے ماننے کا قصد کر گیا تھا۔ اس دوستی ہو گئی ہے۔"
"تو پھر؟" نے کہا۔ وہ میرے شیو بنا کر پوچھا۔
"دراصل کسے غریب میں کرتا ہوا۔" احمد گھبری سی سنجیدگی سے بولا۔

"وہ حرام زادہ وقت پڑنے پر اپنی ماں کو بھی نیلام کر سکتا ہے۔"
اس کا پیغام اپنے مخبروں کو پہنچ گیا۔ تفصیل سے تم کو کاست سنا دی۔
"خوب!" میری آپ بیتی سن کر وہ ہنس دیا۔ "تم نے اپنے دوسری ملاقات سے بے خبر ہی رکھا۔"
"میں نے اسے صرف وہی باتیں بتائیں جو میری دانست میں اسرائیلی حکام سے پہلے ہی معلوم ہو چکی ہوں گی۔ میں نے تفصیلات کی کڑیوں کے بارے میں جاننے کے بعد میرے لیے خاموش رہ کر کام کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس لیے میں نے اس سے دوستی کا اقرار کرنے میں ہی عافیت سمجھی۔"
"تو اب تم مجھے زندہ یا مردہ اس کے حوالے کر دو گے؟"
"وہ اپنے آقاؤں کے اشاروں پر بڑے ساتھ والوں کو بھی چھوڑتا ہے۔ تم دیکھنا کہ میں اس خبیث کا کیا حشر کرتا ہوں۔ وہ ہماری گھاتوں کے کردار کا مالک ہے۔"
"تم فکر نہ کرو، میں بھی اسے بے نقاب کرنے پر تل گیا ہوں۔ مجھے پتا چلا ہے کہ تمہارے بیس آدمی کا ایک چچا زاد بھائی بینک کاری کا کام کرتا ہے۔ وہ اس کا واحد رشتے دار ہے جس کو بڑی مشکل سے کھوج نکالا گیا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ تمہارا دوست بھی اس سے ہجرت کر کے اسرائیل آیا ہے اور شاید یہودی ہی ہے۔"
"آخر فلسطینی اس سے کیوں ملتے ہیں؟"
"اسرائیل میں رہنے والے خاندانوں کے سامنے یہ لوگ بے بس ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ لوگ عرب دنیا میں کہیں بھی ان کے خلاف بیٹھے ہیں۔ ان کی رسائی دوسرے ملک سے بھی ہے۔ ان کی سرگرمیاں نہیں ملتی لیکن ان کے اثر و رسوخ سے سب ڈرتے ہیں۔ ابتدا میں دو آدمیوں نے اس سے ٹکر لی تھی اور ان کے اشارے پر اسرائیلی حکام نے انہیں دہشت پسند قرار دے کر فائرنگ سکواڈ کے حوالے کر دیا۔ ان کے اہلِ خانہ کو اذیتوں کی طرف دھکیل دیا گیا۔ ایسے حالات میں بھلا کون اسے چیلنج کرنے کی جرأت کر سکے گا؟"
"وہ تو سمجھ رہا ہو گا کہ اس کا بھانڈا پھوٹ جانے کی صورت میں بچ نکلے گا۔ مگر سب کو شبہ بھی ہو جائے گا کہ وہ زندہ ہے اور اس کی اصلیت پر سے پردہ اٹھ سکتا ہے تو اسے بھی مروا دے گا۔" احمد نے کہا۔
"نہیں، اب اس کا ہر قدم اتنا آسان نہیں ہو گا۔ ہم ان کے ساتھ ملک میں ان کی ساری کارروائیوں کی تفصیلات معلوم کرتے ہیں۔" محمود نے جواب دیا۔
"یہ سب تو ٹھیک ہے، مگر اسے بھی تو پتا ہو گا کہ ہم اس کے ہر قدم کو جانتے ہیں۔ ہم سب اپنا کام ہی کر رہے ہیں۔ جب ہم نے کرنل ربیکا کی ڈائری پڑھی تو پتا چلا کہ وہ بھی ایک ساتھی خفیہ جیسی دشمن کی تلاش میں نکلی ہوئی تھی۔ تمہاری ملاقات کے بعد ہمیں یقین ہو گیا کہ یہ ایک یاد کرنے کی بات ہے۔"
"معرفت والے اپنے مقصد میں خون سے فلسطینیوں کی روح پر کھیل رہے ہیں۔"

زیادہ دیر نہ... " احمد گھبراتی ہوئی آواز میں بولا۔ "میرا باپ اور ایک بیٹا بیٹھے تھے کہ اس کی جیب میں بارود کے گولے پھٹ گئے، مگر جیتا جاگتا ہی مجھے میرے دشمنوں سے بچا لیا گیا۔"
"اور میں کسی طرح بھی نہیں بچا سکتا ہوں، محمود!" محمود بولا۔ "صرف تمہاری ہی وجہ سے میں دودھ کی طرح بکھر گیا تھا۔ میرے دل کی دنیا کی بے بسی کو اپنا سمجھا کرتے تھے جس کی آج تک خراج نہیں ملا۔ میرے بوڑھے باپ کے بدن کو کیلوں کے ساتھ چوبی دروازے میں ٹھونک دیا گیا۔ میرے شیر خوار بچوں کو سنگینوں کی نوک پر اچھالا گیا۔ پھر ان کی پوری آبادی پر حملہ کیا گیا۔ ہر طرف سے جلاد وردی والے نہتے اور بے گناہ لوگوں کے اوپر ٹوٹ پڑے۔ گولیوں کی بوچھاڑ میں زمین کی گود میں آ کر گرتے گئے اور زخمیوں کو بھی سسکتے ہوئے ہلاک کر دیا گیا۔ یہ کہتے کہتے ان کی آواز رندھ گئی اور ان کی آنکھیں خشک ہو گئیں۔ "تم جانتے ہو، ہمیں تو اپنے مسلمان بھائیوں کی مظلومیت پر آنسو بہانا تک نہیں دیا جاتا۔ دشمن کے علاوہ اپنے ہی بچے والوں کو بھی تم تو جانتے ہی ہو گے۔ ان میں سے کسی تنظیم کے بڑے رہنما نے اسرائیلیوں کے خلاف کارروائی کا آغاز کیا، اس روز ہم دو مومن بچے ساتھ اسرائیل کی سرحدوں سے نکل جائیں گے۔"
میں نے سر جھکا کر خاموشی سے ان کی باتیں سنیں۔ میرا دل ان کی مظلومیت پر رو پڑا۔ بیٹھے بیٹھے میں نے ان کے ہاتھ کو تھامے رکھا۔ میں نے دیکھا کہ یہ ایک ہی دیوانہ ہے جس کی فراق میں دیوانہ ہو گیا تھا اور دوسری طرف محمود جیسا پختہ عزم نوجوان تھا جو سینے میں جذبوں کو سمیٹے ہوئے اپنی قوم کی خاطر ایسے جہاد میں مصروف تھا۔
اسی وقت مجھے خیال آیا کہ میں نے محمود کو بتا دیا جس کی وجہ سے عالم میں تھا، اسے فون پر بتا چکا ہوں کہ ہم جیب بھرنے والے شخص سے بچ کر نکل رہے ہیں۔
"تم تو پولیس کا سب سے بڑا نقشہ ہی تھے جو آپ کو یہ بتانے کی کیا ضرورت تھی کہ تم ایسے خطرناک لوگوں کو جھانسا دے کر نکلے ہو۔ پھر تو اس سے بچ کر آ گئے ہو۔ پولیس کی نظر تو تم پر ضرور پڑی ہو گی۔ یہ محمود صاحب تو مصیبت ہی کھڑی کر دیتے ہیں۔"
"تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن میں آدمی پر بھروسا کر سکتا ہوں۔" محمود نے کہا۔
"ہمیں بھی پتا ہے کہ تم ہمیشہ ایسے ہی دوستانہ ملاقات کرتے ہو۔ اب شاید ایک روز تم احتیاط کرنا سیکھ لو گے۔"
"تم اچھے ہو، تو میں تمہاری دیکھ بھال کے لیے یہاں ٹھہر سکتا ہوں۔"
"میرے لیے احمد کی موجودگی کافی ہے۔ دو آدمیوں کی ضروریات کا سامان لانے لے جانے کے سبب دوستی کا تعلق پتا چل جائے گا۔ اس کے علاوہ تمہاری ملاقات بھی میرے لیے تجربہ ہے۔ وہ کافی جانتے ہیں کہ پیغام رسانی کا ذمہ دار تم پر بھی ہے۔"
"آج کل یہ دو آدمی کون ہیں جن کو تم اپنے استعمال کر رہے ہو؟"
"وہ مسلسل نظر رکھے ہوئے ہیں۔ تاہم ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھنا ضروری ہے۔ کیا جانے کب کیا ہو جائے۔ ان دونوں سے بہت تعاون مل رہا ہے۔"
"تم سے رابطہ منقطع ہو جانے پر مجھے تشویش ہو رہی تھی۔"
"مجھ سے ملنا ہو تو کرنل ربیکا کے واقعے کی تفصیل کے لیے اپنے حلقوں کے..."

سائقہ بیٹھے بیٹھے تقریباً کوئی سکیٹ کرے اور کافی درخواست کرتا وہ تمہاری دکھائی دیتے گا۔

"کیا وہ تمہارے ٹھکانے سے واقف ہوتا ہے؟"

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

"میں پوری کوشش کروں گا کہ تمہارے مفاد میں ایک مشورہ [illegible]"

[illegible]

"فلسطینیوں [illegible]"

[illegible]

"مشکل ہے [illegible]"

[illegible]

چند لمحوں کے بعد [illegible]

[illegible]

"تم اس بات کا کرو گے مجھے یہ ... چاہتا ہوں کہ تم اس عدالت میں موجود
شخص کا جو ... کہیں انصاف ... میں چل گیا ہو"

قاضی بادی کی بات سن کر سری کی چھاتی پر پاگلوں کی طرح تھپکنے لگا کہ
محمود کی دہشت سے اس بے چارے کا رونا ہی باقی رہ گیا تھا ۔ وہ
کل ایک کا مشہور ... تھا اور اس کے سامنے ہی ... لگ گئے تھے ۔ میرا
... کی شناخت ... کی ... کی کوشش کر
... میں بھی کروں گا کہ ... کی جرات نہیں کر
سکے گا ... کا ... سے کرے گا۔"

"تم اس کے کتنے ... سے واقف ہو؟"

"کسی سے بھی نہیں ... وہ صرف ایک
... سے ... ایک ... کے ... ہیں"

"وہ ... قاضی بادی ... کا ... کر دیا" میں
... کا ... مجھے ... سکتا ہے
... شاید ... کا ... کر سکے
... میں مجھے ... ہے ... کہیں
... سے ...

[illegible]

میرے لئے اس وقت باہر جانا ... تھا کیونکہ ...
... کیونکہ ... محمود کا سراغ مجھ سے پہلے ... تھا ۔

میرے ... قاضی بادی نے اپنے مکان کی ...
... کے ... کرا لیا ... کے ... سے ...
بھی ایک بات ... سے قاضی بادی کے ...
کرنے کے لئے کافی تھی ۔

قاضی بادی جب مجھے ساتھ لے کر ...
کے لئے ... وہ ... کے ساتھ تھے ۔

قاضی بادی کے مکان کے ...

[illegible]

جب اس کے اعصاب پر ... سا ... لگا تو اس نے
اپنے خوف کو چھپانے کے لئے اپنی ... کو بلا کر طلب کر لیا ۔
وہ لڑکیاں میرے لئے ... کا ... لے کر آئیں ... دو کو ...
قاضی بادی نے اپنی خدمت کے لئے روک لیا اور میری کو میرے حوالے
کر کے مجھے اپنی خواب گاہ میں جانے کی اجازت دے دی ۔

اس خوف ناک رات کے بیتتے ہوئے تاریک لمحات قاضی
بادی نے ... دیوانگی کے عالم میں گزارے ۔ اس
کے کمرے سے رات بھر ... کی آوازیں آتی رہیں جب کہ میرے
... اعصاب ... پر ... نہ ہو سکے ... ذہن پر بھی یہ خوف چھا
گیا تھا کہ ... رات محمود کی جانب سے قاضی بادی پر کوئی خطرناک
حملہ کیا گیا تو ... بھی اس کی ... میں آ جاؤں گا۔

... کس ... میں ... ! مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر
میرے ساتھ ... لڑکی نے ... آخر ... ہو گیا ۔
صورت کے سامنے ... جانے والی بات میں ... الجھن
... سکتا ہے"

صورت جب ... گئی تو اس کے ... میں ...
... سے ... قاضی ... کی ...

[illegible]

برسوں بیت چکے تھے گھر میں ... تھا ۔ شاید میں ... نے
باپ کا ... اور اب قدرت مجھے اس کی سزا دے رہی ہے ...
بد دعائیں نہیں ... گر جب ... بیٹے باپ کی میت کا جنازہ نکال
... تو کسی نسل سے ... ہوتی ہیں ... شاید میرے ...
صاحب ... بد دعا ... میری زندگی کا سکون چھین گئی تھی ۔
مجھے ... پاکستان کی ... نے ... ہندوستان
... کیا ... پہنچا تو وہاں میرے ... کے ... پڑ گئے ...
... وہ ... کا ... کیا ... آخر ... نے ... لیا ...
... حال ... کر ... اور مجھے ... ہی ...
... سے ... مجھے ... پر ... کر دیا ۔

... میری بدنصیبی کہ میں ان ... میں سے ایک ...
... میری ... کا ... سے ...
... کہیں ... مجھے ... میں ...
... ہوٹل میں ... پر ... حاصل ...

[illegible]

پرندا گروں کا خاصا جوہر پایا جاتا تھا۔

میں نے مخالف سمت تیزی سے جنگل کا [illegible] وہاں کے سائے [illegible] بیٹھے ہوئے تھے اور ایک گداگر ہیکل کے دروازے کے قریب ستون سے پشت لگائے بیٹھا ہوا تھا۔

میں سیدھا اس کی طرف جا پہنچا اور جیب سے چند سکے نکال کر اس گداگر کی طرف بڑھا دیے جو آنکھیں موندے زیر لب کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ میں نے سکے کشکول میں ڈالنے کے بعد بات کی۔ گداگر کے ہاتھ میں پیسے ہوئے اور زبان میں کہا "بابا! میرے حق میں کوئی بددعا فرمایئے۔"

اس نے چہرے میں [illegible] پیدا کر کے میری طرف دیکھا۔ پھر [illegible] سے پوچھا "یہاں کے قبرستان کا رکھوالا [illegible] کا کس کا نام چھکوں ہے؟"

میں سر ہلا کے بغیر دھڑکتے دل کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

[illegible] میں بہت سوں کا ایک ہی قبرستان تھا جو اس جگہ سے چند [illegible] کی مسافت پر واقع تھا۔ میں نے فوراً ہی ایک ٹیکسی روکی اور اس میں قبرستان کی طرف روانہ ہو گیا۔

ٹیکسی ڈرائیور کو راستہ قبرستان کا پتہ بتاتے ہوئے مجھے خاصا تردد ہوا کہ میرے بیٹے دشواری پیش آئی کہ میں اس کے قریب وہاں میں کسی جگہ کے بارے میں واقف نہیں تھا۔

ٹیکسی قبرستان کے قریب رکی تو [illegible] کو [illegible] ایک شخص بیٹھا نظر آیا۔ شاید وہ [illegible] کوئی نیا مردہ آنے والا ہے۔

میں ٹیکسی کا کرایہ ادا کرنے کے بعد اس [illegible] خاموش رہا جب [illegible] قبرستان سے آنے والا حیرت سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"چھکوں؟" میں نے اس سے استفسار کیا۔

اس نے سر کو جنبش دی اور سوال کیا "کہاں سے آئے ہو؟"

"[illegible] نے [illegible] ستون والے گداگر نے بھیجا ہے" میں نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"[illegible] ہو تو پھر میرے پیچھے پیچھے آؤ۔" اس نے معنی خیز لہجے میں کہا اور قبرستان کے [illegible] کچی پگڈنڈی کی طرف بڑھ گیا۔

[illegible] میں ایک کوٹھڑی جو [illegible] تھا جو شاید میت کا [illegible] کو دفن کرنے جاتے وقت [illegible]۔ دوسرا [illegible] کا دروازہ تھا جس کے [illegible] دونوں ایک کشادہ کمرے میں داخل ہوئے جہاں [illegible] ستون [illegible] ایک طرف رکھا ہوا تھا۔ ایک کونے میں کافور، [illegible] اور خوشبو وغیرہ موجود تھیں۔ [illegible] کے قریب ہی چند [illegible] رکھے ہوئے تھے۔

[illegible] نے دروازہ [illegible] کرنے کے بعد اندر سے کنڈی لگا دی اور مجھے ساتھ لے کر [illegible] میں پہنچا جو شاید اس کی رہائش گاہ [illegible]۔

سرنگ میں تھا۔

اپنے دائیں کر کے [illegible] نے قطعے [illegible] قبروں کے درمیان بنے ہوئے راستے پر آگے بڑھنے لگا۔ میں [illegible] کی تعمیر کرتا رہا۔

وہ قبرستان بہت پرانا تھا۔ کہیں زیادہ وسیع [illegible] بہت ساری قبریں پھیلی ہوئی تھیں۔ جن کے سرہانے لگی ہوئی سیل [illegible] سے کھوئے ہوئے تو حروف کی [illegible] کر رہی تھیں۔ جھاڑ جھنکار گھنے قریب [illegible] درمیان میں جا بجا [illegible] درخت [illegible] گئے ہوئے تھے جن کے باعث بھی [illegible] قبر پر جا کر ایک قبر کے نزدیک رک گیا اور چند [illegible]

اپنے گرد و پیش کا جائزہ لینے کے بعد اس نے اپنے [illegible] جیب سے [illegible] آواز نکالی۔ اس کی آواز کسی طرح [illegible] کسی ویرانے [illegible] سے اسی طرح کی [illegible] سنائی۔

"تم یہیں ٹھہرو، [illegible] میری طرف [illegible]"

والا آ جائے گا [illegible] میرا جواب سنے بغیر قبروں کے [illegible] ہوا اوجھل ہو گیا۔

میں سہما ہوا اس قبر پر جا کھڑا ہو گیا [illegible] جیسے کی طرف دیکھتا رہا، مگر وہاں مجھے کوئی سایہ حرکت کرتا [illegible] مجھے عجیب سے خیالات نے گھیر لیا۔ بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

قبرستان میں ہر طرف موت کا سا ایک سناٹا پھیلا [illegible] پاس کے درختوں سے اکا دکا پرندوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ میں انتظار میں بری طرح کھل رہا تھا۔

پھر اچانک مجھے اپنی پشت پر کسی کی [illegible] میں بری طرح اچھل پڑا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ آواز [illegible] قبر میں سے آئی ہو۔

میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک میری گھبراہٹ پر مسکرا رہا تھا۔ ایک روز پہلے اسی مکان پر محمود کے ساتھ مل چکا تھا جہاں [illegible] خبیث بڑھیا نے مجھے لوٹ لیا تھا۔

مقدر نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔ میں نے خفت آمیز [illegible] کے ساتھ کہا۔

میری جو ٹیلی فون [illegible] کاٹ کر کے خبری میں اس [illegible] تھا۔ تم جیسے [illegible] جا رہے ہے [illegible] وہ مجھے ساتھ لے کر [illegible] بیٹھتے ہوئے بولا۔

"میرا چھکوں بھی ہمارا ہی آدمی ہے۔"

"[illegible] پہلے [illegible] ہی [illegible]"

اور چھکوں کی حالت [illegible] آپ ہی [illegible] ہے [illegible]

"[illegible] ہوگئے؟"

جواب میں میں نے خاموشی سے اپنے ہونٹ بھینچ لیے اس وقت میرے ذہن میں بعد نجومی کا خیال تھا۔ میرا جی چاہ رہا تھا کہ جیب میں لگے میں اسے خاک چٹا دوں۔ [illegible] کیونکہ جب [illegible] وہ ست کا بات رکھا اسے [illegible] دوستی بھلانا مجھے ناگوار تھی۔

جوں جوں ہم آگے بڑھتے گئے قبرستان میں [illegible] گھنا ہوتا جھاڑ جھنکار [illegible] کی جگہ اجنبی پر [illegible] میں کو [illegible] ہوا [illegible] جھاڑیاں اگی ہوئی [illegible] اور کہیں پرانی قبروں [illegible] دھنس چکی تھیں [illegible] شاید لوگوں نے [illegible] وہاں ڈرنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

قبرستان کی آخری [illegible] سے قدرے پہلے [illegible] دیکھا اور پھر ایک دھنسی ہوئی قبر کے قریب رک گیا۔

"اندر کو دیکھو [illegible]" اس نے سب سے پہلے گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے کہا۔

میں نے بڑھ کر اس قبر میں [illegible] تو مجھے کوئی نظر نہ آیا۔ [illegible]

"[illegible] موجود تھا۔" میں جھکتے ہوئے اندر کو دیکھا۔

میرے ساتھ [illegible] بھی آ گیا۔ سونگھی ہوئی تنگ فضا میں میں نے چند گہرے سانس لیے۔ اس وقت تک وہ قبر کے چھوٹے سے حصے میں ایک مرتبان نما [illegible] میں پہنچ چکا تھا۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی۔ [illegible] جھنڈ [illegible] میں بیٹھنے کے بعد میں نے خود کو ایک [illegible] میں موجود پایا جہاں شمع [illegible] دونوں [illegible] بچھے فرش پر بیٹھ گئے اور ایک [illegible] محمود [illegible] سویا ہوا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟" میں نے پلٹ کر احمد سے [illegible] انداز میں پوچھا۔

"[illegible] اس کی حالت بہت خراب ہے کئی گھنٹے سے بے ہوش [illegible] ہے۔"

"[illegible] اس بے ہوش شخص کے خوف سے قاتل [illegible] کسی [illegible] زندہ رکھنے کی طرح [illegible] میں چھپا پھر رہا ہے۔" [illegible] حیرت کیا تھا جو [illegible]

"تم نے محمود کے [illegible] اور چھوڑ دیا تھا [illegible]"

"[illegible] کیا تھا الٹا؟"

"[illegible] تم [illegible] سے مل کرا [illegible] ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"اس نے جو کہا کہ مجھے [illegible] میں نے کسی [illegible] [illegible] کی [illegible] زندگی بچانے کے لیے [illegible] کی [illegible] [illegible]

"[illegible] حالت [illegible] ہے جیسی [illegible]" بہت خوب۔ [illegible] محمودی [illegible] کہا۔

"[illegible] جواب ہے [illegible] سوال کیا۔"

"[illegible] ہے [illegible] میں [illegible] ہے"

کر کبھی [illegible] مناسب رہے گا۔"

"[illegible] اس [illegible] محمود کی گھوڑی [illegible] آواز گونجی [illegible] ایک بیٹے [illegible] میں اس کی آواز [illegible] یہ بے نیب [illegible] نہیں [illegible]"

اس نے آنکھیں کھولیں [illegible] میری طرف دیکھا [illegible] جس مکان میں چھپا ہوا تھا [illegible] خلاف توقع [illegible] مجھے افراتفری کے عالم میں [illegible] نکلنا پڑا [illegible] کھل گیا ہے۔"

"[illegible] جس وقت [illegible] میں جو [illegible] عجیب سی دھمکی [illegible] دی [illegible] رکھنے پر آمادہ ہو گئی۔"

"تم وہاں کیوں گئے تھے؟"

"تم سے ملنے [illegible] ایک اہم [illegible] تھی۔"

"میں جو کچھ معلوم [illegible] کیا [illegible] بہتر [illegible] کہ [illegible] وہ [illegible] بہت رہی ہو [illegible] وہاں [illegible] رہا تھا۔"

"[illegible] وہ بادشاہی مسجد میں آگئی ہے۔"

"[illegible] سے [illegible] اس کی آنکھوں میں ایک عجیب چمک پیدا ہو گئی۔"

"کون [illegible] سے جو دھمکی دی [illegible] اور اب وہ جان بخشی کے عوض [illegible] کا نام [illegible]"

"سچ؟" اس نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"ہاں۔ اس نے کئی باتیں میرے سامنے اگلی ہیں" میں نے اس کے قریب [illegible] اس کے قریب [illegible] کی بابت [illegible] کے علاوہ میرے سامنے [illegible]"

"[illegible] کے سامنے زندگی کا [illegible] بیٹھا [illegible]"

[illegible] مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"[illegible] نہیں [illegible]"

"[illegible] ہے؟"

"ایک [illegible] ہے۔"

"[illegible] مجھے [illegible] ہمارا [illegible] آگیا [illegible] دیکھ کر تو مجھے [illegible] کا [illegible] گئی ہے۔"

"اسے دھمکی دیتے ہوئے [illegible] کہ میری [illegible]"

وحشی ہونٹ۔

اور میں کارلٹن ہوٹل میں تمہارا منتظر ہوں۔ تم نے خشک سا منہ بنا کر کہا۔

"اچھا ہے یہاں آجاؤ، ہم دونوں مل کر اچھا وقت گزاریں گے۔"

"تمہارے رشتہ دار تو یہیں رہتے ہوں گے۔"

"وہ میں کراچی ہی جا رہا ہوں۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ اس وقت اس بات کا کیا موقع تھا۔

"ایسے رشتہ داروں سے مجھے سخت نفرت ہے جو اپنی خوشیوں کے لیے دوسروں کی زندگی درہم برہم کرنے کے عادی ہو گئے ہیں۔"

"اگر تمہارا مقصد یہ ہے کہ ان کی وجہ سے میری ایک عارضی سی زندگی متاثر ہوئی ہے تو وہ اس قسم کے لوگ ہیں جن سے کوئی پریشانی لاحق نہ ہو گی۔"

"اس خوشی میں یہ شام اور یہ رات بھی گزاری جائے تو کیسا رہے گا۔"

"میں تو گھر کی چہار دیواری سے گھبرا کر نکلا ہوں۔ [illegible] کرتی ہوں جب تم ساتھ ہو [illegible] تمہارا سامان لکھوا دیا ہے۔"

"قدرت نے تمہیں حسن کے ساتھ عقل سے بھی نوازا ہے۔ مگر احمق کے ساتھ میری عقل کام کرنا چھوڑ دیتی ہے۔" اس نے محبت آمیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے [illegible] سے شادی سے قبل کوئی باقاعدہ عشق بھی کیا تھا۔" میں نے اس کی پرانی یاد تازہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "حقیقت یہ ہے کہ میں نے اسے ٹوٹ کر چاہا تھا مگر وہ مجھے بھول کر کسی اور لڑکی کا گرویدہ ہو گیا۔ سب سے زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ [illegible] گزار رہے ہیں۔"

[illegible]

[illegible] نہیں ملا۔ وہ مجھے بالکل گوارا نہیں تھا۔

"دل پھر بہلا اس بے چارے کا کیا قصور ہے۔" [illegible] کہنا تمہارے لیے تمہاری ذات تمہیں جانا نہیں مل سکتا [illegible] کی تلاش میں تم ناکام ہوئی ہو۔"

"اگر وہ کوشش کرتا تو تمہیں [illegible] سے قبول [illegible] تھا کیونکہ وہ شادی کے وقت تک میری اور [illegible] واقف تھا۔"

"خیر چھوڑو اس ذکر کو۔ [illegible] قصور تمہارا بھی ہے۔ [illegible] بات صرف اتنی سی ہے کہ اگر تم دونوں میں اختلاف [illegible] کہاں جاتا؟"

ہوٹل میں زبان کا ٹیلی فون [illegible] کے بعد قطورا کے [illegible] باہر آگئے۔ کے بعد [illegible] نکلے میرے پاس [illegible] ہوٹل کا حساب بے باق کر دیا [illegible] کسی کو پریشانی کا [illegible]

کالج کی طرف جانے سے ایک [illegible] کے حوالے سے وہی بات نکل آئی جسے [illegible] ختم کر دیا تھا۔

زمانے کے [illegible] محسوس ہوتے [illegible] اس وقت مجھے پڑ رہا ہے۔ [illegible] کو اس نے پوچھی تھی۔" قطورا نے مجھ سے کہا۔

[illegible] قطورا [illegible] کہا۔ "مرد اگر ایک [illegible] اپنی محبت [illegible] کرنے تو عام طور پر وہ [illegible]

"ایک عورت [illegible]"

وہ الفاظ [illegible] تو وہ میری [illegible] جانے دیتا تھا [illegible]

[illegible]

کالج کی [illegible] نہ رہا۔

لیکن ایک دوست [illegible] قطورا [illegible] زندگی [illegible] دل کو تسلی نہ ملی۔

اس نے [illegible] کے ساتھ [illegible]

یہی زبان سے [illegible]

"[illegible] کس حالت میں ہے؟"

[illegible] سے [illegible] ناکام [illegible]

میں نے [illegible] اختیار کر جاتا ہے۔ [illegible] محسوس ہوتا تھا کہ قطورا آگے چل کر [illegible]

قطورا کا مکان [illegible] شمالی حصے میں واقع تھا۔ اس کا مکان واقعی نہایت خوبصورت تھا [illegible] کا فرنیچر [illegible] سے [illegible] کہ میں نے مکان کی خوبصورتی کو [illegible] اس قدر خوبصورت نظر آتا تھا۔

قطورا کے [illegible] پہنچ کر مجھے بے اختیار [illegible] سال بیوہ [illegible] بے چاری کا [illegible] اس بے چاری کا [illegible] ان بانکوں [illegible] گیا تھا۔

[illegible] قطورا کا [illegible] تھا اور [illegible] کی [illegible] ہو چکی [illegible] تھا۔ مجھے اتفاق [illegible] شوہر [illegible] ہوا ہے میری واقعی [illegible] محسوس [illegible] بے چاری [illegible] طرف ورد [illegible] کا [illegible] اور [illegible] نظر [illegible] کو [illegible] تھی۔ [illegible] کی خاطر [illegible] کا نتیجہ تھا مگر میرا دل مجھے اس پر ملامت کرتا رہا۔ بیوی کے بعد [illegible] کو [illegible] سے [illegible] کا شوق [illegible] وہ [illegible] کی عورت تھی اور اپنی ماں کے ساتھ رہتی تھی۔ اماں اور قطورا کی [illegible] حد تک [illegible] تھی۔ [illegible] اتفاق [illegible] مجھے پورا یقین تھا کہ قطورا سے [illegible] بار [illegible] تو وہ [illegible] ہر حال میں [illegible] رہے گی۔

مجھے [illegible] قطورا بہت خوش تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے [illegible] کوئی [illegible] اس نے [illegible] مکان کا [illegible] تھا۔

[illegible] قطورا [illegible] کی خاطر [illegible] تھی۔ [illegible] خوش تھی۔

شراب [illegible] سے [illegible] اور [illegible] کے ساتھ [illegible] کے [illegible] خواب گاہ میں

بھرت آگئی۔

اس روز میں نے بے فکری کے طویل لمحے گزارے۔ وقت غیر محسوس طریقے پر گزر تا رہا اور میں ہوش و حواس کی سرحدوں پر سا [illegible] کے نئے مفہوم سے آشنا ہوتا رہا۔

اگلی صبح قطورا [illegible] اپنے دفتر روانہ ہو گئی مگر میرا سر [illegible] شراب نوشی سے بھاری ہو رہا تھا۔ ویسے بھی ماریانی [illegible] کا آخری دن باقی تھا لہٰذا میں ناشتے سے فارغ ہو کر ایک مرتبہ پھر بستر پر دراز ہو گیا۔

[illegible] مجھ کو کافی دیر بعد بیداری کا سبب دریافت کر [illegible] مجھے خیال آیا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی کافی دیر سے بج رہی ہے۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف ایک سوال کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو! میں [illegible] بول رہا ہوں۔"

"[illegible] تو تم وہاں پہنچے ہوئے ہو۔" فون پر ماریانی کی آواز [illegible] انتقامی [illegible] تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ میرے وہاں آنے کے پس منظر سے پوری طرح واقف ہو۔

"کہاں سے بول رہی ہو تم؟"

"کیا تم قطورا کے مکان پر نہیں ہو؟" ماریانی قدرے غصیلی آواز سنائی دی۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" میں نے بوکھلا کر سوال کیا۔ "میں نے کارلٹن میں صرف فون نمبر چھوڑا تھا۔ تم تو قطورا کے گھر سے بھی واقف معلوم ہوتی ہو؟"

"میں فون نمبر سنتے ہی چونک گئی تھی۔ قطورا کا فون نمبر مجھے زبانی یاد تھا۔ کہاں سے [illegible]"

"وہ دفتر گئی ہوئی ہے مگر تمہیں میری ایک دوست کے بارے میں ایسی گھٹیا زبان استعمال نہیں کرنی چاہیے۔" میرا غصہ کا سارا حصہ ہرن ہو چکا تھا۔

"تمہاری دوست قطورا نہیں وہ میری رشتہ دار بھی ہے۔" دوسری جانب سے [illegible] ماریانی کا قہقہہ سنائی دیا۔ "تم وہیں ٹھہرو میں ابھی آ رہی ہوں۔"

میں ریسیور کریڈل پر رکھ کر رہ گیا اور فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ میں کئی منٹ تک فون کا ریسیور ہاتھ میں لیے خیال اندازی کے عالم میں ادھر ادھر گھومتا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ یکایک کیا ہو گیا۔ قطورا کے ساتھ گزرے ہوئے حسین وقت کا گمان بھی نہ تھا کہ وہ ماریانی کی رشتہ دار ہو گی۔ اس انکشاف نے مجھے [illegible] حقیقت اب [illegible] تھی اور [illegible] دونوں خواتین کے درمیان تصادم کو روکنا تھا۔

ایک مرتبہ تو جی چاہا کہ [illegible] تبدیل کر کے [illegible]

نکل جاؤں وہ دونوں خود ہی نمٹ لیں گی۔ ان میں سے ایک اگر عہدے کے حساب سے کم تھی تو دوسری رشتے کے لحاظ سے مجھ کی بیوی اور میرے ساتھ دونوں کا واسطہ کچھ ایک ہی نوعیت کا تھا البتہ ماریانا کے حساب سے ماریہ فلورا سے کچھ بہتر تھی۔

میں اس مسئلہ پر سوچ رہا تھا کہ اچانک ہی مجھے ماریا کی حقیقت یاد آگئی جو ذہنی طور پر میرے ذہن کے کسی خانے میں روپوش ہو گئی تھی۔ فلسطینی افواج آزادی کے مقامی رہنما کی جانب سے موت کی ایک خوفناک قرعہ ملی ہوئی تھی اور وہ موت سے بھاگ رہی تھی۔ میں ماریا اور محمود کے درمیان ایک موثر رابطے کے طور پر کام کر رہا تھا [illegible]

[illegible] تنہائی میں اسے سمجھا سکوں۔

[illegible]

"ذاتی وقار میں تو کوئی چیز ہوتی ہے؟"

"جنس، آزادی اور ذاتی وقار دو متضاد چیزیں ہیں [illegible] کا یکجا ہونا امکان میں سے ہے، تم کسی بات کے [illegible] نہیں بنا سکتیں۔"

"تم مجھ سے معیار کی بات کر رہے ہو؟"

"یہ بات تمہارے لئے جائز ہے وہ فلورا کے [illegible] منسوخ ہو گئی؟"

"ماریا میری تحویل میں ہے" وہ چیخ کر بولی [illegible] کہ اس کا مقابلہ [illegible] کیا جائے [illegible] اس کی ذات میرے بھائی کے ساتھ وابستہ ہے [illegible] میرے بھائی کے لئے [illegible] بنیں [illegible]

[illegible]

"میں نے جلانا چاہتی ہوں۔"

"یہ تو عجیب منطق ہے۔"

"یہ عورتوں کی بات ہے تم انہیں نہیں سمجھ سکتے۔ عورتوں میں رقابت کا مادہ مردوں سے زیادہ ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے تمہاری جیسی مرضی۔"

"اور اب یہ بتاؤ کہ میرے کام کا کیا رہا؟"

"وہ تمہاری کیا خواہش تھی۔ اور پہلا کام یہ ہے کہ امراد قید میں موجود فلسطینیوں کی مکمل فہرست مجھے فراہم کرو۔ اس کے ساتھ ہی ان قیدیوں کی [illegible] کے بارے میں پوری معلومات درکار ہیں۔"

"میں کوشش کروں گی مگر دونوں ہی کام بے حد مشکل ہیں۔"

"تمہارے لئے کیا دشوار ہو گی؟"

"فلسطینی قیدیوں کی فہرست [illegible] آگے [illegible] اگر [illegible]"

"[illegible]"

[illegible]

"وہ احمق نہیں ہے جو آدمی انٹیلی جنس میں ہے اپنے ایک بار سوچ الفاظ کو ضائع کر دے۔" میں نے بار سوچ کر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تم نے فلورا کے یہاں آکر اچھا نہیں کیا۔"

"تم پھر وہی موضوع لے بیٹھیں۔"

"اس وقت موضوع تمہاری سلامتی کا ہے" وہ صوفے پر آلتی پالتی مار کر گھاس پر پاؤں پھیلاتے ہوئے بولی۔ "تمہارے بارے میں سرکاری کارروائیاں خاص مرد ہو چکی ہیں مگر تم نے ٹھکانہ بدل کر لوگوں کو چونکا دیا ہے اب تو بہ تمہاری گرفتاری میں کچھ تعطل پیدا ہو جائے گا۔"

"ہو سکتا ہے وہ یہ ایک نئی تفتیش ہو۔"

"محمود تم سے کہاں ملا تھا؟"

"وہ لمبی کہانی ہے۔ میں یونہی کے ہاتھ سے بال بال بچا ہوں۔"

"اس کہانی کو مختصر بھی تو کیا جا سکتا ہے!"

"کوئی اور وقت کرو۔"

وہ اس وقت تک صوفے پر بیٹھی رہی جب تک فلورا ڈیوٹی سے واپس نہ آ گئی۔ اسے دیکھتے ہی ماریا نے پر جوش آواز میں استقبال کیا اور اپنے ساتھ لے لیا۔

[illegible]

"اس کو کب سے میری اتنی فکر ہو گئی؟"

"اس بات میں کیا کہہ سکتا ہوں!"

"جب تم نے سامنے وہ جھوٹ بولا تھا تو تم خاموش کیوں رہے تھے؟"

"میں تو اس جھوٹ پر ششدر رہ گیا تھا۔ [illegible] مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ تم سے اتنا حسد کرتی ہوگی۔ ویسے وہ حسد کر کیا سکتی ہے؟"

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اس کا نام [illegible] تھا اور وہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

"اچھا اچھا! میں آپ سے پوری بات کر لیتا ہوں ..." [illegible]

[illegible]

"میں کہتا تو تمہارے ساتھ ہی چلا جاتا ... جلدی واپس آتا" [illegible]

[illegible]

اسیرِ انساں

[illegible]

دوسرے روز شام کے وقت دوکان پر آنے والے ایک گاہک کے ذریعے مجھے محمود کا نیا پیغام ملا اور میرا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ محمود کے بیان کے مطابق شاید عمل کا وقت آپہنچا تھا۔

دکان بند ہونے تک میں نے بہت بے چینی سے وقت گزارا۔ اس کے بعد میں مقررہ وقت سے چند منٹ پہلے بتائی گئی اسٹینڈ پر پہنچ گیا جہاں پروگرام کے مطابق محمود کے کسی آدمی کو خود ہی مجھ سے رابطہ قائم کرنا تھا۔

میں وقت گزاری کے لیے ٹہلتا ہوا ٹیکسی اسٹینڈ سے قدرے فاصلے پر واقع ایک بک اسٹال پر پہنچ گیا اور روشنی میں اخبارات رسائل کی سرخیاں دیکھنے لگا۔ اس وقت کاؤنٹر پر میرے علاوہ کوئی اور گاہک موجود نہیں تھا۔

"وہ چکنے کی ضرورت نہیں، خاموشی سے میری بات سنتے جاؤ۔" اچانک مجھے اپنے کانوں میں کسی کی مخصوص سرگوشیانہ آواز آئی اور یک بیک میرے اعصاب میں سنسنی کی لہر سرایت کر گئی۔

میں نے لپک کر نہایت سکون سے اپنی جگہ بدلی اور پھر کرخت چہرے اور خشخشی بھوری داڑھی والا وہ شخص مجھے نظر آگیا جو میرے عقب میں بکھرے ہوئے اخبارات کا جائزہ لے رہا تھا۔

"ایک نائٹ کے لیے ہم دونوں کی ملاقات کا چار ہوٹل اور میری جس نے اسے دوست ماننے کا مشورہ دیا جسے میں نے فوراً تسلیم کر لیا۔

"دو دھاری والے پیسوٹ میں ایک گنجا تمہاری نگرانی کر رہا ہے اسے ڈاج دے کر سیوک کا زینہ چڑھ کر بائیں ہاتھ پر میرا انتظار کرو۔" اس نے میرے قریب آکر بہت دھیمی آواز میں ہدایت دی پھر آگے بڑھ کر کاؤنٹر سے ایوننگ اسٹینڈرڈ کا تازہ اخبار خریدا اور لاپروایانہ انداز میں ایک طرف ٹہل دیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد میں نے کاؤنٹر پر جھکے ہوئے ناول کی ورق گردانی کرتے ہوئے اپنی پوزیشن اس طرح تبدیل کر لی کہ گیٹ سے قریب وجوار کا جائزہ لے سکوں۔

تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ میری نظروں میں آگیا۔ وہ شخص کھمبے کے سہارے کھڑا ہوا بڑے سکون سے سگریٹ نوشی کر رہا تھا بالوں سے محروم وہ پستہ قامت شخص میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ گو میرا اور اس کا کبھی تعارف نہیں ہوا تھا لیکن میں نے اسرائیل آمد کی ابتدا میں جس سے سید گلزار کے ریستوراں کی تفتیش کے دوران ایک بار میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا تھا اور اس کا نام میرے ذہن میں محفوظ تھا۔

میں نے اسٹال سے والف میگزین خریدا اور دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے سیدھا اس گنجے کی طرف بڑھا۔

اس نے شاید کنکھیوں سے مجھے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تھا کیونکہ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا اور سگار کے پے در پے

"رشیاں جب تک مجھے پورا یقین ہے۔" وہ پیر تقاولہجے میں بولی۔ "وہ وقت ہے جب انتہا سے گزرتے ہیں اور پھر پہلے حال میں چلاکی کر جاتے ہیں۔ ان پر جاکر کسی کی چوٹ نہ ہو ہیں پہنچے حالات میں بنا کر ختم ہوتا جاتا ہے۔ کر لیتے ہیں پھر معاملے تب وہ سب سے تیار تر ہو جاتی ہیں ہتھکنی کسی بہت جلد میں ہیں تھوڑا پر بارہ سے وہ دوسری کسی ایک ایسی حرکت کیسے کتنی میں بننے پہ تمہارے ملنے پاس ٹس سے یہ بہت بہت ہی بہتر دوست مل جائیں گے۔۔۔ کو بہکانے کی؟"

"یہ تو جو اس کے ذکر کو سب سے پہلے زندگانی کی کوئی ہے کہ ہر شام تم نے اس کے ساتھ نہیں گزاری ہے۔ ہم تمہیں کرو کر وہ ایک بار تک کی چائے سے چلی جاتی ہے۔"

"ویک اینڈ تو اچھا خاصا ہے۔" میں نے شوشہ چھوڑا۔

"ادھر تم بھی لڑکی کھلی جمی لگتی ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ اپنی دکان میں کام کرنے والے نچلے درجے کے سپاہیوں سے بھی دوستی کی عادی نہیں بلکہ اور جو سپاہی اس کے پتے کو تماشا کرتے ہوئے جھک کے سلام کرے وہ کسی نہ کسی جرم کی پاداش میں زیر عتاب آجاتا ہے۔"

میری کرسی نے شدت سے قہقہہ لگایا۔ "دونوں ہی بہن بھائی ایک ہی جیسا ذوق رکھتے ہیں۔"

"وہ کہہ کر فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ دونوں میں زیادہ بد ذوق کون ہے۔"

"میرا بہنوئی اپنے یونٹ کی ایک سارجنٹ پر عاشق ہے جو بنیادی طور پر گوالن ہے اور لیفٹیننٹ ماریا اپنے سپاہیوں پر لطف و کرم کی بارش کرتی رہتی ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں ماریا کے ذکر میں مزہ آتا ہے۔"

"اس کا ذکر تو تم ہی نے چھیڑا تھا۔"

"تو اب میری درخواست ہے کہ خدا کے لیے اسے بھول جاؤ۔ تمہارے انتظار میں میں نے ابھی تک کھانا بھی نہیں کھایا ہے۔"

"میں کھا کر آیا ہوں مگر تمہارا ساتھ ضرور دوں گا۔"

"میں تمہارے لیے ہیف اسٹیک ڈال رہی ہوں۔"

میں لباس تبدیل کرنے لگا اور ڈولورس کھانا تیار کرنے کچن کی طرف چلی گئی۔

اس رات ہم دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اگلی صبح میں جلدی ہوا تو میرا سر بوجھل ہو رہا تھا۔ اس روز دکان کی طرف جاتے ہوئے مجھے پہلی مرتبہ ملازمت کے بارے میں منفی جذبات محسوس ہوئے حالانکہ میں نے زندگی میں کبھی باقاعدہ ملازمت نہیں کی تھی مگر تل ابیب آنے کے بعد حالات کے تحت مجھے نیری شینا کی اس دکان سے وابستہ ہونا پڑ گیا۔ اس ملازمت کی پابندی کی اس وقت مجھے اچھی معلوم ہو رہی تھی آدمی صحت مند ہو یا بیمار ہر حال میں اسے ملازمت پر پہنچنے کا پابند تھا۔

کی کشش سے ڈالے۔

پھر جب میں اس کے قریب پہنچا تو وہ ٹوکریوں کو سیدھا کر کے اٹھ چکا تھا مگر بظاہر میری جانب سے لاپرواہ نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہیلو لیوک!" میں نے بے تکلفی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر خوش دلی سے کہا "مائیکل کا انتظار کر رہے ہو؟"

وہ تیزی سے میری طرف پلٹا اور عینک کے موٹے موٹے عدسوں میں سے گھورتا ہوا اس کی نظر میرے چہرے پر جم گئی "میں نے تم کو پہچانا نہیں!" وہ خشک لہجے میں بولا۔

"تمہارا حافظہ کمزور ہو گیا ہے میرا نام صفدر علی ہے!" میں نے قہقہہ لگا کر کہا "بینکاک ائیرپورٹ پر قید کے دوران آریہ نے مجھے تمہارا نام بتایا تھا۔"

"میں نے تمہارا نام ضرور سنا ہوا تھا۔" وہ زبردستی مسکرانے کی کوشش میں خاصا مضحکہ خیز نظر آنے لگا "مگر آج پہلی بار ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔"

"شاید ٹیکسی کا انتظار کر رہے ہو؟"

"ہاں .... ہاں" وہ گڑبڑا کر بولا۔

"کہاں جاؤ گے؟" میں نے جارحانہ بے تکلفی کے ساتھ سوال کیا۔

"ایمپائر اسٹریٹ!" اس نے جلدی سے کہا۔

"میں تمہیں چھوڑ دوں گا مجھے بھی اُدھر ہی جانا ہے" یہ کہہ کر میں نے قریب سے گزرتی ہوئی ایک خالی ٹیکسی کو روک لیا۔

وہ انکار نہ کر سکا مگر میں نے اسے تقریباً دھکیل کر ٹیکسی کی پچھلی نشست پر بٹھا دیا اور ڈرائیور کو ایمپائر اسٹریٹ چلنے کی ہدایت کر دی۔

لیوک اس صورت حال سے خاصا الجھا ہوا تھا میں نے ٹیکسی روانہ ہونے کے بعد بھی اسے بے سروپا باتوں میں الجھائے رکھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ دل ہی دل میں میری باتوں پر غور کر رہا ہوگا۔ ٹیکسی ایمپائر اسٹریٹ میں داخل ہوئی تو اس کا اضطراب کچھ اور بڑھ گیا۔

"کہاں اترو گے؟" میں نے اس سے نرم لہجے میں دریافت کیا۔

"کہیں نہیں!" وہ غرّا کر بولا۔ شاید اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

"مگر تم تو ایمپائر اسٹریٹ پر اترنے والے تھے؟" میں نے حیرت کا مصنوعی مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"اب میں ایمپائر اسٹریٹ کی ایسی کی تیسی!" وہ دانت پیس کر بولا "میں لوٹو کلب جاؤں گا۔"

"پھر میں بھی پیا تم تو چلا جاؤں!" یہ کہہ کر میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو رکنے کے لیے کہا۔

"میں بھی سہارا بھی اچھا نہیں کیونکہ مڈوں کا بیلیک آپ کی طرف کے قریب کھسکتے ہوئے غصیلے لہجے میں بولا۔

پھر ٹیکسی رکتے ہی دروازہ کھول کر بجلی سے پھرتی سے باہر نکل گیا "شکریہ!" میں نے پھرتی سے لیوک والا دروازہ کھول کر باہر نکلتا ہوا کہا۔ لیوک وہاں بیٹھا آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھ رہا تھا اور پھر تیزی سے پیچھے کی طرف کھسکا۔

"بہت غصے میں ہو تمہاری کچھ باتیں ہیں جو ڈرائیور کے سمجھ میں نہیں آئیں۔"

"اسے پچھلی ہوئی تھی اور وہ پھر رہا تھا کہ میں کہیں اس کی بیوی سے گھبرا رہا ہوں" میں نے وضاحت کی اور اپنا کھول کر بیٹھنے لگا۔

تھوڑی دور جا کر میں نے وہ ٹیکسی چھوڑ دی اور چند منٹ کا چکر لگانے کے بعد ایک ٹیکسی میں سوار ہو کر لوٹو کلب کی جانب روانہ ہو گیا۔ مجھے وہاں پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ میں ٹیکسی سے اترا اور بھاگتا ہوا کلب کے اندر داخل ہو گیا۔ ہال میں ایک طرف کاؤنٹر پر لیوک بیٹھا تھا جس نے ایک اشارے پر مجھے قریب بلایا اور میز پر ایک کونے کی طرف سے ہوشیار کیا تھا۔

میرے بیٹھنے کے بعد لیوک آگے بڑھا ہوتے ہوئے اس نے اس کا سبب دریافت کیا اور میں نے مختصر الفاظ میں پوری کہانی سنا دی۔

"تم واقعی گریٹ ہو" وہ زور زور سے ہنستے ہوئے بولا "میں کسی کو بتا بھی نہیں سکتا کہ آج کیسی بری چوٹ ہوئی ہے۔"

"مجھے کہاں جانا ہے؟"

"تھوڑی دیر صبر کرو پتہ چل جائے گا۔"

کافی ہول ڈرائیونگ کے بعد ہمارے سفر کا اختتام ایک ایسی جگہ پر ہوا جہاں تاریکی کا راج تھا۔ ہر طرف اونچے اونچے درخت لگے ہوئے تھے اور ہم پہلے ہی کافی دور چھوڑ آئے تھے۔ مجھے لانے والے نے کار کا انجن بند کر کے مجھے ساتھ آنے کی ہدایت کی اور ایک طرف چل دیا۔ پیچھے چلتا ہوا راستہ عبور کرنے کے بعد ہم ایک دروازے میں داخل ہوئے جہاں پہلے سے دو افراد موجود تھے۔

"کافی دیر کر دی تم لوگوں نے!" ان میں سے ایک نے مجھے لانے والے سے مخاطب ہو کر میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ایک مسئلہ تھا جو مجھے اچانک پیش آ گیا تھا" اس نے جواب دیا "اس سے چھٹکارا پانے میں دیر ہو گئی ورنہ ہم وقت پر پہنچ جاتے۔"

میری نگاہیں ماحول کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی میرا جانا پہچانا چہرہ نہیں تھا۔ اس کے علاوہ کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

"کوئی نئی کامیابی ہوئی؟" پہلے سے وہاں موجود افراد میں سے ایک نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

میں نے انگوٹھی سے اپنے سر کو ہلکی سی جنبش دی میرا اندازہ درست تھا کہ یہ سوال کرنے والا اس گروہ میں سب سے زیادہ اہم آدمی ہے اور شاید یہ اس بات کا ثبوت بھی تھا کہ یہ لوگ کسی بھی شخص کے بارے میں اتنی جلد تبصرہ نہیں کرتے۔

"محمود کے علاوہ کوئی بھی شخص میرے وہاں سے اچانک چلے جانے کے باعث نہیں آ سکا۔ اس نے مجھے ہدایت کی ہے کہ تم سے حاصل ہونے والی تمام معلومات فوراً اسے پہنچا دوں ——"

"مگر میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو میں اس تک پہنچا سکوں!" میں نے حیرت سے کہا۔ اس شخص کی گفتگو نے اچانک مجھے محتاط کر دیا تھا۔

"محمود سے تمہاری ملاقات کب ہوئی تھی؟"

اس سوال نے میرے کان کھڑے کر دیئے اور میرا دل ایک بیک اچھل کر حلق میں آ گیا۔ مجھے محسوس ہونے لگا کہ محمود کے نام پر مجھے جال میں پھنسایا گیا ہے تاکہ ایک بار میرا اور اس کا تعلق معلوم کیا جا سکے۔ میں نے یہ احساس ہوتے ہی اپنے لہجے کو اعتدال پر رکھنے کی بھرپور کوشش کرتے ہوئے جواب دیا "محمود سے ملاقات کی حسرت ہی تو مجھے یہاں لائی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ میری جانب سے غلط فہمیوں کا شکار ہے میں ایک بار اس سے مل کر اپنی پوزیشن صاف کر لینا چاہتا ہوں۔"

"وہ تمہارے لیے دوستانہ جذبات رکھتا ہے۔"

"مگر اس کی جانب سے ایک بار مجھ پر قاتلانہ حملہ بھی ہو چکا ہے وہ تو میری خوش قسمتی تھی کہ میں بال بال بچ گیا۔"

"وہ اس کی غلط فہمی کا نتیجہ تھا مگر اب وہ تمہارا تعاون چاہتا ہے۔" وہ شخص نرم لہجے میں بولا "اسے یقین ہے کہ تمہارے پاس کچھ اہم معلومات ہوں گی۔"

ان فقروں نے میرے شبہات کو یقین میں بدل دیا محمود تو درکنار وہ لوگ اس کے صاف نام سے بھی ناواقف تھے۔ مجھے لانے والے نے شاید اسی لیے مجھے لیوک کی موجودگی سے آگاہ کیا تھا کہ میں ان کی اصلیت پر شبہ نہ کر سکوں۔

میرے لیے اسی روز محکمانہ کو ڈھونگ رچایا گیا اور آدمی بھی ایسا منتخب کیا گیا جس کے بارے میں آسانی سے پہچان سکوں اور پھر آسانی سے ان کے جال میں پھنستا چلا جاؤں۔

غنیمت یہ ہوا کہ میں محمود کے آدمیوں کے طریقہ کار اور مزاج سے بخوبی واقف تھا۔ وہ لوگ نہ غیر ضروری باتیں کرتے تھے نہ سوال و جواب کرتے تھے۔ محض اس کی وجہ سے میں نے اپنے لانے والے سے کوئی بات نہیں کی۔ اس وقت تک مجھے پورا یقین تھا کہ میں محمود ہی کے پاس لے جایا جا رہا ہوں۔ اگر میں اس سے کوئی اہم بات شروع کر دیتا تو میرے لیے حالات کافی ناسازگار ہو جاتے۔

"مجھ جیسا شخص اسرائیلی کی سرزمین پر بھلا اس کے پیچھے کیا کر سکتا ہے میں تو ویسے بھی اسرائیلی حکام کی نظروں میں ہوں جہاں اس سے پہلے بھی میری گرفتاری ہو چکی ہے۔ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ محمود فراخ دلی سے کام لے کر مجھے چھوڑ دے۔"

"ہم لوگ بہت سی معلومات حاصل کر چکے ہو۔ اس کا شوہر اسرائیلی فوج کا مخبر ہے۔ عہدے پر فائز ہے" اس شخص نے چائے کا گھونٹ لیا "شاید انہیں یہ نہیں معلوم کہ وہ ایک جس زندہ عورت سے بات کر رہے ہیں شوہر کی پیشہ ورانہ مصروفیات سے وہ لاعلم رہتی ہے —— لیکن جاسوسوں کی تلاش تھی اور مجھے مشکوک لوگوں کے ساتھ سر چھپانے کے لیے کسی سے ٹکرانے کی ضرورت تھی اس لیے میں اس کے گھر پہنچ گیا۔"

"وہ لیکن! بارش ہو رہی تھی۔" وہ شخص یہ جواب سن کر بولا "تم اس سے اپنا ناکام ہو جانے والا کاروبار معلوم کر سکتے ہو اور پھر تم مارگریٹ سے بلیک میل کر سکتے ہو۔"

یہ سن کر میں نے اپنا سر جھٹکا "مارگریٹ کے بارے میں سوچو تو بہتر ہوگا۔"

"وہ کیوں؟"

"وہ نہ جانے کس پوزیشن پر آ کر ان جاسوسوں کا اعتراف کر لیتی ہے جن کے سہارے کسی شریف عورت کو بلیک میل کیا جا سکتا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم محمود کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار نہیں ہو۔"

"میرے جانے سے کچھ نہیں ہوگا دوست!" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "وہ تو بے وقوفی ہے کہ ہر جگہ خود کو میری جگہ تصور کر کے دیکھتا ہے بات تمہارا تعلق محمود سے ہے تو تم جانتے ہو کہ اسرائیلی حکام اس سلسلے میں ایک بار پہلے بھی مجھ پر نظر رکھ چکے ہیں اور بار بار ان کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ میں اتنا جذباتی نہیں ہوں کہ محمود کی اس شدید خواہش کو پورا کروں تاکہ شاید اپنی موجودہ سرگرمیوں سے تائب ہو جائے گا۔"

"اسے کوئی فرق نہیں پڑتا!" وہ غرّایا "محمود کو تمہاری ضرورت ہے اگر تم نہیں مانو گے تو اس کی دوستی بہت مہنگی پڑے گی۔"

"مجھے تو خود بھی اس سے دوستی کی خواہش ہے مگر میں اس کے کسی کام نہ آ سکوں گا۔" میں نے معذرت آمیز لہجے میں جواب دیا۔

"تمہارا جواب اس تک پہنچا دیا جائے گا۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

مجھے لانے والا مجھے ساتھ لے کر چل دیا۔

واپسی کا سفر بھی خاموشی کے ساتھ طے ہوا مجھے سارے راستے ایک سوال پریشان کرتا رہا کہ یہ شخص دراصل محمود کا فرضی پیغام لایا تھا اس نے مجھے ٹیکسی اسٹینڈ پر چھوڑنے کی ہدایت کی تھی آخر میں کہ انکار کو محمود کے اس چکر کا علم کیسے ہوا؟

ویسے محمود نے سنا تھا کہ [illegible] کے میرے ساتھ [illegible]

کیا تھا۔ میرے لیے اس کے اصل اور فرضی کرداروں میں تمیز کرنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

شہر میں سیاہ فورڈ سے اترنے کے بعد میں ایک بار میں جا بیٹھا اور ایک بیئر پیتے ہوئے واقعات پر غور کرنے لگا۔

میں بہت پہلے فیصلہ کر چکا تھا کہ مجھے محمود سے فوری طور پر ملنا چاہیے۔

آدھی رات گئے مرکزی ہیکل والی نائٹ پانڈ ویران پڑی ہوئی تھی اور وہ اپنے ستونوں کے ساتھ وہاں فقیرانی گدڑی میں لپٹا ہوا لگ رہا تھا۔

میں نے اسے سکے دے کر اپنے حق میں دعا کی درخواست کی اور اس نے مجھے ایک نائٹ کلب کے کاؤنٹر پر بیٹھنے والی سلویا نامی لڑکی سے ملنے کی ہدایت کی۔

جس وقت میں نائٹ کلب میں پہنچا تو لڑکی کے پاس دو بیرے موجود تھے۔ میں دیوار کے سہارے رک کر سگریٹ نکالنے لگا۔ سگریٹ سلگانے تک میں نے اتنا وقت لے لیا کہ بیرے حساب کر کے واپس چلے گئے۔

میدان صاف ہوتے ہی میں مس سلویا کے پاس پہنچ گیا اور خوش خلقی سے دریافت کیا "مس سلویا؟"

لڑکی نے ایک ادا سے مسکرا کر اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"مجھے اس کی تلاش ہے جو ہزاروں پر بھاری ہوتا ہے" میں نے فقیر کے کہے ہوئے الفاظ دہرائے۔

"میز نمبر تین پر بیٹھو!" اس نے بے نیازی سے کہا۔

اس وقت ہال میں چند میزیں خالی تھیں جن میں تیسری میز بھی تھی۔ میں اطمینان سے وہاں براجمان ہو گیا۔

نائٹ کلب میں اس وقت ایک ہیجان انگیز شو جاری تھا۔ ڈائس کے درمیان ایک ڈھیلا سا گاؤن موجود تھا۔ وہ حسین اور ماہر رقاصہ جب موسیقی کی تال پر اپنے جسم کی بجلی کی سی تیز حرکات سے گاؤن کو تو فضا میں اڑاتی تو ہال میں بے اختیار دبی دبی پرجوش آوازیں گونج اٹھتیں کیونکہ اس کے جسم پر گاؤن کے سوا کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ ستر پوشی بلکہ ستر نمائی کے لیے مختلف رنگوں سے اس کی جلد پر نقش و نگار بنائے گئے تھے۔

مجھے وہاں بیٹھے تقریباً نصف گھنٹہ گزر گیا۔ وہ رقاصہ جا چکی تھی اور اب سٹیج پر ایک نیا کھیل جاری تھا کہ نیم تاریکی میں کسی نے میرے شانے پر تھپک کر مجھے اٹھنے کے لیے کہا۔

میں اس کے ہمراہ میزوں کے درمیان سے گزرتا ہوا باہر آ گیا۔ نائٹ کلب کے دروازے پر ایک کالی ٹیکسی موجود تھی۔ اس شخص نے مجھے ٹیکسی میں بٹھا کر عراقی زبان میں ڈرائیور سے کچھ کہا اور ٹیکسی تیزی کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گئی۔

"ہاں بھئی صفدر ایک خبر ہے!" کافی دیر کے مکمل سکوت کے بعد اچانک ٹیکسی ڈرائیور کی آواز کسی بم کی طرح میرے اعصاب پر گری۔ مجھے خبر نہیں تھی کہ خود محمود ڈرائیور کے روپ میں میرے ساتھ سفر کر رہا ہے۔

"تم..... تم اتنی دیر سے خاموش کیوں بیٹھے تھے؟"

"تمہیں حیران کرنے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔"

"آج میں ایک بہت بڑے دھوکے سے بال بال بچا ہوں۔"

"کوئی سرکاری دھوکا؟"

"ہاں ــــ اور میں ذرا بھی چوک جاتا تو بے موت مارا گیا تھا۔"

"تفصیل نہیں بتاؤ گے؟"

"وہی بتانے آیا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے پوری کہانی سنا ڈالی۔

"وہ اندھیرے میں ہاتھ مار رہے ہیں۔" میرے خاموش ہونے پر وہ بولا۔ "مجھے تمہاری اس صلاحیت پر ناز ہے کہ بدترین حالات میں بھی تمہارے حواس پوری طرح کام کرتے رہتے ہیں۔ تم نے بہت خوبصورتی سے انہیں مطمئن کر دیا ہے!"

"مگر میں آئندہ کے لیے احتیاط چاہتا ہوں۔ تمہارے آدمی کو پہچاننے کے لیے کوئی کوڈ ہونا بہت ضروری ہے" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے" وہ کچھ سوچ کر بولا "آئندہ میرا جو آدمی تم سے ملے گا وہ پاس آ کے کاسمیٹک سے چیتے کی کھال کی جیکٹ طلب کرے گا۔"

"بہتر ہے" میں نے کہا "اب دوسری بات یہ کہ ٹیکسی ڈرائیور ان لوگوں کی نظر میں آ چکا ہے......"

"نہیں...... وہ میری بات کاٹ کر بولا "تمہیں شاید یاد نہیں رہا کہ ہم سے تمہاری پہلی ملاقات وہیں ہوئی تھی جس کی تفصیل انہوں نے بہانے سے تم سے اگلوا لی تھی۔ ان کے پاس بس وہی حوالہ تھا جسے سمجھا ہے اس بار بھی انہوں نے ٹیکسی اسٹینڈ کا نام استعمال کیا۔"

"میرے پیچھے تم نے کسی خاص معرکے کا ذکر کیا تھا۔ اس کا کیا بنا؟"

"ہمارا ایک اہم آدمی پکڑا گیا ہے۔ یہ کام اب شاید کچھ دن کے لیے ٹل جائے گا۔ ویسے کل تک شاید میں خود ہی تم سے رابطہ کروں۔"

"کوئی خاص کام؟"

"ہاں ــــ ہمارا یوسف نامی ایک ساتھی پولیس کی قید میں ہے اور اس پر وحشیانہ تشدد ہو رہا ہے۔ ہمیں کسی طریقے سے زہر کا کیپسول پہنچانا ہے!"

"زہر کا کیپسول؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔ اسے جیل کی اذیت ناک تکلیفات سے بچانا ہے!"

"مگر اخبار میں تو اس کی خودکشی کی خبر آ چکی ہے!"

"یہ صحیح ہے لیکن یہ پولیس کا فراڈ ہے۔ یوسف کی انگلی میں ایک انگوٹھی تھی جس میں نگینے کی جگہ زہر کا کیپسول چھپا ہوا تھا۔ پولیس نے انگوٹھی بھی قبضے میں لے لی اور جب انہیں کیپسول کی اصلیت کا علم ہوا تو انہوں نے یوسف کی خودکشی کی خبر جاری کر دی تاکہ ہماری طرف سے اس کی جان لینے کی کوئی کوشش نہ کی جائے!"

"یہ سب تمہیں کیسے پتہ چلا؟"

"ہمارا ایک آدمی دن رات تھانے کی نگرانی کر رہا ہے۔ وہاں سے مذکورہ لاش نہیں نکالی گئی ہے۔ وہ نظر انداز ہے جو کسی قیدی کی خودکشی کی صورت میں لازمی ہے۔"

"آزادی کی جنگ جیتنے کے لیے ہمیں ایسی قربانی دینا ہی پڑتی ہے۔ اگر میری ذات سے تنظیم کو خطرہ لاحق ہوا تو میں خود کو بھی موت کے نام پر نثار کر دوں گا۔"

"کیپسول مجھے دے دو۔" میں نے چند لمحوں کے بعد فیصلہ کن آواز میں کہا "میں یہ کام انجام دوں گا۔"

اس نے گاڑی چلاتے ہوئے سیاہ رنگ کی ایک چھوٹی سی ڈبیہ میری طرف بڑھا دی۔ "اس میں جو کیپسول ہے وہ پہلے والے سے زیادہ مہلک ہے۔ قسمت نے مجھ کو یہ وقت بھی دکھانا تھا کہ میں اپنے بچپن کے ساتھی کے لیے زہر کا تحفہ بھیجوں۔"

میں خاموش بیٹھا ڈبیہ سے کھیلتا رہا۔ میرے دل پر عجیب غبار سا چھانے لگا تھا۔

"گورنمنٹ انجینئرنگ کالج میں ہمارا ایک آدمی زیر تعلیم ہے۔ اس نے تمہارے لیے ایک اچھی خبر بھیجی ہے!" کچھ دیر کے بعد محمود نے کہا۔

یکایک میرا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔ اور میں نے بے تابانہ لہجے میں سوال کر ڈالا "کیا خبر؟ کیا خبر؟ جلدی بتاؤ مجھے!"

"تمہاری بیوی کا لاہور میں پتہ چل گیا ہے!"

"کہاں ہے وہ؟" میں حیرت اور خوشی سے اچھل پڑا "جلدی تفصیل بتاؤ میرے دوست، مجھے سینا کا حال سننے کو ایک مدت ہو گئی ہے۔"

"فی الحال اس سے زیادہ معلوم نہیں ہو سکا۔ ہماری تنظیم کے ایک سرگرم کارکن کا بھتیجا انجینئرنگ کالج کے تیسرے سال کا طالب علم ہے۔ تمہاری بیوی کا سراغ لگانے کے لیے ہم نے اسی کو پیغام بھجوایا تھا۔ پچھلے دنوں وہ کالج کے لڑکوں کے ساتھ پاکستان کے تعلیمی دورے پر گیا تو لاہور میں اس نے ایک لڑکی دیکھی جو تمہارے بتائے ہوئے حلیے کے مطابق تھی ــــ اس لڑکے نے اس سے بات کرنی چاہی مگر وہ گھبرا گئی البتہ اس کے منہ سے تمہارا نام سن کر وہ بری طرح چونک گئی تھی۔"

"پھر؟ پھر کیا ہوا؟" میں نے شدید اشتیاق سے چیخ کر سوال کیا۔

"وہ دوسروں سے بہت ڈر رہی ہے۔ گفتگو آگے بڑھنے سے پہلے ہی کوئی آوارہ گرد کتا وہاں آ نکلا اور وہ لڑکی وحشت زدہ ہو کر خوفناک تیز رفتاری سے پرانی گلیوں میں کہیں روپوش ہو گئی۔"

میں نے ایک طویل سانس لے کر پشت کو صوفے سے ٹکا دیا۔ "یہ بہت برا ہوا محمود! اس لڑکے سے کہو کہ وہ سینا کا کھوج نکال کر مجھے بتائے اور اسے بھی بتائے کہ اس کا صفدر اس کی یاد میں تڑپ رہا ہے۔ اسے تلاش کرو محمود! اسے تلاش کرو!"

"پنجاب یونیورسٹی میں بہت سے فلسطینی طلبا زیر تعلیم ہیں۔ لاہور میں رہتے ہوئے وہ آسانی سے سینا کا پتہ چلا سکیں گے۔ اگر وہ لاہور سے باہر نہیں نکلی تو تم جلد ہی بہت بڑی خوشخبری سنو گے۔"

"مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اس نے کچھ سے کچھ کر دیا ہے صفدر صاحب جیسے ہی" میں اداس لہجے میں بولا "ہندوستانی پولیس نے میرا اور سینا کا کھوج نکالنے کے لیے سدھائے ہوئے خونخوار کتوں کو ہم دونوں کی بو پر لگایا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہیں ان کتوں کے نرغے میں آ گئی ہو گی۔ وہ پہاڑوں میں پلی ہوئی بے جگر لڑکی ہے۔ کتوں کو زیر کر کے نکل تو گئی ہو گی مگر اس معرکے کی دہشت شاید اس پر ابھی تک سوار ہے جب ہی وہ بے ضرر کتوں سے خوف کھانے لگی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اب انٹیلی جنس تم سے کوئی کام لینے والے ہیں۔" وہ ایک سنسان علاقے میں پارک کے قریب گاڑی روکتے ہوئے بولا۔

"یہ کس وجہ سے کہہ رہے ہو؟"

"اس مرتبہ انہوں نے تمہاری آزمائش کے لیے جو طریقہ اختیار کیا ہے اس کے بعد وہ تمہارے اور میرے درمیان رابطے کا خیال ترک کر دیں گے۔ بعید نہیں ہو سکتا ہے کہ تمہیں پروگرام کے مطابق کوریا تربیتی کیمپ میں ہی بھیج دیا جائے۔"

"اس طرح تو میں تم سے کٹ کر رہ جاؤں گا۔"

"مجبوری ہے۔" وہ اپنے ہاتھ کی انگلیوں کے سروں سے اسٹیرنگ بجاتے ہوئے بولا۔ "ویسے آج کل حالات بہت خراب ہیں۔ نہ جانے کیا ہو جائے۔"

"کون سے حالات؟"

"سرحدوں پر اسرائیلی فوج کی نقل و حرکت بڑھ گئی ہے۔ اس مرتبہ شاید سرحدوں پر ان کا زیادہ دباؤ ہو رہا ہے۔" اس کا لہجہ تفکر آمیز تھا۔

"یعنی کسی نئی جنگ کی تیاری؟" میں نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے سوال کیا۔ اس علاقے میں ایک نئی جنگ کے اندیشے نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ جنگ چھڑ جانے کی صورت میں طویل عرصے کے لیے میں یہیں پھنس کر رہ جاتا جب کہ لاہور میں سینا کی موجودگی کی اطلاع

مجھے پہلی فرصت میں اسرائیل سے نکل کر پاکستان کی جانب فرار ہونے پر اکسا رہی تھی۔

"یقین سے کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔" وہ پُر خیال لہجے میں بولا۔ "درحقیقت اسرائیلی عوام میں اپنی حکومت کی جنگجویانہ پالیسی سے نفرت کی ایک لہر سی تو پیدا ہو چکی ہے مگر لوگ کھل کر اس کا اظہار نہیں کرتے کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی اس طرح سامنے آنے والی باتیں ان کی حکومت کی پوزیشن بہت خراب کر دیں گی۔"

"اس خبر سے تو اسرائیلی حکام بھی بے خبر نہیں ہوں گے۔"

"ہرگز نہیں — وہ یہ سب باتیں جانتے ہیں۔"

"ایسی صورت میں وہ لوگ اس کی جھلک مل جانے پر اپنے عوام کو ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لیں گے۔" میں نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"لیکن وہ مقام نہیں آیا ہے۔" محمود بولا۔ "مگر ہم چند دنوں تک ان کارروائیوں کے ذریعے ان کو جھنجھوڑ سکتے ہیں۔"

"کیسی کارروائیاں؟"

"دو چار خطرناک دھماکے۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"نہیں محمود، اس وقت میں تمہاری رائے سے اتفاق نہیں کروں گا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "اس وقت جوابی کارروائی لوگوں کو مشتعل کر دے گی۔ اور ہو سکتا ہے کہ رائے عامہ کا مخالف حصہ بھی جنگی نعروں میں ہمارا ناپسندیدہ یہودیوں کا ہمنوا بن جائے گا۔"

"یہ میں بھی جانتا ہوں یار۔" وہ بے تکلفی سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "یہ سب اسی وقت ہو سکے گا جب ہم کسی عام جگہ کو نشانہ بنائیں۔ اس بار میں سختی کے ساتھ ان فوجی مراکز میں کارروائیاں کرنی چاہتا ہوں جنہیں یہودی حکام حملے کے بعد کسی طرح نقابی اور تباہ شدہ نہ کر سکیں۔"

"مگر وہاں تک رسائی کیسے ہوگی؟"

"تم نے اپنی بے پناہ صلاحیتوں سے میرا دل جیت لیا ہے۔ اس کام کے لیے تمہارے سوا میرے سامنے کوئی اور آدمی نہیں ہے۔"

"مجھے اس سلسلے میں ماریا سے بات کر لینی چاہیے۔"

"تم نے اسے جس بری طرح دہشت زدہ کیا ہے اس کے بعد وہ شاید تمہاری کسی بات سے انکار نہ کر سکے گی۔"

"وہ دھماکہ خیز اور آتشگیر مادہ کہاں سے ملے گا؟"

"وہ تم تک پہنچ جائے گا۔" محمود نے پورے وثوق سے کہا۔ "تم جگہ کا تعین کر کے جیسے ہی مجھے اطلاع دے دو گے تو سامان بروقت تمہیں مل جائے گا۔"

"ڈکیتی کی کال کے حوالے کے بغیر میں کسی پر اعتماد نہیں کروں گا۔"

"تم بے فکر رہو، وہ بات مجھے یاد ہے۔"

"تو ماضی اور حال کا کیا رہا؟"

"وہ ابھی تک واپس نہیں آیا۔"

پھر محمود نے مجھے ایک ہفتہ تک چھوڑ دیا۔ میں نے چلتے چلتے اسے تاکید کی کہ وہ ... کے حالات میں ... اس رات میں گھر پہنچا تو تقریباً دو بجے کا عمل تھا۔ پورے گھر پر خوابناک سکوت طاری تھا۔ مگر فلورا ابھی تک لاؤنج میں جاگ رہی تھی۔ شیمپین کے آخری گلاس کا شغل بیٹھی ہی وہ بیہودہ دستک میں ...

جب میں نے قریب پہنچ کر اس کے قریب بیٹھا تو مجھے لگا کہ کافی دیر تک شراب نوشی کرتی رہی ہے۔ اس کے دونوں رخساروں پر ... کے چھلکے دو رنگ آ رہے تھے۔

"کہاں سے آ رہے ہو ڈیئر؟" وہ بہکے ہوئے طنز آمیز لہجے میں بولی۔

"دیکھو فلورا، ہم دونوں اچھے دوست ضرور ہیں، میاں بیوی نہیں۔" میں نے اس کے ہمراہ مکان میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "میں اتنا زیادہ تمہارا شکار ہونے کی ضرورت نہیں کہ تم میری مصروفیات پر کڑی نظر رکھا کرو۔"

"تمہارے آنے کے بعد تو میں سب کچھ بھول گئی ہوں۔ گھر کے سوا کوئی ٹھکانہ ہی یاد نہیں رہا۔" وہ اپنا سر میرے شانے پر ٹکا کر بولی۔

"یہ بہت اچھی بات ہے۔"

"اس نے تمہیں کچھ بتایا ہے؟" کمرے میں پہنچ کر وہ دراز ہوتے ہوئے بولی۔

"کس نے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"جس کے گھر تم وقت گزار رہے تھے۔"

"پتہ نہیں تم کیا کہہ رہی ہو۔"

"تمہارے انجان بننے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔" وہ میری پریشانی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولی۔

"تفصیل تو بتاؤ۔" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔ "میں جہان کی باتیں کر رہی ہوں۔"

"شاید تم مجھے یہ بتانا چاہتے ہو کہ تم ماریا کے یہاں نہیں تھے۔"

"ماریا، ماریا!" میں غصیلے لہجے میں بولا۔ "وہ ہر وقت تو میرے اعصاب پر سوار رہنے لگی ہے۔ پتہ نہیں تم اس کے بارے میں کیوں اتنا سوچتی ہو۔"

"میں نے فون کیا تھا اور اس نے مجھے خود بتایا تھا کہ تم اس کے بستر میں موجود تھے۔"

میں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ فلورا نے اپنی سراغرسانی کی تفصیل بتا دی تھی حالانکہ وہ ... واقعہ ہو چکی تھی۔

اس نے ماریا کو فون کرتے ہی پہلا سوال یہ کیا تھا کہ میں اس کے فلیٹ میں تھا یا نہیں؟ اور ماریا اس کی آواز پہچانتے ہی طیش میں آ گئی تھی۔ اس نے صرف میری موجودگی کے بارے میں جھوٹ بولا بلکہ ان لمحات کی رنگینی کے قصے بھی تراش لیے جن پر فلورا آنکھیں بند کر کے ایمان لے آئی۔

"تم خود کو ماریا کے ہاتھوں میں کھلونا بنانے پر تلی ہوئی ہو۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "تم نے اپنی کمزوری سے اسے خود آگاہ کیا ہے۔ میں شرط لگاتا ہوں کہ تم اس وقت بھی ماریا کو فون کر کے میرے بارے میں دریافت کرو گی تو وہ کوئی عجیب ہی کہانی سنائے گی۔"

"ابھی آزمائے لیتی ہوں۔" نشے کی رو میں وہ فوراً ہی میری کہی ہوئی بات کی صداقت آزمانے پر بچوں کی طرح آمادہ ہو گئی۔

کافی دیر تک گھنٹی بجنے کے بعد دوسری جانب سے ایک خوابناک آواز سنائی دی۔ میں ریسیور کے اتنے قریب موجود تھا کہ دوسری جانب سے آنے والی آواز بھی مجھے سنائی دے رہی تھی۔

"کیا صفدر ابھی تک تمہارے پاس موجود ہے؟" فلورا نے سوال کیا۔

"اوہ فلورا!" ماریا کی آواز میں نیند کے خمار کے باوجود ایک عجیب دلچسپی عود کر آئی۔ "تو کیا تم ابھی تک اس کے انتظار میں جاگ رہی ہو؟"

"یہ میری بات کا جواب نہیں ہے ماریا۔"

"وہ یہیں موجود ہے اور شاید صبح سے پہلے واپس نہ آ سکے۔"

"مجھے اس سے ضروری بات کرنی ہے، ذرا اسے فون پر بلاؤ۔"

"ناممکن۔" ماریا کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔ "ہم دونوں ابھی ابھی تھک ہار کر سوئے ہیں، تمہارے فون نے میری نیند تو خراب کر ہی دی ہے مگر میں صفدر کا سرور برباد نہیں کروں گی۔"

رشک کی تپش سے فلورا پر غصہ سوار ہو گیا۔

"او، تم کتوں کی ... ہو۔" وہ چیخی۔ دوسری طرف ماریا بھی آپے سے باہر ہو گئی۔

"میرا ... آوارہ ..." فلورا غصے میں ...

جواب میں ماریا کی کئی فحش گالیاں سنائی دیں اور میں نے جلدی سے کریڈل دبا کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"فون کیوں بند کیا تم نے؟"

"اتنی رات گئے گالیوں کا تبادلہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"کیا اس نے فون پر تمہاری آواز سن کر بتانا چاہتی تھی کہ وہ

جھوٹی اور مکار ہے، پتہ نہیں وہ خود کو کیا سمجھتی ہے!"

"وہ خود کو جو بھی سمجھتی ہے مگر تمہیں تو اس کی اصلیت کا پتہ چل گیا نا؟"

"پتہ نہیں اس کے افسران بالا کہاں سوئے ہوئے ہیں۔ ایسی لڑکی کو تو پہلی فرصت میں کورٹ مارشل ہونا چاہیے۔" وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔

"وہ ان کو بھی نوازتی رہتی ہوگی۔" میں نے انگڑائی لے کر کہا۔ "مگر میں اتنا واضح کر دوں کہ یہ تمہارا آخری موقع تھا اگر آئندہ تم نے ماریا کے بارے میں الجھنے کی کوشش کی تو میں خاموشی سے اپنا بستر بوریا سمیٹ کر کہیں چلا جاؤں گا۔"

"ایسی باتیں نہ کیا کرو مائی سویٹ ڈارلنگ!" وہ چیختے ہوئے میرے گلے لگ گئی۔ "آئندہ میں تم سے بالکل نہیں الجھوں گی۔"

اگلی صبح فلورا سے الگ ہونے کے بعد میں دکان پر جانے کے بجائے ایک فون بوتھ پر جا پہنچا اور ماریا کو فون کر کے فوری طور پر ایک ریسٹوران میں پہنچنے کی ہدایت کی۔

ماریا تھوڑی دیر بعد مجھے اس ریسٹوران کے ہال میں نظر آئی۔ چند ثانیوں کے لیے اس نے رک کر وہاں بیٹھنے والوں کا جائزہ لیا اور مجھے دیکھتے ہی تیر کی طرح میری طرف آ گئی۔

"کیا بات ہے؟" اس نے آتے ہی سرگوشی میں مجھ سے سوال کیا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ تم نے غلطی کر کے مجھ پر چھاپہ مارے جانے کا موقع دیا ہے۔"
"تم خطرے کس وقت پہنچے؟" وہ مسکرا کر بولا۔
"تمہیں اس سے حیرت ہونے کی کیا ضرورت تھی۔"
"اسے جلانے میں مزا آ گیا ہے۔" ماریا تھوڑی جیسی بولی۔ "وہ تمہیں ابھی جا کر بتانے لگی کہ وہ یہاں اس کا ضرور خیال میں لانا چاہتی ہوں گے۔"
"یہ تمہارا اور ظلم کا معاملہ ہے۔ آئندہ اس سلسلے میں میرا نام ملوث نہ کیا جائے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔
"اب اس کی ضرورت نہیں رہے گی۔"
"ضرورت یہ ہے کہ یہاں سے میں اپنا وہ ٹھکانا کھونا نہیں چاہتا۔"
"ساری بات تھکانے کی ہی ہے۔" وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ "آرمی انٹیلی جنس تمہاری طرف سے مطمئن ہو گئی ہے اور پیرول پر تم کو رہا تو کیا بیچ جانے ہو۔"
"یہ تبدیلی کیسے آ گئی؟"
"محمود سرکار کی اطلاع پر انہوں نے محمود کے کانفیڈنس کے روپ میں کل تم سے ملاقات کی تھی۔" وہ میرے چہرے کی علامات پڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔
"نہیں!" میں نے بے یقینی کے عالم میں بے ساختہ کہا۔
"جو نہیں۔" وہ میرے ہاتھ میں چٹکی لیتے ہوئے بولی۔ "مجھے تو شبہ ہے کہ تمہیں شروع ہی سے ان پر شبہ ہو گیا ہوگا۔"
"تو اس ملاقات نے انہیں مطمئن کر دیا ہے؟"
"ہاں انہیں یقین آ گیا ہے کہ محمود سے تمہارا کوئی رابطہ نہیں ہے!"
"حالانکہ تمہاری خاطر مجھے ان سے ملنا پڑا ہے۔"
"میں عمر بھر تمہارا احسان نہیں بھول سکوں گی۔"
"تمہارے لیے ایک کام فوری نوعیت کا ہے۔ یوسف نامی ایک شخص......"
اس نے میری بات درمیان ہی سے اچک لی۔ "تم اس پاگل کی بات تو نہیں کر رہے جسے دہشت پسند سرگرمیوں کے شبہ میں گرفتار کیا گیا ہے؟"
"ہاں وہی یوسف ہے۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "وہ محمود کا خاص آدمی ہے۔"
"یہ اب ایسا راز نہیں رہا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ یوسف اس تنظیم میں خاص حیثیت کا مالک ہے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔
"یہ بات کس طرح پھیلی؟"

"اسے شبہ میں گرفتار کیا گیا تھا۔" وہ بتانے لگی۔ "اور جب اس پر تشدد کا آغاز ہوا اور بار بار اس پر شروع کی گئی تو اس نے یہ اعتراف کر لیا کہ وہ محمود کو جانتا ہے اور سب تمام اہم باتوں سے واقف ہے مگر مجرم کی اس میں سے کسی بات کا انکشاف نہیں کیا۔"
"اس بارے میں تازہ ترین اطلاعات کیا ہیں؟"
"ویسے تو یوسف پولیس کی تحویل میں ہے مگر تخریب پسندوں کے خلاف کی جانے والی ہر کارروائی چونکہ آخر کار فیصلہ کن تحریک کا ہے اس لیے مجھے اس بارے میں پوری تفصیلات کا علم نہیں۔ اس کی اہمیت کے اعلان کے بعد زبان بندی کے نتیجے میں وہ بڑی مصیبت میں گھر گیا ہے۔ اس کی واپسی کبھی کا جو راستہ تھا وہ سب سارا بہت زخموں سے چھپا ہوا ہے۔"
"اور اس نے بدقسمتی سے زبان بندی ہوئی ہے؟"
"وہ زیادہ دیر خاموش نہ رہ سکے گا۔"
"تم اسے رہا نہیں کرا سکتیں؟"
"کیسی بات کہہ رہے ہو؟" وہ بوکھلا کر بولی۔ "وہ اب محض مشتبہ نہیں رہا۔ یہ طے ہو چکا ہے کہ وہ مجرم ہے۔ اسے چھڑانے کا نہ صرف بے سود ہوگی بلکہ میں خود کو مشتبہ افراد کی قطار میں کھڑا کر دوں گی۔ یہ کام ناممکن ہے!"
"تو پھر تمہیں اس تک ایک چیز پہنچانی ہو گی۔"
"شاید یہ کام میں کر سکوں گی۔" وہ اطمینان کا گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "سمجھتے ہو کہ اس تک کیا چیز پہنچانی ہو گی؟"
"ایک زہریلا کیپسول۔" میں نے آہستہ سے کہا۔
"او خدا!" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "ان لوگوں کو یقین ہے کہ کیپسول اس تک پہنچ گیا تو وہ خودکشی کر لے گا۔"
"یہ تو بعد میں پتہ چلے گا۔"
"اگر وہ خودکشی کر لے تو میرا راز اس کے سینے ہی میں رہ جائے گا۔ کیپسول اس نے منگوایا ہے لیکن خودکشی سے پہلے اگر اس کے پاس سے کیپسول برآمد کر لیا گیا تو پھر بار بار غلط سیدھے سوالات کی زندگی اور موت کے درمیان پہنچ جاؤ گے۔"
"میں موت سے خوفزدہ ہونے والوں میں سے نہیں ہوں۔" نے آہستہ سے مگر مخلوص لہجے میں کہا۔ "میری حیثیت تم جانتی ہو اور تمہارے درمیان ایک مرکزی کی ہی ہے۔ تم نے اس کا پیغام تم تک پہنچا دیا، کام کرنے پر اپنی شرم چھوڑ تو ٹھیک ہے ورنہ میں کسی اور کو اس کام کے لیے بھیج دوں گا۔ لیکن تم جانتی ہو خوف سے اس کام میں ہاتھ ڈالتے ہوئے گھبرا رہی ہو۔"

اس کے ہونٹوں پر پھیکی اور بے جان مسکراہٹ پھیل گئی۔ "میں تمہیں معاف کرتی ہوں۔ نشیب و فراز سے آگاہ کر رہی تھی ورنہ میرے لیے انکار کی تو قطعی گنجائش نہیں ہے۔"
میں نے جیب سے ڈبیا نکال کر اس کی طرف بڑھا دی جو اس نے دیکھے بغیر ہی پرس میں ڈال لی اور جانے کی نیت سے اٹھنے لگی۔
"تم سے ایک اور بھی کام ہے۔" میں نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے روکتے ہوئے کہا۔
"وہ بھی بتا دو۔ غنیمت یہ ہے کہ اس وقت آرمی والوں کی نظریں ویران پڑی ہوئی ہیں۔" وہ گردو پیش کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔
"میں کچھ ساز و سامان کے ساتھ تمہارے ہیڈ کوارٹر کی عمارت میں کچھ وقت گزارنا چاہتا ہوں۔"
"وہ کیوں؟"
"ظاہر ہے کہ کوئی کام ہی ہوگا تفریح کے لیے تو میں وہاں جانے سے رہا۔"
"تم جانتے ہو کہ اس عمارت کے چپے چپے پر کیمرے نصب ہیں۔ وہاں جاسوسی کی کوئی خفیہ کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔"
"وہ کیمرے ہر وقت تو آن نہیں رہتے ہوں گے۔"
"ہر حصوں کے کیمرے تو ہر وقت فلمیں تیار کرتے رہتے ہیں جو نگرانی کا شعبہ دیکھتا ہے۔ پھر دفاتر کے کمروں میں کام کرنے والے لوگ کیے ہوئے ہیں، انہیں مقررہ وقت سے پہلے کھولنے کی کوشش کی گئی تو خطرے کا الارم سسٹم حرکت میں آ جائے گا۔"
"کوئی نہ کوئی راستہ تو نکالنا ہی پڑے گا۔"
"تم کھل کر بتاؤ کہ وہاں جانے کا مقصد کیا ہے تو شاید میں کوئی راہ نکال سکوں۔ کاغذات کی الماریوں تک میں خفیہ الارم لگے ہونے کے سبب وہاں تمہاری کوئی بھی آزادانہ کارروائی تمہیں رنگے ہاتھوں پکڑوانے کا سبب بن جائے گی۔"
"وہاں کچھ تفصیلی مواد رکھا ہے۔" میں نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد کہا۔
"محمود تم سے ضرورت سے زیادہ توقعات باندھ رہا ہے۔" وہ تنبیہی لہجے میں بولی۔ "اپنی جان بچانے کے لئے میں ایک حد تک ضرور جا سکتی ہوں۔ ہر چیز کو داؤ پر نہیں لگا سکتی۔"
"اسی لئے یہ کام پوری طرح تمہارے سپرد نہیں کیا جا رہا۔"
"اس عمارت میں آگ لگا کر محمود کیا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے؟"
"اس سوال کا جواب مجھے دینا پڑے گا۔" میں یہ کہتے ہوئے اچانک

مجھے اس کے بلاؤز کے اندر کسی چیز کا ابھار نظر آیا اور میں چونک پڑا۔ اس وقت ماریا کہنیوں کے بل میز پر آگے جھکی ہوئی بیٹھی تھی۔ اس نے بھی میری نگاہوں کی تبدیلی بھانپ لی اور ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں یک بیک خوف و ہراس سمٹ آیا تھا اور وہ بے چین نظر آنے لگی تھی۔
"تم اس طرح مجھے کیوں گھور رہے ہو؟"
"تمہارے بلاؤز میں کیا ہے؟" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔
"تمہارے مطلب کی کوئی چیز نہیں ہے۔" وہ پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔
میں نے اسے ہوشیار ہونے کا موقع دیئے بغیر کن انکھیوں سے آس پاس کا جائزہ لیا۔ فاصلے پر چند میزیں آباد تھیں مگر وہاں سے کسی کی کوئی حرکت دیکھے لئے جانے کا اندیشہ نہیں تھا۔
میں نے اچانک اس کے سینے کے درمیانی حصے پر ہاتھ مارا اور اس نے بوکھلا کر کرسی پر پیچھے سرکنے سے پہلے ہی وہاں کسی ٹھوس چوکور چیز کی موجودگی محسوس کر لی۔
"یہ کیا ہے؟ باہر نکالو!"
"میں کہہ چکی ہوں کہ یہ تمہارے مطلب کی نہیں ہے۔" وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔
"ہے کار ریکارڈر۔ آمد میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"
"اس کا تعلق میری سلامتی سے ہے۔"
"اس وقت میری اور تمہاری سلامتی مشترک ہے۔" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "اگر تم نے رضاکارانہ طور پر وہ چیز نہ دکھائی تو میں زبردستی سے کام لوں گا۔"
"اسے دیکھنے کے بعد تم میری نیت پر شبہ کرنے لگو گے۔"
"حماقت کی باتیں مت کرو۔ میں جھوٹ اور سچ میں تمیز کرنا جانتا ہوں۔"
"یہ ایک چھوٹی کیسٹ ریکارڈر ہے۔" وہ جھکتے جھکتے لہجے میں بولی۔ "جو میری اور تمہاری گفتگو ریکارڈ کر رہا تھا؟"
اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔
"مگر کس لیے؟"
"میں تم سے کچھ بھی نہیں چھپاؤں گی۔ اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ اپنی اور تمہاری گفتگو ریکارڈ کر چکی ہوں۔ وہ تمام کیسٹ بھی میں نے اپنے بنک لاکر میں محفوظ کئے ہوئے ہیں۔"
"تم یہ جتانا چاہتی ہو کہ مجھے کوئی نہیں کر رہی ہو؟"
"میں محمود سے ابھی تک مطمئن نہیں ہو سکی ہوں۔ مجھے ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی وقت میرا کام تمام کر دے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیسٹ تمہیں کس طرح اس کے خلاف تحفظ فراہم کر سکیں گے؟" میں نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں نے فوج میں کمیشن ملنے کے بعد اسرائیل اور عالمی صیہونی طاقتوں کے مفادات کا حلف اٹھایا تھا اور اب میں جان کے خوف سے تمہارے لیے جو کچھ کر رہی ہوں وہ میرے ضمیر پر ایک بوجھ ہے میں نے ایسا بندوبست کیا ہوا ہے کہ اگر میری موت حادثاتی طور پر واقع ہو تو بینک میرے لاکر کی چابیاں آصف کے حوالے کر دے گا۔ اور اسے معلوم ہو جائے گا کہ میں چوہدری ریاض کے تحت ملک اور قوم سے غداری کر رہی ہوں اور تم اس معاملے میں برابر کے شریک ہو۔"

"اور قدرتی موت کی صورت میں کیا ہو گا؟"

"بینک کو میری وصیت ہے کہ قدرتی موت کی صورت میں لاکر کی تمام اشیاء میرے وکیل کی موجودگی میں بینک کا نمائندہ نذر آتش کر دے۔"

"یہ کیسٹ ریکارڈر میرے حوالے کر دو۔"

اس نے خاموشی سے بیگ میں سے ہلکا پھلکا نیشنل کمپنی کا ساختہ کیسٹ ریکارڈر نکال کر میرے حوالے کر دیا۔ اس کا ننھا سا کیسٹ نصف گھنٹے کی ریکارڈنگ کے لیے کافی تھا۔ ٹیپ ختم ہونے کے بعد ریکارڈر خاصی دیر پہلے آف ہو چکا تھا۔ ریکارڈنگ کے لیے اس میں وہ ننھے ننھے بہت حساس مائیکروفون لگے ہوئے تھے۔

"اور اب بینک کے لاکر سے دونوں کیسٹ بھی لا کر میرے حوالے کر دو۔"

"وہ میں ہرگز نہیں دوں گی۔"

"پھر تم کل اپنے کسی بارونق شاہراہ سے اٹھالی جاؤ گی۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "عورتیں تشدد کے سامنے جلد ہی زبان کھول دیتی ہیں۔"

"جب تک تم میری زبان کھلوانے میں کامیابی حاصل کرو گے بینک لاکر کی چابیاں آصف کو مل چکی ہوں گی۔" وہ اعتماد کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔ "میری ہدایت پر یہ بندوبست رکھا گیا ہے کہ اگر ایک خاص مدت کے اندر میں بینک نہ پہنچی یا لاپتا ہو جاؤں تو چابیاں آصف کو دے دی جائیں۔ جس روز بینک منیجر کو فون نہیں کروں گی وہ سمجھ لے گا کہ مجھے کوئی حادثہ پیش آگیا ہے اور کیسٹ حرکت میں آ جائیں گی۔"

"کیسٹ کس بینک کے لاکر میں ہیں؟"

"یہ تو میں ہرگز نہیں بتاؤں گی۔"

"تمہارا یہ بندوبست بہت خطرناک ہے ماریا... یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تمہیں اتفاقیہ طور پر کوئی حادثہ پیش آ جائے۔"

"یہ تمہاری اور قسمت کی بدقسمتی کا آغاز ہو گا۔"

"تم باہمی اعتماد کی فضا کو نقصان پہنچا رہی ہو۔"

"میں نے بہت سوچ بچار کے بعد یہ قدم اٹھایا ہے اور میں اس کے نتائج بھگتنے کے لیے بالکل تیار ہوں۔"

"تو اب تم اپنے وعدے سے پھر گئی ہو؟"

"نہیں۔ میں اس پر قائم ہوں۔" وہ بولی۔ "تمہارا دوست آج ہی رہا کر دیا جائے گا مگر میں آنکھیں بند کر کے تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی۔"

"آئندہ تم ایک لفظ بھی ریکارڈ نہ کر سکو گی۔"

"فکر نہیں۔" وہ پرسکون لہجے میں بولی۔ "میرے تحفظ کے لیے وہی دو کیسٹ کافی ہیں۔ میرا منصوبہ تو یہ تھا کہ ساری ملاقاتیں ریکارڈ کرتی رہوں گی مگر اب یہ تمہاری نظروں سے نہ بچ سکی۔ ابتدا سلسلہ تو اب ختم ہی سمجھو۔"

"اور دوسرے کام کے بارے میں کیا کہتی ہو؟"

"تمہیں وہاں لے جانا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ کام خود سرانجام دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"اس بارے میں تمہیں بعد میں مطلع کروں گا۔"

"میرا ریکارڈر تو واپس کر دو۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

میں نے ریکارڈ کیا ہوا کیسٹ نکال کر ریکارڈر اسے واپس دے دیا اور وہ میرے پاس سے اٹھ گئی۔ میں بھی چند منٹ بعد بل ادا کر کے ریستوران سے نکل آیا۔

میں دکان کافی تاخیر سے پہنچا اور اس روز دکان کے مالک کو مجھ پر اپنے دل کا غبار نکالنے کا موقع مل گیا۔

"یہ تمہارے آنے کا وقت ہے؟" وہ رسٹ واچ پر وقت دکھاتے ہوئے ملامت آمیز غصیلے لہجے میں بولا۔

"مجھے سواری حاصل کرنے میں دیر ہو گئی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"نوکری کرنی ہے تو ملازمت کے آداب سیکھو۔" وہ غصے سے بولا۔ "دوسرے لوگ بھی وقت پر آتے ہیں۔ انہیں کیسے سواری مل جاتی ہے؟"

"یہ تو انہی لوگوں سے پوچھنا پڑے گا۔" میں نے متوازن لہجے کر زہر خند کے ساتھ جواب دیا۔

"میں تم جیسے بدتمیز شخص کو ایک منٹ کے لیے برداشت نہیں کر سکتا۔" وہ غصے میں آپے سے باہر ہو کر فرش پر پیر پٹختے ہوئے بولا۔ "اور میں بھی کسی گھٹیا شخص کی ملازمت برداشت نہیں کر سکتا۔"

"شٹ اپ!" وہ حلق کے بل دھاڑا۔ "نکل جاؤ یہاں سے۔"

"حساب لیے بغیر تو میں یہاں سے ہلوں گا بھی نہیں۔" اُسے مزید تنگ کرنے کے لیے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور انداز میں سگریٹ سلگانے لگا۔

"تمہاری تنخواہ کا چیک ڈاک سے بھیج دیا جائے گا۔" غصے سے وہ میری قمیص کا کالر پکڑ کر مجھے باہر دھکیلنے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے پوری طاقت سے اسے پیچھے دھکیل دیا اور وہ کاؤنٹر سے جا ٹکرایا۔

ہمارا تماشا دکان کے بیرونی حصے میں ہو رہا تھا اور گاہک دلچسپی سے تماشا دیکھنے لگے تھے۔ ایک بوڑھے ملازم نے آگے بڑھ کر دکان کا دروازہ بند کرنا چاہا مگر دکان والے نے اسے سختی کے ساتھ منع کر دیا۔

وہ نہ جانے کیوں میرے ساتھ دکان والا میرا ہاتھ تھام کر دکان کے اندرونی حصے میں لے جاتے ہوئے کیبن کی طرف بڑھتا چلا گیا اور اس بار میں نے بھی مزاحمت نہیں کی۔

"تم بہت خطرناک آدمی ہو مسٹر بلیغل... میرے ساتھ مزید گڑبڑ کی تو تمہیں بہت مہنگی پڑ سکتی ہے۔" میں نے اندر جاتے ہوئے اسے تنبیہ کی۔

"میں جانتا ہوں۔" وہ ہانپتے ہوئے غصیلے لہجے میں بولا۔ "تم نہیں جانتے کہ کیپٹن ماریا بول رہی ہے۔ وہ چھوکری تمہارے دام میں پھنسی ہوئی ہے اور تمہارے ساتھ رنگ رلیاں منانے کے لیے کراچی کام کے بہانے تمہیں چھٹی بھی دلوا چکی ہے۔"

اس کے منہ سے ماریا کا نام سن کر میں بری طرح چونک پڑا۔ مگر فوراً ہی مجھے یاد آ گیا کہ چند دن قبل ماریا نے فون پر اسے ہدایت کی تھی کہ مجھے دو دن کی چھٹی دے دی جائے۔ اس خیال کے پس منظر میں یا علیل کی گفتگو بے مقصد نہیں تھی۔

"ماریا کے آدمی تمہاری دکان میں جیسے تمہاری گھڑی کی حفاظت کر سکتے ہیں ویسا ہی اپنی زبان بند رکھو اور میرے پیسے ادا کرو تا کہ میری شکل بھی تمہاری منحوس صورت سے چھٹکارا حاصل کر سکیں۔"

"تم بدزبانی سے باز نہیں آؤ گے۔" اس نے چلتے چلتے مڑ کر ایسے لہجے میں کہا جس میں غصے اور فریاد کا امتزاج نمایاں تھا۔

"دو سو پونڈ دے دو تو خاموشی سے چلا جاؤں گا۔"

"دو سو پونڈ؟" وہ حیرت سے بولا۔ "تمہاری تنخواہ سے زیادہ" پچاس کی جگہ پونڈ میری طرف نکلتے ہوں گے۔"

"تو پھر میں تمہاری ملازمت نہیں چھوڑوں گا۔" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "ماریا بھی یہ برداشت نہیں کرے گی کہ اس کا عاشق اپنی محبوبہ کی سرکوں پر بے روزگار مارا مارا پھرتا رہے وہ تمہارا زخم خوردہ بانسے گی۔"

"تت... تم مجھے بلیک میل کرنا چاہتے ہو؟"

"اگر تمہیں ایسا لگتا ہے تو تم میرے اس عمل کو عطیے کی وصولیابی بھی کہہ سکتے ہو۔"

"مگر میں دوبارہ تمہاری صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔" وہ چند ثانیے بولا "تمہیں یہ رقم ملازمت کے ساتھ گفتگو ختم ہونے کے بعد ملے گی۔"

"ایسا وعدہ کرنے کے لیے مجھے اپنے طلب کیے ہوئے سو پونڈ کا اضافہ کرنا ہو گا میں نے خاص انداز میں کہا۔"

"یعنی تین سو پونڈ؟"

"ہاں صرف تین سو پونڈ۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں بڑبڑاتے ہوئے کیش بکس کا تالا کھولنے لگا۔ "میں تین سو پونڈ تمہیں دے دوں گا۔ یہ میری زندگی کی غلطی تھی کہ میں نے تمہیں مسکین سمجھ کر ملازم رکھ لیا مگر اب پتہ چلا کہ تم جیسے تعلق رکھنے والے مسکین نہیں ہوتے۔"

"پہلے تین سو پونڈ نکالو۔" میں نے اس سے رقم لیتے ہوئے پوچھا۔ "کہیں لو۔ باہر جانے کے بعد میرا فیصلہ رد نہ کر دینا۔" "قبول نہیں کروں گا۔"

"پوچھنے کیا کہوں گے؟" میں نے نوٹ جیب میں ٹھونستے ہوئے کہا۔ "تم پر مجھے اتنا بھروسہ ضرور ہے۔"

"میرے سامنے رقم گنو۔" وہ آگیا کہ میری واپسی کی یاد میں حائل ہو گیا۔ "تم بہت مکار آدمی ہو کیا پتہ واپس آ کر رقم میں کمی کی شکایت کر بیٹھو۔"

میں نے اطمینان کے ساتھ رقم گننا شروع کر دی۔ "علیل!" میں نے چلتے ہوئے پوچھا۔ "کیا اور مزید پچاس پونڈ کی گنجائش کے حساب سے رقم وصول کر رہا ہوں گا؟"

"حضور! مجھ پر کرم فرمائیے۔" وہ دونوں ہاتھ باندھ کر گردن جھکاتے ہوئے بولا۔ "ایک بار میرے سامنے رقم گن لیں، پھر جہاں آپ کا مزاج آئے چلے جائیں۔ یہ غلام دوبارہ بھی اعتراض نہیں کرے گا۔"

میں نے اس کے سامنے سارے نوٹ گن ڈالے جو پورے تھے۔ "شکریہ مسٹر بلیغل۔" میں نے چلتے ہوئے کہا۔ "میں جا رہا ہوں اور آئندہ آپ مجھے کبھی یہاں نہ دیکھیں گے۔"

"اگر ایسا ہوا تو میں اپنے مقدر پر رشک کرنے لگوں گا۔"

میں بے اختیار ہنس دیا۔ "تم میری صورت سے اسی قدر بیزار ہو تو بھیجا لگیں، دھوکا نہیں کروں گا ضرورت ہوئی تو ماریا کو بھی بھیج دوں گا۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تم مجھے اُلّو کا پٹھا بناتے ہو۔" وہ کسی زخم زدہ بیوہ کی طرح کراہا۔ "میرے بزرگ کہتے تھے کہ زمین پر بادشاہ عورتوں کے تجربے سے زیادہ موذی کوئی مخلوق نہیں پائی جاتی۔"

"یہ کہتے ہوئے شاید وہ تمہاری پیدائش کو بھول گئے تھے۔" میں آخری چٹکی لے کر تیزی سے باہر نکل آیا۔

یوں تو عاشق بادی سے دوستی ہو جانے کے بعد میں اب میری جیب میں کوئی کمی نہیں تھی۔ جانے سے پہلے میری تنخواہ کا شیشی ہو چکا تھا۔ مجھے بھی چھوڑ دیا گیا تھا کہ جب اور جتنی چاہوں اس کے آدمی سے رقم لے سکتا تھا۔ مگر مجھے اس کنجوس یہودی کی تجوری سے رقم نکلوا کر خوشی ہوئی وہ عاشق بادی کے آدمی سے تین ہزار پونڈ ملنے پر بھی نہ ہوتی مجھے پورا یقین تھا کہ ماریا علیل اب کئی دن تک دکان نہ کھولے اور لیٹے لیٹے دوستوں کو اپنے لٹنے کی دردناک داستان سنائے گا اور شاید ایک آدھ رات

کے لئے تو اس کی نیند بھی سر سے غائب ہو جائے۔

پاملیل کی ملازمت شروع ہی سے مجھے ناگوار گزر رہی تھی۔ صبح سے شام تک میں وہاں احمقوں کی طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہتا تھا۔ دن میں اکا دکا گاہک آتے جنہیں پرانے ملازم سنبھال لیتے تھے۔ بس شام کے وقت ایک آدھ گھنٹے کے لئے خریداروں کا رش ہوتا تھا۔ گیارہ گھنٹوں میں بمشکل دو گھنٹے کی مصروفیت مجھ جیسے آدمی کے لئے ناکافی تھی۔ مگر اتنے عرصے میرے یہاں رکے رہنے کا سبب یہ تھا کہ محمود اس دکان کو اپنے خفیہ مواصلاتی مرکز کے طور پر استعمال کرنا چاہتا تھا مگر میرے لئے وہاں ٹھہرنا مشکل ہو گیا تھا۔ اب میں چاہتا تھا کہ جلد از جلد محمود کو اپنے اس اقدام سے آگاہ کر دوں تاکہ محمود کا کوئی معتمد میری جگہ اس دکان پر ملازمت اختیار کر سکے۔

اب میرے سامنے پہاڑ سا دن پڑا ہوا تھا۔ مایا وفتر یک ہو آئی فلو ابھی شام سے پہلے خالی نہیں ہو سکتی تھی۔ تاشی بادی اسرائیل سے بھاگا ہوا تھا اور محمود سے یوں جلد جلد ملنا میرے لئے بہت زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

میں غیر ارادی طور پر ٹہلتا ہوا فلسطینیوں کی آبادی میں ابو مروان کے قہوہ خانے پر جا پہنچا۔ فکر معاش سے بے پروا بہت سے نوجوان لڑکے اور چند عمر رسیدہ فلسطینی وہاں بیٹھے اس انہماک سے قہوہ اور حقہ پینے میں مصروف تھے جیسے ان کی پیدائش ان ہی دو کاموں کے لئے عمل میں آئی ہو۔ قریب ہی بہت سے گندے اور عسرت زدہ مگر صحت مند بچے گولیاں کھیلنے اور لڑنے میں مصروف تھے۔

میں وہاں بیٹھا قہوہ پی رہا تھا کہ اچانک چند بچوں میں شدید تصادم ہو گیا اور آناً فاناً وہاں چیخ و پکار مچ گئی۔

اسی دوران ابو مروان اپنے چھپر کے عقب سے باہر آیا اور اس نے بچوں کو مخاطب کر کے کرخت آواز میں چند گالیاں دیں جو عام فہم ہونے کے ساتھ ہی زود اثر بھی تھیں مگر ایک گالی نہایت عجیب تھی جو جنسی اعتبار سے نسوانی تھی لیکن مردوں پر چسپاں کی گئی تھی۔

ابو مروان کی کرخت آواز سنتے ہی سب بچے جائے واردات سے فرار ہو گئے۔ پھر اچانک ابو مروان نے بلند آواز میں "اللہ" کہا اور لپک کر آگے بڑھا۔

اس کی تحیر آمیز آواز نے کئی لوگوں کو اپنی جگہ چھوڑ کر صورت حال کا جائزہ لینے پر مجبور کر دیا اور میں ایسے لوگوں میں پیش پیش تھا۔

جہاں چند ثانیے قبل بچے گولیاں کھیل رہے تھے اب وہاں ایک دس گیارہ سالہ خوبرو اور صحت مند بچہ بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ بہنے والے لہو کی تیز سرخی میں ڈوبا ہوا تھا۔

میرے قریب پہنچنے تک ابو مروان زخمی بچے کو اپنی باہوں میں لے چکا تھا اور بے چینی سے اپنے اردگرد کھڑے لوگوں کو ڈانٹ رہا تھا۔ بچے کا سر پھٹ چکا تھا۔ اس کی کنپٹی کے زخم سے تیزی کے ساتھ خون بہہ رہا تھا اور سانس بھی قدرے اکھڑا ہوا تھا۔

"فوراً ٹیکسی روکو اور ایک دو آدمی میرے ساتھ آؤ، بچے کی حالت بہت خراب نظر آ رہی ہے۔" ابو مروان نے قریب کھڑے ہوئے لوگوں کی طرف مڑ کر کہا۔

اس کے ان الفاظ کا رد عمل میرے لئے حیرت ناک تھا۔ لوگوں کی بھیڑ کائی کی طرح چھٹنے لگی۔ ہر شخص لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے کھسک رہا تھا اور چند ہی ثانیوں میں میرے علاوہ وہاں کوئی بھی شخص باقی نہ رہا۔

"سب بھاگ گئے۔" ابو مروان مایوسانہ اور قدرے جھنجلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "بھائی! فوراً کوئی ٹیکسی روک لو۔ بچے کا سانس اکھڑ رہا ہے۔"

میں انکار نہ کر سکا۔ میں نے جلدی سے قریب کھڑی ہوئی ایک خالی ٹیکسی کو بلایا اور ابو مروان نے آہستگی سے بچے کو پچھلی نشست پر لٹا دیا۔

میں ابو مروان کی درخواست کا انتظار کئے بغیر ٹیکسی میں سوار ہو گیا۔ چند ہی منٹ میں ٹیکسی تیز رفتاری سے ایک قریبی ہسپتال کے احاطے میں داخل ہو گئی۔ بچے کے زخم سے بہنے والے خون نے ٹیکسی کی سیٹ خراب کر دی تھی مگر اس کا ڈرائیور کوئی نہایت نیک فطرت آدمی تھا۔ اس نے نہ صرف خون آلود سیٹ سے چشم پوشی اختیار کر لی بلکہ کرایہ بھی وصول نہیں کیا اور ہمیں اتار کر وہاں سے چل دیا۔

ابو مروان بچے کو ہاتھوں پر اٹھائے ایمرجنسی وارڈ میں پہنچا۔ بچے کی حالت دیکھتے ہی وہاں بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ اس کے زخم سے بہنے والے خون کی مقدار تشویشناک حد تک زیادہ تھی اور یہ نظر آ رہا تھا کہ اسے فوراً طبی امداد دی گئی تو وہ بچ جائے گا۔

"اسے کیا ہوا ہے؟" ایک میل نرس نے بچے کو اسٹریچر پر لٹاتے ہوئے ابو مروان سے مہذبانہ لہجے میں دریافت کیا۔

"بچوں میں جھگڑا ہو گیا تھا۔"

"کہاں؟"

جواب میں ابو مروان نے فلسطینیوں کی بستی کا نام لیا۔

"تو یہ بچہ فلسطینی ہے؟" میل نرس کا لہجہ یک بیک بدل گیا۔

"ہاں۔" ابو مروان نے روا روی میں اس شخص کے لہجے کی تبدیلی کو محسوس کئے بغیر خالی الذہنی کے عالم میں جواب دیا۔

"پہلے پولیس اسٹیشن میں رپورٹ درج کرائی تم نے؟" میل نرس نے اچانک بچے کو یوں چھوڑ دیا جیسے وہ کوئی اچھوت ہو۔

"رپورٹ بھی درج کرا دوں گا۔ فی الحال اس کا خون تو روکو۔" ابو مروان نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر لجاجت بھرے لہجے میں کہا۔

"پولیس کا چکر چلائے بغیر ہم اسے ہاتھ بھی نہ لگائیں گے۔" اس نے ٹکا سا جواب دیا اور پھر اس نے بلند آواز میں ہسپتال کے عملے کے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "بھاگ دوڑ کی ضرورت نہیں۔ یہ پولیس کیس ہے۔ واپس آ جاؤ۔"

"مگر زخم پر پٹی ......" کسی نے کہنا چاہا۔

"سب کچھ چھوڑ دو۔" وہ غصیلے لہجے میں بولا۔ "یہ بچہ فلسطینی ہے۔" اس کے لہجے پر میرا خون کھول رہا تھا۔ اس نے بچے کی نسل کا اظہار اس طرح کیا تھا جیسے وہ کوئی گندی گالی منہ سے ادا کر رہا ہو۔

"کیا یہ بچہ ایک انسانی جان سے زیادہ اہم ہے؟" میں نے آگے بڑھ کر اس میل نرس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔

"ہمیں ہدایت ملی ہوئی ہے کہ پولیس رپورٹ کی نقل دیکھے بغیر کسی زخمی فلسطینی کی مرہم پٹی بھی نہ کریں۔ ہمیں کیا پتہ کہ یہ بم بناتے ہوئے ہی زخمی ہوا ہو۔"

"ہسپتال کا پولیس کاؤنٹر کدھر ہے؟" ابو مروان نے سوال کیا۔ شاید وہ بھانپ گیا تھا کہ میں اپنے مخاطب سے الجھ پڑوں گا۔ اسی لئے اس نے دخل اندازی کی تھی۔

"وہ ہے۔" میل نرس نے ایک ویران کاؤنٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"مگر وہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔"

"انتظار کرو۔ آ جائیں گے وہ لوگ۔"

"مگر بچے کی حالت خطرناک ہے۔"

"اتنی جلدی ہے تو اسے لے جاؤ۔" وہ بیزاری کے عالم میں بولا۔ "دو بلاک آگے پولیس اسٹیشن ہے وہاں رپورٹ درج کرا دو۔"

ایک لمحے کے لئے میری اور ابو مروان کی آنکھیں چار ہوئیں اور اگلے ہی لمحے اس نے ہونٹ بھینچ کر خاموشی سے بچے کو بازوؤں پر اٹھا لیا۔

ہم تھانے پہنچے تو محرر نے مشتبہ نظروں سے ہمارا استقبال کیا۔ ابو مروان نے مختصر الفاظ میں پوری بات اسے سنا دی۔

"میرے ساتھ آؤ۔" محرر اشتباہ آمیز نظروں سے باری باری ہم دونوں کو گھورتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

ہم اس کی تقلید میں ایک باوردی پولیس افسر کے کمرے میں پہنچے جس نے بڑی توجہ سے محرر کا بیان سنا۔ اس دوران ابو مروان بڑی بے بسی سے اپنی گود میں موجود بچے کو دیکھتا رہا جس کا سانس اب رک رک کر آ رہا تھا اور ہر سانس کے ساتھ اس کا بدن بری طرح کانپ رہا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" باوردی افسر نے میز کے پیچھے سے پیشانی سہلاتے ہوئے پرسکون لہجے میں سوال کیا۔

"حمزہ ابو مروان۔"

"بچے کو تم پہ رشاد!" اس نے گھنٹی بجاتے ہوئے حکم دیا۔

"اسے فوری طبی امداد کی ضرورت ہے جناب!" ابو مروان نے ہچکچاتے ہوئے مؤدب ہو کر کہا۔

"ہم جانتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے — رشاد! لے جاؤ اسے۔"

اور ابو مروان نے بادل نخواستہ بچے کو ایک چوبی بنچ پر ڈال دیا۔ بچے کی کنپٹی سے خون بدستور جاری تھا۔

اسی وقت گھنٹی کے جواب میں دو سپاہی وہاں آ گئے۔

"ان دونوں کو حوالات میں بند کر دو۔" افسر نے انہیں حکم دیا اور سپاہی فوراً ہم دونوں کے سروں پر مسلط ہو گئے۔

"مگر ہمارا قصور جناب؟" ابو مروان نے فریاد کی۔

"جاؤ۔" وہ فضا میں ہاتھ لہرا کے دھاڑا۔

"میں غیر ملکی ہوں اور انسانی ہمدردی کی بنا پر بچے کے ساتھ یہاں تک چلا آیا۔" میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے اپنا دفاع کرنے کی کوشش کی۔

"اسرائیل کی سرزمین پر فلسطینیوں سے ہمدردی کرنے والا کوئی غیر ملکی بے گناہ نہیں ہو سکتا۔" اس افسر نے مجھے گھورتے ہوئے زہریلے لہجے میں کہا۔ "آپ فوراً حوالات میں تشریف لے جائیں ورنہ بچے کے ساتھ آپ کو بھی فوری طبی امداد کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔"

میں خون کے گھونٹ پی کر سپاہیوں کے ساتھ چل پڑا۔

جس وقت ہم کمرے سے باہر جا رہے تھے بچے پر نزع کا عالم طاری تھا۔ اس کے پورے جسم پر تشنج چھایا ہوا تھا اور کنپٹی سے بہنے والا زندہ لہو فرش کو داغدار کر رہا تھا۔

ہم دونوں کو حوالات کے عقبی دروازے سے اندر دھکیل کر دروازہ مقفل کر دیا گیا۔ وہاں ہم سے پہلے دو بدنصیب موجود تھے۔

"چوری کے جرم میں پکڑے گئے ہو؟" سپاہیوں کے چلے جانے کے بعد پرانے قیدیوں میں سے ایک نے سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

ابو مروان نے خلاء میں گھورتے ہوئے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔

"تو پھر کوئی چھوٹا سا دنگا ہوا ہوگا؟" دوسرے نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"اپنی زبانیں بند رکھو ورنہ قتل کا جرم بھی تمہارے سر آ جائے گا۔" میں نے ان دونوں سے درشت لہجے میں کہا اور وہ سہم کر ایک گوشے میں چلے گئے۔

"وہ مر جائے گا۔ اس پر کوئی توجہ نہیں دے گا۔" ابو مروان مٹھیاں بھینچ کر ہذیانی انداز میں بڑبڑایا۔ "اس کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ فلسطینی ماں باپ کی اولاد ہے۔"

"شاید اسی لئے کوئی تمہارے ساتھ آنے پر آمادہ نہیں ہوا تھا۔"

"مجھے افسوس ہے میرے دوست کہ میری وجہ سے تم اس مصیبت میں آ پھنسے۔"

"اگر بچے کی زندگی بچ جاتی تو مجھے اس قید کا بھی غم نہ ہوتا۔"

"اسے قدرت ہی بچا سکتی تھی ورنہ یہاں کوئی اس پر توجہ دینے والا نہیں ہے۔"

"اب ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟"

"مار پیٹ اور تشدد کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ دل نہ ہارو۔ میں تو ان چیزوں سے نہیں گھبراتا مگر تم بلاوجہ پھنس گئے۔"

ہم دونوں تھوڑی دیر تک خاموش رہے۔ شام تک حوالات میں چند نئے پرانے قیدیوں نے بعد میں ہمارے قریب آ کر بچے کی موت کی خبر سنی۔ کئی ایک ہمیں دور ہی دور سے دیکھتے رہے۔

شام کو ہماری طلبی کا پروانہ آ گیا۔

اس بار ہمیں باوردی افسر نے جس کمرے میں بلوایا وہ خاصا وحشت ناک تھا۔ ہمیں وہاں لے جا کر لوہے کی چرخی نما کھمبوں کے ذریعے تختہ ستونوں سے باندھ دیا گیا۔

"اس بچے کی موت کیسے واقع ہوئی؟" پولیس افسر کا یہ سوال میرے اعصاب پر کسی بم کی طرح گرا۔

"مر گیا وہ؟" ابو مروان نے حیرت اور اذیت کے عالم میں پوچھا۔ اچانک پولیس افسر کا ہاتھ حرکت میں آیا اور بید پوری قوت سے ابو مروان کے سینے پر پڑی۔ "تمہیں سوال کرنے نہیں جواب دینے کے لیے بلایا گیا ہے۔"

"پتھروں کی لڑائی میں اسے چوٹ آ گئی تھی۔" ابو مروان گہرے گہرے سانس لیتا ہوا بولا۔

"یہ جھوٹ ہے۔ گوش کی آبادی میں کسی کو ایسے جھگڑے کا علم نہیں۔ ہم وہاں پوری طرح چھان بین کر چکے ہیں۔"

"واقعہ کے وقت ہاشم، عبداللہ سب ہی وہاں موجود تھے۔" ابو مروان بولا۔ "ان کے سامنے میں نے زخمی بچے کو اٹھایا تھا۔"

"تمام چھوکرے بیان دے چکے۔" وہ کاغذ اور قلم سنبھالتے ہوئے بولا۔ "انہیں بھی یہاں طلب کیا جائے گا۔ اس واردات کی پوری تندہی سے کھوج لگایا جائے گا۔"

"وہ جھگڑنے کے بعد میرے ساتھ وہاں پہنچے تھے۔"

"تمام چھوکرے؟" وہ بولا۔

ابو مروان نے مرحوم کے ساتھی چاروں نام دہرا دیے۔ مجھے یقین تھا کہ جلد ہی وہ چاروں بھی حوالات میں ہم سے آ ملیں گے۔

"ہاں تو محمد علی اور وہ آپ!" باوردی پولیس افسر مجھ سے مخاطب ہوا۔ "تم وہاں کیا کرنے گئے تھے۔ مسافر کا کوئی مرحوم سے کیا تعلق؟"

"میں ابو مروان کے قہوہ خانے میں قہوہ پینے رکا تھا۔"

"تمہیں قہوہ پینے کے لیے وہی چند دکانوں والا قہوہ خانہ ملا تھا جس میں بار بار اور وہ بھی اس وقت جبکہ وہاں قتل کی واردات ہونے والی تھی۔"

"یہ سوال تو ہر اس شخص سے کیا جا سکتا ہے جو وہاں موجود تھا۔"

"تمہارے شناختی کاغذات کہاں ہیں؟" وہ میری طرف دیکھ کر بولا۔

"وہ انٹیلی جنس پولیس کی کیپٹن ماریا کے پاس ہیں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"کس کے پاس؟" اس نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"کیپٹن ماریا۔"

"اس سے تمہارا کیا واسطہ ہے؟"

"یہ سوال انہی سے کیا جائے تو بہتر ہوگا۔"

میرے اس جواب پر وہ خلاف توقع آپے سے باہر نہیں ہوا مگر حیرت بھرے لہجے میں بولا۔ "اس سے بھی معلوم کر لیا جائے گا مگر اس وقت تم سے پوچھا جا رہا ہے۔"

"اس سے میرا ناجائز تعلق ہے۔"

"ناجائز؟" اس کی بھنویں حیرت سے پیشانی پر جا پہنچیں۔

"میں غیر قانونی طور پر اسرائیل میں پہنچایا گیا تھا۔ اس کے بعد ہی سے میں کیپٹن ماریا سے مسلسل رابطے میں ہوں۔"

"تمہیں کس طرح یہاں لایا گیا تھا؟" اس کے سوالات میں تجسس ابھر آیا تھا۔

"جس شخص کے حکم پر مجھے ہوائی راستے سے یہاں لایا گیا اسے ابو خالد کے نام سے جانتا ہوں۔" میں نے اس کی تسلی کی خاطر کہا۔

"ابو خالد؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "یہ نام تو میں پہلی بار سن رہا ہوں۔ کیا وہ اسرائیل ہی کا باشندہ ہے؟"

"بعد میں مجھے پتا چلا کہ اسرائیل میں اسے بن حیان کے نام سے جانتے ہیں۔" میں نے پُرتکلف لہجے میں کہا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اس انکشاف کے بعد وہ بدتمیز افسر مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں کرے گا۔

"اوہ!" اس کے ہونٹ سیٹی بجانے کے انداز میں سکڑ گئے۔ چند ثانیوں تک وہ اسی طرح غور سے میری طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تو تم اتنا قادر اور مچا تھے۔ قتل کی اس واردات سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے؟"

"میرا اسی قدر تعلق ہے جتنا ابو مروان یا ان چاروں آدمیوں کا جن کے نام تم نے لکھے ہیں۔" میں نے اس مرتبہ پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"اچھی بات کرو گے۔" وہ بڑا سا منہ بنا کر بولا۔ "ان کی حیثیت سے میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔"

اسی وقت ایک باوردی سپاہی ... پولیس کے ... ہوئے اندر ...

آواز سنائی دی اور وہ افسر گردن اٹھا کر چونکتے انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وردی جوتوں کی دھمک سے معلوم ہو رہا تھا کہ آنے والا کوئی نچلے درجے کا کارکن آدمی ہے۔

پھر ایک بوکھلایا ہوا مسلح سنتری اندر داخل ہوا اور ایڑیاں بجا کر سیلوٹ مارنے کے بعد ہانپتے ہوئے بولا۔ "سر، اس نے خودکشی کر لی۔ اس کا بدن نیلا ہو کر اینٹھ گیا ہے۔"

"کس نے؟" اس انکشاف نے افسر کو بھی سراسیمہ کر دیا۔

"یوسف نے۔ جاسوسی والا فلسطینی۔"

اور یہ کہتے ہی پولیس افسر کے چہرے پر بھی سراسیمگی پھیل گئی اور وہ بری طرح دوڑتا ہوا سنتری سمیت وہاں سے چلا گیا۔ ہم دونوں بدستور تختہ ستونوں سے بندھے ہوئے کھڑے رہے۔

یوسف کی خودکشی کی خبر سن کر میرا دل یک بیک خوشی سے اچھل پڑا تھا۔ سخت نگرانی اور قید تنہائی میں یوسف کی کامیاب خودکشی کا یہ مطلب تھا کہ ماریا اپنے وعدے پر پوری طرح کاربند تھی۔ اس نے یقینی طور پر صبح ہی زہر کا کیپسول یوسف تک پہنچا دیا ہوگا۔ اب یہ یوسف کی عقلمندی تھی کہ مرتے مرتے بھی اس نے حواس سے پوری طرح کام لیا۔ اس نے فوری طور پر خودکشی کرنے کے بجائے کافی وقت کے بعد زہریلا کیپسول کھایا تھا تاکہ ماریا کی پوزیشن خطرے میں نہ پڑ سکے۔

یوسف کی خودکشی کی خبر سے تھانے میں بھونچال سا آ گیا۔ ہر طرف سے چلنے پھرنے اور زور زور سے بولنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ پھر شاید پولیس اسٹیشن کی ایمبولینس حرکت میں آئی اور اس کے سائرن کا شور تیزی کے ساتھ دور ہوتا چلا گیا۔

یہ کیسا عجیب اتفاق تھا کہ قدرت نے مجھے حالات کے دھارے میں بہا کر اسی پولیس اسٹیشن میں پہنچا دیا تھا جہاں ایک اہم واقعہ ظہور پذیر ہونے والا تھا۔

یوسف کے بارے میں ابو مروان نے مجھ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا اور میں نے بھی اس موضوع پر بات چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔

پھر دیر بعد شاید اعلیٰ حکام وہاں آ پہنچے کیونکہ سارا پولیس اسٹیشن ایک دم سے مستعد ہو گیا اور وقفے وقفے سے فضا میں ایڑیاں بجنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

کافی دیر گزر گئی لیکن کسی نے پلٹ کر ہماری خبر نہیں لی۔ گیارہ بجے کے قریب کوئی اس طرف آیا اور جب وہ اندر داخل ہوا تو مجھے مایوسی ہوئی کیونکہ وہ ایک سپاہی تھا۔ اس نے آتے ہی چاروں طرف چکر لگا کر جائزہ لیا اور واپس جانے لگا۔

"اپنے افسر کو یاد دلا دو کہ اس نے کیپٹن ماریا کے ایک آدمی کو یہاں باندھا ہوا ہے۔" میں نے سپاہی سے رواں لہجے میں کہا۔

وہ ایک لفظ کہے بغیر سپاہی نے ... کر دروازہ بند کیا اور چلا گیا۔

میں تو اس طرف سے مایوس ہی ہو گیا تھا مگر وہ سپاہی کچھ ذہین شخص تھا۔ اس نے ماریا کو وہاں دیکھ کر مطلع کر دیا کہ کوئی حوالاتی اس کا نام لے رہا ہے اور ماریا سیدھی وہاں آ پہنچی۔

"ارے! تم اس حال میں؟" وہ آتے ہی حیرت سے بولی۔

"ایک فرضی قتل کا الزام ہے مجھ پر۔"

"تم نے میرا حوالہ نہیں دیا؟"

"دیا تھا مگر اسی وقت ایک بڑی خبر آ گئی اور مجھ پر تشدد کرنے والا افسر بوکھلاہٹ میں یہاں سے چلا گیا۔"

"آرتھر اس وقت ہوم ڈیپارٹمنٹ کی ایک میٹنگ میں ہے۔ تمہاری بابت بتاؤں گی تو اس کی آمد پر ہی کوئی ترکیب ہوگی۔ فی الحال تمہاری بندشیں کھلوا دیتی ہوں۔"

"تمہارا یہی احسان کافی ہوگا۔"

ماریا کے اشارے پر اسے لانے والے سپاہی نے میری بندشیں کھول دیں۔

"اس بے چارے کو بھی کھلوا دو۔" میں نے ابو مروان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔"

میں ابو مروان کو الوداع کہہ کر ماریا کے ہمراہ وہاں سے چل دیا۔

"یوسف نے خودکشی کر لی ہے۔" راہداری میں موقع پا کر ماریا نے میرے کان میں ہیجان آمیز لہجے میں سرگوشی کی۔

"اچھا!" میں نے تجاہل سے کام لیتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا۔

"آرتھر سے اسی بات پر جواب طلبی ہو رہی ہے۔ اب اس کی ملازمت بچنی مشکل ہے۔"

"تو میری باضابطہ رہائی کا کیا بنے گا؟"

"تم آرام سے انتظار گاہ میں بیٹھو۔ میری تو رات یہیں کالی ہوگی۔ آرتھر کی جگہ جو بھی نیا انچارج آئے گا میں اس سے بات کر لوں گی۔"

"آج میں نے اسکول کی ملازمت چھوڑ دی ہے۔"

"کیوں؟"

"یا محض حد سے بڑھ گیا تھا۔"

"چلو اچھا ہی ہوا۔" وہ ہنستے ہوئے لہجے میں بولی۔ "اب تم فوراً پورا وقت دے سکو گے۔"

اسی وقت سامنے سے چند افسران دبے لہجے میں باتیں کرتے آ گئے اور میں ماریا کو منہ توڑ جواب نہ دے سکا۔ ماریا نے مجھے سپاہی کے حوالے کیا اور خود ان افسروں کے ہمراہ چل پڑی۔

سپاہی مجھے انتظار گاہ میں بٹھا کر رخصت ہو گیا اور میں ذہن میں آئندہ کے بارے میں اپنے منصوبے کی ترتیب دینے لگا۔

یوسف کی خودکشی کی خبر تو اخبارات کے ذریعے محمود تک پہنچ سکتی

شخص نگرانی کے لیے پہلی فرصت میں ماریا کی حرکتوں سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ لڑکی میرے اور محمود کے لیے حد درجہ خطرناک ہو سکتی تھی اور اس کا علاج بہت ضروری تھا۔

وہ دونوں کیسٹ جن میں اس نے میری اور اپنی گفتگو ریکارڈ کی ہوئی تھی تلف کیے جانے ضروری تھے۔ مجھے یقین تھا کہ ماریا از خود وہ کیسٹ میرے حوالے نہیں کرے گی۔ دوسری صورت یہ تھی کہ اس کی سخت نگرانی کر کے بینک اور لاکر نمبر کا پتہ چلایا جاتا اور پھر بینک پر چھاپہ مار کر لاکر خالی کیا جا سکتا تھا لیکن اس سلسلے میں محمود کی رائے بہت ضروری تھی۔

انتظار گاہ میں ٹیلی فون موجود دیکھ کر اچانک ذہن میں قاضی ہادی کی شکل یاد آ گئی جو کسی بزدل چوہے کی طرح اسرائیل سے بھاگا ہوا تھا۔ میں نے سوچا کہ کم از کم فون ہی کر کے اس کے سیکرٹری سے ان کے بارے میں معلومات حاصل کر لوں۔

میں نے فون کا ریسیور اٹھایا تو آپریٹر کی بجائے کسی کی آواز کانوں کو بڑی بھلی لگی۔ میں نے اسے قاضی ہادی کا فون نمبر دے دیا۔

چند منٹ بعد کال ملی اور جب میں نے قاضی ہادی کے سیکرٹری کو اپنا نام بتایا تو اس کی آواز پر چھایا ہوا غنودگی کا خمار فوراً غائب ہو گیا۔

"میں ابھی دیکھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ صاحب جاگ رہے ہوں۔" اس نے کہا۔

"وہ واپس کب آئے؟" میں نے سوال کیا۔

"آج صبح ہی آئے ہیں۔"

پھر جب قاضی ہادی فون پر آیا تو وہ خاصا مضطرب تھا کم از کم اس کی آواز سے یہی ظاہر ہو رہا تھا۔ "تم اس وقت کہاں ہو؟"

"ایک سرکاری مہمان خانے میں۔"

"میرے آدمی صبح سے تمہاری تلاش میں بھٹک رہے ہیں۔ تم وہاں کیا کر رہے ہو؟"

"تم مجھے نہیں میرے دوست!" میں نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔ "صبح سے میں حوالات میں تھا۔"

"اور اب فون کہاں سے کیا ہے؟"

"تھانے ہی میں ہوں۔"

اور یک بیک فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

میرے لیے یہ بڑا اچنبھا ثابت ہوا۔ اول تو میرے لیے یہی بات حیرت کا باعث تھی کہ قاضی ہادی خلاف توقع جلد واپس آ گیا اور جب وہ آ ہی گیا تھا تو اسے مجھ سے گفتگو کرنے میں تفصیل سے کام لینا چاہیے تھا نیز اس کی جانب سے بھی محمود کا کھوج نکلنے نہ پایا ہوا تھا۔

میں رات کے دو بجے تک وہیں تھانے کی اداس انتظار گاہ میں بیٹھا سگریٹ پھونکتا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سب لوگ مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں۔

آخر کار دو بجے شب ماریا وہاں آئی۔ اس کے چہرے سے تھکان کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس کے ہمراہ پولیس کا کوئی اعلیٰ عہدے دار تھا۔

"یہ صفدر علی ہے۔" ماریا نے اندر داخل ہو کر میری جانب اشارہ کرتے ہوئے اس پولیس افسر سے کہا۔ پھر مجھ سے بولی۔ "اور یہ ہیں تھانے کے انچارج مسٹر گریسی۔"

گریسی نے بڑے تپاک کے ساتھ مجھ سے ہاتھ ملایا۔ اس کے طریقے اور چہرے مہرے کے اعتبار سے وہ خاصا معقول آدمی نظر آیا۔

"میرے بارے میں کیا طے پایا ہے؟" میں نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"ابھی تک اس حادثے کی ابتدائی رپورٹ نہیں لکھی گئی۔ تم آزاد ہو۔" انچارج گریسی نے بارعب انداز میں مجھے مخاطب کیا۔ "ابو مروان!"

جائے جرم میں گولو ماریا چہرے سے مسکراتے ہوئے بولی۔ "اگر چہ پولیس کے پاس کوئی ثبوت نہیں مگر عام خیال یہ ہے کہ وہ ... ہے۔ اس بہانے ہاتھ آیا ہے تو اب پچھلا حساب بھی بے باق کیا جائے گا۔ غنیمت یہ ہے کہ تم اس چکر سے بال بال بچ گئے ہو۔"

چلتے ہوئے گریسی نے ماریا کے کان میں کچھ کہا اور ماریا سر ہلاتی میرے ہمراہ باہر آ گئی۔

"اب تم کہاں جاؤ گے؟"

"فلورا کے گھر۔" میں نے کہا۔ "جا کر تو میں یہ رات تنہا بھی گزار سکتا ہوں۔"

"اس وقت سوا دو بج رہے ہیں۔ مجھے ابھی کچھ دیر اور رکنا ہے۔" وہ عمارت سے باہر آ کر رسٹ واچ دیکھتے ہوئے بولی۔

"مجھے تو اس وقت کوئی سواری بھی نہیں ملے گی۔"

"میری گاڑی لے جاؤ۔" وہ اگنیشن کی چابی میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "کل واپس کر دینا۔"

"فلورا سے آگ لگ جائے گی۔"

"وہ تمہارے اعصاب پر سوار ہونے لگی ہے۔" ماریا بڑبڑائی۔ پھر بولی۔ "اب تمہیں کسی پولیس کا ڈر نہیں ہوتا ہو گا۔"

"پھر بھی تو اس کی ضرورت نہیں۔ میں یہ بات کسی شریف آدمی سے کروں گا۔" میں نے ایک فوری خیال کے تحت کہا۔

"ایسا ہے تو پھر صبح تک تمہیں کسی کو فلورا کے گھر سے اٹھوانا پڑ جائے گا۔" اس نے ترش لہجے میں کہا۔

"میرے ساتھ ایسی گفتگو تمہیں زیب نہیں دیتی۔ ہاں یہ تو بتاؤ کہ گارڈ کا کیا ہوا؟"

"اسے فوری طور پر ملازمت سے برطرف کر کے حراست میں لے لیا گیا ہے۔"

"درست ہے۔ بھلا وہ کس جرم میں پکڑا گیا؟"

"فرض سے غفلت برتنے جیسا بہت بڑا جرم ہے۔"

اس کے بعد ماریا خاصی جلد ہی رخصت ہو گئی۔ یہی کہ جہاں بھی جانا ہو شاید پولیس کار سے چلا جاؤں مگر میں نے اس کی ایک نہ سنی اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

تھوڑی دیر کی تگ و دو کے بعد میں قاضی ہادی کے گھر کا راستہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اس پر چل پڑا۔ اس بار قاضی ہادی کے مکان پر غیر معمولی حفاظتی انتظامات نہیں تھے۔ میری دستک کے جواب میں فوراً ہی مستعد دربان نے پھاٹک کھول دیا۔

"قاضی صاحب موجود ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

دربان چند سیکنڈ تک مجھے اشتباہ آمیز نظروں سے گھورتا رہا پھر بولا۔ "قاضی صاحب انگلستان گئے ہوئے ہیں۔"

"وہ آ چکے ہیں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "تم اندر ان کے سیکرٹری کو اطلاع کرا دو کہ صفدر علی یہاں موجود ہے۔"

"اس وقت رات کے تین بج رہے ہیں جناب!" وہ جھکتے ہوئے معذرت آمیز لہجے میں بولا۔ "کیا آپ صبح کا انتظار نہیں کر سکتے؟"

"میرے ناوقت آنے سے بھی شاید تم یہ اندازہ نہیں کر سکے کہ میری یہ ملاقات کس قدر ضروری ہے۔" میں نے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔ "کچھ دیر پہلے میں نے قاضی صاحب سے فون پر بات کی ہے۔"

دربان نے اپنی کوٹھری سے داخلی مواصلاتی ٹیلی فون پر اندر کسی کو میری آمد و موجودگی سے باخبر کیا اور پھر پھاٹک کھول کر باہر آ گیا۔

"آپ فوراً اندر آ جائیں۔ سر!" دربان نے سراسیمگی کے عالم میں کہا۔ "مجھ سے اگر کوئی گستاخی ہو گئی ہو تو میرے سر پہ جوتے لگا لیجیے۔ لیکن خدا کے لیے قاضی صاحب سے میری شکایت نہ کیجیے گا ورنہ میں برباد ہو جاؤں گا۔"

"ابھی تو تم خود کہہ رہے تھے کہ قاضی ہادی انگلستان گئے ہوئے ہیں۔"

"ان کی واپسی بہت رازداری کے ساتھ ہوئی ہے۔ میں ان کا پرانا نمک خوار ہوں۔ میرے سوا بس دو تین ہی آدمی اس راز سے باخبر ہیں۔" وہ روش پر میری رہنمائی کرتے ہوئے بولا۔

قاضی ہادی اپنے ڈرائنگ روم میں کسی زخم خوردہ چیتے کی طرح پشت پر ہاتھ باندھے ٹہل رہا تھا۔ اس کمرے کی تمام کھڑکیوں کے پردے کھینچے ہوئے تھے۔

"آؤ۔" وہ مجھے دیکھ کر گرمجوشی کے بجائے طنز آمیز لہجے میں بولا۔ "مجھے اس وقت تمہاری آمد کی قطعی امید نہیں تھی۔"

"تم مجھ سے کچھ بڑی خفا نظر آ رہے ہو؟"

"تمہیں تھانے سے مجھے فون کرنے کی کیا سوجھی تھی؟" اس کے دل کی بات زبان پر آ گئی۔ "میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں اپنے اور تمہارے تعلقات سرکاری اہل کاروں کی نظروں میں نہیں لانا چاہتا اور تم ایسی حماقت کر بیٹھے۔"

"مگر اس سے پیشتر تمہارے مکان کی حفاظت پر مامور دستے کے کمانڈر سے یہاں میری ملاقات ہو چکی ہے۔ لہٰذا یہ کام بھی تو بے وقوفی ہی کے زمرے میں آ سکتے ہیں۔"

میری اس دلیل نے اسے لاجواب کر دیا مگر اس کے پاس ایک اور عذر تیار تھا۔ "اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ میری واپسی کو خفیہ رکھا گیا ہے۔ سیکیورٹی سے متعلق چند اعلیٰ ترین افسران کے علاوہ میرے صرف تین آدمی اس راز سے واقف ہیں۔"

"اگر اتنی رازداری برتی گئی تھی تو تمہیں فون پر نہیں آنا چاہیے تھا۔" میں نے صوفے پر دراز ہوتے ہوئے ڈھٹائی سے کہا۔

"یہیں تو یہی حماقت ہو گئی۔" وہ جلدی سے بولا۔ "میں آج صبح ہی یہاں آیا ہوں اور اسی وقت سے تم سے ملنے کے لیے بے چین ہوں۔ تمہارا نام سن کر اضطراری کیفیت میں فون پر آ گیا۔ میرا خیال تھا کہ تم نے کسی پبلک کال بوتھ سے فون کیا ہو گا۔"

"میری اتنی شدت سے تلاش کیوں تھی؟"

"اس مردود کا کوئی سراغ ملا؟"

"نہیں۔ وہ تو کوئی فرشتہ کردار معلوم ہوتا ہے۔ اس کے چکر میں مجھے اپنی ملازمت سے بھی ہاتھ دھونا پڑ گئے ہیں۔ آنے والی خبروں سے میرا آجر مجھ سے بدظن ہو گیا تھا۔" میں نے تھکے ہاتھوں اس پر اپنی صورت حال واضح کر دی۔

"اور حوالات میں تم کیا کر رہے تھے؟"

میں نے مختصر الفاظ میں اسے اپنے حوالات پہنچنے کا قصہ سنایا۔

"پھر رہائی کیسے ملی؟"

"یہی بات میرے لیے بھی حیرت کا باعث بنی — بظاہر کسی وجہ کے بغیر مجھے رہا کر دیا گیا۔"

"ٹھیک، اب تم پوری آزادی سے میرے لیے کام کر سکو گے؟"

"وہ تو ظاہر ہے۔ مگر یہ بتاؤ کہ تم اچانک کیوں لوٹ آئے؟"

"تم نے اخبار میں شمیم ہینڈرک کا قصہ نہیں پڑھا؟"

"آج کل میں اخبارات نہیں پڑھ رہا تھا۔" میں نے جواب دیا۔ "یہ شمیم ہینڈرک درمیان میں کہاں سے ٹپک پڑا؟"

"مجھے بدنام کرنے کی ایک سازش کی گئی تھی۔ شمیم ہینڈرک تارشے کی بندرگاہ پر قلی کا کام کرتا تھا۔ اسے شاید بھاری معاوضے کا لالچ دے کر یہاں لایا گیا اور میرے خلاف زہر اگلنے پر آمادہ کیا گیا تھا۔" قاضی ہادی مجھے بتانے لگا۔ "اس حرامزادے نے یہاں آ کر دعویٰ کیا کہ وہ میرا چھوٹا بھائی ہے۔ اس نے میرا اصل نام قاضان ہینڈرک اور مذہب یہودیت بتایا۔ اس جھوٹ میں مجھے کسی بڑی سازش کی بو آ رہی تھی لہٰذا مجھے یہاں آنا پڑ گیا۔"

"تو شیرین جیورک کا کیا ہوا؟"

"ہونا کیا تھا؟" قاضی ہادی نے قہقہہ مار کر بولا۔ "اسے فاتر العقل قرار دے کر پاگل خانے بھیج دیا گیا۔"

"تو اب تم واپس چلے جاؤ گے؟"

"چند دن بعد ارادہ ہے۔"

"محمود کے خوف سے تم اپنا سکون مفقود ہو گئے" میں نے اس کی اداکاری کا مزہ لیتے ہوئے کہا "مزا تو جب ہے کہ ... مقابلہ کر کے شرمناک شکست دو۔"

"مجھے صرف ایک ہی بات کی دہشت ہے۔" اس نے توقف کے بعد پہلی بار صاف دل سے اپنی ایک کمزوری کا اعتراف کر لیا۔

"وہ کیا؟"

"میں نے اسے نہیں دیکھا اور وہ مجھے اچھی طرح جانتا ہے۔ وہ کہیں بھی بے خبری میں مجھ پر وار کر سکتا ہے۔" قاضی ہادی نے متفکر لہجے میں کہا۔

"اس کا مطلب ہے ہم لوگ بھی جل کر نکل سکتے ہیں۔ فوج اور پولیس کی گرفت میں وہ مشکل ہی سے آئے گا۔"

"مگر تم تو ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں کر سکے۔"

"میں نے ایک وہ عاشقی کا ... پتا چلا ہے مگر ہر بار وہ میرے پہنچنے سے پہلے نکل چکا ہوتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کون سے ٹھکانے ہیں اس کے؟"

"ٹیکسی ڈرائیور، دو ویٹرز ہوٹل کا پتہ چل سکا ہے۔"

"ٹیکسی ڈرائیور؟" قاضی ہادی اچانک اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔ "میری بھی حقیقت پہ چھوڑ گئے ہیں۔ وہ ایک عیسائی بیرہ کا باپ ہے اور وہ تشدد پسند واقع ہوا ہے۔ ایک مرتبہ اسے کسی مقدمے میں قید بھی ہو چکی ہے۔ یقین ہے کہ محمود اسی کے پاس رہ رہا ہو۔"

"اگر اس نے ایک بار پھر دھوکا دیا ہے تو وہ انتہائی احمق ہے۔"

"وہ بہت سے مردوں پر حتمی اجارہ داری رکھتا ہے ... خاص مہارت حاصل ہے۔ اس کے بارے میں لوگ اسی وقت تک بیٹھے ہیں جب تک انہیں خود پر نہ ہو۔"

"ضروری تو نہیں کہ محمود وہیں مل جائے۔"

"ملے نہ ملے اس کا سراغ ضرور مل جائے گا۔" قاضی ہادی ایک لمحہ ... ملا چا۔ نے پر ایک پیلا ... لگا تھا۔

"تو کل تم ٹیکسی ڈرائیور پر ہاتھ ڈالو گے؟"

"کل نہیں وہ تو ابھی چڑھا کر لوں گا۔ ہم ابھی وقت وہاں چلیں گے۔ وہاں کے وقت شاید ہی اس آسانی سے ... صبح کے بجائے بیٹھے ہیں۔"

"چلو اٹھو جاؤ۔" وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھتے ہوئے بولا۔ "اس موقعی کا قصہ جتنی جلد نمٹے گا مجھے اتنا ہی زیادہ سکون ملے گا۔"

میں ناچار اس کے ساتھ چل پڑا۔ ہوٹل پریزیڈنٹ اور ... کے نام لیتے ہوئے میرے ذہن میں دور تک ایسا شبہ ... قاضی ہادی ان ناموں کو کوئی اہمیت دے گا۔ علاوہ ازیں ان مقامات پر کبھی بھی محمود سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ البتہ میں دو چار ... پر جا چکا تھا۔

قاضی ہادی وہاں سے روانہ ہوا تو اس نے ... کار منتخب کی تاکہ اندر کی کوئی چیز باہر سے نہ دیکھی جا سکے۔

ٹیکسی ڈرائیور کے پتے پر پہنچے تو وہاں سناٹا اور گہری تاریکی ... قاضی ہادی مجھے راستے میں بتا چکا تھا کہ ... اپنے دو ملازمین کے ساتھ رہتی ہے۔ ہم نے ... عبور کر کے ... کے دروازے پر پہنچے تو پتہ چلا کہ اندر لوگ بیدار ہیں ...

گھنٹی کی دوسری آواز پر مسٹر مارٹن نے دروازہ کھولا ... جہاں پر ہانٹ گاؤن موجود تھا اور اس کے ہاتھ میں پستول ...

"ہاں ہے؟" قاضی ہادی نے اندھیرے میں ... کیا مسٹر مارٹن کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر ... پریشان ...

قاضی ہادی کے سوال پر مسٹر مارٹن کا پستول ...

اور اس نے خلیفانہ لہجے میں کہا "محمود ... شاید ..."

"ہم نے آج کے لیے دو لڑکیوں کو بک کیا تھا ...

نہیں آئیں تو وقت منانے کے لیے ہم نے ایک دوست ... ادھر کا رخ کیا ہے۔"

"میں صرف کمرے کرائے پر دیتی ہوں۔"

"تمہارا کوئی کمرہ خالی نہیں ہے؟"

"بھاگ جاؤ۔ میرا وقت برباد نہ کرو۔" قاضی ہادی نے ... پر وہ اچانک چڑھ گئی اور اس نے پوری قوت سے دروازہ ... قاضی ہادی چند ثانیوں تک بند دروازے کو گھورتا ... ہاتھ تھام کر واپس ہو لیا۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔" واپسی کے دوران میں نے ...

"اگر وہ اکیلی ہوتی تو ہم زبردستی بھی اندر گھس ... کافی لوگ معلوم ہوتے تھے اور وہ خفت آمیز لہجے میں ...

"اگر محمود کا اس سے رابطہ ہے تو ہمارا ارادہ اوچھا ... کر سکتا ہے۔" میں نے اسے چڑانے کی نیت سے کہا۔

"اس وقت مجھ سے سراسر حماقت سرزد ہوئی ہے ... کو ختم کرو۔ میں چند گھنٹوں کی نیند کے بعد ہی کوئی مناسب ..."

"اگر تمہارا سونے کا ارادہ ہے تو مجھے بھی ..."

"اس وقت تم کہاں جاؤ گے؟" اس نے حیرت ...

"ایک ہوٹل جنھیں ملی ہوئی ہے ... کے آس ...

"میں تمہیں اس کے گھر پہنچا دیتا ہوں۔"

"یہ بہت اچھا ہو گا۔"

فلورا کے کالج کے سامنے مجھے اتار کر قاضی ہادی آگے بڑھ گیا۔

میں کاٹیج کی طرف چل دیا۔ وہاں ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ میں نے کئی مرتبہ ڈور بیل بجائی مگر کافی دیر تک انتظار کے باوجود کوئی جواب نہ ملا۔ اس پر مجھے تشویش ہوئی اور میں اندر داخل ہونے کا راستہ تلاش کرنے لگا۔ مجھے رہ رہ کر یہ خیال آ رہا تھا کہیں فلورا کو کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو۔

جب کوئی راستہ نہ ملا تو مجبوراً مجھے عقبی کھڑکیوں کا رخ کرنا پڑا۔ اور یہ دیکھ کر میرا دل تیزی سے دھڑک اٹھا کہ کچن کی ایک کھڑکی کا شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔

اس وقت اسرائیل کی سرزمین پر میرا کوئی دشمن نہیں تھا سوائے قاضی ہادی اور محمود — تینوں ہی سے میرے مراسم دوستانہ تھے۔ ایسی حالت میں فلورا کے گھر میں نقب زنی کرنے والے چور اچکے ہی ہو سکتے تھے۔

میں نہایت آہستگی اور ہوشیاری کے ساتھ کھڑکی کے راستے اندر پہنچا اور چند ثانیوں تک اپنی جگہ دبکا کوئی آہٹ سننے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر پورے مکان میں مہیب اور بھرپور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ میں نے دیوار پر ٹٹول کر کچن کی روشنی کر دی۔

پچھلی صبح فلورا میرے ہی ساتھ گھر سے دفتر کے لیے روانہ ہوئی تھی۔ کچن میں برتن ... جوں کے توں موجود تھے جنہیں فلورا واپسی پر شام کے وقت صاف کر لیتی تھی۔ اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ میرے ساتھ جانے کے بعد فلورا گھر واپس نہیں آئی ہے۔ اور اگر آئی تو نامعلوم فرد یا افراد نے اسے اتنی بھی مہلت نہ دی کہ وہ کچن میں آ کر بکھرے ہوئے برتن صاف کر سکے۔

میں احتیاط کے ساتھ اندر داخل ہوا اور ساری بتیاں روشن کرتا چلا گیا۔ ڈرائنگ روم میں پہنچنے کے بعد مجھے پہلے ذہنی جھٹکے کا سامنا کرنا پڑا۔ فرش سے قالین الٹ دیا گیا تھا اور سارا سامان بے ترتیبی کے ساتھ چاروں طرف بکھرا ہوا تھا۔ خواب گاہ میں پہنچا تو وہاں بھی ہر چیز الٹ پلٹ کر رکھ دی گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے نہایت بے دردی سے سامان کی تلاشی لی ہے۔

گھر کی ابتری اپنی جگہ تھی مگر میرے لیے سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ فلورا کا پورے گھر میں کہیں پتہ نہ تھا۔

... کے عالم میں دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ گھر کی حالت دیکھتے ہوئے ... کسی نے گھر کی تلاشی ... ناکامی کے بعد گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے اور جیسے ہی فلورا دفتر سے گھر واپس پہنچی اسے اغوا کر لیا گیا۔

دوسرا امکان یہ تھا کہ جب فلورا نے دفتر سے واپس آنے کے بعد گھر کی تتر بتر ہوئی حالت دیکھی ہو تو وہ خوفزدہ ہو کر کسی شناسا کے ہاں جا چکی ہو۔ اس صورت میں ایک بات ذہن میں الجھتی تھی کہ آخر فلورا نے پولیس کو اس معاملے سے مطلع کیوں نہیں کیا۔

میں مکان کی تلاشی اور فلورا کی گمشدگی کے بارے میں سوچتا رہا لیکن میرا ذہن اس پہیلی کا کوئی جواب تلاش نہ کر سکا۔ دوسری طرف میرے لیے یہ طے کرنا بھی دشوار ہو رہا تھا کہ اب میں اپنی پارٹنر فلورا کی گمشدگی کی اطلاع پولیس میں درج کراؤں یا نہ کراؤں۔

ابو مروان کے ہمراہ میں نے اسرائیلی پولیس کا رویہ دیکھ لیا تھا۔ لہذا میں نے فیصلہ کیا کہ اس معاملے میں خود کو مزید ملوث کرنے کی بجائے مجھے خاموشی سے اپنا بکھرا ہوا سامان سمیٹ کر کھسک لینا چاہیے۔

فلورا ایک سادہ سی عورت تھی۔ میرے لیے بہتر یہی تھا کہ اسے بھلا دوں۔ اس سے مجھے کوئی خاص جذباتی دلچسپی بھی نہیں تھی۔ اسے زندہ رہنا ہوتا تو وہ ہزار مشکلوں میں سے بھی نکل سکتی تھی۔ فلورا کو اس کے مقدر کے حوالے کرنے کے بعد صرف "تلاشی" کا مسئلہ رہ جاتا تھا کہ کس نے اور کیوں تلاشی لی۔ اس تلاشی کا تعلق فلورا کی ذات سے تھا یا مجھ سے!

مکان کا سامان جس انداز میں پھیلا ہوا تھا اسے دیکھ کر کوئی احمق بھی بآسانی اندازہ لگا سکتا تھا کہ سامان چوری کے لیے نہیں بلکہ تلاشی کے لیے بکھیرا گیا تھا۔ قیمتی اشیا بھی پھیلی ہوئی تھیں۔ اگر وہ کوئی چور ہوتا تو اس سامان کو ہرگز نہ چھوڑتا۔

اس علاقے میں آتی صبح سواری کی خاصی مشکل تھی۔ لہذا میں نے ضروری اشیا ایک بریف کیس میں بند کیں اور وہاں سے کھڑکی کے راستے نکل کر شہر کی طرف ہو لیا۔

کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد مجھے ٹیکسی مل گئی اور میں سیدھا کانٹی نینٹل ہوٹل جا پہنچا۔ وہاں میرا اپنا کمرہ خالی تھا لہذا میں نے دوبارہ اسی میں قیام کو ترجیح دی۔

میں نے کانٹی نینٹل میں کافی دیر تک آرام کیا پھر صبح گیارہ بجے ہوٹل سے نکل کھڑا ہوا۔ باہر آتے ہی میری نظر ایک انگریزی اخبار کی شہ سرخی پر پڑی اور میں بری طرح چونک اٹھا۔ میں نے وہ اخبار خریدا اور الٹے قدموں ہوٹل میں آ گیا۔

"ناظر آف اسرائیل" کی شہ سرخی یوسف کی خودکشی کی ناکام کوشش کی کہانی سنا رہی تھی۔ یہ سرخی پڑھ کر کئی منٹ تک یوں گھورتا رہا جیسے مجھے سکتہ ہو گیا ہو۔ پچھلی رات کسی نے تھانے میں ایک سپاہی کے ...

یوسف کی اکثری ہونی تھی لاش کا فقرہ سا تھا۔ پھر تھانے سے واپس لوٹتے ہوئے ماریا نے بھی یوسف کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا—

خبر کے مطابق یوسف نامی فلسطینی پولیس کی مسلسل اور کڑی بازپرس کے نتیجے میں ایسے مقام پر پہنچ گیا تھا کہ کسی بھی لمحے اہم ترین معلومات کا انکشاف کرسکتا تھا۔ اس دوران میں اس کے ساتھیوں نے حفاظتی شعبے کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کسی نہ کسی طرح ایک زہریلا کیپسول اس تک پہنچا دیا اور یوسف نے اس کیپسول کے ذریعے اپنی زندگی کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی جو بروقت طبی امداد کے ذریعے ناکام بنادی گئی۔

خبر کے مطابق یوسف کڑے پہرے میں ہسپتال میں تھا۔ اس پر مسلسل بے ہوشی طاری تھی۔ مگر وہ خطرے سے باہر تھا۔

یہ خبر پڑھ کر میرے سامنے بہت سی سنسنی خیز روشنی پڑی۔ تشدد نے یوسف کی قوت مزاحمت ویسے ہی ختم کردی تھی رہی سہی کسر زہریلے کیپسول نے پوری کردی۔ اگر وہ زبان کھول دیتا تو میں تو کسی سنگین جرم میں مارا جاتا اور جب اس کے خفیہ ٹھکانوں سے وہ صوتی کیسیٹ برآمد ہوتے تو میں کسی بھی طرح اپنے دفاع کے قابل نہ رہتا—

میں سخت اعصابی کشیدگی کے عالم میں ہوٹل سے نکل آیا اور ایک پبلک بوتھ سے ماریا کے دفتر کا نمبر ملایا۔

"تم اس وقت کہیں مل سکتی ہو؟" میں نے فون پر گفتگو میں احتیاط برتتے ہوئے اس سے نرم الفاظ میں درخواست کی۔

"تم کس جگہ سے بول رہے ہو؟"

"نیومون ہوٹل کے قریب ہوں۔"

"تو تم نیومون میں بیٹھو میں آتی ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

میں جس وقت نیومون میں داخل ہو رہا تھا تو اچانک عقب سے کسی نے میرے شانے پر مضبوطی سے ہاتھ رکھ دیا۔

میں تیزی سے گھوما تو مجھے روکنے والے نے مسکراتے لہجے میں کہا "کہاں گم ہو، تمہاری کھال کا جیکٹ چاہیے مجھے!"

"اچھا، اچھا!" میں نے محمود سے کہا۔ یوں غیر متوقع طور پر محمود کے کسی ہرکارے سے ملاقات ہونے پر مجھے دلی مسرت ہوئی تھی—

"وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔" اس نے میرے ہمراہ واپس چلتے ہوئے کہا۔

"تو مجھے صرف آدھ گھنٹے کی مہلت درکار ہے۔"

"اس کے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ وہ صرف تم سے ملنے کے لیے رکا ہوا ہے۔"

"تو وہ کہیں بیمار ہے؟"

"شاید" اس نے مبہم سا جواب دیا۔ "وہاں کے حالات اب قابو سے باہر ہوگئے ہیں۔"

میں سمجھ گیا کہ یہ ہنگامی صورت حال یوسف کی خودکشی کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے جو خطرات مجھے نظر آ رہے تھے محمود بھی ان کو دیکھ رہا ہوگا۔

"میں ایک بہت اہم انفارمر سے ملنے والا ہوں ذرا رک جائیے۔"

"وہ ندیم صاحب کے دستکار کی دکان میں تمہارا منتظر ہے۔"

وہ یہ کہہ کر تیزی سے پیدل چلنے والوں کی بھیڑ میں غائب ہو گیا۔ میں اعصابی انتشار کی حالت میں نیومون میں داخل ہوا۔ نگاہیں مسلسل ریسٹورنٹ کے داخلی دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ مجھے حیرت ہوئی کہ ماریا میری توقع کے برعکس بہت جلد ہی وہاں آ گئی۔

"اس خبر کی کیا حقیقت ہے؟" ماریا کے بیٹھتے ہی میں نے سرگوشی کے لہجے میں سوال کیا۔

"وہ مرچکا ہے۔ یہ خبر اس کے حامیوں میں خوف و ہراس پھیلانے کے لیے اڑائی گئی ہے۔ بس ایک لقمہ ابھی اور باقی ہے۔"

ماریا کے ان الفاظ کے ساتھ ہی میرے سینے میں رکا سانس آزاد ہوگیا۔ "اس خبر نے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔" ساتھ ہی میں نے اپنی کرسی چھوڑ دی "میں عجلت میں ہوں، زیادہ دیر نہیں رک سکوں گا۔"

"مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"جلد ہی لوں گا۔" یہ کہتے ہوئے میں تیزی سے دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ ٹیکسی پکڑی اور چند منٹ میں دستکار کی دکان پر پہنچ گیا۔ محمود کو میں نے باہر ہی سے دیکھ لیا۔ معمول اور ندیم صاحب فرش پر بیٹھے صفائی میں مشغول تھے۔ اس کی آنکھوں میں وحشت کے سائے لہرا رہے تھے۔ چہرے پر پسینے کی دھاریں بہہ رہی تھیں اور رنگ زرد پڑا ہوا تھا۔

میں اس کے قریب سے گزرتا ہوا شیشے کے دروازے والی نمائشی الماری کی طرف ہو لیا اور لاپروائی سے نوادرات دیکھنے لگا—

محمود بھی فرش صاف کرتا ہوا میرے عقب میں آگیا۔ اس کی آواز میرے کانوں میں سرگوشی بن کر آئی "یوسف نے ..."

"یوسف مرچکا ہے۔ وہ خبر ڈھکوسلا ہے۔" میں نے مڑے بغیر آہستہ سے کہا۔

"سچ؟" محمود کی آواز میں اچانک زندگی کا سمندر انگڑائیاں لینے لگا۔

"ہاں!"

"تم باہر جاؤ میں ابھی آتا ہوں۔" خاموشی سے میرے پیچھے آتے ہوئے بولا۔

میں نمائشی الماریوں کا جائزہ لینے کے بعد ناپسندیدگی کے انداز میں سر ہلاتا اس عمارت سے باہر کی طرف چل دیا اور فٹ پاتھ پر واقع مشروبات کے ایک کیبن سے کوکاکولا کی بوتل لے کر آہستہ آہستہ پینے لگا۔

محمود کو باہر آتے دیکھ کر میں نے باقی ماندہ مشروب دو گھونٹوں میں حلق سے اتارا اور پیسے ادا کر کے آگے بڑھ گیا۔ محمود سیاحتی مزدوروں کی طرح سر جھکائے تھکے تھکے قدموں سے چل رہا تھا اور میں چند قدم کے فاصلے سے اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ اس سلسلے کا اختتام ایک کثیر المنزلہ عمارت کی لفٹ پر ہوا۔

اس کے ہمراہ لفٹ میں سوار ہوگیا۔ تیسری منزل پر ہم دونوں لفٹ سے اتر گئے۔ راہداری کو خالی دیکھ کر محمود تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگا اور دوسری منزل پر پہنچ کر ایک دفتر میں گھستا چلا گیا۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی۔

وہ دفتر کیا تھا، اتفاق سے کا کوئی متروکہ معلوم ہو رہا تھا۔ بیرونی کمرہ خالی پڑا ہوا تھا۔ اندرونی کمرے میں ساگوان کی پرانی میز کے پیچھے ایک زرد رو شخص بیٹھا فائلوں کے مطالعے میں غرق تھا۔ اس کے قریب ہی فائلوں سے بھرے ہوئے ریک رکھے ہوئے تھے۔

"مالا! کر جانے کی آؤ، مجھے تقریباً گھنٹہ کی تنہائی چاہیے۔"

محمود نے تحکمانہ لہجے میں اس بوڑھے سے انگریزی میں کہا اور وہ دروازے سے چپ چاپ کسی تیر کی طرح باہر نکلتا چلا گیا۔

دروازے کے چٹخنی کی آواز کے بعد ہم دونوں نے بیک وقت بولنا شروع کیا اور بیک وقت ایک دوسرے کو موقع دینے کے لیے خاموش ہو گئے۔

محمود کے ایما پر میں نے پہلے یوسف کی خودکشی کی تفصیلات سنائیں۔ اس نے بتایا کہ اس کی کوشش سے بھی اگاہ کیا۔ وہ آدمی تفصیلی جیسی سروس کے ذریعے خود کو ختم کرنے کے لیے تیار ہے۔

تاشی ادری کی آمد کی اطلاع محمود کو پہلے ہی مل چکی تھی البتہ جب میں نے اسے ماریا کی کیسٹ ریکارڈنگ کے بارے میں بتایا تو اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ گئے۔

"ہمارے لیے یہ تشویش کی بات پیدا ہو گئی ہے۔ آخر تم کس طرح اس سے غافل ہو رہے تھے؟"

"میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ماریا ایسی حرکت کرے گی۔"

"وہ فوج کی ایک ذمہ دار افسر ہے مزاحمتی تنظیم کی نہیں — خیر وہ خود اپنی موت کو للکار بیٹھی ہے۔ فی الحال اسے چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔"

"میں نے اپنے مسئلے میں کوئی فرق نہیں آنے دیا ہے۔ ابھی اسی سے مل کر آرہا ہوں۔ اس نے یوسف کی موت کی تصدیق کی ہے۔ یہ خبر تمہاری صفوں میں خوف و ہراس پھیلانے کے لیے اڑائی گئی ہے۔"

"ہراس!" وہ بولا۔ "میرے تو چھکے چھوٹ گئے تھے اگر تم باہر بیٹھ کر کسی وقت یہ خبر پڑھ لیتے تو سو بار دیکھ لیا ہوتا۔ تب میں تمہاری سرحد کی طرف سوالیہ بن گیا ہوتا۔"

"اور باقی لوگ؟"

"سب کے سب پہلے سے تیار بیٹھے تھے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "میں آدمیوں کو ہر بار مروانے کا قائل نہیں۔"

"تو اب کیا پروگرام ہے؟"

"آج صبح اخبار دیکھنے سے پہلے تک میں نے تاشی ادری کو ایک رقعہ روانہ کر دیا تھا جس پر آج رات دس بجے کا وقت تحریر تھا۔ میں نے تو یہ منصوبہ اخبار دیکھنے کے بعد منسوخ کر دیا تھا مگر تم نے سارے اندیشے ختم کر دیئے ہیں لہذا اس رقعے پر عمل ہوگا۔"

"میں سمجھا نہیں!"

"آج رات نو بجے تاشی ادری کی زندگی کا چراغ گل کر دیا جائے گا۔"

"مگر وقت دینے کے بعد وہ اپنے مکان کو قلعے میں تبدیل کر لے گا۔"

"تم دیکھنا کہ محمود کیسے اپنا کام دکھاتا ہے!"

"دشمن کو حقیر مت سمجھو محمود۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "موت کے منہ میں دانستہ کودنا حماقت ہے۔ یہی کافی تھا کہ تم نے اعلان جنگ کر دیا تھا۔ تم اس پر کسی بھی وقت اور کہیں بھی حملہ کر سکتے ہو۔"

"تم کہتے تو ٹھیک ہی ہو۔" وہ سوچتے ہوئے بڑبڑایا۔ "مگر میں مقررہ وقت پر کوشش ضرور کروں گا۔ میرے ذہن میں پورا منصوبہ تیار ہے۔"

"ٹھیک ساڑھے چار بجے تک وہ مجھے ساتھ لے جائے گا۔ تمہارا آدمی کے بعد تو اس کا خاتمہ یقینی ہو گا۔ میرا بھی ایسی ہی سے شناسائی کا پیغام پہنچ گیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں اپنے پاس ہی روک لے۔ بس اتنا خیال رکھنا کہ کسی صورت مجھے اس کے قریب پاؤ تو تمہارے چہرے پر شناسائی کی پرچھائیں تک نہ ہونی چاہیے۔"

"ٹھیک — ایسا نہ کرنا محمود۔" میں نے کہا۔ "میں کر خائف ہو گیا۔" وہ لوگ

وردی میں ہیں۔ تمہارے کام کو تمہاری زندگی کی ضرورت ہے۔ ایسا قدم اٹھا کر تم اپنی تعمیر کے حق میں پاگل ہو گئے۔"

"میں جو کچھ کر رہا ہوں اس پر خوب غور کرنے کے بعد کر رہا ہوں میرے دوست" وہ میرا ہاتھ دباتے ہوئے بولا "اور زیادہ خطرہ ہوا تو میں پیش قدمی نہیں کروں گا۔"

"اور اب ایک بات اور سن لو" میں نے سگریٹ سلگانے کے بعد آہستہ سے کہا۔

"وہ کیا؟"

"کل صبح تم پہلے سے آج صبح ساڑھے چار بجے تک کے درمیان لوزا کے گھر کی تلاشی لی گئی ہے وہ غائب ہے میرا اندازہ ہے بچنے کے لیے اس نے کچھ سامان لے کر کار میں واپس آ گیا ہوں۔"

"اس کو ڈھونڈنے کی کوشش کر کے تم نے اچھا کیا۔ اس مسئلے پر کل غور کریں گے۔ آج رات کے لیے تو آتشی بارود کا مسئلہ بہت کافی ہے۔"

میں تم سے زیادہ سگریٹ پینے لگا ہوں اس کو دیکھنے لگا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ تنہا اور دیوانہ کی بجائے کسی ماں کی موت کو گلے سے لگانے جا رہا تھا۔

"اس طرح کیوں گھور رہے ہو۔" محمود نے دلکش مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔ وہ اب بالکل پر سکون نظر آ رہا تھا۔

"مجھے تمہارے فیصلے سے شدید اختلاف ہے۔" میں نے برملا بات اس کی روشن آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے تمہارے لئے ایسے فیصلے کرنے پڑتے ہیں اضطرار۔"

"اگر تم ناکام ہو گئے؟"

"میں کامیاب ہو گیا تو آئندہ کوئی بدمعاش یہودی آتشی بارود کو میرے سادہ لوح بھائیوں کو فریب دینے کی جرأت نہ کر سکے گا اور اگر میں ناکام رہ گیا تو بڑا نقصان ہوگا۔ مگر میری موت نہ جانے کتنے دلوں میں عزم اور حوصلے کی لہر دوڑا دے گی۔"

"اسرائیل کی سرزمین پر اس وقت صرف تمہارا گروپ موثر طور پر کام کر رہا ہے۔ تمہارے بعد یہ منصوبہ بندی کون کرے گا؟"

"لوگ مر جاتے ہیں مگر مقصد زندہ رہتا ہے۔" وہ جذباتی لہجے میں بولا "میں تم سے درخواست کروں گا کہ اس بارے میں مجھ سے بحث نہ کرو۔"

"یعنی آج رات تم ہر قیمت پر آتشی بارود کے ذخیرے تک پہنچنے کی کوشش کرو گے؟" میں نے دھیمی آواز میں سوال کیا۔

اس نے زبان کھولے بغیر اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"میں کوشش کروں گا کہ اس وقت تم آتشی بارود کے ساتھ ہو اور شاید موقع ملنے پر میں تمہاری مدد کر سکوں۔"

"اب ایک دلچسپ بات پر غور کرو۔" وہ ایک دم مسکراتے ہوئے بولا۔ "وہ کیا؟"

"یوسف کے معاملے میں تم نے کوئی خاص بات نوٹ کی؟"

"نہیں۔" میں نے ایمانداری سے جواب دیا۔ "واقعات اتنی تیزی سے پیش آ رہے ہیں کہ کچھ سوچنے کی مہلت ہی نہیں ملتی۔"

"نہیں یاد ہو گا کہ جب یوسف گرفتار ہوا تو خیال تھا کہ خود کشی کی جو ڈرامہ خبر شائع ہوئی تھی۔" اس نے تصدیقی لہجے میں کہا۔

"ہاں یاد ہے۔" میں نے جلدی سے کہا "حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ یوسف کو مہلت دیے بغیر زہر بھرے کیپسول والی انگوٹھی چھین لی گئی تھی۔"

"دوران ہی اخبارات نے اب دوبارہ اس کی ناکام خود کشی کی خبر نمایاں انداز میں شائع کی ہے۔" وہ انگلیوں سے میز بجاتے ہوئے بولا۔

"وہ یوں کہ پہلے سے معلوم ہوتے ہیں خود کشی سے غلط ہے الزام میں اسرائیلی پولیس اسٹیشن کا انچارج بھی معطل کر دیا گیا ہے جہاں یوسف لاک اپ میں رکھا گیا تھا۔"

"پہلے وہ بھی یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ یوسف نے خود کو اسے گھونٹ کر ہلاک کرنے کی کوشش نہ کریں اور پولیس تفتیش کی زبان کھلوانے کی کوشش کر رہی ہے مگر اس کے بجائے نوجوان نے زہر کھا لیا تو اب وہ دونوں گھبرا گئے ہیں۔ شاید وہ ان کے گروہ میں اپنی کوششوں میں ناکامی کا یقین دلا کر تفتیش پر تشہیر کرنا چاہتے ہیں۔"

"پولیس سیشن میں یہ بیری کی موجودگی میں ایک اسپتال ہی میں خود کشی کی کوشش کی خبر دی تھا اور پھر رات کے سوا وہ معلوم صورت حال پر قرار تھی۔"

"اخبارات کا یہ انداز ظاہر کرتا ہے کہ وہ عوام سے اپنی ناکامی چھپانے میں اپنے عوام میں سرکاری اطلاعاتی اداروں کی ساکھ کی پرواہ کیے بغیر وہ ہمارے گروپ کو ہراساں کرکے۔" اس نے پر جوش لہجے میں کہا۔

"اس سے تم کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہتے ہو؟"

"ہماری وہ پیادہ لیکن کار دانا اس وقت ____ ہمارا راز کام ختم بہت جلدی ہو جانے کا امکان ہے۔ اس سلسلے میں کل اس سے بات کر رہا تھا۔"

اسی وقت دفتر کے دروازے پر ایک ہلکی سی دستک ہوئی۔ محمود نے گھڑی کی سرخ سوئیوں کی طرف دیکھا اور بولا "ادھر سے..."

سارا جواب نکال دیا۔ ... دستک کی آواز دونوں کی سنائی دی اور محمود نے قفل سے چابی گھمانے کی آواز کے ساتھ ہی دروازہ کھولا۔ پولیس کا سپاہی نکل گیا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے کسی قدر جواب دیا "کھلے ہوئے دروازے کی طرف" میں زندہ رہا۔

"آ جاؤ۔" یہ کہتے ہوئے محمود نے کرسی چھوڑ دی اور میں نے بھی اس تقلید کی۔ وہ زرد رو تھا۔ وہ اندر آیا جیسے اسے خود شرمندہ ہو کر کسی کرسی پر بیٹھنے کی ذرا بھی فکر نہ ہو۔ اس نے تو محسوس کیا یہ یقینی سے باہر چھپا لے گا۔

"زیتون کے درخت..." میں اچھے نہیں لگ رہے۔ زرد رو بولا "ایک مالکوں کی بیٹی کے عقب رہتا ہے۔ ایسی کرسی سنبھالتے ہوئے بولا۔"

"ان درختوں کے پیچھے... یہ تو چھپ گئی ہے۔" محمود نے اس کی طرف متوجہ ہو کر آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

"تو نہیں گیا ایک بیوپاری کا خریدار کی بیوی جو دلچسپی لے رہا ہے؟"

"مجھے جلد از جلد پیسہ چاہیے۔ حقیقی جلدی کی ضرورت ہے۔"

"بہت بہتر جناب۔ میں اسے ابھی بتا دیتا ہوں۔" بوڑھے نے ادب سے کہا اور محمود مجھے کمرے سے باہر نکل گیا۔

زرد رو نے خاموشی میں پیچھے اترتے ہوئے گاڑی کا انداز بیان کیا اور میری طرف دیکھا۔ وہ بہت جلد زیتونوں کی طرف بڑھ گیا۔

میں تنہا کچھ دیر انتظار کرتا ہوا محمود کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس کی شخصیت کے کئی پہلو تھے مگر جو پہلو اس کے سامنے ظاہر ہوتے تھے وہ انسانوں کے دشمنوں کے مرکز میں صفائی سے کیا تھا۔ زیتون کی تجارت بھی اور ایسی تو رات ہوئی وہ گھر جا چکا تھا اور آنے والی رات میں وہ بڑا ایک آتش روپ دکھانے والا تھا۔

اس تجارت سے الگ کر کے آتشی بارود کی طرف دیکھا۔ وہاں مخالف اپنے معمولی گرد آلود یا جنگلی صورت حال نظر آتی جس کی بنا پر کہ اس کا جواب نہ تھا۔

آتشی بارود کے مکان کے پیچھے اس وقت بھی رات والا تھا موجود تھا۔ مجھے دیکھتے ہی پہچان گیا اور مجھے اندر جانے کی اجازت دے دی۔

چند منٹ کے انتظار کے بعد آتشی بارود کی نشست گاہ میں آ پہنچا کہ کسی نے شراب کی بو آ رہی تھی۔ آنکھوں میں خمار کے سرخ ڈورے تھے۔ مگر اس کے قدموں میں ذرا بھی لغزش نہیں تھی۔

"کیا تم نے شراب پی ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے اپنا سینہ پیش کرتے ہوئے تو کہنے سے شرما گیا۔

"وہ ولیم آلفرڈ کا ہے مقصد!" وہ قریب آ کر میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "اس کے بچے میں نے کل رات ... موجود تھے مگر ان کے حوالے نہیں کیا تھا۔ کیا تمہیں ان سے بیر ہے؟ کیا بھنک مل گئی ہے؟"

"کیسے؟ محمود کو؟" میں نے مصنوعی حیرت سے سوال کیا۔

"ہاں۔" وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا "مجھے ایک گمنام اطلاع ملی ہے جس پر آج رات لو بجے تحریر تھا۔"

"اس کا کیا مطلب ہوا؟"

"اگر وہ مرد کا بچہ ہوا تو آج رات لو بجے مجھ پر وار کرے گا اور اگر بزدل ہوا تو بے خبری میں کسی وقت بھی گھات لگائے گا۔"

"پیغام کس وقت ملا؟"

"صبح جب بجے تک تو ہم دونوں ساتھ ہی تھے۔ آٹھ بجے کے قریب ملا اور مجھے یقین ہے کہ وہ ذلیل نامہ محمود نے ہی لکھا ہے۔"

"تمہیں کس طرح ملی؟"

"ہاں تمہیں گرفتار کیا اور اس کی اطلاع مارکس نے مجھے پہچان کر اسے خبر پہنچائی ہو گی۔ ورنہ پورے ہمارے علاقے میں چار کے سوا کوئی باہر کی آدمی کو میری دلچسپی کا علم نہیں تھا۔"

"تو کیا وہ بار سے غائب ہو گئی ہے؟"

"غائب۔" وہ چمکی سے گردن سے اعلیٰ انداز میں ہنسا۔ "وہ لوتھی تحویل میں ہے اور جسے تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ تم جانتے ہو۔ گرفتاروں کے سلسلے میں عورتیں مردوں کے مقابلے میں بہتر انداز سے تبادلہ بات کرتی ہیں۔"

"مجھے تو شبہ ہے کہ محمود تمہارے ساتھ کوئی گہری چال چل رہا ہے۔ وہ اتنا احمق نہیں کہ تمہیں وقت دے کر خود ہی تمہارے دام میں آ پھنسے۔"

"خیال تو میرا بھی یہی ہے۔" وہ پرسوچ لہجے میں بولا "مگر اس جنون سے ہر بات کی توقع کی جا سکتی ہے۔ دھمکی ملنے کے بعد سے میرے حفاظتی پہرے سخت کر دیے گئے ہیں۔"

"احتیاطی تدابیر تو ہر صورت ضروری ہیں۔"

"تل ابیب کے گیریژن کمانڈر، بریگیڈیئر موشے ڈین نے میری حفاظت کی ذمہ داری قبول کی ہے۔" وہ فخریہ لہجے میں بولا۔

"مگر مجھے تو یہاں کوئی بھی نظر نہیں آیا۔"

"حفاظتی دستہ رات نو بجے تک تعینات کیا گیا ہے۔ میرے مکان کی طرف آنے والے تمام راستوں پر خفیہ الیکٹرونک آلات نصب کیے گئے ہیں جو کسی بھی ذی روح کا سراغ لگا سکتے ہیں۔ ان آلات کی زد سے بچ کر کوئی ادھر نہیں آ سکتا۔"

"اور اگر اس نے چاقو خنجر یا ایسا ہی کوئی ہتھیار استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا تو کیا ہوگا؟" میں نے لاپرواہی کی نیت سے کہا۔

وہ شخص اس چیخ کر اضطراری انداز میں صوفے سے اٹھ گیا اور مریراتی ہوئی تیز آواز میں بولا۔ "مجھے ہراساں نہ کرو۔ صفدر میرے اعصاب بکھر کر رہ جائیں گے۔"

"میں تمہاری سلامتی کا خواہش مند ہوں۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں کوئی خیالی خطرہ پیدا نہیں کر رہا ہوں تو ایک بالکل سامنے کی معمولی ترکیب ہے اور یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ آس پاس کے ہی کسی مکان میں اس وقت موجود ہو۔"

اس نے بے اختیار اپنی کنپٹیوں کے بال اپنی مٹھیوں میں جکڑ لیے "میں کیا کروں، کہاں جاؤں، میرے لئے تو وہ ایک بے نام عذاب ہے بتاؤ صفدر میں اسے کہاں تلاش کروں۔ خدا کی قسم وہ مل جائے تو میں اپنے ہاتھوں سے اس کا نرخرا چبا ڈالوں گا۔" اس کی سرخ آنکھیں وحشت زدہ انداز میں قدرے کشادہ ہو گئی تھیں اور وہ چونکے انداز میں میری طرف نگراں تھا۔

"مگر ذہین کا مجرم نے ان سارے امکانات پر غور کر لیا ہو گا۔" میں نے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے کہ اس نے تمہیں پوری تفصیلات نہ بتائی ہوں۔"

"اس کا کیا بگڑے گا؟" وہ بپھر کر بولا۔ "اگر محمود اس کو چیلنج دینے میں کامیاب ہو گیا تو مارا تو میں جاؤں گا۔ مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کیا کر رہا ہے؟"

"وہ تم نے تو حل کر دیں اس سے بات کر لینا۔" میں نے اسے تسلی دی۔

"میری عقل ماؤف ہوتی جا رہی ہے۔ میں نمبر دیتا ہوں کا نمبر ملاتا ہوں تم اس سے بات کر لو۔" وہ صوفے پر بیٹھ کر ٹیلیفون اٹھاتے ہوئے بولا "تمہاری بات اور ہے۔ میری دخل اندازی کو وہ اپنی ہتک نہ سمجھ بیٹھے۔"

اس نے جھلا کر ٹیلیفون ریسیور والا پیرو سے مارا اور اس کی کرچیاں اور آلات بکھر گئے۔ "میں کسی پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ میں نے اسرائیل کے استحکام کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کیا ہے اور جب میری سلامتی کا سوال آیا ہے تو وہ مجھے اس قابل نہیں سمجھتے کہ مجھے اعتماد میں لے کر حفاظتی انتظامات سے باخبر کریں۔" پھر وہ کسی فوری خیال کے تحت تیز سرگوشیانہ انداز میں بولا۔ "مجھے تو شبہ ہونے لگا ہے کہ وہ مجھے چارہ بنا کر محمود کو پکڑنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک میری سلامتی سے زیادہ اہم مسئلہ محمود کی گرفتاری ہے۔"

موت کو پنجے اس پاس منڈلاتے ہوئے محسوس کر کے قاضی ہادی کی عیاری اور مکاری خوف کے ریلے میں بہہ گئی تھی اور وہ مجھ سے اپنے تعلقات کے بھرم کا لحاظ کئے بغیر اعتراف کر بیٹھا تھا کہ اس نے اسرائیل کے لئے قیمتی خدمات سرانجام دی ہیں مگر میرے لئے وہ ابھی موقع نہیں تھا کہ میں اس کی گرفت کرتا۔ میرا اصل مقصد یہ تھا کہ اس کا سہارا لے کر عمارت کے دشمنی اور اعصابی طور پر اسے کمزور کر تاکہ محمود اس تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے تو اسے بے خبری میں کر لی جائے۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ گمنام تحریر محمود کی طرف سے نہ ہو۔" میں نے اسے مزید بے یقینی میں مبتلا کرنے کی کوشش کی

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا ہوں۔ وہ تحریر محمود کی جانب سے ہی ہے تحریر سے حاصل ہے پھر سب سے بڑی بات یہ کہ جو چند افراد یہاں وشیلی کے راز سے واقف تھے ان میں سے کوئی بھی ایسے خطرناک مذاق کی جسارت نہیں کر سکتا۔"

"بہرحال میں تمہاری ہر خدمت کے لئے تیار ہوں۔ تمہارا تجربے سے اختلاف نہیں کر سکتا۔" میں نے کہا۔

"تم تو اسے پہچان ہی لو گے!" چند ثانیوں کی چپ کے بعد اس نے امید بھرے لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"اگر وہ اپنی اصلی صورت میں آیا تو میں اسے ضرور پہچان لوں گا۔"

"پھر وہی بے یقینی۔" قاضی ہادی جھنجھلا کر بولا۔ "تمہارا تجزیہ میرے خوف میں اضافہ کرتا جا رہا ہے۔ وہ تو شکلیں بدلنے میں ماہر ہے۔ ممکن کر سکتا ہے۔ وہ ... چہرہ تو بدل سکتا ہے مگر اپنی آنکھیں نہیں بدل سکتا۔ ان میں سے روشنی جھلکتی محسوس ہوتی ہے۔"

"آنکھوں کی بنا پر بے شک وہ نہیں چھپ سکے گا۔" میں نے کہا۔ "معلومات ... نے کبھی بھی اور کسی سے بھی محمود کی ... تذکرہ نہیں کیا تھا۔ یقینی طور پر یہ معلومات مجھ سے مشین کے ذریعے اگلوائی گئی ہوں گی۔ اور پھر کسی کے ذریعے قاضی ہادی تک پہنچی ہوں گی۔"

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اب تم مجھے کس طرح بچاؤ گے۔" قاضی ہادی اپنی غرض اور ... صاف کرتے ہوئے بولا۔ "جو بھی مشکوک شخص نظر آئے اسے گولی مار دو۔"

"اول تو وہ غیر مسلح ہو اور فوجیوں کے نشانے اور آلات سے بچ کر یہاں تک نہ پہنچ پائے۔" میں نے جواب دیا۔ "ہتھیار بھی وہ تو ... فراخ دلی سے ... اسرائیلی پولیس فرصت میں مجھے برقی کرسی پر بٹھا دیں گے۔"

"میں تمہاری آزادی کا ذمہ لیتا ہوں۔" وہ ... "تم تو میرے یار ہو آج کے دن تو میرے معمولی ملازم گلا جو کاٹیں ..."

"مگر تمہارے ملازمین کہاں ہیں؟"

"وہ سب اپنی بیٹی کو ہو سکتا ہے چھپے ہوئے ہیں۔ آج پوشیدہ ہو کر میرے مکان کے چپے چپے کی نگرانی کر رہے ہیں۔ نگران سب سے زیادہ مجھے تم پر اعتماد ہے۔"

اس کے بعد وہ مجھے ساتھ لیے اپنی خواب گاہ میں پہنچ گیا۔ وہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے شراب پئے جا رہا تھا۔ کثرت شراب نوشی کے سبب اس کے ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو گیا تھا۔ چلتے ہوئے سہارے کی ضرورت پیش آ رہی تھی مگر اس کا دماغ بدستور کام کر رہا تھا۔

وہ پہر کو کھانا میرے ساتھ ہی کھایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر قاضی ہادی نے اشارہ کیا۔ وہیں کا ایک ورنی پستول نا تعقل کو بیوہ سیٹ میرے حوالے کر دیا۔

گئی نے کے بعد خواب گاہ میں مے نوشی کا اگلا دور شروع ہوا تو میں نے بھی قاضی ہادی کا ساتھ دیا اور اسی دوران میں اچانک مجھے اپنے چچا کے متعلق ایک تفریحی جہاز کا خیال آ گیا۔

"تمہارا ذاتی جہاز ہے کوئی؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"چھوٹا سا لیکن خوبصورت جہاز ہے۔" وہ سرور کے عالم میں بولا "تجربہ دم کے گرجے پانی بندرگاہ اسیب کے قریب ہی ایک گھاٹ پر لنگر انداز رہتا ہے۔"

"اس کی سیر تو میں ضرور کروں گا۔"

وہ اچانک خاموش ہو گیا۔ لبوں کی طرف بڑھتا ہوا ولائتی کا جام جہاں تھا وہیں رک گیا اور اس کی قدرے ورم آلود سرخ نگاہیں خلا میں کسی نکتے پر ٹک گئیں۔

"کیا سوچنے لگے؟" سکوت کو طول پکڑتے دیکھ کر میں نے اسے ٹوکا۔

"کیوں نا ہم یہ موسم اسی بات پر گزاریں؟" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں دھیمے سے کہا۔

"خیال اچھا ہے۔" میں نے اوپری دل سے کہا۔ محمود قاضی ہادی کے مکان سے واقف تھا اور اپنی جان پر کھیل کر رات تو یہ وہاں پہنچنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اگر قاضی ہادی اپنا مکان چھوڑ کر ساری شام جہاز پر ہی گزار دیتا تو وہ محض یہ کہ خود کو محفوظ کر لیتا بلکہ محمود کے پھنسنے کے امکانات بہت زیادہ بڑھ جاتے۔

"اچھا تمہارا بھی یہی خیال ہے۔" وہ مسرت آمیز لہجے میں بولا۔ "جب میں بار بار اپنے خون کے ساتھ شراب بھی دوڑنے لگتی ہے تو میرا ذہن بہت کام کرتا ہے۔"

"کس وقت تو مجھے تمہاری بات ناشن ہی پڑے گی۔" میں نے ... "تمہارے سوا اس پروگرام کا کسی کو علم نہ ہو گا۔ ہم کسی کو ... سے منہ بسیرا سے جائیں گے اور محمود اگر فوجیوں کے ہاتھ سے زندہ بچ نکلا تو وہ پھر پچھتا رہ جائے گا۔" اپنی اس تجویز پر وہ بہت زیادہ مطمئن نظر آنے لگا۔

"ہو سکتا ہے کہ بریگیڈیئر تیمور تمہیں اس کی اجازت نہ دے۔"

"وہ کون ہوتا ہے اجازت دینے یا نہ دینے والا۔" قاضی ہادی بپھر کر بولا۔ اور اس نوک کے پٹنے سے جھلا میں کیوں پوچھنے لگا۔ اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو گی کہ میں کب اور کہاں نکل گیا۔

"اس کے آدمی اس کو خبر نہیں دے سکیں گے؟"

"تم کو شراب چڑھ گئی ہے۔" وہ جھلا کر بولا۔ "احمق آدمی آج میرے مکان میں اس کا کوئی شخص موجود نہیں ہے۔ انہوں نے یہاں آنے والے راستوں پر خفیہ مورچے لگائے ہوئے ہیں میں اپنے بیکٹری کی گاڑی لے کر صاف نکل جاؤں گا۔"

"چیکنگ میں کیا ہو گا؟"

"وہ صرف آنے والی گاڑیوں یا آدمیوں کو روکیں گے جس کے بارے میں آتشگیر مادے کا سراغ لگانے والے الیکٹرونک آلات حرکت میں آئیں گے۔"

"تو ہم یہاں سے چپتے روانہ ہوں گے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا

"سی ہاک پر ہتھیاروں کا زبردست ذخیرہ ہر وقت موجود رہتا ہے۔ وہ قاضی ہادی کا جہاز ہے کسی اول جلول کا نہیں۔"

وہ جانے پر تل ہی گیا تھا لہٰذا میں نے دانستہ ایک متوقع خطرے کی نشاندہی نہیں کی۔ جس سے کہ کسی صورت میں ایک موہوم سی امید یہ تھی کہ شاید محمود کوئی سراغ پا کر جب راستے ہی میں قاضی ہادی کا پیچھا ہو جائے اور غیر مسلح قاضی کو آسانی سے ٹھکانے لگا دے۔

قاضی ہادی نے مجھ سے پستول اور ٹائفل واپس لے کر الماری میں منتقل کر دیئے اور لباس تبدیل کر کے عمارت سے باہر آ گیا۔ عقبی گیراج میں اس کے سیکرٹری کی سیاہ ڈاج کار موجود تھی۔ قاضی ہادی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر انجن اسٹارٹ کیا اور تاریک شیشوں والی وہ لیموزین کار سنگتی ہوئی باہر نکل گئی۔

قاضی ہادی کا اندازہ درست ہی ثابت ہوا۔ نہ کار کی پہچان کی گئی نہ تاریک شیشوں کے باعث اسے دیکھا گیا۔ گاڑی میں اسلحہ نہ ہونے کی صورت میں برقی آلات بھی ساکت رہے ہوں گے کیونکہ ہمیں روکا نہ گیا تھا نہ تعاقب کیا گیا اور گاڑی شہر کے معروف ترین علاقے میں داخل ہو گئی۔

تقریباً پچاس منٹ تک یہ سفر جاری رہا۔ باہر ڈھلتے ہوئے سورج کی تیز کرنیں چمک رہی تھیں۔ مگر کار کے اندر ایئر کنڈیشنر کی وجہ سے تمام ارام دہ موسم برقرار تھا۔ ہم دونوں اپنے اپنے خیالات میں الجھے ہوئے تھے۔ مجھے رہ رہ کر محمود کی بدنصیبی کا احساس ستا رہا تھا۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ میں کسی نہ کسی طرح اسے ہوشیار کر دیتا کہ وہ قاضی ہادی کے گھر کا رخ نہ کرے جہاں اس کے لئے موت دام بچھائے تیار تھا اور

اس کاشکار زیرو روم میں اپنی نجات کا جشن منانے جا رہا تھا۔

ویران اور بے آب و گیاہ ٹیلوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی ساحلی سڑک سے گزرتے ہوئے اچانک قاضی ہادی نے آگے اشارہ کیا اور مجھے ٹیلوں کی اوٹ سے سی ہاک کی سفید چھپاں وغیرہ نظر آنے لگیں۔ ہماری منزل مقصود بہ لحظہ قریب آتی جا رہی تھی۔

پھر سرسبز علاقہ شروع ہو گیا مگر ویرانی وہاں بھی رچ رہی تھی۔ آخر کار ہم لوگوں کی سڑک سے ہو ہیٹ کی سڑک پر اترے اور کھپریل کی چھت والے ایک خوبصورت ہٹ سے ملحقہ گیراج میں گاڑی جا رکی۔ ہٹ کے چوکیدار نے حیرت، مسرت اور احترام کے ملے جلے تاثر کے ساتھ ہم لوگوں کا استقبال کیا۔ ہٹ کے عقب میں سمندر کی موجوں پر سی ہاک کسی بہت بڑے سفید پرندے کی طرح ٹھہرا ہوا تھا۔ ساحل سے جہاز تک پہنچنے کے لئے کنکریٹ کے ستونوں پر ہٹ کے عقبی حصے سے قدرے گہرے پانی تک ایک پختہ پلیٹ فارم بنا ہوا تھا۔

"جہاز پر سب لوگ موجود ہیں؟" قاضی ہادی نے چوکیدار سے سوال کیا۔

"نو جناب!"

"ہم اسوالڈ سے کہو کہ اپنے آدمیوں کو روانگی کے انتظامات کی ہدایت دے کر میرے پاس آئے۔" قاضی ہادی کا لہجہ بدلا ہوا اختیار تحکمانہ جا کر بولا ہوا تھا۔

"ہٹ کھول دوں جناب؟"

"نہیں میں یہیں رکا ہوا ہوں۔ ہمیں جلد از جلد روانہ ہونا ہے۔" قاضی ہادی نے خشک لہجے میں کہا۔ "واپسی میں یہ ہٹ کے دروازوں کو کھول لینا۔"

"بہت بہتر جناب۔" چوکیدار یہ کہہ کر چلا گیا۔

"کون سی برتھ کے دروازے کھلوا رہے ہیں؟" میں نے قاضی ہادی سے پوچھا۔

"سی ہاک ساٹھ فٹ چوڑی سونا ڈرافٹ جہاز ہے۔" قاضی ہادی نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "اس وجہ سے وہ ساحل پر نہیں آ سکتا۔ ہاں ٹگ بوٹ اور جہاز آ جاتے ہیں گہرے پانی میں لنگر انداز ہوتے ہیں۔ سی ہاک تک پہنچنے کے لئے میں نے اپنے ہٹ کے عقب سے گہرے پانی تک تقریباً سو فٹ طویل پلیٹ فارم بنوایا ہے۔ چونکہ سی ہاک پلیٹ فارم کے آخری سرے سے آگے لنگر انداز ہوتا ہے اس لئے ہم لوگ برتھ کی طرف جا رہے ہیں۔"

"تو وہ ہٹ کے دروازے؟"

"ہٹ کی چھت سے پلیٹ فارم کو ایک بند راہداری سے ہوتا ہے جس پر دو دروازے ہیں۔ ان سے گزر کر ہی پلیٹ فارم پر پہنچنا ممکن ہے۔"

"سمندر میں ڈوبے ہوئے ستونوں کے سہارے [illegible] فارم تک رسائی ہو سکتی ہے۔"

"وہ [illegible] کوئی تخریب کار ہی استعمال کرے گا۔" [illegible] اچھالا کر بولا۔ "میرے یا سمندر سے پانی میں تیر کر ستون [illegible]"

"یعنی تمہارا کوئی دشمن کوشش کرے تو [illegible]"

میں نے اظہار مختصر گفتگو میں سے ایک نکتہ نکالا [illegible]

"جہاز پر ستر و آدمی رہتے ہیں۔ ان کی آنکھوں [illegible] امکانات میں سے ہے۔" وہ سیدھا تن کر بولا۔ جب [illegible] پیر بھی نہ نکالی جائے کوئی مائی کا لال اوپر نہیں جا سکتا۔"

"تم اپنے حفاظتی انتظامات کو بہتر [illegible] مجھے [illegible] سے تنا نے اچکا کر جواب دیا۔ "تو یہ بھی ممکن ہے۔ [illegible] بنا لیتے اور پھر کسی کا خیال بھی نہ جا سکے گا۔"

"سی ہاک [illegible] ہے۔ اس سے پہلے [illegible] اپنے دفاع کے لئے یہی ترکیب کامیابی سے آزما چکا ہوں۔"

"او وہ یہ مجھے معلوم نہیں تھا۔"

"اس سرحد کی تو [illegible] اسرائیل جنگ سے [illegible] عام [illegible] کو بیں نے اسرائیل کے قیام کیا [illegible] مسلم اور یہودی [illegible] فلسطینی [illegible] پر [illegible] نظر [illegible] کی [illegible] پھول [illegible] گئے تھے۔" قاضی ہادی مجھے [illegible] سرحدوں کے راستے وہ اسرائیل میں مقبوضہ [illegible] سے بچنے کے لئے سی ہاک پر پولیس کی [illegible] چل سکا کہ میں کہاں غائب ہوا۔ [illegible] پھر کئی ان دو دنوں میں اسرائیلی سرحد [illegible] دی گئی جس پر دہشت پسند ہونے کا شبہ تھا اور [illegible] ریاست کے نام پر دہشت گردی کرنے والے اسرائیلی [illegible] کی ہمت نہ کر سکے۔"

"مگر اب محمود کے آدمی تعاقب میں سرگرم ہو گئے [illegible] مجھے تو اس کی زندگی کی آخری ساعت معلوم ہو [illegible] ساعت بنا کر بولا۔

اسی اثنا میں سی ہاک کا کپتان اسوالڈ چوکیدار [illegible]

"گڈ ایوننگ سر!" اس نے بڑی مفید مخصوص [illegible] احترام کے ساتھ نپے تلے انداز میں قاضی ہادی کو سلام کیا۔

"ایوننگ" قاضی ہادی نے بڑی گرم جوشی کا [illegible]

"سی ہاک پر ایندھن اور خوراک کی صورت حال کیسی ہے؟"

"کھلے سمندر کے لئے ایک ماہ کا راشن اور [illegible]"

[illegible] اطلاع دی [illegible]

[illegible] قاضی ہادی [illegible] ٹھیک ہے [illegible] کر ادا کی [illegible]

کی خوشی [illegible] تھی۔ جو [illegible] قاضی ہادی نے گاڑی کی چابی چوکیدار کی طرف اچھال دی [illegible] سے جھٹکا دیا۔ مجھے [illegible] اور اسوالڈ کے ہمراہ ہٹ کے عقبی [illegible] ہدایت دے کر وہ میرے [illegible]

[illegible] حصے کی طرف چل دیا۔ [illegible] جگہ پہنچنے کے [illegible] سی ہاک [illegible] جہاز [illegible] تعمیر کیا گیا تھا وہ بہت مضبوط اور محفوظ تھا۔ [illegible] ریلنگ لگی ہوئی تھی اور فرش سے تقریباً چھ فٹ نیچے [illegible] تھیں۔

[illegible] پلیٹ فارم کے اختتام پر جہاز سے آہنی سیڑھی حفاظتی [illegible] نیچے جھک رہی تھی۔ اور عرشے پر ایک گن مین پلیٹ اور [illegible] کی نگرانی کر رہا تھا۔

[illegible] سیڑھی [illegible] اسوالڈ نے قاضی ہادی کی کمر کے گرد بیلٹ ڈال [illegible] جھرا نیلون کا مضبوط رسی بیلٹ کے ایک فولادی ہک میں پھنسا دیا۔ [illegible] کا دوسرا سرا عرشے سے پر چلتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ قاضی ہادی کے اوپر [illegible] کے ساتھ رسی بھی اوپر کھینچی جاتی۔ اور جب اس نے آخری [illegible] سیڑھی پر اس نے حفاظتی انتظام کے ساتھ اوپر چڑھنا چلا گیا۔ آخر میں اسوالڈ بھی اوپر آ گیا اور سیڑھی حفاظتی نظام کے ذریعے اوپر [illegible] کھینچ لی گئی۔

"جہاز پر تین بے حد حسین اور پری جیسی لڑکیاں بھی موجود ہیں۔" قاضی ہادی نے میرے ساتھ اپنے کیبن کی طرف جاتے ہوئے میرے کان میں سرگوشی کی۔

"مجھے حیرت ہے کہ ایسے پر آشوب حالات میں بھی تمہیں ان چیزوں کا ہوش ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس کی تعریف کی۔

جواب میں اس نے زندگی سے بھرپور ایک قہقہہ لگایا۔ "بد ترین حالات اور مسائل ذرا سی دیر میں پیچھے رہ جائیں گے۔ سی ہاک پر آزاد ہوا حسین وقت زندگی فراموش نہ کر سکو گے۔ یہ سب جہاں سی ہاک کا [illegible] منتظر [illegible]"

"کیبن میں جانے سے پہلے ایک بار عملے کے سارے افراد کو اپنے سامنے بلواؤ۔" میں نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔

"وہ کیوں؟" اس نے تعجب سے بھویں اٹھا کر سوال کیا۔

"احتیاطاً۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ ہم ابھی سب کو میٹنگ روم میں بلوا لیتا [illegible] کہہ کر وہ اسوالڈ سے مخاطب ہو گیا۔

دراصل قاضی ہادی کی لاپروائی نے مجھے بہت زیادہ پریشان [illegible]

بنا ہوا تھا۔ وہ جس خاموشی اور رازداری سے سی ہاک کی طرف آیا تھا اس کے پیش نظر اس بات کی موہوم سی امید بھی نہیں رہی تھی کہ محمود کو اس بار اعظم کی نئی چال کا علم ہو گیا تھا۔

محمود کے سلسلے میں مجھے یہ بات یقینی نظر آتی تھی کہ وہ اب بھی قاضی ہادی کے قتل کی کوشش کرے گا اور [illegible] گا۔ مگر میری خواہش یہ تھی کہ اگر محمود اس پر ہاتھ ڈال سکے تو میں اپنے ہی طور پر اس راز کو کھلی جا سکوں۔ ورنہ میرے لئے قاضی ہادی کو قتل کرنا بہت آسان تھا مگر اصل مسئلہ قتل کے بعد پیدا ہوتا تھا۔

میں نے جس وقت اسے عملے کو طلب کرنے کی تجویز پیش کی تو میرے ذہن میں اس وقت یہ خواہش جنم لے چکی تھی اور میں اس بہانے یہ جاننا چاہتا تھا کہ سی ہاک کے ستر افراد میں کسی ایسے شخص کا جائزہ لے سکوں جسے ساتھ ملا کر میں مقررہ وقت پر قاضی ہادی کو ٹھکانے لگا سکوں اور خود میری ذات شبہ سے بالاتر رہ سکے۔

اسوالڈ کو ہدایات دینے کے بعد قاضی ہادی مجھے جہاز کی سیر کرانے لگا۔

سی ہاک کی تعمیر اور آرائش پر بے دریغ پیسہ بہایا گیا تھا۔ تمام راہداریوں میں دبیز قالین بچھے ہوئے تھے۔ جا بجا قد آدم آئینے اور چیمبر اور روشن فانوس نصب تھے اور آویزاں تھیں۔ ڈائننگ ہال اور ٹسٹ لاؤنج کے درمیان میں ایک خوبصورت اور چھوٹا سا بار بنا ہوا تھا۔

جہاز میں کل چار آسائشی کیبن تھے جن کی آرائش کا انتظام علیحدہ تھا چاروں کیبن پوری طرح آراستہ اور ایئر کنڈیشنڈ تھے۔

اور حقیقت میں سیر کے دوران قاضی ہادی نے بتایا کہ روانگی کے بعد ہی عملے کے افراد ایک جگہ جمع ہو سکیں گے کیونکہ وہ جلد از جلد ساحل چھوڑ دینا چاہتا تھا۔

جب تھوڑی دیر بعد اسوالڈ نے آ کر روانگی کی اطلاع دی تو اس نے فرط مسرت سے شیمپین کی بوتل اٹھا لی اور ایک دھماکے سے بوتل کا کاگ اڑا دیا اور قاضی ہادی نے دو گلاس لبریز کر لئے "چیئرز ۔۔۔ یہ محمود کی موت کی خوشی کا جشن ہے!" وہ گلاس اٹھا کر بولا۔ "وہ زندہ بھی ہے گیا تو پیرا کا ٹیل سے بالکل قریب ہو گیا" میرا جی چاہا کہ شیمپین سے بھرا ہوا گلاس اس کے منہ پر دے ماروں مگر میں یہ قدم نہ اٹھا سکا اور دل پر جبر کر کے گلاس منہ سے لگا لیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم دونوں میٹنگ روم میں گئے تو وہاں عملے کے سارے افراد موجود تھے۔ ستر عدد آدمی اور میٹنگ روم کا گنجائش تھا جو ستر افراد کو بٹھا لینے سے قاصر تھا۔

میں نے ایک بعد دیگرے ہر چہرے کا جائزہ لے ڈالا۔ ان میں تیکھے خدوخال والی تین لڑکیاں بھی تھیں جو موسم کی طرح نکھرے ہوئے

جھنڈوں کی طرح نارنگی نظر آرہی تھیں۔ ان کے علاوہ ہر چیز وہ گھاگ اور خوفزدہ نظر آرہا تھا۔

میں دل ہی دل میں قاضی ہادی کے انتخاب کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ میں نے نگر نگر کی خاک چھان کر مردم شناسی کا جو بیش بہا تجربہ حاصل کیا تھا، اس کی روشنی میں وہ سب کچھ جیالے جاں نثار تھے اور وقت پڑ جانے پر اپنے مالک کے لیے اپنی گردنیں تڑوا سکتے تھے۔

قاضی ہادی ان سے ہنس ہنس کر فرداً فرداً باتیں کر رہا تھا۔

"ان کی مزاج پرسی کر رہا تھا اور میں کسی زخم خوردہ درندے کی طرح دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

ان سے فارغ ہونے کے بعد ہم کیبن کی طرف چل دیے۔

"حکم ہو تو ڈائننگ روم میں کھانا بھجواؤں؟" آسوا اللہ نے عاجزانہ لہجے میں ایٹن روم کے نگران کے بارے میں قاضی ہادی سے سوال کیا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ ہاں ان تینوں کو بھیج دو۔"

"بہت بہتر جناب!" آسوا اللہ یہ کہہ کر واپس مڑ گیا۔

ہم دونوں کیبن میں پہنچے ہی تھے کہ تینوں لڑکیاں بھی آگئیں۔ ان میں ماریا کی سیاہ آنکھوں اور چیکتے نیلاہٹ مائل سرخ و سفید خوش ذوق لڑکی مجھے پہلی ہی نظر میں بھا گئی تھی۔ میں نے مسکرا کر اسے آنکھ ماری اور وہ بوکھلا کر کیبن کی چھت کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیبن کا دروازہ مقفل کر دو۔" قاضی ہادی نے بھاری لہجے میں کہا۔

ایک نے دروازہ بند کر دیا۔ باقی دو کیبن میں موجود الماری میں سے مینا و ساغر نکال لائیں۔

"بادہ و ساغر و شباب کی یہ محفل تمہارے اعزاز میں ہے صفدر۔" قاضی ہادی نے میرا بازو دبا کر کہا۔

"اس عزت افزائی کے لیے میں تمہارا ممنون ہوں۔"

"ان تینوں میں سے ایک کا انتخاب کر لو۔"

"آج کالے نینوں میں ڈوبنے کو طبیعت مچل رہی ہے۔" میں نے اپنی طبیعت میں ابھرتے ہوئے ہیجان کے زیر اثر جواب دیا۔

"خوب، خوب۔" اس نے برجستہ کہا۔ "بڑے مناسب الفاظ میں اظہار کیا ہے تم نے اپنی پسند کا۔ اس کے کالے نینوں کا جادو ہر ایک کو قابو میں لیتا ہے۔"

"یہ انگور کے باغات میں پلی ہے۔" ایک لڑکی نے میری پسند کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شوخ و شنگ لہجے میں کہا۔

"دیکھنے ہی میں یہ غضب لگتی ہے۔" قاضی ہادی تیزی کے ساتھ کھلتا جا رہا تھا۔ "مگر تم دونوں بھی کچھ کم نہیں لگتیں۔"

"ہم سب کا یہاں ہماری موجودگی ہی اس بات کا ثبوت ہے۔" ان میں سے ایک بولی۔

"تمہارے حسینوں کے لباس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم کسی بڑی مہارت کے لیے آئی ہو۔" قاضی ہادی نے کہا۔

وہ تینوں کھلکھلا کر ہنس پڑیں اور ایک تیز طرار لڑکی بولی: "تو اس میں ہے کیا، سرور و شراب کے ساتھ رقص و رنگ کا جشن منایا جائے۔"

"لباس بدل کر آؤ۔" قاضی ہادی اس مرتبہ آمرانہ لہجے میں بولا اور وہ تینوں تیزی کے ساتھ کیبن سے چلی گئیں۔

"ماریا بڑی پرکشش لڑکی ہے!" ان کے جاتے ہی قاضی ہادی آنکھ مارتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

"ماریا کون ہے؟"

"وہی کالے نینوں والی۔"

"لمبی چاقو سی لپک ہے اس میں۔" میں نے اعتراف کیا۔ "اس میں غضب کی لچک ہے۔ دیکھنے والا چند لمحوں کے لیے تو کھو ہی جاتا ہے۔"

"ایک راز کی بات بتاؤں؟"

"کیا میرے اور تمہارے درمیان اب بھی کوئی راز باقی ہے؟"

"صوتے وایان ماریا پر بری طرح فریفتہ ہے!"

"میرا تو خیال تھا کہ وہ تینوں کو ہی ایک آنکھ سے دیکھتا ہے" میں نے مذاق کے پردے میں گہرا طنز کر کے اپنا دل خوش کیا۔

قاضی ہادی میری اس بات پر دل کھول کر ہنسا۔ "وہ بے شک عورتوں کے معاملے میں بڑا باذوق ہے۔"

"تو کیا وہ بھی سواک پر آچکا ہے؟"

"سنی کا ایک پر کیوں نہیں آیا؟" وہ مکر کے ساتھ بولا۔ "جو کچھ وایان ماریا پر کیوں دل و جان سے فدا ہے؟"

"شاید تم بھی راز جاننے والے تھے۔"

"اس لڑکی کے پیچھے حسین ہیں۔"

"تو وہ اس کے پیچھے جانثار ہوگا۔"

"خوب اندازہ ہے تمہارا۔" وہ بے اختیار اچھل پڑا۔ "کیسے کیسے، صرف اس کے نرم و نازک اور خوبصورت پیروں کی پسندیدہ کی طرح انہیں چھوتا اور اپنی آنکھوں سے لگاتا ہے!"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے ساتھیوں کی فطرت سے خوب واقف ہو۔"

"ارے نہیں۔" وہ سرور کے عالم میں بولا۔ "یہ بات سنی تھی اس سے ماریا نے مجھے خود ہی بتائی تھی۔"

اور اسی وقت تینوں لڑکیاں باریک نیلے لباس میں آگئیں۔

پھر اس کیبن میں ایک شیطانی محفل کا آغاز ہوا۔

شرابیں اور دو آتشہ میں جام چھلکنے لگے اور نشیلی جسم و جمال کے ساتھ ساقیوں کی دل بستگی شروع ہو گئی۔

ابتدا میں صوتی کا خیال میرے ذہن میں بری طرح چھایا رہا۔ اس نے قاضی ہادی کو رات نو بجے کا وقت دیا تھا اور میری نگاہیں بار بار کلائی پر بندھی گھڑی کی طرف اٹھتی رہیں۔ تسکین سیال کی خاصی مقدار میرے معدے میں داخل ہو جانے کے بعد جب ماریا کی جلوہ گری دیکھی تو میرے اعصاب پر ایسا خمار چھانے لگا کہ صوتی کا خیال میرے ذہن کے کسی تاریک گوشے میں دبک گیا۔

نہ جانے کیا وقت تھا، مجھے اندازہ نہ ہو سکا، کیبن میں کافی دیر سے موسیقی کا راج تھا اور میں مدہوشی کی حالت میں ماریا کی زلفوں سے کھیل رہا تھا۔ قاضی ہادی اور دونوں لڑکیاں رقص کر رہے تھے۔ اچانک مجھے یوں لگا جیسے کسی نے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا ہو۔ پھر مجھے جیسے دھماکے ہوئے۔

میں نے انداز لگایا کہ یہ صرف میرا وہم تھا۔ میں پوری طرح ہوش میں آیا اور قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ میں نے کسی کو اندر آتے دیکھا۔ اسی وقت قاضی ہادی کی نظر بھی ادھر اٹھی اور اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آوازیں خارج ہونے لگیں جیسے کسی نے اس کی گردن پکڑ لی ہو یا اس کے سامنے کوئی غیر متوقع بات آگئی ہو۔

اس کے بعد کی آوازیں سن کر لڑکیاں بھی بیدار ہو گئیں۔ ان کی دھیمی دھیمی آوازیں خوف سے کانپ رہی تھیں۔ ماریا ابھی تک مجھ سے لپٹی ہوئی تھی۔ قاضی ہادی کی آنکھوں میں خوف جھلک رہا تھا اور وہ ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔

"صفدر، صفدر!" اچانک قاضی ہادی لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولا۔ "کیا ہو رہا ہے یہاں؟ یہ کیسی آوازیں تھیں؟ ذرا دیکھو تو۔"

"پتہ نہیں کیسی آوازیں تھیں۔" میں نے جواب دیا۔ اس وقت مجھے بولنے کی قوت سے کچھ بھی معلوم نہ ہو رہا تھا۔ مگر قاضی ہادی کی آواز کے مطابق مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔

"ذرا باہر جا کر معلوم کرو۔" "یہ دھماکے کیسے تھے!"

"تم خود کیوں نہیں دیکھتے؟" میں نے بے زاری کے ساتھ کہا۔

"تم مجھے ڈرا رہے ہو؟ وہ اچانک اپنی نشست سے اچھل پڑا اور خوف زدہ آواز میں بولا۔

"ہم کھلے سمندر میں ساحلوں سے میلوں دور ہیں۔"

"مجھے ڈر ہے کہیں بحری قزاقوں نے ہم پر حملہ نہ کر دیا ہو۔" قاضی ہادی نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "کیا اسلحہ ہے تمہارے پاس؟"

"نہیں۔"

"افسوس! اب کیا ہوگا؟"

"مجھے اندازہ نہیں۔" میں دل ہی دل میں اس کی بزدلی پر مسکرائے۔

ہو کر بولا۔ "سمندر میں تیر کر تو وہ آنے سے رہا اور کیا پتہ ہے کہ وہ آن کا ساتھی جہاز پر چھپے ہوئے ہیں۔"

"یہاں بیٹھے بیٹھے انتظار کرنے سے موت کے اچانک خوف سے بچا جا سکتا ہے۔" اس کا سارا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ "ذرا باہر جا کر صورتحال معلوم کرو۔" مجھے ناچار کیبن سے باہر جانا پڑا۔

میں راہداری میں چند ہی قدم آگے بڑھا تھا کہ اچانک ایک بغلی راہداری سے کوئی بے آواز قدموں سے دوڑتا ہوا آیا اور کلوز گھونسے کا پوری قوت سے مجھ سے ٹکرایا اور میں ہوش و حواس کھو کر لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

ٹکرانے سے پہلے مجھے بس ایک لمحے کے لیے اس کی جھلک نظر آئی تھی اور اسی وقت میں نے اس کے دائیں ہاتھ میں لمبے پھل والا تیز دھار چاقو چمکتا دیکھ لیا تھا۔ اس کے چہرے پر نقاب تھی اور صرف آنکھیں دکھائی دیتی تھیں۔ پھر فضا میں اس کا ہاتھ لہرایا اور میں نے آنکھوں سے سوائے اس کی آنکھوں کے کچھ نہیں دیکھا۔

وہ نقاب پوش کیبن کی طرف بڑھ گیا، میں بے حس و حرکت پڑا رہا۔ اور وہ آنکھیں میں ہزاروں کی بھیڑ میں بھی پہچان سکتا تھا اور ان شناسا آنکھوں کا گمان ہوتے ہی میرے ہاتھ کی گرفت سے باہر ہو گئی ہے۔ حلق سے کوئی آواز ابھرنے والی تھی۔

"ادھر!" میں نے اٹھتے ہوئے سرگوشی سے کانپتی ہوئی آواز میں اس کے کان میں سرگوشی کی اور اپنی راہ پر ہو لیا۔

جہاز پر ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ میں کسی کی تلاش میں تھا کہ اچانک مجھے آسوا اللہ نیچے سے سیڑھیاں چڑھ کر گھبرایا ہوا آتا نظر آیا۔

"کیا ہوا؟" میں نے بڑھ کر اس سے پوچھا۔

"صوتی کے آدمی..........!"

اس کا فقرہ کیبن کی جانب سے ابھرنے والی دہشت ناک چیخوں کے سبب ادھورا ہی رہ گیا۔ وہ چیخیں ایسی ہی ہولناک تھیں۔ آخری بار ابھرنے والی چیخ کے بعد گہری خاموشی چھا گئی اور اس کے ساتھ ہی لڑکیوں کی بے ساختہ چیخ و پکار سنائی دینے لگی۔

آسوا اللہ اس قدر بوکھلا گیا کہ مزید کچھ کہے بغیر الٹے قدموں کسی پتھر کے بت کی طرح کیبن کی جانب دوڑا۔ میں بھی اس کے پیچھے لپکا۔ جب ہم دونوں کیبن کی طرف لپکے اس وقت تک کیبن کے سامنے راہداری میں داخل ہوا اور مجھے پتہ چلا کہ قاضی ہادی کے کیبن کے کھلے ہوئے دروازے میں گشت جاری تھا۔

سیڑھیاں گھٹی کی بابان میں جہاں تک کی نظر پہنچ رہی تھی صوتی کی سلطنت میں اپنا کام مکمل کر کے پچھلے دروازے کی طرح غائب ہو چکا تھا۔

قاضی ہادی کا بے جان بدن قالین پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے باقی اعضا میں دل کے مقام پر ایک چاقو کا پھل دھنسا ہوا تھا اور زخم سے بہتا ہوا خون سفید قالین پر پھیلتا جا رہا تھا۔ قتل کا انداز اتنا سفاکانہ تھا کہ قاضی ہادی کو سنبھلنے کی بھی مہلت نہ مل سکی ہوگی۔ وہ فرش پر چاروں شانے چت پڑا ہوا تھا۔

وہ تینوں لڑکیاں شرمناک حالت میں ایک دوسرے سے لپٹی ہوئی مسلسل چیخے جا رہی تھیں اور میرے دل کی ملکہ پسند کالی آواز میں رو رہی تھی۔

تھی۔

اپنے مالک کی لاش کو دیکھ کر اسوالڈ کو شدید ذہنی جھٹکا لگا اور وہ کرب آلود آواز میں کراہا۔ "یہ کس نے میرے آقا پر ایسا ظلم ڈھایا؟"

"جہاز پر کوئی ڈاکٹر بھی ہے؟" میں نے اس سے سوال کیا۔ میں اسے وہاں الجھا کر محمود کو زیادہ سے زیادہ وقت دینا چاہتا تھا۔

اس وقت میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ محمود کا بحفاظت نکل جانا میرے لیے بہت ضروری تھا [illegible] جہاز بہت بڑا نہیں تھا اور اس وقت قریب [illegible] عملے کے علاوہ چند افراد ایسے تھے جو تھوڑا سا ڈھونڈتے تو جہاز کا چپہ چپہ چھان ڈالتے اور محمود ان کے ہاتھ لگ جاتا۔

"اگر مجھے اس خوفناک حادثے کا علم ہوتا تو میں ڈاکٹر کو بھی ضرور لاتا۔" وہ رو دینے والے انداز میں بولا۔ پھر [illegible] کر جتر ال [illegible] آواز میں [illegible] "جو جہاز یہاں سے [illegible] پانی سے [illegible] فوراً واپس آؤ۔"

کشتیاں [illegible] وہاں سے نکل گئیں اور اسی کے ساتھ جہاز کے عملے کے لوگ وہاں جمع ہو گئے۔

میں [illegible] قاضی بابا کی لاش پر جھک گیا [illegible] کی طرح [illegible] میں نے چند [illegible] اس کی نبض [illegible] کی ناکام کوشش کی پھر [illegible] کان لگا دیے۔ سب امید بھری نگاہوں سے میرا منہ دیکھ رہے تھے۔

"لاش [illegible]" میں نے [illegible] لہجے میں کہا۔

قاضی بابا کے بدن پر اس وقت [illegible] تھے۔ ایک شخص نے [illegible] اس کے سینے کے زخم سے [illegible] کھینچنا چاہا مگر اسوالڈ نے چیخ کر اسے روک دیا۔

"سمندر کا کوئی [illegible]" اسوالڈ [illegible] غیظ و غضب میں چلا اٹھا۔ "وہ [illegible] زیر [illegible] ہوگا۔"

سب لوگ وہاں سے چلے گئے۔

"مجھے یہ [illegible] معلوم ہوتی ہے۔" میں نے اسوالڈ سے کہا جو کسی نوجوان بیوہ کی طرح دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر [illegible] بیٹھ گیا تھا۔

"نہیں مسٹر [illegible]" اس نے پورے وثوق سے کہا۔ "[illegible] جو لوگ شامل ہیں وہ سب [illegible] اور قاضی بابا کے [illegible] کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔"

"پھر جہاز پر کون آ سکتا ہے؟"

"[illegible] جہاز پر کون آئے گا؟" وہ [illegible] لہجے میں بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ [illegible] روانگی کے وقت [illegible] میں چھپا ہوا تھا۔"

"اس یقین کی وجہ؟"

[illegible] کہا اس نے [illegible]

کراچی میں دھماکوں کی آواز سن کر وہاں [illegible] اس نے [illegible] کا مقصد [illegible] تھا۔ اس نے [illegible] کام [illegible] جب ہم وہاں [illegible] ادھر اپنا کام کر گیا۔"

"اگر وہ کشتیاں موجود ہیں [illegible]"

"تم بہت [illegible] حالت میں تھے [illegible] تم اس کام [illegible] سکتے تھے۔"

"مجھے تو قاضی بابا نے زبردستی اٹھا رکھا تھا۔" میں نے [illegible] پیش کرتے ہوئے کہا۔ "اب میں [illegible] ورنہ اصل وہ اپنے [illegible] دشمن سے بہت زیادہ خائف تھا۔"

"دشمن سے خائف تھا؟" اس نے حیرت سے [illegible]

"ہاں۔ وہ اسی سے بچنے کے لیے [illegible] روانہ ہوا تھا [illegible] تھا کہ مجھے سمندر میں دو [illegible] بچے گا۔" میں نے کہا۔

"قاتل کو پہلے سے یقین ہو گیا ہوگا کہ قاضی [illegible] میں پناہ لے گا۔ وہ کوئی بہت بڑا [illegible] معلوم ہوتا ہے۔"

"تازہ واقعات تو یہی بتاتے ہیں۔"

"پھر [illegible] قاتل غائب ہو گیا ہے [illegible] کشتی لانچ [illegible] بھی غائب ہے۔"

یہ سن کر میرا دل باغ باغ ہو گیا۔ محمود نے اپنا کام نہایت [illegible] انجام دیا تھا اور صاف بچ نکلا تھا۔

"ہم سب [illegible] آخری [illegible] پر اسوالڈ [illegible] دلانے [illegible] معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] حرکات [illegible] پہنچے ہیں۔ وہ ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل گیا اور ہم [illegible] رہ گئے۔"

"اب کیا کیا جائے؟"

"[illegible] ریڈیو [illegible] کوسٹ گارڈز اور [illegible] پولیس [illegible]"

"[illegible] پولیس کو اطلاع کر دی گئی ہے؟"

"ابھی کیے دیتے ہیں۔" [illegible] کہ [illegible]

پھر [illegible] کا رخ واپس موڑ دیا گیا۔ اسوالڈ [illegible]

کچھ دیر میں مصروف ہو گیا تھا [illegible] قاضی بابا [illegible] کیبن میں [illegible] دو [illegible] آرام کرنے لگا۔

مجھے لیٹے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اسوالڈ [illegible] وہاں آ پہنچا اور [illegible] کھولنے [illegible] بولا۔ "آج [illegible] جیسا [illegible] وقت [illegible] ہوتا اور [illegible] آ گیا۔"

"کوئی نیا واقعہ؟"

"کوسٹ گارڈز سے رابطہ [illegible] کہ اب [illegible]"

[illegible] جہاز سے [illegible] کی آواز [illegible] دھماکا اور [illegible] ہو گئے۔ وہاں زبردست آگ [illegible] لگی ہوئی ہے۔"

"[illegible]!" میں نے کہا۔ "یقیناً کچھ دشمن اسی وقت [illegible]"

"یہاں وہ [illegible] قاضی بابا [illegible] قتل کر دیا تھا۔"

"[illegible] منصور [illegible] آپ کو فون آیا تھا جس نے [illegible] کیا؟" [illegible]

"اپ کس [illegible] تھا؟" میں نے [illegible] سوال کیا۔

"وہ [illegible] بات [illegible] قاضی بابا [illegible] جاتا۔ وہ [illegible] اس نے قاضی بابا [illegible] حفاظت اور قاتل کی گرفتاری [illegible] تھا۔ [illegible] قاضی بابا [illegible] اسے [illegible] کی طرح [illegible] گیا۔ اس کے [illegible] قاضی بابا کی لاش [illegible] ہیں۔" اسوالڈ [illegible] نظر آ رہا تھا۔

[illegible] واقعات [illegible] عجیب [illegible] کا سامان [illegible] تھے۔ محمود [illegible] نہایت [illegible] سے انجام [illegible] اب [illegible] تھا۔ محمود [illegible] کشتی [illegible] فرار ہوا [illegible] رفتار [illegible] اسوالڈ نے [illegible] تعاقب کرنے [illegible] کشتیاں اسے ساحل پر پہنچنے سے پہلے [illegible] سمندر [illegible] گھیر لیں گی۔

رات کے [illegible] بجے کے قریب [illegible] اسوالڈ کا پیغام ملا اور [illegible] پہنچ گیا۔

[illegible] اس بار ساحل پر [illegible] کے شعلے [illegible] تھے [illegible] ہیں۔

"[illegible] چلنا چاہیے؟"

"ہم بہت جلد ساحل کے قریب پہنچ گئے!" میں نے حیرت سے کہا۔

"جاتے وقت [illegible] تھے [illegible] روانہ ہوا تھا لیکن [illegible] اختیار کی ہے۔"

قاضی بابا کا [illegible] تھا اور [illegible] مجھے یقین تھا کہ [illegible] اسوالڈ کو [illegible] ساحل [illegible] کے شعلے [illegible] رہے تھے۔

پھر [illegible] کے قریب [illegible] ہونے [illegible] وہ [illegible] اس سے [illegible] اسی سے [illegible] ہم [illegible] کو [illegible] کے تحت [illegible] ہونے کی اجازت [illegible]

اس [illegible] بہت [illegible] رہا۔

بھی [illegible] کے سینے پر جا بجا تیز دھار [illegible] کشتیاں اور [illegible] سرچ لائٹیں چمکاتی گھوم رہی تھیں۔ محمود کی تلاش [illegible] نظر آ رہی تھی۔

جہاز کی بندرگاہ پر [illegible] پولیس اور [illegible] اعلیٰ افسران کے علاوہ [illegible] ایک ہجوم [illegible] پڑ گیا۔

اسوالڈ کو [illegible] ہدایت دے کر ایک [illegible] دیا گیا۔ کچھ لوگ [illegible] کے بیانات لینے لگے اور [illegible] افسروں کے ساتھ قاضی بابا کی لاش [illegible] کے لیے چلا گیا۔

جب [illegible] کو [illegible] جہاز پر موجود ہونے کا مجھے فوراً طلب کر لیا گیا۔ وہ میرا نام [illegible] لیکن میری صورت سے واقف نہیں تھا۔

قاضی بابا کی لاش [illegible] فوٹو گرافر اور نشانات انگشت کے ماہرین کام کر رہے تھے۔ مجھے اسی کیبن کے ایک گوشے میں گھیر لیا گیا۔

"تم شروع سے قاضی کے ساتھ تھے؟" اس نے [illegible] لہجے میں سوال کیا۔

"[illegible] مطلب میں نہیں سمجھ سکا۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"ظاہر ہے کہ [illegible] کا ذکر [illegible] مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے گھر سے تمہارے ساتھ ہی نکلا تھا؟" وہ [illegible] بولا۔

"ہاں!"

"اس کے [illegible] کی وجہ کیا تھی؟"

"اسے [illegible] انتظامات پر بھروسہ نہیں تھا!"

"[illegible]!" وہ [illegible] میں نے [illegible] الفاظ میں [illegible] میری [illegible] کی موت اسے [illegible] میں [illegible] تھی۔ وہ نکلا کیسے [illegible]

"[illegible]" میں نے اس کی [illegible] کو نظر انداز کرتے ہوئے [illegible] جواب دیا۔

"اسے کس نے [illegible]؟"

"نہیں۔ اسے معلوم تھا کہ [illegible] الیکٹرونک آلات کے ذریعے اس کا سراغ لگانے کا بندوبست کیا ہوا تھا۔"

"اس کے قتل کے وقت تم کہاں تھے؟"

"جہاز پر ہی تھا۔" اس بار [illegible] کو نظر انداز نہ کر سکا۔

"کس جگہ؟" وہ [illegible] "اور کس کے ساتھ تھے؟"

"نچلے عرشے پر کیپٹن اسوالڈ کے ہمراہ تھا۔"

"قتل سے پہلے اس کے ساتھ تھے؟"

اس پر میں نے اسے پوری تفصیل بتا دی البتہ [illegible] محمود سے [illegible] والا واقعہ حذف کر گیا۔

اس کے بعد مجھ پر چاروں طرف سے سوالات کی بوچھاڑ کر دی گئی [illegible]

موجود ہر شخص مجھ سے کچھ نہ کچھ معلوم کرنے کے لیے بے قرار تھا۔
سہیل کی سرسری سی تلاشی اور آسودہ کا تجزیہ ہونے کے بعد لاکشن اٹھوانے کی اور بجلے کو جلد خالی کرنے کا حکم مل گیا۔
جس وقت میں پہنچا تو سامنے سے ایک شخص تیزی سے دوڑتا ہوا آیا اور دور ہی سے افسران کو مخاطب کر کے یہ خوش خبری سنائی کہ ایک گرا ہوا شخص ملا ہے جس کی شناخت الف بوٹ کی حیثیت سے کی گئی ہے۔
"اور محمود؟" کئی افراد نے بیک وقت سوال کیا۔
"وہ شاید تیرا ہوا پاس ہی کی جانب کی کا قریب گیا ہوگا کہ الف بوٹ جو خالی تھی۔ وہ ساحل سے تیس میل کے فاصلے پر تھی۔ آخر آنے والے نے بتایا۔
یہ سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سینے پر بھرپور گھونسا رسید کیا ہو۔ محمود کا موت کی خبر سے پہلے غیر متوقع تھی۔
"شخص کو جھان پاک" بریگیڈیئر شیروان نے حسرت کا ایک گہرا سانس لے کر بولا۔
"مجھے تو افسوس ہے کہ اسے اتنی آسان موت نصیب ہوئی۔" کسی نے کہا۔ "اگر وہ ایک بار ہمارے ہاتھ لگ جاتا تو اپنے دل کی گہرائیوں سے موت کی آرزو کرنے کے باوجود نہ مرپاتا۔"
"وہ تو مرگیا مگر اس شخص کی بات یہ ہے کہ اس کے ساتھ کے ہوئے فلسطینی بھی ہے ابھی تک اسرائیل کی سرحدوں میں موجود ہیں۔"
"محمود کی موت کی خبر ان فلسطینیوں کے حوصلے توڑ دے گی۔" وہ سب آپس میں تازہ صورت حال اور اس کے متوقع نتائج پر اظہار خیال کر رہے ہیں۔
جنرل کی پریس بریفنگ میں متعلقہ محکموں کے افسروں کا خاصا بڑا اجلاس ہوا۔ تھا۔ ان میں سے ایک ہی سیلنر کے ذریعے قاضی ہادی کی لاش پوسٹ مارٹم کے لیے روانہ کر دی گئی۔ وہ تھا کہ اس کو پیرا اسٹور کر لیے گئے اور باقی افراد کو قید یوں کو لے جانے والی گاڑیوں میں بٹھا دیا گیا۔
تل ابیب کے پولیس ہیڈ کوارٹرز میں وہ رات سخت بے آرامی میں گزری۔ وہاں پہنچنے کے بعد ایک مرتبہ پھر سب کے بیانات لیے گئے۔ سوال جواب ہوئے اور جب مجھے وہاں جانے کی اجازت ملی تو میری رات ختم ہو کر صبح کے چار بج رہے تھے۔
میں تھکے ہوئے دونوں سے اس قدر نڈھال ہوا تھا کہ اکادمی ہوٹل واپس پہنچ کر بستر پر پہنچتے ہی شدید تھکاوٹ نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔ سوتے ہوئے مجھے عجیب و غریب خواب نظر آتے رہے اور جب میں دوبارہ بیدار ہوا تو میرا سر سخت بوجھل ہو رہا تھا۔
قاضی ہادی کو مارنے میں محمود نے کامیابی تو ضرور حاصل کر لی تھی لیکن اس خطرناک معرکے کی قیمت ادا کرتے ہوئے اسے اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑ گئے تھے۔ مجھے پورا یقین تھا کہ محمود کی بھرپور شخصیت کے بعد فلسطینیوں کی تحریک کو آزادی کی سرگرمیوں کی کامیاب منصوبہ بندی کر کے عملی طور پر محمود کی موت کے ساتھ ہی اس تنظیم کا اسرائیل میں خاتمہ ہو گیا تھا اور ساتھ ہی ان سے میرے رابطے کے امکانات معدوم ہو گئے تھے۔

اسرائیلیوں میں سے ایک اعلیٰ افسر ضرور بچ گیا تھا مگر شہری یا غیر ملکی ہو کی زندگی کی صورت یہ تھی کہ محمود کے ساتھ ہی اس کا کوئی بھی رابطہ نہیں ہے۔ ایک اہم انسان کے لیے کسی بھی موقع پر ایک ذرا سی غفلت جان لیوا ثابت ہو سکتی ہے۔ گروہ تھا جو محمود کے خلاف مارنے کے دونوں پوائنٹ کا بھی موجود تھے مگر ہم نہیں کر سکے کہ ہم اپنا ہی پیچھا چھڑانے کے لیے کیوں جان لیتے کے در پے ہوتے۔
کھانے کے دوران میں حمل کی سارا منظر میرے ذہن پر نقش ہوا تھا۔ مجھے اب ایک بار پھر اس ملاقات کا انتظار تھا۔
"میں تم سے فوراً ملنا چاہتا ہوں۔" میں کال کا مقصد جاننے کو بے تاب تھا۔
میں نے فوراً ہی اپنے مطلب کا اظہار کر دیا۔
"مجھے فرصت نہیں ہے۔" دوسری جانب سے اس کی آواز آئی۔
"یہ ملاقات ضروری ہے۔" میں نے اصرار کیا۔
"میں بعد میں تم سے رابطہ کر لوں گی۔" یہ کہہ کر اس نے سلسلہ منقطع کر دیا اور میں بے چارگی سے ریسیور کو گھورتا رہ گیا۔
میں ہوٹل سے نکلا تو شہر میں ایک عجیب سی بے چینی محسوس ہو رہی تھی۔ اخبارات میں بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ قاضی ہادی کی موت کی خبر شائع ہوئی تھی۔ محمود کی موت کی بھی اطلاع دی گئی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا تھا کہ قاضی ہادی کے قتل سے محمود کے مقاصد پورے نہیں ہو سکے۔ اسرائیل میں ایک وقت کارروائی کر کے فلسطینی تنظیم نے ایک بار پھر ثابت کر دیا ہے کہ وہ اب بھی موجود ہے۔ کسی نے اس کا اعتراف نہیں کیا تھا۔ کہنے والوں کا کہنا تھا کہ یہ فرد واحد کی کارروائی تھی۔
اس رات تک مجھے ماریا کا کوئی فون نہیں آیا اور میرے ساتھ رہی بے چینی بڑھتی رہی۔ دوسرے دن دوپہر کے قریب وہ خود ہی میرے پاس آ پہنچی۔
"کیا محمود واقعی مر گیا؟" میں نے اس کے بیٹھتے ہی پوچھا۔
"یہ سوال تم پوچھ رہے ہو؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "تم تو خود وہاں قاضی ہادی کے ساتھ تھے۔ تمہیں زیادہ بہتر معلوم ہوگا۔" اس نے وضاحت کی۔
"میں نے صرف یہ سنا ہے کہ لانچ الف بوٹ میں خالی ملی تھی۔ لاش نہیں ملی۔ ایسی صورت میں کیا معلومات کا درست ہونا ضروری ہے؟" میں نے پوچھا۔ بولی "شاید تمہیں یاد ہو کہ جب محمود کی کشتی ملی تو اس کی خود کشی کی خبر بھی پھیلائی گئی تھی اور جب وہ واقعی لاپتا ہو گیا تو محمود دریا میں ڈوب گیا ہوگا۔ اسی لیے اس کی لاش نہیں مل سکی۔" وہ بتا گئی۔

"میری اس ملاقات کی بنیاد اسی مفروضے پر ہے کہ محمود اب زندہ نہیں ہے۔" اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔
"اس کی موت سے کیا فرق پڑتا ہے؟"
"محمود کے مرنے کے بعد تم اس کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے سے آزاد ہو چکے ہو!"
"ضروری تو نہیں۔" وہ بولی۔ "ہو سکتا ہے کہ اس کا جانشین بھی مجھ سے میل کرتا ہے۔"
"ٹیپ بجانے پر جو نے والی گرفتاریوں کے بعد شاید اس کے گروہ کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔" میں نے کہا۔
"اخبار کی اطلاعات کے حوالے سے بات نہ کرو۔" وہ چڑ کر بولی۔ "صاف صاف بتاؤ کہ تم مجھ سے کس نے ملنا چاہتے تھے؟"
"محمود کی موت کے بعد وہ کیسٹ تمہارے لیے بے کار ہو گئے ہیں۔"
"تم ان کے بارے میں اتنے فکرمند کیوں ہو؟"
"اس لیے کہ ان میں میری آواز ریکارڈ ہے!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "اور وہ کیسٹ مجھے برقی کرسی تک پہنچانے کے لیے کافی ہیں۔"
"تم فکر نہ کرو۔" اس نے بھی اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "جب تک میں زندہ ہوں وہ کیسٹ تمہارے خلاف استعمال نہیں کیے جائیں گے۔"
"کیسٹ ضائع کر دو ماریا!" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "زندگی کا کوئی بھروسا نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تم بھی کسی حادثے میں مر جاؤ۔ یہی تمہارے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور ایسی صورت میں، میں ناگہانی موت مارا جاؤں گا۔"
"مجھے یقین ہے کہ تمہارا مقدر اتنا خراب نہیں ہو سکتا۔" وہ سگریٹ کا دھواں میرے منہ پر چھوڑتے ہوئے بولی۔ "جس روز محمود اور اس کے آدمیوں کا خوف ختم ہو گیا میں بلا تردد کیسٹ ضائع کر دوں گی۔ اگر میری زندگی میں وہ غلط ہاتھوں میں پڑ گئے تو میں برباد ہو جاؤں گی۔"
"تو اب تم ایک خطرے کی پرورش کرنے پر تلی ہوئی ہو!"
"تم کیسٹ کے چکر میں نہ پڑو۔ فی الحال ایک اور خطرہ تمہارے سر پر منڈلا رہا ہے۔ اس سے ہوشیار رہو۔" وہ بولی۔
"کیسا خطرہ؟"
"میرا بھائی تم پر آیا ہوا ہے!"
"کون؟ یوسف؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"ہاں وہ غیر متوقع طور پر آیا ہے اور اس شخص کے لہو کا پیاسا ہو رہا ہے جو اس کی غیر موجودگی میں اس کی بیوی فلورا کے ساتھ رنگ

رلیاں مناتا رہا ہے!"
"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے فلورا سے اپنی دشمنی کا بدلہ اس طرح لیا ہے!"
"مجھے تو آج ہی سارے قصے کا علم ہوا۔" وہ بولی۔ "اسحٰق سیدھا اپنے گھر پہنچا تھا۔ وہاں اس نے فلورا کی خواب گاہ کے تمام منتشر ملبوسات وغیرہ دیکھے تو سمجھ گیا۔ اس کی بازپرس کے جواب میں فلورا نے نادم ہونے کے بجائے اس کو ان کا حوالہ دیا جو اسحٰق کی غیر موجودگی میں سارجنٹ سے ملتی رہی۔ اسحٰق لاکھ آزاد خیال ہی مگر اس سے بھی یہ برداشت نہ ہو سکا کہ اس کی بیوی اس کے حقوق میں خیانت کرے۔ چند مہینے زندگی بھی گزرے اس نے بڑی بے دردی کے ساتھ فلورا کی مرمت کی مگر فلورا نے تمہارا نام نہ اگلا۔ پھر اسحٰق نے تمہارا نام و نشان حاصل کرنے کی کوشش میں سارے مکان کی تلاشی لے ڈالی جب اس میں بھی ناکامی ہوئی تو اس نے بچارے فلورا کو مزید تشدد کا نشانہ بنایا اور جب وہ بے حیا پٹتے پٹتے بے ہوش ہو گئی تو اسحٰق اسے ہسپتال میں ڈال کر سیدھا میرے پاس چلا آیا اور اب وہ اس شخص کی تلاش میں ہے جس کی چاہت میں فلورا اس سے کھلی بغاوت پر تل گئی ہے۔"
میں آنکھیں پھاڑے حیرت سے یہ کہانی سنتا رہا۔ یہ رخ تشویش ناک ضرور تھا مگر میری ایک بہت بڑی الجھن رفع ہو گئی تھی۔ فلورا کے کال نہ کرنے کی بہتری اور بیٹے مزار دیر لی نے مجھے خاصا خوفزدہ کر دیا تھا اور میں مسلسل اس سوچ کا شکار رہا تھا کہ اسرائیل میں میرا کون سا نیا دشمن پیدا ہو گیا۔ ماریا نے مجھے اس نئے خطرے سے نجات دلا دی تھی۔
"تم نے اسے اپنی بھاوج کے دوست کا نام نہیں بتایا؟" میں نے پوچھا۔
"پوچھتا تو ضرور بتا دیتی۔" وہ ہنس کر بولی۔ "وہ تو یہ سمجھ رہا ہے کہ میں فلورا کی آوارگی سے قطعی لاعلم رہی ہوں۔"
"اگر اسے یہ پتہ چل جائے کہ فلورا کے ساتھ ہی میرے تعلقات تم سے بھی ہیں تو شاید وہ تمہیں بھی گولی مار دے گا۔"
"میرے معاملے میں وہ اتنا حساس نہیں ہے۔ خود مختار عورتوں کی ساری خود داری بیویوں سے وابستہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ ہمارے کارگزاریوں میں میرے دوستوں کی بھی بڑی خوبصورت بھرمار ہے چہرہ رہتا ہے۔"
"تم لوگوں کا اخلاقی فلسفہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔"
"اگر ہمارے مرد تم لوگوں کی طرح حساس اور تنگ نظر ہو جائیں تو اس قدر خون خرابہ ہو گا کہ چار دن میں اسرائیل کی آبادی نصف رہ جائے گی۔"
"جب اسحٰق مجھ تک پہنچے گا تو دیکھا جائے گا۔" میں نے گفتگو کو ختم کرتے ہوئے کہا۔ "تم کیسٹ والے معاملے کا فیصلہ کرو!"

"میرا جواب وہی ہے!"

"تمہیں یہ یقین کرنے کے لیے کتنا عرصہ درکار ہے کہ تم ہر طرح کے دباؤ اور خطرے سے آزاد ہو چکی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"یہ تو حالات پر منحصر ہے!" اس نے کہا پھر کسی فوری خیال کے تحت اچانک پوچھ بیٹھی "وہ دھماکے والے پروگرام کا کیا رہا؟"

"میں محمود کی آخری ہدایات تم تک پہنچا چکا تھا اب وہ مر چکا ہے تو تم خود فیصلہ کر سکتی ہو کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے!"

"یعنی اس کام کو ختم سمجھوں؟"

"اس طرح سوال نہ کرو کہ مجھے خود پر محمود ہونے کا شبہ ہونے لگے۔"

وہ زور سے ہنس دی "تم واقعی اوّل درجے کے مکار ہو تمہیں باتوں میں گھیرنا آسان نہیں ہے۔" یہ کہہ کر اس نے کار کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔

"تم میرے پیچھے کیوں پڑی ہوئی ہو؟"

"مجھے یقین ہے کہ محمود زندہ ہے تو تم سے اس کا رابطہ ضرور قائم رہے گا" وہ کار کو چوراہے سے واپس گھماتے ہوئے بولی۔

"گوریلا کیمپ میں تربیت کے لیے روانگی کا کیا رہا؟"

"کسی بھی وقت اوپر سے احکام آ سکتے ہیں۔"

وہ راستے بھر مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ باتوں ہی باتوں میں میں نے اس کا جائزہ بھی اچھی طرح ٹٹول کر دیکھا کہیں اس نے تاریکی کا فائدہ اٹھا کر کوئی جدید ترین ٹیپ ریکارڈ کرنے کی کوشش نہ کی ہو مگر اس کے جسم کے ساتھ کار کے سیٹ میں بھی ایسا کچھ پوشیدہ نہیں تھا۔

"دل ٹٹولنے کے لیے تم نے اچھا بہانہ سوچا۔"

"اس شوق کو پورا کرنے کے لیے تم سے زیادہ کسی بہانے کی ضرورت نہیں ہے!"

"تم سیدھے فلیٹ چلو گے؟"

"شاید مجھے تمہاری سجا کر آمنہ کے سامنے پیش کرنے کا خیال ہے تمہارا؟"

وہ بے اختیار زور زور سے ہنسنے لگی "دل پہ تو یاد ہی نہیں رہا تھا فلورا جیسا بال پڑی ہے اور آمنہ تمہیں یہاں پہچان جائے گی"

"تمہارے پاس اسے کھلانے پینے کا تو آرام ہو گا۔"

"اسے ہوٹل سے چھٹی ہے۔"

اسی اثنا میں کار شیش محل آ گیا اور ہمارا پیچھا آ کر گھر کے ہاتھ ہلاتی ہوئی آگے بڑھ گئی اور میں جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہوٹل کے برآمدے میں داخل ہو گیا۔

میں استقبالیہ لاؤنج میں داخل ہوا تھا کہ اچانک انتظار گاہ میں بیٹھا ہوا ایک دراز قامت شخص تیزی سے اٹھا اور کاؤنٹر کی طرف آنے لگا۔

قریب سے گزرتے ہوئے وہ مجھ سے ٹکرایا مگر رکنے کے بجائے معذرت کرتا ہوا باہر نکلتا چلا گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اسے اچانک کوئی بات یاد آ گئی ہے جس میں تاخیر سے مشکل پڑ سکتی تھی۔

اپنے کمرے میں آ کر میں لباس تبدیل کر رہا تھا تو وہ پرچہ ہاتھ میں آیا جو میری قمیض کی جیب میں اڑسا ہوا تھا اور ایسا بدل میں سنسنی کی ایک لہر دوڑ گئی اور مجھے استقبالیہ لاؤنج والا دراز قامت یاد آ گیا۔

اس رقعے پر کل دو سطریں تحریر تھیں پہلی سطر میں یہ لکھا تھا "فوراً واٹر گیٹ پہنچو" دوسری سطر میں لیڈر کا نام لکھا ہوا تھا اور یہ وہی شناختی فقرہ تھا جو میرے ذہن کو محمود سے ملا تھا۔

وہ پیغام پڑھ کر میں الجھن میں پڑ گیا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ محمود کی موت اور اس کے بعد پیش آنے والے واقعات سے باخبر کوئی قریبی ساتھی مجھ سے مشورہ کے لیے ملنا چاہتا تھا۔ محمود کی کچھ اور تنظیمیں بھی ہو سکتی تھیں جو اس کے آدمی کس حد تک احتیاط سے کام کرنے کے اہل تھے مگر مجھے یہ بھی گوارا نہیں تھا کہ اس پیغام کو نظر انداز کر دیا جائے۔

میں چونکہ طویل غیر حاضری کے بعد ہوٹل پہنچا تھا اس لیے فوری روانگی ہوٹل کے عملے کے کسی فرد کی نگاہوں میں کھٹک سکتی تھی اور اگر ایسے فرد کی نظر میں ہماری ملاقات کی بھنک پڑ جاتی تو میرے لیے دشواری پیدا ہونے کا امکان تھا جس کا ایک ہی تجربہ مجھے ہو چکا تھا اس لیے میں لفٹ کے بجائے ہوٹل کی عقبی زینوں سے نیچے اتر گیا۔

واٹر گیٹ میرے ہوٹل سے چند منٹ کی مسافت پر تھا۔ میں اس بار میں داخل ہوا تو موسیقی کے دھیمے سروں کے ساتھ تیرتی ہوئی شراب کی تیز بو نے اچانک ہی میرا موڈ بدل دیا اور میں سیدھا کاؤنٹر پر پہنچ گیا۔

بار پر کام کرنے والی ایک پستہ قامت خوبرو لڑکی مسکراتی ہوئی میرے سامنے آئی "ایک لارج پیگ" کرتے ہی میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

وہ اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر پلٹی ہی تھی کہ پیچھے سے میرے داہنے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

میں تیزی سے گھوما تو مجھے متوجہ کرنے والے نے گھورتی آنکھوں میں مجھے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور میرے لیے کاؤنٹر چھوڑ دیا۔

"میرے ساتھ چلو" اس شخص نے بار کے باہر نکل کر سرگوشی کی اور پھر پارکنگ کی طرف چل دیا۔

میں اس کے ساتھ واپس آتے دیکھ کر کار اور بار کے اندر دولت سمجھتے ہوئے حیرانی ہوئی جب وہ پورا ہال عبور کر کے اس طرف جانے والے آدمی کے بغیر لباس میں ملبوس تھا اور اس کی آواز سن کر وہ اس طرف دیکھنے لگا جہاں سے آنے والی آواز میں دلچسپی نمایاں ہو رہی تھی۔

پیچھے آؤ۔ مجھے پیچھے دیکھ کر وہ شخص غرایا اور مجھے اس کی تقلید کرنی پڑی۔

اس عمارت کی پچھلی طرف ایک شراب خانہ واقع تھا اور ایک گلی کا دروازہ کھلا ہوا اور وہاں سے نظر آ رہا تھا۔

وہ شخص اس عقبی دروازے سے باہر نکل گیا۔ وہاں سڑک پر ایک سیاہ رنگ کی جیپ کھڑی ہوئی تھی جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا شخص اسٹیئرنگ سے سر ٹکائے بڑے انہماک سے کوئی سنجیدگی میں مصروف تھا۔

"جاؤ" مجھے لانے والے نے جیپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھے حکم دیا۔ اس کی آواز سنتے ہی ڈرائیور چونک کر سیدھا ہو گیا۔

"یہ کون ہے؟" میں نے حکم دینے والے کے شانے کے قریب سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"یہ ڈرائیور کا جیکٹ" اس نے مجھے گھورتے ہوئے قہر آلود لہجے میں کہا اور میں دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ جیپ کی طرف بڑھ گیا۔

جیپ کا ڈرائیور ایک بارعب نوجوان تھا جو بڑی خستہ حالت میں نظر آ رہا تھا اس نے میرے سلام کا جواب بھی گردن کی جنبش سے ہی دیا اور میرے بیٹھتے ہی جیپ واپس گھما کر کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہ فرکانی دوڑ بعد کلیا جیپ کے ایک مضافاتی سبزہ زار میں ختم ہوا جہاں مجھے درختوں سے گھرا ہوا ایک چھوٹا سا ویران اور بظاہر غیر آباد بنگلہ موجود تھا۔

جیپ کا انجن بند ہونے سے پہلے ہی اس مکان کا دروازہ کھل گیا اور وہاں محمود کو زندہ سلامت دیکھ کر میں حیرت اور خوشی سے اچھل پڑا کچھ دیر گیا۔

"جلدی آ جاؤ" وہ مسکرا کر نرم لہجے میں بولا "ورنہ جیپ کو جھاڑیوں میں کہیں دور لے جا کر چھپانا ہے گا۔"

میں دوڑ کر محمود سے بغل گیر ہو گیا۔

"تم پچھلے ہفتے اپارٹمنٹ سے کہاں غائب ہو گئے تھے؟" مکان کے اندر داخل ہوتے ہی میں نے مسرت سے سرشار لہجے میں سوال کیا۔

"تم سنتے رہو بس میری ہمت نہیں ہوا تھی۔"

"واقعی؟" میں نے سوالیہ انداز میں نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"دراصل وہ اپارٹمنٹ چھوڑنے کے بعد مجھ پر غائب ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ اسے تو میں نے اصل کارروائی کے آغاز سے پہلے ہی ٹھکانے لگا دیا تھا۔"

"یعنی جب تم اپارٹمنٹ میں نہ رہے تو وہ بلڈنگ کیسے تم تک پہنچ گئے تھے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"میں شروع سے آخر تک تمہاری بات سن رہا تھا۔ بہت بہت شکریہ کہ تم جواب دینے سے نکلے مگر تمہارے پیچھے اپارٹمنٹ کی تلاشی شروع ہو گئی تو میں نے اپنا لاپتہ ہونے کا ڈرامہ رچایا اور وہیں سمجھے کہ قاتل لاپتہ ہو کر فرار ہو گیا ہے۔ اس مفروضے کے بعد کسی نے بھی جان کی تلاش میں دلچسپی نہیں لی اور وہ بڑی آسانی سے ساتھ مجھے چھوڑ گئے تھے!"

"پھر تم کس طرح سے نکلے تھے؟"

"بہت آسانی کے ساتھ" وہ فخر اور اعتماد کے ساتھ مسکراتے ہوئے بولا "سب کچھ شروع سے آخر تک اسی طرح ہوا جیسا میں نے سوچا تھا۔ وہ آدمی میری تلاش کے لیے قطعی ناکافی تھے۔ میں ان سے بچ کر رستے کی مدد سے پانی میں اتر گیا۔"

"وہاں چھپتے ہوئے رہے نہ بعد میں انہیں ہوشیار کر دیا ہو گا؟"

"خوش قسمتی سے راستہ آسانی سے نکل آیا۔ ویسے وہ کچھ بھی رہ جاتا تو وہ محافظ خود اسے غائب کر دیتے۔"

"مگر تم اس کی پہنچ سے کیسے بچ گئے؟"

"تمام حالات کی وجہ سے زیادہ جوکھم نہیں رہنے دیا تھوڑی سی احتیاط کے ساتھ میں بولڈ میں چھپنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔"

"وہ چھپنا ضروری تو نہیں تھا کہ تم ادھر ہی کارروائی کرتے؟"

"دراصل ضروری نہیں تھا۔ اب اسے اصل کام کا خیال رکھنا ہے یاد رکھو میرا منصوبہ یہی تھا کہ اب سے زیادہ ہوشیار کر دوں۔ کئی برس پہلے ایسے ہی حالات میں وہ کئی بار پریشان کر چکا تھا مجھے یقین تھا کہ وہ بزدل اس بار بھی یہی راستہ اختیار کرے گا۔ اگر وہ نہ آتا تو میرا سارا منصوبہ دھرا رہ جاتا۔"

"اس کے بعد کی تباہی کا پروگرام بھی پہلے سے طے تھا؟"

"ہاں، اگر ڈرائیو میں تک ادھر نہ آتا تو کم از کم بیٹ کی تباہی میرے دل کو کچھ سکون پہنچانے کا ذریعہ بن جاتی۔"

"مجھے تو یقین ہو گیا تھا کہ کسی بات سے قطع نظر تم کسی حادثے کا شکار ہو گئے ہو" میں نے صاف دلی کے ساتھ کہا۔

"اس مہم کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ اب سرکاری طور پر

مجھے مردہ سمجھ لیا گیا ہے اور اب میری تلاش کا سلسلہ ترک کر دیا جائے گا۔"

"مگر ماریا کو شبہ ہے!"

"کیسا شبہ؟" اس بار اس کے حیران ہونے کی باری تھی۔

میں نے اسے اختصار کے ساتھ ماریا سے ہونے والی تازہ ترین ملاقات سے باخبر کر دیا۔

"وہ بہت چالاک لڑکی ہے" میری بات ختم ہونے پر محمود نے تبصرہ کیا۔ "میں نے تمہیں اسی لیے بلایا تھا کہ کل ماریا سے ایک اہم کام لینا ہے۔ تم اسے یہ تاثر دو گے کہ نئی ہدایات میرے کسی جانشین نے جاری کی ہیں۔"

"کیا پروگرام ہے کل کا؟"

وہ یک بیک اداس ہو گیا اور دھیمی آواز میں بولا "کل وہ دن ہے جب مشرق وسطیٰ کی تباہ کن جنگ کی سالگرہ کا دن جب عرب اپنے وسیع علاقے گنوا بیٹھے تھے!"

"کسی کارروائی کا منصوبہ ہے؟"

"ہاں، کل مقبوضہ عرب علاقوں میں اسرائیلی انتظامیہ کے ٹھکانوں پر حملوں کے علاوہ تل ابیب میں کارروائی کا ارادہ ہے!"

"ان کے خلاف نفرت کا اظہار تو اسرائیل کے قیام کی سالگرہ پر بھی کیا جانا چاہیے تھا۔"

"پچھلے ماہ ۱۳ مئی کو میرے بہت سے ساتھی ہنگامہ کرنے کے حق میں تھے مگر اصول کی بنیاد پر میں ان سے متفق نہ ہو سکا۔" وہ کہنے لگا۔ "ہمیں اسرائیل کے قیام سے نفرت نہیں ہے۔ گو یہ ملک ہماری زمین چھین کر قائم کیا گیا ہے مگر پھر بھی ہم اسے ماننے کو تیار ہیں۔ ہماری نفرت کا اصل سبب اسرائیل کے جارحانہ عزائم ہیں۔ کبھی وہ نقشے پر لکیر کھینچ کر سیدھی سرحد کی بات کرتا ہے اور کبھی سویز پر ساحل کی کنٹرول کے لیے آزاد سینائی کی واپسی کا اعلان کرتا ہے۔ ہم اس رویے کے خلاف اپنی نفرت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں اور وہ دن اس مقصد کے لیے بہت اہم دن ہے!"

"ماریا سے تم کیا کام لینا چاہتے ہو؟"

"وہ کل آرمی انٹیلی جنس کے تفتیشی بیورو میں زبردست بربادی ہونی چاہیے" اس نے سرد اور ٹھوس لہجے میں کہا۔

"ضرور ہو گی! تم تفصیل بتاؤ۔"

"ان عمارات میں دھماکہ خیز اور آتش گیر مادوں اور اسلحہ کی جانچ پڑتال کی ایک چھوٹی سی مگر جدید ترین تجربہ گاہ بھی واقع ہے۔ وہاں بکثرت ضبط ہونے والے تجربے کے لیے آتے ہیں۔ ان کے باقیات اور بعض صورتوں میں مکمل یونٹ حوالات وغیرہ کے لیے ایک اسٹور میں رکھے جاتے ہیں۔ اس مختصر سے اسٹور میں اس قدر طاقتور بارود اور آتش گیر مادے جمع ہیں کہ موقع پر گرنے والی معمولی سی چنگاری بھی تمام عمارات کو نیست و نابود کر سکتی ہے۔ ماریا کو کسی مناسب جگہ پر چھوٹا سا اسنیک رکھنا ہوگا جو مقررہ وقت پر پھٹ کر تجربہ گاہ کے ذخیرے کو جہنم بنا دے گا۔"

"ماریا اس کام کے لیے تیار ہو جائے گی؟" میں نے چند لمحوں کے توقف کے بعد جھجکتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"اسے زندگی عزیز ہے تو ضرور کرے گی ورنہ وہ ... کا حشر دیکھ ہی چکی ہے جسے کھلے سمندر میں بھی موت آ ملی تھی۔"

"ایک ہی صورت میں وہ آمادہ ہو سکتی ہے!"

"وہ کیا؟"

"اسے دھماکے سے ہونے والے نقصان کی شدت کا اندازہ ..."

"ایک فوجی ہوتے ہوئے وہ ایسی باتوں سے لاعلم نہیں ..."

"میری گفتگو ریکارڈ کرنے کے بعد اس کے رویے میں ... تبدیلی آ گئی ہے۔ ایک مرتبہ تو وہ یہ بھی کہہ چکی ہے کہ جان ... وہ ایک حد تک تمہارے ساتھ تعاون کرے گی اس سے ... جان کی بھی پرواہ نہیں کرے گی!"

"وہ کیا سمجھتی ہے کہ ہمارے خلاف ایک ثبوت حاصل کر ... وہ ہم سے سودے بازی کر سکے گی!" وہ زہریلے لہجے میں بولا۔

"شاید یہی بات ہے!"

"وہ تم سے کل صبح کیا وہی بات کرو گے!" اس نے جھنجھلا کر کہا "اس وقت تک اس کا دماغ درست ہو چکا ہوگا۔"

"میں اس کا دماغ درست ہونے کی وجہ نہیں سمجھ پایا۔"

"مگر میں ضرور بتاؤں گا" اس نے مسکرا کر کہا "میرے آدمی نے اس بینک کا سراغ لگا لیا ہے جہاں ماریا نے کیسٹ رکھے ہوئے ہیں۔"

"نہیں!" میں حیرت اور بے یقینی سے اچھل پڑا۔

"وہ جیسے ہی گھر سے نکلے ... اس کا تعاقب کیا ... فون کرتی ہے اور وہاں اس نے ایک لاکر لیا ہوا ہے!"

"تو کل اس بینک سے کیسٹ حاصل کر لیے جائیں گے؟"

اس نے سر کو آہستہ آہستہ نفی میں جنبش دی "اس لاکر ... دو سو سے زائد لاکر ہیں اور جب ماریا کے لاکر کے نمبر کا علم نہیں ... ورنہ اس کا کوئی قریبی لاکر کسی فرضی نام سے کرائے پر ... کوشش کی جا سکتی تھی۔ ... تمام لاکرز میں ... بجے تو لاکر میں دھماکہ خیز اشیا رکھنے کی صورت میں ... میں دیکھنے کی کوشش بھی لاکر نمبر کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی ... اور یہ کہ عمارت کو آگ لگا دی جائے گی!"

"یعنی کل تل ابیب میں دو اہم دھماکے ہوں گے!"

"ہاں" وہ بولا "مجھے بینک کی وہ برانچ پہلے سے ... خیال تھا مگر میں وہاں پہنچنے ہونے کے بعد حملہ کرنا چاہتا تھا ... اب پروگرام میں کچھ تبدیلی کرنی ہوگی اور بینک کو پہلے نشانہ بنانا ہوگا اور ماریا زیادہ دیر تک اس سے بے خبر نہیں رہ سکے گی۔"

"ایسی صورت میں تو وہ شاید پولیس کو بھی اطلاع کرنے پر آمادہ ہو جائے گی۔"

"تو میں اس کی طرف سے بے فکر ہو جاؤں؟"

"ہاں، ماریا سے میں کام لے لوں گا۔"

"اس کے علاوہ کل مقبوضہ عرب علاقوں میں نابلس، جبرون، العریش اور غزہ میں بھی اسرائیلی حکام کے ٹھکانوں پر زوردار حملے ہوں گے۔"

"اسرائیل میں آباد یہودیوں پر اس کا بہت برا اثر پڑے گا۔"

"عرب بھی سر پر کفن باندھنے کے لیے تیار ہیں۔ یہاں بھی لوگوں کا عزم اور حوصلہ ہے کہ میں شیر کے دہانے میں بیٹھ کر بھی محفوظ ہوں۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولا "یہاں بہت سے عرب مجھ سے اچھی طرح واقف ہیں۔ وہ میری کارروائیوں سے بدظن ہو جائیں تو مجھے بے خبری میں کسی بھی وقت اسرائیلیوں کے ہاتھوں گرفتار کرا سکتے ہیں۔"

"میں تم سے اختلاف نہیں کر رہا ... میں تو محض متوقع منفی نتائج کی طرف اشارہ کرنا چاہتا تھا" میں نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

"عزت کی موت ذلت کی جدوجہد سے افضل ہے" محمود نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے کہا۔ "موت کا ایک دن مقرر ہے پھر ہم مجبور و محکوم بن کر مظلومیت کے ساتھ وفات کرتے ہوئے کیوں مریں؟ دشمن پر دلیرانہ وار کرتے ہوئے شہادت کیوں نہ حاصل کریں۔"

"موت تو واقعی برحق ہے، تم ٹھیک کہتے ہو!"

"اب چھوڑو، تم عبداللہ کی کہانی بھی سنو" وہ دھیمے لہجے میں بولا "وہ ستر سالہ تھوڑا لاغر اور متقی بوڑھا میرا ہم وطن تھا اور نابلس میں شہد کی مکھیوں کے ایک بڑے فارم کا مالک تھا۔ وہ بہت صلح پسند تھا اور اس نے کھلے دل سے اسرائیلیوں کی اطاعت قبول کر لی تھی اور دوسرے لوگوں کو بھی یہی روش اختیار کرنے کی ترغیب دیتا تھا۔ وہ بلحاظ مزاج انتہا پسند نہیں تھا بلکہ اس کی فطرت میں مقابلے کا عنصر ہی نہیں تھا۔ ایک رات وہ نماز پڑھ رہا تھا کہ نابلس کا یہودی کمانڈر ... وقت اس کے گھر میں گھس آیا۔ جب کئی آوازیں دینے پر بھی ... نہ توڑی تو کمانڈر نے اپنے اس دوست کی ... کر دی اور اس سے مطالبہ کیا کہ اپنی دونوں ... لڑکیاں اس کے حوالے کر دے۔ عبداللہ نے ... مگر نشے میں دھت کمانڈر اپنے مطالبے سے ٹس سے مس نہ ہوا بلکہ اس نے زبردستی لڑکیوں کی طرف بڑھنا چاہا جو سسکنے کی آوازیں سن کر اپنے زخمی باپ کو دیکھنے برابر کے کمرے میں آ گئی تھیں۔ عبداللہ سینہ تان کر اس کمانڈر کی راہ میں حائل ہو گیا اور کمانڈر نے بے دریغ اس کے سینے پر اپنا پستول خالی کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر لڑکیاں بلک اٹھیں اور انہوں نے کمانڈر کو گھر سے باہر دھکے دے کر دروازے مقفل کر لیے۔ جانتے ہو اس کے بعد کیا ہوا؟"

وہ ایک لمحے کے لیے رکا اور پھر کہنے لگا "اگلی صبح ان بے سہارا لڑکیوں کے مکان پر بلڈوزر چلا دیا گیا اور انہیں برہنہ کر کے ایک کمرے میں ان پر شہد کی لاتعداد مکھیاں چھوڑ دی گئیں اور وہ اسی کمرے میں چیخ چیخ کر مر گئیں۔ یہ تھا ایسے شخص اور اس کے گھرانے کا حشر جو اپنے دشمنوں تک سے دشمنی کرنے کا قائل نہیں تھا اور میں نے اپنے ہاتھوں سے یہودی کمانڈر کو اغوا کر کے اس کی لاش کے ٹکڑے نابلس کے چوراہوں پر بکھیر دیے اور ... ہوں۔ پہلے نابلس میں آئے دن یہودی غنڈے مسلمان لڑکیوں کے ساتھ بدسلوکی کیا کرتے تھے مگر اس واقعہ کے بعد کسی میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ مسلمان لڑکیوں کی طرف بری نظر ڈال سکے۔"

"بھائی! میں پوری طرح تمہارا ہم خیال ہوں۔ میں جان گیا ہوں کہ یہ لوگ اسلحہ کی زبان ہی سمجھ سکتے ہیں۔"

"یہ تفصیل میں نے تمہیں صورتحال سے آگاہ کرنے کے لیے سنائی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم میرے ساتھ کام کر رہے ہو ... اپنے مقصد پر ایمان اور یقین ... زندہ رہنے کا یقین ... کوئی بھی انسان کسی بھی مقصد کے لیے اپنی جان کی قربانی نہیں دیتا۔"

"تو اب میری چھٹی؟"

"ہاں، تم جا سکتے ہو" اس نے اٹھتے ہوئے کہا اور جیب سے ایک مختصر سا پیکٹ نکال کر میرے حوالے کر دیا۔

ایک گرد آلود کھڑکی کے قریب جا کر اس نے آہستہ سے اپنے حلق سے کوئی مخصوص آواز نکالی جس کے جواب میں تھوڑی ہی دور کسی گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی اور وہ بتدریج قریب آنے لگا۔

میں باہر نکلا تو تاریکی میں جیپ کا ہیولا نظر آیا۔ اس کی تمام روشنیاں گل تھیں۔ میں ... ڈرائیور کے ساتھ والی نشست پر بیٹھ گیا۔

ڈرائیور اس راستے سے پوری طرح واقف معلوم ہوتا تھا کیونکہ واپسی میں اس نے منزل پر پہنچنے تک ہیڈ لائٹس روشن نہیں کی تھیں۔

"تم کہاں جاؤ گے؟" واپسی میں ڈرائیور ... عربی میں مجھ سے مخاطب ہوا۔

"کارلٹن ہوٹل!" میں نے اندھیرے میں کہا۔ اس بار اس نے ...

ڈرائیور کی طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔
"واٹر گیٹ پر ہی اتار دو گا، وہاں سے ٹہلتے ہوئے چلے جانا۔"
بقیہ سفر خاموشی سے طے ہوا۔ وہ مجھے واٹر گیٹ کے قریب ایک تاریک مقام پر اتار کر تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔
جونہی میں اپنے فلیٹ تک پہنچنے کے لئے [illegible] وہ بار [illegible] زندگی معمول کی طرح [illegible] ہو گئی۔
[illegible] اپنے ماضی کی بھول بھلیوں میں کھو گیا اور اس حوالے سے مجھے مینا یاد آنے لگی جو میرے سانسوں میں بسی ہوئی تھی۔
مجھے کسی وقت بھی حضرت انگا کرمی سے ملاقات کے دوران کی باتیں ایسا لگتا تھا کہ ان سے میرے بارے میں تازہ ترین معلومات ہوں اور وقت نہ ملی۔ مگر میں سوچ کر مجھے [illegible] اگر اسرائیل کسی فلسطینی کو [illegible] کے بارے میں کوئی [illegible] اطلاع نہیں ہوئی تو مجھ سے رابطہ کرنا۔
اگلی صبح میں جلدی بیدار ہو گیا اور غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر نیچے آیا۔ بیک اسٹریٹ کے بجائے ریستوران میں ماریا کے گھر کا نمبر ملایا۔ کئی گھنٹیوں کے بعد مجھے ہیلو پر ایک غنودہ مگر جانی پہچانی آواز سنائی دی۔
"ماریا پلیز!" میں نے نرمی سے کہا۔
"وہ باتھ روم میں ہے۔ تھوڑی دیر انتظار کرو۔" یہ کہہ کر دوسری جانب سے ریسیور رکھ دیا گیا اور نیچے [illegible] سنائی دی۔
تھوڑی دیر بعد مجھے ریسیور میں ماریا کی سریلی آواز سنائی دی۔
"معذرت چاہتی ہوں ماریا۔ گیارہ بجے میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"
"مشکل ہے مجھے آج اسے نمٹنے کے ساتھ ایک میٹنگ میں شرکت کرنی ہے۔"
"جیسے مرضی مجھے [illegible] مجبور نہ کرو۔"
"میں تمہیں دس منٹ سے زیادہ نہیں روکوں گی۔" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔
"دس منٹ ہی کافی ہوں گے!" میں نے جلدی سے کہا۔ "میں کیوں جیمز کی طرف [illegible] کے سلسلے میں کچھ باتیں معلوم کرنی چاہتا تھا۔"
میں نے گفتگو مختصر کی اور اس شخص کی شبیہ کا خیال ہر دم رہا گیا جس ماریا نے میری فون کال ریکارڈ کرنی شروع کر دی ہو۔
"تو وہ ابھی معلوم کر لو!"

"وہ دیکھو! ہماری اپنی جان کی قدر [illegible]"
[illegible] سوال نہ ہو وہ جہاں بھی ہو گئے پانی [illegible]
"بہ دونوں ہی آگ کے شعلے بھی رہتے تھے۔"
"چند منٹ کے بعد ہی بینک کے سامنے [illegible] کسی کا بھی یقین نہیں [illegible] انتظار کرنا ہو۔"
"ٹھیک ہے۔" آواز آئی "اس نے وہ [illegible] کھینچتے ہوئے [illegible] میں بھی اس سے نکلا جب میں وقت کھٹک بینک کی عمارت کو شعلے نکلتے ہوئے [illegible] کا نام تو دینا چاہتا تھا۔
بینک کے مقابل مجھے ایک ایسا ہائی اسٹال نظر آیا جہاں [illegible] کی نظروں میں آئے بغیر خاصا وقت گزارا جا سکتا تھا۔
ٹھیک نو بجے بینک کے دروازے کھول دیئے گئے۔ جلد ہی بینک میں اندر چہل پہل ہو گئی۔ ٹھیک نو بج کر تین منٹ پر ایک شخص بینک کی ایک آفس کی کھڑکی سے نکل کر وہ [illegible] ان میں سے ایک کے ہاتھ میں حافظ جیسی وردی تھی اور [illegible] اور کار توس کی پیٹی جھول رہی تھی۔
ان میں سے سادہ لباس والے نے بینک کے [illegible] اور وہ [illegible] مسلح محافظ کی مدد کرنے لگا۔ انہوں نے سیاہ رنگ کا ایک خاصا وزنی مقفل صندوق نکالا اور اندر لے گئے۔
اس صندوق کی ساخت کسی کیش بکس جیسی تھی۔ اس سے معلوم ہو رہا تھا کہ کسی بڑے ادارے کا خطیر رقم [illegible] بینک میں جمع کرانے آیا ہے۔ وقت گزرنے کے بعد دونوں آدمی ایک ایک کر کے بینک میں گھس گئے اور تیزی سے [illegible] میں کوئی دس منٹ تک ان کھڑکیوں سے بینک کے اندر دیکھتا رہا۔ مگر بینک کا دربان واپس نہ آیا اور میری بے چینی بڑھنے لگی۔ تشویش ہو جانے کا سگنل دے رہی تھی۔
سیکنڈ گزرتے رہے۔ ایک منٹ پورا ہوا اور [illegible] لیکن اندر سے کسی کی واپسی کے آثار نظر نہ آئے۔ [illegible]
پھر اس دوران میں کوئی نیا آدمی اندر داخل نہیں ہوا۔
آخر کار خوانچے والا شخص بوکھلائے ہوئے انداز میں بینک سے باہر نکلا۔ باہر آ کر اس نے دو تین بار [illegible] جیسے کسی سواری کی تلاش میں ہو۔ پھر تیزی سے [illegible] آگے بڑھنے کے بعد بینک کا دربان بھی نظر آیا۔ [illegible] مسلح محافظ بھی۔ [illegible] کے قریب پہنچ گیا اور وہاں [illegible] اس سے کچھ کہا جس نے اسے وہاں اندر لوٹ گیا۔ [illegible]
اس طرح چار دن تک وہ بظاہر ٹریفک [illegible] باہر نکلا جیسے [illegible]

یا سواری کی شدید تلاش ہو پھر وہ اپنے ساتھی کی مخالف سمت میں چل دیا۔
زندہ رہنے کے اس معاملے میں دلچسپی لینے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ مگر مجھے بڑی حد تک اندازہ ہو گیا تھا کہ بینک میں کیا ہوا ہے۔ خزانہ [illegible] پہنچنے کے بعد خزانچی اور محافظ نے صندوق کی حالی موجود ہونے کا انکشاف کر دیا اور خزانچی جوابی دعوے سے گھبرا گیا۔ صندوق کی حفاظت کے لئے اس نے محافظ کو اندر بھیج دیا تھا مگر بعد میں کوئی اہم بات دریافت کرنے کا بہانہ تلاش کر کے بینک کے دربان کو خوشامد کی اور اپنی جگہ اسے صندوق کی نگرانی پر چھوڑ کر بجوم میں غائب ہو گیا۔
اگر اس صندوق میں بھی اتنی مقدار میں پہنچایا گیا تھا تو وہ کسی بھی وقت پھٹ سکتا تھا۔ خیر کی صورت یہی تھی کہ بینک کا عملہ اس صندوق پر شبہ کرنے لگتا اور عمارت سے صندوق باہر رکھ دیا جاتا یا ماہرین طلب کر لیتے جاتے۔
نو بج کر بارہ منٹ پر وہ علاقہ ایک ہولناک دھماکے سے گونج اٹھا۔ دور دور تک عمارات کی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ گئے اور ہر طرف بھگدڑ مچ گئی۔ فضا میں ہر طرف دھواں اور غبار پھیل گیا تھا۔
کلف بینک کی شاخ میں آگ کے شعلے بھڑکتے نظر آ رہے تھے۔ دھماکے کے بعد اندر سے کوئی بھی شخص باہر نہ نکل سکا۔ دو منزلہ عمارت ملبے کے کسی ڈھیر کی طرح ملبے میں تبدیل ہو چکی تھی اور آگ کے شعلے تیزی سے ہر طرف پھیلتے جا رہے تھے۔
آگ پھیلنے کا اندازہ تھا کہ اس پر آسانی سے قابو نہ پایا جا سکے گا۔ دھماکے کے ساتھ آگ کے شعلے دور دور تک پھیل گئے تھے۔ میں جتنے وہاں رکے رہنا خطرناک تھا لہذا میں بھی ریسائل وغیرہ چھوڑ چھاڑ کر بھاگتے ہوئے ہراساں ہجوم میں شامل ہو گیا۔
دہشت اس قدر شدید تھی کہ بسٹ تو دکاندار بھی تالا لگائے بغیر ہی بھاگ کر دور جانے لگے بھاگتے ہوئے مجھے بہت دور سے فائر انجن کے سائرن سنائی دے رہے تھے۔
اس علاقے سے تھوڑی دور نکلنے کے بعد میں نے اپنی رفتار دھیمی کر دی۔ فلسطینی حریت پسندوں کی آزادی کے لئے ایک اور کوشش کا مظاہرہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا تھا۔
وہ دونوں آدمی موت کو چیلنج کرتے ہوئے بینک تک پہنچے تھے۔ دو تین منٹ پہلے بینک میں داخل ہوئے اور نو بج کر بارہ منٹ پر صندوق بم دھماکے سے پھٹ گیا۔ اگر ان کی کسی ٹریفک میں پھنس جاتی یا ان کو [illegible] فلیٹ ہو جاتا یا انہیں بینک سے نکلنے میں ذرا سی بھی دیر ہو جاتی تو ان کے جسموں کے چیتھڑے بھی نہ ملتے۔ [illegible] معلوم تھا کہ جیسے وہ لوگ اپنی جان [illegible]

حصول کی خاطر موت سے جدوجہد کے لئے تیار رہتے ہوں۔
اس صندوق میں دھماکے کا وقت متعین کرنے کے لئے غالباً کوئی جدید ترین طریقہ استعمال کیا گیا تھا ورنہ متحرک پرزوں کی مسلسل دھک دھک سے دربان کو خطرے کا پیشگی احساس ہو سکتی تھی۔
کلف بینک کی بربادی کا عبرتناک منظر دیکھنے کے بعد میں ہوٹل پہنچ گیا۔ وہاں میں نے ہسکی کے دو پیگ پی کر اپنے کھوئے ہوئے اعصاب کی قوت کو یکجا کیا اور تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد گرد کا دیا ہوا تحفہ سا بیگ لے کر دوبارہ باہر چل دیا۔
ٹھیک گیارہ بج کر دو منٹ پر ماریا کی آسٹن مقررہ مقام پر آ رکی اور میں جلدی سے اس کے پہلو والی نشست پر بیٹھ گیا۔
ماریا کا چہرہ زرد پڑا ہوا تھا اور وہ کھوئی کھوئی سی نظر آ رہی تھی۔ مجھے بغیر کچھ کہے بعد اس نے نہایت خاموشی سے کار آگے بڑھا دی۔ "تم کچھ پریشان ہو؟" میں نے اسے چھیڑا۔
"ان لوگوں نے بینک کو بری طرح تباہ کر دیا!" وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔
"کون سا بینک؟"
"انہوں نے پتہ چلا لیا کہ میرے کیسٹ کہاں محفوظ کئے ہیں اور آج صبح اس بینک کو ملبے کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا گیا۔ وہاں ابھی تک آگ لگی ہوئی ہے۔"
"نہ جانے تم کن لوگوں کی بات کر رہی ہو!" میں نے انجان بنتے ہوئے کہا۔
"خدا کے لئے مجھ سے کھل کر بات کرو۔" وہ ڈوبتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "ورنہ میرا کلیجہ دہشت سے پھٹ جائے گا۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"
"میں کھل کر بات کروں تاکہ تم ریکارڈ تیار کر سکو۔" اس کی ابتر حالت کے پیش نظر جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ مکاری نہیں کر رہی تو میں ملامت پر اتر آیا۔
"گاڑی میں کوئی ریکارڈر نہیں ہے۔ میں بینک کی طرف سے اس علاقے کا حشر دیکھتی ہوئی آئی ہوں۔ وہ مجھ سے جو کچھ چاہیں گے میں حرف بحرف اس پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔"
"تمہاری شرائط کا کیا ہوا؟"
"جہنم میں گئیں میری شرائط! میں بس زندہ رہنا اور طبعی موت مرنا چاہتی ہوں۔ ایسے سفاک لوگوں سے مخاصمت مول لینا میرے بس سے باہر ہے۔"
"تم نے یہ سمجھنے میں خاصی دیر لگائی۔"
"یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے کس لئے بلایا تھا؟"
"محمود کے جانشین کا پیغام پہنچانے کے لئے۔"
"تو کیا وہ واقعی مر گیا؟"

"مراجیں تو لالچ ضرور ہے اور اس کا جانشین اپنی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو بے رحمی سے روند ڈالنے کا عادی ہے۔"

"وہ کیا چاہتا ہے؟"

"تم نے مجھے دس منٹ دیئے تھے جو پورے ہونے والے ہیں۔"

"وہ ذرا تفصیلی بات ہے، بعد میں سکون سے سمجھ لینا۔"

"میں شام تک تمہارے ساتھ رہنے کو تیار ہوں، مجھے پوری بات بتاؤ۔" وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔ بنک کی بابت اس کا سارا غصہ نکل گیا تھا۔

"تمہیں اپنے دفاتر میں واقع اسلحے کی تجربہ گاہ سے ملحقہ اسٹور میں ایک چھوٹا سا ڈائنامائٹ رکھنا ہوگا!"

"اسٹور میں!" اس کی آنکھیں حیرت سے پیشانی پر جا پڑیں۔

"ہاں — وہ ہزار آنکھیں رکھتا ہے اور بہت قریب سے تم پر نظر رکھے گا۔ اگر آج شام چار بجے تک ڈائنامائٹ نے کام نہ کیا تو کل صبح تمہارے اعضاء تل ابیب کی مختلف سڑکوں پر بکھرے پڑے ملیں گے۔"

اس نے اچانک گاڑی فٹ پاتھ کے کنارے روک دی۔ اس کا چہرہ پسینے میں نہایا ہوا تھا اور بدن پر رعشے کی سی کیفیت طاری تھی۔

"ہم...... میں ڈرائیونگ نہیں کر سکوں گی۔" وہ ہانپتے ہوئے بولی۔ "مجھے تھوڑی سی شراب کی شدید ضرورت ہے، مجھے کسی قریبی بار میں لے چلو۔"

"میرے گھر چلو۔ وہاں تمہیں سکون مل سکے گا۔" ایک بار اس کا گھمنڈ ٹوٹ جانے کے بعد میں نے ضرورت کے تحت نرم رویہ اختیار کر لیا۔

"نہیں گھر نہیں۔ مجھے آرام کی ضرورت ہے۔" وہ شدت سے سر ہلاتے ہوئے بولی۔

میں نے اسے ہٹا کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور واپس کار شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہاں شراب نوشی اور کافی دیر کے آرام کے بعد اس کی حالت کچھ بہتر ہوئی اور اس نے ایک بار پھر گفتگو کا سلسلہ شروع کر دیا۔

"مجھے ڈائنامائٹ اسلحے کے اسٹور میں رکھنا ہے؟"

میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"تم جانتے ہو کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟"

"اس نے کچھ نہ کچھ نتیجہ حاصل کرنے کے لئے ہی یہ ہدایت دی ہے ورنہ وہ تمہیں یہ حکم بھی دے سکتا تھا کہ ڈائنامائٹ کسی شراب خانے میں ڈال دو۔"

"اور دھماکہ چار بجے سے پہلے ہونا ہے؟" وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی۔

"مجھ سے یہی کہا گیا ہے۔"

"وہاں کم از کم ساٹھ آدمی اور عورتیں کام کرتی ہیں۔ سوا بارہ بجے لنچ بریک ہوتا ہے۔ لنچ بریک سے قبل سب اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں اور دو بجے تک واپس آ جاتے ہیں۔" وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولی۔

"مگر یہ سب اسرائیل کے نوجوان فوجی ہیں۔"

"نوجوان ضرور ہیں مگر سب فوجی نہیں۔"

"فوجی مقاصد کے لئے کام کرنے والا ہر شخص فوجی تصور کیا جاتا ہے۔ فوجی سے مراد وہی افراد نہیں جو ہتھیار اٹھا کر محاذ پر جاتے ہیں۔"

"وہ جو بھی ہیں میرے ہم مذہب اور ہم وطن ہیں۔ کیا میں ان سب کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر دوں۔"

"مجبوری آدمی سے کیا کچھ نہیں کرواتی۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "اپنے مفاد کی خاطر بھائی بھائی کا گلا کاٹ دیتا ہے۔ یوں سمجھو کہ تم نے اس ضد کی خاطر حکم کی تعمیل کی اور ان ساٹھ افراد میں سے کسی کو احساس تک نہ ہوگا کہ ان کے لئے کتنی بڑی قربانی دی گئی ہے۔"

"شاید اس طرح وہ محمود کی موت کا انتقام لینا چاہتا ہو!"

"تمہارا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔"

اس نے خاموش ہو کر اپنا سر جھکا لیا۔ کئی منٹ تک ہم دونوں کے بوجھل سانسوں کی آواز گونجتی رہی پھر وہ آواز میں بولی۔

"میری عمر صرف چوبیس سال ہے، میں نے زندگی میں ابھی کچھ نہیں دیکھا۔ مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں کہ میں اپنی جان کی عظیم قربانی دے سکوں۔ وہ وعدہ ... یاد ... کیا پڑے گا۔"

"تمہارا فیصلہ بہت دانشمندانہ ہے۔"

"مگر میں ..." وہ آہستہ سے بولی ... شدت کے ساتھ مایوسی کے جذبات غالب آ رہے تھے۔

"وہ کیوں؟"

"مارا سے تمہیں کوئی عداوت نہیں ہوگی۔ وہ ... کے دشمن ہیں۔" وہ اچانک بولی۔ "جب میرے پاس ... نہیں ہوگا تو وہ مجھے کس لئے بلیک میل کریں گے!"

"ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں فوراً چھوڑ دیں ... مقصد کے لئے تم اسے میرے حوالے سے ..."

چونک کر بولی۔ "وہ تو مجھے اسی وقت روک دے گا جب اسے ارادے کی بھنک مل جاتی ہے!"

...

"میری جگہ وہاں ان لوگوں کے ساتھ ہوں گی۔"

"میں خود ہی مستعفی دے کر خاموشی سے کسی دوسرے ملک کی طرف نکل جاؤں گی۔ نہ جانے کس وقت اس کے طالبات میری جاسوسی بھی باہر ہو جاتیں اور نرمی کا آزال مجھے کسی شارع عام پر لٹکا دے!"

"ہو سکتا ہے کہ اس طرح یہ روحانی سکون حاصل کرنے میں تمہیں کچھ دیر لگے۔"

"چونکہ تم چور ہی واپس چلی جاؤ۔" میں نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"وہاں پہنچ کر جب پانچ بجے کا کھیل شروع ہوگا اس وقت میں اس قدر دل گرفتہ ہوں کہ مجھے تمہاری باتوں کے سہارے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے!"

"پہلے تم ڈائنامائٹ کا شاپر مجھے دے دو۔" میں نے محمود کا دیا ہوا چھوٹا سا پیکٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

اس نے ... کاغذ پھاڑ دیا جس کے اندر ایک ڈبے میں ... جدید قسم کی ... تھی جس پر ایک ڈائل بھی لگی ہوئی تھی۔

وہ ڈبے کو دیکھ کر ... رہ گئی۔ "تو اب وہ لوگ اس قدر حساس اور نازک ہتھیار استعمال کرنے لگے ہیں۔"

"کیا خاص بات ہے اس میں؟"

"اس ڈائل پر ایک سے ساٹھ تک نشانات بنے ہوئے ہیں جو ایک منٹ فی نشان کے حساب سے ایک گھنٹے کی مدت کو ظاہر کرتے ہیں۔ گھنڈی کو گھما کر سوئی کو کسی بھی جگہ فکس کیا جا سکتا ہے۔ گھنڈی کو اوپر کھینچنے سے ایک غیر متحرک الیکٹرونک سرکٹ کام شروع کر دیتا ہے اور سوئی کی پوزیشن کے مطابق گھنڈی کھینچنے کی مقررہ مدت کے بعد یہ خوفناک دھماکے سے پھٹ جاتا ہے۔ ایک مرتبہ گھنڈی اوپر کھینچنے کے بعد اسے دوبارہ دبا کر ڈائنامائٹ کو ناکارہ بنانا ناممکن ہے۔"

ماریا اس کے بارے میں بتا رہی تھی اور میرا ذہن گلف بنک کے واقعہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہاں لائے جانے والے بیگ میں بھی یقیناً ایسا ہی کوئی بے آواز سرکٹ نصب تھا جس کی مدت تین یا چار منٹ سیٹ کی ہوئی تھی۔ بعد میں نکلنے والے مسلح محافظ نے بیگ کے نکلنے سے قبل کوئی سوئچ دبا کر سرکٹ آن کر دیا ہوگا اسی لئے اس کے جانے کے چند منٹ بعد وہ بیگ ہولناک دھماکے سے پھٹ گیا۔

"خاصا جدید ہتھیار معلوم ہوتا ہے۔"

"جدید ترین ہے۔" وہ اسے الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ حال ہی میں اسرائیل کا ... متعارف کرایا گیا ہے۔"

"غنیمت ہے کہ تم اس کے استعمال سے واقف ہو!"

"اب اسے بھول جاؤ، میں کچھ دیر کے لئے لطف و سرور کی ... دنیا میں کھو جانا چاہتی ہوں۔" ...

جھٹکے کھا۔

کانٹی نینٹل ہوٹل کے اس کمرے میں وہ دو تین دن میری مہمان رہی اور میں اخلاقی طور پر اس کی جائز خواہشات پوری کرنے پر مجبور تھا۔ میں نے اس کی نازبرداری سے گریز کرنا چاہا لیکن وہ اپنے وجود کی تمام طلسمی صلاحیت سے پوری طرح باخبر تھی۔ اس نے مجھے آرام سے رام کر لیا۔

وہ چلی گئی تو میں آرام کی نیت سے بستر پر دراز ہو گیا۔ تھوڑی دیر سونے کے بعد میں چار بجے سے پہلے ہی آرمی انٹیلی جنس بیورو کی عمارت کے قرب و جوار میں پہنچ جانا چاہتا تھا تاکہ اپنی آنکھوں سے ان درندوں کی بربادی کا منظر دیکھ سکوں۔

اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق تین بجے میں ہوٹل سے چل دیا۔ سڑکوں اور بازاروں میں گلف بینک کی بربادی کا نمایاں اثر نظر آ رہا تھا۔ دکانوں اور بازاروں میں خریداروں کا رش کم ہو گیا تھا۔ ٹریفک میں بھی خاصی کمی آ گئی تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس واردات کے سوگ میں بعض تجارتی مراکز صبح سویرے ہی بند کر دیے گئے تھے۔ بینک اور شیئر مارکیٹ بھی بند کر دی گئی تھی اور سڑکوں پر جابجا مسلح فوجیوں کا گشت جاری تھا۔ اہم مقامات اور تنصیبات پر بھاری پہرہ عائد تھا۔

اس صورتِ حال نے مجھے قدرے خائف کر دیا اور میں بازار کا چکر لگا کر ہوٹل میں واپس آ گیا۔ آرمی انٹیلی جنس کی عمارت کے قرب و جوار میں میری موجودگی میرے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔

ہوٹل میں آ کر میں ٹی وی لاؤنج میں آ گیا اور وہیں بیٹھ کر اپنے پسندیدہ مشروب کا آرڈر دے دیا۔ ٹی وی کے ذریعے مجھے اسرائیل اور تل ابیب کے بارے میں زیادہ خبریں مل سکتی تھیں۔

ٹی وی پر اس وقت موسیقی کا پروگرام جاری تھا کہ سوا پانچ بجے نشریات روک کر ایک اہم اعلان کی خبر دی گئی۔

چند ثانیے بعد اسکرین پر ایک افسر کی شکل نظر آئی جس نے بتایا کہ صبح گلف بینک کی برانچ تباہ کرنے والے [illegible] کے ذریعے حملہ کیا گیا جس میں سات افراد زندہ جل گئے۔ اس کے بعد ٹھیک چار بجے شہر کی ایک اہم عمارت پر زبردست حملہ کیا گیا جس سے کئی عمارتیں ملبے کا ڈھیر بن گئیں۔ دھماکوں کے وقت محتاط اندازے کے مطابق اس عمارت میں ساٹھ عورتیں اور مرد موجود تھے جن کی اکثریت کے مر جانے کا اندیشہ تھا۔

ان واقعات کے بعد انتظامیہ نے تاحکمِ ثانی شہر میں کرفیو نافذ کر دیا تھا تاکہ مشتبہ افراد کی تلاش میں فوجی حکام کو آسانی ہو۔

اس اعلان کے بعد ایک مختصر وقفہ لیا گیا۔ اسکرین پر نظر آنے والے افسر کا چہرہ ستا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس نے [illegible] دہشت گردوں کی

سرگرمیوں پر شدید ملامت کے دوران اس نے بتایا کہ [illegible] والے دو خون آشام دھماکوں کے علاوہ پچھلے آٹھ گھنٹوں کے دوران [illegible] چھ شہروں میں اسرائیلی جنگ کے دفاتر پر بھی [illegible] سے حملے کیے گئے جن میں سات شہری ہلاک ہو گئے جب کہ [illegible] جوابی کارروائی میں مارے گئے جو بعد میں [illegible] ثابت ہوئے۔

پھر جب میں نے ان چھ شہروں کے نام سنے تو [illegible] ہوئی فہرست کے عین مطابق تھے مگر [illegible] شہر قرار دینے کے بجائے اسرائیلی شہر کہا تھا۔

مجھے وہ اطلاعات مل گئی تھیں جن کے لیے میں [illegible] بے چین تھی لہٰذا [illegible] قصبے کی خبروں نے تل ابیب کی [illegible] دکھائی دے رہا تھا۔ سارے بازار بند ہو چکے تھے اور لوگ [illegible] گھروں کی راہ لے رہے تھے تاکہ کرفیو کے نفاذ سے [illegible] سے پہلے ہی اپنے گھروں کو پہنچ جائیں۔

میرے دیکھتے ہی دیکھتے [illegible] ویران [illegible] فوجی گاڑیوں کی [illegible] وحشت ناک گونجنے لگی۔

[illegible] بہت دیر تک یونہی کھڑکی کے سامنے بیٹھا رہا۔ [illegible] کہ سورج بھی غروب ہو گیا اور [illegible] کی چادر پھیل گئی۔

پھر [illegible] تل ابیب کی فضا جنگی طیاروں کی [illegible] لرز اٹھی اور میں نے میزائل اور [illegible] طیاروں کی [illegible] میں جاتے دیکھیں۔

ان خون آشام طیاروں کو فضا میں گرجتے [illegible] بے اختیار مجھے فلسطینی بستیاں اور کیمپ یاد آ گئے [illegible] فوری جنگی قدم نہیں بھی اٹھا رہا تھا تو [illegible] ٹھکانوں کو [illegible] بنانے والا تھا۔

میں ان ہی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا [illegible] پر تیزی سے دستک سنائی دی جس نے مجھے تصورات کی دنیا سے [illegible] میں نے بڑھ کر دروازہ کھولا تو [illegible] اور آنکھوں کے سامنے بے شمار ستارے [illegible]

میرے دروازے پر [illegible] پولیس کا [illegible] موجود تھی۔ اس کا چہرہ [illegible] اس کے بدن سے لہو کی آخری بوند تک [illegible] حالت دیکھ کر میرے ذہن میں ابھرنے والا [illegible]

[illegible] ہوئے قدموں سے میرے کمرے [illegible] دونوں [illegible] بھی اس کے پیچھے [illegible]

[illegible]

"تمہارے شہر کی عمارت برباد ہو گئی؟" میں نے حیرت سے کہا۔ [illegible]

"دہشت پسند تخریب کاروں کی کارروائی معلوم ہوتی ہے۔" وہ [illegible]

[illegible]

طرف ہوتا تو بالکل ٹھیک ہے۔"

"میں تو مجبور ہو گیا تھا کہ شہر میں [illegible] گلف بینک کی [illegible] والے حملے کے [illegible] حالانکہ اس حادثے میں بھی کئی آدمی مارے گئے تھے۔"

"تمہیں یہ سمجھنا ہی چاہیے تھا۔" وہ زہرخند کے ساتھ بولی۔

"وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ تمہارے سامنے میز پر رکھی ہوئی وہسکی کی بوتل [illegible] خالی ہو چکی ہے۔" وہ میرے قریب [illegible] اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "اتنی مقدار میں [illegible] پینے کے بعد [illegible] جانا بالکل قدرتی نظر آتا ہے۔"

"یہ تو [illegible] کہا جا سکتا ہے۔" میں نے اس کے [illegible] آنکھ مار کر کہا۔ "تم بھی پی کر دیکھو [illegible]"

"شٹ اپ!" وہ ہاتھ اٹھا کر [illegible] لہجے میں بولی۔ "میں ڈیوٹی پر ہوں اور [illegible]" میں نے بھی اس کے [illegible] کے جواب میں ایک [illegible] سنجیدگی اختیار کر لی۔

وہ چند ثانیوں تک مجھے [illegible] نظروں سے گھورتی رہی۔ اس کیفیت میں وہ مجھے بہت زیادہ دلکش نظر آ رہی تھی۔ [illegible]

[illegible] پلٹ کر اپنے ساتھ آنے والوں سے کہا۔

اس کے احکام پر دونوں نے [illegible] میرے کمرے سے نکل چلے گئے۔

"یہ تم نے بہت اچھا کیا۔" میں نے دروازہ بند کر کے واپس آتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" اس نے بے ساختہ سوال کیا۔

"وہ دونوں یہاں [illegible] ہوئے تھے۔" میں صوفے پر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے شوخ لہجے میں بولا۔

"میں بہت پریشان ہوں عمر!" وہ الجھے ہوئے لہجے میں بولی۔ "تم نے مجھے نہایت خطرناک اور گھناؤنی سازش میں [illegible] ہے۔"

"مجھے الزام نہ دو ماریا!" میں خشک لہجے میں بولا۔ اس کی زبان سے وہ الفاظ سنتے ہی ساری سرمستی [illegible] اور میں غصے میں آ گیا۔ "[illegible] حقیقت صرف پیغام رسانی کی تھی۔ [illegible]"

"جب سے میں نے اس دھماکے کی تباہ کاری دیکھی ہے [illegible] مجھے اپنے وجود پر شرم آ رہی ہے۔"

"آنا چاہیے!" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ [illegible]

"[illegible]" وہ [illegible] لہجے میں بولی۔

"میں نہیں تو اور کون ہو سکتا ہے؟" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "تو پھر بہت میں یہ جانتا ہوں کہ تمہاری [illegible] کی نوعیت کس شکل میں ہے۔"

"تمہیں کیا ہو گیا ہے صفدر..." وہ صوفے کی پشت گاہ سے سر لگا کر شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ "مجھے اس وقت تمہارے سہارے کی ضرورت ہے۔"

میں چند لمحوں تک خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "تم میری نگاہوں میں اپنا اعتبار کھو چکی ہو۔"

"ایسا نہ کہو صفدر، میں نے کبھی اپنے دل کی بات تم سے نہیں چھپائی۔"

"مگر یہ کیا کی ہے؟" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"وہ خود..." اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ ایک طویل سانس لے کر اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑی ہو گئی... [illegible] اس حماقت کا انجام کچھ لیا ہے... تم کو اس [illegible] کی بہت [illegible] سکوں گی مجھے جیسے سکون میں اب اندازہ ہوا ہے کہ جن لوگوں سے میرا واسطہ پڑا ہے وہ اسرائیل میں بھی [illegible] کرتے تھے اور [illegible] تم میری جاسوسی [illegible] سکتے ہو کوئی بچپ [illegible] چھپا کر نہیں پالی۔"

"جلدی جاؤ۔" میں نے [illegible] سے کہا۔ "مجھے تمہارے الفاظ پر اعتبار آ گیا ہے۔"

"[illegible] کے انداز میں ہونے والے [illegible] اور وہ بھی ہوائی اڈے میں بولی۔ "میں اس بھرے پُرے شہر میں اس وقت [illegible] محسوس کر رہی ہوں جب اپنے دل کا [illegible] تمہیں سچا [illegible] اور [illegible] کی کوشش میں تمہارے پاس آئی تھی [illegible] تم نے کوئی [illegible] بات کی ہے [illegible] بھی [illegible] معلوم ہوئی۔"

[illegible] سے [illegible] اس کے پہلو میں جا بیٹھا "میں تم سے [illegible] محبت ہوں ما [illegible] نہیں ساتھ کر میں اپنے دل کے [illegible] کی محسوس [illegible] جن لوگوں سے ہو [illegible] واسطہ پڑا ہے [illegible] کے [illegible] میں تمہیں چاہت کر [illegible] ہم دونوں کے لیے [illegible] کھول [illegible] وہ لوگ مرنے سے [illegible] میں [illegible] کرتے ہیں۔"

"وہ بیچارے [illegible] مار بیٹھے ہیری کے [illegible] ہاتھوں میں سمٹتے ہوئے بولی۔ "نہ جانے وہ کون [illegible] ہے جس نے ہمیں آنے پر [illegible] اس کے [illegible] میں زیادہ [illegible] میں نے [illegible] ہوئے اس کی پشت سہلاتے ہوئے کہا "بس [illegible] بس آنکھوں کے [illegible] اب [illegible] ہوں۔ [illegible] کوشش کی تھی تو [illegible] اس کا بھیانک انجام بھی سامنے آ گیا۔"

"تم [illegible] کے بارے میں کیا معلومات حاصل ہوئی ہیں؟"

"تو اب [illegible] ہے۔" اس کی سہمی ہوئی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"وہ [illegible] کے بارے میں جلد از جلد اطلاعات حاصل کرنا چاہتے ہیں اور میں [illegible] نہیں [illegible] پہلے نہیں [illegible] کرنا چاہتا تھا [illegible] ہو کر میرے [illegible] کے دوران [illegible] تمہاری [illegible] ہے۔"

"[illegible] جہاں ان دنوں فرانس میں ہے۔"

"فرانس میں؟"

"ہاں وہ فرانس کی کسی سفارتی مشن سے [illegible] کاری [illegible] ہے [illegible] میرے [illegible] مقصد حاصل کرنے گیا ہوا ہے۔"

"تو کیا وہ اسرائیلی وزارت خارجہ کے لیے کام کرتا ہے؟"

"پچھلے دنوں وہ صحرائی کاشتکاری کے [illegible] اور [illegible] گیا تھا [illegible] معاملات میں کہیں نہ کہیں اس کی ذات [illegible] بول کر کوئی [illegible] مگر وہ اس آدمی ہے تو کیسے معلوم [illegible] گیا ہو گا۔"

"شاید!"

"مجھے تمہاری حسن رائے چاہیے ماریا۔" میں نے [illegible] پوچھا [illegible] ہوا لگا کر وہ مجھ سے کوئی بات چھپا رہی ہے۔

"وہ کسی اور چکر میں بھی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"یقینی طور پر [illegible] نہیں چل سکا مگر مجھے [illegible] جو بری [illegible] کے حصول کی کوششوں میں [illegible] ہیں [illegible] جا سکتے ہیں۔"

"مگر اسرائیل تو ایٹمی ملک نہیں ہے۔" میں نے [illegible] کہا۔

"یہ تصور [illegible] کہ وہ [illegible] کوئی اسرائیلی [illegible] لوگ ہمیشہ ایسے اسلحے کی جستجو میں رہتے ہیں جو [illegible] ہو اور [illegible] جانی اور مالی نقصان پہنچایا جائے اور اس حسن [illegible] مگر خود بھی کسی ایٹمی ہتھیار سے [illegible] نہیں ہوں [illegible] وجود برقرار [illegible] کرتے ہوئے کہا۔

"تمہاری ذات میں ایک عجیب سی کشش محسوس [illegible] میری [illegible] آمیز لہجے میں بولی۔

"میری خوش نصیبی ہے۔" میں نے کہا۔ [illegible] کے بعد میں نے تھوڑی [illegible] گفتگو کا رخ بدل [illegible]

"تم کو صحیح [illegible] تو [illegible] کے بارے میں اطلاعات کب تک پہنچا سکو گی؟"

"یہ بڑا مشکل ہے جو ممکن ہے کہ خوش قسمتی سے [illegible] بھی مجھ سے [illegible]" میں نے جواب دیا۔

"مگر [illegible] کے دوران [illegible] پوچھ [illegible] نقل و حرکت پر کوئی [illegible] پابندی ہے۔"

"[illegible] کب ہو گا؟"

"مگر [illegible] مقصد کے [illegible] لطیفوں کی [illegible] حکام [illegible] تیر [illegible] کو [illegible] آبادیوں کے سوا [illegible] علاقوں سے [illegible]

"[illegible] ہوگا۔" [illegible] کہ وہ بہت بڑا ہو گا۔" میں نے نظر [illegible] میں کوئی آدمی کو [illegible] کہا۔ "[illegible] آباد [illegible] کب تک [illegible] کی ایسی [illegible] [illegible] بہت [illegible] ہے [illegible] بہت [illegible] بیٹھ کر وہاں کا [illegible] کر سکے گا [illegible] مسئلہ پیدا کر [illegible] کے [illegible] ہو جائے گی۔

[illegible] اس وقت [illegible] سے [illegible] جو اب نہیں لگی۔ ان معاملات کو [illegible] کر کے [illegible]

"[illegible] کا خیال ہے [illegible]"

"میں [illegible] متفق ہوں مگر [illegible] تو سنجیدہ گفتگو کا ایک حصہ ہی ہے۔"

"[illegible]" وہ [illegible] آواز میں بولی۔

"وہ کیا؟"

"[illegible] زندگی کے بارے میں تمہاری [illegible]"

"اس [illegible] کا اندازہ بھی ہو گا کر [illegible] بہت ہے۔"

"تمہیں [illegible] ٹھیک نہیں ... سے [illegible] ہو جاتے ہیں [illegible] ہوں گے [illegible] وقت پر یہاں پہنچے گا۔ اس [illegible] میکرات [illegible] نہیں۔ ہر حال اس کی اطاعت کرنی ہے۔" وہ مجھے [illegible] تمہاری تربیت گرم صحرائی موسم اور حالات میں ہوگی جہاں تمہاری صلاحیت کے ساتھ [illegible] قوت [illegible] جائے گی اور انہیں [illegible] حالات [illegible] جرأت [illegible] نہیں کرتا [illegible] فوجی مقابلے کے مطابق [illegible] ہو جائے گی [illegible] بھی نہ ہو سکے گی۔"

"مگر ماریا! اسے فوجی [illegible] کیا جاؤں گا؟"

"[illegible]"

"مگر [illegible] کو [illegible] اچھا ہے صحرا کی راتیں تو بڑی خنک ہوتی [illegible] کہاں [illegible] گا؟"

"وہ تمہیں کیمپ میں پتہ چلے گا۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"کیمپ [illegible] کسی استوائی خطے میں تو نہیں ہے؟"

"[illegible] اسرائیل کی سرحدوں سے باہر نہیں لے جایا جائے گا۔"

اس کے [illegible] میرے کمرے میں [illegible] کی [illegible] آخری [illegible] سے بھی محروم ہو گئی اور جب ماریا مجھ سے رخصت ہوئی تو [illegible] فکر [illegible] کی پرچھائیاں غائب ہو چکی تھیں۔

[illegible] میں نے کمرے کی روشنیاں گل کر دیں اور بستر پر [illegible] اس وقت [illegible] ایک کیفیت [illegible] مجھے [illegible] محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے بستر [illegible] تمام [illegible] پر غور [illegible] کر دیا مگر [illegible] گہری نیند سو گیا۔

[illegible]

تھا اور دل کی دھڑکن خاصی تیز محسوس ہو رہی تھی۔

میں اندھیرے میں کئی منٹ تک آنکھیں پھاڑے بے حس و حرکت لیٹا رہا۔ میں نے ذہن پر بہت زور دیا مگر یاد نہ آ سکا کہ میں کس ڈراؤنے خواب کی وجہ سے بیدار ہوا تھا یا کس وجہ سے میری حرکت قلب تیز ہو رہی تھی۔

پھر اچانک مجھے تاریک فضا میں دھوئیں کا ایک تازہ مرغولہ آہستگی کے ساتھ پھیلتا اور ابھرتا ہوا نظر آیا اور میں کوئی حرکت کیے بغیر چوکنا ہو گیا۔ دھوئیں کی موجودگی بتا رہی تھی کہ میرے کمرے میں کوئی گھسا ہوا تھا اور شاید میری بیداری کی وجہ بھی یہی تھی جس بعض اوقات بڑے کرشمے دکھاتی ہے اور [illegible] اس وقت شاید ادنیٰ چھٹی حس کی [illegible] بیدار ہوا تھا۔

چند لمحوں تک میں یوں ہی لیٹا رہا مگر کمرے میں کوئی بھی آواز سنائی نہ دی۔ مگر فضا میں سگریٹ کے دھوئیں کے مرغولے تیرتے رہے تو میرے لیے یہ تسلیم کر لینا ممکن نہ تھا کہ کمرے میں میرے علاوہ بھی کوئی موجود ہے۔ پھر میں نے کسمسا کر آہستگی سے پہلو بدلا تاکہ دھوئیں کے منبع کا جائزہ لے سکوں مگر وہ شخص میری توقع سے زیادہ چالاک تھا۔

میں نے جوں ہی کروٹ بدلی اسے اندازہ ہو گیا کہ میں بیدار ہو چکا ہوں اور پھر کمرے کی محدود فضا میں اس کی مدھم سی آواز گونجی۔

"بیدار ہو۔ اپنے اعصاب پر زور مت ڈالو۔ میں تمہارا دوست ہوں۔"

وہ آواز میرے لیے اجنبی تھی مگر اس کا لہجہ یقیناً دوستانہ تھا۔ اس کا ہیولا تاریکی کا ایک حصہ بنا ہوا تھا مگر سگریٹ کے جلتے ہوئے سرے کی بنا پر اس کی جگہ کا تعین کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔

وہ میرے بستر سے تھوڑی دور دیوار کے سامنے رکھے ہوئے صوفے پر براجمان تھا۔ پھر اس نے سگریٹ کا کش لیا تو سگریٹ کی مدھم سرخ روشنی کے انعکاس میں مجھے اس کے ہونٹوں پر گھنی مونچھوں کا سایہ نظر آیا۔

میں نے اپنے سرہانے لگا ہوا سوئچ دبا کر کمرے میں روشنی کر دی۔

سیاہ پتلون اور گہری سرخ قمیص میں ملبوس وہ شخص بڑے پُرسکون اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھا رہا اور بہت جلد [illegible] میں لپٹا ہوا وہ شخص نکل کر دو صفدر کو کمرے میں چھپنے والی [illegible] اس کی طرف متوجہ کر سکتی ہے۔

"تم کون ہو؟" میں نے اس کے چہرے پر گہری نظریں جماتے ہوئے کڑک دار لہجے میں سوال کیا۔

"گھبراؤ مت۔" وہ پُرسکون لہجے میں بولا۔ "میں تمہارا دوست ہوں۔"

میں نے ایک طویل سانس لے کر کمرے کی روشنی گل کر دی۔ پھر وہ دونوں صوفے پر ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ گئے۔

"تم میرے کمرے میں کیسے داخل ہوئے؟"

"دروازے سے۔"

"مگر وہ تو مقفل تھا!" میں نے حیرت سے کہا۔

"وہ اب بھی منتقل ہو رہے ہیں۔ مجھے عنقریب نئی نسل میں تمام ہدایات حاصل
ہونے کی وجہ سے مجھے تمہارے پاس بھیجا گیا ہے۔"
"یہ خبر میں کچھ نہیں ہے؟"
"وہ یہ کہ بیروت کے فلسطینی آبادیوں کے علاوہ باقی شہر کو تباہ
کیا گیا ہے۔" اس نے مجھے مطلع کیا۔
"تو اس وقت کیا بجا ہے؟" میں نے پوچھا۔ بہت دنوں سے ہوا یہ خیال
پر وقت دیکھنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے سوال کیا۔
"چار بجنے والے ہیں۔"
میرے لیے یہ اطلاع حیرت انگیز تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں
کئی گھنٹوں کی گہری نیند سے نکلا تھا مگر مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میری آنکھ لگتے
ہی مجھے دوبارہ بیدار کر دیا گیا ہو۔
"تمہیں کل دوپہر دو بجے تک یونیورسٹی کے جانب کی گلی میں پہنچانا ہے" اس
نے کہا "وہ تم سے کچھ اہم مسائل پر بات کرنا چاہتا ہے۔"
"مگر میں تو صبح ہوتے ہی اس کیمپ کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔"
"کل صبح تو بجے؟"
"ہاں، اور میں خود روانگی سے پہلے ایک بار اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"
"اس کا مطلب ہے کہ ہمارے پاس بالکل وقت نہیں رہا ہے۔" وہ دل ہی دل میں
سوچتے ہوئے بولا "اچھا، پیچھے تم کیل ہی کچھ ہو سکتا ہے۔"
"تو تم کہاں جا رہے ہو؟"
"اس سے ملنے کی کوشش کروں گا۔"
"اگر شہر کے قریب جانا چاہتے ہو تو کیوں نہ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں؟"
میں نے وقت کی کمی کے باعث تجویز پیش کی۔
"تمہاری مرضی ہے۔" وہ سگریٹ کا آخری کش لیتے ہوئے بولا "لیکن
مجھے تمہاری تجویز پر اتفاق نہیں ہے۔"
"وہ کیوں؟"
"نہیں، میری ابھی رائے ہے کہ وہ موضوع کو طول دیتے ہوئے گریز کرتے
ہوئے بولا۔
پھر میں نے دوبارہ کھول کر دیا بس کا جائزہ لیا جو دور تک ویران پڑی
ہوئی تھی۔ میرا اشارہ پاکر وہ تیزی سے واپس میں چلا گیا اور میں نے دروازہ بند
کر کے اندر سے مقفل کر لیا اور دوبارہ اپنے بستر پر آ گیا۔
اس شخص کی بے وقت آمد نے میری آنکھوں سے نیند اڑا دی اور میں
سگریٹ پیتے ہوئے مختلف خیالات میں کھو گیا۔
میں اپنے جاسوسی کے زندگی کی تمام پیچیدگیوں سے نکلا تھا مگر
اپنے بنائے ہوئے منصوبے میں تو ہمت پیدا کر سکنے کے لیے جو ایسی کی لازمی
معاونت حاصل کر سکوں۔ اس وقت میں حالات کے جنگل میں الجھا ہوا
تھا۔ اس پیدا کردہ حالات کے دلدل سے نکلنا مجھے محال نظر آ رہا تھا میں
نے اپنے گھر جا کر جو بھی کرنے کے بعد کراچی میں آ کر یقین کا بیان حاصل کی

عیش اور چھوٹا تعداد کی دشواریوں سے گزرتے کے بعد [illegible]
ہو گیا تھا۔ بیت سے فوری جانے والی ہوا سا لگا تھا [illegible]
شروع ہوا تو ایک طرف میں آ گئے جن سب کچھ [illegible]
پولیس میری گرفتاری کی کوشش کر رہی تھی [illegible]
اسامتی کا ایک یادگار [illegible]
ایک معمولی سی اشتہاری مجرم کی حیثیت سے [illegible]
اس کی دفعات میں سے بعد اس کے [illegible]
پاکستان کے راستے آ گیا [illegible]
اور سنگاپور جیسے [illegible]
کرنے میں کامیاب ہو گیا [illegible]
میں یہاں پہنچنے والی [illegible]
گزرتا ہوا واپس تہذیب سے [illegible]
میں بیتا کے حسن اور اس کی دلفریب ادائیں [illegible]
بیوی بنا چکا تھا اور پھر اس کی ماں [illegible]
ہوئے ملک کی اصلیت کے انکشاف نے مجھے [illegible]
میں تو تمہارے بارے [illegible]
کے چکر میں تھا مگر اس [illegible]
لوچے کو موڑنے میں [illegible]
ہوا تھا جیسے قسمت نے مجھ پر [illegible]
یہ بیتا کے مل جانے سے میں زندگی کے ایک نئے [illegible]
ذہنی سکون اور مسرت [illegible]
پولیس کچھ بھی خبر [illegible] تھا۔
مگر کچھ حالات تیزی سے بدلے اور [illegible]
پھر مجبور ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہندوستان کے ایک [illegible]
بیتا مجھ سے روٹھ کر اپنی ماں کے [illegible]
میں بیتا کی جدائی کا کرب [illegible]
روشنیوں کے شہر بمبئی کی [illegible] سکون [illegible]
ذات کچھ چکی تھی۔ بیتا کو دوبارہ حاصل کیے بغیر [illegible]
سامنے ہی کہہ گئی تھی۔
میں ہندوستان میں [illegible]
ہر قیمت پر مجھ سے [illegible]
کہانی بناؤں تھا جس کے بارے میں [illegible]
کے ذہن کی پیداوار ہے۔
اپنی [illegible] کو دھوکہ دے کر [illegible]
پہلے ہی ملکی ہو گیا تھا [illegible]
میں مشرق وسطیٰ کا سفر اختیار کیا [illegible]
مگر مشرق وسطیٰ میں پہنچے [illegible]

مرے ہوئے جاتا تھا [illegible] جھلائے ہوئے خراب میں [illegible]
[illegible] کرائے مجھے اسرائیل نے آکر [illegible] حالات کے تحت
[illegible] کر دیا تھا۔
[illegible] معلوم ہوا تھا کہ میری بیوی [illegible]
[illegible] پہنچ جانا تھا۔ اسرائیل نے مجھے خصوصی تربیت دے کر
[illegible] جانے کے بعد ان حالات میں [illegible]
[illegible] تھی۔
اس کے لیے میں نے بدترین حالات میں ایسی خدمات انجام دی تھیں
کہ ان [illegible] کے طبقے سے نجات دلانے میں وہ مجھ سے تعاون پر تیار ہو گیا تھا
[illegible] منصوبہ بھی بنایا تھا مگر میں [illegible]
[illegible] گرفتاری کی وجہ سے وہ منصوبہ ملتوی کرنا پڑا
[illegible] کیمپ کی طرف روانگی سے پہلے [illegible]
[illegible] جانتا ہوں۔
[illegible] تھا کہ [illegible] وہ [illegible]
[illegible] میں [illegible] کھول دیا
[illegible] کوئی شخص تیزی سے اندر گھس آیا اور مجھے [illegible]
[illegible] دروازہ اندر سے بند کر دیا۔
[illegible] کون ہو؟ [illegible] اس شخص نے آہستہ
سے کہا اور میرے حلق سے ایک طویل سانس آزاد ہو گئی۔
[illegible] پہچان سکتا تھا۔
"تم اس وقت؟" میں نے حیرت سے پوچھتے ہوئے کہا۔
[illegible] "میں تمہیں [illegible]
[illegible] مگر تم [illegible] سامان
[illegible] کی صورت میں [illegible]
[illegible] کیوں [illegible] ہے؟"
[illegible] لبنان [illegible] فلسطینی کیمپوں
[illegible] ہے؟"
[illegible] میں نے [illegible] لہجے میں کہا۔
[illegible]
[illegible] میں اسرائیل [illegible]
[illegible] انہوں نے [illegible]
[illegible] ہے تو [illegible]
[illegible] میں [illegible] چاہتے ہیں
[illegible] نکال [illegible]
[illegible]

میں نے حیرت کے ساتھ اس سے دریافت کیا۔
"میں ان ہی کی کارروائیاں نہیں کرتا" وہ بولا "ہمارے پاس ہدایات آئی
ہیں۔ طریقہ کار اگرچہ ہمارا اپنا ہوتا ہے۔ ہم اپنے شخصوں کو مشکلات میں نہیں جھونکتے
... مجھ سے تم کیوں ملنا چاہتے تھے؟"
"ان خیالات کی روشنی میں ہمارے ساتھیوں کو تشویش ہے اس کے بارے
میں تمہیں کیا معلوم ہوا ہے؟" اس نے کہا۔
"ان کی تشویش بالکل بجا ہے۔"
"وہ ہے کیا؟"
"وہ اس میں دیر کر کر میں نے ان تمام باتوں سے باخبر کر دیا جو
ماریا کے ذریعے پچھلی رات میرے علم میں آئی تھیں۔
"یہ بہت زبردست کام ہوا۔" وہ پر جوش لہجے میں بولا۔
"وہ کیسے؟"
"اس کی مصروفیت کے بارے میں علم ہو گیا" اور پھر اسرائیل سے باہر
اس کا انکار بے معنی کیا جائے گا اس علاقے میں ہمیں کافی قوت حاصل ہے
"میں تمہیں چاہ رہا تھا کہ جانے سے پہلے تمہیں یہ اطلاعات پہنچا دوں۔"
"میرے بارے میں کیا تاثر ہے؟"
"سب بہتی ہے جب کہ کسی بھی حادثے کا خدشہ ہو چکے ہوں۔"
"اپنی لاڑلی کا انجام دیکھنے کے بعد لڑکی کا کیا حال ہے؟"
"اس کی حالت بہت ابتر ہے مگر وہ اب پوری طرح ہماری گرفت میں
آ چکی ہے۔"
"تمہارے جانے کے بعد اس سے ہمارا رابطہ ٹوٹ جائے گا" وہ پر
خیال انداز میں بولا "جانے سے پہلے اس سے تمہاری ملاقات تو ہوگی نا؟"
"شاید۔"
"اسے بتا دینا کہ میرا آدمی اس سے ملے گا تو اپنا تعارف کرانے کے
طور پر کہے گا۔ اس مہرے پر بھی مضبوط گرفت رکھنا ہوگی۔"
"وہ بہت چالاک اور مکار ہے کسی بھی آدمی کو بھی اس کے پیچھے لگانا۔"
"اس بات کا مجھے علم ہے۔"
وہ اس گفتگو کے بعد میرے پاس نہیں رکا اور فوراً ہی واپس چلا گیا۔
سورج طلوع ہونے میں تھوڑی ہی دیر باقی تھی لہٰذا میں ایک
کتاب پڑھنے لگا۔ سات بجے کے قریب میں نے ماریہ کو فون کیا۔
"کون ہے؟" اب کہ میری گھنٹی کے بعد دوسری طرف سے ماریا کی
بوجھل آواز سنائی دی جیسے فون کال اسے جگا گئی ہو۔
"منصور بول رہا ہوں۔"
"اس وقت کیسے یاد آ گئی میری؟" میرا نام سن کر اس کا لہجہ یک
شوخ ہو گیا۔
"مجھے الوداع کہنے آؤ گی نا؟"
"ارادہ تو نہیں تھا۔ آج فلورا کی پٹیاں کھلنے والی ہیں۔" اس کے ساتھ

اسی طرف جانے کا خیال تھا۔" اس نے جواب دیا۔
"مشا ہیں تو مجھے افسوس رہے گا۔"
"تو پھر میں چکر لگاتی رہوں گی ڈارلنگ۔" اس کی آواز میں پیار جھلک آیا۔
"تم مرزا بن کر تو میں سارجنٹ بیکولے کے ساتھ جانے سے صاف انکار کر دوں گا۔" میں نے اس پر دباؤ ڈالنے کی نیت سے کہا۔
"میرے ساتھ زیادتی نہ کرنا۔" وہ ہنس کر جلدی سے بولی۔ "ویسے میں خود آؤں گی بلکہ تمہارے نہانے سے فارغ ہو کر ابھی آجاتی ہوں۔"
"یہ مناسب ہے۔"
فون کا سلسلہ منقطع کر کے میں زیر لب مسکرا دیا۔ عورت کو اپنی پریشانی کے لیے ایک پاسپورٹ تو ملنا ضروری ہی ہوتا ہے کہ وہ دل و جان سے چاہے جانے کے قابل ہے پھر اسے موم کے پتلے کی طرح جس سانچے میں ڈھالا جا سکتا ہے۔
تقریباً آدھ گھنٹے بعد ماریا میرے پاس پہنچ گئی۔
"وردی کہاں ہے تمہاری؟" اسے سادہ کپڑوں میں دیکھ کر میں نے سوال کیا۔
"اس لباس میں بری لگتی ہوں کیا؟"
"بری تو تم لباس کے بغیر بھی نہیں لگتیں۔" میں نے ہنس کر کہا۔
"فوجی وردی میں تمہارا انداز کچھ بدلا بدلا نظر آتا ہے۔"
"یہاں سے مجھے فوراً کے پاس ہسپتال جانا ہے۔" وہ بیٹھتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ "لیکن آج میں نے چھٹی لی ہوئی ہے۔"
"وہ فوج تباہ ہونے کے بعد تو فوج بھی چھوٹی ہو گئی ہوگی۔"
"وہ میری زندگی کا بدترین حادثہ تھا۔ وہ ایک بیک افسر ہو گئی۔"
"اس کا ذکر کر کے آج تم پھر اداسی سے مت کرو۔"
"میرے جانے کے بعد اس کا آدمی تم سے کالے نقاب کے حوالے سے ملاقات کرنے گیا تھا۔" میں نے فوراً مطلب کی بات چھیڑ دی۔
"تو وہ تم سے ملا تھا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ "محمود کے بارے میں کوئی خبر ملی؟"
"محمود کے جانشین کا سرکار ہو آیا تھا۔" میں نے کہا۔ "وہ لوگ خیر ضروری باتوں سے گریز کرتے ہیں۔ البتہ محمود کی جانب سے شاید وہ بھی مایوس نظر آتے تھے۔"
"تو کیا انہیں تمہاری رہائش کا علم ہو چکا ہے؟"
"ہاں۔ انہیں پہلے سے معلوم رہا ہوگا جبھی تو بتانے کے لیے قاصد بھی بھیجا گیا۔"
"میں بہت جلد فوج کی ملازمت چھوڑ دوں گی۔ ان لوگوں کے تصور ہی سے اب مجھے وحشت آنے لگی ہے۔" وہ جھرجھری لے کر بولی۔
"یہ تو تم پہلے بھی کہہ چکی ہو۔"
"میرا ارادہ ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔ "اگر تم نے اعتماد میرے خلاف ورزی کیا تو جلد ہی میں یورپ کے کسی شاداب مقام پر پہنچ جاؤں گی۔"

وہ مجھ سے باتیں کر رہی تھی کہ پولیس سارجنٹ بیکولے اسی کمرے میں آ پہنچا۔
"ساماندر علی!" اس نے آتے ہی مجھ سے سوال کیا۔
"تم غلط کرتے ہیں آئے ہو۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ سپاہی نے بھی انہی نظروں سے میرے کمرے کا جائزہ لیا مگر اس نے نظر ہی کا پیچھا چھوڑا تھا۔
"یہ سارجنٹ بیکولے کا بھیجا ہوا آدمی ہے۔" ماریا نے کہا۔ "ہم کو واپس پر آمادہ پاکر ماریا خاموش نہ رہ سکی۔
"کوئی بھی ہو۔ میں تو بڑی شائستگی سے کہنا تھا۔" سپاہی کی آواز میں سختی تھی۔
تم کسی ہے؟
"تمہارا قیاس درست ہے مادام۔" سپاہی نے جواب دیا۔
ماریا سے مخاطب ہونے کے بعد میری طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کا لہجہ کھردرا تھا۔
"صفدر علی!" میں نے جواب دیا۔
"تو میں اسے کیسے پوچھ رہا ہوں؟" وہ حیرت اور غصے سے بولا۔
"میری خودی کی زبان میں ساماندر علی بہت گندی گالی ہے۔ میں اس نام سے پکارا جانا بالکل پسند نہیں کرتا۔"
"اوہ!" وہ تفتیشی انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "ہر شخص کے معاملے میں مجھے تو اتنی رعایت ہونا چاہیے۔"
"ہر نام کے معاملے میں رعایت نہیں چلتی۔"
"بہرحال۔" وہ شانے اچکا کر بولا۔ "تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔"
میں خاموشی سے اٹھ گیا۔ سپاہی کا چہرہ سپاٹ تھا۔
"آپ کا شکر گزار ہوں خاتون کہ آپ نے مجھے الجھن سے بچا لیا۔"
"یہ صرف خاتون نہیں کیپٹن ماریا ہیں۔" میں نے کہا۔ ماریا اس وقت وردی میں نہیں تھی۔
میں کچھ ایسی ہی پوزیشن کرانے کی نیت سے ماریا نے اپنا تعارف کرایا۔
"سارجنٹ بیکولے کہاں ہے؟" ماریا نے پوچھا۔
"ہوٹل سے نکلتے ہوئے اس فوجی سے دریافت کیا۔"
"اپنے دفتر میں میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔"
"تو کیا تم فلور میں سے زیادہ ہو گا؟"
"اس بارے میں وہی جانتے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔
ہوٹل سے نکلتے ہوئے استقبالیہ کاؤنٹر پر ... نے مجھے دیکھ کر منہ بنایا۔
میری طرف دیکھا مگر اس فوجی نے اسے فوراً ٹال دیا۔
باہر ایک کھلی جیپ موجود تھی۔ سپاہی نے ڈرائیونگ ...
اور میں اس کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا۔
جیپ کے میری نگاہیں عقب میں ... رہیں۔
بار بار جو نظر آتی رہی پھر جیپ سڑک کے ہجوم میں ... ہو گئی۔

نشست لینے کی مسافت کے بعد جیپ ایک شاداب چھاؤنی کے سامنے رک گئی۔ خوبصورت عمارت کے سامنے ...
علاقے میں ... ایک چوکی ... فوجی ٹریننگ کے بڑے بڑے ... تیار کھڑے ہوئے تھے۔ ہر ایک کے ... بیرک ... سب سپاہی جوان تھے ... جیسے عمارت کے جزو کی طرح ... تھے۔
... جب ... میں داخل ہوا تو میں نے محسوس کیا ...
... کمرے میں ایک ادھیڑ عمر ... ایک کرسی جس کے ... ساتھ اس کرے سے نکل آیا۔
... تھے جو ... کہاں رہتے ہوں گے۔ کمرے سے کسی کے لانے ...
"میرے ساتھ ملازمت کرنے والے سپاہی کی آواز ابھری۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی میں نے بغور دیکھا ... جائزہ لیتے ہوئے کہا۔
... ہو رہا تھا۔
"آپ نے پوچھا تھا۔" سپاہی کے اس جواب پر مجھے دل ہی دل میں ...
"میرے جوان ملازمی کے لیے تیار ہیں اور تم میری جیب سے ... کر جانا"
مجھے کہا ... فوراً ... دراز ہونا تھا۔
"تم آپ سے مجھے سامنے آ کر ... ہوٹل جانے کا حکم دیا تھا۔"
وہ فوجی اپنے افسر کی ہدایت کے مطابق ہی جانے کا ثبوت دے رہا تھا۔
"او نہیں۔ بزدل۔" وہ ایک افسر کی ... ہولی۔ آواز سنائی دی مجھے ...
"... کہاں ہے وہ آدمی؟"
"باہر موجود ہے جناب!"
"وہاں کیوں چھوڑ آئے۔ اسے میرے سامنے لاؤ۔"
میں اندر پہنچا تو ایک کرسی پر گوشت کا ایک پلپلا سا انبار ڈھیر تھا۔ وردی پہنے ہوئے ... سے اس کا عہدہ ... سارجنٹ ... کے بارے میں مجھے معلوم تھا کہ وہ ... سارجنٹ بیکولے ... میں اپنے حضور طلب کرنے ... میں اسے دیکھ کر ... مسکرا دیا۔
"گڈ مارننگ سر!" میں نے اس مرتبہ سنجیدہ سارجنٹ سے کہا۔
"واسکو ... ہو؟" وہ میز پر مکا مار کر غرایا۔
میں نے ... انداز میں ... ہونٹ بھینچ لیے اور اس کے آگے ... کرنے لگا۔ ... دیکھنے کے بعد ہی میری سمجھ میں آیا ... کرتے وقت سارجنٹ بیکولے کی برتری ... ہوا تھا۔
"تمہارا نام؟" سارجنٹ بیکولے نے سوال کیا۔
"صفدر علی!" میں نے ضرورت سے زیادہ ایک لفظ بھی نہ کہا۔
... بولا۔ "اس کے بعد ... اس نے مجھے تیسری بار ... کا انتظار تھا۔"

میں نے جواب دینا چاہا مگر فوراً ہی چپ سادھ لی۔ سارجنٹ بیکولے کا پسینے میں بھیگا ہوا پھولا پھولا چہرہ اس کی تلون مزاجی کا اظہار کر رہا تھا اور مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں میری کوئی بات دوبارہ اس کا مزاج برہم نہ کر دے۔
"تمہارا سامان کہاں ہے؟" سارجنٹ بیکولے نے اپنی ناک رنجیدہ رومال سے بری طرح رگڑتے ہوئے اگلا سوال کیا۔
"تن کے لباس کے علاوہ میرے پاس کوئی سامان نہیں ہے۔"
"یہ بہت اچھی بات ہے۔ تم باہر جا کر سائبان کے نیچے بیٹھو۔ ابھی روانہ ہونے والے ہیں۔" اس نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔
میں سر جھکا کر اس کمرے سے باہر آگیا۔
سائبان کے نیچے بیٹھے ہوئے تمام لڑکے جوان سال اور سفید فام تھے۔ مجھے اپنی طرف آتا دیکھ کر ان سب نے زیر لب مسکرانے لگے۔ شاید وہ سارجنٹ بیکولے کے بارے میں وسیع تجربہ رکھتے تھے اور مجھے یقین تھا کہ میرے جواب انہوں نے بے شک سنے ہوں گے مگر سارجنٹ کے ماتحتوں کی آوازوں تک سنائی دیتی رہی ہے۔
"ہلو ہلو!" میں نے ان کے قریب پہنچ کر فضا میں ہاتھ لہراتے ہوئے بے تکلفانہ انداز میں کہا اور ان کے قریب ہی پتھریلی زمین پر بیٹھ گیا۔
"تم کراچی کے لگتے ہو؟" ان میں سے کسی نے سوال کیا۔
"اگر ہماری منزل ایک ہی ہے تو بہت جلد تمہیں اپنے سوال کا جواب مل جائے گا۔" میں نے پلٹ کر نرم لہجے میں کہا۔
"تم ایشیائی معلوم ہوتے ہو؟" میرے قریب بیٹھے ہوئے ایک چست و چالاک لڑکے نے چیونگم چباتے ہوئے کہا۔ "اور شاید تم بھی ہمارے ہی زیر ہو گے؟"
"ایشیائی تو ہوں مگر تربیت دینے نہیں لینے جا رہا ہوں۔"
"تم صورت سے ہی خراٹ گو بیٹے نظر آتے ہو۔" کسی نے کہا۔ "تمہیں تربیت کی کیا ضرورت ہے؟"
ان سب کے لہجوں سے تجسس جھلک رہا تھا۔ ان کا چہرہ تھا ہو



جوان خون زندگی کا ایک نیا اور چونکا دینے والا روپ دیکھنے کے شوق میں ان کے چہروں پر چھلک رہا تھا۔ وہ چند ہی منٹ میں میرے ساتھیوں سے بے تکلف ہو گئے جیسے میری ان سے برسوں کی شناسائی ہو مگر ان کے دلوں میں ایک جذبہ مشترک تھا جو شاید ان کے دلوں میں دیدہ و دانستہ ابھارا گیا تھا۔ ان کے الفاظ سے عربوں کے لہو کی پیاس جھلک رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد سارجنٹ میکولائے اپنے دفتر سے باہر آیا اور مجھے یہ دیکھ کر شدید حیرت ہوئی کہ وہ بہت موٹا ہونے کے باوجود کسی دبلے پتلے آدمی کی طرح پھرتی اور تیزی سے چل رہا تھا۔

اسے دیکھتے ہی سب لڑکے کھڑے ہو گئے۔

سارجنٹ میکولائے کے ہاتھ میں ایک فائل دبی ہوئی تھی اس نے اسے کھول کر باری باری نام پکارنا شروع کیے اور دو دو ٹرکوں میں آٹھ آٹھ لڑکے سوار کرا دیئے۔ تیسرے ٹرک کے عقبی حصے میں کافی سامان وغیرہ لدا ہوا تھا۔

آخر میں صرف میں اس کے مقابل کھڑا رہ گیا۔

"تم صفدر علی ہو؟" اس نے فائل پر نظریں ڈال کر اسے بند کرتے ہوئے سوال کیا۔

"میں تمہاری تردید کی ہمت نہیں کر سکتا۔" میں نے اس کے شگفتہ موڈ کا اندازہ لگاتے ہوئے جواب دیا۔

"ویری گڈ۔" اس کا وزنی ہاتھ پوری قوت سے میرے بائیں شانے پر پڑا اور وہ قہقہہ مارتے ہوئے مجھے اسی طرح اپنے ساتھ لے گیا۔

پھر اس نے مجھے اپنے ساتھ جیپ میں بٹھا لیا جس کے بونٹ پر مخصوص نشان والا ایک نیلا پرچم لہرا رہا تھا جو شاید فوجی روایات کے مطابق اس کارواں کی نوعیت اور منزل کی نشاندہی کرتا تھا۔

سارجنٹ میکولائے کا اشارہ پا کر قریب کھڑے ہوئے سنتری نے جھٹ بتی جلائی اور جیپ کے ساتھ ہی تینوں ٹرکوں کے انجن بیدار ہو گئے۔

چند ثانیوں کے بعد سارجنٹ میکولائے کی قیادت میں دو فوجی قافلہ اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گیا۔

"تم ایک بہت بڑی مہم پر جا رہے ہو۔" تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد میکولائے بولا۔ "پرسکون سی محسوس ہو رہی ہے نا؟"

"تجسس ضرور ہے۔"

"تمام کاروبار کا بھید کھلنے سے پہلے تمہارا تجسس دور ہو جائے گا۔" وہ اپنی بے ہنگم آواز میں ہنستے ہوئے بولا۔ میں نے [illegible] ساتھ [illegible] ہے کہ پورے گرد و پیش میں [illegible] مجھے چند ذہنوں کے مالک نظر آئے [illegible] باقی سب اٹھارہ سے بائیس سال تک کے جوشیلے لڑکے ہیں جو اپنی [illegible]

ریاست کے نام پر مر مٹنے کے لئے تیار ہیں۔"

"تم میرے افسر ہو۔ ایسا نہ ہو کہ میری کوئی بات تمہاری [illegible] کو بُری لگ جائے۔" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ارے ایسی کوئی بات کا بُرا نہیں مانتا۔" وہ قہقہہ [illegible]

"افسر اور ماتحت کے درمیان کا فاصلہ [illegible] میں ابھی افسری کا قائل نہیں ہو سکا ہوں۔"

"مگر میں تمہارے خطرناک تیور دیکھ چکا ہوں۔"

"اسے وقتی طور پر میرا غصہ سمجھو۔" وہ [illegible] "بے موقع چیخنے چلانے سے افسری کی شان دوبالا ہو جاتی [illegible] ماتحت بھی ہر وقت سہمے رہتے ہیں۔"

"یہ راز تم نے میرے سامنے کیوں اگل دیا؟"

"اس لئے کہ تم میرے عارضی ماتحت ہو۔ تربیت کے [illegible] اسرائیل سے باہر بھیج دیئے جاؤ گے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ [illegible] کو دل چاہتا ہے۔"

"آخر تم مجھ پر اتنے مہربان کیوں ہو رہے ہو؟" [illegible]

"تمہارے جو کوائف مجھ تک پہنچے ہیں۔ جیسے دیکھ [illegible] پہلا موقع ہے کہ کوئی ہندوستانی یہودی [illegible] تربیت پر جا رہا ہے۔"

"ایسا نہ ہو کہ واپسی پر بیچارہ ہندوستانی یہودی [illegible] ساتھ [illegible] اس کی [illegible] میں بھی بے تکلفی [illegible]

"تو تم کچھ ہو کر ہمیں یار کہیں [illegible]"

"زیادہ وقت آیا تو شاید دینے کی زحمت بھی [illegible]"

"اگر تم نے دوسروں کے سامنے میرے درجے کا لحاظ [illegible] یہ مرحلہ کبھی نہیں آئے گا۔" وہ اپنی جیب سے امریکی سگریٹ [illegible] نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"فکر نہ کرو دوسروں کے سامنے تم مجھے اپنا غلام پاؤ گے۔"

سارجنٹ میکولائے نے [illegible] اور [illegible]

تل ابیب کو ہم پیچھے چھوڑ آئے تھے اس کی مضافاتی بستیاں [illegible] رہ گئی تھیں اور کارواں کا رُخ شمال کی طرف [illegible]

میکولائے کو جیپ ڈرائیو کرتے دو گھنٹے گزر گئے تو اس [illegible] کنارے جیپ روک دی۔ پیچھے آنے والے فوجی ٹرک بھی پیچھے ایک قطار کی صورت میں رک گئے۔

میں سمجھ گیا کہ اب میکولائے آرام کرنا چاہتا ہے [illegible] اپنی نشست سے نیچے آگیا اور سارجنٹ میکولائے کے [illegible] اس کی جگہ سنبھال لی۔

"جاگتے رہنا، میں پیشاب کر کے آتا ہوں۔" [illegible] سے نیچے ڈھلان میں [illegible] جھاڑیوں میں [illegible]

[illegible] ہوا کسی [illegible] کے [illegible] سے کوئی نئی بستی۔

[illegible] زندگی کی [illegible] مجھے یقین تھا کہ [illegible] نوجوان لڑکے [illegible] جب چند [illegible] ہو گا جس کے سامنے انسانی زندگی اور انسانی [illegible] ایک [illegible] ہوتے ہوئے جنگل کا قانون [illegible] کر دیئے جائیں گے۔

[illegible] سارجنٹ میکولائے کی تقلید میں گئے۔ [illegible] وہ لڑکے میری طرف بھی [illegible] توجہ دے سکا۔ [illegible] وقت میرے ذہن میں [illegible]

[illegible] کی دلچسپی پر دوبارہ سفر شروع ہو گیا۔

دوپہر کے قریب ایک چھوٹی سی بستی سے گزرتے ہوئے [illegible] جہاں ہمارا کارواں ایک عارضی [illegible] ایک حویلی نما مکان میں ڈال [illegible] تھا۔ وہاں پہلے سے ایک [illegible] فوجی ٹکڑی متعین تھی اور ان لوگوں نے ہمارے لئے کھانے کا بندوبست کیا ہوا تھا۔

دوپہر کا کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ایک مرتبہ پھر ہم [illegible] ہو گئے۔

[illegible] ہم نے [illegible] جب ایک جگہ میں نے [illegible] کا مطلب یہ تھا کہ [illegible] چند گھنٹوں کا [illegible] ہمیں منزل کے قریب پہنچا دے گا۔

"[illegible] سارجنٹ!" میں نے حیرت سے کہا۔ "مسلسل [illegible] جاری ہے [illegible] کب تک [illegible]"

"[illegible] قریب آگئی ہے۔ ایک گھنٹے میں ہم [illegible] پہنچ جائیں گے۔"

[illegible] سڑک کے کنارے جا بجا فوجی علامات [illegible] کے ساتھ بلندی کی طرف ٹرکوں کی نقل [illegible]

[illegible] گاؤں کے قریب سارجنٹ میکولائے نے [illegible]

[illegible]

میں صحرا کی خنک ہوا اور پیاس دے دے کر ستانے پر تلی ہوئی تھی۔ مگر میں مسلسل اپنی غنودگی کو بھگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

پھر خود رو اور خاردار جھاڑیوں نے بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور ہر طرف ریت ہی ریت نظر آنے لگی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہم ریت کے سمندر میں کسی سمت کے احساس کے بغیر چلے جا رہے ہوں مگر یہ محض میرا گمان تھا ورنہ سارجنٹ میکولائے کی نگاہیں بار بار قطب نما کا جائزہ لے رہی تھیں [illegible] صحرا میں کافی دور چند [illegible] دیکھنے لگے جو [illegible] واضح ہوتے جا رہے تھے۔

"پہنچ گئے ہیں سارجنٹ؟"

"یہی ہماری منزل ہے۔" منزل قریب پا کر وہ تازہ دم ہو گیا۔ "اس کیمپ سے شامی سرحد صرف چار کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔"

"بہت خطرناک فاصلہ ہے۔" میں نے [illegible] سے کہا۔

"یہ جنگ سے پہلے کی بات ہے۔ جون سڑسٹھ میں جولان کی پہاڑیوں پر قبضے کے بعد شامی بہت دور دھکیلے جا چکے ہیں ان کی پہلی دفاعی لائن اب پہاڑیوں کے اس پار پرانی سرحد سے [illegible] کلومیٹر دور ہے۔"

"یہ کیمپ جنگ کے بعد ہی قائم کیا گیا ہو گا؟"

"ہاں یہاں گرم صحرائی علاقوں کا بہترین ماحول مل جاتا ہے مگر آج کل موسم بہت خوشگوار ہے۔"

"یہ سب دو دن بعد پوچھنا۔" وہ [illegible] انداز میں بولا۔

"ہم لوگوں کی تربیت تمہاری نگرانی میں ہو گی؟"

"تم سب کو یہاں پہنچانے کے بعد میرا کام ختم ہو جائے گا اس کیمپ کا نگران بریگیڈیئر ہولٹن ہے۔"

"بریگیڈیئر؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "ایک معمولی تربیتی کیمپ میں ایسے اعلیٰ افسر کو متعین کیا جا رہا ہے؟"

"معمولی نہیں یہ بہت اہم کیمپ ہے برخوردار!" وہ صحرائی [illegible] پر جیپ ڈرائیو کرتے ہوئے بولا۔ "یہاں سے آدمی کندن بن کر ہی نکلتا ہے۔"

"لڑکیاں بھی تربیت پاتی ہیں یہاں؟"

"آبادی کم ہونے کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہے۔" وہ زوردار قہقہہ مار کر بولا۔ "اسرائیلی فوج کے ہر شعبے میں بھی تمہیں لڑکیاں ملیں گی۔ ان کی موجودگی سے لڑکوں کا مورال خاصا بلند رہتا ہے اور ہر شخص کوئی نہ کوئی کارنامہ دکھانے کے چکر میں لگا رہتا ہے۔"

"یہ تو بڑی فطری بات ہے۔"

اسی دوران میں جیپ ایک [illegible] کے سامنے ٹھہر گئی قریب ہی بنے ہوئے چند کیبنوں میں سے دو مسلح گارڈ تیزی سے آتے ہوئے جیپ کی طرف آئے اور سارجنٹ میکولائے نے انہیں کچھ ہدایات

دکھانے لگا۔

اس چیک پوسٹ پر قافلہ خلاف توقع خاصی دیر رکا رہا۔ جب تک فہرست کے مطابق ہر شخص کو چیک نہیں کیا گیا جیپ آگے بڑھنے کی اجازت نہ مل سکی۔

جب یہ مختصر سا فوجی کارواں آگے سرکا تو میری ریسٹ واچ رات کے ساڑھے آٹھ بجا رہی تھی۔

چیک پوسٹ سے آگے ایک وسیع و عریض میدان پھیلا ہوا تھا اس سے آگے بڑے بڑے پہیوں اور آہنی فریموں پر بنے ہوئے وسیع چوبی کیبن قطار در قطار کھڑے تھے ان میں خاص ترتیب سے پہیے لگے تھے جنہیں کسی ٹرک کے پیچھے ہک سے باندھ کر باآسانی ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جا سکتا تھا۔

ان چوبی کیبنوں میں سے بعض کی کھڑکیاں روشن تھیں اور باہر بھی جگہ جگہ گڑے ہوئے چوبی ستونوں پر اسٹریٹ لائٹس روشن تھیں۔ ان کیبنوں سے کچھ دور ایک بڑا صحرائی ٹریلر کھڑا ہوا تھا جہاں تیز روشنیوں میں کام کا متحرک انسانی ہجوم بھی نظر آ رہا تھا اور ساتھ ہی کسی طاقتور ڈیزل انجن کا شور بھی سنائی دے رہا تھا۔

مجھے یہ اندازہ قائم کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی کہ اس ٹریلر پر کوئی طاقتور ڈیزل جنریٹر نصب ہے جو اس مختصر سی صحرائی بستی کی برقی ضروریات پوری کرنے کے لیے ہر دم چلتا رہتا ہوگا۔

ایک دوسرے سے ملے ہوئے دو بڑے پھیلے ہوئے چوبی کیبنوں کے سامنے اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں تین فوجی افسر کھڑے ہوئے تھے۔ سارجنٹ میکولائے نے جیپ ان کے سامنے روک دی اور پھر تیزی سے نیچے اتر کر سیلوٹ کیا اور اٹینشن ہو کر کھڑا ہو گیا۔

پیچھے آنے والے تینوں ٹرک بھی رک چکے تھے ان کا عملہ بھی میکولائے کے پیچھے صف آرا ہو گیا اور تربیت کے لیے آنے والے آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگے۔

ان تینوں میں عہدے کے اعتبار سے دو کیپٹن تھے اور تیسرا میکولائے کا ہم عہدہ تھا۔

"یہ سارجنٹ اولڈ ہے۔" ایک کیپٹن نے سارجنٹ میکولائے سے کہا۔ "یہاں تم لوگوں کی دیکھ بھال کی براہ راست ذمہ داری اسی پر ہو گی۔"

"اوکے سر!" سارجنٹ میکولائے نے سراپا احترام بن کر کہا اور پھر جیب سے چند کاغذوں کا پلندہ نکال کر اس کیپٹن کے حوالے کر دیا۔

دونوں کیپٹن کاغذ سنبھالے اندر چلے گئے۔

دروازہ بند ہونے تک وہ دونوں سارجنٹ انداز میں ایک دوسرے کے مقابل کھڑے رہے پھر دروازہ بند ہوتے ہی دونوں بیک وقت ایک دوسرے کی طرف لپکے اور بڑے جوشیلے انداز میں ایک دوسرے سے باہم بغلگیر ہو گئے۔ ٹرکوں کا عملہ ٹرک خالی کرنے لگا۔

"تم یہاں کب آئے؟ ہم کئی مہینوں کے بعد مل رہے ہیں۔" میکولائے نے اپنے پرانے دوست سے سوال کیا۔

"مصر کی فضائیہ سے ریلیز ملتے ہی اسرائیل آ گیا پہلے ہی یہاں آ گیا۔ ویسے بھی میرے لیے کوئی اور جگہ نہیں تھی۔ تو تم یہاں انسٹرکٹر ہو؟"

"میرا تقرر تو اسی حیثیت سے ہوا ہے۔"

پھر میکولائے نے اپنے پرانے ہم پیشہ کی کمر پر ہاتھ مار کر سارجنٹ اولڈ سے میرا تعارف کرایا اور وہ مجھ سے خلوص سے ملا۔

"یہاں اس تربیت کے علاوہ بھی کوئی سامان ہے؟" آنکھ دبا کر رازدارانہ لہجے میں اولڈ سے پوچھا۔

"دو بڑی دوست لڑکیاں ہیں۔" اولڈ نے مسکرا کر کہا۔ "وہ دونوں ہی بنائی نظام میں اور ہو گئی تھیں اور یہ تم جیسے رکھتے ہیں … افسران سے تعلق کے باعث ہم لوگوں سے رکھائی سے پیش آتی ہیں ورنہ پہلے تو بات ہی دوسری تھی۔"

"جولیا اور کیتھی کی بات تو نہیں کر رہے؟"

"ہاں ہاں وہی۔" سارجنٹ اولڈ نے حیرت سے پوچھا۔ "تم ان کے ناموں سے کیسے واقف ہو؟"

"میں اکثر یہاں آتا جاتا ہوں۔" وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

"تب تو ناموں سے آگے بھی تمہیں بہت کچھ معلوم ہو گا۔" اولڈ نے معنی خیز انداز میں قہقہہ لگا کر کہا۔

"تم دیکھنا کہ اب وہ ہر وقت میرے ہی گرد منڈلاتی رہیں گی۔" اسی وقت اچانک اولڈ کو میرا خیال آ گیا اور وہ مجھے گھورنے لگا۔ "کیا ان لڑکیوں سے دور رہنے کی تربیت کے بارے میں تربیت پانے والوں کو پابندی کرائی جاتی ہے؟" وہ گویا خود کلامی کرنے لگا۔

"تم فکر نہ کرو یہ بہت شریف لڑکا ہے۔" سارجنٹ میکولائے نے آنکھ مار کر سارجنٹ اولڈ سے کہا۔

اسی اثنا میں ٹرک خالی کیے جا چکے تھے۔ سارجنٹ نے ٹرکوں کے ساتھ آنے والے عملے کو ہدایت دی اور تربیت کے لیے وہاں آنے والوں کو ساتھ لے کر ایک چوبی کیبن میں آ گیا۔ وہ چوبی کیبن اندر سے خاصا آرام دہ تھا کیبن کے بیرونی دروازے سے داخل ہوتے ہی وہ ایک طویل ہال نظر آتا تھا جس میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک صاف ستھرے بستر لگے ہوئے تھے اور ہر بستر کے ساتھ ایک چھوٹی سی الماری موجود تھی۔ یہ دونوں کیبن … ان دونوں کا کہیں اتہ پتہ نہیں تھا۔

مگر اس وقت ان دونوں کا … داخلی دروازے کے مقابل ایک اور دروازہ بھی تھا جس کی وجہ سے یہ دروازہ لگا یا کہ ادھر سے نکل کر اپنے کیبن میں چلے گئے تھے۔ سارجنٹ میکولائے کی آمد پر ہر شخص کو بستر الاٹ کر دیا گیا اس کے بعد کچھ وقت بستر پر آرام کیا۔

اپنا سامان وغیرہ رکھا۔ کچھ کے بعد سب لوگوں کو مقابل والے دروازے سے باہر لے جایا گیا۔ تو پتہ چلا کہ اس طرف بھی کئی دالانی کیبن ہیں۔ انہی میں سے ایک میں باورچی خانہ اور کھانے کی جگہ کا بندوبست کیا گیا تھا۔

طویل سفر سے سب کے حال ابتر تھے لہٰذا کھانا لگتے ہی سب اس پر بری طرح ٹوٹ پڑے۔ کھانے کے دوران ہی سارجنٹ میکولائے اٹھ کر باورچی خانے میں گیا اور میں نے اسے ریفریجریٹر میں سے شیمپین کی ایک بوتل نکالتے ہوئے دیکھ لیا۔

کھانے سے فراغت پاتے ہی سب لوگوں کو بستروں پر جانے کا اور تنہائی کا حکم مل گیا مگر اولڈ اور میکولائے وہیں جمے رہے۔ وہاں پہنچتے ہی ایک لڑکے نے اپنے تھیلے سے ماؤتھ آرگن نکال لیا اور بجانے لگا تین چار لڑکے جو اس کے دوست معلوم ہوتے تھے اس انداز میں اس کے گرد جمع ہو گئے جیسے وہ لوگ ساری رات اسی طرح گزارنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔

چند تھکے ہوئے چہروں پر اس شور کے نتیجے میں ناگواری کی علامات نظر آ رہی تھیں مگر یہ لڑکے دوسروں کو خاطر میں لانے کے عادی نظر نہیں آ رہے تھے اور میں خود بھی ان سے الجھنے کے نتائج کا جائزہ لینے میں مصروف تھا کہ یہ ہنگامہ زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا۔

اچانک بیرونی ہال کا عقبی دروازہ کھلا اور سارجنٹ اولڈ کسی زخمی درندے کی طرح غراتا ہوا اندر گھس آیا۔

اس کی آنکھوں سے ہلکا سا خمار جھلک رہا تھا مگر اس کا لہجہ مضبوط تھا۔ اس نے فی الفور ایسی ایسی گالیاں دینا شروع کر دیں جن پر غور کرنے سے آدمی کا پتہ پانی ہو جائے پھر وہ چنگھاڑتا ہوا آگے لپکا اور ماؤتھ آرگن بجانے والے کا گریبان پکڑ کر اسے کسی کھلونے کی طرح پیچھے پھینک دیا۔

اس کے ہاتھ سے ماؤتھ آرگن فرش پر گرا جسے اولڈ نے اپنے وزنی جوتے سے بری طرح کچل دیا اور قہر آلود لہجے میں بولا۔ "اب اگر تم میں سے کسی نے بھی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو میں تمہاری کھوپڑیاں توڑ دوں گا۔"

اس وقت تک ماؤتھ آرگن والا اپنے کپڑے جھاڑ کر فرش سے اٹھ چکا تھا اولڈ کے تیور بہت خطرناک تھے مگر وہ بھی کچھ کم ضدی معلوم نہیں ہوتا تھا … "یہ کیا بات ہوئی کیا یہاں کسی بھی تفریح کی اجازت نہیں ہے؟"

سارجنٹ اولڈ پیچ و تاب کھا کر اس کی طرف گھوما اور جیب سے تقریباً ایک نہایت غلیظ اور فحش قسم کا جملہ چھوڑا۔ اس لڑکے نے بہت ضبط سے کام لیا مگر پھر بھی اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھر گئی۔ جو اولڈ کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی، اور اس نے پھر اس لڑکے کے والدین اور دیگر رشتہ داروں کے نسب کے بارے میں بلند آواز میں ہرزہ سرائی شروع کر دی۔

سارجنٹ اولڈ دیر تک واہی تباہی بکتا رہا۔ اس کے کڑے رویے کو ان سب لوگوں نے دل ہی دل میں سراہا جو شدید تھکان کے باعث فوراً سو جانا چاہتے تھے۔

آخر میں وہ دھمکی دے کر چلا گیا کہ اگر کسی نے دوبارہ کوئی حرکت کی تو پورے گروپ کو وہ رات کھلے آسمان تلے صحرائی ریت میں بسر کرنا پڑے گی۔

سارجنٹ میکولائے نئی پوسٹ پر پہنچنے کے بعد پورے گروپ سے لاتعلق رہنے لگا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اسے وہاں چھٹیاں منانے بھیجا گیا ہو۔

پہلے دن سب لوگوں کو فوجی وردیاں فراہم کر دی گئیں۔ ابتدائی ہفتہ صحرائی دوڑ، ورزشوں، اچھل کود اور پریڈ کے قواعد کی تربیت میں صرف ہوتا۔ اسی دوران کیتھی اور جولیا کے دیدار بھی ہوئے ویسے تو وہاں اور بھی لڑکیاں کام کرتی تھیں جن میں لیفٹیننٹ ڈیفی کو قدرت نے بے پناہ حسن سے نوازا تھا مگر سب ہی بڑے رکھ رکھاؤ سے کام لیتی تھیں کہ کسی کو پیش دستی کی ہمت ہی نہ ہو سکتی تھی۔ البتہ کیتھی اور جولیا کا انداز مختلف تھا۔

وہ دونوں لوگوں کو دیکھ کر مسکراتی اور جھینپ کر ترچھی آنکھوں سے تکتی تھیں جیسے کہہ رہی ہوں کہ ہمت ہو تو ہمیں زیر کر کے دکھاؤ۔ وہ دونوں ہی ٹی وی فورس کے سویلین عملے سے متعلق تھیں اور انہوں نے اپنی مخصوص یونیفارم میں قطع و برید کر کے جسمانی زاویوں کی نمائش کا خاص انتظام کر لیا تھا۔ ان کے جسم ہر وقت تیز اور چبھنے والی خوشبوؤں میں بسے رہتے تھے۔ اور وہ جدھر سے گزر جاتی تھیں لوگ دیر تک فضا میں بطخ کی طرح گردن اٹھائے گہرے گہرے سانس لیتے رہتے تھے۔

پانچویں شام میں ڈرل وغیرہ سے فارغ ہو کر آیا تو پتہ چلا کہ کسی وجہ سے غسل خانوں میں پانی لانے والا کارواں نہیں پہنچا لہٰذا میں نہانے کا ارادہ ترک کر کے دو لڑکوں کے ساتھ چہل قدمی کے لیے نکل گیا۔

گھومتے گھامتے ہم لوگ خاصی دور ویران ٹیلے والے علاقے میں نکل گئے اور سورج ڈوبنے کے بعد ہم واپس روانہ ہوئے تو راستے میں ایک جگہ ایک جیپ کا ہیولہ نظر آیا۔

ہم لوگ تجسس کے پیش نظر اسی طرف ہو لیے۔ مگر ہم جیپ سے

تھوڑے فاصلے پر ہی تھے کہ ادھر سے کسی نے ہمیں دیکھ لیا اور پھر فضا میں سارجنٹ میکولنے کی ہوکھلائی ہوئی آواز سنائی دی کون ہو، ادھر ہی رک جاؤ۔"

ہم دونوں کے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔

"کون؟ کچھ معلوم ہوتا ہے۔" مجھ سے ایک ساتھی نے کہا۔

"چلو آگے چلتے ہیں۔" میں نے انہیں تسلی دی حالانکہ مجھے معلوم تھا کہ ان میں سے کوئی بھی کسی قیمت پر میکولنے کی حکم عدولی نہیں کرے گا۔

"ہم تو مر گئے اور ہم بھی جائیں گے۔"

"مگر میں ضرور جاؤں گا۔"

"تو پھر دور نکل جاؤ" وہ پیچھے ہوتے ہیں آگے کہا۔

تھوڑے جھٹ کے بعد وہ چلے گئے جب ان کے ہیولے بالکل معدوم ہو گئے تو میں آگے بڑھنے لگا۔ جیب میں سناٹا طاری تھا۔

"کون ہے؟" اچانک ادھر سے میکولنے کی آواز سنائی دی

"مصطفیٰ!" میں نے اتنی اونچی آواز میں کہا کہ وہ میرا جواب سن لے۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو، واپس جاؤ۔" وہ غصیلی آواز میں بولا۔

"میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں، سارجنٹ۔" میں نے کے بغیر کہا۔

"مجھے کسی مدد کی ضرورت نہیں، دفع ہو جاؤ ورنہ میں شوٹ کر دوں گا۔" وہ چیخ کر بولا۔

"مجھے پتہ ہے تمہاری جیپ ریت میں دھنس گئی ہے۔ میری مدد کے بغیر تم اسے نہیں نکال سکو گے۔" میں نے اتنی ہی تیزی سے جواب دیا۔

"بہت اچھی بات معلوم ہوتا ہے۔" اندھیرے میں ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"شاہ زیر! تم ہو! میں نے اس کی آواز پہچان کر حیرت سے کہا۔

"شاہ زیر! اوہ" اسے بلند آواز میں جواب ملا۔ "تم فوراً واپس چلے جاؤ ورنہ سارجنٹ اپنا غصہ تم پر نکالے گا، وہ تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

مشورے کا شکریہ، میں نے جو کیا اس میں جانا ہوں گا۔ دیکھ کر شاید میں ہو جاتا۔ مجھے لگا ہے کہ یہی حقیقت کی توقع تھی اور اگر وہ مجھ کو فائر کر دیتا تو ہیئت ان کے درمیان کی دھی ہو جاتی۔

"واپس نہیں، اوھر میرے پاس آؤ۔" میرے دائیں جانب کچھ جنبش ہوئی۔ میکولنے کی گرج دار آواز ابھری۔

"کون تو نہیں ہو گئے؟"

"کون کے بچے!" وہ شاید دانت پیس کر بولا تھا۔ "تم نے کسی

اس واقعہ کا تذکرہ کیا تو میں تمہاری گردن توڑ دوں گا۔"

"بہت بہتر۔" میں نے تیمم وہ کو ذرا [illegible] چلا جاؤں گا۔"

"اب دفع ہو جاؤ۔"

میں مڑ کر وہاں سے واپس ہو لیا۔

اگلے روز جیسی تو وہی مجھ سے اکھڑی اکھڑی اور [illegible]

"کیا تمہارا نام مصطفیٰ علی ہے۔ تا؟"

"تمہیں کس نے بتایا؟" میں نے خوشگوار حیرت سے کہا۔

"جوجیا نے تمہارا ذکر کیا تھا۔ وہ مجھ ہی [illegible] سے جاتے ہوئے بولی۔ وہ تو سارجنٹ کا ساتھ [illegible] ہوا ہے!"

"مگر وہ کہتا ہے کہ اس کے نام دونوں سے [illegible] وہیں میں نے تذکرہ مخصوص پر ندور دے کر کہا۔

"بکواس کرتا ہے! وہ خود ساحرہ بنا کر [illegible] کے لئے اندھا کر جاتے تھے۔"

"بات ایک ہی ہے۔ وہ تمہارا ہوگا کہ اس [illegible] نے اندھا کر دیا ہوا ہے۔ خیر تو پھر [illegible] بات تو ایک ہی ہے!"

"تم کہتے ہو۔" وہ جھنجلا کر بولی۔

"اپنی بے تکلفی!" میں نے حیرت سے کہا۔

"تو میں جا رہی ہوں، یہ کسی کچھ سے بھی [illegible] پھر اپنے مزید ہی ذکر کر رہے ہیں تعلقات اس [illegible]

"مجھے چھوڑ کر تو کیا ہی جھوٹی بات اس کے [illegible]

بائیں کرنے لگی تھی۔"

"مگر تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اب تم، حالانکہ خود [illegible] پچھلی رات وہ جیپ پیچھے پھنسی کر بیٹھ گئی [illegible] جو لیا کیپ وار کے لئے وہیں آئی تھی۔ [illegible] ہو، وہ سونے والوں کے لئے تعلقی ہے تم بے۔"

"کیا واقعی؟"

"وہاں اچھی اس کمرے کی پر پردہ ڈالنے کے [illegible] کے بارے میں کوئی سچ ہو وہ کہانی تراش لیتا ہے جو [illegible] بے تکلف ہو رہی ہو۔"

"مگر تم مجھے یہاں سے جا رہی ہو؟"

"عجیب بدذوق آدمی ہو، وہ چڑ کر [illegible] انداز تھا کہ تم بہت زندہ دل ہو اور میری دعوت [illegible]

"او ہو، تو تم مجھے دعوت میں بے ساختہ ہی [illegible]

کے ساتھ کہا۔ "بیٹھی کا کیبن آگیا اور وہ مجھے ساتھ لے کر اندر گھس گئی۔

اسی دن شام کو جیسی سارجنٹ میکولنے کے ہمراہ موجود تھی۔ مجھے وہاں جو لیا جیسے سے سارجنٹ کی آمد اس کے لئے غیر متوقع تھی ہو۔ دیکھ کر میکولنے اس طرح چونکا جیسے میری آمد اس کے لئے غیر متوقع ہو۔ "تو یہ ہے تمہارا نیا مہمان جس کے بارے میں تم خوش ہو رہی تھیں" سارجنٹ میکولنے نے بڑا سا منہ بنا کر کہا۔

"اور جو بہادری بھی ہے۔" بیٹھی نے مسکرا کر کہا۔

"وہ بہادر وہ کس زبان ہے" اس نے کہا۔

"اگر سارجنٹ اولڈ کو تمہاری اس حرکت کا علم ہو گیا تو وہ تمہاری کھال کھنچوا دے گا۔" اس بار میکولنے براہِ راست مجھ سے مخاطب ہوا۔

"بیٹھی مجھے ہے بڑی بہاں لائی ہے۔"

"کیا جی۔ ٹی۔ تو تمہیں کوئی مروہاتی سزا جو تم اس ڈفروٹ کو لائی ہو۔" میکولنے کو میری وہاں موجودگی سخت ناگوار گزر رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں کہ بعد ہر ایک کی مردانگی رفو چکر ہو جاتی ہے۔" بیٹھی نے اس پر طنز کرتے ہوئے کہا۔ "اس کے علاوہ یہ یہاں چند دن کا مہمان ہے یہاں کام کرنے والوں کو مٹی لگا جانے تو وہ کہا کا ہو جاتے ہیں؟"

بیٹھی کا جواب سن کر میکولنے کا چہرہ اتر گیا اور اس نے فوراً ہی خاموشی سادھ لی۔

پھر وہاں شراب کا دور شروع ہوا۔ ہم چاروں کی رفتار خاصی سست تھی۔ میکولنے نے دوسرے پیگ میں ہی چھلکنا شروع کر دیا۔ چوتھا پیگ حلق سے اتارنے کے بعد وہ ہیچ پر ڈھیر ہو گیا اور مزید ایک پیگ بننے سے بالکل انکار کر دیا۔

بیٹھی نے مجھے اشارہ کیا اور ہم تینوں میکولنے کو وہیں چھوڑ کر صندوقی کمرے میں چلے گئے جہاں ان دونوں کے بستر موجود تھے۔

"اب وہ صبح تک بے سدھ پڑا خراٹے لیتا رہے گا۔" بیٹھی نے بتایا تو میں خیال کاس تیار کرتے ہوئے بولی۔ "اور پھر سارجنٹ اولڈ کو اپنی غیر حاضری کے بارے میں کوئی ایسی جھوٹی ہوئی کہانی سنائے گا کہ ہمیں دیکھ دیکھ کر وہ اپنے مقتدر کو کہے گا۔"

پھر اس خود فروش کا دور چلا اور سرور کے عالم میں وہ دونوں لڑکیاں میرے ساتھ مجھ سے بے تکلف ہوتی چلی گئیں۔ مگر انہوں نے حد سے زیادہ حجت کی اور شش نہیں کی۔ صبح ہوتے ہی جب جو لیا سوتی ہوئی تھی کمرے سے باہر ہو گئی، بیٹھی کی آنکھوں کو دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کیا خیال میں تھی۔ مگر اتنی بے دار و مدبر تھی جتنا اس کا چہرہ تھا۔ اگر وہ اسی قدر رنگین مزاج ہوتی تو میرے ساتھ اس کے رویے میں اسی بے ساختگی اور بے تکلفی شامل ہوتی۔

جی۔ ٹی۔ ٹور میں اپنی دانست میں میں نے ایک بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی تھی مگر مجھے اس کا خمیازہ کئی اور کر دیا اور میرے

وہاں قیام کی مدت مختصر ترین کر دی گئی یا ابتدائی پروگرام کے مطابق مجھے آخری گروپ کے ساتھ کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہونا تھا مگر بیٹھی کو حیرت لینے کے فوراً بعد ہی میرا نام پہلے گروپ میں شامل کر دیا گیا۔

سارجنٹ میکولنے کے بدلے ہوئے رویے کی وجہ سے مجھے یہ اندازہ کرنا مشکل ثابت نہیں ہوا کہ یہ تبدیلی میکولنے کے ایما پر کی گئی تھی۔

جی۔ ٹی۔ ٹو سے تین گھنٹے کی مشقت آمیز صحرائی مسافت پیدل طے کی گئی۔ گروپ میں کل چار لڑکے تھے اور ہر ایک کی پشت پر ضروری سامان لدا ہوا تھا جس میں صحرائی ضروریات کا لازمی سامان موجود تھا۔ گروپ کی رہنمائی اور قیادت ایک اسرائیلی فوجی کر رہا تھا۔

ان دنوں موسم خاصا بہتر تھا لیکن صحرا میں دن کی گرمی ناقابل برداشت تھی۔ ہر طرف لہریے دار ریت کا سمندر پھیلا ہوا تھا یا چھوٹی چھوٹی بنجر پتھریلی پہاڑیاں۔

میں تو صبح ہی سے اشیوح پہنچتے تک ایک بار صحرائی مشقت سے کھیل چکا تھا لہٰذا وہ سفر میرے لئے اتنا اذیت ناک ثابت نہ ہوا مگر دوسرے تین لڑکوں کی حالت بہت ابتر ہو گئی۔

بھٹکا تی ہوئی دوپہر میں ہم لوگ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں زمین سے اٹھتی ہوئی گرمی کی لہروں کے باعث سراب کا منظر ہر طرف دکھائی دے رہا تھا۔

اس مقام پر ایک جگہ چند جھولداریاں نصب تھیں جن سے قریب فاصلے پر سیمنٹ کی چادروں اور آرمی فریم سے ایک بڑا سا چوکور کمرہ بنا ہوا تھا۔

ہمیں لے جانے والے سپاہی کو شاید دور ہی سے دیکھ لیا گیا تھا کیونکہ ایک جھولداری کے دہانے پر کوئی افسر ہمارا منتظر تھا۔

وہاں پتہ چلا کہ جی۔ تی۔ فور اصل میں ابتدائی کیمپ ہے۔ اصل تربیتی کیمپ وہی تھا جہاں ہمیں جھولداریوں میں رہنا تھا۔

اس مقام کا نام ایس۔ او۔ سکس تھا جسے وہ لوگ ملا کر سوڈ کہتے تھے اور اس کی ظاہری ہیئت سے آنے والے دنوں کی سختی کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔

سوڈ پر کل چار نفری عملہ متعین تھا جس کا سربراہ موسیو لیون تھا۔

ہم چاروں کی حالت زار دیکھ کر وہ کھل کھول کر ہنسا اور ہمیں خوش آمدید کہا۔ تربیتی پروگرام فوری طور پر شروع کیا جانے والا تھا مگر ہماری حالت کے پیش نظر اسے اگلے روز پر ملتوی کر دیا گیا۔

شام کا خنک دھندلکا پھیلتے ہی ہمیں لانے والا اپنی واپسی کے سفر پر روانہ ہو گیا۔

رات کے وقت کئی مرتبہ فضا میں ہیلی کاپٹروں کا تیز شور سنائی دیا اور ہم لوگ باہر نکل آئے۔ ہیلی کاپٹر ہمارے کیمپ کے اوپر اتنی نیچی پرواز کرتے ہوئے گزرے کہ ان کی پنکھڑیوں کے گاڑی

وہاں سے نہ صرف بھورا بادل اٹھنے لگیں بلکہ فضا میں بھی غبار کا طوفان اٹھ آیا۔ میجر موریسن نے بتایا کہ وہ سینا کا پٹھار اسرائیل کے سرحدی مورچوں کی دیکھ بھال پر مامور تھے جو سوڈ سے صرف دو میل کے فاصلے پر شامی علاقے میں جولان کی پہاڑیوں پر قائم تھے۔

اگلے روز ہماری تربیت کی ابتدا نہایت ہولناک طریقے پر ہوئی اور ہمیں سیمنٹ کی چادروں سے بنے ہوئے بغیر چھت کے کمرے میں پہنچا دیا گیا جس کے فرش پر نرم ریت کی کئی فٹ موٹی تہہ بچھی ہوئی تھی۔ ہمیں سب سے پہلے بدترین صحرائی موسم میں بھوک اور پیاس کی حالت میں اپنی قوت مزاحمت میں اس حد تک اضافہ کرنا تھا کہ ہم کم از کم تین ہفتے بھوکے پیاسے سفر جاری رکھ سکیں۔

اس کمرے کے فرش پر ریت کی موٹی تہہ کے نیچے آہنی چادریں بچھی ہوئی تھیں جن کے نیچے طاقتور برقی ہیٹر نصب تھے جو ریت کو اس قدر گرم رکھتے تھے کہ ریت پر قدم رکھنا محال ہو جاتا تھا۔ میجر موریسن کے بیان کے مطابق ریت کی سطح کا درجہ حرارت مصر اور شام کے صحراؤں میں جون اور جولائی کے خشک موسمی حالات کے مطابق رکھا گیا تھا۔

اس کے علاوہ آہنی ستونوں کے ساتھ ہوا پھینکنے والے قوی ہیکل پنکھے نصب تھے جو اس کمرے میں آندھی پیدا کر دیتے تھے۔ البتہ پانی کی موٹر کو توانائی فراہم کرنے کے لیے وہاں جنریٹر موجود تھا مگر اس سے کوئی تیسرا کام نہیں لیا جاتا تھا۔

روشنی کے لیے موٹی موم بتیوں یا مشعلوں پر انحصار کیا جاتا تھا۔ کھانا پکانے کے لیے مٹی کے تیل کے سفری چولہے فراہم کیے گئے تھے اور ہر شخص کو اپنا کھانا خود تیار کرنا ہوتا تھا۔

اس کمرے میں ہماری بریفنگ کے دوران میجر موریسن نے ہمیں کمرے میں اس وقت تک مسلسل دوڑتے رہنے کا حکم دیا جب تک وہ خود آ کر رکنے کو نہ کہے۔۔۔ اور پھر وہ چلا گیا۔

چند منٹوں بعد باہر سے جنریٹر چلنے کی تیز آواز سنائی دی جس کا مطلب تھا کہ ریت میں دفن برقی ہیٹر آن کرنے کی تیاری کی جا رہی تھی۔ اس وقت سورج طلوع ہوئے خاصی دیر گزر چکی تھی مگر اس کی کرنوں میں ناقابل برداشت حرارت [illegible] سب سے پہلے ہمیں [illegible] اٹھائے دیوار کے ساتھ دوڑنا تھا۔ تھوڑا سا چلنے پر ریت اتنی نرم اور گہری تھی کہ اس میں قدم دھنسے جاتے تھے اور دوڑتے رہنے کے لیے غیر معمولی توانائی صرف کرنا پڑ رہی تھی۔

"یہ تو بڑی احمقانہ حرکت ہے۔" دوڑتے دوڑتے میرا ایک ساتھی آہستہ سے بولا۔ "ہم اس طرح بھاگتے رہے تو تھوڑی ہی دیر میں بے ہوش ہو کر گر جائیں گے۔"

"پھر کیا کیا جائے۔ حکم تو یہی ملا ہے۔" دوسرے نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"یہاں دیکھنے والا کون ہے۔" ایک ساتھی بولا۔ [illegible] ذرا دروازے پر آہٹ ہوئی تو دوڑنا شروع کر دیں گے۔"

اس کی تجویز خاصی معقول تھی۔ [illegible] ہم چاروں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے۔

مگر ہم زیادہ دیر سکون سے بیٹھ نہ سکے۔ [illegible] درجہ حرارت غیر محسوس طریقے پر بڑھتا جا رہا تھا [illegible] وقت ہوا جب ریت پر ایک جگہ ٹکے رہنا ناممکن ہو گیا۔

جب بار بار پہلو بدلنے سے بھی [illegible] نہ رہ سکی تو کچھ دیر بعد ہم چاروں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ چند منٹ بعد اندازہ ہوا کہ مسلسل کھڑے رہنا بھی [illegible] ہر شخص بار بار بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے [illegible] پھر یہ رفتار تیز ہو گئی اور ہم چاروں [illegible] نجات حاصل کرنے کے لیے ایک ہی جگہ کھڑے رہ کر قدموں کو اٹھانا اور رکھنا پڑا جیسے ہم تیزی سے دوڑ رہے ہوں۔

ایک لڑکے نے اپنی گرد آلود پیشانی کو صاف کرتے ہوئے اسرائیلی افواج کی والدہ کی شان میں گستاخی کی [illegible] اور لات اٹھا کر [illegible] جس کی تقلید میں ہم سب نے بھی اپنے [illegible] چھڑا لی۔

"اس سے تو بہتر ہے کہ ہم دوڑنا شروع کر دیں [illegible]" تربیتی پروگرام کے بارے میں [illegible] سنجیدہ تھا۔

چاروں کے بدن پسینے سے شرابور ہو رہے تھے [illegible] سے خارج ہونے والی حرارت نے ریت پر [illegible] اور وہ گرم فضا میں [illegible] رہی تھی۔ اس کمرے کی حالت [illegible] مشابہ تھی اور ہمیں [illegible] دوڑتے رہنا تھا۔

اسی وقت ایک لڑکے کو ایک انوکھی تجویز سوجھی اور وہ [illegible] میں لٹک گیا۔ اس طرح اس کے دونوں پاؤں [illegible] ہوئی ریت سے نجات مل گئی۔ اس کی تقلید میں سب نے [illegible] گرم ریت سے نجات پالی۔

"تم لوگوں کو [illegible] دیکھا جا رہا ہے۔" [illegible] ستون سے لٹکا ہوا تھا کہ اچانک موریسن کی آواز سنائی دی [illegible] بری طرح چونکا کر ستون ہاتھ سے چھوٹ گیا اور میں ریت پر آ رہا۔

"تم لوگوں کو آج ہر قیمت پر مقررہ وقت [illegible] اس کمرے کی دیواروں کے ساتھ کم از کم [illegible] کا یہ فاصلہ طے کرنے [illegible] اس کمرے میں [illegible] گئی۔ موریسن کی آواز کسی اسپیکر سے آتی معلوم ہو رہی تھی۔

"یہ سراسر ظلم ہے میجر!" ایک لڑکا چیخا۔

"شٹ اپ۔" موریسن کی آواز آئی۔ "تمہیں ہر قیمت پر احکام کی تعمیل کرنا ہے۔ [illegible] دوڑنا شروع کر دو۔"

ناچار سب نے [illegible] اٹھا لی اور کمرے کا طواف شروع کر دیا۔ اس دوران ایک بار چند سیکنڈ کے لیے ایک دیو ہیکل پنکھا حرکت میں آیا اور بند ہو گیا۔ مگر اس سے پیدا ہونے والے ہوا کے شدید تھپیڑے نے فضا میں ریت کے بگولے بکھیر دیئے اور آنکھیں کھلی رکھنا محال ہو گیا۔ اسی عالم میں [illegible] سے ٹکرایا اور ریت پر گر گیا۔

اس چوٹ کے مقابلے میں تپتی ہوئی ریت کا عذاب زیادہ شدید تھا۔ [illegible] چند ثانیوں میں ہی وہ دوبارہ کھڑا ہو گیا۔ مگر اٹھتے ہی پیچھے سے آنے والا ایک لڑکا پوری طاقت سے مجھ سے ٹکرایا اور ریت پر ڈھیر ہو گیا۔

میں اس کی طرف دیکھے بغیر [illegible] آگے دوڑ پڑا۔

پہلے روز [illegible] تین گھنٹے ہماری [illegible] اور جب ہم اس کمرے سے باہر آئے تو [illegible] پنڈلیوں پر [illegible] آبلے پڑ چکے تھے۔

اس [illegible] میں تربیت کا [illegible] ہفتے جاری رہا۔ اس دوران [illegible] خشک رات [illegible] ہوتی تھی مگر ہم چاروں اس ہولناک کمرے میں مسلسل دوڑتے جا رہے تھے۔ ہم لوگوں نے کئی بار اس کمرے میں نصب کیمرہ تلاش کرنے کی کوشش کی جس کی مدد سے موریسن [illegible] ہماری پریشان حالی سے لطف اندوز ہوتا تھا مگر ہماری [illegible] کوششیں بے سود رہیں۔

پہلا ہفتہ گزرنے کے بعد جی۔ ٹی۔ فور سے دوسرا قافلہ آ پہنچا اور ہمیں اس کمرے سے نجات مل گئی۔ تربیت کا دوسرا دور مختلف آتشیں اسلحہ کی تیاری اور استعمال سے متعلق تھا۔

جی۔ ٹی۔ فور سے آنے والے [illegible] اور جس دن آخری گروپ فارغ ہونے والا تھا [illegible] کے ذریعے چالیس [illegible] اور سخت جان فوجی سوڈ میں آ گئے [illegible] سامان [illegible] ہیلی کاپٹروں سے خیموں اور [illegible] بہت سا سامان بھی [illegible] آباد ہو گئی۔

اگلے روز سے [illegible] تربیت کا آغاز ہوا [illegible]

[illegible]

زخمی ہونے والوں [illegible]

دیا گیا۔ دو لڑکے تو جلد ہی صحت یاب ہو کر ہم سے آ ملے البتہ پیٹ میں گولی کھانے والے کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ پوری توجہ کے باوجود جانبر نہ ہو سکا۔

ایک شخص کی موت نے ہر ایک کو سنجیدہ ہو جانے پر مجبور کر دیا اور اس تربیت کے بارے میں لوگ توجہ سے کام لینے لگے کیونکہ موریسن کا یہ جانا پہچانا فقرہ تھا کہ سوڈ پہنچنے والے [illegible] واپس لوٹتے ہیں یا ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ابتدا میں موریسن کے ان الفاظ کو ہر ایک نے کھوکھلی دھمکی سے تعبیر کیا تھا لیکن بعد کے مشاہدات نے موریسن کے الفاظ کی اہمیت کو ثابت کر دیا۔

جنگی ہتھیاروں کی وسیع مشقیں شروع ہونے کے ساتھ ہی ہیلی کاپٹروں کے ذریعے رسد اور ہتھیاروں کی فراہمی کا تسلسل قائم ہو گیا تھا۔ صحرا کے اس حصے کو [illegible] دیکھ کر یقین بھی نہ آتا تھا کہ چند ہفتے پہلے یہاں چند خیموں اور ایک ہولناک شیطانی کمرے اور چار نفوس کے سوا کچھ نہیں تھا۔ رات کو جب خیموں میں بجلی کی مشعلیں اور پٹرومیکس جلا کرتے اور ریکارڈ پلیئر پر گانے بجائے جاتے اور مختلف تفریحات کی پرشور محفلیں سجتیں تو گزرے ہوئے دن کی ساری تھکان [illegible] غائب ہو جاتی اور اگلی صبح ہر ایک نئے مصائب جھیلنے کے لیے تازہ دم ہو جاتا۔

پھر ایک رات سوڈ میں قیامت سی آ گئی۔ اس وقت رات کے ڈھائی بجے کا عمل تھا۔ سب لوگ تھکن سے نڈھال اپنے خیموں میں

میں وہ کیمپ بے خبر سوئے ہوئے تھے۔ یوں تو سوڈ میں رات کو بھی ہوائفوں کا پہرہ ہوتا تھا مگر وہ مقام اس قدر محفوظ تصور کیا جاتا تھا کہ رات کی ڈیوٹی دینے والے مسلح محافظ بھی لمبی تان کر سوتے تھے۔ ہوائفوں کے اس وطیرے سے میجر موریسن بھی واقف تھا مگر اس نے حرف غلط کے اس پہلو کو کبھی قابل توجہ نہیں سمجھا اور غالباً اس کی یہی لاپرواہی سوڈ کے باسیوں کے لئے ہولناک تباہی کا باعث بن گئی۔

میری آنکھ کھلنے کا باعث ایک شدید دھماکا تھا۔ میں ہڑبڑا کر کمبل پھینکتا ہوا جھونپڑی سے باہر آیا تو آسمان پر سرخی پھیلی ہوئی نظر آئی۔ پے در پے متعدد دھماکے ہوئے اور ایک طرف سے سیاہ دھوئیں کے کثیف بادل آسمان کی طرف اٹھتے نظر آئے جو زرد اور نارنجی رنگ کے آتشیں شعلوں پر سوار تھے۔

سوڈ میں ہر طرف کھلبلی مچ گئی اور ہر شخص جس حال میں تھا، جھونپڑی سے باہر نکل آیا۔ سب کی سہمی ہوئی نگاہیں دھوئیں اور شعلوں پر مرکوز تھیں۔

آگ جس سمت میں لگی تھی ادھر ہی ہولناک گودام تھا جس میں سمنٹ کی چادروں کے عقب میں بیتی توانائی کے سامنے کا ذخیرہ بھرا جاتا تھا۔ آخری گروپ کی ابتدائی تربیت کے خاتمے پر جب گوریلا جنگ کی عملی تربیت کے لئے اسلحہ آنا شروع ہوا تو موریسن نے تعمیر جیت والے اس کمرے پر ترپالیں تان کر اسلحے کے چوبی کریٹ وہیں بھر دیئے تھے۔

اسلحہ خانے میں بھڑکی ہوئی آگ اور قیامت خیز دھماکوں نے موریسن کو بری طرح بوکھلا دیا اور وہ جنونی انداز میں چلاتا ہوا ایک ریتیلے ٹیلے پر چڑھ گیا جہاں سے نشیب میں بنا ہوا اسلحہ خانہ صاف نظر آتا تھا۔

موریسن کی تقلید میں بہت سے تجربہ کار گوریلے بھی اسی طرف دوڑے اور صورتحال کا صحیح اندازہ کرتے ہی ٹیلے سے اتر کر آگ کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

چند ثانیوں میں سارا کیمپ اس آگ کے گرد جمع ہو چکا تھا۔ کیونکہ آگ پورے علاقے میں پھیل چکی تھی اور دھماکوں کا سلسلہ موقوف ہو چکا تھا۔

اس وقت کیمپ میں پانی کا جو ذخیرہ موجود تھا وہ لگے بیس گھنٹوں کی ضروریات سے قطعاً زائد نہیں تھا پھر اس آگ کو بجھا کر راکھ اور انگاروں کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوتا لہٰذا اسلحہ دھڑا دھڑ جلتا رہا اور سب لوگ تماشہ دیکھتے رہے۔

یہ کیسے ہوا؟ موریسن شدید غصے اور مایوسی کے عالم میں دہاڑا مگر وہاں سب کو سانپ سونگھ چکا تھا۔ لیکوں اور مبانوں پر بھی محافظ اپنی شاہانہ نا اہلی پر مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑے تھے۔

ہو سکتا ہے سر۔ کہ کسی وحشی جانور کی غوں غاں ... ہوا اور اس کے پلیٹ جانے سے پورے ذخیرے نے آگ پکڑ لی ہو اور پچھے شعلوں کے ہونٹ انعکاس ہی کسی کی سمجھ میں نہ آتا ہو۔ تم آگ کے پیچھے ہو۔ میجر موریسن پھٹ پڑے۔ ہوتا ہے گرنی سے تمہارا دماغ پھر گیا ہے۔ یہاں آنے والا ہر چیز پر تیار کیا جاتا ہے۔ یہ کوئی تخریبی کارروائی معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے کیمپ میں یہ پھیلا ہوا تصور ہے۔

موریسن کے ان الفاظ سے وہاں سنسنی پھیل دی اور ایک بہت سے لوگ ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرنے لگے۔

ہر شخص کی زبان پر فلسطینی حریت پسندوں کا نام تھا۔ وہ بات پر حیران تھے کہ شمالی علاقے سے اسرائیلی مورچے عبور کر کے سوڈ تک کس طرح پہنچے جبکہ وہ کیمپ اسرائیلی مورچوں کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے بہت محفوظ سمجھا جاتا تھا۔

یہ تماشا چھوڑو اور سوچو دشمن یہ کیسے ہوا۔ آہستہ آہستہ موریسن کا دماغ کام کرنے لگا تھا۔ اگر وہ تخریب کار میں کامیاب ہوئے تھے تو اب تک وہ زیادہ دور نہیں نکلے۔ یہ بہت غنیمت تھا کہ تمام خیمے اس اسلحہ خانے سے الگ واقع تھے ورنہ وہاں بھڑکنے والی آگ ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔ ہوتی میجر کا حکم پاتے ہی سب لوگ جھونپڑیوں کی طرف دوڑے اور تھوڑی ہی دیر میں کھوجی پارٹیاں ہر طرف پھیل گئیں۔

میجر موریسن نے وائرلیس پر اپنے متعلقہ افسروں کو واقعے کی اطلاع دے دی جس کے نتیجے میں تھوڑی ہی دیر بعد کا پٹر چکھا ڑتے ہوئے اس علاقے میں منڈلانے لگے۔ سرچ لائٹس سے دور دور تک صحرا میں روشنی پھیل گئی تھی۔

ہیلی کاپٹروں نے تھوڑی ہی دیر میں بہت کچھ چھان مارا مگر وہاں کوئی مشتبہ فرد یا نشان تلاش نہ کر سکے۔ رات جانے کے بعد بھی کیمپ کی جماعتیں علاقے کی تلاشی میں لگی رہیں مگر سورج طلوع ہونے کے بعد بھی وہاں کوئی کامیابی نہ ہو سکی اور یوں تھک ہار کر سب واپس آ گئے۔

اس حادثے پر جہاں ہر شخص پریشان اور مضطرب تھا وہاں دلی مسرت کا احساس ہو رہا تھا۔

وہ اتفاقی حادثہ تھا یا تخریبی کارروائی کا نتیجہ، بہر حال کے باسیوں یہودیوں کے تحفظ کے احساس اور غرور کو شدید صدمے سے سامنا کرنا پڑا تھا۔

اسی کے ساتھ مجھے فلسطینی افواج آزادی کے اس کارنامے محمود شدت سے یاد آ رہا تھا۔

مجھے تل ابیب سے نکلے سات مہینے گزر چکے تھے۔ اگر

یہودی ڈیلیگیٹ نیرا کوئی رابطہ نہیں رہا تھا۔ میری حاصل معلومات اور ٹٹ کل کا طرح جی۔ لیبیا پہنچ رہ گیا تھا۔ میں محمود کے بارے میں جتنا سوچتا، بار بار اسی قدر میری بے چینی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ وہ خدا جانے کہاں اور کس حال میں تھا۔ لیبیا کے ساتھ اس کا رابطہ بس حد تک برقرار تھا۔ بیچ حیات کے بارے میں وہ کیا منصوبہ بندی کر رہا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ اسرائیل سے میرا اخراج کے لئے اس نے کیا فیصلہ کیا تھا۔ اس سوڈ میں مستقل کہ تمام تر دار و مدار تھا۔

اسرائیل کی بنتے ہوئے کیا دل زبان یہودی گوریلا سیل میں ملوث ہو جانا تھا۔ اپنی جنتی علی ہتھیاری کی وجہ سے میں نے خود کو اسرائیلی حکام کی نظروں میں شبہات سے بالاتر ثابت کر دیا تھا لیکن اب دن بدن میرے دل میں یہ مدرج قریبا احساس جڑ پکڑتا جا رہا تھا کہ میرا مقدر اسرائیلی حکام کے مزاج سے وابستہ ہو کر رہ گیا ہے۔ لے دے کر ایک آخری امید ہی نظر آتی تھی کہ گوریلا تربیت کے خاتمے پر مجھے اسرائیلی سرحدوں سے باہر کسی مشن پر بھیجا جائے اور وہاں میں نئی پوزیشن اختیار کر لوں۔

اس روز سوڈ کی فضا پر ایک تا موشی طاری تھی۔ ہر شخص انجانی کشیدگی اور الجھن کا شکار نظر آ رہا تھا اور میجر موریسن نے دو روز کے لئے ساری تربیتی سرگرمیاں موقوف کر دی تھیں۔

تربیت لینے والے گوریلوں کے لئے اس غیر متوقع چھٹی میں بہت خوش تھے مگر اپنے افسروں کے ردِعمل اور چہرے دیکھ کر اپنی خوشی کا کھل کر اظہار کرنے سے مجبور تھے۔

دوپہر کے وقت سوڈ کے شمال مشرقی علاقے سے مشین گنوں کی تابڑ توڑ فائرنگ اور توپوں کی گرج سنائی دی جس کے ساتھ شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ ... فوجیوں نے وہ آواز سن کر یہ رائے قائم کی کہ شمالی سرحدوں پر جھڑپوں کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ ان کو یقین تھا کہ یہ ان کے فوجیوں نے سوڈ میں مکمل تخریب کاری کا انتقام لینے کے لئے کیا ہوگا اور شامیوں کو بے خبری میں خاصا بھاری جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑے گا۔

شام کے وقت خون آلود سنائی دی اور جب اندھیرا پھیل گیا تو شمال مشرقی افق پر سرخ آتشیں لکیریں سی ابھرتی اور معدوم ہوتی نظر آئیں۔ کیمپ سے وہ جھڑپ ہوتی جنگ کا منظر دیکھ رہا تھا۔ اگر تفتیشی دکھنے سے پہلے والا منظر تھا اور مجھے اسرائیلیوں سے معلوم ہوا کہ شمال مشرق میں اسرائیلی مورچے شامی علاقے میں پہاڑی علاقے کی لمبی بندوق کا نشانہ ... ان کی وجہ سے وہاں سے ان کے مورچوں سے سوڈ کے اندر شدت سے روشنی نظر آتی تھی جبکہ شامی توپیں سرحدوں سے کافی پیچھے تک علاقے میں ہی رہتے تھے۔

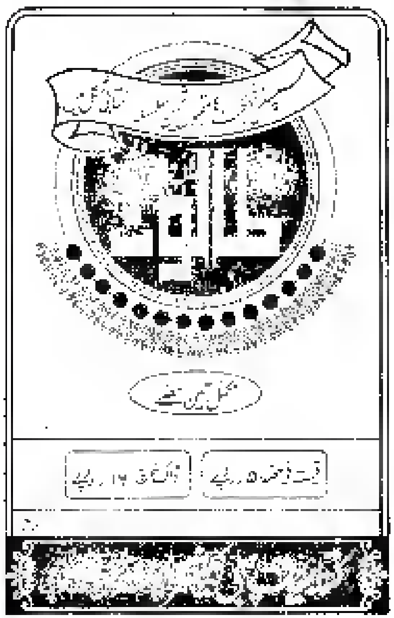
دورات آرام سے گزر گئی۔ لیکن کیا جند مت کے لئے محاذ پر خاموشی چھا جاتی مگر تھوڑی دیر میں دھماکوں کی بازگشت بدستور گردش کرتی رہتی اور اس بازگشت کے ردعمل نے سب سے پہلے محاذ آرائی کا نیا دور شروع ہو جاتا۔

اگلے روز ڈرل شروع ہونے سے پہلے صبح سویرے میجر موریسن نے اعلان کیا کہ سوڈ کے حادثے کی تفتیش کے لئے تل ابیب سے چند فوجی افسر دوپہر سے پہلے یہاں آ رہے ہیں اور ان کی آمد کے وقت ہر شخص کو اپنے خیمے میں موجود ہونا چاہیے۔

ڈرل سوڈ کی تربیتی زندگی کا لازمی جزو تھی۔ موریسن سب کو ٹ دن کی چھٹی دے چکا تھا مگر بنیادی نظم و ضبط برقرار رکھنے کے لئے ہر ایک کے لئے صبح پانچ بجے ڈرل میں شامل ہونا لازمی تھا۔ عبرانی کی کوتاہی کی گنجائش نہیں تھی۔ دیر سے آنے والوں کے ساتھ موریسن کوئی جلاد کی طرح پیش آتا تھا کہ جی۔ ٹی۔ فور کا سارا جذبہ اور اس کے مقابلے میں تمام تر بیرونی سے محسوس ہونے لگتا تھا۔

اس روز ڈرل سے نمٹنے کے بعد میں جھونپڑی میں بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا کہ کسی نے کیمپ میں ساجنٹ ٹیکوانی کی موجودگی کی خبر سنائی۔ میرے لئے یہ خبر انتہائی حیرت ناک تھی کہ میرے ہاتھ سے نوالہ ہی پیالی گرتے گرتے بچی۔

وہ یہاں کب پہنچا؟ شام تک تو اس کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ میں نے خبر لانے والے لڑکے سے آہستہ سے سوال کیا۔



"وہ تو تمہیں اولڈ کے حوالے کرنے کے بعد سے سیل کر رہا تھا۔ سالا تفتیشی افسروں کی آمد کی خبر پاکر ادھر دوڑا ہو گا؟"

"جی ٹی فور میں تو وہ جولیا پر ہاتھ صاف کر رہا تھا، یہاں سے تپتی ہوئی ریت اور کرخت مردانہ چہروں کے سوا کیا تھا جو وہ ادھر آتا۔" میرے ساتھی نے تبصرہ کیا۔

"وہ ٹھہرا کہاں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"موریسن نے اسے [illegible] اپنے اردلی کا خیمہ دیا ہے۔"

میں ناشتے سے فارغ ہوا تو سورج آسمان کے مشرقی گوشے سے سر ابھار چکا تھا۔ میں سیدھا سیکولنے کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ میں اس کے خیمے میں پہنچا تو وہ اپنے سیاہ جوتے کی نوک چمکا کر اس میں اپنی شکل دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میری آہٹ پر اس نے سر اٹھایا تو میرا خیال تھا کہ وہ نہایت تپاک سے میرا استقبال کرے گا مگر وہاں معاملہ ہی الٹ ہو گیا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے جوتا زمین پر ڈال دیا اور پھاڑ کھانے والی نظروں سے مجھے گھورنے لگا۔

"صبح بخیر سارجنٹ!" میں نے سیٹی بجا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟" وہ غرایا۔

"مجھے پتا چلا کہ تم رات یہاں آئے ہو تو ملنے چلا آیا۔"

"بڑی محبت ہے تم کو مجھ سے؟" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

"شاید تم وہ وقت بھول گئے جو ہم نے تل ابیب سے جی ٹی فور تک ایک ساتھ سفر کرتے ہوئے گزارا تھا۔"

"میرا حافظہ بہت مضبوط ہے۔ مجھے وہ رات بھی یاد ہے جو تم نے لڑکیوں کے ساتھ گزاری تھی۔" وہ میرے قریب آ کر پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔

"کیا اس رات مجھ سے کوئی گستاخی ہو گئی تھی؟"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اس قدر حرام زادے ہو۔" وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ "کیتھی نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔"

"بتا دیا تھا تو تم خود جانتے ہو گے کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ اس نے خود ہی مجھے مجبور کیا تھا۔"

"اوہ! تو تم اس حد تک چلے گئے تھے؟" وہ حیرت اور غصے سے مغلوب لہجے میں بولا۔ "اس کتیا نے یہ قصہ تو بالکل ہی گول کر دیا۔"

یک بیک مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ کیتھی نے نہ جانے اسے کیا کہانی سنائی تھی اور میں سادگی میں اس موٹے احمق کے سامنے حقیقت کا اعتراف کر بیٹھا تھا۔ میں نے بات بنانے کے لئے جلدی سے کہا۔ "تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے۔ کیتھی کے ساتھ میں نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی جس پر مجھے پشیمان ہونا پڑے۔ تمہارے سو جانے کے بعد اس نے مجھے اپنے ساتھ رقص کرنے پر مجبور کیا تھا اور ہم دونوں نشے میں صبح تک ناچتے رہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" وہ آسودہ انداز میں [illegible] جنبش دیتے ہوئے بولا۔ "کیتھی ایسی گری ہوئی لڑکی نہیں ہے جو میرے ہوتے ہوئے کسی کالی چمڑی والے کے قدموں میں گر جائے۔ اس نے اس کے سامنے میرے خلاف کیا زہر فشانی کی تھی؟"

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ "تو وہ جھوٹی ہے؟"

"ہو سکتا ہے کہ اس نے تمہیں مجھ سے بدظن کرنے کی کوشش کی ہو۔"

"بالکل بکواس۔" وہ بولا۔ "ایسا ہوتا تو وہ مجھ سے ایسی باتیں کیوں کرتی؟ اس نے تمہارے چلے جانے کے بعد [illegible]"

"کیا کہا تھا اس نے؟"

"میں کہتا ہوں دفع ہو جاؤ تم یہاں سے۔" یک بیک اس کا پارہ چڑھ گیا۔ شاید اسے ان خرافات کا خیال آ گیا تھا جو کیتھی نے مجھ سے منسوب کر کے اسے سنائی تھیں۔

"مجھے تمہاری دوستی کی ضرورت ہو گی۔"

"جہنم میں گئی دوستی۔ اب میں یہاں آ گیا ہوں تو تمہیں [illegible] کیا درگت بناتا ہوں۔" وہ چیخ کر [illegible] والے انداز میں بولا۔

"سیکولنے [illegible] رہا ہے؟" اچانک [illegible] میجر موریسن کی چنگھاڑتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"سوری سر! ویری سوری۔" میجر موریسن کی آواز [illegible] سیکولنے کے اوسان خطا ہو گئے اور میں تیزی کے ساتھ [illegible]

دوپہر کو [illegible] کے لئے تفتیشی ٹیم [illegible] سے تو ان لوگوں کو نہ دیکھ سکا مگر یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح گردش کرنے لگی کہ آنے والوں میں ایک حسین و جمیل لڑکی بھی ہے جو [illegible] سوٹ میں آئی ہے۔ [illegible] ریت اور [illegible] ہر ایک میں تجسس اور زندگی کی نئی لہر دوڑا دی۔ [illegible] تھا کہ تفتیش کے سلسلے میں اسے بھی طلب کیا جائے [illegible] تمام کے جلووں سے پوری طرح لطف اندوز ہو سکے۔

سہ پہر کو جب میجر موریسن کا اردلی میری طلبی کا حکم [illegible] قدرے پریشانی ہونے لگی۔ میرا خیال تھا کہ [illegible] مختلف قومیت سے تعلق رکھتا تھا لہٰذا تخریب کاری [illegible] کے لئے میری ہی ذات کو سب سے بہتر نقطہ آغاز سمجھا گیا تھا۔

میں [illegible] میں مبتلا اردلی کے ہمراہ [illegible] میں پہنچا تو وہاں ایک خوش شکل [illegible]

کیمپ میں جس جمعیت اور دلربا کی آمد کی دھوم مچی ہوئی تھی وہ میری [illegible] فرسٹ لیفٹیننٹ ماریا تھی۔ اس وقت وہ خیمے میں میجر موریسن اور ایک کرنل کے ہمراہ بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھ کر چند ثانیوں کے لئے اس کی آنکھوں میں خیر سگالی کی جگہ آمیز جھلک پیدا ہوئی جو فوراً ہی پیشہ ورانہ سختی میں معدوم ہو گئی۔

مزید افسران کی موجودگی کی وجہ سے میں بھی زبان نہ کھول سکا بس نگاہوں ہی نگاہوں میں پیغامات کا مختصر سا تبادلہ ہوا اور پھر میں موریسن کی ہدایت پر کرنل کے سامنے پڑے ہوئے ایک خالی چوبی کریٹ پر بیٹھ گیا۔

"کرنل لیوک آرنلڈ [illegible] انٹیلی جنس [illegible]" موریسن نے خشک رسمی لہجے میں تعارف کی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے مجھے بتایا۔ "یہ دونوں افسران تل ابیب سے تازہ واقعات کی تفتیش کے لئے یہاں آئے ہیں۔"

"کیپٹن [illegible] تل ابیب [illegible] انٹیلی جنس ہیڈ کوارٹرز میں [illegible]" [illegible] مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "مجھے آپ دونوں سے مل کر بڑی مسرت ہوئی۔"

"مسرت کے اظہار کی ضرورت نہیں۔" میجر موریسن خشک لہجے میں [illegible] "ان افسران کے [illegible] سے تم [illegible] کیا گیا ہے کہ تم [illegible] کے ساتھ تعاون کرو۔ [illegible] نے تمہاری ذات [illegible] تفتیش کے لئے نقطہ آغاز مقرر کیا ہے۔"

"[illegible] میں نے [illegible] کہا۔

"[illegible] سے [illegible] کے ہمراہ جی ٹی فور کی جانب [illegible] تمہارے [illegible] کا نام [illegible] جی ٹی فور اور [illegible] پہلے ہی [illegible] کی [illegible] میں [illegible] اس کے علاوہ بھی [illegible] کا تذکرہ نہیں [illegible] اور [illegible] کا کوئی [illegible] نظر آیا۔"

[illegible] کو [illegible] سے [illegible] کا نام [illegible] وقت [illegible] اور [illegible] اس [illegible] اور وہ افسران کے ہمراہ وہاں پہنچی ہے [illegible] کرنل لیوک آرنلڈ بھی [illegible] تفتیش کے لئے [illegible]

"[illegible] ہو گا۔"

کرنل [illegible] سامنے میز پر رکھی ہوئی فائل کی ورق گردانی [illegible] کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوا۔ [illegible] میری طرف دیکھے

کچھ دیر کے بعد اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"جی ہاں۔"

"اور تم ہندوستانی ہو؟"

"جی۔"

"اس کا کوئی ثبوت فراہم کر سکتے ہو؟" اس نے اپنی مونچھ کا داہنا سرا مروڑتے ہوئے تجسس آمیز لہجے میں دریافت کیا۔

"میں ہندوستان سے خلیج فارس کی ایک ریاست میں پہنچا تھا وہاں سے ابو خالد نے مجھے اسرائیل پہنچا دیا جس کے پاس اپنی قومیت کے ثبوت میں کچھ بھی نہیں ہے۔"

"قاضی ہادی سے تمہارا کیا تعلق تھا؟"

"ابتدا میں اسرائیلی حکام کو میری وفاداری پر شبہ تھا۔ انہی دنوں قاضی ہادی کے آدمی مجھے اغوا کر کے اس کے فارم پر لے گئے تھے۔ انہوں نے مجھے کچھ غلط کاموں پر لگانے کی کوشش کی مگر میں نے صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد کے روپے سے میں نے اندازہ لگایا کہ قاضی ہادی اسرائیل کا کٹر وفادار تھا اور شاید اس نے حکام کی ایما پر وہ چال چلی تھی۔ اس کے بعد وہ میرا گہرا دوست بن گیا۔" میں نے جواب دیا۔ کرنل لیوک کے سوالات بہت چبھتے ہوئے تھے اور اس نے مجھے خاصا متفکر کر دیا تھا۔

"اس کی موت کے وقت تم بحری جہاز پر اس کے ساتھ تھے؟"

"جہاز پر موجود ضرور تھا، اس کے ساتھ نہیں تھا۔" میں نے بوجھل دل کے ساتھ محتاط لہجے میں جواب دیا۔

"خوب!" کرنل لیوک نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "بہت زیادہ محتاط طبیعت کے مالک معلوم ہوتے ہو۔"

"بہت چالاک آدمی ہے!" میجر موریسن نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

"اور تم کرنل ریشے سے بھی ملے تھے؟" کرنل لیوک نے سوال کیا۔

"اس کرم فرما نے میری تواچھی خاصی تربیت کی تھی۔"

"اور اس بدنصیب کی موت کے وقت بھی تم اس کے پاس موجود نہیں تھے؟"

"موت؟ تو کیا کرنل ریشے فوت ہو گئے؟" میں نے مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"اب نہیں وہ دونوں پہلے ماری جا چکی ہے۔"

"اوہ خدایا!" میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ "بہت خوب صورت والی وہ عورت بڑی نرم دل اور خدا ترس تھی۔"

"اخبارات میں اس کی موت کی خبر مادام الیس کے نام سے شائع ہوئی تھی اور وہ اپنے مکان پر فلسطینی دہشت پسندوں کے ایک منظم حملے کا شکار ہوئی تھی۔"

"مادام الیس کا واقعہ مجھے یاد ہے۔ مگر مجھے پتہ نہیں تھا کہ کرنل ریشے ہی مادام الیس کے نام سے خفیہ سرگرمیوں کا محتاج خانہ چلاتی ہے!"

"تمہاری ذہانت بڑی دلچسپ ہے مسٹر صفدر!" کرنل بیوک سگار کا کش لے کر بولا۔ "جس اہم شخصیت سے تم ملے ہو وہ قتل کر دی گئی۔ اسی طرح جس اہم مقام پر تمہارا سامنا ہوا وہاں تباہی اور بربادی پھیل گئی۔"

"میں... میں نہیں سمجھا کہ آپ کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہتے ہیں؟" میں نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔ "میری نقل و حرکت پر ہر وقت نظر رکھی گئی ہے۔ میں کسی تخریب کاری میں ملوث نہیں ہوں۔ [illegible] یا الزام عائد کیجیے۔"

"تم ذہنی طور پر الجھن محسوس کر سکتے ہو مسٹر صفدر!" وہ بھی خوش مزاجی کے ساتھ بولا۔ "میں تم پر کوئی الزام عائد نہیں کر رہا۔ صرف حقائق دہرا رہا ہوں۔ کرنل ریانا تم سے ملی اور مار دی گئی۔ تاجی بادی نے تم سے دوستی کی تو [illegible] بے موت مارا گیا۔ [illegible] دھماکوں سے اڑا دیا گیا تھا۔ [illegible] کے کیمپ میں [illegible] گزارا تھا اور وہ [illegible] تمہارے قدم [illegible] پہنچے تو [illegible]۔"

"لیکن ان واقعات سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں کسی دہشت پسند سے [illegible] نہیں ہوں۔" میں نے [illegible] لہجے میں کہا۔

"ریکارڈ [illegible] کہتا ہے۔" وہ [illegible] بولا۔ "میری تحقیق [illegible] تمہارے بارے میں کوئی اہم [illegible] اسرائیلی حکام کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔"

"[illegible] ایک [illegible] کھلی کتاب کی طرح ہوں [illegible] کے سامنے [illegible] کیا جا رہا ہے [illegible] ساتھ [illegible] زیادتی ہے۔" میں نے [illegible] کہا۔

اسی وقت [illegible] کی بہت صفائی [illegible] جنرل [illegible] داخل ہوا جس کے جسم پر بریگیڈیئر کی وردی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ دونوں اپنی جگہ سے اٹھے اور بریگیڈیئر کو سیلوٹ کیا۔ میں بھی احتراماً اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

[illegible] ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کرنل بیوک اور [illegible] نے بھی اپنی [illegible] سنبھال لی۔

"خیریت ہے [illegible]" بریگیڈیئر مجھے گھورتے ہوئے بولا۔

"مجھے اس کی قومیت پر شبہ ہے سر!" کرنل بیوک [illegible] لہجے [illegible] کا اظہار کیا۔

[illegible] بریگیڈیئر نے پوچھا اس کے بارے میں [illegible] نگاہ ڈالی تھی۔ [illegible] کے سامنے [illegible] کے مقابلے میں [illegible] زیادہ [illegible] نظر آ رہا تھا۔

"اس کا [illegible]" کرنل بیوک نے بتانا شروع کیا مگر میں نے [illegible] اس کی بات کاٹ دی۔

"[illegible] نہیں ہے۔ جب میں [illegible] تھا مگر [illegible] کے [illegible]

مجھے اسلامی نام اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا تھا اور [illegible] میں نے [illegible] اور [illegible] سے یہ [illegible] میں [illegible] موجود ہو گا۔"

"بریگیڈیئر صاحب!" [illegible] نے [illegible] بریگیڈیئر [illegible] بھی موجود ہے۔"

"اس سے پہلے کہ [illegible] کوئی [illegible] بولو [illegible] مطابق [illegible] ہندوستان [illegible] واقفیت [illegible] ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ یہ شخص [illegible] خفیہ تنظیم کے تحت اسرائیل میں [illegible] ہوا ہے۔"

"میں تو یہاں [illegible] کرنل بیوک صفدر [illegible] خوف زدہ ہو گیا تھا۔ مجھے [illegible] پھر مجھے تل ابیب [illegible] اسرائیل کے [illegible] آخر میں اس کی قومیت [illegible] بولو کہ [illegible] کے ساتھ [illegible] پہنچا اور [illegible] سے [illegible] اسرائیل [illegible] منصوبہ بندی [illegible] لگ رہی ہے۔"

"قومیت کے حوالے سے اس کی [illegible] بولا۔ "ہندوستان [illegible] پاکستانی [illegible] معاملہ [illegible] زیادہ [illegible] اس امر کا قوی امکان ہے کہ تل ابیب [illegible] کے بعد [illegible] فلسطینی گروہ کا آلۂ کار بن گیا ہو اور [illegible] تجزیہ [illegible] سے [illegible] نے [illegible] فوجی [illegible] اور [illegible] کام کر رہے ہیں۔"

"[illegible] پوچھا ہے؟" بریگیڈیئر [illegible] ہمارے [illegible] ہے کہ صفدر کے [illegible] تمہارا [illegible] رہا ہے [illegible] ہے [illegible] شخص کو [illegible] یہاں نہیں [illegible] سکتا۔ [illegible] کی [illegible] اس شخص کو تم [illegible] ساتھ لے جاؤ۔"

"آپ کے مشورے کا شکریہ بریگیڈیئر!" کرنل بیوک نے [illegible] [illegible] وہ خوب جانتے ہیں [illegible]

"[illegible] کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" بریگیڈیئر [illegible] کرنل بیوک نے جواب دینے کی [illegible] میرا صفدر [illegible] ساتھ [illegible] ایک [illegible]

[illegible] کے [illegible] ان کے [illegible] فقرہ [illegible] بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ [illegible] دہشت [illegible] وقت [illegible]

[illegible] نقطے پر لڑائی کا میدان ایک [illegible] پیش آیا [illegible] کے [illegible] چہروں سے [illegible] ہوئے تمام فوجی [illegible]

ڈھونڈنے کی صورت میں ان کے گرد جمع تھے جہاں سے ہم دونوں باہر کے [illegible] حفاظتی [illegible] سے [illegible] میں سپاہیانہ [illegible] ہیں۔ [illegible] تصور [illegible] ان کا ایک شاہانہ انداز مارنا کو ہم گرفتار کر لیں گے [illegible] سی مسکراہٹ آ گئی۔ جسے [illegible] سے دیکھا جا [illegible]

"وہ سب تمہیں بوڑھا کر دے گا۔" میں نے دھیمے لہجے میں مارنا کو [illegible] کی کوشش کی۔

"تم ٹھیک ہو۔ مجھے دیکھ کر وہ خوشی سے بے قابو ہو رہے ہیں؟"

"تمہارے حسن سے [illegible] ابھی [illegible]"

"[illegible]"

"تم لوگ [illegible] لڑکی ہو۔ ایک [illegible] فوجی کیمپ میں جب [illegible] کی [illegible] پریشان ہو جاتے ہیں تو اس کا مطلب [illegible] کی بربادی ہوتا ہے!"

"[illegible] وہ بے چارے [illegible] کے دیدار کو ترسے ہوئے ہیں۔ انہیں ایک لڑکی نظر آئی ہے تو وہ مسرت کا اظہار کیوں نہ کریں۔ اس وقت ان کے نزدیک میں محض ایک لڑکی ہوں۔ میرا عہدہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔"

"ماں کا خیال ہے میرا خیال ہے کہ تمہیں ایک آدھ گھنٹہ میرے [illegible] کے ساتھ گزارنا چاہیے۔" میں نے [illegible] لہجے میں کہا۔

"دلچسپ ہے [illegible] تو میں ان کا سوال پیدا کرنے کے [illegible] نے یہ بھی [illegible]" مارنا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

اسی دوران میں [illegible] بے خوف نوجوان [illegible] ہاتھ [illegible] ہوئے ہمارے قریب آ گئے۔

"اب [illegible] سے بچو!" میں نے منہ بنا کر آہستہ سے کہا۔

"کیا بات ہے؟" مارنا اچانک چلتے چلتے رک کر ان کی طرف گھوم گئی [illegible] اور انہوں نے [illegible] ایک ہی وقت میں [illegible] کر ڈالا۔

"ہمارا خیال تھا کہ کیمپ کے معائنے میں ہم تمہاری کچھ مدد کر سکیں [illegible] ایک [illegible] نے جلدی سے کہا۔

"[illegible] کا شکریہ!" مارنا [illegible] لہجے میں بولی۔ "یہ [illegible] کیمپ [illegible] تمہارا [illegible] نگاہ ہو۔"

"[illegible]" وہ لڑکا خاصا طرار تھا۔ "[illegible] کو دیکھ کر کبھی [illegible] ہے کہ ہم [illegible] کی نگرانی کر لیا [illegible]"

"[illegible] بات کرو۔" مارنا [illegible] لہجے میں اس پر برس پڑی۔ "اگر

[illegible] کمانڈر کی شان میں گستاخی کی تو فوراً کوارٹر گارڈ پہنچا دیے جاؤ گے۔"

"مجھے افسوس ہے سر!" لڑکے کے بگڑتے ہوئے تیور دیکھ کر وہ ہکلانے لگا۔ "مجھے احساس نہیں رہا تھا کہ میں ایک افسر سے ہم کلام ہوں۔"

"اپنی اپنی [illegible] میں جاؤ۔" مارنا [illegible] کے ساتھ میں [illegible] سے [illegible] گئی۔ مارنا [illegible] کر دو۔"

وہ سب تیزی کے ساتھ وہاں سے منتشر ہونے لگے اور مارنا میرے ساتھ اس طرف ہو لی جہاں اسلحہ میں ہولناک [illegible] ہو رہی تھی۔

"آج کل تل ابیب کے کیا حالات ہیں؟" چند لمحوں تک خاموشی سے چلتے رہنے کے بعد میں نے سوال کیا۔

"شہر پر خوف و ہراس کی فضا چھائی ہوئی ہے۔" وہ دھیمے اور [illegible] لہجے میں بولی۔ "ہر شخص دوسرے سے خوف زدہ نظر آتا ہے۔"

"کیا مزید واقعات پیش آئے ہیں؟"

"تل ابیب کے شہری دہشت کے واقعات کو کبھی نہ بھول سکیں گے۔ جانتے ہو اس روز صرف تل ابیب میں کتنے شہری ہلاک ہوئے تھے؟"

"جاننے کا موقع ہی نہ مل سکا۔"

"[illegible] اور [illegible] زخمی ہوئے۔ یہ تل ابیب کی تاریخ کا منحوس ترین دن تھا۔" وہ اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے بولی۔

"محمود کا کوئی سراغ ملا؟"

"کچھ پتہ نہیں چلا۔" وہ اضطراب آمیز لہجے میں بولی۔ "صفدر سے کوئی [illegible] نہیں کی جا سکی اور نہ ہی اس کا پتہ چلا ہے۔ مجھے اس کے آدمی کا [illegible] کے حوالے سے ملتے رہتے ہیں اور وہ ضرورت سے زیادہ ایک لفظ بھی نہیں جانتے۔"

"تو تم ابھی تک ان کے لیے کام کر رہی ہو؟"

"جس دن تنگ آ گئی، انکار کی کوشش کر کے بھی دیکھ لوں گی۔"

"تم یہاں کیوں آئی ہو؟"

"فلسطینی دہشت پسندوں کے سارے معاملات ہمارا محکمہ ہی نمٹاتا ہے۔ [illegible] کے بارے میں ہر ایک کو یہ یقین ہے کہ یہاں نہایت منظم تربیت [illegible] کی گئی ہے اسی لیے مجھے یہاں آنا پڑا ہے۔"

"کرنل بیوک تو شاید پہلے سے طے کر چکا ہے کہ سارے واقعات کی ذمہ داری تمہارے سر ہی تھوپ دے گا۔"

"تمہیں یہ جان کر حیرت ہو گی کہ وہ تمہارا ماہر ہے۔"

"ماہر؟ میں سمجھا نہیں!" میں نے حیرت سے کہا۔

"پچھلے دو ماہ سے وہ تمہاری فائل پر مرکھپا رہا ہے۔ اسے صرف یہ کام سونپا گیا ہے کہ وہ تمہارے بارے میں زیادہ سے زیادہ تفصیلات جمع کرے۔"

"مگر وہ تو زیادہ بہکا ہوا ہے اور مجھے پاکستانی قرار دینے پر تلا ہوا ہے۔"

"تم نے [illegible] میں [illegible] کے [illegible] ابوالک سے جو گفتگو

کی تھی وہ سب فائل میں موجود ہے۔ اس کی رو سے تم دہلی کے رہنے والے ہو اور تمہارا اصل نام [illegible] ہے۔ ان خطوط پر جب کرنل لیوک نے چھان بین کرائی تو وہاں کوئی ایسا سراغ نہ مل سکا جس سے تمہارے بیان کی تائید ہوتی ہو۔"

"دہلی میں اتنا مشہور تو نہیں تھا کہ محض میرے نام کی بنا پر وہاں سے ساری معلومات جمع کی جا سکیں۔"

"دہلی میں اس نام کے کل تیرہ آدمی رہتے ہیں۔ ایک پچھلے سال کے دوران میں وفات پا چکا ہے اور اسی نام سے شہر میں دو بچے بھی ہیں۔ باقی [illegible] تمہاری بدقسمتی ہے کہ تمہاری تصویر ان میں سے کسی سے مشابہ نہیں۔ ہر ایک کا پورا ریکارڈ مل چکا ہے اور دہلی میں کسی بھی علاقے سے وہاں سے کسی شخص کا [illegible] گمشدگی یا بیرون ملک ہجرت کی کوئی اطلاع نہیں ملی۔"

"[illegible] باتیں اتنے اعتماد سے کر رہی ہو جیسے وہ دہلی نہ ہو بلکہ اسرائیل کا کوئی ڈسٹرکٹ ہو۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہندوستان جیسے غریب اور پسماندہ ملکوں میں معلومات آسانی سے اور سستے داموں مل جاتی ہیں۔" اس نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا۔

"مگر ہندوستان سے تمہارے مفاد کی [illegible] کہاں ہیں؟"

"ہو سکتی ہیں۔" وہ ایک پتھر کو ٹھوکر مارتے ہوئے بولی۔ "مگر وہاں ہمارے دوستوں کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ وہ ہمارے لئے پاتال میں سے سوئی بھی ڈھونڈ کر لا سکتے ہیں۔"

"تو تم بھی لیوک کی ہم خیال ہو گئی ہو۔" میں نے بحث کو بڑھانے سے گریز کرتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔

"اس کی ہم خیال ہوتی تو یہاں تک نہ آتی۔"

"اس بات کا میں کیا مطلب اخذ کروں؟"

"وہ کٹر خبطی ہے اور دشمن کا کھوج لگانے یہاں آیا ہے جبکہ میں اسرائیل کے دشمنوں کے اشارے پر کرنل لیوک کے ہمراہ یہاں آئی ہوں۔"

چلتی ہوئی اسلحہ گاہ سامنے آچکی تھی۔ میں رک کر حیرت سے ماریا کا منہ تکنے لگا۔ "یعنی تمہیں محمود کے جانشین نے یہاں آنے پر مجبور کیا ہے؟"

"ہاں... وہ ہر حال میں تمہیں تل ابیب میں دیکھنا چاہتے ہیں!"

"اس لحاظ سے تمہارا کام تو بریگیڈیئر ہولڈن نے آسان کر دیا ہے!"

"کرنل لیوک ہرگز اس کی بات نہ مانے گا۔"

"بریگیڈیئر کے سامنے ایک کرنل کی کیا مجال؟"

"یہ کرنل لیوک کی شرافت ہے کہ اس نے تم سے گفتگو کے آغاز سے قبل مجھے وہاں سے باہر بھیج دیا ورنہ وہ میرے سامنے بھی بریگیڈیئر ہولڈن کی بے عزتی کر سکتا تھا۔"

"تمہاری یہ منطق میری سمجھ سے بالاتر ہے۔"

"بریگیڈیئر ہولڈن اس کیمپ کا کمانڈنگ آفیسر [illegible] اور کرنل لیوک [illegible] ایک بااختیار افسر ہے۔ ہولڈن کا کام [illegible] تفتیش کے سلسلے میں لیوک کو تمام [illegible] مگر لیوک کو اپنے اختیارات [illegible] وہ چاہے تو [illegible] سے خفیہ برتنے کے [illegible] بریگیڈیئر ہولڈن [illegible]" ماریا نے متعجب ہونے [illegible] کہا۔

"آخر لیوک کو ہولڈن کی بات ماننے سے گریز کیوں ہے؟"

"اسرائیل میں بن حیان کی ہدایات کو [illegible] کا حکم ہے۔"

"بن حیان کا ذکر کہاں سے آگیا درمیان میں؟"

"ہولڈن کے نزدیک تم ایک عام [illegible] کے پورے پس منظر سے واقف ہے۔ بن حیان ایک [illegible] کے تحت تمہیں اسرائیل لایا تھا اور تمہاری سپردگی [illegible] کی تفصیل درج ہے اور کرنل بن حیان کی [illegible] یہاں موجود ہو تو تمہارے خلاف ٹھوس ثبوت کے [illegible] پر تمہاری تربیت کا سلسلہ منقطع نہیں ہونے دے گا۔"

"اگر میں تمہاری باتوں کو درست مان لوں تو پھر [illegible] ان کی ہدایات پر کیسے عمل کر سکوں گی؟" [illegible] ہو گئی۔

"اگر تم تل ابیب واپس جانا چاہتے ہو تو میرے ساتھ تعاون [illegible]"

"وہ کیسے؟"

"مجھے کوئی ایسی ترکیب بتاؤ کہ میں لیوک کو یقین [illegible] موڈ کے ساتھ میں خوش تھے۔ اس نے الجھے ہوئے چہرے کا اظہار [illegible] ہوئے کہا۔

"میں اتنا احمق نہیں ہوں کیپٹن ماریا!" میں نے [illegible] کہا۔ "میں ایک مرتبہ گردش میں آگیا تو کوئی طاقت مجھے [illegible] نکال سکے گی!"

"یہ ایسا تو ہوگا!"

"مجھے [illegible] نفرت ہے یہاں کا ماحول مزید الجھا [illegible]"

"میرے یہاں رہنے سے تل ابیب واپس جانے کا [illegible] کر تم محمود کے جانشینوں کی بات کو کس قدر اہمیت دے رہی ہو [illegible]"

"میرے خدا!" [illegible] حیرت سے آنکھیں [illegible]

جو جانتے ہو کہ میں [illegible] نظر انداز نہیں کر سکتی [illegible]

[illegible]

"مجھے اس [illegible] کے پاس کیوں لائی ہو؟"

[illegible] کا اعتراف کرنے [illegible]

[illegible] جو زمین کی نظروں میں نہ سما سکا ہو۔"

[illegible] ایک دن [illegible] سے بھی ہوئی [illegible] شدید [illegible] جگہ کر گئی تھیں۔ پچھلے [illegible] ہو گئے۔ مگر اس [illegible] کے [illegible] وہاں [illegible] کے لیے تیار موجود تھے جن میں [illegible] اسلحہ [illegible] سے [illegible] تھا ماریا [illegible] کے درمیان لیے چلی گئی۔

[illegible] نے [illegible] میں اس سے سوال [illegible] اس کا جھکاؤ ان کی طرف [illegible] اور [illegible]

[illegible] کی آنکھوں میں نمایاں تھا۔

[illegible] تربیت پانے والے [illegible] کے جنونی مزاج سے واقف [illegible] جھکا کر [illegible] سے کہا۔ [illegible] اس وقت بھی اپنی [illegible] میں [illegible] ناکام [illegible]

[illegible] وہ ایک دم [illegible] میں کہاں سے [illegible]

[illegible] بے اختیار مسکرا دیا اور اس کے [illegible] کی ابتدا [illegible] تھی لیکن اس وقت [illegible] گہری نیند سویا ہوا تھا۔ [illegible] تمہارے سوال کا جواب [illegible] ہے [illegible] اس [illegible] تھے۔

"مجھے [illegible] بات کرو۔" اس نے میرے ہاتھ اپنے شانے پر سے [illegible] کیپٹن ماریا ہوں۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ [illegible] کے ساتھ [illegible] کیا رویہ ہونا چاہیے [illegible] کے تیور [illegible] بدل گئے تھے۔

[illegible] نے اس [illegible] ہوئی۔ [illegible] کو گھورتے ہوئے ہونٹ بھینچ لئے اور کہا۔ "تم مجھ سے اور کیا معلوم کرنا چاہتی ہو؟"

"[illegible]" ماریا [illegible] لرزتے ہوئے بولی۔

اس وقت [illegible] اس کے [illegible] ہوئے [illegible] جوتے [illegible] لگا۔

[illegible] مجھ سے [illegible] کا اعتراف کرنے [illegible]

مجھے [illegible] کیپٹن [illegible] کی [illegible] ہو گئی۔

[illegible]

[illegible] کے [illegible] حالت میں دیکھ چکی ہیں گے۔

[illegible]

پھر ماریا کی [illegible] آتی تھی لیکن میں نے [illegible] مشورے کو قبول نہیں کیا بلکہ [illegible] ہی [illegible]

سوائے اس حادثے کے بعد بھی [illegible] جاری [illegible] کہ [illegible] بالکل [illegible] اور [illegible] زبان [illegible] ماریا [illegible] بعد [illegible] معلومات کی [illegible] تھا جس کے ماریا پر [illegible] تھا اور میرا [illegible] ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ بھی خیمے سے باہر آگئی۔

[illegible] بے اختیار ہنس پڑا اور ماریا کی [illegible] جل پڑ گئے۔ [illegible] کیوں نکال رہے ہو؟"

"[illegible] تم خود بھی اپنی [illegible] کو [illegible]" میں نے [illegible] پر کہا کیونکہ ماریا کے چہرے پر [illegible] بول اٹھی۔

[illegible] خاموش [illegible] جاتی۔

اسی وقت ایک [illegible] کے [illegible] سامنے [illegible] وہ [illegible] میں [illegible] پاتے [illegible]

"[illegible] بدمعاش ہے [illegible]! [illegible] سے ایک [illegible] تمہاری مدد کے لئے موجود ہیں!"

"شٹ اپ!" ماریا دھاڑی اور اس کے منہ سے مغلظات کا ایک سیلاب جاری ہو [illegible] شدید [illegible] کی حالت میں [illegible] چلے گئے۔

"[illegible] بدمعاشوں کی حرکت!" اس کا غصہ [illegible] کہا۔ "[illegible] کے [illegible] اور بے حیا ہیں!"

"[illegible]" [illegible] غلطی کا احساس کرتے ہوئے [illegible] بولی۔

"[illegible] بریگیڈیئر ہولڈن اور کرنل لیوک کا جھگڑا [illegible] کا [illegible] خوش دلی کے ساتھ لیا۔

[illegible] بریگیڈیئر ہولڈن وہاں موجود نہیں تھا [illegible] کو [illegible] کی کوشش کر رہا تھا۔

[illegible] کرنل لیوک خاموش ہو گیا [illegible] پوچھا۔ [illegible] معلوم [illegible] ماریا کے چہرے [illegible] کو [illegible] نہیں دی۔

[illegible] ضرورت نہیں [illegible] کی سوچ [illegible] نہیں کی۔

[illegible] قریب سے [illegible] اور [illegible] کے ساتھ [illegible] کی۔

[illegible] ماریا نے سوال کیا۔

"ہاں ... بریگیڈیئر جوڈن کی طبیعت اچانک ناساز ہو گئی۔" کرنل نیوک نے نخوت بھرا لہجہ اپناتے ہوئے کہا۔ "تمہاری قید کا دورانیہ [illegible] گا تو ہم فوراً رہا ہو جائیں گے!"

"باقی لوگوں سے کچھ ...؟" میجر مورین نے کچھ تردد کیا۔

"کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔" کرنل نیوک اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "یہاں صرف صفدر علی مشکوک شخص ہے، یہ ہمارے ساتھ جائے گا۔"

"مگر سر! بریگیڈیئر جوڈن سے تو آپ صاف انکار کر چکے تھے۔" میجر مورین نے کچھ حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"میں صفدر کو لے جانے کا فیصلہ بہت پہلے کر چکا تھا مگر بریگیڈیئر جوڈن کے سامنے اس کا اظہار کرنا چاہتا تھا جو ہمارے اصولوں اور مزاج کے خلاف ہے!"

"اوکے سر!" میجر مورین نے سر ہلا کر کہا۔ اس وقت وہ وہاں ملکہ کا خادم بنا ہوا بیٹھا تھا جیسے اسے سردی لگ رہی ہو۔

"اتنی دیر میں تم اپنے چہرے کے نقوش درست کر لو!" کرنل نیوک نے مار دیا سے کہا۔

"میں صفدر علی کی روانگی کے کاغذات تیار کر لوں سر!" میجر مورین کے موقع پا کر اپنی جان چھڑانے کی کوشش کی اور وہاں سے جانے میں کامیاب ہو گیا۔

"تمہیں اپنا اسباب وغیرہ لینا ہو تو لے آؤ!" کرنل نیوک نے مجھ سے کہا۔

"میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے!" میں نے کہا۔ اتنی دیر میں میجر مورین بھی خیمے سے جا چکا تھا اور میں تنہا نیوک کے مقابلے میں تنہا رہ گیا تھا۔

"تو پھر تم باہر ٹھہرو!" اس نے مجھ سے کہا۔

"اجازت ہو تو کچھ دریافت کر لوں؟"

"کیا؟" اس نے اچھو بیسے لہجے میں پوچھا۔

"اسرائیل ہی میں رکنا تھا اور بے سروسامانی ہوں۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "اس حقیقی ماحول میں دشمن کی یاد کے علاوہ ہر چیز بیگانی ہے۔ مگر آپ کے شبہات نے میرا یہاں وہ بھی چھین لیا ہے!"

"اس قسم کی چرب گفتگو کر کے میرا وقت برباد مت کرو!"

"اگر کچھ [illegible] مجھ کو یہی قسمت ہے تو آپ کیوں مصر ہیں؟ ..." میں نے [illegible] کو مجھ سے [illegible] کہا تو اس نے جیسے سچ ہو تو قوت ثابت کرنا اور [illegible] کر لیا ہے جو الٹی مجھ سے بازپرس کر رہے ہو۔"

"میں آخری حد تک سنجیدہ ہوں جناب!" میں نے روہانسے لہجے میں کہا۔ "یقین جانیے اگر آپ کا یہ شبہ غلط ہے تو میں نے بڑی امید ... اور توقعات کے ساتھ آپ سے اس موضوع پر بات کرنے کی جسارت کی تھی۔"

"تو سنو! تمہاری کہانی شروع سے آخر تک ایک سی ہے۔ وہ لوگ تمہیں مشکوک سمجھتے ہیں اور تمہارا مقدمہ بہت سنجیدہ ہے۔ پھر تمہیں [illegible] کے بارے میں ہمیں علم ہے [illegible] ہمیں بتا دیا ہے وہ لوگ [illegible] ہندوستانی کے معاملے میں مالک نے ہمیں مرتب [illegible] کر دیا جاتی تو تم کب سے دامن بچا لیتے۔"

"نہیں مجھے واپس کوئی وائلڈ شدید نہیں ہے ... جس کے ساتھ ہی مجھے [illegible] ایک ایسا دھوکا ہوا [illegible] ملی فریب نے سے بتایا تھا کہ میں مزید فن [illegible] چکا ہوں۔ وہ بار بات تی میں سنتا ہوں مطلب بھی ہو سکتا ہے [illegible] ہاتھ کا تذکرہ کر دیا۔"

"تمہارا حافظہ بہت تیز ہے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "مگر وہ حقیقت تھی!"

"ایک ہندو سے میں ایسے بیان کی توقع نہیں رکھتا ہوں۔ یہ ہندو بے جان ہو!" وہ پٹیل کا سرا چبانے ہوئے بولا۔

"مگر وہ بالکل حقیقت تھی جناب!"

"تمہارا مذہب وہی ہوتا جو گاندھی کا تھا ... سامنے سے ایک چونکا سا سوال کر ڈالا۔"

"جی ہاں!"

"اور گاندھی عدم تشدد کی تعلیم دیتا تھا۔ وہ کہتا تھا جو بے خبری میں مارا جائے وہ بھی مقدس ہے، اس کا مرتبہ سمجھتا کہ انسان کو مارنا ... "

"غالباً آپ درست کہہ رہے ہیں!"

"اور ہندو اسلامی رسم ورواج سے سخت متنفر ہیں!"

"یہ بھی کسی حد تک درست ہے!"

"دو اسلامی موت سے بدتر ... اور عدم تشدد کا پیرو کار ہو کر ایک اسلامی رسم کا اعتبار کر چکے ہو، کیسی کیا تضادات ہے! یہ جواز قابل ہے تو میں اسے کس طرح مان سکتا ہوں!" وہ غرّا کر بولا۔

"شاید ضرورت ... !"

"یار باراس بہانے کو مت دہراؤ۔" وہ برہم ہو کر بولا۔ "کسی بھی ضرورت کے تحت تم اپنا فوٹو مت جانے دو۔"

"قدیم زمانے کے لوگوں کی تاریخ آپ کا فرمانا ... کے تعلیم یافتہ طبقے میں آپ کو بہت سے ایسے ہندو نظر آئیں گے جو گاندھی کے عدم تشدد کے فلسفے کا کھلم کھلا مذاق اڑاتے ہیں اور اسے قرار دیتے ہیں۔"

"مجھ سے بحث مت کرو۔" کرنل نیوک غرا کر بولا۔ "مجھے ہندوستان میں پیدا ہونے والے فرقہ وارانہ ذہنیت ... کے معاملات کا علم ہے ... ایک قوم ... مجھ سے تم [illegible] نہیں ہونا ... جس کا کوئی جواب نہیں [illegible]۔"

"تم نے جو ترتیب دی ہے، وہ میرے کانوں تک پہنچی ہے!"

"... جواب دیا ... سب کچھ بعد ہو گا ... [illegible] کبھی مجھے ... ملاقات کہاں ہوگی اس سے جواب تو تمہیں بتا دوں گا ... میں بھی ... ملی ... ساتھ ہی مجھ کو بتا دیا تو میں ... کے علاوہ ... ہو جاتا۔"

"... کرنل نیوک کی آنکھیں ایک ایک گھنٹی کی کھڑکی کی طرح چمکتی گئیں ... مجھے پتا ہے ... تمہارا ... کھل گیا ہے ... میں نے کہا ... جواب ... مجھے لگتے ہیں ... ان سوالات کے متعلق مجھ سے جواب اس لیے تم ... تمہیں ... ایک ... نگاہ سے دیکھتے ہو بلکہ میں خود ... اپنے ملک کے حقوق ... ثابت کر دوں گا۔"

"اس بار مجھے سانپ سونگھ گیا۔ کرنل نیوک میری توقعات سے کہیں زیادہ چالاک نکلا اس نے میری دکھتی رگ پر ہاتھ ڈال دیا تھا اور اس کے بعد گفتگو کے دوران میں دلدل میں دھنستا چلا گیا۔"

"جواب دو میرے سوالات کا!" مجھے خاموش پا کر وہ دھاڑا۔ "یا پھر اپنی زبان کے ساتھ ہی اپنی حیثیت کا اعتراف کر لو!"

"اگر میں فائل کھلی ہے تو ان سوالات کے جواب اسی میں مل جائیں گے۔ وہ سکیورٹی کا منتخب ہو چکا ہے کہ میں نے ان کے نکاح کے بعد ... کرنے میں ان کا وقت حاصل کرنے کے لیے دیدہ دلیری سے کام لیا۔"

"یہ سب کاغذ کے بیکار ٹکڑے ہیں۔" وہ فائل کو زور سے میز پر پٹختے ہوئے بولا۔ "ان میں تمہارے سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہے!"

"میں نے تعلیم اسکول میں حاصل کی تھی۔" میں نے کہا۔ "میرا باپ ... تھا اور وہ مجھ سے بہت پیار کرتا تھا۔ میرے باپ کا نام ... تھا اور وہ شروع سے آج تک مکان خرید کر رہا تھا ... میں رہتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان باتوں کی تصدیق کے بعد آپ اپنے وعدے کا پاس کریں گے!"

"ایک ... کے بعد نتیجہ سامنے آ جائے گا!" وہ فائل کو میز پر رکھ کر کچھ نوٹ کرنے ہوئے بولا۔

اسی وقت میجر مورین کچھ کاغذات لے کر وہاں آ پہنچا اور میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ کرنل نیوک سے گفتگو کے دوران میں ... مجھ کو ... جس کی ... ملاقات کو ... رہا تھا جب میں نے اس کے خیمے سے ... باہر جانے ... کے لیے ... سے بات ... نے فیصلہ کیا تھا۔

"... یہ بھی ... مجھے بہت گراں گزرا ... اور یہ مجھے ... ہو ... بعد ... اور ... دوبارہ ... پاس طلب کرے گے ..."

"نیل جو مجھ سے ... کرنے کے ساتھ ہی فضا میں ... ہو گئی تھی ... کوئی ویرانگی ... نظر آیا کر خود ... ہو گئی تھیں۔"

"اب تم جا سکتے ہو۔" اس نے کچھ ہی دیر بعد مجھ سے کہا۔

میں خیمے سے باہر آ گیا۔

"کیا قصہ ہے؟" میں نے کچھ تجسس سے پوچھا۔

"قصہ تو بھی ہو گا جب تمہاری ... کو میں ... بھی نہیں ہو گا۔ کوشش ... وہ ... نظریں ... رہا تھا۔ ایسا ہو ... بنا ... جاتی ہو جائے!"

"اس ... کہا ... تمہاری خصوصیات کے بارے میں کرنل نیوک کو تمام باتیں بتا دی ہیں۔"

"دیکھو یار! ... معاملہ ... وہ ... ہوئے ... لہجے میں بولا۔ اس بار ... کا ... ہے۔ پھر ... انداز میں ... تمہارا ... میری زبان ضرور خراب ہے مگر ... سے تمہاری عزت کرتا ہوں۔ خدا کے لیے اپنے ساتھ مجھے بھی خراب مت کرو!"

مجھے اس کے رویے کا خون ... کرنے کا زیادہ موقع نہیں ملا کیونکہ اسی وقت کرنل نیوک ... باہر آ گیا۔

... کے علاوہ دو ... اور ... کا انتظام تھا۔ ... ہونے کے بعد ... اور ... سے باہر ... ریت ... بلند ہوتا چلا گیا۔

ایک لحاظ سے مجھے ... جانے کی مسرت تھی۔ ... مجھے ... تھا اور اس مقصد ... کے ... زیادہ ... ہو ... ساتھ لے جانے پر تیار ہو گیا تھا ... سامنے ... نہ ... پڑی۔

... میں مجھے ... جا رہا تھا وہ ... تھیں۔ ... مجھے ... مجھے ... مطابق ... کرنل نیوک ... مجھے ... تھی۔

کرنل نیوک کی ... میں میرے ... کی ... تھی ... کا ... اس ... میری فراہم کردہ معلومات کی ... تصدیق ... کر ... کی ...

کرنل نیوک کو ... سے ... کہ ...

یہ مسئلہ کا کوئی ثبوت حل نہیں تھا کیونکہ لیوک اپنے تجربہ اور معلومات کو ذاتی میں تلقین کرتا تھا اور اس کے بعد بھی وہ ذاتی و تکنیکی [illegible] رہ پر [illegible]

لیوک کی ذاتی زیست ختم کرنے کی طرف ایک صورت تھی کہ اس [illegible] کی جانب پرواز کرتے ہوئے ہیلی کا پٹر کا کوئی حادثہ پیش آ جاتا۔ [illegible] میری ذہانت کا بھی سامان شدہ موجود تھا۔

دونوں مسئلوں پر [illegible] تھی لیکن [illegible] میں اپنے خیالات کی رو سے اس وقت باہر آئی جب ہیلی کا پٹر نے زمین چھوئی۔

تل ابیب کے نواح میں کئی فوجی ایئر بیس ہیں [illegible] ہیلی کا پٹر ان میں سے کسی ایک پر اترا تھا۔ وہاں شاید لیوک کو اتنی جلد واپسی کی امید نہیں تھی کیونکہ اس کے لیے سواری کے انتظام میں خاصی دیر لگ گئی اور جب وہ چلا گیا تو ماریا مجھے ساتھ لے کر اسٹاف کار میں شہر کی طرف چل دی۔

مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اسٹاف کار نے ہمیں تل ابیب کے [illegible] علاقے میں ایک آباد عمارت کے سامنے اتار دیا۔

اور فلیٹ میں پہنچنے پر میری مسرت دوبالا ہو گئی کیونکہ میرے لیے خصوصی حفاظتی انتظام کرنے کے بجائے مجھے ماریا کے ہی فلیٹ میں پہنچا دیا گیا تھا۔

[illegible] قیام کے دوران [illegible] بار [illegible] ماریا کا آراستہ و کشادہ فلیٹ دیکھ [illegible] زندگی کی تمام [illegible] موجود تھیں۔

"کیسا فلیٹ پسند آیا؟" ماریا نے دروازہ بند کرتے ہوئے مجھ سے پوچھا "[illegible] کے ساتھ [illegible] کا اظہار کر سکوں گا۔"

میں نے جواب دیا "اس وقت تم میری افسر ہو!"

"تم [illegible] ہو!"

"[illegible] ایک خاموشی پیدا ہوئی ہے۔"

"[illegible] مشکل ہے۔" وہ [illegible] پڑی۔

"اسحاق [illegible] کہاں ہے؟" میں نے اچانک سوال کر ڈالا۔

"[illegible] اسپتال میں [illegible] کے بعد مر گئی۔" اس نے سکون کے ساتھ اطلاع دی۔

"[illegible] مر گئی؟" میں نے حیرت سے دہرایا۔

"[illegible]" وہ [illegible] بولی۔ "تمہاری [illegible] اس کی گردن کی ایک ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ [illegible] بہت [illegible] اور وہ اس چوٹ سے جانبر نہ ہو سکی۔"

"[illegible] اس کی موت کی خبر سن کر [illegible]"

"[illegible] نہیں [illegible] تو کیا [illegible] ہونا چاہیے؟"

"اب وہ مر چکی ہے [illegible]"

[illegible] میں کہا۔

"وہ تو میرا قیاس تھا!" وہ قہقہہ مار کر بولی۔

"یعنی وہ زندہ ہے؟"

"پچھلے ہفتے [illegible] نے کہا تھا کہ وہ زیادہ [illegible] کی مہمان ہے۔ اب وہ بھلا کیا زندہ ہو گی!"

"اور اس حال میں تم نے ابھی [illegible]"

"میں کیا کرتی؟" وہ مسکرا کر بولی۔ "تل ابیب کے [illegible] جانے والے تھے اور [illegible] کے لیے [illegible]"

"اگر وہ زندہ ہے تو میں ایک بار اس سے ملنا چاہوں گا۔"

"نہیں [illegible] چاہیے [illegible]" کہہ کر وہ [illegible] ہوئی غسل خانے کی طرف چل دی۔

کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد ہم دونوں [illegible] ٹیلیفون کی گھنٹی نے ماریا کو چونکا دیا۔

وہ لپک کر فون ریسیو کرنے گئی [illegible] بے اختیار [illegible] تل ابیب [illegible] تھی نہ جانے کس کے پیچھے یاد کیا تھا۔

اگر وہ کرنل لیوک تھا تو اسے میرے بجائے ماریا سے [illegible] تھی اور اگر وہ کال محمود کی جانب سے تھی تو میری [illegible] میں اس کی معلومات قابل رشک تھیں۔

"کالا نقاب!" میرے قریب پہنچنے پر ماریا [illegible] کر مسکراتی ہوئی [illegible] آواز میں بولی۔

میں نے فوراً ریسیور اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"مصطفیٰ اسپیکنگ!" میں نے کہا۔

"گیدڑ کی کھال کے جیکٹ والا! [illegible]" دوسری جانب سے [illegible] کھردری اور [illegible] آواز سنائی دی۔ [illegible] سے دائیں جانب [illegible] کے پاس ایک سیاہ [illegible] استعمال [illegible] لگے میں [illegible] چھپا دیا۔"

"کیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا مگر دوسری جانب سے [illegible] کیا جا چکا تھا۔

ایک بیٹ میری ہتھیلیوں سے [illegible] اور میں نے خالی خالی نظروں سے ماریا کی طرف دیکھتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

[illegible]

[illegible] کا مسئلہ حل [illegible]

[illegible] کی ڈوری سے کھینچتے ہوئے [illegible]

[illegible] بولی۔

[illegible] مجھے خود حساس ہو کر [illegible]

"[illegible] تمہاری [illegible] کا پتہ دے رہی ہیں۔"

[illegible] سے الجھ رہی تھیں اور وہ [illegible] سے بے خبر تھی۔

پھر جیسے ہی [illegible] ماریا نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

[illegible]

ایک حسین لڑکی تھی جو [illegible] شباب کی [illegible] کے لئے [illegible] لٹ پٹ [illegible] ہوئی تھی [illegible] محمود نے اس کی موت کی [illegible] کر دی تھی!

ماریا [illegible] محمود کے لئے کام کر رہی تھی [illegible] کے پاس اس اقدام کے مضبوط [illegible] موجود ہوں گے۔

"[illegible] کیوں نہیں؟" [illegible] خاموشی [illegible] اور اس نے تڑپ کر میری [illegible] ہاتھوں سے [illegible] جانا چاہا۔ [illegible] اس کی گردن کو جکڑ لیا۔

[illegible] کانوں اور نتھنوں سے خون بہہ نکلا۔ اس کا چہرہ [illegible]

[illegible] میں اس کے بدن پر سوار ہو گیا اور [illegible]

چند منٹ میں ماریا کا جسم بے جان ہو گیا اور میں اس پر سے اتر گیا۔

دروازہ کھول کر باہر [illegible] فلیٹ کے دروازے کا تالا [illegible] کھولا جا سکتا تھا۔ [illegible] چابی کے بغیر دروازہ کھولنا ممکن تھا۔

[illegible] ہاتھ کے سہارے [illegible] دروازہ [illegible] ہو گئی۔

[illegible] اس وقت [illegible] تھی۔

[illegible]

[illegible] مجھے [illegible] کے فلیٹ میں [illegible]

نازک سے بدن والی [illegible] لڑکی تھی جس [illegible] تھی۔ [illegible] وہ میری جانب سے کسی بے خوشی [illegible] [illegible] میں [illegible] سے [illegible] نہیں [illegible]۔

[illegible] کے [illegible] کے نقش سے اب [illegible] [illegible] سے بہت زیادہ [illegible] تھا۔

[illegible] سے [illegible] کر دو [illegible] اور [illegible] کو دوست تک [illegible] تھے [illegible] [illegible] [illegible] سے [illegible] تھا [illegible] مختلف تھا۔

جیسے جیسے [illegible] ان کے [illegible] تصویری اور [illegible] موجود تھا۔ [illegible] ایک [illegible] سا تھا جیسے [illegible] لڑکی کے بارے میں [illegible] مجھے [illegible] [illegible] ملاقات [illegible] ایک [illegible] کو [illegible] تھا [illegible] مجھے کسی [illegible] تھا!

[illegible] مجھے [illegible] بیچھے [illegible] اچانک [illegible] کی ڈرائیونگ سیٹ سے [illegible]۔

میں نے [illegible] جب [illegible] مجھے [illegible] کیا۔

جو [illegible] ایک [illegible] میں نے دروازہ کھول کر [illegible] دونوں [illegible] پچھلی [illegible] دی۔ [illegible] خیال تھا [illegible] سڑک پر سفر [illegible] تھے [illegible] کی [illegible] [illegible] تھا [illegible] حقیقت [illegible] ایک [illegible] میدانی علاقہ تھا [illegible] کے [illegible] [illegible] جس کے دونوں طرف [illegible] باغات تھے۔

وین کا رخ [illegible] خشک جھاڑیوں کی باڑھ میں [illegible] ایک باغ میں گھستا چلا گیا۔ [illegible] کی تعمیل [illegible] کے اس وسیع و عریض باغ میں ہم [illegible] [illegible] ایک [illegible] سے ہماری طرف [illegible] اور [illegible] [illegible] ان کے [illegible] [illegible] میں [illegible] جاتے تھے [illegible] کے اس [illegible] سے مجھے یہ امید بھی ہو گئی کہ بھاگ [illegible] زیادہ دیر تک جاری نہیں رہے گا۔

شام کے [illegible] کسی [illegible] خطرے کے بغیر ہم دونوں [illegible] ذہن میں [illegible] خیال [illegible] تھا کہ مجھے [illegible] [illegible] کے قریب وین چھوڑ کر [illegible] حماقت کی تھی۔ [illegible] بھی نہیں کیا گیا تھا [illegible] وین کا کھوج نکال لیتے اور [illegible] کے [illegible] دیوار کا چپہ چپہ چھان ڈالا جاتا۔

[illegible] بعد [illegible] اور [illegible] باغ کے وسط میں کھڑی

کا بنا ہوا ایک مختصر سا مکان نظر آنے لگا جس کی [illegible] کی [illegible] [illegible] کے [illegible] میں [illegible] تھیں۔

شاید ہم دونوں کو دور ہی سے دیکھ [illegible] [illegible] خاص دور تھے کہ اچانک دروازہ کھلا اور [illegible] [illegible] ہاتھ میں [illegible] سے [illegible] [illegible] جوں جوں ہم آگے بڑھتے گئے [illegible] چلے گئے۔ وہ بے اختیار [illegible] [illegible]

وہ [illegible] یوسف۔ اس [illegible] [illegible] دور ہی سے [illegible] [illegible] کھا رہا تھا کہ وہ [illegible] اختیار سے [illegible] [illegible] ہے۔

یوسف کا گھبرایا ہوا انداز دیکھ کر وہ [illegible] گیا اور ہم [illegible] کے [illegible] میں اندر [illegible] چلا [illegible]

[illegible] کا وہ چھوٹا مکان [illegible] تھا۔ وہاں [illegible] کی ملاقات [illegible] ہو گئی تھیں مگر [illegible] آ رہا تھا۔

[illegible] زلیخاں [illegible]۔۔۔ کو اندر پہنچ کر یوسف [illegible] [illegible] کھ [illegible] زلیخاں نے ہاتھ اٹھا کر اسے [illegible]

[illegible] سے بھاگتے ہوئے [illegible] آتشدان کی چمنی میں [illegible] چمنی میں سات فٹ [illegible] اس دیوار کے پیچھے آ جاؤ [illegible] [illegible] ذرا احتیاط سے کام لینا۔

زلیخاں کا [illegible] دیکھ کر میں [illegible] ششدر رہ گیا۔ [illegible] سبب جاننے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ [illegible] اس کے [illegible] سے یہ بھی ظاہر ہو چکا تھا [illegible] [illegible] تھی [illegible] کا ایک ہی مطلب ہو سکتا تھا کہ زلیخاں [illegible] میں شامل تھا۔

دوسرے کمرے میں [illegible] آتشدان [illegible] ہوا تھا۔ [illegible] چمنی سے دھواں نکلتے دیکھا تھا۔ وہ [illegible] میں [illegible]

آتشدان کی چمنی سرخ [illegible] کی بنی ہوئی تھی [illegible] نیم دائرے کی صورت میں پھیلی ہوئی تھی۔

یوسف جھک کر آتشدان میں داخل ہوا۔ [illegible] کا نصف دھڑ چمنی میں غائب ہو چکا تھا [illegible] طرف دیواروں پر ہاتھ اور پیر جما [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] چار [illegible] کے ساتھ [illegible] سر [illegible] کے آتشدان [illegible]

[illegible] میں نے سر اٹھا کر چمنی میں دیکھا تو یوسف چمنی کے اوپری حصے سے [illegible] ہاتھ [illegible] اس کے غائب ہوتے ہی [illegible] [illegible] [illegible] کے سہارے سے چمنی میں اوپر چڑھنے لگا۔ [illegible] کی بلندی پر چمنی کی عقبی دیوار ختم ہو گئی تھی اور [illegible] ایک [illegible] نظر آ رہی تھی جو چمنی کے گول حصے کے ساتھ [illegible] اس طرح وہاں ایک [illegible] راستہ پیدا ہو گیا تھا جو مکان [illegible] دیکھا جا سکتا تھا اور باہر سے تو اس کی موجودگی کا شبہ بھی [illegible] نہیں ہو سکتا تھا۔

[illegible] حصہ [illegible] تھا۔ میں نے نگاہ اوپر کی تو چمنی کے [illegible] سے [illegible] آسمان نظر آیا۔ اس تنگ [illegible] سے [illegible] روشنی تھی اور پچھلی دیوار کے پیچھے گہری تاریکی کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

[illegible] اور پشت دیواروں کے ساتھ لگا کے آہستہ آہستہ نیچے [illegible] [illegible] یوسف کی سرسراتی ہوئی [illegible] [illegible] سنائی دی تھی۔

میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور نیچے [illegible] میری کہنیاں دیوار سے [illegible] گئی تھیں۔

ان دونوں دیواروں کے درمیان [illegible] ہوا [illegible] سے تھا کہ [illegible] [illegible] جگہ اتنی تنگ تھی کہ [illegible] لیے سیدھا [illegible] مشکل تھا۔ [illegible] سے [illegible] میرا دل گھبرانے لگا تھا اور مجھے حرکت کرنا بھی مشکل نظر آ رہا تھا۔

[illegible] کے [illegible] [illegible] ہو گئے [illegible] وغیرہ سے دوستی کے لیے [illegible] مجھے چند [illegible] تابوت میں [illegible] [illegible] گیا [illegible]

[illegible] آگے سیڑھیاں ہیں؟ مجھے داہنی جانب سے [illegible] سرگوشیانہ آواز سنائی دی۔

میں [illegible] [illegible] آگے چلتا ہوا آہستہ آہستہ داہنی جانب [illegible] [illegible] بعد ہی [illegible] میں [illegible] پہلا [illegible] سیڑھیاں شروع ہو چکی ہیں۔

سیڑھیاں بھی [illegible] تنگ تھیں۔ [illegible] اندھیرا [illegible] ہو گیا تھا [illegible] [illegible] یوسف کے چڑھتے ہوئے سانسوں [illegible] محسوس [illegible] تھا۔

[illegible] مجھے [illegible] محسوس [illegible] [illegible] میری زبان پر [illegible] [illegible] یوسف سے پوچھنا چاہ رہا تھا کہ [illegible] [illegible] [illegible] مگر [illegible] اس خیال سے خاموش [illegible] [illegible] [illegible] حالت میں تھا۔

[illegible] [illegible] کے جانے اور [illegible] [illegible] راہ [illegible] [illegible] [illegible] کے [illegible] جانے لگے [illegible] یوسف [illegible]

کا سر [illegible] اپنے چہرے اور بدن کے دوسرے کھلے ہوئے حصوں پر شدید ترین کراہیت کے ساتھ محسوس کی۔

چند ہی منٹ کے بعد میرا یہ حال ہو گیا جیسے میں گھنٹوں سے یہ سیڑھیاں اتر رہا تھا اور میرا یہ سفر تحت الثریٰ پر ہی ختم ہونے والا تھا۔ میرا بدن [illegible] بری طرح نہایا ہوا تھا اور کہنیوں کے زخموں میں بھی [illegible] ہونے لگی تھی۔

ایک جگہ سیڑھی کا کنارا ٹوٹا ہوا تھا جس پر سے میں بری طرح پھسلا مگر زیادہ دور تک نیچے جانے کے بجائے دیواروں کے درمیان پھنس کر رہ گیا۔ چوڑائی میں وہ جگہ اس قدر ناکافی تھی کہ وہاں سے نیچے [illegible] ناممکنات میں سے تھا۔

سنبھل کے اترو۔ یوسف نے دھیمی آواز میں مجھے تنبیہ کی۔ یہاں [illegible] ہو گئے تو نکال بھی نہ سکوں گا۔

[illegible] کہاں لے جا رہے ہو؟ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا۔

[illegible] سے ملاقات کرانے۔ وہ قدرے شوخ لہجے میں بولا۔

میں دل ہی دل میں اس پر لعنت بھیج کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد سیڑھیاں ختم ہو گئیں اور بے اختیار میرے منہ سے [illegible] کا ایک [illegible] آزاد ہو گیا کیونکہ اس تنگ جگہ سے ہم کھلی جگہ میں آ گئے تھے۔

یہاں سے بائیں طرف مڑ جاؤ۔

یوسف کی آواز مجھے بروقت آئی ورنہ میں سامنے مختلف چیزوں میں الجھ گیا ہوتا۔

وہ [illegible] کی [illegible] [illegible] جس میں جا بجا بہت سی چیزیں پھیلی ہوئی تھیں۔ زلیخاں کے مکان سے آنے والا [illegible] سیدھا اسی [illegible] میں لاتا تھا۔

[illegible] سے [illegible] دور ہی رہنا؟

[illegible] میں نے حیرت سے دہرایا۔ یہاں تار کہاں سے آ گئے؟

[illegible] کے تاروں والی [illegible] ہے۔

وہ [illegible] دور تک سیدھا چلا گیا۔ ایک جگہ [illegible] کے لیے رک گیا تو یوسف چونک [illegible] گیا۔

کیا ہو گیا؟ میری آنکھیں معدوم ہوتے ہی اس کی آواز سنائی دی۔

ذرا دم لینے دو۔

یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ تم تھوڑی دیر سو بھی سکتے ہو۔

نیند تو شاید مجھے رات کو بھی نہیں آئے گی۔ میں نے کہا۔ البتہ سگریٹ کی طلب ستا رہی ہے۔

کیا نیند بھگانے کی کوئی دوا کھا کر آئے ہو؟ وہ [illegible] سے [illegible] کر بولا۔

میں نے [illegible] سے [illegible] [illegible] ہے۔ اس کی [illegible] مجھے [illegible] [illegible] نے پھر [illegible] کر کہا۔

• کس کی بات کر رہے ہو؟

جسے ماننے کے بعد میں تمہارے ساتھ فرار ہوا ہوں۔

• اس غیر ضروری موضوع پر بولنے سے بہتر ہے کہ تم سو ہی جاؤ۔

وہ سخت اور غصیلے لہجے میں بولا، اور مجھے یاد آ گیا کہ میں افواج آزادی فلسطین کے ایک رکن سے ہمکلام تھا، اور ان رکنوں کا پہلا اصول یہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کی کمزوریوں اور سرگرمیوں سے حتی الامکان لاعلم رہنے کی کوشش کرتے تھے۔

• سگریٹ سلگاؤں؟ میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اس سے براہ راست سوال کر ہی ڈالا۔

• ایک مجھے بھی دے دو۔

دیا سلائی کی روشنی جھپکتے ہی میری نگاہیں خیرہ ہو گئیں۔ چند سیکنڈ بعد جب آنکھیں روشنی کی عادی ہو گئیں تو مجھے اس سرنگ میں لکڑی اور تار کے بہت سے تختے، پتھر اور ٹوٹے ہوئے ٹکڑے وغیرہ بکھرے ہوئے نظر آئے اور ہر طرف مٹی پھیلی ہوئی تھی۔

• یہاں تو فلسطینیوں کا کوئی کیمپ نظر نہیں آ رہا۔ میں نے بھی جلتی دیا سلائی ایک طرف اچھالتے ہوئے اس سے کہا۔

• اگر کیمپ قریب ہوتے تو وہ راستہ بننے کی نوبت ہی نہ آتی، جس نے ہمیں زیتیان کے مکان سے یہاں پہنچایا ہے۔

• میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ وہ راستہ فلسطینیوں کے حملے کی نظروں سے کیسے بچا ہوا ہے کیونکہ سرنگ کی ساخت ایسی ہے کہ اس میں جا کے کھسکنے والے رہے ہوں گے۔

• یہ دوسری جنگ عظیم سے پہلے کی تعمیر ہے۔ وہ بولا۔ اس وقت بیت المقدس میدان جنگ تھا اور ادھر سے گزارے گئے تھے بعد میں جہاں بھی بارودی سرنگیں نکالی گئیں تو پانی رس کر اندر آنے لگا لہذا اس سرنگ کے تقریباً ڈھائی میل لمبے ٹکڑے کو دونوں طرف سے منہدم کر کے بند کر دیا گیا اور فلسطینیوں کے اور دوسرے راستوں پر بچھا دیے گئے۔ اسی لیے ہم بے خوفی کے ساتھ اس ویران سرنگ کو استعمال کر رہے ہیں۔

• تو کیا ہم اس سرنگ کو پناہ گاہ کے طور پر استعمال کریں گے؟

• ضروری نہیں ہے۔ اس نے مبہم سا جواب دیا۔

سگریٹ ختم کرنے کے بعد بھی ہم خاصی دیر وہیں بیٹھے رہے پھر یوسف کے اشارے پر سفر کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا۔

وہ سرنگ بمشکل تین فٹ چوڑی اور پانچ فٹ اونچی تھی جس کی وجہ سے ہمیں جھک کر چلنا پڑ رہا تھا۔

خاصی دیر کے بعد میرے کانوں میں کہیں سے ہلکی سی غیر واضح آواز آئی اور میرے اعصاب پر ایک بیک تناؤ طاری ہو گیا۔

• رک جاؤ یوسف! میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

• کیوں؟ میرے رازدارانہ انداز نے اسے بھی پریشان کر دیا۔

• آگے کوئی موجود ہے!

• ہو سکتا ہے کوئی ہو، لیکن تم بے فکر ہو کر چلتے رہو۔ بغیر فائر کئے ہم کیسے ... [illegible]

میں خاموش ہو گیا مگر میرے اعصاب ... [illegible] ہم گھپ اندھیرے میں آگے بڑھتے جا رہے تھے ... [illegible] کسی نے ہمارا راستہ نہیں روکا تھا۔

• کون آ رہا ہے ادھر؟ سوال عربی میں کیا گیا تھا ... [illegible] مگر بازگشت کے ساتھ وہ ہمیں بالکل واضح سنائی دی تھی۔

• اندھیرے کا مسافر! یوسف نے جواب دیا ... [illegible] بلکہ حقیقت یہ کہ مجھے حیرت ہوئی کہ اس کا جواب ... [illegible] اس کے چند منٹ بعد ہمیں رک جانا پڑا کیونکہ ہمارے سامنے چوبی دیوار حائل ہو گئی تھی۔

یوسف کے دستک دینے سے پہلے ہی ... [illegible] سے کسی نے وہ چوبی دروازہ کھول دیا اور اندھیری سرنگ میں روشنی آ گئی۔

آنکھوں پر اچانک روشنی پڑنے کے سبب ... [illegible] بینائی متاثر ہو کر رہ گئی اور میں دروازہ کھولنے والے کی صورت نہ دیکھ سکا مگر جب وہ بولا تو میں نے اس کی آواز پہچان لی۔

ہمارے اندر داخل ہوتے ہی اس نے دروازہ ... [illegible] دوسری طرف اس سرنگ نے کشادہ کمرے کی صورت اختیار کی تھی جس میں ایک موم کی شمع جل رہی تھی۔ ضیائی ... [illegible] سے مشابہ تھا مگر اس کی اونچائی بھی کسی طرح پانچ فٹ سے زیادہ نہ تھی اور مجھے جھک کر چلنا پڑ رہا تھا۔

اس کمرے میں محمود وہاں ایک ... [illegible] مجھے اور یوسف کو اس نے گلے لگایا اور وہاں پہنچنے پر ... [illegible] باغ باغ ہو گیا۔

وہاں محمود ایک تپائی پر بیٹھا قہوہ پی رہا تھا۔

• میرا دوست! کہہ کر محمود والہانہ انداز میں ... [illegible] دونوں باہم بغلگیر ہو گئے۔ محمود کا ساتھی قہوہ ... [illegible] اور یوسف کے لیے گلاس میں سیاہ قہوہ انڈیلنے میں مصروف ... [illegible]

اس کمرے میں بھی موم کی شمع جل رہی تھی ... [illegible] میں ضرورت کی اشیاء رکھی ہوئی تھیں اور فرش پر ... [illegible] کے ستون لگے ہوئے تھے۔ اس کمرے کی ایک دیوار ... [illegible] دروازہ تھا جو خاص قسم کے دروازے سے ... [illegible] کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

• تمہیں دیکھ کر مجھے بے اندازہ دلی مسرت ہوئی ... [illegible]

[illegible] ... بستر پر دراز ہوتے ہوئے کہا ...

میرے لیے بھی خطرے سے کم نہیں جانو! محمود نے اپنے آدمیوں سے ... [illegible] سب کی پیالیاں اٹھانے کا حکم دیا اور مختصر کرکے ہم بیٹھ گئے۔ ... [illegible] کے جاتے ہی محمود نے تجسس آمیز ... [illegible] کیا ہوا؟ ان دونوں کے ... [illegible] دریافت کیا۔

• سرگوشیانہ لہجے میں یوسف نے ... [illegible] محمود نے اپنے قتل کرنے کا ... [illegible]

• حسین وادی والی آنکھوں کو مارنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم نے بڑا کارنامہ بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا ہو گا؟

• میں ایسا ہی چاہتا ہوں۔ ایسا کرنا تو میں نے خود بھی طے کیا، مگر باہر نکل کر جب میں گاڑی میں سوار ہو رہا تھا تو مجھ پر بے آواز فائر کئے گئے۔

• یقیناً موت میں سر گرداں بیٹھے ہوئے مسکرانے لگا۔

• مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ ان کی باتوں پر تین گولیاں لگی ہیں؟

• تمہیں کیسے پتہ چلا؟

• یہاں بیٹھ کر بھی باہر سے میرا رابطہ قائم ہے۔

• حیرت کی بات ہے۔ ویسے یوسف نے ... [illegible] ہے۔

• وہ کیا؟

• اس نے دین زیتیان کے باغات کے قریب ہی جھوڑی ہے تعاقب کرنے والے زیتیان کا خود ہی پیچھا کر لیں گے؟

• پہلی بات تو یہ کہ تم اس قدر اچانک اور غیر متوقع طور پر وہاں سے فرار ہوئے کہ وہ لوگ تمہارا تعاقب نہیں کر سکے۔ دوم یہ کہ یوسف کو دین پر جو جیب ملی تھی، تمہارے نکلتے ہی پہلے سے وہاں موجود ایک شخص واپس لے گیا تھا۔ وہ ایک گھوڑے خندق میں گر کر تباہ ہو چکی ہے اور اسے آگ لگ چکی ہے۔

• کیا جیپ تباہ ہو گئی؟

• نہیں۔ آدمی نے اس کا جائزہ لینے کے بعد اسے تباہ کر دیا ہے ... [illegible]

[illegible] ... تم لوگ ... [illegible] پہنچ گئے۔

• [illegible] ... نے ... [illegible] کو ... [illegible] کو تم تک پہنچا دیا ہے ... ایک ... [illegible] کو ... [illegible] گرفتار ... [illegible] کے اندر سے ... [illegible] الشعبان ... [illegible] طریقے پر کام کر رہا ہے۔

• [illegible] ... بالکل درست ہو۔

• [illegible] سب سے محفوظ ٹھکانا ہے کبھی کبھار ادھر بھی آ جاتا ہوں ... [illegible] سے ملنے کے لیے اس سے بہتر جگہ مناسب نہیں ... [illegible] بعد میں ... [illegible] گئے ہوں گے؟

• [illegible] اس نے ... [illegible] کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: اس کے ... [illegible] ہوتا ہے اس کا آخری سرا یہاں سے تین میل ... [illegible] اور اس تہ خانے کے ... [illegible] سرنگ کے اس ... [illegible] ہے۔

• [illegible] ... سرنگ کے اوپر ... ہم ... کی طرف دیکھتے ہوئے ... [illegible]

سوال کیا۔

• ایک بہت بڑا گودام ہے جہاں جیپوں کے کرشنگ کیے جاتے ہیں۔

• شاید اسی لیے یہاں جیپوں کی ہلکی سی بو پھیلی ہوئی ہے، میں نے فضا میں سونگھتے ہوئے منہ بنا کر تبصرہ کیا۔

• اس تہ خانے سے کاسی کے دو ہی راستے ہیں۔ ایک زیتیان کے مکان سے نکلتا ہے اور دوسرا جیپوں کے گودام میں۔

یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور الماری کے اوپر چھت میں لگا ہوا آہنی جالی دار ایک گول فریم کھینچا جو کھلی کھڑکیوں پر جھولنے لگا۔ وہ فریم اس وقت کھلا میری نگاہوں سے اوجھل تھا۔ میں بھی اٹھ کر وہاں پہنچ گیا۔

• یہ اوپر جانے کا راستہ ہے۔ وہ چھت میں نظر آنے والے گول تاریک راستے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ وہاں دیوار میں ایک جانب تھوڑے تھوڑے فاصلے پر آہنی کھونٹے لگے ہوئے تھے جن کے سہارے اس چھلے راستے میں جیپ سے اوپر چڑھا جا سکتا تھا۔

• اس راستے کے اوپری سرے پر لوہے کا ایک بہت موٹا ڈھکن ہے تاکہ ادھر کی آوازیں اوپر نہ جا سکیں۔ اوپر پہنچ کر اسے آسانی سے ہٹایا اور پھر ڈالا جا سکتا ہے۔ یہ راستہ گودام کے اس حصے میں کھلتا ہے جہاں ناکارہ اوزاروں کا ڈھیر پڑا رہتا ہے۔

• وہ گودام کس کی ملکیت ہے؟

• گودام ایک بہت بڑے باغ سے ملحق ہے اور بظاہر ایک یہودی بیوپاری کی ملکیت ہے مگر اس کی تمام آمدنی ہمارا مصرف ہے۔

اس کی گفتگو سن کر میں ششدر رہ گیا۔ یہودی بیوپاری ہمارے ساتھ ملا ہوا ہے؟

• وہ ایک مفلوک الحال عیسائی ہے جو اسرائیل کا باشندہ ہے۔ ہمارے سرمایہ داروں نے تجارتی معاملات کا اسے نگراں بنایا ہے۔ وہ یہودی کا ہمدرد بن کر ... [illegible] اور خیر سے یہ باغ خرید لیا جس کے عوض اسے تین ہزار امریکی ڈالر کے ساتھ ماہانہ تنخواہ دی جاتی ہے۔

• اور وہ تمہاری سرگرمیوں سے باخبر ہے؟

• بہت کم۔ وہ تو ادھر کا رخ بھی نہیں کرتا۔ ویسے باغ اور گودام میں کام کرنے والوں کو بھی اس تہ خانے کا علم نہیں ہے۔ گودام کا چوکیدار البتہ ہمارا خاص آدمی ہے۔

• اسرائیلی حکام نے اس آتش زنی کے بارے میں کیا تحقیق کی؟ خیر سے اسرائیلی شہریت لیے ہوئے تھی؟ میں نے پوچھا۔ بہت سے لمحوں کی گفتگو سخت حیرت کا باعث ثابت ہوئی تھی۔ وہ لوگ دشمن کی سرزمین پر بد ترین حالات میں بھی اپنی تنظیمی ضرب ... [illegible] سے کام کر رہے تھے۔

• اسرائیل میں لاکھوں یہودی مہاجرین دنیا کے گوشے گوشے سے

آ گئے ہیں، وہ کس کس کے بارے میں تحقیق کریں گے۔ اسرائیلی عرب یہودیوں کے بارے میں خود چھان بین کرتے ہیں۔ یورپی مہاجرین کے بارے میں پاسپورٹ پر انحصار کیا جاتا ہے۔ ہمارا آدمی جس پاسپورٹ پر یہاں آیا، اس کے اندراجات کے مطابق وہ برطانوی قومیت کا حامل یہودی ہے اور یہ چیز اسرائیلی حکام کے اطمینان کے لئے کافی ہے۔"

"تم لوگوں کی زندگی کا یہ پہلو الف لیلیٰ کی داستان معلوم ہوتا ہے۔" میں نے واپس لوٹتے ہوئے طویل سانس لے کر کہا۔

"میں ابھی تک کیمپ کے حالات جاننے کا منتظر ہوں۔"

"وہ کیمپ آہنی حصار میں سمجھا جاتا ہے، اندر وہاں تربیت پانے والے جیتے جاگتے ہوئے رنگروٹ دن میں بڑی آسانی سے گزارا کر سکتے ہیں۔"

"وہ کیسے؟" محمود نے اشتیاق آمیز لہجے میں پوچھا۔

اس بار میں نے مختصر الفاظ میں اسے جی۔ ٹی۔ فور اور موڑ کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔ جب گہری ریت میں دفن بجلی سے گرم کی جانے والی آہنی چادروں کا ذکر آیا تو محمود کا چہرہ غم و غصہ اور جوش سے تمتمانے لگا۔

"موڑ کے اس آہنی حصار سے تم کیسے آ گئی تھیں؟" میری گفتگو ختم ہو جانے پر محمود نے عجیب سے انداز میں مجھ سے سوال کیا۔

"مجھے کچھ علم نہیں۔ دھماکوں کے بعد وہ علاقہ دور دور تک چھان لیا گیا۔ بجلی کا چپہ چپہ [illegible] کوئی بھی ہاتھ نہ آ سکا۔ ان کے باوجود اسرائیلی حکام اسے اتفاقی حادثہ سمجھنے کے لئے تیار نہیں، وہ اسے فلسطینی گوریلوں کی کارروائی قرار دے رہے ہیں۔"

"ماریا اور اس کے ساتھ جانے والوں نے کیا کچھ اخذ کیا؟"

"پتہ نہیں، وہ ابھی موڑ میں کرنل لیوک نامی تفتیشی افسر نے پوری توجہ میری جانب مبذول کر رکھی تھی۔"

"وہ تمہاری شخصیت بنا رہا تھا۔" محمود نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "تمہاری بات سچ ثابت ہو گئی تھی کہ اب تمہارا تجزیہ اور وہاں تمام تر رہ سکنے کی وجہ سے بھی ماریا کو حقیقت ثابت کی تھی وہ حیرت زدہ ہے کہ ان کا دیرینہ دوست تم پر کیسے اعتماد نہ کرے۔"

"ماریا کا اس حد تک میرے دل پر چوٹ دی گئی ہے۔" میں نے افسردہ لہجے میں کہا۔ "یقین نہیں آتا کہ میں نے اسے دھوکا دیا ہے۔"

"اس لئے کہ تم بہر حال انسان تھیں، وہ سنگدل اور انداز میں محسوس کر رہا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ ایک وجہ یہ بھی ہو کہ وہ تمہارے نقاشے کے بیٹے سے بہت کام لے رہی تھی۔ ان کی موت سے ٹوٹ پڑنے والی تلافی نقصان پہنچا ہے۔ شاید یہ تمہاری سرگرمیوں کی وہ رفتار تھی جو رہ سکے تو ماریا کے تعاون سے پیدا ہوئی تھی۔"

"مقصد یہ بات یاد رکھو کسی تحریک کے لئے افراد بیچ تو ضرور ہوتے ہیں۔ ایک بار تحریک مضبوط بنیادوں پر چل پڑے اور لوگوں کے تعاون سے [illegible] یقینی دکھائی دے تو تحریک کے [illegible]

کسی وقت ہم نہیں رہتے۔ ماریا ہماری تحریک کا ایک حصہ تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم جیسی بہادر لڑکیاں ادھر لیکن بھیڑئیوں کا ہر جگہ مقابلہ کر سکتی ہیں۔ تمہاری قربانی اور نہایت ہی کوئی شک نہیں۔ یہ بار بار کہا جا رہا ہے کہ تم دوسروں کی طرح [illegible]

"شاید تم میری بات کا برا مان گئے۔"

"برا نہیں مانا، البتہ مجھے افسوس ضرور ہوا ہے کہ تم یہ بات سمجھے اور ہم فیصلے سے متفق نہیں ہو۔"

"معاف کرنا۔ صرف اس کی وجہ تو شاید یہ ہو کہ تم اپنے مشن پر ہی [illegible] جو ماریا نے اسے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کیا، اگر تم صحیح ہو تو حکم سے گریز نہیں کیا۔"

"وہ ہم سب کے لئے بہت بڑی آزمائش تھا۔ جب ہمیں ان لوگوں کے بارے میں اپنی معلومات دائمی قوت بخش سمجھی جائیں تو فیصلہ کر لیا تھا۔"

"اچھی بات ہے۔ بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔"

بچو کو گلفٹ بنک میں رکھا گیا تھا جب تم کا اندازہ [illegible]

کرنا تھا کہ ہم سے جان چھڑانے کے لئے فوج نے منصوبہ بنایا گزشتہ دنوں میں ذمہ داری تم پر رکھی تھی۔"

"ہاں اچھی طرح یاد ہے۔"

"تمہارے چلے جانے کے بعد ہم نے وہاں مختلف حصوں کو [illegible] اطلاع ملنے کے بعد جانچ پڑتال کی۔ اس کی تفصیل معلوم کرنا ضروری ہو گیا۔ ماریا کی تفتیش کے بعد وہ لوگ اس کے بعد نے کوئی اطلاع نہیں دیا تھا مگر اس کی اندرونی دیکھ بھال [illegible] کے تعلیم یافتہ افراد کو رکھ دیا۔ مجھے وہ ثبوت تھے کہ [illegible] بارے میں کوئی ثبوت وغیرہ اپنے طلب کرنا ہو تو [illegible] تیز ہو گئی۔ ماریا تمام تر گفتگو کی ماتحت تھی، وہ سارا وقت یہ ثابت کرنے کی واقعات کا تفصیل کے ساتھ ذکر کرتی رہتی تھی اور [illegible] تفصیل سے ڈائری پر منتقل کر دی تھی۔ غور کر کے [illegible] اس کے نتیجے سے بتا دیا۔ اس کی یہ تمام تر اندرونی [illegible] ماریا کے انتقامی جذبات تفصیل سے درج تھے [illegible] اپنی ملازمت کا ذکر کیا اور [illegible] انکشاف کر دے گی کہ ہم لوگوں سے چھپ کر [illegible] بے فکری اور آرام کی زندگی گزار سکتے۔"

آپ کہہ کر وہ سگریٹ سلگانے لگے [illegible]

ساتھ اس کے دوبارہ لوٹ لینے [illegible]

"ہم یوں کر دیں لے [illegible] داخل [illegible]

اس نے ان کے [illegible] کا [illegible]

[illegible] سے [illegible] اور [illegible]

[illegible] ہی جنگوں پر جا بک [illegible] تھے۔ [illegible]

[illegible] طرف سے ڈاک سے ان لئے [illegible] باتیں [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] میں [illegible] فلسطینیوں کے [illegible]

[illegible] نہ رہا ہوا ہوتے تو تم جا بجا جائیں گے اور وہ [illegible]

[illegible]

خود نے [illegible] پر [illegible] یہ بار بار [illegible] رکھتے تھے۔

[illegible] بات سے ماریا کے غزائم بے نقاب ہو گئے [illegible] میں وہاں پہنچی [illegible] ساری اہم سرگرمیاں [illegible] اور اس کی معلومات بھی درج تھیں۔ اس [illegible] کو چھپانے کے بعد ماریا کے [illegible] یہ واحد راستہ تھا کہ اسے قتل ہی کر دیا جائے [illegible] ہی راستے پر جا رہا تھا [illegible] نیٹ کی گفتگو نے [illegible] تھے کہ جب تم واپس لوٹے تو وہ دونوں ماریا سمیت سنبھل کر جا رہے تھے۔ [illegible] کیونکہ ماریا [illegible] کو یقین تھا کہ [illegible]

ترکی ہوتی تو [illegible]

مجھ [illegible] ماریا کے [illegible] ماریا [illegible] ہوئے ہیں۔ [illegible] بہادر ہی تھی [illegible] کوئی ایسا [illegible] تمہیں [illegible] بغیر نہیں [illegible]

"تمہارا یہ فیصلہ درست تھا۔ میں اپنے رویے پر شرمندہ ہوں۔ میں نے غلط فہمی کی بنا پر اپنے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔"

"ابتدا سے لے کر مکمل قصہ تمہارے ساتھ ہے۔ تم اس سے آگے کہو گے، حالات سازگار ہوتے ہی ہم تمہیں اسرائیل سے نکال دیں گے۔"

"اسرائیل میں میرے لئے ہر ایک آئینہ سا ہو گیا ہے۔ اگر تم مجھے اسرائیل کی سر زمین سے نکال دو تو یہ مجھ پر بڑا احسان ہو گا۔"

"انسان ماحول اور مجبور ہے جب وہ ہوش سنبھالتا ہے تو قدرت کو منظور ہوتا ہے کہ ساری کامیابی کی راہیں خود بخود کھلتی جائیں گی۔"

"اور میں چنان سے واپس ہی آ سکی [illegible]"

"جی نہیں، وہ بالواسطہ انداز میں سمجھ گیا ہو۔ اسرائیلی کا ایک [illegible] اگر اس کی بات نہ ہوتی تو [illegible] ان میں سے کسی کا بھی ہاتھ [illegible] نہیں ہے۔"

"جو ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے نام سے سفر کر رہا ہو۔"

"مشکل تو یہی ہے کہ ہمارا کوئی آدمی اسے نہیں پہچان سکتا، صرف تم ہی اس کی موجودگی کی نشاندہی کر سکتے ہو۔"

"یہ بھی امکان ہے کہ وہ اسرائیل کی دفعہ سے باہر جا کر کام کرتا ہو۔"

"میں انشاء اللہ وہ نہیں پہچانتی۔ وہ نہ کہیں گیا ہے [illegible] کے سوال پر [illegible] اس وقت [illegible] ہاتھ آ جانا ہے۔ جب اشارے کے منتظر ہیں۔ ہم چاہیں تو ان پر اثر ڈال سکتے ہیں لیکن ان حالات میں شامل ہو کر ساری کوشش کا کام بچانا ہی اور وہ ہر وہ جانب گرفتاری سے نجات پا جائے گا۔"

"تم مجھے اسرائیل سے نکالنے کا بندوبست کر دو، میں واپس جانے کے لئے بے تاب ہوں۔"

"میرے ذہن میں بھی یہی بات ہے۔ اب ہمارا تعاون کا منصوبہ تم پر نظر ثانی کے بعد [illegible] کا۔"

"زلیخا اور ایک تمہاری گمشدگی پر اصرار ہے، ان کی کوئی بات نہیں، جب میں نے اپنا کام ان سے پوچھا۔"

"اس بات کے لئے تم اسرائیلی افسروں کی شکایت [illegible] زلیخا وہاں تمہارے طور پر موجود ہے۔"

"وہ راستہ وہاں پہلے سے موجود تھا۔"

"مسز زلیخا نے خود تعمیر کیا ہے۔ یہ وہاں کا اچھا معاملہ ہے۔ یہ دونوں گھر ہیں جن میں ایک دوسرے میں جانے کا راستہ ہے۔ وہیں پر وہ تمام کی کوٹھی جہاں کھلتا تھا اور دونوں کو چھوڑ کر نکلنے کا دوسرا راستہ بنا تھا۔"

"اسرائیلی خفیہ پولیس کو اب تک کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔"

"زلیخا پر کوئی شبہ ہے۔ وہ اگر کسی نے ان کی خدمات حاصل کی ہیں تو اس کی بھی وہاں اس نے دونوں راستوں پر نظر رکھی ہوئی ہے۔ خطرے کی صورت میں بعض لوگ وہاں کسی بھی راستے کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔"

"زلیخا کو کچھ اس سے تمہارا تعارف ہے۔"

"جہاں کے اور ان کے درمیان سب ہی باتیں مشترک ہیں۔"

"تم سے اصلی ملاقاتوں میں مجھے اندازہ بھی نہ ہو سکا کہ تم اس قدر وسیع وسائل پر اختیار رکھتے ہو۔"

"اسرائیل میں ہے شک مجھے خود مختاری حاصل ہے مگر دوسری تنظیموں سے معاملات طے کرنے والے اور بھی لوگ ہیں۔"

"اس بار تمہارے لئے فلسطینی جماعت آزادی سے تمہارا رابطہ کیسا ہے؟"

"ذہن کے ملاپ پر مشتمل ہو۔ البتہ ہمارے تعلق [illegible] کی عسکری تنظیم اس مقصد سے بھی وابستہ ہیں۔"

"کیا کوئی وجہ بھی ضرور ہو گی؟"

یہاں مجبور کر رہی ہیں۔ ہم وہ حقیقی مقاصد کے لیے کام کر رہا ہے جب کبھی تحسین نو مار مارلی اور دعویٰ کرنے اور سب اپنے علاقوں کی آزادی میں دلچسپی رکھتے ہیں یا صرف خرافات کے پیچھے سیاسی رجحانات بھی ہیں۔

"شہزادہ سے ملے تو ہو گے؟"

"محمود خان نے پر حسن ساتھ کام کیا ہے؟"

"کس حیثیت کا رکن ہے؟"

"ملازمت کے سلسلے میں؟ وہ سلسلہ جاتا یا؟ شہرت پانے سے قبل ایسا مرحلہ جانا کہ [illegible] بیان سے نیلا جیتا ہے [illegible] اور میں اس سے دور جیسا [illegible] تھا اس وقت میں اس سے محض ایک جو نیلا نوجوان سمجھتا تھا۔"

اسی وقت ایک کمرہ [illegible] پیچھے [illegible] اشارہ کر کے مولا ہوا اور اس نے چھری کے ساتھ اپنا ہیٹ [illegible] سے نکال دیا۔

محمود نے حسب معمول کی آواز کھینچی تو دوسری جانب سے نوش مسلسل الف الف پکارے جا رہا تھا۔ محمود نے جن [illegible] جواب دیا وہ بھی عربی حروف تہجی پر مشتمل تھا۔

دونوں جانب سے [illegible] پھر پیسٹ [illegible] اور محمود نے [illegible]

"کیا ہوا؟" میں نے پوچھا

"وہ دن جس [illegible] تھی [illegible] سامنے آ [illegible] میں [illegible] قریب [illegible] ساتھ ان [illegible] آ پہنچی ہے"

"وہ کیسے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"یہ [illegible] کے [illegible] سامنے [illegible]"

موجودگی کا مطلب ہے کہ انہیں شدت سے تمہاری تلاش ہے۔"

"پر تم کیسے اندازہ کر پائے ہو؟"

"کسی بھی شخص کی تو پر لگایا جا سکتا ہے جس کی ذاتی استعمال کی کوئی چیز ہو کا م کے پاس ہو۔ [illegible] ہی ہے اس کا مطلب ہوا کہ تمہارے تو پر لگائے گئے ہوں گے۔"

"اگر وہ یہاں تک آ گئے ہیں تو یہ جگہ خطرناک ہو سکتی ہے۔"

"وہ یہاں ہرگز نہیں آ سکتے۔"

"اگر وہ کسی راستے پر چلتے ہوئے تو ان کے آثار ان کا راستہ ان کی رہبری کریں گے اور پھر عمارت گرانے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔"

"وہ بات یہاں سے کتنی دور ہوگا؟"

"مشکل [illegible]"

وہ [illegible] بیوقوف ہے [illegible] کا مانتا ہے [illegible] اصل راستہ جو بہت سے باتوں کے [illegible] ہوتا ہے [illegible]

"کم از کم وہی کہاں پر ہیں؟"

"آج رات تو ہمیں یہیں گزارنا ہوگی۔"

"آج تو یہاں سے کوئی بھی نہیں جا سکتے۔ [illegible] آدمی کے سامنے کوئی وہ لوگ نہیں پہنچیں گے۔"

"سیتا کی کوئی خبر آئی؟" میں نے پہلے [illegible] ہوئے پوچھا

"میں سخت شرمندہ ہوں دوست، خبر آئی [illegible] تمہیں بتاتا"

"وہ [illegible] سے مقاصد کے [illegible] بہت [illegible]"

"بہت [illegible]"

[illegible]

کا [illegible] نے سیتا کے ذکر [illegible] میرے دل کو ایک عجیب [illegible] نے [illegible] دل کا بوجھ [illegible] نہیں نکال سکتا تھا۔

"[illegible] ہے وہ [illegible]"

[illegible]

[illegible]

جب سیتا سی [illegible] اور [illegible]

کی تعمیل کرتے تھے۔

"چند [illegible] آئی ہے؟" محمود نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔"

"مگر کیسے؟"

"میرا تو خیال ہے چند [illegible] کی بات ہے [illegible]"

"وہ ان سے کیا کیا کام لے سکتی ہے؟" [illegible] سوال کیا

"ہر کام جو اس مخلوق کے بس [illegible]"

"اور مسئلہ [illegible] کتنا وقت لگے [illegible]"

"[illegible]"

کام کر سکتی ہے اور اس کی ہدایت [illegible] جان سے جیتے [illegible] دیکھا ہے۔"

"حیرت [illegible]"

"وہ چند [illegible]"

"وہ یہاں [illegible]"

اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس ہونے [illegible] کو [illegible] لگانے کے بجائے [illegible]

پر ملنے والے [illegible] تو وہ مجھے سروں کا تاج بن کے جاتے۔ [illegible]

"شریک سے [illegible] تم [illegible] نہیں کرو گے؟"

"وہ کون [illegible] آپ کو [illegible] لائے"

[illegible]

"کچھ پتہ [illegible] وہ کھڑکی [illegible] آئے گی؟"

[illegible] آرام کرنا پڑے گا [illegible] ہم بھی [illegible] اور تمہیں [illegible]

[illegible] تمہارا ذہن [illegible] تمہاری [illegible] منصوبہ [illegible] سے [illegible] بیکار ہے۔"

[illegible] دوسرے [illegible] محمود [illegible]

مجھے یہ ترتیب [illegible] نے ساتھ [illegible] بیٹھے [illegible] سے بے شمار تھے [illegible] اور جب مجھے تھکن کا احساس ہونے لگا تو میں [illegible]

[illegible] اور [illegible] دوسرے [illegible]

[illegible] بہت [illegible]

[illegible] میں نے اس سے پوچھا۔

"[illegible] مجھے [illegible] کام کرنا ہے۔"

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

میں کی [illegible] تھا اور [illegible] کسی [illegible] مستقل [illegible] جیسے [illegible] غبار چھپانے لگا اور اس نے [illegible] لیا۔

"فکر [illegible] محمود [illegible] پکڑا ہے؟"

"اگر [illegible] تو [illegible] جیسے [illegible] ہوں [illegible] مشکوک [illegible] اور وہ ان کے سامنے [illegible] زبان نہیں کھولے گا [illegible]"

"[illegible]"

اس سوال نے مجھے لاجواب کر دیا۔

[illegible] محمود [illegible] کامیاب ہو گیا۔ میرے [illegible] اس کی [illegible] کی اطلاع سے زیادہ خبر [illegible] ثابت ہوئی۔ مگر مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ محمود نے ان کو کس طرح [illegible]

اسی طرح [illegible] آسمان [illegible] قدرتی روشنی [illegible] نوشتہ تقدیر [illegible] تھا [illegible] تھا۔

[illegible] مسلسل [illegible] میرے ذہن [illegible] بیٹھے [illegible] شامل تھیں۔



وجیہہ بن گیا تھا جو خود بہت اچھا اداکار تھا۔ اس کی شہرت پھیل رہی تھی۔ ... ایک رات نے [illegible] کسی پروڈیوسر کے گھر میں تقریب تھی جہاں سے واپس آتے ہوئے ایک قدر ... لڑکی نے مجھے روکا اور میرا نام پوچھا تھا۔ [illegible] پھر تھوڑے دنوں بعد میں نے [illegible] اور [illegible] سے [illegible] تھی۔ [illegible] خطرے سے باہر نکلتے تھے۔ جب میں نے [illegible] اس نے صاف صاف [illegible] [illegible] کے [illegible] تم کو [illegible] بچ کر ہی رہنا ہوگی۔

سات دن بعد زاہد صاحب کے ویٹنگ روم کا پیغام آیا اور اس نے مجھے بڑی صراحت کے مطابق زیستاں کے پاس پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔ میں جانتا تھا کہ ... رات کا احساس ... ہو چکا تھا ... جن کا وہاں ... موجود تھا۔ میرا پیغام سنتے ہی روانگی کے لئے تیار ہو گیا۔

"ہاں اب تم جا سکتے ہو۔" زاہد صاحب میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"اب کیا خاص بات ہو گئی ہے؟"

"اب تو محمود کی ہدایت آگئی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اب داڑھی بڑھ جانے کے بعد تمہارا حلیہ بھی بدل گیا ہے۔"

"اور یہی بات ... سے باہر نکل کر ... کے ویٹنگ زیستاں تب ہوائی اڈے کو ... سے زاہد صاحب سے پوچھا۔

"اب تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے کسی کی ... کے بغیر تم وہاں پہنچ سکتے ہو۔ اس کے علاوہ ... کا خیال رکھنا ہوگا۔"

"میں ... سے بھی رکھنا چاہتا تھا۔"

"جو وجہ کی شفقت کرنا چاہتے ہو تو اور ہو جاؤ۔"

"میرا خیال ہے کہ مجھے وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔" میں نے کہا اور اٹھ گیا۔

وجاہت کے پاس سے ... والی نیلی ... کار ... گئی ... سے ... راستے سے ... داخل ہوا تھا اسی ... سے ... پہنچ گیا۔

اس راستے پر ... کو ... والا ... ہوا ... پر ... مجھے ... کی چال سے ... ہوا تھا اور اس بار مجھے ... کی طرح ... کر ... آسمان ... کو ... تھا۔

اسی دوران میرے ... زیستاں ...

ملک پہنچنے سے پہلے مجھے ... سے ... وجہ بن گیا ... سے کسی ... ہو ... وقت میری ... کی ... سے ... پہنچنے کے بعد ... اور ... سے ... میں نے ... ہو گیا۔

مگر اس معاملے میں ... کا ... بھی تھا ... نہیں آیا اور میں ... سے ... کو ... سے ... تھیں۔

بیٹھ کر ... کو ... کیا اس وقت ... میرے ... آسمان ... تھا ... آنے والی ... کے بعد ... میانی دیوار سے ... کے ... لپیٹیاں ... کر ... مجھے ... امکانات ہی سے تھا۔

ایک تو ... کی جگہ ... قریب ... باہر نکل آئی تھی جس کی وجہ سے ... آخر کار میں نے وجاہت سے ... مجھے یقین تھا کہ اوپر چڑھنے کے لئے ... ہر گا اور پھر مجھے دیوار کے ساتھ ... گئی جس کا اوپری سرا ... کی درمیانی دیوار ... میں مضبوطی کے ساتھ بند ہوا تھا۔

میں اس رسی کے سہارے ... کامیاب ہو گیا ... دیوار پر ... ستانا طاری تھا۔

زیستاں ... نے ... جب ... لئے ... کئی منٹ گزر گئے مگر کوئی جواب ... کے بعد ... دل ... مجھے ... قدیم ... سے ... میں ... نکلی ... مجھے کوئی نظر ... ستانا ہی تھا ... میں نے ... کے ... واپس آ گیا ... میں ... تھا ... کا ... ملاقات ... کرنے کے بعد مجھے ... واپس آ گئی ...

میں نے ... اپنے سر ... کا ...

... نے خلیے میں مجھے مقصد کے ... گوارا نہیں ... وہ ... شہرت ... تھا۔ ... زیستاں آ گیا۔ مجھے وہاں موجود دیکھ کر اسے شدید ... ہوا ... کے ... کا خطرہ رہ گیا۔

حیرت ہوئی ... وہ ... ہے ... اس نے تمہیں ... ہے ... مجھے ... آ ... کے ... تھی ... میری ... ہوتی ... نے ...

"... ہے ... یہ تو تم نے خود ہی ... لگا لیا ہوگا۔"

"مجھے ... کا ... میں نے ... تمہاری اجازت ... لی ہے۔"

"... اب تو میری اور تمہاری ... بھی ... ہے؟"

میرے ... سے ... اور پھر زیستاں میری ... کے ... ہو گیا۔ اس کام سے ... کر میں دوبارہ ... اور جب ... آیا تو زیستاں ... گلاس تیار ... تھا۔

... مجھے دیکھتے ہی وہ مسرت آمیز لہجے میں بولا۔ "اگر ... عینک لگا لو تو کسی یونیورسٹی کے پروفیسر نظر آؤ گے۔"

"عینک ... لگاؤں گا۔"

"... تو مجھے ... اچانک سے ... خیال آ گیا۔"

"... شوق ہے۔"

"... مجھے ... کی ... معلوم ... دیے ... تمہارا ... معصومیت آمیز لہجے میں بولا۔ اور ... ہیں۔"

... کے ... ہی ... محسوس ... تھی ... کی ... اپنے ... کے ...

... زیستاں ... کو ... سے ... کا علم ... ہو گیا ... شہرت ... ہو گیا تھا ... تم ... اپنا تعارف ... شرمندگی ...

... سے بتاتے ہوئے جلدی ... ضرورت ہے۔

... آرام ... تم ... دوران ...

شہرت رکھتے ہو۔ ... سے تمہیں یہاں آئے چند ہی روز گزرے ہیں۔ "میرا تعارف کرانے کا شکریہ۔"

پھر زیستاں نے اپنا ایک سوٹ ... سیاہ ... کے ... اسٹوڈیو کے انداز میں میری کئی تصویریں اتاریں۔

میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ یہ میرا ... پاسپورٹ ... مجھے ملنے والا تھا اور وہ تصویریں اسی کے لئے اتاری گئی تھیں۔

تصویریں اتارنے کے بعد زیستاں مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ جاتے ہوئے وہ باہر سے دروازہ مقفل کر گیا تھا اور مجھے ہدایت کی تھی کہ کسی ٹیلیفون کال کا جواب دوں نہ کھڑکی ... کسی ... کے سامنے آنے کی کوشش کروں۔

ان ہدایات سے اس کا مقصد صرف اتنا تھا کہ میں اس کی غیر موجودگی میں کسی پریشانی سے دوچار نہ ہو جاؤں۔

زیستاں شام کو سورج غروب ہونے سے ذرا دیر پہلے آیا اور آتے ہی اس نے مجھے بتایا کہ دو روز شام کے چار بجے مجھے اس کے ہمراہ شہر جانا ہوگا۔

زیستاں بہت خوش باش اور فراخ دل انسان تھا۔ اس کے یہاں میں نے جو مختصر سا وقت گزارا اس میں ... سات دنوں کی کوفت بالکل دور ہو گئی۔

اگلے روز روانگی سے پہلے زیستاں نے مجھے مخصوص ساخت کا ایک بریف کیس دیا جس میں کچھ اخبارات، رسائل اور سادہ ڈائریاں پڑی ہوئی تھیں۔

میری درخواست پر اس نے ایک عدد عینک بھی میرے چہرے پر لگا دی جسے لگانے کے بعد میری شخصیت یکسر بدل کر رہ گئی۔

جب زیستاں کی کار ... علاقے سے ... کی سرحدی حدود میں داخل ہوئی تو ایک بار میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

... کے ... مجھے ... کے افق پر ... جانا ... بہت ... پولیس ... کا ... میرے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا ... کے قتل کے بارے میں ... ہر شخص کو علم ہو چکا تھا کہ وہ میرے ہاتھوں ... ہے۔

اس سفر کا اختتام ... ہوٹل پر ہوا۔ ... زیستاں نے گاڑی کا انجن بند کر دیا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ میرا اور اس کا ساتھ ختم ہو چکا تھا۔

مجھے گاڑی سے اترتے دیکھ کر زیتاں پر بہت غصہ آیا کہ اس نے پہلے سے مجھے اس دستے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ میں شروع سے یہی سمجھ رہا تھا کہ زیتاں میرے ساتھ رہے گا اور پھر اس نے اچانک مجھے تنہا چھوڑ دیا۔

ہوٹل پہنچ کر میری کچھ پرانی یادیں بھی وابستہ تھیں۔ وہیں میری ملاقات مسز فلورا سمتھ سے ہوئی تھی جس کے بارے میں اس وقت مجھے کچھ علم نہیں تھا۔ اسی ہوٹل میں، میں نے غدار عظمو ناتی کو دیکھا تھا۔ اور پھر ایک آدمی اسی ہوٹل کی پارکنگ لاٹ کے قریب میرے ہاتھوں مجروح ہو کر بچ گیا تھا۔

بظاہر میں لاپروائی ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر میں اپنے گرد و پیش سے پوری طرح باخبر تھا اور کسی بھی صورت حال سے نمٹنے کے لیے تیار تھا۔

زیتاں نے جس طرح کمرہ نمبر ۳۱۳ کا ذکر کیا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ مجھے وہاں کسی سے ملنا تھا۔ اگر مجھے اس کمرے میں قیام کرنا تھا تو زیتاں یقیناً چابی وغیرہ کے بارے میں بھی ہدایت کرتا۔

لفٹ کے ذریعے میں تیسری منزل پر پہنچا تو راہداری ویران پڑی ہوئی تھی۔ دبیز قالین پر بے آواز قدموں سے چلتا ہوا ۳۱۳ نمبر کے سامنے رک گیا۔

میری ہلکی سی دستک کے جواب میں دروازہ کھل گیا اور مجھے دروازے میں [illegible] ایک ادھیڑ عمر جاپانی نظر آیا۔

[illegible] آنکھوں میں شبہات کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی چیز سے سخت خوفزدہ ہو مگر اس نے مجھے فوراً ہی اندر بلا لیا۔

[illegible] اندر پہنچنے کے بعد اس نے [illegible] سوال کیا اور میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس بوڑھے جاپانی نے کچھ کہے بغیر میرے ہاتھ سے بریف کیس لے لیا۔ پھر وہ اپنے بستر کی طرف گیا اور مسہری کے نیچے چھپا ہوا اسی ساخت کا ایک دوسرا بریف کیس نکال کر میرے حوالے کر دیا۔ میرا بریف کیس اس نے لاپرواہی سے بستر پر ڈال دیا تھا۔

"اب تم جا سکتے ہو [illegible]" اس نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا۔

میں نے [illegible] بریف کیس [illegible] مگر [illegible] سے مجھے [illegible] "تم جا سکتے ہو" [illegible]

"لیکن میرے [illegible] ہو چکا ہے"

"[illegible] ختم [illegible] نہیں ہے"

[illegible] تھا اس نے [illegible]

[illegible] نظروں سے دیکھا [illegible]

کمرے سے باہر نکل گیا۔

ڈیلیٹ نے ان دونوں سے خاص [illegible]

وہاں پہنچ کر اس [illegible] بریف کیس کا جائزہ [illegible] یقینی طور پر کچھ اہم چیزیں موجود تھیں۔

مجھے حیرت اس بات کی تھی کہ محمود [illegible] اور اس نے مجھے غیر ملکیوں کے رحم و کرم پر [illegible] تنہا بھیج دیا [illegible] کرتے تھے۔

اس جاپانی بوڑھے کے بارے میں [illegible] کسی بھی حالت میں افواج آزادی فلسطین [illegible]

ڈیلیٹ نے ان کے [illegible] میں نے کمرہ نمبر [illegible] اوپر پہنچ گیا۔

اندر پہنچ کر میں نے دروازہ مقفل کیا اور [illegible] ڈالا۔ اس میں بکھرا ہوا سامان دیکھ کر میری آنکھیں [illegible] میں احتیاط کے ساتھ ہر چیز کو الگ الگ کرنے لگا۔

اس میں بہت سے کاغذات، نقشوں اور [illegible] علاوہ ایک چند لفافہ بھی تھا جس پر [illegible] لکھا ہوا تھا۔

میں نے سب سے پہلے وہی لفافہ کھول ڈالا۔

اس میں دو بڑے صفحات پر مشتمل ایک خط موجود تھا [illegible] میرے لیے نئی نہیں تھی۔ یہ خط میرے فلسطینی دوست [illegible] نے لکھا تھا۔

خط کے مندرجات کے مطابق محمود [illegible] پھر پکڑا گیا تھا اور [illegible] گھنٹے کے تشدد کے بعد [illegible] ٹھکانے کی تصدیق کر لی گئی تو اسے [illegible] بعد حکام نے سینکڑوں فلسطینیوں کو گرفتار [illegible] انہیں [illegible] کے بعد ان [illegible] کچھ مشکوک [illegible] ان کا سراغ لگایا جا سکے۔

محمود کو [illegible] گئی تھی [illegible]

[illegible] ختم [illegible]

سے اس کی [illegible]

ایک [illegible] وضاحت کے بعد [illegible] نے اسرائیل سے میری نکالی کی ایک [illegible] ریڈ بریگیڈ نامی گروپ نے اسرائیلی [illegible] پرواز [illegible] کرنے کا فیصلہ کیا تھا [illegible] انہوں نے محمود سے [illegible] تھی اور محمود نے [illegible] آمادہ کر دیا تھا۔

[illegible] میرے [illegible]

[illegible]

محمود

کے خط میں ریڈ بریگیڈ کی جانب سے اسرائیلی مسافر بردار طیارے کے اغوا کے منصوبے کے تذکرے کے بعد جو کچھ درج تھا اس کے مطابق محمود کی گرفتاری کی وجہ سے اسرائیل میں افواج آزادی کی تنظیم کا مقامی گروپ تقریباً مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔ اسی کے ساتھ ماہ بابا کے لرزہ خیز قتل کے بعد اسرائیلی حکام پوری تندی سے میری تلاش میں تھے اور میرے لیے اسرائیل میں ٹھہرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

محمود کی تحریر کے مطابق بھیجنے والے نے مجھے جہاں بھیجا اور میں جب سے ملا اس کے درست اور قابل اعتماد ہونے کا ثبوت اس کا لکھا ہوا خط تھا جو اسی وسیلے سے مجھے ملا تھا اور میری سلامتی اسی میں تھی کہ ملنے والی ہدایات پر پوری طرح عمل کروں اور خط کو پڑھتے ہی نذر آتش کر دوں۔

وہ خط میں نے اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے بعد نذر آتش کر دیا اور راکھ نالی میں بہا دی۔ اس کے بعد میں نے دیگر چیزوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

بریف کیس میں جھلی نما باریک دستانوں کی ایک جوڑی موجود تھی جس کے اندرونی حصے پر انگلیوں اور ہتھیلیوں کی لکیریں ابھری ہوئی تھیں میرے لیے گو وہ نئی چیز تھی مگر اس کی بناوٹ سے ظاہر تھا کہ اسے پہن لینے کے بعد کسی کو میرے ہاتھوں پر دستانوں کی موجودگی کا شبہ نہیں ہو سکتا تھا اور اس کے استعمال سے جو نشانات انگشت وجود میں آتے ان کی ترتیب اور ہیئت میری اپنی انگلیوں کے نشانات سے مختلف ہوتی۔

علاوہ ازیں بریف کیس میں گتے کے ایک ڈبے میں بند پلاسٹک کی ایک ننھی سی شیشی تھی جس کے اوپری سرے پر ایک ننھا سا سوراخ موجود تھا اور شیشی پر لگے ہوئے لیبل سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس میں کپڑوں سے داغ مٹانے والا کوئی خاص سیال بھرا ہوا ہے۔ اس شیشی کا ڈھکن بہت خوبصورت اور سنہری پلاسٹک کا بنا ہوا تھا اور اس میں بھی اسپرے والا باریک سا سوراخ موجود تھا۔

کپڑوں سے داغ مٹانے والے سیال کی شیشی کے علاوہ فرانس کے بنے ہوئے خوشبودار سگاروں کا ایک پیکٹ بھی میری توجہ کا مرکز بنا جس میں دس سگار موجود تھے اور ڈبے پر ٹیپ سے ایک ننھا سا کاغذ چپکا ہوا تھا جس پر سرخ روشنائی سے انگریزی میں خطرناک لکھا تھا۔

کاغذ کا وہ پرزہ دیکھنے کے بعد میں نے سگار کے پیکٹ کو بہت احتیاط کے ساتھ ایک طرف رکھ دیا۔ یہ بات بہت واضح تھی کہ ریڈ بریگیڈ کے اراکین کو دوران سفر میری تنہا کوششوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور سگاروں کی آڑ میں مجھے کوئی موثر ہتھیار فراہم کیا گیا تھا۔

ان اشیاء کے بعد میں کاغذات کی طرف متوجہ ہوا۔ گتے کے ایک نفیس فولڈر میں کئی تہہ کیا ہوا بوئنگ ۷۰۷ طیارے کا اندرونی نقشہ تھا جس میں نشستوں سے لے کر فلائٹ کچن اور پائلٹ کیبن تک ہر چیز دکھائی گئی تھی۔ فرسٹ کلاس میں پائلٹ کے کیبن کے قریب راہداری کی طرف کھلنے والی ایک نشست پر سرخ رنگ سے نمبر ایک لکھا ہوا تھا۔ اسی درجہ کی آخری قطار کی اس نشست پر جو کچن سے ملنے والے دروازے کے نزدیک تھی سرخ رنگ سے نمبر ۲ لکھا ہوا تھا۔

اکانومی کلاس میں بھی ابتدائی اور آخری سرے کی دو نشستوں پر اسی طرح نمبر ۳ اور نمبر ۴ پڑا ہوا تھا۔

نقشے کے تفصیلی جائزے سے فارغ ہو کر میں دوسرے کاغذات کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جن میں میرے لیے تفصیلی ہدایات موجود تھیں اور ایک لفافے میں تین سو اسرائیلی پونڈ تھے۔

ہدایت نامہ عبرانی اور گرامر سے آزاد انگریزی میں لکھا گیا تھا۔ اس میں سب سے پہلے مجھے یہ حکم دیا گیا تھا کہ ہر چیز کے بغور مطالعہ اور مشاہدے کے بعد سگار کے ڈبے، دستانوں، دھبے دور کرنے والا محلول اور اپنے سفری کاغذات کے علاوہ بریف کیس کی ہر شے کو اس طرح نذر آتش کر دوں کہ بعد میں اس کا سایہ بھی نہ مل سکے۔

منصوبے کے مطابق دو روز بعد مقامی وقت کے مطابق نو بجے شب لندن کے لیے روانہ ہونے والی اسرائیلی ایئرلائنز کی پرواز نمبر ۱۱۷ ان لوگوں کا ہدف تھی۔ مجھے ٹھیک آٹھ بجے ڈپارچر لاؤنج میں داخل ہو کر چند ثانیوں تک دروازے کے قریب رکنا تھا۔ اس لاؤنج میں میرے فرار کی راہیں مسدود کرنے کے لیے دو آرمی افسران ہر پرواز کے وقت سدھائے ہوئے کتوں کے ساتھ وہاں رہتے تھے۔ میرے اندر داخل ہوتے ہی کسی ترکیب سے ان کتوں کو اشتعال دلایا جاتا۔ امکان یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ میرے استعمال شدہ کپڑوں کا ایک بنڈل لے کر کوئی شخص کتوں کے قریب سے گزرتا اور کتے جو میری بو پا گئے تھے اس شخص کے پیچھے ہو لیتے اور وہ خوفزدہ انداز میں لاؤنج سے ملحق پیشاب خانے میں داخل ہو کر خود کو اندر بند کر لیتا۔

اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر مجھے حکومت اور امیگریشن

سے نمٹ کر اندر داخل ہو جاتا تھا جہاں پر حفاظتی عملہ موجود تھا۔

مسافروں کو لوٹنے کے بعد طیارے پر پہنچایا جاتا تھا، اس وقت تک باہر لاؤنج میں کسی بھی طرح افراتفری برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اگر لوگوں کو الجھانے والے شخص کا معاملہ جلد نمٹ جاتا تو لاؤنج سے باہر پارکنگ لاٹ میں دستی بم کا دھماکہ کیا جاتا اور یوں کسی کی توجہ میری طرف مبذول نہ ہو پاتی اور میں طیارے میں پہنچ جاتا۔

طیارہ فضا میں بلند ہونے کے بعد جب پائلٹ یا کپتان حفاظتی بند کھولنے کا عندیہ دیتا تو نشست نمبر ۱ والی لڑکی کاک پٹ میں داخل ہو کر پائلٹ اور اس کے معاون کو کسی غیر آتشی ہتھیار کی زد پر لے لیتی۔ نمبر ۲ نشست والا اول درجے کے مسافروں پر مسلط ہو جاتا اور عملے کے کسی فرد کو کاک پٹ کی طرف نہ جانے دیتا۔ تیسری نشست والے کے ذمے اکانومی کلاس تھی جب کہ چوتھی نشست میری تھی اور مجھے اسپیکر پر پائلٹ کی آواز ختم ہوتے ہی سگاروں کا پیکٹ اٹھا کر نشست سے باہر راہداری میں آنا تھا تاکہ آس پاس کے مسافر مجھ پر ہاتھ نہ ڈال سکیں۔ راہداری میں آنے کے بعد مجھے اعلان کرنا تھا کہ اگر ذرا بھی مزاحمت کی گئی تو میں جہاز کے فضا میں پرخچے اڑا دوں گا۔

وہ سگار درحقیقت غیر بارودی بم تھے جن میں دونوں سروں پر تمباکو تھا مگر درمیان میں خطرناک کیمیائی مادوں سے بھری ہوئی دو شیشیاں موجود تھیں جو معمولی سے جھٹکے سے ٹوٹ کر شدید دھماکہ پیدا کر سکتی تھیں اور ان دونوں کا محلول جس چیز پر پڑ جاتا اسے جلا ڈالتا۔ طیارے میں سوار ہوتے ہی دھچکا نہ لگنے والے محلول کی شیشی میری جیب میں پہنچ جانا ضروری تھی تاکہ وقت ضرورت میں اسے خاص ترکیب سے استعمال کر کے کسی بھی متوقع حریف کو ہلاک کر سکوں۔

اس شیشی کو دبانے سے جو محلول آتا تھا وہ واقعی کپڑوں سے دھبے دور کر سکتا تھا۔ مگر اس کے سنہرے ڈھکن کو دبانے سے شیشی کی اندرونی تہہ میں بنی ہوئی اسپرنگ دار خفیہ نالی سے پوٹاشیم سائنائیڈ میں بھیگی ہوئی باریک سوئیاں خاصی قوت سے اڑ کر شیشی والے سوراخ سے باہر آتیں اور کسی بھی مقابل کو آناً فاناً ہلاک کر دیتیں۔

اس مہم کے جملہ اراکین کو غیر بارودی اور جدید ترین کیمیائی ہتھیار فراہم کیے گئے تھے تاکہ حفاظتی عملے کی تلاشی کے دوران ان پر شبہ نہ کیا جا سکے۔

ان ابتدائی ہدایات کے بعد مقصد کے حصول کے لیے ہنگامی صورت میں تمام فیصلے میری ذات پر چھوڑ دیے گئے تھے۔ عمومی طور پر مجھے اس مہم کی نگرانی اور توجہ کرنا تھی۔ وہ لڑکی ہی کاک پٹ کا کنٹرول سنبھالنے کی ذمہ داری پر مامور کی گئی تھی۔

ان تفصیلات کے مطالعے کے بعد میں دوسری طرف متوجہ ہوا۔ جن میں میری تمام سفری دستاویزات تھیں۔

اپنا سیاہ طالوی پاسپورٹ دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ پر میری سیاہ چہرے کے سامنے اسٹرابیری کی تصویر چسپاں تھی جو فرانسیسی نژاد زلیتان نے پہلے ہی دوسری تصاویر کے ساتھ اتاری تھی۔

پاسپورٹ کے اندراجات کے مطابق میں ... تھا۔ میرا پتہ لندن کا تھا اور پیشے کے سامنے ... لکھا ہوا تھا۔ پاسپورٹ میں میرا نام اسکر سٹنسن ... جو مجھے زلیتان نے دیا تھا۔

اسرائیلی ویزا مجھے لندن میں جاری کیا گیا تھا۔ صرف سترہ روز قبل اپنے تحقیقی سفر پر تل ابیب پہنچا تھا۔ پاسپورٹ کے ساتھ ہی میرا ٹکٹ اور صحت کا سرٹیفکیٹ بھی موجود تھا۔

میں نے ہر نکتہ اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے بعد دستاویزات اور کیمیائی ہتھیاروں کے ساتھ کاغذات ... کر دیئے۔ بریف کیس پر پہلے ہی ابھرے ہوئے حروف ... نام لکھا ہوا تھا۔ میں نے بقیہ چیزیں اس میں ڈال ...

مجھے ہالینڈ سے ان میں دو دن گزارنے تھے ... تن پر موجود زلیتان کے کپڑوں کے سوا کوئی لباس ... بریف کیس سے ملنے والے تین سو پونڈ کے ... کافی مستحکم ہو گئی تھی مگر مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ ... رخصت ہوتے ہوئے مجھے کتنی رقم ادا کرنا ہوگی ... اطمینان کے بعد ہی میں بے فکری سے دوسری ... توجہ دے سکتا تھا۔

میں نے چند ملبوسات کی خریداری کے لیے ... کا ارادہ کیا ہی تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ... اختیار میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"کون ہے؟" میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ...

"استقبالیہ کلرک سر!" باہر سے ایک نسوانی آواز ...

میں نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ میرے ...

سامنے نوجوان ایک رجسٹر لیے موجود تھا۔

رابطہ ... "معاف کیجیے گا جناب! میں آپ کی تنہائی میں مخل ہوا۔" ... وہ بولا۔ "دراصل مجھے یقین نہیں تھا کہ ... وہ معذرت آمیز لہجے میں بولا ... آپ کھانے کے لیے نیچے آئیں گے۔ لہٰذا میں خود حاضر ہو گیا۔" ... میں نے اسے اندر داخل ہونے کا راستہ دیا ... بات ہے؟" ... میں نے سوال کیا۔

"کچھ ضروری اندراجات کے لیے مجھے آپ کی مدد درکار ہے۔"

"اجازت ہے۔" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔

میرے کمرے میں آ کر وہ مسکرانے کے انداز میں ایک کرسی پر ٹک گیا اور رجسٹر کھول کر اپنی گود میں پھیلا لیا۔ اس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ درحقیقت اتنا ... نہیں تھا جتنا ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

... اندراجات کے لیے اس نے میرا پاسپورٹ مانگا جو میں نے اس کے حوالے کر دیا اور وہ چھپے ہوئے رجسٹر کے مختلف کالموں میں اندراجات کرنے لگا۔

"اس ہوٹل میں تشریف لانے سے قبل آپ کا قیام کہاں ... تھا؟" کئی منٹ کی مصروفیت کے بعد اس نے میرا پاسپورٹ ... مجھے لوٹاتے ہوئے سوال کیا۔

کلرک کے اس سوال نے مجھے بوکھلا دیا کیونکہ میں اس کے لیے تیار نہیں تھا۔ پاسپورٹ کے مطابق مجھے اسرائیل آئے سترہ روز ہو چکے تھے اور قاعدے کی رو سے مجھے یہ بتانا لازمی تھا کہ ... ان سترہ روز میں کہاں مقیم تھا۔

"یہ مجھے یاد نہیں ویسے میں تل ابیب کے نواح میں اپنے ایک دوست کے فارم پر رہ رہا تھا اس کے باہر چلے جانے کی وجہ سے مجھے ہوٹل آنا پڑ گیا۔" میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"کسی معروف مقام کا پتہ بتا دیجیے ..." وہ رجسٹر کی طرف متوجہ رہتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ "آپ کا کمرہ انھوں نے ہی ... بک کرایا تھا۔"

... میرا اندیشہ توقع کے برخلاف نہایت آسانی سے گزر گیا ... مجھے نے خاموشی سادھ لی جو ایسے مواقع پر اکثر مفید ثابت ہوتی ہے۔

"آپ نے تمام روز کے جملہ اخراجات نہیں، آپ کے دوست نے پیشگی ادا کر دیے ہیں۔" وہ رجسٹر سنبھال کر اٹھتے ہوئے بولا۔ "اور ہاں شکریہ، مجھے اسی کا حکم ہے۔" میں نے اپنا پرس ...

چابی دیتے ہوئے استقبالیہ کاؤنٹر والی لڑکی خالی کالموں کے سامنے پہلے ہی مجھ سے دستخط لے چکی تھی۔ ... لہٰذا اس کلرک کا کام ختم ہو گیا تھا۔ مگر اس نے مجھے اخراجات کی پیشگی ادائیگی کی جو اطلاع دی اس پر وہ انعام کا مستحق تھا۔ میں نے فیاضانہ انداز میں بٹوے سے دو اسرائیلی پونڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔

انعام کے لیے انعام کی وہ رقم غیر متوقع تھی۔ اس نے جھک کر بڑے تپاک سے میرا شکریہ ادا کیا اور بولا۔ "میرا نام رافرک ہے اور میری ڈیوٹی شام کے سات بجے سے صبح کے سات بجے تک ہوتی ہے۔ آپ اپنی ہر ضرورت اور جملہ تفریحات کے لیے انٹرکام پر حکم دے سکتے ہیں۔"

"ضرور ... ضرور۔"

اور اس کے بعد وہ چلا گیا۔

مجھ پر اپنے بجٹ کی صورت حال واضح ہو چکی تھی جو میری توقع سے زیادہ امید افزا تھی لہٰذا میں ہوٹل سے نیچے اتر گیا۔

ہالینڈ سے ان کے قریب ہی تل ابیب کا بڑا اور بارونق بازار تھا۔ میں نے چند دکانوں میں گھومنے کے بعد ایک جگہ سے چند ملبوسات اور دیگر ضرورت کی اشیاء خریدیں اور واپس ہوٹل آ گیا۔

ہالینڈ سے ان میں اگلے دو روز میں نے سستی اور اعصابی تناؤ کے عالم میں گزارے۔ اس دوران میں اپنے ہمدردوں سے بالکل لاتعلق ہو کر رہ گیا تھا۔ میری جملہ معلومات کا انحصار اخبار اور ٹیلی وژن پر تھا۔

میں پہچان لیے جانے کے روح فرسا خوف سے اپنے کمرے ہی میں محدود رہنے کی کوشش کرتا تھا مگر دوسری جانب ہوٹل کے عملے کا خوف بھی دامن گیر تھا۔ میرا غیر معمولی طور پر تنہا رہنا کسی کو بھی میری جانب سے مشکوک کر سکتا تھا لہٰذا میں دن میں کئی گھنٹے ہوٹل سے باہر گزارتا تھا۔ عام راستوں اور بھیڑ کے بجائے میں ہوٹل سے نکل کر سیدھا انگ مولون لائبریری میں پہنچ جاتا تھا جو تل ابیب بلکہ اسرائیل کا مشہور کتب خانہ ہے وہاں دنیا کے ہر موضوع پر بے شمار کتابیں موجود تھیں۔

میں لائبریری میں پہنچ کر حوالہ جات کے شعبے کے پرسکون ماحول میں جا بیٹھتا اور میری ڈیسک پر مشرقی تمدن کے موضوع پر بہت سی کتابیں جمع ہو جاتیں اور میں کسی پیشہ ور محقق کی طرح ان کتابوں میں ڈوب جاتا۔ مطالعے کے ساتھ ہی میں خانہ پری کے لیے اپنی ڈائری پر نوٹ بھی لکھتا جاتا تھا مگر اس دوران میں ایک لمحے کے لیے بھی اپنے گرد و پیش سے غافل نہیں ہوتا تھا۔

وہ دو روز میرے اسرائیل میں قیام کے بدترین دن تھے جب مجھے ہر آن اپنی آزادی اور زندگی خطرے کی سولی پر نظر آتی تھی۔ آخر خدا خدا کر کے وہ بھیانک آسیبی لمحات بھی بیت گئے اور میری روانگی کا وقت آپہنچا۔

یہ میری قسمت کی خوبی تھی کہ اس روز راڈرک کی ڈیوٹی کاؤنٹر پر تھی۔ اس نے پیشہ ورانہ مہارت اور پھرتی کے ساتھ چند ہی منٹ میں میرا حساب بے باق کر دیا جس کی رُو سے ہوٹل بل کی ادائی ہونے پیشگی رقم میں سے سات پونڈ باقی تھے۔

میں نے پانچ پونڈ سے کہ بقیہ رقم بخشش کے طور پر راڈرک کو دے دی اور اپنا بریف کیس سنبھال کر باہر نکل آیا۔ راڈرک کے اشارے پر ایک پورٹر نے میرا سوٹ کیس اٹھا لیا۔

باہر ٹیکسی موجود تھی۔ ڈرائیور نے ادب سے میرے لیے عقبی نشست کا دروازہ کھولا اور میں بظاہر بڑی تمکنت سے اندر داخل ہو گیا مگر اس وقت میرے دل کی دھڑکنیں خاصی تیز اور بے ربط ہو چکی تھیں۔

تل ابیب اس وقت رنگ و نور کے سیلاب میں ڈوبا ہوا تھا۔ اونچی عمارات پر لگے ہوئے جلنے بجھنے والے روشن برقی اشتہارات کی رنگا رنگ روشنیاں لحظہ بہ لحظہ گرد و پیش کی فضا پر عجیب سا اثر ڈال رہی تھیں۔ حسن کے بے حجاب جلوے، شہابی رنگینیاں، گداز بدن، قاتل اور مخمور نگاہیں، بسیاہ، مرمریں، سرخ، زرد اور سنہری زلفیں ہر طرف لہرا رہی تھیں مگر مضطرب دل میں کوئی گدگدی پیدا نہ ہو سکی۔

پچھلے راستے سے کوئین این کی ایک بوتل لینا ہے شاید نے تیزی سے پیچھے بھاگتے ہوئے مناظر کے مشاہدے کے دوران ڈرائیور سے کہا۔ میری خواہش تھی کہ ایئر پورٹ پر ٹیکسی چھوڑنے سے قبل میں ذہنی طور پر پُرسکون رہوں تاکہ غیر ضروری طور پر اشتباہ آمیز نظریں میرا تعاقب شروع نہ کر دیں۔ وقت قریب آنے کے ساتھ ساتھ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ میری نئی مہم بہت خطرناک تھی۔

ڈرائیور نے ٹیکسی ہوٹل وینہالان سے ملحق ایک وائن اسٹور کے سامنے روک دی اور پلک جھپکتے میں میرے لیے میری پسندیدہ وسکی خرید لایا۔

میں نے فوراً ہی بوتل کھول کر منہ سے لگا لی۔ دہکتا ہوا سیال میرے دہانے میں داخل ہوا اور پھر آنتوں تک میں آگ سی بھڑکتا چلا گیا۔ ساتھ ہی میری آنکھوں سے بے اختیار چند آنسو بہہ نکلے مگر اس کے بعد مجھے اپنی رگ رگ میں سکون کی لہریں سرایت کرتی محسوس ہونے لگیں۔

میں نے بکے بعد دیگرے تین چار گھونٹ اپنے معدے میں اتارے اور بوتل بریف کیس میں رکھ لی۔

وسکی اور مختلف قسم کی شراب بھی مجھے بیگانہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی تھیں مگر ان سے خود کے لیے ضروری تھا کہ ذہن کو آزاد چھوڑ دیا جائے۔ اس وقت اسی ترکیب پر عمل کیا۔

جب دور سے ایئرپورٹ کی عمارت پر جگمگاتے روشن حروف نظر آئے تو میں آزادی کے لیے موت سے ٹکرا جانے کے لیے پوری طرح تیار ہو چکا تھا۔

ایئرپورٹ پر ٹیکسی ڈرائیور کو بل سے زائد رقم ادا کی اور اپنے سوٹ کیس پر توجہ دیے بغیر ہوائی اڈے کی ٹرمینل بلڈنگ کے ہال میں پہنچ گیا۔

میں نے بظاہر کسی پورٹر کے انتظار کا انداز اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی جہاں آٹھ بجنے میں پانچ منٹ تھے۔ میں نے چند ثانیوں تک انتظار کے بعد اپنے انداز میں سوٹ کیس کو آہستہ آہستہ دھکیلنا شروع کر دیا۔

تل ابیب ایئرپورٹ کا ڈیپارچر لاؤنج بہت صاف ستھرا تھا اور شیشے کی دیواروں کے اس پار نظر آتا وہ خون خشک کر دینے کے لیے کافی تھا۔ اس نے میرے معدے میں موجود وسکیاں کا نشہ ہرن کر دیا۔ شیشے کے خود بخود بند ہو جانے والے دروازے گزرنے کے بعد اندر سنگی رسیوں سے حد بندی کی گئی تھی۔ وہی لوگ عبور کر سکتے تھے جو بذات خود سفر پر جانے والے اور کام کرنے والے عملے میں شامل ہوں۔

ان رسیوں کے درمیان وہ ایک گزرگاہ تھی۔ وہ دو خونخوار کتوں کے پٹے تھامے کھڑے تھے۔ قریب ہی ایک فوجی افسر اسرائیل کی قومی فضائی کمپنی کی ایک خوبصورت میزبان سے باتیں کر رہا تھا۔ دونوں کتے بے حد صحت مند اور تنومند تھے۔ جسامت میں تندرست بھاری بھرکم بکروں سے بھی بڑے۔ ان کے خونی دہانوں سے سرخ زبانیں باہر نکلی ہوئی تھیں اور وہ بار بار اپنے کان کھڑے کر کے چوکنے ہو رہے تھے۔ جیسے اپنے شکار کی بو پاتے ہی اس پر ٹوٹ پڑیں گے۔

میری نبض کی رفتار یک بیک تیز ہو گئی۔

ان خونخوار کھوجی کتوں کے دانتوں کا تصور ہی دھڑکنے لگا۔ ان خونخوار کھوجی کتوں کے دانتوں کا لمس مجھے اپنے جسم پر محسوس ہونے لگا۔ اضطراری طور پر میری نگاہیں لاؤنج کی ایک دیوار گیر گھڑی کی طرف اٹھ گئیں جہاں آٹھ بجنے میں تین منٹ باقی تھے۔

وقت کی رفتار بے حد سست تھی۔ میرے قدم بظاہر پُر اعتماد لاؤنج کے داخلی دروازے قریب ہوتے جا رہے تھے جہاں ڈیپارچر لاؤنج کے حالات نہایت پُرسکون تھے۔ بظاہر ایسی کوئی علامت نظر نہیں آ رہی تھی جس کی بنا پر میں یہ امید کرنے لگتا کہ ٹھیک آٹھ بجے یعنی صرف تین منٹ کے اندر اندر کتوں کو اس جگہ سے ہٹا دیا جائے گا اور میں حفاظت کے ساتھ سنگی رسیوں والے علاقے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

ان کتوں کے قریب سے ایک سفید فام جوڑا گزر کر اندر داخل ہوا پھر کسی فضائی کمپنی کی دو وردی پوش لڑکیاں باہر نکلیں مگر کتے بدستور اپنی جگہ کھڑے پھیپھڑوں کی پوری قوت سے ہانپتے رہے۔ ان کے ہیبت ناک جبڑوں سے باہر جھولتی ہوئی زبانیں ایک پل کے لیے بھی اوجھل نہ ہوئی تھیں۔

آخر کار میں داخلی دروازے پر پہنچ ہی گیا۔ اس وقت آٹھ بجنے میں تقریباً پونے دو منٹ باقی تھے اور میرے جہاز کے جانے مسافروں کے دہانے کھل چکے تھے۔

اس علاقے میں حفاظتی عملے کے کئی آدمی موجود تھے اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سب میری ہی نگرانی پر مامور ہوں۔ اگر میں مشکوک انداز میں دروازے کے قریب رکتا تو افراتفری پھیلنے پر میری ہچکچاہٹ مجھے جال میں پھنسانے کا باعث بن جاتی اور اگر میں بلا رکے بڑھتا جاتا تو وہ خونخوار کتے میری بو پر جھپٹ پڑتے جب کہ واپسی کا خطرہ میں کسی قیمت پر مول نہیں لے سکتا تھا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ اتنی اہم پر مامور افراد کی دیکھ بھال کے لیے اس علاقے میں ریڈیو ٹیلی فون کے چند اہم اور با اختیار کارندے ضرور متعلقہ ہوں گے تاکہ اس بات کا یقین کر لیں کہ ان کے جانے والے آدمی پرواز سے پہلے اندر پہنچ گئے۔ اگر ان میں سے کوئی مجھے واپس لوٹتے دیکھ لیتا تو اس کے ذہن میں یہ خیال بھی آتا کہ میں بزدلی کے باعث جان بچانے پر آمادہ ہوں اور مجھے بغاوت کی راہ پکڑتے دیکھ کر ان میں سے کوئی بھی مجھے ٹھکانے لگا سکتا تھا۔

بالآخر ان کے آدم دم کرے میں بیٹھ کر ال ال کے طیارے سے اغوا کے منصوبے کے کاغذات کا مطالعہ کرتے ہوئے دو نام اور ان کی تفصیل پیش کی گئی تھی۔

طور پر حالات بہت مخدوش تھے۔

میں بظاہر لاپروایانہ انداز اختیار کیے نہایت سست رفتاری کے ساتھ آگے سرکتا رہا جیسے اپنے سوٹ کیس کو دھکیلنا مجھے شاق گزر رہا ہو اور جوں ہی میں اندر داخل ہوا میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

زنجیروں والے کتے اس وقت مجھ سے کم و بیش ساٹھ فٹ دور تھے اور زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔ مگر اس وقت ایک پستہ قامت اور خوبصورت کتیا لاؤنج کے کسی دور افتادہ گوشے سے دوڑتی ہوئی آ رہی تھی اور یوں معلوم ہو رہا تھا کہ وہ ان دونوں کتوں کے قریب سے گزرتی ہوئی سیدھی مجھ پر آ پڑے گی۔

فوری طور پر مجھے یہی گمان ہوا کہ وہ بھی کھوجی نسل سے تعلق رکھتی ہوگی اور اسی شبہ کی بنا پر میں نے اس پر نظریں جما دیں تو میرا شبہ کچھ ڈانواں ڈول ہونے لگا۔

اس کتیا کے دھڑ پر دُم سے گردن تک چرمی تسموں کے ذریعے سرخ کپڑے یا چمڑے کا ایک غلاف کسا ہوا تھا جیسا کہ عام طور پر کتوں کے شوقین اپنے پالتو کتوں کو موسمی سختیوں سے بچانے کے لیے جاڑوں میں استعمال کرتے ہیں۔

اس پستہ قامت کتیا کو اپنی طرف آتے دیکھ کر ان دونوں کتوں کے کان کھڑے ہو گئے۔ ان کی جھکی ہوئی دُمیں تن کر دائرے کی صورت اختیار کر گئیں پھر جوں ہی وہ کتیا قریب آئی دونوں کتے بیک وقت غضبناک انداز میں غرائے اور اس پر ٹوٹ پڑے۔

ان قد آور کتوں کا وہ تند و تیز حملہ کچھ اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا کہ وہ آہنی زنجیروں پر اپنی گرفت قائم نہ رکھ سکے۔ ان میں سے ایک زنجیر دوبارہ تھامنے کی کوشش میں منہ کے بل فرش پر جا رہا اور دونوں کتے ہولناک قاتلانہ انداز میں غراتے ہوئے کتیا کے پیچھے ہو لیے جو ان کے جارحانہ تیوروں سے وحشت زدہ ہو کر برق کی طرح چیختی ہوئی برق رفتاری سے واپس ہو لی تھی وہ دونوں کتے ہر رکاوٹ کو عبور کرتے اس کے تعاقب میں لگے ہوئے تھے۔

بھڑکے ہوئے کتوں کی اس معرکہ آرائی نے وہاں شدید افراتفری پھیلا دی اور پورا لاؤنج خوفزدہ مردانہ اور نسوانی چیخوں سے گونجنے لگا۔ کئی افراد نے مجھے دھکیلتے ہوئے بدحواسی کے عالم میں باہر نکلنا شروع کر دیا مگر میں پُرسکون انداز میں دھیمی رفتار سے آگے ہی بڑھتا رہا۔

دونوں فوجی کتوں کو پکڑنے کے لیے ان کے پیچھے ہی گئے تھے۔ ان کا کپتان بھی اب اس جگہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

کئی افراد اونچی آواز میں ان بعض افسران کو برا بھلا کہہ رہے تھے جن کے ایما پر وحشی کتوں کو ایئرپورٹ کے ہجوم

ہوئے علاقے میں رکھ چھوڑا گیا تھا تاکہ وہ کسی بھی وقت انسانی جسم پر اپنے دانتوں کی تیزی کا امتحان لے سکیں۔

نیلی پسلیوں والی گڑیا گاہ بہ گاہ ماہر محافظ نے میرا ٹکٹ دیکھ کر مجھے اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی اور میں امیگریشن کاؤنٹر پر جا گیا۔ دو افراد کے بعد میری باری آئی اور کاغذات کی رکھ بھال کے بعد مجھے کلیئرنس مل گیا۔ صحت والوں کے پاس بھی مجھے چند سیکنڈ لگے اور میں نے ائیر لائن کے کاؤنٹر پر جا کر اپنا بورڈنگ کارڈ حاصل کر لیا۔

اس کے بعد مجھے ایک الیکٹرونک مشین کے قریب سے گزارا گیا جو آتشیں ہتھیاروں اور بارود کا سراغ لگا سکتی تھی اس سے آگے ایک فوجی افسر ایک ننھا سا کمپیوٹر لیے بیٹھا تھا جس کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی اسکرین موجود تھی۔

اس افسر نے پہلے مجھے اپنی داہنی ہتھیلی اور انگلیاں اسکرین پر جما کر رکھنے کا حکم دیا۔ میرے ہاتھ رکھتے ہی اس نے ایک بٹن دبایا بٹن کے دبتے ہی اسکرین روشن ہوئی اور اس کے چند سیکنڈ بعد اسکرین کے اوپر لگا ہوا سبز بلب جل اٹھا جبکہ سرخ بلب بدستور تاریک رہا۔ یہی عمل میرے بائیں ہاتھ کے ساتھ ہوا اور لوہا میں تنگر پرنٹ چیک کرنے والے اس کمپیوٹر کو بھی دھوکا دینے میں کامیاب ہو گیا کیونکہ میرے دونوں ہاتھوں پر میری جلد کی رنگت کے باریک اور مضبوط دستانے چڑھے ہوئے تھے جنہیں دیکھنا محال تھا کیونکہ ان دستانوں کی بیرونی سطح پر جلد کے سے تمام نشانات موجود تھے جنہوں نے صفدر علی کے اصلی تنگر پرنٹ کو بخوبی چھپا لیا تھا۔

اسرائیلی ائیر لائنز ال عال کی اس پرواز پر مسافروں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ سب اس وقت روانگی کے اعلان کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں ایک صوفے پر بیٹھ کر ان سب کا جائزہ لینے لگا۔ تاکہ طیارے پر سوار ہونے سے پہلے اپنے متوقع ساتھیوں کے بارے میں کوئی اندازہ قائم کر سکوں۔ مگر وہاں موجود مسافروں میں جاپانی خدوخال والا کوئی بھی نہیں تھا۔

میں نے اپنے بکھرے ہوئے اعصاب کو سکون پہنچانے کے لیے سگریٹ جلائی تھی کہ کافی دور سے یکے بعد دیگرے تین فائروں کی آواز آئی اور وہاں موجود سارے مسافروں میں انتشار اور بے چینی کی لہر سرایت کر گئی۔

"کیا ہوا؟ یہ آج یہاں کیا ہو رہا ہے؟" ایک مسافر نے ائیرپورٹ کے عملے کی ایک بوکھلائی ہوئی لڑکی کا بازو تھام کر جذباتی انداز میں پوچھا۔

"میں معلوم کر کے بتاتی ہوں۔" لڑکی نے اپنا بازو چھڑانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"جاؤ جہنم میں جاؤ۔" اس شخص نے لڑکی کو بے رخی سے آگے دھکیلتے ہوئے کہا۔ اور وہ تیزی کے ساتھ ایک کی طرف دوڑتی چلی گئی۔

اس دوران کئی مسافر ویٹنگ روم سے باہر نکل چکے تھے اور وہاں موجود سیکورٹی والے انہیں واپس کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔

"آج رات اس چھت کے نیچے کچھ نہ کچھ ضرور ہو گا۔" قامت لڑکی سہمی ہوئی آواز میں بولی۔ "اس ملک میں اب کوئی سکھ کا سانس نہیں لے سکتا۔"

"مادام!" اچانک ایک سیکورٹی افسر لڑکی کے قریب پہنچ کر بولا۔ "براہ کرم مسافروں میں ہراس پھیلانے کی کوشش نہ کریں۔ اس کی باتوں کا خیال نہ کریں۔" مداخلت کرتے ہوئے بولا۔ "یہ ذرا جذباتی واقع ہوئی ہے۔ ایسی ترکیب ضرور بتا دیں جس کے سہارے ہم دونوں صحیح سلامت یہاں سے نکل سکیں۔"

سیکورٹی افسر نے پھاڑ کھانے والی نظروں سے اس دوران میں ان میٹروں کے گرد خاصی بھیڑ جمع ہو چکی تھی۔

"پہلے باہر سے خونخوار کتوں کے بھونکنے کی آوازیں ہجوم میں چیخ و پکار مچ گئی۔ اب اس کے بعد کم از کم یہ تو بتائیں کہ اس ہنگامے کا سبب کیا ہے۔ لیڈروں کا کوئی گروپ تو اندر نہیں آ گیا ہے۔" ایک نے لقمہ دیا۔

"دو کتے ایک کیپا کو کچھ چیر پھاڑ گئے تھے اور ایک طرف بھاگ نکلی اور ایک شخص نے مخبر کی ... کرتے ہوئے تینوں کتوں کو گولی مار دی۔ آپ لوگ اس واقعے سے تشویش کا شکار نہ ہوں۔" سیکورٹی افسر نے وضاحت کی اور مخاطب کر کے جواب دیا جس سے ...

"مگر آوارہ کتوں کی یہ ٹولی کس کی اجازت سے ... چھوڑی گئی تھی؟" کسی نے برہم ہو کر سوال کیا۔

"وہ آوارہ کتے نہیں تھے۔" سیکورٹی افسر نے وضاحت کی۔ "ان میں سے دو بیش قیمت اور نایاب نسل کے ... اور تیسری کیپا بھی یقیناً کسی معزز مسافر کے ساتھ ... کے گلے میں پٹا اور بدن پر لباس موجود تھا۔"

یہ کہہ کر سیکورٹی افسر مسافروں کی ... گیا اور میں دل ہی دل میں منصوبہ بندی کرنے والوں کے قصیدے کہنے لگا۔

مجھے پورا یقین ہو گیا تھا کہ کیپا کے ... تھا کہ کی اندرونی سطح میں میرے کسی ... باہر کھڑا ہو گا اور اسی لڑکے کے سہارے تربیت یافتہ فوجی کتے اس کیپا کے پیچھے پڑے ہوں گے۔ یقیناً کسی شخص نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کنٹرول روم کی طرف بھیجا ہو گا اور جب وہ کیپا جان بچانے کے لیے اپنے مالک کی طرف سے واپس بھاگی ہو گی تو کتوں کو ختم کرنے کے لیے دونوں کتوں کو بھی گولی مار دی گئی تاکہ اس واقعے کی پشت پر کار فرما اقتصادات کا پردہ فاش نہ ہو سکے۔ عام طور پر یہی سمجھا جاتا کہ دونوں کتے جنس مخالف کی بو پر بچے تھے اور کیپا ان کی وحشیانہ یورش سے بوکھلا کر بھاگ نکلی۔

اس بھگدڑ کی روشنی میں مجھے یہ بھی یقین تھا کہ تیز رفتار کتوں کو گولی مارنے والا بھی افراتفری کا فائدہ اٹھا کر بھیڑ میں مل گیا ہو گا اور اس کا سراغ بھی نہ مل سکے گا۔

سیکورٹی افسر کی وضاحت کے بعد مسافر دوبارہ اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے مگر ان کے درمیان موضوع گفتگو وہی رہا۔

تھوڑی ہی دیر بعد میں آٹھ دس مسافروں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا اور ٹھیک پونے نو بجے لاؤڈ اسپیکر پر اعلان ہوا کہ ال ال کی پرواز نمبر ۲۱۲ لندن روانگی کے لیے تیار ہے۔ مسافروں کو انتظار گاہ کے باہر کھڑی ہوئی بس پر سوار ہونے کی ہدایت بھی کی گئی۔

اور اس وقت پہلی بار میں نے ایک جاپانی چہرہ دیکھا۔ گھٹنوں تک کے مرمئی اسکرٹ اور لمبی آستینوں والے بلاؤز میں ملبوس وہ خوش شکل اور دبلی اندام لڑکی دروازے کے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ اعلان ہوتے ہی وہ پھرتی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور سب سے پہلے باہر نکل گئی۔

میرے قدم بوجھل ہو گئے۔ زبان دہانے میں اینٹھنے لگی اور دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔ ہر چیز چیخ چیخ کر بتا رہی تھی کہ وہی لڑکی ارلو ہو گی۔

ال ال کے بورڈنگ کارڈز پر نشستوں کا کوئی نمبر درج نہیں تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ پہلے چڑھنے والے مسافروں کو اپنی پسندیدہ نشست سنبھالنے کا موقع مل سکے گا اور پروگرام کے مطابق ارلو کو فرسٹ کلاس میں کاک پٹ کے قریب ہی بیٹھنا تھا۔ لہٰذا وہ جلدی سے بس میں سوار ہو گئی تاکہ دروازے کے قریب بیٹھ کر پہلے اترنے کا موقع حاصل کر سکے۔

مجھے چونکہ اکانومی کلاس کے آخری سرے پر باتھ روم کے نزدیک جگہ سنبھالنا تھی لہٰذا میں نے جلدی نہیں دکھائی کیونکہ تجربہ کار فضائی مسافر آخری قطاروں کو کبھی ترجیح نہیں دیتے جہاں پرواز کے دوران انجن کا شور زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔

ساری بس خالی ہو گئی کہ میں بس میں کل اکتالیس نفوس موجود تھے۔ پوری بس آ کر طیارے کے قریب رکی تو سب ... طیارہ عمارت سے کافی دور روشنی دان میں کھڑا تھا ... اپنا کام نمٹانے کے بعد سامان جہاز میں رکھا جا رہا تھا اور ائیر فریم مکینک آخری بار طیارے کے بازوؤں وغیرہ کے پاس اپنی جانچ پڑتال کر رہا تھا۔

میرے اندازے کے عین مطابق سرمئی اسکرٹ والی سب سے پہلے بس سے اتری اور جب میں پہنچا تو وہ فرسٹ کلاس کی سیڑھیاں طے کر کے اندر داخل ہونے والی تھی۔

مسافروں کی قطار میں میں بھی اکانومی کلاس کی سیڑھیاں طے کر کے طیارے میں داخل ہوا جہاں ایک ائیر ہوسٹس نے دلکش مسکراہٹ اور ترنم ریز "ہیلو" کے ساتھ مجھے خوش آمدید کہا۔ میں نے اندر داخل ہو کر سب سے پہلے فرسٹ کلاس کے قریب والی اس نشست پر نگاہ ڈالی جہاں مجھے ملنے والے نقشے کے مطابق نمبر تین آدمی کو موجود ہونا تھا۔ اس وقت وہاں ایک لمبا تڑنگا سفید فام بیٹھا ہوا تھا جس کے خدوخال واضح طور پر اس کے یہودی ہونے کا اعلان کر رہے تھے۔ اس کے برابر میں ایک بوڑھی عورت براجمان تھی۔

میں خراماں خراماں باتھ روم کے قریب اپنی نشست پر پہنچ گیا۔

چند منٹ بعد سیڑھیاں ہٹا دی گئیں اور دروازے بند کر دیے گئے۔ جہاز کا عملہ اوپری خانوں میں رکھے ہوئے تھیلے اور تھیلوں کو درست کر کے خانے بند کرنے لگا۔

جہاز کے سامنے والی اسکرین پر عبرانی، عربی اور انگریزی کی زبانوں میں تمباکو نوشی کی ممانعت کے سرخ الفاظ روشن تھے۔ ایک ایک لمحہ سنسنی اور بے یقینی کے عالم میں گزر رہا تھا۔

مجھے ہر آن یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ اچانک دروازے کھلیں گے اور چند مسلح فوجی افسران طیارے میں داخل ہو کر پرواز کے التوا کا اعلان کر دیں گے اور سارے مسافروں کو اس وقت تک حراست میں لے لیا جائے گا جب تک ان کے جملہ کوائف کی تصدیق نہ کر لی جائے اور یوں میں اسرائیل سے فرار ہونے کے خواب کو شرمندہ تعبیر نہ کر سکوں گا۔

آخر کار جہاز کے پورے ڈھانچے میں ہلکا سا ارتعاش پیدا ہوا جو چند منٹ بعد اور کم ہو گیا اسی کے ساتھ کیبن میں انجنوں کا مدھم سا شور سنائی دینے لگا۔

"کپتان جان جیمز آپ سب کو ال ال کی پرواز نمبر ۲۱۲ پر خوش آمدید کہتا ہے۔" طیارے کے مواصلاتی سلسلے پر ایک نرم مردانہ آواز ابھری۔ "آپ اپنی پشت کا بیلٹ سیدھی کر کے حفاظتی بند باندھ لیجیے۔ ہم اب سے چند منٹ بعد پرواز کرنے والے ہیں۔" کپتان کی آواز معدوم ہوتے ہی طیارہ کسی دیو ہیکل عفریت کی طرح حرکت میں آ گیا۔ میں نے حفاظتی بند باندھتے ہوئے اپنے کوٹ کی جیب ٹٹولی جس میں کئی زہریلی سوئیوں والی پلاسٹک کی خوبصورت

سٹ بیٹھی موجود تھی۔

طیارہ کچھ دیر تک سست خرامی کے انداز میں رن وے پہ رینگتا رہا۔ کھڑکیوں کے شیشوں سے نظر آنے والی روشنیوں کو دیکھ کر طیارے کی رفتار اور سمتوں کی تبدیلی کا اندازہ ہو رہا تھا پھر رن وے کی سیدھ میں آ کر طیارہ ایک جھٹکے سے ساتھ [illegible] پلٹنے لگا۔

کنکریٹ کے رن وے کے جوڑوں پر سے طیارے کے پہیے اس تیزی سے گزر رہے تھے کہ اندر جھنجھناہٹ سا آ رہا تھا پھر یک بیک وہ تمام آوازیں ختم ہو گئیں جیسے پیٹ پہ ایک سا دباؤ محسوس ہوا اور طیارہ تیزی سے فضا میں بلند ہوتا چلا گیا۔

سینے پہ دباؤ آہستہ آہستہ بڑھتا رہا۔ پھر میرے دونوں کان سن ہوتے چلے گئے۔ یہ کیفیت بدستور تمام تھی کہ میں نے جھک کر اپنا بریف کیس اٹھایا اور احتیاط کے ساتھ سگاروں کا پیکٹ نکال کر گود میں رکھ لیا۔

میری نشست ضرورت کے تحت کھڑکی سے دور اور راہداری سے قریب تھی اس لیے میں یہودیوں کی سرزمین تل ابیب کا نظارہ نہ کر سکا مگر مجھے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ طیارہ مقررہ بلندی پہ پہنچ چکا تھا اور کسی بھی لمحہ پائلٹ کی آواز سنائی دے سکتی تھی۔

"خواتین و حضرات!" پائلٹ کی آواز کے ساتھ ہی میرے اعصاب تن گئے۔ میں نے پھرتی کے ساتھ کوٹ کے جیب سے چھوٹی سی ماچس نکال لی اور کیمیاوی بموں کا سگاروں پہ مشتمل پیکٹ دونوں ہاتھ میں لے لیا۔

"اب آپ اپنے حفاظتی بند کھول لیں۔" پائلٹ نے کہا۔ اسی کے ساتھ تمباکو نوشی کی ممانعت کے الفاظ اسکرین سے غائب ہو گئے۔ پائلٹ کے اعلان کے ساتھ مسافروں میں زندگی کی لہر سی پیدا ہوئی اور میں پرسکون انداز میں اپنی نشست سے راہداری میں نکل آیا۔

مگر مجھ سے پہلے نیرتین باہر آ چکا تھا۔ اسے شاید مقررہ نشست نہیں مل سکی تھی کیونکہ وہ خوش شکل سفید فام کی پچھلی سیٹ سے اٹھا تھا۔

"سب لوگ سکون سے اپنی جگہوں پہ بیٹھے رہیں۔" نیرتین نے اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا کر اونچی آواز میں کہا۔ "طیارہ اس وقت میرے ساتھیوں کے رحم و کرم پر ہے اور سب کی سلامتی اسی میں ہے کہ ہر فرد ہمارے احکام کی تعمیل کرے!"

اس شخص کی شکستہ انگریزی اور اس کا لہجہ صاف چغلی کھا رہا تھا کہ وہ مشرق بعید کے کسی ملک کا باشندہ تھا مگر اس کے خدوخال کسی طرح بھی اس کی قومیت کی چغلی نہیں کھا رہے تھے۔ اسی وجہ سے میں پہلے اسے نظر انداز کر گیا تھا۔

"میرے بائیں ہاتھ میں خوفناک کیمیاوی بم ہیں [illegible] اپنے بائیں ہاتھ میں دیتا ہے میرے چینٹ کو فضا میں [illegible] جسے اڑا دینا [illegible] کے حلق سے [illegible] ان بموں کو چھٹنے کے لیے معمولی سا جھٹکا [illegible] کر اس طیارے پر مسافروں کے [illegible] کے طور پر سفر کر رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ [illegible] تمام مسافروں کو زندگیوں کو داؤ پر لگانے کی کوشش [illegible]

"تم بھی انہی کے ساتھی ہو؟" میرے قریب بیٹھے شخص نے گردن گھما کر سرچتے لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔ اس کی آنکھوں میں طنز اور کینہ کی ایسی [illegible] اسے نظر انداز نہ کر سکا۔ "تم کمانڈو ہو؟" میں نے [illegible] اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی سانپ جیسی [illegible] آنکھیں میرے ہر عضو کا جائزہ لے رہی تھیں۔ [illegible] کا ارادہ رکھتا تھا۔

"ہاں۔۔۔ ہاں یہ کمانڈو ہے۔" اچانک ایک [illegible] دہشت زدہ آواز میں چلائی۔ "اس سے ہوشیار رہنا کہیں [illegible] حماقت ہم سب کی تباہی کا سبب نہ بن جائے!"

"ٹھیک ہو بے بی!" ڈالی نے سرد لہجے میں کہا اور ہاتھ میں تھامی ہوئی پلاسٹک کی سینٹیمی کارڈ [illegible] کمانڈو گھما کر اس کا منہ اور ناک بھینچ دیا۔ جس کے ساتھ ہی [illegible] ساتھ ایک ننھی سی سوئی اڑتی ہوئی اس کے نتھنے میں پیوست ہو گئی۔

کمانڈو کا منہ کھلا اور کھلا ہی رہ گیا۔ اس کے چہرے کے نقوش ہمیشہ کے لیے ثبت ہو کر رہ گئے۔ [illegible] بھی ہوئی سوئی نے آنا فانا اپنا کام دکھا دیا تھا [illegible] جان جسم کی طرح اپنی نشست پہ بیٹھا رہ گیا۔

ایئر ہوسٹس کی چیخ کے ساتھ ہی سامنے مسافر [illegible] میری اور اس کمانڈو کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ ہر چہرے پہ [illegible] اڑا ہوا تھا۔ سب کی آنکھوں میں موت کی دہشت تھی [illegible] ان میں سے کوئی بھی نہ سمجھ سکا کہ اس کمانڈو کو کیا ہوا ہے۔ انہیں اس کی موت کا علم ہو جاتا تو شاید دہشت سے کئی [illegible] بے ہوش ہو جاتے۔

اچانک میری نگاہ نیرتین کے قریب بیٹھے ہوئے [illegible] پہ پڑی جو سر جھکائے تیزی سے [illegible] پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

"اسے دیکھو! یہ بیمار ہو رہا ہے۔" [illegible]

بیک وقت تمام نگاہیں اسی طرف گھوم گئیں [illegible]

[illegible] میں بہت چابکدست تھا۔ اس نے انکار سے لفظ ابھی [illegible] کا جملہ مکمل نہ ہونے دیا۔ زہریلی سوئی بدن میں اترتے ہی وہ شخص سر کے بل [illegible] سے راہداری میں لڑھک آیا۔

نیرتین آگے بڑھا اور اس نے مرنے والے کی نشست سے [illegible] کا ایک تھیلا اٹھا لیا۔ تھیلے کے اندر جھانکتے ہی اس کے [illegible] کی شکل میں سکڑ گئے۔

"یہ بھی کمانڈو ہی تھا۔" وہ بولا۔ "اور اپنے چہرے پہ ماسک چڑھانے کے بعد یہ بیمار گیس کی تھیلی کھولنے والا تھا۔ کیوں بے بی؟"

ڈالی کے لفظوں پہ اس نے اپنے قریب کھڑی ہوئی اس دہشت زدہ ایئر ہوسٹس کو مخاطب کر کے ادا کیا تھا جو ایک کمانڈو کی نشاندہی کر چکی تھی اور اس وقت اپنا چہرہ ہتھیلیوں میں چھپائے سسکیاں لے رہی تھی۔

"[illegible] ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان بولی۔ "اس تھیلے میں ایک زہریلی گیس ہے جو آنا فانا سب کو بے ہوش کر سکتی ہے۔"

"سب بے ہوش ہو جائے تو طیارے کا کیا بنتا؟"

"کمانڈو خود بھی طیارہ اڑا جاتے ہیں اور کاک پٹ میں موجود عملہ ہر وقت گیس ماسک پہنے رہتا ہے۔ وہ لوگ گیس سے متاثر نہیں ہوتے۔"

"بڑا عجیب خیال ہے۔" نیرتین تبصرہ کیے بغیر نہ رہ سکا۔ "ہر پرواز پہ ایسی حفاظتی انتظام کیا جاتا ہے؟"

"ہاں۔ ال عال کی تمام مسافر بردار پروازوں پہ پائلٹ اور اس کا معاون گیس ماسک پہنتے ہیں اور کمانڈو دیگر ضروری چیزوں سے لیس ہوتے ہیں۔"

"کیا تم نے اسے مار دیا ہے؟" ایک بوڑھے نے بھنچی بھنچی آواز میں نیرتین سے سوال کیا۔ اس کی نظریں راہداری میں پڑے ہوئے کمانڈو کے بے جان بدن پر مرکوز تھیں۔

"ہاں نہیں، یہ خود مر گیا۔" نیرتین نے بے رحمانہ ظرافت کے ساتھ کہا۔ "اس کا مرنا ہی بہتر ہوا ورنہ کسی بھی وقت اس کی کوئی حماقت ہمیں طیارے اور مسافروں کے ساتھ خودکشی پر مجبور کر دیتی۔ اب شاید ہمارا سفر سکون سے جاری رہ سکے گا۔"

"خواتین و حضرات!" کیبن میں ایک مرتبہ پھر کپتان کی آواز گونجی۔ "[illegible] مجھے یہ اطلاع دیتے ہوئے سخت افسوس ہے کہ ہمارا طیارہ اسرائیلی فضا عبور کرنے سے پہلے اغوا کیا جا چکا ہے اور اب ہم لندن کے بجائے برلن کی طرف پرواز کر رہے ہیں۔"

چند لمحے بعد فرسٹ کلاس سے مرشی اسکرٹ والی خوبرو اور سنہرے بالوں والی لڑکی نمودار ہوئی۔ اس کا چہرہ کامیابی کی مسرت سے دمک رہا تھا۔

نیرتین نے اسے حالات سے آگاہ کیا اور وہ راہداری میں پڑے ہوئے مردہ کمانڈو کے بدن کو حقارت سے ٹھکراتی ہوئی میری طرف آ گئی۔

"سب ٹھیک ہے؟" اس نے مجھ سے مسکرا کر سوال کیا۔

"ٹھیک ہے۔ دو کمانڈو طیارے پر موجود تھے جو مارے گئے۔ اب مسافروں کو نقل و حرکت کی اجازت مل جانا چاہیے۔" میں نے کہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" اس نے کہا اور پھر مسافروں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ "جب تک اس طیارے کا عملہ اور سارے مسافر ہمارے ساتھ تعاون کرتے رہیں گے میں پوری ذمہ داری کے ساتھ سب کو تحفظ اور نرم سلوک کا یقین دلاتی ہوں۔ لیکن ہمیں کسی کی جانب سے شبہ بھی ہوا کہ وہ ہمارے ساتھ فریب کرنا چاہ رہا ہے تو اس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا جائے گا۔ ہم لوگ اپنی جانیں ہتھیلیوں پہ رکھ کر اس مہم پہ نکلے ہیں ہم کچھ کر گزرنے یا شجاعت سے موت کو گلے لگانے پہ یقین رکھتے ہیں۔ اگر ہم اپنے مقصد میں ناکام کا اندیشہ ہوا تو فضا میں اس جہاز کے پرزے بکھر جائیں گے۔"

انجنوں کی یکساں گونج میں اندر ایک عجیب سنسنی آمیز فضا طاری تھی۔ ہر شخص خاموش تھا۔ اور ساری نگاہیں اس لڑکی پہ مرکوز تھیں جو میرے قریب کھڑی زندگی اور موت کے درمیان حائل مختصر سے فاصلے کی وضاحت کر رہی تھی۔

اس کے خاموش ہوتے ہی طیارے کے کیبن میں دہشت میں ڈوبی ہوئی چند سسکاریاں گونج اٹھیں۔

پھر اس لڑکی نے میرے ہاتھوں مرنے والے کمانڈو کے سامان میں سے بے ہوش کرنے والی سیال گیس کی تھیلی نکالی اور مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے واپس چل دی۔

دو ایئر ہوسٹس فلائٹ کچن میں موجود تھیں۔ اس لڑکی نے انہیں وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا۔ اور وہ شکستہ انداز میں اکانومی کلاس کی طرف چلی گئیں۔

"یہ تھیلیاں اپنے بریف کیس میں رکھ لیا۔" وہ مجھ سے سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔ "ہو سکتا ہے کسی وقت کام آ ہی جائیں۔"

"میرا بریف کیس وہیں رکھا ہوا ہے۔"

"زہریلی سوئیوں والی سینٹیمی تو اٹھا لو جیب میں رکھ لو اور یہ تھیلیاں کسی پیپر بیگ میں ڈال کر لے جاؤ۔ صورت حال پوری طرح ہمارے قابو میں ہے۔"

میں نے وہ تھیلیاں ایئرلائن کے کاغذی تھیلے میں ڈالیں اور واپس ہو لیا۔

طیارے میں سوگوار سا سکوت طاری تھا۔ وہ کمزور دل عورتیں طیارے کے اغوا کی خبر سن کر بے ہوش ہو چکی تھیں جنہیں عملے کے افراد ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ پھر مسافروں میں موجود ایک ڈاکٹر نے

اپنی خدمات پیش کیں اور لیبرٹین نے اسے لندن کی کارروائی میں حصہ لینے کی اجازت دے رکھی۔

طیارے میں چالیس مسافر موجود تھے جن میں دو بچے بھی شامل تھے مگر وہ اتنے کم سن تھے کہ بدلی ہوئی صورت حال ان کی خوشیوں پر اثر انداز نہ ہو سکی تھی۔

مسافروں کے چہرے زرد پڑے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں دہشت ناچ رہی تھی۔ کیبن میں موجود اسرائیلی گوریلوں کی آتشیں صورت حال کو مزید روح فرسا بنا رہی تھیں۔ زندگی اور موت کے بارے میں ہر مسافر دہری بے یقینی میں مبتلا تھا۔ لوگ اپنی نشستوں پر پتھر کے مجسموں کی طرح بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں جنبش کرتے ہوئے بھی یہ ڈر ستا رہا تھا کہ کہیں انہیں شورش پسند سمجھ کر ہم دونوں میں سے کوئی ہلاک نہ کر دے۔

"میں باتھ روم جا سکتی ہوں؟" میں نشستوں کے درمیان سے گزر رہا تھا کہ ایک خوبرو لڑکی کی دہشت زدہ آواز نے میرے قدم روک لیے۔

"ناگویر نقل و حرکت پر کوئی پابندی نہیں ہے خاتون! آپ ٹوائلٹ استعمال کر سکتی ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے اور بلند آواز میں کہا۔ میرے الفاظ لوگوں کے لیے آزادی کا پیغام ثابت ہوئے۔ اور بیک وقت تقریباً تمام مسافر اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔

طیارے کے عقبی حصے میں ٹوائلٹ کے سامنے جب چند مسافروں کی قطار لگ گئی تو نظم و ضبط کے پیش نظر مجھے وہاں مداخلت کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اس ہولناک صورت حال کے پیش نظر ہر مسافر اپنے رویے کے بارے میں بہت زیادہ محتاط تھا۔

اس وقت اکانومی کلاس میں نشستوں پر صرف دو بے ہوش مسافر رہ گئے تھے۔ تیسرا ان کا تیمار دار ڈاکٹر تھا جس کی مدد کے لیے عملے کی دو لڑکیاں بھی موجود تھیں۔

میدان خالی پا کر فیریتی میری طرف آ گیا۔

"گڈ لک ڈاکٹر اسکرا!" اس نے قریب آ کر دلی مسکراہٹ کے ساتھ سرگوشیانہ لہجے میں مجھ سے کہا۔

"میں تمہارا نام نہیں جانتا!" میں نے دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"انتھی کاووا!" اس نے دھماکہ خیز سگاروں کا پیکٹ اور زہریلی سوئیاں پھینکنے والی شیشی احتیاط سے کوٹ کی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ "ہماری نگران مس اوتومو ہے اور فرسٹ کلاس میں اس کے ساتھ جمباسن اسپورٹ ہے۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے سگریٹ سلگانے لگا۔

"جمباسن تو یہودی ہوگا؟" میں نے حیرت سے کہا۔

اس نے ایک سگریٹ مجھے دیا اور اپنے [illegible] ہونٹ لیتے سر کو اثبات میں جنبش دی پھر سگریٹ کا دھواں [illegible] میں بکھیرتے ہوئے بولا۔ "وہ یہودی والدین کی اولاد ہے [illegible] مساوات اور آزادی کے نظریے کا علمبردار ہے۔"

"اس طرف کیا حال ہے؟" میں نے فرسٹ کلاس کی [illegible] کرتے ہوئے سوال کیا۔

"مکمل سکون ہے!"

پھر ٹوائلٹ سے یکے بعد دیگرے مسافروں کی واپسی [illegible] ہو گئی اور ہم دونوں اپنی اپنی جگہوں پر واپس چلے گئے۔

دونوں بے ہوش مسافر اس وقت تک ہوش میں نہیں آ سکے تھے۔ میں نے کیبن میں پیچھے بیٹھے ہوئے مسافروں کو [illegible] وہ سب کیبن کے اگلے حصے کی نشستوں پر بیٹھ جائیں [illegible] کئی چہروں پر موت کی تاریکیاں ناچنے لگی۔ ہو سکتا ہے [illegible] خیال گزرا ہو کہ میں تمام مسافروں کو ٹھکانے لگانے کے انتہائی [illegible] لگانے کا ارادہ رکھتا ہوں مگر اس کے باوجود کسی نے [illegible] چند ہی منٹ میں اکانومی کلاس کی اگلی نشستیں [illegible]

"فلائٹ کریو توجہ فرمائیں!" اچانک اسپیکر پر [illegible] اور تحکم آمیز آواز ابھری۔ "مسافروں کو تواضع کے مطابق [illegible] کا سامان فراہم کرو کوئی چیز ضائع نہ کی جائے۔ مسافروں [illegible] ہے کہ کفایت سے کام لیں۔"

اوتوموکی اس ہدایت کے ساتھ ہی مسافروں میں [illegible] چہ میگوئیاں ہو گئیں۔ ان کے نزدیک یہ بہت بڑی بات تھی کہ طیارہ [illegible] والے ان کے ساتھ ہمدردانہ طور پر پیش آ رہے تھے۔

میزبان لڑکیاں یہ حکم پاتے ہی فلائٹ کچن کی طرف [illegible] بے ہوش مسافر عورتوں کی حالت ڈاکٹر کی کوششوں سے [illegible] رہی تھی۔

کچن کے قریب راہداری میں پڑی ہوئی فناندو کی لاش [illegible] میں رکاوٹ پیدا کر رہی تھی۔ لہٰذا انتھی کاووا اسے گھسیٹتا ہوا لے آیا اور ہم دونوں نے اسے ایک نشست پر ڈال دیا [illegible] مرنے والا اس انداز میں اپنی نشست پر بیٹھا ہوا تھا جیسے [illegible] سریع الاثر زہر دونوں [illegible] کے جسم کے کھلے ہوئے حصوں کی رنگت نیلی اور سیاہ ہو [illegible] ان کی طرف غور سے دیکھنے پر خوف آنے لگتا تھا۔

کتاچوڈو کی لاش راستے سے ہٹانے کے بعد [illegible] کیبن اور اپنا سفری تھیلا بھی پیچھے [illegible] کے سروں پر زیادہ [illegible] بیٹھ گئے۔

اس دوران میں فلائٹ کچن سے [illegible]

[illegible] کے بعد کھانے کا دور چلنے والا تھا۔

"[illegible] خان! اس [illegible]؟" انتھی کاووا نے مجھ سے سوال کیا۔

"[illegible] محفوظ رکھو" میں نے اسے مشورہ دیا "کیونکہ میں جانتا [illegible] خوراک کی خرابی [illegible] اگر [illegible] تک طیارے سے باہر نہ جا سکیں تو وہ بعد میں کام آ جائے [illegible] ہے کہ تم [illegible] کام چلاؤ۔"

دوسری پیش بینی کا قائل ہو گیا۔

اس نے پیرس سے بیک ڈاگ کی دو بوتلیں منگوا لیں [illegible] اپنے ایئر بیگ میں ڈال لی اور دوسری کھول کر میرے ہمراہ [illegible] مے نوشی میں مصروف ہو گیا۔

تین پیگ کے بعد اس نے دوسری بوتل بھی بند کر کے اپنے بیگ میں ڈال لی۔

اسی وقت کیبن میں لگے ہوئے اسپیکر آن ہو گئے جن پر اوتوموکی چیختی ہوئی آواز سن کر میں بری طرح چونک پڑا۔

"واپس چلے جاؤ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" اوتوموکی غصیلی آواز سنائی دی۔

"مادام! میں ان سے رابطے کی کوشش کر رہا ہوں۔" طیارے کے کپتان کی نرم آواز سنائی دی۔ اس کے لہجے سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ بدلی ہوئی صورت حال سے خائف تھا۔

"[illegible] کالنگ فیلڈ [illegible]" کپتان کی ٹھہری ہوئی آواز سنائی دی۔ فیلڈ [illegible] کے الفاظ [illegible] کے اعصاب پر بم کے دھماکے کی طرح گرے۔ میرے ساتھ انتھی کاووا بھی اچھل کر اپنی نشست سے کھڑا ہو گیا۔

چند [illegible] منٹ کی کوششوں کے بعد وائرلیس کے توسط سے ایک بھرائی ہوئی آواز اسپیکر پر سنائی دی۔ "فیلڈ [illegible] اوور۔"

"میرا طیارہ اغوا کیا جا چکا ہے......" کپتان کی آواز سنائی دی جسے اوتوموکی نے چیختے ہوئے لہجے میں منقطع کر دیا۔

"[illegible] اپنے ٹھکانوں کی طرف لوٹ جاؤ۔ طیارے پر میرے ساتھیوں کا مکمل کنٹرول ہے اگر انہیں ہراساں کرنے کی کوششیں جاری رہیں تو ہم طیارے کے فضا میں ٹکڑے اڑا دیں گے۔"

"یہ کیا پاگل پن ہے؟" ایک مسافر وحشت زدہ ہذیانی انداز میں [illegible] اسرائیلی فیلڈ اس بد نصیب طیارے کا تعاقب [illegible]

جس کے ساتھ بیشتر مسافروں نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں [illegible] سب بری طرح چیخ رہے تھے۔

"سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جائیں۔" طیارے پر [illegible] کے آثار دیکھ کر میں دہاڑا۔

میری آواز کا ان پر حیرت ناک اثر ہوا اور ہر مسافر فوراً اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

"تم طیارے کو غلط راستے پر لے جا رہی ہو۔" فیلڈ والے کسی ہوا باز کی بھرائی ہوئی آواز اسپیکر پر سنائی دی۔

"میں اپنا کام خوب جانتی ہوں تم جہنم میں جاؤ!"

"آخر خدا کے لیے آپ لوگ لوٹ جائیں!" اوتومو کے فوراً بعد بوئنگ کے کپتان جان ہنٹ کی آواز ابھری۔ "یہ لوگ پوری طرح لیس ہیں، طیارے کے محافظ کمانڈو مارے جا چکے ہیں۔ ہمارا تعاقب کر کے آپ ہمارے لیے سہولت کی بجائے پریشانیاں پیدا کر رہے ہیں۔ اوور!"

"کنٹرول کالنگ بی فائیو سیون ٹو!" اچانک اسپیکر پر ایک تیسری کمزور آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ریڈیائی شور بھی بہت بڑھ گیا تھا۔

"بی فائیو سیون ٹو رسیونگ!" فیلڈ کے ہوا باز کی آواز سنائی دی۔ شاید کوئی تیسرا فریق ریڈیو سیٹ پر ان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"بوئنگ کے کپتان اور اغوا کرنے والی سے تمہاری گفتگو سنی جا چکی ہے۔ تم فوراً بیس پر واپس آ جاؤ۔ اوور اینڈ آل!" اچانک آواز خاموش ہو گئی۔

چند ثانیوں تک اسپیکر پر خاموشی طاری رہی پھر اوتومو کی پرسکون آواز ابھری۔ "تعاقب [illegible] اب وہ واپس جا رہے ہیں۔"

غالباً وہ ریڈار اسکرین پر تعاقب کرنے والوں کو دیکھ رہی تھی۔ [illegible] طیاروں کے ذریعے بوئنگ کا تعاقب کرانا ایک احمقانہ سی بات تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ اسرائیلی فضائیہ کے جنگجو کمانڈر نے بوئنگ کے اغوا کی خبر پہنچتے ہی اضطراری طور پر تعاقب کا حکم دے دیا ہوگا۔ مگر غنیمت یہ تھا کہ ان لوگوں نے بروقت اپنی حماقت محسوس کر لی تھی۔

اس واقعے نے مسافروں کی ڈھارسیں بہت زیادہ مضبوط کر دیں۔ مسافر اسرائیلی حکام کو برا بھلا کہہ رہے تھے جن کے نزدیک انسانی جانوں کے بجائے طاقت کی برتری کا پلڑا زیادہ اہم تھا اور وہ لوگ مسافروں کی جانوں کی پروا کیے بغیر بھی طیارے کی بازیابی کی کوشش کر سکتے تھے۔

ان تبصروں میں مسافر اس توقع کا اظہار کر رہے تھے کہ برلن کے ہوائی اڈے پر مغربی جرمنی کے حکام کسی اسرائیلی کمانڈو گروپ کو تحفظ کے ذریعے طیارہ چھڑانے کی کسی خونی آپریشن کی اجازت نہیں دیں گے۔

وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا، پرواز جاری رہی، خوفزدہ مسافر

لگان کے باوجود سونے کی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکے البتہ دونوں بچے کھیلتے کھیلتے سو چکے تھے۔

الیتھی کاوا اسرائیلی مسافروں دار طیارے پر ماموں کمانڈوز کے مختصر تھیلوں پر قبضہ کر چکا تھا جن میں سے کھانے کے علاوہ کچھ ایسی چیزیں بھی برآمد ہوئیں جو اس کی سمجھ میں آ نہیں سکیں ان کے بارے میں کوئی رائے قائم کر سکا لہٰذا ایسی تمام اشیا الیتھی کاوا نے اپنے ائیر بیگ میں رکھ لیں تاکہ بعد میں فرصت میں کسی ماہر سے ان کا تجزیہ کرا سکے۔

"رکو! میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں!" ایک بوڑھی عورت کی آواز نے ہم دونوں کو چونکا دیا۔ وہ اپنی نشست سے اٹھ کر ہماری طرف نگراں تھی۔

"چلی آؤ!" الیتھی کاوا نے کہا۔

بڑھیا نشستوں کا سہارا لیتی ہوئی ہماری طرف آ گئی۔ سب مسافر نشستوں سے اچک کر گردنیں گھمائے اسے دیکھ رہے تھے۔

"میرا نام مسز جوان آرلنگٹن ہے۔" عورت قریب آ کر انگریزوں کے روایتی انداز میں بولی۔

"تم نے تعارف حاصل کر کے خوشی ہوئی بیٹھ جاؤ۔" میں نے مخصوص انداز میں پہلے پر ایک نشست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔" وہ طویل سانس لے کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "تم لوگ خاصے شریف النفس معلوم ہوتے ہو۔"

"ہم اس کارروائی پر مجبور کیے گئے ہیں ورنہ ہمیں اس بدنصیب پرواز کے تمام مسافروں سے اس حد تک ہمدردی ہے جہاں تک ہماری سلامتی متاثر نہ ہوتی ہو۔" الیتھی کاوا سنجیدگی سے بولا۔

"یعنی تم اپنی مرضی سے طیارہ اغوا نہیں کر رہے ہو؟" مسز آرلنگٹن نے گہرا میز پر گزشتہ نا جیسے بولی۔ "یہ نا قابل یقین کی بات ہے۔"

"اسرائیلی حکام کے وحشیانہ مظالم نے ہمیں اس فعل پر مجبور کیا۔"

"تم غریب تو معلوم نہیں ہوتے۔" بڑھیا کے اداس اور پژمردہ چہرے پر دلچسپی کی علامات لحظہ بہ لحظہ گہری ہوتی جا رہی تھیں۔

"تم ہمارا شجرہ معلوم کرنے آئی ہو؟" الیتھی کاوا نے مسکرا کر بولا۔

"اوہ... میرا یہ مطلب نہیں۔" مسز آرلنگٹن لڑکھڑا گئی۔ "وہ... دراصل کل میری لندن میں موجودگی بہت ہی ضروری اور ناگزیر ہے۔"

"اگر طیارہ اترنے کی بجائے مطالبات مان لیے گئے تو تمہیں فوراً نجات مل جائے گی۔"

"کل میری بیٹی... ویں سالگرہ ہے۔" مسز آرلنگٹن دھیمی آواز میں بولی۔ "میری بیٹی اور داماد نے لندن میں ایک بڑی پارٹی کا اہتمام کیا ہے میرے نہ پہنچنے سے انہیں بڑی مایوسی ہوگی اور ویسے بھی انہیں پیشگی اطلاع دیئے بغیر جا رہی ہوں۔ مسافروں کی فہرست جاری ہونے سے پہلے انہیں علم بھی نہ ہو سکے گا کہ میں تمہارے یرغمالیوں میں شامل ہوں ان بے چاروں کو بہت پریشانی ہو جائے گی۔"

"میری عمر صرف تیس سال ہے۔" الیتھی کاوا آگے جھک کر بولا۔ "اور میری بیوی کسی بھی وقت میرے پہلے بچے کی ماں بننے والی ہے یہاں زندگی اور موت کے درمیان جھول رہا ہوں۔ تمہاری بیٹی کی سالگرہ میرے پہلے بچے کی ولادت سے زیادہ اہم ہے؟"

"اگر میرے ساتھ خصوصی برتاؤ کیا جائے تو بہت..." مسز آرلنگٹن بحث میں الجھنے کے بجائے براہ راست غرض پر آ گئی۔

"تمہیں برلن پر اتار بھی دیا گیا تو جیکو بن حکام تمہیں لے لیں گے۔ وہ تم سے اغوا کرنے والوں اور یرغمالیوں کے بارے میں ساری کہانیاں سنیں گے اور تم اپنی سالگرہ لندن میں نہ منا سکو گی بہتر یہی ہے کہ تم اپنی نشست پر بیٹھ کر جانے کا انتظار کرو۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ انہیں تمہارے بارے میں کبھی نہ بتاؤں گی۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تمہیں رہا نہ کیا گیا تو میں اپنی طرف سے ایک قیمتی پرفیوم خرید کر تمہیں تحفے میں دوں گا تاکہ تمہیں کا لطف آ سکے۔" الیتھی کاوا بولا۔ "اب تم جاؤ۔"

بڑھیا مایوس ہو کر واپس چلی گئی۔

"اس وقت ہم چیکوسلواکیہ کی فضائی حدود میں داخل ہو چکے ہیں۔" اسپیکر پر کپتان جان جیمز کی آواز گونجی۔ "اب طیارے پر فلسطینی گروپ کی کمانڈو کا کنٹرول ہے۔ وہ مسلسل برلن سے رابطہ قائم کر رہے ہیں۔ مسافر تازہ ترین صورت حال کے لیے سب لوگ حفاظتی بند باندھ لیں، برلن کے کنٹرول ٹاور کے اہلکاروں سے کام ہیں۔ کچھ دیر بعد ہم برلن ائیرپورٹ سے رابطہ قائم کرنے کی پوزیشن میں آ جائیں گے۔"

یہ اطلاع بہت سنسنی خیز تھی۔ مسافروں نے یکبارگی میں سرگوشیاں شروع کر دیں اور اپنی اپنی حفاظتی بیلٹیں باندھ لیں۔ میری اور الیتھی کاوا کی آنکھیں چار ہوئیں اور اس کی سی مسکراہٹ کے ساتھ نظریں جھکا لیں۔

"تم کچھ متفکر ہو؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"نہیں تو۔"

"پھر کیا بات ہے؟"

"اب ہماری مہم کا اصل اور مشکل مرحلہ شروع ہونے والا ہے۔"

"حالات پوری طرح ہمارے قابو میں ہیں۔"

"فضا میں ہزاروں فٹ کی بلندی پر پرواز کے دوران مسافر مجبور ہو جاتا ہے۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "کیونکہ وہاں اس کی کوئی بھی حیثیت نہیں۔ زمین پر صرف دو مرحلے ہی خود داری کے

استحکام بخشے ہیں۔ لینڈ کرنے کے بعد صورت حال آتی خطرناک نہیں رہتی اور بھی ہر مسافر پر کڑی نگرانی رکھنا ہوگی۔"

"تو کیا اس بات سے خائف ہو؟"

"نہیں!" وہ قدرے چڑ کر بولا۔ "میرے لیے موت بے حقیقت ہے زندگی سے اتنی محبت ہوتی تو اس وقت تمہارے ساتھ نہ ہوتا۔ بس ذرا بیوی کا خیال آ رہا ہے۔"

"اسے بھول جانے کی کوشش کرو شاید ساکی تمہاری مدد کر سکے۔"

اس نے ائیر بیگ میں سے ساکی کی نئی بوتل نکال کر کھولی اور منہ سے لگا کر کئی گھونٹ اپنے معدے میں انڈیل لیے۔

جان ہنٹ وائرلیس پر مسلسل کسی جرمن اسٹیشن سے رابطے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ اسپیکر پر ریڈیائی شور اور اس کی آواز بھی سنائی دے رہی تھیں۔

کم و بیش پینتالیس منٹ بعد اسپیکر پر کرخت جرمن لہجہ سنائی دیا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ فیصلہ کن لمحات تیزی سے قریب آتے جا رہے تھے۔

میں نے اسرائیل کی خون آشام سرزمین سے رہائی کا جو خواب دیکھا تھا وہ بڑی حد تک شرمندۂ تعبیر ہو چکا تھا مگر اب دیکھنا یہ تھا کہ مکمل آزادی کب نصیب ہوتی ہے۔

جان ہنٹ نے ... انگریزی میں جواب دیا ... جانے کے بعد جرمن کی آواز سنائی دی۔

"برلن ائیرپورٹ کنٹرول ٹاور تم سے مخاطب ہے۔ تم کون ہو؟" جرمن نے کسی ... کی طرح الیتھی کی طرف گھما دیا۔

"میں ... کے لیے رک رہا ہوں ... کیا ہے۔ ہم برلن ائیرپورٹ پر اترنا چاہتے ہیں ... ہماری مدد کی جائے۔"

دوسری جانب چند لمحوں کے لیے سناٹا چھا گیا پھر جرمن کی آواز سنائی دی۔ "اعلیٰ حکام کی اجازت کے بغیر اجازت نہیں مل سکے گی۔"

اس وقت تک طیارہ بہت نیچے پہنچ چکا تھا اور دور نشیبوں سے ... نظر آ رہا تھا۔

"فوراً اجازت دو۔ ہم زیادہ دیر تک فضا میں نہیں ٹھہر سکتے۔" ... طیارہ ... ائیرپورٹ کی حدود میں ... مشرق میں چالیس ...

"... کے بعد برلن ائیرپورٹ کی روشنی ... "

عمارت اور روشن رن وے صاف نظر آنے لگے جن پر جابجا کئی طیارے بڑے بڑے پرندوں کی طرح ٹھہرے ہوئے تھے۔

"یکوس ... ہم نیچے آ رہے ہیں۔" ... "یہ جہاز برلن ائیرپورٹ پر نیچے اتر رہا ہے۔" اچانک اسپیکر پر ٹاور کی بجائے ایک اور بھاری مردانہ آواز سنائی دی۔

"اگر ہماری ہدایات نہ مانی گئیں تو ہم کریش لینڈنگ کر رہے ہیں گے۔" اور آواز غیظ آلود تھی۔ "جہاز پر میرے ساتھیوں کے علاوہ تیس مسافر اور عملے کے چھ افراد موجود ہیں۔ ان سب کی جانوں کی ذمہ داری اس وقت تم پر ہے۔ فوراً اپنے کسی اعلیٰ افسر کو ریڈیو روم میں بلاؤ۔"

"میں اس ائیرپورٹ کا ڈائریکٹر جنرل بول رہا ہوں۔" وہی آواز پھر سنائی دی۔ "ہمیں پہلے سے طیارے کے اغوا اور اس کی منزل کے بارے میں اطلاعات مل چکی تھیں۔ برلن ائیرپورٹ پر کریش لینڈنگ کی کوشش خودکشی اور بربادی ثابت ہوگی اور ہم پوری قوت کے ساتھ اس کی مخالفت کریں گے۔"

کئی کمزور دل مسافروں پر دہشت کے باعث ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی۔ لوگ بلند آوازوں میں آنسوؤں اور مصائب سے نجات کی دعائیں مانگنے لگے۔

طیارہ ائیرپورٹ کی جگمگاتی عمارت سے گزر کر دائرے کی صورت میں ... اور اس کی بلندی بھی ... ہو چکا تھا۔

"یہ ... بھی ... ڈوبنے کی ... کنٹرول ..."



گھٹنوں میں گھسے ڈالو تو موکا اشتعال بڑھتا جا رہا تھا۔

اوتوموکے اس اعلان کے ساتھ ہی طیارے میں قیامت برپا ہوگئی۔ لوگ بے اختیار دھاڑیں مارنے لگے۔ کئی مسافر نشستیں چھوڑ کر ایسٹ کورٹ کی طرف لپکے مگر ہائی جیکروں نے انہیں ان کی قمر میں ڈبل لگا کر [illegible] جانے پر مجبور کر دیا۔

طیارہ ایئرپورٹ پر چند منٹ ہی رکا تھا کہ ایک حیرت انگیز تاریکی سی چھا گئی۔ [illegible] اطراف میں لگی ہوئی روشنیوں سے بے کر عمارات تک تاریکی میں ڈوب گئیں۔ فضا میں صرف [illegible] کی بلندی کو ظاہر کرنے والی سرخ وارننگ لائٹ روشن رہ گئی۔

"سرچ لائٹ روشن کرو۔" اوتوموئے شاید کپتان کو حکم دیا کیونکہ فوراً ہی جہاز کے نچلے حصے سے تیز روشنی کا ایک حلقہ سا ایئرپورٹ پر پھیل گیا۔ اس تیز روشنی میں [illegible] بھاری گاڑیاں بکھری نظر آئیں جنہیں [illegible] کے ساتھ رن وے پر لایا گیا تھا تاکہ رن وے کو استعمال کرنا ناممکن ہو جائے۔

"وہ ہمیں ایندھن کی کوئی ہی صورت میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔" [illegible] ایئرپورٹ کے [illegible] جنرل کی [illegible] ہم اپنے [illegible] ہی طے کر لیں [illegible] اور وقت برباد نہ کرو۔

"طیارے کا رخ [illegible] کی طرف موڑ لو۔" اوتوموکی بڑھکتی آواز [illegible] برلن ایئرپورٹ سے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔ [illegible] سے خارج ہوتے [illegible] کا محور [illegible] طیارہ [illegible] اوپر اٹھنے لگا۔

طیارے کے اغوا کی اس واردات میں براہ راست ملوث ہونے کے بعد مجھ پر [illegible] بہت سے پہلو واضح ہو گئے تھے۔

اس نوعیت کے [illegible] جرم کے لیے منصوبہ بندی کرنے [illegible] کے کانوں تک [illegible] یہ تھا کہ [illegible] اغوا شدہ طیارہ [illegible] کی پیشگی اجازت [illegible] کے بعد [illegible] مسافروں [illegible] ان کے [illegible] ذہنی صلاحیتیں [illegible] کر رہا کرتی ہیں۔

اوتوموئے شاید طیارہ اغوا کرنے کے لیے برلن کا انتخاب اس لیے کیا تھا کہ [illegible] سلوک کی امید تھی پھر وہ توقع بھی [illegible] کی بھی توقع [illegible] کر پولیس کارروائی میں کسی بے جا [illegible] ہونے کے [illegible] سے کامیابی کی کوئی امید نہ ہو سکی۔

مگر یہ بات [illegible] برلن ایئرپورٹ سے فارغ کر [illegible] کے بعد اس نے محض اپنی [illegible] کے لیے

طیارہ برلن میں اتارنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اس کا رخ [illegible] کی طرف پھیر دیا۔

میں ایشیائی باشندے ہونے کی بنا پر اکانومی کلاس میں [illegible] میں بیٹھا تھا۔ میری نشست فرسٹ کلاس اور کاک پٹ کے [illegible] جہاں واقعات کی جھلک بخوبی دیکھ سکتا اور وہاں ہونے والی [illegible] گفتگو بھی سن سکتا تھا۔

میں نے اپنی اس خوش قسمتی پر [illegible] اوتوموکی سرگرمیاں [illegible] وہ [illegible] میں جتنا دوشمن [illegible] سے نہیں [illegible] کا انتظار کرو۔

"اب ہمارا ہی مشکل ہے۔"

"ہم توقع رکھتے ہیں کہ وہ خود اپنے آپ کو [illegible]" [illegible] ان ایک [illegible] ہماری ہر چال بچانا ہے جو [illegible]

اور وہ درست ہی کہہ رہا تھا۔ [illegible] کا کوئی موقع ملا تھا کیونکہ تھوڑی دیر بعد ہی [illegible] پھر دونوں مسافروں سے الگ ہو کر [illegible] پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"جہاز میں ایندھن ختم ہو رہا ہے۔" [illegible] نے [illegible] میں کہا۔

"تو کیا ہم ابھی [illegible]"

[illegible] یہ وہی بات ہے [illegible] جو [illegible] کو [illegible] بیٹھا [illegible] ہم [illegible] میں [illegible] گئے۔

"اگر وہاں بھی برلن والا سلوک ہوا؟" [illegible] نے پوچھا۔

"اس وقت یورپ کے تمام ہوائی اڈوں کو طیارے کے اغوا کا علم ہو چکا ہے۔ [illegible] کر رہے ہیں ان میں سے [illegible] لینڈنگ کی اجازت دینے سے انکار کر چکے ہیں۔"

"ہمارے مطالبات کیا ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"وہ دو قیدی جن کی رہائی کے لیے ہم [illegible] سے چند ماہ قبل [illegible] کے الزام میں [illegible] جیل خانوں میں [illegible] انہیں رہا کروانا چاہتے ہیں۔"

"تو کیا مسئلہ [illegible] بھی ہو [illegible] لگے؟"

[illegible] تمام مطالبات [illegible] اور [illegible] کہ [illegible]

اس کے [illegible]

بڑی بے چینی اور [illegible] کر بیٹھ گیا۔ وہ جو صرف [illegible] زیادہ [illegible] ایسے [illegible]

[illegible] طیارے کی ہی صورت میں [illegible] ہو کر [illegible]

[illegible] ہاتھ کا [illegible] ہو گئے اور [illegible] کے

کرنے کی [illegible] پر باری باری [illegible] کیا اور [illegible] بھیج [illegible]

[illegible] فرسٹ کلاس میں [illegible] نے جگہ کا بندوبست کر لیا تو [illegible]

"تم کوئی ایسا ہی کام تو نہیں جو کیا؟" میں نے [illegible] پوچھا۔

[illegible] ہے [illegible] اور جو لوگ ایسے مسافروں کو [illegible] اس کے ہی [illegible]

[illegible] اس وقت میں [illegible] کے مستحق نہیں تھے۔

"میں اس کے خلاف ہوں۔" [illegible] نے [illegible]

"یہ [illegible] کے معاون ہو سکتے ہیں۔"

"میں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی مسافر [illegible] امداد نہیں ملی کے باعث جہاز میں مر جائے۔ [illegible] پر بھی بہت زیادہ اثر پڑا ہے کہ وہ [illegible] ہو گئے۔ [illegible] انسانی اقدار بھی ہیں یقین رکھتے ہیں۔" [illegible] نے کہا۔

[illegible] کے لیے [illegible]

طیارے کا سفر [illegible] کسی ہنگامے کے بغیر جاری رہا اور جب [illegible] کا [illegible] ایئرپورٹ قریب آیا تو صبح طلوع ہونے والی تھی۔

[illegible] والے اوتوموکے [illegible] کے مطابق [illegible] ایئرپورٹ پر طیارے کو [illegible] ہوائی اڈے پر اترنے کی اجازت مل گئی۔

طیارہ بلندی سے نیچے آیا تو [illegible] بارش [illegible] کے باعث [illegible] روشنیاں دھندلائی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

طیارہ [illegible] کرتے ہوئے [illegible] ایک خفیف جھٹکے کے ساتھ [illegible] ایئرپورٹ کی زمین چھو لی۔

طیارے کو [illegible] لگانے کے لیے جونہی [illegible] چلائے گئے [illegible] چند [illegible] کی طرح [illegible] نکلا [illegible] ساتھ [illegible] ختم ہوتا چلا گیا۔

آخرکار ہمارا طیارہ [illegible] رن وے پر رینگتا ہوا ایئرپورٹ کے ایک [illegible] جہاں [illegible] کی مدھم روشنیوں کے سوا کوئی نمایاں روشنی نہیں تھی۔

طیارے کے انجن بند ہونے کے بعد اس علاقے میں [illegible] کی روشنیاں بھی [illegible] گہرا سناٹا [illegible] پھیل گیا۔

[illegible] میں کھڑکی سے باہر ایئرپورٹ کی روشن عمارت [illegible] دیکھ رہا تھا جو تیز بارش کے پس منظر میں نہایت خواب ناک معلوم ہو رہی تھی۔

[illegible] عمارت کی طرف سے کئی [illegible] گاڑیاں [illegible] طیارے کی طرف آتا ہوا نظر آیا۔

[illegible] کے [illegible] کے ٹینکر اور [illegible] وغیرہ [illegible]

پہلے کو دیکھ کر بارش کی پروا کیے بغیر طیارے کے چاروں طرف پھیلتے چلے گئے۔

طیارے میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ تمام مسافر سانس روکے کسی اپنے مقدر کے فیصلے کے منتظر تھے جو انہیں بے یقینی کی اس مسلسل کشمکش سے نجات دلا سکے اور اوتوموکا اپنے ہتھیاروں سے لیس کسی شکاری چیتے کی طرح ایک ایک فرد کا جائزہ لے رہا تھا۔

طیارے سے ایئر کنڈیشنگ یونٹ، ڈیزل جنریٹر، ویکیوم کلیننگ یونٹ اور فیولنگ یونٹ وغیرہ جوڑے جا رہے تھے کہ فرسٹ کلاس سے کسی نے آ کر مجھے پکارا۔

میں اپنے ہتھیار اٹھائے پھرتی سے اُدھر پہنچا تو ایک سرخ و سفید تنومند نوجوان راہداری میں کھڑا نظر آیا۔ وہ بی جیاسن اسٹیوارٹ تھا اس کے علاوہ وہاں سات افراد موجود تھے۔

"مادام بیمار ہیں۔" بی جیاسن نے گردن سے کاک پٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میں آگے بڑھا ہی تھا کہ اوتوموخود باہر آ گئی۔

"فرسٹ کلاس میں ان دل کے مریض ہیں اگر ہماری طرف کوئی مریض ہو تو اسے ادھر لے آؤ۔ بچوں کو بھی لیتے آنا اس طرف بیٹھی لگائی جا رہی ہے۔"

"دروازہ کھولا جا رہا ہے تو کیوں نہ دونوں لاشیں بھی نکال دی جائیں۔" میں نے کہا۔

"کسی مسافر کی مدد سے پہلے لاشیں ادھر لے آؤ، تم دروازے کے سامنے موجود رہو گے۔ اگر کوئی مشکوک شخص اندر آنے کی کوشش کرے تو بے دریغ اسے ٹھکانے لگا دینا۔ میں نے سفید پوش عملے میں دو ڈیسپلز حضوں کو اندر آنے کی اجازت دی ہے۔"

میں سر ہلا کر واپس لوٹ گیا۔

مرنے والے سیموئی کمانڈو تھے مدد فی ثابت ہوئے۔ میرے حکم پر دو تنومند مسافروں نے ان کی اکڑی ہوئی نیلی لاشیں مقررہ جگہ پر رسی سے باندھ ڈال دیں۔

اس کے بعد میں نے دونوں بچوں سمیت چھ مسافروں کو فرسٹ کلاس میں لے گیا۔ ایشیائی کو اوکی سفارش پر بی جیاسن اسٹیوارٹ کو بھی ساتھ لے لیا تھا اس مہربانی پر فرط مسرت سے اس بڑھیا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

اندر کی تیاریاں مکمل ہونے کے بعد ہم تمام مسافروں کے درمیان ایک جگہ پر بیٹھ گئی جہاں سے وہ پوری کارروائی کی نگرانی کر سکے۔ میں نے دروازے کے مقابل مورچہ سنبھال لیا۔ بی جیاسن بھی ایک طرف کھڑا ہو گیا اور اوتوموکے اشارے پر ایک ایئر ہوسٹس نے فرسٹ کلاس کا دروازہ اوپر اٹھا دیا۔

ٹرک پر نصب سیڑھی دروازے کے قریب ہی موجود تھی اور اس کے اوپر سفید یونیفارم پوش کھڑے ہوئے بارش میں بھیگ رہے تھے۔ چند سیکنڈ میں سیڑھی طیارے سے آ لگی اور وہ دونوں سفید پوش ڈاکٹر

جھٹکے اندر آ گئے۔ سامان کے ہاتھ خالی تھے اور بیاس میں بھی بظاہر کسی ہتھیار کی موجودگی کا امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔ اندر آ کر وہ لاشوں کے قریب رک گئے۔

"مریض بعد میں آ رہی گے پہلے یہ لاشیں لے جاؤ۔" ایز کو نے ان سے کہا۔

انہوں نے ادب سے سر کو خم کر لیا اور اسٹریچر لیتے واپس چلے گئے۔

سیڑھی کے پاس چار ایمبولنس گاڑیاں تیار کھڑی ہوئی تھیں جن کی چھتوں پر تیز سرخ روشنی دائرے کی صورت میں گردش کر رہی تھی۔

دونوں لاشیں پہنچتے ہی ان میں سے ایک ایمبولنس تیز رفتاری سے روانہ ہو گئی۔

پھر وہ پھوں سے زخمی مسافروں کو ہٹایا گیا۔ دل کے مریضوں کو بھی نرس بار باری اسٹریچر پر ڈال کر لے گئے۔

یہ کارروائی پوری ہوتے ہی سیڑھی ہٹا کر طیارے کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

طیارے کے پاس قریب ہی کھڑے ہوئے کچھ اعلیٰ عہدے دار بھی موجود تھے جو قطعی بے چینی سے بیٹھے ہوئے مسافروں سے ملنا اور ان سے عزیزوں کے پیغامات وصول کرنا چاہتے تھے مگر اوتورو نے انہیں اس کی اجازت نہیں دی۔

بورڈنگ کرو تقریباً چار گھنٹے تک سارا دن ائرپورٹ پر رکا رہا۔ اس دوران میں ایندھن بھرنے کے ساتھ ہی کل پرزوں کی دیکھ بھال بھی کی گئی۔ آخر کار کنٹرول ٹاور سے طیارے کو پرواز جاری رکھنے کی اجازت مل گئی۔

باہر دن طلوع ہو چکا تھا مگر بارش ابھی زور شور سے جاری تھی مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے ائرپورٹ کی روشنیاں بدستور جل رہی تھیں۔

جب اوتورو نے کنٹرول ٹاور کو روانگی کے ارادے سے آگاہ کیا تو فوجیوں کا حفاظتی حصار ہٹا لیا گیا۔ وہ ٹرک جیپوں اور ٹرکوں میں سوار ہو کر طیارے سے اتنی دور چلے گئے تھے کہ انجن کی زد میں نہ آ سکیں۔

دیگر مشینیں اور اسباب پہلے ہی ہٹایا جا چکا تھا۔

آخر کار بورڈنگ کے خوابیدہ انجن یکے بعد دیگرے چلا دیے گئے اور چند منٹ بعد طیارے نے رن وے کے وسط میں رینگنا شروع کر دیا۔

چند منٹ سے پہلے تیزی سے دوڑتے ہوئے طیارے کے اڑنے تک کوئی غیر معمولی آواز نہیں سنائی دی جو اس بات کی غماز تھی کہ سارا ائرپورٹ کا عملہ کے حوالے مستعد رہے بہت بہتر تھا۔

طیارہ زمین چھوڑ کر فضا میں بلند ہو گیا تو اوتورو کے پیٹ سے بار اتر گئی۔ اس وقت چلتی باد اس نے چاروں کو ایک جگہ جمع کیا اور سفر کے آئندہ مرحلے کے ورود آنے والے متوقع واقعات کی منصوبہ بندی کی جانے لگی۔

چیرمین سے بیلڈنگ تک نہ صرف گھنٹے کا فضائی سفر غیر معمولی خاموشی کے ساتھ طے ہوا۔ یہ خاموشی کچھ ان ہی معلوم ہو رہی تھی جو طوفان سے پہلے ماحول پر محیط ہو جاتی ہے۔

بیلڈنگ ائرپورٹ کا عملہ اوتورو کی توقع کے عین مطابق [illegible] اس وقت وہاں سے دس منٹ کے اندر اندر [illegible] لہٰذا بورڈنگ کا ہوائی طیارے کو شہر سے دور [illegible] دیا گیا۔

مقررہ وقت گزرنے کے بعد سنٹرل ٹاور سے کسی نے [illegible] لینڈنگ پوزیشن میں آ گیا اور اس دوران طیارے کو [illegible] نتیجے میں آن دوڑا گیا۔

طیارہ ہمیشہ سے پہلے ائرپورٹ سے گزر کر [illegible] چل پڑا تھا جو رن وے پر آتے ہی طیارے کے قریب آ گیا اور جب ٹیلیفون پر رابطہ قائم کر دیا گیا۔

رابطہ قائم ہوتے ہی پتہ چلا کہ اسی کی [illegible] حکام اسرائیلی سفیر سمیت باہر موجود تھے۔

"سب لوگوں کی اطلاع کے لیے یہ اعلان کیا جا رہا ہے [illegible] کہ بیلڈنگ کی ان دونوں غیب انقلاب کی [illegible] ہیں انقلابات کے ہر ممکن تقویت کرنے [illegible] گزار رہے ہیں۔" اوتورو نے ریڈیو سیٹ پر کہا۔ "گھر واپسی [illegible] پرواز گھنٹے گزرنے سے قبل ہمارے پاس آ جانا چاہیے [illegible] ذمہ داری اسرائیلی حکام پر ہو گی۔"

"ہم اس موضوع پر تفصیل سے بالمشافہ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔"

"کوئی اسرائیلی افسر طیارے پر قدم نہیں رکھ سکتا [illegible] مگر ہم جاپان کی وزارت خارجہ سے تعلق رکھنے والا [illegible] طیارے پر صرف دو آدمیوں کو آنے کی اجازت [illegible] اس فراخدلی کا شکریہ۔ ہم تو تمہارے کہنے پر تیار تھا۔ میں منتظر ہوں۔"

چند منٹ بعد فرسٹ کلاس کا دروازہ [illegible] کوٹ پہنے ایک کرنل اندر آیا [illegible] پولیس کے جوانوں نے گھیرا ڈالا ہوا تھا۔ اس معاملے میں [illegible] بے چینی سے ٹہل رہے تھے اور پولیس والوں کے پیچھے [illegible] اور فوٹو گرافروں کا ایک ہجوم تھا جو طیارے کا دروازہ کھلتے [illegible] عدسوں کی مدد سے آنا اور بنانے میں مصروف تھے۔

سیڑھی لگنے کے بعد ہوٹلوں میں ملبوس دو افراد اپنے [illegible] اوپر چڑھ کر طیارے میں آ گئے۔

"ہم بالکل غیر مسلح ہیں تم ہماری تلاشی لے سکتے ہو۔" اندر آتے ہی ان میں سے ایک نے کہا۔

اوتورو کے اشارے پر کسی نے ان کی تفصیلی جامہ تلاشی لی۔

[illegible] فرسٹ کلاس میں بھیج دیا گیا۔ [illegible] پہنچا دیا اور جاپان ایمبیسیڈ کی [illegible] پر بیٹھ گیا۔ [illegible] جب تک آپ ٹیلیفون [illegible] ہمارے دونوں کو فرسٹ کلاس میں لے گئی۔

"[illegible] کے مطالبات کے علاوہ اس [illegible] مسافروں اور عملے کی سلامتی [illegible] خواتین اور بچوں کو [illegible] کے مطابق [illegible] ہمارا مطالبہ پورا کر دیا جائے تو ہم تمہارے لیے کسی پریشانی کا باعث نہیں بنیں گے۔" اوتورو نے اٹل لہجے میں کہا۔

"تمہارے مطالبے کا تعلق اسرائیلی حکومت اور اس کی پالیسی سے ہے جس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"ہم تمہارا پیغام انہیں پہنچا سکتے ہیں۔"

"اسرائیلی سفیر باہر موجود ہے۔ اس سے بات کر کے کام چلے گئے [illegible] مطالبہ ہے کہ اس کا فوری عمل سخت ہے۔ [illegible] سفارتکاروں کی سطح پر ہوں تب ہو گا اور اس کے لیے وقت لگ جائے گا۔"

"تمہارا بیس سے رابطہ قائم ہو گیا ہے۔ [illegible] کا بینہ کا ہنگامی اجلاس شروع ہونے والا ہے جس کے بعد کوئی بات سامنے آئے گی۔ اس سے قطع نظر ہم اپنی حکومت کی جانب سے ایک [illegible] پیشکش کر رہے ہیں۔"

"ہم اپنے مطالبے پر کسی سمجھوتے پر تیار نہیں۔" اوتورو نے سختی سے کہا۔ [illegible] اس لڑکی کی قربت [illegible] کے ساتھ صورتحال سے نمٹنے کو تیار تھی۔ [illegible] ہمارے ساتھیوں کے اشارے پر [illegible] ہاتھا کر دیں۔

"یہ ہمارا تم جانتے ہو ان سے زیادہ اپنے ساتھیوں کی آزادی عزیز ہے۔" "اس لیے اسرائیلیوں نے ہمارے مطالبات تسلیم نہ کیے تو [illegible] طیارہ بم سمیت راکھ کا ڈھیر بن جائے گا۔" اوتورو نے [illegible] میں کہا۔

[illegible] کے چہرے پسینوں میں تر ہو رہے تھے [illegible] اپنے دو ساتھیوں [illegible] انسانی جانوں سے کھیل سکو گی۔ "تمہاری یہ کارروائی انتہائی [illegible]"

سونپ گئے تھی۔"

"ہمیں اطلاعات پہنچی ہیں کہ ملک اور توثیق شدہ تمہیں اپنی اطلاع کو جو سے زیادہ اپنی اطلاعات کی ضرورت ہے۔" "ہم برگزیدہ مسافر اسرائیلی شہریت ترک کر رہے ہیں۔"

"وہ طیارے سے اب تیس منٹ گزر چکے ہیں۔" اوتورو نے حقارت سے کہا۔ "ہم جانتے ہیں کہ تمہارے پاس ٹائم بم ہے۔ ہم سے سارے مسافروں پر رحم کرو۔" اس نے زہر آلود سانس لے کر کہا، "ہمیں معلوم ہے۔"

"ہم صورتحال سے نمٹنا جانتے ہیں۔"

"یہ مناسب ہے ہم زخمی مسافروں کو رہا کر دو۔" چند لمحوں کی بوجھل خاموشی کے بعد اس نے آہستہ سے کہا۔

"ساتھی مسافروں کو ہم اسی ائرپورٹ پر چھوڑ چکے ہیں اور بقیہ لوگوں کا حشر ہمارے ساتھ ہو گا۔" اوتورو نے جواب دیا۔

"مگر ان میں سے بیشتر اسرائیل کے شہری نہیں ہیں۔"

"اگر ہمیں اسرائیل کے شہریوں کو قید کرنا ہوتا تو ہم کسی رہائشی عمارت کے مکینوں کو یرغمال بنا لیتے۔" اوتورو بولا۔ "اس طیارے پر دوسرے شہریوں کی موجودگی ہمارے حق میں بہتر ہے۔ ایسے مسافروں کی موجودگی اسرائیل پر زور دینے اور مطالبات کی منظوری کے لیے دباؤ ڈال سکیں گی۔"

"ہمیں مسافروں سے ملنے کی اجازت ہے؟"

"بالکل۔" اوتورو نے بڑی خوشدلی سے جواب دیا۔ "اس کے ساتھ ہی ہمیں طیارے کے مسافروں کی فہرست تیار کرنے کی بھی اجازت ہے۔"

پھر وہ جاپانی اکانومی کلاس میں گئے۔ دونوں اوتورو کے ساتھ تھے [illegible] انہیں کسی سے بات کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

تمام مسافروں کے چہرے پر [illegible] مسافروں اور دونوں [illegible] کرکے تمام مسافروں نے جلد از جلد اس [illegible] مسافروں کی فہرست بنا لی۔ [illegible] جب کہ انہیں مسافروں سے بات کرنے کی [illegible] ایک قسم کی ابتدائی [illegible] تھی۔

فہرست مکمل کر کے وہ دونوں واپس [illegible] چلے گئے۔

طیارے کے ساتھ [illegible] کرنے کی اجازت نہیں دی گئی [illegible] بالکل [illegible] کے بعد [illegible] تھی اور کچھ [illegible] کے ساتھ [illegible]

بندوبست کر رہے تھے تاکہ رات کے وقت وہاں اندھیرے میں غلط فہمی کے باعث کوئی حادثہ پیش نہ آ جائے۔

اوتو نے طیارے کے دونوں دروازے کھلوا دیے تھے تاکہ مسافروں کو تازہ ہوا ملتی رہے۔ نہ صرف یہ بلکہ کچن میں موجود خورد و نوش کا سامان بھی مسافروں کو دیا جا رہا تھا۔

تقریباً تین گھنٹے بعد وہ شخص واپس آتا نظر آیا جس نے پہلی بار اوتو سے بات چیت کی تھی۔

"امریکی حکام ان لوگوں کو رہا کرنے کے لیے تیار ہیں۔" اس نے آتے ہی بتایا۔

"لوگ کب تک یہاں پہنچ جائیں گے؟"

"مقررہ لوگوں کے طیارہ چھوڑنے کے بعد انہیں رہا کریں گے۔ تکنوما اور موجی سو تو کی حالت اس قابل نہیں ہے کہ وہ طویل فضائی سفر کر سکیں۔"

"وہ مکار ہیں۔" اوتو غصیلی آواز میں بولی۔ "ان دونوں کو بارہ گھنٹے کے اندر اندر اس طیارے پر موجود ہونا چاہیے ورنہ پہلی لاش دروازے سے باہر پھینک دی جائے گی۔"

"یہ معاملہ سرکاری سطح پر پہنچ گیا ہے۔۔۔"

"ہم انہیں اسرائیل سے باہر آزاد دیکھنا چاہتے ہیں۔" اوتو نے اس کی بات کاٹ کر تیز لہجے میں کہا۔ "ہم ان یہودی بھیڑیوں کو خوب جانتے ہیں۔ تکنوما اور موجی سو تو کی رہائی کے بعد اگر ٹریک سے کسی اتفاقی حادثے میں کسی ٹرک سے کچلے گئے تو کیا ہوگا؟"

"ہم نے اس زاویے سے صورتحال پر غور نہیں کیا تھا۔" وہ سر جھکا کر بولا۔

"وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔ ہم مہلت میں اضافہ نہیں کریں گے۔" اوتو نے اسی لہجے میں کہا۔

"وقت کی قیمت کا مجھے خود اندازہ ہے۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔ "ہمارا طیارہ آنے کے بعد جہاز کا عملہ [illegible] کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ ہم صورتحال [illegible] نہیں کر سکیں گے۔"

وہ تیزی سے واپس مڑ گیا۔

"بہت اچھا ہوا کہ ایئرپورٹ بند کیا جا چکا ہے۔" اس کے چلے جانے کے بعد میں نے تبصرہ کیا۔ اوتو نے [illegible] اطمینان کا اظہار کیا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "مجھے ڈر تھا کہ یہاں خفیہ طور پر اسرائیلی چھاپہ مار دستہ اتارا جائے۔ وہ بالکل جنونی قوم ہے۔ حملے کی ناکامی کی صورت میں ہونے والے خون خرابے کی پروا کیے بغیر وہ ایسی حماقت کر سکتے ہیں۔"

"مقامی حکومت ایسی کارروائی کی اجازت نہیں دے گی جس کے نتیجے میں اس کی سرزمین پر بلاوجہ خون خرابہ ہو۔"

میدان کنٹرول کرنے کے لیے جارحانہ موڈ میں تھی۔ [illegible]

اوتو بولی۔ "یہ بھی ممکن ہے کہ موجی سو تو اور تکنوما کو [illegible]

پہلا الٹی میٹم [illegible] ہونے سے پہلے ہی باقاعدہ [illegible]

یہ سن کر میں [illegible]

اندیشہ درست ثابت ہوتا تو اس طیارے میں [illegible]

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ [illegible]

نے ہر بار ایک نئی پیشکش کی مگر اوتو [illegible]

اس وقت مختلف ممالک میں [illegible]

ایجنسی نے بتایا کہ اسرائیل کے علاوہ دیگر ممالک [illegible] سلامتی کی خاطر [illegible]

دس گھنٹے اسی طرح گزر گئے تو [illegible] ہونے لگی۔

"ہمیں تھوڑی سی مہلت درکار ہے۔"

"دس گھنٹے گزر چکے ہیں اور دو گھنٹے بعد [illegible] کر دیا جائے گا۔"

"ہم تمام سفارتی ذرائع حرکت میں لا چکے ہیں۔ [illegible] سے پہلے جلد ہی ان کوششوں کے مثبت نتائج سامنے [illegible]

"اسرائیلی حکومت نے کیا موقف اختیار کیا ہے؟"

"وہ دہشت گردی کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں [illegible] دوستوں اور حلیفوں کا دباؤ ڈال رہے ہیں۔"

"ہمیں تمہاری حکومت کے ان اقدامات سے [illegible] جاپانی حکومت [illegible] کوششوں میں [illegible]"

"وہ بڑی خوشی سے طیارے سے باہر آئیں گے۔"

"یہ ملاقات طیارے سے باہر ہو گی۔"

"نہیں اس میں بھی خطرہ ہوگا۔" [illegible]

"مگر اس [illegible] اسرائیلی سفارت خانے [illegible] ہوگا۔ ان میں سے چار افراد [illegible] آدمیوں کی نظر میں ہیں۔"

"اس بات کی پوری احتیاط کی جائے گی۔"

"اور اگر کوئی خلاف ورزی ہوئی تو [illegible]"

وہ اوتو کو پوری یقین دہانی کرا کے چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد طیارے کے قریب [illegible] رستوں [illegible] گاڑیوں میں سوار [illegible] کھڑے ہو گئے۔

ان حالات نے [illegible] صاف ہونے کے بعد [illegible] گرد و پیش کا جائزہ لیا [illegible] اوتو نے [illegible] تمام انتظامات کا جائزہ [illegible]

[illegible] سیڑھیوں سے اترنے لگے۔

[illegible] سیڑھیوں کے قریب [illegible] ملاقات [illegible]

[illegible] تیز قدموں سے واپس چلے گئے۔

[illegible]

[illegible] گھنٹے ہوتے جا رہے تھے۔

[illegible] کا باعث معلوم ہوتے تھے۔

[illegible]

[illegible] دونوں قیدیوں [illegible]

[illegible]

[illegible] اسرائیل کا ایک فوجی طیارہ [illegible] ایئرپورٹ پر [illegible]

[illegible] جان کی [illegible]

کر چکی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ اسرائیلی طیارہ [illegible] ایئرپورٹ پر [illegible]

[illegible]

[illegible] دونوں [illegible]

اسرائیلی طیارے سے اترنے کے چند منٹ بعد وہ دونوں [illegible]

[illegible] ایئرپورٹ [illegible]

اوتو [illegible] ان کی ایک [illegible]

[illegible] اوتو [illegible] جسمانی حالت بہت ابتر تھی۔ ان کے چہرے [illegible]

[illegible] ساتھ اوتو سے [illegible]

طیارے کے [illegible] ان کی ایک جھلک [illegible]

تھے مگر [illegible] اس کی [illegible] کیبن میں [illegible] پڑا ہوا تھا۔

موجی سو تو اور تکنوما کی آمد کے دس منٹ بعد [illegible]

"مسافروں کی رہائی میں کتنی دیر ہے؟" اس نے [illegible] کے ساتھ پوچھا۔

"[illegible] مسافروں کا [illegible] ہو جائے گا اور ان کا اسباب [illegible] ملے گا۔" اوتو نے کہا۔

"وہ کیوں؟"

"ہمارا سفر اس طیارے پر جاری رہے گا۔"

"مگر [illegible] کے لیے ایک طیارہ تیار کھڑا ہوا ہے۔"

"اس کا شکریہ۔ ہم اس طیارے میں پرواز کو ترجیح دیں گے۔"

"وہ ہمارا مستقبل ہے۔"

"وہ پرواز کے بعد پائلٹ کو بتا دی جائے گی۔"

اس کے جانے کے بعد ایک خالی بس طیارے کی سیڑھی کے قریب آ لگی اور مسافر اپنے دستی سامان سمیٹنے کے بعد نیچے اترنے لگے۔

بس کو جانے کی [illegible] مسافروں میں بدنظمی [illegible] پیدا ہوئی [illegible]

آخری مسافر کے اترنے کے بعد اوتو نے دروازہ [illegible] فضا میں [illegible]

پھر سیڑھی ہٹائے جانے کے بعد دروازہ بند کر دیا گیا اور طیارے کا کپتان اپنے ساتھی سمیت اپنے کیبن میں چلا گیا۔

ایئر ہوسٹس نے اپنا اسلحہ [illegible] کے حوالے کر دیا اور [illegible] کی ایک آرام دہ نشست پر [illegible] ایئر ہوسٹس سے [illegible] دوڑنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد طیارے کے انجن اسٹارٹ کر دیے گئے اور کنٹرول ٹاور سے کلیئرنس ملنے کے بعد طیارہ رن وے پر [illegible] لگا۔

[illegible]

[illegible] پائلٹ کے کیبن میں [illegible] موجی سو تو اور تکنوما [illegible] کے تہہ خانے میں [illegible] تھا۔

"اب ہم [illegible] کی طرف پرواز کر رہے ہیں۔" اوتو [illegible] سے باہر آ کے [illegible] لہجے میں بولی۔

"وہاں کے حکام ہم سے تعرض نہیں کریں گے۔" تکنوما نے [illegible]

جیسے میں سوال کیا۔

"آپ لوگ پہلے ہی ذرا اس کا بندوبست کیا جا چکا ہو گا" وہ اور میں نے اس کے قریب ایک خالی نشست پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"سو میٹر تیرنے کے بعد میرا کیا مصرف ہو گا؟" میں نے پوچھا۔

"تم ایشی کا والے کے ساتھ [illegible] جاؤ گے اور جو کچھ بتاتے گئی ہے۔"

"سو میٹر [illegible] ایک ساتھ [illegible] ایک [illegible] ہو گا۔ [illegible] بیٹی کا [illegible] آ رہا ہے گا اور [illegible] وہاں تمہیں [illegible] بہت مختلف ہے۔ جو ہوٹل [illegible] کا ایشی [illegible] رہنمائی کرے گا۔ [illegible] سے رابطے کا کام کرے گا۔ [illegible]

چھ ہوائی [illegible] کالا اور [illegible] گئی۔ جو کچی مرتو اور تکو باشندہ ساتھ رہتے [illegible] سے کوئی بھی کسی قابل نہیں تھا [illegible] صفر انتخاب کر سکے۔

مجھ واپسی کے [illegible] کے فوراً بعد [illegible] ٹکس کا رس چل گئی۔

اور [illegible] ایک [illegible] کو پوری صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے [illegible] کے بعد [illegible] کے پاس ایک [illegible] میں پہنچ جانے جس میں وہ [illegible] کے [illegible] جانے گی اور مناسب آزادی کا یقین ہونے پر حملے کے [illegible] کر دیا جائے گا [illegible] کے بعد [illegible] کلام پوری حفاظت کے ساتھ [illegible] کو [illegible] ملک سے باہر نکالنے کے لیے تیار ہیں [illegible] کے ساتھ [illegible] حملے کو ترجیح [illegible] جائے۔

اور [illegible] ان کے [illegible] پر [illegible] آخری مرحلے پر اپنا [illegible] کے جلسے میں کوئی [illegible] نہیں تھی۔

آخر کار [illegible] سے باہر آئے تو ایک [illegible] ڈرائیور سمیت وہاں موجود تھی۔

[illegible] کا قافلہ [illegible] ایک [illegible] میں سوار ہوا اور [illegible] تیزی کے ساتھ ایک طرف روانہ ہو گئی۔

[illegible] سے نکلنے میں کوئی [illegible] پیش نہیں آئی۔ [illegible] ہدایات دی جا چکی تھیں۔

[illegible] کے قریب ایک ویران [illegible] آ گئے [illegible] ہوٹل [illegible] کے حملے کے [illegible] کرنے والے کسی [illegible] سے [illegible] ... جیسے ہی [illegible] سنبھالا اور بس دوبارہ آگے روانہ ہو گئی۔

[illegible] مرحلے [illegible] کے [illegible] نشستوں [illegible] کر کے بیٹھ گئے۔

[illegible] سے کسی سے بھی واپس نہ [illegible]۔

پھر اتوار سے بڑی گرمجوشی کے ساتھ [illegible]

ویران مقام پر آ گیا اور [illegible] میں تیزی [illegible]

میری زندگی کا ایک ہولناک [illegible]

ایک اسرائیلی طیارے کے کامیاب اغوا میں شرکت [illegible] سنہرا موقع بھی نکل گیا تھا۔

اسرائیل کی خونی [illegible] میں بہت پیچھے [illegible]

میرے لیے اسرائیل کی ناکامی کا تصور بھی [illegible]

ناقابل یقین حالات اور واقعات میں گھرا ہوا [illegible]

اسرائیل کے [illegible] سے نکل [illegible] گئی تھیں۔

میری بیتا جو بہت پیچھے [illegible] کی خاک چھان [illegible]

جسے تلاش کرنے پر [illegible] مجبور تھے [illegible]

بار اسے پا لینے کے بعد میں [illegible] شہر [illegible]

جہاں راجہ ہوٹل کے ایک تنگ کمرے کی الماری میں [illegible]

میں چھوٹے کمرے کے پیچھے نادرہ کا [illegible] پر پوشیدہ تھا۔

بیتا اور پارس کو دوبارہ پا لینے کے بعد [illegible]

زندگی گزار سکتا تھا میں برسوں سے اپنے [illegible]

بدقسمت مجرم کی طرح قانون اور معاشرے سے بھاگتا رہا [illegible]

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میری [illegible] کا وقت [illegible] آ چکا ہے۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" [illegible] خیالوں میں [illegible] میرے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے [illegible] آواز میں کہا۔

"گزرے ہوئے واقعات ایک [illegible] خواب معلوم ہو رہے ہیں" [illegible] نے ہنس کر کہا۔

"خوابوں سے حقیقت کی دنیا میں لوٹ آؤ ورنہ [illegible]"

"میرے لیے یہ [illegible] ہے تم [illegible] میں [illegible] جاؤں گا۔"

"میں [illegible] گیا ہوں [illegible] حالات [illegible]

ہیں پہلے تو کسی طرح اس علاقے سے جلد از جلد [illegible]

پھر ہم دونوں سڑک کے کنارے سے درختوں کی اوٹ [illegible]

کچھ دیر بعد ہمیں [illegible] سامان سے [illegible]

نظر آیا اور ہم دونوں درختوں کی اوٹ سے نکل کر [illegible] گئے۔

[illegible] شریف آدمی ثابت ہوا [illegible]

علاقے میں [illegible] کا اظہار کیا تھا [illegible]

کے شوق میں ہم دونوں [illegible] شہر پہنچنے کے لیے [illegible]

مگر قسمت [illegible] ہو گئی تھی۔

[illegible] ساده لوح دیہاتی اس کہانی پر [illegible]

[illegible] کا کوئی استخاب یا قافلہ ہر صورت [illegible] نے جتنا ملنے کے لیے [illegible] بتایا [illegible] بس اسٹاپ تک پہنچانے کی فرا [illegible] پیشکش کی جو ہم نے قبول کر لی۔

[illegible] کوئی بھی نہیں ہے [illegible]

"[illegible] سکین سی آواز میں کہا۔

"[illegible] ہے"

"اور [illegible]"

"[illegible] دیتا ہوں"

اور یوں ہمارا ایک [illegible] مسئلہ بھی حل ہو گیا۔

[illegible] کے بعد [illegible] ڈرائیور نے ایک موڑ پر [illegible]

[illegible] سیدھے چلے جاؤ سامنے [illegible] بس [illegible] سے ہو [illegible] بعد پورے اسٹیشن کے لیے بس [illegible]

[illegible] میں [illegible] جاتا ہے [illegible] سے [illegible] پہنچا دیتا ہے۔

ہم دونوں [illegible] کی بتائی ہوئی سمت میں چل دیے۔

"تمہارے پاس [illegible] نہیں تھی؟" [illegible] لہجے میں [illegible]

[illegible] سوال کیا۔

"[illegible] تھی" وہ مسکرا کر بولا۔

"کیا [illegible] منصوبے کے مطابق طے پایا ہے؟"

"ہاں!"

"مگر [illegible] کا [illegible]؟"

"[illegible] کامیاب ہو جائے تو [illegible] کے بعد [illegible] کا امکان [illegible] موجود ہے۔ [illegible] منصوبے [illegible] ہو سکتا تھا"

"مگر [illegible] اسی قدر [illegible] کیوں ثابت ہوئے؟"

"یہ منصوبہ [illegible] والے سوچ [illegible] گے تو اس [illegible]" [illegible] بولا۔

"[illegible] منصوبہ ہے؟"

"[illegible] پہلے [illegible] سے [illegible] معاف کر کے [illegible] جائے گا"

"[illegible] ہو گا؟"

"[illegible] کا [illegible] کام آئے گا۔"

[illegible] بس اسٹاپ [illegible] پر [illegible] کی طرح نظر [illegible] کر گئے۔

کھیتوں اور سرسبز باغات پر مشتمل دور دراز کے علاقے بہت پرسکون تھا۔ سرسبز قطعات کے درمیان سے بہت سی نیم پختہ اور کچی سڑکیں پکی سڑک سے مل رہی تھیں۔ مگر ان پر ٹریفک بالکل مفقود تھا۔

بس اسٹینڈ پر ایک سائبان کے نیچے چند کرسیاں بچھی ہوئی تھیں جن پر بہت سے مسافر لاپروایانہ انداز میں سستا رہے تھے۔ ایک بڑی عمر کی عورت بہت انہماک سے اخبار پڑھنے میں مصروف تھی۔ سائبان کے برابر میں ایک پک اپ کھڑی ہوئی تھی۔ جس کے عقبی حصے میں مشروبات وغیرہ رکھے ہوئے تھے اور ساتھ ہی کافی وغیرہ کا بندوبست بھی تھا۔

"کافی پیو گے؟" اینٹی کا والا نے آہستہ سے سوال کیا۔

"مجھے وحشت ہو رہی ہے!" میں نے جواب دیا۔ "زیادہ دیر کر کے ان لوگوں سے بات کر کے ہم کسی مشکل میں گرفتار ہو جائیں گے۔"

"یہ یاد رکھنا کہ ہم لوگ انگریزی اور فرنچ سے نابلد ہیں۔" اس نے مجھے ہدایت کی اور بے پروا انداز میں انتظار گاہ میں داخل ہو گیا۔

ہماری آہٹ پا کر حسب معمول چند مسافر پلٹ کر دیکھنے لگے اور ہمارا سرسری جائزہ لینے کے بعد ہماری طرف سے لاتعلق نظر آنے لگے البتہ بڑی عمر کی عورت نے اخبار گود میں رکھ لیا تھا اور نہایت دلچسپی کے ساتھ بغور ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔

اینٹی کا والا اس عورت کے قریب خالی پڑی ہوئی ایک کرسی سنبھال کر بیٹھ گیا۔ میں نے بھی خاموشی کے ساتھ اس کی تقلید کی۔

جب کئی منٹ گزرنے کے باوجود اس عورت کی دلچسپی ختم نہ ہوئی تو اینٹی کا والا نے بھی نہایت بے حیائی کے ساتھ اس بڑھیا کو گھورنا شروع کر دیا۔

اینٹی کا والا کی یہ حرکت بہت زود اثر ثابت ہوئی اور بڑھیا نے گھبرا کر دوبارہ اخبار اٹھا لیا اور اسے اتنا بلند کر لیا کہ اس کا چہرہ اخبار کے پیچھے چھپ گیا۔ اس کے بعد بڑھیا نے کئی مرتبہ اخبار کی آڑ سے کنکھیوں سے ہم دونوں کا جائزہ لیا مگر ہمیں بدستور اپنی طرف متوجہ پا کر اتنی تیزی سے اخبار دوبارہ چہرے کے سامنے کر لیا جیسے اس کے ہاتھوں میں اسپرنگ لگے ہوئے ہوں۔

اینٹی کا والا کی جارحانہ نظروں نے بڑھیا کو اس قدر بوکھلا دیا کہ وہ زیادہ دیر وہاں بیٹھی نہ رہ سکی۔ اور اٹھ کر پک اپ کی طرف چلی گئی۔ وہاں ایک نوجوان لڑکا سگریٹ پی رہا تھا۔ بڑھیا نے قریب پہنچ کر اس سے کچھ کہنا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ وہ دونوں بار بار ہماری طرف بھی دیکھتے جا رہے تھے۔

اسی اثناء میں سڑک پر دھول اڑاتی ہوئی ایک بس نظر آئی اور اس منظر نے بس اسٹاپ پر اونگھتے ہوئے ماحول میں یکدم سرگرمی پیدا کر دی۔

ہم دونوں بس پر سوار ہوئے تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ بڑھیا نے بس میں سوار ہونے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور دوبارہ انتظار گاہ میں جا بیٹھی۔ سگریٹ نوش نوجوان لاپروایانہ انداز میں کچھ دیر تک ہمیں دیکھتا رہا پھر پک اپ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

اس بس میں پہلے سے چند مسافر موجود تھے۔ ڈرائیور نے مشروبات فروخت کرنے والے سے چند لمحوں تک باتیں کیں اور ہمیں ٹکٹ فروخت کرنے کے بعد وہ اپنی نشست پر جا بیٹھا۔

بس کا سفر بہت پرسکون تھا — چھوٹی چھوٹی بستیوں سے گزرتے ہوئے سوئزرلینڈ کی دیہاتی زندگی کے حسین مناظر نظر آ رہے تھے۔ بڑے بڑے کھیتوں کو سرسبز فصلوں نے ڈھانپ رکھا تھا اور کہیں کہیں کھیتوں سے مشینی شور کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

آخر کار بس مضافاتی علاقوں سے گزر کر شہری حدود میں داخل ہو گئی اور ایک جگہ ہم دونوں بس سے اتر گئے۔

جنیوا نہایت صاف ستھرا شہر تھا۔ بلند عمارتوں کے باوجود اس میں گھٹن نام کو بھی نہ تھی۔ ٹریفک بے ہنگم افراتفری سے مفقود تھی۔ لوگوں کے ہجوم میں بھی عجیب سی طمانیت موجود تھی۔ شاید بھاگ دوڑ اور گھبراہٹ بھی اس شہر کے باسیوں پر اثر انداز نہیں ہو سکی تھی۔

ہم دونوں نے بازار سے تھوڑی سی خریداری کی اور پھر ریلوے اسٹیشن کی طرف چل دیئے۔ جو اس علاقے سے زیادہ دور نہیں تھا۔

ریلوے اسٹیشن بھی خلاف توقع پر ہجوم نہیں تھا۔ ہم ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے انتظار گاہ میں داخل ہوئے اور تھکے ہوئے انداز میں نرم صوفوں پر بیٹھ گئے کیونکہ اس وقت وہاں چند مسافر بیٹھے تھے۔ اگر ان کے سامنے ہم غسل خانوں سے چلتے ہوئے باہر آتے تو وہ ہماری طرف متوجہ ہو جاتے۔

دس منٹ بعد انتظار گاہ میں کسی گاڑی کی آمد کا اعلان ہوا اور سب لوگ وہاں سے باہر چلے گئے۔

میدان صاف پاتے ہی ہم دونوں غسل خانوں میں جا گھسے۔ میں نے نہایت بے دردی کے ساتھ اپنی خوبصورت ڈاڑھی صاف کر دی۔ پھر بالوں پر ایک زود اثر لوشن لگایا جس کے ذریعے چند لمحوں میں میرے سیاہ بالوں کی رنگت سنہری ہو گئی۔ اپنی عینک توڑ کر تھیلے میں ڈال لی۔

مختصر سے غسل سے فارغ ہو کر میں نے لباس تبدیل کیا اور باہر نکل آیا۔

باہر آتے ہی میری نگاہ اس شخص پر پڑی جو انتظار گاہ میں سکون سے ٹیک لگائے بیٹھا اپنی کھوپڑی سہلا رہا تھا۔ میں پہلی نظر میں اسے بالکل نہ پہچان سکا۔ وہ سوٹ اور شرٹ میں ملبوس تھا۔ فلیٹ ہیٹ گود میں رکھا ہوا تھا اور آنکھوں پر نیلے شیشوں کا چشمہ تھا۔

ایک نظر دیکھا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مخصوص مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ میں اس کے قریب ہی جا بیٹھا۔

"تمہیں پہچان لیا ہو مگر تمہیں پہچاننا مشکل ہو گیا ہے۔ تمہیں تو شاید یہ ثابت کرنا بھی مشکل ہو جائے گا کہ تمہارا پاسپورٹ اصلی ہے۔"

"کچھ نہ پوچھو کس درجے کی ڈاڑھی کے بجائے مجھے اپنے سر کے بالوں کی قربانی دینا پڑی۔"

"مگر تمہاری شخصیت بھی بدل کر رہ گئی ہے مگر تمہارا چہرہ ظاہر کر رہا ہے کہ تم نے اپنی ڈاڑھی حال ہی میں صاف کرائی ہو۔"

"نہیں!" میں نے بے اختیار اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

"ڈاڑھی کے نیچے سے ظاہر ہونے والی جلد کی رنگت تو ذرا صاف ہے مگر جلد ہی وہ بھی دوسری جلد کی طرح ہو جائے گی۔"

پھر ہم دونوں باہر آ گئے۔ انتظار گاہ چھوڑنے سے قبل میں نے اپنا تھیلا ڈسٹ بن میں پھینک دیا تھا۔

باہر دھوپ میں آتے ہی اینٹی کا والا کے چشمے کے نیلے شیشے چمکنے لگے اور اس کی شخصیت خاصی پراسرار نظر آنے لگی۔

"تمہارے انگلیوں پر کیا ہے؟" چلتے چلتے اچانک میں نے سوال کیا۔

"اور مصنوعی نشانات والے انگشت دستانے ایک دستانہ میں ہے۔"

"میں نے بلا کر کہا: انہیں تو میں بالکل ہی بھول گیا تھا!"

"انہیں پھینک ہی دو تو بہتر ہو گا۔"

"کھانے کے لئے ہوٹل میں چلو وہیں یہ کام بھی کر لیں گے۔"

پھر ہم دونوں ایک ریستوران میں جا گھسے۔ میں نے سب سے پہلے باتھ روم میں جا کر نقلی دستانوں کو نالی میں بہا دیا۔

"سوئزرلینڈ میں ہمارا داخلہ غیر قانونی ہے۔" کھانے کے دوران میں نے اپنی تشویش کا اظہار کر ہی ڈالا۔

"یہاں سیاحوں کی بھاری تعداد کی وجہ سے داخلے کے قوانین بہت نرم ہیں۔"

"مگر ہمارے پاس تو شاید یہاں کا ویزا بھی نہ ہو گا۔"

"مشرقی یورپ کو چھوڑ کر بیشتر ممالک کے لئے پاسپورٹ پر ویزا درکار نہیں۔ فرانس، ڈنمارک اور مشرقی جرمنی کا ویزا موجود ہونا چاہئے۔"

"مگر اس نے کہا تھا کہ فرانس کا ویزا سرحد پر بھی آسانی سے مل جاتا ہے۔ میرے پاسپورٹ پر فرانس کا ویزا بھی لگا ہوا ہے۔ تمہارے معاملے میں مجبوری کے باعث ویزا دیا جا سکتا ہے۔"

"مگر کسی بھی ملک میں داخلے کے وقت پاسپورٹ پر مہر اندراج لگتا ہے۔ ہمارے پاس ان کی عدم موجودگی کا کیا جواز ہو گا؟"

"میرا خیال ہے کہ سرحدی حکام اس معاملے میں بہت نرمی سے کام لیتے ہیں۔ یورپ کے ملکوں کے سیاح اکثر ایک ملک سے دوسرے ملک آتے جاتے ہیں اس لئے ان کی بہت کم پڑتال ہوتی ہے۔"

"فرانس جانے کا کیا پروگرام ہے؟"

"ٹرین سے جائیں گے۔"

"بس سے جانے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"تم چاہو تو بس پکڑ لیں گے۔ یہاں سے بہت آرام دہ ٹورسٹ کوچ چلتی ہے۔"

میرا ذہن مستقبل کے بارے میں بہت سے غیر یقینی خطرات میں گھرا ہوا تھا جب کہ اینٹی کا والا جنیوا میں ایک رات بسر کرنا چاہتا تھا اس ضمن میں اس نے مجھے بہت سی پرکشش کہانیاں بھی سنائیں۔ مگر میں وہاں سے جلد از جلد نکل جانا چاہتا تھا۔

آخر کار مقامی وقت کے مطابق تین بجے ہم بس اسٹینڈ سے فرانس جانے والی ایک نہایت آرام دہ بس میں سوار ہو گئے۔

سوئزرلینڈ کا چپہ چپہ سبزے سے لدا ہوا تھا۔ اور راستے میں جا بجا قدرت کے حسین مناظر بکھرے ہوئے تھے۔ اینٹی کا والا مجھے جنیوا کی جھیل کے کنارے گزاری ہوئی چند چاندنی راتوں کے رومان انگیز قصے سنا رہا تھا۔ جب اس کی نیلی آنکھوں کی خوابناک گہرائیوں میں جنیوا کی جھیل کا عکس نظر آنے لگا تھا اور اس نے سب انجام سے بے نیاز ہو کر وعدہ کیا تھا کہ وہ جب بھی سوئزرلینڈ آیا اس سے ضرور ملے گا مگر اس بار ممکن نہیں کہ وہ اپنا عہد پورا کر سکے۔

سر شام ہم نے سوئزرلینڈ کی سرحد عبور کر لی جہاں بس کے تمام مسافروں کے پاسپورٹ سرسری طور پر دیکھے گئے۔ اور ملک سے اخراج کی مہر ثبت کرنے کے بعد اگلی منزل کی جانب بڑھنے کی اجازت مل گئی۔

خوبصورت سڑک پر سفر کرتے ہوئے بس فرانسیسی چوکی پر جا رکی اور بس کے بیشتر مسافر نیچے جا کر ویزا فارم بھرنے لگے۔ میں بھی ان ہی لوگوں میں شامل ہو گیا اور حیرت انگیز طور پر صرف دس منٹ میں تیرہ افراد کے پاسپورٹ فرنچ ویزا لگنے کے بعد لوٹا دیئے گئے۔

سوئزرلینڈ اور فرانس کی سرحدوں پر پھیلے ہوئے حسین پہاڑی سلسلوں کے درمیان وہ خوابناک سفر جاری رہا۔ اس دوران اینٹی کا والا اگلی نشست پر بیٹھی ہوئی ایک لڑکی سے دوستی کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ مگر میرا ذہن آزاد فضاؤں میں پرواز کر رہا تھا۔

اب میرا اور اینٹی کا والا کا مختصر سا ساتھ رہ گیا تھا۔ ہم فرانس کی سرحد میں سفر کر رہے تھے اور اینٹی کا والا کو کسی سرحدی قصبے پر جدا ہو جانا تھا جب کہ میری منزل پیرس تھی جہاں مجھے ہوٹل ڈی ڈی کے منیجر سے ڈاکٹر تنظیم کے روپ میں ملنا تھا۔ مجھے ہوٹل ڈی ڈی کے منیجر سے ملنے کے بعد ہی اپنے مستقبل کا اندازہ ہو سکتا تھا۔

پھر جب وہ بس ایک جگہ رکی تو اینٹی کا والا اتر گیا۔ بس ایک دوراہے پر کھڑی ہوئی تھی۔ جہاں سے دائیں طرف جانے والا راستہ

سینٹ کلاؤ نامی شہر کی نشاندہی کر رہا تھا جب کہ بس کا سفر سیدھی سڑک پہ جاری رہتا۔

"او ریواع میرے دوست!" ایشلی کاونے جھک کر میری پیشانی کا بوسہ لیتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور تیزی سے بس سے اتر گیا۔

میں فرط جذبات سے ایک لفظ بھی ادا نہ کر سکا۔

ایشلی کاونے کے ساتھ میری رفاقت بہت مختصر تھی لیکن بعض لوگ کم ساتھ میں انسان کے دل و دماغ پر اپنا گہرا اثر چھوڑ جاتے ہیں۔

بس آگے بڑھ گئی۔ ایشلی کاونے کا سایہ دھندلا گیا میں سرد آہ بھر کر رہ گیا اور میں نے اپنا سر پشت گاہ سے ٹیک کر آنکھیں موند لیں۔

تقریباً آٹھ بجے دو گرتے ہی مسافر چڑھے تھے اور اترے بھی مگر بس کا سفر جاری رہا۔ رات کے نو بجے بس بیلے گارڈ پہنچی اور ڈرائیور نے وہاں ایک گھنٹے رکنے کا اعلان کیا تاکہ مسافر رات کے کھانے سے فارغ ہو سکیں۔

بس سٹاپ کے قریب ہی کئی اچھے ہوٹل موجود تھے جہاں موسیقی کے سُروں پر سبک اندام نسوانی جسم بے تھرک رہے تھے اور آنے والوں کی اشتہا کو بڑھانے پر مامور تھے۔ میں اداسی کے عالم میں ایک درمیانے درجے کے ریستوران میں جا بیٹھا۔

اس رات بار بار میرا دل عجیب سا ہو جا رہا تھا۔ میرے وجود پر تشکر اور بے یقینی کے جذبات کی ایسی شدید یلغار ہو رہی تھی کہ میرا جی چاہ رہا تھا کہ کسی تنہا گوشے میں منہ چھپا کر دیر تک پھوٹ پھوٹ کر روتا رہوں۔

کھانے سے فراغت کے بعد پھر سفر شروع ہو گیا۔ بیشتر مسافروں نے تھوڑی ہی دیر بعد اونگھنا شروع کر دیا۔ مگر میری آنکھیں جاگ رہی تھیں اور میں درختوں کے ہیولوں کو تیزی سے پیچھے بھاگتے دیکھتا رہا۔

اگلی صبح مونا ترو پہ بس کا سفر ختم ہو گیا۔ اس مقام سے ٹولی بینٹ برنارڈ پاس کے رستے سوئٹزرلینڈ جانے والی بس بھی تیار تھی۔ سوئٹزرلینڈ جانے کے لئے وہاں سے اس رستے کا راستہ کافی مختصر تھا۔

مونا ترو سے میں اگلے روز دوپہر کے قریب [illegible] نامی مشہور جا پہنچا کیونکہ وہاں سے جہاز کے ذریعے نیس کا سفر اختیار کیا جا سکتا تھا۔ اور میں وہیں پہنچ کر اپنی شدید تھکان سے نجات حاصل کرنے کا پروگرام بنا چکا تھا۔ امرا ٹیل سے نکلے مجھے دو روز ہو گئے تھے اور یہ تمام عرصہ انتہائی سنسنی خیز جدوجہد میں صرف ہوا تھا۔ مجھے ایک لمحے کے لئے بھی آرام نہیں مل سکا تھا بلکہ لحظہ بہ لحظہ بدلتے ہوئے غیر یقینی حالات کے باعث اعصابی انتشار بڑھتا ہی گیا تھا اور میں محسوس کر رہا تھا کہ اگر میں نے ایک دو روز مکمل آرام نہ کیا تو میں بیمار پڑ جاؤں گا جب کہ فرانس میں اس وقت میں بالکل بے یار و مددگار تھا۔

میری دلی خواہش تھی کہ میں نیس پہنچ کر ہوٹل ڈی رینی کے منیجر سے ملوں۔ اس طرح میری ذات سے دلچسپی رکھنے والوں کو میری خیریت کی اطلاع بھی مل جاتی اور میں کسی آنے والی پریشانی کی صورت میں ڈی رینی کے منیجر پال کے جانے بوجھے رابطے پر اعتماد کر سکتا تھا۔

اسی روز میں شام ڈھلے نیس جا پہنچا۔

نیس ایئرپورٹ پہ سیاحوں کی رہنمائی کے لئے [illegible] کاؤنٹر سے جہاں میں نے ارزاں رہائش کے [illegible] کی تو اس میں ہوٹل ڈی رینی کا نام بھی تھے نمبر پر موجود تھا۔ [illegible] فہرست میں سب سے زیادہ کرایہ اسی ہوٹل کا تھا۔

گو مالی طور پر میں قدرے بہتر حالت میں تھا مگر میری جیب بھاری بھی نہیں تھی کہ ایک نئے ملک میں جہاں [illegible] نہیں تھا، میں آنکھیں بند کر کے پیسہ لٹانے میں مصروف ہو جاتا۔ بچت کے نقطۂ نظر سے میں فیصلہ کیا کہ مجھے کہیں اور [illegible] ڈی رینی ہی پہنچنا چاہیے۔

ڈی رینی چونکہ ایک اعلیٰ ہوٹل تھا لہٰذا اس نے [illegible] کی پیشکش کر رہا تھا جو چاہیے تھی اور میں نے اسے قبول کر لیا۔

شام ہونے کے ساتھ ہی نیس کی سڑکوں پر زندگی کی [illegible] رعنائیاں نہایت دلفریب نکھار لا رہی تھیں۔ سڑکوں کے کنارے [illegible] بار ڈانس کا سٹیو اور رقص گاہ ہونے کے علاوہ بھی روشن اشتہارات [illegible] تھے جن کے قریب [illegible] کا ہجوم بھی جا رہا تھا۔

"مسیو! آپ شاید تفریح کے لئے یہاں آئے ہیں؟" ٹیکسی ڈرائیور نے طویل سکوت کے بعد شکستہ انگریزی میں مجھے مخاطب کیا۔

"کسی حد تک تمہارا خیال درست ہے۔"

"میں بہت سی ایسی جگہوں سے واقف ہوں مسیو، جہاں ڈی رینی سے کم اخراجات میں بہتر تفریح حاصل کر سکیں گے۔"

"تفریح ڈی رینی ہی میں ہے جہاں اخراجات سے بے پرواہ ہو کر [illegible]" میں نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"مجھے افسوس ہے مسیو!" وہ ندامت [illegible] "بہت فراخ دل معلوم ہوتے ہیں ورنہ یہاں آنے والے [illegible] تفریح کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ ڈی رینی کو آپ بہتر پائیں گے۔"

ڈی رینی کی عالیشان عمارت کے سامنے ٹیکسی [illegible] کے مشورے کی افادیت کا دل ہی دل میں اعتراف کیا۔

اس سات منزلہ عمارت کی [illegible] عام آدمی کی پہنچ سے باہر ہوں گے۔

ٹیکسی ڈرائیور کو معقول ٹپ دے کر میں [illegible] کی ایک کاؤنٹر کی اوٹ سے ایک شائستہ اور خوش [illegible]

"شام بخیر مسیو!" اس نے میرے سامنے [illegible]

"شام بخیر!" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "شاید [illegible]

[illegible] دیکھا۔

"[illegible] ہوں مسیو!" وہ نرم لہجے میں بولا۔ "اس شہر میں [illegible] سے بہرہ ور ہونے کے لئے اکثر حضرات اسی خادم کی خدمات [illegible] رہتے ہیں۔"

"[illegible] چاہتے ہو؟"

"مسیو!" اس نے لمبی طویل سانس لی جیسے میرے الفاظ نے [illegible] "آپ مجھے غلط سمجھے ہیں۔ تجارت وہاں ہوتی ہے جہاں [illegible] کا سر چکایا جاتا ہے۔ اور آپ کا خادم آپ کی جیب [illegible] نہیں ہے گا۔"

"وہ کیسے؟" مجھے اس ادھیڑ کی باتیں دلچسپ سی معلوم ہونے لگیں۔ [illegible]

"میں اس شہر کی بہت سی معزز خواتین کو [illegible] جانتا ہوں مسیو!" [illegible] کے ساتھ اپنے سر کو قدرے خم دے کر بولا۔ "وہ اپنی [illegible] والی حسین چہروں کو [illegible] شوقین ہیں اور میں [illegible] انعام پاتا ہوں۔"

"تم مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہو؟"

"ایک نہیں کئی ٹھکانے ہیں مسیو!" وہ آہستہ سے بولا۔ "مگر آپ کو سینورا ایملی سے متعارف کرانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ وہ بہت لطیف ذوق کی مالک ہیں۔ دنیا کے کسی بھی موضوع پر آپ ان سے [illegible] گفتگو کر سکتے ہیں۔"

"کون ہے وہ؟" میں نے ازراہ تجسس سوال کیا۔

"پچاس سال [illegible] وہ تھا لوگ اب بھی [illegible] زندہ دلی [illegible]" میں نے نہایت عقیدت اور سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"تم مجھے ایک بڑھیا کے حوالے کرنا چاہتے ہو؟" میں نے [illegible] مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے [illegible]

"سینورا ایملی کا گھر پرستان ہے مسیو!" وہ مستقل مزاجی کے ساتھ [illegible] "سینوریتا [illegible] جوان [illegible] بیٹی ہے، کسی پری سے کم نہیں۔ [illegible] نازک اندام، اجلا اور [illegible] زیادہ گہری [illegible] آنکھیں۔ چھوٹے چھوٹے یاقوتی ہونٹ، [illegible] ریشم کے لچھوں سے زیادہ ملائم اور چمکیلے [illegible] سنہرے بال آپ کو اپنا اسیر بنا لیں گے [illegible] تمام دنیا بھی فراموش کر سکیں گے۔"

"سینورا اور سینوریتا میں کیا فرق ہے؟" میں نے اپنے دل کی [illegible] سوال کیا۔

"سینورا انگریزی [illegible] مسز کی جگہ اور سینوریتا مس کی جگہ استعمال [illegible]" اس نے وضاحت کی۔

[illegible]

اختیار کیا [illegible] کہانی [illegible] جس کا مرکزی کردار مایوسی کے عالم میں [illegible] خاک چھانتا [illegible] کچھ لوگ سر جھکانے کے سامنے [illegible] حسین [illegible] کا شوہر بنانے کی پیشکش کرتے ہیں اور وہ شخص خوشی سے [illegible] جوان لڑکوں کے ساتھ ہو لیتا ہے۔

میرا مقصد تو اس فرضی کہانی سے بھی کئی قدم آگے تھا۔ میرا آقا مجھے سینوریتا [illegible] کا شوہر بنانا نہیں چاہتا تھا بلکہ اسے عارضی رفاقت کے لئے بلا معاوضہ میرے قدموں میں ڈالنے پر تلا بیٹھا تھا اور میرے حسن کو [illegible] ٹال رہا تھا۔

"کیا [illegible] ہوں؟"

"یہ بڑی درد ناک کہانی ہے مسیو!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "سینورا ایملی نے اپنی قوم کے [illegible] دکھ اٹھائے ہیں۔ اس کا شوہر [illegible] پر بہت ظلم کرتا تھا۔ وہ مر [illegible] اور اب وہ سینوریتا [illegible] کی شادی نہ کرنے کا عہد کر چکی ہے مگر اس [illegible] دوشیزہ کے [illegible] جذبوں کو [illegible] سیاحوں سے دوستی کی اجازت ملی ہوئی ہے۔ سینوریتا [illegible] گندمی رنگ والے ایشیائی مرد بہت پسند ہیں اور اسی لئے میں آپ کے [illegible] حاضر ہوا ہوں۔"

"اس طرح تم [illegible] بازاروں میں اپنی مالکن اور اس کی بیٹی کو رسوا کرتے پھرتے ہو؟" میں نے [illegible] کہا۔

"میری گستاخی معاف فرمائیں مسیو! میں اتنا احمق بھی نہیں ہوں" وہ قدرے جھک کر بولا۔ "میں نے آپ کو ہر بات درست بتائی ہے۔ مگر ان [illegible] کے نام فرضی ہیں۔ میں مدت سے ان کا نمک خوار ہوں، بھلا میں یہ نمک حرامی کیسے کر سکتا ہوں!"

"میں تمہارے ساتھ ضرور چلتا مگر میں طویل سفر طے کر کے یہاں پہنچا ہوں۔ آج مجھے آرام کرنے دو کل میں [illegible] تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

"[illegible] گرم پانی [illegible] مجھے یقین ہے کہ سینوریتا [illegible] کے ساتھ تھوڑی سی [illegible] کے بعد آپ خود کو بالکل ترو تازہ محسوس کریں گے۔"

یہ کہتے کہتے اس نے [illegible] عقب میں کسی کو دیکھا اور [illegible] اس کے بشرے پر یک بیک گھبراہٹ کے آثار نمودار ہونے لگے۔

میں نے گردن گھمائی تو ایک باوردی سپاہی میری طرف آ رہا تھا [illegible] میں [illegible] اس کی گھبراہٹ کا سبب پوچھنے کے لئے اس کی طرف متوجہ ہوا تو وہ وہاں موجود نہیں تھا۔ اور میری لاعلمی [illegible] کسی طرف کھسک گیا تھا۔

میں نے حیرت سے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور آخر کار اس بدمعاش کو دیکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ ہوٹل ڈی رینی کی عمارت کے پہلو

میں ابھی راہداری میں گھوم رہا تھا۔

اسی اثنا میں پولیس کا کانسٹیبل میرے سر پر پہنچ گیا تھا، اس نے آتے ہی خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ مجھ سے فرنچ میں کچھ کہا۔

"میں فرنچ زبان سے نابلد ہوں۔" میں نے اس کے استفسار طلب لہجے کے پیش نظر جلدی سے انگریزی میں وضاحت کی۔

"وہ شخص تم سے کیا کہہ رہا تھا؟" کانسٹیبل نے اٹکتی انگریزی میں اپنا سوال دہرایا جو میرے لیے خاصا تعجب خیز تھا۔

"وہ مجھے تفریح کرانے اپنے ساتھ لے جانا چاہ رہا تھا۔" میں نے تھوڑے توقف کے بعد اسے سچ بات بتانے کا فیصلہ کر لیا۔

"اچھا کیا تم نے اسے جھڑک دیا۔" وہ میرا شانہ تھپتھپاتے ہوئے بولا۔ "وہ پہلے درجے کا بدمعاش اور ٹھگ ہے۔ کسی ویرانے میں لے جا کر تمہارے بٹوے تک ہتھیا لیتا۔"

"شکریہ، شکریہ۔" میں نے جلدی سے کہا۔

میرے لیے تو وہ کانسٹیبل رحمت کا فرشتہ ہی ثابت ہوا تھا کیونکہ وہ نام نہاد ٹھگ مجھے بچہ سمجھ کر ہی جھانسہ دے رہا تھا ورنہ اس کی رومان انگیز کہانی نے مجھ پر ایسا جادو کر دیا تھا کہ وہ کانسٹیبل مزید چند لمحوں تک نہ آتا تو میں [illegible] کے ساتھ [illegible] حسین ترین [illegible] سے ملنے روانہ ہو جاتا۔

"تم اس شہر میں نئے معلوم ہوتے ہو۔ ذرا ایسے لوگوں سے ہوشیار ہی رہنا۔ یہ لوگ [illegible] سے دامن بچا کر اس طرح سیاحوں کو لوٹتے ہیں کہ لٹنے والا اپنی کہانی بھی دہرانے میں شرم محسوس کرتا ہے۔" کانسٹیبل نے چلتے چلتے مجھے نصیحت کی۔

"شکریہ، درست، میں محتاط رہوں گا۔"

ڈی ٹریکی کے داخلی دروازے پر سرخ [illegible] میں ملبوس ایک شخص موجود تھا جس نے دلآویز انداز میں مسکرا کر میرے لیے دروازہ کھولا اور میں دروازے سے گزر کر سیدھا استقبالیہ لاؤنج میں جا پہنچا۔

ڈی ٹریکی کا استقبالیہ لاؤنج بہت خوبصورت تھا۔ وہاں کاؤنٹر کے سامنے کئی صوفے پڑے تھے۔ فرش پر مصنوعی ریشم کا بنا ہوا دبیز قالین بچھا ہوا تھا اور ستونوں کے ساتھ [illegible] لگے ہوئے تھے۔

میں کاؤنٹر پر پہنچا تو ایک لڑکی جو رجسٹر پر کچھ اندراجات کر رہی تھی، دوسری لڑکی سے [illegible] ... مسکراتی ہوئی میری طرف آئی۔

اس کے طویل فقرے میں [illegible] کے علاوہ کوئی لفظ میرے پلے نہ پڑ سکا۔

"سوری" میں نے حتی الامکان اختصار سے کام لیتے ہوئے اس پر اپنے مدعا کا اظہار کرنے کی کوشش کی۔

میری یہ کوشش کامیاب رہی۔ اس نے کچھ کہتے ہوئے [illegible] اشارہ کیا اور میں سر کو ہلکی سی جنبش دے کر اسی طرف ہو لیا۔

اس طرف [illegible] کے ساتھ [illegible] موجود نہیں تھا۔

عبداللہ کی تختیوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ [illegible] وال تختی پر [illegible] عہدہ [illegible] اور [illegible] سی [illegible] سے نوازا۔

"کم ان" اندر سے کسی کی بھاری آواز [illegible] انگریزی بولنا خاصی حیرت کا باعث ثابت ہوا کیونکہ [illegible] سے نابلد تھے یا جانتے ہوئے بھی انگریزی بولنا پسند نہیں کرتے تھے۔ میں اندر پہنچا تو [illegible] تاریک [illegible] بالوں والے ایک ادھیڑ عمر شخص کے [illegible] کی [illegible] ہی تھی۔

وہ ایک بڑی سی منقش میز کے پیچھے گھومنے والی کرسی [illegible]

"مجھے ڈاکٹر [illegible] کہتے ہیں۔" میں نے چند [illegible] کا جائزہ لینے کے بعد ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔

میرا نام سنتے ہی وہ اپنی کرسی سے اٹھ گیا اور [illegible] ہاتھ ملا کر مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی جو میں نے شکریے کے ساتھ قبول [illegible]

"مجھے چارلس کہتے ہیں، ڈاکٹر۔" وہ اپنی نشست پر [illegible] بولا۔ "کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ تم مجھے اپنا پاسپورٹ دکھا دو۔"

میں نے خاموشی کے ساتھ بریف کیس سے [illegible] اس کی طرف بڑھا دیا۔ جو اس نے سرسری طور پر دیکھنے کے بعد [illegible]

"تم کہاں ٹھہرے ہو؟"

"میں ایئرپورٹ سے سیدھا یہیں آیا ہوں۔"

"اوہ۔ تو پھر تم کچھ آرام کر لو۔" وہ ایک [illegible] "ویسے تمہیں میرے ہوٹل ہی میں قیام کرنا ہے۔ وہ [illegible] قیام کرے گا۔"

"کون؟" بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔

"تم اسے نہیں جانتے؟" چارلس نے حیرت سے [illegible] "تو خیال تھا کہ تم دونوں بہت پرانے دوست ہو گے۔"

میں دل ہی دل میں اپنی جلد بازی [illegible] کھا کر رہ گیا۔

"خیر یہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے۔" چارلس نے [illegible] پھر کر میری الجھن رفع کر دی۔ "تم ڈی ٹریکی میں میرے مہمان [illegible]" دراز سے نکال کر ایک [illegible] چھپا ہوا کارڈ میری طرف بڑھایا۔ "یہ کارڈ لے لو تاکہ تم ڈی ٹریکی کی [illegible] سے [illegible] کا کام بھی کرے گا۔"

"شکریہ۔" میں نے کارڈ لیتے ہوئے کہا۔

[illegible] گفتگو کے جواب میں ایک [illegible]

[illegible] نے فرنچ میں جلد جلد اسے کچھ ہدایات دیں اور [illegible] اسٹیورڈ واپس چلا گیا۔

[illegible] چند منٹ بعد [illegible] واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک چابی موجود تھی۔ [illegible] تمہارے کمرے میں پہنچا دے گا۔ [illegible] کی [illegible] میں [illegible] کر دیا۔ چارلس نے سگریٹ [illegible] کہا۔

میرا بریف کیس اسٹیورڈ نے لے لیا اور چارلس مجھے چھوڑنے [illegible]

[illegible] کے پاس ایک [illegible] پر انگریزی اور فرنچ میں [illegible] لکھا تھا۔ [illegible] حصوں کا [illegible] کے مطابق گراؤنڈ فلور پر ڈائننگ ہال، بار [illegible] اور [illegible] تھا۔ دوسری منزل پر [illegible] اور [illegible]۔ تیسری منزل [illegible] سے اوپر [illegible] کمرے واقع تھے۔

"تم پہلے فرنچ ہو جس کی زبان سے [illegible] انگریزی [illegible]" میں نے فوری خیال کے تحت کہا۔

"یہاں انگریزی جاننے والوں کی تعداد کم ضرور ہے۔ مگر مفقود نہیں۔ [illegible] تم کس بات پر [illegible] ہو؟" اس نے سگریٹ کا دھواں [illegible] پوچھا۔

"میں نے تمہارے دروازے پر دستک دی تو تم نے مجھے انگریزی [illegible] اندر آنے کو کہا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"دراصل [illegible] لڑکی [illegible] مجھے [illegible] میرے دفتر کی طرف [illegible] ہے۔" اس نے جاندار قہقہہ مار کر کہا۔

لفٹ آتے ہی [illegible] میں سوار ہو گیا۔ چارلس ہاتھ [illegible] وہاں موجود دو خوبصورت لڑکیاں بھی لفٹ میں آ چکی تھیں۔

[illegible] منزل پر [illegible] لفٹ سے اتر گیا۔ اسٹیورڈ جس کمرے کے سامنے [illegible] کے دروازے پر [illegible] نمبر [illegible] تھا۔

وہ کمرہ بہت قرینے سے سجا ہوا تھا۔ [illegible] بستر لگا ہوا تھا [illegible] بہت [illegible] خفیف [illegible] اس نے مجھے [illegible] کی کوشش کی جو [illegible] ناکام ثابت ہوئی اور وہ واپس چلا گیا۔

[illegible] نہانے کے لیے غسل خانے میں داخل ہوا تو نفاست دیکھ کر طبیعت [illegible] میں نے [illegible] ٹب کو گرم پانی سے [illegible] [illegible] داخل ہو گیا۔ [illegible] خوشبودار پانی [illegible] [illegible] کے لیے [illegible] سے زیادہ فرحت بخش ثابت ہوا۔

[illegible] کے بعد میں نے کمرے [illegible] خود روم [illegible] کا [illegible] سامان [illegible] کے بعد دروازہ مقفل کر کے بستر پر دراز ہو گیا۔

[illegible] نہانے سے قبل میں نے [illegible] آن کر دیا اور داخلی دروازے کے بیرونی [illegible] پر "آرام میں خلل نہ ڈالیں" کے الفاظ روشن کر دیے تھے۔

لیٹتے ہی نیند کی دیوی نے مجھے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ [illegible] کے بعد ساری رات میں [illegible] خواب دیکھتا رہا۔

پھر ایک [illegible] آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں پھیلی ہوئی مدھم سبز [illegible] میری آنکھوں [illegible] پیدا کر رہی تھی۔ [illegible] کے پیچھے چھپا ہوا [illegible] اس وقت میرے سرہانے رکھے ہوئے ٹیلیفون کی گھنٹی تھی۔ اور [illegible] بے اختیار اچھل پڑا۔ یقیناً یہی آواز میری نیند میں خلل ڈالنے کا سبب بنی تھی۔ میں نے [illegible] ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو، ڈاکٹر [illegible]" میں نے خمار آلود لہجے میں کہا۔

"او، شکر ہے کہ تم زندہ ہو۔" مجھے چارلس کی [illegible] آواز سنائی دی۔ "پچھلے [illegible] منٹ میں [illegible] تیسری [illegible]"

"اتنی رات گئے [illegible]" میں نے [illegible] کی کوشش کرتے ہوئے سوال کیا۔

"رات گئے؟" چارلس کی آواز حیرت آمیز تھی۔ "تو تمہارا خیال ہے کہ میں نے تمہیں [illegible] نیند سے [illegible] پریشان کیا ہے؟"

"میرا [illegible] ہے چارلس۔" میں نے انگڑائی لیتے ہوئے [illegible] کہا۔ "ابھی میں [illegible] سونا چاہتا ہوں۔"

"او خدا! [illegible] تمہیں سوتے ہوئے مسلسل [illegible] گھنٹے [illegible] اور تم بغیر کھائے پیئے [illegible]"

"[illegible] گھنٹے؟" میں نے ابھی [illegible] روشن کر دی۔

"ہاں دوست، تم کل [illegible] بیٹھنے کی [illegible]"

"معاف کرنا چارلس [illegible] نیند کے خمار [illegible]" میں نے [illegible] کی تصدیق کرتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس [illegible] ضرورت نہیں۔" وہ جلدی سے بولا۔ "[illegible] کر سکو گے۔ میں تو تمہاری خیریت کی طرف سے فکرمند تھا [illegible] چاہتا تھا۔" چارلس نے جلدی جلدی وضاحت کی۔

"شکریہ چارلس، میں تمہاری شام خراب نہیں کروں گا۔" یہ کہہ کر میں نے ریسیور رکھ دیا۔

مجھے حیرت تھی کہ اتنی طویل اور گہری نیند لینے کے باوجود مجھ پر سستی سوار تھی۔ [illegible] طلب کر رہا تھا۔ میں اچھل کر بستر سے باہر آ گیا۔

[illegible]

میں مصروف تھے۔ آرکسٹرا کی ہلکی آواز میں نیچے گلے والے بلاؤز اور منی اسکرٹ میں ملبوس لڑکیاں شوخ تتلیوں کی طرح میزوں کے درمیان گردش کرتی مہمانوں کو سرو کر رہی تھیں۔

قیمتی شرابوں اور تمباکو کے دھوئیں کی ملی جلی بو نے ماحول کی فضا کو بوجھل اور خمار آلود کر دیا تھا۔

میں ہال میں داخل ہو کر ایک ایسی میز پر جا بیٹھا جہاں صرف دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

میں نے گزشتہ کے تلے ہوئے پارچوں کے ساتھ سرخ شراب طلب کی اور سگریٹ سلگا کر ہال کا جائزہ لینے لگا۔

شراب کا تیسرا پیگ خالی کرتے ہوئے مجھے شمپین کی بوتلوں کے کھلنے اور اڑنے کی آواز سنائی دی اور میں بے اختیار اپنی دائیں جانب دیکھنے پر مجبور ہو گیا۔

وہاں دو مرد اور تین عورتیں موجود تھیں اور ہر ایک اپنے لئے شمپین کی علیحدہ بوتل کھول رہی تھی۔ ان عورتوں کو دیکھ کر مجھ پر شدید حیرت طاری ہو گئی کیونکہ ان میں سے ایک چہرہ میرا شناسا تھا جسے میں اندھیرے میں بھی بخوبی پہچان سکتا تھا۔

وہ دوسری لڑکی کے میجر واسعد کی بیوی اور کیپٹن مارلی کی بھابھی تھی جو مجھ سے مشکوک ہو کر یہ سمجھنے لگی تھی کہ میں اپنے شوہر کے ہاتھوں بری طرح پٹی تھی اور دو دن میں ڈیڑھ قتل کا مستقل امیدوار ایک ہسپتال میں داخل تھی۔ اس کی حالت میں تو ابھی اتنی تبدیلی نہیں آئی تھی کہ اسے فارغ کر دیا گیا تھا کہ فلورا جانی پہچانی تھی مگر وہ طویل القامت اور خوبصورت یہودن تل ابیب سے ہزاروں میل دور میرے سامنے موجود تھی۔

میں نے سوچا تھا کہ میں خود کو اس کی نظروں سے بچا پاؤں گا مگر اس وقت تک وہ مجھے دیکھ چکی تھی اور شدید حیرت کے عالم میں اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔

اچانک میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں مگر میں نے اپنے انداز پر کچھ بھی ظاہر نہ ہونے دیا اور لاپرواہانہ انداز میں سرخ شراب کا گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔

فلورا کے لباس کی سرسراہٹ اور نرم قالین پر اس کی اونچی ایڑی کی خفیف سی دھمک مجھے بہت زیادہ نمایاں ہو کر سنائی دے رہی تھی پھر خوشبو کا ایک تیز سا جھونکا میرے سامنے آ کر مجسم ہو گیا۔

میں نے اپنی اجنبی نظریں اوپر اٹھائیں تو فلورا سکتے کے عالم میں میرے سامنے کھڑی تھی!

"صفدر! تم یہاں!" اس نے کھوئی کھوئی حیرت زدہ آواز میں کہا۔

"میں آپ کو نہیں پہچان سکا خاتون!" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا نام وہ نہیں ہے جو آپ نے پکارا ہے!"

"ناممکن!" وہ بڑبڑائی پھر میرے سامنے والی خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کی نگاہیں بدستور میرے چہرے پر گڑی تھیں۔ "بالکل وہی شکل... وہی آنکھیں... سات جنم کے بعد بھی میرے سامنے آ جاتے تو میں تمہیں پہچان لیتی!"

"میں آپ کو نہیں پہچانتا خاتون، مگر آپ کی اس قدر اصرار کرتی ہیں تو یہ میرے حال پر آپ کی بہت بڑی نوازش ہو گی..." میں نے سرد لہجے میں کہا۔ مگر میرا دل ہی دل میں فلورا کے اصرار کی داد دے رہا تھا۔

"تم حیرت ناک حد تک بدل گئے ہو صفدر!" وہ بے یقینی سے سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "لیکن تم نے پرفیوم بدلنا مناسب نہیں سمجھا... تم نے یہ عطر اس زمانے میں استعمال کیا تھا جب تم ناصر ولف کو اسرائیل کے خلاف بھڑکا رہے تھے۔ مجھے تم سے دلچسپی پیدا ہو گئی تھی اور میں نے تمہارا تعاقب کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہ خوش خبری ملنے تک کہ میجر واسعد ہسپتال میں ہے، مجھے تمہاری سلامتی کی بہت زیادہ فکر تھی۔ دو ہفتے پہلے مجھے بتایا گیا کہ تم میرے پاس آ گئے ہو اور حال کو خطرہ ہے۔ وہ بزدل عشق باز ہے۔ جو اپنی عورت کی حفاظت نہیں کر سکا، مجھے تو ایسا لگا تھا کہ زندگی کسی موڑ پر تم سے ملاقات ضرور ہو جائے گی۔ مجھے محبت ہے لیکن میری وجہ سے تمہاری زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

"میں نہیں جانتا آپ کیا کہہ رہی ہیں!" میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اگر صفدر آپ کا کوئی بچھڑا ہوا محبوب ہے تو آپ اپنی غلط فہمی کی تصدیق کر کے آپ کے شباب کو کچل دیتا ہوں۔ آپ با اصول آدمی ہوں۔ چاہا مادہ پرست تھا کہ ایک بار کوشش کرتا ہوں۔ کہنے کے لئے آپ کو بہت سے دوست مل جائیں گے!"

چند ثانیے تک وہ خاموشی سے مجھے گھورتی رہی پھر اس کی آنکھوں میں غصے کی چمک آ گئی تھی۔ "کیا تمہیں خلوت کی بھی ساتھی تھی میں؟ تمہیں تو شدید نفرت ہونی چاہئے۔ ہم مجھے جھٹلا سکتے ہو مگر ان کو تم جھٹلا سکو گے!"

اس کی بات نہایت بے ہودہ مگر وزنی تھی۔ دوسرا یہ اندیشہ بھی پیدا ہو گیا کہ میں نے فلورا کو اعتماد میں نہ لیا تو وہ تل ابیب واپس جا کر اس حیرت انگیز ملاقات کا ذکر ضرور کرے گی۔ میری زندگی بلا وجہ خطرے میں پڑ جائے گی، جب کہ میں اپنا راز کسی صورت کھولنا نہیں چاہتا تھا۔

میں نے پرسکون ہو کر کہا۔ "بہرحال تم جو سمجھ رہی ہو، میں تمہیں ہرگز نہیں بتا سکتا کہ میں کون ہوں! تو پھر تم اس ملاقات کو کیا سمجھو گی؟"

میری مسکراہٹ پر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ دوبارہ پرجوش لہجے میں بولی۔ "پیارے! میرے غم کی تم کیا جانو۔ تمہارے بعد میں نے کتنی بار تمہیں یاد کیا۔ تمہارے بچے کی طرح نہیں اپنی یادوں کو سینے سے لگا کر آرام کرتی ہوں اور یہ دل تمہارے لئے روتا ہے۔"

چہرے سے تحفظ کا ایک عجیب اور لازوال احساس وابستہ ہے۔ جب تم نے مجھے ڈیوڈ کے ہاتھوں سے مار مار کر ہلاک کر دیا تھا تو مجھے ایسی ہی حیرت ہوئی تھی۔ آخر تم یہاں کیسے پہنچے ہو؟ اور مجھے اس کی جھلک ہی سے پہچان لیا جائے گا کہ تم ہو۔

"بچ نکلنے کے بعد اچانک منظر سے غائب ہو جانا تمہارا پرانا شیوہ ہے۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"اچھا تو اب بچھڑے دوست کے اچانک نظر آنے کا تذکرہ کرنے کی بجائے تم میرا مطلب جاننا چاہتی ہو!" میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ "جو آدمی سچ بولنا ہی نہیں جانتا اسے بتانے کی کیا ضرورت نہیں!"

"تم بڑا مذاق کرتے ہو صفدر!"

"جی ہاں! میں ایک بار ہی طرح لندن کے ڈاکٹر سے بھی ملی ہوں، وہاں میری ایک ملاقات ایک معروف شخص سے ہوئی تھی۔"

"بہت خوب! تم تین سال پہلے کافی عرصہ لندن میں گزار چکی ہو۔ کچھ تو بتاؤ، تم یہاں کیسے؟"

"یہی ایک پرانا مسئلہ ہے۔ اب آنکھ لگانے کی کوئی فرصت ہی نہیں ملتی۔ پرانا سلسلہ ہے، کیا تم نہیں جانتے کہ یہ تمہارا ماحول ہے؟ تمہاری موجودگی ممکن ہے۔ فلورا کا خیال تھا کہ اسے یہاں کسی کا بھی انتظار نہیں ہے۔" فلورا نے چونک کر پہلا دیا۔

"میری زندگی بہت مصروف ہے۔ تم جانتی ہو، میں اپنے کسی ساتھی کے گھر پر ٹھہری ہوں۔" اس نے وضاحت کی۔

"یہاں میرا قیام بہت مختصر ہے۔" میں نے جواز کا پہلو اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "ویسے بھی مجھے تو زندگی سے پیار ہے؟"

"کل دوپہر تمہارے پاس آؤں گی!"

"وہی بات!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہارا انداز کتنا اشتعال انگیز ہے۔ جو اس کو بار بار نئے سرے سے جلا دیتا ہے!"

"میرے ساتھیوں سے نہیں ملو گے؟" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "یہ جنگ کہیں ختم ہوتی نظر نہیں آ رہی۔ جاؤ تمہاری شیمپین گرم ہو رہی ہے!"

وہ اپنی میز کی طرف چلی گئی۔ میری نگاہیں بدستور اس کی پشت پر جمی رہیں۔ فضا میں ایک تیز سا گھبراہٹ کا احساس تھا۔ اس کے بعد میں نے ویٹر کو بلا کر ادائیگی کی اور ہال سے باہر نکل گیا۔ اپنی پلیٹ میں کچھ نہیں چھوڑا تھا۔ میں کمرے سے نکل کر سیدھا اوپر آ گیا۔ ایک گھنٹے بعد میں نے دوسری منزل کا ایک کمرہ کھول کر اندر قدم رکھا۔ اس کمرے میں تیز روشنی تھی اور موسیقی کی ایک دھیمی سی لہر فضا میں تیر رہی تھی۔ میرے سامنے ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔

دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ وہاں شو کیبرے شب شروع ہو گا۔ اس رات وہاں الماری ڈانسرز کا پروگرام تھا۔ البتہ درمیان میں مصری رقاصاؤں کا ایک مختصر سا بیلے ڈانس کا پروگرام بھی تھا۔

وہاں کا جائزہ لینے کے بعد میں قمار خانے میں گھسا تو وہاں بھی ایک نئی فضا نظر آئی۔ وہاں کسی کے چہرے پر سکون نہیں تھا۔ جو جیت رہے تھے ان کے چہرے مسرت سے دمک رہے تھے اور سپیچ نوٹوں پر بھی بے ہنگم قہقہے لگا رہے تھے اور جو ہار رہے تھے ان کے چہرے پسینوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ تیوریوں پر بے شمار لکیریں تھیں۔

لمبی لمبی خوشبودار سگریٹوں سے شغل کرتی ہوئی بہت سی عورتیں بھی قمار بازی میں شامل تھیں۔

اس منزل پر نیچے اور لفٹ والی راہداری کے آگے جانب والا دیسی مقصد شیشی ہونے کے لئے مخصوص تھا۔ دوسرے ہال سے مختلف گونجتی ہوئی اور مارکٹ شوٹنگ کا تیز شور سنائی دے رہا تھا۔ ورزش جسم کا ان دو کے علاوہ طیبہ پرائیویٹ کمرے بھی مصروف تھیں۔

بکرا اور فلش کی میزوں پر ہنگامہ کی صورت حال نظر آ رہی تھی۔ تم لگانا ایک طرف دوسری طرف سرک رہے تھے۔ رولیٹ کی میزوں پر عجیب کرب آمیز بے چینی نظر آ رہی تھی۔ حالانکہ وہ ملاقات کے لئے یوں کانپتے تھے جیسے وہ اپنی موت اور زندگی کی بساط پر آخری داؤ کھیل رہے ہوں... وہ سنسنی خیز ماحول میں بیٹھے یاد رکھتے تھے کہ اس زندگی کے سہارے میں نے بہت کچھ حاصل کیا تھا مگر جب مقدر میں گردش آئی تو اسی کھیل میں اپنی ساری پونجی ہار دی۔ اس کے بعد آخری داؤ لگاتے وقت اپنا مکان ٹھکرا بیٹھے اسی میں دھوکہ ہو گیا تھا۔ اور اس دن کے بعد سے بھی میں اپنا خون سکا جب تک تمہاری بیگم کو چھوڑ کر یہاں نہیں آیا۔ اب معروف میرا حکم ہے۔ مگر جس روز فلورا بیگم نے مجھے اپنے پاس بلایا، وہ زندگی کی طرح چہرہ بنا کر کھڑی تھی۔ تب میں نے سوچا جو اپنی زندگی کو ہی تباہ کر چکا ہو تو پھر اسے کسی چیز سے کیا غرض کہ زندگی کیا ہے۔

میں تیزی کے ساتھ قمار خانے سے باہر آ گیا۔

تھوڑی دیر بعد میں ہوٹل کی عمارت سے باہر کھلی فضا میں نکل آیا۔

باہر کی فضا میں اس روز خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ سڑک پر چلتے ہوئے جو اسٹینڈ پر گاڑیوں کی سمت جا رہے تھے۔ میں نے ٹیکسیوں پر بیٹھے ہوئے محسوس کی کہ تمام تر لذت اور سکون کے باوجود شہر کے لوگوں میں فرانسیسی مردوں کا رویہ عمومی طور پر نہایت احترام آمیز اور دوستانہ تھا۔ وہ بھی ان کے شہر کا ایک حصہ معلوم ہوتا تھا۔

میں اپنے خیالات میں ڈوبا ہوا اس نائٹ کلب کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ اچانک کسی جانب سے چھوٹے چھوٹے قدموں والا ایک نوجوان میرے سامنے آ گیا۔

"شام بخیر موسیو اسکر!" اس نے مسکراتے ہوئے انگریزی میں کہا۔

”شام بخیر۔“ میں نے خوش دلی سے کہا مگر جس کسرتی بدن والے شخص
کو خوش اخلاقی [illegible] میں بجھ گیا تھا۔
میں اس سے پہلے کبھی نہیں ملا تھا مگر اس کے باوجود مجھے وہ کسی
حد تک شناسا نظر آ رہا تھا۔ اس نے جس بے تکلفی سے مجھے مخاطب کیا تھا،
اس کی بنا پر میں نے اندازہ لگایا کہ وہ شاید [illegible] میں مجھ سے
ملا تھا۔
مگر اس اندازے کے باوجود میں نے یاد [illegible] کے ساتھ
[illegible] پہلے بھی اس سے کہیں ملاقات [illegible]
[illegible] وقت مجھ سے ملے بغیر [illegible]
رہا ہے۔
[illegible] شوارٹ کہتے ہیں۔“ وہ مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے
[illegible] مناسب موقع کی تلاش میں تھا۔
[illegible] اس نے تعاقب کا تذکرہ
کرنے کے بجائے [illegible] یقینی طور پر [illegible]
پہلے [illegible] میں مقفود کیا تھا اور جب
[illegible] میرے سامنے [illegible] کی شبیہ نے مجھے [illegible]
میں [illegible] پڑ چکا تھا۔
[illegible] میرے ساتھ چلنے سے انکار نہیں کرو گے۔“ اس نے کہا۔
[illegible]
[illegible] میں نے خوش دلی سے کہا۔
[illegible] ہوں۔ [illegible] میرے
ساتھ [illegible] ہے۔“
میں بلا تعرض اس کے ساتھ ہو لیا۔
”تم یہاں کب پہنچے ہو؟“ اس نے [illegible] مسکراتے ہوئے
سرسری لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔
”سب [illegible] پوچھو تو [illegible] کیا۔“ اس پر اعتماد ہونے
کے باوجود میں [illegible] جواب دینے
کے بعد مجھے [illegible] حیرت ہوئی کہ میں اس شخص سے [illegible]
تھا جو [illegible] سکتا تھا۔
”منزل [illegible] بھی [illegible]؟“
”میں ایک [illegible] ہوں تو شاید [illegible]“
”تمہیں کب [illegible] شاید [illegible] ہو؟“
”[illegible] میں جس [illegible] لوگ [illegible]
چھوڑتے [illegible] معاملے میں تمہیں [illegible] ہے۔“
[illegible]
اور [illegible] رہا تھا۔
”[illegible] کیا قسمت [illegible]“

[illegible] بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔
[illegible] نے [illegible]
[illegible] بال بچے [illegible]
[illegible]
”میرا خیال ہے کہ [illegible] اس سے واقف ہو۔“
”واقف تو [illegible]
[illegible]“
”تو گئے والے پولیس سے [illegible]
[illegible]
مجھے [illegible]
کے حق [illegible] کے لالچ میں اس کے ساتھ [illegible]
ہوٹل [illegible] قریب آ گیا تھا۔ [illegible]
[illegible] میری [illegible]
وہاں سے [illegible] نکل گیا تھا۔
[illegible] شوارٹ کی [illegible]
[illegible] میں [illegible]
شوارٹ [illegible]
ہو گیا اور اس کے بعد [illegible]
اس کی [illegible]
”[illegible] اپنے گھر [illegible]“
تو میں نے [illegible] سے کہا۔
”میں [illegible] علاقے میں رہتا ہوں۔ [illegible]
ہوئے ہو؟ [illegible]
کے سامنے [illegible]
”وہاں کیا خاص بات ہے؟“
”ایک [illegible]
[illegible] کوئی خاص رقص دکھانے والی ہے۔“
”رقاصہ ہے یا [illegible]؟“
”[illegible] کی ایک جماعت [illegible]
اس نے قیامت کا سماں [illegible]
[illegible]
[illegible] لیا۔
[illegible]
[illegible]
اس [illegible]
[illegible]
[illegible] ہو گیا۔

[illegible] جنگل [illegible] میں
[illegible] مجھے بتایا
[illegible]
[illegible] میں مجبور تھیں
[illegible]
[illegible] ایک مکان کے کھلے ہوئے [illegible]
[illegible]
[illegible] کشادہ [illegible] پھیلی ہوئی تھی
[illegible] چھوٹے [illegible] سے گھر کر [illegible]
[illegible] گھنے باغات کی طرف بھاگ
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] حیرت کو [illegible]
[illegible]
[illegible] پھیلی ہوئی [illegible]
[illegible] رہی تھیں۔
[illegible]
[illegible]
[illegible] مخصوص [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] گرد پھیل گئے۔
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] ہوئے کہا۔
”مگر“ شوارٹ نے [illegible] باغات کی طرف انگلی
[illegible]
پھر اس [illegible] بن گئے۔“
”خدا کا شکر ہے“ میں نے طویل سانس لے کر کہا۔ [illegible]
[illegible] موت کے منہ میں چلا جائے۔“
[illegible] شوارٹ [illegible] اعتماد تھا [illegible]
تو کھلا ہوا [illegible] بھی مقفل نہیں تھا۔
[illegible] نے [illegible]
[illegible] داخل ہوتے ہوئے سوال کیا۔
”[illegible] میں نے [illegible]
[illegible]
[illegible] بھی نمایاں تھا۔
[illegible]
اچانک اس کی [illegible] میرے کانوں سے ٹکرائی۔
[illegible]
[illegible]
[illegible]
”یہ کیا مذاق ہے جیری؟“ میں نے [illegible] ہوئے کہا۔
”مذاق تو [illegible] حقیقت کا [illegible]
[illegible]
[illegible] ہو گئے۔“
میں [illegible] کے عالم میں [illegible]
[illegible] میرے مقابل بیٹھ گیا۔
”تم کہاں سے آئے ہو؟“ شوارٹ نے پہلا سوال کیا۔
”[illegible]“
”[illegible]“
”[illegible]“
”[illegible] کہاں ہے؟“
”ہوٹل میں۔“
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] جیب میں ڈال لی تھی۔
[illegible]

"یہ عجیب بات ہے کہ ڈی سی میں مسافروں کے پاسپورٹ لے لیے جاتے ہیں۔"
"پھر شاید میری گمشدگی یا بیماری کی وجہ سے یہ سلوک کیا گیا ہو گا۔" میں نے پیش بندی کے طور پر اپنا بیان درج کراتے ہوئے کہا۔ "مجھ سے تو مسافروں کے ہمراہ چند سوالات بھی پوچھ لیے گئے۔"

"تو پاسپورٹ کس نے لیا تھا؟"

"ڈی سی کے حکام نے۔" میں نے کہا۔ اس طرح مجھے جانا ہی تھا کہ اگر شواہد میرے بیان کی تصدیق کے لیے پولیس سے رجوع کیا گیا تو وہ خود بخود خطرے کی بو سونگھ لے گا۔

"میرے ہاتھ بہت دنوں میں بس دیکھ رہا ہوں گا۔"

"آخر تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"تم بہت بدنصیب ہو ڈاکٹر اسکرینا۔" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔ "تم لوگوں نے بہت زبردست منصوبہ بندی کی تھی مگر تم بالکل آخری مرحلے پر کسی چوہے کی طرح خود میرے جال میں آ پھنسے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ تمہیں [illegible]"

"پہنچنا کیا ہے؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"تم الجیریا کے طیارے کے حوالے سے باخبر ہو؟" اس نے زہریلے لہجے میں سوال کیا۔

"یہ خبر روزنامہ [illegible] اخبار میں پڑھا تھا۔"

"وہ طیارہ [illegible] ابیبہ سے روانہ ہوا تھا۔ اس کے [illegible] مسافر یرغمال بنا لیے گئے۔ جو بعد میں [illegible] میں [illegible] غائب ہو گئے۔ [illegible] ابیبہ میں موجود مسافروں کی فہرست کے مطابق اغوا کنندگان کے نام [illegible] ڈاکٹر اسکریپٹر [illegible] میں [illegible] تھے۔ [illegible] بریگیڈیئر [illegible] میں [illegible] موجود [illegible] کے [illegible] سے [illegible] مغربی یورپ کے چند ممالک میں اسرائیل کے لیے بہترین سیکرٹ ایجنٹ بھی تیار [illegible] جو کارروائی کے بعد اغوا کنندگان کو گئے ہیں اور جب وہ طیارہ [illegible] میں اترا تو تمام ایجنٹ ایک منظم پروگرام کے تحت [illegible] سوئٹزرلینڈ میں پھیل گئے۔ ان کی تو جو مرحلہ [illegible] مگر کوئی بھی [illegible] منصوبے کے تحت [illegible] مشرقی جرمن نے طیارے کو اترنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا اور پھر [illegible] تاخیر سے [illegible] میں [illegible] ڈاکٹر اسکریپٹر [illegible] میں داخل ہوئے [illegible] ہو سکتا ہے اس نے اپنا نام اور حلیہ بدل لیا ہو مگر تم خود جب [illegible] میں پہنچے [illegible] تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی احمق [illegible] بھی کرے گا۔"

"میرا نام اسکریپٹر نہیں ہے [illegible] کوئی تعلق نہیں تھا۔" میں نے اس کی پوری بات سننے کے بعد کہا۔

"اگر تم اپنے ملک میں ہوتا تو تمہاری [illegible] کی مدد سے تمہارا [illegible] پکڑ لیتا مگر اس ملک میں [illegible] آخری ہو گا۔ اور میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ [illegible] جانے والوں کے [illegible] کو [illegible] سے [illegible]"

"پیر [illegible] بات ہے میں تم سے زندگی کی بھیک [illegible]" اس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"میں نہیں تم کو [illegible] مار دوں گا۔ [illegible] تمہارا [illegible] ہوں گا جو تمہارے پیٹ میں [illegible] ہے۔"

"مجھے تو حیرت ہے کہ تم کس نام کی شناخت [illegible]"

"یہ نام ہی بہت کچھ [illegible] ہے۔ [illegible]"

"تمہارا [illegible] اور [illegible] میں [illegible] باہر بھی ہو جاتے ہیں وہ مجھے ہراساں کرنے کی [illegible]"

"غلط [illegible] کا نام آتے ہی میرے ذہن کے [illegible] پتا [illegible] کہ اس شخص کا چہرہ مجھے شناسا کیوں محسوس ہوا تھا۔"

وہ غلط [illegible] کے ہمراہ ڈی سی [illegible] کے بعد میں نے اس کی توجہ دوسری طرف منتقل کرنی [illegible] اس [illegible] کا اندازہ نہیں ہے سکا تھا۔ اگر مجھے [illegible] کی [illegible] غلط [illegible] کی قسمت [illegible]

"تو یوں کہو کہ غلط [illegible] تمہیں میرے پیچھے لگایا ہے۔"

"اسے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ میں یہاں [illegible] امرہوں۔ اس نے یہیں بتایا [illegible] نے سرسری طور پر اپنی [illegible] کا نام بھی بتا دیا۔ [illegible] کھوج نکالنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ غلط [illegible] کو رخصت کرنے [illegible] کون سا شخص آیا تھا۔"

"تو کیا [illegible] سے [illegible] یقین [illegible]"

"میں [illegible] سے [illegible] ہوں" میں نے اس سے سوال کیا۔

"وہ ایک [illegible] شخص بہت [illegible]"

"فاضی شخص ہے تو [illegible] وہ اس [illegible]"

"مجھ سے مزید بات کرتے ہوئے [illegible] کر تو [illegible] ہو گا۔ اس نے [illegible] سے [illegible] میں بھی اسرائیل نہیں گیا۔ میں نے [illegible]"

"ڈاکٹر اسکریپٹر [illegible] ڈاکٹر [illegible]"

"آخر [illegible] اتفاقات بھی کیا نہیں ہوتے؟"

"مگر ہو گئے ہیں۔"

"اور تم [illegible] سوچ [illegible]"

شوارٹ نے [illegible] لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"تم جو جواب سننا چاہتے ہو مجھے بتاؤ [illegible]"

"میں نے [illegible] چاہتا [illegible] اگر میں [illegible]"

"تو سمجھ لو کہ [illegible] کی وجہ سے میرا [illegible]"

"یہ [illegible] باتوں [illegible] میرا وقت [illegible]"

"اس [illegible] ان لوگوں کا [illegible]"

[illegible] کوئی آتا [illegible] چھتیں جو جو دو سراغ [illegible] کو کسی راہ فرار سے باخبر کر [illegible]
[illegible] میں [illegible] بتا کتنے آدمی ہم سے جڑے ہیں؟"

"[illegible] شواہد۔" میں نے کہا۔ "میرا [illegible] پھر جانا [illegible] میں کچھ سود [illegible] بھی [illegible] اپنے [illegible] منتقل ہونے [illegible] کوشش کر رہے ہو۔"

"منتقل [illegible] ہو [illegible] وہ [illegible] کی نال [illegible] پیشانی کی طرف [illegible]"

"[illegible] ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "اس کا سبب [illegible] میں [illegible] ہوں۔"

"[illegible] میں [illegible] ایک شخص ہی تمہارا [illegible] کوٹ کی اندرونی جیب میں [illegible] ہے۔"

"[illegible] اطمینان کر چکے ہو اور [illegible] اس شخص [illegible]"

"[illegible]" میں نے حیرت سے کہا۔

"[illegible]" اس نے [illegible] سوال دہرایا۔

"[illegible] سے [illegible] کی [illegible] ہے۔"

"اور اسے جیب میں لیے پھرتے ہو؟" اس [illegible] آنکھیں [illegible]

"[illegible] کیا [illegible] ہے اسے [illegible]؟"

"[illegible] آزمائے ہوا۔" میں نے [illegible] شیشی کی [illegible]

"[illegible] پہلے نظر [illegible]"

"[illegible] اس [illegible] کا [illegible] ہو [illegible] پھر سوچتے [illegible] کوئی ہوشیاری کرنے کی کوشش کی تو بے دریغ [illegible] گا۔"

"[illegible] مجھے [illegible] ہے اجازت ہو تو شیشی نکال لوں؟"

"[illegible] شیشی [illegible] مجھے اجازت دے دی۔"

[illegible] شیشی نکال کر قالین پر ایک [illegible] کے قریب بیٹھ [illegible] میں نے [illegible] پھر [illegible] چند سیکنڈ میں [illegible] [illegible] قالین کا وہ حصہ [illegible]

[illegible] اس شیشی کا [illegible] اس وقت آسانی [illegible] مگر بدقسمتی سے شوارٹ مجھ سے [illegible] سوئیاں [illegible] سے زیادہ [illegible]

"[illegible] ساتھیوں کے [illegible] بھی معاف کر [illegible]" میں نے [illegible] سے کہا۔

"[illegible] بھانپ ہو گا۔"

"[illegible] زندگی [illegible] ہے۔" میں نے کہا۔ "تمہیں ساتھ لیے [illegible] سکون [illegible] گا۔"

"[illegible] سے [illegible] چلا جائے گا۔"

"[illegible] شوارٹ [illegible]"

"[illegible] کس طرح [illegible] کا یقین دلا سکتا ہوں۔"

"یقین دلانے کی ضرورت نہیں۔ وہ [illegible] تم نہایت [illegible] آدمی ہو اور موت سے ذرا بھی خوف [illegible]"

"[illegible] دلچسپی [illegible]"

"میں اپنے [illegible] کا عادی [illegible] ہوں۔"

"آخر تم میرے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہو؟"

"تمہیں [illegible] کا [illegible] دیکھنے کے بعد [illegible] میں کسی دن [illegible] کسی [illegible] ایک جیپ [illegible] ہو کر [illegible] کی [illegible] سروس سے [illegible] روانہ کر دوں گا اور تمہیں [illegible] ہی قسمت [illegible] فیصلہ کرنے کے مجاز ہوں گے۔"

"[illegible] ان لوگوں کو مطمئن کرنا آسان ہو گا۔" میں نے [illegible] میں کہا۔ حالانکہ شوارٹ کے آخری الفاظ نے مجھے [illegible] کر دیا تھا۔ اسرائیل سے میں [illegible] نکلا تھا۔ شوارٹ دوبارہ مجھے [illegible] کی طرف [illegible] ہوا تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد میرے بیچ [illegible] میں اسرائیلی حکام کو کوئی فریب نہ دے سکتا۔ ان کے پاس میرے بارے میں [illegible] معلومات [illegible] فوراً ہی مجھے [illegible] کی حیثیت سے پہچان لیتے اور پھر میرے پاس اپنے بچاؤ [illegible] اسرائیل سے [illegible] کا کوئی معقول جواز نہ ہوتا اور میں مارا جاتا [illegible] مجرم میں ناقابل برداشت سزاؤں کا شکار ہو جاتا۔

"دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا کر اس طرف [illegible] اس نے [illegible] سے [illegible] کمرے [illegible] دروازے کی طرف [illegible]

"میں پھر کہتا ہوں کہ مزید کوئی قدم اٹھانے سے پہلے [illegible] پاسپورٹ دیکھ لو تو تمہیں میری بے گناہی کا یقین آ جائے گا۔" میں نے اس کی ہدایت کے مطابق [illegible] اٹھا کر [illegible] دروازے کی طرف قدم بڑھاتے [illegible]

"میں [illegible] مجھے [illegible] وہ میرے پیچھے آتے ہوئے [illegible] لہجے میں بولا۔ "ابھی تو مجھے یہ بھی دیکھنا ہے کہ تم [illegible] سامنے میں کیا [illegible] پکڑ [illegible] ہے؟"

"تو تم اس پر بھی تشدد کرو گے؟"

"تشدد کی ضرورت ہی نہیں پیش آئے گی۔ اس کی [illegible] سے میرے بہت پرانے اور مضبوط مراسم ہیں۔ [illegible] کا [illegible] تھا۔"

"اب تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟" دروازے سے گزر کر میں نے [illegible] کے وسط میں [illegible] ہوئے سوال کیا۔

"[illegible] طرف تیسرے کمرے میں داخل ہو جاؤ [illegible] تمہاری [illegible] [illegible] کی [illegible] کو [illegible] ابیبہ کے لیے روانہ [illegible]"

میں خاموشی کے ساتھ اس کے بتائے ہوئے کمرے میں داخل ہو گیا۔ میں نے [illegible] کی [illegible] کمرے میں [illegible] دروازے کی اوٹ میں چھپ جاؤں اور جب [illegible] کمرے میں داخل ہو تو [illegible] اس کے [illegible] مگر وہ بہت [illegible] تھا اور میرے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے [illegible]

عقب میں پہنچ چکا تھا۔

بالکل سیدھے جاکر کمرے کے وسط میں رک جاؤ۔ معمولی فضا میں اس کی آواز گونجی پھر بیٹھے ہوئے شخص پر اس کے پیچھے چلتے قدموں کی آواز غائب ہو گئی۔

اس کمرے میں چودہ پندرہ فٹ بلند سپاٹ دیوار تھی جس پر شوکیس بنے ہوئے تھے جن کے علاوہ ایک بند دروازہ نظر آ رہا تھا جو شاید غسل خانے میں کھلتا تھا۔ اس کمرے میں مسہری کے علاوہ ایک ڈریسنگ ٹیبل موجود تھی جس پر سنگھار کی گرد آلود چیزیں سجی ہوئی تھیں۔

تم اسرائیلی مفادات کے بارے میں کچھ ضرورت سے زیادہ معلومات کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اس نے مجھے دونوں دروازے میں رکتے ہوئے [illegible] مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ تم کیا چاہتے ہو کسی بات کی معقولیت کا یقین نہ ہونا سکون کا تقاضا نہیں ہے معذرتانہ لہجے میں کہا۔

مقابلے کے لیے ادھر اس نے یہ کہا اور باہر نکل کر تیزی سے دروازہ بند کر دیا۔ پھر مجھے قفل میں چابی گھومنے کی آواز آئی اور اس کے بعد شوارٹ کے قدموں کی چاپ خلا کے عین معدوم ہوتی چلی گئی۔

میں شکست خوردہ انداز میں مسہری پر بیٹھ گیا۔ مسہری پر بیٹھتے ہی فضا میں خوشبو کی ہلکی تھوڑی سی مقدار میں بستر سے اٹھ گیا۔

مجھے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کمرہ طویل عرصے سے خالی پڑا تھا مگر گرد و غبار کے باوجود مکان میں نظر آنے والی صفائی حیرت ناک تھی۔

اگر شوارٹ اس وسیع و عریض حویلی میں تنہا رہتا تھا تو یہ بات حیرت ناک تھی کہ وہ متعلقہ مسہری اور [illegible] ضروریات کیسے پوری کرتا ہوگا جبکہ یہاں کوئی دوسری صورت بالکل ہی نظر نہیں آ رہی تھی۔

اسے معلوم ہوتا تھا کہ جہاں شوارٹ کے معروف میں آنے والے کمرے اور دستوں کی چابیاں ہمیشہ جیب میں رہتی تھیں۔

پھر میرا ذہن کتوں کی طرف منتقل ہو گیا۔ اول تو اس کمرے کی ساخت ایسی تھی کہ فرار کا خیال ہی احمقانہ نظر آتا تھا۔ کھڑکیوں کے قریب بنے ہوئے شو کیس تک رسائی نا ممکن تھی اور اگر دونوں میں دوسرے کوئی کھڑکی ہی نہیں تھی۔ اگر بالفرض محال میں کمرے سے نکلنے میں کامیاب ہو بھی جاتا تو میرے لیے عمارت سے باہر قدم نکالنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ میں زہریلی سوئیوں سے تو بچ سکتا تھا مگر وہ چاروں کتے مجھے سالم ہی اس قدر خونخوار کر کے بغیر چیر پھاڑ کر رکھ دیتے۔

اس کمرے میں چیخ پکار کر قریب رہنے والے لوگوں کو متوجہ کرنے کی کوشش بھی بے سود ثابت ہوتی کیونکہ مکانات ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر واقع تھے اور درمیان میں جنگل نما گھنے باغات پھیلے ہوئے تھے۔ اس قسم کی کوئی حرکت شوارٹ کو بھی بہت زیادہ مشتعل کر سکتی تھی۔

پھر اچانک ہی میرے ذہن میں ایک عجیب خیال پیدا ہوا۔

شوارٹ کے ہاتھ کتے اس کی آواز اور حرکات سے مانوس تھے۔ شوارٹ کے ساتھ با آسانی باہر نکل سکتا تھا۔ میں کتوں کے درمیان شوارٹ زندہ ہی ہوتا۔ میں اس کی لاش کے سہارے پہرا دینے والے کتوں کے درمیان سے باہر نکل سکتا تھا۔

مگر میری خوش خیالی دیر پا ثابت نہ ہوئی۔ شوارٹ چالاک آدمی تھا۔ اسے زیر کرنا بہت مشکل نظر آ رہا تھا۔

میں ایک مرتبہ پھر غیر یقینی حالات سے دوچار تھا۔ وقت کے ساتھ بستر سے گرد و غبار کی بو اٹھ رہی تھی۔ زہریلی سوئیوں والی پستول ہتھیلی کے پیچھے [illegible] نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا روشنی کی باریک لکیر سی میرے پاس موجود بیگ میں [illegible] نظر آتی تھی اور اسی الجھن میں مجھے شوارٹ سے کئی نام یاد آ گئے۔ انتظار میں طبیعت پر جبر کیے رہا۔

کافی دیر گزر جانے کے بعد جب مجھے بہت شدت سے سگریٹ سلگانے کی خواہش ہوئی تو اس دوران کش لگاتے ہی اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں اچھل پڑا۔

میرے کمرے میں چلنے والی دونوں چیزوں بند کر دی تھیں۔ قصداً پھر لیٹ کر اندھیرے میں گیا کہ میرے لیے چند منٹ وہ سگریٹ کا پیکٹ کر دو گیا۔

میرے لیے وہ بات بہت خیال انگیز اور کارآمد تھی۔

میں نے ایک بلب روشن کر دیا اور دوسرے بلب کی طرف دیکھا۔ اس کے آگے ترکیب بہت سادہ تھی۔

میں نے بلب پر ایک نظر ڈالی کر بلب ہولڈر سے الگ کیا اور پھر میں نے اس بلب کا سوئچ آن کیا اور ایک سرا دیوار کی طرف گھما کر تاریکی میں ڈوب گیا اور میں ٹٹولتا ہوا مسہری پر جا بیٹھا۔

اس حویلی نما عمارت کا طرز تعمیر بھی پرانا تھا۔ مجھے قوی امید تھی کہ ساری عمارت کا برقی نظام ایک ہی جگہ سے کنٹرول ہوتا تھا۔ شارٹ سرکٹ کی صورت میں اس وقت پوری عمارت میں اندھیرا ہو جاتا اور بلب سے سرکٹ نکلنے کے بغیر فیوز بائی پاس ہو جاتا۔

ایسی صورت میں شوارٹ کی آمد پر میرے لیے فرار کا موقع ہو سکتا تھا اور عمارت میں تمام اندھیرے کو دیکھ کر بے شک وہ اسے کسی عمارت کی خرابی سمجھتا۔

لیکن اگر اس عمارت میں ہر کمرے کا علیحدہ فیوز تھا تو پھر میری تدبیر کا باقی عمارت پر کوئی اثر نہ ہوتا۔

فیوز اڑانے کے بعد کافی دیر گزر گئی تھی۔

کاش اس وقت عمارت میں کوئی خفیف سی آواز سننے کے لیے [illegible]

عمل شنا چھایا ہوا تھا جیسے وہ کسی بے جان مخلوق کا آسیب مسکن ہو۔ جب تک میں فرش پر رہا ہوں میرے ذہن میں انتظار کی گھڑیاں طویل ہونے کے ساتھ ہی جو پہلے سے بھی زیادہ اضطراب انگیز ہونے لگا۔

اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے دروازے کے باہر کوئی شخص آ کر رک گیا ہو۔ میرا دل بے ترتیبی سے دھڑکنے لگا۔

کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کی۔ پھر زور زور سے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ میں ریوالور کے دستے پر انگلیاں مضبوطی سے جمائے انتظار کرتا رہا۔ دروازے کے باہر سے آہستہ آہستہ کسی کے چلنے کی آواز آئی جو کسی خوابناک آواز سے مشابہ تھی۔ میں اس کے بعد اٹھ کر دروازے کے قریب پہنچا اور میں نے کان لگا دیے۔ باہر سے شوارٹ کی آواز آ رہی تھی اور وہ یقیناً ٹیلی فون پر بات کر رہا تھا۔

دونوں جانب خاموشی چھا گئی لیکن دروازے کی دوسری جانب سے آنے والی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔

اس کا لب و لہجہ ترچھی طرح سمجھ میں آ رہا تھا۔ میں مفہوم تو نہیں سمجھ سکا مگر قیاس کیا کہ شوارٹ نے کسی اور سے رابطہ کیا ہے جو غالباً اس کا سرپرست تھا۔ میرے لیے یہ صورت حال خاصی پریشان کن تھی کیونکہ اس عمارت میں شوارٹ کے علاوہ کسی اور کی موجودگی کا اندیشہ نہایت تشویش ناک تھا۔ وہ جو بھی تھا نہایت عیار اور شاطر معلوم ہوتا تھا۔

اس شخص کی آواز معدوم ہوتے ہی عمارت کے کسی حصے میں قدموں کی دھمک سنائی دی۔ موجودہ حالات میں میری ساعت بہت حساس ہو چکی تھی۔ یہ سلسلہ کچھ دیر جاری رہا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ آنے والا اوپر کے کمرے سے ہو کر نیچے آ رہا ہے۔

اس اندازے کے ساتھ لگاتار قدموں کی چاپ بہت آہستگی کے ساتھ قریب آتی جا رہی تھی۔

پھر مجھے کسی کے سانس لینے کی آواز صاف سنائی دینے لگی۔ مکمل سناٹے میں آنے والے کے قدم بہت آہستگی سے میرے دروازے کے قریب آ کر رک گئے۔

تالے میں چابی گھومنے کی آواز آئی پھر ہلکی سی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا۔ روشنی اندر آنے کی بجائے اندھیرا ہی اندر آیا تھا۔

شوارٹ نے بے احتیاطی سے دروازہ پوری قوت سے دھکیل دیا اور وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا میں نے پوری قوت سے اس پر چھلانگ لگا دی۔ ہم دونوں فرش پر گر پڑے۔ دروازے کے باہر کے تاریکی میں اس کے ہاتھ سے کوئی چیز گر کر دور جا گری اور ہم دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔

اس کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ میں اس کے گلے پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جیسے ہی میرا ہاتھ اس کی گردن تک پہنچا اس نے ایک زوردار جھٹکا دیا اور میں ایک طرف جا گرا۔ [illegible]

ابتدائی حدود کو بھانپتے ہوئے میں نے روشنی کا دائرہ آہستہ آہستہ کمرے میں گردش کر رہا تھا۔ میں نے آنے والے کی صحیح پوزیشن کا اندازہ لگانے کے لیے نہایت خاموشی اور احتیاط کے ساتھ اپنی جیب کی تپش سے ایک دھاتی چیز نکالا اور روشنی کا دائرہ دور ہوتے ہی اندازے سے مسہری کے عقب میں اچھال دیا۔

تھمن سے گرنے کی آواز پر روشنی کا دائرہ تیزی سے حرکت میں آیا اور اس کے ساتھ ایک ہلکے جھٹکے کے ساتھ بجلی کی پھلجھڑی سے ایک شعلہ فضا میں تیرتا ہوا مسہری کے گدے میں پیوست ہو گیا۔ اور روشنی اسی طرف مرکوز ہو گئی۔

میری اس حرکت نے آنے والے کو غلط فہمی میں ڈال دیا تھا۔ روشنی کی حرکت کا دائرہ مسہری کے اطراف میں محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ اسے یہی خیال رہا ہو گا کہ میں مسہری کے عقب میں دبکا ہوا تھا۔

اس شخص نے بے آواز ریوالور سے ایک اور فائر کیا۔ اس بار فائر کا نشانہ مسہری کے پیچھے کا حصہ تھا۔ کیونکہ فرش سے چند انچ کی بلندی پر تیرتا ہوا مسہری کے نیچے داخل ہوا تھا مگر دوسری طرف نکلنے کے بجائے فرش میں دھنس گیا تھا۔

میرے لیے مشکل یہ تھی کہ میں جس سمت کھڑا تھا روشنی ہی اسی طرف والے حصے کے پیچھے دبکا ہوا تھا۔ اس شخص کی ٹارچ کی روشنی کے دائرے کے ساتھ گردش کر رہی تھی اور وہ مسہری کا طواف کر رہا تھا۔ ایسی صورت میں اگر میں اس پر جھپٹنے کے لیے اپنی جگہ سے نکلتا تو بہت قریب والے شخص کی نظر میں آ جاتا۔ البتہ ٹارچ کی جانب سے روشنی کی زد میں آئے بغیر میں پیچھے سے اس کے سر پر حملہ کیا جا سکتا تھا۔

پھر اس نے فرش سے قریب ہاتھ رکھ کر مسہری کے نیچے سے گولی گزار کر دوسری طرف چھپے نشانہ بنانے کی کوشش میں فائر کیا اور جھٹکے کے ساتھ بے اختیار میرے حلق سے چیخ نکل گئی۔

وہ شاید میری اسی پوشیدگی کا منتظر تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ اس کی چھت والے کسی حصے میں چھپا بیٹھا ہے۔ کیونکہ اس کی روشنی اس قدر مدھم تھی کہ وہ میری حرکت کی سمت کا اندازہ نہ کر سکا اور یہ سمجھ کر تیزی سے اندر پہنچا کہ اس نے مجھے مار لیا ہے۔

جیسے ہی اس کا ہاتھ میرے قریب آیا میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کے جھٹکا دیا وہ وہیں گرا اور ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر کمرے کے کسی حصے میں جا گرا۔ اس شخص کا سر زمین پر زور سے ٹکرایا اور ریوالور سے نکلی گولی اس کے کندھے میں پیوست ہو گئی۔

موقع پاکر میں آگے بڑھا۔ وہ تیزی سے اٹھا اور اس سے آگے وہ کچھ نہ کر سکا۔ اس کی ٹھوڑی پر میرا گھونسا پڑا اور وہ چکرا کر گر گیا۔ وہ دوبارہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر میں نے اس کی کنپٹی پر بھرپور وار کیا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔

میں نے جلدی سے اٹھ کر اس کی ٹارچ اٹھائی اور اس کی روشنی میں اس کا جائزہ لینے لگا۔ ریوالور اٹھا کر جیب میں ڈالا اور مسہری کے پیچھے سے اس کا ریوالور بھی تلاش کر لیا اور پھر مسہری کے نیچے چلا گیا۔

اگلا قدم اٹھانے سے پہلے میں اس بات کا پورا یقین کر لینا چاہتا تھا کہ

اس وقت عمارت میں میرا کوئی اور حریف نہیں ہے۔

تاریکی میں میری رسٹ واچ کے روشن ڈائل پر سوئیاں تین بجانے والی تھیں۔ مجھے سیڑھی کے عقب میں اندھیرے میں دبکے کئی منٹ گزر گئے مگر پوری عمارت میں کہیں بھی کوئی آواز سنائی نہ دی۔ پر اسرار موت کا عیاں سکوت طاری تھا البتہ کبھی کبھار احاطے میں ابھرنے والا جھینگروں کا شور فضا کا سینہ مجروح کر رہا تھا۔

میں اپنی جگہ سے نکل آیا اور ٹارچ روشن کر کے پہلے تازہ شکار کا جائزہ لینے لگا۔

وہ کوئی فرنگی ہی تھا۔ اس کی عمر پچاس سال کے قریب رہی ہوگی مگر اس کا بدن بہت مضبوط تھا اس کے چہرے پر پرانے زخموں کے کئی نشان تھے جو اس بات کے غماز تھے کہ وہ شریفانہ طبقے سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ اس کے بدن پر ڈھیلا ڈھالا سلیپنگ سوٹ موجود تھا جس کی جیبیں بالکل خالی تھیں۔

عمارت میں اتنے شور کے باوجود خوارث کے نظر نہ آنے کا مطلب یہی تھا کہ وہ کہیں باہر گیا ہوا تھا ورنہ اس جیسے تجربہ کار شخص کیلئے سائلنسر لگے ہوئے ریوالور سے فائر کی آواز پہچان لینا بہت آسان تھا۔ اگر وہ عمارت میں موجود ہوتا تو تین فائروں کے بعد ابھرنے والی چیخ اسے جائے واردات پر کھینچ لانے کیلئے کافی تھی۔

پہلے میں نے مرنے والے کی لاش کو چارہ بنا کر کتوں کو ختم کرنے کا ارادہ کیا مگر اس طرح خوارث زندہ رہ جاتا اور میں اپنی آزادی کے اس مہیب خطرے کو مٹا دینا چاہتا تھا۔

میں نے اسی لاش کو برآمدے میں ڈال کر خود ڈرائنگ روم میں گھس جانے کا ارادہ کیا تھا۔ اگر کتے مرنے والے سے مانوس نہ ہوتے تو فوراً اس کی بو کی طرف متوجہ ہوتے اور اگر مانوس ہونے کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ نہ ہوتے تو پیش بندی [illegible] باہر نکل آتا میں ان پر بیچھے سے نشانے لگا کر ان کا صفایا کر دیتا اور پھر [illegible] اس کے بعد تمہیں یہ جانچنا تھا کہ [illegible] نکالنا بہت آسان تھا اور یہ ممکن تھا۔

گو پہلے یہ خوارث کو ٹھکانے لگانا ہی ضروری ہو گیا تھا۔ ابتدا میں بولا کیونکہ جس طرح جیسے ہی شامت مجھے جیتے جی ... حقیقی منس کی اس ویلنا [illegible] ٹیک لاؤنج کے باب مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ خوارث کی موت میرے ہاتھوں لکھی جا چکی تھی اتنی رات گئے اپنی قیام گاہ سے خوارث کی غیر حاضری اس بات کی غماز تھی کہ وہ کسی اہم مشن پر گیا ہوا تھا اور اس کی واپسی کسی بھی وقت ہو سکتی تھی۔

نے لیے کیا ضروری ہے کہ سب سے پہلے اس کی آمد سے قبل میں ان سب باتوں کو پیش نظر رکھوں۔ کر اس کی واپسی سے پہلے روشنی بجھا دی اور لاش کو اٹھا کر گھسیٹا اور احاطے میں اس کی پشت دروازے کی طرف کر کے بستر پر ڈال کر ... بوڑھی نظر میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سونے والے نے سردی سے بچنے کے لیے چادر کا ایک حصہ لپیٹ لیا ہے۔

لپیٹ لیا ہو۔

اس ویران اور اندھیری عمارت میں ایک [illegible] کچھ ایسی خوشگوار نہیں تھی کہ میں زیادہ دیر تک وہاں رکا رہتا۔ کی ہول میں جابی لگی ہوتی تھی میں نے دروازہ مقفل کیا اور احتیاط سے عمارت کی تلاشی لینے لگا۔

کرہ چھوڑنے سے پہلے میں نے اپنے [illegible] نشانات وغیرہ بھی صاف کر لیے تھے کہ ممکن تھا پولیس کو [illegible] پڑتی ہو۔

عمارت میں مجھے کسی قابل ذکر چیز کی تلاش نہ تھی مگر میں چاہتا تھا کہ وہاں کوئی ایسا ثبوت نہ رہے۔ قطار در قطار کمرے اور [illegible] ہوئے کمروں میں مجھے کسی کی تفصیلات نظر نہیں آئیں۔ البتہ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اس دوران میں [illegible] تمام کھانے رکھے ہوئے [illegible] روشنی پھیل گئی۔

میں باہر نکلا تو ساری عمارت میں حسب معمول [illegible] میں باقی ماندہ کمروں کا جائزہ لیتے ہوئے [illegible] داخلی دروازے کے قریب دیوار سے پشت لگا کر [illegible] دروازہ کھلنے پر میں اس کی اوٹ میں آ جاؤں۔

وہاں بیٹھے بیٹھے مجھے کئی گھنٹے بیت چکے تھے [illegible] تھا تو میرے ذہن میں اچانک ایک عجیب خیال نے سر اٹھایا۔ اگر ایک تھکا ہارا کتا [illegible] ان پر مزید وقت ضائع کرنے کی بجائے خوارث اور ان کی لاشیں بھی اسی حالت میں دریافت ہوتیں تو [illegible] کتے کی تکمیل پا لینے کے بعد [illegible] محفوظ حقیقی کو جا تا۔

خوارث کی غیر متوقع وفات [illegible] اور جلد میں نے نکل جانا چاہا۔ [illegible] والے خون خرابے کا راز جلد ہی فاش نہ ہو سکے گا۔

خوارث کتوں کی آمد سے قبل ہی یہاں سے جانا چاہتا تھا تاکہ مہمان کبھی بھی [illegible] آ سکتے تھے [illegible] اور امکان بھی تھا کہ لاشیں وہیں پڑی پڑی [illegible] واردات کا علم ہو پاتا۔ [illegible] یہ محسوس ہوتا کہ شخص بعد از خوارث کی [illegible] کوئی شخص نہ پاتا۔ [illegible] گرا دیا جاتا تھا۔ [illegible] کے لیے اوپر کا دروازہ کھلا تھا [illegible] میں بھی اب [illegible]

اندھیرے میں دبکا ہوا تیز نظروں سے [illegible] اور بیک وقت اچانک ہی باہر کسی گاڑی [illegible] سنائی دی۔ میں نے خود کو [illegible] کی رفتار سے قریب آتی جا رہی تھی۔ میرے قریب پہنچ کر وہ قریب آ گیا اور چند لمحوں بعد چیک کر کے بالکل پیچھے چھپ گیا۔ گاڑی میں بیٹھے شخص نے دروازہ کھولا۔ پھر اس نے باہر نکل کر گاڑی کا انجن بند کیا۔ پھر اس کا [illegible] پورچ میں کار کی ہیڈ لائٹس بجھ گئیں۔

اس کے بعد کسی کے قدموں کی آواز [illegible] چونک گیا۔ چند لمحوں بعد ہی کسی کے قدموں کی آواز سیڑھیوں سے گزرتی ہوئی برآمدے تک آئی اور میں نے تاریکی میں اس کی چال کا اندازہ لگایا۔

میں نے رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو وہاں ساڑھے چار بج رہے تھے۔ آنے والا یقیناً ان کا محسن تھا اسی لیے کتے بھی خاموش ہو گئے تھے۔ اس نے برآمدے کے دروازے پر قدموں کی چاپ ٹھہری اور دروازے کا ہینڈل گھمایا گیا مگر دروازہ نہیں کھلا۔

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ کتے پاس ہی سنسناہٹ ہونے لگی تھی۔ آنے والے کو حالات کی بھنک مل گئی تھی اور وہ چوکنا ہو گیا تھا۔ میں نے اپنا ریوالور نکال کر دروازے کی طرف تان لیا تھا۔ باہر سے وہ لاپروائی سے اندر گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔

آنے والے نے باہر چند لمحوں کا توقف کیا اور پھر دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ اس نے دروازے کا ہینڈل چھوڑا اور میں نے [illegible] سوئچ دبایا تو ایک دم روشنی پھیل گئی اور [illegible] کا اندر جا رہا تھا۔

میں اس کی پشت پر خاموشی کے ساتھ [illegible] دیکھتا رہا۔ اس کی حالت بہت ابتر تھی۔ اس کا لباس گرد آلود تھا اور بہت گندا اور [illegible] تھی کیونکہ کپڑوں کا خاصا حصہ خون میں تر ہو رہا تھا [illegible] کی کپڑوں پر جگہ جگہ نشان ہو رہے تھے۔

خوارث نے جیسے ہی ریوالور کی نال سیدھی کی میں نے بکار کر اپنی جگہ سے اسے بتا دیا کہ وہ میری زد میں ہے۔

وہ [illegible] کر ٹھٹکا اور اس نے میری [illegible] کی آواز پہچان لی تھی۔

اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھوں کے گرد [illegible] حلقے پڑے ہوئے تھے جیسے وہ کئی راتوں سے سو نہ سکا ہو۔ اس کے چہرے پر جگہ جگہ [illegible] خراشیں تھیں۔

[illegible] تم نے کیسے دیکھ لیا کہ میں اس کمرے میں [illegible] موجود ہوں؟

[illegible] اسے میں نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

[illegible] کیسا جانتے ہو؟

[illegible] جس نے [illegible] میرا کام [illegible] میری جگہ سونا ہے

خوارث کے بگڑتے ہوئے چہرے کا اضطراب دیکھنے کو تھا۔ اس نے بڑبڑایا۔

”تو تم نے اسے مار دیا؟“ وہ کراہتا ہوا میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ میری گنتی بہت ابتر ہے خدا کے لیے مجھے تھوڑی سی برانڈی لا دو۔“

”تمہیں مارنے والے نے میری شدید خواہش کی ہے خوارث اب میں تمہیں ہلاک نہ کر سکتا ہوں۔ تمہارا مخلص بننے کی تو ضرورت ہی نہیں رہی۔“

”برانڈی تھوڑی سی برانڈی!“ وہ خون کے دھبوں کو زبان سے تر کرتے ہوئے بولا۔ ”میرا حلق سوکھ رہا ہے۔“

”پیاسا مارنا میرے مسلک میں روا نہیں ہے۔“ میں نے پیچھے ہوتے ہوئے ایک تپائی پر رکھی ہوئی بوتل اس کی طرف بڑھا دی جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔

”برانڈی نہیں دو گے؟“ وہ کراہا۔

”بیل بھینک کر کسی پانی پینے کو تم جیسے مکار اور ظالم شخص کو میں تنہا چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔“ میں نے جواب دیا۔

اس نے بوتل میں سے چلو بھر کر پانی پیا پھر بوتل میز پر پھینک دی اور سارا پانی پینے کے بعد اندر اتار لیا۔

خالی بوتل تپائی پر ڈال کر وہ چند لمحوں تک ہانپتا رہا پھر بولا۔ ”خدا کے لیے مجھے مت مارو میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں کتوں سے بچا کر نکال دوں گا اور کبھی تمہارے بارے میں زبان نہیں کھولوں گا۔ مجھے معاف کر دو۔“

”کتوں کی فکر مت کرو میں تمہاری لاش کو مجھے برآمدے میں ڈال کر نکلوں گا تو وہ بھی کتے سمجھیں گے کہ ہم بتاؤ کر تمہارا یہ حشر کیسے ہوا؟“

تمہارا ساتھی [illegible] بالکل [illegible] ہوئے بولا۔

کس سے ٹکرا گئے تھے؟

میں سب کچھ بتا دوں گا مگر میری جان بخشی کر دو۔

ڈاکٹر [illegible] کی ضرورت نہیں [illegible] گے؟

[illegible]

[illegible] مرتے مرتے بچا ہوں۔

[illegible]

[illegible]

نہیں ہے؟

اپنی کہانی شروع کرو [illegible]

[illegible]

[illegible]

ہر شخص [illegible] زبان [illegible] کرتا ہے۔

[illegible]

میری حالت ...... [illegible]

[illegible]

ڈاکٹر ...... ڈاکٹر [illegible]

میری بات کا جواب [illegible]

[illegible]

...... کہ تم مجھے ہلاک نہیں کرو گے۔

[illegible]

[illegible]

ٹیکسی

میں سفر طے کرتے ہوئے میرا ذہن اپنے نادیدہ فلسطینی دوست میں الجھا رہا جس نے محض شبے کی بنا پر اپنی سلامتی کی پروا کیے بغیر جیفری شوارٹ کو صرف اس لیے گھیر لیا تھا کہ میں لاپتا تھا اور جیفری شوارٹ میرے بارے میں معلومات جمع کرنے کی خاطر ہوٹل ڈی ریجن جا پہنچا تھا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ ہاتھ آیا ہوا شکار نکل جانے کے باعث میرا نادیدہ فلسطینی دوست چین سے نہ بیٹھا ہوگا۔

جیفری شوارٹ تو میرے سامنے اپنے فلیٹ میں سسک سسک کر دم توڑ چکا تھا مگر اس فلسطینی کی دانست میں وہ معمولی زخمی ہونے کے باوجود بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ دوسری طرف ڈی ریجن سے ملی رپٹ پھر زیادہ تھا، یہ صورت حال میرے کسی بھی ہمدرد کو پریشان اور مشتعل کرنے کے لیے کافی تھی۔

پھر اس وقت اچانک مجھے یاد آیا کہ تو موسے اسرائیلی ایران کے طیارے کے کامیاب اغوا کے بعد مجھے جو ہدایات دی تھیں ان کے مطابق ہوٹل ڈی ریجن کے منیجر کا نام بک ہارٹ تھا جب کہ مجھ سے ملنے والے شخص نے اپنا نام چارلس بتایا تھا۔

میں مسلسل تکان اور ذہنی صعوبتوں کے بعد کچھ ایسے حال میں تھا کہ ہوٹل ڈی ریجن اور منیجر کے معمے کے بعد نام پر قطعی توجہ نہیں دی۔ عجیب کیوں وہ صورت حال میں مجھے جو احتیاطی تدبیر پر عمل کرنا ضروری تھا۔

میں چارلس کے بارے میں جتنا سوچتا گیا اسی قدر اس کی شخصیت مشکوک نظر آنے لگی۔ شاید میرے ڈی ریجن پہنچنے کا راز قبل از وقت فاش ہو گیا تھا اور بک ہارٹ کی جگہ چارلس نے ہوٹل کے منیجر کی جگہ سنبھال لی تھی۔ بھورے بالوں اور سنگلاخ خد و خال کا مالک وہ فرانسیسی بہت خطرناک اور عیار معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے جیفری کی تمام جس طرح مجھے سونپے تھے شاید اس کی بنا پر میرے شبہات کو اور زیادہ تقویت مل رہی تھی۔

اس نے میں کے رنگین ریک کا بہانہ تراش کر مجھے ہوٹل سے باہر ہانک دیا تھا۔ اس کے منصوبے کے مطابق شوارٹ نے مجھے اپنے دام میں پھانس لیا۔ مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ جیفری شوارٹ نے مرنے سے قبل ڈی ریجن کے بارے میں جو کہانی سنائی وہ اس کی ذہنی اختراع تھی۔

وہ شاید کسی قمار خانے میں جھگڑے کا شکار ہوا تھا جہاں زیادہ تر ایرانی پر فاضے مستقل مزاج جواری بھی خون خرابے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ شدید زخمی ہونے کی وجہ سے وہ سیدھا اپنے گھر دوڑا آیا۔ اس کی موت کی خبر نے مجھے پریشان کر دیا۔ اس کی نازک حالت اس قدر ابتر تھی کہ اگر زندہ بھی بچ جاتا تو موت کے منہ سے مجھے نہیں روک سکتا تھا۔

بنیادی طور پر شوارٹ نہ صرف یہودی تھا بلکہ اسرائیل کا کٹر وفادار بھی تھا۔ عین ممکن ہے اس کی بنا پر وہ فرانس میں اسرائیلی مفادات کے لیے سرگرم عمل تھا۔ مجھے ہاتھوں سے نکلتا دیکھ کر اس نے مجھے ڈی ریجن کے منیجر کے بارے میں ایک ایسی کہانی سنائی کہ میں راہ دیکھتے ہی ہوٹل کا رخ کروں۔ چارلس مجھے دوبارہ کسی جال میں پھانس کر کسی حال میں اسرائیل روانہ کر دیتے۔

میری دانست میں جیفری شوارٹ مرتے مرتے بھی اپنا کام کر گیا تھا۔ میں نے فوراً ٹیکسی رکوا لی۔

ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے میں کسی پبلک فون بوتھ کی تلاش میں چل پڑا۔ اگلا قدم اٹھانے سے قبل میں ایک بار ہوٹل ڈی ریجن کی جانب سے تسلی کر لینا چاہتا تھا۔ میں نے ایک جنرل اسٹور پر ٹیلی فون ڈائریکٹری سے ہوٹل ڈی ریجن کا فون نمبر حاصل کیا اور پھر فون بوتھ کی طرف ہو لیا۔

"ہوٹل ڈی ریجن۔" سلسلہ ملتے ہی دوسری جانب سے سی نسوانی آواز سنائی دی۔

"میں منیجر سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے انگریزی میں کہا۔

"منیجر اس وقت موجود نہیں ہے۔" دوسری طرف سے لہجے میں جواب دیا گیا مگر بولنے والی کی انگریزی بہت کمزور تھی۔

"مجھے اس سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

"آپ اپنا نام اور فون نمبر مجھے لکھوا دیجیے۔ منیجر آتے ہی آپ سے رابطہ قائم کرلے گا۔" اس نے شائستہ لہجے میں کہا۔

"وہ جہاں بھی ہے اسے تلاش کرو۔ میں دس منٹ بعد دوبارہ فون کروں گا۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "اسے بتا دینا کہ جیفری شوارٹ کا پیغام ہے۔" بات ختم کرتے ہوئے بھی میں نے ایک خوشگوار حیرت محسوس کی کہ وہ جہاں بھی ہو جیفری شوارٹ کا نام سنتے ہی ڈی ریجن پہنچ جائے گا۔

اپنی بات ختم کر کے میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

اس وقت شام کے ساڑھے آٹھ بجے تھے۔ جنرل اسٹور اور ڈیری فارم کی مصنوعات کی دکان کے علاوہ باقی دکانیں بند ہو چکی تھیں۔

وہ نومبر کے ابتدائی ایام تھے اور فضا میں خاصی خنکی تھی۔ میں جیبوں میں ہاتھ ٹھونس کر ایک طرف چل دیا۔

میں نے وہ دس منٹ قریب کی ویران سڑکوں پر چہل قدمی میں گزارے پھر ایک فون بوتھ میں داخل ہو گیا۔

"ہوٹل ڈی ریجن۔" اس بار بھی وہی مانوس آواز سنائی دی۔

"منیجر سے سلسلہ ملاؤ۔" میں نے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔

"اوہ... مسٹر جیفری شوارٹ!" اس نے میری آواز پہچان کر کہا۔ "مسٹر چارلس تمہارے فون کے منتظر ہیں۔"

"ہیلو!" اس مرتبہ فون پر چارلس کی بھاری آواز سنائی دی۔ اس نے جو کچھ کہا وہ میری فہم سے بالا تھا۔ مدعا کے لیے فرنچ کا سہارا لیا تھا مگر اس کے لہجے سے

"کیا تم انگریزی نہیں بول سکتے؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا تو فون پر اس کی غراہٹ سنائی دی۔

"تم کون ہو؟"

"جیفری شوارٹ۔"

"بکواس!" وہ دہاڑا اور میں نے جلدی سے ریسیور کان سے دور کر لیا۔

"تمہیں شبہ کیوں ہے میری پہچان پر؟"

"مجھے پتا ہے تم جو بھی ہو شوارٹ کو بتا دیا تھا کہ البرٹو میرے قبضے میں ہے اور اگر وہ سورج غروب ہونے سے پہلے ڈی ریجن نہ پہنچے تو وہ اس کی جان لے لیں گے۔" وہ فوراً بولا۔

چارلس کی گفتگو سن کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ مجھے شدت سے احساس ہوا کہ مجھ سے ایک حماقت سرزد ہو گئی ہے۔ پھر بھی میں نے بات بنائی۔ "تم جھوٹے ہو۔ البرٹو تمہارے پاس نہیں ہے۔" وہ بولا۔ "جیفری شوارٹ نے تمہارے کسی آدمی کو گرفتار کیا ہے جو تم اپنے سے الگ ہو؟"

جواب میں اس نے بے ساختہ فرنچ میں چند فقرے ادا کیے جن کی ساخت کچھ ایسی بھیانک تھی کہ وہ گالیوں کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر وہ انگریزی میں دھاڑنے لگا۔ "تمہیں اب شوارٹ مجھے تو زبان دی ہوئی کہ وہ میرے مہمانوں پر ہاتھ ڈالنے لگے۔ اگر ان کو کوئی نقصان پہنچا تو تم لوگ پاتال میں بھی میرے ہاتھوں کے انتقام سے نہیں بچ سکو گے۔"

چارلس کے الفاظ پر میرا دل شیر ہو گیا اور میرے ذہن میں سر اٹھانے والے تمام وسوسے یک لخت دور ہو گئے۔

"تمہارا پورا نام کیا ہے میرے دوست؟" میں نے ہلکا سا قہقہہ مار کر سوال کیا۔

میرے اس رویے نے شاید اسے بھی الجھا دیا۔ "تم کون ہو؟"

"تمہارا ایک ہمدرد میرے دوست!"

"اوہ خدایا!" اس کی آواز میں بلا کا تحیر سمٹ آیا۔ "تمہیں یہ ڈرامہ رچانے کی کیا ضرورت تھی۔ تم کہاں ہو؟"

"مجھے خود علم نہیں کہ میں کہاں ہوں۔ مگر خیریت سے ہوں۔"

"خدا کا شکر ہے اس وقت تمہارے بارے میں بہت فکر مند تھا۔ اسے تمہاری سلامتی مطلوب ہے اور تم بے فکری سے گھوم رہے ہو۔"

"شوارٹ بڑی مشکل میں گھر گیا تھا..."

"تم کہاں سے فون کر رہے ہو؟" اس نے میری بات کاٹ کر بے تابانہ دریافت کیا۔

"ایک پبلک بوتھ سے۔"

"اطراف کے دروازے پر باہر کی طرف ایک نمبر ہوگا۔ وہ دیکھ کر مجھے بتاؤ اور یہ بتاؤ کہ قریب کوئی نشانی موجود ہے۔"

"میں ٹیکسی سے آرہا ہوں۔" میں نے کہا۔ "تم نے نام نہیں بتایا اپنا؟"

"میرا نام... سب مجھ کو ڈالر کہتے ہیں۔"

"نام کے تذکرے نے تو مجھے اس ڈرامے پر مجبور کیا تھا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"چارلس بک ہارٹ۔" ایک گہری سانس کے ساتھ اس کا جواب سنائی دیا۔

"اب میری الجھن رفع ہو گئی۔ میں آرہا ہوں۔" میں نے یہ کہہ کر فون کا سلسلہ فوری طور پر بند کر دیا۔

ذہنی پریشانی کی بنا پر مجھ سے ایک نہایت احمقانہ حرکت سرزد ہو چکی تھی۔ میں نے اپنے ایک مخلص اور ہمدرد ساتھی کی نیت پر نہایت وثوق کے ساتھ شبہ کیا تھا۔ عجب کہ وہ بیچارہ اپنی اہم کاروباری مصروفیات کے باوجود میری سلامتی کے لیے فکر مند تھا۔

یہ درست تھا کہ اسی اڈو موسے نے مجھے ہوٹل ڈی ریجن میں جس شخص سے ملنے کی ہدایت کی تھی اس کا نام بک ہارٹ بتایا تھا۔ اصولاً اسے مجھ کو ڈی ریجن کے منیجر کا پورا نام بتانا چاہیے تھا مگر اس کے بعد یہ میری غلطی تھی کہ ڈی ریجن پہنچنے کے بعد پہلے چارلس سے اس کا پورا نام دریافت کرتا پھر اپنی آمد کا مقصد بیان کرتا۔

ایک مرتبہ اس کی ذات پر اعتماد کرنے کے بعد میں نے جس انداز میں اس سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی کوشش کی تھی اس کا رد عمل میرے لیے خاصی شرمندگی کا باعث بننے والا تھا اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کس طرح چارلس بک ہارٹ کو اپنے اس رویے کے جواز کا یقین دلا سکوں گا۔

جب میں ٹیکسی سے ہوٹل پہنچا تو استقبالیہ کاؤنٹر پر چارلس نہایت بے چینی سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں میں سگریٹ دبی ہوئی تھی اور اس کی متورم آلود آنکھیں اس کی رات بھر کی بے خوابی کا اعلان کر رہی تھیں۔ اس کی پیشانی پر بے شمار تفکر آمیز لکیریں پڑی ہوئی تھیں۔ اس کے باوجود مجھے دیکھتے ہی وہ دوستانہ انداز میں مسکراتا ہوا میری طرف لپکا اور میری کمر میں ہاتھ ڈال کر مجھے اپنے ساتھ ایک طرف لیتا چلا گیا۔

"میں اس فون کال پر شرمندہ ہوں چارلس!" میں نے اس کے ہمراہ ناہمواری محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"اس گفتگو سے مجھے بے کام نہیں ہے گا۔" وہ دوستانہ مگر سنجیدہ لہجے میں بولا۔ "میں تم سے اس کی تفصیل وجہ جاننا چاہوں گا۔"

"دراصل مجھے بتایا گیا تھا کہ ڈی ریجن میں مجھے منیجر سے ملنا ہوگا جس کا نام بک ہارٹ ہے۔ بتانے والے نے مجھے تمہارا آخری نام بتایا جبکہ تم نے اپنا تعارف صرف پہلے نام سے کرایا تھا۔ اس عجیب اتفاق پر میں شاید کبھی غور نہ کرتا مگر جب شوارٹ نے مجھے گھیر لیا اور میں مشکل اس سے نجات پانے میں کامیاب ہو گیا تو مجھے یہی خیال گزرا کہ میں شاید ڈی ریجن میں کسی غلط آدمی سے ٹکرا گیا......"

"جس نے تمہیں شوارٹ کی طرف ہانک دیا۔" وہ قہقہہ مار کر بولا۔

"میں اپنی اس حماقت پر شرمندہ ہوں۔"

"مجھے تمہاری صاف گوئی پر خوشی ہے ڈاکٹر!" وہ میری پشت پر ہاتھ مار کر بولا۔ "یہ اچھا ہوا کہ تم نے خاموشی سے روپوش ہونے کے بجائے مجھے فون کر لیا۔"

"تم سے کٹنے کے بعد میں دشواریوں میں گھر جاتا۔"

"شوارٹ تمہاری راہ پر کیسے لگ گیا؟" اس نے دفاتر کے بعد ایک تنگ راہداری میں داخل ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ تنگ ہال میں مجھے ایک سستا سا لڑکی مل گئی تھی اور وہ شوارٹ کے ساتھ تھی۔ بس اس سے میرا نام معلوم ہوتے ہی وہ میرے پیچھے لگ گیا۔"

"تم نکلے کیسے؟"

"اسے کسی نے بہت بری طرح مارا تھا۔ میں اس کے ملازم کو غش میں لا کر آزادی تو حاصل کر چکا تھا مگر اس کے پالتو کتوں کی وجہ سے باہر نکلنا مشکل تھا۔" کہہ کر میں نے مختصر الفاظ میں اپنی کہانی دہرا دی۔

"یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اس نے تمہارے بیان کی تصدیق کے لیے کسی کو بھیج دیا۔" وہ راہداری کے اختتام پر ایک کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔ "مجھے علم تھا کہ وہ مشکوک سرگرمیوں میں ملوث رہتا ہے مگر وہ مجھ سے متعارف نہیں تھا۔ جب وہ محکمہ خفیہ کا ایک جعلی شناختی کارڈ لے کر آیا تو میرا ماتھا ٹھنکا۔ اس وقت عبداللہ بھی میرے پاس موجود تھا۔ اس نے مجھے شوارٹ کو باتوں میں لگانے کا اشارہ کیا اور خود کھسک گیا۔ میں خود بھی اپنے ہوٹل میں ہنگامہ آرائی نہیں چاہتا تھا جب میں اسے لے کر کمرہ نمبر نانوے میں پہنچا تو عبداللہ کمرہ صاف کر چکا تھا جب شوارٹ ہوٹل سے روانہ ہوا تو میں بھی اس کے پیچھے نکلنا چاہتا تھا مگر کاؤنٹر کلرک نے بروقت مجھے ایک بند لفافہ دیا جس میں عبداللہ کا پیغام تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ وہ خود ہی شوارٹ سے نمٹے گا۔ رات گئے عبداللہ واپس آیا تو بہت جھلایا ہوا تھا کیونکہ شوارٹ اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔"

کمرے میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بولٹ کیا اور ختم ہوتی ہوئی سگریٹ سے نئی سگریٹ سلگانے کے بعد بولا۔ "عبداللہ کو ڈر تھا کہ شوارٹ تمہیں ہلاک نہ کر دے۔ جب کہ ہم لوگ شوارٹ کے ٹھکانے سے لاعلم تھے۔ پھر مجھے البرٹو کا خیال آیا۔ وہ ایک اطالوی یہودی ہے اور اکثر شوارٹ کے ساتھ دیکھا جاتا تھا۔ یہ معلوم ہوتے ہی عبداللہ البرٹو کے مکان پہنچا اور اسے زبردستی یہاں لے آیا۔ ہم نے اس پر بے پناہ تشدد کیا مگر وہ شوارٹ کے بارے میں زبان کھولنے پر آمادہ نہ ہوا۔"

اس وقت ہم لوگ سیڑھیاں اتر رہے تھے۔ گراؤنڈ فلور کے اس کوریڈور اور مشکوک کمرے میں سیڑھیاں اترنے کا مطلب یہی تھا کہ ہم لوگ ڈی ریل کے کسی خفیہ تہہ خانے میں جا رہے تھے۔

"عبداللہ کہاں ہے؟" میں اپنے اس نادیدہ محسن کے بارے میں اپنے تجسس پر زیادہ دیر قابو نہ رکھ سکا۔

"نیچے تہہ خانے میں ہے۔ وہ شاید البرٹو کو ہلاک کرنے کا قصد کر چکا ہے۔"

"ڈاکٹر کو خوفزدہ مت کرو چارلس!" اچانک تہہ خانے سے ایک گمبھیر آواز سنائی دی۔ "یہ سالا آسانی سے منہ نہیں کھولے گا..."

"وہ ہماری باتیں سن رہا ہے۔" چارلس ... قہقہہ مار کر بولا۔

وہ تہہ خانہ چالیس فٹ لمبا اور اسی قدر چوڑا تھا جبکہ بلندی بمشکل دس فٹ رہی ہوگی۔ وہاں دیواروں کے ساتھ ... چوبی کرسیاں بچھی ہوئی تھیں اور تہہ خانے کی فضا میں نامانوس سی بو رچی ہوئی تھی۔

تہہ خانے میں روشنی کا کافی انتظام تھا۔ ... سے لٹکے ایک دیو ہیکل اور تنومند نوجوان ... لیٹا ہوا تھا۔ اس کے سامنے لنگر ... کے ستون سے ایک ... رسیوں سے کسا ہوا تھا۔

قیدی کے جسم پر لباس کے نام پر ... اس کا بدن جابجا زخموں سے چور تھا اور اس کی گردن ایک طرف جھولی ہوئی تھی جس سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ تشدد کی وجہ سے بے ہوش ہو چکا تھا۔

ہم دونوں کو دیکھ کر وہ نوجوان اچھل کر ... والہانہ انداز میں مجھ سے یوں بغل گیر ہو گیا جیسے برسوں کا ...

"تمہاری امانت تمہیں پہنچا دی۔ اب میری چھٹی ..." ... خوش دلی سے بولا۔ "میں کچھ دیر آرام کروں گا۔"

"تم رات بھر کے جاگے ہوئے ہو۔ جا کر سو جاؤ۔ میں ... اسے سنبھال لوں گا۔" وہ نوجوان بولا۔

"ڈاکٹر! کیا ہے اب اس کی جان چھوڑ دو۔"

"اسے گاڑی میں ڈال کر کہیں پھینک دیں گے ... کرو۔" اس نے ہاتھ لہرا کر چارلس کو جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

چارلس الوداعی انداز میں ہاتھ لہرا کر واپس چلا گیا۔

جب تک اس کے قدموں کی گونج سنائی دیتی رہی ہم ... ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ایک دوسرے کی آنکھوں میں ... مسکراتے رہے۔ جب اوپر کمرے کا دروازہ بند ہونے کی آواز ... تو اس نوجوان نے ایک بار پھر مجھے سینے سے لگا لیا۔

"تم تو بالکل مجھ جیسے عام آدمی نظر آتے ہو یار!" وہ مجھے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بے تکلفانہ لہجے میں بولا۔

"تو پھر کس نے کہا کہ میں عام آدمی نہیں ہوں؟"

"تل ابیب سے بیروت اور دمشق کے راستے تمہاری ... مجھ تک پہنچی ہیں۔ ان سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ تم کوئی عجیب ..."

"میں تمہارا نام جان سکتا ہوں؟ چارلس نے تو ..." میں نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"عبداللہ قطعی!" وہ علیمی سے بولا۔ "یہاں خود کو ... بھی کرتا ہوں مگر وہ میرا اصل نام ہے۔"

... نام آتے ہی میرا دل بوجھل ہو گیا۔ وہ کتنی کے ان چند ... جو ہماری زندگی ... موت کی گھڑی ... اس شخصیت پرست کا شیوہ تھا۔ وہ دشمن کی ... سب ایک انداز میں کرتا تھا کہ ... سے یاد کر ... آتا تھا۔

"میرا تو خیال تھا کہ تل ابیب میں ہماری سرگرمیاں خفیہ ہوتی ہیں۔" میں نے ... مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"دشمن کے لیے وہ یقیناً خفیہ ہوتی ہیں مگر ایک مخصوص حلقے ... کے لیے وہ خفیہ ہی رہتی ہیں۔"

"شوارٹ نے مجھ سے تمہاری سنگدلی کی شکایت کی تھی۔"

"ہو سکتا ہے اگر شاید یہ بھی ..." اس نے ... البرٹو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ البرٹو اس کا شریک کار تھا؟"

"قطعی!" اس نے پورے اعتماد سے کہا۔

"شوارٹ کی موت کے بعد اب اس کا کیا کرو گے؟"

"ہوش میں آنے کے بعد خود کو کسی گندی نالی میں پڑا پائے گا۔"

"اسے چھوڑ کر تم غلطی کرو گے۔"

"تو پھر اسے بھی مار دیتا ہوں۔" اس نے میرے مشورے کا سبب دریافت کیے بغیر نہایت سکون سے کہا۔

"شوارٹ میرے پیچھے کیوں لگا تھا؟"

میرے اس سوال پر عبداللہ سوچ میں پڑ گیا۔ دستانے والے ہاتھ ... ہوئے اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

"تم نے کوئی ... تو اندازہ کیا ہو گا؟" میں نے اسے خاموش پا کر ... کے ساتھ لقمہ دیا۔

"کچھ کچھ تو میں نے اس بارے میں سوچا بھی نہیں۔" وہ ... بولا۔ "مجھے تو بس یہ فکر تھی کہ میرے ایک ... کو ... کے ساتھ اپنے ... کر لیا تھا۔"

"شوارٹ یہاں اسرائیل کے لیے کام کرتا تھا۔"

... میرے الفاظ سنتے ہی وہ حیرت اور بے یقینی کے ... اچھل پڑا۔

"جب ... اس کے ہاتھ میں تھی تو خود اس نے مجھے یہ بات ..."

"... ایک ... اہمیت نہیں دی ... مشہور ..."

"... البرٹو کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"میں اسے زبان کھولنے پر مجبور کر دوں گا۔"

"اگر ہم اسے شوارٹ کے مکان پر منتقل ہو جائیں تو کیسا رہے گا؟" میں نے اس کے سامنے تجویز پیش کی۔

"وہ جگہ ہمارے لیے خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔ یہاں میں البرٹو کو قتل بھی کر دوں تو چارلس کو کوئی اعتراض نہ ہو گا۔"

"وہ بہت بڑا مکان ہے اور اس وقت وہاں دو انسانوں اور سات کتوں کی لاشوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ شوارٹ وہاں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہا تھا اور اس کے اپنے بیان کے مطابق اس کا کوئی ملاقاتی کتوں کے خوف سے پیشگی پروگرام بنائے بغیر ادھر کا رخ نہیں کرتا تھا اور ہمیں اس مکان کی تلاشی بھی لینا چاہیے۔"

"اس کا مکان کہاں ہے؟"

"یہ یاد نہیں۔ البتہ وہاں سڑک کے دونوں طرف کئی کئی ایکڑ کے رقبے پر مکانات بنے ہوئے ہیں اور وہیں ذہنی معذوروں کی انجمن کا دفتر بھی ہے۔"

"وہ... یہ تو تم ... کی بات کر رہے ہو۔" وہ ذہنی معذوروں کی انجمن کا نام آتے ہی بول پڑا۔

"اس سڑک پر پہنچنے کے بعد میں اس کا مکان پہچان لوں گا۔"

"ہم البرٹو پر زیادہ وقت خراب نہیں کریں گے۔ وہاں جانے کے بعد اس کی لاش ٹھکانے لگانے کا مسئلہ بھی نہیں رہے گا۔"

"اسے اس حالت میں ہوٹل سے باہر لے جانے میں دشواری ہو گی۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔" یہ کہہ کر وہ تہہ خانے میں لگے ہوئے فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"چارلس!" فون کا سلسلہ مل جانے پر شاید میری وجہ سے عبداللہ نے انگریزی میں بات کی۔ "میں شوارٹ کے گھر جا رہا ہوں اور ..." چند لمحوں تک وہ ہوں ہاں کرتا رہا پھر بولا۔ "ٹھیک پانچ منٹ بعد میں کاریڈور ... گا۔" ... اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر عبداللہ نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک بڑے پھل کا چاقو نکالا جو کھٹکے سے کھلتا تھا اور البرٹو کے بدن کے گرد بندھی ہوئی رسیاں کاٹنے لگا۔

اس نے رسیاں کاٹنے کا عمل پیچھے سے شروع کیا تھا اور جب اس نے بازوؤں کے گرد بندھی ہوئی رسی ستون سے کاٹی تو البرٹو کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح ... دھماکے کے ساتھ فرش پر گرا۔ عبداللہ نے اسے سہارا دینے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

"میرا خیال ہے کہ یہ ... ایک گھنٹے تک ہوش میں نہیں آئے گا۔" عبداللہ نے جائزہ لیتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"اس کی حالت تو بہت زیادہ عجیب ہے۔"

"تم نے شوارٹ سے کچھ معلوم کیا تھا؟"

"اس سے میں نے بہت اہم بات اگلوائی تھی۔"

"وہ کیا؟" عبداللہ کے مزاج میں بے صبری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

"یہی جہان سے تم واقف ہو؟"

"بندہ خدا! تمہارے تعاون سے مجھے اسی کا اہتمام کرنا ہے۔"

"وہ پیریس میں آج ہے۔ میں نے شورٹ سے ہوٹل کا نام بھی پوچھا تھا مگر میرے پوچھتے ہی اس کا سانس ساتھ چھوڑ گیا۔"

"اور یہ خبر تم مجھے اب سنا رہے ہو۔" وہ تم شکار تیر نظروں سے بولا۔ "اس طرح تو ہمارا آدھا کام آسان ہو گیا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ میرے ذریعے ہوٹل کا نام بتانا چاہ رہا تھا۔"

"اب ہمارا نہیں ہیں وقت ضائع کرنا ہے سوچنے کا۔ آج البرٹو سے نمٹنے کے بعد کل ہم پیرس روانہ ہو جائیں گے۔"

"آج وہ میرا ایک اہم شکار مجھ سے ملنے والا ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"کہاں ہے؟"

"وہ یہیں آئے گی۔ اسی وجہ سے فوارث میرے پیچھے لگا تھا ڈیڈ کر۔" میں نے فلورنے کے بارے میں اسے بتا دیا۔

"وہ ڈی پریکا کا تو اسے شہلات کو گا۔"

"یہ بات سب نہ ہو گا۔ وہ مجھے گل کر یں ملنے دو انستہ اُسے غلط پتہ بتایا تھا ہو سکتا ہے کہ وہ انتقام کے طور پر کسی اور کو میرے یہاں موجود گی سے باخبر کر دے۔ تم عورتوں کی فطرت سے واقف نہیں ہو۔"

"تمہاری وجہ سے اس کا گھر برباد ہوا اس کا مزاج تم نہ سمجھو گے تو بھلا کون سمجھے گا۔" اس نے قہقہہ مار کر کہا۔ "پانچ منٹ پورے ہو چکے ہیں۔ اب وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اس لڑکی کے بارے میں تم کیا چاہتے ہو؟"

"اس سے ڈی پریکا میں میری موجودگی پوشیدہ نہ رکھی جائے اور اسے میری طرف سے رات نو بجے کا وقت دے دیا جائے۔"

"چار بجنے کو تھا ہو گا۔" وہ فون کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔ "ہوٹل کا علاوہ اگر تم مستقبل کا نام بھول چکا ہے۔"

اس مرتبہ خیریت ناخیریت فون کا سلسلہ ملا اور عبداللہ نے فرنچ زبان میں گفتگو کرنے کے بعد سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر عبداللہ نے سوئچ بورڈ پر لگا ہوا ایک سوئچ دبایا جو اطراف والی دیوار کا ایک حصہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر ایک طرف سرکتا چلا گیا۔ اس خلا کے بعد دوسری جانب بھی ہم خانہ نظر آ رہا تھا اور وہاں سیاہ رنگ کی ایک کرسی کھڑی ہوئی تھی۔

"تم بھی قریب آ جاؤ۔" عبداللہ نے مجھ سے کہا۔

"اچھا ہی۔" میں نے ہاتھ بڑھا دیا۔

"وہ یہاں گنجائش نہیں ہو گی۔"

میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تو وہاں اگنیشن سوئچ میں چابی موجود تھی۔ میں نے انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی کو پیچھے لے آیا۔

کرسی والی بہت کشادہ تھی، البرٹو کا جسم اس میں بہ آسانی سما گیا۔

عبداللہ نے دو بارہ وہی دیوار پر سوئچ دبایا، گاڑی کا بار کھل گیا۔ عبداللہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور گاڑی کو تیزی سے پیچھے لیتا چلا گیا۔ یوں ہی کار نے وہ خلا عبور کی تو دیوار کا حصہ برابر ہو کر اپنی جگہ لوٹنے لگا۔

"یہ کیا میکنزم ہے؟"

"دروازہ بند ہو جانے کے تیس سیکنڈ بعد جب ہوا خارج ہو گی تو گاڑی تمہارے خانے کے دوسرے حصے سے گزرتا ہوا اوپر چڑھنے لگی اور پھر ایک کشادہ راستے سے باہر نکل آئی۔

گودام کے طور پر استعمال ہونے والے کسی تہہ خانہ ڈی پریکا کے عقب میں نکلتا تھا۔ عبداللہ نے ماہرانہ انداز میں گاڑی سڑک پر گھمایا اور پھر سوئچ کی جھلکیاں کرنوں کی روشنی میں سفر شروع ہو گیا۔

"رات آٹھ بجے فلورنے سے ملاقات کیوں ضروری ہے؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد سکوت توڑنے پر بول دیا۔

"میں اسے اپنی جانب سے بدظن کرنا نہیں چاہتا۔"

"یا پرانے تعلقات کی تجدید کی خواہش ستا رہی ہے؟"

"ارے تم مخلص خواہش کہہ سکتے ہو۔" میں نے بلند قہقہہ مار کر کہا۔

"شاید تم نے ڈی پریکا میں مادام مجرب کی شرارت سے اس لڑکی کا اندازہ ہی سے استفادہ نہیں کیا تھا؟" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

"وہ خاص مشہور معلوم ہوتی ہے؟"

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں کی تمام گھڑی ہوئی کہانی بھول گئے ہو؟ اپنی جو ساری بھی اس کے حلقۂ اثر سے بہت مرغوب ہے۔"

"اس کے کہ تجربہ بھی آزمانے کا تجربہ ہو گئے۔"

"یورپ کی طرح فرانس میں بھی تیزی تو خیال ہی مردانگی کے جرائم پیدا نہیں ہوتے ہیں۔"

"وہ کیسے؟"

"وہ اصل ہیرے پہ تم کو اندازہ ہو گا کہ گو کہ چوری یا بے ساختہ فرانس میں مقبول ہے۔" اس نے کہا۔

"تمہارے تجربہ کار ہو؟"

"پہلے بہت دنوں مزاج ہوا کرتا تھا مگر غصہ اب بہ خوب کم ہو گیا ہے ...

میں بہت محتاط ہو گیا ہوں۔ یہاں بیٹھے اطمینان ... سب سے پہلا کام تو یہ ہے ... یہاں کے ماحول ... کے ذریعے تمہیں پتہ چلنا چاہیے تھا۔"

اس وقت صبح کے گیارہ بج رہے تھے ... تھے۔ فضا اس بھی خاصی خنکی موجود تھی ... نے اور ... اتفاق ...

جس کی حالت شاید اپنے تھکن یا آرام کرکے وقت گزار رہے تھے۔

خوش قسمتی سے عبداللہ کی گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا وہ تیزی سے پیرس کی دوڑتی دیوار آگئے۔ جس کے دونوں طرف تاحد نظر سرسبز میدان تھے، ماڈلوں کی ہموار اور صاف سڑک کسی ناگن کی طرح بل کھاتی ہوئی پیچھے رہتی جا رہی تھی۔

"تم مجھے اچھے ہی ہونا؟" عبداللہ نے تاؤکا پورا رپورٹ کے بعد پوچھا۔ "یہ صفائی علاقہ رہا ہے؟"

"ہاں اسی سڑک پر وہ بار بار گزرے گئے ان دونوں کے ساتھ ہمیں مکانات کا سلسلہ ..." میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"سپاہ پر سڑک کسی دیہات اور سیکنڈ رفتار پرندہ کی طرح سڑک کے ساتھ ساتھ بہتی جا رہی تھی کہ اچانک ذرا گمان سے نظر آئی۔ مگر اب تک کوئی ولیدی جھلکیں سنسان روڈ پر ... شاید وہ ہوش میں آ چکا تھا۔

عبداللہ نے ہونٹ بھینچ کر جو ریلی میں ایک گالی دی اور انگریزی میں بولا: "اس کا بچنا بہت ہی مشکل جان معلوم ہوتا ہے۔"

"اس کی تاریخ بھر گئی ہے کہ لڑکی کسی ہاک کے مسافروں کو متوجہ کر لیں گی۔" میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

"اس کی ہر وہ آواز ہی اب تک ہے ہیں تو سنسان نے ہمیں ہی دوڑ کی ہیں مگر باہر ہی نہیں لی۔ اس کی ڈگی میں پڑے رہنے ہوئے کی طرح مشکل ہے!"

"تو بتاؤ اس کا کام ختم دا ہو گا؟"

"پچھلی نشست کے قریب سے ہو کر بند و بست ہے۔"

میں نے گردن گھما کر دیکھا تو پیچھے سڑک صاف تھی البتہ سامنے ایک ٹرک آ رہا تھا کے ساتھ چلی آ رہی تھی۔

"اسے گزر جانے دو پھر میں حرام زادے کو درست کرتا ہوں۔" عبداللہ اطراف پر نظر رکھنے کا اندازہ لگاتے ہوئے بولا۔

کار کے دو سیٹ ترک سے پیچھے کی۔ میں نے دیکھا کہ غصہ اس قدر کا اندازہ لگا کر اس کا "سر" جھکانے کی آواز آنے لگی۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟"

"غبار کی وجہ سے وہ ہماری کار کو بغور نہ دیکھ سکیں گے اور شاید ڈگی کے شور کو بھی نہ سن سکے۔" عبداللہ نے کہا۔

اسی اثنا میں کار کے قریب سے تیزی سے ٹرک گزرا اور اس کے بعد عبداللہ نے بیک گیئر لگا کر بریک لگا دیئے۔

اس کے ساتھ ہی ... ڈگی کا ... کھولنے دو!! میں جا اور پھر ... پچھلی نشست سے نیچے اتر گیا۔ اور ... کی آمد ...

اس کا غبار کے ... البرٹو اٹھا ... چہرے ...

ہم دونوں کی آمد سے قبل ڈگی سے کود کر سڑک کے وسط میں دوڑنے لگا تھا۔ مگر البرٹو کا مقدر اس وقت گردش میں تھا۔ وہ تقریباً ایک ڈیڑھ منٹ تک پوری قوت سے سڑک کے وسط میں دوڑتا رہا اور اس دوران میں کسی بھی جانب سے کوئی گاڑی وغیرہ نمودار نہ ہوئی حتیٰ کہ عبداللہ نے کسی غضبناک شیر کی طرح جا لیا۔

عبداللہ نے اس کے سر پر پہنچ کر اس کی گردن پر ایسی بھرپور ضرب لگائی کہ البرٹو بعد گئے منہ کے بل سڑک پر گرا اور گھسٹتا چلا گیا۔

اس کی دردناک چیخ سے فضا گونج اٹھی اور پھر سکوت چھا گیا۔ وہ ایک بار پھر بے ہوشی کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔

"تم گاڑی میں جاؤ۔" عبداللہ نے مجھ سے کہا اور بے ہوش البرٹو کا دامنہ پکڑ کر بے دردی سے سڑک پر گھسیٹتا ہوا اپنی طرف کے دھند میں پڑا تو جا بیٹا گیا جہاں اگے ہوئے خودرو سبزے میں وہ قیدی بہ آسانی چھپ سکتا تھا۔

میں نے گاڑی میں واپس پہنچ کر انجن اسٹارٹ کر لیا گاڑی کو گھما دینے دیا۔ میرا خیال تھا کہ عبداللہ جھاڑیوں کی اوٹ میں البرٹو کو کنارے تک لے آئے گا اور میدان صاف پاتے ہی اپنے شکار کو ایک مرتبہ پھر ڈگی میں منتقل کر دے گا۔

البرٹو دوڑتا ہوا گاڑی سے کم و بیش ڈیڑھ سو فٹ دور نکل گیا تھا۔ اس لیے عبداللہ کو واپس گاڑی تک پہنچنے میں تاخیر ہو گئی۔ اس اثنا میں پیچھے سے آنے والی ایک کار میرے برابر سے گزرتے ہوئے دھیمی ہوئی اور پھر تیزی سے آگے نکلتی چلی گئی۔ اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک لڑکی براجمان تھی۔ شاید تنہا ہونے کی وجہ سے آخری لمحات میں اس نے رک کر میری مشکل دریافت کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

میں دور ہوتی ہوئی اس کار پر نظریں جمائے ہوئے تھا کہ ڈگی میں ایک دھماکا ہوا پھر پرشور آواز کے ساتھ ڈگی بند کی گئی۔ میں نے سر گھمایا تو عبداللہ برق کے عالم میں میرے برابر والی نشست تک آ چکا تھا۔

"چلو!" اس نے میرے برابر ہی بیٹھتے ہوئے کہا۔

"موڈ کیوں خراب ہے؟" گاڑی سڑک پر لاتے ہوئے میں نے عبداللہ سے دریافت کیا۔

"ابھی جو کچھ ہوا ہے شاید وہ تمہارے لیے ناکافی تھا۔" وہ خفگی سے بولا۔

"غلطی تمہاری ہی تھی۔" میں نے کہا۔ "تم بہت جلد باز اور غصیلے ہو۔ ایک آدمی کے نیچے اترنے سے قبل ڈگی کھولنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"وہ بری طرح زخمی تھا۔" عبداللہ بھنا کر بولا۔ "میرا خیال تھا کہ وہ اپنی آنکھوں پر بھروسا بھی نہ کر سکے گا مگر وہ تو جیسے کسی بدروح کی طرح بھاگ نکلا۔"

اس کے جھلاتے ہوئے لہجے پر میں بے ساختہ ہنس پڑا۔

"اب دانت کیوں نکال رہے ہو؟" وہ مجھے گھورتے ہوئے اٹھا ...

بولا جیسے وہ میرا برسوں پرانا بے تکلف شناسا ہو۔
"بہت ہی گھٹیا ہو بھئی.... جیسے ہی اسٹیمر یہاں سے ہٹے تو بہتر صورت حال پیدا ہی ہو جائے گی۔" میں نے اس شخص کا عربی لفظ انگریزی لہجے میں استعمال کرتے ہوئے کہا۔
"اسٹیمر سامنے ہے" الفاظ دہرایا۔

وہ بڑا سا منہ بنا کر بولا۔
"اگر اسے تو دوبارہ ہوش میں آ گیا تو کیا کرو گے؟" میں نے فقط جہار کر سوال کیا۔ اسے پریشان دیکھ کر مجھے لطف آ رہا تھا۔
"اس بار اس کا ہوش میں آنا مشکل ہے!" وہ ہونٹ سکوڑ کر بولا۔
"کیوں؟"
"میرا خیال ہے کہ اب ہم اس کی لاش اٹھائے پھر رہے ہیں۔ میری ضرب سے اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔"
"اگر تمہارا خیال درست مان لوں تو بارہ گھنٹے سے بھی کم عرصے میں تمہارے ہاتھوں یہ دوسرا قتل ہو گا۔"
"دوسرا کیسے؟"
"شوارٹ بھی تمہاری ہی ضربات سے مرا ہے۔"
"تو تم نے واقعی اس پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا؟"
"تم نے اس کی کہانی آخر کیوں نہیں چھوڑی تھی؟"
"کلائنٹ میں ہی یہ خرابی ہے۔"
"تم کیا جانتے ہو؟" میں نے حیرت سے کہا۔
"بیروت میں کچھ عرصے سے فلسطینی کو یہ فن سکھایا جا رہا ہے!" اس نے میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ "جو لوگ دہشت گرد کیمپوں میں تربیت پاتے ہیں وہ بھی تک اس مہارت سے محروم ہیں۔"
ہم دونوں کچھ دیر تک پولیس کے پہرے والی سڑک پر خاموشی سے گاڑیاں اور پیدل بازاروں میں گھومتے رہے اور بیت ناک حرمین کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ شوارٹ کے مکان کے احاطے کا دروازہ اب تک ویسے ہی کھلا ہوا تھا۔ میں نے تیزی کے ساتھ سڑک کھائی اور روش پر پھیلی ہوئی جڑی بوٹیاں اور دروازے کا جائزہ لینے لگا۔ عبداللہ جو گاڑی میں ہی تھا اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ سڑک ویران پڑی تھی۔ کسی نے ہمیں نہیں دیکھا۔ میں نے بڑی احتیاط سے دروازے کو کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ ہم پھاٹک سے تھوڑی آگے گئے تھے۔
"جیسے ہی تم نیچے اتر کے دروازہ کھولنے کے لیے بڑھا۔" عبداللہ نے اضطراری طور پر مجھے روک لیا۔
"کیوں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ کیا تم نے بتایا تھا کہ جب تم اس عمارت سے روانہ ہوئے تو یہاں دو شخصوں کے سوا کوئی نہیں تھا؟"
"ہاں!"
"مگر اس وقت یہاں ہم دونوں کے علاوہ بھی کوئی موجود ہے۔ عجب

گاڑی پھاٹک سے اندر داخل ہوئی تو میں نے ایک سایہ لپک کر کوٹھی کی طرف جاتے دیکھا تھا۔" اس کے لہجے میں تشویش تھی۔
"یہاں کون آ سکتا ہے؟" میں خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔
"میری نظریں اب بھی اس کے چہرے کی طرف اٹھی تھیں۔
شوارٹ کے باقی ساتھی آ گئے ہوں گے۔
یعنی ہم آسانی سے پکڑے جا سکتے تھے۔ اور کار کی پشت سے اترا ہوا تھا جب کہ شیر کی طرح میں نے دونوں لوگوں کو دیکھا... جو اس حالت میں انہیں چھوڑ کر گیا تھا ویسے ہی پڑا ہوا تھا۔
"ریوالور وغیرہ ہے تمہارے پاس؟" میں نے پوچھا۔
عبداللہ نے ڈرائیونگ سیٹ کے نیچے سے ایک آٹومیٹک کا دزنی ریوالور نکال لیا۔
"گاڑی میں بیٹھے رہو تو شاید ہم بھی اپنی جان کی حفاظت کر سکیں گے!" میں نے کہا۔
"وہ ادھر گیا تھا۔" عبداللہ نے دائیں طرف کے گھنے اور جنگل نما درختوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لہجے میں کہا۔
"شیشہ اتار کر ادھر اندھا دھند ایک راؤنڈ فائر کر دو شاید وہ کہیں سے نکل پڑے!"
"شیشہ نہ اتارنا" اس نے جلدی سے کہا "یہ بلٹ پروف ہیں۔ کہیں وہ شیشہ اتارتے ہی گولی نہ چلا دے!"
"اس احتیاط سے تو بہتر ہے کہ واپس لوٹ چلو۔"
"گاڑی اسٹارٹ کر کے دائیں طرف جھاڑیوں کی طرف بڑھا دو۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ ادھر ہی گیا ہو گا۔"
"وہ درختوں سے بچنے کے باوجود گاڑی پر فائر کر دے گا۔"
"اس کی پرواہ نہ کرو۔"
کرسٹوفر کا ہے، آواز انجن اس وقت اک دم گرجا۔ اس نے تیزی کے ساتھ گاڑی کو ریورس گیئر میں ڈالا اور تیزی سے اچھلتی ہوئی دائیں جانب جھاڑیوں میں گھستی چلی گئی۔
جھاڑیوں اور درختوں کی موجودگی کی وجہ سے وہ زیادہ تیز نہیں چلا رہا تھا کہ عبداللہ کی خیالی نظریں دشمن کو پکڑ لیں اور وہ ہمارے سامنے آ گیا۔
اس وقت وہ گاڑی کی بالکل سیدھ میں زمین پر لیٹا ہوا تھا۔ اگر وہ اچھل کر اپنی جگہ سے نہ ہٹتا تو گاڑی کے نیچے روندا جاتا۔
وہ دوسری طرف جا رہا تھا کہ میں نے گاڑی کا دروازہ کھول کر اس پر چھلانگ لگا دی۔
گولی چلی مگر میرے سر کے اوپر سے گزر گئی۔

ہوا کہ "میں نے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔
"میں بالکل ٹھیک ہوں" عبداللہ نے حیرت آمیز لہجے میں کہا۔
"وہ پکڑا جاتا ہے ضرور..."
"وہ درخت کے پیچھے ہے۔"
"کار تیزی سے بڑھاؤ!" وہ میرا بازو پکڑتے ہوئے بولا۔
جیسے ہی اس نے گاڑی بڑھائی اور تمام درختوں کا نشانہ لیا اگر جواب میں وہ گولیاں برساتے ہوئے لڑکھڑا کر وہ درخت کی طرف لپکا۔ ہم گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔ کار کا ہیر خاص شدت سے ٹکرایا۔ وہ کار کے تیل تک پہنچنے سے پہلے ہی جھٹکے میں گاڑی نے اسے کافی دور اچھال دیا۔
عبداللہ بجلی کی سرعت سے گاڑی سے کود گیا۔ میں بھی انجن بند کر کے اس کے پیچھے لپکا۔ اس وقت تک وہ نامعلوم شخص کے سر پر سوار ہو چکا تھا۔ وہ دیوار کے نیچے پڑا ہوا تھا اور ساتھ ہی قریب ہی کچھ فریاد بھی کرتا جا رہا تھا۔ اس کا ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ لیٹے ہوئے ہونے کے نتیجے میں کافی شدید زخمی نظر نہیں آ رہا تھا مگر وہ بہت زیادہ خائف نظر آ رہا تھا۔
عبداللہ نے کوٹ کا کالر تھام کر اسے سیدھا کھڑا کر دیا۔
وہ عبداللہ کے سامنے گڑگڑانے لگا۔
"تم انگریزی نہیں بول سکتے!" میں نے خود کہا۔
"نو... جناب! میں تھوڑی تھوڑی انگریزی بول لیتا ہوں۔" وہ جلدی سے بولا۔ "مجھے کچھ نہیں پتا کہ یہاں کیا ہوا ہے۔ میں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی یہاں آیا ہوں!"
"تم یہاں کیا لینے آئے تھے؟" عبداللہ نے سرد لہجے میں سوال کیا۔
"میں تابوت بنانے والی ایک کمپنی میں ملازم ہوں۔ شوارٹ نے کل رات مجھے یہاں آنے کا پیغام دیا تھا۔ میں حسب وعدہ گیارہ بجے پہنچ گیا اور کافی دیر تک باہر انتظار کرتا رہا مگر شوارٹ کا کہیں پتا نہیں تھا۔ جب کہ وہ ہمیشہ برآمدے میں موجود ہوتا تھا۔ شوارٹ نظر نہ آیا تو میں نے زینے سے اوپر جا کر دیکھا۔ لیکن وہ وہاں نہیں تھا۔ یہ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں بہت گھبرا گیا اور جب میں نے وہاں دو گوروں کی لاشیں دیکھیں تو مجھے کسی گڑبڑ کا اندازہ ہوا۔ میں گھبرا کر باہر آیا اور ابھی اپنی گاڑی سے اترنے ہی والا تھا کہ آپ لوگ آ گئے۔ اس وقت چاروں طرف سکوت طاری تھا۔ کسی ذی روح کو آزاد دیکھ کر میں گھبرا گیا اور پھر آپ لوگوں کی کار دیکھ کر میں جھاڑیوں میں چھپ گیا۔"
"تمہاری گاڑی اب کہاں ہے؟"
"مکان کے عقب میں موجود ہے۔ سارا سامان بھی اسی میں ہے!"
"یہاں کیا سامان لائے تھے؟"
"ایک تابوت کا آرڈر تھا جو شوارٹ نے دیا تھا، میں وہی تیار کر کے لایا تھا جو شوارٹ نے بھیجنے والا

تھا۔" اس شخص نے جواب میں انکشاف کیا۔
اس شخص کے بیان پر میں نے فوراً ہی یقین کر لیا کیونکہ شوارٹ مجھے بتا چکا تھا کہ وہ مجھے بے ہوش کر کے ایک تابوت میں بند کر کے امیگریشن کی سپر وائزر سے ذریعے تل ابیب بھیجنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس نے شاید مجھے قید کرنے کے بعد اور گرفتار ہو جانے سے پہلے اس شخص کو اگلی صبح پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔
"یہ کام تم اپنی کمپنی کی اجازت سے کرتے تھے؟" عبداللہ نے ترش لہجے میں پوچھا۔
"نہیں چھٹی کے دنوں میں شوارٹ کبھی کبھار مجھ سے کام لیا کرتا تھا۔ اس کا دیا ہوا معاوضہ ٹھیک ہے۔"
"تم غیر قانونی سرگرمیوں میں اس کا ساتھ دیتے رہے ہو؟"
"وہ میرا دوست ہے جناب!" وہ شخص رو دینے والے انداز میں بولا۔ "اس نے ابتدا میں اسرائیل کی خدمت کا واسطہ دے کر مجھے اپنے کاموں پر مجبور کیا تھا پھر اس سے ملنے والے خطیر معاوضے نے مجھے اس کا غلام بنا دیا۔"
"تمہارا اسرائیل سے کیا واسطہ ہے؟"
"میری قومیت اور مذہب ہے۔ تعلیمی طور پر ہم دونوں اس عہد کے پابند ہیں کہ ہم دنیا میں جہاں کہیں بھی ہوں اور جس حال میں بھی ہوں اسرائیل کے مفاد اور تحفظ کے لیے کام کرتے رہیں گے تاکہ یہودی قوم اور سلطنت کا کھویا ہوا وقار حاصل کیا جا سکے!"
"حالانکہ تم اسرائیلی نہیں ہو!" عبداللہ کا لہجہ استفہامیہ تھا۔
"اسرائیلی تو نہیں مگر یہودی ضرور ہوں۔" اس نے قدرے فخریہ لہجے میں کہا۔ "اور مذہبی اعتبار سے صیہون امیاز کے حصول کے لیے کام کرنے کا پابند ہوں۔"
"اور گویا اس طرح تم عیسائی سلطنت کا پاسبان بنتے ہو!" عبداللہ نے طنزیہ لہجے میں دریافت کیا۔
"عہدے کے اعتبار سے ہر اسرائیلی وزیراعظم اس منصب کا حامل بنا جاتا ہے۔" اس نے سر جھکا کر جواب دیا۔
"ڈکی کھول کر اس کی خبر لو!" اچانک عبداللہ میری طرف متوجہ ہو گیا اور میں اس کی اس ہدایت کا سبب نہ سمجھ سکا۔
میں خاموشی سے واپس مڑا اور اگنیشن سے چابی نکال کر ڈکی کھول دی۔ جانی میں نے محض اس احتیاط سے جس نظر ڈالی تھی کہ عبداللہ کی کسی غفلت کے نتیجے میں اگر ساخت گار رہا ہو تو باہر نہ ہو جائے تو فوری طور پر کرسٹوفر کو قابو کیا جا سکے۔
کرسٹوفر ڈکی میں چھپا تھا اور اس کا حلیہ ابتر اور زخمی حالت میں پہلو کے بل پڑا ہوا تھا۔ کرسٹوفر کے بل گرنے کے سبب اس کی ناک، پیشانی اور سینہ بری طرح چھل گیا تھا۔ مجموعی طور پر وہ اس قدر ابتر حالت میں تھا کہ اس کی طرف دیکھ کر مجھے بے حد ترس آنے لگی تھی۔

یوں نے ٹھکانے سے اسے بلایا مگر بے سود۔ پھر میں نے اس کی نبض ٹٹولی جو کلائی پر معدوم ہو چکی تھی۔ شہ رگ کے قریب میں نے نبض تلاش کرنے کی کوشش کی اور ناکام رہا۔ پھر میں نے اس کے بائیں پہلو پر ہاتھ رکھا تو دل کی دھڑکن کا شائبہ تک محسوس نہ کر سکا۔

عبداللہ کے اندیشے کی تصدیق کیلئے میں نے اس کھوپڑی کو جھنجھوڑا۔ تو گردن کی ہڈی اپنی جگہ چھوڑ چکی تھی۔

البرٹو کا جسم ابھی گرم تھا لیکن ساری علامات سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ گردن کی ہڈی ٹوٹنے کے سبب مر چکا تھا۔

"اسے ڈگی سے باہر پھینک دو" عبداللہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ شاید میری خاموشی نے البرٹو کی موت کے بارے میں اس کا شبہ یقین میں بدل دیا تھا۔ "مر گیا ہے نا؟"

"ہاں۔ مر چکا ہے" میں نے کہا اور پھر البرٹو کا سرد ہوتا جسم ڈگی سے باہر نکالنے میں مصروف ہو گیا۔

"تو تمہیں سولومن اسپائر ایک خدمت گزار کا انجام دکھاؤں" عبداللہ لہجے میں تمسخر سے کہہ رہا تھا۔

"تم نے البرٹو کو مار کر اچھا نہیں کیا۔ وہ بہت زندہ دل آدمی تھا" تابوت ساز کے مسکین ملازم کی سہمی ہوئی آواز سنائی دی۔

"تم اسے جانتے تھے؟" ان دونوں کے قریب آتے ہوئے قدموں کی چاپ میں عبداللہ کی استفسار طلب آواز سنائی دی۔

"ہاں۔ وہ شوارٹ کا گہرا دوست تھا"

"تم شوارٹ کے کتنے دوستوں سے واقف ہو؟"

"مجھے یاد نہیں پڑتا کہ شوارٹ کے اور کسی دوست سے میری ملاقات ہوئی ہو"

"البرٹو کی لاش دیکھو گے تو تمہارا حافظہ کام کرنے لگے گا"

اس دوران میں نے البرٹو کی لاش ڈگی سے نکال کر زمین پر ڈال دی اور جوں ہی اس کی نظر البرٹو کی بھیانک لاش پر پڑی وہ ہلکی سی چیخ مار کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں اور چہرہ یک بیک پیلا زرد نظر آنے لگا۔

میں اپنے خون آلود ہاتھ صاف کرتے ہوئے کرسلر کا جائزہ لینے لگا۔ سخت جھاڑیوں نے گاڑی کی مضبوط باڈی کو کئی جگہ سے پچکا دیا تھا۔ دونوں اطراف سے رنگ بھی اکھڑ گیا تھا اور مجموعی طور پر کرسلر کی ظاہری شوکت برباد ہو کر رہ گئی تھی۔

"مسٹر...... شوارٹ کہاں ہے؟" تقریباً ایک توقف کے بعد قیدی نے دہشت سے ہکلاتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ اندر مرا ہوا پڑا ہے۔ اس کی لاش دیکھ کر تمہیں خوشی ہو گی۔ وہ کپڑوں میں مارا گیا ہے۔ اس کا ملازم فرانسس بھی مارا جا چکا ہے" عبداللہ نے اس کی رہی سہی قوت مزاحمت کو برباد کرنے کی نیت سے کہا۔

"تت...... تم...... تم میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟" [illegible] سہمی ہوئی آواز میں عبداللہ سے سوال کیا۔

"تعاون کرو گے تو دوسرا لمبے تابوت بنانے کے لیے کہوں گا ورنہ خود تمہارے لیے تابوت کی ضرورت پیش آ جائے گی۔"

"نہیں نہیں۔ تم مجھے نہیں مار سکتے"

"تمہاری وہم میں مسٹر [illegible]" عبداللہ [illegible] اگلنے والے انداز میں قہقہہ مار کر کہا۔

"میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا" وہ جلدی سے بولا۔

"تو سعادت مند بچوں کی طرح میرے سوالات کا جواب دینا شروع کر دو" عبداللہ نے کہا۔

"شمالی افریقہ کے عرب ممالک خصوصاً لیبیا اور [illegible] فلسطینیوں کا بہت بڑا مرکز ہے۔ اسی لیے ہم [illegible] پر اس شہر کو اپنا مرکز بنا لیا ہے اور یہاں سے اسرائیل [illegible] میں اہم معلومات حاصل کرتے ہیں" اس نے بتایا۔

"یہاں تمہارے کام کے کتنے آدمی ہیں؟"

"سرکاری طور پر شوارٹ یہاں ماسوسا ہے۔ مجھے اور البرٹو کو [illegible] ملازم رکھا تھا۔ لیسے وہ بہت سے لوگوں سے معلومات خریدتا [illegible]"

"ان دنوں تم لوگ کس منصوبے پر کام کر رہے تھے؟"

"میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا مگر تم وعدہ کرو کہ مجھے [illegible]" اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"میں وعدہ کرنے کے بعد بھی تمہیں مار سکتا ہوں"

"میں جانتا ہوں کہ تم لوگ عہد کے پکے ہوتے ہو"

"تمہیں میری زبان پر اعتبار ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں [illegible] نہیں کروں گا" عبداللہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"کافی عرصے سے ہم لوگ میراج فور طیاروں کے حصول کے [illegible] حکومت کی کوششوں کو سبوتاژ کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں"

"میراج فور ایچ کا تذکرہ تو نہیں ہے" عبداللہ نے [illegible] تذکرے پر چونک کر سوال کیا۔

"ہاں۔" اس نے اعتراف کیا "یہ لیبیا کے ساتھ [illegible] والے جوہری بم ہے جن کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ان کے حصول [illegible] کی جارحانہ قوت میں خوفناک حد تک اضافہ ہو سکتا ہے"

"اس منصوبے میں تم کن لوگوں سے کام لے رہے تھے؟"

"فرانسیسی وزارت دفاع کا ایک افسر ہمارے ساتھ ہے"

"اس کا نام؟"

"جولیس گرے ری۔ وہ فرانسیسی فضائیہ کی [illegible] اس سودے کے التوا کے لیے سرگرم ہے"

"اور تم نے ایک معصوم تابوت ساز کا روپ [illegible]"

[illegible] کو جان بخشی کا وعدہ کر چکے ہو" عبداللہ کے غضبناک تیور [illegible]

[illegible] "قسم رب العزت کی [illegible] اس منحوس شوارٹ کے شریک کار ہو تو تمہیں ہرگز [illegible] سعادت سے دستبردار ہونے کا وعدہ کر کے تم [illegible] جولیس گرے ری تک آسان ہے کہ وہ منتظم و حکومتوں کے درمیان [illegible] کو ناکام بنا سکتا ہے" جبکہ میں نے اشتعال کا رخ موڑ کر [illegible]

[illegible] وہ خبروں کا ماہر ہے۔ اس نے سب لوگوں کو اعداد کے گورکھ دھندے [illegible] اس نے جو خاکہ پیش کیا ہے اس کے مطابق اگلے دو سال [illegible] ان طیاروں کی پیداوار فروخت تقریباً ناممکن ہو گی" اس نے جواب [illegible] اس کے وعدے کی تجدید [illegible] خاصا پرسکون نظر [illegible] عبداللہ کا اعلان تفسیر سمجھ چکا تھا۔

[illegible] وہ خود تو اس تابوت ساز پر ہتھیار اٹھائے گا [illegible] پر مجبور ہو گا۔ دشمن کو معاف کرنے کا عنصر ان کی [illegible] شامل نہیں تھا۔

"تم اپنی معلومات کس کو پہنچاتے تھے؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"ہم دونوں شوارٹ کو جواب دہ تھے اور وہ تل ابیب میں وزارت [illegible] انٹیلی جنس [illegible] کے سامنے جواب دہ تھا"

"[illegible] انٹیلی جنس کا کوئی شعبہ ہے؟"

"نہیں۔ وہ وزارت دفاع سے متعلق ہے جبکہ [illegible] خارجہ کا ایک خطیر فکر ہے" وہ جان بخشی کا یقین ہو جانے کے بعد [illegible] جواب دے رہا تھا۔

"شوارٹ کا تل ابیب سے کیا رابطہ تھا؟"

"اس کے گھر [illegible] ہے جو اسرائیل کا کوئی دوسرا محکمہ استعمال نہیں کرتا" اس نے انکشاف کیا۔

"اس کی کنجی کہاں ہے؟"

"شوارٹ کے پاس کہیں ہونا چاہیے۔ سرخ چمڑے کی جلد کی چھوٹی سی [illegible] کتاب ہے وہ"

چند ثانیوں کے لیے اس خود رو ویران باغ میں سکوت چھا گیا۔

"البرٹو [illegible] کہاں ہے؟" اچانک عبداللہ نے سوال کیا۔

[illegible] عبداللہ نے خود اس کا بھی پتہ معلوم کیا [illegible] اور میری طرف اچھال دیا۔

[illegible] وہ حرکت بہت خطرناک تھی۔ ریوالور [illegible] ہوا تھا اور اس کا سیفٹی [illegible] میرے ہاتھوں میں آنے تک گولی چل [illegible]

"[illegible] زبان لے چکا ہوں مگر تم پابند نہیں ہو" عبداللہ کے ان الفاظ پر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

اس کے بات سے میری قیاس آرائی بالکل درست ثابت ہوئی تھی۔

"نہیں..... تم ایسا نہیں کر سکتے۔ یہ سراسر بدمعاشی ہے" تابوت ساز عبداللہ کا مقصد سمجھ کر ہذیانی انداز میں چیختا ہوا اس کی طرف لپکا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ وحشی جنگلی کتے کی طرح عبداللہ کی گردن دبوچنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

وہ عبداللہ سے چند ہی قدم دور تھا کہ میں نے اس کے سینے کا نشانہ لے کر گولی چلا دی اور وہ چیخ مار کر زمین پر گر گیا۔

"کنپٹی پر گولی مارو" عبداللہ نے اس کے تڑپتے ہوئے بدن سے نظر ہٹائے ہوئے بلند آواز میں کہا۔

میں نے آگے بڑھا اور دوسری گولی اس کی بائیں کنپٹی میں گھس کر بھیجے میں اتر گئی اور اس کے تڑپتے ہوئے بدن کو عذاب سے نجات مل گئی۔

"ہم یہاں کیوں آئے تھے ڈاکٹر؟" عبداللہ نے قریب آ کر میرے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرم لہجے میں پوچھا۔ اس کے لبوں پر شریر سی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

"شاید حساب برابر کرنے" میں نے اس کا ریوالور اسے لوٹاتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھا نہیں نا؟"

"تم نے دو مارے تھے۔ شوارٹ اور البرٹو جبکہ میں نے صرف فرانسس کو ٹھکانے لگایا تھا۔ اب ہمارا اسکور برابر ہے"

میری وضاحت اسے بہت پسند آئی اور وہ دیر تک ہنستا رہا۔

"اب اگر گاڑی کی تلاشی لے لی جائے تو....." میں نے کہنا چاہا مگر اس نے میری بات درمیان سے اچک لی۔

"یہ تم نے میرے منہ کی بات چھین لی ہے"

"کرسلر کی طرح برباد ہو چکی ہے" میں نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا

"چارلس یک بارے ہر روز نئی گاڑی خرید سکتا ہے"

"تو یہ اس کی کار ہے؟"

"میں تو چھوٹی سی ریاست رکھتا ہوں"

"آخر یہ چارلس کیا شے ہے؟"

"ہوٹل ڈی ریس کا مالک اور میرا بچپن کا دوست" اس نے کار کو اسٹارٹ کر کے واپس روشنی کی طرف چلاتے ہوئے کہا۔

"تمہاری سرگرمیوں سے وہ کس حد تک باخبر ہے؟"

"وہ میری خاص حرکات سے باخبر رہتا ہے مگر اسے میرے مقاصد کا علم نہیں ہوتا"

"اور شوارٹ وہ [illegible] کی کوشش کرتا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہی تو ہماری دوستی کی بنیاد ہے" وہ گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے

ہوا تھا یا اندر داخل ہونے سے پہلے وہ باہر سے عمارت کا طواف کرنا چاہتا تھا۔
"شاید اسی لیے مجھے ہدایت کی گئی تھی کہ اس کے سامنے ڈاکٹر اسکوٹ نجم ہی بنا رہوں۔" میں نے خیال ظاہر کیا۔
"تم نے تو ابھی تک مجھے بھی اپنا اصلی نام نہیں بتایا۔" وہ مسکرا کر بولا "دراصل مجھ سے غلطی ہوئی......"
"ڈھکوسلے کی ضرورت نہیں۔" اس نے جلدی سے میری بات کاٹ دی۔ "میں تمہارے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں مگر فرانس میں تم مصطفیٰ رہو گے۔ وہ اسکوٹ پیرس میں تم کوئی نیا نام اختیار کرو گے۔"
"میرا اصلی نام ہے کہ تم نے اپنی معلومات تو جتا دیں مگر اور کیا جانتے ہو میرے بارے میں؟" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔
"تمہاری بیوی تم سے بچھڑی ہوئی ہے۔" اس نے چٹکی لیتے ہوئے سوال کیا۔
اس کا ذکر کرتے ہی میں مضطرب ہو گیا۔ سیتا اپنی تمام تر شوخیوں اور اداؤں سمیت میرے چشم تصور کے سامنے مجسم ہو گئی۔
"کیا جانتے ہو تم اس کے بارے میں؟"
"کسی بھی وقت اس کے بارے میں کوئی اہم اطلاع آ سکتی ہے۔" عبداللہ نے کہا۔ "پاکستان میں زیر تعلیم دو فلسطینی لڑکوں نے اسے ڈھونڈ نکالا ہے۔"
"یہ کب کی خبر ہے؟"
"لیبیا سے کل رات اطلاع آئی تھی۔"
"لیبیا سے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"ہاں وہ وہاں پہنچ گئی۔"
"مگر کیوں؟" میرے لہجے میں شدید اضطراب اور احتجاج نمایاں تھا "اُسے سیدھا میرے پاس آنا چاہیے۔"
"ہو سکتا ہے کہ اُسے پیرس بھیج دیا جائے یا تمہیں ہی غازی بلا لیا جائے۔ ابھی اس بارے میں کوئی بات میرے علم میں نہیں۔"
"آخر اسے لیبیا کیوں بھیجا جا رہا ہے؟"
"دراصل وہ بچوں اور لڑکوں کو تربیت دینے میں بے مثال مہارت رکھتی ہے۔" عبداللہ نے عمارت کے عقبی حصے میں گاڑی روکتے ہوئے کہا۔ "کیونکہ میرے ہاتھوں مرنے والے تاجر ساتھ کے بیان کے مطابق اس کی سفید کیپ اب اسی طرف کھڑی ہوئی تھی۔"
میں نے حیرت کے ساتھ اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔
"لیبیا میں وہ ہمارے مقاصد کے لیے بچوں وغیرہ کو تربیت دے گی۔" عبداللہ کے ان الفاظ کے ساتھ ہی بے اختیار مجھے محمود یاد آ گیا جس کی شخصیت کے اس کمال کے بارے میں معلوم ہوتے ہی اس نے حلاوت سرعت اور بے چینی کے ساتھ اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ سیتا ان لوگوں کے لیے بچوں وغیرہ کو تربیت دے سکے تو وہ لوگ بہت سی پرخطر مہمات کے

انسانوں کے بجائے جانوروں سے کام لے سکتے تھے۔
شاید محمود نے اپنی اسی بات کو عملی ... دی اور اسی وجہ سے سیتا کو لیبیا بھیج دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔
"مگر لیبیا تو بڑا عجیب سا علاقہ ہے وہاں بندر کہاں ہوں گے؟"
"بھارت سے مختلف نسل کے تین سو بندر ... کی خاطر تمہارے مداریوں کے ذریعے طرابلس پہنچ چکے ہیں ... اور لیبیا والوں کو میری یہاں موجودگی کا بھی علم ہے۔"
"میں نے چارلس بک پارٹ سے خیریت ... بتا ... کر دیا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ تم اپنی بیوی کی جانب سے ... یہ تو تمہارا بڑا احسان ہے کہ تم ... کر رہے ہو۔"
"اس موضوع پر میں تم سے تفصیلی گفتگو کروں گا ... شکار کیلئے ... کوشش کرو۔" میں نے کار کی سے اترتے ہوئے کہا۔
ہم دونوں نے سفید کیپ کا تفصیلی ... میں کافی تعداد میں مضبوط تختوں کے علاوہ ... تھا۔ صندوق میں کچھ اہل قبضے اور زنجیر بھی موجود تھی۔
"یہ تمہاری روشنی کا بندوبست معلوم ہوتا ہے۔" عبداللہ نے ...
"شاید فال مجھ سے اس ہاسکنگ قوم سے بچھڑی بھائی۔" ... چلتے گھوڑوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔
ایک اپنے کے ... در وغیرہ کی تلاش میں ... مل سکی اور ہم دونوں کرسٹریش عمارت کا طواف مکمل کرکے دوبارہ ... حصے میں پہنچ گئے۔
برآمدے کی میز ... پر پڑی ہوئی گھنٹوں ... دیکھ کر عبداللہ ٹھٹھک کر اپنی جگہ پر رک گیا۔
"یہ تو شاید زہر خوراک کے باعث ہلاک ہوئے ہیں؟"
"ان پر افریقی ہتھیار بلو پائپ کی ایک ترقی یافتہ صورت ... میں نے مسکرا کر جواب دیا۔
"یعنی تمہارے پاس زہریلی سوئیاں برسانے والا کوئی ہتھیار ہے۔"
"ریڈ برگیڈ والوں کے طفیل یہ مجھ تک پہنچا تھا۔" ... اپنی جیب سے بلاسٹک کی سفید شیشی نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔
"اس میں کتنی سوئیاں باقی رہ گئی ہیں؟" اس نے ... کوشش ... سمجھنے کے بعد سوال کیا۔
"یہ نہیں معلوم، لیکن کسی وقت اچانک جواب دے جائے گا۔"
کتوں کے بے جان جسموں کے قریب سے گزر کر ہم ... ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے جہاں دروازے کے قریب ہی شوارٹ کی لاش پڑی ہوئی تھی۔
موت سے پہلے شوارٹ نے کمرے ... عبداللہ ...

... حیرت انگیز ... کا اتفاقی ... تلاشی لینے کا تفصیلی جائزہ ...
... سے مسیحا ... عمارت کی تلاشی کے ... ہم ... نہیں ... مل سکا ... اپنی تجوری تھی جاری تو ... کر دی گئی۔
... لیکن ... خواب ... تھا ... مل ... جہاں ایک حساس ... جیسے ایک تجوری تھی جس کا دروازہ ... تو ... نہ ... صورت کا تھا ... تجوری ... کے لیے ... کی ایک تحریر ... میں ... ہو سکتی تھی۔
آخر تنگ آ کر ہم نے اپنی توجہ ... تجوری پر مرکوز کر دی۔
... کے اپنے ... ایک ... کے لیے مجھے ... تھی تجوری ... پر ... تھی اور مجھے امید تھی کہ ... تجوری کی کھولنے کی ... ہو سکتی ... جو ... کھل سکا۔
... نے ... کی ... پر ... بڑا ایک ... ہوتے ... کے ... اٹھے۔
عبداللہ نے فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ ... کھول کر دروازہ ... کے اندر تیز شعلے بھڑک اٹھے۔
عبداللہ ... سر ہلا دیا۔
شاید تجوری کے ... کو ... ایسا خفیہ میکانزم ... ہوتے ہی دروازہ کھولنے ... خاص ... سے تجوری میں آگ لگ گئی تھی۔ مخصوص احتیاطی تدبیر ... کے بغیر تجوری ... کا حصول ... ناممکن بنا دیا گیا تھا۔
ہم دونوں تجوری کو جلتا چھوڑ کر سر جھکائے باہر آ گئے۔
جب ہم ہوٹل ڈی پرس واپس پہنچے تو ... کر ... ہی ... اپنے عروج پر تھی۔
چارلس بک ہارٹ اس وقت ہوٹل میں نہیں تھا مگر استقبالیہ کلرک ... سے پتہ چلا کہ ... اور بار بار ٹیلی فون کا چکر لگا چکی ہے۔
... کے بارے میں ... بتایا گیا تھا مگر وہ اس کے ... کوشش کر رہی تھی۔
"اس ... ہوا ہے؟" لفٹ کی طرف جاتے ہوئے ... شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
"میری بیوی بھی کسی گڑبڑ کا اعلان کر رہی ہے۔"
"جب کوئی خوبرو عورت ... کے جذبے میں ڈوب کر کسی نوجوان ... کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے ... کسی خطرے سے آگاہ کرنا چاہتی ہو ... کے بغیر ... سنجیدہ چہرہ ... کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"البرٹو وغیرہ کا معاملہ تو ... توقع جلد ہی ختم کیا ہے۔ ... اب ... آئے تو ... تمہارے ... بھیج دیا جائے ... تمہاری موجودگی میں شاید وہ کھل کر بات نہ کرے۔" میں نے ...

... کا منزل پر لفٹ سے اترتے ہوئے کہا۔
"اور یہ تو صاف ہے۔" وہ بولا۔ "تم تنہائی میں اس سے ملنا چاہتے ہو۔ میں تمہارے سر پر سوار نہیں رہوں گا کھانا کھا کر چلا جاؤں گا۔"
"تم احمق ہو۔"
"احمق ہی ہوں ورنہ کھلونا کا تذکرہ سنتے ہی مجھے تم سے رخصت ہو جانا چاہیے تھا۔" وہ ... ہوئے بولا۔
"مجھے تم سے بھی ضروری بات کرنا ہے میرے ساتھ آؤ۔"
"وہ بات رات کو بھی ہو سکتی ہے۔" اس نے ... ہوئے کہا۔
"میں کسی ... کے قریب آؤں گا۔"
"میں سیتا کے بارے میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"
وہ میرے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گیا۔
ہم نے کمرے میں ہی کھانا طلب کیا اور اس دوران میں عبداللہ نے مجھے جو کچھ بتایا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ محمود اسرائیل میں اپنی تمام سرگرمیوں کی اطلاعات عمان میں اپنے ہیڈ کوارٹر کو بھیجا کرتا تھا۔ اسی ضمن میں اس نے اپنی گرفتاری اور آزادی کے لیے میری خدمات کا بھی ذکر کیا اور بعد میں اسی حوالے سے سیتا کی تلاش کا سلسلہ شروع کرایا۔
اس وقت تک عبداللہ خود بیروت میں ... میں اس کا تبادلہ نہیں کیا گیا کیونکہ اس کا ... کسی کا معلوم نام کا ... کیا تھا۔
عبداللہ فیس پہنچنے کے بعد ... تاکہ قاتل کا سراغ پانے میں ناکام رہا مگر اب اسے پورا یقین تھا کہ وہ کام ... شوارٹ کے گرد پھیلا ہوا ہوگا۔
عبداللہ نے بتایا کہ ... شروع ... ہی ... فیصلہ کر چکے تھے کہ ... کے بعد سیتا کو لیبیا بھیج دیا جائے گا جہاں وہ ... تربیت کرتی اور اس کی تازہ ترین اطلاعات کے مطابق سیتا کسی بھی وقت طرابلس یا بن غازی پہنچ سکتی تھی۔
... کا طیارہ اغوا ... ہوتا ... پہلے سے طے پا چکی تھی کہ اسرائیل سے نکلتے ہی مجھے ڈاکٹر اسکوٹ نجم کے نام سے ہوٹل ڈی پرس پہنچنا ہوگا اور پھر عبداللہ میری مدد سے ... کا کھوج لگائے گا۔
محض اس ... منصوبہ بندی کی وجہ سے میرے سفری کاغذات ڈاکٹر اسکوٹ نجم کے نام سے تیار کرائے گئے اور ... خطرے کے باوجود عبداللہ سے ملاقات ہونے تک مجھے وہی نام برقرار رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔
عبداللہ چاہتا تھا کہ ہم لوگ دو دن ... گزار کر اگلی صبح بیروت کی طرف پرواز کر جائیں جہاں ابن حیان موجود تھا۔
دوسری طرف میں سیتا سے ملے بغیر کسی نئی کارروائی میں حصہ لینے کے لیے تیار نہیں تھی اور سیتا سے ملاقات کے لیے ... بیروت سے بہتر تھا۔ اس ساحلی شہر اور لیبیا کے درمیان صرف بحیرۂ روم حائل تھا جسے عبور کر کے میں سیتا تک یا سیتا مجھ تک پہنچ سکتی تھی مگر ابن حیان کا مسئلہ بھی اہم تھا۔

اسے فرانس گئے کافی دن ہو گئے تھے اور کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس وقت واپس اسرائیل جانے کا فیصلہ کر لے لہٰذا اسے جلد از جلد گھیرنا ضروری تھا۔

عبداللہ نے مجھے یقین دلایا کہ پیرس میں جو لوگ سپیتا کی دیکھ بھال کے لیے مقرر کیے گئے تھے وہ اس سے وعدہ کر چکے تھے کہ سپیتا کو فوری طور پر اپنے شوہر سے ملاقات کا موقع دیا جائے گا۔ خواہ [illegible] پیرس چلا جاؤں۔

بن حیان کے مسئلے میں ذاتی طور پر میں خود بھی دلچسپی لے رہا تھا اور اسے جلد از جلد گرفتار کر کے پکڑنا چاہتا تھا۔ مجھے وہ لمحہ ابھی تک یاد تھا جب صحرائے عرب کی الشریح نامی بستی میں وہ صفت بن حیان نے ابو خالد کے روپ میں میرے چہرے پر بستی والوں والی تسبیح پھینک کر ماری تھی اور میرے ہونٹ بری طرح لہولہان ہو گئے تھے۔

میں نے عبداللہ کے پروگرام سے اتفاق کر لیا۔

کھانے کے بعد عبداللہ رخصت ہو گیا اور میں کپڑے تبدیل کر کے بستر پر دراز ہو گیا۔ پچھلے ہفتے میں مجھے بہت کم آرام ملا تھا اور میں پیرس روانگی سے قبل اپنی توانائی بحال کرنا چاہتا تھا۔

شام کو فون کی گھنٹی کی آواز نے مجھے بیدار ہونے پر مجبور کر دیا۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو آپریٹر نے مجھے اطلاع دی کہ فلورا ایک بار پھر کاؤنٹر پر موجود تھی اور مجھ سے فوری طور پر ملنا چاہتی تھی۔

میں نے آپریٹر کو ہدایت کی کہ فلورا کو اوپر بھیج دیا جائے اور خود باتھ روم میں جا گھسا۔

میں فوری طور پر لباس تبدیل کر کے باتھ روم سے نکلا تو فلورا دروازے پر دستک دے رہی تھی۔ میں نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

فلورا کو دیکھ کر مجھے حیرت کا سامنا کرنا پڑا۔

وہ گلابی اسکرٹ اور بلاؤز میں ملبوس میرے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر میری توقع کے برعکس تازگی اور شادابی کے بجائے تفکر کے سائے لرزاں تھے۔ مجھے دیکھ کر اس کے لبوں پر جو مسکراہٹ نمودار ہوئی وہ بھی پژمردہ سی تھی۔

"اندر آنے کو نہیں کہو گے؟"

میں نے چونک کر اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ "تمہیں دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی ہے، کچھ فکرمند سی نظر آ رہی ہو۔"

"میں ایک پریشانی سے دوچار ہو گئی ہوں۔" اس نے اندر آ کر بے تکلفانہ انداز میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کیا تمہارے منگیتر نے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے؟"

"اس بد ذات کے بارے میں سوچ کر میں اپنا وقت برباد نہیں کرتی۔"

"زندگی میں احمقوں کا کوئی قصور نہیں۔ تم جیسی عورت پر پوری شدت کے ساتھ قبضے کی خواہش بڑی فطری ہے۔"

"میری بہن کا شوہر کل رات سے لاپتہ ہے۔" اس نے میری بات کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنی پریشانی کا سبب بیان کر ڈالا۔

"پولیس کیا کہتی ہے؟"

"مشکل یہی ہے کہ پولیس سے رجوع کرنے میں مشکلات پیش آنے کا ڈر ہے۔"

"آخر کیوں؟"

"کل رات کسی نے مکان پر آ کر ڈور بیل بجائی اور جب وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا تو کچھ لوگ اسے زبردستی ایک گاڑی میں ڈال کر لے گئے۔ اس کی چیخ پکار سن کر میری بہن دروازے پر آئی تو صرف یہ دیکھ سکی کہ ایک گاڑی تیزی سے دور ہوتی جا رہی تھی۔"

فلورا کی بات سن کر میں چونک پڑا۔ "تمہارے بہنوئی کا نام کیا ہے؟"

"ہیک البرٹو۔" اس نے جواب دیا اور میرے اندر [illegible] عبداللہ کے ہاتھوں شوارٹ کی معاونت کے جرم میں [illegible] نامی شخص ہی فلورا کا بہنوئی تھا [illegible]

"پوری بات بتاؤ۔ آخر تم پولیس کے پاس جانے سے کیوں ڈرتی ہو؟"

"مجھے شبہ ہے کہ اس معاملے کا تمہاری ذات سے بھی تعلق ہے۔" اس نے براہ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ کیسے؟" میں نے مصنوعی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے [illegible] اس کے براہ راست تجزیے نے میرے دل کی دھڑکنیں تیز کر دی تھیں۔

"جب میں تم سے مل کر واپس اپنی بہن کے یہاں پہنچی تو [illegible] شوارٹ بھی ہمارے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ان دونوں کے استفسار پر میں نے تم سے لندن میں دوستی کی فرضی کہانی سناتے ہوئے [illegible] بتایا تو وہ دونوں ہی چونک پڑے تھے۔ اس رات ہم لوگ جلد ہی [illegible] اور میری بہن کے گھر میں البرٹو اور شوارٹ سب سے الگ [illegible] کرنے لگے۔ انہیں دھیمی سرگوشیاں کرتے ہوئے میں نے دو مرتبہ شوارٹ سے ڈاکٹر اسکرٹ [illegible] کا نام سنا تھا۔ اس وقت میں نے اس پر توجہ نہ دی تھی۔"

"تمہارا خیال ہے البرٹو کو میں نے اغوا کیا ہو گا؟" میں نے [illegible] سوال کیا۔

"میرا مطلب یہ نہیں ہے۔" وہ بوکھلا کر جلدی سے بولی۔ "میرا بہنوئی [illegible] زندگی گزار رہا ہے مگر میری بہن کو آج تک اس کے ذریعہ معاش کا علم نہیں۔ اکثر وہ کئی کئی ہفتوں تک بیوی بچوں کے ساتھ رہتا ہے پھر اچانک [illegible] کے کئی روز کے لیے غائب ہو جاتا ہے۔ اس مرتبہ [illegible] البرٹو کی چیخیں [illegible] تو وہ یہی سمجھی کہ البرٹو [illegible] کے ساتھ چلا گیا ہے۔ اس نے گھر بیٹھ کر [illegible] ہدایت کی [illegible] روپوشی اور گمشدگی کی صورت میں پولیس سے [illegible] اس نے اپنی بیوی کو کسی دوست کا فون نمبر دیا ہوا تھا [illegible]

[illegible] دوپہر کو میں نے ڈاکٹر گرجی سے پتہ نکال کر وہاں پہنچی [illegible] پڑوسیوں سے ان کے دفتر کا پتہ معلوم کیا تو پتہ [illegible] کمپنی میں پڑھنے کا کام کرتا ہے۔ [illegible] ان کے سیکرٹری سے پتہ چلا کہ [illegible] غائب ہے۔ [illegible] جس کے لیے اسے اتوار کو بھی بلایا جاتا۔"

"شوارٹ کیا کہتا ہے؟"

"اس کا تو پتہ ہی نہیں معلوم۔ البتہ میری بات [illegible] سیوائی میں ضرور مقیم ہے۔ [illegible]"

[illegible] میری تقدیر [illegible] ستم ظریفی [illegible] جاری تھی۔

[illegible] البرٹو اور وہ [illegible] عبداللہ کے ہاتھوں مارے جا چکے [illegible] حکومت کے [illegible] ایجنٹ ٹھکانے لگائے جا چکے تھے اور ان [illegible] فلورا سے تعلق تھا جو اسرائیل کی سرزمین پر [illegible]

[illegible] تابوت ساز [illegible] شوارٹ [illegible] اپنی جان کی بازی بھی ہار چکا تھا۔

"تم نے البرٹو کی گمشدگی کو میری ذات سے کیسے جوڑ دیا؟"

"ہو سکتا ہے وہ تمہاری راہ پر لگ گیا ہو۔"

[illegible] میں نے نرمی سے کہا [illegible] کسی جھگڑے [illegible]

[illegible] اپنے دوستوں سے بھی [illegible] ہو۔ وہ اپنے [illegible] کرتے ہوئے بولی۔

[illegible] انداز میں [illegible] وہ سوچ [illegible]

[illegible] تمہارا کوئی دوست نہیں ہے؟ [illegible] اس نے مجھے گھورتے ہوئے [illegible]

[illegible] کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میرے علاوہ؟"

[illegible] نہیں ہے۔"

[illegible] تو تم مجھ سے کہاں غائب تھے؟ میں اس وقت [illegible] کے عالم میں سوال کیا۔

[illegible] تو تمہارے خدوخال [illegible]

[illegible] موضوع کو اہمیت نہ دیتے ہوئے کہا [illegible] میں

[illegible] کے سو رہا تھا۔ کاؤنٹر پر [illegible] بتایا

[illegible] مجھے لگا جا رہی تھی۔" وہ پھر بولی

تم نے خود مجھے بلایا تھا اور میں کافی دیر تک تمہارے [illegible] کے بعد کاؤنٹر پر گئی تھی۔"

"آخری چند دنوں میں مجھے کچھ ہوش نہیں رہتا۔ سونے کا پروگرام بناتے وقت یہ بات ذہن سے نکل گئی تھی کہ تم دوبارہ یہاں آؤ گی۔"

"صاف کیوں نہیں کہتے [illegible] میری خوابگاہ میں سوتے [illegible] اور میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم ذرا سی آہٹ پر بھی بیدار ہو جاتے ہو۔"

"آخر تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" اس کی حد سے تجاوز کرتی ہوئی جسارت نے بالآخر مجھے سنجیدہ ہو جانے پر مجبور کر دیا۔

"تم خود [illegible] میرے شبہ کو تقویت پہنچا ہے [illegible] البرٹو کا پتہ [illegible] وہ کہاں اور کس حال میں ہے؟"

"البرٹو یا شوارٹ میرے پیچھے کیوں لگے ہوئے ہیں؟"

"البرٹو کے مشکوک ذرائع معاش پر مجھے شبہ ہے کہ وہ یہاں اسرائیل کے لیے کام کرتا ہے۔ تمہارا اسرائیل سے نکلنا [illegible] اور تم یہاں موجود ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم غیر قانونی طور پر وہاں سے فرار ہوئے ہو گے اور تمہاری دوبارہ گرفتاری کے لیے اسرائیل حکومت نے [illegible] ایجنٹ کو ہوشیار کر دیا ہو گا۔ [illegible] اغواکنندگان کے ناموں کے بارے میں [illegible] حکومتوں اور اسرائیل کو یقیناً علم ہوا تھا لیکن [illegible] کی روشنی میں اغواکنندگان کے ناموں [illegible] کی اخبارات اور ٹیلی ویژن وغیرہ کے ذریعے تشہیر نہیں کی گئی تھی ورنہ فلورا شاید براہ راست معاملے کی تہہ تک پہنچ جاتی۔

"تم بہت ذہین ہو [illegible] ہونا چاہیے تھا۔" میں نے اسے اپنی بانہوں میں لیتے ہوئے کہا۔

"پہلے میری بات کا جواب دو۔" وہ تڑپ کر میری بانہوں سے نکل گئی۔

"تمہاری بہن [illegible] سے باخبر ہے؟" میں نے قدرے سکوت کے بعد اس سے ایک غیر متعلق سوال کر ڈالا۔

"اسے البرٹو سے زیادہ شوارٹ کی فکر ہے۔ میں نے اس موضوع پر اس سے کوئی بات نہیں کی۔ میں تو اپنے طور پر البرٹو کو تلاش کرنا چاہتی ہوں۔"

"وہ کیوں؟"

"میری بہن شوارٹ کو چاہتی ہے مگر البرٹو ان دونوں کے درمیان حائل ہے۔ [illegible] میری دانست میں شوارٹ خانگی زندگی کے معاملے میں بالکل [illegible] ہے۔ اگر البرٹو کو کچھ ہو گیا تو میری بہن اور اس کے چار بچے بے سہارا ہو جائیں گے۔"

"ہو سکتا ہے کہ البرٹو [illegible] تمہاری نظر ہو؟"

"مگر وہ میری بہن کا شوہر ہے۔ [illegible] شوہر کتنا ہی برا [illegible] کیوں نہ ہو اس کا وجود عورت کے لیے بڑے [illegible] کا سبب ہوتا ہے۔ شوارٹ [illegible] سے محروم ہو جائے گا۔"

"تم نہیں سوچتیں [illegible] البرٹو [illegible] جا چکا ہے۔"

"وہ زندہ بھی ہو [illegible] سے بدتر ہو گا۔ مجھے صرف اتنا بتا دو کہ وہ [illegible]"

کی ساتھیوں کے قبضے میں ہے نا!"

"زیادتی کا ازالہ کرنا اچھی بات ہو۔"

"میرا دل کہتا ہے کہ تم اس بارے میں خود ہی جانتے ہو۔"

"تمہارا دل پاگل ہے۔ وہ یہ سمجھ رہی ہے تم تمہارے ساتھ کا سینو ڈائل چوہا کھا شوارٹ اس بارے میں جو مدد کر سکے گا۔" میں نے کہا۔ "وہ اتفاق سے کچھ کا لالچ کے ساتھ گیا ہوا ہے البتہ سانا بھی غائب ہے جب کہ میں اس سے بالکل واقف نہیں۔ ممکن ہے کہ شوارٹ نے ان دونوں کو کسی دھندے پر لگا دیا ہو۔"

"تم بھول رہے ہو کہ البرٹو مجھے اپنی مرضی سے نہیں کیا بلکہ زبردستی لے جایا گیا ہے۔" وہ بولی۔

"تم یقین کرو کہ اس معاملے میں تمہارا ہی نقصان ہے۔ یہ کوئی اچھا کام نہیں ہوتا ہے۔ البرٹو اور شوارٹ نے اپنی ہی گفتگو میں اگر میرا کہا ہوتا تو یہ میری بدقسمتی ہے۔"

"اگر آج رات شوارٹ سے بھی البرٹو کا سراغ نہ ملا تو میں ساری کہانی بلا کم و کاست پولیس تک پہنچا دوں گی۔"

"اور اس میں تمہارے گناہ کا ذکر بھی ہوگا؟"

"جا ہو تو اسے گول کر دوں گی۔"

"میرا نام درمیان میں آگیا تو تفتیش کھل جائے گی البرٹو بازیاب کک میں بیس پچیس کر دی جائیں گی کیونکہ میرا ریکارڈ بہت خراب ہے۔"

"میں تمہارا نام نہیں لاؤں گی۔"

"اوہ۔ تو تم نے مجھے یقین آگیا!" میں بے تکلفی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر بے ساختہ خوشی ہے چالا کر سکا۔

"تم نے مجھے یقین کرنے پر مجبور کیا ہے۔"

اور اسی وقت میں نے حیرت کے ساتھ ایک فیصلہ کر لیا جو فلورا کے رویے کی روشنی میں ناگزیر تھا۔

اس کے بعد میں نے کمرے کی بتیاں گل کر دیں۔ ایک موضوع ختم ہو چکا تھا۔ اور خود فلورا بھی خوشی سے انصاف کرنے کے لیے تیار تھی۔

فلورا کا سر آہستہ آہستہ میرے اعصاب پر سوار ہوتا جا رہا تھا اور اب کے تعلقات کی سرگرمی تجربے میں وہ کچھ زیادہ ہو گئی تھی۔

جس وقت ہم دونوں تیار ہو کر کمرے سے نکلے تو رات کے ساڑھے نو بجے تھے۔ میں نے روانہ ہونے سے قبل فلورا کو ساتھ لیا اور نیچے چل دیا۔

نفرت سے آسیب کے بعد میں جانا چاہتے تھے تو فلورا گئی تو وہ سمجھ کر اس کا جائزہ لینا تھی جو وہ پہلے ہی مجھے عبداللہ کے ساتھ دیکھ چکی تھی۔

"عبداللہ آتے ہوئے کا سینو ڈائل کی دیکھنا!" میں نے فلورا کو ہدایت کی۔ اس نے اپنے سر کو ہلکا سا خم دیا اور میں واپس فلورا کے پاس پہنچ گیا۔

فلورا ابھی ابھی کار میں واپس آئی تھی۔ اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور میں سگریٹ سلگا کر اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

"خاموش کیوں ہو؟" راستے میں وہ پوچھنے لگا۔

"اپنے مستقبل کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔"

"عورتوں کے لیے بڑھاپے کا تصور ہی کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس لیے بڑھاپے کے درمیان بیٹھے تمہیں کیا معلوم زندگی کا مزہ اس عمر میں ہی ہوتا ہے جب۔"

"میں نے ابھی تک زندگیوں کی ولدل میں ہی ہوں، میں شکوں کی لعنت سے ہمیشہ محروم رہی ہوں۔"

"تمہارا شوہر بہت بد ذات تھا۔"

"مجھے اگر کوئی اچھا ساتھی مل جائے تو میں اب بھی ... ہوں۔" اس نے پُر خیال انداز میں کہا۔

"شیدہ مداری ہے؟" میں نے مختصراً کہا۔

"وہ پاگل ہے جو البرٹو کی قدر نہیں کرتی۔ البرٹو جب بھی ہار رہا ہے۔ وہ لڑکوں کے پیچھے نہیں بھاگتی۔"

"تو کیا ہوا تم تو اس کی شوہر نہیں ہو۔"

"کیا تم میری مدد نہیں کر سکتے!" اس کے لہجے میں بے چینی تھی۔ "کس سلسلے میں؟"

"مجھے کسی کی مضبوط بانہوں کے سہارے کی ضرورت ہے۔"

"وہ تو تم ہر وقت تلاش کر سکتی ہو ہر روز خوشی کا ایک نیا ساتھی مل جائے گی۔" میں نے بے رخی سے کہا۔

"میرے وجود میں ابھرنے والے ایک جنگ جو کا جو جنم لے گا وہ دیکھنا اب شکستہ آواز میں بولی۔ "میری یہ خواہش ہے کہ میرا شوہر جو میری ہر فرمائش پوری کرے پر حق جتانے کا عادی ہو۔"

"اس سے کیا ہوگا؟"

"آزاد زندگی بہت بے کیف ہوتی ہے۔ سچی خوشی آزادی میں نہیں ہے جب کوئی مرد عورت کو اپنی انا اور اپنا حق سمجھتا ہے۔"

"یہ فلسفہ کب ذہن میں آیا؟"

"میں کل جب تیرے ہسپتال میں پڑے پڑے یہی سب سوچ رہی تھی ... اس نے مجھے کو اپنی انا کا مسئلہ بنایا تھا اور تمہاری طرح ہسپتال پہنچا دیا تھا مگر تم نے اسے ملاقات دی۔"

"وہ خوشی بھی تو ہر جائی تھا!"

"اس بات کا تم میری مدد کا ذکر رہی تھیں۔"

"تمہارے لیے میں اس زاویے سے شاید گفتگو کا مطلب ہے ہی نہیں۔ پھر بھی میں یہ پوچھوں گی کہ کیا تم میرا ہاتھ تھام سکو گے!"

"یہ تمہارے ساتھ زیادتی ہوگی۔"

"وہ کیوں؟"

"آزاد پرندے جنگل ہی میں اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ اسے گھر میں قید کرنے کی فطرت میں تبدیلیاں آ جاتی ہیں۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تم دامن بچاؤ گے۔" اس نے دل شکستہ لہجے میں کہا۔ "تم سے ملاقات کے بعد میں نے کسی سے وعدہ نہیں کیا تھا کبھی بھی کسی نگاہ تمہاری نظروں میں گر گئی ہوں۔"

"میرے بارے میں تم سنجیدہ کب ہو گئیں؟"

"ہسپتال میں مجھے سکون اور تنہائی میں سوچنے کا موقع ملا تو جب ... تھے ان کے احمقانہ کا تصور مشغل تھا اور وہ آسمانی بدترین دشمن تھی زندگی ... بہان چلی آئی جب کل تمہیں اچانک یہاں دیکھا تو خیال ہوا کہ شاید قدرت مجھے نئے رنگ سے ...

"شوارٹ سے تم کیا پوچھو گی؟"

میں نے سکوت توڑتے ہوئے کہا۔

"البرٹو کے بارے میں براہِ راست بات کروں گی۔ ہو سکتا ہے کہ صحت مند بھی اچھا ... " اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

کا سینو ڈائل ونیز ... سے جگمگاتی ہوئی عمارت کا نام تھا جہاں بہت سے جوئے کے ساتھ نائٹ شو بھی ہوتے تھے۔

ہم دونوں کٹ لے کر قمار خانے کی طرف گئے تو وہاں ہجوم اور ہنگامہ کی ایک عجیب دنیا آباد تھی۔ کا سینو ڈائل کے قمار بازوں میں زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگ نظر آ رہے تھے جو ان کے انداز سے ہی قمار بازی کے عادی لگتے تھے۔

خوش جمال اور مست خرام لڑکیاں وحشت ناک پہرے میں لباس پہنے سلاخوں اور میزوں کے درمیان شکار کی تلاش میں گھوم رہی تھیں۔ باریک لباس سے جھانکتی بدن کی جھلکیاں ستر زیبائی کا کام سر انجام دے رہی تھیں۔

ہم دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے میزوں کے درمیان گھومتے رہے۔ کئی ... اب تک چکے تھے مگر شوارٹ کا کہیں پتا نہیں تھا۔

یہ جاری فلورا کو کیا پتہ کہ شوارٹ جہاں بھیجا جا چکا ہے وہاں سے کہاں اس کی واپسی ناممکن تھی۔ مگر میں زبان بند کیے اس کی تلاش میں شریک تھا۔

وہاں سے نکل کر وقت گزاری کے لیے ہم نے نائٹ شو کے ٹکٹ خریدے۔ اندر گئے تو کا سینو ڈائل کا وسیع ہال شراب اور شباب کی خوشبو سے بوجھل تھا۔ ہال کی تاریکی میں تنہا شمعوں کے بجھتے ہی ... سانسوں کے زیر و بم تھا۔ ... اسٹیج پر ... شمعوں کے بارے میں دو عورتیں اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ تماشائیوں کے ساتھ ساتھ ان کی حرکات میں بھی ایک نیا جوش چڑھتا جا رہا تھا۔

انجلی نسست کی طرف جاتے ہوئے کہ کری میں میں نے دیکھا کہ ... بڑی تعداد میں تھیں۔

پہلے زندگی میں وہ پہلا موقع تھا کہ میں اسٹیج پر سنسنی خیز ... کر دیا جائے ... سماعت میں دیکھ رہا تھا اور پھر ایک ... عورت کی تیز نگاہ ... سنسنی خیز ماحول میں کھو گیا اور ان دونوں ... بیٹھ گیا۔

ہال تالیوں اور سسکاریوں سے گونج اٹھا اور میں نے فلورا کا ہاتھ تھامے اپنی نشست چھوڑ دی۔

... اخلاق اور اقدار کی ...

"منظر کا نہ بالائی کا تصور بھی میرے ذہن میں موجود نہیں تھا اور آتا بھی ہے تھے کہ اس کی انتہا کیا ہوگی جس کے تصور سے خلوت میں بھی حساس ذہن شرما جاتے ہیں۔

"باہر کیوں آ گئے؟" دروازے سے نکلتے ہوئے فلورا نے سوال کیا۔

"تم اندر کیوں گئی تھیں؟" میں نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"شوارٹ کے انتظار میں وقت گزارنے کا اچھا بہانہ تھا۔" وہ بولی۔ "کا سینو ڈائل کے نائٹ شو یورپ کے فرانس میں شہرت رکھتے ہیں۔"

"اگر یہی رفتار رہی تو کچھ عرصے بعد عورتوں اور مردوں کو ایک دوسرے سے نفرت ہو جائے گی۔"

"یہ ناممکن ہے۔ ان دونوں میں جو کشش ہے وہ ازل سے ابد تک رہے گی۔ ہو سکتا ہے کہ ایسی تفریحات تمہارے نزدیک عجیب ہوں مگر یورپ والے اس کے عادی ہیں۔" میں خاموش رہا۔

اس بار ہم قمار خانے میں گئے تو شوارٹ تو کیا نظر آتا ہمیں عبداللہ نظر آگیا جو کٹی ہوئی پتنگ کی طرح میزوں کے درمیان جھولتا پھر رہا تھا۔

"فلورا ایک منٹ یہیں رکو!" یہ کہہ کر میں نے فلورا کو وہیں چھوڑا اور عبداللہ کی طرف چل دیا جس کی پشت میری جانب تھی۔

میرے پکارنے پر وہ چونک کر میری طرف پلٹا۔ "کیا بکتے ہو؟" اس کے لہجے سے کا تجسس جھلک رہا تھا۔

میں اس کا بازو تھام کر اسے ایک علیحدہ گوشے میں لے گیا۔

"البرٹو فلورا کا منگیتر تھا اور وہ اس کی گمشدگی کی وجہ سے زیر و زبر رہتی تھی۔ مجھے ڈر ہے کہ اب بھی اس کا ذہن میری طرف سے صاف نہیں ہے میرا خیال ہے کہ اسے بھی شوارٹ کے مکان پر پہنچا دینا ہے۔"

"قبرستان بنا ہوا اس مکان کو!" وہ آہستہ سے بولا۔ "کہاں ہے وہ؟"

"شوارٹ کی تلاش میں میرے ساتھ آئی ہے میں اسے بتاؤں گا کہ شاید تم ہمیں البرٹو تک لے جا سکو گے!"

"یہ کچھ غلط بھی نہ ہوگا۔"

میں عبداللہ کو ساتھ لیے فلورا کی طرف آیا اور ان دونوں کا تعارف کرایا۔ دری شوارٹ کے متعلق بات کرنے کے بعد میں انہیں باہر لے آیا۔

"البرٹو کے بارے میں یہ شخص ہماری مدد کر سکے گا۔"

"تم اس سے واقف ہو؟" فلورا نے براہِ راست عبداللہ سے سوال کیا۔

"سینوریا! میں اس سے خوب واقف ہوں میں کل رات اس کے کیمپ ہی میں تھا البرٹو نے مجھے بتایا ہے کہ اسے اغوا کر لیا گیا ہے۔"

"تم اس کے کسی دشمن سے واقف ہو؟"

"نہیں میں ایک ہی شخص اسے اغوا کر سکتا ہے اور میں اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال سکتا ہوں۔" عبداللہ نے انکسار سے کہا۔

"تو پھر چلو!"

"میری رہائش گاہ آگے گلی میں ہے آپ لوگ میرے پیچھے آئیں۔" عبداللہ یہ کہہ کر آگے چل دیا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں گاڑیاں تیزی کے ساتھ شوارٹ کی مضافاتی حویلی کی جانب جارہی تھیں جہاں بارہ گھنٹے سے بھی کم وقفے میں چار لاشیں جمع ہوچکی تھیں اور اب اس تعداد میں ایک کا اضافہ ہونے والا تھا۔

شوارٹ کا وہ مکان صحیح معنوں میں کھلے قبرستان کی حیثیت اختیار کرچکا تھا جہاں نہ تابوت کی ضرورت تھی نہ گورکن کی۔

"یہ کون ہے؟" خاصی دیر بعد فلورا نے مجھ سے پوچھا۔

"میرا واحد دوست۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"پہلے تو تم انکار کررہے تھے۔"

"اس نے اغوا نہیں کیا لیکن یہ تمہاری مدد کرسکتا ہے۔"

"میں اور کیا چاہتی تھی؟" وہ شکایتی لہجے میں بولی۔ "تم نے بلاوجہ بات الجھادی ورنہ میں تو صرف البرٹو کی بازیابی چاہتی تھی۔"

"مگر تمہارا رویہ سخت قابل اعتراض تھا۔"

"میں نے تمہیں جو بدالزام نہیں ٹھہرایا تھا تم نے خود ہی اپنے کم جوابات سے مجھے اشتعال دلایا تھا۔" تم اگر کروہ جیسی تجربات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "شکر کرو کہ یہیں ایک کارآمد شخص مل گیا۔ اگر مجھے پولیس سے رجوع کرنا پڑتا تو شاید میں اپنی کہانی سے تمہارا تذکرہ حذف نہ کرپاتی۔"

اس کے آخری فقروں نے میرا سر بلند کردیا۔ اس کے بارے میں میں نے جو فیصلہ کیا تھا اس کا جواب فلورا نے خود ہی دے دیا تھا۔

"یہ جنت تمہاری معاوضہ لے گا؟" میں نے کہا۔

"مگر میری حیثیت کے مطابق ہوا تو انکار نہیں کروں گی۔ اس سے آگے تمہاری ذمہ داری ہوگی کیونکہ عبداللہ تمہارا دوست ہے۔"

اس کے بعد ایک مرتبہ پھر کار میں خاموشی چھاگئی۔ سرد راستے کے سناٹے میں ویران سڑک پر دونوں گاڑیاں لحظہ بہ لحظہ شوارٹ سے قریب تر ہوتی جارہی تھیں۔

دونوں گاڑیاں ویران مضافاتی شاہراہ پر چند کلومیٹر ہی گئی ہوں گی کہ اچانک عقب سے فائر انجنوں کا تیز شور سنائی دیا۔

"نہ جانے کہاں آگ لگی ہے؟" فلورا بڑبڑائی۔

اسی وقت عبداللہ نے اپنی رینالٹ سڑک کے کنارے سے نیچے اتار کر فائر انجنوں کو راستہ دینے کے لیے روک دی۔ فلورا نے بھی اس کی تقلید کی۔

میں نے سر گھما کر پیچھے دیکھا تو فائر انجن تیزی سے بڑھتے آرہے تھے۔ ان کی گردش کرتی ہوئی سرخ روشنیوں کا انعکاس آسمانی بجلی کی طرح چند ثانیوں کے لیے سڑک کے ایک حصے کو منور کرتا اور پھر اس کا رخ تبدیل ہوجاتا۔

فائر انجنوں کو دیکھ کر میرے ذہن میں سب سے پہلا خیال شوارٹ کے مکان کے بارے میں آیا جہاں ہم تجوری میں آگ بھڑکتی چھوڑ آئے تھے۔

شوارٹ کی خواب گاہ میں اتنا سامان بکھرا ہوا تھا کہ … اڑنے والی چند چنگاریاں خطرناک آگ کی صورت اختیار کرسکتی … مجموعی طور پر اس عمارت میں اتنا سامان نہیں تھا جو آگ … لپیٹ میں لے لیتی۔

پوری عمارت میں آگ صرف بجلی کے تاروں کے … پھیل سکتی تھی جس کا مجھے کوئی امکان نظر آرہا تھا۔

وہ فائر انجن چیختے چنگھاڑتے ہمیں … اور تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے چلے گئے۔ … آنے والے لمحات کی تیاریوں میں مشغول نظر آتے … ایسا معلوم … وہ کسی بڑے حادثے کی خبر پاکر نکلے ہوں۔

فائر انجنوں کے جانے کے بعد عبداللہ نے گاڑی … سے گیا اور فلورا بھی خاموشی سے آگے چل پڑی۔

معاً میرے ذہن میں اپنی حماقت کا احساس پیدا ہوا … دل ہی دل میں جھنجھلا … ہم لوگوں نے شوارٹ کے مکان … تجوری کو جلتے ہوئے چھوڑا اس وقت دن … سے گزر چکے تھے۔ بارہ گھنٹوں کا یہ وقفہ شوارٹ کے … کے بارے میں میرے خیال کی مکمل تردید کے لیے بہت کافی … سے یہاں تجوری سے آگ پھیلی ہوتی تو اسے بہت پہلے خوفناک شکل اختیار کرلینا چاہیے تھی۔

ابھی فائر انجنوں کی روانگی لازمی طور پر آتش زدگی … ہوسکتی تھی۔ کسی عمارت کے گرنے یا شاہراہ پر ٹریفک کے کسی حادثے کی صورت میں بھی وہ شعبہ جائے حادثہ کا رخ کرسکتا تھا۔

اس نے وسوسے سے نجات پاتے ہی میرا ذہن فلورا میں الجھ گیا۔

عورت کے ساتھ تشدد کو میں ہمیشہ نفرت کی نظر سے دیکھتا … وہ مجرمانہ رویہ … اور میں نے بارہا اپنی ذات کے ساتھ … کو محض اسی وجہ سے نظر انداز کیا تھا۔ میرے ہاتھ سے عورت … ماری گئی تھی جو بذات خود مجرم اور قاتل تھی علاوہ … سلامتی اور افواج آزادی فلسطین کے لیے شدید ترین خطرہ … اختیار کرچکی تھی اور اس کے رویے میں تبدیلی ممکن نہ تھی۔

کیپٹن نیریا میری طلبگار بھی تھی اور … کے ایک ایسے گروہ میں شامل تھی جو عام قومی سرگرمیوں … فلسطینی حریت پسندوں کا لہو بہانے پر مامور تھا۔ ان … اپنے اصولوں سے انحراف غیر فطری نہیں تھا۔

مگر فلورا کا معاملہ مختلف تھا۔ اس نے … کبھی کسی اور … میرے ساتھ وہ …

… بی اے نے آستینا کے طور پر میرا نام چھپانے … سوالات پر بھی تشنگی کا بھی نشانہ تھی۔ میرا … سے قبل کرنے کے فیصلے پر بھی نظرثانی نہیں تھا۔ … مجھے ایک موہوم سا خطرہ یہ تھا کہ ہمیں … کی ذات سے … پولیس کے رو برو انکشاف نہ کربیٹھے کہ اس نے شوارٹ … کے بارے میں راز دارانہ گفتگو کرتے سنا تھا۔ … اسرائیل کی نفرت کا مرکز بنا ہوا تھا اور چھوٹے چھوٹے … سے مقابلہ کرسکتا تھا۔ وہ مجھے میرے قیام کی آخری … پر یہ راز ہوجاتا اور وہاں میرا نام بھی دل جاتا۔ … طرح فلورا کی اپنی حفاظت … پولیس سے رجوع کرنے سے روک … کی زبان سے لاشوں کا معمولی سا خطرہ بھی ٹل سکتا تھا۔

… فلورا کے قتل کا فیصلہ … افسوس ہونے لگا۔

"یہ کہاں لیے جارہے ہو؟" اچانک فلورا نے مجھے ٹوکا۔

"کون؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"وہی تمہارا دوست کیا نام بتایا تھا تم نے اس کا؟"

"اللہ…" میں نے اس کی الجھن سے بے ساختہ … وہ ایک رہائشی … جو صوتی اعتبار سے عبداللہ سے خاصا مختلف تھا … میرے بتانے پر اصل نام کا موہوم سا تصور … اس نے اللہ پر فوراً یقین کرلیا ہوگا۔ "مجھے خود نہیں معلوم کہ وہ کہاں چلا جارہا ہے۔"

"تمہیں بھروسہ ہے اس پر؟"

"بھروسہ نہ ہوتا تو اس کے پیچھے یوں دوڑا نہ آتا۔" میں نے کہا۔ "ذرا آگے آؤ اسے نکل کر رات رکنے کا اشارہ کرو۔ میں بات کرتا ہوں اس سے۔"

فلورا نے یک بیک ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا۔ رینالٹ سے آگے نکلتے ہوئے میں نے کھڑکی کا شیشہ اتار کر عبداللہ کو … اشارہ کیا اور فلورا نے عقب نما آئینے میں اس کا جائزہ لیتے ہوئے … ڈال لی۔

… اترا تو کھلے ہوئے میدان کی خنک ہواؤں نے … لیا اور میں تیز تیز چلتا ہوا عبداللہ کی طرف بڑھ گیا۔

"… کون ہے؟" میرے قریب پہنچتے ہی عبداللہ بول پڑا۔ … گاڑی سے اترنے کی ہمت نہ کرسکی تھی۔

… نے حیرت سے کہا۔

… آسمان پر سرخی نظر آرہی ہے۔ اس نے سامنے کی طرف … "فائر انجن بھی اسی طرف گئے ہیں۔ مجھے پورا … شوارٹ کے مکان ہی میں آگ لگی ہوگی … میں محفوظ رکھی ہے۔"

میں نے غور کر آسمان پر نظر ڈالی تو وہاں واقعی شعلوں کا نارنجی انعکاس نمایاں تھا۔ شعلوں کے لپکنے اور گھٹنے سے اس انعکاس کی شدت میں بھی کمی بیشی ہورہی تھی۔

"اس کی نشاندہی کا شکریہ۔ میں یہ بتانے آیا تھا کہ اب میں نے اپنا فیصلہ بدل دیا ہے۔" میں نے اسے بتایا۔

"کون سا فیصلہ؟"

"فلورا کو قتل نہیں کیا جائے گا۔" میں نے مدھم مگر ٹھوس لہجے میں کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ راستے میں یہ اتفاق ہوگیا ہے۔" وہ مشکوں سے … اندازہ … "تم جو چاہو گے وہی ہوگا۔"

"اب اسے واپس کیسے لے جاؤ گے؟"

"اس آگ کے سلسلے میں۔" وہ پرسکون لہجے میں بولا۔ "میں … سے کم دونوں گاڑیوں میں … کہ وہیں لے جانا پڑتا جہاں آگ بھڑک رہی ہوتی۔ خدا کرے کہ آگ شوارٹ کے ہی مکان میں لگی ہو۔ بعد میں جب تجوری کی جلی ہوئی لاش کے ساتھ البرٹو کا جسم بھی وہیں سے ملے گا تو فوراً یقین ہوجائے گا کہ البرٹو کو اغوا کرنے والا شوارٹ ہی تھا۔"

"بہت دیر لگادی۔ کیا کررہا تھا؟" میرے واپس پہنچتے ہی فلورا نے سوال کیا۔

"وہ آسمان پر سرخی دیکھ رہا ہو۔" میں نے ونڈ شیلڈ سے سامنے اشارہ کرتے ہوئے پرتشویش لہجے میں کہا۔

"اوہ خدا، یہ تو زبردست آگ لگی ہوئی ہے کہیں۔" وہ حیرت سے بولی۔ "شاید وہ دونوں فائر انجن وہیں گئے تھے۔"

"یہ آگ ہماری منزل کے قرب و جوار میں نظر آتی ہے۔ اللہ اس بارے میں پریشان ہے۔" میں نے اپنے لہجے پر تشویش طاری کرتے ہوئے کہا۔ اسی اثنا میں عبداللہ ایک بار پھر آگے نکل گیا۔

"ایسا نہ ہو کہ البرٹو آگ میں گھر گیا ہو۔" وہ تشویش آمیز لہجے میں بولی۔ "خدا کرے کہ اللہ کا وہم بے بنیاد ہو۔"

پھر فضا پر مسلسل خاموشی چھاگئی۔

تھوڑی دیر بعد دونوں گاڑیاں یکے بعد دیگرے شوارٹ کے وسیع و عریض مکان کے سامنے سڑک کے کنارے رک گئیں۔ دوسری طرف جانے والا سارا ٹریفک رکا ہوا تھا اور بیشتر افراد آگ بجھانے کے کام میں عملے کو مدد دے رہے تھے۔

شوارٹ کا مکان اور اس کے گرد اگا ہوا جنگل نما خودرو باغ بری طرح شعلوں میں گھرا ہوا تھا۔ سامنے کے حصے میں چھ فائر انجن آگ بجھانے کے کام میں مصروف تھے جبکہ شعلوں کے عقب میں بھی کئی سو فٹ بلند پانی کی امڈتی ہوئی چھ سات دھاریں چمکتی نظر آرہی تھیں۔ ہوا چلنے کے باعث آگ پر قابو پانا بہت دشوار نظر آرہا تھا۔

"مجھے افسوس ہے سینورا!" عبداللہ گاڑی سے اتر کر ہمارے قریب آتے ہوئے بولا۔ "پتہ نہیں معذرت وہ بے چارہ جل گیا۔ اس وقت تو اندر داخل ہونا بھی خطرے سے خالی نہیں۔ آگ تیزی سے ہر طرف پھیلتی جا رہی ہے۔"

"تمہارا نام الملا ہے؟" میں نے جلدی سے عربی میں کہا تو عبداللہ مجھے یوں گھورنے لگا جیسے میں نے اس کی شان میں کوئی گستاخی کی ہو۔ فلورا کسی پاگل کی طرح آنکھیں پھاڑے آگ کی طرف دیکھ رہی تھی اس لیے وہ شاید میرا فقرہ نہ سن سکی۔

امدادی کام کرنے والوں کی چیخ و پکار، پمپوں کا تیز شور اور جلتے ہوئے سرسبز درختوں کی تیز چرچراہٹوں نے فضا کو سوگوار بنایا ہوا تھا۔ شعلے اپنی راہ میں حائل ہونے والی ہر چیز کو نہایت بے دردی سے چاٹتے جا رہے تھے۔

"تمہیں یقین ہے کہ البرٹو یہاں نہیں تھا؟" فلورا نے اچانک عبداللہ سے سوال کیا۔

"البرٹو کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم سینورا!" عبداللہ نہایت مہذب انداز میں سر کو قدرے خم دے کر بولا۔ "البتہ جو شخص اس کے بارے میں بتا سکتا تھا وہ آج کی رات ضرور اسی عمارت میں موجود تھا۔"

"آگ بجھانے والے عملے سے امدادوں کی خیریت معلوم کرو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ زندہ سلامت باہر موجود ہو۔" فلورا اضطراری لہجے میں بولی۔

"معاف کیجیے سینورا! میں ان کے کام میں اس وقت دخل اندازی نہیں کر سکتا۔" عبداللہ نے جواب دیا۔ "بہتر یہی ہے کہ اب کل کا انتظار کیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک البرٹو خود ہی گھر پہنچ جائے۔"

شعلوں کی وجہ سے وہ سارا علاقہ روشن ہو گیا تھا۔ میں فلورا کے چہرے پر گہرے تاسف کی علامات ضرور دیکھ رہا تھا لیکن مجھے یہ اندازہ بھی ہو رہا تھا کہ وہ ذہنی طور پر بدترین صورت حال کے لیے بھی تیار ہو چکی تھی۔

میرے لیے شوارٹ کے اس حویلی نما مکان میں لگی ہوئی یہ اچانک آگ شدید حیرت کا باعث بنی ہوئی تھی۔ اگر تھوڑی سی وہ آگ بھڑکی بھی تو اسے اس قدر خطرناک نہ ہونا چاہیے تھا۔ اول تو اس عمارت میں کوئی ایسا قابل ذکر سامان موجود نہیں تھا جو آگ پھیلانے میں معاون ثابت ہوتا۔ اگر میں یہ فرض کرتا کہ وہ آگ بجلی کے تاروں سے پھیلی ہوئی تو بھی خود مدد باغ تک آگ پھیلنی ناممکن تھی۔

"یہاں آگ کیسے لگ گئی؟" فلورا شعلوں کی طرف دیکھتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بڑبڑاتے ہوئے بولی۔

"خشک جھاڑیاں کسی سگریٹ سے بھی آگ پکڑ سکتی ہیں۔" میں نے اس کا بازو تھام کر اسے گاڑی کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔

"اتنی آگ میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھی ہے۔" وہ پھر بے بسی سے بولی۔ "یہ کتنا عجیب اتفاق ہے کہ کل میری تم سے ملاقات ہوئی اور البرٹو تمہارے بارے میں باتیں کرتے ہوئے چلنے لگے۔ پھر وہ دو دلیر لوگ البرٹو کو گھر سے اٹھا لے گئے۔ البرٹو کا [illegible] اپنے گھر سے لاپتہ ہے اور تمہارا دوست البرٹو کے سلسلے میں [illegible] آج یہ گھر جہنم بنا ہوا ہے۔"

"زندگی میں بعض اوقات اس سے بھی زیادہ عجیب [illegible] ہو جاتی ہیں۔" میں نے سرسری لہجے میں کہا۔

"اس شخص کا نام کیا تھا؟" اس بار فلورا براہ راست عبداللہ سے مخاطب ہو گئی۔

"کس کا؟" عبداللہ نے چونک کر سوال کیا۔

"وہی جس کے پاس تم آئے تھے۔" فلورا نے پلٹ کر جلتے ہوئے مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہنری شوارٹ۔" عبداللہ نے پرسکون لہجے میں کہا اور فلورا یک لخت ٹھٹک کر اس طرح عبداللہ کو گھورنے لگی جیسے اس کے سر پر یک بیک سینگ نکل آئے ہوں۔

"کیا ہوا سینورا!" عبداللہ نے ہڑبڑا کر [illegible] ہوئے سوال کیا۔

"ہنری شوارٹ کو تم کیسے جانتے ہو؟" فلورا کے [illegible] کیا۔ فلورا کی نظروں میں اپنا اعتماد بحال رکھنے کے لیے میری [illegible] ناگزیر تھی۔

"وہ میرا بہت پرانا یار ہے۔" عبداللہ نے لاپرواہانہ انداز میں [illegible]

"آخر تم دونوں اس کے نام پر کیوں چونک پڑے ہو؟"

"اس لیے کہ فلورا کی دانست میں البرٹو کی گمشدگی [illegible] طرح شوارٹ کا بھی دخل تھا۔" میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"تو سینورا بھی یہاں کیوں نہیں آ گئیں؟" عبداللہ نے [illegible] لہجے میں کہا۔ "ہو سکتا تھا کہ وہ آتش زدگی سے پہلے اس سے مل لیتیں۔"

"ضرور مل لیتیں۔" میں نے کہا۔ "مگر فلورا کو شوارٹ کا [illegible] معلوم نہیں تھا۔"

"مگر اب میں ضرور اس سے ملوں گی۔" فلورا بولی۔

"کیا اسی وقت؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔" وہ اٹل لہجے میں بولی۔ "اور اگر فائر بریگیڈ والے اندر داخل نہ ہونے دیا تو میں باہر گاڑی میں بیٹھ کر ان کی واپسی کا [illegible] کروں گی۔"

"مناسب یہی ہو گا کہ معاملہ صبح تک ملتوی کر دیا جائے۔" [illegible] فلورا کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"واقعات تیزی سے ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ ہم [illegible] تک شوارٹ [illegible] برباد کر چکے [illegible]

[illegible] الفاظ میں چھپے ہوئے طنز کی تلخی کو اس نے بڑی شدت سے [illegible] محسوس کر کے بولا۔ [illegible] عقاب بن کر اس کا پیچھا [illegible] کہ تم کسی خونخوار عقاب سے کم نہیں ہو۔ وہ قیدی [illegible] یقین اب بھی پورا یقین ہے کہ ان تمام واقعات کا تمہاری [illegible] تعلق نہیں ہے۔"

"[illegible] باتیں کر رہی ہو فلورا!" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میری [illegible] اٹھانے کی کوشش نہ کرو۔"

"تمہاری کمزوری؟" وہ ایک ٹھنڈا سانس لے کر بولی۔ "مجھے تو [illegible] کمزوری سے واقف ہو سکوں۔"

"[illegible] پولیس کو بتا سکتی ہو کہ ڈاکٹر اسکرو [illegible] آیا ہے۔ میری طرف سے تمہیں کھلی اجازت ہے۔" میں نے [illegible] عالم میں کہا اور اسے وہیں کھڑا چھوڑ کر عبداللہ کی سیاہ مرسیڈیز کی [illegible]

"خدا حافظ سینورا!" عبداللہ نے سر کو قدرے خم دے کر کہا اور ایک [illegible] ساتھ ہو لیا۔

[illegible] اچانک فلورا کی آواز آئی۔

[illegible] کر اس کی طرف گھوم گیا۔

وہ [illegible] قدموں سے چلتی ہوئی میرے پاس آ کر رک گئی اور اپنے [illegible] محبت آمیز نرمی کے ساتھ میرے سینے پر رکھ کر آہستہ سے بولی۔ "[illegible] معاف کر دو [illegible] میں ذہنی پراگندگی میں مبتلا ہوں۔"

"میرا صحیح نام [illegible]" [illegible] میں نظریں ملاتے ہوئے [illegible] کی طرح [illegible]

وہ سر میرے سینے سے آ لگی اور میں نے اسے سہارا دے کر اس کی [illegible] طرف لے گیا۔

"کیا میں جا سکتا ہوں ڈاکٹر؟" عبداللہ نے معصومیت سے [illegible] سوال کیا۔

"[illegible] شوارٹ سے پہلے البرٹو کا سراغ مل جانا چاہیے۔" [illegible] بٹھا کر میں نے اس کے پہلو میں نشست سنبھالتے [illegible]

"[illegible] ہے اور زندہ ہے تو کل تک مزید گھر پہنچ جائے [illegible] میں کسی کیلئے ضروری کام میں مصروف [illegible] تمہارا کام تمام کروں گا۔"

"[illegible] کا مفہوم میں اس وقت سمجھا جب فلورا کی [illegible] لہجے میں بولا۔ "[illegible] میری ایک [illegible]"

[illegible] کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ فلورا نے مجھے روک دیا اور عبداللہ سے بولی۔ "جو بات کرنا ہے میرے سامنے کرو۔"

"میں نجی باتیں خواتین کے سامنے نہیں کرتا سینورا!" عبداللہ نے دانت نکال کر کہا۔ "ڈاکٹر صرف ایک منٹ کی مہلت دے دیں۔"

عبداللہ کے خوشامدانہ لہجے سے فلورا نے وہی مطلب اخذ کیا جو عبداللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا اور آہستہ سے بولی۔ "اسے تلاش کرو۔ تمہیں بھرپور معاوضہ دیا جائے گا۔"

"نہیں سینورا! ایسا نہ کہو۔" عبداللہ تڑپ کر بولا۔ "ملا دوستوں سے معاوضہ لینا حرام سمجھتا ہے۔ بس ڈاکٹر کو ایک منٹ کیلئے چھوڑ دو۔"

"وہ بہت خوددار ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "اس کی بات سن کر آتا ہوں۔" یہ کہہ کر میں گاڑی سے اتر گیا۔

"صبح سات بجے تمہیں پیرس کے لیے روانہ ہونا ہے۔" فلورا کی گاڑی سے دور آتے ہی عبداللہ نے کہا۔ "ایسا نہ ہو کہ تم فلورا کی آغوش میں کھو کر رہ جاؤ۔"

"میں اسے چھوڑ کر ابھی واپس آ رہا ہوں۔"

"تو پھر میں تمہارے کمرے میں ہی سوتا ہوا ملوں گا۔"

میں فلورا کی طرف آ گیا اور عبداللہ اپنی مرسیڈیز کی طرف چلا گیا۔

"کیا کہہ رہا تھا؟" فلورا نے گاڑی کو حرکت دیتے ہوئے سوال کیا۔

"پانچ ہزار فرانک ادھار مانگ رہا تھا۔"

"ادھار؟" فلورا نے قہقہہ لگا کر زیر لب کہا۔ "صورت سے واپس کرنے والا معلوم نہیں ہوتا۔ میں تو پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ وہ رقم مانگے گا۔"

"وہ میرا دوست ضرور ہے مگر اس قماش کے آدمی اپنے مالی مفاد سے کبھی بھی دستبردار نہیں ہوتے۔"

"اور تم اسے خوددار کہہ رہے تھے۔"

"اس نے تمہارے سامنے قرضہ مانگ کر میری دانست میں خودداری کی آخری قسم کا مظاہرہ کیا ہے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"تو کیا خودداری کی بھی اقسام ہوتی ہیں؟"

"ہاں۔ جو لوگ ہر جگہ اپنی ضرورت کیلئے دوسروں کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے اول درجے کے خوددار ہوتے ہیں۔"

"اچھی ہوتی ہیں۔" وہ آہستہ آہستہ خوش مزاجی کے مظاہرے پر مائل ہوتی جا رہی تھی۔

"آج کل قدریں تیزی سے بدلتی جا رہی ہیں مگر میں ذہنی طور پر اسی مکتب سے وابستہ ہوں جسے تم جیسے روشن خیال لوگ فرسودہ قرار دیتے ہیں۔"

"اگر تم سچے دل سے اسی مکتب سے وابستہ ہوتے تو میری زندگی میں تمہارا نام شوخ اور چنچل لمحات کی کہانیاں لے کر شامل نہ ہوتا۔"

"کبھی کبھی انسان بھٹک بھی جاتا ہے۔"

"کبھی کبھی؟" یہ کہہ کر وہ قدرے ہنس پڑی۔ "تم تو گمراہی کا شاہکار معلوم ہوتے ہو۔"

"یہ تو سراسر الزام ہے۔" میں نے احتجاج کیا۔

"مادام بےچاری زندہ نہیں ہے ورنہ وہ بھی میری ہمنوا ہوتی۔ ہم دونوں کے علاوہ تم نہ جانے کتنی فطرتوں سے امنگوں کی خوشبو میں چرائے رہے ہو گے۔"

"تم خوبصورت الفاظ کے استعمال پر خاصا عبور رکھتی ہو۔" میں نے ہنستے ہوئے گہرے لہجے میں کہا۔

"سچ سچ بتاؤ کہ عورتوں کے بارے میں تمہارا تجربہ کتنا وسیع ہے؟"

"تمہارے نزدیک تجربے کا معیار کیا ہے؟"

"تعداد۔"

"پھر تو مجھے اناڑی ہی سمجھو میرا تجربہ مادام سے شروع ہو کر تم پر ختم ہو جاتا ہے۔" میں نے بلاتوقف جواب دیا۔

"میں مان ہی نہیں سکتی۔"

"نہ مانو۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔ "میں ضد بھی نہیں کرتا۔"

"اب کیا پروگرام ہے تمہارا؟" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد فلورا نے سوال کیا۔

"تمہیں چھوڑ کر ہوٹل واپس لوٹنا ہے۔"

"اگر میں تمہارے ساتھ ہوٹل ہی میں رہنا چاہوں؟"

"مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا مگر البرٹو کی گمشدگی پر تمہاری ماں پریشان ہوگی۔ اسے تمہارے سہارے کی ضرورت ہوگی۔"

"میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ وہ البرٹو کو پسند نہیں کرتی۔"

"ناپسندیدگی اور نفرت میں بہت فرق ہوتا ہے۔"

"تو پھر نفرت ہی سمجھ لو۔" وہ بولی۔ "وہ تو البرٹو کے اغوا کے بعد ہی سے سکون سے گھر میں بیٹھی البرٹو کے بارے میں کسی بری خبر کی منتظر ہے۔"

"پھر تو اسے مسرور ہونا چاہیے۔"

"البرٹو بہت بے ضرر قسم کا شوہر ہے۔ اگر میری ماں نے اس کے ساتھ اپنا رویہ بدلا تو شاید میں اسے جنونی کی بجائے شوہر کے طور پر قبول کر لوں۔"

"اب کی ہے تم نے صاف بات۔ مجھے تو پہلے ہی شبہ تھا کہ البرٹو کے بارے میں تمہاری تشویش بلاسبب نہیں ہے۔"

"تمہارے دو ٹوک جواب کے بعد مجھے کسی نہ کسی سہارے کی ضرورت ہے۔" اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں جواب دیا۔

"پیرس کی ویران گلیوں میں ہر موڑ پر تمہیں دو چار سہارے مل جائیں گے۔ تم اسی ایک کے بارے میں کیوں فکرمند ہو۔"

"تم نے خود مجھے یہ بات کہنے کا موقع دیا ہے۔" وہ جھنجھلائی ہوئی آواز میں بولی جیسے میرے الفاظ سے اس کے دل کو ٹھیس پہنچی ہو۔ "تم میرے دوست ضرور ہو مگر تمہیں میرے ذاتی معاملات میں ایسی جارحانہ مداخلت زیب نہیں دیتی۔"

"میں معذرت خواہ ہوں سینورا۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اتنے [illegible] آپ کو مجھ سے اس قسم کی کوئی شکایت نہ ہوگی۔"

"میں جانتی تھی کہ تم برا مان جاؤ گے۔"

"بھلا میں کیوں برا ماننے لگا۔ تم نے مجھے [illegible] میری ذات پر بڑا احسان کیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

گاڑی شہر میں داخل ہو چکی تھی۔ میں لاپروائی سے گاڑی چلاتا رہا اور فلورا سڑک پر نظریں جمائے خاموش بیٹھی رہی [illegible]۔ پھر اس نے ہوٹل ڈی ریکی کے سامنے گاڑی روکی [illegible] بھی بند نہ کیا۔

"گاڑی پارکنگ لاٹ میں لے چلو۔" میں نے کہا۔

"میرا سر بھاری ہو رہا ہے۔" وہ میری طرف دیکھے بغیر بولی۔ "[illegible] آرام کروں گی۔"

"تو میرے کمرے میں رکنے کا ارادہ ترک کر دیا۔"

"تمہیں اپنے کمرے میں رات گزارنے والیوں کی کیا کمی [illegible] میں جانتی ہوں۔" وہ اس مرتبہ براہِ راست میری طرف [illegible]

"میں تمہاری دل آزاری نہیں کرنا چاہتا تھا۔" [illegible] شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔

"صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"میں تمہیں زبردستی روکنا نہیں چاہتا مگر کسی بات سے بدظن بھی نہیں کرنا چاہتا۔"

"اس کرم فرمائی کا شکریہ۔ میں کل شام فون کروں گی۔ شاید اس وقت تک ممّا البرٹو کے بارے میں کچھ معلوم کر لے۔"

میں جواب دیئے بغیر گاڑی سے اتر گیا اور فلورا [illegible] یا کوئی الوداعی اشارہ کیے بغیر تیزی سے گاڑی کو لے کر چلی گئی۔

میں سر جھٹک کر ہوٹل کی طرف ہو لیا۔

میں چونکہ پروگرام کے برعکس فلورا کے گھر جانے کے بجائے [illegible] کمرے میں پہنچ گیا تھا لہٰذا عبداللہ کو وہاں موجود نہ پا کر مجھے حیرت [illegible] لباس وغیرہ تبدیل کرنے کے بعد میں نے [illegible] ہدایت پر عمل کرتے ہوئے بعض ضروریات کے پیش نظر [illegible] اوڈیل کو فون کیا۔

سلسلہ ملنے پر ایک مہربان آواز نے فرنچ میں کچھ کہا [illegible] میں نے انگریزی میں بتایا کہ میں اوڈیل سے بات کرنا چاہتا ہوں۔

"میں اوڈیل ہی بول رہی ہوں۔ مسٹر آپ [illegible]" آواز نے صاف اور شستہ انگریزی میں کہا۔

"میں کوپن ہیگن سے ڈاکٹر اسکر بول رہا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے مسٹر آپ چارلس کے [illegible] مہمان [illegible] خدمت کر کے مجھے دلی مسرت ہوگی۔" وہ نہایت [illegible]

"[illegible] بہت خراب ہے مس اوڈیل۔" میں نے جھجکتے ہوئے [illegible] "ان بے کیف لمحوں کو حلاوت آمیز بنانا چاہتا ہوں۔"

"[illegible] خوبصورت خواتین کی رفاقت بدترین لمحوں کو [illegible] سینورا اسکر میں ابھی انتظام کرتی ہوں۔ [illegible] سوال کا نہایت موزوں جواب موجود تھا۔ میرا خیال ہے [illegible] لڑکی کو ترجیح دیں گے؟"

"[illegible] منٹ میں آپ کو اطلاع دیتی ہوں۔"

"اتنی عجلت کی ضرورت نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "ابھی [illegible] آنے والا ہے۔ اس کے چلے جانے کے بعد میں خود [illegible]"

سلسلہ منقطع کرنے کے بعد میں بستر پر دراز کافی دیر تک [illegible] عبداللہ نہ آیا جس کے سبب مجھے تشویش ہونے لگی۔ [illegible] میری تشویش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا کہ اچانک [illegible] بجی اور میں نے لپک کر ریسیور اٹھایا۔

"[illegible] ڈی ریکی میں ڈاکٹر اسکر نام کا [illegible] نہیں ہے مگر پھر بھی ایک لڑکی آپ سے بات کرنے [illegible] وہ کچھ خوفزدہ سی معلوم ہوتی ہے۔" مجھے ریسیور پر [illegible]

"سلسلہ ملاؤ۔" میں نے کہا اور غیر ارادی طور پر ریسیور پر [illegible] انگلیوں کی گرفت غیر ضروری حد تک سخت ہو گئی۔

"ہیلو ڈاکٹر اسکر اسپیکنگ!" سلسلہ ملنے پر میں نے کہا۔

"تم خطرے میں ہو ڈاکٹر۔" اچانک ریسیور پر فلورا کی سہمی ہوئی آواز سنائی دی۔ "میرا پیچھا کرتا ہوا [illegible] آ پہنچا ہے اور تمہارے [illegible]" پھر [illegible] معدوم ہو گئی۔ ریسیور پر ایک دہشت زدہ [illegible] اور پھر فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

[illegible] بے جان [illegible] اضطراری انداز میں [illegible] ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

[illegible] اندیشوں کا ایک [illegible] نہ جانے وہ کون تھا جو فلورا کا تعاقب کرتا ہوا اس [illegible] فون کا سلسلہ جس انداز میں منقطع ہوا اس [illegible] فلورا نے اس شخص کو کسی طرح فریب دے کر [illegible] کی کوشش کی تھی مگر اس شخص نے فلورا [illegible] گفتگو [illegible] کر کے اپنے تشدد کا نشانہ بنا ڈالا۔

[illegible] تعاقب وغیرہ کی طرف [illegible] یہ بھی ممکن تھا کہ [illegible] سے کوئی [illegible]

میں نے فلورا کا گھر تو نہیں دیکھا تھا مگر یہ اندازہ ضرور تھا کہ وہ ڈی ریکی سے زیادہ فاصلے پر نہیں رہتی تھی۔

اگر تعاقب کرنے والا اس کے پیچھے ہی اس کے گھر میں داخل ہوا تھا تو اس لحاظ سے فلورا کی وہ کال بہت تاخیر سے آئی تھی مگر یہ بھی ممکن تھا کہ وہ کافی وقت کے بعد اس شخص کو فریب دے کر فون تک رسائی حاصل کر سکی ہو۔

آخری نظریئے کو اس بات سے بھی تقویت ملتی تھی کہ وہ شخص فلورا کی طرف سے اتنا محتاط تھا کہ فون پر اس کی بات پوری ہونے سے قبل اس تک پہنچ گیا اور فلورا اپنی بات پوری کیے بغیر اس کے وحشیانہ تشدد کا نشانہ بن گئی۔

میں دل ہی دل میں فلورا کے لیے ممنونیت کے جذبات محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ اس شام فلورا نے کئی بار ہنس کر مجھ سے گفتگو کی تھی اور میرے پاس سے جاتے ہوئے وہ میری طرف سے اتنی دل برداشتہ تھی کہ اس نے مجھے رسمی طور پر الوداع کہنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی۔ مگر اس کے باوجود میرے لیے خطرہ پیدا ہوتے ہی بظاہر اس نے اپنی جان پر کھیل کر مجھے ہوشیار کرنے کا خطرہ مول لے ڈالا۔

سوال یہ تھا کہ بنیادی طور پر میرا بنیادی دشمن کون تھا؟

شوارٹ نے فلورا کی وجہ سے میری شخصیت کا کھوج لگایا۔ فلورا میری دوست اور ہمدرد تھی اور میں اس سے کسی غداری کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔ پھر شوارٹ نے البرٹو کے ساتھ میرے تبادلے کا منصوبہ بنایا اور مجھے اپنی تحویل میں تبدیل کرنے کے لیے ایک تابوت ساز شخص کو میرا پارسل تیار کرنے کے لیے طلب کیا۔

تین ہی ایسے افراد میری اصلیت سے واقف تھے اور بنیادی طور پر تھا آدمی فرانسس بھی شوارٹ کا ملازم ہونے کے باعث اس سازش میں شریک تھا اور وہ چارلس میرے اور عبداللہ کے ہاتھوں مارے جا چکے تھے۔ اس کے بعد یہ بنیادی دشمن نہ جانے کہاں سے نمودار ہو گیا تھا جب کہ چند گھنٹوں بعد ہی ایک نئے نام سے میری روانگی ہونے والی تھی۔

فلورا کا لہجہ اور اس کے الفاظ اس بات کے غماز تھے کہ مجھے جو بھی خطرہ لاحق تھا وہ بدترین نوعیت کا تھا اور اگر میں فوری طور پر اپنے تحفظ کا انتظام نہ کرتا تو بڑی آسانی کے ساتھ اپنے دشمن کے کسی کاری وار کا شکار ہو سکتا تھا۔

تین ہی ایک ذاتی طور پر بالکل بے دست و پا تھا۔ شروع سے اب تک میرا تمام تر انحصار چارلس یک اور یا عبداللہ پر رہا تھا۔ عبداللہ کے ملنے کے بعد چارلس بالکل غائب ہو گیا تھا اور دن بھر اس کا پتہ ہی نہ چل سکا اور اب عبداللہ بھی نہ جانے کہاں مر گیا تھا۔

فلورا کے فون کے بعد مجھے پریشانی ہونے لگی تھی کہ کہیں عبداللہ بھی دشمن کے کسی جال میں نہ پھنس گیا ہو۔ بصورت دیگر وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو وعدہ خلافی کو اپنا اصول سمجھتے ہیں۔ اس نے مجھ سے پہلے ڈی ریکی پہنچنے کا وعدہ کیا تھا اور اگر وہ کسی ناگزیر وجہ سے رک جاتا تو بھی بصورت دیگر فون پہنچ گیا ہوتا۔

کافی سوچ بچار کے بعد میں نے آپریٹر سے سلسلہ ملایا اور اس سے چارلس سے بات کرنے کے لئے کہا۔

"وہ موجود نہیں ہیں جناب!" آپریٹر نے کہا۔

"گھر پر دیکھو!"

"وہ وہاں بھی نہیں مل سکیں گے۔ چند منٹ قبل ان کی گھریلو ملازمہ نے بھی یہاں فون کیا تھا۔"

"تم نمبر ملاؤ۔ میں خود پوچھ لوں گا۔"

"آپ ہولڈ آن کریں جناب!" وہ سہم کر بولی۔

چند سیکنڈ بعد اس نے مجھے بتایا کہ چارلس بلیک ہارٹ گھر پر نہیں تھا۔ اس کی خادمہ لائن پر موجود تھی مگر وہ انگریزی سے نابلد تھی۔

میں نے فون بند کر دیا اور بے چینی کے ساتھ کمرے میں چہل قدمی کرنے لگا۔ چارلس بلیک ہارٹ اور عبداللہ الطفی کی غیر حاضری اس وقت بڑی پُرمعنی لگ رہی تھی۔ وہ دونوں نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔ چارلس کے بارے میں تو مجھے پورا یقین تھا کہ گزشتہ رات کی تباہی کی کسر پوری کرنے کے بعد وہ کسی عشرت کدے میں نازنینوں کی محفل جمائے شراب میں ڈوب کر مست پڑا ہوگا۔

میں اس وقت جس قسم کے حالات میں گھرا ہوا تھا ان کے پیش نظر فلورا کی کال کو نظر انداز کرنا ناممکن تھا۔ اگر اس وقت ان دونوں میں سے کوئی بھی مجھے مل جاتا تو میں اس کے ساتھ فلورا کے گھر پہنچ کر ساری صورت حال کا جائزہ لے سکتا تھا۔

اب میرے سامنے دو ہی راستے رہ گئے تھے۔ اپنے کمرے میں تن بہ تقدیر ہو کر دروازے پر پہنچنے والے پیاسوں کی دستک کا انتظار کرتا یا فوری طور پر ہوٹل چھوڑ کر نیس کی سڑکوں پر بھٹکتے ہوئے انسانی سیلاب میں ڈوب کر خود کو اس وقت تک دشمنوں کی زد سے محفوظ کر لیتا جب تک عبداللہ یا چارلس سے ملاقات نہ ہو جاتی۔

نیس میں مجھے ڈی ریکی کے گروہ [illegible] میں باسانی گھیرا جا سکتا تھا لیکن وہ کھلا تھا، خارجی طور پر چھوڑ کر میں اپنا تحفظ کر سکتا تھا۔

پھر معاً مجھے اوڈیل کا خیال آیا اور میں فوری طور پر فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"میں تم سے کچھ ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں فون پر مس اوڈیل کی آواز پہچاننے کے بعد دبے لہجے میں بولا۔

"آپ حکم فرمائیں ڈاکٹر!"

"کیا تم چند منٹ کے لئے میرے کمرے میں آسکتی ہو؟"

"میں دس پندرہ منٹ میں حاضر ہوتی ہوں۔"

"مجھے فوری طور پر تم سے کچھ اہم بات کرنا ہے۔"

"اگر آپ مناسب خیال کریں تو فون پر ہی بتا دیں۔ [illegible] شخص ہماری گفتگو سن نہیں سکے گا۔" وہ بہت تجربہ کار [illegible] کیونکہ اس نے فوراً ہی میرے ذہن میں ابھرنے والے اندیشے کو بھانپ لیا تھا۔

"میں فوری طور پر کسی دوسرے [illegible] متعلق [illegible]"

"شاید آپ کچھ پریشان ہیں؟" [illegible] کا احساس ہوا تھا۔ "میں سارے کام [illegible]"

"مگر تمہارے سوا کسی کو اس تبدیلی کا علم [illegible]"

"آپ بے فکر رہیں۔ میں چابی لے کر [illegible]"

"شکریہ مس اوڈیل۔ میں تمہارا منتظر ہوں۔ [illegible] طور بہت قیمتی ہے!" میں نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

میں نے اضطراری طور پر ادھ جلی سگریٹ [illegible] جوتے کی ایڑی سے مسل دی اور نئی سگریٹ سلگا کر [illegible] میں سگریٹ کا پہلا کش بھی نہ لے پایا تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور میں دل ہی دل میں اوڈیل کی مستعدی [illegible] دیتا دروازے کی طرف لپکا۔

دروازہ کھولتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ میرے سامنے ایک تاریک [illegible] موجود تھا اس کا دایاں ہاتھ اوور کوٹ کی جیب میں [illegible] سے گزرنے والا کوئی شخص اسے نہیں دیکھ سکتا تھا [illegible] ہوئے ریوالور کی نال براہ راست میرے سینے کی طرف اٹھی [illegible] دروازہ کھلنے پر میں چند ثانیوں کے لئے سکتے [illegible]

میں نے اپنی غلطی سے خود ہی شامت مول لی تھی۔

مس اوڈیل کو [illegible] حاصل کرکے اسے گزرنے [illegible] کمرے میں پہنچنے میں کچھ وقت ضرور لگتا جبکہ دروازہ بند کرنے کے عمل میں ایک منٹ بعد [illegible] میں اسے اوڈیل کی دستک سمجھ کر دروازے پر پہنچ گیا۔

سکتے کی کیفیت جس طرح طاری ہوئی تھی اسی طرح ختم بھی ہو گئی اور میں نے فوراً دروازہ بند کرنا چاہا [illegible] نامعلوم شخص اپنی ایک ٹانگ دروازے میں [illegible] نے ہیجانے سے دروازے پر زور سے ٹکر ماری [illegible] ہوا اندر گھس آیا اور پلٹ کر دروازہ اندر سے مقفل کر [illegible]

اس اثنا میں میں بھی فرش سے سنبھل چکا تھا۔

"میرے پاس بے آواز ریوالور ہے۔" وہ بے رحمانہ لہجے میں غرایا "اگر تم نے ذرا بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو آواز بند کر دوں گا۔"

"تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔

"[illegible] سے تم نے کیا چیز حاصل کی تھیں؟" اس نے [illegible] اشارے سے مجھے پیچھے کھسکنے کا حکم دیتے ہوئے [illegible]

"[illegible] کچھ ذکر سکو گے؟" میں نے خود فزدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے [illegible] اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"میرے ہاتھ بہت دراز ہیں ڈاکٹر! [illegible] اس کے تین ساتھیوں کے قتل کے بدلے [illegible] عورت کے گھاٹ اتار دوں تو شاید [illegible] ہو سکے گا۔ اگر تم نے میرے سوالات کے درست جواب [illegible] بتا دیئے تو کیا اس کمرے سے بھی زندہ نکل سکو گے؟"

"کیا مجھے ساتھ لے جاؤ گے؟" میں نے سوال کیا۔ میں اسے صرف باتوں میں الجھائے رکھنا چاہتا تھا کہ اوڈیل آ کر دروازے پر [illegible] اور وہ ایک لمحے کے لئے میری طرف سے غافل ہو جائے۔

"[illegible] بچنے کی کوشش مت کرو ڈاکٹر" وہ کسی بھیڑیئے کی طرح [illegible] "تمہاری پیشانی میں چند گولیاں اتارنے میں تامل نہیں کروں گا۔"

"تمہاری [illegible] چند تصاویر اور دستاویز [illegible] ملی تھیں۔" میں نے قدرے سکوت کے بعد کہا۔

"وہ چیزیں کہاں ہیں؟"

"جہاں ان کی ضرورت تھی وہاں پہنچائی جا چکی ہیں۔"

"مجھے [illegible] ضرورت [illegible] وہاں بھیجا جانا چاہئے۔" وہ دانت پیس کر بولا "صورت سے تم [illegible] رشتہ دار معلوم ہوتے ہو۔"

"دیوار کی طرف منہ کرکے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لو!" وہ غرایا۔ "[illegible] باہر نکالنے کے بعد میں تمہاری ساری [illegible]"

صاف ظاہر تھا کہ وہ میری حکمت عملی سمجھ چکا تھا اور میرے [illegible] کرنے کے بجائے مجھے اغوا کرنا چاہتا تھا تاکہ [illegible] میری زبان کھلوانے میں کامیابی حاصل کر سکے۔

"[illegible] ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو؟" میں نے اپنی فکر چھپاتے [illegible]

"[illegible]" وہ غرایا۔

یہ کہہ کر میں پلٹا ہی تھا کہ دروازے پر دستک سنائی دی اور میں دوبارہ اس سفید فام کی طرف گھوم گیا۔

اس وقت وہ کسی بپھرے ہوئے سانپ کی طرح ریوالور سیدھا کئے دروازے کی طرف متوجہ تھا۔ میرے لئے اس سے بہتر کوئی دوسرا موقع نہ تھا مگر اس سے قبل کہ میں اپنے پینترے کو عملی جامہ پہناتا وہ میری طرف گھوم گیا۔

"یہ کون ہے؟" اس نے تحکم آمیز سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

"دروازہ کھولے بغیر میں بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

اس کی نظریں تیزی کے ساتھ کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی... دستک ہوئی اور اس بار وہ اچھل کر کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔

مجھے کسی کارروائی کا موقع دیئے بغیر اس نے مجھے باتھ روم میں داخل ہو کر دروازہ بند کرنے کا حکم دیا اور مجھے اس کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔

باتھ روم میں داخل ہونے کے چند ثانیے بعد میں نے دروازہ کھولا تو اس کی کھوپڑی کھلی ہوئی کھڑکی کے چوبی فریم کے عقب میں غروب ہو رہی تھی۔

میں بجلی کی سی سرعت سے باہر نکلا اور کمرے کا دروازہ کھول کر کھڑکی کے قریب جا پہنچا۔

اس وقت تک وہ مردود کھڑکی سے نیچے بیرونی سمت میں بنے ہوئے تین فٹ چوڑے چھجے پر اتر چکا تھا وہ چھجا ہر منزل پر کھڑکیوں سے قدرے اوپر ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلتا چلا گیا تھا اور وہ شخص اس وقت تیسری منزل کی کھڑکیوں پر بنے ہوئے چھجے پر دوڑ رہا تھا جو میری کھڑکی سے تقریباً سات آٹھ فٹ نیچے واقع تھا۔

اسی اثنا میں سنہرے فریم والی عینک لگائے ادھیڑ عمر کی ایک عورت میری پشت پر پہنچ چکی تھی۔

"کیا ہوا ڈاکٹر؟ خیریت تو ہے؟" اس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا تو مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ مس اوڈیل ہوگی۔

سوال کرنے کے ساتھ ہی وہ تجسس آمیز انداز میں کھلی ہوئی کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی اور پھر اس نے بھی تاریک چھجے پر وہ سایہ دوڑتے دیکھ لیا۔

وہ شخص اس طرح جھک کر دوڑ رہا تھا کہ چوتھی منزل کے کسی کمرے کی کھڑکی میں سے اسے نہ دیکھا جا سکے۔

"میں اس کے پیچھے جا رہا ہوں۔ اگر نصف گھنٹے میں واپس نہ آؤں تو چارلس کو خبر کر دینا۔ پولیس سے رابطے کی ضرورت نہیں۔"

وہ مجھے رد کرتی ہی رہ گئی مگر میں اپنی بات پوری کر کے پیچھے پر کود گیا۔

اس وقت تک وہ شخص کافی آگے نکل گیا تھا۔ میں تیزی سے اس کے پیچھے ہولیا۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ ہوٹل ڈی لا بینی کی عمارت بہت لمبی تھی۔

وہ شخص دوڑتے دوڑتے پلٹ کر مجھے اپنے تعاقب میں دیکھ چکا تھا مگر اس نے مجھے روکنے کے لئے کوئی کارروائی نہیں کی۔ عمارت کے کونے پر پہنچ کر وہ یکایک میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ چند ثانیوں بعد میں اس مقام پر پہنچا تو کچھ کچھ معاملہ حل کر لیا۔

پچھلی عمارت کی دوسری سمت پر بھی اسی تسلسل کے ساتھ پھیلا ہوا تھا اور وہ گھوم کر دوسری جگہ پر جا چکا تھا۔ اس بات کا قوی امکان تھا کہ وہ اندھیرے میں پیالو سمیت دبکا میرے نمودار ہونے کا منتظر ہو اور اس کی ایک ہی گولی مجھے چوتھی منزل سے گیند زمین پر گرا کر ہلاک کر دیتی۔

میں اسی کونے پر دیوار سے پشت لگا کر دم سادھ کر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے بہت احتیاط کے ساتھ سر نکال کر دوسری طرف جھانکا تو پچھلا ویرانہ پڑا ہوا تھا۔

میں سر جھکا کے اس طرف چلا گیا۔

چوتھی منزل کی پشت پر کھڑکیاں روشن تھیں اس طرف کھلنے والی چند کھڑکیوں میں تاریکی بھی پھیلی ہوئی تھی۔ تیسری منزل پر واقع بغیر کھڑکی والی سمت سے آنے والی آوازیں اس سمت پر زیادہ صاف سنائی دے رہی تھیں اور یہ امکان کم ہی نظر آ رہا تھا کہ اس نے وہ حصہ عبور کر کے سامنے والے چھجے پر چلے جانے کا فیصلہ کیا ہو جہاں تیز روشنیوں اور برقی اشتہارات کے باعث اسے سڑک سے بھی باآسانی دیکھا جا سکتا تھا۔

سوچنے کی ایک ہی صورت رہ جاتی تھی کہ وہ موقع پا کر کسی تاریک اور کھلی ہوئی کھڑکی سے کسی کمرے میں کود گیا ہو۔ اگر وہ کسی بند کھڑکی کو کھولتا یا شیشہ توڑتا تو یہاں سے دور ہونے کے باوجود وہ آوازیں مجھ تک پہنچ سکتی تھیں۔

ہوٹل کے تمام رہائشی کمروں میں پرانے وضع کی فرانسیسی طرز کی کھڑکیاں لگی ہوئی تھیں اور میرے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ چھجے پر سے یہ دیکھ پاتا کہ کون سی تاریک کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور کون سی بند تھی۔

ایک بات بہرحال یقینی نظر آتی تھی کہ اس شخص نے کسی روشن کمرے میں داخل ہونے کی حماقت ہرگز نہ کی ہو گی جہاں روشنی کے باعث اندر اور باہر سے دیکھ لئے جانے کے ساتھ ہی مکین سے

گلا ٹوٹ جانے کا شدید خطرہ موجود تھا۔ البتہ تاریک کمرے کی کھڑکی خطرناک تھی کیونکہ ایسا کمرہ خالی ہونے کے علاوہ اس میں کوئی مکین موجود بھی ہو سکتا تھا کہ وہاں رہنے والا سو رہا ہو یا آرام کر رہا ہو۔

میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے ہر کھڑکی دیکھنی چاہئے اور احتیاط کے ساتھ ٹٹول کر کھڑکی کے کھلے ہونے کا پتہ لگانا چاہئے۔ پھر ایسا پہلا مقام میرے دشمن کی کمین گاہ ثابت ہو سکتا تھا۔ یہ سارا تجربہ بہت تفصیلی اور وقت طلب تھا مگر میں فیصلے پر پہنچ گیا اور سر کو بدستور جھکائے رینگ کر اس طرف کو عبور کر کے پہلی تاریک کھڑکی کی طرف بڑھنے لگا۔

میں بمشکل چار کھڑکیاں عبور کر سکا تھا کہ اچانک ایک چیخ آزاد ہو گئی۔ پتہ نہیں اس چیخ کا سبب کیا تھا مگر یہ اچانک محسوس ہونے والا آہنی شکنجہ تھا یا سر کو پوری قوت سے ساتھ والی دیوار سے ٹکرایا جانا کیونکہ مجھے بھی کسی نے پیچھے سے جکڑ کر سر اس کنکریٹ کی دیوار سے مار دیا اور پھر وہ نادیدہ ہاتھ میرے سر پر کاری ضرب لگانے لگا پر جھا رہا۔ پھر کوئی دونوں ہاتھوں سے بالوں سے پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔

مگر اسی وقت میری چیخ کے جواب میں کسی قریبی کمرے کی کھڑکی کھلی اور خوفزدہ نسوانی چیخ بھی سنائی دی۔ کوئی مرد فرنچ میں دہاڑنے لگا۔

پھر وہ مردانہ آواز مجھے کمرے کی موجودگی کا احساس دلانے لگی۔ غالباً بگل بجا رہا تھا۔ شاید وہ شخص سورت والا کمرے کی کھڑکی سے باہر جھک آیا تھا کیونکہ میرے بالوں کی گرفت یک بیک ختم ہو گئی اور میں نقاہت سے ہوش کھو بیٹھا۔ پھر جب مجھے ہوش آیا تو اپنے کمرے میں موجود تھا۔

یہ مجھے سب سے پہلے مس اوڈیل کا چہرہ نظر آیا جو بستر پر بیٹھی میری نبض دیکھ رہی تھی۔ اس کے برابر عبداللہ کھڑا تھا۔ میں نے عبداللہ کو دیکھنے کی کوشش کی تو درد ناقابل برداشت تھا۔ آہ نکلی اور میرے منہ سے بے ساختہ آزاد ہو گئی۔

رفتہ رفتہ میں اپنے سر کی تکلیف کو برداشت کرنے لگا۔

میں نے مسکرا کر عبداللہ سے کہا کہ وہ مجھے کو باہر بھیج چکا تھا۔

"میری فکر نہ کرو، خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ ہو۔ باشتہ طور پر مجھے سے نیچے زمین پر گرتے تو شاید دفعتاً ہی جاتی۔" وہ میرے بیٹھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"یہ ہوا کیا تھا؟" میں نے سوال کرنے کی کوشش کی۔

محسوس کیا۔

"تم کو کچھ یاد ہے کیا ہوا تھا؟ وہ قاتل تمہاری تاک میں تھا اور تم پہلے ہی جانتے تھے کیا تمہیں خطرے کا پیشگی علم ہو گیا تھا؟"

میں نے آہستہ آہستہ اپنی کہانی سنا دی جو فلوریا نے فون پر سنائی تھی جو ختم ہو گئی۔

"تمہارے بتانے کے مطابق وہ مارا گیا؟" میرے خاموش ہونے پر اس نے فلوریا کے بارے میں انکشاف کیا۔

"ہاں وہ پھر بھی ان لوگوں کے ساتھ قتل ہوئی تھی۔"

"بہت برا ہوا۔" میں نے تاسف آمیز لہجے میں کہا۔ میں نے اسے معاف کر دیا اگرچہ شاید اس کے مقدر میں یہی موت لکھی ہوئی تھی۔"

"جب تم دونوں شوارٹ کے پیچھے ہوئے مکان سے روانہ ہوئے تو گاڑی کے انجن سسٹم میں معمولی سا نقص پیدا ہو گیا اور تم وہاں سے چند منٹ کی تاخیر سے روانہ ہوا۔ جب تم ہوٹل پہنچے تو ایک کار کے تعاقب میں پہنچی جو فلوریا کی تھی اور اس نے تمہارا پیچھا کیا۔ چند منٹ بعد ہی اسے احساس ہوا کہ فلوریا کی کار پیچھا کر رہی ہے اس لئے وہ مناسب فاصلے سے پیچھے ہٹ گیا۔ جب فلوریا نے تمہیں دیکھا تو گاڑی چھوڑ کر تمہارے پاس آئی اور پھر ہوٹل میں آ کر مجھے اپنی کہانی سنانے لگا۔"

اس نے جو کچھ بتایا وہ میرے لئے حیرت ناک ثابت ہوا۔

تعاقب کرنے والا فلوریا کے چند منٹ بعد اس کے دروازے پر پہنچا اور مکان میں داخل ہوا۔ عبداللہ بھی کسی نہ کسی طرح مکان میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا اور ڈرائنگ روم میں ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سننے لگا۔ اس گفتگو کی اہمیت نہیں تھی اور عبداللہ کو شاید پیچھے لگنے والے کی موجودگی کا احساس ہو گیا تھا کیونکہ مکان کی پچھلی منزل پر کچھ کھڑکی ٹوٹی ہوئی تھی۔

اس شخص نے بتایا کہ وہ شوارٹ کا ہم پیشہ تھا اور اس کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا۔ میزبان بھی وہ چکا تھا۔ چند دن پہلے شوارٹ نے ایک بار اسے دور سے اس کے دوستوں کے بارے میں کچھ باتیں بتائی تھیں۔

پھر اس نے بتایا کہ شوارٹ نے کسی سے فون پر بات کی تو وہ گفتگو عبداللہ نے سن لی اور اسے اندازہ ہو گیا کہ اس کا نام شوارٹ سے جڑا ہوا ہے اور اسے خطرہ ہے۔ شوارٹ نے ڈاکٹر مسٹر کو بتایا...

پکڑے گئے تھے اسے پولیس مدد کے لئے فوراً طلب کیا تھا۔

اس شخص کو ہوٹل سے اپنے ایک امیرانہ اپارٹمنٹ کے ساتھ نہیں پہنچا تو شوارٹ نے کسی مقررہ ٹھکانے پر دل لگا۔ آخر وہ اس شام کو وہ تنہا شوارٹ کے مکان پہنچا اور وہاں کھڑی ہوئی پار نسائی دوستوں نے اس کا استقبال کیا جن میں البرٹو بھی شامل تھا۔

فلوریا نے پہلے البرٹو کے قتل کی خبر پڑھی اور وہ سناٹے میں آ گئی۔ اس شخص نے فلوریا کو یقین دلایا کہ وہ قتل اس نے نہیں کیا۔ وہ شخص چند گھنٹوں کے اندر اندر البرٹو کے قاتل کو تلاش کر لے گا۔ اس نے فلوریا کو اپنا تعارف کرایا اور اس سے ہمدردی ظاہر کی۔ اس شخص نے اسے بتایا کہ اس کے پاس وقت کم تھا اور ان لاشوں اور مکان کو اپنی مصنوعات کی خاطر فرانسیسی پولیس سے بچانا ضروری تھا لہٰذا اس نے لاشوں پر اور مکان میں پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی تاکہ پولیس ڈاکو کے اخبار میں سرخیاں ہی رہ جائیں تو فلوریا کا اندازہ بدل گیا۔

اس نے فلوریا کو بتایا کہ وہ ایک ایجنٹ ہے اور وہ چاہتا ہے کہ معلومات حاصل کرنے کی غرض سے کاروبار کرے۔ فلوریا کی باتوں نے میری جانب سے فلوریا کے شبہات کو تقویت دی اور اس نے اپنی تسکین کی خاطر ہم دونوں کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔ اس کی دانست میں البرٹو کا قاتل تھا اور کاروبار میں مقتول کی بیوی بھی شریک تھی۔

اس نے فلوریا کو بتایا کہ ڈاکٹر مسٹر بیٹھیو نامی شخص کہاں ہے۔ کاروبار کی اس بات پر بہت توجہ دی۔

وہ شخص ایک موہوم سی امید کے سہارے شوارٹ کے جلے ہوئے مکان کے قریب موجود تھا کہ شاید وہ واپس آئے اور اس کے حساب سے قاتل یا قاتلوں کو پہنچانے کا کام تفصیلی جائزہ لینے کے لئے وہ وہاں موجود تھا۔

اس گفتگو کے دوران جب اس نے فلوریا کو وہاں دیکھا تو وہ اسے پہچان گئی۔ اسے حیرت ہوئی کہ البرٹو کی لاش بھی ملی تھی اور یہ اس کی طرف سے ہوا۔ اس نے تعاقب شروع کر دیا۔ گفتگو کے اختتام پر فلوریا نے کاروبار سے وابستگی کی بات کی تو اس نے کوئی جواب نہ دیا اور جب وہ چلی گئی تو کار وہاں کھڑی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اپنے اوورکوٹ کی جیب سے ایک ریوالور نکال کر اس کی نال پر سائلنسر چڑھایا۔ فائر کرنے کے بعد وہ تیزی سے اسی طرف چل دیا جدھر فلوریا گئی تھی۔

وہ واضح طور پر اسے قتل کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اور کافی دیر تک اس شخص سے ملنے کا ارادہ رکھتا تھا تاکہ اسے تیاری کا وقت مل جائے اور معاملہ خوش اسلوبی سے نمٹایا جا سکے۔

عبداللہ اس وقت سامنے جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

وہ اپنی جگہ چھپا ساری تماشا دیکھتا رہا۔

کارڈیلو ڈرائننگ روم کے اندرونی دروازے پر پہنچا اور پھر اس نے اچانک گولی چلا دی۔ اندر سے فلورا کی ہلکی سی چیخ سنائی دی اور کارڈیلو دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا۔

کارڈیلو کے دوسرے کمرے میں جاتے ہی عبداللہ ڈرائننگ روم میں پہنچ گیا اور پردے کی اوٹ سے اس نے دیکھا کہ فلورا ٹیلیفون کی تپائی کے قریب دونوں ہاتھوں سے اپنا خون میں نہایا ہوا سینہ دبائے بے حس و حرکت پڑی تھی اور فون کا ریسیور تپائی سے نیچے جھول رہا تھا جسے کارڈیلو نے کریڈل پر رکھ دیا۔

اسی اثنا میں فلورا کی چیخ سن کر اوپری منزل سے اس کی بہن کے چاروں بچے دہشت زدہ انداز میں نیچے آئے اور کارڈیلو ان کی آہٹ سن کر جھجک کر کچن کے راستے کی طرف بھاگا اور عبداللہ پردے کی اوٹ سے اس پر ٹوٹ پڑا۔

کارڈیلو نے کسی بھوت سے ڈرنے کی طرح عبداللہ کو دور اچھال دیا اور اس پر کچھ لمحوں تک بے آواز فائر کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

وحید کا ششی اور فلورا کا خون آلود جسم دیکھ کر بچے ہذیانی انداز میں چلانے لگے تھے اور عبداللہ داہنی ران پر گولی کا ایک شدید زخم کھانے کے باوجود وہاں سے بھاگ نکلا۔

کارڈیلو کی چلائی ہوئی ایک گولی عبداللہ کی ران کا گوشت پھاڑتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی تھی جس کے باعث نہ صرف زخم میں شدید تکلیف تھی بلکہ کافی خون بھی بہہ رہا تھا لہٰذا وہ ڈوری میں آنے کے بجائے سیدھا ایک ڈاکٹر کی طرف چلا گیا۔

ڈریسنگ سے فارغ ہو کر وہ ڈوری میں پہنچا تو وہاں نیا ہنگامہ منتظر تھا۔ کرہ غیر یبات میں مقیم جوڑے کا بیان تھا کہ چیخ سنتے ہی انہوں نے مکان میں تیزی سے باہر جھانکا تو کرہ غیر یبات کی تاریک کھڑکی کے نیچے ایک شخص بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

سیاحت جوڑے کا یہ بیان میرے دشمن کی ذہانت اور عیاری کا غماز تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ جب میں آگے بڑھ رہا تھا تو کرہ غیر یبات کی کھڑکیاں روشن تھیں اور یہی تاریک کھڑکی دوسری منزل پر تھی۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ اس مکار شخص نے تاریک کمرے میں داخل ہوتے ہی روشنی گل کر دی تھی تاکہ میں دھوکہ کھا جاؤں اور جب میری حقیقت کی آہٹ یا اس کی اپنی چھٹی حس کے سہارے اسے شناسے پر میری موجودگی کا اندازہ ہوا تو اس نے روشنی گل کر کے اپنا وار کر دیا تاکہ باہر سے اسے نہ دیکھا جا سکے۔

مجھے پر میری موجودگی کا انکشاف ہوتے ہی ہر شخص کی توجہ اسی طرف مرکوز ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد کسی کرچھت کے سٹ کا خیال آیا تو وہ پڑا ہوا تھا۔ اس کا کہیں کچھ پتہ نہ تھا۔

بورڈنگ کی ریلنگ کے کسی بھی حصے سے کوئی شخص باآسانی دروازے سے باہر جا سکتا تھا۔ گھر کے مکین مقفل ضرور ہو جاتے تھے مگر عمدہ سے انہیں محفوظ رکھ سکتا تھا جبکہ باہر سے کھولنے کے لیے چابی ضروری تھی۔

"تمہارا زخم اب کیسا ہے؟" میں نے عبداللہ کی ساری کہانی سننے کے بعد سوال کیا۔

"میری فکر نہ کرو۔ یہ بتاؤ کہ اس شخص کا حلیہ کیا تھا؟"

میں نے یادداشت پر زور دے کر تفصیل بیان کی۔

"پھر تو یقیناً یہ وہی ہے۔" عبداللہ بولا۔

"سمجھتا ہوا بولا۔" وہ بے چارا تو کیا نشانہ ٹھیک تھا۔

"اگر وہ خود ملوث ہوتا تو اس ناکامی کے بعد..."

"کارڈیلو روپوش ہے۔" میں نے سوال کیا۔

"یہ کس بنا پر کہہ رہے ہو؟"

"میں نے فلورا کے یہاں جس شخص کو دیکھا تھا وہ وہی تھا جو تم نے مجھے اس کا حلیہ بتایا ہے اور ... کارڈیلو آج صبح ہی فلورنس سے یہاں پہنچا ہے وہ ساتوں کمرہ ۱۳۱ میں مقیم ہے۔"

"کیا واقعی؟"

"میں تمہیں بتا دوں الفرڈو کی ذہنی حالت ... بدستور مستقل بگڑتا جا رہا تھا۔" میں نے ... کی ہے۔ اس کا نام مسز اوڈیل کے نام سے ... ملتا ہے۔ شام میں بہت حسین لگ رہی تھیں۔"

"وہ کمرہ اور ہوٹل کے متعلق سب سے واقف تھا ... اتنی آسانی سے صاف نکل گیا۔ مگر یہ ... کل بہادر تھا تو ہم نے جو دیکھا ... لگا یا کہ بدن پر خراش تک نہیں آئی تھی ... ستاروں کا تو دورہ بہت مختصر ہے!"

میں بے اختیار ہنس پڑا ... پریشانی ہوئی ہو گی؟"

"وہ کمرہ میں پولیس کی ایک ... عبداللہ نے انکشاف کیا۔" تمہارا معاملہ ... سنبھال لیا اور اس کی زیادہ دیر تک نہیں ... "

"پھر بھی وہ کل ہمیں مسافروں کی ..."

"انہیں یقینی طور پر ... غریب حرکات کے مریض ہو اور وہ بہت مسافروں کی"

... یہ پتہ دیتی ہے کہ گولی دور سے نکالا گیا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ میں اب بھی اپنے ہی کمرے میں رہ لوں۔" ... دونوں ایک ساتھ دور ہو سکتے ہیں۔

... اس نے جواب دیا۔ "کیا آپ جانتے ہیں فلورا کو ...؟"

"کیا ہوا؟"

"کیا کارڈیلو کے پیڈ روم میں؟" میں حیرت سے اچھل پڑا۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ اب بھول کر بھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔"

... کے ماتھے پر شدید ضرب آئی تھی جو زیادہ دیر تک ... بہت پریشان کرنے لگی تھی وہ بے چین ہو کر سیدھا اٹھ گیا۔

"کیا بات ہے؟"

"برا بھلا؟" میں نے اپنی پیشانی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان ... جانے کب تک بستر پر دراز رہا جیسے مردہ ہو پڑا ہوا تھا۔"

"... مر جانا پڑا یا پڑا ہوا تھا۔"

"زخم خطرناک نہیں تھی۔ اگر ایسی ہی ضرب ... تو شاید اس وقت تم ہلاک ہو چکے ہوتے۔"

"تمہارا زخم کا کیا حال ہے؟"

یہ بات ... میں نے طنزیہ قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔ "اب تم دونوں ... میں کارڈیلو کہیں نہ کہیں پکڑا جائے گا۔"

"میری اپنی کوشش یہ تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس بار وہ خود سامنے نہ آئے کہ جانے کس کے ذریعے سے کام چلائے۔"

"اس کا خیال سب سے بڑا خطرہ ہے۔ جیسے کہ اس سے بڑا لالچ ... کوئی ذریعہ کارخ کرنے پر آمادہ نہ کر سکے گا۔"

"اور مریم کے بارے میں کیا رائے ہے؟"

"... ابھی ... ہے۔" وہ ایک ساتھ لیٹے ہیں ... کا روپ سے ... مناسب ہو گا۔ ویسے میں نے اپنے آدمی تعینات کر دیے ... بات کے پیچھے لگا دیے ہیں جو اس کے لیے کام ... "

"... مجھے پولیس کی گاڑی کی ... بھی ضرورت تھی۔"

"... اور اوڈیل ... کے لیے میں نے پوری توجہ ... ضرورت ہے۔"

"... میں واقعی بیمار ہو جاؤں گا۔"

... تم صحت یاب ہونے سے انکار کر رہے ہو ... مسلسل ... کر جانے لگا۔

... بتاتے ہوئے تھے جب کہ میں نے ہوٹل ... مسلسل ... میں ہی تھیں اور ... بجھا ہوا ... ہونے لگا تھا کہ ... ہر وقت اور ہر جگہ ...

سس اوڈیل آئی تو عبداللہ اس سے گفتگو کر کے رخصت ہو گیا۔ اس نے جاتے جاتے اوڈیل کو میری دیکھ بھال کی تاکید کی تھی۔

اوڈیل تیس پینتیس سال کی گداز بدن اور دلکش عورت تھی۔ اس کی ذات میں خود اعتمادی اس طرح حائل ہو گئی تھی کہ وہ کچی رکی۔ جب اس کی ملازمت کی نوعیت جان لینے کے باوجود میں براہ راست اس سے کوئی نامناسب موضوع نہ چھیڑ سکا۔

"تم چاہو تو اپنی ڈیوٹی پر جا سکتی ہو۔ مجھے زیادہ تکلیف نہیں ہے۔"

"میری اسسٹنٹ بھی قابلیت ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "اگر میں حالت میں تمہیں تنہا چھوڑ کر چلی گئی تو میرے لیے پولیس کے سامنے جواب دہی کرنا مشکل ہو جائے گی۔"

"میں اس سے شکایت نہیں کروں گا۔"

"ہر بات کسی نہ کسی طرح ان تک پہنچ جاتی ہے۔"

"سنا ہے بہت جلد کوئی نرس آنے والی ہے؟"

"مستند نرس تو نہیں ہے البتہ تمہارے آرام کا خیال رکھے گی۔"

"اور اس لڑکی کا کیا ہوا جس کے لیے میں نے فرمائش کی تھی؟"

"آج ہی تو اس نے اسے دوسری جگہ بھیج دیا۔"

"اور اگر میں کوئی ذاتی فرمائش کرتا؟"

"لیکن اس ہوٹل کے ملازموں کی ذاتی فرمائشوں کی تعمیل کرنے کی عادی بن گئی ہوں۔" اس نے چھٹی کی اوٹ سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر میں نے یقین دلایا ہوتا؟" میں نے مشکل اس کو ڈرانے کے لیے جھجکتے ہوئے کہا۔

"تو میں خود سے جتنا دل کی جیجک کی کوشش کرتی۔" وہ پیشانی پر شکن لائے بغیر مسکراتے ہوئے بولی۔

"اور اگر میں اصرار کرتا؟"

"آخر کیوں اصرار کرتے جو تم نے شاید مجھے دیکھا بھی نہیں تھا؟"

"دیکھنے کے بعد ہی تو سوال کیا ہے۔"

"میں نرس کے ساتھ کھانا کھانے سے انکار کر دیتی۔"

"حالانکہ تم لوگوں کو کھانا فراہم کرنے پر مامور ہو۔"

"ضروری تو نہیں کہ آدمی جو کام دوسروں سے لیتا ہو اپنے لیے بھی پسند کرنے لگے۔" اس نے لاپروائی سے مختصر جواب دیا۔

"مگر اس سے اتنی نفرت بھی نہیں کرنی۔"

"میں نے نفرت کا لفظ استعمال نہیں کیا بس ایک مجبوری بیان کی۔ بالا سطور پر اس کا وزیر صحت لوگوں سے گندی نالیاں صاف کرانے کا ذمہ دار ہے مگر وہ خود بھی اپنے ہاتھ ڈال کر کوئی گندی نالی کھولنا پسند نہیں کرے گا۔"

"گویا تم کوئی ذرا سی لڑکی وزیر صحت ہو؟"

"اگر تم جتنا کرنا چاہتے ہو تو میرا جواب اثبات میں ہے!"

"وہ کیوں؟" مجھے اس کے سکون اور اعتماد پر حیرت تھی۔

"یہ خشک اور لمبی بحث ہے۔ تمہارے سر میں تکلیف ہے۔ میں روشنی گل کر دیتی ہوں۔ تم سونے کی کوشش کرو۔" اس نے نرمی سے کہا۔

"وہ نرس کب تک آ جائے گی؟"

"کسی بھی وقت پہنچ سکتی ہے۔ وہ آ جائے گی تو میں چلی جاؤں گی۔"

"تمہاری موجودگی میں مجھے نیند نہ آ سکے گی۔"

"اگر بستر پر تمہارے قریب رہوں تو سو جاؤ گے؟" اس نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ نفلی جیفرسانی انداز میں بات کر رہی تھی۔

"شاید!" میں نے کہہ دیا حالانکہ اس کا سراپا اور اس کے خد و خال حسن کے اس معیار پر پورے نہیں اترتے تھے جو میرے اعصاب پر مسلط ہو کر رہ جاتے۔

"میرے بارے میں زیادہ نہ سوچو ڈاکٹر۔" وہ میرے بالوں میں نرمی سے انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔ "تم چارلس کے مہمان ہو، میں تمہاری دل آزاری نہیں کرنا چاہتی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں عورت نظر آنے کے باوجود عورت نہیں ہوں۔"

"کیا؟" اس کے الفاظ میرے ذہن پر کسی بم کی طرح گرے اور میں حیرت سے دیدے پھاڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں۔ چارلس کے علاوہ اس حقیقت سے چند ہی لوگ واقف ہیں کہ میری صنف غیر یقینی ہے اور تمہیں صرف اس لیے بتا رہی ہوں کہ تم فوری طور پر میرا خیال ذہن سے جھٹک دو۔"

اس کے بعد کمرے کی فضا پر ایک بے حد بوجھل سناٹا چھا گیا۔ کئی منٹ تک برقرار رہا۔ اوڈیلی کے انکشاف پر مجھے دلی صدمہ پہنچا تھا۔

"بتی گل کر دوں؟" جب اوڈیلی نے نرم آواز میں سکوت توڑا۔

میں نے سر کو جنبش سے اجازت دے دی اور کمرہ تاریکی میں ڈوب گیا۔ اوڈیلی میرے سرہانے کرسی پر بیٹھی ... میرے ... تو بلکہ ... بے حد عجیب و غریب خواب نظر آتے رہے جن میں کسی ... اس صورت میں موجود تھی کہ اس کے جسم پر بعض ... سیاہ بال اُگے ہوئے تھے اور وہ ... ایک تُرش سے ... ہوئی تھی۔

صبح میں بیدار ہوا تو باہر سورج پوری طرح ہو چکا تھا اس کی روشنی پردوں سے چھن کر اندر آ رہی تھی۔ اس وقت میں ... کی تکلیف کر رہی ... کے بیٹھنے سے ... اوڈیلی اس کمرے میں ایک ... انعام ... تھی۔

اس سے ... تعارف ہوا تو ... طبیعت خوش ہو گئی۔ اس کی ... اوڈیلی کے مقابلے میں ... اور وہ صرف ... آواز بھی تھی۔

... اس ... کی تیمارداری کا نتیجہ تھا یا اس کی میٹھی زبان ... ادھر دو پہر تک ... تکلیف ... کم ہو ... کے لیے

تیار ہو گیا۔

"میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔" اس نے ... تو میں انکار نہ کر سکا۔

ہم دونوں نے ڈائننگ ہال میں کھانا کھایا ... میں جانے کے لیے کہا کیونکہ مسٹر ... چارلس ... یہ بھی کہا کہ ... ٹال کر تنہا باہر نکلنے ... اس لڑکی کو سختی سے اس بات کا حکم دے رکھا تھا کہ وہ ... گئی ہے۔

... میری تیمارداری ... میں ... طور پر وقت ضائع کرنا ... میں اسے ساتھ لے کر ہوٹل کے ... سے پتہ چلا کہ اوڈیلی شام پانچ بجے سے ... بجے تک ...

"مسٹر چارلس کب ... موجود ہیں؟" میں نے ...

"مجھے افسوس ہے کہ وہ باہر گئے ..."

"کیا میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی؟"

"مجھے یہی اندیشہ ہے!"

"آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟"

"کمرہ نمبر ... سے!" میں نے کہا۔

"اوہ ڈاکٹر اکمل!" وہ ... فون آیا تھا کہ مسٹر چارلس کسی ... میں مصروف ہیں۔ ... طور سے آپ کی ... پورا خیال رکھا جائے۔"

میں ایک طویل سانس لے کر ... مخاطب ہو کر بولا "تم کمرے میں جاؤ ... اس کے جانے تک میں خاموش ...

"مجھے ہوٹل میں مقیم مسافروں کی فہرست درکار ہے۔"

"صرف نام؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں پورے کوائف چاہئیں ... کمرہ نمبر اور کہاں سے آئے ہیں۔"

"رجسٹر منگوانا ہو گا۔" اس نے اجازت طلب کی ...

"منگوا لو!" میں نے کہا اور ...

کسی کو فون پر ہدایات دینے لگی۔

رجسٹر آنے تک خاموشی ... رہا ... ہو گیا۔

ہوٹل ... کی سربراہی ... پر ... ہوئے تھے۔

... جیسے ہی ... کی بات ... سامنے ...

... کام ... والی نے میری الجھن کا اندازہ لگا کر خود ہی میری ... کی ... خوشی سے مسرت کے ساتھ قبول کر لی۔ ... شام سے ڈی دیگی میں مسافروں کی آمد کی تفصیل ... دیکھتے ہوئے کہا۔

... ہے؟" اس نے خوش دلی کے انداز میں کہا اور ... کی ورق گردانی میں مصروف ہو گئی۔ ... تعداد میں مسافر آئے ہیں۔ میں کہاں سے شروع کروں؟" ... کے بعد اس نے سوال کیا۔

"اٹلی سے آنے والے پہلے مسافر سے ابتدا کرو۔"

اس نے سب سے پہلے جو نام لیا وہ خاصا طویل اور پیچیدہ تھا۔ ... کی بہ جاری ... اٹلی کی بندرگاہ ... سے آیا تھا اور ... کمرہ نمبر ... میں ... گیا تھا۔

میں نے اس کے نام کا اندراج نہیں کیا۔ اس کے بعد ... لکھی ... کہ اس نے راستے کارو ... کا نام لیا جو ... نمبر ... سے ... تھا اور رجسٹر کے مطابق اس وقت تک ... کمرہ نمبر ... میں مقیم تھا۔

پہلے اطالوی اور کارو ... کے درمیان گیارہ اطالوی مسافروں کا ... میں سے ... فلورنس کے باشندے تھے اور ڈی دیگی ... ان کے اطالوی ... سے آ کر واپس جا چکے تھے۔ ایک ... جا چکا تھا۔ گیارہواں شخص کمرہ نمبر ... میں مقیم تھا۔

کارو ... کے بعد جو اطالوی نام آیا اس پر ... اچھل کر حلق میں آ گیا ... شخص کارو ... کے ... گھنٹے بعد ڈی دیگی پہنچا تھا اور ابھی تک ... نمبر ... میں مقیم تھا۔

رجسٹر ... کر میں نے تمام ... اپنے پاس لکھ لیے۔

... انتہائی اور مخلص شخص تھا مگر ... اس کے ... کی وجہ سے وہ بعض ضروری نکات کو نظر انداز کر کے ... لگانے کا عادی ہو چکا تھا۔

... میں رہنے والے شخص کو اس نے محض اس بنا پر شبہ سے بالا ... اور ... جماعت اور ... میں کارو ... سے قطعی مخالف تھا حالانکہ ... کانوں سے ... چکا تھا کہ کارو ... فلورنس سے ایک ... تھا ... اگر وہ اس بات کو ذہن میں رکھتا اور ... کو ... آرام سے نظر ... سے ... زیادہ مشکوک نظر آتا ... گھنٹے بعد فلورنس سے ڈی دیگی پہنچا تھا۔ ... ہدایت کا ... کہ ... تمام ... کے بعد کارو ... اور ... بے خبری سے ... کے ... دوسری طرف ... عبدالقدیر کا ... کارو ... کا ساتھی ...

کیونکہ ایک چھان بین کا آغاز کر لیا تھا اور مجھے ابتدائی کوشش میں ہی ایسی کار آمد باتیں معلوم ہو گئی تھیں جو عبداللہ فریک سے واقف ہونے کے باوجود ... کے رجسٹر سے معلوم نہ کر سکا تھا۔

کارو ... نہ صرف عمر الو کو قتل کرتے دیکھا جا چکا تھا بلکہ میں نے بھی اسے ... دیکھ لیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد وہ اسی صورت میں ہوٹل ڈی دیگی میں اپنی رہائش برقرار رکھتا کہ اس کی کھوپڑی میں بھیجے کے بجائے بھس سا بھرا ہوتا۔ دوسری طرف اب اس کا اصل شکار ... اور وہ یہ جان چکا تھا کہ میں ڈی دیگی میں مقیم ہوں۔ اس کے بعد پر ... ہاتھ آ لینے کا موقع ہوٹل ہی میں میسر ہو سکتا تھا کیونکہ اس کے ... سے میں ... ہونے کے باعث ہوٹل سے نکلنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

ان حالات میں اس کا ساتھی ... ہوٹل میں بیٹھ ... تھا۔ اس طرح وہ ... نکال سکتا تھا کہ کارو ... کے ہاتھوں چوٹ کھانے کے بعد مجھے کمرہ نمبر ... سے کہاں منتقل کیا گیا تھا۔

علاوہ ازیں کارو ... کی مدد سے وہ اس کمرے کو مرکز بنا کر ڈی دیگی میں میرے خلاف کوئی بھی کارروائی کر سکتا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہیں ڈاکٹر؟" مجھے خیالات میں ڈوبا دیکھ کر اس نے ... سکوت توڑتے ہوئے سوال کیا۔

"کیا مجھے پتہ چل سکتا ہے کہ اتوار کو فلورنس سے کتنی پروازیں یہاں آئی تھیں؟" میں نے اس سے سوال کر ڈالا۔

"میں خود ... سے ... فلورنس ... پہنچی ہوں اور واپسی کے لیے اتوار ... بہتر دن ہوتا ہے کیونکہ ... مجھے یہاں آنا ہوتا ہے۔ فلورنس سے ... کی ایک پرواز صبح آٹھ بجے ... پہنچتی ہے اور دوسری الاطالیہ کی پرواز رات ... بجے ... اور لندن جاتے ہوئے یہاں ٹھہرتی ہے۔" اس کے پاس میرے سوال کا جواب موجود تھا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ... کارو ... اور ... ایک ساتھ ... پہنچے تھے مگر ... کے ... مطالبوں کے تحت کافی وقفے سے ... کے بعد ... ہوٹل پہنچے تاکہ انہیں ایک دوسرے کے حوالے سے نہ پہچانا جا سکے۔

میرے لیے اس عورت کا یہ انکشاف بھی خاصی حیرت کا باعث ہوا کہ اس کی ماں فلورنس ... تھی۔ ایسی صورت میں اگر وہ کارو ... سے ملی ہوتی تو اس کی کچھ ... وہاں اس کے ساتھ بھی ہو سکتی تھیں۔

"اٹلی ... آنے والے لوگوں سے تو تم خاصی ... ہو گئی ہو؟" میں نے ... سوال کیا۔

"ہر ایک سے تو نہیں ... سے کچھ ... ہے۔" وہ ... بولی۔ "فلورنس سے آنے والوں ... وہ ... مستقل ... ہیں۔"

"اس کے باوجود تم نے ... جاننے کی ... نہیں کی ... آنے والوں کے بارے میں کیا چھان بین کر رہا ہوں اور

"مجھے فطرتی سے اقرار کو آنے والی پولیس والوں کی آمد و رفت کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" میں نے ٹکڑے ٹکڑے ہونے والے لہجے میں سوال کیا۔

"پارلس ہم بزرگوں کی خدمت کے معیار کے بارے میں بہت سخت ہے اور اگر کسی مسافر کی جانب سے جائز شکایت آ جائے تو وہ لڑکی ریپ میں ملازم رہنے کی بجائے ہاتھ اٹھانے سے نہیں چوکتا۔ ہم لوگ مسافروں کے نجی معاملات میں غیر ضروری دخل اندازی نہیں کرتے۔"

"مگر تمہارے ذہن میں خیال تو آیا ہوگا؟"

"یہ فطری بات ہے۔" اس نے فوراً اعتراف کر لیا۔ "مگر میں اب بھی اپنی جانب سے کوئی سوال کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔"

"اس بار تمہاری کاردیلو سے ملاقات ہوئی ہے؟"

"ہفتے دو اتوار کو میری چھٹی ہوتی ہے۔ لیکن آج صبح اچانک ہی آنا پڑا۔ اگر آپ جلدی طلب نہ کرتے تو شاید شام سے پہلے مجھے اس کی آمد کا علم بھی نہ ہو پاتا۔"

"تم کو کیسے علم ہو جاتا ہے؟"

"وہ چھٹی سے پہلے مجھے فون کرتا یا اچانک ہی میرے گھر آ جاتا۔"

"اور پھر تم سیر و تفریح کرتی ہو؟"

"یہ سب آپ بے دردی کی اگل رہے ہیں۔ وہ بھی ہوٹل سوئٹ کے ساتھ ہوٹل کے اندر کہ میں آپ جارلس سے ان باتوں کا تذکرہ نہ کیجیے گا۔"

"وہ کیوں؟" اس کی باتوں میں میرے لیے دلچسپی کا عنصر بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

"جارلس دفتری عملے کی لڑکیوں کے مسافروں سے میل جول سے نفرت کرتا ہے۔ وہ مجھے نوکری سے بھی نکال دے تو حیرت نہ ہوگی۔"

"تم کتنے عرصے سے یہاں کام کر رہی ہو؟"

"چار سال گزر چکے ہیں۔"

"اور جارلس خود کسی بات پر تمہاری اس عمر میں کو ذرا بھی خوش کر لیتا ہے؟"

"وہ صرف اتنی سی بات پر اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہے کہ اس نے ایک پارٹی میں شراب پی کر اور نشے میں اپنا سارا لباس کر دیا تھا۔"

"میں ایک فقرہ پیدا بھی کر سکتا ہوں۔"

"ہوٹل کی حدود سے باہر میں تمہاری ہر قسم کی مدد کرنے کو تیار ہوں۔"

وہ میری بات کا غلط مفہوم سمجھ کر بولی۔

"کاردیلو سے الجھنا تم ہو سکتی ہو مجھے تفصیل سے باخبر کر دو گی۔" میں نے اس کی دعوت آمیز آمادگی کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"کیا اس نے کوئی کارروائی کی ہے؟" اس نے ہمدردی سے پوچھا۔

"ایسا ہی سمجھو۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔ "ایک کاروباری معاملہ ہے لیکن معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے اس کے بارے میں تم سے بات کی ہے۔"

"مجھے کسی قسم کی نوکری سے نکلوا دو ہمارے درمیان۔"

"میری ہدایات کو نظر انداز کرو گی تو خود کو دشواریوں میں گھرا ہوا پاؤ گی اور

دوسری صورت میں شاید میں جارلس سے تمہارے لیے کوئی نہ کوئی رعایت حاصل کر لوں۔"

"اگر مجھے کوئی تفصیلات معلوم ہوں بھی تو میں عبداللہ... ضرور بتاؤں گی۔" وہ خاصی پریشان نظر آنے لگی تھی۔

"اس سے زیادہ جاننا تمہارے لیے مشکل ہو گا۔ بس تم اتنی احتیاط کرنا کہ کارروائی کے بارے میں کوئی تم سے معلوم نہ کر سکے۔ یاد رکھو کہ تمہاری بڑی مشکل ہو جائے گی۔"

یہ کہتے ہوئے میں وہاں سے اٹھ گیا۔

پہلے کمرے میں پہنچا تو میری تمام تر توجہ کا محور بنا ہوا تھا۔ وہ خاصی پریشان تھی مجھے دیکھتے ہی وہ کھڑی ہو گئی تھی۔

میں ڈریسنگ ٹیبل پر پہنچا، ایک رقعہ تحریر کیا اور لفافے میں بند کر کے اس کے حوالے کیا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"اگر میں نصف گھنٹے تک واپس نہ آؤں تو یہ لفافہ کھولنا اور اس میں لکھا ہوا پیغام اس ہوٹل تک پہنچا دینا۔" میں نے کہا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟ اگر وہ لوگ آ پہنچے تو؟"

"اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور راستہ نہیں بچے گا۔ یا عبداللہ نامی شخص آئے گا یہ رقعہ اس کے حوالے کر دینا۔"

"عبداللہ وہی سیلفی والا شخص ہے جو کرسٹل کے ساتھ آیا ہوا ہے۔"

"ہاں وہی۔" میں نے کہا۔

"تمہارے سر میں شدید ضرب آئی ہوئی ہے۔ اس حالت میں نہیں جانا چاہیے۔" وہ تشویش آمیز لہجے میں بولی۔

"جو ہونا تھا ہو چکا۔ میری ہوی کا منصب سنبھالنے کی کوشش نہ کرو۔" یہ کہتے ہوئے میں تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

زہریلی سوئیاں پھینکنے والے پائپ کی ہینڈلنگ کی تحقیق کی ضرورت تھی۔ حواس سے کام لیتے ہوئے میں کاردیلو ... شاید عبداللہ کی حد تک اس کے لیے تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

جب میں نے چوتھی منزل پر کمرہ نمبر کے دروازے پر دستک دی تو میرے سامنے تین منٹ گزر چکے تھے اور دروازے کی گھنٹی بجانے کے باوجود کوئی جواب نہ ملا۔ اندر سے قدموں کی کوئی آہٹ بھی نہیں آئی۔

اور میں الفاظ کو سمجھنے کے باوجود اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔

"سیلفی تھی ...؟" میں نے کہا اور اس کے لہجے سے لگا کہ وہ بڑی کوشش کے باوجود کمروں کے قریب ایک صاف کرنے والے کا نام اپنے ذہن میں نہیں لا سکا تھا۔

وہی نسبتاً تنہا آدمی ہی اس کا نام بتا سکتا تھا۔

تقریباً نصف گھنٹے کے بعد بالآخر دروازہ کھلا اور...

مختصر سی جھری میں ... ایک ادھیڑ عمر شخص کا مبہم چہرہ نظر آیا۔

مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر حیرت ... کی لہر دوڑ گئی۔

نظر غالب تھا۔ شاید کاردیلو کی ... فرصت نہیں ملی تھی کہ اپنے بستر کی طرف ... ایک پیچیدہ چہرہ دکھا دیتا۔

"ہمیں بھی تو علم ہو۔" میں نے استفسار کرتے ہوئے اپنا پاؤں آگے بڑھا دیا تاکہ وہ اچانک دروازہ بند نہ کر سکے۔

"یہ نہ بھولو کہ تم ... یہ بات میں نے جبراً اس کے قریب ہو کر کہی۔" میں نے سر ہلایا اور کمرے کے اندر تیزی سے داخل ہو گیا اور اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا۔

"ضرور بیٹھیں۔" وہ تیزی سے کچھ کہنے لگا۔ اس کے بستر سے فوراً ہی اٹھنے کے بجائے حیرت کے مارے سخت غصے کا اظہار ہو رہا تھا جو بے ساختہ چہرے پر ابھر آیا تھا۔

"ہم دونوں بیٹھ جاؤ اور انگریزی بولنے کی کوشش کرو۔" میں نے اس کے پلنگ کے قریب رکھے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تم کون ہو؟" اس نے بظاہر لاپرواہی سے انگریزی میں دریافت کیا مگر ... ہاتھ کے اشارے اس وقت بھی ہل رہے تھے۔

"کیا اس شخص کو تم پہچان سکتے ہو جو تمہارے قریب ٹھہرا تھا؟" میں نے سخت لہجے میں کہا اور جیب سے زہریلی سوئیوں والی شیشی نکال لی۔

"میں تم کو نہیں جانتا۔ مجھے کیا لگا ہے؟" وہ حیرانی اور پریشانی کے عالم میں بولا۔ "کارڈیلو کی طرح تمہارے چہرے کو بھی کوئی ... جھٹکے سے کمرے میں گھس آئے۔ چند منٹ اس ہوٹل کی انتظامیہ کہاں رہتی ہے؟"

"تم نے اس بے ہوش آدمی کو دیکھا تھا؟"

"میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ شاید وہ واقعی کسی طور پر نہ ہو ... مجھے تھا اور اس کی یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ کہیں میں نے کچھ الفاظ کو بھی قبول کر لیا ... ایک مجرم آدمی کو پریشانی سے دو چار ہونا پڑ گیا تھا۔"

"کیا تمہیں یہ علم ہے کہ اس کا ... تھا؟"

"اس نے مجھے بتایا کہ وہ بہت زیادہ ... تم آ رہے ہو ... میری نقدی گھڑی اور زیورات وغیرہ سمیٹ کر چلی دو ... اس ہوٹل میں ... حسن اور ... حال سے بھی خوش نہیں رہنا چاہتا۔"

... مجھے حیرت میں ڈالے ... رہا تھا۔

... کاردیلو کا ساتھی تھا تو اس نے میرے زیر دستی کیے ... سخت سے کام نہیں لیا ہو ... اس کے پیشے سے وابستہ لوگوں کا خاصہ ... وہ کاردیلو کا ... تھا تو یہ مبالغہ لگے گا ... جا بجھے ... یہ بات بتانا ضروری تھا کہ اس کے ذہن کی حالت ...

"بہت زیادہ ... پانی پی کر ... چل سکے گی۔" میں نے کہا۔ "میں ... یہ بھی ... کہ تمہاری ... نکلنا۔ ... تم ... تو ...؟" وہ خوف زدہ لہجے میں بولا۔ "مجھے ...

... تم بار ... کا ... ہے اور تم خود بھی ایک معقول آدمی نظر آتے ہو۔"

"اس غلط فہمی میں نہ رہنا ... وقت ... اس ... کا ... جتنا ہوں میرے ہاتھ میں ... شیشی ... جس کی بھی ... کسی بھی لمحے ... سوئیاں ... جو ... میں ... آ ... سکتی ہے۔"

"تم چاہتے کیا ہو دوست؟" وہ روتے ہوئے انداز میں گڑگڑایا۔

"مارلے کاردیلو کا پتا؟"

میرا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے وہ بیٹھے بیٹھے زقند لگا کر کسی چیتے کی سی پھرتی سے میرے جسم سے آ چپکا اور اس نے اپنا توازن برقرار نہ رکھا اور پشت کے بل قالین پر گرا۔

اس مسکین صورت شخص کا وہ حملہ میرے لیے اتنا غیر متوقع تھا کہ میں فوری طور پر سنبھل بھی نہ سکا اور اس نے میری چھاتی پر سوار ہو کر میری گردن پر دونوں ہاتھ جما دیے۔ اس کے ہاتھ میری گردن پر کسی شکنجے کی طرح گڑتے جا رہے تھے۔

"کاردیلو سے مل کر تمہیں بڑی خوشی ہو گی ڈاکٹر۔" وہ غراتے ہوئے بولا۔ "قتل کرنا اس کے لیے ... گا۔" ... کے ساتھ وہ مکا مار رہا تھا۔ گردن چھڑانے کی کوشش میں میں نے اس کا مکا سیدھا اپنی ناک پر کھایا اور جو بہتا مکا ... میں نے پوری قوت سے اس کی ٹھوڑی پر ایک زبردست ضرب لگائی اور وہ چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا۔

گرتے گرتے اس کی گردن میری ٹانگوں کی گرفت میں آ گئی اور میں اس کی گردن پر ٹانگوں کی پوری قوت صرف کرتے ہوئے سیدھا ہو گیا۔

میرا گھٹنا لگتے ہوئے اس کی ہنسلی اس کے چہرے پر وحشت تھی اور میرے گھٹنے نے شاید زخم اور علاوہ ازیں ... اس کی آنکھوں میں حیرت کر بیٹھنے لگے۔

اگر اس کی گردن بروقت گرفت میں نہ آتی تو شاید وہ واویلا مچاتا ہوا تیزی سے اٹھ کر ہوٹل کو وہاں جمع کر لیتا۔ اس کی گھٹی گھٹی چیخ ہی نکل پائی ... سننے والوں نے بھی دوسری جانب کے ... اس ... کے بعد ... احاطہ ... لیا ہو گا۔

اس کی قوت مزاحمت کو برباد کرنے کے لیے میں نے اس کے پیٹ اور پسلیوں میں گھٹنے مارنے شروع کر دیے اور اس کا بدن ماہی بے آب کی طرح قالین پر تڑپنے لگا۔

میرے لیے الفونسو کی اہمیت صرف اسی قدر تھی کہ وہ ایک اسرائیلی ایجنٹ تھا اور جس نے میری موجودگی سے واقف ہو چکا تھا۔ میری دو ملاقات اس کی موت کا فیصلہ صادر کرنے کے لیے کافی تھے۔ میں اسے مزید کوئی موقع دیے بغیر فوراً ہلاک کر دینا چاہتا تھا مگر وقت ہی تھی کہ الفونسو کے وحشیانہ حملے میں شیشی میرے ہاتھ سے دور جا گری تھی۔

وہ اپنی گردن کو میری پنڈلیوں کی آہنی گرفت سے نکالنے کے لیے پوری قوت صرف کر رہا تھا مگر میں نے اسے کامیاب نہ ہونے دیا اور چند منٹ

کی روح ترسا جد و جہد کے بعد اس نے اسی ٹھکنے میں ہاتھ پیر ڈال دیئے۔ جب ریڈ [illegible] پر بھی اس کے جسم میں جنبش پیدا نہ ہوئی تو میں اسے چھوڑ کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

اس کی جھنک جو ساری زندگی جیالی کو تقویت دیتی رہی ۔۔ مرتے وقت اس کی دونوں آنکھوں کی جھنک سے لگ گئی تھی۔

انطونیو کے جسم کے سرسری جائزہ ہی سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ وہ زندگی سے محروم ہو چکا ہے۔ میں نے ایک حریف کا خاتمہ کر دیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہی گروہ کار دولیو کیلئے بھی [illegible] ثابت ہوگا۔

میں بے پریشان سے سگریٹ نوشی کرتے ہوئے کار دولیو کے استقبال کی حکمت عملی تیار کرنے لگا۔

میں اپنے خیال میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک دروازے پر دستک سنائی دی اور میں اچھل کر دروازے کی اوٹ میں پہنچ گیا۔ شاید میرا شکار آ پہنچا تھا۔

میں چند سیکنڈ تک دروازے کی اوٹ میں کھڑا باہر کی سن گن لیتا رہا مگر ادھر گہرا سناٹا طاری تھا پھر اچانک دروازے پر تیز دستک ہوئی۔

اس بار میں نے دستک کا جواب دیا اور تیزی سے دروازہ کھول دیا اس طرح دروازہ خود بخود کھل گیا گویا میں پٹ کے پیچھے اس طرح چھپ گیا کہ اندر آنے والا فوری طور پر مجھے نہیں دیکھ سکتا تھا اگر وہ سیدھا اندر چلا جاتا تو اس کی پشت میرے ہتھیار کے نشانے پر ہوتی اور اگر وہ چالاکی کا مظاہرہ کرتا تو بھی میرے مقابل آنے سے قبل مجھ پر وار نہیں کر سکتا تھا۔

اس وقت صورت حال نہایت خطرناک تھی۔ انطونیو میرے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔ اس کی لاش فرش پر پڑی ہوئی تھی اور مجھے قوی امید تھی کہ دستک دینے والا کار دولیو ہی ہو سکتا تھا۔

"اندر کون ہے؟" اچانک باہر سے کسی کی غراہٹ ابھری اور میں ایک طویل سانس لے کر دروازے کی اوٹ سے باہر نکل آیا۔

عبداللہ خنجر ہی ریوالور لیے دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ مجھے دیکھ کر فرط حیرت سے اس نے اپنا پورا منہ کھولا اور فوراً ہی بند کر لیا۔

"آ جاؤ اندر آ جاؤ" میں نے ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اندر کھینچ لیا۔

"تم نے مجھے زچ کر دیا ہے!" وہ اندر آتے ہی منہ بنا کر بولا "تم یہاں کیا کرنے آ پہنچے تھے؟ تمہیں تو بستر پر ہونا چاہیے تھا۔"

"جس شخص کو تم نے معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہے وہ کار دولیو کا دوسرا ساتھی تھا۔ کار دولیو [illegible] یہاں پہنچا تھا۔"

"نہیں!" اس کے چہرے سے بے اختیاری عیاں تھی۔

"اندر اس کی لاش پڑی ہوئی ہے۔"

اور تقریباً اسی لمحے عبداللہ کی انطونیو کی لاش پر نظر پڑ گئی۔

"اور وہ خود" وہ حیرت سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا [illegible] تھا کہ تم دونوں مل [illegible] اور تم ایک شخص کا گلا گھونٹنے [illegible]

"اب دوسرے کا پیچھا جاری رکھنا ہے۔"

"تمہاری عمر سے زیادہ بڑھی ہوئی خود اعتمادی نہیں [illegible]" وہ ملامت آمیز لہجے میں بولا "تمہیں تو ابھی تک بستر پر ہونا چاہیے تھا۔"

"میرے ساتھ کار دولیو نے جو سلوک کیا [illegible] فوراً اس کے معاملے کا کھوج نکالنے پر مجبور کر دیا تھا۔"

"تم یہاں تک کیسے پہنچے؟"

"سیدھا سادا دو اور دو چار کا معاملہ تھا۔"

"تو میں کیوں اس نتیجے پر نہیں پہنچ سکا؟" اس کے لہجے میں [illegible] اور ہلکی سی جھنجھلاہٹ کا اظہار ہو رہا تھا۔

"اس لیے کہ تم نے انطونیو کی آمد کی تفصیلات کو نظر انداز کر دیا۔ وہ کار دولیو کے ڈیڑھ گھنٹے بعد یہاں پہنچا تھا۔ [illegible] اس کا مقصد ایک ہی تھا کہ اس نے خود کو کار دولیو سے [illegible] رکھنے کیلئے گھنٹہ بھر [illegible] کہیں صرف کیا۔ اگر وہ کار دولیو کے ساتھ ہی [illegible] ہوتا یا صرف دس پندرہ منٹ کا فرق ہوتا تو شاید انطونیو پر [illegible] ہاتھ نہ ڈال سکتا۔"

"تمہیں تو ایک کامیاب سراغرساں ہونا چاہیے تھا۔"

"اور تم میری بات لکھ لو کہ کار دولیو جلد ہی یہاں ہوگا۔"

"اس وقت تمہاری بات کی تردید کی ہمت نہیں ہے۔" وہ [illegible] کی لاش پر جھکتے ہوئے بولا "یہ تو شاید [illegible]"

"ایک مرحلے پر تو وہ بھی تقریباً حاوی ہو گیا تھا۔"

"تم جیسے [illegible] آدمی کامیاب ہو جاتا۔" وہ [illegible] بولا۔

"اس لاش کا کیا ہوگا؟"

"چارلس کے آنے تک یہیں پڑی رہے گی۔"

"اور چارلس [illegible] کر رہے ہو؟"

"وہ [illegible] کی ایک [illegible] واپس [illegible] بولا "جس دن وہ چارلس [illegible] ہوگا۔"

"بہت ہی [illegible] شخص [illegible]"

"تم اس کی فکر [illegible]"

"بہت آرام سے اور [illegible] بھی [illegible] ہے۔"

میں نے [illegible]

[illegible] میں نے صاف لکھ دیا تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں [illegible] کے بارے میں میرے کیا شبہات تھے۔

"[illegible] ایک آدمی کو اس کمرے میں رہنا چاہیے [illegible]" اس کے بعد عبداللہ نے تجویز پیش کی۔

"[illegible] ثابت ہوگا [illegible] دیکھی جائے۔"

"اگر کار دولیو ایک ہفتے تک ادھر نہ آیا؟"

"[illegible] ہے وہ دونوں ایک اہم اور جنگی مشن پر بلائے گئے [illegible] رات ضائع نہیں کر سکتا جب انطونیو اس سے نہیں [illegible] اس کے کمرے سے فون کا جواب ملے گا تو کار دولیو کو لازماً تشویش [illegible] اور وہ سیدھا یہاں دوڑا آئے گا تاکہ اپنی نظروں سے صورت حال [illegible]"

"[illegible]" وہ ہنستے ہوئے بولا "میری [illegible] تم [illegible] مجھے بتا کر دو۔"

"تم چاہو تو [illegible] زبان بند رکھوں گا۔"

"[illegible]" اس نے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا "[illegible] کی گہرائیوں سے تمہاری قدر کرتا ہوں۔"

"فی الحال [illegible] میں چلتے ہیں [illegible] میرے پاس تمہارے لیے [illegible]" میں نے [illegible] کی طرف [illegible] ہوئے کہا۔

"وہ [illegible] تمہاری صورت دیکھ کر خوش ہو جائے گی۔"

"[illegible] ایک حسینہ سے زیادہ [illegible]" میں نے [illegible] کہا۔

"[illegible] کے مالک ہو۔"

[illegible] میں پہنچ کر عبداللہ نے اس لڑکی کو اور ڈیلی کے دفتر میں بھیجنے کی ہدایت کی اور پھر ہم دونوں اپنے پیٹ کا [illegible] کرنے میں مصروف ہو گئے۔

میرا خیال تھا [illegible] کار دولیو [illegible] عبداللہ [illegible] تھا۔

[illegible] عبداللہ کو اور ڈیلی کی [illegible] میں کام کرنے [illegible] کے بارے میں بتایا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"مارلین [illegible] نہیں ہے۔ [illegible] ہوا اگر تم نے انطونیو کے [illegible] سے معلومات حاصل کیں۔"

"[illegible] تھے اور [illegible] شام میں [illegible] ہے جب [illegible] جانا جاتا تھا۔ ویسے تو وہ چارلس سے بہت خائف [illegible]"

"چارلس کی موت سے اس کے سامنے ملازم کانپتے ہیں اور مارلین [illegible] ہے اس سے بُری طرح [illegible] گئی ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"معقول یار اس نے ملازمت کے قواعد کی خلاف ورزی کی تھی اور گاہکوں سے بہتر [illegible] کی فراہمی کے لیے ان کے معاوضے کے علاوہ اپنا کمیشن بھی حاصل کیا تھا۔"

"تاریخی معلوم ہوتی ہے؟"

"اگر اسے یقین ہو گیا کہ کار دولیو کو تمہارے بارے میں سب کچھ بتا کر ہماری [illegible] رقم حاصل کر سکتی ہے تو وہ اپنی فرصت میں [illegible] فرار ہو جائے گی۔"

"[illegible] اسے کار دولیو کو پھانسنے کے عوض ہماری [illegible]"

"کیا تم اس بارے میں سنجیدہ ہو؟" عبداللہ نے حیرت سے سوال کیا۔

"اس میں غیر سنجیدگی کی کیا بات ہے؟"

"اول تو اسے اس طرح معاملے کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے گا۔ دوم وہ جانتی ہے کہ تم چارلس کے چہیتے مہمان ہو اور تم سے رقم وصول کرنا آسان نہ ہوگا۔ وہ کار دولیو کے سامنے تمہاری پیش کش [illegible] زیادہ فائدہ حاصل کرنے کو ترجیح دے گی۔"

"اس طرح تو ہم [illegible] مارے جائیں گے!"

"ہمیں مارلین پر کڑی نظر رکھنا ہوگی۔ وہ ہماری بازی الٹ سکتی ہے۔"

"اگر اسے کار دولیو کا [illegible] تک قید کر لیا جائے تو [illegible]"

"اس کا انحصار اور ڈیلی پر ہے کہ وہ مارلین [illegible] ورنہ میرے نزدیک [illegible] ہوٹل کا [illegible] سال دوسری تنخواہ کا لالچ دے کر مارلین کو کسی ایسے کام پر لگا سکتا ہے جہاں [illegible] وہ کسی سے نہ مل سکے گی۔"

"[illegible] کے بعد تو وہ آزاد ہو گی!"

"اس کا بندوبست ہو جائے گا۔" وہ بولا "مارلین ہوٹل سے نہ جا سکے گی۔ میں اور ڈیلی سے کہوں گا کہ وہ عارضی طور پر اس کا بندوبست کرے۔"

"تم اس ہوٹل میں بے پناہ رسوخ کے مالک معلوم ہوتے ہو!"

"ایک بار چارلس دو ماہ کے لیے امریکہ گیا تھا تو اپنے تمام اختیارات مجھے سونپ گیا تھا۔ اسی وقت سے سارا عملہ میرا احترام کرتا ہے۔"

"یہ کام کر لو تو باہر نکلیں گے مگر تم کار دولیو کو کہاں تلاش کرو گے؟"

"وہ [illegible] آدمی ہے۔ چند مشہور قحبہ خانوں سے ہم اپنی مہم کا آغاز کریں گے۔"

اس دوران میں کافی آ گئی اور ہم دونوں کافی پینے لگے۔ عبداللہ کو ویسے بھی پانچ بجنے کا انتظار تھا تاکہ وہ اور ڈیلی سے مارلین کے بارے

میں بات کر سکے۔"

کافی ختم ہوتے ہی پائل کی کارڈون کی گھنٹی نے ہم دونوں کو چونکا دیا۔ عبداللہ نے جھپٹ کر ریسیور اٹھا لیا۔

اس نے مادام جیس میں تو چند لمحے کچھ کہا اور ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔ "مارلین تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔"

"آم سکور!" میں نے ریسیور لے کر کہا۔

"مسٹر اسکور! ابھی مجھے فون کیا تھا۔" مارلین نے ہیجان آمیز لہجے میں کہا اور نتاشا اس خوشخبری پر میرے چہرے کے تاثرات اتنے واضح تھے کہ عبداللہ کی آنکھیں چمکنے لگیں اور وہ مطمئن ہو گیا۔

"کرسچین والا اس کا ساتھی ہے اور وہ مجھ سے اس کی خیریت معلوم کرانا چاہتا تھا۔ اسے انسپکٹر کے کمرے سے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا جب کہ فون پر استقبالیہ کلرک نے کارڈیوٹو کو بتایا ہے کہ جو نمبر کی چابی وہاں موجود نہیں تھی۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ چابی جیب میں ڈال کر ہی نکل گیا ہو۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "پہلے بھی اس کمرے سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔"

"اس نے مجھے یہ شام اپنے ساتھ گزارنے کی پیش کش کی ہے جو میں نے حسب معمول قبول کر لی ہے۔" مارلین مسرت سے ایک بڑی خبر سنا رہی تھی۔

"وہ تم سے کہاں ملے گا؟"

"سوا پانچ بجے وہ ریوالی تھیٹر کی انتظار گاہ میں مجھے ملے گا۔"

"تم ضرور جاؤ۔ اس نے اور کوئی بات تو نہیں کی؟"

"مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ملاقات ہونے پر وہ بہت کچھ جاننے کی کوشش کرے گا۔" مارلین کی آواز سنائی دی۔ "فون پر اس نے صرف چند نمبر کے بارے میں اپنی تشویش کا اظہار کیا تھا۔"

"کارڈیوٹو سے فارغ ہوتے ہی کہیں سے مجھے فون کر لینا۔ میں انتظار کروں گا۔" میں نے اس پر یہ واضح کرنے کے لیے کہا کہ اس کا تعاقب نہیں کیا جائے گا۔

میں نے ریسیور رکھ کر سر اٹھایا تو عبداللہ کا چہرہ سامنے بنا ہوا تھا۔ مارلین سے گفتگو کے آغاز پر اس کے چہرے پر جو جوش و خروش پیدا ہوا تھا وہ رخصت ہو چکا تھا۔

"رنگ کیوں اڑا ہوا ہے؟ معرکے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" میں نے مسرت سے سرشار لہجے میں کہا۔ "وہ سوا پانچ بجے ریوالی تھیٹر میں مارلین سے مل رہا ہے۔"

"خوشی سے ناچنے کی ضرورت نہیں۔ وہ جو اپنا کام دکھا گئی ہے۔" عبداللہ نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اس نے یہ فون کارڈیوٹو کے مشورے پر کیا ہو گا۔"

"سوا پانچ بجنے میں دیر ہی کیا ہے ساری صورت حال سامنے آجائے گی۔" میں نے ویرانہ انداز میں کہا۔

"ہم اندھے کنوئیں میں کودنے کی تیاری کر رہے ہیں۔"

"اگر مارلین سچی ہے تو ہم براہ راست کارڈیوٹو … اگر مارلین چالبازی کر رہی ہے تو وہ ہمیں پھانسنے … دونوں صورتوں میں اس سے ٹکرانا لازمی ہے۔ اس کا … ہمارے حق میں مفید ہو گا۔"

"وہ جانتا ہے کہ مارلین کا فون سن کر ہم ریوالی دوڑیں گے اور پھر کہیں سے چلائی ہوئی ایک گولی تمہارا قصہ صاف کر دے گی۔"

"مارنا چاہتا تو وہ میرے کمرے سے بھاگنے … تمام ممکن تھا وہ دراصل مجھے زندہ پکڑنے کی کوشش …"

"یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ وہ … موقف پر قائم تھا۔ تم دونوں کمرے میں بند تھے اور … پر دستک دے رہی تھی۔ ریوالور کا … جو شخص گولی کی آواز سن سکتا تھا پھر تمہارا … کھڑکی میں اور وہ اتنی آسانی سے فرار ہو گیا۔ اس وقت … اپنی جان بچانے کے لیے تمہیں زندہ چھوڑ گیا تھا۔"

"اگر تم ساتھ دینے کو تیار نہیں ہو تو میں تنہا جاؤں گا۔"

"یہ تو خیر ناممکن ہے میں تمہارے ساتھ آؤں گا۔ میں بھی … کوشش چاہتا ہوں کہ ہم ریوالی جانے کی بجائے سوچ کر جائیں کہ وہاں … منتظر ہے۔"

"میں بھی یہی سوچ کر چلتے ہیں۔ ہم دونوں الگ الگ … براہ راست کارڈیوٹو کو تلاش کرے گا اور دوسرا دور سے … کرے گا۔"

"تم مجھے بے وقوف ہو گئے ہو۔ میں اسے تلاش کروں گا۔" اس نے … میں کہا۔

"تم میری تجویز کے مخالف ہو لہٰذا تم کو دور رہنا ہو گا۔ میں کارڈیوٹو کو کھوج نکالوں گا۔ …"

"زندگی میں اصول کام نہیں آتے۔" وہ … زیادہ ذہین اور باصلاحیت ہو اور تمہاری ذہنیت سے … تمام میں لپیٹ لینے والی ہے اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو … پھر کیا گزرے گی اور تنظیم کا کتنا نقصان ہو گا۔ … والے بھی دو چار دوست ہی ہوں گے … سب للٹین کی صورتوں پر تاثرات … آزادی اور انتقام کے جذبوں میں ڈوب کر … اگر قدرت نے کارڈیوٹو کے ہاتھوں میں موت لکھ دی ہے … تم میری بات مانو دور رہ کر میری حفاظت اور … کر سکو گے۔"

سیمنا کا نام لے کر اس ظالم نے میرے وجود کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

مجھے سیمنا کے لیے زندہ رہنے کی ضرورت تھی … سر جھکا کر باتھ روم کی طرف ہو لیا۔ … کا چہرہ دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔ ایک ہولناک … ایک اداسی کا شکار ہو گئی تھی۔

عبداللہ کی باتوں نے میرا دل بھاری کر دیا تھا مگر میں محسوس کر رہا … اور تصادم کی ایک یادگار رات … عبداللہ مزدول بن چکا تھا اور میں نے دفاع کی ذمہ داری … لی تھی۔

… اس وقت سامنے چاہ بجا رہی تھی اور صرف … معلوم ہونے والا تھا کہ مارلین نے دشمن سے … کا منصوبہ بنا رکھا تھا یا اس کے نقش پا کے سہارے ہم … والے تھے!

ٹھیک پانچ بجے ہم دونوں ہوٹل ٹاور سے باہر آ گئے۔ چونکہ فوری طور پر کسی دوسری گاڑی کا بندوبست نہیں ہو سکا تھا لہٰذا ہم نے ہوٹل سے ایک ساتھ روانہ … براہ راست ریوالی تھیٹر پہنچنے کے بجائے میں ہوٹل … مارلین کا تعاقب کرتے ہوئے ریوالی پہنچا تھا۔

ریوالی تھیٹر سے چند قدم کے فاصلے پر عبداللہ مجھے اپنی ریبالٹ … مارلین کے پیچھے چلا جاتا اور میں باقی ماندہ فاصلہ … ریوالی کی انتظار گاہ تک پہنچا۔

کیونکہ کارڈیوٹو ہوٹل کے کمرے میں … ایک ویران گوشے میں عبداللہ کی گاڑی میں بیٹھے … کا اظہار کیا۔

"تھوڑی دیر پہلے تو تم نے مارلین پر آنکھیں بند کر کے اعتماد … اب یہ دھوسے کیوں پریشان کر رہے ہیں؟"

"تم نے مجھے شبہ میں ڈال دیا ہے اور یہ اندیشہ … کی بنا پر ظاہر کیا ہے کہ مارلین کارڈیوٹو سے مل گئی ہے۔ دوسری … کارڈیوٹو مقررہ جگہ پر ہی ہونا چاہیے۔"

"اب کام کا وقت ہے۔ … سوچ کر اپنا ذہن … رہو گا۔" عبداللہ نے کہا۔

"انتظار کی گھڑیوں نے درد میں اضافہ کر دیا ہے۔" میں نے … کہا۔ "اب دیکھنا ہے کہ کارڈیوٹو کیا گل کھلاتا ہے۔"

"… اندازہ ہو چکا ہے … وحشی ہے۔ اس سے مقابلے میں ذرا ہوشیار …"

"خدا کا شکر ہے کہ تم اسی طرح سوچ رہے ہو ورنہ تمہاری … کی کوشش کر رہی ہے۔"

پانچ بج کر دس منٹ پر مارلین عجلت آمیز انداز میں عمارت سے نکل کر پارکنگ لاٹ میں کھڑی نظر آئی۔

"وہ گھبرائی ہوئی نظر آ رہی ہے۔" عبداللہ نے مارلین کی حالت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"مجھے گھبرائے ہوئے حسین چہرے پر ترس آ رہا ہے۔" میں نے اپنے اوور کوٹ کا کالر کھڑا کرتے ہوئے کہا۔

عبداللہ نے ریبالٹ کا انجن اسٹارٹ کر لیا تھا۔ پھر جب مارلین کی منقری کار شام کے تاریک سائے اور کہر آلود دھند میں احاطے سے باہر نکل گئی تو عبداللہ نے بھی اپنی گاڑی قطار سے نکالی اور پھر ایک چکر لگا کر واپس راستہ پر لیا۔

چند موڑوں سے آگے نکلنے کے بعد مارلین کی سرخ کار نظر آ گئی اور عبداللہ نے اپنی گاڑی کی رفتار دھیمی کر لی۔

ریوالی تھیٹر ہوٹل ٹاور سے زیادہ دور نہیں تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد فضا میں ریوالی تھیٹر کے بڑے بڑے روشن حروف نظر آنے لگے۔ تھیٹر سے قبل سو گز دور عبداللہ نے مجھے اتار دیا اور خود آگے بڑھتا چلا گیا۔

نیچے اترتے ہی سمندر کی جانب سے آنے والی بھیگی ہوئی سرد ہواؤں نے مجھے اپنی گرم کار میں واپس بیٹھنے پر مجبور کر دیا اور میں دونوں ہاتھ اوور کوٹ کی جیبوں میں اڑس کر تیزی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

داہنی جیب میں موجود ریوالور کا سرد آہنی دستہ میں نے اس طرح اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا کہ ضرورت پڑنے پر اسے فوراً استعمال کر سکوں۔

میں چند ہی منٹ میں ریوالی تھیٹر کے احاطے میں داخل ہو گیا۔ جہاں خاصی رونق نظر آ رہی تھی۔ میں عمارت میں داخل ہوا تو ملائم آوازوں اور مجلسی قہقہوں کے نسوانی ترنم نے میرے اعصاب پر خاصا خوشگوار اثر ڈالا۔ مگر اس وقت میں اپنی حس لطیف کو بے لگام چھوڑ دینے کے موڈ میں نہیں تھا لہٰذا تھیٹر میں اپنا راستہ بناتا آگے بڑھتا رہا۔

ریوالی کی انتظار گاہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی مجھے عبداللہ نظر آ گیا۔ وہ انتظار گاہ کے دروازے کے عین سامنے دیوار کے سہارے کھڑا اپنے کسی دوست سے باتیں کر رہا تھا مگر اس کی نگاہیں دروازے کے پار جمی ہوئی تھیں۔

میں سر جھکائے انتظار گاہ کے سامنے سے گزر کر اس نیم روشن سنگ دار راہداری کی جانب بڑھ گیا۔ جدھر ٹوائلٹ کا نشان بنا ہوا تھا۔

میں ٹوائلٹ سے واپس ہوا تو عبداللہ بدستور اسی جگہ موجود تھا۔ میں نے دروازے میں سے انتظار گاہ پر اچٹتی ہوئی نظر ڈالی مگر مارلین مجھے نظر نہ آسکی۔ عبداللہ کے پرسکون انداز کی بنا پر مجھے یقین تھا کہ مارلین اسی کمرے میں موجود ہو گی مگر رش میں ہونے کی بنا پر میری نظریں اسے نہ دیکھ سکیں۔

انتظار گاہ اور اس کے سامنے ہی ہوٹل کا وسیع ہال سے نکاسی کا ایک ہی راستہ تھا لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ اندر رکنے کے بجائے باہر سے اس راستے پر نظر رکھوں۔ اس طرح مارلین یا عبداللہ میری نظروں میں آئے بغیر باہر نہیں نکل سکتا تھا اور نہ ہی کاردیلو میری نگاہوں سے بچ کر اندر جا سکتا تھا۔

برآمدے کے بجائے باہر کی کھلی فضا میں کھڑے رہ کر نگرانی کا کام سرانجام دینا اس موسم میں نہایت صبر آزما مرحلہ تھا۔ مگر ان مخدوش حالات میں اس سے موزوں ممکن نہیں تھا۔ میں نے سکون کے ساتھ ایک ایسی جگہ سنبھال لی جو میرے لئے محفوظ تھی۔

وقت دھیمے دھیمے سست رفتاری سے رینگتا رہا۔ جب سردی اوور کوٹ کی دبیز تہہ عبور کر کے میری ہڈیوں میں سرایت کرنے لگی تو مجھ پر کپکپاہٹ طاری ہونے لگی۔

ان دنوں یونانی تھیٹر میں کوئی مشہور ڈرامہ سٹیج کیا جا رہا تھا جس کا پہلا شو چھ بجے شروع ہونے والا تھا۔

میری رسٹ واچ کی سوئیاں آہستہ آہستہ چھ بجنے کا اعلان کرنے لگیں۔ برآمدے وغیرہ میں پھیلی ہوئی رونق تیزی سے معدوم ہونے لگی۔ اور چند منٹ میں وہاں اتنا سناٹا ہو گیا کہ مجھے اپنی جگہ چھوڑنی پڑ گئی۔

اگر میں کچھ دیر مزید وہاں رکا رہتا تو خواہ مخواہ ہر شخص کی اشتباہ آمیز نظریں مجھے ٹٹولنے لگتیں۔ مجھے حیرت تھی کہ مارلین اور عبداللہ کیا کر رہے ہوں گے۔ ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ شاید کاردیلو میری آمد سے قبل وہاں پہنچ گیا ہو اور اب تک مارلین کے ساتھ راز و نیاز میں مصروف ہو۔ ایک مبہم سا امکان یہ بھی تھا کہ کاردیلو نے پہلے سے تھیٹر میں پورشن مخصوص کروا لی ہوں اور ڈرامے کا آغاز ہوتے ہی مارلین کے ساتھ اندر داخل ہو گیا ہو۔ مگر اس صورت میں عبداللہ کو اندر رکنے کے بجائے باہر آکر مجھے صورتحال سے باخبر کرنا چاہئے تھا۔

چھ بج کر سات منٹ پر مارلین نکاسی کے راستے سے باہر نکلتی نظر آئی۔ وہ خاصی سراسیمہ نظر آ رہی تھی۔ باہر آتے ہوئے اس نے اضطراری طور پر اپنی رسٹ واچ کا جائزہ لیا اور پھر اپنی موٹر کی طرف بڑھ گئی۔

اس کے چلے جانے کے بعد عبداللہ باہر آیا۔ اور دروازے پر رک کر متجسسانہ انداز میں اطراف کا جائزہ لینے لگا جس پر میں قدرے روشنی میں نکل آیا۔

مجھے دیکھتے ہی عبداللہ بجلی کی طرح میری طرف آیا۔

"ساری بھاگ دوڑ بے کار ہی ثابت ہوئی" اس نے آتے ہی بے زاری کے عالم میں کہا۔ "یہ میرے لئے وقت کی بربادی کا بدترین تجربہ تھا"

"مارلین کے تعاقب کے بارے میں کیا خیال ہے؟" مارلین کی مرسڈیز پارکنگ میں کھڑی ہوئی موٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں بھی اس امید میں ہر طرف دیکھ رہا تھا کہ شاید کہیں کاردیلو دکھائی دے جائے۔"

"جہنم میں جائے وہ" عبداللہ جھنجھلا کر بولا۔ "ابھی تمہاری تسلی نہیں ہوئی ہے؟"

"اسے گھر پہنچا کر ہم ہوٹل لوٹ جائیں گے" میں نے کہا اور اسے پارکنگ کی طرف دھکیلتے ہوئے بولا۔

"ہرگز نہیں" وہ سخت لہجے میں بولا۔ "مجھے تو افسوس ہو رہا ہے کہ اس عورت کو ... گھر پہنچ کر وہ تمہیں کاردیلو سے ملاقات کی کوئی سنسنی خیز کہانی سنانے کے لئے مجبور کرے گی"

"اتنا غصہ نہ کرو میری جان" میں اس کی پیٹھ پر ... بولا۔ "جہاں اتنا وقت خراب کیا ہے ..."

وہ تحصیلی نظروں سے مجھے گھورنے لگا۔ "اس کا پیچھا کر کے تمہیں کیا ملے گا؟"

"بس ایک وہم ہے میرے دماغ میں" میں نے ... ہوئے کہا۔ "جلدی کرو ایسا نہ ہو کہ وہ دور نکل جائے اور ہم اسے نہ دیکھ سکیں"

"معلوم ہوتا ہے کہ انتظار نے تمہارے دماغ کے ... پر ضربات لگائی تھیں" وہ چلتے چلتے بیزار لہجے میں بولا۔

"چلو تم فی الحال یہی سمجھ لو" اسے گاڑی کی طرف چلتے ہوئے میں نے کہا۔

ریالٹ سڑک پر آئی تو مارلین زیادہ دور نہیں نکلی تھی۔ ٹریفک کے گنجان ہونے کے باعث ہم اسے دیکھ لینے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ ... والی قطار میں کافی آگے موجود تھی۔

ٹریفک کا اشارہ ہوتے ہی ساری گاڑیاں حرکت میں آگئیں۔ چند کاروں کا فاصلہ چھوڑ کر ہم مارلین کے پیچھے ہو لئے۔

"کیا وہم ہے تمہارے دماغ میں؟" عبداللہ نے ... سوال کیا۔

"منزل پر پہنچو گے تو بتاؤں گا" میں نے شرارت آمیز ... جواب دیا۔

"تم خاموش ہی رہو تو بہتر ہے" وہ منہ بنا کر بولا۔ "میں پہلے ہی ایک سنگین ... سوچ رہا ہوں"

"دماغ کے نازک حصے پر چوٹ آئی ہوئی ہے نا؟"

اس نے تحمل سے ... خاموشی اختیار کر لی ... سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سیاہ لیموزین کار میری نظروں میں کھٹکنے لگی جو شروع ہی سے ہمارے اور مارلین کے درمیان حائل تھی۔ پہلے ٹریفک سگنل کو عبور کرنے کے بعد مارلین نے کئی موڑ کاٹے تھے مگر وہ لیموزین مسلسل اس کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔

"اس کی نظروں میں آنے سے گریز کرو" میں نے کہا۔

"میں پہلے ہی اسے نوٹ کر چکا ہوں" وہ سست لہجے میں بولا۔ "ڈرائیور سیٹ کی اونچی پشت گاہ کے باعث ڈرائیور کو دیکھنا ناممکن ہو گیا ہے"

پھر جونہی مارلین کی گاڑی ایک یکطرفہ راستے پر مڑی لیموزین کی رفتار تیز ہو گئی۔ اس کے ڈرائیور نے مارلین کی کار کے پیچھے سے کوئی اشارہ کیا اور پھر کافی آگے جا کر اپنی کار سڑک کے کنارے روک دی۔

مارلین نے بھی اس کے عقب میں اپنی گاڑی روک دی یہ سب اس قدر غیر متوقع طور پر ظہور پذیر ہوا کہ ہمارے لئے قطعی مہلت نہیں تھی۔

وہ سڑک خاصی کشادہ تھی اور اس پر دو رویہ عمارات بنی ہوئی تھیں جن پر سینکڑوں کاروباری اداروں اور دفاتر کے بورڈ آویزاں نظر آ رہے تھے۔ دفاتر کا وقت ختم ہو چکا تھا چونکہ کافی دیر گزر چکی تھی، اس لئے وہاں خاصی حد تک چہل پہل مفقود تھی اور یہی صورتحال وہاں پارک کی ہوئی گاڑیوں پر بھی صادق آتی تھی۔

ہمارے اور آگے والی دونوں کاروں کے درمیان فاصلہ اتنا کم تھا کہ میں عبداللہ کو کوئی مشورہ دینے کے لئے زبان نہ کھول سکا۔ وہ پھرتی کے ساتھ نشست سے نیچے پائیدان پر چلا گیا تاکہ باہر سے نہ دیکھا جا سکے۔

اپنی جگہ سے میں نے سر اٹھایا تو عبداللہ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ وہ ہونٹ بھینچے کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ اسی کے ساتھ ... اس کے ریوالور ... ہاتھ میں موجود رہا تھا۔

"یہ حماقت نہ کرنا" میں اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے غرایا۔ "خاموشی سے سیدھے نکل جاؤ ورنہ وہ کبھی ہاتھ نہ لگ سکے گا"

اس نے نہایت بے زاری بلکہ جنون کے عالم میں ریوالور اپنے پہلو میں ڈال لیا ... میں نے پیچ دیا اور ساتھ ہی ریالٹ کی رفتار بھی تیز کر دی۔

"کیا ہم نکل آئے؟" چند ثانیوں کے بعد میں نے آہستہ سے کہا۔

"عقب نما آئینے میں صرف دھند میں لپٹی روشنیاں نظر آ رہی ہیں ... اس نے خشک لہجے میں کہا۔

"کیا آگے سڑک بند ہے؟" میں نے احتیاطاً ریوالور اٹھا کر اپنی نشست سنبھالتے ہوئے تجسس کر کے پوچھا۔

"آگے سڑک کا رستہ ہے۔ دائیں یا بائیں مڑا جا سکتا ہے۔ سامنے چرچ کی دیوار پھیلی ہوئی ہے" اس نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

"میری جان غصہ تھوک ڈالو۔ اس جیسے مکار آدمی کو ہم یوں بھی گھیر کر ... نہیں کر سکتے تھے"

"اگر اسے یوں ہی چھوڑنا تھا تو تعاقب کی کیا ضرورت تھی؟"

"یونانی میں وقت دینے کے بعد بھی وہ محتاط رہا ہے۔ اس نے مارلین کو راستے میں روکا ہے اور وہ اسی طرف آئیں گے"

"اور اگر وہ وہیں سے واپس لوٹ گئے؟"

"یہ سڑک یکطرفہ ہے انہیں واپسی کے لئے بھی آگے ہی آنا ہوگا" میں نے کہا۔ "میں فریب تو نہیں جانتا مگر ٹریفک کی علامات ضرور سمجھ لیتا ہوں"

"وہ اپنی گاڑی سے اترا نہیں تھا" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد وہ بولا۔ "اپنی گاڑی ریورس کر کے مارلین کی موٹر کے برابر لے آیا تھا"

"لیموزین میں وہی تھا؟"

"اس حرامزادے کو تو میں خواب میں بھی پہچان سکتا ہوں۔ بڑے ٹھاٹھ سے سگار پی رہا تھا" عبداللہ نے کہا۔

"موڑ سے ذرا پہلے گاڑی روک لینا" میں نے کہا۔ "وہ تمہاری موٹر کی طرف متوجہ تو نہیں ہوا تھا؟"

"بظاہر تو ایسی کوئی بات نہیں تھی" عبداللہ نے یہ کہتے ہوئے ریالٹ سڑک کے کنارے روک دی اور انجن بند کر دیا۔ "تم اسے کس طرح گھیرنا چاہتے ہو؟"

"وہ مارلین کے ہمراہ کسی ہوٹل میں یا اس کے فلیٹ پر جائے گا جہاں اسے بغیر کسی خطرے کے ہاتھ ڈالا جا سکتا ہے"

"اور اگر اس نے دور ہی سے ہوشیار کر دیا؟"

"میرا قیاس ہے کہ مارلین عام لڑکیوں کی طرح بزدل ہے ... کے خوف سے اپنی زبان بند رکھے گی"

"وہ بہت حرافہ فطرت کی مالک ہے ......!"

"کاردیلو کے ساتھ شراب پئے بغیر وہ ایک لفظ بھی نہ اگلے گی۔ اس بارے میں تم میرے قیاس پر بھروسہ کر سکتے ہو"

"اچھا ایک آخری قیاس پر بھی عمل کرنا چاہوں گا۔ تمہارے سامنے آج میں خود کو ایک بچہ محسوس کرنے لگا ہوں"

"تمہاری جلد بازی سے مجھے ڈر لگتا ہے ورنہ تم بھی کم نہیں ہو"

"مجھے صبر نہیں ہوتا یار" اس کا موڈ آہستہ آہستہ اعتدال پر آ رہا تھا۔ "ہونے والا کام جب تک پایہ تکمیل کو نہ پہنچے قرار نہیں آتا"

"انہیں تو ابھی دیر ہو گئی۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں کسی کیفے میں جا گھسے ہوں۔ اس علاقے میں تو ان گنت کلب اور اسنیک بار خاصی تعداد میں ہیں۔"

چند ثانیوں بعد عبداللہ نے عقب نما آئینے میں دیکھ کر ان کی آمد کا اعلان کیا اور میں ایک مرتبہ پھر پائیدان پر پھسل گیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کارویلو کی مجھ پر نظر پڑے اور وہ مجھے پہچان لے۔ وہ مجھ سے [illegible] کے عالم میں ٹکرایا تھا۔ اور مجھے یقین تھا کہ وہ محض ایک جھلک دیکھ کر ہی مجھے پہچان لے گا۔ جب کہ عبداللہ سے وہ بوکھلاہٹ کے عالم میں ٹکرایا تھا۔ [illegible] کے مکان پر فقیر کو قتل کرنے کے بعد [illegible] ہوئے وہ شخص چند لمحات کے لئے عبداللہ سے الجھا تھا اور پھر گریبان چھڑا کر وہاں سے بھاگ نکلا تھا۔

مجھے امید تھی کہ اوور کوٹ کے اونچے کالر کی بنا پر کارویلو عبداللہ کو ہرگز نہ پہچان سکے گا۔

ان دونوں کاڑیوں کے آگے نکلتے ہی عبداللہ نے رینالٹ ان کے پیچھے لگا دی۔ اس بار اس نے موٹر کی کوئی روشنی نہیں جلائی تھی۔ بس اگلی کار کی عقبی سرخ روشنیوں کے سہارے سڑک پر چل رہا تھا۔

"اس بار ترتیب بدلی ہوئی تھی۔" عبداللہ نے مجھے اپنی جگہ سنبھالتے دیکھ کر کہا۔

"کیسی ترتیب؟"

"کارویلو آگے تھا اور مارلین اس کے پیچھے گئی ہے۔"

"یہ اچھا ہوا۔ مارلین کا تعاقب نسبتاً آسان اور محفوظ ثابت ہو گا۔" میں نے کہا۔

"وہ مارلین کے فلیٹ کے بجائے اسے اپنی مرضی اور پسند کے کسی مقام پر لے جا رہا ہے جو شاید مارلین کے لئے غیر معروف ہو۔" عبداللہ نے تبصرہ کیا۔

سڑک پر پہنچ کر کارویلو کی لیموزین دائیں جانب گھوم گئی جبکہ مارلین بائیں جانب مڑنے کا اشارہ دے رہی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" عبداللہ بوکھلا کر بولا۔

"مارلین کو جانے دو۔ ہمارے لئے کارویلو کا ٹھکانہ بہت اہم ہے۔"

عبداللہ نے رینالٹ کے ہیڈ لیمپ روشن کر دیئے اور مارلین کے بائیں طرف جانے کے بعد اپنی موٹر دائیں طرف والے راستے پر گھما لی جدھر لیموزین گئی تھی۔

"پتہ نہیں یہ ملعون مجرم شہر بھر میں کیا ... کرتا پھر رہا ہے۔" عبداللہ کارویلو کی عجیب و غریب حرکات سے سخت بدظن نظر آ رہا تھا۔

"وہ تجربہ کار سیکرٹ ایجنٹ معلوم ہوتا ہے۔ اسے اندازہ ہو چکا ہو گا کہ لیمیں میں کچھ لوگ اس کے پیچھے پڑے ہیں اور وہ خاموشی کے ساتھ اپنا پیچھا نہ کر سکے گا۔ لہٰذا وہ پیرا احتیاطی تدابیر پر عمل کر [illegible] رہا ہے۔"

"وہ مجھ سے اور تم سے تو واقف ہو چکا ہے [illegible] سے جواب نہ ملنے پر وہ اور زیادہ چوکنا ہو گیا ہو گا۔"

"انٹرپول کی رپورٹ کے بارے میں کیا معلومات ہیں تم سے؟"

"فی الحال کارویلو کو [illegible] کے پاس پہنچنے سے [illegible] مجھے تو شبہ ہو رہا ہے کہ مارلین نے اسے [illegible] مارلین کے ساتھ جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اب وہ [illegible] کا ساتھ نکلے گا۔"

"یہ تو تب ختم ہو تو مارلین کی بھی خبر لینی ہو گی۔"

"شاید اسے تعاقب کا شبہ ہو چکا ہے۔" عبداللہ نے [illegible]

"تم شام ہی سے اس کے تعاقب [illegible] تمہارے خیال میں ان دونوں کو یہ سوال [illegible] سو رہا تھا۔"

"یہ بات نہیں صفدر! وہ [illegible] احتیاط کیا ہے [illegible] ہم چند منٹ قبل گزرے تھے۔"

"بس خیال رکھو کہ وہ دھوکا دے کر جانے نہ پائے۔"

"اس کے تیور خطرناک معلوم ہوتے ہیں۔ دھوکا دینا چاہتا ہو تو شاہراہوں کے بجائے پیچ دار راستے اختیار کرتا۔ شاید وہ ہمارے [illegible] اپنے شبہات پختہ کرنے جا رہا ہے۔" عبداللہ نے [illegible]

"شبہات پختہ کر کے کیا بگاڑ لے گا؟"

"بگاڑنے کی بات نہیں۔ [illegible] عام طور پر جنون کی حد تک وہم پرست ہوتے ہیں۔ ہر شخص خود کو [illegible] یہ کارویلو زیادہ ہی [illegible] معلوم ہوتا ہے۔ [illegible] کر جائے [illegible] ہم پر [illegible] ڈر رہے۔"

"وہ کسی جنگل میں نہیں۔ فرانس کے ایک ترقی یافتہ شہر [illegible] گھوم رہا ہے۔ ایسی حماقت کیسے کرے گا۔ وہ [illegible] تو الگ بات ہے۔ جہاں تک بال بھی بیکا نہ کر سکے [illegible]"

لیمیں کی سڑکوں پر وہ بھاگ دوڑ [illegible] اس دوران میں لیموزین [illegible] راستوں سے [illegible] کا رخ شہر کے متوسط درجے کے رہائشی علاقے کی طرف ہو گیا۔ جہاں [illegible] پر مشتمل صاف ستھرے فلیٹ واقع تھے۔

سڑک کے کنارے ایک جگہ لیموزین پارک کر دی گئی۔ عبداللہ [illegible] بھی رینالٹ اس سے [illegible] فاصلے پر روک دی۔ چند منٹ کے بعد لیموزین کی [illegible] سے جو شخص برآمد ہوئی اسے دیکھ کر ہم دونوں ہی بھونچکے رہ گئے۔ لیموزین سے برآمد ہونے والی مارلین تھی اور وہ [illegible] عمارت میں داخل ہو رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" اس تحیر آمیز سکون کو میں نے ہی توڑا۔

"آپ نے خود دیکھا تھا کہ لیموزین میں وہ تنہا ... موجود تھا؟"

"[illegible] کے لئے ان کے ساتھ کار کی زبان بدلی ہوئی [illegible] تب وہ دونوں تمہارے قریب سے گزرے تو تم نے نہیں دیکھا تھا؟"

"میں نے [illegible] اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا تھا تاکہ کارویلو مجھے پہچان نہ سکے۔"

"تم نے [illegible] رویئے کے بارے میں بالکل صحیح اندازہ لگایا [illegible] کہ ہم اس کی آمد کا [illegible] نہیں دیکھیں گے [illegible] شروع سے ہی تعاقب کا علم تھا۔"

"[illegible] ہو سکتا ہے کہ مارلین نے بیسمنٹ کا ٹیلیفون [illegible] جو کم عماری مسافروں کی [illegible] اور انٹرویو میں [illegible] کارویلو نے فوراً [illegible] پر ہاتھ ڈال لئے ہوں گے لہٰذا اس نے مارلین کو [illegible] بیوقوف بنایا ہے۔" عبداللہ پر اشتعال طاری ہونے لگا تھا۔

"ضروری نہیں کہ تمہارا نظریہ ہی درست ہو۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے [illegible] کارویلو [illegible] ملاقات کے بعد [illegible] داخل ہونے کا فیصلہ کیا ہو اور پھر اندر جانے سے قبل اس [illegible] مارلین کی واپسی کا منتظر ہو۔ ہو سکتا ہے [illegible] مارلین کا تعاقب کرتے ہوئے اس کے فلیٹ [illegible] جو تعاقب کا شبہ ہو گیا [illegible] مارلین کو [illegible] کرسی بٹھا کر اس سے گاڑی بدل کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔"

"اگر مارلین معصوم ہے تو سیدھی اپنے فلیٹ کیوں نہ گئی؟ وہ [illegible] نکلی ہے اور اس نے کسی خاص مقصد کے تحت [illegible] اختیار کیا ہے۔"

"اس کا جواب تو وہی دے سکے گی۔"

"تو پھر یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو۔ اوپر چل کر اس کی خبر لیتے ہیں۔"

"اس طرح ہم بالکل وہی کریں گے جو کارویلو چاہتا ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"ہو سکتا ہے کہ اس نے مارلین کے فلیٹ کی چابی لے لی ہو [illegible] اور [illegible] فلیٹ میں [illegible] بیٹھے [illegible] ہم کو وہ گھیر لے۔"

"[illegible] اس کے باوجود تم مارلین کی وکالت کر رہے ہو۔"

"ضروری نہیں کہ وہ کارویلو کے منصوبے سے آگاہ ہو۔ کارویلو نے [illegible] استعمال کیا ہو گا۔"

"تو اب کیا کیا جائے؟"

"آج کی رات بھی برباد ہوتی نظر آ رہی ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"ہم لوگ باہر رہ کر باری باری اس عمارت کی نگرانی کریں گے جس میں مارلین داخل ہوئی ہے۔" میں نے رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو معاف ہی رکھو۔ میں گھر سے [illegible] کا انتظام کر کے موٹر کی [illegible] نشست پر سوتا ہوں۔ تمہاری طبیعت بھر جائے تو مجھے بیدار کر دینا۔ تم تو بالکل کتابی جاسوسوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔"

"لیکن تم بھی ساری رات جاگ رہو گے۔ مگر تم رینالٹ میں نہیں سو سکو گے۔" میں نے اسے اپنے جملے سے آگاہ کیا۔ "اگر کارویلو تعاقب سے باخبر ہو گیا تھا تو یہ موٹر بھی اس کی نظروں میں آ چکی ہو گی۔ [illegible] دیکھ کر اسے [illegible] مسرت ہو گی۔"

"باہر شدید [illegible] ہے۔ صبح تک ہم دونوں اکڑ کر رہ جائیں گے۔ یہ معاملہ صبح پر بھی [illegible] مارلین ذرا دیر [illegible] تو دیکھا جائے گا۔"

"ہم صبح تک [illegible] ضرور ہے لیکن میرا خیال ہے کہ آج کی رات کچھ نہ کچھ ضرور ہونے کو ہے۔ وہ ہمارے گرد جال بن رہا ہے اور میں اسے اسی کے بنے ہوئے جال میں پھانسنا چاہتا ہوں۔ مارلین کے فلیٹ میں [illegible] لیکن اطمینان سے [illegible] ہو کر وہ باہر آئے گا اور پھر رینالٹ [illegible] سوال [illegible] یہ موقع ضائع نہیں کیا جا سکتا۔"

"تم [illegible] لیکن [illegible] وہ ساری رات گرم بستر میں مارلین کے ساتھ خوش گپیاں کرتا رہے گا اور ہم [illegible] یخ بستہ فضا میں اکڑتے رہیں گے۔ [illegible] مارلین کے فلیٹ پر [illegible] واپس چلو۔"

"مارلین کا مسئلہ تو ابھی حل ہو جاتا ہے۔" میں نے رینالٹ سے اترتے ہوئے کہا۔ "تم بھی باہر نکل آؤ۔"

"چھوڑو۔" عبداللہ نے باہر آ کر نہایت خلوص سے کہا۔

"تم تھوڑی دیر اس عمارت پر نظر رکھو۔ میں کسی ہوٹل سے ٹیلیفون کر کے آتا ہوں۔"

"وہ کیوں؟"

"مارلین نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ کارویلو سے ملاقات کے بعد وہ مجھے فون پر صورتحال سے آگاہ کرے گی۔ اگر وہ بے قصور ہے تو اسے فوراً مجھ سے رابطے کی کوشش کرنی چاہئے۔"

"یہ تجویز معقول ہے۔ مگر اس نے تمہارے لئے فون کیا ہو تو [illegible] سے اس کے فلیٹ کا نمبر لے کر اسے بھی فون کر لینا تاکہ اس کی کہانی کا تو پتہ چلے۔"

عبداللہ کو اس عمارت کی نگرانی پر چھوڑ کر میں پبلک فون بوتھ کی تلاش میں چل دیا۔ اس دوران میں میں اپنے گرد و پیش سے پوری طرح

ہوشیار تھا۔

میں نے ایک کیمسٹ کی دکان میں لگے ہوئے ٹیلی فون سے ہوٹل ڈی ایلی کو فون کیا تو آپریٹر سے یہ اطلاع پا کر میرا دل اچھلنے لگا کہ پچھلے چند منٹ میں مارلین دو مرتبہ میرے لئے فون کر چکی ہے اور اس نے آپریٹر کو ہدایت کی تھی کہ مجھ سے رابطہ قائم ہوتے ہی اس کا فون نمبر مجھے دے دے تاکہ میں اس سے بات کر لوں۔

میں نے سلسلہ منقطع کر کے مارلین کا نمبر ڈائل کیا۔

"میں ڈاکٹر آسکر بول رہا ہوں۔" میں نے فون پر نرم نسوانی آواز سن کر کہا۔

"اوہ ڈاکٹر! آج میں بہت پریشان ہوں۔" اس بار میں نے مارلین کی آواز پہچان لی۔

"وہ ملا تھا؟"

"ہاں، وہ نہ جانے کس چکر میں ہے؟" وہ رکے بغیر تشویش انداز میں کہنے لگی۔ "وہ مقررہ وقت پر ریوالی تھیٹر نہیں پہنچا۔ جب میں شو شروع ہونے کے بعد باہر نکل کر گھر لوٹ رہی تھی تو راستے میں وہ اچانک کہیں سے نمودار ہوا اور میری گاڑی رکوا لی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ ایک اہم کام کی وجہ سے ریوالی نہ آ سکا۔ اسے پیرس کے مضافاتی علاقے میں کسی سے ملنا تھا۔ مگر اس کے کہنے کے مطابق اس کی لیموزین کا ڈائنمو گڑبڑ کر رہا ہے، لہٰذا اس نے مجھ سے گاڑی بدلنے کی درخواست کی جسے میں نے قبول کر لیا کیونکہ مجھے شام میں کہیں نہیں جانا تھا۔ چلتے ہوئے اس نے ایک اور عجیب سی بات کہی کہ میں ٹھیک چالیس منٹ تک شہر میں بے مقصد کار دوڑانے کے بعد اپنے فلیٹ کا رخ کروں اور راستے میں خریداری وغیرہ کے لئے کہیں نہ اتروں۔ میں نے اس سے اس حرکت کا سبب معلوم کرنا چاہا تو اس نے بدلے ہوئے خوفناک لہجے میں کہا کہ میں اس کی ہدایت پر عمل کروں کیونکہ اسی میں میری بہتری پوشیدہ ہے۔ میں اسی وقت سے بہت پریشان ہوں۔ وہ ہمیشہ مجھ سے نرمی سے پیش آتا رہا ہے مگر آج تو اس کے لہجے سے خون کی بو آ رہی تھی۔"

"وہ کہاں ہے؟"

"اس نے کہا تھا کہ اپنے کام سے فارغ ہو کر میرے فلیٹ پر آئے گا۔ مجھے تو اس کے تصور ہی سے اب ہول اٹھ رہے ہیں۔ میں تو سوچ رہی ہوں کہ فلیٹ مقفل کر کے لیموزین کی چابی اگنیشن میں چھوڑ دوں اور ٹیکسی سے ہوٹل ہی چلی آؤں۔" وہ بہت زیادہ خوفزدہ تھی۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

"میرے استفسار پر وہ کسی درندے کی طرح غرایا تھا ڈاکٹر! اس کا لہجہ اور تیور میرے اعصاب پر بُری طرح چھائے ہوئے ہیں۔"

"کیا لیموزین کا ڈائنمو واقعی خراب ہے؟"

"میرا تو خیال ہے کہ صحیح کام کر رہا ہے۔ اس نے صرف گاڑی بدلنے کے لئے بہانہ تراشا تھا۔ میں تو ڈر رہی ہوں کہ کہیں وہ میری کار کو [illegible] کے لئے استعمال نہ کر بیٹھے۔"

"وہ ایسی ہمت نہ کر سکے گا۔"

اس نے انطونیو کے بارے میں جو بتایا تھا اور جب میں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو کاروبلو نے کہا تھا کہ انطونیو [illegible] میں اب تک زندہ نہ ہو گا تو وہ [illegible] کا سبب دریافت کیا تو وہ مضطرب انداز میں [illegible] آخری مرتبہ انطونیو کو فون آیا کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو [illegible] پہلی بار [illegible] ہو رہا ہے کہ وہ بہت خطرناک آدمی ہے [illegible] میری کار منی ڈول میں کوئی [illegible] شخص کو پہچان لینے [illegible] دکھانے کے قابل بھی نہ رہ سکی گی۔"

"میں تو [illegible] پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں [illegible] لوٹ آئے تو دروازہ نہ کھولنا۔ روشنیاں گل کر کے [illegible]"

"خدا کے لئے جلدی آنے کی کوشش کرو ڈاکٹر! [illegible] کانپ رہا ہے۔ نہ جانے آج رات کیا ہونے والا ہے؟" [illegible] والی آواز میں بولی۔

"آ رہا ہوں۔" کہہ کر میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

مارلین سے ہونے والی گفتگو نے میرے خیالات کی [illegible] تائید کر دی تھی بلکہ مجھ پر یہ خطرناک حقیقت بھی واضح کر دی [illegible] نظروں میں مارلین مشکوک ہو چکی تھی اور وہ کسی بھی وقت [illegible] ہو سکتا تھا۔

اس نے فون پر [illegible] طریقے پر مارلین سے ریوالی [illegible] کا وقت طے کیا تھا مگر جب اس نے ریوالی میں مجھے اور عبداللہ کو [illegible] دونوں میں سے کسی کو مارلین کی نگرانی کرتے دیکھا تو [illegible] یقینا [illegible] ہو گا کہ مارلین ہم لوگوں سے ملی ہوئی ہے [illegible] میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ کاروبلو نے مارلین کو یہ ہدایت کیوں کی [illegible] چالیس منٹ تک [illegible] شہر [illegible] گھومتی رہے۔

اسے ملنے میں گاڑی سے اترنے کی ممانعت سے [illegible]

وہ اپنی لیموزین کے ڈائنمو کی [illegible] سے [illegible] ہم کاروبلو کے دھوکے میں اس کے پیچھے گھومتے رہیں۔

پھر اچانک ہی میرے ذہن کے تمام [illegible] کاروبلو کو انطونیو کے بارے میں کچھ [illegible] بھی اسے کوئی یقینی بات معلوم نہ ہو سکی [illegible] مارلین میں الجھائے رکھا اور خود ہوٹل ڈی [illegible] انطونیو کی خبر لے سکے۔ اس کام کے لئے [illegible] تھا جو مارلین نے [illegible] کر دیا۔

میں اور عبداللہ اسے اچھی طرح جانتے تھے [illegible]

[illegible] دوران ہی کاروبلو پہچان لئے جانے کے خوف سے ادھر [illegible] نہیں [illegible] سکتا تھا۔ میدان صاف پا کر وہ نہایت آسانی سے انطونیو کی [illegible] پہنچ گیا ہو گا۔

[illegible] ہی میں دوبارہ ٹیلیفون بوتھ کی طرف چل دیا تاکہ [illegible] کے ساتھ کمرہ نمبر چھ کے بارے میں کیا تازہ ترین [illegible] معلوم کر سکوں۔

[illegible] میرا نام سنتے ہی مس ایلوڈی کی آواز میں خوف سمٹ آیا۔ "[illegible] ڈاکٹر! پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔"

[illegible] یہ اطلاع میرے لئے شدید حیرت کا باعث ثابت ہوئی۔

"مجھے بتایا گیا ہے کہ چند منٹ قبل [illegible] ایک پولیس انسپکٹر تین مزید مسافروں کے ساتھ میرے کمرے میں موجود [illegible] پولیس ایک [illegible] سے ملنا چاہتا تھا مگر میں نے اسے [illegible] ہو گیا۔"

"[illegible] سے میرا کیا تعلق ہے؟"

"[illegible] کسی گمنام شخص نے تھوڑی دیر قبل کسی پبلک بوتھ سے [illegible] کو بتایا تھا کہ ہوٹل ڈی ایلی کے کمرہ نمبر چھ میں ایک تازہ لاش پڑی ہوئی ہے [illegible] ایک مسافر نے قتل [illegible] یہ اطلاع پاتے ہی انسپکٹر [illegible] ہوٹل آ پہنچا۔ ہم لوگ [illegible] لاعلمی کا اظہار کیا [illegible] مسافروں کے [illegible] ایک اطالوی مسافر [illegible] فون آیا [illegible] لاش ملی ہے جو اتوار کی رات [illegible] چکا تھا۔"

"پولیس یک [illegible] کا کچھ پتہ چلا؟"

"[illegible] اس کا [illegible] وصول ہوا ہے وہ [illegible] پہنچ رہا ہے۔"

"میں اب ہوٹل نہیں آؤں گا۔ تم بھی [illegible] میرے نام سے لاعلمی اختیار [illegible] کرنا۔"

"[illegible] لوگوں کے [illegible] سے باہر ہو جانا بہتر ہے۔ چارلس کی [illegible]" ایک گہرے سانس کے بعد ایلوڈی کی آواز سنائی دی۔

"[illegible] کیوں؟"

"[illegible] اگر وہ انسپکٹر [illegible] مسافروں سے باز پرس کرے گا تو [illegible] اس کے علم میں آ جائے گا۔ ہم نے مسافروں سے تو کہہ [illegible] کے باہر [illegible] بے ہوش پایا جانے والا مسافر [illegible] تھا [illegible] ہوٹل سے نکال دیا۔ مگر انسپکٹر اس کے بارے میں تفصیل جاننا چاہے گا تو ہم [illegible] نہیں کر سکتے۔"

"[illegible] مجھ سے [illegible] ہو گا۔ [illegible] کوئی ایسے مسافر [illegible] ہوٹل چھوڑ کر ملک سے باہر روانہ ہوا ہو۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" اس کا [illegible] تھا۔ اس طرح کم از کم چارلس کی [illegible] تم مشکلات سے بچے رہو گے۔ تم چاہو تو میں تمہیں کچھ معتبر پتے دے سکتی ہوں جہاں تم تمام گھریلو آسائشوں کے ساتھ روپوشی اختیار کر سکو۔"

"اس کی ضرورت محسوس ہوئی تو پھر فون کروں گا۔ فی الحال شکریہ۔"

"مگر تم زخمی ہو۔ اگر تمہاری حالت بگڑ گئی تو چارلس کو جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔" وہ بے چارگی سے فکر مند لہجے میں بولی۔

"میں سنبھال لوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔"

فون کا سلسلہ منقطع کرنے کے بعد میں تیزی سے واپس ہو لیا۔

کاروبلو میری توقع سے کہیں زیادہ مکار اور عیار ثابت ہوا تھا اور اس نے میری جھلک پاتے ہی میرے خلاف ہر طرف محاذ کھول دیا تھا۔

وہ یقینی طور پر ہوٹل ڈی ایلی جا کر انطونیو کا حشر دیکھ چکا تھا اور [illegible] مجھے ڈی ایلی سے باہر نکالنے کے لئے گمنام فون پر پولیس کو میری راہ پر ڈال دیا۔ اس طرح وہ ایک تیر سے دو شکار کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ ایک طرف تو میں ڈی ایلی [illegible] جہاں میں نسبتاً زیادہ محفوظ تھا [illegible] دوسری طرف [illegible] کے سلسلے میں قانون کا خوف میری نقل و حرکت کو کاروبلو کے مقابلے میں محدود کر دیا۔

وہ جتنی تیزی کے ساتھ حرکت میں آیا تھا اس کی بنا پر مجھے یقین تھا کہ وہ اسی رات مارلین کے فلیٹ کا رخ ضرور کرے گا۔ اس طرح وہ اپنی دانست میں [illegible] بھی پکڑا جا سکتا تھا اور اگر ہم لوگ نہ ملتے تو وہ اپنے شبہات کی روشنی میں تشدد کر کے مارلین کی زبان کھلوا کر مجھ تک پہنچنے کی [illegible] تیار کر سکتا تھا۔

مارلین کا زندہ رہ جانا اس امر کا ثبوت تھا کہ کاروبلو اپنے مشن کے لئے اس سے مزید کام لینا چاہتا تھا۔

میں مارلین کی قیام گاہ سے کچھ دور ہی تھا کہ اچانک اس علاقے میں سڑک کے کنارے پارک کی ہوئی گاڑیوں کے درمیان ایک دھماکا ہوا جس کے ساتھ ہی کئی دردناک انسانی چیخیں بھی سنائی دیں اور پھر ایک گاڑی کا ڈھانچہ تیزی سے شعلوں میں گھرتا ہوا نظر آیا۔ میں غیر ارادی طور پر پوری قوت سے اس طرف دوڑ پڑا۔

وہ دھماکا کتنا خوفناک اور شدید تھا اس کا اندازہ [illegible] سے ہوا کہ [illegible] عمارتوں کے [illegible] باہر نکل آئے تھے۔ میں نے سڑک کے دوسرے کنارے پر رک کر جائزہ لیا تو میرا دل دہل گیا۔ جلنے والی گاڑی عبداللہ کی [illegible] تھی۔

اس کے آس پاس کھڑی ہوئی گاڑیاں حیرت ناک سرعت کے ساتھ دھڑا دھڑ جلنے لگی تھیں۔ بہت سے لوگ آگ بجھانے والے گھریلو آلات سے شعلوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہے تھے اور ان سے تھوڑا ایک بہت

پڑا مضطرب ہجوم... عمارت کے احتجاجی ردعمل سے معلوم ہو رہا تھا کہ ان سے زیادہ تر کمی ہونے والوں کو ابتدائی طبی امداد دی جا رہی تھی۔

میں شدید خواہش کے باوجود جلتی ہوئی موٹر بائیک کی طرف نہیں گیا مگر میری بے چین نگاہیں ہر طرف عبداللہ کو تلاش کر رہی تھیں۔

میرے آس پاس بے شمار افراد جلتا ہوا [illegible] میں غالباً اس حادثے کے بارے میں تبصرے کر رہے تھے مگر میں فرنچ سے نابلد ہونے کے باعث ان کی گفتگو سے کوئی بات معلوم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

ریالسٹ میں غالباً کوئی زبردست دھماکہ ہوا تھا کیونکہ اس کی نشستوں اور اندرونی حصے کے پرخچے اڑ گئے تھے جیسے اس میں گھس کر کسی پاگل ہاتھی نے ہنگامہ آرائی کی ہو۔ باڈی کا پلر اور چھت میں بڑے بڑے شگاف پڑ گئے تھے اور جو کچھ باقی رہ گیا تھا اسے آگ کے شعلے چاٹ رہے تھے اور اس سوختہ ڈھانچے سے جھلستے ہوئے آہستہ آہستہ سلگ رہے تھے مگر علاقے کے رہنے والوں کی مدد سے آگ بجھانے والوں کے پہنچنے سے قبل آگ سرد کر دی اور ریالسٹ کی ڈرائیونگ سیٹ میں پھنسی ہوئی مسخ شدہ سیاہ لاش کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جب وہاں ایمبولینس کا سائرن سنائی دیا تو مجھے مخالف سمت میں عبداللہ نظر آیا جو مجمع کو چیرتا ہوا تیزی کے ساتھ ایک طرف لپکا جا رہا تھا۔

میں نے فوراً اپنی جگہ چھوڑ دی مگر جتنی دیر میں، میں فٹ پاتھ کے دوسرے حصے پر پہنچا عبداللہ انسانوں کے اس ہجوم میں کہیں گم ہو چکا تھا مگر میرے لیے اتنا ہی کافی تھا ورنہ ریالسٹ میں جلی ہوئی لاش دیکھ کر میرا دل ڈوبنے لگا تھا۔

کافی جستجو کے بعد میں ایک بوڑھے کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا جو دوسرے تماشائیوں کے برعکس پرسکون انداز میں ایک دیوار کے سہارے تنہا کھڑا سگریٹ نوشی میں مصروف تھا۔ میں نے جیب سے سگریٹ نکالی اور لائٹر طلب کرنے کے بہانے اس کے پاس پہنچ گیا۔

"میاں کیا ہو گیا ہے مسیو؟" سگریٹ جلانے کے بعد میں نے سرد فضا میں دھواں اگلتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"میں نے سب کچھ دیکھا تھا۔" میری خوش نصیبی تھی کہ وہ بوڑھا انگریزی سے واقف تھا جو غالباً [illegible] کے سبب پر نازاں تھا۔

"شاید انجن میں آگ لگی ہوئی تھی۔" میں نے بات بڑھانے کے لیے تبصرہ کیا۔

اس نے فیصلہ کن انداز میں اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ "کسی پاگل نے یہ کار عمارت کے پھاٹک کے عین سامنے کھڑی کی ہوئی تھی جس [illegible] گاڑی میں عمارت کے پھاٹک پر آئے تو بار بار ہارن بجانے کے باوجود اس کار کا مالک نہ آیا اور وہ غصے میں اپنی گاڑی سے اتر کر ریالسٹ کی طرف آئے۔ وہ گاڑی شاید مقفل نہیں تھی اور اس کی چابی بھی اگنیشن میں موجود تھی کیونکہ وہ تیزی سے دروازہ کھول کر ریالسٹ کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے تاکہ اسے راستے سے ہٹا سکیں مگر اگنیشن آن ہوتے ہی ایک ہولناک دھماکہ [illegible] بہت سے لوگ فٹ پاتھ کے پیچھے اتر گئے اور [illegible] آ گئی پھر [illegible] دم گھٹا کر گرتے دیکھا۔ اس کے بعد [illegible] مچ گئی۔"

"یہ تو بہت برا ہوا۔" [illegible]

بڈھے نے خشمناک نگاہوں سے مجھے گھورا۔ [illegible] "میں تم جیسے کی بات کرتے ہو؟ مجھے تو شبہ ہے کہ ان کی بیوی [illegible] پہچان سکے گی۔"

"تو کیا کار کا انجن پھٹا تھا؟"

"اگر تم زیادہ ٹیکنیکل آدمی ہو، جس [illegible] کہ محض انجن پھٹنے کی صورت میں سامنے پڑے ہوئے [illegible] پرخچے اڑ جاتے ہیں۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ [illegible] کوئی طاقتور ڈائنامائٹ پوشیدہ تھا جس کا سلسلہ اگنیشن [illegible] چابی سے جوڑ دیا گیا تھا۔"

"معاف کیجیے محترم، میری فنی معلومات نہایت [illegible] ادب اور معذرت کے ساتھ [illegible] آپ کا تجربہ قابل رشک معلوم ہوتا ہے۔"

"وہ زندگی بھر صحیح نتیجے پر نہ پہنچ سکیں گے۔" [illegible] حقارت آمیز اشارہ کرتے ہوئے [illegible] محروم ہو تو صرف یہ کہ وہ پولیس کی مدد [illegible] پر ڈال دیتا ہے۔"

"تو کیا آپ گواہی دینے کا ارادہ نہیں رکھتے؟"

"ابھی نہیں۔" وہ فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ [illegible] بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ فی الحال مجھے خاموش رہنا چاہیے۔"

"مگر کیوں؟"

"ہر شخص ہیرو بننے کی کوشش میں [illegible] پولیس کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے گی تو اخبارات میں [illegible] گی۔ اس وقت میرا بیان ہر طرف سنسنی پھیلا دے گا۔ [illegible] عمر رسیدہ اور ازکار رفتہ شخص ہوں جسے [illegible] سے مگر عزت نہیں کی جا سکتی۔ جب اخبارات میں میرا [illegible] چھپیں گی تو ہر طرف رشک اور احترام سے لبریز نگاہیں [illegible] میں اس شہرت کا نشہ ابھی سے محسوس کر رہا ہوں۔"

"بے شک بے شک۔" میں نے [illegible] کے نتیجے میں مجرم قانون کی دسترس سے دور نکل جائے گا۔"

"وہ پولیس کا درد سر ہے۔" بڈھا [illegible] شہری کے طور پر میرا فرض ہے کہ میں اپنی [illegible] اور وقت [illegible] قانون نافذ کرنے والے اداروں کو بھرپور [illegible] کا موقع دوں [illegible]

[illegible] وقت زیادہ محسوس کروں گا۔"

"[illegible] تمام شہری آپ ہی کی طرح فرض شناس ہوں تو [illegible]" میں نے پیچھا چھڑانے کے لیے تبدیلی سے کہا اور مزید تبصرے سے گریز کر کے [illegible] عبداللہ جاتا ہوا نظر آیا تھا۔

[illegible] وقت میرے ذہن میں عبداللہ کے وہ خدشات گھوم رہے تھے جو [illegible] نے روانہ ہونے سے قبل [illegible] ظاہر کیا تھا۔ [illegible] شروع سے مارلین پر بھروسہ کرنے کو تیار نہیں تھا اور اسے [illegible] ریالسٹ کی [illegible] تو معاملہ [illegible] بعد خود [illegible] ہمیں شدید نقصان پہنچا سکے گا۔ مارلین کے بارے [illegible] اندیشہ بے بنیاد ثابت ہوا تھا مگر اس کے باقی اندیشے درست ثابت ہو چکے تھے۔

[illegible] مارلین کی بیوفائی [illegible] شاید اس لیے نقصان نہ پہنچا سکا کہ ہم [illegible] پہلے سے بدترین حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھے۔ علاوہ [illegible] ایک دوسرے کے ساتھ نتھی رہنے کے بجائے الگ الگ کام [illegible] تھا اور یہ حکمت عملی کارآمد ثابت ہوئی تھی۔ [illegible] اور اب دونوں فریق بیک وقت ایک دوسرے کی گھات [illegible] بیٹھے ہوئے تھے۔

عبداللہ اس کمرے [illegible] شام کے گہرے دھندلکے میں ایک بار [illegible] کے بعد معدوم ہو چکا تھا۔ وہ جس انداز میں جاتا ہوا نظر آیا تھا اس سے [illegible] وہ کسی کے پیچھے لگا ہوا تھا اور فوری طور پر اس سے ملنے کے امکانات مفقود تھے۔

میرے لیے ہوٹل واپس [illegible] کے دروازے حفاظت [illegible] ادھر جا کر میں ناقابل بیان دشواریوں سے دوچار ہو سکتا تھا کیونکہ عبداللہ کی کار ڈائنامائٹ سے برباد ہو چکی تھی۔

میرے [illegible] یہ بات [illegible] تھا کہ میں ان حالات میں عبداللہ کے [illegible]

[illegible] مرکز پر جمع ہو جانے والوں میں شدید ہراس پایا جا رہا تھا۔ [illegible] کے لیے گمان آباد علاقے میں رونما ہونے والا [illegible] شدید اذیت کا باعث بنا ہوا تھا۔

اچانک مجھے مارلین کا خیال آیا۔

[illegible] اور خوفناک آتش زنی کے نتیجے میں [illegible] کر چکا تھا جو اپنے فلیٹ میں اندھیرے کے مقفل [illegible] اپنے قاتل [illegible] کے [illegible] منتظر [illegible]

[illegible] لمحہ بہ لمحہ بڑھتے ہوئے خطرے کے پیش نظر فیصلہ کیا تھا کہ میں [illegible] کے فلیٹ پر پہنچنے کی کوشش کروں گا مگر وہ عمارت میرے [illegible] پہنچ سے بہت دور تھی۔

میرے اور عبداللہ کے مقابلے میں کوئی دو گھنٹے کا وقفہ ہو گیا تھا مگر اس نے میرا سراغ پانے کے بعد مختصر سے وقت میں بڑے اعتماد سے جو جوابی انتقامی کارروائیاں کی تھیں ان کے پیش نظر مجھے قوی امکان یقینی تھا کہ وہ کہیں چھپ کر ہمارے اس عمارت میں داخل ہونے کا انتظار کرے گا۔

عبداللہ کی کار کی تباہی نے میرے اس نظریے کی تائید کر دی تھی۔ اس کار میں فنی مہارت کے ساتھ اس طرح ڈائنامائٹ نصب کرنا کہ آدمی کچھ سمجھنے سے پہلے ہی ہلاک ہو جائے کسی ماہر کا کام ہو سکتا تھا اور وہ اس علاقے میں موجود تھا۔

جس وقت ہم دونوں مارلین کا پیچھا کرتے وہاں پہنچے تو لازماً کار والے نے ہمیں دیکھ لیا ہوگا مگر جب ہم دونوں نے الگ الگ راستے اختیار کیے تو اس نے وقت برباد کرنے کے بجائے کار پر توجہ مرکوز کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ اس طرح وہ ہم دونوں سے بیک وقت چھٹکارا حاصل کر سکتا تھا۔

کار میں ڈائنامائٹ لگانے کے بعد وہ اپنی کارروائی کا جائزہ لینے کے لیے وہاں رکا رہا ہوگا مگر عبداللہ کی فطری لاپروائی اس موقع پر ہماری جان بچانے کا سہارا بن گئی اور بقول بوڑھے گواہ کے ایک [illegible] ایک شخص نشانہ بن گیا۔

میں نے عام طور سے کاروں کو تھوڑی دیر کے لیے پارک کرتے ہوئے دروازے مقفل کرنے کا رواج نہیں تھا مگر عبداللہ اس عادت کے ساتھ ہی چابی اگنیشن میں بھول جانے کے مرض کا شکار تھا۔ اس مرتبہ اگر چابی اس کی جیب میں ہوتی تو شاید بڈھے ورنہ گاڑی کو دھکیل کر راستہ بنا لیتا اور اس کی جگہ ہم دونوں موت کا شکار بنے ہوئے ہوتے۔

میں نے فوری طور پر فیصلہ کر لیا کہ اب عبداللہ کو اس کی لاپروائی حرکات پر کبھی نہیں ٹوکوں گا کیونکہ کبھی کبھی اوچھی حرکتیں اچھے بھلے اندھا دھند جلد کسی حد تک غیر ذمہ دارانہ اقدامات بھی کامیابی کا سبب بن جاتے ہیں۔

مارلین والی رہائشی عمارت کے سامنے جا کر میں رک گیا۔ اس کے قریب بھی لوگوں کی بھیڑ [illegible] تھی جو غالباً [illegible] اوپر سے نظر آ رہے تھے۔ اس دھماکے نے لوگوں کو خراب موسم کی پرواہ کیے بغیر گھروں سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اس عمارت کی ساخت ایسی تھی کہ ہر فلیٹ کی حدود کا بآسانی تعین کیا جا سکتا تھا۔ اس حساب سے اس عمارت کے مشرقی فلیٹ تاریک پڑے ہوئے تھے اور شاید ان ہی میں سے کسی میں مارلین میری آمد کے انتظار میں دبکی ہوئی تھی۔

میں دھڑکتے دل اور شدید اعصابی تناؤ کے عالم میں اس عمارت میں داخل ہو گیا۔ میرا دایاں ہاتھ اوور کوٹ کی جیب میں چھپے ہوئے ریوالور

کے ورق پر مضبوطی سے جما ہوا تھا اور بایاں ہاتھ بھی مالا کو جیب میں
تھا گر مشتی میں ربڑ کی سوئیاں برسانے والی پلاسٹک کی وہ مشین پڑی ہوئی
تھی جو ریڈیو ریڈ کے ادکین کے طفیل مجھ کو ملی تھی۔

اندر لفٹ کے قریب سناٹا طاری تھا اور لفٹ گراؤنڈ فلور پر ہی
موجود تھی۔ ایک قریبی دیوار پر فریم میں لگی ہوئی چوبی تختیوں پر مکینوں کی فہرست
درج تھی گو ساری تحریر فرنچ میں تھی مگر انگریزی رسم الخط کی وجہ سے ماریہ کا
فلیٹ نمبر پڑھنا میرے لیے آسان تھا۔

اس کے مطابق مارلین کا فلیٹ نمبر ۳۱ تھا۔ مجھے اس عمارت میں
نمبروں کی ترتیب وغیرہ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا لہٰذا میں نے لفٹ
کے بجائے سیڑھیوں سے اوپر جانے کا فیصلہ کیا تاکہ مطلوبہ نمبر آسانی سے
تلاش کیا جا سکے۔

زینوں پر روشنی کا معقول انتظام تھا۔ ہر منزل پر دروازوں پر
پیتل کے چمکتے ہوئے نمبر نصب تھے اور نمبر ۳۱ تیسری منزل پر
واقع تھا۔

اس فلور پر سیڑھیوں کے قریب کوئی موجود نہیں تھا لہٰذا میں
مارلین کے فلیٹ کے دروازے کے سامنے رک کر اندر کی سن گن لینے
لگا تاکہ ڈور بیل بجاتے ہوئے مجھے اندر کی صورت حال کا صحیح احساس ہو۔

بظاہر اس فلیٹ کی ساخت اتنی محدود تھی کہ باہر سے اندرونی
کیفیت کا اندازہ لگانا محال تھا۔ میں کم و بیش ڈیڑھ دو منٹ بے حس و
حرکت اسی جگہ کھڑا رہا۔ پھر جیسے ہی مجھے ایک فلیٹ کا دروازہ کھلنے کی
آہٹ سنائی دی میں نے مارلین کے فلیٹ کی ڈور بیل کا بٹن دبا دیا۔

فلیٹ میں گھنٹی کی ہلکی سی مترنم آواز سنائی دی۔ اسی دوران میں
کسی فلیٹ سے ایک نوجوان نکل کر میرے عقب میں آ پہنچا۔ اس
کی آہٹوں پر میری ریڑھ کی ہڈی میں چیونٹیاں رینگنے لگیں اور پستول
کے دستے پر میری گرفت سخت ہو گئی۔

میں بے نیازی سے مڑا تو وہ خود کار لفٹ
کا بٹن دبانے کے بعد انتظار میں کھڑا ہوا تھا۔ ہماری نگاہیں چار
ہوئیں تو اس نے اپنے سر کو ہلکی سی جنبش دی اور میں خفیف سا مسکرا دیا۔
اور دوبارہ بٹن پر انگلی رکھ دی۔

"کون ہے؟" اندر سے مارلین کی دہشت زدہ مگر ہوشیار آواز
سنائی دی۔

میرے لیے وہ بہت دشوار مرحلہ تھا۔ لفٹ کا انتظار کرنے والا
مارلین کا سوال سن چکا تھا۔ اگر میں خاموش رہتا تو وہ میری طرف سے
مشکوک ہو جاتا اور اگر میں جواب دیتا تو وہ شخص اگلی صبح کے اخبارات
میں نطور مورل کے قتل کے سلسلے میں ڈاکٹر منتظر کا نام پڑھ کر سیدھا
پولیس کے پاس پہنچ جاتا۔

ڈاکٹر آسکو منتظر کے بجائے کوئی اور نام بتانے کی صورت میں مارلین
دروازہ نہ کھولتی اور مزید خوفزدہ ہو جاتی۔

"دانتے کا اردو ہوں۔" اضطراری کیفیت میں میرے منہ سے مشکور
کا نام نکلا۔

"کس سے ملنا ہے تمہیں؟" اندر سے مارلین کی خوفزدہ آواز ابھری۔
خوف کی کپکپاہٹ نمایاں طور پر محسوس کی جا سکتی تھی۔

سوال و جواب کا یہ سلسلہ دراز ہونے سے قبل ہی لفٹ آ گئی اور وہ
شخص اس میں سوار ہو کر وہاں سے چلا گیا۔

"میں ڈاکٹر ہوں مارلین! دروازہ کھولو۔" میدان صاف پا کر
میں نے دروازے کے قریب منہ لے جا کر آہستہ سے کہا۔

"تم جھوٹے ہو۔ مجھے دھوکا دے کر دروازہ نہیں کھلوا سکتے۔ چلے
جاؤ یہاں سے ورنہ میں بالائی منزل سے سڑک پر چھلانگ لگا دوں گی۔"

"میں ڈاکٹر ہوں مارلین! تمہارے پڑوسی کی وجہ سے مجھے غلط نام
بولنا پڑ گیا تھا۔" میں نے اس کی ذہنی کیفیت کا صحیح اندازہ ہو جانے کے بعد
کہا۔ "میری آواز کیوں نہیں پہچانتی ہو؟ میں تمہاری حفاظت کے لیے
یہاں پہنچا ہوں۔"

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

"اس لیے کہ تمہیں کارورلو سے خطرہ ہے اور میں نے تم سے
وعدہ کیا تھا۔" میں نے اس کی تسلی کی خاطر کہا۔

میرے آخری فقرے بار آور ثابت ہوئے اور دروازہ کھول
دیا گیا۔

مارلین مجسمۂ رنگ کے گاؤن میں میرے سامنے کھڑی تھی۔
اس کا چہرہ خوف سے پیلا پڑا ہوا تھا اور اعصاب کی شدت کا
کرب نمایاں تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کافی دیر تک روتی
رہی ہو۔

مجھے پہچان کر اس نے میرے لیے راستہ چھوڑا اور میرے اندر
داخل ہوتے ہی اتنی تیزی سے دروازہ بند کیا جیسے اسے کسی ناگہانی آفت
کے آنے کا خدشہ ہو۔

دروازہ بند ہوتے ہی اندر گہرا اندھیرا پھیل گیا۔

"روشنی کر دو مارلین!" میں نے کہا اور سوئچ کی کلک کی آواز کے
ساتھ کمرہ منور ہو گیا۔

"بہت بہت شکریہ ڈاکٹر!" وہ ممنونیت سے بھرپور لہجے میں بولی۔
"مجھے امید نہیں تھی کہ تم کارورلو سے پہلے یہاں پہنچ سکو گے۔ تمہارے
جانے کے بعد نہ جانے باہر کیسا دھماکا ہوا کہ میرا ذہن ماؤف ہو گیا۔
افراتفری اور ایمبولینس کے سائرن کا شور بھی سنائی دیتا تھا۔ میں اتنی
خوفزدہ تھی کہ برآمدے میں جانے کی ہمت بھی نہ کر سکی۔ مجھے ڈر تھا
کہیں اس نے مجھے برآمدے میں لانے کے لیے دھماکا نہ کیا ہو اور
بالکل سامنے عمارت کے برآمدے کا نشانہ باندھے بیٹھا ہو۔"

"کسی مرد کا ذہن بھٹکانے کے لیے" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "شاید کچھ
ایسی ہی ہوتی ہیں۔ اندر کسی ایسے کمرے میں چلو جہاں سے ہماری
آواز باہر نہ جا سکے۔"

"تمہارے پاس کوئی ہتھیار تو ہے نا؟"

"ہاں! میری موجودگی میں تم پر آنچ نہ آ سکے گی۔" میں نے مونچھوں اور
ہلکی سی مردانہ انداز سے مارلین کا رخسار تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"تمہارے آنے سے پہلے وحشت کی وجہ سے میں مر جاتی۔" وہ مجھے خوابگاہ
کی طرف لے جاتے ہوئے بولی۔ "اندھیرے میں تو مجھے اپنے
وجود سے بھی خوف آ رہا تھا۔"

خوابگاہ میں پہنچنے کے بعد اس نے اپنی تفصیلی کہانی دہرائی جو
وہ ٹیلیفون پر سنا چکی تھی مگر اس کی شکل دیکھتے ہی میں نے
اندازہ لگا لیا تھا۔

"دو روز سے الگ ہونے کے بعد سے اس نے اب تک یہاں کا رخ
کیا؟" اس کے خاموش ہونے پر میں نے سوال کیا۔

"نہیں۔ وہ ابھی تک لاپتا ہے۔"

"ممکن ہے قرب و جوار میں کہیں موجود ہو۔"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔" وہ گہری سانس لے کر بولی۔
"ٹیلیفون سننے کے بعد میں اندھیرے میں مقفل دروازے کے قریب
بیٹھی رہی۔ تنہائی اور اندھیرے میں
بیٹھے بیٹھے میں سوچ رہی تھی کہ مجھے وحشت ہو رہی تھی۔"

"تم اس فلیٹ میں تنہا رہتی ہو؟"

"ہاں! اس سے پہلے وہ کئی راتیں یہاں گزار چکا ہے۔"

"وہ خوش نصیب ہے۔"

"میں تمہیں پسند کرنے لگی ہوں ڈاکٹر!" یہ کہتے ہوئے وہ میرے
قریب کھسک آئی۔

"میرا ایک گھنٹہ گزر گیا ہے۔"

"یہ کہتے ہوئے وہ مسکرائی مجھے میں بولی۔ "تمہاری شخصیت میں
وجاہت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے جو کسی بھی لڑکی کو پاگل
کر سکتی ہے۔"

"تمہیں یاد ہے شاید تم دوپہر پہلی بار مجھ سے ملی تھیں؟"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"اس مختصر سی ملاقات میں تم نے میری مردانگی بھی پرکھ لی اور
وجاہت کا اندازہ بھی لگا لیا؟" میں نے اس کے ذہن پر طاری خوف کو
کم کرنے کے لیے کہا۔

"وجاہت تو آدمی کے اطوار اور بشرے سے جھلکتی ہے اور مردانگی
کا یہ ثبوت کیا کم ہے کہ تم میری ایک آواز پر ساری رات کے باوجود مجھے
بچانے کے لیے یہاں دوڑے آئے ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ فرانس میں بھی کسی عورت کے ایک مرد کے ساتھ
تنہا ایسے شاندار خیالات کا ایک ہی مطلب اخذ کیا جاتا ہے۔"

"اتنا تکلف نہ برتو ڈاکٹر!" وہ میرے اتنے قریب آ گئی کہ میرے
وجود میں جذبات کی یلغار شروع ہو گئی۔ "میری ذات پر تمہیں ہر قسم کے
تصرف کا حق حاصل ہے۔"

"فی الحال ہم کارورلو کے منتظر ہیں۔" میں نے نرمی سے اسے دور
ہٹاتے ہوئے کہا۔ "میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ دروازے کے علاوہ اس
فلیٹ میں داخلے کا امکان کہاں سے ہے؟"

"کہیں سے نہیں۔" وہ سوچتے ہوئے بولی۔ "تو کیا تمہارا خیال ہے
کہ وہ دروازے کے بجائے کسی خفیہ طریقے سے اندر گھسنے کی کوشش کرے گا؟"

"وہ اول درجے کا مکار اور خبیث ہے۔ اس سے ہر حرکت کی
توقع کی جا سکتی ہے۔" میں نے کہا۔ "لڑکیوں کے علاوہ اس کا اور مشغلہ کیا ہے؟"

"وہ تفریحات کا رسیا ہے۔ نیس کے ساحل پر تمہیں تفریحی مقامات
اسے مرغوب ہیں۔" مارلین نے انکشاف کیا۔

"فی الحال اسے بھول کر شام پینے کا کچھ انتظام کرو۔" میں نے توقف
کے بعد کہا۔

"میرے پاس عمدہ قسم کی سرخ شراب اور اعلیٰ وہسکی موجود ہے۔"

"بہت اچھا ہے لے آؤ۔"

پھر دونوں نے وہسکی کا ایک بڑا پیگ خاموشی سے ختم کیا پھر مارلین
کچن میں چلی گئی۔ اور میں فلیٹ کا جائزہ لینے لگا۔

مجھے ٹلی سریکی کے بجائے ایک عارضی پناہ گاہ مل گئی تھی مگر وہ
بھی محدود تھی۔ کارورلو مجھ کو ختم کرنے کی ذاتی کوششوں کے ساتھ ہی
مقامی پولیس کو بھی میرے پیچھے لگا چکا تھا۔ غالباً اسے یہ شبہ بھی ہو گیا تھا
کہ مارلین مجھ سے مل چکی ہے لہٰذا اس ضمن میں وہ کسی بھی وقت پولیس کو
دوبارہ یہ اطلاع دے کر مارلین کو ہراساں کر سکتا تھا کہ
مارلین کی قیام گاہ نطور مورل کے قاتل کی محفوظ پناہ گاہ ہو سکتی ہے۔

کارورلو کی جانب سے اس حرکت کا امکان یوں بھی قرین قیاس تھا کہ وہ
مارلین کی قیام گاہ کے قریب زہرت عبداللہ کی ریالٹی دیکھ چکا تھا
بلکہ ڈرامائی طریقے کے ذریعے ہم دونوں کو ہلاک کرنے کی ناکام کوشش بھی
کر چکا تھا۔ اس نے تو فوراً فاصلے سے یقیناً دیکھا ہو گا کہ اس کے پھیلائے گئے
جال میں اصل شکار کے بجائے ایک بے گناہ تفاعی پھنس کر مارا گیا۔

میں نے کچن کا دروازہ بند کر کے کمروں کی روشنیاں بجھا کر
گل کر دیں اور پھر دروازہ کھول کر کسی چور کی طرح جھک کر برآمدے
میں پہنچ گیا تاکہ باہر سے میرا ہیولا نہ دیکھا جا سکے مگر میں برآمدے کی جالی
میں سے باہر کا جائزہ لے سکوں۔

رات کی چادر پھیلنے کے ساتھ ہی تھوڑا سا درجہ حرارت تیزی کے ساتھ
گر رہا تھا جس کے باعث جلی ہوئی ریالٹی کے قریب دیوار میں پھیلا

ہوا ہجوم دوبارہ عمارت میں سمٹ گیا تھا اور اس وقت وہاں پولیس کے تفتیشی عملے کے باوردی اور سادہ پوش اہلکاروں کی کچھ مختلف کو سوال میں مصروف نظر آرہی تھی۔ میرے لیے انھیں دیکھنا ممکن اس وجہ سے ممکن ہوا کہ مختلف زاویوں سے پڑنے والی کشتی کی ڈیلوں کی جھلکیاں اور روشنیوں نے اس علاقے کو محفوظ کیا ہوا تھا ورنہ کہر کے باعث فٹ پاتھ کی دوسری سمت کا جائزہ لینا بھی ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

میں وہاں مزید وقت ضائع کیے بغیر اندر آگیا۔

ہوٹل کی صورت حال معلوم کرنے کے لیے میں نے اوڈیل سے رابطہ کیا۔

منسر ملایا

”کوئی ہوا ڈاکٹر؟“ اس کا جملہ ادھورا تھا۔ میری آواز پہچانتے ہی اس نے گہرا سانس لینے کے بعد تعجب آمیز لہجے میں کہا۔

”میں سمجھا نہیں۔“

”کمرہ نمبر ۱۰ کی کھڑکی کے نیچے والے کمرے پر تمھاری چیخ اور بے ہوشی کی کہانی پولیس کے علم میں آگئی اور اب وہ اس واقعے کو انطونیو ویل کے سلسلے کی ہی کڑی قرار دے رہے ہیں۔“ وہ اتنا کہہ کر خاموش ہوگئی۔

”تو تم نے کیا وضاحت کی؟“

”میں نے انھیں ایک لیسے مسافر کا نام دے دیا جو آج صبح ہی ہوٹل چھوڑ کر لوکو کے لیے روانہ ہوا ہے مگر اس کے باوجود ان کی نظر وہاں کی سارا معاملہ مشتبہ ہے۔“

”پوری بات بتاؤ مس اوڈیل۔“ میں نے قدرے تحمت لہجے میں کہا۔ ”پہیلیاں بجھانے کی ضرورت نہیں۔ اس وقت میری سلامتی داؤ پر لگی ہوئی ہے۔“

”انھوں نے ہم سے اس ڈاکٹر کے کوائف طلب کیے جسے ہم بے ہوش آدمی کو طبی امداد پہنچانے کے لیے طلب کرنے کے پابند تھے مگر ہم نے بتایا کہ اس مسافر کو کوئی طبی امداد نہیں دی گئی۔ اپنے کمرے تک جاتے ہوئے وہ ہوش میں آگیا تھا اور اس نے خود ہی نہایت شرمندگی کے ساتھ اپنے مرض کا اعتراف کرلیا۔ معلوم ہونے پر اسے فوراً ہوٹل چھوڑنے کے لیے کہا گیا مگر اس نے صبح تک مہلت طلب کی کیونکہ اس وقت وہ ڈیکو جانے والا تھا لہٰذا اسے مہلت دے دی گئی اور وہ حسب وعدہ صبح چلا گیا۔“ مس اوڈیل خجالت لہجے میں بتانے لگی۔ ”پولیس ہمارے اس اقدام کو غیر قانونی قرار دے رہی ہے۔ قانون کے مطابق ہر ہوٹل کی انتظامیہ اس امر کی پابند ہے کہ مریض مسافروں کو ہنگامی صورت حال میں طبی امداد فراہم کرے۔ ان کا کہنا ہے کہ شاید انطونیو کے کمرے میں اس مسافر کے اور انطونیو کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہوا ہو اور انطونیو نے اسے بے ہوش کرکے باہر پھینک دیا ہو مگر وہ خوش قسمتی سے زمین پر جانے کے بجائے چھجے پر اٹک گیا اور بدلہ لینے کے لیے اس نے انطونیو کو مزید کارروائی سے روک دیا ہو۔ پھر جب بے ہوش آدمی ہوش میں آگیا

تو اس نے بیماری کی ایک فرضی کہانی گھڑ لی تاکہ جھگڑے کی بات ظاہر نہ کرسکے جس کا سبب غیر قانونی ہوگا۔ اگلی صبح اس نے سب کچھ تو چھوڑ دیا مگر موقع پاکر خفیہ طریقے سے انطونیو کو سب بتا دیا اور تمام کر دیا۔ اس بارے میں جواب دیے...

”یوسف ماڈرن کی رپورٹ انطونیو کی موت کے وقت کا تعین کرے گی اور ڈی پورٹ سے اس شخص کی ذہانت کی تصدیق ہوگی۔“

”یوسف ماڈرن کی رپورٹ میں تو تسلی ہے۔“

اڑ پورٹ سے اس شخص کی روانگی کی تصدیق کر لیتے ہیں۔ دکھ میں جلد ہمارا کو باخبر کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہاں نقشہ ٹھیک کر لیں۔ اس کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھی جاسکے۔ پولیس سے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ جو لوگ اس کو نامعلوم جگہ منتقل کریں گے اس سے رابطہ قائم کیا گیا اسے یہاں لایا گیا تو وہ صرف پولیس کو دستے کا جھگڑا کرنے والے اور دیگر مسافر بھی پولیس کی تحویل میں ہوں گے۔ بے ہوش پایا جانے والا شخص وہ نہیں تو کوئی اور تھا۔“

”میرے بارے میں کیا کارروائی کی گئی ہے؟“ میں نے چند لمحوں کے بوجھل سکوت کے بعد سوال کیا۔

”ہم نے تمھارے نام سے لاعلمی ظاہر کی۔ کمرہ نمبر ۱۰ کوئی دن سے خالی پڑا ہے۔ ریکارڈ سے بھی انھیں کچھ نہ مل سکے گا۔ تمھارے آنے پر پہلے رجسٹر پر جو اندراج کیا گیا تھا وہ جعلی تھا۔ اس طرح بنا دیا گیا تھا کہ اسے پڑھنا ناممکن ہے۔“

”مارلین شاید کل ڈیوٹی پر نہ آسکے گی۔“ آپ کی سہولت کے لیے میں نے فوری فیصلے کے تحت اسے اطلاع دے دی۔

”تو کیا وہ بھی تمھارے ساتھ لگی ہوئی ہے؟“ مس اوڈیل کے لہجے میں تحیر تھا۔

”حالات نے اسے میرے راستے پر لا ڈالا ہے۔“ میں نے کہا۔ ”فی الحال اسی کے فلیٹ پر ہوں۔ یہ اطلاع تم تک پہنچانی ہے...“

”عبداللہ کے سوا کسی کو نہیں دوں گی۔“ اس نے کہا۔

”مگر میں احتیاطاً یہ بتلائے دیتی ہوں کہ مارلین قابل اعتماد لڑکی ہے وہ جانتی ہے کہ تم یہاں اس کے مہمان ہو اس لیے شاید چھپا رکھے گی مگر کسی تیسرے کے لیے وہ تمھارا سودا کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گی یہ بات ذہن میں رکھنا۔“

”مشورے کا شکریہ۔ میرے لیے اگر کوئی اہم اطلاع ہو تو اس کے نمبر پر رابطہ قائم کرسکتی ہو۔“ میں نے کہا۔

”مگر مارلین کل صبح ڈیوٹی پر کیوں نہیں آئے گی؟“

”ہوسکتا ہے کہ آج کی رات پوری نیند نہ لے سکے۔“ میں نے ہنس کر کہا۔ ”اس کے علاوہ میں مارلین کو تمھارا مہرہ بنانے کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتا۔“

میرا آخری فقرہ دو معنی تھا۔ اوڈیل یہ سمجھی کہ میں مارلین کو اپنے ساتھ رابطہ قائم کرنے کا موقع نہیں دینا چاہتا اور مارلین نے اگر یہی سمجھا ہو کہ میں آزادی ہوں تو وہ یہ بھی سمجھی ہوگی کہ میں اسے باہر بھیج کر اس کی نیند میں نہیں ڈالنا چاہتا۔

اوڈیل سے گفتگو ختم کرنے میں کھویا تو مارلین ڈائننگ روم سے لائے ہوئے پانی کی ٹرے لیے کھڑی تھی۔ بھرپور نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

”ایسے ہوشربا انداز میں کیوں دیکھ رہی ہو مجھے؟“

”تم میرے لیے بڑی تقویت کا باعث ثابت ہوئے ہو ڈاکٹر!“ اس نے گلاس میں انڈیلتے ہوئے کہا۔ ”اور تھوڑی دیر قبل میں اس پُرسکون بیٹھی حال کو بھی کوئی برا خواب سمجھ رہی تھی جو تمھاری وجہ سے اب حقیقت بن گیا ہے۔“

”اس خوشی میں گلاس دوبارہ لبریز کرلو۔ تھوڑا سا سرور طاری ہو جائے تو آدمی بہت زیادہ دلیر اور بے باک ہو جاتا ہے۔“

”شاید تم اوڈیل سے بات کررہے تھے؟“

”اور تمھارے کان اسی طرف لگے ہوئے تھے؟“

”اور تم نے... کل کی چھٹی دلا کر مجھے الجھن سے نجات دلادی ہے۔“

”میں سنجیدگی سے اکتا گیا ہوں اور میرے کان تمھاری ہنسی کی مترنم آواز کے منتظر ہیں۔“ میں نے تپائی پر رکھی ہوئی وہسکی کی بوتل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”میں زیادہ پینے کی عادی نہیں ہوں۔“ وہ مسکرا کر بولی۔ ”شاید دو گلاس خالی کرنے کے بعد مجھے نشے کا خیال بھی نہ رہے۔“

”یہی تو میں چاہتا ہوں۔“ میں نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

مارلین نے دونوں گلاس تیار کیے میں نے مارلین کی صحت کا جام تجویز کیا۔ فضا میں ملونے کے خوبصورت کرسٹل کے گلاسوں کی جھنکار گونجی اور ہم انھیں پیالے ہونٹوں کو تر کرتا آہستہ آہستہ معدے میں اترنے لگا۔

”اگر اس وقت کاردو مل جائے تو...“ مارلین نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کی آنکھوں میں خمار کے سرخ ڈورے تیرنے لگے تھے اور آنکھوں کی پتلیاں قدرے سکڑ گئی تھیں۔

”تو اپنے مقدر کو کوسے گا۔“ میں نے دلچسپی سے اس کی حرکات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ اس کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ تھوڑی دیر میں اس کا ذہن عالم رنگ و بو کی لطیف اور نرم دلدل میں ڈوب جائے گا۔

”وہ بہت کمینہ ہے۔“ مارلین صوفے کی پشت گاہ سے سر ٹکا کر بولی۔

”کس کی بات کررہی ہو؟“

”اس وقت تمھارے سوا کسی کی بات کرسکتی ہوں تم... اس نے تو بڑی مکاری کی تھی اور وہ بار بار آنکھیں پھاڑ کر اپنی دھندلائی ہوئی

بصارت کو صاف کرنے کی کوشش کررہی تھی۔

”آؤ کچھ کھا لیا جائے۔“ میں نے دائیں ہاتھ میں وہسکی کی بوتل اٹھائی اور دائیں ہاتھ سے سہارا دے کر اسے اٹھا لیا۔

اس نے لڑکھڑاتے ہوئے اپنے گداز سراپا کا سارا بوجھ مجھ پر ڈال دیا۔ اس کے بدن سے اٹھتی ہوئی بھینی بھینی مہک میرے حواس پر چھانے لگی۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ میں نے وقت گزاری کے لیے جس آفریں کا سہارا لیا تھا وہ مجھے مہنگی پڑنے والی تھی۔

کچن میں ٹیبل پر کھانے کا سامان رکھا ہوا تھا۔ میں اسے لے کر وہیں بیٹھ گیا۔ گوشت کے گرم سینکے ہوئے نمکین پارچوں کی لذت کو دوبالا کرنے کے لیے میں نے اپنا پیمانہ لبریز کرلیا۔

”میرا گلاس بھی بھر دو۔“ مارلین نے میرے شانے پر سر ٹکا کر کہا۔

”تمھارا کوٹہ پورا ہو چکا ہے بے بی۔“

”مجھے آج وسکی کے پیالے میں بھی غرق کر دو تو میرا کوٹہ پورا نہ ہوگا۔“ وہ آنکھیں موند کر لذت آمیز لہجے میں گنگنائی۔ ”مجھے اس وقت تھوڑا سا ہوش ہے۔ میں سب کچھ بھول جانا چاہتی ہوں۔ خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے میرے بھرے ہوئے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھایا جو غلط اندازے کی بنا پر سلاد کی پلیٹ پر پڑا اور مارلین نے مٹھی میں ٹماٹر دبا لیے۔

”اب تمھیں ایک قطرہ بھی نہیں ملے گی۔“

”مجھے معلوم تھا۔“ وہ ملامت آمیز لہجے میں بولی۔ ”تم بھی کاردو کی طرح کمینے ہو۔“

”تم رقص کرسکتی ہو؟“ میں نے اس کی ذہنی رو کو کاردو کی طرف سے ہٹانے کے لیے کہا۔

”رقص!“ وہ شدت سے ہنس دی۔ ”پہلے اس کمرے کو تو اس کی جگہ پر رکو یہ کیوں ہنڈولا کی طرح جھول رہا ہے۔“

میں کافی دیر تک بیٹھا اس سے باتیں کرتا رہا۔ اس کے بے ربط جوابات میں مجھے عجیب سی معصومیت محسوس ہو رہی تھی۔ شراب پینے کے بعد مارلین ذہنی طور پر دس بارہ برس کی بچی کی طرح باتیں کررہی تھی۔

گیارہ بجے میں اسے خواب گاہ میں لے گیا۔ اس کی آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں مگر اس کے باوجود وہ سونے پر آمادہ نہیں تھی۔

بارہ بجے کے قریب ٹیلی فون کی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔ اس وقت مارلین بستر پر بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی۔

میں نے فون اٹھایا تو فوراً ہی عبداللہ کی آواز سنائی دی۔

”تم کہاں ہو ڈارلنگ؟“ میں نے مسنون آمیز لہجے میں سوال کیا۔

”معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکی تمھارے اعصاب پر سوار ہوگئی ہے۔ تم وہاں کب اور کیسے پہنچے؟“ اس کے لہجے سے فکرمندی عیاں تھی۔

”یہ نہ پوچھو تو بہتر ہے۔ ہم لوگ ایک ہولناک حادثے سے بال بال بچے ہیں۔“

"مجھے زبردست چوٹ ہوئی ہے۔ میں تمہارے پاس آرہا ہوں۔" وہ جلدی سے بولا۔

"اس وقت کہاں ہو؟"

"اپنے فلیٹ پر۔"

"تو کیا تم بھی کسی فلیٹ میں رہتے ہو؟"

"ہمیں ذاتی مکان رکھنا بہت بڑی عیاشی ہے۔ تم لڑکی کو تیار کرو۔ تمہیں میرے ساتھ آنا ہے۔ کہیں وہ تمہارے قدموں کی زنجیر نہ بن جائے۔"

"وہ تمہاری ڈیل مینگ ہے جس کی تم کو بڑی فکر ہے۔ بہتر ہے تم مجھے کیوں لے جانا چاہتے ہو؟"

"وہ جگہ محدوش ہے۔ مجھے اور ڈیل سے ساری معلومات مل چکی ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ اب بھی آس پاس ہی منڈلا رہا ہو۔"

"مشکل ہے۔" وہ یقینی لہجے میں بولا۔ "میں نے اسے دیکھ لیا تھا مگر وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ ملنے پر میں زبانی پوری تفصیل بتاؤں گا۔"

"تو پھر جلدی آ جاؤ۔"

فون کا سلسلہ منقطع ہونے کے بعد عبداللہ فلاٹ پر تقریباً جلدی آ پہنچا۔ میں اس کا ہاتھ تھام کر اسے سیدھا خوابگاہ میں لے گیا۔

سمیں جہاں مارلین بے خیالی کے عالم میں محو خواب دکھائی دے رہی تھی وہ اس طرح چونک اٹھا گویا جیسے اسے کرنٹ لگ گیا ہو۔

"کیا ہو گیا؟" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"میرے ساتھ آئندہ ایسا مذاق مت کرنا۔ میں نے اپنا نفس مارنے کے لیے بڑی ریاضت کی ہے مگر مجھ میں بھی کمزوریاں ہیں۔ اگر ایک بار بھی میں بہک گیا تو پھر سدھرنا مشکل ہے اور میں تنظیم کے لیے ناکارہ ہو کر رہ جاؤں گا۔"

"تمہارے ہوتے ہوئے ریالسٹ کیسے برباد ہو گئی؟"

"یہاں سے نکل کر راستے میں بات کریں گے۔"

"اب کیسے آئے ہو؟"

"ایک کار کرائے پر لی ہوئی ہے۔"

مارلین کو سوتا چھوڑ کر ہم دونوں باہر نکل آئے۔ فلیٹ کے دروازے کا ہینڈل ایسا تھا کہ ایک بٹن دبا کر دروازہ بند کرنے پر وہ خودبخود مقفل ہو گیا۔ اس طرح مارلین بلا روک ٹوک کار دوبارہ کا فلیٹ پہنچنے سے بچ گئی۔

راستے میں عبداللہ نے اپنی کہانی چھیڑ دی۔

مجھ سے الگ ہونے کے بعد وہ مارلین والی عمارت کے قریب ایک مناسب جگہ پر کھڑا ہو کر نگرانی میں مصروف تھا کہ کچھ دیر بعد خوفناک دھماکے نے علاقے کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ غیر ارادی طور پر جائے حادثہ کی طرف لپکا تو اسے ریالسٹ جلتی ہوئی نظر آئی۔ اس وقت دھماکے کے باعث ڈرائیونگ سیٹ پر پھنسا ہوا شخص مر چکا تھا۔ اس کے خدوخال صحیح نہیں ہو رہے تھے۔

عبداللہ کو کار کی بربادی کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہوا۔ بعد میں پتہ چل گیا کہ مرنے والا ریالسٹ کو ہٹانے کی نیت سے ہوا تھا۔ پھر فوراً ہی ایک دھماکے سے ریالسٹ کے شیشے ٹوٹ گئے اور ڈھانچے نے آگ پکڑ لی۔

لاش دیکھ کر عبداللہ کو میری سلامتی کا یقین ہو گیا اور اس نے اندازہ لگا لیا کہ ریالسٹ کی تباہی اتفاقی نہیں تھی بلکہ کار روائی کسی منظم سازش کا نتیجہ تھی۔

اسے خیال ہوا کہ کار والے نے اسے دھماکے میں الجھا کر عمارت کی نگرانی سے ہٹانے کی کوشش کی تھی تاکہ خود مارلین تک پہنچ سکے۔ اس لیے وہ تیزی سے عمارت کی طرف لوٹ آیا۔

چند منٹ تک وہاں رہنے کے بعد عبداللہ کو ریالسٹ میں پھنسی ہوئی لاش کے باعث اپنا نظریہ غلط محسوس ہوا اور وہ تیزی سے سلگتے ہوئے ڈھانچے کی طرف چل دیا۔

اس بار وہ بہت چوکنا تھا لہٰذا جلد ہی مجمع میں کار والے کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا جو اوور کوٹ کے کالر اور ہیٹ میں اپنے چہرے کو چھپائے تماشائیوں میں شامل تھا۔ عبداللہ نے اسے نگرانی میں رکھا اور ایک بار پھر کار والا لپکا مگر عین موقع پر کار والے نے بھی اسے دیکھ لیا اور ایک طرف کو ہو گیا۔ وہ دونوں متحیر تماشائیوں کی بھیڑ کو چیرتے ہوئے دوڑتے رہے۔ اس دوران میں کار والا کافی دور نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ کئی ناکامیوں کے بعد بھی تعاقب جاری رکھا گیا کیونکہ کار والے نے کافی فاصلہ طے کر لیا تھا اور جب عبداللہ نے پہنچا تو کار والا اپنی کار میں سوار ہو چکا تھا۔

اس نے عبداللہ پر دو فائر کیے جو خوش قسمتی سے خطا ہو گئے اور وہاں سے فرار ہو گیا۔ فائر کے آواز پستول سے کیے گئے تھے اور سب لوگ ریالسٹ کے گرد جمع ہو چکے تھے لہٰذا اس ہنگامے پر کسی نے توجہ نہیں دی اور عبداللہ ناکام واپس لوٹ آیا۔

واپسی پر عبداللہ نے کافی دیر تک مجمع میں مجھے تلاش کرنے کی کوشش کی اور پھر ڈیڈی کی طرف چل دیا۔

وہاں پولیس کی کارروائی اپنے عروج پر تھی۔ پولیس کے جانے کے بعد اوڈیل نے موقع پا کر اسے میرے بارے میں بتایا اور وہ سیدھا مارلین کی طرف دوڑ آیا۔

"کار والا ہمارے لیے سنگین خطرہ بن چکا ہے۔" عبداللہ نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔ "وہ بہت زیادہ دلچسپی لے رہا ہے۔"

قتل کر اس کے سامنے آنا پڑے گا ورنہ وہ کسی بھی موقع پر لپکا دے گا۔

اس کی فوری فیصلہ بہت تیز ہے عبداللہ۔ وہ انطونیو جو پہلی پولیس کو میری دام پر ڈال چکا ہے لہٰذا میں کھل کر نہیں ملتا۔ ہاں اگر اس کی قیام گاہ کا سراغ مل جائے تو ہم اس کے بچنے کے امکانات پر کوئی کاری ضرب لگا سکتے ہیں۔

بس اس وجہ سے تمہیں اپنے فلیٹ پر لے جا رہا ہوں کہ ہائش گاہ اس کی نظروں میں آ چکی ہے اور وہ مردود بھی فرصت ملتے ہی ادھر کا رخ کرے گا۔

عبداللہ کے فلیٹ پر پہنچنے تک تبادلہ خیال کا سلسلہ جاری رہا۔ ہم دونوں اس پر متفق تھے کہ کار والو ہمارے خلاف کیے گئے ہر قدم کو نہایت مہارت کے ساتھ اقدامات کیے جا رہا تھا اور ہمیں بچاؤ کے علاوہ کچھ بھی سوچنے کا موقع نہیں ملا تھا لہٰذا ضرورت اس بات کی تھی کہ ہم اس کی رسائی سے دور رہ کر اپنا مربوط منصوبہ مرتب کر کے اس کے مقابلے میں جائیں۔

رات کافی گزر چکی تھی اور عبداللہ کے فلیٹ میں صرف ایک ہی کمرہ تھا۔ اس کا کوئی معقول انتظام نہیں تھا جو ہم کمرہ گرم کر کے سکون سے سو سکتے لہٰذا ہم نے فوراً ہی بستر سنبھال لیے۔

اگلی صبح میں ناشتے کا منتظر بیٹھا ہوا۔ عبداللہ میرے قریب بیٹھا اخبار بینی میں مصروف تھا اور تمہاری چائے کی بڑی تیز خوشبو سے فضا معطر تھی۔

میری آہٹ سن کر اس نے اخبار دور اچھال دیا اور ہنستے ہوئے بولا۔ "ڈیوٹی کے علاوہ تو تمہیں ہو نہیں۔"

"ہوش میں صرف میری ہی برداشت کر سکتی ہے یہ دوست تو کیا حرکت کو بھی کیا ہو گے تمہیں پتہ ہے؟ ہم نے کا فون شانوں پر ڈالتے ہوئے اب بتاؤ۔ کیا ارادے ہیں تو جا دو؟"

"کار والی گھٹنی نے فاصلہ نگ دکھا لیا ہے۔" وہ چائے بناتے ہوئے بولا۔

"کیا ہوا ہے؟"

"اخبار میں ڈاکٹر اسٹیفنر کے بارے میں نامعلوم شخص کی خبر چھپی ہے۔ پولیس کے اعلیٰ حکام کا خیال ہے کہ کیس میں مجرموں کے دو گروپ ایک دوسرے کے مقابلے میں آ گئے ہیں اور آنے والے چند دنوں میں حکام کے لیے نہایت دشوار ثابت ہوں گے۔"

"کیا وجہ ہے؟"

"انطونیو کا قتل اور پھر تمہارے بارے میں گمنام فون۔ ظاہر ہے کہ اب تمہارے بارے میں کوئی بھی سراغ مل سکتا۔"

"ہوٹل کے عملے نے بتایا ہے کہ جو شخص انطونیو کی کھڑکی کے نیچے بے ہوش ملا اس کا نام ایک پیرس تھا جو اگلی صبح تو کیو روانہ ہو گیا۔ علم خیال یہی ہے کہ وہ اسٹیفنز کا دوسرا گروپ تھا۔ اخباری نامہ نگار نے ریالسٹ کے حادثے کو بھی پراسرار قرار دیا ہے اور شبہ ظاہر کیا ہے کہ وہ حادثہ بھی مجرموں کے تصادم کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔"

"خاصا ذہین آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"ہاں۔ اس کے تجزیے کی بنیاد یہ ہے کہ حادثے کے بعد ریالسٹ کا مالک سامنے نہیں آیا اور پولیس کو جائے حادثہ سے ڈائنامیٹ کے کچھ ٹکڑے بھی ملے ہیں۔"

"یہ تو دلچسپ معاملہ ہے۔ ریالسٹ کے حوالے سے وہ بآسانی تم تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"نمبر پلیٹ پر اگر ابھرے ہوئے حروف نہ ہوں تو اچھا ہوتا ہے۔ نمبر پلیٹ جلنے کی وجہ سے معاملہ طول پکڑے گا۔ انجن کے نمبر کے سہارے موجودہ مالک کا سراغ لگانے میں ایک دو دن صرف ہو جائیں گے اور اس وقت تک ہم پیرس میں ہوں گے۔"

"ایسا نہ ہو کہ کار والا پھر کوئی گمنام فون کر کے ریالسٹ کے مالک کے طور پر تمہارا نام ظاہر کر دے۔" میں نے خیالی کی چائے خالی کرتے ہوئے کہا۔

"اس بار بڑے مکار دشمن سے واسطہ پڑا ہے۔" وہ مسکرا کر بولا۔ "میں اس سے دو بار ٹکرا یا ضرور ہوں مگر شاید ابھی تک اسے میرے نام کا علم نہیں ہو سکا ہو گا۔"

"دل کو بہلانے کے لیے اچھا خیال ہے۔" میں نے کہا۔

میں ناشتے میں مصروف تھا تو عبداللہ پیرس سے شائع ہونے والا ایک انگریزی اخبار لے آیا۔ "تم اخبار پڑھو میں ذرا شہر کا چکر لگا آتا ہوں۔"

"آج تو چارلس بھی آنے والا ہے۔"

"اس کی آمد بہت ضروری ہے۔ اس سے سارے ہی پولیس افسران گھبرا گئے ہیں کیونکہ وہ ان کی کمزوریوں سے واقف ہے۔"

"اپرکس کے بارے میں کیا قدم اٹھایا گیا ہے؟"

"انٹرپول کو ابھی تک اطلاع نہیں دی گئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ چارلس تفتیش کا رخ موڑنے میں نمایاں کامیابی حاصل کرے۔"

اس کے بعد وہ چلا گیا۔

میں نے دوپہر تک اپنا وقت بڑی مشکل سے گزارا۔ اس دوران میں نے کئی بار بلاوجہ فون پر... کچھ نمبر ملائے مگر دوسری جانب سے کوئی خوشگوار آواز سنائی نہ دی جس سے باتیں کر کے میں وقت گزار سکتا لہٰذا میں نے ہر بار کچھ کہے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر مجھے مارلین کا خیال آیا۔

ہوش میں آنے پر اپنا جیل خود کو تنہا پا کر اس کو یقیناً صدمہ

حیرت ہوئی ہوگی۔ میں اس کا اظہار کرنے کے ساتھ ہی اس سے کارویلو کے بارے میں دریافت کر سکتا تھا۔

"تم کہاں ہو ڈاکٹر؟" میری آواز پہچانتے ہی وہ چیخ پڑی۔ "تم فلیٹ سے کب گئے تھے؟"

"تمہارے سونے کے بعد چہل قدمی کے لیے نکلا تھا پھر راستہ بھٹک گیا۔"

"چہل قدمی؟" وہ حیرت سے تقریباً چیخ پڑی۔ "آدھی رات کو تمہیں چہل قدمی کی کیا سوجھی تھی اور تم نے رات کہاں بسر کی؟"

"میں نے کئی بار تمہیں فون بھی کیا مگر جواب نہ ملا۔ آخر تھک ہار کر ایک دکان کی سیڑھیوں پر رات گزار دی۔"

"اوہ۔ یہ بہت برا ہوا ڈارلنگ! اس رات کو کچھ زیادہ ہی پی گئی تھی۔ مجھے فون کا بالکل ہوش نہیں تھا اور اب بھی میرا سر چکرا رہا ہے۔ تم اس وقت کہاں ہو؟"

"میں ایک پبلک بوتھ سے بول رہا ہوں۔"

"تم جلدی سے فوراً آ جاؤ۔ میں ابھی پہنچی ہوں۔ میرے پاس تمہارے لیے ایک اہم چیز ہے۔"

"باہر تمہیں خطرہ پیش آ سکتا ہے مارلین۔ رات والی صورت حال جوں کی توں برقرار ہے۔ باہر نکلنے کی حماقت نہ کرنا۔ کیا چیز ہے تمہارے پاس؟"

"تھوڑی دیر پہلے ڈاک میں تمہارے نام ایک خط آیا ہے۔"

"کیا پتہ ہے؟" میں نے بے یقینی کے عالم میں سوال کیا۔

"ہاں! اس پر صرف ڈاکٹر اسد لکھا ہوا ہے۔ خوبصورت اور بڑا لفافہ ہے۔ اس پر بھیجنے والے کا نام پتہ نہیں ہے۔"

"یہ اسی مردود کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔ کوئی دھمکی روانہ کی ہوگی۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے تو تم آ رہے ہو نا؟"

"فی الحال میرا آنا مشکل ہے۔ تم خط کھول کر اس کا متن مجھے سنا دو۔"

وہ مجھے بلانے کے لیے مصر تھی مگر میں بروقت اسے ٹالنے میں کامیاب ہو گیا اور مجھے ہولڈ آن کرانے کے بعد لفافہ کھولنے لگی۔

اس نے ریسیور شاید میز پر رکھ دیا تھا۔ چند سیکنڈ بعد ریسیور میں ایک زوردار دھماکا سنائی دیا۔ اسی کے ساتھ پے در پے نسوانی چیخیں سنائی دیں۔

میں سکتے کے عالم میں کھڑا رہ گیا۔ کارویلو کے مقابلے میں یہ میری زندگی کا دوسرا خوفناک تجربہ تھا۔ ایک مرتبہ تو میں فون پر خطرے سے ہوشیار کرنے کی کوشش میں کارویلو کی گولی کا نشانہ بنی تھی اور اب مارلین کے ساتھ کوئی مہلک حادثہ پیش آ گیا تھا۔

ریسیور پر مارلین کی ایسی چیخیں سنائی دے رہی تھیں جیسے اس کے کپڑوں میں آگ لگی ہوئی ہو۔

"میں مر گئی ڈاکٹر۔" چند منٹ بعد ریسیور پر مارلین کی ڈوبتی ہوئی کربناک آواز سنائی دی۔ "میں مر جاؤں گی۔ اس ظالم کا لفافہ کھولتے ہی پھٹ گیا۔ میرا چہرہ اور ہاتھ بری طرح جھلس گئے۔ لوگ میرا دروازہ پیٹ رہے ہیں۔ خدا کے لیے تم بھی آ جاؤ۔"

"تم فون بند کر دو۔ میں پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔" میں نے جلدی سے کہا۔

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر میں نے ریسیور رکھ دیا اور اپنی پیشانی سے پسینہ صاف کرنے لگا۔

خطوط اور پارسلوں میں پوشیدہ بموں کے بارے میں اکثر خبریں پڑھتا رہتا تھا مگر میرے لیے یہ پہلا تجربہ تھا۔

اس بار بھی قدرت کے نادیدہ ہاتھوں نے مجھے بال بال بچا لیا تھا۔ اگر رات میں عبداللہ مجھے ساتھ نہ لے جاتا تو میں ڈاک سے موصول ہونے والا وہ خط خود ہی کھولتا اور اسی طرح زخمی ہو جاتا۔

کارویلو مجھ پر ہر طرف سے شدید ترین دباؤ ڈال رہا تھا۔ عبداللہ کے تعاقب کے نتیجے میں فرار ہونے کے بعد اس نے شاید فوراً ہی لیٹر بم ڈاک کر دیا تھا جو اتنی جلدی مارلین کو مل گیا۔ کارویلو اس تیز اور خون آشام معرکے کی ہار کسی بھی صورت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس کی پوری کوشش یہ تھی کہ مارنے سے پہلے ہراساں کر دے۔

اگر میں اس لیٹر بم کا شکار ہو جاتا تو لازمی طور پر مجھے ہسپتال پہنچا دیا جاتا اور بستر پر پڑے ہوئے زخمی حریف سے آسانی سے ملنا مشکل تھا۔

کارویلو آہستہ آہستہ میرے اعصاب پر سوار ہوتا جا رہا تھا۔ مجھے امید تھی کہ مارلین دروازہ کھول کر باہر کے لوگوں کو اندر بلا لے گی یا وہ دروازہ توڑ کر خود ہی اندر گھس جائیں گے اور وہ طبی امداد سے محروم نہیں رہے گی۔ میرا اس کے فلیٹ کا رخ کرنے کا ارادہ نہ تھا مگر میں نے اس سے محض اس لیے جھوٹا وعدہ کر لیا تھا کہ وہ بغیر فون کا سلسلہ منقطع کیے اور اندر آنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ حادثہ ہونے کے وقت وہ فون پر کسی سے گفتگو میں مصروف تھی۔

میں خالی الذہنی کے عالم میں بیٹھا ہوا تھا کہ فون کی گھنٹی نے چونکا دیا۔

میں نے ریسیور اٹھا کر خاموشی سے کان سے لگا لیا۔

"ہیلو!" کسی کی آواز سنائی دی جو میں نے پہچان لی۔

"بولتے کیوں نہیں ہو؟" چند ثانیوں کے بعد میں نے پہچان لیا۔ بولنے والا عبداللہ تھا۔

"تم کہاں ہو؟" اس نے سوال کیا۔

"اسی پبلک بوتھ پر ہوں۔ پولیس، فلیٹ اور میں تمہارے بارے میں یہ بات جاننا چاہتا ہوں۔" عبداللہ مجھے موڈ میں معلوم ہو رہا تھا۔

"کیسی اجازت؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"تمہارے نام ایک خط آیا ہے..."

"اسے پھینک دو۔" خط کا نام آتے ہی میں نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "وہ لیٹر بم ہے۔ اس کے دھوکے میں نہ آنا۔"

"کیا واقعی؟" میرے اس انکشاف نے عبداللہ کو بوکھلا کر رکھ دیا۔

"وہ میرا مفروضہ ہے۔ کارویلو کا خط نہیں ہوا ہے۔ ایسا ہی خط مارلین کے پتے پر بھی پہنچا تھا اور وہ خط کھولتے ہوئے بری طرح جھلس گئی ہے۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"میں نے اسے فون کیا تھا۔ وہ خط کے سبب مجھے بلا رہی تھی۔ میں نے خط کھول کر متن سنانے کو کہا تو اس کی چیخیں سنائی دیں۔"

"وہ خط اسے دستی موصول ہوا تھا یا ڈاک سے؟"

"ڈاک سے آیا تھا۔"

"مجھے خود حیرت تھی کہ تمہیں اس وقت خط بھیجنے والا کون ہو سکتا ہے۔ یہ خط اسی شہر کے کسی علاقے سے پوسٹ کیا گیا ہے۔ میں تم سے پوچھے بغیر اسے کھولنے کے چکر میں تھا۔"

"مجھے اب وحشت ہو رہی ہے۔ تم کتنی دیر میں آ رہے ہو؟ میں یہاں پنجرے میں بند ہوں۔ باہر کھلی فضا میں نکلنا چاہتا ہوں۔"

"پولیس فارغ ہو جائے تو اسے ساتھ لے کر آتا ہوں۔ کارویلو اس وقت خود بھی بہت مشتعل ہے کیونکہ اس کی شہرت داؤ پر لگی ہوئی ہے۔"

"اگر تم نے زیادہ دیر لگائی تو میں تنہا باہر نکل جاؤں گا۔"

"ایسی حماقت نہ کرنا۔ اس وقت تمہیں جارحانہ کے بجائے صبر و تحمل کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ آئی ہے مگر وہ اسے چھوڑ کر تنہا جاتا ہے۔ اگر تم نے اسے نظرانداز کیا تو اسے ذہنی اذیت ہوگی۔"

"کارویلو کو کافی وقت مل گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اب وہ تنہا نہیں ہوگا۔ اس نے مدد کے لیے مزید آدمی بلا لیے ہوں گے۔"

"فکر نہ کرو اب وہ مجھ سے زندہ بچ کر نہیں جا سکے گا۔"

"تم جلدی آنے کی کوشش کرو۔ میں تمہارا منتظر ہوں۔"

ٹیلی فون سے فارغ ہوکر میں سوچ رہا تھا۔ کارویلو جیسے چیتا ذہن اور ماہر شخص کا مالک معلوم ہوتا تھا اور بدترین صورت حال سے بچنے کے لیے وہ جیسے اقدامات کر رہا تھا جن کی ناکامی میں میری اور عبداللہ کی صلاحیتوں سے زیادہ ہمارے ستاروں کا دخل تھا۔

فون کا سلسلہ منقطع کرنے کے بعد میں بیٹھا ہوا تھا کہ میری ذہنی رو اپنی سیتا کی طرف بھٹک گئی۔ میرے خون آشام اور سنسنی خیز سفر کا آغاز بہت عجیب انداز میں ہوا تھا۔

کراچی میں ہوتے ہوئے میں اپنا سب کچھ بھلا بیٹھا تھا جب میں پولیس سے بچنے کے لیے فرار کی راہ اختیار کر رہا تھا تو گلشن کے پل سے چھلانگ لگانے والی خوبصورت لڑکی نے مجھے سوزن آیا سے متعارف کرایا تھا۔ اس وقت میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ حالات کی لہریں مجھے کراچی تو درکنار اپنے ملک سے دھکیل کر دور لے جائیں گی۔

قانون سے روپوشی کے دوران میں کئی گھناؤنے کرداروں کے ہاتھوں شکار ہوا اور پھر بھاگتا ہوا اس کی تلاش میں بے پناہ مصائب جھیلتا ہوا مشرقی پاکستان اور بھارت کے راستے نیپال پہنچا جہاں ہمالیہ کی فلک بوس اور برف پوش پہاڑیوں میں زندگی اور موت کی مرتاب جنگ لڑتے ہوئے زبردست پارس پتھر پانے میں کامیاب ہو گیا اور مندروں سے دور پہاڑی ویرانوں میں مندروں اور لنگروں پر ناچ کرنے والی سیتا کا شوہر بھی بن گیا جو اپنی ماں کی آغوش میں ہر صدمے سے بے نیاز پلی تھی۔

پھر واپسی کے سفر میں مجھ سے پارس چھیننے کی کوششیں کی گئیں مگر میں قانون کے خون آشام رکھوالوں سے لڑتا بھڑتا انبالہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جہاں سے میرے وطن کی محبت بھری سرزمین مختصر سے فاصلے پر تھی۔

سفر کی آخری منزل پر میری سیتا مجھ سے روٹھ گئی۔ میرے چند چبھتے ہوئے فقروں نے اس خوددار لڑکی کے وجود میں بغاوت کی آگ بھڑکا دی اور وہ اپنی کوششوں کے بل پر سرحد پار کرنے کا عزم کر کے خاموشی سے فرار ہو گئی۔

سیتا کا فرار مجھے راس نہ آ سکا۔ اپنی جان بچانے کے لیے مجھے پارس پتھر انبالہ کے ایک ہوٹل کی ایک الماری میں چھپانا پڑا اور میں دربدر بھٹکتا ویرانوں، صحراؤں، جزیروں اور دیگر ملکوں کی خاک چھانتا سمندر کی سرکش موجوں پر بہنے والے حقیر تنکے کی طرح اپنے وطن سے ہزاروں میل دور فرانس آ پہنچا تھا جہاں میرے لہو کے پیاسے میری بو سونگھتے پھر رہے تھے۔

پارس جو اپنے دور کی ایک انقلاب آفریں دریافت تھی میری دسترس سے بہت دور تھا۔ افسانوں اور کہانیوں میں پایا جانے والا وہ نایاب پتھر جس کے لمس سے لوہا سونے میں بدل جاتا تھا، ایک مرتبہ پھر خواب بن کر رہ گیا تھا۔

دوسری طرف سیتا کے بارے میں کسی بھی طرح مجھے خبر نہ مل سکی تھی۔

پھر وہ مجھے اس پارس نما ہستی سے کہیں زیادہ اس جرات مند لڑکی کے مستقبل کی تمام

تبدیلیاں عمل میں آئیں اور وہ پاکستان سے کسی بھی وقت واپس پہنچ سکتی تھی۔

میں نے یہ فیصلہ کر کے بہت بڑی جذباتی قربانی دی تھی کہ سیتا اگر ہندوستان پہنچنے والی ہے تو بھی میں اس کا انتظار کیے بغیر پیرس لوٹنے کے لیے آمادہ تھا تاکہ اسرائیل فرعون بن جیان کو لپٹنے جیسے انسانوں کی سفاکانہ تحقیر اور تذلیل کا عبرتناک مزا چکھا سکوں مگر کار ڈرائیو میں ہی ایک واقعہ ہوا اور اس نے میرے لیے اتنی تیزی سے ایک شعوریت کی حیثیت اختیار کر لی کہ اس وقت میں بن جیان اور سیتا کو بھول کر عبداللہ کے فلیٹ میں محصور بیٹھا تھا۔

اس وقت تنہائی میرے لیے عذاب سے کم نہیں تھی۔ میرے ذہن پر خیالات نے ہولناک انداز میں یلغار کی ہوئی تھی۔ میں اپنی دانست میں انتہائی سنگدل سفاک اور سرد مزاج انسان تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ میں اپنے دشمنوں کو بے رحمی سے نیست و نابود کرنے میں ید طولیٰ رکھتا تھا مگر اس وقت اپنے ماضی کے بارے میں سوچ کر میرا دل ہولا ہولا سا ہو رہا تھا۔ میرا جی چاہ رہا تھا کہ میں کسی ماں سے یا کسی بہن بھائی سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر روؤں۔

میں بنیادی طور پر ایک انسان تھا۔ تیزی سے بدلتے ہوئے حالات نے کبھی مجھے اتنی مہلت نہیں دی کہ میں اپنے ماضی کے جذبات انگیز پہلوؤں پر غور کروں مگر کار ڈرائیو نے جس انداز میں مجھے مفلوج کیا تھا ان حالات سے دوچار ہونے کے بعد میرے لیے اپنے پرشوکت ماضی کو یاد کرنا ناگزیر تھا۔

ایش ٹرے میں رکھی ہوئی سگریٹ سلگ سلگ کر راکھ میں بدلتی رہی اور میں دھوئیں کے مرغولوں میں شناسا صورتوں کو ڈھونڈتا رہا۔

پھر اچانک ڈور بیل کی آواز میں اچھل کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

میری مضطرب قدمی سے پہلے ہی تالے میں چابی گھومنے کی آواز آئی اور پھر دروازہ کھل گیا اور عبداللہ کے ساتھ چارلس بک ہارسٹ اندر گھس آیا۔ میں نے دل گرفتہ انداز میں ان دونوں کا استقبال کیا۔ چارلس بڑے پرجوش انداز میں مجھ سے گلے ملا اور پھر میرے سرد جذباتی رد عمل پر چونک پڑا۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے ڈاکٹر؟"

میں کچھ کہے بغیر ہونٹ بھینچے اسے گھورتا رہا۔

"تمہاری آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم بیمار ہو۔" عبداللہ نے آگے بڑھ کر میری پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"شاید سر پر آنے والی چوٹ کا اثر ہے۔" چارلس بک ہارسٹ نے میری مرہم آلود پیشانی اور سر کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"مجھے جسمانی تکلیف کا احساس نہ دلاؤ چارلس۔" میں پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ دھیمے سے بولا۔ "اس وقت میں خود کو ایک ایسا انسان محسوس کر رہا ہوں جس کا وجود اندر سے ٹوٹ پھوٹ گیا ہو مجھے محسوس ہو رہا ہے

کہ میں نادانستگی سے ایک ایسی دوڑ میں شامل ہو گیا ہوں جس کی منزل والے اپنے ساتھیوں کے قدموں تلے روندے جاتے ہیں اور اگر... دیکھیں تو یہ تھا جو ساری عمر ختم نہیں ہوتا۔"

"بیٹھ جاؤ۔" چارلس نے نرمی سے میرا ہاتھ تھام کر بولا۔ "تمہاری باتوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم کسی جذباتی صدمے سے دوچار ہو۔"

"یہ شخص ہمیشہ سے جیت کا عادی ہے۔ شاید اسی لیے... نے اسے پریشان کر دیا ہے۔" عبداللہ نے تبصرہ کیا۔

"میں نے دشمن کی قید میں بدترین صعوبتیں بھی اٹھائی ہیں۔" عبداللہ کا رد عمل کا طعنہ دو۔ اگر یقین اس کے ہاتھ میں... یاد رکھے گا کہ کسی بے جگر دشمن سے واسطہ پڑا تھا۔"

"پھر تمہارے مسکراتے ہوئے چہرے پر کرب اور اضطراب..." عبداللہ نے سوال کیا۔

"سیتا کہاں ہے؟"

عبداللہ کا سر بے اختیار جھک سا گیا۔ "مجھے افسوس ہے کہ... اس جانب سے ابھی تک کوئی نئی اطلاع نہیں آئی اور... رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔"

"یہ کس کا تذکرہ ہے؟" چارلس نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

"مادام سکرین۔" عبداللہ نے دھیمے انداز میں...

"اوہو۔ تو تم شادی شدہ ہو۔" چارلس نے ماحول کو... خوشگوار بنانے کے لیے جان بوجھ کر قہقہہ مار کر کہا۔ "یہ حرکتیں تو کنواروں جیسی ہوتی ہیں سب سے بڑی وجہ؟"

میں ہنس دیا اور پھر بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں نے تم کو بھی اپنے ذاتی مسائل میں الجھا لیا۔ یہ بتاؤ کہ اس خط کا کیا رہا؟"

"وہ خط میرے پاس موجود ہے۔" چارلس نے اپنے بریف کیس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "تمہارا حریف تو بہت... معلوم ہوتا ہے۔"

"وہ اسرائیلی سیکرٹ ایجنٹ ہے۔" عبداللہ نے کہا۔

"نہیں۔" چارلس بے اعتنائی سے بولا۔ "ان لوگوں سے تمہاری کیسے ٹھن گئی؟"

"شاید یہ سیدھا معاملہ ہے کہ میں یا نہیں ... بارے میں تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" عبداللہ نے کہا۔ "مگر اس بار ... ہو گیا ہے۔"

"نہیں نہیں۔ تم چاہو تو میں اپنا سوال واپس لیے لیتا ہوں۔" چارلس بک ہارسٹ نے فراخدلی کے ساتھ فوراً پیشکش کی۔

"اگر تم یہ بات نہ چھیڑتے تو میں خود بات ... ڈوی برگ کی شہرت پر الفطونیہ کے قتل سے جو داغ لگا ہے ... شرمندہ ہوں۔"

ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے۔" چارلس بولا۔ "وہ تو اچھا ہوا کہ ... دیا اور مقدمہ ملتوی ہو گیا ورنہ معاملہ الٹ بھی ہو سکتا تھا۔ ہاں اگر اس کی ... لگا دی جاتی تو صورت حال بہت مختلف ہوتی۔" ... نے مشورہ دیا تھا مگر مجھے امید نہیں تھی کہ کار ڈرائیو تنہا ہی ... جیت جائے گا۔" عبداللہ نے صحیح بات کہہ ڈالی۔

"... اس پر خاک ڈالو اب آگے کی بات کرو۔"

"... اسرائیل کی قید میں تھا اور وہیں سے فرار ہو کر یہاں پہنچا ..." عبداللہ کہنے لگا مگر چارلس نے مسکراتے ہوئے بات کاٹ دی۔

"... تو ایک بات کہوں؟"

"... مزید کہو۔"

"... سکو کی یہاں آمد کے پس منظر سے میں واقف ہوں۔ اسی ... ہوٹل کے ریکارڈ میں کہیں بھی اس کی آمد کا اندراج باقی ... رہنے دیا۔"

"تمہیں کیسے علم ہوا؟"

"... کے طیارے کے اغوا کرنے والوں کے ناموں کی اخبارات ... ٹیلی گراف کے نمائندے نے کل ایبیب سے ... ہونے والوں اور پھر بعد میں رہا ہونے والوں کے ... اغوا کنندگان کے نام معلوم کر لیے تھے۔ بعد میں ... کے ساتھ فہرست وہاں کے اخباری نمائندہ کسی ... معلوم کر چکا ہے کہ ڈاکٹر اسکو بھی آنے والا تھا لیکن وہ ... چلا گیا... کے تمام ہوٹلوں میں ڈاکٹر کو تلاش کرتا ... رہا۔"

"اسے کیسے علم ہوا؟"

"... نمائندے تو خود کا حال بھی جان لیتے ہیں۔ ان کے اپنے ذرائع اور وسائل ہوتے ہیں۔" چارلس بک ہارسٹ نے مسکرا کر کہا۔

"اسے ڈاکٹر سے کیا کام تھا؟"

"انٹرویو لینے کے علاوہ اور کیا کرتا؟"

"تمہاری معلومات بھی حیرت انگیز ہیں۔ میرا تو خیال تھا کہ تم اس معاملے سے لاعلم ہو۔" عبداللہ کا لہجہ خفت آمیز تھا۔

"تو کیا اسرائیلی سیکرٹ ایجنٹ اسی وجہ سے اسکو کے پیچھے لگے ہوئے ہیں؟"

"ہاں وہ ہر قیمت پر اسے مار ڈالنے پر تل گئے ہیں مگر نہیں ہیں اب تک ان کے پانچ آدمی صاف ہو چکے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس اخباری نمائندے نے تلاش میں ناکامی کے بعد اپنی معلومات کسی ایجنٹ کو معقول معاوضے پر فروخت کر دی ہوں۔"

"نہیں۔ وہ تو شرافت سے ڈاکٹر کا نام سن کر اس کا پیچھا کیا تھا اگر اسے پوری سائی ملا ڈاکٹر سے ذکر آتی تو شاید کسی کو کانوں کان بھی ڈاکٹر کی آمد کا علم نہ ہوتا۔"

"پھر اب کیا کیا جائے؟"

"انتظار۔" چارلس کا لہجہ پرسکون تھا۔ "میں نے بال الیڈو کو اس کی تلاش پر لگا دیا ہے۔ شام تک اس کی رپورٹ آ جائے گی اس دوران تم اپنی ملازمین کی خیریت دریافت کر لو۔ نہ جانے وہ کس حال میں ہوں گی؟"

"پہلے تو تمہارا خیال تھا کہ اسے ڈوی برگ کی ملازمت کے ضابطوں سے انحراف کی سزا ملی ہے۔ اب یہ تبدیلی کیسے آ گئی؟"

"اگر وہ مر جاتی تو مجھے ذرا بھی ملال نہ ہوتا مگر ایک جوان اور خوبصورت لڑکی کے بے کھلے ہوئے چہرے کے ساتھ ہمارا سی زندگی گزارنا پڑ جاتی۔" تھوڑی دیر بعد چارلس ملازمین کی عیادت کے لیے چلا گیا۔ اس

نے آتش گیر مادے والا خط ہمارے پاس چھوڑ دیا تھا۔
وہ سفید رنگ کا خوبصورت لفافہ تھا جس پر میرے نام کا پہلا لفظ لکھا ہوا تھا اس کے پیچھے کرنے کا نمبر دیئے بغیر ہوٹل ڈی رین کا نام درج تھا۔ میں نے بہت احتیاط کے ساتھ اس کا جائزہ لیا مگر وہ بظاہر ایک عام لفافہ نظر آرہا تھا۔ اس کا وزن بھی معمول کے مطابق ہی تھا۔
"یقین نہیں آتا کہ اس میں کوئی بم ہوگا" میں نے لفافے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔
"اس معاملے میں مارلین زیادہ تجربہ کار ہے۔ ویسے میرا خیال ہے کہ اس میں زیادہ مقدار تو دھماکے کی صلاحیت نہیں ہے۔ مگر کھولتے ہوئے چونکہ لفافہ چہرے اور سینے کے قریب ہوتا ہے اس لیے ان حصوں کا جھلسنا قدرتی بات ہے۔"
"یعنی اسے دور رکھ کر کھولا جائے تو ہم محفوظ رہیں گے۔"
"میرا تجربہ کا ادارہ نہیں ہے مگر خیال یہی ہے۔"
کھانے سے فارغ ہونے کے بعد عبداللہ مجھے ساتھ لے کر تفریح کے لیے نکل گیا۔ سارے راستے ہم دونوں پوری طرح مستعد رہے تاکہ بخیری میں کسی حادثے کا شکار نہ بن سکیں۔
شام کو واپس آتے ہی عبداللہ نے ڈی۔ بی فون کیا۔ چند تاخیروں کے بعد اس کی چارلس سے بات ہوئی اور وہ پوچھ گچھ کر کے مشتبہ ہوگیا۔ پال المیڈا کا اپنا کام شروع کرنے کے تین گھنٹے کے اندر اندر مار ڈالا گیا تھا۔
المیڈا کی لاش پولیس کی ایک گشتی جماعت کو مضافاتی علاقے میں کھیتوں کے کنارے پڑی ملی تھی۔ اس کے بدن پر اعشاریہ چار دو کے بور کے پستول کی گولیوں کے چار نشانات پائے گئے تھے۔ پولیس قاتل یا واردات کے سبب کا سراغ نہیں لگا سکی تھی کیونکہ مقتول کی تمام قیمتی اشیاء اور نقدی وغیرہ اس کی جیبوں میں موجود تھی۔
"اب ایک ہی راستہ رہ گیا ہے" عبداللہ فون سے فارغ ہوا تو میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اس کا جواب اسی کی زبان میں دینا پڑے گا۔"
"وہ کیا؟"
"ایک خط کے دھماکے میں مارلین زخمی ہوئی اور دوسرے خط کے نتیجے میں مجھے کسی ہسپتال میں ہونا چاہیے۔ اگر کسی اخبار میں ایسی خبر آجائے تو کارڈیو ہر قیمت پر مجھے ہسپتال ہی میں ختم کرنے کی کوشش کرے گا۔"
"مگر دوسرے دھماکے کے سلسلے میں تمہیں ڈی۔ بی کا نام ملوث کرانا ہوگا جو میں مناسب نہیں سمجھتا۔ مجھے تو حیرت ہے کہ ابھی تک وہ ہاتھ دھو کر تمہارے پیچھے لگا ہوا ہے۔ مجھ سے دو بار تصادم ہونے کے باوجود میری طرف متوجہ نہیں ہوا۔"
"میں نے خود اسے اپنے پیچھے لگایا ہے۔"
"وہ کیوں؟"
"میں نے اسے بتایا تھا کہ شولٹ سے ملاقات کے دوران میں نے کل کوڈ بک، چند تصاویر اور کچھ خطوط حاصل کیے تھے۔ وہ ان چیزوں کے حصول میں زیادہ دلچسپی رکھتا ہے۔"
"یہ تم نے پہلے نہیں بتایا تھا۔"
"یاد نہیں رہا ہوگا۔"
میری تجویز پر خاصے جوش و خروش کے ساتھ تبادلہ خیال ہوا اور پھر یہی طے پایا کہ وہ تجویز عملی طور پر قابل قبول نہیں تھی۔ تھوڑی دیر بعد چارلس بھی آ پہنچا۔ اس کی آمد غیر متوقع نہیں تھی۔
"میرا خیال ہے کہ ہمیں کچھ کامیابی حاصل ہوئی ہے" چارلس نے صوفے پر جگہ سنبھالتے ہوئے بڑا متفاوت لہجہ میں کہا۔
"کیا کارڈیو کا سراغ مل گیا ہے؟" عبداللہ نے اضطراب کا مظاہرہ کیا۔
"پال المیڈا خبر تو دی طور پر ضائع ہوا کارڈیو کی اس کے سپرد کرنے سے پہلے اگر میں خود اس سے مل لیتا تو بہتر ہوتا۔ کیا مارلین سے مزید کچھ معلوم ہوا ہے؟" وہ اس بارے میں باری باری تھی۔
"اس سے ایک ایسے شخص کا نام معلوم ہوا ہے جو بلیک مارکیٹ کے سلسلے میں ڈی۔ بی آتا جاتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس سے ہمیں کارڈیو کے بارے میں مفید معلومات حاصل ہو سکیں گی۔"
"کون ہے وہ؟" عبداللہ نے پوچھا۔
"وہ امریکی تنصیبات کا سابق ہوا باز ہے۔ سیموئیل نیرے۔"
"اوہ۔ وہ تو یہاں زیر زمین سرگرمیوں میں ہی ملوث ہے۔"
"میرا خیال ہے کہ سیموئیل پیشہ ور اسمگلر ہے۔ مگر اہم معلومات خریدتا رہا ہوگا" چارلس نے کہا۔
"اسے جتنی جلد گھیرا جا سکے اتنا ہی مفید ہے" عبداللہ نے کہا۔
"میں اسی لیے یہاں آیا ہوں۔ یہ کام تم دونوں کرو۔"
"شاید تم یونانی شہزادی کے چکر میں ہو۔"
چارلس ہنس پڑا۔ "وہ اچھا وقت گزارنے کے شوقین کے ساتھ یہاں آئی ہے اور میں نیس میں آنے کے بعد سے اس سے ملتا رہا ہوں۔ اگر یہ صورت زیادہ دیر برقرار رہی تو وہ جھڑک کر واپس چلی جائے گی۔"
"تو تم جا سکتے ہو" عبداللہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ہم ابھی اس کی تلاش میں نکلتے ہیں۔"
ہم تینوں ساتھ ہی فلیٹ سے باہر نکلے۔ چارلس اپنی کار میں روانہ ہو گیا اور ہم دونوں کرائے کی کار میں سیموئیل کی تلاش میں چل پڑے جس سے کارڈیو کا سراغ ملنے کی امید تھی۔

پاتال

جب بارٹ کو انطونیو مورینی کے قتل سے جوڑنے کی کوئی صورت حال سے نمٹنے کے لیے وقت درکار تھا۔ اس کی کوشش تو یہ تھی کہ وہ فوری طور پر معاملے کو جامہ پہنا دیتا مگر اس سے پہلے ہی ہوٹل ڈی رین کے حوالے سے جو کچھ سامنے آگیا تھا اس نے صورت حال کو مزید الجھا دیا تھا۔ بظاہر اس کا مقصد یہ تھا کہ ایک نامعلوم شخص کو پیش کر کے معاملے کو ٹھنڈا کر دیا جائے۔ درحقیقت تو یہ بھی کہ مجھ سے نمٹنے میں جو پریشانیاں پیدا ہوئی تھیں مگر اس کی پیشانی پر بل بھی نظر آتا تھا۔
وہ چارلس کی ریکارڈ کی بنا پر ہم لوگوں نے سیموئیل نیرے کی تلاش کی اس کا نام حاصل کر لیا تاکہ وہ کیوری کے ساتھ ہوٹل کے معاملات میں ملوث ہے۔ عبداللہ کا خیال تھا کہ وہ میرے ساتھ مل کر آسانی سے اس کا کھوج لگا لے گا۔
"مجھے حیرت ہے کہ مارلین نے سیموئیل نیرے کا نام مجھ سے کیوں چھپایا" میں نے عبداللہ کے ساتھ جاتے ہوئے کہا۔
"وہ چارلس سے کسی خارش زدہ کتیا کی طرح گھبرا گئی ہے اگر وہ اسے ذرا سا بھی دباؤ ڈالتا تو مارلین اس کا نام ظاہر کر دیتی۔"
"مگر کیوں؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔ "تم نے اسے خود دیکھا تھا مگر میں اس وقت مارلین کے ساتھ تھا۔ وہ اپنے سے بہت زیادہ دہشت زدہ تھی اور اسے پورا یقین تھا کہ وہ اسے جلتے ہی مار ڈالے گا۔ نفرت اور دہشت کی اس ملی جلی کیفیت میں کسی راز کی حفاظت کرنا ناقابل فہم معلوم ہوتا ہے۔"
"ہو سکتا ہے کہ دہشت کی وجہ سے اس کا ذہن اس پہلو پر غور نہ کر سکا ہو" عبداللہ نے مارلین کی وکالت کرتے ہوئے کہا۔ "تم پوری رات اس کے ساتھ رہے مگر خوف کے عالم میں اپنے محبوب تک سے کھل کر بات نہیں کرتی۔ بہرحال تم اسے خطرناک نہیں سمجھتے۔ محض اس کا اشتعال تھا۔"
"تم جنم میں زاویہ میں لیتے آئے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم نے اسے پسند نہیں کیا۔ وہ ہماری توقعات سے کہیں زیادہ تیز نکلا۔ ان لوگوں کا مالک ہے ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے فلیٹ ہی سے اٹھا لیا جائے۔"
عبداللہ بے ساختہ زور سے ہنس پڑا۔
"تم نے کوئی لطیفہ سنا دیا ہے؟"
"تمہارا تجزیہ خاصا مزاحیہ ہے۔ بھئی میں ابھی سوچ رہا ہوں کہ وہ نوعمر شنی اگر آئندہ مجھ سے بھی بدروحوں کی طرح آنا جانا کرنے لگی تو میرا کیا ہوگا۔ اور ہم کاروں کے ساتھ چل کرتے کے لیے تیار ہیں۔"

سے پوری طرح واقف ہے۔ دیکھا جائے تو اس نے ہمارے خلاف نفسیاتی محاذ بھی کھول لیا ہے۔
"اب کوئی اور بات کرو۔ اس کے بارے میں بات سوچو گے تو تم کو کچھ حاصل نہ ہوگا" اس نے عقب نما آئینے کا زاویہ درست کرتے ہوئے کہا۔
"یہ بات تمہیں کس نے کہی کہ تم نے دانت نکال لیے تھے؟"
"تم بہت جلدی پریشان ہو جاتے ہو۔"
"تمہاری باتوں کا کیا کہنا تو میں چند گھنٹے میں ہی گزار سکوں گا" میں نے اس کے شانے کو سہلاتے ہوئے کہا۔
"ویسے تمہاری گفتگو بہت خوبصورت ہوتی ہے مجھے رشک آتا ہے تمہاری لفاظی پر۔"
"مذاق نہ اڑاؤ" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "میری گفتگو تو خاصی کرخت اور غیر دلچسپ ہوتی ہے۔"
"جب ہی تو طویلاتی موت سے اپنی جان بچانے کی کوشش میں کسی ہوشیار لومڑی کی طرح اپنے ظالم چہرے کا حسن تم پر قربان کر کے ہسپتال پہنچ گئی ہے۔"
"مارلین کو اگر شبہ بھی ہوتا کہ وہ میٹر ہے تو وہ لفافہ ہرگز نہ کھولتی۔ مگر یہ بھی بڑی بات ہے کہ اس نے کارڈیو کے غائب ہونے کی کہانی کو تسلیم کر لیا اگر یہ تمہاری زبان سے نکلا ہوا نہ ہوتا تو وہ سوچتی۔ ان معاملات میں ماہر چپل قدمی کے لیے نکل پڑنے کی کیا تک تھی۔" وہ بھٹے پر اتر آیا۔
"ہم دونوں نے اس بات پر بڑی بے یقینی کے عالم میں شراب نوشی شروع کی تھی۔ آخر میں گریبان چاک کر کے سڑکوں پر نکل پڑنے کا فسانہ بھی تراشتا تو وہ مان لیتی۔"
"میں تو تمہاری زبان کی خوبی ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ تم نے بہت کچھ ایسا ہی دیکھا ہے کہ رنگین مزاج عورتیں اور لڑکیاں اپنے کسی شناسا کو ایسے والہانہ انداز میں چاہتی ہوں۔"
میں مسکرا کر خاموش ہو گیا۔
ہمارے سفر کا اختتام نیس کے جس علاقے میں ہوا وہ نچلے متوسط طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہاں جا بجا مکانات مختصر اور ایک دوسرے سے ملحق بنے ہوئے تھے۔ گلیاں پتھریلی ہونے کے باوجود سال خوردہ کپڑوں کا زندگی کا رنگ جھلکتا رہا تھا۔ اس علاقے کو کوڑا ہوتے ہوئے مدت گزر چکی ہے۔
آبادی کے وسط میں ایک تنگ سڑک پر ایک تعمیر شدہ ایک بار تھا اور اس میں ایک سیلن زدہ عمارت میں وہ بار تھا جہاں سے ہمیں سیموئیل کی تلاش کا آغاز کرنا تھا۔
اس بار میں گھٹیا قسم کی شراب میسر ہوتی تھی اس لیے محلے میں آنا مشکل نہیں تھا کہ ہم وہاں اپنی موجودگی کا جواز پیدا کر سکیں۔
گلاس میں موڑنے کی وافر مقدار سامنے رکھا جوڑا پہلے پیک کے

خانے پر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی بھی لمحے میری آنتیں حلق سے باہر آجائیں گی۔

"تم کیوں ہنس رہے ہو؟" عبداللہ نے میری طرف جھکتے ہوئے سوال کیا۔

"پتہ نہیں یہ کس قسم کی وہسکی ہے مجھ سے نہیں پی جائے گی۔"

"ایک پیگ پی کر بہت زیادہ وقت نہیں رک سکیں گے۔"

"تو پھر بیٹھ کر گفتگو کرو۔"

عبداللہ نے میری تجویز قبول کر لی۔ اس دوران میں وہاں موجود افراد کا جائزہ لینے کے بعد ایک ادھیڑ عمر شخص کو تاک چکا تھا جو اونچی میز پر تنہا تھا اور خاصے سرور میں نظر آرہا تھا۔

ہم اپنے گلاس لے کر اس کی میز پر پہنچے تو وہ چند لمحوں تک چندھیائی ہوئی نظروں سے ہمیں دیکھتا رہا پھر اس نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں کچھ کہا جو میں نہ سمجھ سکا۔

میرے لیے یہاں فرنچ سے ناواقفیت بہت بڑا مسئلہ بنی ہوئی تھی کیونکہ عبداللہ کا جواب بھی میرے پلے نہ پڑ سکا۔

چند فقروں کے تبادلے کے بعد عبداللہ نے بار ٹینڈر سے اس کے لیے وہسکی کا ایک لارج پیگ منگوایا جسے اس شخص نے بغیر سوڈا ملائے غٹاغٹ معدے میں اتار لیا۔

پھر یک بیک وہ انگریزی بولنے لگا۔ عبداللہ نے بتایا کہ زبان کی تبدیلی اس کی درخواست پر عمل میں آئی تھی اور یہ شخص افغانی ہی تھا مگر انگریزی بھی جانتا تھا۔

"میرا نام ہوریٹ ہے۔" وہ شخص ترنگ میں بولا اور "تم اپنے حلیے سے کسی پراسرار سرزمین کے مشرقی شہزادے معلوم ہوتے ہو۔"

"پراسرار نہیں خوبیوں کی سرزمین کہو۔" عبداللہ نے ہنستے ہوئے پہلے ہی مرحلے میں بول پڑا۔ "یہ مشرقی شہزادہ تمہیں اعلیٰ اسکاچ سے غسل کرانے کی استطاعت رکھتا ہے۔"

بوڑھے کی حسرت بھری سرخ نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ "اگر مجھے یقین ہو کہ مرنے کے بعد میری لاش وہسکی سے نہلائی جائے گی تو جیتے جی مرنے کو تیار ہوں۔"

"تم کیا کرتے ہو؟" میں نے پہلی بار سوال کیا۔

"وہسکی پیتا ہوں۔"

"میرا مطلب ہے تمہارا پیشہ کیا ہے؟"

"وہسکی پینا۔" اس نے خالی گلاس اٹھا کر اپنی انگلیوں پر گھماتے ہوئے کہا۔ "یہی میرا پیشہ ہے اور یہی میری تفریح۔"

"اور اس کے لیے اخراجات کہاں سے آتے ہیں؟"

"میں انہیں گمنام رہ کر گزارا کرتا ہوں اور وہ ہر شام مجھے پچاس فرانک دے جاتے ہیں۔" اس نے بڑی بے نیازی سے کہا۔

"تم کس کی بات کر رہے ہو؟" مجھے اس کی باتوں میں دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔

"میں ان کے نام نہیں بتاؤں گا [illegible] ہے اس راز داری کے بدلے میں اپنا معاوضہ پا لیتا ہوں [illegible] اتر گئیں تو مر جاتے ہیں پر تب ان کے تذکرے میں [illegible] جا چکے ہیں گے۔"

اسی اثنا میں عبداللہ کی ہدایت پر اسے ایک اور پیگ [illegible] آگیا جس کے ساتھ اس نے وہی پہلے جیسا سلوک کیا [illegible] کے معدے میں آتے ہی وہ ستاروں کے موضوع پر [illegible] بہت پینے کی وجہ سے چمک رہی تھیں [illegible] غیر معمولی حد تک سنگری ہوئی نظر آنے لگی تھیں۔

"میرا خیال ہے کہ مقدر کا ستاروں سے گہرا تعلق ہے۔" [illegible] مزید محنت کرنے کے موڈ میں نظر آتا تھا۔

"جو ستارے آج چمکتے نظر آتے ہیں کل [illegible] بکھر جاتیں گے انسان کا مقدر بھی اس طرح [illegible] ہے۔ ... کے ستاروں کی طرح۔ ستاروں کی مانند [illegible] ایک جیسے منگلا دیتا ہے۔"

آخری جملہ اس نے اچھا آمیز لہجے میں ادا کیا تھا [illegible] میں اپنے سوال پر زبان پھیر کر [illegible] تھا۔

عبداللہ نے تھمتا ہی ہاتھ مار کر اس کے [illegible] نے کبھی کسی کا بکھرا ہوا ستارہ دیکھا ہے؟"

"کبھی ایسا ہی کوئی بد قسمت میں [illegible] دوسرا حوالہ ہے کہ اسے اپنا ستارہ کر دیکھتے اور بکھرتے ہوئے [illegible] سوا کچھ نظر آتے گا۔"

"تم ابھی اپنے کسی دوست کی بات کر رہے تھے؟" [illegible] کی ذہنی حالت دیکھتے ہوئے براہ راست مجھے آغاز کر دیا۔

"میں بہت بیوا آدمی ہوں میرے عزیز [illegible] سے تنگ کر چھوڑتے ہوئے بولا۔ "دوست [illegible] کسی کو اپنا دشمن بھی نہ بنا سکا۔"

"تو سیموئیل ہوتے کون ہے؟"

وہ بڑے نامناسب انداز میں تیوریاں چڑھا کر بولا [illegible] "سیموئیل ہے آدمی اتنا سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی؟"

"مگر تم سے اس کا کیا رشتہ ہے؟"

"میں ایک غریب آدمی ہوں اور دونوں [illegible] سیمیٹ رہا ہے میرا اور اس کا رشتہ [illegible]"

وہ مزید سوت کے اس جواب [illegible] دونوں پہلی بار کوشش میں ایک ایسا آدمی [illegible] تھے جو سیموئیل [illegible] واقف معلوم ہوتا تھا۔

[illegible] معلوم ہوا تھا اور بعد میں عبداللہ نے خیال [illegible] کی تقاضا پر کارروسابق ہوا باز میں شہ زور فتنی [illegible] تھا۔

[illegible] ہونے کے لئے کسی کو بھی ضرورت نہیں تھا [illegible] کی تلاش کی جو کار آغاز کر سکے ہیں ہوا تو متحب یا وہ [illegible] دوسرے پیشہ ور لوگوں کے لیے ہیں میں بڑی نظر تھیں [illegible] اپنے مقصد میں پہلی کامیابی حاصل ہوتی نظر آرہی تھی [illegible] دونوں ہاتھوں سے دیوار تھاما رہا ہے؟" عبداللہ نے [illegible] سے سوال کیا۔ پھر مزید قتل تو وہ حسرت کی زندگی گزر [illegible]

چند دنوں سے وہ غائب ہے شاید اسے کوئی سونے کا سامان مل گیا [illegible] اس کا خیال ہو گیا ہے کیا تم اسے پھر تلاش کا بندوبست نہیں کر سکتے [illegible] سیموئیل کہاں مل سکے گا؟" عبداللہ نے اس کی آخری درخواست [illegible] پر سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

[illegible] پر آمادہ ہونے کے بعد وہ بیٹھ باہر سوئی کے قہوہ خانے کا تذکرہ کر [illegible] کو اپنی محبوبہ تصور کرتا ہے مگر وہاں جوئی بہت [illegible] سیموئیل کی جیب خالی ہو تو اسے اٹھا دیتی ہے اور جب وہ لمبا [illegible] کر آتا ہے تو اسے مارچوئی اپنی خوابگاہ میں جگہ دیتی ہے [illegible] عبداللہ نے فاتحانہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور [illegible] سا تشکر [illegible] کیا گیا۔

ہم اٹھے اور مزید کچھ دیر وہاں بیٹھے رہے اس دوران ... مزید [illegible] خالی کرتے اور عبداللہ نے اس سے مزید سیموئیل کی ہر بات کرتا رہا تاکہ [illegible] میں سیموئیل کا تصور باقی نہ رہ سکے۔

[illegible] کرکے ہم وہاں سے نکلے تو ہوریٹ کی حالت بہت ابتر تھی [illegible] دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں دبائے میز پر سر جھکائے اونگھ رہا تھا۔

[illegible] کا ارادہ ہے وہ شراب خانے سے باہر آکر میں نے پوچھا [illegible] کا قہوہ خانہ بہت مشہور جگہ ہے۔ وہاں میں پہنچ کر مجبور [illegible] اندازہ ہوتی کی کسی نکلتے سے کم نہیں ہے۔"

"کیا ارادہ ہے براہ راست سیموئیل کے بارے میں معلومات حاصل [illegible]" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"مجھے نہیں معلوم اور کوئی بہتر راہ نکالو۔"

ہم [illegible] شہر کے شمالی حصے کی طرف روانہ ہو گئے [illegible] کا انداز [illegible] تھا۔ میں خاموشی سے عبداللہ کے برابر میں بیٹھا [illegible] میں نہ جانے کون کون سی سوچوں کے درمیان الجھا ہوا [illegible] سے لطف اندوز ہونے لگا۔ سڑک کی نسبتاً [illegible] بدستور چمکنے لگے جو ڈھلوانوں کی آگے بڑھتے تھے جو ہوتے تھے [illegible] کے لمبے لمبے درخت تھے جو کسی لوح شل پر ... منظر پیش کر رہا [illegible]

ڈھنگ جماری بھی سڑک کے کنارے لگے ہوئے درختوں کے سائے طویل تر ہو چکے تھے اور بھی خزاں کی اداس تصویر ترتیب پا رہی تھی۔

"تم دونوں یہاں کا لوک ... ہو رہے ہو؟" میں تو مناسب ہے کہ کلام میں نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔

"اس کے علاوہ وہاں کا عظیم کوئی ... سا نقش ہی نہیں ہے جو بہت مضبوط انگریزی جانتی ہے۔"

"وہ یورپ کی بد ... زبانیں بڑی روانی سے بولتی ہے۔"

"تو کیا تم اس سے مل چکے ہو؟"

"ملا نہیں مگر سنا ہے کہ اسے تیس چالیس برس کی آنا ہے اور عموماً خود ہی گاہکوں کی پذیرائی کرتی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے تو وہ ابھی تک خود ہی بڑی ہے۔ اس عالم میں اپنا دھندا کیسے سنبھالتی ہو گی؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"تھوڑی دیر میں خود ہی دیکھ لینا" ایک ... کر کے عملی طور پر کسی طرح تمہارا ساتھ دے سکوں گا۔"

"وہ کیوں؟ کیا اس کے بارے میں مجھے اکیلا چھوڑ دو گے؟"

"یہ بات نہیں ہے۔ وہ جنس کی بنا پر مارچوئی سے سودا کر کے اپنی قرابت کو استعمال کرنا ... کے چھپے ہو رہے ہیں۔"

"... ریڈیو کو ... اس کی کار ... کا علم ہو جائے تو چند گھنٹوں کو بھی تمہارے ... نکار ... نے نمبر ... کرتا۔"

نصف گھنٹے کے انتہائی سفر کے بعد عبداللہ نے ایک ... سیدھے ... میں موڑ لیا۔ دو ٹیلوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے سڑک سے ... میں ... سے ایک ... کی عمارت ... آیا۔ اور عبداللہ کے ... لگا ...

"... سیموئیل ... مارچوئی ..." عبداللہ نے ... کیا۔

سنسری ... کی طرف ... میں جلدی جلدی ... کیا اور پھر اپنے ... ہوئے ... گیا۔

وسیع ... مکان ... کے درمیان ... کی ... کر کے ... میں چلا گئی۔

ہم دونوں گاڑی سے اترے اور سیڑھیاں طے کر کے ... ہو گئے۔ ... داخل ہوتے ہی ... ایک ... تھا جس کے ... کاؤنٹر ... بیٹھا ہوا تھا۔

ہم دونوں ... کی گردن ... میں ... اور دونوں ہاتھ کاؤنٹر پر ... کی طرف جھک آیا۔

"... گاہکوں کا استقبال خود کرتی ہے؟" ... ناک والے ... بوڑھے ... ہوئے ... کہا۔

"مس مارچوئی کہاں ہیں؟" عبداللہ نے مجھے جواب دینے کے بجائے بوڑھے سے انگریزی میں استفسار کیا تاکہ میں ... سے باخبر ہو سکوں۔

"وہ مصروف ہیں بتائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

بوڑھے کا لہجہ گفتگو کرتے یکان کی حد تک خوشامدانہ تھا۔

"کیا ہم صورت سے اس قدر بیوقوف نظر آتے ہیں؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں سوال کیا اور وہ بُری طرح چونک اٹھا۔

"میں سمجھا نہیں جناب!"

"ہم یہاں کچھ لڑکیوں کی تلاش میں آئے ہیں۔ یہ جگہ جس کسی سوداگر کی ہے ہمارا یہاں آنا اس سبب ہے ہم ماہ جوری سے ہی بات کریں گے" میں نے ترش لہجے میں کہا۔

وہ شخص پاگل یا بے حس نہیں تھا۔ میرے لہجے سے اس کا بڑا سا منہ بن گیا۔ اس حالت میں اس سے ملنا ممکن نہیں تم دونوں یہیں انتظار کر سکتے ہو۔"

"ماہ جوری کہاں ہے؟" عبداللہ بولا تو اس کی آواز میں غضب پنہاں تھا۔

"وہ مصروف ہے۔" بوڑھے نے ڈھٹائی کے ساتھ جواب دیا۔

"اچھا ہو تو میں دوسری لڑکیاں دکھا دیتا ہوں۔ وہ ماہ جوری سے کم سن بھی ہیں اور خوبصورت بھی ہیں۔"

"مگر میں اسی کے لیے آیا ہوں۔" مجھے واقعی ناگوار لگ رہا تھا۔

"میں تمہارے فائدے کی بات کر رہا ہوں۔" بوڑھا اصرار کر رہا تھا۔ "ماہ جوری ڈریسنگ روم سے آتی ہی ہوگی تم لوگ بیٹھ جاؤ۔"

"میں اسے دگنا معاوضہ دوں گا۔"

"بیٹھ جاؤ میں اسے خبر کرتا ہوں۔"

ہم دونوں وہاں پڑے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے اور بوڑھا شاید اندر جا کر کسی سے بات کرنے میں مصروف ہو گیا۔

چند منٹ بعد ماہ جوری وہاں آ پہنچی۔ میں تو اسے دیکھتے ہی ٹھٹک گیا۔ وہ بلا کی حسین اور قیامت خیز تھی اور شاید اسے خود بھی اپنے حسن کا بھرپور احساس تھا کیونکہ میک اپ میں اس نے نہایت مہارت سے کام لیا تھا۔

"نوکر نے بتایا ہے کہ تم لوگ میری ہی خاطر یہاں آئے ہو۔" اس نے نہایت دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور میرے برابر میں بیٹھ گئی۔

"تو کیا یہ بوڑھا شخص تمہارا باپ ہے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"ارے نہیں! میں تو اسے احتراماً ڈیڈی کہتی ہوں۔"

"سنا ہے کہ آج تم مصروف ہو؟" میں نے اس کے جسم کا اشتعال انگیز لمس محسوس کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ یہ درست ہے!"

"میں کسی کی سفارش پر یہاں آیا ہوں۔ جیسے اس نے کہا تھا کہ تمہیں میں اگر کسی نے ماہ جوری کی زلفوں کے سائے میں وقت گزارا تو مجھ کو اس نے جنت میں وقت بتا دیا۔"

وہ کھنکتی ہوئی آواز میں ہنسی۔ "پردیسی ہو یہ قدر دانوں کی حوصلہ افزائی ہے ورنہ اس چھت کے نیچے اور بھی لڑکیاں ہیں۔"

"میں کل چلا جاؤں گا۔"

"میں ایک نہتے شخص کی قدر کرتے کا لک سے کم چورن کی...
بیسے پچھلے وقت میرے نکال لیتی ہوں اور کچھ نہ کچھ کام چلا کر جا کر سب لگاتی...
کا کلمہ سچ؟"

"ناممکن ہے۔" وہ میرا بازو سہلاتے ہوئے بولی۔ "وہ شخص خود کے لیے میرا منہ مانگا معاوضہ دے چکا ہے۔ یہ تو اتفاق ہے کہ آج وہ خوش قسمت ہی دیر پہلے کسی کام سے باہر گیا ہے اگر وہ آ جائے تو ان کی موجودگی کے بعد سے بھی محروم ہو جاتی۔"

"کون ہے یہ کہیں زیادہ معلوم ہوتا ہے۔"

"ارے نہیں! وہ شخص یہاں کا دولت مند رئیس ہے پہلے مجھ سے ملا تھا بعض اسی عورت میں ہیں اس نے ایک لاکھ معاوضہ دیا اس رقم حوالے کر کے میرے سر پر سوار ہو گیا۔ اب میں بھی اصول پر جا کر پابند ہوں۔"

"کہاں رہتا ہے؟" عبداللہ پہلی بار اس سے مخاطب ہوا۔

"پچھلے ریاستی ہوٹلوں میں ٹھکانے بدلتا رہتا ہے اور آج کل اس کے یہیں قیام ہے۔ بلکہ پتا نہیں ہے۔" ماہ جوری نے بتایا اور بولی۔

"عجیب اتفاق ہے کہ اس شخص کو پہلے بھی اسی وقت سے جب میں تمہیں آیا ہوا تھا میں نے کاسٹ سے پرکھا۔" اس نے ہنس کر کہا تو بولی "اس کا نام؟"

"سیموئیل ہے۔" وہ تھوڑی پریشانی سے نہایت سرسری لہجے میں بولی وجہ سے میں نے ماہ جوری کو خوشی میں ڈالنے بغیر اس سے اپنے اپنے کا تعارف کرائی۔

ماہ جوری نے بہت اصرار کیا کہ ہم دونوں دوسری لڑکیوں سے ملیں مگر میں بخود کو انتہائی کبیدہ خاطر ظاہر کرتے ہوئے وہاں سے اٹھ آیا۔

ماہ جوری کو نہایت شدت سے اس بات کا احساس ہوا تھا کہ ایک شیطانی اپنی خوش قسمتی کے متلاشی سے محروم ہو کر اس کے آنے کو جا رہا تھا۔ وہ ہم دونوں کو الوداع کہتے باہر تک آ گئی تھی۔

"مجھے افسوس ہے کہ تم اگلی مرتبہ آؤ تو وقت لے کر آنا۔" وہ بولی۔

اگر کبھی پہلے آ جاؤ تو معاوضے کا اعادہ نہیں کروں گی۔" وہ بولی ... اس نے کہا پھر چابک سے داخل ہوتی ہوئی موٹر کو دیکھ کر بولی "سیموئیل بھی آ گیا۔"

"اس پر تب سے تو مل لیا جائے۔" میں نے ہنس کر کہا اور جلدی سے میں نے اپنا تعارف کچھ کر کے اپنا سیٹ کر دیا۔

"تم دونوں میرے پرانے ملاقاتی ہو۔" ماہ جوری نے کہا۔ "تمہارے کچھ دیر تک لیے میں جلدی سے بولی اس کے بعد ساتھ میری کار تک لے جانا وہ بھی اپنا۔"

"ڈیئر۔ ہم اس سے ملیں گے۔" میں نے کہا۔

"نہیں... نہیں تو وہ بے ڈھنگے پن سے ہنستے ہوئے بولی۔ "کیا تم نہیں جانتے کہ تم دونوں نے پچھلی ملاقات میں تو جو خوبی دکھائی تھی میں جو بھی بولی تم دونوں نے جلدی سے کہا اور یہ بھی کہ تم دونوں ابھی اس وقت میرے ذہن میں عبداللہ کے بیٹے کی بات کا تذکرہ ہو رہا تھا۔"

اسی لمحے سیموئیل کی بہترین اسپورٹس کار نہایت تیزی کے ساتھ پورچ میں داخل ہوئی اور پھر پوری قوت سے بریک لگا کر اسے روک دیا گیا۔

میں نے دیکھا کہ اس نے شاید ہی ہم پر توجہ دی ہو۔ ماہ جوری نے وضاحت کرتے ہوئے مجھ سے پوچھا کہ آخر سیموئیل کا اتنی جلدی واپس آنا کیسا ہے۔ "اتفاق" میں نے اس نے حیرت سے کہا اور عجیب سی نظر ماہ جوری کو دیکھا ایک پرانا دوست ہے۔

پھر جلدی ہی کی سرعت کے ساتھ میرے ذہن میں ایک نیا منصوبہ ابھرا۔ اگر اسے فوری طور پر ہی قتل کر دیا جاتا تو ماہ جوری سے گی؟ ہم دونوں ایک دوسرے سے نہایت گرمجوشی سے ملے اور اس صورت میں اس بات کا قوی امکان تھا کہ کہیں کار کی ضرب سے ہم ... ہو جاتا اور عبداللہ کے چلنے سے آگاہ ہو کر ساری کوشش بیکار ہو جاتی۔ اگر ایسا ہو تو سیموئیل ہمیں پہچانے اور کبھی بھی لمحے کا موقع نہیں ملتا۔ وہ اچکن بند کیے گاڑی سے اترا تھا... ہم لوگوں پر مرکوز تھیں۔

ماہ جوری کو دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ ہماری طرف آتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

ہم لوگ دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔ ماہ جوری اس کی طرف بڑھی لیکن اسے دیکھ کر وہ ٹھٹک کر رک گئے۔

وہ لمبا چوڑا اور اچھا بھلا شخص تھا۔ اس کی گردن پر چمکتی ہوئی جلد تیز روشنی میں اس کا چہرہ پسینے سے بھیگا ہوا تھا اور وہ بھی سے چمک رہا تھا سیموئیل کو ... وہ کار سے اترا اور ہماری طرف آنے لگا۔ اس دوران میں ... عبداللہ کو گھورتے جا رہا تھا۔

وہ مجھے دیکھ کر ہیجانی کیفیت میں تھی۔ "آؤ سیموئیل!" ماہ جوری نے تعارف کرایا۔ "یہ میرے پرانے دوست ہیں اور یہ سیموئیل ہیں۔"

سیموئیل نے کچھ کہے بغیر ہم دونوں سے پرجوش طریقے سے ہاتھ ملایا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ایک نظر ڈالی لیکن عبداللہ کے چہرے سے نظریں ہٹا نہ سکا۔ وہ شاید اسے کچھ رہا تھا۔ ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے جس گرمجوشی کا مظاہرہ کیا اس کا مقصد جوش کے بجائے طاقت کا مظاہرہ کرنا تھا۔

ہم بجلی کی سی تیزی سے چلتے ہیں وہ عبداللہ بھی حیرانی کے ساتھ دور نظروں سے تھا شاید وہ بھی خطرہ بھانپ چکا تھا۔

"ابھی کہاں جاؤ گے؟ تھوڑی دیر بیٹھو۔" وہ میرے ساتھ بیٹھ گیا۔ سیموئیل تھوڑا سا کھڑا رہا پھر اس نے کہا "آج کل ماہ جوری میری محبوبہ ہے" اس نے عجیب نظروں سے گھور کر عبداللہ کے چہرے پر نگاہیں جمائیں اس کے چہرے پر دکھائی دے رہا تھا۔

"چلو کوئی بات نہیں۔" میں نے کہا۔

"موئیل اجازت ہو تو میں وہ میری طرف دیکھ کر بولا "تم چوروں کی بات میں نے غیر ارادی طور پر توجہ دی ہے کہ اس سے کوئی کام ہو جائے کہ بہتر ہو جانے کا ارادہ تھا۔"

"تم پچھلے تین سے کچھ خاص نہیں ہو؟" کیونکہ میں تو پہلا لیکن یہ پتا چلا کہ میری صورت ہی ایسی ہے پختون دل سے عاری ہیں۔ ہم جب لوگوں میں جاتے ہیں تو انہیں اکثر ایسا ہی لگتا ہے جیسے ہم سب کچھ دیکھ سکتے ہیں۔ مگر میرے باپ نے امریکی شہری ہونے کے باوجود کوئی جنگ بھی نہیں لڑی لیکن تم مجھ کو کسی قطعہ سے پسند کرانے کے لیے جانے کی تیاری کر لیتے ہو۔"

نوجوان وہ مجھ پر طنز کر رہا تھا یا وہ سب سے چھوٹوں کی اہمیت ہی نہیں سمجھ سکا تھا۔ میں اس کے رویے سے شدید الجھن کا شکار ہو گیا تھا۔ امریکی چپ نہیں بیٹھا اس عمارت میں وہ دوبارہ داخل ہونے والا تھا۔ "وہ آج بھی کہیں وقت گزار لیتا ہے۔ اس وقت میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔" میں نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد نرم لہجے میں کہا۔

"تم عجیب ہو۔" جب یہ دو جا بجا ایک ہی بات کر رہا ہے ماہ جوری کے پاس صرف جیبوں کے سوداگر آتے ہیں اور دور سے آتے ہیں جب تمہیں کوئی ضروری کام تھا تو یہاں کیوں آئے تھے؟"

"میرا خیال ہے کہ تم ضرورت سے زیادہ بے تکلف ہو رہے ہو۔" میں نے اس کا ہاتھ اپنے شانے سے ہٹا کر خشک لہجے میں کہا۔

"میں تکلف کا قائل ہی نہیں ہوں اور پھر تم دونوں ماہ جوری کے پرانے شناسا ہو۔ اس رشتے سے مجھے بھی تم پر تھوڑا سا حق حاصل ہے۔" پھر وہ یک بیک ماہ جوری سے مخاطب ہوا۔ "کیا یہ دونوں واقعی تمہارے پرانے شناسا ہیں؟"

"ہاں ہاں! بھلا مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟" ماہ جوری بوکھلا کر بولی۔

"پھر یہ بھاگنے کیوں جا رہے ہیں؟"

"تھوڑی دیر رک جاؤ نا!" ماہ جوری بے چارگی کے عالم میں ہم دونوں سے مخاطب ہوئی۔

"ہم ضرور ٹھہرتے ہیں مگر عادتاً اور سیموئیل لڑکیوں کے علاوہ ایک خستہ حال بڑھیا ہے ان سب سے کہیں کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے۔" سیموئیل نے تھوڑا سا دیا۔

"اس چھت کے نیچے ہم ماہ جوری کو اس حالت میں دیکھنے آئے ہیں جس میں پہلے تمہاری ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ اگر تم سے برداشت کر سکتے ہو

تو ہمیں رکھنے میں کوئی اعتراض نہیں ورنہ مناسب یہ ہوگا کہ باہر کہیں بیٹھ کر بات کی جائے۔"

اس نے پانچ ہزار کے نوٹ دو گڈیوں میں تھمایا اور میں نے چالاکی سے اس کی آنکھوں میں نفرت کی آگ بھڑکتی دیکھی۔

"میرے سامنے اس انداز میں اپنے پرانے جرائم کا تذکرہ مت کرو۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "مارجوری اس وقت میری نگہت ہے۔"

"تمہارے ساتھ ایک ماہ گزارنے کے لیے بہت طویل محنت کے بعد میری باہوں میں آ جائے گی۔ میں نے اسے پیشگی معاوضہ دے لیا ہے۔" میں نے اس کی دکھتی رگ کو پوری شدت سے دبا لیا۔ میں اسے اپنے خول سے باہر نکلنے پر مجبور کر دینا چاہتا تھا۔

"کیا یہ درست ہے؟" سیموئیل نے مارجوری سے پوچھا۔

"کیوں ایسا تلخ مذاق کر رہے ہو جوزیل؟" مارجوری تقریباً چیختے ہوئے بولی۔ "ہمارے درمیان ایسی بات کب ہوئی تھی؟"

"جس حالت میں ہو اسی طرح کھڑے رہو!" اچانک عبداللہ کی غراتی ہوئی آواز ابھری۔ اس کا ہاتھ جو کوٹ کی جیب میں پڑا ہوا تھا باہر نکل چکا تھا اور اس میں دبے ہوئے ریوالور کا دہانہ سیموئیل کے سینے کی طرف اٹھا ہوا تھا۔

"میں تمہاری ہڈیاں توڑ دوں گا، دیکھتے نہیں یہ جماعت مشکل ہے؟" سیموئیل غراتے ہوئے بغیر ٹھٹکے لہجے میں بولا۔

اس اچانک موڑ پر مارجوری کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں اور اس کا رنگ سیاہ ہو گیا۔ چہرہ میک اپ کی تہہ کے باوجود زرد نظر آنے لگا تھا۔

"میں جتنے سودوں کا تذکرہ کر چکا ہوں، پڑھ چکے۔" عبداللہ نے اس کے سینے کی نشانہ باندھتے ہوئے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "اب شرافت سے میری گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھ جاؤ۔ مارجوری تم اگلی نشست پر میرے پہلو میں بیٹھو۔"

"مگر کیوں؟ تم نے ہم لوگوں کا کیا بگاڑا ہے؟" مارجوری نے روہانسے لہجے میں سوال کیا۔

"تمہارے اس عاشق نے ہماری توہین کی ہے اور ہم باہر لے جا کر اسے مزہ چکھانا چاہتے ہیں۔"

"حماقت سے پرہیز کرو۔ ہتھیار جیب میں رکھو۔ اگر اس وقت کوئی گولی نکلا تو میرے گھر کی ایک نالی پر [illegible] ہو جائے گا۔"

"تمہیں جانے کی ایک نالی۔" عبداللہ زہریلے لہجے میں بولا۔ "سیموئیل! کیا میری ہدایت تمہارے کانوں میں نہیں پہنچی؟"

"کیا کہا تم نے؟"

"میری گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھو!"

"[illegible]" سیموئیل غصے میں بولا۔ [illegible] مٹھیاں

بیٹھنے کے معاملے میں میری سماعت انتہائی تیز سمجھو۔"

میں اس وقت تک فٹ پاتھ کے قریب ہی کھڑا تھا۔ [illegible]

اس کا ہاتھ حرکت میں آ گیا اور کپٹی پر پڑنے والے [illegible] اسے کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح زمین پر ڈھیر ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ [illegible]

مگر غالباً یہ ہوئی کہ مارجوری اپنی جگہ زور سے [illegible] وقت کسی طرف سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز [illegible]

عبداللہ نے جلدی سے ریوالور جیب میں [illegible]

ہوا۔ "اگر بچ جانے کے لیے کوئی دوڑ [illegible]

چند خوبصورت لڑکیاں [illegible]

منظر ہی وہاں پہنچا تو عبداللہ نہایت ہمدردانہ انداز میں سیموئیل کا سر [illegible] اس کی چٹیلی [illegible] تھا اور مارجوری [illegible]

آنے والوں کے چہروں پر [illegible] ہوئے تھے اور [illegible]

لاابالی میرا ہی چہرہ تھا مگر مارجوری نے فریج میں [illegible]

تنہی ہوئی ہیوی [illegible] اور وہ لوگ واپس پلٹ گئے۔

"تم بہت سمجھ دار ہو۔ لوگوں کے پیچھے جانے پر [illegible]

"یہ... یہ ظلم ہے۔" مارجوری نے [illegible]

سوال کیا۔

"ساتھی تو خود ہی ہے۔" عبداللہ نے [illegible]

دونوں نے اسے اٹھا کر اپنی گاڑی کی پچھلی نشست پر ڈال دیا۔ [illegible]

"تمہارے کان سے خون بہہ رہا ہے۔" [illegible]

دیکھ رہی تھی۔ زیادہ دیر تک خاموش نہ رہ سکی۔

"اسے لے جانے کے بعد [illegible]

اگر اس نے ہوش میں آنے کے بعد ہمارے [illegible]

باندھ کر ڈال دیا ہے [illegible]

"یہ واقعی بہت [illegible] آدمی ہے [illegible]

"مجھے کچھ ہو گا تمہارے ساتھ [illegible]

"نہیں... نہیں، میرا تو دم نکل جائے گا۔ [illegible]

معاملے میں زبان بند رکھوں گی [illegible]

"مجھے تو معلوم ہوا ہے کہ سیموئیل اور لوگوں کو پیچھے سے [illegible]

تمہارے درمیان شدید دشمنی ہے۔"

"تم یقیناً ... یہ [illegible]

میں مطمئن کر دو [illegible]

کہ سیموئیل ہم سے کیا چاہتا تھا [illegible]

مارجوری نے سہمی ہوئی آواز میں [illegible]

تم آزاد ہو، عبداللہ کے ساتھ [illegible]

کر رہی تھی [illegible]

[illegible] مارجوری نے منتظر کو کچھ ہدایات دیتے ہوئے [illegible]

باتیں پے چلانے کے بارے میں تھیں اس پر عبداللہ نے اس کی عقلمندی کی داد دی تھی۔

"وہی مکان ہے جہاں ہنگامے کی خبر پہنچنے سے پہلے سیموئیل کو جو ٹھکانا ملا تھا، ہوتا ہی ہے مگر میرے عزت دار ہر صورت ادھر کا رخ کریں گی۔" مارجوری نے کہا۔

"سیموئیل کے ذہن کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔" میں نے تجربہ کا اظہار کیا۔

"جی؟"

"کوئی فون وغیرہ؟"

"نہیں، مگر وہ خود کسی اسٹار سے فون کرتا تھا۔ دن میں چار چھ گھنٹے تو میرا باہر ہی رہتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کا باس کے مقصد نیا بندی کی ہے۔ بچوں کے دن گزرنے کے بعد وہ اس قابل ہو جائے گا کہ مجھے باقاعدہ بیوی کی عزت کی زندگی گزار سکے۔"

"اور تم نے تفصیل جاننے کی کوشش نہیں کی؟"

"آج کل اس کے پاس ہر وقت جو معقول فون آتا رہتا ہے، میں اس بھیڑ پر پیچیدگی بھی آ رہا تھا، میں نے اسے کریدنے کی بھی کوشش کی مگر وہ بات ٹال گیا۔ [illegible]"

"لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ سیموئیل ان دنوں تمہارے پاس مقیم ہے۔ [illegible] اور وہ زیادہ دیر غائب ہو گیا تو شکار کیے جائے گا۔"

"وہ کوئی شریف گھر کا نہیں ہے، یہ شخص اس کی خبر ہی نہیں [illegible] عدالت سے اس کا نام ہے۔ [illegible] سکوں گی۔"

"مگر اس کا غائب ہونا ضروری ہے۔"

"وہ کالا جادو کر کے کہیں جا سکتا ہے۔ تم یقین رکھو میری وجہ سے کوئی گڑبڑ نہیں ہو سکے گی۔ اگر تم اسے دو تین دن قید میں رکھ کر اس کا دماغ درست کر دو تو اور بھی اچھا ہوگا۔ مجھے ان لوگوں کو منانے کا موقع مل جائے گا۔"

آزاد رہ کر بھی وہ بہت دن آتے ہیں مگر سیموئیل کی وجہ سے وہ دور رہتے ہیں۔ تم [illegible] مارجوری کھل کر بات کر رہی تھی۔ [illegible] ہم دونوں سیموئیل کو ہلاک کرنے کا کوئی ارادہ [illegible] کا سبب جانتے اور اسے اس کی ذلیل کرنے کے [illegible]

"تمہاری باتیں خاصی معقول ہیں مگر ہم کیسے یقین کریں کہ تم جو کچھ [illegible] اس پر عمل کرنے کا ارادہ بھی رکھتی ہو؟"

"میں نے تمہیں ہر بات صاف صاف بتا دی ہے۔ اگر تم نے مجھے بھی اس [illegible] کو کوئی لاحق ہو جائے گی اور وہ شاید یہ [illegible] لوگ مجھے اور سیموئیل کو اٹھا لے گئے۔ اس [illegible] میں گھر جا کر [illegible] بھی اٹکا رہے گا [illegible] میں آ جانے کے بعد مجھے پہنچ ہی ساتھ نہیں [illegible]

"ہم تمہیں چھوڑنے کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہیں، ہمیں نے کچھ دیر کے توقف کے بعد کہا، مگر یہ وعدہ کرنا ہوگا کہ تم بھی ہماری طرف متوجہ کرنے کی کوشش نہ کرو گی۔ کسی بھی پہلو کی خلاف ورزی پر مناسب پیسے اور تیزاب پھینک کر تمہارا حسن برباد کر دیا جائے گا۔"

وہ پھر پریشان ہو گئی۔ "انتہائی بے رحمانہ دھمکی نہ دو۔ میں وعدہ خلافی نہیں کروں گی، مجرم بھی نہیں۔ وعدہ کرو کہ سیموئیل کو ہلاک نہیں کرو گے۔"

"لیکن کیوں؟"

"میں کسی انسان کے قتل میں شریک بننے سے نفرت کرتی ہوں۔ پیشہ ور [illegible] میرے ضمیر پر ہمیشہ لعنت کرتا رہے گا کہ میں... اپنی دوسروں کی طرح ایک آدمی کے قتل میں شریک ہوئی۔"

"ہاں ہاں... ہم اسے ہلاک نہیں کریں گے۔ بلوے چلے۔" عبداللہ بولا۔ "ٹھیک ہے اگر اس نے سیدھی طرح معافی مانگ لی تو تھوڑی دیر بعد ہی چھوڑ دیا جائے گا ورنہ دو چار دن میں ہم اس کے کس بل نکال دیں گے تو ہمارا ذکر بھی دوبارہ کسی کو شکار کر دو گی۔"

"کس بات کا؟"

"سیموئیل کی واپسی کا؟" عبداللہ بولا۔ "ایسا نہ ہو کہ وہ دو دن غائب رہنے کے بعد مرضی سے گھر لوٹ آئے اور تم سمجھو کہ ہم نے اسے مار کر کہیں دبا دیا ہے۔"

"تم دونوں جیسے ہمدرد سے تو قاتل نہیں لگتے۔"

سلاسی باتیں طے پا گئی تھیں۔ عبداللہ بھی یہی خیال تھا کہ مارجوری کو ایک ٹیکسی اسٹینڈ کے قریب اتار دیا گیا۔ وہ ہوٹل کے بڑے گیٹ [illegible]

"آج پولیس سے شکار ہو گیا ہے۔" عبداللہ خوشی سے سرشار لہجے میں بولا۔ [illegible]

"سارا کھیل ہی نظر آنے میں پہچان گیا تھا۔"

"مگر آج تم نے طوائف کی اصلیت دیکھی۔ وہ مردوں کو کیسے کیسے نچاتی ہے۔ اسے سیموئیل سے زیادہ اپنے کام اور گاہکوں کی فکر لاحق ہے۔ اب وہ اس سے نجات دلانے کے لیے تیار ہے۔"

"عورت کا یہ روپ دیکھ کر تو اس مخلوق سے کراہت ہونے لگی ہے۔"

"عورت ہی نہیں تمہیں اس کاوش کے عوض بھی ملیں گے اور ان کا تناسب شاید زیادہ ہی نکلے گا۔" میں نے اس کی ایک طرف نہ ہونے پر مجبور کرتے ہوئے کہا۔

"تمہارے چہرے کے تاثرات سے لگتا ہے کہ اس موضوع پر کیا بحث ہے؟"

ملنے کسی زاویے میں ہے چلو ہمارے مفرور ٹھکانے پر چلنے کی کوشش کر چکے ہیں۔"

"اپنے فلیٹ پر کیوں نہ چلیں؟"

"وہاں اس پر تشدد نہ ہو سکے گا، اگر یہ اودھم بازی پر اتر آیا تو ہم فلیٹ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔"

"تشدد کی تو تم فکر نہ کرو۔ میرے دماغ میں بڑی اچھی تجویز ہے۔ مسئلہ صرف یہ ہے کہ اسے لے جاتے ہوئے کار ڈرائیوروں یا ٹیکسی اسٹینڈ کے ان پاس [illegible]

موجود ہوا تو سارا کیا دھرا چوپٹ ہو کر رہ جائے گا۔"
"مگر ابھی تک ہمارا تعاقب اس کی نظروں میں نہیں آیا ہے۔"
"اس سے کچھ بعید نہیں۔ وہ جس تیزی کے ساتھ کام کر رہا ہے۔"
"چارلس کب آ رہا ہے؟" وہ جانے کس خوشی میں ہوگی کہ سیموئیل بڑے بنا کے ہاتھ آیا ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔
"میں سمجھا نہیں۔"
"وہ ہے تمہارے فلیٹ تک پہنچنے کی کوئی صورت نکال سکتا ہے۔"
"تم اس کھوپڑی والے کام کو رہنے دو۔" وہ جھنجھلا کر بولا۔ "بنگالی کی بڑی عقل میں ذہن سے کام لینا خاصا دشوار ہو جاتا ہے۔"
"تو پھر کیا ارادہ ہے۔"
"سیموئیل خود ہی دوبارہ ہوٹل میں نہ بیٹھے گا۔"
بیٹے فکر رہو فلیٹ پہنچنے کے بعد بھی کافی انتظار کرنا پڑے گا۔"
"تو دو تم ڈریسنگ سیٹ سنبھالو۔ مجھے کسی فون کا انتظار ہے" آگے نکل جانا۔ میں نے ہدایت کی۔ وہ دستانے کے ساتھ ہوا تو میں نے پیچھے ڈریسنگ سیٹ سنبھالی تو میں نے نہ جانے میرا حقیقی کیا رُخ تھا۔ میں خاصا وقت گزارنے کے بعد دوسری آواز ابھری ثابت ہوئی تھی۔ وہ بلا شبہ خاص گرم تھی مگر اس کے شیشے پر پڑی گرد کا سایا تھا بہر حال جس کے باعث کسی انجان کا شک ہے کہ اس وقت کمرہ روشن تھا کیونکہ میری روشنی ہی پر تمام اندر دیکھا جا سکتا تھا جب کمرے کا روشن ترین روشنی نظر نہ آئی۔
چند ہی منٹ بعد ایک فون بوتھ پر مخصوص روشنی نظر آئی اور میں نے عبداللہ کو اشارہ کیا۔ وہ خود سڑک پر آگے بڑھتا چلا گیا۔
میں ایک لمبا چکر لگا کر واپس آیا تو عبداللہ میرا منتظر تھا۔
"میری تو قطعی جرأت نہیں ہوئی۔ وہ دستانہ کھول کر پھر آپ سے مخاطب ہوئے بولا۔ "مگر خوشی اس بات کی ہے کہ کام بن گیا ہے۔"
"چارلس سے بات ہو گئی؟"
"ہاں اس نے ایک لاجواب ترکیب بتائی ہے۔ ہم سیموئیل کو ایک ڈاکٹر کے مطلب پر چھوڑ دیں گے۔ تھوڑی دیر بعد اس کے لوگ ایمبولینس میں میرے فلیٹ پر پہنچ جائیں گے اور سب سے پہلے سیموئیل کو کسی مریض کی طرح اسٹریچر پر ڈال کر میرے فلیٹ میں لے جائیں گے۔ دیکھنے والوں کو ذرا سا بھی شبہ نہ ہو سکے گا۔"
"واقعی لاجواب تجویز ہے مگر کیا اس کے لیے ایمبولینس ادھر آ سکتی ہے؟ جبکہ ابھی تمہاری خدا کرے کوئی تیار ہو جائے گا۔"
"وہ چارلس کے ذاتی معالج کا سیکرٹری ہے۔ آج کل ڈاکٹر کی غیر موجودگی میں محض سرکاری کلینک کھولتا ہے۔ بہر حال ہمیں اس سے کوئی غرض نہ ہونی چاہیے۔ یہ سب چارلس کا درد سر ہے۔" عبداللہ نے لاپروائی سے کہا۔
تھوڑی دیر بعد عبداللہ نے ایک خوبصورت کلینک کے سامنے گاڑی

رکوائی۔ پھاٹک پر موجود شخص نے کار کو قریب دیکھتے ہی ہاتھ ہلا کر گیٹ کھلوا دیا۔ جانے کا اشارہ کیا۔ اس میں نئے ماڈل کی ایمبولینس گاڑیوں کے آگے کھڑی تھیں۔ کلینک کے دروازے پر ایک قوی الجثہ شخص سرخ پرچہ لیے کھڑا تھا۔ وہ کسی ڈاکٹر کے سیکرٹری کے بجائے کوئی لاچار مسلح جرائم پیشہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ جبلی تریں موجود تھے۔
"تم کون ہو چارلس؟" قوی الجثہ شخص نے تیزی سے آگے بڑھ کر سرگوشیانہ لہجے میں دریافت کیا۔
اثبات میں جواب ملتے ہی اس نے مریض کے بارے میں پوچھا۔ چارلس کے اشارے پر ہم نے سیموئیل کو اسٹریچر پر ڈال دیا۔ بمشکل دو منٹ بعد ہم اپنے بوجھ سے چھٹکارا حاصل کر کے فلیٹ کی طرف جا رہے تھے۔
"وہ لوگ تمہارا فلیٹ کیسے تلاش کریں گے؟"
"اسے بھول جاؤ" میں نے کہا "آج یہ سب چارلس کا درد سر ہے۔" عبداللہ نے جواب دیا۔ "مجھے کام نہیں کرنا۔"
ہم دونوں کو فلیٹ پر پہنچے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ چارلس کی وہاں آمد ہوئی۔ اس کے چہرے سے خاصی شگفتگی کا اظہار ہو رہا تھا۔
"کیا تمہیں یقین ہے کہ سیموئیل ہاتھ کا دعویٰ کرنے والا آدمی ہے؟" دو دن کی نیند کے بعد چارلس نے انکشاف کیا۔
"کسی آدمی کی ایسی بات پر یقین کرنا مشکل ہے۔"
"مشکل!" چارلس نے پوچھا۔
عبداللہ فوراً میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "ذرا چارلس کو تفصیل بتاؤ۔ میں تو ایک مختصر گفتگو کے بعد سارا قصہ بھول جاتا ہوں۔"
"اول تو ان دونوں کو سیموئیل کے پاس پانچ پیسے کا خالی لفافہ ملا ہے۔ اور جو کال گرل اسے ملی تھی اس کی وجہ سے قریب پہنچنے کا موقع ملا۔ ایک لمحے کے لیے اس کی ہوش کی حالت سے اس نے صاف ظاہر کیا تھا کہ ہم دونوں کو ظاہر ہے کہ یہ تمام ہو سکتا ہے۔ اس کا نام تک بتا دیا تھا مگر اس کے باوجود سیموئیل ہمیں پہچان گیا۔"
"دوسرا نکتہ بہت اہم ہے۔" چارلس بولا۔ "کیا وہ تمہیں مشکل میں ڈال سکتا ہے؟ مطلب پر آگیا تھا۔"
اس پر میں نے اختصار کے ساتھ مارچوری کی نیلگاں پر پیش آنے والے واقعات چارلس کے سامنے دہرا دیے۔
"میرا خیال ہے کہ وہ آسانی سے زبان نہیں کھولے گا" چارلس نے کہا۔ "تمہاری گفتگو سے مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ سیموئیل خاصا سخت جان ثابت ہوگا۔"
"میں اس پر تشدد کا ایک نیا طریقہ آزماؤں گا۔" عبداللہ نے کہا۔ "تمہارے طریقے کی وضاحت نہیں کر سکتے؟" میں نے کہا۔
"تم نے پاکسی اسٹیل کا نام سنا ہے؟"

"یہ بیٹ نیا نام ہے۔"
"یہ ایک پیٹ کا مشہور پاؤڈر ہے۔ کسی بیماری کی حالت میں تم بتا یا جاتا تھا اور دعا ہے کی لڑکی ہوش میں آئی تو لوگوں کے ہاتھ پیروں میں انتہائی مضبوطی سے جوڑ دیا جاتا ہے۔"
"تمہاری بات سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"میں اس کے بازوؤں کو پیٹ اور پسلیوں سے جوڑ دوں گا۔ اس کے منہ اور نتھنے بند کر دوں گا اور آخر میں اس پر بھی چپکا کر آنکھوں پر پٹی باندھ دوں گا۔ پھر وہ جیسے ہی سانس لے گا اس کی دونوں آنکھوں پر پاکسی اسٹیل کا لیپ چڑھا دوں گا۔"
"مطلب یہ آسانی سے نہ نکل سکے گا؟" میں نے پھر پوچھا۔
"اسے کوئی سرجن بھی آپریشن کے ذریعے الگ نہیں کر سکے گا کیونکہ پاکسی اسٹیل سوکھ کر لوہے کی طرح سخت اور مضبوط ہو جائے گا۔"
"بڑی خوفناک ترکیب ہے۔" چارلس تحسین آمیز لہجے میں بولا۔ "اگر اسے اندازہ ہو جائے تو یہ ترکیب اس پر آزمانی چاہیے کس قدر اذیت ناک ہوگی۔ اگر اس کی بینائی درست ہوئی تو آنکھیں کھولنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ وہ چیخنے کے لیے منہ بھی نہ کھول سکے گا۔ یہ ترکیب تو دشمن کو زندہ درگور کرنے کے برابر ہے۔"
اس وقت سارا منصوبہ مکمل ہو چکا تھا۔ دروازہ کھولا تو دونوں اشخاص لیٹے ہوئے ایک شخص کو لیے موجود تھے۔
ان لوگوں نے بغیر کچھ کہے اندر آ کر عبداللہ کی ہدایت پر سیموئیل کو بستر پر ڈال دیا اور واپس چلے گئے۔
عبداللہ نے پاکسی اسٹیل کی خاصی مقدار موجود تھی جس سے اس نے ایک نیم گرم محلول تیار کیا اور پھر سیموئیل کی انگلیوں کے درمیان پاکسی اسٹیل لگا کر اس کی ہتھیلیاں آپس میں جوڑ دیں۔ چارلس سگریٹ سلگا کر دلچسپی کے ساتھ ساری کارروائی دیکھتا رہا۔
"جب تک ہوش میں آئے گا اس کی مٹھی اسی حالت میں جم جائے گی۔" عبداللہ نے اپنا کام ختم کرنے کے بعد اطمینان سے کہا۔
"پہلے بھی ایسا تجربہ کیا تھا؟" چارلس نے پاکسی اسٹیل کے بارے میں نہایت دلچسپی سے خاصا متاثر نظر آ رہا تھا۔
"ہر بار کامیابی ہوئی ہے۔" عبداللہ نے ہاتھ دھوتے ہوئے کہا۔
"کیا یہاں اس جگہ کسی مزدوری کی ضرورت ہے؟" چارلس نے پوچھا۔ "مجھے معلوم ہے کہ تمہیں اس وقت کہیں اور ہونا چاہیے تھا۔"
"میں نے عبداللہ سے یہ قسم لے لی ہے کہ میرے ساتھ آئی"

ہے۔ اب وہ لوگ پاگلوں کی طرح اسے ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے۔ اس سے قبل کہ وہ لوگ اس کی بو سونگھتے ہوئے یہاں پہنچ جائیں ہمیں محنت کا لطف اٹھا لینا چاہیے۔"
"اللہ ہر شخص کو ظالموں کے عذاب سے محفوظ رکھے۔" عبداللہ ہاتھ سلام کے لیے اٹھاتے ہوئے بولا۔ "ہم تمہاری مغفرت کی دعا کریں گے۔"
چارلس واپس چلا گیا اور ہم دونوں سیموئیل کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنے لگے جو قالین پر بے سدھ پڑا تھا۔
اچانک ہی عبداللہ کو سب سے اہم کام کا خیال آیا اور اس نے سیموئیل کی جیبوں کی تلاشی لینی شروع کر دی۔
اس کی جیبوں سے سات ہزار ڈالر کی رقم کے علاوہ ایک چھوٹا خودکار ریوالور اور جیب میں ایک لمبا چاقو بھی برآمد ہوا۔ جیب میں ایک بٹوہ تھا اس کی ایک پرانی تصویر موجود تھی۔ اس کے پیچھے ایک تصویر بنی ہوئی تھی اور اس کے خانے میں ایک کاغذ پر ٹیلیفون نمبر اور پتے درج تھے۔
عبداللہ نے غور سے اس کاغذ کا جائزہ لیا تو اس پر پتوں کے ساتھ فون نمبر بھی لکھے تھے اور وہ فوراً ہی فونوں کی طرف متوجہ ہوا۔
ان میں سے ایک نمبر ماروسی کے گھر کا ثابت ہوا۔ دوسرا کسی مالیہ دفتر کا نمبر تھا۔
سیموئیل ہوش میں آیا تو خود کو ایک اجنبی جگہ پر ہم دونوں کے درمیان دیکھ کر بوکھلا گیا۔ وہ ہتھیلیوں میں ہاتھ جکڑا ہوا۔
عبداللہ کے فلیٹ کی ایک کھڑکی کو اس طرح بنایا ہوا تھا کہ وہاں سے باہر کا کوئی منظر دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ بعض اوقات فلیٹ میں ہونے والی آواز سے یہ اندازہ ہو سکتا تھا کہ کوئی منزلہ عمارت میں واقع ہے مگر عبداللہ نے اس امکان کو عارضی طور پر نظر انداز کرتے ہوئے سیموئیل کو بتایا کہ وہ اس وقت ایک ویران اور آبادی سے دور کسی علاقے میں ہے جہاں اسے قتل بھی کر دیا جائے تو دور دور تک اس کی آواز بھی نہیں سنی جا سکے گی۔
اسی وقت سیموئیل کو پہلی بار اپنے ہاتھ کا ہوش آیا۔ جب وہ کافی کوشش کے باوجود اپنی مٹھی کھولنے میں ناکام رہا تو اس نے دائیں ہاتھ سے تمام بٹن کھولنے کی کوشش کی مگر اس وقت تک پاکسی اسٹیل سوکھ کر لوہے کی سی مضبوطی اختیار کر چکا تھا۔
"یہ کیا مصیبت ہے؟" وہ اپنا ہاتھ عبداللہ کی طرف بڑھا کر غرایا۔ "میرا ہاتھ کھولو۔"
"یہ سلوک کرنے کا ہے مزا بہت ہے۔" عبداللہ خشک لہجے میں بولا۔ "تمہارا ہاتھ کوئی ماہر سرجن ہی کھول سکے گا۔"
"تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"
"تمہارا چارہ ڈال کر تمہاری محبوبہ مارچوری کو بھیجوا دیں گے۔" "مجھ پر ہاتھ ڈال کر تم بڑی مصیبت کو دعوت دے بیٹھے ہو۔"

اس کا لہجہ بدستور دھیما اور تمسخر آمیز تھا۔ شاید وہ صورت حال کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔

"پہلے بتایا ہوتا تو احتیاط کرتے۔ اب تو مجبوری ہے!"

"ویری گڈ مسٹر! میرا کام تو ٹھیک کرو۔" اس بار وہ مجھ سے براہ راست مخاطب ہوا۔

"اوہ... تو تم میرے پیچھے چھپے ہوئے تھے۔" میں نے حیرت سے کہا۔ "مارجوری کے گھر پر تو میں غلط فہمی کا شکار ہو گیا تھا۔ تم مجھے جوزف لا پلانار کہہ رہے ہو۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم مارجوری کے گھر پر کوئی پیش قدمی کرو گے۔ اگر اس وقت میں تمہیں اطلاع دیتا تو وہی حماقت تمہارا مقدر بن جاتی۔"

"بکواس بند کرو اور یہ بتاؤ کہ کارڈیلو کہاں ملے گا؟"

"وہ تمہاری پہنچ سے باہر جا چکا ہے!"

"ہمارے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ تم اس کا پتہ بتاؤ۔"

"میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ اس وقت مصر میں ہے۔"

اسے کافی دھمکیاں دی گئیں مگر وہ اسی بیان پر اڑا رہا۔ آخر اسے دھوکا دے کر تھوڑی ہی دیر کے بعد پھر بے ہوش کر دیا گیا۔ اس بار عبداللہ نے اس کے داہنے کان اور نتھنے میں بالکل اسی انداز میں اچھی طرح بھر دیا اس کے بعد سیموئیل کے دونوں بازو قتل کر دیئے سے پہلے یہ منحصر تھا مگر میں بات اسے زندہ رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ عبداللہ چاہتا تھا کہ سیموئیل جب تک زندہ رہے اسرائیلی مفادات کے لئے کام کرنے والوں کے لئے عبرتناک مثال بنا رہے۔

اگر سیموئیل کے بدن کے تمام اعضاء کاٹ کر ایک ایک جوڑ کر کے گوشت اور ہڈیوں کے ایک زندہ تھرا دینے والے منظر میں بدل دیا جاتا تو وہ اسرائیل یا اس کے کارندوں کے لئے عبرت کی ایک شاندار مثال تو ضرور بن جاتا مگر اسرائیلی پریس اور حکام اس کے وجود کو فلسطینی بربریت اور درندگی کا ایک مظلوم شاہکار قرار دے کر عالمی رائے عامہ کی ہمدردیاں فلسطینی تحریک کے خلاف کرنے کی کوشش ضرور کرتے اور ان کی تحریک کو یقیناً کامیابی حاصل کرتی۔ اس پہلو کے پیش نظر مناسب یہی تھا کہ ان کے کرداروں کو ہلاک ہی کر دیا جائے۔

رات کے دو بجے جب سیموئیل دوبارہ ہوش میں آیا تو شاید پہلی بار اسے خطرناک صورتحال کا اندازہ ہوا کیونکہ اس کا داہنا کان اور نتھنا بالکل بے حس ہو چکا تھا۔

اور جب عبداللہ نے اس کار روائی کے اگلے حصوں پر روشنی ڈالنی شروع کی تو وہ وحشت زدہ انداز میں زبان کھولنے پر مجبور ہو گیا۔

"اب تو میرا کان صاف کرنے کی صورت بتا دو۔ اس کان سے مجھے کچھ نہیں سنائی دے رہا۔" اس نے کارڈیلو کا ٹھکانا بتانے کے بعد وہ کراہا۔

"خدا کا شکر ادا کرو کہ تمہارا دوسرا کان صحیح سلامت ہے۔ تمہارے کان میں ڈالا گیا وہ اتنا گاڑھا تھا کہ وہ پردے تک نہیں آیا ورنہ تمہاری زندگی عذاب ہو جاتی۔"

"کم از کم اتنا بتا دو کہ وہ تھا کیا؟"

"پگھلا ہوا موم!"

"نہیں!" وہ خوفزدہ انداز میں اچھل پڑا۔ اس کا بایاں ہاتھ بے اختیار داہنے کان کو ٹٹولنے لگا۔

عبداللہ ہنس پڑا۔ "گھبراؤ نہیں۔ وہ پگھلا ہوا موم تمہارے جسم پر آبلے کہیں بھی نہ ڈال سکیں گے۔ یہ محلول ایک عمدہ تجربہ ہے۔"

"اب تم یہ بتاؤ کہ ہمارے بارے میں کارڈیلو کیا سوچ رہا ہے؟" میں نے بازپرس کے دوسرے دور کا آغاز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"مجھے چھپنے کا ٹھکانا اس نے فراہم کیا ہے اور وہ مسلح آدمی اس کی حفاظت پر مامور ہیں۔ وہ تم دونوں کے حلیے مجھے بتا چکا ہے۔ پیشہ ور قاتل میرے ایماء پر شہر بھر میں تم دونوں کی بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔"

"وہ مجھے بھی مروانا چاہتا ہے؟"

"تمہارے ساتھی کو تو قتل بھی کرا چکا تھا اور تمہارے اغوا کی کوشش میں ناکامی کے بعد ہی قتل کرنے کی ہدایت دی گئی تھی۔"

"اور ان انتقامات کے لئے اس نے تمہیں کیا معاوضہ دیا ہے؟"

"مجھے منتخب کیا گیا ہے۔ تم دوئی کی گئی تھی۔"

"دوسرا کا خیر خطرہ کس نے بھیجے تھے؟"

"وہ میں نے بھیجے تھے اور کارڈیلو نے خود ہی..."

"تمہارے کرائے کے آدمی کس بنیاد پر ہمیں تلاش کر رہے ہیں؟"

"ان جاسوسوں کو تمہارے نام اور حلیے بتائے گئے ہیں۔"

"ڈاکٹر کا نام آنے کا مطلب قریب ہے۔"

ہوگا۔" عبداللہ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں! انہیں سات سو ڈالر فی کس دیئے گئے ہیں۔" اپنے تحفے کو سہتے ہوئے بولا۔ "تمہیں مارنے والے کو ڈالر دینے کا وعدہ کیا گیا تھا جب کہ ڈاکٹر کو زندہ پکڑ کر لانے والے کو ڈیڑھ ہزار ڈالر تک ملیں گے۔"

"کیا بات ہوئی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کارڈیلو تمہیں زندہ دیکھنا چاہتا ہے۔"

"... وہ لوگ اغوا کی جان توڑ کوشش کرتے۔ گولی مار دینا تو بہت آسان بات ہے۔"

"تم یہودی تو ہو مگر خاصے عقلمند ہو۔" میں نے اس کی تعریف کر ڈالی۔ "ان معلومات کے صلے میں تمہاری جان بخش دی گئی ہے مگر تم اس وقت تک ہماری قید میں رہو گے جب تک کارڈیلو کا قصہ نہیں نمٹ جاتا۔"

"میں یہودی والدین کی اولاد ضرور ہوں مگر صیہونی نہیں۔" وہ بولا۔ "میں کارڈیلو کے لئے پیسے کی خاطر کام کر رہا تھا۔ اگر تم معقول معاوضے کی یقین دہانی کراؤ تو میں تمہارے لئے کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم شاید ہی کارڈیلو کو گھیر سکو۔"

"وہ کیوں؟"

"اسے اب تک میرے اغوا کا علم ہو گیا ہوگا۔ وہ کسی چیتے کی طرح ہوشیار ہے۔"

"اسے کیسے علم ہو سکتا ہے؟"

"میری ایک ڈیوٹی یہ بھی ہے کہ ہر دو گھنٹے کے بعد مقررہ وقت پر اسے فون کر کے تازہ ترین ہدایات لوں۔ آج رات دس بجے میں اسے فون نہیں کر سکا اور وہ سمجھ گیا ہوگا کہ میرے ساتھ کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے اور پھر اس نے میرے بارے میں مارجوری کو فون کیا ہوگا۔"

"مارجوری اسے ایک لفظ بھی نہ بتا سکے گی۔ وہ پیشہ ور طوائف ہے اور خود کسی معاملے میں ملوث ہونا پسند نہیں کرتی۔"

"مگر کیا تم نے اسے مجبور کیا تھا؟" سیموئیل یک لخت بے چین ہو گیا۔

"یہی مجبوری!"

"پھر مارجوری خطرے میں ہے۔" وہ مضطربانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔ "کارڈیلو دھوکا دینا مارجوری جیسی لڑکیوں کے لئے کوئی بات نہیں ہے۔ اگر اسے شبہ ہو گیا کہ مارجوری نے غلط بیانی کی ہے تو وہ اس پر ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ہاتھ ڈال دے گا۔"

"تم کارڈیلو کو ٹریس کرنے کے لئے ہم سے کیا معاوضہ چاہتے ہو؟"

وہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔ "پہلے میں مارجوری کی خیریت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اگر وہ کارڈیلو کے ہاتھ لگ گئی ہے تو پھر مجھے خود اسے بچانا ہوگا۔ ایسی صورت میں تم جو دے دو گے وہ خوشی سے قبول کر لوں گا۔"

اس کا داہنا ہاتھ انگلیاں جل جانے کے سبب ناکارہ ہو کر رہ گیا تھا۔ عبداللہ نے اس کا بتایا ہوا مارجوری کا نمبر ملا کر فون کا ریسیور اس کے منہ پر رکھ دیا اور ٹیلی فون کا دوسرا ریسیور خود سنبھال لیا۔ عبداللہ نے ایسا کیوں کیا میں نے بھی تعرض نہ کیا کیونکہ گفتگو فرانسیسی میں ہونے والی تھی۔

فون پر بات شروع ہوئی اور دو تین ہی فقروں کے بعد سیموئیل کے لہجے میں تحیر کے ساتھ پریشانی سمٹ آئی۔ مختصر سی گفتگو کے بعد اس نے ریسیور رکھا تو اس کا چہرہ اترا ہوا نظر آ رہا تھا۔ جیسے اس نے کوئی بری خبر سن لی ہو۔

"سیموئیل کا خیال درست تھا۔ مارجوری غائب ہے!" عبداللہ نے انکشاف کیا۔

"وہ کیسے؟"

"گیارہ بجے کسی گمنام شخص نے سیموئیل کے لئے فون کیا تھا جسے بتایا گیا کہ وہ سیموئیل کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ پھر اس نے مارجوری سے بات کرنی چاہی تو اسے بتایا گیا کہ مارجوری نے اسے بتایا سیموئیل دوپہر سے واپس نہیں لوٹا۔" عبداللہ بتانے لگا۔ "پھر ساڑھے گیارہ بجے قریبی پولیس اسٹیشن کے افسر کا فون آیا۔ اس نے بتایا کہ ایک سڑک سے مسخ کی ہوئی لاش ملی ہے جس کی شناخت کرانی ہے۔ مارجوری بوکھلائی ہوئی حالت میں روانہ ہوئی اور ابھی تک واپس نہیں لوٹی۔ ٹیلی فون کے ذریعے پولیس اسٹیشن سے رابطہ قائم کیا تو وہ لوگ کسی بھی فون کال سے لاعلم ہیں۔"

"تو اب صورت یہ ہوئی کہ سیموئیل اب کارڈیلو کو فون کرے؟" میں نے کہا۔

"مجھے معلوم تھا کہ مارجوری اسے دھوکا نہ دے سکے گی۔ اب تک اس نے اپنی زبان کھول دی ہوگی۔" سیموئیل کا لہجہ غم آلود تھا۔

پھر اس نے کارڈیلو سے بھی بات کی جو عبداللہ دوسرے فون پر سن رہا تھا۔ کارڈیلو نے سیموئیل کا نام سننے کے بعد بس اس قدر کہا کہ وہ فوراً دیئے گئے پتے پر پہنچ جائے اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ سیموئیل نے دوبارہ سلسلہ ملاتے ہی مارجوری کے بارے میں دریافت کیا تو کارڈیلو نے اسے بری طرح جھڑک کر کہا کہ وہ کسی مارجوری کو نہیں جانتا اور اگر اسے تیسری بار فون کیا گیا تو وہ سیموئیل کی زندگی برباد کر دے گا۔

تیسری بار میں نے نمبر ملایا جس کا جواب نہ ملا۔ میں کافی دیر تک مسلسل کوشش کرتا رہا مگر رابطہ قائم نہ ہو سکا۔ شاید کارڈیلو نے فون کا ریسیور ہی کریڈل سے ہٹا دیا تھا۔

"شاید وہ میری طرف سے بھڑک گیا ہے۔ اگر ہم نے تاخیر کی تو وہ مارجوری کو مار ڈالے گا۔" سیموئیل اپنا کھوکھلا کراہتا ہے ورنہ محبوبہ کے زوال میں بے چین ہوا جا رہا تھا۔

"تم سے بھڑکنے کی وجہ؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ دو اور دو چار کرنے کا ماہر ہے۔ مارجوری سے تمہارا دونوں کا حلیہ سن کر وہ سمجھ گیا ہوگا کہ میں اس کے حریفوں کے ہاتھ پڑ گیا ہوں۔"

اگر میری وفاداری کی طرف سے مشکوک نہ بھی ہوا تو یہی سمجھا ہوگا کہ مجھے تم لوگ زبردستی اُسے قتل کرنے پہ مجبور کر رہے ہو۔"

"پھر تو تمہارے پہنچنے تک اپنا ٹھکانا بھی چھوڑ چکا ہوگا۔"

"وہ اتنی جلدی وہ ملاح بری کو ساتھ نہ لے جا سکے گا۔"

"تو پھر تم یہیں رہو گے، ہم اُسے دیکھیں گے۔"

"خدا کے لئے مجھے ساتھ لے چلیں تمہیں دغا نہیں دوں گا۔"

"تمہیں ساتھ لے جا کر ہم دوسرا جوا نہیں کھیل سکتے۔"

"اس کے دونوں محافظ تمہیں دور سے دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔ مجھے ساتھ لے چلو گے تو وہ تم پہ ہتھیار نہیں اٹھا سکیں گے۔" وہ گڑگڑا کر بولا۔

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے اسے ساتھ لے لو۔" عبداللہ نے کہا۔

ہم تینوں خاصا سفر ساتھ طے کر نہایت عجلت کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ رات کا آخری پہر بیت رہا تھا۔ شہر پہ کہر کی گہری چادر چھائی ہوئی تھی اور سڑکیں ویران پڑی ہوئی تھیں۔ عبداللہ کار کو بھگا کے دوش پہ اڑائے لیے جا رہا تھا۔

قلیل سے عرصے میں ہم شہر سے باہر نکل آئے اور پختہ سڑک کے بجائے پہاڑیوں کے دامن میں بنے ہوئے راستے پر آگئے۔

وہاں گہری دھند کے باعث عبداللہ کو محتاط ڈرائیونگ کرنی پڑی۔ کیونکہ ہر چالیس پچاس گز کے بعد اچانک سامنے کوئی موڑ یا ڈھلان آجاتی تھی اور پھر سفر کو جاری رکھنے کیلئے کار کو سیموئیل کی ہدایت پہ موڑنا پڑ جاتا تھا۔

"اگر وہ اسی علاقے میں ہے تو سیلوں دور سے گاڑی کے انجن کی گونج سن کر ہوشیار ہو جائے گا۔" عبداللہ نے کہا۔

"میں تمہیں منزلِ مقصود سے دور لے جا رہا ہوں۔" سیموئیل بولا۔ "چند منٹ بعد ہم چڑھائی عبور کر کے ایک میدان میں جا نکلیں گے وہ میدان سے آگے ایک ویران زرعی فارم میں رہ رہا ہے۔"

"تو کیا وہاں تک کار ڈرائیو کرتے ہوئے جانے کا ارادہ ہے؟" میں نے چونک کر اس سے دریافت کیا۔

"میں احمق نہیں ہوں۔ کار میں تین سو گز کا فاصلہ دور سے ہی دشمن کو خبردار کر دے گا۔ ہم کار کو پہاڑیوں میں چھوڑ دیں گے۔"

پہاڑی سلسلہ عبور کرنے کے بعد گاڑی کی تمام روشنیاں بجھا دی گئیں اور اندھیرے کی دھند میں پہاڑوں میں سفر جاری رہا۔

ایک مقام پر سیموئیل کی ہدایت پہ کار پہاڑیوں کی اوٹ میں روک دی گئی اور ہم لوگ کارتوسوں کی پیٹیاں کندھوں پہ ڈال کر پیدل ہی آگے بڑھنے لگے۔ راستے میں ہی گن کی چیمبر کا پیٹیوں سے کارتوس نکال کر اوورکوٹ کی جیبوں میں بھر چکا تھا۔

"اگر مجھے اس ماحول کا اندازہ ہوتا تو کم از کم ایک مفلر ضرور ساتھ لے لیتا۔ ہمارے لبادے زیادہ موٹے ثابت نہیں ہو سکے۔" یخ بستہ ہوا چہرے پہ پڑ رہی تھی۔

"ہم دشمن کو للکار کر مورچہ بند مقابلہ کرنے نہیں آئے۔ اگر ہم خاموشی سے ان کے سر تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تو معاملہ چٹکی بجاتے حل ہو جائے گا۔" سیموئیل بولا۔

"اور اگر وہ تینوں سوتے ہوئے مل گئے تو شاید گولی بھی نہیں چلانی پڑے گی۔" عبداللہ چلتے چلتے بولا اور میں بے اختیار ہنس پڑا۔

تھوڑی دیر بعد ہمیں دھند میں روشنی کا ایک ہیولا سا نظر آنے لگا اور سیموئیل نے بتایا کہ پتھروں سے بنا ہوا وہ پرانا فارم ہاؤس کارلو کی پناہ گاہ ہے۔

"تم لوگ پیچھے رکو۔ پہلے میں تنہا آگے جاؤں گا اور اگر وہ بیدار ہوئے تو مجھے پہچان لیں گے اور میں کسی طرح انہیں باتوں میں لگا کر دو مرتبہ الو کی آواز نکالوں گا، سگنل سن کر تم آگے بڑھتے چلے آنا۔"

"اور اگر وہاں پہنچ کر تم کارلو سے مل گئے تو ہمارے لیے موت کا پھندا بن جائے گا۔ نہیں میرے عزیز ایسی حماقت مت کرو۔" عبداللہ بولا۔

"مجھے ساتھ چلنے میں کوئی عذر نہیں مگر تین سائے ان کو خبردار کرنے کو کافی ہوں گے۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔

"کوشش کریں گے کہ ہم ان کی نظروں میں آئے بغیر قریب تک پہنچ سکیں۔ اس سلسلے میں گہری دھند بھی ہمارا ساتھ دے گی۔"

"میرا خیال ہے کہ سیموئیل کی بات مان لو۔" اس مرتبہ میں نے سفارش کی۔ "اگر یہ ہمیں فریب دینے کی کوشش کرے گا تو ہماری ہی گولی سے مارا جائے گا۔ ہم دس پندرہ فٹ کے فاصلے سے اس کے پیچھے چلیں گے۔"

"ہاں یہ تجویز درست ہے۔ اس دھند میں دس فٹ کا فاصلہ بھی کافی ہوگا۔ تم صرف مجھے دیکھتے رہو گے، میری آواز بھی سن سکو گے۔ اگر مجھے کوئی خطرہ نظر آگیا تو میں دور ہی سے اسے پکار لوں گا اور تم پیچھے رک جاؤ گے۔"

اس تجویز پر اتفاق رائے ہوتے ہی عمل درآمد شروع ہو گیا۔ کسی نامعلوم جذبے کی شدت سے وہ آگے نکل گیا اور ہم مناسب فاصلے سے اس کے پیچھے ہو لیے۔

رات کے پرہول سناٹے میں ہمارے قدموں کی چاپ بہت پراسرار محسوس ہو رہی تھی جیسے ہم دھند میں درختوں کے درمیان پھر رہے ہوں۔ ہمارا بڑھتا ہوا ہر قدم ہمیں موت یا کامرانی کے قریب لے جا رہا تھا اور میں شدید ٹھنڈ کے باوجود جسم میں حرارت محسوس کر رہا تھا۔

وہ مشینی مگر پرانی طرز کی کافی دیر جاری رہی۔ پریشان زدہ روشن دانوں نے غیظ و غضب کی صورت اختیار کر لی تھی مگر وہ عمارت اب پراسرار خاموشی میں چھپی ہوئی تھی۔

وہ جیسے ہی فضا اسٹین گن کے مہیب شور سے گونج اٹھی ہم دونوں زمین پر گر گئے اور اسی وقت فائرنگ کے مسلسل شور میں ایک چیخ سنائی دی اور اس کا چلنا بند ہو گیا۔ سیموئیل زمین پر گر گیا۔

سیموئیل جو فائر کرنے کے ساتھ ہی اسٹین گن کا نشانہ بنا تھا، اس کی صورت آہستہ آہستہ دھند میں چھپ گئی اور پھر ایک اور اسٹین گن چل پڑی۔ اس کے دہانے سے نکلتے ہوئے شعلے دور سے نظر آ رہے تھے۔ بہت سی گولیاں سنسناتے ہوئے ہمارے آس پاس سے گزریں مگر ہمیں کوئی خراش نہ آ سکی۔ اندازہ ہوا کہ فائرنگ کسی بلند مقام کے بجائے سطح زمین سے کی جا رہی تھی۔

تقریباً نصف منٹ کے بعد دونوں اسٹین گنز خاموش ہو گئیں۔ دوبارہ سناٹا طاری ہوتے ہی سے زمین پر پڑے ہوئے سیموئیل کی جانب سے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ وہ جس انداز میں چیخ مار کر زمین پر ڈھیر ہوا تھا اس کے پیش نظر زندگی کا امکان یہی تھا کہ وہ مر گیا ہوگا۔

"بس پیچھے ہی رکو۔" عبداللہ میرے کان کے نیچے سرگوشیانہ آواز میں بولا۔

"جیسا جناب کہتے رہے گا۔" میں نے بھی سے سرگوشی کی۔ "تم اپنا خیال رکھنا کیونکہ وہ ہمارے بارے میں ابھی کوئی خبر نہیں رکھتے۔"

"اسی طرح بیٹھے رہو۔" وہ بولا۔

"جلدی کرو۔" میں نے سرگوشی کی۔ "وہ دونوں مسلح ہیں، یہ جگہ عمارت میں تین آدمی ہوتے جا سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کارلو زمین پر لیٹ کر ہی پوزیشن سنبھالنے کیونکہ نہیں تو ہم گھیرے میں آجائیں گے۔"

ہم دونوں کی اسی تشویشناک حالت میں چپ چاپ پڑے کافی دیر گزر گئی مگر عمارت سے کوئی آواز یا حرکت سنائی نہیں دی۔

میرا خیال تھا کہ سیموئیل کو مارنے کے بعد کوئی نہ کوئی اپنے شکار کا جائزہ لینے قریب ضرور آئے گا مگر یہاں معلوم ہو رہا تھا کہ وہ ایک آدمی کے خون کی بھینٹ لینے کے بعد شاید سو گئے تھے۔

کچھ دیر توقف کے بعد ہم نے اپنے سامنے کی ہوئی جگہ عبور کر کے آہستہ آہستہ پیش قدمی شروع کر دی۔ ہماری حالت ایسی تھی کہ خطرناک دشمن کی جانب بڑھتے ہوئے ہماری پیش قدمی بھی بڑی حد تک محتاط تھی۔

عمارت کی جانب بڑھنے سے قبل ہم پر ایک بات ثابت ہو گئی تھی کہ ہم نے جو دیکھا نہیں تھا کہ اگرچہ وہ دشمن انتہائی ہوشیار تھا۔ وہاں تک کے بارے میں کوئی اقدام کرنے سے پہلے پورا یقین کر لینا چاہتے تھے کہ مرنے والے کے قریب دو جوان نہیں اور اس کا کوئی مددگار موجود نہیں ہے۔

سیموئیل بے چارہ مفت اعتماد کے باعث مارا گیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کے حقیقی کزنے کے محافظ اسے پہچان کر فائر نہیں کریں گے مگر کارلو نے شاید انہیں حکم دے رکھا تھا کہ کسی بھی قیمت پہ کوئی اجنبی قریب آنے نہ پائے اور شاید اسی طرح قدرت کو ہماری حفاظت بھی منظور تھی۔

اگر سیموئیل ضد کرتا اور میں عبداللہ کی مخالفت کے باوجود اس کی تجویز کی حمایت نہ کرتا تو ہم تینوں ایک ساتھ ہی پیش قدمی کرتے اور اس وقت ایک کی بجائے تین لاشیں پڑی ہوتیں۔

ایک ایک لمحہ میرے لئے کٹھن ثابت ہو رہا تھا اگر ہم دونوں اس وقت ایسی بری صورت حال سے دوچار تھے کہ ذرا سی بے احتیاطی کا مظاہرہ کرتے تو موت کے جال میں پھنس جاتے۔

آخرکار جلد ہی سے انتظار رنگ لے ہی آیا۔

گرا ہوا دھیرے سے عمارت کی طرف سے قدموں کی چاپ کی بھنک قریب آتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ آواز شاید عبداللہ نے بھی محسوس کر لی کیونکہ وہ پیٹ اور کہنیوں کے بل رینگتا ہوا پیچھے سرکنے لگا اور پھر اس کا چہرہ میرے قریب آگیا مگر اس وقت بھی وہ سامنے ہی کی طرف نگراں تھا۔

"کوئی آرہا ہے۔" عبداللہ نے اپنا منہ میرے کان کے قریب لا کر سرگوشی کی۔

"تم بھی اس طرف پوزیشن لے لو اور خاموش پڑے رہو۔" میری آواز انتہائی دھیمی مگر پُرجوش جذبے سے مرتعش تھی۔

"آنے والے کو کچھ پتا ہے نا؟" اس نے میرے پہلو میں پوزیشن لیتے ہوئے سوال کیا۔

"تم میری ہدایت کے بغیر کچھ نہیں کرو گے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"بہت بہتر جناب۔"

قدموں کی دھمک نے آہستہ آہستہ واضح صورت اختیار کر لی۔ آنے والا جو کوئی بھی تھا نہایت لاپروائی اور سکون سے آ رہا تھا۔

پھر دھیرے دھیرے میں کہر سے اس کا ہیولا نمودار ہوتا نظر آیا وہ خاصا جسیم اور دراز قامت شخص تھا جس کے سر پر فر سے بنا ہوا ہیٹ جما ہوا تھا۔

میں نے خود کو زمین سے چپکا لیا۔ آنے والے کا ہر قدم ہیولا کر رہی تھی۔ ڈوبتا ابھرتا تقریباً اس جگہ آ کر رک گیا جہاں سیموئیل پڑا ہوا تھا بے جان ہو چکا تھا۔ میں نے اپنا داہنا ہاتھ سیدھا کیا ہوا تھا جس میں تھامے ہوئے پستول کی نال اس نامعلوم سائے کی طرف اٹھی ہوئی تھی اور عبداللہ بھی میرا اشارہ پا کر فائر کرنے کے لئے تیار تھا۔

وہ سایہ زمین پر بیٹھ گیا پھر شاید وہ سیموئیل بریسے کے بدن کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کھڑے ہو کر کسی کو چارلی کہہ کر آواز دی۔

جواب میں کافی دور سے کسی نے اسے جواب دیا اور وہ چلا کر فرنچ میں چارلی کو کچھ بتانے لگا اس کے خاموش ہونے پر چارلی نے پھر کچھ کہا اور اس بولنے والے نے جھک کر نہایت اطمینان سے سیموئیل بریسے کی لاش اپنے کندھے پر لاد لی اور واپس چل دیا۔

مجھے اس وقت شدید جھلاہٹ محسوس ہو رہی تھی کیونکہ میں فرنچ زبان سے قطعی نابلد تھا اور اس اہم موقع پر بھی ان دو شخصوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ایک لفظ بھی نہ سمجھ سکا تھا۔ اس شخص سے فاصلہ اتنا کم تھا کہ میں عبداللہ سے بھی کچھ نہیں پوچھ سکتا تھا۔

اچانک عبداللہ نے اپنی جگہ سے سری جھاڑیوں میں ٹھوکا دیا اور خود رینگتا ہوا تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ میں بھی چونک کر اس کے ساتھ ہو لیا۔

تھوڑی دیر میں ہمیں عمارت کا تاریک خاکہ نظر آنے لگا اور ہم نے پیش قدمی روک دی۔ وہ شخص سیموئیل کی لاش لیے اس دروازے کی طرف جا رہا تھا جس کے پیچھے پر عمارت کا واحد بلب روشن تھا اور اس روشنی میں ایک شخص کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

روشنی میں سیموئیل کو لے جانے والے کے بائیں شانے سے جھولتی ہوئی اسٹین گن صاف نظر آ رہی تھی جبکہ دوسرے شخص کے ہاتھ میں دبی ہوئی اسٹین گن کسی بھی لمحے شعلے برسانے کے لیے تیار نظر آ رہی تھی۔ قریب پہنچنے پر ان دونوں میں ایک بار پھر چند فقروں کا تبادلہ ہوا اور پھر وہ سیموئیل کی لاش سمیت عمارت کے اندر چلے گئے۔

"کیا باتیں کر رہے تھے؟" میں نے میدان صاف پا کر عبداللہ سے دھیمی آواز میں سوال کیا۔

"سیموئیل کی لاش لے جانے والے کا نام ایرک ہے اور اس کا ساتھی چارلی ہے۔ ایرک نے اسے بتایا تھا کہ سیموئیل مر چکا ہے اور یہاں اس لاش کے علاوہ کوئی نہیں ہے جس پر چارلی نے اسے یاد دلایا کہ اس سے کوتاہی ہوئی تو کوئی تیسرا شخص ان دونوں کو معاف نہیں کرے گا۔ لہٰذا وہ اچھی طرح آس پاس کا جائزہ لے کر لاش اٹھائے اور عمارت میں داخل ہونے سے پہلے انہوں نے بڑی خطرناک بات کی تھی۔" عبداللہ نے رک رک کر بتایا۔

"وہ کیا؟"

"مجھے ڈر ہے کہ سیموئیل کا اندیشہ درست ثابت ہوا ہے۔ شاید مارچوری ہلاک ہو چکی ہے" عبداللہ نے مدھم آواز میں کہا۔

"کیا انہوں نے ایسی کوئی بات کہی تھی؟"

"ہاں۔ ایرک کہہ رہا تھا کہ اب دونوں لاشوں کو ساتھ ہی ٹھکانے لگانا ہو گا۔"

"وہ دونوں محافظ ہی معلوم ہوتے تھے لیکن انہوں نے نہایت سرد مہری سے سیموئیل ہی کو مار ڈالا جس نے انہیں کارڈیلو کا مرد کیا تھا۔"

"کارڈیلو ہماری توقعات سے زیادہ ہوشیار ہے۔ اسے یقین رہا ہو گا کہ فون پہ بات کرنے میں ناکامی کے بعد سیموئیل مجبوراً مارچوری کی تلاش میں ادھر آ نکلے گا اور پھر اس نے محافظوں کو حکم دے رکھا ہو گا کہ کسی بھی آنے والے کو زندہ نہ چھوڑیں خواہ وہ سیموئیل ہی ہو۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ سیموئیل سے اتنا بدظن کیوں ہو گیا۔"

"سیدھی سی بات ہے۔" عبداللہ نے زمین پہ [illegible] کہا۔ "سیموئیل نے مقررہ وقت پہ فون نہیں کیا جو نہایت غیر معمولی بات تھی۔ کارڈیلو جانتا تھا کہ سیموئیل مارچوری کے پیچھے دیوانہ ہو رہا ہے اور زیادہ سے زیادہ وقت اس کے ساتھ گزارتا ہے لہٰذا اس نے مارچوری کو فون کیا جب مارچوری نے اسے غیر تسلی بخش جواب دیا تو اس نے مارچوری کو گھر سے باہر آنے پہ مجبور کر کے اغوا کر لیا اور پھر سب کچھ اگلوانا اس کے لیے مشکل نہیں رہا ہو گا۔ کارڈیلو سیموئیل کی فطرت سے بھی واقف ہے جب اس نے تمہارے فلیٹ سے کارڈیلو کو مارچوری کے لیے فون کیا تو وہ بھانپ گیا ہو گا کہ سیموئیل مارچوری کے لیے ہم سے مل گیا ہے اور یہی چیز اس کی موت کا سبب بن گئی۔"

"اب کیا کریں؟"

"اندر گھسنے کی کوشش کرو۔"

"یہ بے کار ہے۔" میں نے کہا۔ "حالات سے پتہ چل چکا ہے کہ کارڈیلو اندر موجود نہیں ہے۔"

"دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ہم جان بچا کر یہاں سے نکل جائیں اور گمنام فون پہ پولیس کو اس عمارت میں دو لاشوں اور قاتلوں کی موجودگی کی اطلاع دے کر خفیہ ریڈ کرا دیں۔"

"اس سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔"

"اس نے پولیس کو تمہاری راہ پہ لگا کر تمہارے لیے تمام دروازے بند کر دیے تھے تم نے اس پناہ گاہ سے [illegible]"

میں اس بارے میں کافی دیر تک غور کرتا رہا مگر کوئی مناسب راستہ دکھائی نہ دیا۔ ہمارا اصل ہدف کارڈیلو تھا اور اس کی غیر موجودگی میں عمارت میں گھسنا غیر ضروری سنگین خطرات مول لینے کے برابر تھا۔ دوسری تجویز بھی غیر موثر نظر آتی تھی۔ ایک تیسرا راستہ یہ تھا کہ ہم چھپ کر کارڈیلو کے نمودار ہونے کا انتظار کرتے مگر یہ امکان بھی تھا کہ کارڈیلو سامنے آتا تو ہم دونوں شدید سردی میں پڑے پڑے اکڑ کر

بڑھ جاتے۔

جب میں نے عبداللہ کو اپنے خیالات سے آگاہ کیا تو وہ بے حد برہم ہو گیا۔ "تمہارا مطلب ہے کہ ہم یہاں تک آنے کے بعد ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر لوٹ جائیں؟"

"پھر کیا کیا جائے؟"

"مجھ پہ مایوسی طاری ہونے لگی ہے۔ اس وقت بہترین موقع تھا۔ ان دونوں کو عمارت میں گھسنے سے پہلے ہم گولی مار کر ہلاک کر سکتے تھے۔"

"ان کا خون بہانے سے کارڈیلو کا کیا بگڑتا؟"

"کمال ہے تم آج کیسی باتیں کر رہے ہو۔ یہ وہی جولس تو نہیں ہو جو بتا رہا تھا کہ یہ دونوں محافظ بار سا [illegible] ہیں انہوں نے سیموئیل کو مارا اور اگر ہم احتیاط نہ کرتے تو ان کی فائرنگ میں ہم بھی چاٹ لیے گئے ہوتے۔"

"پھر اندر گھسنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

سامنے سے پیش قدمی خطرناک اور جان لیوا ثابت ہو سکتی تھی لہٰذا ہم نے رینگتے ہوئے قدرے سے پسپائی اختیار کی اور پھر سیدھے کھڑے ہو کر طویل چکر کاٹتے ہوئے اندازے سے عمارت کی پشت پہ پہنچ گئے۔ اُدھر گہری تاریکی اور دھند کا راج تھا۔

اس طرف بجلی جیسی چند فٹ کے فاصلے سے بھی نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ پھر بھی ہم نے چوروں کا انداز اختیار کر کے عمارت کی عقبی دیوار کے قریب پہنچ گئے۔

اس طرف زمین سے چار فٹ کی بلندی پہ مضبوط آہنی جالی والی کھڑکیاں واضح تھیں۔ جن کے عقب میں گھور تاریکی کا راج تھا۔

میں نے بہت آہستگی اور احتیاط سے پہلی کھڑکی کے جوڑے پٹ پہ ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ پٹ کو اندر کی طرف خفیف سی جنبش ہوئی اور دونوں پٹ کھل گئے۔ میں نے اتنی تیزی کے ساتھ کھڑکی سے ہاتھ ہٹا لیا جیسے اس میں برقی کرنٹ دوڑ رہا ہو۔

میں نے ایک تو اپنے خیال کے تحت آہستگی سے عبداللہ کا ہاتھ دبایا اور دوسری کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔

تیسری کھڑکی تک تینوں تاریک کھڑکیاں واضح تھیں۔ ہم نے باقی کھڑکیوں کا جائزہ لیا اور ہر کھڑکی کے پٹ اندر سے کھلے ثابت ہوئے۔

میں نے عبداللہ کا ہاتھ تھاما اور اسے عمارت سے دور لے آیا۔

"کیا بات ہے؟" عمارت سے دور نکل آنے کے بعد عبداللہ نے سوال کیا۔

"تینوں کھڑکیاں اندر سے کھلی ہوئی ہیں۔" میں نے ہیجان آمیز لہجے میں کہا۔

"یہ تو اچھی بات ہے ہمارا کام آسان ہو گیا۔"

"شاید خنکی تمہارے دماغ میں چڑھ گئی ہے؟"

"کیا میں نے غلط بات کہہ دی ہے؟"

"کیا یہ کھلی ہوئی، تاریک اور غیر محفوظ کھڑکیاں ان دو خونخوار مسلح محافظوں سے میل کھاتی ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"تینوں کھڑکیاں کھلی ہوئی ہیں؟"

"ہاں، تینوں۔"

"پھر تو واقعی گڑبڑ ہے۔ ایک طرف دو محافظ مشین گن لیے مسلسل پہرہ دے رہے ہیں اور دوسری طرف کھڑکیاں کھلی رکھی گئی ہیں۔ پھر عقبی حصے میں مکمل اندھیرا ہے جبکہ سامنے ایک بلب جل رہا ہے۔ یقینی طور پہ چوہے دان بنایا گیا ہے۔ اگر میں تنہا ہوتا تو شاید پہلی کھڑکی کو کھلا چھوڑ کر باقی کھڑکیوں کے بارے میں سوچے بغیر اندر کود جاتا۔"

"میں اسے مایوس نہیں کروں گا۔"

"یعنی اس واضح جال کی پرواہ کیے بغیر اندر جاؤ گے؟"

"کارڈیلو میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ منصوبہ بندی میں بڑے چھوٹے سے چھوٹے امکانی پہلو پہ بھی نظر رکھتا ہے۔ اس نے وہ تمام باتیں فرض کر رکھی ہوں گی جو ہم اب تک کر چکے ہیں یعنی جیسے سیموئیل کو ڈھال بنا کر پیش قدمی کی اور وہ مارا گیا تو اب رخ بدل کر عمارت سے اندر جا رہے ہیں۔ اسے توقع ہو گی کہ ہم پہلی کھڑکی کو کھلا پا کر اپنے مقدر پہ رشک کرتے ہوئے اندر اس کی گود میں جا کودیں گے اور میں یہی ظاہر کروں گا۔"

"یہ ...... یہ خودکشی ہو گی۔" عبداللہ بولا۔

"وہ مجھے زندہ پکڑنا چاہتا ہے تاکہ تھوارٹ سے ملنے والی رقم حاصل کر سکے۔ جہاں تو شاید وہ دیکھتے ہی گولی مارنے کے بجائے زندہ پکڑنے کی کوشش کرے گا۔ لہٰذا میں اکیلا اندر جاؤں گا اور تم باہر رہ کر حالات کے مطابق قدم اٹھاؤ گے۔"

"مگر مجھے اندر کے حالات کا علم کیسے ہو سکے گا؟" عبداللہ سخت الجھن کا شکار ہو گیا تھا۔

"کارڈیلو جیسے حریف سے نمٹنے کے لیے خطرہ تو مول لینا ہی پڑے گا۔ میں اگر بالکل ہی بے بس نہ ہوا تو کوشش کروں گا کہ اسے باہر نکلنے پہ مجبور کر دوں، وہ تمہارے لیے عملی اقدام کا وقت ہو گا۔"

ہم نے مختصراً اپنی ممکنہ دشواریوں کے بارے میں تبادلہ خیال کیا پھر میں عمارت کی طرف جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

اچانک عبداللہ پیچھے سے لپکا اور اس نے مجھے بانہوں میں دبوچ کر اپنے سینے سے لگا لیا اور بے اختیار میرے رخسار چومنے لگا۔

"یہ کیا پاگل پن ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم انشاء اللہ پھر ملیں

… وھسکی کے دو چار پیگ پی کر تھوڑی سی ترنگ میں آ کر پھر میں اصل بات کروں گا۔

… نے سامنے میز پر رکھی ایک گھنٹی بجائی جو تقریباً فوراً ہی وہاں … ایک ملازم آ گیا جس کے ہاتھ میں اسٹین گن دبی ہوئی تھی۔

کارویلو نے فرنچ یا ہسپانوی زبان میں اسے کچھ ہدایت کی اور وہ … اسٹین گن بغل میں دبا کر وہاں سے پلٹ گیا اور کارویلو نے … پستول اپنے سامنے میز پر رکھ لیا۔

… موجودگی میں شراب سے بہتر طور پر لطف اندوز ہو … اور شراب کے دو گلاس تیار کر کے ایک میری طرف بڑھا دیا۔

… سے تم کیا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہو؟ دوسرا … کرنے کے بعد میں نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

… میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ان تمام چالاکیوں کے باوجود … تم میری مرضی کے پابند ہو اور پھر مجھے یہ بتا دو کہ معلوم کر لی … وہ کاغذات کہاں ہیں۔ تمہارے ساتھی عبداللہ … کا ہاتھ بیکار کرنے کی ترکیب۔

- وہ کاغذات تم حاصل نہ کر سکو گے۔ عبداللہ ان کی جان سے … حفاظت کرے گا۔۔۔

… کے عالم میں میری بات کاٹ کر … میں اتنا احمق نہیں ہوں جو تمہاری باتوں میں آ جاؤں۔ عبداللہ … ان کی تحویل میں نہیں رہ سکتے … اعتبار کرنا آتا ہے۔

- شاید تم عبداللہ کے مقام سے بے خبر ہو؟
- میں جانتا ہوں کہ وہ فلسطینیوں کے مقامی لوٹ کا سرغنہ ہے … سنبھالنے کا اہل نہیں ہے۔
- … یہاں سر چھپانے والے تم نہیں ہو دوسرے لوگ بھی۔

… کاغذات اور … کہاں ہے؟

… عبداللہ کے پاس ہیں۔ اگر … اتنا اندازہ کر سکتا ہوں کہ وہ چھپے ہیں … اس کے سامنے … کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

عبداللہ کہاں ہے؟

… بتانا نہیں چاہتا تھا مگر کسی وجہ سے نہ بتا سکا۔

… افسوس ہوا تھا۔ میں خود … دونوں کے متعلق … کاغذات اسی کے مکان پر ہیں؟

… بریف کیس میں … کے … کے پاس

اعتماد کیے ہوئے ہیں اور وہ بریف کیس میرے یا عبداللہ کے سوا کسی کو نہیں مل سکتا۔

- مگر مجھے وہ چیزیں فوری طور پر درکار ہیں۔
- ہو سکے تو چارلس بک ہارٹ سے مطالبہ کر کے دیکھ لو۔
- تم عبداللہ کو اس عمارت سے فون کر سکتے کہ وہ بریف کیس لے کر کسی خاص مقام پر پہنچ جائے۔ کارویلو نے اپنے لئے سگریٹ جلا کر کہا۔
- اول تو عبداللہ اپنے کسی دوست کے پاس رہ رہا ہے جس کے پاس فون نہیں ہے اور اگر فون ہوتا بھی تو کیا تم اسے اتنا احمق سمجھتے ہو کہ وہ میری ہدایت پر عمل کر گزرے گا۔
- اس کا امکان نہیں ہے۔ کارویلو نے چیختے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
- ان دنوں اس کا امکان میرے تصرف میں ہے۔ میں نے جواب دیا۔ تم سے مقابلے کی ایک حکمت عملی یہ بھی تھی کہ ہم الگ الگ رہتے تھے۔
- تم اس خیال میں نہ رہنا کہ میں کاغذات کے حصول تک تمہیں زندہ رکھوں گا۔ وہ غصیلے لہجے میں بولا۔ میرے لئے تم شرارت اور انقلاب کے قائل ہو اور تمہاری سزا صرف موت ہے۔
- مجھے تمہارے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔ اگر میں مرنے سے خوفزدہ ہوتا تو شاید اس محل سے نکلنے کی ہمت بھی نہ کرتا۔
- تمہارا اصل نام کیا ہے؟
- ڈاکٹر اسکر … عظیم۔
- طیارہ اغوا کرنے والے اپنے اصلی نام سے سفر نہیں کرتے۔
- تم شاید فلسطینی دہشت پسندوں کی بات کر رہے ہو۔ میں اتفاقاً اس مہم میں شریک ہو گیا تھا۔
- اور پھر اتفاقاً ہی بیروت پہنچ گئے اور یہاں فلسطینی تحریک کے تعاون سے مزید دہشت گردی کرنے پر مجبور ہو گئے۔
- تم میرے بارے میں جو کچھ جانتے ہو آدھا ہی کافی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ آخر کار تم مجھے ہلاک ہی کر دو گے میری قوت برداشت کا امتحان لینے کی بجائے اپنے فیصلے پر عمل درآمد کرو تو بہتر ہوگا۔

… اس کے لبوں پر … مسکراہٹ ابھر آئی۔

- تم اتنی آسانی سے نہیں مر سکو گے۔ اس عمارت کے گرد دور تک کوئی موجود نہیں ہے۔ میں بریف کیس کے معاملے سے فرصت کر کے تمہیں ہمیشہ کا مسئلہ ختم کر دوں گا۔ اور تمہارے ہی ذریعے عبداللہ کا بھی کھوج نکال لوں گا۔
- ہونہہ! خاموشی سے سگریٹ کے چند کش لینے کے بعد

کے میں نے کہا۔

- تم موت کے منہ میں جا رہے ہو۔ خدا تمہارا نگہبان ہو۔ وہ گلوگیر لہجے میں بولا اور میں بوجھل قدموں سے عمارت کی طرف چل دیا۔

میں نے اپنے داخلے کے لئے اسی کھڑکی کا انتخاب کیا اور پستول داہنے ہاتھ میں سنبھال کر بائیں ہاتھ سے کھڑکی کے پٹ پر دباؤ ڈالا اور وہ کوئی آواز پیدا کئے بغیر اندر کھلتا چلا گیا۔

میں چند ثانیوں تک نیچے جھکا اندر کی سن گن لیتا رہا۔ پھر میں نے آہستہ آہستہ اپنا سر اونچا اٹھایا اور گردن اندر ڈال کر تاریک کمرے کا جائزہ لیا۔ جہاں عجیب گہرا سناٹا سا چھایا ہوا محسوس ہوتا تھا اور وہ کمرہ ویران نظر آ رہا تھا۔

میں کھڑکی پر چڑھ کر آہستگی سے اس کمرے میں کود گیا۔ چند ثانیوں تک میں فرش پر گھٹنوں کے بل بیٹھا چاروں طرف کا جائزہ لیتا رہا پھر میں نے کھڑکی کو دوبارہ بند کر دیا۔

باہر کھلنے والی تینوں کھڑکیاں اسی وسیع ہال میں واقع تھیں اور ان کے سامنے والی دیوار میں نکاسی کا ایک ہی راستہ تھا جو کھلا ہوا تھا۔

باہر کی حبس زدہ فضا کے مقابلے میں اس کمرے میں خوشگوار سی حرارت کی موجودگی کا احساس وہاں پھیلی ہوئی ناگوار بو پر حاوی تھا اور شاید آگے بڑھنے سے قبل … کے اثرات کو کسی حد تک زائل کرنا چاہتا تھا تاکہ ٹکراؤ کی صورت میں اعصابی پھرتی سے کام لے سکوں۔

جونہی میں اس کمرے سے نکلا اچانک اندھیرے میں ایک کرخت آواز گونجی "ہینڈز اپ" اور اسی کے ساتھ وہاں روشنی پھیل گئی۔

میں نے پستول سمیت اپنے ہاتھ بلند کر دیئے اور پھر آواز کی سمت دیکھا تو وہاں قدیم طرز کی ایک آرام کرسی پر بوڑھا کارویلو ریوالور لئے بیٹھا ہوا تھا۔

میرے اندازے کے برعکس وہ کوئی راہداری نہیں تھی بلکہ نسبتاً چھوٹے سائز کا ایک کمرہ ہی تھا اور وہاں کارویلو کے سوا کوئی اور موجود نہیں تھا۔

- مجھے معلوم تھا کہ تم اسی راستے سے آؤ گے۔ وہ سرد اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ آج میں تمہارا حساب بیباق کر دوں گا۔
- تم میرے ساتھ من مانا سلوک نہیں کر سکو گے اور یہ بھی یاد رکھنا کہ اب فرانس سے تمہاری نکاسی آسان ثابت نہ ہوگی۔
- کیا امیگریشن کے سارے اختیارات تمہیں مل گئے ہیں؟ اس نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔
- تمہارے ہاتھ کئی انسانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔
- تمہارے منہ سے یہ الزام بھی اچھا معلوم ہوتا ہے … پستول نیچے گرا دو۔ اس نے کرخت لہجے میں کہا۔
- یہ بھرا ہوا ہے۔ جھٹکے سے کوئی گولی چل سکتی ہے۔
- پرواہ نہ کرو۔

میں نے پستول فرش پر گرا دیا جس کی … آواز سے … اٹھا مگر گولی پھر بھی نہ چل سکی۔

- اور کوئی ہتھیار ہے تمہارے پاس؟
- جیبوں میں کارتوس بھرے ہوئے ہیں۔
- مجھے امید ہے کہ تم جھوٹ نہیں بول رہے ہوگے۔
- جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ میں نے …
- اس طرف چلو۔ اس نے ریوالور کی نال سے ایک دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اگر تم نے کوئی غلط حرکت کی تو میں بلا دریغ گولی مار دوں گا۔
- وہ تو تم ہر حال میں مارو گے۔
- نہیں، فی الحال میں تمہیں زندہ رکھوں گا۔

اندر ایک کمرہ نشست گاہ کی سی مشابہت رکھتا تھا۔ وہاں چند کرسیاں بچھی ہوئی تھیں اور ایک میز پر شراب کی بوتل اور تین گلاس رکھے ہوئے تھے۔ وہیں فرش پر ایک ترپال میں لپٹی ہوئی کوئی وزنی سی چیز پڑی ہوئی تھی۔

- اپنے ہاتھ سے ترپال کا کونہ الٹ دو۔

مجھے معلوم تھا کہ اس میں کیا ہو سکتا ہے۔ میں نے خاموشی سے ترپال کھولی تو اس میں مارجوری اور میچونیل کی لاشیں پہلو بہ پہلو رکھی تھیں۔

- تم نے اس لڑکی کو مار کر ظلم کیا ہے۔ میں نے ترپال دوبارہ … ڈالتے ہوئے کہا۔
- ادھر بیٹھ جاؤ۔ اس نے سامنے سے کچھ فاصلے پر پڑی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میری لغت میں غداری کا … صرف موت ہے۔
- مگر وہ تمہارے ساتھ کب تھی؟
- اس نے مجھے میچونیل کے اغوا کے بارے میں گمراہ کرنے کی کوشش کی تھی اور تمہاری یہاں موجودگی بتا رہی ہے کہ میچونیل بھی … منحرف ہو گیا تھا۔ یہ تو بتاؤ کہ تم نے اس کی … کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟
- میرا وقت ضائع نہ کرو۔ یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟
- جو وقت گزار رہے ہو وہ غنیمت ہے۔ کارویلو بولا۔

کاروبلو نے اپنا ریوالور سنبھال لیا۔ "تم جو رقص کرنے میں ماہر ہو، میں اس کے دونوں تحفے تمہارے حوالے کرتا ہوں تاکہ یہ اپنے قدموں پر رقص کے قابل نہ رہے۔"

ایرک خوفناک انداز میں ہنسنے لگا۔ "یہ میری پسند کا کام ہے مونسیور۔" اس کی انگریزی بہت شکستہ اور قواعد سے عاری تھی شاید وہ دوسروں کو محض اس لئے انگریزی میں بات کر رہا تھا کہ پہلے وہ خوفزدہ کر سکیں۔

ایرک نے اپنی اسٹین گن موڑے کاروبلو کے قدموں میں فرش پر رکھ دی اور دونوں ہاتھ فضا میں پھیلا کر میری طرف بڑھنے لگا۔

میں نے پھرتی سے اپنی کرسی چھوڑ دی اور الٹے قدموں پیچھے سرکنے لگا۔

"خیال رکھنا کہیں یہ پلٹ کر دوسرے کمرے میں نہ بھاگ نکلے۔" کاروبلو نے صورت حال سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ایرک کو خبردار کیا۔

اس وقت صورت حال کچھ یوں تھی کہ میں کاروبلو کے ہمراہ جس راستے سے لفٹ کے ذریعے کمرے میں آیا تھا۔ وہ راستہ کاروبلو کی پشت پر تھا اور میں اب خود دروازے کی مخالف سمت پیچھے سرک رہا تھا۔

پیچھے ہٹتے ہوئے اچانک میرے پیر کسی چیز سے ٹکرائے اور میں بری طرح لڑکھڑا گیا۔ ایرک کے لئے یہ سنہری موقع تھا اس لئے وہ تیزی سے آگے بڑھ کر مجھے بے بس کرنا چاہا۔ مگر میں نے گرتے گرتے اس کی ٹانگ پر بھرپور ٹھوکر جما دی۔

ایرک کے حلق سے خوفناک غراہٹ ابھری اور میرے فرش پر گرتے ہی اس نے پوری قوت سے میری پشت پر ٹھوکر رسید کرنے کی کوشش کی جس نے تیزی سے کروٹ لے کر خود کو کسی شدت سے بچا لیا۔ مگر پھر بھی کمر پر خاصی ضرب آگئی۔ اور میں نے اس موقع کو غنیمت جان کر الٹتے ایک چیخ ماری تاکہ عبداللہ میری آواز پہچان کر اندر کی صورت حال کے بارے میں کوئی اندازہ لگا سکے۔

اس وقت عبداللہ کے لئے حالات انتہائی ساز گار تھے۔ اگر وہ عمارت کے عقبی حصے سے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو جاتا تو بلا روک ٹوک کاروبلو کی پشت پر پہنچ کر دروازے پر پہنچ سکتا تھا۔ اور حاضر دماغی سے صورت حال اپنے ہاتھ میں لے سکتا تھا۔

ایرک کے جسم میں کسی وحشی سانڈ جیسی طاقت موجود تھی وہ میرے اٹھنے سے پیشتر ہی مجھ پر سوار ہو گیا اور اپنی کلائیوں سے میرا حلق دبانے کی کوشش کرنے لگا۔

میں نے بڑی مشکل سے اپنی پشت فرش پر جمائی اور پھر اپنے گھٹنوں سے یکے بعد دیگرے اس کے پیٹ پر دو ضربیں لگائیں اور اس کی گرفت یک بیک ڈھیلی پڑ گئی۔ جس سے اس کے بال اپنی مٹھیوں میں جکڑ کر اس کی ناک اور پیشانی پر زبردست ٹکر رسید کی [illegible] انداز میں چیخ مار کر نہ صرف لڑکھڑاتا ہوا میری گرفت سے نکل گیا۔

میں نے اس مہلت کو غنیمت جان کر فوراً اپنا [illegible] اتار دیا جو میری نقل و حرکت میں حارج ہو رہا تھا۔

اوور کوٹ کی آستین پوری طرح نکلنے بھی نہ پائی تھی [illegible] میری اس مصروفیت سے فائدہ اٹھا کر میری طرف لپکا [illegible] نے واضح طور پر لڑکھڑاہٹ کے عالم میں اپنا اوور کوٹ [illegible] ڈال دیا۔

اسے مجھ سے اتنی پھرتی کی توقع نہیں تھی۔ [illegible] کر اپنا سر کوٹ سے نکالنا چاہا۔ مگر میں نے اس کی گردن اپنی بغل میں دبا لی اور اسے گھسیٹتا ہوا ایک دیوار [illegible] اس کی اور کوٹ میں لپٹی ہوئی کھوپڑی پوری قوت سے دیوار سے [illegible] دی۔

ایرک کی چیخیں انتہائی غضب آلود تھیں۔ اوور کوٹ کے [illegible] شاید اسے سانس لینے میں بھی دشواری پیش آرہی تھی۔

جیسا ایک دفعہ پھر اس کا سر دیوار سے ٹکرایا [illegible] کاروبلو کی سرد آواز گونج گئی۔

"اسے چھوڑ دو ڈاکٹر۔"

میں نے سر گھما کر دیکھا کہ وہ ریوالور میری طرف تانے سیدھا کھڑا تھا۔ میں نے ایرک کو پوری قوت سے ایک طرف دھکیل دیا۔ ایرک اوور کوٹ دور پھینک کر میری طرف جھپٹا مگر کاروبلو نے اسے روک دیا۔

"ہاں! دیکھو اپنی قوت صرف نہ کرو۔ اس کے دونوں گھٹنوں [illegible] ایک فائر کرنا کافی ہوگا۔"

اچانک وہ کمرہ ایک فائر کی آواز سے گونج اٹھا [illegible] کے بڑھے ہوئے ہاتھ سے ریوالور اچھل کر دور جا گرا۔

وہ دونوں چونک کر پلٹے تو دروازے میں عبداللہ اپنے جیبی پستول سمیت ان کے سروں پر موجود تھا۔

ایرک نے تیزی سے لپک کر کاروبلو کے قدموں میں پڑی ہوئی اپنی اسٹین گن اٹھانے کی کوشش کی اور عبداللہ نے [illegible] بارود کی [illegible] اس کی کھوپڑی میں اتار دیا۔ کاروبلو [illegible] چہرے بدن سے پیچھے کی دیوار تک گیا۔

میں نے آگے بڑھ کر وہ اسٹین گن اٹھا لی جو ایرک کے [illegible] گر چکی تھی۔

"میرا آدمی کہاں ہے؟" عبداللہ نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"بتانے بھی ہے۔" کاروبلو نے کہا۔

عبداللہ اضطراری طور پر پیچھے گھوما اور کاروبلو [illegible] ایک تصویر جس پر نمایاں تھی میں [illegible] اچانک کمرہ فائر کے شور سے لرز رہا تھا۔ [illegible] چیخوں میں بدل گیا اور [illegible] اسٹین گن کے جھٹکے سے برستے اس کی آنکھیں [illegible] رہ گئی تھیں۔

"میرا آدمی کہاں ہے؟" عبداللہ نے اندر آکر لہجے سے اپنا سوال دہرایا۔

"وہ ابھی یہاں سامنے بیٹھا تھا۔ اس کے پاس اسٹین گن بھی موجود ہے۔"

"اسے آواز دو کہ وہ ہتھیار ڈال دے۔"

"یہ میرا قہر ہے کہ تم دونوں [illegible] تم اس عمارت سے زندہ نہیں نکل سکو گے۔" کاروبلو کراہتے ہوئے چیخا۔ زخمی ہونے کے باوجود وہ ہوش میں تھا۔

"جارج ہتھیار ڈال دو۔ ہم تمہیں معاف کر دیں گے۔" میں نے اونچی آواز میں کہا۔

ہم کافی دیر جواب کے منتظر رہے مگر دوسری طرف گہری خاموشی طاری تھی۔

پھر میں وہیں بیٹھ گیا اور عبداللہ جوتے اتار کر ننگے پاؤں عمارت کے اندرونی حصوں کی طرف چل دیا۔ اس نے [illegible] اور مجھے [illegible] اسٹین گن سے لی تھی۔

عبداللہ کو اندر گئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ باہر کسی کار کے انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی جو تیزی کے ساتھ دور ہوتی چلی گئی۔

"وہ نکل گیا۔" تھوڑی دیر کے بعد عبداللہ نے واپس آکر [illegible] بتایا۔

"اب اس کا کیا کرنا ہے؟"

[illegible]

"نہیں تم ایسا نہیں کر سکو گے۔" کاروبلو حلق پھاڑ کر چیخا۔

[illegible]

"پھر تو تم میرے ایک احسان کا بدلہ تو چکا دو۔"

"تو تم نے مجھ پر کون سا احسان کیا تھا؟"

"تم مصر سے آئے تو میں نے تمہیں شراب کی [illegible] پیش کی تھی۔ اب ایک گلاس تم مجھے دے دو۔ مجھے معلوم ہے کہ فلسطینی اسرائیلیوں کے حق میں [illegible] موذی ہوتے ہیں۔ تمہارا ساتھی جو کھڑا ہے وہ کبھی نہیں [illegible] مگر تم میرا حلق تر کرا دو۔"

"ہم صرف دشمن کے حق میں سفاکی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور تم نے تو اپنے محسنوں کو بھی نہیں بخشا [illegible]" عبداللہ نے [illegible] کہا۔ "[illegible] اور مادر جوزی کی لاشیں تمہارے کرتوت کی کھلی گواہی دے رہی ہیں۔"

میں نے وسکی کا ایک گلاس بنا کر کاروبلو کو دے دیا اور وہ نہایت آرام سے اس کا ایک ایک گھونٹ اپنے معدے میں اتارنے لگا۔ میں واپس اپنی کرسی پر آگیا۔

گلاس میں آخری چند بوندیں باقی تھیں کہ کاروبلو نے بالکل غیر متوقع طور پر گلاس کا نچلا حصہ فرش پر مار کر توڑ دیا۔ ہم دونوں ہی سمجھے کہ وہ ٹوٹا ہوا گلاس ہم پر [illegible] ہم پھرتی سے [illegible] ہو گئے۔ اور کاروبلو نے ٹوٹے ہوئے گلاس کی دھار سے اپنی کلائی کی رگیں کئی جگہ سے کاٹ دیں اور ٹوٹا ہوا گلاس فرش پر پھینک دیا۔

عبداللہ نے [illegible] نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اب میں تمہاری دسترس سے باہر ہوں۔" وہ اپنا بایاں ہاتھ اٹھا کر لڑکھڑاتی آواز میں بولا۔ "[illegible] کی زندگی سے مقابلے میں مجھے موت منظور ہے۔"

اس کی کٹی ہوئی رگوں سے تیزی کے ساتھ زندہ خون بہہ کر فرش کو رنگین کر رہا تھا۔ آخر وہ خود نڈھال ہو کر فرش پر گر گیا۔

مجھے سگریٹ پئے کافی دیر ہو گئی تھی لہٰذا میں نے سگریٹ سلگا لی کیونکہ کاروبلو کی آخری سانسوں تک تو ہمیں یہاں رکنا ہی تھا۔ عبداللہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر عمارت کی تلاشی میں مصروف ہو گیا۔

اس کمرے میں چار لاشیں چھوڑ کر ہم واپس لوٹے تو کاروبلو جیسے صف اول کے دشمن سے نجات پانے کی خوشی کے باوجود میرا دل بوجھل ہو رہا تھا۔

"وہ ہر قسم کی صورت حال کا سامنا کرنے کے لئے تیار تھا۔" کار کی طرف جاتے ہوئے عبداللہ مجھے بتانے لگا۔ "اندر ضروری اشیاء کے علاوہ کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جو ہمارے لئے کارآمد ہوتی۔ وہ ایسی چیزیں شاید پہلے تلف کر چکا تھا۔"

"مادر جوزی کا کیا [illegible] طور پر ماری گئی؟" میں نے کہا۔ "وہ طوائف [illegible]"

تھی مجھے اس کی موت کا افسوس ہے کہ اس نے محض اپنی نام نہاد وطن کی خاطر جان گنوائی ہے۔"

• "مگر تمہیں اس کا تعلق نہیں چاہئے۔ ہم اس کے ملک سے بھی الگ ہیں۔"

• "یہ قانونی نکات کی بات نہیں۔ اس کا تعلق انسان کے احساس سے ہے۔"

• "اس وقت ساڑھے پانچ بج رہے ہیں۔ ساری رات بھاگ دوڑ میں گزر گئی۔"

• "ہم اب آزادی کی عید سے سکیں گے۔" میں نے کہا۔ "ارادہ کہاں چلنے کا ہے؟"

اس وقت تک ہم کارٹن کے قریب پہنچ گئے تھے۔ عبداللہ نے اس کا مستقل دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "چلو تو وہی دیکھ رہی ہو چاہئے۔ چارلس کو نہایت بے چینی سے ہمارا انتظار ہوگا۔"

• "وہ کل آگیا ہے اور اس نے انتظار میں اپنی رات برباد نہیں کی ہوگی۔" میں نے معنی خیز لہجے میں تبصرہ کیا اور عبداللہ کے پہلو میں اپنی نشست سنبھال لی۔

• "شاید تمہارا اشارہ یونانی شہزادی کی طرف ہے۔"

• "چارلس اس کی زلفوں کی چھاؤں میں چہرہ چھپائے گہری نیند سو رہا ہوگا۔ بہتر ہوگا کہ تمہارے فلیٹ سے فون کرکے مس اولیل کو حالات سازگار ہونے کا پیغام دے دیا جائے۔ ہم لوگ نیند پوری کرنے کے بعد چارلس سے مل لیں گے۔"

عبداللہ نے واپسی کے لئے جو راستہ اختیار کیا وہ بہت ہموار اور آرام دہ تھا۔ مگر اس طرف سے شہر پہنچنے میں ہمارا کافی وقت صرف ہو گیا۔

عبداللہ نے اپنے فلیٹ کا دروازہ کھول کر روشنی کی تو قالین پر پڑا ہوا سفید لفافہ دیکھ کر اس کی پیشانی پر گہری تیز لکیریں ابھر آئیں۔

اس نے لفافہ کھولا تو اس میں سے عربی میں لکھا ہوا ایک مختصر سا رقعہ برآمد ہوا۔ عبداللہ نے لفافہ اور رقعہ پھاڑ ڈالا اور خوابگاہ کی طرف بڑھ گیا۔

• "کیا پیغام تھا؟" اسے خاموش پا کر مجھے اس سے سوال کرنا ہی پڑ گیا۔

• "بیروت میں فلسطینی گروپوں کے ایک اجلاس میں بم کا دھماکہ ہوا ہے۔ ایک لیڈر ہلاک اور متعدد بری طرح مجروح ہوئے ہیں۔" اس نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

• "پیغام کس کی طرف سے تھا؟"

• "یہیں میں ہمارے تیرہ آدمی موجود ہیں۔"

اس کا یہ انکشاف میرے لئے حیرت کا باعث تھا۔ شروع سے جس انداز میں میرے ساتھ لگا ہوا تھا اس سے تو پتہ چلتا تھا کہ وہ یہیں میں بالکل تنہا تھا۔

• "پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ وہ میرے خیالات بھانپ گیا۔ تمہارا ساتھ ہونے کے بعد میں نے تنظیم کے کسی اور رکن کو زحمت کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی۔ رہا یہ سوال کہ تو ان کا سہارا ہے، تمہاری ملاقات کا انتظام کرا دوں گا۔"

• "وہ دھماکہ کس نے کیا ہوگا؟"

• "یہودی دہشت پسندوں کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔" وہ بولا۔ "ویسے پوری تفصیل تو مجھے اپنے مخبر سے مل سکے گی۔ پیغام اسی کی طرف سے تھا۔"

مجھے ضروری امور سے فارغ کرانے کے بعد عبداللہ العلائی انداز میں اٹھ گیا۔

• "تم کہاں چلے؟"

• "وہ پیغام بہت اہم ہے۔ میں اپنے آدمیوں سے ملوں گا۔ تم گھری نیند لے لو۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرے مقدر میں آرام نہیں ہے۔"

میں نے اسے روکنا چاہا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ عبداللہ کے چلے جانے پر میں نے دروازہ اندر سے مقفل کر لیا۔ عبداللہ کا شب خوابی کا لباس پہن کر اس کے بستر پر دراز ہو گیا۔ مجھے نیند نہیں پیدا ہونے والی تمام دشواریوں پر غور کر رہا تھا۔ اور شہر میں میرے سارے آشنا صرف ایک ایسا آدمی باقی تھا جو کارلوس کی ویسی پناہ گاہ سے خوفزدہ ہو کر بھاگ گیا تھا۔ میں اس کے بارے میں عبداللہ ہی سے بات کر سکتا تھا۔ ویسے میری دانست میں چارلس پیشہ ور مجرم تھا اور اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ کارلوس کی ہلاکت کے بعد وہ میرا پیچھا کرنے کی کوشش کرتا۔

ایلگر سینا کی لیبیا آمد کی خبر بھی آج رات تک ادھر کا رخ کر سکتا تھا۔ اور اس کی آمد میری تاخیر کی صورت میں میرے لئے پریشان کن ثابت ہو سکتا تھا۔ پیرس پہنچ کر میں حیران کا سراغ لگا سکتا تھا۔

انہی خیالات میں میری آنکھ لگ گئی۔ مگر گہری نیند کا سلسلہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا اور میں نے سے کسی خوفزدہ میں ساری قوت اپنی سماعت پر مرکوز کر دی کیونکہ میرے ذہن کے مطابق میری نیند کسی غیر معمولی آواز ہی سے ٹوٹی تھی۔ چند منٹ بالکل سناٹے کی کیفیت میں گزر گئے اور پھر میں اچھل کر بستر سے نیچے اتر گیا۔ بیرونی کمرے کے فرش پر واضح طور پر کسی کے قدموں کی ہلکی سی دھمک سنائی دے رہی تھی۔

عبداللہ کی تاریک خوابگاہ میں کئی منٹ تک میں کانوں میں خاموشی کے ساتھ کسی غیبی آواز آہستہ آہستہ کی کوئی انتظار کے وہ اعصاب شکن لمحات طویل تر ہو گئے۔ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ آہٹ کی وہ مدھم سی آوازیں محض میرے واہمے کا نتیجہ تھیں یا پھر کسی نئی چال کا آغاز ہو رہا تھا۔

اسرائیلی ایجنٹ جیری شوارٹ کو عبرتناک انجام تک پہنچانے کے بعد مجھ پر یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ اس نے میرے خلاف بے دریغ وسائل اور وارداتوں کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ میں عبداللہ العلی اور چارلس کی بھرپور حمایت کے باوجود مدافعانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا۔

چند دن کے دوران بھی میں ان کا بچاؤ کرنے کا رویہ اختیار کر چکا تھا۔ گزرتے ہوئے واقعات کا اثر اس وقت میرے ذہن پر اس طرح سوار تھا کہ میں بار بار سوچ کر اپنے ذہن کو مطمئن کرتا رہتا تھا کہ ابھی میری آزادی کا آخری باب نامکمل تھا۔ جب تک میں گرفتاری سے اپنی توہین کا انتقام نہ لیتا اس وقت تک مجھے ذہنی سکون حاصل نہ ہو پاتا۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر دوبارہ بستر پر جانے ہی والا تھا کہ خوابگاہ کے دروازے کے تاریک خلا میں ایک نسبتاً تاریک تر سایہ ہیولا سا نمودار ہوا۔ میرا دل بے اختیار ہو کر تیزی سے دھڑکنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سایہ مدغم ہو گیا۔

میری تمام تر توجہ اس تاریکی پر مرکوز ہو چکی تھی اور میں ہر آواز اور ہر حرکت کو محسوس کر رہا تھا کہ وہ بے آواز انسانی ہیولا کمرے کے وسط میں پہنچ کر جائزہ لے رہا تھا۔

میں بستر چھوڑ چکا تھا مگر وہاں وسط میں پڑا ہوا کمبل تکیوں کی ترتیب سے کسی انسان کی موجودگی کا دھوکا دے سکتا تھا۔ آنے والے کیلئے خوابگاہ کا تاریک ماحول بھرپور کردار ادا کر رہا تھا اور وہ کسی کو اپنا شکار تصور کر سکتا تھا۔

اندازہ ہوا کہ ابھی پھر یوں ہی کیونکہ وہ تاریک ہیولا فرش پر سرکتا ہوا دروازے سے خوابگاہ میں رینگ آیا اور پھر دروازے کے اندر کی جانب گھوما اور دائیں جانب کی دیوار پر ہاتھ ٹٹولنے لگا۔

اس کا وہ انداز ہی میرے لئے خاصا پر سکون ثابت ہوا۔ کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مجھے ہلاک کرنے کی نیت سے نہیں آیا تھا۔

لمحے بھر کی خفیف سی آواز کے ساتھ کمرہ روشن ہو گیا اور وہ سایہ تیزی سے میری جانب گھوم گیا۔ مگر میں اسی لمحے تیزی سے لپک کر مسہری کے پیچھے پہنچ گیا۔

اس کی نظر مسہری پر پڑی تو اس کے منہ سے ایک غصیلی غراہٹ بلند ہوئی اور وہ اسی لمحے مسہری پر جھپٹ پڑا۔ کیونکہ اس کی پنڈلیاں اور سیاہ لباس میں ملبوس جسم تکیوں اور کمبل کے ڈھیر پر اس طرح ٹوٹ پڑا جیسے وہ اسے تیار شکار سمجھ رہا تھا اور مجھے مانوس بو میں غلطاں کر رہا تھا۔

میرے لئے وہ موقع نہایت مناسب تھا۔ میں پیٹ اور گھٹنوں کے بل آہستگی سے قدم بڑھا کر آگے بڑھا اور اپنی تمام تر قوت کو مجتمع کرکے پیچھے سے اپنے ہاتھوں میں اس کی پنڈلیاں جکڑ لیں اور اپنی پوری قوت سے اسے مسہری پر سے کھینچ کر مسہری کے نیچے گھسیٹنے لگا۔

اس کے لئے یہ اچانک افتاد انتہائی پریشان کن ثابت ہوئی اور وہ خونخوار غراہٹوں کے باوجود چند ہی سیکنڈ میں پیٹ کے بل فرش پر گرا اور میری گرفت سے پنڈلیاں چھڑانے کی جان توڑ کوشش کی اور پھر وہ کسی زخمی درندے کی طرح جھٹکوں میں وہ پیٹ کے بل نیچے گر گیا اور میں نے اسے مسہری کے نیچے گھسیٹا اور دوسری طرف سے باہر نکل گیا۔

باہر آتے ہی میں مسہری پر سوار ہو گیا اور اس کی پنڈلیاں پوری طاقت سے اوپر اٹھا لیں۔ اس شخص کے لئے مسہری کی پٹی کے عین اوپر ٹانگیں اٹھ گئے جب کہ اس کا دھڑ پیٹ کے بل مسہری کے نیچے تھا۔

یہ صورت حال اس کے حق میں نہایت مہلک تھی۔ وہ ذرا بھی زور آزمائی کی کوشش کرتا تو اس کی ریڑھ کی ہڈی کہیں سے بھی ٹوٹ سکتی تھی۔ اپنی ابتر حالت کے باوجود وہ تیز غصیلے لہجے میں کچھ بڑبڑا رہا تھا مگر میری نظریں اس کے جوتوں اور پتلون کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔

اس کے جوتے اور پتلون پر مختلف تیزابوں کے تازہ دھبے نظر آ رہے تھے جن سے تیز بو آ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی کیمیکل فیکٹری سے ہو کر اپنی مہم کے بعد اس فلیٹ کی طرف آیا ہو اور کوڑے کے ڈھیر سے آیا ہو۔ میرا ذہن اس کے نزول کی راہ کا تعین کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

بیشتر جدید عمارات کی طرح اس عمارت میں بھی ایک عقبی کونے میں کنکریٹ کی بنی ہوئی ایک ایسی عمودی سرنگ بنی ہوئی ہے جو ہر فلیٹ کے باورچی خانے سے گزرتی ہے اور اس میں اسپرنگ کے ذریعے خودکار ڈھکنے بند ہونے والی ایسی کھڑکی لگی ہوتی ہے جسے فلیٹ کے مکین حسب ضرورت اندر سے کھول کر کوڑا کرکٹ وغیرہ اس میں پھینک سکتے ہیں جو براہ راست نیچے کوڑا گھر میں جمع ہو جاتا ہے جہاں سے صفائی کا عملہ اسے ٹرکوں میں اٹھا لے جاتا ہے۔

اس شخص کی حالت بتا رہی تھی کہ اس نے فلیٹ میں داخلے کیلئے قفل شکنی کے بجائے شوٹ کے اس نیٹ کے کچن سے کھڑکی کا انتخاب کیا تھا۔ ان کھڑکیوں کی ساخت عموماً ایسی ہوتی ہے کہ باورچی خانے سے کوئی بھی چیز باہر پھینکی جا سکتی ہے مگر شوٹ کی سمت سے کھڑکی کا کھولا جانا نہایت دشوار ہوتا ہے۔

شوٹ میں گرنا تا عدہ وقتوں سے جرائم پیشہ لوگ لوٹ مار کرنے والی وارداتوں کا سبب کیا جاتا ہے مگر اس کے باوجود اس غلاظت زدہ عمودی سرنگ میں رینگنا اور چھچھوندر کی طرح کسی تنگ جگہ سے گزرنا آسان کام نہیں ہوتا اور کھڑکی تک رسائی حاصل کرکے اسے اندر سے کھولنا اور پھر فلیٹ میں داخل ہونا خاصا مشکل کام تھا اور کوئی عام شخص بھولی ماں کے

لئے وہ جدید ہتھیار استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ آنے والا یقینی طور پر کوئی اہم مقصد لے کر ہی یہاں تک پہنچا تھا۔

میں نے اس کی مضبوطی سے تھامی ہوئی پنڈلیوں کو اوپر کی طرف جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔ "کراہنا بند کرو۔ ورنہ اسی حالت میں ریڑھ کی ہڈی توڑ کر ناکارہ کر دوں گا۔ اگر انگریزی بول سکتے ہو تو صرف یہ بتاؤ کہ یہاں کیا لینے آئے ہو؟"

وہ بے ساختہ کراہ کے ساتھ خاموش ہو گیا اور تھوڑے سکوت کے بعد ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں بولا۔ "میری ٹانگیں چھوڑ دو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

میں نے دوبارہ اس کی پنڈلیوں کو جھٹکا دیا۔ "میں [illegible] تمہارا انداز معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی تحفہ پیش کرنے آئے ہو۔"

وہ اس بار درد کی شدید ٹیس محسوس کر کے بری طرح تڑپ اٹھا اور تڑپتے ہوئے بولا۔ "خدا کیلئے مجھے چھوڑ دو ورنہ میں معذور ہو جاؤں گا۔"

"تمہارے پاس کتنے ہتھیار ہیں؟"

"میرے ہاتھ میں ایک بھرا ہوا ریوالور ہے۔ میں اس کا سیفٹی کیچ چڑھا کر اسے سیڑھی کے نیچے سے باہر پھینکے دیتا ہوں۔ تم میرے باہر نکلنے سے پہلے اس پر قبضہ کر سکتے ہو۔ یقین کرو کہ میں بھول کر بھی تم سے مکاری کی ہمت نہ کر سکوں گا۔"

اور اس کے خاموش ہوتے ہی سیڑھی کے نیچے سے ریوالور فرش پر آ گرا۔ وہ شخص اس وقت بہت بری طرح میرے شکنجے میں پھنسا ہوا تھا۔ گو خود میرے لیے یہ صورت حال خاصی مضحکہ خیز تھی۔ میں نہ اس کی صورت دیکھ سکتا تھا نہ اسے بے ہوش کرنے کی کوئی ترکیب آزما سکتا تھا لہٰذا جب اس نے ہتھیار ڈالنے کی پیشکش کی تو میں نے اسی وقت اس سے محدود مصالحت کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کے نہتا ہو جانے کے بعد میں ریوالور کی زد پر اس سے خوشگوار ماحول میں گفتگو کا آغاز کر سکتا تھا۔

میں نے اچانک اس کی ٹانگیں چھوڑ دیں اور لپک کر قالین پر پہنچ گیا جہاں اس کا سیاہ منقش دستے والا ریوالور پڑا ہوا تھا۔

میں نے ایک نظر ریوالور کے چیمبر کا جائزہ لیا اور سیفٹی کیچ ہٹا کر ریوالور کی نال اس کی طرف سیدھی کر دی۔

وہ بدستور سیڑھی کے نیچے پیٹ کے بل بے سدھ پڑا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔

"اداکاری کی ضرورت نہیں۔ باہر نکلو۔" چند ثانیوں کے انتظار کے بعد بھی اس نے باہر آنے کی کوئی کوشش نہ کی تو مجبوراً مجھے زبان کھولنا پڑی۔

"میری کمر میں ناقابل برداشت درد ہو رہا ہے۔" وہ آہستہ آہستہ سیڑھی کے نیچے سے نکلتے ہوئے بولا۔ "مگر مجھے امید ہے کہ میری یہ تمام محنت رائیگاں نہیں جائے گی۔"

باہر آ کر اس نے قالین پر پڑے پڑے کروٹ لی اور کراہتے ہوئے چت ہو کر لیٹ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی کمر دبا رکھی تھی۔

اس کا حلیہ بہت ہی بگڑا ہوا تھا۔ اس کا سر، چہرہ اور سارا لباس رنگ برنگ متعفن چیزوں میں لتھڑا ہوا تھا۔

"شوٹ کے ذریعے اندر گھسے ہو؟" میں نے سخت نظروں سے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ راستہ اختیار کر کے میں نے شدید غلطی کی تھی۔" وہ اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "اگر میری پیش قدمی کے دوران کوئی اور چیز شوٹ میں پھینکی جاتی تو میرا حلیہ بالکل ہی ختم ہو کر رہ جاتا۔"

"صبح کے ساڑھے چھ بجے شہری بستروں میں پڑے ہوتے ہیں۔" میں نے رسٹ واچ کا جائزہ لیتے ہوئے تیکھے لہجے میں کہا۔ "راستہ تو بالکل محفوظ تھا مگر تم نے وقت بہت غلط چنا تھا۔"

"میں پوری رقم کے لالچ میں یہاں آیا تھا مگر اب میں ایک تہائی پر سمجھوتہ کرنے پر تیار ہوں۔ کیونکہ اس معاملے میں تمہارا ایک ساتھی بھی شریک تھا۔ اس رقم میں ہم تینوں برابر کے حقدار ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم میری تجویز پر ٹھنڈے دل سے غور کرو گے۔" وہ نہتا ہو جانے کے باوجود بھی خوفزدہ نہیں ہوا تھا۔

"تم کس رقم کی بات کر رہے ہو؟"

وہ مجھ سے ہنس دیا۔ "مجھ سے اڑنے کی کوشش نہ کرو۔ میں تم سے حلف اٹھانے کو تیار ہوں کہ معاملے پر عمل ہو جانے کے بعد کبھی بھول کر بھی اس کا ذکر نہیں کروں گا کیونکہ ہمارے مفادات مشترک ہیں۔ اس رقم کے لئے تم نے جو کچھ کیا ہے اور میں بھی اس میں شریک رہا ہوں۔ تمہیں پھنسانے کی کوشش میں خود کو محفوظ نہ رکھ سکوں گا۔"

"میں پھر پوچھتا ہوں کہ تم کس رقم کی بات کر رہے ہو؟" میں نے بلند آواز میں کہا۔ اس کے رویے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دروغ گوئی نہیں کر رہا تھا بلکہ مجھ سے وہی کچھ کہہ رہا تھا جو اس کے ذہن میں موجود تھا۔

"اگر تم بھول ہی گئے ہو تو پھر مجھے یاد دلانا پڑے گا کہ میں ان چھ لاکھ فرانک کی بات کر رہا ہوں جو تم اپنے ساتھی کی مدد سے رائے کاروڈیوار کو ہلاک کر کے اڑا لائے ہو۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"چارلی۔" وہ بولا۔ "تم دونوں نے معاملہ ختم کرنے میں بہت جلد بازی سے کام لیا۔ اگر مجھے تھوڑی سی اور مہلت مل جاتی تو میں کہیں نہ کہیں سے وہ رقم برآمد کر ہی لیتا مگر تم دونوں کی للکار سن کر مجھے بدحواسی کے عالم میں فرار ہو جانا پڑا۔"

اس کی کہانی خاصی دلچسپ تھی اور میں بڑی حد تک اس کا پس منظر بھی سمجھ گیا مگر میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ رائے کاروڈیوار کا قاتل اس کے مکان سے فرار ہونے کے بعد اتنی جلدی عبداللہ کے فلیٹ تک پہنچنے میں کیسے کامیاب ہو گیا جبکہ کاروڈیوار [illegible]

[illegible] عبداللہ کے فلیٹ کے قریب ہو کر گیا ہوا تھا اور سیڑھیوں کے بیان کے مطابق [illegible] کے باوجود خفیف سا سراغ بھی حاصل نہ کر سکے تھے۔

"مجھے یہ بتاؤ کہ تم اس فلیٹ تک کیسے پہنچے؟"

"میں تمہارے ساتھی کو جانتا ہوں۔" وہ بولا۔ "اسے پہچاننے میں میرے ذہن کی [illegible] نے ختم کیا تھا ورنہ وہ آسانی سے میری اسٹین گن کا شکار [illegible]"

"اسے کیسے جانتے ہو؟ اور رائے کاروڈیوار کی کوٹھی پر تم سامنے ہی نہیں آئے پھر تم نے اسے کیسے پہچان لیا؟"

"جس وقت [illegible] تمہارے ساتھ [illegible] تھا تو میں ایک درخت [illegible] سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔ تمہارا ساتھی میری نظروں کے سامنے [illegible] کے عقب میں بیٹھا تھا۔ میں چاہتا تو آسانی سے مار دیتا مگر یہ بات [illegible] کاروڈیوار کی رقم کے بارے میں تم دونوں سے بے ایمانی [illegible] خوف میرے ارادوں کی تکمیل کی راہ میں حائل تھا۔ جب [illegible] ساتھی نے [illegible] سمجھ لیا کہ اب کاروڈیوار [illegible]" وہ پرخیال انداز میں آہستہ آہستہ بتا رہا تھا۔ "میرا خیال تھا کہ تم [illegible] رقم کا پتہ حاصل کرنے کیلئے اس سے تشدد آمیز پوچھ گچھ کا طویل سلسلہ [illegible] تم تلاش کر کے اس مکان سے دور نکل جاؤں [illegible] کرنے سے پہلے ہی اسٹین گن سے کاروڈیوار [illegible] خاموش ہو گیا اور تھوڑی دیر بعد تمہارے ساتھی نے مجھے [illegible] سے خوف زدہ کر دیا۔"

"اور اب اپنے حصے کا سوال کرنے یہاں آ گئے؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "[illegible] عبداللہ کو کیسے جانتے ہو؟"

"[illegible]" وہ قالین پر پیچھے لیٹتے ہی اچھل پڑا۔ "تم عبداللہ کو نہیں جانتے؟"

[illegible] حیرت نمایاں تھی۔

"تم اسے کیا سمجھتے تھے؟"

"میں [illegible] اس کی حرکت اور [illegible] سے واقف تھا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ [illegible] سمجھنے سے پہلے ہی کسی [illegible] قاتل کے ہاتھوں [illegible] کاروڈیوار [illegible] کوئی آدمی اس کے پیچھے لگ گئے [illegible] اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم [illegible] ہو جو کہ کاروڈیوار [illegible]"

"[illegible] کے بارے میں تم پوری کہانی دہرا رہے ہو۔" میں ذہنی طور پر چارلی [illegible] کیلئے تیار ہو چکا تھا۔

"[illegible] سنانا چاہتے ہو؟"

"[illegible] سے تمہارا رابطہ کیوں اور کیسے ہوا؟"

"[illegible] کاروڈیوار کے [illegible] اسی ٹھکانے [illegible] گیا تھا [illegible] کاروڈیوار کے دو دشمنوں کا کھوج نکال کر انہیں اغوا [illegible] کرنے والے تین آدمیوں میں موجود تھے۔ اس نے دونوں کے نام عبداللہ العلمی اور ڈاکٹر اسکر بتائے تھے۔ [illegible] سے ملنے کے بعد کاروڈیوار نے مجھے اور ایک کو اپنی حفاظت کیلئے چن لیا اور بقیہ چاروں آدمی شاید مقررہ کام پر لگا دیئے گئے۔ ان چاروں کو [illegible] میں ہدایات دے کر روانہ کرنے کے بعد کاروڈیوار نے میری موجودگی میں مجھے اور [illegible] کے نوٹوں سے بھرا ہوا ایک سوٹ کیس دکھایا تھا۔ [illegible] کی ایک بڑی کھیپ [illegible] پہنچا تھا اور [illegible] سے دونوں [illegible] اس کے پیچھے لگ گئے ہوتے ہلاک کر کے [illegible] فرانک اڑانا چاہتے تھے۔ اس نے ہمیں تین تین ہزار فرانک کی [illegible] دینے کا وعدہ کیا تھا۔"

"مگر پہلا [illegible] دینے سے قبل ہی وہ مارا گیا۔"

"دیکھا جائے تو [illegible] کی وجہ سے تم نے ہلاک کیا ہے ورنہ میری اسٹین گن نے [illegible] عبداللہ کو بلکہ کاروڈیوار [illegible] بھی ختم کر دیا تھا۔" کہتے ہوئے چارلی آہستہ آہستہ کھڑا ہو گیا۔

"غالباً پہلے [illegible] کی تنخواہ نہیں [illegible] ہوگی؟"

میرے اس سوال کا جواب اس نے سر کی جنبش سے نفی میں دیا۔

"پھر اس کی تلافی کرو۔" میں نے کہا۔ "کاروڈیوار نے تمہیں وہ سوٹ کیس اس لئے دکھایا ہوگا کہ اپنی اصل مزدوری کی پروا نہ کرو اور مجھے یقین ہے کہ اس سوٹ کیس میں [illegible] بھری ہوئی ہوگی۔"

"نہیں۔" اس کے منہ سے [illegible] نکلا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم [illegible] کے قاتل [illegible] ہو مگر [illegible] میں تمہیں اس فلیٹ سے زندہ لوٹنے کی اجازت دینے کو تیار ہوں۔"

"کاروڈیوار کے [illegible] ہاتھوں [illegible] کی تھی البتہ [illegible] ضرور میرے ہاتھوں مارا گیا تھا مگر مجھے اب بھی یقین نہیں ہے کہ تم [illegible] بول رہے ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اب بھی اس [illegible] مکان کا رخ کرنے کی ہمت کرو گے تو وہاں تمہیں وہ سوٹ کیس ضرور مل جائے گا اور شاید اس میں سے چند ہزار فرانک کی [illegible] باقی تمام رقم [illegible] رہ گئی ہو گی۔"

"تم مجھ سے [illegible] چھڑانے کیلئے بہانہ تراش رہے ہو۔"

"میں نہایت سکون سے تمہیں بے ہوش کر کے شوٹ میں پھینک سکتا ہوں۔ جب کوئی گھر میں تمہاری مسخ شدہ لاش دریافت ہوگی تو یہی سمجھا جائے گا کہ شوٹ کے ذریعے نقب زنی کی کوشش کرتے ہوئے تم حادثے کا شکار ہو کر چل بسے۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم اس وقت [illegible] میں ہو اور یقین نہ کرنے کے باوجود مجھے تمہاری ہر بات تسلیم کرنا ہوگی۔"

"پھر میری بات مانو اور فوراً واپس چلے جاؤ۔"

"شاید تمہارا ساتھی کوئی [illegible] نہ سکے۔"

"وہ بہت [illegible] آدمی ہے۔ میری مانو تو اس کے آنے سے پہلے نکل جاؤ ورنہ وہ خواہ مخواہ سیڑھیوں کے قتل کے الزام میں تمہارا [illegible] کر دے گا۔"

"باہر نکلنے سے پہلے مجھے اپنا حلیہ درست کرنے کی اجازت ہے؟"

"یہ تمام فکر نہیں ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "اس کمرے والا مرحوم بھی اپنے سر پر بے کوئی تعین تو بے نہ دیکھ سکے گا۔"

میں نے تیز تیز [illegible] کر کے دیوار اس کی طرف اچھال دیا اور چند سیکنڈ بعد [illegible] وہ [illegible] سے رخصت ہو گیا۔

دروازہ مقفل کرنے کے بعد میں نے باورچی خانے میں جا کر عقب کی کھڑکی کا جائزہ لیا تو وہ ابھی تک صحیح حالت میں موجود تھی۔ غالباً چارلس نے کسی خاص ترکیب سے اندر والی کنڈی کا سرکا کر کوئی نقصان پہنچائے بغیر کھڑکی کھول لی تھی۔

روشنیاں گل کر کے میں دوبارہ بستر پر دراز ہو گیا۔ چارلس کی نامناسب دخل اندازی کا سلسلہ ختم ہونے کی [illegible] میرے اعصاب پر ایک مرتبہ پھر غنودگی طاری ہونے لگی تھی اور میں لیٹنے کے چند منٹ بعد ہی ایک مرتبہ پھر گہری نیند سو گیا۔

سرہانے کے قریب فون کی مسلسل بجتی ہوئی گھنٹی نے دوبارہ بیدار کیا میں نے بیڈ سوئچ آن کر کے فون کا ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو ڈاکٹر!" دوسری جانب سے عبداللہ کی مردانہ اور سپاٹ آواز سنائی دی جو میرے لئے انتہائی غیر معمولی تھی۔

"تم کہاں ہو؟"

"میں ایک ٹریول ایجنسی میں بیٹھا ہوں۔ تم جیسے ہی [illegible] جاؤ وہاں سے ایک لفافہ [illegible] سیدھے ایئرپورٹ پہنچ جاؤ۔" اس کے لہجے میں [illegible] سنجیدگی طاری تھی۔

"کوئی خاص بات؟"

"ٹھیک پانچ بجے سے پہلے ایئرپورٹ کے استقبالیہ کاؤنٹر پر پہنچنا ہے۔" عبداللہ نے یہ کہہ کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

میرے لئے عبداللہ کا وہ انداز بالکل نا آشنا تھا۔ میں نے پہلی بار اس کی آواز میں اس قدر سختی اور سنجیدگی محسوس کی تھی اور پھر وہ جو پیغام [illegible] سے واضح ہوا تھا وہ بھی کم پریشان کن نہ تھا۔ بظاہر یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے بیروت میں فلسطینی لیڈروں کے اجلاس میں کیا جانے والا دھماکا اپنے اثرات کے اعتبار سے خاصا مہلک ثابت ہوا تھا جب کہ ایک شخص کی ہلاکت اور دو کے زخمی ہونے کی اطلاع عبداللہ کو ملنے والے رقعے [illegible] ہو چکی۔

میں عجلت میں تیار ہو کر فلیٹ سے نکلا۔ باہر اندھیرا چھایا ہوا تھا اور شہر گہری دھند کی لپیٹ میں تھا۔ میں نے اپنے اوور کوٹ کے کالر کھڑے کئے اور دونوں ہاتھ جیبوں میں اڑس کر ٹیکسی کی تلاش میں ایک طرف چل دیا۔

ہوٹل ڈی ریکس پہنچا تو چارلس [illegible] میرا منتظر تھا۔ [illegible] دونوں بازو پھیلائے میری طرف لپکا اور مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔

"مبارک ہو تم دونوں نے بڑی بے جگری سے کام دکھایا ہے۔" اس کا لہجہ خوشی و مسرت سے مرتعش تھا۔

"عبداللہ سے تمہاری ملاقات ہوئی؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ تو بچارہ [illegible] ہے۔ پہلی بار فون کر کے اس نے [illegible] کی خبر دی تھی۔ دوسری مرتبہ [illegible] فون کیا۔" یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہ کر میری طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن تھی [illegible] وہ فیصلہ نہ کر پا رہا ہو کہ جو بات وہ کہنے والا ہے اسے زبان [illegible] اختیار کرے۔

"تم سے ایک بات پوچھوں؟" آخر کار اس نے کہا۔

"ضرور پوچھو۔" میں نے فراخدلی سے مسکرا کر کہا۔

"مگر یہ صرف میرے اور تمہارے درمیان رہے گی۔"

"وعدہ!" میں نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"تم دونوں کا کیا پروگرام ہے؟"

"پیرس جا رہے ہیں۔"

اس کے منہ سے بے اختیار ایک طویل سانس آزاد ہو گیا [illegible] کوئی بڑی مہم درپیش ہے۔ میرا مقصد یہ نہیں کہ عبداللہ کی مہم میں دخل اندازی کروں مگر یہ ضرور کہوں گا کہ وہ اپنی صلاحیتیں [illegible] ضائع کر رہا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"دیکھو وہ نوجوان آدمی ہے۔" چارلس کہنے لگا۔ [illegible] میں کچھ بھی نہیں دیکھا۔ خوش قسمتی سے وہ یہاں خاصے معقول [illegible] کا مالک ہے مگر اپنی ساری کمائی اپنی تنظیم پر صرف کر دیتا ہے [illegible] ہوئے شرم آتی ہے کہ وہ اکثر مجھ سے ادھار بھی لیتا رہتا ہے [illegible] ایک پیسہ لوٹا دیتا ہے۔ وہ میری مدد بھی قبول نہیں کرتا۔ [illegible] اپنی قابلیت سے بہت زیادہ ذمہ داریاں لی ہوئی ہیں۔"

"یہ تو اس کی ایمانداری کی دلیل ہے۔" میں نے [illegible] لیتے ہوئے کہا۔ "ورنہ وہ جس تنظیم کیلئے کام کر رہا ہے اس کے پاس فنڈ کی کوئی کمی نہیں [illegible] چاہے تو بہت [illegible] رقم حاصل کر سکتا ہے مگر وہ ایک با کردار اور اصول پرست شخص ہے۔"

"میں بھی کہنا چاہ رہا تھا۔" چارلس بولا۔ [illegible] کا مناسب استعمال ہو گئے۔ وہ [illegible] زندگی گزار سکتا ہے۔"

"تم [illegible] چارلس! تمہارا ایک گھر اور وطن ہے [illegible] گھر بار [illegible] نہیں ہے۔ وہ تو آگ میں جل رہا ہے [illegible] محسوس نہیں کر سکتے۔ تمہیں تو حیرت ہونا چاہئے کہ اس قدر [illegible] باوجود وہ مسکرا کیسے لیتا ہے؟"

"تم تو اس کے ہمنوا نکلے!" وہ ہنس کر بولا۔

"میرا بھی ایک وطن ہے دوست۔" میں نے [illegible] سر [illegible] ہوئے کہا۔ "مگر میں ایک مدت سے خود ساختہ جلاوطنی کی زندگی [illegible] رہا ہوں۔ [illegible] اسی لئے میں عبداللہ کی کیفیت کو تھوڑا بہت سمجھتا ہوں۔"

[illegible] آسائش ماحول میں گزارنے کے باوجود [illegible] زندگی بسر کر رہا ہے۔"

"میرا تو خیال تھا کہ میں تمہاری ذہنیت سمجھانے میں کامیاب ہو گیا ہوں [illegible] تم تو ابھی [illegible] سمجھانے لگے ہو۔" وہ تحفت آمیز لہجے میں بولا۔ "بہر حال [illegible] نظروں میں اس کا بلند مقام ہے اور ہم دونوں سے تعلق کے باوجود ایک [illegible] احترام کرتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ یہ تمام گفتگو تم اپنی ذات تک ہی محدود رکھو گے۔"

"بے فکر رہو۔"

"پیرس سے تم واپس یہیں آؤ گے؟" اس نے ایک لفافہ میری سمت بڑھاتے ہوئے [illegible] سوال کیا۔

[illegible] میں نے لفافہ جیب میں [illegible] ہوئے کہا۔

[illegible] وہ قہقہہ مار کر بولا۔

"قسمت نے تمہارا [illegible] دیا ہے [illegible]۔"

چارلس کے پاس میں نے [illegible] گزارے اور پھر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ چارلس نے نہایت گرم جوشی سے مجھے رخصت کیا۔

ٹیکسی ایئرپورٹ کے کہر آلود راستے پر [illegible] ہوئے میرا ذہن چارلس [illegible] الجھا ہوا تھا۔

چارلس مادی دور کا ایک کامیاب انسان تھا جو [illegible] یقین رکھتا تھا اور ہر معاملے کو [illegible] نفع اور نقصان کے معیار پر پرکھنے کا عادی تھا۔ [illegible] انسان کے وجود [illegible] جذبوں کی پیکار کا علم نہیں [illegible] اور عبداللہ کے [illegible] میں زبان نہ کھولتا۔

انسان کی زندگی میں بہت سے مقام ایسے بھی آ جاتے ہیں جہاں وہ [illegible] ایک لازوال آسودگی محسوس کرتا ہے اور عبداللہ [illegible] تھا۔ وہ اپنے وطن کے حصول کی ہولناک جنگ لڑ رہا [illegible] کیلئے خندہ پیشانی کے ساتھ ہر قربانی دینے کیلئے تیار رہتا [illegible] نہیں۔

ٹیکسی ایئرپورٹ کے [illegible] کے سامنے ایک جھٹکے سے رکی [illegible] باہر آ گیا۔

[illegible] روشنیوں کے ہالے [illegible] ایک دوسرے سے لاتعلق مسافر تیزی کے [illegible] میں بھی ان کی بھیڑ میں شامل ہو کر ایک طرف چل دیا۔

[illegible] پانچ بجنے [illegible] تھے مگر [illegible] معلوم ہو رہا تھا جیسے [illegible] پہنچے ہوں۔

[illegible] ہال میں داخل ہوا تو شاید کسی [illegible] مقابلے میں وہاں [illegible] حرارت خاصا خوشگوار تھا۔

باہر کے شدید موسم سے پناہ لینے کیلئے کافی لوگ وہاں گھسے ہوئے تھے اور ہال میں پڑی ہوئی تمام نشستوں پر لوگ براجمان تھے۔

میں سگریٹ کے گہرے گہرے کش لگاتا ہوا [illegible] اشتہارات کا جائزہ لینے لگا۔ اسی اثنا میں میرے سامنے ایک صوفہ خالی ہوا اور میں ایک دلکش سی سفید فام لڑکی کے پہلو میں جگہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

میں نے وہاں بیٹھنے کے بعد اس لڑکی کا خیال کرتے ہوئے ادھ جلی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دی تاکہ سگریٹ کا کثیف دھواں اس کے لئے پریشانی کا باعث نہ ہو۔

"پلیز آپ سگریٹ پیتے رہیں۔" لڑکی جو شاید میری طرف دیکھ رہی تھی، مجھے سگریٹ بجھاتے دیکھ کر التجا آمیز انداز میں بول پڑی۔

میں نے آہستگی سے سر گھما کر [illegible] گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا اور دل ہی دل میں قدرت کی صناعی کی داد دینے لگا۔

دراز قامت گداز اور متناسب بدن پر سرمئی رنگ کا گرم اسکرٹ اور [illegible] رنگ کا [illegible] اوور کوٹ موجود تھا۔ پیروں میں سیاہ [illegible] لانگ بوٹ تھے۔ [illegible] کالر کی اوٹ سے [illegible] صراحی دار گردن نظر آ رہی تھی۔ اس کی [illegible] کی طرح چمکتی ہوئی نیلی آنکھیں [illegible] چہرے پر [illegible] تھیں اور [illegible] آمیز انداز میں خفیف سے کھلے ہوئے تھے جن کی اوٹ سے اس کے اوپری دانتوں کی قطار سفید موتیوں کی چمکتی سی لڑی کی صورت میں جگمگا رہی تھی۔

"میں نے سگریٹ تمہاری وجہ سے بجھائی ہے۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

"دوسری جلا لو مجھے دھوئیں سے لطف آ رہا تھا۔" اس نے برجستہ کہا۔

"اتنا ہی لطف آ رہا تھا تو تم بھی ایک سگریٹ سلگا لو۔" میں نے جیب سے [illegible] ساخت کی تیز سگریٹ کا پیکٹ نکالتے ہوئے کہا۔

"میں سگریٹ پیتی ہوں مگر اس وقت مجبوری ہے۔ تم پیتے رہو اس طرح میرا [illegible] نشہ پورا ہوتا رہے گا۔"

"کیسی مجبوری ہے؟" میں نے سگریٹ ہونٹوں کی طرف لے جاتے ہوئے پوچھا۔

"ممی اور پاپا دونوں یہیں [illegible] موجود ہیں۔ وہ میری تمباکو نوشی سے سخت نفرت کرتے ہیں۔" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"کمال ہے کہ تم ان کی اتنی پروا کرتی ہو۔" میں نے اپنی دانست میں اس پر طنز کیا جسے وہ محسوس نہ کر سکی۔

"پروا کی بات نہیں، میرا باپ بہت ظالم شخص ہے۔ وہ [illegible] کی پرواہ کئے بغیر اسی جگہ مجھے دو تین تھپڑ جڑ دے گا۔"

"تو انہیں چھوڑ کیوں نہیں دیتیں؟" مجھے اس خوبصورت لڑکی سے گفتگو بڑھانے میں لطف محسوس ہو رہا تھا۔ [illegible]

"میری عمر اٹھارہ برس کی ہو چکی ہے مگر [illegible] فی الحال انہیں نہیں چھوڑ سکتی۔"

میں نے بغور نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ واقعی کم سن تھی۔

"اگر مجھے زندگی میں ترتیب دینا ہو تو میں یہ کہنے سے دریغ نہ کروں کہ دنیا کی ہر بڑی اخبار میں کم عمری کے سال، سال عمر میں شمار کی جاتی ہے اور اگر شکل و صورت قبل از وقت دنیا سے جائے تو انتقال ہونے تک اٹھارہ برس کی ہی رہتی ہے۔"

"کوئی شعر بھی کہتی ہو؟" میں نے زور دار لہجے میں سوال کیا۔

"شعر کی صورت یہ ہے کہ ترتیب نہیں تھا۔" وہ بے خوفی سے بولی۔ "کبھی کبھار دو غزلیں یا دو چار چیزیں لکھ لیتی ہوں۔"

"کن لوگوں سے دوستی؟"

"میرے دو ملنے والے فرینڈ ہیں۔" وہ گہرا سانس لے کر اٹھتا ہوا دھواں اپنے چھپڑوں میں آتے ہوئے بولی۔ "ان میں ایک مجھے پسند ہے اور ایک کے دوسری لڑکیوں سے بھی مراسم ہیں۔ وہ مجھ سے پہلے انگوٹھی پہننا چاہتا ہے اور دوسرا مجھے کام کی طرح دیکھتا ہے۔ لیکن میرے جذبات سے زیادہ پاپا کی خوشنودی عزیز ہے۔ اگر وہ بھی شادی کر کے ان کے ترکے پر قابض ہو سکے۔" پھر اس نے پہلی بار میرے بارے میں سوال کیا۔ "تم کون ہو؟"

"ایک آدمی ہوں۔" میں نے اس کے چہرے پر سگریٹ کا دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔

"وہ تو نظر آ رہا ہے۔" وہ چہرہ بدل کر تڑپتے لہجے میں بولی۔ "کہاں سے آئے ہو، کہاں جا رہے ہو، کیا کرتے ہو، کیا نام ہے؟"

"اب تم نے ترتیب وار سوالات کر ڈالے ہیں۔" درمیان میں ہی اس کی بات کاٹ کر بول پڑا۔ "میں لندن سے آیا ہوں۔ فی الحال پیرس جا رہا ہوں۔ لندن میں معمولی سی نوکری کرتا ہوں اور میرا نام ژان فرنانڈ ہے۔"

"شاید افغانی تارک وطن ہو؟"

"یہی سمجھ لو۔ دو نسلیں لندن میں گزرنے کے بعد بھی تارک وطن ہی کہلاتا ہوں۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔ "اب اپنے بارے میں بھی کچھ بتاؤ۔"

"میرا نام ایلزبتھ لزا ہے اور میں صرف خواب دیکھتی رہتی ہوں۔ میرا باپ برطانیہ کا شہری اور دولت مند ہونے کے باوجود قدامت پسند خیالات کا مالک ہے۔"

"کہاں جا رہی ہو؟"

اسی وقت کسی کرخت مردانہ آواز نے ایلزبتھ کو پکارا اور وہ جلدی سے اپنا بیگ وغیرہ سمیٹ کر وہاں سے چل دی۔

اس کے تعاقب میں میری نگاہیں اس سفید فام بوڑھے پر پڑیں جو اس کا انتظار کر رہا تھا۔ مرد خاصی رعب دار شخصیت اور طاقت کا مالک معلوم ہو رہا تھا۔ اسے دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ ایلزبتھ کی نرم و نازک زندگی میں اس کا قصور رہا ہوگا۔

پھر یہ تینوں عمارت کے اندرونی حصے کی طرف چل دیئے۔ ایلزبتھ شاید ان دونوں سے پیچھے رہ گئی اور موقع پاتے ہی اس نے پلٹ کر میری طرف الوداعی انداز میں ہاتھ لہرایا اور میں نے اسی انداز میں اسے جواب دے دیا۔

وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو میرے دل میں ایک عجیب سی [illegible] ایلزبتھ جیسی لاابالی لڑکی اس قابل تھی کہ اس کے ساتھ تھوڑا وقت خوشگوار طریقے سے گزارا جا سکتا تھا۔

عبداللہ میرا پتہ کرتے ہوئے وہاں آیا۔ اس کا چہرہ تنا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں پر سیاہ شیشوں کی عینک لگی ہوئی تھی۔ اس کے ہمراہ دو اور افراد بھی تھے جو اپنے خدوخال کی بنا پر دور ہی سے فلسطینی نظر آ رہے تھے۔

عبداللہ نے ان سے میرا تعارف ڈاکٹر کرسٹوفر کی حیثیت سے کرایا اور وہ دونوں مجھ سے نہایت گرمجوشی سے ملے۔ جب ان میں سے ایک عربوں کے روایتی انداز میں خوشی کے اظہار کے لئے میرے ہاتھ چومنے جھکا تو اس کا ایک بوسہ میرے ہاتھ پر ثبت ہو کر رہ گیا۔

میں نے جلد ہی اپنا ہاتھ کھینچا اور عبداللہ کے حوالے کیا جو اس نے ایک ساتھی کو دے دیا اور عربی میں اسے کام کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔

میں اس کی ساری گفتگو بغور سن رہا تھا مگر بظاہر لاتعلق نظر آ رہا تھا لیکن جب عبداللہ کے خاموش ہونے پر وہ دونوں رخصت ہونے لگے تو یک بیک عربی بولتا شروع کر دی۔ میری زبان سے عربی میں الوداعی کلمات سن کر ان پر خوشگوار حیرت کا حملہ ہوا اور اسی کیفیت میں وہ وہاں سے رخصت ہوئے۔

"تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟ اور یہ تاریک شیشوں کی عینک کیوں لگا رکھی ہے؟" میں نے فوراً ہی عبداللہ سے سوال کیا۔

"تمہیں کیا بتاؤں کہ ہم ایک امریکی تنظیم کی ایک شب [illegible] اس کے بعد بھی ہم اہم اقدامات کر رہے تھے۔" وہ میرا ہاتھ تھام کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "اور عینک کا سبب تم ضرور جانو گے۔"

یہ کہہ کر اس نے چہرہ میری طرف گھما کر عینک ہٹائی اور [illegible]

اس کی آنکھیں دیکھ کر میں بے یقینی سے گھور کر رہ گیا۔

عبداللہ کی آنکھیں کبوتر کی طرح سرخ ہو رہی تھیں اور ان میں بے خوابی کے باعث شدید ورم آ گیا تھا۔

"تم اپنی ذات پر بہت ظلم کرتے ہو۔ بیمار ہو جانے کا بھی خطرہ ہو سکتا ہے۔ تمہیں آرام کی سخت ضرورت ہے۔"

"میرے وجود کے اندر انتقام کا جو الاؤ [illegible] آہستہ آہستہ مجھے [illegible] تمہیں معلوم ہے [illegible]"

"دبا ڈالے نہیں ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"اس اجلاس میں فلسطینی گروہوں کے اقدامات [illegible] کے آنے کا پروگرام تھا مگر آخری وقت پر دمشق سے [illegible] باعث وہ اجلاس میں نہ آ سکے۔ وہ ہم اجلاس کی صدارت کریں گے [illegible] نکلتے ہوئے [illegible] ہسپتال میں زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔"

[illegible]

"میں نے جانے سے پہلے [illegible] جو یہاں بنایا [illegible] زندہ نکلے ہو گے۔"

"[illegible] کیا کرتے ہو؟"

"[illegible] تجربہ [illegible] میں شامل ہو چکے ہیں اور [illegible] کے گھر سے [illegible] دیا جائے گا۔"

"[illegible] کہ کل رات چار افراد [illegible] میں نے کہا [illegible]"

"[illegible] تھا جو [illegible] نکلا تھا؟"

"ہاں۔ [illegible] میں نے [illegible] تعاون کیا تھا۔" [illegible] کہانی سنا دی۔

"تم نے اچھا کیا کہ [illegible] زندہ جانے دیا۔ وہ [illegible] قدرت کے انتقامات [illegible] سامان پیدا ہو جاتا ہے ورنہ [illegible] میدان صاف ہو جاتا۔"

"[illegible]" میں نے کہا۔

"[illegible]" اس نے کہا۔ "[illegible] ہو گا۔"

"[illegible]" میں نے [illegible] کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] تم پہلے سے سوچے بیٹھے تھے۔"

"[illegible] ایک [illegible] تھا۔"

"شاید [illegible] تمہاری آگ میں [illegible] ہیں۔"

"[illegible] کر دیا۔"

"[illegible] کے بارے میں کچھ بتایا نہیں؟"

"اس کا ذکر ہی نہیں آیا۔"

"[illegible] سے دھکا ہوا ہے اور [illegible] چار [illegible] تک [illegible] نظر آتا ہے مگر پھر بھی تمہاری آواز سننے کو [illegible]"

"[illegible] ہو گیا۔"

[illegible] کے بعد [illegible] گیا تھا [illegible] پانچ منٹ [illegible] کیا۔

[illegible] مسافروں کی تعداد خاصی کم تھی۔ عبداللہ نے [illegible] شیشوں کی عینک اتار لی تھی اور [illegible] تھا۔ میں اس فرصت کو غنیمت جانتے ہوئے [illegible] تھا مگر [illegible] اس کے آرام میں [illegible]

[illegible] کے بعد [illegible] چار [illegible]

ڈیگال ایئرپورٹ پر جا اترا جبکہ ال دفتر کے طیارے کے اغوا کی مہم کے دوران بھی ہم لوگ اورلی ایئرپورٹ پر اترے تھے۔

باہر عبداللہ کا ایک تعلیمی دوست گاڑی سمیت اس کا منتظر تھا۔ عبداللہ نے مجھے میرے نئے نام سے ہی متعارف کرایا اور جب کار روانہ ہوئی تو عبداللہ نے گفتگو کا سلسلہ چھیڑ دیا جس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ تیسرا شخص بھی تنظیم آزادی فلسطین کا رکن تھا۔

میں نے ان دونوں کی چھیڑی ہوئی گفتگو میں دخل نہیں دیا مگر جب اس شخص نے فرانسیسی وزارت دفاع کے افسر ژین گرلوی کا نام لیا تو میں نے ساری توجہ اس پر مرکوز کر دی۔

"ژین گرلوی بظاہر اپنی دنیا میں مگن رہنے والا انسان ہے۔ ابھی تک ہم اس کے خلاف کوئی ایسی بات معلوم نہیں کر سکے جس کی بنیاد پر اسے چپ چاپ ڈالا جا سکے۔"

"اس کے ملاقاتیوں کی تفصیل بھی لی گئی ہے نا؟" عبداللہ نے سوال کیا۔

"ہاں ہے۔" اس شخص نے اپنی جیب سے ایک سفید لفافہ نکال کر عبداللہ کے حوالے کر دیا۔ "بیشتر نام ایسے ہیں جو سرکاری کام سے صرف ایک مرتبہ تھوڑی دیر کے لئے اس کے پاس آئے۔ بار بار آنے اور دیر تک بیٹھنے والوں کے نام کے سامنے سرخ نشان لگے ہوئے ہیں۔ پوری فہرست میں صرف پانچ نام ایسے ہیں۔"

"اسرائیلی وفد اب بھی یہیں مقیم ہے؟"

"ہاں۔ سرکاری وفد ہے۔ وہ لوگ جنرل ہیڈکوارٹر میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

"ہمیں یہاں کا کوئی سراغ ملا؟"

"نہیں۔ وفد میں کوئی شخص بھی اس کے پیچھے پڑا نہیں آ رہا۔"

"کوئی سعودی تنظیم بھی آئی ہوئی ہے یہاں؟"

"تین روز قبل ایک دوسرا وفد آیا ہے۔ ان میں سے ایک تضامیہ کا اعلیٰ افسر ہے اور دولت و نائم کا کوئی سیکرٹری ہے۔"

"ان کی آمد کا سبب معلوم ہے؟"

"نہیں۔ ادھر توجہ ہی نہیں دی گئی۔ ویسے وہ دونوں بھی جنرل ہیڈکوارٹر میں ہی مقیم ہیں۔ اس وجہ سے پتہ چل رہا ہے کہ ان کا خیر و عافیت سے باہر گزرتے ہیں۔"

"ان کا پیچھا کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہمارے دوست ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ جائے اور ان کے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہو جائیں۔ البتہ یہ بتاؤ کہ اسرائیلی وفد کے لئے حفاظتی اقدامات کی نوعیت کیا ہے؟" عبداللہ نے دریافت کیا۔

"بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ غیر سرکاری طور پر فرانس آئے ہیں۔ ان کے لئے سرکاری طور پر کوئی حفاظتی بندوبست نہیں کیا گیا۔ نہ ہی اخبارات میں ان کی آمد کی کوئی خبر شائع ہوئی اور نہ انہیں پچھلے دنوں ہونے والی سرکاری تقریبات میں مدعو کیا گیا۔ اس شخص کا تجزیہ اور مشاہدہ خاصا گہرا

معلوم ہوتا تھا مگر اس کے باوجود کچھ دیسے جو سادہ پوش پہرے ان کے گرد منڈلاتے رہتے ہیں جو مقامی پولیس کے لئے پر حال لیے گئے آزاد بھی ہو سکتے ہیں اور انٹرپول کے بالا عہدہ تنخواہ دار ہونے کا امکان بھی ہے۔"

"تمہاری معلومات خاصی تفصیلی ہیں۔ دلاور عودرکل کسی وقت ہوگا۔ فی الحال یہ بتاؤ کہ ہماری رہائش کا انتظام کہاں کیا ہے؟" عبداللہ اس کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"مادام نے تامی ایک معمر بوڑھی عورت کے گھر بندوبست کیا ہے۔ وہ یہاں کے شریف لوگوں کو کرائے پر رکھتی ہے اور اس کے یہاں کھانا پکانے کا بھی انتظام ہے۔"

"اور کتنے لوگ رہتے ہیں وہاں؟"

"مادام نے اور اس کی منہ بولی بیٹی کے علاوہ صرف دو مہمانوں کی گنجائش ہے جو آپ کیلئے مخصوص کرائی جا چکی ہے۔"

تھوڑی دیر میں گاڑی پیرس کی ایک قدیم اور صاف ستھری آبادی میں واقع ایک منزلہ مکان کے سامنے رک گئی۔

ڈور بیل کے جواب میں دروازہ کھل گیا تو میں اپنے سامنے وہیل چیئر پر ایک ادھیڑ عمر عورت کو دیکھ کر حیران رہ گیا جو دونوں ٹانگوں سے معذور تھی۔

ہمارے ساتھی کو پہچانتے ہی مادام کے ہونٹوں پر خیر مقدمانہ مسکراہٹ ابھر آئی اور اس نے داہنے ہاتھ سے کرسی کے پہیے کو گردش دے کر ہمارے اندر داخل ہونے کیلئے راستہ چھوڑ دیا۔

مادام خصے سے ہم دونوں کا تعارف کرانے کے بعد وہ شخص چلا گیا اور مادام خصے نے باری باری ہمیں وہ دونوں کمرے دکھائے جو مہمانوں کے طور پر استعمال کیے جاتے تھے۔

"تمہاری منہ بولی بیٹی کہاں ہے؟" عبداللہ نے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے ستائش آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے انگریزی میں سوال کیا۔

"وہ کسی سے ملنے گئی ہے آتی ہی ہوگی۔ بڑی مصروف ہو گئی ہے۔ چھوٹی موٹی چیزیں لینا، کسی چیز کی ضرورت پڑ جائے تو آواز دے لینا یہ نہ سوچنا کہ میں معذور ہوں۔"

"ہماری وجہ سے تمہیں زیادہ زحمت ہوگی مادام۔"

"زحمت نہیں مجھے تو صحت مند لوگوں کے لئے کام سرانجام دے کر دلی مسرت ہوتی ہے۔ میری صرف دونوں پنڈلیاں کسی وجہ سے سوکھ گئی تھیں اور میرا وزن سہارنے سے انکار کر دیا ورنہ میں پوری طرح صحت مند اور چاق و چوبند ہوں۔ اب تو وہیل چیئر کی ایسی عادت پڑ گئی ہے کہ اس پر بیٹھنے کے بعد مجھے اپنی سوکھی ہوئی بے جان پنڈلیاں یاد ہی نہیں رہتیں۔"

"بے شک بے شک۔" عبداللہ سر ہلاتے ہوئے جلدی سے بولا۔ اس کے لئے [illegible] وہ تعریف [illegible] زیادہ ثابت ہوئی تھی۔

مادام نے اپنی کرسی کا رخ [illegible] واپس چلی گئی تو عبداللہ کھوپڑی سہلاتے ہوئے بولا۔ "بڑی باذوق عورت ہے۔"

"اور انگریزی بھی جانتی ہے۔" میں کراہتے ہوئے بولا۔ "مگر اس کی منہ بولی بیٹی بھی انگریزی سے واقف اور اسی قدر باذوق ہوئی تو ہمیں بڑا خوشگوار وقت بھی گزارنا پڑے گا۔"

میں تو طویل نیند لینے کے باعث تازہ دم تھا مگر عبداللہ تکان کے باوجود کام کرنے پر آمادہ تھا۔ اس نے دروازہ بند کرکے آتش دان کے اوپر ہوا لیمپ کا چھوٹا سا روشن کیا اور پھر جیب سے وہ لفافہ نکال لیا جس میں پیرس گزری سے ملنے والوں کی فہرست تھی۔

فہرست کی ابتدا تین دن پہلے کی تاریخ سے ہوئی تھی۔ ان میں چار افراد کے نام ایک سے زیادہ بار آئے تھے اور ایک شخص کے نام کے آگے سرخ روشنائی سے لکھا ہوا تھا کہ وہ ایک گھنٹے پینتالیس منٹ بعد [illegible] کے گھر سے باہر آیا تھا۔ اس شخص کا نام [illegible] تھا [illegible] بات معلوم نہ ہو سکی تھی البتہ اس کے نام سے ظاہر تھا کہ [illegible] بھی تھا مگر کم از کم عمران نسل سے مزید تعلق رکھتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد باہر سے ڈور بیل کی آواز سنائی دی۔ دروازے پر پہنچا کر مادام خصے کی منہ بولی بیٹی ہو تھا سامان سے لدی [illegible] وہ بڑی قبول صورت اور خوش اخلاق تھی۔ اور انگریزی [illegible] جب مادام خصے نے اس سے تعارف کرانے کے بعد رات کے کھانے کا پروگرام [illegible] عبداللہ نے کہہ دیا کہ کھانے کا پروگرام باہر طے ہو چکا ہے۔ تھوڑی دیر بعد ہم باہر نکلے تو عبداللہ مکان کے عقبی حصے کی طرف چل دیا۔

"ادھر کہاں جا رہے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہاں گاڑی اور دیگر لوازمات موجود ہیں۔"

"اور چابی؟"

"وہ عبدالعزیز نے راستے میں ہی مجھے دے دی تھی۔"

مکان کے عقب میں واقعی سفید رنگ کی ایک [illegible] موجود تھی [illegible] کارتوسوں کے کئی ڈبے موجود تھے اور ڈرائیونگ سیٹ کے نیچے دو خود کار پستول پڑے ہوئے تھے۔

"[illegible] ملک پر [illegible] بھی اسلحہ ساتھ لے جانے کی اجازت [illegible] ہوتی ہے یہاں یہ سارا انتظام کیا گیا ہے۔" عبداللہ نے گاڑی [illegible] کرتے ہوئے کہا۔

"ہوٹل بیورلیگن جانتے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"ہم لوگ ادھر ہی چلتے ہیں۔ شاید بن حیان کی ملاقات ہو جائے۔" وہ خوش دلی سے بولا۔

ہوٹل بیورلیگن روشنیوں کے اس [illegible] شہر میں [illegible] چمک رہا تھا۔ بین الاقوامی معیار کے اس عظیم الشان ہوٹل [illegible] میں ایک ہولناک کہانی کی بنیاد پڑ چکی تھی جس کا انجام ہم دونوں کو [illegible] تھا [illegible] ہمارے دشمنوں کو۔

[illegible] جگہ بیٹھنے کے بجائے ہوٹل کے مختلف [illegible] گھومتے رہے۔ میری توقع کے مطابق [illegible] ہر طرف بن حیان کی تلاش میں بھٹک رہی تھی [illegible] کرنے کے باوجود ہمیں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ آخر ہم [illegible] ڈائننگ ہال میں [illegible] نشستیں سنبھال لیں۔ [illegible] سے ہماری نشست کا آغاز ہوا۔ سوپ پر [illegible] عبداللہ نے اپنی کرسی پیچھے دھکیل دی۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"[illegible]" وہ جھک کر سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "[illegible] دوں گا۔"

"[illegible] کیا ہوگا؟"

"[illegible] اور اگر بن حیان واقعی اس شہر میں [illegible] ہوٹل پر [illegible] مجبور ہو جائے گا۔"

عبداللہ وہاں سے فون کرنے کیلئے چلا گیا۔ اس کی غیر موجودگی میں [illegible] عبداللہ کے انتظار میں سوپ کے [illegible] لگا۔

بڑی [illegible] عبداللہ کو خاصی دیر ہو گئی مگر جب وہ واپس آیا تو اس کے چہرے سے خوشی کا اظہار ہو رہا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے [illegible]" میں نے اس کی طرف [illegible] سرگوشیانہ لہجے میں تبصرہ کیا۔

"[illegible] کوئی [illegible] ہے۔" وہ کہنے لگا۔ "میری اس [illegible] تھی اور میں نے کہا تھا کہ کسی بھی [illegible] کے کمروں کو دھماکوں سے اڑا دیا جائے گا۔"

"تو وہ کیا بولا؟"

"[illegible]" عبداللہ لذت آمیز انداز میں ہنستے ہوئے بولا۔ "بیچارا وہ آدمی بھی [illegible] جو ان [illegible] کی نگرانی پر مامور ہے۔ [illegible] کہ میں بھی محافظوں کے بغیر باہر نکلنے کی [illegible] کروا دی جائے تاکہ [illegible] دہشت کا شکار ہو جائیں۔"

"[illegible] کوئی حکمت عملی اختیار کرنا چاہتے ہو؟"

"[illegible]" وہ اپنے لئے سوپ تیار کرتے ہوئے بولا۔ "اس [illegible] مجھے بہت متاثر کیا ہے۔"

کھانے سے فراغت کے بعد عبداللہ کا ارادہ بن لیوی کی طرف جانے [illegible] عبدالعزیز سے ملنے والے [illegible] کی مخالفت کی کیونکہ میرا [illegible] اگر بن لیوی اپنی قسمت [illegible] رکھا جائے تو امکانات یہی ہیں [illegible] ہماری طرف سے ہوشیار کر دیا گیا [illegible] ہلاک کر دیتے جو فوری طور پر ہمارے لئے خطرات اور نقصان کا سبب ثابت ہو سکتا تھا۔

ہوٹل بیورلیگن سے ہم دونوں رات کے پچھلے پہر گھر پہنچے تو دروازہ [illegible] نے کھولا۔ اندر پہنچے تو پتہ چلا کہ مادام خصے [illegible] ہمارے انتظار میں [illegible] کے ساتھ شطرنج کی بازی جمائے بیٹھی تھی۔

ہم دونوں رسمی گفتگو کے بعد اپنے کمروں میں چلے گئے۔ مادام نے ہم سے شطرنج کے بارے میں جاننا چاہا لیکن ابھی جان چھڑانے کیلئے دونوں نے ہی اس کھیل سے ناواقفیت کا اظہار کرنے میں عافیت سمجھی۔

اگلی صبح سات بجے مادام خصے نے انتہائی محبت آمیز انداز میں مجھے بیدار کر دیا۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو وہ وہیل چیئر پر ناشتے کی میز بیڈ کے ساتھ لئے موجود تھی۔

"صبح بخیر مسٹر [illegible]" مجھ سے نظریں چار ہوتے ہی وہ مسکرا کر بولی۔

"میں تمہارا ناشتہ بیڈ ٹی کے ساتھ ہی لے آئی ہوں۔"

"شاید میں نے پچھلی رات جگانے کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔" میں نے بستر میں لیٹے لیٹے قدرے خشک لہجے میں کہا۔

"ہاں تم بھول گئے تھے لیکن میں اپنے فرائض سے اچھی طرح واقف ہوں۔" وہ فخر آمیز لہجے میں بولی اور میرا موڈ [illegible] ہو اٹھا۔

"تم میرے پاس [illegible] عبداللہ کی نیند خراب نہ کرنا۔ وہ کئی راتوں کا جاگا ہوا ہے۔" میں [illegible] ہوئے بستر سے اٹھ گیا۔

"[illegible] کے بعد ہی میں تمہاری طرف آئی تھی۔" وہ [illegible] لہجے میں بولی۔ "اس نے تو مجھ سے کوئی شکایت نہیں کی۔"

"ہم لوگ تفریح کی نیت سے یہاں آئے ہیں۔" میں نے بستر چھوڑ کر اس سے چائے کی پیالی لیتے ہوئے کہا۔ "اور دیر تک سونے کے عادی ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آئندہ ایسی غلط فہمی پیدا نہیں ہوگی جو کسی کوفت کا باعث بنے۔"

"میں خیال رکھوں گی مگر صبح سویرے اٹھنا صحت کیلئے مفید ہوتا ہے۔ میں خود پانچ بجے اٹھ جاتی ہوں اور سات بجے تک [illegible] کے ساتھ ناشتہ کر لیتی ہوں۔ سوچا تھا کہ آج تم دونوں کے ساتھ ناشتہ کرتے ہوئے تمہیں [illegible] کی خبریں سناؤں گی۔"

"میرا ساتھی [illegible] دیر تک سوتا ہے۔ مجھے اگر [illegible] سے تمہارے معمولات میں فرق پڑ رہا ہے تو کسی ہوٹل میں رہنے کو ترجیح دوں گا۔"

"مگر مجھے ان چیزوں کی تلاش تھی۔ کافی عرصے سے [illegible] کے ساتھ ناشتہ کرنے کی میں [illegible] تھی۔ خبروں کے بارے میں اس کے تبصرے [illegible] کا شکار ہوتے ہیں۔" وہ افسردہ لہجے میں بولی۔ "میرا تو معمول ہی یہ ہے مگر میرا خیال ہے کہ تمہیں اتنی جلدی بیدار کیے جانے پر کوفت ہوئی ہے میں آئندہ محتاط رہوں گی۔"

ویسے بھی مجھے [illegible] کا احساس ہو گیا تھا اور [illegible] کی ضمانت کافی تھی کہ آئندہ وہ میرے آرام میں مخل انداز نہ ہوگی۔

"عبداللہ کہاں ہے؟" میں نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے مسکرا کر

سوال کیا۔

"وہ ورزش کر رہا ہے۔" مادام نے حسب معمول معصومیت سے کہا۔

"وہ ورزش؟" میں نے حیرت سے دہرایا۔ "کیا کر رہا ہے وہ؟"

میں نے اسے جگا کر صبح بخیر کہا تو وہ چند ثانیوں تک پلکیں جھپکاتے ہوئے مجھے دیکھتا رہا پھر ایک مسکراتے ہوئے کمرے کے وسط میں سر کے بل الٹا کھڑا ہو گیا۔"

"اور تم اسے ورزش کہہ رہی ہو۔" مادام نے کی سادہ لوحی پہ مجھے ہنسی آ گئی لیکن اس پر ابھی برہمی کا مزید اظہار کیے بغیر حیرت سے پوچھا۔

"سچی بات تو یہ ہے کہ وہ اچانک جس انداز میں الٹا کھڑا ہوا اس پر میں ڈر گئی تھی مگر اس نے میرے استفسار پر خود ہی بتایا کہ یہ ورزش اس کے معمولات میں شامل ہے اور وہ روز صبح دو گھنٹے اسی طرح کھڑا رہتا ہے۔"

"یہ تماشا تو میں بھی دیکھوں گا۔" میں چلنے کی تیاری کے لیے بستر سے اترتے ہوئے بولا۔ اور مادام نے بھی اپنی کرسی اٹھا کر میرے ساتھ ہو لی۔

عبداللہ کی خواب گاہ کا دروازہ اندر سے مقفل تھا چلتے میں نے دروازہ پر دستک دینے کا ارادہ کیا مگر میری نظر ایک کھلی ہوئی کھڑکی پر پڑی اور میں نے پردہ سرکا کر اندر کا جائزہ لیا تو بے اختیار طویل سانس لے کر پیچھے ہٹ گیا۔

"کیا وہ ابھی تک اسی طرح کھڑا ہوا ہے؟" مادام نے حیرت اور تجسس سے مغلوب ہو کر سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

"وہ بستر پر کمبل اوڑھے خراٹے لے رہا ہے۔" میں نے اسے مطلع کیا۔

یکا یک مادام نے کا برا سا منہ بنا لیا جیسے وہ چاہتی تھی کہ اس کے واقعے کے پیچھے اچانک کوئی بڑا سا نظارہ آ گیا ہو۔

"آخر اسے وہ الٹی حرکت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" اس کے لہجے میں پہلی بار غصے کا عنصر شامل ہو گیا۔ "وہ بہت صاف کہہ سکتا تھا کہ اسے دیر تک سوتے رہنا پسند ہے۔"

دل ہی دل میں مجھے اس بات پر خاصی مسرت ہوئی کہ میرے برعکس عبداللہ مادام نے پہ پایا دیر تک جھوٹ بول کر پیچھے پڑی ٹالنے میں کامیاب ہو گیا تھا مگر میں نے مادام پہ اپنی اس خوشی کا بھی اظہار نہیں ہونے دیا اور اسے لڑکی سے ملنے کا گتنا اٹھنے سے آ گیا۔

میری نیند تو برباد ہو ہی چکی تھی اور میرے لیے ایک بار بستر چھوڑ کر دوبارہ سو جانا ناممکنات میں سے تھا لہٰذا اس نے بہتر یہی سمجھا کہ مادام نے سے ملی ہوئے کی سرخیوں کا انگریزی ترجمہ سنتے ہوئے ناشتے سے فراغت حاصل کر لوں۔

اس خیال کا محرک عبداللہ کا رات، الاخوشہ تھا اس نے ہوٹل کے میرٹھ میں اپنے آدمی کو ہدایت کی تھی کہ اگر اسرائیل وفد کا کوئی رکن مارا جائے تو اس کی جگہ حماد صدر کا رنگ کر دی جائے۔ میرا خیال تھا کہ اگر اس فلسطینی کو اپنی کارگزاری دکھانے کا موقع ملا ہو گا تو آزادی طور پر اخبار میں اس کی خبر آئے گی۔

میں ناشتے سے فارغ ہو کر ناشتے کی میز پر بیٹھا اور ناشتہ سفید اور لق ایرانی سے بانہ میں فرنچ ٹوسٹ سے فراغت کر رہی تھی اور باقی لوازمات قرینے سے پرچے ہوئے تھے۔

"ہاں تو آج کالی موٹے کیا کہتا ہے مادام؟" میں نے میز کی اپنی نشست سنبھالتے ہوئے خوش دلی سے سوال کیا۔

"تم دونوں نے رات کا کھانا کہاں کھایا تھا؟" مادام نے اپنے سامنے میز پر پھیلے ہوئے اخبار کا صفحہ الٹتے ہوئے سوال کیا۔

"ہوٹل ہیرو ڈین میں۔" میں نے کہا۔ "کیا اخبار میں ہماری تعریف شائع ہوئی ہیں؟"

"اس ہوٹل کے بارے میں ایک سنسنی خیز خبر ہے۔" مادام نے پر اسرار لہجے میں بولی۔ "اگر تم مزید ایک ڈیڑھ گھنٹے وہاں رکے رہتے تو شاید اس واقعہ کی چشم دید کہانی تم ہی سے سن لیتی۔"

"کیا خبر ہے؟" میرے دل کی دھڑکن مادام نے کا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی تیز ہو گئی۔

"ہوٹل کے احاطے میں ایک فلسطینی دہشت پسند نوجوان مادام نے کے بلند میرے ذہن پر کسی وزنی ہتھوڑے کی طرح گرے۔

"وہ کیسے؟"

"میں پوری خبر کا ترجمہ سناتی ہوں۔" مادام نے کہا اور بآواز بلند اخبار سے ایک ایک سطر پڑھ کر اس کا انگریزی میں ترجمہ کرنے لگی۔

خبر کے مطابق ہوٹل میں مقیم تین اسرائیلی شہریوں میں سے ایک کو گمنام شخص نے فون پر عبرانی زبان میں دھمکی دی تھی کہ ان کے کمرے کو بم سے اڑا دیا جائے گا جس پر وہ تینوں بوکھلا گئے اور انہوں نے فوری طور پر اسرائیلی سفارت خانے کے فرسٹ سیکرٹری سے رابطہ قائم کیا جس نے انہیں فوری طور پر اپنی رہائش گاہ پر منتقل ہونے کی ہدایت کی اور پولیس سے مشورہ کر کے مقامی حکام کو اعتماد میں لیا جا سکے۔

جس وقت وہ تینوں ہوٹل کی عمارت سے باہر نکلے تو اچانک کوئی ان پر ایک فلسطینی نمودار ہوا اور اس نے ریوالور کے فاصلے سے ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی تھی۔ ان میں سے ایک نے موقع میں گولی لگنے سے اسی جگہ دم توڑ دیا۔ باقی دو بری طرح زخمی ہو کر ایک عمارت کی طرف بھاگے۔ اسی دوران وہاں موجود کچھ نامعلوم لوگوں نے دو حملہ آوروں سے گریبان چھڑا کر اس فلسطینی کا تعاقب کیا جس کا بعد میں کوئی سراغ نہ مل سکا۔

"واقعی بہت سنسنی خیز خبر ہے۔" میں نے مادام نے کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔ "شاید وہ تینوں اسرائیلی سرکاری اہلکار تھے۔"

"نہیں۔ ایک جگہ اس بات کی وضاحت بھی درج ہے کہ وہ تینوں پرائیویٹ طور پر آئے ہوئے عام اسرائیلی شہری تھے۔"

مادام نے نے اخبار میں جس طرح ایک فلسطینی کی ہلاکت کا ذکر کیا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ عبداللہ کی ہلاکت کسی بری طرح ناکام ہو گئی تھی۔

جیسے مجھے علم ہو گیا کہ اس بات کی خوشی ہوئی کہ ہوٹل والا اپنا کام دکھا چکا تھا۔

بہر حال میں نے ناشتے سے فارغ ہو کر عبداللہ کو بیدار کر دیا۔ بے چارہ اندازے کی غلطی کی بنا پر گھبرا گیا۔ مجھ سے رات کے واقعہ کی تفصیل سننے کے بعد عبداللہ نے تاسف آمیز لہجے میں کہا۔

"اس گروہ ان تینوں کے ساتھ پرتھ صبح محافظوں کو پہچان لیتا تو شاید اتنے بڑے حملے کا ارادہ ملتوی کر دیتا۔"

"یہ امکان بھی ہے کہ اس نے دیدہ و دانستہ وہ خطرہ مول لیا۔" عبداللہ زور دے کر بولا۔ "ہمارے آدمی ان کو ٹھکانے لگانے یا کم از کم اغوا کرنے پہ مجھے خواہیں مرف تمل کا حکم ہوا تھا۔ لہٰذا وہ اپنی خواہشات نظر انداز کر رہے تھے۔ مجھے خطرہ ہے کہ وہ شخص خود بھی زندہ نہیں بچا ہو گا۔ ہمارے ہاتھ دھو بیٹھا۔"

"ہمارے کارکن ہر تحریک کا بنیادی سرمایہ ہوتے ہیں۔ مگر حد سے زیادہ جذباتی کارکن بعض اوقات تحریک کے لیے خطرات پیدا کر دیتے ہیں۔"

"تمہارا خیال ٹھیک ہو سکتا ہے۔" اس نے پر خیال لہجے میں کہا۔ "مگر ہمارا ہر کارکن تحریک سے والہانہ جذباتی وابستگی رکھتے ہیں اور جب کوئی شخص اپنے کام اور ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے سر پر کفن باندھ لے تو پھر اس پر زیادہ پابندیاں لگانا ممکن نہیں کیونکہ ایسا ہر شخص خود کو اپنے ضمیر کے سامنے جواب دہ سمجھتا ہے اور جو جی میں آئے کر گزرتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض اوقات ہمارے کارکن ایسے اقدامات کر گزرتے ہیں جو ہماری وقتی پالیسی سے ہم آہنگ نہیں ہوتے۔ لیکن ان کو جاننے والوں کے خلوص پر یقین کرتے ہوئے ہم ہر اقدام کی ذمہ داری قبول کر لیتے ہیں۔"

"یہ بحث خاصی طویل ہے، میں اس میں الجھنا نہیں چاہتا مگر اب یہ بتاؤ کہ تمہارا آج کا کیا پروگرام ہے؟"

"بن حیان کی تلاش۔"

"اول تو میں بھی جانتا ہوں مگر پھر بھی میرا اندازہ ہے کہ یہاں معاملات کچھ مشکل ہیں اور اگر تم زندگی میں چاہتے ہو تو بن حیان اپنا نام اگلوا کر واپس آ جاؤ گے۔"

"میں ناشتہ کر لوں پھر ہم باہر چل کر باتیں کریں گے۔"

عبداللہ ناشتے کی میز پر بیٹھا تو اس کی آواز سن کر مادام نے بھی جلدی سے تیار ہو کر آ گئی۔

"تم نے ورزش بڑی جلدی ختم کر لی۔" مادام نے نے عبداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں صبح گیارہ بجے ورزش کیا کرتا ہوں۔ تمہارے جانے کے بعد میں نے سوچا کہ صبح کے ساتھ ہماری بھی اخلاقی ذمہ داری بنتی ہے۔"

"ہم صاحب ذوق لوگ ہیں۔" وہ سنجیدگی سے کہنے لگی۔ "تم جیسے مہمان کی روز کی عادت بن رہی ہے۔ اگر میری کوئی بات ناگوار گزرے تو فوراً مجھے ٹوک دیا کرو۔ میں اپنی اصلاح کر لوں گی۔"

"بار بار ٹوکنا بھی اچھا معلوم نہیں ہوتا۔" میں نے کہا۔

مادام نے شکایت آمیز نظروں سے مجھے گھورنے لگی۔ "کیوں؟"

"ہم لوگ بزرگوں کا خاصا احترام کرتے ہیں۔"

مادام نے ایک بار پھر برا سا منہ بنایا۔ "میں تمہاری نظروں سے معذور ہونے کے بعد شاید تمہاری نظر میں بوڑھی ہو گئی ہوں مگر میری عمر صرف انتیس سال ہے۔ سترہ سال کی عمر میں شادی کی، دو سال بعد بیوہ ہو گئی اور سات سال سے اسی کرسی کے سہارے جی رہی ہوں۔"

"اور معاف کرنا۔ اس کی پوری کہانی سننے کے بعد مجھے معذرت کرنا پڑی گئی۔ تمہاری حرکت کے بارے میں مجھے شدید دھچکا ہوا تھا۔"

"میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں۔ اگر ضرورت محسوس ہوتی تو بتا دیجئے ورنہ تمہیں شکایت کا کوئی موقع نہیں ملے گی۔" مادام نے نے اپنی کرسی گھماتے ہوئے کہا۔ "میری دخل اندازی کے باعث وہ خاصی کبیدہ خاطر نظر آ رہی تھی۔"

"تم سے ناراض ہو گئی ہے۔" اس کے چلے جانے پر عبداللہ چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

"وہ مستقلاً ناراض ہی رہے تو بہتر ہے۔ جانتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر معافی کروں گا۔" میں نے جلدی سے کہا اور عبداللہ زور سے ہنس پڑا۔

ناشتے کے بعد ہم لوگ باہر نکلے تو لوگ بکثرت ٹریفک کا ہجوم تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس شہر کے باسی بستر چھوڑنے کے معاملے میں بہر طور کاہل واقع نہیں ہوئے تھے۔

ہم دونوں ایک کیفے کے دور افتادہ گوشے میں جا بیٹھے جہاں چائے والے کو اسے عجلت میں ناشتہ کرنے چلے آ رہے تھے۔

"میں خود الجھن محسوس کر رہا ہوں۔" عبداللہ نے وہاں بیٹھتے ہی کسی تمہید کے کہا۔

"کس بارے میں؟"

"ہم یہاں بن حیان کی تلاش میں آئے مگر ابھی تک اس کا نام و نشان بھی نہیں ہے اور ہمارے سامنے ایک لمبی فہرست موجود ہے۔"

"یہی چیز مجھے پریشان کر رہی ہے۔"

"جو کسی گروہ کی جانب سے فقط آغاز تھا مگر اس سے ملنے والوں کے پانچ مشکوک ناموں میں بن لیوی سرفہرست ہے جو نام ہی سے عبرانی معلوم ہوتا ہے۔ مگر ہوٹل ہیروڈین میں مقیم اسرائیل اور سعودی زور نے معاملہ الجھا دیا ہے۔"

"تو تم کس فیصلے پر پہنچے ہو؟"

"فیصلہ تو تم ہی کرو گے۔"

"فرض کرو تم تنہا ہوتے؟"

"میں حقائق پر یقین رکھتا ہوں۔ مفروضات میں سر کھپا تا رہوں تو چار دن میں مجنوں ہو جاؤں۔" وہ قہقہہ مار کر بولا۔

"تو پھر سیوری اور اسرائیلی دونوں کو بھول جاؤ۔ سوڈیون کو اس لیے کہ ان کی آمد کا مقصد ہم پر واضح ہے۔ وہ لوگ بیروت فوری خریداری کے سلسلے میں اہم ڈیلنگ کی خاطر آئے ہوئے ہیں۔ جبکہ اسرائیل تو ان سے ہمارا حساب برابر ہے اور زندہ بچنے والوں میں کوئی بھی ابن حیان سے مشابہت نہیں رکھتا۔ ابن حیان کی تلاش کے لیے ہمیں جولیس گریوی اور ابن لیوی پر توجہ دینا چاہیے۔ اس کے علاوہ وہاں کی کھلی منڈی میں جنگی ہتھیاروں کے پرزے آجانے سے بھی مدد ملنے کا امکان ہے کیونکہ اسرائیل میں میں نے بھی سنا تھا کہ ابن حیان غیر سرکاری ذرائع سے اسلحہ خریدنے کیلئے بیروت آنے والا تھا۔"

"مجھے یہ بتاؤ کہ اب کیا کرنا ہے؟"

"جولیس گریوی اور ابن لیوی میں سے کسی پر ہاتھ ڈالنا ہوگا۔"

"جولیس گریوی کو پکڑنے کی صورت میں فرانسیسی حکام ہماری طرف متوجہ ہو سکتے ہیں لہٰذا بہتر یہی ہوگا کہ پہلے ابن لیوی کو دیکھا جائے۔"

"مگر تم کہاں سے جا سکو گے؟" میں نے سوال کیا۔ "ہارام نے کے مکان پر تو ہم ایسی کوئی کاروائی نہیں کر سکتے۔"

"اس معاملے میں عبدالعزیز ہماری مدد کرے گا۔" اس نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

پھر عبداللہ نے فون پر عبدالعزیز سے رابطہ قائم کیا اور اس سے گفتگو کرنے کے بعد عبداللہ واپس آیا تو اس کا چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا۔

عبدالعزیز نے اسے [illegible] کا پتہ دیا تھا جہاں ہم دونوں بغیر کسی بھی وقت جا سکتے تھے۔ یہ اطلاع ایسی تھی کہ ہم وہاں سے فوراً ہی اٹھ گئے۔

راستے بھر باتوں کے دوران مجھے محسوس ہوا کہ اگر ہم نے ابن لیوی کی کام کی ابتدا [illegible] کامیابی کے [illegible] خاصی دشواری ہو سکتی تھی۔ البتہ جولیس گریوی ہمارے لئے ایک [illegible] ثابت ہو سکتا تھا بشرطیکہ وہ دو چار گھنٹوں کے تشدد میں ہی زبان کھولنے پر آمادہ ہو جاتا۔

وہ وزارت دفاع کا ایک اہم رکن تھا اور اسرائیلی مفادات کے لئے جو کچھ کر رہا تھا وہ خفیہ طور پر اور ذاتی حیثیت میں کر رہا تھا۔ اگر اس کی حرکتوں کی اطلاع اس کے افسران بالا کو مل جاتی ہے تو وہ نہ صرف ملازمت سے برطرف کر دیا جاتا بلکہ اپنے عہدے کے مجرمانہ استعمال کے سلسلے میں اسے طویل سزا بھی مل سکتی تھی۔

میرا خیال تھا کہ ہم دونوں اگر اسے رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیں تو شاید وہ اپنی گلوخلاصی کے لئے ہم سے تعاون پر آمادہ ہو جاتا۔

عبداللہ طویل بحث کے بعد مجھ سے متفق ہو گیا اور ہم دونوں وزارت دفاع کے دفاتر کی طرف روانہ ہو گئے۔

عبداللہ نے جولیس گریوی کو جا لینے کی تمام تر ذمہ داری خود پر ڈالی تھی جو میں نے بخوشی قبول کر لی۔

وزارت دفاع کی پُرشکوہ عمارت کے ایک خاموش گوشے میں جولیس گریوی کا دفتر واقع تھا۔ میں نے بڑی فرینچ میں اس کی [illegible] بتایا کہ میں اس سے ملنے آیا ہوں تو اس نے کام کی نوعیت [illegible] بغیر ایک پرچی پر میرا نام لکھا اور اندر چلی گئی۔

"مسٹر ڈان فرنانڈو! آپ کس سلسلے میں تشریف لائے ہیں؟" تاخیر کے بعد لڑکی نے باہر آکر مجھ سے دریافت کیا۔

"میرا خیال ہے کہ مجھے واپس چلا جانا چاہیے۔" میں نے [illegible] جھنجھلائے ہوئے چڑچڑے لہجے میں کہا۔

"آپ ناراض نہ ہوں جناب۔" وہ لڑکی گڑگڑائی۔ "دراصل مسٹر جولیس گریوی بہت زیادہ مصروف ہیں اور آپ کو صرف دس منٹ دے سکیں گے۔ اس کے بعد انہیں ایک اہم اجلاس میں شرکت کے لیے جانا ہے۔"

"میں بھی مصروف ہوں۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "میں ان کے دفتر میں قیام کی نیت سے نہیں آیا۔ بس پانچ منٹ بات کروں گا۔"

"ذرا ایک منٹ ٹھہریں۔ میں انہیں مطلع کر دوں۔"

"بڑی دھونس دکھا رہے ہو۔" سیکرٹری کے اندر چلے جانے کے بعد عبداللہ نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"اس میں اداکاری کا دخل نہیں ہے بس اس کی بات پر ہونے والا ردعمل" [illegible] الفاظ میں ڈھلنے سے نہ روک سکا۔

دوسری بار وہ لڑکی باہر آئی تو اس نے بتایا کہ جولیس گریوی بے چینی سے ہم دونوں کا انتظار کر رہا تھا۔

خوبصورت اور منظم ترتیب دفتر میں جولیس گریوی نے نہایت گرمجوشی سے ہم دونوں کا استقبال کیا اور ہمیں بیٹھنے کی پیشکش کی جو ہم نے قبول کر لی۔

"میری سیکرٹری نے بتایا تھا کہ تم دونوں کسی ضروری کام سے آئے ہو۔" جولیس گریوی نے باری باری ہم دونوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"کام واقعی نہایت ضروری ہے۔ دفتر سے چھٹی کے بعد ہم تم سے ملنا چاہتے تھے۔" میں نے لفظوں کو ٹھہر ٹھہر کر ادا کرتے ہوئے کہا۔

جولیس گریوی پیشہ ور [illegible] خوش مزاج انسان تھا۔ میری بات سن کر اس کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آنے لگے۔

"ایسا کون سا کام ہے مسٹر ڈان فرنانڈو؟" اس نے اپنے چہرے پر [illegible] پسینہ [illegible] چھپاتے ہوئے سوال کیا۔

"ہم ایک دشواری کا شکار ہو گئے ہیں۔" میں نے [illegible] اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"ہمیں غلط معلومات نہیں ملی ہیں۔" میں نے اس کی بات [illegible] آہستہ سے کہا۔ "جب کہ ہمارے ذرائع کے مطابق تم اپنا کام [illegible] تمہیں میرے بجائے ابن لیوی سے رجوع کرنا چاہیے۔"

[illegible] لہجے میں بولا۔

"[illegible] ذاتی مفادات کیلئے ہم سے باغی ہو گیا ہے۔" بشیر سے یہ الفاظ [illegible] گریوی کے اعصاب پر اس قدر اثر انداز ہوئے کہ وہ اضطراری انداز میں [illegible] کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔ میں نے بات جاری رکھتے ہوئے [illegible] لہجے میں کہا۔ "ہمارا خیال ہے کہ ابن لیوی نے وہ معلومات کسی [illegible] کو فروخت کر دی ہیں۔"

"یہ تو [illegible] کا تصور ہے۔" وہ اپنی پیشانی ہتھیلی سے رگڑتے ہوئے [illegible] "اس کام پر ایک غیر ذمہ دار شخص کو کیوں مقرر کیا گیا تھا؟"

"اس وقت تک وہ ہمارے بہترین اور مخلص آدمیوں میں تھا۔"

"میں ابھی اس سے بات کرتا ہوں۔" اس نے فون کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ایسا تم اپنی ذمہ داری پر کرو گے۔" میں نے انتباہ آمیز لہجے میں کہا۔ "[illegible] تمہیں خود بدترین نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔"

[illegible] فون کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ رک گیا اور تھکے ہوئے لہجے میں [illegible] "میں بڑی مشکل میں پھنس گیا ہوں۔ مجھے اس سے نجات کا راستہ بتاؤ۔"

"تم باہر کس وقت مل سکتے ہو؟"

"جب تم چاہو۔"

"[illegible] کہیں مل کر [illegible] پریشان ہو رہا ہے [illegible] حالات [illegible] کے بعد ہم مل کر [illegible] کا جائزہ لیں گے۔"

"[illegible] شام [illegible] بجے میرے گھر آجاؤ۔ وہاں ملازموں کے علاوہ کوئی نہیں ہوگا۔"

[illegible] کے بعد ہم باہر آگئے۔

"[illegible] چوہوں کی طرح [illegible] گھر میں آگرا [illegible]" عبداللہ نے [illegible] لہجے میں کہا۔

"مجھے اب بھی ڈر ہے کہ کہیں وہ ابن لیوی سے نہ الجھ پڑے۔"

"وہ خاصا خوفزدہ ہو گیا تھا۔" عبداللہ نے مجھے یاد دلایا۔

"شام کو سب کچھ سامنے آجائے گا۔"

[illegible] کا باقی حصہ ہم نے شہر میں گھومتے ہوئے گزارا اور مقررہ وقت [illegible] گریوی کی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔

[illegible] جولیس گریوی اس وقت خاصا سنبھلا ہوا [illegible] ہمیں ساتھ لیے ڈرائنگ روم میں پہنچتے ہی ہم سے ہماری [illegible] طلب کی۔

"ہم [illegible] چوروں کی طرح آئے ہیں۔" میں نے [illegible] لہجے میں [illegible] بات نہیں کر سکتے تو ہم خوشی واپس جا سکتے ہیں۔"

"[illegible] ہے۔" وہ بولا۔ "میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ [illegible] کی گلوخلاصی کی کیا صورت ہو گی؟"

[illegible] نے [illegible] کہ تم [illegible] کی غداری سے واقف ہو گئے ہو لہٰذا مجھے بتاؤ کہ پچھلے دنوں تم نے کیا کچھ بیچے ہیں؟"

"بعض فائلیں میں دفتر سے باہر نہیں لا سکتا۔ پچھلے دنوں ابن لیوی نے میرے دفتر میں ہی ان کاغذات کی مائیکرو فلمیں تیار کی تھیں۔"

"ان کے نیگیٹو بھی اسی کے پاس ہوں گے؟"

"ہاں۔ وہ اپنا ہی کیمرہ لایا تھا۔"

"فائلیں کس معاملے کے متعلق تھیں؟"

"ایم۔ ٹی۔ ایکس اور جرمن ہتھیاروں کی تیاری کے آئندہ منصوبوں کے بارے میں وہ بے حد دلچسپی لے رہا تھا۔"

"ایم۔ ٹی۔ ایکس تو ختم ہو گیا نا؟"

"ختم ہی سمجھو۔" وہ بولا۔ "ہم نے اس پر اپنی ساری صلاحیتیں صرف کر دیں۔"

"مگر سعودی عرب کو [illegible] طیاروں کی کھیپ مستقل قریب میں [illegible] تو جانے کے لئے آنا ہی کافی ہے مگر دوسرا معاملہ اہم ہے۔"

"ان فائلوں تک دوبارہ رسائی حاصل کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ پہلے ہم ابن لیوی کو دیکھیں گے مگر تم سے اتنا ضرور دریافت کریں گے کہ تم ابن لیوی کے کن دلالوں سے باخبر ہو؟"

"اس سے میرا زیادہ میل جول نہیں ہے اور میں صرف ایک ہی شخص کو جانتا ہوں جس کے ذریعے ابن لیوی مجھ سے متعارف ہوا تھا۔"

"کون ہے وہ؟"

"جوناس [illegible]۔" اس نے بتایا۔ "وہ ایک مالدار بیوپاری ہے جو بیشتر وقت فرانس ہی میں گزارتا ہے۔"

جوناس کا نام آتے ہی [illegible] کی طرح چونک پڑا۔ یہودی جوناس [illegible] کا اہم ایلزا ہے۔

"ہاں وہی۔" جولیس گریوی نے تائید کی۔ "ایلزا کی ہی وجہ سے میں نے جوناس سے تعلقات بڑھائے تھے۔ وہ اچھی لڑکی ہے مگر اپنے باپ سے بہت ڈرتی ہے۔"

"پچھلے دنوں ابن لیوی نے تمہیں کس اور سے ملوایا تھا؟" میں نے ایک اور پانسہ پھینکا۔

"وہ بتا رہا تھا کہ کوئی بڑا آدمی اسرائیل سے آیا ہوا ہے مگر میری اس سے ملاقات نہیں ہو سکی۔" اس نے سرسری لہجے میں کہا۔

"تمہارے لئے بہتر یہی ہوگا کہ تم ایک آدھ ماہ کی چھٹی لے کر یورپ کے کسی دور افتادہ مقام پر چلے جاؤ۔ جب تک تم واپس آؤ گے یہ معاملہ صاف ہو چکا ہوگا۔"

"اس وقت میری موجودگی ضروری ہے۔" وہ بولا۔ "میں [illegible] طور پر یہ واضح کر چکا ہوں کہ آئندہ دو سال تک ہم میراج فروخت نہیں کر سکیں گے۔ وزارت دفاع اور محکمہ خارجہ کے کچھ لوگ سعودی عرب کے لئے بھی ایم۔ ٹی۔ ایکس پر جزوی عمل درآمد کرانا چاہتے ہیں۔ لگے ہاتھوں اس معاملے

پر آخری اجلاس ہوتا ہے جس میں حتمی فیصلہ کیا جائے گا۔ میری غیر موجودگی میں شاید کوئی اور میرے اعداد و شمار کی بہتر وضاحت نہ کر سکے۔"

"یعنی ایم۔ ٹی۔ ایکس پر عمل درآمد کا خطرہ ہے۔"

اس نے بار بن سے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ "اگر ایسا ہوا تو بن ہیوی مجھ سے اس رقم کی واپسی کا مطالبہ کرے گا جو اب تک وہ اس مد میں دیتا آیا ہے۔ جب کہ میں مالی طور پر ایسا کوئی خسارہ برداشت نہیں کر سکتا۔"

"تم خسارے کی پرواہ نہ کرو۔" عبداللہ بول پڑا۔

"یہ صرف خسارے کی بات نہیں ہے۔" میں نے عبداللہ کو سر ہلاتا ہوا دیکھ کر کہا۔ "اصل خرابی یہ ہے کہ امریکی ایکس کے مرنے میں جان پڑ جائے گی اور یہ میرے ایٹو کی وجہ سے ہی بہت بڑی کامیابی ہو گی۔"

"پھر بتاؤ، میں کیا کروں؟" جولیس گریری نے کہا۔

"مجھے ان لوگوں کے نام اور پتے بتاؤ جو سعودی عرب کو طیارے کی فروخت کے حامی ہیں۔" میں نے متفکرانہ لہجے میں کہا۔

"تم انہیں خرید سکو گے۔ دراصل ساری خرابی پالیسی کی ہے۔ ہماری حکومت ملکی ضروریات کے بعد سعودی اور ایرانی حکومت کی ضروریات پر ترجیح پوری کرانا چاہتی ہے۔ وہ لوگ صرف اس پالیسی کے بہر طور نفاذ کی بات کرتے ہیں۔"

"ان میں سے کسی کے ساتھ نا گزیر اور خوفزدہ کرنے والے واقعات بھی پیش آ سکتے ہیں۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "اگر وہ اجلاس تمہاری چھٹی سے واپسی تک ملتوی ہو سکے تو اس دوران ہم بن ہیوی کا معاملہ سنبھال لیں گے۔"

• "تم بن ہیوی کو مار کیوں نہیں دیتے؟ وہ اپنی جان بچانے کے لئے آخری حد تک جانے کے لئے تیار نظر آتا تھا۔ اس کے راہ سے ہٹ جانے کے بعد میں بھی یکسوئی سے کام کر سکوں گا اور اخلاق کے انتقام کی کوشش بھی نہیں کرنی ہو گی۔"

• "واقعی یہ آسان راستہ ہے مگر ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ وہ کس کی خاطر ہم سے بغاوت پر آمادہ ہوا ہے اور کتنے عرصے سے ہمیں ڈبل کراس کر رہا ہے۔"

اس بات پر وہ سوچ میں پڑ گیا اور خاصے طویل سکوت کے بعد بولا۔ "تم اسے قید کر کے تشدد کے ذریعے اس کی زبان کھلوا سکتے ہو۔"

• "شاید تمہارے لئے یہ ممکن ہو مگر ہم بیرون میں محدود وسائل کے مالک ہیں۔ ہم اسے ہلاک ضرور کر سکتے ہیں مگر اسے قید کر کے ہم مشکلات میں گھر جائیں گے کیونکہ ہمارے پاس کوئی محفوظ ٹھکانا نہیں ہے۔"

• "اگر تم میرا گھر استعمال کرو تو کیسا رہے گا؟" اس نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔

• "تمہاری پیش کش واقعی عمدہ اور فراخدلانہ ہے مگر پھر تم نہیں رخصت پر جانا ہی ہو گا؟" عبداللہ بولا۔ "وہ ایم۔ ٹی۔ ایکس کے احیا کی صورت معلوم ہو جانے کے بعد اس بات کے لئے بے چین تھا کہ کسی بھی طرح جولیس گریری کو عارضی طور پر راستے سے ہٹا کر طیاروں کی فروخت کے معاہدے کے لئے حالات کو سازگار بنایا جائے۔

• "میں جانے کے لئے تیار ہوں۔" جولیس گریری فوراً بولا۔ "معاہدے کی ساری ذمہ داری تم پر ہو گی اور میں ایک پیسہ بھی واپس نہیں کروں گا۔"

• "شاید تم وہ رقم ہوئے بیٹھے ہو۔" میں نے ابرو سکیڑ کر کہا۔

• "وہ میری فیس تھی اور مجھے حق ہے کہ میں اپنا پیسہ جیسے چاہوں استعمال کروں۔"

• "تم نے ہمارے ساتھ بہت تعاون کیا ہے۔" میں بولا۔ "مگر صرف بن ہیوی جیسے غدار کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہو گئے تو رقم معاف کرنے کے علاوہ بھی تمہیں ہماری معاوضہ دیں گے۔"

• "پھر تم جو چاہو، میں اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

• "تمہارے بیوی بچے کہاں رہتے ہیں؟"

• "میں اس جنجال سے آزاد ہوں۔ اس مکان میں صرف ایک بوڑھا مالی اور ایک باورچی رہتا ہے۔ مالی ہی ہے جو کھانا پکانے کے علاوہ گھر کی صفائی کی بھی ذمہ داری ہے۔ وہ دونوں تمہارے لئے کسی الجھن کا باعث نہیں بنیں گے۔"

• "تو پھر تم بن ہیوی کو فون کر کے اسے یہیں بلاؤ اور خود روانہ ہو جاؤ۔ اگر اتفاق سے وہ تمہارے ساتھ ٹکراؤ ہو جائے تو اس پر کسی بے چینی کا اظہار نہ کرنا۔ ہو سکتا ہے کہ بن ہیوی اس سے مل کر کوئی گھناؤنی سازش پر عمل کر رہا ہو۔"

• "میرے یوں اچانک دفتر سے غائب ہونا میرے لئے الجھن میں ڈال دے گا۔"

• "تم کل چھٹی کی درخواست دے سکتے ہو۔ گھر میں صورتحال یہ بن جائے کہ تمہیں باہر لے جانا ہو گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

• "تم بن ہیوی سے میرے سامنے بات چیت کیوں نہیں کرتے؟"

• "ہم تمہیں آپس کے معاملات سے الگ رکھنا چاہتے ہیں۔ اصرار کرتے ہو تو موجود رہو ہمیں کوئی عذر نہ ہو گا۔"

• "مگر میرا گھر استعمال کر کے تم مجھے گردن تک غرق کر دو گے۔ میں الگ کیسے رہ سکوں گا؟"

• "تمہارا گھر صرف جال کا کام کرے گا۔ ایک بار وہ گرفت میں آ گیا تو ہم اسے کہیں اور منتقل کر دیں گے۔"

• "ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ بیرون میں تمہارے پاس کوئی محفوظ ٹھکانا نہیں ہے جہاں تم اسے قید میں رکھ سکو۔"

میں بولا۔ "جانتے ہو مجھے میں غیر ملک میں ہوں اور یہاں کا قانون مختلف ہے۔ جو کچھ بھی ہم اپنی جائے رہائش میں کریں اس کی خبر ریاستی اداروں کو ہو جاتی ہے جبکہ تمہارا گھر ہمارے لئے محفوظ ہے۔"

ملک سے حتی اور نکال کر لیا جاتا ہے مگر یہ مسئلہ اسرائیل کی بقا سے تعلق رکھتا ہے۔ ہم بن ہیوی کو اسرائیلی سفارت خانے پہنچانے کی کوشش کو وہ پہلے جان لیں گے۔"

"وہاں تک لے جانا مشکل ہے۔"

"نہیں، اور نہ ہم اس کے سامنے جواب دہ ہیں۔ مگر وہ اپنے فرائض سے غافل ہو کر تمہارے جاسوسی کے مراکز کی بات کر رہا ہے اور ان کی مدد دینے کا بہت بڑا بھروسہ رکھتا ہے اور اسی تعاون سے جولیس گریری نے گر اپنے کو تیار کیا تھا۔"

"یہ سب کچھ کیسے جان رہے ہو؟" وہ سہمی ہوئی آواز میں بولا۔ "بن ہیوی کے بارے میں ایسے شواہد بھی جمع ہو چکے ہیں جن کا اسرائیلی حکومت پسند نہیں کرے گی کہ تمہارے نام ظاہر ہوں۔ اس لئے تمہیں صرف ایک چیز کی ضرورت ہے۔ اندازہ ہے کہ تم نے خود ہی اس کا اندازہ لگایا ہو گا۔"

"زیادہ سے زیادہ یہی بتا دو۔"

• "پہلے ان لوگوں کے نام لکھو جو سعودی عرب کو یہ طیارے فروخت کرنے کے حامی ہیں۔" میں نے اپنی نوٹ بک اور قلم جیب سے بالا تر نکال لیا۔

جولیس گریری نے مجھے تین نام نوٹ کرا دیئے۔ ان میں ایک کانگریس کا سینیٹر، دوسرا ایک وزارت خارجہ کا ایک افسر اور تیسرا ایک صحافی تھا۔

جولیس گریری نے فون پر بن ہیوی سے نہایت مختصر سی بات کی اور اسے فوری طور پر اپنے مکان پر پہنچنے کی ہدایت کی۔ اس کے بعد وہ اپنے مکان سے رخصت ہو گیا۔ جاتے ہوئے اس نے کہا کہ وہ رات گئے واپس آئے گا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد بن ہیوی وہاں پہنچا۔ منصوبے کے مطابق مالی نے اسے اطلاع دی کہ صاحب اپنے آقا کی غیر موجودگی کی خبر سن کر کچھ پریشان سا ہو گیا۔

جب اس نے باہر سے انجن کی آواز سنتے ہی داخلی دروازے کی طرف دیکھا تو کوئی باہر آیا۔ جیسے ہی بن ہیوی نشست گاہ میں داخل ہوا تو وہ جھٹکا کھا کر دروازے کے وسط میں ہی رک گیا۔

اسے دیکھتے ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ اپنی جگہ بیٹھا سگریٹ کے کش لے رہا تھا۔ شاید اسے صاحب کے آنے کا انتظار ہو۔

عبداللہ کو بھی وہ پہچان گیا تھا۔ اس کے چہرے پر حیرت اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات تھے۔ اس کی پیشانی کے پیچھے چمکتی ہوئی سیاہ آنکھوں سے اس کا اظہار ہو رہا تھا۔

وہ چند ثانیوں کے لئے وہاں رک کر اندر داخل ہوا اور اسی وقت عبداللہ کسی چیتے کی طرح بے آواز اپنی کمین گاہ سے نکلا اور اس نے اپنے دائیں ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کا دستہ پیچھے سے بن ہیوی کی کنپٹی پر دے مارا۔

کنپٹی پر ضرب لگنے کے ساتھ ہی بن ہیوی کے حلق سے ہلکی سی چیخ بلند ہوئی اور وہ کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح فرش پر آ رہا۔

ایک شکار ہاتھ آ چکا تھا لہٰذا ہم نے نہایت عجلت کے ساتھ بن ہیوی کے بے ہوش جسم کو عبداللہ کی کار کے عقبی پائیدان پر ڈالا۔ پھر عبداللہ نے ڈرائیونگ سنبھال لی اور میں بن ہیوی کی کار اسٹارٹ کر کے اس کے پیچھے ہو لیا۔

شہر کے ایک پر ہجوم علاقے میں میں نے بن ہیوی کی کار ایک جگہ پارک کی اور اسٹیئرنگ وہیل اور دروازے کے ہینڈل کو رومال سے صاف کر کے آ گیا۔ بن ہیوی کی کار کی چابی میں نے اگنیشن میں ہی لگی چھوڑ دی تھی۔

تھوڑے فاصلے پر عبداللہ کار روکے میرا منتظر تھا جونہی میں نے عقبی نشست سنبھالی اس نے کار آگے بڑھا دی۔

• "جو ناس اسی لڑکی کے باپ کا نام تو نہیں ہے جسے تم نے مین کے ہوائی اڈے پر اپنا نام فلاں فرنانڈ بتایا تھا؟" عبداللہ نے مجھ سے سوال کیا۔

• "وہی ہے۔" میں نے کہا۔ "مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی کہ وہ بیوی اور بیٹی سمیت مین میں کیا کر رہا تھا؟"

• "اگر وہ اسرائیل کے لئے کام کر رہا ہے تو یقیناً اسلحہ کی خریداری کے لئے وہاں گیا ہو گا اور تمہیں کی نمائندگی پر جہاز کی لدائی شروع ہونے پر وہاں سے چل دیا ہو گا۔"

• "اور اسے ثروت بارائے کاردیلو کے معاملے کی بھنک بھی مل چکی ہو؟" میں نے تعجب آمیز لہجے میں سوال کیا۔

• "ثروت تو وہ معاملہ کھلنے سے پہلے مارا گیا اور کاردیلو بھی مر گیا تھا۔ اگر جو ناس کا ان دونوں سے تعلق ہوتا تو تمہیں وہاں حاضر ہونا ضرور کرتا۔"

• "کاردیلو کی موت کے بعد وہ وہاں کیا کرتا؟"

• "کاردیلو کو جیسے ایک ویران صحرائی کار میں ہلاک کیا تھا وہاں اس کی موت کا ڈھنڈورا نہیں پیٹ سکتا۔ اگر وہ ولیم نے کسی کو بلایا بھی ہو گا تو وہ اس وقت تک اسے زندہ یا مردہ پولیس تصور کرتا رہے گا جب تک سڑی ہوئی لاشیں کسی کی توجہ اس ویران کار کی طرف مبذول نہ کرا دیں۔"

• "تمہیں ایئرپورٹ پر ایلینرا سے میری ملاقات بڑی عجیب تھی۔" میں نے دل ہی دل میں ایلینرا سے ہونے والی گفتگو کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

• "میں نے دیکھا ہے کہ تمہارے ساتھ بہت سے ایسے اتفاقات رونما ہوتے رہتے ہیں جن سے میرا کبھی بھول کر بھی واسطہ نہیں پڑتا۔"

• "مجھے یقین ہے کہ اگر کبھی اینیز یا جوزا سے سامنا ہوا تو وہ دونوں پہلی ہی نظر میں مجھے پہچان لیں گے۔"

• "جواس سے تو شاید ہمیں جھیلنا ہی پڑے گا۔" عبداللہ نے کہا۔ "دیکھنا یہ ہے کہ بن لیوی ہوش میں آنے کے بعد کیا کہانی سناتا ہے۔"

• "جولیس گریوی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

• "وہ چھت پر چلا جائے گا۔" عبداللہ پُراعتماد لہجے میں بولا۔ "وہ مجرم ضرور ہے مگر ڈرپوک طبیعت کا مالک ہے۔ اگر ایم۔ ٹی۔ ایس پر عمل ہو جائے تو یہ بہت ٹھیک بات ہوگی۔ سعودی سرزمین پر ان خوفناک طیاروں کی موجودگی امریکا کو لگام دینے کے لئے کافی ہوگی۔"

اس کے بعد نصف گھنٹے تک سفر خاموشی سے طے ہوا اور ہم دونوں اپنے اپنے خیالات کی دنیا میں کھوئے ہوئے تھے اور کار شہر سے نکل کر ایک ویران راستے پر دوڑ رہی تھی۔

مویشیوں کے ایک بہت وسیع باڑے سے ملحق نیم پختہ مگر وسیع مکان کے پھاٹک پر عبداللہ نے کار روک کر ہارن دیا چند ثانیوں بعد دروازہ کھول کر اور کرتے میں ملبوس ایک شخص کار کے قریب آیا اور شستہ عربی آواز میں سوال کیا۔

• "کس سے ملنا ہے؟"

• "میں کالے گلاب کا سوداگر ہوں، مشرق سے آیا ہوں۔" عبداللہ نے عربی میں شاید شناختی کوڈ دہرا دیا اور فوراً کار اندر لے جانے کی اجازت مل گئی۔

اس عمارت میں نگہبان کے علاوہ مزید دو فلسطینی موجود تھے جن میں سے ایک عبداللہ کا پرانا جاننے والا تھا۔ دوسرا اس سے کم سن مگر نہایت شہ زور معلوم ہوتا تھا۔

ان دونوں کی مدد سے بے ہوش بن لیوی کو اس عمارت میں بنے ہوئے تہ خانے میں پہنچا دیا گیا جہاں فرش پر مویشیوں کے چارے کی گانٹھوں کے انبار لگے ہوئے تھے اور فضا میں بھی سرد کا کے اثرات خاصے گہرے تھے۔

• "اس کا کیا کرنا ہے؟" نوجوان فلسطینی نے بے ہوش شخص کو گہری نگاہوں سے گھورتے ہوئے عبداللہ سے سوال کیا۔

• "اس کی دونوں ٹانگیں چیر کر چار فٹ لمبی لکڑی کے دونوں سرے اس کے گھٹنوں سے کس دو اور پھر ستونوں کے سہارے ...... اسے الٹا لٹکا دو تاکہ ہوش میں آتے ہی اسے اپنی بے بسی کا پورا پورا احساس ہو سکے۔" عبداللہ نے کہا۔

• "اس سے پہلے اس کے لباس کی تلاشی لے لینا۔" میں نے جلدی سے عربی میں ہی لقمہ دیا۔

• "تلاشی بعد میں لیتے رہنا۔" عبداللہ بولا۔ "پہلے گرہ کاٹ کر اس کے بدن سے انڈرویئر کے علاوہ سارا لباس اتار دو۔"

نوجوان فلسطینی انہماک اور پھرتی سے اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ دوسرا فلسطینی جس کا نام یوسف تھا عبداللہ سے باتیں کرنے لگا تھا۔

• "اس کی آوازیں سنائی دیں تو ہمسائے بھی جاگ جائیں گے۔" عبداللہ اس سے کہہ رہا تھا۔

• "نگلے مویشی خانے سے جو بابا بنشت لگا وہ یہاں سے کافی دور ہے اور پھر اس تہ خانے سے بہت کم آواز باہر جائے گی۔"

پندرہ منٹ سے بھی کم عرصے میں بن لیوی کو لباس سے بے نیاز کر کے تہ خانے کی چھت سے الٹا لٹکایا جا چکا تھا مگر پھر بھی وہ ہوش میں نہیں آیا تھا۔

• "مہدی! ذرا اس کے رخساروں پر تھپڑ لگاؤ تو شاید جلدی ہوش میں آ جائے۔" عبداللہ نے جوان سال فلسطینی کو ہدایت کی اور تہ خانہ طمانچوں کے شور سے گونج اٹھا۔

یہ کوشش بارآور ثابت ہوئی اور بن لیوی تھوڑی ہی دیر میں ہوش میں آگیا۔

خود کو فضا میں سر کے بل معلق اور پھر برہنگی پا کر وہ شدید بوکھلاہٹ کا شکار ہوگیا اور ہم لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے بھرائی آواز میں بولا۔

• "یہ کیا بیہودگی ہے۔ کون ہو تم لوگ؟"

• "ہم لوگ اسرائیلی سیکرٹ سروس کے اہلکار ہیں اور تمہاری ضیافت پر مامور کر کے یہاں بھیجے گئے ہیں۔" عبداللہ نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔

• "تم کیا چاہتے ہو؟" اس کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لہرانے لگے تھے۔

• "جولیس گریوی سے حاصل کی جانے والی مائیکرو فلمیں کہاں ہیں؟"

• "وہ میں آگے بڑھا چکا ہوں۔" اس مرتبہ اس کا لہجہ خاصا تحقیر آمیز تھا۔ شاید وہ صورتحال کا اندازہ لگا کر پیش آنے والی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کر چکا تھا۔

• "پیرس میں تمہارے کتنے ساتھی موجود ہیں؟"

• "ایک کر کچھ نہیں لانے والا ہو وہاں کا سراغ لگاؤ۔" اس نے جواب دیا۔

• "اس کی کھوپڑی کے نیچے آگ روشن کرو۔" عبداللہ نے مسکرا کر اس کی پیشانی پر ٹھوکر رسید کرتے ہوئے کہا۔

اس نے خوفزدہ ہو کر عبداللہ کی طرف دیکھنے کی کوشش کی جو ... سے خون کی ... جہاں ... سے نکلا جہاں ...

"... سخت جان ہو تو یقیناً تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔" عبداللہ نے ... "جو کچھ پوچھا جا رہا ہے اس کا جواب دیتے چلے جاؤ۔"

"مجھے اپنا حشر معلوم ہے۔" وہ بے خوفی کے ساتھ بولا۔ "سب کچھ ... سے ایک گولی میرے دل میں اتار دو گے اور اگر زبان ... تشدد کے ساتھ میرا خاتمہ ہوگا اور جب ہر طرح مرنا ہی ... دوسری صورت کو ترجیح دوں گا۔"

اسی دوران مہدی برقی ہیٹر آن کر کے اس کے سر کے نیچے رکھ رہا تھا۔ مہدی نے جیسے ہی ... بن لیوی نے ہاتھ مار کر ہیٹر دور پھینک دیا۔ مہدی غرّاتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے بن لیوی کا چہرہ اپنی زانوؤں کے درمیان دبا کر اس کی پسلیوں پر گھونسوں کی بارش کر دی۔ ... ضربوں کے باعث بن لیوی کا چہرہ بگڑ کر رہ گیا۔ مگر اس ... کوئی چیخ آزاد نہ ہو سکی۔ اس نے اپنے آزاد ہاتھوں سے ... کوشش بھی کی جو فوراً ہی معدوم ہو گئی۔

اپنے دل کا غبار نکالنے کے بعد مہدی نے رسّی کا ٹکڑا اٹھایا ... بن لیوی کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر جکڑ دیئے۔ یوسف نے ہیٹر دوبارہ اس کے سر کے نیچے رکھ دیا تھا۔

• "تم انتہائی بیہودہ، احمق اور خونی ہو۔" بن لیوی ہانپتے ہوئے نفرت سے بولا۔ "تمہیں اس سلوک کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔"

• "کتنا انکسار ہوگے؟" عبداللہ نے سفاکانہ تمسخر کے ساتھ پوچھا۔ "... کیونکہ ہم گرم سلاخوں سے تمہارا بدن بھی داغیں گے۔"

بن لیوی کے چہرے پر کرب کی ایک لہر آ کر گزر گئی۔

"جولیس گریوی ہم سے مل گیا ہے۔ اس نے ہمیں سب کچھ بتا دیا ہے۔" عبداللہ کہتا رہا۔ "تم نے اسے غداری پر اکسایا اور ... بھی ملنے والا ہے۔"

بن لیوی کی آنکھوں میں قہر کے شعلے بھڑک رہے تھے ... اور پیشانی نہایت چپچپاتی رنگ رہی تھی مگر وہ بالکل خاموش تھا۔

عبداللہ نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ اس تہ خانے میں ... کے قریب کی زبان میں تپش تھی اور فضا ... ہیٹر سے گرم رہی تھی۔

"... کون ہے جو اس گمبھیر سکوت کو توڑنے کی خاطر ... گیا۔"

... بن لیوی کی آنکھوں نے جنبش کی اور پھر سے چہرے ... اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

... عبداللہ نے مہدی سے کہا اور مہدی نے پھرتی سے بن لیوی کے حلق میں اپنا رومال ٹھونس کر اس کا منہ بند کر دیا۔

عبداللہ نے ہیٹر کا سوئچ آف کیا اور دہکتے ہوئے تاروں کا جال بن لیوی کے جانے کہ لئے سے لگا دیا۔ بن لیوی کا بدن پوری قوت سے تڑپا اور مہدی لڑکھڑا کر دور گرا۔ عبداللہ نے دوبارہ ہیٹر اس کے سر کے نیچے رکھ کر آن کر دیا اور فضا میں گوشت جلنے کی ناگوار بو پھیلنے لگی۔

• "مجھے صرف دو سوالوں کے جواب درکار ہیں۔" عبداللہ بولا۔ "کاغذات کی مائیکرو فلمیں کہاں ہیں اور بن حیان کہاں مل سکے گا؟"

مہدی پھر آگے بڑھا اور اس نے بن لیوی کے منہ سے اپنا رومال نکال لیا۔

بن لیوی نے مہدی کے چہرے پر تھوکنے کی ناکام کوشش کی پھر درد میں ڈوبی ہوئی نفرت آمیز آواز میں بولا۔

• "میں نے جس دن یہ پیشہ اختیار کیا۔ مجھے معلوم تھا کہ ایک نہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا۔ تم میری زبان سے ایک لفظ بھی نہ اگلوا سکو گے۔ میں بدترین تشدد کے لئے بھی تیار ہوں اور جانتا ہوں کہ تم کس حد تک جا سکتے ہو۔"

• "یہ ابھی تازہ دم ہے۔" مہدی بولا۔ "اسے دو تین روز میری تحویل میں دے دو پھر کا پیاسا رہے گا تو سارے کس بل نکل جائیں گے۔"

• "یہ بھی کر دیکھو۔" بن لیوی طنزیہ لہجے میں بولا۔ "تم لوگ دس روز بعد بھی مجھے اسی حالت میں پاؤ گے۔ میری قوتِ ارادی بہت مضبوط ہے۔"

مہدی اس کے سامنے فرش پر جھکا اور ایک مرتبہ پھر رومال بن لیوی کے حلق میں ٹھونس گیا اور مہدی نے اس کے چہرے پر گھونسوں کی برسات کر دی۔

مہدی سیدھا ہوا تو بن لیوی کا چہرہ کئی جگہ سے پھٹ چکا تھا۔ آنکھوں کے گرد نیل پڑ گئے تھے اور ناک سے خون بہہ رہا تھا مگر اس کے باوجود وہ ہوش میں تھا۔

اس کے منہ سے رومال نکالے بغیر عبداللہ نے ہیٹر آف کیا اور ہم چاروں تہ خانے سے باہر نکل آئے۔ مہدی اپنی ناکامی پر خاصا جھلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔

• "یہ بہت خطرناک اسرائیلی ایجنٹ ہے۔ خیال رکھنا کہ فرار نہ ہونے پائے۔" عبداللہ نے یوسف سے کہا۔ "اب یہ تم دونوں کی تحویل میں ہے کیونکہ مجھے کچھ ضروری کام نمٹانے ہیں۔ اگر یہ زبان کھولنے پر آمادہ ہو جائے تو پیغام بھجوا دینا۔"

• "اگر تشدد کے دوران مر جائے تو حرج تو نہیں ہوگا؟" مہدی

نے پوچھا۔

"خود سے مر جائے تو مجبوری ہے ورنہ کوشش یہ ہونی چاہئے کہ اس کی سسکتی ہوئی زندگی کا سلسلہ دراز کیا جائے تاکہ یہ پل پل مرنے پر مجبور ہو جائے۔"

اس کے بعد ہم دونوں کا وہاں رکنا بے سود تھا لہٰذا واپس روانہ ہو گئے۔

گھر پہنچے تو مادام... اپنی تمام تر خوبصورتی اور آرائش کے ساتھ ہماری منتظر تھی اور بریتا کے ساتھ ٹیلی ویژن پر پروگرام دیکھ رہی تھی۔

ہمارے پہنچتے ہی اس نے ٹیلی ویژن آف کر دیا اور بولی "میرا ارادہ آج تمہیں شطرنج سکھانے کا تھا۔ یہ کھیل آدمی میں تحمل اور درگزر کا جذبہ اجاگر کرتا ہے۔"

"کیا ہم دونوں میں اس چیز کی کمی ہے؟" عبداللہ نے سوال کر ڈالا۔

"کمی تو نہیں! تم دونوں بہت اچھے آدمی ہو۔" مادام نے کھلکھلا کر جواب دیا۔

"کھانا لگا دوں؟" بریتا نے اس نازک موقع پر اپنی منہ بولی ماں کی مدد کرتے ہوئے خوش دلی کے ساتھ سوال کیا۔

"لگا دو۔" عبداللہ نے بے نیازی سے کہا اور کمرے میں جا گھسا۔

کھانے کے دوران مادام بھی میز پر موجود تھی اور بڑے شوق سے ہوٹل میریڈین والے واقعہ کا ذکر کر رہی تھی۔ ہم دونوں بھی خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے باتیں کرتے رہے مگر کھانے کے اختتام پر جب اس نے شطرنج سکھانے کی پیشکش دہرائی تو ہم دونوں ہی تھکان کا بہانہ کر کے اپنے کمروں میں جا گھسے۔

میں بستر میں لیٹنے کے بعد بریتا کے بارے میں دل خوش کن خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک عبداللہ آ موجود ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ٹیلیفون ڈائرکٹری دبی ہوئی تھی۔

"کیا لے آئے؟" میں نے پوچھا۔

"اس میں خدا ابو عباس کا نام اور پتہ موجود ہے۔" وہ ڈائرکٹری سمیت میرے بستر پر براجمان ہوتے ہوئے بولا۔

"تو کیا اس سے بھی براہ راست ٹکرا جانے کا ارادہ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اور کیا صورت ہو سکتی ہے؟"

"اگر ایلیزا سے کہیں اتفاقی ملاقات ہو جائے تو کیسی رہے؟"

"اس میں وقت برباد ہو گا۔" عبداللہ بولا۔ "وہ تمہیں اپنے باپ سے ملوائے گی اور پھر تم اس کے ذریعے اس کی سرگرمیوں کا کھوج لگاؤ گے جب کہ ہم جلد از جلد بن حیان تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری سست رفتاری کے باعث دونوں بچ نکلیں۔"

"بن لیوی کا تجربہ سامنے ہے۔" میں نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ بن لیوی ہرگز زبان نہیں کھولے گا اور شاید [illegible] قدر سخت جان نکلے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ ایلیزا سے دوستی کر کے اسی سے براہ راست کچھ معلوم کیا جائے۔"

"یعنی تم اسے اعتماد میں لو گے؟"

"اعتماد میں لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ [illegible] سے بدظنی معلوم ہوتی ہے۔ فرض کرو کہ میں اسے یہ بتا دوں کہ [illegible] آدمی نے اس کے باپ کی زندگی تلخ کی ہوئی ہے اور [illegible] کی بنا پر بلیک میل کر کے [illegible] پر پہنچا ہے تو وہ ان لوگوں پر نظر رکھنے لگی ہے [illegible] کا سخت گیر باپ اہتمام سے پیش آتا ہے پھر وہ اس شخص کا نام جاننا چاہے گی اور میں نام سے لاعلمی ظاہر کر کے [illegible] دوں گا اور اگر بن حیان جو اس سے ملتا ہے تو اس کا نام بھی بتا سکے گی۔"

"خاصا طویل منصوبہ ہے۔"

"مختصر راستہ نظر بھی نہیں آتا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "جو پاس کو تم اغوا کر کے قتل تو کر سکتے ہو مگر اس سے کچھ اگلوا نہ سکو گے۔"

"تو چند روز اس کی نگرانی کیوں نہ کی جائے؟"

"تم اس کی نگرانی کرتے رہو میں ایلیزا پر کام کرتا ہوں تاکہ کسی کو کامیابی ہو ہی جائے۔"

"ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔"

اگلی صبح پروگرام طے کرنے کے بعد عبداللہ چلا گیا۔ دوسرے روز میں حسب وعدہ [illegible] کے دفتر میں پہنچ گیا۔ اس نے فوراً ہی مجھے اندر بلوا لیا۔

"اس نے کچھ بتایا؟" جولین گریوی نے سامنا ہوتے ہی سوال کیا۔

"جو کچھ بتایا وہ بہت خوفناک ہے۔ [illegible] مل گیا ہے۔" میں نے اسے دہشت زدہ کرتے ہوئے [illegible] دونوں ایک [illegible] آیا ہوا ہے۔ بن لیوی نے [illegible] رقم کے عوض ساری معلومات انہیں فروخت کر دی تھیں۔"

"اور یہ بھی بتا دیا ہو گا کہ میں اسے اپنی [illegible]"

ایم ٹی اے [illegible] میں نے پوچھا۔

"خفیہ معاہدے پر تو ابھی بات ہو رہی ہے۔"

"پھر تو وہ لوگ مذاکرات میں یقیناً یہ سوال بھی اٹھائیں گے میں بڑی مشکل میں گرفتار ہو جاؤں گا۔"

"خود کو تم اس معاہدے سے لاتعلق کر لو اور جو ہوتا ہے ہونے دو۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "ہم تم سے رقم کی واپسی کا مطالبہ نہیں کریں گے۔ ہمارے لئے تمہاری ملازمت زیادہ اہم ہے۔ اگر برطرف کر دیئے گئے تو ہم بڑے خسارے سے دوچار ہو جائیں گے۔"

"بس یہی ایک صورت ممکن ہے کہ میں رخصت پر چلا جاؤں مذاکراتی اجلاس کے التوا کی کوشش نہ کرو۔ اگر معاہدہ ہو جاتا ہے تو شاید سعودی بیورے اس معاملے کو نظر انداز کر دیں۔"

"تم رخصت پر چلے جاؤ گے مگر ہم التوا کی پوری کوشش کریں گے ایم ٹی اے کیس سے اسرائیلی مفادات پر کاری ضرب لگتی ہے۔"

"خدا کے لئے اس وقت یہ معاہدہ ہو جانے دو۔" وہ مسمیائی آواز میں بولا۔ "اگر کسی بھی وجہ سے میرا نام اچھالا گیا تو میں کسی ادارے کے قابل نہ رہوں گا اور اپنی کنپٹی میں گولی مار کر خودکشی کر لوں گا۔"

میں نے اسے خاصا چکمہ دیا اور وہ گڑگڑانے لگا۔ آخر کار میں نے اس سے کوئی وعدہ تو نہیں کیا البتہ اپنی سی کوشش کرنے کا وعدہ کر لیا تاکہ خیاریوں کی طرح اس کا معاہدہ ہو جائے اور اس کے [illegible] پر پردہ پڑا رہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ چھٹی کی درخواست دے چکا تھا جس کی زبانی منظوری مل گئی تھی اور وہ اگلے روز لاس ویگاس کے لئے روانہ ہونے والا تھا۔

واپس آ کر میں نے عبداللہ کو تفصیل سنائی تو وہ فرط مسرت سے میرے گلے لگ گیا۔

"شاید سعودیوں کو علم بھی نہ ہو سکے کہ ہم نے ان کے لئے کتنی شاندار خدمت سرانجام دی ہے مگر میرا سر فخر سے بلند ہے کہ ہم نے ایک بڑا کام کیا ہے۔"

جولین گریوی کے بعد اگلی منزل بن لیوی کا رہائشی فلیٹ تھا۔ عبداللہ کے پاس اس کے فلیٹ کی چابی موجود تھی۔ لہٰذا ہم خوب سکون سے اس خالی شاندار فلیٹ میں داخل ہو گئے۔

ڈرائنگ روم کے سرسری معائنے کے بعد جب ہم خوابگاہ میں داخل ہوئے تو ہمارا دل باغ باغ ہو گیا۔ دونوں [illegible] استعمال ہونے والے بہت سے اہم آلات [illegible] مختصر مگر حساس ٹیپ ریکارڈر اور مائیکروفون [illegible] کیسٹ موجود تھے۔

[illegible] سے مائیکروفونوں کے [illegible] عبداللہ نے پہلے رول کو کھولا تو [illegible] دینا پڑا کیونکہ فلم پر ایک ترین عبارات روشنی پڑتے ہی غائب ہونے لگی تھی۔ اس کا مقصد تھا کہ وہ تازہ فلم تھی اور ابھی تک ڈویلپ بھی نہیں کی گئی تھی۔

اسی کمرے سے ایک رقعہ بھی ملا جس پر چند پتے درج تھے مگر اس مکار شخص نے کسی بھی پتے کے ساتھ نام نہیں لکھا تھا۔

ہم فلیٹ سے نکلے تو بہت سی کارآمد چیزوں سے بھرا ہوا ایک تھیلا ہمارے ساتھ تھا۔ مائیکروفلموں کے رول عبداللہ نے احتیاط سے اپنے اوور کوٹ کی جیب میں رکھ لئے تھے جبکہ پتوں والا کاغذ میرے پاس تھا۔

اس تھیلے کو کار کی ڈکی میں منتقل کرنے کے بعد ہم دونوں ایک فون بوتھ پر پہنچے اور عبداللہ نے سکہ ڈال کر جوزف کے گھر کا نمبر ڈائل کیا۔

چند فقروں کے تبادلے کے بعد عبداللہ نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے باپ نے ریسیور اٹھایا تھا۔ وہ ایک طویل سانس لے کر بولا۔

"ایلیزا کہاں ہے؟"

"وہ سالا میرے منہ سے ایلیزا کا نام سنتے ہی گھگھیانے لگا تھا جب میں نے اسے یہ بتایا کہ میں اس کی سہیلی کا شوہر ہوں تو ذرا نرم پڑا اور بتایا کہ ایلیزا خریداری کے لئے بازار گئی ہوئی ہے۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ پیرس کے بازاروں میں اسے کہاں کہاں ڈھونڈا جا سکتا ہے؟" میں نے کہا۔

"بن لیوی کو ہی دیکھ لیا جائے۔"

"جانے سے پہلے فون کر لو کہیں ہمدردی نے اس کا کام تمام ہی نہ کر دیا ہو۔"

عبداللہ نے اسی بوتھ سے فون کیا اور اپنا نام بتا کر صرف اتنا دریافت کیا کہ مہمان کا کیا حال ہے اور جواب سن کر ریسیور رکھ دیا۔

"وہ زندہ ہے۔ آؤ اسی طرف چلتے ہیں۔"

ہم لوگ موشن خانے پہنچے تو وہاں سناٹا طاری تھا۔ عبداللہ کی کار کا ہارن سن کر یوسف آیا اور اس کے چہرے سے مسرت ظاہر ہو رہی تھی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ گونگا بول پڑا ہے؟" عبداللہ نے اس کی پشت پر تھپکی دیتے ہوئے زوردار قہقہہ مار کر کہا۔

"بڑبڑا رہا ہے۔" یوسف نے کہا۔ "اس کی حالت بہت ابتر ہو گئی ہے۔"

"ایک ہی رات میں یہ حال ہو گیا؟" عبداللہ نے حیرت سے کہا۔

"یہ مہدی کا کارنامہ ہے۔" یوسف چہکتے ہوئے بولا۔ "اس نے طویل کارروائی سے بچتے ہوئے اختصار کی راہ تلاش کی ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"اس نے پچھلی رات گھونسے مار مار کر ابن لیوی کا داہنا جبڑہ توڑ دیا تھا پھر جب اس کے تیور باغیانہ رہے تو مہدی نے درست آور دوا دے کر باتھ روم میں بند کر دیا۔ آج صبح جا کر اسے نکال کر دوبارہ تہہ خانے میں الٹا لٹکا دیا گیا ہے۔ اس پر غشی کی کیفیت طاری ہے اور کمزوری کے باعث جسم میں بھی اپنا آپ سنبھالنے کی سکت نہیں۔"

"یہ تو واقعی اچھی ترکیب ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "جو کام رہ کر تو شاید وہ کئی روز میں بھی اس حالت کو نہ پہنچ سکتا تھا۔"

ہم لوگ تہہ خانے میں پہنچے تو مہدی جو کچھ دیر سے ایک پیالے پر جسے لکڑی سے لیٹا ہوا تھا پھر آگ سے اٹھا کر ہماری طرف آ گیا۔

ابن لیوی کے گھٹنوں کے درمیان بدستور ڈنڈا کسا ہوا تھا ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور ٹخنوں کے سہارے الٹا لٹکا ہوا تھا۔ اس کا پورا جسم ورم آلود اور نیلا ہو رہا تھا چھلی ہوئی جلد پر جمنے والے گاڑھے خون نے سیاہی مائل رنگت اختیار کر لی تھی اور داہنا جبڑا نہایت کریہہ انداز میں لٹکا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور ہونٹ آہستہ آہستہ لرز رہے تھے۔

ہم دونوں نے اسکے قریب جھک کر اس کے ہونٹوں سے نکلنے والی کراہ کی آواز سننے کی کوشش بھی کی جو بے سود رہی۔

"اسے اتار کر پیالے پر ڈال دو۔" عبداللہ نے ترحم آمیز نظروں سے ابن لیوی کی طرف دیکھتے ہوئے مہدی سے کہا۔

"بیکار ہے ورنہ۔" میں نے کہا۔

"اس کی حالت بہت خراب ہے۔ دیکھا بھی نہیں جا رہا۔ ایسی اذیت سے تو بہتر ہے کہ اسے مار ہی دو۔" عبداللہ نے جھرجھری لے کر کہا۔

عبداللہ فاسے سخت دل کا مالک تھا مگر اس وقت شاید اس کی کوئی رگ پھڑک اٹھی تھی جو وہ اپنے ایک دشمن کے لئے نرمی کرنے پر تل گیا تھا۔ میں نے بھی اس سے بحث کرنی مناسب نہ سمجھی اور ابن لیوی کو کنڈے سے اتار کر پیالے پر ڈال دیا گیا۔

دوران حراست اعتدال پر آ جانے کے چند منٹ بعد ابن لیوی کے بڑبڑانے کی آواز آئی اور ہم جا کر اس کے سرہانے پہنچ گئے۔

ابتدا میں وہ مبہم آوازیں تھیں جنہوں نے بتدریج بے ربط الفاظ کی صورت اختیار کر لی۔ وہ جو کچھ بڑبڑا رہا تھا وہ عربی میں تھا

اس کی آنکھیں بند تھیں مگر پپوٹوں کے نیچے ڈھیلے بہت تیزی سے حرکت کر رہے تھے اور اس کی آنکھوں کے گوشوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"وہ... وہ میرا انتقام لے گا۔ سب کو فنا کر دے گا۔" اس کے بے ربط الفاظ نے ایک شکستہ جملے کی صورت اختیار کر لی۔ اس کی آواز حلق میں پھنس رہی تھی۔ اور آنکھیں بدستور بند تھیں۔

"وہ کون ہے ابن لیوی؟" عبداللہ نے نرمی سے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر عربی میں پوچھا۔

نہایت آہستگی سے اس نے سر گھمایا پھر دھیرے دھیرے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی سرخ اور دہشت ناک نگاہوں میں عجیب سی بے رونقی اور بے بسی تھی۔ چند ثانیوں تک اس کی آنکھوں کی پتلیاں ایک ہی نقطے پر مرکوز رہیں پھر انہوں نے آہستہ آہستہ آنکھوں کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک حرکت کی اور وہ بڑبڑانے لگا۔ "مجھے نظر کیوں نہیں آتا؟ تم کون ہو؟" یہ الفاظ اس نے ہچکیاں اور سسکیاں لیتے ہوئے ادا کئے اور یکلخت آنکھیں بند کر لیں۔

"ہم تمہارے دوست ہیں ابن لیوی۔" عبداللہ نے اپنی آواز کو بھاری بناتے ہوئے کہا۔ "تم آزاد کرائے جا چکے ہو۔ ہمیں پہچاننے کی کوشش کرو۔"

ایک بار پھر خواب ناک انداز میں اس کے ہونٹ وا ہوئے اور اس کی آنکھوں کی پتلیاں گردش میں آ گئیں۔ چند ثانیوں بعد وہ پپوٹے بند کر کے کرب ناک آواز میں بڑبڑایا۔ "مجھے کچھ نظر نہیں آتا۔ میری آنکھوں کے سامنے صرف اندھیرا ہے۔"

"وہ تمہیں کیوں لے گئے تھے؟" عبداللہ اس کے اندھے ہو جانے کا یقین کر لینے کے بعد اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔

میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ عبداللہ اس قربت کو اس کی آخری سانسوں پر فریب دے کر اس کی زبان کھلوانے کا ارادہ کر چکا ہے لہٰذا میں اس کے گھٹنوں سے بندھی ہوئی لکڑی کھولنے میں مصروف ہو گیا اور عبداللہ نے سرگوشی کے سے انداز میں اس کی تائید کر ڈالی۔

"وہ مجھے لے گئے تھے۔ مگر کیا ان سے بچ گیا؟" وہ رک رک کر کہنے لگا۔ "انہوں نے میری رگوں سے زندگی کی حرارت نچوڑ لی ہے۔ وہ میرا انتقام لے گا۔"

"تم کس کی بات کر رہے ہو؟ ہمیں بتاؤ۔ ہم اسے خبر کر دیں گے۔"

"اسے میرا انجام ضرور بتا دینا۔ میں نے آخر تک اس کا کچھ نہیں بتایا۔" وہ غشی کے عالم میں بولا۔

"ہم ابن حیان کو بتا دیں گے۔ وہی ان سے نمٹ سکتا ہے۔" عبداللہ بولا۔

"تمہیں کچھ نہیں معلوم۔" وہ سر جھٹک کر کرب آمیز آواز میں کراہا۔ "ابن حیان سے۔ میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔"

عبداللہ نے حیرت سے میری جانب دیکھا اور میں سٹپٹا گیا۔ میں نے ابن حیان کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور جو اس وقت ان دونوں میں خدوخال کی جسمانی مماثلت نہیں تھی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ ابن لیوی کا دماغ چل گیا ہے۔

"خدا جوناس تو زندہ ہے۔ وہ کہاں انتقام لینے کا اہل ہے۔" میں نے قدرے سکوت کے بعد عربی میں کہا۔

"وہ اس کا جڑواں بھائی ابراہام جوناس ہے۔ وہی ابن حیان ہے۔ وہ اسرائیل کا قہر ہے جو مجھے اس حال کو پہنچانے والوں پر ٹوٹے گا۔" اس نے فرط جذبات سے کانپتی ہوئی رقت آمیز آواز اور شکستہ الفاظ کے سہارے کہا اور کراہنے لگا۔

ابن لیوی کے الفاظ پر میں دلی مسرت سے اچھل پڑا۔ میرا ابن حیان ابراہام جوناس تھا جس کی جستجو میں انٹرپول کافی دیر سے سرگرداں تھی۔ اپنے دشمن سے انتقام کا یہ پہلو بہت لذت انگیز ہو رہا تھا۔

عبداللہ ابن لیوی کے سرہانے سے اٹھ گیا اور مہدی سے بولا۔ "اس پر جانکنی کی کیفیت طاری ہے۔ میرے لئے اب بیکار ہو چکا ہے۔ بہتر ہوگا کہ اسے اذیت سے نجات دلا کر ختم کر دو۔"

ابن لیوی نے ایک ہلکی سی چیخ مار کر اپنی بے نور آنکھیں کھولیں اور پیالے سے اٹھنا چاہا مگر مہدی نے دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن دبوچ کر اسے دوبارہ پیالے پر ڈال دیا۔

مہدی کے ہاتھوں کے سکڑتے ہوئے حلقے میں ابن لیوی ذبح کئے جانور کی طرح تڑپا اور پھر چند سیکنڈ میں بے جان ہو گیا۔

عبداللہ میرا ہاتھ تھام کر تہہ خانے سے نکال لایا۔ مصطفیٰ اور یوسف ابن لیوی کی لاش کے پاس ہی رہ گئے۔

صورت حال نے نہایت تیزی کے ساتھ ایک نیا رخ اختیار کیا تھا کہ یہ بات ناقابل یقین تھی۔ ابن لیوی کی زبان سے کوئی بھی کارآمد بات اگلوانے کی امید نہیں تھی۔ اس کے ساتھی اسرائیلیوں کو بہت قریب سے جانتے تھے۔ عبداللہ ان سنگدلوں کو کس طرح زیر کرنا ممکن ہے یہ بھی جانتا تھا۔

مہدی جیسے جواں سال اور جوشیلے نوجوان نے ابن لیوی جیسے خونخوار کو ایک ہی رات میں جس طرح اس قدر بے کار کر دیا کہ وہ دوست دشمن کی تمیز کھو بیٹھا اور پھر اس نے عبداللہ کے سلسلے میں اس راز سے پردہ اٹھا دیا جس کی جستجو مجھے جنون کی حد تک پریشان کئے ہوئے تھی۔

وہ ابو خالد کے روپ میں مشرقی دمشق کی سرزمین پر میرے سامنے آیا۔ وہاں وہ عمران کا ایک سفاک اور عیار مخبر تھا اور مجھے اس نے زرخرید غلام کی طرح استعمال کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہاں میں نے ناساز حالات کے باوجود اس کے گرد گھیرا تنگ کر کے خفیہ طور پر یہ جال پھیلایا کہ میری روانگی کے بعد وہاں ان کا شیرازہ بری طرح بکھر گیا۔ مگر میں پھر بھی اپنی مشکوک رہائی نہ ہو سکا اور چند مخصوص مقاصد کے آلہ کار کے طور پر اسرائیل کی سرزمین پر پہنچا دیا گیا۔

وہاں ابو خالد کا ایک نیا روپ میرے سامنے آیا اور اسرائیل کے بااثر حلقوں میں ابن حیان کے نام سے پہچانا جاتا تھا اور کئی بیش بہا اہم معاملے میں کسی نہ کسی طرح اس کا نام ضرور شامل ہوتا تھا۔

اسرائیل میں ابن حیان محض ایک سایہ تھا جسے اس کے عروج کی عقیدت کی حد تک چاہتے تھے کیونکہ وہ فلسطینی حریت پسندوں کی لاشوں کے انبار پر تعمیر کئے جانے والے جدید وسیع تر اسرائیل کے معماروں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس کا نام پراسرار سے وابستہ ناقابل یقین کہانیاں ہی سنا کرتے تھے اس کو دیکھنے والوں کی تعداد لاکھوں کی آبادی میں نہ ہونے کے برابر تھی۔

وہ حریت پسندوں کے ہاتھ کا بیا سا تھا اور میری تمام تر ہمدردیاں حریت پسندوں کے ساتھ تھیں۔ لہٰذا ابن حیان کے لئے میری ذاتی نفرت اور عداوت میں انا کے ساتھ ایک مقصد بھی شامل ہو گیا مگر وہ مکار اور ظالم کبھی بھی میرے سامنے نہ آ سکا۔

اور اب میں اس کے اپنے مسکن سے ہزاروں میل کی مسافت طے کرنے کے بعد بیروت پہنچا تو وہاں ابن لیوی نے اس کے حقیقی روپ کا انکشاف کیا۔

بیروت میں وہ ابو خالد یا ابن حیان نہیں بلکہ وہاں وہ ابراہام جوناس تھا۔ ابن لیوی کے الفاظ میں ابراہام جوناس یہاں کا آقا تھا۔ صہیونیوں کا قہر تھا اور میرے لئے یہ موقع پیدا ہو چکا تھا کہ میں ... کے خاتمے میں ... جب ... حالات ... سے ... اور ... رکھتے ... ایجاد ...

"کیا سوچ رہے ہو؟" موسیقی خانے کے تہہ خانے سے باہر آنے کے بعد عبداللہ نے میری خاموشی پر مجھے ٹوک دیا۔

"جو کہا ہے کسی جنبی کی طرح آ کے بٹھا دوں گا۔"

"اور اگر اس نے پکار دیا؟"

"فرض کر لوں گا کہ میں عبداللہ نہیں ہوں۔"

میں لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا، وہ بظاہر ایک لاابالی سا مخلص اور مخلص شخص نظر آتا تھا جو دوستوں کی خاطر آنکھیں بند کر کے خطرات میں کود پڑنے سے بھی گریز نہیں کرتا، مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھے اس کے بارے میں خاصے انوکھے تجربات ہوئے تھے۔ وہ سب کچھ اس قدر لاابالی اور بے فکر نہیں تھا، وہ شخص انتہائی سادہ انداز میں اپنے مخصوص اصولوں کے تحت زندگی گزار رہا تھا اور خوبی کی بات یہ تھی کہ اپنی اصول پرستی اور خود [illegible] وغیرہ ان حدود کا احترام کرتے ہوئے اس کی آزادی پر قدغن عائد کرنے والا کوئی نہ تھا۔

اس روز صبح ہی سے ہم [illegible] کے مختلف علاقوں میں [illegible] دونوں کاروں پر بیٹھے ہوئے ہم تاریخی اور تفریحی مقامات کی سیر کی۔ سینٹ جیمس پیلس اور ایوانِ انصاف کی حسین عمارات سے ہوتے ہوئے ہم دریا کے پار [illegible] آئے تو ماحول میں ایک عجیب تبدیلی کا احساس ہوا۔ دوسری طرف [illegible] جدید عمارات اور کشادہ سڑکوں [illegible] بھی تو اس طرف [illegible] تھی اور وہیں سینٹ جرمین کا علاقہ واقع تھا، جہاں ہم دونوں کا مشترکہ دشمن ابراہام تو اپس مقیم تھا۔

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟" میں نے ایک کیفے میں کافی سے شغل کرتے ہوئے عبداللہ سے نرم لہجے میں سوال کیا۔

"کیا تم سیدھا تھوڑی چلو گے؟"

"ابراہام کے گھر سے اتنے قریب ہو کر بھی ہم کچھ نہ کر سکا تو یہ کاہلی کی انتہا ہو گی۔"

"اوہ!" وہ ہونٹ سکیڑ کر خوبصورت انداز میں مسکرا دیا۔ "ذرا یہ خیال رکھنا کہ آج موسم زیادہ ہی سرد ہے اور ہوا بھی چل رہی ہے۔"

"یہ موسم تو لوٹنے کا ہے۔ کہ کچھ بھی ہونا چاہیے۔"

"ایسا ہو کہ ہم دونوں ساری رات کسی کھلے پارک کی ہی سیر کرتے رہیں اور صبح تمہارے اعصاب اس قابل نہ رہیں کہ تم وہاں سے واپس ہو سکو۔"

"پتہ نہیں دو طرح بھی ہے یا نہیں ۔۔۔۔ ذرا ٹیلیفون ڈائریکٹری سے اس کا پتہ اور فون نمبر تو دیکھو۔"

عبداللہ اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ چند منٹ بعد وہ لوٹا تو اس کے ہاتھ میں ایک رقعہ موجود تھا۔ اس نے میری طرف بڑھا دیا۔

"اگر ابراہام سے بات ہو گئی تو تمہیں کسی سے ملنا ہی ہو گا۔" میں نے ابراہام کا پتہ پڑھتے ہوئے عبداللہ سے کہا۔ "کافی میں رکھوں گا۔"

"تم پہلے ابراہام کے گھر پہنچ سکو گے؟"

"میں پہنچ سکا تو فون کر کے تمہیں بلا لوں گا۔"

کافی ختم کرنے کے بعد ہم نے ایک کیفے میں مجھے ہوئے ہوئے فون سے ابراہام کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی پھر ایک نسوانی آواز ابھری۔

"ہیلو!" وہ عذرا کی بوڑھی ملازمہ تو نہیں [illegible] تھی۔ "یہ مسٹر ابراہام کی رہائش گاہ ہے؟" میں نے ابراہام کو پکارتے سن چکا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ عذرا جو ناس اپنے گھر کے کسی اور فرد کو فون پر بات کرنے کا موقع ہی نہیں دیتا تھا۔

"مسٹر ابراہام جو ناس موجود ہیں؟" میں نے مسٹر کی جگہ مسز [illegible] استعمال کیا۔ مگر اس سے آگے فرانسیسی جواب سننا تھا۔ انگریزی کا ہی سہارا لینا پڑا۔

"کون صاحب بول رہے ہیں؟" شاید ابراہام کے نام کا انتظار عذرا جو ناس کی آواز ایک بیک زم پڑ گئی تھی۔

"مجھے ان سے ضروری بات کرنی ہے۔" میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"وہ باہر کسی دعوت میں گئے ہوئے ہیں، دس بجے تک لوٹ آئیں گے۔ کوئی پیغام ہو تو مجھے نوٹ کرا دیں، میں ان کا چھوٹا بھائی عذرا جو ناس بول رہا ہوں۔"

"کیا یہ ممکن ہے کہ تم اسی وقت مجھ سے کہیں مل لو؟" میں نے ایک فوری فیصلے کے تحت راز دارانہ لہجے میں دریافت کیا۔

"بہتر یہی ہو گا کہ تم میرے بھائی سے بات کرو۔ تم جانتے تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" اس کے لہجے میں ایک بیک بیزاری در آئی۔

"میرا بھی یہی خیال تھا، ویسے اس معاملے کا تعلق آپ کی ہی ذات سے ہے جس کے لئے تم پچھلے دنوں پیرس گئے ہوئے تھے۔"

"کیا تم سیدھی طرح بات نہیں کر سکتے جو پہیلیاں بجھوا رہے ہو؟" وہ جھنجلا سا گیا۔

"مجھے تم پر کوئی اختیار نہیں ہے ورنہ میں تمہیں بتاتا کہ اتنی تیز کیا تم بار بار کرتے ہو۔" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "میں ابھی تمہیں بتاؤں گا جس کے سامنے میں جواب دہ ہوں۔"

"وقت ضائع مت کرو، یہ معاملہ بہت اہم ہے۔" وہ تیزی سے بولا۔ "ابراہام کو بھی بتا دینا مگر مجھے بھی بتا دو تاکہ میں ضرورت پڑنے پر فوراً کوئی کارروائی کر سکوں۔"

"مجھے افسوس ہے عذرا! میں نے سرگوشی میں کہا۔ "تم اپنے بڑے بھائی کی بات، مگر کام کے بارے میں حماقتوں سے کیا جا سکتا ہے۔"

"تو تم ابھی سے مل لو، وہ سینٹ جیمز کے علاقے میں کارلوس فلپ کے مکان پر ایک عشائیہ دعوت میں مدعو ہے!"

"کارلوس کا نام سنتے ہی مجھے یاد آیا کہ اس کا پتہ یا فون نمبر تو عذرا جو ناس نے نہیں بتایا۔" [illegible] "جو کارلوس ہیں گے وہ آئن نمبر لے کر آئیں گے اور نوٹ کر لیجئے۔"

فون کا سلسلہ منقطع کر کے میں واپس آیا تو عبداللہ بے چینی سے منتظر تھا۔ "بہاں دو گھنٹے ہیں، بہت دیر لگا دی!"

"آؤ، ہم چلیں!" میں نے اسے آنکھ مار کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "آج بے چاروں پر بہت زیادہ مہربان ہیں۔"

عبداللہ دل ہی دل میں پہلے کی ادا کر چکا تھا۔ لہٰذا ہم دونوں فوراً ہی باہر نکلے۔ "فوراً جو ناس کے مکان کی طرف چلو۔" میں نے باہر آتے ہی کہا۔

"کیوں، کیا ہوا؟"

"وہ بھی بتا تا ہوں۔" میں نے اس کا بازو تھام کر اسے آگے کھینچتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے عذرا عجلت میں گھر سے نکلے گا۔"

عبداللہ کار ڈرائیو کر رہا تھا اور ویسے بھی ہم اس وقت سینٹ جرمین کے علاقے میں ہی موجود تھے لہٰذا پانچ اور دس منٹ کا فاصلہ تیزی سے ہی ایک طرف روانہ ہو گئے۔

راستے ہی میں میں نے عبداللہ کو عذرا جو ناس اور اپنی گفتگو سنا دی۔

"تو تمہارا خیال ہے کہ عذرا بھی ابراہام کا شریک کار ہے؟" پوری گفتگو سننے کے بعد عبداللہ نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"خیال کیا معنی ۔۔۔۔ اب تو اس بات کی تصدیق بھی ہو گئی۔ میرا خیال ہے عذرا وہی رکھنے ہی کا وقت لوٹ کر فلپ کے مکان کی طرف روانہ ہو گا۔"

"وہاں جا کر وہ کیا کرے گا؟" عبداللہ بولا۔ "اگر وہ مدعو ہوتا تو پہلے ہی ساتھ چلا جاتا۔ مدعو نہ ہونے کی صورت میں اس کا وہاں پہنچنا معیوب سمجھا جائے گا۔ یہاں کے لوگ ایسی باتوں کا بہت خیال رکھتے ہیں اور اس قسم کی مداخلت کو پسند نہیں کرتے۔"

"مگر عذرا جو ناس ان باتوں کی پروا نہیں کرے گا۔"

"تم یہ کہو کہ وقت اس کی عقل اور اپنی [illegible] میں خلل ڈال دے گا۔ [illegible] اور دوسرا یہ کہ اس کا کوئی قدم بہت کارگر ہی عذرا جو ناس [illegible]"

"وہ باہر کسی کو بھی ابراہام سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کرنے دے گا۔ تمہارا خیال درست ہے تو ہم اس کے گھر جا کر دیکھتے ہیں جو کچھ بھی ہو [illegible] پہلے کھل جائے گا۔" عبداللہ نے کہا۔

"تم کو نتیجہ کیا ہو گا؟" میں نے جواب دیا۔ "ابراہام بیٹھ سے [illegible] فلپ کی اس کی بیوی ابیل۔"

"تو کیا ان دونوں سے ہو گئے؟"

جو اب نیچی کر کے دیکھا جاسکے گا۔

عبداللہ کے قدموں کی رفتار سست پڑ گئی اور وہ جھکتے ہوئے بولا۔ "تم نے اب تک ہمارا کسی کی بھی رائے سے اختلاف نہیں کیا مگر اس مرتبہ مجھے معاملہ بالکل ہی غلط لگ رہا ہے!"

"وہ کیوں؟"

"تمہیں چھوڑ کر میرا تم نے اسے ہوشیار کر دیا ہے اور اب اگر تم نے ابراہام سے بات نہ کی تو وہ چوکنا ہو جائے گا۔ اس سے رابطہ قائم کرنے میں دقت ہو گی کہ یہ لوگ اس کی پیروی میں موجودگی سے باخبر ہیں اور ان کی زندگی پر نگاہ رکھتے ہیں۔"

"یہ تو ٹھیک ہی کہہ رہے ہو تم۔" میں نے پھر وہ جملے میں کہا۔ "تمہیں کا حوالہ دے کر جس طرح جو کچھ کہا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹیپ میں بیان آرتھر کا تعلق شیپ پر ملی ہوئی رپورٹ سے اس کا گہرا تعلق تھا اور اب وہ لوگ اس جہاز پر حفاظتی اقدامات کر سکتے ہیں۔"

"وہ جہاز تو خیر اب تک ساحل سے بہت دور نکل چکا ہو گا۔ کسی بھی طرح اس کی روانگی عربوں کی خبر مل سکتی ہے مگر کسی طرح ابراہام یا ان جیسے کو ہماری قوت کا صحیح اندازہ ہو جائے گا اور عین ممکن ہے کہ وہ فوراً ہی پر ہو جائیں۔"

"اس کا تدارک ایک ہی صورت میں ممکن ہے کہ ابراہام کو کوئی بات نہ بتائی جائے اور کوئی فرضی خبر سنا دی جائے۔"

"ہاں یہ مناسب رہے گا۔" وہ میری تجویز پر قائل ہو گیا۔ "اور اس سے پہلے ایک بار پھر عذرا جو ناس کے گھر فون کر لینا چاہئے تاکہ اندازہ ہو کہ وہ باہر چلا گیا ہے۔"

اس شہر میں ایک بڑی تبدیلی یہ تھی کہ ہم مصروف علاقے میں جا کر پبلک فون بوتھ موجود تھے لہٰذا ہمیں فیصلے کو عملی جامہ پہنانے میں زیادہ دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

عذرا جو ناس کے گھر فون کی گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھا لیا گیا اور میرے کانوں میں ایک مترنم نسوانی آواز گونجنے لگی۔

"مسٹر جو ناس موجود ہیں؟" میں نے اس سے براہ راست گفتگو شروع کرنے کی خواہش کو ضبط کرتے ہوئے سوال عذرا کے بارے میں ہی کیا۔

"ان کے ملازم وہ جو ناس رہتے ہیں۔" شگفتہ انگریزی میں ہی جواب ابھرا۔ "اور اس وقت دونوں باہر ہیں۔"

"اور مس دلیلا جو ناس؟" میں نے ان میں اطمینان ہوتے ہی اس سے مخاطب ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"دلیلا ہی بول رہی ہوں۔ تم کون ہو؟"

"اوہ ۔۔۔ معاف کرنا دلیلا، میں تمہاری آواز پہچان نہ سکا۔ میں

"ڈان فرنانڈو بول رہا ہوں؟" میں نے عقیدت آمیز لہجے میں کہا۔

"ڈان فرنانڈو!" اس کی آواز میں تحیر اور مسرت کا ارتعاش نمایاں تھا۔ "تمہارا میرے باپ سے کیا تعلق ہے اور تمہیں میرا فون نمبر کیسے ملا؟"

"تمہارے باپ جیسے قد آور آدمی سے تعلق رکھنا میرے بس کا روگ نہیں مگر تم سے دوبارہ ملنے کی شدید خواہش تھی۔"

"مگر میں نے تو تمہیں اپنا نمبر نہیں دیا تھا پھر یہ کیسے آیا تمہارے پاس؟"

"ٹیلی فون ڈائریکٹری جیسی کارآمد شے سے غفلت [illegible] کہ مجھے تمہارا پورا نام معلوم تھا۔ میں آج ہی پیرس پہنچا ہوں۔ میں نے یہاں آتے ہی ڈائریکٹری سے ان تمام لوگوں کے فون نمبر حاصل کیے جن کا آخری نام جوناس ہے اور آخر ساتویں کوشش میں مجھے کامیابی حاصل ہوئی۔ اب یہ بتاؤ کہ میں تم سے کیسے مل سکتا ہوں۔ گھر والا کیسا ہے تمہارا؟"

"نہیں نہیں۔ ادھر کا رخ بھی نہ کرنا۔" وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "میرا باپ بہت ضدی ہو گیا ہے۔ مگر اس کا کچھ بھروسہ نہیں کہ کب نازل ہو جائے۔ ممی دل کی مریضہ ہیں اور سکون آور دوا کے زیر اثر بے خبر سو رہی ہیں۔ میں ابھی یہاں سے نکل کر کسی وقت مل سکتی ہوں۔"

"ابھی آ جاؤ نا۔ میں تمہارے گھر کے قریب ہی موجود ہوں۔"

"ممی کو بلا وجہ مرنے کے لئے تنہا چھوڑ کر آنا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ ویسے یہ بتاؤ کہ تم اس علاقے میں کیا کر رہے ہو؟"

"تمہارا انتظار!"

"میں کل دوپہر ایک بجے تمہیں ہوٹل ڈی ویل میں ملوں گی۔"

"یہ کہاں ہے؟"

"ریوڈی ریوالی پر مشہور جگہ ہے۔"

"میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

جواب میں مسحور کن ہنسی کی کھنکتی ہوئی جھنکار سنائی دی اور اس نے الوداع کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں نے ریسیور رکھ کر دوسرا نمبر ڈائل کیا۔ فون وصول کرنے والا کوئی خدمت گار تھا جو انگریزی سے قطعی نابلد تھا۔ حسب معمول ہم دونوں ایک دوسرے کو اپنا مطلب نہ سمجھا سکے تو وہ کچھ کہہ کر غائب ہو گیا۔ چند منٹوں بعد شاید کوئی دوسرا نوجوان برآمد ہوا۔

"مسٹر ابراہام جوناس سے بات ہو سکے گی جناب؟" میں نے نرم لہجے میں اپنا مدعا بیان کیا۔

"میں ابھی معلوم کر کے بتاتا ہوں آپ انتظار کریں۔"

میں دھڑکتے دل کے ساتھ اس آواز کا انتظار کرنے لگا جو لئے ورب کی ایک بستی میں حماقت، انتشار اور ظلم کی علامت تھی۔

"ہیلو!" طویل انتظار کے بعد میرے کانوں میں آواز آئی تو میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ یہ وہی خالص سرد اور سفاک آواز تھی جسے میں برسوں بعد بھی پہچان سکتا تھا۔

"مسٹر ابراہام جوناس؟" میں نے سوال کیا تو دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کے باعث میری آواز میں خاصی لکنت تھی اور لہجہ میں نے دانستہ بدل لیا تھا۔

"بول رہا ہوں۔ تم کون ہو؟"

"میں جنیوا سے آیا ہوں۔ میرے پاس تمہارے لئے ایک اہم پیغام ہے۔" میں نے اپنے لہجے میں ادب اور احترام کا عنصر شامل کرتے ہوئے کہا۔

"جلدی کہہ ڈالو۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔" اس کی آواز بدستور سرد اور تحکمانہ تھی۔

"جنیوا میں مسٹر ڈی خوارث نے فلسطینیوں کے ہاتھوں مارے جانے سے قبل آپ سے رابطے کا [illegible] کہنے لگا اور وہ بالکل خاموشی سے میری بات سنتا رہا۔ [illegible] بھی ان کے ہاتھوں بری طرح زخمی ہو گیا۔ وہ میرے پاس آیا تو قریب المرگ تھا۔ مرنے سے قبل اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اس کی موت کی خبر تم تک پہنچا دوں۔"

"بس یا کچھ اور بھی؟" اس نے جذبات سے عاری لہجے میں سوال کیا۔

"بس مجھے یہی ہدایت ملی تھی۔"

"اور تم نے تھوڑی دیر پہلے عذرا کو بھی فون کیا تھا؟" اس بار اس کے لہجے میں کسی قدر دلچسپی جھلک رہی تھی۔

"ہاں مجھے یہی پتہ دیا گیا تھا۔"

"اس معاملے کا عذرا کی ذات میں موجودگی سے کیا تعلق تھا؟"

"یہ تو مجھے معلوم نہیں!" میں نے بوکھلا کر جواب دیا۔

"مگر تم نے عذرا سے یہی کہا تھا۔"

"وہ رابطے کا ذریعہ تھا جناب! [illegible] لئے تو وہ بالکل اجنبی ہیں۔ کارلوس نے [illegible] یہی کہا کہ عذرا جوناس کو بھی خوارث کی ہلاکت سے آگاہ کر دوں۔ میں نے تو بس وہی بات دہرائی۔"

"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔" [illegible] زور دے کر کہا۔ مگر اس سے [illegible]

"معاف کیجیئے جناب، میں آپ سے [illegible]

[illegible]

نے عبداللہ کی آواز میں [illegible] ہوئے کہا۔

"تمہیں جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے تم ہو کون؟"

ابراہام نے مکاری اختیار کرتے ہوئے اچانک نرمی سے کام لینا شروع کر دیا۔

"کارلوس نے میری خدمات معاوضے پر حاصل کی تھیں اور اس نے [illegible] اطلاعات نکالنے کے بعد تم تک پیغام پہنچانے کے معاوضے کے طور پر کافی ہے۔ میں نے اپنا کام پورا کر دیا اور اب میں [illegible] کی تجویز کو نظرانداز کر کے آگے بڑھنے کیلئے تیار نہیں۔"

"تم عذرا کے پاس جا کر میرا انتظار کرو۔ میں تھوڑی دیر میں وہاں پہنچتا ہوں۔ بلا وجہ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر کارلوس کے قاتلوں کی نشاندہی میں تم سے مدد مل سکی تو میں تمہیں بھاری انعام بھی دوں گا۔" مجھے وہ چھوٹا سا [illegible] بولا ہوا لگا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ کسی ایسے شخص کو زندہ دیکھنا ہرگز پسند نہیں کرے گا جو اس کی شخصیت کے بھیانک پہلو سے ذرا بھی واقفیت رکھتا ہو۔

"میں قناعت پسند آدمی ہوں جناب۔ [illegible] ضروری نہیں سمجھتا۔" میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کہا۔

"تم نے اپنا نام نہیں بتایا اب تک!" اس کے لہجے میں [illegible] آ گئی تھی۔ جو میرے لئے اس کی جھنجھلاہٹ اور غصے کی علامت تھی۔

"کارلوس کے ساتھ تعلقات کا ذکر کر کے میں تم لوگوں کے بارے میں بہت کچھ جان گیا ہوں۔ میں نے تمہیں اپنا نام بتا دیا تو [illegible] مجھے [illegible] مجبور۔"

یہ کہہ کر میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"یہ بڑے طویل مذاکرات تھے۔" میرے بوتھ سے باہر آتے ہی عبداللہ نے تبصرہ کیا۔

"عذرا جوناس گھر سے غائب ہے۔ ابراہام [illegible] میں ہے اور ابراہام مجھے بھانسنے کے چکر میں تھا۔"

"ابراہام سے بات ہوئی تمہاری؟"

"ہاں۔ اس کی آواز بالکل نہیں بدلی۔ میں ذرا بھی اسے نہیں بھولا۔ اس کے بیان سے لگتا ہے کہ اب کوئی [illegible]"

"اور اگر اس نے تمہاری آواز پہچان لی ہو؟"

"میں نے اپنی آواز بدل لی تھی اور میں اس کا ذہن کسی اور طرف لگانے میں بھی کامیاب ہو گیا ہوں۔"

"عذرا سے ملاقات کیلئے ہوٹل ڈی ویل کی تجویز کس کی تھی؟" عبداللہ نے کار کی طرف واپسی کی راہ اختیار کرتے ہوئے سوال کیا۔

"اسی کی تجویز تھی۔"

"وہ بھی تمہاری دشمن معلوم ہوتی ہے۔" عبداللہ نے قہقہہ لگایا۔

"ملے بغیر رائے قائم کرتے ہو۔"

"کچھ جان کے دشمن ہوتے ہیں اور کچھ مال کے۔" وہ کہنے لگا۔ "ہوٹل ڈی ویل میں گاہکوں کی [illegible] طرح کھال اتاری جاتی ہے۔ پوری تیاری کے بغیر ادھر کا رخ نہ کرنا۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے بتا دیا۔ اب پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی کرنی ہوگی۔"

"تبدیلی کی بھی گنجائش رکھی ہے تم نے؟"

"اب مقررہ وقت سے نصف گھنٹہ پہلے مجھے ہوٹل ڈی ویل پہنچا دو گے تاکہ اسے داخلی دروازے پر ہی روک کر کہیں اور لے جا سکوں۔"

"ایسا نہ کرنا کہیں وہ لڑکی تمہاری بد ذوقی سمجھتے ہوئے [illegible] جانے میں تمہاری رہنمائی کرتا ہوں۔"

"پہلی ہی ملاقات اتنی مہنگی رہی تو آگے کیا ہوگا؟"

"فکر نہ کرو۔ یہ ملاقات تمہارے لئے بڑی سستی ثابت ہوگی۔"

عبداللہ کا ارادہ تھا کہ ہم لوگ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد گھر کا رخ کریں۔ مگر مجھے مادام شنے کا بھی خیال تھا۔ وہ کھانے کی میز سے [illegible] نا خوش نظر آئی تھی اور مجھے یہ پسند نہیں تھا کہ اس کی منہ بولی بیٹی بڑی محنت سے پکائے ہوئے کھانوں کو [illegible] میں ڈالنے پر مجبور ہو جائے۔

ہم دونوں گھر پہنچے تو ریتا نے دروازہ کھولا۔ اندر داخل ہوئے تو ٹیلی ویژن چل رہا تھا اور مادام شنے اس کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ ریتا پریشان تھی اور سامنے کی میز پر شطرنج بچھی ہوئی تھی۔

"شام بخیر مادام!" ہم دونوں نے ایک ساتھ ہی بآواز بلند کہا۔

"شام بخیر۔ مجھے اتنی جلدی تمہیں گھر پا کر بڑی مسرت ہوئی ہے۔" اس کے لہجے سے خوشی چھلک رہی تھی۔

"ہم آج ریتا کے ہاتھ کا ذائقہ چکھنے کی نیت سے جلدی گھر لوٹے ہیں۔" میں نے کہا۔

"سچ پوچھو تو مجھے امید نہیں تھی کہ تم رات کا کھانا یہاں کھاؤ گے مگر ریتا نے احتیاط کے طور پر تیاری کی ہوئی ہے۔" وہ گفتگو کے دوران ایک سفید پیالی کو [illegible] طریقے سے اس کی حرکت سے [illegible] میں رکھتے ہوئے بولی۔

"کیا پکایا ہے تم نے؟" میں نے بے تکلفی سے ریتا سے سوال کیا۔

"[illegible]" وہ شرما کر بولی۔ اس وقت بھی مجھے اس لڑکی [illegible] کوشش کی وجہ کا احساس ہوا۔

"لیکروں کا شوربا تھوڑا پی لینا مجھے آج بھی پسند ہے۔" عبداللہ نے جھلا کر مجھ سے بولا۔

میں مسکرا کر رہ گیا۔ میری نگاہیں اس سفید سیدل پر تھیں جو کچھ دیر قبل مادام نے اس کی جگہ سے کھسکایا تھا۔ سفید ہوتے مادام کے پیچھے اور اس ایک پیادے کی جگہ بدل جانے سے بازی کا نقشہ ہی بدل کر رہ گیا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے تمہیں شطرنج سے بھی شوق ہے۔" مادام نے کہا۔ لہجے میں ایسی سختی تھی جیسے کسی پرندے کے جال میں پھنس جانے پر مایوس شکاری کی آواز میں ہوتی ہے۔ "کوشش کرو گے تو جلد ہی اول نمبر کے کھلاڑی بن جاؤ گے۔"

"مادام کے ساتھ ہر کوئی کھیلنا ہو تو سیکھیں۔" یہ تھا جلدی سے بولی "ہمارا خیال ہے یہ مشکل ترین کام ہے جو میں آج تک سرانجام دے سکی۔"

"وہ کیوں؟" میں نے اسی کے ساتھ پوچھا جبکہ عبداللہ نے زوق کے بعد اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

"مادام ہارنے لگتی ہیں تو حریف کی نظر بچاتے ہی مہرے کھسکا دیتی ہیں۔" وہ ترنم ریز آواز میں ہنستے ہوئے بولی پھر جھک کر ساری بازی سمیٹنے لگی۔

"کیوں جھوٹ بولتی ہے لڑکی۔" مادام نے خفیف لہجے میں کہا۔

"میں تجھ جیسی نادان لڑکی کے ساتھ بے ایمانی کر لوں گی؟"

"بہر کیف تو سیکھ لو۔" یہ تھا ہنسی سے لہجہ لاابالی ہوتے ہوئے بولی۔ "مادام ہار کی بازی تھیں اور عادت کے مطابق دھوکہ دہی کی آواز پر یک جانا چاہیے تھا مگر انہوں نے خاص طور سے مجھے بھی اور لوح پر اپنا کام یہاں سیاہ پیادے کو ان کی جگہ سے ہٹا دیا تھا گئے ہیں اور سپیدل تو یہاں آنے سے پہلے ہی سپید رخ کے ہاتھوں مارا گیا تھا مگر اب یہ ایک دو چالوں میں شہ کا راستہ ہموار کرے گا۔"

مادام نے غصے سے سیاہ ملامت دی۔ یہ تھا... تو کھیل کے معاملے میں بہت جھوٹ بولتی ہو۔ تم نے یہ کھیل مجھ سے سیکھا ہے مگر آج تم نے میرے کھیل کی خصوصیت اور برتری کو تسلیم نہیں کیا۔"

"عقد تھوڑی دیر ادھر... کہا تھا کہ بعد میں پہلے کھیل میں مصروفیت کا شانہ چھپتے ہوئے کہا۔

"میرا اچھا کیا، آپ کا سکتی ہے میری خدمت کر سکتی ہے مگر شطرنج میں اپنا نادر کی برتری تسلیم نہیں کر سکتی۔ تمہیں شکر کرو کہ کچھ دیر بعد تم بازی سے دستبردار ہو گئے۔"

میرا مادام سے چہرے سے شکست کی کرب میں جا آئی جو ہی مادام نے اسے تنبیہ کرتے ہوئے جھڑک دیا۔

"بڑا تو کیا بات ہوئی۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

"میں کیوں برا ماننے لگی، کمبخت تو کہاں سب سیدھا ہے۔" یہ مسکرا کر لہجے میں بولی۔

"یہی نے تمہیں وہ پیدل کھسکاتے ہوئے تو دیکھا تھا۔"

میرے اس انکشاف پر مادام نے کہ چہرے پر حیرانی پھیلی جیسے اسے چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا گیا ہو۔ "ہو سکتا ہے کہ بے خیالی میں میرا ہاتھ لگ گیا ہو۔ میں دانستہ ایسی حرکت نہیں کر سکتی۔ کیا تم مجھے ایسا سمجھتے ہو؟"

"میں ایسا نہیں سمجھتا مگر یہ تھا کی شکایت بھی جائز ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم غیر ارادی طور پر حریف کی لاعلمی میں اپنے مہروں کی جگہ بدل دیتی ہو۔" میں نے نرم لہجے اور دھیمی آواز میں کہا۔ نہ جانے کیوں میں ان سے بے ایمانی کا حرف سننے پر تل گیا تھا۔

"غیر ارادی طور پر۔" انہوں نے میری طرف دیکھتے ہوئے حیرانی پر چونک کر یوں بولی جیسے اسے کوئی سہارا مل گیا ہو۔ "ہاں یہ ہو سکتا ہے کیونکہ یہ بات مان سکتی ہوں۔ مگر یہ بھی یقینی بات نہیں جس کے متعلق تمہارا خیال ہے کہ ایسا ہو جانا ممکنات میں سے ہے اور اسے تم کسی طرح بے ایمانی نہیں کہہ سکتے۔ میں صاف ستھرا کھیل پسند کرتی ہوں۔"

"مگر میں تمہاری غیر ارادی عادت کا چشم دید گواہ ہوں یہ فعل میری دانست میں۔" میں نے اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"میں تسلیم کر لیتی ہوں کہ یہ میری عادت ہے مگر اس میں میرے ارادے کا کوئی دخل نہیں۔" وہ بچگانہ سے انداز میں بولی۔

"مگر تم اس کھیل پر چالاکی معلوم ہوتی ہو۔" میں نے اعتراف کے بعد اسے اخلاقی سہارا دینے کی نیت سے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔

"میں کئی ماہ پہلے عالمی شہرت یافتہ روسی کھلاڑی سے کھیلنا چاہتی تھی خطوط کے ذریعے چیلنج کر چکی ہوں تاکہ اسے مات دے کر عالمی ریکارڈ بنا سکوں مگر وہ مقابلے سے گریز کر رہا ہے۔" مادام نے فخر آمیز لہجے میں مجھے اطلاع دی۔

"ہو سکتا ہے کہ اسے تمہارے اعلیٰ کھیل کی بھنک مل گئی ہو۔"

"کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ اس نے مجھے جو جواب دیا ہے وہ بڑا مضحکہ خیز ہے۔"

"کیا جواب دیا ہے اس نے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔ مصروفیت کا بہانا کرتے ہوئے وہ براہ راست مقابلے سے معذرت کی ہے البتہ خطوط کے ذریعے ایک مقابلے کا متمنی ہے۔"

"تو ایسا ہی سہی۔"

"کھیل کا مزا اسی وقت آتا ہے جب دو حریف آمنے سامنے کے درمیان بساط بچھی ہو۔ خط و کتابت تو وقت کی بربادی ہوگی۔"

"میں اسے انکار ہی سمجھتی ہوں۔" یہ تھا نے کمرے سے آواز لگائی۔ مجھے مادام سے کسی لمبی گفتگو سے نجات کا بہانہ فراہم کر دیا۔

"چند منٹ توقف کریں... میں لباس تبدیل کر لوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ اپنی خواب گاہ کی طرف چلی گئی۔

میں لباس تبدیل کر کے باہر آیا تو کھانے کی میز تیار تھی اور عبداللہ دونوں کے ہمراہ میرا منتظر تھا۔ اس کے چہرے پر خاصی تشویش پھیلی ہوئی تھی۔

عبداللہ نے تو واقعی کیکڑے کے شوربے کو ہاتھ نہیں لگایا البتہ میں نے شوق سے تناول کیا۔

"ابھی دس منٹ قبل ٹیلی ویژن پر ایک خصوصی رپورٹ آنے والی ہے اسے دیکھے بغیر بستر میں نہ گھس جانا۔" مادام نے کھانے کے دوران کہا۔

"کس بارے میں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"بحیرہ روم میں قبرص کے ساحل سے چالیس ناٹیکل کے فاصلے پر ایک اسرائیلی بحری جہاز ہولناک حادثے کا شکار ہوا ہے۔ اس کی فلم دکھائی جائے گی۔"

"اسرائیلی بحری جہاز؟" عبداللہ کا منہ کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ فضا میں ہی معلق رہ گیا۔

"ہاں۔ اس پر شاید اسلحہ لدا ہوا تھا اور وہ قبرص سے بحیرہ روم کے راستے تل ابیب کے لئے روانہ ہوا تھا۔"

"حادثہ کب پیش آیا؟" میں نے پوچھا۔

"ٹیلی ویژن کے مطابق چند گھنٹے قبل یعنی سات بجے کے قریب۔" مادام نے کہا۔ "ٹیلی ویژن والوں کی ایک جماعت اب ڈوبتے جہاز کی خوفناکی کی فلم تیار کرنے میں مصروف ہے جو دس بجے دکھائی جائے گی۔ جہاز پر پچاس افراد کا عملہ تھا اور دھماکے کا غل دور دور تک سنے والے چلتے ہوئے جہازوں نے بھی سنا تو انہوں نے تین کشتیوں کو بھیج کر بچا لیا۔ جو ان ہی اطراف میں موجود تھیں۔"

"ہولناک حادثہ ہے۔" میں نے کنکھیوں سے عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس بدنصیب جہاز کے عملے پر کیسی قیامت بیت رہی ہوگی۔" مادام نے جھرجھری سی لے کر بولی۔ "انہیں تو گمان بھی نہیں ہوگا کہ وہ زندہ بچ نکلیں گے اور اگر ایسا ہی اس جہاز پر اسلحہ لدا ہوا تھا تو شاید ہی تباہ ہونے سے کوئی ان کی کوئی مدد نہ کر سکے۔"

"وہ تو ہوتے ہوئے جب شعلوں میں گھر کے وہ ڈوبتے ہوئے مشعلوں سے کوئی ان کے قریب جانے کی ہمت نہ کر سکا۔" عبداللہ نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "جہاز کا ڈھانچہ نیا اور مضبوط ہوگا لیکن پانی اندر آتے ہی اس کا وجود اپنا ساتھ چھوڑ گیا۔ آہستہ آہستہ سمندر کی تہہ میں بیٹھ گیا۔"

"اس قدر خوفناک منظر تھی کہ مادام نے بھی بولی آواز میں مجھے بستر میں رات کو نیند بھی نہ آ سکے گی۔"

"اس سے زیادہ ہولناک منظر تو اس سے بھی زیادہ ڈوبی ہوئی تھی۔" مادام میں نے ...

"اور پھر تو یہ نہایت افسوسناک الفاظ اور لہجے میں ان مناظر کی وضاحت بھی کرتا جائے گا۔"

"میں تو آواز بند کر دوں گی مگر فلم ضرور دیکھوں گی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اس دور کا عظیم ترین تاریخی حادثہ شمار کیا جائے۔ میں اسے نہیں چھوڑ سکتی۔"

"یہ حادثہ ہی تھا یا تخریب کاری؟" عبداللہ نے مادام سے سوال کیا۔

"کچھ معلوم نہیں۔ ٹیلی ویژن والوں کو یہ اطلاع اسی وقت ملی تھی وہ گھر سامان لے کر روانہ ہو گئے ہیں۔ سب تحقیقاتی ٹیمیں وہاں پہنچ چکی ہیں جو کچھ عرصے تک بولتی رہیں گی اور پھر کوئی نیا حادثہ اسے بھلا دے گا۔"

"تو کیا کوئی اور حادثہ بھی ہونے والا ہے مادام؟" یہ تھا نے معصومیت سے سوال کیا۔

"اپنے برے کلمات منہ سے نہ نکالو۔" مادام نے اسے گھورتے ہوئے بولی۔ "میں نے تو یونہی ایک سرسری بات کہی تھی۔"

وہ بات تو لی ضرور تھی مگر جہاز کے لئے نہایت کارآمد ثابت ہوئی تھی۔ معذور ہونے کے باعث وہ بیرونی تفریحات میں شرکت نہیں کر سکتی تھی۔ لہٰذا اس کی تمام دلچسپیاں، اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھیں جس کے ذریعے اس نے بیرونی دنیا سے اپنا رشتہ قائم رکھا ہوا تھا اور عمر کے تقاضوں کے عین مطابق سنسنی خیز خبریں اس کی توجہ کا مرکز ہوتی تھیں۔

ٹی وی سے میں نشر ہونے والی وہ خبر بھی مادام نے ہی مجھ تک پہنچائی تھی جس کی میں بیروت میں ہولناک جنگ میں بیرونی حادثے کی تفصیل موجود تھی اور اب اسی عورت کے ذریعے جس کی بندرگاہ سے روانہ ہونے والے اسلحہ بردار اسرائیلی جہاز کی بربادی کی خبر ملی تھی جس کا نیوز نیٹ عبداللہ کر آیا تھا۔

عبداللہ کی زبانی اس جہاز کے بارے میں معلوم ہونے کے بعد میں ہر لمحے اس خبر کا منتظر تھا مگر کارنامہ اس معذور خاتون کی مبارک زبان سے مل گئی تھی۔

عبداللہ کے بیان کے مطابق جس کی بندرگاہ سے دو فلسطینی اس جہاز کے عملے میں شامل ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنی جانوں کی پروا کئے بغیر پہلے کسی بھی مناسب موقع پر تخریب کاری سے اس متحرک بحری جہاز کو چیتھڑے اڑا دئیے تھے۔

بیروت کے اجلاس میں اسرائیلیوں کے خلاف نام نہاد طاقتوں کی جو قرارداد پیش کی جا چکی تھی مگر اسرائیل کو اس کا کوئی جواب نہیں دیا گیا تھا۔ جس وقت ہم بحیرہ روم میں اسرائیلی طیاروں سے ... ہولناک دھماکے ہو رہے تھے کیونکہ اس وقت میں فون پر بار بار کوشش کرتا رہا تھا اور مجھے عبداللہ ان کی خیریت کی اطلاع کا ادراک کیا ... اس کی بنا پر دیا تھا اور شاید اسے ہمیں الفاظ پر شک بھی تھا ...

مگر اسرائیلی جہاز کی بربادی کی خبر ملنے کے بعد وہ اس گفتگو پر نئے زاویے سے سوچنے پر مجبور ہو جاتا اور شاید اسی نتیجے پر پہنچتا کہ اس کے دشمن اس کے گرد اپنا جال مضبوط کر رہے ہیں۔

ابو عمر جو اس بات سے بیان ہو رہی تھی مگر اس کی ذات میں دلیری سے زیادہ مکاری کے جراثیم پائے جاتے تھے۔ وہ اپنے خطرہ سامنے پا کر فوری طور پر فرار یا روپوشی کی راہ اختیار کر سکتا تھا۔ مجھے اس سے اس بات کی بہت کم توقع تھی کہ وہ ٹینکے کی چوٹ پہ ملنے والا کر حالات پھر وہ اور مقابلہ کرنے کی انتقام کوشش کرتا۔

دوسری طرف تمام تر سرگرمیوں کا مرکز ایک مرتبہ پھر ٹیک منتقل ہونے کے آثار پیدا ہو چلے تھے۔ ان لوگوں کو شوارٹ کی موت کی اطلاع مل ہی گئی تھی اور رابطے کار و غیرہ کی ہلاکت کی خبر مل سکتا وہی۔ جب فلسطینی چھاپہ مار تل کا بہت مضبوط اور اہم گڑھ تھا اور پھر اسرائیل کی بہترین فوری قوت جدید ترین آلات سے لیس ہو کر اس ساحلی شہر میں اپنے دشمنوں کی تلاش میں سرگرم ہو جاتی۔

کھانے کے بعد عبداللہ ٹیک کے کیبن میں گیا تو میں بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔

"مبارک ہو۔۔۔۔ میرے ساتھیوں نے اپنے مقدس لہو سے آج سمندر کے سینے پر حریت کی ایک نئی داستان کو جنم دیا ہے۔" وہ فرط جذبات سے کانپتی ہوئی سرگوشیانہ آواز میں بولا۔

"جس میں تمہارے دوستوں کو اب شدید خطرات کا سامنا ہے۔" میں نے کیبن کا دروازہ بند کرتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

"میں اس پہلو پر بھی غور کر چکا ہوں۔ وہ جہاز کی تباہی کی خبر پاتے ہی کم از کم چند روز کے لئے اپنی تمام سرگرمیاں ترک کر دیں گے۔" وہ بولا۔ "مگر مجھے مادام کی طرف سے ایک قلق ہے۔"

"وہ کیا؟"

"اس نے ہوٹل میں ٹیبل والے واقعہ پر بڑے زنلی کی اور مزید اسرائیلی جہاز کی تباہی پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔" وہ الجھن آمیز لہجے میں بولا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"اگر تمہاری طرف سے اس کا ذہن صاف ہو جاتا ہے تو وہ کھلے لفظوں میں اپنی مشن کا اظہار کر دے۔ یہ تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان واقعات کے پس پشت فلسطینی اور اسرائیلی مفادات کا ٹکراؤ ہے۔ مادام نے تو دونوں میں سے کسی ایک فریق سے ہمدردی ہونی چاہیے آخر کار ہمارے سامنے وہ ان کے اظہار سے گریز کیوں کر رہی ہے؟"

"یہ بہت دور کی کوڑی ہے۔" میں نے دل ہی دل میں اس کی ذہانت کی داد دیتے ہوئے کہا۔ "وہ ہمارے بارے میں مخمصے کا شکار ہے یعنی ہمیں ایک فریق سے وابستہ سمجھ رہی ہے وہ ہمیں جان"

زبانی ہی سمجھتی ہے۔ مگر تمہارا اصل نام سے بتایا گیا ہے جو ناجی نامی شخص یہودی نژاد ہے اور اتفاق نہیں جانتی جو کہ"

"یہی الجھن مجھے مار رہی ہے۔"

"شکل و صورت سے تو عقالی لگتے ہو، نام بھی عربی ہے۔ مگر اسے فلسطینی کیسے سمجھ سکتی ہے؟ اس کے ذہن نے مجھے یہودی ہونے سے دو چار کر دیا تھا۔"

"میرے بارے میں اس کی خبر اس کے ذہن میں تھی۔ شاید پچھلے آج جہاز کی تباہی کی خبر اڑائی جانے کی اطلاع بھی مل اور یہودی کیمپ ایسا تو نہیں کہ وہ حقائق جاننے کی پیچھے پہنچنے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"تم نے یہ سوال بروقت اٹھایا ہے۔ میں نے بھی سوچا تھا۔"

"اگر اسے واقعی شبہ ہو گیا ہے تو بازی ہم سے دو چار ہونے سے پہلے یہاں سے بھاگ نکلنا چاہیے۔ میں نے دیکھتے ہیں کہ اس کے بعد وہ کیا شروع کرتی ہے۔ وہ مجھے زیادہ دیر تک دھوکہ نہیں دے سکے گی۔"

"اس وقت تک اس پر نظر رکھو۔" عبداللہ اٹھ کر غسل خانے میں گھس گیا۔

میں باہر نکلا تو مادام نے مجھ سے ملنے کا پیغام بھیجا۔ وہ شطرنج میں مصروف تھی۔ میری دوست بنتے ہی اس نے کونے میں پڑی شطرنج کی بساط اٹھا لی۔ "آؤ تمہیں شطرنج کے کچھ بنیادی اصول سکھا دوں۔"

میں مسکرا کر اس کے مقابل بیٹھ گیا اور اس نے مہرے بساط پر کھول دیے۔

وہ مہرے لگا کر مجھے ابتدائی چالوں کے بارے میں بتانے لگی۔ سمجھانے لگی۔ میری نگاہیں شطرنج پر مرکوز تھیں اور ذہن اس کی حکمت عملی اور ملاقات کی منصوبہ بندی میں مصروف تھا جو میرے لئے بہت اہم تھی۔

"آؤ اب ایک بازی ہو جائے۔" تقریباً دس منٹ لکچر دینے کے بعد اس نے دوبارہ مہرے جمانے شروع کیے تو میں بھی ہوشیار ہو گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد مادام کے مہرے پٹنے لگے تو وہ خاصی پریشان نظر آنے لگی۔ میں نے ایک دو ایسی غلطیاں بھی کیں جن سے کھیل کا توازن تبدیل کرنے کا موقع ملا۔

"کیا تم واقعی پہلی بار کھیل رہے ہو؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"ابھی ابھی تم ہی سے سیکھا ہوں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"مگر تم بہت سی ایسی چالیں چل گئے ہو جو میں نے تمہیں بتائی ہی نہیں۔"

"میں نے تمہاری گفتگو سے چالوں کے بنیادی اصول اخذ کیے۔ بہر حال میں نے پہلی بازی کا کھیل بھی ان کی ترتیب سے کھیلا۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دوبارہ نہ کہو۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم زبانی سب کچھ سیکھ لو گے۔" اس نے تمام مہرے ملا لیے۔

دوسری بار بھی بازی نامکمل رہی اور تیسری بار بھی اس نے شکست سے بچنے کے لیے بساط الٹ دی۔

"یہ کیا ہوا؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"بازی بل جانا دل کی آج کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔" وہ

بازی لپیٹتے ہوئے بولی۔ اس کے چہرے پر شدید کوفت کے آثار نمایاں تھے۔ "اگر میں تو پورا کھیل سیکھ چکا ہوں۔ یہ بہت آسان اور دلچسپ اور دیر تک ذہن کو لگا ہوا نہیں ہونے دیتیں۔"

"ارے کے بعد تمہارا حوصلہ پست ہو جاتا۔"

"مگر میں ترتیب میں رہا تھا کیونکہ ان بازیوں میں جلدی تھا۔" میں نے مجاہدانہ انداز میں کہا۔

"یہی تو تمہاری تمام چالاکی ہے۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔ "میں تو تمہارے ان چالوں کے عین مطابق میں مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کے زور پر بازی کے ساتھ مشق کیا کرو۔ وہ بھی تم اچھا کھیل رہے ہو۔"

مادام اس معاملے میں شاید اپنی انا کے ہاتھوں مجبور تھی۔ شکست کا اعتراف اس کے لئے انتہائی اذیت ناک امر تھا اور پھر یہ ہی تقاضا ہے کہ آئندہ کے لئے بھی اپنی چال چلانی تھی۔ میں نے بھی اس معاملے میں زیادہ مناسب نہ سمجھا۔ اتنا سبق مل جانے کے بعد وہ کبھی مجھے شطرنج کھیلنے کی دعوت دینے کی ہمت نہیں کر سکتی اور یہی میرے لئے تماشا ہی کافی تھا۔

"ابھی ابھی تو شروع ہوا تھا۔" عبداللہ بھی شریک ہو گیا۔
"شطرنج کا کیا ہوا؟" اس نے ہنستے ہوئے سوال کیا۔

"مادام سے تین مرتبہ ہارتے ہارتے بچا ہوں۔" میں نے مادام کی ہاں سے غفلت کا اور تبسم مشق کے بعد تاکہ وہ بہتر کھیل سکوں۔ ان ہی تمام خرافات سے مطمئن ہو کر ہم اپنے اپنے کمروں میں لوٹ گئے۔

قافلہ دن بھی ساحلی علاقوں کے اسٹیشن پر رکتی رہی اور ہم شہر سے گزرتے رہے۔ بیچ میں ایک جگہ فلوٹس ہوا تو ہم سمجھے وہ لوگ ہمارے بارے میں اسرائیلی جہاز کی تباہی سے ہونے والے نقصانات کا اندازہ لگانے کا امید ساتھ۔

پچھلے ساڑھے کی ہلاکت اور لاکھوں فرانک کی مالیت کے

ملبے کی بربادی کی تفصیل بتاتے ہوئے اس کا چہرہ آہستہ آہستہ پس منظر میں معدوم ہو گیا اور اسکرین پر سمندر کی لہروں پر تیرتے ہوئے شعلوں کے انبار نظر آنے لگے تو وہ دور تک بکھرے ہوئے تھے۔ پھر اس وسیع منظر سے کیمرے کی آنکھ اصل جہاز پر مرکوز ہو گئی جو بلند ہوتے شعلوں میں گھرا ہوا تھا۔ وہ منظر شاید کسی ہیلی کاپٹر وغیرہ سے فلمائی گئی تھی کیونکہ سارا منظر اوپر سے لیے گئے تھے کیمرہ آہستہ آہستہ جہاز کا طواف کرتا رہا اور تقریباً دس منٹ بعد شعلوں اور کثیف دھوئیں میں لپٹا ہوا باقی ماندہ ڈھانچہ اپنی جگہ پر سیدھا کھڑا پیدا کرتے ہوئے چکر کاٹنے لگا۔ مبصر کی آواز جہاز کے نچلے حصے میں بڑے بڑے شگاف پڑ جانے کی اطلاع دے رہی تھی جس سے بڑی مقدار میں پانی تیزی سے جہاز میں داخل ہونے لگا تھا۔

پھر مبصر نے شعلے میں گھرے ہوئے ایک حصے میں انسانی ہیولوں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ پاگلوں کی طرح ناچ رہے تھے۔ وہ شکل سے چند لمحے تک نظر آتے رہے اور پھر جلتے ہوئے ملبے کی برسات نے انہیں نظروں سے اوجھل کر دیا۔

"اف خدا۔۔۔ کیسی بھیانک موت ہوگی ان کی۔" مادام نے گہرا سانس لے کر پہلی مرتبہ اس منظر پر تبصرہ کیا۔

"اداری جو ہاتھوں کو ابھی تک جلنے کا کوئی زندہ نہیں ملا ہے ان میں سے شاید ہی کوئی بچ سکا ہو۔" میں نے کہا۔

"اور جہاز کے زندہ رہنے والی تین کشتیوں کے بھی جہاز سافر مارے گئے ہیں۔ مادام تم بہر حال یہ بتاؤ۔" وہ بے چاری سے تو اکھاڑی موت مارے گئے۔"

"یعنی تمہاری دانست میں حملے کے آغاز میں ہی مارے گئے۔" مجھے اپنی گفتگو آگے بڑھانے کے لئے ایک نیا نکتہ مل گیا۔

"موت تو ان کی بھی افسوسناک ہے مگر وہ سطحی پرواز جہاز پر سفر کر رہے تھے، ان کا مقدر جہاز کی قسمت سے وابستہ تھا مگر وہ جہازوں کو تو کا سبب مانے گئے۔" مادام نے کہا۔

"ابھی تک حادثے کا کوئی سبب نہیں بتایا گیا۔" عبداللہ نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "ٹیلی ویژن کی اسکرین پر جہاز کا ڈوبنا آہستہ آہستہ غرقاب ہونا شروع ہو گیا تھا۔"

"اتفاقی حادثے کا امکان کم ہی ہے۔" مادام نے پینے کے لئے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "یہ ضرور تخریب کاری ہے کیونکہ وہ اسرائیلی جہاز تھا اور اسلحہ لے جا رہا تھا۔"

"تو اس سے کیا ہوا؟" عبداللہ نے معصومانہ حیرت سے سوال کیا۔

"اسرائیلیوں اور فلسطینیوں کی دیرینہ دشمنی کوئی راز نہیں ہے۔"

مادام نے سگریٹ کا دھواں اگلتے ہوئے کہا۔ "ہوٹل میریڈین کا واقعہ ابھی تازہ ہی ہے۔ ان دونوں کے نزدیک انسانی خون کی کوئی قیمت نہیں یہ لوگ انتقام سے اندھے ہو چکے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ فلسطینیوں کی تحریب کاری بھی ہو سکتی ہے۔" میں نے کہا۔

"جب محاذ پر دو ملکوں کی فوجیں ایک دوسرے سے لڑتی ہیں تو اس سے زیادہ آدمی انتہائی بھیانک موت کا شکار ہوتے ہیں۔ مگر ان مرنے والوں پر کسی کو دکھ نہیں ہوتا کیونکہ سپاہی جب ہتھیار سجا کر محاذ پر جاتے ہیں تو فتح یا موت کے لئے پوری طرح تیار ہوتے ہیں۔" مادام نے آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا۔ "مگر میڈوسا پر موجود لوگ تو اسرائیل پہنچنے کے بعد بیوی بچوں یار شتہ داروں سے ملنے کے منصوبے بنا رہے ہوں گے۔ ان کی موت پر ہر شخص کا دل خون کے آنسو روئے گا اور پھر وہ بیچارے جار بدنصیب تو اسرائیلی تھے فلسطینی۔ ان کی موت کس حساب میں جائے گی۔"

"وہ بھی یہ انتہائی سفاکانہ کارروائی تھی۔" میرے لئے بھی مجھ زبان کھولی۔

"فلسطینی جس مقصد کے لئے تشدد کا سہارا لیتے ہیں اس کے پیش نظر کوئی بھی کارروائی سنگدلانہ قرار نہیں دی جا سکتی۔" مادام نے فلسفیانہ لہجے میں کہا۔ "ویت نام اور دنیا کے دوسرے مظلوم ملکوں میں بھی سب جو رہا ہے بہرحال صرف اتنا ہے کہ وہ غریب ملکوں کی اپنی جغرافیائی سرحدوں میں رہتے ہوئے جنگ کر رہے ہیں اور فلسطینی کو یورپ کی بے اندازہ دولت کی پشت پناہی حاصل ہے لہٰذا وہ ہر بار اپنی پسند کا محاذ چنتے ہیں اور دشمن پر وار کر جاتے ہیں۔"

"تم تو ان کی حامی معلوم ہوتی ہو۔" میں ...

"میں کسی کی حمایتی نہیں۔ یہ تو میری غیر جانبدارانہ رائے ہے۔ مگر دہشت سے مجھے نفرت ہے۔ ایک چیونٹی کے مرنے پر بھی مجھے دکھ ہوتا ہے۔"

"پھر تو تم بھی یہ تفاعل ہم خیال ہی ہو۔"

"یہ تفاعل واقعات کو پیش نظر رکھے بغیر اسے سفاکانہ کارروائی قرار نہ دی جو مگر میں فلسطینیوں کو تھوڑی سی رعایت دینے کو تیار ہوں۔ وہ جہاز کو غرق کرنے کے لئے کوئی ایسی کارروائی کر بھی سکتے تھے کہ لوگوں کو اپنی جان بچانے کا موقع مل جاتا۔" ٹیلی ویژن پر دیتے ہوئے غرق جہاز کی تصویر بعد میں ہو گئی تھی اور ایک مرتبہ پھر سمندر کا منظر ہمارے سامنے تھا۔ وہ حادثے کے مختلف امکانی پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے شوان دوستانہ تحریب کاری کا نشانہ کرنے والوں کی بھرپور مذمت کر رہا تھا۔ مادام نے کے اشارے پر تفاعل نے ٹیلی ویژن بند کر دیا۔

"تم باہر کی دنیا میں رونما ہونے والے اہم واقعات کا نوٹس شعور رکھتی ہو۔ مگر حیرت ہے کہ سہانے ساتھ تم صرف بانوں سے کیوں تربیتیں" میں نے مادام سے کہا۔

"میری صرف تانگیں معذور ہیں۔ ذہن معذور نہیں ہے۔" وہ بولی۔ "مگر میرے خاندان والے مسائل پر گفتگو چھیڑ کر اپنے تعلقات خراب کرنا نہیں چاہتی۔"

"متنازعہ مسائل؟" عبداللہ نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں۔ اب میڈوسا کی تباہی کو ہی لے لو۔" اس نے کہا۔ "اس بارے میں تمہاری اپنی بھی کوئی رائے ہو گی۔ اب یا تو میں ذہنی خوشنودی کی خاطر ایک گڈو بچی کی طرح تمہاری تائید کروں یا پھر مخالفانہ رائے کا اظہار کروں۔ کدورت آ جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ میں عموماً سیاسی مسائل پر گفتگو پسند نہیں کرتی ہوں۔"

"مگر ہم چاہتے ہیں کہ خراب دل میں۔" عبداللہ قہقہہ مار کر بولا۔ "ہمارے اور تمہارے اختلافات کا یورا احترام کیا جائے گا۔"

"مجھے حیرت ہے مونسیور عبداللہ۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔

"کیا تم ہے؟"

"تمہارے فراخدلی کے دعوے پر۔"

"آزمائش شرط ہے۔" عبداللہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"تو پھر دل کی بات کہہ چلیں؟"

"بالکل ٹھیک کہہ ڈالو۔"

"ہوٹل میریڈین والے حادثے کی خبر پڑھنے کے بعد کئی بار مجھے خیال ہوا ہے کہ کہیں تم بھی فلسطینی ہی نہ ہو؟"

ہم دونوں نے بیک وقت مادام کی بات پر قہقہہ لگایا۔ مگر مجھے شدت سے اپنی آواز کے کھوکھلے پن کا احساس ہوا۔

"شاید اس شبہے کی وجہ یہ ہے کہ حادثے والی رات ہم دونوں اسی ہوٹل میں موجود تھے۔" عبداللہ نے اس کے شبہے کا اثر لئے بغیر کہا۔

"اسی بات نے تو مجھے شبہ میں ڈال دیا ہے۔" وہ بولی۔ "اگر تم وہاں اپنی موجودگی بہت چھپاتے تو تم پر شبہ ہو جاتا۔"

"مگر اس شبہ کی بنیاد بھی تو معلوم ہو؟" عبداللہ نے تجسس کا اظہار کیا۔

"میرے یہاں بہت سے عرب آتے جاتے ہیں بھی قیام کرتے ہیں۔ ایک تمہارا نام ان سے ملتا جلتا ہونے کی بنا پر مجھے خیال گزرا تھا۔"

"تو کیا خدا خال سے بھی عرب لگتا ہوں۔"

"نہیں۔ ویسے تم تو یونانی ہی معلوم ہوتے ہو۔ بات صرف اتنی ہے کہ یہ سب مسلمان ہیں اور ایسے نام تمہیں بھی مل سکتے ہیں۔"

"تم تب ... مسلمان ہوئے تھے؟"

"میں ... خاندانی ہوں۔"

"... دوسری قربانی ہو۔"

"... مذہب کے بارے میں بات کرنی پسند نہیں کرتا۔" ... موضوع کو بدل دیا۔

"... خیال تمہارے تو دولاں بچے آدمی ہو۔ اب میں تم سے کھل کر بات کر ... ایک دوسرے کی طرح میں اس کے بال دائرے ... ہو۔"

"... ہوئے سے پہلے شطرنج کے بارے میں کیا خیال ہے؟" ... شکست کے انتقام کی کوشش کرتے ہوئے مادام نے بات بدل دیا۔

"اس وقت تو تھک گئی ہو۔ کل دیکھا جائے گا۔" مادام ... بہترین تو تہی کے عین مطابق تھا۔ اور یوں محفل برخاست ہو گئی۔ ... اس رات میں کافی دیر تک میڈوسا ہولناک بربادی کے بارے میں سوچتا رہا۔ فلسطینی بے وطن ضرور تھے مگر مادام نے کے ... عرب ممالک عربوں کی بے اندازہ مالی امداد ان کے ساتھ ... یہ انہیں عیاشی اور ذاتی خوشی کا احساس پیدا کر ... جب ... وہ خطرات سے کھیلنے کے پیشہ ور ... حسن رہا ہے حاصل کر سکتے تھے۔ ورنہ یوں کوئی بھی فلسطینی اپنی جان خطرے میں ڈالے بغیر اپنا کام آگے بڑھا سکتا تھا۔

مگر ... آدمی ... سے اس بے حجری کی توقع نہیں ... اس کی بہ فلسطینی حریت پسندوں کا خاصہ تھی۔ وہ لوگ مستحکم مالی حیثیت کے باوجود سر سے کفن باندھ کر آگ کے سمندر میں کود جانے پر تیار رہتے تھے۔ ... یہ جذبہ ان کے دلوں میں جو ... رب کا فرما تھا تو آزاد وطن کی آرزو تھی ... جو تو دلوں کو نفتی ... میڈوسا پر تو فلسطینی نظیر ... صوف کر کے تھے۔ ... تمام ... اور میڈوسا پر کوئی کارروائی کرتے ہوئے انہیں پورا احساس رہا ہو گا کہ میڈوسا اپنا علو سمیت تباہ تو کر ہی لیں گے مگر ان کا اپنا بچ نکلنا ... ممکن نہیں ... ان لوگوں کا ... جوش اور جذبہ ... غالب ... تھا۔

لیکن ان کا آغاز ... خوشگوار طریقے پر ہوا۔ ... روزنامے ... نے شائع ... اخبار ... سامنے ... اخبارات ... لگے ... ہیں لیکن ... نیکارڈو ... ایرانی اور کیلاٹ ... موجود تھے۔ ... اول ... ناول ... ٹیلی ... سے ... ہوئے تھے ... اخبار ... ناکارہ بیان تھے۔

ان اخبارات کے مطابق جہاز پر مکمل بربادی نازل ہوئی ... میڈوسا ... ایک ... زندہ سلامت ... ہو گیا تھا۔

جب پریشان نے کھولا ... ساحلی ... قریب ترین ساحل ... جزیرے سے رابطہ قائم کیا تھا۔

اس کے بعد پریشان کی مصنف آواز بھی سنی جا سکی۔ ... پرچے والے چند لرزہ خیز دھماکے سنائی دیئے اور اس کے ساتھ ہی میڈوسا سے ریڈیو رابطہ منقطع ہو گیا۔

امدادی جہازوں کو صرف بے ... لاشیں مل سکی تھیں جن میں سے صرف تین قابل شناخت تھیں۔ باقی لاشوں کا کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا۔

میں وہاں سے چلنے لگا تو عبداللہ نے آ کر میرے ساتھ آ ... میدان صاف پا کر بولا۔ "اس واقعے پر تمہاری زبان بند ہے۔"

"کس واقعے پر؟" میں نے سوال کیا۔

"میڈوسا کی تباہی۔ یہ میرے ذاتی شعبے پر ضرب ہے۔ اس معاملے میں میرے اور تمہارے سوا دونوں واقف تھے جو اس حادثے میں شہید ہو گئے۔"

"تو تم اسے چھپانا چاہتے ہو؟"

"اس کی تشہیر نہیں کی جا سکتی۔ تنظیم کی تمام کارروائیاں محدود ... اور مخصوص مقاصد کے لئے ہوتی ہیں جن کی ذمہ داری بھی قبول کی جاتی ہے۔ ... جانے پر کوئی ... قابل نہیں ہے۔ ... اس جہاز کا ... تھا۔ اس جہاز والوں نے خصوصی ہتھیار ... ہوتے تھے جو سطح سمندر ... سے ... کی بلندی پر پرواز کرنے والے طیاروں کا بھی سراغ لگا سکتے تھے۔" وہ سر جھکا کر بولا۔

"شاید تم نے یہ فیصلہ اچانک کیا ہے؟"

"میں ساری رات چین سے نہیں سو سکا ہوں۔ جو لوگ میڈوسا پر وار کرنے کا منصوبہ تو بنا گئے مگر ... مجھے اندازہ ہوا کہ اگر اس میں ہمارے ملوث ہونے کی تصدیق ہو گئی تو اسرائیل کو کسی محاذ پر بھرپور جنگی کارروائی کا بہانہ مل جائے گا اور ایک مرتبہ ہتھیار اٹھا لئے جائیں تو کوئی نہیں جانتا کہ جنگ کا دائرہ کہاں تک پھیلے گا۔"

"میں سمجھ گیا۔ تم بے فکر رہو۔" میں نے جواب دیا اور گاڑی میں وہاں سے روانہ ہو گیا۔

شہر میں پہلا ... استال نظر آتے ہی میں نے وہاں سے بیروت کے راستوں کا نقشہ لیا جس پر شہر کے ساتھ انگریزی میں بھی سڑکوں کے نام درج تھے۔ اور پھر اس کے سہارے سینٹ جرمین کے رہائشی علاقے کی طرف روانہ ہو گیا۔

میرے پاس عبدالحمید کا فون نمبر بھی تھا اور اس کے مکان کا پتہ بھی۔ ... اسے ... نقشہ ... جا سکتا تھا۔ میں کافی دیر تک سینٹ جرمین کے علاقے میں بھٹکتا رہا۔

میری کوشش یہی تھی کہ کسی سے دریافت کیے بغیر عذرا جوناس کے مکان کا محل وقوع دیکھ لوں مگر ایسا ہونا دشوار نظر آ رہا تھا۔ لہٰذا میں یہ ارادہ ترک کر کے اپٹل نادر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس وقت دوپہر قریب تھی۔ شہر میں زندگی کی جولانیاں پورے شباب پر تھیں اپٹل نادر کے گرد عبادت سیاحت کے شیدائیوں کا ہجوم تھا ان میں بیشتر اپنے کیمروں سے مختلف زاویوں سے تصویریں بنانے میں مصروف تھے۔ وہاں بھی میں نے پیشہ ور فوٹوگرافر بھی گھوم رہے تھے جو ایک فریم میں فوری طور پر پوسٹ کارڈ کے سائز کی رنگین تصویر بنا کر دے رہے تھے۔

میں جیبوں میں ہاتھ ڈالے ایک بنچ کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اچانک حرارت اور خوشبو کا ایک لطیف جھونکا میرے دائیں پہلو سے ٹکرایا اور جب میں نے بے ساختہ نظریں اٹھائیں تو سنہرے بالوں والی ایک حسین اور نوجوان لڑکی کو روبرو اپنے سامنے کھڑا پایا۔

"میرا نام [illegible] ہے۔ تم تنہا نظر آتے ہو چاہو تو تمہارے ساتھ کچھ وقت گزار سکتی ہوں۔" اس نے میری حیرت زدہ نظروں کا سامنا کرتے ہوئے مسکرا کر پیشکش کی۔

"کیسی قیمت پر؟" میں نے غور سے اس کے دلکش سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔" وہ میرے بالکل قریب آ گئی۔ فرنچ کے بجائے انگریزی بولتے ہوئے وہ اور زیادہ حسین محسوس ہو رہی تھی۔

"میں تو تمہارا دوست بننا پسند کروں گا۔" میں نے بے تکلفی سے کہا۔

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "او ڈیئر بیٹا کر خوش ہونے والوں میں سے معلوم ہوتے ہو۔"

"میں جس چیز کو پسند کرتا ہوں اس کے بدن پر چابک برسا کر لذت حاصل کرتا ہوں۔" میری نگاہیں اس کے حسین چہرے پر مرکوز تھیں جس نے بے حجابی کے ساتھ خود کو میرے سامنے پیش کر دیا تھا میں یہ غیر ارادی طور پر جارحانہ ہو گیا تھا۔

"واقعی؟" اس کی نیلی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور میرے الفاظ پر یوں گھبرا گئی جیسے اس نے اپنی جست بندی کا خطرہ محسوس کر لیا ہو۔

"تھوڑی دیر بعد تمہیں یقین آ جائے گا۔" میں نے مسکرا کر جواب میں کہا۔

"وہ کیسے؟"

"میں نے تمہیں پسند کر لیا ہے۔"

"تو تم میرے بدن پر چابک برساؤ گے؟" وہ میری گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے تو زور سے ہنس پڑی۔

"اپنی عادت سے مجبور ہوں۔" میں نے اس کی کلائی پر گرفت سخت کرتے ہوئے کہا۔ "اور ابھی تم خود کو میری مرضی پر چھوڑ دو گی۔"

"وہ تو میں نے مروجہ مفہوم میں کہا تھا۔" وہ کسی مچھلی کی طرح میری باہوں سے پھسل کر آزاد ہو گئی۔ "میں جسمانی تشدد برداشت نہیں کر سکتی۔"

"مجھے اشتعال دلا کر تو تم یوں نہ بچ سکو گی۔" میں نے لہجے کو کسی حد تک سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے [illegible] پسند آئی ہے اور تم میرے معیار پر پوری اترتی ہو [illegible] کے بعد تمہیں تو دنیا کا ہر جسم پیارا نظر آنے لگے گا۔"

"خدا کے لیے مجھ سے ضد نہ کرو۔" وہ رو دینے والے لہجے میں بولی۔ "تمہیں مجھ سے بہتر لڑکیاں مل جائیں گی جو خود تشدد پسند ہوں۔"

"پھر تم نے مجھے چھیڑا کیوں تھا؟"

"غلطی ہو گئی، معاف کر دو۔ میں تمہیں ایسا ٹھکانا بتا سکتی ہوں جہاں تمہیں پسند کے مطابق حسین و جمیل لڑکیاں مل سکیں گی۔"

"وہ ٹھکانا کہاں ہے؟"

"تم سیدھے اپٹل نادر سے [illegible] ہو گے تو صرف چند منٹ میں وہاں پہنچ جاؤ گے۔ میں تو تمہیں وہاں پہنچا سکتی ہوں۔"

"یہ [illegible] کیا بلا ہے؟"

"پیرس میں نئے معلوم ہوتے ہو؟" اس کی خود اعتمادی رفتہ رفتہ بحال ہو چلی تھی۔ "[illegible] مقامی رئیسوں سے [illegible] یہاں [illegible] کہلاتی ہے۔"

"تم جا سکتی ہو۔ [illegible] ٹھکانا میں خود دریافت کر لوں گا۔"

"مجھے بتانے میں کیا حرج ہے؟"

"چلو، جلدی بتاؤ۔"

اس نے [illegible] کا ایک پتا اور [illegible] تفصیل سے سمجھایا۔ [illegible] میں آزاد ہوتے ہی وہ [illegible] ہو گئی۔

"[illegible] نہیں [illegible]" وہ ایک [illegible] قریب آ گئی۔

"کیسی ہو؟" میں نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے ابھی تمہیں ایک پتا بتایا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"[illegible] آرٹسٹ [illegible]؟"

"میں [illegible] اور کو تلاش کر لوں گی۔"

[illegible]

[illegible] میں شامل ہو گئی۔

[illegible] کے علاوہ دیکھو ڈالا اپٹل نادر [illegible] ملاقات میں [illegible] وہاں سے [illegible] آخری سرے [illegible] سامنے نظر آئے اور میں اسی طرف چل پڑا۔

[illegible] انسانوں اور سواریوں کے ہجوم میں رنگ و بو [illegible] ایک چوراہے پر پہنچا جہاں پتھر کی ایک عظیم الشان [illegible] دونوں جانب سے ہوتے ہوئے بلند و بالا ستونوں پر [illegible] جیسے وہاں سڑک کے آر پار ٹانگیں پھیلائے کوئی [illegible] اس کے نیچے سے گزر رہا تھا [illegible] سب سے بڑی شاہراہ [illegible] کی جانب سے گزرنے کے بعد [illegible] سڑک کی سیدھ [illegible] قدرت کے عطیات [illegible] اور سایہ دار درختوں کی صاف ستھری [illegible] انسانی کاوشوں نے قدرت کی صناعی سے [illegible] عجیب سی ترتیب اختیار کیا ہوا تھا۔

اس شاہراہ کا اختتام [illegible] ایک بہت بڑے اسکوائر پر ہوا تھا جس کے وسط میں پتھر کے مخروطی [illegible] بلند و بالا [illegible] کی صناعی کرتی ہیں۔

[illegible] نہایت دلفریب تھا۔ شمال میں [illegible] ایک طرف [illegible] جنوب کی طرف [illegible] شفاف پانی بہہ رہا تھا [illegible] کنارے [illegible] سہارے [illegible] انہوں نے اپنے [illegible] انتخاب کیا تھا [illegible] معلوم ہوتا تھا جیسے [illegible] اور قریب [illegible]

[illegible] ایک [illegible] باقی تھے۔

[illegible] ایک [illegible] سے کار [illegible]

[illegible] کوئی مناسب جگہ تلاش کر رہی تھی۔

[illegible] اس کے پہلو میں جا پہنچا۔ اس نے چونک کر [illegible] میری طرف دیکھا اور مجھے پہچانتے ہی ہاتھ ہلا کر مسکرا دی۔

ہم نے اپنی کار وہاں ایک جگہ پہلو بہ پہلو پارک کر دیں۔

میں نے پھرتی سے اتر کر ایلزا کی کار کا دروازہ کھول دیا اور اس کے برابر میں جا بیٹھا وہ اپنے اسکرٹ کی شکنیں درست کرتے ہوئے اترنے کی تیاری کر رہی تھی۔

"تمہیں دیکھ کر بے اندازہ مسرت ہوئی ہے۔" میں نے اس پر اپنے دلی جذبات کا اظہار کر دیا۔

"مجھے تو خیال بھی نہیں تھا کہ تم ایئرپورٹ کے بعد کبھی مجھ سے ملاقات ہو سکے گی محض آخری نام کے سہارے پیرس جیسے شہر میں کسی کا کھوج لگانا بہت بڑا کام ہے۔"

"جو میں نے تمہاری خاطر کر دکھایا۔" میں نے جلدی سے اس کا فقرہ مکمل کر دیا۔

"اب مجھے بھی اتر جانا چاہیے سب کچھ کہہ ڈالو گے۔" وہ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے بولی جیسے کسی نے اس کی پسلیوں میں اچانک گدگدی کر دی ہو۔

"یہاں کا پروگرام بدل بھی ڈالو تو بہتر ہو گا۔" میں نے کہا۔

"کیوں؟" اس کے چہرے پر حیرت کی تمام علامات ظاہر ہو گئیں اور دونوں [illegible] پر حقیقت سے گزرتے نمایاں ہونے لگے جو [illegible] کا نتیجہ تھے۔

"تمہارا باپ بہت ہی خونخوار ہے کہیں وہ ادھر نکل آیا تو [illegible] کر دے گا۔" میں نے اس کے جذبات کا پاس کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"ارے وہ انتہائی غیر سوشل آدمی ہے تفریح کا نام سنتے ہی [illegible] اور ویسے بھی وہ آج کل رات ہی سے غائب ہیں۔"

"تو تمہارا کوئی [illegible] بھی تمہارے ساتھ رہتا ہے؟" میں نے اس کی بات سامنے آتے ہی مصنوعی حیرت کے ساتھ سوال کر ڈالا۔

"ہاں۔ [illegible] صاحب ہیں۔" وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے منہ بنا کر بولی۔ "نہ جانے ہر وقت کہاں مصروف رہتا ہے۔ [illegible] تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

میں نے اپنے ہونٹوں سے سگریٹ نکال کر [illegible] اور کہا۔ "اگر کسی ناؤ یا بوٹ میں دریا کی سیر کی جائے تو کیسا رہے گا؟"

"خیال برا نہیں ہے۔" وہ سگریٹ کا دھواں ناک سے خارج کرتے ہوئے بولی۔ "مگر کشتی بان شور [illegible] ایک سطر [illegible] کیا ہے بھی نہ ملے گا کم از کم کسی ایسی جگہ جہاں کوئی ہمارے پیچھے نہ لگا ہو۔"

اس کی یہ بات سنتے ہی میرا دل پہلوؤں میں دھڑکنے لگا۔ وہ خاصی بیباک اور آزاد خیال معلوم ہوتی تھی جو پہلی ملاقات میں ہی خاصا طویل پروگرام طے کر رہی تھی۔

"اوہ۔ مجھے معلوم نہیں تھا۔"

"تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟"

"میں ایک دوست کے ساتھ مقیم ہوں۔"

"کیسے مزاج کا مالک ہے؟" اس نے سگریٹ کا دوسرا کش لے کر سوال کیا۔

"ذرا اکھڑ مزاج اور دقیانوسی خیالات کا مالک ہے۔ طبیعت کا مالک ہے فی الحال گاڑی یہیں چھوڑ دو اور میرے ساتھ چلو راستے میں کوئی نہ کوئی پروگرام طے ہو جائے گا۔" میں نے کہا۔

"غنیمت ہے کہ تم کچھ بولے تو سہی!" وہ الہڑ انداز میں ہنستی ہوئی کار سے اتر آئی۔

میری کار میں سفر کرتے ہوئے وہ ایک پل کے لئے بھی خاموش نہیں رہی۔ اس کے بے تکلفانہ انداز گفتگو کے باعث میرے وجود میں دھیمی دھیمی سی آگ سلگنے لگی اور مجھے یہ اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں الیزا اپنے ارادے سے نہ ہٹ جائے۔

سینٹ جیکویس کے علاقے میں ایک اوسط درجے کا ہوٹل دیکھ کر میں نے کار روک دی۔ الیزا نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا اور ہم دونوں ہوٹل کے ایک محفوظ گوشے میں جا بیٹھے۔

پہلا دور شیمپین کا چلا۔ پہلا گھونٹ لیتے ہی الیزا کے چہرے پر ایک تند مسکراہٹ رقصاں تھی۔ شاید وہ اپنے باپ کی عائد کی ہوئی ناروا پابندیوں کو پامال کرتے ہوئے اپنے بارے میں احساس برتری کا شکار ہو رہی تھی۔

"تمہارا وجود شراب سے کم نشہ انگیز نہیں ہے۔ ملنے پر تم کسی کی عقل میں فساد کا سبب بن سکتی ہو۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

اس نے اپنی نرم گرم حرارت افزا ہتھیلی میرے ہاتھ پر رکھ دی۔ "تم بہت اچھے اور جوان آدمی ہو۔ نہ جانے کیوں میں تمہیں پسند کرنے لگی ہوں۔"

"تمہارے باپ کو علم ہو گیا تو مجھے شوٹ کر دے گا۔"

"میں اسے بالکل پسند نہیں کرتی۔ میرا بس چلے تو اسے چھوڑ کر کہیں فرار ہو جاؤں۔"

"تم بالغ ہو۔ وہ زبردستی تو تمہیں نہیں روک سکتا۔"

"مگر مجھے ماں سے اس قدر محبت ہے کہ میں محض اسی کی خاطر اپنے باپ کو برداشت کر رہی ہوں۔ میرے ساتھ وہ تھوڑا بہت زندہ ہے اور اس کے آرام اور سکون کا ہر وقت خیال رکھتا ہے۔"

"تمہاری ماں بیمار ہے اور وہ رات سے غائب ہے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"جب سے اس کا بھائی آیا ہے وہ بے انتہا خیال رکھنے لگا ہے۔" الیزا نے اپنے باپ کی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ "ورنہ ہر وقت ممی کے پاؤں داب رہا ہوتا۔"

"تمہاری ماں کا اتنا خیال رکھتا ہے؟"

"ہاں۔ مگر ممی نے بھی میرے بارے میں اسے کھل کر بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ان کا خیال ہے وہ جو کچھ کرتا ہے اس میں ان کی اور میری ہی بہتری ہو گی۔"

"تمہارا انکل فرانس ہی میں رہتا ہے؟"

"پتہ نہیں۔" وہ شیمپین کا گلاس ختم کرتے ہوئے منہ بنا کر بولی۔ "آنے سے پہلے ہمیں اس کی کوئی خبر نہیں ہوئی۔ وہ تو اسی طرح اچانک ہی نازل ہوتا ہے اور ساری دنیا کی کہانیاں سنا کر چلا جاتا ہے۔ عرصے سے مفرور رہا ہو۔ اس کے مطابق اس کا گھر ساری دنیا ہے۔ بڑا عجیب آدمی ہے۔"

"وہ جب بھی یہاں آیا میرے باپ کی مصروفیات اچانک بڑھ گئیں اور مزے کی بات یہ کہ وہ دونوں اپنی مشترکہ حرکات کے بارے میں بے انتہا رازداری سے کام لیتے ہیں۔"

"تمہاری ماں بھی کچھ نہیں جانتی؟"

"وہ دونوں ان سے بھی ہر بات چھپا لیتے ہیں۔"

"میرا تو خیال ہے کہ تمہارا انکل کوئی جرائم پیشہ شخص ہے۔"

"بالکل ممکن ہے۔ اس لئے تو ڈیڈی اسے پسند نہیں کرتے۔ میں ضرور اسے پسند کرتی ہوں مگر اس کی حرکتیں نامناسب ہی ہیں۔"

"وہ آخری مرتبہ کب آیا تھا؟" میں نے الیزا کا گلاس لبریز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"شاید دو ڈھائی برس پہلے۔" وہ پشت گاہ سے سر لگا کر سسکتے ہوئے بولی۔ "اس کی آمد و رفت ختم ہونے سے میری مادر کی خاصی پریشانیاں ختم ہو سکتی ہیں۔"

"اس کی مصروفیات کا کچھ پتہ چلا تو میں کچھ کر سکتا ہوں۔"

وہ ہنس پڑی۔ "تم نے تو مجھے جاسوس سمجھ لیا ہے۔ وہ رہتا ہے تو تاریخ اور فلسفے کی ضخیم کتابوں میں سر کھپاتا رہتا ہے۔"

"باہر سے آ کر کیا بتاتا ہے؟"

"کبھی وہ بیٹیوں کی صلاح دینے لگتا ہے۔ کبھی اسے کوئی دورہ پڑ جاتا ہے۔ کچھ روز پہلے وہ تین دن بعد آیا تو پتا چلا [illegible] مخالفت کرتا ہے کہ اس کی شادی کرنے کے بعد تو باپ [illegible] یقین ہے وہ یہ سب جھوٹ بولتا ہے۔"

"[illegible] اس کا؟"

"[illegible]" وہ [illegible] لہجے میں بولی۔ "ایسا [illegible]

معلوم ہوتا ہے جیسے ہم ابھی کے بارے میں صلاح مشورہ کرنے یہاں بیٹھے ہیں۔"

"مائی چلے گی؟" میں نے موضوع بدلتے ہوئے سوال کیا۔

"مدھم شراب کی تو میں رسیا ہوں۔"

"پھر کیوں نہ بتایا۔ شیمپین کے بجائے اسی سے آغاز کرتے۔"

"مجھے شیمپین کا کاک اڑانے میں مزا آتا ہے اور پھر اس کا ذائقہ بھی پسند ہے اسی لئے خاموش رہی تھی۔" اس نے پوری وضاحت کر دی۔

ہم نے نہایت سکون اور اطمینان سے اپنا کھانا ختم کیا۔ شراب کا ہلکا سا سرور رگ و پے کے خمار سے مل کر الیزا پر اثر انداز ہونے لگا تھا۔ اس کی خوبصورت آنکھوں میں خمار تھا جس کے سرخ ڈورے تیرنے لگے تھے مگر وہ اپنے آپ پر پوری طرح قادر تھی۔

"اب یہاں سے چلو فرانسی!" کھانے کے بعد اس نے اپنی ٹریٹ ختم کرتے ہوئے خمار آلود مدھم آواز میں کہا۔

"کہاں چلا جائے؟"

"یہاں بہت سے لوگ موجود ہیں۔ کسی ایسی جگہ چلو جہاں ہم دونوں کے سوا کوئی نہ ہو۔ میں بے فکری کے ساتھ تھوڑی دیر گزارنا چاہتی ہوں۔"

"میرے مکان پر چلو!"

"نہیں۔" اس نے سختی سے انکار کر دیا۔ "میں اس وقت [illegible] دونوں ہی [illegible] جانا چاہتی ہوں۔ تمہارے دوست کی موجودگی میں اپنے ذہن کو آزاد نہیں چھوڑ سکوں گی۔ تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا؟"

"بالکل سمجھ رہا ہوں!" میں نے آہستہ سے کہا اور جیب سے بٹوا نکال کر بل کی رقم پلیٹ میں ڈالنے لگا۔

"تھینکس!" اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ "تم بہت ذہین ہو۔ [illegible] تمہارا انداز بہت بے لوث معلوم ہوتا ہے۔ مجھے اس خوشی سے [illegible]"

"میری موجودگی میں تم [illegible] اچھی نہیں معلوم ہو گی۔"

"[illegible] اپنا دل خوش کر لو۔ میں جانتے ہوئے تمہارے [illegible] الٹ دوں گی۔" اس نے بے باکی سے کہا۔

ہم دونوں وہاں سے روانہ ہوئے تو الیزا [illegible] شاہراہ پر [illegible] جو جنوب میں [illegible] کے قریب [illegible] مشرق [illegible] جاتی تھی۔ اس شاہراہ کا اختتام دریا کے [illegible] پل پر ہوا [illegible]

نہایت پرسکون اور فرحت انگیز تھا۔

گاڑی سے اترنے کے چند منٹ بعد ہی ہمیں مناسب کرائے پر پتھر کا بنا ہوا ایک ہٹ مل گیا جس میں موسم کے لحاظ سے کم و بیش تمام ضروریات میسر تھیں۔

الیزا صاف ستھری خواب گاہ میں پہنچتے ہی اوور کوٹ سمیت بستر پر دراز ہو گئی اور میں اس ہٹ کا تفصیلی جائزہ لینے لگا۔

وہاں دو کمرے اور ایک کچن واقع تھا۔ دوسرا کمرہ نشست گاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ دونوں کمروں میں حرارت کے لئے قدیم وضع کے دیوار گیر آتشدان بھی موجود تھے۔ خواب گاہ کی عقبی کھڑکی دریا کے عین رخ پر کھلتی تھی اور اسی طرف واقع دروازے سے لکڑی کی چھوٹی سیڑھیاں تھوڑے فاصلے پر دریا کے پانی میں اترتی چلی گئی تھیں۔

میرے جائزے کے دوران خدمت گار دونوں آتشدان روشن کر کے مؤدبانہ انداز میں سر جھکائے باہر چلا گیا۔

"دریا کا پانی شاید مجھ سے زیادہ حسین ہے ڈارلنگ!" الیزا کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ اور میں خواب گاہ کا عقبی دروازہ بند کر کے اندر لوٹ آیا۔

"تم اوور کوٹ اور جوتے نہیں اتارو گی؟"

"ذرا کمرہ گرم ہونے دو۔" وہ مسکرا کر بولی اور لیٹے لیٹے اپنے چھوٹی سینڈل اتار کر مسہری کے پہلو میں اچھال دیئے۔

"تمہیں اب بھی گرمی کی ضرورت ہے؟"

"میں خود کو محسوس کر رہی ہوں۔ تھوڑی دیر سونا چاہتی ہوں۔" وہ انگڑائی لے کر اوور کوٹ اتارتے ہوئے کہنے لگی۔

"تم سو جاؤ۔ میں دریا کے سرد پانی میں دو چار غوطے مار کر آتا ہوں۔"

وہ زور سے ہنس پڑی۔ "اگر ابھی میرا باپ یہاں آ نکلے تو تمہارا نشہ دریا میں غوطے لگائے بغیر ہرن ہو جائے گا اور تم کئی دن تک میرے بارے میں سوچنے کی ہمت نہ کر سکو گے۔"

"میں اتنا بودا بھی نہیں ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "یہ ممکن ہے کہ تمہاری سرپرستی سے ہمیشہ کے لئے دستبردار ہو جائے۔"

"یہ تو بتاؤ تم پیرس میں کب تک مقیم ہو؟" اس نے پہلو کے بل کروٹ لیتے ہوئے سوال کیا اور میں اطمینان سے اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"تمہارے اوپر منحصر ہے چاہو تو کل ہی چلا جاؤں گا۔ لندن میں مجھے کچھ ضروری کام ہیں۔ وقت سے پہلے ڈیوٹی پر پہنچ گیا تو [illegible] ہو جائیں گے۔"

"میں سوچ رہی ہوں کہ یہ ہٹ ایک ہفتے کے لئے کرائے پر لے لیا جائے۔ یہاں ہم خاصی بے فکری سے اپنا وقت گزار سکیں گے۔"

"خاصا معقول خیال ہے لیکن تم ہر روز سونے کا پروگرام بنا کر

آتی رہیں تو میری موجودگی کی کیا ضرورت ہوگی۔" میں نے منہ بنا کر کہا۔

"وہ ان لوگوں نے خلاف معمول میرے اعصاب کو خاصا متاثر کیا ہے آج مجھے معاف کر دو۔ میں چاہتی ہوں کہ گھر واپس جاؤں تو میری حالت اعتدال پر ہو۔"

"پھر کسی خوفناک موضوع پر باتیں کرو تاکہ میرے ذہن سے رومان آفریں دھند صاف ہو جائے۔" میں نے بستر سے اٹھ کر صوفے پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔

"مثلاً؟" اس نے شوخ لہجے میں سوال کیا۔

"تمہارے لئے قدرا جو اس سے زیادہ خوفناک موضوع اور کیا ہو سکتا ہے۔"

"ابراہام اس سے بھی زیادہ پُراسرار اور خطرناک معلوم ہوتا ہے۔" وہ کہنی کے سہارے تکیے پر رخسار ٹکا کر بولی۔

میری دہشت زدہ نگاہیں اس کے چہرے پر [illegible] تک الجھے نگیں اور میں نے بوجھل آواز میں کہا۔ "تو پھر اسی کی بات کرو۔"

"تم نے کبھی زمیوں کا نام سنا ہے؟"

"اس دیو مالائی زمانہ روسی ادب سے کون واقف نہ ہوگا۔"

"بس تو یہ سمجھو کہ ابراہام بھی اسی نسل سے معلوم ہوتا ہے۔"

"پھر تو تم بھی راسپوتین کی رشتہ دار ہو گئیں۔"

"ابراہام ہو کہ راسپوتین جیسی خصلتیں پوشیدہ ہیں۔" وہ کہنے لگی۔ "وہ بے حد سخت جان اور جفاکش ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ کئی روز پلک جھپکائے بغیر اپنے کمرے میں بیٹھا اہم نقشے کھنگالتا رہتا ہے۔ آج تک اس کا ایک بھی مقالہ نہ دیکھ سکی۔ کبھی وہ کھانا بھی نہیں کھاتا۔ کبھی معاف کرا دیتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں ایسی خوفناک قوت پوشیدہ ہے کہ اس سے نظریں چار کرنا مشکل ہے۔ تم اس کے خلاف کچھ نہ سوچنا۔ نہ تم اس کا سامنا ہونے پر وہاں تمہارے خیالات کا ساتھ دے سکے گی۔"

"اس کا پسندیدہ موضوع کیا ہے؟"

"وہ تاریخ اور فلسفے کا طالب علم رہا ہے۔ مگر اس کے کمرے میں شعبۂ زراعت میں جدید ترین تجربات سے لے کر عالمی سیاسی رجحانات تک ہر کتاب موجود ہے۔"

"تم نے کبھی جاننے کی کوشش بھی نہیں کی کہ وہ دن رات کیا لکھتا رہتا ہے؟"

"کوشش تو بہت کی مگر کامیابی نہ ہو سکی۔"

"یہ تو ناممکن سی بات ہے۔ وہ دن رات گھر ہی میں تو رہتا ہے نا؟"

"وہ اپنے کمرے میں ہی لکھتا ہے اور وہیں لکھنے کی میز کے پہلو میں لگا ہوا ہے۔ دوسری کتابیں سے نکلا ہوا [illegible] لکھا ہوا بنا ہے۔

وہ کوئی اہم کام شروع کرنے سے پہلے اندر سے دروازہ بند کر لیتا ہے اور اپنا کام ختم کرنے کے بعد دراز کھولنے سے قبل وہ سامنے ردی کاغذ جلا کر تلف کر دیتا ہے اور مسودہ دیوار میں لگی ہوئی سیف میں منتقل کر دیتا ہے۔"

"پھر تو وہ کوئی غیر ملکی جاسوس ہی معلوم ہوتا ہے۔"

اس کی شوخ نگاہیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "تو تمہارا کیا خیال ہے؟"

"وہ ساری دنیا کی سیر کر چکا ہے۔ اس کا کوئی گھر بار نہیں۔ پھر وہ نہایت راز داری کے ساتھ اپنی رپورٹیں تیار کرتا ہے۔ پھر اچانک گھر سے غائب ہو جاتا ہے۔ یہ تمام باتیں اسی طرف اشارہ کرتی ہیں۔" کاراد موضوع چھڑ جانے کے بعد میں تو دکو پرسکون محسوس کرنے لگا تھا۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ میرا باپ بھی اس کا شریک کار ہے۔"

وہ مسہری کے سرہانے سے ٹیک لگا کر سیدھی بیٹھ گئی۔

"ان کے باہمی گٹھ جوڑ سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے۔"

"مگر وہ لوگ کس ملک کے لئے کام کر رہے ہوں گے؟" جمانہ نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"بے ضمیر لوگ کسی بھی ملک کے لئے کام کر سکتے ہیں۔ ان کی ہمدردیاں صرف پیشہ ورانہ مفادات تک محدود ہوتی ہیں۔"

"شاید تمہارا تجزیہ درست ہو مگر میرا باپ اپنی دولت و جائداد کے باوجود بہت کٹر آدمی ہے۔ وہ فوری چین کے سرمایہ داروں کے جذبے سے شریک ہوتا ہے اور عالمی یہودی فنڈ میں بھی خطیر رقم کے عطیات دیتا رہتا ہے۔"

"تو کیا تم یہودی ہو؟" میں نے مصنوعی حیرت کے ساتھ دریافت کیا۔

"ہاں۔ ہمارے پاس فرانس کے علاوہ اسرائیل کی بھی شہریت ہے۔" اس نے فخر آمیز لہجے میں انکشاف کیا۔

"ہو سکتا ہے کہ تمہارا باپ اسرائیل کے لئے کام کر رہا ہو۔"

"یہ تو بڑے فخر اور خوشی کی بات ہے۔" جمانہ کے ان الفاظ پر مجھے خاصا صدمہ ہوا اور اس کے حسن اور معصومیت کے پس پردہ چھپا ہوا پندار بُری طرح زخمی ہو گیا۔ "ان دونوں کو یہ بات مجھ سے اور کسی سے چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔"

میں چند ثانیوں کے لئے اپنی زبان سے ایک لفظ بھی ادا نہ کر سکا۔ میرا جی چاہا کہ وہ حسین بلا جو فخر کے ساتھ اپنے مذہب اور وطن کا تذکرہ کر رہی تھی، میں بھی اسی طرح اپنے دل کے جذبات کا اظہار کروں۔ جرأت پیدا کر کے اپنے مذہب اور اپنی جدوجہد کے بارے میں بتاؤں۔ مگر میں نے پوری کوشش کر کے اپنے ان جذباتی ابال پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا۔

"پھر تو تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں وہ دونوں یقیناً وطن کے لئے کام کر رہے ہوں گے۔"

پریشان لہجے میں کہا۔

"مگر انہیں فرانس کے خلاف کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان کا شمار تو اسرائیل کے خیر خواہوں میں ہوتا ہے؟"

میں نے اسے یہ سمجھانے کی کوشش نہیں کی۔ فرانس میں خفیہ سرگرمیوں کا لازمی مطلب یہ نہیں کہ وہ فرانس کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ اپنے مشن کے لحاظ سے وہ دونوں کسی کے خلاف نہیں بلکہ اپنے مفادات کے لئے سرگرم عمل تھے اور جو کوئی ان کی راہ میں حائل ہوتا تھا وہ ان کے لئے دشمن کا درجہ رکھتا تھا خواہ وہ عرب ہو یا سعودی عرب!

"یہ سب عوامی سطح کی جذباتی باتیں ہیں۔" میں نے اس کی تو ہمات پر کاری ضرب لگاتے ہوئے کہا۔ "سرکاری سطح پر اپنے مفادات کے لئے دوستوں کے گلے پر بھی چھری پھیری جاتی ہے۔"

"آج تم سے باتیں کر کے میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔" وہ بولی۔ "وہ دونوں واقعی اسرائیلی جاسوس ہیں تو آزاد خیال لوگ ہیں۔ میں بلا وجہ ان کی طرف سے بدظن ہو رہی ہوں۔"

"یہ تو محض ایک امکانی پہلو ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ زر حاصل کرنے کے لئے اونچی بولی دینے والے کسی بھی ملک کو بیچتے ہوں تو وہ اس صورت میں مجرم ہو گا۔"

"یہ پتہ چلانا تو بڑا مشکل کام ہے۔" وہ یہ کہتے ہوئے دوبارہ فکر مند ہو گئی۔ "پھر میرے باپ کے پاس دولت کی کمی نہیں تو وہ ایسا گھٹیا کام کیوں کرے گا؟"

"تمہارا باپ تو محض آلۂ کار معلوم ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے ابراہام نے اسے اپنے مقصد کے بارے میں لاعلم رکھ کر اس سے تو دوستی کا فائدہ اٹھایا ہو اور پھر تمہارا باپ بھی اتنا زیادہ اسرائیل دوست ہو جیسا تم سمجھتی ہو اور وہ اپنی مصلحتوں سے اسرائیل کو خوش رکھتا ہو کہ سبب سے وہ کر کے خود کو اسرائیل کی خدمت کر سکتا تھا۔"

"تمہاری ان باتوں نے مجھے کچھ اور بھی سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

"[illegible]"

"مجھے یقین ہونے لگا ہے کہ میرا باپ جاسوس ہی ہے کیونکہ [illegible] میں جب بھی کسی لڑکے سے ملی ہوں اسے خطرہ ہو گیا ہے تو اس نے مجھ سے سختی کے ساتھ باز پرس کی۔ ہو سکتا ہے انہیں یہ بھی خیال ہو کہ میں ان کی ٹوہ لے رہی ہوں گویا منع کر لیا ہو۔"

"اس کے باوجود تم بے خوفی سے میرے ساتھ چلی آئی ہو نہیں ڈر لگا؟" اس کا یہ انکشاف میرے لئے پریشان کن تھا۔ ابراہام کا خطرہ اس سے زیادہ تھا کہ اس کی کسی نئی چال نے مجھے بالکل [illegible] خطرہ نہیں تھا۔

[illegible] آرائی

سمجھتی رہی جو ہمیشہ درست ثابت ہوتی تھی مگر اب تم سے باتیں کرنے کے بعد میرے ذہن نے نئی راہ پر سوچنا شروع کیا ہے۔"

"اگر تمہارا اندیشہ ایک فیصد بھی درست ہے تو ہمیں فوراً یہاں سے نکل جانا چاہئے ورنہ ممکن ہے وہ ہم قتل کر ڈالے جائیں گے۔"

"اس تو مجھے اتنا ہی معلوم ہے کہ اسے ہم لوگوں کا پتہ چل چکا ہے جو اس وقت اس جنت میں گزار رہے ہیں وہ بڑے بڑے مراحل طے کرنے کے لئے کافی تھا۔"

میں ایک سفاک شکاری کی نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ وہ نہ صرف دشمن کی صفوں سے تعلق رکھتی تھی بلکہ اس نے خیالات بھی ان ہی جیسے تھے۔ اس دوشیزہ کو اس کے ارادوں اور خیالات کی بنا پر سزا دی تو ممکن نہ تھی مگر میں اسے پامال کر کے اس تجزیہ کی عارضی طور پر سزا دے سکتا تھا۔ اس کے خیالات سے واقفیت حاصل ہونے کے بعد میرے دل میں نفرت کا ابال سے رہا تھا۔

الجزائر سے تنہا شطرنج کی بساط ثابت ہوئی جس کے ہر خانے سے میں بخوبی واقف تھا۔ چند مہروں کو ادھر ادھر کرنے کی بساط میرے حق میں پلٹ گئی اور خود ہی بیزار ہوئی وہ کا احساس کے ساتھ وہ آپ سے باہر ہو گئے تھے جس خوف زدہ ہو رہا تھا۔

الجزائر ہونا چاہتی تھی اور نہ موسیقی میں دلچسپی کے وقت اس کا سارا نشہ کافور ہو چکا تھا اور وہ نہایت مسرور انداز میں میرے ساتھ وہاں سے روانہ ہوئی۔

روانگی سے قبل اس نے ہوٹل منیجر کو طلب کر کے خاصی معقول ٹپ دی اور پھر بل کی ادائیگی کر کے وہ مجھے اپنے لئے مخصوص کرا لیا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کرایہ ادا کر کے چار ماہ کیلئے میری رفاقت کو ہوٹل کی انتظامیہ سے قبول کر چکی تھی۔

واپسی کے وقت میں خاموش تھا اور وہ مسلسل بولے جا رہی تھی۔ اس کے لہجے میں ندامت یا ہچکچاہٹ کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ مگر اس کی باتیں میرے لئے اس لحاظ سے کارآمد ثابت ہوئیں کہ مجھے پوری طرح سے سمجھنے کا موقع مل گیا۔

پیرس میں اس وقت تمام ہوا اندھیرا پھیل چکا تھا اور ہر طرف روشنیوں کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ جیتے جاگتے حسین برقی اشتہارات سے نیچے سے گزرنے والے ٹریفک پر ان روشنیوں کے رنگ اثر انداز ہو رہے تھے جو ہینگ پر اوا کاری کرنے والے کے چہرے پر رنگین روشنیوں کے بدلتے ہوئے پالوں سے مرتب ہوتے ہیں۔

میں نے تم روشنی کی منزل کے رستے پر پہنچا تو جمانہ نے حسب ارادہ اپنے گھر کی سمت میں تم سے حال کر دی اور ٹوٹ گئی ہوں۔

"[illegible]" میں نے جمانہ کی سمت [illegible] ہوئے کہا۔

"تم میرے دوست ہو والی" مجھے [illegible] دوسرے کے ساتھ

قریب آ بیٹھی۔ "لیکن مجھے اس خوشی سے محروم نہ کرو۔" اس نے دھیمے لہجے میں التجا کی۔

"میرے لئے اس رقم کا کوئی مصرف نہیں، عذرا جوناس کا پیسہ لٹانا ہی چاہتی ہو تو اسے دیا سلائی دکھا دو یا کسی ضرورت مند کے حوالے کر دو۔"

"مگر میں دوستوں پہ پیسہ لٹا کر خوشی محسوس کرتی ہوں۔"

"اپنی خوشی کی خاطر میرے جذبات کو نظر انداز کر دیتی ہیں" میں نے نرمی سے کہا۔

وہ خاموش ہو گئی۔

ہوٹل ڈی وال کے احاطے میں اپنی کار رکتے ہوئے میرے ذہن میں اچانک ہی ایک نئے خیال نے جنم لیا اور میں ایلیزا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تم نے بتایا تھا کہ عذرا جوناس کو تمہاری تمام سرگرمیوں کا علم ہو جاتا ہے؟"

"کم و بیش!"

"ذرا سوچ کر بتاؤ کہ کبھی ایسا بھی ہوا کہ تم اپنی کار سے باہر کسی تفریح گاہ میں کسی سے ملی ہو اور تمہارے باپ کو اس کا بھی علم ہو گیا ہو؟"

یقین سے بتانا تو ذرا مشکل ہے مگر میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ وہ کار کے نیم تاریک اندھیرے میں اپنی چمکدار نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے بولی۔ "یہ تمہیں بیٹھے بٹھائے کیا خیال آ گیا ہے؟"

"ایک چھوٹا سا خیال آیا ہے جو اگر درست نکلا تو تمہیں ہمیشہ کے لئے عذرا جوناس کی سراغ رسانی سے نجات دلا دوں گا۔"

"کیا خیال ہے؟"

"تمہاری کار کا جائزہ لینے کے بعد بتاؤں گا۔"

میں ایلیزا کے ساتھ اس کی کار تک پہنچا اور پھر ذرا جھک کر سیٹ کے بالائی نشست کو اٹھا کر اس کے نیچے جھانکنے لگا ... میری نظر ڈرائیونگ ... کی روشنی میں ... نشست کے ... کے ساتھ ساتھ ... سے بھی غائب ہو گئے تھے۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" ایلیزا میرے قریب آ کر جھانکتے ہوئے بولی۔

"کوئی ٹارچ ہے تمہارے پاس؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں" یہ کہہ کر اس نے ڈیش بورڈ سے ایک ننھی سی ٹارچ نکال کر میری طرف بڑھا دی۔

ٹارچ کی روشنی میں، میں نے کار کا جائزہ لیا اور میری نگاہیں سیٹ کے اسپرنگوں کے ساتھ لگے ہوئے اس ننھے سے ... پر جا رکیں

جو میری انگلی سے حقیقت ... واسطے آن ہو گیا اور انگلی ہٹتے ہی ... اصل حالت میں آ گیا۔

"کیا ہے یہ؟" ایلیزا نے حیرت سے پوچھا۔

"عذرا جوناس کا جاسوس جو تمہارا پیچھا کرتا رہتا ہے" میں نے مسکرا کر کہا۔

"میں سمجھی نہیں۔"

"اپنی کار کو کسی ویران مقام پر لے چلو تو سمجھانے کی کوشش کروں گا۔"

"وہ تار کیسے ہیں؟"

"اس نشست میں ایک سوئچ لگا ہوا ہے۔ تمہارے پہلو میں جیسے ہی کوئی اس نشست پر بیٹھے گا وہ سوئچ آن ہو جائے گا۔"

"مگر اس سے ہو گا کیا؟"

"وہ سوئچ غالباً کسی پوشیدہ ٹیپ ریکارڈر سے منسلک ہے اور ڈیش بورڈ میں کہیں مائیکرو فون بھی موجود ہو گا۔"

"او خدا۔ تو وہ مجھ پر ذرا بھی اعتماد نہیں کرتا؟"

"یہ باپ بیٹی کا معاملہ ہے۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

ایک جگہ گاڑی روک کر میں نے تار کا سلسلہ تلاش کرنا شروع کیا اور پھر پچھلی نشست تک بھی جگہ سے جا پہنچا۔

اس نشست میں کوئی سوئچ تو نہیں تھا مگر سیٹ کے نیچے ایک نہایت پیچیدہ جاپانی ساخت کا ایک کیسٹ ریکارڈر رکھا ہوا تھا۔

میرے اشارے پر ایلیزا نے انگلی سے اگلی نشست کے نیچے لگا ہوا سوئچ دبایا اور ریکارڈر چل پڑا۔ میں نے ایک طویل سانس لے کر ایلیزا کو اپنے قریب بلا لیا۔ اس ریکارڈر پر کئی سوئچ موجود تھے۔ میں نے کیسٹ نکال کر اس کا جائزہ لیا تو اس کا ایک رخ ... منٹ کی ریکارڈنگ کر سکتا تھا اور اس کا تقریباً چوتھائی حصہ ریکارڈ کیا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔

میں نے کیسٹ کو ریکارڈر میں رکھ کر الٹا چلا دیا۔ اس ریکارڈر میں ایک خاص بات یہ بھی کہ اس پر مروجہ تمام سوئچ موجود تھے مگر ریکارڈنگ کا کوئی سوئچ نہیں تھا۔ غالباً ریکارڈر کا پیچیدہ نظام اگلی نشست میں لگا ہوا سوئچ دبتے ہی حرکت میں آ جاتا تھا۔

پورا ٹیپ واپس ہو جانے کے بعد میں نے وہی آواز ٹیپ بجانا شروع کر دیا۔

"تمہیں دیکھ کر مجھے بے اندازہ مسرت ہوئی ہے" چند لمحوں کے سکوت کے بعد کار میں میری آواز گونجی تو ایلیزا حیرت سے اچھل پڑی۔

"یہ تو وہی الفاظ ہیں جو تم نے مجھ سے ملاقات ہوتے ہی ..."

...

ٹیپ چلتا رہا اور میری اور ایلیزا کی آوازیں ابھرتی رہیں۔ آخر کار ... ٹیپ نے اسے بند کر دیا۔

"... سال دو میں راستے میں کسی کو ... "

تمہارے باپ کی ... ظاہر ہو جانے پر خاصی برافروختہ نظر آنے لگی تھی۔

"اسے بھگتنے کی ضرورت نہیں" میں نے نرمی سے کہا۔ "وہ ... اگر تم پر کڑی نظر رکھنے کے لئے کوئی اور صورت نکالے گا۔ اسے یونہی رہنے دو۔"

"اسے میری نجی زندگی میں اس حد تک دخل اندازی کرتے ہوئے شرم نہیں آتی" وہ جھنجھلائے لہجے میں بولی۔

"ابھی تم کنواری ہو، شاید تمہاری شادی کے بعد باز آ جائے گا۔"

"میں اس کار میں سفر کرنا چھوڑ دوں گی، اسے آگ لگا دوں گی۔"

بس اتنا ... میں ٹیپ سے آوازیں صاف کرنے کا طریقہ دریافت کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ لہٰذا میں نے پورا ٹیپ صاف کرنا شروع کر دیا۔

"تمہارا باپ بہت مکار آدمی ہے۔ اس نے صرف اگلی نشست میں سوئچ لگایا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ تم جس سے ملتی ہو اسے اپنے ساتھ بٹھا کر ڈرائیونگ سیٹ ... اور ٹیپ ریکارڈر چل پڑے گا۔ نشست سے اٹھنے کے علاوہ کیسٹ ختم ہونے پر بھی یہ ریکارڈر خود بخود بند ہو جاتا ہے اور ... منٹ کی مسلسل ریکارڈنگ تمہارے باپ کو تمہاری تمام مصروفیات سے باخبر کر دیتی ہے۔"

"اور وہ مجھے قیدی کیوں سمجھتا ہے؟"

"سمجھتا نہیں" میں نے سادگی سے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ کسی نفسیاتی مرض میں مبتلا ہو۔"

"مجھے اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ترکیب بتاؤ۔"

"اگر تم کسی ایسے دوست سے ملنے جاؤ جس کو تمہارا باپ نہ ... تو اسے اپنی کار میں پچھلی نشست پر بٹھاؤ اور اگر تمہیں ... تو سیٹ اٹھا کر کلپ میں پھنسا ہوا سوئچ نکال دو۔ ... اسے دوبارہ کلپ میں لگا دو گی تو عذرا جوناس کے فرشتوں کو بھی تمہاری مصروفیات کا علم نہ ہو سکے گا۔" میں نے اسے عملی تجربہ ... کر کے بتایا۔

"اور اگر کبھی ایسا کرنا بھول جاؤں تو؟"

"تو زیادہ زحمت کرنی ہو گی" میں نے ہنس کر کہا۔ "پھر ... کیسٹ صاف کرنا ہو گا۔"

"یہ طریقہ زیادہ مناسب ہے ... سمجھتی ہے کہ ... میری ایک ... مصروفیات ... نظر ..."

"اب کب ملاقات ہو گی؟"

"آؤ تم ہی تمہاری کار تک چھوڑ آؤں" اس نے پیشکش کی جو میں نے قبول کر لی۔

"تمہارے باپ کی شخصیت اور سرگرمیوں میں میری دلچسپی بے انتہا بڑھ گئی ہے۔"

"یہ تو میری اور اس کی شخصیت میں اتنا تضاد کیوں ہے!"

"کیا یہ ممکن ہے کہ میں اس کی لاعلمی میں تمہارے گھر آ کر اس کی چیزوں کا جائزہ لے سکوں؟" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ اپنی خواہش کا اظہار کر ہی دیا۔

"آ تو ضرور سکتے ہو مگر اس کا کوئی بھروسہ نہیں کہ کب آ جائے۔ اور پھر آج کل تو وہ مرا بھی آیا ہوا ہے" اس نے کہا۔

"اس موضوع پر کل بات ہو گی۔"

مجھے ہوٹل ڈی وال کی پارکنگ لاٹ پر چھوڑ کر رخصت ہوتے ہوئے اس نے اگلے روز شام کو ... ملنے کا وعدہ کیا اور ... اپنی کار میں واپس روانہ ہو گیا۔

میں گھر پہنچا تو عبداللہ مادام کے ساتھ گھل مل کر باتیں کر رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ... چہرے پر ... اطمینان ... اتر آیا۔

"تم کہاں رہ گئے تھے ...؟" مادام نے اپنی کرسی کا رخ میری طرف گھماتے ہوئے سوال کیا۔ "عبداللہ صاحب تمہارے لئے بہت پریشان تھا۔"

"راستہ بھٹک گیا تھا۔"

"دیکھا، میں کہتی تھی نا" مادام نے عبداللہ کی طرف مخاطب ہو کر فخریہ لہجے میں کہا۔

"مادام کا خیال تھا کہ تم راستہ بھٹک گئے ہو گے یا کسی خوش اخلاق اور خوبصورت فرانسیسی لڑکی کی بانہوں میں پھنس گئے ہو گے" عبداللہ نے کہا۔

"کاش کہ یہ دوسرا خیال درست ہوتا" میں نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا اور مادام ... کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"... کے بارے میں کیا خیال ہے مادام؟" عبداللہ نے اس سے ... سوال کر ڈالا۔

"سارا دن باہر گزار کر آئے ہو تھک گئے ہو گے پھر کسی وقت کھیلیں گے۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔"

"کھانا کس وقت لگا دوں؟" اچانک ... نے کسی طرف سے نمودار ہو کر سوال کر ڈالا۔

"میں تو ... کھاؤں گا" میں نے کہا۔

"تھوڑی دیر بعد لگا دینا" عبداللہ نے ہدایت کی۔ اس اثنا میں مادام نے اپنی کرسی ... پہنچا دی تھی ... میں چلی گئی تھی شاید

اُسے اندیشہ سا ہوگا کہ میں کہیں اُسے زبردستی نشتر کھینچنے پر مجبور نہ کر دوں۔

"کیا ہوا؟" میدان صاف پاکر عبداللہ نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"اسرائیل فتح ہوگیا۔" میں نے اپنی آنکھ دبا کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"ایلیزا بھی اسرائیل سے کم نہیں ہے۔"

وہ زور سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر ہنس دیا۔ "تمہارے مقابلے میں وہ کتنی دیر ٹک سکتی تھی؟"

"اور کل پھر ملنے کا وعدہ کر کے گئی ہے۔"

"کہیں اس کا باپ تمہاری طرف متوجہ نہ ہوجائے؟"

"اس کا بھی بندوبست ہوگیا ہے۔" یہ کہہ کر میں نے اسے ایلیزا کی کار میں کیسٹ ریکارڈر کی دریافت کی کہانی سنا ڈالی۔

"قدرت نے تمہیں بال بال بچایا ہے۔" وہ خوابگاہ کا دروازہ بند کرتے ہوئے بولا۔ "اگر وہ کیسٹ اس تک پہنچ جاتا تو شاید کل ہی وہ تم پر بھی ہاتھ ڈال دیتا۔"

"ایلیزا اس سے بہت زیادہ بدظن ہے مگر بنیادی طور پر وہ بھی یہودی ہے اور ملکی سالمیت کے جذبے ڈالا اسرائیل کے ساتھ ہیں۔"

"ہو سکتا ہے۔" وہ بولا۔ "اسرائیل سے ہمدردی کو خطرناک سمجھتے ہیں اور اس سے نفرت بھی کرتے ہیں۔ اگر وہ اسرائیل کی ہمدرد ہے تو ہمیں اس سے کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے۔"

میں اس کے باتوں پر حیرت سے اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ وہ ٹھیک ہی معقول بات کہہ رہا تھا۔ جب کہ میں ایلیزا کی زبان سے اسرائیل کے لیے سخت الفاظ سنتے ہی اُسے دشمن شمار کرنے لگا تھا۔

پھر میں نے عبداللہ کو بتایا کہ وہ تمام باتیں کیا تھیں جو میرے اور ایلیزا کے درمیان ہوئی تھیں۔

"یار مجھے یہ بتاؤ۔" میرے خاموش ہوتے ہی عبداللہ بول پڑا۔

"وہ کیا؟"

"تم لڑکیوں کو شیشے میں کیسے اتارتے ہو؟"

"وہ خود ہی آجاتی ہیں۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔"

"یہ غلط ہے۔" وہ سر ہلا کر بولا۔ "اس نے تمہارے ساتھ کی باتیں کرتے ہیں۔ جاذب کے لیے بہت مخصوص ہیں اور تمہیں کچھ خاص طریقہ بھی آتا ہے۔ یہ سب معمولی باتیں نہیں ہیں۔ میں شروع سے دیکھتا آیا ہوں کہ تم لڑکیوں کو زیر کرنے میں مہارت رکھتے ہو۔"

"تم خود ہی دیکھ لو۔ اگر اب مسئلہ یہ ہے کہ آپ کا باپ سمجھ کر کیسے دیکھتا۔" میں نے اسے زیادہ پھیلاتے ہوئے کہا۔

"اسے زندہ پکڑا جائے تو کیسا رہے گا؟"

"فراش سے باہر جا سکے اُسے۔"

"اس کی تم پروا نہ کرو۔" وہ مسکرا کر بولا۔ "میری خوابگاہ کی ترتیب جا بھی چکا ہے۔ اینزا کو ست اس کا پارسل بٹ کرو۔"

"ایلیزا کے تعاون کی وجہ سے یہ کام اب بہت آسان نظر آنے لگا ہے۔ آخر وہ ایک بار بھی مجھے اپنے گھر میں بسنے کا موقع دے تو میں اپنا کام کر کے ہوا ہوجاؤں گا۔ ہو سکتا ہے تو اس کی خوابگاہ سے ہی حوش کر کے باہر نکل جاؤں گا۔"

"تم بھول رہے ہو کہ ابراہام اسرائیل کے لیے نہایت اہم آدمی ہے۔ وہ عدرا کے گھر میں رہتا ہے مگر اس مکان کے گرد ہمیشہ حفاظتی حصار ہوگا۔"

"وہ حصار پھلانگ کر اندر جا سکتے ہیں۔ مگر ایک ذرا سی غلطی کی تو ہم کامیابی کی طرف بڑھنے کے بجائے ... کوئی خطرہ نہ ہو جائے۔" میں نے کہا۔

"اس بارے میں بہت احتیاط سے فیصلہ کرنا ہوگا۔" عبداللہ بہت سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ "اسے زندہ پکڑنا یقیناً بہتر ہوگا مگر خطرہ ہونے کی صورت میں اسے مار دینا بھی ہوگا۔ اچھا۔"

"ایلیزا سے کل کی ملاقات کے بعد ہی کوئی فیصلہ کر سکوں گا۔ فی الحال ...... " بات درمیان ہی میں ختم ہوگئی کیونکہ اسی لمحے دروازے پر دستک سنائی دے رہی تھی۔

"کون ہے ---- باہر آؤ کوئی تم سے ملنے آیا ہے۔" مادام کی آواز میرے اعصاب پر بجلی کی طرح اثر انداز ہوئی اور میں فوری طور پر فیصلہ نہ کر سکا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔

"یہ کون ہو سکتا ہے؟" عبداللہ نے سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا اور میں نے لاعلمی کے اظہار میں سر ہلا دیا۔

پھر عبداللہ دروازے کی اوٹ میں ہوگیا اور میں دروازہ کھولنے کے لیے تیار ہوگیا۔ دروازے سے باہر مادام کی کلر ...... کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ یعنی وہ آنے والا بھی تھا۔ مادام نے میری خوابگاہ کے دروازے تک پہنچا تھا۔

میرے

دروازہ کھولتے ہی مادام سے مسکرا کر ایک بار دروازے پر دستک دی۔

"میں آرہا ہوں ذرا انتظار کرو۔" میں نے کنڈی کھولتے ہوئے تیزی سے کہا۔

"دونوں ہر وقت مرے رہتے ہیں۔" باہر سے مادام کی آواز سنائی دی۔ شاید وہ میرے نامعلوم ملاقاتی کو میرے اور عبداللہ کے بارے میں بتا رہی تھی۔

دروازے کی اوٹ میں کھڑے ہوئے عبداللہ کا چہرہ غصے سے سرخ

دروازہ کھولنے میں ہی حق بجانب تھا۔ آخر اس بڑھیا کو کیا ضرورت تھی کہ غیر کے سامنے ہماری نجی باتوں پر اتنی بے تکلفی سے اظہار خیال کرتی۔

میں نے جھٹ سے دروازہ کھول دیا۔ مادام نے اپنی ویل چیئر پر سامنے آ کر ... آنے والا دروازے کی اوٹ میں تھا۔

وہ دراز قامت اور کشادہ جسم کا مالک تھا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں بریف کیس دبا ہوا تھا اور بایاں ہاتھ جیب میں خالی جھول رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ خود پر کوئی جارحانہ اقدام کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس کے چہرے پر نمودار ہونے والی استقبالیہ مسکراہٹ نے شاید اسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا اور اسے پہچانتے ہی میرے دل نے ایک گہرا سانس لیا۔

مہمان کی ناوانی میں مہمان کو تمہاری خوابگاہ کے دروازے پر لے آئی۔ وہ بہت جلدی میں ہیں اور مجھے معلوم تھا کہ ان سے تمہارا گہرا تعلق ہے۔ مادام نے خاصی لوٹی ہوئی ... آواز میں کہا گو بھی اسے میزبانی کے آداب سے واقفیت تھی۔

"بہت شکریہ۔" میں نے مادام سے کہا اور پھر آنے والے مہمان سے مخاطب ہوا۔ "آئیے ... اندر آ جائیے۔ آپ نے اس وقت آنے کی زحمت کی۔"

مادام نے ہاتھ ہلا کر مسکراتے ہوئے مڑ گئی۔ وہ واپس جا رہی تھی کہ وہ ... میرے ساتھ کمرے میں آگیا۔

عبداللہ نے دیکھتے ہی اچھل پڑا۔ "ارے عبدالعزیز تم؟"

میں نے حیرت سے دیکھا اس نے عبدالعزیز کی طرف دیکھا۔ عبدالعزیز مجھے گرمجوشی سے ملا۔

کرسی پر بیٹھتے ہی عبدالعزیز نے جلدی سے کاغذات بریف کیس پر رکھ دیے اور عبداللہ کی طرف دیکھا۔ اس نے عبداللہ کو جو کچھ بتایا وہ ... لوگ جن کی بنیادی ... کے لیے ... تک پہنچنے کا ذریعہ ... حاصل کر سکتے تھے۔ اس کی ملاقات ہونے کے باوجود میرے ذہن پر اس کی شخصیت کا ایک تاثر تھا اور مادام کے ... شاید اس کی پرانی شناسائی کی وجہ سے ... مادام نے ان ہی باتوں کو ... کر لیا تھا۔

"خیریت تو ہے؟" عبداللہ نے بے تابانہ لہجے میں عبدالعزیز سے پوچھا۔

عبدالعزیز کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی معنی خیز مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ ... کاغذات میں سے ایک نکال کر عبداللہ کی طرف بڑھایا مگر عبداللہ نے سرعت سے روک دیا۔

"آپ جلدی نہ کریں۔" عبدالعزیز کو روک کر وہ میری طرف مخاطب ہوا۔ "... میرا دوست ہے ہمارا۔"

"ایلیزا سے اہم ملاقات کرنا ہے؟" میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔ "یہ اچھا پروگرام کیسے یاد آیا؟"

"پھر وہ پروگرام تم میری شاندار دعوت کرو گے۔"

عبداللہ کے یہ الفاظ سنتے ہی میرا دل خوشی سے اچھلنے لگا اور میرا تمام جسم بجلی کی طرح جھنجھنا گیا۔ گھبرا کر میں نے جلدی بتاؤ کہہ کر بے بسی اور بے تابی کے عالم میں عبدالعزیز کے شانے پکڑ کر بری طرح جھنجھوڑ ڈالا۔

"پہلے وعدہ کرو۔" عبداللہ نے نعرہ لگایا۔ عبدالعزیز کوئی جواب دیے بغیر بے بسی سے میری طرف دیکھنے لگا۔

"وعدہ، وعدہ، وعدہ۔" میں نے عبداللہ کی طرف گھومتے ہوئے اضطراری کیفیت میں کہا اور پھر عبدالعزیز سے بولا۔ "لاؤ جو کچھ لائے ہو ورنہ میں زندگی بھر تمہاری تشکیل کرتا رہوں گا۔"

عبدالعزیز نے اوور کوٹ کی اندرونی جیب سے خاکی رنگ کا ایک لفافہ نکال کر خاموشی سے میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے لفافے کے اندر سے پرچہ نکالتے ہوئے بے پناہ دھڑکتے دل سے اس پر نظر ڈالی۔ پڑھتے ہوئے مجھے یوں محسوس ہوا کہ خوشی کے بے پناہ جذبات سے میری حالت غیر ہو گئی۔ یک بیک میری آنکھوں کے گوشے تیزی سے نمناک ہونے لگے اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا وجود پرندوں سے بھی زیادہ ہلکا ہو کر فضا کی بلندیوں میں اڑتا ہوا اوپر ہی اوپر پرواز کرتا جا رہا ہے۔

کاغذ کا وہ رقعہ میرے ذہن میں بدستور نقش ہوا تھا۔ آنکھوں میں نمی آجانے کے باعث الفاظ دھندلا گئے تھے مگر اس چھلکتی ہوئی سطور پر آنے والا پیغام میرے دل کی گہرائیوں میں نقش ہو چکا تھا جس کا ایک ایک حرف مجھے یاد ہے۔

یہ وہ عظیم خوشخبری تھی جس کا میں مدت سے منتظر تھا۔ جیسا میرے زندگی کی جلد بیرات تھی۔ جسے میں نے برسوں طویل جلا وطنی کے دوران میں حاصل کیا تھا۔ ہمالیہ کی برفانی وادیوں میں جدوجہد اور جنگ کے ... جنت نشان ... کی زندگی ... اسی ہمالیہ کی سنگلاخ وادیوں میں ... کے بجائے اپنی ... میرے ساتھ روانہ کیا تھا۔ ... تنگ ... پادری کی ایک ... انگوٹھی کی میرے حوالے کی گئی۔ انگوٹھی کا وہ نگ ... بہت بڑا تھا جسے ... کی پرانی کتابوں میں ... مرکز ... تھا کہ اس نے پاس ... ہاتھ ...

وہ رقعہ میرے ہاتھ میں تھا۔ عبداللہ اور عبدالعزیز بھی میرے سامنے موجود تھے مگر میں ... آخری ... کر چکا تھا۔ ... اور مادام کے ... کو بھی بھول چکا تھا اور اس وقت ... گیا۔

منڈی اور پارس چھوٹے کٹ والی داڑھی کے ساتھ ٹک لوجس جالب کے قریں تجزیاتوں میں مصروف کر رہا تھا۔ بہت سے مراسلے مجلات سے ربط میں سرخی بار بار ہم کو چھوتے ہوئے گزرتے رہتے ہیں۔

"کہاں کھو گئے؟" عبداللہ کی تحریر آواز نے مجھے تصور کی خوابناک دنیا سے باہر کھینچ لیا اور میں نے جھجکتے ہوئے باری باری ان دونوں کو دیکھنے لگا۔

"یہ پیغام اب آیا تھا۔" میں نے عبدالعزیز سے سوال کیا۔

"شام چار بجے پیرس میں موصول ہوا تھا اور شاید نصف گھنٹے پہلے تم تک پہنچا تھا۔" اس نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"اس کے بارے میں تمہیں کچھ اور پتہ ہے؟" میں نے اشتیاق آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"اس ٹیلکس سے آگے مجھے کچھ معلوم نہیں۔"

"بے جانے کر بیٹھے کوئی نہیں کہو گے؟" عبداللہ نے آگے بڑھ کر میرے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"میں کہنے سے پہلے خود ہی بیٹھ جاتا ہوں۔" عبدالعزیز یہ کہہ کر کرسی پر دراز ہو گیا۔ اس وقت وہ عبداللہ کا دوست محسن حیدر صاحب کہ پہلی ملاقات پر وہ عبداللہ کا کوئی ماتحت معلوم ہو رہا تھا۔

"اس کے بارے میں اطلاع ملی کہ میرے لئے تمہارا پیغام آیا ہے تو فوراً لوسی میں رابطہ کیا۔" میں نے کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"بے قابو تو تم ہمیشہ ہی نظر آتے ہو۔" عبداللہ بولا۔

میں مسکراتے ہوئے وضاحت طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"حسین اور نوجوان لڑکیوں کے سامنے میں تم ہمیشہ ہی بے قابو ہو جاتے ہو۔" عبداللہ نے تھوڑے توقف کے بعد اپنی بات کی وضاحت کر ڈالی۔ "اور پھر ستیا تمہاری بیوی ہے جو طویل مدت سے تم سے الگ بچھڑی ہوئی تھی۔ تمہیں اس کی خیریت دریافت کرنے کا بھی علم نہیں تھا۔"

"اگر تم اجازت دو تو ایک ذاتی نوعیت کا سوال پوچھ لوں۔" عبدالعزیز نے اچانک کھنکارتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"اس وقت میں ستیا کے علاوہ کسی اور موضوع پر گفتگو کے لئے تیار نہیں ہوں۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"سوال اسی کے بارے میں ہے۔ میں بھلا موضوع بدلنے کی جرات کیسے کر سکتا ہوں۔"

"تو پھر اجازت ہے۔"

"تمہاری بیوی تم سے کیسے بچھڑ گئی؟"

"خاصی احمقانہ کہانی ہے۔" میں نے طویل سانس لے کر کہا۔

"پھر بھی کچھ تو پتہ چلے۔"

"بعض اوقات مقدر کا لکھا پورا ہونے میں آدمی خود بھی دانستہ نادانستہ کردار ادا کرتا ہے۔" میں نے کہنا شروع کیا تو میرے ذہن میں نیپال کے راجہ ہوٹل کے ان شب و روز کی یادیں ابھر آئیں جو میں نے ستیا کے قرب میں ... کے پیچھے گزارے تھے۔ "میری بیوی بہت سادہ لوح اور نیک دل لڑکی ہے۔ ہماری شادی کسی غلط فہمی کی بنا پر پولیس ہم دونوں کے پیچھے لگ گئی اور دہشت گرد زیر زمین دنیا کے کچھ لوگ جاننے کے پیچھے ہو گئے۔ میں تمہیں پہلا ارمان بتاتا تھا کہ ستیا کے ساتھ ... اور غلط خیال کی بنا پر ہر جگہ دہشت گردوں سے ... بس ایک رات یہاں ہوٹل کی روایتی رقص محفل کے دوران میں نے ... کہ اگر میں تنہا ہوتا تو آسانی سے پاکستان پہنچ جاتا۔ اس کی وجہ سے میری راہ میں ... حائل ہو رہی تھی۔ اسے میری یہ بات بری لگی۔ اس وقت تو وہ خاموش رہی لیکن اگلی صبح وہ ہوٹل سے لاپتہ تھی اور پولیس کی کوششوں کے باوجود اس کا کھوج نہ لگ سکا۔ اگر مجھے شبہ بھی ہو جاتا کہ وہ میرے ہر لفظ کا اتنا گہرا اثر لے گی تو کبھی زبان نہ کھولتا۔ مگر شاید مقدر میں اسی طرح کی مشکلات لکھی تھیں جو سامنے آ کر رہیں۔"

"واقعی عجیب کہانی ہے۔" عبدالعزیز نے کہا۔

"عورت کے ... جاتے ہیں ... زبان کے لگائے ... سمجھتے ہیں۔" عبداللہ نے کہا۔ "کیا تمہیں یقین ہے کہ ستیا نے تمہیں معاف کر دیا ہو گا؟"

عبداللہ کے اس سوال نے مجھے چونکا دیا۔ ستیا کے بچھڑنے کے بعد میں تنہائی کے لمحوں میں تڑپتا رہا تھا مگر مجھے اس کے ردعمل کا کوئی علم نہیں تھا۔ ... دل خود گواہی دیتا تھا کہ ستیا مجھ سے بچھڑنے کے بعد ایک لمحے کو بھی میری یاد سے غافل نہ ہوئی ہو گی۔ وہ میری منکوحہ بیوی ہو گئی تھی اور میں اسے دوبارہ پانے کی آئندہ کی امید پر زندہ رہا تھا۔

"وہ ضدی اور انا پرست طبیعت کی مالک ہے۔" میں نے کہا۔ "دراصل اس کا ... ردعمل تھا۔ مجھے یقین ہے کہ میری چاہت اس کے غصے پر غالب آ گئی ہو گی۔ ... تمہیں معلوم ہے کہ اسے لیبیا لانے میں کس قسم کا معجزہ ہوا ہے؟"

"اس معاملے میں بھی اسی قدر لاعلم ہوں جس قدر تم۔" عبداللہ بولا۔ "ملنے کے بعد ہی تم کو صحیح صورتحال کا علم ہو سکے گا۔"

"کیا یہ ممکن ... کہ فون پر اس سے بات ہو سکے!"

"ممکن ضرور ہے مگر میں یہ خطرہ مول لینے کا مشورہ نہیں دوں گا۔"

"اس میں کیا خطرہ ہو سکتا ہے!"

"عبدالعزیز اس وقت ایک بڑے شکار کے چکر میں ہے۔ ... فون کال کے مقابلے میں ... آسانی سے ... جا سکتا ہے۔ اگر لیبیا کے دشمنوں کا کوئی آدمی ... ہو تو ہم دشواریوں سے دوچار ہو سکتے ہیں۔"

"ایسا امکان کم ہی ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ کیوں۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "لیبیا اس معاملے میں خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ ہم لوگوں کو کرنل قذافی کی اس قدر حمایت حاصل ہے کہ ... کے ہر سیاسی اور ذاتی معاملے پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ وہاں فون کرنے کا خیال ترک ہی کر دو۔"

"... اگر ... جانے سے پہلے ... چاہتا ہوں۔"

"... کسی کی مجال نہیں جو حکومت کے فیصلے پر اعتراض کر سکے۔" ... سنجیدگی کے ساتھ بولا۔

"یہاں سے طرابلس کتنی مسافت ہے؟"

"... کوئی پرواز مل جائے تو تین گھنٹے ورنہ ... ڈیڑھ دو گھنٹے لگتے ہیں۔"

"اس وقت تو پرواز مل بھی جائے تو میرا جانا ناممکنات میں سے ہے۔" ... نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"کیوں؟" عبداللہ نے سوال کیا۔ "جانے کا ارادہ ہو تو ابھی طرابلس جانے والی پروازوں کا شیڈول معلوم کیے لیتا ہوں۔"

"اب سے تقریباً تین گھنٹے بعد مجھے الجزائر سے فون ہے اور ... بارہ گھنٹے سے کم وقت صرف نہیں ہو گا اور پھر میرے پاس ... کی تحریری ... نہیں ہیں۔" میں نے چونک کر کہا۔

"پہلے کاغذات کہاں ہیں؟"

"ڈاکٹر ... کے نام بھیجے ہوئے سارے کاغذات میں نے جلا دیئے ... دوسرے نام سے ... سفر کی ... کرنا ہو گا۔"

"اس وقت تو یہ کرنا ناممکن ہے۔" عبدالعزیز معذرت آمیز لہجے میں بولا۔ "... چند گھنٹوں میں کاغذات تیار کروا دوں گا۔"

"اس کے بعد وقت بہت کم رہ جائے گا۔" عبداللہ بولا۔

"... سفر کے کاغذات مکمل کرا لو۔" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "... کل کی ملاقات تک تو میرا جانا مشکل ہے ... گا۔"

"... ہے؟ بار بار اس کا نام آ رہا ہے؟" عبدالعزیز نے ... سوال کیا۔

"اس کا پورا نام ... امیرزا بن ... ہے۔" عبداللہ نے ... لہجے میں کہا۔

"... " عبدالعزیز نے حیرت سے دہرایا۔ "یعنی ابراہیم حونا ... "

"ابراہیم ... کو کیسے جانتے ہو؟" عبداللہ نے تعجب آمیز لہجے میں ... کیونکہ عبدالعزیز ... کی جو فہرست ملی ... بیوی کا نام بانو تھا اور عبداللہ کو بن لیوی کی زبانی ... کی شخصیت کا علم ہوا تھا۔ ... مزید ... عبدالعزیز کی زبان سے ... حیرت کا باعث ثابت ہوا تھا۔

"... مختلف ناموں سے ... تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ ... مقصد ... اور ... جانتے ہیں ... کے ...

نہایت اہم سیاسی اور معاشی فائدے حاصل کرتے رہتے ہیں۔" عبدالعزیز بتانے لگا۔ "اور عدنان جوزا ان تمام صیہونی تنظیموں کا سرگرم رکن ہے۔ اسی وجہ سے ہم لوگ اس پر نظر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"اور اس نگرانی کا نتیجہ؟" عبداللہ نے پوچھا۔

"وہ پہلی مرتبہ جتنا اہم نظر آیا بعد میں اس کی نگرانی سے ویسے نتائج حاصل نہ ہو سکے تو ہم نے نگرانی کا سلسلہ ترک کر دیا۔"

"کاش کہ تم نے ایسا نہ کیا ہوتا۔" عبداللہ تاسف آمیز لہجے میں بولا۔

"کیوں؟" عبدالعزیز نے چونک کر سوال کیا۔

"وہ بن حیان کا سگا بھائی ہے اور ان دنوں بن حیان اسی کے مکان پر رہ رہا ہے۔"

عبدالعزیز یہ سن کر حیرت سے اچھل پڑا۔ "یہ کیسے پتہ چلا تم کو؟"

"مجھے نہیں، یہ سب ڈاکٹر فرید کو معلوم ہوا ہے۔ بن حیان یہاں ابراہیم حونا بن کر رہ رہا ہے اور امیرزا اس کی بھتیجی ہے۔"

"یعنی تم اس لڑکی سے دوستی کرنے میں کامیاب ہو گئے؟"

"وہ اپنے باپ کی دولت اور اپنی آبرو دونوں کے تحفظ میں لٹنے پر تلی ہوئی ہے۔" عبداللہ نے قہقہہ مار کر ... انداز میں کہا۔

"مگر یہ کیسے ممکن ہوا؟" عبدالعزیز نے کہا۔ "یہ بات باعث حیرانی تھی کہ تم لوگوں کو یہاں آئے بمشکل چند روز ہی گزرے ہیں۔"

"ایک بہت ہی معمولی واقعہ اس کامیابی کی بنیاد بنا ہے۔" عبداللہ نے کہا اور ... انداز میں اپنے ... سگریٹ سلگانے لگا۔

"مجھے نہیں بتاؤ گے؟"

"امیرزا سگریٹ نوشی کی عادی ہے مگر اپنے باپ کے سامنے سگریٹ پینے سے ڈرتی ہے۔ بات صرف اتنی تھی کہ ... نے اس کی درخواست پر سگریٹ پینا شروع کر دی اور وہ ... کے لگے ہوئے دھوئیں کو اپنے پھیپھڑوں میں جذب کر کے اپنے نشے کی تسکین کرتی رہی۔" عبداللہ نے اس کے بعد عبدالعزیز کو پوری تفصیل سنا ڈالی۔

"بعض اوقات سرسری طور پر پیش آنے والے واقعات بھی کس قدر اہمیت اختیار کر جاتے ہیں۔" اس کے خاموش ہونے پر عبدالعزیز تحسین آمیز نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "... اس کا تجربہ ... ہوں۔"

"ایسے واقعات بھی ہر ایک کے ساتھ پیش نہیں آتے۔" عبداللہ بولا۔ "مجھے ... زندگی بسر کرتے ... گزر گئی ہے مگر ایسا اتفاق میرے ساتھ کبھی پیش نہیں آیا۔ ... کے بارے میں ... خاصی کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں۔ ان کے نزدیک اس کی ذات میں کوئی ... پوشیدہ ہے۔"

اسی وقت کھانے کے کمرے سے برتنوں کی آواز سنائی دی۔ "کھانا لگ گیا ہے۔"

ہم تینوں ساتھ ہی کمرے سے نکلے اور ... کھانوں سے بھی ہوئی

میز کے گرد جا بیٹھے جہاں مادام نے اپنی وہیل چیئر پہلے سے موجود تھی۔

"آج کی تازہ خبریں کیا ہیں مادام؟" میں نے مختلف ان رنگوں کا ساتھ دینے والی تلی ہوئی مچھلی اور چیز کے چند پارچے اپنی پلیٹ میں لیتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔

"تم سارا دن باہر گزار کر آتے ہو۔ خبریں تو تمہارے پاس ہونی چاہئیں۔" بوڑھی اپنی چمکدار آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے بولی۔

"مقامی زبان سے ناواقفیت نے مجھے بالکل بہرا اور اندھا کر کے رکھ دیا ہے۔" میں نے ملامت بھرے لہجے میں کہا۔ "زبان جانے بغیر تو تفریح میں بھی مزا نہیں آتا۔"

"بعض لوگ تفریح کے معاملے میں زبان کے محتاج نہیں ہوتے۔" یہ تبصرہ مادام فے کا تھا۔

"ان میں اور جانوروں میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟" میں نے ایک نہایت ہی جارحانہ سوال داغ دیا۔ بوڑھا [illegible] اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"تم بہت بے ذوق ہو۔" مادام نے کھانے کے انداز میں ہنستے ہوئے اپنی بات کا مطلب بتایا۔ "نوادرات، خوبصورت باغات اور دیگر مقامات سے لطف اندوز ہونے کے لئے زبان جاننا ضروری نہیں۔ ہمارے [illegible] فرانس میں بھی [illegible] لطف اٹھایا جا سکتا ہے جو جہاں لینڈ سکیپ کی تعبیر ہیں۔"

میرے سپاٹ چہرے اور [illegible] آنکھوں سے کوئی مثبت [illegible] نہیں ملا تو [illegible] لینڈ سکیپ [illegible] تفریح کی بے معنی ہے۔"

"تم تو [illegible] کیوں لے رہے ہو؟" مادام فے کے [illegible] پر عبداللہ زیر لب مسکرانے لگا۔

"تفریح کے لئے حسن کا وجود ضروری ہے مادام۔" میں نے کہا۔

"پھر وہی رٹ لگائے ہو۔" اس بار وہ مجھے گھورتے ہوئے بولی۔ "آخر تمہارے سر پر لڑکیاں کیوں سوار رہتی ہیں؟"

"یہی سوال میں بھی پوچھنا چاہ رہا تھا۔" عبداللہ نے قہقہہ مار کر مادام کو اکسایا۔

"لڑکی کا ذکر کہاں سے آگیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تو حسن سے تمہاری کیا مراد تھی؟" مادام نے مشکوک نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"حسن ہر جگہ کا بھی ہو سکتا ہے۔ ماحول کا بھی اور پھر ایک چٹان یا صحرا میں [illegible] کوئی [illegible] یا کسی [illegible] سینگ بھی حسن کا مظہر ہو سکتے ہیں۔ حسن کو محض لڑکیوں تک محدود کر دینا تو ظلم ہے مادام۔"

میری اس [illegible] پر مادام نے [illegible] "تم [illegible] جانتے ہیں [illegible] خاصا فکر رکھتے ہو تم سے بحث میں جیتنا خاصا مشکل کام ہے۔"

"بساط شطرنج میں البتہ مادام تم نے دیکھتے ہی دیکھتے تم کو ہرا دیں گی۔" [illegible] اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے شوشہ چھوڑا۔

"مادام شکست کے خوف سے میرے سامنے بساط ہی نہیں بچھاتیں۔"

"بیٹھے رہو بچے۔" اس بار مادام کا لہجہ بھی [illegible] "ابھی نہیں ہوئی [illegible] ہو کر تفریح ہو سکتی [illegible] کی گنجائش ہے۔"

"اس کا تو میں اعتراف کرتا ہوں۔" میں نے [illegible] ہوئے کہا۔

چند سیکنڈ کے لئے میز پر خاموشی چھا گئی اور اس سکوت سے [illegible] ایک بار پھر بیتا کی طرف جھک گیا۔

اس کے بعد وہ چاروں ایک دوسرے سے باتیں کرنے میں مصروف ہو گئے۔ [illegible] ان کی آوازیں [illegible] تھا لیکن میرا ذہن کہیں اور الجھا ہوا تھا۔ میرے نزدیک [illegible] سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھی۔

کھانے اور کافی کے دور کے بعد میں اپنی خوابگاہ میں آ گیا تو میرے ذہن پر بیک وقت مسرت اور اداسی کے جذبات غالب تھے۔

رات دیر گئے تک [illegible] اگلی صبح عبداللہ کے ساتھ باہر نکلا [illegible] کے ذریعے اندازہ ہوا کہ [illegible] اسرائیلی [illegible] نے مشرق وسطیٰ کی صورت حال پر شدید اور فوری اثرات مرتب کئے تھے۔

اخبارات میں [illegible] کی بربادی پر اسرائیلی حکومت اور [illegible] کے تعزیتی بیانات شائع ہوئے تھے اور ان میں [illegible] کا الزام بھی لگایا گیا تھا [illegible] کی بربادی میں فلسطینی دہشت پسندوں کی تخریب کاری کا دخل تھا [illegible] اسرائیل کے جنونی حکمرانوں نے فلسطینی آبادیوں پر انتقامی حملے [illegible] دی تھی۔ عبداللہ کا خیال تھا کہ اسرائیل نے تخریبی کارروائی کا [illegible] انتقامی کارروائی [illegible] کا اعلان کیا تھا۔ [illegible] بچانے پر اصرار [illegible] اور اپنے ایک جہاز کے [illegible] برداشت کر کے انہوں نے [illegible] کی حفاظت کی کوشش کی تھی۔ انتقامی کارروائی کے نتیجے میں فلسطینی حریت پسند [illegible] تھے جبکہ اسرائیل کی جارحیت [illegible] کے بعد اسرائیل فلسطینی مہاجرین کے [illegible] کا آغاز کر بیٹھے۔

ہم دونوں نے مختصری تفریح [illegible] روزنامہ کے بعد [illegible] دفتر کا رخ کیا۔

[illegible] قدیم طرز تعمیر [illegible] ایوان انصاف کے قریب [illegible]

عبدالعزیز نے نہایت تپاک سے [illegible]

[illegible] کی تفصیلات؟" میری استفسار طلب نگاہوں کے جواب میں [illegible] نے عبداللہ کا اشارہ پا کر [illegible] لیا۔

"[illegible] کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟" عبداللہ نے [illegible] ہوئے عبدالعزیز سے کہا۔

"ہاں۔ شاید میں ان لوگوں سے واقف بھی ہوں۔"

"[illegible]؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ یہاں ایرانی قالینوں کی تجارت کرتا ہے مگر [illegible] پاکستان [illegible]" اس نے وضاحت کی۔

"[illegible] قالینوں کے تاجر کیسے ہوتے ہیں؟"

"[illegible] کی بات ہے۔ پاکستانی قالین [illegible] ایرانی قالین [illegible] سستے بھی ہوتے ہیں مگر پاکستان [illegible]"

"[illegible] ہوئے [illegible] اس میں [illegible] کی عادات [illegible]" [illegible] سوال کیا۔

"[illegible] کی بات ہے" [illegible] ہوئے قالین [illegible] پہنچائے جاتے ہیں۔"

"[illegible] شناسائی کی بات کر رہے تھے۔"

"[illegible]"

"[illegible] میری کوئی شناسائی نہیں۔"

[illegible]

"[illegible] صاحب [illegible] کیا ہے اور [illegible] کسی خطرے [illegible]" عبداللہ نے [illegible] کہا۔

[illegible]

"بہت مکار آدمی ہے۔ وہ کسی بھی صورت میں اپنے حفاظتی حصار میں کوئی دراڑ نہیں پڑنے دے گا۔ مجھے تو کوئی تعجب نہ ہوگا اگر اس نے ایلزا تو درکنار جوناس کے ملازمین کی نقل و حرکت کی بھی نگرانی شروع کرا دی ہو۔"

"احتیاط ذرا بھی بے جا ہے۔ اگر ایک خطرہ تمہارے ذہن میں سر ابھار رہا ہے تو بہتر ہے کہ اس کا پیشگی تدارک کر لیا جائے۔"

وہاں سے نکلتے ہوئے ہمارا پروگرام طے ہو چکا تھا۔ عبداللہ کو عبدالعزیز کے ہمراہ اسی کی کار میں میرے پیچھے روانہ ہونا تھا اور ایک بار دریائے سین کے کنارے میرا اور ایلزا کا [illegible] دیکھنے کے بعد وہ دونوں اپنے لئے محفوظ [illegible] کا انتخاب کر لیتے۔

میں نے منزل کی جانب روانگی کے لئے دریائے سین کے [illegible] کنارے کے ساتھ ہی [illegible] شاہراہ کا انتخاب کیا جو امریکہ کے مقتول صدر کینیڈی کے نام سے موسوم ہے۔ وہ دونوں [illegible] محفوظ فاصلے سے میرے تعاقب میں آ رہے تھے۔

[illegible] کے پل سے ذرا آگے دریا کے پرسکون شفاف پانی کے کنارے دور تک پھیلے ہوئے [illegible] آغاز ہوتے ہی میں نے کار کی رفتار سست کر دی۔ [illegible] وہ دونوں [illegible] دیکھ سکیں۔

جب میں نے اس خوبصورت مقام کے سامنے کار پارک کی [illegible] آئینے میں عبدالعزیز کی کار تیزی سے آگے جاتی نظر آئی اور میں نے اطمینان کے ساتھ [illegible] کار کی نشست چھوڑ دی۔ کار کے دروازے مقفل ہونے سے پہلے ہی [illegible] کے ساتھ باہر آگیا۔

اس نے مسکرا کر مجھے خوش آمدید کہا اور پھر [illegible] داخلے کیلئے [illegible] ایک طرف کو ہو گیا۔

میں دیکھ چکا تھا کہ ایلزا کی کار موجود [illegible] گفتگو جاری رکھنے کی نیت سے میں نے سوال کیا۔ "وہ [illegible] آ گئی ہیں؟"

"وہ ابھی نہیں آئی ہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیوں؟" میں دروازے کی طرف بڑھتے بڑھتے اس کی جانب گھوم گیا۔

"وہ [illegible] آپ کی ملاقات کی منسوخی کی اطلاع لے [illegible] اس نے [illegible] جھکا کر [illegible] آمیز لہجے میں کہا [illegible] ایلزا کی عدم موجودگی [illegible] معذرت کرتا ہوں۔"

"مگر کیوں؟" میں نے [illegible] لہجے میں کہا۔

"میں کیا عرض کروں [illegible]" [illegible] تم تک [illegible] پہنچا دیا۔"

"میرے ساتھ آؤ۔" میں اس کا ہاتھ تھام کر اندر دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے [illegible] ایلزا کی [illegible] کی اطلاع [illegible] شدید کوفت اور پریشانی کا باعث ثابت ہوئی تھی۔ [illegible] لڑکی معلوم ہوتی تھی کہ [illegible] کی وجہ سے اپنی تفریح غارت کرنے

پر ہرگز تیار نہ ہوتی۔ مدعا نے دو کن حالات سے دوچار ہوئی تھی کہ اسے یہ کڑوا فیصلہ کرنا پڑ گیا۔

"وہ تنہا آئی تھی؟" میں نے نشست گاہ میں پہنچتے ہی اس سے سوال کیا۔

"ہاں ہوسیو۔"

"کچھ پریشان معلوم ہوتی تھی؟"

"ہاں اور عجلت میں بھی معلوم ہوتی تھیں۔"

"آئندہ پروگرام کے بارے میں کچھ بتایا؟"

"جی نہیں۔" اس نے نفی کے انداز میں اپنے سر کو جنبش دے کر کہا۔ "اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو میں گفتگو کا آغاز ہی خوشگوار پیغام سے کرتا۔"

"اگر وہ پریشان اور عجلت میں تھی تو خود یہاں کیوں آئی۔ فون پر بھی تم کو ہدایت دے سکتی تھی۔" میں نے تپائی پر رکھے ہوئے فون کو دیکھ کر کہا۔

"اس ہوٹل میں اکثر لوگ فرضی ناموں سے قیام کرتے ہیں،" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "اور پھر تم دونوں تو کل ہی پہلی بار آئے تھے ہو سکتا ہے کہ اس نے سوچا ہو کہ میں اس کی آواز نہ پہچان سکوں اور پیغام کو اہمیت نہ دوں، لہٰذا وہ خود ہی دوڑی چلی آئی۔"

"اچھا تم باہر ٹھہرو۔ میں کچھ دیر رکوں گا۔" میں نے محسوس کیا کہ اسے زیادہ منہ لگایا تو وہ بے تکلفی پر اتر آئے گا۔

وہ نہایت سعادت مندی سے باہر نکل گیا اور میں فون ڈائریکٹری سے عذرا جوناس کے مکان کا فون نمبر تلاش کرنے میں مصروف ہو گیا۔

بیل بجتی رہی۔ پھر دوسری جانب سے ریسیور اٹھا لیا گیا اور میرے کانوں میں عذرا جوناس کی غراتی ہوئی کرخت آواز آئی اور میں نے فوراً ہی سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں نے اٹھ کر ریفریجریٹر سے وہسکی کی بوتل نکالی اور ایک گلاس معمول کے مطابق میں انڈیلنے کے بعد بوتل اور گلاس لے کر فون کے قریب آ بیٹھا۔ میں سگریٹ اور شراب نوشی کے دوران میں کافی دیر تک الیزا کے اچانک جانے کے اسباب پر غور کرتا رہا۔ مگر میرے ذہن میں کوئی بات نہ آسکی۔ وہ لوگ سے عذرا اور ابراہام کی لاعلمی میں ملی تھی اور یہ محض حسن اتفاق کی کرشمہ سازی تھی کہ میں الیزا کی کار میں خفیہ ٹیپ ریکارڈر لگا کر اس ٹیپ میں محفوظ ہونے والے الیزا کے قابل قدر مکالمے سننے میں کامیاب ہو گیا تھا لہٰذا یہ امکان بھی نہیں رہا تھا کہ عذرا کو اپنی بیٹی کی خفیہ ملاقات کا علم ہو گیا ہو اور اس نے الیزا سے باز پرس کی ہو جس کے نتیجے میں الیزا نے مجھ سے دشمنی کا رویہ اختیار کرنے میں عافیت سمجھی ہو۔

بہت پر غور کرنا بیچنے کے لیے الیزا کی آمد بہت عجیب معلوم ہو رہی تھی۔ گو دوسری طرف یہ بھی ثابت ہو رہا تھا کہ پروگرام کی تنسیخ میں میری ذات سے الیزا کی ناراضگی کو دخل نہیں تھا۔ پچھلی رات ہم دونوں نہایت خوشگوار اور دوستانہ ماحول میں رخصت ہوئے تھے اور اگر وہ مجھ سے بدظن ہو گئی ہوتی تو اس کے لئے بہتر راستہ یہ تھا کہ اطلاع دیئے بغیر غائب ہو جاتی یا طویل انتظار سے اکتا کر اس کی طرف سے از خود مایوس ہو جاتا۔

بن حیان کے خلاف فیصلہ کن آخری معرکے میں الیزا کا کردار بہت اہم تھا اور اس کا تعاون کھو دینے کے بعد میرے پروگرام میں خاصی گڑبڑ ہو سکتی تھی۔

خاصی دیر کے انتظار کے بعد میں نے ایک بار پھر الیزا کو فون کرنے کا فیصلہ کر ڈالا۔ مجھے موہوم سی امید تھی کہ شاید عذرا جوناس گھر میں کہیں مصروف ہو اور اس بار الیزا کو بذات خود فون وصول کرنے کا موقع مل جائے۔

پہلی گھنٹی پر جواب نہ آیا تو میرے دل کو خاصی ڈھارس ہوئی۔ اس تاخیر کا مطلب تھا کہ عذرا جوناس فون کے قریب نہیں تھا۔

تیسری گھنٹی پر ریسیور میں الیزا کی ترنم ریز آواز سنائی دی تو ایک پل میرا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔

"میں ڈان فرنانڈو بول رہا ہوں الیزا۔" میں نے خوشی سے محبت آمیز سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"کون؟" اس نے سرد اور جذبات سے عاری لہجے میں سوال کیا۔

"ڈان فرنانڈو۔" میں نے اور بھی منہ کے قریب لا کر دبی آواز میں کہا۔ اس کا لاعلمی کا لہجہ سن کر مجھے خیال ہوا کہ شاید وہ میرا نام بھی پہچان نہیں سکی ورنہ اتنی سرد مہری اختیار نہ کرتی۔

"میں تمہیں نہیں جانتی۔" اس کا لہجہ حسب معمول سپاٹ اور اجنبی تھا۔ "مجھ سے دوستی پیدا کرنے کا یہ طریقہ فرسودہ ہو چکا ہے۔ اگر آپ نے دوبارہ فون کرنے کی جسارت کی تو میرا باپ پولیس کو بھی شکایت کرنے سے نہیں چوکے گا۔" یہ کہہ کر اس نے سلسلہ منقطع کر دیا اور میں حیرت اور کوفت کے عالم میں ریسیور کو یوں گھورنے لگا جیسے وہ کوئی اژدہا ہو۔

میں نے الیزا کی آواز واضح طور پر پہچانی تھی مگر میرے لیے یہ معمہ تھا کہ اس نے مجھے پہچاننے سے انکار کیوں کر دیا جبکہ اس کا باپ غالباً فون کے آس پاس موجود نہیں تھا۔

تھوڑی دیر تک اس پیچیدہ معاملے پر غور کرنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ میرا ہوٹل میں رکے رہنا بالکل بے سود ہے۔

میں وہاں سے خاموشی سے روانہ ہوا اور ہوٹل کے سامنے کھڑی ہونے والی ٹیکسی تھوڑی دور جا کر کے پارکنگ پر روک دی۔

عبداللہ یا عبدالعزیز کا دور دور تک پتہ نہیں تھا اور مجھے عبداللہ کی کار نظر آ رہی تھی مگر چند ثانیوں بعد میں نے ایک دکان سے عبداللہ کو تیزی سے باہر آتے دیکھا۔ وہ بظاہر میری طرف متوجہ نہیں تھا شاید وہ سمجھ رہا تھا کہ میرے ساتھ گاڑی میں کوئی اور بھی موجود ہے۔

میں نے ہارن بجا کر فضا میں ہاتھ لہرایا تو عبداللہ نے فوراً ہی جواب دیا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا میری طرف آ گیا۔

"عبدالعزیز کہاں ہے؟"

"وہ ایک چھوٹی سی بوٹ کرائے پر لے کر دریا کی سمت سے تمہارے ہوٹل کی نگرانی کر رہا ہے۔ مگر وہ لڑکی کہاں ہے؟"

"پروگرام میں تبدیلی ہو گئی ہے۔ واپسی کی تیاری کرو۔" میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"کیا وہ نہیں آئے گی؟" عبداللہ نے حیرت سے پوچھا۔

میں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ "وہ دن ہی میں خود یہاں آ کر بتا گئی تھی کہ شام میں وہ نہ آسکے گی۔"

عبداللہ کے چہرے پر یک بیک مایوسی عود کر آئی۔ "ذرا انتظار کرو میں عبدالعزیز کو واپسی کے لئے کہہ آؤں۔"

اس کی واپسی دس منٹ بعد ہوئی۔ وہ دریا کی جانب سے تنہا آ رہا تھا۔

"وہ تھوڑی دیر میں نکل جائے گا۔ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" پچھلی نشست سنبھالتے ہوئے بولا۔

"کل کی ملاقات تو بہت حوصلہ افزا تھی۔ آج اسے کیا ہو گیا؟" کچھ دیر خاموشی کے بعد عبداللہ نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"میں تو سمجھنے سے قاصر ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے اسے الیزا کی فون پر سرد مہری سے بھی آگاہ کر دیا۔

"میرا خیال ہے دونوں کی تمام تر احتیاط کے باوجود عذرا جوناس کو کل کی ملاقات کی بھنک مل گئی ہے۔"

"کیسے؟"

"ہو سکتا ہے کہ عین روانگی کے مرحلے پر کسی نے تم دونوں کو دیکھ لیا ہو [illegible] جائزہ لیا ہوگا تو وہ صاف تھا لہٰذا [illegible] نے اپنی بیٹی سے باز پرس کی ہوگی۔"

"مگر عذرا جوناس کے آدمی الیزا پر اتنی ہی کڑی نگرانی رکھتے ہیں تو [illegible] اس بوٹ سے زندہ سلامت واپس نہ لوٹ رہا ہوتا۔"

"بوٹ تو ابھی تک ان کی نظروں میں نہ آیا ہوگا۔"

"[illegible] ہے جو کہنے باپ سے مفرور [illegible] کے بعد الیزا آج [illegible] کی اور اس کا پیچھا کرنے والے نے بوٹ بھی دیکھ لیا ہوگا [illegible] عذرا جوناس کی بیٹی ہے اور اسے اچھی طرح جانتی ہے [illegible] نگرانی کو عمل [illegible] پہنچی ہو۔"

"[illegible] میں کہ حقیقی اولاد ایک اور [illegible] جانتے [illegible]" میں نے ایک ذہنی خیال کے تحت حسرت آمیز لہجے میں کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمہاری اداسی تو دور ہوئی۔" وہ بولا۔ "بھلا کیا آپ [illegible] ہیں؟"

"[illegible] خیال درست ہے کہ الیزا [illegible] ناقابل فہم رویے کا جواز بھی مل سکتا ہے!"

"کیا مطلب؟"

"اس کے گھر میں حقیقی طور پر ایک ہی [illegible] طوفان موجود

ہوں گے کیونکہ اس سے گفتگو کے دوران میں ہلکی سی کلک کی آواز کے ساتھ الیزا کی آواز دھیمی ہو گئی تھی اور اس نے محض اسی وجہ سے فون پر مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا کہ کہیں دوسرے فون پر اس کا باپ میری اور اس کی باتیں نہ سن رہا ہو۔"

"الیزا سے تمہاری ملاقات بہت ضروری ہو گئی ہے!"

"مگر اس سے رابطہ قائم کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔"

"کوئی نہ کوئی صورت تو نکالنا ہو گی ورنہ بن حیان بالکل صاف نکل جائے گا اور ہم محض کف افسوس ملتے رہ جائیں گے۔"

کافی بحث کے بعد طے پایا کہ فوری طور پر عذرا جوناس کے مکان کی خفیہ نگرانی شروع کرا دی جائے اور جوں ہی الیزا باہر نکلے تو اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی جائے اور اگر عذرا کا کوئی شخص الیزا کے پیچھے لگا ہو تو اس کو راستے سے ہٹا دیا جائے۔

مجھے الیزا کے نہ ملنے کی وجہ سے شدید کوفت ہو رہی تھی اور دوسری طرف سیما کا خیال مجھے بار بار ستا رہا تھا لہٰذا میں نے وہ شام کسی پر ہجوم تفریح گاہ میں گزارنے کا فیصلہ کیا اور عبداللہ مجھے گرانڈ ہوٹل کے پاس چھوڑ کر رخصت ہو گیا۔

وہ عذرا جوناس کے مکان بلکہ الیزا کی نگرانی کا انتظام کر کے آٹھ بجے ایک بیلے تھیٹر میں ملنے کا وعدہ کر کے گیا تھا۔

تھوڑی دیر کی بے مقصد آوارہ گردی کے بعد میں ادھر ادھر کے ایک بار میں داخل ہو گیا۔ جہاں مدھم برقی روشنی میں تیز موسیقی دل میں ہنگامہ خیز سرمستی کی جستجو سے پھیلی ہوئی تھی۔

بار کے وسیع ہال کی میزیں آباد تھیں البتہ کاؤنٹر کے سامنے لگے ہوئے اونچے اسٹول خالی پڑے ہوئے تھے۔ بس کیشیر کے سامنے ایک لڑکی بیٹھی ہوئی اپنے گلاس سے شغل کرنے کے ساتھ کیشیر سے بھی باتیں کرتی جا رہی تھی۔

میں نے جیسے ہی اپنا اسٹول سنبھالا لانگ سر دار اخراجات بار ٹینڈر تیزی سے میری طرف لپکا اور مسکراتے ہوئے سر کو قدرے خم دے کر سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

"ڈبل اسکاچ مع سوڈا۔" میں نے اپنے دونوں بازو کاؤنٹر پر پھیلا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے فرمائش کی اور وہ مستعدی سے الماریوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

میں نے اپنی آنکھوں کے گوشوں سے دیکھا کہ وہ لڑکی کیشیر سے باتیں ختم کر کے میری طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

بار ٹینڈر نے میرے سامنے پیگ رکھا تو اسی وقت دو دیگر گاہک کاؤنٹر کی طرف آ گئے۔ وہاں سے فارغ ہوا تو لڑکی نے اشارے سے اسے بلایا اور اس کی طرف جھک کر سرگوشیانہ لہجے میں کچھ کہا۔ جس کا جواب بار ٹینڈر نے سر کے اشارے سے اثبات میں دیا۔ اس دوران میں بار ٹینڈر کا ایک

مددگار ان دونوں کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائے جا رہا تھا۔

میں نے پیمانے میں موجود آتشیں سیال کو چند بڑے گھونٹ لے کر اپنے معدے میں اتار لیا اور پھر پیمانے کو ساگر ان کے کاؤنٹر پر آہستہ سے رکھ کر بارٹینڈر سے کہا۔ "ایک اور ڈبل۔"

"اور ایک شیری۔" میرے عقب سے ایک شوخ نسوانی آواز آئی۔

میں نے تیزی کے ساتھ اسٹول کو گردش دینا چاہی مگر اس وقت تک وہ میرے برابر والے اسٹول پر بیٹھ چکی تھی۔

"ہیلو ہینڈسم۔" نگاہیں چار ہوتے ہی اس نے مسکرا کر معصوم لہجے میں کہا اور غیر ارادی طور پر میں بھی مسکرا دیا۔

سیاہ آنکھیں، گھنے سرخ بال، گداز جسم، تیکھے خدوخال، بھرے بھرے رخسار اور ادھ کھلے تپتے ہونٹوں کے ساتھ وہ خاصی دلکش اور معصوم نظر آ رہی تھی۔

"شیری پیو گی؟" میں نے سوال کیا۔

"وہسکی پی کر شاید تمہارا ساتھ نہ دے سکوں۔" وہ اپنا سیاہ پرس کاؤنٹر پر رکھ کر اپنے لیے سگریٹ جلاتے ہوئے بولی۔

"کیوں؟" "میں نے تو ابھی ابتدا کی ہے۔"

"میں نے دیکھ لیا ہے کہ تم نے پہلے پیگ کا کیا حشر کیا ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "مجھے ایسے لوگ پسند ہیں جو شراب کو پانی سمجھ کر پیتے ہیں۔"

"ابھی یہاں نئی وارد ہو؟"

"فکر مت کرو میں تمہاری طرح اجنبی نہیں ہوں۔ تمہیں تنہا دیکھا تو دل بہلانے کے خیال سے ادھر آ گئی۔" وہ ذرا طنزیہ لہجے میں بولی۔

اسی وقت بارٹینڈر نے میری ڈبل اور اس کیلئے شیری لا دیا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"جو چاہو رکھ دینا۔" وہ شیری والا اپنا گلاس ٹکراتے ہوئے ہنستے ہوئے بولی۔

"میں بے جا جھگڑے کا قائل نہیں ہوں۔"

"میں تو بس دل بہلانے آئی ہوں۔ تمہیں صرف ایک گھنٹے کیلئے کمپنی دے سکتی ہوں۔" وہ اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے بولی۔

"پھر تو یہاں وقت ضائع کرنا بے کار ہے۔"

ہم دونوں نے خاموشی سے اپنے گلاس خالی کیے اور میں نے پرس نکال کر جب کچھ رقم شیری کی ٹرالی پر ڈال دی۔ پرس جیب میں رکھتے ہوئے مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا...

باہر آ کر اسی کے مشورے پر میں نے ایک اجاتی ہوٹل کا رخ کیا۔ کاؤنٹر پر ساری گفتگو اسی نے کی جو فرنچ میں ہونے کے باعث میری سمجھ سے بالاتر تھی۔ پھر اس نے ہی بات کی جو کاؤنٹر کلرک نے نوٹ کر لیا اور ہم کمرے کی طرف ساتھ ہو لیے۔

تیسری منزل پر واقع ایک ڈبل روم میں موجود فلور اٹینڈنٹ نے چابی دیکھ کر ہماری رہنمائی کی اور پھر ہم نے اپنا کمرہ سنبھالا۔

وہ خوبصورت باتیں کرنے میں خاصی مہارت رکھتی تھی۔ اس کے ساتھ وقت اس قدر خوشگوار طریقے سے گزرا کہ مجھے اندازہ ہی نہ ہو سکا اور وہ...

لیے میں نے جب پچاس فرانک دیئے میرا خیال تھا کہ وہ... کرے گی مگر اس کی پیشانی پر بل بھی نہ آیا۔ اور وہ اپنا معاوضہ وصول کر کے نکل گئی۔

میری رسٹ واچ میں ساڑھے سات بجے تھے اور عبداللہ سے ملاقات میں پورا گھنٹہ باقی تھا لہٰذا میں مزید کچھ دیر وہیں آرام کرتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد میں باہر نکلا تو یوں محسوس ہوا جیسے فلور اٹینڈنٹ میرا ہی منتظر تھا۔

اس نے جھک کر میرا استقبال کیا اور شکستہ انگریزی میں دریافت کیا کہ میں ہوٹل میں مزید قیام کروں گا یا جاؤں گا۔

میری روانگی کی اطلاع پا کر اس نے مجھے ویٹر کے حوالے کیا جو مجھے ساتھ لے کر نیچے کاؤنٹر پر پہنچ گیا۔

کلرک نے مستعدی کے ساتھ حساب تیار کر کے بل میرے سامنے رکھا تو میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

اس بدو نے ہوٹل میں محض ایک گھنٹہ قیام کے سات سو فرانک بنائے تھے۔

کلرک کی انگریزی نہایت ناقص تھی۔ میں نے بل کی رقم پر احتجاج کیا تو اس نے مجھے منیجر سے بات کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے ایک شخص کے حوالے کر دیا۔

منیجر کا کمرہ ہوٹل کے ایک پرسکون گوشے میں واقع تھا اور میز کے پیچھے جو شخص براجمان تھا وہ اپنے چہرے اور آنکھوں سے خاصا سفاک نظر آ رہا تھا۔

مجھے لانے والے نے فرنچ میں جلدی جلدی کچھ کہا اور فوراً واپس پلٹ گیا۔ یہ بات میں نے خاص طور پر محسوس کی کہ آتے ہوئے منیجر کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا مگر مجھے لانے والے نے باہر نکل کر اسے احتیاط سے بند کر دیا تھا۔

"کیا بات ہے؟" منیجر نے مجھے بیٹھنے کیلئے کہے بغیر سوال کیا۔

میں نے وضاحت کے ساتھ اس کے سامنے اپنی شکایت رکھی اور بل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا "صرف ایک گھنٹے کے قیام کیلئے سات سو فرانک کا بل کیا جا رہا ہے جو سراسر ناجائز ہے۔"

"تمہیں کمرے کی چابی لینے سے پہلے ہی معلوم کر لینا چاہئے تھا۔ تمہیں یہ رقم ہر حالت میں ادا کرنا ہوگی۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولا۔

"میں اگر ادا نہ کروں تو؟"

"بحث مت کرو۔" وہ تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "رقم ادا کر کے یہاں سے چلے جاؤ ورنہ میرے آدمی تمہاری جیب خالی کر کے تمہیں باہر پھینک دیں گے۔"

"یہ سراسر بدمعاشی ہے۔"

...

پکڑے گئے اس ہوٹل میں نابلد تھے اور وہ بڑی مشکل سے بچ سکا ہے۔ ...
زور ہونے میں کامیاب ہوئی ہے اگر تم نے بل کی رقم ادا کرنے میں پس و پیش کی تو پولیس کا یہ رویہ بھی یہی رقم وصول کرانے کیلئے ہوگا۔ اس کی ادائیگی کی ضمانت رکھتے ہیں اور پھر وہ لڑکی بھی پولیس کے سامنے تمہارے خلاف گواہی دینے کی کوشش کرے گی۔"

وہ بلیک میل کی کھلی دھمکی تھی۔ میرا جی تو چاہ رہا تھا کہ چند ہی گھونسوں میں اس کا چہرہ بگاڑ کر رکھ دوں۔ مگر میں اس وقت خاصی مشکل میں تھا۔ دنیا کے مختلف ممالک کی سیاحت کے دوران وہ جانتا تھا کہ مجھے اس قدر توہین آمیز انداز میں بلیک میل کیا جا رہا تھا۔ بہتر ہے جھگڑے سے بچا جائے کیونکہ اس ہوٹل کا عملہ بہت زیادہ تھا اور منیجر بہت ... انداز میں بدکلامی کی بہت ہی کم امید تھی۔ پولیس کا سہارا لینے کی کوشش نہیں کر سکتا تھا کیونکہ ایسی صورت میں وہ اس شریف لڑکی کو میرے خلاف گواہی میں پیش کر دیتا جو مجھ سے محض پچاس فرانک لے کر رخصت ہو گئی تھی۔

مجھے یقین کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی کہ یہ سارا چکر ایک طے شدہ منصوبہ تھا... لڑکی نے مجھے پھنسانے کا منصوبہ بنا لیا تھا اور ہوٹل والے بھی اس کا خاص حصہ رہا ہوگا۔

میں نے اپنا پرس نکالا تو اس میں کل سات سو چالیس فرانک موجود تھے۔ میں نے بل کے ساتھ منیجر کی طرف بڑھا دیئے۔

"یہ لو۔" منیجر نے رقم گننے کے بعد کہا۔

"میرے پاس یہی ہے۔" میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا اور اپنی مجبوری کا اظہار کیا۔

"خیر تھوڑی سی رقم کی بات ہے۔ آئندہ آؤ تو ادا کر دینا۔" وہ رقم دراز میں رکھتے ہوئے بولا۔ "میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ پیرس کی گلیوں میں زندگی کی بقا کیلئے ہر موڑ پر محتاط رہنا۔"

"شکریہ۔" میں نے اس کی بات کا جواب دیا اور اس کے سامنے سے اٹھ کر چل دیا۔

میں نے بل پھاڑ کر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔

"لگتا ہے تمہاری ضرورت ہے۔"

"اس کے بعد اگر کوئی لڑکی تمہیں تو دلاسوں میں نے بھی ..."

"اس وقت تمہارے پاس بچے ہی کتنے ہیں کہ تم باقی رقم دینے آؤ گے۔" اس نے پرخلوص لہجے میں کہا۔

میں نے اسے گھورا اور پھر ایک لفظ بھی کہے بغیر اس کے کمرے سے باہر آ گیا۔ اس وقت میرے ذہن میں شدید غصہ تھا۔

...

"کیا کر آئے؟" میں نے اسے دیکھتے ہی سوال کیا۔

"بہت کچھ کر آیا مگر یہ تو بتاؤ کہ تمہیں کیا ہوا؟"

"کچھ بھی نہیں۔"

"چہرے سے تو بے زاری ٹپک رہی ہے۔"

"آج میرے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہوئی ہے اور مجھے اس شہر سے نفرت ہو گئی ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"تفصیل تو بتاؤ یار۔"

اور میں نے اسے ہوٹل میں لٹنے کا واقعہ سنا ڈالا۔

"بعض ہوٹلوں میں سیاحوں کو اسی طرح لوٹا جاتا ہے مگر تم فکر نہ کرو ہم اس حرام زدے سے تمہاری ایک ایک پائی کا حساب لے لیں گے۔"

"وہ بعد کی بات ہے۔ اصل قصے کا کیا ہوا؟" میں نے اس کے ہمراہ جیپ کی انتظار گاہ میں داخل ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"جواہر والا اس وقت کسی قلعے کی طرح سخت محاصرے میں ہے اور اس علاقے میں کوئی مشکوک آدمی نہیں پھٹک سکتا۔"

"کیا سرکاری طور پر حفاظت کا انتظام کیا گیا ہے؟"

"نہیں جواہر والا چار مکانوں کے ایک بلاک میں واقع ہے اور بلاک کے اطراف میں کم از کم پانچ ایسے سادہ لوح آدمی دکھائی دیں گے جو غالباً پوری طرح مسلح ہیں اور شاید کسی فلسطینی کو تو دیکھتے ہی گولی مار دیں گے۔"

"پھر تم کیسے نکلے؟"

"میں فلسطینی ہونے کے باوجود خدوخال اور لب و لہجے سے فرنچ معلوم ہوتا ہوں۔ یہ اچھا ہی ہوا کہ میں نے کسی کی ٹوہ لگانے سے پہلے خود ہی لوٹ جانے کا فیصلہ کیا ورنہ بلاوجہ مارا جاتا ایک آدمی ان کے ہاتھوں مارا جاتا۔"

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔"

"پوری بات سنتے جاؤ۔" وہ ہنس کر بولا۔ "اس صورتحال کے بعد میں نے وہاں دو آدمی لگا دیئے ہیں کیونکہ اس محلے سے نکاسی کے دو ہی راستے ہیں۔ وہ دونوں مکان سے کافی فاصلے پر اسی جگہ رہیں گے جہاں وہ پانچوں محافظ ان کی طرف توجہ نہ دے سکیں اس علاقے سے نکلنے والی کوئی گاڑی ان کی نظروں سے نہ بچ سکے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ... اگر جواہر کو منتقل کیا جائے تو رات کے وقت کوئی بھی گاڑی ... لے جاتی۔ ایسے آدمی فوراً ہی جواہر پیٹرول لے کر پہنچ جائیں گے۔ انھوں نے ان کی حرکت بھی نہ چھپی ہوگی۔"

"فی الحال وہ آدمی ان جانے گاڑیوں کے نمبر نوٹ کرتے رہیں گے۔ جیسے ہی اس کے گھر سے دونوں گاڑیوں کے نمبر مل گئے ہیں ان میں سے جو بھی گاڑی باہر نکلی میرے آدمی اس کا پیچھا کرنے والے محافظ کو ختم کر کے گاڑی کے مسافر یا مسافروں کو گھیرنے کی کوشش کریں گے۔"

"یہ راستہ پر تھا صرف ایک آدمی ہے۔ اگر وہ کسی جگہ تو تنہا شخص ان...

کا کیا بگاڑ سکے گا؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ دونوں سمجھدار ہیں۔ کامیابی کا امکان دیکھے بغیر جلد بازی میں کوئی اوچھا وار نہیں کریں گے اور کل دوپہر تک اتحادی افواج ان سے جا ملیں گے۔"

"وہ حقانی افواج تنظیم کے اراکین ہیں؟"

"نہیں کرنشگ کے قاتل۔ ان کی مدد کے بغیر ہم اپنے محدود وسائل سے بن جیان کو شاید زیر نہ کر سکیں گے۔" اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

عبداللہ مجھے جیسے ذہانت دکھانے پر مجبور تھا مگر میرے ذہن پر اتنا بوجھ طاری تھا کہ طبیعت کسی بھی تفریح کی طرف مائل نہ ہو رہی تھی لہٰذا ہم دونوں کھانا کھانے کے بعد گھر روانہ ہو گئے۔

"ایک اور بھی ترکیب میرے ذہن میں آئی ہے۔" واپسی کے سفر کے دوران میں عبداللہ نے طویل سکوت کے بعد کہا۔

"کس بابت میں؟"

"جوناس ولا میں گھسنے کا منصوبہ ہے۔" اس نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"اس سے اچھی صورت اور کیا ہوگی۔" میں نے حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔

"ہمارا ایک لڑکا ٹیلی فون کے محکمے میں ملازم ہے۔ اس کی مدد سے ہم تاروں کے برقی نظام میں گڑبڑ کر کے جوناس کے فون میں خرابی پیدا کر سکتے ہیں اور پھر اس لڑکے کے ہمراہ سرکاری گاڑی میں ٹیلی فون کی مرمت کے بہانے جوناس ولا میں داخل ہو سکتے ہیں۔"

"اور اگر اس نے شکایت درج نہ کرائی؟"

"ضروری نہیں کہ وہی شکایت کرے۔ مسلسل جواب نہ ملنے پر اس کا کوئی دوست یا شناسا بھی فکرمند ہو کر کہہ سکتا ہے۔"

"یہ بھی ممکن ہے کہ جوناس محکمے سے تصدیق کیے بغیر ہمیں اپنے گھر میں قدم نہ رکھنے دے کیونکہ آج کل وہ بہت محتاط ہوگا۔"

"اس کا بھی تدارک کیا جا سکتا ہے۔" عبداللہ شاید ذہنی طور پر پورے منصوبے کی جزئیات طے کر چکا تھا۔ "اس لڑکے کی ڈیوٹی کل صبح شروع ہوگی۔ ڈیوٹی کے آغاز سے پہلے ہم اپنا کام کر لیں گے پھر دوران ڈیوٹی کوئی متعلقہ نمبر پر فون کر کے شکایت درج کرائے گا۔ اس سے آگے اس لڑکے کا کام ہوگا کہ وہ اپنے سپروائزر کو شبہ کا موقع دیئے بغیر جوناس ولا کی شکایت دور کرنے کے لئے خود روانہ ہو جائے۔"

"یہ صورت قابل عمل ہے۔" میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "اگر ہم مناسب بھیس بدل کر ایک بار بحفاظت جوناس ولا میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے تو بن جیان کو یرغمال بنا کر ہم بڑی آسانی سے واپس ہو سکیں گے۔"

مادام سو کے پہنچنے کے کچھ وقفے بعد عبداللہ نے وہاں سے فون پر اس شخص سے رابطہ قائم کیا جو ٹیلی فون کے محکمے میں ملازم تھا۔

چند منٹ کی گفتگو کے بعد اس نے خوشی سے سرشار لہجے میں اطلاع دی کہ سارا کام حیرت ناک طور پر سہل ہوتا جا رہا ہے۔ وہ لڑکا سینٹ جرمین کے علاقے سے ہی وابستہ تھا اور اپنے دفتر میں کسی کو شبہ کا موقع دیئے بغیر آسانی سے جوناس ولا جا سکتا تھا۔

اگلے دن کا آغاز ہماری توقع سے پہلے ہی ہو گیا۔ عبداللہ نے لڑکے کو جوناس ولا کا فون خراب کرنے کی ترکیب بتا دی تھی اور اس نے یہ ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے کہ وہ ڈیوٹی کے آغاز سے پہلے ہی کسی طرح جوناس کا فون بے جان کر دے گا۔

صبح آٹھ بجے ہم دونوں سینٹ جرمین کے علاقے کے آس پاس پہنچ چکے تھے۔ عبداللہ نے سب سے پہلے جوناس ولا کا نمبر ڈائل کیا۔ چوتھی بار ناکامی کے بعد جب اسے یقین ہو گیا کہ اس کا ساتھی اپنا کام پوری طرح سرانجام دے چکا ہے تو اس نے ڈائریکٹری سے تلاش کر کے شکایت کے نمبر پر جوناس ولا کے فون میں کسی فنی نقص کی شکایت درج کرا دی۔

اس کام سے فارغ ہو کر عبداللہ اپنی کار میں دریائے سین کے ایک پُل پر سینٹ مائیکل کے پل کے قریب پہنچا اور گاڑی ایک جگہ پارک کر دی۔

دائیں جانب کچھ فاصلے پر دریائے سین کے دو دھاروں کے درمیان ابھرے ہوئے وسیع جزیرے پر ناٹرڈیم کی عظیم الشان عمارت کے برج بڑے خوابناک انداز میں نظر آ رہے تھے۔ اس سڑک پر ہم نے صبح سویرے اس علاقے کا سفر ناڈارس کی معیت میں طے کیا تھا۔

مزید وقت نہیں لگا، زیادہ دیر تک مناظر سے لطف اندوز ہونے کا موقع نہیں ملا اور ہم گاڑی میں ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

سوا نو بجے ہمیں سامنے سے ٹیلی فون کے محکمے کی ایک گاڑی آتی نظر آئی۔ پیلیس بولیوارڈ سے گزر کر وہ گاڑی پل عبور کرتی ہوئی سیدھی سینٹ مائیکل بولیوارڈ میں داخل ہوئی اور تھوڑے آگے جا کر رک گئی۔

"آؤ!" عبداللہ نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا اور ہم دونوں اپنی کار وہیں چھوڑ کر اس اسٹیشن ویگن کی طرف بڑھے۔

اسٹیشن ویگن کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیس بائیس سال کی عمر کا ایک تنومند فلسطینی لڑکا اپنے محکمے کی وردی میں ملبوس بیٹھا تھا۔

اس نے کھڑکی سے سر نکال کر عبداللہ کو دیکھتے ہوئے روانی سے عربی میں خوش آمدید کہا اور عبداللہ نے جواب دیتے ہوئے اس کے برابر جا بیٹھا۔ میں نے بھی اس کی تقلید کرنے میں خاصی پھرتی دکھائی اور گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

اس وقت میرے اور عبداللہ کے پاس چھوٹے ہوئے خودکار ریوالور موجود تھے جو میری دانست میں اس مہم کے لئے ناکافی تھے۔

مگر اس لڑکے نے میری الجھن فوراً ہی رفع کر دی اور عبداللہ سے بولا "نشست کے نیچے چرمی بیگ میں دھویں کے بم اور ہینڈ گرینیڈ موجود ہیں۔"

"دو پلاسٹک بم بھی ساتھ لیتا آیا ہوں۔" فوراً ایک سنسنی خیز اطلاع سی سنا دی۔

عبداللہ نے نشست کے نیچے سے چرمی بیگ نکال کر اپنی گود میں رکھا اور احتیاط سے اسے کھول دیا۔

پلاسٹک بم اور ہینڈ گرینیڈ چھپائے تھے جو ہم دونوں نے اوورکوٹ کی جیبوں میں ڈال لئے اور دھویں کے بم اسی بیگ میں چھوڑ دیئے۔

"ہم تو گاڑی کے پچھلے حصے میں چھپ جائیں تو بہتر ہوگا۔" میں نے کہا۔

"نہیں کوئی ضرورت نہیں۔" عبداللہ کے بجائے وہ لڑکا بولا۔ "ہمارے ہاں بعض اوقات ہمارے نگران بھی شکایات کی درستگی کیلئے آ جاتے ہیں بلکہ عموماً گاڑی کے بارے میں ہمارا کوئی نہ کوئی براہ راست معلومات حاصل کر لیتا ہے۔"

آگے چل کر اس نے اسٹیشن ویگن دائیں جانب سینٹ جرمین بولیوارڈ پر موڑ دی۔

"ادھر والا گھر جو ہے۔" عبداللہ نے ایک گلی میں گاڑی مڑتے ہوئے اشارہ کیا۔ "اپنے آدمی کی جانب ہے جسے اس سمت میں جوناس ولا کی گاڑیوں کی نگرانی پر مامور کیا گیا تھا۔"

عبداللہ نے اس صاف ستھرے رہائشی علاقے کی کشادہ گلیوں میں اندر کئی موڑ مڑنے اور پھر ایک بیکری کے سامنے گاڑی روک دی۔

گاڑی چلانے والے نے جوناس ولا کے سامنے میں ہلکی سی بریک دے کر گاڑی اس کے سامنے جاتے ہوئے موڑ لی۔

"اب تک جوناس ولا کے محافظوں کی تعداد کو لکھ ہے۔" عبداللہ بولا۔ "تم اندازہ لگانے کیلئے تو کیمروں میں جا لگائے تھے۔"

"ہاں بہتر کہا ہے۔ مجھے سے پہلے حفاظتی انتظامات بہت ضروری تھے۔" ایک وسیع خاموشی ہو گئی کیونکہ جوناس ولا سامنے آ گیا تھا۔

وہ جیسے ہی پھاٹک پر پہنچا دربان نے پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھول کر گاڑی ہی سے سوال داغ دیا جو میری سمجھ میں نہ آیا۔

ڈرائیور کا جواب سن کر دربان کھڑکی بند کر کے اندر چلا گیا۔

"ایک شخص ہماری گاڑی کے پیچھے گلی کی نکڑ پر کب سے کھڑا ہے۔" ڈرائیور نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے بتایا۔

"کون ہے وہ کالے اوورکوٹ والا؟" عبداللہ نے مڑ کر دیکھے بغیر کہا۔

"اسے نہیں جانتے؟ تمہیں بھی فکر ہونی ہے؟" ڈرائیور نے حیرت سے سوال کیا۔

"وہ کل شام کو یہاں موجود تھا اور ابھی میں نے گھروں کا طواف کرتے ہوئے دیکھا تھا۔" عبداللہ نے بتایا۔ "مگر اس وقت اس کے ساتھی نظر نہیں آ رہے تھے۔"

اسی وقت دربان نے پھاٹک کھول کر گاڑی کو اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا اور اسٹیشن ویگن تیزی سے پارکنگ میں داخل ہوئی۔ اس نے پھاٹک بند کیا۔

پارکنگ میں مرسڈیز کے علاوہ صرف ایلیزا کی کار موجود تھی جبکہ عبداللہ دو گاڑیوں کی موجودگی کی خبر لایا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ حالات خوشگوار ہو چکے تھے۔

فلسطینی ڈرائیور انجن بند کر کے شکایات کے اندراج والا رجسٹر لئے نیچے اترا تو ہم بھی نیچے آ گئے۔ اس وقت میرا دل دھڑک رہا تھا اور میں کسی بھی لمحے اپنی جیبوں میں موجود آتشگیر اسلحے سے تباہی پھیلانے کے لئے تیار تھا۔

ہم تینوں گاڑی سے برآمد ہو کر ٹیکسی پہنچنے سے قبل ہی عمارت کا دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر عورت باہر آئی جسے میں پہلی بار ایئرپورٹ پر ایلیزا اور حمدان کے ہمراہ دیکھ چکا تھا۔

اس عورت سے گفتگو کی ذمہ داری عبداللہ نے سنبھالی اور خلاف توقع ان دونوں میں کئی سوالوں کا تبادلہ ہوا۔ ایک بار عورت کے لہجے میں تحیر جھلک آیا۔ اور عبداللہ کا جواب سن کر وہ ہنسنے لگی۔

اس تبادلے کے بعد ہمیں اندر داخلے کی اجازت مل گئی۔ ایلیزا کی ماں نے ہمیں فون دکھایا اور خود چلی گئی۔ فلسطینی مکینک ماہرانہ انداز میں فون کی جانچ پڑتال میں مصروف ہو گیا۔ اور عبداللہ مجھے جوناس سے ہونے والی گفتگو کا خلاصہ سنانے لگا۔

ان لوگوں کا فون خراب ضرور تھا مگر عورت کے مطابق اس کی شکایات درج نہیں کرائی گئی تھیں۔ اس نے طنز بھی کیا کہ ٹیلی فون والے اتنے فرض شناس کب سے ہو گئے کہ خود ہی خرابی کا سراغ لگا کر ہمارے گھروں پر پہنچنے لگے۔ مگر عبداللہ نے پہلے سے سوچا ہوا جواب دے کر اسے مطمئن کر دیا۔

ہم دونوں بہت تیزی کے ساتھ ماحول کا جائزہ لے رہے تھے اور اپنی کارروائی کے لئے نقطہ آغاز تلاش کر رہے تھے۔

جوناس ولا میں چھائی ہوئی خاموشی ہماری توقعات کے بالکل برعکس تھی۔ سب سے زیادہ حیرانگی اس بات کی تھی کہ حمدان اور بن جیان کے بجائے ایلیزا کی ماں باہر آئی تھی۔ اس نکتے کو ایک گاڑی کی عدم موجودگی سے مربوط کرنے کے بعد صرف ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا تھا جو ہمارے لئے خاصا حوصلہ شکن تھا۔

میں بالائی منزل کے زینے پر نظریں جمائے اوورکوٹ کی جیب میں پستول کو دبائے ہوئے کسی کی آمد کا منتظر تھا کہ اچانک قالین پر دبے قدموں سے چلتی ہوئی ایلیزا نمودار ہوئی اور میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی بھونچکا رہ گئی۔

"تت..... تم یہاں کیسے آ گئے؟" وہ حیرت سے ہکلاتے ہوئے بولی۔

"ٹیلی فون درست کرنے آیا ہوں۔" میں نے اپنی مسرت پر قابو پاتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تمہارا باپ کہاں ہے؟"

"تم یہاں سے چلے جاؤ۔" وہ سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔ "وہ اپنے بھائی کے ساتھ صبح سویرے کہیں گیا ہے اور کسی بھی وقت لوٹ آئے گا۔"

"میں اسی کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"چلے جاؤ، خدا کے لئے چلے جاؤ۔" وہ میرے قریب آ کر خوفزدہ لہجے میں بولی۔ "وہ تمہاری بوٹیاں کر کے چیلوں کو کھلا دے گا۔"

میں نے اچانک جیب سے آہنی نالی والا پستول نکال لیا۔
"اپنا اسباب پیک کرو اور مجھے ابرام کے کمرے تک لے چلو۔"
"اسے جیب میں رکھو۔" وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولی "ممی نے یہ پستول دیکھ لیا تو دہشت سے ان کا دم ہی نکل جائے گا۔"
میں نے پستول جیب میں ڈال لیا۔ اور عبداللہ کو ٹیکسی سمیت وہیں چھوڑ کر ایمبرا کے ہمراہ اندر کی طرف چلا گیا۔
"میرا باپ بہت چالاک ہے۔ اسے پتہ چل گیا تھا کہ میں تم سے ملی تھی۔ اس کا خیال ہے کہ تم اس کے نامعلوم دشمنوں سے ملے ہوئے ہو اور میرے ذریعے اسے کوئی بڑی زک پہنچانا چاہتے ہو۔" وہ آہستہ آہستہ بتانے لگی۔
"مگر اسے کس طرح علم ہوا؟"
"وہ ٹیلی فون ڈائل سے سیٹ تک جاتے ہوئے جو دو تاروں کی جگہ ہے... ٹیپ ہوتی تھی تم نے اپنی دانست میں اسے صاف کر دیا تھا مگر میرا باپ بہت چالاک ہے۔ وہ ہر ٹیپ لگانے سے پہلے ابتدا میں ایک ڈیڑھ سیکنڈ کی کوئی مخصوص آواز بھر دیتا تھا۔ جب اس نے حسب معمول وہ ٹیپ چیک کیا تو اس کا پہلے سے بھرا ہوا خاص اشارہ بھی غائب تھا۔ شبہ ہو جانے پر اس نے وہ ٹیپ ایک انتہائی حساس ریکارڈر پر چلایا۔ اور ٹیپ کی مدد سے میری اور تمہاری گفتگو کے کچھ حصوں میں کامیاب ہو گیا۔ پھر اس نے کسی جلاد کی طرح مجھ سے باز پرس کی مگر میں نے زبان نہ کھولی تو اس نے یہی ٹیپ میرے سامنے اپنے جاننے کے حساس ترین ریکارڈر پر چلایا۔ اس وقت مجھے پتہ چلا کہ مٹے ٹیپ سے آوازیں مٹانا اس قدر مشکل ہے۔"
"اور تم نے اعتراف کر لیا؟"
"نہیں... میں نے پھر بھی اس ٹیپ سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کیا تھا۔ پھر حالانکہ اس نے نہایت بے دردی سے مجھے زدوکوب کیا مگر میں نے بھی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اس کے ہاتھوں مر جاؤں گی مگر اعتراف ہرگز نہیں کروں گی۔"
"تمہیں پٹتے دیکھ کر تمہاری ماں پر کیا گزری، وہ نہیں بچا سکی؟"
"وہ بہت مکار ہے۔ اس نے ممی کو خواب آور دوا پہلے ہی دے کر گہری نیند سلا دیا تھا۔ پھر مجھ کو ایمبرا ایک مقفل کمرے کے ملازمہ کے... یہ ابرام کا کمرہ ہے جو اس کی غیر موجودگی میں ہمیشہ مقفل رہتا ہے۔"
"مگر فون پر تم نے مجھے یہاں آنے سے انکار کیوں کیا تھا؟"
"تم نے شاید اس سے پہلے بھی فون کیا تھا اور میرے باپ کی آواز سنتے ہی خاموشی سے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ دوبارہ گھنٹی بجی تو اس نے مجھے فون وصول کرنے کا حکم دیا اور خود دوسرے فون کا ریسیور کان سے لگا کر بیٹھ گیا۔ اگر میں تم سے پیچھا چھڑانا چاہتی تو بات ہی ختم ہو جاتی۔ محض ٹیلی فون کی خرابی کی وجہ سے مجھے خود باہر

جانا پڑا۔ اور شاید میرے باپ نے کسی کو میری نگرانی پر بھی لگا دیا تھا مگر میں بھی اسی کی بیٹی ہوں۔ پیچھا کرنے والا مجھے کھو کر اپنا سر پیٹ کر رہ گیا ہو گا۔"
"اسے کس طرح دھوکا دیا تم نے؟" میں نے ہنستے ہوئے سوال کیا۔ میرے دل میں ایمبرا کے لیے وقعت اور ہمدردی کے جذبات ابھرنے لگے تھے۔
"بہت آسان ترکیب تھی۔" وہ اس واقعہ کو یاد کرتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ "میں نے ایک میڈیکل اسٹور کے سامنے کار روکی اور اسٹور میں داخل ہو کر عقبی راستے سے نکل گئی جب میں ٹیکسی سے ہٹ کا چکر لگا کر واپس لوٹی تو وہ وہیں موجود تھا۔"
"اب میں ابرام کے کمرے کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔"
"اس پر مجھے یقین ہے۔ میں اس ماحول سے گھبرا گئی ہوں اور جلد سے جلد کہیں نکل جانا چاہتی ہوں۔"
"اور تمہاری ماں کا کیا ہو گا؟"
"ممی کی وجہ سے میں اب تک بہت ظلم سہتی آئی ہوں مگر میں اپنی ساری زندگی برباد نہیں کر سکتی۔" وہ جذباتی لہجے میں بولی۔
"تمہاری ماں تمہارے فرار کا صدمہ سہہ سکے گی؟" میں نے اس کی دکھتی ہوئی رگ کو دباتے ہوئے کہا۔ کیونکہ میں اسے اپنے گلے کا ہار بنانے پر آمادہ نہیں تھا۔ اور ویسے بھی یہ میاں کے خلاف گھر میں رہ کر میرے لیے زیادہ کارآمد تھی۔
"میں جانتی ہوں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "مگر ممی نے کبھی میرے باپ کو ظلم سے روکنے کی کوشش نہیں کی ورنہ شاید وہ اپنا رویہ درست کر لیتا۔ ممی نے اپنی خاموشی سے اسے شہ دے رکھی ہے۔"
"اس وقت بھی عذرا کا ایک آدمی تمہارے مکان کے باہر موجود ہے۔" میں نے کہا۔ "مگر تمہارے بھاگ جانے سے مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ باہر کی دنیا بہت بے کیف اور ظالم ہے تم اس سے سمجھوتہ نہیں کر سکو گی۔"
"پھر بتاؤ کہ میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟"
"میرے ساتھ باہر لان پر چلو ورنہ تمہاری ماں جاری گفتگو سن لے گی۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
"لاؤنج میں باہر سے خرابی ہے۔" میرے باہر سے گزرنے پر عبداللہ نے کہا۔
"تم دونوں اسے درست کر لو میں ابھی دیکھتا ہوں۔" میں نے لان کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔
عبداللہ نے ایمبرا کی آنکھ بچا کر مسکراتے ہوئے انگلی سے فتح کا نشان بنایا اور پھر میرے پیچھے باہر آ گیا۔
"ابرام اور عذرا کہاں گئے ہوئے ہیں؟" لان پر پہنچنے کے بعد میں

نے پوچھا۔
"میں بتا چکی ہوں کہ وہ دونوں اپنے پروگرام کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتاتے۔" اس نے بیزاری کے ساتھ جواب دیا۔
"مجھے ایک بات کا علم ہوا ہے جو شاید تمہارے علم میں نہ ہو۔" میں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
"اور وہ... میں ہر بات سننے کے لیے تیار ہوں۔"
"مجھے معتبر ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ اسرائیلی سمندری جہاز کی تباہی کا ذمہ دار تمہارا باپ ہے۔" میں نے اس کے تیقن کی جھنجلاہٹ دیکھنے کے لیے اس پر نظریں گاڑ کر پھر لہجہ ہموار کیا۔
"نہیں۔" بے یقینی سے اس کی آنکھیں کشادہ ہو گئیں۔ "تمہیں یہ کیسے پتہ چلا؟"
"دراصل میں پہلے بھی کچھ دوست ہیں تم نے شکار کیا... تمہارے گھر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ بالکل اسی وقت یہ بات میرے علم میں آئی ہے۔"
"تم نے جیسے دل ہی دل میں اسی انتظام کے لیے بیٹھ گیا تھا۔" وہ بڑبڑائی۔
"اس کام کے لیے تمہارے باپ کو خطیر معاوضہ دیا گیا ہے۔"
"لعنت ہو اس پر۔" وہ نفرت آمیز لہجے میں بولی۔ "اور پھر وہ فخر کرتا ہے... اور یہودی تنظیموں کی سرپرستی کرتا ہے۔"
"میں محض تمہاری وجہ سے عذرا میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوا ہوں اللہ جانتا ہے کہ اس کے چہرے سے اس طرح نقاب ہٹا دوں کہ لوگ اس سے نفرت ہو جائے۔" میں نے گھمبیر لہجے میں کہا۔ "جیسے فسادی کے لیے تمہارے دل میں نفرت کی بنیادیں تعمیر کر رہا ہے حالانکہ مجھے اس سے محبت ہے۔"
"اس جیسے موذی کو تو مر ہی جانا چاہیے۔" وہ دانت پیس کر نفرت بھرے لہجے میں بولی۔ "وہ تو رشتوں تک کے احترام کا قائل نہیں ہے۔"
میں نے خاموشی اختیار کی اور وہ خالی الذہنی کے عالم میں میری صورت تکتی رہی۔
"تو بتاؤ کہ اتنے جتن کر کے تم میرے گھر کس لیے آئے ہو؟" اچانک اس نے سوال کیا۔
"مجھے معلوم کرنے دو کہ تم اچانک مجھ سے منحرف کیوں ہو گئیں جبکہ میں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی تھی۔"
"اس کا جواب تو مل گیا تم کو۔"
میں نے اثبات میں سر ہلایا۔
"اب تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو؟"
"تمہارے باپ کی طرف سے خواہ مخواہ میرے دل میں عناد پیدا ہو گیا ہے۔ اگر تم نے کسی طرح اسے زیر کرنا چاہا ہو تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"تم اسے مار کیوں نہیں دیتے؟" چند ثانیوں کے بعد اس نے رازدارانہ لہجے میں سرگوشی کی اور میں بری طرح اچھل پڑا جیسے مجھے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔
آزاد مغربی معاشرے کی پروردہ ایک جواں سال لڑکی اپنے عارضی آشنا سے اپنے باپ کے قتل کی فرمائش کر رہی تھی۔
"قتل بہت بڑی بات ہے ایمبرا۔ میں تو بس اسے ذلیل و خوار کرنے کا خواہشمند ہوں۔" میں نے اپنے دلی جذبات پر پردہ ڈالتے ہوئے کہا۔
"تم میری مدد کرو۔ میں نے سنا ہے کہ پیرس میں ایسے غنڈے موجود ہیں جو پیسے لے کر دنیا کا ہر کام کرنے کو تیار رہتے ہیں۔"
"میں ایسے معاملات میں فریق نہیں بن سکتا۔" میں نے اس کے ارادے کی مضبوطی پرکھنے کے لیے انکار کی تکرار جاری رکھی۔
"میں منہ مانگا معاوضہ دینے کو تیار ہوں۔" وہ فرط جذبات سے لرزتی ہوئی سرگوشیانہ آواز میں بولی۔ "اس کی موت سے میری کئی مشکلیں آسان ہو جائیں گی اور میں عملی زندگی کی ہر تلخ ذمہ داری سے دوچار ہوئے بغیر اپنی مرضی کی زندگی گزار سکوں گی۔"
"ایک بار معاوضہ ادا کر کے تم اپنی جان نہیں چھڑا سکو گی۔" میں نے اپنے پیکٹ سے ایک سگریٹ اسے دیتے ہوئے کہا۔
"وہ کیوں؟" ایمبرا سگریٹ سلگا کر بولی۔
"غنڈے زندگی بھر تمہیں بلیک میل کرتے رہیں گے۔"
"اسی لیے تو میں تمہاری مدد چاہتی ہوں۔ تم میرے اور ان کے درمیان میں آئے بغیر یہ کام خوش اسلوبی سے انجام دے سکتے ہو۔"
"اس سے تو بہتر ہو گا کہ میں خود ہی اسے ٹھکانے لگا دوں۔"
"میں زندگی بھر تمہاری احسان مند رہوں گی۔"
"نہیں مجھے یہ موقع فراہم کرنا ہو گا کہ میں عذرا کے قریب رہ سکوں۔"
"اس کی ضرورت ہی کیا ہے کسی بھی مناسب موقع پر تم بہتر طریقے سے اپنا کام کر سکتے ہو جو باہر بھی ہو سکتا ہے اور گھر پر بھی۔"
اسی وقت پھاٹک کھلا اور عبداللہ مکینک کے ہمراہ فون درست کر کے گاڑی میں واپس لوٹ آیا۔
"تم کسی وقت باہر مجھ سے اس سلسلے میں بات کر لو۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔
"میں کل شام کو ہوٹل پر آؤں گی۔" اس نے کہا۔ "تمہارے خیال میں وہی سب سے زیادہ محفوظ جگہ ہے؟"
"ٹیپ میں اس کا ذکر تو نہیں تھا؟"
"نہیں۔ وہ نہ جانے کیسے بچ گیا۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "اس میں تمہاری آواز کم تھی اور میری کچھ اس سے زیادہ۔ میں اس وقت شاید بہت قریب تھی۔"

سے زیادہ تر نگ لیں تھی۔"

فلسطینی مکینک نے ٹیلی فون کی مرمت کے بعد پہلا فیزا کے دستخط کرائے اور ہم تینوں وہاں سے روانہ ہو گئے۔

"یہ سے راز دینا زیادہ مہنگا ہے۔" باہر نکلتے ہی عبداللہ نے قہقہہ مار کر کہا۔

"راز دینا زیادہ ہی مہنگا ہے، آپ کے بہت شوقین ہیں۔" میں نے نوجوان مکینک کی وجہ سے اصل بات نہیں چھیڑی۔

سینٹ مائیکل پر عبداللہ کے پتہ لینے پر اس مکینک نے گاڑی روکی تو عبداللہ آنٹیگیر اور ان والے چپ کی ایک سمت اتر گیا ہم دونوں کو چھوڑ کر وہ لڑکا یوں لاپروایانہ انداز میں آگے بڑھ گیا جیسے اسے سارے کام معمول کے مطابق سرانجام دینے ہوں۔

"ابراہم اور عذرا صبح سویرے ہی کہیں نکل جائیں گے پھر" میں نے عبداللہ کو بتایا۔ "تم جانتے انہیں کیا کام پیش آ گیا؟"

"مجھے اپنے آدمی کی فکر ہو رہی ہے۔ ان دونوں کے پیچھے شاید چار محافظ گئے ہوں گے اور اس نے تنہا ان سب کا تعاقب کیا ہو گا اب سب سے پہلے اس کی خیر خبر لینی ہے۔" عبداللہ تشویش آمیز لہجے میں بولا۔

سفر کے دوران میں نے اسے ایچی اور ایلیزا کی گفتگو سنا ڈالی۔

"مجھے پہلے ہی معلوم تھا۔" میرے خاموش ہوتے ہی وہ خوشی سے سرشار لہجے میں بولا۔ "تمہارے ہاتھ چڑھنے والی لڑکیاں تمہارے اشاروں پر ناچنے لگتی ہیں اور یہ تو سب سے آگے نکل گئی اور خود اپنے باپ کو مروانا چاہتی ہے۔"

"غنیمت یہ ہے کہ اس نے مجھ سے شادی کی فرمائش نہیں کی۔"

"اگر دولت کی فراوانی اور آزادی میسر ہو تو نوجوان لڑکے لڑکیاں شادی سے گریز ہی کرتے ہیں۔" عبداللہ نے کہا۔

صبح ہی صبح ہم لوگوں نے جوناس ولا میں داخل ہو کر بڑی کامیابی حاصل کی تھی اور مجھے ایلیزا کے بارے میں حقائق جاننے کا موقع مل گیا تھا۔

عذرا اور ابراہم کے گھر پر موجود نہ ہونے سے ہمارا شگاف آرائی کا پروگرام نامکمل رہ گیا تھا مگر اس میں بھی شاید کاتب تقدیر کی کوئی مصلحت پوشیدہ تھی۔ ورنہ کسی گنجان آبادی میں خونریز تصادم کے نتیجے میں ہم لوگوں کا بچ نکلنا بڑا دشوار ہو جاتا۔

عبداللہ شہر کے مختلف حصوں سے ہوتا ہوا مزدور طبقے کی ایک بستی میں پہنچا۔ وہاں کافی کوشش کے بعد اسے مطلوبہ شخص مل گیا۔

اسے پچھلی نشست پر بٹھا کر عبداللہ نے تیز رفتاری سے گاڑی چلانی شروع کی تو اس ادھیڑ عمر فلسطینی نے سرگوشی میں اپنی کہانی چھیڑ دی۔

اس کے بیان کے مطابق جوناس ولا سے صبح سویرے ایک گاڑی برآمد ہوئی اور تیزی کے ساتھ اس کے سامنے سے گزر گئی۔ جس کے فوراً بعد مزید دو نامعلوم گاڑیاں کم و بیش اسی رفتار سے روانہ ہوئیں اور وہ ان تینوں کے پیچھے ہو لیا۔

اس بھاگ دوڑ کا اختتام اورلی ایئرپورٹ پر ہوا اور وہاں تینوں گاڑیوں میں سے کل چھ افراد برآمد ہوئے۔ ان میں سے دو جو پیچھے کی گاڑیوں سے اترے تھے وہ باقی چاروں پر پوری طرح حاوی معلوم ہوتے تھے۔

ان سب نے ہوائی اڈے سے جنیوا جانے کے لئے فرسٹ کلاس کے ٹکٹ لئے اور سات بج کر دس منٹ پر پرواز کرنے والے طیارے سے روانہ ہو گئے جبکہ ان کی متعلقہ گاڑیاں ایئرپورٹ پر ہی کھڑی رہیں۔

اس سے تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے بعد عبداللہ نے اسے واپس چھوڑ دیا۔ اس نے خاص طور پر ان تینوں گاڑیوں کے نمبر لے لئے تھے جو ایئرپورٹ پر کھڑی ہوئی تھیں۔

"اب ہمارے لئے میدان صاف ہے۔" عبداللہ نے مجھ سے کہا۔

"کیا مطلب ہے؟"

"وہ دونوں نیس چلے گئے۔ اب جوناس ولا میں ہی ایلیزا کے ساتھ عیش کرو گے۔"

"ابھی کرنا ہو گا۔ شاید ابراہم یا عذرا کے سامان میں سے کوئی کام کی چیز مل جائے مگر ادھر کا رخ کرنے سے پہلے جوناس ولا کے باہر موجود آدمی کو ہٹانا ہو گا۔"

"اس علاقے کے شمالی راستے پر اب بھی میرا آدمی موجود ہے تم ایلیزا سے کہو کہ وہ اسی راستے سے نکل کر شہر کے کسی ویران علاقے کی طرف چل دے۔ اس شخص کو ہم لوگ وہیں جا لیں گے۔"

میں نے تجویز پیش کی کہ ایئرپورٹ پر کھڑی ہوئی تینوں گاڑیوں کو بموں سے اڑا دیا جائے۔ مگر عبداللہ نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ اس کی دانست میں یہ غیر ضروری اور بے مقصد دہشت گردی ہوتی جس سے ہماری دوسری کاروائی کو بھی شدید نقصان پہنچتا۔

میں نے ایک جگہ سے فون کر کے ایلیزا کو خوشخبری سنائی کہ اس کا باپ اپنے بھائی کے ساتھ نیس چلا گیا۔ تو وہ خاصی مسرور ہوئی کہ اس بہانے اسے تھوڑی سی چھوٹ مل جائے گی۔ اور جب میں نے اسے نگرانی کرنے والے کے بارے میں بتایا تو وہ فوراً ہی نہ صرف آمادہ ہو گئی بلکہ اس نے ایک بہتر تجویز پیش کر ڈالی۔

"اسے باہر گھیرنے کے بجائے جوناس ولا میں ہی کیوں نہ بلا لیا جائے" اس نے کہا۔ "ہم لوگوں کو اس خبیث کے لئے مکان چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"تم اسے پہچانتی ہو؟"

"میں صرف ایک ہی کو پہچانتی ہوں جسے میں نے چکمہ دیا تھا اگر وہ پہلے والا ہوا تو کوئی بات نہیں اور اگر ہے تو میرے لئے مشکل ہو گی۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر ہم اسے ساتھ ہی لاتے ہیں۔" یہ کہہ کر میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

سینٹ جرمین کے علاقے میں پہنچ کر عبداللہ نے پہلا کام یہ کیا کہ شمالی راستے پر مامور اپنے آدمی کی چھٹی کر دی۔ اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اپنی کار عین اس درخت کے پاس روک دی جس کے سائے میں ایک سیاہ رنگ کی گاڑی کھڑی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا آدمی سستا رہا تھا۔

کار کو اپنے قریب رکتے دیکھ کر وہ خاصا بوکھلا گیا۔ اور مشتبہ انداز میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"ادھر آؤ۔" عبداللہ نے حقارت آمیز لہجے میں اسے بلایا اور وہ جھجکتا ہوا کار کے قریب آ گیا۔

"پیچھے بیٹھ جاؤ۔" عبداللہ نے اگلا حکم دیا۔

"تم کون ہو۔ میں تمہیں نہیں جانتا۔" وہ اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے سخت لہجے میں بولا۔

"تمہیں جوناس ولا میں طلب کیا جا رہا ہے۔" عبداللہ نے منہ بنا کر کہا۔

"تم جاؤ میں پیدل آ رہا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ اور عبداللہ نے فوراً ہی کار جوناس ولا کی طرف بڑھا دی۔

اس آدمی نے ولا پہنچتے ہی پھاٹک کھول دیا کار کے انجن کی آواز سنتے ہی ایلیزا بھی مکان سے باہر آ گئی۔

وہ بے ساختہ انداز میں کچھ کہنے والی تھی مگر عبداللہ پر نظر پڑتے ہی ٹھٹک گئی۔ اور چند لمحوں کے سکوت کے بعد شائستہ لہجے میں بولی۔

"باہر کھڑے ہو؟ اندر آ جاؤ پلیز۔"

"تمہارے محافظ کا انتظار ہے۔" میں نے کہا۔

وہ نوجوان باہر نکل کر ہمارے قریب آ گئی۔

"مجھے چارلس ورتھ کہتے ہیں۔" میرے بولنے سے قبل ہی عبداللہ نے اپنا تعارف کرا دیا۔ "خدا جانے یہ صاحب کار میں کہیں نہیں بیٹھا ہوا ہوں۔"

"میرا نام ایلیزا جوناس ہے۔" اس نے عبداللہ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

جلد ہی آنے کے باوجود خاصی دیر لگ گئی مگر وہ نہیں آیا تو مجھے تشویش ہوئی۔ اور میں نے فوراً کھڑکی سے باہر نگاہ ڈالی۔ پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ شاید وہ آخری وقت پر خطرہ بھانپ کر نکل گیا تھا۔

"آ گیا آپ کا چوکیدار؟" میں نے واپس آ کر کہا تو وہ دونوں میری طرف دیکھنے لگے۔ "وہ یہاں آنے کے بجائے بھاگ گیا۔" میں نے اپنی ناکامی کا اظہار کر ڈالا۔

"اسے بھول ہی جاؤ تو بہتر ہے۔ میرے خیال میں وہ باپ کی آمد سے قبل لوٹ کر نہیں آئے گا۔" ایلیزا کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

"تو تمہارا باپ جونس ہے؟" عبداللہ نے ایلیزا سے سوال کیا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ میرے پھاٹک تک جانے اور آنے کے دوران ہی وہ دونوں ایک دوسرے سے خاصے بے تکلف ہو گئے تھے۔

"باپ کے بغیر اولاد کا تصور ممکن ہے؟" ایلیزا نے قہقہہ لگاتے ہوئے الٹا سوال کر ڈالا۔ اور عبداللہ شفقت آمیز انداز میں ہنسنے لگا۔

"میرا مطلب تھا کہ تمہارا باپ زندہ ہے؟"

"فی الحال تو زندہ ہی ہے۔" ایلیزا نے شوخ لہجے میں کہا۔

میں نے اسے تیز نظروں سے گھورا تو وہ سنبھل گئی۔ عبداللہ کی مدد کے بغیر ایلیزا کی وہ غیر محتاط گفتگو نقصان دہ نہیں تھی نہیں وہ بھی اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ خاصی خوشگوار صورتحال پیدا ہونے کے امکانات تھے۔

"تم دونوں میں بہت جلد دوستی ہو گئی۔" میں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"زبان کی بات ہے۔ تم سے انگریزی بولنی پڑتی ہے اور مسٹر چارلس ورتھ مجھ سے اچھی فرانسیسی بولتا ہے۔" ایلیزا نے وضاحت کی۔

"تمہیں قریب پا کر بولنے لگا ہو گا ورنہ تھوڑی دیر پہلے ٹیلی فون درست کرنے آیا تھا تو بالکل ہی گونگا تھا۔" میں نے کہا۔

"شکر کرو میں تمہاری حق تلفی نہیں کروں گا۔" عبداللہ نے برجستہ جواب دیا۔

"اب ان دونوں کی فوری واپسی کا امکان نہیں ہے لہٰذا میں ابراہم کا کمرہ دیکھ ڈالوں۔ تم چارلس ورتھ کے ساتھ بیٹھو۔" میں نے ایلیزا سے کہا۔

"مگر وہ تالا کیسے کھولو گے؟"

"مضبوط تالے کے کچھ تجربے ہیں۔ شاید کوئی کام کر جائے ورنہ تالا توڑ دوں گا۔"

"تالا نہ توڑنا۔" وہ جلدی سے بولی۔ "وہ واپس آ کر قیامت کھڑی کر دے گا۔" وہ میرے ساتھ اس کمرے سے نکلتے ہوئے بولی۔ پھر مڑ کر عبداللہ سے فرنچ میں کچھ بولی اور میرے ساتھ ہو لی۔

"تمہارا کا مال کہاں ہے؟"

"وہ بے خبر سو رہا ہے — اب تم یہ بتاؤ کہ چارلس ورتھ سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"دوست ہے میرا۔"

"میرے معاملے کے بارے میں اسے کیا معلوم ہے؟"

"اس کے سامنے زبان نہیں کھولنا۔" میں نے پرکھنے کی اداکاری کرتے ہوئے بولا۔ "وہ بس اتنا جانتا ہے کہ تم میری مظلوم محبوبہ ہو جس پر اس کے باپ نے نازیبا پابندیاں عائد کی ہوئی ہیں۔"

"کیا تم اسی کے ساتھ رہتے ہو؟"

"ہاں۔" میں روانی میں اقرار کر گیا۔

وہ چلتے چلتے رک کر مجھے گھورنے لگی۔ "پہلے تو تم نے بتایا تھا کہ تم کسی دوست کے ساتھ رہتے ہو۔ وہ بہت اجڈ اور عورتوں کے معاملے میں حریص ہے مگر چارلس ورتھ تو نہایت نفیس مزاج کا مالک معلوم ہوتا ہے۔"

"تمہاری غلط فہمی جلد ہی دور ہو جائے گی۔" اپنا جھوٹ نبھانے کے لئے میرے پاس اس سے بہتر جواب نہیں تھا۔

اس نے باورچی خانے اور اسٹور سے تلاش کر کے کئی تار میرے حوالے کئے اور مجھے ابراہم کے مقفل کمرے کے سامنے چھوڑ کر واپس چلی گئی۔

طویل عرصے کے بعد ایک مرتبہ پھر مجھے قفل شکنی کا سامنا تھا۔ مشق چھوٹ چکی تھی۔ مگر کچھ بنیادی باتیں ذہن میں محفوظ تھیں۔ لہٰذا دو تین مرتبہ تار گھمانے کے بعد جب مجھے اس تالے کی ساخت کا اندازہ ہو گیا تو پہلی ہی کوشش میں تالا کھل گیا۔

وہ کمرہ ابراہم سونے کے ساتھ مطالعہ کے لئے بھی استعمال کرتا تھا کیونکہ وہاں بستر کے ساتھ بے شمار موضوعات پر کتابوں سے بھری ہوئی دیوار گیر الماریاں اور ایک لکھنے کی میز بھی موجود تھی۔

تلاشی کا آغاز میں نے بستر سے کیا جو بالکل صاف تھا پھر میز کی طرف توجہ دی مگر وہاں بھی سادہ کاغذات، لفافوں کے بنڈل اور لکھنے کی چیزوں کے سوا کچھ نہیں مل سکا۔ میز کے نیچے رکھی ہوئی آہنی جالی سے بنی ہوئی ردی کی ٹوکری کاغذی کترنیں ابراہم کی محتاط طبیعت کی گواہی دے رہی تھیں۔ کیونکہ ان میں مکمل طور پر جلے ہوئے کاغذ کی سیاہ راکھ موجود تھی جسے شاید عجلت کے باعث وہ نالی میں نہ بہا سکا تھا۔

میں نے بہت احتیاط کے ساتھ کتابوں کا بھی جائزہ لینا شروع کیا لیکن کہیں بھی کوئی کارآمد چیز نہ مل سکی جس سے ابراہم کی تازہ مصروفیات کا علم ہوتا۔

پھر اچانک مجھے خیال آیا کہ ایلزا نے ٹیپ کے سلسلے میں ابراہم کے کسی حساس ریکارڈر کا حوالہ دیا تھا۔ یہ عام ریکارڈر کے علاوہ ہوتے ٹیپ کو بھی بجانے کا اہل تھا مگر اس کمرے میں ریکارڈر کی قسم کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔

میں کمرہ کھلا چھوڑ کر ایلزا کے پاس گیا اور اس سے ریکارڈر کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ ابراہم کا وہ ریکارڈر دراصل وہیں ایک آہنی تجوری میں رکھتا تھا۔ اس انکشاف کے بعد میری ساری دلچسپی اس تجوری کی طرف منتقل ہو گئی۔ اور ایلزا نے بلاتکلف مجھے اس دیو ہیکل فولادی تجوری کے سامنے پہنچا دیا۔

"اب تم چارلس ورتھ کے پاس بیٹھو۔ میں ذرا اس تجوری پر ہمت آزمائی کروں۔" میں نے مسکرا کر اس کے رخسار پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

"چارلس ورتھ بہت زیادہ شرمیلا ہے۔"

"وہ ایک وقت میں ایک عشق کا قائل ہے اگر تم ایسا چاہو..... اصول توڑنے پر مجبور کر سکیں تو مجھے خوشی ہو گی۔" میں نے شرارتاً اس کے لئے شوشہ چھوڑا۔

وہ ایک لوچ کے ساتھ ہاتھ لہرا کر چل گئی۔

اس تجوری کے مضبوط فولادی دروازے پر بڑا سا قفل لگا ہوا تھا۔ جسے کھولنا مجھے بہت دشوار نظر آ رہا تھا۔ مگر ٹیکنالوجی کی ترقی کے بعد بھی میری برسوں پرانی مہارت کے سامنے قفل کا نظام زیر ہو گیا۔ اور میں نے دستہ گھما کر دروازہ کھول دیا۔

تجوری کا دروازہ کھلتے ہی اچانک مکان کے کسی حصے میں الارم کی پرشور آواز گونجنے لگی اور میں نے بوکھلا کر فوراً دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔ باہر سے جائزہ لینے پر مجھے کوئی ایسا تار نہ مل سکا جو تجوری کے دروازے میں چھپے ہوئے سوئچ سے منسلک ہو۔ میں اس کوشش میں مصروف ہی تھا کہ ایلزا عبداللہ کے ہمراہ بوکھلائی ہوئی اس کمرے میں آ پہنچی۔

"یہ الارم کیسا تھا؟" اس نے آتے ہی خوفزدہ لہجے میں سوال کیا۔

"شاید اس کا تعلق تجوری کے دروازے سے ہے۔"

"تو تجوری بھی کھول لی تم نے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ کار کے دروازوں کی طرح اس الارم کا سوئچ تجوری کی آہنی چوکھٹ میں نصب ہے۔ وقت ضائع کرنے کے بجائے میں دروازہ کھول کر ہاتھ سے دبا کر الارم کو ناکارہ کر دوں گا۔"

میرے کہنے پر عبداللہ نے تجوری کا وزنی دروازہ کھول دیا اور الارم بجنے لگا۔ مگر اسی وقت میری نگاہ الارم کے سوئچ پر پڑ گئی جو میرے اندازے کے مطابق آہنی چوکھٹ میں ہی نصب تھا۔ میں نے پھرتی سے سوئچ کو انگلی سے دبا دیا۔ اور الارم کی آواز یک لخت معدوم ہو گئی۔ ایلزا نے مجھے ٹیپ دیا اور میں نے باآسانی ٹیپ چپکا کر اس سوئچ کو غیر موثر کر دیا۔ الارم کی مصیبت سے نجات ملتے ہی وہ دونوں تجوری کے جائزے میں مصروف ہو گئے جو مختلف چیزوں سے بھری ہوئی تھی۔

"تم لوگ ڈرائنگ روم میں جاؤ اور مجھے اپنا کام کرنے دو۔" میں نے عبداللہ کو آنکھ مارتے ہوئے ان دونوں سے کہا۔

"اس میں تو خطیر رقم بھی موجود ہے۔" ایلزا نے تجوری میں ہاتھ ڈال کر نوٹوں کی ایک گڈی نکالتے ہوئے حیرانی آمیز لہجے میں کہا۔

"مجھے رقم سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ نہ چھیڑو!"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ نوٹوں کی گڈیاں تھیلیوں پر رکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولی۔ "تمہیں نہ ہو مجھے تو اس رقم سے سروکار ہے۔"

وہ تجوری سے رقم نکالتی رہی اور میں لاتعلقانہ انداز میں اسے دیکھتا رہا۔ میرے نزدیک ایلزا کا رویہ ناقابل فہم تھا کیونکہ اب وہ اپنا لوٹ سنبھالنے کا کوئی موقع..... ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔ تجوری خالی کرنے کے بعد اس نے ساری رقم ایک چادر میں باندھی اور عبداللہ کی مدد سے اسے لے کر چلی گئی۔

میدان صاف ہونے کے بعد میں تجوری کی طرف متوجہ ہو گیا۔

تجوری میں ابراہم جوناس کا وہ حساس ریکارڈر نمایاں نظر آ رہا تھا جس کے ذریعے اس مردود نے میری اور ایلزا کی ملاقات کا سراغ لگایا تھا۔ اس کے پیچھے چرمی گرد پوش میں ایک ضخیم سی کتاب موجود تھی اس کے پہلے صفحے پر نظر پڑتے ہی مجھ پر عذرا جوناس کے مذہبی جنون کی شدت واضح ہو گئی کیونکہ وہ یہودیوں کے میثاق مقدس کا انگریزی ترجمہ اور تشریح تھی۔ وہ لوگ اسی مقدس عہد کے مطابق قبۃ الصخرہ کی بنیادوں پر ہیکل سلیمانی کی تعمیر کا دعویٰ کرتے تھے۔

ایک خانے میں تین ضخیم ڈائریاں تھیں جن میں تاریخوں کے تسلسل کے ساتھ شاید عذرا نے اپنی یادداشتیں قلم بند کی ہوئی تھیں مجھے اندازہ تھا کہ وہ ڈائریاں میرے دوستوں کے لئے بے حد کارآمد ثابت ہوں گی مگر میں اس وقت ان کا تفصیلی مطالعہ کر کے اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ البتہ ان کی سرسری ورق گردانی سے یہ نقطہ سامنے ضرور آیا کہ ان یادداشتوں میں لوگوں کے ناموں کی جگہ محض ابتدائی حروف استعمال کئے گئے تھے۔

بہت سی دوسری چیزوں کے علاوہ جس چیز نے مجھے چونکایا وہ ایک سیاہ بریف کیس تھا۔ جس پر سنہرے رنگ میں اسرائیل کا سرکاری نشان کندہ تھا۔

اس بریف کیس میں مختلف کاغذات کی فائلیں موجود تھیں ان میں جوہری توانائی کے عالمی کنٹرول کمیشن کی کچھ ابتدائی خفیہ دستاویزات کے علاوہ فرانس کے ایک مشہور آفاقی ادارے کے کسی جوہری تجربے کی تفصیلات موجود تھیں۔

میں سائنسی علوم میں زیادہ دسترس نہیں رکھتا مگر ان کاغذات کا [illegible] ایک جیسا صورت حال واضح کر رہی تھی کہ اسرائیلی ایجنٹ بڑی تیزی سے جوہری رازوں کے حصول کے لئے کوشاں تھے اور عذرا جوناس اسی مقصد کی تکمیل کے تحت ان دنوں فرانس پہنچا ہوا تھا۔ اسرائیل [illegible] اپنے [illegible] افرادی قوت اس کی [illegible]

بڑی مختصر عرصے کے لئے اپنے تمام وسائل داؤ پر لگا کر تباہ کن جنگ تو جیت سکتے تھے مگر ان کا ملکی دفاع کسی طویل المیعاد جنگ کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا جبکہ یہودی سلطنت کی بنیاد ہی اس نظریے پر [illegible] کے بعد فوج کشی کے ذریعے اس کی توسیع کی جائے۔

اپنی مرضی سے جنگ کے آغاز اور خاتمے کے لئے جوہری ہتھیار اسرائیل کی ناگزیر ضرورت تھی۔ وہ ہولناک ایٹمی تباہی کی دھمکی دے کر مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے کے بعد اپنے دشمنوں کو ہمیشہ کے لئے جنگ کو طول دینے سے روک سکتا تھا۔

اور پھر مجھے یہ بھی یاد آ رہا تھا کہ اسرائیل نے اپنے صحرائے نجف کو لہلہاتی کھیتیوں میں تبدیل کرنے کے لئے اپنے جنوبی ساحل پر ایٹمی توانائی سے سمندری پانی کو میٹھے پانی میں بدلنے کے پلانٹ لگانے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا۔ اس کی روشنی میں وہ کاغذات مزید اہم ہو گئے تھے۔

ان ناقابل تصور کامیابی نے میرے دل کی دھڑکنیں تیز کر دیں اور میں پورے انہماک سے تجوری خالی کرنے لگا۔

پھر مجھے ایک لفافہ ملا جس میں عذرا جوناس کے نام اسرائیلی وزارت دفاع کے مطبوعہ لیٹر پیڈ پر ہاتھ سے لکھا ہوا ایک خط موجود تھا خط کے اختتام پر لکھنے والے کے نام کے بجائے دستخط تھے جنہیں قدرے دشواری کے ساتھ دایان پڑھا جا سکتا تھا۔ یعنی عذرا جوناس اس قدر اہم تھا کہ اسرائیلی وزیر دفاع موشے دایان اس سے نجی سطح پر خط و کتابت کرتا تھا۔ لفافے پر کوئی مہر موجود نہیں تھی نہ ڈاک کے ٹکٹ لگائے گئے تھے جس کا مطلب تھا کہ وہ خط اسرائیل کی کسی سفارتی ڈاک یا کسی قاصد کے ذریعے عذرا جوناس تک پہنچایا گیا تھا۔

ایلزا اس تجوری سے ساری رقم لے چکی تھی اور میں نے تقریباً سارے کاغذات باہر نکال لئے۔

تھوڑی دیر بعد عبداللہ کی مدد سے میں نے تمام کاغذات کار کی ڈگی میں منتقل کر دیئے اور الارم سوئچ پر سے ٹیپ ہٹا کر تجوری کا وزنی دروازہ دوبارہ مقفل کر دیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم کوئی بات ٹھان چکے ہو۔" عبداللہ نے میرے تیور دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ اس وقت ایلزا عمارت کے اندر تھی اور ہم دونوں کار کے قریب موجود تھے۔

"میں نہیں چاہتا کہ یہ تمام کاغذات ہمارے قبضے سے نکل جائیں لہٰذا تم فوراً یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"اور تم ___؟"

"میں ان دونوں جانوروں کی واپسی تک یہیں رہوں گا۔ ایلزا بڑی خوشی سے میری میزبانی کرے گی۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"پاگل پن کی باتیں نہ کرو۔ میں تمہیں تنہا یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔ انہیں بھنک بھی مل گئی تو تمہیں مہلت دیئے بغیر ہی گولی سے ذبح کر ڈالیں گے۔"

راستے میں پیٹرول کر عذرا جو گھر کا چھوڑا ہوا پانچواں حواس ساری
آنکھوں میں وصول ہو کر جب تک کہ تم ایسے ہی کوشش کر کے نکلنے
لگانے کی کوشش کرو۔ اور وہ اس ولا کے گرد کس پہنچ سے جگہ آدمیوں
کو مامور کر دو۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی مقیم رہوں گا۔ اور ان دونوں کی
واپسی پر ایسی حالت میں واپسی اختیار کر لوں گا۔"

"وہ ایسا ہے سب کچھ الٹ دے گا اور تم کسی بچے کی طرح آسانی
سے پھنس جاؤ گے۔" اس نے انتظاری انداز میں میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔
"ان کے فرشتے کے لئے انہیں دیر کرنا ضروری ہے۔ باہر والے
آدمی تو صرف میری زندہ سلامت واپسی کے لئے درکار رہیں گے۔"

"تم بہت خطرناک کھیل رہے ہو۔" اس نے ایک بار پھر نظر ثانی کر
لوٹتے وہ میری طرف مترحم آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں نے اس کے ہر پہلو پر غور کر لیا ہے۔" میں مسکرا کر بولا۔

"تو تم کاغذات لے کر نکل جاؤ۔ میں یہیں ہوتا ہوں۔"

"تم اس لڑکی کو سنبھال سکو گے۔ وہ ایک بار بھڑک گئی تو تم
اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارتے رہ جاؤ گے۔"

"باہر والے آدمیوں سے تمہارا رابطہ کیسے ہوگا؟" چند ثانیوں کے
بوجھل سکوت کے بعد اس نے سوال کیا۔

"مجھے کسی رابطے کی ضرورت نہیں ہوگی۔۔۔ میرا آدمی وہاں بیٹھے
فائر یا دھماکے کی آواز سنتے ہی عمارت سے نکلنے کے تمام راستوں پر
قبضہ کر لیں گے۔ اور فرار کی کوشش کرنے والے ہر شخص کو بغیر للکارے
گولی مار دیں گے۔"

"اس افراتفری میں وہ تمہیں کیسے پہچانیں گے؟"

"انہیں احتیاطاً میرے حلیے سے آگاہ کر دیا۔"

"بڑا کانٹے کا ہوگا۔" وہ تشویش آمیز لہجے میں بڑبڑایا۔ "بیٹیاں اور
خونریزی کے درمیان وہ کسی پر اتنی توجہ نہ دے سکیں گے۔"

"تم کب تک آدمیوں کا انتظام کر لو گے؟"

"شاید شام سے پہلے۔" وہ بولا۔ "میں کسی بھی گروپ سے ہر وقت
جلدی سے رابطہ قائم کر سکتا ہوں۔"

"تو پھر تم ان آدمیوں کو شام آٹھ بجے شہر میں کہیں چھپا کر رکھو۔ میں المیرا
کے ساتھ تفریح کے بہانے باہر نکل کر اپنی روشنائی کرا دوں گا۔"

"تو ابھی میرے ساتھ چلو۔ شام تک لوٹ آنا۔ اس وقت تک تو
ان دونوں کو بھی نیس سے واپسی کی پرواز مل چکی ہوگی۔"

"تیر کمان سے نکل چکا ہے اور میں المیرا کو اب خطرے کے لئے بھی
تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا۔ اگر اس کے دل میں باپ کی محبت عود کر آئی تو
جانے منصوبے پر پانی پھر جائے گا۔"

"تو تم شام کے سات اور ساڑھے سات کے درمیان ایفل ٹاور پر
موجود رہنا۔ میرے آدمی وہیں سیاحوں میں مل کر تمہارا جائزہ لے لیں
گے۔"

"یہ مناسب رہے گا۔"

"سارا اسلحہ اپنے پاس ہی رکھنا۔ یہ خطرناک ہیں۔" عبداللہ نے بریف کیس
اور لٹھ پستول کے فاضل راؤنڈ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ یہ تجویز بہت معقول ہے۔"

اسے میں چھوڑ کر میں ڈرائنگ روم میں پہنچا تو المیرا وہاں موجود
نہیں تھی۔ میں نے ہتھیاروں والا بریف کیس احتیاط سے ایک صوفے کے نیچے
کھسکا دیا۔ اور المیرا کو پکارنے لگا۔

دوسری آواز پر وہ آئی تو میں اسے لے کر باہر گیا۔

"تم جا رہے ہو؟" وہ عبداللہ کو کار کے پاس کھڑا دیکھ کر حیرت
سے بولی۔

"ہاں فرنانڈو میری رقابت سے خائف ہے۔" عبداللہ ہنس
کر بولا۔

وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی اور جب عبداللہ نظروں سے اوجھل
ہو گیا تو وہ میرے ساتھ مکان میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔ "رقابت تو خیر
کی بات ہے میرا خیال ہے کہ تمہارا دوست لڑکیوں سے زیادہ میل جول
پسند نہیں کرتا۔"

"اور میرے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"مجھے تو حیرت ہے کہ تم نے میرے باپ کی پرواہ کئے بغیر فلاورن
کے محل کی گاڑی میں چلی آنے کی ہمت کیسے کر ڈالی؟"

"محبت اگر سر پر سوار ہو تو آدمی پہاڑ سے بھی ٹکرا جاتا ہے۔"
میں نے اس کے ہمراہ لاؤنج میں سے گزر کر اس کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے
کہا۔

"تو میں واقعی تمہارے سر پر سوار ہوں؟" اس نے ترچھی نظروں سے میری
طرف دیکھتے ہوئے ناز کے ساتھ سوال کیا۔

"بہت کم قدردانی ہے۔ تمہارا پیغام ملنے کے باوجود بے شمار مشکلات
کے تمہارا انتظار کیا تھا۔" میں نے اس کی ناک پر چٹکی لیتے ہوئے
کہا۔

"اگر میرا باپ واقعی نیس چلا گیا ہے تو شاید ہم ایک دو روز
بے فکری میں گزار سکیں گے۔" اس نے اپنی خوابگاہ میں داخل ہوتے ہوئے
کہا۔

"اس مکان میں اور کون رہتا ہے؟" میں نے ایک صوفے پر بیٹھ کر خوابگاہ
کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"ایک بوڑھی خادمہ۔ خانساماں اور چوکیدار ہر وقت رہتا ہے۔
وہ مالی شام کو تھوڑی دیر کے لئے آتے ہیں۔"

"یہ لوگ تمہارے باپ کو میرے بارے میں خبر تو نہیں کریں گے؟"

"ہرگز نہیں۔" وہ پُراسرار مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "خادمہ اور

خانساماں تو مجھ پر ہونے والی زیادتیاں دیکھ کر خون کے آنسو روتے ہیں، وہ
کبھی ... میری موجودگی کا علم نہیں ہونے دیں گے۔"

"یہ تو ناممکن ہے۔ میں اس کے سلنے پھاٹک سے اندر آیا تھا اور
چوکیدار نے چارلس ورتھ کو ... جاتے بھی دیکھا ہوگا۔"

"اس وقت میں اپنی گاڑی میں باہر نکال لائی۔ اور وہیں
... کے پائیدان پر بیٹھ کر اندر آ گئے تو اس کے ذہن
پر شبہ جنم نہیں لے گا۔"

اس نے سہرے پر منزاؤ ہو کر اپنے لئے سگریٹ سلگائی اور دھویں
کے مرغولے فضا میں بکھیرتے ہوئے بولی۔ "اس ملاقات کا ... نہیں
ہو سکے گا؟"

"یہ خرافات ہیں۔ مجھے اس سے قبل بہا اسلحہ کسی مناسب مقام پر چھوڑ
ایک ... بے چین تھا مگر مجھے ایسا کوئی موقع نہ مل سکا۔
میں ... کے ایک گوشے میں ... رکھ کر بیٹھ گیا۔

... اور دعا کی ... ہو کر بیٹھا
... سے باہر والی ... سے کسی کی ... سنائی دی۔

المیرا سہمے ہوئے مدھم آواز میں ... میں ... کیا ہو رہا ہے۔
... اضطراب کی لہر ... ہوئے ... بولی: "شاید
کوئی ... خانساماں ہے۔"

اس کا فقرہ ختم ہونے سے پہلے ہی ... میں ... وہ سب
... شخص خوابگاہ کے دروازے پر آ کر رک گیا، اور ... انداز
میں المیرا سے کچھ کہنے لگا۔

المیرا اچھل کر بستر پر سے بھی ... اور ... بہت ... پتہ
... کیا۔ ان ... کی ... کا ... ہوا۔ اور جب ...
... ان کے چہروں کے تاثرات دیکھتا ... خانساماں
... المیرا کے چہرے پر ... آثار تھے۔

پھر اچانک ہی باہر والی ڈیوڑھی میں کوئی ... آواز ... ہوئے
... آگے بڑھا میں نے خانساماں کے عقب میں ایک ... سا آتے
... اور پھر خانساماں کو ... تمام کر باہر ... لیا
جس وقت ... میں نے ... سے دیکھا۔ ...
... کی ... اور اس کے ... ہاتھ میں ... ہوئے
... سیاہ ... میری جانب ...
... خانساماں کو درمیان سے ... کر وہ براہ راست ... سامنے آ
گیا تھا۔

... منظر دیکھتے ہی میرے ہاتھ سے ... کی ...
... قالین پر گر گئے۔ ... ایک طرف چلی گئی ...
... ہو گئے۔

اُس نے میری طرف ریوالور کی نال لہرا کر حقارت آمیز لہجے میں فرنچ میں کچھ کہا اور پھر تمسخر طلب نظروں سے اَلیزا کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔" اَلیزا بستر سے اچھل کر نیچے اترتے ہوئے غرائی۔ "تم کون ہو اور اس طرح میرے گھر میں گھسنے کی جسارت کیسے کی ۔۔؟"

اَلیزا نے اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لئے انگریزی کا سہارا لیا تھا اور آنے والے کے پتلے پتلے لبوں پر ابھرنے والی استہزائیہ مسکراہٹ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ فرنچ بولنے کے ساتھ ہی انگریزی سمجھنے پر بھی قادر تھا۔

اَلیزا کے رویے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ آنے والا اُس کے لئے اجنبی تھا جب کہ میں نے اسے پہلی نظر میں ہی پہچان لیا تھا۔

وہ سرمئی سوٹ والا جو اس ولا کا دربان یا چوکیدار قسم کا محافظ تھا جو اپنے چار ساتھیوں کی جو اس برآمدے کے ساتھ جیپ میں روانگی کے بعد وہاں تنہا رہ گیا تھا۔

چھدرے بالوں سے بھرے سر پر اس کی چندھیائی ہوئی آنکھیں عجیب سی محسوس ہو رہی تھیں۔ مگر اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ صورتحال سے پوری طرح مطمئن تھا۔

"میں اس مکان کا محافظ ہوں مس!" وہ ریوالور کی نال کو جھٹکا دیتے ہوئے جذبات سے عاری لہجے میں بولا۔ اس بار اس نے بھی انگریزی ہی استعمال کی تھی۔

"محافظ!" اَلیزا نے مٹھیاں کس کر غصے اور حقارت سے دہرایا۔ "اور تم جانتے ہو کہ میں اس مکان کی مالکن ہوں۔"

"میں تو صرف مسٹر جوناس کے علاوہ کسی کو نہیں جانتا۔" اس مرتبہ اس کا لہجہ تنا ہوا اور ہدایت زدہ تھا۔

"میں مسٹر جوناس کی اکلوتی بیٹی ہوں اور تمہیں حکم دیتی ہوں کہ فوراً اس مکان سے نکل جاؤ۔" اَلیزا غصے کے عالم میں دہاڑی۔ اس کا بوڑھا خانساماں سرمئی سوٹ والے کے پیچھے کھڑا خوف سے کانپ رہا تھا۔ اگر اس میں جوانی کے جوش کی ذرا سی بھی رمق ہوتی تو وہ سرمئی سوٹ والے کو پیچھے سے دبوچ کر آناً فاناً بے بس کر سکتا تھا۔ مگر وہ عمر کی اس منزل پر پہنچا ہوا معلوم ہوتا تھا جہاں انسان اپنی بدترین توہین کو بھی شکل کے خوف سے آہستہ آہستہ برداشت کر جاتا ہے۔

"میں نہیں جانتا مس!" وہ سر جھکاتے ہوئے بولا۔ "میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ میرے فرائض میں شامل ہے۔"

"تم ...... تمہارا کیا خیال ہے۔" اَلیزا غصے سے بے قابو ہونے لگی۔ "تم خود کو محافظ کہتے ہو اور کسی ڈاکو کی طرح میری خوابگاہ میں گھس آئے ہو۔" وہ پھر بھی اس کی طرف بڑھی مگر جب اس نے ریوالور کی نال کو جارحانہ انداز میں جنبش دی تو اَلیزا کے قدم جم سے گئے مگر زبان پھر چل پڑی۔ "کیا سمجھ رکھا ہے تم نے۔ تمہیں اس ذلیل کام پر کس نے لگایا تھا؟"

"اگر تم واقعی مسٹر جوناس کی بیٹی ہو تو مجھے تم سے کوئی پرخاش نہیں۔ تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ اور اگر تم اپنے باپ کی عزت کا خیال رکھتی ہو تو کم از کم دور ہٹ کر تماشا دیکھتی رہو۔"

"یہ میرا گھر ہے جہاں میری مرضی چلے گی۔ مجھے راستے سے ہٹا کر کیا تم دیواروں سے اپنا سر ٹکرانا چاہتے ہو۔"

"میرا شکار یہ ہے۔" اس نے ریوالور کی نال سے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ میرا دوست اور مہمان ہے۔ مجھ پر گولی چلائے بغیر تم اسے چھو بھی نہیں سکو گے۔" اَلیزا کہتے ہوئے جارحانہ تیوروں کے ساتھ اس کی طرف بڑھنے لگی۔

"رک جاؤ۔" میں نے پہلی بار مداخلت کرتے ہوئے لپک کر اَلیزا کا بازو تھام لیا۔ "مجھے معلوم تو کر لینے دو کہ یہ کیا چاہتا ہے؟"

"ہٹ جاؤ ...... مجھے بزدلی کا سبق نہیں پڑھاؤ۔" اَلیزا اس کے عالم میں خود کو میری گرفت سے آزاد کرانے کی جدوجہد کرنے لگی۔ "میں اپنے باپ کی طرح بزدل اور مکار نہیں ہوں۔ اس چھت کے نیچے صرف میرا اختیار چلے گا۔ اسے چیلنج کرنے والے کو اس کی بھاری قیمت ادا کرنی ہوگی۔"

اَلیزا کو قابو میں رکھنے کے لئے مجھے خاصی محنت کرنی پڑ رہی تھی۔ جس کے نتیجے میں ہماری جسمانی قربت بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ دوسری طرف اس محافظ کے رویے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اَلیزا کو کوئی نقصان پہنچانے سے گریز کرے گا۔ لہٰذا میں نے اَلیزا کو چھوڑ دیا تاکہ اس کے بعد محافظ کے لہجے سے فائدہ اٹھانے کی راہ تلاش کر سکوں۔

اَلیزا غصے میں بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اس شخص کی طرف لپکی۔ اس محافظ نے نہایت پھرتی کے ساتھ اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریوالور کی نال دائیں ہاتھ میں تھامی اور اس کا دستہ اَلیزا کی دائیں کنپٹی پر رسید کر دیا۔

محافظ کا یہ اقدام اس قدر سرعت سے تھا کہ میں خود بھی اسے روک نہ پایا۔ اَلیزا نے ناگہانی ضرب پر دبی دبی سی آواز نکالی اور کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح فرش پر ڈھیر ہو گئی۔

اَلیزا کے گرتے ہی دروازے کی سمت سے ایک دبی دبی سی آواز ابھری اور اَلیزا کا بوڑھا خانساماں جو دروازے پر کھڑا تھا لڑکھڑا سا گیا۔

رکتے رکتے ہی وہ شخص جو خبردار کا خانساماں جب اس نے پلٹ کر

پہنے ریوالور کو اپنی مالکن کے بے حس و حرکت جسم کے پیچھے سے دیکھا تو فوراً ہی میری طرف متوجہ ہو گیا۔

تم نے اس وقت پلک جھپکنے میں اتنی مہارت کے ساتھ ردعمل ظاہر کیا کہ پیش قدمی کا کوئی موقع نہ مل سکا۔

بوڑھا خانساماں نہایت خاموشی سے آنسو بہاتے ہوئے اَلیزا کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اس لڑکی پر ہی موقوف تھا کہ تم نے اپنی کمزوری کا ثبوت دیا ہے ۔۔؟"

اپنے غصے میں محافظ سے کہا جو زبان کھولنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا۔ وہ بے رحمانہ انداز میں ہنس پڑا۔ "تمہیں یہی کہنا چاہیے کیونکہ اسے غیر متوقع جھٹکا دے دیا ورنہ اس وقت وہ خانساماں کی زبان بجائے سنبھلنے کے پھر مجھے تمہارے قریب پہنچنے کی فرصت نہیں ملتی۔"

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"دوسرے کمرے میں چل کر بات کریں گے۔"

"یہیں بات کرو۔" میں اَلیزا کو اس حالت کے رحم و کرم پر چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔

"فکر مت کرو خانساماں ہمارے ساتھ رہے گا اور کچھ دیر بعد یہ ہوش میں آ جائے گی اور اس سے زیادہ کچھ نہیں سکے گا۔"

"میں اس کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔" میں نے اس کی بے پروائی پر جھنجھلاتے ہوئے ترش لہجے میں کہا۔

"میں کوئی ضد نہیں کر رہا صرف یہ کوشش کر رہا ہوں کہ تمہیں زیادہ تکلیف نہ ہو کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ تم میری طاقت کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔ اپنے کان بند کر لو یہ بات کر رہا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے خانساماں کو مخاطب کر کے فرانسیسی میں کچھ کہا اور خانساماں نے ہدایت کی تعمیل میں جھک کر اَلیزا کے بے حس و حرکت جسم کو سامنے سے ہٹانے لگا۔

"تم یہیں بات کر لو۔" مجھے اپنی جگہ جما دیکھ کر اس نے تیکھے لہجے میں سوال کیا۔

"میں اس قدر بے رحم نہیں ہوں لیکن تمہیں مسٹر جوناس کے ساتھ غداری کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔" اس نے میری طرف گھورتے ہوئے دھمکی دی۔ "اگر تمہیں واقعی عزیز ہے تو اس ولا کی حفاظت پر مامور کیا تھا تو تمہیں یہ بھی بتانا ہو گا کہ اس انتظام کا نگران کون ہے۔"

"تم کیا چاہتے ہو۔" اس کے چہرے پر الجھن کی کوئی علامت نہ تھی۔ مگر اس کے اس سوال سے یہ ظاہر ہو گیا کہ میں اس کے ذہن تک رسائی کا سبب بن گیا تھا۔

"میری بات چھوڑو۔ اور یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟"

"تمہارا دوسرا ساتھی کہاں ہے؟"

"وہ بھی جو اس ولا کے اطراف میں موجود ہو گا۔"

"کیوں ۔۔۔۔؟"

"اس لئے کہ مسٹر جوناس نے ہماری صلاحیتوں پر اسے ملازم رکھا ہے۔"

"تم کیا کرتے ہو؟"

"اب اگلا سوال کرو۔" میں نے بیزاری سے کہا۔

"تم دونوں نے مجھے گھیرنے کی کوشش کیوں کی تھی؟"

"تمہیں کس حمایت سے آگے بڑھنے کا کوئی حق ہے۔ ہدایت کے لئے مشورہ دینا تھا۔ میں نے ایسا رویہ اختیار کیا ہوا تھا جیسے میرے نزدیک اس شخص یا اس کے سوالات کی کوئی اہمیت نہ ہو۔"

"وہ کیسے؟"

"تم کسی پیدائشی مجرم کی طرح جو اس ولا کے اطراف میں منڈلا رہے تھے اور معمولی سمجھ بوجھ والا کوئی بھی شخص تمہاری حرکات کی نگرانی کے بعد اندازہ لگا سکتا تھا کہ تم اپنا اوور کوٹ کی جیب میں ریوالور لئے ہو اس ولا کی نگرانی کر رہے ہو۔ مسٹر جوناس کے دشمن تم جیسے دیوار اس علاقے کا طواف کرتے ہیں اور شاید آج رات وہ آج رات کس کی تیاری کے لئے مسٹر جوناس یہیں پال رہا تھا۔ اگر آج رات یہاں کوئی حملہ ہوا تو اپنی بے احتیاطی کی وجہ سے تم دشمنوں کا پہلا اور سب سے آسان نشانہ بن جاتے۔"

"یعنی تم یہ ثابت کرنا چاہتے ہو کہ جو اس ولا کے حفاظتی انتظامات کے نگران تم ہو؟" اس نے میرے خاموش ہونے پر طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"یہ میری مرضی کی بات نہیں حقیقت ہے!"

"مگر میں تمہارے بارے میں لاعلم ہوں جب کہ اپنے ساتھیوں سمیت دو روز سے جو اس ولا کی حفاظت کر رہا ہوں۔"

میں نے اس کی بات پر زور سے قہقہہ لگایا۔ "ساتھی! کہاں ہیں تمہارے ساتھی؟"

"میرے کچھ ساتھی شام سے ادھر ہی ہیں۔" وہ ...... وہ بھی باہر گئے ہیں۔

"تم خود دیکھ لو کہ صبح تک ان چاروں میں سے کسی ایک کو بھی اس ولا میں تلاش کر سکو تو میں تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا۔"

"تو کیا وہ لوگ یہاں سے باہر گئے ہوئے ہیں؟" اس نے بے اختیار سوال کر ڈالا۔

"وہ چاروں جیپ میں مسٹر جوناس کے تعاقب میں روانہ ہوئے تھے۔ اس کے بعد تم نے انہیں دیکھا؟" میں نے سوال کیا۔

اس نے نفی میں سر کو جنبش دی تو میں خود اس بات پر پریشان ہو رہا ہوں۔"

"شاید عذرا کو بھنک مل گئی کہ آج رات جوناس ولا پر بھاری چڑھائی ہے۔ اسی لئے وہ بہت سویرے اپنے بھائی اور چار محافظوں کے ساتھ سات بجے کروزن منٹ پر میمی کی طرف پرواز کر گیا۔ جانے سے پہلے اس نے مجھے بتایا تھا کہ اب جس کا صرف ایک آدمی جوناس ولا کے باہر موجود ہے اور میں نے یہاں بھی تقریباً تمہیں تاڑ لیا جاتے ہوئے اس نے مجھے حفاظتی انتظام کی ہدایت کی تھی اور اس وقت میرے دس آدمی باہر موجود ہیں۔"

اس نے پائپ جیب میں ڈال لیا اور خوابگاہ میں داخل ہو گیا۔ "عذرا نے جانے سے قبل مجھے کچھ نہیں بتایا۔ مجھے الہام تو ہونے سے رہا۔"

"وہ جان کے خوف سے عجلت میں فرار ہوا ہے؟"

"مگر اپنی بیٹی کو یہاں کیوں چھوڑ گیا ؟"

"بیٹی اس سے بغاوت کرتی رہتی ہے وہ زور تو اسے نہیں مار سکتا۔ اور اس صفے میں ماری گئی تو وہ اس سے شبہات کا آسیب منڈلائے گا!"

"وہ اپنی بیٹی سے واقعی بہت نالاں ہے۔" اس نے اپنے لئے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگوں کو جوناس ولا کی حفاظت کے ساتھ ہی الیزا کی نگرانی پر بھی مامور کیا گیا تھا۔"

"سرسری طور پر اس نے مجھ سے یہی کہا تھا۔"

"نگرانی کے آغاز کے بعد الیزا کئی بار باہر نکلی اور بیشتر موقعوں پر اس کا تعاقب کیا گیا جیسی ہدایت ملی تھی کہ اگر وہ کسی کے ساتھ بے تکلفی کے ساتھ عیاشی میں ملوث ہونے کی کوشش کرے تو ایسے شخص کو ہلاک یا کم از کم معذور کر دیا جائے اور جب تم نے مجھے جوناس ولا میں طلبی کا پیغام دیا تو میں یہی سمجھا کہ تم الیزا کے کوئی بے تکلف دوست ہو اور شاید الیزا نے اپنی نگرانی کا اندازہ کرنے کے باعث تمہیں اپنے گھر بلا لیا ہے تاکہ نئی مصیبت سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔"

وہ الیزا کے دوسرے آرام دہ بستر پر بیٹھ گیا۔ میں بھی لاپروایانہ انداز میں مسہری پہ دراز ہو گیا۔ میرا ذہن نہایت تیزی کے ساتھ اس کے مستقبل کا فیصلہ کرنے میں مصروف تھا۔ اس وقت میں کسی بھی بہانے آسانی کے ساتھ اسے دبوچ سکتا تھا۔ مگر اس پہ کاری وار کرنے سے پہلے میں کچھ باتیں صاف کرنا چاہتا تھا۔

"تم جوناس ولا کی عمارت میں رہو گے یا باہر سے حفاظت کرنی پسند کرو گے ؟" میں نے گفتگو کا تسلسل قائم رکھنے کے لئے سوال کیا۔

"پہلے بتایا ہوتا تو شاید اندر اچھا وقت گزارنے کی کوشش کرتا مگر پچھلے واقعے میں زخمی ہونے کے بعد الیزا تو مجھے قریب بھی نہ پھٹکنے دے گی۔"

"یعنی تم باہر ہی رہو گے ؟"

"ایسی لڑکی کمین ہے۔" وہ الیزا کی طرف دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ "ہو سکتا ہے کہ اپنی طرف سے اس کا دل صاف کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

"میں ڈیوٹی کے وقت ایسی حماقتیں برداشت نہیں کرتا۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"مجھے پہلے ہی معلوم تھا۔" وہ قہقہہ مار کر بولا۔ "پیار اور تفریح بھی دوسروں کے حوالے کرنا پسند نہیں کرتا۔ اور تم تو ویسے بھی میرے افسر ہو گئے ہو۔" پھر وہ چونک کر سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولا۔ "مگر یہ بات حیرت ناک ہے کہ تم فریج سے تاحال کیا عذرا جوناس کو اپنے مکان کی حفاظت کے لئے کوئی مقامی نہیں ملا تھا۔ تمہارا تعلق کس علاقے سے ہے ؟"

"میں عذرا جوناس کا پرانا نمک خوار ہوں۔" میں نے کہا۔ "اسے یہاں کی سوسائٹی میں خاصا مقام حاصل ہے اور وہ زیر زمین دنیا سے رابطہ قائم کر کے بدنامی مول لینی نہیں چاہتا۔ اسی لئے اس نے مجھے خاص طور پر لندن سے بلایا ہے۔"

"اور تمہارے کس آدمی ہیں ؟"

"وہ بھی میرے ساتھ ہی آ گئے ہیں مگر پچیس ان کے لئے کیا نہیں ہے!"

"اگر اسے اپنے مرتبے کا اتنا ہی خیال تھا تو تمہارے آنے سے پہلے ہم لوگوں کو کیوں استعمال میں لیا تھا ؟" اس نے سوال کیا۔

"حالات برخوردار !" میں نے آہستہ سے کہا۔ "میں پروگرام کے مطابق ہی یہاں پہنچا ہوں۔ مگر عذرا جوناس ہم لوگوں کی آمد تک حفاظت پہ قائم نہ رکھ سکا۔ اور متوقع خطرات کے پیش نظر تم لوگوں کے پاس جا پہنچا۔"

"اگر تم میرا اسباب کر سکو تو میں ابھی واپس لوٹنے کے لئے تیار ہوں۔ جوناس ولا کی حفاظت کا سہرا خوشی سے تمہارے سر سج جائے گا۔"

"میں عذرا کے فیصلوں کو نظر انداز کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "ہاں اگر تم خطرات سے خائف ہو تو تمہیں زبردستی نہیں روکوں گا۔"

"میرا نام البرٹو ہے اور میں خطرات سے کھیل کر ہی اپنی زندگی گزارتا ہوں۔" اس نے فخر آمیز لہجے میں کہا۔

"تمہاری اب تک کی کارکردگی کیا ہے ؟"

"کم و بیش پندرہ قتل کر چکا ہوں اور کبھی ڈھیٹ سے زیادہ حوالات یا جیل میں نہیں رہا۔ میرے ساتھی ہمیشہ بہترین مقدمہ پیروی کرتے رہے ہیں۔"

"میں تمہارے ساتھی کو نہیں کرنا چاہتا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ — جوناس عذرا کی راستے کا [illegible] کیا ہے ؟"

"میرا تو خیال ہے کہ جوناس کے دشمن بعض اس کے بچوں کی پیدائش سے پہلے ہی اور کیا عدد دشمن خود اس کی بیٹی ہے۔ مگر تم نے تو کچھ زیادہ ہی سنگین تصویر پیش کی ہے۔"

"نہ ! جوناس پاگل نہیں ہے جو ہم لوگوں کو منہ مانگا معاوضہ [illegible]" میں نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"چلو آج رات یہ بھی پتہ چل جائے گا۔"

"اپنے ساتھیوں سمیت اب تم اکیلے ہی باہر ٹھہرو گے ؟"

"ہاں — جوناس نے جیرالڈ سے صرف پانچ آدمیوں کا معاہدہ کیا تھا۔ چار کو وہ ساتھ لے گیا کہ اب میں تنہا ہی رہ گیا ہوں۔"

"جیرالڈ ؟" میں نے چونک کر سوال کیا — "وہ کون ہے؟"

"پیرس کا نامی گرامی گروہ بند ہے۔ میں انہی کے لئے کام کرتا ہوں۔" اس نے فخریہ انداز میں کہا۔ "ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے اسی سے براہ راست بات کی ہے۔"

"انتظامات کا جائزہ لینے آیا ہو گا ؟"

"ایسے چھوٹے موٹے معاملے وہ اپنے آدمیوں پر ہی چھوڑ دیتا ہے۔ اگر ضرورت پڑے تو اپنی ٹانگ اڑاتا ہے۔ ویسے تو اپنے آدمیوں کو لمبی لمبی تنخواہیں بھی وقت پر دیتا رہے گا۔"

میرے لئے مزید کوئی سوال کرنے کی گنجائش نہیں تھی مگر جیرالڈ کا نام سن کر میرا ذہن الجھ گیا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا جیرٹ کا دوست تھا اور میں البرٹو کا قصہ پاک کر کے پتہ لگانا چاہتا تھا کہ اس نے جیرالڈ سے کیا بات کی تھی۔

"جوناس سمیت ان چاروں کی اچانک طویل غیر حاضری میرے لئے تشویشناک تھی۔" مدہم سے توقف کے بعد وہ خود ہی بولنے لگا۔ "میں تو سمجھ رہا تھا کہ شاید وہ سب جوناس ولا سے باہر ہی کہیں دشمنوں کے نرغے میں پھنس گئے۔ اسی لئے میں نے جیرالڈ کو فون کر کے [illegible] وہ شہر میں ان کا کھوج لگانے کے ساتھ ہی تھوڑی دیر میں میری کمک کے لئے دو آدمی بھی بھیج دے گا۔ مگر میرا خیال ہے کہ تمہارے آ جانے کے بعد مجھے کسی کمک کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"تم ان دونوں کو جانتے ہو ؟"

"جیرالڈ کے سارے آدمی ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"اندازاً کب تک پہنچیں گے وہ ؟" میں نے اس کے سامنے رک کر پرسکون لہجے میں سوال کیا اور وہ چونک کر میری طرف دیکھنے لگا۔

"یہ تمہارا لہجہ کیوں بدل گیا ہے ؟" اس نے تشویش کے ساتھ سوال کیا۔ میں نے پرسکون رہنے کی پوری کوشش کی تھی لیکن کسی بھی انسان کے قتل کا فیصلہ اتنا سہل نہیں ہوتا کہ اس سے ذہن بھی متاثر نہ ہو۔ البرٹو کو مزید تشویش یا غور و فکر کا موقع دیئے بغیر میں نے پوری قوت سے اس کی بائیں کنپٹی پر گھونسہ رسید کیا اور وہ تیز چیخ مار کر الیزا کی مسہری پر پیچھے الٹ گیا۔ عین اسی وقت میرے عقب میں دوسری مردانہ چیخ گونجی۔ میں نے گردن گھما کر ایک لمحے کے لئے الیزا کے بوڑھے خانساماں کو دیکھا جو اپنی بے ہوش مالکن کو چھوڑ چھاڑ کر دیوانے بھکاری کی طرح کانپ رہا تھا۔

میری شدید ضرب نے البرٹو کے حواس زائل کر دیئے تھے مگر اس کے باوجود اس کا داہنا ہاتھ اوور کوٹ کی وہ جیب تلاش کر رہا تھا جس میں بھرا ہوا ریوالور موجود تھا۔

میں نے اسے مسہری کی دوسری جانب پہنچنے کا موقع دیئے بغیر اس کے اوور کوٹ کا دامن پکڑ کر پوری قوت سے اسے مسہری سے نیچے اپنے قدموں میں گھسیٹ لیا۔

میرے غیر متوقع اور بھرپور حملے نے اس کی ساری مدافعانہ صلاحیتیں کند کر دی تھیں اور وہ کسی مظلوم پرندے کی طرح اپنی مادری زبان میں بری طرح چنگھاڑنے لگا تھا۔ مزاج کی مناسبت سے میرے لئے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہ مغلظات پڑھ رہا تھا۔

میں فوری طور پر اس کے سینے پر سوار ہو گیا اور اپنے دونوں ہاتھوں کی پوری قوت اس کے نرخرے پر صرف کرنے لگا۔

البرٹو نے میرے عزائم کا اندازہ لگاتے ہی میری پسلیوں پر چند طاقتور گھونسے رسید کئے مگر عقدہ ہم پہ میری انگلیوں کی گرفت سخت ہوتے ہی اس نے اپنا سارا زور میری گرفت سے نکلنے پر صرف کر دیا۔ اس وقت مجھے الیزا کے بوڑھے خانساماں کی طرف سے خاصی تشویش تھی۔ اس نے البرٹو کے ہاتھ میں بھرا ہوا ریوالور دیکھ کر نہایت پست ہمتی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اور اپنی مالکن کی بے ہوشی ہی اس کے قدموں میں جان ڈال سکتی تھی۔ مگر اس وقت سوال ایک قتل کا تھا۔ اور مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں بس جلد جھٹکے وہ ولانا اس کا بڑھاپا کہیں اچانک بے خوفی میں نہ بدل جائے۔ اگر وہ واقعی میری بے خبری میں پشت سے کوئی ضرب لگا بیٹھتا تو ساری صورتحال آناً فاناً میں تبدیل ہو کر میرے لئے رنج و فرار کا رخ اختیار کر سکتی تھی۔

میری انگلیاں البرٹو کے نرخرے میں پیوست ہو چکی تھیں اور اس کی مدافعت جو پہلے جس طرح پر تھی کہ اچانک مجھے اپنے دونوں بازوؤں پر اس کی استخوانی انگلیوں کی زد میں تیز مگر مضبوط گرفت محسوس ہوئی اور میرا پورا رگ و پے میں سنسنی دوڑ گئی۔ بدن کے مساموں کے دہانے کھل گئے اور اس ایک ہی لحظہ میں یوں محسوس ہوا جیسے اپنی جلد پر پسینے کی ٹھنڈی ٹھنڈی دھاریں بہتی محسوس کرنے لگا۔

البرٹو کی موت کی دہشت سے پھٹی ہوئی آنکھوں میں اچانک امید اور التجا کی کرنیں چمکنے لگیں اور ان کا رخ میرے چہرے کے بجائے میرے عقب میں کسی اور شے کی طرف ہو گیا۔

الیزا کا لرزہ براندام بوڑھا خانساماں مجھے کھینچ کر البرٹو نیو کے سینے سے ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے البرٹو نیو کی گردن پر گرفت نرم کیے بغیر موت کے قہر میں ڈوبی ہوئی نظروں سے اس بڈھے کی طرف دیکھا اور چیخ کر انگریزی میں اسے دور ہٹنے کا حکم دیا۔

بڈھے نے اچانک یوں اپنا ہاتھ میرے شانے سے ہٹایا جیسے اسے کرنٹ لگ گیا ہو۔

چند لمحوں کے تامل کے بعد البرٹو نیو کا دمکتا ہوا چہرہ تاریک پڑ گیا۔ اس کا پورا جسم جیسے مرگی کی شدت سے لرز رہا تھا۔ اور چند ہی ثانیوں میں اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

میں البرٹو نیو کی لاش سے اترا تو خانساماں بھی خوف کی شدت سے بے ہوش پڑا نظر آیا۔

جوناس ولا کی چھت کے نیچے پہلی کامیابی حاصل ہو چکی تھی مگر فوری مسئلہ البرٹو نیو کی لاش سے نجات کا تھا۔

الیزا کی ماں خواب آور ادویات کے زیر اثر سو رہی تھی اور کسی بھی لمحے بیدار ہو کر سامنے آ سکتی تھی۔ جس سے زیادہ اور فوری خطرہ لیڈی خادمہ کی طرف سے تھا جس کے لیے الیزا کی خوابگاہ سے ابھرنے والی چیخیں تشویش کا باعث بن سکتی تھیں۔

جوناس ولا کا یہ حصہ الیزا کی خوابگاہ سے اتنی دور واقع تھا کہ الیزا کی ابتدائی چیخ اور پھر البرٹو نیو کی چیخ اپنے پورے تاثر اور شدت کے ساتھ چوکیدار تک نہ پہنچ سکی ہوگی ورنہ اتنی دیر میں وہ وہاں آ موجود ہوتا۔

فوری طور پر مجھے کوئی اور راہ نظر نہ آئی تو میں البرٹو نیو کی لاش کو گھسیٹتا ہوا خوابگاہ سے ملحق غسل خانے میں لے گیا اور اسے فرش پر چھوڑ کر دروازہ بند کر دیا۔

میں الیزا کو ہوش میں لانے کی کوششوں میں مصروف ہو گیا کیونکہ وہی مجھے البرٹو نیو کی لاش سے نجات کی راہ بتا سکتی تھی۔

اسی اثنا میں مجھے آتش گیر اسلحے سے بھرے ہوئے اس بریف کیس کا خیال آیا جو میں نے عبداللہ سے لے کر ڈرائنگ روم میں ایک صوفے کے نیچے ڈال دیا تھا۔ میں فوری طور پر ڈرائنگ روم کی طرف چل دیا۔

وہاں پہنچتے ہی میری نظر ایک ادھیڑ عمر عورت پر پڑی جو اضطراری کیفیت میں ڈرائنگ روم میں ٹہل رہی تھی۔ جس وقت اس کی پشت میری جانب تھی اور اپنی وضع قطع سے وہ خادمہ نظر آ رہی تھی۔ میں خاموشی سے دروازہ میں رک کر اس کے گھومنے کا انتظار کرنے لگا۔

جوں ہی وہ پلٹی اور اس کی نگاہ میرے مسکراتے ہوئے چہرے پر پڑی تو بے اختیار اس کا منہ کھلا مگر اس نے فوراً ہی اپنا ہاتھ منہ پر رکھ کر اپنی اضطراری چیخ کو حلق میں دفن کر دیا۔ اور اپنا چہرہ ڈھک کر خوفزدہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

شاید میرے ہونٹوں پر ابھری ہوئی دوستانہ مسکراہٹ نے اسے خاصی تقویت پہنچائی تھی۔

"تم انگریزی جانتی ہو؟" میں نے خلیقانہ مسکراہٹ کے ساتھ اس سے سوال کیا۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"مسٹر جوناس کہاں ہیں؟"

"وہ اپنے کمرے میں سو رہے ہیں۔" اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں، میں مس الیزا کا دوست ہوں۔" میں نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"وہ دوسرا کون تھا؟"

"کون ۔۔۔؟" میں نے انجان بن کر سوال کیا۔

"وہی جس کے سینے پر تم سوار تھے؟" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"تو تم وہ ناخوشگوار منظر دیکھ چکی ہو۔" میں نے طویل سانس لے کر کہا۔

"میں اس کی چیخ سن کر وہاں پہنچی تھی۔" اس کے اوسان آہستہ آہستہ بحال ہوتے جا رہے تھے۔ "اس وقت تم جیسے پوری قوت سے اس کا گلا دبوچے ہوئے تھے ۔۔۔ وہ زندہ ہے نا؟"

"شاید بے ہوش ہو گیا ہے۔" میں نے مبہم سا جواب دیا۔ "چوکیدار یا کوئی اور تو اس طرف نہیں آیا تھا؟"

"نہیں ۔۔۔" وہ بولی۔ "اگر میں دوپہر میں تمہیں الیزا کے ساتھ نہ دیکھ چکی ہوتی تو شاید سب ہی کو اس کمرے میں جمع کر لیتی۔"

"الیزا کے ہوش میں آنے تک اس معاملے پر اپنی زبان بند رکھو اور جا کر اپنے معمولات سکون کے ساتھ پورے کرنے کی کوشش کرو۔"

"الیزا کیسے بے ہوش ہوئی؟"

"وہ شخص کسی بری نیت سے اندر داخل ہوا تھا۔ الیزا اس کے تشدد کا شکار ہوئی ہے۔"

"پولیس کو طلب نہیں کریں گے؟"

"الیزا ہوش میں آنے کے بعد خود فیصلہ کرے گی کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ تم اپنے ذہن پر بلاوجہ زور مت دو!"

"بہتر جناب!" اس نے سر جھکا کر کہا اور ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

اس کے چلے جانے کے بعد میں صوفے کے نیچے جھکا تو دھک سے رہ گیا۔ میں نے جھک کر صوفے کے نیچے دیکھا اور پھر بے چینی سے ڈرائنگ روم کے تمام فرنیچر کی تلاشی لے ڈالی مگر اسلحے سے بھرا ہوا بریف کیس کہیں نظر نہ آیا۔

بریف کیس کی گمشدگی میرے لیے تشویشناک تھی کیونکہ وہ ہتھیار میں الیزا کی لاعلمی میں وہاں چھپانے جا رہا تھا۔ الیزا شروع ہی سے خوابگاہ میں میرے ساتھ رہی تھی۔ البرٹو نیو جس وقت وہاں پہنچا تو اس کے پاس صرف ایک ریوالور تھا۔ یعنی بریف کیس کی گمشدگی کا ان دونوں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ لے دے کر خانساماں یا خادمہ رہ جاتی تھی اور ظاہر ہے خانساماں بھی بری الذمہ معلوم ہوتا تھا کیونکہ البرٹو نیو اسے اپنے ساتھ لے کر خوابگاہ میں پہنچا تھا اور اس مخبوط الحواس کو اتنی مہلت ہی نہیں ملی ہوگی کہ ڈرائنگ روم کی تلاشی لیتا۔

میں خادمہ کو تلاش کرتا ہوا کچن میں جا پہنچا تو وہ ایک ڈبے سے پنیر کے ٹکڑے نکال کر کھانے میں مصروف تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے عجلت میں پورا ٹکڑا نگل کر پانی کے چند گھونٹ لیے اور پھر معذرت آمیز انداز میں میری طرف متوجہ ہو گئی۔

"معاف کرنا مجھے وحشت سے فوراً ہی بھوک لگنے لگتی ہے۔ یہ بچپن ہی سے میری کمزوری ہے ۔۔۔" وہ جھینپے ہوئے انداز میں مسکرا کر بولی۔

"بہت اچھی بات ہے، اس طرح کھوئی ہوئی توانائی فوراً بحال ہو جاتی ہے۔" میں نے کہا۔ "یہ تو بتاؤ کہ تمہیں ڈرائنگ روم سے کوئی چیز تو نہیں ملی ۔۔۔؟"

"کس قسم کی؟" اس نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کر ڈالا۔

"کسی بھی قسم کی ۔۔۔" میں نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔

"نہیں ۔۔۔۔۔ مجھے تو وہ وحشتناک منظر دیکھنے کے بعد اتنا ہوش ہی نہیں رہا تھا کہ کسی اور چیز پر توجہ دیتی۔" اس نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "کیا تمہاری کوئی چیز گم ہو گئی ہے؟"

"نہیں ۔۔۔ اپنی عقل کی تلاش میں ہوں۔" میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا اور پھر کچن سے باہر نکل آیا۔

میں خوابگاہ میں واپس پہنچا تو خانساماں ہوش میں آ چکا تھا مگر دہلیز سے اٹھنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔

میں نے اس سے بریف کیس کے بارے میں بازپرس کرنی چاہی مگر وہ میرا مدعا نہ پا سکا۔ آخر کار میں اسے ڈرائنگ روم میں لے گیا۔ اور وہاں اشاروں کی مدد سے چند ہی سیکنڈ میں میں نے اپنا سوال سمجھا دیا۔ اس نے نہایت مسرت سے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور لاؤنج کی سمت چلا گیا۔ چند منٹ بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں میرا سیاہ بریف کیس جھول رہا تھا۔

بریف کیس دیکھ کر مجھے اس کی کمزور فطرت پر خاصا تاؤ آیا مگر میں نے کوئی برا ردعمل ظاہر کیے بغیر اسے رخصت کر دیا اور خود الیزا کی خوابگاہ میں پہنچ گیا۔

البرٹو نیو نے الیزا کی کنپٹی پر خاصی شدید ضرب لگائی تھی جس کی وجہ سے وہاں ورم نمایاں تھا اور ایک جگہ سے تھوڑی سی جلد بھی پھٹ گئی تھی۔ جب اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی تو میں نے اسے مسہری پر ڈال کر اس کے چہرے پر گیلا تولیہ ڈال دیا اور خود سگریٹ سلگا کر نئی صورتحال کا جائزہ لینے لگا۔

البرٹو نیو کی دخل اندازی نے میرے حق میں صورتحال خاصی بگاڑ دی تھی۔ نہ صرف یہ کہ وہ میرے ہاتھوں مارا گیا تھا اور اس کی لاش کو ٹھکانے لگانا ایک دشوار مرحلہ تھا بلکہ اس قتل کے چشم دید گواہ بھی تھے اور ان کے ذریعے الیزا کو بھی پوری تفصیل کا علم ہو جاتا۔ اس طرح میں گویا خانساماں اور خادمہ کے سامنے کھل کر بے نقاب ہو گیا تھا۔

اس وقت مجھے شدت سے عبداللہ کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ اس سے مشورہ کر کے صورتحال کا کوئی مناسب حل تلاش کیا جا سکتا تھا اور پھر اسے یہ بتانا بھی ضروری تھا کہ عذرا جوناس نے اپنے تحفظ کے لیے لاوارث نوجوانوں کے بجائے جیرالڈ نامی شخص کے گروہ کی خدمات حاصل کی تھیں جو افرادی قوت اور وسائل کے اعتبار سے خاصا مضبوط معلوم ہوتا تھا۔

میں چاہتا تو جوناس ولا سے مادام گرٹے کے مکان پر فون کر کے عبداللہ کے لیے پیغام چھوڑ سکتا تھا مگر میں وہاں کا فون استعمال کرنا نہیں چاہتا تھا۔ عذرا جوناس نے جس مکاری کے ساتھ الیزا کی کار میں ٹیپ ریکارڈر نصب کیا تھا، اس کے پیش نظر مجھے یقین تھا کہ نہ صرف وہ اپنے فون سے کی جانے والی ساری گفتگو ٹیپ کرتا ہوگا بلکہ مکان کے دیگر حصوں اور بالخصوص الیزا کی خوابگاہ میں بھی ڈکٹا فون وغیرہ لگا ہوگا۔

دوسرا پیچیدہ معاملہ یہ تھا کہ ہوش میں آنے کے بعد الیزا کو البرٹو نیو کی لاش کے ساتھ چھوڑ کر میرا باہر جانا اور وہاں سے عبداللہ سے رابطہ قائم کرنا بھی نامناسب ہی تھا۔ بالآخر میں نے فیصلہ کیا کہ یہ تمام معاملات سات بجے شام تک ملتوی کر دیے جائیں جب مجھے اپنی روانگی کے لیے [illegible] جانا تھا۔ اپنے آدمیوں کے ساتھ عبداللہ کی وہاں موجودگی بھی ضروری تھی اور میں تھوڑی دیر کے لیے الیزا سے جان چھڑا کر عبداللہ سے مشورہ کر سکتا تھا۔

کافی دیر بعد الیزا کو ہوش آیا تو وہ کنپٹی میں درد کی شدت سے کراہ رہی تھی۔ حواس بحال ہونے کے بعد اس نے مجھے زندہ سلامت اپنے قریب موجود پایا تو اس کے خوبصورت لبوں پر ایک خفیف مگر آسودہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"وہ کہاں ہے ۔۔۔؟" الیزا کا پہلا سوال البرٹو نیو کے بارے میں تھا۔

میں نے ہاتھ سے غسل خانے کی طرف اشارہ کر دیا۔

"میں اس کی دونوں کھڑکیاں اپنے ہاتھ سے کھولوں گی۔" وہ مسہری کی پشت گاہ کے سہارے بیٹھتے ہوئے بولی۔ "میں نے بھی بڑی بے رحمی سے ضرب لگائی تھی۔"

"فکر نہ کرو۔ میں نے اس سے بھرپور بدلہ لیا ہے۔"

"اسے ہوش آیا ہے کیا؟"

"وہ کبھی ہوش میں نہ آسکے گا۔"

"اسے مار دیا تم نے؟" وہ سہمے ہوئے انداز میں اپنی تکلیف بھول کر اچھل پڑی۔

"اب اپنی خادمہ اور خانساماں کو سنبھالنا تمہارا کام ہے۔ میں نے مجبوراً اسے ہلاک کیا ہے ورنہ وہ مجھے یا تمہیں مار دیتا۔"

"ان دونوں کی فکر نہ کرو۔ وہ اس واقعے کو بالکل بھول جائیں گے۔" وہ پُرجوش لہجے میں بولی۔ "تم بہت دلیر آدمی ہو۔ میری خاطر تم خود بھی پریشانیوں میں گھرتے چلے جا رہے ہو۔"

"یہ تو سمجھو ایک شاندار کارناموں کا کام ہے!" میں نے مسکرا کر کہا۔

"اول تو میں شادی کرتی نہیں اور اگر کسی سے کر بھی لی تو تم سے جیتے جی اسی طرح ملتی رہوں گی۔" وہ میرا ہاتھ تھام کر بولی۔

اس کے ہوش میں آنے سے پہلے میں اپنا بریف کیس اسی کمرے میں چھپا چکا تھا اور البرٹو فیو کے ریوالور پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ میں نے اسے ریوالور تو دکھا دیا مگر بریف کیس کے بارے میں سرسری سا تذکرہ کر ڈالا۔ کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ اگر خانساماں کی زبان سے بریف کیس کی کہانی کا علم ہوا تو وہ وہم کا شکار ہو سکتی تھی۔

"وہ بریف کیس رکھا کہاں تم نے؟" اس نے سوال کیا۔

"اس میں صرف کچھ کاغذات اور کچھ تجارتی کوڈ وغیرہ ہیں اسی لئے مجھے اس کی فکر تھی اب وہ باہر جھاڑیوں میں چھپا دیا ہے!"

"یہاں کمرے میں رکھ لیتے ۔۔۔!"

"اول تو تمہارا گھر بہت محفوظ ہے اور اگر مجھے ہنگامی طور پر یہاں سے بھاگنا پڑا تو پلٹ کر کمرے کے بجائے ان جھاڑیوں تک میری رسائی آسان ہو گی۔"

گفتگو کی حد تک تو الیزا اس توجیہ سے مطمئن تھی مگر غسل خانے میں البرٹو فیو کی لاش دیکھ کر اسے بھی تشویش لاحق ہو گئی۔

لاش کو خواب گاہ سے باہر لے جا کر ٹھکانے لگانا بھی کوشش طلب تھی۔ جب کہ اسے زیادہ دیر تک یوں بھی نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔

کافی سوچ بچار کے بعد الیزا نے بوڑھے خانساماں سے مشورے کا فیصلہ کیا جس میں خادمہ بھی شریک ہو گئی۔

اس عجیب الیزا نے مجھے بیچ سے آگاہ کیا تو میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ خانساماں دو حیرت انگیز صلاحیتوں کی وجہ سے کافی عرصے تک سیسلی میں قبرستان کے تختے کی بھی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اس نے البرٹو فیو کی لاش وہاں دفن کرنے کی پیشکش کی تھی۔ گھر کی عقبی تاریکی سے لاش کی منتقلی تک سارے مراحل اس نے اپنے ذمے لے لئے تھے۔

زندہ انسانوں کے مقابلے میں مردوں سے زیادہ بہتر نظر آنے والا انسان دشمن کی لاش پر شیر سے زیادہ سخت تحمل کا مظاہرہ کرنے پر آمادہ تھا۔

اس وقت تک گاؤں میں لاکھا آ چکے تھے خانساماں نے انہیں اپنے طور پر قبل از وقت رخصت کر دیا۔ اور مکان کے عقبی حصے میں پہنچ ہوئے پچھلی کاروائی میں لگن کا کام سرانجام دینے لگا۔ خادمہ بھی اپنے انہماک اور تجسس کے ساتھ اس کی مدد کر رہی تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ جگہ چوکیدار کی عقابی نظروں کی زد سے بالکل محفوظ اور بالاتر تھی۔

زمین نرم تھی مگر خانساماں کی عمر اور رفتار کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ قبر رات کے نو دس بجے سے پہلے تیار نہ ہو سکے گی۔ پیچھے لئے نرم مٹی کی اس شدید موسم میں کھلی چھوڑنا بھی ناگوار عمل تھا۔

اس کام کے اطمینان بخش آغاز کے بعد میری فرمائش پر الیزا نے باہر جانے کی تیاری شروع کر دی۔ میں نے اسے یہی بتایا۔ کہ چوکیدار کو میری روانگی سے مطمئن کرنے کے لئے باہر جانا لازمی تھا جبکہ واپسی میں میں کار کے پائیدان میں چھپ کر اندر آ جاتا۔ اس کام کی آڑ لے کر میں سات اور ساڑھے سات بجے کے مقررہ وقفے کے دوران انتھونی نادر کے پاس موجود ہو سکتا تھا۔ اور میں الیزا کو کسی شبہ کا موقع دیئے بغیر ہی اپنا کام کر سکتا تھا۔

الیزا اپنی ریشمی خیال کے ساتھ ہی غیر ضروری آرائش کی بھی قائل نہیں تھی۔ اور پھر اپنی خواب گاہ سے ملحق غسل خانے میں ایک تازہ لاش کی موجودگی میں کوئی دلیر سے دلیر لڑکی بھی اپنی آرائش و زیبائش پر توجہ نہیں دے سکتی تھی۔ لہٰذا وہ بمشکل دس منٹ میں میرے ساتھ روانگی کے لئے تیار ہو گئی۔

غسل خانے اور خواب گاہ کی تمام کھڑکیاں مضبوطی سے بند کرنے کے بعد الیزا نے خواب گاہ کے دروازے میں نصب دہرا قفل لگایا اور میں اس کا جائزہ لینے کے بعد الیزا کے ساتھ باہر آ گیا۔

"یہ میری زندگی کا سب سے ڈرامائی تجربہ ہے!" راہداری میں الیزا نے جھرجھری لے کر لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں بھی پیشہ ور قاتل نہیں ہوں۔ میں نے انتہائی مجبوری کے عالم میں اسے ہلاک کیا ہے!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں الزام نہیں دے رہی، جو ہوا وہ اچھا ہی ہوا ہے۔"

وہ بلندی سے بولی۔

"ابھی وقت ہے ایک مرتبہ پھر اپنے فیصلے پر نظرثانی کر لو۔" میں نے باہر آ کر اس کی موٹر کی طرف جاتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کس فیصلے پر؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"تم اپنے باپ کے ساتھ بھی وہی کرنا چاہتی ہو جو البرٹو فیو کے ساتھ برتا ہے۔ یہ سب کچھ سہی مگر پھر بھی تمہاری ولدیت کے خانے میں اسی کا نام آتا ہے۔"

"وہ فیصلہ میرے لئے بھی بڑی تکلیف دہ ہو سکتا ہے مگر فی الحال ناگزیر ہے میری زندگی کی مسرتوں کے لئے اسے ہٹنا ہوگا وہ اس راہ پر گامزن تھا۔"

الیزا کی کار میں ہم دونوں جب اس ولا سے روانہ ہوئے تو دھندلا سا بادل بھی گہرا کر چاروں طرف پھیل چکا تھا دربان نے جھک کر خاص توجہ سے میرا جائزہ لیا اور اسی لمحے میرے ذہن میں ایک نئی پریشانی نے جنم لے ڈالا۔

"مجھے چوکیدار کی نظروں سے بچا کر اندر لے جانے کا منصوبہ تو تم نے بنا لیا مگر البرٹو فیو کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" باہر نکلنے کے بعد میں نے ایک سگریٹ سلگا کر الیزا کی طرف بڑھاتے ہوئے اپنی الجھن میں اسے بھی شریک کر لیا۔

"تمہارا ذہن بہت دور تک کام کرتا ہے۔" وہ تعریفی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "چوکیدار میرے باپ کا خاص معتمد ہے۔ وہ یہ ضرور بتائے گا کہ البرٹو فیو اس ولا میں داخل ہوئے تھے لیکن وہاں سے ان کی واپسی نہیں ہوئی۔"

"یہ امکان بھی موجود ہے کہ ہم دونوں کی واپسی کے بعد وہ اس شخص کی تلاش میں اندر کا گشت لگائے اور خانساماں کو قبر تیار کرتا دیکھ لے۔۔۔!"

"وہ اندر پھر بھی نہیں آ سکتا۔" وہ موٹر واپسی جانب موڑتے ہوئے بولی۔ "اس کی ڈیوٹی ولا کی بیرونی عمارت اور پھاٹک سے متعلق ہے اور وہ ہی پابند ہے جانتی ہوں اسے چوبیس گھنٹے دروازے پر رہنے کا حکم ملا ہوا ہے۔ وہ اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔"

"موٹر کسی بار کے سامنے روک لینا۔" میں نے کہا۔ "وقت گزاری کے لئے دو تین پیگ لے لئے جائیں۔"

تھوڑی دیر بعد ہم ایک خوبصورت بار کے نیم تاریک گوشے میں بیٹھے وہسکی سے شغل کر رہے تھے۔ ہال میں خاصی بھیڑ تھی لیکن اس کے باوجود ماحول پر شائستگی کا خول چڑھا ہوا تھا بیٹھنے والوں میں کوئی بھی بے تکلف نہیں تھا۔ شاید ہر شخص نیا گھونٹ لیتے ہوئے اس خوف میں مبتلا تھا کہ کہیں وہ دوسروں کے سامنے تماشہ نہ بن جائے۔ یا پھر [illegible]

"کسے تلاش کر رہے ہو؟" الیزا نے میری گردش کرتی ہوئی نگاہوں کا تعاقب کرتے ہوئے سوال کر ڈالا۔

"لوگوں کا جائزہ لے رہا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے منتظمین نے ان سب کو یہاں بند کر کے زبردستی شراب پلائی جا رہی ہے۔"

وہ اتنی زور سے ہنسی کہ اس کے گلاس سے تھوڑی سی وہسکی میز پر چھلک گئی۔ "تمہاری ہر بات انوکھی ہوتی ہے۔ بھلا ان لوگوں میں کیا کمی نظر آئی ہے تمہیں؟"

"زندگی اور زندہ دلی کے بجائے گھٹن سی ہے!"

"زندگی تو تمہیں سستے شراب خانوں ہی میں مل سکتی ہے یہاں پیرس کے معززین اور شرفاء آتے ہیں جو صرف اسی قدر پیتے ہیں جتنی ہضم کر سکیں۔ ان بڑی محفلوں میں جب یہ خمار میں ڈوب کر اپنے خول سے باہر آتے ہیں تو ہر شخص اپنی جگہ سنبھالا ہوا ہوتا ہے۔"

تلے ہوئے جھینگوں کی پلیٹ خالی ہونے تک ہم دونوں ہی خاموش رہے اور بیکوٹ آمیز کا شربت بھی بھر کر ہی ختم ہوا۔

"یہاں سے جانے کے بعد تمہیں ایک مرتبہ پھر کمرہ ولا سے باہر آنا پڑے گا۔"

"میری خواب گاہ میں آج تم پہلی رات بسر کرو گے!" اس نے اپنے شانوں کا بوجھ میرے بدن پر ڈالتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے صبح وہ دونوں بھائی واپس آ جائیں۔"

"اس مرتبہ میں البرٹو فیو کے لباس میں باہر نکلوں گا اور واپسی پائیدان میں ہو گی تاکہ چوکیدار کو یقین ہو جائے کہ دونوں آدمی باہر نکل گئے ہیں۔"

"یہ تو واقعی معجزہ ہے!" وہ بولی۔ "غنیمت ہے کہ تم نے اس مسئلے سے نجات کی راہ بھی تلاش کر لی اب ہم سکون سے اس کی تدفین کا جشن منائیں گے!"

پونے سات بجے ہم اس بار سے اٹھ گئے۔ الیزا نے خاصی پی لی تھی۔ مگر اس کے حواس پوری طرح کام کر رہے تھے البتہ وہ کوئی اعصابی دباؤ برداشت کرنے کے لئے فوری طور پر تیار نہیں تھی لہٰذا میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور اس علاقے کے ایک دو چکر کاٹنے کے بعد انتھونی نادر کے قریب گاڑی پارک کر دی۔

"یہاں کیا لینے گئے؟"

"ذرا تازہ ہوا میں چہل قدمی کروں گا۔" میں نے کہا اور وہ مزید جرح کئے بغیر میرے ساتھ اتر آئی۔

سرد موسم کی وجہ سے انتھونی نادر کے نواح میں زیادہ ہجوم نہیں تھا مگر پھر بھی سیاحوں وغیرہ کی خاصی آمد و رفت نظر آ رہی تھی۔

الیزا کے ہمراہ انتھونی نادر کے قریب سے گزرتے ہوئے میں نے ہر طرف نگاہیں دوڑائیں مگر مجھے عبداللہ کہیں نظر نہ آیا اور نہ ہی اپنے

فراز نظر آئے جو کسی کے متلاشی ہوں۔

میں ایلیزا کے ہمراہ ایفل ٹاور کے سامنے والے ریسٹورنٹ پہ بیٹھے ہوئے ٹی لیلیا کے پاپ پہ پہنچ گیا۔ اندرونی ریلنگ کے سامنے جھک کر وہ پرسکون ندی میں پڑنے والے روشنیوں کے انعکاس سے لطف اندوز ہونے لگا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد مجھے ایلیزا پر شراب کا خمار اُبھرتا دکھائی دینے لگا اداسی کے لہجہ میں اس کا شدت بڑھتی چلی جا رہی تھی اور اسی رو میں اس نے ایک ایسا انکشاف بھی کر ڈالا جو میرے لئے نہایت سنسنی خیز ثابت ہوا اور بوڑھے خانساماں کی اس سے ہمدردی کا سبب بھی سامنے آ گیا۔

ان خانساماں نے اپنی عمر کا بہترین دور اسی گھرانے کی خدمت میں گزارا تھا۔ ہوش سنبھالنے پر ایلیزا کو اپنی ماں اور خانساماں کے اپنے مراسم کا علم ہوا جو مذراجوہاں سے پوشیدہ تھے پھر ایک مرحلہ ایسا بھی آیا جب مسز جوہان نے اپنی بیٹی سے اپنی لغزش کا اعتراف کر لیا اس وقت تک ایلیزا اپنے باپ کے آمرانہ رویئے سے متنفر ہو چکی تھی۔ اندھیری چار دیواری سے باہر زندگی کے نئے اور ہیجان خیز تجربات سے گزر رہی تھی۔ ایلیزا کو خود بھی اپنے باپ کے مقابلے میں ابتدا ہی سے خانساماں سے زیادہ لگاؤ تھا اور آخر کار ایک روز اس نے اپنی ماں سے وہ خطرناک سوال کر ہی ڈالا جس کے جواب میں اقرار کے ساتھ ہی اس کی ماں پہ دل کا بدترین دورہ پڑ گیا جس کے نتائج بعد میں اس کی موت کا سبب بنے۔ تاہم ایلیزا کو مذراجوہاں سے اتنی شدید نفرت تھی کہ شاید انتقام کے طور پر اس نے اپنے ذہن میں خانساماں کو اپنے باپ کا درجہ دے رکھا تھا اور اسے یقین تھا کہ اس کی رگوں میں مذراجوہاں جیسے درندہ صفت انسان کے لہو کا کوئی قطرہ شامل نہیں تھا۔

میں اسے ٹی لیلیا سے واپس ایفل ٹاور کی طرف لایا۔ اور فراز خان کا گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ اس وقت آدھی رات بیت چکی تھی اور مجھے یقین تھا کہ عبداللہ نے میری نگاہوں سے دور رہ کر ان لوگوں کو میری سست رفتاری کی خبر دی ہوگی جو جوہان ولا کے باہر گزشتہ رات سے میری ٹوہ میں لگے ہوئے تھے۔ اس وقت میرے ساتھ ایلیزا کی موجودگی میرے لئے قباحت کا باعث بن گئی تھی۔ ورنہ عبداللہ مزید سامنے آ کر مجھ سے ملاقات کرتا اور مجھے اسے تیمور کے بارے میں باخبر کر دیتا۔

ایلیزا کو گاڑی میں چھوڑنے کے بعد میں نے ایک اہم فون کال کرنے کے بہانے معذرت کی اور ایک بوتھ کی طرف چل دیا۔

میں نے مادام جے کے مکان کے ابتدائی نمبر ملائے تھے کہ مجھے اپنی پشت پر بوتھ کے دروازے کے شیشے پر دستک سنائی دی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو باہر عبداللہ کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آیا اور میں ریسیور ہک سے لٹکا کر باہر آ گیا۔

"کسے فون کر رہے تھے؟" مجھے دیکھتے ہی اس نے سوال کیا۔

"مادام جے کے یہاں شاید تمہیں بتانے کا ارادہ تھا۔" میں نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔ "جوہان ولا کا باڈی گارڈ جو بین الاقوامی کی جاگیر تھا ایلیزا کی خواب گاہ میں آ کر مارا گیا۔ اس سے پتہ چلا کہ مذراجوہاں نے اپنے مکان کی حفاظت کے لئے تیمور نامی کسی بدمعاش سے آدمی لئے ہوئے ہیں۔"

"وہ بہت خطرناک آدمی ہے اس کے آدمیوں پر تو سرکار کا ایک ہاتھ نہیں ڈالتے کیونکہ سرکاری حکام کے لئے وہ بلیک میلر ہے اور ان کی کمزوریاں تشہیر کی دھمکی سے کہ اپنے خلاف سرکاری کارروائی کو روکنے میں ڈال دیتا ہے۔"

"اس کو بھول جاؤ فی الحال صرف جوہان ولا میں بارات فشاں ہیں اور اس وقت تک جوہان ولا کے باہر شاید تیمور کے مزید آدمی پہنچ گئے ہوں گے۔"

"تم نے اندر کیا انتظام کر لیا؟"

"جوہان ولا کے چوکیدار کے علاوہ سب لوگ ایلیزا کے نمائندے ہیں میرا خیال ہے کہ مذراجوہاں کو ہرم کے خلاف وہ میرا ساتھ دیں گے۔" میں نے پارکنگ لاٹ کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "موقع ملتے ہی تو افراتفری میں چوکیدار کا پتہ بھی صاف کر دینا۔ ایلیزا کا تو میں میری منتظر ہے۔ شاید تمہیں اور بھی بہت سی خبریں سناتا مگر اب انشاء اللہ کل آ کر ہی یا ایک کے بعد ہی ملاقات ہوگی۔"

"فکر مت کرو۔ تمہیں یہاں پہنچتے ہی دیکھ لیا گیا تھا اور اب ایک ہی مسئلہ ہے جوہان ولا کے گرد ان کے لوگ سنبھال چکے ہوں گے میں مادام جے کے پاس ہی رہوں گا۔"

اس سے رخصت ہو کر میں کار کے قریب پہنچا تو ایلیزا اسٹیرنگ پر سر جھکائے ہوئے جیسے کوئی نغمہ گنگنا رہی تھی۔

"کسے فون کرنے گئے تھے؟" میرے سیٹ پر بیٹھنے کے بعد اس نے اگنیشن اسٹارٹ کرتے ہوئے خوابناک لہجہ میں سوال کیا۔

"دفتر سے چھٹی بڑھوانے کے لئے ایک دوست کو ہدایات دینی تھیں۔"

"تو کیا لندن واپس جانا ہے؟"

"میرا دفتر ضرور لندن میں ہے مگر میرا دوست ابھی یہاں سے تار بھیج دے گا۔ تمہارے ساتھ اگر بے فکری کے دو چار دن بھی گزر جائیں تو ساری عمر یاد رہے گی۔"

"تم مجھے کیسا چاہتے ہو ڈان؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے سنجیدہ لہجے میں دریافت کیا۔

"شادی شدہ نہ ہوتا تو تمہیں اپنی بیوی بنانے بغیر باز نہ آتا۔"

"... میں نے مسکرا کر کہا تو وہ مجھے خوشبو شادی ... کر گیا ..."

"... ہمارا مختلف الخیال کی طرح محبت کا بدترین انجام ہوتی ہے۔ اصل چاہت ... تو آدمی اپنی چیک کر دہانوں میں سمیٹ کر محبوب سے آنکھیں ... تو نہیں بلکہ محبوب کو بیکر نظر آتے ہیں۔"

... کیفیت کے پیش نظر میں نے محبت کو طول دینا مناسب نہ ... ساتھ اتفاق کرتے ہوئے اسے خاموش کر دیا۔

ایلیزا نے کار سینٹ جرمین کے علاقے میں موڑی تو میں سیٹ پر ... کی پشت سے ٹیک لگا کر پیچھے دیکھنے لگا۔

... وہی جگہ تھی جہاں سے اس وقت اٹھا تھا جب ایلیزا نے کار جوہان ولا کی طرف موڑی۔ پیچھے میں نے سر اٹھا کر گرد و پیش کا ... اس وقت گہری چادر اتنی دبیز ہو چکی تھی کہ چند فٹ کے فاصلے پر بھی دیکھنا محال تھا۔ لہٰذا میں دروازہ کھول کر اطمینان سے ... ایلیزا کے ہمراہ برآمدے سے گزر کر مکان میں داخل ہو گیا۔

مکان کے عقبی حصے میں خانساماں کی کارکردگی کا جائزہ لینے سے پہلے مناسب سمجھا کہ ایلیزا کی خوابگاہ میں موجود لاش پر ایک نظر ڈال لوں مگر وہاں پہنچتے ہی میرا دل دھک سے رہ گیا۔ ایلیزا بھی چیخ پڑی ... حیرت سے کبھی مجھے اور کبھی اپنی خواب گاہ کے کھلے ہوئے دروازے کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ کیا ہوا ڈان ...؟" اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں سوال کیا ... کو دیکھ کر اس کا سارا نشہ ہرن ہو گیا تھا۔

"... اندر چلا گیا ہو؟" میں نے چوکنا نظروں سے اردگرد کا جائزہ ... انتہائی سنجیدہ لہجے میں سوال کیا۔

"... یہ بہت خطرناک ہے۔" اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ... میں نے اوورکوٹ کی جیب سے ریوالور نکال کر اسے تھما دیا۔ پھر ... کی لاش سے حاصل کیا تھا اور اسے تعاقب میں نظر رکھنے کی ... آواز قدموں سے خوابگاہ کے کھلے ہوئے دروازے ... پہنچ گیا۔

... میں ساکت رہ کے اندر کی سن گن لیتا رہا مگر ... سناٹا پھیلا ہوا تھا۔

... میں ہمت باہر آ جانے کو ورنہ اسے گولیوں سے چھلنی کر دیا ... دی مگر سخت آواز میں کہا مگر اندر بدستور سناٹا ...

... کر ایلیزا کی طرف دیکھا۔ وہ بری طرح نروس ہو ... اس کے قریب جا کر اس کے ہاتھ سے ریوالور لے لیا مجھے ... اس کی ہچکچاہٹ کو دیکھ کر ... اچانک اس کے ساتھ ہی تنہا ایلیزا ... گاہ میں کسی چیز جانے کی طرح داخل ہوا اور دیوار کے ... ریوالور سے چھاتے ہوئے تیزی سے ... کرتا ...

وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ البتہ کمرے میں ابتری کے خاصے آثار نظر آ رہے تھے۔ اور باتھ روم کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔

باتھ روم کے سامنے پہنچتے ہی مجھ پر اچانک یہ حقیقت روشن ہو گئی۔ باتھ روم کا خالی فرش بہرا منہ چڑا رہا تھا۔ اور ایبرٹو فیو کی لاش غائب تھی۔

اگلے ہی لمحے میں خواب گاہ کے اس گوشے کی طرف متوجہ ہوا۔ جہاں میں نے اپنا اسلحہ سے بھرا ہوا بریف کیس چھپایا تھا اور یہ دیکھ کر مجھے یک گونہ سکون حاصل ہوا کہ میرا بارود کی قوت والا تحفہ بدستور موجود تھا۔

پھر فوراً ہی میں ایلیزا کو اندر لے آیا۔

"کیا ہوا؟ یہ سب کیسے ہوا؟" ایلیزا نے دہشت زدہ لہجے میں سوال کیا۔

"لاش غائب ہو گئی۔" میں نے خجالت آمیز لہجے میں کہا۔

"نہیں ..." اس کے ہونٹوں سے بے یقینی کے عالم میں نکلا۔

"شاید وہ مرا نہیں تھا۔" میں نے خواب گاہ کی کھڑکی کے ٹوٹے ہوئے تالے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "مجھ سے اپنی زندگی کی بدترین غلطی سرزد ہوئی ہے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے دل ہی دل میں عہد کیا کہ آئندہ جب بھی کسی دشمن کو موت کا گھونٹ پلاؤں گا ...؟ تسلی کر کے ہی ماروں گا۔

"اب کیا ہوگا؟" وہ کانپتی ہوئی میرے بازو سے آ لگی۔

"کہیں وہ ہماری تاک میں آس پاس ہی نہ چھپا ہوا ہو؟"

"وہ موت کی دہلیز سے لوٹا تھا۔ نجات حاصل کرتے ہی سیدھا اپنے گروہ کے پاس پہنچا ہوگا۔ مجھے افسوس ہے ایلیزا کہ میری حماقت کی وجہ سے بہرحال تم اپنی مرضی کے مطابق زندگی نہ گزار سکو گی۔" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "آؤ ذرا خانساماں کی تو خبر لیں۔ شاید اسے نیند کے دوران ہی اس کا کچھ علم ہو۔"

ہم دونوں کسی گڑبڑ کے خوف سے چھپتے چھپاتے مکان کے عقبی حصے میں پہنچے تو بوڑھے خانساماں کو ملازموں کے ساتھ کچن کے ایک گوشے میں الاؤ کے پاس بیٹھے دیکھا۔ الاؤ کے چاروں طرف سبزیوں کے پتے اور چھلکے بکھرے ہوئے تھے۔ خانساماں کے سامنے مٹی کے تیل سے جلنے والی ایک لالٹین روشن ہو رہی تھی اور مٹی کے توشے میں زمین کھودنے والے آلات رکھے ہوئے تھے۔

ہمیں دیکھتے ہی وہ دونوں ہڑبڑا کر کھڑے ہو گئے۔ ایلیزا فرنچ میں خانساماں سے باتیں کرنے لگی۔ اور میں بڑھ کر گڑھے کے قریب پہنچ گیا۔

"خانساماں نے بہت محنت کی ہے جناب!" مجھے اپنے قریب ہی خادمہ کی آواز سنائی دی۔ وہ بھی میرے پاس ہی آ گئی تھی۔

"ٹھیر واقعی چوکور اور صاف ستھری جگہ ہے۔"

"دشوار ہے ایک منٹ کے لئے اس کا اٹھنا تو نہیں رکا۔ مرنے والا خوش نصیب ہے کہ اسے ایسا محفوظ کونہ میسر آیا ہے۔"

مجھے اس کا انداز گفتگو پسند نہیں آیا۔ ایسے روح فرسا حالات میں عورت تو درکنار، قوی اعصاب کے مالک مرد بھی مزاح کی صلاحیت سے محروم ہو جاتے ہیں جبکہ وہ نہایت روانی سے اپنی شگفتہ مزاجی کے مظاہرے پر آمادہ تھی۔

"کس کی بات کر رہی ہو؟ کون مر گیا ---؟" میں نے خفگی بھرے لہجے میں سوال کیا۔

"وہی...... وہی جس کا تم نے گلا گھونٹا تھا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"وہ صرف بے ہوش ہوا تھا۔ اور ہوش میں آنے کے بعد چلا گیا۔" میں نے جھینپتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ہمارا خیال تھا کہ وہ بے ہوشی سے جانبر نہ ہو سکے گا۔ مگر اب یہ قبر بیکار ہے۔"

وہ منہ سے کچھ نہیں بولی۔ مگر اس کے چہرے کے تاثرات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے میری بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

"اسے کچھ نہیں معلوم۔ یہ دونوں تو تکلف سے چپ لگے ہوئے ہیں۔" ایلیزا اپنی بات پر سسپنس ختم کرنے کے بعد تعجب سے بولی۔

"میں ایک مرتبہ اندر گئی تھی ---" خادمہ ایک دم بول پڑی --- "مگر میں نے کوئی غیر معمولی بات محسوس نہیں کی۔"

"کچن میں کچھ کھانے گئی تھیں ---؟" میں نے سوال کیا۔

"مالکن کو رات بھی بیدار رہنا تھا ---" اس نے کہا۔ "مگر ان ملازمین میں ان کی بیداری دشواریاں پیدا کر سکتی تھی۔ اس لئے میں سادہ چھوٹی انہیں نیند کے دوران ہی ایک دوسری خوراک دے آئی تھی۔ تاکہ وہ صبح دس بجے تک آرام سے سوتی رہیں۔"

"وہ شخص میری خواب گاہ کا تالا توڑ کر فرار ہو گیا۔" ایلیزا نے اسے آگاہ کیا۔

"تو اب یہ قبر بیکار ہو گئی ---؟"

"ہاں --- اسے بند کر کے تازہ کیاری کی شکل دے دو۔" ایلیزا اس گہری قبر میں جھانکتے ہوئے بولی --- "مجھے حیرت ہے کہ اس نے کوئی آہٹ پیدا کئے بغیر تالا کیسے توڑ دیا۔"

"پھر کیا اسے کچھ معلوم کیا ---؟" خادمہ نے پوچھا۔

"یہ سوچنا ہے ---" ایلیزا مایوسانہ لہجے میں بولی --- "جب تم دونوں کچھ دیر کے لئے ادھر آئیں تو اچانک پتہ چلتا ہے ---"

"ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے سے ہی واپس گیا ہو۔" خادمہ بولی۔

اس دوران خانساماں نے مٹی قبر میں بھرنی شروع کر دی تھی۔

"وہ میں دیکھ لوں گی --- مگر تم جو کہہ رہے اس بارے میں کوئی بات نہ کرنا۔"

ہم دونوں واپس خواب گاہ میں پہنچے تو ایلیزا بہت زیادہ ہراساں تھی۔ میری پریشانی کا اس پر زیادہ اظہار تو نہیں ہوا تھا۔ مگر میں نہایت سنجیدگی سے خطرات کی بو سونگھ رہا تھا۔

البرٹو نیو کو اپنا میں نے جس طرح چکمہ دیا، اس کے نتیجے میں ایلیزا کی ذات شبہات سے بالاتر ہو گئی تھی۔ مگر اپنے ناکام قتل کے بعد البرٹو نیو نے سمجھ لیا ہو گا کہ ایلیزا میرے ساتھ ملی ہوئی تھی اور یہ کچھ ہوا اس کی تائید و حمایت سے ہوا۔

عذرا اور ابراہام کی غیر موجودگی میں جیرالڈ اگر البرٹو نیو کے ساتھ ہونے والی سازش کا انتقام لینے کے لئے جوناس ولا پر چڑھ دوڑتا تو مجھے قطعی حیرت نہ ہوتی۔

میں نے فون ٹیپ ہونے کے متوقع خطرے کی پرواہ کئے بغیر ایلیزا کی خواب گاہ سے ابراہام فنک کے نمبر ڈائل کر ڈالے۔ اس وقت ایلیزا باتھ روم میں تھی۔

بریتھا نے فون وصول کیا اور بتایا کہ عبداللہ ولا میں نہیں ہے۔ دس منٹ بعد میں نے دوسری کال کی تو عبداللہ نے ہی فون اٹھایا۔

میں نے کسی تمہید کے بغیر اشاروں کنایوں میں اسے ولا کی خطرناک صورتحال سے آگاہ کر دیا تاکہ وہ کوئی بہتر مشورہ دے سکے۔

"جوناس ولا پر کسی بھی سمے جیرالڈ دھاوا بول سکتا ہے ---" اس نے نہایت دھیمی آواز میں کہا --- "وہ اپنے آدمیوں پر ہاتھ اٹھانے والوں کو نیست و نابود کر ڈالے گا۔ بہتر یہی ہے کہ تم ایلیزا اور اس کے ملازمین کو لے کر فوراً وہاں سے نکل جاؤ۔"

"اس کے مسلح آدمی تو پہلے سے باہر موجود ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں بھی اس نے نظروں میں رکھا ہوا ہو۔ باہر نکلتے ہی تمہیں چھلنی کرنے کی کوشش کی جائے۔"

"ابھی اندر آتے ہوئے تمہیں کسی مزاحمت کا سامنا تو نہیں کرنا پڑا ---؟"

"اندر آنے والوں سے وہ کوئی تعرض نہیں کریں گے اور جوناس ولا کو جانے سے پہلے ہی ان کو شکار بنانے کی کوشش کریں گے۔ یہاں سے نکلنے میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔"

"پھر تم یہیں ٹھہرو ---" اس کی فیصلہ کن آواز سنائی دی --- "میں خود وہاں پہنچ رہا ہوں۔ جیتے جی آدم کا باپ عذرا اور ابراہام کے علاوہ کسی کو جوناس ولا میں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

میں ریسیور رکھ کر مڑا تو میری پشت پر ایلیزا کھڑی ہوئی تھی۔

"اب صورت حال بہتر ہو جائے گی۔" میں نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر کہا اور چونک پڑا کیونکہ اس کا ہاتھ برف کی طرح سرد تھا۔ [illegible]

ہی پکڑتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آج میری زندگی کی آخری رات ہے۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں نے باپ سے انتقام کی پرستش میں جانے بغیر جیرالڈ کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا ہے۔"

"بے وقوفی کی باتیں نہ کرو۔ میں نے سارا انتظام کر لیا ہے۔" میں نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

"کیا بندوبست کر لیا ہے؟" وہ رندھی ہوئی آواز میں چیخ پڑی۔ "مجھے معلوم ہے کہ تم کچھ بھی نہ کر سکو گے۔ تم شریف آدمی ہو۔ البرٹو نیو کو اطمینان سے قتل بھی نہیں کر سکتے۔ میرا باپ اور اس کے محافظ دار پیشہ ور ہیں۔ مسلح افراد اور خونریزی میں بھی وہ تمہیں مات کر دیں گے۔"

"پانی سر سے اونچا ہو جائے تو شریف آدمی بھی مجبور ہو جاتا ہے۔ ایلیزا ---" میں نے نرمی سے کہا۔ "تم دیکھو گی کہ تمہارے دشمنوں کو کیسی ذلت اٹھانی ہو گی۔"

"تم اکیلے کیا کرو گے؟ تمہارے پاس تو دوسرا پستول بھی نہیں۔ مجھے سلیح کر کے ---" وہ تڑپ کر میرے بازوؤں سے نکل گئی۔ اور سامنے آکر براہ راست میری آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

"میں نے اسی لئے فون کیا تھا۔ اس شہر میں میرے بھی کچھ جانثار دوست ہیں۔" اسے تحفظ کا یقینی احساس دلانے کے لئے میں نے خوش بیانی سے کہا۔ "آج کی رات جوناس ولا میں کوئی اجنبی پھٹک بھی نہ سکے گا۔"

"میں تمہیں الزام نہیں دے رہی لیکن ---" یک بیک اس کا مزاج اعتدال پر آ گیا۔ "یہ مصیبت تو خود میں نے کھڑی کی ہے۔ مجھے اندازہ ہے کہ تم اس میں لوث ہوتے ہو اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اگر [illegible] ہوئی تو ہر خطرے کے سامنے ہم دوش بدوش ہوں گے۔ خدا کرے تمہارے دوست باہر سے مدد کے لئے تیار ہو جائیں۔ مگر یوں گھر میں بیٹھ کر خطرات کا انتظار کرنا بھی بے وقوفی ہے۔ ہم بھی خانساماں اور خادمہ کو ساتھ لے کر اس وقت کسی ہوٹل کا رخ کر سکتے ہیں۔"

"البرٹو نیو کے مسلح آدمی شام سے باہر موجود ہیں۔ وہ پاتال میں بھی ہمارا سراغ نکال لیں گے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"تو کیوں نہ پولیس سے مدد لی جائے؟" اس نے کسی فوری خیال کے تحت کہا۔

میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ کوشش کے باوجود میں [illegible] لہجے میں بس اتنا ہی کہہ سکا۔

ایلیزا نے لپک کر فون اٹھایا۔ ریسیور کان سے لگائے چند لمحے انتظار کرتی رہی۔ پھر اضطراب کے عالم میں کئی بار کریڈل دبایا اور بے بسی کے ساتھ ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔ اس کا چہرہ اسی وقت خراب ہو رہا تھا۔

میں نے ریسیور کان سے لگایا تو وہ بالکل بے جان تھا۔ میرے وجود میں کروڑوں چیونٹیاں رینگنے لگیں۔ اعصاب پر تناؤ طاری ہو گیا۔ یہ جیرالڈ کی پراسرار کارروائی کا آغاز ہو چکا تھا۔ دشمن ہم سے زیادہ ہوشیار تھا۔ اور اس نے جوناس ولا میں داخل ہونے سے قبل فون کی لائن منقطع کر دی تھی۔

میں نے ایلیزا پر اپنے شبہات کا اظہار کئے بغیر ریسیور رکھ دیا اور سرسری لہجے میں صرف اتنا کہا۔ "خانساماں اور خادمہ کو اندر بلا کر تمام دروازے کھڑکیاں بند کر لو۔"

"کیا فون کے ساتھ کوئی شرارت ہو گئی ہے؟" اس نے شاید میرے دل میں جنم لینے والے اندیشے کی تحریر میرے چہرے کی لکیروں میں پڑھ لی تھی۔

"پتہ نہیں ---" میں نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا اور باہر سے ان دونوں کو بلا لیا جو قبر بھرنے میں مصروف تھے۔ ایلیزا بھی خاموشی سے میرے پیچھے ہو لی۔

میرے طلب کرنے پر وہ دونوں کدال، پھاوڑا، بیلچہ اور لالٹین لے کر اندر آ گئے۔ اور پھر ہم چاروں نے ہی عمارت کے وہ تمام دروازے مقفل کر دیئے جو باہر کھلتے تھے۔ کھڑکیوں کے پٹ بھی بند کر کے اندر سے چٹخنیاں چڑھا دی گئیں۔

ایلیزا کے لئے اس کی اپنی خوابگاہ نفسیاتی طور سے غیر محفوظ تھی کیونکہ وہاں نہ صرف وہ زخمی ہو چکی تھی۔ بلکہ وہاں ایک اغوا کی کوشش بھی ہو چکی تھی۔ لہٰذا ہم چاروں ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھ گئے۔ ہم چاروں میں سے خانساماں زیادہ مطمئن نظر آ رہا تھا۔ وہ سر جھکائے اپنی دھن میں مگن تھا۔ جبکہ خادمہ بار بار بولنے کا ارادہ کر کے منہ کھولتی اور آخری لمحہ پر اپنا ارادہ بدل دیتی۔

"ہم لوگ کب تک یوں ہی بیٹھے رہیں گے؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ رات تو شاید یونہی گزارنی پڑے گی۔" ایلیزا نے کہا۔ "الگ الگ رہ کر ہم میں سے کوئی بھی یکسوئی حاصل نہ کر سکے گا۔"

یہ گفتگو انگریزی میں ہوئی تھی جو خانساماں کے پلے نہ پڑ سکی۔ مگر خادمہ کو زبان کھولنے کا بہانہ مل گیا۔ "کیا آج رات کوئی خطرہ ہے ---؟"

البرٹو نیو کی قبر تیار کرتے ہوئے وہ پرسکون نظر آ رہی تھی لیکن اب اس کی افراتفری نے اسے بھی کافی خوفزدہ کر دیا تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ آج رات جوناس ولا پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی جائے۔" ایلیزا نے خود کو خادمہ کے مقابلے میں پر اعتماد ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"کیا کوئی دھمکی آمیز فون یا خط ملا تھا؟" خادمہ کی زبان چل پڑی۔

"وہ پھر کرنے آنے والا ہے پیغام بھیجنے آیا تھا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا اور الیزا مجھے کڑی نظروں سے گھور کر رہ گئی۔

"تو اسے پولیس کے حوالے کیوں نہیں کر دیا؟" اس چرب زبان عورت کے پاس فوراً ہی ایک نیا سوال تیار تھا۔

"آئندہ آیا تو ایسا ہی کریں گے۔ اس بار بے وقوفی سرزد ہو گئی ہے۔"

"تیز گفتگو کرکے ماحول کشیدہ نہ کرو ڈان۔" الیزا نے مجھ سے کہا اور پھر خادمہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔ "دراصل ڈیڈی نے کچھ آدمی میرے پیچھے لگائے ہیں اور خود روپوش ہو گئے تاکہ وہ لوگ مجھے اغوا کرکے تشدد کے ذریعے میرا باپ دریافت کر سکیں۔ ڈان حمزہ اللہ کی موجودگی کی وجہ سے آج دوپہر ان کی پہلی کوشش ناکام ہو گئی۔ ہم نے اپنی دانست میں حملہ آور کو مار دیا تھا مگر وہ سخت جان صرف بے ہوش ہوا تھا۔ اور ہماری غیر موجودگی میں تالا توڑ کر بیسمنٹ کمرے سے فرار ہو گیا۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ ڈان کو ختم کرنے اور مجھے اغوا کرنے کی آج ہی رات جتنے جلدی ہو کوشش کریں گے۔"

"مسٹر جوناس بہت بڑی غلطی کر بیٹھے ہیں جو ان لوگوں سے آمرانہ انداز میں احکامات نہیں منوائے جا سکتے۔ ان میں اخلاقی جرات ہو تو وہ خود تمہارے ساتھ بیٹھ کر مسئلہ حل کر سکتے ہیں۔" خادمہ ملامت آمیز لہجے میں بولی۔ "یہ کیسی انتہائی غیر اخلاقی بات ہے کہ ایک باپ کے انکار پر بازاری غنڈے اس کی بیٹی کے ساتھ شرمناک تشدد کریں۔"

"حالات اظہار افسوس سے بہت آگے نکل چکے ہیں۔" الیزا نے انتہائی اعتماد سے کہا جیسے اس کا ایک ایک لفظ صداقت پر مبنی ہو۔ "ڈان کے پاس ایک بھرا ہوا ریوالور موجود ہے اور ادھر کا رخ کرنے والوں کو منہ توڑ جواب دیا جائے......"

اس سے آگے الیزا کے الفاظ ایک سریلی چیخ میں تبدیل ہو گئے اور میں نے اندھیرے میں بعض اندازے کی بنا پر اس کا منہ دبوچ کر چیخ بلند ہونے سے پہلے روک دی۔

پوری عمارت یک بیک اندھیرے میں ڈوب چکی تھی۔ فون کی لائن کاٹنے کے بعد بجلی کی فراہمی بھی منقطع کر دی گئی تھی۔ اندھیرا چھاتے ہی قریب سے فائرنگ کی ہولناک گرج سنائی دی جس کے ساتھ ایک طویل کربناک چیخ سرد رات کے سناٹے کا سینہ چیرتی چلی گئی۔

میں نے اپنے وجود میں سکون کی شیشی جیسی لہر سرایت ہوتی محسوس کی۔ وہ نائٹ کلب کا بھی وار چہ سے ثابت کر گیا تھا کہ جوناس ولا کے باہر دو حریف موجود تھے۔ دونوں کے درمیان خونریز معرکے کا آغاز ہو چکا تھا۔

پہلے فائر اور موت کے کرب میں ڈوبی ہوئی چیخ کے بعد بمشکل چند سیکنڈ تک سکوت قائم رہا اور پھر بیک وقت فائرنگ کی آوازوں کے درمیان عدم تسلسل کی وجہ سے میرے لیے یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں تھا کہ وہ فائر مختلف ہتھیاروں سے کیے گئے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے مسٹر جوناس..." بد حواسی کے گھپ اندھیرے میں خادمہ کی لرزتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"حقیقت پسند بننے کی کوشش کرو جوڈی۔" الیزا کی آواز پر بھی وحشت کا اثر غالب تھا مگر وہ اپنی خادمہ کو تسلی دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر چند لمحے سکوت کے بعد اس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے سوال کیا۔ "عمارت کے مقابلے میں باہر کی کھلی فضا کیسی رہے گی ڈان؟"

"سردی کے علاوہ بھٹکی ہوئی گولیاں بھی ہم میں سے کسی کو چاٹ سکتی ہیں۔ یہاں دروازہ توڑے بغیر کوئی نہ آ سکے گا۔" میں نے کہا۔

"شاید تمہارا یہ اندازہ بھی باہر موجود لوگوں پر ہو۔" اس نے کہا۔

"بہت جلدی اندازہ لگا لیا۔"

"پتہ نہیں اس خون آشام سنگرام کا انجام کیا ہوگا؟" اس کی آواز میں خوف اور تشویش کے سائے لرزاں تھے۔

"علم اگر ہم لوگ محفوظ رہیں گے۔" میں نے شکوے سے جواب دیا۔ "اس گنجان آباد علاقے کے مکین اتنے بے حس نہیں ہیں۔ ان کے دیواروں کے باہر گولیاں چل رہی ہیں اور وہ پولیس کو طلب کر لیں گے۔"

"کسی پولیس کار کا سائرن ہی اس خونریزی کو ختم کر سکے گا۔" جوڈی نے گھبرا کر سانس لے کر تبصرہ کیا۔

اسی وقت اندھیرے میں خانساماں کی سنسناہٹ سنائی دی جس کے جواب میں الیزا نے میرا ہاتھ دبا کر فرنچ میں کچھ کہا اور مجھ سے بولی۔ "اندھیرے سے اور زیادہ خوف آ رہا ہے۔ لالٹین جلا کر روشنی کر لی جائے۔"

"اندھیرے میں ہمیں امان مل سکے گی۔" میں نے جواب دیا۔ "اگر بجلی کی فراہمی منقطع نہ ہوتی تو باہر جنگجوؤں کی گرج سنتے ہی ساری روشنیاں گل کرا دیتا۔"

"سگریٹ بھی نہیں کیونکہ اس کے شعلے سے پیدا شدہ ... پالیسی کے ... جوڈی کی پوست ... میں پھر لیٹ ... دبی تھی۔

خالی ... سے ... کے بعد اچانک باہر ... کا نقش گونجا اٹھا۔ ہولناک ... ہر ... اختیار کرتی ہوئی آوازیں کے دھرنے کی مسلسل حرکت کا اعلان کر رہی تھی اور ... لگا کہ ... تھا وہ بھی انسانی چیخوں سے لرزاٹھی۔ شاید کوئی ... ... کا کا ... کر رہا تھا۔

دوسری آواز متصادم بھی نہ ہو سکے۔ فضا میں مختلف ہتھیاروں کے ہولناک دھماکے یکجا گونجنے لگے۔ آتشیں اسلحہ کے بے دھڑک استعمال سے دونوں حریفوں کی بے خوفی ظاہر ہو رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ لوگ جوناس ولا کے گرد واقع مکانات کی ایک ایک اینٹ زمین بوس کیے بغیر فائرنگ نہیں روکیں گے۔

اسٹین گن کی مختصر سے وقفے کے لیے فائرنگ رکی اور پھر شاید میگزین لوڈ کرتے ہی اسے دوبارہ چلا دیا گیا۔

الیزا وحشت کے باعث میرے بدن سے چپکی بری طرح کانپ رہی تھی۔ جوڈی اور خانساماں کو تو سانپ سونگھ گیا تھا مگر نشست کی تاریک فضا ان کے ہانپتے ہوئے بے ربط سانسوں سے گونج رہی تھی۔

ہولناک دھماکوں کے درمیان وقفے وقفے سے انسانی چیخیں بھی ابھر رہی تھیں۔ پھر جوناس ولا کے احاطے میں کسی کے دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک سن کر میرا دل حلق میں آ گیا۔

قدموں کی دھمک کے بعد احاطے میں پے در پے دو گولیاں چلیں اور ایک چیخ کے ساتھ کسی بھاری چیز کے گرنے کی آواز سنائی دی۔ شاید حریف کے زخمی یا ہلاک ہونے کے بعد جوابی حملے کے طور پر زیادہ دیر خاموشی نہ رہی اور ڈرائنگ روم کی دیواروں سے چند گز کے فاصلے پر بھی گولیوں کا تبادلہ ہونے لگا۔

پھر اچانک فائرنگ کی آوازیں بتدریج قریب آتی گئیں اور ایک لمحے کے لیے یوں محسوس ہونے لگا جیسے دونوں فریق جوناس ولا میں گھس آئے ہوں۔

تقریباً احاطہ فائرنگ کے شور سے لرز رہا تھا۔ آدمیوں کے مختلف لہجوں کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ چند گولیاں چھت کی دیواروں سے ٹکرائیں اور ایک کھڑکی کا شیشہ توڑتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آ گھسی۔

پہلے فائر کے بعد بمشکل دو تین منٹ کا عرصہ گزرا تھا مگر وقت کی رفتار جیسے ماند پڑ گئی تھی۔ آتشیں ہتھیاروں کی وہ گھڑی طویل محسوس ہونے لگی تھی۔

پھر دور کہیں پولیس کار کے سائرن کی مدھم سی آواز سنائی دی اور حیرت انگیز طور پر دونوں طرف سے یکبارگی فائرنگ بند کر دی گئی۔

فائرنگ کے یک لخت خاتمے کے بعد ماحول پر ایسی دہشت طاری ہو گئی گویا کوئی وحشی سناٹا احاطے کو روند رہا ہو۔

گنجان آباد شہری علاقوں میں مسلح گروہوں کے تصادم ... قانون سے ... مشکل لمحہ ... اوقات جو رابطہ کرنے کے عادی ہوتے ہیں ان بدترین حالات میں بھی قانون کا سہارا نہیں لیتے۔ ان کے سامنے بھی معرکے کا قانون کی نظروں سے پوشیدہ رہنا ہوتا ہے اور اگر مقابلے کے دوران کسی مرحلے پر پولیس وغیرہ بن بلائے مہمان کی طرح نازل ہو جائے تو ہر دو فریق اپنی پوزیشن سے قطع نظر فوری طور پر جنگ بندی کر لیتے ہیں۔

پولیس کار کے سائرن کی واضح ہوتی ہوئی گونج کے ساتھ باہر جو آوازیں سنائی دے رہی تھیں ان سے جنگ بندی تو ثابت ہو چکی تھی مگر یہ امکان بھی واضح ہو رہا تھا کہ وہ لوگ اپنے زخمیوں کو وہاں چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھے۔

اور جب پولیس کی تین گاڑیوں کے تیز سائرن ... کی آبادی میں گونجتے تھے تو باہر بالکل سناٹا ہو چکا تھا۔

پولیس کی آمد کے باعث میں ایک نئے خطرے سے دوچار ہو گیا تھا۔ مجھے قوی امید تھی کہ پولیس کے کسی ذہین افسر کو ہنگامے کا سراغ دریافت کرنے میں دشواری نہیں ہوگی۔ اور جب انہیں خبر ہوگی کہ جوناس ولا میں واقعی ہوئی تو میرا وہاں پایا جانا مشکوک ثابت ہوتا۔

"میں اوپر کی منزل پر جا رہا ہوں۔" میں نے اندھیرے میں ہی اپنی نشست سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تم تینوں کے علاوہ اس مکان میں صرف تمہاری بچہ ماں ہے اور مسٹر جوناس کی غیر موجودگی میں تمہارے ساتھ کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آیا۔"

"مگر تم کہاں جانا چاہتے ہو؟" الیزا نے استفہامیہ لہجے میں دریافت کیا۔

"اس ہنگامے میں میرا نام ملوث ہو گیا تو مجھے عدالتی پیشی پر لندن سے پیرس پہنچنا پڑے گا۔ اور فرم میں میری ملازمت پر حرف آئے گا۔" میں نے الیزا کو دلاسے کے قریب ہو کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"اور اگر وہ احاطے کا جائزہ لیتے ہوئے کچن گارڈن تک پہنچ گئے تو کیا ہوگا؟" الیزا مجھے اجازت دینے سے قبل ہر امکانی خطرے کا حل معلوم کرنا چاہتی تھی۔

"وہ خانساماں نے تیار کیا ہوگا۔ اس میں خشک پتے اور شاخیں دبا کر سبزیوں کی کاشت کے لیے جنازہ تیار کر رکھا ہے۔"

"مگر وہ گڑھا تو قبر سے بھی مشابہ ہے!"

"ہوا کرے — لیکن وہ دو فائر کرکے دونوں جا چکے۔ جنگ تدبیر کے ساتھ اپنے مرنے والوں کو بھی اٹھا لے گئے ہوں۔ جب پولیس کو یہاں کوئی لاش نہیں ملے گی تو وہ قبر کے بارے میں تمہاری کہانی پر یقین کر لے گی۔"

"خدا کرے کہ وہ لوگ اپنے سوالات کی حد تک دریافت کر لیں ... تم نے مجھے سمجھایا ہے اگر ... کے سوالات کیے گئے تو ..."

میں زیادہ دیر ان کا سامنا نہ کر سکوں۔" وہ آہستہ سے یہ کہہ کر کمرے میں چلی گئی۔

میں اندھیرے میں دیواروں کو ٹٹولتا ہوا تیزی سے ایلیزا کی خواب گاہ کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ کمرہ میرا دیکھا بھالا تھا اس لئے تاریکی کے باوجود مجھے اپنے بریف کیس تک پہنچنے میں دشواری پیش نہیں آئی۔

بریف کیس لے کر میں اوپر والے زینے کی طرف ہو لیا۔ ان مخدوش حالات میں میں ایک لمحے کے لئے بھی بریف کیس کو اپنی ذات سے علیحدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس میں موجود ہتھیاروں کی مدد سے میں اپنے آخری معرکے میں سرخروئی حاصل کر سکتا تھا۔

اوپری منزل اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ آخری سیڑھی عبور کرتے ہی میں نے اندھیرے میں بری طرح ٹھوکر کھائی اور مشکل سے خود کو سنبھالتے ہوئے گرنے سے بچ سکا۔ اور مجھے پہلا دروازہ بند ملا۔ میں نے چوکھٹ پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ دروازہ کوئی آواز پیدا کئے بغیر اندر کھل گیا۔

چند ثانیوں تک اندر کی سن گن لینے کے بعد میں کمرے میں داخل ہو گیا۔ نہایت محتاط پیش قدمی کے بعد میں یہ دریافت کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ مسز جوناس کی نشست و خواب گاہ تھی۔ جہاں بجلی فیل ہونے سے قبل شاید برقی ہیٹر چل رہا تھا کیونکہ اس کمرے کا درجہ حرارت نہایت خوشگوار تھا۔

میں نے کمرے میں رچی ہوئی حرارت کے تحفظ کے پیش نظر داخلی دروازہ دوبارہ بند کر دیا اور اسی وقت مجھے پولیس کی گاڑیوں کے سائرنوں کا شور جوناس ولا کے بہت قریب تھم تھم کر سنائی دیا۔ شاید پولیس جائے واردات پر پہنچ گئی تھی۔

مسز جوناس کی لٹکنے والی اونچی مسہری پر اتنی بڑی چادر ڈالی گئی تھی جس نے چاروں سمتوں سے مسہری کے نیچے براہ راست دیکھنا ناممکن بنا دیا تھا۔

میرے لئے مسہری کے نیچے کی جگہ نہایت مناسب تھی کیونکہ پولیس والے افسران بھی اس مرحلے پر مسہری کو چھیڑنے سے گریز ہی کرتے۔

میرے کان نیچے سے آنے والی آوازوں کے منتظر رہے لیکن اس جانب داستان سننے کا رواج تھا اس کا مطلب تھا کہ جوناس ولا اپنی پوری اہمیت کے ساتھ پولیس کی نظروں میں نہیں آ سکا تھا۔

تقریباً چالیس منٹ کے صبر آزما انتظار کے بعد مجھے نیچے کچھ آہٹیں اور آوازیں سنائی دیں جو واضح نہیں تھیں۔ کچھ دیر تک وہ آوازیں ایک ہی جگہ مرکوز رہیں پھر مجھے سیڑھیوں پر کم از کم تین افراد کے قدموں کی دھمک سنائی دی۔

"میرے لئے یہ بڑی مسرت ناک خبر ہے کہ اپنے ایک وفادار ملازم کی موت کے باوجود آپ لوگوں کو اپنے مکان کی سیر کرا رہی ہوں" سیڑھیوں سے ایلیزا کی اونچی آواز سنائی دی۔ شاید وہ بلند لہجے سے مجھے اپنی آمد سے آگاہ کر رہی تھی۔

"یہ صرف رسمی کارروائی ہے مس جوناس، ہم آپ کی حفاظت کے پیش نظر یقین کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کی کوٹھی میں کوئی شرپسند تو نہیں چھپ گیا ہو۔" اس لہجے میں نمایاں طور پر افسری کی بو موجود تھی۔ "آپ کے چوکیدار کے دو مکانات کا پہلا اور احاطے کی زمین پر خون کے تازہ دھبے پائے گئے ہیں اور آپ کا مکان بھی اس بے مقصد خونریزی سے نہیں بچا ہے مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ ہمیں آپ کے چوکیدار کی لاش کے علاوہ وہاں پر کوئی زخمی تک نظر نہیں آ سکا۔"

"زیادہ احتیاط سے" ایلیزا کی آواز سنائی دی "ان خوابگاہ میں میری بیچاری ماں آرام کر رہی ہے۔"

مسہری سے نیچے لٹکی ہوئی چادر سے جھانک کر مجھے روشنی کا انعکاس دکھائی دیا جو غالباً وہ لوگ ٹارچیں استعمال کر رہے تھے۔

مسز جوناس کی خوابگاہ کا دروازہ کھولا گیا اور پھر چند ثانیوں تک کسی ٹارچ کا روشن دائرہ کمرے میں گردش کرتا رہا۔ اور پھر وہ سب دروازے سے ہی واپس لوٹ گئے۔

تقریباً نصف گھنٹے بعد جوناس ولا میں بجلی کی فراہمی بحال ہو گئی اس کا اندازہ مجھے مسز جوناس کی خوابگاہ میں برقی ہیٹر کے کام شروع کرنے سے ہوا۔

دو بجے کے قریب ایلیزا سیڑھیاں عبور کر کے اوپر آئی اور اس نے مجھے پولیس والوں کی جماعت کے چلے جانے کی خوشخبری سنائی اور میں اس کے ہمراہ نیچے چلا آیا۔ اپنے بریف کیس کو کسی کی نظروں سے بچانے کے لئے میں نے پہلے ہی مسز جوناس کی مسہری کے نیچے ہی چھوڑ دیا تھا۔

پولیس افسران نے ایلیزا اور اس کے دونوں ملازمین سے خاصے پیچیدہ سوالات کئے تھے مگر وہ ان تینوں سے کوئی ایسی بات اگلوانے میں کامیاب نہ ہو سکے جس کی بنا پر جوناس ولا کو فساد کی جڑ قرار دیا جا سکتا۔

مگر کچن گارڈن میں کھدی ہوئی قبر نے خاصی مشکل پیدا کر دی تھی۔ جس وقت خانساماں کو باہر سے طلب کیا گیا اس وقت تک وہ کافی مٹی دوبارہ قبر میں ڈال چکا تھا۔ بعد ازاں وہ مٹی ایک افسر کے لئے شبہ کا سبب بن گئی۔ اس کے شبہ کو زائل کرنے کے لئے ان افراد کو ملازمت سے بھی اطلاع دی گئی جو کچن میں رکھے گئے تھے۔ پہرے دار کی بھرتی تازہ اور نرم مٹی کے جائزے کے بعد پولیس والوں نے قبر سے نرم مٹی نکالنے پر مامور کر دیئے گئے اور جب سخت زمین آ جانے کے باوجود وہاں سے کوئی لاش برآمد نہ ہوئی تو پولیس والوں کو خاصی خفت اٹھانا پڑی اور انہوں نے قبر کا جائزہ شروع کر دیا کہ وہ گڑھے کے بارے میں ایلیزا کی کہانی پر یقین کر چکے تھے۔

جوناس ولا کا چوکیدار اسٹین گن کے حملے کا شکار ہوا تھا۔ جس کی لاش جوناس ولا کے پھاٹک کے قریب احاطے میں پڑی ملی تھی۔ گولیوں کے کاری زخموں کے واضح نشانات موجود تھے۔ ضروری کارروائی کے لئے وہ لاش پولیس نے پوسٹ مارٹم کے لئے اپنی تحویل میں لے لی تھی۔

ایلیزا کی خوابگاہ کے دروازے کا ٹوٹا ہوا تالا بھی پولیس کی توجہ کا مرکز بنا تھا مگر ایلیزا نے اس موضوع کو خوبصورتی سے نمٹا دیا۔ اس بارے میں اس نے چابی کھونے کی کہانی سنائی تھی جس کے سبب اسے خود تالا توڑنا پڑ گیا تھا۔

اس واقعے کے بارے میں ان تینوں کے بیانات لینے کے بعد پولیس کی جماعت واپس چلی گئی تھی۔

خانساماں اور خادمہ کو وہ رات ڈرائنگ روم میں گزارنے کی ہدایت کر کے ایلیزا میرے ہمراہ اپنی خواب گاہ میں آ گئی۔

میرے لئے جوناس ولا میں ٹھہرنا بے سود ہو چکا تھا۔ ابراہام جوناس جیسے مکار شخص سے یہ امید کرنی فضول تھی کہ دوبارہ یہاں آئے گا۔ یہ بعید از قیاس نہیں تھی۔ کہ جوناس ولا کے باہر خونریز تصادم کے بعد وہ یہاں دوبارہ قیام کی حماقت کرے گا۔

بظاہر یہ مشکل ہی معلوم ہوتا تھا کہ [illegible] کو [illegible] میں [illegible] کی اطلاع مل جائے گی اور اصلی ابراہام [illegible] سے [illegible] جبکہ وہ بھی دوسرے معاملے سے بے خبر ہو لیکن اس بار وہاں پہنچنے کے بعد جب اسے تیرا [illegible] کی صورت حال کا علم ہوگا تو [illegible] پر [illegible] روپوشی اختیار کر لیا ہو اور ان سے فرار [illegible] اور میں جوناس ولا میں کسی احمق کی طرح مناسب موقع کا انتظار کرتا رہ جاتا۔

اس تجربے کی روشنی میں مناسب یہی تھا کہ میں عذرا کے آنے تک دونوں ہوائی اڈوں پر نگرانی کروں کیونکہ ان میں سے کسی پر بھی یہ [illegible] بنایا جا سکتا تھا۔ [illegible] ہوائی اڈوں سے جوناس ولا تک کا راستہ بہترین موقع فراہم کرتا تھا۔ اگر وہ دونوں اس راستے پر بھی کوئی موقع دیئے بغیر اپنے ٹھکانے میں کامیاب ہو جاتے تو [illegible] جاتے۔

"اب میرا یہاں رہنا بے کار ہو گا" میں نے کافی دیر تک غور کرنے کے بعد ایلیزا سے کہا۔

"میں تنہا تو یہاں نہیں رہ سکوں گی۔ اور پھر میرے باپ کا کیا ہو گا؟ جس کی غیر موجودگی میں پیش آنے والے واقعات نے مجھے اس سے متنفر کر دیا ہے۔"

"تم عذرا کی واپسی تک ہوٹل میں منتقل ہو جاؤ۔" میں نے اسے مشورہ دیا۔ "میرا خیال ہے کہ اس دوران میں اس کے خلاف کچھ کر سکوں گا۔"

"ہوٹل میں تمہیں میرے ساتھ رہنا ہو گا۔"

"مجھے عذرا کے سلسلے میں مصروفیت کا سامنا کرنا پڑے گا بلکہ اس کی واپسی تک شاید دونوں ہوائی اڈوں کی نگرانی بھی کرنی پڑ جائے۔"

"میں سمجھ گئی۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں بولی "نہ جانے کیوں مجھے احساس ہو رہا ہے کہ تم میری وجہ سے میرے باپ کے خلاف صف آرا نہیں ہوئے بلکہ اس سے تمہاری کوئی ذاتی پرخاش بھی چلی آ رہی ہے۔"

میں نے ایک ثانیے کے لئے اس کے سوال پر غور کیا اور پھر اس کے خیال کی کاٹ کی تردید کرتے ہوئے بولا۔ "اس بے چارے نے میرا کیا بگاڑا ہے جو میری اس سے کچھ خاش ہو گی۔ تم چاہو تو میں ابھی اسی وقت لاتعلقی اختیار کر لیتا ہوں۔"

"میں یہ تو نہیں چاہتی مگر تم سے یہ توقع ضرور رکھتی ہوں کہ اگر میرے باپ سے تمہاری دشمنی کا کوئی سبب ہے تو تم مجھے اندھیرے میں نہیں رکھو گے۔" اس نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔ "مجھے بھی کم از کم ذہنی طور پر سکون ملے گا کہ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کی تمام تر ذمہ داری میری نہیں ہے بلکہ اس نتیجے کا کوئی دوسرا سبب بھی موجود تھا۔ تم خود ہی غور کرو کہ اس عمر میں کون ایک لڑکی کے لئے ایسے خون خرابے کو دعوت دینا پسند کرے گا جس کے نتیجے میں اس کی ساری عمر قید خانے کی سلاخوں کے پیچھے گزر سکتی ہے اور لڑکی بھی ایسی جس سے شادی وغیرہ کا کوئی ارادہ نہ ہو۔"

"تم میرے خلوص پر شبہ کر رہی ہو ایلیزا" میں نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ "میں نے تمہیں قریب سے دیکھا اور مظلوم سمجھ کر تمہاری مدد پر آمادہ ہو گیا۔ اب اگر تم میری اس ہمدردی کو کوئی اور معنی پہنانے کی کوشش کرو تو یہ سراسر تمہاری زیادتی ہو گی۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ میرا کبھی کسی مخلص دوست سے واسطہ نہیں پڑا۔ میرے ذہن میں جو بات تھی وہ میں نے تم کو بتا دی اور امید کرتی ہوں کہ تم مجھے اس صاف گوئی پر معاف کر دو گے۔"

"میں صبح چلا جاؤں گا۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

"اس کے بعد تم آزادی سے اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکو گی۔"

"تو تم میرا ساتھ نہیں دو گے؟"

"تمہاری گفتگو نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ میں نے تمہیں معاف ضرور کر دیا ہے مگر میں اپنی امکانی ناکامی کی صورت میں عمر قید کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"تمہارے معاملے میں اس قدر آگے بڑھ چکی ہوں کہ اب اپنے باپ کی ایک لمحے کے لیے بھی برداشت نہ کر سکوں گی۔ میں تنہا اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی مگر اپنی زندگی کا خاتمہ ضرور کر سکتی ہوں اور تمہاری مدد کی صورت کے بعد میرے لیے بس یہی راستہ رہ جائے گا۔"

میں خاموش ہو گیا۔ ایلیزا نے ہر طرح مجھے سمجھانا چاہا۔ اور آخر کار میرے سینے پر سر رکھ کر سسک سسک کر رو پڑی۔

عبداللہ اس ترکیب میں بھی میرا ذہن نہ لگا رہا جبکہ میری اصل صداقت ایلیزا کے خلاف تھی اور میں اسے کسی صورت میں معاف نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے ایلیزا پر یہ ظاہر کیا کہ میں اس کے آنسوؤں سے متاثر ہو گیا ہوں اور وہ خوش ہو گئی۔

اس رات میں ایک لمحے کے لیے بھی نہ سو سکا۔ ایلیزا سے سمجھوتہ کے بعد میں اس کی نازبرداریوں میں الجھ گیا۔ اور جب وہ تھک ہار کر گہری نیند سو گئی تو میرا ذہن عبداللہ میں الجھ گیا۔

عبداللہ نے نہایت کامیاب طریقے سے جیرالڈ کے آدمیوں کے حملہ کا منصوبہ ناکام بنا دیا تھا۔ ان لوگوں کے لیے باہر سے کی جانے والی مخالفانہ کارروائی اس قدر غیر متوقع تھی کہ پناہ کے لیے انہوں نے جو اس ولا کے قریب و جوار میں بنے ہوئے مکانات میں بھی گھسنے سے دریغ نہیں کیا۔ اور اسی بنا پر جو اس ولا پولیس کیمپ میں تبدیل ہونے سے بچ گیا۔

مجھے یہ اندازہ تھا کہ پولیس کی آمد کے بعد جیرالڈ کے آدمیوں کے ساتھ ہی عبداللہ کی ٹولی بھی اس علاقے سے فرار ہو گئی ہو گی اور ان کی بہتری بھی اسی میں تھی۔

ایلیزا کو گہری نیند کی آغوش میں دیکھ کر میں دبے قدموں اس کی خوابگاہ سے نکلا اور ڈرائنگ روم کا جائزہ لینے کے بعد اوپر چل دیا۔

خانساماں اور خادمہ دن بھر کی محنت کے بعد سرونٹ کوارٹر میں پڑے سو رہے تھے۔ اور میرے لیے مسز براؤن کی خوابگاہ سے اپنا بریف کیس نکالنے کا وقت آ گیا تھا۔

میں اوپر کمرے میں پہنچا تو روشنی کی ملگجی میں لیٹی ہوئی ایلیزا کی ماں کی حالت پر مجھے بہت رحم آیا۔ بظاہر وہ اس گھر کی مالکن تھی اور اس کا شوہر اس سے بے حد محبت کرتا تھا مگر عملی طور پر وہ ایک ناکارہ تصویر کے طور پر اس گھر میں رہ رہی تھی۔ پچھلے چار گھنٹوں سے کچھ کھائے پیئے بغیر وہ خواب آور دواؤں کے زیر اثر بے ہوش پڑی ہوئی تھی اور گھر میں کسی کو اس کے بارے میں ذرا بھی تشویش نہیں تھی۔

لیکن میں وہاں باہر کا آدمی تھا اور اس لیے میں صورت کے پیش نظر کچھ نہیں کر سکتا تھا جبکہ اس کی زندگی میں اس کی اپنی مرضی کو بدتر بنا دیا گیا تھا۔ میں نے خاموشی کے ساتھ اس کی مسہری کے نیچے سے اپنا بریف کیس نکالا اور ایلیزا کی خوابگاہ میں واپس آ گیا۔

بریف کیس چھپانے کے بعد میرا ذہن طویل وقفے کے بعد عبداللہ کی طرف بھٹک گیا اور اس کے بارے میں سوچتے سوچتے میری آنکھ لگ گئی۔

اگلی صبح ایلیزا نے مجھے نہایت محبت آمیز اور نرم انداز میں بیدار کیا۔ اس کا مسکراتا ہوا شاداب چہرہ اپنے قریب پا کر میرا جی چاہا کہ دوبارہ نیند کی وادیوں میں کھو جاؤں۔ مگر محبت کے شدید مطالبے نے بستر چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

"منہ ہاتھ دھو کر اس کمرے سے باہر آنا۔ میں ناشتہ یہیں لے آئی ہوں۔" ایلیزا نے میرے الجھے ہوئے بالوں میں اپنی مخروطی انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟ کیا تمہارا باپ آ گیا ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"نہیں — ممی نیچے آئی ہوئی ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ ان کی نظر تم پر پڑے۔"

"انہیں رات کے ہنگامے کا علم ہوا یا نہیں؟"

"ابھی تو نہیں ہوا — موقع دیکھ کر آہستہ آہستہ بتاؤں گی۔"

"میں ناشتے کے فوراً بعد باہر جانا چاہتا ہوں۔ کہیں تمہاری ممی کی موجودگی میں گڑبڑ نہ ہو جائے۔" میں نے غسل خانے کا رخ کرتے ہوئے کہا۔

"میں ممی کو مالش کے لیے جولی کے ساتھ اوپر بھیج دوں گی۔" وہ یہ کہہ کر خوابگاہ سے چلی گئی۔

میں گرم پانی سے طویل غسل کرنے کے بعد کمرے میں آیا تو ایلیزا ناشتہ لیے موجود تھی۔ لباس اور چہرے سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ فوری طور پر باہر جانے کے لیے تیار تھی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنی ممی کو اوپر بھیج کر آئی ہو۔" میں نے اس کے سراپا پر تحسین کی نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہاں — مگر یہ بتاؤ کہ فوری طور پر تم کہاں جاؤ گے؟"

"یہاں سے نکلنے کے بعد کہیں بھی چھوڑ دینا۔"

"ایئرپورٹ کا ارادہ کیا ہوا؟"

"مجھے کچھ انتظام کرنا ہو گا۔ میں اکیلا تو دو ہوائی اڈوں کو نہیں دیکھ سکتا [illegible]"

کہا — "میرے باپ کو چارلس ڈیگال ایئرپورٹ بالکل پسند نہیں ہے وہ آمد و رفت کے لیے ہمیشہ اورلی ایئرپورٹ کو ترجیح دیتا ہے۔"

وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی کیونکہ میری معلومات کے مطابق جیرالڈ براؤن اورلی ایئرپورٹ سے ہی روانہ ہوئے تھے۔ اور انہوں نے اپنی کار بھی وہیں چھوڑی تھی اور اگر سپنڈ کا معاملہ نہ ہوتا تو گاڑیوں کی وجہ سے وہ لوگ یقینی طور پر اورلی ایئرپورٹ پر ہی موجود رہتے اور اس کے ساتھ مجھے ذہن میں ایک شاندار تجویز آئی۔ پیرس میں رات کا دو بجے سے تقابلے کے دوران عبداللہ کی کار [illegible] کے ساتھ اغوا کی گئی تھی جو گنگشن سے ملک کی طرف [illegible] سے آیا تھا۔ اورلی ایئرپورٹ کے باہر دو گاڑیاں موجود تھیں جب مونا اور ابراہم وہاں پہنچے تھے۔ اور دوسری گاڑی میں ان کے چار مسلح سوار تھے۔

اگر کسی طرح ان دونوں موٹروں میں گنگشن سرنگ کے ساتھ ٹائم بم لگا دیئے جاتے تو سارا کام نہایت خوبصورتی اور سہولت سے پورا ہو سکتا تھا۔

"کس خیال میں کھو گئے؟" مجھے خاموش پا کر ایلیزا نے ٹوکا۔

"اگر تمہارا مشورہ مان لیا جائے تو مجھے دو آدمی درکار ہوں گے کیونکہ مونا اور ابراہم کے ساتھ چار مسلح محافظ بھی سائے کی طرح لگے رہتے ہیں۔"

"ایک گھنٹہ بھی کافی ہو گا۔"

"تو میں تمہیں چھوڑ کر ڈیڑھ گھنٹے بعد اورلی ایئرپورٹ کے [illegible] پر ملوں گی۔" اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"تمہارا وہاں آنا مناسب نہ ہو گا۔"

"میں تمہارے ساتھ رہ کر اپنی آنکھوں سے اس کا انجام دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"اگر اس کی نگاہ تم پر پڑ گئی تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ اور تمہاری وجہ سے میں بھی اس کی نظروں میں آ جاؤں گا۔"

"تم بے فکر رہو، میں جاسوسی ناولوں کی شوقین رہی ہوں، اپنی وجہ سے تم کو کسی دشواری میں نہیں ڈالوں گی۔"

ناشتے سے فراغت کے بعد پہلے ایلیزا باہر نکلی اور چند منٹ گزرنے کے بعد میں اپنا بریف کیس لے کر کھڑکی سے باہر نکلا اور اس کے سامنے کھڑی ہوئی کار کی عقبی نشست پر دبک گیا۔ میرے سوار ہوتے ہی ایلیزا نے انجن اسٹارٹ کر کے کار آگے بڑھا دی۔

اس وقت باہر کی فضا پر خاصی دھند چھائی ہوئی تھی مگر میں احتیاط کے پیش نظر تیار نہیں تھا لہٰذا کار کے عقب کی نشست سے کھسک کر پائیدان میں لیٹ گیا۔

کافی دیر کی خاموش ڈرائیونگ کے بعد آخر کار ایلیزا نے زبان کھولی۔ "اب ہم کافی دور نکل آئے ہیں اوپر آ جاؤ۔"

"ہم کس علاقے میں ہیں؟" میں نے عقبی نشست پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

"بولیوارڈ سینٹ مارسل پر چل رہے ہیں۔ تم کہاں اترو گے؟"

"بس کہیں بھی اتار دو۔"

ایلیزا نے کار کی رفتار بتدریج کم کی اور فٹ پاتھ کے قریب روکتے ہوئے مجھے آگاہ کیا "میں ڈیڑھ گھنٹے بعد پہنچ رہی ہوں۔ یاد رکھنا" یہ کہہ کر اس نے کار بڑھا دی۔

ایلیزا کی کار مشکل سے نظروں سے اوجھل ہوئی ہو گی کہ ایک سیاہ مرسڈیز تیزی کے ساتھ میرے قریب سے گزری اور پھر پوری طاقت سے بریک لگا کر سامنے رک گئی۔ میں کچھ سمجھ نہیں پایا تھا کہ وہ کار پیچھے کی طرف ریورس ہوتی ہوئی میرے قریب آ رکی۔

اس وقت تک بریف کیس میرے بائیں ہاتھ میں منتقل ہو چکا تھا اور داہنا ہاتھ اوور کوٹ کی جیب میں پہنچ چکا تھا جس میں ریوالور کا سیفٹی کیچ ہٹا کر اس کا ٹریگر گرفت میں لے چکا تھا۔

سیاہ مرسڈیز میرے بالکل قریب آ کر رک گئی تھی اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر کوئی اجنبی چہرہ موجود تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹ ابھر آئی۔

"مسٹر [illegible] فریڈ؟" اس نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر سوالیہ لہجے میں سوال کیا، اور میرا سر بے ساختہ اثبات میں ہل گیا۔

"آ جاؤ —" اس نے اپنے برابر والی نشست کا دروازہ کھولتے ہوئے پر اعتماد لہجے میں دعوت دی۔

"تم کون ہو —؟" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"وارڈنگ [illegible]" اس نے جواب دیا "میں نے کل شام تمہیں [illegible] پر دیکھا تھا۔ شاید اس لڑکی نے گاڑی روک کر تمہیں ہی اتارا ہے۔"

اس کا جواب جامع اور تسلی بخش تھا۔ میں سکون سے اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔

"لڑکی کا تعاقب کیا جائے؟" اس نے گیئر ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

"تم پیچھا کر رہے تھے اس کا؟"

"ہاں — [illegible] مار کر لیا۔" عبداللہ نے بھی ہدایت دی تھی۔ وہ تو میں نے تمہیں اتفاقاً پہچان لیا ورنہ سیدھا نکل جاتا۔"

"عبداللہ کہاں ہے؟"

"جو اس ولا کے سامنے۔"

"پولیس کی واپسی کے بعد تم لوگ دوبارہ وہاں پہنچ گئے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"پولیس کی موجودگی میں بھی ہم تماشائیوں کی بھیڑ میں شامل تھے۔" وہ بولا۔ "ہمارا ایک ساتھی زخمی ہوا تھا اسے گاڑی میں ڈال لیا گیا تھا۔"

"مجھے فوراً عبداللہ سے ملنا ہے۔" میں نے اسے گاڑی بڑھانے کا اشارہ دیتے ہوئے کہا۔ "رات کو تمہارے کتنے آدمی زخمی ہوئے؟"

"اس وقت ہم چار صحیح سلامت تھے۔" وہ گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ "آج صبح معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک اسی وقت مر چکا تھا۔"

"اور دشمن کے نقصانات کا کچھ پتہ چلا؟"

"چند سیکنڈ اور پولیس سائرن نہ سنائی دیتا تو ان کا ایک آدمی بھی زندہ جانے نہ پاتا۔ ویسے انہیں کافی نقصان پہنچا ہے۔ انہیں شاید کسی مزاحمت کی امید نہیں تھی۔" اس نے بتایا۔ "میرے خیال میں ان کے کم از کم سات آدمی ہلاک یا بری طرح زخمی ہوئے تھے۔"

"اور بچنے والے ان سب کو اٹھا لے گئے؟"

"دور سے سنائی دینے والے پولیس سائرن کا یہی فائدہ ہے کہ دونوں فریقوں کو اپنے آدمی سمیٹنے کا موقع مل جاتا ہے۔" وہ خاصا زندہ دل معلوم ہوتا تھا۔

"رات کا ہنگامہ شروع کیسے ہوا تھا؟"

"وہ لوگ اس علاقے میں پہنچتے ہی ہماری نظروں میں آ گئے تھے شاید انہیں اندازہ نہیں تھا کہ باہر سے جوناس ولا کی کڑی نگرانی کی جا رہی تھی۔ پھر جیسے ہی جوناس ولا کی روشنیاں گل ہوئیں ایک آدمی نے اطراف کا جائزہ لینے کی خاطر ... ہمارے آدمیوں نے ان کے ... دیوار پر چڑھتے دیکھ کر فائر کر دیا۔ اس کے بعد تو کھلی جنگ چھڑ گئی تھی۔"

میں دل ہی دل میں اس شخص کی دلیری اور بے خوفی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ اس خونریز معرکے کے بارے میں ایسے لاپروایانہ انداز میں گفتگو کر رہا تھا۔ جیسے اس کی نظروں میں موت کی کوئی وقعت نہ ہو اور یہی وہ عبداللہ سے نالاں نظر آ رہا تھا جس نے محض ... اس جیسے کئی جوانوں کو جان لیوا مہم میں جھونک دیا تھا۔

"عبداللہ کی سخت ہدایت تھی کہ جوناس ولا سے منسلک کسی بھی سواری کو ایک پل کے لیے بھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ دھوکہ دے کر نکل جائیں۔" اس نے ذرا توقف کے بعد ... لہجے میں کہا۔

"میرا ہم سن گروہ کچھ نہیں کہے گا۔"

کار شہر کے گنجان علاقے میں داخل ہو چکی تھی۔ راڈرک نے ایک کیفے کے سامنے اسے روک دیا۔ "تم یہاں انتظار کرو میں ابھی اسے لے آتا ہوں۔"

کیفے میں داخل ہوتے ہوئے مجھے راڈرک کی ذہنی صلاحیتوں پر رشک آ رہا تھا۔ اس نے مجھے براہ راست عبداللہ تک نہ لے جا کر بہت عقل مندی کا کام کیا تھا۔ جب کہ میں نے اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی۔

کافی کی پیالی خالی ہونے سے قبل عبداللہ غزال سے ... جیسے کسی بے حد قریب پرندے کی طرح میری میز پر آ پہنچا۔

اس کیفے میں گفتگو کرنی مناسب نہیں تھی لہٰذا میں پیالی خالی کر کے فوراً اٹھ گیا۔ باہر عبداللہ کی عجیب ساخت کی جیپ کھڑی ہوئی تھی جس میں ہم دونوں وہاں سے روانہ ہو گئے۔

"خدا نے تمہیں امان دی ہے صفدر!" وہ موقع میسر آتے ہی بولا۔ "اگر تم نے خلوص سے مجھے پیشگی خطرے سے آگاہ نہ کیا ہوتا تو وہ لوگ جوناس ولا میں کسی کو زندہ نہ چھوڑتے۔"

"ان کی تعداد کا اندازہ بھی ہوا یا نہیں؟"

"پہلے تو کسی طرح کم نہیں تھے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ جیرالڈ خود ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔ اس نے پہچان لیا ... کہا "وہ تو ان کی بے خبری ... کام آ گئی ورنہ انہیں روکنا ناممکن ہو جاتا۔"

"اسٹین گن کس کے پاس تھی؟"

"وہ جیرالڈ خود چلا رہا تھا۔"

"یعنی جوناس ولا کا چوکیدار اسی کے ہاتھوں مارا گیا ہے؟"

"جیرالڈ میرے ہاتھ سے زخمی ہو گیا تھا۔ اور اس کی اسٹین گن بھی ... مگر وہ میری آنکھوں میں ریت جھونک کر بچ نکلا۔ چوکیدار کو میں نے اسی اسٹین گن سے مارا تھا۔"

"تم نے اور تمہارے آدمیوں نے واقعی بڑی بے جگری سے کام لیا۔ راڈرک بتا رہا تھا کہ تمہارا ایک آدمی ہلاک بھی ہوا ہے!"

"ایسے معاملوں میں یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔" وہ لاپروائی سے بولا۔

"ان آدمیوں کو معاوضے پر حاصل کیا ہے؟"

"پیسہ لینے والے اتنی بے جگری نہیں دکھا سکتے۔" اس نے کہا۔ "یہ سب فرینڈز آف فلسطین نامی تنظیم کے اراکین تھے۔"

"میری حماقت سے اب کھیل کا رخ بدل گیا ہے۔ رات کے ہنگامے کے بعد بن سیان کے خلاف نئی حکمت عملی اختیار کرنا پڑے گی۔"

"کیا سوچا ہے تم نے؟"

میں نے تفصیل سے اپنا نیا منصوبہ سنا دیا ساتھ ہی ... ترک کرنے کے اسباب بھی واضح کر دیئے۔

"یہی صورت بہتر ہے۔" کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔ ... وقت بہت قیمتی ...

... پورٹ پر اتر جائیں۔"

"تم پھر اپنے آدمیوں کو ... کسی طرف نکل چلو۔"

"اینڈرسن کو ساتھ لے جانا ہوگا۔" وہ بولا۔ "وہ بڑی سرعت سے ... آتشیں ہتھیاروں کو نصب کرنے میں اعلیٰ مہارت رکھتا ہے۔ وہ تو ان دونوں گاڑیوں کو بھی پہچان سکتا ہے۔"

"مجھے بس اتار کر لے آؤ۔"

"تمہارے ساتھ چلنے میں کیا حرج ہے!"

"کیا تم کو انجیلا وہاں سے گزرتے ہوئے مجھے تمہارے ساتھ ... جاتے ... جس قدر کم معلومات ... ہوں اچھا ہے۔"

"وہ ابھی تک اپنے باپ کی جانی دشمن ہے؟"

"اب تو وہ میرے ساتھ ہو کر صفدر کا آخری انجام دیکھنا چاہتی ہے۔"

"بڑی خونخوار لڑکی ہے۔ پتہ نہیں وہ تمہارے ساتھ کیوں ... ہے۔" وہ ہنس کر بولا۔ "باپ اور بیٹی کے درمیان ایسی خونی دشمنی ... ہے۔"

"وہ تو صفدر کو اپنا باپ ہی نہیں مانتی۔ اس کا خیال ہے کہ اپنی ماں اور خالہ ماں کے قتل کے نتیجے میں صفدر اس کے گلے ... ہے۔"

اس انکشاف پر عبداللہ بھی چونکا اور جب میں نے اسے ... کے بارے میں مزید تفصیلات بتائیں۔ تو وہ ان ... یقین کر سکا۔

خاص طور پر خالہ ماں اور صفدر کی ... وفاداری اس ... عجیب بھی تھی۔ اس کی رائے میں اس طبقے کے لوگوں کی فطرت یہ ... کر کے اپنے مالکان کی نجی زندگی میں دخل حاصل کرتے ہیں پھر ان کی کمزوریوں کی ... کے ذریعہ انا کے کسی ... پہلو کی تسکین کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

راستے میں ایک اسٹال پر مجھے اتار کر عبداللہ جوناس ولا کی ... ہو گیا۔ اور میں کاؤنٹر پر سجے ہوئے اخبارات کا جائزہ لینے لگا۔

... اخبارات کی تلاش میں مجھے ایک انگریزی روزنامہ بھی نظر آیا جو میں نے رقم ادا کر کے خرید لیا تاکہ رات کے واقعے کے بارے میں اخباری رجحان کا اندازہ کر سکوں۔

اخبار کے آخری صفحے پر "پراسرار مقابلہ" کی ... سرخی کے ... تفصیلات درج تھیں۔ اور مختلف زاویوں کے حوالے سے یہ ... ظاہر کیا تھا کہ گنجان آباد علاقے میں ہونے والی یہ خونریز ... کسی باہمی چپقلش کا نتیجہ تھی۔ جس میں زخمی ہونے ...

... کے ساتھ جیتے جاگتے گئے تھے مگر کوئی ہلاک نہیں ہوا تھا خبر میں سینٹ جیمز کے آتشیں تصادم کا حوالہ ضرور تھا۔ مگر جوناس ولا کا کہیں نام بھی نہیں تھا۔

عبداللہ کی واپسی خاصی دیر میں ہوئی۔ راڈرک اس کے ہمراہ تھا۔ میرے سوار ہوتے ہی عبداللہ نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

عبداللہ کی ہدایت پر میں نے ... اسلحے سے بھرا ہوا بیگ بھی احتیاط سے راڈرک کے حوالے کر دیا۔ اور وہ بریف کیس کھول کر ہتھیاروں کا جائزہ لینے لگا۔

"یہ چیزیں تو ایئرپورٹ کی پوری عمارت کو نقصان پہنچانے کے لئے کافی ہیں۔" اپنے جائزے سے فارغ ہو کر راڈرک بولا۔ "مگر ان میں خود بخود ... کوئی ہتھیار نہیں ہے۔"

"ضروری نہیں کہ اسلحہ ہی کام میں لایا جائے۔ ہم کوئی دوسرا طریقہ بھی اختیار کر سکتے ہیں۔" عبداللہ نے کہا۔

"اس بات کا خطرہ پھر بھی ہے کہ دھماکہ قبل از وقت نہ ہو جائے۔ مجھے بس چند منٹ کی مہلت مل جائے تو میں خودکار چیزوں کا بندوبست کر سکتا ہوں۔"

"تو ہم لوگ اندرون ایئرپورٹ جا رہے ہیں۔ تم سامان لے کر وہیں آ جاؤ۔"

"مجھے ... کے چوک پر اتار دینا۔"

راڈرک کو اس کی بتائی ہوئی جگہ پر اتار دینے کے بعد عبداللہ نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی اور اندرون ایئرپورٹ جانے والے راستوں پر ڈال دی۔

"جوناس ولا سے اپنے آدمیوں کو رخصت کر دیا؟"

"ہاں ... تمہیں ایک نئی بات تو بتانی ہی بھول گیا۔" عبداللہ چونک کر بولا۔ "چند منٹ پہلے اس علاقے میں ایک مشکوک گاڑی دیکھی گئی ہے جس میں دو آدمی سوار تھے۔ میرے آدمی تو کسی نئے مقابلے کی امید میں تھے مگر میں نے انہیں رخصت کر دیا۔"

"جیرالڈ اتنی جلدی دوسرے وار کی ہمت نہ کر سکے گا۔"

"جیسے ... لوگوں کے سلسلے میں تم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اگر ایسا ہوا وہ لوگ ... کے روپ میں اندر گھسنے میں کامیاب ہو گئے تو انہیں ... سے کوئی نہ روک سکے گا۔"

"انجیلا تو شاید باہر ہی وقت گزار کر اندرون ایئرپورٹ پہنچے گی۔ اس کے ملازم ... پڑ جائیں گے۔"

"ان کی ... اور یہ بتاؤ کہ صرف جوناس ولا کی ... کا ارادہ ہے یا حفاظتوں کو کہیں ٹھکانے لگاؤ گے؟"

"حفاظتوں کو نہ چھیڑا جائے تو بہتر ہوگا۔" میں نے کہا۔ "جیرالڈ کے آدمیوں کے لیے پچھلی رات کا سبق ہی کافی ہے گا۔"

"اگر ان حیات کے بدلے پرسس کو چار غنڈوں سے نجات ملتی ہے تو کیا برا ہے؟" عبداللہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شاید تم اسی طرح اپنے آدمیوں کا بدلہ لینا چاہتے ہو۔"

"میرے ایک آدمی کے بدلے میں ان کے دس بھی مل جائیں تو حساب برابر نہ ہو سکے گا۔" وہ یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ "مخلص عرب پولیس کے مقابلے میں یہ لوگ تو محض اٹھائی گیرے ہیں۔"

"اگر راڈرک وہ سیٹ سے آیا تو محافظوں کو بھی دیکھ لیں گے۔"

سیکٹ فائرنگ سے وہ ٹوٹی ہوئی جیپ اچانک تیزی سے داہنی طرف بھاگنے لگی۔ اگر عبداللہ خاصی قوت صرف کر کے اسٹیئرنگ نہ سنبھالتا تو جیپ ڈھلان سے لڑھکتی ہوئی الٹ جاتی۔ اس نے رفتار توڑ کر چھوٹی چھوٹی ٹہنیوں میں جیپ روک لی۔

نیچے اتر کر جائزہ لینے پر پتہ چلا کہ جیپ کا آگے والا داہنا ٹائر ہوا سے محروم ہو چکا تھا۔ عبداللہ کو اس بے وقت پنکچر پر غصہ تو آیا مگر میں اس کے غصے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ٹائر تبدیل کرنے میں مصروف ہو گیا۔

ٹائر بدلنے کے بعد ہمارا سفر پھر شروع ہو گیا اور ایئرپورٹ پر پارکنگ کے لئے مختلف مقامات پر بڑے بڑے قطعات مخصوص تھے۔ اپنی جیپ ایک جگہ روکنے کے بعد ہمارے لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار تھا کہ [illegible] خیوتاس اور اس کے محافظوں کی گاڑیاں کہاں تلاش کی جائیں۔ عبداللہ نے مجھے صبر کی تلقین کرتے ہوئے راڈرک کے انتظار کا مشورہ دیا۔ جو آتے ہی ہمیں مطلوبہ گاڑیوں کا پتہ بتا دیتا۔

میری رسٹ واچ کے مطابق ایلیزا کو مجھ سے جدا ہوئے سوا گھنٹہ ہو چکا تھا۔ جب کہ ڈیڑھ گھنٹے بعد میں نے اس سے ایئرپورٹ کی عمارت میں ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کے اضطراب کے پیش نظر مجھے یقین تھا کہ وہ وقت سے پہلے ہی وہاں پہنچے گی۔ مگر میں راڈرک کا کام مکمل ہونے سے قبل ایلیزا کے ساتھ الجھنا نہیں چاہتا تھا۔

ہم دونوں ٹہلتے ہوئے عمارت کی طرف چل دیئے۔ عبداللہ کا خیال تھا کہ اس [illegible] وقت میں سے آنے والی پروازوں کا شیڈول معلوم کر لیا جائے۔

شیڈول کے مطابق ان [illegible] سے تین پروازیں آ چکی تھیں۔ آخری پرواز صرف پچیس منٹ پہلے پیرس پہنچی تھی۔ اگلی پرواز کی آمد میں ایک گھنٹہ [illegible] منٹ باقی تھے۔ ہمیں اپنا کام کرنے کے لئے کافی وقت تھا۔

تھوڑی دیر بعد راڈرک بھی ایک ٹیکسی میں وہاں آ پہنچا۔ اس کے ہاتھ میں مسافروں کے کام آنے والا ایک خستہ حال چرمی تھیلا موجود تھا۔ حلیے کے حساب سے بھی وہ خاصی مطابقت رکھتا تھا اور بادی النظر میں ایک عام [illegible] ظاہر کرتا تھا۔

ٹیکسی سے اتر کر راڈرک ہم دونوں کو ہاتھ ہلا کر ایک طرف چل پڑا۔

"وہ گاڑیاں کس طرف ہیں؟" عبداللہ نے سوال کیا۔

"مجھ سے غلطی ہو گئی ورنہ پہلے ہی تمہیں بتا دیتا۔ اب جبکہ کافی [illegible] پیدل جانا ہوگا۔" راڈرک نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

تقریباً دس منٹ کی مسافت کے بعد ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں راڈرک کے بیان کے مطابق دونوں گاڑیاں موجود تھیں۔ پارک کی ہوئی گاڑیوں کی باقاعدہ قطاروں کے درمیان سامان سے لدے پھندے مسافر اور ملاقاتیوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ ہم تینوں اس بھیڑ میں اپنا راستہ بناتے تیزی سے آگے بڑھتے جا رہے تھے کہ اچانک راڈرک کے قدم زمین میں جم کر رہ گئے۔ اس کی آنکھیں [illegible] کے عالم میں ایک طرف جمی ہوئی تھیں۔

اور اس کی نظروں کے تعاقب میں میں بھی وہ منظر دیکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ ایک کار کے قریب مجھے ابراہم جونباس کھڑا نظر آ رہا تھا۔ شاید وہ اندر سے دروازے کا قفل کھولے جانے کا منتظر تھا اور اس کے قریب ہی چار دیو ہیکل افراد چوکنا انداز میں کھڑے اپنی گردنیں چاروں طرف گھما رہے تھے۔

تیس سے چھبیس منٹ پہلے وارد ہونے والی پرواز نے ہمارے سارے منصوبے پر پانی پھیر دیا تھا۔

ہم تینوں جلدی سے گاڑیوں کی اوٹ میں ہو گئے۔

ابراہم جونباس کے سوار ہوتے ہی وہ کار حرکت میں آ گئی اور چند قدم آگے جا کر رک گئی۔ ابراہم کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ سے عذرا جونباس اترا تھا۔ وہ دونوں جھک کر اپنی اپنی سمت کے ٹائروں کا جائزہ لے رہے تھے۔ اسی وقت تک ان کے چاروں محافظ اپنی گاڑی میں سوار ہو کر پھرتی سے آگے بڑھ چکے تھے مگر ان کے ساتھ بھی کوئی دشواری پیش آئی اور چند فٹ بڑھنے کے بعد ان کی گاڑی بھی رک گئی۔

پہلے مجھے خیال ہوا کہ شاید وہ عذرا اور ابراہم کی مدد کرنے کے لئے رکے تھے۔ مگر جب ان میں سے ایک شخص اتر کر گاڑی کے پہیے جانچنے لگا تو پتہ چلا کہ ان کی کار بھی مقدر کی خرابی کا شکار ہو گئی تھی۔

قدرت نے [illegible] ہمیں کارروائی کرنے کی مہلت فراہم کر دی تھی۔ [illegible] دشمنوں کے پاس دو تیز رفتار گاڑیاں [illegible] ہماری جیپ [illegible] راستے میں [illegible] کافی [illegible] بس [illegible] تھا۔ [illegible] موت کی [illegible] تھا۔

دونوں جہاں اپنی گاڑی کے پاس سے مایوس ہو کر دوسری کار کی طرف بڑھے تو ان کی نگاہوں سے بچنے کے لئے ہم تیزی سے ایک پارکنگ [illegible] کی اوٹ میں ہو گئے۔

"[illegible] کو مقصد پورا کر رہا ہے؟" عبداللہ مسرت آمیز لہجے میں [illegible] "عجیب اتفاق ہے کہ بیک وقت ان کی دونوں گاڑیوں میں ہی [illegible] ہوئی ہے۔"

"[illegible] پر نظریں رکھو۔" میں اسے گھورتے ہوئے بولا۔ "[illegible] پرواز سے [illegible] آ گئے ہوتے تو گاڑیاں ان کے حرکت [illegible] سے قبل ہی جہنم واصل ہو جاتے۔"

"[illegible] سب کے لئے [illegible] ہو۔" عبداللہ نے راڈرک کے شانے پر [illegible] "تم ادھر جا کر جائزہ تو لو کہ ہوا کیا ہے؟"

راڈرک [illegible] پارکنگ [illegible] کی اوٹ سے نکل کر [illegible] میں وہ سامان سے لے گیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد میں نے قریب سے گزرنے والے افراد [illegible] میں خود کو مشکوک بنائے بغیر کسی کی تلاش کا انداز اختیار کرتے ہوئے دشمنوں کی ٹولی پر نگاہ ڈالی تو ان سب کو ایک حلقے میں [illegible] ایک [illegible] اپنا ہاتھ فضا میں لہرا لہرا کر کچھ بول رہا تھا۔ شاید ان کی [illegible] پیچیدہ نقص پیدا ہو گئے تھے۔

اپنی پشت پر کسی کے ہاتھ کا نرم لمس محسوس کر کے میں پھرتی سے [illegible] تعاقب میں ایلیزا کو موجود پایا۔ [illegible] اپنے [illegible] اسکارف میں چھپا لئے ہوئے تھے اور نہایت دلفریب [illegible] مسکرا رہی تھی۔

شاید وہ عبداللہ کی بھی لاعلمی میں ہمارے سر پر پہنچی تھی کیونکہ [illegible] بیچارہ نہایت بے بسی کے عالم میں کبھی اسے اور کبھی مجھے دیکھ رہا تھا۔

"تم لوگوں نے بہت دیر کر دی!" ایلیزا نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"یہ ہمارا اپنا معاملہ ہے، یہ بتاؤ کہ تم مقررہ مقام کے بجائے [illegible] موجود ہو؟" میں نے روکھے لہجے میں دریافت کیا۔ درحقیقت [illegible] اس وقت اچانک آمد سخت ناگوار گزری تھی اور میں [illegible] اسے اپنی ناراضگی سے باخبر کرنا چاہتا تھا۔

"میں مقررہ مقام سے ہو کر ہی یہاں تک پہنچی ہوں۔"

"[illegible] تمہیں وہیں رک کر میرا انتظار کرنا تھا؟"

"میرے لئے ایک [illegible] جانے کے لئے ایک ایک لمحہ [illegible] رہا تھا۔ لہٰذا میں تمہیں چھوڑنے کے بعد سیدھی ادھر آ گئی۔ [illegible] ایک پرواز میرے پہنچتے ہی آئی تھی۔ میں نے گیلری سے [illegible] جہاز سے [illegible] دیکھا اور پھر ریستوران میں جا کر [illegible] گھنٹے [illegible] دوسری پرواز آنے [illegible] لینڈنگ میں جا چکی [illegible] جہاز سے اترنے والے مسافروں میں اپنے باپ کو دیکھ کر بیحد مضطرب ہو گئی۔ تمہارے وعدے کے مطابق تمہاری آمد میں دیر تھی جب کہ میں انہیں تمہارے آنے تک روک نہ سکتی تھی لہٰذا میں نے وقت ضائع کئے بغیر گاڑیوں کی تلاش شروع کر دی اور پھر اپنے بالوں سے تمام پن نکال کر دونوں گاڑیوں کے ٹائروں کے پیچھے اس طرح پھنسا دیں کہ انہیں آگے یا پیچھے حرکت دیتے ہی ٹائر پنکچر ہو جائیں اور نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔"

"تو یہ کارگزاری تمہاری تھی؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں۔ اور اس کام کے لئے میں نے اپنے بالوں کی ترتیب بگاڑ کر انہیں اسکارف میں چھپایا ہے ورنہ اب تک وہ نکل گئے ہوتے۔" وہ فخریہ لہجے میں بولی۔

"تم ٹائروں سے ہوا بھی نکال سکتی تھیں۔" عبداللہ نے پہلی بار زبان کھولی۔

"ہوا نکلنے کی تیز آوازیں لوگوں کو میری طرف متوجہ کر دیتیں۔ بال پن لگاتے ہوئے بھی ایک شخص میری طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ میں نے گری ہوئی انگوٹھی تلاش کرنے کا بہانہ کر کے اسے مطمئن کر دیا۔ میری کوشش یہی تھی کہ ہر گاڑی کے ایک سے زیادہ ٹائر ناکارہ ہوں تاکہ وہ فاضل ٹائر سے بھی کام نہ نکال سکیں اور اس اثنا میں تم پہنچ جاؤ۔"

"تم نے واقعی زبردست کام کیا ہے مگر اب فوراً یہاں سے چلی جاؤ۔ عذرا یا ابراہم نے تمہیں دیکھ لیا تو بازی الٹ جائے گی۔"

اسی وقت راڈرک ایک طویل چکر کاٹ کر واپس آ پہنچا۔ [illegible] اس نے بولنے کے لئے زبان کھولی مگر ایلیزا کو دیکھ کر اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے۔

"بولو۔ بولو یہ ہماری ساتھی ہے۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"ایک گاڑی کے دو اور دوسری کے تین ٹائر ناکارہ ہو گئے ہیں۔ سب ٹائروں کے پیچھے سے انہیں [illegible] بال پنیں ملی ہیں۔" راڈرک نے کہا۔

"تو ان کا کیا پروگرام ہے؟"

"دونوں گاڑیوں کے ماڈل اور میک میں فرق کی وجہ سے وہ ایک گاڑی کے ٹائر دوسری میں نہیں لگا سکتے لہٰذا [illegible] ایک گاڑی کو وہاں چھوڑ کر باقی لوگ ٹیکسی سے روانگی کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ وہ لوگ اس واقعے سے چڑے ہوئے ہیں اور سرگوشیوں میں تبادلۂ خیال کر رہے ہیں۔ میں ان کے پاس زیادہ دیر نہ رک سکا۔"

"یہ تو بتاؤ کہ تم نے دوسری گاڑی کیسے پہچان لی تھی؟" میں نے فوری خیال کے تحت راڈرک کو نظر انداز کر کے ایلیزا سے سوال کر ڈالا۔

"ان لوگوں کی بدقسمتی کہ اسی گاڑی میں ایک بار میرا پیچھا کیا گیا تھا جب میں تعاقب کرنے والے کو ایک اسٹور پر دھوکہ دے کر [illegible] پہنچی تھی جو ان کے اپنے کارناموں سے بہت زیادہ [illegible] معلوم ہو رہی تھی۔"

"اچھا اب تم فوراً چلی جاؤ۔ یہاں کسی بھی لمحے خطرناک کھیل کا آغاز [illegible]"

ہو سکتا ہے تم نے اسے چکارتے ہوئے کہا۔

میں یہاں سے تھوڑی دور اپنی کار میں انتظار کروں گی؛ وہ ہاتھ ہلا کر ایک طرف جاتے ہوئے بولی اور میں اس وقت تک اسے دیکھتا رہا جب تک وہ اونچی گاڑیوں کی آڑ میں میری نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

• وہ سب تو اسی جگہ کھڑے ہوئے ہیں؛ عبداللہ نے بار بار ہونٹ کو ہونٹ سے بھینچتے ہوئے تشویش آمیز لہجے میں کہا؛ شاید انہیں کسی سازش کا شبہ ہو گیا ہے۔

• بے فکر رہیں یہ اتنی آسانی سے واپس جانے والے نہیں؛ میں نے آہستہ سے کہا اور پھر ہاؤرڈ سے بولا؛ تم فوراً عبداللہ کی جیپ ادھر لے آؤ۔

عبداللہ نے اسے جیپ کی پارکنگ کا مقام بتا کر چابی سمیت رخصت کر دیا اور میں دل ہی دل میں ان لوگوں کے اس وقت تک وہیں رکے رہنے کی دعائیں مانگنے لگا جب تک ہاؤرڈ جیپ نہ لے آتا۔

عنیزا اور ابراہیم جوناس کو وہ چاروں محافظ خونخوار بھیڑیوں کی طرح اپنے محفوظ اور مضبوط حصار میں لیے کھڑے تھے اور وہ دونوں بھائی باتوں میں مصروف نظر آ رہے تھے۔

پھر اچانک عنیزا جوناس ایک جھٹکے کے ساتھ ان چاروں کی طرف مڑا اور ہاتھوں کے پُرجوش اشاروں کے درمیان انہیں کچھ بتانے لگا۔

ابراہیم جوناس بالکل حیران لاتعلقانہ انداز میں الگ کھڑا نہایت سکون کے ساتھ آہستہ آہستہ چاروں طرف کا جائزہ لے رہا تھا۔

ان دونوں کے رویے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ نئی صورتحال کے بارے میں وہ کسی فیصلے پر پہنچ چکے تھے اور پیچھے ہوئے نادروں کے پیچھے سے زنانہ بال پٹخوں کی بازیابی کے باوجود ان کے استقلال میں کوئی نمایاں فرق نہیں پڑا تھا

• رہائی کے آثار نظر آ رہے ہیں؛ عبداللہ اس ٹولی کی سرگرمیاں دیکھتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں بڑبڑایا۔

• مگر مجھے یقین ہے کہ ان کی گاڑیاں اتفاقی حادثے کے نتیجے میں ناکارہ نہیں ہوئی ہیں بلکہ اس طرح کوئی انہیں روکے رکھنا چاہتا ہے ایسی صورت میں اگر وہ فوری طور رہائی کا فیصلہ نہ کریں تو مجھے حیرت ہو گی؛

لو، وہ چل دیئے؛ وہ مضطربانہ انداز میں پہلو بدل کر بولا؛ نہ جانے ہاؤرڈ کہاں رہ گیا۔ ایسا نہ ہو کہ ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں۔'

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میری نگاہیں مسلسل ان پر ہی جمی ہوئی تھیں۔ جوناس برادران اپنی موٹروں کے پاس سے اس شان سے روانہ ہوئے کہ ان کے چاروں محافظ شانے سے شانہ ملائے ایک ڈھال کی صورت میں ان کے پیچھے چل رہے تھے جس کے نتیجے میں وہ دونوں بھائی عقب اور پہلوؤں سے کسی حملے کا براہ راست نشانہ نہیں بنائے جا سکتے تھے۔ ان محافظوں کی گردنیں مستقل اس طرح گھوم رہی تھیں۔

جیسے گردنوں کے پیالے انہیں نازک اسپرنگوں کے سہارے شانوں پر جما دیا گیا ہو۔

تقریباً غیر محفوظ فاصلہ انہوں نے اسی فارمیشن میں عبور کیا اور جب وہ پارک کی ہوئی گاڑیوں کے بند ہجوم میں داخل ہوئے تو دو محافظ ان کے آگے اور دو پیچھے ہو گئے تھے۔

• یہ لوگ شاید ٹیکسی سے روانہ ہوں گے؛ عبداللہ ہاتھ آئے ہوئے شکار کو یوں آسانی سے نکلتا دیکھ کر ناقابل برداشت اعصابی ہیجان کا شکار ہو رہا تھا۔

• محافظوں کے ہاتھ شروع سے اب تک ایک لمحے کے لئے بھی جیبوں سے باہر نہیں نکلے ہیں۔ اپنے جوش پہ قابو رکھو ورنہ سارا معاملہ بگڑ جائے گا؛

اور پھر نیلے رنگ کی ایک لمبی سی بیوک کے قریب وہ رک گئے۔ میں نے بس اتنا دیکھا کہ اس کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر پہلے سے کوئی موجود تھا اور جوناس برادران کے آگے چلنے والے محافظوں میں سے ایک اپنی کھلی کھڑکی پر جھک کر اس شخص کی طرف جھکا تھا۔ آنا فانا کے بعد مجھے اور عبداللہ کو فوراً ہی ایک طرف گھومنا پڑ گیا کیونکہ پیچھے والے محافظ چوکنا انداز میں ایک دم واپس پلٹ پڑے تھے۔

چند ثانیوں کے سنسنی خیز سکوت کے بعد بیوک سے کچھ فاصلے [illegible] والے انجن کی غضبناک غراہٹ سن کر ہم دونوں کے لئے مزید انتظار ناممکن ہو گیا۔ جتنی دیر میں ہم کاروں کی اس قطار کے سامنے پہنچے، نیلی بیوک سبک رفتاری سے اپنی جگہ چھوڑ چکی تھی اور ان چھ افراد میں سے بس ایک محافظ وہاں کھڑا بیوک کے سائلنسر سے خارج ہونے والے دھوئیں کے بخارات کا جائزہ لے رہا تھا۔

ہم دونوں محافظ کے برابر والی قطار سے گزرنے کے بعد [illegible] بھاگتے ہوئے سڑک کی طرف ہو لئے۔ جب ہم پارکنگ لاٹ سے نکل کر سڑک تک پہنچے تو نیلی بیوک کہرآلود ماحول میں کہیں روپوش ہو چکی تھی۔

• آؤ؛ عبداللہ میرا ہاتھ تھام کر پوری قوت سے ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف دوڑ پڑا۔

اسی لمحے فضا میں ریوالور کی ہولناک گونج سنائی دی جس کے ساتھ ایک دلدوز انسانی چیخ بھی ابھری۔ [illegible] زخمی نظر آیا۔

فائرنگ کی آواز زیادہ دور سے نہیں آئی تھی اور اس کے نتیجے میں وہاں ہنگامہ برپا ہو گیا تھا اور فضا میں لوگوں کے زور زور سے بولنے اور چیخنے کی آوازیں آنے لگی تھیں۔

اس فائر کے نتیجے میں ہم دونوں اپنی انفرادیت کھو بیٹھے تھے۔ اور سڑک پر ہر سمت سے لوگ مختلف سمتوں میں بھاگنے لگے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ سب کو بچے کھچے لفظ [illegible] کی تلاش میں [illegible]

[illegible] کی راستہ بناتا ہوا ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف جا رہا تھا۔

وہ عن قریب [illegible] جانب کی انسانی آوازوں اور پولیس [illegible] کے آثار اشارہ تھا مگر سب سے زوردار ہولناک چیخ ابھار رہ سنائی دی۔ نہ جانے ریوالور کا زخم کھانے والا مر چکا تھا یا بے ہوش ہو چکا تھا [illegible] دوبارہ گولی نہیں چلائی۔

دوڑتے دوڑتے عبداللہ اچانک سڑک کے وسط میں رک گیا اور فضا میں زور زور سے ہاتھ لہرانے لگا۔ میں نے بھی وقت ضائع کئے بغیر عبداللہ کی جیپ دیکھ لی تھی جس کی آگے کی زرد روشنیاں جل رہی تھیں اور ہاؤرڈ مسلسل ہارن بجاتا ہوا آہستہ آہستہ جیپ کو بھاگنے والوں کی بھیڑ میں آگے لیتا آ رہا تھا۔

ہمارے قریب آ کر وہ جیپ روک کر نیچے بھی نہ پایا تھا کہ عبداللہ کسی [illegible] کی سی پھرتی سے اچھل کر اس کے پیچھے والی نشست پر جا بیٹھا اور دبے ہیجان لہجے میں بولا۔

• دوڑاؤ، گاڑی دوڑاؤ۔ وہ لوگ نکل گئے ہیں؛

میں نے اگر مستعدی سے کام نہ لیا ہوتا تو جیپ کی رفتار پکڑتے ہی منہ کے بل سڑک پر گرتا۔

جیپ پارکنگ لاٹ کے گرد بنے ہوئے دائرے کے متوازی دوڑتی ہوئی جونہی اس مقام پر پہنچی جہاں سے شہر جانے والی سڑک کا آغاز ہوتا تھا تو ہاؤرڈ کو [illegible] بریک لگا کر جیپ روک دینی پڑی۔

میں پھرتی کے ساتھ جیپ سے کود کر اس ہجوم کی طرف لپکا جو سڑک کے وسط میں کسی چیز کے گرد جمع تھا۔ عبداللہ نے بھی نہایت پھرتی سے میری تقلید کی۔

مگر ہجوم میں داخل ہونے سے پہلے ہی کسی نے عقب سے مضبوطی سے میرے اوور کوٹ کا کالر پکڑ لیا۔ میں جھٹکے کا محسوس کرتے ہی غصے اور سنسنی کی ملی جلی کیفیت کے زیر اثر تیزی سے واپس پلٹا اور اعنیزا کو اپنے عقب میں دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔

میں چند ثانیوں تک تحیر آمیز نظروں سے اس فتنہ گر دوشیزہ کو دیکھتا رہا۔ پھر عبداللہ کا خیال آتے ہی سر گھمایا لیکن وہ اس دوران ہجوم میں غائب ہو چکا تھا۔ شاید اسے علم ہی نہیں ہو سکا تھا کہ مجھے راستے ہی میں روک لیا گیا تھا۔

• وہ چلا گیا؛ میرے کانوں میں اعنیزا کی ہیجان آمیز سرگوشیانہ آواز ابھری۔

• تم کیا کسی چیز کی [illegible] ہو؛ میں اس کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں بولا۔

• ادھر آؤ؛ وہ میرا ہاتھ تھام کر مجھے ایک طرف لیتی چلی گئی۔ ہر تصور میں جانے میں ہر طرف افراتفری نظر آ رہی تھی۔ [illegible] سے محفوظ مقام پر پہنچتے ہی اعنیزا رک گئی۔

• ہاں اب بتاؤ؛ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

• میں نے اسے گولی مار دی؛ اعنیزا کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

• کسے؟ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

• یہ میں نہیں دیکھ سکی؛ وہ جذبات سے عاری لہجے میں بولی۔

• وہ لوگ تم کو چکمہ دے کر نیلے رنگ کی بیوک میں فرار ہو رہے تھے۔ میرے پاس فائر کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں اسی جگہ اپنی کار روکے کھڑی تھی۔ کیونکہ یہاں سے گزرے بغیر شہر جانا ناممکنات میں سے ہے۔ میں فائر کرتے ہی اپنی کار کی آڑ میں لیٹ گئی تھی۔ میں نے بس اتنا دیکھا کہ اگلی نشست پر کوئی بری طرح اچھلا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مر ہی گیا ہو؟

• تمہارے پاس ریوالور کہاں سے آیا؟ میں نے اس کے شانے تھام کر اسے جھنجھوڑتے ہوئے تیز سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

• تم سے رخصت ہو کر یہاں آتے ہوئے راستے میں اعشاریہ دو آٹھ کا اسمتھ اینڈ ویسن خرید لیا تھا؟

• تو یوں کہو کہ تمہارے سر پر ہمیشہ ہی سے خون سوار ہے؟

• میری وجہ سے وہ اب تک یہاں موجود ہیں ورنہ بہت پہلے تمہیں چکمہ دے کر صاف نکل گئے ہوتے؛ اس کے خوبصورت اور تیکھے خدوخال پر اس وقت خشونت طاری تھی۔

• لوگوں نے تمہاری گاڑی سے فائر ہوتے ضرور دیکھا ہو گا۔ تم مشکل میں پھنس گئی ہو اعنیزا؛ میں نے تاسف آمیز لہجے میں کہا۔

• دیکھا ہوتا تو [illegible] اب تک [illegible] تلاش شروع ہو جاتی؛ وہ دلآویز انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔

• تم عنیزا جوناس سے واقعی اتنی شدید نفرت کرنے لگی ہو؟ میں نے حیرت سے سوال کیا۔

• اس نے مجھے نفرت کرنے پر مجبور کیا ہے ڈارلنگ؛ وہ زہریلے لہجے میں بولی؛ وہ ایک آزاد معاشرے میں رہتے ہوئے مجھے اپنا قیدی بنا کر رکھنا چاہتا ہے۔ اپنے لامحدود مالی وسائل کے باوجود مجھے ایک ایک فارتھنگ کے لئے ترساتا ہے۔ میں اپنے جذبات کا خون کر کے اس کی مرضی اور مزاج کے مطابق رونا اور ہنسنا نہیں سیکھ سکتی۔ وہ مجھے ایک حسین کھلونا سمجھتا ہے جس کا [illegible] وہ اپنا جی بہلا سکتا ہے۔ میرے دل میں اس کے لئے رحم یا ہمدردی کی رمق تک باقی نہیں رہی ہے؛

• اب تم یہاں سے چلی جاؤ اور وہ ریوالور [illegible] اچھی طرح صاف کر کے کسی ویرانے میں پھینک دینا ورنہ تم دشواریوں سے دوچار ہو جاؤ گی؛

• میں جاننا چاہتی ہوں کہ گولی کا نشانہ کون بنا ہے؛

میں اسے تحیر آمیز نظروں سے گھور کر رہ گیا۔

• مجھے اس طرح نہ گھورو ڈارلنگ؛ وہ لاپرواہانہ لہجے میں بولی؛ تم نے مجھے ہمت دلا کر اپنے خول سے باہر آنے میں مدد ضرور دی ہے بجا ب

مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ میں اگر زندگی کی بازی کھیلنے کا ارادہ کر لوں تو اپنا معاملہ خود نمٹا سکتی ہوں۔"

میں نے عبداللہ کے ساتھ ایک خفیہ منصوبے کے تحت [illegible] کو اپنے خبری [illegible] میں گھیرنے اور راستے سے ہٹانے کی کوشش کی تھی مگر جانے [illegible] ہو سکے ہی حالات اتنی تیزی کے ساتھ نئے رخ اختیار کرتے جا رہے تھے کہ ہماری پیشگی منصوبہ بندی بے سود ہو کر رہ گئی تھی اور صرف یہ کہ ہمارا مشترکہ حریف پیرس میں اپنے دشمنوں کی موجودگی سے باخبر ہو چکا تھا بلکہ کسی بھی لمحے ہماری نگاہوں میں دھول جھونک کر فرار ہو سکتا تھا۔

"اگر تم اپنا معاملہ خود نمٹا سکتی ہو تو پھر میں تمہاری مدد سے دستبردار ہو جاتا ہوں۔ دوسروں کے پیدا کردہ خطرات سے نمٹنا میرے لئے بہت دشوار ہوگا۔" میں نے قدرے سکوت کے بعد [illegible] کہا۔

"بُرا مان گئے؟" وہ مجھے [illegible] مسکراہٹ سے [illegible] کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "میں نے تو محض ایک خدشہ بیان کیا تھا جب تک تم میرے ساتھ ہو میں کوئی اندھی بازی کھیلنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ میرے لئے تمہاری ذات تحفظ کی علامت اختیار کر گئی ہے۔"

"تو پھر تم وہی کرو گی جو میں بتاؤں گا ورنہ اپنے ساتھ تم مجھے بھی ساری عمر کے لئے فرانس کے کسی قید خانے میں سڑوا دو گی۔"

"میں کسی قیمت پر ایسا نہ ہونے دوں گی۔"

"اگر تمہاری [illegible] اسی رفتار سے جاری رہیں تو کسی بھی لمحے وہ برا وقت آ سکتا ہے۔ میں [illegible] کے بڑھتے ہوئے [illegible] کو [illegible] سے [illegible] ہونا چاہتا تھا۔"

"مگر تم کوئی خاص [illegible] نہ کر سکے؟" وہ سکون سے بولی۔ "اگر قانون کے ہاتھ میری یا تمہاری طرف بڑھے تو میں [illegible] تمہیں [illegible] کر لوں گی۔"

"بکواس مت کرو، الیزا! [illegible] فیصلے [illegible] زندگی اور موت کے فیصلے اتنے آسان نہیں ہوا کرتے۔ میں نے کہا کہ تم [illegible] جاتے ہوئے [illegible] دنیا [illegible] دیکھ لوگی۔ اگر [illegible] کے بعد میں نے [illegible] تمہارا چہرہ [illegible] دوں گا۔"

[illegible]

[illegible] میں نے [illegible] انداز [illegible]

[illegible] اٹھتے ہوئے ہاتھ کا [illegible] کر دیا۔

"وقت آیا تو [illegible]" [illegible] میں سے [illegible] ہو [illegible]

وہ [illegible] بولی: "اب کیا وقت آئے گا [illegible] تمہاری [illegible]"

میں [illegible] خاموش [illegible] بھڑکا کر [illegible]

دیکھنے لگا۔

"ہاں!" چند ثانیوں کے بعد اس نے آہستہ سے مجھے پکار کر میں نے [illegible] کر دی۔

"ناراض ہو گئے؟" وہ قریب آ کر [illegible] رخسار میرے شانے سے [illegible] ہوئے بولی۔

"جلاد تم جیسی خود سر لڑکی سے کوئی ناراض ہو سکتا ہے؟" میں طنزیہ لہجے میں بولا۔

"[illegible] دور میں وہ پیار اور کسی نے وغیرہ [illegible] گی؟" وہ آہستہ سے بولی۔ "کسی وقت تم سے بحث کرنے [illegible] چڑانے میں مزہ آتا ہے۔"

میں [illegible] کی صورت میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

چند منٹ تک دونوں رکے رہنے کے بعد یک بیک مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ عبداللہ ہجوم میں شامل ہو کر لوگ سے [illegible] تھا اور اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ میں کہاں اور کس کے ساتھ [illegible] معلومات کے حصول کے بعد جیب کا رخ اختیار کرتا اور مجھے وہاں نہ پا کر بلاوجہ تشویش کا شکار ہو جاتا۔

میرے لئے مناسب تو یہی تھا کہ الیزا سے پیچھا چھڑا کر سیدھا جیب میں جا بیٹھتا لیکن وہ جانے سے قبل یہ معلوم کرنے کے لئے بے [illegible] تھی کہ اس کے فائر کا کون نشانہ بنا تھا۔ [illegible] [illegible] تعین کرنا چاہتا تھا۔ ابتدا ہی سے میری کوشش یہی تھی کہ الیزا [illegible] اس کے منصوبے کے بارے میں [illegible] کچھ معلوم ہی نہ ہونے پائے۔

"تم یہیں ٹھہرو۔ میں معلوم کر کے آتا ہوں کہ کون [illegible] ہے۔" آخر کار میں نے اس سے کہا۔

"میرے پاؤں کا [illegible] کیا حرج ہے؟ تمہارا دوست ڈاکٹر [illegible] ہی دے گا۔"

"اسے الہام نہیں ہوگا کہ میں تمہارے ساتھ یہاں بیٹھا [illegible] ہوں۔ اگر وہ مل گیا تو اسے بھی ادھر ہی لے آؤں گا۔"

الیزا کو چھوڑ کر میں بھیڑ میں شامل ہوا تو ایک [illegible] سے [illegible] آنے لگی۔ ہجوم کے قریب وسط میں [illegible] [illegible] [illegible] نے [illegible] سے [illegible] کر لیا تھا۔ [illegible] ابراہام [illegible] ان کے [illegible] میں سے کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ [illegible]

[illegible]

[illegible] سے [illegible] گفتگو کرنے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بول پڑا۔

"لڑکی مل گئی تھی؟"

"ہمارے علاوہ بھی کوئی ان کے پیچھے تھا۔" عبداللہ میرے ساتھ چلتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "گولی ابراہام کے جبڑے کو چیرتی ہوئی نکل گئی ہے۔"

میں یہ سن کر خوشی سے اچھل پڑا۔ "یہ تو بہت اچھا ہوا۔ اب وہ زیادہ نقل و حرکت نہ کر سکے گا۔ مگر وہ ہے کہاں؟"

"عذرا اسے اپنے ساتھ لے جانے پر مصر تھا مگر ایمبولینس اسے سرکاری ہسپتال لے گئی ہے۔ ماحل وہ لوگ [illegible] کی زد پہ تھے [illegible] کرنے کر جا چکے تھے۔ ابراہام کے زخمی ہونے پر پولیس کے [illegible] نے بھی [illegible] کر دیا اور اب وہ دونوں بھائی مشکل میں پڑ گئے ہیں۔" عبداللہ نے بتایا۔ "ہو سکتا ہے کہ عذرا کو حراست میں لے لیا جائے۔"

"اور محافظ کہاں گئے؟"

"وہ تو پولیس کو [illegible] کرتے ہی بھاگ نکلے۔ عذرا سارا قصور ان ہی کے سر ڈال رہا ہے کہ وہ تینوں قتل کی دھمکی دے کر اسے اور ابراہام کو اغوا کر رہے تھے۔"

"بہت مکار ہے وہ بھی!" میں نے کہا۔ "اس طرح وہ خود کو پولیس کے اغوا کے الزام سے صاف بچا لے گا۔"

"ہاں۔ یہ تو ظاہر ہے۔" عبداللہ نے اس جملے پر شاید پہلے غور نہیں کیا تھا۔

پھر میں نے اسے ہدایت کی کہ الیزا کو فائر کے نتائج سے آگاہ نہ کیا جائے ورنہ وہ شیر ہو کر کوئی خطرناک حرکت بھی کر سکتی ہے۔

مجھے اور عبداللہ کو دیکھتے ہی وہ بے تابانہ انداز میں ہماری طرف لپکی۔ "کیا ہوا؟"

"ایک شخص زخمی ضرور ہوا ہے مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کون تھا۔" میں نے [illegible] لہجے میں کہا۔ "ہر تماشائی مختلف حلیہ بتا رہا ہے۔"

"تم نے زخمی کو دیکھا تو ہوگا؟" وہ براہِ راست عبداللہ سے مخاطب ہو گئی۔

عبداللہ نے [illegible] سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی اور بولا۔ "میرے پہنچنے سے پہلے پولیس زخمی کو لے گئی تھی۔"

"یہ برا ہوا۔ میں جاننا چاہتی تھی کہ شکار ہونے والا کون ہے۔"

وہ اضطراری کیفیت میں بولی۔

"ویسے تمہارا نشانہ بہت اچھا تھا۔" میں نے [illegible] لہجے میں کہا۔ "تمہارا [illegible] پولیس کی گولی [illegible] میں [illegible] ہوئی ہے۔"

"کسی نے مجھے فائر کرتے ہوئے تو نہیں دیکھا تھا؟" الیزا نے عبداللہ کی طرف [illegible] ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

[illegible] سے [illegible] عبداللہ [illegible] رہ گیا۔ پہلے

حیرت سے اس کا منہ کھلا اور چند ثانیوں کے بعد اس نے احمقانہ انداز میں جبڑے بھینچ لئے اور تحیر آمیز سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "تو کیا پولیس پر وہ فائر تم نے کیا تھا؟"

"ہاں!" وہ فخریہ لہجے میں بولی۔ "کیا وہاں قرب و جوار نے تمہیں نہیں بتایا ہے؟"

"نہیں ان معصوموں کو خود ہی کچھ پتا ہے۔" عبداللہ میری طرف دیکھ کر [illegible] مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ اور میں نے اندازہ لگا لیا کہ اسے وہ انکشاف میرے بجائے الیزا کی زبان سے سن کر صدمہ ہوا تھا حالانکہ اس نے ملتے ہی مجھ سے اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ اگلی واردات میں جاسوس کے علاوہ کوئی اور بھی جو اس برادران کے پیچھے لگا ہوا ہے مگر میں اس کے باوجود اسے یہ بتانا بھول گیا کہ وہ کسی تیسرے فریق نے نہیں بلکہ الیزا نے کیا تھا۔

"ویسے تمہیں کسی نے نہیں دیکھا ہوگا کیونکہ وہاں ہر شخص کسی نامعلوم مقام سے چلائی جانے والی نادیدہ گولی کا ذکر کر رہا ہے۔" عبداللہ نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے الیزا سے کہا۔

"اب تم فوراً یہاں سے چلی جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا باپ تم سے پہلے گھر پہنچ جائے اور پھر پولیس بھی ساری جزئیات کا گہرا جائزہ لے گی تمہیں اس وقت جو اس کے ساتھ موجود ہونا چاہئے۔" میں نے انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے اس حسین پیکر سے پیچھا چھڑانے کے لئے کہا اور اس نے میری بات مان لی۔

"تم کب ملو گے؟" اس نے جاتے ہوئے پوچھا۔

"فی الحال کوئی پروگرام مناسب نہ ہوگا۔ جو اس برادران پر کئے جانے والے اس قاتلانہ حملے کے بعد پولیس جو اس [illegible] اور اس کے [illegible] میں گزشتہ روز کی خونریزی پر بھی نئے زاویے سے تفتیش شروع کر دے گی اور ہو سکتا ہے کہ تمہاری نگرانی شروع ہو جائے۔ ویسے میں کسی بھی وقت موقع کی [illegible] دیکھ کر تم تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔"

پھر الیزا وہاں سے رخصت ہو گئی۔

"یہ کیا ہوا؟" اس کے اور چلے جانے کے بعد عبداللہ نے پوچھا۔ "الیزا ضرورت سے زیادہ بے خوف ثابت ہوئی ہے تو مجھے اس کے ہمراہ جیب کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "اور محض اس کی وجہ سے حالات یک بیک نہایت تیزی سے رخ بدلتے ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اب تک کے حالات ہمارے حق میں رہے ہیں۔"

"تو الیزا نے وہ فائر اپنی مرضی سے کیا تھا؟"

"ہاں۔ وہ اس کی اضطراری حرکت تھی مگر میں شرمندہ ہوں کہ تمہیں اس کے بارے میں بتانا یاد نہیں رہا۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اس نے سادگی سے کہا۔ "اصل بات یہ ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مخلص ہیں۔"

"ابراہام کو زیادہ چوٹ تو نہیں آئی ہوگی؟"

• "مجھے نہیں معلوم۔" اس نے غصے سے اچھل کر کہا۔ "البتہ اس کے زخم سے خون زیادہ مقدار میں خارج ہوا ہے۔"

• "اس زخم کے نتیجے میں اس کی موت واقع ہونے کا بھی امکان ہے یا نہیں؟"

• "ہم امکانات کے ظہور پذیر ہونے کا انتظار کرنے کی عیاشی نہیں کر سکتے۔ ہمیں یقینی طور پر اسے موت کے گھاٹ اتارنا ہے۔"

• "مگر کس طرح؟" میں نے سوال کیا۔ "ہمیں اپنے نئے اقدامات سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ اسے ہسپتال میں ہی رکھا جاتا ہے یا گھر جانے کی اجازت اسے مل جاتی ہے۔"

• "اگر اسے مرہم پٹی کے بعد رخصت کر دیا گیا تو تم یقین کرو کہ وہ کرائے کا طیارہ چارٹر کر کے فوری طور پر فرانس سے نکل جانے کا تردد کرے گا کیونکہ اسے اپنے طاقتور دشمنوں کی موجودگی کے بھرپور ثبوت مل گئے ہیں۔ وہ سامنے رہ کر مقابلہ کرنے کے بجائے چارہ جوئی سے باہر بیٹھ کر سازشیں کرنے کو ترجیح دے گا۔"

ہم دونوں اپنی گزشتہ شکست عمل پر تبادلہ خیال کرتے ہوئے جیپ تک جا پہنچے جہاں راڈرک کسی تماشا پسند تماش بین کی طرح اسٹیئرنگ کے پیچھے نہایت سکون سے بیٹھا ہوا تھا۔

• "خدا کا شکر ہے کہ تم آ گئے؟" ہمیں دیکھتے ہی وہ گہرا سانس لے کر بولا۔ "مجھے تو یقین ہو چلا تھا کہ پولیس نے تمہیں بھی تفتیش میں شامل کر لیا ہوگا۔"

• "جیپ واپس لے لو۔" عبداللہ اس کے مزاح کے جواب میں گہری سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولا۔ "ہمیں ائیرپورٹ پر کچھ کام ہے۔"

• "کیا میری موجودگی اب بھی ضروری ہے؟" راڈرک نے جیپ اپنی پارکنگ والے علاقے کی طرف گھماتے ہوئے پوچھا۔

• "جانا چاہتے ہو؟" عبداللہ نے سوال کیا۔

• "دھماکہ خیز تشویش انگیز کے ساتھ میری یہاں موجودگی مناسب نہ ہوگی۔ ایسا نہ ہو کہ میں تمہارے لئے کوئی مسائل پیدا کر دوں۔"

• "تم چلے ہی جاؤ۔" عبداللہ سوچتے ہوئے بولا۔ "ہم دونوں اپنے کام سے فارغ ہو کر ٹیکسی وغیرہ پکڑ لیں گے۔"

راڈرک نے جیپ چھوڑنے کی پیشکش کی جو عبداللہ نے مسترد کر دی اور راڈرک ہمیں ائیرپورٹ کی عمارت کے قریب اتار کر چلا گیا۔

• "ابراہام کے ٹھکانے کا سراغ لگانا ہے؟" وہ میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

• "میں یہیں کہیں بیٹھتا ہوں۔ اس کا سراغ مل جائے تو آ کر مجھے بتا دینا؟"

• "مجھے تو ڈھونڈنے کے لئے تمہیں رکھا ہوا ہے۔ کسی ٹیلیفون بوتھ سے فون کر کے ابراہام کا پتہ معلوم کر لوں گا؟"

اس کا جواب متحمل اور شائستہ تھا میں نے خفت آمیز خاموشی اختیار کئے میں اس کے ساتھ ائیرپورٹ کی ایک قریبی عمارت میں داخل ہو گیا۔

تھوڑی سی تلاش کے بعد ہم عمارت کے ایک حصے میں جا پہنچے جہاں چار ٹیلیفون ایک قطار میں نصب تھے۔ عبداللہ مجھے ٹھہرنے کا اشارہ کر کے ایک بوتھ میں جا گھسا اور میں سگریٹ سلگا کر ایک ستون کے گرد لگی ہوئی بینچ پر بیٹھ گیا۔

بوتھ کے دروازے میں لگے ہوئے شیشے میں سے عبداللہ کی پشت مجھے نظر آ رہی تھی اور مجھے یہ سوچ کر قلق ہو رہا تھا کہ بہت جلد میں اس جیسے مخلص دوست اور ہمدرد انسان سے جدا ہونے والا تھا۔

یوں تو تل ابیب سے پیرس تک بہت سے فلسطینی نوجوانوں سے ملا تھا اور ان میں ہر ایک کو جگر اور حوصلے والا پایا تھا مگر تل ابیب میں زیر زمین سرگرمیاں دیکھ کر مجھے محمود کی ذات سے عجیب والہانہ لگاؤ ہو چلا تھا۔ اس شخص نے موت کے دہانے پر ہوتے ہوئے بھی اپنے دشمنوں کے گرد نادیدہ خطرات کا ایک ایسا بیباک حصار قائم کیا ہوا تھا کہ وہ ہر قدم اٹھانے سے پہلے اپنے سائے تک کو شبہ کی نظر سے دیکھنے پر مجبور تھے مگر دوسری طرف میرے ساتھ وہ اپنی تمام احتیاط بالائے طاق رکھ کر مل رہا تھا اور اگر وہ مجھ جیسے شخص پر شبہ کر لیتا اور میں غداری کرتا تو شاید وہ اسی سرزمین پر تنہائی کا عذاب جھیلتے ہوئے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتا۔

میرے ذہن پر محمود کی شخصیت کا بہت گہرا اور بہترین تاثر تھا اور اس سے جدا ہونے کے بعد عبداللہ کو میں نے کم از کم دوستی اور رفاقت کی حد تک اسی اعلیٰ معیار پر پایا تھا۔ عبداللہ کام کے بارے میں اکثر اوقات جلد باز اور لاابالی ثابت ہوا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ وہ اسرائیل کے بجائے فرانس میں سرگرم تھا جہاں ہزاروں کی بھیڑ میں ایک آدھ ہی دشمن کی موجودگی کا امکان تھا مگر اس کی ذات کی انسانی خوبیاں بے مثال تھیں۔

اپنا ملک چھوڑنے کے بعد سے میرا تو یہ حال تھا کہ ہر جگہ خونخوار بھیڑیوں کے غول میں رہ کر بقا کی ہولناک جنگ لڑتا رہا تھا اور رفتہ رفتہ ہر معاملے کے منفی پہلوؤں کا جائزہ لینے میں مہارت حاصل کر گیا تھا۔ اس اعتبار سے ہنگامہ خیز زندگی کے عملی معرکوں میں عبداللہ میرے سامنے طفل مکتب تھا اور وہ کھلے دل سے بار بار اس کا اعتراف بھی کیا کرتا تھا لیکن اس کے باوجود اسے الوداع کہنے کا تصور کرتے ہوئے میرا دل بھاری ہونے لگا تھا۔

وہ فون بوتھ میں خاصی دیر مصروف رہا اور جب وہ بوتھ سے باہر آیا تو اس کا چہرہ اندرونی مسرت سے دمک رہا تھا۔

• "کیا اس سے بات کر سکے ہو؟" میں نے اس کے قریب پہنچ کر سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا اور وہ مسکراتے ہوئے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دینے لگا۔

• "وہ سینٹ انطوین ہسپتال میں پولیس کی تحویل میں موجود ہے۔"

[illegible] سے باہر آ کر عبداللہ نے بتایا۔

• "پولیس کی تحویل میں کیوں ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔ "اور تمہیں اتنی تفصیل کیسے معلوم ہوئی؟"

• "تولیکریم یوسف کے ایک شعبے سے یہ معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ میں نے خود کو ابراہام جوناسن کا چچا ظاہر کیا تھا۔" وہ قہقہہ مار کر بولا۔ "ابراہام کو ٹیکسی ڈرائیور کے بیان کی وجہ سے حراست میں لیا گیا ہے۔"

• "قدرت نے جانے کے لئے یہ آخری موقع فراہم کیا ہے۔" میں نے کہا۔ "اگر وہ ہسپتال سے صحت یاب ہو کر باہر آ نے میں کامیاب ہو گیا تو پھر ہم سے کچھ نہیں ہو سکے گا۔"

• "ہسپتال جا کر ہی ہم کوئی فیصلہ کر سکیں گے۔"

• "اب فیصلے کی ضرورت نہیں۔ میرے پاس زہر بجھے تیر پھینکنے والا ننھا سا ہتھیار موجود ہے جو اس کا طیارہ اغوا کرنے سے قبل مجھے دیا گیا تھا۔ ہم چند سیکنڈ کی مہلت پاتے ہی اسے با آسانی موت کے گھاٹ اتار سکیں گے۔"

• "بظاہر تو تمہاری تجویز قابل عمل ہے لیکن ہسپتال جانے سے پہلے میں کوئی مشورہ نہیں دے سکتا۔ فرانس کے بیشتر ہسپتالوں میں [illegible] کے لئے سخت نظام رائج ہے۔"

پھر ایک ٹیکسی پکڑ کر ہم دونوں سینٹ انطوین ہسپتال کی طرف روانہ ہو گئے۔

راستہ خاموشی کے ساتھ طے ہوا۔ ٹیکسی سے اترتے ہوئے معاً مجھے جیرالڈ نامی بدمعاش کا خیال آیا اور ایک فوری خطرے کے تحت میں عبداللہ کو تیزی کے ساتھ ایک دیوار کی اوٹ میں لیتا چلا گیا اور وہ کچھ پوچھے بغیر میرے ساتھ ہو لیا۔

• "ہمیں نہایت ہوشیاری سے کام کرنا ہوگا۔" میں نے عبداللہ سے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ اب تک جیرالڈ کے آدمی ہسپتال کے گرد پھیل رہے ہوں۔"

• "تم فکر نہ کرو۔ میں صورتحال کا جائزہ لے کر آتا ہوں۔ تم ریستوران میں میرا انتظار کرو۔"

• "ریستوران؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

وہ ہنس دیا۔ "ہاں ہاں ریستوران۔" پھر ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "ادھر اوسط درجے کا ایک ریستوران ہے۔"

میرا ان کے لئے زیادہ دیر تک وہاں رکے رہنا خود کو مشکوک بنانے کے مترادف تھا لہٰذا میں اس کی بتائی ہوئی سمت میں چل دیا۔

مجھے ریستوران کے معنی تو معلوم نہیں تھے لیکن اس نام کا صوتی تاثر بہت خوشگوار تھا اور جب میں ریستوران میں داخل ہوا تو اس مقام کو نام کے صوتی تاثر سے بھی بہتر پایا۔

[illegible] مشغول کرتے ہوئے میرے لئے [illegible] رہنا التفات میں سے تھا اور اس بار میرے ذہن کے دریچوں میں داخل ہونے والی شخصیت ایلیزا کی تھی۔

میں ایک نہایت عجیب اتفاق کے تحت ہی ایلیزا سے متعارف ہوا تھا۔ اس کی فرمائش پر اپنی سگریٹ نوشی جاری رکھتے ہوئے یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ وہ میرے اور عبداللہ کے اس مشترکہ شکار سے بھی کوئی تعلق رکھتی ہوگی جسے ٹھکانے لگانے کے لئے ہم دونوں نیس سے پیرس جا رہے تھے۔

پیرس میں فرانسیسی وزارت دفاع کے افسر جولیس گرین کی مخالفت کے نتیجے میں بن لیوی نامی ایک یہودی ہمارے ہاتھ آیا اور طویل تشدد کے بعد ایک کوٹھی خانے کے گودام میں دم توڑتے ہوئے جب اس نے یہ انکشاف کیا کہ اسرائیل میں بن حیان کے طور پر پہچانا جانے والا شخص پیرس میں ابراہام جوناسن کے نام سے موجود ہے تو اس لمحے میرے ذہن میں ایلیزا جوناسن کا دھندلا ہوا پیکر ایک مرتبہ پھر مجسم ہو گیا۔

ابتدا میں ایلیزا اپنے باپ سے تنگ آئی ہوئی ایک مظلوم اور ذہنی و جذباتی تنہائی کی شکار لڑکی تھی جو اپنے باپ کی انا کو لہولہان کرنے کے لئے اپنے دوستوں کے جذبے کے ہوتے مشتعل جذبات کا لقمہ بننے کے لئے بھی تیار رہتی تھی مگر جب ابراہام کی غیر موجودگی میں جوناسن ملا اور اس کے گرد ہونے والی خونریزی نے اس بزدل اور مظلوم لڑکی کو اس قدر دلیر بنا دیا تھا کہ وہ ائیرپورٹ کے بارونق علاقے میں اپنے باپ پر فائر کر بیٹھی۔

یہ اس کی خوش نصیبی تھی کہ اسے گولی چلاتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا اور یہ شاید میری خوش بختی تھی کہ خدا نے مجھے بچانے کے بجائے ابراہام اپنی بیٹی کے فائر کا نشانہ بنا۔

ایلیزا میرے اتنے قریب آ گئی تھی کہ میں چاہتا تو زہر بجھے تیر برسانے والا آلہ اس کے حوالے کر سکتا تھا اور وہ زخمی ابراہام کی عیادت کرتے ہوئے نہایت خاموشی سے اس چیلنج کی تکمیل حاصل کر سکتی تھی۔

مگر مسئلہ یہ تھا کہ میں نے ایلیزا کو شروع ہی سے اپنے عزائم سے بے خبر رکھا تھا اور خود کو اس کے حسن کا شیدائی ظاہر کیا تھا اور جب اس نے اپنے باپ سے نفرت کی کہانی سنائی تو میں اس کی ہمدردی میں ابراہام کا دشمن ہو گیا یعنی میرے اور ایلیزا کے روابط میں شروع سے آخر تک کہیں بھی ابراہام جوناسن کا ذکر نہیں آیا تھا۔

اگر میں اسے زہر بجھے تیر کے ذریعے ہدف کو ہلاک کرنے کا مشورہ دیتا تو وہ بے چون و چرا بلکہ نہایت خوشی کے ساتھ اس پر عمل کر لیتی لیکن ابراہام کے قتل کی تفتیش اسے مجرم ٹھہرانے کا باعث بن سکتی تھی۔ وہ [illegible] طور پر [illegible] ہو سکتی تھی کیونکہ [illegible] شروع ہی سے ابراہام کو گھیرنے کے لئے اس کے پیچھے لگا تھا اور وہ اس قدر بیباک نکلی تھی کہ ایسے نتیجے پر پہنچنے کے بعد میرے خلاف

کسی بھی بدترین ردعمل کا مظاہرہ کر سکتی تھی۔

ایلیزا سے جس حد تک کام لینا ممکن تھا وہ میں لے چکا تھا اور میری عافیت اسی میں تھی کہ اسے مزید بے وقوف بنانے کا ارادہ ترک کر کے ابراہام کو خود ہی ٹھکانے لگاتا۔

میں نے کئی بار اس پورے معاملے پر غور کیا اور ہر بار اسی ایک نتیجے پر پہنچا کہ ایلیزا میرے لئے اپنی افادیت کھو چکی ہے۔

تھوڑی دیر بعد عبداللہ ریستوران میں داخل ہوا تو میں نے ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلا لیا۔

• میرے لئے بھی کافی منگواؤ۔ اس نے کرسی سنبھالتے ہی تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

• اسی کا انتظار ہے پیارے۔ میں نے ویٹر کو کافی وغیرہ کی ہدایت کرتے ہوئے عبداللہ سے کہا۔

• حوصلہ شکن خبریں لایا ہوں۔ وہ انگلیوں سے میز بجا کر بولا۔

• ان سے بھی تمہارے گلاب دل چھوٹا نہ کرو۔ میں نے اس کی طرف جھک کر نرم لہجے میں کہا۔ مشورے سے بہت سی مسدود راہیں کھلنے کی صورت بھی نکل آتی ہے۔

• بدترین اطلاع یہ ہے کہ ابھی سات خطرناک آدمی ہسپتال پہنچے ہیں اور میں نے فدا جوناس کو ان کے ساتھ مصروف گفتگو دیکھا ہے۔

• تفصیل سے بتاتے چلو تو مناسب ہوگا۔

• گولی ابراہام کے زخم میں موجود ہے اور اس کا آپریشن کیا جانا ہے۔ فدا نے اپنے زخمی بھائی کو ساتھ لے جانے کی شدید کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ جائے واردات پر پہنچنے والے پولیس افسر نے نیلی بیوک کے ڈرائیور کے بیان پر دونوں بھائیوں کو حراست میں لے لیا تھا۔ مگر ہسپتال پہنچنے کے بعد فدا اپنے رسوخ کی بنا پر اعلیٰ حکام سے ضمانت پر رہائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ رہائی پاتے ہی اس نے ایک مرتبہ پھر ابراہام کو ہسپتال سے گھر لے جانے کی جدوجہد شروع کی مگر اس بار ہسپتال کے چیف نے ابراہام کی نازک حالت کے پیش نظر انکار کر دیا اور اب شاید ابراہام مکمل صحت یابی تک ہسپتال سے نہ جا سکے گا۔ عبداللہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

• تم نے فدا جوناس کو کہاں دیکھا تھا؟

• وہ ہسپتال کے بیرونی سبزہ زار پر موجود تھا اور وہ ساتوں اسے گھیرے ہوئے تھے۔

• ہسپتال میں داخلے میں تو کوئی دشواری نہیں ہوگی؟

اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔ فدا کو بھی استقبالیہ ہال سے آگے جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ مقررہ اوقات کے علاوہ کوئی بیرونی شخص ہسپتال میں داخل نہیں ہو سکتا۔

• مریضوں کی دیکھ بھال کے لئے ان کے کسی عزیز یا خدمت گار کو بھی رہنے کی اجازت نہیں ہے؟ میں نے حیرت سے پوچھا۔

• یہ ہمارے یہاں کا فرسودہ تصور ہے۔ وہ منہ بنا کر بولا۔ لوگ بیماروں کی عیادت کے بہانے ہسپتالوں کو پکنک اسپاٹ میں بدل دیتے ہیں۔ یہاں مریض کی دیکھ بھال صرف ہسپتال کے عملے کی ذمہ داری ہوتی ہے اور وہ لوگ اس میں کسی کو دخل انداز ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔

• ہمارے یہاں کی بات نہ کرو۔ میں نے عبداللہ کو ٹوکا۔ مشرق اور مغرب کی علیحدہ روایات ہیں۔ ہمارے یہاں فرد اور معاشرے کا بڑا گہرا تعلق ہے جب کہ مغرب میں فرد کو معاشرے سے تعلق رکھنا پڑتا ہے اور معاشرہ اسے زیادہ گھاس نہیں ڈالتا۔

• معاشرتی مباحثے کے لئے شاید یہ وقت مناسب نہیں۔ وہ مجھے گھورتے ہوئے بولا۔

• چلو پھر کچھ بھی سہی۔ میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ تم نے جو تصویر کھینچی ہے اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فدا کے بلائے ہوئے آدمی باہر ہی سے ابراہام کی حفاظت کریں گے اور شاید فدا خود بھی باہر یا ہسپتال کی انتظار گاہ میں موجود رہے گا۔

• مجھے اندازہ ہے کہ جوناس ولا کو وہ پانچوں اس حالت میں دیکھ چکا تھا جو مجاہدانہ ہاتھوں مرنے کے باوجود مقتل بننے سے فرار ہو گیا تھا۔ ان حالات میں وہ کبھی اللہ نہ معلوم ہوگا اور شاید اسے ہسپتال کے داخلی دروازے کے قریب ہی مامور کیا جائے۔ وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ اگر ہسپتال کے عملے میں کسی کو رشوت کے ذریعے خریدنے کی کوشش کی جائے تو بھی ہم دونوں ایسا کرتے ہوئے ان بدمعاش محافظوں کی نظروں سے نہیں بچ سکیں گے۔

• البرٹو نیو کی وجہ سے ہمارے لئے واقعی دشواری پیدا ہو گئی ہے۔ میں تشویش آمیز لہجے میں بڑبڑایا۔

• اب صرف ایک صورت باقی رہ جاتی ہے۔

• وہ کیا؟

• ابراہام کا آپریشن جلد ہی ختم ہو جائے گا۔ ہم دونوں مریضوں سے ملاقات کا وقت شروع ہونے پر اندر گھس سکتے ہیں۔

• ان ساتوں کو نہ بھولو۔ میں نے اسے یاد دلایا۔ اس وقت وہ بھی باہر نظر آ رہے ہیں مگر ملاقات کا وقت شروع ہوتے ہی وہ ابراہام کے کمرے کے گرد ہی منڈلاتے نظر آئیں گے اور اگر ہم اندر ان کی نظروں میں آ گئے تو زندہ باہر آنا مشکل ہو جائے گا۔

عبداللہ کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لہرانے لگے اور وہ خیالات کی رو میں کھو گیا۔ میں بھی خاموشی کے ساتھ سگریٹ کا دھواں فضا میں تحلیل کرنے لگا۔

• اس مرحلے پر ایلیزا کام آ سکتی ہے۔ کچھ دیر کی خیال انگیز خاموشی کے بعد عبداللہ بولا۔

• میں اس امکان پر پہلے ہی غور کر چکا ہوں۔ میرا دوسرا ...

... فدا کے خاندان کے لئے جاری ہے ابراہام کا نام دہرایا گیا تو وہ ختم ہو جائے گی۔

• اس کے ہاتھوں فدا جوناس کا کام تمام کرا دو۔ اس کی زندگی سامنے آنے کے بعد تو وہ بھی موت کا حقدار نظر آنے لگا ہے۔

• یہی مناسب ہے۔ اس طرح ابراہام تمہارا ہو جائے گا۔ میں نے اور تمہیں فدا کو راستے سے ہٹانے میں دشواری نظر آئی تو ایلیزا کو ... دیں گے۔

• مگر ابراہام کو بھی یوں نہیں چھوڑا جا سکتا۔

• میرے ذہن میں ایک تجویز ابھری ہے۔ میں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

عبداللہ پہلو بدل کر میری طرف متوجہ ہو گیا۔

• اگر مجھے بیمار بنا کر اسی ہسپتال میں داخل کر دیا جائے تو کیسا رہے گا؟

یک بیک عبداللہ کی آنکھیں چمکنے لگیں اور وہ ستائش آمیز لہجے میں بولا۔ اس صورت حال سے نمٹنے کی یہ واحد ترکیب ہے اور یہ سوچنا تمہارا ہی کام تھا۔

• مگر مرض کا انتخاب بہت احتیاط سے کرنا ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ ڈاکٹر بلاوجہ مجھے کہیں سے کاٹ پیٹ کر رکھ دیں۔ میں ہنس کر بولا۔

• اپنڈکس سب سے بہتر رہے گا۔ عبداللہ بولا۔ جب تک تم درد کا اظہار کرتے رہو گے وہ آپریشن نہیں کریں گے اور یہ مرض ایسا ہے کہ تمہیں دوا دے کر رخصت نہیں کر سکیں گے بلکہ ہسپتال میں داخل کرنے پر مجبور ہوں گے۔

• مجھے ہسپتال میں داخل کون کرائے گا؟

• میں کسی کا بندوبست کر لوں گا۔ میرا آنا تو خطرناک ہوگا۔ وہ میرے دل کا مقصد سمجھتے ہوئے بولا۔ تمہیں مریض ہونے کے باعث ایسے کمرے میں چھپایا جا سکتا ہے جو تمہیں ابراہام کے محافظوں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکے۔

• ہسپتال میں داخل ہونے کے بعد میں اپنی پوری کوشش کروں گا لیکن یہ امکان بھی ہے کہ اپنڈکس کے شدید درد میں مبتلا مریض کو ہسپتال انتظامیہ باہر ہی نہ آنے دے اور اگر میرا کمرہ ابراہام سے دور ہوا تو کام دشوار ہو جائے گا۔

• اب یہاں سے چلو۔ میں چاہتا ہوں کہ شام کا اندھیرا پھیلتے ہی تمہیں ہسپتال میں داخل کرا دیا جائے۔ عبداللہ بہت زیادہ پرجوش نظر آ رہا تھا۔

• ابھی ایک بات رہ گئی ہے۔

• کیا اب بھی کچھ باقی رہ گیا ہے؟

• میں ایک بار ہسپتال میں داخل ہو گیا تو شاید وہ اپنڈکس کا آپریشن کئے بغیر باہر نہ آنے دیں گے۔ ابراہام تک رسائی کیسے ہوگی؟

• مریض یا اس کے ورثاء کی تحریری اجازت نامے کے بغیر فرانس میں کسی مریض کا آپریشن کا اختیار نہیں ہے۔ جب تک ابراہام تک رسائی حاصل نہ ہو تم درد کا بہانہ کرتے ہوئے آپریشن کے لئے زبانی رضامندی کا اظہار کرتے رہنا اور جب باہر کا اچانک ہو کر اپنا کام ختم کر لو تو آپریشن کی اجازت دینے سے انکار کر دینا۔ پھر قدرے توقف کے بعد ہنستے ہوئے بولا۔ اگر آپریشن ہو بھی جائے تو کیا حرج ہے۔ انگلستان کے شاہی خاندان میں تو ہر نومولود کی فاضل آنت پہلی فرصت میں نکال دی جاتی ہے۔ اور پھر ابراہام کے عوض اگر یہ کانٹا بھی نکل جائے تو سودا برا نہیں رہے گا۔

• چلو اس طرح شاہی خاندان کی بھی برابری ہو جائے گی۔

ہم دونوں ریستوران سے باہر نکلے تو شام کے سائے تیزی سے گہرے ہو رہے تھے۔ صورت حال بظاہر قابو میں آتی معلوم ہو رہی تھی۔

• اب ہم اپنی عارضی قیام گاہ کی طرف جا رہے ہیں۔ عبداللہ نے ٹیکسی اسٹینڈ کا رخ کرتے ہوئے مجھے اطلاع دی۔ ماما تمہارے لئے تڑپ رہی ہے۔

• کیا میرا وہاں جانا ضروری ہے؟

• عبدالعزیز اپنے معاملات کے لئے اسی بڑھیا سے رجوع کرتا ہے۔ تم بلا اطلاع کے وہاں سے غائب ہوئے تو ماما نے کہا کہ ہمیشہ ایک خلش رہے گی۔

• پھر میں دنوں کی روپوشی کے بارے میں کیا بتاؤں گا؟

• میں نے اسے بتایا تھا کہ تم کسی دوست کے ساتھ چند روز کے لئے فونٹین بلیو چلے گئے ہو۔

• اور اگر اس چالاک بڑھیا نے فونٹین بلیو کے بارے میں سوالات شروع کر دیئے تو میں کیا کہوں گا؟

• تم وہاں زیادہ دیر نہیں رکو گے۔ وہ رسٹ واچ دیکھتے ہوئے بولا۔ بڑھیا کے ہاتھ کا آخری لنچ کھانے کے بعد تم ان دونوں کو الوداع کہہ دو گے۔

• ہسپتال میں داخل کیسے پہنچو گے؟ چند منٹ بعد میں نے پوچھا۔

• تو کیا مجھے تیر چلانے والا ہتھیار ساتھ لانا ہوگا؟

• وہ تو بے حد مؤثر ہے۔ میں نے کہا۔ اور میں اس سے ایک تیر استعمال میں لا چکا ہوں مگر اس میں ابھی چند تیر باقی رہ گئے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ عین وقت پر جواب دے جائے۔

• کوئی ہتھیار ساتھ لے جانا تو خطرناک ہوگا۔ بعد میں کسی طرح تمہارے ہاتھ پہنچا دوں گا۔

• لیکن آج ہی کوئی کاروائی نہ کی جا سکے گی؟

• آج کے دن تو تمہیں ہسپتال کے انتظامات کا مشاہدہ کرنا ہوگا کیونکہ ذرا سی بھی غلطی تمہارے لئے مشکلات پیدا کرے گی۔

"اگر تم نے کہا کہ مریض یا اس کے ورثا کی مرضی کے بغیر سرجن کو آپریشن کا اختیار نہیں ہے تو شذا کی مرضی کے خلاف ابراہام کو ہسپتال میں کیوں رکھا گیا؟" میں نے ذہن میں ابھرنے والے سوال کو فوری طور پر الفاظ میں ڈھال دیا۔

"میں نے جو کہا وہ کسی مریض کی صورت میں ہوتا ہے۔ حادثے کے زخمیوں کی جان بچانے کے لئے ہر ڈاکٹر اور سرجن کو تمام تر اختیارات ہوتے ہیں۔ ویسے مجھے ایک بات کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ تم ہر بات میں بال کی کھال نکالتے ہو اور پورا اطمینان کئے بغیر آگے نہیں بڑھتے۔"

"میں ہسپتال میں ابراہام سے نمٹوں گا اور تم شذا کو ٹھکانے لگانے کے بعد الیزا سے ملنے کی کوشش کرو گے ہو سکتا ہے وہ کوئی کام کی بات بتا سکے۔"

"شذا کو شاید اب تک ابراہام کے ساتھ پیش آنے والے واقعے کی خبر مل چکی ہو گی اور وہ بہت زیادہ چوکنا ہو گا۔ اس سے ٹکرانے میں بھی مزا آئے گا۔"

اسی اثنا میں ہم ٹیکسی اسٹینڈ پر پہنچ گئے اور وہاں سے مادام فے کے گھر کی طرف چل دیئے۔

مادام فے کے گھر کی گھنٹی بجائے جانے کے چند سیکنڈ بعد دروازہ کھول دیا گیا۔ مجھے چوکھٹ کے سامنے مادام فے اپنی دہیل چیئر پر موجود تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر تحیرآمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ پلٹ کر اندر کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

"پیٹر! ڈان آگیا ہے۔"

"تو کیا تمہیں میری واپسی کی امید نہیں تھی؟" میں نے چلتے ہوئے سوال کیا۔

"تم جیسے لوگ جلد دوست بنانے اور جلد بھول جانے کے قائل ہیں۔" وہ دروازہ بند کرنے کے بعد اپنی کرسی میرے ساتھ دھکیلتے ہوئے بولی۔ "مجھے امید نہیں تھی کہ تم واپس جاتے ہوئے مجھے یاد رکھو گے مگر پھر تمہاری واپسی کے بارے میں تھوڑی امید تھی۔"

"شاید اسی کی خواہش مجھے یہاں لائی ہے۔ آپ کے ہاتھ کا لذیذ کھانا مجھے تو شیئن جیسے ہی یاد آ رہا تھا۔"

"تم اسے پسند تو نہیں کرنے لگے ہو؟" مادام فے نے اپنی دہیل چیئر روک کر مجھے گھورتے ہوئے دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

"پسند تو میں آپ کو کرتا ہوں۔" میں نے اس کی کرسی آگے دھکیلتے ہوئے کہا اور مادام فے کے چہرے پر حیا کی سرخی تیر گئی۔

"تم بہت بدتمیز ہو۔" وہ منہ بنا کر بولی۔ "اگر تمہارے یہ الفاظ کسی کے کان میں پڑ گئے تو وہ میرے اور تمہارے بارے میں کیا سوچے گا۔"

"بتاؤ، تم نے کیا سوچا؟" میں عبداللہ سے مخاطب ہو گیا۔

"تم مادام سے اپنا معاملہ خود ہی نمٹاؤ۔" عبداللہ نے شریر لہجے میں کہا۔

مادام فے نے سر اٹھا کر مجھے چند ثانیوں کے لئے ملامت آمیز نظروں سے گھورا اور پھر دوسری طرف متوجہ ہو گئی۔ مجھے وہ یوں محسوس ہوا جیسے وہ خاموش نظروں سے شکایت کر رہی ہو کہ اگر تم مجھے پسند ہی کرتے ہو تو اس کا اظہار تنہائی کے بجائے عبداللہ کے سامنے تم نے کیوں کیا۔

مادام فے کے گھر میں میری گمشدگی کی چند چیزیں تھیں جو میں نے ایک بیگ میں پیک کر لیں اور گرم پانی سے غسل کرنے کے بعد نشست گاہ میں عبداللہ کے ساتھ آ بیٹھا۔

کھانے کی میز پر لگنے تک ایک ڈیڑھ گھنٹے کا وقت دلچسپ انداز میں گزرا۔ شاید مادام فے اظہار پسندیدگی کے بارے میں میرا اتفاق نہ بھلا سکی تھی۔ وہ مجھے تنہائی میں گھیرنے کے چکر میں بے سود گھومتی رہی تھی۔

اس کے چہرے پر پائی جانے والی سنجیدگی نے مجھے تھوڑا بوکھلا کر رکھ دیا تھا اور میں جانتے ہوئے مادام فے کو کسی شدید جذباتی صدمے سے دوچار کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ مادام فے کا روٹھا ہوا رویہ اتنا واضح تھا کہ عبداللہ نے بھی میری الجھن بھانپ لی اور اس کی کوشش یہی لگ رہا کہ کسی طرح مادام فے ایک بار تنہائی میں مجھے پکڑ سکے۔

کھانے کی میز پر خلاف معمول گمبھیر خاموشی طاری رہی اور جب میں وہاں سے عبداللہ کے ساتھ رخصت ہو رہا تھا تو مادام فے کی آنکھیں غمناک ہو رہی تھیں اور اس کے ہونٹ یوں لرز رہے تھے جیسے وہ کسی بھی لمحے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے گی۔

عبداللہ کی کار مادام فے کے مکان پر موجود تھی۔ ہم دونوں کار کے ذریعے وہاں سے روانہ ہو گئے۔ کچھ دور تک خاموشی سے کار ڈرائیو کرنے کے بعد عبداللہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

"کیا ہوا تمہیں؟" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"تم نے مادام فے کا دل توڑ کر اچھا نہیں کیا۔"

"یہ کیا بکواس شروع کر دی تم نے؟" میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"ایک معذور عورت کو تمہاری میٹھی باتوں سے چند لمحوں کی خوشی میسر آ جاتی تو تمہارا کون سا نقصان ہو جاتا۔"

"میری اور اس کی عمر کا فرق دیکھا ہے تم نے؟" میں نے تیکھے لہجے میں سوال کیا۔ "اصولاً مجھے آنٹی کہہ کر مخاطب کرنا چاہئے تھا اسے۔"

"مگر وہ تو تمہیں اپنا جوڑ سمجھنے لگی تھی۔"

"اس کے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔ "میں تو مذاق میں ایک جملہ کہہ کر جدا ہو گیا۔"

"وہ ایک جملے کا قصور نہیں تھا جناب عالی۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "وہ جملے ادا کرنے سے پہلے تمہاری ادائیں اس کی عمر [illegible]

[illegible] پتا ہے، یہ جتا کر تم سے دور رہنے کی کوشش کرتی رہی۔"

"تمہیں کیسے معلوم؟" وہ انکشافات سن کر میں نے حیرت سے عرض کیا۔

"وہ مجھ سے تمہارے بارے میں اکثر بات کیا کرتی تھی۔"

"مگر تم نے مجھ سے کبھی ذکر نہیں کیا۔ مجھے تو شک ہے کہ اسے ایسا ہی ہو گا۔"

اس پر وہ فراخدلی سے کافی دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ "میں نے زندگی اتنا کہا تھا کہ تم اس کے لئے خود کو کبھی محسوس کرتے ہو مگر احترام کا رشتہ ہے، کھل کر بات نہیں کرتے۔"

میں عبداللہ پر دانت پیس کر رہ گیا۔

ہمارے سفر کا اختتام راڈرک کے فلیٹ پر ہوا۔ وہ وہاں موجود نہیں تھا لیکن دروازے کے قفل کی چابی عبداللہ کے پاس موجود تھی۔ لہٰذا ہم فلیٹ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد راڈرک بھی سامان سے لدا پھندا واپس آ گیا۔ ہم دونوں کو دیکھ کر اسے خاصی حیرت ہوئی۔

"میں سپر مارکیٹ سے خریداری کرنے چلا گیا تھا۔" راڈرک نے اپنی غیر حاضری کی وضاحت کرتے ہوئے کہا اور سامان میز پر رکھنے لگا۔

"تم مصروف تو نہیں ہو؟" عبداللہ نے پوچھا۔

"میری مصروفیات اتنی اہم نہیں ہوتیں۔" وہ مجھے آنکھ مار کر بولا۔ "یہ بتاؤ کہ تمہیں کوئی کامیابی حاصل ہوئی یا نہیں؟"

"ہمارا شکار سینٹ انطونین ہسپتال میں ہے۔"

"تو پھر دیر کیوں؟ اسے تنہا کر دیا جائے۔"

"ہم اسی لئے تمہارے پاس آئے ہیں۔"

"آج شام پانچ سے سات بجے کے علاوہ میں خالی ہوں۔"

"کوئی ضروری کام ہے؟"

"بہت ضروری۔" وہ کراہتے ہوئے بولا۔ "تم دیکھ نہیں رہے کہ میں خشک پھل کے کتنے ڈبے خرید لایا ہوں۔"

"تمہیں تو شاید پھل سے الرجی ہے۔" عبداللہ نے کہا۔ "مگر خشک پھل کا تمہاری آج شام کی مصروفیت سے کیا تعلق ہے؟"

"بہت گہرا تعلق ہے۔" وہ طویل سانس لے کر بولا۔ "سپر مارکیٹ میں ایک بے حد حسین لڑکی نظر آئی جو مختلف اقسام کے پھلوں کے ڈبے لے رہی تھی اور میں اس کے گرد منڈلانے لگا۔ چند منٹ بعد مجھے اندازہ ہوا کہ اسٹور کے چند ملازمین میرے ارادے بھانپ چکے ہیں۔ لہٰذا میں نے اس لڑکی کے قریب موجود رہنے کے لئے پھل کی خریداری شروع کر دی۔ اس میں دو ڈبے میں نے خود لئے اور تین اس حسین لڑکی کے مشورے پر خریدے۔"

"اس کا مشورہ کہاں سے آ گیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"گفتگو شروع کرنے کے لئے پھل کے انتخاب میں اس کی مہارت کا انتخاب کرنا پڑا تھا۔" اس نے بتایا۔ "اور باہر آنے تک وہ حسینہ میری دوست بن چکی تھی۔ آج شام ہم ایک کلب میں مل رہے ہیں۔"

"پھل کو کیا کرو گے؟" عبداللہ نے پوچھا۔

"کوڑے میں پھینک دوں گا۔" اس نے بلا تامل جواب دیا۔

"لڑکیوں کے بارے میں بہت باذوق معلوم ہوتے ہو۔" میں نے کہا۔

"عبداللہ اس معاملے میں بالکل کورا ہے مگر تمہارے طور طریقوں سے رنگینی ظاہر ہوتی ہے۔" وہ اپنے لائے ہوئے سامان میں سے پھل کے سربند ڈبے الگ کرتے ہوئے بولا۔

"ان خرافات کو ختم کرو۔ تم اس لڑکی سے ملنے کے بعد بھی کام کر سکتے ہو۔" یہ کہہ کر عبداللہ اسے اپنے منصوبے سے آگاہ کرنے لگا۔

"آج اس سے پہلی ملاقات ہے۔ میں پانچ بجے نہ گیا تو سپر مارکیٹ کی ساری خریداری رائیگاں جائے گی البتہ ٹھیک سات بجے تم ان کو ٹھکانے لگانے کے لئے میرے پاس ضرور ملو گے۔"

"اس دوران تم کیا کرو گے؟" عبداللہ نے مجھ سے سوال کیا۔

"ہم دونوں شذا کا تعاقب کرنے کی کوشش کریں گے۔" میں نے جواب دیا۔

راڈرک سے شام کا پروگرام طے کر کے ہم دونوں اس کے فلیٹ سے روانہ ہو گئے۔

باہر آنے کے بعد ہم دونوں نے شذا اور ابراہام کے بارے میں مشورہ کیا جو ہماری معلومات کے مطابق اس وقت سینٹ انطونین ہسپتال میں موجود تھا اور اسے وہاں سے ہٹائے بغیر اس پر ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا تھا۔

ہم دونوں کے لئے شذا کو فوری طور پر ہسپتال سے ہٹانا ناممکن تھا۔ اگر ہم میں سے کوئی ہسپتال فون کر کے شذا کو کوئی پریشان کن خبر سنانے کی کوشش کرتا تو شبہ ہونے کی صورت میں وہ نہ صرف اپنے بچاؤ میں چوکنا ہو جاتا بلکہ ابراہام کی حفاظت کے انتظامات بھی سخت کر دیئے جاتے۔ لہٰذا میری دانست میں صرف ایک ہی تجویز قابل عمل تھی کہ شذا کو ہسپتال سے باہر لانے کے لئے اس کی بیٹی الیزا کو چارہ بنایا جاتا۔

خاصی بحث کے بعد عبداللہ نے جونا س الیزا کو فون کیا اور بمشکل تین فقروں کے بعد سلسلہ منقطع کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ الیزا گھر پر موجود نہیں تھی بلکہ ابراہام کو دیکھنے ہسپتال کی جانب گئی ہوئی تھی۔ شاید اس نے بھی کسی نہ کسی طرح یہ سراغ لگا لیا تھا کہ ابراہام شہر کے کس ہسپتال میں تھا۔

"تو الیزا کو اب بھول جاؤ۔" عبداللہ نے نرمی سے مجھے مشورہ دیا۔ "اور یکسوئی کے ساتھ ابراہام کا قصہ پاک کرو۔ شذا کو بعد میں دیکھ لیا جائے گا۔"

• "میرے لیے ایک ایک لمحہ بھاری ہے عبداللہ!" میں نے قدرے خشک لہجے میں کہا۔ "میں مختصر ترین وقت میں اپنے سارے کام ختم کرنا چاہتا ہوں۔"

• "میں جانتا ہوں دوست۔" عبداللہ میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دیتے ہوئے بولا۔ "تمہاری حیثیت سے کچھ بڑی بہل بیوی کالیبیا میں تمہاری منتظر ہے اور تم جلد از جلد وہاں جانا چاہتے ہو۔ میں اہرام کے خاتمے کے بعد تمہیں نہیں روکوں گا۔ اس حیثیت سے شناسیوں سب سے باہر ہے۔ انشاءاللہ تم اپنے وسائل کی مدد سے ٹھکانے لگا دوں گا۔"

• "اگر تم خدا کی ذمہ داری قبول کرتے ہو تو پھر ٹھیک ہے۔ میں زبردستی مسکراتے ہوئے بولا۔ "مجھے تو دیتے ہی اپنڈکس کا مرض بھی بننے کی کوشش کرنی ہے۔"

• "چاہو تو تمہیں اپنے ایک دوست سے ملا دوں۔" عبداللہ نے کہا۔ "اس نے دو ماہ پہلے ہی اپنا اپنڈکس کا آپریشن کرایا ہے۔"

مجھے یہ علم ضرور تھا کہ اپنڈکس کا درد کس جگہ ہوتا ہے لیکن مرض کی نوعیت وغیرہ کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا جبکہ مستقبل میں تجربہ کار ڈاکٹر کو اپنے مریض ہونے کا یقین دلانے اور ساتھ ہی فوری آپریشن سے بچنے کے لیے یہ معلومات ضروری تھیں لہٰذا میں نے عبداللہ کی پیشکش قبول کر لی۔

وہ مجھے ساتھ لے کر پیسینس کی ایک عمارت میں پہنچا جہاں بلند و بالا خوبصورت عمارتیں تھیں۔ ان میں اونچے درجے کے دلکش مکانات واقع تھے۔ یہ لوگ بلاشبہ ہر اعتبار سے لیبیا کے خوشحال ترین لوگ تھے۔ جو ہر طرح سے تمام آسائشوں سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ عبداللہ کے ساتھ اندر داخل ہوا اور ایک ملازم کے ساتھ آگے چلا گیا۔

ایک بڑے کمرے میں بیٹھا ہوا شخص جس کا چہرہ حد سے زیادہ نمایاں تھا، انتہائی خوش مزاج شخص تھا اور جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کو جب ہم اس کی طرف بڑھے تو وہ چونک کر اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے چہرے پر بلند ہمت سے خوشی کے آثار ابھر آئے۔

عبداللہ کو دیکھتے ہی وہ شخص نہایت بے تکلفی سے اس سے بغل گیر ہو گیا اور اس کے بعد وہ دونوں آپس میں کافی دیر تک گپ شپ کرتے رہے۔

اس شخص نے فرنچ میں ان دونوں بچوں کو کچھ کہا پھر اٹھ کر اندر چلا گیا۔ آخر جب وہ شخص عبداللہ سے فارغ ہو کر میری طرف متوجہ ہوا تو میں نے پوری توجہ سے اسے دیکھا اور اس سے بات کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

• "صفدر علی اور یہ ڈیزی۔" عبداللہ نے انگریزی میں میرا تعارف کرا دیا۔

میرے ذہن میں خیال آیا کہ عبداللہ نے پہلی بار میرا اصل نام بتایا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ڈیزی اس کے لیے قابل اعتماد شخص تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ ڈیزی جیسا خوشحال شخص کس طرح عبداللہ کا معتمد بن گیا تھا۔

• "معاف کرنا میرے بچے بہت شریر ہیں جب کسی کو تم سے ملنے کے لیے انہیں باہر جانے کا وعدہ نہیں کرتا یہ مجھے تنگ کرتے رہتے ہیں۔" ڈیزی نے دونوں بچوں کو سنبھالنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے انگریزی میں کہا۔

• "ان کا باپ کہاں ہے؟" عبداللہ نے بے تکلفی سے سوال کیا۔

• "وہ ان کا باپ یعنی میرا بھائی باہر گئے ہوئے ہیں۔"

انہیں نشست گاہ میں بٹھا کر ڈیزی بچوں کو سنبھالتا ہوا اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اکیلا واپس آیا تو اس کا چہرہ مسرت سے جگمگا رہا تھا۔

• "تم کیا پیو گے؟" اس نے نشست گاہ میں بنی ہوئی ایک چھوٹی الماری کا پٹ کھولتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

• "جو مل جائے۔" میں نے مسکرا کر مختصر جواب دیا۔

• "یہ تو پرانا شرابی ہے۔" ڈیزی عبداللہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "تم میرا ساتھ دو تو وہسکی نکال لوں۔"

• "ایک کام میں دیر ابھی نہیں جتی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "اللہ دیر تک میرے فوٹو سے محفوظ ہوتا رہا۔"

• "نئے دوست کا جام صحت۔" ڈیزی نے اپنا گلاس فضا میں میری طرف بلند کر کے پی لیے خالی کر دیا۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی۔

• "نئے دوستی کے تقاضے کی ضرورت نہیں۔" عبداللہ نے فوری طور پر مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "صفدر کی بے شمار کچھ مریضوں کا مسئلہ پیش ہے۔"

• "بے شک مداخلت!" ڈیزی نے سالن سے دونوں گلاس میں شراب کی بوتل خالی کرتے ہوئے سوال کیا۔

• "وہ بلغم کا مرض ہے گیا ہے؟" عبداللہ نے انگریزی لہجے میں بتایا۔

• "تمہیں؟" ڈیزی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "کہاں ہے وہ؟"

• "سینٹ الخوش ہسپتال میں داخل ہے اور صفدر نے گھر لانے کا ارادہ کیا ہے۔" عبداللہ نے ہلکا سا مسکراتے ہوئے ساتھ جواب دیا۔

اس سے آگے کے واقعات ... ماہنامہ ...

... خصوصی ...



• عبدالعزیز الدسعدی سے مجھے معلوم تو ہو گیا تھا کہ کس چکر میں ایک ہندوستانی کے ساتھ میری آشنائی ہوئی ہے مگر یہ معلوم نہیں تھا؛ تیزی و چابکی سے لیبرٹی ہوٹل سے نکل کر تاروں سے اندیشیاں بھیجتے ہوئے بتانے لگا۔

• میں ہندوستانی نہیں، پاکستانی ہوں۔ میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی تصحیح کر ڈالی کیونکہ مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ عبداللہ کو اس وجہ سے جانتا تھا کہ پہچان کر ڈولفن کے گروہ سے فرار ہو گیا تھا۔

• اس نے فوراً ہی مجھ سے معذرت کی۔ ... عبداللہ سے ...

• عبدالعزیز جس انداز میں مجھ سے رقم لے جاتا رہا ہے اس سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ تم کسی لمبے چکر میں ہو۔ پھر گلاس سے ایک طویل گھونٹ لے کر کہنے لگا، سعودی حکومت کو عراقی طیاروں کی فراہمی کا معاہدہ ہو گیا ہے اور میں نے سعودی سفیر کو تمہاری سپیڈ بوٹ کی بات سے آگاہ کر دیا ہے۔ مجھے بڑی مشکل سے یقین آیا کہ جولیس گریوی مرا نہیں اور تمہارے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا!

• وہ معاملہ تو اتفاقاً ہی سامنے آگیا تھا۔ عبداللہ نے کہا۔ ہم ان حیلوں کے چکر میں تھے اور اس سلسلے میں میرے ہاتھ سے سفر نامہ خرید کر [illegible] لے چکے ہیں!

• تکرار کرو۔ صبح شام میں کسی جگہ سے فنڈز موصول ہونے والے ہیں۔ ان دونوں کی گفتگو سے میرے ذہن میں گرانی سی ہونے لگی۔ عبداللہ مجھے اس طرح وہاں لایا تھا جیسے وہ اس کا کوئی ملازم ہو مگر یہ بات سے اندازہ ہو گیا کہ وہ ایک نظر رکھا ہوا تھا اور اسے افریقی آزادی فلسطین کی کارروائیوں میں گہرا دخل حاصل تھا۔

پھر دیر بعد عبداللہ نے ترکی پر اپنی امید کا خدشہ ظاہر کیا تو اس کی خمار آلود نگاہوں میں تجربے کی جھلکیاں تیرنے لگیں۔

• تم خودکشی کرنے جا رہے ہو میرے دوست! وہ وہسکی کے بھرے گلاس سے گھونٹ لے کر بولا۔ شاید ڈولفن کے تمہیں دیکھنے یا وہاں سے نکلتے دیکھ لینے کے بعد وہ تم سے اس کا بھیانک انتقام لیں گے!

• شراب تو آدمی کو اور بھی زبان دیتی ہے۔ تم بزدل ہو گئے ہو۔ میں نے اسے نشے میں محسوس کیا۔ ...

• بزدلی نہیں دور اندیشی ہے۔ اس نے میری بات کے برعکس معقول جواب دیا۔ اس وقت سب ... حفاظت کر رہی ہوں گی۔ شاید تم نہیں جانتے کہ ... میں ڈولفن کا کیا مقام ہے؟

میں بولنا چاہتا تھا مگر عبداللہ نے میز کے نیچے میرا پیر دبا کر مجھے خاموش کر دیا اور خود بولا: تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہم دو روز وہاں گھومنے کے بعد حالات کا جائزہ لیں گے۔ اگر حالات سازگار ہوئے تو اس منصوبے پر عمل کیا جائے گا ورنہ خاموشی سے واپس ہو کر ... جائے گا۔

لیکن کہ عبداللہ کا جواب بہت پسند آیا اور وہ اپنے پیٹ پر سے گاؤن ہٹا کر بے اختیار ... کے ہاتھ سے بجانے لگا۔ اس کے پیٹ کے نچلے حصے میں دائیں طرف ناخنوں کے نشانات اس کے تازہ تجربے کا اعلان کر رہے تھے۔

وہاں سے پھر کچھ دیر ملاقات کے بعد ہم باہر آئے تو عبداللہ میری ذہنی کیفیت کو جانچتے ہوئے خود ہی بولنے لگا۔

"ہماری تنظیم کے عملی منصوبوں میں بیوٹی کی کوئی حیثیت نہیں۔ گریپ میں کام کرنے والے ہمارے تمام پارٹنروں کو اس کے ذریعے مال اور افراد فراہم کیا جاتا ہے۔"

"میں نے بن حیان کے لئے قاطعن کا کوئی پہلی بار سنا ہے،" ٹونی تو شاید مدت سے اس سے واقف تھا۔"

"بہت سی باتیں ہمارے پاس ایسی ہیں جو ہم تک پہنچتی ہیں اور وہ ہم سے ملنے والی معلومات اپنے سینے میں ہی دفن رکھتا ہے۔"

"میں نہیں بتا سکتا،" میں نے سختی سے اس کی تردید کی۔ "نصف بوتل وہسکی پی کر بیٹھنے والا شخص کسی راز کی حفاظت نہیں کرسکتا۔"

"یہی تو ایک کمال ہے اس میں کہ زیادہ نشہ ہونے کی صورت میں اس کے جذبے بڑی طرح ابھر جاتے ہیں اور وہ بولنے کے قابل نہیں رہتا اور نشہ اترنے پر اس کے جذبے معمول پر آجاتے ہیں۔" عبداللہ نے مجھے بتایا۔

"مگر جذبے ابھرنے سے پہلے وہ بہت کچھ اگل سکتا ہے۔"

"آپ نے شاید محسوس نہیں کیا کہ اس کے حواس جو مسلسل کام کررہے تھے مگر اس کی زبان میں لکنت آگئی تھی۔ شراب کا نشہ اس کے حواس سے پہلے اس کی زبان پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر وہ ہمارے سامنے ایک دو گلاس اور لے لیتا تو تم یہ تماشہ بھی دیکھ لیتے۔"

"وہ ہندستانی باشندہ ہے؟"

"اسے تمہیں عبداللہ جیسی دیکھ... وہ فلسطینی مسلمان ہے اور بڑی فصاحت سے عربی بولتا ہے۔"

"مگر اس کا نام تو مسلمانوں جیسا نہیں۔"

"ٹونی کیا وہاں فرانڈ شاہ اسلامی طرز کا نام ہے۔ وہ اصل وہ سات برس کی عمر سے فرانس میں مقیم ہے اور ہماری تنظیم میں شرکت کے بعد اس نے اپنا نام بھی بدل لیا تاکہ کسی کو شبہ کا موقع دیئے بغیر وہ کام جاری رکھ سکے۔"

"اصل نام کیا ہے اس کا؟"

"میرا ہی ہم نام ہے۔"

شہر کے بارونق علاقوں سے سست رفتاری سے گزرتے ہوئے ہم دونوں ماڈرک سے طے کئے ہوئے مقام پر پہنچے تو سات بجنے والے تھے۔ عبداللہ نے اپنی موٹر وہاں فٹ پاتھ کے سہارے پارک کردی۔

"ایک بات بتاؤ گے عبداللہ؟" کچھ دیر بعد میں نے سکوت توڑتے ہوئے اپنے ذہن میں چبھنے والے ایک نکتے کو صاف کرنے کے لئے کہا۔

"بھلا تم کو کیوں نہ بتاؤں گا۔"

"بن حیان کے معاملے میں دو تین دن میں تم بہتر ہزار ڈالر ایک خرچ کرچکے ہو اور دنیا میں نہ جانے کہاں کہاں تمہارے آدمی ایسے کاموں میں مصروف ہوں گے۔ پھر اسرائیل کے خلاف چھاپہ مار لڑائی کے لئے تمہیں بیش قیمت اسلحہ بھی خریدنا پڑتا ہے۔ ان تمام اخراجات

رکھنی سے پہلے ہو گئے ہیں؟"

"کیا تم یہ کیوں بھول گئے کہ یہ دولت دنیا کے ایک تہائی سے زیادہ تیل کے ذخائر کے مالک ہیں؟" اس نے قدرے سکوت کے بعد جواب دیا۔

"لیکن ذرا سرمایہ کے بیٹے کی ڈیل پر یہ جنگ کب تک جاری رہ سکے گی؟"

"انہیں اور دوسرا نہ کہو،" وہ تڑپ کر بولا۔ "ہم ان میں سے اور وہ ہم میں سے ہیں۔ ہمارے اور ان کے مفادات مشترک ہیں۔ جس دن انہیں اسیر ہونے کا احساس پیدا ہوگیا ہماری تحریک چند منٹ بھی جاری نہ رہ سکے گی۔"

"تم اسرائیل کے چار فوجی مارتے ہو اور وہ تمہارے کیمپوں پر بمباری کرکے چار سو فلسطینی مہاجروں کو ہلاک کردیتے ہیں۔ اس طرح تو یہ جنگ پچاس برس میں بھی ختم نہ ہوسکے گی۔ دوسری طرف عرب ممالک کے تیل کے خزانے کیا ہمیشہ ختم نہ ہوجائیں گے؟"

"یہ دوسرا پہلو ہے دوست،" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "اور اس پہلو سے ہی تو شاید وہ لوگ بھی نہیں سوچتے ہوں گے جو اس دولت سے محض بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ وہ ایک ایک رات میں لاس ویگاس کے قمار خانوں میں کئی کئی سو ملین ڈالر ہار کر خبروں کی شہ سرخیوں کو جنم دے رہے ہیں مگر ہم اس طرف سے غافل نہیں ہیں۔ ہم اپنی بقا کی آخری جنگ لڑنے کی بھرپور تیاریاں کررہے ہیں۔ ۱۹۸۵ء تک اگر عالمی رائے عامہ اسرائیل کو راہ راست پر نہ لاسکی تو تم دیکھو گے کہ اس سرزمین کے چپے چپے سے آگ اٹھے گی اور اس وقت کوئی طاقت ہمیں اپنی کھوئی ہوئی مقدس سرزمین واپس لینے سے نہ روک سکے گی۔ ہم اپنے دوستوں سے ملنے والی رقم کا بڑا حصہ سرمایہ کاری میں لگا دیتے ہیں۔ اگر ہم اپنی تنظیم کے نام سے بین الاقوامی اداروں میں سرمایہ کاری کریں تو چند ہی روز میں ہم پر پابندی عائد کردی جائے گی۔ اسی وجہ سے ہم مختلف ناموں سے بین الاقوامی بازاروں میں اپنا پیسہ پھیلا رہے ہیں اور آج اس سے ملنے والا منافع ہماری ضروریات کا ساٹھ فیصد حصہ فراہم کررہا ہے اور ایک وقت میں سرمایہ ہماری جنگی ضروریات پوری کرے گا۔"

"آج میری بہت بڑی الجھن دور ہوگئی،" میں نے مسرت آمیز لہجے میں کہا۔ "مگر یہ تو بتاؤ کہ تم نے ۱۹۸۵ء کا تعین کیوں کیا ہے؟"

"ہمیں اسرائیل سے اپنی جنگ خود لڑنی ہوگی اور اس کے لئے وسائل کا حصول بہت ضروری ہے۔ آج ہم محدود وسائل کے ساتھ اپنے دشمن سے محدود جنگ لڑ رہے ہیں۔ وسائل میں اضافے کے ساتھ ہمارے حملوں میں شدت آتی جائے گی مگر ۱۹۸۵ء سے قبل شاید ہم دوسروں کی امداد کے بغیر اپنی جنگ لڑنے کے قابل نہ ہوسکیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارے اوپر والے بھی ہر طرف نظر رکھتے ہیں؟"

اور مجھے تیزی اتنی بڑی سی کیسے میں پکڑا ہے جب ہر بے بیانی ہمارا شن بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہوجاتی ہیں۔" وہ جذبات سے مغلوب لہجے میں بولا۔ "یہ باتیں کسی فلسطینی کے سامنے نہ چھیڑنا۔ ہم میں سے ہر ایک فرد انتقام کا ایک چلتا پھرتا جوالا مکھی ہے جو صرف وقت کا انتظار کررہا ہے اور جب وقت آئے گا تو دنیا دیکھ لے گی کہ ہم آزاد وطن میں سرفراز ہوکر رہیں گے یا۔۔۔؟"

اس کی آواز رندھ گئی اور میں نے بڑھ کے اسے سینے سے لگا لیا۔

سات بجے ماڈرک مجھے ڈھونڈتا ہوا کار تک پہنچا تو عبداللہ دل گرفتہ اور خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ اندھیرے کے باعث ماڈرک اس کے چہرے پر پھیلے ہوئے رنج و غم کو نہ پڑھ سکا ورنہ فوراً ہی کسی گڑبڑ کا اندازہ لگالیتا۔

"کوئی بات رہ تو نہیں گئی؟" میں نے کار سے اترتے ہوئے عبداللہ سے پوچھا۔

"بیلا اور جانو وغیرہ کل شام تک تمہیں مل جائے گا۔" عبداللہ بھاری لہجے میں بولا۔ "تم اپنی جان کا پورا خیال رکھنا۔"

"تم بے فکر رہو۔" میں نے جھک کر اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر عربوں کے روایتی انداز میں اس کی پیشانی کا بوسہ لیا اور تیزی سے کار سے اتر گیا۔

"فی امان اللہ۔" کار میں سے عبداللہ کی مدھم آواز ابھری اور میں نے مڑ کر دیکھے بغیر ماڈرک کے ساتھ ایک طرف کا رخ کرلیا۔

ماڈرک نے ایک عقلمندی یہ کی تھی کہ جیپ کے بجائے کرائے کی ایک دوسری کار منگوالی تھی جو اندر سے تیز خوشبو سے مہک رہی تھی۔

"یہ تم نے اچھا کیا کہ جیپ نہیں لائے۔"

"جیپ میں کسی نئی لڑکی کو ساتھ لے کر گھومنا برا محسوس ہوتا۔" ماڈرک نے یہ کہہ کر میرا سارا تاثر برباد کردیا اور میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ جیپ ہم حادثے کے وقت ایئر پورٹ پر موجود تھی اور ہسپتال میں اس کے پہچانے جانے کا موہوم سا اندیشہ تھا جس کے سدباب کے لئے ماڈرک نے گاڑی بدل لی تھی مگر اس شخص کے سر پر تو کچھ اور ہی دھن سوار تھی۔

"وہ کیا بالکل ٹھیک ہو گئی؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے لبوں کو چھو کر دیکھو، ابھی تک سب جل رہے ہیں۔" وہ خوشی سے کھلا پڑ رہا تھا۔

"خشکی کا تجربہ ہے؟"

"اگر تم اس حسین ترین لڑکی کو خشکی کہتے ہو تو میں اسی خشکی پر تمام زندگی گزارنے کے لئے تیار ہوں۔"

"تم گاڑی روک کر تھوڑی دیر کھلی ہوا میں چہل قدمی کرلو، کہیں فیصلہ چھوڑ کر ہسپتال جاکر بھی یہی رنگین گفتگو شروع کردو تو سب بکھر جائے گا۔"

"یار تم بڑی مشکل ہو۔ ہمارے مادر لڑکی نکلی،" وہ اپنی دھن میں بولتا رہا۔ "منہ ذرا سی بات پر روٹھتی ہے اور پھر خود ہی من جاتی ہے۔"

"شادی کرو گے اس سے؟"

"یہی تو مصیبت ہے،" وہ اسٹیرنگ پر... "وہ شادی شدہ نہ ہوتی تو اس وقت کسی گرجا گھر میں رشتہ ازدواج میں منسلک کررہا ہوتا۔" مزید لہجے میں بولی پھیلا

"پھر تو مجھے معاملے کو دیکھنے کے لئے ... بانی تھی۔" وہ اس کا ہسپتال

"بہتر یہی ہے کہ میں تم سے اس کے بارے جنگلی فروخت کے تحت وہ بتا دوں کہ پہلا۔ وہ نہایت شریف اور معزز فرد ہے اور ستا وجہ ہر ایک آنکھ جذبات پر تحقیق کررہا ہے۔"

"شاید اس نے تمہیں اپنی تحقیق کے فرصت پیدا ہوگئی تو وہ ضرور میں مسلسل کئی گھنٹے کلینک پر ٹکا ہوا تھا۔"

"تم واقعی احمق کسی کے مریض ہوگئے۔"

"سے میں اس سے ملاقات کا سہرا بھی بندھ گیا کمرے میں ایک سرد سی آہ بھی آیا تھا مگر کل مارے گئی تھی۔ اس کی وجہ سے کہ انہیں چاہتا ہے۔"

"ہسپتال آنے سے پہلے مجھے ... تاکہ آنے کی مخالفت کرنے لگی۔"

"سونے کا وقت نہیں ہے بس ہم جیسے والے ہیں۔" اس نے مذاق میں کہا اور میں ایک بار اکیلا جنگل میں رہ گیا۔

جس وقت ماڈرک کی کار تیز رفتاری سے سینٹ انطونی ہسپتال کے احاطے میں داخل ہوئی تو میں اداکاری کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ میں نے اوور کوٹ کے کالر کھڑے کرکے اپنے سر پر ایک ہلکا سا کمبل اس طرح ڈال لیا تھا کہ میرا چہرہ جزوی طور پر چھپ گیا تھا۔

ماڈرک نے گاڑی کو اس طرح گھماتے ہوئے پیلا بوتی تیمارداری کی طرح اپنی کار ہسپتال کے بیرونی دروازے میں روکی اور پھر تیزی سے میری طرف کا دروازہ کھول کر مجھے نیچے اترنے میں مدد دینے لگا۔ میں آنکھیوں سے قرب و جوار کا جائزہ لیتے ہوئے دردناک آواز میں ہانپتے ہوئے کراہنے لگا۔

"تمہاری آواز میں پنڈلیوں کے مریض کے بجائے درد زہ میں مبتلا کسی حاملہ کی کراہیں معلوم ہو رہی ہیں۔" ماڈرک نے میرے کان کے نیچے سرگوشی کی۔

مجھے اس کا جواب دینے کا موقع نہ مل سکا کیونکہ کسی مریض کی آمد کا اندازہ کرتے ہی دو نرسیں اسٹریچر سمیت ہماری طرف لپکی تھیں۔ ایک نرس نے قریب آکر ماڈرک سے فرنچ میں کچھ۔۔۔۔۔ دریافت کیا اور وہ بے چینی کے عالم میں بولا۔

"مجھ سے انگریزی میں بات کرو۔ اس پریشانی میں میری فرنچ جواب دے گئی ہے۔"

"اسے کیا ہوا؟" نرس نے اسٹریچر کھینچتے ہوئے تقریباً ایک آواز سوال کیا۔

ماڈرک نے غور سے ایک نرس کو دیکھا اور پھر نسبتاً خوبصورت نقوش والی دوسری نرس سے مخاطب ہوکر بولا۔ "صبح سے اس کے پیٹ میں شدید درد ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسے لیبر روم میں لے جاکر

• جاری رکھو۔

گریب میں پڑتی بے ساختہ ہنس پڑی۔ اس اثنا میں شبیر جو کے ہاں امداد فراہم نے امیر کچ پر لیپٹ چکا تھا۔

• میں نے پیٹر کو اٹھا کر عمارت کی طرف چل دی۔ اس میں ڈیڈی نو شاہد بدنت بیساختہ اپنی آواز کو آہنگ بلند کرتا۔

• بہت سی اتنی لمبی بیماری میں لے جانے کی ضرورت پیش آجانے سے ملنے والی معاوضہ رقم صرف ہوتی ہے۔ لیکن نرس شاہد باڈرک

• میں نہیں یہاں رہنے کے موڈ میں ہوں۔

کھل وہیں کھڑی کر بیٹھنے والا شخص تمہیں کیا تمام اخراجات کا ذمہ دار

• یہ تو ایک کمال ہے۔ اس نے جواب دیا اور وہ دونوں کھلکھلا

اس کے جیسے بڑی طرح انجیر جائے

اور فرشتہ اس نے مجھ اس سب بتایا تھا اس لئے نا مرضی کے ساتھ باڈرک بتایا۔ اگر نے مجھے اور اس وقت پہلی بار مجھے شبہ ہوا

• مگر جیسے ہی شراب کا جھونکا سا سرور طاری کیا تھا جس نے اسے

• چپ نہیں سب بچھا تھا۔

آخر کار میں باڈرک کو روک دیا گیا اور نرس میرا اسٹریچر ایک سٹریچر نا ہولے پر رکھ کر اسے دھکیلتی ہوئی ہسپتال کے روشن اور خاموش راہداریوں میں داخل ہو گئیں۔

مجھے جس کمرے میں پہنچایا گیا وہ جدید آلات سے مزین تھا اور وہاں ایک ادھیڑ عمر شخص جو دیکھنے میں ڈاکٹر نظر آرہا تھا۔ وہ کسی انتظار کے منتظر میں بیٹھا کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔

میرے پہنچنے کے چند سیکنڈ بعد ہی وہ شخص اپنا کام چھوڑ کر میری طرف آیا اور نرسوں سے مختصر سی گفتگو کے بعد میری طرف متوجہ ہو گیا۔

ابتدائی تحلیل اس نے میری پیشانی پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے مجھ سے کچھ دریافت کیا جو میرے پلے نہ پڑ سکا اور میں نے کراہتے ہوئے اسے بتایا کہ انگریزی کے علاوہ کوئی اور زبان میرے لئے قابل فہم نہیں ہے۔

اس نے مجھ سے تکلیف کی نوعیت دریافت کی اور پھر نہایت انہماک سے میرے پیٹ کے اس حصے کا جائزہ لینے لگا جہاں میں نے تکلیف کا اظہار کیا تھا۔

میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے درد کی شدت کے نشانات مجھے بتاتا رہا اور دوسری بار جب ہی ڈاکٹر نے درد کی نوعیت کے بارے میں سوال کیا۔ میں نے بغیر جھجکے وہ علامات دہرانا شروع کر دیں جو ڈیڈی نے اپنڈکس کے بارے میں بتائی تھیں۔

وہ ڈاکٹر تقریباً دس منٹ تک میرا معائنہ کرتا رہا۔ اس دوران میں نے محسوس کیا کہ جیسے ان کی تشویش اور غور کا انداز بھی دیکھا اور پھر الجھن آمیز لہجے میں انکشاف کیا کہ میں اپنڈکس کے درد میں مبتلا تھا۔

ڈاکٹر نے جب مجھے میرے پیٹ پر فاضل آنت کی جائے وقوع پر انگلیوں سے دباؤ ڈالنے کی کوشش کی میں نے شدید ردعمل کا

مسلط ہو گیا جو ڈیڈی کی ہدایات کے عین مطابق تھا۔

اس اثنا میں ایک لڑکا باہر سے ایک فائل لایا اور ڈاکٹر اسے پڑھنے لگا۔ شاید اس کے اندراجات باڈرک نے استقبالیہ کاؤنٹر پر کرا لیے تھے اور وہ فائل میری ہی ذات سے متعلق تھی۔

• مسٹر ہیٹ براؤن: ڈاکٹر نے فائل سے میرا نام پڑھتے ہوئے کہا: تمہیں پہلے کبھی اس قسم کی تکلیف ہوئی تھی؟

• کبھی نہیں۔

• تمہاری تکلیف سے پتہ چلتا ہے کہ تمہاری فاضل آنت پر بہت زیادہ ورم آچکا ہے۔ مگر حیرت یہ ہے کہ تمہارے پیٹ کی نرمی پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ وہ کہنے لگا: زیادہ ورم آنے کی صورت میں یہ معمولی سا عمل سخت ہو جاتا ہے اور پھولی ہوئی آنت کسی بھی وقت پھٹ کر مریض کی فوری ہلاکت کا باعث بن سکتی ہے۔

• نہیں یہ میں کیا جتے ہوئے تقریباً چیخ پڑا: مجھے خوفزدہ مت کرو۔ مجھے ایسا کوئی مرض نہیں ہے۔

• مسٹر براؤن! تم سمجھدار آدمی معلوم ہوتے ہو: وہ ملامت آمیز لہجے میں بولا: اگر چند گھنٹے پیشتر ہسپتال آگئے ہوتے تو شاید فوری آپریشن کر کے تمہیں اس خطرے سے بچنے کے لئے نجات دلوادی جاتی مگر اب ورم اور تکلیف کم ہونے تک کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم اس ان کو چند دوائیں اور انجکشن دے رہا ہوں۔ اس کے ساتھ تم کو مکمل آرام کرنا ہو گا تاکہ جلد از جلد تمہاری حالت آپریشن کے قابل ہو سکے۔

وہ خاموش ہو کر نہایت سرعت کے ساتھ فائل میں لگے ہوئے کاغذات پر کچھ لکھنے لگا اور ان سے فارغ ہو کر نرمی سے بولا: تم اپنے دستخط کر سکتے ہو؟

• ہاں: بلا سوچے مجھے میرے منہ سے نکل گیا۔

• خوب۔ وہ تحسین آمیز لہجے میں بولا: تو فوراً تجربات کے اس فارم پر دستخط کر دو تاکہ میں ابھی سے ہدایات جاری کر دوں۔

• کیا ہے یہ؟ میں نے نقاہت زدہ آواز میں پوچھا۔

• تمہارا آپریشن بہت معمولی ہو گا مگر یہ ایک کارروائی ہے جو مریض کی تحریری اجازت کے بغیر ہم اس کے جسم کے کسی حصے پر نشتر نہیں لگا سکتے۔

مجھے ناچار اس مطبوعہ فارم پر دستخط کرنے پڑ گئے جس کے اندراجات میں صرف ہیٹ براؤن ہی میرے پلے پڑ سکا۔

اس کارروائی کے بعد مجھے فوری طور پر ایک صاف ستھرے اور ہوادار کمرے میں پہنچا دیا گیا جو دوسری منزل پر واقع تھا۔ چند منٹ بعد ہی لیبارٹری سے ایک ادھیڑ عمر نرس اپنی معاون کے ساتھ آئی اور میری کلائی کی شریان سے سرنج میں خون کی خاصی مقدار کھینچ کر لے گئی تاکہ دیگر تجربات کے علاوہ خون کا گروپ بھی معلوم کیا جا سکے۔

اس کے بعد ایک مرد نے شکر کی بیماری کی تحقیق کے لئے دوسرا نمونہ حاصل کیا اور اس کے جاتے ہی سفید ایپرن میں ملبوس ایک متوسط قامت اور دلکش عورت کمرے میں اسٹیتھسکوپ سنبھالے آ پہنچی۔

• مسٹر! میری دوائیں کہاں ہیں؟ میں اسے دیکھتے ہی دردناک آواز میں کراہا۔

اس کے چہرے کی مسکراہٹ یکلخت غائب ہو گئی اور وہ مجھے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں بولی۔

مسٹر! باہر وارننگ پر ہے اور آتے ہی پوچھا۔ جلد جلد سے اپنا سینہ برہنہ کرو۔

اس کے لہجے میں پیچ و تاب کھا کر... رہ گیا مگر گریبان کے بٹن کھولنے پر پڑ گئے ورنہ وہ مزید بدتمیزی کر سکتی تھی۔

اس نے سینے کے مختلف مقامات پر اسٹیتھسکوپ سے میرے دل کی دھڑکنیں سنیں جو خاص حد تک ذہنی بیماری کی وجہ سے اور تقدس اس خاتون کے پرکشش آمیز رویہ کی وجہ سے بے ربط ہو رہی تھیں اور پھر اس نے بانستے میرے پیٹ کے مختلف حصوں کو باری باری نہایت بے دردی سے دبانا شروع کیا کہ اگر واقعی میری فاضل آنت متورم ہوتی تو آنت ضرور پھٹ گئی ہوتی۔

جانے سے قبل اس نے سفید کوٹ کی جیب سے ایک چارٹ نکالا کہ اس پر کچھ لکھا اور مجھ سے کچھ کہے بغیر واپس چلی گئی۔

جیسا میں شکر بہت کر سمجھ دیا جاتا تھا۔ لہٰذا جب میرے اندازے کے مطابق میرے کمرے سے وہ خاص حد چلی گئی تو میں نے سرہانے لگا ہوا گھنٹی کا بٹن کئی بار دبا ڈالا۔ میرا ارادہ یہ تھا کہ وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہو میں درد میں شدت کا بہانہ کر کے اس پر بگڑ پڑوں۔

گھنٹیوں کا رد عمل فوری طور پر ہوا اور باہر کی راہداری میں کسی کے دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک سنائی دی اور جونہی میرے کمرے کا دروازہ کھلا میں نے آنے والی کو کرخت لہجے میں جھڑکنا چاہا لیکن حیرت سے میرا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

آنے والی کوئی اور عورت تھی۔

• میں درد سے تڑپ رہا ہوں مسٹر: میں نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد کہا: ابھی ابھی ایک بدمزاج نرس آئی تھی مگر وہ مجھے دوا دیئے بغیر نہایت بے رحم انداز میں واپس چلی گئی۔

• وہ نرس نہیں ڈاکٹر مس شہرت: وہ ملامت آمیز لہجے میں بولی: باہر راہداری میں وہ بھی تمہاری بے صبری کی شکایت کر رہی تھی۔

• میں مجبور ہوں مسٹر: میں نے کراہ کر اس کی طرف کروٹ لیتے ہوئے کہا: تکلیف ہی کی وجہ سے ڈاکٹر موصوف کی ہدایت سمجھ نہیں کر سکا [illegible]

• حالانکہ اس کی اپنی آنکھ غمزدہ اور ایک نرس تھی وہ طنزیہ لہجے میں بولی: پوری صورتحال معلوم ہونے کے بعد وہ میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ وہ اس بحث کا سبب ہے جو نیز ڈاکٹر ہے اور اتفاق سے ایک بنگالی فرد ہے کے تحت آج کل دوسری منزل کا مکمل چارج دے دیا گیا ہے اور اسے بلا وجہ ہر ایک سے الجھنے پر بہت ہے۔

• اگر تم بی اس کرتی سے بنگالی عورت پیدا ہوگئی تھی تو میں نے اپنے سوال کی اہمیت کا انداز کئے بغیر کیا۔

• آج صبح سے پانچ نمبر کمرے میں ایک وی آئی پی آیا ہوا ہے جو ہنس بنا کر لیا جس نے اس کو کرال دی تھی۔ اس کی وجہ سے اس فلور پر ملنے کے آدمیوں کو بھی بلا اجازت آنے کی ممانعت کر دی گئی ہے اور وہ اسے کیا سمجھتی پھر رہی ہے۔

اس کا جواب سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ مگر میں نے اپنی مسرت چھپاتے ہوئے سادگی سے پوچھا: کیا ہسپتال میں کوئی اہم وی آئی پی ہے؟

• اسے نہیں باہر سے رکھو گیا تھا: وہ بے نیازی کے عالم میں بولی: سینٹ انتظامیہ کی جو بعض ہسپتالوں میں عام ہو جاتی ہے اور اسے بھی عام مریضوں کی طرح رکھا گیا تھا مگر اس کی سیفٹی ذرائع خود بیان اگر اس پر قاتلانہ حملے کا خدشہ ظاہر کرتے تھے خاص احتیاطی فیصلہ اختیار کرنے کی متعلق تو ہمارے چیف نے اپنی روایات سے انحراف کرتے ہوئے اس کے لئے بہت سی مراعات فراہم کر دی ہیں۔

• پھر تو اس طور پر کچھ مسلح محافظ بھی ہوں گے: میں نے تجسس اور حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

• اصل کی سٹریچر کا بس چلتا تو اسپتال میدان جنگ میں تبدیل ہو گیا ہوتا: وہ بولی: سنا ہے وہ اپنے چند مسلح آدمی پانچ نمبر کی حفاظت پر مامور کرنا چاہتا تھا لیکن اسے اجازت نہیں مل سکی۔

• کیا یہ ممکن نہیں کہ مجھے کسی دوسری منزل پر منتقل کر دیا جائے؟ میں نے خوفزدہ لہجے میں سوال کیا: اس وی آئی پی کی آمد اور تمہاری بدمزاج ڈاکٹر کی وجہ سے میری طبیعت کہیں اور نہ بگڑ جائے؟

• تم ٹھیک کہتے ہو: وہ شگفتہ ہوتی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ بولی: تم فکر نہ کرو۔ میں پوری توجہ سے تمہاری دیکھ بھال کروں گی۔ اب یہ بتاؤ گھنٹی کیوں بجائی تھی؟

• تم واقعی مہربان اور نرم دل لڑکی ہو: میں نے تشکر آمیز لہجے میں کہا: تمہارے ہمدردانہ رویے سے مجھے بہت سکون ملا ہے۔ اور میں اپنی تکلیف بھول کر اتنی دیر تک تم سے باتیں کرتا رہا ہوں۔ میں نے تکلیف اور تنہائی سے گھبرا کر بے دریغ گھنٹی بجائی تھی۔ میں آئندہ تمہیں زحمت نہیں دوں گا۔

وہ میرے بستر سے لگ کر کھڑی ہو گئی اور جھکے ہوئے میرا بازو سہلانے لگی۔ "دل گھبرانے لگے تو گھنٹی بجا دینا۔ میں چلی آؤں گی۔ نجانے کیوں میں تم سے ہمدردی محسوس کر رہی ہوں۔"

"کیا اس فلور پر تم تنہا ہو؟"

"کیوں؟" اس نے حیرت سے سوال کیا: "آٹھ نرسیں اور بھی ہیں اس فلور پر۔"

"اگر میرے گھنٹی بجانے پر کوئی ڈاکٹر جیسی بدمزاج نرس آ گئی تو مجھے وحشت ہونے لگے گی۔"

"ہر نرس پانچ کمروں کی ذمہ دار ہے۔" وہ متبسم مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"پانچ نمبر کمرہ تمہارے پاس نہیں ہے نا؟"

"وہ پچھلے ہی سے ہے۔ وہاں کوئی نرس نہیں جا سکتی۔ اسے ڈاکٹر لیونورا خود دیکھتی ہے۔"

"وہاں اسے نرس کا کام کرتے ہوئے شرم نہیں آتی؟" میرے منہ سے نرس کا خطاب بھی تحقیر کی طرح لگا تھا۔

"وہاں کیونکہ شروع سے ہی اس کے طفیل تو اسے دوسرے فلور کا بھی بار جارج ملا ہے۔"

وہ مزید چند منٹ میٹھی میٹھی باتیں کرنے کے بعد خلوص و ہمدردی سے میری دعائیں لیتے چلی گئی اور میں بستر پر بیٹھے بیٹھے اپنے مقصد کی غیر متوقع کامیابی پر غور کرنے لگا۔

پچھلے کئی دن سے حالات اس قدر ناسازگار تھے کہ اپنی کوشش کے باوجود ابن حیان یا ابو ہاشم کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہو سکی تھی۔ مگر اب یہ خوش نصیبی کی انتہا تھی کہ میں اور ابو ہاشم نہ صرف اسی کیپٹول لشکر اسپتال کے ایک ہی فلور پر موجود تھے بلکہ اس باتونی نرس نے ان دونوں خاندانوں کو ملانے والے ان واقعات سے بھی خود بخود آگاہ کر دیا تھا جن سے ناواقفیت میرے لئے تازہ ترین منصوبہ کو ناکام بنا سکتی تھی۔

اسی وقت مجھے خیال آیا کہ اس نرس سے دوستانہ فضا میں گفتگو کرتے ہوئے میں نے ایک بڑی بے وقوفی کی تھی اور اس کا نام تک دریافت نہیں کیا تھا جب کہ وہ اپنے اخلاص سے میری فرائض پر ایک نئے دوستی کی دعوت دیتی رہی تھی۔ اس سے میری دوستی میں ڈاکٹر لیونورا کے بارے میں مزید معلومات کو [illegible] حیثیت حاصل تھی ہی مگر اس نرس کے حسن کا بھی کچھ کم دخل نہیں تھا جس کی اچھی صورت کی کوکھ سے جنم لینے والی [illegible] اس سے کم عمر لگتی اس پر بھی چل رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ نرس ٹرالی لیے میرے کمرے میں آئی اور میرے لیے اپنی وہ کیپسول لائی جو کھانے کے بعد ڈاکٹر نے تجویز کی تھی۔

"اسی میں دوا دے رہی ہوں۔" اس نے ٹرالی سے میری دوائیں مسہری سے ملحق [illegible] شیلف پر منتقل کرتے ہوئے کہا۔

"انجکشن کی ضرورت بھی تو اسٹریچر پر ہسپتال لاتی؟"

"شرارت تو نہیں کر رہے ہو؟" وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر شوخ لہجے میں بولی۔

"بھلا شرارت کیسے کروں گا؟"

"بعض مریض خوبصورت نرسوں کو سامنے پا کر بہت جلد تک سے عمارتوں کی اداکاری کرنے لگتے ہیں۔" وہ لمحہ بہ لمحہ میرے ساتھ بے باک ہوتی جا رہی تھی۔

"اور تم تو خوبصورت کے ساتھ خوش اخلاق بھی ہو۔" میں نے اس کی تعریف کی اور اس کے چہرے پر میرے الفاظ کا خاطر خواہ اثر ہوا۔

"تم بھی ڈاکٹر لیونورا کے ساتھ تھوڑا فضول [illegible] کہہ رہا تھا؟" اس نے نہایت اشتیاق سے دریافت کیا اور میں نے [illegible] سر نفی میں ہلا دیا۔

"کہہ رہا تھا کہ ڈاکٹر لیونورا کی وضع قطع پر اپنی ماں کی چھاپ بہت گہری ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "وہ خود کو ڈاکٹر سمجھتی ہے تو سمجھا کرے، دیکھنے والے تو اسے نرس ہی کہتے ہیں۔"

مصلحت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس [illegible] کی ہاں میں ہاں ملاتا مگر اس کی بات مجھے کچھ ناگوار سی گزری تھی۔

"ماں کی چھاپ ہونا بری بات ہے اور نرسنگ کوئی حقیر پیشہ ہے ...."

اس نے میرا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے میری بات اچک لی اور بولی: "میں خود بھی نرس ہوں۔ میری بات کو غلط نہ سمجھو۔ اصل مسئلہ ڈاکٹر لیونورا کی ذہنیت کا ہے۔ وہ اپنے ماضی سے فرار چاہتی ہے اور اس کی اسی کوشش نے اس کے لئے دونوں باتوں کو گالی بنا دیا ہے جن کی تم تعریف کر رہے ہو۔"

باتیں کرتے ہوئے اس نے سہارا دے کر مجھے بستر سے اٹھنے میں مدد دی اور پھر میرا سر اپنے شانے پر ٹکا کر مجھے دو کیپسول اور ایک [illegible] گلاس پانی [illegible] پھر [illegible] میرے دائیں بازو میں ایک انجکشن لگا کر چلی گئی۔

دوران گفتگو میں نے اس کا نام معلوم کر لیا تھا۔ وہ ایلی کہلاتی تھی اور اس دن اس کی ڈیوٹی [illegible] بجے سہ پہر سے لیکر رات کے دس بجے ختم ہو جاتی تھی۔

اس کے جانے کے بعد میرا ذہن کچھ بھاری ہونے لگا۔ مجھے ابتدا میں اس نے کوئی اہمیت نہیں دی مگر بعد میں جب میرے اعصاب پر غنودگی طاری ہونے لگی تو مجھے تشویش نے آ گھیرا۔

مجھے دی جانے والی ادویات میں یقینی طور پر کوئی جزو خواب آور ہوتا تھا۔ [illegible] شدت کے احساس سے نجات دلانے کے لئے دیا گیا تھا [illegible]

پریشان کر گئے۔

ہسپتال کی اسی منزل پر میرا پرانا اور مکار حریف بھی [illegible] خصوصی انتظامات کے حصار میں خاصی تشویشناک حالت میں پڑا ہوا تھا اور میرے لئے اس رات کا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ رات کے آٹھ بج رہے تھے [illegible] جب دوسری منزل کے مکین نیند یا غنودگی کی حالت میں ہوتے [illegible] کمرے سے باہر [illegible] کرنے کے [illegible] اس کے خطرے کے امکانات کا مکمل جائزہ لے سکتا تھا [illegible] اپنے دشمن پر کاری وار کر سکوں مگر خواب آور دواؤں کے اثرات نے میرے [illegible] تمام [illegible] پر پانی پھیر دیا تھا۔ میں بستر پر [illegible] ابن حیان کے ساتھ [illegible] اور اس کے بارے میں گشت کرنے والی افواہوں کے بارے میں سوچتا [illegible]

ابن حیان کا شمار سعودی سلطنت کے چند بہترین دماغوں میں ہوتا تھا اور اسرائیل کے قومی مفادات سے وابستہ ہر فیصلے میں کہیں نہ کہیں اس کا نام ضرور موجود ہوتا تھا۔ اس کی زندگی اس قدر اہم سمجھی جاتی تھی کہ اسرائیل میں ابن حیان صرف ایک نام [illegible] اور [illegible] سامنے سے [illegible] شخص [illegible] تھا جسے اسرائیل کی سلامتی کے رازوں تک بھی رسائی حاصل تھی۔

[illegible] کے الفاظ میں [illegible] کہلاتی تھی۔ میری [illegible] اور میری بوجھل پلکیں آنکھوں پر [illegible] رہی تھیں۔

مجھے [illegible] گزر گئی۔ میرے لئے اپنے جسم کے کسی حصے کو جنبش دینا مشکل ہو گیا تھا مگر مضبوط قوت ارادی کے باعث میرے حواس کام کر رہے تھے البتہ کمرے [illegible] روشنی میں مجھے دھندلے پن کا احساس ہونے لگا تھا اور نیم وا آنکھوں سے کسی چیز کو پہچاننے میں دشواری ہو رہی تھی۔

اچانک [illegible] کمرے کا دروازہ کھلا اور میرے اعصاب میں سنسنی دوڑ گئی۔ اس وقت کھلا ہوا دروازہ میری نظروں کے سامنے نہیں تھا اور نہ مجھ میں اتنی سکت تھی کہ میں اپنی گردن کو خفیف سی حرکت دے کر دروازے کا جائزہ لیتا۔ وہ نرس ایلی سے مختلف قدموں کی [illegible] مگر مانوس [illegible] تھی جس نے مجھے اس بارے میں چوکنا کیا۔

میں نے پکارنا چاہا لیکن میری زبان [illegible] ہو چکی تھی [illegible] تیز [illegible] میرے سرہانے کے نیچے رکھا ہوا تھا مگر اس وقت ہاتھ بڑھا کر [illegible] نہیں تھا جو میں اپنی حفاظت کے لئے تیار ہو پاتا۔

میرے دل کی دھڑکنیں [illegible] کے ساتھ تیز تر ہوتی جا رہی تھیں۔ [illegible] جب

کا مطلب تھا کہ دروازہ کھلنے جانے کے بعد بند نہیں کیا گیا تھا اور نرس کمرے میں کوئی [illegible] سے [illegible] ہی تھی۔

وہ جو کوئی بھی تھا دروازے پر کھڑا خاموشی سے اندر کا جائزہ لے رہا تھا۔ مجھے غافل پا کر دبے قدموں میری طرف آ رہا تھا۔ [illegible] کام [illegible] لیتا بلکہ بے خوفی سے بستر تک آ جاتا۔ یہ سوچ کر میرے جسم کے سارے مساموں کے دہانے کھل گئے اور بمشکل چند لمحوں میں پسینے کی [illegible] میرے جسم پر ننھے سانپوں کی طرح رینگنے لگیں۔

پھر اچانک عقب سے کوئی ہاتھ میری گردن پر آیا اور ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں ابن حیان کی خون برسانے والی آنکھیں میرے [illegible] سامنے [illegible]۔ وہ آنکھیں اور وہ تیور میں نے صحرائے عرب کی ایک بستی [illegible] میں اس وقت دیکھے تھے جب ابن حیان ایک عرب شیخ کے روایتی روپ میں ابو خالد کا نام اختیار کئے میرے سامنے موجود تھا اور میرے ایک سوال کے جواب میں اس نے پتھر کے [illegible] میرے منہ پر مار کر میرا چہرہ اور ہونٹ لہولہان کر دیئے تھے اور میں نے اسی وقت اپنے دل میں زندہ اور گرم خون کا ذائقہ محسوس کرتے ہوئے دل کی گہرائیوں سے عہد کیا تھا کہ زندگی رہی تو ابو خالد سے اپنی اس تذلیل کا کہیں بھی اور کسی بھی قیمت پر انتقام ضرور لوں گا اور میرا وہ عہد مجھے [illegible] تک [illegible] کے سہارے [illegible] ہسپتال کے اس کمرے تک لے آیا تھا۔ جہاں میں جسمانی طور پر مفلوج حالت میں پڑا تھا۔

عقب سے [illegible] ہاتھ کا لمس محسوس کرتے ہی ابن حیان کی جو آنکھیں چشم زدن میں میرے لاشعور سے ابھری تھیں وہ نفرت اور انتقام کے شعلوں کی صورت اختیار کر کے میرے پورے وجود پر چھا گئیں۔ میں نے [illegible]۔ اس سے آگے میرے حواس میرا ساتھ چھوڑ گئے اور ذہن تیزی کے ساتھ تاریکی کی دلدل میں دھنستا چلا گیا۔

جب دوبارہ میری آنکھ کھلی تو خواب آور انجکشن کے اثرات کافی حد تک زائل ہو چکے تھے۔ کمرے کی تیز روشنی بند تھی ......

...... اور دھیمی روشنی والا ایک سبز بلب جل رہا تھا۔ میں نے اپنے جسم کو حرکت دے کر اپنی سلامتی کا یقین کیا پھر گردن کو جنبش دی جو بالکل صحیح سلامت تھی۔

خود کو مکمل محفوظ پا کر مجھے مسرت کے ساتھ ہی شدید حیرت بھی ہوئی۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ میں نے اپنی گردن پر کسی ہاتھ کا لمس جاگتے ہوئے محسوس کیا تھا۔ گردن [illegible] والا دوست تھا تو وہ چور کی طرح کیوں آیا تھا اور اگر دشمن تھا تو مجھے کوئی نقصان پہنچائے بغیر کیسے چلا گیا تھا۔

پھر کروٹ بدلی میری نظر روشندان پر پڑی۔ بستر سے چڑھا کی طرف گیا۔ اس وقت میں کچھ زیادہ سوچ رہا تھا وہ بڑا مناسب وقت تھا کہ مریض تو مریض صحت مند لوگ بھی نیند کی آغوش سے نہیں بچ سکتے تھے۔

میں نے بستر چھوڑ دیا اور مسہری کے گدے کے نیچے سے [illegible] نکال کر ننگے پاؤں آہستہ آہستہ دروازے کی طرف چل دیا۔ میری پہلی کوشش یہی تھی کہ میرے چلنے سے آہٹ نہ ہو کیونکہ ذرا سی [illegible] اس صورت میں پہلی منزل پر کوئی ہوشیار ہو سکتا تھا۔

دروازے کے پاس رک کر میں کئی منٹ تک بالکل خاموشی کے ساتھ باہر کی آہٹ لینے کی کوشش کرتا رہا مگر ہر طرف گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔

میں نے دروازے کے قریب دیوار میں نصب سوئچ بورڈ سے اپنے کمرے کی جلتی ہوئی سبز روشنی بھی گل کر دی اور مکمل تاریکی میں آہستہ آہستہ دروازہ کھولنے لگا۔

دروازہ کھلتے ہی راہداری سے روشنی کا ایک مستطیل کمرے میں در آیا اور دروازے کی جنبش کے ساتھ فرش پر پڑنے والے اس مستطیل کی چوڑائی میں بھی اضافہ ہونے لگا اور جونہی دروازے کے خشک قبضے میں چرچراہٹ کی ابتدا کا شبہ ہوا۔ میں نے جھٹ اسے روک دیا۔

قبضے کی خطرناک آواز پیدا کئے بغیر دروازے میں اتنی جگہ پیدا ہو چکی تھی کہ میں آسانی سے اس میں سے گزر سکتا تھا۔

میں نے گردن نکال کر راہداری کا جائزہ لیا جو ایک سرے سے دوسرے سرے تک ویران پڑی ہوئی تھی اور [illegible] باہر نکل گیا۔

سناٹا [illegible] کسی [illegible] کی طرح میں نے سامنے والی قطار کے دروازوں پر لگے ہوئے نمبر [illegible] طرف بڑھنے لگا۔ دوسرا [illegible] ہونا چاہئے تھا۔

اکیلی کے بیان کے مطابق دوسری منزل پر کل نو نرسیں تھیں اور ان میں سے ہر ایک پانچ کمروں کی ذمہ دار تھی [illegible] منزل پر کل پچاس [illegible] کمرے [illegible] نمبر [illegible] کر رہی تھی۔

میں نہایت احتیاط [illegible] تیز رفتاری سے [illegible] تاکہ [illegible] اپنا جائزہ [illegible] لوٹ سکوں۔

پھر [illegible] کے بعد ایک [illegible] کی [illegible] میں تھی

[illegible] نظر آیا۔ جب [illegible] راہداری کی دونوں سمتوں سے [illegible] تھا اس کمرے کا دروازہ نیچے سے اوپر تک شیشے کا تھا اور اندر تیز روشنی [illegible] والے انعکاس سے محفوظ تھا۔

میرے لئے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ ڈیوٹی اسٹاف کا کمرہ تھا۔ [illegible] نظر آنے والی تیز روشنی اس بات کی دلیل تھی کہ [illegible] اس کمرے کے سامنے سے گزرنا خطرناک تھا [illegible] لہٰذا میں [illegible] کے قریب پہنچا اور سانس روک کے دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔

کئی منٹ گزر گئے مگر اندر سے کوئی [illegible] آواز میں [illegible] [illegible] اندر مکمل سکوت [illegible] ہونے کے بعد میں نے فیصلہ کیا [illegible] دیوار [illegible] کی طرح سرکتے [illegible] دوسری طرف [illegible] دروازے کے سامنے سے گزرتے ہوئے [illegible] صحت [illegible] کتاب پڑھ رہی تھی۔

[illegible] میرا [illegible] سے قریب ہوتے جا رہا تھا۔

آگے [illegible] راہداری [illegible] لگا [illegible] ہو گیا۔

[illegible] چکی تھی [illegible] کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

[illegible] خطرناک [illegible] زندگی [illegible] اسپتال [illegible] جانے کا [illegible] ناکام ہو جاتا۔

پھر اس نے [illegible] نہایت [illegible] گزر گئے۔ [illegible] رکی اور [illegible] جب [illegible] [illegible] سو [illegible] کر [illegible] کی حالت تھی۔

[illegible] کیا ہے؟ میں نے دونوں ہاتھوں سے [illegible] آواز میں اس سے سوال کیا اور اسی [illegible] اپنا [illegible] چھپا لی۔

[illegible] اس نے اپنی [illegible] کہا۔ [illegible]

میں [illegible] کے قریب جا پہنچا۔

[illegible] کیا ہے؟ [illegible] ہوئے سوال کیا۔

[illegible] میں نے [illegible] کہتے ہوئے کہا [illegible] ہے [illegible] کتاب [illegible] تھی۔ [illegible] [illegible] اپنے کمرے میں جاؤ [illegible] کر [illegible] نہیں سمجھائی گئی

[illegible] نہیں معلوم [illegible] ہوئے [illegible] کے [illegible] جاتے [illegible]

تم اس کمرے کے سامنے سے گزرے [illegible] نہیں [illegible]

پہلی بار [illegible] کا لہجہ کچھ نرم ہوا۔ اور [illegible] زخم کا جذبہ ابھر آیا تھا۔

مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میں کہاں سے گزر رہا تھا [illegible] کے عالم میں کہا [illegible] تم جا رہی ہو [illegible] کر رہا ہوں۔

[illegible] اپنے کمرے تک چلو۔ میں ڈاکٹر [illegible] کوشش کرتے ہوئے [illegible] متاثر نظر آ رہی تھی۔ لہٰذا میں [illegible] فرش سے اٹھ [illegible] چند قدم [illegible] کمرے [illegible] کرتے ہوئے لوٹ گئی۔

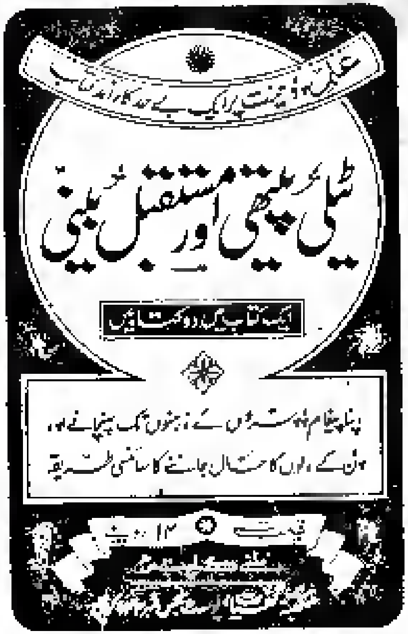
[illegible] اپنے کمرے میں پہنچا اور [illegible] بستر [illegible] ہو گیا [illegible] کمرے [illegible] کرنا نہیں بھولا تھا۔

پھر دیر بعد دوسرں راتیں [illegible] کے علاوہ ایک [illegible] بھی موجود تھا۔ [illegible] سر [illegible] ایک انجکشن لگا کر واپس چلا گیا۔

اس انجکشن کے زیر اثر جب [illegible] بیدار ہوا [illegible] کے باعث مجھے اپنا جسم [illegible] ہوا محسوس ہو رہا تھا اور [illegible] ہسپتال میں [illegible] ڈاکٹروں نے آپریشن کی اجازت [illegible] سخت لیٹے رہتے تھے [illegible] مر جاتا یا زندہ رہتا مگر [illegible] سامنے [illegible] مصیبت سے بچنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔

دو پہر کو [illegible] سے قبل میں نے باہر نکلنے کی کوشش کی مگر [illegible] کامیاب نہ ہو سکا۔ ایک نرس نے بتایا کہ ہسپتال کے [illegible] سے باہر چہل قدمی کی اجازت نہیں تھی۔ ہاں اگر ڈاکٹر [illegible] چہل قدمی [illegible] کے لئے [illegible] کی نگرانی میں [illegible] ورزش [illegible] جاتا تھا۔

[illegible] پچھلی رات کا [illegible] تھا [illegible] ہو [illegible] حرکت [illegible] کر [illegible] پچھلی رات [illegible] نے [illegible]



کا وقت نہیں مل سکا تھا۔

اینجل کے جواب نے مجھے شدید الجھن کا شکار کر دیا۔ میرے لئے یہ پتہ چلانا ضروری ہو گیا تھا کہ اس رات میرے کمرے میں آنے والا کون تھا ---؟

اس روز اینجل تھوڑے تھوڑے وقفوں سے میرے پاس آتی رہی اور اس کی رفاقت میں مجھے ہسپتال کا بے کیف قید خانہ بھی دلچسپ محسوس ہونے لگا۔ اینجل اس روز مجھ سے بہت بے تکلف ہو گئی مگر اس بے تکلفی سے مزید استفادے کے لئے بھی مجھے اس کو یہ یقین دلانا پڑا کہ میری اپنڈکس کی تکلیف میں نمایاں کمی واقع ہوئی تھی۔

اس سے سرسری طور پر پانچویں کمرے کے مریض کے بارے میں بھی بات ہوئی اور پتہ چلا کہ بن حیان کی حالت تشویشناک تھی اور اسے آکسیجن دی جا رہی تھی کیونکہ گولی جسم سے ہوتی ہوئی سانس کی نالی کو چھوتی ہوئی چلی گئی تھی۔ اور اسے کم از کم ایک ہفتے تک ہسپتال سے چھٹی ملنے کے آثار نہیں تھے۔

شام کو ملاقات کا وقت شروع ہونے پر راڈرک پھولوں کا ایک حسین گلدستہ لئے آیا تو مجھے بہت خوشی ہوئی۔ اس گلدستے میں بڑے بور کا ایک خودکار پستول نہایت خوبصورتی سے چھپایا گیا تھا اور جس وقت راڈرک سگریٹ کی ڈبیوں میں سے کر رہا تھا سامان پہنچے تھا، ولاتیر دوسری جانب اس نے اس کوٹ کی جیب سے نکال کر میرے حوالے کیا۔ میرا پستول گلدستے میں اس طرح رکھا گیا تھا کہ میں بوقت ضرورت آسانی سے نکال سکتا تھا اور موقع آنے سے قبل مجھے پستول چھپانے کے لئے کوئی جگہ تلاش نہ کرنی پڑتی۔

میں نے راڈرک سے پچھلی شام کی غیر معمولی گفتگو کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اور نہ اسے احساس تھا کہ رات ہی میں وہ کیا بکواس کر گیا تھا۔

مجھ سے بن حیان کے بارے میں تفصیلات سن کر اسے خاصی مایوسی ہوئی۔ اور جب اسے یہ پتہ چلا کہ میں اس کے کمرے تک پہنچنے کی ایک ناکام کوشش کر چکا تھا۔ تو اس نے واضح الفاظ میں میرے منصوبے سے ناامیدی کا اظہار کر ڈالا۔

"وہ کسی ہسپتال میں میرے ہاتھوں مارا جائے گا۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "لیکن اس کے لئے ہم دونوں کو مدد لینی ہو گی۔"

"باہر سے ہم کیا کر سکیں گے؟"

"مدد ہم کو اس وقت چاہئے جب میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔"

"یعنی ہم باہر سے مدد کریں؟"

"رات دس بجے جہاں نرسنگ اسٹاف کی ڈیوٹی تبدیل ہوتی ہے، اس وقت ہم بے حد فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اگر ٹھیک ساڑھے دس بجے ہسپتال کا برقی نظام ناکارہ کر دیا جائے تو بے خوف و خطر بن حیان کا صفایا ہو سکتا ہے۔ میری تجویز سن کر اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ سب کچھ ایک صحت مند موقع فراہم ہو جائے گا۔"

"ابھی ملاقات کا کافی وقت باقی ہے۔ تم عبداللہ صاحب کو یہاں بلا لاؤ، اگر یہ کام آج رات ہی ہو جائے تو بہتر ہے۔"

"وہ تو میرا بھی یہی خیال ہے۔ میں جلد از جلد واپس آتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ میرے کمرے سے چلا گیا اور میں عبداللہ کی رضامندی کی توقع میں آنے والے وقت کی منصوبہ بندی کرنے لگا۔

اس پروگرام میں وقت کی بہت اہمیت تھی۔ یہ بات تو یقینی تھی کہ سینٹ انطونیو میں بجلی فیل ہونے کی صورت میں بجلی کی فراہمی کا متبادل انتظام تھا اور میری کامیابی کا سارا انحصار میری پھرتی پر تھا کہ میں متبادل نظام کے فراہمی بحال ہونے سے قبل اپنا کام پورا کر لیتا ورنہ بن حیان کا کمرہ میرے لئے موت کا جال بھی ثابت ہو سکتا تھا۔

اسی اثنا میں اینجل بھی آ پہنچی اور میلان صاف پا کر آتے ہی بولی:

"کچھ سنا تم نے؟"

"میں تو صرف تم ہی سے سنتا آ رہا ہوں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"اس فلور پر دو ڈیوٹی پر آ گئے ہیں۔ ان کی دیکھ بھال بھی بلا واسطہ ڈیوٹی ڈاکٹر ہی کرے گے۔ وہ اس طرح بول جیسے اسے ان انتظامات میں تبدیلی کا اختیار ہو۔"

"کن کمروں میں گئے ہیں؟"

"اسی کے ملحقہ دائیں۔" وہ منہ بنا کر بولی۔ "پتہ نہیں جانے یہ کیا ہو گیا ہے۔"

یہ سنتے ہی میرا ذہن دور تک چلا گیا۔ وہ بولتی رہی مگر میں مزید ایک لفظ بھی نہ سن سکا۔ مجھے رہ رہ کر یہی خیال آ رہا تھا کہ بن حیان کے سرپرست آخر کار مریضوں کی آڑ میں اپنے دو آدمی بن حیان کی حفاظت کے لئے ہسپتال میں پہنچانے میں کامیاب ہو ہی گئے تھے۔

اینجل کی لائی ہوئی اس خبر نے یکلخت جلا کر رکھ دیا تھا۔ ایک زخمی اور نیم جان دشمن کے علاوہ اب مجھے دو صحت مند حریفوں کا بھی سامنا تھا جو میری دانست میں نہ صرف صحت مند بلکہ پوری طرح مسلح بھی تھے۔ میرے مقابلے پر نہ صرف افرادی طاقت بلکہ اسلحہ کا بھی اضافہ ہو چکا تھا۔

اینجل کے الفاظ آخر کار درست ثابت ہوئے تھے۔ اب سنیئر کا مسئلہ بھی حل ہو گیا تھا اور سینٹ انطونیو ہسپتال کسی بھی لمحے میدان جنگ میں تبدیل ہو سکتا تھا۔

ٹرالی

نہ جانے کیا کیا لکھتی رہی مگر میرا ذہن اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ سینٹ انطونیو ہسپتال میں بن حیان کو بہتر علاج کی سہولت کے امکانات کے مقابلے ان سے انتقام کا آسان ہدف بنانا زیادہ کارگر نظر آ رہا تھا۔

تدبیر سے اس ہسپتال میں اینجل کی صورت میں میرے لئے ایک جاسوس پیدا کر دیا تھا جس کے ذریعے مجھے اطراف کی تازہ ترین اطلاعات مل رہی تھیں۔ مسٹر بن حیان کو خصوصی وارڈ میں رکھنے کے بعد اس عمارت کی دوسری منزل پر حفاظتی انتظامات مکمل ہو چکے تھے اور کسی مریض کی مجال نہیں تھی کہ اپنے کمرے سے باہر نکل سکتا۔

ایک طرف یہ صورت حال تھی اور دوسری طرف بن حیان کے کمرے کے دونوں طرف والے کمروں میں نئے مریض لائے گئے تھے۔ جن کے مرض کی نوعیت تک کا کسی کو علم نہیں تھا اور بن حیان کی طرح ان دونوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری بھی دوسری منزل پر متعین ڈیوٹی ڈاکٹر کے ذمے تھی۔

میرا اندازہ یہ تھا کہ بن حیان کے سرپرستوں نے اس کی حفاظت کے لئے بالکل وہی حکمت عملی اختیار کی تھی جو اسے ٹھکانے لگانے کے لئے میں نے اپنائی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ان لوگوں کو ہسپتال کے اعلیٰ انتظامی عملے کا تعاون حاصل تھا اور میں بڑی مشکل سے بیماری کی اداکاری کرنے کے بعد اس عمارت میں داخل ہونے میں کامیاب ہوا تھا اور اس کامیابی کی قیمت کے طور پر مجھے ایک مصنوعی اپریشن کے پروانے پر بھی دستخط کرنے پڑے تھے۔

اینجل کو بے شک ان دو نئے مریضوں پر شبہ نہ ہوا ہو گا لیکن میں اس کی زبانی سینٹ انطونیو ہسپتال کی قدیم روایات سے باخبر ہو چکا تھا۔ جن سے بشکل انحراف کرتے ہوئے ابرام جوناس یا بن حیان کو خصوصی مراعات دی گئی تھیں اور پھر اس کے ہسپتال پہنچنے کے بعد ایسے پراسرار مریض وہاں لائے جا چکے تھے جن تک کسی کی رسائی ممکن نہیں تھی۔

نئے پراسرار مریضوں اور بن حیان کے درمیان تعلق قائم کرنے کے بعد یہ حقیقت بھی عیاں ہو گئی تھی کہ وہ دونوں غیر مسلح نہیں ہوں گے۔

میرے اندازے کے مطابق مرزا جوناس کو اپنی غیر موجودگی میں پیش آنے والے ان خونریز واقعات کا علم ہو چکا تھا جو میں اس کے حلیف اور دشمن کے اڈے پر پیش آئے تھے اور اس کے بعد میں نے بیرس پہنچتے ہی ان دونوں بھائیوں کی کاروں کے ٹائر ناکارہ کر کے ایئرپورٹ سے ان کی روانگی میں تاخیر کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی اور جب وہ پیرس لوٹے تو پہلے ایک کار کے ڈرائیور نے اغوا کر کے ایئرپورٹ سے فرار ہونے لگے۔ تو رستے میں جلالی ہوئی ایک نامعلوم گولی نے ابرام جوناس کو بری طرح زخمی کر ڈالا۔

ان کڑیوں کو ملانے کے بعد مرزا جوناس کی جگہ اگر کوئی احمق بھی ہوتا تو یہی نتیجہ اخذ کرتا کہ پیرس میں ان کے ہم وطن دشمن موجود تھے وہ صرف زبانی جمع خرچ اور مہلک ہتھیاروں سے لیس تھے اور انہی کی وجہ سے حفاظتی حصار کو زرخیز کر کے اپنا حصہ ان کی حفاظت کے لئے بہتر نظر سینٹ انطونیو ہسپتال کے خصوصی انتظامات بھی بن حیان کی حفاظت کے لئے ناکافی سمجھے گئے اور ان لوگوں نے اسی حکمت عملی کو بروئے کار لاتے ہوئے جس طرح میں ہسپتال میں موجود تھا۔ اسی کی وجہ سے طاقت کا توازن ان کے حق میں ہو گیا تھا اور مجھے غالب امکان نظر آنے لگا تھا کہ شاید میں ایک بے مقصد مہم کے لئے ہسپتال پہنچا تھا اور ابرام جوناس کسی چکنی مچھلی کی طرح دو تین آتے آتے ایک بار پھر پھسل کر انسانوں کے سیکڑوں سمندر میں کہیں روپوش ہونے والا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" مجھے ذہنی طور پر غیر حاضر پا کر اینجل نے میرا شانہ جھنجھوڑا۔

"میں بنیادی طور پر امن پسند طبیعت کا مالک ہوں اینجل" میں نے نحیف آواز میں کہا۔ "تم نے جو کچھ بتایا اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس ہسپتال کی دوسری منزل پر کسی بھی وقت گولیاں چلنے لگیں گی۔ اور میں بے موت مارا جاؤں گا۔"

"امن پسندی!" وہ طنزیہ انداز میں ہنسی۔ "یہ تو مجھے بزدلی لگتی ہے۔"

"میرے لئے ایسا ناشائستہ لفظ استعمال نہ کرو۔" میں نے معصوم لہجے میں کہا۔ "میں اپنڈکس جیسے موذی مرض میں مبتلا ہوں۔۔۔"

"بس بس!" رہنے دو۔" وہ بستر پر بیٹھتے ہوئے میری بات کاٹ کر بولی۔ "میڈیکل سائنس میں اپنڈکس کوئی قابل ذکر مرض نہیں ہے۔ مجھے تو محسوس ہوتا ہے کہ تم نے آپریشن کے خوف سے اپنے مرض کو اس درجے پر پہنچایا ہے۔"

"اپنڈکس کی تکلیف تو آہستہ آہستہ مندمل ہوتی جا رہی ہے مگر میری موت شاید اسی ہسپتال میں کسی کی گولی سے لکھی ہے۔" اسی کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے میں نے خود پر ایک خوفناک کیفیت طاری کر لی۔

"اول تو ہسپتال میں ایسے ہنگامے کا خیال ہی لغو اور بیہودہ ہے۔" وہ منہ بنا کر بولی۔ "اور اگر تم مرد ہو کر بھی کسی خطرے سے اپنا دفاع نہیں کر سکتے تو میں تمہاری حفاظت کروں گی۔"

"تم!" میں نے تعجب کے انداز میں آہستہ سے ہنس دیا۔ "نہایت نازک سراپا کر تو خود کسی مجبوب کی مضبوط بانہوں کے سہارے کی ضرورت ہے۔" میری باتوں سے اس کا رد عمل میری توقع کے عین مطابق تھا اور میں غیر محسوس طریقے سے بتدریج اپنی مرضی کے موضوع پر لانا چاہتا تھا۔

"بتاؤ۔۔۔ بتاؤ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے تیز لہجے میں بولی۔

"نہیں۔۔۔ تم کچھ نہیں کر سکو گی۔" میں نے تھوڑے سے توقف کے بعد مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "تمہاری تو ان کمروں تک رسائی بھی نہیں ہے!"

"پھر بھی پتہ تو چلے کہ تم کیا سوچ رہے ہو!"

"میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ دونوں واقعی مریض ہیں یا اداکاری کر رہے ہیں۔؟" میں نے شہرت چھپے لہجے میں کہا۔

"مریض نہ ہوتے تو یہاں داخل کیسے ہوتا؟" وہ چڑ کر بولی۔ "اس ہسپتال کے ڈاکٹر تھے گزرے بھی نہیں ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ ڈاکٹروں کو اپنے بیمار ہونے کا یقین دلانے میں کامیاب ہو گئے ہوں" میں نے کہا۔ "اور اگر وہ اسی طرح بغیر کی معرفت ہسپتال کے چیف تک پہنچے ہوں گے تو ان کے بلانے کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔ تاکہ وہ پانچ نمبر کی حفاظت کر سکیں۔"

"یہ معلوم کر کے تم کیا کرو گے؟" اس نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"میں یقین چاہتا ہوں کہ کیا مجھے اطمینان ہو جائے گا کہ اس منزل پر" متعلق کچھ نے کشش آمیز لہجے میں کہا۔ "لگتا ہے کہ ان نہیں پہنچ سکا ہے۔"

"تم تو یوں پریشان ہو رہے ہو جیسے پانچ نمبر والا وارڈ کے مددگار رقیبانے ناس دشمن ہوں آخر اس منزل پر اور مریض بھی تو ہیں۔"

"وہ بے خبری کی وجہ سے غلطی ہیں مگر تم نے تو پانچ کی خبریں سنا رہا تمہارا ہیجان عجیب ہے" میں نے اسی کو مسودالانام شہرتے ہوئے کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ اس منزل پر کسی بھی وقت اندھا دھند فائر شروع ہو سکتی ہے۔"

"کیا احمقانہ خیال ہے" وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔ "تم اپنی تفتیش کی جان ہلکان مت کرو۔ میں ان دونوں کا پتہ ثبت کر لوں گی۔"

"تم میں راتیں ان سے ملنے کی صلاحیت ہے" میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے تحسین آمیز لہجے میں بولا۔ "مسکرا کر انہیں آنکھ مار دی تو بے چارے خود ہی اور وحشت سے بھاگ جائیں گے۔"

وہ چند ثانیوں تک دانت بھینچے مجھے گھورتی رہی پھر سر جھٹک کر بولی۔ "ان کے لئے تو ڈاکٹر ہی نیند آور دوا لے چکے ہیں دو تین ... کہ اس میں خواب آور دوا ملا دوں گی... اور وہ ساری رات گھوڑے بیچ کر سوتے رہیں گے۔"

"ترکیب تو اچھی ہے لیکن ہسپتال کے بجائے کیپسول وغیرہ دینا پڑا تو کیا ہوگا۔"

"وہ سب ایک ہی بات ہے" وہ لاپرواہی سے بولی۔ "کیپسول خالی کر کے اس میں کسی خواب آور گولی کو سفوف بنا کر بھی ڈالا جا سکتا ہے۔"

"اور ڈاکٹر نثار تمہاری بات مان لے گا؟"

"میں اسے ذرا شبہ نہیں ہونے دوں گی" ایمیلی نے کہا۔ "خواب آور دوا سے مریض کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا مگر ڈاکٹر ... خاص مریضوں کی گہری نیند سے پریشان ضرور ہو جائے گی اور اس وقت ہسپتال کے عملے کا ہر فرد اسے پریشان کرنے کے موقع کی تلاش میں رہتا ہے۔"

"پھر وہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے" میں نے لاپرواہانہ لہجے میں کہا۔ "ان سے جو سلوک چاہو کرو۔ میری تو اب یہی دعا ہے کہ پانچ نمبر والا جلدی صحت یاب ہو کر یہاں سے رخصت ہو یا چند گھنٹوں میں میرے اندر ہی اتنی کمی آ جائے کہ میں اس قید خانے سے نکل سکوں۔"

"تم! چند گھنٹوں کے آپریشن کے لئے داخل کئے گئے ہو!" وہ آنکھیں دکھاتے ہوئے بولی۔

"بچنے کے بجائے آپریشن تم کرا لیا ہے میرے لئے اتنا ہی کافی ہے۔"

"میری موجودگی بھی تمہارے لئے اہمیت نہیں رکھتی؟"

"رکھتی ہے" میں نے جلدی سے کہا۔ "مگر تم سے تو میں ہسپتال کے باہر بھی مل سکتا ہوں۔ یہاں تو تم ہر وقت میری قدم زدہ قاتل رات کے پیچھے کا خوف طاری ہے ... افسر کا کام اور نام ہی ... لگتی ہے۔"

واشنگ افسر کا خطاب سن کر اس نے بمشکل اپنی ہنسی ضبط کی اور میری ناک اپنی چٹکی سے دبا کر کمرے سے چلی گئی۔

میں بستر پر دراز ہو کر اپنی ناک سہلاتے ہوئے آنے والی رات کے بارے میں سوچنے لگا۔ اسی اثنا میں ڈاکٹر واپس آ گیا۔

اس نے میرے کمرے میں داخل ہوتے ہی اپنے دائیں ہاتھ کی مٹھی بنا کر انگوٹھا فضا میں بلند کیا جس کا مطلب تھا کہ وہ عبداللہ سے میرے منصوبے کی توثیق کرا لایا تھا۔

"آج رات ہمارا کام تمہاری مرضی کے مطابق انجام پائے گا" وہ میرے بستر کے قریب پڑی ہوئی کرسی سنبھالتے ہوئے شاہانہ لہجے میں بولا۔

"تمہارے جانے کے بعد کچھ نئی خبریں ملی ہیں۔"

میرے لہجے کی سنجیدگی نے اسے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ "کیسی خبریں؟ خیریت تو ہے؟"

"ابرام جوناس کے وہ ... تصدیق ہو جانے کے بعد یہ ہسپتال میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور اب معاملہ ذرا سخت ہو گیا ہے؟"

"یہ ہونا تھا مجھے پہلے ہی اندیشہ تھا" وہ مٹھیاں بھینچ کر اضطراری انداز میں بولا۔ "میں نے عبداللہ کو منع کیا تھا کہ بن حیان کے خوف سے بچے عذرا جوناس کو نہ چھیڑے مگر وہ نہ مانا اور اب تم نے میرے شبہات کی تصدیق کر دی ہے۔"

"یہ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟" میں نے ترش لہجے میں سوال کیا۔ "کیا عذرا کے معاملے میں عبداللہ نے کوئی قدم اٹھایا ہے؟"

"اگر تم ہسپتال کے بدلے ہوئے حالات کا ذکر نہ کرتے تو شاید اب بھی میں تمہیں کچھ نہ بتاتا" وہ مدھم آواز میں بولا۔ "آج صبح ایک شاہراہ پر عذرا جوناس کی کار پر آتشگیر بم پھینکا گیا تھا اور اس کی کار شعلوں کے ... ہوئے الاؤ میں تبدیل ہو کر ایک ... اسٹور میں جا گھسی۔ سب اسی کا شاخسانہ معلوم ہوتا ہے۔"

"عذرا کا کیا ہوا؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"ہونا کیا تھا" وہ منہ بنا کر بولا۔ "اس کی تو لاش بھی جل کر بری طرح مسخ ہو گئی۔ مگر عبداللہ نے بھی چھکا مار کر مجھے شکار کرو شوار کر دیا ہے۔"

"شاید عذرا کی موت کے بعد ہی وہ دونوں آدمی یہاں داخل ہو گئے ہیں" میں نے پُر خیال لہجے میں کہا۔ "اس کا مارا جانا ہی مزید کا تھا میرا خیال ہے کہ عذرا کی موت سے ہمارے کام پر زیادہ اثر نہیں پڑے گا بس ذرا احتیاط کرنی پڑے گی۔"

"اثر نہیں پڑے گا؟" ڈاکٹر نے حیرت سے دہرایا۔ "اللہ کے بندے خدا! وہ مٹی کے تیلے نہیں ہیں۔ اب تمہیں ابرام کے علاوہ اس کے دو اور قاتلوں سے بھی نمٹنا ہو گا۔"

"وہ میرا کام ہے" میں نے لاپرواہی سے کہا۔ مجھے عبداللہ کے بارے میں ڈاکٹر کا تنقیدی لہجہ پسند نہیں آیا تھا۔

"یہ تو بتاؤ کہ بن حیان کے بارے میں یہ تمام خبریں تمہیں کیسے مل سکی ہیں؟" ڈاکٹر نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد چونک کر سوال کیا۔

"ایک نرس سے دوستی ہو گئی ہے" میں نے اپنے ذہن سے تھکن جھٹکنے کی کوشش میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "وہ نہ ہوتی تو ان باتوں کی ہوا بھی نہ لگتی۔"

"تم ایک مرتبہ پھر غور کر لو" وہ بولا۔ "عبداللہ ابھی ... میں موجود ہے۔ میں اسے نئے حالات سے آگاہ کر سکتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اس وقت ہسپتال کے باہر بھی مسلح افراد کی کثیر تعداد کسی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لئے تیار ہو گی۔"

"مجھے بس ایک اندیشہ ہے" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "اور اس کا عذرا جوناس کی موت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"وہ کیا؟" اس نے کرسی میرے بستر کے قریب کھسکا لی۔

"کہیں اس ہسپتال میں بجلی کی فراہمی کا متبادل انتظام موجود نہ ہو۔ اگر ایسا ہے تو فائر ہوتے ہی ایمرجنسی جنریٹر چلا دیا تو میں رنگے ہاتھوں دھر لیا جاؤں گا۔"

"اس ہسپتال میں ایمرجنسی جنریٹر موجود ہے" اس نے جلدی سے کہا۔ "عبداللہ بتا رہا تھا اسے بھی ناکارہ کرنا ... ہسپتال کے عقبی احاطے میں لگے ہوئے ڈیزل جنریٹر کو بھی اپنے دائرہ کار میں شامل کرنا ہو گا۔"

"وہ واقعی بہت ہوشیار آدمی ہے" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "عجلت کے باوجود ہر پہلو کی جزئیات پر بھی نگاہ رکھتا ہے!"

"ملنا پڑتا ہے....!"

ڈاکٹر کا فقرہ ادھورا ہی رہ گیا تھا کہ ... میرے لئے ... کا گلاس لے آئی تھی۔

"یہ زبردست ڈاکٹر ہے!" میں نے ایمیلی سے کہا اور پھر ڈاکٹر سے مخاطب ہو کر بولا۔ "اور یہ تم سے بھی خوش اخلاق خاتون کا ذکر کر رہا تھا۔"

ایمیلی نے تیکھی نظروں سے ڈاکٹر کے حلیے اور چہرے کی طرف دیکھا اور رکھے انداز میں سر کو خفیف سی جنبش دے کر میرے قریب آ گئی۔

"تمہارے بیٹے کی وجہ سے مجھے کافی اذیت محسوس کرتی ہے" ڈاکٹر نے کرسی سے اٹھ کر خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"میں صرف اپنے مریضوں سے ... دلچسپی رکھتی ہوں" ایمیلی نے پلٹ کر خشک لہجے میں کہا اور ڈاکٹر کے لبوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ فوراً ہی تحلیل ہو گئی مگر عورتوں کے معاملے میں وہ انتہائی ڈھیٹ معلوم ہوتا تھا۔ اس نے ہتھیار نہ ڈالے اور سنجیدگی سے بولا۔

"تمہارے جیسا تیمار دار میسر ہو تو اچھے خاصے صحت مند آدمی کو مریض بننے کا شوق پیدا ہو سکتا ہے۔ اجازت ہو تو میں بھی ہسپتال میں داخلہ لے لوں۔"

"پاگل خانے کے مریضوں کو یہاں داخلہ نہیں دیا جاتا" ایمیلی نے پلٹ کر جواب دیا اور خالی گلاس ٹرے پر رکھ کر کمرے سے نکل گئی۔ اس کے جواب پر ڈاکٹر ہونٹ چباتا رہ گیا۔

"سالی بڑی منہ پھٹ ہے" ڈاکٹر کھسیانے انداز میں کرسی پر گرتے ہوئے بولا۔

"منہ پھٹ ہونے کے ساتھ ساتھ ہاتھ بھی چھوڑ بیٹھتی ہے" میں نے قدرے ترش لہجے میں کہا۔ "لہٰذا کم از کم اس وقت تو سنجیدگی اختیار کر لو۔ ہم لوگ خاصی مشکل صورتحال سے دوچار ہیں۔"

"یعنی آج رات کا پروگرام اٹل ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"ہاں — اس میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگر اس کے خلاف عذرا کی موت کے بعد اس ہسپتال کے چیف کو دو مشتبہ مریضوں کے داخلے پر مجبور کر سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ جلد ہی بن حیان کو یہاں سے منتقل کرنے کی کوشش نہ کریں۔"

"تو پھر میں چلتا ہوں" وہ ... کر اٹھ گیا۔ "ہم کوشش کریں گے کہ ٹھیک ایک بجے اس ہنگامی کارروائی شروع کر دیں اگر اس میں کوئی تاخیر ہو تو سمجھ لینا کہ کوئی ناگزیر مجبوری پیش آ گئی ہے!"

"اور اگر تم ملاقات کا وقت ختم ہونے پر واپس جانے کے بجائے میرے کمرے سے ملحق باتھ روم میں چھپ جاؤ تو کیسا رہے گا" میں نے فوری خیال کے تحت کہا۔

"تجویز معقول ہے مگر اس ہسپتال میں اس پر عمل کرنا مشکل ہے" اس نے لیڈرانہ انداز میں اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے جیب سے زرد رنگ کا ایک لفافہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے فوراً پوچھتے ہوئے اس کا جائزہ لیتے

مجھ سے سوال کیا۔ جس پر عمارت کے پس منظر میں چھپی سیاہی سے چھیالیس نمبر چھپا ہوا تھا۔

"ملاقاتیوں کے لیے اس ہسپتال میں بہت سخت انتظام ہے۔" وہ بولا "استقبالیہ کاؤنٹر والے ملاقات کا وقت شروع ہونے پر جن کسی کسی کے لیے ٹکٹ جاری کرتے ہیں زیادہ ملاقاتی نہیں چھوڑتے اور اس کارڈ کے بغیر کوئی ملاقاتی یہاں اندر نہیں گھس سکتا۔ جاتے ہوئے یہ کارڈ کاؤنٹر پر واپس دینا ہوتا ہے اگر میرا کارڈ واپس نہیں پہنچا تو ملاقات کا وقت ختم ہونے پر انہیں با آسانی پتہ چل جائے گا کہ چھیالیس نمبر کمرے میں آنے والا ایک ملاقاتی اندر ہی موجود ہے اور پھر فوراً ہی میری تلاش شروع کر دی جائے گی۔"

"یہ تو اچھا خاصا قید خانہ ہے۔" میں نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ اس ہسپتال کا چیف یہاں آنے سے پہلے جنگی قیدیوں کے کسی کیمپ کا انچارج ضرور رہا ہوگا۔"

"مجھے افسوس ہے دوست کہ میں تمہیں غلط کی صورتحال میں تنہا چھوڑ کر جا رہا ہوں۔" وہ کچھ اداس ہو گیا۔ "اگر مجھے کسی چیز کی ضرورت ہو تو تمہیں باہر بھیج کر خود ہی سب سنبھال لیتا۔"

"میں موت سے نہیں ڈرتا ڈارلنگ۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "دوسرے تم زیادہ سرعت سے کام پورا کر سکتے ہو ویسے تو میں تنہا بھی اپنا کام کر سکتا ہوں۔"

"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکلتا چلا گیا اور میں نے بستر پر دراز ہو کر نئی سگریٹ سلگا لی۔

بن حیان کے ساتھ میرے آخری معرکے کے مختلف خیالات [illegible] قریب تر آتے جا رہے تھے اور میں خود اپنے وجود میں ایک عجیب کشش سی [illegible] محسوس کر رہا تھا۔

سیکرٹ ایمل میری مکمل طور کے تحت ڈاکٹر ہیرولڈ کو پریشانی [illegible] کہ بن حیان کے دونوں محافظوں کو خواب آور دوا دینے کا ارادہ رکھتی تھی مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ [illegible] ایملی کی چال کا شکار ہو سکیں گے۔

میرا ذہن مسلسل سوچ بچار میں پڑا ہوا تھا کہ کمرے میں کسی [illegible] پر شاید سپیکر پر ایک نرم سی نسوانی آواز ابھری۔ چند منٹ تک وہ [illegible] کرنے کے بعد اس نے انگریزی میں اپنی بات دہرائی تو مجھے پتہ چلا کہ مریضوں کی عیادت کا وقت ختم ہو چکا تھا اور وہ ملاقاتیوں سے فوری طور پر واپسی کی درخواست کر رہی تھی۔

وہ اعلان ختم ہونے کے بعد میرا ذہن پچھلی رات کے واقعے میں الجھ گیا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ میں نے جو کچھ دیکھا یا محسوس کیا وہ خواب نہیں تھا بلکہ خواب آور دوا کے مخدوش اثرات کے تحت میرے جاگتے رہنے کے دوران کوئی نامعلوم شخص چوروں کی طرح بے آواز میرے کمرے میں داخل ہوا تھا اور میں نے اپنی گردن پر اس کے ہاتھ کا نامانوس لمس محسوس کر کے بے ہوش [illegible]

ہو گیا تھا۔

اس سلسلے میں جب میں نے ایملی سے دریافت کیا تو اس نے کسی بھی آمد سے صاف انکار کر دیا تھا اس کے علاوہ کوئی اور شخصیت میرے ذہن میں نہیں آ سکی تھی جس نے سلاٹر اس قدر پراسرار طریقے پر میرے کمرے میں داخل ہو کر مجھے کوئی نقصان پہنچائے بغیر واپس چلا گیا تھا کہ وہاں سے دوست سمجھ سکتا تھا اور نہ ہی دشمن!

جب میرا ذہن اس مسئلے پر غور کرتے کرتے تھک گیا تو میں نے یہ فرض کر لیا کہ میں نے عافیت سمجھی کہ رات ملاقات کا وقت کا شیلی ڈاکٹر رہا ہوگا جو شاید ضرورت سے زیادہ فرض شناس تھا اور اسی وجہ سے بے وقت معائنہ کر گیا۔ اور مجھے بلا ضرورت دیکھ کر واپس چلا گیا۔

اس مفروضے کا سہارا لینے سے مجھے کافی ذہنی سکون میسر آیا اور میں چند گھنٹوں بعد درپیش مہم کے بارے میں مقصد پر توجہ مرکوز کرنے لگا۔

زہریلی سوئیاں پھینکنے والا ہتھیار میرے پاس موجود تھا مگر مجھے یقین نہیں تھا کہ اس میں مزید سوئیاں باقی تھیں یا اس ترکش کا ذخیرہ استعمال کیا جا چکا تھا۔ ہسپتال میں داخل ہو جانے کے بعد بھی آکسیجن پمپ اور پائپ ترتیب سے ہتھیار رہا تھا۔ اس کے جواب ہونے کی صورت میں رادھرک کا لایا ہوا پستول میرے پاس فاضل رائونڈز سمیت کام آتا اور میری دعا اور الائچی کی اس سنسنی خیز معرکے میں میرا آخری ہتھیار تھا۔

رادھرک کا لایا ہوا پستول میں نہیں دیکھ سکا تھا اور نہ رادھرک نے اس کے بارے میں کچھ بتایا تھا مگر اس کے لائے ہوئے لفافے کے وزن سے میں اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ یقیناً بڑے سائز کا کوئی خوفناک پستول ہوگا۔

سرکتے سرکتے میری رسٹ واچ کی سوئیاں ساڑھے چار بجے کو چھونے لگیں اور میرے وجود پر آہستہ آہستہ اضطراب طاری ہوتا جا رہا تھا جسے چھپانے کے لیے میں نے کروٹ بدل کر لفافہ نکالا تو میری انگلیاں سرد لوہے سے ٹکرائیں اور میرا ہاتھ باہر آیا تو سیاہ رنگ کا لمبی نال والا ایک مہیب پستول میرے ہاتھ میں دبا ہوا تھا جو اس سے پہلے کبھی میری نظر سے نہیں گزرا تھا۔

پستول باہر آ جانے کے باوجود لفافے کی بناوٹ یا سائز پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ میں نے پستول اپنی قمیص کے نیچے پتلون کی بیلٹ میں اڑس لیا اور لفافے کو اس کی جگہ رکھ کر ہاتھ روم میں چلا گیا۔ تاکہ کسی کی دخل اندازی کے بغیر اس کا جائزہ لے سکوں۔

وہ جاپانی ساخت کا بہت ہی اچھا پستول تھا جو کہ اپنی بڑے مسلسل فائرنگ کے لیے بنا ہوا تھا۔ اس کا چیمبر بھرا ہوا تھا۔ اور صرف سیفٹی کیچ ہٹا کر فائر کیا جا سکتا تھا۔ جدید ساخت کے اس پستول کے سائز وغیرہ کو دیکھ کر میں اندازہ لگا چکا تھا کہ اس سے چلائی گئی گولی با آسانی دیواروں کے حصاروں سے آر پار نکل جانے کی قوت رکھتی ہوگی۔

پستول بیلٹ میں اڑس کر میں نے ہاتھ روم کا دروازہ کھولا تو کمرے میں ڈاکٹر ہیرولڈ [illegible] میرا منتظر

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ڈاکٹر ہیرولڈ ابھی [illegible] میرا منتظر

ریوالور اس کے چہرے پر مری ہوئی تھا۔ اسی دوران سیکرٹری [illegible] تیوریاں چڑھی ہوئی تھیں۔

"بے ہودگی کی صورت دیکھتے ہی میرا دماغ گھوم گیا کہ اس کے تمام فرضی سوانگ کا راز نہ کھل جائے اسے دیکھ کر نرس بھی اسی وقت آئی۔ ڈاکٹر ہیرولڈ تفصیلی معائنہ کر کے فائل میں اپنی رپورٹ درج کر چکی تھی۔ لہٰذا اس معائنے کے سلسلے میں وہ سب معمول میرے قریب بیٹھے بیٹھے کو تعجب کی بات یہ تھی کہ ٹوٹلی ٹیوب کے نیچے میری بیلٹ میں اڑسا ہوا پستول اس کی نظروں میں آ جاتا۔

میں نے ہاتھ روم کے دروازے پر ایک لمحے کے لیے ٹھٹک کر اپنی حکمت عملی کے بارے میں فیصلہ کیا اور قدم بڑھاتا ہوا بستر پر جا کر بیٹھ گیا۔

"بیٹھ جاؤ مسٹر رونی!" ایملی نے چند سیکنڈ کے توقف کے بعد کہا۔

"کس لیے؟" میں نے جارحانہ لہجے میں سوال کیا۔

"ڈاکٹر تمہارا معائنہ کریں گی۔" ایملی میری غیر متوقع جارحانہ رویے پر بولی۔

"کیا میں تمہیں مریض نظر آتا ہوں؟" میں نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے۔" ڈاکٹر ہیرولڈ ہیرمنی کو دیکھ کر تعجب سے بولی "معلوم ہوتا ہے کہ اپنڈکس کے ساتھ تمہارا دماغ بھی خراب ہو گیا ہے!"

"ہو سکتا ہے۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

"تم ... تم ....." ڈاکٹر ہیرولڈ غصے کی شدت سے کانپنے لگی۔

"اگر تم نے اسی وقت اپنی بدتمیزی پر معافی نہ مانگی تو بہت برا ہو گا۔"

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے اپنے لہجے کو برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

"آپریشن کے وقت تم ناخن کو آنت کے ساتھ میرے گردے میں سی کر بھول جاؤ گی۔"

"شٹ اپ!" وہ جھنجلائی ہوئی آواز میں چیخی اور پیر پٹختی ہوئی کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

"یہ تم نے کیا کر دیا۔" ایملی پر کھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی تھیں۔ "اب ایک ہنگامہ کھڑا کر دے گی۔"

"تو تم یہاں کیا کر رہی ہو۔" میں اس کا بازو پکڑ کر دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے بولا۔ "جلدی سے جا کر اسے سنبھالو۔ میں تو محض مذاق کر رہا تھا۔"

"میں اس سے معافی مانگ لوں گی۔ خدا کے لیے تم اس سے معافی مانگ لینا ورنہ تمہیں یہاں سے شاید ہی کوئی کرنے کے ساتھ ہی وہ مجھے بھی معطل کر دے گی۔"

"یہاں سے تم جاؤ۔ اگر بات پھیل گئی تو شاید میری معافی بھی کام نہ آ سکے۔"

ایملی تیزی کے ساتھ کمرے سے چلی گئی اور میں نے نہایت پھرتی کے ساتھ پستول سرہانے کے نیچے چھپا دیا اور آرام سے بستر پر دراز ہو گیا۔

تقریباً دس منٹ بعد ایملی واپس آئی۔ اس کے چہرے سے گھبراہٹ عیاں تھی۔

"تم نے اس کے ساتھ آج بہت زیادتی کی ہے۔ وہ اپنے دفتر میں بیٹھی آنسو بہا رہی ہے۔" اس نے قریب آ کر کہا۔

"ملاقات کے دوران میں خود جا کر اس سے معافی مانگ لوں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "بعد میں مجھے خود بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔"

"صاحب یہاں نہیں آئے گی۔ تمہیں ڈیوٹی ڈاکٹر کے پاس جانا پڑے گا۔"

"میرا دل بہت ہے" میں نے بستر پر لیٹے لیٹے جواب دیا۔ "ہو سکے تو آپ جائیں ہی ابھی ایکسٹرا وارڈ میں شفٹ ہو جاؤں۔"

"وہ چند ثانیوں تک مجھے گھورتی رہی پھر بولی "ہم تو ویسے ہی تمہیں بہت تنگ کر رہے ہیں اگر وہ یہاں آنے پر رضامند ہو گئی تو تم ہی کو جانا ہوگا۔"

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ایملی کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر ہیرولڈ کو دوسرے کمرے میں داخل ہوتے دیکھتے ہی میں بستر سے اٹھ گیا اور نہایت مہذبانہ انداز میں اس سے اپنے نامناسب رویے پر معذرت کی جسے اس نے اداس سی مسکراہٹ کے ساتھ قبول کر لیا۔ میں نے اسے بتایا کہ تکلیف کے باعث میں نے ذہنی توازن کھو دیا تھا اور وہ میرے لیے میری مجبوری بن گئی تھی۔

معافی تلافی کے بعد ہیرولڈ خاصی دیر تک میرے پاس بیٹھی رہی اور اس نے نہایت توجہ سے میرا معائنہ کیا وہ میرے کمرے میں بیٹھی تو اس کی آنکھوں میں دلچسپی کی چمک ابھر آئی۔ اور ایک کا سر ابھی سرخ ہو رہا تھا گویا جانے ہو کہ اس کے بعد سے وہ خود اتنا دور نہیں جا سکی۔ ایمل اس کے پیچھے جانے کی کوشش کرتی رہی اور بین بیٹھ کر بولنے کی بجائے ایک نگاہ میں حادثہ وقوع پذیر ہوتے ہوئے لگتا تھا۔

مجھے امید تھی کہ ایملی بہت جلد واپس آ جائے گی مگر وہ ناکامی اور مایوسی کے ساتھ چلی گئی تو میں نے اپنی تیاری شروع کر دی۔

ملاقاتیوں کا وقت قریب آتا جا رہا تھا میری تشویش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ جس بات پر میں نے غور نہیں کیا تھا وہ یہ تھی کہ میں بن حیان کا کمرہ نہیں دیکھا تھا صرف اس کا نمبر معلوم تھا۔ اور ہسپتال میں مکمل اندھیرا چھا جانے کے بعد کسی کمرے کا نمبر پڑھنا ممکن نہیں تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ اندھیرا ہوتے ہی مجھے لیڈی لیتھک کے سٹور کے قریب پہنچنا تھا اور پھر وہاں سے وقت کے ساتھ ساتھ ہی پیچھے رہتے ہوئے میں گھسنا تھا۔ میرا پلان تمام کرنے کے لیے ایک رکاوٹ سے تعلق تھا۔

اور پھر ایک نئے اندیشے نے مجھے مضطرب کر دیا۔ اگر لیڈی لیتھک کا تالا بند ہوا تو میرے آخری حربے کے لیے کوئی اور راستہ تلاش کرنے کی صورت میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ثابت ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اگر میں اسٹور کی عمارت سے پہلے باہر نکلنے پر میرے لیے آسانی کرتا اور اسٹور کا محفوظ ہونا ثابت ہوتا تو میری منزل پر پہنچ کر میرے کمرے سے باہر جانے کا مطلب ہی کچھ

بن حیان کے ہاتھوں پر گرفت جمی رہے تھے۔

ایلی نے گزشتہ سے پیوستہ راتوں کی طرح کے مریض کو دوا میں خواب آور دوا کی آمیزش کر کے پیش کرنے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا مگر میں اس پر زیادہ انحصار نہیں کر سکتا تھا۔ ڈاکٹر لیونارڈ کے ساتھ میری غیر متوقع ملاقات کے بعد اس کے لیے ایلی کا وجود پہلے سے پرخطر ہو گیا تھا اور مجھے اندیشہ تھا کہ ایلی اس کی ذہنی پراگندگی پر رحم کھا کر اپنا منصوبہ ترک کر دے گی میں نے اس مرحلے پر پہلے ایلی کی مستعدی کی جو مدد لی تھی وہ اسے شبہ کا موقع دیئے بغیر ہی اس سے باتوں باتوں میں کر سکا مجھے کوئی دقت محسوس نہیں ہوئی۔

میں نے ایلی کے جانے کا انتظار کیا پھر جیسے ہی گھنٹی کے بٹن کی طرف ہاتھ بڑھایا ہسپتال کی عمارت ایک جھٹکے سے لرز اٹھی اور جھٹکے کے ساتھ ہی پھر اندھیرا ہو گیا بجلی چلی گئی۔

میں نے بجلی کی سی سرعت سے بستر چھوڑ دیا اور اندھیرے ہی میں ٹٹول کر تکیے میں سے پستول نکال لیا پھر تکیے کے نیچے سے سگریٹ کے خالی پیکٹوں میں چھپے ہوئے فاسفل راؤنڈ نکالے جو ان زہریلے تیر پھینکنے والے ہتھیار جیبوں میں ڈال کر باہر راہداری میں نکل آیا۔ باہر گھپ تاریکی میں لوگوں کی چیخ پکار تھی اور فضا میں بہت سی خوفزدہ آوازیں گونج رہی تھیں۔

تاریکی میں حرکت کرتے ہوئے تا کہ کوئی مجھے روشنی میں نہ دیکھ سکے میں نے دیکھا کہ اپنے کمرے کے سامنے ہی پہرے دار کھڑا تھا میں اسے بے خبری میں غنودگی طاری کرنے والے مطلب اخذ کر سکا کیونکہ وہ سب ہی انگریزی کے علاوہ دوسری یورپی زبانیں استعمال کر رہے تھے۔

میں باہر کے حالات سے مطلق بے خبر تھا مگر مجھے یہ اندازہ ضرور تھا کہ عبداللہ یا اس کے ساتھیوں نے کسی ماہر مجرم کی خدمات حاصل کی ہوں گی اور مقررہ وقت سے چند منٹ پہلے ہی کسی بلاسٹ سے بجلی کی سپلائی منقطع کر کے جنگامی طور پر بجلی کی متبادل فراہمی کے ذرائع کو ناکارہ بنا دیا گیا تھا۔

میں نے اپنے دائیں جانب چند سیکنڈ کے جائزے کے بعد اپنی جگہ چھوڑی اور تیزی کے ساتھ لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا راہداری کے آخری سرے کی طرف بڑھنے لگا۔

ہسپتال کے عملے کو اپنے برقی نظام پر نازاں اعتماد تھا کیونکہ وہ کبھی اس صورتحال کا شکار نہیں ہوئے تھے لیکن کئی مقامات پر لوگ ٹارچیں یا لالٹینیں روشن کر کے قریب ہونے کا جائزہ لیتے اور پھر خود بھی وہیں کھڑے رہ جاتے تا بیشتر مریض اپنے کمروں سے باہر نکل آئے تھے اور وارڈ کے اسٹاف کے کمرے کے سامنے بھی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔

میں اچانک ایک ٹارچ کی روشنی سے اپنا چہرہ بچاتا ہوا دیوار کی اوٹ میں ہو گیا وارڈ کے کمرے کے سامنے سے ہو کر گزرا اس وقت میں نے ایک ٹارچ کی پتلی سی روشنی کو گردش کرتے دیکھا جو شاید ڈاکٹر کے تصرف میں رہتی تھی۔

راہداری میں بہت گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا مگر اس نصف منٹ

اور ورنیا ٹریزر کا فرق صاف نظر آ رہا تھا۔

راہداری کے اختتام پر میں واپس پلٹا اور اپنے ہاتھ پر تیزی سے روشنی سے ہٹ کر تاریکی میں ایک سگریٹ سلگانے لگا۔

ماچس کے شعلے کی روشنی میں میں نے دیکھا کہ پچھلے دونوں دروازے بند تھے جن پر نمبر لکھے ہوئے تھے جس کا مطلب تھا کہ اس سمت کا آخری دروازہ کسی اسٹور وغیرہ کا تھا۔

تین نمبر کا دروازہ بند تھا اور وہاں باہر کوئی موجود نہیں تھا۔ سگریٹ سلگانے کے اس مختصر سے وقفے میں میں پانچویں اور ساتویں کمرے کا بھی جائزہ لے چکا تھا جو دونوں ہی بند اور ویران پڑے ہوئے تھے۔

سگریٹ سلگا کر میں نے ماچس کی تیلی بجھائی اور سگریٹ کو فرش پر پھینک کر ایڑی سے مسل دیا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ سگریٹ کے سلگتے ہوئے سرے کی بنا پر دور سے کوئی میری نقل و حرکت کا اندازہ کر سکے۔

میں پلک کر پانچویں کمرے کے دروازے پر پہنچا اور اندر کی سن گن لیتے ہوئے زہریلے تیر پھینکنے والا ہتھیار دائیں ہاتھ میں لے لیا اور پستول جیب میں اس طرح رکھ لیا کہ ضرورت پڑتے ہی اسے فوراً نکال سکوں۔

اس کمرے میں بھی گہرا اندھیرا تھا میں نے دروازے کے ہینڈل پر زور دے کر اسے گھمایا اور پٹ کی اندرونی جانب سے تیزی کے ساتھ کمرے میں داخل ہو گیا دروازہ بند کرنے سے قبل میں نے وحشیانہ انداز میں پورے کمرے کا جائزہ لیا اور پھر شدید حیرت کے عالم میں دروازہ بند کر دیا۔

میں نے دیا سلائی جلا کر پورے کمرے کا جائزہ لیا لیکن وہاں کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔ مسہری کا بستر کھلا ہوا تھا لیکن بستر تیار نظر آ رہا تھا اس میں اس سے پہلے بھی یہاں کوئی موجود نہیں تھا۔

اس کمرے کی صورتحال واضح ہوتے ہی میں وہاں سے پلٹ گیا بن حیان میری آمد سے پہلے ہی نہ جانے کہاں غائب ہو چکا تھا۔

بستر کی حالت سے سب کچھ واضح تھا پھر بھی میں نے اپنے اطمینان کی خاطر قدم قدم پر سب کچھ ٹٹولا لیکن مکمل مایوسی کا ہی سامنا کرنا پڑا۔

اگر بن حیان اس ہسپتال سے جا چکا تھا تو اس کمرے کے برابر میں آنے والے دونوں پراسرار مریضوں کو بھی غائب ہونا چاہیے تھا اور اگر وہ موجود تھے تو بن حیان بھی اسی ہسپتال کے کسی محفوظ گوشے میں منتقل کیا جا چکا تھا۔

اس کمرے کا بستر خالی تھا اگر میں یہ فرض کر لیتا کہ بن حیان نازک صورتحال کے باوجود دشمنوں کی پرواہ کیے بغیر اپنے کمرے سے نکل گیا تھا یا اس کی رہائش گاہ تک پہنچ گیا تھا تو بھی اس کا بستر خود کو محفوظ رکھنے کی خاطر کمرے کے ماحول کو اس طرح غیر منظم کر دیا تھا۔

میں تیزی سے کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس وقت مجھے پہلی بار ایک ایک

روشن تھا۔ ہسپتال کے خلفشار کی صورتحال کا اندازہ لگاتے ہی بجلی کے بحال ہونے کی صورت میں ذرائع بند کر لینے تھے اور مجھے ہر قیمت پر اپنا کام اندھیرے ہی میں ختم کرنا تھا۔

باہر نکل کر میں نے برابر والے تین نمبر کمرے پر طبع آزمائی کی کوشش کا آغاز کر دیا۔ جب بند دروازے سے کان لگانے کے باوجود مجھے اندر حرکت کا ہولناک سناٹا محسوس ہوا تو میں نے دروازے کے ہینڈل کو گھمایا اور پھر حیرت ناک طور پر دروازہ خود بخود کھل گیا۔ میری حیرت اس وقت دو چند ہو گئی جب کھلتے ہی دروازے میں سے اندھیرے میں ایک ہاتھ تیزی سے باہر آیا اور پھر میرا گریبان پکڑ کر مجھے نہایت بے رحمی سے اندر گھسیٹ لیا گیا۔

وہ جو کوئی بھی تھا کسی سانڈ جیسی وحشیانہ قوت کا مالک تھا اور غالباً اندھیرا ہونے کے سبب سے ہی اندر دروازے کے پاس کھڑا کسی ان چاہے مہمان کا منتظر تھا۔

اس نے مجھے اندر کھینچ کر بے دردی سے دیوار سے ٹکرا دیا پھر ایک تیز ٹارچ کی روشنی میری آنکھوں میں ڈالی اور میرا جائزہ لینے لگا اسی وقت میری نظر اس شخص پر پڑی جو ایک طرف ایک بستر پر دراز ایک مریض پر جھکا ہوا تھا۔

ٹارچ کی روشنی کا دائرہ حرکت کرتے ہی میں نے دیکھا کہ بستر پر لیٹا ہوا مریض ہلکی ہلکی آہیں بھر رہا تھا اور اسی اثنا میں کمرے کی خاص جزئیات کا جائزہ لے چکا تھا۔

بستر پر پڑا ہوا شخص بالکل بے حس و حرکت تھا جیسے گہری نیند کی کیفیت میں ہو اس کی حالت میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا تھا اس کے سرہانے ایک چھوٹی سی آہنی اسٹینڈ سے گلوکوز کی تھیلی لٹکی ہوئی تھی جس سے نکلنے والی پتلی سی نلکی مریض کے بازو میں پیوست تھی اور شاید غیر متعلق شخص کی نظروں سے بچانے کی خاطر نیچے اسی ٹی کا جائزہ لے رہا تھا کہ ناگہانی طور پر میں اس کمرے کے وسط میں پھینک دیا گیا۔

میں فرش پر گرتے ہی اچھل کر سنبھلا۔ اس وقت ٹارچ والا دروازہ بند کرنے کے بعد میرے سر پر پہنچ چکا تھا۔

وہ فربہ مگر مجھ سے زیادہ پھرتیلا تھا اور اپنی قوت اور جسامت کے باعث ہی میرے دائیں ہاتھ کو جکڑ کر مجھ پر چھا جانا چاہتا تھا اور اس کی یہ کوشش کامیاب ہو گئی۔ ایک خفیف سی سنسناہٹ ہوئی اور وہ شخص اپنے غضب ناک غراہٹ کے ساتھ فرش پر جھکتا چلا گیا۔

ٹارچ والا حیرت سے گنگ ہو گیا اور اب تک کے واقعات کو سمجھ بھی نہیں سکا تھا کیونکہ اس نے ہی مجھے ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا تھا۔

اس کی ٹارچ کی روشنی مسلسل مجھ پر مرکوز تھی اور اس بات کا امکان تھا کہ مجھے حکم عدولی پر آمادہ پا کر وہ فوراً ہی فائر کر دیتا لہٰذا میں نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کر دیئے۔

"اپنے ہاتھ میں جو کچھ ہے اسے نیچے پھینک دو۔ ورنہ میرا پستول تمہیں جہنم رسید کر دے گا۔" اس نے اٹکتی ہوئی انگریزی میں کہا اور اس کے لہجے سے مجھے یہ سمجھنے میں دشواری نہیں ہوئی کہ وہ کوئی غیر ملکی تھا۔

"یہ میری دوائی کی شیشی ہے۔" میں نے نحیف آواز میں کہا۔ "میں اندھیرے کے باعث غلطی سے اسے اپنا کمرہ سمجھ بیٹھا تھا۔"

"اس کی تلاشی لو جوزیل۔" اس نے کہا۔

دوسری طرف سکوت طاری رہا اور میں سانس روکے ٹارچ والے کے ردعمل کا انتظار کرتا رہا۔ جوزیل مجھ پر جھک گیا لیکن شاید ٹارچ والے نے اسے دیکھ لیا تھا اور وہ بھی بیک وقت کا شکار ہو گیا تھا کہ شاید ٹارچ والا اسے اندھیرے میں نہیں دیکھ سکا تھا۔

"تم کہاں مر گئے جوزیل؟" اعصاب شکن سکوت سے وحشت زدہ ہو کر اس نے غصے سے بھری ہوئی آواز میں پکارا اور اس کے ساتھ ہی ٹارچ کی روشنی میرے چہرے سے ہٹ کر جوزیل کی تلاش میں کمرے میں بھٹکنے لگی۔

اسی وقت ہسپتال کے باہر کا پرسکوت فضا سب متعلقین کے ہولناک شور سے لرز اٹھی اور میں نے اسی روشنی کی زد سے محفوظ ہوتے ہی ٹارچ والے کی طرف زہریلی سوئی پھینکی جو اس کے زخمی ہونے کے باعث اس کے سینے پر جا لگی اور وہ چیخ کر کہیں گر گیا۔

ہسپتال کے احاطے میں خونریز فائرنگ کے آغاز سے ہسپتال کا اندرونی ماحول بری طرح متاثر ہوا تھا۔ راہداریوں میں وحشت زدہ آوازیں ابھرنے لگی تھیں۔ میں اپنی جگہ سے ذرا بھی جنبش کرتا تو ٹارچ والا جو کسی صورت میری طرف بھی متوجہ تھا گولی کا نشانہ بنا دیتا لہٰذا میں جو کچھ کرنا تھا اپنی جگہ چھوڑے بغیر کرنا تھا۔

میں نے پھرتی سے جھک کر ٹارچ اٹھا لی اور اپنا پستول نکال لیا اس کا سیفٹی کیچ ہٹا رہا تھا کہ ٹارچ والے نے فرش پر پڑے ہوئے جوزیل کا بے حس و حرکت جسم دریافت کر لیا۔

"اسے کیا ہوا.........؟"

ٹارچ والے کو جوزیل کی موت پر حیرت کا اظہار کا پورا موقع نہ مل سکا اور اس کا فقرہ مکمل ہونے سے قبل ہی میری چلائی ہوئی گولی اس کے جسم کے کسی حصے کو چاٹ گئی۔

وہ چیخ مار کر بری طرح اچھلا اور ٹارچ اس کے ہاتھ سے فرش پر گر کر بند ہو گئی۔ میں نے فرش پر لیٹ کر تیزی سے ایک طرف کو لڑھکنا شروع کر دیا کیونکہ زخمی ہونے والے نے اندھا دھند فائرنگ کر کے دو تین گولیاں اندھیرے میں چلا دیں۔ جھٹکے کی آواز کے ساتھ تاریکی میں ایک چیخ ابھری اور وہ بے سدھ ہو گیا۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر جوزیل کے بال پکڑے اور اسے بھی گھسیٹ کر ایک طرف کر لیا۔ میں سنسنی کے عالم میں باقی ماندہ پستول سے گولیاں برساتا رہا

تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دھڑکا لگا ہوا تھا کہ زبیدہ کی بیٹا جیسے ہی مرنے والے
اس کمرے پہ دھاوا بول دیں گے۔

ہوٹل کی دائیں جانب سے جس امید پر گیلری میں گھسا تھا وہ بیٹھی ہی ناکام ثابت ہو گئی اور میں نے اس کے پاس ہی باہر شیڈ سے آواز دیوار سے نکال لیا۔

میرا اصل شکار بن حیان بے جان بستر پر پڑا ہوا تھا۔ اسے بغیر پہچانے ہی اور اس کے کمرے میں ایک خونریز معرکہ چھڑ چکا تھا۔ اس کا ایک جاں نثار اس کی حفاظت کرتے ہوئے بجز موت جاں بحق ہو چکا تھا اور دوسرا زخمی ہونے کے باوجود جنگ لڑ رہا تھا۔

میں نے بن حیان کے بستر کا نشانہ لے کر بے تحاشا فائر کر دیا۔ میں کسی بھی طرح اس بات سے قبل اپنا اصل شکار ختم کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ بے حسی کے بعد اپنی نجات کی راہ تلاش کر سکوں۔

میری گولی بستر کی طرف جا رہی تھی۔ مگر وقت نے پیچھا کیا۔ میں نے دوبارہ فائر کیا اور اس بار میں نے تاریکی کے باوجود بستر پر پڑے ہوئے بے حس جسم کو کراہ کر اچھلتے دیکھا اور میرا حوصلہ بلند ہو گیا۔

باہر کے محاذ پر پہلی گولی چلتے ہی فائرنگ کا رکنے والا طوفان شروع ہو چکا تھا۔ ان دھماکوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ دونوں جانب جدید آتشیں اسلحہ استعمال کیے جا رہے تھے اور دونوں ہی فریقوں پر خون سوار تھا چونکہ دونوں فریق ہی پرواہ کیے بغیر اندھا دھند اپنا اسلحہ برباد کیے جا رہے تھے۔

باہر سے ابھرنے والے اس ہلاکت خیز شور میں بستر پر بن حیان کا تڑپتا اور سسکتا ہوا آہنی ہیولا بہت خوشنما نظر آ رہا تھا۔ ملبے آگیا کہ زخمی دیکھ کر اس کے زندہ بچ جانے والے محافظ پر جنون طاری ہو گیا اور اس نے جیسے ہی اپنا ہاتھ ریوالور کی طرف بڑھایا میں نے بجلی کی تیزی سے تین فائر کر ڈالے جو سب ہی خطا ہو گئے۔

جوتھا فائر کرنے کے بعد وہ میری نظر میں آ گیا اور میں نے ایک ہلکی سی غراہٹ سنی جیسے وہ زخمی ہو گیا ہو۔ وہ سرک کر مسہری کی اوٹ سے باہر آ گیا اور پیٹ کے بل فرش پر پہنچ چکا اس نے پانچواں فائر کیا اور اسی کے ساتھ میری چلائی ہوئی گولی اس کے سینے میں سے آر پار ہو گئی۔

وہ جان لیوا زخم کھا کر اس کا پورا بدن فرش سے کئی فٹ اوپر اچھلا اور نیچے گر کر تڑپنے لگا اور میں اپنی کمین گاہ سے باہر نکل آیا۔

صحرائے عرب میں الوفا کے ریپ میں مجھ سے ملنے والا . . .
اب امیر بیچ کا بستر پر پڑا غفلت اور بے ہوشی کے عالم میں کراہ رہا تھا۔

دیا سلائی کی روشنی میں میں نے اس کا جائزہ لیا اور بسترِ مرگ پر پڑا وہ شعلہ بن حیان کے نام سے آپ کو یاد رکھنے والا وہ شخص صحراؤں کا تاجر کہلاتا تھا۔ مگر اس وقت وہ بسترِ مرگ پر قدرت کا تاجر ہو رہا تھا۔

میری گولی نے اس کی دائیں ران بری طرح ادھیڑ دی تھی جب کہ بائیں ران میں آنتوں کی گولی سے آنے والے زخم کے باعث اس کا تقریباً پورا چہرہ پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا۔ ران پر زخم کھا کر جھٹکنے کے باعث اس کی شریانوں میں خون پہنچانے والی موٹی کلائی سے نکل کر اس کی پسلیوں میں پیوست ہو گئی تھی۔ اور شاید اس عمل میں کلائی کی شریان بھی پھٹ گئی تھی جبکہ کر سفید بستر اس کی کلائی اور ٹوٹ پھوٹ سے بہنے والے خون میں تر ہو رہا تھا۔

تنفس کے نظام میں کسی نقص کے باعث بن حیان کی ناک میں آکسیجن کی نلکی بھی لگائی گئی ہوگی کیونکہ اس کا سر ناک سے نکل کر اس کے سینے پر پڑا ہوا تھا۔ آکسیجن کی ناکافی مقدار اور جسم سے خون کے بھاری اخراج کے سبب اس کے جسم پر تشنج کی سی کیفیت طاری ہو رہی تھی اور صاف نظر آ رہا تھا کہ کلائی کی شریان پھٹ جانے کی وجہ سے اس کے جسم سے اس قدر خون بہہ چکا تھا کہ کوئی معجزہ ہی اسے زندگی بخش سکتا تھا۔ مگر میں اس خبیث آسیب کے معاملے میں کوئی خفیف ترین خطرہ بھی مول لینے کو تیار نہیں تھا۔ میں نے اس کی گردن کا نشانہ لے کر ایک نہر میں ڈوبی ہوئی فائر کیا اور پھر ارتعاش کے بعد اس کے جسم کو یک بیک قرار آ گیا۔

ادھورے فائر کے بعد میں نے اس کا جائزہ لیا تو وہ مر چکا تھا۔ میرا مشن مکمل ہو چکا تھا۔ چند منٹ کا وقفہ معلوم ہوتا تھا جس کے بعد میرے سامنے اپنی موت کی طرف سے پوری طرح آزاد ہو چکا تھا۔ اس کمرے میں ایک فائر کے بعد باہر والوں کو اس طرف متوجہ کر دیا تھا اور وہ لگ گئے تھے اپنی جانوں کے خوف سے آگے نہیں بڑھ رہے تھے۔ مگر اس کے باوجود میں عمارت سے باہر نکلنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

ہسپتال میں بن حیان کے قتل کا معاملہ میری توقع سے کہیں زیادہ بے چیدہ ہو چکا تھا اور میں تین لاشوں کے ساتھ اس کمرے میں زیادہ دیر تک اپنی آزادی کو محفوظ نہیں کر سکتا تھا۔ جس کے نتیجے میں میری زندگی کا بیشتر حصہ فرانس کی کسی جیل خانے میں گزرتا۔

میں نے مڑ کر کمرے کی عقبی دیوار میں لگی ہوئی کھڑکی کھولی۔ کھڑکی کھلتے ہی باہر سے آنے والا فائرنگ کا شور تیز ہو گیا اور جب میں نے باہر جھانکا تو پتہ چلا کہ سارا معرکہ تاریک احاطے کے اسی رخ پر جاری تھا۔ تاریکی میں مختلف سمتوں سے شعلے نکلتے دکھائی دے رہے تھے اور فی الحال اس ہنگامے کے اختتام کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔

سوئم منزل کی اس کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے جس چیز نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرائی وہ باہر کی فائرنگ سے زیادہ اہم تھی۔ کھڑکی سے تقریباً تین فٹ نیچے ڈیڑھ فٹ چوڑا چھجا آگے بڑھا ہوا تھا جو عمارت کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا ہوا تھا اور اس پر با آسانی دوڑ لگائی جا سکتی تھی۔ میں وقت ضائع کیے بغیر کھڑکی سے اس چھجے پر اتر گیا اور کھڑکی کے پٹ دوبارہ اسی طرح بند کر دیے

کہ تیسری منزل کے کمرے میں داخل ہونے والوں کو فوری طور پر اور شبہ نہ ہو۔ کچھ دور کھڑکی سے گزر کر میرے جسم پر موجود ناکافی لباس سے گزر کر میری ہڈیوں تک پہنچ رہی تھیں اور میں مسلسل اس نازک فرض کی تیاری کو وقتی طور پر اس سمت میں بڑھ رہا تھا جو کھڑکی کی سے گزر کر میں عمارت کے ایسے مقام پر نکل سکتا تھا جہاں سے میرا فرار قریب ہوتا۔

اس سے قبل ایک مرتبہ میں ٹیکر کی چوٹی کی مہم میں ہم بیٹھے ہیں ایسی ہی صورت حال سے دوچار ہو چکا تھا۔ اور دونوں ہی کھڑکی کے نیچے بنا ہوا چھجا میرے کام آیا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہاں میں اپنے جاگتے ہوئے دشمن کا پیچھا کرنے کے لیے کھڑکی سے اترا تھا۔ اور اس بار میں اپنے تین دشمنوں پر برتری حاصل کرنے کے بعد فرار اختیار کر رہا تھا۔

فرانس میں بڑی عمارات کی کھڑکیوں کے نیچے بنائے جانے والے ان چھجوں پہ مجھے دوڑ کر جانا آ رہا تھا۔ جو سردی یا برف سے کام آتے ہیں۔ میں یہی سب سوچتا ہوا سنبھل سنبھل کر آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک ایک جگہ میرے پیر کسی چیز سے ٹکرائے اور میں نے جھک کر ان اشیاء کا جائزہ لیا تو بے اختیار میرے منہ سے ایک طویل سانس آزاد ہو گیا۔

وہ شیشے کی صفائی اور کھڑکیوں کی مرمت کے آلات تھے۔ ہسپتال کا عملہ ایک کمرے سے اس طرف اتر کر بغیر لفٹ کے آرام سے زیادہ عمل دخل کیے بغیر پوری عمارت کے کھڑکیوں پر با آسانی کام کر سکتا تھا اور اونچی عمارات میں اس نظام کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

ہسپتال میں انتظامیہ نے اس وقت تک یقیناً ہنگامی حالت نافذ کر دی تھی۔ اور میری رسٹ واچ کے منٹ ڈائل پر سوئیاں بتا رہی تھیں کہ ہنگامے کا اعلان ہوئے کتنی دیر ہو چکی تھی۔ یعنی کارروائی کے آغاز کے لیے جو وقت طے پایا تھا اس وقت تک اس کام پورا ہو چکا تھا۔

میں بس بڑھتا رہا اور آخری کھڑکی کے قریب پہنچ کر رک گیا اور اس کی قریب جیسے ہی میں آگے بڑھنے والا تھا فائرنگ یک بیک رک گئی اور پیچھے کہرا اور گہرا سناٹا چھا گیا۔ میں نے دیکھا کہ باہر بھی سٹیٹ لانچ بن گئی تھیں جیسے ختم ہو چکے ہوں۔ یہ خاموشی خطرے کی علامت تھی لہٰذا میں نے فوری طور پر اس آخری کھڑکی کا شیشہ توڑا اور اندر نکل گیا۔

شیشہ توڑ کر میں نہایت آسانی سے چٹخنی کھول سکتا تھا مگر شیشے کے ٹوٹنے سے جو شور ہوتا تھا وہ کسی کو اس طرف متوجہ کر سکتا تھا۔ ایک موہوم سی امید یہی تھی کہ تاریکی اور فائرنگ کے باعث اس وقت تمام افراد محفوظ ٹھکانوں کی طرف بھاگ چکے ہوں گے اور کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوگا۔ اگر ایسا ہوتا اور وہ آخری کمرہ بھی خالی مل جاتا تو میں کسی کی نظروں میں آئے بغیر اس کمرے میں پہنچ سکتا تھا۔

شاید میں نے پستول کی نالی سے کھڑکی کا شیشہ توڑا اور مجھے کامیابی ملی۔ جیسے ہی میں نے کھڑکی کی چٹخنی کھولی، میں نے اندر کے کمرے میں کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی اور کمرے میں ٹارچ کی روشنی گردش کرنے لگی۔

کوئی ہلچل نہ ہوا تو میں نے ہاتھ ڈال کر چٹخنی کھول دی اور نہایت اطمینان سے کمرے میں اتر گیا۔

کھڑکی بند کرنے سے قبل میں نے بستر کی طرف دیکھا جو خالی پڑا ہوا تھا۔ میرے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ میں نے تیزی سے کھڑکی بند کی اور دیوار کو ٹٹول کر تاریک راہداری میں نکل گیا۔

میری توقع کے عین مطابق پوری راہداری ویران پڑی ہوئی تھی اور سب لوگ اور عملہ اپنے اپنے کمروں میں چھپے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے طور پر روشنی کا بندوبست کر لیا تھا جو ناکافی ہونے کے باوجود غنیمت تھی۔

اپنے کمرے کی طرف بڑھتے بڑھتے مجھے اپنے اسلحے کا خیال آیا اور میں واپس اوپر گیا۔ دوبارہ اسی کمرے میں گھس گیا جس کے غسل خانے میں رائفل بھی چھپا آیا تھا۔ میں نے دوبارہ داخلے پر کمرے میں پانی کی دھک سنائی دی جسے میں نے اپنا وہم سمجھا۔ وقت نہیں دیا کیونکہ بستر اب بھی خالی پڑا ہوا تھا۔ کھڑکی کے قریب آکر میں نے ٹوٹے ہوئے شیشے میں سے ہی ایک جگہ سے چاقو اپنا پستول اور جو پستول حاصل کیا تھا سب کچھ فضا میں اچھال دیا۔

کمرے کے سب ہی جگہوں کا پستول چلا رہا ہوگا اور وہ اس کی گرفت میں نہیں ہوگا۔ میں جانتا تھا کہ اسے گرنے کی آواز بہت ہولناک تھی۔ ان ہتھیاروں سے نجات حاصل کر کے میں کسی پریشانی سے دوچار ہوئے بغیر اپنے کمرے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

کمرے میں پہنچنے کے بعد میں نے پہلے جلدی سے ڈریسنگ گاؤن کا بٹن کھول ڈالا تاکہ تفتیش کے دوران کسی کو مجھ پر شک نہ ہو سکے اور اس کے بعد میں نہایت سکون کے ساتھ بستر پر دراز ہو گیا۔

پھر مجھے خیال آیا کہ ایسے پر خطر حالات میں بیماروں کو کمرے میں پڑے رہنا بھی نامناسب ہے۔ لہٰذا میں بھی لنگڑاتے ہوئے کمرے سے نکلا اور مریضوں کے ساتھ مریضوں و عملے کی پریشان بھیڑ میں شامل ہو گیا۔

وہاں تک پہنچنے میں جتنی دیر لگی، اس میں تبدیلیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ جن کی بدولت ان دو روشنیوں میں بھی کوئی شخص بیڈ روم سے کم نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہاں پہنچنے کے چند ہی لمحوں کے بعد مجھے ایلی نظر آئی جس کا چہرہ خوف سے زرد پڑا ہوا تھا اور آنکھوں میں بے یقینی چھائی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی ایلی تیر کی طرح میری طرف آئی اور کانپتی ہوئی آواز میں پوچھنے لگی۔ ”تم کہاں غائب تھے تم ٹھیک ہو؟“

میرا دل اچانک کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔ میں نے کنکھیوں سے آس پاس کا جائزہ لیا مگر ایلی پر کوئی بھی متوجہ نہیں تھا۔ ”میں خود تمہیں تلاش کر رہا تھا۔“ میں نے اس کا بازو تھام کر اسے بھیڑ سے باہر لے جاتے ہوئے کہا ”تم تو بری طرح سہمی ہوئی ہو۔“

"تم یہ کہتے ہو؟" وہ مجھ سے باہر آ کر دھاڑتے لہجے میں بولی۔
"ان تینوں میں سے کسی کمرے میں سے فائر اور چیخنا سنی گئی۔۔۔۔"
"وہ سب میں نے بھی سنا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔
"آخر تم لوگوں میں سے کوئی ان کمروں میں جاتا کیوں نہیں ہے؟"
"وہ تینوں کمرے جانے سے منع ہیں۔ ملازموں میں سے کوئی ادھر جانے کے لئے تیار نہیں اور ڈاکٹر لیونارڈ تو فائر کی آواز سنتے ہی بے ہوش ہو گئی تھی۔۔۔۔۔ میں تمہیں اس لئے تلاش کر رہی تھی۔ ذرا تم بھی کچھ ہمت کرو۔"
"میں پاگل نہیں ہوں ایملی۔۔۔ اگر وہاں سے پڑھنگ کے نیچے میں میری کھوپڑی میں چلا ہوا سیسہ اتار دیا گیا تو مجھے پہچاننے کی بھی مہلت نہ مل سکے گی۔"
"تمہیں سامنے پا کر میری ہمت بندھی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کہاں تھے؟" اس نے ایک مرتبہ پھر وہی احمقانہ سوال کر ڈالا۔
"جس وقت فائر ہوا میں وہیں موجود تھا۔"
"اور اس کے بعد؟"
"اس کے بعد کمرے میں آ گیا تھا۔"
"غلط۔ اس کے بعد تین مرتبہ تو میں تمہارے کمرے کے چکر لگا چکی ہوں۔" شاید وہ مجھے جھوٹا ثابت کرنے پر تلی ہوئی تھی۔
"ہوش کے ناخن لو ایملی۔" میں نے شفقت سے چومتے ہوئے کہا۔ "اگر کوئی اس وقت ہم پر لپکے تو میں بھلا کہاں جاتا؟ میں کمزور دل انسان ہوں۔ فائر کی آواز نے میرے اوسان خراب کر دیئے تھے اور میں باتھ روم میں تھا۔"
"اوہ! وہ میں دیکھنا بھول گئی تھی۔" اس نے فوراً ہی میری بات پر یقین کر لیا۔ "تمہیں اندازہ ہے کہ فائر کس کمرے میں ہوا تھا؟"
"ان ہی تینوں میں سے کوئی کمرہ تھا مگر مجھے زیادہ فکر باہر کی فائرنگ کی ہے۔" میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔
"باہر سے آنے والی آوازیں تو اب بند ہو گئیں نا؟"
"یہی پریشانی کی بات ہے ایملی ڈارلنگ۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "ایسا نہ ہو کہ وہ سب ایک دوسرے کا پیچھا کرتے اسی طرف پہنچ جائیں۔"
"نہیں۔۔۔ مجھے خوفزدہ مت کرو۔" وہ سہم کر بولی۔ "اگر وہ سب یہاں آ گئے تو ہم میں سے شاید کوئی نہ بچ سکے گا۔"
"باہر کے حالات مخدوش ہیں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس وقت کمرے میں رہنا ہی بہتر ہے ورنہ بلا وجہ پولیس کے چکر میں وقت برباد ہو گا۔"
"پتہ نہیں اس بند کمرے میں کیا ہوا ہو گا؟" وہ میرے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بڑبڑائی۔
"ہو سکتا ہے کہ آپس ہی میں لڑ پڑے ہوں۔" میں نے کہا۔
"اگر وہ آپس میں لڑتے ہیں تو باہر ہونے والی فائرنگ کو تم کیا کہو گے؟" اس نے بستر کے ساتھ صوفے پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔
"مجھے کچھ نہیں معلوم۔" میں نے منہ چڑھاتے لہجے میں کہا۔ "اگر مجھے کسی اور شفٹ پر منتقل نہ کیا گیا تو میں آپریشن کے بغیر ہی یہاں سے بھاگ نکلوں گا۔"
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ میری تائید کرتے ہوئے بولی۔ "اگر ان تینوں مریضوں کو یہاں سے نہ نکالا گیا تو عملہ ڈیوٹی سے انکار کر دے گا۔"
"یہ بجلی کو اچانک کیا ہو گیا؟"
"ہسپتال کی برقی خرابی کے ساتھ ہی ایمرجنسی جنریٹر بھی بند کر دیا گیا ہے۔ اب کسی متبادل جنریٹر کی آمد پر ہی روشنی بحال ہو سکے گی۔"
"بجلی کا سلسلہ منقطع ہونے سے کئی مریض تو موت اور زیست کی کشمکش میں مبتلا ہو گئے ہوں گے؟" میں نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا۔
"یہ بھی خدا کا شکر ہے کہ اس وقت کوئی آپریشن نہیں ہو رہا تھا ورنہ واقعی مشکل پیدا ہو جاتی۔" اس نے یہ کہہ کر میرے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا۔
کچھ دیر بعد وہ میرے کمرے سے اٹھ کر چلی گئی۔ ہسپتال کے چیف اور سینئر عملے کی آمد کے بعد توقع پر وہ ایملی کی جگہ میں موجود رہنا چاہتی تھی۔ پولیس کی آمد کسی بھی لمحے متوقع تھی۔
ایملی کے جانے کے بعد میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے باہر کا جائزہ لیتا رہا۔ اس دوران میں ایک بار میری اس سے گفتگو ہو گئی اور اس نے بتایا کہ ہسپتال سے کسی فرد کو نکلنے کی اجازت نہیں اور پولیس بھی پہنچ چکی تھی۔
کچھ دیر بعد پولیس حکام کی ایک مسلح جمعیت طاقتور روشنی والی سرچ لائٹس روشن کئے اس طور پر آ پہنچی۔ ان کے ساتھ ہسپتال کا چیف بھی تھا۔
ڈاکٹر لیونارڈ نے پہنچتے ہی سب سے پہلے تمام مریضوں کو اپنے کمروں میں جانے کا حکم دیا تاکہ عملہ ان کی دیکھ بھال کا دوبارہ آغاز کر سکے مگر بیشتر مریضوں نے روشنی ہونے سے قبل اپنے کمروں کا رخ کرنے سے انکار کر دیا جس کے بعد انکار کرنے والے مریضوں کو ایک سرچ لائٹ سمیت ڈیوٹی اسٹاف کے کمرے میں بٹھا دیا گیا۔
تینوں مشکوک کمروں کے سامنے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے بعد پولیس بیک وقت تینوں کمروں میں گھس گئی۔ اس کا نتیجہ ملازموں کی بجائے پولیس کے اعلیٰ افسران شدید پریشانی کے عالم میں دوڑتے پہنچے اور انہیں کمرہ نمبر تین میں پہنچا دیا گیا۔
ایملی کے ذریعے مجھے تھوڑے تھوڑے وقفے سے خبریں مل رہی تھیں اور وہ اپنے طور پر بیٹے کا نام کی طرح باخبر رہنے کی کوشش کر رہی تھی

جہاں پلٹ نگاہوں کا ہجوم تھا۔ پانچ منٹ بعد اندازہ ہوا کہ کمرے میں سے ایک غیر یت تھی۔
میں ایملی سے یہ سنتا رہا اور خود کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ ایملی بھی اور خود کو شاید یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ اس کمرے میں تین لاشیں برآمد ہوئی ہیں۔ ہسپتال کی دوسری منزل پر رات کی ڈیوٹی والا عملہ آ چکا تھا۔ مگر جانے والوں کو بیانات دینے کے لئے روک لیا گیا تھا۔
ساڑھے گیارہ بجے شب بجلی کی فراہمی بحال کر دی گئی اور مریضوں کو اس مشکل سے نجات مل گئی جو اندھیرے کے سبب پیش آ رہی تھی۔ روشنی کے ساتھ ہی سارے مریض اپنے اپنے کمروں میں جا کر بیٹھ گئے۔
دس منٹ بعد ایملی نے یہ سنسنی خیز خبر دی کہ کمرہ نمبر تینتالیس والی مریضہ اپنے بستر کے نیچے بے ہوش پائی گئی تھی اور اس کے کمرے کی ایک کھڑکی کا شیشہ بھی ٹوٹا ہوا تھا۔ پولیس کے ماہرین نے مریضہ کو دوسرے کمرے میں منتقل کر کے کمرہ نمبر تینتالیس پر قبضہ کر لیا تھا۔
پولیس کے عملے نے بیانات لینے کا آغاز عملے سے کیا اور پھر باری باری مریضوں کے بیان لیتے ہوئے وہ میرے کمرے میں آئے۔ وارڈ کے جانے سے پہلے ہی وقوعہ پر تفتیش شروع کر کے اپنا سسٹم لگا دیا تھا۔ میں نے انہیں صرف اس قدر بتایا جو میں ایملی کو بتا چکا تھا اور وہ مجھ سے ظاہر ہمدردی کرتے ہوئے واپس چلے گئے۔
اگلی صبح ہسپتال میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی کہ کمرہ نمبر دو پر تین امریکی وزرا سخت حفاظتی انتظامات کے باوجود فلسطینی کمانڈو کے ہاتھوں پراسرار طریقے پر ہلاک کر دیئے گئے اور شہر کے ایک چوراہے کی لاش پولیس کو ہسپتال سے متصل پارک میں جھاڑیوں کے درمیان پڑی ہوئی ملی تھی۔
مجھ کو نمبر تینتالیس والی نرس کے ذریعے پہنچی جب میں نے اس سے ملاقات کی تو معلوم ہوا کہ وہ بات کر رہی تھی کہ ایک بجے کے قریب ٹوٹ گئی تھی۔
"قاتل باہر نکل کر کہاں سے آئے تھے؟" میں نے اس نرس سے سوال کیا۔
"کچھ پتہ نہیں چل سکا۔" وہ نرس بے زاری سے کہنے لگی۔ "کمرہ نمبر تینتالیس کی مریضہ کے بیان نے سب کو الجھا دیا ہے۔"
"وہ کیا کہتی ہے؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ پوچھا۔
"وہ ذہنی مریضہ ہے اور ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکا کہ اس کے بیان پر کس حد تک اعتبار کیا جائے۔"
"پھر بھی اس کی کہانی تو معلوم ہو۔"
"وہ کہتی ہے کہ تین نمبر کمرے میں فائر ہونے کے چند منٹ بعد اسے کھڑکی پر آہٹ سنائی دی اور وہ خوفزدہ ہو کر مسہری کے نیچے چھپ گئی جس کے بعد شیشہ توڑ کر باہر سے کوئی کھڑکی کھول کر اندر آیا۔ ایک بھیانک آدمی اندر کود آیا۔ کمرے کا جائزہ لینے کے بعد وہ شخص دروازے سے باہر راہداری میں گیا تو اس نے اطمینان کا سانس لیا مگر وہ مسہری کے نیچے سے نکلنے بھی نہ پائی تھی کہ وہ بہت تیزی سے واپس آیا اور اس بار اس کے ساتھ دو آدمی اور تھے۔ ان تینوں کے قدم دیکھتے ہی وہ دہشت سے بے ہوش ہو گئی۔"
اس عورت کا بیان میری توقع سے زیادہ پریشان کن تھا۔ مجھے دیکھ لینے کے باوجود اس نے بیان میں جس بھیانک شخص کا تذکرہ کیا تھا وہ میرے چہرے سے قطعی مختلف تھا اور پھر یہ بھی کہ تینوں افراد کی واپسی نے بھی کر دی تھی۔
"اس کے بیان پر یقین نہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔
"اول تو اس کا مرض اور پھر وہ تین آدمی۔۔۔ آخر وہ کہاں سے آئے تھے اور کہاں چلے گئے۔" اس نے تجسس آمیز لہجے میں کہا۔
"خیر یہ تو پولیس معلوم ہی کرے گی۔ ان تین لاشوں کی موجودگی میں اگر کوئی شخص ڈریکولا کی موجودگی کا ذکر کرے تو اس پر بھی غور کرنا ہی پڑے گا۔"
"فائر ہونے کے بعد سے پولیس کی آمد تک سارے مریض جاگتے رہے، برآمدے کے سامنے موجود تھے اور انہوں نے وہاں کسی کو نکلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ قاتل جو بھی تھا، کمرے میں ہی تھا اور وارڈ سے باہر نکلنے کے بعد اسے کسی اور کمرے میں گھسنے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ اس معاملے میں گہری دلچسپی لے رہی تھی۔ "تم تو خود شرلاک ہومز بنے ہوئے ہو!"
"میں اپنی ذاتی تکلیف کی وجہ سے باہر اپنے کمرے میں پڑا ہوا تھا۔"
"پھر تمہیں ان تینوں میں سے کسی کو دیکھنا چاہئے تھا۔" وہ میری بات درمیان سے اچک کر بولی۔ "تم تو اس کے قریب تر پڑے ہوئے تھے۔"
"میں نے کسی کو نہیں دیکھا تھا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اس بے چاری کو جھٹلانے لگوں۔" میں نے اپنی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔
"وہ ایسی حالت کے لئے جھوٹ بول رہی ہے یہ پوری کہانی اس کے بیمار ذہن کی پیداوار ہے اور میرا تو خیال ہے کہ اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے اس نے ٹوٹی کھڑکی کا شیشہ بھی خود ہی توڑا ہو گا۔"
میرا جی چاہا کہ نرس کے خیالات کی اس ذہنیت پر ایک بھرپور قہقہہ لگاؤں کیونکہ وہ تو اپنی باتوں سے قاتل کے ہسپتال میں داخلے کے امکانات ہی مسترد کر رہی تھی مگر میں نے سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ تو بڑی آسانی سے ثابت ہو جائے گا کہ اگر اس نے شیشہ خود ہی توڑا تھا تو سارے ٹکڑے باہر گرے ہوئے ملیں گے۔"
"تم کھڑکی کا پٹ کھول کر شیشہ توڑو۔ میں دیکھتی ہوں کہ کیسے ایک ٹکڑا بھی باہر جاتا ہے۔" وہ مجھ ہی سے الجھنے پر آمادہ ہو گئی۔
"مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ تم یہ بتاؤ کہ میرا آپریشن کب ہو

گاڑی میں نے الاپ ٹاؤن سے کہا تھا میں یہاں زیادہ دیر نہیں رک سکتا۔"

"اگر تمہاری حالت اسی طرح بہتر رہی تو شاید کل ہی یہاں سے چلے جاؤ۔"

یہ کہہ کر وہ لوٹ آئی الٹ بیٹھتے ہوئے واپس چلی گئی۔

قدرت حالات کو سمجھ رہی تھی بہتر بنا رہی تھی لہٰذا اسی موقع پر میں عجلت میں کوئی غلط فیصلہ کرنے سے گریز کرنا چاہتا تھا۔

میں خوش قسمتی سے پہلے ہی اپنی اعصابی کشیدگی کا اظہار کرتا تو شاید مجھے آپریشن کے بغیر آسانی سے چھٹی مل جاتی۔ مگر اس مرحلے پر میری روانگی پولیس کو میری طرف متوجہ کر سکتی تھی کہ ایک مریض آپریشن کی نیت سے ہسپتال میں داخل ہوا اور پھر قتل کی واردات کے بعد جلدی سے بغیر آپریشن کرائے رخصت ہو گیا تو اس کے عمل پر اعتراض کیا جاتا؟ وہ کون تھا؟ کہاں رہتا تھا؟ کن لوگوں سے ملتا تھا؟ اور اگر ایک مرتبہ پولیس کی توجہ میری طرف مبذول ہو جاتی تو مجھ جیسے حالات میں پہنچانے کے لئے خاصا مواد مل جاتا۔

اس خطرہ کا تذکرہ ابھی ممکن نہیں تھا کہ میں خاموشی سے ہسپتال میں پڑا رہتا اور جان بچانے کے لئے میں نے اپنڈکس کا آپریشن قبول کر لیا۔

وہ جمعرات کی صبح تھی۔ پیر کو آئی تو اس پچھلی رات کی تکان کے اثرات اس کے چہرے پر باقی تھے۔ مگر تازہ خبریں سنانے میں ہیجان میں مبتلا کر دیا تھا کیونکہ پچھلی رات ہسپتال سے جانے کے بعد اسے معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ تیسرے کمرے کے نمبر دو دروازے کے پیچھے کیا ہوا تھا۔

"آخر کار ہتھیار کے ذریعے دست یاب نکلے"، اس نے کمرے میں آتے ہی کہا تھا۔

"میری خوشی حسب عادت کا آدمی ہے، تم میرے آپریشن کا جب تک بیٹھ کر تیار نہیں ہو جاتیں"، میں نے کہا، "مگر اب لوگوں کے سامنے میری پیشین گوئیوں کا ذکر نہ کرنا ورنہ میرے لئے بہت سی دشواریاں کھڑی ہو جائیں گی۔"

"بھئی یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ پانچ نمبر کمرے کا مریض تین نمبر کمرے میں کیسے پہنچ گیا۔ جب کہ ڈاکٹر کے بیان کے مطابق وہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں تھا۔ اسے تو کسی بیرونی مدد کے بغیر تنہا تین کمروں کا فاصلہ طے کر کے نہیں جانا تھا۔ مگر وہ قاتلوں کی آمد کے بعد ہسپتال کے اسٹاف کی نظروں سے مخفی طور پر اسے تین نمبر میں منتقل کر دیا گیا ہو گا تاکہ کوئی اس پر وار کرنا چاہے تو وہ تین نمبر کمرے کو خالی پا کر ناکام ہو جائے۔"

"مگر قاتل بہت چالاک تھا، اس نے نہ صرف ان تینوں کا کھوج لگا لیا بلکہ انہیں مار کر صاف بچ نکلنے میں بھی کامیاب ہو گیا۔"

ایملی کی اس تعریف پر اسرار تو مجھے ہنسی آ گئی کیا نہ کہنا چاہیے تھا مگر میں نے اس سے نیا سوال کر ڈالا۔ "آخر قاتل کہاں سے آیا تھا، اور پھر غائب ہو گیا؟" اس سے اس سوال کا جواب بھی کئی بار یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ پچھلی رات کی واردات کے بارے میں لوگوں کی عام رائے کیا تھی اور پولیس کس سمت میں کام کر رہی تھی۔

"وہ بہت عجیب سا واقعہ تھا۔ کل رات ہسپتال سے باہر جانے والے دروازے پر کیا؟ تم کو اس کی اطلاعات ہیں؟ مگر ہسپتال سے پولیس کو کچھ نہیں ملا، بڑی الجھن ہو رہی ہے۔"

"تم نے کرو نمبر چھتیس والی مریضہ کا بیان بھی سنا ہو گا۔"

"بالکل بیہودہ اور لغو کہانی ہے!"

وہ ہنس کی دیکھ بھال ہی کرتی تھی اور پچھلے ایک ہفتے سے بخار میں مبتلا تھی۔ اس کی آنکھوں میں ابھی تک جو وحشت تھی، کل رات ہسپتال میں واردات کے بعد وہ اپنے کمرے سے برآمد ہوئی تو عجیب سے جوش میں بڑبڑا رہی تھی۔

"اسے کتنی اہمیت کیوں دے رہی ہو؟" میں نے جو بوجھ لیتے ہیں کہا۔

"پولیس بھی اس کے بیان پر یقین نہیں کر رہی ہے اور کیا ضروری ہے میں وہ چیزوں کی طرح جو جانتے تھے اس کی بنا پر جو کچھ کیا اسے بھی کسی تنہا آدمی کے بس کا روگ نہیں تھا۔" ایملی نے کہا۔

"مگر وہ بڑی باہمت ہے، ایک بڑی اکڑی کہانی سنا رہی ہے۔"

"وہ یقیناً چار یا پانچ آدمی تھے۔" ایملی نے پُر جوش لہجے میں کہا، "اندھیرا ہونے کے بعد ان میں سے دو دوسری منزل پر گئے اور جو لوگ ان کے تعاقب میں تھے ان لوگوں کی طرف سے لوگوں کی تعداد بڑھتی گئی تو ان کے تحفظ کی کوشش کو طاقت کے بل بوتے پر روک لیا گیا۔ ان میں سے دو یا تین آدمی مجھ سے جائزہ لینے کے بعد یقین کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ ان کے تینوں شکار تیسرے کمرے میں موجود تھے۔ اور پھر انہوں نے کسی طرح اندر گھس کر تینوں کا خاتمہ کر دیا۔ اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد ان میں سے ایک کمرہ نمبر دو کی کھڑکی کے ذریعے اندھیرے میں باہر نکلا اور پھر راہداری میں موجود اپنے دونوں ساتھیوں کو لے کر واپس ہو گیا۔"

"اس کہانی میں تم بھی جان لو گی۔" میں نے اس کی خاموشی پر کہا، "اصل میں وہ پانچ آدمی کیسے پہنچ گئے اور کس طرح کامیاب ہو گئے؟ اور دوسری بات یہ کہ آخر قاتلوں کے کئی ساتھی۔ جیسے کہ لیڈی کو بتایا ہے کہ ان میں سے یقیناً کسی نے ریوالور بھی استعمال کیا ہو گا۔ لہٰذا ہسپتال والوں کو ان کو نکالنے والا کوئی ایک شخص بھی تو ہو گا جو وہاں سے گزرا ہو۔ اسے اکیلے کسی نے کمرے کی کھڑکی توڑنے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ اور اگر وہ دونوں بھی کمرہ نمبر دو ہی سے اندر گھسے تھے تو بعد میں وہ کھڑکی کس نے بند کی؟ اور پھر اس مریضہ نے ان دونوں کو اندر کو جاتے ہوئے کیوں نہیں دیکھا؟"

"تم تو کسی وکیل کی طرح جرح کر رہے ہو۔" وہ بولی، "میں تو تمہیں ان لوگوں کی رائے سے آگاہ کر رہی تھی۔"

"تم نے پولیس کا بھی ذکر کیا ہے!"

"یہ پانچ قاتلوں والا نظریہ پولیس نے نہیں، ہسپتال والوں نے قائم کیا ہے۔ البتہ پولیس اس مریضہ کے بیان کو بہت اہم سمجھ رہی ہے۔"

"مگر ہیں، یہ ایک عجیب بات ہے کہ وہ اس قدر تنہا تھی؟"

"کیا بات کرنے کے بہانے سے وہ پوچھ رہی ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا، "کیا اس کے بیان کا کوئی نیا پہلو ہے کہ اس نے قاتلوں کے چہرے دیکھ لئے تھے؟"

"حقیقت یہ ہے کہ قتل کو تو تین دن ہو گئے، چھتیس نمبر کی مریضہ تو قیامت ہی برپا ہو جاتی۔" میں نے گفتگو کو طول دیتے ہوئے کہا۔

"پھر کیا بات ہوئی؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"تین نمبر میں تین آدمی مارے گئے، چھتیس نمبر میں چھتیس مقتول مل جاتے۔ اور شاید مرنے والوں کے ساتھ ہی لاشیں بھی نمبر آ جاتا۔"

"بڑا بے ہودہ مذاق کرتے ہو۔" وہ کچھ ناراض ہوتے ہوئے بولی۔

"تم مذاق کا موقع بھی کب دیتی ہو۔"

وہ فوراً ہی مجھ سے دور سرک گئی، "شکیف تم مجھ سے کسی بے ہودہ بات پر ڈالنا، اور تمہارے حق میں بہتر ہو گا۔"

"تم یقین کرو کہ اب بہت ہی لطیف ذوق ہے کہ شاید میرا آپریشن بھی کر دیا جائے گا۔"

"میں بھی ذرا طبیعت ہی پر آتے ہی اپنے مریضوں کی لاشیں دیکھتی ہوں۔ مجھے سب معلوم ہے!"

"کیا اس کے علاوہ بھی تمہارا کوئی مشغلہ ہے؟"

"مردہ گاڑی تو بہت سے پہلے ہی جا چکی تھی!"

"مگر تم نے مجھے بھی منہ نہیں لگایا!"

"تمہارا بھی زبان ہی چلتی ہے، تم نے شکل طور پر جب میں مجھ سے کچھ پوچھا تو پانچ نمبر والے کے خوف سے ہسپتال سے ہی بھاگ جانا چاہتے تھے!"

"وہ میرے ساتھ کچھ کر جاتا ہی تھا، وہ چلا گیا تو اب میں سکون سے تمہاری مہمانی کا لطف اٹھاؤں گا۔" میں نے شرارت بھری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

مجھے اس پر کچھ وقت گزار کر اس کی پریشانی کم ہو گئی اور اس کی شناخت سے مجھے بھی تازگی کا احساس ہونے لگا۔ اگر میرے کمرے میں ڈاکٹر وغیرہ کی مداخلت کا خوف نہ ہوتا تو شاید وہ اسی روز مجھے اپنے ماضی سے تفصیلی طور پر متعارف کرا دیتی۔ مگر پھر بھی اس روز اس نے ملاقات کے کئی مراحل طے کر لئے۔

جب وہ میرے کمرے سے نکل رہی تھی تو اچانک مجھے ایک پچھلی بات یاد آ گئی اور میں نے فوراً ہی اس سے سوال کر ڈالا، "کل تم نے تو تین اور سات نمبر والے مریضوں کو دوائیں خواب آور دی تھیں اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ سب چلاتے تو ان کو خبر نہ ہو کہ یہ سب کیسے ہوا؟"

"تم سے جو جب کے بعد مجھے لیڈی ڈاکٹر پر ہی رحم آ گیا تھا اور یہ اچھا ہی ہوا ورنہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں ضرور ہی خواب آور دوا کا ذکر ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو پولیس فوری طور پر اسی نتیجے پر پہنچتی کہ اس طرح کے قتل کا

کسی نرس کی نرمی سے بھلا ہوا تھا۔"

"اگر میں تم کو نرس کی حیثیت سے ذرا بھی نہ جانتی!"

"دونوں آدمیوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری میری تھی کیونکہ وہ آجکل آپ کے ساتھ والا نمبر کا کام ہے، وہ بری طرح عتاب میں آ جاتا، اور پھر میرا نام بھی اگل دیتا۔ اور شاید میرے ذریعے تم بھی پھنس جاتے!"

"یہ نمبر سات کا اتنا بڑا آدمی ہے؟"

"تین ڈاکٹروں کا ساتھ ملنے کے بعد اسے بھی کوئی سمجھانے کی فکر ہوئی اور پھر پولیس کے ماہرین پوسٹ مارٹم کے ذریعے ایک بار اس کا موت کا وقت معلوم کر لیتے تو پھر بغیر ڈاکٹری کے ذریعے اندر سب کچھ اگل دیتے۔"

"میرا تو خیال تھا کہ فرانس کی پولیس خاصی مہذب ہے!"

"مشبہ ہونے کی وجہ سے مہذب ہی ہیں۔ پھر بھی ایک مرتبہ شبہ ہو جائے تو باز پرس کرنے والے نرم خو انسان بھیڑیوں کو بھی شرما دیتے ہیں اور جرم کا اقرار کرانے کے لئے انہیں جدید ترین سائنسی آلات کی مدد حاصل ہوتی ہے جس کے نتائج اتنے فیصد درست ثابت ہوتے ہیں۔"

"مقامی پولیس کے شعبے میں انہیں اعلیٰ سہولیات ہیں۔"

"میرا ماضی کا تجربہ ہے۔" وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"کمال ہے!" میں نے حیرت سے کہا، "میں تو تمہیں سیدھی سادی لڑکی سمجھ رہا تھا۔"

"میرا ماضی نرسنگ کا پیشہ اپنانے کے بعد میں سب کچھ بھول چکی ہوں۔ اس سے پہلے اولینز میں کالج میں پڑھتی تھی۔ جنسیات میرا خاص مضمون تھا اور بہت سی حیثیتوں سے پہلے میں اپنے شعبے میں شاید سب سے آگے تھی۔"

ایملی صاف گوئی مجھے پسند آئی۔ مگر اس کے ساتھ میں خلوص کے آثار بھی محسوس ہونے لگے۔ شاید ایملی بڑی حساس لڑکی تھی۔ مجھ جیسا شخص جو دوسرا کوئی فرد جاننا بھی نہیں تھا اور اسی وجہ سے مجھے حیرت ہوئی کہ اپنے دکھ بھرے گوشے کو بھی آشکار کر دیا تھا۔ وہ اس کی مدد سے ہی کسی بڑی آزمائش سے بھی نکل سکے گی اور میں ان کی طرف سے بے اعتنائی کا شکار نہ ہو سکوں۔

ایملی کے چلے جانے کے بعد میں ایک خامی جو کہ اس کے لہجے میں چھپا رہا۔ اور آخر کار اسی نتیجے پر پہنچا کہ اس کے سامنے محتاط رویہ رکھنا چاہئے۔ مجھے لگا کہ ہمیشہ غیر متوقع طور پر آزاد جذبات کی حامل ہوتی ہیں اور آخر کار ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا کر ان کی مجروح انا انہیں دوبارہ بے راہ روی کی راہوں پر لا کھڑا کرتی ہے اور میں فقط وقتی مسرتوں کی خاطر ایملی کا پرسکون زندگی میں مداخلت کر کے مذاق بنانا نہیں چاہتا تھا۔

وہ دن سکون سے گزرا، شام کو ہسپتال انتظامیہ نے پولیس کو بلا لیا تھا۔ مگر رات کو میرا بیان لینے کے بعد انہوں نے مجھے واردات کا ناکارہ گواہ تصور کر لیا، کیونکہ کسی بھی پولیس افسر نے دوبارہ میرے کمرے کا رخ نہیں کیا۔

مجھے شدت سے ملاقات کا وقت ختم ہونے کا انتظار تھا تاکہ ڈاکٹر سے بابر حسین والی خونریزی لڑائی کی تفصیلات معلوم کرسکوں۔

ملاقات کے وقت کا آغاز ہوا تو میری نظریں بار بار دروازے کی طرف اٹھنے لگیں۔ وقت جیسے جیسے گزر رہا تھا اور میں بستر پر پڑا بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا۔

میری والدہ بھی جب تک رہیں مجھ سے ملاقات کا ذرا اسا پریشانی کا سبب بن سکتا تھا۔ اس روز پولیس کا انسپکٹر یقینی طور پر ملاقاتیوں کا جائزہ لیتے ہوں گے اور ملاقات کا وقت ختم ہونے پر جب انہیں دوسری منزل پر کسی اور شہری مریض کی موجودگی کا اندازہ ہوتا تو شاید وہ میری طرف متوجہ ہوسکتے تھے تاکہ دیکھ سکیں ہیں میں تفصیل معلومات بھی کر سکیں۔

ملاقات کا وقت ختم ہونے سے چند منٹ پہلے جب کسی کا دروازہ کھلا اور میں تھوڑا سا بے چین ہوا کہ کس کا انتظار ہے اٹھ اس انداز میں بستر سے اٹھ گیا۔ مجھے اس وقت ڈاکٹر یا اپنی والدہ کے کسی ایک کی آمد کی امید تھی مگر جو شخص کمرے میں داخل ہوا وہ میرے لیے اجنبی تھا۔

وہ چھتیس برس کا ادھیڑ عمر شخص تھا جس کے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ سفید بالوں کی خوبصورتی بھی نگاہوں کو بھلی لگ رہی تھی۔

پہلی نظر میں وہ شخص پولیس کے محکمے کا کوئی افسر لگ رہا تھا مگر جب قریب آیا اور بیٹھ گیا تو اس کے ہونٹوں پر دوستانہ مسکراہٹ ابھری تو میری جان میں جان آئی۔

"مشام بخیر مسٹر حیف ... ترمذی۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ "تمہاری کامیابی کی خبر اخبارات کے ذریعے مل چکی تھی مگر دیر سے پہنچنے پر تمہارا شکریہ ادا کرنا ہے۔"

"میں ٹھیک ہوں۔ بتاؤ کہ ڈاکٹر کہاں ہے؟" میں نے گویا اس سے یہی سوال کیا۔

"مجھے یہی بتایا گیا ہے۔" اس نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔ "مجھے صرف بتا کر بھیجا گیا ہے کہ باہر کے حالات فی الحال خراب ہیں۔ ہسپتال کے باہر شہر میں بھی کئی جگہ خونریزی کا سلسلہ ہے، حالات بہتر ہوتے ہی تم سے دوبارہ رابطہ قائم کیا جائے گا۔"

"تم عبداللہ سے واقف ہو؟" میں نے اضطراب کی کیفیت میں دریافت کیا۔

"میں شرمندہ ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے اس نے یہاں بھیجا ہے؟" میں نے یہ سوال کرتے ہوئے اپنے وجود میں خوف کی ایک سرد سی لہر سرایت کرتی محسوس کی اس کی مسلسل لاعلمی پر مجھے شبہ ہوا تھا کہ یہ کسی سرکاری ایجنسی کی طرف سے اسی شخص کے ذریعے مجھ پر جال نہ ڈالا گیا ہو۔

"میں یہ بھی نہیں بتا سکتا لیکن یقین رکھو کہ میں تمہارے ہی خیر خواہوں میں سے ہوں۔" اس نے شاید میرے دل کی بات بھانپتے ہوئے کہا۔

"بتاؤ، بابر حسین کی تحریک کی خونریزی کیا ہوئی ہے؟"

"مقامی دہشت گردوں نے آج شہر کے تین اہم معروف علاقوں میں دن دہاڑے جا کر گھومتے ہوئے فلسطینیوں کو زخمی کر دیا اور موقع پا کر عراق کی انتظامیہ کے ناسلوم حملہ آوروں نے دو جنگجو گروپ کے پیچھے ان کے جالے کے چار افراد شدید زخمی ہوگئے۔" اس نے ملاقات کی تفصیل بتانے میں کوئی تامل نہیں کیا۔

"کوئی جوابی اقدام؟"

"پتہ نہیں۔" اس نے سرسری انداز میں کہا۔ "ویسے شہر کے شمالی حصے میں جیرالڈ نامی ایک مقامی بدمعاش کے کلینک میں ہولناک آگ لگی ہوئی ہے جسے بجھانے کی کوشش جاری ہے۔ جیرالڈ نے تھوڑے عرصے قبل ایک کلینک خرید کر ایک سٹور کھولا تھا۔ جو کہ شہر میں پیش آنے والا یہ اہم علاقہ کسی جوابی کارروائی کا نتیجہ ہے۔"

اسی وقت وارڈ میں پوشیدہ اسپیکر پر ملاقات کے وقت کے خاتمے کا اعلان کیا جانے لگا۔

"اپنا نام نہیں بتایا تم نے؟" میں نے الوداعی مصافحہ کے لئے اس کا ہاتھ اپنی گرفت میں لیتے ہوئے کہا۔

"دوست لوگ دوست کہتے ہیں۔" وہ مسکرا کر بولا۔ "ویسے یہاں نے احتیاطاً کہ دوستو یہ نام ہر جگہ یاد رکھا ہوا تھا۔" یہ کہہ کر وہ بھی چلا گیا۔

اس شخص کی دی ہوئی خبریں نہایت سنسنی خیز اور خاصی ہولناک پریشان کن تھیں اور اس سے ملنے والی اطلاعات کی روشنی میں بابر حسین کی پارٹی کی خونریزی کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔

عبداللہ کے لئے ہسپتال کا رخ کرنا خطرناک تھا کیونکہ وہ آسانی سے پکڑا جا سکتا تھا۔ مگر اس تمام واقعہ کی غیر حاضری تشویشناک تھی اس کے نہ آنے کا ایک ہی سبب ہو سکتا تھا کہ وہ پچھلی رات کے حادثے میں یا بعد میں کسی حملے کے نتیجے میں زخمی ہو گیا ہو۔

ڈاکٹر کی غیر حاضری کے بعد گمنام حملہ آوروں کی طرف سے پہنچنے والی اطلاعات پر خونریزی کی واردات اور عراقی ہوائی کمپنی کے دفتر پر حملے بھی میری پریشانی میں اضافے کا سبب تھے۔ اس کے بعد جیرالڈ کے کلینک میں ہولناک آگ اس بات کی غماز تھی کہ عبداللہ نے عنقریب اپنا بدلہ لینا ہے اور اس کے خاتمے کے بعد اپنے ساتھیوں پر ہونے والے انفرادی حملوں پر جوابی کارروائی کا آغاز کیا تھا تاکہ بابر حسین کے ساتھی جیرالڈ کے خلاف انتقامی کارروائی کی طرف توجہ کرنے کے بجائے اسے دفاعی حکمت عملی اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے۔

میرا ہسپتال میں ایک مریض کا روپ دھارے آپریشن کا منتظر تھا اور باہر میرے ساتھی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ایک نئے محاذ پر برسرپیکار تھے۔

اگلے روز صبح ناشتے میں مجھے ہسپتال نوکرانی گئی اور میں نے استفسار

پیٹ بتا دیا گیا۔ "کرامس ونڈوز کے پیچھے آپریشن کیا جانے والا ہے" یہ میں نے نرس سے خواہش ظاہر کی کہ میں آپریشن سے قبل ایک مرتبہ اپنے سرجن سے ملنا چاہتا ہوں اور مجھے اطلاع دی گئی تھی کہ چند گھنٹے میں نرس کے ساتھ ڈاکٹر بھی میرے کمرے میں آن پہنچا۔

"کیا بات ہے مسٹر حیف؟" اس نے کمرے میں آتے ہی مسکرا کر نرم لہجے میں دریافت کیا۔ "آپریشن سے خائف تو نہیں ہو؟"

"مجھے آپریشن کے تصور ہی سے بخار چڑھنا شروع ہوگیا ہے۔" میں نے نقاہت زدہ آواز میں کہا۔ "اس سے کسی طرح خلاصی نہیں ہوسکتی؟"

"ان آخری لمحات پر تمہاری درخواست بے معنی ہے۔" وہ قریب آکر میرے پیٹ کے دائیں حصے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ "اپینڈکس کا آپریشن بہت معمولی ہوتا ہے۔ چھوٹا سا نشتر لگا کر ناقص آنت نکال لیتے ہیں۔ بلکہ اس میں صرف بیس منٹ لگیں گے اور آدھے گھنٹے بعد تم اپنے کمرے میں واپس پہنچا دیئے جاؤ گے۔ تمہارے لئے اس آپریشن کا کیا جانا ہی بہتر ہوگا۔"

"تم سرجری کی اصطلاح میں اسے معمولی قرار دیتے ہو مگر پیٹ چیرے جانے کا تصور ہی میرے لئے اذیت ناک بنا ہوا ہے۔"

"اپینڈکس کی تکلیف آج کل ساٹھ سے ستر فیصد لوگوں میں قابل علاج ہوتی ہے مگر مرنے والوں کی تعداد بھی تشویشناک ہے بعض کو مسلسل انتہائی نازک دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا ہے کہ تمہارے شدت کے اعتبار سے تم کو فیصد میں شامل ہونا چاہئے تھا۔ یہ معجزہ ہے کہ ابتدائی تاخیر کے بعد کرنے کے باوجود ڈاکٹروں نے بھی دواؤں سے تمہاری حالت پر قابو پا لیا۔ وہ شاید تمہارے لیے بہتر سمجھا نہ گیا۔ تمہارے بارے میں میرا تجربہ بتاتا ہے کہ اگر اس بار تمہارا آپریشن نہیں کیا گیا تو اگلے دورے میں شاید تم چند گھنٹوں میں ہی آنت پھٹنے کے باعث مر سکتے ہو۔"

"مجھے خوفزدہ نہ کرو ڈاکٹر۔" میں نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "موت کا خوف ہی تو مجھے آپریشن سے خوفزدہ رکھ رہا ہے۔"

سرجن کافی دیر تک میرے سامنے سر کھپاتا رہا اور آخر کار مجھے آپریشن کے حق میں قائل کرکے واپس لوٹ گیا۔

دوپہر ٹھیک دو بجے مجھے چوتھی منزل پر واقع چھوٹے سے آپریشن تھیٹر میں اسٹریچر پر پہنچا دیا گیا۔ مجھے مسلسل عجیب سے خوف نے گھیر رکھا تھا۔ سفید لباس میں ملبوس نرسوں کی سفید دیواروں، منہ اور ناک پر سفید نقاب اور سر پر ٹوپیاں پہنے ڈاکٹروں کے بجائے دیگر قسم کے سفید دروازے ایسے لگ رہے تھے جیسے میری موت واقع ہو چکی ہو اور میں ملک الموت کے روبرو ہوں۔

مجھے بے ہوشی کا انجکشن لگنے کے چند منٹ بعد تک گنتی گننے کی ہدایت کی گئی۔ جس پر میں نے فوراً عمل شروع کر دیا۔ مگر تیس تک پہنچتے پہنچتے میری زبان لڑکھڑانے لگی اور ذہن میں سیاہ دھند سی چھانے لگی اور مجھے ہوش نہ رہا

نکلی اور جال میں سے آگے مجھے کچھ کہتے ہوئے گنتی جاری رکھنا ناممکن ہو گیا۔

میرا ذہن ہوش اور بے ہوشی کے درمیان ڈولتا رہا تھا مجھے اپنے دائیں طرف روشنی کا سیلاب امڈ پڑنے کا احساس ہوا۔ میں نے اپنی مندی مندی آنکھیں کھولیں تو آپریشن ٹیبل پر لگے چمکدار لیمپ بجلی کی طرح بڑی تیزی سے میری آنکھوں کو چندھیانے لگے اور میں ان سے ذہن ہٹانے میں کامیاب نہ ہوسکا۔

دوبارہ ہوش آیا تو میں اپنے کمرے میں موجود تھا اور ایملی میرے بستر کے پاس بیٹھی ہوئی تھی مجھے ہوش میں آتے دیکھ کر وہ منتظرانہ انداز میں مجھ پر جھک پڑی اور آہستہ آہستہ مجھے آپریشن کے بارے میں بتانے لگی۔

اس نے مجھے پلاسٹک ٹیوب میں بند وہ ناقص آنت دکھائی جو میرے پیٹ سے جراحی کے ذریعے نکالی گئی تھی۔ اس میں پانی مائل سرخ مادہ تھا جس کی لمبائی کسی طرح دس گیارہ انچ سے کم نہیں تھی اور جب ایملی نے مجھے یہ بتایا کہ میری آنت کا ورم زدہ حصہ پھٹنے کے بالکل قریب تھا اور معمولی طوالت بھی اختیار کر چکی تھی تو میں حیران رہ گیا کیونکہ میں نے ہمیشہ اس درد کو محض تکلیف کا تصور سمجھ کر نظرانداز کر رکھا تھا۔

اس کے بیان کے مطابق عام حالات میں وہ آنت تین چار انچ سے زیادہ لمبی نہیں ہوتی تھی اسے یہ حیرت تھی کہ مجھ میں اس خراب حالت کے باوجود آپریشن کرنے میں تاخیر کیسے ہوگئی اور مجھے حیرت اس بات پر تھی کہ کسی تکلیف کے بغیر میری آنت کا وہ حال کیسے ہو گیا۔

مجھے بے ہوشی کا انجکشن دیئے جانے کے ساتھ ہی مقامی طور پر جلد کو سُن کرنے والی دوا بھی لگائی گئی تھی جس کا اثر ختم ہونے کے ساتھ ہی مجھے اپنے پیٹ پر ڈریسنگ کے نیچے چھپے ہوئے تازہ زخم میں شدید تکلیف محسوس ہونے لگی۔

ہسپتال میں میرے اگلے دو دن سخت بے آرامی میں گزرے پھر اس کے بعد آہستہ آہستہ ٹانکوں میں تکلیف کم ہونے لگی۔

آپریشن سے ایک دن قبل ایملیا کے فرضی نام سے ایک شخص مجھ سے ملاقات کے لئے آیا تھا مگر اس کے بعد چار روز تک مجھ سے کوئی ملنے نہ آیا۔

ایملی سے میں اپنے حوالے سے کوئی گفتگو کرنے سے گریز کرتا تھا۔ کیونکہ وہ خاصی چالاک لڑکی تھی اور اگر میری زبان سے فلسطینیوں کی ہمدردی میں ایک لفظ بھی نکل جاتا تو وہ اس کی روشنی میں ہسپتال میں ہونے والی قتل کی واردات پر اندازے لگانا شروع کر دیتی جس کا نتیجہ میرے حق میں بہتر نہ ہوتا۔

پانچویں دن غیر متوقع طور پر ڈاکٹر کو کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر میرے بستر سے میرا دل خوشی سے اچھل پڑا ورنہ میں تو اس کے بارے میں ہر طرح کے وسوسوں کا شکار ہو چکا تھا۔ کہ وہ جیرالڈ کے غنڈوں میں سے کسی کے ہاتھوں ہلاک ہوکر نشانہ بن گیا ہوگا۔

جب وہ آیا تو ایملی بستر پر میرے قریب بیٹھی گپ شپ کر رہی تھی۔ ڈاکٹر کی آمد سے خاصی دیر تک وہ

نجات میں اپنا کام پورا کر کے واپس چلی گئی۔

"تو تمہارا آپریشن ہو ہی گیا !" ایمبنی کے جانے کے بعد راڈرک نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جیسے تم نے اپنا کام شاندار طریقے پر انجام دیا تھا اس کے نتیجے میں بطریق حملہ بچ گیا۔"

"اس کا ذکر چھوڑو اور یہ بتاؤ کر پانچ دنوں سے تم کہاں تھے ؟" میں نے سنجیدگی سے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"کیا بتاؤں ہو گیا تھا ! اس میں پہلی والی لڑکی بھی ہاتھ سے نکل گئی ــــ"

"عالم! وہ کہاں چلے گئے تھے ؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"چند ایک کا سر ہو گئی" وہ ہنس کر بولا۔ "میری دونوں ٹانگوں میں چار زخم آئے تھے۔ اور آج میں پہلی بار لنگڑائے بغیر چلنے کے قابل ہوا ہوں۔ پٹیاں ہٹوا کر آیا ہوں کیا مجھ ہے پاس آ تا تو ٹانگیں ساتھ ہی تمہیں بھی پولیس کی نظروں میں مشتبہ بنا دیتا۔"

"زخم کیسے آئے تھے ؟"

"اسی رات کا تحفہ تھا" اس نے جواب دیا۔ "باہر سیکیورٹی کا انتظام کا تبادلہ ہوا تھا۔ عبداللہ کا بایاں شانہ بھی ادھڑ گیا تھا۔ وہ تو مقدر ہی ساتھ تھا ورنہ مارے جاتے۔ وہیں آدمی مارے جاتے تو تعجب ہوتا۔ ایک مرتبہ تو ہم بری طرح ان کے نرغے میں آ گئے تھے !"

"جاسوسی میں کسی کی لاش ملی تھی ؟" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

"ان ہی کا آدمی تھا اور وہ لوگ اپنی کثرت کے باوجود بری طرح بھونے گئے تھے۔ سنا ہے کہ ان کے دو زخمیوں نے بعد میں دم توڑ دیا۔"

"اور وہ مخبر بلال کی وارداتیں کیسی تھیں ؟"

"تو تمہیں یہاں چھپے پڑے بھی ساری معلومات ملتی رہی ہیں۔" وہ طویل سانس لے کر بولا۔ "عبداللہ کا خیال ہے کہ چند اسرائیلی کرائے کے جرائم پیشہ کے آدمیوں سے مل کر اپنے دلوں کی بھڑاس نکالتے پھر رہے ہیں ان تینوں کے قتل پر بھی پولیس بری طرح چیخ اٹھی ہے اور موت کے بعد اسرائیل نے پہلی بار اخبار کی سطح پر بن حیان کی شخصیت کی اہمیت کا اعتراف کیا ہے۔ سینٹ الفرڈ میں کے واقعہ پر اسرائیل میں ان کے دس نام نہاد تعطیل کر کے سوگ منایا گیا تھا ــــ"

"اب تک کا نتیجہ کیا ہے ؟"

"پیرس میں فلسطینیوں نے بلند مقامات پر سے ایک کر راڈرک کر دیا ہے اب کسی بار آدمی مخبر نے مخبر کے بیچ سے گزر دو زخمیوں کی تاب نہ لاکر مر چکے ہیں عراقی اور ایرانی سفیر پر بھی بم پھینکے گئے تھے۔ آج کل پیرس کی شاہراہوں کا حسن اندھیرا ہو چکا ہے اور شہر میں سخت بے چینی پائی جا رہی ہے۔"

"اور تم لوگ خاموش ہو ؟"

"جیراڈ کا بیا کیبنٹ جلنے کے بعد ملبے کے انبار میں تبدیل ہو چکا ہے۔ لوگ جانتے ہیں کہ سنکار نامی کیشنری کی طرح اس کی ٹریٹ پر لگنے والے ہیں۔"

"کاش کہ اس وقت میں خود بھی باہر تم لوگوں کے ساتھ ہوتا !"

"تمہیں چھٹی کب مل رہی ہے ؟"

"ساتویں دن ٹانکے کھول دئیے جائیں گے اور اس کے بعد پتہ چلے گا۔ سلسلہ مزید کتنے زیادہ طویل ہو گیا ہے !"

"تمہیں چھٹی کے بعد بھی احتیاط کرنی ہو گی۔ اگر کچھ ٹانکے کھل گئے تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے !"

"چھٹی کے بعد مجھے کہاں جانا ہو گا ؟"

"تم فکر نہ کرو۔ اب میں روز آیا کروں گا۔"

"وہ المیڈا کون تھا ؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ شاید عبداللہ نے خود اس کا بندوبست کیا تھا۔" اس نے کہا اور پھر میری طرف جھک کر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "پستول مجھے دے دو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے لئے کوئی دشواری پیدا کر دے !"

"میں اتنا احمق نہیں ہوں راڈرک" میں نے جواب دیا۔ "وہ اپنا کام نمٹانے ہی میں نے اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کر لیا تھا۔"

"یہ تو بتاؤ کہ تم نے ان تینوں کو ایک کمرے میں کیسے جمع کر لیا تھا ــــ؟"

"میری سہولت کے لئے انہوں نے خود ہی یہ بندوبست کیا تھا اگر ایلی سے مجھے مزید دو آدمیوں کی آمد کی اطلاع بر وقت نہ ملتی تو میرا کام ناممکن ہو جاتا کیونکہ بن حیان کا کمرہ خالی تھا۔ اور وہ تینوں برابر والے کمرے میں روپوش تھے۔" میں نے کہا۔ "اخبارات نے تو ہسپتال میں خونریزی کا پس منظر شدید قلت کا نشانہ بنایا ہو گا ؟"

"اس معاملے میں اسرائیلی حکام کی حماقت بہت کام آ گئی۔" وہ ہنس کر بولا۔ "اگر وہ بن حیان کی شخصیت پر پردہ ڈالے بیٹھے رہتے تو شاید ہسپتال کے برقی نظام کی تباہی پر کافی لے دے ہوتی مگر بن حیان کے قتل کا علم ہونے پر پیرس کے تین بڑے اخبارات نے سخت حفاظتی انتظامات اور سیکرٹ گارڈز کی موجودگی میں اسرائیلی وی آئی پی کے قتل کی سرخی جمائی اور سارا زور اس بات پر دیا گیا کہ سخت ترین انتظامات کے باوجود قاتل مقررہ نشانے پر اپنا کاری وار کر کے صاف بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔"

"پولیس کیا کہتی ہے ؟"

"ان کا رویہ بہت پر اسرار ہے انہوں نے ابھی تک اس معاملے میں پریس کو اعتماد میں نہیں لیا ہے اور اب جانے کب تک وہ اس کا بوجھ سنبھالے رہیں ــــ"

میں راڈرک سے ہسپتال کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا جو سیب میں میری منتظر تھی مگر وہ شخص افواج ِ آزادیٔ فلسطین کا رکن نہیں تھا جس کے بارے میں معلومات ہوتیں۔ البتہ میں نے عبداللہ سے ملاقات ہونے تک خاموشی بہتر سمجھی اور بات ختم کر دی۔

فلسطینی تحریک سے قریبی تعلق کے دوران مجھے کئی دوسری تنظیموں کے انکے ساتھ کا علم ہوا تھا۔ مگر اندیس فرینڈز آف فلسطین نامی گروپ میرے لئے بالکل نامانوس تھا۔ جس کے اراکین بعض الفتاح جیسی تنظیم کی بنیاد پر ساری دنیا میں غیر فلسطینیوں کے لئے کام کرتے تھے۔ حالانکہ اس گروپ کے کسی بھی رکن کا فلسطین کے خطے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

راڈرک تو مقررہ وقت پورا ہونے پر واپس چلا گیا مگر مجھے سوچنے کو بہت کچھ مصروف رکھنے کے لئے بہت سا مواد فراہم کر گیا۔

جیراڈ نے زخمی فرینڈز ہونے کے باوجود جو اس بار ادارے کی ٹیم کو مت کو جس طرح اپنا اڈا کا مسکن بنایا تھا، وہ مجھے کھٹک رہا تھا۔ ایک امکان یہ بھی ہو سکتا تھا کہ بن حیان کی موت کے بعد اسرائیلی مزید سازش کر کے اپنے ساتھ لگائے رکھا ہو مگر یہ بات مجھے معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ کوئی پیشہ ور قاتل ملے گی جو کسی حد تک اپنا وجود ظاہر کرے گا اس طرح وار بچا کر اس کے اپنے مفادات بری طرح تاراج ہو رہے تھے۔

پچھلے چند روز میں جیراڈ کا کردار پھر اس طرح ابھر کر سامنے آیا تھا کہ میرے دل میں اسے زیر کرنے کی خواہش پیدا ہو گئی تھی۔ اور میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اگر لیبیا جانے سے قبل ذرا بھی مہلت ملی تو جیراڈ کے ورکش ضرور دورہ کروں گا۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق ساتویں روز میرے زخم کے ٹانکے کھول دئیے گئے اور ڈریسنگ کے بعد مجھے اجازت دے دی گئی کہ میں اپنی سہولت کے مطابق ہسپتال چھوڑ دوں۔

اسی شام راڈرک آیا تو اس نے میری چھٹی کی خبر مسرت سے سنی اور سیدھا صاحب حاضر کرنے چلا گیا۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ روز قبل زیلی اپنا ہفتہ مکمل کر کے واپس کی شفٹ میں جا چکی تھی۔ ورنہ میرے لئے اس سے گلو خلاصی دشوار ہو جاتی۔

خاموشی سے نکل جانے میں فائدہ یہ تھا کہ میں نے اسے اپنی رہائش کا پتہ دیا اور ایک ہوٹل کا تھا جہاں میرا جانے کا ارادہ ہی نہیں تھا۔

میں ہسپتال کے عملے سے الوداعی ملاقات کر کے باہر آیا تو راڈرک مجھے ایک بیوک کے پاس لے گیا اور میرے استفسار پر پتہ چلا کہ اس کے پاس کوئی ذاتی کار نہیں تھی بلکہ اس نے کسی دوست کی شرکت میں گیراج کھولا ہوا تھا اور حسب ضرورت مرمت کے لئے آنے والی کاڑیاں استعمال کرتا رہتا تھا۔

"عبداللہ کا قیام کہاں ہے ؟" کار کے دوڑتے ہی میں نے سوال کیا۔

"وہ کسی نامعلوم قصبے کا نام لیتا ہے۔"

"اوہ ــــ تو وہ ابھی تک پیرس میں ٹکا ہوا ہے ؟"

"تم جانتے ہو اسے ؟" راڈرک نے سوال کیا اور میں نے نفی میں اثبات میں سر ہلا کر اس موضوع کو وہیں ختم کر دیا۔

راڈرک نے اپنے فلیٹ کا رخ کرنے سے پہلے مجھے جیراڈ کے کیبنٹ کا جلا ہوا ملبہ دکھایا جو واقعی خاکستر ہو چکا تھا۔

عمارت کا بیشتر حصہ آتش زدگی کے بعد ڈھیر ہو چکا تھا لیکن باقی رہ جانے والے آثار بھی بتا رہے تھے کہ آگ لگنے سے پہلے وہاں تین منزلوں پر محیط کوئی عظیم الشان عمارت بنی ہو گی۔

"جیراڈ کے ٹھکانے سے واقف ہو ؟"

"اس کے درجنوں ٹھکانے ہیں۔ وہ کہیں بھی ہو سکتا ہے !"

"تو کیوں نہ اس کو تلاش کیا جائے۔"

"عبداللہ تیار تھا کہ جیراڈ کا ایک آدمی اسے اور تمہیں اچھی طرح پہچانتا ہے" راڈرک نے سنسنی خیز لہجے میں کہا اور میرے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔

جو اس وارڈ میں میرے بائیں طرف ہے جیراڈ کا ایک آدمی واقعی مجھے اچھی طرح پہچانتا تھا اور میں اسے فراموش کر بیٹھا تھا۔ اگر راڈرک مجھے یاد دہانی نہ کراتا تو میں جیراڈ کے اڈے پر جب چاہے ولن بن کر پہنچ سکتا تھا۔

اس وقت مجھے محسوس ہوا کہ چند دنوں کے لئے زندگی کی مہنگائی خرید جدوجہد سے نکل کر ہسپتال کے بستر پر پڑے رہنے سے میرا ذہن زنگ آلود ہو گیا تھا۔ اور غور کر کے دوبارہ اپنے معیار پر لانے کے لئے مجھے فوری طور پر مشق کرنا تھی۔

فرانس میں ایلیز نے میرے ساتھ جو تعاون کیا اسے میں زندگی بھر نہیں بھول سکتا تھا۔ اب مجھے پتا تھا اس کا رویہ آزاد مغربی معاشرے کے بیباک معاشرتی تضادات کا ایک شاہکار تھا اور میں فرانس کی سرزمین سے رخصت ہونے سے قبل ایک بار ایلیز سے ضرور ملنا چاہتا تھا۔

اول ایر پورٹ پر ایلیز کی گولی سے بن حیان کے زخمی ہونے کے بعد اس لڑکی سے رخصت ہوتے ہوئے میں نے اس سے دوبارہ ملاقات کا بھی وعدہ کیا تھا۔ اور مجھا اندازہ تھا کہ وہ ضرور میری منتظر ہو گی اور آخری ملاقات پر یہ لڑکی کی ساتھ میرے جرائم کی نجات کا یادگار جشن منائے گی ــــ

"کیا سوچ رہے ہو ؟" راڈرک کے سوال نے مجھے خوشگوار تصورات کی دنیا سے یک لخت باہر کھینچ لیا۔

"اس شہر میں میری بھی ایک دوست رہتی ہے" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"یہاں کی لڑکیوں میں پیدائشی طور پر جو بات ملتی ہے وہ ہے جرائم پیشہ بنانے کی۔ تمہاری دس بارہ روزہ غیر حاضری میں اس نے ضرور کوئی نیا عاشق پیدا کر لیا ہو گا۔"

"دوست اور عاشق میں بڑا فرق ہوتا ہے !"

"بالکل ہوتا ہے اس نے پر مزاح انداز میں تائید کی۔ عاشق بے چارہ تو صرف حالات وصال کے تصورات میں گزر بسر کرتا ہے اور دوست کی لعنت میں

"تو پھر کیا انتظار ہی چاہتیں، بہر حال بشرطیکہ اسے تمہاری شکل یاد رہ گئی ہو۔ تم ابھی جاؤ گے اس کے پاس۔۔۔؟"

"پہلے فون کروں گا۔" میں نے جوش سے کہا۔

"یہ زیادہ مناسب ہے، کسی قریبی شو روم کا فون ابھی نہیں رہے گا۔"

وہ خاصے خوش گوار موڈ میں نظر آ رہا تھا۔ "مجھے کون سا جانا ہے؟"

"عبداللہ جانتا ہے اسے۔" میں نے یہ کہہ کر جواب گول کر دیا۔

"اس سے ملنے جاؤ گے تو یہ یاد رکھنا کہ تمہارے آپریشن کا زخم ابھی تازہ ہے۔" راڈرک نے تاکید کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارے ٹانکے ٹوٹ گئے تو مشکل میں پڑ جاؤ گے۔"

میرے جواب دینے سے قبل راڈرک کا فون بج اٹھا۔ اس نے ریسیور کان سے لگا کر چند لمحے بات کی پھر مجھے کہا۔ "تم لوگ چلو، میں تھوڑی دیر میں آ جاتا ہوں۔"

"کہاں جانے کا ارادہ ہے؟"

"یہاں تو پولیس آتی رہتی ہے تمہارے چکروں میں۔" وہ شرارتاً مسکرا کے بولا۔

"میرا کوئی گھر تو ہے نہیں پھر تمہارا ہی کام نکلوا کے بیٹھ گیا ہوں!"

میرے لئے راڈرک کی غیر حاضری غنیمت تھی۔ لہٰذا میں نے اس کے فلیٹ میں داخل ہوتے ہی عبداللہ کو فون کر ڈالا۔

دوسری جانب سے شاید ایلیزا کے خدمتگار نے ریسیور اٹھایا۔ میں اس کی بات نہ سمجھ سکا اور نہ ہی وہ میرا فقرہ سمجھا ہو گا۔ بہرحال ایلیزا کا لفظ سن کر اس نے فرنچ میں کچھ کہا اور چند لمحوں بعد ہی مجھے ریسیور پر ایلیزا کی ترنم ریز آواز سنائی دی۔

"میں شہزاد بول رہا ہوں ایلیزا!" میں نے والہانہ انداز میں کہا۔

ملبو فون سے اس کی متحیرانہ مگر پرجوش آواز سنائی دی۔ "تم کہاں سے بول رہے ہو؟"

"پیرس کا کوئی دلکش علاقہ ہے!" میں نے جواب دیا۔ "یہ بتاؤ تمہارا کیا حال ہے؟"

"میں تمہاری تلاش میں تھی!" اس کی آواز پہچان لینے کے باوجود تھی مگر لہجہ یک بیک مدھم ہو گیا تھا۔

"کوئی خیریت تو ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"نہیں نہیں۔۔۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں!" اس نے جلدی سے کہا۔ "بس تم سے ملنے کے لئے میری طبیعت بہت بے چین تھی۔"

"ملاقات ہوئی تو ہم اپنا جشن منائیں گے!" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"تم خود آ رہے ہو؟"

"میں فری چیک کا ہوں آ رہا ہوں۔"

"یہاں نہ آنا۔" اس نے فوراً ہدایت کی۔ "بنگلے کے گیٹ پر آج کل ہر وقت پولیس کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ ہم کہیں باہر ہی ملیں گے۔"

نصف گھنٹے بعد ایک بار کے قریب ملنے کا پروگرام طے کر کے میں نے ریسیور رکھ دیا۔

راڈرک سے میری شناسائی مختصر ہی تھی مگر وہ خاصا بااخلاق ثابت ہوا تھا۔ لہٰذا میں نے اس سے اجازت لئے بغیر ہی وارڈ روب میں سے اس کا ایک نفیس سوٹ نکالا اور ایلیزا سے خوش گوار ملاقات کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔

راڈرک باتھ روم سے نکل کر مجھے دیکھتے ہی حیران ہو گیا۔ "یہ کس مہم کو جانے کی تیاریاں کر رہے ہو؟"

"کسی سے ملنے جا رہا ہوں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "دیر ہو جائے تو فکر نہ کرنا، ہو سکتا ہے کہ پوری رات ہی باہر گزر جائے۔"

"مجھے اس کے بارے میں بے شک نہ بتاؤ لیکن عبداللہ کے لئے تو کچھ بتا دو۔ وہ بھی فرصت میں تم سے ملنا چاہے گا۔"

"اسے بتا دینا کہ میں بھتیجی سے ملنے گیا ہوں!"

"کس کی بھتیجی؟"

"بس وہ سمجھ جائے گا۔ اس لڑکی کے لئے یہ لفظ اس کے لئے نیا نہیں ہے!"

میں راڈرک کو حیران و پریشان چھوڑ کر اس کے فلیٹ سے باہر آ گیا۔

"ملاقات کا محل وقوع اچھی طرح ذہن نشین کر لینا۔" اس نے دروازہ بند کرنے سے پہلے کہا۔ "ایسا نہ ہو کہ واپسی میں کہیں اور پہنچ جاؤ۔"

"فکر نہ کرو، بھٹک گیا تو تمہیں فون کر لوں گا۔"

میں مقررہ مقام پر طے شدہ وقت سے پانچ منٹ پہلے ہی پہنچ گیا مگر ایلیزا مجھ سے پہلے وہاں موجود تھی مجھے دیکھتے ہی وہ کار کی سیٹ سے اتری اور والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئی۔

"گاڑی میں بیٹھو، بہت سے کام ہیں۔" میں نے نخوت آمیز انداز میں اسے کار کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

"تم پیرس میں ہو لیکن شہزاد کسی گلی میں نہیں ملے۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

"بیڈ روم کیسے یاد آ گیا؟"

"سنا ہے کہ دل میں حسرت اور آرزو کا جسم ایک ہو کر سے نفس ہوتا ہی سب سمجھا جاتا ہے۔" وہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ خود اعتماد نظر آ رہی تھی۔

"زندگی کیسے گزر رہی ہے؟" گاڑی روانہ ہونے کے بعد میں نے جواس برادران کی موت کے تذکرے سے البتہ گریز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"میرے باپ کو تو بے رحمی سے مار گیا ہے کوئی!" اس نے ایک بار دل شکستگی کے بعد جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔

"تمہارا باپ بہت ہوشیار آدمی تھا ایلیزا!" میں نے اس کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے اپنا لہجہ میں کہا۔ "اس کے لئے زندہ آسانی سے ممکنات نہیں تھا۔"

"مجھے جواس کی موت کی خوشی تھی۔" وہ بولی۔ "مگر میرا باپ کیونکہ تھا لہٰذا اس کی لاش قابل شناخت رہتی تو زیادہ اچھا ہوتا!"

"میں معذرت خواہ ہوں!"

"کیوں؟" وہ ذرا چونک کر تھی اس نے ایک لمحے کے لئے گردن گھما کر پر سوچ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ "کیا یہ تمہارا کارنامہ تھا؟"

"جواس کا انجام لانے کے لئے میں بھی ذمہ دار ہوں!"

"اس کی زندگی میں بھی اس سے نفرت کرتی تھی مگر اس کی لاش دیکھنے کے بعد یہ تصور دہرانا محال ہو جاتا تھا۔ اگر اس کی موت تھوڑی سی آسان بنا دی جاتی تو بہتر ہوتا۔ بہرحال اب تو وہ ہو چکا اور میں اپنے فیصلے کے بارے میں ذرا بھی ملامت محسوس نہیں کرتی۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن ایرلام کس کی دشمنی کا شکار رہا۔ اس کی موت بھی کم بیٹی اس قدر دہشت ناک تھی!"

میرے لاشعور کی گہرائی میں کہیں خطرے کی مدھم سی گونج پیدا ہوئی اور میں نے فوراً ہی ایک حکمت عملی اپنانے کا فیصلہ کر لیا۔ "اس کے بارے میں میں نے بھی اخبار میں پڑھا تھا یہ محض اتفاق ہے کہ دونوں بھائی کم و بیش ایک ہی وقت میں مارے گئے!"

"تو وہ تمہارا کام نہیں تھا؟"

میں ہنس پڑا۔ "جواس سے میرا جو جھگڑا تھا وہ میری ذاتی دشمنی تھی جس کی وجہ سے میں اسے ہسپتال میں محسوس کر رہا تھا۔ تم نے بھی سن لیا ہو گا کہ وہ اسرائیل کا ایک اہم ترین آدمی تھا مگر تمہارے سامنے ایک لاابالی آوارہ لڑکے کے روپ میں آتا تھا۔ اس کے تو بے شمار دشمن ہو سکتے تھے۔"

"ختم کرو اس ناخوشگوار موضوع کو!" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "یہ بتاؤ کہ تم غائب کہاں رہے؟"

"اسی شہر میں تھا!"

"تو مجھ سے کیوں نہیں ملے؟"

"احتیاطاً دور رہا!" میں نے محبت آمیز لہجے میں کہا۔ "تمہارے بنگلے پر پولیس کی گہری نظر رہی ہو گی۔ اور میں کسی دشواری میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔"

"اور تمہارا ساتھی کہاں ہے؟" اس نے یک بیک عبداللہ کے بارے میں سوال کیا۔

"میرے ساتھ ہی رہتا ہے!" ایلیزا کا یہ سوال بھی میرے لئے غیر متوقع تھا۔ میری چھٹی حس اس لڑکی کے رویے کے بارے میں کسی گڑبڑ کی نشاندہی کر رہی تھی مگر ایلیزا کا طرز عمل خاصا معقول تھا۔ وہ طویل عرصے کے بعد ملنے والے ایک شناسا سے مل رہی تھی جس کے ساتھ اس نے اپنے باپ کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا۔ اور جواس کے قتل کے بعد ہم دونوں کی وہ پہلی ملاقات تھی۔ پس میں ایلیزا سے متعلقات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی خفیہ کوشش کر رہا تھا۔

"جاؤ تو اسے میں جلوہ۔" اس نے کہا۔ "آج کے جشن پر اس کا بھی حق ہے۔ اگر وہ آنا چاہے تو میں اس کے لئے بھی کسی کا بندوبست کر سکتی ہوں۔"

"تمہارے خوبصورت لبوں سے ایسی پیشکش اچھی نہیں لگتی!" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "وہ تجربہ پسند آدمی ہے اس سے بہت جلد اکتا جاؤ گی۔"

ہمارے سفر کا اختتام ایک ریسٹورنٹ کی کار پارکنگ پر ہوا جہاں ایک بار ایلیزا کا انتظار کرنے کے بعد میں نامراد واپس لوٹا تھا۔

کہر آلود شام کے دھندلکے میں اس ہوٹل کے کنارے پر کہیں کہیں جلتی ہوئی خوابناک روشنیاں ماحول کو نہایت نشاط انگیز بنا رہی تھیں۔ میں نے کار سے اتر کر ہوٹل میں داخل ہوتے ہوئے ایلیزا کے متناسب اور مرمریں پیکر کا جائزہ لیا اور آنے والے لمحات کا خمار میرے ذہن پر طاری ہونے لگا۔

ایلیزا نے شاید مجھ سے بات کرتے ہی فون پر ہوٹل کے منتظمین کو ہدایات دے رکھی تھیں کیونکہ آتش دان روشن تھا اور باہر کے یخ بستہ ماحول کے مقابلے میں اندر خوشگوار حرارت موجود تھی۔

اندر پہنچ کر ایلیزا نے سیاہ اوور کوٹ اتار کر لٹکایا اور سگریٹ سلگائی اور پھر بوتل لے کر مختصر سی میز پر میرے سامنے بیٹھ گئی۔

ایلیزا نے میرے ساتھ وہسکی سے آغاز کیا مگر دوسری بار گلاس بھرنے کے لئے تو میرے لئے وہسکی اور اپنے لئے شیری کا انتخاب کیا۔

"یہ کیوں؟" میں نے اپنا گلاس اٹھاتے ہوئے سوال کیا۔

"تمہیں بہکا ہوا دیکھنا چاہتی ہوں۔" وہ بڑی دلآویزی سے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ اس کے گلابی ہونٹوں پر دعوت انگیز مسکان کھیل رہی تھی۔

"تمہیں مایوسی ہو گی!" میں نے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر کہا۔ "اسی طرح قطرہ قطرہ کر کے پیتے رہے تو دو بوتلیں بھی نہ بہکا سکیں گی۔"

"تو تم چاہتے ہو کہ بوتل کو منہ لگا لوں؟"

"یہ مشکل کام ہے۔ میں تمہیں امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتی۔"

"خواتین کی موجودگی میں میں نفاست کا قائل ہوں ورنہ پوری بوتل بھی معدے میں اتار لیتا۔" یہ کہہ کر میں نے گلاس خالی کر دیا۔

"مجھے تو تیسرے پیگ کے بعد گنتی کا بھی ہوش نہیں رہتا۔" وہ میرے خالی گلاس میں کافی مقدار انڈیلتے ہوئے بولی۔ "اس سلسلے میں خاصی کمزور ہوں۔"

"تو تم ہی پیتے رہو، میں پھر شیری بھی دیکھ لوں گا۔"

وہ نہایت چالاکی سے مجھے باتوں میں الجھا کر تیزی سے گلاس خالی کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ میرے حواس بتدریج کام کر رہے تھے مگر خمار آلود ایلیزا کی اداؤں پر ہماری بھوک جاری تھیں۔ اور میں عالم سرور میں اس کی شوخ دلبری سے پوری طرح محظوظ ہو رہا تھا۔

کمرے کی روشنی مدھم تھی لیکن آہستہ آہستہ اپنے گرد و پیش سے لاتعلق ہوتا جا رہا تھا اور پھر میرے سامنے الیزا کے علاوہ کسی چیز کا تصور باقی نہیں رہا۔ میں اس خیال سے بچنے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ پھر سمجھنے لگی۔ اور جب میں صوفے پر نہایت بے فکری سے نیم دراز ہو کر سگریٹ کے کش لگا رہا تھا تو وہ بستر کے سرے پر جا بیٹھی اور غور سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" میں نے جھٹکے سے پوچھتے ہوئے سوال کیا۔

"تمہاری آنکھوں میں چھپا ہوا جھوٹ پڑھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"یہ جھوٹ کیا بلا ہے؟" اس لڑکی کا لہجہ سرد اور عجیب سا تھا: "کیسے جھوٹ کی بات کر رہی ہو؟"

"ابراہام کو کس نے مارا تھا؟" اس نے سوال کیا تو مجھے سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ جو پہلے والی ذہنی رنگت بدلنے میں تیز ہے اس وقت ابراہام کا ذکر کہاں سے آ گیا؟" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"میں صرف اسی لیے یہاں تک آئی ہوں۔"

"تو پھر جو کچھ اب تک ہوا ہے وہ فریب تھا؟"

"فریب ہی کہہ لو۔ میں ابراہام اور عذرا کو مارنے والے کے مقابلے میں اپنی طاقت آزمانا چاہتی تھی۔" اس نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔

میری کنپٹیوں میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ "اگر ابراہام کو میں نے مارا ہو تو اس سے کون سی حقیقت بدل جاتی ہے؟"

"حقیقت نہیں، پلاننگ کی بات ہے۔" وہ ٹہلتے ہوئے نئی سگریٹ سلگا کر درشت لہجے میں بولی۔ "تم نے مجھے اعتماد کر کے شبہ میں ڈال دیا ہے۔ اس صورت میں تم سے کس وقت بات کروں گا۔" میں نے تفریح کا لطف اٹھاتے ہوئے ہلکے سے لہجے میں کہا۔

"بات تو ابھی ہوگی۔" الیزا کا لہجہ اٹل تھا: "تم جو کچھ ہو اس کا تعلق بھی اسی بات سے ہے۔ تم مجھ پر ساتھ تفریح کے لیے یہاں آئے تھے مگر مجھے دل میں کچھ اور منصوبہ تھا اور تم بھی کسی سازش کی نیت سے میرے قریب ہوئے تھے فرق یہ ہے کہ تم میری کمزوریوں کی قیمت وصول کر چکے ہو اور میرا حساب باقی ہے۔"

"تمہیں کوئی زبردست غلط فہمی ہوئی ہے الیزا۔"

"غلط فہمی ہوئی ضرور تھی مگر اب دور ہو چکی ہے۔ میں کئی دن سے تمہاری تلاش میں تھی مگر یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم آج خود ہی مجھ سے ٹکرا گئے۔"

"تو پھر کھل کر بات کرو کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"پہلے تو میں چاہتی ہوں کہ تم ایک شریف آدمی کی طرح ہر بات کا اعتراف کر لو۔"

عذرا کے قتل میں بھی صفدر میرا خیال ہے کہ تمہارا ہی ہاتھ تھا۔ تمہیں۔ اس کے علاوہ تم کس بات کا اعتراف سننا چاہتی ہو؟"

"تو پھر مجھ سے سنو۔" وہ سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے بولی: "تم شروع ہی سے ابراہام کے چکر میں تھے اور کسی طرح یہ پتہ چلانے میں کامیاب ہو گئے کہ میں اس کی بیٹی ہوں اور پھر تم نے مجھ پر ڈورے ڈالنے شروع کر دیے تھے اور میں نے نادانی میں تمہیں اس حد تک قبول کر لیا کہ اپنے باپ سے نفرت کی کہانی بھی تمہیں سنا ڈالی اور تم بظاہر مجھے عذرا کی ہلاکت کی تسلی دیتے رہے مگر میری آڑ میں ابراہام کے گرد اپنا جال تیزی سے مضبوط کرتے رہے اور مجھے آخر تک اصل معاملے کی ہوا نہ لگنے دی۔"

"یہ سب غلط ہے الیزا!" میں نے کہا۔

"نہیں صفدر علی! یہ بالکل درست ہے۔" اس نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ پُراعتماد لہجے میں کہا اور میں اس کے منہ سے اپنا اصل نام سن کر حیرت سے اچھل پڑا۔

"مجھے سب پتہ چل چکا ہے۔" وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے پُرسکون لہجے میں بولی: "میں تمہارے فلسطینی دوست عبداللہ کے بارے میں بھی جان چکی ہوں۔ تم شاید نہیں جانتے کہ اسرائیلی ایجنٹوں کو ابراہام کے بعد صرف ابن حیان کی تلاش میں بیروت آ رہے تھے مجھے افسوس ہے صفدر علی کہ میں نادانستگی میں تمہاری آلۂ کار بن گئی۔"

"تمہیں کیسے پتہ چلا؟" میں نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پہلے میری تائید نہیں کرو گے؟" اس نے مسکرا کر کہا۔ اس کے الفاظ میں اعتماد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

"تم شبہ کر رہی ہو۔" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "بیروت سے نکلنے تک تم یہ تمام باتیں اپنی ذات تک محدود رکھو گی؟"

"کب جا رہے ہو؟"

"شاید میں کل ہی نکل جاؤں۔"

وہ مضحکہ خیز انداز میں زور سے ہنس پڑی: "آتنی عجلت تو نہیں۔ ابھی تو تمہارے ذریعے عبداللہ کو یہاں لانا ہے۔"

"اپنی کھال میں رہو الیزا!" میں غصیلے انداز میں بولا: "ایسا ہو کر میں اپنی مرد انگی تک تمہیں اپنے آدمیوں کی تحویل میں رکھنے کا فیصلہ کر لوں۔"

"بیٹھ کر بات کرو مسٹر صفدر!" وہ یک بیک سنجیدہ ہو گئی: "ابن حیان کے قتل کے بعد اسرائیل کی آرمی انٹیلی جنس کا چیف خود میرے پاس آیا تھا۔ اسے کسی طرح شبہ ہو گیا تھا کہ عذرا اور ابراہام کے قتل میں کہیں نہ کہیں میرا ہاتھ ہے اور میں نے"

تمہارے اور عبداللہ کے بارے میں بتایا۔ اسرائیلی ایجنٹ ابن حیان نے تہہ خانے میں مرنے سے قبل تمہاری سرگرمیوں کی اطلاعات اسرائیل بھجوا دی تھیں اور پھر آرمی انٹیلی جنس کے چیف نے تم دونوں کی تصاویر دکھا کر مجھے بتایا کہ تم دونوں ابن حیان وغیرہ کے قاتل ہو سکتے ہو۔ تصویر دیکھنے کے بعد میں نے اسے تمام حالات سے آگاہ کیا۔ سازشی کہانی سناوی انداز جس نے صاف طور سے ہے کہ میرا ذہن خرید لیا ہے اور وہ ہر فلسطینی کے لہو سے میرا انتقام لے رہا ہے۔ اس کے تم جیسے فلسطینیوں کا رہنا ناممکن بنا دیں گے؟"

میں نے خطرہ بھانپ لیا۔ الیزا نہ صرف میری باتوں سے واقف ہو چکی تھی بلکہ خطرناک طور پر اپنی غلطی کے عمل آنا نے کی کوششوں میں مصروف تھی اور شاید اسی لیے وہ مجھے شراب کے نشے میں مدہوش کرنا چاہتی تھی تاکہ پولیس کو بلا کے اسرائیلی انتظامی حکام کے حوالے کر سکے اور لوگ اپنے ضمیر کی مجرمانہ خلش کو دور کر سکے۔

میرے لیے سب سے بہتر راستہ یہی تھا کہ میں اسے ختم کر دیتا مگر اس نے میرے ساتھ ہمیشہ تعاون ہی کیا تھا لہٰذا میرا دل اس کے قتل پر آمادہ نہ ہو سکا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ وہاں سے جا کر فوری طور پر بیروت چھوڑ دیتا اور جلد از جلد فرانس کی سرحد عبور کر لیتا۔

میں نے جانے کا ارادہ کر کے اپنا سگریٹ کا پیکٹ اٹھایا اور کھڑا ہو گیا: "میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا الیزا۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم ایسے ناخوشگوار ماحول میں ایک دوسرے سے رخصت ہو رہے ہیں۔"

"تم اس ہٹ سے نہیں جا سکو گے صفدر!" وہ یہ کہتے ہوئے بستر سے اٹھ کر میرے قریب پہنچ گئی جہاں اس کا گاؤن لٹکا ہوا تھا۔

"بے وقوف بننے کی کوشش نہ کرو الیزا۔ مجھے روک کر تم کسی کی خوشنودی حاصل نہ کر سکو گی۔"

"اس ہٹ کے باہر گیارہ تجربہ کار اور مسلح اسرائیلی ایجنٹ میرے اشارے کے منتظر ہیں مسٹر صفدر! اگر تم نے تنہا باہر جانے کی کوشش کی تو وہ دروازے سے نکلتے ہی تمہارا بدن چھلنی کر دیں گے۔" اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا اور میں ساکت کھڑا رہ کر نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"تم بکواس کر رہی ہو؟"

"میرے بغیر باہر قدم نکال کر دیکھ لو۔ یہ ہٹ ہر وقت ان کے محاصرے میں رہتا ہے کیونکہ تم جب بھی ملنے میں تمہیں اسی جھونپڑی والی بیچ میں لے کر آئی۔ انہوں نے یہ ضرور دیکھا ہو گا کہ میرے ساتھ ایک مرد اندر داخل ہوا ہے۔ اگر انہیں بھنک بھی مل جاتی کہ تم صفدر علی ہو تو دروازہ توڑ کر اندر گھس آئے ہوتے۔"

"اور تم میرے ساتھ ہو گی تو وہ تعرض نہیں کریں گے۔"

اس نے سر کو اثبات میں جنبش دی اور بولی: "میں اپنے دوستوں کے ساتھ یہاں آئی رہتی ہوں لیکن ہم ساتھ آتے ہیں اور ساتھ جاتے ہیں مگر تم ۔۔۔۔؟" وہ جملہ نامکمل چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔

"پھر تم کو میرے ساتھ چلنا ہو گا بے بی!" میں نے یہ کہہ کر اس کی طرف جھپٹنا چاہا مگر اس نے نہایت پھرتی سے اپنے بیاہ گاؤن کی جیب سے ریوالور نکال کر اس کی نال میری طرف اٹھا دی۔

"وہیں رک جاؤ ورنہ گولی مار دوں گی؟"

میں اپنی جگہ رک گیا۔

"اور یہ ریوالور ہٹ سے نکلتے ہوئے اگر میں تمہاری ہدایت کے مطابق اسے گھر میں پھینک دیتی تو آج یہ جھگڑا ختم ہو جاتی۔" اپنی دھمکی کا مناسب اثر دیکھ کر وہ پُرسکون لہجے میں بولی۔

"فائر کرتے ہوئے تمہارے ہاتھ کانپ جائیں گے؟"

"پہلی گولی میں نے کامیابی سے اپنے ایک بندگ پر چلائی تھی اور آج تو ایک ہرجائی آشنا سامنے ہے۔" اس نے کھڑکی کی طرف الٹے قدموں سرکتے ہوئے کہا: "نشانہ خطا بھی ہو گیا تو فائر کی آواز پر باہر والے بھوکے بھیڑیوں کے غول کی طرح تم پر ٹوٹ پڑیں گے۔"

"تو تم مجھے قید کرنا چاہتی ہو؟"

"قید؟" وہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑی: "وہ اسرائیلیوں کی خواہش ہے مگر میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے سسکا سسکا کر ماروں گی۔"

میں بدترین مشکل سے دوچار ہو چکا تھا۔ سامنے الیزا اور اس کا ریوالور تھا اور باہر گیارہ خونخوار صیہونی ایجنٹوں کا ناقابل شکست حصار قائم تھا۔ الیزا کے بیروت پہنچنے کے بعد میں نے عبداللہ کے لیے بھی بستر سا بچھا رکھ چھوڑا تھا۔ لہٰذا اس سے بھی مدد کی کوئی امید نہیں تھی۔ ایسا نظر آ رہا تھا جیسے میری زندگی واقعی اسی پاگل لڑکی کے رحم و کرم پر رہ گئی ہو۔

"تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ ریوالور رکھ دو۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"مجھے نادان نہ سمجھو۔" وہ میرا مضحکہ اڑاتے ہوئے بولی: "یہ درست ہے کہ میں نے تمہارے ہی طفیل جرأت اور حوصلہ پایا سیکھی ہے مگر اس سے آگے تمہاری استادی نہیں چلے گی۔"

اسی وقت اچانک ہٹ کے دروازے پر تیز دستک ہوئی اور الیزا کسی بھیڑیے کی طرح کبھی میری طرف اور کبھی دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

چند سیکنڈ کے بعد آنے والے نے مسلسل دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔

ایلیزا

چند سیکنڈ تک کسی غضب ناک شیرنی کی طرح ہٹ کے داخلی دروازے کی طرف دیکھتی رہی جو مسلسل پیٹا جا رہا تھا مگر اس دوران میں وہ ایک لمحہ کے لیے بھی میری طرف سے غافل نہیں ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ دروازے کی جانب تھا جب کہ میں اس طرف پشت کیے کھڑا تھا اور ایلیزا مجھے نظروں میں رکھتے ہوئے بآسانی میرے شانوں کے پیچھے دیکھ سکتی تھی۔

"کون ہے یہ؟" چند ثانیوں تک خاموش رہنے کے بعد ایلیزا نے خونخوار لہجے میں غرا کر سوال کیا۔

میں اس دستک کو اپنے لیے غیبی امداد تصور کر رہا تھا۔ ایلیزا میری طرف سے ذرا بھی غافل ہوتی تو میں ایک ہی زقند میں اسے اپنی گرفت میں لے کر ریوالور پر قابض ہو سکتا تھا اور پھر تمام صورت حال میرے حق میں ہوتی۔ میں ریوالور کی نال اس کے پہلو سے لگا کر بآسانی اس کی کار تک ہٹ سے فرار ہو سکتا تھا اور باہر کھڑے ہوئے اسرائیلی اسی غلط فہمی میں مبتلا رہ جاتے کہ ایلیزا ہٹ کی محفوظ دیواروں کے پیچھے اپنے کسی بے تکلف دوست کے ساتھ رنگ رلیاں منا کر واپس جا رہی ہے۔

مگر چند سیکنڈ پیشتر حماقت کی حد تک سادہ و رحم نظر آنے والی ایلیزا اس وقت چیتے و درندگی کا نظر آ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں موجود ریوالور کی سیاہ نال مسلسل میرے سینے کی طرف اٹھی ہوئی تھی اور ایلیزا پوری مستعدی کے ساتھ میری ہر حرکت کی نگرانی کر رہی تھی۔

"دروازہ کھولو مسٹی! میں ابی غیل ہوں۔" بند دروازے کے عقب سے ایک بھاری مردانہ آواز سنائی دی۔

"چند ثانیوں کے لیے توقف کرو، ابھی کھولتی ہوں۔" ایلیزا نے کہا۔ باہر والے کا نام سننے کے بعد میرے لیے اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا تھا کہ آنے والا نہ صرف یہودی بلکہ اسرائیلی تھا کیونکہ ایسے قدیم عبرانی نام اسی سرزمین پر سننے میں آتے تھے۔

"اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھا کر دروازے کی طرف چلو۔ میں تمہارے پیچھے رہوں گی۔ اگر تم نے ذرا بھی مستعدی دکھانے کی کوشش کی تو میں بے دریغ گولی چلا دوں گی۔" اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر سرد لہجے میں کہا۔

"اسے دروازے ہی سے رخصت کر دو۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "یہ معاملہ اگر میرے اور تمہارے درمیان ہی رہے تو بہتر ہوگا۔"

"میں اپنا برا بھلا خوب سمجھتی ہوں۔ جو کہہ رہی ہوں اس پر عمل کرو ورنہ پچھتاؤ گے۔" وہ میری کسی بات کا اثر قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔

میں ایک گہرا سانس لے کر ہٹ کے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ مجھے اپنے عقب میں ایلیزا کے قدموں کی چاپ واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔

دروازے کے قریب پہنچ کر میں ٹھٹک گیا۔

"دروازہ کھولو۔" ایلیزا نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور میں نے ہاتھ نیچے گرا کر دروازے کا بولٹ نیچے سرکا دیا۔

ہٹ کا دروازہ اندر کی طرف کھلتا تھا اور میں بولٹ گرانے کے ساتھ ہی اگر تیزی سے پٹ اندر کھینچ کر اس کی اوٹ میں ہو جاتا تو چند ثانیوں کے لیے ایلیزا کے ریوالور کی زد سے بچ سکتا تھا مگر اس قسم کی کارروائی مجھے باہر نکلنے میں کوئی مدد نہ دیتی۔ ایلیزا اپنے ساتھیوں کی مدد سے فوراً ہی مجھے دوبارہ گھیر لیتی۔ اس سے نمٹنے کے لیے وقت میرے ذہن کے کسی بعید ترین گوشے میں بھی خطرے کا احساس نہیں تھا اور اسی وجہ سے میں یہاں غیر مسلح حالت میں آیا تھا۔ دے کر زبردستی چھینی والی ششی میرا واحد سہارا تھی مگر وہ بھی فاصلے سے نشانہ لگانے کے سلسلے میں قطعی ناکارہ تھی۔

دروازے کا بولٹ گرانے کے بعد میں چند قدم پیچھے سرک گیا۔ میرا چہرہ بدستور دروازے کی ہی طرف تھا۔ باہر والے نے بولٹ گرنے کی آواز سن کر دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا اور پٹ بے آواز اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔

وہ خوفناک صورت والا تنومند شخص گندمی چہرے کا مالک تھا۔ اندر کا ماحول نظر آتے ہی اس کے بشرے پر حیرت کی پرچھائیاں نظر آئیں اور وہ چوکھٹ میں ایک قدم بڑھا کر وہیں ٹھٹک کر رک گیا جیسے مزید پیش قدمی اس کے لیے مہلک ہو سکتی ہو۔

"اندر آ جاؤ ابی غیل! میری پشت سے۔" ایلیزا کی آواز ابھری۔

"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں مسٹی؟" ابی غیل نے آگے بڑھتے ہوئے خفگی بھرے لہجے میں پوچھا۔

"اس کے ساتھ میرا ذاتی جھگڑا ہے۔" ایلیزا نے لاپروائی سے کہا۔ "تم اندر آ کر دروازہ بند کر دو!"

"ہم تمہارے جانثار ہیں مسٹی!" ابی غیل کا لہجہ شکایت آمیز انداز لیے ہوئے تھا۔ "تم کو آتشیں اسلحے کے کھیل زیب نہیں دیتے۔ تم اشارہ بھی کر دیتیں تو ہم اس مردود سے نمٹ لیتے۔ ویسے تم اور اس کا کیا جھگڑا ہے؟"

"تم جس کام کے لیے میرے ساتھ لگائے گئے ہو اس پر غور کرو۔" ایلیزا کے لہجے میں قدرے ناگواری نمایاں تھی۔ "اگر یہ میرے لیے خطرہ بن جاتا تو میں یقیناً تم لوگوں کو ہی مدد کے لیے بلاتی۔ بتاؤ کہ تم کیوں ایسی بوکھلاہٹ میں یہاں آئے ہو؟"

ابی غیل نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔

"تم واپس خواب گاہ میں چلو۔" ایلیزا نے مجھے للکارا اور میں بے پروا واپس خواب گاہ کی طرف چل دیا اور ابی غیل میرے عقب میں ایلیزا کے ساتھ ہو لیا۔

خواب گاہ کے وسط میں پہنچ کر میں ایلیزا کی طرف گھوما تو وہ ابی غیل کے ساتھ سرگوشیانہ لہجے میں کچھ بات کر رہی تھی مگر اس کی نگاہیں بدستور مجھ پر مرکوز تھیں اور تیوریوں پر برہمی کے آثار نمایاں تھے۔

"مجھے تمہاری دوستی! ورنہ ہم سب کو ناقابل بیان دشواریوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔" قدرے توقف کے بعد ابی غیل نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ اس بار ابی غیل کی آواز اتنی بلند تھی کہ میں نے اس کے کہے ہوئے الفاظ سنے۔

"میں کہہ چکی ہوں کہ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ تمہیں اس سے سروکار نہیں ہونا چاہیے۔" ایلیزا نے ترش لہجے میں جواب دیا۔

ایلیزا کے جواب نے مجھ پر تمام صورت حال واضح کر دی۔ غالباً وہ شخص اس سے میری اصلیت دریافت کرنا چاہ رہا تھا اور ایلیزا میرے ساتھ اپنے تنازعے کو ذاتی معاملہ قرار دے رہی تھی۔ وہ لڑکی یقینی طور پر مجھ سے تنہا نمٹنے کے چکر میں تھی اور جانتی تھی کہ اگر یہ بھنک ابی غیل کو مل گئی کہ اصل علی ہٹ میں موجود ہے تو وہ شکار کو قابو میں کرنے کے لیے سب کچھ کر گزرے گا اور وہ ہاتھ ملتی رہ جائے گی۔

میرے لیے ایلیزا کا رویہ بہت حوصلہ افزا تھا۔ وہ باتوں ہی باتوں میں مجھے یہ جتا چکی تھی کہ وہ مجھے سسکا سسکا کر مارے گی۔ لہٰذا اسرائیلی ایجنٹوں سے نجات پانے کے بعد میں اس کا قیدی ہوتا اور اسرائیلی سیکرٹ سروس کے اراکین کے مقابلے میں ایلیزا کو چکمہ دے کر رہائی حاصل کرنا بہت آسان تھا۔ میری بہتری اسی میں تھی کہ ان دونوں کی بحث سے لاتعلقی اختیار کر لوں۔

"تم پہلے بھی اپنے دوستوں کے ساتھ یہاں آتی رہی ہو مگر میرے آدمیوں نے کبھی دخل اندازی نہیں کی۔" ابی غیل نے معذرت طلب لہجے میں کہا۔

"تو پھر اب کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے؟" ایلیزا نے تنگ آ کر سوال کیا۔

"پچھلے دس منٹ میں سرمئی رنگ کی ایک سیڈان کار ہٹ کے سامنے والی شاہراہ کے تین چکر لگا چکی ہے۔" ابی غیل نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا۔ "یہ کیا عجیب اتفاق ہے کہ آج تم اپنے ہاتھ میں ریوالور اٹھائے اس ہٹ میں ایک ذاتی معاملہ نمٹا رہی ہو اور ہم لوگ باہر ایک مشتبہ کار کو یہاں منڈلاتا دیکھ رہے ہیں۔"

"وہ مقامی پولیس بھی ہو سکتی ہے۔" ایلیزا کی آنکھوں میں ایک تشویش کے سائے نظر آنے لگے۔

"پولیس کو ادھر کون متوجہ کر سکتا ہے؟"

"ہو سکتا ہے کہ تمہارا ہی کوئی آدمی شہر سے کسی سراغرساں کو اپنے پیچھے یہاں تک لے آیا ہو اور اسے آخر تک تعاقب کا علم نہ ہوا ہو۔" ایلیزا کے پاس ہر بات کا مسکت جواب موجود تھا۔ "تم اپنے انتظامات کو لاکھ درست کہو، مقامی پولیس فلسطینیوں پر کیے جانے والے مہلک حملوں کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ شہر میں امن و امان قائم رکھنا انہی کی ذمہ داری ہے۔"

"اگر تمہارا نظریہ درست ہے تو سمجھو کہ کھیل بگڑ چکا ہے۔" ابی غیل ترش لہجے میں بولا۔ "صرف وہی اس شکار نے ...

"تم نے سیر و تفریح کے لیے اس ہٹ کا تعین کر کے شروع ہی میں غلطی کی تھی اور اب اس کے نتائج کا سامنا کرنا تمہاری ذمہ داری ہے!"

"میں ذمہ داری سے انکار نہیں کر رہی!"

"میں…" ابی غیل نرم اور خوشامدانہ لہجے میں بولا۔ "اور نہ میں تمہاری نجی زندگی میں مخل ہونا چاہتا ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے یہ شخص تمہارا دوست ہونے کے ساتھ ہی ہمارے دشمنوں کا آلۂ کار ہو اور تم خود بھی اس کے دوہرے کردار سے لاعلم ہو۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" ایلیزا ابی غیل کی دلیل سن کر الجھن کا شکار ہو گئی۔

"تھوڑی دیر کے لیے مجھے اس سے باز پرس کی اجازت دے دو۔"

"اس پر تشدد کرنا چاہتے ہو؟"

"ضرورت پیش آئی تو کرنا ہی پڑے گا۔" ابی غیل میری طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ "میں شخص چہرے کے تاثرات دیکھ کر ہی جھوٹ اور سچ میں امتیاز کر لیتا ہوں۔"

"تم اپنا اطمینان کر لو۔" ایلیزا گہرا سانس لے کر بولی۔ "مگر خیال رہے کہ میں تمہیں اس کو ہلاک کرنے کی اجازت نہیں دے رہی۔"

ابی غیل کے لبوں پر پھیلتی ہوئی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

"موت تو بہت معمولی چیز ہے مسٹی! تم دیکھنا کہ اس کے لبوں سے سچ یوں ابل نکلے گا جیسے کسی مشکیزے کے پھٹنے سے پانی خارج ہوتا ہے۔"

"پھر تو یہ دلچسپ تماشا ہوگا!"

"میں درخواست کروں گا کہ تھوڑی دیر کے لیے تم دوسرے کمرے میں چلی جاؤ۔ جب یہ بولنے لگے گا تو میں خود تمہیں بلاؤں گا۔"

"فکر نہ کرو، میں دخل اندازی نہیں کروں گی۔" ایلیزا نے یہ کہہ کر اپنا ریوالور والا ہاتھ نیچے گرا لیا اور خود صوفے پر بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگی۔

ابی غیل اپنی جگہ سے چند قدم آگے آیا اور میرے مقابل رک کر کھینچتے ہوئے سرد لہجے میں بولا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟ فوراً بک دو۔"

میں دونوں ہاتھ گرا کر خوفزدہ انداز میں پیچھے سرک گیا اور

سمجھ جانے کی اداکاری کرتے ہوئے بولا۔ "تم میری زبان سے جو کچھ سننا چاہتی ہو، بتاؤ میں وہی دہرا دوں گا۔ اداکاری سے مجھے وحشت ہونے لگی ہے۔"

"غیر ضروری بکواس کر کے میرا وقت خراب نہ کرو۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر غرایا۔ "جو پوچھوں مختصر ترین الفاظ میں اس کا جواب دو۔"

"میرا نام چارلس میکڈونلڈ ہے۔"

"کہاں رہتے ہو؟"

"لندن!"

"ذریعہ معاش؟" اس کی چیر پھاڑ کھانے والی نظریں بدستور میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"عاشقی۔"

میرا جواب سن کر اس نے غراتے ہوئے اپنی جگہ سے زقند لگائی اور میری مدافعت کی کوشش کو ناکام بناتے ہوئے میرے داہنے جبڑے پر گھونسا مارتا ہوا آگے نکل گیا۔

جتنی دیر میں وہ پلٹا میں نے اسے یا ایلیزا کو شبہ کا کوئی موقع دیے بغیر پھرتی کے ساتھ اپنی جیب سے وہ ننھی سی ہلاکت خیز پنسل نکال لی جس سے پھینکے ہوئے تیر کی زد میں آنے والے کو اپنا سانس پورا کرنے کی بھی مہلت نہیں ملتی تھی۔

میں نے فوری طور پر ابی غیل کو زہریلے تیر کا نشانہ بنانا چاہا مگر اس کی پوزیشن دیکھتے ہی ہاتھ روک لیا کیونکہ وہ مجھ سے خاصی دور نکل گیا تھا اور اگر میں اس پر وار کر بھی دیتا تو زہریلی سوئی اس تک پہنچنے سے پہلے کہیں گر جاتی۔

میں نے اپنی جگہ چھوڑے بغیر بائیں ہاتھ سے اپنا جبڑا سہلایا تو ہونٹوں کے کنارے پر کسی سیال کی چپچپاہٹ محسوس ہوئی۔ میں نے انگلیاں نگاہوں کے سامنے کیں تو وہ میرے لہو میں تر تھیں۔ ابی غیل کی انگوٹھی کی ضرب سے میری جلد پھٹ گئی تھی۔

"میرے سوالات کے جواب ہوش میں رہ کر دو۔" ابی غیل کسی بپھرے ہوئے درندے کی طرح غرایا۔ "ورنہ مار مار کر حلیہ بگاڑ دوں گا۔"

"دولت مند لڑکیوں سے عشق کر کے ان کی دولت سے عیش اڑانا ہی میرا پیشہ ہے۔ میں نے تمہیں درست جواب دیا تھا۔" میں نے پرسکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"لندن سے پیرس کیوں آئے ہو؟"

"ایک نوجوان بیوہ مجھ سے شادی کرنے پر تل گئی تھی اس سے جان بچا کر یہاں آیا تھا۔"

"عورتوں کے ساتھ فراڈ کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی؟"

وہ غرایا۔

"اخلاقیات پر لیکچر دینے کے بجائے کام کی بات کرو، تمہارے بعد مجھے ایلیزا کو بھی مطمئن کرنا ہے۔" میں نے منہ بنا کر کہا۔ "میں ایسی بہت سی لڑکیوں سے بھی واقف ہوں جو نہایت بے شرمی کے ساتھ ایک وقت میں کئی کئی مردوں کو بیوقوف بناتی ہیں۔"

"پیرس میں کہاں رہتے ہو؟" وہ غیر ارادی طور پر آہستہ آہستہ میرے قریب آتا جا رہا تھا اور میں اسے چوکنا کیے بغیر اس لمحے کا منتظر تھا جب وہ میرے ہتھیار کی زد میں آتا اور میں نہایت آسانی کے ساتھ اسے جہنم واصل کر دیتا۔

"میں سینٹ جرمین کے علاقے میں کسی ایک دوست کے ساتھ مقیم ہوں۔"

"اوہ!" اس نے سیٹی بجانے کے انداز میں ہونٹ سکیڑ کر کہا۔ "تمہیں رہنے کی جگہ بھی ہماس ولا کے قریب ہی ملی تھی۔"

"میں کسی ہماس ولا سے واقف نہیں۔"

"تو جینی سے کہاں ملاقات ہوئی تھی؟"

"پیرس میں بچھڑے ہوئے دل زیادہ تر ایفل ٹاور کے سائے میں ملتے ہیں۔" خود کو خائف ظاہر کرنے کی پوری کوشش کے باوجود میں اپنی جارحانہ گفتگو پر قابو نہ رکھ سکا۔

"تم صورت سے نہایت گھٹیا نظر آتے ہو، مجھے یقین نہیں کہ تم اتنی آسانی سے حق بستے چلے جاؤ گے۔" وہ غصے میں بل کھاتے ہوئے بولا۔

"صورت کے اعتبار سے تو تم بھی سنڈ نظر آتے ہو۔" میں نے دانستہ اسے تاؤ دلایا اور وہ بےچارہ میرے داؤ میں آ گیا۔

وہ دانت پیستے ہوئے جیسے ہی میری طرف لپکا میں نے اپنا داہنا ہاتھ سیدھا کر کے پنسل کا مہرا دبا دیا۔ دنیا کے مہلک ترین زہر میں بجھا ہوا ایک تیر سنسناتا ہوا اس کی طرف بڑھا اور وہ مجھ سے تین چار قدم دور فرش پر منہ کے بل گر پڑا۔

میری طرف آتے آتے وہ جس انداز میں نیچے گرا تھا اس سے یہی ظاہر ہوا تھا کہ وہ ٹھوکر کھانے کے سبب گرا ہے لیکن زمین بوس ہو جانے کے بعد جب وہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر غیر فطری انداز میں بے حس و حرکت پڑا رہا تو میرے عقب میں صوفے پر بیٹھی ہوئی ایلیزا پریشان ہو گئی۔

"اسے کیا ہو گیا؟" وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں یہ کہتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

"شاید کوئی دورہ پڑا ہے۔" میں نے اس کی طرف گھوم کر لاپروائی سے کہا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" مجھے اپنی طرف گھومتے دیکھ کر اس نے تیزی سے کہا۔ ابی غیل کی پراسرار حالت سے لاحق ہونے والی

تشویش کے باوجود وہ میری طرف سے ذرا بھی لاپروائی برتنے پر آمادہ نہیں تھی۔

"تم بلاوجہ مجھ سے خوفزدہ ہو۔" میں نے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھاتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ اگر تم اپنا ریوالور واپس بیگ میں رکھ دو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ کوئی شرارت نہیں کروں گا۔"

"وعدہ!" اس نے طنز اور حقارت کے ساتھ کہا۔ "میرے لیے اب یہ لفظ اپنی وقعت کھو چکا ہے اور رہی نقصان کی بات تو وہ تم پہنچا ہی چکے ہو۔ میں تو صرف حساب بے باق کرنا چاہتی ہوں۔" قدرے توقف کے بعد اس نے پھر کہا۔ "ابی غیل کو کیا ہوا ہے؟"

"خود دیکھ لو۔" میں نے بے اعتنائی سے جواب دیا۔

"تم اسی حالت میں داہنے گوشے میں دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔"

"کیا لباس تبدیل کرنے کا ارادہ ہے؟"

"غیر ضروری باتیں نہ کرو۔" وہ پیر پٹخ کر غصیلے لہجے میں بولی۔ "میں تمہارے ساتھ ذرا بھی رعایت سے کام نہیں لوں گی۔"

"زیادہ پرانے نہ سہی تو کچھ دیر پہلے کے مراسم کا ہی خیال کر لو۔"

وہ تلخ انداز میں ہنس پڑی۔ "میں مردوں کو کھلونا سمجھتی ہوں صرف دل اور کھلونا حسب خواہش توڑا یا بدلا جا سکتا ہے۔"

"بڑے خوبصورت خیالات ہیں۔" میں دانستہ گفتگو کو طول دے رہا تھا تاکہ کسی بھی مرحلے پر وہ اکتا کر کوئی غلطی کرے اور میں اس سے بھرپور فائدہ اٹھا سکوں۔ "اگر باہر والوں کو اس کا علم ہو جائے تو ابی غیل کے باقی ماندہ ساتھی ابھی پھٹ سے دوڑ کے پہ قطار لگا کر تمہارا کھلونا بننے کو تیار ہو جائیں گے۔"

"دیوار کی طرف چلو۔" وہ اعتماد کے ساتھ ریوالور کی نال کو جنبش دیتے ہوئے بولی۔

میرے لیے اس کے حکم کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا لہٰذا میں دونوں ہاتھ بلند کیے ایک گوشے میں دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔

چند ہی ثانیوں بعد میرے کانوں میں ایلیزا کی تحیر آمیز آواز آئی۔ "ارے اسے کیا ہوا ہے؟ اس کا تو سارا بدن نیلا ہو گیا ہے۔"

"غصے میں رنگ بدل رہا ہوگا۔" میں نے مڑے بغیر کہا۔

"اللہ! یہ تو شاید مر چکا ہے۔" اس مرتبہ ایلیزا کی آواز میں بوکھلاہٹ نمایاں تھی۔ "تم نے اس کے ساتھ کیا حرکت کی تھی؟"

"گرتے ہوئے وہ مجھ سے کافی دور تھا اور میں تمہاری نظروں کے سامنے تھا۔"

"تمہارے داہنے ہاتھ کی مٹھی میں کیا ہے؟" اس بار میری مٹھی ایلیزا کی نگاہوں سے نہ بچ سکی جس میں دبی ہوئی زہریلے تیر پھینکنے والی پنسل میں ایلیزا کی فوری مداخلت کے باعث اپنی جیب میں منتقل نہ کر سکا تھا۔

"تم سے نگاہیں چار کر کے بات کرنے میں مزہ آتا ہے، اجازت ہو تو تمہاری طرف گھوم جاؤں؟" میں نے اس کے سوال کو ٹالتے ہوئے کہا۔

"اسی طرح کھڑے رہو۔" وہ سخت لہجے میں بولی۔ "میں تم پر گولی چلا کر باہر بیٹھے ہوئے آدمیوں کو ادھر متوجہ کرنا نہیں چاہتی لیکن یہ یاد رکھنا کہ اگر تم نے مجھے مجبور کیا تو میں بلاتامل تمہیں معذور کر دوں گی۔"

"بہت بہتر۔" میں نے سوال ٹل جانے پر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے سعادت مندانہ لہجے میں کہا۔

"ہاتھ میں کیا ہے؟ میری بات کا جواب دو۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد ایلیزا کی تحکمانہ آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"ایک بے ضرر سی پنسل ہے۔"

"مگر یہ تمہارے ہاتھ میں کیسے آئی؟"

"ابی غیل نے میری طرف اچھال دی تھی۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔ "میں خود دیکھ لیتی ہوں کہ یہ کیا ہے۔ تم کمرے کے وسط میں پنسل فرش پر رکھ کر واپس اسی کونے میں دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔"

"تم غیر ضروری طور پر کچھ سخت گیر استانی کا رویہ اختیار کر رہی ہو۔" میں نے کمرے کے وسط میں آتے ہوئے منہ بنا کر کہا۔ "میں بتا چکا ہوں کہ تم سے مجھے کوئی پرخاش نہیں ہے اور میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

"میرے دیکھتے ہی دیکھتے تم نے ابی غیل کو ہلاک کیا ہے۔" وہ اپنے لہجے میں درشتگی پیدا کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھ پر تمہارا اصل روپ واضح ہوتا جا رہا ہے۔"

وہ ریوالور ہاتھ میں تھامے الٹے قدموں پیچھے ہٹتی جا رہی تھی اور میں اس کی ہدایت کے مطابق کمرے کے وسط میں ابی غیل کی اکڑی ہوئی نیلی لاش کی طرف بڑھ رہا تھا۔ لاش کے قریب پہنچ کر میں نے پنسل فرش پر رکھ دی۔

"ابھی تک تم جو کچھ کہتی رہی ہو اس سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تم مجھے اپنی نجی قید میں رکھنا چاہتی ہو جبکہ اسرائیلی سیکرٹ ایجنٹ میری اصلیت معلوم ہونے پر تمہیں ایک لمحے کے لیے بھی مجھے روکنے کی اجازت نہیں دیں گے اور پھر ابی غیل کی

لاش کی موجودگی کا تمہارے پاس کیا جواز ہوگا؟ جو ایسا نہ ہو کہ میرے ساتھ تم خود کو دشواریوں میں مبتلا کر لو۔" میں نے شیشی رکھ کر اس سے چند قدم دور ہٹتے ہوئے کہا۔

"تمہاری باتیں معقول ہیں مگر مجھ سے ہمدردی جتا کر تم کچھ بھی حاصل نہ کر سکو گے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "تم کمرے میں چلے جاؤ۔"

میں الٹے قدموں کمرے میں مزید چلا گیا مگر میں نے اپنا چہرہ دیوار کی طرف نہیں گھمایا۔ ایلیزا نے بھی اس پر اصرار نہیں کیا۔ اس نے میرے سامنے شیشی اٹھا کر اس کا سرسری جائزہ لیا اور اسے ایک طرف پھینک دیا۔ پلاسٹک کی وہ شیشی فرش پر لڑھکتی ہوئی ایک صوفے کے نیچے چلی گئی۔ اس کی ساخت اس قدر معمولی تھی کہ یادوں کی انتظار میں اس کے پوشیدہ میکانزم کا موہوم سا سراغ بھی لگانا مشکل تھا۔

"اب تم میرے ساتھ چلو۔ بہ پہلو اس طرح باہر نکل کر کار تک جاؤ گے کہ میرے ریوالور کی نال تمہارے جسم سے لگی رہے گی۔ اگر تم نے ذرا بھی ہوشیاری کرنے کی کوشش کی تو میں بے دریغ گولی چلا دوں گی۔" چند ثانیوں تک خاموشی سے مجھے گھورتے رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"اور ابی خلیل کی لاش؟"

"وہ میرا درد سر ہے، تم اس کی فکر نہ کرو۔"

"اور سرمئی سیڈان؟"

"وقت برباد نہ کرو۔" وہ تحکمانہ لہجے میں غرائی۔ "اگر تمہاری جیبوں میں کوئی ہتھیار ہے تو شرافت سے اسے میرے حوالے کر دو۔"

"ہتھیار تو سارے تمہارے قبضے میں ہیں۔" میں نے اس کے سراپا پہ بھرپور نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "مردوں کی قسمت میں ہتھیار کہاں۔"

"چلو۔" اس نے ریوالور کی نال سے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور میں سر جھکائے اسی طرف بڑھ گیا۔

اس وقت میرے ذہن پر بیزاری کا خوف سوار تھا۔ ابی خلیل کی نامناسب مداخلت اندازی اور پھر موت نے صورت حال کو میرے حق میں مزید بگاڑ دیا تھا اور میں ایلیزا سے پوری طرح تعاون کرنے کو تیار تھا۔ وہ اپنی دانست میں مجھے گھیر کے جا رہی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اس جگہ سے نکلنے کے بعد میں ایلیزا کو آسانی سے چکمہ دے سکوں گا۔

دروازہ کھولنے سے قبل ایلیزا پھرتی سے میرے بائیں پہلو میں آ گئی اور اپنے ریوالور کی آہنی نال میری پسلیوں میں اڑا دی۔

"اگرچہ یہ ہنرمندی بے رحم ہے اور میدان میں نہ ہوتا تو میں تمہیں بانہوں میں سمیٹ لیتا۔" میں نے جھک کر اس کے بال چومتے ہوئے کہا۔

"تھوڑی دیر بعد عاشقی کے سارے بھوت تمہارے سر سے اتر جائیں گے۔" وہ غرائی۔

میں مزید کچھ کہے بغیر اس کے ساتھ گیا۔ باہر فضا میں روشن پورچ لیمپ کی دھندلی روشنی میں اس کی کار کی طرف بڑھتا رہا۔ ہٹ کا نگہبان اس وقت نہ جانے کہاں غائب ہو چکا تھا اور ہٹ کے اطراف میں تاحد نظر ویرانی اور سناٹے کا راج تھا۔

ایلیزا کے حکم پر میں نے اس کار کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور وہ ریوالور سمیت پھرتی سے میرے برابر والی نشست پر آ بیٹھی۔ وہ اپنے رویے سے ہر قدم پر احتیاط، خود اعتمادی اور مہارت کے حیرت ناک ثبوت دے رہی تھی مگر پھر بھی کار میں سوار ہوتے وقت میرے لیے اسے زک پہنچانے کا سنہرا موقع میسر آیا تھا جسے میں نے اپنی حکمت عملی کے پیش نظر ضائع ہو جانے دیا۔

میں نے کار کا انجن اسٹارٹ کر کے کار کا رخ سیدھا کیا اور میں سبک رفتاری کے ساتھ اسے کچی سڑک پر چلاتا شاہراہ تک لے آیا۔ ہٹ سے آنے والی ذیلی سڑک سے شاہراہ پر مڑتے ہوئے میں نے دونوں طرف کا جائزہ لیا مگر مجھے وہ سرمئی سیڈان کہیں نظر نہ آئی جس کی خبر ابی خلیل لایا تھا۔

ایلیزا کی ہدایت پر میں نے کار کا رخ شہر کی طرف کر دیا۔ میری نگاہیں سامنے پھیلی ہوئی سڑک کے ساتھ ہی عقب نما آئینے پر بھی جمی ہوئی تھیں۔

ہٹ سے ڈیڑھ دو میل آگے نکل آنے کے بعد عقب نما آئینے میں اچانک کسی کار کے ہیڈ لیمپس کا انعکاس نظر آیا تو میں چونک پڑا۔ یہی حالت ایلیزا کی بھی ہوئی۔ چند ثانیوں قبل تک عقب نما آئینے میں وہ شاہراہ دور تک ویران نظر آ رہی تھی جبکہ راستے میں شاہراہ سے کوئی دوسری ذیلی سڑک بھی ملتی ہوئی نظر نہیں آتی تھی جس کی بنا پر یہ سمجھا جا سکے کہ وہ ادھر سے شاہراہ پر چڑھی ہوگی۔

ان حالات میں پہلا خیال یہی آیا کہ شاید وہ کار ہم سے زیادہ فاصلے پر ہیڈ لیمپس روشن کیے بغیر آ رہی ہوگی اور ہم کم روشنی کی وجہ سے اسے نہ دیکھ سکے مگر جب قریب آ کر اس کے ہیڈ لیمپس جلائے تو ہم چونک پڑے۔ دوسرا امکان یہ بھی تھا کہ وہ کار شاہراہ کے کنارے درختوں کے جھنڈ کی اوٹ میں ہماری منتظر رہی ہو اور جب ہم وہاں سے گزرے تو وہ کار بھی ہمارے تعاقب میں ریٹنگ کر کے سڑک پر آ گئی۔

"یہ کون ہے اچانک کہاں سے آ نکلا ہے؟" ایلیزا نے مڑ کر پیچھے دیکھے بغیر بوکھلاتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ "ذرا اپنی رفتار کم کرو۔"

"کہو تو گاڑی روک کر پوچھ لوں۔" میں نے رفتار کم کرتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ ہٹ کے باہر پھیلے ہوئے لوگوں میں سے کسی نے ابی خلیل کی لاش دیکھ لی ہو۔"

"ان میں سے کسی کی مجال نہیں کہ خطرے یا طلبی کے بغیر ہٹ میں جھانک بھی سکے۔"

"وہ کوئی معمولی ہٹ تو نہیں، ابن حیان کی بھتیجی کا عشرت کدہ ہے۔" میں تلخ لہجے میں بولا۔ "ویسے وہ آگے نکلنے کو تیار نہیں۔ پیچھے والی کار کی رفتار بھی کم ہو چکی ہے۔"

"رفتار بڑھاؤ۔"

"مجھے کم از کم اتنا تو بتا دو کہ اگر وہ اسرائیلی سیکرٹ ایجنٹ ہوئے تو تم کیا کرو گی؟" میں نے رفتار میں بتدریج اضافہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"ایسی صورت میں میرا منصوبہ گڑبڑ ہو جائے گا۔" وہ ریوالور کی نال میری طرف سے ہٹائے بغیر بولی۔ "انہیں قید کرنے کے بعد میں انہیں ایک خوبصورت کہانی سنا سکتی تھی کہ تم عقیل میرے دوست تھے۔ ابی خلیل کے ساتھ تمہاری تکرار ہوئی اور تم نے اسے ہلاک کر کے ریوالور کی زد پہ مجھے محفوظ فرار فراہم کرنے پہ مجبور کیا اور میری آڑ میں ہٹ سے فرار ہونے کے بعد ویران شاہراہ پہ ایک جگہ مجھے کار سے نیچے دھکیل کر فرار ہو گئے۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے بتا دیا۔ اگر پیچھے والی کار سے جلدی نجات مل گئی تو میں ایسا ہی کروں گا۔" میں نے دھیمے سے ہنس کر کہا۔

"مجھے مزید گولی مار دوں گی اگر ذرا بھی چالاکی اختیار کرنے کی کوشش کی۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"میں اتنا احمق نہیں ہوں جیسے بی بی۔" میں نے لاپروایانہ لہجے میں کہا۔ "ہٹ میں تمہارے ساتھ دو اور پیش دیتے ہوئے میں اپنی حفاظت کے امکانات سے غافل نہیں ہوا تھا۔"

"تمہارے الفاظ کھوکھلے ہیں جو عملی امتحان میں کسی تنی چالبازی میں نہیں آ سکیں گی۔"

اسی لمحے پیچھے آنے والی کار کی رفتار یکلخت تیز ہو گئی۔ اس وقت دونوں کاریں شاہراہ کے ویران اور تاریک علاقے سے گزر رہی تھیں۔ میں نے پیچھے والی کار کو آگے نکلنے کا راستہ دیتے ہوئے اپنی کار سڑک کے کنارے پر کر لی مگر پیچھے آنے والی کار یکایک رخ بدلتے ہوئے بجلی کی سی تیزی سے قریب آئی اور پھر فضا دہشت ناک دھماکے سے لرز اٹھی۔

"یہ کیا ہوا؟" ایلیزا بوکھلائے ہوئے لہجے میں چیخی مگر تب تک ٹائروں کے پھٹنے کے دھماکے سنائی دیے تھے اور ہماری کار پچھلے پہیوں کے اچانک بیٹھ جانے کے سبب بری طرح اچھلنے لگی تھی۔

میں نے ایک نظر ایلیزا کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کی نال پر ڈالی جو اس وقت پچھلی سیٹ کی طرف جھکی ہوئی تھی اور ایک ہی جھٹکا مار کر ایلیزا کے ہاتھ سے ریوالور چھین لیا۔

ایلیزا ریوالور چھیننے کے لیے گالیاں بکتے ہوئے میرے اوپر ٹوٹ پڑی۔ ایلیزا کا بوجھ آ جانے کے باعث کار تیزی سے سڑک پر لہرانے لگی۔ اس وقت کسی بھی لمحے کار اونچی سڑک سے کچی ڈھلان پر بہک کر ہولناک حادثہ کا شکار ہو سکتی تھی۔

ایلیزا وحشیانہ قوت کے ساتھ میرے ہاتھ سے ریوالور چھیننے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی اور میرے لیے ان ہیجان خیز حالات میں ریوالور کو اپنے قبضے میں رکھنا دشوار نظر آ رہا تھا۔ لہٰذا میں نے ریوالور کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ اس طرح میں نے کم از کم ایلیزا کے خطرے پر تو کسی حد تک قابو پا لیا تھا ورنہ وہ مسلح حالت میں کسی وقت بھی میرے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔

ریوالور باہر جانے کے بعد ایلیزا دیوانگی کے عالم میں اپنی نشست پر گئی۔ اور دونوں ہاتھوں سے میرے بدن پر مکے برسانے لگی۔ اسی وقت پچھلی کار کا ڈرائیور ہمارے بالکل قریب آ پہنچا اور پھر اس کا مسلسل ہارن کا شور ابھرنے لگا۔

وہ کار تیزی سے میری کار کے برابر میں آئی اور پھر آگے نکلتے ہی اس کے ڈرائیور نے اس طرح اسٹیئرنگ گھمایا کہ اس کار کا عقبی حصہ ایلیزا کی کار کے اگلے مڈگارڈ سے بری طرح رگڑ کھا گیا۔ اور مجھے شدید تصادم سے بچنے کے لیے کار کو بریک لگا کر روک دینا پڑا۔

اگلی کار بھی ترچھی ہو کے سامنے اس طرح رک گئی کہ میں ایلیزا کی

کار کو یہاں سے آگے نہیں لے جایا جا سکتا تھا۔

میں نے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں آگے والی سرمئی سیڈان کے دروازے کھلتے دیکھے اور پھر کچھ ہی دیر بعد دو مسلح آدمی اس کار سے اتر کر ایلیزا کی کار کے دونوں طرف پہنچ گئے۔

وہ دونوں نہایت تندرست و توانا اور لمبے چوڑے تھے۔ انہوں نے نہایت بے دردی سے مجھے اور ایلیزا کو کھینچ کر گاڑی سے نیچے اتار لیا۔

"لے آؤ، دونوں کو جلدی ادھر لے آؤ۔" سیڈان سے ایک تیسری کرخت آواز ابھری اور ایک شخص میرا بازو تھام کر مجھے آگے دھکیلنے لگا۔ جبکہ دوسرے نے ایلیزا کو محض زبانی دھمکی دینے پر ہی اکتفا کیا، اور ایلیزا بھی خاموشی سے آگے چل پڑی۔

سیڈان کی کشادہ عقبی نشست پر وہ دونوں مجھے اور ایلیزا کو درمیان میں لے کر بیٹھ گئے اور ڈرائیونگ سیٹ پر موجود شخص نے نہایت تیزی سے کار آگے بڑھا دی۔

"اس ہٹ میں اب کون کون موجود ہے؟" میرے پہلو میں بیٹھے ہوئے شخص نے کار چلتے ہی فوراً سوال کیا۔

"بہتر ہے تم خود جا کر دیکھ لو۔" مجھ سے پہلے ایلیزا زہریلے لہجے میں بول پڑی۔ وہ اس ناگہانی مصیبت سے خائف نہیں معلوم ہو رہی تھی۔

"دیکھو اس منہ زور لڑکی کی زبان، ہم تمہارا یہ چہرہ لہولہان کر دیں گے۔" ایلیزا کے برابر والے کے لہجے سے درندگی ٹپک رہی تھی۔

"عورت ذات سے مہذب لہجے میں بات کرتے ہیں۔" کار چلانے والے نے قدرے بے تکلف لہجے میں کہا۔ "ویسے شاید یہ بار بار ہم چوہوں کی حقیقت معلوم ہوتی ہے!"

"تم لوگ کون ہو اور ہمیں کس لیے اغوا کیا جا رہا ہے؟" میں نے کار میں بیٹھنے کے بعد پہلی بار زبان کھولی۔

"یہ لڑکی تھوڑی دیر پہلے جس شخص کو بہلا پھسلا کر ہٹ میں لائی تھی وہ کہاں ہے؟" میرے پہلو میں بیٹھے ہوئے شخص نے سوال کیا۔

"اس کی لاش وہیں تدفین کی منتظر ہے۔" اس بار پھر ایلیزا مجھ سے پہلے بول پڑی اور مجھے دل ہی دل میں اس کی خود اعتمادی کا اعتراف کرنا پڑا۔ "ان سے بدلے کی ضرورت نہیں سکینڈ، یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔" اس بار ایلیزا کا مخاطب میں تھا۔

ایلیزا کے الفاظ پر ڈرائیونگ سیٹ والے کے منہ سے بے ساختہ تاسف آمیز آواز خارج ہو گئی اور وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔ "اگر یہ سچ ہے تو ہم تمہارے جسم کا ریشہ ریشہ جدا کر ڈالیں گے!"

ایلیزا جو چند روز پہلے تک میرے سامنے ایک شوخ اور کھلنڈری دوشیزہ کے روپ میں آتی رہی تھی، ان خطرناک حالات میں ناقابلِ یقین حاضر دماغی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ سرمئی سیڈان دیکھنے کے بعد میرے بارے میں پوچھے جانے والے سوال پر وہ فوری طور پر معاملے کی تہہ تک پہنچ گئی، اور اس نے بھانپ لیا کہ وہ لوگ میرے حمایتیوں میں سے تھے مگر مجھ سے ذاتی طور پر واقف نہیں تھے لہٰذا انہیں بے یقینی میں مبتلا کر کے کچھ مہلت حاصل کرنے کے لیے اس نے فوری طور پر میری ہلاکت کا اعلان کر دیا اور مجھے سکینڈ کہہ کر اس طرح مخاطب کیا کہ وہ مجھے اسی کا ساتھی سمجھ لیں مگر خود کو دوستوں میں پا کر مجھے خاصا سکون حاصل ہوا تھا۔ اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ایلیزا کو اس سرزمین پر اندھیری رات کی کسی خارش زدہ کتیا کی طرح اس ویران شاہراہ پر چھوڑ کر میں ان لوگوں کے ہمراہ نکل جاؤں گا۔

"یہ لڑکی بکواس کر رہی ہے۔ ہٹ میں اسرائیلی سیکرٹ سروس کے ایک اہلکار کی لاش پڑی ہوئی ہے، جو میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ یہ لڑکی مجھے اسرائیلیوں کی تحویل میں دینے کے بجائے اپنی قید میں رکھ کر ختم کرنے کے چکر میں تھی، تم نے پکڑ لیا۔"

"خوب!" کار میں بیٹھے ہوئے اندھیرے میں ایلیزا کی طنزیہ آواز ابھری۔ "تو تم مجھے اکیلا چھوڑ کر ان کی جھولی میں جا بیٹھنے کے چکر میں ہو؟ مگر یاد رکھنا کہ انہیں زیادہ دیر دھوکا نہ دے سکو گے۔ اگر یہ عبدالعزیز اور عبداللہ کے پاس لے گئے تو وہ تمہارے چہرے پر تھوک دے گا۔ کیونکہ وہ مرنے والے سے بخوبی واقف تھا!"

"سیدھی طرح بتاؤ کہ تم کون ہو؟" میرے برابر والا ایلیزا کی چال میں آ گیا۔

"لڑکی! تم یہ بتاؤ کہ اگر یہ تمہارا ہی ساتھی ہے تو اپنی کار کے پیچھے تعاقب پر جانے کے بعد تم اس سے ہاتھا پائی کیوں کر رہی تھیں؟" ڈرائیونگ سیٹ والے نے تحمل سے پوچھتے ہوئے سوال کیا۔ کیونکہ اس نے اپنی کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں شاید مجھے اور ایلیزا کو لڑتا دیکھا تھا۔

"میں اسے اچانک بریک لگا کر تمہاری کار سے ٹکرا جانے سے روک رہی تھی، مگر یہ بھاگنے پر تلا ہوا تھا۔" ایلیزا کے پاس ہر سوال کا جواب تھا۔

"تمہارے پاس اپنے دعوے کا کوئی ثبوت موجود ہے؟" ڈرائیو کرنے والے نے مجھ سے سوال کیا تھا۔

"اگر تم عبداللہ کے پاس جا رہے ہو تو وہ خود ہی ثبوت فراہم کر دے گا۔"

"فی الحال ہم تمہیں قید کر دیں گے، اس وقت عبداللہ تک رسائی ناممکنات میں سے ہے۔"

"پھر میں کسی بحث میں نہیں پڑوں گا۔ تم میرے ساتھ کیسا سلوک کر رہے ہو؟"

"یہ اداکاری کر رہا ہے۔ یہ سیکنڈ ہے، جالس سکینڈ۔" ایلیزا غصیلے لہجے میں بولی۔ ڈرائیو کرنے والے کا بدلا ہوا رویہ اس کے اعصاب پر اثر انداز ہونے لگا تھا۔

"تم خاموش بیٹھو لڑکی ورنہ تمہاری کنپٹی پر ضرب لگا کر تمہیں بے ہوش کر دیا جائے گی۔" میرے برابر والے نے کرخت لہجے میں کہا اور ایلیزا منہ بنا کر رہ گئی۔

"تمہیں عبداللہ کے علاوہ اور کون جانتا ہے؟" ڈرائیو کرنے والے نے خاصے طویل بوجھل سکوت کے بعد مجھ سے سوال کیا۔

"بہت سے لوگ جانتے ہیں مگر ضروری تو نہیں کہ تم بھی ان سے واقف ہو!"

"اگر تم واقعی وہی ہو جس کی ہمیں تلاش ہے تو ہمیں غیر ضروری امتحان میں نہ ڈالو۔ ایسا نہ ہو کہ ہم عبداللہ کے سامنے سرخرو نہ ہو سکیں۔" وہ نیم دوستانہ لہجے میں بولا۔

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"تم چند نام دہراؤ۔ اگر ان میں سے ایک بھی ہمارا واقف ہوا تو ہم اس سے تمہاری شناخت کرالیں گے اور پھر ہمیں اپنا غلام پاؤ گے!"

میں نے پہلا نام اطرک کا لیا جو اس کے لیے اجنبی تھا مگر عبدالعزیز کا نام سنتے ہی وہ خوش ہو گیا۔ "بس ٹھیک ہے، میں اسے بلا لوں گا۔"

میرے برابر والے شخص نے میرے بدن پر سے اپنا جارحانہ دباؤ ختم کر دیا مگر اس کی مستعدی میں کوئی فرق نہ آیا۔

"مگر مجھے تم لوگ کہاں لیے جا رہے ہو؟" چند ثانیوں تک چپ رہنے کے بعد ایلیزا نے سوال کیا۔

"میرا بس چلے تو تمہیں اپنے سرحدوں کے قول میں بھیجوں جو عورت کو صرف کھلونا سمجھتے ہیں اور اسے مسلسل گرفتار رکھتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"تم لوگ اس تک جا کر خاموش نہیں رہ سکتے؟" ایلیزا نے جھنجھلا کر ان لوگوں کو للکارا۔

"زبان سنبھال کر بات کرو ایلیزا ازولانگ!" میں نے اس کے بال اپنی مٹھی میں جکڑ کر اس کے سر کو ایک جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔ "یہ مجبور لوگ... میں تمہارے ناک کے علاوہ بھی بہت کچھ کچل سکتا ہوں۔"

"تم دونوں ایک دوسرے سے نہ الجھو!" میرے برابر والے نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ اور پھر مجھے کونے میں کھسکا کر خود میرے اور ایلیزا کے درمیان بیٹھ گیا۔

"تم لوگوں کے درمیان اب میری کیا حیثیت ہے؟" میں نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد سوال کیا جو خاصی دیر سے میرے ذہن میں گردش کر رہا تھا۔

"عبدالعزیز کی تصدیق یا تردید تک ہم تمہارے دعوے پر یقین کیے لیتے ہیں۔" یہ جواب کار ڈرائیو کرنے والے نے دیا تھا جو اپنے اطوار سے باقی دونوں سے برتر نظر آ رہا تھا۔

"تو پھر اس خلافت کی لڑکی کو کہاں اغوا کیا جا رہا ہے؟"

"دیکھو مسٹر صفدر! یا تم کچھ بھی ہو، ہمیں بتایا گیا تھا کہ یہ لڑکی ہمارے ایک اہم آدمی کو دھوکا دے کر ہٹ میں لے گئی ہے۔" اس نے ٹھہرے ہوئے مصالحانہ لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "لہٰذا ہم ہٹ پہنچ گئے اور اگر مزید چند منٹ تک ایلیزا کی کار وہاں سے روانہ نہ ہوتی تو ہم حفاظت کے لیے ہٹ میں گھس جاتے۔ کار کے تعاقب کے نتیجے میں تم دونوں کو پکڑ کر ہمیں خوشی ہوئی ہے۔ اگر تم وہی شخص ہو جس کی ہمیں تلاش ہے تو عبدالعزیز کی تصدیق کے بعد لڑکی کے مقدر کا فیصلہ تم ہی کرو گے اور اگر تم ہمارے ساتھ کوئی فراڈ کر رہے ہو تو مطلوبہ شخص کی بازیابی تک تم دونوں روح فرسا مصائب میں مبتلا ہو گے۔ لہٰذا اس وقت میں کوئی بڑا فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں!"

"تمہیں میرے ہٹ میں پہنچنے کی اطلاع کیسے ملی تھی؟"

"ہمارے اپنے بھی کچھ مؤثر وسائل ہیں۔" اس کا جواب گول مول تھا۔

"اور عبداللہ کہاں ہے؟"

"فی الحال میں اس بارے میں زبان نہیں کھول سکتا۔ میں نے تمہاری موجودہ حیثیت کی وضاحت کر دی ہے۔ لہٰذا تم صبر سے اپنی شناخت کا انتظار کرو!"

"یعنی اپنی مجبوری سے باہر ہونے کی کوشش نہ کرو۔" ایلیزا قہقہہ مار کر زہریلے لہجے میں بولی اور میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

ویران اور نیم پختہ سڑکوں سے گزرنے کے بعد اس سفر کا اختتام خاردار تاروں کی باڑ والے ایک احاطے میں ہوا جہاں فضا میں مویشیوں کی موجودگی کی گہری بو رچی ہوئی تھی۔ وہاں گہرا اور دبیز اندھیرا تھا اور کچھ لوگ بھی موجود تھے جو کار کا انجن بند ہوتے ہی ٹارچیں چمکاتے کار کی طرف بڑھ آئے۔

"کیسے ملے تھے؟" باہر کسی نے عربی میں سوال کیا۔

"آ کر دیکھو!" کار کے ڈرائیور نے اپنی نشست سے اترتے ہوئے عربی میں ہی جواب دیا۔ جس پر میں حیران رہ گیا۔ کیونکہ اس سے کافی دیر تک باتیں کرتے رہنے کے باوجود اس کے لہجے سے میں یہ اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ وہ عرب نژاد ہو گا۔

کئی ریوالوروں اور رائفلوں کے سائے میں مجھے اور ایلیزا کو کار سے نیچے اترنے کا حکم ملا اور ہم دونوں مختلف سمتوں کے دروازوں سے نیچے آ گئے۔

نیچے اترتے ہی میں اس جگہ کو پہچان چکا تھا۔ بن لیوی کو اغوا کرنے کے بعد عبداللہ نے اسے اسی مویشی خانے میں قید کیا تھا۔ اور اسی کے تہہ خانے میں قریب المرگ بن لیوی کی زبان سے پہلی بار ابراہیم حداس اور بن حیان کی دوہری شخصیت کا راز فاش ہوا تھا۔ اور بن لیوی کو تشدد کے ذریعے زبان کھولنے پر مجبور کرنے والوں میں ایک جبشی نامی جوان سال فلسطینی لڑکا اور دوسرا یوسف نامی ایک تجربہ کار عرب شامل تھا۔

"جبشی اور یوسف کہاں ہیں؟" میں نے کار سے اترتے ہی عربی

میں سوال کر ڈالا۔

اچانک ایک ٹارچ کی روشنی تیزی سے میرے چہرے پر پڑی اور گم ہو گئی اور پھر اس روشنی کے عقب میں مجھے یوسف کی تحیر آمیز آواز سنائی دی۔ اگلے ہی لمحے یوسف پُرجوش انداز میں مجھ سے بغل گیر ہو رہا تھا۔

"میں یاد ہوں دوست!" تاریکی میں کسی جانب سے مرسی سلیمان کے ڈرائیور کی آواز ابھری۔ "مجھے اس [illegible] نے شبہ میں ڈال دیا تھا۔"

"یہ سب کیا ہے، تم قیدی کیسے بن گئے؟" یوسف نے فرط مسرت سے میرے رخسار چومتے ہوئے عربی میں سوال کیا۔

"بات صرف اتنی ہے کہ بن حیان کی بربادی کی کہانی کا آغاز اسی مرشلی خانے کے ایک تہہ خانے میں ہوا تھا اور اس باب کے خاتمے کے لیے مقدر نے ہمیں پھر یہیں یکجا کر دیا ہے۔" میں نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"یہ چھوکری کون ہے؟"

"یہ بن حیان کی سگی بھتیجی ہے اور اسی کی وجہ سے میں اس شکنجے [illegible] میں کامیاب ہوا تھا مگر اب یہ میرے خون کی پیاسی ہے۔" میں نے کہا۔

"اسے مارنا ہے یا...؟" یوسف نے اپنا سوال انگریزی میں کیا اور ادھورا ہی چھوڑ دیا۔

"فی الحال اسے تہہ خانے میں بند کر دو، اہم معاملات سے نمٹ کر اس بارے میں سوچیں گے۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔

یوسف نے وہاں موجود لوگوں کو لڑکی کو قید کرنے اور باڑے کے حفاظتی انتظامات کے بارے میں ہدایات دیں اور مجھے ساتھ لے کر مرشلی خانے سے ملحق اس مختصر سے مکان میں داخل ہو گیا جس کا ایک دروازہ باڑے میں بھی کھلتا تھا۔

"تمہارے ساتھ کیا حادثہ پیش آ گیا تھا؟" اس مکان کے دیہاتی طرز کے کمرے میں بیٹھتے ہوئے یوسف نے مجھ سے سوال کیا۔

"کچھ نہیں، بس اپنی حماقت سے اس لڑکی کے چکر میں پڑ گیا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"عورت واقعی بہت خطرناک چیز ہے۔" وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔ "پچھلے دو گھنٹے سے ہمارے آدمیوں نے بلاشبہ پورے بیروت کی خفیہ ناکہ بندی کی ہوئی ہے۔"

"ارے نہیں —" میں نے بے اعتباری سے کہا۔ "مجھے اس لڑکی سے ملے مشکل سے ساڑھے تین گھنٹے ہی ہوئے ہوں گے۔ بھلا یہ خبر اتنی تیزی سے کیسے پھیل ہو گی؟"

"یوں لگتا ہے تمہیں لاپتہ ہوئے صرف دو ہی گھنٹے ہوئے ہیں [illegible] ان کی پشت پناہی کے لیے اغوا [illegible] گئے تھے اور [illegible] کی پولیس کے باوجود وہ ابھی تک وہیں چھپے ہوئے ہوں گے۔"

"انہیں فوراً واپس بلواؤ۔" میں اضطراری لہجے میں بولا۔ "اس [illegible] کے اطراف میں دس اسرائیلی سیکرٹ ایجنٹ بھی موجود ہیں کہیں وہ ہولناک خونریزی کا شکار نہ ہو جائیں۔"

"فکر نہ کرو، اطلاع [illegible] بھیجی جا چکی ہے۔"

"مگر یہ خبر کیسے ملی کہ ایلیزا مجھے [illegible] کی طرف لے گئی ہے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"بن حیان کی موت کے بعد ہمارے [illegible] پر بیروت کی گلیوں میں جو پے در پے قاتلانہ حملے کیے جا رہے تھے عبداللہ نے ان کا کھوج نکال لیا تھا اور اس نے یہ بات جان لی تھی کہ وہ تمام حملے ایلیزا جو اس کے ایما پر کیے جا رہے ہیں مگر وہ تم سے مشورہ کیے بغیر ایلیزا کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا اس لیے اس نے اپنے آدمی ایلیزا کی نگرانی پر لگا دیے جو ہر [illegible] گھنٹے بعد عبداللہ کو فون پر ایلیزا کی نقل و حرکت سے باخبر کرتے رہتے ہیں۔" وہ مجھے بتانے لگا۔ "آج شام اسے کسی آدمی سے علم ہوا کہ تم ہسپتال سے رہائی پاتے ہی کسی سے ملنے گئے ہو۔ تمہارا یہ پیغام نامکمل تھا مگر عبداللہ نے اندازہ لگا لیا کہ تم بن حیان کی بھتیجی سے ملنے گئے ہو گے اور وہ تمہاری سلامتی کی طرف سے فکرمند ہو گیا کیونکہ ایلیزا تمہارے بارے میں سب کچھ جان چکی تھی اور اسرائیل اس کے ذریعہ تمہیں پہچاننا چاہتے تھے لہٰذا [illegible] ہمارے آدمی پورے شہر میں تمہاری تلاش میں پھیلا دیے گئے اور جونہی عبداللہ کو ایلیزا کا تعاقب کرنے والے نے یہ خبر دی کہ ایلیزا ایک شخص کو ساتھ لے کر [illegible] پہنچی ہے تو عبداللہ نے اپنے [illegible] آدمی ادھر دوڑا دیے — یہ ہے ساری کہانی!"

"مگر وہ خود کہاں ہے؟"

"اس بھاگ دوڑ کے دوران وہ اپنی حفاظت کی طرف سے [illegible] ہو گیا تھا اور چند گھنٹے پہلے جبرائیل کے کسی نامعلوم آدمی نے اس کے پیٹ [illegible] گولی مار دی ہے۔"

"نہیں!" میں بے اختیار چیخ پڑا۔

"گھبراؤ نہیں — وہ ایک دم ٹھیک ہے۔ اس کے [illegible] میں بال بال بچ گیا، زخم [illegible] کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

[illegible]

جاننا چاہتا [illegible]

"[illegible] بات گزر چکی ہے، ایسے وقت میں [illegible] سے دو جگہ [illegible] کی نظروں [illegible] میں صبح [illegible] نے جانے نہ دیا۔"

"یہ صرف [illegible] کی خرابی ہے۔" میں نے افسردہ لہجے میں کہا۔ "بن حیان کی موت کے بدلے ہسپتال سے [illegible] انکار کر دیا اور اب عبداللہ کا پیٹ سیا گیا ہے۔"

"تم آرام کرو — عبداللہ کے بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں ڈاکٹر سے بات کر چکا ہوں، وہ خطرے سے باہر ہے۔"

میں یک بیک تھکان اور نقاہت محسوس کرنے لگا۔ عبداللہ کے زخمی ہونے کی خبر سن کر مجھے شدید صدمہ ہوا تھا۔

میری رسٹ واچ اس وقت رات کا ایک بجا رہی تھی مگر عبداللہ کے بارے میں بری خبر سننے کے بعد میری رہی سہی نیند بھی اڑ چکی تھی اور مجھے صبح تک جاگ کر وقت گزارنا دشوار نظر آ رہا تھا۔ لہٰذا میں نے یوسف سے شراب نوشی کی خواہش کا اظہار کیا اور وہ وہسکی کی بوتل اور پیالوں کے ساتھ لے کر میرے سامنے جم گیا۔

شراب پیتے ہوئے [illegible] عبداللہ سے [illegible] ایلیزا میں الجھ گیا [illegible] یہودی، بن حیان کی [illegible] بھتیجی جس [illegible] سامنے آئی تھی [illegible] دل میں [illegible] کہ اس لڑکی کو اس طرح رسوا کروں کہ وہ اپنی ذات سے شرمانے لگے اور پھر اسی جوش میں میں نے اپنا گلاس اتنی زور سے میز پر پٹخا کہ اس کے ٹکڑے بکھر گئے۔

یوسف کی نظروں میں تبدیلی ہوئی [illegible] آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں اور اس نے [illegible] آواز میں کہا۔ "تم [illegible]؟"

"یہ [illegible] ہے یوسف!" میں نے گلاس کے ٹکڑوں [illegible] کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ لڑکی میرے دل میں آگ بھڑکا رہی ہے!"

"وہ حسین ضرور ہے۔" یوسف [illegible] بولا۔ "مگر [illegible] تمہیں اس کی بے آبروئی کی اجازت نہیں [illegible] اور دل اس پر [illegible] ہو جائے گا — اسے قتل کر دو یا [illegible] کر دو ان کے سوا کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے!"

وہ [illegible] درست [illegible] مگر اس کے [illegible] الفاظ نے مجھے چونکا دیا [illegible] غلط [illegible] نیت سے کہا۔ "وہ ہماری اور ہمارے دوستوں کی جانی دشمن ہے یوسف!"

"[illegible]" وہ [illegible] بولا۔ "مگر وہ عورت ہے اور ہم عورتوں کی حرمت کے قائل [illegible] یہ [illegible] اصول ہے دوست، اسے مت بھول جاؤ۔"

"قابل [illegible] اصول ہے۔" میں نے [illegible] لہجے میں کہا۔ "ویسے وہ لڑکی [illegible] انتقام کی آگ بھڑکا رہی ہے [illegible]"

"[illegible] تمام [illegible] کا [illegible] ہمارے [illegible] اٹھاتے ہیں اور پھر ان کے [illegible] زمانہ [illegible] کے [illegible] میں پھیلے ہوئے ہمارے [illegible] کثرت عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور معذوروں کی ہے۔ یہ [illegible] ان ہی کے لیے [illegible] ہے۔"

"تو اسے رہا کر دو، جب تک وہ ہماری قید میں رہے گی میں اس کے بارے میں سوچ سوچ کر جھنجھلاہٹ کا شکار ہوتا رہوں گا۔"

"ضرور کر دیتا۔" وہ [illegible] مگر [illegible] آواز میں بولا۔ "وہ ہمارا [illegible] دیکھ چکی ہے اور ہمارے چند [illegible] اس کے علم میں آ چکے ہیں۔ اس کی رہائی اتنی آسانی سے ممکن نہ ہو گی۔"

"تو [illegible] اس کا۔"

میری جھنجھلاہٹ پر وہ دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ "کاش یہ ممکن ہوتا۔" اس کے بعد سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولا۔ "اسے مرنا ہی ہو گا [illegible] ہمارے لیے ناسور کی صورت اختیار کر لے گی۔"

"تم اس کے ساتھ جو چاہو سلوک کرو مگر مجھے میرا بستر دکھا دو۔" میں [illegible] ہوئے [illegible] سے اٹھ گیا کیونکہ چند پیگ پینے کے بعد یوسف کا انداز بالکل ہی بے کیف ہو گیا تھا اور میں اس کے ساتھ مزید وقت برباد کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

یوسف نے مجھے سونے کے لیے جو کمرہ دیا وہ [illegible] اور گرم تھا مگر میں آرام دہ بستر پر دراز ہونے کے باوجود [illegible] سونے میں کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ اس باڑے میں [illegible] مختلف [illegible] مویشیوں کی آوازیں ابھرنے لگیں [illegible] جیسے میرا ذہن ان [illegible] آوازوں کے [illegible] کا عادی ہو گیا تو [illegible] غنودگی طاری ہو سکی۔

اگلی صبح مجھے تقریباً [illegible] بیدار کیا گیا۔ [illegible] بستر پر میرے ساتھ [illegible] موجود تھا [illegible] ناشتہ [illegible] کر رہا تھا۔

[illegible]

مجھے [illegible] دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک [illegible] اور اس کے حلق سے [illegible] آوازیں خارج ہونے لگیں [illegible] مکان کا نہایت [illegible] تھا۔

[illegible] کے باوجود وہ نہایت [illegible] پشت [illegible] بستر پر بیٹھا [illegible] یوسف مجھے ساتھ لے کر وہاں سے روانہ

چلا اور میں مالی ایک کوٹھی کے مکان پر چھوڑ کر چلا گیا۔

وینکاک رات میں خاصا اچھا استقبالی ادارہ تھا اور وہ وہاں بھیجے جانے والے یورپی سامان کی خریداری، پیکنگ اور ڈیلیوری کے انتظامات کے لئے اپنا بیشتر وقت اپنے بجیس آفس میں گزارتا تھا۔ یوسف نے راستے میں مجھے بتا دیا تھا کہ بدستور یہ کے علاقوں میں شامل تھا۔ اور عبداللہ کو اس بی کا لوکے بی کلینک میں خفیہ طور پر داخل کیا گیا تھا وہ یوسف کے بھروسے کے دوستوں میں سے تھا۔

یہاں پہنچ کے ہمراہ اس کلینک میں پہنچا جو ایک کثیر المنزلہ عمارت کی نچلی منزل پر کئی کمروں پر مشتمل تھا۔ وہاں انتظار گاہ میں دو مریض اپنی باری کے منتظر تھے اور جب ہم دونوں کو ڈاکٹر کے کیبن میں داخلے کی اجازت ملی تو مزید تین مریض وہاں آ چکے تھے۔

ڈاکٹر نے نہایت گرم جوشی سے ہمارا استقبال کیا۔ یوسف نے مجھے ایک زخمی نام سے ملوا کے بجائے دوست کے طور پر متعارف کرایا۔ اور جوں ہی ڈاکٹر کو یہ علم ہوا کہ میں عبداللہ کا قریبی دوست ہوں تو اس نے انگریزی میں گفتگو شروع کر دی۔

"وہ بالکل خیریت سے ہے اور اب خطرے سے باہر ہے۔ اس کی طرف سے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے" ڈاکٹر نے دھیمی لہجے میں کہا تاکہ یہ الفاظ کسی غیر متعلق شخص کے کانوں تک نہ پہنچ سکیں۔

"میں اس سے ملنا چاہتا ہوں ڈاکٹر!" میں نے کہا۔

"ابھی؟" میرا سوال سن کر ڈاکٹر کی پیشانی پر تشویش آمیز لکیریں ابھر آئیں۔

"مجھے بہت دیر انتظار کرنا پڑے گا" میں نے اپنی دانست میں اسے تسلی دی۔

"وہ ایک ہی بات ہے" ڈاکٹر اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے بولا۔ "دراصل وہ سیدھا سادا پولیس کیس تھا۔ اور میں اس کے علاج کی ذمہ داری قبول کرنے کا مجاز بھی نہیں تھا۔ یہ تو میرا صرف منصب ہے اور پیشہ ورانہ فرض کہ بغیر شدید زخمی کا مناسب علاج نہ ممکن ہے...."

"وہ یہ سمجھتا ہوں ڈاکٹر!" میں نے اس کی طویل تمہید منقطع کرتے ہوئے بے صبری سے کہا۔

"مسئلہ یہ ہے کہ عبداللہ کے علاوہ صرف ایک نرس عبداللہ کی یہاں موجودگی سے باخبر ہے۔ اور میں اپنے عملے کے کسی اور فرد کو اس راز میں شریک کرنا نہیں چاہتا۔ اور کوئی ضرورت سے زیادہ وقت لینا نہیں چاہتا۔" ڈاکٹر نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "میں دو بجے اپنا کلینک بند کر دیتا ہوں۔ اگر تم اس وقت تک انتظار کر سکو تو میرے لئے سہولت ہوگی۔"

"لیکن تم نے اسے یہاں سے کہیں اور منتقل کر دیا ہے۔" یوسف نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ یہیں ہے" ڈاکٹر نے خفیف مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"اس جیسے دلیر آدمی کم ہی دیکھنے میں آتے ہیں۔ بے چارہ شدید تکلیف کے باوجود دوائیوں کے مقفل اسٹور میں ایک پرانے اسٹیچر پر وقت گزار رہا ہے!"

"تو یہاں ہو کر تم نے اسے چھپا رکھا ہے" میں مسکرا کر دھیمی آواز میں بولا۔ "شکریہ۔ ہم دو بجے آ جائیں گے۔"

چند منٹ بعد ہی ڈاکٹر نے مزید ضروری ہدایات دے کر رخصت کر دیا اور کہا کہ "اس کے علاوہ باقی باتیں شام کو چھٹی کے بعد ہوں گی۔"

ہم ڈاکٹر کا شکریہ ادا کر کے باہر آ گئے۔

"اگر کسی سرکاری ایجنسی کو اس معاملے کی بھنک بھی مل جائے تو اس ڈاکٹر کا لائسنس عمر بھر کے لئے منسوخ کیا جا سکتا ہے اور سزا بھی ہو سکتی ہے۔" باہر آ کر یوسف نے فکر آمیز لہجے میں کہا اور میں اپنے سر کو تفہیمی انداز میں جنبش دے کر رہ گیا۔

باقی وقت ہم دونوں نے ایک عمدہ ریسٹورنٹ میں گزارا۔ یوسف نے گفتگو کے دوران مجھے پتہ چلا کہ زخمی ہونے کے بعد عبداللہ کو نہایت پریشانی کے عالم میں اس کلینک میں پہنچایا گیا تھا۔

کلینک کے پچھلے حصے میں ایک پرائیویٹ کمرہ بھی تھا جو ڈاکٹر کی معتمد نرس کے تصرف میں تھا اور وہ کلینک بند ہو جانے کے بعد وہیں رہتی تھی۔ اس کمرے سے نکاسی کا راستہ عمارت کے عقبی رخ پر تھا۔ اور ایک چھوٹا سا دروازہ اسی کمرے کو کلینک سے ملاتا تھا۔ زخمی عبداللہ کے زخم کو صاف کرنے کے بعد ٹانکے وغیرہ لگائے گئے تھے مگر بعد میں حفاظتی اقدام کے طور پر عبداللہ کو دوائیوں کے اسٹور میں منتقل کر کے مقفل کر دیا گیا اس طرح وہ نرس کے کمرے میں نا گہانی طور پر نازل ہونے والے کسی ملاقاتی کی نظروں میں آنے سے بچ گیا تھا۔

کلینک بند ہونے کے بعد وہاں رہنے والی نرس ہی عبداللہ کی مرہم پٹی وغیرہ کا خیال رکھ سکتی تھی۔

ہم دونوں دو بج کر پانچ منٹ پر کلینک پہنچے تو وہاں سب کچھ بند کیا جا چکا تھا۔ مگر وہ عقبی حصے میں داخلے کا راستہ کھلا ہوا تھا۔ ہم اندر داخل ہوئے تو ڈاکٹر ہمارا منتظر تھا۔ نرس بھی اس کے کمرے سے جا چکی تھی۔

ہم چاروں دوائیوں کے اسٹور کا مقفل دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو عبداللہ کو نہایت سکون کے ساتھ ایک کوچ پر دراز پایا۔ دیوار کے ساتھ لگی ہوئی بوتلوں کی الماری کے ساتھ ایک چھوٹا سا پلنگ تھا اس میں جا بجا دوائیوں کی پیٹیاں بھری ہوئی تھیں۔

عبداللہ نے محبت آمیز مسکراہٹ سے ہمارا استقبال کیا مگر عبداللہ کی موجودگی میں کوئی اہم موضوع نہیں چھیڑا۔

چند منٹ کی رسمی گفتگو کے بعد ڈاکٹر اور نرس وہاں سے چلے گئے اور مجھے عبداللہ سے تفصیلی بات کرنے کا موقع ملا۔

تنہائی میں گفتگو کا موقع فراہم کر دیا۔

"یہ کیسے ہو گیا عبداللہ؟" میں صاف بیٹھا تو پھر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔

"تمہارے پیٹ پر ڈاکٹے آتے تو میں کیوں یہاں ہوتا" وہ کھکرا کر بولا۔

"سنا ہے تمہارا زخم خاصا گہرا ہے!"

"غنیمت ہے کہ بچ گیا ورنہ انہوں نے بے خبری میں ہلاک ہی کر ڈالا ہوتا" اس کے لہجے میں شکوہ اور تشویش تھی۔ "یہ بتاؤ کہ تم الیزا کے پاس کیوں وقت سے پہلے گئے تھے؟"

"میں تو اس بدذات لڑکی کو اپنا محسن سمجھا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ میرے بارے میں سب کچھ جان چکی ہے"

"مجھے میرا ڈیک کے آدمیوں سے مراسم رکھنے والے ایک شخص کو بھاری رشوت دینے کے بعد معلوم ہو گیا تھا کہ تمہارا قتل الیزا کا منصوبہ تھا۔ یہ علم مجھے بعد میں ہوا کہ الیزا کا سرپرست قاتل ہے۔ یہ علم مجھے کل ہی ہوا جب تمہارے آدمی اس کے پیچھے لگائے گئے تھے"

"جب تم ان کا آرڈر کر رہے تھے؟"

"بہت عرصے سے میں ایک ہی آدمی کی تلاش میں ہوں۔ اسرائیلی ایجنٹ ہے وہ پیغام دینے والا۔ تاکہ میں اپنے آدمی کی اطلاع پر چوکنا ہو جاتا۔ دوست کے ساتھ ہوئی انتقام کی تیاری میں لگی ہوئی ہے۔ وہ مجھ سے کیا چاہتی تھی؟"

"اس نے مجھ پر بہت ہوشیاری سے کام لیا۔ اسرائیلی سیکرٹ سروس کے کمانڈر صرف مجھے پھنسانے کے لئے الیزا کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ اس نے ان کی موجودگی میں دھمکی دے کر مجھ سے اپنی اصلیت کا اعتراف کرایا اور پھر انہیں بتا دیا کہ مجھے اپنے پاس رکھنا چاہتی ہے تاکہ مجھے پھنسا کر ختم کر سکے۔"

"اب وہ خود کہاں ہے؟"

"پولیس کی قید میں ہے" عبداللہ نے کہا۔ "الیزا نے تو تمہارے آدمیوں کو پہچاننے سے پہلے ہی قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور وہ اس وقت میں آ گئے تھے۔ دراصل الیزا کا ساتھی پہلا تھا جو اپنی جان بچانے کے لئے خود کو مشکل میں ڈال رہا تھا۔"

"کوئی چیز ان کی تو نہیں ان لوگوں سے؟"

"نہیں.... مگر یہ بتاؤ کہ اب تم الیزا کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟"

"وہ پاگل قیدی ہے" عبداللہ نے لیٹے لیٹے احتیاط سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "میں اسے قتل کرنے کا مخالف ہوں۔"

"مگر تم کب تک اسے قید رکھ سکو گے؟"

"اسے بیروت کے قریب واقع ایک ہسپتال میں بھیج دیا جائے گا جہاں وہ مستقل نگرانی میں کسی کام پر لگا دی جائے گی۔"

"اور میرے لئے اب کیا حکم ہے؟" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے سوال کیا۔

"میں تمہیں بی جیان کے خاتمے کی مبارکباد تو دینا ہی بھول گیا۔ تم نے واقعی ناممکن کو ممکن کر دکھایا اور اس بے نظیر کارنامے کے بعد تمہیں بیروت میں کچھ دن آرام کرنا چاہئے۔"

"مجھے کس کا خطرہ لاحق ہو گا؟"

"ان میں رہ جانے والی کمی دور کی جا چکی ہوگی اور تم عبدالعزیز سے کسی بھی وقت رابطہ کر سکتے ہو" اس نے کہا۔

"تم یہاں کب تک رہو گے؟"

"شاید دو دن بعد چلنے پھرنے کے قابل ہو سکوں گا۔"

"اگر میں دو دن تمہارے ساتھ رہ کر واپس آؤں تو کیسا رہے گا؟"

"ڈاکٹر ہرگز اجازت نہ دے گا۔ بہتر ہے تم یہاں آنے کے بعد فوراً چلے جاؤ۔ شاید آج کی ملاقات بھی اتفاقی ہے" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"مجھے اچھا نہیں لگتا کہ تمہیں اس حالت میں چھوڑ کر واپس چلا جاؤں۔ جہاں اتنے عرصے کا ساتھ رہا وہاں دو دن اور گزر جائیں گے"

"یہ تمہارا خلوص ہے۔ مگر میری تو خواہش ہے کہ تم جلد از جلد نکل جاؤ۔"

"کیا کوئی ایک اور معاملہ نمٹانا ہے؟"

"وہ کون سا؟"

"بیرا ڈیک کو بھی تو سبق دینا ہے"

"اسے بھول جاؤ" وہ ہنس کر بولا۔ "میرا ڈیک کا بھی کام ہے الیزا کے غائب ہونے کے بعد ایک تو وہ ویسے بھی بال نہیں ملے گا تو خود ہی ٹھنڈا پڑ جائے گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ اسرائیلی سیکرٹ ایجنٹ اسے ختم کر لیں میرا خیال ہے کہ ان کا سرغنہ بھی مارا جا چکا ہے اور اب تک وہ اس قتل سے باخبر ہو چکے ہوں گے"

"مارا جا چکا ہے؟" عبداللہ حیرت سے اچھل پڑا۔ "وہ کیسے؟"

اس پر میں نے اسے الیزا کے ہمراہ ہٹ پر پیش آنے والے واقعات سنا ڈالے۔ ابی فیل کا نام سنتے ہی عبداللہ کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ ہاتھ ملانے لگا۔

"ابی فیل اسرائیلی سیکرٹ سروس کا مایہ ناز ایجنٹ تھا۔ بہرحال تم نے ان لوگوں کو زبردست نقصانات پہنچائے ہیں۔"

"مگر اس چکر میں مجھے تیر پھینکنے والی مشینی ہٹ میں ہی رہ گئی۔ میں نے قدرتاً افسوس میں کہا۔ وہ میرا بہترین ہتھیار تھا اور میرے دشمنوں کے باوجود آخر تک اس نے کبھی دھوکا نہیں دیا۔"

"طرابلس میں تو اور میرا گہرا دوست ہے۔ اگر تم اس سے ذاتی طور پر ملو گے، تو وہ تمہیں نہ صرف وہیں وزا بلکہ دوسری قسم کا تحفظ بھی فراہم کرے گا۔"

"ابھی تک ایک بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔" میں نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد کہا۔

"کیا ایسی بھی کوئی بات ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"فرانس کی حکومت اپنی سرزمین پر اس قدر خون خرابہ کس طرح برداشت کر رہی ہے؟" میں نے طویل عرصے سے اپنے ذہن میں کھٹکنے والا سوال کر ہی ڈالا۔

"مقامی حکومت تو پہلی فرصت میں شرپسندوں کا صفایا کرنا چاہتی ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ دونوں فریق ہر مقام سے اپنے تشدد کے نشانات مٹاتے ہیں۔"

"حکومت یہ تو جانتی ہے کہ اس کشت و خون میں اسرائیلی اور فلسطینی ملوث ہیں۔؟"

"حکومت صرف جانتی ہے مگر کچھ کر نہیں سکتی۔"

"وہ کیوں۔۔۔؟"

"سرکاری سطح پر دونوں فریق بیشتر کارروائیوں سے نہ صرف لاتعلقی کا اظہار کرتے ہیں بلکہ ضرورت ہو تو اپنے ہی اقدام کی مذمت تک کر ڈالتے ہیں۔"

"ملک میں ان دونوں کے داخلے پر پابندی تو لگا سکتے ہیں۔"

"وہ سیاسی وجوہ کی بنا پر ناممکن ہے۔" عبداللہ نے جواب دیا۔

"اسرائیلی حکومت اپنے مذہبی اور سیاسی عزائم کی بنا پر یورپی ممالک کی منظور نظر سمجھی جاتی ہے اور دوسری طرف فرانس اپنا تیل کی ضروریات کی وجہ سے ہر وقت عربوں کی خوشنودی کا خیال رکھتا ہے لہٰذا وہ اس معاملے میں بے بس ہو کر رہ گیا ہے۔ صرف فلسطینیوں کے داخلے پر تو مزید بھی پابندی لگ جاتی۔"

"یہاں سے چھٹی کے بعد تمہارا کیا ارادہ ہے۔؟"

"میں واپس جاؤں گا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "یہاں مجھے خلاف توقع کافی الجھن ہو گئے ہیں۔۔۔۔۔ ملائیکا کے معاملے میں ابھی ایک نیا سوال میرے ذہن میں ابھرا ہے۔" آخری فقرہ اس نے قدرے توقف کے بعد جھجکتے ہوئے ادا کیا تھا۔

"پوچھ لو ورنہ پھر نہ جانے کب ملاقات ہو۔!"

"اگر ملائیکا کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ تم اسرائیل کے دشمنوں سے تعلق رکھتے ہو تو پھر تمہیں تلاش کر کے براہ راست ختم کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی گئی۔"

"یہ بات میں تو جاننا چاہتا ہوں مگر ابھی میرا سراغ ہی نہیں مل سکا تھا۔" میں نے کہا۔ "اور اگر اسرائیلی قونصلیٹ کا سربراہ ملائیکا کو میری تعاون پر مجبور کر رہا تھا تو شاید اس لیے تم جیسی اس کی موت کے بعد بھی اسے کچھ پتا نہ ہو پاتا۔"

"پرنس حیان کی ہلاکت کے بعد وہ لوگ ہسپتال میں تمہارا سراغ نکال سکتے تھے۔"

"میں اس کی ماں والی حیثیت پر جس وقت اول تو پولیس سے کہہ کر اپنی سلطنت زمانوں تک کسی کو شبہ ہی نہ ہو سکا کہ ہسپتال میں مشتبہ مریض کے طور پر بھیجے گئے کسی تنہا شخص نے وہ کارروائی کی ہو گی۔ مگر کہانی میں جنسیات کا مفروضہ یہ تھا کہ وہ لوگ ہسپتال کا برقی نظام تباہ کرنے کے بعد کسی طرح آزر گئے اور اپنا کام پورا کر کے خاموشی کے ساتھ ہسپتال کی حدود سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ لہٰذا ان کی ساری توجہ ادھر ہی مرکوز رہی اور ملائیکا اس وقت کا انتظار کرتی رہی۔ جب میں اس سے رابطہ قائم کرتا۔"

"ملائیکا نے تم سے جو کچھ کہا وہ سچ تھا۔"

"وہ اپنی دانست میں وہ سچ ہو سکتا ہے جیسا کہ کر چکی تھی۔ لہٰذا اس کو چھوڑ دینے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔"

"میرا اپنا دل یہی کہہ رہا تھا کہ وہ بری طرح سسک رہا تھا۔ پیرس چھوڑنے سے پہلے ایک بار اس سے ملاقات ضرور کر لینا۔ ہو سکتا ہے وہ تم سے کوئی قابل عمل سمجھوتہ کر سکے۔"

"مگر یہ تمہارے چند آدمیوں اور ایک ٹھکانے سے واقف ہو چکی ہے اور اپنی زندگی کی خاطر فی الحال وہ تمہاری شرائط پر سمجھوتہ کرنے کو تیار ہو جائے گی۔ اور اس نے آزادی حاصل کرتے ہی اگر اپنے آقاؤں کو تمہارے پیچھے لگا دیا تو کیا ہو گا۔؟"

"یہ ساری باتیں تمہاری صوابدید پر ہیں۔" اس نے کہا۔ "تمہاری رپورٹ ملنے کے بعد اس کے بارے میں فیصلہ کروں گا۔"

میں نے مزید کچھ دیر اس سے ادھر ادھر کی باتیں کیں اور پھر اٹھ کر ریسیور کو اٹھا لیا۔

زرینہ کے ساتھ اس کے صاف ستھرے بیڈ روم سے گزر کر میں عمارت کے عقبی حصے سے باہر نکل آیا اور ٹیکسی کے ذریعے راڈرک کے فلیٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔

راڈرک مجھے دیکھتے ہی اچھل پڑا۔ اور اس نے دونوں بازوؤں کو کھولتے ہی مجھ سے بڑی ہی پرجوش اور شاندار آواز میں کئی سوال کر ڈالے۔

"اندر تو چلنے دو، ساری باتوں کے جواب بھی دے دیتا ہوں۔"

"اندر میری ایک مہمان آئی ہوئی ہے۔" وہ آواز کو دھیما کرتے ہوئے بولا۔ "اس کے سامنے رنگے فساد کی کوئی بات نہ چھیڑنا۔"

"تم فکر نہ کرو، مگر مجھے راستہ تو دو۔" میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

میرے پیچھے راڈرک کے ڈرائنگ روم سے کہ دے تک پیغاہ

یں داخل ہونا ناممکن تھا۔ مگر جب میں نے وہاں ایک بے حد حسین اور نسوانی چہرہ دیکھا۔ تو فوری طور پر خوابگاہ میں جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور مسکراتے ہوئے کرسی کے مقابل بیٹھ گیا۔

"یہ شاہدہ ہیں۔" اس لڑکی نے تم سے پہلے میرا تعارف کرایا۔ اور میں فرانسیسی لہجے میں بولی جانے والی انگریزی میں اس کا نام سن کر چونک پڑا۔

مجھے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ اور میں نے اپنا نام اطالوی فرانزو بتاتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "معاف کرنا میں تمہارا نام صاف طور پر نہیں سن سکا۔"

"شاہدہ!" اس نے مسکرا کر دہرایا۔ اسے براہ راست مجھ سے مخاطب پا کر راڈرک کے چہرے پر جھنجھلاہٹ سی پھیل گئی تھی۔ اور وہ بے بسی سے میری طرف دیکھ رہا تھا جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھ سے اٹھ کر چلے جانے کی التجا کر رہا ہو۔

"خوبصورت مغربی خدوخال پر یہ مشرقی نام عجیب سا لگتا ہے۔" میں نے اپنے لہجے میں مٹھاس پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "پہلی بار میں یہ سمجھا کہ شاید مجھے کانوں کو دھوکا ہوا ہے۔" نام کے بہانے میں نے اس کی خوبصورتی کی تعریف کا موقع بھی پیدا کر لیا تھا۔

"مشرق کے بارے میں تمہاری خاصی معلومات ہیں۔" اس نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔ "ورنہ اکثر لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ یہ کس زبان کا نام ہے۔"

"اگر تمام یورپی معلومات کا معیار ہے تو تم مجھے مشرقی یا مشرقی ہی سمجھ سکتی ہو۔" میں نے ظاہراً مذاق کہا۔

"وہ کیسے؟" شاہدہ کے لہجے میں دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی۔

"میں تمہارے نام کے معنی تک سے واقف ہوں۔"

"نہیں!" اس نے بے اعتباری سے کہا۔

"اصل میں یہ نام عربی کا ہے مگر ساتھ ہی اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے۔"

"تم اردو جانتے ہو؟" شاہدہ نے حیرت سے سوال کیا۔

"بہت اچھی طرح!" میں نے اردو میں ہی جواب دیا اور وہ "ہائے خدا" کہہ کر حیرت سے اچھل پڑی۔

"کیا کہا ہے۔؟ اس نے ابھی تم سے کیا کہا تھا؟" راڈرک نے شاہدہ کے سامنے تن کر کھڑے ہوتے ہوئے قدرے جھنجھلائے لہجے میں سوال کیا۔

"بیٹھ جاؤ ڈارلنگ۔ اس نے اظہار عشق نہیں کیا تھا بلکہ اردو بولی کے سوال کا جواب دیا تھا۔" وہ منہ بنا کر ناز کے ساتھ بولی اور راڈرک کچھ کھسیانا ہو کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"تمہارا اردو پر خاصا عبور ہے۔ لیکن بے ساختہ انداز میں اردو بولنا ایسا کسی فرانسیسی لڑکی کے لیے کی بات نہیں معلوم ہوتی۔" میں نے ایک ہم زبان میسر آ جانے کی بے انتہا خوشی میں اردو ہی بولنی شروع کر دی۔

"میرے والد پاکستانی تھے۔" شاہدہ نے سر جھکا کر کہا۔

"پھر تم دونوں کس زبان میں باتیں شروع کر دیں۔" راڈرک جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ایسی زبان بولو جو میں بھی سمجھ سکوں۔!"

"فرانسیسی زبان کی طرح اس سے چھٹکارا دو پھر تم شاہدہ کے ساتھ فرنچ میں باتیں کرتے رہنا۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔"

"تو تمہیں فرنچ نہیں آتی۔؟" شاہدہ میری بات پوری ہوتے ہی بول پڑی۔

مجھے اپنے سر کو صرف نفی میں جنبش دینے کی مہلت ہی مل سکی۔ کیونکہ راڈرک فوراً ہی کسی لڑاکا مرغے کی طرح اکڑنے لگا تھا۔ "اس چھت کے نیچے انگریزی، فرنچ اور اسپینش کے علاوہ کسی زبان میں گفتگو نہیں کی جا سکتی۔"

"یہ شخص میرے باپ کی زبان جانتا ہے اس لیے مجھے فطری طور پر اچھا لگا ہم تمہارے خلاف کوئی سازش نہیں کر رہے۔" شاہدہ نے کہا۔

"تم یہیں رکو گے یا فوری طور پر کہیں باہر جاؤ گے۔؟" راڈرک نے شاہدہ کو نظرانداز کرتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

"فی الحال تو رکنے کا ارادہ ہے۔!" میں نے مسکرا کر کہا۔

"تو پھر آؤ ہم باہر چلتے ہیں۔" راڈرک نے شاہدہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"مگر کہاں۔؟" شاہدہ کے لہجے میں احتجاج نمایاں تھا۔

"تم قدرت کے کنارے پر ایک نفیس سی کلب میں شب بسر کرنے کا پروگرام بنا کر مجھے لائی تھیں۔"

"وہ پروگرام چوپٹ ہو گیا۔" راڈرک اپنے غصے پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "ہم اب باہر نکل کر دوسرا پروگرام سیٹ کر لیں گے۔"

"میری وجہ سے اپنا موڈ برباد نہ کرو راڈرک۔" میں نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے پورے خلوص کے ساتھ کہا۔ "مجھے ضروری کام سے پھر باہر جانا ہے۔"

"کیوں اچھا خاصا ماحول خراب کرتے ہو راڈرک! اتنی سی بات پر بچوں کی طرح بگڑنا اچھی بات نہیں ہے۔" شاہدہ بھی بگڑی ہوئی لگتی تھی۔

اس کے جواب میں راڈرک نے تیکھی آواز میں کچھ کہنا شروع کیا جو فرنچ میں تھا جسے میرے لیے سمجھنا دشوار نہیں تھا۔ وہ تیز تیز فرانسیسی میں بڑبڑا رہا تھا۔

اس کے خاموش ہوتے ہی شاہدہ میری طرف دیکھتے ہوئے بے اختیاری سے انگریزی میں بولی "مجھے یقین نہیں۔۔۔۔۔۔"

"شٹ اپ!" اسے انگریزی میں انکشاف پر تا ہارا راڈرک شاہدہ کی طرف تقریباً جھپٹتے ہوئے بولا۔ اور میں نے آنکھ اس نے پھر

فریج فروخت کردی۔

بحران دولتوں کے مابین قریب ہی بحث کا آغاز ہو گیا ہے۔ میں چند ثانیوں تک تو کسی سمجھوتے کا منتظر رہا۔ مگر جب بات بڑھنے لگی تو میں ایک زبردست جھول کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"میں جا رہا ہوں ڈاڈرک!" میں نے ان کی بحث میں دخل دیتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے یہاں کا ماحول خراب ہو گیا۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ چل رہی ہوں۔" شاہدہ نے انگریزی میں کہا۔ "یہ شخص سمجھ نہ جانے کیا سمجھ بیٹھا ہے جو ذرا سی بات پر آپے سے باہر ہوا جا رہا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے خاتون کہ میں اپنے دوست کی مرضی کے خلاف آپ کو ساتھ نہیں لے جا سکوں گا۔" میں نے معاملے کی نزاکت جانچتے ہوئے اسے دو ٹوک جواب دے دیا۔

میرے اس جواب پر ڈاڈرک نے حیرت سے پلکیں جھپکا کر میری طرف دیکھا اور پھر شاہدہ کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "سن لیا! میرے دوست اتنے گئے گزرے بھی نہیں ہیں۔"

"اور ابھی تم اسے بڑا فرشتہ بتا رہے تھے۔" شاہدہ نے تیز آمیز لہجے میں کہا۔

"یہ بکواس تم نے کی ہے۔" ڈاڈرک اس کے جانے کے بعد مخاطب ہو کر بولا۔ "جہنم میں جاؤ۔" شاہدہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا کہ اس کی عقل ساتھ چھوڑ جانے کی عادی تھی۔

"میں جا رہی ہوں اور آئندہ بھی تمہاری شکل دیکھنا نہیں چاہوں گی!" شاہدہ غصیلے لہجے میں بولی اور اپنا بیگ اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"تمہارا غصہ ٹھنڈا ہو گا تو میں تمہارا انتظار کروں گا۔" ڈاڈرک نے اسے روکنے کی کوشش کیے بغیر بلند آواز میں کہا۔

اس کے چلے جانے کے بعد ہم دونوں نے کچھ دیر خاموشی اختیار کی۔ ڈاڈرک خاموشی سے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے سگریٹ کے کش لگاتا رہا۔ کوئی بات کیے بغیر خاموشی سے ہم دونوں بیٹھے اور دونوں نے ایک ایک سگریٹ سلگا لیں۔

"اچھا ہوا کہ چلی گئی۔" چند لمحے بعد ڈاڈرک نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں بوجھل سی کیفیت تھی جیسے وہ کوشش کر رہا ہو کہ اپنی پریشانیاں نہ چھپا سکے۔

"کون تھی یہ لڑکی؟" میں نے لڑکی کے کہا تھا اس کے بیٹھنے پر تھوڑا کریدتے ہوئے مسرت انداز میں دریافت کیا۔

"اچھی اور پاکستانی باپ کی اولاد ہے۔" ڈاڈرک نے حیرت سے نظریں اٹھاتے ہوئے کہا۔ "پیرس کے سب سے بڑے ڈرگ ریکیٹ

کا ممبر کون ہے!"

"اس کا باپ کیا کرتا ہے؟"

"وہ پاکستان، افغانستان اور نیپال وغیرہ سے غیر قانونی طور پر منشیات لاتا تھا۔" ڈاڈرک نے کہا۔ "شاید تمہیں معلوم ہی نہیں کہ چند سال پہلے یہ عرصہ بڑی نا وقت آمد کے سبب اس کے ہاتھ آئی جو بڑی ایک بڑی رقم کی صورت میں نکل گئی تھی۔"

"مگر اب کیا کرتا ہے؟"

"کچھ نہیں۔ اس نے آٹھ سال پہلے جیل میں خودکشی کر لی تھی۔"

"کیوں؟"

"منشیات لاتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔ عدالت سے دس سال قید معہ بھاری جرمانے کی سزا ہوئی تھی۔ مگر اس نے تین ماہ بعد جیل میں ہی خودکشی کر لی۔"

"اور اس کی ماں؟"

"وہ ہیروئن کی عادی تھی۔ مقدمے کے دوران میں ہی مر گئی تھی۔ ایک مقامی سنڈیکیٹ نے خفیہ طور پر مقدمے کے دوران اس کی بھاری مالی اعانت کی اور اسی وقت سے یہ اس گروہ میں شامل ہے۔"

"صورت سے تو بڑی معصوم لگتی ہے۔"

"ڈرگ ریکیٹ کے علاوہ بھی ذاتی طور پر خاصے خطرناک کام کرتی رہتی ہے۔"

"تمہیں کہاں ٹکرا گئی؟"

"جہاں تمہارا انتظار بھی ہے۔" وہ سرد لہجے میں بولا۔ "جس وقت تم آئے تھے اسی وقت یہ ایک پیغام لائی تھی۔"

"کیا تھا وہ پیغام؟" میں اس کے الفاظ سنتے ہی سنبھل کر بیٹھ گیا۔

ڈاڈرک اپنی جگہ سے اٹھا اور کتابوں کے شیلف کے قریب جا کر ایک سادہ لفافہ لا کر میرے حوالے کر دیا۔ میں نے فوری طور پر لفافہ کھول کر اندر رکھا ہوا خط نکالا اور اس کی تحریر پڑھتے ہی میں حیران رہ گیا۔ وہ تحریر عبدالعزیز کی جانب سے تھی اور اس کے مطابق مجھے کل شام ہوٹل کے بیچ پر پہنچنا تھا جس کے بعد باقی ہدایات مجھے وہیں ملنی تھیں۔

"تم نے اس وقت کیوں نہیں دکھایا؟" میں نے خط پڑھتے ہوئے ڈاڈرک سے کہا۔

"تم اس میں غیر معمولی دلچسپی لیتے ورنہ مجھ پر شک کرتے۔" اس نے بے حد سنجیدگی سے جواب دیا۔

"صحیح معنوں میں تو مجھے اب اس میں دلچسپی پیدا ہوئی ہے۔"

کہا۔ "کل سے میں اس کے ساتھ رہنے جا رہا ہوں۔"

"نہیں۔" اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔ "مجھے یہی ہدایت ملی ہے۔"

"اچھا تو مقدر ہی خراب ہے۔ جلد بازی کی وجہ سے مرد کی توجہ آتے آتے نکل جاتی ہے اور تمہارے جیسے پرستان کے دروازے بھی کھل جاتے ہیں۔"

"ابھی تک تو کسی پرستان میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"وہ ایلیزا اکیلی ہی تو پرستان ہوا کرتی تھی۔ اس نے تمہارے بارے میں عبداللہ نے تمہارے حوالے سے مجھے بہت کچھ بتایا ہے۔ جیسی ہیں تمہاری لڑکیاں تمہاری باتوں میں آ جاتی ہیں۔ اسی لیے تم مجھے سٹ نظر آتے ہو۔ یہی تمہارا پتا ہے۔" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔

"اگر مجھے پتہ چل جاتا کہ وہ تمہارے لیے بھیجی گئی ہے تو کم از کم تیغ کولوی کی نوبت نہ آتی۔ خوبصورت لڑکیوں کے سامنے تم بالکل ہی چغد بن کر رہ جاتے ہو!"

"لیکن اسی وجہ سے تو میں بار بار کھا جاتا ہوں۔" وہ ٹھنڈا سانس لے کر بولا۔ "ہر ناکامی کے بعد عہد کرتا ہوں کہ آئندہ محتاط رہوں گا۔ مگر کوئی لڑکی ٹکرا جاتی ہے۔"

"چاہو تو اس سے تمہاری سفارش کر دوں۔"

"نہیں!" اس نے دونوں کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔ "میں اوروں کے ساتھ ایک پلیٹ میں کھانا کھا سکتا ہوں مگر لڑکیوں کے معاملے میں شراکت کا قائل نہیں۔"

"اور وہ عینی والی بھی تو خاصی تھی۔"

"وہ جو بھی تھی۔ اب اس کا ذکر نہ کرو۔" وہ طنزیہ لہجے سے بولا۔ "شام کو شکار پر نکلنا ہو گا۔"

"عبداللہ کہاں ہے؟" میں نے اسے ٹٹولنے کی نیت سے سوال کیا۔

"پتہ نہیں! اس سے نقصان کوئی ہے کام لیتے ہوئے کہا۔ "میں ان لوگوں کی سرگرمیوں کے بارے میں بہت کم علم ہو پاتا ہے۔"

"مگر مجھے تو یہ محسوس ہوا ہے کہ تم سارا اپنا وقت عبداللہ کے کاموں میں ہی صرف کرتے ہو۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"یہ محض اتفاق ہے۔" وہ ہنس کر بولا۔ "میرا شمار مرغیوں کے ماہرین میں ہوتا ہے اور وہ چند مستقل گاہک ہیں جو کسی پریشانی کی صورت میں فون کر کے مشورے کے لیے مجھے طلب کر لیتے ہیں ورنہ فریڈم آف فلسطین گروپ کے اراکین زیادہ تر مالی اور اخلاقی اعانت

سے آگے نہیں بڑھتے!"

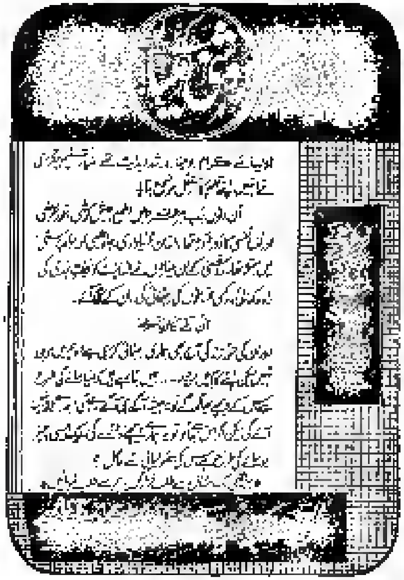
"جب کہ اس گروپ میں تم جیسے بے خوف لڑنے والے بھی ہیں۔ پیرس میں ایسے لوگوں کی تعداد صرف پندرہ ہے جیسے فریڈم آف فلسطین کے صرف پیرس میں اٹھارہ ہزار اراکین ہیں۔"

"اٹھارہ ہزار؟" میں وہ تعداد سن کر حیران رہ گیا۔

"ہاں۔۔۔ اور شاید تمہیں یہ سن کر حیرت ہو کہ یہ گروپ مرحوم کے بارے میں مصر سے ہونے والی جنگ کے دو سال بعد قائم کیا گیا تھا۔" ڈاڈرک ان لوگوں میں سے تھا جو ذرا سی بات پر لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ مگر چند ہی لمحوں بعد سب کچھ بھول جانے کی حیرت انگیز صلاحیت سے مالا مال ہوتے ہیں۔ جب تک شاہدہ موجود رہی وہ میرے ساتھ لڑنے پر تلا رہا۔ لیکن اپنی حماقت سے اسے بھگانے کے بعد وہ میرے ساتھ نہایت دوستانہ رویے کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

مگر میرے پاس اس کے لیے زیادہ وقت نہیں تھا۔ عبداللہ کی نوازش تھی کہ میں فرانس چھوڑنے سے قبل ایک بار ایلیزا سے مل لوں اور عبدالعزیز نے اپنے طور پر مجھے الگ الگ شاہدہ سے ملنے کی ہدایت کی تھی۔ شاہدہ سے ملنے کے بعد مجھے اس کی ہدایات پر عمل کرنا تھا اس احتیاط سے ہی وہ وارادات ایلیزا کے سلسلے میں خوشی خانے پر پھیر سکتا تھا۔

میں گرم پانی سے غسل کرنے کے بعد تازہ دم ہو کر ڈاڈرک کے فلیٹ سے روانہ ہو گیا۔



میں نے ٹیکسی یوسف کے خادم سے منزل کی دوری کا پوچھ لی اور
خود پیدل آگے چل دیا۔ خادم کے اطلاع پہنچنے کے بعد مجھے [illegible]
[illegible] نظر آئے [illegible] حفاظتی [illegible]
مجھے دیکھتے ہی مختلف سمتوں سے یک دم [illegible] افراد میری طرف بڑھے جن کی
[illegible] رہی تھیں۔
غنیمت ہے [illegible] ان میں سے دو افراد مجھے پہچان گئے اور میں فوری
طور پر عمارت میں پہنچا دیا گیا جہاں [illegible]
[illegible]
چند منٹ بعد یوسف [illegible] لباس میں [illegible]
موجود ہوا۔
"تم نے اس وقت یہاں آ کر میری بڑی مشکل آسان کر دی ہے" مجھے دیکھتے ہی وہ بول اٹھا۔

[illegible]

"مجھ کو نہیں — میں حقائق بتا رہی ہوں۔" وہ لاپروائی سے بولی۔ "بلکہ تمہیں تو میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ میں نے تمہیں ایک گمنام دشمن سے ہوشیار کر دیا ہے۔"

"تو پھر میں تمہاری ماں سے اس لڑکی کا کھوج نکالوں گا۔"

"پچھتاؤ گے سرکار، نقصان میں رہو گے۔ میری ماں کی زبان سے تم ایک لفظ بھی نہ اگلوا سکو گے۔ شوہر کی موت کی خبر پانے کے بعد اس کی آنکھوں میں تیرا اور نفرت کا ایک ہولناک جہنم بھڑک اٹھا تھا اور جب ... کی موت کے بعد مجھے تمہاری تصاویر دکھائی گئیں اور میں نے تمہیں پہچان لیا تو اسی وقت میری ماں نے قسم سے ... بچوں کا انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ سب کچھ جاننے کے باوجود اپنے شوہر کی بھی پرستار رہی کہ اس کی خاطر اپنا عظیم الشان ... فراموش کر کے بے کیف زندگی کو خوشی خوشی گلے لگا لیا۔"

"اور اگر میں تمہیں رہا کر دوں؟" میں نے اس کے الفاظ کی گہرائی پرکھنے کے لئے سوال کیا۔

"مجھے رہا کر دو، رام لال کے انتقام پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ اسے تو شاید ابھی تک میرے اغوا کی خبر بھی نہ ملی ہوگی۔"

ایلیزا کی شب الٹ بات مجھے پسند آئی اور میں نے فوری فیصلے کے تحت اچھلتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں ضرور رہا کر دوں گا تاکہ تم اپنی آنکھوں سے اس ہنگامے کا حشر دیکھ سکو۔"

"تم میری ماں پر ہاتھ نہیں ڈال سکو گے۔" وہ تڑپ کر بولی۔

"میں ہر قیمت پر اس لڑکی کا سراغ نکال لوں گا — اور اگر تم درمیان میں حائل ہونے کی کوشش کرو گی تو نہایت بے رحمی سے تمہارے چہرے سے اتار دوں گا۔" میں نے چابی لگا کر اس کی ہتھکڑی کھولتے ہوئے ... کہا۔

"وہ ایک تیر تھا جو کمان سے نکل چکا۔" وہ ہتھکڑی سے نجات پانے کے بعد بولی۔ "میری ماں نے اس لڑکی کو دیکھا ہے اور اس کے ٹھکانے سے واقف ہے۔"

"یہ کون سی بات ہے!" میں نے اپنی جگہ پر ... ہوئے کہا۔

"یہ درست ہے، میری ماں فون پر اس کی آواز پہچانتی ہے اور اسے لڑکی کا ایک فون نمبر معلوم ہے جو کسی قیمت پر تمہیں نہیں بتاؤں گی مگر یہ وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ کبھی تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کروں گی۔"

"اگر تم نے مجھ کو ... نہ دکھائی تو تم اور تمہاری ماں ... سے بچی جاؤ گی۔ میں اس لڑکی کا تو بعد میں خود کھوج نکال لوں گا۔"

"تو کیا میں جا سکتی ہوں؟" اس نے بے اختیاری سے سوال کیا۔

"ابھی تمہیں صرف ہتھکڑی سے رہائی ملی ہے، مجھے ... کے جانے کی اجازت ابھی نہیں ملی۔"

"تم ... بہت عظیم ہو۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں ... میرے بستر پر آ بیٹھی اور پھر ... کی ... کس بدلنے لگی۔

"میرے الفاظ یاد رکھنا ایلیزا! اگر میری ذات کو تمہاری جانب سے کوئی خطرہ لاحق ہوا تو میں تمہاری زندگی عذاب بنا دوں گا۔"

"آج میں نے بھی شکست مانتے ہوئے اپنے ان کا سارا غبار اگل دیا ہے۔ اس کا ایک بدلہ ملا اور زہر تھا۔ میری ذات سے خطرہ تو دور کی بات ہے تم مشکل میں گھر گئے تو بچا ہوا بچانے آؤں گی۔"

ڈسکی کا ... پیگ اس نے یکمشت ختم کر لیا۔ وہ ... پیگ ... دیکھنے لگی۔ اور میں نے اپنے پیمانے ... کی تجدید ... پیگ کو ... پر مجبور کر دیا۔

وہ ... قریب بیٹھی ... سگریٹ کے ... لگا رہی تھی ... کھانا ... اور اس کی ... تھا ... سخت الشفتہ میں ... اسے ... تو وہ نشے ... بھی ... اٹھا کر مجھ پہ فائر کر سکتی تھی۔

اسے مزید موقع فراہم کرنے کے لئے میں پیشاب کے بہانے ... اٹھ گیا۔ واپس آیا تو وہ ... بستر پر ... ایلیزا سے کھیل رہی تھی۔

"اسے رکھ دو ایلیزا!" میں نے ... سے ... لہجے میں اسے للکارا۔

"آج کی رات اسے کہیں دفن کر دو ... !" اس نے ... ہاتھ سے ... پیچھے پھینک کر ... بے اعتنائی سے ایک طرف ڈال دیا۔ "آج ... خوش ہوں، ایسا نہ ہو کہ خوشی سے بے قابو ہو کر خودکشی کر بیٹھوں۔"

میں نے پستول اٹھا کر احتیاط سے تکیے کے نیچے رکھ دیا۔ ... بڑی ... ہوئی ... کی نقل اور ... گولیاں ... منصوبے کے مطابق ایلیزا کی نیت کا امتحان لے چکی تھی اور میں پوری بے خوفی کے ساتھ رات آزاد کر سکتا تھا۔

اس لڑکی نے مجھے قید کرنے کی ایک ناکام کوشش کے علاوہ ... میرے ... قیام کے دوران میری بے انتہا مدد کی تھی۔ اور اگر اس کے مستقبل کے ... میں کوئی بے رحمانہ فیصلہ کیا جاتا تو شاید میری غلطی مجھے ... رکھتی مگر میں نے اسے اپنی کسوٹی پر پرکھ کر بہترین فیصلہ کر لیا تھا۔ ... کے ... سے خود میرے فیصلے کا بہترین جواز فراہم کر دیا تھا ... اپنی ماں کا ماضی میرے سامنے رکھ دیا تھا بلکہ رام لال ... کی ... جانشینوں کے عزائم سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔

کچھ ... واقعات کا ... تھا ... دوسرے واقعات کے علاوہ ... شاید ... اور پھر ایلیزا کی طویل کہانی میں ناقابل یقین ... موجود تھی۔

شاہد کا باپ ... تھا ... کی ... کا ... انجام کار ... ایک ... خیال ...

شاید وہ پہیلا نام ایلاری کی کارکردگی کا ... جانشینی ... خیال ... بھی ذہن سے تحلیل ہو گیا کیونکہ شاہد کا نام عبدالعزیز کے حوالے سے سامنے آیا تھا اور وہ عورت کسی بھی زاویے سے پیرانہ منصوبہ سازی کی اہل نظر نہیں آتی تھی!

... ایلیزا واقعی گہری نیند ... اور ... مستی کے عالم میں بآواز بلند سوچنے لگی۔ اس کے الفاظ ... اعصاب میں سرایت کرنے لگے اور ... نرمی کے ساتھ وہ ... آغوش فراہم کر دی جس کے لمس سے ... بدن ... پورا ... طاری ہوا جا رہا تھا۔

رات کے ... پچھلے پہر ... میری نیند ... ایلیزا ... دنیا ... بے خبر سو رہی تھی ... آہستگی سے دروازہ کھول دیا۔

"میں نے تمہاری نیند خراب کر دی؟" وہ میری ... بولی ... آنکھیں ... معذرت آمیز ... آواز میں ... مسلم ... یوسف تھا۔

"چلو ... سے مل کر آئے ہو؟" میں نے اس کے ہمراہ بستر کی طرف ... ہوئے ... آواز میں سوال کیا۔

"وہ لڑکی کی دلچسپی کے ... لڑکی کا ... تیار ہے۔" یوسف نے ... آواز میں کہا۔

"بے ... سے بات کرو ... شراب میں ... کر بے خبر ..."

"... میں نے کہا۔ "پھر تم نے کیا جواب ... آئے؟"

"... لڑکی کے ... میں ... کا اظہار ... سے ... پہلے ... لاتی ... ہوں ... سے ... گا۔"

"میں اسے ... کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"

"... تم ... بھی ... جائے ... اسے فریب ... گا۔"

"... تم ... ہے؟"

"... کے پاس ... تم سے ... موجود تھا۔"

"اور ... نے کوئی شرارت کی؟"

"وہ ... کا پاس کرنے والا آدمی ہے۔" یوسف نے ... اور ... کی جیب ... ہوئے کہا۔ "وہ کہتا ہے کہ ... کرتے پھر رہیں ... کا کوئی آدمی ... آ ... نہیں ... گا۔"

"اسے جواب کب ... ہے؟"

"وہ صبح چار بجے تک میرا انتظار کرے گا۔"

"اور میرا ڈکی کو ساتھ ہی لے جاؤ۔ اس نے اتنی شراب پی ہے کہ دن چڑھنے تک سوتی ہی رہے گی۔" میں نے ایمیزا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

یوسف نے فوراً ہی باہر سے دو آدمیوں کو طلب کیا جنہوں نے شانوں سے پکڑ کر اٹھایا۔ ان کی جھکی ہوئی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ اس پر نشے کا پورا اثر ہے۔

ان دونوں کی یہی کوشش تھی کہ ایمیزا کو گدھے پہ لاد کر لے جایا جائے۔ ایمیزا کا چہرہ دیکھ کر ان کی نگاہ میں جیسا بے حد لالچ چمک رہی تھی مجھے اندازہ لگا کہ ایمیزا ان میں ان پر بھی اپنی اداؤں کے تیشے چلانے کی کوشش کر چکی تھی۔

یوسف کے حکم پر ایمیزا کو ایک کمبل میں لپیٹا گیا کہ ان دونوں نے کمبل کے کونے تھامے اور سیڑھیاں اتر کے باہر احاطے میں موجود کار کی عقبی نشست پر لٹا دیا گیا۔

"احتیاطاً محافظوں کو ساتھ لیتے جاؤ۔" میں نے یوسف کو تنہا جانے پر آمادہ پاکر کہا۔

"یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"جیرالڈ جیسے آدمی پیسے کے معاملے میں بہت حریص ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اپنی ساکھ بچانے کے لیے وہ تمہیں قتل کرنے کا ارادہ کرے۔ راستے میں اس کے آدمی تمہیں گھیر کر لوٹ لیں۔ پانچ لاکھ فرانک کی رقم معمولی نہیں ہوتی۔" میں نے اسے سمجھایا۔

مجبوراً وہ دونوں محافظوں کو ساتھ لے گیا۔

اس سرد رات میں باہر کے مقابلے میں تہہ خانے کی فضا کافی بہتر تھی۔ لہٰذا میں دوبارہ وہیں جا کر بستر میں گھس گیا مگر میری نیند اڑ چکی تھی مجھے رہ رہ کر اندیشہ ہو رہا تھا کہیں جیرالڈ ایمیزا کو وصول کرنے کے بعد یوسف کے لیے دشواریاں کھڑی نہ کر دے۔

یوسف نے مجھے بتایا تھا کہ اس کی واپسی تقریباً ایک گھنٹے میں ہو گی جب اس کا بتایا ہوا وقت گزر گیا تب بے چینی کے باعث میرے لیے بستر پہ لیٹے رہنا دشوار ہو گیا۔

میں نے وہسکی کا ایک چھوٹا پیگ لیا اپنے سرہانے سے اٹھایا اور اوپر ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا۔

باہر کی فضا پر جاڑوں کی اندھیری رات کا گہرا بوجھل سکوت چھایا ہوا تھا جسے مختلف وقفے سے سگ گشتیوں کی آوازیں مجروح کر رہی تھیں اور پھر آخر کار مجھے کافی دور کسی کار کے انجن کی ہموار گونج سنائی دی۔

میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو دن کے پانچ بج رہے تھے یعنی یوسف کی واپسی ایک گھنٹے کے بجائے تین گھنٹے میں ہو رہی تھی۔

کچھ دیر بعد جب آنے والی کار احاطے میں داخل ہوئی اور اس کے ہیڈ لیمپ

بجھائے گئے تو میں یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ وہ ایک جیپ تھی۔ میرے اعصاب پر یک بیک تشویش طاری ہو گئی مگر جب اس میں سے یوسف اور اس کے محافظ برآمد ہوتے نظر آئے تو میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

یوسف نے اندر آکر تھکے ہوئے انداز میں ایک نرم کرسی پر خود کو میرے سامنے ڈال دیا۔

"کوئی دشواری تو پیش نہیں آئی؟" میں نے یک لخت کمرے کی روشنی میں اس کے چہرے کے نقوش کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"جیرالڈ کی دیانت داری نے صاف صاف موت کے منہ میں جانے سے بچا لیا ورنہ اس وقت میری لاش کسی ویرانے میں پڑی ہوتی۔" یوسف نے بتایا۔

"واقعی؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔ تم ایک اسرائیلی سیکرٹ ایجنٹ کے ذریعے جیرالڈ کو ٹریس کر کے پیغام بھیجنے کے بعد جیرالڈ کو بتا دیا گیا تھا کہ ایمیزا کو وصول کرنے کے بعد اگر وہ مجھے ان ایجنٹ کے حوالے کر دے تو ساری رقم اسے دے دی جائے گی۔" یوسف نے تیز لہجے میں بتایا۔

"مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ یہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہو گا۔"

"معاملہ سیدھا ہی ثابت ہوا۔" یوسف ہنس کر بولا۔ "تم جیرالڈ کی خوبیوں سے واقف نہیں ہو۔ اس نے اپنے باقی ماتحتوں کا نقصان اٹھانے کے باوجود اس معاملے میں ان کی پیشکش کو صاف ٹھکرا دیا۔ جیرالڈ سے کہا گیا کہ اس کے ٹھکانے سے مجھے تم سمیت نکلنے دیا جائے مگر راستے میں ان کے آدمیوں کی مدد سے پکڑ لیا جائے۔ جیرالڈ نے سختی سے کہہ دیا کہ معاہدہ کی کارروائی پوری ہونے کے بعد اس کا کوئی آدمی اس کے خلاف نہیں جائے گا۔ تب اسرائیلی ایجنٹوں نے جیرالڈ کے ٹھکانے سے نکاسی کے تینوں راستوں پر کڑی ناکہ بندی کر دی اور جب میں پہلی بار وہاں گیا تو شاید تعاقب کر کے میری کار کا ماڈل اور نمبر بھی نوٹ کر لیا گیا۔ وہ جانتے تھے کہ دوسری بار معاہدے کے مطابق ایمیزا میرے ساتھ ہو گی۔ درست چکر میں مجھے پکڑنے کے لئے انہوں نے جیرالڈ کے ٹھکانے سے متعدد ویران مقامات میں مورچے بنائے تھے مگر جیرالڈ نے مجھے ان کی طرف سے خبردار کر دیا۔ بلکہ یہ بھی بتا دیا کہ پہلی بار اس نے اپنی زبان اس شرط کی خاطر نہیں روکی تھی کہ وہ ان کی مدد کر کے واپسی کا ارادہ ہی ترک کر دیتی۔"

"پھر تو وہ واقعی شریف آدمی ہے!"

"ہاں! اگر وہ مجھے رقم دینے کے بعد محض اپنی زبان بند رکھتا تو بس پھر کوئی حرف گیری نہ ہوتی۔ کیونکہ ملنے آدمیوں کا معاہدہ تو ہم سے ہے مگر کسی تیسرے فریق کو روکنا اس کا کام نہیں ہے۔ اس کا تو خیال تھا کہ اگر ایمیزا پچھلی نشست پر سونے کے بجائے بیٹھی ہوتی تو شاید وہ لوگ مجھے جیرالڈ کے ٹھکانے پر پہنچنے سے پہلے راستے میں ہی روک لیتے اور پھر جیرالڈ سے رقم کی واپسی کا مطالبہ کر ڈالتے۔" یوسف جیرالڈ کے اصولوں سے کافی متاثر نظر

آ رہا تھا۔

"پھر تم یہاں تک کیسے پہنچے؟"

"جیرالڈ کے مشورے کے مطابق میں کار اس کے ٹھکانے سے دور ایک جگہ چھوڑ کر اور پھر کچے راستوں سے نصیب ہی کے سہارے پیدل شہر پہنچے جہاں ایک دوست کی مدد سے یہ جیپ لے کر یہاں تک لانا پڑا۔" یوسف نے بتایا۔

"یہ تم نے بہت اچھا کیا۔ طویل انتظار کے بعد جب ان پر حقیقت منکشف ہو گی تو اپنے بال نوچتے رہ جائیں گے۔"

"بس کار سے ہاتھ دھونے پڑ گئے۔" وہ افسردگی سے بولا۔ "وہ میرا سراغ نکالنے کے لیے کار کی بازیابی کریں گے۔ اور میں نہیں چاہتا تھا کہ کار کے ذریعے میرا کوئی سراغ ان کی نگاہوں میں آ سکے!"

"رجسٹریشن پلیٹ سے بھی وہ بہت کچھ معلوم کر سکتے ہیں!"

"وہ کار میں نے کباڑی سے خریدی تھی اور اس کی نمبر پلیٹ جعلی تھی۔" وہ اپنی چالاکی پر قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ "گھٹیا کاموں میں اگر ہم لوگ ان چیزوں کا خیال نہ رکھیں تو دشمنوں سے پہلے ہی مقامی پولیس کی گرفت میں آ جائیں۔"

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"بس تان کر بے فکری سے سو جاؤں گا۔"

"پھر میں تمہاری نیند خراب نہیں کروں گا۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے صبح سویرے ہی ایک ضروری کام پر روانہ ہونا ہے!"

"واپسی کب تک ہو گی؟"

"مشکل ہے۔ میں اب فرانس سے نکلنے کے چکر میں ہوں۔"

وہ مجھ سے نہایت گرمجوشی سے رخصت ہو گیا۔

صبح نو بجے تک میں نے ناشتے پر صحت مند مشغولیوں کے دوران گھر کا اپنا وقت گزارا اور پھر وہاں سے شہر روانہ ہو گیا۔

عبدالعزیز کی تلاش میں جیسے ہی میں اس کے ٹھکانے پر آیا تو وہ مل ہی گیا۔

"رات تم کہاں تھے؟" اس نے رسمی گفتگو ختم ہوتے ہی سب سے پہلے سوال کیا۔

"یوسف کے فارم پر تھا!"

"پھر تو تمہیں معلوم ہو گا کہ رات وہاں کیا ہوا تھا؟" اس کے لہجے میں تشویش نمایاں تھی۔

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے کہا۔ "وہ جیرالڈ سے بات کرنے گیا تھا اور پانچ لاکھ فرانک کے عوض ایمیزا کو اس کے حوالے کر آیا۔"

"وہ تمہارے جانے سے واپس آیا تھا—؟"

"ہاں۔" میں نے حیرت سے کہا۔ "تم اس کے بارے میں اتنے پریشان کیوں ہو—؟"

"آج صبح میرے شہر کے ایک گنجان آباد علاقے میں ایک کار جلتی ہوئی پائی گئی ہے۔ مجھے خبر ملی ہے کہ وہ یوسف کی کار تھی۔"

"شاید پولیس نے جھنجھلاہٹ میں خالی کار کو ہی آگ لگا دی ہو گی۔"

"کس کی بات کر رہے ہو؟"

میں نے مختصر الفاظ میں اسے یوسف کی کامیابی کی کہانی سنائی۔

"تو تم نے اس لڑکی کو زندہ ہی چھوڑ دیا!" میرے خاموش ہونے پر وہ بولا۔ "میرا خیال تھا کہ وہ قبرستان میں زیادہ مناسب رہتی۔"

"میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔" میں نے تردید کرتے ہوئے کہا۔ "عبداللہ نے مجھے فیصلے کا اختیار دیا تھا۔"

"اوہ! میں تنقید نہیں کر رہا تھا— تمہارے فیصلوں کا تو ہم سب ہی احترام کرتے ہیں!" وہ کھسیانا ہو کر بولا۔

"میں تم سے شارلٹ کے بارے میں کچھ جاننا چاہتا ہوں۔"

"اس سے ملنے کے بعد تم ہم لوگوں سے لاتعلق ہو جاؤ گے۔ اور پیسا کے لئے وہ لڑکی ہی وہ تمہارا مسئلہ حل کر سکے گی۔"

"شارلٹ کون؟" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ پیشہ ور کارکن ہے کبھی کبھار ہمارے لئے بھی کام کر لیتی ہے۔"

"تمہارے نزدیک وہ قابل اعتماد ہے؟"

"قابل اعتماد نہ ہوتی تو تمہارے ساتھ نہ لگائی جاتی۔ لیکن اس کے پہلو منشیات سے بچ کر رہنا وہ ہر ایک کو بہت جلدی وہ منشیات کی لت لگا دیتی ہے۔"

"ان دنوں وہ اور کہاں کام کر رہی ہے؟"

"حسب کار تھی— ایک ڈرگ ریکٹ اسے کیریئر کے طور پر استعمال کرتا ہے مہینے میں ایک دو بار وہ منشیات لے کر باہر جاتی رہتی ہے۔ تم اس کے بارے میں اتنا کچھ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"وہ منشیات والوں کے کس گروپ کے لئے کام کرتی ہے؟"

"یورپ میں نشہ آور ادویات کی تجارت پر بلاشبہ ایک ہی گروپ کی اجارہ داری ہے۔ چھوٹی موٹی پارٹیاں بھی اپنا منگوایا ہوا مال اسی کے ذریعے منگواتی ہیں۔"

"اور وہ مادام پولی کا گروپ ہے؟" میں نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"تم نے کہاں سنا اس کے بارے میں؟" میرے منہ سے مادام پولی کا ذکر سن کر وہ چونک پڑا۔

"اس عورت کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو؟"

"اس کے آدمی خود اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تو میں کیا بتا سکوں گا۔"

"یہ نام کب سے سننے میں آ رہا ہے؟"

"مجھے تو خود فرانس آئے چھ سال ہوئے ہیں۔ جبکہ سنا ہے کہ مادام پولری دوسری جنگ عظیم کے بعد ہی میدان میں کودی تھی۔"

میں خاموش ہو کر سگریٹ سلگانے لگا۔ مگر عبدالعزیز مجھ سے کچھ پوچھنے کے لیے بے چین تھا۔ اور آخر کار وہ بول ہی پڑا۔ "شاہد! تم مادام پولری تک کیسے پہنچ گئے۔؟"

"مادام پولری کو میرا سر مطلوب ہے!"

"نہیں!" عبدالعزیز تعجب کے عالم میں بولا۔ "اسے تم سے کیا پرخاش ہو سکتی ہے!"

"یہی گتھی ہے اور کسی کو میری تلاش پر بھی لگا دیا گیا ہے۔"

"اوہ خدا۔۔۔" وہ حیرت سے بولا۔ "کہیں تم یہ تو نہیں سمجھ رہے کہ شاید مادام پولری کی شاخ سے یہ ہم لوگوں میں گھسی ہے!؟"

"مجھے یہی شبہ ہے اور میں جاننا چاہتا ہوں کہ اسے کس کام پر میرے ساتھ لگایا گیا ہے!" میرا لہجہ کافی سنجیدہ تھا۔

عبدالعزیز کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ "اگر تمہیں اس پر شبہ ہو گیا ہے تو آج اس سے ملاقات منسوخ کر دو۔ میں کوئی دوسرا انتظام کر دوں گا۔"

"اب تو میں اس لڑکی سے ضرور ملوں گا۔ مگر ملنے سے پہلے جاننا چاہتا ہوں کہ اسے کس بنا پر میرے معاملے میں اعتماد میں لیا گیا ہے؟"

"ابھی تک وہ تمہاری اصلیت سے واقف نہیں ہے۔" عبدالعزیز کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔ "میں نے صرف یہی بتایا ہے کہ تمہاری ذات سے ہمیں بڑی توقعات ہیں۔ تمہارا نام پیٹر یا مسٹر ہے اور اس کے علاوہ وہ کچھ نہیں جانتی کہ تم کو کس طرح یہاں پہنچایا ہے!"

"تمہارے درمیان میں ہونے کے باعث وہ یہ بھی جانتی ہے کہ میرا تعلق افواج آزادی فلسطین سے ہے اور وہ پیغام لے کر ناروک کے پاس گئی تھی جو مرکز الفتح فلسطین کا سرگرم رکن ہے۔ وہ صرف اتنا جان چکی ہے!" عبدالعزیز کا مدافعانہ لہجہ میرے شبہات کو تقویت پہنچا رہا تھا۔ "مجھے یہ بتاؤ کہ سب سے پہلے اس کا نام کس نے تجویز کیا تھا اور نام تجویز کرنے والا میرے بارے میں کیا جانتا تھا؟"

"شاہدہ کا نام علی نقی نے تجویز کیا تھا۔" وہ اپنے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"وہ کون ہے؟" میں نے آنکھیں پٹپٹا کر سخت لہجے میں کہا۔

"پیرس میں ساواک کا چیف ایجنٹ ہے جو شاہ ایران کی ذاتی خفیہ پولیس ہے!" عبدالعزیز کی پیشانی پر سخت سردی کے باوجود پسینے کے قطرات پھوٹنے لگے۔ "میں نے اس سے سرسری طور پر ذکر کیا تھا کہ مجھے ایک اہم مشن کے لیے کسی کی خدمات درکار ہیں تو اس نے شاہدہ کا نام تجویز کیا جو میں نے بہت قبول کر لیا اور پھر یہ بھی جاننے کی کوشش نہیں کی کہ کام کی نوعیت کیا تھی۔"

"علی نقی کیسے کردار کا آدمی ہے؟"

"خاصا پرانا ہے!" عبدالعزیز نے کھوئے کھوئے لہجے میں جواب دیا۔

"مادام پولری سے اس کا کوئی تعلق ہے؟"

"مجھ سے زبردست چوک ہوئی ہے۔ زبردست غلطی ہوئی ہے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "وہ مادام پولری کا ملازم تو نہیں مگر مفاد کی خاطر کچھ بھی کر سکتا ہے۔ جس سے ہماری مالی امداد حاصل ہوتی ہے مگر میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میں نے علی نقی کو تمہارے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتایا تھا۔"

"مجھے افسوس ہے عبدالعزیز کہ تم نے ایک بہت غلط کام کیا ہے۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "کاش تم مجھ سے مشورہ کر لیتے۔ میں ابھی اور اسی وقت علی نقی سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"مگر مجھے یہ تو بتاؤ کہ تمہارے اندیشے کیا ہیں؟" وہ ڈوبتی ہوئی آواز میں بولا۔

میں چند ثانیوں تک ترحم آمیز نظروں سے اس کے زرد چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر پرسکون لہجے میں بولا۔ "مجھے اپنے گرد بہت تنگ گھیرا محسوس ہو رہا ہے۔ میرے سفر کی اطلاعات شاید یہاں تک پہنچ چکی ہیں۔ بن حیان کے قتل کے بعد پوری دنیا میں اسرائیل کے لیے کام کرنے والے ہر شخص کو یہ معلوم ہے کہ میں پیرس میں موجود ہوں اور مادام پولری کی ایک ملازمہ علی نقی کے ذریعے تمہارے گروپ میں گھسائی گئی ہو گی تاکہ وہ قریب رہ کر میرا سراغ لگا سکے۔ مگر یہ اس کی خوش نصیبی ہے کہ تم نے اسے براہ راست میرے ساتھ متعارف کرا دیا۔ اور دوسری طرف اسرائیلی سیکرٹ ایجنٹ بھی یہاں موجود ہیں۔ پولری جانتی ہے کہ وہ بھی میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں لہٰذا وہ شاہدہ سے ملنے والی معلومات انہیں بیچ دے گی۔ اور مجھے تو چھوڑو اگر علی نقی بدنیتی پر اتر آیا تو وہ چند سکوں کے عوض تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو اسرائیلیوں کے ہاتھوں کٹوا دے گا۔"

میری تقریر اتنی گہرائی تک پہنچی تھی۔ وہ اپنی غلطی پر نادم ہو گیا۔ وہ آہستہ سے بولا۔ "تمہارے لیے اب بھی وقت ہے، میں شاہدہ سے تمہاری ملاقات ملتوی کرا دیتا ہوں۔ تم فوراً کسی دوسرے ملک روانہ ہو جاؤ اور پیرس سے دور نکلنے کے بعد پہلی پرواز سے فرانس سے بھی نکل جاؤ۔"

میرے لیے اس وقت علی نقی زیادہ اہم ہے۔ میں اسی وقت اسے پکڑنا چاہتا ہوں۔ میرے فرار کی راہ تو ہر وقت کھلی رہے گی۔ میری لسٹ میں عبدالعزیز کی واحد غلطی یہ تھی کہ اس نے اپنی عقل کے بجائے علی نقی کے مشورے پر انحصار کیا تھا۔

وہ اپنی کوتاہی پر اس قدر شرمسار تھا کہ مزید کچھ کہے بغیر میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اور چند ثانیوں بعد ہم اپنے اپنے خیالات میں کھوئے علی نقی کی رہائش گاہ کی طرف جا رہے تھے۔

اگر فرانس بھی شبہ ہو جاتا کہ اسرائیلی سیکرٹ سروس کے علاوہ مادام پولری سے بھی تمہاری دشمنی ہے تو علی نقی کو ہرگز اعتماد میں نہ لیتا۔" کافی دیر تک خاموشی سے سفر کرنے کے بعد عبدالعزیز نے ندامت آمیز لہجے میں کہا۔

"مادام پولری دنیا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس کا تمام وقت بستر پر گزرتا ہے مگر اس کا شوہر میری وجہ سے مارا گیا اور اب وہ میری دشمن ہو گئی۔ یہ خبر مجھے کل رات ہی ملی تھی۔" میں نے اس کا کھویا ہوا اعتماد بحال کرنے کے لیے نرم لہجے میں کہا۔

"تم کیا کہہ رہے ہو کہ وہ اس قدر بے بسی کی زندگی گزار رہی ہے مگر جرائم کی دنیا میں اس کے نام کا ڈنکا بج رہا ہے؟" عبدالعزیز نے حیرت سے کہا۔

"مادام پولری اب صرف ایک نام ہے جسے اس کا شوہر استعمال کر رہا تھا۔ شوہر کی موت کے بعد ایک ایسی لڑکی بھی گینگ کی سربراہی کر رہی ہے جس سے اصل مادام پولری خود بھی واقف نہیں ہے۔ صرف اس کا ایک فون نمبر جانتی ہے۔" میں نے اس لڑکی سے ملی ہوئی معلومات اس تک پہنچا دیں۔

"یہ سب عبداللہ کے علم میں ہے؟"

"میں تمہیں اسی لیے ساری باتیں سنا رہا ہوں کہ تم اسے بتا سکو۔ مجھے تو شاید جانے سے پہلے اس سے ملنے کا موقع بھی نہ مل سکے۔"

"اب تم علی نقی کے پاس کیوں جا رہے ہو؟"

"میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ اس معاملے میں خود کہاں تک ملوث ہے اور شاہدہ کا نام اس نے کس کے ایما پر تجویز کیا تھا؟"

"وہ بہت خود سر اور بد مزاج آدمی ہے۔ آسانی سے ناو پر نہیں آئے گا۔"

"اس کا مجھے اندازہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ مادام پولری کی جانشین نے علی نقی کو انتخاب محض اس وجہ سے کیا کہ اس کے فلسطینیوں سے روابط ہیں۔ اسے براہ راست یہی ہدایت ملی ہو گی کہ تمہاری صفوں میں گھس کر مقصد علی کا سراغ نکالتے رہو۔ مقصد نے اسے ایک موقع فراہم کر دیا اور اس نے شاہدہ کو تم سے ملوا دیا۔ شاہدہ کا نام تجویز کرنے کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میری تلاش کے بارے میں مادام پولری کی ہدایات شاہدہ سے ہی علی نقی تک پہنچائی ہوں مگر ان سوالات کے واضح جوابات وہ خبیث خود ہی دے گا۔"

"ایسا نہ ہو کہ اس معاملے کی وجہ سے ساواک سے بھی ہماری ٹھن جائے؟" اس کا لہجہ تشویش آمیز تھا۔

"تو اس وقت ساواک تمہاری تنظیم کے کیسے مراسم ہیں؟"

"بظاہر ساواک ہمارے اور اسرائیلیوں کے معاملے میں قطعی غیر جانبدار ہے مگر ایران وہ مسلم ملک ہے جس کے اسرائیل سے دوستانہ سفارتی تعلقات ہیں۔ اگر ہم نے انہیں کوئی بہانہ فراہم کر دیا تو وہ سارے وسائل کے ساتھ ہمارے پیچھے لگ جائیں گے۔"

"ساواک کے معاملے میں تمہارے ذہن کی پالیسی کیا ہے؟"

"سوتے ہوئے آدم خور شیر کو جگانے میں ہاتھ نہ ڈالا جائے تو وہ شریف بچے ہیں۔ یوں ساواک بہت منظم ہے۔ ان کے پاس مطلوبہ وسائل اور افرادی قوت کی کوئی کمی نہیں اور وہ جدید ترین خطوط پر کام کرنے کے عادی ہیں۔ اگر ہماری ان سے چل گئی تو اسرائیل کا مقابلہ تو دور کی بات ہے ہمارا دفاع تک مشکل ہو جائے گا۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے میری بریفنگ کر دی۔" میں طویل سانس لے کر بولا۔ "تم فکر نہ کرو میں علی نقی کا معاملہ بگڑنے نہیں دوں گا۔"

"وہاں جانے کے بعد بگاڑ تو لازمی ہے۔ وہ شرافت سے تمہاری کوئی بات نہیں سنے گا۔" وہ بار بار اپنی پیشانی سے پسینہ صاف کر رہا تھا۔

"وہ فرانس میں ساواک کا چیف ایجنٹ ضرور ہے مگر میرے بھی اپنے حربے ہیں۔ اگر وہ تعاون پر آمادہ نہ ہوا تو اس کی لاش کا بھی سراغ نہ مل سکے گا۔"

"تم اسے ختم کر دو گے؟" میرے عزائم کا اندازہ کر کے عبدالعزیز سہما جا رہا تھا۔

"صرف اسی طرح ساواک اور مادام پولری کے تعلقات خراب کیے بغیر میں موجودہ گتھی کو سلجھا سکتا ہوں۔"

میرے جواب پر عبدالعزیز نے یوں تھوک نگلا جیسے اس کے حلق میں کوئی چیز پھنس گئی ہو مگر اس نے مزید کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

"تم کچھ پریشان ہو گئے ہو؟" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اسے ٹوکا۔

"علی نقی پیرس میں شاہانہ ٹھاٹ سے رہتا ہے۔ اس کی حویلی میں ملازمین اور محافظوں کی ایک پوری فوج موجود ہے۔ میں نے سنا ہے کہ اس کے استقبالیہ ہال میں چار خفیہ کیمرے نصب ہیں جو اس کے پاس جانے والے ہر ملاقاتی کی پوری فلم بنا لیتے ہیں۔ اور علی نقی کا سیکورٹی کا شعبہ ہر فلم محفوظ رکھتا ہے۔" اس نے کہا۔

"یعنی اس کی کچھار میں ہم بے بس ہو جائیں گے؟"

"وہاں اس سے الجھ کر ہم نہ صرف نقصان میں رہیں گے بلکہ زندہ واپسی بھی ہو پانا مشکل ہو سکے گی۔" عبدالعزیز نے کھل کر اپنے خدشے

کا اظہار کر ڈالا۔

"تو اسے باہر بلا لو۔"

"فون پر گفتگو کی تو ٹیپ کیے جانے کا خطرہ ہے۔ ایک بار اس نے خود بتایا تھا کہ وہ ہر فون ٹیپ کرتا ہے اور چوبیس گھنٹے بعد غیر ضروری ٹیپ ضائع کر دیے جاتے ہیں۔"

"ایسے انتظامات تو شاید فرانس کے ایوانِ صدارت میں بھی نہ ہوں گے۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"وہ بہت سے سربراہانِ مملکت سے زیادہ بہتر زندگی گزار رہا ہے۔ اس کی بلٹ پروف رولز رائس میں بھی بے شمار خفیہ آلات نصب ہیں۔"

"اس کے باوجود منشیات کی اسمگلنگ جیسا گھناؤنا کام کرتا ہے؟"

"وہ تمام اخراجات تو اسے ساوک کے چیف ایجنٹ کے طور پر سرکاری خرچ پر مل جاتے ہیں اور غیر قانونی دھندوں کے ذریعے وہ ذاتی بینک بیلنس بڑھا رہا ہے۔"

میں نے کچھ سوچتے ہوئے کار سڑک کے کنارے روک دی اور عبدالعزیز سے پوچھا۔ "تم اس سے عموماً کہاں ملتے ہو؟"

"وہ ہر شام چند مخصوص ہوٹلوں میں ضرور جاتا ہے۔"

"تو پھر ہم شام ہونے کا انتظار کریں گے۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"یہ بہت مناسب فیصلہ ہے۔" عبدالعزیز میری بات سن کر خوش ہو گیا۔

"مگر وقت برباد کرنے کے بجائے میں وہ جگہ علی نقی کی رہائش گاہ کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔" میں نے رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

اس وقت شام کے چار بجے تھے مگر مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے فضا میں گرد آلود دھند کا پھیلا ہوا تھا اور سردی میں بھی قدرے شدت پیدا ہو گئی تھی جس کے باعث ٹریفک میں شاید کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی مگر پیدل چلنے والے خال خال ہی نظر آ رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ہی ہماری کار ایک نہایت نفیس رہائشی علاقے میں داخل ہوئی جہاں ہر مکان بلا مبالغہ کئی ایکڑ رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔

"اس وقت ہم پرشین پیلس کی فصیل کے قریب ہیں۔" تھوڑی دیر بعد عبدالعزیز نے داہنی جانب کچھ فاصلے پر نظر آنے والی عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میں نے کار کی رفتار قدرے کم کر دی تاکہ اس پرشکوہ عمارت کا تفصیلی جائزہ لے سکوں۔

شاہراہ کی جانب احاطے کی وہ دیوار بہت دور تک پھیلی چلی گئی تھی۔ دیوار کی بلندی کم از کم دس فٹ تھی اور اس پر سبز سنگِ مرمر کی چمکتی ہوئی بڑی بڑی سلیں نصب تھیں۔ اس دیوار کے ساتھ والی فٹ پاتھ پر بھی شاید پرشین پیلس کے مکینوں نے اپنے خرچ سے عمدہ ٹائل لگوائے ہوئے تھے تاکہ عمارت کے حسن کو چار چاند لگ سکیں۔ فٹ پاتھ کے سرے پر سفید گملوں کی قطار لگی ہوئی تھی جن میں رنگ برنگے پھول بہار دکھا رہے تھے۔

سبز پتھر کی دس فٹ بلند دیواروں پر مزید چار فٹ بلند الومینیم کا جنگلا نصب تھا جو بڑی فن کاری کے ساتھ بنایا گیا تھا اور پھر ہماری کار اس دیوار کے وسط میں نصب پر ہیبت پھاٹک کے سامنے سے گزری۔ پھاٹک پیتل کی دمکتی ہوئی چادروں پر ابھرا ہوا ایران کا شاہی نشان نصب تھا اور پھاٹک کے ایک ستون کی جگہ سائرسِ اعظم کا پندرہ فٹ بلند مجسمہ ایستادہ تھا۔

"علی نقی اس محل میں رہتا ہے؟" میں نے حیرت کے ساتھ عبدالعزیز سے سوال کیا۔

عبدالعزیز نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ احاطے میں بنے ہوئے لان کے جنگلے میں ہر وقت برقی رو دوڑتی رہتی ہے تاکہ کوئی دیوار پھاند کر اندر داخل نہ ہو سکے۔ پرشین پیلس کے بارے میں مقامی حلقوں میں بھی بڑی پراسرار کہانیاں گشت کرتی رہتی ہیں مگر حقائق بہت کم لوگ جانتے ہیں۔"

"اس رازداری کی کیا ضرورت ہے؟"

"بظاہر تو ساوک شاہِ ایران کی خفیہ پولیس فورس ہے مگر شاہ کے مخالفین کا دعویٰ ہے کہ ساوک شاہ کے مخالفین کو اغوا کر کے ہلاک کر دیتی ہے۔ وہ اسے خونی بھیڑیوں کا غول قرار دیتے ہیں۔"

"اتنے سنگین الزام کی کوئی بنیاد تو ہو گی؟"

"لوگ کہتے ہیں کہ شاہ کے ہوتے ہوئے ساوک کے خلاف کوئی بات ثابت نہیں کی جا سکتی مگر وہ شاہ کے ان سیکڑوں مخالفین کا حوالہ دیتے ہیں جو اچانک غائب ہو جاتے ہیں اور ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ سیاسی مخالفوں کی گمشدگیوں کا یہ سلسلہ برسوں سے جاری ہے اور آج تک ان میں سے کسی کی لاش بھی نہیں مل سکی ہے۔"

"ایران ہمارے قریبی دوستوں میں شامل ہے مجھے یقین نہیں آتا کہ ان قصوں میں کوئی صداقت بھی ہو گی۔"

"یہ سب سنی سنائی باتیں ہیں اور ان کا تعلق ایران سے

نہیں بلکہ ساوک سے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ الزامات سرے سے ہی بے بنیاد ہوں۔ مگر سرکاری طور پر کبھی بھی ساوک پر عائد کیے جانے والے الزامات کی تردید نہیں کی گئی۔"

اس اثنا میں ہماری کار پرشین پیلس سے آگے نکل چکی تھی اور مجھے یہ اندازہ قائم کر کے شدید کوفت ہوئی تھی کہ ساوک کے چیف ایجنٹ علی نقی کی رہائش گاہ پر چوری چھپے داخل ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

عبدالعزیز کی زبان سے ساوک کے مقامی چیف ایجنٹ کا نام سننے کے بعد میں سمجھا تھا کہ وہ کوئی زیادہ غیر معمولی شخص ہو گا اور میں تھوڑی سی جدوجہد کے بعد اس کی زبان سے اپنے مطلب کی باتیں اگلوا سکوں گا مگر بعد میں سامنے آنے والی صورتِ حال سے ظاہر ہو رہا تھا کہ علی نقی کسی بھی طرح بن حیان سے کم نہیں تھا اور غالب امکان یہ نظر آ رہا تھا کہ علی نقی سے الجھنے کے بعد میرے لیے فرانس سے فوری نکاسی کا مسئلہ کٹھنائی میں پڑ جائے گا۔

پرشین پیلس سے واپسی کے دوران میں نے اس بارے میں ہر پہلو پر غور کیا اور آخر کار اسی نتیجے پر پہنچا کہ فوری طور پر مجھے علی نقی کو بھول جانا چاہیے اور طے شدہ پروگرام کے مطابق شاہدہ سے مل کر فرانس سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اور شاید عبدالعزیز بھی اس وقت ان ہی خطوط پر سوچ رہا تھا کیونکہ طویل خاموشی کے بعد اس نے پُرخیال لہجے میں مجھے مخاطب کیا تھا۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ تم علی نقی کو بھول کر فرانس سے نکلنے پر اپنی توجہ مرکوز کرو؟"

"صرف ممکن ہی نہیں بلکہ یہی صورت زیادہ مناسب بھی ہے مگر میری سمجھ میں ایک بات نہیں آئی۔" میں نے اس کی رائے کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا؟"

"اگر تم نے میری سفری دستاویزات تیار کرا ہی لی تھیں تو پھر شاہدہ یا کسی اور کو درمیان میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اس کا صحیح علم تو مجھے بھی نہیں ہے مگر یہ پیچیدہ طریقۂ کار شاید تمہیں خطرات سے محفوظ رکھنے کے لیے اختیار کیا گیا تھا۔"

"زرغی نام سے راز دارانہ طریقے پر سفر کرنے میں کون سا خطرہ لاحق ہو سکتا تھا؟"

"بن حیان کا قتل ایسا معاملہ نہیں تھا جسے اسرائیل فراموش کر سکے۔ پیرس کے علاوہ مضافات میں بھی تمہاری تلاش کی مہم جاری ہے۔ شاید اعلیٰ کمان بھی تمہاری روانگی کے معاملے سے اس لیے لاتعلق رکھنا چاہتی تھی کہ بعد میں اگر ہم میں سے کوئی اسرائیلیوں کے ہاتھ لگ بھی جائے تو انہیں تمہاری اگلی منزل کا علم نہ ہو سکے۔"

"میری اگلی منزل تو ایک کھلا ہوا راز ہے۔ ظاہر ہے کہ میں لیبیا کے علاوہ کہاں جا سکوں گا۔" میں نے کہا۔

"میں اپنی تنظیم کے طریقۂ کار سے بخوبی واقف ہوں۔" عبدالعزیز بتانے لگا۔ "میرا خیال ہے کہ تمہیں براہِ راست لیبیا کے بجائے کہیں اور ہی بھیجا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری بیوی بھی اس وقت تک کسی نامعلوم مقام پر منتقل کی جا چکی ہو۔"

"مگر پہلے تو تم نے بتایا تھا کہ شاہدہ لیبیا جانے کے معاملے میں میری رہنمائی کرے گی؟" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"تمام حالات میں ہم لوگ صرف احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔" وہ خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "اس وقت تک تم نے شاہدہ یا علی نقی کے بارے میں اپنے شبہات کا اظہار نہیں کیا تھا لہٰذا میں نے اپنی ذاتی رائے کے اظہار سے گریز کرتے ہوئے تم سے وہی کچھ کہا جس کے لیے مجھے ہدایات ملی تھیں مگر اب حالات بدل چکے ہیں اور میں کھل کر بات کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تمہاری نئی منزل کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں ہے۔"

"پھر تو اب تک شاہدہ کو میرے بارے میں ہدایات مل چکی ہوں گی؟"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس کا انحصار روانگی کے پروگرام پر ہی ہو سکتا ہے۔"

"ایسی صورت میں شاہدہ کے بغیر میں ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکتا۔" میں نے کہا۔ "پتہ نہیں میری بیوی اس وقت کہاں ہے اور اگر میں شاہدہ کو چھوڑ کر براہِ راست طرابلس ہی نکل جاؤں تو میں وہاں کس سے اور کس حیثیت میں ملوں گا۔ یہ شاہدہ تو میرے لیے گلے کی ہڈی بن گئی ہے۔"

"ہاں۔ اگر تم روانگی میں تاخیر نہیں چاہتے تو پھر اس لڑکی سے نباہ ہی کرنا پڑے گا۔" عبدالعزیز نے بے ساختہ لہجے میں کہا۔

"تم متضاد باتیں کر رہے ہو عبدالعزیز!" میں نے سخت تادیبی لہجے میں کہا۔

"نہیں نہیں۔" وہ بوکھلا کر بولا۔ "بخدا میں پوری نیک نیتی کے ساتھ تمہیں اس الجھن سے نکالنا چاہتا ہوں جو میں نے خود پیدا کی ہے۔"

"علی نقی کی طرف متوجہ ہونے سے پہلے تو تم نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں شاہدہ کے بغیر خاموشی سے فرانس سے نکل جاؤں اور تھوڑی دیر پہلے بھی تم نے علی نقی کو بھول کر فرانس سے نکلنے کا مشورہ دیا تھا مگر اب اچانک ہی تمہیں شاہدہ کی اہمیت کا احساس ہونے

سکتا ہے۔"

"پہلا مشورہ تو شاید میری اضطراری حماقت تھی۔" وہ ملامت آمیز لہجے میں بولا۔ "شاہدہ کے بغیر فرانس سے نکلنے تو صحیح لوگوں تک پہنچنے کے باوجود اپنی شناخت نہ کرا سکو گے البتہ میز بانوں کا کاؤنٹ وقت مل تلی کو بھول ہی جاؤ۔ مجھ سے ایک خطرناک غلطی ہوئی تھی اور وہ ہو گئی۔ میں دامن بچا کر کسی بھی وقت اس سے اپنا حساب برابر کروں گا۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ میں عبداللہ سے کوئی خط لے کر براہ راست طرابلس ہی چلا جاؤں اور تم اپنے اوپر والوں کو نئے پروگرام سے باخبر کر دو؟"

"طرابلس میں عبداللہ کے ہی نہیں میرے بھی کئی دوست ہیں اور وہ سب تمہارے بہترین میزبان ثابت ہوں گے مگر تنظیم کے معاملات میں میری یا عبداللہ کی کوئی بھی تحریر بے اثر ہوگی لیبیا والے براہ راست بیروت کے مرکز سے ہدایات حاصل کرتے ہیں اور تمہیں اس وقت تک فرانس ہی میں رکنا ہوگا۔ جب تک بیروت تمہارے نئے پروگرام کی منظوری نہ دے دے۔"

"اب تم سب کچھ بھول جاؤ۔" میں نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "تم نے شاہدہ کو میرا رہنما مقرر کیا ہے اس لیے میں اسی کی ہدایات پر عمل کروں گا۔"

"میں نے بیروت کو شاہدہ کے بارے میں اطلاع دے دی تھی اور اب انہی سے احکام ملیں گے۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

"براہ راست؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ تو ناممکن ہے۔ عارضی کارندوں کو کسی درمیانی رابطے کے ذریعے احکام ملتے ہیں مگر یہ یقینی بات ہے کہ ایسے رابطے عام طور پر ہمارے لیے بھی اجنبی ہی ہوتے ہیں۔" کچھ دیر کے سکوت کے بعد عبدالعزیز نے خرسند لہجے میں کہا۔ "اگر شاہدہ کی وجہ سے تم کو کوئی نقصان پہنچا تو میں زندگی بھر خود کو معاف نہ کر سکوں گا۔"

"بے وقوفی کی باتیں نہ کرو۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "جو کچھ ہوا اس میں تمہاری بدبختی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اب آگے میرے مقدر کی بات ہے۔"

"میں عبداللہ کے سامنے اپنا سر بھی نہ اٹھا سکوں گا۔ اس نے تمہارے بارے میں مجھے خاص طور پر محتاط رویہ اختیار کرنے کی تلقین کی تھی۔"

"تم عبداللہ یا کسی اور سے ان تمام باتوں کا ذکر نہیں کرو گے۔" میں نے سختی سے کہا۔ "اور میں بھی اس بارے میں اپنی زبان بند رکھوں گا۔"

میں کسی بھی قیمت پر جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

"جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے بس میری اور اپنی ملاقات کا ذکر ہی نہ کرنا۔" میں نے کہا اور وہ تشکر آمیز انداز میں سر جھکا کر خاموش ہو گیا۔

شہر کے بارونق علاقے میں پہنچ کر میں نے کار چھوڑ دی۔ عبدالعزیز نہایت گرمجوشی کے ساتھ مجھ سے بغل گیر ہوا مگر اس کا دل ندامت کے بوجھ سے دبا ہوا تھا۔

عبدالعزیز کی روانگی کے بعد میں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور چند منٹ میں ہوسٹل ڈی الفانسو جا پہنچا جس کے کمرہ نمبر ۱۲ میں شاہدہ مقیم تھی۔

ہوسٹل ڈی الفانسو صاف ستھرا اور وسیع احاطے پر مبنی اور شاید کسی قدامت پرست مغالی کی ملکیت تھا کیونکہ ہوٹل کے سامنے کے معمولی کمروں تک ہر جگہ صرف فرنچ ہی نظر آ رہی تھی اور جب میں نے استقبالیہ کاؤنٹر پر کمرہ نمبر بارہ کے بارے میں معلوم کیا تو وہاں بیٹھی ہوئی لڑکی بے بسی سے مسکرا کر رہ گئی۔ پھر اس نے شانے اچکا کر فرنچ میں کچھ کہا جس کے جواب میں میں انگریزی ہی بولتا رہا۔

چند فقروں کے تبادلے کے بعد ہم دونوں ایک دوسرے کی مجبوری کے قائل ہو گئے۔ میں تو اس کا ایک لفظ بھی نہ سمجھ سکا مگر وہ شاید بجو ور نمبر سمجھ گئی اور اس نے اشارے سے مجھے ایک جانب چلے جانے کا مشورہ دے ڈالا۔

اندر سے اس ہوٹل کی عمارت خاصی کشادہ اور خوشنما تھی وسط میں بے حد خوبصورت لان تھا جس کے چاروں اطراف کمرے بنے ہوئے تھے۔ میں اندر سے داخل ہوا اور دھر سے نمبروں کی ترتیب شروع ہوئی تھی۔ خاصی دور گزرنے کے بعد میں نے کمرہ نمبر بارہ دیکھا اور پھر اس سے ملحق دروازے پر جو وہ نمبر دیکھ کر چونک پڑا۔

میں نے چند قدم پیچھے ہٹ کر بارہ نمبر کو بغور دیکھا اور یقین کر نا چاہا کہ وہاں تیرہ نمبر کمرے کا سرے سے وجود ہی نہ تھا۔ میں نے جو وہ نمبر بجلی کی دستک دی اور فوراً ہی دروازہ کھول دیا گیا۔ ادھ کھلے پٹ کے پیچھے شاہدہ کا حسین چہرہ میرے لیے غیر متوقع نہیں تھا مگر وہ شاید مجھے اپنے دروازے پر دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

"مجھے دیکھ کر حیرت ہوئی ہے تم کو؟" میں نے مسکراتے ہوئے بے تکلفی کے ساتھ سوال کیا۔ اس سے بات کرنے کے لیے میں نے اردو ہی کا انتخاب کیا تھا اور اس وقت پہلی بار مجھے اندازہ ہوا کہ اردو زبان میں مخاطب کے لیے آپ اور تم کے الفاظ موجود ہونے کے باعث بے تکلفی کا فوری اظہار ممکن تھا جبکہ

انگریزی زبان اس سہولت سے محروم تھی۔ انگریزی بولنے والوں کو بے تکلفی ظاہر کرنے کے لیے الفاظ کے ساتھ ہی دیگر حرکات بھی لازمی تھیں جو مخاطب پر مدعا واضح کر سکیں۔

"تت ... تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟" اس نے دروازے پر ہی کھڑے کھڑے حیرت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"جذبہ صادق ہو تو آدمی ہر جگہ پہنچ سکتا ہے۔" میں نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا۔ "کیا مجھے اندر آنے کو نہ کہو گی؟"

"شاید تم کل کے واقعے پر معذرت کرنے آئے ہو۔" اس نے مجلت آمیز اور بھونڈے طریقے پر کہا۔ "میں اس تلخی کو فراموش کر چکی ہوں۔"

میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہ مجھے صرف ڈان فرنانڈو کے طور پر ہی جانتی تھی اور اسے یہ علم نہیں تھا کہ پہلے رُز اس نے ایک خط کے ذریعے جس شخص کو ملاقات کا پیغام دیا تھا وہ میں ہی تھا۔

"میں تم سے تفصیلی گفتگو کرنے آیا ہوں۔" میں نے اس کی بوکھلاہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"میں اس وقت مصروف ہوں، تم کل شام کو آ سکتے ہو۔" مجھے ملتے نہ دیکھ کر اس نے خشک لہجے میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"گھر بلائے مہمانوں کے ساتھ یہ سلوک تو کوئی بھی تہذیب نہیں سکھاتی مس شاہدہ!" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

میرے جواب پر وہ الجھن میں پڑ گئی۔ "میں نے تمہیں کب بلایا تھا؟"

"تو پھر رافیل کو وہ چند لفافہ دے کر تم نے مذاق کیا تھا؟"

"اوہ خدا ۔ تو تم ہی وہ آدمی ہو؟" وہ تحیر آمیز لہجے میں بولی اور دروازہ کھول کر اس نے مجھے تقریباً اندر گھسیٹ لیا۔ "میں تمہارا ہی تو انتظار کر رہی تھی۔"

"تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ تمہیں میرے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا؟" میں نے کمرے میں داخل ہو کر ایک کرسی پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔

"مجھے صرف اتنا معلوم تھا کہ جیمس بارٹن نامی کوئی شخص پیغام کے نتیجے میں مجھ تک پہنچے گا اور ایک کوڈ بتائے گا۔"

"اور تم کوڈ سنے بغیر مجھے واپس کر رہی تھیں؟"

"نام کے بعد ہی کوڈ کی نوبت آتی۔" وہ جھینپتے ہوئے انداز میں ہنس کر بولی۔ "میں تو تمہیں ڈان فرنانڈو کے نام سے جانتی ہوں۔"

"کیا میرے سفری کاغذات پر کوئی تصویر نہیں ہے؟"

"تصویر تو اب لگائی ہوگی۔" اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "دیسے تم نے ابھی تک کوڈ نہیں دہرایا ہے۔"

"تم نے رافیل کو وہ لفافہ کیا کہہ کر دیا تھا؟" میں نے مقررہ کوڈ دہرانے کے بجائے اس سے سوال کیا۔

"اسے وہ لفافہ عقاب کو دینا تھا۔"

"خوشی کی بات ہے کہ میرے لیے عقاب کا خطاب چنا گیا۔" میں نے کمرے کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "میں نے بالکل صحیح نشانے پر غوطہ لگایا ہے۔"

وہ دلفریب انداز میں مسکرا دی۔ "بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ شکاری نشانے کے دھوکے میں خود جال میں آ پھنستا ہے۔" اس کا ذو معنی جواب سن کر میری چھٹی حس چوکنی ہو گئی مگر میں نے بظاہر پُرسکون لہجے میں کہا۔ "اس وقت معاملہ پھری اور عقاب کا ہے جو بھی چاہے کر حقیقت میں کوئی نمایاں فرق واقع نہیں ہوگا۔"

"یہ ڈبل بیڈ کمرہ مزید ہے مگر یہاں تم میرے سرپرست کی صورت میں رہو گے۔" وہ تیکھی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"تو الگ کمرہ ہی کیا برا تھا؟" میں نے کہا اور پھر چونک کر سوال کیا۔ "باہر مجھے تیرہ نمبر کی تختی کہیں نظر نہیں آئی؟"

"یہی ہوٹل نہیں تمہیں بہت سی جگہ تیرھواں کمرہ یا تیرھوی منزل نہیں ملے گی۔"

"اس کی وجہ؟"

"تیرہ نمبر کی نحوست!"

"نمبر نہ ڈالنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تمہارا کمرہ ترتیب میں تیرھویں نمبر پر ہے۔ تم اس پر کوئی بھی نمبر ڈالو اس حقیقت پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔"

"یہ انگریز کا پھیلایا ہوا توہم ہے اور اس کے اثرات تمہیں پورے یورپ میں ملیں گے لہٰذا اس بارے میں سوچ کر اپنا دماغ خراب نہ کرو۔"

"میرے بارے میں کیا پروگرام ہے؟" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے سوال کیا۔

"ابھی تک کوئی پروگرام موصول نہیں ہوا کوئی پیغام آنے تک تم میرے ساتھ جیمس بارٹن بن کر رہو گے۔ تمہیں حرکات و سکنات کے لیے خود پر بزرگی طاری کرنی ہوگی تاکہ لوگ تمہیں میرے سرپرست کے طور پر قبول کر سکیں۔"

"سرپرستی میرے بس کی بات نہیں۔" میں نے موضوع کو غیر محسوس طریقے پر تبدیل کرتے ہوئے کہا۔ "یہ کام کسی بوڑھے کے لیے زیادہ مناسب ہوتا۔"

میری بات پر شاہدہ کے چہرے پر کوئی تبدیلی رونما نہ

ہوئی اور اس نے قدرے حیرت سے پوچھا "چرس کا معاملہ سے کیا واسطہ؟"

"چرس پینے کے بعد آدمی پر جو کیفیت طاری ہوتی ہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تم جیسی دس پانچ نشہ زدہ لڑکیوں کا سرپرست ہے۔"

میری بات پر اس نے زور سے قہقہہ لگایا۔ "اگر یہی بات ہے تو فکر نہ کرو میں تمہارے لیے چرس کا بندوبست بھی کردوں گی۔"

"یہ شوق بھی کرتی ہو؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"کبھی کبھی۔ ویسے میرا اصل دھندا ہی منشیات فروشی ہے جس میں چرس سرفہرست ہے۔ تمہیں اتنا تو زارڈک نے بھی بتا دیا ہوگا؟"

"تمہارے معاملے میں وہ میرا رقیب بن گیا ہے۔" میں نے کہا۔ "مجھے حیرت ہے کہ تم جیسی خوبصورت اور صاف ستھری لڑکی ایسے کاموں میں ملوث ہے۔"

"طبیعت مائل ہو تو عصمت فروشی بھی کر لیتی ہوں۔" اس نے مسکرا کر لاپروائی سے کہا۔ "چاہو تو تم بھی گاہک بن کر مل سکتے ہو۔"

"تمہاری زبان سے یہ باتیں بڑی بے ڈھنگی لگ رہی ہیں۔"

"شاید اس لیے کہ تمہاری مادری زبان بول رہی ہوں۔ نام بھی شاہدہ ہے اور پھر میرا باپ ایک پاکستانی تھا۔" وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "اگر یہ تینوں باتیں یکجا نہ ہوتیں تو شاید تم خود میرے خریدار بن جاتے۔"

"کبھی پاکستان گئی ہو؟"

"اکثر جاتی رہتی ہوں۔"

"وہاں جانے کے بعد کبھی شرم محسوس کی؟"

"ہمیشہ ہی اپنے اوپر شرم آئی۔" وہ بولی۔ "وہاں ایسی ایسی عورتوں سے ملاقات ہوئی جن کے سامنے میں خود کو طفل مکتب محسوس کرتی تھی۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہارے ساتھ گزارا کرنے کے لیے ایسے موضوعات سے گریز ہی کرنا پڑے گا۔" میں نے شکست تسلیم کرتے ہوئے کہا۔

"نامعقول گفتگو تم ہی نے شروع کی تھی۔" وہ اپنے ریشمیں بالوں کو شانوں پر جھٹک کر بولی۔ "مجھے تو نصیحتوں سے چڑ ہوتی ہے۔"

"کوشش کروں گا کہ آئندہ تمہیں دق نہ کیا جائے۔"

"یہ تو بتاؤ کہ تمہارا سامان کہاں ہے؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔

"مجھے صرف یہاں پہنچنے کی ہدایت ملی تھی اور ویسے بھی میرا سامان تن کے کپڑوں پر مشتمل ہوتا ہے۔" میں نے اس پر اپنی بے خبری جتلانے کے لیے کہا۔

"مگر مجھ سے کہا گیا تھا کہ اگلی ہدایات تک تم میرے ساتھ رہو گے۔" اس نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے تمہارے ساتھ کیوں لگایا گیا ہے؟"

"اس بارے میں تمہیں زیادہ معلومات ہوں گی۔ مجھے تو بس تمہاری خبرگیری کرنی ہے اور شاید تمہارے ساتھ فرانس سے باہر بھی جانا پڑے۔"

"یعنی ہم دونوں ہی کسی اور کے احکام پر عمل کرنے والے ہیں؟" میں نے تجسس کر کہا۔

"مجھے اتنا احمق نہ سمجھو۔" وہ اپنی سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے بولی۔ "اگر تم انجان بن کر میرا امتحان لینا چاہ رہے ہو تو دوسری بات ہے۔"

"مجھے تمہارا امتحان لینا ہوتا تو لے چکا۔ مجھے ایسا کوئی اختیار نہیں ہے۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟" اس کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"تمہارے لیے جیمس کے علاوہ میرا اور کوئی نام نہیں ہے۔"

"اگر تم زارڈک کے فلیٹ پر نہ ملے ہوتے تو ضرور مان لیتی۔ وہاں تم دلان فرنانڈو بنے ہوئے تھے۔ میں تمہارا اصل نام پوچھ رہی ہوں۔"

"دلان فرنانڈو میں کیا خرابی ہے؟"

"تم بہت اچھی اردو بولتے ہو اور لہجہ بھی اجنبی نہیں ہے۔ میری دانست میں تو تمہارا اصلی نام مشرقی طرز کا ہی ہونا چاہیے۔"

"جو نام دینا چاہو گی اپنا لوں گا۔"

"تمہارے خدوخال بھی جنوب مشرقی ایشیا کے باشندوں جیسے ہیں۔"

"حالانکہ میں نے خواب میں بھی ایشیا نہیں دیکھا۔" میں نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"پھر تم نے اتنی اچھی اردو کہاں سے سیکھ لی؟" وہ میرے ماضی کے بارے میں گمشدہ کڑیاں تلاش کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

"شاید تم کبھی برمنگھم نہیں گئیں۔ وہاں اردو کے شاعر ہوتے ہیں۔"

"برمنگھم تو ایشیائی تارکین وطن کا گڑھ ہے۔ اگر تم ایشیا سے تعلق نہیں رکھتے تو پھر برمنگھم میں کیا کرتے ہو؟"

"پہلے ہوا کرتا تھا مگر تمہاری جڑ کٹنے کے بعد بیکار ہو گیا ہوں۔" میں نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "پتہ نہیں تمہیں میرے ماضی سے اتنی دلچسپی کیوں پیدا ہو گئی ہے؟"

میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "اصل قصور میری ماں کا تھا۔ اگر وہ اسپین یا یورپ کے کسی ملک کے شخص سے ہی شادی کر لیتی تو میں آج اپنے خاندان کو تلاش کرتی نہ پھرتی۔ اب میں بالکل یک و تنہا رہ گئی ہوں۔ میرے باپ کی موت کے بعد اس کے رشتہ داروں نے اس کی جائیداد خرد برد کر دی اور اپنا آبائی شہر چھوڑ کر انسانوں کے سمندر میں کہیں گم ہو گئے۔ نہ جانے کیوں میرا دل گواہی دیتا تھا کہ تمہارے ذریعے میں اپنے باپ کے خاندان کا پتہ چلا لوں گی۔ اگر تم ناراض ہوتے ہو تو میں آئندہ تم سے ایسی باتیں نہیں کروں گی۔ شاید غلاظت کے انبار میں زندگی گزارنا ہی میرا مقدر قرار دیا جا چکا ہے۔"

"کس غلاظت کی بات کر رہی ہو؟" میں نے اس کے آنسوؤں کا زیادہ اثر لیے بغیر حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"منشیات کی اسمگلنگ اور عصمت فروشی کو غلاظت نہیں تو اور کیا کہا جائے گا؟" اس کی بھوری آنکھوں میں ڈولتی ہوئی نمی قطروں کی صورت میں اس کے شہابی رخساروں پر ڈھلک آئی۔

"مگر یہ تو تمہارے شوق ہیں۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

اس کی آنکھوں میں غصہ سمٹ آیا اور وہ کچھ کہے بغیر چند ثانیوں تک مجھے گھورتی رہی۔ اس کے بعد سلگتی آنکھیں صاف کرتی ہوئی باتھ روم میں چلی گئی۔

شاہدہ کے بارے میں میرے ذہن میں یہ بات اچھی طرح واضح ہو چکی تھی کہ وہ میرا کی ماں یعنی مادام پولی کی جانشین بھی ہے اور اس کی جانب سے انتقام پر مامور کی گئی ہے مگر میری غرض یہ بھی تھی کہ شاہدہ کو صفدر علی کی تلاش تھی جب کہ میں دلان فرنانڈو تھا۔ ایڈمز نے مجھے یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس کی ماں اپنی جانشین سے محض ایک دن قبل کے حوالے سے متعارف تھی لہٰذا مادام پولی یا مسز فنچاری کے ذریعے میری مکمل تفصیلات کی منتقلی بھی خاصی دشوار تھی اور اسی وجہ سے شاہدہ میرے بارے میں اپنے شبہات کی تصدیق کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہی تھی۔

مگر اس نے پورا اختیار گفتگو کے بعد جس غیر متوقع انداز میں آنسوؤں کے سوغاتی نسوانی حربے کا سہارا لیا اس کے باعث شاہدہ کے بارے میں میرے شبہات خاصے کمزور پڑنے لگے تھے۔ ایک حیثیت جتنا اسی بات پر سوچنے لگے کسی بہت بڑے اور منظم گروہ کی سربراہی کے قابل نہیں ہو سکتی تھی۔

اس کے باوجود یہ بات قرین قیاس تھی کہ وہ عام طور سے مادام پولی کے گروہ کے لیے کام کرتی تھی اور شاید علی نقی کے ذریعے محض صفدر علی کا سراغ نکالنے کے لیے فلسطینیوں کے ایک گروپ میں پہنچائی گئی تھی۔ اگر یہ مفروضہ درست تھا تو شاہدہ میرے بارے میں بلکہ صفدر علی کے بارے میں معلومات حاصل کر کے کسی اور کو پہنچا دیتی اور اس کی روشنی میں مادام پولی کی جانشین اپنی پرانی ہالکن کا انتقام لینے کے قابل ہو جاتی۔

اگر شاہدہ محض ایک معمولی لڑکی تھی تو میں اس سے خاص بے تکلفی سے دوستی بڑھا سکتا تھا اور شاید میں اس کی زبان سے حقائق اگلوانے میں کامیاب بھی ہو جاتا۔

اس کے بارے میں میں جس قدر غور کرتا رہا اسی قدر یہ خیال پختہ ہوتا چلا گیا کہ شاہدہ میری اصل دشمن نہیں تھی بلکہ دشمن کی آلۂ کار تھی اور میں کچھ محنت کر کے اس کی سہیلیوں کا صحیح سراغ حاصل کر سکتا تھا۔

گفتگو کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تلخی کو دور کرنے کے لیے میں نے کمرے میں ہی شراب طلب کر لی۔ ابتدا میں وہ بیزاری کا اظہار کرتی رہی مگر تھوڑی سی کوشش کے بعد میرے ساتھ شریک ہو گئی۔ اس وقت وہ ایک عام بازاری لڑکی جیسی حرکات کر رہی تھی جو ذرا سی بات پر ہتھے سے اکھڑ جاتی ہے اور پھر جلد ہی ہر بات فراموش کر دیتی ہے۔

رات کا کھانا ہم دونوں نے الفانسو کے جوائنٹ ہال میں ہی کھایا۔ اس وقت تک شاہدہ پچھلی تلخی کو بالکل فراموش کر چکی تھی۔

"کل تم نے زارڈک کے فلیٹ سے مجھے ساتھ لے جانے سے انکار کیوں کر دیا تھا؟" کھانے کے دوران اس نے خوش مزاجی کے ساتھ سوال کیا۔

"لڑکیوں کے بارے میں وہ ذرا احمق اور جلد باز ہے۔ اگر میں اس وقت عقیلہ کا خیال نہ رکھتا تو وہ بیٹھنے کے بعد ناراض ہو جاتا۔"

"میرے چلے آنے کے بعد تو تم سے خوب لڑا ہوگا؟"

"میرے معاملات زوبینے نے اسے ملزم کر دیا تھا۔"

"عجیب آدمی ہے۔ عبدالعزیز سے اس کے کیسے مراسم ہیں؟" اس نے سرسری انداز میں چونکا دینے والا سوال کر ڈالا۔

"عبدالعزیز؟" میں نے حیرت سے دہرایا۔ "یہ کون ہے؟ نام سے تو پاکستانی لگتا ہے۔"

وہ کہتے ہوئے کرخت کا بادبچہ تو اُترتے تنگ کر میری طرف دیکھنے لگی۔ "کیا واقعی یہ نام تمہارے لیے نامانوس ہے؟"

"پہلی بار سن رہا ہوں۔ ویسے بھی ولادلنگ کے دوستوں سے میری قطعی شناسائی نہیں ہے۔" میں نے لاپرواہانہ لہجے میں کہا۔

"کمال ہے۔" وہ طنزیہ چبا کر تحیر آمیز لہجے میں بولی۔ "حالانکہ عبدالعزیز کی ہدایت پر ہی میں نے تم سے رابطہ قائم کیا ہے۔"

"کون ہے وہ؟"

"ایک فلسطینی ہے۔ بہت خندہ اور صلح جو طبیعت کا مالک ہے اور شاید کسی فلسطینی گروپ کے لیے کام کرتا ہے۔"

"فلسطینیوں سے میں تھوڑا دور ہی رہتا ہوں۔"

"یہ میرے لیے حیرت کی بات ہے!" وہ بولی۔ "اگر میں تمہاری بات درست مان لوں تو پھر اس بات کا کیا جواز ہوگا کہ تم عبدالعزیز کا بھیجا ہوا پیغام ملتے ہی اس پر عمل کر بیٹھے؟"

"بات عبدالعزیز کی نہیں تھی مجھے اس پیغام کا انتظار تھا جو عقاب کے حوالے سے مجھ تک پہنچایا جاتا۔ اب یہ اتفاق ہے کہ یہ پیغام تمہارے بارے میں تھا۔"

"ان تمام اتفاقات کا یکجا ہونا بہت مشکل ہے۔" وہ شکایت آمیز لہجے میں بولی۔ "یہ اتفاق ہے کہ عبدالعزیز فلسطینی ہے اور یہ بھی شاید اتفاق ہی ہے کہ تمہارا دوست ولادلنگ فرینڈز آف فلسطین کا نہایت پرجوش رکن ہے۔ آخر تم مجھ سے اس قدر رازداری کیوں برت رہے ہو جبکہ ہم ایک ہی کشتی کے مسافر بن چکے ہیں؟"

میرے محتاط رویے کی وجہ سے شاہدہ مجھے گھیرتی جا رہی تھی۔ لہٰذا اسے خاموش کرنے کے لیے میں نے اپنی گفتگو کا انداز بدل ڈالا۔ "ہماری کشتیاں مختلف ہیں شاہدہ، تم اس بارے میں زیادہ دماغ سوزی نہ کرو۔"

"میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔"

"کچھ لوگ تمہارے تجربے کو میرے لیے ڈھال بنانا چاہتے تھے اس سے زیادہ جان کر تم کیا کرو گی؟"

"تم کس تجربے کی بات کر رہے ہو؟"

"مادام بوادی!" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں محض وہ نام دہرانے پر ہی اکتفا کیا مگر مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ شاہدہ کے سکون میں قطعی فرق نہیں آیا۔

"شاید تم منشیات کے کاروبار کا حوالہ دینا چاہتے ہو؟" اس نے میری طرف جھک کر مدھم لہجے میں کہا۔ "یہ گفتگو ہم کمرے میں بھی کریں تو بہتر ہوگا۔"

کھانے کا اختتام خاموشی کے ساتھ ہوا۔ میرے ساتھ ہی شاہدہ بھی کسی سوچ میں ڈوب گئی تھی۔

"مادام بوادی کے نام سے تم نے منشیات کے کاروبار پر کیسے چھلانگ لگا دی؟" کھانے کے بعد کمرے میں پہنچ کر میں نے سوال کرنے میں پہل کر دی۔

"یورپ میں یہ دونوں چیزیں لازم و ملزوم ہیں۔" وہ لاپرواہی سے بیٹھتے ہوئے بولی۔ "کیا تم کچھ اور کہنا چاہ رہے تھے؟"

"میں فرانس سے پہلی بار منشیات باہر لے جا رہا ہوں اور تم منزلِ مقصود تک مجھے تحفظ فراہم کرو گی۔" میں نے کہا۔

"یہ میں مان ہی نہیں سکتی۔"

"اس ہٹ دھرمی کا میرے پاس کوئی علاج نہیں۔"

"جس کام میں فلسطینی ملوث ہوں وہ قتل سے وحشت تک کچھ بھی ہو سکتا ہے مگر منشیات سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں ہو سکتا۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولی۔ "ان کے پاس مالی وسائل بہتات ہے اور وہ منشیات کی تجارت سے یوں بھاگتے ہیں جیسے طاعون کا پھیلاؤ ہو۔"

"فلسطینیوں کا حوالہ تمہارے ذہن کی اختراع ہے۔ میں دوسرے لوگوں کے لیے کام کر رہا ہوں۔"

"پھر اپنا منصوبہ ترک کر دو۔" وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ "تم میرے حق سے جو بھی کچھ لے جا رہے ہو وہ میں اسی وقت تمہارے منہ مانگے داموں پر خریدنے کے لیے تیار ہوں۔"

"مادام بوادی نے تمہیں اتنے اختیارات دیے ہیں؟"

"وہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔"

"اور اگر میں کہوں کہ تم خود بھی مادام بوادی ہو سکتی ہو؟"

اس کے چہرے پر ایک سایہ سا آ کر گزر گیا اور وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "صرف کہنے سے بات نہیں بنتی۔ اگر تم یا کوئی ثبوت پیش کر سکو تو میں تمہارے ساتھ برابری کی شراکت کے لیے تیار ہوں۔"

"سارا قصہ دراصل یہی ہے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "کچھ لوگ مارکیٹ سے مادام بوادی کے نام کی اجارہ داری ختم کرنا چاہتے ہیں۔"

"وہ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔" شاہدہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "مادام بوادی محض ایک نام نہیں بلکہ حقیقت ہے۔"

"وہ دوسری جنگ عظیم کے بعد سرگرم ہوئی تھی۔" میں نے مختصر سے جملے میں کہنا شروع کیا۔ "اب تک اگر وہ زندہ بچی ہو تو کسی عجائب خانے میں … کی سی زندگی گزار رہی ہوگی جبکہ اس کے بڑھاپے میں فقط اس کے نام اور … ساکھ سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔"

"تم نے اپنے بارے میں کچھ بتانے کے بجائے مجھے ایک نئی بحث میں الجھا دیا۔" وہ قدرے الجھن کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔

"ہم ایک دوسرے کے بارے میں تجسس کے بجائے اپنے کام سے کام رکھیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔" میں نے سگریٹ کا دھواں خارج کرتے ہوئے کہا۔

"چلو اور کچھ نہ بتاؤ مگر یہ تو مان لو کہ تم میری طرح منشیات نہیں لے جا رہے۔"

"تم خود بہت زیادہ نشہ آور ہو۔ اگر نارکوٹک کنٹرول والے غور سے تمہاری آنکھوں میں جھانک لیں تو تمہارے ہی ساتھ جرائم کے جرم میں مجھے بھی اندر کر لیں گے۔"

اور یوں گفتگو کا رخ بدل گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ شاہدہ مادام بوادی کے بارے میں زیادہ بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ اسے مادام بوادی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا یا پھر وہ دست بکھ جاتی تھی۔

وہ رات میں نے شاہدہ کے ہمراہ الفانسو کی … کر کے … میں بسر کی۔ میں نے اس سے اس کی نجی زندگی کے بارے میں کئی مرتبہ بات چھیڑنے کی کوشش کی مگر شاہدہ اپنے ماں باپ یا اپنے ماضی کے بارے میں بات کرنے کے لیے قطعی تیار نہیں تھی۔

ہم دونوں گہری نیند سو رہے تھے کہ دروازے پر دستک … سن کر مجھے ہڑبڑا کر بیدار ہونا پڑا۔ مجھ سے پہلے شاہدہ کی آنکھ کھل چکی تھی اور وہ دروازے پر جانے سے قبل شب خوابی کے لباس پر گاؤن پہن رہی تھی۔

"کون آیا ہے؟" میں نے خوابگاہ میں پھیلی ہوئی ناکافی روشنی میں پلکیں جھپکاتے ہوئے شاہدہ سے سوال کیا۔

"پتا نہیں، ابھی دیکھتی ہوں۔" اس نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "اس وقت صبح کے چار بجے ہیں۔ آنے والا بلاوجہ کھٹکانے نہیں آیا ہوگا۔"

اگر وہ خود ہی دلیری کے مظاہرے پر تلی ہوئی تھی تو مجھے دخل اندازی کی کیا ضرورت تھی۔ میں چوکنا ہو کر بستر پر دراز رہا اور وہ … کانوں کی … ہوتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

آنے والا کوئی مرد تھا جو کچھ دروازہ کھلنے کے بعد مجھے … داستانی دی تھی۔ پھر اس … سے … شاہدہ نے مجھے آواز دی۔

میں چند منٹ بعد وہاں پہنچا تو عبدالعزیز کو وہاں دیکھ کر … ہوئی مگر میں نے اپنے تاثرات پر قابو پانے کی کوشش کی۔ دوسری طرف شاہدہ غور سے میری طرف دیکھے جا رہی تھی۔

عبدالعزیز کو غیر متوقع طور پر وہاں موجود دیکھ کر میں سخت الجھن میں پڑ گیا۔ اس سے پیشتر میں شاہدہ کے سامنے عبدالعزیز سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کر چکا تھا مگر اب وہ خود ہی میرے پاس آ پہنچا تھا۔

"یہ کون ہے؟ میں اسے نہیں جانتا۔" میں نے شاہدہ سے انگریزی میں کہا۔

"مگر میں تم سے واقف ہوں۔" عبدالعزیز شاہدہ سے پہلے بول پڑا۔ "اور ایک ضروری کام سے ایسے نامناسب وقت پر یہاں آیا ہوں۔"

"کیا کام ہے؟" میں نے عبدالعزیز کو گھورتے ہوئے عربی لہجے میں سوال کیا۔

"اپنی بات کہنے کے لیے مجھے تخلیہ درکار ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

میں نے شاہدہ کی طرف دیکھا اور وہ جلدی سے بولی۔ "یہ وہی عبدالعزیز ہے جس کے بارے میں، میں تم سے وضاحت کر رہی تھی۔"

"اوہ۔ پھر تو تم میرے دوستوں میں ہو۔" میں نے بڑھ کر تپاک سے ہاتھ بڑھایا اور عبدالعزیز نے نہایت پرجوش انداز میں مجھ سے مصافحہ کر ڈالا۔

"اس وقت صرف ناشتہ … کھلا ہوگا۔" شاہدہ اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے بولی۔ "اور مجھے وہاں جانے کے لیے لباس اور حلیہ درست کرنا ہوگا۔"

"تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں، میں جمیں کو باہر لے جاؤں گا۔" عبدالعزیز نے اس کی بات کاٹ کر جلدی سے کہا۔ شاہدہ کا فراہم کیا ہوا شب خوابی کا لباس تبدیل کرنے میں مجھے بمشکل چند منٹ صرف ہوئے اور میں عبدالعزیز کے ساتھ کمرے سے باہر راہداری میں آ گیا۔

"کیا چکر ہے؟" راہداری کا خاصا حصہ خاموشی سے طے کرنے کے بعد میں نے تجسس آمیز لہجے میں عبدالعزیز سے سوال کیا۔

"اب تم یہاں واپس نہیں آؤ گے۔"

"پھر میری روانگی کا کیا ہوگا؟"

"ابھی باہر نکل کر پوری بات بتاؤں گا۔"

باہر کہر آلود ماحول میں سردی اپنے عروج پر تھی۔ مجھے اپنے جسم پر اوورکوٹ کی موجودگی کے باوجود یخ بستہ ہوا قلب پی…

بدلیوں میں اترتی محسوس ہو رہی تھیں۔ عبدالعزیز نے کار کا انجن اسٹارٹ کیا تو ڈیش بورڈ سے گرم ہوا کی آمد کا احساس ہوا۔ غالباً اس کی کار کا ہیٹر پہلے سے ہی آن تھا۔

"اب تم کل پہلے یہاں سے جاؤ گے۔" عبدالعزیز نے اپنی کار پارکنگ لاٹ سے نکالتے ہوئے اداس لہجے میں کہا۔

"یہ تبدیلی کیسے ہو گئی؟"

"مجھے اپنے بڑوں سے بات کرنے کا موقع مل گیا اور میں نے تمہارے معاملے میں کی جانے والی ساری کارروائی بتا کر انہیں سفارش اور تمہارے شبہات سے بھی باخبر کر دیا۔" وہ اداس لہجے میں بتانے لگا۔ "مگر انہوں نے تمہارے شبہات پر صاد کرتے ہوئے مجھے فوری طور پہ حکم دیا کہ تمہیں شاہدہ سے بچایا جائے۔"

"مگر میرے کاغذات وغیرہ تو اسی کے پاس ہیں۔"

"وہ جو اس کے پاس ہیں وہ جعلی اور نامکمل تھے۔ آج دو پہر تک تمہیں سچے کاغذات مل جائیں گے۔"

"مگر میں کدھر کا رخ کروں گا؟"

"یہ مجھے معلوم نہیں۔ تمہارے کاغذات لانے والا بقیہ ہدایات بھی پہنچائے گا۔"

"تو کیا وہ تمہارا آدمی نہیں ہو گا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اس بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔"

"تم مجھ سے کوئی بات چھپا رہے ہو۔" میں نے اس کے لہجے میں چھپی ہوئی اداسی کو محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔

"تمہارے معاملے میں غفلت برتنے پر مجھے دو ماہ کے لیے جبری رخصت دے دی گئی ہے۔" وہ غمگین لہجے میں بولا۔ "تم تک پیغام پہنچانا میری آخری سرکاری ذمہ داری تھی اور اب میں دو ماہ کے لیے بالکل بے کار ہوں۔"

"یہ بہت برا ہوا......"

"جو ہوا ہے وہ ٹھیک ہی ہوا ہے۔" وہ میری بات کاٹ کر بولا۔ "اب کم از کم میرا ضمیر مطمئن ہے کہ میری وجہ سے تمہیں کوئی پریشانی لاحق نہ ہو گی۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد وہ پھر کہنے لگا۔ "میں نو برس کی عمر سے تنظیم سے وابستہ ہوں اور بائیس سال کی مدت میں یہ پہلا موقع آیا ہے کہ میرے بارے میں کوئی نامہربانی کا سوال کیا گیا ہے مگر اس کی ساری ذمہ داری میری اپنی ہے۔ میں تو اس سے بھی بدتر سزا کے لیے ذہنی طور پہ تیار تھا۔"

"تم جو چاہو کہو مگر میری دانست میں یہ بہت برا ہوا ہے؟"

"فی الحال تمہیں ایک نجی گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرانا ہے۔ تمہارے سارے اخراجات پیشگی ادا کیے جا چکے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"اور اگر میں تمہارے ساتھ رہنا چاہوں؟"

"میں معذرت کر لوں گا۔ دو ماہ کے لیے میں بالکل بے کار بنا دیا گیا ہوں۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ میں یہ عرصہ کس طرح گزار سکوں گا۔"

"میرے ساتھ چلو۔"

"تم ایک باقاعدہ مشن پر ہو۔" وہ بولا۔ "تمہارے ساتھ جانے کا مطلب یہ ہو گا کہ میں کام میں دخل اندازی کر رہا ہوں۔ تم ہمارے سخت قواعد سے واقف نہیں ہو ورنہ ایسی دعوت نہ دیتے۔" میں خاموش ہو گیا اور خود کو مصروف رکھنے کے لیے سگریٹ سلگا لی۔

عبدالعزیز نے مجھے صبح چھ بجے کے قریب ایک گھر پہنچا دیا جو ایک ادھیڑ عمر اور خوش مزاج فرنچ جوڑے کی ملکیت تھا اور مجھے ان سے متعارف کرا کے خود واپس چلا گیا۔

وہ میاں بیوی اس بات سے تو خوش تھے کہ انہیں اس صورت میں ایک ایسا گاہک میسر آیا تھا جس کے جملہ اخراجات انہیں پیشگی ہی مل چکے تھے مگر صبح چھ بجے میری آمد انہیں ناگوار گزری تھی۔

خاتون خانہ نے مجھ سے ناشتے کے بارے میں دریافت کیا مگر میں نے خواہش ہونے کے باوجود انکار کر دیا اور وہ اطمینان کا اظہار کرتی ہوئی واپس چلی گئی۔

میں اپنے کمرے کی روشنی گل کر کے انہی کپڑوں سمیت دراز ہو گیا۔ مگر نیند کا دور تک پتہ نہیں تھا اور میں تو مسلسل شاہدہ کی ذات میں الجھا ہوا تھا جو میرے لیے پہیلی بن گئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اگر وہ واقعی مادام کی جانب سے صفدر علی کی تلاش پر مامور کی گئی تھی یا خود بے قرار تھی تو ایک مرتبہ مجھے دیکھ لینے کے بعد میری طرف سے مطمئن ہو چکی تھی اور میری طرف سے کسی اطلاع کے بغیر بھی اسے بے چین کر دیتی۔ پھر وہ اپنے طور پہ میری تلاش کی مہم رکھ سکتی تھی۔

مجھ سے ملاقات کے بعد سے یہ منطقی نتیجہ بھی تھا کہ جو تا کہ شخص نام کے بجائے وہ ایک جانے پہچانے شخص میں زیادہ آسانی محسوس کرتی۔

نو بجے خادمہ نے آ کر مجھے ناشتے کی اطلاع دی اور دس منٹ میں تازہ دم ہو کر میز پہ پہنچ گیا۔ دونوں میاں بیوی نے روایتی انداز میں مجھے خوش آمدید کہا۔ وہ دونوں ہی اپنے مہمانوں سے غیر ضروری میل جول کے قائل نہیں تھے لہٰذا میز پر تمام تر گفتگو پیرس کے موسم اور ہوٹلوں کی مہنگائی تک محدود رہی۔

گیارہ بجے میرا ایک ملاقاتی آ پہنچا جو میرے لیے قطعی اجنبی تھا اور اپنے خدوخال سے مقامی باشندہ نظر آتا تھا۔

"تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔" اس نے خفیف میز پر آتے ہی انگریزی میں اپنا مدعا ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"کہاں؟"

"فی الحال ایک خفیہ ٹھکانے پر جانا ہے۔"

"تمہارا نام؟"

"جو چاہے سمجھ لو مگر روانگی میں تاخیر نہ کرو۔" پہلی بار اس کے پتلے پتلے ستواں ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ نظر آئی۔

"چلو میں تیار ہوں۔" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

باہر اس کی ٹو سیٹر کار موجود تھی۔ ہم دونوں اس میں روانہ ہو گئے۔ اس سفر کا اختتام پیرس کے ایک تنگ و تاریک علاقے میں ہوا جہاں کئی منزلہ عمارات میں چھوٹے چھوٹے رہائشی فلیٹ بنے ہوئے تھے۔

ایک بوسیدہ سی عمارت کی نچلی منزل پر اس شخص نے ایک کوٹھڑی کا دروازہ کھولا اور مجھے لے کر اندر گھس گیا۔

اندر داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کیا تو کوٹھڑی میں گھپ اندھیرا پھیل گیا اور وہاں کے سیلن زدہ ماحول میں سردی کا احساس بھی بہت بڑھ گیا تھا۔

دیوار گیر سوئچ آن کرنے پر اس کوٹھڑی میں روشنی ہو گئی اور مجھے اندرونی سمت پہ بھی ایک کھلا ہوا دروازہ نظر آیا۔ پہلے کمرے میں دو بوسیدہ کرسیاں، ایک میز اور دھول سے اٹے ہوئے کرم خوردہ قالین کے سوا کوئی چیز ایسی نہیں تھی جس کا بظاہر کوئی مصرف ہو اور جب وہ مجھے اندرونی کمرے میں لے گیا تو مجھے خاصی حیرت ہوئی۔

اپنی حیثیت کے ساتھ وہ کمرہ بھی قابل تعریف حالت میں نہیں تھا مگر بیرونی کوٹھڑی کے مقابلے میں وہاں صاف ستھرا بستر، ایک صوفہ سیٹ، ڈریسنگ ٹیبل اور ایک خوبصورت قد آدم الماری بھی موجود تھی اور اسی کمرے سے ملحق باتھ روم بھی تھا۔

"شاید یہ جگہ تمہارے معیار پہ پوری نہیں اترتی ہو۔" وہ میرے جائزے کے اختتام پر عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"تحفظ کے مقابلے میں معیار کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔" میں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

وہ الماری سے وہسکی کی بوتل نکالتے ہوئے زور سے ہنسا۔ "بڑی اچھی بات کی ہے تم نے، تمہیں اندازہ تو ہو گیا ہو گا کہ میں نے یہاں تک پہنچنے کے لیے پورے شہر کا طواف کیوں کیا ہے؟"

"پیرس میرے لیے نیا شہر ہے۔"

"تمہاری قیام گاہ کی نگرانی کی جا رہی تھی۔" اس کا انکشاف سن کر میں ششدر رہ گیا۔ "میں تمہیں لے کر روانہ ہوا تو سبز رنگ کی ایک کار میرے پیچھے لگ گئی تھی جس سے میں نے بمشکل اپنا پیچھا چھڑایا ورنہ میں کافی پہلے تمہیں یہاں لے آتا۔"

"کار کون ڈرائیو کر رہا تھا؟"

"کہر کی وجہ سے میں صاف طور پر دیکھ نہ سکا مگر غالباً کوئی لڑکی تھی۔" اس نے وہسکی گلاس میں ڈالی اور یخ بستہ پانی کا گلاس میری طرف بڑھا دیا۔ "اس وقت اسی سے کام چلا لو، سوڈا لینے باہر جانا پڑے گا۔"

"تمہیں راستے میں ہی مجھے تعاقب کے بارے میں بتانا چاہیے تھا۔" میں نے تاسف آمیز لہجے میں کہا۔ لڑکی کا ذکر سنتے ہی مجھے شاہدہ کا خیال آیا تھا۔ اس کا کردار شروع ہی سے میری نظروں میں مشکوک تھا اور اس کے ساتھ خاصا وقت گزارنے کے باوجود میں نہ اپنے شبہات کی تصدیق کر سکا تھا اور نہ ہی شاہدہ کا دامن صاف نظر آیا تھا۔

صبح سویرے عبدالعزیز جس طرح مجھے ہوسٹلری سے لے کر نکلا اس کی بنا پر شاہدہ کا متجسس ہونا بعید از قیاس نہیں تھا اور یہ امکان بھی تھا کہ اس نے عجلت میں باہر آ کر موسم اور وقت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس مکان تک عبدالعزیز کا تعاقب کیا ہو جہاں اس نے مجھے چھوڑا تھا۔ عبدالعزیز کو تنہا واپس جاتے ہوئے دیکھ کر شاہدہ معاملے کی تہ تک پہنچ گئی ہو گی اور پھر وہ اس مکان کے قریب ہی دو پہر تک منڈلاتی رہی ہو گی کہ میں اس شخص کے ساتھ باہر نکلا اور وہ ٹو سیٹر کے تعاقب میں ہو لی۔

اگر تعاقب کرنے والی شاہدہ ہی تھی تو اس کی ذات شبہات کے دھندلکے میں لپٹی ہوئی تھی۔ اپنے بیان کے مطابق وہ عبدالعزیز کی ہدایت پر مجھ تک پہنچی تھی۔ اگر میری ذات میں وہ کسی اور وجہ سے دلچسپی نہیں لے رہی تھی تو اسے عبدالعزیز کا اور پھر میرا تعاقب کرنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن ناکام تعاقب کے ذریعے اس نے اپنی نیت کا اظہار کر ہی دیا تھا۔

"راستے میں تمہیں بتا کر کیا کرتا۔ اب تو ہر رکاوٹ کا مقابلہ کرنا میری ذمہ داری ہے۔ ہاں اگر اسے دھوکا دینے میں کامیابی نہ ہوئی تو شاید تم سے مشورہ کر لیتا۔"

"جواب کیوں نہیں دیا ہے ہو؟" مجھے اس شخص کی گفتگو میں چھپا ہوا برتری کا احساس خاصا ناگوار محسوس ہوا تھا۔

"ہرگز نہ بتاتا۔" وہ بولا۔ "بس اس لیے زبان چل پڑی کہ کہیں بے خبری میں تم کسی چوہے کی طرح نہ مارے جاؤ۔"

میں نے اس کے تبصرے کی تلخی اپنے دل کی گہرائی سے محسوس کی اور اس کے فضا میں اٹھتے ہوئے گلاس سے اپنا گلاس ٹکرا کر سادی وہسکی اپنے معدے میں انڈیلا چلا گیا اور خالی گلاس میز پر رکھ کر سوال کیا۔

"تم اپنی زبان سے کوئی فرضی نام ہی بتا دو اگر اصل نام بتانے سے شرم آتی ہو۔"

وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے خطرناک انداز میں مسکرایا۔ "اصل نام بتانا اس لیے ضروری ہے کہ اب تم میرے گنگے خدمت گار کے طور پر میرے ساتھ سفر کرو گے۔ لیے میرے سفری کاغذات نام میکفرسن کے نام سے ہیں۔"

"اور میرا کیا نام ہوگا؟"

"اب تم ڈوان فرنا چیسکے بجائے موری ہان کہلاؤ گے۔" وہ اپنے قریب ایک تپائی پر رکھے ہوئے کاغذات کی ورق گردانی کرتے ہوئے بولا۔

"مگر نگار بنا ضروری ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"فرنچ سیکھ لو تو زبان بھی کھول دینا گا۔" اس نے یوں کہا جیسے میری قوت گویائی واقعی اس کے اختیار میں ہو۔

"سفر کا آغاز کب ہوگا؟"

"تھوڑی سی حرارت پہنچا لوں۔" وہ اپنے گلاس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "پھر تمہاری صورت درست کروں گا تاکہ موری ہان کے پاسپورٹ پر لگی ہوئی تصویر کی بنا پر پکڑے نہ جاؤ۔"

"میک اپ کرو گے؟"

"میک اپ ہی کہہ لو مگر وہ چند گھنٹوں سے زیادہ نہ چل سکے گا۔" یہ قطعاً خلاف عادت اس معاملے میں اس نے لاپروائی کا اظہار نہیں کیا۔

دوسرا گلاس خالی کرنے کے بعد وہ آئینے کے سامنے میرے مقابل بیٹھ گیا اور تیز بدبو والے مختلف محلول میری جلد پر آزمانے لگا۔ اس کے پاس گوشت کی طرح کے نرم اور لچک دار پلاسٹک کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بھی موجود تھے جنہیں چپکا کر کوئی خاص شکل دی جا سکتی تھی۔

محلول کی آزمائش کے بعد میکفرسن نے مجھے میک اپ کرسی پر ایک شیشی دی۔ اور اس کی ہدایت پر پہلے وہ لوشن اپنی گردن کے اندرونی حصے پر لگا لیا۔ چند منٹ تک میری جلد پر سوزش سی ہوتی رہی اس کے بعد میری جلد پر کھال کے ساتھ ہی سرخی بھی ڈھل گئی۔ میکفرسن نے اسی مقام پر ایک لوشن لگایا جس سے سوزش کا خاتمہ ہو گیا۔

ان آزمائشوں کے بعد میکفرسن نے اصلی ہان کے پاسپورٹ والی تصویر والا صفحہ سامنے رکھ کر میرے چہرے پر کام شروع کر دیا۔

مجھے اندازہ نہ ہو سکا کہ میرے اور موری ہان کے چہرے میں کیا مشابہت تھی کیونکہ اس کی تصویر میں داڑھی زیادہ نمایاں تھی۔ میکفرسن کا کہنا تھا کہ وہ تصویر دیکھ کر خود خیال سے بہت قریب اور تھوڑی سی محنت کے بعد وہ مجھے موری ہان کا ہم شکل بنا سکتا تھا۔

کم و بیش دو گھنٹے کی محنت کے بعد میں نے آئینے میں اپنی شکل دیکھی تو حیران رہ گیا۔ گندمی رنگ کی گردن پر جھبرے بالوں سے سجا ہوا سرخ و سفید چہرہ پاسپورٹ پر لگی ہوئی تصویر سے حیرت ناک حد تک مماثل تھا۔ میں نے آئینے کے قریب اپنے بدلتے ہوئے چہرے کا جائزہ لیا اور دل ہی دل میں میکفرسن کی صلاحیت کا معترف ہو گیا کیونکہ بلدی النظر میں میرے چہرے پر میک اپ کا شبہ کرنا بہت مشکل تھا۔

"یہ فن میں نے سرکس میں ملازمت کے دوران سیکھا تھا۔" میری تعریف پر میکفرسن نے فخر کے ساتھ کہا۔ "زندگی میں پہلی بار اس سے کام لے رہا ہوں۔"

"مگر تم نے کہا کہ یہ میک اپ چند گھنٹوں سے زیادہ نہ چل سکے گا۔" میں نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"میک اپ کے لیے تمہارے چہرے کو جو تیز مسالا لگا ہے وہ جلد کے خارج ہونے والے پسینے اور نمی کے باعث ایک خاص مرحلے پر ڈھیلا پڑ جائے گا اور داڑھی سمیت سارا خول اتر جائے گا۔"

"یہ تو بہت خطرناک بات ہے۔"

"اول تو اس موسم میں مسامات بہت سست روی سے کام کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ میں نے تمہاری جلد پر روکنے والا محلول بھی لگا دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آٹھ دس گھنٹے تک یہ میک اپ آسانی سے قائم رہ سکے گا۔"

"مگر چہرے اور گردن کی رنگت کا فرق؟"

"یہ دوسرا مرحلہ ہے۔" وہ مسکرا کر بولا اور پھر اس نے میرے جسم کے کھلے ہوئے حصوں پر چھینک لوشن کا اسپرے

شروع کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد کلائیوں تک دونوں ہاتھ گردن اور کان وغیرہ چہرے کی طرح اپنا رنگ تبدیل کر چکے تھے۔

"ہمارا سفر کب شروع ہوگا؟" میں نے سوال کیا۔

"دو بجے ٹرین روانہ ہوگی۔" وہ رسٹ واچ دیکھتے ہوئے بولا۔

"ٹرین؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں مجھے یہی ہدایت ملی ہے۔ یہاں سے بروسلز تک کا سفر تقریباً تین گھنٹے کا ہے اور وہاں تک تمہارا میک اپ آسانی قائم رہ سکے گا۔"

"تو پھر فوراً نکلو۔" میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "وقت کم رہ گیا ہے۔"

میکفرسن نے مسہری کے نیچے سے اپنا چرمی سوٹ کیس کھینچا اور پھر ہم دونوں اس تنگ و تاریک فلیٹ سے باہر آ گئے۔

میک اپ اور خصوصاً داڑھی کی وجہ سے مجھے سخت الجھن ہو رہی تھی مگر مستقبل بے خوفی کے عوض چند گھنٹوں کی وہ الجھن گوارا تھی۔

راستے میں میکفرسن نے گاڑی روک کر میرے لیے چند ضروری اشیاء کے علاوہ تاریک شیشوں کی عینک خریدی اور پھر ہم اسٹیشن کی طرف چل دیے۔

ریلوے اسٹیشن پر صفائی اور نظم و ضبط دیکھ کر مجھے حیرت کے ساتھ ہی خوشی بھی ہوئی۔ میں اس وقت تک یورپ میں اپنا خاصا وقت گزار چکا تھا مگر سفر کے معاملے میں میرا تعلق ہوائی اڈوں یا بس اسٹاپس سے ہی رہا تھا۔ یا پھر پیرس میں ایک دو بار میٹرو میں سفر کرنا پڑ گیا تھا۔ اس اعتبار سے یورپ کے کسی مقام کی باقاعدہ ریلوے سروس سے وہ میرا پہلا واسطہ تھا۔

ٹھیک دو بجے ٹرین روانہ ہو گئی۔ ہم دونوں چار نشستوں والے ایک کیبن میں سوار تھے جہاں ہمارے علاوہ ایک عمر رسیدہ شخص موجود تھا۔

سفر کا اختتام نہایت خوشگوار طریقے پر ہوا۔ راستے میں ایک مقام پر بروسلز کے لیے ٹرین تبدیل کرنی پڑی اور ساڑھے چار بجے ہم دونوں بروسلز میں موجود تھے۔

ریلوے اسٹیشن کی پُرشکوہ عمارت سے باہر آ کر ہم نے ٹیکسی پکڑی اور ڈرائیور میکفرسن کے بتائے ہوئے راستے پر چل پڑا۔

تھوڑی دیر بعد ٹیکسی ڈرائیور نے ہنستے ہوئے مسکراتی ہوئی آواز میں کچھ کہا اور میکفرسن بے اختیار سر گھما کر پیچھے دیکھنے لگا۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی مگر پیچھے آنے والے کافی ٹریفک میں کوئی خاص بات محسوس نہ کر سکا۔ میرا دل چاہا کہ میکفرسن سے صورت حال کے بارے میں کچھ دریافت کروں مگر اس نے مجھے سختی کے ساتھ ہدایت کی ہوئی تھی کہ میں اس سے اجازت لیے بغیر لب گونگے پن کا قابو نہ کروں۔ لہٰذا مجھے خاموش ہی رہنا پڑا۔

میکفرسن اس وقت کسی غضب ناک تیندوے کی طرح بار بار پہلو بدل کر پیچھے دیکھ رہا تھا اور ساتھ ہی ڈرائیور کو بھی ہدایات دیتا جا رہا تھا۔

پھر اچانک ٹیکسی کی رفتار بڑھ گئی اور وہ تھوڑے تھوڑے وقفوں سے مختلف گلیوں میں گھومنے لگی۔ میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ ٹیکسی کا تعاقب کیا جا رہا تھا اور تھوڑی دیر بعد میں اس سیاہ کار کو پہچاننے میں بھی کامیاب ہو گیا۔ جو مسلسل ٹیکسی کا پیچھا کر رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہماری ٹیکسی شہر کے بارونق علاقے سے نکل کر ایک ویران مضافاتی شاہراہ پر دوڑنے لگی۔ سیاہ کار مسلسل تعاقب میں لگی ہوئی تھی۔

ایک جگہ میکفرسن نے ڈرائیور سے کچھ کہا اور پھر جیب سے خاصی رقم نکال کر ڈرائیور کے حوالے کر دی۔

ڈرائیور نے رقم سے کر اپنی جیب میں اڑسی اور چند ثانیوں بعد پوری قوت سے بریک لگا کر کار روک دی۔

میکفرسن میرا ہاتھ تھام کر تیزی سے دائیں جانب پھیلی ہوئی جھاڑیوں میں کود گیا۔ ہمارے باہر کودتے ہی ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔

ہمارے قدم زمین سے لگے ہی تھے کہ وہ ویرانہ بے شمار دھماکوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ وہ فائر جو گزرتی ہوئی سیاہ کار سے کیے گئے تھے لہٰذا گولیاں ہم سے بہت زیادہ فاصلے سے گزر گئیں مگر ہمیں یہ احساس ہو گیا کہ ہمارے نامعلوم دشمن مسلح تھے۔

مجھے اس بات پر حیرت تھی کہ بلجیم کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی ہمارے دشمن کہاں سے پیدا ہو گئے جبکہ لزبن سے ہماری روانگی نہایت رازداری کے ساتھ عمل میں آئی تھی۔

"تمہارے پاس کوئی فاضل ہتھیار ہے؟" میں نے جھاڑیاں عبور کرتے ہوئے سوال کیا۔

جواب میں اس بدتمیز شخص نے نہایت واہیات الفاظ استعمال کیے اور مجھے خون کے گھونٹ پی کر خاموش رہ جانا پڑا۔ کیونکہ اس اجنبی سرزمین پر وہ میرا واحد مددگار اور شناسا تھا۔

ہمیں اپنے عقب میں ایک کار کے رکنے کی آواز سنائی دی پھر

جھاڑیوں میں قدموں کی دھمک بھی گونجنے لگی۔ وہ جو کوئی بھی تھا، تنہا ہی تھا۔ پھر اس نے اجنبی زبان میں شاید ہمیں للکارا۔ میکفرسن ایک لمحے کے لیے رکا اور اس نے اپنے اوورکوٹ کی اندرونی جیب سے ایک بھرا ہوا خودکار ریوالور نکال لیا۔

تعاقب میں آنے والے نے شاید قدموں کی آہٹ پر نشانہ لے کر فائر کیا تھا مگر گولی ہم سے کافی دور گئی۔ بگڑتی صورتحال ہمارے لیے سخت خطرناک تھی اور کوئی بھی اندھی گولی ہم میں سے کسی کی جان بھی لے سکتی تھی۔

شاید میکفرسن بھی یہ خطرہ بھانپ چکا تھا کیونکہ ان قدموں کی دھمک سے گنجان جھاڑیوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے بائیں جانب اسے ایک ٹیلہ سا ابھرا ہوا نظر آیا۔ اور وہ دوڑتا ہوا اسی کے پیچھے چلا گیا۔ ٹیلے کے عقب میں ہم دونوں ہی بیٹھ گئے۔ اور اپنے سانس درست کرنے لگے۔ میکفرسن ریوالور کو ہاتھ میں اٹھائے دشمن کی راہ پر نظریں جمائے بیٹھا تھا جس کے قدموں کی آوازیں اور جھاڑیوں کی سرسراہٹ بدستور سنائی دے رہی تھی۔

چند سیکنڈ بعد اس کی آہٹیں بھی غائب ہو گئیں۔ شاید اس نے ہماری چال کو بھانپ لیا تھا اور آنکھیں بند کر کے آگے بڑھنا نہیں چاہتا تھا۔

"میں بھی اس کا انتظار کر رہا ہوں۔ تم اسے دھوکہ دینے کے لیے آگے بڑھتے رہو!" میکفرسن نے بہت دھیمے لہجے میں میرے کان میں سرگوشی کی۔

میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور اٹھ کر دبے قدموں آگے چل دیا۔ چند گز آگے بڑھنے کے بعد میں نے جھاڑیوں میں پاؤں سے روندنے کی تیز آوازیں پیدا کرنی شروع کر دیں تاکہ دشمن غفلت میں پیش قدمی شروع کر سکے۔

فوراً ہی عقبی سمت سے آوازیں ابھرنے لگیں۔ اس بار تعاقب کرنے والے نے انگریزی میں رکنے کا حکم دیا مگر میں اسی رفتار سے بڑھتا رہا۔

یہ صورتحال مشکل سے ایک منٹ قائم رہی۔ پھر وہ جنگل ایک فائر اور انسانی چیخ سے گونج اٹھا۔ فائر کی وہ آواز پچھلے فائروں سے زیادہ بھاری اور مختلف تھی جس کا مطلب تھا کہ میکفرسن کی حکمت عملی کامیاب رہی تھی۔

"مونی بوائے!" وہ گنجان جنگل میکفرسن کی قدرے تیز آواز سے گونج اٹھا اور اس کے قدموں کی تیز آہٹ بھی چند لمحوں کے لیے سنائی دی۔ شاید وہ دوڑ کر زخمی دشمن کے قریب پہنچا تھا۔

میں چند منٹ کی کوشش میں میکفرسن کے پاس پہنچ گیا۔ جھاڑیوں میں ایک دبلا پتلا دراز قامت شخص پانی سے نکلی مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اس کی ہتھیلیاں، پتلون اور زمین کا حصہ اس کے خون سے رنگین ہو رہا تھا۔

"یہ رونالڈ ہے، میرا خاصا پرانا ساتھی!" میکفرسن نے ہاتھ میں تھامے ہوئے پستول کی نال سے کراہتے ہوئے شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انگریزی میں کہا۔

میں نے میکفرسن سے لگاوٹ ظاہر کرنے کے لیے انگریزی میں گفتگو شروع کر دی کیونکہ میکفرسن کی ہدایت کے مطابق مجھے بے زبان بنا رہنا تھا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔ سیدھی طرح بات کرو۔" میکفرسن جھلا گیا۔

"تم ... انگریزی بولنا بھول گئے ہو؟" میں نے بے چارگی سے کہا۔ رونالڈ کراہتے ہوئے اس انداز میں ہنس پڑا۔

"تم نے کیسے مادام پولاری کا نام سنا ہے؟" میکفرسن نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ اس وقت جھاڑیوں کے درمیان روشنی کی آخری کرنیں بھی مدھم پڑتی جا رہی تھیں۔ اور مجھے میکفرسن کے چہرے پر عجیب سی درندگی نظر آ رہی تھی جیسے ابتدا میں اس نے کچھ سوچا تھا مگر اس کے منہ سے مادام پولاری کا نام سن کر چونک گیا ہو۔

"نہیں۔" میں نے بے ساختہ جواب دیا۔ "یہ کون عورت ہے؟"

"سن لیا!" میکفرسن میرا جواب سن کر رونالڈ سے مخاطب ہوا۔ "میں مان ہی نہیں سکتا کہ تمہیں اس جانب سے ایسا کوئی حکم ملا ہوگا۔"

"تم خود سوچو!" رونالڈ کراہتے ہوئے انگریزی میں بولا۔ "بھلا مجھے الہام ہو سکتا تھا کہ تم اس ٹرین سے سفر کر رہے ہو؟"

"تو یہ خبر بھی تمہیں پیرس سے ملی تھی؟" میکفرسن نے سخت لہجے میں سوال کیا۔

"تم یقین کرو میں ہر قسم کھانے کے لیے تیار ہوں۔" رونالڈ جلدی سے بولا۔ "مجھے دو گھنٹے قبل خبر ملی تھی کہ تم اس ٹرین سے سفر کر رہے ہو، مجھے تم سے کوئی پرخاش نہیں تھی۔ البتہ تمہارا ساتھی بہت ضروری تھا۔" آخری فقرہ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور یہ حکم تمہیں مادام سے ملا تھا؟" میکفرسن کا لہجہ سرد ہو گیا تھا۔

"بھلا میری یہ مجال ہو سکتی ہے کہ ذاتی مفاد کے لیے استعمال کروں؟" رونالڈ نے جلدی سے کہا۔

میری چھٹی حس مجھے کسی خوفناک صورتحال سے آگاہ کر رہی تھی۔ ان دونوں کی گفتگو جس ڈھب سے چل رہی تھی، میرے لیے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں تھا کہ میکفرسن بھی کسی طرح مادام پولاری کے ٹولے سے متعلق تھا اور پیرس میں پیاس کی بات گئی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ وہ میری اور مادام پولاری کی دشمنی سے لاعلم تھا اور محض اسی وجہ سے کچھ نامعلوم لوگوں کے ایما پر مجھے فرانس کی سرحدوں سے باہر نکال لینے پر مامور ہو گیا مگر جرمنی کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی مادام پولاری کا ایک کتا اس کے پیچھے ہو لیا تھا۔

میکفرسن کے رویے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اگر رونالڈ کی بات پر یقین آ گیا تو وہ فوراً ہی مجھے مادام پولاری کا قیدی بنا دے گا۔

"اگر میں تمہاری بات درست مان لوں تو تمہاری گولی غلط ہی لگی ہے۔ رونالڈ ڈارلنگ!" میکفرسن پرخیال لہجے میں بولا۔

"میں کسی سے ذکر نہیں کروں گا کہ میں تمہاری گولی سے زخمی ہوا ہوں۔" رونالڈ زمین سے اٹھتے ہوئے جلدی سے بولا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں بلاوجہ خطرات مول نہیں لیتا۔" میکفرسن عجیب سے لہجے میں بولا۔

"نہیں ــــ تم مجھے نہیں مار سکتے!" رونالڈ دہشت زدہ آواز میں چیختا ہوا میکفرسن کی طرف جھپٹا۔ اور اس نے اپنے ریوالور کا ٹریگر دبا دیا۔ گولی چند انچ کے فاصلے سے رونالڈ کے ماتھے میں پیوست ہو گئی۔ وہ ایک گھٹی گھٹی چیخ کے ساتھ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

میکفرسن نہایت دلچسپی سے اپنے دوست رونالڈ کو تڑپتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اور میرا ذہن بڑی تیزی کے ساتھ سوچنے میں مصروف تھا۔ میکفرسن کے رویے سے صاف ظاہر ہو چکا تھا کہ وہ مادام پولاری کے ٹکڑوں پر پلنے والوں میں سے تھا اور اس سے بے انتہا خائف بھی تھا۔ لہٰذا میرے لیے کوئی خوش فہمی بالکل بیکار تھی۔ مجھے یقین تھا کہ رونالڈ سے نجات حاصل کرنے کے بعد وہ کسی بھی طرح میرے سلسلے میں مادام پولاری کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔

ایک بار پھر میں نے فیصلے پر غور کیا۔ میکفرسن اس سے بے خبر سسکتے ہوئے رونالڈ کو دیکھ رہا تھا۔ اپنے ریوالور کی نال اس نے واپس جیب میں لگائی ہوئی تھی۔

میں نے پوری طاقت سے میکفرسن پر چھلانگ لگائی۔ اور دوسرے لمحے ہم دونوں گھنی جھاڑیوں میں جا گرا۔ ریوالور اس کی گرفت سے نکل کر ... ہاتھ میں آ چکا تھا مگر میں ایسی پوزیشن میں نہیں تھا کہ اسے فائر کر سکوں۔

میں اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میکفرسن اپنا انجام محسوس کر کے بے حد غضبناک ہو گیا تھا اور جونک کی طرح میرے بدن سے لپٹ گیا تھا۔ ریوالور اب تک اس کی گرفت میں تھا جسے وہ مسلسل مروڑنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ ریوالور میرے قبضے سے نکل سکے۔

چند لمحوں تک میری اور میکفرسن کی وہ مکمل کشمکش جاری رہی مگر پھر مجھے کسی طرح برتری حاصل ہو گئی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ میں اس کے پیٹ پر اپنا گھٹنا اڑا کر ... میں کامیاب ہو گیا اور پھر میں نے جاتے ہوئے اس کے پیٹ پر ضرب لگا کر اس کے سینے پر قابو پا لیا۔ میکفرسن نے نہایت پھرتی کے ساتھ اپنے جسم کو حرکت دی اور اس کے سینے پر لگنے والی گولی اس کے بازو میں پیوست ہو گئی۔

بازو میں پگھلا ہوا سیسہ اترنے کے باعث میکفرسن پر چند لمحوں کے لیے بدحواسی طاری ہوئی اور اس غفلت سے فائدہ اٹھا کر میں نے اس کے دل میں گولی اتار دی۔

یہ تمام ہنگامہ خیز شاہراہ سے بہت کم فاصلے پر ہوا تھا اور اس دوران میں ادھر سے کسی کار یا ٹرک وغیرہ کے گزرنے کی آواز نہیں آئی تھی مگر میں ادھر کا رخ کرتے ہوئے خوف محسوس کر رہا تھا کہ میں کسی کی نظروں میں نہ آ جاؤں۔

میکفرسن نے مجھے ساتھ لینے سے قبل بڑا واضح جواب ... دیا تھا کہ اس کی گاڑی میں سے پاسپورٹ کیس بھی نہیں نکالا تھا مگر یہ غنیمت تھا کہ میرے سفری کاغذات میرے اوورکوٹ کی جیب میں تھے۔ اور ان کے ساتھ خاصی رقم بھی تھی جو کچھ عرصے کے لیے میرا ساتھ دے سکتی تھی۔

میں نے یہ سب سوچتے ہوئے میکفرسن کا جائزہ لیا جس پر نزع کا عالم طاری تھا جبکہ رونالڈ کا جسم پہلے ہی بے حس و حرکت ہو چکا تھا۔ میکفرسن کی حالت سے ظاہر تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے موت سے نہ بچا سکے گی۔

میں نے جلدی جلدی رونالڈ کی جیبوں کی تلاشی لے کر ساری رقم اپنی جیبوں میں منتقل کر لی۔ پھر یہی عمل میکفرسن کے ساتھ دہرایا۔ ان کی گھڑیاں یا دوسری قیمتی چیزوں کو میں نے ہاتھ بھی نہیں لگایا کیونکہ انہیں فروخت کرتے ہی میں خطرات کا سامنا ہو سکتا تھا۔

پھر میکفرسن کے ریوالور کے ساتھ میں شاہراہ کی طرف جانے کے بجائے مخالف سمت میں شاہراہ کے متوازی چلنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد آسمان پر سیاہی پھیلنے لگی۔ اور میرے لیے اس خودرو جنگل میں سفر جاری رکھنا دشوار ہو گیا تو میں نے شاہراہ پر نکلنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

مجھے وہاں پہنچنے میں کافی دیر لگ گئی مگر شاہراہ نظر آ گئی۔ تاریکی میں پورا جنگل جھینگروں کے تیز شور سے گونج رہا تھا اور پوری توجہ مرکوز کرنے کے باوجود فضا میں کسی انجن کا مدھم سا شور بھی سننے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا جس کے دو ہی اسباب ہو سکتے تھے۔ اول یہ کہ شاہراہ مستقل طور پر ویران پڑی رہتی تھی اور کوئی بھولی بھٹکی سواری ہی ادھر آتی تھی۔ دوم یہ کہ میں بھٹکتے ہوئے اس شاہراہ سے اتنی دور نکل چکا تھا کہ ادھر سے آنے والی آوازیں میرے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔

اس صورتحال کی وجہ سے میرے ذہن پر فرسٹریشن مسلط ہونے لگی۔ بیوقوف گھوڑا میرا پستول چلا تھا اور میرے پاس ماچس کے علاوہ روشنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اس اندھیرے میں اگر مجھے پوری رات اسی طرح گزارنی پڑ جاتی تو میری سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں ماؤف ہو کر رہ جاتیں۔

اس کے علاوہ مجھے اپنے میک اپ کی بھی فکر تھی اور میں بار بار اپنے چہرے کو چھو کر اطمینان کرتا جا رہا تھا میرے چہرے کے مختلف حصوں پر چپکے ہوئے پلاسٹک کے ٹکڑے معمولی دباؤ سے بھی کسی بھی وقت جگہ چھوڑ سکتے تھے اور مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس کے بعد میری صورت پر کیا گزرے گی باقی رہ جانے والا واسطہ کس طرح صاف کیا جا سکے گا اور پھر مجھے اپنے چہرے، گردن اور ہاتھوں کی رنگت کو معمول پر لانے کی ترکیب کا علم تھا۔

میں پیرس کی حدود سے تو بحفاظت باہر نکل آیا تھا مگر ہماری پولیس کا سایہ یہاں بھی میرا پیچھا کر رہا تھا جیکسن جیسی انداز میں ماما م پوری کی کارروائی ثابت ہوا تھا اس کی بنا پر یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ پیرس کی زیر زمین دنیا کا ہر فرد نہیں تو بیشتر افراد ماما م پوری کے لیے کام کرتے تھے اور فرانس سے باہر بھی ان کے خاصے مضبوط روابط تھے۔

میں یہی سب سوچتا ہوا اس جنگل میں بھٹک رہا اور جب وہ جنگل گھنا ہونے لگا تو میں ٹھٹک گیا اس وقت میری عقل پر [illegible] سوار ہو رہی تھی۔

میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس پُر اسرار ماحول سے نکلنے کے لیے کون سی راہ اختیار کروں۔ دوسری طرف یہ لالچ بھی تھا کہ اس وقت میں خاصی حد تک بے خوف تھا۔ اگر وہ رات جنگل میں ہی گزار دیتا تو صبح راستہ تلاش کرنے کا اہم مسئلہ پیدا ہوتا۔ لہٰذا میں گھنے جنگل میں داخل ہونے کے بجائے راستہ بدل کر جھاڑیوں کے درمیان ہی بڑھنے لگا۔

کئی گھنٹوں کی جدوجہد کے بعد تھک کر میں اس آسیب زدہ جنگل سے نکل کر ایک ایسے میدان میں داخل ہو گیا جس میں جا بجا ٹیلے وغیرہ موجود تھے ماحول کی یہ تبدیلی میرے لیے انتہائی خوشگوار تھی۔ کھلے علاقے میں نکل آنے کے سبب کم از کم میری خیالی تاریکی کا زور ختم ہو گیا تھا کئی ٹیلوں کو عبور کرنے کے بعد میں نے ایک اونچی چڑھائی عبور کرنی شروع کی۔ اس وقت تکان سے میری حالت غیر ہو رہی تھی اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ چڑھائی طے کرنے کے بعد بھی دوسری طرف ویرانہ ہی نظر آیا تو اپنی مہم موقوف کر کے چند گھنٹوں کے لیے آرام کروں گا اور میک اپ سے حتی الامکان نجات کے بعد آگے بڑھوں گا۔

مگر قدرت کو میری بے بسی پر رحم آ گیا اور جب میں اوپر پہنچا تو دیکھ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ ڈھلان کے نیچے بل کھاتی ہوئی سیاہ سڑک پھیلی ہوئی تھی اور سڑک کی دوسری جانب ٹمٹماتی ہوئی روشنیاں کسی مختصر سے قصبے کی موجودگی کا اعلان کر رہی تھی۔

میں نے ایک نئے جذبے کے ساتھ سڑک کی طرف بڑھنا شروع کیا۔

اس وقت رات کے دس بج چکے تھے اور سڑک تک پہنچنے تک مجھے اس شاہراہ پر صرف تین ٹرک گزرتے ہوئے نظر آئے جن کی رفتار اتنی تیز تھی کہ مجھے لفٹ لینے کے بارے میں غور کرنا پڑا۔ پہلے میں سوچ رہا تھا کہ قصبے کے علم میں لائے بغیر کسی ٹرک میں چھپ کر اپنا سفر طے کر لوں گا۔

سڑک پر پہنچنے کے بعد آبادی قریب نظر آنے لگی۔ اور اسی دوران چلتے چلتے میری آدھی داڑھی اپنی جگہ چھوڑ کر زمین پر گر گئی۔

یہ صورتحال بہت تشویشناک تھی میں آبادی کی طرف بڑھنے لگا اور ٹٹول ٹٹول کر اپنے چہرے سے ہر وہ چیز چھڑانے لگا جو گر سکتی تھی۔

اتنی رات گئے مشتبہ حالت میں ایک نئے قصبے کی کسی آبادی میں داخل ہونا سنگین خطرات سے خالی نہیں تھا مگر اس وقت میں حالات کے شکنجے میں پھنس کر اس قدر مجبور ہو چکا تھا کہ خطرات مول لینا ناگزیر ہو گیا تھا۔

وہ ویران بستی چھوٹے چھوٹے نیم پختہ مکانات پر مشتمل تھی اور وہاں بجلی پہنچ چکی تھی میں نے جائزہ لے کر ایک مکان کا انتخاب کیا اور گرد و پیش کا جائزہ لینے کے بعد کسی بندر کی سی پھرتی کے ساتھ اس کے احاطے کی دیوار پر چڑھ گیا۔ دیوار سے چھت پر پہنچنا بہت سہل ثابت ہوا۔ میں نے پیٹ کے بل چھت پر لیٹ کر روشندان میں سے ایک کمرے کا جائزہ لیا جہاں ایک عورت تنہا محو خواب تھی۔

کمرے میں صرف عورت کی موجودگی اس بات کی غماز تھی کہ مکان میں کوئی اور نہیں تھا اور یہ بات میرے حق میں جاتی تھی۔

میں نہایت آہستگی اور احتیاط کے ساتھ مکان میں کود گیا۔ کمرے سے قبل احاطے میں ایک طرف غسل خانہ نظر آ گیا جہاں [illegible] وہ معمولی غسل خانہ میرے لیے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا اور اندر کی بتی جلا کر آئینے میں اپنی صورت دیکھی تو میرے چہرے پر رہ جانے والے پلاسٹک کے ٹکڑوں نے شکل بہت ہی بھیانک بنا دی تھی۔

پہلے میرا خیال تھا کہ رات بسر کرنے کا [illegible] بعد میں یہ ارادہ ترک کر دیا۔ رات گزارنے کی صورت میں مختصر سے قصبے سے دن کی روشنی میں نکلنا بہت مشکل ہو جاتا اور قصبے کے لوگ اپنے درمیان ایک اجنبی کی اچانک موجودگی کو کسی طرح نظر انداز نہ کر پاتے [illegible] کے لیے مجھے [illegible]

[illegible] دھوتی چلا رہی تھی۔

میں نے اپنا میک اپ صاف کرنے کی کوششیں شروع کر دیں چند گھنٹوں میں میرے چہرے کی جلد پر جو بال اُگ آئے تھے انہوں نے میک اپ کی جگہ جگہ سے مجھے بہت تنگ کیا اور جب میں اپنے اصل خدوخال دیکھنے میں کامیاب ہوا تو میرے رخساروں پر کئی جگہ خون کی بوندیں ابھری ہوئی نظر آ رہی تھی۔

میں جس رازداری کے ساتھ اس مکان میں داخل ہوا تھا اسی احتیاط اور رازداری کے ساتھ باہر بھی نکل گیا اور میرے خیال میں کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ نکاسی کے لیے میں نے دیوار کے بجائے مکان کا دروازہ استعمال کیا تھا جو میرے جانے کے بعد بھی کھلا تھا۔

میک اپ کے غیر ضروری بوجھ سے نجات پانے کے بعد میں شاہراہ پر جا پہنچا۔ اور ایک طرف بڑھنے لگا۔ قصبے کے نزدیک لفٹ لینے کی صورت میں میری شناخت زیادہ مشکوک ثابت ہو سکتی تھی اس لیے میں نے یہاں سے ایک ڈیڑھ میل آگے کسی سواری کو روکنے کا فیصلہ کیا تھا۔

آبادی سے کافی دور سڑک کے ایک کنارے پر کسی سواری کے انتظار میں ٹھہر گیا۔ مجھے آنے والی دشواریوں کا بخوبی اندازہ تھا مگر میں ہر خطرے سے نمٹنے کے لیے تیار تھا۔

نصف گھنٹے بعد مجھے سڑک پر ایک ٹرک کی روشنیاں نظر آئیں اور میں کنارے پر کھڑا ہو کر بے تابی سے دونوں ہاتھ ہلانے لگا۔

ٹرک ڈرائیور نے [illegible] ہیڈ لیمپس کی روشنیاں [illegible] اور بریک [illegible] اسٹیئرنگ [illegible] ٹرک کی رفتار سست ہونے لگی۔

میرے قریب آ کر وہ ہیوی ٹرک ٹھہر گیا ڈرائیور کا کیبن غیر معمولی چوڑا تھا اور اندر [illegible] نظر نہیں آ رہا تھا۔ کیبن میں سے کسی نے سر باہر نکال کر شاید فرنچ میں مجھ سے کچھ دریافت کیا جو میں ٹھیک طرح نہ سمجھ سکا۔

"میں صرف انگریزی جانتا ہوں اور بروسلز پہنچنا چاہتا ہوں۔" میں نے [illegible] انگریزی میں کہا۔

میری بات سن کر ٹرک ڈرائیور کی [illegible] "آ جاؤ… آ جاؤ" کیبن میں موجود کسی دوسرے شخص نے انگریزی میں کہا اور میں لپک کر ہینڈل کے سہارے اوپر چڑھ گیا۔

اس [illegible] کیبن میں دو [illegible] مجھے دوسرے شخص نے تھوڑی سی جگہ بنا کر مجھے اپنے برابر میں بٹھا لیا اور ڈرائیور نے ٹرک آگے بڑھا دیا۔

[illegible] بیٹھے ہوئے شخص نے ایک بٹن دبا کر کیبن میں روشنی کر دی اور غور سے میرا جائزہ لینے لگا۔

"تم [illegible] اس وقت یہاں کیا کر رہے تھے؟" ڈرائیور نے گیئر بدلتے ہوئے شکستہ انگریزی میں مجھ سے سوال کیا۔

"سیاح ہوں اور پیدل [illegible]" میں نے انکسار کے ساتھ کہا۔ "اگر تم لفٹ نہ دیتے تو شاید اسی سڑک پر گزر جاتا۔"

"تمہارے چہرے پر خون کیسا ہے؟" دوسرے شخص نے اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"خون؟" میں نے چونک کر اپنے رخسار پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا پھر جلدی سے وضاحت کرنے لگا "دراصل مجھے جنگلی جھاڑیوں سے گزرنا پڑا تھا شاید بے خیالی میں کسی کانٹے سے لگ گیا ہو گا۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ تم سڑک کی کس سمت پر کھڑے ہوئے تھے؟" دوسرا شخص مطمئن نہیں تھا۔

"میں نے کہا نا کہ یہ علاقہ میرے لیے اجنبی ہے۔"

وہ دونوں آپس میں فرنچ میں باتیں کرنے لگے میں نے محسوس کیا کہ ڈرائیور کے ساتھی نے سہارا دینے کے بہانے میرے بازوؤں کو اس طرح اپنی گرفت میں لیا ہوا تھا کہ میں ذرا سی بھی جنبش کرتا تو اسے علم ہو جاتا۔

کافی دیر کی مسافت کے بعد ٹرک ایک آبادی میں داخل ہوا اور پھر ایک عمارت کے احاطے میں گھستا چلا گیا۔

احاطے میں ایک سائرن بجا اور چند باوردی سپاہی دیکھنے کے بعد ہی میں سمجھ سکا کہ وہ مجھے پولیس اسٹیشن میں لے گئے تھے۔

ٹرک ڈرائیور نے نہایت بے رخی کے ساتھ مجھے نیچے اُتارا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہاں کئی سپاہی بھی آ گئے۔ ڈرائیور سے ان کی گفتگو سننے کے بعد دو سپاہیوں نے مجھے شانوں سے جکڑ لیا۔ تیسرے نے جامہ تلاشی شروع کر دی۔

[illegible] کے بعد سپاہیوں کا رویہ سخت ہو گیا اور مجھے اندر ایک افسر کے سامنے پہنچا دیا گیا۔

ٹرک ڈرائیور اور اس کے ساتھی کو بیان لکھوا کر روانگی کی اجازت مل گئی۔ اسی اثناء میں انگریزی جاننے والا ایک پولیس والا مجھ سے بازپرس کے لیے آ گیا۔

"یہ کاغذات کس کے ہیں؟" اس نے میرے قبضے سے برآمد ہونے والے پاسپورٹ وغیرہ کی ورق گردانی کرتے ہوئے سوال کیا۔

"میرے ہیں!" میں نے اپنے حلق کو تر کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا… ؟" اس نے موٹی پلکوں کی تصویر والا صفحہ میری آنکھوں کے سامنے کرتے ہوئے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔

"میں نے داڑھی صاف کرا دی ہے!"

"اور تمہارے قبضے سے برآمد ہونے والے یہ ڈالر کہاں سے حاصل کیے گئے تھے؟"

"مجھے علم نہیں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ وہ درست تھا اور مجھے سڑک کے کنارے پڑا ہوا ملا تھا۔ مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ آزادی کے چکر میں، میں بدترین صورتحال سے دوچار ہو چکا تھا اور کوئی معجزہ ہی مجھے ان مصائب سے نجات دلا سکتا تھا۔ لہٰذا پولیس افسر کے ہر سوال کا جواب سوچ سمجھ کر دینے کی ضرورت تھی۔

"تم اس طرف کیا کرتے پھر رہے تھے؟"

"میرا ایک دوست مذاق ہی مذاق میں بروسلز سے باہر ایک ویران شاہراہ پہ چھوڑ گیا تھا۔" میں نے کہا۔

"یہ کب کا قصہ ہے؟"

"شام... رات کے آٹھ بجے کا۔" میں نے جلدی سے وقت میں تاخیر کرتے ہوئے کہا۔

"اور دس بجے تک تم اسی شاہراہ پر پیدل گھومتے رہے؟" پولیس افسر نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔ "بروسلز میں تمہارا ٹھکانہ کہاں ہے اور تمہارے اس منچلے دوست کا نام کیا ہے؟"

"میں آج ہی بروسلز پہنچا تھا۔ میرے دوست کا نام جیمز ہیلک ہے۔ وہ مجھے لینے ایئرپورٹ پہنچا تھا۔ اس کے بعد وہ مجھے شہر میں گھماتا رہا اور پھر شاہراہ پر اتار کر بھاگ گیا۔" میں نے پرسکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تم سمجھتے ہو کہ میں اس بے ہودہ کہانی پر یقین کر لوں گا؟" وہ برہمی سے بولا۔

"یہ واقعی عجیب کہانی ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔ "لیکن جیمز ہیلک مل جائے تو وہ بھی یہی بتائے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ جیمز ہیلک تمہارے دماغ کی پیداوار ہے۔" وہ غصے سے بولا۔ "کان کھول کر سن لو، تم بہت خطرناک صورتحال سے دوچار ہو چکے ہو اور اس وقت دہرے قتل کی ایک واردات کے شک میں ہماری حراست میں ہو!"

"قتل؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں... جس مقام سے تم گرفتار ہوئے ہو اس سے ذرا آگے جنگل میں چند جھاڑیوں میں دو لاشیں پائی گئی ہیں۔ ان لاشوں میں جو گولیاں پائی گئی ہیں وہ تمہارے پستول سے چلی ہیں۔ یہ ثابت کرنے کے لیے ماہرین صرف ... کا انتظار کر رہے ہیں۔" اس نے میرا بیان لیا جس میں ... اور پھر مجھے حوالات میں بھجوا دیا۔

وہ کوٹھڑی خاصی صاف ستھری اور کشادہ تھی جہاں فرش پر ایک کمبل بھی موجود تھا۔ مجھے اس قدر تکان طاری تھی کہ بستر دیکھ کر ہی نیند آ گئی اور میں بے سدھ ہو کر سو گیا۔

مجھے جھنجھوڑ کر بیدار کیا گیا تو میں خاصی نیند لے چکا تھا اور اس وقت دن کے گیارہ بج رہے تھے۔

مجھے منہ ہاتھ دھونے کا موقع دیے بغیر ہتھکڑی لگا کر حوالات سے نکال لیا گیا۔ چند منٹ بعد میں کانفرنس ہال نما ایک وسیع و عریض کمرے میں پولیس کے اعلیٰ حکام کے روبرو موجود تھا جو میری باز پرس کے لیے بے چین تھے۔

باز پرس کا آغاز حسب توقع نہایت شرافت اور نرمی سے ہوا۔ کافی دیر کی جرح کے بعد مجھے بتایا گیا کہ جھاڑیوں سے ملنے والی لاشوں میں سے کل چار گولیاں برآمد ہوئی تھیں جو کہ میرے پاس سے برآمد ہونے والے ریوالور کے چیمبر میں چار گولیاں کم تھیں اور دونوں کی موت اسی کیلیبر کے ریوالور سے واقع ہوئی تھی جو میرے قبضے سے ملا تھا۔ میں پچھلے سوالات پر قائم رہا اور کہتا رہا کہ میں ان کی موت کا ذمہ دار نہیں ہوں۔

کیا یہ میرے ذاتی کوائف اور پھر اس قتل کی واردات کے بارے میں کرید رہے تھے۔ مگر میں نے انہیں کچھ نہ بتایا کہ میں فرانس کا شہری تھا اور میری رہائش پیرس میں تھی۔ جب وہ مجھ سے کچھ نہ اگلوا سکے تو مجھے چند ماہرین کے حوالے کر دیا گیا جو میری تصاویر اور انگلیوں کے نشانات لینے میں مصروف ہو گئے۔

دوپہر کے قریب مجھے دوبارہ حوالات میں پہنچا دیا گیا۔ سہ پہر کو کھانا دیا گیا جو ان حالات میں غنیمت تھا۔ پھر شام کو ایک حیرت ناک خبر کے ساتھ محافظ نے حوالات کا تالا کھولا۔ میری ضمانت پر رہائی کے احکامات آ گئے تھے۔

اس خبر پر مجھے اس وقت تک یقین نہ آ سکا جب تک حوالات کھول کر مجھے ملاقاتی کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

وہاں تھانے کے ایک اعلیٰ افسر کے ساتھ ایک دراز قد مقامی موجود تھا جس کے انداز سے ہی رعونت نمایاں تھی۔

"چلو!" اس شخص نے مجھے دیکھتے ہی حکم دیا اور پولیس افسر سے ہاتھ ملا کر راستے کی طرف چل دیا۔

میں حیران و پریشان اس کے پیچھے ہو لیا۔ میرے لیے وہ اجنبی تھا اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ میرا محسن کیوں بنا۔ تھانے کی عمارت کے باہر ایک بڑی سفید کار موجود تھی جس میں باوردی شوفر بھی موجود تھا۔ وہ شخص مجھے ساتھ لے کر عقبی نشست پر بیٹھ گیا اور کار روانہ ہو گئی۔

میں کچھ دیر خاموش بیٹھا اپنے محسن کے بولنے کا منتظر رہا۔ بعد میں جب وہ اسی طرح خاموش بیٹھا رہا تو مجھے ہی بولنا پڑا۔

"میں اپنے محسن کا نام جان سکتا ہوں؟" میں نے نرم لہجے میں سوال کیا۔

"خاموش بیٹھو!" وہ تنبیہی لہجے میں غرایا۔

اس کا لہجہ اس قدر توہین آمیز تھا کہ میں نے خاموش رہنے میں ہی عافیت سمجھی۔

سفید کار تیز رفتاری سے ہموار سڑک پر دوڑتی رہی۔ کافی دیر کے دوران سڑک پر سفر کرنے کے بعد کار شہر کے گنجان علاقے میں داخل ہوئی اور مختلف سڑکوں سے گزر کر میں یہ سمجھ گیا کہ ہم بروسلز میں داخل ہو چکے ہیں۔

بروسلز کا ایک وسیع و عریض مکان ہماری منزل ثابت ہوا۔ وہاں گٹھے ہوئے جسم والا ایک سفید فام ہمارے استقبال کے لیے موجود تھا۔ اس نے دراز قامت کو نہایت احترام سے خوش آمدید کہا اور مجھے گٹھے ہوئے جسم والے کے حوالے کر کے اندر چلا گیا۔

گٹھے ہوئے بدن والا اس وقت تک برآمدے میں رکا رہا جب تک دراز قامت اندر چلا گیا۔ پھر مجھے گھورتے ہوئے مسکرا دیا۔

"تم انگریزی جانتے ہو؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"تھوڑی بہت بگڑی ہوئی گالیاں بہت ساری جانتا ہوں!" اس کی انگریزی واقعی قابل رحم تھی۔

"نام کیا ہے تمہارا؟" میں اس شخص کو پہلی ہی نظر میں پسند کرنے لگا تھا۔

"صورت سے کیا لگتا ہے؟"

"گینڈا ہونا چاہیے۔" اس سے بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میں نے کہا۔

"ہنٹ ہو۔" وہ منہ بنا کر بولا۔ "مجھے گل کہتے ہیں۔"

"بل بھی بہت مناسب ہے۔ بس سینگوں کی کمی ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں خوش مزاج ضرور ہوں مگر پہلی ملاقات میں اتنی بے تکلفی اچھی نہیں ہوتی۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں بولا۔

"پہلی ملاقات کیسی، میں تو اب شاید یہیں قیام کروں گا۔"

"تو تمہارا گروہ کون ہے؟" وہ اندر چلتے ہوئے بولا۔ "اس عمارت میں باس کے علاوہ کسی کے سامنے خوش مزاجی نہ دکھانا ورنہ کوئی دن جیل کی ہوا کھا رہے ہو گے۔"

"لگتے تو خونخوار لوگ ہیں۔"

"باس اپنے حلقے کا بہترین باکسر ہے اور اس چھت کے نیچے تمہیں سب ہی اعلیٰ درجے کے باکسر ملیں گے!"

"تمہارا باس کیا کرتا ہے؟" میں نے ایک راہداری سے گزرتے ہوئے سوال کیا۔

"اسی سے پوچھ لینا۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔

مجھے ایک خوبصورت آراستہ کمرہ دکھایا گیا۔ وہاں خوابگاہ کے تمام لوازمات موجود تھے اور ایک طرف ایک خوبصورت سا ریفریجریٹر موجود تھا۔

"یہاں خورد و نوش کا کیا انتظام ہے؟" میں نے چلتے چلتے سوال کیا۔

"سب کچھ ملے گا۔ ناشتہ سات بجے، لنچ دو بجے اور ڈنر آٹھ بجے۔" وہ یہ کہتے ہوئے واپسی کے لیے مڑ گیا۔

"وقت ملے تو دوبارہ چکر لگا لینا۔" میں نے چلتے چلتے اس سے درخواست کی جسے اس نے مسکراہٹ کے ساتھ قبول کر لیا۔

خوابگاہ کے جائزے سے فارغ ہو کر سب سے پہلے میں نے گرم پانی سے کافی دیر تک غسل کیا پھر بستر پر آ لیٹا۔

دل کا باس میرے لیے شدید ذہنی الجھن کا سبب بنا ہوا تھا۔ اس نے بالکل غیر متوقع طور پر میری ضمانت کرا کے حوالات سے مجھے نجات دلائی تھی مگر میرے ساتھ اس کا رویہ قطعی غیر دوستانہ تھا جس کے باعث میں یہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھا کہ وہ دوست ہے یا دشمن۔ اگر اس کا تعلق میرے دشمنوں سے ہوتا تو وہ مجھے ضمانت پر رہائی دلانے کے بجائے حوالات میں ہی ختم کرا دیتا۔ دوسری طرف معاملہ اس سے بھی پیچیدہ تھا۔

فرانس سے میری روانگی انتہائی رازداری کے ساتھ عمل میں آئی تھی۔ اگر معاملہ ایسا ہی تھا کہ مجھے بروسلز پہنچ کر کسی سے رابطہ کرنا تھا تو اس کے لیے میری گرفتاری کی شمولیت غیر ضروری تھی۔ لہٰذا یہ کس طرح ممکن ہوا کہ میری گرفتاری کے فوراً بعد بروسلز میں کسی کو یہ علم ہو گیا کہ اس کا ایک دوست دشواری سے دوچار ہے۔

اور اگر وہ میرے دشمنوں میں سے ہی تھا تو اسے میری ضمانت کا راستہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ راستے میں ہی مجھے اغوا بھی کر سکتا تھا۔

میں اس بارے میں جس قدر سوچتا رہا اسی قدر الجھتا چلا گیا۔ وہ شخص اپنی روش کے اعتبار سے نہ دوست سمجھا جا سکتا تھا نہ دشمن!

رات کے کھانے پر دربان کے علاوہ اس عمارت کے چار مکین میز پر موجود تھے۔ وہ سب کے سب باکسر تھے اور گروپ کے مالک بھی! کھانے کی میز پر کل سات افراد تھے اور سب ہی اجنبیوں کی طرح بیٹھے ہوئے تھے۔ دوسرے لوگوں سے میرا تعارف کرانے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی گئی تھی۔

"مسٹر ..." کھانے کے دوران باس کا شخص نے اچانک مجھے پکارا اور میں لقمہ چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ باقی افراد وحشیانہ انداز میں سر جھکائے کھانا کھاتے رہے جیسے وہ اعلان ان کے کانوں میں نہ پہنچا ہو۔

"کھانے کے بعد تم میرے کمرے میں آ جانا!" اس نے اپنا فرمان سنایا۔

"بہتر جناب!" میں نے سعادت مندی سے کہا اور کھانا کھانے میں

مصروف ہو گیا۔ مجھے ہاؤس کی کے جو دلوں سے کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔
اس سے بات کر کے میں بہت کچھ معلوم کر سکتا تھا۔
کھانے سے فارغ ہونے پر پتہ چلا کہ لی میز سے غائب تھا۔ اس
کھلانے والا شخص بھی نشہ کر کے ایک طرف چل دیا۔ باقی لوگ میرے لیے
اجنبی تھے اور وہ بھی مجھا س محو ساختہ باس کے کمرے کا علم تھا۔
چند منٹوں تک تذبذب کا شکار رہنے کے بعد میں نے قریب
جا کر شفقت سے شوفر کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس نے پیچھے سے پلٹ کر
میری ناک پر ایک زوردار گھونسا دیا۔ فوری طور پر میری آنکھوں کے
سامنے تارے سے ناچ گئے۔ بقیہ لوگ زور زور سے ہنسنے لگے تھے۔
شاید لوگ نہ ہنستے تو میں چوٹ سہہ جاتا مگر اتنی کھلی توہین کو
برداشت کر جانا سراسر بزدلی تھی۔ اس میں نے پلٹ کر پوری قوت سے
شوفر کے پیٹ پر لات رسید کی اور وہ کراہتا ہوا دوہرا ہو گیا۔ میں جھپٹ
کر اس کے قریب پہنچا اور اس کے جبڑوں پر مکے برسانے کے بعد ایک دوسرے
سے کھنچے جانے سے قالین پر گر گیا۔
چھپنے والے فوراً حیرت سے تالیاں بجانے لگے۔ اسی وقت
بل کہیں سے نکلا اور اس نے میرا ہاتھ اپنا ہاتھوں فضا میں اٹھا دیا
جیسے میں نے کوئی باقاعدہ مقابلہ جیتا ہو۔
میری فتح کے اس اعلان کے بعد وہاں موجود سب لوگوں
نے پہلی بار مجھ سے ہاتھ ملائے۔ بل مجھے ہر ایک کا نام بتاتا جا رہا تھا
گویا وہ پہلی بار کی تقریب تعارف تھی۔
آخر میں شوفر بھی قالین سے اٹھ کر میری طرف آیا اور بڑے
تپاک سے مصافحہ کر کے ایک طرف چل دیا۔
پھر جیسے کہ جب میں بل کے ساتھ تنہا ہو گیا تو اس پر برس پڑا۔
"یہ کیا بیہودگی تھی، یہ مکان ہے یا اچھا خاصا پاگل خانہ؟"
"آہستہ بولو!" وہ میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔
"تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا ہے اس میں باس کی مرضی شامل ہے وہ
تمہاری صلاحیتیں آزمانا چاہتا ہے!"
"خواہ میں زندگی بھر کے لیے معذور ہو جاتا؟" میں اپنی ناک سہلاتے
ہوئے بولا۔
"ناک کی ہڈی ٹوٹنے سے کوئی معذور نہیں ہوتا۔" وہ میرے
شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "چلو باس کے کمرے میں جاؤ ورنہ وہ بھی آ کے
نئی شروع ہو جائے گا۔"
"کمرہ کدھر ہے اس کا؟" میں نے غصہ ضبط کرتے ہوئے سوال کیا۔
بل مجھے دور ہی سے اس کا مطلوبہ کمرہ دکھا کر واپس چلا گیا۔
کمرے میں میرے قدموں کی آہٹ سن کر باس نے سر اٹھایا اور
مجھے اپنے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
"تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟" اس نے سگار کا کش لیتے
ہوئے سوال کیا۔
"مجھے ابھی تک یہ بھی پتہ نہیں چل سکا کہ میں دوستوں میں ہوں
یا دشمنوں میں؟" میں کھا جانے والے لہجے میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا۔
"دشمن بلا وجہ کسی کے عزیزوں کی ضمانت نہیں کرتے۔" اس
وقت وہ خلاف توقع پُرسکون نظر آ رہا تھا۔
"پھر بھی میں تمہارے بارے میں مزید جاننا چاہتا ہوں!"
"بس یہ یاد رکھو کہ میرا نام شین مارکینڈ ہے!" وہ سرد لہجے میں بولا۔
"اور اب مجھے یہ بتاؤ کہ اس دوہرے قتل کا کیا قصہ ہے؟"
"شین مارکینڈ!" میں نے اس کا نام زیر لب دہرایا پھر سوال کیا۔
"تمہارا کس تنظیم سے تعلق ہے؟"
"شاید یہاں تمہیں آ کر ملنے والے سکون نے تمہارے اعصاب پر
خوشگوار اثرات مرتب کیے ہیں۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "یہاں
تم سے دوہرے قتل کے بارے میں پوچھا گیا ہے!"
"اس بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں! میں نے اس کے
کے نتیجے میں ہٹ دھرمی اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔
"پھر شاید میں نے تمہاری ضمانت کرا کے غلطی کی ہے ورنہ
قاتل کے تحفظ میں دلچسپی رکھتا ہوں!" اس نے مشکوک لہجے میں کہا۔
اس حد تک بات ہونے کے بعد میں نے یہ حقیقت تسلیم کر لی تھی
جو بھی ہو کم از کم فلسطینیوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا لیکن یہ
پیدا ہو گئی تھی کہ اگر وہ فلسطینیوں کا دوست نہیں تھا تو اسے
اور رونالڈ کے قاتل سے کیوں ہمدردی ہو گئی تھی!
"اگر تمہاری ہمدردیاں اصل قاتل کے ساتھ ہیں تو تمہیں مایوس
ہونا پڑے گا۔" میں نے خائف ہوئے بغیر جواب دیا۔
"کیا مطلب؟" میرے جواب پر اس نے چونک کر پوچھا۔
"رونالڈ اور میکفرسن نے ایک دوسرے کو ہلاک کیا تھا اور
دونوں کے پاس اسلحہ موجود نہیں تھا۔"
"مگر جاننا چاہتا ہوں تمہارے یہ الزامات کہاں سے لیے گئے ہیں؟"
"وہ ریوالور میں نے میکفرسن کی لاش سے حاصل کیا تھا۔" میں نے
اعتماد سے جواب دیا۔
"پوری کہانی سناؤ!"
میں نے بروسلز کے اسٹیشن پر اترنے سے پولیس اسٹیشن تک
پوری کہانی من و عن دہرا دی۔ البتہ میکفرسن اور رونالڈ کے
اپنا تذکرہ گول کر گیا اور اسے یہی تاثر دیا کہ وہ دونوں آپس میں
ہوئے مارے گئے جب کہ میں محض ایک تماشائی بنا رہا کیونکہ
بارے میں ان کے عزائم کچھ اور تھے۔
"تمہارے بارے میں ہم اندازہ لگا رہے تھے کہ شین مارکینڈ کا تعلق ہے"
حیرت سے پوچھا۔

"ہاں — رونالڈ کسی مادام پولاسکی کے حوالے سے مجھے پکڑنا
چاہتا تھا جبکہ میکفرسن کا کہنا تھا کہ وہ مجھے خود اس خاتون تک پہنچائے گا۔"
"میکفرسن تمہیں بروسلز کیوں لایا تھا؟"
"یہاں آنے تک تو میں یہی سمجھتا رہا کہ وہ میری مدد کر رہا ہے!" میں
نے جواب دیتے ہوئے اپنے چند جملوں میں حتمی کی ایک مکمل سراہت کی
محسوس کی کیونکہ تمام تر احتیاط کے باوجود شین مارکینڈ نے اپنے اس
سوال سے اپنی اصلیت کا اظہار کر دیا تھا۔
فلسطینیوں سے تعلق رکھنے والے فوری حیثیت سے اس کو
میری بروسلز آمد کا مطلب معلوم ہونا چاہیے تھا مگر وہ اس بارے میں
لاعلم تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مادام پولاسکی یعنی ٹائیگر آئی بال کی جانشین
اپنے طور پر عمل کر رہی تھی۔ وہ مجھے پولیس کے رحم و کرم پر چھوڑنے کے
بجائے اپنی قید میں رکھ کر سب کچھ معلوم کرنا چاہتی تھی۔
شین مارکینڈ یقیناً مادام پولاسکی کا ہی آدمی تھا اور اس نے محض
اپنی مالکن کے حکم پر میری ضمانت کرائی تھی تاکہ مجھے اپنی تحویل میں رکھا کر
مادام پولاسکی کو پیش کر سکے۔
"مادام پولاسکی کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟"
"بہت کچھ جانتا ہوں۔" میں نے نئی صورت حال کے پیش نظر توصیف
رکھتے ہوئے کہا۔ "اس سے پہلے بھی میرے ذاتی مراسم رہے ہیں۔"
"تم کو اس کے بارے میں اتنا اعتماد کیوں ہے؟" وہ اعتماد سے بولا۔
"تمہیں یقین نہیں آئے گا مگر تم اس کا حکم بجا لانے والے غلام
ہو اور میں اس کا طاقت ور اور بہترین دوست تھا۔"
"تمہاری یہ ساری بلاف کوئی کل تک دھری کی دھری رہ
جائے گی!" وہ مٹھیاں بھینچ کر غصیلے لہجے میں بولا۔ "اگر مجھے خصوصی احکام
نہ ملے ہوتے تو تمہاری پسلیاں اپنے ہاتھوں سے توڑ دیتا۔"
"مستقبل قریب میں یہ کام کرنے کا بھی امکان ہے اور میری ضمانت
لے کر تم نے بھی مجھ پر احسان کیا ہے جس سے میں عہد برآ نہ ہو سکو گے۔"
"اس خیال میں بھی نہ رہنا — میرے ہاتھ ایک حد تک ضمانت بھی
ختم کرا سکتے ہیں۔" وہ غصیلے لہجے میں بولا۔
"شاید بلجیم کی وزارت قانون تمہارے ہی تابع ہے۔"
"اس مکان پر حملہ کر کے کچھ لوگ تمہیں اغوا کر سکتے ہیں۔" وہ زہریلی
مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "پھر کسی کھلی جگہ گولی مار دیں گے اور پولیس
کی رپورٹ پر تمہیں تلاش کرتی رہے گی جبکہ تم کسی خفیہ مقام پر
اپنے خوف کا کھیل رہے ہو گے!"
"دشمن کا ایک تمہاری جان لینا کافی ہے کہ میں اس وقت اپنے
تعاون کا چند کے پیچھے ہوں اور وقت آیا تو وہ اس بھی بھگت لی"

"مگر یہ یاد رکھنا کہ اس مکان سے فرار کی کوشش نہیں کرنا ورنہ
کر سکتے ہو۔" وہ یہ کہتے ہوئے کرسی سے اٹھ گیا۔ "شرافت سے رہو گے تو
وقت پورا ہونے تک کسی چیز کی تکلیف نہیں ہو گی۔"
"یہ مجھے اس مکان میں قدم رکھتے ہی معلوم ہو گیا تھا۔" میں یہ کہہ
کر شین مارکینڈ کے کمرے سے نکل آیا۔
اپنے کمرے میں پہنچا تو وہاں بل میرے بستر پر دراز ایک رسالے
کی ورق گردانی کر رہا تھا۔
"تمہارا منہ کیوں سوجا ہوا ہے؟" مجھے دیکھتے ہی اس نے سوال
جڑ دیا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ باس سے بھی مقابلہ ہوا ہے۔"
"یہاں سے دفع ہو جاؤ میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے بیزاری
کا اظہار کیا۔
"ضرور آرام کرو مگر رات کو ذرا ہوشیار سونا۔" وہ میرے بستر سے
اٹھتے ہوئے عجیب صورت بنا کر بولا۔ "خواب میں کئی بار ڈرنے
لگو گے۔"
میں سنجیدگی سے اسے دیکھنے کے لیے آگے بڑھا مگر وہ تیزی
کے ساتھ میرے کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔
شین مارکینڈ سے ہونے والی گفتگو میرے لیے اس اعتبار سے
نہایت پریشان کن تھی کہ چیرین ہل لاکھ جتن کرنے کے باوجود میں مادام
پولاسکی کے چنگل سے نہ بچ سکا تھا۔ مجھے رو رہ کر ایلزا کے الفاظ یاد آ رہے
تھے کہ اس کی ماں کی جانشین مجھے دنیا کے کسی بھی گوشے میں ڈھونڈ نکالے
گی اور ان الفاظ کے ساتھ ہی جب میرے ذہن میں شاہدہ کی تصویر
ابھری تو میرے لیے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو گیا کہ شاہدہ ہی مادام پولاسکی تھی
یا اس نام کے پردے میں کوئی اور شخصیت پوشیدہ تھی۔
وقت رینگ رینگ کر آگے بڑھ رہا تھا۔ میں فرانس سے نکلنے
میں ضرور کامیاب ہو گیا تھا مگر اب بلجیم میں حالات میری راہ میں حائل
ہو گئے تھے اور اپنے ہمدردوں سے میرا رابطہ یکسر ختم ہو چکا تھا۔ مجھے
کچھ علم نہیں تھا کہ میری سیما کہاں اور کن حالات میں میری منتظر تھی۔
یقیناً فرید سے جدائی کی گھڑی ہی میرے مخدوش حالات کے
پیش نظر میری اور اس کی ملاقات کے لیے کسی محفوظ ترین مقام کا تعین کیا
گیا تھا اور جن لوگوں کو اس مقام کے بارے میں علم تھا وہ رونالڈ کی
بے وقت دخل اندازی کے سبب مجھ سے بچھڑ چکے تھے۔
انہی خیالات میں غلطاں میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔
میری نیند نہ جانے کتنی دیر تک قریبی کمرے کے کانوں میں فائرنگ
کا شور گونجنے لگا۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں تو آدھا ماحول تاریکی
کے باوجود پکڑ ہو گئی۔
عمارت کے مختلف حصوں میں فائرنگ اور دھماکوں کی
شور گونج رہا تھا۔ میرے ذہن میں فوراً شین مارکینڈ کے الفاظ گونج

گئے۔ شاید میری آزادی کی مہلت پوری ہو چکی تھی اور ملازم اوباش کے حوالے مصری کی عملداری میں مجھے گرفتار کرنے آ پہنچے تھے تا کہ شین مارکیڈو کی ضامن کی حیثیت پر حرف لائے بغیر مجھے پھر سے تھام لیا جا سکے۔

مصری کی عملداری کا خیال آتے ہی فائرنگ کا خوف جاتا رہا اور میں اطمینان سے کمرے سے باہر نکلا مگر اسی وقت کسی طرف سے گولی آئی اور میرا بازو چھوتی ہوئی دیوار میں پیوست ہو گئی۔ میں بوکھلا کر واپس کمرے میں گھس گیا۔

وہ یقینی طور پر کوئی مصری عملدار نہیں تھا۔ اندھیرا تھا ہر شے خالی وہ ڈاکو کی نشانیاں تھیں، بتا رہی تھیں کہ اس عمارت میں کوئی حقیقی خونی ہنگامہ معرکہ پھر شروع ہوا ہے۔

اچانک تاریکی میں کوئی سایہ حرکت کرتا ہوا میرے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ جانے والے کی بینائی کا کمال تھا یا میری سست رفتار حرکت کا، اس نے بستر سے جھپٹ کر میرا بازو تھام لیا اور سرگوشیانہ آواز میں بولا۔ "جلدی نکلو، اس وقت پوری عمارت زد میں ہے۔"

وہ جانی پہچانی آمیز سرگوشیانہ آواز پہچان کر میں چونک پڑا اور مشینی انداز میں آنے والے کے ساتھ نکاسی کے راستے کی طرف دوڑ پڑا۔ اس کے ہمراہ تاریکی میں دوڑتا ہوا دروازے تک پہنچا ہی تھا کہ اچانک دو گولیاں اس طرف آئیں۔ ایک سامنے والے **قیدی** کی چوب پا جو کھڑکی میں پیوست ہو گئی اور دوسری ہمارے سر کے اوپر سے گزر گئی۔ میں جھک کر دائیں ہو لیا اور کھلے دروازے کے سامنے سے ہٹ کر دیوار کی اوٹ میں ہو گیا۔

• کہاں چلے گئے؟ تاریکی میں بل کی جھلاہٹ بھری سرگوشیانہ آواز ابھری۔

• تم بھی ادھر آ جاؤ۔ میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ میں کافی زخمی ہو چکا ہوں۔ اندھیرے میں تم بھی نادانی سے مارے جاؤ گے۔

وہ تاریکی میں ٹٹولتا ہوا میرے پاس آ پہنچا۔

• یہ فائرنگ کیسی ہے؟ میں نے اس سے سوال کیا۔

• سارا فساد تمہاری وجہ سے ہے۔ تمہیں شین مارکیڈو کے قبضے سے نکال لے جانے کے لئے اس عمارت پر بھرپور حملہ کیا گیا ہے۔

• تم اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو؟ میں نے بے یقینی سے کہا۔

• مجھے پہلے سے معلوم تھا کہ آج کی رات کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ اس نے دبی آمیز سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ میں نے پہلے ہی تمہیں خبردار کر دیا تھا کہ رات کو ہوشیار رہنا۔

• میں تو اسے مذاق ہی سمجھا تھا۔ تم نے بھی تو کہا تھا کہ خواب میں گولہ باری کی ہے، تم ڈر گئے؟ میں نے آہستہ سے کہا۔

• اس فائرنگ کو بھی مذاق ہی سمجھتے رہو۔ اس کے لہجے سے بیزاری عیاں تھی۔

• شین مارکیڈو نے مجھے اپنا منصوبہ سمجھایا تھا۔ میں نے کہا۔ اس نے میری ضمانت لی ہوئی ہے اس لئے قانونی طور پر وہ میری سلامتی کا ذمہ دار ہے۔ اس ذمہ داری سے پہلو بچانے کے لئے اس نے اپنے مکان پر مصنوعی حملے کا پروگرام بنایا ہوا تھا۔ اس کے آدمی ہنگامہ کر کے مجھے یہاں سے اٹھا لے جاتے اور شین مارکیڈو پولیس میں میرے اغوا کی رپورٹ درج کرا دیتا۔ درحقیقت میں اسی کی خفیہ تحویل میں اس کے کام کر رہا ہوتا۔

• تو تمہاری دانست میں یہ حملہ مصنوعی ہے؟

• اندھا دھند فائرنگ سے شبہ پیدا ہو رہا ہے کہ مصنوعی حملہ کرنے والوں کی نیت بدل گئی ہے۔ مصنوعی حملہ آور پر چلائی جانے والی گولیاں پرتو خون سوار معلوم ہوتا ہے۔

• تم نے ٹھیک سمجھا ہے۔ وہ جلدی سے بولا۔ یہ شین مارکیڈو کے لئے کام ضرور کرتا ہے مگر میری اطلاعات کے مطابق وہ لوگ تمہارے پیچھے ہیں۔ یہ حملہ انہوں نے شروع کیا ہے۔

• واقعی! میں نے تحیر آمیز لہجے میں سوال کیا۔ اس کے بعد کی صورت حال میری سمجھ سے باہر ہو گئی تھی۔

• وہ بہت بھاری تعداد میں حملہ آور ہوئے ہیں اور ان کے حملے کا مقصد کیا ہے یہ پتہ لگانے کا وقت آ گیا ہے۔ تم یہاں چھپ کر وقت برباد کر رہے ہو۔

• تو یہ لوگ اندر گھس آئے ہیں؟

• ابھی باہر ہی ہیں مگر تم کسی بھی لمحے عمارت کے اندر آ جاؤ گے۔ تمہیں اس سے پہلے یہاں سے نکل جانا چاہئے۔

• پھر یہ اوپر دیوار۔۔۔ فائرنگ کس نے کیا تھا؟

• وہ شین مارکیڈو کا ہی کوئی آدمی ہو گا۔ اس چھت کے نیچے ہر شخص کو تم پر کڑی نظر رکھنے کا حکم ملا ہوا ہے۔

• اگر وہ چھپا بیٹھا ہے تو باہر اندھیرے میں بھی تو موجود ہے؟ ہم باہر کیسے نکلیں گے؟

• حملہ آوروں نے عمارت کا مین سوئچ تباہ کر دیا ہے۔ دروازے بھی کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لیتا۔ یہ بتاؤ کہ تمہارا زخم کتنا گہرا ہے؟

• زخم خاصا گہرا ہے مگر تم اس کی فکر نہ کرو۔ راستہ بتاؤ۔

• تو تم مجھے پیچھے نہیں پاؤ گے؟ میں نے لاپرواہی سے کہا۔

• پھر میں اسے کام دیتا ہوں؟

• جیسی تمہاری مرضی۔

• وہ ادھر آئے تو پہلے ہی لمحے میں اس کا کام تمام کر دینا۔ اس نے کہا اور دبے قدموں دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

• باہر کون ہے؟ چند ثانیوں کے توقف کے بعد دروازے سے بل کی آواز سنائی دی۔ اس نے سوال مختصر سی ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کیا تھا۔

• سامنے آؤ۔ بتاتا ہوں۔ باہر چھپے ہوئے شخص نے جواب میں کہا۔

• میں باہر آ رہا ہوں۔ مت چلانا۔ اس نے کہا۔

• ضرور آؤ۔ میرا نشانہ اندھیرے میں بھی بے خطا ہوتا ہے۔ اس کے لہجے میں ہلاکت خیزی تھی۔

• مجھے کیا قصور ہے؟ جواب پا کر بل کی آواز میں دہشت نمایاں تھی۔

• سب ٹھیک اندر ہی سے کھیل رہے ہیں۔ اندر آؤ۔ اس کی مدد کے لئے میں کھڑے ہو جاؤ۔ اس بار شین مارکیڈو کی آواز قدرے قریب سے ابھری۔

• میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ بل کا جواب دینے والا تھا، سوچے میں ذرا سا شور سن کر ادھر بھی خیال آیا کہ کہیں قیدی نے فرار کی کوشش تو نہ کی ہو۔

• تو ابھی تک اندر کیوں موجود ہو؟ شین مارکیڈو کا لہجہ بپھرا ہوا تھا۔ اس کو سنبھال کر باہر نکلو۔ وہ اندر گھسنے کے لئے سرو حرکت کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ شین مارکیڈو کا فقرہ پورا ہوتے ہی بل نے تیزی سے میرا بازو پکڑا اور تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل آئے۔

میں اندھیرے میں وہاں سے سیدھا گزر کر باہر گیا۔ میرے لئے یہ سمجھنا دشوار تھا کہ بل نے میرا بازو اضطراری طور پر دبایا تھا یا اس طرح مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا تھا۔ میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور پھر تیزی سے قدم نکاسی کے راستے کی طرف بڑھا دیئے۔

میں دروازے تک ہی پہنچا تھا کہ اندھیرے میں کسی پستول کی نال میری پشت سے سیدھے سینے سے آ لگی۔ اس کے سہارے مجھے اندر دھکیل دیا گیا۔ میں نے پیچھے ہٹتے ہوئے اپنے سامنے شین مارکیڈو کا دراز قامت اور دبلا پتلا ہیولا دیکھا اور پستول پر ہاتھ ڈال دیا۔

میری جسامت اور پھرتی نے اسے چونکا دیا۔ وہ پوری طرح مستعد تھا۔ اس نے پستول والا ہاتھ پھرتی سے پیچھے کھینچ لیا اور اس کے ساتھ پوری قوت سے میرے پیٹ پر اپنے گھٹنے کا شدید وار کیا اور پھر کراہ کر پیچھے ہٹ گیا۔

شین مارکیڈو نہایت پھرتیلا ثابت ہوا۔ اس نے مجھے سنبھلنے سے پہلے ہی گریبان کے سہارے تھام لیا۔ شاید اس اثنا میں پستول وہ اپنی جیب میں منتقل کر چکا تھا کیونکہ اس نے ایک ہاتھ سے میرا گریبان پکڑا ہوا تھا اور اس کا دوسرا ہاتھ نہایت تیزی سے میرے چہرے پر مکے برسانے لگا تھا۔

غالباً اس وحشیانہ پٹائی نے میرے حواس مختل کر دیئے۔ اسی وقت پہلی بار مجھے محسوس ہوا کہ غلط رخ پر کسی بلاک کے رخ میں آ جانا کتنا خطرناک ہوتا ہے۔

اس عمارت کے مختلف حصوں میں فائرنگ جاری تھی۔ آوازوں سے یہ بتانا مشکل تھا کہ کون کس پر گولیاں چلا رہا ہے۔ ان کے ساتھ چیخ و پکار بھی شامل ہو جاتی تھی اور پھر شین مارکیڈو کے ہاتھوں کھلنے والے گھونسے ایسا محسوس ہوا جیسے باہر نکلے ہوئے تمام حملہ آوروں کی گولیاں مجھ پر ہی برس رہی ہوں۔

میں نے اپنا چہرہ بچانے کی کوشش کرتے ہوئے شین مارکیڈو کے پیٹ میں پوری قوت سے ضرب لگائی۔ اس کے حلق سے ایک آواز نکلی جو کسی زخمی جانور کی آواز کے مشابہ تھی۔ میں نے دوسری مرتبہ اس کی حرکت کا جواب دینے کی کوشش کی مگر وہ شاید کسی سمت کو

اپنے آنسوؤں کو جھٹکتے ہوئے میرے اوپر جھکا رہا۔

جب اس نے میرا گریبان چھوڑ کر دونوں ہاتھ استعمال کرنے شروع کئے تو میرے ہوش و حواس رخصت ہونے لگے۔ اور میں لہراتے ہوئے فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

دوبارہ آنکھ کھلنے کا سبب تکلیف کا شدید احساس تھا۔ پہلے میرا خیال تھا کہ میں آنکھوں میں درد کے باعث ہوش میں آ رہا تھا مگر جیسے ہی مجھے پتہ چلا کہ شین مارکیڈو کے وحشیانہ گھونسوں نے میرا پورا چہرہ سجا ڈالا تھا جس کے نتیجے میں کسی کو پکارنا چاہا تو جبڑے ہلانا بھی دشوار ہو گیا۔ میری جان نکل رہی تھی۔ اندھیرے میں اس تکلیف کے باوجود یہ احساس قدرے تسلی بخش تھا کہ میری کمر کے نیچے ننگے فرش کے بجائے نرم بستر موجود تھا اور بدن پر ایک کمبل بھی پڑا ہوا تھا۔

میں کافی دیر تک بستر پر خاموش پڑا انگلیوں سے اپنے جبڑوں کو ٹٹولتا رہا۔ اسی دوران مجھے اپنے چہرے پر خاصی ٹوٹ پھوٹ کا بھی علم ہوا۔ کئی جگہ سے جلد ادھڑی ہوئی تھی جس پر خشک خون کی پپڑیاں بھی جم گئی تھیں۔

شین مارکیڈو نے مجھے سونے کے لئے آرام دہ بستر تک پہنچا دیا تھا مگر میرے زخموں کی مرہم پٹی کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

میرے لئے گردن گھمانا دشوار تھا لہٰذا میں نے بہت کم جنبش سے آہستہ آہستہ کروٹ بدل کر اس کمرے کا جائزہ لیا تو ایک دیوار گیر طلب کی مدھم روشنی میں کمرے کی ابتر حالت سامنے آئی۔

وہ کمرہ زیادہ کشادہ نہیں تھا۔ اس کی دیواروں کا رنگ پھیکا پڑا ہوا تھا۔ اندر چوبی دروازے پر سے وارنش کی پپڑیاں اتری ہوئی تھیں۔ مجھے وہ کمرہ، میرا بستر کی نسبت سے بہتر حالت میں تھا اور یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کمرہ کافی عرصے سے ویران پڑا ہوا تھا مگر میری وجہ سے ہنگامی طور پر قابل استعمال بنایا گیا تھا۔

میں نے بے ہوشی سے قبل کے واقعات یاد کئے تو یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ میں بدستور شین مارکیڈو کا ہی قیدی تھا یا اس کے مکان پر حملہ آور ہونے والے مجھے نکال لے جانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

اس ضمن میں مجھے بل اور شین مارکیڈو کے درمیان ہونے والی گفتگو یاد آئی جو انگریزی میں ہوئی تھی۔

بل کی انگریزی بہت کمزور تھی جبکہ اس کی زبان وہ نہایت روانی سے بولتا تھا۔ اس کی جانب سے انگریزی کا استعمال ترجیحاً رکھتا تھا لیکن اس طرح وہ مجھے ساری صورتحال سے واقف رکھنا چاہ رہا تھا مگر شین مارکیڈو کی زبان سے مسلسل انگریزی کا استعمال حیرتناک تھا۔ اسے فطری طور پر کوئی دیسی زبان استعمال کرنی چاہئے تھی جو بل بہتر طور پر سمجھ سکتا مگر میرے لئے اس کا ہر لفظ اجنبی ہوتا۔

اسی وقت کسی جانب سے قدموں کی چاپ سنائی دی جو بتدریج قریب آ رہی تھی۔

ہوتی چلی گئی اور پھر دروازہ کھلا اور ایک لڑکی میرے کمرے میں آ گئی۔

مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر اس کے لبوں پر نرم سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ میں نے اس کی مسکراہٹ کا کوئی اثر لیے بغیر غور سے اس کا جائزہ لیا۔ خاصی خوبصورت اور متناسب بدن کی مالک تھی۔ سیاہ آنکھوں پر شفاف شیشوں کی رم لیس عینک موجود تھی اور اوور کوٹ کے نیچے اس نے نیلے رنگ کا بلاؤز پہنا ہوا تھا۔

میرے بستر سے چند قدم کے فاصلے پر وہ رک گئی اور ملائم آواز میں کچھ کہا جو میری سمجھ میں نہ آ سکا۔

• انگریزی کے سوا کوئی زبان نہیں چلے گی۔ میں نے خشک لہجے میں کہا۔

• بہت بیزار نظر آتے ہو۔ اس نے شکستہ سی انگریزی میں کہا۔ چہرہ اترا ہوا ہو تو شاید تم بھی اپنی خوش مزاجی برقرار نہ رکھ سکو گی۔ میں نے منہ بنا کر تلخ لہجے میں کہا۔

• کسی سے جھگڑا ہوا تھا؟ اس نے سادگی سے سوال کیا۔

• اگر تمہارا تعلق اس عمارت سے ہے تو تمہیں میرے بارے میں خاصی معلومات ہونی چاہئیں۔ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

• میرا اس عمارت سے تعلق ضرور ہے مگر میں تھوڑی دیر پہلے ہی ڈیوٹی پر آئی ہوں۔ اس نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

اس کی زبان سے ڈیوٹی کا لفظ سن کر میں چونک پڑا اور تیز لہجے میں سوال کیا۔

• یہ کون سی جگہ ہے؟

• ذہنی مریضوں کا شفاخانہ ہے۔ اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

• پاگل خانہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے؟ میں نے زہر آلود لہجے میں کہا۔

• یہ بتاؤ کہ مجھے یہاں کون لایا تھا؟

• مجھے چیف ڈاکٹر سے معلوم کرنا ہوگا۔ اس کا لہجہ بدستور معذرت خواہانہ تھا۔ مجھے خود حیرت ہے کہ تم یہاں کیوں ہو؟

• تمہاری دانست میں کہاں ہونا چاہیے تھا؟

میرے جارحانہ لہجے پر وہ معصوم سی ہو گئی۔ گفتگو سے تو تم صحیح الدماغ لگتے ہو۔ پتہ نہیں یہاں کس چکر میں پہنچا دیے گئے ہو۔ یہاں آنے والے مریض ذہنی طور پر خطرناک ہوتے ہیں اور عام طور پر یہاں کے عملے ہی وقت پر … کرتے ہیں جب انہیں ان کی سلامتی خطرے میں نظر آنے لگتی ہے۔

میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد … مجھے افسوس ہے کہ میں تم سے … کلام کر رہا ہوں۔ تم مجھے بے گناہ نظر آتے ہو۔

اس کا چہرہ یکایک کھل اٹھا۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ … کیا کر سکتی ہوں۔

• اور کچھ نہیں، مجھے بس اس پاگل خانے سے نکلنے کا راستہ …

میرے لیے یہ بات … کسی بھی مریض کو رخصت کرنا تو دور کی بات اس کے قانونی ورثاء کے علاوہ کسی اور کے حوالے بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔

• تو تم فوراً ہی میری مدد کر سکتی ہو۔ میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ میرے دشمنوں نے یہاں مجھے پھنسایا ہے۔

وہ ٹھٹک کر مجھے دیکھنے لگی جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو۔ یہ عمارت ایک وسیع احاطے کے وسط میں واقع ہے اور باہر … محافظوں کا گشت جاری رہتا ہے تاکہ کوئی پاگل فرار ہو کر شہر یا ملک کے لیے خطرہ نہ بن جائے۔ یہ محافظ تمہیں … دیں گے۔

• تو کیا سرکاری ہسپتال ہے؟

اس نے نفی میں جنبش دی۔ یہ نجی شفاخانہ ہے۔ اسے گورنمنٹ گرانٹ ضرور ملتی ہے مگر بیشتر اخراجات عطیات سے پورے ہوتے ہیں۔

• تو کم از کم مجھے اتنا ہی بتا دو کہ مجھے یہاں لانے والا کون ہے؟

• رجسٹر میں لانے والے کا نام ضرور درج ہوگا۔ میں چیف سے … دیکھنے کی کوشش کروں گی۔ اس نے خلوص دل سے کہا۔

• تو کیا رجسٹر بھی اسی کی تحویل میں رہتا ہے؟

یہاں بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں جن کے بارے میں … کبھی علم نہیں ہوتا۔ ہماری تنخواہ کا لالچ ہمیں یہاں روکے ہوئے ہے۔

• کھڑی کیوں ہو؟ بیٹھ جاؤ۔ میں تم سے تفصیل سے …

• میٹرن نے یہاں بیٹھے دیکھ لیا تو ساری نوکری … ایسے ہی باتیں کرتے رہے تو … زمین چلی جاؤں گی۔

• تمہیں میرے پاس کس نے بھیجا تھا؟

• کسی نے نہیں۔ خود ہی آ گئی تھی۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ … لگتے ہیں پاگلوں کو بڑے شوق سے بیدار کرتے آئی ہوں۔

• پھر تو تمہیں مایوسی ہوئی ہوگی؟

• حیرت کہہ سکتے ہو۔ وہ بولی۔ تم سے بات کرنے سے پہلے … سمجھتی تھی کہ شاید تم نے دیواروں وغیرہ سے ٹکریں مار کر اپنا حال …

• یہ ایک باکسر کا کمال ہے۔

• باکسر؟ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ تم شین مارکینڈ کے کسی ملازم کا ذکر تو نہیں کر رہے؟

• روسیلی میں خاصا مشہور ہے وہ۔ میں نے جواب دیا …

• میری بات کا جواب نہیں دیا تم نے۔ وہ … پوچھ بیٹھی … میں نے محسوس کیا کہ شین مارکینڈ کا نام آتے ہی اس کا … ہو گیا تھا۔

میں نے فوراً ہی صورت حال کا تجزیہ کر ڈالا۔ وہ لڑکی … سے واقف تھی بلکہ اس سے خوفزدہ بھی تھی اور … معلوم نہیں تھا کہ پاگل خانے میں کیوں اور کس نے پہنچایا تھا۔ لڑکی کے تیور بتا رہے تھے کہ اگر میں شین مارکینڈ سے اپنی دشمنی کا اعتراف کر لیتا تو شاید وہ … وہاں سے رخصت ہو جاتی اور میں کسی بھی صورت میں …

میرے لیے بہتر یہی تھا کہ اس لڑکی کے سامنے شین مارکینڈ سے دشمنی کی تردید کر دیتا اور پھر اسے باتوں میں الجھا کر مارکینڈ اور اس پاگل خانے کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔

اس لڑکی نے … قلیل ترین توقف کے بعد کہا۔ شین مارکینڈ کا نام میرے لیے اجنبی ہے۔ تم اس طرح اس کا نام لے رہی تھیں جیسے … کوئی خاص شخص ہو۔ کیا وہ بھی باکسر ہے؟

• شکر ہے کہ تم اس کے معتوب نہیں ہو ورنہ میرا تو خون خشک ہو گیا تھا۔ وہ اطمینان کا گہرا سانس لے کر بولی۔

• اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟

• وہ اس پاگل خانے کا سرپرست ہے اور سارے معاملات اسی کی مرضی سے طے پاتے ہیں۔ اس کے دشمنوں سے ہمدردی کر کے ہم کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ وہ بولی۔

• کیا وہ اپنے دشمنوں کو یہاں بھیجتا رہتا ہے؟

• کئی مریضوں کی رخصت یا پراسرار روپوشی کے بعد ہمیں علم ہوا کہ وہ مارکینڈ کے دشمنوں میں سے تھے۔ وہ بہت خونخوار آدمی ہے۔

• کھلاڑی تو عام طور پر بڑے صلح پسند ہوتے ہیں۔

• تو وہ کھلاڑی کب ہے؟

• تم ہی نے تو کہا تھا کہ وہ باکسر ہے۔

• باکسر؟ اس نے حقارت سے کہا۔ باکسنگ سے مجھے ویسے ہی وحشت ہوتی ہے۔ آدمی آدمی کو ادھیڑ کر رکھ دیتا ہے۔ اور شین مارکینڈ کی تو باکسنگ میں … سوار رہتا ہے۔

• وہ کیسے؟

• چھوڑو۔ کیوں اپنا دماغ خراب کر رہے ہو۔ وہ ٹالتے ہوئے بیٹھ گئی۔

• لڑکی، باکسر ہونے کے ساتھ ہی وہ اس ادارے کا بھی … اس وقت … اور پھر ہمارے پاس کوئی موضوع بھی تو نہیں ہے۔

• یہ بتاؤ کہ تم کس باکسر کے ہاتھوں زخمی ہوئے؟

• وہ تو … مذاق کہا تھا میں نے۔ میں نے کہنی کے سہارے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔ دو لٹیروں میں پھنس گیا تھا۔ ان میں سے ایک … نکلا اور مار کر چند ہی سیکنڈ میں ناک آؤٹ کر دیا۔

• اسے … میرے … پر اس کی نگاہ … ٹھہر گئی۔

• معمولی چوٹ ہے۔ میں نے لاپروائی سے کہا۔ تم مجھے شین مارکینڈ کے بارے میں بتاؤ۔

• اس کا کوئی … میں … زبان پر ہے۔

• مگر میں اس سرزمین کے لیے اجنبی ہوں۔ مقامی معاملات سے …

تفصیل کا میرا حق ہے۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

• اسے ہمیشہ سے ہی باکسنگ کا خبط تھا مگر وہ کبھی مقامی مقابلوں سے آگے کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ وہ بتانے لگی۔ چھ سات برس پہلے مقامی طور پر … کے بعد اس نے … چیمپئن سے ٹوکیو کے ایک اسٹیڈیم میں مقابلہ کیا اور تیسرے ہی راؤنڈ میں اسے ناک آؤٹ کر دیا جس کی وجہ سے اسے خاصی شہرت ملی۔ پھر اس نے یکے بعد دیگرے … کو شکست دی مگر بعد میں ایک شخص کا … اپنے جیتنے کی پوری رقم نہ ملنے کی وجہ سے باغی ہو گیا۔ اس نے ایک کانفرنس میں شین مارکینڈ کا … اور … کہ وہ … شکست قبول کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ … تحقیق کی گئی تو وہ درست ثابت ہوا۔ لہٰذا مارکینڈ سمیت … باکسنگ کی … کونسل نے بلیک لسٹ کر دیا۔ … شین مارکینڈ کے … وفادار ملازم ہیں۔

• واقعی بہت بڑا فراڈ ہے وہ۔

• یہی نہیں بلکہ اس مردود نے متعدد مقابلوں میں کامیابی کے بعد عالمی شہرت کے باکسروں کو بھی للکارنا شروع کر دیا تھا … میں شامل ہوتا تو جانتے ہو اس نے کسے چیلنج دیا تھا؟

• جارج فورمین؟

• نہیں۔ کیسئس کلے اس کا نشانہ تھا۔ اس وقت وہی عالمی چیمپئن تھا۔

• تو وہ مقابلہ نہیں ہوا؟

• ہوتا کیسے؟ … باکسنگ ایسوسی ایشن یا … باکسنگ کونسل کی فہرست … شین مارکینڈ … کلے نے شین مارکینڈ کے چیلنج کا کوئی جواب نہیں دیا۔ …

• قتل وغیرہ کا عادی معلوم ہوتا ہے۔

• مجھے تو اب یہ الجھن ہونے لگی ہے کہ تم اس پاگل خانے میں کیسے پہنچا دیے گئے۔ تم پر تو پاگل ہونے کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

• ان لٹیروں نے مار کر مجھے بے ہوش کر دیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ مجھے … اس حالت میں بے ہوش پا کر کسی نے مجھے پاگل ہی سمجھ لیا ہو۔

• یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

• کیوں؟

• پاگل پن کا فیصلہ تو بعد کی بات ہے۔ دیکھنے والے نے یہی دیکھا ہوگا کہ تم زخمی ہو۔ ایسی صورت میں اسے پولیس یا کسی ہسپتال سے رجوع کرنا چاہیے تھا جہاں تمہیں ابتدائی طبی امداد مل سکے۔ اس نے جرح کی۔

• ہو سکتا ہے کہ میرے ساتھ وہ واقعہ اسی پاگل خانے کے قریب … میں پیش آیا ہو اور اس نے مجھے … طبی امداد کے لیے ادھر … ہو۔

وہ کسی گہری سوچ میں … ایک … اپنے منہ میں ڈال کر دوسری طرف بڑھا دیا۔

"میرے جوتے چیونگم کیسے کے قابل نہیں ہیں؟" میں نے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ میں نے ایسی کون سی بات کہہ دی تھی جس پر تمہیں اتنی آزادی ملی ہے؟"

"اس عمارت کے قریب ڈیجاز میں کھیت ہی کھیت پھیلے ہوئے ہیں اور یہ پرو وسینز سے کم از کم تیس کلو میٹر دور واقع ہے لہٰذا یہ خیال ہی فضول ہے کہ قریب ہونے کی وجہ سے تم یہاں لائے گئے۔" وہ کہنے لگی۔ "پھر اگر تم طبی امداد کے لیے لائے گئے ہوتے تو تمہاری مرہم پٹی کہیں اور کی جا سکتی تھی اس لیے اصل بات یہ ہے کہ تمہیں یہاں چھپا دیا جائے۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"کچھ بھی نہیں۔" وہ شانے اچکا کر عجیب سی ہنسی ہنسی۔ "میرے فرائض کچھ اور ہیں [illegible] ہدایات والا چارٹ دیکھے بغیر میں کوئی رائے ظاہر نہیں کر سکتی۔"

"تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا؟"

"مجھے سوزی کہتے ہیں۔"

"بڑا مختصر اور خوب صورت نام ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ بتانے کے لیے کہ تم خاصی نرم دل اور کچھ کچھ معصوم بھی ہو۔ مجھے امید ہے کہ اس جگہ سے نکلنے میں تم میری مدد کر سکو گی۔"

"چند دن رات والی نرس نے تمہارے سر میں جو پٹی باندھی تھی اس کی [illegible] پہلے تمہاری ڈریسنگ روز کرائی جاتی تھی اس کے بعد میں باقی باتوں پر بات کر سکوں گی۔"

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور وہ چلی گئی۔

سوزی سے بات آگے بڑھانے کے لیے میں نے شین مارکیٹ سے اپنی ناواقفیت کا اظہار تو کر ہی ڈالا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ اس سے یہ بات زیادہ دیر تک اس سے چھپی نہ رہ سکے گی۔

سوزی سے گفتگو کے بعد یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ میری رہائی کے لیے شین مارکیٹ کی قیام گاہ پر کیا جانے والا حملہ ناکام ہو چکا تھا اور میں بدستور شین مارکیٹ کی ہی قید میں تھا۔

اس نے پولیس کی حراست سے مجھے اپنی ضمانت پر رہا کرایا تھا اور اپنی ضامن کی حیثیت کو وہ جس طرح چاہے اپنا ذاتی قیدی بنانا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے اپنی رہائش گاہ پر مصنوعی حملہ اور مجھے اغوا کا منصوبہ بنایا تھا مگر میرے ساتھیوں کے ناکام حملے نے اس کا کام اور آسان کر دیا تھا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ شین مارکیٹ نے مجھے پاگل خانے کے حفاظتی حصار میں پہنچانے کے بعد پولیس کو بھی اطلاع دی ہوگی کہ مسلح افراد کی ایک بھاری تعداد اس کے مکان پر حملہ آور ہوئی اور ان میں سے کچھ مجھے اغوا کر کے لے گئے۔

شین مارکیٹ جیسے شخص کے لیے پولیس کا کام آسان تھا اور مختصر سے عرصے میں اس کے بارے میں جو معلومات میرے سامنے آئی تھیں ان کی روشنی میں اسے ذرا سی [illegible] کے لیے ایسا مشکل تھا کہ مجھے [illegible] پیوستہ [illegible] سکتا تھا۔

شین مارکیٹ کی قیام گاہ کو [illegible] کی صورت میں مجھے اپنا ایسا ہمدرد میسر آ گیا تھا جو اس اجنبی سرزمین پر میرے لیے [illegible] وسیلہ اور رابطہ تھا مگر شین مارکیٹ نے مجھے پاگل خانے میں قید کر کے وہ رابطہ بھی ختم کر دیا تھا۔

میں ابھی سوچ بچار میں غلطاں تھا کہ سوزی ایک ٹرالی [illegible] میرے کمرے میں آ پہنچی۔ دواؤں کی ٹرالی کو میرے بستر کے [illegible] ڈریسنگ کے لیے زخموں اور چوٹوں کا جائزہ لینے لگی۔ میں نے اس دوران سوزی سے آنکھیں چار کرنا چاہیں مگر وہ مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر دوسری طرف گھوم گئی۔

میں نے اس مختصر سے وقفے میں اس کے چہرے پر [illegible] کی علامات دیکھیں۔ شاید اسے [illegible] کے ذریعے یہ معلوم ہو گیا کہ میری رہائی [illegible] میں شین مارکیٹ کا بھی ہاتھ تھا اور [illegible] کی وحشت اسے مجھ سے اجنبیت اختیار کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

ڈریسنگ کے بعد [illegible] مرہم پٹی کرتا رہا۔ اس دوران سوزی اس کی مدد کرتی رہی لیکن ایک بار بھی میری طرف متوجہ ہونے کی کوشش نہیں کی [illegible] آخر بار ڈھٹائی اختیار کرتے ہوئے اس سے اپنی تکلیف کے [illegible] سوالات بھی کیے مگر ہر بار اس نے مختصر [illegible] انداز میں [illegible] کر کے مجھے خاموش کر دیا۔

زخموں کی صفائی اور ڈریسنگ کے بعد میں نے [illegible] کیا اور کمرے سے باہر نکلنے کے امکانات کا جائزہ لینے لگا۔

میرے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور مجھے کمرے سے [illegible] نکلنے کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں دی گئی تھی لہٰذا میں بستر سے اتر گیا۔

باہر آ کر میں نے خود کو ایک کشادہ راہداری میں موجود پایا جس میں ایک طرف ٹھوس دیوار تھی جب کہ دوسری طرف کمروں کے [illegible] دروازے کمروں کی نشان دہی کر رہے تھے۔ راہداری کے اختتام پر [illegible] والا آہنی دروازہ تھا جو دور ہی سے مقفل نظر آ رہا تھا۔ [illegible] سکتا تھا مگر راہداری سے نکلنے کی کوئی [illegible] نہیں تھی۔

[illegible] وہاں [illegible] کے دروازے کے بعد [illegible] تقسیم [illegible] میدان پھیلا ہوا تھا۔ میدان کے آخری سرے پر [illegible] پھیلی ہوئی تھی۔

میں نے چند دن کے کمروں کا جائزہ لینا چاہا تو [illegible] کمروں کے دروازے [illegible] اور کھڑکیوں پر شیشے کی جگہ مضبوط آہنی جالیاں لگی ہوئی تھیں [illegible] کوئی بیمار [illegible] توڑ کر خود کو نقصان نہ پہنچا سکے۔

میں راہداری کے مقفل آہنی دروازے کے قریب فرش پر بیٹھ گیا اور [illegible] نظروں سے باہر کا جائزہ لینے لگا مگر مزید [illegible] مجھے زیادہ دیر وہاں رکنے نہ دیا اور میں تھکا ہارا اپنے کمرے میں واپس چلا آیا۔

دوپہر کے قریب سوزی میرے لیے دوپہر کا کھانا لے کر آئی تو بہت زیادہ [illegible] تھی۔ ٹرے میز پر رکھتے ہوئے وہ [illegible] آواز میں بولی۔ "میں نے تم سے جو کچھ باتیں کی تھیں انہیں بھول جاؤ۔ کسی کو کانوں کان بھی خبر ہو گئی تو [illegible]"

"تم [illegible]" میں نے [illegible] کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "بتاؤ کہ تمہاری [illegible] ہوئی یا نہیں؟"

"مجھے کچھ معلوم نہیں۔" وہ کرب آلود لہجے میں بولی۔ "آئندہ تم مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کرو گے!"

"مجھے ڈرنے کی ضرورت نہیں سوزی!" میں نے کہنا چاہا لیکن اس نے میری بات درمیان میں ہی کاٹ دی اور تڑپ کر بولی۔

"میرا نام [illegible] نرس ہی نہیں صرف نرس!" وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوئی پھر بولی۔ "صرف آج کا دن اور ہے۔ کل میں اپنا تبادلہ کسی اور وارڈ میں کرا لوں گی۔"

"آخر وجہ کیا ہے؟"

"وجہ پوچھ رہے ہو [illegible] جہنم میں ڈالو اسے [illegible] کھانا ختم کرو تاکہ میں برتن واپس لے جاؤں!" اس نے بے چینی سے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

"تم اپنا تبادلہ کراؤ گی اور [illegible] کرو گی سوزی!" میں نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد گمبھیر لہجے میں کہا۔

"تم [illegible] ہو۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے ملامت آمیز لہجے میں بولی۔

"میں تمہارا ہی خیر خواہ ہوں سوزی!" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "[illegible] مجھے تمہارے تعاون کی ضرورت ہے!"

"میں کچھ نہیں کر سکتی۔" اس نے [illegible] لہجے میں کہا۔ "مجھے پہلے ہی علم ہو جاتا کہ شین مارکیٹ سے تمہارا کوئی تعلق ہے تو بات [illegible] ہوتی!"

"میرا کیا تعلق ہے اس سے؟"

"کچھ بھی ہو مجھے اس سے مطلب نہیں مگر میں [illegible] اس طرف کا [illegible] کروں گی۔" وہ خوف [illegible] بری طرح [illegible] ہوئی تھی۔

"اگر تم نے میری ہدایات سے روگردانی کی تو میں اس پاگل خانے [illegible] ایک [illegible] کو وہ تمام باتیں [illegible] جو تم نے مجھے بتائی [illegible] آخری [illegible] داؤ پر لگا دیا اور اگر تم مجھ سے تعاون کرتی رہیں تو تمہاری کہی ہوئی ہر بات ہمیشہ کے لیے میرے سینے میں ہی دفن رہے گی۔"

وہ چند ثانیوں تک [illegible] اور ملے جلے احساسات کے تحت مجھے گھورتی رہی پھر اس کی [illegible] کے عقب میں آنسو لرزنے لگے۔ "تم سنگ دل اور مکار ہو۔" وہ بولی تو اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ "غلطی میری ہی ہے کہ بے سوچے سمجھے تمہارے سامنے زبان کھول بیٹھی!"

"وہ تمہاری غلطی نہیں بلکہ میری خوش نصیبی تھی!"

"پھر اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"صرف معلومات!" میں نے کہا۔ "تمہیں کس طرح یہ پتا چلا کہ میرا اس [illegible] سے بھی کوئی تعلق ہے؟"

"رجسٹر میں تمہاری آمد کا کوئی اندراج نہیں ہے۔" وہ [illegible] کے ساتھ بتانے لگی۔ "مگر یہ پتا چلا ہے کہ شین مارکیٹ تمہیں لاوارث پاگل بنا کر یہاں لایا تھا۔"

"بڑا عجیب اتفاق ہے کہ مجھے [illegible] ہاتھ سے [illegible] والا وہ خود تھا!"

"اب زیادہ صفائی پیش نہ کرو۔ مجھے پتا چل چکا ہے کہ تم اب تک مجھ سے جھوٹ بولتے رہے ہو۔ تمہاری شین مارکیٹ سے پرانی دشمنی معلوم ہوتی ہے۔"

"پرانی دشمنی! میں نہیں [illegible] میرے لیے تو اس کا نام تک نیا تھا۔ پہلی بار تمہاری زبان سے اس [illegible] کا تذکرہ سنا تھا۔"

"تمہیں جو پوچھنا تھا وہ پوچھ چکے اب برتن خالی کرو تاکہ میں یہاں سے جاؤں!"

"میرے علاج کے بارے میں تمہیں کیا ہدایات ملی ہیں؟" میں نے پہلا لقمہ لیتے ہوئے اس سے اگلا سوال کیا۔

"کچھ نہیں [illegible] تمہاری میڈیکل فائل بنائی گئی ہے۔" اس نے انکشاف کیا۔ "تمہاری ڈریسنگ بھی میں نے اپنے طور پر کر دی ورنہ مجھے صرف کھانا پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے۔"

"رات کا کھانا کب لاؤ گی؟"

"وہ دوسری نرس ہوگی۔" وہ اپنی دست واچ دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں دو گھنٹے بعد چھٹی کر لوں گی۔"

"برابر والے کمروں میں کون لوگ مقیم ہیں؟"

"سب کے سب [illegible] پاگل ہیں اگر انھیں [illegible] گھنٹے بے ہوش نہ رکھا جائے تو [illegible] آنے والی ہر چیز کو تہس نہس کر ڈالیں۔"

"پھر تو مجھے اپنا کمرہ مقفل رکھنا چاہیے!"

"اس کی ضرورت نہیں [illegible] کمروں کے دروازے نہیں کھل سکتے!"

"تمہارے آنے کا راستہ کون سا ہے؟ راہداری کے اختتام پر تو"

میدان پھیلا ہوا ہے؟" میں نے فوری خیال کے تحت آخری سوال کیا۔
"یہ ایک بلاک کا آخری حصہ ہے تم تک آنے کے لیے مجھے ان ہی میں سے ایک کمرے میں سے گزرنا پڑتا ہے!"
میں کھانے سے فارغ ہو چکا تھا لہٰذا وہ برتن سمیٹ کر واپس چلی گئی۔
اس عمارت کے نزدیکی اور دور افتادہ حصوں سے مسلسل پاگلوں کی کرب اور وحشت میں ڈوبی ہوئی چیخوں کا شور گونجتا رہا۔ ایک چیخ ڈوبنے کے بعد کچھ دیر کے لیے فضا پر سکوت طاری ہوتا پھر اچانک کسی اور سمت میں شور پیدا ہو جاتا۔
تنہائی، ماحول کی خرابی اور زندگی کی لطافت سے محروم پاگلوں کی ہیبت ناک چیخ و پکار سے جلد ہی میرا دل اوبنے لگا اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ اگر مجھے مسلسل چند روز اسی طرح گزارنے پڑ گئے تو شاید میری آوازیں بھی اس شور میں شامل ہو جائیں گی۔
شام والی نرس کو بھی میں نے اس وقت دیکھا جب وہ میرے لیے کھانا لائی۔ وہ نہ صرف ادھیڑ عمر اور بے رونق تھی بلکہ ترش زبان کے علاوہ کچھ اور نہیں جانتی تھی۔ رات والی نرس اپنی صورت اور خدوخال کے اعتبار سے خاصی دلکش تھی مگر زبان کے معاملے میں قطعی مجبور تھی لہٰذا چند مسکراہٹوں اور اشاروں کے تبادلے کے بعد رات ساڑھے گیارہ بجے وہ بھی دروازہ مقفل کر کے چلی گئی۔
وہ رات میں نے نہایت کرب اور بے چینی کے عالم میں گزاری۔ اس وقت میں خود کو کسی ایسے کنویں کی تہہ میں قید محسوس کر رہا تھا جس کے دہانے پر زہریلے ناگوں کا پہرہ ہو۔
اگلے دو روز مسلسل خوف کی کیفیت میں گزر گئے۔ جس وقت فضا پر سکوت ہوتا میرے ذہن میں اس وقت بھی پاگلوں کی کربناک چیخوں اور دیوانہ وار قہقہوں کی بازگشت گونجتی رہتی تھی۔ ان دو دنوں میں میرے زخموں کی حالت میں کافی افاقہ ہوا تھا اور میں اپنے جبڑوں کی مدد سے کچھ نرم غذا کھانے کے قابل ہو چکا تھا مگر سوپ کا رو بہ میرے لیے ناقابل فہم تھی۔ وہ جتنی دیر میرے پاس رکی رہتی مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ نادیدہ شیطانی سایوں سے خوف زدہ ہو۔
مجھے کوئی نئی بات بھی معلوم نہیں ہوئی مجھے یہ اندازہ لگانے میں کوئی کامیابی نہ ہوسکی کہ میرے معاملے میں وہ واقعی بے خبر تھی یا دیدہ و دانستہ میرے سامنے اپنی لاعلمی کا اظہار کرتی تھی مگر اس رویے کے باوجود پاگل خانے کی چار دیواری میں میرے لیے سوپ کا دم غنیمت تھا یہ اسی کی دیکھ بھال اور دلچسپی کا نتیجہ تھا کہ دو تین روز میں ہی مجھے اپنی تکالیف سے بڑی حد تک نجات مل گئی تھی اور چہرہ میرے کہے بغیر بلاناغہ میرے لیے بازار سے سگریٹ اور پھل وغیرہ بھی لانے لگی تھی یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ مجھ سے بدظن ہو گئے

کے باوجود خالف ہوا اور اپنی مرضی کے خلاف میری راہ میں رکاوٹ بننے کی کوشش کر رہی ہو۔
چوتھے روز شام کے وقت میں اس وقت شدید رو پڑا جب اچانک شین مارکیڈو میرے سامنے آموجود ہوا۔
اس کے ہاتھوں کے گرفتے میں سگار دبا ہوا تھا اور چہرے پر ایسی مضحکہ خیز مسکراہٹ، نقصان تھی کہ بہری تبدیلی بیگ میں نفرت اور تمسخر ملی ہوئی نظروں سے اسے گھورنے لگا۔
"تمہارے جبڑے کیسے ہیں؟" اس نے تمسخر آمیز لہجے میں گھورتے ہوئے سوال کیا۔
"مجھے یہاں کیوں رکھا گیا ہے؟" میں نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔
"عبرت کے لیے!" وہ سگار کا کش لے کر دھواں خاص انداز میں فضا میں بکھیرتے ہوئے بولا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم ساری عمر یہیں بیٹھے رہو۔"
"مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
"لوگ بہتر تربیت سے مطالبات ہو سکتے تھے! اس نے خوش مزاجی سے داہنی آنکھ دباتے ہوئے کہا۔ "ویسے تمہارے جانبازوں کی تعداد یہاں بھی خاصی ہے!"
میں نے بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کیا کیونکہ اس کی طاقت نمیں مارکیڈو سے الجھنا بدترین انجام کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔
"کن جاننے والوں کی بات کر رہے ہو؟"
"انھوں نے میرے مکان کی تمام بیرونی دیواریں آرائش بنا دیں وہ سفید اور سخت لہجے میں بولا۔ "تمام دیواروں کا پلاسٹر اور روغن تباہ ہو گیا، کھڑکیوں کے شیشے بھی بکھر کر رہ گئے۔"
"پتہ نہیں تم کیا بک رہے ہو!"
"بکو نہیں، ٹھیک فرمار ہے ہو برخوردار۔" وہ زہریلے لہجے میں بولا۔ "اس روز تمہیں چھڑانے جانے کے لیے میرے مکان پر حملہ ہوا تھا، وہ تو تمہارا ہی منصوبہ تھا۔ میں کی آڑ میں دو آدمی زخمی حالت میں تمہیں وہاں پہنچانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔"
"خاصے معقول منصوبہ ہیں۔" وہ ہنسا۔ "مجھے تو ایسے آدمیوں کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی اور تمہارے دو جانباز تو مفت مارے گئے۔"
"کون مارے گئے؟" میں نے اضطراری طور پر سوال کیا۔
"ماراتھا محبت نے کوشش۔" وہ قہقہہ مار کر بولا۔ "آدمی ماہر نشانچی سے کام نہ لیتے تو انھوں نے ایک ... جو بنا کر دھوپ کے بعد استعمال ہونے سے نہ صرف ان کے گئے بلکہ وہ سب مکان کو بھی اڑا لے گئے تھے۔"
"مجھے نہیں معلوم کہ وہ کون لوگ تھے۔ اگر وہ واقعی مجھے

تمہارے تم تو بچ ان دونوں کی موت پر تو کچھ بنا ہے!"
"جانتے ہو ان کا تعلق کس تنظیم سے تھا؟"
"یہ انکشاف تم ہی کرو تو بہتر ہے!"
"دونوں ہی مغالطے تھے، نالی باقی کچھ تھے اور ان کا تعلق بیگ سے تھا یعنی جیم میں فلسطینیوں کی تنظیم کر رہے ہیں ان کی بیٹی پٹی!"
"میں بہت معمولی آدمی ہوں مسٹر مارکیڈو!" میں نے سنجیدگی سے کہا "تیسری تنظیموں سے میرا کوئی واسطہ نہیں میرے بارے میں تم کسی غلط فہمی کا شکار معلوم ہوتے ہو۔"
"میرے لیے تمہاری کہانی ابھی تک ادھوری ہے!" اس نے بتائی پر بیٹھتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تم پیرس سے برسلز کیوں آئے تھے؟"
"فرانس میں پولیس میری تلاش میں تھی!" میں نے کہا۔ "مینکوفرن نے بعدی معاوضے کے بدلے شناخت سرحد عبور کرانے کی ذمہ داری لی تھی مگر جب وہ الاؤنس سے اس کا جھگڑا ہو گیا تب مجھے علم ہوا کہ وہ دونوں ہی مجھے مادام بولاری کا قیدی بنانے کے چکر میں تھے۔ ان میں سے ہر ایک اس کامیابی کو صرف اپنے سر باندھنے کے چکر میں تھا!"
"لہٰذا تم نے ان دونوں کو مروا دیا!" میرے شانوں کو تھپکتے ہوئے اس نے گھور کر کہا۔
"میرے انکار سے کوئی فرق نہیں پڑتا!"
"پولیس کو پورا یقین ہے کہ ان دونوں کو تم ہی نے ہلاک کیا تھا لہٰذا مجھے چھوڑ کر جیم میں پولیس سے نہیں بچ سکو گے لیکن میرے احکام پر عمل کرو گے تو برسلز میں بے فکری اور عیاشی کی زندگی بسر کر سکو گے!"
"اس پاگل خانے سے نکلنے کے لیے میں سب کچھ کرنے کے لیے تیار تھا!" میں نے آگے ہو کر پوچھ لیا۔ "میں نے کہا۔
"تم برسلز میں ایک عام شہری کی طرح زندگی گزارو گے اور اگر میری جانب سے کوئی ہدایت ملی تو اس پر پوری طرح عمل کرو گے!"
"کیسی ہدایت؟"
"کچھ بھی ہو سکتی ہے!"
"پولیس سے میں کیسے بچ سکوں گا؟"
"فرانس میں تمہاری تلاش مجھ سے کی تراش خراش اور لباس بدلنے کے بعد تمہاری شناخت خاصی مشکل ہو جائے گی۔ آنکھوں پر لگائے کونٹیکٹ لینس لگانے کے سیاہ پتلیاں بھی نظر آئیں گی اور سنہری بالوں والے تو ایک بار فرشتے بھی دھوکا کھا جائیں گے!"
"میرے اخراجات کہاں سے پورے ہوں گے؟"
"میں تمہیں کریڈٹ کارڈ دکھا کر تمہارا تعارف ایک خیر

تم ہر طرح مکمل کر سکو گے مگر یہ یاد رکھنا کہ میرے آدمی ہر قدم پر تمہاری نگرانی کریں گے۔" مہربان کے منہ سے اس کا لہجہ تیکھا ہو گیا۔ "اور اگر تم نے میرے اعتماد کو دھوکا دینے کی کوشش کی یا ماردھاڑ سے فرار کی کوشش کی تو میرے آدمی بے دریغ تمہیں گولی مار دیں گے اور کسی میں جرات نہ ہوگی کہ ان کے خلاف گواہی دے کہ اپنی موت کو دعوت دے!"
"آخر تم مجھ سے چاہتے کیا ہو؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔
"تمہیں عیاشی کرانی چاہتا ہوں!" وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "میرے آدمی نہ صرف تمہاری نگرانی کریں گے بلکہ تمہیں تحفظ بھی فراہم کریں گے!"
"اور میری نقل و حرکت پر کوئی پابندی نہ ہوگی!"
"برسلز کی حدود میں کوئی نہیں۔" وہ بولا۔ "چاہو تو میرے گھر بھی آ سکتے ہو!"
"اور اگر میرے خود ساختہ محافظوں میں سے کوئی مجھ سے ٹکرا گیا؟"
"وہی تمہارے امتحان کی گھڑی ہوگی۔ یہ یاد رکھنا کہ میری نگاہوں سے بچنے کی کوشش میں تمہیں اپنی جان گنوانی پڑے گی!"
"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہاری پیشکش کو کیا سمجھوں!" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔ "ایک طرف تم نے مجھے اپنے قبضے میں رکھنے کے لیے دو آدمی مار ڈالے اور اب مجھے آزادی کی پیشکش کر رہے ہو جیسے برسلز کے چپے چپے پر تمہارے آدمی مامور ہوں!"
"کوئی تمہاری الجھنوں سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہے۔" وہ گہری مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔
"اور تم اس کے ماتحت ہو؟" میں نے سوال کیا۔
"شین مارکیڈو میرکیس یا کسی کا حکم نہیں مانتا۔" وہ پُرغرور لہجے میں بولا۔ "وہ فراواں مادام بولاری مجھ پر اتنی مہربان کیوں ہے؟"
"وقت آیا تو وہ تمہارے بدن پر جونکیں لگا کر خون کا آخری قطرہ بھی کھینچ لے گی۔"
"کھلی فضا میں وہ بھی یہ وضاحت کر لوں گا۔ یہ بتاؤ کہ یہاں سے کب نجات ملے گی؟" میں نے اپنے خوف کا اظہار کیے بغیر گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔
"ابھی لیے چلتا ہوں!" اس نے کہا اور ایک جھٹکے سے تپائی چھوڑ دی۔
میں اس کے پیچھے باہر نکلا تو راہ داری میں ایک اور شخص موجود نظر آیا جو شین مارکیڈو کے ساتھ ہولیا۔ اس کے شانوں سے دو چرمی ہولسٹر جھول رہے تھے جو اپنے انداز سے وہ شین مارکیڈو کا محافظ معلوم ہوتا تھا۔ وہ دونوں کر سے پتھریلے والے آواز جوتوں سے کمرے کے سامنے میرے برابر والے کمرے میں سے گزرتے چلے گئے۔

پھر شین مارکیڈ ہسپتال کے جس حصے سے گزرا وہاں ڈاکٹروں سے نرسوں تک سب ہی نے اسے تعظیم دی۔

اور جب ہم اس عمارت سے باہر آئے تو شین مارکیڈ کی سفید کار ہماری منتظر تھی۔ محافظ نے ڈرائیور کے برابر والی نشست سنبھالی اور میں مارکیڈ کے ساتھ پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔

مکان پر ہمارا استقبال کرنے والا بل تھا۔ اسے دیکھتے ہی میرا چہرہ کھل گیا۔ شاید باہر سے واپسی پر شین مارکیڈ کو خوش آمدید کہنا اس کی ذمہ داری تھی کیونکہ حوالات سے ضمانت پر رہائی کے بعد جب میں وہاں پہنچا تھا تو اس مرتبہ بھی بل نے برآمدے میں اپنے آقا کا استقبال کیا تھا۔

شین مارکیڈ نے برآمدے ہی میں رک کر ترچھی زبان میں بل کو جلدی جلدی کچھ ہدایات دیں اور مجھ سے کچھ کہے بغیر اندر گھستا چلا گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس عمارت میں پہنچنے کے بعد اس کے رویے میں ایک سرد مہری اور اجنبیت سی پیدا ہو گئی تھی۔ شاید اپنا تشخص برقرار قائم رکھنے کے لیے وہ گھر میں اکھڑ مزاجی کے مظاہرے کا عادی ہو گیا تھا۔

شین مارکیڈ کے جانے کے بعد میرے قدم بھی غیر ارادی طور پر اس کی تقلید میں اٹھے تھے مگر بل نے بازو تھام کر مجھے روک لیا۔

"ادھر نہیں، آمریت کے لیے میری تحویل میں دیئے گئے ہو۔" بل نے میرے کان میں سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"پہلے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ کسی محفوظ گوشے میں چلو۔" میں نے رازدارانہ سرگوشی کی۔

"ڈرائینگ ہال میں تم بے فکری سے بات کر سکو گے۔" اس نے میرے شانے پر ہاتھ مار کر کہا اور مجھے لے کر ایک طرف چل دیا۔

ڈرائینگ ہال کی طرف جاتے ہوئے راستے میں میرے قدم ایک جگہ رک سے گئے تھے تو وہ بھی ایک وسیع ہال ہی تھا مگر اس کا حلیہ باکسنگ کے پریکٹس رنگ سے مشابہ تھا۔ چھت میں نصب آہنی کنڈوں سے ورزش کی مختلف وزن کی بوریاں اس طرح لٹک رہی تھیں کہ ان کی بلندی حسب خواہش تبدیل کی جا سکتی تھی۔ ایک کونے میں موٹے موٹے رسوں کے درمیان اسٹیج کا گدا پڑا ہوا تھا دوسری طرف جمناسٹک کی مشقوں کے لیے چند چھوٹے فریم نصب تھے۔

"آگے بڑھو۔" بل نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا "یہ وہ مقام ہے جہاں باس بھرپور انداز میں اپنی جسمانی تسکین پہنچانے کے لیے خونریزی کا کوٹا کٹ آؤٹ کرتا ہے!"

"یقین نہیں آتا کہ شین مارکیڈ جیسا آدمی باکسنگ کے معاملے میں اس قدر سنجیدگی رکھتا ہو گا۔"

چند منٹ بعد ہم دونوں ڈرائینگ ہال میں داخل ہو گئے جہاں چاروں طرف طبع ساخت سے بھری ہوئی دیوار گیر الماریاں موجود تھیں۔

ایک طرف قد آدم آئینے کے سامنے ڈریسنگ ٹیبل جیسی چیز تھی جس میں بہت سے برقی آلات نصب تھے۔

بل نے مجھے ایک کرسی پر بٹھا کر میرے سینے پر تولیا ڈالا اور میرے چہرے پر شیونگ کریم لگاتے ہوئے بولا "آج تو بڑے دنوں بعد، کہاں تھے تم؟ حلیہ بالکل بدلا ہوا ہے۔" میں نے کہا "یہ تو بتاؤ کہ اس رات کیا ہوا تھا؟"

"وہ لوگ تم تک پہنچنے میں تو کامیاب نہ ہو سکے مگر دو آدمی ضرور مارے گئے!"

"شین مارکیڈ نے بتایا تھا۔ بڑا افسوس ہوا سن کر۔"

"افسوس ہوا، کس بات کا؟" بل نے حیرت سے پوچھا۔

"ملازم بریگیڈ کے دو اراکین میری وجہ سے موت کا شکار ہو گئے!"

"یہ کس نے کہا؟" وہ مسکرا کر بولا "وہ سب تو بھنگ کے استعمال کے بعد حالت میں نکلے مگر مارکیڈ کے دو آدمی کام آئے۔ ادھر ادھر بھیجنے پر ... اور ذرا دلچسپ لہجے میں بولا "ایک کرد سپاہی صاف بچ کر ... نے تو گولی مار دی تھی!"

"بہت اچھا ہے وہ مرا آزاد ہو۔" میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ "مجھے اس کی کہانی سن کر افسوس تھا۔ ویسے غلط آدمی تھا، واقعی ریڈ بریگیڈ کے اراکین تھے!"

بل نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی ... "فلسطینی افواج آزادی کے مفادات کی بھی دیکھ بھال کرتے ہیں!"

"تم شین مارکیڈ کے ساتھ کب سے ہو؟"

"سات برس ہو گئے۔" وہ شفقت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا "شین مارکیڈ سے ہماری دوستی ... ایک گینگ کا ایک ... مارا تھا جس پر بعد میں مجھے نااہل قرار دے دیا گیا اور مجھے شین مارکیڈ کی ملازمت کرنی پڑ گئی۔"

"تو تم بھی باکسر ہو؟"

"شین مارکیڈ سے لڑنے سے ایک سال قبل میں ... چیمپئن تھا۔" اس نے فخریہ لہجے میں کہا۔

پھر میں نے بل کو ان باتوں سے آگاہ کیا جو شین مارکیڈ نے مجھے تنظیم آزادی کے بارے میں بتائی تھیں۔ وہ میری ... انداز میں سنتا رہا اور جس ہی میں خاموش ہوا اس نے خود ہی ... گولیاں بکنی شروع کر دیں۔

"کس بات پر جل رہے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ تمہارے ساتھ ... کھیل کھیل رہا ہے۔" بل نے ... "ہر فلسطینی تنظیم کا صرف ایک عہدیدار موجود ہے ... رابطہ بھی رکھتا ہے۔ اس کی زبانی ہمیں تمہاری اہمیت کا علم ہو چکا ہے اور اس نے ایک خبر بھی دی تھی کہ ..."

بات کرتے کرتے وہ چونک کر بولا۔

"کیا؟"

"پیرس میں عبدالعزیز نامی تمہارا کوئی دوست تھا!"

"ہاں۔ کیا ہوا اسے؟" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ سوال کیا۔

"اس نے اپنی کنپٹی پر گولی مار کر خودکشی کر لی!"

"نہیں!" بل کے منہ سے یہ خبر سن کر مجھے اپنے دل پر گھونسا سا لگتا محسوس ہوا۔ وہ شخص اپنی تنظیم کے صف اول کے کارکنوں میں سے تھا اور اپنی تمام صلاحیتیں اس نے تنظیم ہی کے لیے وقف کی ہوئی تھیں۔ اس نے مختصر سی مدت ہی میں اپنے خلوص، شرافت اور ذہانت سے میرا دل جیت لیا تھا مگر پیرس سے میری نکاسی کے معاملے میں غلط ہو جانے پر اس نے ایک غلطی کی اور پھر خود ہی اپنے بڑوں کے سامنے اس کا اعتراف بھی کر لیا۔

اس کوتاہی کے نتیجے میں اس کی پوسٹنگ سابقہ اور تمام خدمات کے باوجود اسے تنظیم سے معطل کر دیا گیا تھا۔ جس روز وہ آخری بار مجھ سے رخصت ہو رہا تھا اس کی مایوسی دیکھ کر میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا اور وہ خود بھی اس غلطی کا صدمہ نہ جھیل سکا۔ میرے لیے اس کی خودکشی کی خبر دردناک ضرور تھی مگر اس کے کسی گوشے میں کسی طرح طمانیت کا ایک پہلو بھی پوشیدہ تھا جسے میں صرف محسوس کر رہا تھا مگر اس کی وضاحت میرے اختیار میں نہ تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے جس دلیری کے ساتھ اپنی جان دے کر اپنی کوتاہی کا ازالہ کرنے کی کوشش کی تھی میرے ذہن کے ایک وہی قابل تعریف ادا رہی ہو۔

عبدالعزیز مر گیا تھا مگر اس مخلص انسان سے سرزد ہونے والی ایک معمولی سی غلطی نے میری جدوجہد کے فاصلے طویل تر کر دیے تھے! حادثے کے ہر کاتب علی نقی نے عبدالعزیز کو شاہد تک پہنچایا! اور میں شاہد کے چنگل میں پھنس کر ایک بار نکلنے کے باوجود مادام بلاری کے گھیرے سے نجات نہ پا سکا تھا۔ فرانس کی سرحد عبور کرنے کے بعد بلجیم کی سرزمین پر میں اس کا باقاعدہ قیدی بن چکا تھا۔

اس وقت مجھے ابن حیان کی بیٹی الیزا بھی یاد آئی جس نے پہلی بار مجھے مادام بلاری کے ہولناک انتقام سے باخبر کیا تھا۔ مادام بلاری خود اس کی سگی ماں اور عذرا جو اس کی بیوی تھی جو ... کی علامت بنا ... آخری سانس لے رہی تھی مگر جب اسرائیلی ہیلی کاپٹر سے ابن حیان اور اس کے شوہر کے قاتل کے بارے میں بتایا تو اس کا دل رواں انتقام کی آگ سے سلگنے لگا۔ وہ خود تو جنم لے کر دنیا میں بے مثال شہرت پانے کے بعد ... تھا جس کی زندگی بستر ... تھی مگر دنیا میں اس کا نام پوری قوت کے ساتھ زندہ تھا اور مادام بلاری کی شکل میں اس کی بیٹی مادام بلاری بن کر الگ ... کاروبار کو کنٹرول کر رہی تھی۔

اس لڑکی کا وجود ایک راز تھا جو کبھی شاہد کی طرف اشارہ کرتا تھا اور کبھی کسی اور طرف لیکن میرا تجربہ یہ ثابت کر رہا تھا کہ وہ جو بھی تھی اس کے ہاتھ بہت دراز تھے اور قانون کے لیے اس کی حد تک وہ سرد مہری کرنا خاطر میں لائے بغیر اپنے شکار کو کہیں بھی اسیر کر سکتی تھی۔

جس خطرے کو ٹالنے کے لیے عبدالعزیز نے اپنی معطلی قبول کی اور پھر جان گنوائی وہ میرا مقدر بن کر سامنے آ چکا تھا اور میں ہسپتال سے ملنے کی آرزو کرتا ایک مرتبہ پھر اپنے بیٹے میں جانے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔

"کس سوچ میں کھو گئے؟" مجھے خاموش پا کر بل نے ریزر سنبھالتے ہوئے سوال کیا۔

"مجھے عبدالعزیز کی موت کا زندگی بھر افسوس رہے گا۔ اس کی خودکشی میں کسی حد تک میرا بھی ہاتھ ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ تو مر کر اس زندگی کے جھمیلوں سے آزاد ہو گیا مگر تم اپنی فکر کرو۔ تم خود بھی اس وقت زندگی اور موت کے دوراہے پر کھڑے ہو۔"

"ایسے حادثات کے بعد زندگی بے کیف لگنے لگتی ہے!"

"تم یہاں سے کب جاؤ گے؟" تھوڑے توقف کے بعد اس نے سوال کیا۔

"پتہ نہیں۔ اب تو میرا معاملہ شین مارکیڈ کی مرضی پر ہے۔" میں نے اداس لہجے میں کہا۔

"اگر تم نے یہیں دل چھوڑا تو پھر شاید یہ بتا میں بھی تمہاری کوئی مدد نہ کر سکے گی۔" اس نے میرا خط بناتے ہوئے کہا۔

"تم نے نیا منصوبہ سننے کے بعد گولیاں شروع کر دی تھیں؟"

"بالکل سچی باتیں ہیں۔" وہ منہ بنا کر بولا "اگر تم آسٹریا پہنچنے سے پہلے ہی جاؤ تو ان کے آدمی بھی تمہارا سراغ نہ لگا سکیں گے!"

"میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ آخر کس برتے پر مجھے اتنی حیرت سے دیکھ رہا ہے!"

"میں تمہیں یہ تو بتا رہا ہوں گا اگر دل مضبوط کر کے یہاں سے بھاگ نکلنے کی کوشش بھی کرو تو میرا خیال ہے کہ کامیابی ہی ہو گی۔"

"آزادی کے دو تین روز بعد ہی میں کسی نتیجے پر پہنچ سکوں گا۔"

بل باتیں کرتے ہوئے میرا خط بناتا رہا پھر اس نے میرا سوٹ کیس ڈھونڈ ڈالا۔ اسی کمرے میں آنکھوں کے لیے کانٹیکٹ لینس بھی موجود تھے جنہیں کئی مرتبہ کی کوشش کے بعد بل نے میری آنکھوں میں لگا دیا۔

تھوڑی سی ناقص حرکت کے نتیجے میں میری ایک آنکھ سے لینس نکل گیا تو بل نے دوسرا بھی واپس لے لیا "یہ کام تمہارے بس کا نہیں مجھ سے نہ ہو سکے گا۔"

اس کے بعد مجھے اسی کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں میں پچھلی بار ٹھہرا تھا۔

اگلی صبح مجھے سات بجے بیدار کر دیا گیا۔ میں تیار ہو کر نیچے کی بیرٹ پہنچا تو شین مارکیٹ وہیں منتظر تھا۔
"اس بریف کیس میں اتنی رقم ہے کہ ایک ماہ تک بجٹ کے علاوہ تمہاری تمام ضروریات بآسانی پوری ہو سکیں گی۔" اس نے میز پر ایک سیاہ بریف کیس میری طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔ "تم ناشتے کے بعد یہاں سے چلے جاؤ گے۔"
موسیقت بہتر تھا، میں نے کریڈٹ کارڈ کے بارے میں کچھ پوچھنے کے بجائے اس کی ہدایات سننے میں ہی عافیت سمجھی۔
"اور تم ادھر کا رخ بھی نہیں کرو گے نہ تم اس عمارت کے مکین میں کسی کو یاد رکھو گے۔" اس نے اگلا حکم صادر کیا۔
میں ناشتے سے فارغ ہوا تو وہ وقفے وقفے سے کئی بار ہدایات دے چکا تھا۔
اس کے ساتھ ہی ڈیوڈ شین مارکیٹ نے ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا اور میں بریف کیس سنبھال کر وہاں سے اٹھ گیا۔
شین مارکیٹ کے آدمی نے ایک ویگن میں مجھے برسلز کے مرکزی علاقے میں چھوڑ دیا جہاں پاس کہر آلود موسم میں سناٹا ہی تھا۔
ویگن کے نگاہ سے اوجھل ہو جانے کے بعد میں نے رسٹ واچ دیکھی تو وہ پونے آٹھ بجا رہی تھی۔ سڑکوں پر اتنی صبح سڑکیں ناپنے کے تصور ہی سے مجھے ہنسی آنے لگی مگر آزادی کے خیال نے فوراً ہی میرا غصہ سرد کر دیا۔
اس وقت کہر بھی گہری تھی کہ چند گز دور تک دیکھنا بھی ناممکنات میں سے تھا۔ میں نے فٹ پاتھ پر آگے پیچھے نظریں دوڑائیں مگر وہاں تا حد نظر کوئی شخص موجود نہیں تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ میری نگرانی نہیں کی جا رہی تھی اور اگر کوئی وہاں موجود بھی تھا تو اسے بآسانی جھکائی دیا جا سکتا تھا۔ یہ خیال آتے ہی میں نے اپنی گردن اوور کوٹ کے اٹھے ہوئے کالر میں دبکائی اور تیز قدموں سے آگے ہو لیا۔
پھر مجھے جو پہلا موڑ نظر آیا میں اسی پر گھوم گیا۔ اس کے بعد میں نے بعد دیگرے کئی اور گلیوں میں چکر لگاتا رہا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد ایک خوبصورت شاہراہ پر نکل آیا جہاں میں نے اپنی رفتار سست کر دی۔
اس جگہ کاروں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا مگر مجھے ان میں کوئی ایسا چہرہ نظر نہیں آیا جس پر شبہ کیا جا سکے۔
اسی سڑک پر کچھ دور ایک رہائشی ہوٹل نظر آیا اور میں اندر گھس گیا۔ وہاں کمرہ دینے کے لیے غیر ضروری سوالات نہیں کیے گئے جس کے نتیجے میں میں خوشگوار حرارت سے لپٹے ہوئے ایک کمرے میں جا پہنچا۔
وہ جگہ میری آزادی کا پہلا دن تھا جس میں تم اپنے کمرے میں شراب نوشی اور آرام کرنے کے بجائے گرم دریا تمام کر کے تھوڑی دیر بعد باہر نکلا اور ایک خوش ذوق بار میں گھس گیا۔ اپنی نظامت کے پیشِ نظر میں کرنٹ آیا۔ نصف طلاطت کی صحبت میسر آئی تو دل بھر کر خرد نے ایک بیگ دگنا شروع کر دیا اور میں کیف و سرور کی دنیا میں کھو تا چلا گیا۔
اس ہوٹل میں میں نے دو روز گزارے جو کسی الجھن کا حصہ بہت گئے۔ شین مارکیٹ نے جس کڑی نگرانی کی دھونس دی تھی اس کی تصدیق کا کوئی موقع میسر نہ آ سکا اور میں کھانے کی بیٹھک میں کچھ کا منصوبہ جنم لینے لگا۔
اس کی بہترین صورت یہی تھی کہ میں برسلز کے بازاروں میں پتلون پکڑنے کے بجائے نامزد شخص کے ساتھ کسی ساحلی مقام پر وقت گزارتا اور دوسری جانب سے کسی اور ذریعے کا راستہ اختیار کرتا۔
اس وقت مجھے اپنی ایک حماقت پر شدید غصہ آیا۔ گفتگو کرتے ہوئے فلسطینی افواجِ آزادی کے کسی ایجنٹ کا تذکرہ تھا جو ہمیشہ برسلز میں مقیم رہتا تھا مگر میں نے اس سے یہ نہیں کیا کہ تنظیم کے اس نمائندے سے کہاں اور کس طرح رابطہ ہو سکتا تھا۔ اگر مجھے بار میں اس کا فون نمبر مل جاتا تو میں کوئی خطرہ لیے بغیر اس سے تفصیلی بات کر سکتا تھا۔
تیسرے دن میں شام کے وقت باہر سے گھوم پھر کر واپس آیا تو تکان مٹانے کے لیے بار روم کی طرف ہو لیا تاکہ وہسکی سے اوور کوٹ سے سکون۔
اس وقت بار روم میں زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ وہ میزیں خالی تھیں اور کچھ لوگ کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کاؤنٹر پر ایک لڑکی موجود تھی جس کا عقب سے وہ خاصی پُرکشش نظر آ رہی تھی اور اس کے ایک طرف اسٹول بھی خالی تھا لہٰذا میں وہیں جا بیٹھا۔
اپنے پہلو میں آہٹ محسوس کر کے لڑکی نے میری طرف گھوم کر دیکھا اور میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ لڑکی کی بھی کچھ ایسی ہی کیفیت ہوئی کیونکہ وہ شاہدہ تھی۔
"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ اپنا گلاس کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے بولی۔
"تمہارے شہر میں ہی چھپا بیٹھا ہوں!" میں نے اس کے قریب سرک کر کہا۔ "یہ دنیا کتنی مختصر ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے بھٹک کر بھی یکجا ہو گئے۔"
"بھٹکنے کا تو پتہ نہیں" وہ دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "مجھ سے فرار ہو کر یہاں آ گئے تھے اور میں کچھ معلوم ہی نہیں کیا؟"
"جو شخص تمہیں میرے پاس لے گیا تھا اس نے خودکشی کر لی" "برسلز میں بہت سے لوگ خودکشی کرتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "مجھے بتاؤ اس نے کوئی نئی بات بتائی ہے؟"
"تم اب بھی مصر ہو کہ وہ تمہارے لیے اجنبی تھا؟" اس نے میرے بازو میں چٹکی لیتے ہوئے کہا۔
"اس سے فرق کیا پڑتا ہے؟" میں نے بار ٹینڈر کو اپنے لیے وہسکی کا ڈبل پیگ لانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کیا تم بھی اعتراف کرنے کے لیے چپکے چپکے تعاقب میں یہاں آئی ہو!"
"تعاقب!" وہ کھنکتی ہوئی آواز میں ہنس پڑی۔ "سچ پوچھو تو میں تمہیں بھول ہی چکی تھی۔"
"بھولنا ہی چاہیے۔" میں نے وہسکی کا چھوٹا سا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "آخر کس کس کو یاد رکھو گی! مگر یہ عجیب بات ہے کہ تم کو شراب نوشی کے لیے برسلز میں یہی بار پسند آیا۔"
"دنیا مختصر ہے نا۔" وہ اپنے بھیگے ہوئے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی۔ "اور پھر اس بار میں کون سی خاص بات ہے؟"
"میں اسی ہوٹل میں مقیم ہوں۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔
"یہ بڑی اچھی بات ہے مگر یہ بتاؤ کہ تم نے حلیہ کیا بنا رکھا ہے؟" وہ میری بڑھی ہوئی داڑھی اور مونچھوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔
"شناساؤں سے بچنے کی کوشش تھی مگر تم نے پھر بھی پہچان لیا۔"
"اگر مجھ سے اجنبیت کا اظہار کرتے تو شاید میں پیچھا چھوڑ دیتی۔"
"حسین چہروں سے بے رخی کا اظہار میرے بس سے باہر ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "کبھی سامنا آگیا تو میری تمنا کوئی تم جیسی طرحدار لڑکی ہی ہوگی۔"
"کیوں باتیں کرتے ہو۔" وہ اپنے گلاس سے لبوں کو تر کرتے ہوئے بولی۔ "تم تو پیرس سے جوتوں کی طرح دھیلے گئے۔"
"پیرس تو چودھری کی زینت ہی نہیں آئی تھی۔ شاید میرے شانے یہاں پامالی کر رہے ہیں۔" میں نے شوخ لہجے میں کہا۔ "تم کہاں ٹھہری ہوئی ہو؟"
"میرے ساتھ ہی چلو۔" اس نے پیشکش کی۔
"لیکن تمہارا پلنگ نہیں بنوں گا۔"
وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے چاندی کے ننھے ننھے گھنگھرو کھنک اٹھے ہوں۔ "وہ مجبوری تھی۔ اس بار تمہارے شانے واقعی عروج پر ہیں!"
"پھر اٹھو۔" میں نے اس کو سہارا دیتے ہوئے کہا۔ "یہاں وقت کیوں برباد کر رہی ہو۔ کچھ دیر میرا کمرہ بھی دیکھ لو۔"
میں نے کاؤنٹر پر بل ادا کیا اور اسے ساتھ لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔
اس وقت شاہدہ ایک انتہائی خوش مزاج اور فراخدل رفیقہ کے روپ میں تھی اور میں اس کے ہر فعل کا گہرا مشاہدہ کر رہا تھا تاکہ اس کے بارے میں اپنے شبہات کی کوئی تائید یا تردید کر سکوں لیکن میں اس کی حرکات و سکنات میں کوئی مشکوک نکتہ تلاش نہ کر سکا۔
مے نوشی کا دور میرے کمرے میں بھی چلتا رہا۔ جوں جوں نشہ بڑھتا گیا میری جرح جاری رہی اور شاہدہ بھی معترض نہ ہوئی۔ میری کوشش یہ تھی کہ وہ اس قدر پی جائے کہ اپنے ذہن پر قابو نہ رہے اور اس وقت میں مادام بوادی کا ذکر چھیڑوں مگر وہ لڑکی پینے کے باوجود خاصی ہشاش اور بلانوش تھی۔
شاید اسی لیے کہ وہ بہت آہستہ آہستہ شغل کر رہی تھی اور بلانوش اس لیے کہ چار بڑے پیگ معدے میں پہنچ جانے کے باوجود اس کی زبان پر لکنت یا گفتگو میں بے ربطی نہیں آئی تھی۔
شراب کا اشتعال دھیما اور لطیف تھا مگر جب شاہدہ نے اپنی خوشبوئیں بکھیرنا شروع کیں تو مجھ پر وحشیانہ اشتعال طاری ہونے لگا مگر وہ بھی کم سفاک نہیں تھی۔ شاید اسے بھی میری مدہوشی کا انتظار تھا اور جب دونوں کو ایک دوسرے کے بارے میں صحیح اندازہ ہو گیا تو شاہدہ نے سپر ڈال دی۔
وہ لڑکی جو کچھ بھی تھی اس کا دامن صاف نہیں تھا اگر وہ خود مادام بوادی کا کردار ادا نہیں کر رہی تھی تو اس کی نمائندگی ضرور کر رہی تھی۔ پیرس کے بعد برسلز میں اس کی موجودگی میرے لیے تشویش کا باعث تھی اور اس سے سامنا ہونے کے بعد مجھے شبہ ہونے لگا تھا کہ شین مارکیٹ کے آدمی واقعی میری نگرانی کر رہے تھے اور اسے میرے ٹھکانے کا علم تھا۔
مگر پھر یہی سوال پیدا ہوتا تھا کہ شاہدہ اور شین مارکیٹ یا بالفاظ دیگر مادام بوادی مجھ سے کیا چاہتی تھی؟
اب تک تو یہی ظاہر ہوا تھا کہ وہ لوگ مجھے ہلکان کر رہے تھے۔ شاہدہ سامنے آئی تو مجھے صورتحال کے بگڑنے کا اندیشہ ہوا مگر وہ میرے سامنے بالکل موم بن گئی اور میں وہ حسرت پوری کرنے میں کامیاب ہو گیا جو پیرس میں دل ہی دل میں دفن رہ گئی تھی۔
میں آزاد تھا۔ میرے پاس معقول رقم موجود تھی اور بہتر وقت کے لیے شاہدہ خود میرے پاس آ پہنچی تھی۔ ان میں سے کوئی پہلو ایسا نہیں تھا جو ناگوار یا خلاف منشا ہوتا۔

شاہدہ میرے کمرے میں سوئی ہوئی تھی اور میں سگریٹ پھونک پھونک کر اپنے مستقبل کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔

تین روز میں وہ میرا پہلا فون تھا۔

"مسٹر شیلر؟" ریسیور اٹھاتے ہی ایک استفسار طلب مردانہ آواز میرے کانوں میں آئی۔

"بول رہا ہوں۔" میں نے اپنے نئے نام کے حوالے سے کہا۔

"فوراً لیما ڈرگ اسٹور پہنچو جو تمہارے ہوٹل کے قریب ہی ہے۔" پراسرار لہجے میں اتنا کہہ کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

میں نے بستر پر سوئی ہوئی شاہدہ کا جائزہ لیا۔ سوتے ہوئے وہ بے حد حسین اور معصوم نظر آ رہی تھی۔ اس وقت میرے دل نے پہلی بار مجھے ملامت کی کہ میں اس پری وش پر جیسے ہرنا کے مدارج فرسا کردار کا شبہ کیوں کر رہا تھا۔

میں اسے چھیڑے بغیر دبے قدموں کمرے سے نکل آیا اور باہر سے دروازہ مقفل کر کے چابی جیب میں رکھ لی۔ وہ قفل ایسا تھا کہ شاہدہ اندر سے بآسانی دروازہ کھول سکتی تھی۔

میں ہوٹل سے نکل کر سیدھا لیما ڈرگ اسٹور کی طرف چل پڑا۔ اس وقت میرے اوپر عجیب سی بے یقینی طاری تھی اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے وہاں بلانے والا کون ہو سکتا تھا۔

میں ڈرگ اسٹور کے سامنے پہنچا تو ایک پستہ قامت مجہول سا شخص تیر کی طرح میری طرف آیا اور آہستہ سے بولا۔ "میں ٹیکسی ہی میں ہوں۔ مسٹر شیلر! میرے پیچھے چلے آؤ۔"

میں نے اس کی آواز پہچان لی جو میں چند منٹ قبل فون پر سن چکا تھا لہٰذا مزید استفسار کیے بغیر اس کے پیچھے چل دیا۔

قریب کی پارکنگ لاٹ میں ٹیکسی کی کار موجود تھی جس میں ہم دونوں نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

چند منٹ کی خاموشی کے بعد مجھ سے مزید صبر نہ ہو سکا اور میں سوال کر ہی بیٹھا۔ "ہم کہاں جا رہے ہیں اور تم کون ہو؟"

"چند منٹ بعد ہم منزل پر پہنچ جائیں گے تو تمہیں پتہ چل جائے گا اور میں ٹیکسی ڈرائیور ہوں۔" اس شخص نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اتنا تو مجھے بھی معلوم ہے، میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارا کن لوگوں سے تعلق ہے؟" میں نے اس کے بے ہودہ جواب پر تلخ لہجے میں کہا۔

"خالد عبدالفتاح نے مجھے اس کام پر مامور کیا ہے۔" قدرے توقف کے بعد اس نے کہا۔

اس بار میں نے خاصا سکون محسوس کیا۔ ہم سے اس شخص کی عرب قومیت کا اظہار ہو رہا تھا اور امکان یہی تھا کہ وہ خود عراق کا مقامی نمائندہ ہو۔

پندرہ منٹ بعد ایک مختصر سے کاٹیج کے سامنے ٹیکسی رک گئی۔ "آؤ؟ اتر کر سیدھے اندر چلے جاؤ کہ وہ تمہارا منتظر ہوگا۔"

"تم ساتھ نہیں چلو گے؟" میں نے استفہامیہ لہجے میں کہا۔

"نہیں... دیر مت کرو۔ تم کو اکیلے اندر جانا ہے۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

میں کار سے اترا اور ٹیکسی فوراً ہی آگے بڑھ گئی۔

میں کاٹیج کی طرف جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ اچانک ایک سیاہ کار میرے قریب آ کر رکی۔ بریکوں کا شور سن کر میں پلٹا تو شاہدہ ڈرائیونگ سیٹ والی کھڑکی سے سر نکالے مجھے بلا رہی تھی۔ اسے وہاں دیکھ کر یک بیک میری کھوپڑی بھڑک اٹھی۔

"تم یہاں کیا لینے آئی ہو؟" میں اس کے قریب جا کر …

"مجھے سوتا ہوا چھوڑ کر تم کہاں آئے ہو؟ اگر بروقت میری آنکھ نہ کھلتی تو تم نکل ہی گئے تھے۔" اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"اگر آنکھ کھل گئی تھی تو وہیں رک کر انتظار کرتی۔ میرا تعاقب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے … ہوئے زہریلے لہجے میں کہا۔

"یہاں کس سے ملنے آئے ہو؟" وہ ڈھٹائی کے ساتھ … ہوئے بولی پھر اچانک وہ نیچے جھک گئی۔ اسی وقت میرے عقب سے فائر کی آواز آئی اور گولی شاہدہ کی کار کی باڈی میں پیوست ہو گئی۔

میں بوکھلا کر پیچھے پلٹا تو چند فٹ کے فاصلے پر ایک شخص ریوالور سنبھالے دوسرے فائر کی تیاری کر رہا تھا مگر جب تک دوسری گولی چلاتا، شاہدہ اپنی کار تیزی سے آگے بڑھا لے گئی۔ میں حیران و پریشان وہیں کھڑا رہ گیا۔

"آ جاؤ، وہ بھاگ گئی۔" فائر کرنے والا نہایت … سے ریوالور جیب میں اڑستے ہوئے بولا اور … کاٹیج کی طرف بڑھ گیا۔

اسی اثنا میں قریب ہی جھاڑیوں سے کئی آدمی … نمودار ہوئے اور مقامی زبان میں ہم دونوں سے استفسار کرنے لگے۔ فائر کرنے والے نے بیزاری کے عالم میں ہاتھ لہرا لہرا کر ان سے کچھ کہا اور مجھے ساتھ لے کر اندر چلا گیا۔

"اس چڑیا کو کہاں سے پیچھے لگا لائے ہو؟" کاٹیج میں داخل ہوتے ہی اس شخص نے نہایت فصیح عربی میں سوال کیا۔

"ہوٹل میں میرے ساتھ ہی موجود تھی۔ نجانے کیسے پیچھے لگی چلی آئی۔" میں نے اسے عربی میں ہی جواب دیا۔ "تمہارا نام…"

"خالد عبدالفتاح!" اس نے کہا۔ "عراق میں اپنے گروپ کی نمائندگی کرتا ہوں۔"

"اس لڑکی کو کہاں سے جانتے ہو؟"

"نہایت واہیات لڑکی ہے۔ عام طور پر شن مارکیٹ کے پیچھے نظیفات لائی اور جاتی ہے۔" اس نے نشست گاہ میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"تمہیں اس پر فائر نہیں کرنا چاہیے تھا۔" میں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"وہ میرا اضطراری عمل تھا۔ میں سمجھا تھا کہ وہ میرے دروازے پر سے تمہیں اسلحے کے بل پر اٹھائے جا رہی ہے۔"

"مجھے یہاں کیوں بلایا گیا ہے؟"

"بن سعد نے تمہارے بارے میں معلومات مہیا کی تھیں مگر تمہارا ٹھکانہ آج معلوم ہوا ہے۔ اب تم میرے ساتھ رہو گے۔"

"یروشلم میں میرا قیام بہت مختصر تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"بعد میں حالات تبدیل ہو گئے ہیں۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔ "تمہاری بیوی سلمیٰ … میں تین روز تک تمہارا انتظار کرتی رہی پھر اسے انتہائی مجبوری کے عالم میں شام بھیج دیا گیا۔ وہ کچھ روز وہاں بہت زیادہ مصروف رہے گی۔"

"وہ لڑکی اپنے ساتھ کمک لے کر واپس آ سکتی ہے۔ یہاں ہم خطرے میں ہیں۔" یہ کہہ کر میں نے اسے اپنے حقیقی خدشات سے آگاہ کر دیا۔

"وہ اتنی اہم نہیں ہے۔ پھر بھی ہم یہاں سے نکل چلتے ہیں کیونکہ آج کل میں دوسری جگہ ٹھہرا ہوا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ گیا۔

کاٹیج سے نکلنے کے لیے جوں ہی اس نے دروازہ کھولا اچانک کوئی دروازہ دھکیل کر اندر گھس آیا اور ساتھ ہی نسوانی آواز میں ہاتھ اوپر اٹھانے کا حکم ملا۔

نسوانی آواز شاہدہ کی تھی اور اس کے ہاتھ میں خوفناک ریوالور دبا ہوا تھا۔

اسے دیکھ کر خالد غصے سے بے قابو ہونے لگا مگر شاہدہ نے اسے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ اس کے ریوالور کی نال پر سائلنسر چڑھا ہوا تھا اور اگر وہ ایک دو گولیاں چلا بھی دیتی تو اس کاٹیج سے باہر کسی کو علم بھی نہ ہو پاتا کہ اندر کیا ہوا ہے۔

"دونوں دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔" شاہدہ نے سرد اور تحکمانہ لہجے میں کہا۔ اس وقت وہ بالکل ہی بدلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

خالد نے حقارت سے زمین پر تھوک دیا۔ "میں تم سے اس جسارت کا بھرپور انتقام لوں گا۔"

"جسے تم انتقام کہتے ہو وہ تو میرے لیے انعام ہوتا ہے۔" وہ زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "تھوڑی دیر پہلے تمہارا چیلا بھی مجھ سے انتقام لے چکا ہے۔" آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے اس نے میری طرف اشارہ کیا تھا۔

"تم جیسی آوارہ لڑکیوں کے خیالات سے میں خوب واقف ہوں۔" خالد غصے سے پھنکارا۔

اس کا فقرہ پورا ہوتے ہی کمرے میں کھٹکے کی آواز گونجی اور خالد اپنا دایاں بازو تھام کر کراہتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

اس کے گرتے ہی شاہدہ نے حیرت ناک پھرتی کے ساتھ اپنی جگہ سے زقند لگائی اور خالد پر سوار ہو گئی جو اپنی جیب سے ریوالور نکال رہا تھا۔

اسی وقت میں بھی اس طرف لپکا مگر پلک جھپکتے میں شاہدہ خالد سے ریوالور چھین کر دور ہٹ چکی تھی اور اس کے ریوالور کی نال میری طرف اٹھی ہوئی تھی۔

میرے ہاتھ مشینی انداز میں اوپر اٹھتے چلے گئے۔ شاہدہ کا روپ میرے لیے بہت حیرت ناک تھا۔ اس نے ریوالور چھیننے کے ساتھ ہی خالد کی پسلیوں پر بھی کاری ضرب لگائی تھی کیونکہ وہ اذیت کے عالم میں تڑپتے ہوئے اسے عربی میں بے تحاشا مغلظات سنا رہا تھا۔

"اسے خاموش رہنے کا مشورہ دو ورنہ ایک گولی اس کے بھیجے میں بھی اتار دوں گی۔" شاہدہ نے سرد اور جارحانہ لہجے میں مجھ سے کہا۔

"اسے شدید چوٹ آئی ہے۔" میں نے احتجاجی لہجے میں کہا۔

"اسے چیخنے کا شوق نہیں ہے۔"

وہ مسکراتی ہوئی نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے خالد کی طرف بڑھنے لگی جو فرش پر اکڑوں بیٹھا درد سے کراہ رہا تھا۔

سرکتے سرکتے وہ جوں ہی خالد سے تین چار فٹ کے فاصلے پر پہنچی، خالد نے اچھل کر اسے دبوچنا چاہا مگر شاہدہ اس سے کہیں زیادہ پھرتیلی تھی۔ اس نے فضا میں اچھل کر نہ صرف خود کو بچا لیا بلکہ خالد کی کنپٹی پر بائیں پیر سے ایسی ضرب لگائی کہ وہ کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح فرش پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔

شاہدہ کے جارحانہ تیور اور پھرتی دیکھتے ہوئے میں اس مرتبہ بھی دخل اندازی نہ کر سکا اور وہ خالد کا ریوالور اپنے کوٹ کی جیب میں ڈالتے ہوئے میری طرف متوجہ ہو گئی۔ "تمہارے پاس کون سا ہتھیار ہے؟"

"تم ذرا تفصیلی ہو۔" میں نے ماحول کی تلخی کم کرنے کے

لہجے میں چاپلوسی سے کہا۔

"تم گدھے ہو۔" وہ غصے میں جھنجھلاہٹ کے ساتھ بولی۔ "دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔ میں خود تمہاری تلاشی لوں گی۔"

"میرے پاس کچھ نہیں ہے۔" میں نے ہاتھ کھڑے کرتے ہوئے کہا مگر اس نے فوراً ہی مجھے ٹوک دیا۔

"میں خود اپنا اطمینان کروں گی۔ تم دیوار کی طرف منہ کر لو۔"

مجھے ناچار اس کے حکم کی تعمیل کرنا پڑی اور اس نے نہایت ہوشیاری سے میرا پورا بدن ٹٹول کر اپنا اطمینان کر لیا۔

"اب میرے ساتھ چلے آؤ۔" اس نے اپنا ریوالور رکھتے ہوئے کہا۔

"اس کا کیا ہوگا؟"

"خود ہوش میں آ جائے گا۔ یہ بتاؤ اس فلسطینی سے تمہارا کیا تعلق ہے جو پیرس میں تو تم ہر بات کو اتفاق قرار دیتے تھے۔"

"یہ میرا نجی معاملہ ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "اور میں اس کی طبی امداد کا بندوبست کیے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا۔"

"باہر جا کر پولیس کو فون کر دیں گے وہ خود ہی طبی امداد کا بندوبست کر دے گی۔ میں یہاں زیادہ وقت برباد نہیں کر سکتی۔"

"اور اگر میں اڑ جاؤں؟"

"تم سمجھدار ہو مجھے معلوم ہے کہ خطرناک ضد نہیں کرو گے۔" وہ سنجیدہ تھی۔

مجھے اس کی بات ماننی پڑی۔ کاٹیج سے تھوڑے فاصلے پر اس کی کار موجود تھی۔ اس نے مجھے ڈرائیو کرنے کا حکم دیا اور خود میرے پہلو میں بیٹھ گئی۔

"اب شرافت سے بتاؤ کہ تم کون ہو اور کیا کرتے پھر رہے ہو؟" کار روانہ ہونے کے چند منٹ بعد اس نے سوال کیا۔

"اگر میں مسلح ہوتا تو اس وقت یہی سوال تم سے کر رہا ہوتا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"وہ مفروضہ ہے جبکہ میری بات حقیقت ہے۔"

"میں ایک آدمی ہوں اور مقدر کی گردش جھیل رہا ہوں۔" میں نے اسی کے انداز میں جواب دے ڈالا۔

"مجھے تمہارے نام سے دلچسپی ہے ٹارزن!"

"میرا نام ڈان قرنانڈو ہے۔"

"شین مارکیڈو نے تمہیں تین چار دن بلاوجہ پاگل خانے میں نہیں رکھا تھا۔" اس نے قدرے توقف کے بعد کہا اور میں اس کے الفاظ پر چونک پڑا۔

"اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"بہت گہرا تعلق ہے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "وہ مجھے اپنی ادنیٰ ماتحت سمجھ کر کئی بار زبردستی پامال بھی کر چکا ہے مگر پھر بھی وہ میرے احکام کی بجا آوری پر مامور ہے۔"

"یعنی تم مادام بواری ہونے کا اعتراف کر رہی ہو؟"

"تمہارے اعصاب پر کسی کا ایک نام سوار ہے ٹارزن۔ کرائل! ہماری تنظیم بہت بڑی ہے۔ شین مارکیڈو جیسے لوگ دوسرے ونگ میں بیٹھے ہیں۔"

میں نے محسوس کیا کہ وہ دوسرے ہی لمحے اپنی بڑائی کا اظہار کرتے کرتے احتیاط کے پیش نظر رک گئی تھی۔

"تم پاگل خانے کے بارے میں کچھ بتا رہی تھیں۔" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔

"اس سے پہلے اور باتیں بھی سن لو۔ بعد میں حسرت نہ رہ جائے۔" وہ بولی۔

"تو کیا کچھ اور بھی ہے سنانے کے لیے؟"

"پیرس میں اسرائیل کا ایک ممتاز شہری بن حیانی اور اس کا بھائی عبدا جوناس مارا گیا تھا۔" اس نے بات شروع کی۔ میرا دل اچھل کر یک بیک حلق میں آ گیا۔ "اس کے قتل کے بعد میں تفتیش کے لیے اسرائیلی اہلکار بھی پیرس پہنچے اور انہوں نے مخصوص حلقوں میں انکشاف کیا کہ وہ دونوں قتل صفدر علی نامی ایک ایشیائی نے کیے تھے جو اسرائیل سے فرار ہو کر کسی طرح فرانس میں روپوش ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ ان کے علاوہ صفدر علی کو فلسطینیوں کی بھرپور حمایت حاصل تھی اور وہاں کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسرائیلی صفدر علی کی گرفتاری کے لیے منہ مانگا دینے کے لیے تیار تھے۔ صفدر علی کی تلاش میں اسرائیلی سیکرٹ سروس کے علاوہ موساد کا ایک چیف ایجنٹ عل نقی بھی [illegible] تھا اور جب عبدالعزیز نے ایک اہم کام کے لیے عل نقی سے اچھا آدمی طلب کیا تو اس نے میرا نام پیش کر دیا تاکہ میں [illegible] میں گھس کر صفدر علی کے بارے میں معلومات حاصل کر سکوں۔ عبدالعزیز کے حوالے سے تم سامنے آئے تو میرا ماتھا ٹھنکا [illegible] سے چیف کو تمہارے بارے میں اپنے شبہات کی توثیق کرنی تھی [illegible] کو اپنی حماقت کا احساس ہو گیا اور وہ تمہیں اپنی دانست میں [illegible] شکنجے سے نکال لے گیا مگر میں نے تم دونوں کا پیچھا کیا اور جب [illegible] میکفرسن کے ساتھ برسلز کے لیے روانہ ہوئے تو شین مارکیڈو [illegible] استقبال کے لیے تیار تھا۔ تم اس کی توقع سے زیادہ عیار ثابت ہوئے اور میکفرسن کے ساتھ ہی رونالڈ کو بھی ختم کر دیا مگر [illegible] سے نہ بچ سکے اور شین مارکیڈو نے ضامن بن کر تمہیں [illegible] لیا۔ اس نے تمہیں پاگل خانے میں رکھ کر تمہاری تصاویر [illegible] پرنٹ فرانس بھیجے جو میں نے تصدیق کے لیے اسرائیلی [illegible] تک پہنچا دیے۔ اسرائیلیوں نے نہ صرف تمہارا راز فاش کر دیا بلکہ فوراً ہی بڑی بے صبری کے ساتھ تمہاری حوالگی کا مطالبہ کرنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی ان کے سیکرٹ ایجنٹ یہاں بھی آ پہنچے اور تمام مشکوک ٹھکانوں پر تمہیں تلاش کرنے لگے۔ انہیں یہ معلوم تھا کہ تم ہمارے قبضے میں ہو۔ اس سے پہلے شین مارکیڈو کے ٹھکانے محدود تھے لہٰذا ہنگامی طور پر تمہیں آزاد کر دیا گیا مگر اب میں خود تمہارا سودا چکانے یہاں آئی ہوں۔"

"بڑی دلچسپ کہانی ہے مگر اس میں مادام بواری کا کہیں ذکر نہیں ہے۔" اس کے خاموش ہونے پر میں نے بے فکری کے اظہار کی نیت سے کہا۔

"وہ ایسے چھوٹے موٹے معاملات سے بالاتر ہے۔"

"خوب!" میں طنزیہ انداز میں ہنسا۔ "اگر وہ اپنی بیوی کے معاملے کو چھوٹا موٹا سمجھتی ہے تو بہت سنگدل عورت ہے!"

ان الفاظ پر شاہدہ چونک پڑی۔ "تم کس کی بات کر رہے ہو؟"

"مادام بواری دراصل عذرا جوناس یا مختیات کی ماری ایک آفت زدہ عورت کی بات کر رہا ہوں جو خود تو بستر مرگ پر پڑی ہے مگر اس کا نام جرائم کی دنیا میں بنوایا جا رہا ہے۔" میں نے اس کے جانے ہوئے راستے پر کار گھماتے ہوئے کہا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ یہ سراسر بکواس ہے۔" وہ اپنی حیرت اور بے یقینی پر قابو نہ رکھ سکی۔

"اسرائیلی تو بعد میں متوجہ ہوئے ہوں گے بنیادی بات تو یہ ہے کہ مادام بواری اپنے بیٹے اور شوہر کے قاتل سے ہولناک انتقام لینا چاہتی ہے لیکن بد قسمتی سے اس نے اپنی کسی خوبصورت اور جواں سال جانشین سے فرمائش کی ہوئی ہے۔"

"تم بہت کچھ جان چکے ہو صفدر علی!" وہ شکست خوردہ لہجے میں بولی۔ "مادام بواری آج بھی بستر مرگ پر تمہاری منتظر ہے۔"

"اسی لیے تم میری طرف اسرائیل جیسے غرض خطیر رقم کی پیشکش کر بیٹھی ہو!" میں نے بیدردانہ ہنسی کے ساتھ کہا۔ "تم بڑے امتحان سے دوچار ہو گئی ہو۔"

"مادام بواری کی جانشین کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" اس کے لہجے سے رعونت اور حکم کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

"اس کے باپ نے قید کے دوران جیل میں خودکشی کر لی تھی اور ماں اپنے شوہر کے مقدمے کی پیروی کے دوران مر گئی تھی مگر مرنے سے قبل اس نے اپنی بیٹی کو یہ عقدہ بتا دیا تھا کہ وہ عمر بھر مادام بواری کے کام کرتی رہی تھی۔"

شاہدہ بے چینی سے نشست پر پہلو بدلنے لگی۔ "نام نہیں بتاؤ گے اس کا؟"

"اگر تم شروع سے میری طرف سے مشکوک تھیں تو میں بھی تم سے غافل نہیں تھا شاہدہ۔" میں نے کہا۔ "تمہارا ماضی میرے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہے۔"

"تمہاری باتیں سراسر مفروضوں پر مبنی ہیں۔" وہ بولی۔ "مادام بواری تمہارے لہو کی پیاسی ہے مگر اس کا جانشین صرف تمہارے ذہن میں ہی بستا ہے۔"

"میں جو اس ولا میں کئی دن مقیم رہا تھا شاہدہ!" میں نے اسے بے بسی کا احساس دلانے کے لیے کہا۔ "مادام بواری کی سسکتی ہوئی زندگی کا چشم دید گواہ ہوں اور اس نے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے خود ہی مجھے یہ تمام باتیں بتائی تھیں۔"

"تم جھوٹے ہو۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

میں نے ڈرائیو کرتے ہوئے ایک لمحے کے لیے اس کی طرف دیکھا تو وہ اپنے چہرے کے تاثرات کے اعتبار سے معمولی سی لڑکی نظر آئی۔ اس کا سارا دبدبہ اور جلال آنکھوں میں جھلملاتے ہوئے آنسوؤں میں تحلیل ہو چکا تھا۔

"تمہاری نمناک آنکھیں میرے الفاظ کی صداقت کا اعلان کر رہی ہیں شاہدہ! اگر تم نے میرا پیچھا نہ چھوڑا تو میرے ساتھ ہی وہ سحر انگیز حصار بھی برباد ہو جائے گا جو تم نے اپنی ذات کے گرد کھڑا کیا ہوا ہے۔"

"ہاں میں مادام بواری ہوں۔" وہ کسی بپھری ہوئی شیرنی کی طرح غرائی۔ "تم میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔"

"تم درست کہتی ہو۔" میں نے اپنی حرکات میں تحمل دیتے ہوئے کہا۔ "میں خواتین کے بالوں کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا۔"

"تم جھوٹے اور کمینے ہو۔" وہ میرا بازو نوچتے ہوئے غرائی۔ شاید میرے بڑھتے ہوئے اعتماد نے اس پر جھلاہٹ طاری کر دی تھی۔ "ان معاملات میں تم آگے ہو؟"

"میں دیکھوں گی تمہاری خود سری۔" وہ سانسوں کے زیر و بم میں بولی۔ "تم میرے پیچھے کسی کتے کی طرح دم ہلاتے پھرو گے۔"

"زبان درست رکھو شاہدہ!" میں نے پوری قوت سے بریک لگا کر کار روکتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا۔ "دوبارہ بد زبانی کی تو تھپڑ مار مار کر تمہارا چہرہ لہولہان کر دوں گا۔"

"گاڑی چلاؤ ورنہ گولی مار دوں گی۔" وہ اپنے بیگ سے ریوالور کی نال میری طرف اٹھاتے ہوئے بولی۔

"مار دو۔ گولی مار دو۔" میں نے جھلا کر کہا۔ "میں گاڑی نہیں چلاؤں گا۔"

"میں سنجیدہ ہوں صفدر علی!" وہ دھیمی آواز میں بولی۔

جواب میں میں نے اسے ایک خاص تفصیل کی گالی سنائی اور اسی لمحے میری کنپٹی پر اس لڑکی نے اپنی ہتھیلی سے ایک بھرپور وار کیا اور میں

زرا بیٹھک میں سیٹ پر بیٹھے بیٹھے ہی بے ہوش ہو گیا۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو میں نے خود کو ایک پرتعیش خواب گاہ میں موجود پایا۔ جہاں کمرے کی دریافت سے پہلے کے دور کی نیم برہنہ تصاویر آویزاں تھیں۔

کمرے میں پھیلی ہوئی حرارت اور کسی پنکھے کی مدھم سی گونج سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہاں کمروں کو گرم رکھنے کا نظام موجود تھا مگر دروازے پر قوت آزمائی کے بعد جان کر گرفت ہوا کہ نکلنے کی راہ مسدود تھی۔

کمرے میں موجود ایک الماری میں مختلف شرابیں موجود تھیں اور تشنگی سے پانی کے لئے کولر بھی میسر تھا لہٰذا میں وقت گزاری کے لئے شراب نوشی میں مصروف ہو گیا۔

مے نوشی کے دوران میرا ذہن مسلسل شاہدہ میں الجھا رہا۔ وہ میرے رازوں سے واقف ہو چکی تھی اور میں اس کی اصلیت جان چکا تھا مگر ان دو طرفہ انکشافات کے بعد اس لڑکی کا رویہ بہت حیران کن تھا۔

میں سوچتا رہا اور پیتا رہا حتیٰ کہ میرے لئے اپنے قدموں پر اٹھنا دشوار ہو گیا۔ نگاہوں کے سامنے ہر شے جھولتی اور ڈگمگاتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ ایک خالی بوتل قالین پر لڑھکی ہوئی تھی اور دوسری بوتل نصف رہ گئی تھی۔ میری زندگی میں پہلا موقع تھا کہ شراب نوشی کے بعد میں اتنی شدید ذہنی ابتری کا شکار ہوا تھا۔

سفید بوتل میں بچا ہوا آتشیں سیال مجھے للکار رہا تھا۔ میں نے لہراتے ہوئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور وہ بوتل پوری قوت سے ایک طرف اچھال دی۔

بوتل دیوار سے ٹکرائی تو چھناکا ہوا۔ شیشے کے ٹکڑے بکھرے تو زبردست چھناکا ہوا اور اسی کے ساتھ کہیں سے ایک سریلی چیخ ابھری! ٹوٹی ہوئی بوتل میں سے وہ چیخ کیوں ابھری تھی؟ میں اس احمقانہ سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے بمشکل اپنی جگہ سے اٹھا اور صوفوں اور دیواروں کا سہارا لیتے ہوئے وہاں پہنچا جہاں قالین پر شیشے کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔

سفید شیشے کے وہ ٹکڑے کبھی پھیل جاتے تھے اور کبھی سکڑ جاتے تھے پھر ان میں سے ایک نسوانی آواز ابھری۔ "اندر کون ہے؟"

وہ آواز کچھ شناسا سی تھی مگر مجھے یہ پتہ نہ چل سکا کہ وہ کدھر سے آئی تھی پھر یکے بعد دیگرے دو مرتبہ نامانوس زبانوں میں اس آواز نے کچھ کہا اور اس بار مجھے اندازہ ہو گیا کہ باہر کوئی موجود تھا۔

"اندر میں ہوں!" میں نے زور سے کہا۔ میری آواز بھاری اور لڑکھڑائی ہوئی تھی۔ میں باہر سے آنے والی نسوانی آواز کے بارے میں ذہن پر زور دیتا رہا مگر اس وقت دماغ بالکل ٹھٹھر کر رہ گیا تھا۔

"تم کون ہو؟" اس بار آواز کے ساتھ ہی دروازے پر دستک بھی سنائی دی۔

"میں بے حد [illegible] دروازہ کھول دو!"

"مگر تم ہو کون؟ یہ دروازہ تو مقفل ہے!" لڑکی کی آواز میں خوف کے ساتھ ہی جھلاہٹ بھی نمایاں تھی۔

"دروازہ توڑ دو!" میں نے کہا۔

"مر رہے ہو کیا مجھ سے کہہ رہے ہو؟" اس مرتبہ نسوانی آواز میں چیخ تھی۔ "بہت ہے کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ اس وقت عمارت میں میرے سوا کوئی نہیں ہے۔" قدرے توقف کے بعد وہ تشویش زدہ لہجے میں بولی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم نشے میں ہو!"

"مجھے میں ضرورت سے زیادہ پی گیا ہوں!" میں نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے کہا۔ "ویسے تمہاری آواز مجھے مانوس لگ رہی ہے۔"

"میں الیزا ہوں۔ الیزا جونا سن!" اس بار وہ آواز قدرے جذباتی تھی۔

"اوہ!" میرے حلق سے ایک طویل آواز نکلی۔ "تمہیں پتہ ہے کہ عمارت میں کوئی اور چھپا ہوا تو نہیں ہے؟"

"ہاں ہاں!" الیزا کی آواز جھلائی ہوئی تھی۔ "تم کچھ عقل میں ہو؟ کیوں ہیرا پھیری کر رہے ہو اپنا نام بتاتے کیوں نہیں؟"

"میں صفدر علی ہوں خوار نگ!" میں نے سرور کے عالم میں کہا۔ "ذہن پوری طرح کام کر رہا ہے لیکن اعضا ساتھ نہیں دے رہے۔"

"ارے صفدر علی!" لڑکی کی حیرت زدہ آواز میں تقریباً چیخ پڑی۔ "یہ تم کیا کر رہے ہو؟"

"تمہاری ماں کا انتظار کر رہا ہوں!"

"میری ماں تو کئی گھنٹے پہلے چلی گئی اور سب اس کی تلاش میں نکل گئے ہوئے ہیں!" الیزا کی آواز آئی۔

"تم کیوں نہیں گئیں؟"

"ایک لڑکی نے مجھے سختی سے روک دیا تھا!"

"شاہدہ کی بات تو نہیں کر رہیں؟"

"مجھے اس کتیا کا نام نہیں معلوم!" وہ بولی۔ "ویسے اب ساری بات میری سمجھ میں آ رہی ہے۔ شاید میری ماں کو یہاں سے بھیجا گیا تاکہ تم پکڑے گئے ہو لہٰذا وہ انتقام میں اندھی ہو کر سفر کا خطرہ مول لینے تیار ہو گئی۔ وہ صبح نو بجے والی پرواز سے یہاں پہنچی اور لوٹنے کی تیاری کر لی۔"

"اس وقت کیا بجا ہے؟" میں نے بوکھلا کر سوال کیا۔

"ڈھائی بجے ہیں!" باہر سے آواز آئی۔

میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ اس وقت تک میں سمجھ رہا تھا کہ شاہدہ نے مجھے کچھ دیر پہلے بے ہوش کیا تھا مگر اب معلوم ہوا کہ یہ انکشاف ہوا کہ وہ پچھلے روز کا قصہ تھا اور میں کم از کم اٹھارہ گھنٹے بے ہوش رہا تھا۔ صورت حال کی سنگینی سامنے آئی تو میرے حواس بتدریج بحال ہونے لگے۔

"کیا تم سو رہے ہو؟" میری طرف سے کوئی جواب نہ پا کر الیزا لہجے میں بولی۔

"تم اس مکان میں کیسے موجود ہو؟"

"پھر کیا کروں؟"

"باہر فرار ہو سکتی ہو؟ تمہیں پناہ دینے والے ہزاروں مل جائیں گے۔"

"اس نے مجھے بھی ایک کمرے میں قید کیا ہوا تھا۔ میں دروازہ توڑ کر باہر نکلی ہوں لیکن باہر احاطے میں خونخوار کتے کھلے پھر رہے ہیں کوئی دروازہ وغیرہ توڑ کر باہر نکلی تو وہ مجھے چیر پھاڑ کر رکھ دیں گے۔"

"اس مکان میں کوئی اسلحہ تلاش کرو!"

"تم خود باہر نکلنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟" الیزا کا لہجہ جھلایا ہوا تھا۔ "یہ تجویز کیا ہوتی اندر بیٹھے وقت برباد کر رہے ہو!"

"کوئی ریوالور مل جاتا تو اس کمرے کا دروازہ بھی آسانی سے کھل جاتا۔"

"ایسے بھی مت جاتے!" میں نے کسمساتے لہجے میں کہا۔

"اس عمارت میں تم شدید خطرات میں گھرے ہوئے ہو۔ اس لئے شاید وہ تمہیں یہاں کر میرے مخصوص اعصاب کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی۔ تم جیسا ہی آسے پہلے ہی اس عمارت میں لائے گئے ہو گے لیکن اس حرامزادی نے میری ماں کو تمہاری موجودگی کی ہوا بھی نہ لگنے دی اور پھر دوپہر سے دو اسرائیلی سیکرٹ ایجنٹ یہاں آئے ہوئے تھے۔ وہ تمہارے لئے بہر قیمت ادا کرنے پر رضامند تھے لیکن وہ ان سے بھی فراڈ کر رہی ہے کہ تمہارے بابت میں اسے کچھ علم نہیں ہے۔"

"اسرائیلی سیکرٹ ایجنٹ کہاں ہیں؟"

"وہ اس کو پیچھے نہیں چھوڑ گئے میری ماں کے تابوت کے ساتھ ہی یہاں سے نکلے تھے!"

"اچھا میں دروازہ توڑتا ہوں۔ تم سامنے سے ہٹ جاؤ۔"

"شاباش!" اس کی آواز میں مسرت سمٹ آئی۔ "تھوڑی سی ہمت سے کام لو میں ریوالور تلاش کرتی ہوں اگر ہمارے نکلنے سے پہلے وہ لوگ واپس آگئے تو ہم جہنم میں پھنس کر رہ جائیں گے۔"

میں اپنی جگہ سے اٹھا مگر میرا سر گھوم رہا تھا اور ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دروازہ دیکھنا چاہا لیکن وہ مسلسل ہل رہا تھا۔ میں بڑی مشکل سے کر اس دروازے پر شانے سے ٹکر ماری تھی۔ ٹکر زوردار ضرور تھی مگر میرے لئے چلنا بھی دشوار ہو رہا تھا میں جھومتا ہوا چند قدم آگے بڑھا اور بستر پر گر گیا۔

"پھر دیکھا جائے گا۔ اس وقت تو بے فکری سے آرام کرنا چاہئے۔" میں نے دل ہی دل میں سوچا اور آنکھیں بند کر لیں۔

مجھے چند منٹ سے زیادہ سکون میسر نہ آ سکا کیونکہ بند دروازے کے باہر سے ایک بار پھر الیزا کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔ "کہاں مر گئے؟ تمہیں شراب میں بھی [illegible] کی طرح ہونا تھا!"

"مجھے تھوڑی دیر کے لئے تنہا چھوڑ دو الیزا!" میں نے بیزاری کے عالم میں کہا۔ "تاکہ میرے اعصاب اعتدال پر آ سکیں۔"

"مجھے ایک ریوالور مل گیا ہے!" اس بار الیزا نے تیز سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "میں دروازے کے قفل پر نال رکھ کر گولی چلا رہی ہوں۔"

وہ خوش خبری سنتے ہی میں بستر سے اٹھ گیا۔ "نال پر کوئی تکیہ یا موٹا سا کپڑا وغیرہ لپیٹ لینا تاکہ آواز دب سکے!"

"تم فکر نہ کرو۔ میں نے فلموں سے یہ سب تکنیکیں سیکھی ہوئی ہیں!"

اس کا جواب میرے لئے حوصلہ افزا تھا۔

باہر سے الیزا نے گولی چلائی اور پھر کمرہ دھماکے کے ساتھ بارود کی بو سے بھر گیا۔ ساتھ ہی دروازہ کھول کر الیزا اندر گھس آئی۔

مجھے دیکھتے ہی وہ والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہو گئی مگر اپنے شانوں پر میرا پورا بوجھ محسوس کر کے وہ فوراً ہٹ گئی اور ملامت آمیز لہجے میں بولی۔ "تم جیسے بلانوش کو اس حالت میں دیکھ کر مجھے دکھ ہوا ہے صفدر!"

"مجھے خود دکھ ہو رہا ہے!" میں نے اس کے سہارے اپنا توازن برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "ایک وزنی بوتل مجھے اتنا مغلوب نہیں کر سکتی۔ اس شراب میں شاید کچھ اور بھی ملا ہوا تھا۔"

"ایک ڈیڑھ بوتل!" وہ غرائی۔ "اس حالت میں تو تم تابوت یا اسٹریچر کے بغیر نہ جا سکو گے لعنت ہو تم پر!"

"میری زبان اور قدم لڑکھڑا رہے ہیں۔ بصارت کچھ دھندلا گئی ہے مگر ذہن کام کر رہا ہے۔ میں تم پر بوجھ نہیں بنوں گا۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"دماغ تو میرا ابھی کام کرنے لگا ہے مگر میں تمہیں کندھے پر لاد کر چار قدم بھی نہ چل سکوں گی۔" وہ ریوالور دکھاتے ہوئے بولی۔

"ایسا کرو کہ تم نکل جاؤ۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ اگر ان لوگوں کی واپسی سے پہلے میری حالت سنبھل گئی تو خاموشی سے کھسک جاؤں گا ورنہ تم خالد عبد الفتاح کو اس عمارت کا پتہ بتا دینا!"

"خالد عبد الفتاح کون ہے؟"

"ایک فلسطینی!" میں نے کہا۔ "وہ میری رہائی کا کوئی نہ کوئی انتظام کرے گا!"

"بشرطیکہ اس وقت تک تمہیں اسرائیلیوں کے ہاتھ فروخت نہ کر دیا جائے!" اس نے مجھے گھورتے ہوئے ترش لہجے میں کہا۔ "تم نے شاہدہ کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے۔ وہ بہت حوصلہ افزا ہے۔ وہ کسی لمبے چکر میں ہے ورنہ وہ لوگ اسے منہ مانگی رقم دینے کو تیار ہیں۔"

"نہیں۔ میں تمہیں اس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ اور پھر میں خالد عبد الفتاح کو تلاش بھی نہ کر سکوں گی!"

"ہیکروں کی بھی مدد نہ کریں۔"

"مدد نہیں۔ میں تمہاری حالت سدھرنے یا ان کی واپسی کا انتظار کروں گی اور اگر وہ میرے سامنے آ بھی گئے تو ایک بھی زندہ نہ بچ سکے گا۔"

"اگر تم پہلوں سے زیادہ افراد ہوئے تو کیا کرو گی؟"

"آخری گولی اپنے بھیجے میں اتار لوں گی۔" وہ چڑ کر بولی۔

"تمہیں اپنی ماں کی موت کا دکھ نہیں ہے؟" میں نے لپٹتے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ مسلسل بولتے رہنے سے میری حالت پر بہتر اثرات مرتب ہو رہے تھے۔

"اس کی زندگی موت سے بدتر تھی۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ "اگر وہ مجھے فرانس سے اپنی جدائی کا مقصد بتا دیتی تو میں اسے سفر پر روانہ ہونے نہ دیتی اور اس کی موت کچھ عرصے کے لئے ٹل جاتی۔ وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کا شکار ہوئی ہے۔"

"آؤ! وقت برباد کرنے کے بجائے نکاس کی راہ تلاش کریں۔" میں نے اس کے سامنے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں کچن کی کھڑکی سے کئی سلاخیں نکال چکی ہوں۔ ادھر سے ہم بآسانی باہر نکل سکتے ہیں۔" اس نے اپنے کارنامے سے آگاہ کیا۔

"امکان ہے کہ ریوالور کے فائر کی آواز پر کوئی ادھر متوجہ نہیں ہوا۔" میں نے اس کی رہنمائی میں آہستہ آہستہ کچن کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"فائر کا شور بکٹے نے جذب کر لیا تھا۔" وہ بولی۔ "باہر کوئی غیر معمولی دھماکہ نہیں ہوا تھا اور پھر یہاں آبادی بھی بہت کم ہے۔"

ہم دونوں کچن میں پہنچے تو وہاں نکاس کا شاندار راستہ تیار تھا۔ میں نے کھڑکی سے سر باہر نکالا ہی تھا کہ کسی جانب سے دو کتے دبی دبی خوفزدہ غراہٹوں کے ساتھ کھڑکی کے نیچے آ پہنچے اور میری طرف لپکنے لگے۔ میں نے خوف سے جھرجھری لے کر اپنا سر اندر کر لیا۔ کتے بدستور نیچے کھڑے غرا رہے ہیں۔

"ان پر فائر کئے گئے تو دھماکے دور تک سنے جائیں گے۔" ایلیزا بولی۔ "یہ امکان بھی تو ہے کہ لوگوں کو علم بھی نہ ہو سکے کہ فائرنگ کس علاقے میں ہو رہی ہے۔ دونوں فائر کر دیئے گئے تو سب ہی کو کھٹکا ہو گا۔"

"میرا اندازہ کچھ اور ہے۔" اس نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ ان کے لئے دو گولیاں ناکافی ثابت ہوں اور مزید فائر کرنے پڑ جائیں۔"

"مختلف امکانات پر غور ضرور۔" میری حالت تیزی سے سدھرتی جا رہی تھی۔ "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کتوں کے علاوہ یہاں دربان بھی ہو!"

"میں اپنی ماں کے ساتھ آئی تو کھلے ہوئے پھاٹک پر کوئی نہیں تھا۔ بس کتے بندھے ہوئے تھے جو شاہدہ کی وجہ سے خاموش رہے۔"

"تم شاہدہ کے ساتھ آئی تھیں؟"

"ہاں وہی ہمیں یہاں پہنچا گئی تھی۔ میری ماں کا بہت احترام کرتی تھی۔"

"تمہارے ہاتھ تو نہیں کانپ رہے؟"

"اس حالت میں بھی تم سے بہتر نشانہ لگا لوں گا۔" میں نے کہا اور ایلیزا نے ریوالور مجھے تھما دیا۔

میں نے بایاں ہاتھ کھڑکی کی چوکھٹ پر جما کر اپنا دوسرا ہاتھ باہر نکالا۔ آہٹ محسوس کرتے ہی دونوں کتوں نے کان کھڑے کر کے فضا میں سونگھا اور پھر بیک وقت کھڑکی کی طرف آئے۔ میں نے ریوالور کی نال سیدھی کر کے ٹریگر دبا دیا اور کتے کی پیشانی چھلنی ہو گئی۔ پہلا کتا قریب سے تڑپتے دیکھ کر دوسرا کتا بھونکتا ہوا پلٹ گیا اور اگلے ہی لمحے میں دوسری گولی اسے بھی ٹھکانے لگا چکی تھی۔

"آؤ!" میں نے ایلیزا کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"کتوں کو ختم کر کے تم بہت خوش ہو۔" وہ ان کے تڑپتے ہوئے جسموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"وہ کاٹیں گے نہیں۔" میں یہ کہہ کر کھڑکی سے باہر کود گیا۔ بجلی جیسے اعصاب شکن حالات کے بے پناہ دباؤ کے باوجود میں اس قابل ہو چکا تھا کہ کسی کا سہارا لئے بغیر اپنے قدموں پر چل سکوں۔ ایلیزا باہر آئی تو میں اس کے ہمراہ ایک طرف چل پڑا۔ عمارت کا عقبی حصہ تھا اور ہمیں باہر نکلنے کے لئے چکر کاٹ کر عمارت کے سامنے والے رخ پر جانا تھا۔

ہم دونوں تقریباً دوڑتے ہوئے عمارت کے کونے پر پہنچے اور گھوم کر ویران احاطے سے سیدھے پھاٹک کی طرف ہو لئے۔

پھر ہم پھاٹک سے بھی نکل گئے اور ہمارا کسی سمت سے گزر نہیں ہوا۔ میں نے باہر آتے ہی ریوالور اپنے اوور کوٹ کی جیب میں ڈال لیا اور اس طرح کھڑا کر لیا کہ دور سے میرا چہرہ صاف نظر نہ آ سکے۔ ایلیزا کالر کھڑا کر کے اپنے سر پر لپیٹ کا سیٹ چھپا چکی تھی۔

سڑک دور تک ویران پڑی ہوئی تھی۔ اس پر لگے ہوئے درختوں کے سائے میں سردی کا احساس کچھ زیادہ ہی شدید تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہاں مکانات بہت دور دور بنے ہوئے تھے جس کی وجہ سے فائرنگ کی گونج پر کوئی متوجہ نہ ہو سکا تھا۔

"کہاں تک پیدل چلو گے؟" ایلیزا نے تھوڑی دیر بعد ٹھٹھرتی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"ذرا سے پہلے پوچھا ہوتا تو مناسب رہتا!" میں نے جیب سے سگریٹ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ پیو تو سردی کا احساس جاتا رہے گا۔"

ہم دونوں نے چند لمحوں کے لئے رک کر سگریٹ سلگائے اور پھر خراماں خراماں آگے چل پڑے۔

"اگر ہمیں پیدل ہی ہوٹل تک جانا پڑ گیا تو رات ہو جائے گی۔" ایلیزا نے ناک سے دھواں خارج کرتے ہوئے کہا۔

"پھر کیا کیا جائے۔ دور دور تک کہیں ٹیکسی وغیرہ کا ملنا بھی محال نظر آ رہا ہے۔"

"ذرا ایک منٹ ٹھہرو۔" اچانک ایلیزا بولی۔ "تمہیں یقین ہے کہ ہم بندرگاہ کی طرف جا رہے ہیں؟"

"مجھے کیا معلوم! میں تو تمہاری تقلید کر رہا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے مجھے فوراً اپنا پہلا تجربہ یاد آ گیا جب غلط سمت میں گھومنے اور لفٹ لینے کی پاداش میں مجھے حوالات کی سیر کرنی پڑ گئی تھی۔

"خیر کہیں نہ کہیں تو پہنچیں گے۔" وہ لاپروائی سے بولی۔ "اس قید خانے سے نجات مل چکی ہے اور پھر تم میرے ساتھ ہو۔"

"ٹھنڈی ہوا میرا نشہ پھر تازہ کر رہی ہے۔"

"فکر نہ کرو تھوڑی دیر کے بعد جھاڑیوں وغیرہ میں سستا لیں گے۔" وہ خوش دلی سے بولی۔ "اگر کوئی کار نظر آئے تو ہاتھ ہلا کر لفٹ مل سکتی ہے۔ تم اپنا منہ بند رکھنا تو ہم جاسوس کہلانے سے بچ جائیں گے۔"

"مجھے معاف ہی رکھو تو بہتر ہے۔ زبان کی وجہ سے ہر شخص مشکوک نظروں سے دیکھتا ہے۔ تم خود ہی بات کرنا۔"

ہم باتیں کرتے کافی دور نکل چکے تھے کہ مخالف سمت سے ایک کار آتی ہوئی نظر آئی اور ایلیزا نے میرا ہاتھ تھام کر تیزی سے سڑک عبور کر ڈالی۔

"کیا واپس اسی قید خانے میں پہنچنے کا ارادہ ہے؟" میں نے کہا۔

"اگر اس نے لفٹ دے دی تو چند ہی منٹ میں ہم اس مکان سے میلوں دور نکل جائیں گے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے آنے والی کار کو روکنے کے لئے ہاتھ لہرانا شروع کر دیا۔

دور سے یوں محسوس ہوا جیسے آنے والی کار کا ڈرائیور ایلیزا کو نظرانداز کرنے کا فیصلہ کر چکا ہو مگر قریب آنے پر اس نے اچانک اپنا فیصلہ بدل دیا اور کار کے بریک لگنے سے چاروں ٹائر چیخ اٹھے۔

فضا میں اٹھنے والے جھکڑ سے غبار میں ایلیزا ڈرائیور کی نشست کی طرف گئی اور میری نگاہیں بھی اسی طرف مرکوز ہو گئیں۔

جوں ہی ایلیزا میری نظروں اور ڈرائیونگ سیٹ کے درمیان سے ہٹی میرے اوسان خطا ہو گئے کیونکہ اس کار سے شاہدہ ریوالور تھامے نیچے اتر رہی تھی۔

میں نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اپنی جیب سے ریوالور نکالنا چاہا مگر شاہدہ کی للکار سن کر میرا ہاتھ جیب سے خالی نکل آیا۔ میری کسی حرکت کے جواب میں اس نے ایلیزا کو شوٹ کرنے کی دھمکی دی تھی اور ایلیزا اپنی زبان کے انداز میں اسے گالیاں دینے لگی تھی۔

بہرحال چند لمحے کے بعد شاہدہ کی قید سے ہمارا فرار بری طرح ناکام ہو چکا تھا۔ ایلیزا نے اپنی تھوڑی سی گالیاں بکنے کے نتیجے میں ہم دونوں کو ایسے بے رحم اور سنگدل لڑکی کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا جو میرے اور ایلیزا کے بارے میں کوئی خوفناک منصوبہ بندی کر رہی تھی۔

صورتحال

بالکل ہی غیر متوقع طور پر خطرناک ہو گئی تھی۔ شاہدہ نے قریب آنے کے بعد جس طرح چابک دستی سے کار روکی تھی اس سے بظاہر یہ پتا چلتا تھا کہ وہ ہم دونوں کی طرف سے مطمئن نہیں تھی۔ اگر لفٹ لینے کی غرض سے ایلیزا اسے ہاتھ نہ دکھاتی تو شاہدہ ہمیں عام راہگیر وغیرہ سمجھ کر نظرانداز کرتی ہوئی اس سڑک سے گزر جاتی۔

مگر یہ قسمت کی خرابی ہی تھی کہ ہم نے اپنے دشمن کو خود اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا اور اب دونوں ہی شاہدہ کے ریوالور کی زد میں تھے۔

"تمہاری جیب میں کیا ہے صفدر؟" شاہدہ نے سرد اور سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"کیا یہ ریوالور ہی ہے؟" ایلیزا نے فوراً ہی مجھ سے مخاطب ہو کر سوال کیا کیونکہ وہ اس کے چہرے کے تاثرات ہی پڑھ سکی تھی۔ اردو جملے کے تسلسل میں میرا نام بھی اس کے پلے نہیں پڑ سکا تھا اور وہ مزید حیران ہوئی۔

"انہیں کی بات ہے!" میں نے بے تعلقی کے اظہار کے لئے ہنس کر ایلیزا سے کہا پھر انگریزی میں ہی شاہدہ سے مخاطب ہو گیا۔ "نکال کر دکھاؤں؟"

"اپنا اوور کوٹ اتار کر فٹ پاتھ پر ڈال دو اور دس قدم دور ہٹ جاؤ۔" شاہدہ کسی رعایت کے لئے آمادہ نہیں تھی۔

"اس کے بعد دوسرے کپڑوں کی بھی باری آئے گی۔" ایلیزا تحقیر آمیز لہجے میں بولی۔

"سرد ہوائیں ہڈیوں تک میں اتر رہی ہیں کچھ تو موسم کا خیال کرو۔" میں نے احتجاج آمیز لہجے میں کہا۔

"سردی سے مر نہیں جاؤ گے۔" وہ غرائی۔ "وقت ضائع نہ کرو! اگر کوئی دوسری کار ادھر آ نکلی تو میں فائر کرنے سے بھی دریغ نہیں کروں گی۔"

"سارے ہی حسین تمہاری طرح سنگدل ہوتے ہیں۔" میں نے سرد سانس لے کر کہا اور اپنا اوور کوٹ اتار کر اس کی ہدایت کے مطابق فٹ پاتھ پر ڈال دیا۔

میرے دور ہٹنے کے بعد شاہدہ نے قریب آ کر ہم دونوں پر سے نظر ہٹائے بغیر اوور کوٹ کی جیب سے ریوالور نکال لیا۔

"مشروب تو یہ بھی میرے ہی گھر سے چوری کیا ہے۔" ریوالور کا جائزہ لیتے ہوئے وہ بولی اور پھر مجھے اشارے سے اوور کوٹ پہننے کی اجازت دے دی۔

"تم جیسی کمینی لڑکی پر چرایا ہوا ہتھیار استعمال کرنا حماقت ہو گا۔" ایلیزا نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔

"صفدر کی پہلی داشتہ معلوم ہوتی ہو!" شاہدہ نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"یہ کیا تمہارا اصلی نام بھی جانتی ہے؟" ایلیزا نے حیرت کے ساتھ مجھ سے سوال کیا۔

"بہت کچھ جانتی ہے۔ انجان ہوتی تو میں اس کا قیدی نہ ہوتا!" میں نے ٹھنڈا سانس لے کر تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"گاڑی میں خود کلامی ہو رہی ہے؟" شاہدہ نے بحث کو آخر تک سنتے ہوئے مجھ سے کہا۔ "اور ایلیزا تمہارے پہلو میں بیٹھے گی۔ اگر تم دونوں میں سے کسی نے بھی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو میں اس کا حلیہ بگاڑ دوں گی۔"

میں نے خاموشی سے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ ایلیزا بھی بڑبڑاتی ہوئی اگلی نشست پر بیٹھ گئی اور شاہدہ نے پچھلی نشست سنبھال لی۔

"یہ تمہیں کہاں سے جانتی ہے؟" کار میں بیٹھنے کے بعد بھی ایلیزا اپنی الجھن پر قابو نہ رکھ سکی۔

"پیرس سے میرے پیچھے ہے۔" میں نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"پیرس سے؟" ایلیزا کا لہجہ تحیر آمیز تھا۔ "لیکن تم نے تو کبھی مجھ سے اس کا ذکر نہیں کیا تھا؟"

"مجھے تمہاری حرکتیں بتا رہا تھا۔" شاہدہ نے اسے جلانے کے لیے سفید جھوٹ بولا۔ "تم جیسی دس بارہ لڑکیوں کو یہ بڑی بے دردی سے استعمال کرتا رہا ہے!"

"خاموش کمینی!" ایلیزا غصے کے عالم میں دہاڑی۔ "میں تجھ جیسی فرازنہ عورتوں سے اچھی طرح واقف ہوں!"

"اگر تم مادام کی بیٹی نہ ہوتیں تو شاید میں گولی مار کر تمہاری لاش اسی ویران سڑک پر گدھوں کے لیے چھوڑ جاتی۔" شاہدہ اس کی جھڑکی پر تلملائی ہوئی تھی۔

"یہ تمہاری ماں کی کرتوت ہے۔" میں نے جھگڑا ختم کرانے کے لیے جلدی سے زبان کھولی۔ "اس کے منہ نہ لگنا ہی بہتر ہے!"

"مر دو؟" ایلیزا کی آواز میں حیرت نمایاں تھی جیسے وہ میرے فقرے کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہی ہو۔

"مادام لوباری کے نام سے آج کل یہی زیر زمین دنیا پر راج کر رہی ہے۔" میں نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"نام نہیں، اب میں خود مادام لوباری ہوں۔" شاہدہ کے لہجے میں تکبر سمٹ آیا۔ "اس کی طرح تمہاری مجبور ماں تو اب منوں مٹی کے نیچے ابدی نیند سو رہی ہے!"

"ہو سکتا ہے کہ اپنا اقتدار مستحکم کرنے کے لیے میری ماں کو اس نے خود ہی ہلاک کیا ہو!" ایلیزا پلٹ کر شاہدہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

جواب میں شاہدہ نے تمسخر سے کچھ کہا تو ایلیزا غصے سے باہر ہو گئی۔ اس نے پچھلی نشست سے اچک کر شاہدہ پر حملہ کرنا چاہا مگر وہ بہت چوکنی تھی، نہ صرف خود کو بچا گئی بلکہ ایلیزا کے رخسار پر پڑنے والے طمانچے کی آواز سے گاڑی گونج اٹھی۔

تھپڑ کھا کر ایلیزا اور بپھر گئی۔ میں نے کسی ناگہانی حادثے سے بچنے کے لیے بریک لگا کر کار ایک کنارے پر روک دی مگر اس کے رکنے سے قبل ہی شاہدہ نے ریوالور کا دستہ گھما کر ایلیزا کو پہلو پر لڑھک جانے پر مجبور کر دیا۔

"گاڑی چلاتے رہو!" ایلیزا کی آواز معدوم ہوتے ہی شاہدہ کا تحکمانہ انداز ابھرا اور میں نے گیئر ڈال کر کار آگے بڑھا دی۔

چند منٹوں بعد شاہدہ کا مکان آ گیا اور میں نے گیٹ کھلا ہونے کے باعث کار پورچ میں داخل کر دی۔

"کتے کہاں گئے؟" احاطے میں سناٹا پا کر شاہدہ تشویش آمیز انداز میں بڑبڑائی۔

"گھومنے گئے ہوں گے!" میں نے اس کا غصہ کم کرنے کو کہا۔

"شاید تم نے ان بیچاروں کو گولیاں چلا کر ہلاک کیا ہو گا۔" وہ غالباً میرے پاس سے برآمد ہونے والے ریوالور کی نال سے نکلنے والی بارود کی بو کا خیال آتے ہی بولی۔

"قیافہ شناسی میں بھی ملکہ رکھتی ہو؟"

"میرے کان اب تمہاری بکواس کے عادی ہونے لگے ہیں!"

"بڑی خطرناک بات ہے!" میں نے کار روک کر انجن بند کر دیا مگر وہ مجھ سے پہلے باہر موجود تھی۔

"اسے کندھے پر اٹھاؤ!" شاہدہ نے ریوالور کی نال سے سیٹ پر ڈھلکی ہوئی ایلیزا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اس سے تمہارے کیسے مراسم تھے؟" وہ چند ثانیوں تک خاموشی سے میری آنکھوں میں دیکھنے کے بعد بولی۔

"خاصے اچھے!"

"اس کا رویہ تو ایسا تھا جیسے تم سے شادی کر چکی ہو!"

"کا بھی خواہش مند تھا۔"

میں نے زور سے قہقہہ لگایا۔ "اس جیسی لڑکی کو اپنا قیدی بنانا حسن کی توہین ہے؟"

"تمہیں کہاں ملی تھی؟"

"سارے سوالات یہیں کرو گی؟" میں جھلا کر بولا۔ "ملکہ! سردی کا احساس نہیں ہو رہا؟"

"سوری!" وہ ہنس پڑی۔ "سردی تو خوف اور شکست کی علامت ہوا کرتی ہے۔ میرے لیے یہ موسم بڑا خوشگوار ہے۔"

"اگر ایلیزا لفٹ کے چکر میں تمہیں روکنے کی حماقت نہ کرتی تو اس وقت تم اپنے محترم کی لاشوں سے لپٹی ماتم کر رہی ہوتیں!"

"تو تم......؟" اس نے مجھے چڑانے والے انداز میں کہا۔ "سردی واقعی تمہارے دماغ پر چڑھ رہی ہے۔ چلو اٹھاؤ اسے!"

میں نے قہر آلود نظروں سے شاہدہ کو گھورا پھر ایلیزا کے بے ہوش بدن کو اپنے کندھے پر لاد لیا۔

پہلے شاہدہ اسی کمرے کی طرف گئی جس میں مجھے مقید رکھا گیا تھا مگر ٹوٹا ہوا قفل دیکھ کر وہ ایک دوسرے کمرے کی طرف چلی گئی۔

وہ کمرہ بھی بہت خوبصورت اور آراستہ تھا۔ میں نے شاہدہ کی ہدایت کا انتظار کیے بغیر ایلیزا کو بستر پر ڈال دیا۔

میں شاہدہ کی طرف پلٹا تو وہ خالی ہاتھ کھڑی مسکرا رہی تھی۔ شاید ریوالور اس نے اپنے وینٹی بیگ میں ڈال لیے تھے۔

"اب مجھ سے کیا چاہتی ہو؟" میں نے جھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"پہلے اپنا موڈ درست کرو۔" وہ آرام کرسی پر دراز ہوتے ہوئے بولی۔ "اس الماری میں ہر قسم کی شراب موجود ہے اور فریج میں سوڈے کی ٹھنڈی بوتلیں ملیں گی۔"

"میرا وقت برباد مت کرو، میں جانا چاہتا ہوں۔" اس کے سکون کو دیکھ کر میرا پارہ تیزی سے چڑھتا جا رہا تھا۔

"تمہارے غصے پر مجھے پیار آ رہا ہے۔" وہ مسلسل میری طرف دیکھ کر مسکرائے جا رہی تھی۔ "آرام سے بیٹھو، ہم تھوڑی دیر باتیں کریں گے!"

میں ایک جھٹکے کے ساتھ اسی مسہری پر بیٹھ گیا جس پر ایلیزا بے ہوش لیٹی ہوئی تھی۔

وہ مجھے مزید چھیڑے بغیر خاموشی سے اٹھی اور وہسکی کے دو گلاس تیار کر کے لے آئی۔ میں نے اس کے ہاتھ سے ایک گلاس لے لیا۔

تلخ گھونٹ کی کڑواہٹ حلق سے گزرتی ہوئی معدے میں اتری تو میں نے برا سا منہ بنا کر غیر ارادی طور پر سگریٹ سلگا لی۔

"پہلی بار پی رہے ہو؟" شاہدہ نے مسکرا کر طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

"ایسے حالات میں شاید پہلی بار ہی پی رہا ہوں۔"

"کن حالات کی بات کر رہے ہو؟"

"ایک بدمست ساقی سے پہلی بار واسطہ پڑا ہے۔"

"اسی لیے میں دونوں ریوالور بیگ میں ڈال چکی ہوں، اس وقت ہم دوستوں کی طرح بیٹھے ہوئے ہیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"آخر تم مجھے اپنی دوستی کا یقین دلانے پر کیوں مصر ہو؟" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"میں تمہیں پسند کرنے لگی ہوں ڈارلنگ!" وہ اپنی مخمور نگاہیں اٹھا کر محبت آمیز لہجے میں بولی۔

"تو پھر مجھے بھی ممی بنا کر اسی خوابگاہ کے کسی خالی گوشے میں سجا لو۔" میں نے جل کر کہا۔ "تمہارے مردہ عاشقوں کو بھی عبرت ہو گی!"

"ایلیزا کی ماں ہمیشہ سے میرے لیے محترم رہی ہے، میں نے کبھی اسے فریب دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔" اس نے گلاس سے ایک گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"اسی لیے تم نے اسے گھونپ کر مار ڈالا؟" میرا لہجہ زہریلا تھا۔

"وہ فطری موت کا شکار ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پیرس سے بروسلز تک کے مختصر ہوائی سفر کی تکان ہی اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی ہو!" وہ اب سنجیدہ ہو چکی تھی۔ "مگر اس کی ہلاکت میں میرے کسی منصوبے یا ارادے کا دخل نہیں تھا۔ وہ بات جو میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں یہ ہے کہ میں نے آخری لمحات پر تمہیں ایلیزا کی ماں کے ہولناک انتقام سے بچانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اسے بتایا کہ تم کسی بھی لمحے پکڑے جا سکتے ہو حالانکہ اس وقت تم اسی عمارت کے ایک کمرے میں بے ہوش پڑے ہوئے تھے!"

"اس مہربانی کی وجہ؟"

"تمہارے لیے میری پسندیدگی!" اس نے کہا اور اس وقت میں پہلی بار اس کے الفاظ کی صداقت پر یقین کر سکا۔

"تم نے شروع ہی سے میرے دل کے تاریک گوشوں میں اپنے لیے جگہ بنانی شروع کر دی تھی۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "مگر مجھ پر اپنی چاہت کا یہ عقدہ اس وقت کھلا جب میں نے ایلیزا کی ماں کو بروسلز آنے کا مشورہ دے دیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ تم اس وقت زندہ سلامت میرے سامنے بیٹھے شراب نوشی سے لطف اندوز ہو رہے ہو!"

"ہو سکتا ہے کہ تم نے براہ راست مجھے مروانے کے بجائے خطیر رقم کے عوض اسرائیلی ایجنٹوں کے ہاتھ فروخت کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہو!"

"اگر ایسا کرنا چاہتی تو دوپہر کو ہی یہاں دو اسرائیلی سیکرٹ ایجنٹ موجود تھے۔ وہ ایلیزا کی ماں کی آمد کی خبر پا کر یہاں پہنچے تھے مگر میں نے ان کی ہر ممکن کوشش یہ کہہ کر ٹال دی کہ جب تک تم میرے قبضے میں نہیں آ جاتے کوئی بات نہیں کی جا سکتی!"

"اور انہوں نے تمہاری بات پر یقین کر لیا ہو گا؟"

"یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی۔"

"حالانکہ پیرس میں تم میری تصاویر اور فنگر پرنٹ تصدیق کے لیے اسرائیلی سفارت کاروں کے حوالے کر چکی تھیں۔"

"میں ایسی معمولی باتوں کو بھلا جاتی ہوں۔" وہ اپنا گلاس خالی کرتے ہوئے مسہری پر میرے قریب آ بیٹھی۔ اپنا وینٹی بیگ اس نے آرام کرسی پہ ہی چھوڑ دیا تھا جس میں دو بھرے ہوئے ریوالور موجود تھے۔

"اب تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"اپنا تیت کا اظہار...... بھرپور اظہار۔" یہ کہتے ہوئے اس نے نرمی سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"خوبصورت خواتین کی ایسی پیشکش میں کبھی نہیں ٹھکراتا۔" میں نے سرد مہری کے ساتھ جواب دیا۔

"مگر میں خود کو تمہارا پابند کرنا چاہتی ہوں۔" اس کے لہجے پہ بتدریج جذباتیت غالب آتی جا رہی تھی۔

"میں آزاد پنچھی ہوں شاہدہ...... میرا پیچھا کر کے تمہیں افسوس کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔" میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد کہا۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ اسے بتا دوں کہ میں شادی شدہ ہوں اور اپنی بیوی کے فراق میں آگ اور موت کے بھیانک سمندروں میں کسی گمنام منزل کا سفر کر رہا ہوں جہاں میرے خوابوں اور ارمانوں کی شہزادی — میری سیتا، سپنوں کے حسین محل سجائے میری منتظر ہوگی مگر میں شاہدہ پر اس حقیقت کا اظہار نہ کر سکا۔ وہ ایک بدطینت اور جرائم پیشہ لڑکی تھی اور اگر اسے سیتا کے سلسلے میں میری ایک نئی کمزوری کا علم ہو جاتا تو عین ممکن تھا کہ وہ حسد اور رقابت سے بے قابو ہو کر سیتا کی راہ پہ لگ جاتی اور اسے کوئی شدید نقصان پہنچانے میں کامیابی حاصل کر لیتی جب کہ میں طویل اور مسلسل جدوجہد کے بعد اس کی سلامتی کی خبر حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔

"میں نے اپنی زندگی میں افسوس کرنا نہیں سیکھا، صفدر علی۔" وہ پرعزم لہجے میں بولی۔ "اور بعض اسی وجہ سے میں مادام پولاری کے لقب کی امین بنی ہوں۔"

"تم مجھے اپنا قیدی بنا سکتی ہو، دیوانہ نہیں۔"

"قیدی تو تم ہو ہی۔" وہ بیتے لہجے میں بولی۔ "اگر آزادی چاہتے ہو تو اس کی ایک ہی صورت ہے کہ میرے بارے میں سنجیدگی سے سوچو۔"

"ایک جرائم پیشہ لڑکی کے بارے میں سوچنا حماقت ہے۔" میں نے اپنا گلاس دوبارہ لبریز کرتے ہوئے کہا۔

"وہ میرا ماضی بن سکتا ہے۔ تمہیں اپنانے کے بعد میں اپنا ماضی فراموش کر دوں گی۔" وہ لفظ بہ لفظ سنجیدہ ہوتی جا رہی تھی۔

"ماضی کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ہمیشہ بھیانک سایوں کی طرح تعاقب کرتا ہے مادام پولاری!"

"مادام پولاری نہیں۔" وہ تڑپ کر بولی۔ "تمہارے لیے میں صرف شاہدہ ہوں اور تمہیں اتنی بے رخی کے ساتھ میرے ماضی کا ذکر زیب نہیں دیتا۔ تمہارے اپنے ہاتھ نہ جانے کس کس کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔"

"تمہارا ماضی؟" میں استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ "ابھی کیا ہوا ہے، تمہارے ماضی اور حال کے درمیان مجھے کوئی حد فاصل نظر نہیں آتی۔"

"میں دوستانہ انداز میں تمہارے ساتھ بیٹھی ہوں۔" وہ اپنا ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے بولی۔ "یہ تبدیلی بلاوجہ تو نہیں آئی ہے!"

"یہ تمہارا حد سے بڑھا ہوا اعتماد ہے۔" شاہدہ ہونٹوں کی نوک کے سہارے میری نگاہ پر پہرہ لگی تھی۔

"تم سکون سے اس مسئلے پر غور کرو گے تو تمہاری رائے یقیناً تبدیل ہوگی۔" وہ تاسف آمیز انداز میں بولی۔

"مجھے صرف کھلی فضا میں ہی سکون میسر آ سکتا ہے۔"

"اس چار دیواری میں کھلی فضا بھی ہے اور چند کمرے بھی۔"

"میں اس حالات سے باہر کی بات کر رہا ہوں۔"

"باہر نکلتے ہی تمہاری سلامتی خطرے میں پڑ جائے گی۔ اس چار دیواری میں تمہیں پورا پورا تحفظ حاصل رہے گا۔" وہ سمجھانے کے انداز میں بولی۔

"میں تمہاری زبان سے دوستی کا فریب نہیں کھا سکتا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اگر میرا ذہنی توازن ہی بگڑ جائے تو الگ بات ہے۔"

"میں تمہیں کس طرح اپنے خلوص کا یقین دلا سکتی ہوں؟" نا امیدی کی ایک الجھن آمیز نظروں سے میری طرف دیکھتے رہنے کے بعد اس نے سوال کیا۔

"مجھے رہا کر دو۔" میں نے بلا تامل جواب دیا۔

"تمہاری سلامتی......!"

اس نے کچھ کہنا چاہا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میری سلامتی کا اس طرح تذکرہ نہ کرو۔ میں خود ہی اپنا اچھا برا سمجھتا ہوں اور اپنی راہ میں حائل ہونے والوں کے ساتھ نمٹنا جانتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ فیصلہ کن انداز میں بولی۔ "تم یہاں سے جا سکتے ہو۔ واپس آؤ گے تو یہ در و دیوار والہانہ انداز میں تمہارا استقبال کریں گے۔"

"میرا پیچھا نہیں کیا جائے گا؟" میں نے تائید طلب لہجے میں سوال کیا۔

"نہیں۔" اس نے پھر ایک ہی سانس میں اپنا پورا گلاس خالی کر دیا۔ اس کی خوبصورت آنکھیں اس وقت نشے سے

بڑی لاپروائی سے پھینک دی تھیں۔

"اس لڑکی کا کیا ہوگا؟" میں نے ملیزا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"اس سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں۔" وہ بوجھل لہجے میں بولی۔ "یہ لڑکی بہت سے رازوں سے واقف ہو چکی ہے۔ اس کا مستقبل میری مرضی سے وابستہ ہے۔"

"ہلاک کر دو گی اسے؟" میں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

شاہدہ کے تیکھے حسین لبوں پر سفاکانہ مسکراہٹ ابھر آئی۔ "اس کی ماں عالم بالا میں تنہائی محسوس کر رہی ہوگی۔"

اس وقت شاہدہ اپنے وینٹی بیگ کی طرف سے غافل تھی اور میں ایک ہی جست میں اس پر قبضہ کر سکتا تھا۔ میں نے پہلو بدل کر اپنا انداز درست کیا اور اچانک ہی اس کرسی کی طرف جست لگا دی جس پر شاہدہ کا وینٹی بیگ رکھا ہوا تھا۔

مگر وہ لڑکی نشے کی حالت میں ہونے کے باوجود نہایت مستعد اور پھرتیلی ثابت ہوئی۔ میں تو اس کی حرکت تک نہ دیکھ سکا مگر جست لگاتے ہی مجھے اپنی دائیں پنڈلی کی ہڈی پر شدید ضرب کا احساس ہوا اور میں چیخ مار کر کرسی سے کافی دور قالین پر منہ کے بل گر گیا۔

میں نے تکلیف کی شدت سے آنکھوں میں ابھرنے والی دھند کو جھٹک کر سر اٹھایا تو شاہدہ کرسی کے قریب پہنچ کر اپنا وینٹی بیگ اٹھا چکی تھی۔

"بہت جلدی تھی تمہیں؟" مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی وہ ملامت آمیز لہجے میں بولی اور پھر اس نے دونوں ہی ریوالور میری طرف اچھال دیے۔ "یہ لو اور اپنے سر پہ مار لو — گولیاں تو میں پہلے ہی نکال چکی تھی۔"

دونوں ریوالور میرے قریب آ کر گرے اور میں نے اپنی پنڈلی سہلانی شروع کر دی جس پہ بے پناہ درد ہو رہا تھا۔

پھر میں نے اچانک ہی ایک ریوالور اٹھا کر پوری قوت سے شاہدہ پر دے مارا مگر وہ کسی چھلاوے کی طرح اچھل کر اپنی جگہ سے کئی فٹ دور جا کھڑی ہوئی۔ میں نے جھلاہٹ میں دوسرا ریوالور بھی اٹھایا اور اس کی طرف پھینکا مگر اس بار اس نے نہایت مہارت کے ساتھ اپنے جسم کو حرکت دیے بغیر نہ صرف خود کو بچایا بلکہ ریوالور کو بھی اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

"پھر اور پھینکو!" مجھے چڑانے کے لیے اس نے مسکرا کر کہا اور میں ملامت سے بچنے کے لیے اپنی زخم خوردہ پنڈلی کا جائزہ لینے لگا۔

اس تھوڑے سے عرصے میں میری دائیں پنڈلی پر خاصا ورم ابھر آیا تھا اور اسے ہاتھ لگانے سے جان نکل جا رہی تھی۔

اس اثنا میں شاہدہ ٹہلتی ہوئی میرے قریب آ کھڑی ہوئی۔

"بہت تیزی سے ورم آیا ہے۔ شاید ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔"

اس کی تاسف آمیز آواز سن کر میں نے سر اٹھایا تو وہ ہمدردانہ انداز میں میری طرف ہی دیکھ رہی تھی۔ "یہ چوٹ تم نے ازخود مول لی ہے!"

"کیا مارا تھا تم نے؟" میں نے اپنی ہمت بڑھانے کے لیے تکلیف ضبط کرتے ہوئے مسکرا کر سوال کیا۔

اس نے اپنا سینڈل میرے سامنے رکھ دیا۔ "میرا کچھ نہیں بگڑا۔ تمہارے بدن کی چوٹ سے بڑی ٹوٹی ہے!"

"اگر دونوں ریوالور خالی تھے تو اس حرکت کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے غصے کی شدت کو ضبط کرتے ہوئے سوال کیا۔

"تمہیں جتانا مقصود تھا کہ میں غافل کبھی نہیں رہتی۔"

"اب کوئی اور کرتب دکھا کر اس پنڈلی کو گھٹنے سے الگ ہی کر دو تاکہ اذیت سے نجات مل سکے۔" میں نے پھولی ہوئی پنڈلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "بہت ضدی ہو۔ اب بھی مدد کی التجا نہیں کرو گے!"

میں خاموش رہا اور وہ قالین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر میری ٹانگ کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم چند دن تو یہاں سے چل بھی نہ سکو گے!"

شاہدہ دیکھنے میں دھان پان سی لڑکی تھی۔ اس کے حسین خدوخال میں چھپی ہوئی وحشت اتنی نظر فریب تھی کہ اس پر ایسا کچھ ہونے کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا مگر وہ ایک بار میرے سامنے خالد عبدالفتاح کو بری طرح زیر کر چکی تھی اور اب میں خود اس کے ہاتھوں معذور ہو گیا تھا۔ اس کی شخصیت کے پیچ آہستہ آہستہ کھلتے جا رہے تھے!

اس مکان میں کوئی ملازم موجود نہیں تھا جس کی مدد سے وہ مجھے کار تک پہنچاتی۔ اس نے ایک دو بار خود ہی مجھ کو اپنی پشت پر لادنے کی کوشش کی جو ناکام رہی۔ آخر کار اس نے مجھے چائے والی ٹرالی پہ بٹھا کر کشاں کشاں برآمدے تک پہنچایا۔ اس مختصر سے سفر میں ٹرالی کے کئی حصے اپنی جگہ چھوڑ بیٹھے مگر مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ شاہدہ کی کار مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر موجود تھی!

مجھے ٹرالی سے کار میں منتقل کرنے کے بعد شاہدہ نے اندر جا کر شاید وہ کمرہ مقفل کیا جس میں ملیزا بے ہوش پڑی ہوئی تھی پھر مجھے کار میں لے کر ایک طرف روانہ ہو گئی۔

"میں مارکیٹ کے پاگل خانے کا ارادہ ہے کیا؟" میں نے پنڈلی میں درد کا احساس مٹانے کے لیے سگریٹ توڑا۔

"وہاں کا ماحول پسند ہے تو اُدھر ہی لیے چلتی ہوں!" وہ ہنس کر بولی۔

"شین! ماریو نے دیکھ لیا تو تمہیں وہیں گھیر لے گا۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"میری مرضی کے خلاف کوئی میرے بدن کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ میں تو خود ہی اسے ڈھیل دیتی رہی ہوں۔ ویسے وہ وہاں کبھی کبھار ہی جاتا ہے!"

"جس معاملے میں اسے ڈھیل دیتی رہی ہو اب اسی معاملے میں میرے گرد حلقہ تنگ کیوں کر رہی ہو — اسی سے کام چلاتی رہو۔"

"اب تو میرے سکریٹ آنے والے اپنی پیالیاں ہی ترواتے ہیں۔ مگر میں تمہارے بارے میں حد سے زیادہ سنجیدہ ہوں!"

"تمہارے رنگین ماضی سے واقف ہونے کے بعد میں تو کیا، کوئی بھی مرد تمہیں قبول نہ کر سکے گا۔"

"صرف اپنی بات کرو۔ مغربیوں میں تو سب چلتا ہے بلکہ شادی کے بعد بھی مرد تیوریوں میں بل ڈالے بغیر اپنی بیویوں کے پرانے دوستوں کی مدارات کرتے ہیں۔"

"مگر تم تو مغربیوں میں سے ہو تم تو مشرقی کیسے بن جا سکتی ہو!"

"تمہارے دل میں جگہ پانی ہو تو شاید مشرقی لڑکی بن کر دکھا دوں گی۔"

"اور اگر میں کہوں کہ میں شادی شدہ ہوں تو!" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ وہ سہما سا سوال کر ہی ڈالا۔

"تمہیں جھوٹوں کا بادشاہ مان لوں گی۔" وہ قہقہہ مار کر بولی۔ "شادی شدہ مرد بیویوں کی جھڑکیوں ہی کی آگ سے پہچانا جاتا ہے — تم جیسے بے فکرے تو جنم جنم سے تنہا ہوتے ہیں۔"

"میری پنڈلی دم کی آخری منزل پر ہے۔ ہسپتال تک پہنچتے پہنچتے جھٹ ہی نہ جائے۔" میں نے بروقت تمام پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"مضافاتی علاقے کے اختتام پر ہی ہسپتال ہے۔ وہاں یہ یاد رکھنا کہ تم میرے شوہر ہو اور زینوں سے پھسل کر زخمی ہوئے ہو۔" میں خاموش ہو گیا۔ اگر ہسپتال کے ریکارڈ میں مجھے اپنا شوہر ظاہر کر کے شاہدہ کے کسی جذبے کی تسکین ہوتی تھی تو میرا کیا بگڑتا تھا۔

ہسپتال مختصر مگر صاف ستھرا اور تمام سہولتوں سے آراستہ تھا۔ وہاں فوری طور پر میری پنڈلی کے تین ایکسرے لیے گئے۔ جن کے معائنے سے پتہ چلا کہ ہڈی ٹوٹی نہیں تھی بلکہ تقریباً ایک انچ کی لمبائی میں تڑخ گئی تھی لہٰذا پلاسٹر چڑھانے کے بعد چند ادویات دی گئیں اور شاہدہ مجھے لے کر واپس چل دی۔

ہماری واپسی اسی مکان میں ہوئی۔ احاطے سے عمارت تک ہر سو گھپ اندھیرے کا راج تھا جو کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں تحلیل ہو گیا۔

شاہدہ نے کار روک کر انجن بند کر دیا مگر ہیڈ لیمپس کھلے رہنے دیے تاکہ ان کی روشنی میں برآمدے کے بلب جلا سکے۔

میں ویران احاطے میں ان جھینگروں کو تلاش کرنے کی کوششیں کرنے لگا جن کے شور سے فضا گونج رہی تھی۔

اچانک برآمدے کی طرف سے ایک مدھم سی مردانہ آواز ابھری اور میں چونک پڑا۔ اپنا سر برآمدے کی طرف گھمایا تو جسم میں سنسنی سی سرائیت کر گئی۔

وہاں اوورکوٹ میں ملبوس دو دراز قامت اجنبی شاہدہ کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں ریوالور دبے ہوئے تھے اور ایلزا ان ہی کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔

"تم اسے نہیں لے جا سکو گے۔" وہ [illegible] کی احتجاج آمیز آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ شاید اس نے مجھے سنانے کے لیے دانستہ انگریزی زبان استعمال کی تھی۔

گاڑی برآمدے سے چند فٹ ہی دور تھی اور کہر کے باوجود روشنی میں وہ چاروں انسانی ہیولے صاف پہچانے جا رہے تھے مگر میں نسبتاً اندھیرے میں تھا اور شاید ابھی تک وہ مجھے نہیں دیکھ سکے تھے۔

میرے ذہن میں پہلا خیال یہی ابھرا کہ وہ دونوں وہی اسرائیلی سیکرٹ ایجنٹ تھے جنہیں ایلزا کے بقول شاہدہ دو بار ٹال دیا تھا۔ شاہدہ کی غیر موجودگی میں وہ شاید ایلزا کے پاس پہنچ گئے۔ اور اس احمق لڑکی نے اپنی دانست میں بہتری کے لیے انہیں میرے بارے میں آگاہ کر دیا۔ اور وہ مکان کی نگرانی کے بعد برآمدے میں چھپ کر شاہدہ کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔

میرے لیے شاہدہ کے مقابلے میں نیا خطرہ زیادہ بڑا تھا۔ انہیں میرا سایہ بھی نظر آ جاتا تو وہ ہر قیمت پر مجھے زندہ لے جانے کی کوشش کرتے جب کہ شاہدہ اپنی کسی طرزِ محبت کی روانی میں مجھ پر ضرورت سے زیادہ مہربان ہو گئی تھی۔

میری دائیں ٹانگ میں شدید تکلیف تھی مگر تجربے کی بنا پر مجھے یہ اطمینان تھا کہ معمولی سی نقل و حرکت سے درد تو ہو گا مگر ٹوٹی ہوئی ہڈی کے سرکنے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔

میں نے پھرتی سے اپنی سمت کا دروازہ کھولا اور

"دیکھو! کار سے کوئی نکلا ہے!" اچانک برآمدے کی طرف سے ایک مردانہ آواز ابھری اور میں نے اپنی حماقت پر دل ہی دل میں خود کو کوسا۔ میں نے کار کے اندرونی حصے میں موجود روشنی کا سوئچ نہیں دیکھا تھا جس کے نتیجے میں دروازہ کھلتے ہی اندرونی روشنی ہو گئی اور اسی کے سہارے ان کو کار کا دروازہ کھولے جانے کا علم ہو گیا۔

برآمدے سے وہ مردانہ للکار ابھرتے ہی بھاری قدموں کے ہٹنے کی آوازیں آئیں۔ میرے لیے وقت بہت کم تھا۔ احاطے میں پھیلی ہوئی قریب ترین جھاڑیاں بھی مجھ سے کم از کم دس بارہ گز دور تھیں جن میں پناہ لی جا سکتی تھی۔ دوسری طرف کار سے عجلت میں کودنے کے نتیجے میں میری زخمی پنڈلی میں درد کی ناقابل برداشت ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔ اور مجھے دس بارہ گز کا وہ فاصلہ ناقابل عبور نظر آ رہا تھا لہٰذا میں نے [illegible] بغیر پھرتی کے ساتھ کار کے نیچے رینگ گیا۔

نیچے گھستے ہی میری انگلیاں گرم سائلنسر سے ٹکرائیں اور میں خفیف سی سسکاری لے کر اپنے ہی وجود میں سکڑ کر رہ گیا۔ جسم پر گرم لباس ہونے کی وجہ سے باقی حصے سائلنسر کی زد سے بالکل محفوظ تھے۔

بھاگتے ہوئے قدموں کی بھاری گونج کے ساتھ ہی برآمدے کی طرف سے شاہدہ کی ہذیانی آواز سنائی دی۔ "خبردار! گولی نہ چلانا ...!"

قدموں کی وہ آواز کار کے قریب آ کر تھمی اور پھر ایک جھنجھلائی ہوئی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ "ارے! اتنی جلدی غائب ہو گیا!"

"بھاگ کر پیچھے! احاطے سے اس کا ساتھی غرّایا۔ "وہ جھاڑیوں کی آڑ لے کر اسی طرف نکلنے کی کوشش کرے گا۔"

کار کے قریب والا شخص اسی ہدایت پر عمل کرتا ہوا پھاٹک کی طرف چلا گیا۔ میں سانس روکے کچی زمین پر پڑا اس کے قدموں کو کہر کی چادر میں ڈوبتے دیکھتا رہا۔

"اے بچاؤ!" برآمدے میں رہ جانے والا شاید شاہدہ پر غرّایا تھا۔ "اگر اس نے خود کو ہمارے حوالے نہ کیا تو ہم اسے دیکھتے ہی گولی مار دیں گے!"

"وہ تو اب تک پھاٹک سے باہر جا چکا ہو گا۔" شاہدہ کی آواز میں الجھن تھی۔ "اس کہر میں تو اسے ڈھونڈنا بھی دشوار ہو گا۔"

"اگر وہ ہاتھ نہ آیا تو میں تمہارا حشر خراب کروں گا۔" بولنے والے کا لہجہ بے حد درشت اور غصیلا تھا۔ "وہ ہمارے لیے بے حد اہم ہے۔"

"مگر وہ میرے ساتھ کوئی اور تھا۔" شاہدہ کی آواز آئی۔ "میں اسے شب گزاری کے لیے ایک شراب خانے سے ساتھ لائی تھی۔ مگر وہ شاید تم لوگوں سے ڈر کر بھاگ نکلا ہے۔ میرا سارا پروگرام چوپٹ کر دیا تم لوگوں نے!"

"بکواس مت کرو!" غرّاہٹ واضح طور پر ایلزا کی تھی۔ [illegible]

"اگر کوئی اور ہوتا تو اسے لینے شہر نہ جاتی۔" شاہدہ کا لہجہ [illegible] کے لیے کافی تھا۔

"مقصد علی کہاں ہے؟" مردانہ غرّاہٹ ابھری۔

"پتہ نہیں۔ میں اُسے لڑکی کے ساتھ ہی یہاں بند کر کے گئی تھی۔" شاہدہ کا لہجہ لاپروایانہ تھا۔ وہ صورتِ حال سے خائف نہیں معلوم ہوتی تھی۔

"کمرہ مقفل تھا اور لڑکی دروازہ پیٹ رہی تھی۔ وہ اندر نہیں تھا۔" مرد کی برہمی میں کچھ اضافہ ہو گیا۔

"تو میں کیا بتاؤں؟" پوچھا اسی انداز سے۔ شاہدہ چڑچڑے پن کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔ "نکل گئی ہو گی اس کی؟ ہر وقت اسی کا دم بھرتی رہتی تھی!"

اس خوفناک اور روح فرسا صورتِ حال کے باوجود میں شاہدہ کے چلتے جواب پر زیر لب مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"میری کار کے ہیڈ لیمپس آف کر دو ورنہ بیٹری ڈاؤن ہو جائے گی۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد پھر شاہدہ کی آواز سنائی دی۔

"اگر وہ کوئی اور تھا تو تمہارے ساتھ کار سے کیوں نہیں اترا؟" مرد نے شاہدہ کے احتجاج کو نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ نشے میں تھا اور اندھیرے سے ڈرتا تھا۔" شاہدہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"اگر تم......!"

مرد کی آواز ایک دبی دبی چیخ میں بدل کر معدوم ہو گئی۔ یہی وہ لمحہ تھا جس کا میں کئی منٹ سے انتظار کر رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ شاہدہ موقع پا کر اس پر مارشل آرٹ کا کوئی ایسا کاری وار کرے گی کہ اسے سنبھلنے کی مہلت بھی نہ مل سکے گی۔

اور ایسا ہوا بھی کچھ اسی طرح کیونکہ پہلی چیخ کے بعد ایک لہراتی ہوئی نسوانی چیخ سنائی دی جس کے ڈوبنے سے قبل ہی یکے بعد دیگرے مردوں کی زخم خوردہ کراہیں اور چیخیں ابھرنے لگیں۔

برآمدے میں یہ ساری دھماچوکڑی چند سیکنڈ میں ہی ختم ہو گئی اور احاطے پر گہرا سکوت چھا گیا جیسے وہاں کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"نیچے سے نکل آؤ!" چند ثانیوں کے بعد پھر قریب شاہدہ کی آواز سن کر میں حیرت سے اچھل پڑا۔ نہ جانے وہ بے آواز قدموں سے کب وہاں آ پہنچی تھی۔

"تم نے مجھے کار کے نیچے گھستے دیکھا تھا؟" میں نے اس کی ہدایت پر کار میں سوار ہوتے ہوئے حیرت سے سوال کیا۔

"قیاس!" وہ مسکرا کر بولی۔ "اتنے کم وقفے میں تو ایک عام صحت مند آدمی بھی کار سے دوڑ کر جھاڑیوں میں روپوش نہیں ہو سکتا تھا جب کہ تم تو معذور ہو۔"

"اب کہاں جا رہی ہو؟" میں نے کار کو واپس پھاٹک کی طرف گھومتے ہوئے دیکھ کر اس سے سوال کیا۔

"ابھی دوسرا شکار باقی ہے، وہ بچ نکلا تو بڑے مسئلے میں الجھا سکتا ہے۔" وہ سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ واپس اندر ہی آ جائے۔"

"ناممکن۔" اس کا لہجہ پر یقین تھا۔ "اپنے ساتھی کی چیخ سننے کے بعد وہ جلد از جلد یہاں سے نکلنے کی کوشش کرے گا۔ سیکرٹ ایجنٹ بھیڑیوں کے خواص رکھتے ہیں۔ ایک کو مصیبت میں گرفتار دیکھ کر دوسرے اپنی سلامتی کی فکر کرتے ہیں۔ وہ ہرگز ادھر آنے کی حماقت کا ارتکاب نہیں کرے گا۔"

شاہدہ کی کار برقی رفتاری کے ساتھ بھاگ رہی تھی۔ سڑک پر آتی ہر اس نے کار کسی طرف موڑنے کے بجائے اسی حالت میں بریک لگا کر روک لیا۔ اس کی عقابی نظریں تیزی سے دونوں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں۔

دائیں طرف ہم دونوں نے تقریباً ایک وقت ہی کسی کار کی سرخ بریک لائٹس پل بھر کے لیے چمک کر معدوم ہوتے دیکھیں۔ وہ کار روشنیاں جلائے بغیر کسی ویران پلاٹ سے دوڑی ہوئی سڑک پر آئی جا رہی تھی۔ اس کا ڈرائیور بہت محتاط معلوم ہوتا تھا مگر شاید غیر ارادی طور پر اس کا پیر بریک پیڈل پر جا پڑا تھا ورنہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ وہ کار کب سڑک پر آئی اور کب آگے بڑھ گئی۔

شاہدہ نے تیزی کے ساتھ اپنی کار دائیں طرف گھمائی مگر وہ شخص بہت زیادہ عاقبت نااندیش تھا۔ اس نے سڑک پر آتے ہی تیزی سے کار کا رخ بدلا اور آگے جانے کے بجائے اپنی کار شاہدہ کے سامنے کی طرف دوڑا دی۔

شاہدہ نے بے تحاشا گالیاں دیتے ہوئے پوری قوت سے بریک لگائے اور یوٹرن لے کر واپس ہوئی مگر اس اثنا میں وہ کار بہت دور نکل چکی تھی۔ بھاگنے والے نے گہری دھند کے باوجود اپنی کار کی بتیاں نہ جلا کر بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔

شاہدہ کی کار نے ناقابل یقین رفتار اختیار کر لی۔ ڈیش بورڈ سے ابھرنے والی مدھم سی روشنی میں اس وقت شاہدہ کے چہرے پر عزم اور انتقام کے خوفناک تاثرات نمایاں تھے اور وہ بار بار اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا رہی تھی۔

"یہ سڑک آگے دو راستوں میں بٹ جاتی ہے۔" اپنی کار کو ماہرانہ انداز میں سڑک کے وسط میں دوڑاتے ہوئے وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی۔

"سمجھ میں نہیں آتا وہ اتنی جلدی کہاں غائب ہو گیا!" میں نے آہستہ سے کہا۔

"وہ فور سلنڈر والی اسپورٹس کار تھی۔" شاہدہ نے میری طرف سر گھما کر کہا۔ "تم نے اس کے طاقتور انجن کی آواز نہیں سنی تھی؟

پھر تو اس کا پیچھا نا ممکن ہی ہے!"

اس کے تیکھے پتلے گلابی ہونٹوں پر بڑا سفاک سا تبسم ابھر گیا۔ پھر اس نے جھک کر ڈیش بورڈ کا ایک بٹن دبا اور ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ کار کے اگلے ڈیش بورڈ سے ایک ایریل ابھرنے لگا۔ پورا ایریل باہر آنے کے بعد بٹن خود بخود بند ہو گیا۔ اسی لمحے شاہدہ نے جھک کر اپنی نشست کے نیچے ہاتھ ڈالا اور اگلے ہی لمحے ایک ٹرانسمیٹر اس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔

شاہدہ نے دائیں ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالا اور بائیں ہاتھ سے ٹرانسمیٹر آن کر دیا۔

"تی نائین ...... مادام پارس کالنگ!" ٹرانسمیٹر پر جھک کر وہ بار بار یہی فقرہ دہرانے لگی۔

"تی نائین مادام!" ٹرانسمیٹر کے ریڈیائی شور میں ایک مردانہ آواز ابھری جس میں احترام سے زیادہ خوف اور حیرت کا عنصر نمایاں تھا۔

"شمالی شاہراہ سے سرخی رنگ کی ایک تیز رفتار اسپورٹس کار شہر کی طرف آ رہی ہے۔ اس میں بظاہر صرف ایک آدمی ہے۔ یہ شاہراہ وسط میں دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ فوراً دونوں راستوں کی ناکہ بندی کرو۔ اس کار کا رکنا بہت ضروری ہے۔ ...... اوور!" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔

"اور اگر وہ مزاحمت پر آمادہ ہو مادام؟ اوور!" مردانہ بھاری آواز میں ہلکی سی تشویش آ گئی تھی۔

"تم الو کے پٹھے ہو تی نائین اوور!" شاہدہ کے حلق سے غراہٹ ابھری۔

"یس مادام!" شاہدہ کا فقرہ مکمل ہونے پر وہ جلدی سے بولا۔ "میں معافی چاہتا ہوں۔ اوور!"

"زندہ یا مردہ .... اسے یہ راستہ عبور کرنے سے روکو!" شاہدہ نے بیزاری کے عالم میں یہ کہہ کر ٹرانسمیٹر آف کیا۔

"اور کیا کیا ہے اس کار میں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اپنی سیٹ کے نیچے ہاتھ ڈالو!" وہ ہنس کر بولی اور ٹرانسمیٹر دوبارہ اس کے اصل مقام پر پہنچا دیا۔

میں نے نشست کے نیچے ہاتھ ڈالا تو ایک بڑے آہنی صندوق کی موجودگی کا احساس ہوا۔

"کھینچ لو اسے باہر کھینچ لو!" شاہدہ نے مجھے تردد کرتے دیکھ کر کہا۔

"یہ تو اپنی زخمی ٹانگ کو کہاں لے جاؤں؟" میں نے لہجے میں سوال کیا۔

وہ پھر ہنس پڑی۔ "تمہاری ان ہی بھولی باتوں پر تو ...

...... اسے وہیں پڑا رہنے دو، اس میں صرف اتنا ہے کہ باہر آ جائے اور اس میں کسی قسم کے کئی بم موجود ہیں جو دھواں پھیلانے سے خوفناک آتش زنی تک کئی کام کر سکتے ہیں۔"

"اور تم ہر وقت انہیں ساتھ لیے پھرتی ہو؟"

"میرا پیشہ ہی ایسا ہے۔" بہ ملکہ کی بادشاہت کے منہ سے زندہ نکلتی ہوں۔"

"یہ تی نائین کون تھا؟"

"شیں اسکینڈ۔" وہ قہقہہ مار کر بولی۔ "سامنے جاتی ہوں تو سرنی کا رکن بھی کر زبردستی غش سمجھنے لگتا ہے مگر اس وقت میری آواز سن کر اس کا پیشاب خطا ہو گیا ہو گا۔"

"کمال ہے کہ وہ تمہاری آواز نہیں پہچانتا، تم اس سے اپنے اصل لہجے میں بات کرتی تھیں۔" میں نے بے اختیاری سے کہا۔

"میرے ٹرانسمیٹر کا نشریاتی حصہ خاص ساخت رکھتا ہے۔ مجھ سے ہیلی کاپٹر میں دو بار دیا یا فرما میری آواز میں گونج اور بھاری پن پیدا کرتا ہے۔ دوسری طرف کم سنی بھری آواز سنو تو یہی سمجھو گے کہ سامنے برسوں کی کوئی قوی ہیکل عورت بول رہی ہے۔"

"اچھے کام ہیں تمہارے۔" میں آہستہ آہستہ اس لڑکی کی صلاحیتوں سے متاثر ہوتا جا رہا تھا۔

"جن لوگوں سے میرا کام پڑتا ہے وہ سب مجھ سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ میں کبھی اپنے اصل روپ میں ان کے سامنے آنے کو ناپسند کرتی ہوں ورنہ مجھے اسی وجہ سے ختم کرنا چاہتی ہوں کہ کہیں الیزا نے اسے میرے اصل روپ سے باخبر نہ کر دیا ہو!"

"تو کیا الیزا ...... ؟"

اس نے میرا فقرہ درمیان ہی سے اچک لیا اور لاپروائی سے بولی۔ "ہاں وہ بھی اپنی ماں کے پاس جا چکی ہے اور شخص تمہاری حماقت کی وجہ سے موت کے گھاٹ اتاری گئی ہے!"

الیزا کی موت کی خبر سن کر میرے دل کو شدید دھچکا لگا۔ وہ اچھی لڑکی تھی۔ "تم نے اسے مار کر بہت برا کیا شاہدہ! اس کی موت میں میرا کوئی ہاتھ نہیں سمجھو۔"

"تم ایسے ہی نا سمجھتا تھا کہ میں اس کی ماں کی قبر دیکھوں۔" وہ بولی۔ "اس لڑکی کی اصلیت جان لینا ہی اس کی ہلاکت کی نشانی تھی۔"

"پھر تم یہ جان کر بھی میرے بارے میں کیا خیال رکھتی ہو؟"

"تمہیں تو سب کچھ کرا دوں گی۔" وہ جس کر بولی۔ "انجام میرے جیسے کی نہایت خیر بھلائی سمجھنے سے کی ہے!" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"پھٹے ہوئے کی ضرب نے تمہیں کچھ دنوں کی فرصت فراہم کر دی ہے۔ اس دوران تم میرے بارے میں سنجیدگی سے غور کر سکو گے!"

شاہدہ کی کار تیز رفتاری سے ایکس ویو نامی ایک مضافاتی شاہراہ پر بڑھتی رہی۔ راستے میں وہ دوراہا بھی آیا جس کا شاہدہ نے ذکر کیا تھا مگر وہ سیدھی بڑھتی چلی گئی۔

"اور اگر وہ دوسرے راستے پر نکلا ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"فکر نہ کرو، ادھر سے شہر میں داخل ہو کر ہم دوسرے راستے سے دوبارہ ایکس ویو پر آ جائیں گے۔" وہ لاپروائی سے بولی۔ "تی نائین اسے کسی قیمت پر شہر میں نہیں گھسنے دے گا۔"

"مگر اسے بہت کم وقت ملے گا!"

"اسے خود نہیں بھاگنا پڑے گا، وائرلیس پر ہدایات ملتے ہی آدمی دونوں راستوں پر پہنچ گئے ہوں گے۔"

شہر میں داخلے تک ہمیں وہ شاہراہ بالکل صاف اور ویران ملی۔ وہاں کہیں بھی کسی ہنگامے کے آثار نہیں تھے۔

شہر کے مختصر سے علاقے کو عبور کر کے شاہدہ نے کار ایک طرف گھمائی اور بولی۔ "اب ہم دوبارہ ایکس ویو کی طرف جا رہے ہیں۔ وہ یقیناً اسی راستے پر پھر آئی ہو گا!"

"اور اگر وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا؟"

"تو اس علاقے کو کہیں بھی تبدیل کر دیا جائے گا۔ جہاں اس کے پناہ لینے کا خفیف سا امکان بھی موجود ہو!" شاہدہ کا لہجہ سخت اندیشے سے عاری تھا۔

پھر اس کہرآلود دھند کے بیچ کافی دور سے ہی شعلے نظر آنے لگے۔ ایکس ویو سے آنے والی اس ذیلی شاہراہ پر یقیناً کوئی بڑا ہنگامہ برپا ہو چکا تھا۔

"دیکھ لیا!" شاہدہ کی آواز میں فخر کا احساس نمایاں تھا۔

"شاید تمہارے آدمیوں نے کار کو ہی اڑا دیا!" میں نے آہستہ سے کہا۔ شاہدہ کے دسائل جوں جوں سامنے آتے جا رہے تھے میں اپنے مستقبل کی طرف سے زیادہ فکر مند ہوتا جا رہا تھا۔ وہ مجھے خود بتا چکی تھی کہ اس کی اصلیت سے واقف ہو جانے والوں میں سے میرے سوا کوئی زندہ نہیں بچا تھا۔ اور وہ اپنی ذات کا میرے سامنے بھرپور اظہار کرتی جا رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ میرے بارے میں کوئی اٹل فیصلہ کر چکی تھی۔

اگر میں اس کی خواہشات کے سامنے اپنا سر خم کر دیتا تو ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہوتے اور پھر ہمارے راز بھی مشترک ہی ہوتے مگر میں سیتا سے بے وفائی کسی قیمت پر نہیں کر سکتا تھا خواہ اس کے نتیجے میں شاہدہ مجھے ختم کرنے کا فیصلہ ہی کیوں نہ کر لیتی۔ شاہدہ سے انحراف کے بعد میری سلامتی شدید خطرے میں پڑ سکتی تھی کیونکہ میں اس کے دوسرے راز سے واقف تھا اور وہ اس راز کی حفاظت کے لیے سب کچھ گزرنے کی اہلیت رکھتی تھی۔

شاہدہ کی کار چند ہی منٹ میں جلتی ہوئی کار تک پہنچ گئی اور

بے اختیار اس کے حلق سے ایک وحشیانہ غراہٹ آزاد ہوگئی۔

شاہدہ کا اضطراری ردعمل سامنے آتے ہی مجھ پر ساری صورت حال روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی۔

اسرائیلی سیکرٹ ایجنٹ جس کار میں فرار ہوا وہ انتہائی شاندار والی سرخ رنگ کی جدید اسپورٹس کار تھی جبکہ شعلوں میں گھری ہوئی گاڑی سفید رنگ کی ڈیلکس سیلون کار تھی جو میں نے پہلے شین مارکینڈ کے تصرف میں دیکھی تھی۔

شاہدہ اپنی کار کا انجن بند کر کے برق رفتاری سے سفید کار کے جلتے ہوئے ڈھانچے کی طرف لپکی اور خود کو شعلوں کی زد سے بچاتے ہوئے کار کے اندرونی حصے کا جائزہ لینے لگی۔ اس کی بے تابی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ شین مارکینڈ کی سلامتی کے بارے میں بہت زیادہ فکر مند تھیں۔

جلتی ہوئی کار کے اندرونی حصے کا جائزہ لے کر وہ تیر کی طرح اپنی کار میں واپس آئی اور فوراً ہی انجن اسٹارٹ کر کے شہر کی طرف واپس روانہ ہوتے ہوئے بولی۔ "سخت چوٹ ہوگئی یہاں کوئی بڑا ہنگامہ ہوا ہے!"

"جلتی ہوئی کار تو شاید شین مارکینڈ کی ہے!" میں نے کہا۔

"ہاں!" وہ ایک جھٹکے سے بولی۔ "کار اسی کی ہے مگر خالی پڑی ہے۔ شاید وہ بروقت باہر نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔"

"حادثہ تازہ ہی معلوم ہو رہا تھا پھر شین مارکینڈ اور اس کے ساتھی کہاں غائب ہوگئے؟" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ لوگ یہاں کسی گاڑی میں اپنے شکار کے منتظر رہے ہوں گے اور شاید شین مارکینڈ ان ہی کے ساتھ شکار کے تعاقب میں چلا گیا ہے۔"

"وہ اکیلا اتنے آدمیوں کو کیسے چکمہ دے گیا؟" میں نے دانستہ شاہدہ کی دکھتی رگ کو چھیڑ دیا۔

"ایسا بھی ہوتا رہتا ہے۔" خلاف توقع وہ پرسکون آواز میں بولی۔ "اور پھر ابھی فیصلہ کہاں ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ شہر میں گھیر لیا گیا ہو۔"

"شہر میں نہ سہی، عالم بالا میں تو تمہارے ہاتھ آ ہی جائے گا۔"

"ایسی مایوسانہ گفتگو سے تم مجھے اشتعال نہیں دلا سکتے۔" اس کے انداز میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ "تمہیں تو بہرحال اس وقت تسلیم کرنا ہی ہوگا جب شین مارکینڈ مجھ سے رابطہ قائم کر کے اپنی بے بسی کی کہانی سنائے گا۔"

"مگر یہ ہوا کیسے ہوگا؟" میں نے گفتگو کا تسلسل قائم رکھتے ہوئے سوال کیا۔ "تمہارے آدمی نہ صرف تعداد میں زیادہ رہے ہوں گے بلکہ وہ اس کے استقبال کے لیے تیار تھے۔ اور وہ عزرائیل کے عالم میں فرار ہو رہا تھا۔"

"... پسپائی اختیار کرنا بھی ایک فن ہے۔" وہ بولی۔ "... کوئی معمولی آدمی نہیں بلکہ اسرائیلی سیکرٹ سروس کا ایک اہم رکن تھا۔"

"اپنے دشمنوں کو خراج تحسین پیش کرنا اچھی بات ہے۔"

"بروغیل بوچ شہرہ آفاق سیکرٹ ایجنٹ ہے۔ اس کے ... اس سے ہمیشہ بہت خائف رہتے ہیں۔"

"اگر بھاگنے والا بروغیل بوچ ہی تھا تو میرے معاملے میں اس نے انتہائی کچے پن کا ثبوت دیا ورنہ ... سے تمہاری کار کے ... تک ضرور ڈال ہی جانا چاہیے تھی!"

"شاید اس وقت تمہارے ستارے عروج پر تھے ورنہ وہ کسی بے بس چوہے کی طرح پکڑ لیے جاتے!"

"اب شہر میں کہاں سر مارتی پھرو گی؟"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" وہ قدرے توقف کے بعد ... آواز میں بولی۔ "مجھے فوراً ورلی بیک جانا چاہیے!"

"یہ کون سی جگہ ہے؟"

"اسی قصبے کا نام ہے جہاں سے ہم آ رہے ہیں۔ اس ... ایلیزا اور بروغیل بوچ کے ساتھی کی لاشیں خطرات پیدا کر سکتی ہیں۔"

"تو تم نے واقعی ان دونوں کو ختم کر دیا تھا؟"

"ہاں! تم نے غور سے دیکھنے کی زحمت ہی نہیں کی ... میں نے دونوں کی ہی گردنیں توڑنے کی کوشش کی تھی!"

"حسن اور درندگی کا ایسا بھیانک امتزاج میری نظروں سے کبھی نہیں گزرا!" میں نے حقیقت میں جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔

وہ میرے الفاظ سن کر زور سے ہنس پڑی۔ "تمہاری ... کے قصے میں بروغیل بوچ سے سن چکی ہوں۔ ... تھا کہ اسرائیل میں تم نے کیسے وسیع پیمانے پر دہشت اور بربریت پھیلائی تھی!"

"وہ فرضی کہانیاں رہی ہوں گی اگر تم مجھ سے اتنی ہی خوفزدہ ... خود ہی مجھے ان بھیڑیوں کے حوالے کر دیتیں!"

"مگر انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ تم میری قید میں ہو ..." ... ہوتے شاہدہ نے اپنی کار ایک چوراہے سے واپس گھمائی۔ ورلی بیک کی طرف جاتے ہوئے ہم شین مارکینڈ کی کار کے قریب سے گزرے تو وہاں دو کاریں اور ایک فائر ... تھا۔ آگ بجھائی جا چکی تھی مگر مختلف حصوں سے کثیف دھواں اٹھ رہا تھا۔

شاہدہ نے چند لمحوں کے لیے وہاں رک کر ... آتش زدہ کار کے بارے میں چند سوالات کیے اور پھر ... کی طرف روانہ ہوگئی۔

سارے راستے وہ مجھ سے مسلسل باتیں کرتی رہی ... کی ساری گفتگو کا محور میری اور اس کی ذات تھی اور وہ مجھے ...

چاہیے تھی کہ میں اسے اپنا کر حقیقی معنوں میں سکون اور مسرت حاصل کر سکوں گا۔

مگر زخمی پنڈلی کے ساتھ اس طویل بھاگ دوڑ نے مجھے خاصا پریشان کر دیا تھا۔ میں درد سے نجات پانے کے لیے اپنی ٹانگ کو حرکت دیے بغیر ایک ہی حالت میں رکھے ہوئے تھا جس کے باعث پٹھوں میں خاصی اکڑن تھی مگر اس کے باوجود آرام کی ضرورت ہنوز باقی تھی لہٰذا میں نے فیصلہ کن انداز میں شاہدہ سے بحث نہیں کی۔ اسے الجھن میں ڈال کر میں وقت حاصل کر سکتا تھا۔ اس دوران میں نہ صرف میری زخمی ٹانگ کی حالت سنبھل جاتی بلکہ میں حالات کا جائزہ لے کر اپنی گلو خلاصی کی ٹھوس تدابیر پر بھی غور کر سکتا تھا۔ میرے لیے سیتا تک پہنچنا غیر متوقع طور پر ثانوی حیثیت اختیار کر گیا تھا وجہ سب سے بڑا مسئلہ یہ پیدا ہوگیا تھا کہ شاہدہ کی قید سے نجات کیسے حاصل کروں۔ اس کی شخصیت کا جو انداز میرے سامنے آیا اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ معمولی سی باتوں پر بھی انسانی خون بہانے سے گریز نہیں کرتی تھی۔ دوسری طرف ... اس کا بنیادی مقصد تھا لیکن پھر بھی اس نے نہ صرف مجھے زندہ رکھا تھا بلکہ میرے لیے کی جانے والی اسرائیلی ... کوشش کو بھی حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔

الجیریا کی سرزمین پر شاہدہ کی وہ یکطرفہ محبت میرے لیے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہو رہی تھی۔ میں اس کا قیدی ضرور بنا ہوا تھا مگر وہ مجھے اسرائیلی قاتلوں سے بھرپور تحفظ بھی فراہم کر رہی تھی جو کسی اور صورت میں میسر نہ ہوتا۔

الجیریا میں فلسطینی افواج آزادی کی تنظیم محض خالد عبدالفتاح کی حد تک محدود تھی۔ اس نے شین مارکینڈ کے مکان پر چھاپہ مار کر ... کے اراکین کا کام تمام کر کے بے حد جرأت کا ثبوت دیا تھا مگر اس سے مزید بہتر اقدامات کی امید عبث تھی۔

شاہدہ اور اسرائیلیوں کے سامنے خالد عبدالفتاح کسی طرح نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ ہاں اتنا ضرور ... ممکن تھا کہ اس کے ذریعے مجھے سیتا کی خیر خبر مل سکتی تھی مگر اس سے زیادہ کھل کر کسی محاذ پر سامنے آنے کی کوشش کرتا تو شاہدہ نہایت آسانی کے ساتھ اس کا پتا صاف کرا سکتی تھی۔

میرے خیالات کا تسلسل اس وقت ٹوٹا جب شاہدہ نے ... مکان کے برآمدے کے سامنے روک کر انجن بند کر دیا۔

... سامنے ہی ایلیزا اور اسرائیلی ایجنٹ دونوں کی لاشیں بدستور ... پڑے ہوئے تھے۔ شاہدہ نے ان کا مکمل جائزہ لے کر ... پھر لاش کی ... چھوڑ کر وہ مکان کے اندر داخل ہوگئی۔

"وہ لاشیں ... شاہدہ ...

پرتکلف خوابگاہ میں بستر پر دراز ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"اس موسم میں لاشیں تو تین دن تک بھی خراب نہیں ہوں گی۔ مگر قتل کی واردات کے بعد میں انہیں یونہی نہیں چھوڑ سکتی۔ یہی فکر اس وقت مجھے یہاں واپس لائی ہے۔"

"تو اب ان کا کیا ہوگا؟"

"دیکھتے جاؤ!" وہ ایک ادا کے ساتھ مسکرا کر بولی۔

پھر اس نے ایک الماری میں سے ایک بکس نکالا جو سیاہ چمڑے کے غلاف میں پوشیدہ تھا اور مسہری پر لا کر اسے کھول دیا۔

اس بکس میں ... سی ساخت کا ایک ٹرانسمیٹر موجود تھا جو میں شاہدہ کی کار میں دیکھ چکا تھا۔ شاہدہ نے اس کا فریکوئنسی ڈائل وغیرہ دیکھنے کے بعد بٹن دبایا اور کسی کے کال سائن کو قریب ... وقفے وقفے سے اپنا کوڈ دہرانے لگی۔

"ٹی ٹائیں میڈم!" چند ثانیوں بعد شین مارکینڈ کی ہانپتی ہوئی آواز ریسیور پر سنائی دی۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں اپنا کام پورا نہ کر سکا۔ اوور!"

"مجھے معلوم ہے مگر یہ ہوا کیسے اور تمہارا کیا حال ہے؟ اوور!"

"میں اسے زندہ گرفتار کرنے کے چکر میں مارا گیا۔ اس نے خطرہ محسوس کرتے ہی آتشگیر بم پھینکنے شروع کر دیئے۔ اگر میں اپنی کار سے کودنے میں ذرا بھی تاخیر کرتا تو شعلے میرا بدن بھی چاٹ گئے ہوتے۔ ہم نے اسے گھیرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ سینٹ پیر برٹ کے علاقے میں نکل گیا۔ اوور!" شین مارکینڈ کی آواز پر ہانپ طاری تھی۔

"تم خود کو ڈسمنٹ کا مستحق ثابت کرتے جا رہے ہو۔" شاہدہ کا لہجہ سرد اور جذبات سے یکسر عاری تھا۔ "اگر چوبیس گھنٹوں میں وہ تمہارے ہاتھ نہ لگا تو تم میری سرپرستی سے محروم کر دیئے جاؤ گے ..... اوور!"

"نہیں میڈم!" شین مارکینڈ کی آواز میں یک لخت موت کی وحشت سمٹ آئی۔ "میں ابھی زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ مہلت ختم ہونے سے پہلے میں اپنا کام [illegible] لوں گا۔ میرے آدمی مسلسل اس کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں ..... اوور!"

"کل رات تک ... کے بعد میں کوئی عذر نہیں سنوں گی۔" شاہدہ کا لہجہ بدستور سپاٹ تھا۔ "اس وقت تمہیں فوری طور پر ورلی بیک کے مضافات پہنچنا ہے۔ تم اپنے ساتھ ایک بند گاڑی لے کر جاؤ گے۔ باقی ہدایات وہاں موجود لڑکی سے ملیں گی ..... اوور اینڈ آل۔"

یہ کہہ کر شاہدہ نے اس کا جواب سنے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

"اسے کیوں بلایا ہے یہاں؟" میں نے فوراً ہی سوال داغ دیا۔

"مردے ٹھکانے لگانے کے لیے پردیس میں اس سے بہتر آدمی ملنا مشکل ہے۔" وہ اپنی داہنی آنکھ دبا کر ہنستے ہوئے بولی۔

شاہدہ نے مکان کو گرم کرنے کا انتظام آن کر دیا اور لباس تبدیل کر کے میرے ساتھ شراب نوشی میں مصروف ہو گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس لڑکی کو باہر سڑک میں جلتی دونوں لاشوں کی کوئی فکر نہ ہو۔

تقریباً نصف گھنٹے بعد کمرے کی خاموش فضا میں بزر کی آواز سن کر میں چونک پڑا اور شاہدہ اپنا گلاس ہاتھ میں لے کر ایک دیوار گیر آلے کے قریب پہنچ گئی۔

"کون ہے؟" اس نے ایک بٹن دبا کر انگریزی میں سوال کیا۔

"ڈی ناہین!" اسپیکر پر ابھرنے والی آواز سو فیصدی شین مارکیڈو کی ہی تھی۔

"کمرہ نمبر تین میں چلے آؤ۔" شاہدہ نے یہ کہہ کر بزر سوئچ آف کیا اور میرے سامنے آ بیٹھی۔ "دیکھنا کہ وہ میرے ساتھ کس طرح پیش آتا ہے۔"

چند ثانیوں بعد خواب گاہ کا دروازہ کھلا اور شین مارکیڈو کا کرخت چہرہ سامنے آ گیا۔ اس کے بشرے سے تشویش اور فکرمندی ہویدا تھی مگر شاہدہ کو دیکھتے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

"اوہ..... تو یہاں تم موجود ہو۔" وہ نہایت لاپروایانہ انداز میں یہ کہتا ہوا آگے بڑھا اور مجھے دیکھتے ہی اس کا منہ بن گیا۔ "یہ تمہارے ساتھ کیسے پہنچ گیا؟"

"اس کی فکر مت کرو۔ یہ میرا مہمان ہے اور تم باہر پڑی جلتی لاشیں لے کر فوراً واپس چلے جاؤ۔" شاہدہ ترش لہجے میں بولی۔

"ادائیں دکھانے میں تمہارا کوئی ثانی نہیں ہے۔" وہ بے تکلفی سے شاہدہ کے شانے پر ہاتھ مار کر اسی کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ "ورنہ ابھی بیٹھنے کو نہیں کہو گی۔"

پھر شاہدہ کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس نے الماری سے خالی گلاس نکالا اور دوبارہ شاہدہ کے قریب بیٹھ کر اسے لبریز کر لیا۔

"تم کوئی بدتمیزی نہیں کرو گے۔" شاہدہ اس سے ذرا سرکتے ہوئے بولی۔ "مادام کا حکم ہے کہ دونوں لاشیں اسرائیلی سفارت خانے کی عمارت میں یا اس کے قریب ویرانے میں ڈال دی جائیں۔"

"کام کے لیے تو ساری رات پڑی ہے، تم کہاں کھسک رہی ہو۔" وہ شاہدہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

شاہدہ کے گلاس سے شراب چھلک کر اس کے لباس پر گر گئی اور وہ غصیلے لہجے میں بولی۔ "تم کمینے ہو۔ مجھے ہاتھ نہ لگاؤ۔"

"کوئی نئی بات نہیں ہے۔" وہ ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے بولا۔ "آغاز ہمیشہ اسی طرح ہوتا ہے مگر محفل کے اختتام پر ہم دونوں ہی خوش و خرم ہوتے ہیں۔"

"کم از کم تیسرے شخص کی موجودگی کا خیال کرو۔" شاہدہ اپنے آپ کو اس سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"لنگڑا اب بے چارہ دو دولتے دو مرے کمرے میں [illegible]" وہ بے حیائی سے بولا۔ اس کی خباثت سے بھرپور نگاہیں شاہدہ کے جسم پر مرکوز تھیں۔

"میں مادام سے تمہاری شکایت کروں گی۔"

"یورو سیلز میں مادام میرے علاوہ کسی کی بھی نہیں سنتی تمہاری شکایت بھی میرے ہی ذریعے اس تک پہنچ سکے گی۔" وہ شاہدہ پر اپنی برتری کا رعب جماتے ہوئے بولا۔

"مادام اس وقت اسی عمارت کے کسی حصے میں موجود ہے۔"

"تم بکواس کر رہی ہو۔" شین مارکیڈو نے بے اعتمادی سے کہا۔ اس وقت اس کے چہرے کے تاثرات قابل دید تھے۔

"وہ دونوں لاشیں آسمان سے نہیں ٹپکی ہیں۔" شاہدہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

شین مارکیڈو کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں ماند پڑ گئیں اور اس کے چہرے پر ایک مرتبہ پھر تشویش کے آثار ابھر آئے۔ "میں یقین نہیں کر سکتا۔ تم کیا چاہتی ہو؟"

"میں یقین کرنے پر مجبور تو نہیں کر رہی۔" شاہدہ نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ مادام کے ہاتھ سے جوتے کھا کر تمہاری عقل ٹھکانے آ سکے۔"

"لڑکی!" شین مارکیڈو حلق کے بل غراتے ہوئے اس کی جانب جھپٹ پڑا اور دونوں ہاتھوں سے شاہدہ کے رخسار نوچ لیے۔ "میں ایسا لہجہ استعمال کرنے والوں کی زبانیں کھینچ لیا کرتا ہوں۔"

"میں تمہاری ماتحت نہیں ہوں۔" شاہدہ اسے پرے دھکیلتے ہوئے بولی۔ "پیرس میں مجھے بھی بہت اختیارات حاصل ہیں۔ وہاں تم نے ایسی بدتمیزی کی جسارت کی ہوتی تو تمہارے سارے کس بل نکال دیتی۔"

"حقیر کتیا!" وہ غرا کر پیر پٹختا ہوا اس کمرے سے چلا گیا اور شاہدہ مسکراتے ہوئے میری طرف متوجہ ہو گئی۔

"اس تماشے سے تمہیں کیا حاصل ہوا؟" میں نے ملامت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"انا کی تسکین۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "میں یہ منحوس شکل دیکھ کر اسے قائل ہونے پر مجبور کر سکتی تھی مگر اپنے سامنے میں ایک کمزور اور بے بس سی لڑکی ہی محسوس کرتی ہوں۔"

...مطلوبیت کی انتہا اختیار کرنے کے بعد تحکم میں زیادہ مزا آتا ہو گا۔" میں نے کہا۔ "مگر پیرس کے بارے میں تم نے اس سے کیا کہا تھا؟"

"وہ میرے الفاظ کے کھوکھلے پن سے واقف تھا۔ وہاں جیکیس ریڈین مادام ہوادری کا مقامی نمائندہ ہے، میں اسی کے احکام پر عمل کرتی ہوں۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"ان معاملات میں تم مجھے کیوں ملوث کرتی جا رہی ہو؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"تاکہ تم جلد ہی کوئی فیصلہ کر سکو۔" وہ براہ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں نے آج پہلی بار شین مارکیڈو کو دھتکارا ہے۔"

"اسے دھتکارنے سے حقائق نہیں بدلے۔" میں نے پیچھے ہوتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اس سے پہلے وہ خطرناک حد تک تم پر حاوی رہا ہے۔"

"وہ ماضی ہے صفدر! اسے بھول جاؤ۔" وہ میری طرف جھک کر بولی۔ "میں اسے فراموش کر کے ایک نئی زندگی کا آغاز کرنا چاہتی ہوں۔"

"شین مارکیڈو کو دھتکار کر تم آغاز کر ہی چکی ہو، مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"خلوص اور چاہت۔"

"میں ان الفاظ سے اچھی طرح واقف ہوں۔" میں نے لاتعلقانہ انداز میں کہا۔ "کسی خود غرض کی زبان سے ایسے بھی الفاظ اچھے نہیں لگتے۔"

"میں نے کیا خود غرضی کی ہے تمہارے ساتھ؟"

"شروعات سے کرتی آ رہی ہو اور اب بھی تمہیں میری تکلیف کا ذرہ برابر احساس نہیں ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

وہ اور سے ہنس پڑی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ چنگلی میں زیادہ تکلیف ہو رہی ہے۔"

"پلاسٹک کے ساتھ ہی ہسپتال سے کچھ دوائیں بھی دی گئی تھیں۔"

شاہدہ نے اپنے ریشمی بیگ سے لفافہ نکالا اور چند گولیاں نکال کر میری طرف بڑھا دیں۔

اسی وقت دروازہ کھلا اور شین مارکیڈو اندر گھس آیا۔

"اب کیا مصیبت ہے؟" شاہدہ نے جھلاتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"دونوں لاشیں میں نے گاڑی میں ڈال دی ہیں۔ میں..." [illegible]

"آ کیا مجھ سے شاباشی لینے آئے ہو؟"

شین مارکیڈو نے غرا کر اسے ایک غلیظ سی گالی دی۔ "میں یہ بتانے آیا ہوں کہ میں نے پوری عمارت کا طواف کیا ہے، مگر مادام کہیں موجود نہیں ہیں۔"

"اگر مادام اندھوں کو یوں نظر آنے لگے تو تنظیم چلانے کے بجائے وہ یتیم خانہ کھولنے کو ترجیح دے گی۔" شاہدہ اس سے بالکل مرعوب نہیں تھی۔

"میں دیکھ لوں گا اگر دیکھ لوں گا۔" وہ پیر پٹخ کر بولا۔

"تاریک شیشوں کی عینک لگا کر دیکھنا زیادہ حسین نظر آئے گی۔" شاہدہ کھنکتا ہوا قہقہہ مار کر بولی۔ "ویسے مجھے موقع ملا تو مادام کو تمہاری حرکتوں سے مزید آگاہ کروں گی۔"

وہ اپنے ہونٹ دانتوں میں بھینچے چند ثانیوں تک شاہدہ کو گھورتا رہا پھر خلاف توقع نرم لہجے میں بولا۔ "یہ لنگڑا یہاں کیا کر رہا ہے؟"

"ان معاملات میں ٹانگ اڑا کر اپنی عاقبت برباد نہ کرو۔ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس میں مادام کی مرضی شامل ہے۔" اس بار شاہدہ نے بھی سنجیدگی کے ساتھ اسے مشورہ دینے کی کوشش...... کی تھی۔

"میں تم سے علیحدگی میں کچھ بات کرنی چاہتا ہوں۔" شین مارکیڈو نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"یہیں بات کر لو، مجھے اس کے پاس سے جانے تک کا حکم نہیں ہے۔" شاہدہ نے بے نیازی سے جواب دیا۔

شین مارکیڈو نے تذبذب کے عالم میں کچھ کہنا شروع کیا جو میری سمجھ میں نہ آ سکا کیونکہ اس نے اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنے کے لیے کسی اجنبی زبان کا سہارا لیا تھا۔

شاہدہ ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ لیے سکون سے اس کی بات سنتی رہی اور جب وہ خاموش ہوا تو انگریزی میں بولی۔ "تم فکر نہ کرو، میں ذاتی معاملات میں مادام کو نہیں الجھاؤں گی مگر آئندہ تمہارا رویہ مہذب ہونا چاہیے۔"

شاہدہ کو انگریزی بولتے دیکھ کر اضطراری طور پر مارکیڈو کا ہاتھ احتجاجی انداز میں فضا میں بلند ہوا اور اس کے ہونٹ بھی وا ہوئے مگر اس نے فوراً ہی خود پر قابو پا لیا۔ اس کے بشرے پر غصے اور بے بسی کے ملے جلے آثار ابھر آئے تھے۔

شاہدہ کے جواب میں مزید کچھ کہے بغیر وہ خاموشی سے وہاں سے چلا گیا، اور شاہدہ فاتحانہ انداز میں میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"کیا کہہ رہا تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"اپنی دکھ بھری داستان سنا رہا تھا۔" وہ آسودہ لہجے میں بولی۔ "کہہ رہا تھا کہ ان دنوں وہ مادام کے عتاب میں ہے، اصل اگر میں نے اس کی شکایت کی تو اس کے بارے میں کوئی روح فرسا فیصلہ بھی صادر کیا جا سکتا ہے۔"

"اور اس کی زبان سے یہ سن کر تمہیں خوشی ہوئی ہے؟" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"ہونی ہی چاہیے۔ انسان کے اگر دو مقابل روپ ہوں تو وہ ہر روپ میں دوسرے بہروپ کے کمالات دیکھ کر خوشی محسوس کرتا ہے۔"

"تمہارے منہ سے یہ الفاظ عجیب لگتے ہیں۔"

"مادام بولاری کی شخصیت سے میل نہیں کھاتے۔ یہی کہنا چاہتے ہو نا؟"

میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"اس وقت تمہارے سامنے میں محض شاہدہ ہوں اسی لیے اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی ہوں۔ کبھی کبھی تو میں اپنے موجودہ حالات سے شدید گھٹن محسوس کرنے لگتی ہوں اور جی چاہتا ہے کہ کھل کر اپنے مادام بولاری ہونے کا اعلان کر دوں۔ تم پہلے آدمی ہو جسے میں نے بے نوعیت خطرناک رازوں میں شریک کیا ہے اور اسی وجہ سے تم سے بے تکلفی سے باتیں کرتی جا رہی ہوں۔" وہ میرے قریب سرک کر بولی۔

"تم مادام بولاری ہو یا شاہدہ مگر ہو نری احمق ہی۔"

"بڑا اچھا خیال ہے۔" وہ دلفریب انداز میں مسکرائی۔

"تم بروغیل بوچ کو بھول رہی ہو۔"

"میرے آدمی اس کی بو پر لگے ہوئے ہیں۔" وہ لاپروائی سے بولی۔

"شیبن مارکیڈ کو تو میں نے دیکھ ہی لیا، وہ مرے بھی کہیں اپنی ناکامی کا غم غلط کر رہے ہوں گے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "وہ مجھے دیکھ کر عارضی طور پر بہک گیا تھا، بعد میں نے اس کا بدلا ہوا روپ نہیں دیکھا۔"

"اور اگر بروغیل بوچ ان سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کہیں پناہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو؟"

شاہدہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ "تم درست کہہ رہے ہو، یہ مکان اس کی نظروں میں آ چکا ہے، کہیں وہ زیادہ نفری کے ساتھ دوبارہ یہاں دھاوا نہ بول دے۔" اس کا لہجہ تشویش آمیز تھا۔

"اب وقت کے زیاں کا احساس ہو رہا ہے نا؟"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ بروغیل بوچ اس مکان کو بھول ہی جائے۔ وہ یہ بھی تو سوچ سکتا ہے کہ یہ مکان اس کی نظروں میں آنے کے بعد اپنی حقیقت اور اہمیت کھو بیٹھا ہو۔" وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولی۔

"پھر تم آرام کرو ان حالات میں مجھے تو اس چھت تلے نیند نہیں آ سکتی۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اگر تم اس بات کو اتنی اہمیت دے رہے ہو تو میں ابھی سے تازہ ترین صورت حال معلوم کرتی ہوں۔" وہ ٹرانسمیٹر کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

"وہ تو ابھی تک سلاخوں کے پیچھے ہی ہوگا۔"

اس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور پھر شیبن مارکیڈ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

"رپورٹ، اوور۔" رابطہ قائم ہوتے ہی شاہدہ نے سوال کیا۔

"وہ جینٹ میوریٹ کے علاقے میں ایک عمارت میں گھستے دیکھا گیا تھا مادام۔" شیبن مارکیڈ کی آواز سنائی دی۔ "ہم نے جائزہ لیا، وہ دوبارہ اندر جا گھسا۔ وہ عمارت اس وقت آدمیوں کے نرغے میں ہے..... اوور۔"

"اور تم کہاں ہو؟ اوور۔"

"اطلاع ملتے ہی میں بھی موقع پر پہنچ چکا ہوں۔ پارسل میری گاڑی میں ہے۔ وہ عمارت میں آنے والوں کو لا کر میں منتقل کر دی ہیں..... اوور۔"

"تم باہر کب تک تھام کھڑے رہو گے؟" شاہدہ کا لہجہ برہم سا تھا۔

"مجھے مزید آدمیوں کا انتظار ہے مادام۔" وہ بولا۔

"ان کے آتے ہی میں خود ایک ایک فلیٹ کی تلاشی لوں گا۔"

"اسے پہچان سکو گے؟ اوور۔"

"لباس اور جسامت سے یقیناً پہچانا جائے گا۔"

"لباس بدلا جا سکتا ہے اور اس کی جسامت کے ہر دس آدمیوں میں دو چار اس جیسے ہوں گے۔"

"میری بات سنبھالی کر لیں گے مادام..... اوور۔" شیبن مارکیڈ فکر آمیز ہو گئی۔

"عمارت سے نکاسی کے کتنے راستے ہیں؟ اوور۔"

"دو..... مگر اس کے اندر گھستے ہی میرے آدمی دوسری طرف پہنچ گئے تھے کہ وہ ادھر سے نہ نکل سکا ہوگا۔"

"وہ چھپا ہوا ہے۔" شاہدہ غرائی۔ "تمہارے آدمی....."

"اسے بند کر دو مادام۔" اچانک دروازے کی طرف سے بھاری سی مردانہ آواز سنائی دی اور شاہدہ کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ اس کا تھوڑا ہو گیا تھا۔

شاہدہ نے چونک کر چند ثانیوں کے لیے خوف کے عالم میں اس نووارد دراز قامت سفید فام کو دیکھا اور ٹرانسمیٹر کا انتقالی بٹن دبا کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

"تم بہت بے خوف عورت ہو مادام!" اس شخص نے اپنے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کی بے نال سے شاہدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم میری توقعات پر پوری اتری ہو۔ ایک جھڑپ کے بعد یہاں پہنچنا دل گردے کا کام ہے!"

"تم اس کمرے میں کب سے چھپے ہوئے ہو؟" شاہدہ نے سرد اور سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔ وہ اپنے اشتعال پر قابو پا چکی تھی۔

"جب تم نے دیکھ لیا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "تم نے شاید مجھے چھلاوہ کہا تھا۔ تمہارے آدمی ابھی تک ایڈولف سینٹ میں میری واپسی کا انتظار کر رہے ہوں گے!"

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟" شاہدہ کے لہجے میں تحکم سمٹ آیا۔

"بنیادی مقصد ابھی تک برقرار ہے!"

"تمہارا مطلوبہ شخص میرے پاس نہیں ہے۔"

"پھر یہ کون ہے؟" اس نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں میرے بارے میں سوال کیا۔

"یہ میرا ایک دوست ہے۔"

"میں بچہ نہیں ہوں مادام!" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "اس شخص نے اپنی ظاہری وضع قطع تو بدل لی ہے مگر میں بالمشافہ اس کی بیشتر تصاویر دیکھ چکا ہوں جو میرے محکمے کے ریکارڈ میں موجود ہیں۔ یہ فریب مجھ پر نہیں چل سکے گا۔"

"اگر تمہیں اپنی نگاہوں پر اسی قدر اعتماد ہے تو اٹھاؤ اسے کندھے پر اور نکل جاؤ یہاں سے۔" شاہدہ نے اس بار خاصی بیزاری کا اظہار کر ڈالا۔

"میں کوئی بے جان جسم نہیں ہوں جو تم دونوں اس طرح میرے سامنے میری سودے بازی کر رہے ہو۔" میں نے پہلی بار اپنی زبان کھولی۔

"خاصی اچھی انگریزی بولتا ہے۔" وہ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ اس کا مخاطب بدستور شاہدہ ہی تھا۔ اس کی ٹانگ میں گولی لگی تھی۔

"میرا وقت اور موڈ برباد مت کرو! اسے لے جانے کے بعد مجھے کچھ نہ رہے گا۔"

"میرا ساتھی اور لیڈر کہاں ہے؟"

"ڈھونڈ لو، اسی عمارت میں ہوں گے!"

"مگر اس پر تشدد کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے مادام۔" وہ تنفر سے بولا۔ "مجھ سے ہوشیاری کی باتیں مت کرو!"

"کندے!" شاہدہ تلخ انداز میں ہنس پڑی جیسے اس نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو۔ "اگر تم یہ جان ہی چکے ہو کہ میں کون ہوں تو مجھ سے ایسی بچکانہ باتیں نہ کرو!"

"مجھے اپنا ساتھی ہر حال میں درکار ہے خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ!"

"کاش میں نے تمہارے مار ہی دیا ہوتا۔" وہ تاسف آمیز لہجے میں بولی۔

"میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ وہ کہاں ہے؟" وہ شخص غرایا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ شاہدہ کے چہرے پر بتدریج اضطراب مستقل ہوتا جا رہا تھا۔

"اسے مادام کے حکم پر یہاں سے کہیں اور منتقل کر دیا گیا۔" وہ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد ٹھہری ہوئی آواز میں بولی۔

"کہاں؟" اس کا پارہ چڑھتا جا رہا تھا۔

"یہ مادام کو یا لے جانے والوں کو معلوم ہوگا۔"

"تم بھی اپنی اصلیت سے انحراف کر رہی ہو۔"

"میں مادام بولاری کی ایک ادنیٰ جان نثار ہوں مسٹر بروغیل بوچ۔" شاہدہ سنجیدگی سے بولی۔ "اگر میں مادام بولاری ہوتی تو اس کمرے میں قدم رکھنے سے پہلے تمہارا بدن چھلنی کر دیا گیا ہوتا۔"

"تم جھوٹی ہو۔ اطلاع نے مجھے پوری کہانی سنا دی تھی۔"

"زبردستی کا تو کوئی علاج نہیں ہے!"

"میں دیکھوں گا تمہیں۔" وہ جھنجھلائے لہجے میں بولا۔ "پہلے تم صفدر کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر لے جا کر باندھو۔ سنبھال ڈوری نہیں ملے گی۔"

"وقت برباد مت کرو۔" اس مرتبہ وہ غیض آلود لہجے میں غرایا اور شاہدہ نے فوراً ہی اپنے گاؤن کی ڈوری کھول لی۔

میرے ہاتھ پشت پر باندھتے ہوئے اس نے ایک مرتبہ نرمی سے میرا ہاتھ دبایا۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ صورتحال سے بالکل ہی مایوس نہیں ہوئی تھی۔

"اب کیا کیا جائے؟" میرے ہاتھ باندھنے کے بعد شاہدہ نے سوال کیا۔

"صفدر اپنے پیروں پر چل سکتا ہے؟" بروغیل نے سوال کیا۔

"یہ مجبوری نہ ہوتی تو اس وقت نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔" شاہدہ کے بجائے اس بار میں بول پڑا۔

"اگر یہ درست ہے تو تم صفدر کو اپنے کندھے پر لاد کر میری کار تک لے جاؤ گی۔" بروغیل بوچ نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔ شاہدہ نے اس مشقت پر شدید احتجاج کیا مگر وہ کوئی بات سننے یا ماننے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔

شاہدہ نے جھک کر نہایت دقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے اپنی پشت پر لاد لیا۔

"اپنے بدن کو ڈھیلا ہی رکھنا۔" توازن درست کرتے ہوئے شاہدہ اردو میں بولی تو میرا دل یوں اچھل پڑا تھا۔ بری طرح زیر ہونے کے باوجود وہ دلیر لڑکی شکست تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔

شاہدہ نرم و نازک سی لڑکی ضرور تھی مگر کم از کم طاقت کے استعمال سے زیادہ سے زیادہ کام لینے کے گر سے بھی واقف تھی۔ اس نے جس قدر چابک دستی سے میرے بدن کو اپنے کندھے پر لادا، اس سے مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ میرا بوجھ اٹھا کر تھوڑی دور تک چلنا اس کے لیے معمولی کام تھا مگر جیسے ہی اس نے قدم آگے بڑھائے تو ایسی اداکاری شروع کر دی جیسے اس کے لیے اپنا توازن برقرار رکھنا دشوار ہو رہا ہو۔

"یہ مجھ سے نہیں سنبھلے گا۔ گر گئی تو اس کے ساتھ ہی مجھے بھی شدید چوٹ آ سکتی ہے۔" دو تین قدم بڑھنے کے بعد شاہدہ ہانپتے ہوئے بولی۔

"فکر مت کرو۔ میں فرسٹ ایڈ پہنچانے میں تاخیر نہیں کروں گا۔" بروخیل لوچ کی آواز میں طنز کی کاٹ نمایاں تھی۔

بروخیل لوچ ریوالور تھامے اپنی جگہ کھڑا رہا اور شاہدہ لڑکھڑاتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھنے لگی ساتھ ہی وہ انگریزی میں اول فول بکتی جا رہی تھی۔ اپنے شدید ردعمل کی بنا پر اس وقت شاہدہ کوئی ستم رسیدہ عورت نظر آ رہی تھی۔

بروخیل لوچ کے قریب سے گزرتے ہوئے پل بھر کے لیے اس کا جسم ایک طرف کو تھوڑا جھکا اور پھر میں مجھ سے پہلے فضا میں اچھل کر بروخیل لوچ پر جا گرا۔

اس اچانک حرکت کا نہ مجھے اندازہ تھا اور نہ ہی بروخیل لوچ کو شاہدہ سے ایسی مہارت کی امید تھی۔ لہٰذا کمرے کی محدود فضا میں دو چیخیں گونج اٹھیں۔ میری چیخ خاصی کربناک تھی کیونکہ گرتے ہوئے میری زخمی پنڈلی بھی بری طرح رگڑی تھی مگر بروخیل کی آواز میں قہر اور غصہ رچا ہوا تھا۔

بروخیل لوچ نے گرتے ہی نہایت پھرتی سے مجھے اپنے اوپر سے اچھال دیا مگر اس اثنا میں شاہدہ کسی غضبناک شیرنی کی طرح اس پر ٹوٹ پڑی تھی۔

شاہدہ کی بھرپور ٹھوکر بروخیل کی داہنی کلائی پر پڑی اور اس کے ہاتھ میں موجود پستول فضا میں اڑتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا۔ بروخیل لوچ اذیت سے تڑپ کر قالین پر دوہرا ہو گیا۔ دوسری بار جونہی شاہدہ اس پر جھکی، اس نے پوری قوت سے شاہدہ کے پیٹ پر لات مارنی چاہی جو شاہدہ کے شانے پر پڑی اور وہ پیچھے جا گری۔

پھر وہ دونوں تقریباً بیک وقت قالین سے اٹھے اور ایک دوسرے کے سامنے جم گئے۔ بروخیل لوچ کا داہنا ہاتھ بے جان انداز میں جھول رہا تھا جس سے اندازہ ہوا کہ شاہدہ کی ٹھوکر نے اسے ناکارہ کر دیا تھا۔

ان دونوں نے جنون کے عالم میں ایک دوسرے پر حملے کیے جو مجموعی طور پر بے کار ہی ثابت ہوتے کیونکہ دونوں ہی اپنی مدافعت کے سلسلے میں بہت زیادہ چوکس تھے۔

میری پنڈلی میں اٹھنے والی درد کی ٹیسیں ناقابل برداشت تھیں مگر کمرے میں ہونے والا معرکہ اس قدر سنسنی خیز تھا کہ میں اسے اپنی مرضی کے مطابق جاری رکھنے کی کوشش بھول کر آہستہ آہستہ ادھر سرکنے لگا۔ جدھر بروخیل کا پستول پڑا ہوا تھا۔

میری نگاہیں ان دونوں پر مرکوز تھیں۔ ایک بار بروخیل کسی تیز عقاب کی طرح شاہدہ پر جھپٹا تو وہ نہ صرف اسے جُل دے گئی بلکہ اس کے رخسار پر ایک زوردار تھپڑ رسید کرنے میں بھی کامیاب ہو گئی۔

مار کھانے کے بعد بروخیل پلٹا تو اس کے رخسار پر جگہ جگہ سے سرخی جھلک رہی تھی۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ شاہدہ واقعی داؤ پیچ ہی نہیں جانتی تھی بلکہ اس کے بدن میں بجلی جیسی پھرتی بھی موجود تھی۔

شاہدہ اپنے حریف پر فیصلہ کن برتری حاصل نہ کر سکنے کے باوجود خاصی پرسکون نظر آ رہی تھی مگر بروخیل لوچ اس کے سامنے خود کو بے بس پا کر غصے میں آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ اگلی کوشش میں وہ شاہدہ کا لباس پھاڑنے کے سوا کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ اور پھر اس نے اپنی جیب سے تیز دھار والا ایک چھوٹا سا خنجر نکال لیا۔

اس کے ہاتھ میں خنجر دیکھ کر شاہدہ پریشان ہو گئی۔ بروخیل بائیں مٹھی میں خنجر دبا کر حملہ آور ہوا تو شاہدہ اس کی پہلی ضرب سے پوری طرح نہ بچ سکی۔ خنجر کی نوک نے اس کے دائیں بازو پر خون کی ایک لکیر ابھارنے کے ساتھ ہی اس کی آستین بھی چاک کر دی!

میں بروخیل کے پستول کی طرف مسلسل بڑھ رہا تھا مگر پنڈلی میں اٹھنے والی ٹیسوں کے باعث میری رفتار بہت سست تھی۔ شاہدہ کا خون دیکھ کر میں نے اپنی جدوجہد تیز کر دی تاکہ بروخیل کے بڑھتے ہوئے حوصلے کو فوری لگام دے سکوں۔ بروخیل شروع سے ہی اس کوشش میں تھا کہ لپٹ کر اسے زیر کرے مگر وہ لڑکی اس سے دور رہ کر ہی مقابلہ کرنے میں کوشاں تھی۔ ان دونوں کی جنگ جاری تھی اور شاید اسی وجہ سے بروخیل کو میری پیش قدمی کا اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔

جب میں پستول تک پہنچا تو شاہدہ کے جسم پر کئی زخم آ چکے تھے۔ وہ دونوں خون میں تر تھے مگر ان کے وحشیانہ حملوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر قالین پر سے بروخیل لوچ کا وزنی پستول اٹھا لیا۔ اس وقت بروخیل کی پشت میری جانب تھی۔ میں نے نال سیدھی کر کے اس کے جسم کے بائیں حصے کا نشانہ لیا اور خاموشی سے ٹریگر دبا دیا۔

بوڑھا ہونے کے باوجود بروخیل لوچ کی چھٹی حس کا کرشمہ تھا یا محض اتفاق کہ جونہی میں نے ٹریگر دبایا، وہ شاہدہ کو بھول کر بجلی کی سی سرعت سے پیچھے پلٹا اور میری چلائی ہوئی گولی اس کے دل میں اترنے کے بجائے اس کے داہنے بازو میں پیوست ہو گئی اور اسی ہاتھ کی کلائی پہلے ہی شاہدہ توڑ چکی تھی۔

گولی کا زخم کھا کر بروخیل نے کسی غضبناک درندے کی طرح دھاڑتے ہوئے میرا رخ کیا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں خنجر بدستور موجود تھا۔

میں نے فوری طور پر بروخیل کے چہرے کا نشانہ لیا مگر میرے فائر کرنے سے پہلے شاہدہ جست لگا کر عقب سے بروخیل پر ٹوٹ پڑی۔

اپنے اپنے لہو میں نہائے ہوئے دو دشمن ایک دوسرے کو نیست و نابود کرنے کی ہولناک پیکار میں مصروف تھے۔ شاہدہ عورت ہونے کے باوجود بلا کی پھرتیلی، دلیر اور طاقتور تھی۔ بلکہ اس میں طاقت سے زیادہ ذہانت موجود تھی اور وہ جانتی تھی کہ دشمن پر کب اور کس جگہ کاری ضرب لگائی جا سکتی ہے۔

دوسری طرف بروخیل لوچ تھا جو اپنی جسمانی برتری کے باوجود اپنے ہاتھ پر دو مہلک زخم کھا چکا تھا۔ غصے اور جنون کے عالم میں وہ وحشیانہ طاقت ضرور آزما رہا تھا مگر شاہدہ کے سامنے وہ بہت بے بس نظر آ رہا تھا۔

اس پر خاصی حد تک قابو پانے کے بعد جونہی شاہدہ کمزور پڑا، اس کا داہنا ہاتھ فضا میں بلند ہو کر بجلی کی سی سرعت سے نیچے آیا اور ان دونوں کے چڑھتے ہوئے سانسوں کے تیز آہنگ میں میں نے بروخیل کی گردن کی ہڈی ٹوٹنے یا چٹخنے کی خفیف سی آواز واضح طور پر سنی۔

بروخیل کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی آواز نکلی اور وہ ریت کے تودے کی طرح اسی حالت میں قالین پر ڈھیر ہو گیا۔

"بڑا سخت جان تھا۔" شاہدہ اس کے بے جان بدن پر سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "تم تو محفوظ ہو نا؟"

"تمہارا جسم کئی جگہ سے زخمی ہے!" میں نے آہستہ [illegible]

"ڈارلنگ تم نہیں مرو گے؟" اس کے ہونٹوں پر آئی ہوئی مسکراہٹ بڑی عجیب اور دل آویز محسوس ہو رہی تھی۔

"تم دو گی تو انکار نہیں کروں گا۔"

"خوفزدہ ہو گئے!" وہ شہادت کی انگلی سے اپنا رخسار کھجاتے ہوئے قہقہہ مار کر بولی۔

"خون آشام درندوں سے ڈرنا ہی چاہیے۔ چند گھنٹوں میں تمہارے ہاتھوں سے یہ تیسرا خون سرزد ہوا ہے۔"

"پہلے تم بستر پر آؤ!" وہ قریب آ کر مجھے سہارا دیتے ہوئے بولی۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں نے بے دردی سے تمہیں بس پر پھینک دیا تھا مگر وہ میرا آخری موقع تھا اگر میں اسے گنوا دیتی تو ہم دونوں ہی اس کے قیدی بن چکے ہوتے۔"

"اس وقت تم نے مجھے ہنسانے کی کوشش نہیں کی تھی۔" بستر پر پہنچنے کے بعد میں نے بروخیل لوچ کا پستول اس کے چہرے کے سامنے نچاتے ہوئے کہا۔

"تم بنیادی طور پر بے خوف آدمی ہو اور ایسے لوگ اعتماد کو کبھی فریب نہیں دیتے۔" وہ بستر پر بیٹھے ہوئے دستی بیگ میں سے آئینہ نکالتے ہوئے بولی۔ "تم اطمینان سے بستر پر کوئی چادر ڈال کر لیٹ سکتے ہو۔"

"بڑا اعتماد ہے تمہیں اپنی مردم شناسی پر!"

"خوشی اس بات کی ہے کہ اگر کبھی اندازے کی غلطی ہوئی تو پچھتانے کے لیے زندہ نہ رہ سکوں گی۔ ایسی خود فریبی مجھے پسند ہے۔" وہ کاغذی رومال سے خون کی لکیریں صاف کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"تم نے براہ راست اسے ہلاک کر کے اچھا نہیں کیا۔" میں نے پہلی بار اس کے بارے میں کچھ دانستہ بے اختیار کہتے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "بروخیل لوچ نے میرے بارے میں کسی اور کو اعتماد میں لیا ہوتا تو اس وقت وہ تنہا یہاں نہ آیا ہوتا۔"

"پھر بھی یہ جگہ تمہارے لیے خطرناک ہو گئی ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ احتیاط مناسب رہے گی۔ مگر پہلے میرے زخموں کی معمولی سی ڈریسنگ کر دو تاکہ خراشوں میں سے خون کم ہو سکے۔"

"تمہاری دوستی خطرناک ثابت ہو رہی ہے۔ اب تو تم میری یادوں میں تمہاری مرہم پٹی کرتا رہوں گا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

اس نے اچانک جھک کر میری پیشانی چوم لی۔ "آخر کار تم نے میرے لیے اپنے دل میں ایک نرم گوشہ تلاش کر ہی لیا۔"

اس نے میرے ایک علمی تبصرے سے کچھ اور مفہوم اخذ کر لیا تھا میں نے چاہا کہ اس کی فوری تردید کر دوں مگر مصلحت کے پیش نظر

خاموش ہی رہا۔

جرائم پیشہ حلقوں میں روبی ٹریگر کے اس کے زخم صاف کر کے مرہم پٹی کی بے انداز ہو ہوا کہ وہ خاصی ہمت کی مالک تھی۔ روبی نیل نے جتنی دیر تک اس کے زخم پر مرہم لگائے تھے مگر شاہدہ نے ذرا بھی تکلیف کی شکایت نہیں کی تھی۔

”زخم بھرنے کے بعد تمہارے حسین رخساروں پر بدنما نشان باقی رہ جائیں گے۔“ روبی نے مرہم لگاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

”آخری نشانیاں ہیں، اور اگر تم پستول پر قبضہ کرنے کی ہمت نہ کرتے تو شاید ان کی تعداد میں اور اضافہ ہو جاتا۔“

تھوڑی دیر بعد شاہدہ جب وقت تمام مجھے ہمراہ لے کر باہر آئی تو پتہ چلا کہ اس بار بھی روبی نیل سے اپنی پرانی کار ہی استعمال کی تھی۔ شاہدہ نے مکان کا بیرونی دروازہ مقفل کیا اور پھر اپنی کار کے بجائے روبی نیل کی کار میں وہاں سے روانہ ہو گئی۔

”یہ کار کس لئے لی ہے۔؟“ میں نے فوراً ہی سوال کر ڈالا۔

”تاکہ باہر سے کسی کو علم نہ ہو سکے کہ روبی نیل یہاں آیا تھا۔“

”اور اس کی لاش کا کیا ہوگا۔؟“

”بشیشن مارکیڈو آج شاید ساری رات مُردوں کو ہی ٹھکانے لگاتا رہے گا۔“ وہ یہ کہتے ہوئے کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

”تو مارکیڈو ہی روبی نیل کی کار میں لے جاتا۔“ میں نے مشورہ دیا جو اس نے فوراً قبول کر لیا۔

واپس اپنے مکان پر پہنچ کر اس نے کار میں نصب ٹرانسمٹر پر بشیشن مارکیڈو سے رابطہ قائم کرنے کے لئے روبی نیل بوچ کی لاش اور کار کے بارے میں ہدایات دیں تو بشیشن مارکیڈو کی آواز میں تحیر سمٹ آیا۔

”روبی نیل بوچ جیسے معاصرے میں شامل ہے مادام؟ لوور؟“ ٹرانسمٹر پر اس کی حیرت آمیز آواز سنائی دی تھی۔

”تم سب احمق ہوتی نائیں۔۔۔ اگر میں اپنی آنکھیں کھلی نہ رکھوں تو تم لوگ مجھے ناقابل بیان دشواریوں سے دوچار کر دو۔۔۔ اب اپنے آدمیوں کی چھٹی کر دو، روبی نیل کا مسئلہ نمٹانے کے بعد تم بھی آرام کر لینا لوور!“

”میں شرمندہ ہوں مادام، آپ ہمیشہ ہمارے لئے پریشانی میں مبتلا ہوتی ہیں لوور!“ بشیشن مارکیڈو کی آواز میں ندامت کا تاثر تھا۔

”پیرس سے آئی ہوئی لڑکی ہمارے دشمنوں کی نظروں میں آئی ہوئی ہے اور میں نے اسے چارہ بنا کر بڑا شکار کھیلنے کی سوچی ہے، وہ کہیں نکلے تو تم اس سے لاتعلقی کا اظہار کرو گے لوور!“

”شاہدہ تھوڑی دیر پہلے ٹرانسمٹر کے ساتھ ٹیلی لنک کے اسٹیشن پر ہی موجود تھی، اور یہ“ بشیشن مارکیڈو نے جلدی سے کہا۔

”تم اسے بھی بھول جاؤ۔“ بشیشن مارکیڈو کے تیور سے پریشان نے سخت لہجے میں کہا۔ ”وقت آنے پر وہ معاملات میں نظر انداز اور اینڈ آل۔“

سلسلہ منقطع کر کے شاہدہ نے گاڑی آگے بڑھائی ”تو کم از کم وہ میرا پیچھا نہیں کرے گا۔“

”تم خود کو غیر ضروری طور پر اس کی نظروں میں مشکوک بنا رہی ہو، آج سولی بیگ کے مکان میں تین لاشیں پائی گئی ہیں تو اس نے خود وہاں دیکھا تھا۔ وہ سوچ سکتا ہے کہ کہیں تمہارا مادام بولاری ایک ہی شخصیت کے دو روپ نہ ہوں!“

پس کر وہ زور سے ہنس پڑی۔ ”اگر میں اس کے سامنے خود اعتراف بھی کر لوں تو وہ یقین نہیں کرے گا کہ میں مادام بولاری ہوں۔۔۔“

”پھر تو وہ واقعی احمق ہے!“

”اس کی حماقت سے زیادہ یہ میری ذہانت ہے!“ وہ لہجے میں بولی ”میں نے خود کو ایسی زمین میں دفن کر دیا ہے کہ فرشتہ وہ پہچان نہیں سکے گا کہ وہ بے خبری میں مدت سے ایک بھنور میں ملاقات ہے جسے اس نے بدبختی کی اور پامال کیا ہے!“

”خیر یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔“ میں خشک لہجے میں بولا۔ ”یہ بتاؤ کہ اس ساری دوڑ کا اختتام کب تک ہوگا۔؟“

”ہوٹل ولیس پہنچ کر تم سکون کی نیند سو سکو گے۔“

”ہوٹل؟“ میں نے حیرت سے دہرایا۔ ”ایسی حالت میں تو وہاں ہم تماشا بن جائیں گے اور شاید پولیس بھی اس معاملہ میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو جائے!“

”وہ صرف نام کا ہوٹل ہے ورنہ درحقیقت بروسیلا کا ہیڈ کوارٹر ہے جہاں میرے آدمیوں کے علاوہ کوئی نہیں جاتا!“

”تم وہاں کس حیثیت سے جاتی ہو۔؟“

”شاہدہ کے علاوہ اور کس حیثیت میں جا سکتی ہوں؟“

”اور اگر وہاں مادام بولاری کی موجودگی ضروری ہو جائے تو کیا ہوگا۔؟“ میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

”وہاں چل کر سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔“ وہ مسکرا کر بولی۔

”تمہارا قرب تو حاصل رہے گا نا؟“

”میرے ساتھ رہو گے تو تمہیں معلوم ہو سکے گا کہ میرا ایک ناقابل شکست قلعہ ہے!“

جب شاہدہ نے اپنی کار ایک پرانی سی عمارت کے سامنے روکی تو میں پوچھ بیٹھا۔ شاہدہ نے ایک نظر میری طرف دیکھا پھر ڈیش بورڈ کے خانے میں سے ایک چھوٹا سا [illegible]

اندر ہی چابی گھمائی آواز پیدا کئے بغیر تو وہ خود کھلتا چلا گیا۔

شاہدہ اپنی کار ایک تاریک احاطے میں لے گئی جس کی فضا پر گہری تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔ عمارت کی بھی تمام کھڑکیاں بند پڑی ہوئی تھیں مگر پورچ میں دو کاریں موجود تھیں۔

شاہدہ نے مجھے سہارا دے کر سیاہ رنگ کی ایک بڑی کار میں منتقل کیا اور اپنی کار وہیں منتقل کر کے نئی گاڑی میں پاس آ بیٹھی۔ پھاٹک سے باہر آ کر اس نے کار میں بیٹھے ہوئے ہی کوئی بٹن دبایا اور آہنی پھاٹک تیزی سے بند ہوتا چلا گیا۔

”یہ کیا چیز ہے؟“

”معمولی سی چیز ہے“ وہ بولی۔ ”پھاٹک برقی موٹر کے ذریعے کھلتا اور بند ہوتا ہے اور موٹر کو چلانے کے لئے یہ ایک ریموٹ کنٹرول یونٹ موجود ہے۔“

”یہ کتنے فاصلے تک کام کرتا ہے۔؟“

”پچاس میٹر کے فاصلے تک تو میں نے اسے آزمایا ہوا ہے۔“

”یہ مکان کس کی ملکیت ہے؟“

”یہ میرا خفیہ ٹھکانہ ہے۔ یورپ کے تقریباً تمام بڑے شہروں میں میرے ایسے ٹھکانے موجود ہیں۔ جن کا کسی کو علم نہیں ہے۔“

”مگر کار تبدیل کرنے کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟“

”یہ مادام بولاری کی مخصوص کار ہے۔ اس کے شیشے بلٹ پروف ہیں۔ یہ کار مکمل طور پر بلٹ پروف ہے۔ شیشوں سے ٹائروں تک پر گولی اثر نہیں کر سکتی۔ اس کا سارا نظام خودکار ہے اور اس کے شیشوں کی ساخت ایسی ہے کہ باہر سے اندر کی جھلک بھی نہیں دیکھی جا سکتی!“

”کار کے نمبروں کے ذریعے تمہارا سراغ لگایا جا سکتا ہے!“ میں نے کہا۔

”ایک نمبر پلیٹ تو میں دوبارہ استعمال نہیں کرتی اور اس کی اگلی پچھلی نمبر پلیٹیں خاص طور پر نصب کی گئی ہیں اور میں کار ڈرائیو کرتے ہوئے صرف ایک بٹن دبا کر ہر بار دکھائے جانے والے مختلف نمبر تبدیل کر سکتی ہوں!“

میں خاموش ہو گیا کیونکہ اس سے بات کرتے ہوئے اس کی شخصیت کا تاثر میرے اوپر کچھ زیادہ ہی گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

”اس کار میں تین اسٹین گنیں بھی نصب ہیں جو کار چلاتے ہوئے بھی نہایت آسانی سے بیک وقت چلائی جا سکتی ہیں۔“ وہ خاموش ہو کر ڈرائیو کرنے لگی۔

”کہاں نصب ہوئی ہیں؟“ میں غیر ارادی طور پر سوال کر بیٹھا۔

”بالکل اسی طرح نصب ہیں کہ دیکھنے والا ان کی نالیاں نہیں دیکھ سکے گا۔“

”اس موسم میں دھوکا کھانا مشکل ہے کیونکہ باہر کے موسم میں سائلنسر سے خارج ہونے والے آبی بخارات سرمئی بادل کی شکل اختیار کر لیں گے اور سائلنسر الگ نظر آنے لگا۔“

”عام طور پہ پائپ نالوں کے سامنے ایک آہنی چادر گری ہوتی ہے جو ماسٹر بٹن دباتے ہی خود بخود نیچے گر جاتی ہے۔“ اس کے پاس ہر اعتراض کا مدلل جواب موجود تھا۔

تھوڑی دیر کے سفر کے بعد کار شہر کے ایک سنسان علاقے میں ایک احاطے میں داخل ہوئی جس کے وسط میں ایک کئی منزلہ عمارت موجود تھی۔

احاطے کے پھاٹک سے ملحق چھوٹے سے کمرے میں مسلح سنتری موجود تھا جو کار کے انجن کا مدھم سا شور سن کر پہلے ہی باہر آ چکا تھا۔ وہ کار شاید مادام بولاری کے ہاتھوں میں شہرت رکھتی تھی کیونکہ میں نے اسے کار پہچانتے ہی ایڑیاں بجا کر سیلوٹ مارتے دیکھا اور شاہدہ اس پر توجہ دئیے بغیر اپنی کار اندر لیتی چلی گئی۔

شاہدہ نے کار عمارت کے داخلی دروازے کی طرف لے جانے کے بجائے بغلی سمت کا رخ اختیار کیا اور اس طرف ایک پختہ ڈھلان کے سامنے کار روک لی جو ایک بند دروازے کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ شاید وہ کسی گیراج وغیرہ کا دروازہ تھا۔

شاہدہ نے جس ریموٹ کنٹرول یونٹ سے اپنے خفیہ ٹھکانے پہ کام لیا تھا وہی یہاں بھی اس کی مدد سے خود کار طریقے پر گیراج کا دروازہ کھلا جو سرکنے کے بجائے اوپر اٹھنے والا تھا اور پھر سیدھا ہوتے ہی کار ایک تیز جھٹکے سے ڈھلان پر اچھلتی ہوئی اس دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔

شاہدہ نے انجن بند کرنے سے پہلے ہی بٹن دبا کر دروازہ بند کر دیا۔

کار جہاں موجود تھی میرے اندازے کے برعکس گیراج نہیں تھا بلکہ اچھا خاصا کمرہ تھا جہاں فرش کے خاصے بڑے حصے پر قالین بچھا ہوا تھا۔ غنیمت یہ ہے کہ جس جگہ کار روکی گئی تھی وہاں پختہ فرش ننگا تھا۔

اس کمرے میں بہت خفیف سی روشنی تھی جو کار کے ہیڈ لیمپس گل ہونے کے بعد خاصی ناکافی سی نظر آئی۔ اسی روشنی میں ایک طرف لفٹ نظر آ رہی تھی جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہاں کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔

شاہدہ پر نظر پڑی تو وہ پلک جھپکتے میں اپنی ہیئت میں نمایاں تبدیلی کر چکی تھی۔ اس کی آنکھوں پر بہت بڑے فریم والی تاریک شیشوں کی عینک کا اضافہ ہو گیا تھا جس نے آنکھوں کے علاوہ ناک، پیشانی اور چہرے کے خاصے حصے کو چھپا لیا تھا۔ وہ عینک شاہدہ کے چہرے پر ایک نقاب کی طرح نظر آ رہی تھی۔

پیچھے آ کر اس نے مجھے کار سے اترنے میں مدد دی اور پھر تقریباً گھسیٹتی ہوئی لفٹ کی طرف بڑھی اور مجھے لے کر لفٹ میں گھس گئی۔

لفٹ تیز رفتاری سے اوپر روانہ ہوئی اور جب وہ رکی، تو دروازہ کھلنے پر میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ لفٹ کسی راہداری وغیرہ میں رکنے کے بجائے ایک وسیع و عریض اور خوابناک کمرے میں کھلی تھی جہاں ایک طرف بہت بڑا آرام دہ بستر بھی نظر آ رہا تھا۔ اس کمرے میں دیگر چیزوں کے علاوہ جو چیز میرے لیے حیرت کا باعث بنی وہ موٹر وہیل والی ایک خوبصورت کرسی تھی جو شاہدہ فوری طور پر لفٹ کے دروازے پر لے آئی۔ میں لفٹ سے نکل کر کرسی کے ذریعے بستر تک جا پہنچا۔

وہ وسیع کمرہ اپنی شان و شوکت کے اعتبار سے کسی محل کا کمرہ نظر آ رہا تھا۔ ایک طرف ساگوان کا بڑا سا منقش سنگھار دان موجود تھا جس پر عجائبات کی چیزیں بکھری ہوئی تھیں، دوسری طرف ایک چھوٹی سی نشست گاہ کے لوازمات موجود تھے اور سب سے بڑھ کر حیرت کی بات یہ تھی کہ لفٹ اس کمرے میں موجود دو بند دروازوں کے درمیان آ کر رکی تھی اور اگر اس کا دروازہ بند کر دیا جاتا تو یہ کہنا مشکل تھا کہ وہاں لفٹ بھی موجود تھی یا نہیں!

اچانک کمرے میں ایک نامانوس سی آواز گونج اٹھی اور میرا دل بے اختیار شدت سے دھڑک اٹھا مگر آواز کا تعاقب کرنے پر میری حیرت رفع ہو گئی کیونکہ ایک گوشے میں رکھے ہوئے ٹیلی ویژن کی پیشانی اسکرین پر ایک مرد کا خونخوار چہرہ نظر آ رہا تھا۔ وہ کوئی ایک ہی فقرہ بار بار دہرا رہا تھا اور اس میں نام کے علاوہ باقی الفاظ میرے لیے اجنبی تھے۔

میری گفتگو ختم ہونے تک تم خاموش ہی رہنا۔ شاہدہ نے اپنا کوٹ اتار کر ایک طرف ڈالتے ہوئے کہا اور ٹیلی ویژن کے قریب جا کر ایک سوئچ دبانے کے بعد اس شخص سے بات کرنے لگی۔ چند ثانیوں بعد سوئچ آف کر کے وہ واپس آئی تو اس کے چہرے پر تشویش کے سائے لرزاں تھے۔

"کیا ہوا؟" میں نے جوتے اتار کر بستر پر دراز ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"پیشین مارکیٹ والوں کا اسرائیلی سفارت خانے کے قریب لاشیں ڈالتے ہوئے پولیس کی نظروں میں آ چکا ہے!" وہ تشویش زدہ آواز میں بولی۔

"یہ خیال کا قصہ پاک ہونے کے بعد پیشین مارکیٹ والوں کو ادھر بھیجنا ہی حماقت تھی۔ آخر اس کی کیا ضرورت پڑ گئی تھی۔"

"پولیس اس کا تعاقب کر رہی ہے۔" وہ بولی۔ "وہ بہت غلط موقع پر پولیس کی نظروں میں آیا ہے، اگر وہ ان کے ہاتھ لگ گیا تو عمر قید سے نہ بچ سکے گا۔ اور مجھے آدمیوں کے لئے تو جانے کیا کیا خوشخبریاں پیدا کرتے رہے گا۔"

"خبر بھیجنے والا کون تھا۔۔۔؟"

"کلوز سرکٹ ٹیلی ویژن پر اس عمارت کا سپروائزر لمحے چند منٹ پہلے ٹرانسمیٹر پہلی ٹائمنگ نے خود دوسری طرف کیا تھا۔"

"پھر تو خبر درست ہی ہوگی۔ تم نے کیا سوچا ہے۔" وہ پھیکے انداز میں مسکرا دی۔ "علوم الجنگی ایسے میں فوری فیصلوں کے لیے شہرت رکھتی ہے۔ میں نے انتہائی کرب کے عالم میں ٹی ٹائمنگ پر گہری نظر رکھنے کا حکم دیا ہے۔ وہ خود کو پولیس کی گرفت سے نہ بچا سکا تو مار دیا جائے گا۔"

"کرب اور پیشین مارکیٹ کے لیے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ بہت کام کا آدمی ہے۔" وہ بولی۔ "ٹی ٹائمنگ کی عمارت میں رسائی ممکن نہیں ہے۔ بگڑا سے ناقابل تسخیر بنا کر قائم کرنے میں اس کی کوششوں کا بڑا دخل ہے۔"

"اب لیے جہنم میں ڈالو، میں سونا چاہتا ہوں۔"

"ضرور، میں تمہارا لباس تبدیل کرا دوں۔" وہ الماری کی طرف بڑھ گئی۔

"اس کمرے میں تمہاری ہر ضرورت پوری کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بس یہ احتیاط رکھنا کہ جس وقت میں ٹیلی ویژن پر مصروف ہوں تو تمہاری زبان بند رہے!"

"تو کیا تمہارے مخاطب کو اپنے سیٹ پر اس کمرے کا منظر نہیں آتا ہے؟"

"نہیں، تصویر کا نظام یک طرفہ ہے!"

"اور یہ لفٹ ساری رات یہیں رکی رہے گی!"

"یہ صرف میرے استعمال کے لیے ہے۔" وہ میرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔ "اس وقت تم آرام کرو۔ کل میں ہر چیز دکھاؤں گی۔"

میں شدید تکان محسوس کر رہا تھا۔ مسلسل بھاگ دوڑ میں میری دونوں ٹانگیں بری طرح دکھ رہی تھیں لہٰذا اپنے زخموں پر دوبارہ مرہم وغیرہ لگوا کر واپس آئی تو پھر میں زیادہ دیر خود پر قابو نہ رکھ سکا اور شدید تھکن کا شکار ہو کر نہ جانے میں کتنی دیر تک گہری نیند سوتا رہا۔ پھر ایک چیخ سن کر میں بیدار ہو گیا۔ کمرے کی فضا پر گہری تاریکی اور سکوت طاری تھا۔ میرے اعصاب تیزی سے کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر تھے مگر پھر بھی غیر ارادی طور پر میرے ہاتھ بستر ٹٹولنے لگے اور یہ احساس ہوتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا کہ شاہدہ وہاں موجود نہیں تھی۔

کمرے

کی فضا میں گونج رہی تھی اور اس کے ساتھ ہی گہرا سکوت چھا گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی گہرا سکوت طاری ہو گیا تھا۔ میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اپنے آرام دہ بستر پر پڑا اپنے منتشر اعصاب کی توانائیاں مجتمع کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس وقت میرے لیے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو رہا تھا کہ میں چیخ کی آواز پر نیند سے ہڑبڑا کر بیدار ہوا تھا وہ اس عمارت میں واقعی کہیں سے ابھری تھی یا میں نے خواب میں سنی ہوئی کسی آواز کا غیر شعوری اثر قبول کیا تھا۔

اگر وہ کوئی خواب ہی تھا تو پھر شاہدہ کو بستر پر موجود ہونا چاہیے تھا۔ اس کی غیر حاضری کا مطلب تھا کہ اگر چیخ کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو وہاں کوئی نہ کوئی اہم واقعہ ظہور پذیر ہوا تھا جس کے باعث شاہدہ کو آرام دہ بستر چھوڑ کر کہیں جانا پڑ گیا تھا۔

اپنے حواس کو نیند کے خمار سے نجات دلانے کے بعد میں نے بستر سے اترنے کی کوشش کرنی چاہی مگر اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کر سکا کیونکہ میری پنڈلی میں درد کی شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

میں نے کراہ کر ایک گہرا سانس لیا اور اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ کر لیٹ گیا۔ اسی لمحے وہ کمرہ اچانک روشنی سے بھر گیا اور مجھے شاہدہ بھی نظر آ گئی۔

وہ غالباً میرے سرہانے دیوار سے چپکی ہوئی کھڑی تھی اور اندھیرے میں میری حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کے چہرے پر شب خوابی کا لبادہ موجود تھا۔

مسہری کے مقابل ایک اونچے فریم پر کوئی گڑی سی سیاہ مشین موجود تھی جو اس سے پہلے میں نے وہاں نہیں دیکھی تھی اور نیم تاریکی میں اس کا ہیولا مجھے نظر آ سکا تھا۔

"وہ چیخ کیسی تھی؟" میں نے شاہدہ کو گھورتے ہوئے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہاری نیند میں خلل ڈالا۔" شاہدہ کے لہجے میں شرمندگی بھی ہوئی تھی۔

"مگر کیوں؟" میں نے چڑچڑے انداز میں دریافت کیا۔

"میری حماقت۔" وہ فریم پر نصب سیاہ مشین کو ایک گوشے میں دھکیلتے ہوئے بولی۔ مشین کسی انداز میں حرکت کر رہی تھی، اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے فریم میں پہیے لگے ہوئے تھے۔ جن کی وجہ سے اس وزنی مشین کو دھکیل کر با آسانی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا تھا۔

"صرف حماقت کا اعتراف ہی کافی نہیں ہوگا۔" میں شاہدہ کے مختصر جواب پر اصل بات واضح ہوگئی۔ "میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ چیخ کیسی تھی اور سیاہ مشین میرے سامنے کیسے آ پہنچی۔"

"غلط مت کرنا بھی چاہتی ہوں۔" وہ چیٹ کر دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ بولی پھر اس نے لفٹ کے بائیں طرف والے کمرے کا دروازہ کھول کر مشین اندر داخل کی اور دروازہ دوبارہ بند کر کے بستر پر آ گئی۔ بستر پر دراز ہونے کے بعد شاہدہ نے سرہانے لگا ہوا سوئچ دبا کر کمرہ دوبارہ تاریک کر دیا اور میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

"ان ڈھکوسلوں سے مجھے نہ بہلاؤ۔" میں نے اس کا ہاتھ سختی سے جھٹک دیا۔ "میں معقول جواب سنے بغیر مطمئن نہیں ہوں گا۔"

"تم تو بستر پر دراز ہوتے ہی گہری نیند سو گئے تھے مگر میں ایک پل کے لیے بھی نہ سو سکی۔ میرے ذہن پر مسلسل ایک وہم سوار تھا۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

"بغیر رکے بولتی جاؤ۔" اسے خاموش پا کر میں نے ٹوکا۔ "اگر سچ بول رہی ہو تو تمہیں سوچنے کے لیے وقفوں کی ضرورت نہیں ہے۔"

"بہت بے صبر ہو۔" وہ ملامت آمیز لہجے میں بولی۔ "میں شروع سے ہی تمہارے ساتھ مخلصانہ رویہ اختیار کرتی آئی ہوں مگر اس کے جواب میں تم نے کسی بھی وقت حوصلہ افزا جواب نہیں دیا۔ تمہیں یہاں لانے کے بعد اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ کہیں تم کسی اور لڑکی کی اداؤں کے اسیر تو نہیں ہو۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ میں نے اپنے شبہ کی تصدیق کے لیے کیا تھا جس کے لیے میں تم سے معذرت خواہ ہوں۔"

"شبہ کی تصدیق!" میں نے تیزی سے دہرایا۔ "آخر تم کس طرح اپنے شبہ کی تصدیق کرنے کی کوشش کر رہی تھیں؟"

"ایک جدید سائنسی طریقہ ہے۔" وہ بولی۔ "تم نے جو سیاہ مشین دیکھی وہ بیش قیمت انڈکشن یونٹ ہے جس سے مخصوص قسم کی ایسی مقناطیسی لہریں خارج ہوتی ہیں جو پانچ فٹ کے دائرے میں ہر ذی روح کو وقتی طور پر مفلوج کر دیتی ہیں۔ مگر یہ قوت ارادی کے مالک افراد اس کا سہل شکار ہوتے ہیں، وہ ذہنی فالج کے دوران ان سے جو کچھ دریافت کیا جائے اس کا جواب بالکل درست دیتے ہیں۔"

"پھر تمہیں کچھ معلوم ہوا؟"

"انڈکشن یونٹ میں کوئی خرابی تھی کیونکہ آن کرتے ہی ایک جھٹکے دھماکے سے مشین کا کوئی حصہ جل گیا۔"

"شاید میرے ذہن سے خارج ہونے والی مقناطیسی لہروں نے مشین کو ہی مفلوج کر دیا۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔

"اس غیر متوقع دھماکے پر میں اپنی چیخ نہ روک سکی ورنہ تمہارے سامنے یہ سب دہرانے کی نوبت ہی نہ آتی۔"

"یہ مشین پہلے بھی آزمائی گئی تھی کسی پر؟" پوری وضاحت سامنے آجانے کے بعد میرا لہجہ جارحانہ ہوتا جا رہا تھا۔

"چند روز پہلے ہی آئی تھی۔" شاہدہ بولی۔

"مجھے حیرت ہے کہ تم اس شعبدے پر یقین کر بیٹھیں۔" میں نے کہا۔ "اگر واقعی ایسی کوئی مشین ایجاد ہو جاتی تو دنیا میں تہلکہ مچ جاتا اور جھوٹ کا سراغ لگانے کے لیے پیچیدہ قسم کے پولی گراف یونٹوں کو خیرباد کہہ دیا جاتا۔"

"اب اس کو بھول جاؤ۔ مشین تو برباد ہو ہی چکی ہے۔" شاہدہ کا لہجہ خفت آمیز تھا۔

"مشین ضرور برباد ہو گئی مگر مجھے ایک آسان نسخہ سکھا گئی۔" میں نے اندھیرے میں اپنے لیے سگریٹ جلاتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا؟" شاہدہ پوچھ بیٹھی۔

"ایک ٹیپ میں چند چوہوں اور جھینگروں کی آوازیں ریکارڈ کر کے خلائی مخلوق کی پُراسرار گفتگو کے نام سے تمہارے ہاتھ فروخت کر سکوں گا۔"

"تم احمق ہو۔" شاہدہ میرے بازو میں چٹکی لے کر بولی۔ "بریرین انڈکشن پروجیکٹ پر دنیا کے کئی ممالک میں کام ہو رہا ہے اور جانوروں پر اس کے تجربات کامیاب بھی ہوتے ہیں۔"

"تو شاید تم مجھے جانوروں میں شمار کرتی ہو۔"

"بعض اوقات تمہارے سامنے سچ بولنا تکلیف دہ بن جاتا ہے۔"

"مجھے احمق نہ سمجھو مادام پواری!" میں یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ "میں کسی مشین کی مدد کے بغیر بھی جھوٹ اور سچ میں تمیز کر سکتا ہوں۔"

"تو تمہیں واقعی میری کہانی پر یقین نہیں آیا؟"

"تمہارا عاشق ہوتا تو اس سے زیادہ بے سروپا داستان پر بھی یقین کر لیتا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"تم سے جیتنا واقعی مشکل ہے۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں بولی۔ "دراصل وہ فریجی تھراپی مشین تھی جس کے ذریعے میں تمہاری زخمی پنڈلی کو کچھ حرارت پہنچانا چاہتی تھی تاکہ تم آرام سے سو سکو مگر بجلی کے ایک ننگے تار سے میرا ہاتھ چھو جانے کے باعث کام خراب ہو گیا۔"

"پھر بریرین انڈکشن یونٹ کا قصہ کیوں تراش لیا تھا؟"

"محض تمہیں مرعوب کرنے کے لیے تاکہ تم آئندہ جھوٹ بولنے کا ارادہ ترک کر دو۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم پولی گراف مشینوں کے بارے میں بھی جانتے ہو تو شاید اتنا اوچھا وار نہ کرتی۔"

"شین مارکر کے ہاتھوں ہماری [illegible] کوئی بھی شریف آدمی تم سے مرعوب نہ ہو سکے گا۔"

"شاید تم اس کی طرف سے رقابت محسوس کرنے لگے ہو؟" وہ قدرے توقف کے بعد بولی۔ "تم یقین کرو کہ اگر وہ اس بار زندہ بچ بھی گیا تو میری طرف نظر اٹھانے کی بھی جرأت نہ کر سکے گا۔"

"شاہدہ کے روپ میں تم وراثت کا مال ہو جو جس کے ہاتھ لگ جاتا ہے وہی اڑا لے جاتا ہے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میری تحقیر کر کے اگر تم کو خوشی ہوتی ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔" وہ اداس لہجے میں بولی۔

"رات کے دو بجے یہ گفتگو کچھ نامناسب سی محسوس ہو رہی ہے۔" میں نے اپنی رسٹ واچ کے روشن ڈائل پر وقت دیکھتے ہوئے تیکھے لہجے میں کہا۔

"راز و نیاز کے لیے یہی لمحات سب سے زیادہ موزوں ہوتے ہیں۔" وہ سرگوشیانہ لہجے میں کہتے ہوئے میرے قریب سرک آئی۔

"معقول بات کرو۔" میں نے اسے دور دھکیلتے ہوئے کہا۔ "اور اگر بات کرنی ہی چاہتی ہو تو مجھے یہ بتاؤ کہ شین مارکر کا کیا ہوا؟"

"آخر تم بار بار اس کا ذکر کیوں لے بیٹھتے ہو؟" وہ چڑچڑے لہجے میں بولی۔

"میرا رقیب ہے نا اور پھر اب تو تمہاری سلامتی بھی اس کے تحفظ سے وابستہ ہو گئی ہے۔" میں نے لاپروایانہ انداز میں کہا۔

"وہ پولیس کو جل دینے میں کامیاب ہو گیا۔"

"اب کہاں ہے؟"

"اس نے کچھ عرصے کے لیے روپوشی اختیار کر لی ہے۔"

"ان دونوں لاشوں کا کیا بنا؟"

"بیرو ڈینیل یورچ کے ساتھی کی لاش وہ اسرائیلی سفارت خانے کے احاطے کی دیوار کے ساتھ ڈال چکا تھا کہ پولیس کی گشتی جماعت کے اچانک نمودار ہونے کی وجہ سے اسے بھاگنا پڑا۔ بیرو ڈینیل کی لاش اس نے بعد میں ٹھکانے لگا دی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ بیرو ڈینیل یورچ کی لاش اور گاڑی ابھی تک سولن بیک والے مکان میں موجود ہوگی۔" میں نے سوال کیا۔

"تم ان معاملات میں اس قدر دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟"

"تمہیں باتوں میں لگا کر سلانا چاہتا ہوں۔"

میرا جواب سنتے ہی اس نے ٹھنک کر دوسری طرف منہ پھیر لیا اور میں تاریکی میں زیرلب مسکراتے ہوئے سگریٹ کے کش لگانے لگا۔

"شاید میں تمہارا بہت وقت برباد کر رہی ہوں۔" طویل سکوت کے بعد اندھیرے میں شاہدہ کی بوجھل آواز ابھری۔

"یہ تو تم ہی سمجھ سکتی ہو۔" میں نے سرد مہری سے جواب دیا مگر خود اپنی ہی بے رخی پر میری رگ رگ میں شرمندگی کی ایک لہر سی سرایت کر گئی۔

اس وقت میں زخمی ہونے کے باعث پوری طرح اس کے رحم و کرم پر تھا اور وہ میرا دل جیت لینے کی امید پر مجھ پر مہربان تھی۔ اگر اسے یہ یقین ہو جاتا کہ میں اس کے بارے میں سوچنے کے لیے ہی تیار نہیں تھا تو وہ مایوس ہو کر میرے بارے میں کوئی خطرناک فیصلہ کر سکتی تھی لہٰذا میری اپنی سلامتی اسی میں تھی کہ پوری طرح صحت یاب ہونے تک اسے اپنے بارے میں بے یقینی میں مبتلا رکھتا اور اپنی نجات کے لیے موقع کا متلاشی رہتا۔

"تو میں تمہاری محبت کے قابل نہیں ہوں؟" اس نے دوبارہ میری طرف پہلو بدل کر سرد لہجے میں سوال کیا۔

"یہ میں نے کب کہا۔"

"بعض باتیں کہے بغیر بھی واضح ہو جاتی ہیں۔"

"تم اپنے نتائج اخذ کرنے کا اختیار رکھتی ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک میں تم سے محبت کرنے کی کوئی وجہ تلاش نہیں کر سکا۔" میں نے ایک دم ہتھیار ڈالنے کے بجائے مصلحت آمیز جواب دیا۔

"محبت کے لیے کسی وجہ کا ہونا بھی ضروری ہے؟" اس کے لہجے میں تھوڑی سی دلچسپی دوبارہ عود کر آئی۔

"وجہ کے بغیر تو محبت ہو ہی نہیں سکتی۔"

"میرا تو خیال ہے کہ محبت اس منطق سے بالاتر جذبے کا نام ہے۔"

"اردو شاعری میں محبت کو اسی طرح اچھالا گیا ہے۔" میں نے کہا۔ "کوئی حسن پر فدا ہوتا ہے، کسی کو رخسار کا ایک تل کھینچتا ہے، کوئی اداؤں کا شکار ہوتا ہے اور کوئی کردار سے متاثر ہو کر محبت کرنے لگتا ہے۔"

"اور مجھ میں ان میں سے کوئی خوبی نہیں ہے؟"

"ہو سکتا ہے کہ میرے سامنے نہ آئی ہو اور پھر یہ امکان بھی ہے کہ میں لاشعوری طور پر کسی خاص چیز کا متلاشی ہوں اور اتفاق سے ابھی تمہاری ذات میں وہ خاص پہلو ابھر نہ سکے۔"

"تم مبہم باتیں کرتے ہو۔" وہ قدرے شگفتہ لہجے میں بولی۔ "دراصل تم [illegible] ہو اور انکار پر تیار ہو۔"

"مصلحت یہ ہے کہ میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔"

"سچ تو یہ ہے کہ سارا مسئلہ زبان کا ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولی۔

"تم مجھ سے اردو والی محبت چاہتی ہو اور میں انگریزی ٹائپ کی محبت جواب دینے کے لیے تیار ہوں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ذرا سے نرم ہو ورنہ اپنے خول کے اندر تم بھی شین مارکر سے مختلف نہیں ہو۔" وہ میری گردن میں چٹکی لے کر بولی۔

"اس سے تو بدرجہا بہتر ہوں نا۔" میں نے کہا۔ "وہ مادام پواری سے کانپتا ہے اور شاہدہ پر رعب گانٹھتا ہے جبکہ میں دونوں سے یکساں سلوک کا قائل ہوں۔"

"تم اس عمارت کے انتظامات سے متاثر نہیں ہوئے؟" مادام پواری کا ذکر سنتے ہی شاید اس کی خودپسندی کی رگ پھڑک اٹھی۔

"خاصا محفوظ ٹھکانا ہے۔"

"اس عمارت میں الیکٹرونکس کا بڑی فراخدلی سے استعمال کیا گیا ہے۔" اس نے فخر آمیز لہجے میں کہا۔

"ضرور کیا گیا ہوگا۔ بریرین انڈکشن یونٹ تو میں نے دیکھ بھی لیا۔"

"میرا مطلب مصنوعات اشیا سے ہے، وہ سراسر مذاق تھا۔"

"تو کیا اب سنجیدہ ہو؟" اندھیرے میں گفتگو خود بخود بڑھتی جا رہی تھی۔

"اس عمارت میں یہ کمرا ایسی جگہ واقع ہے کہ تینوں راہداریاں اس طرف آتی ہیں اور تینوں راہداریوں میں مناسب مقامات پر خفیہ فوٹو سیل اس طرح لگے ہوئے ہیں کہ اگر ایک چوہا بھی ان کے سامنے سے گزرے گا تو میرے اس کمرے میں مخصوص الارم بج اٹھے گا اور نکاسی کے راستے خود بخود مقفل ہو جائیں گے۔"

"نکاسی کے راستے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں، اس کمرے سے نکلنے کے لیے دو دروازے ہیں۔ ان کے مقفل ہو جانے کی صورت میں کوئی زبردستی اندر نہیں گھس سکتا، انہیں میں خود ہی بٹن دبا کر کھول سکتی ہوں۔"

"شاید یہ کوئی ہوٹل ہے؟"

"نام کا ہوٹل ہے۔" وہ بولی۔ "میں نے تمہیں بتایا تھا کہ پروسیلز میں یہ میرا کنٹرول سنٹر ہے۔ میرے تصرف میں آنے سے قبل یہ عمارت ہوٹل کے مصرف میں تھی اور اب بھی اسی نام سے پہچانی جاتی ہے۔"

"کچھ دیر کے لیے سو لینے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"سو جاؤ، میں نے روکا کب ہے؟"

"اچھا پانی مت کرو، میری پنڈلی زخمی ہے۔" میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"میں دیکھوں گی کہ یہ جانے کب تک تمہارے کام آتی ہیں۔"

میں ایک سرد سانس لے کر رہ گیا۔

اس رات شاہدہ کے پہلو میں مجھے نیند تو بہت دیر سے آئی مگر میں نے چند منٹ بعد ہی ایسی اداکاری شروع کر دی جیسے مجھے فوراً ہی نیند نے آ لیا ہو۔ مقصد صرف اتنا تھا کہ شاہدہ کو مزید گفتگو سے روک کر ذہنی سکون حاصل کر سکوں۔

اگلی صبح میں خاصی دیر سے بیدار ہوا اور مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ میں شاہدہ کے کمرے کے بجائے کہیں اور موجود تھا۔

اس نئے کمرے میں ایک صاف ستھرے بستر، ڈریسنگ ٹیبل اور صوفہ سیٹ کے علاوہ کچھ موجود نہیں تھا۔ میں اس بدلی ہوئی صورت حال پر حیران ہو ہی رہا تھا کہ کمرے میں کسی اور کی موجودگی کا احساس کر کے چونک پڑا۔

سر گھمایا تو کھلے ہوئے دروازے پر ایک مسکراتا ہوا خوب رو نسوانی چہرہ موجود تھا۔

"صبح بخیر۔" مجھ سے نگاہ چار ہوتے ہی اس نے ترنم ریز دلکش آواز میں کہا۔

میں نے مسکرا کر سر کو خفیف سی جنبش دی اور سوال کیا "میں اس وقت کہاں ہوں اور تم کون ہو؟"

"تم دوستوں میں ہو اور میرا نام کلاڈیا ہے۔" وہ میرے بستر کے قریب آ کر مجھے اٹھنے میں مدد دیتے ہوئے بولی۔

"تم کن دوستوں کا ذکر کر رہی ہو؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے اس سے آگے بتانے کی اجازت نہیں ہے۔" وہ مسلسل مسکرائے جا رہی تھی۔

"یہ عمارت کون سی ہے؟"

"مجھے افسوس ہے کہ میں اس قسم کے کسی سوال کا جواب نہ دے سکوں گی۔"

"تو پھر میرے سر پر کیوں مسلط ہو؟" میں یک بیک بگڑ گیا۔

"تمہاری خدمت گار ہوں۔" اس کی خوش دلی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"دفع ہو جاؤ، مجھے کسی خدمت گار کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے غصے میں آپے سے باہر ہوتے ہوئے کہا۔

"تھوڑی دیر کے لیے جا سکتی ہوں مگر دوبارہ تو تم مجھے یہیں موجود پاؤ گے۔ تمہاری ٹانگ زخمی ہے اور تمہیں منہ ہاتھ دھونے کے لیے میرے سہارے کی ضرورت ہوگی۔" وہ انتہائی ڈھیٹ لڑکی تھی کہ میری برہمی کا کوئی اثر قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔

میں کچھ دیر تک اسے غصیلی نظروں سے گھورتا رہا پھر تلخی کے ساتھ سوال کیا "تم اندازہ کر کے بتا سکو گی کہ مجھے یہاں کون لایا ہے؟"

"تم یہیں ہو جو تھے۔ مجھے تو بس اتنی ہدایت ملی کہ اس کمرے میں موجود شخص کی تندہی سے دیکھ بھال کرنی ہے۔"

میں گہرا سانس لے کر اس کے سہارے اپنی ٹانگ [illegible] ہو گیا۔

میری زخمی پنڈلی میں درد کی ٹیسیں بدستور موجود تھیں پھر اس قابل تھا کہ لڑکی کا سہارا لے کر لنگڑاتا ہوا باتھ روم تک پہنچ گیا۔ وہ میرے ساتھ اندر تک جانے پر آمادہ تھی مگر میں نے جھلا کر اسے روک دیا۔ "تم باہر ہی ٹھہرو، میں دیوار کے سہارے بھی چل سکتا ہوں۔"

"جیسی تمہاری مرضی!" اس نے شاید انکار سیکھا ہی نہیں تھا۔

میں تازہ دم ہو کر نکلا تو ناشتہ میرا منتظر تھا۔

"تم بہت نرم دل اور مہربان لڑکی ہو۔" میں نے ناشتے کے لیے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کلاڈیا سے کہا۔ "میری [illegible] کا برا لڑنا تھا۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم دماغ کے بہت گرم ہو۔" اس کے چہکتے گلابی ہونٹوں پر وہی سدا بہار مسکراہٹ سجی ہوئی تھی۔

"یہ کس نے بتایا تھا؟"

"ہدایات دینے والے نے۔"

"اور اس کے بارے میں تمہیں بتانے کی اجازت نہیں۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم خود ہی میری مجبوری کا احساس کرنے لگے ہو۔"

ناشتے کے اختتام پر وہ برتن سمیٹ کر چلنے لگی تو میں نے اس سے سگریٹ کی فرمائش کی اور وہ چلی گئی۔

چند منٹوں بعد کلاڈیا کے بجائے اچانک شاہدہ وہاں پہنچی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ؟" میں اسے دیکھتے ہی بھڑک گیا۔

"شش ش۔" وہ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے تیزی سے میرے قریب آ گئی۔ "یہ میں نے تمہاری بہتری کے لیے کیا ہے، یہاں تمہیں بہتر طبی امداد مل سکے گی۔"

"یہ کون سی جگہ ہے؟"

"اسی عمارت کا ایک کمرہ ہے۔ تم یہاں مہمان ہو۔ [illegible] قیدی کی حیثیت [illegible]"

"اور تم کہاں ہو؟"

"آزاد میں یہاں موجود ہوں گی۔" وہ بولی "اس وقت میں شاہدہ ہوں۔ اور میں بلاشبہ ہر ایک سے مل سکتی ہوں۔"

"یہ چکر کب تک چلے گا؟"

"صحت مند ہو جاؤ تو کچھ اور سوچا جائے گا۔" وہ میرا ہاتھ دبا کر بولی۔

اسی اثنا میں کلاڈیا سگریٹ لے کر آ گئی۔ اسے دیکھ کر شاہدہ بے طرح مضطرب ہو گئی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" کلاڈیا نے شاہدہ کو گھورتے ہوئے سخت لہجے میں سوال کیا۔ اس کے ہونٹوں پر سے چپکی ہوئی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔

"میں... میں اس سے ملنے آئی تھی۔" اس وقت شاہدہ کی اداکاری قابل دید تھی۔

"تمہیں بتایا گیا ہے کہ اس شخص سے کوئی نہیں ملے گا۔ گیٹ آؤٹ۔" کلاڈیا گرج کر بولی اور شاہدہ سہمے ہوئے انداز میں وہاں سے چلی گئی۔

"وہ کون تھی؟" اس کے چلے جانے کے بعد میں نے کلاڈیا سے سوال کیا۔

"تم نہیں جانتے اسے؟" کلاڈیا نے الٹا مجھ ہی سے سوال کر ڈالا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک بار پھر وہی نرم اور محبت آمیز مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

"اتنا جانتا ہوں کہ شاہدہ نام ہے اور خاصی آوارہ مزاج لڑکی ہے مگر یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟" میں نے کہا۔

"یہ بھی ہم میں سے ہے۔"

"مزاج کے اعتبار سے؟" میں نے فوراً ہی سوال کر ڈالا۔

"میں کام کی بات کر رہی تھی۔" وہ جلدی سے بولی "ویسے تمہارے بارے میں مجھے مخصوص احکام ملے ہوئے ہیں۔"

"ان کی نوعیت کیا ہے؟"

"میں تمہاری ہر خواہش کا احترام کروں گی۔" اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"اگر میں اس عمارت سے جانا چاہوں تو؟"

"یہ ناممکنات میں سے ہے۔" وہ اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے بولی۔ "اب اس قدر تجاہل عارفانہ سے کام نہ لو۔"

"اعلیٰ قسم کی شراب لا سکو گی؟"

وہ فوراً ہی نکل گئی اور چند منٹ بعد ایک چھوٹی بوتل لے کر واپس آ گئی۔ میں نے اسے قریب بٹھا کر شراب سے شغل شروع کر دیا۔ کلاڈیا پچیس چھبیس سال کی شائستہ لڑکی تھی۔ اس کے ساتھ میرا وقت بہت اچھا گزر رہا تھا۔ شاہدہ کے مقابلے میں وہ مجھے اس لحاظ سے بھی پسند آئی تھی کہ ہر وقت بحث میں الجھنے کے بجائے نہایت سعادت مندی کے ساتھ میرے مزاج اور جذبات کا خیال رکھتی تھی اور میرے بارے میں کسی تجسس کا شکار نہیں تھی۔

تیسرے روز اس عمارت کے کسی دور افتادہ گوشے سے یکے بعد دیگرے تین فائروں کا شور سنائی دیا تو میرے ساتھ ہی کلاڈیا بھی پریشان ہو گئی۔

"یہ کیسی آوازیں تھیں؟" فائرنگ کے بعد سکوت چھا جانے پر میں نے تشویش زدہ لہجے میں کلاڈیا سے سوال کیا۔

"میں خود پریشان ہوں۔" وہ تفکر آمیز لہجے میں بولی "باہر شاید نہایت غیر معمولی حالات پیدا ہو گئے ہوں گے۔"

"تو کیا ایسے واقعات یہاں کے معمولات میں شامل نہیں ہیں؟"

"ہرگز نہیں۔" اس نے باوثوق لہجے میں جواب دیا "اس عمارت کے مکین آتش گیر اسلحہ کے شور سے نا آشنا ہیں۔"

"بڑی عجیب بات ہے حالانکہ تم لوگوں کا تعلق کسی نہ کسی جرائم پیشہ تنظیم سے ہی معلوم ہوتا ہے۔" مجھے بات بڑھانے کا موقع مل گیا۔

"میں معلوم کر کے آتی ہوں۔" وہ میری بات سنی ان سنی کر کے اٹھی اور تیر کی طرح باہر نکلتی چلی گئی۔

اس کی واپسی خلاف توقع جلد ہی ہو گئی۔ اس کی کھوئی ہوئی مسکراہٹ بحال ہو چکی تھی مگر چہرے سے کچھ عجیب سی کیفیت ہویدا تھی۔

"کہیں سے ایک بندر گھس آیا تھا۔" اس نے اندر آ کر کہا اور اس کے الفاظ سنتے ہی میرا دل اچھل کر یک بیک حلق میں آ گیا۔

"بندر؟" میں نے حیرت سے دہرایا "بھلا یہاں بندر کہاں سے آ گئے؟"

"ان اطراف میں تو دور دور تک بندر کا سایہ تک نہیں پایا جاتا مگر وہ کہیں سے آ نکلا۔ بہت پھرتیلا اور چالاک تھا۔ عمارت کے مسلح محافظوں نے اسی پر گولیاں چلائی تھیں۔" کلاڈیا نے کہا۔

"تو وہ مر گیا؟" میں نے غیر ارادی طور پر سوال کیا۔

"تم تو ایسے پوچھ رہے ہو جیسے وہ تمہارا کوئی عزیز تھا۔" کلاڈیا ہنستے ہوئے بولی۔ "اگر تیسری گولی سے بھی نہ مرتا تو پھر پے در پے فائرنگ کی آوازیں بھی ضرور سنائی دیتیں۔"

کلاڈیا میرے سامنے موجود تھی مگر میری نگاہوں سے اس کا چہرہ اوجھل ہو گیا۔ میرے تصور میں میری اپنی سیتا جیسی مسکراتی میرے سامنے آ کھڑی ہوتی تھی جس نے ہمالیہ کی برف پوش اور سنگلاخ وادیوں میں پرورش پائی تھی۔ جن علاقوں میں پلنے

جانے والے بندروں اور لنگوروں کے غول اس کی اطاعت کرتے تھے اور اس کے احکام پر عمل کرتے تھے۔ مجھے وہ دن یاد آتے جب بندروں کے ایک بہت بڑے غول نے مجھے گھیر کر ایک مخصوص راستے پر چلنے پر مجبور کیا تھا اور پھر ایک مرتبہ سیتا نے مجھے قید کر کے بندروں کی نگرانی میں چھوڑا تھا اور میں ہر طرف کھلے راستے موجود ہونے کے باوجود وہاں سے بھاگنے کی جرأت نہ کر سکا تھا کیونکہ ان راستوں کی طرف قدم اٹھاتے ہی نگرانی پر مامور بندر غراتے ہوئے میری طرف لپکتے تھے اور لنگور مار کر مجھے پسپا ہونے پر مجبور کر دیتے تھے۔

بندروں پر حکمرانی کرنے والی وہ الھڑ اور شوخ و شنگ دوشیزہ میری بیوی بن جانے کے بعد مجھ سے بچھڑ گئی تھی۔ میں مدت سے اس کے فراق میں اپنا نوشتہ تقدیر پورا کرنے کے لیے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پیدائشی مفرور کی طرح بھاگتا چلا جا رہا تھا اور پھر مجھے خبر ملی کہ میری سیتا پاکستان میں زیر تعلیم چند فلسطینی طلبا کے وسیلے تلاش کر لی گئی۔ فلسطینی میرے بجائے سیتا کو وہاں سے ملوانا چاہتے تھے لہٰذا اسے لاہور سے لیبیا پہنچا دیا گیا جہاں میرے استقبال کے ساتھ ہی وہ بندروں کو گوریلا تربیت دینے لگی۔

ادھر میری سیتا فلسطینیوں کے فوجی مقاصد کے لیے بندروں کو تربیت دیتی رہی اور ادھر میں حالات کے بے پناہ دباؤ سے مجبور ہو کر ملوا م پیلاری کے قفس میں آ پہنچا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ ہوٹل موریس میں گھسنے والے بندر کا سیتا سے ضرور کوئی تعلق تھا ورنہ اس شہر میں بندر جیسے جانور کا وجود ہی ناقابل یقین تھا۔

میرے ذہن میں تصویر چلتی رہی۔ سیتا فلسطینیوں کی حفاظت اور تحویل میں تھی اور وہ لوگ میری نقل و حرکت سے پوری طرح واقف تھے۔ اور پھر برسلز میں افواج آزادی فلسطین کے مقامی نمائندے خالد عبدالفتاح کے ٹھکانے سے شاہدہ نے جس طرح بزور طاقت مجھے اپنا قیدی بنایا تھا اس کی کہانی بھی خالد عبدالفتاح کے ذریعے اعلیٰ فلسطینی حلقوں میں ضرور پہنچی ہو گی۔

برسلز میں میری بدترین شکست سے دوچار تھا اور وہاں فلسطینیوں کی تنظیم بے مرکز تھی۔ خالد سے میرا رابطہ مکمل طور پر منقطع تھا لہٰذا غالب امکانات یہی تھے کہ شاید سیتا نے کسی بندر کو میری بو سونگھا کر برسلز بھیجا اور وہ بندر یہاں پورے شہر کی خاک چھاننے کے بعد جیسے ہی ہوٹل موریس میں گھسا اسے پولیس کی طرف سے ہلاک کر دیا گیا۔

اگر اس بندر کا سیتا سے ذرا بھی تعلق تھا تو مجھے پورا یقین تھا کہ خالد عبدالفتاح یا اس کے کسی آدمی نے بندر کا تعاقب کیا ہو گا اور اس طرح وہ عمارت فلسطینیوں کے ..... علم میں آ چکی ہو گی۔

میرے ان قیاسات کی تصدیق یا تردید کرنے والا فرد اس وقت صرف شاہدہ ہو سکتی تھی۔ اگر میرا قیاس درست تھا تو ہوٹل موریس بھی جلد یا بدیر بھیانک اور خونریز تصادم کا مرکز بننے والا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" کلاڈیا کی آواز نے مجھے تصورات کی دنیا سے باہر کھینچ لیا۔

"اپنی بے بسی پر غور کر رہا تھا۔"

"تم بے بس تو نہیں ہو۔" وہ براہ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"جب تک جنگلی پر پلاسٹر باقی ہے یہ احساس نہیں جا سکتا۔"

"یہ پلاسٹر کبھی پریشانی کا باعث تو نہیں بنا۔ تم آسانی سے چل پھر سکتے ہو۔"

"مگر میں زندگی بھر تو یہ فالتو بوجھ اٹھائے نہیں پھر سکتا۔" میں نے بے چین ہو کر کہا۔

"میں آج معلوم کروں گی۔" اس نے ہنس کر کہا اور شام کو اس نے اطلاع دی کہ اگلے روز مجھے ہسپتال لے جایا جائے گا۔

بندر والے واقعے کے بعد میرے وجود پر ایک ہیجان کی ناقابل بیان کیفیت طاری تھی۔ اس رات بھی مجھے لمحہ بھر چین سے نہ سو سکا۔

اگلی صبح دس بجے کے قریب کلاڈیا مجھے ساتھ لے کر باہر نکلی تو میری آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھی جا چکی تھی۔ طویل اور پیچ در پیچ راہداریوں سے گزرنے کے بعد کلاڈیا کے ساتھ میں نے چند سیڑھیاں اترنی شروع کیں تو سرد ہوا نے میرا استقبال کیا۔ چہرے اور جسم سے ٹکرانے والی تیز ہوا بتا رہی تھی کہ ہم عمارت سے کھلی فضا میں آ چکے تھے۔ پانچ سیڑھیوں کے بعد میں ایک کار کے قریب پہنچا۔ وہاں میں نے پہلی بار شاہدہ کی آواز سنی جو کلاڈیا سے کچھ کہہ رہی تھی۔

مجھے لے کر کار روانہ ہوئی اور چند سیکنڈ بعد ہی شاہدہ کانوں سے ٹکرائی۔ "اب چاہو تو پٹی کھول دو۔"

میں نے پٹی نوچ کر پائیدان میں ڈال دی۔ "اب مجھے تمہارے رحم و کرم پر ہوں؟" میں نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"کیا کلاڈیا زیادہ لینا آتی تھی؟"

"وہ مزاج شناس بھی ہے۔"

"ہوں!" وہ مسکرا کر بولی۔ "یہ تو کوئی بڑی بات نہیں۔"

"سنا ہے۔ تم آج ہسپتال جا رہے ہو۔"

"ہسپتال ہی چل رہے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ اس کے بعد کیا پروگرام ہے؟"

"آزاد کر دو گی تو مڑ کر دیکھے بغیر لاہور کا ٹکٹ کٹوا کر چلا جاؤں گا۔"

"تم نے ٹھکانے پر باتیں ہوں گی۔"

"کیا اب بھی کوئی ٹھکانا نیا ہے؟"

"میں نے پہلوں ہی ایک حسین کاٹیج خرید لیا ہے۔ تمہارے ساتھ چند روز وہیں گزاروں گی۔" اس نے کہا۔

یہ سن کر میں سوچ میں پڑ گیا۔ اگر بندر والے معاملے میں میرا اندازہ درست تھا تو مجھے ہوٹل موریس ہی میں رہنا چاہیے تھا تاکہ اس عمارت بندر کا تعاقب کرنے والے کی نگاہوں میں آ چکی ہو گی۔ دوسری جگہ منتقل ہونے کا مطلب تھا کہ میرے ہمدرد میرے بارے میں ایک بار پھر اندھیرے میں بھٹکتے رہ جاتے۔

"ہوٹل موریس کے خاص کمرے سے باہر آنے کے بعد تمہاری نیت بوکھلا جاتی ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"کس کمرے کی بات کر رہے ہو؟"

"ماتم پرسی والا کمرہ۔" میں نے کہا۔ "وہاں تم نے مجھے تھوڑا بہت متاثر کیا تھا۔ باہر آنے کے بعد تم میں حسین جسم کے سوا کوئی اور کشش نہیں رہ جاتی۔"

"تم پا ہو گے تو وہیں چلیں گے مگر میں اب اس عمارت میں رہنا نہیں چاہتی ہوں۔" وہ سنجیدہ اور تفکر آمیز لہجے میں بولی۔

"وہ کیوں؟"

"شین مارکیڈو کا معاملہ مشکوک ہو گیا ہے۔ اس نے آخری بار یہ اطلاع دی تھی کہ وہ پولیس سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہے اور کچھ عرصے کے لیے روپوشی اختیار کر رہا ہے۔ اس کے بعد اس سے کوئی رابطہ قائم نہیں ہو سکا۔ نہ ہی ٹرانسمیٹر پر جواب مل رہا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ بلجیم سے ہی بھاگ گیا ہو۔"

"ایسا ہوتا تو وہ پیغام ضرور چھوڑتا۔" شاہدہ تشویش آمیز لہجے میں بولی۔ "مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں وہ پولیس کے قبضے میں نہ ہو۔"

"مشکل وجہ؟"

"اس کی اتنی طویل روپوشی اور مسلسل خاموشی ہمارے طریقہ کار کے خلاف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پولیس نے ہمیں غلط راہ پر ڈالنے کے لیے اس کے ٹرانسمیٹر سے روپوشی والا پیغام دلوایا ہو اور مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے اسے تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہو۔"

"اگر وہ زیر حراست ہے تو پیغام بھیج سکتا ہے تو اب تک زبان بھی کھول چکا ہو گا۔"

"وہ تنظیم کے لیے جان دینے والوں میں سے ہے، ویسے

یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" وہ بولی۔ "البتہ میں نے احتیاط کے طور پر ٹرانسمیٹر کا استعمال ترک کر دیا ہے اور خود ہوٹل موریس سے چند روز کے لیے چند ہفتے تک جائے پناہ لینا چاہتی ہوں۔"

"پولیس کے محکمے میں تمہاری رسائی نہیں ہے؟"

"یہاں سب سے بڑی خرابی یہی ہے۔ پولیس کے علاوہ ہر محکمے کو پیسے کے بل پر خریدا جا سکتا ہے۔" اس کا لہجہ تلخ تھا۔

"پھر لیفٹیننٹ ویسوں کو کیوں مرواتی ہو، چند روز کے لیے ہوٹل موریس کو ویران ہی چھوڑ دو۔" میں نے رائے پیش کی۔

"شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا۔" وہ بولی۔ "ہوٹل موریس میرا مضبوط ترین قلعہ ہے۔ اگر ایک مرتبہ میرے آدمی بے اعتمادی اور عدم تحفظ کا شکار ہو گئے تو میں کچھ بھی نہ کر سکوں گی۔"

"مگر تم تو اس زندگی سے تائب ہونے کا ارادہ رکھتی ہو؟"

"تم ابھی مجھ کو اپنے دامن میں سمیٹ لو تو میں ابھی سارا عشرت کدہ تج دیتی ہوں۔ تمہارے فیصلے کے بغیر میں اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتی۔" وہ اپنے پسندیدہ موضوع پر آ گئی۔

"کل ہوٹل موریس میں فائرنگ کیسی ہوئی تھی؟" میں نے فوری خیال کے تحت سوال کیا۔

"کہیں سے ایک بندر گھس آیا تھا۔ حالانکہ یہاں میلوں دور تک بندر تو گھنٹے کو بھی نہیں ملتے۔" اس کا لہجہ سرسری نہیں تھا۔

"تو کیا بندر نے فائرنگ کی تھی؟"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "تم ہر بات مذاق میں کرتے ہو۔ بندر تو محافظوں نے اس پر گولیاں چلائی تھیں۔ میں اس بارے میں کچھ پریشان ہوں۔ ایک محافظ کا خیال ہے کہ وہ کوئی تربیت یافتہ بندر تھا کیونکہ وہ کافی لوگوں کے درمیان سے بے خوف گزرا تھا جبکہ جنگلی بندر انسان کے سائے سے بھی بھڑک کر بھاگتے ہیں۔"

"تمہاری تلاش میں ہو گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ کس بنا پر کہہ سکتے ہو؟"

"تمہاری فراخدلی کے قصے سن لیے ہوں گے۔"

"تم ہر وقت اوٹ پٹانگ گفتگو پر تلے رہتے ہو۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

"اس بندر کے بارے میں کیا کر رہی ہو؟"

"کیا کیا جا سکتا ہے۔" وہ شانے اچکا کر بولی۔ "اگر محافظ عجلت میں اسے ہلاک نہ کر دیتے تو واپسی میں اس کا تعاقب کیا جا سکتا تھا۔"

"تم نے تو بتایا تھا کہ ہوٹل موریس میں بہت سخت حفاظتی انتظامات ہیں۔ پھر وہ بندر گھسنے میں کیسے کامیاب ہوا؟"

"وہ پانچ منزلہ عمارت ہے اور اسکی زیریں منزلوں پر مستقل

اور بجز بکار حفاظتی علامتیں ہے۔ وہ ٹوک اور سروں پر موجود رہتے ہیں اور بھرپور جیسا جانور تو زندگی میں لگا کر ایسے راستے بھی اختیار کر سکتا ہے جو عام حالات میں محفوظ سمجھے جاتے ہیں۔"

"مگر تم نے کہا تھا کہ ہوٹل ہورس میں حفاظتی انتظامات کے لیے الیکٹرونکس کا جدید ترین استعمال کیا گیا ہے۔"

"وہ صرف پانچویں منزل کا ذکر تھا جہاں مادام پواری کا کمرہ ہے۔"

"اس بارے میں بھی تم عہد خلافی کی مرتکب ہوئی ہو۔"

"وہ کیسے؟"

"تم نے مجھے وہاں چھپے ہوتے شعبدے دکھانے کا وعدہ کیا تھا۔" میں نے یاد دلایا۔

"وعدہ ضرور کیا تھا مگر اس وقت تم معذور تھے اور تمہیں بہتر دیکھ بھال کے خیال سے میں نے تمہیں بھیج دیا تھا۔"

"اور اب میں چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو تم نے لوٹ کا رُخ کرنے پر بھی تیار نہیں ہوئیں۔"

"فکر نہ کرو جیسے ہی حالات سازگار ہوں گے میں تمہیں وہاں لے جاؤں گی۔"

"تمہاری بکتر بند کار کہاں ہے؟"

"حفیہ ٹھکانے پر۔ اسے میں مادام پواری کی حیثیت میں ہی استعمال کرتی ہوں جبکہ اس وقت میں مادام کی ایک ادنیٰ کارکن ہوں۔"

ایمبولینس کی ٹوک جھونکس میں راستہ بہت جلدی کٹ گیا اور ہم ہسپتال جا پہنچے۔

وہاں ایکسرے لیا گیا اور ہوا میں تسلی بخش تھی لہٰذا فوری طور پر وہ پلاسٹر کاٹ دیا گیا جس نے مجھے معذور بنایا ہوا تھا۔

ہسپتال سے واپسی پر میں خوش تھا۔ شاہدہ نے ہوٹل ہورس کا رُخ نہ کرنے کا فیصلہ کر کے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا مگر صحت مندی کی نوید پانے کے بعد میرا اعتماد بحال ہو چکا تھا اور میں اس کے ساتھ کار میں رہتے ہوئے بھی ہر طرح اپنی آزادی کی راہ نکال سکتا تھا۔

"سامنے دیکھ رہے ہو؟" شاہدہ نے ایک مجمع جوم شاہراہ پر کار کی رفتار قدرے سست کرتے ہوئے کہا اور چوک کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا ہے وہاں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"بیتی کرتی ایک خاتون مجسمہ ہے۔" مسکرا کر وہ خالص مقامی لہجے میں بولی۔ "چوک کے وسط میں جو کالی کا مجسمہ نصب ہے اسے عالمی شہرت حاصل ہے۔"

"کیا تم نے یہاں سے بھی کوئی مجسمہ چرانے کا منصوبہ بنایا ہے؟"

"ایک وقت کا مجسمہ ہے جو ہر وقت پچھتایا ہے کر کے تمہیں تمہارے ذوق سے مطابقت رکھتا ہے۔"

"میرا ذوق تو بیدی کی پیداوار ہے۔ یہ لمحہ نما مجسمہ وہ فلم فرانکو فین کے ماڈل پہ بنایا گیا تھا۔ اسے کئی اہمیت کی جگہ متعلقہ مقابیوں میں قدیم ترین شہری کے نام سے مشہور ہے۔"

"اس وقت مجھے تاریخ سے زیادہ جغرافیہ سے دلچسپی ہے۔"

مجھے اس کی ہر بات کی بے دھڑک تردید میں لطف آنے لگا تھا۔

"جغرافیہ سے زیادہ ادبیات مضمون نا تجربہ بھی نہیں۔" وہ بڑا سا منہ بنا کر بولی۔ "پہاڑ، میدان، جنگل اور دریا کو بھی جغرافیہ بنا ڈالا ہے۔"

"اپنے سراپا پر نظر ڈالو تو خود کو بھی شاہدہ کے بجائے جغرافیہ ہی پاؤ گی۔"

"اب اپنی ذہنیت کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟" وہ مجھے گھورتے ہوئے چبا چبا کے لہجے میں بولی۔

"نہایت اعلیٰ ہے۔"

"پلاسٹر پنڈلی سے اتار گیا ہے اور اثر دماغ پر ہو گیا۔"

"دماغ پر تو واقعی اثر ہوا ہے۔" میں نے اس کی ران سہلاتے ہوئے کہا۔

"میرے بارے میں کوئی احمقانہ فیصلہ نہ کرنا۔" وہ تیز لہجے سے بولی۔

"کس احمقانہ فیصلے کی بات کر رہی ہو؟" میں نے جھلا کر سوال کیا۔ میری نگاہیں اس وقت شاہدہ کا تفصیلی جائزہ لے رہی تھیں اور میں سوچ رہا تھا کہ کسی ویران سڑک پر تم ہو سکتی ہو۔ اسے بے ہوش کر کے بآسانی بے قابو کیا جا سکتا تھا۔ میری آزادی کی راہ کھل سکتی تھی اور میں خالد حمید الفتاح سے رابطہ قائم کر کے سیتا تک پہنچنے کی صورت تلاش کر سکتا تھا۔

"تم صرف منہ ہی منہ میں ہو گئیں۔ مجھے بتایا بے خبر ہو کر بیٹھنا۔" اس نے کہا اور میں دل ہی دل میں اسے گالیاں دینے لگا۔

"فرض کرو کہ میں ایسا کر ہی بیٹھوں!" میں نے لہجے سے سوال کیا۔

"اول تو تم مجھے آسانی سے زیر نہ کر سکو گے اور اگر کامیاب ہو گئے تو پیچھے والا تمہیں کسی قیمت پر برقرار نہ ہونے دے گا۔"

"کون ہے پیچھے والا؟" میں نے اضطراری طور پر گردن گھماتے ہوئے شاہدہ سے سوال کیا۔

"وہ مرسڈیز کو ادھر دیکھ رہی ہو جس کی پچھلی سیٹ پر اس کار میں کوئی بیٹھا ہے۔" میں نے جس کار کا ذکر کیا وہ ایک سیاہ کار میں شریف ہے۔

ہوگیا تھا میں اب بچوں جیسی ہے ہوں" کر رہا ہے۔

"مگر کیوں؟" میں نے غصے لہجے میں احتجاج کیا۔ "ایک طرف تم نے محبت کا دعویٰ کر رکھا ہے اور دوسری طرف ایسی گھٹیا حرکتیں کر رہی ہو۔"

"صرف احتیاطاً میرے سرتاج!" وہ چڑانے والے لہجے میں بولی۔ "محبوب اگر ہرجائی ہو تو ایسی تمام احتیاطیں لازمی ہو جاتی ہیں۔ مجھے ابھی تک زیر اعتماد نہیں ہو سکا ہے۔ ہو جانے تم کس وقت کیا کر گزرو اور میں سر پیٹتی رہ جاؤں۔"

"اس طرح تم مجھے اپنی طرف راغب کرنے کے بجائے متنفر کر رہی ہو۔"

"تم مجھے قبول کرنے کا عملی ثبوت فراہم کر دو گے تو یہ تمام سلسلہ ہی ختم ہو جائے گا۔" وہ پُرسکون لہجے میں بولی۔

"زنجیروں سے باندھ کر کسی کو محبت پہ مجبور نہیں کیا جا سکتا شاہدہ۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ اب تم سے کوئی منفی بات دہرا ہی ہو مگر اب میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ موقع ملتے ہی تمہارے چنگل سے نجات پانے کی کوشش کروں گا۔"

"خوش فہمی ہے۔" اس نے اچانک بریک لگا کر کار ایک کنارے پر روک لی۔ اس کا لہجہ سرد اور خطرناک تھا۔

"ہم ہی تمہیں شک اس کے لہجے پہ ہوشیار ہو گیا تھا مگر اپنے چہرے سے میں نے کوئی گھبراہٹ ظاہر نہیں ہونے دی۔

"کار سے اترو اور جہاں سینگ سمائیں چلے جاؤ۔ کوشش کرنا کہ اتنی دور نکل جاؤ جہاں میرے ہاتھ تمہاری گردن تک نہ پہنچ سکیں۔" اس کا کار کا انجن بدستور چل رہا تھا۔

"شاید تم کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو رہی ہو۔"

"اگر تمہیں اپنا دل کسی اور کے لئے زندہ رکھنا ہے تو ہمیں مجھ سے الگ ہو جانا چاہئے۔ معاملہ صرف میری ذات تک محدود نہیں بلکہ ہو سکتا ہے شاہدہ مر جائے۔ میری آزاد زندگی کا حصول ارزاں نہیں ہے اور اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو مادام پواری کے رازوں کو افشاں کرنے کے لئے ساری زندگی کسی خفیہ ٹھکانے میں چھپ کر گزارنا ہوگی ورنہ اس کے ساتھ تمہیں بھی مرنا ہوگا۔"

شاہدہ نے کھل کر اپنے عزائم کا اظہار کر دیا تھا اور بات بالکل کھل گئی۔ میرے سامنے دو ہی راستے رہ گئے تھے کہ اس لڑکی کے سامنے ہتھیار ڈال دوں یا پھر اپنی حیات کی بدنامی کا حرف کر دیتا۔ پھر اس کا ہولناک تجزیہ نہ کر سکتا میں نے اس کی کار سے اتر جانا۔

مجھے یقین تھا کہ اس کی کار سے اترنے کے بعد مجھے لگا ہوا شخص مجھے زندہ پکڑنے کی کوشش کرے گا اور اگر وہ کمزور پڑا تو بے دریغ مجھے ہلاک کر ڈالے گا۔ میں نے بھی ایسی ہولناک صورت حال کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا جس میں میری سلامتی کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہوں۔

"کار سے اترنے کی کیا ضرورت ہے۔ ابھی گولی کیوں نہیں مار دیتیں؟" میں نے کمال ہوشیاری سے وہ سیالی داؤ کھیلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

وہ ہونٹ بھینچے مجھے مسلسل گھورے جا رہی تھی۔ ایک لمحہ کے لئے مجھے شبہ ہوا کہ اس کی آنکھوں میں نفرت کی بتی سی ابھر آئی تھی۔

"میں تمہیں گولی نہیں ماروں گی۔ وہ کسی زخم خوردہ شیرنی کی طرح غرائی۔ "اگر تمہارا فیصلہ اس قدر اٹل ہے تو یہ کام اپنے کسی بدترین کارکن سے لوں گی۔"

"کار تک پہنچ کر اپنے کارکن کو وہیں بلا لینا۔ مجھے معلوم ہے کہ اس پاس ہی تمہارا کوئی نہ کوئی کارندہ منڈلا رہا ہے جو میرے باہر نکلتے ہی کھیل ختم کر سکتا ہے۔ جب مرنا ہی ہے تو میں تمہارے ہاتھ کے بجائے تمہارے کارندے کے ہاتھ مرنا پسند کروں گا جہاں میری لاش کی حرمت تو پامال نہ ہوسکے گی۔" شک سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

"موت اتنی آسان اور خوشگوار نہیں ہوتی۔" وہ کھسیانے لہجے میں بولی۔ "میں ہمیشہ موت سے لڑ کر ہی زندگی حاصل کرتا رہا ہوں اگر اس بار اپنے بچاؤ کے بغیر تمہاری سازش کے ذریعے موت میرا مقدر بن چکی ہے تو میں اسے بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوں!"

"سازش؟" اس نے غصے اور حقارت سے دہرایا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے وجود میں آگ سی بھڑک اٹھی ہو۔ "سازشی کمینے اور خود غرض تم ہو۔"

"سازشی کمینے اور خود غرض کہنے سے بات نہیں بنتی شاہدہ۔ میرا ضمیر مطمئن اور بد ترین ملامت سے بری تھا۔ مادام پواری کے راز میں نے معلوم نہیں کئے بلکہ تم نے زبردستی مجھے ان رازوں میں شریک کیا تاکہ ایسے ہی کسی موقع پر مجھے مارنے کا جواز پیدا کر سکو جیسے چالیس جانا ہے۔ ان کے بہت سے علم نہیں کیا جاتا۔"

"اخلاقیات کے اصول میری ٹھوکر پہ رہتے ہیں۔" وہ غرا کر بولی۔ "تم شروع سے مجھے اس فریب میں مبتلا رکھتے آئے ہو کہ شاید کسی وقت تمہارا دل پگھل جائے گا۔ تم نے جسمانی مائیں بدن کے جھٹکے سے دے کر مجھے اپنی ذات میں سمٹ جانے پر مجبور کر دیا۔ مجھے بتاؤ کہ تم کیا ہو؟ تم جیسی عام لڑکیوں سے بھی بدتر ہو وہ صرف تمہاری تفریح کے لئے میری طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا مگر تم نے مجھے ایک خوب صورت وہم میں مبتلا کر کے پامال کرنے آ رہے ہو اور اب مجھے ٹھکرا کر تم میری بدترین تذلیل کر رہے ہو جسے میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتی۔" اس کی آنکھیں بند نکلتے ہی بھرتی جا رہی تھیں۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔ مجھے کبھی مطلب نہیں کہ میرا مقصد سب انکشاف کر اب تک تمہاری خواہشات کا احترام کرتا آ رہا ہوں۔"

"میری خواہشات!" اس کی آواز کانپ کر رہ گئی۔ اس کی آنکھوں سے دو قطرے رخسار پہ ڈھلک آئے اور اس نے جلدی سے منہ

سامنے کرکے گیئر ڈالا اور تیزی کے ساتھ کار آگے بڑھا دی۔

میں نے وہ کشمکش گھڑی ٹل جانے پر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا مگر اس وقت شاہدہ کے رویّے نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔

تازہ ترین واقعہ سے قبل میں نے شاہدہ کے معاملے پر کبھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا تھا میرا خیال تھا کہ وہ ایک ہنس مکھ مزاج کی حامل عورت ہے جو ہر پھول سے اکتا کر نئے شگوفے کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہے۔ چند اچھوتے دنوں کی رفاقت کے بعد اس کا جوش ٹھنڈا پڑ جائے گا اور یا مجھ سے اکتا کر وہ کسی اور طرف نکل سکے گی مگر اب پتہ چلا کہ وہ معاملہ نہایت سنگین ہو چکا تھا۔

میرے ساتھ چند روز گزارنے کے بعد اس کا جوش سرد ہونے کے بجائے جنون میں تبدیل ہو چکا تھا ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ ہر قیمت پر مجھے حاصل کرنے کا تہیہ کر چکی تھی اور واقعی اپنے دل کی گہرائیوں سے مجھے پسند کرنے لگی تھی۔ اسی پر بس نہیں تھا بلکہ وہ میری فطرت سے اس حد تک واقف ہو چکی تھی کہ اس نے میرے گرد ایسا مضبوط حصار کھڑا کر دیا تھا کہ میں اسے دھوکہ دے کر فرار نہیں ہو سکتا تھا۔

شاہدہ سے پیشتر جتنی عورتوں سے میرا واسطہ رہا ہے وہ سب ہی تفریح اور سکون کی متلاشی ہوتی تھیں مگر شاہدہ نے کھل کر مجھ سے اپنی بھرپور چاہت کا اظہار کیا تھا۔ اس کی جذباتی گفتگو سننے سے قبل یہ بھی ممکن تھا کہ اگر وہ میرے فرار کی راہ میں حائل ہونے کی کوئی موثر کوشش کرتی تو شاید میں اسے اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر کے آگے بڑھ جاتا مگر اب میرے لئے یہ ممکن نہیں رہا تھا۔

شاہدہ بُری عورت تھی اس لئے مجھے براہ راست قتل کی دھمکی بھی دے سکتی تھی جو شخص چاہت کی خاطر اپنی کائنات بدل دینے پر آمادہ تھی مگر میں اس پر اپنی مجبوریوں کا اظہار نہیں کر سکتا تھا کیونکہ پانی سر سے گزر چکا تھا۔

بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اس کے بھرپور تصادم کے بعد وہ معاملہ میری سمت کے بے تعلق کا شکار ہو گیا تھا۔ شاہدہ بھی اپنی محبت کھلیوں سے بے پایاں اختیار کرتی نظر آ رہی تھی اور میرے لئے کوئی بھی قدم اٹھانا بے حد دشوار ہو گیا تھا۔

میرے پاس وقت کی کمی تھی مگر حالات کا تقاضا یہ تھا کہ چند روز کے لئے خالی الذہن ہو کر میں شاہدہ کے ساتھ تفریح کی ہی ذہنی ہم آہنگی پیدا کر لیتا اور پھر اسی فضا میں اسے کوئی نقصان پہنچائے بغیر خاموشی کے ساتھ روپوشی کی کوشش کرتا۔ اگر میرے ہاتھوں سے شاہدہ کو ذرا بھی نقصان پہنچ جاتا تو شاید میرا ضمیر ہمیشہ مجھے ملامت کرتا رہتا۔

میں نے اپنی زندگی میں اس وقت تک قتل سے بڑے بڑے سنگین جرائم کئے تھے جو دنیا کے کسی بھی قانون کے تحت جائز قرار نہیں دیئے جا سکتے تھے مگر اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی مسلّم تھی کہ میں نے جو کچھ کیا وہ حالات کے بدترین جبر اور ضرورت کے تحت کیا تھا اور [illegible] ہمیشہ سوچ سمجھ کر عملی جامہ پہنایا تھا اور میرے ضمیر نے کبھی ان اقدامات پر ملامت نہیں کی تھی میں شاہدہ کے بارے میں کوئی عجلت آمیز کارروائی کر کے زندگی بھر کے لئے ایسا کوئی روگ مول لینے کے لئے قطعاً تیار نہیں تھا۔

میں خیالات کی رو سے اس وقت چونکا جب شاہدہ نے کار ایک خوبصورت کاٹیج کے احاطے میں گھمائی۔

کاٹیج کی ہیئت اور وضع قطع اور ترتیب سے خوب صورتی کا اظہار ہوتا تھا۔ شاہدہ نے کاٹیج کی روش پر کار روک کر انجن بند کیا تو میں خاموشی سے اتر گیا شاہدہ بھی ہارن بجا کر نیچے آ گئی۔ اس طرح شاید اس نے کاٹیج میں موجود کسی خدمت گار کو اپنی آمد کی اطلاع دی تھی۔

"کیسا مکان ہے؟" شاہدہ نے جیبوں میں ہاتھ ڈال کر میرے قریب آتے ہوئے سوال کیا۔ وہ تلخ کلامی کے بعد پہلی بار مجھ سے مخاطب ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے اس وقت بھی حزن و ملال کا اظہار ہو رہا تھا۔

"خوبصورت ہے" میں نے اس کی دلجوئی کے لئے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر دباتے ہوئے کہا۔ "بالکل اپنے مکین کی طرح!"

"مگر بے وفا ہے اپنے مہمان کی طرح" وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی مجھے یہ سمجھنے میں وقت نہیں ہوئی کہ وہ مجھ پر طنز کر رہی تھی۔ اس کی عادت کچھ ایسی تھی کہ برجستہ جوابات سوچے بغیر رہنا اس کے لئے دشوار تھا۔

"مکان کب سے بے وفا ہونے لگے؟"

"اس کاٹیج کی بات کر رہی تھی" وہ میری طرف دیکھے بغیر بولی۔

"یہ کیسے بے وفا ہو گیا؟"

"چند روز پہلے تک کسی اور کو اپنے سینے میں چھپا رکھا تھا اور مجھے خوش آمدید کہہ رہا ہے" وہ افسردہ لہجے میں بولی۔

"تلخ باتیں دوبارہ چھیڑ کر تم فضا کو برباد کر رہی ہو"

"زندگی اور اس کے تلخ حقائق ہی ہوتے ہیں" وہ برآمدے میں نمودار ہونے والے بوڑھے خادم کے سلام کے جواب میں سر کو جنبش دیتے ہوئے بولی۔

"یہ بڑی اچھی بات ہے کہ تمہیں یہ اندازہ ہو گیا ہے"

"تم پہلے مل گئے ہوتے تو یہ تجربہ پہلے ہی حاصل ہو گیا ہوتا" [illegible] کسی بھی بیٹھنے کے لئے تیار نہیں تھی۔

میں خاموش ہو گیا اور وہ خادم کو مقامی زبان میں ہدایات دیتی ہوئی کاٹیج میں داخل ہو گئی جس کی اندرونی آرائش اور آسائش فراہمی پہلے ہی جیسی بنائی گیا تھا۔

پیشتر تندی کا اختتام خوابگاہ میں ہوا تھا وہ [illegible] واپس چلی گئی تھی۔

"تم میرے ساتھ کیوں لگے ہوئے ہو؟" وہ وہاں تھکے ہوئے

انداز میں ایک صوفے پر دراز ہوتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

"تمہارا قیدی جو ٹھہرا"

"میری طرف سے تمہیں آزادی ہے جہاں جانا چاہو جا سکتے ہو"

"تعاقب کرنے والا اب بھی باہر میرا منتظر ہوگا" میں نے بستر پر بے تکلفی سے دراز ہوتے ہوئے کہا "تمہارے بغیر باہر نکلا تو اس سے بچ سکوں گا"

"یہ تمہاری اپنی احتیاط ہے"

"نگرانی کرنے والے کو میں پہچانتا نہیں ہوں دیکھنے" میں نے ڈھٹائی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"جب مناسب سمجھوں گی بتا دوں گی!"

"میرے ساتھ بھی اب تم شاہدہ کے بجائے ملازم پولیس جیسی بات کرتی ہو"

"اب بس کرو یہ تم" وہ یک بیک برہم ہو گئی۔ "اس بارے میں اب تک جو کچھ تمہارے علم میں آ چکا ہے اس کا ذکر بھی زبان پر لانے سے تمہارے لئے بہت کچھ سوچنا پڑ جائے گا"

"آئندہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی شاہدہ صاحبہ" میں نے اسے گھورتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔

وہ خاموشی سے اٹھی اور غسل خانے میں چلی گئی۔

میں کافی دیر تک اپنے خیالات میں کھویا بستر پر پڑا رہا پھر یک بیک مجھے خیال آیا کہ شاہدہ کو غسل خانے میں گئے بہت دیر ہو چکی ہے تب میں نے لیٹے ہی لیٹے ایک دو بار اسے پکارا مگر جواب نہیں ملا۔

غور کرنے پر غسل خانے میں بھی مکمل سکوت ہی محسوس ہوا۔ شاور سے پانی گرنے کی آواز تو شاید شروع ہی سے نہیں ابھری تھی۔

میں تیزی سے اٹھ کر غسل خانے کی طرف گیا اور ہینڈل گھما کر دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو دروازہ کوئی آواز پیدا کئے بغیر اندر کی جانب کھل گیا۔

دروازے کا کھلا ہونا میرے لئے مزید حیرت کا باعث ثابت ہوا مگر اندر جھانکا تو بتی روشن تھی اور غسل خانہ ویران پڑا ہوا تھا۔

اندر داخل ہونے پر ایک اور دروازہ نظر آیا جو شاید غسل خانے کو دوسرے کمرے سے ملاتا تھا میں نے اس دروازے پر قوت آزمائی کی تو وہ دوسری جانب سے مقفل تھا۔

شاہدہ اپنی کسی فوری ضرورت کے تحت مجھے دھوکہ دے کر اس دروازے سے نکل گئی تھی مگر میرے لئے اس کی وہ حرکت ناقابل فہم تھی مگر مجھے بدگمانی تو ہو کہ اسے روکنے پر مجبور نہیں کر سکتا تھا۔

یکایک مجھے خیال آیا کہ کہیں وہ مجھے کاٹیج میں بند کر کے فرار [illegible]

پاکر میری تشفی ہو گئی۔

باہر نکلنے کے بعد میں اس کمرے میں جا گھسا جو میری دانست میں دوسرے دروازے کے ذریعے غسل خانے سے ملحق تھا مگر وہ بھی خالی ہی تھا۔

پورے مکان کا چکر لگانے پر شاہدہ کا بوڑھا خدمت گار ہی ہاتھ آ سکا میرے لئے اس کا رویہ احترام آمیز تھا مگر زبان کے معاملے میں دونوں ہی مجبور تھے نہ میں اسے اپنا مدعا سمجھا سکا اور نہ وہ مجھے کچھ بتا سکا۔

جھنجھلاہٹ کے عالم میں میں اسے تقریباً گھسیٹتا ہوا خوابگاہ میں لایا تب کہیں اسے اندازہ ہو سکا کہ میری الجھن کا سبب کیا تھا مگر اس کے باوجود وہ بالکل بے کار ثابت ہوا اور میں اپنا اوور کوٹ پہن کر باہر نکل پڑا۔

شاہدہ ضرور غائب ہو چکی تھی مگر باہر اس کی کار موجود تھی میری عقل چکرا کر رہ گئی۔ اگر وہ کہیں گئی بھی تھی تو اسے اتنا پُراسرار رویہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی پھر مجھے گمان گزرا کہ اس نے مجھے بھگانے کے بجائے خود ہی مجھ سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ اس نظریے کی تائید بہت سہل تھی اور میں نے اسی طریقے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس وقت دوپہر ہو چلی تھی۔ فضا پر کہر کی چادر بہت ہلکی رہ گئی تھی مگر مطلع ابر آلود تھا اور تیز ہوائیں آپس میں کچھ بہت جاری تھیں۔ میرا بدن اوور کوٹ میں محفوظ ہونے کے باوجود سردی سے کانپ رہا تھا جب کہ شاہدہ نے غسل خانے میں جاتے وقت اپنے گرم ملبوسات کمرے میں ہی چھوڑ دیئے تھے۔ میرا خیال تھا کہ اس حالت میں چند سو میٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہی اس کی قلفی جم کر رہ گئی ہو گی۔

میں احاطے کے وسط میں ہی پہنچا تھا کہ کسی نے کرخت آواز میں مجھے رکنے کا حکم دیا۔ میں تیزی سے آواز کی سمت میں مڑا تو عمارت کے کونے سے ایک تنومند شخص کو اپنی طرف آتے دیکھا اس کے تیور ناصحانہ تھے۔

میرے قریب آ کر اس نے اپنے اوور کوٹ کی جیب سے ہاتھ باہر نکالا تو اس کے ہاتھ میں بڑے دہانے والا ایک مہیب پستول موجود تھا جس کی نال پر سائلنسر لگا ہوا تھا۔

"اس بار حماقت کی ہے اگر تم نے لڑکی کے بغیر عمارت سے باہر قدم نکالا تو جسم میں پورے چھ سوراخ کر دوں گا" وہ گرامر سے آزاد ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں غرایا۔

"مگر لڑکی ہے کہاں؟" میں نے دبے لہجے میں احتجاج کیا۔

جواب میں اس نے جو کچھ بتایا وہ مجھے مزید زچ کرنے والا اور نہایت بے ہودہ تھا اور وہ پلٹ کر بولا "میں کب جل اندر جاؤ یہ تمہارا مسئلہ

نہیں ہے جو یہاں تمہارا کوئی مددگار ہو جائے گا۔"

اس کے تضحیک آمیز لہجے نے میرا خون کھول دیا تھا مگر میں نے بظاہر مایوسانہ انداز میں سر جھکا کر عمارت کی طرف رخ کر لیا۔ پہلا قدم اٹھاتے ہی وہ بھی میرے پیچھے بڑھا اور میں بجلی کی تیزی سے پلٹ کر اس پر جھپٹ پڑا۔

میری وہ کارروائی اس کے لیے اس قدر غیر متوقع تھی کہ وہ اپنے جبڑے پر میرے گھونسے کی شدید ضرب کسی آواز کے بغیر سہہ گیا اور اپنا پستول میرے ہاتھ میں چھوڑ کر فرش سے زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ پستول کا سیفٹی کیچ پہلے ہی سے ہٹا ہوا تھا۔ میں نے اپنا داہنا ہاتھ سیدھا کیا اور چند فٹ کے فاصلے سے گولی اس کی پیشانی کے وسط میں اتار دی۔

گولی کھانے کے بعد اس شخص نے جو جھٹکا سا حرکتی اثرات پیدا کیے تھے انھوں نے اس کی ابتدائی خاموشی کی کمی پوری کر دی اور چند ہی سیکنڈ میں اس کا جسم تڑپ تڑپ کر بے جان ہو گیا۔

پستول کی نال پر سائلنسر چڑھے ہونے کی وجہ سے گرج پیدا نہیں ہو سکی تھی بس ایک تیز کھٹکا ضرور پیدا ہوا تھا مگر مجھے امید نہیں تھی کہ وہ آواز کسی نے سنی ہوگی۔

شاہدہ غائب تھی اور میری نگرانی پر مامور شخص خلاف توقع موت کے ساتھ ہم آغوش ہو چکا تھا۔ اس طرح قدرت نے مجھے حیرت انگیز طور پر آزادانہ فرار کا ایک نادر موقع فراہم کر دیا تھا۔ میں چاہتا تو فوراً ہی واپس جا کر شاہدہ کی کار کی چابی حاصل کرنے کی کوشش کر سکتا تھا مگر میں نے اس کوشش میں وقت ضائع کرنے کے بجائے اس بات کو ترجیح دی کہ جلد از جلد اس علاقے سے اتنی دور نکل جاؤں کہ شاہدہ میرا سایہ بھی نہ ڈھونڈ سکے!

مگر میری اس نیت کے وہ لمحات بہت مختصر ثابت ہوئے۔ میں نے پھاٹک کی طرف دوڑ لگانے سے قبل عمارت پر الوداعی نگاہ ڈالی تو شاہدہ تیز تیز قدموں سے میری طرف چلی آ رہی تھی۔

"یہ کیا ہوا؟" شاہدہ نے قریب ہی سے زمین پر پڑی ہوئی لاش کو دیکھتے ہی سوال کیا۔

"موت ہوا ہے!" میں نے پستول جلدی سے لپیٹ کر اور کوٹ کی جیب میں ڈالتے ہوئے جواب دیا۔ میں نے فرار کا ارادہ فوری طور پر ملتوی کر دیا تھا۔

قریب آ کر اس نے غور سے دیکھا تو اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور وہ چند لمحے گہرے سانس لیتے ہوئے بولی۔ "بارود کی بو آ رہی ہے۔ اسلحہ کہاں سے آیا تمہارے پاس؟"

"اسی نے خود ہی دیا تھا۔" میں نے لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

"تم باہر کہیں نکلے تھے؟" وہ [illegible] بولی۔

"ابھی کوئی پابندی تو نہیں لگائی تھی تم نے اور ویسے بھی تمہیں ڈھونڈنے ہی نکلا تھا مگر یہ بلاوجہ بدزبانی پر اتر آیا۔"

"اسلحہ میرے حوالے کرو!" وہ جھک کر اور کوٹ کی جیب کو گھورتی نظروں سے گھورتے ہوئے بولی۔

"نہیں!" میں نے سختی سے انکار کر دیا۔ "بہت [illegible] کسی ہتھیار کا وزن اپنے لباس میں محسوس کیا ہے؟"

"میں کبھی بھول گئے ہو!"

"تم بے فکر رہو میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہ پستول تم پر [illegible]"

"بہت شکریہ!" اس نے طنزیہ لہجے میں [illegible]

لیکن اچانک جیسے اس کے پہلو میں ایک [illegible] اس نے پوری قوت سے دونوں لاتیں [illegible] رسید کرنی چاہیں مگر میں [illegible] ہوشیار ہو چکا تھا [illegible] خود کو بچا کر اس کی ایک ٹانگ پکڑی اور اسے اپنے ہی زور [illegible] دور اچھال دیا۔

وہ بری طرح زمین پر گری [illegible] باوجود اس کے حلق سے نہایت کرب ناک غراہٹ ابھری تھی۔

"بے خبری [illegible] ایک بار پہلے بھی [illegible] تھا۔ [illegible] کافی ہے [illegible] مقابلوں اور سرکس میں [illegible] لگتے ہیں۔" میں نے [illegible] کہا۔

وہ کپڑے جھاڑتی ہوئی [illegible] کھڑی ہو گئی اور مجھے [illegible] یہ حقیقت تھا کہ اس نے ایک ناکام وار میں محسوس کر لیا تھا کہ اس کی صلاحیتوں سے بھرپور [illegible] کے مقابلے کے لیے اس کے کسی بھی [illegible] آنا مشکل تھا۔

"تم کہاں غائب ہو گئی تھیں؟"

"اندر ہی تھی اور کہاں جاتی!" وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

"مگر میں نے تو مکان کا چپہ چپہ چھان مارا تھا۔ تم کہیں نہیں تھیں۔"

"میرے پاس چند بڑی مجبوریاں ہیں۔" وہ میری بات کا [illegible] کر کے بجھے بجھے لہجے میں بولی۔

"تمہارے خفیہ معاملات سے میرا کوئی سروکار نہیں۔"

"[illegible] کی پولیس اپنے پورے وسائل کے ساتھ تمہارے خلاف حرکت میں آ چکی ہے۔" وہ اپنی کار کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

"پولیس نے میری اور تمہاری [illegible] کا سراغ [illegible]"

میرا لہجہ طنز آمیز تھا۔

"پولیس [illegible] صفدر علی اور [illegible] کی تلاش [illegible]"

[illegible] جیسے بولی۔ میرے لیے اس نے اپنے [illegible] کا قفل کھول دیا تھا۔ "پولیس کو تمہارے بارے میں پوری حقیقت کا علم ہو چکا ہے مگر میری دوسری شخصیت کے راز سے وہ ابھی تک ناواقف ہیں۔" میرے بیٹھنے کے بعد شاہدہ اپنی بات [illegible] بولی۔

"یہ اچانک کیسے شروع ہو گیا؟"

"خبر ہی کچھ ہے۔" وہ کار کا انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے بولی۔ "یہاں اسرائیلی سفارت خانے کا ملٹری سیکرٹری خود یہاں پہنچا ہوا ہے۔ مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ میں نے شروع ہی سے ایک بڑی اہم حقیقت کو فراموش کیا ہوا تھا۔"

"[illegible]" [illegible]

"پیرس ہی کے مارک کے چیف ایجنٹ علی نقی کے اسرائیلیوں سے بہت خوب مراسم ہیں۔ انہیں شروع سے ہی علم تھا کہ [illegible] مادام لوبی کے [illegible] صفدر علی کو [illegible] اور [illegible] علی نقی کے [illegible] اسرائیلیوں کو بھی مل گئی ہوگی۔ اس وقت تک مجھے علم نہیں تھا کہ تم اسرائیلیوں کے لیے کس قدر اہمیت رکھتے ہو۔" وہ سڑک پر آنے کے بعد [illegible] رفتار سے کار چلاتے ہوئے بولی۔ "اس اثنا میں تم [illegible] آ گئے اسی دوران مجھے اسرائیلیوں کی پیشکش ہوئی [illegible] صفدر علی کی زندہ یا مردہ حوالگی کے عوض مادام لوبی کو منہ مانگا معاوضہ دینے کے لیے تیار تھے۔ اس دوران تم [illegible] اور [illegible] کے قتل کے الزام میں [illegible] پولیس کی حراست میں پہنچ گئے۔ لہٰذا شین مارکیٹ نے تمہیں اپنی ضمانت پر رہا کرا لیا اور [illegible] تمہاری تصاویر اور فنگر پرنٹ [illegible] اسرائیلی سفارت خانے کے حوالے کر دیں [illegible] تصدیق کر دی کہ تم صفدر علی ہو بلکہ انھوں نے یہ [illegible] کر لیا کہ تم مادام لوبی کے قیدی بن چکے ہو۔ پھر [illegible] موجود اسرائیلیوں کے ایما پر [illegible] اپنے [illegible] پاس آ پہنچا کیونکہ تمہارے بارے میں اسرائیلی [illegible] مادام لوبی سے بات کر رہے تھے!"

"یہ سب تو میں جانتا ہوں آگے کی بات کرو۔" طویل سکوت کے بعد [illegible] نے اس کی بات کاٹ دی۔

"[illegible] آ رہی ہوں۔"

"[illegible] بات شروع کرنے سے پہلے یہ بتاؤ کہ اب کہاں جا رہی [illegible]" [illegible] اپنی خلش کا اظہار کر ہی دیا۔

"[illegible]"

"[illegible] علاقے سے دور رہنا چاہتی تھیں؟"

"[illegible] موجودہ [illegible] حالات میں [illegible]

محفوظ رہ سکیں گے۔" وہ اطمینان سے بولی۔

"ابھی تک [illegible] حالات کی وضاحت باقی ہے۔"

"یہ سب بریگیڈیئر [illegible] اور اس کے ساتھی کی موت کی وجہ سے ہوا ہے۔" وہ بولی۔ "وہ دونوں [illegible] اسرائیلی سفارت خانے والوں کے ایما پر [illegible] پہنچے ہوں گے لہٰذا ان کی موت کے بعد پیرس والوں نے سمجھ لیا ہوگا کہ تم [illegible] میں موجود ہو اور اپنے دشمنوں کے خلاف بھرپور کارروائی بھی کر سکتے ہو!"

"ایسی صورت میں انھیں تم سے کیا پرخاش ہو سکتی ہے؟"

"یہ کیسی بھول ہے کہ شین مارکیٹ [illegible] اور اس کے ساتھی کی لاش اسرائیلی سفارت خانے کے پاس پھینکنے کے بعد پولیس کی نظروں میں آیا تھا۔ اس لاش سے شین مارکیٹ کا تعلق ہی انھیں میری طرف سے [illegible] کرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ زیر زمین دنیا میں بیشتر لوگ جانتے ہیں کہ شین مارکیٹ [illegible] میں مادام لوبی کا نائب ہے!"

"پیرس والے اسرائیلی سفارت خانے سے ملٹری سیکرٹری کی یہاں آمد کا مطلب ہے کہ اس بار وہ ہمیں تباہ کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں گے!"

"وہ پوری طرح سرگرم ہیں۔ انھوں نے نہ صرف پولیس کو اطلاعات فراہم کی ہیں بلکہ خود بھی ہماری تلاش میں لگے ہوئے ہیں!"

"شین مارکیٹ کا پتہ نہیں چلا؟"

اس نے مایوسی سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ "مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ اسرائیلیوں کے ہتھے نہ چڑھ گیا ہو!"

"پھر تو تم ہوٹل مونتین کا رخ کر کے حماقت کر رہی ہو۔ چند روز کے لیے اپنی کسی خفیہ قیام گاہ میں روپوش ہو کر تم زیادہ سکون سے حالات کا جائزہ لے سکتی تھیں!"

"تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔" وہ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد بولی۔ "شاہدہ کی حیثیت سے میرا باہر نکلنا نہایت خطرناک ہے!"

"مادام لوبی والی کار بھی تمہیں مشکلات سے دوچار کر سکتی تھی۔" میں نے اس کے خیالات پڑھ کر کہا۔ "شین مارکیٹ مادام لوبی کے بارے میں صرف اس قدر جانتا ہے کہ وہ کون سی مخصوص کار استعمال کرتی ہے!"

"مگر مجھے ایک بار ہوٹل مونتین جانا ہی ہوگا!" وہ سوچتے ہوئے بولی۔

"ادھر جانا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" میں نے کہا۔ "یہ امکان بھی تو موجود ہے کہ وہ عمارت ان کی نظروں میں آ چکی ہو اور وہ وہاں گھیرا ڈالے مادام لوبی کی کار کی وہاں آمد کا انتظار کر رہے ہوں تاکہ انھیں کامیابی حاصل ہو سکے!"

"تم مجھے بلاوجہ خوف زدہ کر رہے ہو!" وہ پھیکی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "صبح میں تمہیں لینے وہاں گئی تھی اور پھر واپس آئی مگر باہر میں نے کوئی مشکوک بات محسوس نہیں کی!"

"اس وقت تم شاہ وش کے روپ میں تھیں، اُن کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا کہ تم ہی مادام بواری ہو۔ بریگیڈیئر جمیل لیوسٹ کے ساتھی کی ایک سے تمہیں مارکیٹ کے تعلق کی وجہ سے جناب اسرائیلیوں کی ساری توجہ کا منبع مادام بواری کی طرف ہوگیا ہوگا۔ اُن کی نظروں میں شاہ وش تو مادام بواری کی ادنیٰ کارکن ہے جس کو وہ غیر مقامی پولیس ہی درست کرلے گی۔"

"تمہارے خدشات نہایت معقول ہیں مگر مجھے بھی اب ہوٹل موریس جانے کا خطرہ مول لینا ہی پڑے گا۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

"آخر وہاں تمہاری کیا ضرورت ہے؟" میں نے خطرات کو سامنے پاکر وہ ذہنی خلیج دور ہوچکی تھی جو صبح کی تلخ کلامی کے بعد پیدا ہوگئی تھی۔

"وہاں میرے کمرے میں کچھ ایسی دستاویزات موجود ہیں جن سے نہ صرف میری دوہری شخصیت کا راز ظاہر ہوتا ہے بلکہ میرے بہت سے ایسے ہمدردوں کے نام بھی ہیں جو دشمنی میں آتے ہیں جو معاشرے میں نہایت عزت اور احترام سے دیکھے جاتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ وقت آنے سے پہلے ہی وہ تمام کاغذات برباد کردینا چاہتی ہوں۔"

"میرا تو خیال تھا کہ ہوٹل موریس تمہارا عارضی مرکز ہے!"

"نہیں، وہ وہیں سے جنس بدی... بزنس سیلز مین لیڈر کا ہیڈکوارٹر ہے۔ یورپ میں ہونے والی سرگرمیاں ہوٹل موریس سے ہی کنٹرول کی جاتی ہیں۔"

"تو پھر پچھلے دنوں تم بمبئی میں کیا کر رہی تھیں؟"

"گروہ میں سارے کام بٹے ہوئے ہیں اس لیے میرے کسی ایک جگہ نہ ہونے سے رخنہ پیدا نہیں ہوتا اور اس وقت میں انڈیا کی ... کی خواہش پر وہاں موجود تھی تاکہ مندرا جو اس گروپ سے بالکل لاتعلق کیا جا سکے۔ ایک برس پہلے تک وہ اپنی بیوی کا نام استعمال کرتا تھا مگر جب میں نے اختیارات سنبھالے تو وہ مجھے بلیک میل کرنے لگا تھا۔"

یہ طے ہوچکا تھا کہ شاہ وش کو ہوٹل موریس جانا تھا مگر وہ یہ فیصلہ نہیں کرپائی تھی کہ اسے کس حیثیت میں اُدھر کا رخ کرنا چاہیے۔

اگر وہ شاہ وش کے روپ میں اُدھر جاتی تو ہوٹل موریس کے مخصوص کمرے تک اس کی رسائی ناممکن ہوجاتی جہاں دستاویزات موجود تھیں اور اگر وہ مادام بواری کے طور پر وہاں داخل ہوتی تو باہر پھیلے ہوئے دشمن کی فوری کارروائی کا امکانی خطرہ پیدا ہوجاتا۔ وہ مادام بواری کی کار پہچانتے ہی ہوٹل موریس پر دھاوا بول سکتے تھے!

تفصیلی گفتگو کے بعد آخر کار اس نے اپنے خفیہ ٹھکانے سے کار بدل ہی لی۔

بلٹ پروف سیاہ کار میں ہوٹل موریس کی طرف جاتے ہوئے میں عجیب سی سنسنی کا شکار ہوتا جا رہا تھا مگر اس کی تاویل تلاش کرنے میں کوئی کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔

ہوٹل موریس اس وقت بہت سے خطرات میں گھرا ہوا تھا۔ ایک طرف اسرائیلی جنہیں صرف مادام بواری کی تلاش تھی [illegible] شاہ وش کے باعث پولیس بھی ادھر متوجہ ہوسکتی تھی [illegible] نے ہوٹل موریس میں گھسنے والے تربیت یافتہ چند [illegible] سے منوا لیا تھا!

لیکن خطرہ شاہ وش کے لیے بہت مبہم تھا مگر [illegible] سے پوری طرح آگاہ تھا اگر وہ واقعی کوئی سو جانا ہوا [illegible] امکانات یہی تھے کہ وہ سینا کا بھیجا ہوا تھا۔ وہ چند [illegible] اس کے طفیل میرے ہمدردوں کو یہ علم [illegible] ہوگیا ہوگا [illegible] میں دکھا گیا تھا۔

مجھے ہوٹل موریس سے نکالنے کے لیے وہ کیا اقدام [illegible] لگا کہ میرے لیس کا رنگ نہیں تھا کیونکہ میں [illegible] بزنس سیلز مین [illegible] عبدالفتاح کی مجبوریوں سے واقف تھا۔

"ہوٹل موریس کی عمارت کی اس وقت کیا حیثیت ہے؟" میں نے اپنے خیالات کے تسلسل کو سہارا دینے کے لیے شاہ وش سے [illegible]

"صبح سے اب تک اس میں کیا فرق پیدا کیا جا سکا [illegible]" اس نے تحیر آمیز لہجے میں سوال کر ڈالا۔

"شاہ وش میں اپنا سوال واضح نہیں کرسکا" میں نے [illegible] لہجے میں کہا۔ "عام شہریوں کے لیے اس عمارت کی کیا حیثیت ہے؟"

"وہ ایک مشہور تجارتی ادارے کا انتظامی دفتر ہے!"

"کیا اس میں حقیقت بھی ہے؟"

"ہاں" اس نے فوراً ہی اثبات میں جواب دیا [illegible] "موریس سے ہونے والی جائز تجارتی سرگرمیاں [illegible] تجارتی ادارے کے نام پر پوری عمارت کی ملکیت [illegible]"

"پھر تو وہاں ملاقاتیوں کی آمد و رفت بھی رہتی ہوگی!"

"لازمی بات ہے!" اس نے کہا۔

"پھر تو ملاقاتیوں میں شامل ہوکر کوئی غیر متعلقہ شخص بھی [illegible] ہوسکتا ہے!"

میری بات سن کر وہ سوچنے لگی "اس عمارت کا [illegible] بے شمار آنے والا کوئی شخص ممنوعہ حصے میں داخل نہیں [illegible]"

سفر کا باقی حصہ تشویش آمیز خاموشی کے ساتھ [illegible] دور سے ہوٹل موریس کی عمارت نظر آنے لگی تو بے اختیار [illegible] کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔

بے یقینی کے ان لمحات میں میرے ذہن میں [illegible] وقت شاہ وش میری طرف سے قطعی غافل تھی [illegible] جیب میں بھرا ہوا پستول موجود تھا [illegible] نشانہ بنا کر اس کے تسلط سے چھٹکارا حاصل کر سکتا تھا [illegible] نے یہ گوارا کیا [illegible] جو فیصلہ کرچکا تھا کہ اس پر [illegible]

[illegible] کا باپ ابھی تک اسی پر لرزاں تھا!

شاہ وش نے اپنی کار جوں ہی ہوٹل موریس کی جانب گھمائی کسی جانب سے یکے بعد دیگرے چار فائر ہوئے اور گولیاں کار کے مختلف حصوں سے ٹکرا کر اچٹ گئیں۔

"جھک جاؤ!" شاہ وش دانت پیس کر اضطراری انداز میں بولی اور یک بیک کار کی رفتار تیز کردی۔

احاطے کے اندر داخل ہونے کے بعد بھی کئی گولیاں کار کے تعاقب میں آئیں مگر اس وقت تک ہوٹل موریس کے محافظ حرکت میں آچکے تھے اور ان کی جوابی فائرنگ کا شور فضا میں تواتر کے ساتھ گونجنے لگا تھا۔

دونوں طرف سے گولیاں چلنے لگیں۔ اسی اثنا میں شاہ وش نے گیراج کا دروازہ کھلوا لیا اور اپنی کار اندر لے جانے کے بعد دروازہ بند کردیا۔

"حملہ آور بیشتر دس تھے" وہ غصے میں پھنکار کر بولی۔

"وہ تعداد میں کتنے معلوم ہوتے ہیں؟"

"جناب اُن کی پرواہ نہیں" وہ لفٹ کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ "پہلے فائلوں کو تلف کرنا ہے [illegible] لیں گے!"

اوپر اپنے کمرے میں پہنچ کر شاہ وش نے ایک کھڑکی کھول دی تاکہ باہر کے ہنگامے کے لیے اس کے قریب پہنچ گیا۔

[illegible] گولیاں روشن نقطوں کی طرح فضا [illegible] دونوں ہی فریق جم کر لڑنے پر آمادہ نظر آرہے تھے۔

مجھے وہیں کھڑا چھوڑ کر شاہ وش اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

گو بظاہر میرا تجزیہ [illegible] تھا کہ ہوٹل موریس کے محافظوں نے [illegible] مقابلہ سنبھال رکھا تھا [illegible] کا رنج نہیں رہا تھا۔

اچانک اسپیکر پر ایک ناقابل فہم [illegible] آواز سنائی دی [illegible] اسکرین پر ایک [illegible] چہرہ نظر آرہا تھا۔

شاہ وش کاغذات تلف کرتے کرتے [illegible] اسکرین کی طرف گھومی اور [illegible] ایک بات کرتی رہی اور چند مکالموں کے بعد اسکرین تاریک ہوگئی۔

دوسری طرف باہر کا معرکہ سرد پڑ چکا تھا۔ [illegible] گولیاں [illegible] ہوٹل موریس والے آگ برسانے پر آمادہ ہوچکے تھے!

[illegible] فائرنگ رک گئی مگر [illegible] اس حماقت کا احساس ہوا اور [illegible] سکوت چھا گیا۔

[illegible] کھڑکی میں سے باہر کا جائزہ لیا [illegible] بند کرکے اندر لوٹ آیا۔

"بھاگ گئے؟" شاہ وش نے ہاتھ میں موجود کاغذات کو چند ذروں میں تبدیل کرتے ہوئے سوال کیا۔

"شاید وقتی طور پر ٹلے ہیں!" میں نے بیٹھ کر سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"میں نے اپنے آدمیوں کو پوری طاقت استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔ چند ہی گھنٹوں میں [illegible] سفارت خانے پر جوابی کارروائی کی جائے گی۔"

"تمہیں یقین ہے کہ یہ حرکت اسرائیلیوں کی ہی ہے؟"

"کمال ہے!" وہ حیرت سے بولی۔ "ساری [illegible] گولیاں تو تم نے اس اعتماد سے کی تھیں جیسے اسرائیلیوں کی منصوبہ بندی سے تمہارا تعلق بھی ہو اور اب خود سوال کر رہے ہو۔ ان کے سوا اور کون ادھر کا رخ کرسکتا ہے!"

"اس کا مطلب ہوا کہ تمہیں مارکیٹ والوں ہی کی تحویل میں ہے؟"

"ضروری نہیں" وہ لاپروائی سے بولی "اگر کوئی [illegible] مادام بواری کے [illegible] تک نہ پہنچ سکے تو [illegible] بعد معلوم کرسکتا ہے کہ ہوٹل موریس مادام بواری کے استعمال ہی میں ہے [illegible] کار کی شناخت؟"

"اس کا بھی کم [illegible] مادام بواری کی کار [illegible] لوگ جانتے ہیں اگر کوئی راز ہے تو وہ صرف مادام بواری کی شخصیت" وہ [illegible] انداز میں بولی "کوئی نہیں جانتا کہ مادام بواری کون ہے!"

"تمہیں مارکیٹ کی طرف سے کوئی تشویش نہیں ہے؟" میں نے جب یہ سوال کیا تو وہ ایک الماری [illegible] کاغذات نکالنے [illegible] کر میری طرف متوجہ ہوگئی۔

"میں ایسے کتے کے پلے کو بھی کبھی [illegible] کا احساس ہونے نہیں دیتی جس نے [illegible] لیے کام کیا ہو۔ پھر وہ تو تمہیں مارکیٹ ہے" وہ مضبوط لہجے میں بولی [illegible] "آدمیوں نے اسے ہر ممکنہ ٹھکانے پر تلاش کیا ہے اور مسلسل ناکامیوں کے باوجود ابھی تک اس کی بازیابی سے نا امید نہیں ہوئے ہیں۔"

"پولیس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"وہ کچھ نہیں [illegible]" وہ [illegible] جنبش دیتے ہوئے بولی۔ "اس معاملے میں صرف اطلاعات پہنچانا نہیں کیا بلکہ [illegible] معمولی جرائم کے [illegible] گرفتار ہوئے ہیں [illegible] جیل اور حوالات میں سراغ لگا سکیں۔"

"ویسے بھی اگر وہ پولیس کے قبضے میں ہوتا تو پولیس اس کی فراہم کی ہوئی اطلاعات کے مطابق کچھ بڑی کارروائیاں کرچکی ہوتی۔"

"یہاں کے نظام میں یہ بات ناممکن ہے کہ اسے گرفتار کرنے والے پولیس افسر دوسروں کو مطلع کیے بغیر اسے ذاتی یا خفیہ تہ خانے میں رکھا [illegible]" یہ کہتے ہوئے وہ دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

"یہاں کب تک رکو گی؟"

"پہلے تو کھانا کھایا جائے گا۔" وہ ہنس کر بولی۔ "مجھے بھوک لگی ہوئی ہے۔ ویسے بھی میں سوئٹی سفارت خانے پر کیے جانے والے حملے کے نتائج کا بھی انتظار کروں گی۔"

"تو تم نے کھل کر ان کے سامنے آنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟"

"ابتدا خیر سگالی سے ہوئی تھی مگر انھوں نے جھلاہٹ میں خود ہی محاذ کھولا ہے۔ اب پتہ نہیں اس سلسلے کا اختتام کہاں ہو۔"

"تمھارے کوٹ پر جس کے ہاتھوں جو شخص مارا گیا وہ وہی تھا جسے تم نے اپنے نفاق سے پہلے [illegible] کیا تھا؟" میں نے ایک فوری خیال کے تحت چونک کر سوال کیا۔

"وہ نہ ہوتا تو اتنی آسانی سے گاڑی نکل کر مادام لوباری بننا ممکن ہوتا۔" وہ بدستور خوش مزاجی کا مظاہرہ کیے جا رہی تھی۔ "سپر تو ملاؤ تم نے اتفاقاً اس [illegible] کیسے دریافت کر لیا تھا۔ وہ خاصا خونخوار شخص سمجھا جاتا تھا۔"

"وہ تو کچھ ایسا شخص [illegible]"

"یہ شخص محض بیمار [illegible] ہے اور تو خیر کے لیے ہے۔" وہ میری بات کاٹ کر بولی۔ "جو چاہے کہو۔ اس وقت میری ذہنی حالت بھی اور وہ اپنی ذات کے گھمنڈ میں مبتلا تھا۔ اس کا انجام نہایت نامناسب ہوا؟"

"گھمنڈ تو اس وقت تمھیں بھی تھا!"

"مجھ میں صرف اسی چیز کی کمی ہے!"

"جھوٹ بولتے ہو۔ تم نے مجھے بھی چیلنج دیا تھا!"

"تم سے تو حیرت کر کبھی ہار ہی ماننی پڑتی ہے۔" وہ ہنس کر بولی۔ "تم نے کہا تھا کہ مجھے بےخبری میں تمھاری پتلون بھی [illegible] تھی مگر اب تمھارا کچھ نہ بگاڑ سکی تھی۔ ابھی مجھے اپنے الفاظ یاد دلائے۔"

"وہ حقیقت کا اظہار تھا!"

"کہیں نہ ابھی وقت آزمائش ہو جائے!"

"دونوں ہی اچھی نظر آئیں گے!"

اسی وقت ایک دیوار گیر ٹیوب [illegible] کے عقب میں بلب روشن ہو گیا اور کمرے میں کسی نیرنگ دھیمی سی بھنبھناہٹ گونجنے لگی۔ دروازے کے نیچے [illegible] کا بند دروازہ ان نظر آ رہا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

مگر شانو جواب دینے کے بجائے دوڑ کر ٹی وی کی طرف بڑھی۔ میں بھی بےقراری سے اس کے قریب جا پہنچا۔ وہ ٹی وی آن کر کے چینل بدل رہی تھی۔

"وہ الارم ہے۔" شانو ٹی وی اسکرین پر نظریں جما کر بولی۔ "تیسری راہداری میں کوئی داخل ہوا ہے!"

"کوئی داخل ہوا ہے؟" میں نے بےاختیار بےیقینی سے دہرایا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔" وہ میری حیرت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ "کوئی کھانے کی اطلاع دینے آرہا تھا۔ ابھی اسکرین پر تم دیکھ لو گے!"

"تو کیا اس راہداری میں بھی کیمرہ نصب ہے!"

"تینوں راستوں پر کیمرے نصب ہیں۔ جو تھا کیمرہ پہلی راہداری [illegible] ہے اور ہر کیمرہ اس ٹی وی سیٹ کے علیحدہ چینل سے منسلک ہے۔ اس وقت ہمیں تیسری راہداری نظر آ رہی ہے۔ آنے والا راہداری کے آغاز پر لگے ہوئے فوٹو سیل کے سامنے سے گزرا ہے [illegible] سے منسلک الارم سسٹم آن ہو گیا ہے۔"

روشن اسکرین پر [illegible] راہداری نظر آ رہی تھی [illegible] اختتام پر بند دروازہ نظر آ رہا تھا۔

"یہاں بھی تو کمرے کا دروازہ ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"اس طرف براہ راست کمرے میں کوئی دروازہ نہیں [illegible] کمرے سے ملحق سرونٹس روم کا دروازہ ہے!"

تیسری راہداری میں کیمرہ ایسی جگہ نصب تھا کہ [illegible] اس کے عدسے کی زد میں تھا مگر مجھے ایک خرابی محسوس ہوئی [illegible] اس کیمرے کے ذریعے کمرے کی طرف آنے والے کی پشت ہی نظر آ سکتی تھی اور اس طرح دھوکے کا شدید احتمال تھا مگر مجھے فوراً ہی [illegible] الجھن کا جواب مل گیا۔

کیمرے کے سامنے اچانک ایک انسانی سر کا عقبی حصہ نظر [illegible] چند ہی ثانیوں میں وہ پورا ہیولا واضح ہو گیا۔ بھاری اور ڈھلکے جسم والا ایک اوسط قامت شخص [illegible] کی طرف آ رہا تھا۔ راہداری کے فرش پر [illegible] پہنچ کر وہ شخص واپس گھوم گیا۔

اب اس کا چہرہ اسکرین پر پوری طرح واضح تھا۔ اس نے [illegible] اور پلٹ کر دوبارہ [illegible] آگے دیکھنے لگا۔

"میرا ہر آدمی اجازت پاکر ادھر آتا ہے۔ وہ اس [illegible] رضامندی طلب کرتا ہے اور ہر شخص اس پابندی کی تعمیل کر [illegible] ہی ہو سکتا ہے!" اس نے ٹی وی آف کرتے ہوئے کہا۔

"بہت مضبوط انتظام ہے مگر تم [illegible] کہلاتا ہے؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"کھانے سے پہلے ضروریات کا [illegible] جاتی ہے۔ ملازم کے رخصت ہونے کے بعد ہی کھانا کھا [illegible]"

"ایک بات اور پوچھ رہی ہے!"

"وہ بھی پوچھ ہی ڈالو!"

"اس نیلی یافت فضا میں تمھارا دل کبھی [illegible] سا لگتا ہے!"

"مجھے تمھاری الجھن ہوئی ہے؟" وہ میری بات [illegible]

"اس کے ریموٹ کنٹرول میں کوئی نقص پیدا ہو گیا ہے۔ وہ آ جائے گا تو [illegible] پہلے ہی سارے کام ہو جائیں گے۔" یہ کہہ کر اس نے مسہری کے سرہانے لگا ہوا ایک بٹن دبایا اور اس کے ساتھ ہی دیوار گیر جلتا ہوا بلب بجھ گیا۔

"اس بٹن سے صرف بلب ہی نہیں بجھا بلکہ تیسری راہداری میں پہنچنے والے دروازے کا برقی قفل بھی کھل گیا ہے۔" مجھے دروازے کی طرف متوجہ پاکر اس نے خود ہی بٹن دبانے کے اثرات کی پوری وضاحت کر ڈالی۔

"سرونٹس روم میں گھسنے والا ملازم اگر چاہے تو اس کمرے میں [illegible] ہو کر تمھاری ذات کا بھرم توڑ سکتا ہے!" میں نے چند ثانیوں تک غور کرنے کے بعد اپنی دانست میں ایک خامی تلاش کر ہی لی۔

"ایسی کوشش اسے موت کے منہ میں پہنچا دے گی!" وہ پراسرار انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔ "اور یہ خطرہ تو خود کی بات ہے اگر وہ میری جان لینے کے لیے بھی سرونٹس روم کے دروازے کے قریب آئے گا تو [illegible] کے سامنے فرش کا خاصا حصہ آہنی چادر کا بنا ہوا ہے مگر [illegible] بہ ظاہر یہ قالین کا حصہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس کے وزن سے وہ آہنی چادر خفیف سی نیچے جائے گی اور اس میں ہلاکت خیز برقی رو دوڑ جائے گی جو [illegible] کے جسم کو بھسم کر کے اسے خاکستر کر سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی کمرے میں ایک تیز الارم گونج اٹھے گا۔" اسے اپنے نظام پر پورا اعتماد تھا۔

"سارا بجلی کا کھیل ہے۔" میں نے طویل سانس لے کر کہا۔ "حملہ آور اسی وقت کامیاب ہو سکتا ہے جب اندر گھسنے سے قبل وہ برقی نظام ناکارہ کر دے!"

"کامیاب پھر بھی نہ ہو گا۔" وہ پر یقین لہجے میں بولی۔ "وہ صرف زمین میں دفن ہونے والی بجلی کا تار کاٹ سکے گا۔ سارا الارم اور [illegible] سسٹم بیٹریوں سے کام کرتا ہے جو خود کار جنریٹر کے ذریعے ہر وقت بجلی سے چارج رہتی ہیں۔ بجلی کی معطلی کے بعد بھی یہ بیٹریاں اڑتالیس گھنٹے تک حفاظتی نظام کی ضروریات پوری کر سکتی ہیں۔"

"یہ درست ہے کہ اس عمارت میں کسی اجنبی کا [illegible] تک پہنچنا امکانات میں سب سے کم ہے لیکن اگر تمھارا اپنا ہی کوئی آدمی باغی ہو جائے تو وہ ہر رکاوٹ عبور کر سکتا ہے!"

"ٹھیک کہتے ہو مگر یہ ایک وہم سا مفروضہ ہے۔" وہ بولی۔ "میرا کوئی آدمی بغاوت کیوں کرے گا؟"

"انسانی فطرت کے بہکنے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔"

"بہت سے [illegible] زندگی گزار رہے ہیں مجھے [illegible] سب کا مستقبل تاریک ہو جائے گا اور وہ [illegible] جائیں گے جنھیں معمولی معاشی [illegible] کام کرنا پڑتا ہے۔" وہ معقولیت کے ساتھ بحث کے لیے تیار تھی۔ "اور پھر بغاوت کسی شخصیت کے خلاف ہوتی ہے کسی نام کے خلاف نہیں۔ بہت سے آدمیوں کے لیے مادام لوباری ایک آسیبی نام ہے۔ [illegible] اس عمارت میں موجود پاکر ان کی [illegible] پیدا ہو سکتی ہے۔ اس وقت تمھاری آسیبی شخصیت [illegible] ہوتی ہے!"

"تم مفروضوں پر اتنا کیوں الجھتے ہو؟" وہ ڈرائنگ روم کو کھلنے والے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"اس وقت تو تم میرا ساتھ دے رہی ہو لیکن مادام لوباری کا بھرم قائم رکھتے ہوئے تمھارا اتنا بیان آنا بہت دل گردے کا کام ہے!"

"میری دونوں چیزیں مضبوط ہیں!"

"ایک کا تجربہ ہے دوسری کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا!"

"بعض اوقات تمھاری گفتگو کا تو مجھے کچھ پتہ نہیں چلتا۔" وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے الجھن آمیز لہجے میں بولی۔ "پتہ نہیں کیا کہنا چاہتے ہو!"

"دل تو واقعی مضبوط ہے تمھارا۔" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "گردوں سے واسطہ نہیں پڑا۔ ویسے بھی [illegible] بات کبھی تھی میں سنی [illegible]"

"کاش کہ تم اسی قدر سیدھے ہوتے!" وہ گہری سانس لے کر بولی۔ "چلو کھانا لگ چکا ہے پہلے پیٹ پوجا کر لو!"

میری نظر سرونٹس روم والے دروازے پر پڑی تو [illegible] کے کسی خانے میں سبز بلب جلا ہوا تھا۔ بلب روشن ہونے سے قبل [illegible] کا ایک حصہ معلوم ہو رہا تھا۔

میں شانو کے ہمراہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو اس وسیع کمرے میں مختصر لیکن خوب صورت ڈائننگ ٹیبل [illegible] مختلف کھانوں سے سجی ہوئی تھی۔ ڈشوں سے اٹھنے والی گرم گرم بھاپ اور خوشبو بھوک کے لیے تازیانے کا کام کر رہی تھی۔

"تم نے بتایا تھا کہ ٹیلی وژن کا ریموٹ کنٹرول خراب ہے مگر چند منٹ پہلے جب تم مجھے پہلی بار اپنے کمرے میں لائی تھیں تو اس وقت بھی تم نے ٹیلی وژن کے سوئچ ہاتھ ہی سے دبائے تھے۔" کھانے کے دوران سکوت توڑنے کے لیے میں نے پھر ایک شوشہ چھوڑ دیا۔

"اتفاق سے اس روز ٹیلی وژن میں خرابی تھی۔ ریموٹ کنٹرول سے وہ کام نہیں کر رہا تھا۔" وہ لقمہ نگلتے ہوئے بولی۔

"مرمت کون کرتا ہے؟"

"ایک تجربہ کار الیکٹرونک سپروائزر میرا تنخواہ دار ہے۔ تمھیں شاید یہ سن کر حیرت ہو کہ ایک ریٹائرڈ فوجی سرجن بھی میرے [illegible] عملے میں شامل ہے!"

"وہ کہاں سے ہاتھ لگ گیا؟"

"ایک حادثے میں اس کی داہنی ٹانگ کٹ گئی تھی جو بعد

میں کر لیے ہیں۔" کائنی پھٹی پھٹی رہ گئی۔ "صحت یاب ہو کر ہسپتال سے نکلا تو
تمہیں رہا ہونے تک میں نے دیکھ لیا۔ میں نے ڈیڑھ لاکھ فراہم کرنے کی پیشکش کر کے
آپ سے منسوبی کا انکشاف فراہم کیا اور اب تم اسے ملنے دیکھو تو کیا نہیں سمجھتے کہ
وہ لنگڑا ہے۔ ایسے معاملات میں زخمیوں کا علاج وہی کرتا ہے۔"

کھانے کے بعد میں شاہدہ کے کمرے میں بستر پر دراز ہو گیا۔ بیرونی فضا میں سعدیہ میں پہنچ کر اپنا فرد کھا رہی تھیں مجھے یہ شکوہ لاحق تھی کہ شاہدہ میری غفلت سے فائدہ اٹھا کر مجھے ایک بار پھر ہنسا نہ دے۔ اس وقت تک شاہدہ کے مقتول نگراں سے چھینا ہوا ریوالور مستقل میری ہی تحویل میں تھا اور میں اس سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد بڈ لیورڈم سے واپس خبر لی کہ ہوٹل مروس کے احاطے سے دو موٹریں باہر ہوا۔ ہوٹی جھیں اور ایک اندرونی نگراں تینوں موٹروں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ شاہدہ نے اس اطلاع سے براہ راست یہی نتیجہ اخذ کیا کہ عملہ آور شدید مزاحمت کے باعث اپنے مورچے چھوڑ کر فرار ہو چکے ہیں مگر مجھے اس سے اختلاف تھا۔

میرا خیال تھا کہ وہ لوگ جھوٹی بھاگ دوڑ کی آڑ لے کر ہمیں زبردستی رشتوار لے جانے کے بجائے ہوا م ابادی کی تقصیر میں کامیابی کی رہائی کے منتظر تھے اور شاہدہ کو واپسی میں زیادہ خوفناک حملے کا سامنا کرنا پڑتا اس لیے بہتر یہی تھا کہ کسی اور کار میں خاموشی سے ہوٹل مروس سے روانہ ہو جاتی مگر وہ اس کے لیے آمادہ نہیں تھی۔

"وہ ڈرائیونگ سیٹ پر عورت کو دیکھتے ہی حملہ کر دیں گے۔" وہ کہنے لگی۔ "اگر وہ واقعی باہر موجود ہیں تو کار ریمل کر میں خودکشی کروں گی۔ میری اپنی کار مگر از کم اسلحہ کو بیکار تو کر دیتی ہے دوسری کار میں تو ایک ہی گولی کام کر جائے گی۔"

"بزنس مینوں کے دلدل چھپ سکتی ہو۔ ڈرائیونگ میں کر لوں گا۔" میں نے اسے قائل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اول تو ایسا تلاش کی صورت میں مجھے اپنے کئی آدمیوں کی مدد میں آنا پڑے گا۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "مجھے ہی نقاب کے باوجود پسند نہیں کرتی اور پھر چوہوں کی طرح دبک کر چھپ جانے میں اپنے آدمیوں کے سامنے میری تضحیک ہو گی۔ میں اپنے آدمیوں کی خود اعتمادی اور انا کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتی۔ وہ سب کے سب ان سب پر صرف اسی لیے ٹکتے ہیں کہ میری بے خوفی اور حوصلے کی داستانیں زبان زد ان کے علم میں ہیں۔"

بعد کے نتیجہ خیز ہونے سے پیشتر ہی ریڈیو روم سے مگل لائن پر جا رہا تھا اور شاہدہ اس طرف متوجہ ہو گئی۔

اس کی تمام تر گفتگو بیٹے سے قدرتی دہری مگر ایک ٹھوس بار اس کے لہجے میں خوشگوار ہونے والے مہمان اور گفتگو کی طوالت نے موضوع کی اہمیت واضح کر دی تھی۔

"اسرائیلی سفارت خانے کی عمارت ملبے کا ڈھیر بنا دی گئی!" ٹیلی فون آف کرتے ہی شاہدہ فتح کے نشے میں سرشار لہجے میں بولی۔

"دمشق! یہ فیصلہ جنون کا مظہر تھا۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"جنون!" وہ بپھر گئی۔ "اگر تم بھرپور انتقام کو جنون کہتے ہو تو پھر فریب کر میں اول درجے کی مجنون ہوں۔ مگر میرا بس چلتا تو ہر یہودی کو تل ابیب میں اسرائیلی وزیراعظم کی قیام گاہ کو کراچی تاکہ اسرائیلیوں کو انتقامی کارروائی کے مرتبے کا احساس ہوتا!"

"مقامی اخبار بھی نہیں آتے گا۔ یہ محض جوابی کارروائی بھی بچنا فلسطینیوں کے سر ڈال دی جائے گی۔"

"وہ ہمیں پروپیگنڈہ کر کے عرب ممالک کے جرم کو ممکن بنائیں سمجھنے میں دیر نہیں لگے گی کہ حملے میں میرا ایک آدمی بھی مجھے ملا!" وہ بدستور برہم تھی۔ "تم دیکھو کہ تم نے میری مؤثر انتقامی کارروائی جنون کا نام کیسے دیا!"

"اس اندھا دھند حملے میں بے گناہ بھی مارے گئے ہوں گے!"

"تب بھی کیا تو" وہ زہریلے انداز میں مسکرا دی۔ "سانپ کے بچے سپولئے ہوتے ہیں۔ مسٹر صاحب! انسانی حد تک یہودیوں سے برتاؤ کرنا عملی طور پر ان سے زیادہ سنگدل شخص روئے زمین پر ڈھونڈے نہ ملے گا۔ وہ تو سفیر کی قسمت اچھی تھی کہ حملے کے وقت عمارت میں نہیں تھا ورنہ وہ بھی جہنم واصل ہو گیا ہوتا!"

"کتنے آدمی مرے ہوں گے اس حملے میں؟"

"میرے آدمیوں دونوں مرد و عم شماری کے لیے نہیں تھے۔ یہی غنیمت سمجھو کہ حملے سے نصف گھنٹے پیشتر دفتری اوقات ختم ہو چکا تھا اور اس وقت وہاں صرف سفارت خانے کا عملہ رہ گیا تھا۔ تفصیل اخبارات میں آجائے گی!"

"اس جنگ میں ختم مارگئے کے بعد تم نے اپنا مول لیا ہے!"

"میں نے اپنے آدمیوں کو اسرائیلی سفیر کی حفاظت پر لگا رکھا ہے۔" وہ بولی۔ "ہم اسے یرغمالی بنا کر اپنا آدمی چھڑوا لیں گے۔"

شاہدہ کو مطلوبہ اطلاعات مل چکی تھیں جس نے اس کی بھی تلاش کر دی تھیں لہٰذا وہ روانگی کے لیے تیار ہو گئی۔

شاہدہ کے ہمراہ لفٹ سے نیچے آکر میں اس کی کار میں تو مجھ پر ایک بار پھر سے بے چینی سی طاری ہونے لگی۔ میری شاہدہ ہوٹل مروس سے روانگی میں عجلت سے کام لے وہاں حملہ کرنے والے اسرائیلی ہی تھے تو انھیں ناکامی جانی جا چکی تھی کہ انھیں اپنے سفارت خانے کے کی خبر مل چکی اور وہ ذہنی طور پر پسپائی اختیار کرنے پر قائل ہو

میں نے یہی بات شاہدہ کے سامنے رکھی تو اس نے مجھ سے اتفاق نہیں کیا۔ "اپنے سفارت خانے کے بارے میں خبر ملنے کے بعد وہ زیادہ خونخوار ہو جائیں گے۔ اگر وہ واپس جا چکے ہیں تو ایک بار پھر ہوٹل ہوریس پر لوٹ پڑیں گے اور میں اندر عقب کر وہ بیٹھی گی جب کریں یہ معاملات ختم ہونے تک حتی الامکان ہوٹل ہوریس سے دور ہی رہنا چاہتی ہوں!"

مجھے یاد آگیا کہ وہ مجبوراً ہوٹل ہوریس آئی تھی تاکہ وہاں ٹکے ہوئے ایسے کاغذات تلف کر سکے جن سے اس کی اپنی ذات یا اس کے معزز دوستوں پر روشنی پڑتی ہو!

وہ اسرائیلیوں کے مقابلے میں خائف نہیں تھی مگر دو کانات نے اس کے اعصاب پر واقعی اثر ڈالا تھا۔

اول تو شین مارکیڈو کی پُراسرار موت تھی جس کی وجہ سے مقامی پولیس کی وہ سرگرمیاں جو میری اور شاہدہ کی تلاش کے ضمن میں جاری تھیں ہر بڑے مجرم کی طرح شاہدہ کا فلسفہ بھی یہی تھا کہ قانون کے رکھوالوں سے براہ راست تصادم سے گریز کرتے ہوئے پوری قوت کے ساتھ اپنی بقا کی جنگ جاری رکھی جائے!

اس نے اپنی کار اسٹارٹ کر کے گیراج سے نکال لی اور باہر نکل کر گیراج کا دروازہ بند کیا تو مجھے ہوٹل ہوریس کے احاطے میں کئی مسلح محافظ گھومتے نظر آئے جو پہلے وہاں نہیں ہوتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے شانے سے رائفل یا اسٹین گن جھول رہی تھی اور وہ سب نیم فوجی قسم کی وردیوں میں ملبوس تھے۔

شاہدہ نے پہلے گیئر میں ہی کار نہایت تیز رفتاری سے آگے بڑھائی جس کے نتیجے میں پہلے تمام تر توجہ راستے پر مرکوز تھی اور پھر اس کی کار زنّاٹے کے ساتھ ہوٹل ہوریس کے پھاٹک سے گزر گئی۔

مجھے خاصا یقین تھا کہ شاہدہ کی کار پر دوبارہ حملہ ہوگا مگر جب ہوٹل ہوریس سے کافی فاصلہ طے کر آنے کے بعد بھی کچھ نہ ہوا تو تھوڑی سی مایوسی کے باوجود میں نے اطمینان کا سانس لیا کم از کم ایک فوری خطرہ تو ٹل گیا تھا۔

راستے میں ایک جگہ شاہدہ نے کار کی رفتار سست کی تو میں چونک پڑا کیونکہ میری دانست میں اس کی خفیہ پناہ گاہ ہوٹل ہوریس سے خاصے فاصلے پر تھی۔

"کیا ارادہ ہے؟"

"ذرا اسرائیلی سفارت خانے پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے!" اس نے لہجے میں اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

"اگر تم صاحب کو موت کے منہ پر بھاگی ہوئی ہو تو ضرور ادھر چلو!"

"وہاں رکیں گے نہیں بس گزرتے چلے جائیں گے۔" وہ راستہ تبدیل کرنے سے قبل میری رضامندی حاصل کرنے کی خواہاں تھی۔

"یہ نہ بھولو کہ تمہارا ایک آدمی پکڑا گیا ہے اور تمہاری کار ہزاروں میں بھی الگ سے شناخت کی جا سکتی ہے!" میں نے اسے تنبیہ کی۔

"تمہارا ع ٹھیک ہے!" اس نے مایوسانہ لہجے میں کہہ کر کار کی رفتار تیز کر دی۔

اپنے خفیہ ٹھکانے پر پہنچ کر شاہدہ نے مخصوص کار پرانی گیراج میں بند کر دی۔ اس کی دوسری کار بدستور وہیں پر کھڑی تھی۔ اس مکان میں وہ میرا تیسرا پھیرا تھا۔ پچھلے دو بار شاہدہ بار بھی سے کار تبدیل کر کے واپس روانہ ہو گئی تھی مگر اس بار ہمیں یہیں قیام کرنا تھا۔

وہ مکان اندر سے نسبتاً سادہ مگر پُر آسائش تھا۔ شاہدہ نے اندر پہنچتے ہی سب سے پہلے برقی ہیٹرز آن کیے تاکہ کمرے کا ماحول میں اتنی حرارت پیدا کی جا سکے کہ لباس تبدیل کرنے کے بجائے پھر وہ لیٹی پڑی ہیں ٹیلی فون پر ایک کال کرنے لگی۔

اپنے جسموں کو حرارت پہنچانے کی کوشش میں ہم سے اتنی ہو سکتی میں نے بے تکلفانہ فضا کا فائدہ اٹھا کر شاہدہ کی جو کوشش بھی کی مگر حوصلہ افزا اس ضمن میں کسی رعایت سے کام نہیں لیا اس طرح وہ مجھے اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کرنا چاہتی تھی مگر میں نے اس کی دلجوئی کرنے کے بجائے آرام کرنے کو ترجیح دی۔

شام کو اس مکان میں پہلی بار ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز گونجی تو میں بھی بیدار ہو گیا۔ شاہدہ کے حلق سے اس کے لہجے کی گھبراہٹ بات کی غمازی کر رہی تھی۔ فون کرنے والا کوئی اچھی خبر نہیں سنا رہا تھا۔

"وہ مل گیا۔" فون رکھتے ہی وہ میری طرف گھوم کر بولی۔

"کس کا ذکر ہے؟" میں نے سکون سے پوچھا۔

"پولیس نے کسی نامعلوم شخص سے فون پر اطلاع پا کر گوٹے وان سے شین مارکیڈو کی لاش برآمد کی ہے۔" وہ سرد لہجے میں بولی۔ "اسرائیلی تعاقب پر تُلے ہوئے ہیں، شاید اسرائیلیوں نے سفارت خانے پر حملے کا جواب دیا ہے۔"

"چلو کم از کم یہ تو طے ہو گیا کہ وہ پولیس کی قید میں نہیں تھا۔"

"اتنی بے رحمی سے ذکر نہ کرو اس کا۔" وہ جذباتی ہو گئی۔

"وہ میرے بہترین آدمیوں میں سے تھا۔ اس کی موت کا تعلق سے ہے۔"

"فطری بات ہے۔" میں نے بے ساختہ کہا۔ "اطلاع دینے والا کون تھا؟"

میں نے یہاں مشکل سے پہلے بار اس کی جانب...

ہدایت جاری کرا دی تھی کہ شین مارکیڈو کی بازیابی تک مقامی سازشی ذرائع سے ملنے کے لئے جاتی رہے گی مگر اس کی جگہ سنبھالتے ہی اس کی موت کی خبر سننی پڑی ہے!" اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے شین مارکیڈو کی موت کا صدمہ تھا جو شاہدہ کے لئے سچ کا سامنا ہو رہا تھا مگر ہم اس کی ذات سے کسی خارش زدہ کتے کی طرح مر چکا تھا۔

"اب بات بڑھ جانے کے بجائے چند روز تک سکون سے حالات کا جائزہ لینا چاہئے۔" میں نے اسے تجویز پیش کی۔

"تاکہ کسی کو ملنے دشمن پر ایک اور لاش مل جائے!"

"ہمارے آدمی مرنے کے سپاہی تو نہیں ہیں۔" میں نے چڑ کر کہا۔ "بار جب اور جیسے چاہیں ذبح کر کے کوڑے پر پھینک دیں۔"

"ہمارا دوسرا آدمی بھی ان ہی کے قبضے میں ہے!"

"تو کیا اسے پولیس نے گرفتار کیا تھا؟" میں نے حیرت سے کہا۔

اس نے ہونٹ بھینچ کر اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ "جا سوس آدمی سفارت خانے کے محافظوں نے پکڑا تھا مگر ان لوگوں نے پولیس کو اس کی رپورٹ نہیں دی!"

"بات بڑھتے ہی جا رہی ہے مگر۔" میں نے تشویش آمیز لہجے میں پڑا کر دیا۔

"اسرائیلی سفیر اور اس کے زندہ بچ جانے والے عملے کو مقامی حکام نے سخت محافظ فراہم کر دیئے ہیں اور سفارت خانے کی تباہی کے بعد سفیر کی رہائش گاہ پر بھاری پہرہ لگا دیا گیا ہے۔ ہمارے آدمی راتوں رات وہاں بھی دو چار بستیاں ہم نے جا کھڑی تھیں۔" وہ بولی۔ "یہ تحفظ زیادہ دنوں تک برقرار نہیں رہ سکتا، ہمیں یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ اسرائیل کے سفارتی دفاتر اور عملے کا قیام شاید اب یہاں نہ رہ سکے۔"

"انہیں بھی تمہاری قوت کا اندازہ ہو گا پھر آخر وہ تصادم پر کیوں تلے ہوئے ہیں؟" میرے لئے یہ سوال واقعی اہم تھا۔

"ان کی دانست میں تمہیں ان کے حوالے نہ کر کے ہم نے ان کا بل کوئی گھناؤنا جرم کیا ہے اور پھر وہ یہ خیال بھی رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ وہ ہر طرح کا انتقام بھی لئے ہوئے ہیں گے۔"

"مجھے تو کسی اور بات پر شک ہے کہ کہیں نہ کہیں کوئی بڑی غلط فہمی ضرور ہے!" میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"تمہیں شاید یونیورسٹی میں فلسفے کا استاد ہونا چاہئے تھا۔" وہ جھلا کر بولی۔ "میری بات روز روشن کی طرح عیاں ہے اور تم ابھی الجھے ہوئے ہو۔ مجھے بتاؤ کہ تمہیں غلط فہمی کہاں نظر آتی ہے؟"

"تم اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کئے جاؤ۔" میں نے کہا۔ "میں تمہیں دوستی کی بنا پر صرف مشورہ ہی دے سکتا ہوں۔"

"یاران دوست سے بڑا دشمن آج تک کوئی ثابت نہیں ہوا۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "میں نے آج رات اسرائیلی ایئرلائن کے مقامی دفتر کی تباہی کا بندوبست کر لیا ہے۔ میں ان کے ہر فاسد کو نشانہ بنانے پر تُلی ہوئی ہوں۔"

"اسرائیلی سفیر کے جانے جاں ہر صرف مسکرا بھی دوں گی تو وہ تمہارے قدموں میں تڑپ تڑپ کر جان دے دے گا۔" میں نے موضوع کی تلخی کو کم کرنے کے لئے کہا اور وہ بے اختیار ہنسنے پر مجبور ہو گئی۔

اس روز کافی دیر تک شاہدہ کے لئے فون آتے رہے اور وہ خود بھی وقفے وقفے سے فون کرتی رہی۔ اس کی کیفیت کسی زخمی شیرنی سے مشابہ تھی جسے اس کے دشمن کے سامنے آہنی پنجرے میں قید کر دیا گیا ہو۔

اس نے کئی بار کہا کہ وہ پولیس سے نہیں ٹکرانا چاہتی تھی اور اگر پولیس ان کی راہ میں نہ ہوتی تو وہ چند گھنٹوں میں ہی اسرائیلیوں کو بوریا بستر سمیت بھاگ نکلنے پر مجبور کر دیتی۔

شاہدہ کے لئے آخری فون کال رات کے دو بجے آئی جب وہ بھاری بے خوابی کے بعد غنودگی کے عالم میں نہایت جھنجھلائے انداز میں زندگی کے کلیدی رموز پر بات کر رہی تھی۔

پیغام سن کر شاہدہ فرط مسرت سے اچھل پڑی۔ اس کے آدمیوں نے ال عال کے دفتر کو راکھ اور ملبے کے ڈھیر میں بدل کر رکھ دیا تھا۔ اور اسی پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ اسرائیلی فضائی کمپنی کے دفتر کو برباد کرنے کے بعد ان میں سے کسی نے پبلک فون بوتھ سے اسرائیلی سفیر کی رہائش گاہ پر یہ پیغام بھی ڈالا تھا کہ اگر صبح کا اجالا پھیلنے سے قبل خفیہ قیدی زندہ و سلامت رہا نہ ہوا تو اگلا دن اسرائیلیوں کے لئے نہایت ہولناک ثابت ہو گا۔

شاہدہ کے بیان کے مطابق وہ پیغام اس احتیاط کے ساتھ دیا گیا تھا کہ اگر مقامی حکام اسرائیلی سفیر کا فون ٹیپ بھی کر رہے ہوں تو یہ نہ سمجھ سکیں کہ پیغام کس کی طرف سے اور کس لئے دیا گیا تھا مگر متعلقہ افراد کے لئے ہر بات واضح ہو جاتی۔

"اب میں سکون سے سو سکوں گی۔" شاہدہ نے تفصیل بتانے کے بعد کہا۔ "لیکن تم وعدہ کرو کہ مجھے سوتا ہوا چھوڑ کر نہیں جاؤ گے؟"

"احمقانہ باتیں نہ کرو۔" میں نے وعدے سے گریز کرتے ہوئے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "باہر کے مخدوش حالات یہاں سے زیادہ خطرات مول نہیں لے سکتا۔"

"خطرات سے ڈر کر تو تم زندگی حاصل کرتے ہو۔" اس نے ذرا ہی میرے الفاظ دہرائے۔ "اگر تم دو دن نہیں رکو گے تو میں خواب گاہ کے دروازے مقفل کر دوں گی۔"

"ہو چاہے کرتی پھرو مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔" میں نے

لاپروائی سے کہا۔

اس نے سونے سے پہلے واقعی دروازہ مقفل کر دیا اور حوالی اپنے شب خوابی کے لباس میں اس طرح چھپالی کہ میں اس کی لاعلمی میں حوالی پر قابض نہ ہو سکوں۔

اگر میں نے سکون کے لیے مسکن دوائی کا سہارا نہ لیا ہوتا تو ان ہنگامی حالات میں تھوڑی دیر کے لیے بھی سونا محال ہوتا مگر میں بستر پر دراز ہوتے ہی گہری نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔ دوبارہ آنکھ کھلنے کا سبب ٹیلی فون کی گھنٹی کا مسلسل شور تھا۔

اس سے پیشتر کہ میں بستر چھوڑ کر فون کی طرف جاتا استا پرہ بھی بیدار ہو گئی اور کمبل اچھال کر تیزی سے فون پر پہنچ گئی۔

فون پر وہ کافی دیر تک مصروف رہی اور جب واپس آئی، تو اس کے حسین چہرے پر فکر کی گہری پرچھائیاں نمایاں تھیں۔

میں لیٹے لیٹے کچھ پوچھنے کے بجائے خاموشی سے اس کے بولنے کا منتظر رہا۔

"تمہارے شبہات درست ثابت ہو رہے ہیں!" وہ تھکے تھکے انداز میں بستر پر بیٹھتے ہوئے فکرمندانہ لہجے میں بولی۔

"کیسے شبہات؟" میں کچھ نہ سمجھ سکا تھا۔

"اسرائیلیوں نے ہمارا آدمی رہا کر دیا ہے انہوں نے صلح کا پیغام بھیجنے کے ساتھ ہی اس شخص کے ذریعے یہ خواہش بھی ظاہر کی ہے کہ مادام لیوری یا اس کا کوئی بااختیار نمائندہ ان سے براہ راست رابطہ قائم کرے۔"

"بڑی اچھی بات ہے، اس میں پریشانی کا کون سا پہلو ہے؟" میں نے لاپروایانہ انداز میں یہ کہتے ہوئے رسٹ واچ پر نظر ڈالی جو صبح کے چھ بجا رہی تھی۔

"تم نے پہلے ہی کسی غلط فہمی کی نشاندہی کی تھی۔ انہوں نے حیرت ظاہر کی ہے کہ میں ان کے پیچھے کیوں پڑی ہوئی ہوں۔ ان کی دانست میں میرا سارا احتساب بروخیل بوریچ کے رویے کا نتیجہ ہے۔ انہیں شین مارکیڈو کی لاش کی دستیابی کی اطلاع مل چکی ہے اور انہوں نے خاص طور پر اس کے قتل سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کیا ہے۔"

"نادان دوستوں کو اعتماد میں لینا حماقت ہوتا ہے یہی بات میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "میں سنجیدگی سے فلسفہ پڑھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"غلطی معاف کر دو۔" وہ ندامت آمیز لہجے میں بولی۔ "میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اب تک کیا ہو رہا ہے۔ پولیس اگر ان معاملات میں ملوث ہوتی تو آنکھ مچولی کے بجائے کھل کر سامنے آتی، اسرائیلی خود کو معصوم جتا رہے ہیں پھر تیسرا فریق کون پیدا ہو گیا ہے؟"

"تمہاری کار پر حملے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"اس واقعے سے شاید وہ بے خبر لاعلم تھے۔ ایسا الجھن کا حل کرنے کوئی رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے!"

"ان سے کون ملے گا؟ مادام لیوری یا شاید وہ؟"

"شاید ہی ملے گی۔" وہ بولی۔ "مگر یہ خطرہ بھی ہے کہ جس طرح میں نے پہچانا ان میں نہ پہنچ جاؤں۔"

"اسرائیلی پہلے تمہارے دشمن رہ چکے ہیں مگر اب وہ جانی اور مالی نقصانات کو یوں بھلانے کے لیے برداشت نہیں کریں گے۔"

"دشمنی طور پر وہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔" وہ بولی۔ "امید ہے کہ میری حماقت سوالیہ کر دے یورپ کے کن ممالک میں رہ سکیں گے۔"

"تم سوچتی رہو مجھے تو نیند آ رہی ہے۔" میں نے کمبل تان لیا۔

"میں ان کے کسی آدمی کو یہاں کیوں نہ بلا لوں؟" اس نے کمبل کھینچتے ہوئے سوال کیا۔

"ضرور بلاؤ لیکن پہلے مجھے رخصت کر دو۔"

"تم دوسرے کمرے میں رہو گے!" وہ بے بسی سے بولی۔ "اور میرے آدمی اس مکان کے گرد سخت محاصرہ قائم رکھیں کوئی چالبازی کام نہ ہو سکے گی۔"

"یعنی تم اس خفیہ ملاقات کی تشہیر کرو گی۔" میں نے ملاقات کرنا ہی چاہتی ہو تو پھر کسی غیر نمایاں علاقے میں کوئی جگہ کرو تاکہ نگرانی کرنے والوں کو بھی اشتباہ ہو۔"

"یہ بندوبست نیٹو کا بھی ہو سکتا ہے جو دیکھ کے جانتی ہو!"

"میری حمایت کی ضرورت کیوں محسوس ہو رہی ہے؟" چبھتا ہوا تھا۔

"کبھی کبھی آدمی دیواروں سے بھی مشورہ کر لیتا ہے!" بولا۔

"میں معافی مانگتی ہوں مگر تم یہ بتاؤ کہ پہلے نیند کیا کر رہی تھیں؟"

"میرے فیصلے انفرادی ہوا کرتے تھے مگر تم نجانے کب سے بنتے جا رہے ہو اور پھر تمہاری رائے خاصی معقول ہوتی ہے۔" رہتے ہوئے بولی۔

اس کے بعد وہ ٹیلی فون پر مصروف ہو گئی۔ ایک گھنٹے بعد فون پر پیغامات وصول کرنے کے بعد اطلاع دی کہ اسرائیلی سفارت خانے سے آیا ہوا شخص اسپیکر ٹیلی فون کے ساتھ انتظار میں بیٹھے گا۔

ناشتے سے فراغت کے بعد شاپرہ نے اپنی مادام کو...

...ٹھیک ہونے تک ہیں ہم دونوں ایک مرتبہ پھر ہوٹل میں موجود رہنے والے ...وں سے ملتی تھیں شاید کا ایک آدمی مارا گیا تھا۔

... وقت پولیس کی آواز سنتے ہی شاپرہ مجھے ڈرائنگ روم میں ... اور میں دروازہ بند کر کے کھڑکی کے قریب بیٹھ گیا ... ہونے والی گفتگو بآسانی سنی جا سکتی تھی! ... شاپرہ کسی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی ... پر تبادلہ خیال کر رہے تھے۔

چند ہی فقروں کے تبادلے کے بعد آنے والے نے براہ راست ... میری حکومت کو موجودہ حالات پر سخت تشویش ... جاننا چاہتے ہیں کہ ہم لوگ تمہارے کاروباری تعلقات کا نشانہ کیوں ... بنے ہیں؟"

"... کی ابتدا بروخیل بوریچ کے رویے سے ہوئی تھی۔" شاپرہ ... گرفتار تھا یہ اتفاق ہے کہ مادام کی جانب سے میں ... اور بروخیل نے بزور طاقت مجھ سے ... انکار کر دیا جس سے میں خود لاعلم تھی!"

"بروخیل کے رویے پر ہم نے اور اسرائیلی حکومت کی طرف سے معافی کا خواستگار ہوں۔" اس کی آواز میں خلوص جھلک رہا تھا جس روز بروخیل کے ساتھیوں کی لاشیں ہمارے سفارت خانے کے پاس ... شین مارکیڈو نامی شخص پولیس کی نظروں میں آیا، ہم لوگ ... گئے کہ بروخیل تم لوگوں کے ساتھ دوستانہ مراسم برقرار رکھنے ... ہے۔ وہ اعلیٰ اسرائیلی سیکرٹ سروس کے لیے صف دوئم ... کا معاملہ خاصی حد تک اہمیت رکھتا ہے جس پر اس کی وجہ ... بروخیل بوریچ جیسا بڑا اور تجربہ کار شخص بھی حد درجہ محتاط ... اس کی سلامتی کی بھی فکر ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کرنل ڈیوڈ!" بروخیل بوریچ ایک ہٹ دھرمی ... آدمی ہے اسے دنیا میں نہیں ہے مادام سرکشوں کو قطعی برداشت ... شاپرہ کا لہجہ سپاٹ تھا۔

... کرنل ڈیوڈ کی طویل آواز ابھری۔ "چند شبہات کے لیے ... اس کی بوجھل آواز سنائی دی۔ "بروخیل کا معاملہ جب ... سنگین ہو گیا تو پھر ہمارے خلاف کارروائی ... سبب تھا؟"

"... کے ذہنوں میں ہم لوگ مشکوک ہو چکے تھے ... بات ٹال گئی۔" مجھے میرا خیال ہے کہ ... تمہاری جانب سے پیدا ہو سکتے تھے!"

... ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ ہوٹل میں پولیس ... گولیاں چلائی گئی تھیں۔ کرنل ڈیوڈ ...

پولیس کو اس کے بعد ہمارے سفارت خانے پر شدید ترین حملہ کیا گیا تھا!"

"یہ میرا اپنا خیال ہے۔" استاپرہ نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ سفارت خانے کو نقصان پہنچانے کے دوسرے اسباب بھی رہے ہوں۔"

"اس حملے سے ہمارا کوئی تعلق نہیں تھا۔" کرنل ڈیوڈ کی آواز سنائی دی۔

"یہ وضاحت میں مادام تک پہنچا دوں گی۔"

"اور شین مارکیڈو کی ہلاکت سے بھی ہمارا تعلق نہیں۔" کرنل ڈیوڈ نے کہا۔ "ہم نے سفارت خانے پر حملہ کرنے والوں میں سے ایک آدمی ضرور پکڑا تھا مگر جب ہمیں علم ہوا کہ اس کا تعلق مادام سے ہے تو ہم نے اس شخص کو پولیس کے حوالے نہیں کیا۔ اس کے ذریعے ہم مادام سے رابطہ قائم کرنے کے لیے بے چین تھے مگر ہمارے اس اقدام کو بھی بدقسمتی سے غلط سمجھا گیا۔"

"شین مارکیڈو کا قصہ تازہ تھا۔" استاپرہ نے کہا۔ "دوسرے شخص کا بھی اسی جیسا حشر ہو سکتا تھا۔"

"میں بتا چکا ہوں کہ شین مارکیڈو کے قتل میں ہمارا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔" کرنل ڈیوڈ کے لہجے میں دبا دبا احتجاج نمایاں تھا۔

"وہ تمہاری اپنی بات ہے۔" استاپرہ نے اس کے احتجاج کا اثر لیے بغیر سپاٹ لہجے میں کہا۔ "اگر تم ہماری جگہ ہوتے تو ان ہی اندیشوں کو محسوس کرتے۔"

"بہرحال میں نے اپنی حکومت کی طرف سے ساری وضاحت کر دی ہے اور ہم فوری طور پر محاذ آرائی کا خاتمہ چاہتے ہیں۔" کرنل ڈیوڈ کے لہجے سے اضطراب نمایاں تھا۔

"یہ معاملہ اب تین فریقوں کے درمیان ہے۔" استاپرہ اس سے نہایت سکون سے گفتگو کر رہی تھی۔ "ہم پولیس کو بھی نظرانداز نہیں کر سکتے!"

"اپنے ذاتی شبہات کے باوجود ہم نے سفارت خانے اور ان کے دفتر کی تباہی کے سلسلے میں مادام لیوری کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہا بلکہ ان تخریب کاروں کو فلسطینیوں سے منسوب کرنے کی کوشش کی ہے۔" کرنل ڈیوڈ کہہ رہا تھا۔ "اور پھر یہ بھی جانتے ہو کہ پولیس ساری شہر میں تفتیش میں سرکھپا رہی ہے تو تم لوگوں تک نہیں پہنچ سکے گی۔"

"میں تمہاری نیک خواہشات مادام تک پہنچا دوں گی۔"

"مگر میں جواب چاہتا ہوں۔ تمام اسباب ان مذاکرات کے نتیجے کا منتظر ہے میں نے اسی لیے کسی بااختیار نمائندے کی شرط رکھی تھی۔" کرنل ڈیوڈ کی آواز میں بے چینی کا عنصر بڑھتا ہی جا رہا تھا اور میں اس کی گفتگو سن کر حیران ہوا جا رہا تھا۔

اسرائیلی حکومت اپنی تمام تر غیر اخلاقی سرگرمیوں کے باوجود مہذب جمہوریت ہونے کی دعوے دار تھی مگر اس کے کرتوت انتہائی گھناؤنے تھے۔ وہ لوگ امن اور قانون کی بالادستی قائم کرنے کے لیے کام کرنے کے بجائے جرائم پیشہ لوگوں سے اعلیٰ سرکاری سطح پر مذاکرات کرتے میں بھی عار نہیں سمجھتے تھے۔ اسی پر بس نہیں تھی بلکہ وہ دیدہ و دانستہ ان جرائم کی ذمہ داری بھی نہایت بے حیائی سے فلسطینیوں پر تھوپنے کو تیار رہتے تھے جن میں دور دور تک ان کا دخل بھی نہ ہو مگر اسے اس بات کی خوشی تھی کہ میرا نام سرفہرست ان سازشی اور مکار اہلکاروں کی بدترین کمزوری بنتا جا رہا تھا۔

"ٹھیک ہے، دو طرفہ بنیاد پر معاملات سے گریز کیا جائے گا۔" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد شاہدہ کی آواز ابھری۔

"میں اس فیصلے کے لیے شکر گزار ہوں" کرنل ڈیوڈ کا لہجہ واقعی تشکر آمیز تھا۔ "اور اب میں صفدر علی کے معاملے پر آنا چاہوں گا۔"

"ہرو خیل کی بیوی کی بچی کی گمشدگی کے بعد اس معاملے میں پیش رفت نہ ہو سکے گی" شاہدہ کا جواب قطعی دو ٹوک تھا۔

"ہمیں شبہ ہے کہ صفدر علی ابھی تک برسلز میں ہی ہے" کرنل ڈیوڈ نے شاہدہ کے جواب کا اثر لیے بغیر ڈھٹائی سے کہا۔ "وہ اسرائیل کی قومی سلامتی کے خلاف سنگین جرائم کا مرتکب ہوا ہے اور ہم اسے ہر قیمت پر اپنا قیدی دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"اس موضوع پر بات نہیں ہو سکتی کرنل!" شاہدہ نے اعتماد سے اپنی بات دہرائی۔

"ہم ہر شرط تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں جو ہمارے اختیار میں ہو" کرنل ڈیوڈ نے بے صبری میں احتیاط کا دامن بھی چھوڑ دیا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ برسلز میں جس طرح روپوش ہے اس کے پیش نظر قوی امکان ہے کہ اسے مادام کا تحفظ حاصل ہے۔"

"مادام اپنی مرضی کی مالک ہیں۔"

"میں اپنے خیال کی تائید یا تردید چاہتا ہوں" کرنل ڈیوڈ نے کہا۔ "ایسا نہ ہو کہ صفدر علی کے معاملے میں ہم ایک بار پھر نادانستہ طور پر ایک دوسرے کے مقابل آ جائیں۔"

"مجھے امید ہے کہ تم لوگ ایسی کوئی صورت حال پیدا نہیں کرو گے۔"

"تو میں سمجھوں کہ صفدر علی کو مادام کی سرپرستی حاصل ہے؟" کرنل ڈیوڈ نے زچ ہو کر براہ راست سوال کر ڈالا۔

"فی الحال یہی مناسب ہوگا" شاہدہ [illegible] کرنل ڈیوڈ کی حالت زار سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

"اس جواب کے ساتھ ہی اپنے تاثرات کو [illegible] کر گیا۔"

"اس کی ذمہ داری ہرو خیل پر آتی ہے جسے شاید تم نے برسلز بھیجا تھا۔"

کرنل ڈیوڈ گفتگو کرتے کرتے تو شاہدہ پر اثر انداز ہونے کی اپنی بات پر اڑا رہا اور کرنل بے چین و مضطرب واپس ہو گیا۔

شاہدہ اسے باہر چھوڑ کر واپس آئی تو اس کے احساس سے دمک رہا تھا "تم نے اس کا کیا حشر کیا، وہ تو بے چارہ بے چین ہے۔"

"تمہارا رویہ میرے لیے ناقابل فہم ہے تم اسے بھلا کیوں نہیں چھوڑ دیتیں؟" میں نے سوال کیا۔

"اس سے بہتر ہوگا کہ منہ مانگے معاوضے پر ہی اپنا ہاتھ فروخت کر دوں" وہ میرے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ "کوئی شخص اپنی پسندیدہ چیز فروخت کرنا گوارا نہیں کرتا، میں بھی اسی زمرے میں شامل ہوں۔"

"تو پھر اپنے ہاتھوں سے میرا کام تمام کر دو۔"

"یہ اختیار میں ہوتا تو اب تک میں تمہیں بھول بھی چکی ہوتی" کہتے ہوئے وہ اٹھ گئی۔

کالج سے دور یا اپنے خفیہ ٹھکانے پر پہنچنے کے بعد [illegible] اس کی دانست میں اسرائیلیوں کا خطرہ ٹل چکا تھا [illegible] کی سرگرمیاں بہت سست تھیں [illegible] بھی اسرائیلیوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا اور اس پر حملہ بھی ان سے کیا گیا تھا مگر جب شاہدہ نے فوری اور سخت ترین کارروائی کی تو وہ فوراً ہی جھک گئے!

ان دونوں واقعات کے بارے میں کرنل ڈیوڈ کے بیان نے شدید جھوٹ قرار دیا تھا۔ اس کی دانست میں [illegible] ماحول برقرار رکھنے کی کوشش کی تھی مگر وہ پرکشش اور بچگانہ دونوں طرح سے غور کر رہا تھا۔

شام کو شاہدہ مادام پیاری والی کار میں مجھے ساتھ لے کر ہوٹل موریس کی طرف روانہ ہوئی [illegible] سے صلح ہو جانے کے بعد وہ [illegible] رہنا چاہتی تھی کہ وہ ہوٹل موریس میں [illegible] سے رہنا چاہتی تھی [illegible] قرار دینا میرے لیے بہت مشکل تھا مگر حالات [illegible] کسی انتہائی اقدام کے لیے بھی تیار تھا [illegible] شاہدہ پر اچانک ہتھیار اٹھائے بغیر [illegible] شرافت کے حصار میں [illegible]

[illegible] جانا تھا۔

ایسے میں شاہدہ کی کار جس وقت مست خرامی کے ساتھ ایک سنسان اور تنگ سڑک پر دوڑ رہی تھی، پیچھے سے ایک ٹرک بھاگتی ہوئی تیزی سے نمودار ہوئی اور آگے نکلتی چلی گئی۔ اس میں چار افراد موجود تھے!

"یہ حرکت کیوں ہوئی تھی؟" شاہدہ تشویش زدہ لہجے میں بولی۔ آگے جانے والی کار کی رفتار کم کی جا چکی تھی اور دونوں کے درمیان ایک مستقل فاصلہ برقرار تھا۔

میں نے پیچھے سر گھمایا تو اس طرف بھی دو گاڑیاں دیکھ کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"پیچھے بھی دو گاڑیاں ہیں" میں نے اضطراری انداز میں کہا۔

"میں عقب نما آئینے میں دیکھ رہی ہوں۔"

پھر اچانک ہی آگے جانے والی کار سڑک پر ترچھی ہو کر رک گئی اور دروازے کھول کر اندر والے چاروں آدمی باہر آ گئے۔

شاہدہ کے لیے آگے نکلنے کا راستہ مسدود ہو گیا تھا۔ اس نے فوراً ہی بریک لگائے۔ پیچھے سے گولیوں کی ایک باڑھ آئی اور ہماری کار جھنجھنا اٹھی۔

شاہدہ نے تنہا کچھ سوچے بغیر ایک سوئچ پر انگلی رکھ دی اور فضا مشین گنوں کے ہولناک شور سے لرز اٹھی۔ اسی کے ساتھ شاہدہ کی کار کو بھی جھٹکے لگ رہے تھے۔

شاہدہ نے اپنی کار گیئر میں ڈالی اور بالکل غیر متوقع طور پر دائیں جانب کچی زمین پر پھیلی ہوئی آدم قد جھاڑیوں کی طرف بڑھا دی۔ ادھر ایک آدمی سینے کے بل زمین پر پڑا گولیاں چلا رہا تھا۔ اس نے [illegible] سیاہ عفریت کو وحشیانہ عزائم کے ساتھ اپنی طرف آتے دیکھا تو اٹھ کر سڑک کی طرف بھاگا مگر شاہدہ نے [illegible] کار کی ضرب لگائی اور وہ اچھل کر جھاڑیوں میں جا گرا اور آگے بڑھ کر شاہدہ کی کار آدم قد جھاڑیوں کے [illegible] اس شخص کو بھی بے دردی سے روندتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ فائرنگ کا رخ بدل گیا۔ ایک گولی ونڈ اسکرین پر [illegible] زاویے سے لگی کہ میرے سامنے والے حصے میں شیشے پر [illegible] سے جال جیسی لکیریں نمودار ہو گئیں مگر شاہدہ [illegible] کر چکی تھی۔ اس کی کار شدید جھٹکوں اور [illegible] آگے بڑھتی رہی۔

سڑک پر [illegible] کھڑی ہوئی کار سے آگے نکلتے ہی شاہدہ [illegible] سڑک پر لے آئی۔ اس کی کار کے عقبی حصے سے نکلنے [illegible]

نے بٹن دبا کر آتشی جنجالی [illegible]

تھوڑا آگے بڑھ کر شاہدہ نے اچانک بریک لگا دیے اور تیزی سے گیئر بدل کر پیچھے کی طرف جانے لگی۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟"

"میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ یہ کون لوگ ہیں!" وہ ان کی تعداد اور برتری سے قطعی خائف نہیں تھی۔

اس اثنا میں شہر کی جانب سے کئی گاڑیاں آ کر دوسری جانب رک گئی تھیں اور ساتھ ہی ترچھی کھڑی ہوئی کار کا انجن بھی بیدار ہو چکا تھا لہٰذا شاہدہ کو اپنی کار روکنی پڑ گئی۔ [illegible] کار میں سمٹ کر فرار ہو رہے تھے۔

ان کی کار نے جیسے ہی جنبش کی، شاہدہ نے کسی بھی چیز کی پروا کیے بغیر ایک مرتبہ پھر فائرنگ سسٹم پر انگلی رکھ دی اور اس بار دھماکے کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے شعلوں سے لپٹ اٹھی۔ ان کی کار لہراتی ہوئی دوبارہ رک گئی اور شاہدہ نے اپنی کار آگے بڑھا دی!

مجرموں کی تعداد تشویش کی حد تک زیادہ تھی اور اس وقت اپنی کار سے باہر قدم رکھنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا لہٰذا شاہدہ نے ان کے بارے میں تجسس کو خیرباد کہہ دیا تھا۔

"اپنے آدمیوں کو جائے واردات پر بھیجو!" میں نے چند ثانیوں کے بعد کہا۔ "ان کی تینوں گاڑیاں برباد ہو چکی ہیں اور پیچھے سے ٹریفک آ جانے کے باعث وہ اتنی جلدی اپنے زخمیوں اور لاشوں کو لے کر وہاں سے فرار نہیں ہو سکیں گے۔"

"پولیس کو مداخلت کرنا پڑے گی۔"

"اب تو شاہین مارکیٹ کے بارے میں پتا چل ہی چکا ہے کہ وہ پولیس کے قبضے میں نہیں تھا اگر اسرائیلی پکڑے ہی گئے تو پیغام سن لیں، فرق کیا پڑے گا۔"

میرے اصرار پر اس نے ٹرانسمیٹر پر ہوٹل موریس کے ریڈیو روم سے رابطہ قائم کیا اور ہدایات دینے کے بعد سلسلہ منقطع کر دیا۔

بوجھل خاموشی اور ذہنی تناؤ کے عالم میں ہم ہوٹل موریس پہنچے۔ وہ گیراج کا دروازہ بند کرنے کے بعد شاہدہ نے کار کا جائزہ لیا تو باڈی پر جا بجا رنگ اکھڑا ہوا تھا۔ گولیاں چادر پھاڑ کر دوسری طرف تو نہ گزر سکی تھیں مگر انہوں نے کار کی ہیئت بگاڑ دی تھی۔

اوپر پہنچ کر شاہدہ نے جونہی لفٹ سے کمرے میں قدم رکھا کسی نے عقب سے دبوچ لیا۔ میرا دایاں ہاتھ پوری قوت سے اس کے [illegible] پر جم گیا تھا۔

وہ وحشیانہ طاقت صرف کرکے میرے قبضے سے نکلنے کی سرتوڑ کوشش کرنے لگی۔ اس نے میری داہنی ہتھیلی کا ایک گوشت بھی وحشیانہ انداز میں دانتوں سے نوچ ڈالا مگر میں نے نہ ہی ہاتھ ہٹایا اور نہ گرفت کمزور ہونے دی البتہ اسے پوری طرح قابو میں رکھنے کے لیے مجھے اپنے اندازے سے زیادہ طاقت استعمال کرنی پڑی۔

چند ہی ثانیوں میں ہم دونوں بری طرح ہانپ گئے۔ مجھے سب سے زیادہ خوف یہ تھا کہ کہیں وہ کسی ایسے خفیہ بٹن تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو جائے جس کے دبتے ہی کچھ لوگ اس کی مدد کو پہنچ جاتے۔ خطرے کو اس قدر قریب پاکر وہ اپنی شخصیت کا بھرم بھی توڑ سکتی تھی!

مگر ایسا خطرناک لمحہ آنے سے قبل ہی مجھے ایک موقع مل گیا اور میں نے اس کی کنپٹی پر بائیں ہاتھ سے یکے بعد دیگرے دو شدید ضربات لگائیں اور وہ کسی بے جان شے کی طرح میرے بازوؤں میں جھول گئی۔

میں نے نرمی سے اسے اپنے بازوؤں پر اٹھا کر بستر پر ڈال دیا۔ اس وقت مجھے شاہدہ سے دلی ہمدردی محسوس ہو رہی تھی پھر میں لفٹ کے ذریعے نیچے پہنچ گیا۔

کار کا انجن اسٹارٹ کرنے کے بعد میں نے آسانی کے ساتھ گیراج کا دروازہ کھول لیا کیونکہ میں کئی بار شاہدہ کو ریموٹ کنٹرول سے کام لیتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔

کار باہر نکالنے کے بعد میں نے شاہدہ کے معمول پر عمل کرتے ہوئے۔۔۔ گیراج کا دروازہ دوبارہ بند کر دیا اور تیزی کے ساتھ باہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

گو مجھے معلوم تھا کہ شاہدہ کی کار کے شیشے خصوصی ساخت کے تھے جن سے باہر کی چیزیں صاف نظر آتی تھیں مگر باہر سے اندر والوں کو دیکھنا ممکن نہیں تھا مگر پھر بھی مجھے یہی خدشہ تھا کہ باہر والے مجھے مشکوک نظروں سے دیکھ رہے تھے!

سیدھا راستہ اختیار کرنے کے بجائے میں پُرپیچ گلیوں میں کار ڈرائیو کرتا رہا جب کافی دور نکل آیا تو میں نے موقع پا کر کار ایک جگہ پارک کر دی اور تیزی کے ساتھ اس گلی سے نکل کر شاہراہ پر آ گیا۔

وہاں سے ٹیکسی حاصل کرکے میں سینٹ ہربرٹ کے علاقے کی طرف روانہ ہوا۔ سارے راستے میرا ذہن تیزی کے ساتھ سوچنے میں مصروف رہا۔ میں نہایت غیر متوقع طور پر مادام ہیواری کے ہولناک شکنجے سے چھٹکارا حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اب مجھے جلد از جلد خالد عبدالفتاح کا سراغ لگانا تھا تاکہ اس کے تعاون سے

نئی منزل کی طرف روانہ ہو سکوں جہاں سیتا سے مل سکتا تھا۔ پولیس سے بچتے بچاتے شہر میں خالد عبدالفتاح کو تلاش کرنا آسان کام نہیں تھا خاص طور پر ایسی صورت میں جب کہ میرے خلاف تین محاذ کھلے ہوئے تھے۔ مقامی پولیس اور اسرائیلی ایجنٹوں کے ساتھ ہی اب تنہا مدد بھی میری دشمن ہو چکی تھی!

سینٹ ہربرٹ میں ٹیکسی سے اترتے ہوئے اچانک میرے ذہن میں ایک انوکھی ترکیب ابھر آئی۔

شیتن مارکینڈو کی قیام گاہ کا نمبر میرے پاس تھا اور پورا یقین تھا کہ اگر میں اس نمبر پر بات کرکے انتظار کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ کوئی نہ کوئی راستہ نکال سکے گا۔

ایک پبلک بوتھ سے میں نے شیتن مارکینڈو کے رابطے کا نمبر ملایا تو دوسری جانب سے ایک کرخت مردانہ آواز سنائی دی۔ اب جو میری سمجھ میں نہ آ سکا۔

"مسٹر لی!" میں نے حتی الامکان اختصار سے کام لیتے ہوئے اپنا مطلب بیان کیا۔ طویل فقرہ استعمال کرنے میں یہ خطرہ تھا کہ وہ الفاظ کی بجائے لہجے سے میرا نام ہی نہ سمجھ سکے۔

لی کا نام سن کر اس نے مزید کچھ کہا جس پر میں نے اتنا کہا "ارجنٹ... ٹو ریچ مسٹر لی!"

اس بار لائن پر سکوت طاری ہو گیا اور چند ثانیوں کا یہ وقفہ مجھے بہت طویل لگا۔

"تم فوراً یہاں سے ملو... جنگ!" میں نے اسے پہچان لیا۔ ہو جانے پر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا۔

"واہ رے خدا۔۔۔ تم کہاں مرے ہوئے ہو؟" میرا لہجہ... کرشنا ایسی آواز بے پناہ حیرت پر قابو نہ رکھ سکا۔

"میں شدید خطرات سے دوچار ہوں اور سینٹ ہربرٹ میں موجود ہوں!" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ بتایا۔

"تم وہیں کہیں کوئی مناسب جگہ بیٹھو... میں بس ابھی آتا ہوں" اس نے میرا جواب سنے بغیر ہی آخری جملہ کہہ کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ میں ریسیور کریڈل پر ڈال کر بوتھ سے باہر نکلا تو کیفے تلاش کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔

میں نے کیفے کے ایک دور افتادہ گوشے میں ایسی نشست سنبھالی جہاں سے ہوٹل میں داخل ہونے والوں پر نگاہ رکھی جا سکتی تھی!

میں کافی منگوا کر اپنی اضطراری کیفیت پر قابو پانے کے لیے سگریٹ پینے لگا۔ میں دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ لی کے آنے تک حالات قابو میں رہیں۔

میں اپنی پیالی میں کافی تیار کر رہا تھا کہ اچانک میرے قریب ایک سایہ سا لہرایا۔ میں نے چونک کر سر اوپر اٹھایا تو میرے سامنے خطرناک صورت والا ایک دراز قامت شخص کھڑا ہوا تھا۔ اس کے لبوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی اور وہ براہ راست میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

اچانک میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور میں غیر ارادی طور پر اپنی کرسی چھوڑ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھ جاؤ اور اطمینان سے کافی ختم کرو۔" مجھے بوکھلایا ہوا دیکھ کر اس نے صاف ستھری انگریزی میں کہا اور خود بھی کرسی گھسیٹ کر بڑے بے تکلف انداز میں بیٹھ گیا۔

"تم کون ہو؟" میں نے کھڑے کھڑے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"دوست" وہ بولا۔ "لی باہر تمہارا منتظر ہے!" اس کے الفاظ سن کر میری جان میں جان آئی اور میں اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کافی سے زیادہ ضروری میری اور اس کی ملاقات ہے!" میں نے دوبارہ کرسی چھوڑنے کی تیاری کرتے ہوئے کہا۔

"عجلت کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت نہیں" وہ مخاطب ہوا۔ "یہاں کچھ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اسے پہچانتے ہیں ورنہ وہ خود ہی اندر آ جاتا۔"

میرے لئے سکون سے پیالی خالی کرنا مشکل ہو گئی۔ میں نے جیسے تیسے کرکے وہ تلخ سیال اپنے معدے میں منتقل کیا اور بل ادا کرکے اس کے ہمراہ باہر آ گیا۔

"اُدھر!" میری رہنمائی کرنے والے نے ایک سفید کار کی طرف اشارہ کرکے کہا اور خود وہاں سے گزرنے والوں کی بھیڑ میں غائب ہو گیا۔

میں سفید کار کے قریب پہنچا تو ڈرائیونگ سیٹ پر لی بذات خود موجود تھا۔ مجھے دیکھتے ہی فرط مسرت سے اس کی باچھیں کھل گئیں اور میں اس کے برابر والی نشست کا دروازہ کھول کر اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

میرے بیٹھتے ہی اس نے کار اسٹارٹ کرکے آگے بڑھا دی۔ "تم اتنی مدت سے کہاں غائب ہو؟" اس نے میری ران پر زور سے ہاتھ مار کر اپنی بے تکلفی کی مخصوص ابتدا کی۔

"مادام ہیواری نے مجھے بند حالت میں رکھا تھا!"

"مادام ہیواری کے ساتھ تھے؟" اس کی آنکھیں مزید حیرت سے پھیل گئیں۔ "تم نے دیکھ لیا اسے؟"

"میری کہانی خاصی طویل ہے" یہ جواب دیتے ہوئے میں مادام ہیواری

"میں نے حقیقت بتانے کے بجائے محتاط الفاظ اختیار کیے۔ اگر میں اسے بتا دیتا کہ مادام ہیواری میری کیسی عاشق تھی تو شاید حیرت سے اس کی حرکت قلب ہی رک جاتی۔

"کیا ہے کمال ہے" وہ اپنی گول مٹول کھوپڑی کو جھٹکتے ہوئے بڑبڑایا۔ "تم پہلے آدمی ملے ہو جسے مادام ہیواری سے ملاقات کا موقع ملا ہے!"

"یہ بتاؤ کہ اب کہاں جا رہے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"ماسٹر تمہارے لیے پاگل ہوا جا رہا ہے! اسی کے پاس چل رہا ہوں" اس نے پیکٹ پھاڑ کر چیونگم کا ایک پیس اپنے منہ میں ڈال کر چبانا شروع کیا۔

"کس ماسٹر کی بات کر رہے ہو؟"

"ہمارے سلسلے میں ایک ہی تو ماسٹر ہے۔ خالد عبدالفتاح کے علاوہ اور کس کے لئے میں ایسے الفاظ استعمال کر سکتا ہوں؟"

"تمہارا باس گوجینگ کہاں ہے؟" میں نے دانستہ انجان بن کر سوال کیا۔

"ارے تمہیں تو کچھ معلوم ہی نہیں" وہ چیونگم کچلتے ہوئے بولا "میں نے اسے ایسا چونا لگایا ہے کہ عالم بالا میں بھی مدتوں یاد رکھے گا!"

"تو کیا وہ مر گیا؟" انجان بننے کے بعد میرے لیے حیرت کا اظہار ضروری ہو گیا تھا۔

"تم تو ایسے پوچھ رہے ہو جیسے اس نے تابوت میں لیٹے لیٹے بھی سانس روک لیا ہو!" وہ مجرمانہ انداز میں بولا "وہ ایک زبردست سازش کا شکار ہو گیا ہے!"

"کیا تم مسلسل نہیں بول سکتے؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"تجسس پیدا کرنا میری عادت ہے" مجھ سے غیر متوقع ملاقات پر وہ بہت زیادہ مسرور نظر آ رہا تھا۔ "شیتن مارکینڈو کے فرشتوں کو بھی پتہ نہیں چل سکا کہ وہ اچانک ماسٹر کی قید میں کیسے پہنچ گیا اور یہ تجسس سینے میں لیے وہ مر گیا!"

"میں اب تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا!"

"ارے ناراض کیوں ہوتے ہو کبڑی جان، میں خود ہی بتائے دیتا ہوں" وہ اپنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں مجھ سے کہے جا رہا تھا۔ "شیتن مارکینڈو کسی طرح پولیس کی نظروں میں آ گیا تھا اور چھپتا پھر رہا تھا۔ اس کی کار میں ایک لڑکی کی لاش بھی موجود رہی۔ وہ خود تو شہر کے ایک گندے علاقے میں سستے سے مکان میں چھپ گیا مگر نعش ٹھکانے لگانے کی بھی ضرورت تھی لہٰذا اس کام کے لئے اس کی نظر انتخاب اس خادم پر پڑی۔ شیتن مارکینڈو سے خفیہ پیغام ملتے

بھی میں اس کی کھوج لگا دینا چاہتا تھا اور فرار کی کوشش، ایک گھر میں غائب کر دی۔ واپسی پر اس نے مجھے شراب منگوائی اور میں نے موقع غنیمت جان کر بوتل اس کے سر پر دے ماری۔ بوتل کے ذریعے بے ہوشی کی دوا کی بھاری مقدار جلادی پھر میں ماسٹر کو شیلی مارکیڈو کا پتہ بتا کر گھر جا پہنچا نتیجہ یہ ہوا کہ بے ہوشی کے بعد شیلی مارکیڈو ہوش میں آیا تو ماسٹر کے ایک ٹھکانے پر رسیوں میں جکڑا ہوا پڑا تھا۔"

"تم نے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔"

"مثال یہ تھی کہ اس سے زیادہ برا سلوک میرے بس میں نہیں تھا۔ اس کی بدزبانی سے نجات ملنے پر سارے ہی ملازم خوش ہیں مگر انہیں اپنی ملازمت کی فکر ہو رہی ہے کیونکہ اتنی تنخواہ ملنا ناممکن ہے۔"

"پھر آگے کیا ہوا؟"

"ہونا کیا تھا، ماسٹر نے اسے دوچار کرتب دکھائے تو اس نے اپنا کھانا پینا اگل دیا اور کل مجھے پتہ چلا کہ ماسٹر نے اسے مارکس کو قبرستان میں جا کر دفنا دیا۔ تم یقین کرو کہ اس کی موت کی خبر ملنے پر میں اس کے ورثاء کے ساتھ زبردستی گلا پھاڑ پھاڑ کر خوب رویا تھا۔ اب تک میرے گلے میں خراش پیدا ہو رہی ہے۔"

"تمہارا ماسٹر سے کیا تعلق ہے؟"

"وہ تم جیسے۔" اس نے برجستہ جواب دیا۔ "مخلص لوگوں کے لئے میں بغیر پیسے کا غلام ثابت ہوتا ہوں۔ ایک تنظیم کے ذریعے ایک بار ماسٹر کے لئے کام کیا تھا بس اسی وقت سے اس کا گرویدہ ہوں۔"

"ریڈیو پر کچھ بولنے کے آدمی ہو؟"

اس نے گھور کر میری طرف دیکھا پھر کسی معصوم بچے کی طرح ہنس دیا۔ "معلوم ہے تو پوچھ کیوں رہے ہو؟"

"شیلی مارکیڈو کے سارے گھر والے تم مادام بواری سے وابستہ ہیں؟" میں نے ایک امکانی خطرے کے پیش نظر سوال کیا۔

"چار کے علاوہ باقی سب اس کے نئے ملازم ہیں۔"

"میرا فون کس نے ریسیو کیا تھا؟"

"میں کا مادام بواری سے کوئی تعلق نہیں۔ اس حماقت کے نتیجے پایا جائے تو اسے احمق ترین شخص قرار دیا جا سکتا ہے۔" یہ کہنے کے بعد اس نے موضوع بدل دیا۔ "میری کہانی میں تو اب انقلاب کچھ نہیں رہا، یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے کیوں فون کیا تھا؟"

"ماسٹر کا پتہ مجھے نہیں معلوم تھا۔"

"آج کل اس کے دست راست کے لئے ڈھونڈنے میں ناکام رہے ہو۔"

وہ تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "بس یہ تم مادام بواری کے اندر کیسے گئے۔۔۔؟"

"شیلی مارکیڈو سے ملاقات کے بعد کس نے پھانس لیا۔ کیسی طبیعت ہے؟" اس نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

"عورت خاصی لذیذ اور خوبرو ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ خدا۔" اس نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔

"اور تم کہہ رہے تھے کہ اتنے روز تک ان کے قیدی تھے۔"

"وہ مجھ سے کرید کرید کر مادام بواری کے بارے میں دریافت کرتا رہا۔ اور عجیب بات یہ کہ اس کی طبیعت میں اشتعال پیدا ہوتا۔ میں نے اسے یقین نہیں دلایا کہ مادام بواری کو تنہا دیکھنے کا موقع کہیں بھی دیکھا جا سکتا تھا۔"

اسی اثنا میں بل نے ایک جگہ کار روکی اور ہم جلدی سے باہر آ گئے۔ کار کا مقابلہ کرتے پیدل ہی ٹنگ تاریک گلیاں عبور کیں۔ چند منٹ بعد بل ایک بوسیدہ کوٹھری کے دروازے پر مخصوص انداز میں دستک دینے لگا۔ دستک کے جواب میں دروازہ کھول دیا گیا۔

بل کے ساتھ مجھے دیکھ کر خالد عبدالفتاح بھونچکا رہ گیا۔ اس کی حیرت کچھ کم ہوئی تو اس نے والہانہ انداز میں مجھے لپٹا لیا۔

"حیرت ہے تم نازی اور پیرس سیٹ جانتے ہو، مگر تمہارے بارے میں سخت تشویش پھیلی ہوئی ہے۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔ "بے حد پریشان ہو رہے تھے کہ تم خیریت سے تو ہو نا۔۔۔؟"

"اس نے جیش کی صورت میں ماسٹر سے بچا کر مجھے جواز پر اتے ہی ان کو بتایا کہ مادام بواری کون اور کیسی ہے؟"

"مجھے معلوم تھا کہ تم اس کے قیدی ہو۔" عبدالفتاح نے کہا۔ "اس کے باوجود تم ادھر سے کچھ دور رکے۔ خالد عبدالفتاح بولا۔ اس وقت بل واپس جانے کے لئے اٹھ گیا۔ "میرا کام پورا ہوا۔ تم دونوں آپس میں دل کھول کر گلے شکوے کر لو۔" خالد عبدالفتاح نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر بل واپس چلا گیا۔

"بل نے مجھے شیلی مارکیڈو کی کہانی سنائی ہے۔ بڑا زبردست کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ مادام بواری اس کے ذریعے ان اسرائیلیوں پر ہاتھ ڈالنا چاہتی ہے۔" اس نے تعجب سے کہا۔

"واقعی؟" وہ حیرت سے بولا۔ "یہ بات تو بہت اہم تھی۔"

"یہ بتاؤ کہ ہوٹل موریس میں ایک تربیت یافتہ شخص تھا جو مجھے اچانک ہی قید کے دوران پیش آنے والا۔"

"تمہاری تلاش کی مہم میں معاونت کے لئے تمہاری بیوی نے بھیجا تھا۔ اس کے ہوٹل موریس میں داخلے سے پہلے تم وہاں قید ہو۔"

"ہوٹل موریس تک تمہاری نشاندہی کیسے ہوئی؟"

"لمبی کہانی ہے۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔ "شیلی مارکیڈو کو پکڑنے کے بعد میں نے خود کو بہت محدود کر لیا تھا۔ اس نے کئی بار منہ کھولنا چاہا اور اعتراف کیا کہ تم مادام بواری کی ہدایت پر ہوٹل کی تحویل میں ہو۔ مجھے شبہ ہوا کہ تمہیں اغوا کر لیا گیا ہے جب تمہاری سلامتی کے بارے میں استفسارات ہونے لگے تو میں نے شیلی مارکیڈو پر زور دیا۔ اس نے اگل دیا کہ ہوٹل موریس مادام بواری کا ہے۔ اسی لئے میں طیارے کے ذریعے تربیت یافتہ بندوں کو لے کر ہوٹل موریس کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں پہنچنے کے بعد میں نے اپنے ساتھ چار دیواری پھاند کر اندر داخل ہو گیا۔ اس کے بعد ہی عمارت کے کسی حصے سے فائرنگ کی آوازیں آئیں اور میں سمجھ گیا کہ وہ اندر گھس گئے ہیں۔ مخالفوں کی گولیوں کا نشانہ بنانے کی کوشش کرنے لگا تاکہ وہ ان پر بھرپور حملہ کر کے تمہیں نکال لے جائیں اور پھر وہ سانس لینے کے لئے اندر پہنچ گئے۔ تمہیں ڈھونڈنے میں مصروف ہو گیا۔"

"مگر اسی وقت ریڈیو ہوٹل کے بیشتر انتظامات میں کسی الزام پر بھی سگریٹ کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے بولا۔ "یہ بات دوسرے لوگوں سے بھی معلوم نہ ہو سکی اور مجھے نکلنے کے بعد چند ملکوں اور لال فریقوں کا سہارا لینا پڑا۔ شیلی مارکیڈو نے مجھے مادام بواری کی خفیہ کارروائی کے بارے میں بتا دیا تھا لہٰذا میں ان لڑکوں کے ساتھ ہوٹل موریس کے قریب مورچہ بند ہو گیا۔ طویل انتظار کے بعد مادام بواری کا کوئی آدمی نظر نہ آیا تو میں نے آخر تک فائرنگ کی مگر وہ کارنامہ بیٹھ ہی نہ سکا پھر میں سمجھ گیا کہ شاید ناکام ہو گئے ہیں۔ جب جوابی فائرنگ نے شدت اختیار کی تو سارے لڑکے اسلحے سے بھاگ نکلے اور مجبوراً میں اکیلا رہ گیا پورا منصوبہ بھی ناکام ہو گیا۔ واپسی کے بعد میں نے شیلی مارکیڈو کو قتل کر ڈالا کیونکہ اس کے زندہ رہنے سے کارکن خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس کے بعد وہاں پہنچنے کے بعد مجھے اسرائیلی سفارت خانے کا علم ہوا۔ پھر گزشتہ رات کسی نے ال ال کا دفتر تباہ کر دیا اور اسرائیلی سفارتی عملے کے حوالے سے ان دونوں واقعات کی ذمہ داری فلسطینیوں پر ڈالی جا رہی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں پولیس تفتیش کے سلسلے میں میری تلاش شروع نہ کر دے۔"

میں حیرت سے اس کی کہانی سنتا رہا۔ یہ سن کر دل میں ایک ہلکی سی کسک اٹھی۔ وہ بڑی مشکل میں تھا اور سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ اس نے جس دستے کے ذریعے کارنامہ سرانجام دیا تھا اس کی طرف نہ جا سکا بلکہ ان کی وجہ سے مادام بواری اور اسرائیلیوں میں معرکہ چھڑ گیا۔

"اور ابھی تھوڑی دیر پہلے بواری کی کار پر کس نے حملہ کیا تھا؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"کیا کار پر حملہ بھی ہوا ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں، میں خود اس کے ساتھ تھا۔ حملہ آوروں نے تین کاروں میں تعاقب کر کے گھیرا تھا۔" میں نے اسے تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہ اسرائیلی ہی ہو سکتے ہیں۔" خالد عبدالفتاح نے غور کرتے ہوئے کہا۔ "فی الحال ان معاشروں میں سے کسی میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ اس پر ہاتھ ڈال سکے۔"

"مگر اسرائیلیوں نے تو آج صبح ہی بواری سے صلح کا معاہدہ کیا تھا!"

"صلح؟ کس بات کی؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"بواری کا خیال تھا کہ اس پر پہلا حملہ اور شیلی مارکیڈو کی ہلاکت اسرائیلیوں کی شرارت کا نتیجہ ہے لہٰذا اس نے سفارت خانہ اور فضائی کمپنی کا دفتر تباہ کرا دیا۔ ساتھ ہی فون پر دھمکیاں بھی دی تھیں جس کے نتیجے میں آج صبح ان کا ایک آدمی صلح کا پیغام لے کر آیا تھا۔" میں نے اسے بتایا۔

اسے اختصار سے پوری بات اس کی سمجھ میں نہ آ سکی اور جب میں نے اسے تفصیلات سنانی شروع کیں تو حیرت سے اس کا منہ کھلتا چلا گیا۔

"مجھے تو وہم بھی نہ تھا کہ میری کارروائیاں اتنے دور رس نتائج کی حامل ہوں گی۔ جو کچھ ہوا بہت اچھا ہوا ہے۔ قدرت ہمیشہ مہربان ثابت ہوتی ہے!" وہ مسرت سے اس کا چہرہ دمکنے لگا تھا۔ "بالکل درست کہا تم نے، کسی کو شبہ بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ مادام بواری ہے!"

"یہ راز تم اپنی ذات تک محدود رکھو گے؟"

"تم فکر نہ کرو۔" وہ کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔ "تم پھر بہت زبردست خبریں لائے ہو۔ یہ دلچسپ ہو گی کہ موسٹ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد نہ ہو پاسکے گی۔ اس معاملے میں کرنل ڈیوڈ کی دخل اندازی بتاتی ہے کہ اسرائیلی سنگین دشواریوں سے دوچار ہیں اور ہر قیمت پر تمہیں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"تم کرنل ڈیوڈ کو جانتے ہو؟"

"انتہائی سنگدل اور کینہ پرور آدمی ہے مگر اپنے مخالف کو مرعوب

کرنے کے فن پر پوری طرح عبور رکھتا ہے۔"
مسٹر مہتا نے تو اسے لاجواب کر رکھا تھا۔"

"اب مجھے یقین ہے کہ مسٹر مہتا کی کار پر تازہ حملہ اسرائیل سے آنے والے کسی گروپ نے کیا ہوگا۔" وہ بولا۔ "اس نے مسٹر مہتا سے پہلے ضرور رابطہ کیا تھا مگر جب اس نے تمہارے بارے میں کھل کر بتا کر تم اس کے نرغے میں ہو تو اس گروپ نے اسی وقت فیصلہ کر لیا ہوگا کہ اچانک کارروائی کر کے مسٹر مہتا کو یرغمال بنائے بغیر تم پر ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا۔"

"میرے لیے یہ واقعی خفیہ ہے کہ میرے وہ بدترین دشمن [illegible] یہاں [illegible] میں ہیں [illegible] پولیس سے بچ کر ہی باآسانی [illegible] چھوڑ سکتے ہوں۔"

"مگر جاؤ گے کہاں؟"

خالد عبدالفتاح کے اس سوال نے مجھے لاجواب کر دیا اور میں چند ثانیوں تک زبان ہلائے بغیر اس کا چہرہ تکتا رہا۔ میں تو اس وقت تک یہی سمجھ رہا تھا کہ نئی منزل کے بارے میں خالد میری رہنمائی کرے گا مگر وہ الٹا مجھ ہی سے سوال کر رہا تھا!

"میرے [illegible] پر خالد سٹپٹا کر رہ گیا تھا۔"

"سیتا کہاں ہے؟" میں نے آہستہ سے سوال کیا۔

"یروشلم میں تمہارے لاپتہ ہو جانے کی خبر ملنے پر وہ خود یہاں پہنچنے پر تلی ہوئی تھی مگر میں نے بمشکل [illegible] آج کل وہ [illegible] ہے اور [illegible] تمہیں بھی وہیں بھیجنے کا پروگرام تھا۔" خالد عبدالفتاح کچھ پریشان نظر آنے لگا تھا۔

"پھر اب کیا ہو گیا؟" میرا لہجہ قدرے ترش ہو گیا۔

"لیبیا سے ہمارے تعلقات خراب ہو گئے ہیں۔" وہ نظریں جھکا کر بولا۔

"ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ میرے لیے بن غازی والے بھی پریشان ہیں۔" [illegible] گفتگو کے بعد ملنے والی اس اطلاع نے میری طبیعت مکدر کر دی تھی۔

"وہ پرسوں کی بات تھی۔ کل سے لیبیا کے حکام نے فلسطینیوں کو ٹرکوں میں بھر بھر کر سرحدوں سے باہر پھینکنا شروع کر دیا ہے۔"

"اور سیتا؟" میرا لہجہ بے حد زہریلا ہو گیا۔

"جب تک کوئی مصدقہ اطلاع نہ ملے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" خالد عبدالفتاح اداس ہو گیا۔ وہ مجھ سے نظریں چرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"مگر اب میں یہاں نہیں رک سکتا اگر کہیں [illegible] ہو گیا تو میں ناقابل تصور مشکلات سے دوچار ہو جاؤں گا۔"

"اس کا مجھے اندازہ ہے۔ [illegible] میں حالات [illegible] کے لیے سرتوڑ کوششیں جاری ہیں [illegible] ایک آدھ روز میں [illegible] ہو جائے گا۔"

"میں یہاں [illegible] کا انتظار کرنے کے بجائے کہیں اور قیام کرنا پسند کروں گا۔" میں نے کہا۔

خالد سوچ میں پڑ گیا۔ اور میں سگریٹ پھونکنے میں مصروف ہو گیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ جب بھی سیتا سے ملنے کا [illegible] پیدا ہوتا، عین آخری لمحات پر کوئی نہ کوئی [illegible] اچانک پیش آ جاتی کہ میرے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے تھے۔

"پھر تم بیروت چلے جاؤ۔" آخر کار خالد نے کہا۔

"میں یونان کو ترجیح دوں گا۔" میں نے کہا۔ [illegible] تھا کہ بیروت پہنچنے کے بعد میں دوسری مصروفیات میں الجھ [illegible] تھا۔ اور پھر بیروت فلسطینیوں کا گڑھ ہونے کے باعث اسرائیلیوں کی بھی توجہ کا مرکز تھا جبکہ میں ان کی نظروں میں آئے بغیر ایک بار پھر سیتا تک پہنچنے کے لیے بے قرار تھا۔

"میں کل ہی انتظام کرتا ہوں [illegible] کوئی [illegible] اور وہ تمہارا [illegible] کرے گا۔" اس نے کہا۔

"میں وہاں تنہا ہی رہنا پسند کروں گا۔" میں نے جلدی سے [illegible] "بس یہاں سے نکلنے کی فکر ہے۔"

"تمہارا تنہا رہنا [illegible] بات نہیں ہے۔ تم سے رابطہ برقرار رہنا ضروری ہے تاکہ حالات میں [illegible] بروقت آگاہ کیا جا سکے۔"

تھوڑی سی بحث کے بعد یہ طے ہو گیا کہ خالد [illegible] کا بندوبست کرے گا مگر وہ رات مجھے اسی کے مکان میں [illegible]

وہ مکان دو کمروں اور باتھ روم پر مشتمل تھا۔ خالد [illegible] والے کمرے کے ایک کونے میں [illegible] بنایا ہوا تھا۔

وہ مکان بہت مختصر ہونے کے ساتھ ہی [illegible] کے علاقے میں واقع تھا مگر خالد نے [illegible] اس کے مکان میں [illegible] محفوظ [illegible] کا طریقہ اختیار [illegible] ہے۔

کھانے وغیرہ سے نمٹنے کے بعد خالد نے [illegible] حوالے [illegible] خود کمبل لے کر صوفے پر دراز ہو گیا۔ [illegible] کرنے کا بندوبست تھا مگر اس مکان کی ساخت [illegible] خامیاں تھیں [illegible]

مدھم روشنی میں خالد کو سگریٹ [illegible] میں مصروف دیکھ کر [illegible] اسے مخاطب کر لیا۔ "ابھی تک جاگ رہے ہو؟"

"اب نیند [illegible]" [illegible] لہجے میں جواب دیا۔

شراب پیتے ہو؟"

"نہیں [illegible] سے [illegible] بندوبست کروں؟" اس کی آواز [illegible]

"تم کیوں نہیں پیتے؟"

"یہی ایسے ہی!" اس نے آہستہ سے کہا۔

"پھر بھی کوئی وجہ تو ہوگی۔" میں جواب پر مصر ہو گیا۔

"شراب حرام ہے!" اس نے آہستہ سے جواب دیا۔ "میں مسلمان [illegible] ہوں۔"

اس کا جواب سن کر میں دل ہی دل میں خاصا شرمسار ہوا۔ اس وقت میں نے سوچا کہ کاش اس سے جواب پر اصرار نہ کیا ہوتا۔ [illegible] عبداللہ [illegible] اور وہ بھی شراب سے دور بھاگتا تھا۔ عورتوں کے نام سے [illegible] اور خالد عبدالفتاح بھی اس سے کم نہیں تھا [illegible] اس سے [illegible] محسوس ہونے لگی۔

"تم نے میری کسی بات کا برا تو نہیں مانا تھا؟"

"انہوں کی بات کا برا مانا جائے تو زندگی عذاب ہو جاتی ہے۔" اس کے لہجے میں [illegible] تھا۔

"مجھے معاف کرنا مسٹر دوست، سیتا کے معاملے میں میں کبھی کبھی جذباتی ہو جاتا ہوں۔"

"میں تمہارے کرب کو سمجھتا ہوں۔" وہ بولا۔ "پچھلے دنوں سیتا کو [illegible] حالات میں تمہارا انتظار کرنا پڑا تھا پھر اسے ایک اہم مشن پر [illegible] گیا۔ [illegible] بن غازی [illegible] واپس [illegible] شام [illegible] سے [illegible] نکلنے [illegible] مگر [illegible] کا اختیار نہیں ہے۔"

"تم شادی شدہ ہو؟"

"میرے تین بچے ہیں۔ بیوی بیروت کے ایک پرائمری اسکول میں پڑھاتی ہے۔" اس نے [illegible] لہجے میں جواب دیا۔

"پھر تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"ہماری نسل فلسطین کی آزاد ریاست کا خواب دیکھتے دیکھتے [illegible] اگر ہم کامیاب ہو گئے تو کم از کم ہمارے بچے [illegible] اپنے [illegible] میں [illegible] کہلائے گا۔"

"[illegible] بچے [illegible]" میں اس کی کہانی سن کر [illegible] گیا۔

[illegible]

"[illegible] کب ملے تھے؟"

"ایک سال ہونے والا ہے [illegible] میرا قصہ [illegible] اپنے دل کا غبار [illegible] اگر تمہیں عادت ہو تو [illegible] آ [illegible] گا۔"

"میں بھی نہیں بیٹا۔" خالد [illegible] نے [illegible] بارے میں جھوٹ کا سہارا لیا۔ اس کے سامنے اپنی کمزوری کا اعتراف کرنے میں خفت مانع ہو گئی تھی۔

پھر باتیں کرتے کرتے ہم دونوں ہی سو گئے۔

اگلی صبح خالد نے [illegible] مجھے بیدار کیا۔ جب میں منہ ہاتھ دھو کر تازہ [illegible] تو اس نے ایک مقامی اخبار میرے سامنے رکھ دیا۔

خبروں کا متن [illegible] پڑھنے سے پہلے [illegible] چھپی ہوئی دو تصاویر میں نے فوراً پہچان لیں۔ وہ ان ہی [illegible] کی تصاویر تھیں جنہوں نے [illegible] کی ناکام کوشش کی تھی۔

تیسری تصویر جائے [illegible] کے پس منظر میں ایک [illegible] لاش کی تھی۔

"پولیس جائے واردات پر پہنچی تو وہاں صرف تین کاروں کے مسافر تھے جو راستہ بند ہونے کی وجہ سے وہاں موجود تھے [illegible] آدمی [illegible] تیار کرتے ہوئے مجھے بتانے لگا۔ "البتہ [illegible] میں وہ لوگ ایک [illegible] لاش [illegible] جا سکے۔ جانتے ہو کہ وہ لاش کس کی ہے؟"

میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"پرسوں اسرائیل سے [illegible] سیاحوں کی ایک ٹولی آئی تھی۔ وہ ان ہی میں سے ایک تھا مگر پولیس [illegible] [illegible] مرنے والے [illegible] کا سراغ نہیں لگا سکی ہے۔"

"پولیس نے بہت جلد مرنے والے کی اصلیت کا سراغ لگا لیا!" میں نے حیرت سے کہا۔

"پولیس کو یہ اطلاع ایک گمنام فون کے ذریعے ملی تھی۔ پولیس نے ایئرپورٹ کے ریکارڈ سے یہ تصدیق تو کر لی کہ پرسوں اسرائیل سے [illegible] سیاحوں کی جماعت یہاں آئی تھی مگر شہر میں ان میں سے کسی کا سراغ نہیں مل سکا۔ اگر یہ خبر درست تھی تو جلد ہی مرنے والے کی شناخت ہو جائے گی۔"

"پھر تو یہ بات بھی تقریباً طے ہے کہ [illegible] کی [illegible] خلاف ورزی کی ہے۔"

"یہ [illegible] اب تم دیکھنا [illegible] اس شہر میں اسرائیلیوں کا کیا حشر کرتی ہے۔"

"میں دو ایک جگہ میں فوٹ پر چھا ہوں گا۔"

"میرا ابھی چاروں جانب بغیر مزدوری میں کوئی بھی دستک یا آواز دے تو جواب مت دینا بیٹا! میں سے ملاقات کر جاؤں گا۔"

میرے لئے ناشتہ تیار کرتا اور رخصت ہو گیا۔

وہ خلاف توقع دوپہر کو ہی واپس آگیا اور آتے ہی خوش خبری سنائی کہ آج رات وہ مجھے نکالنے کا بندوبست کر چکا تھا۔

شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد خالد بہت احتیاط کے ساتھ مجھے لے کر مکان سے نکلا۔ تھوڑی دور پر اس کی کار موجود تھی۔

"کہاں چل رہے ہو؟" کار روانہ ہونے کے بعد میں نے سوال کیا۔

"ہوائی سفر کا خطرہ مول لینے کے بجائے میں نے تمہیں بارڈر پار کسی ایک ٹرک پر بارڈر کراس کرانے کے لئے بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔" اس نے کہا۔

میں جواب میں خاموش ہی رہا۔

پھر دو گھنٹے کے سفر کے بعد جب خالد نے اپنی کار ایک ایسے وسیع احاطے کے قریب روکی جہاں بہت سے ٹرک کھڑے تھے تو مجھے ... والے ٹرک کھڑے ہوئے دیکھ کر میں چونک پڑا۔

ان میں سے بہت سے ٹرک سامان لاد رہے تھے اور اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہونے والے تھے مگر مجھے جس بات نے چونکا دیا وہ یہ تھی کہ سارے ہی ٹرکوں پر ایک بجلی کا کڑکا ہوا ایک سرخ رنگ کے نشان کی صورت میں بنا ہوا تھا اور سرخ رنگ کے نیچے وہ نشان بھی نمایاں تھا!

یہ وہی نشان تھا جو میں نے اس ٹرک پر دیکھا تھا جس سے ٹکرا کر میں بروسیلز پہنچتے ہی حوالات میں جا پھنسا تھا!

"کیا بات ہے؟ تم پریشان نظر آ رہے ہو؟" خالد نے انجن بند کرتے ہوئے سوال کیا۔

"میرے لئے یہ جگہ خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔" میں نے تشویش زدہ لہجے میں اسے بروسیلز کے پس منظر سے آگاہ کر دیا۔

میری بات سنتے ہی وہ ایک لمحے کے لئے بھی وہاں نہیں رکا اور اس نے کار آگے بڑھا دی۔

"بہت ممکن ہے کہ تمہیں لفٹ دینے والا ڈرائیور تم سے ٹکرانے کے بعد اس وقت کوئی بھی خطرہ مول نہیں لے سکے۔" اس نے کہا۔

کار ڈرائیو کرتے کرتے ایک جگہ وہ میری طرف متوجہ ہوا مگر اس سے قبل کہ وہ کوئی بات شروع کرتا ایک گلی میں سے کوئی پک اپ تیزی سے باہر نکلی پھر خالد کے ساتھ ہی پک اپ کے ڈرائیور نے بھی بچانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر سڑک کے عین وسط میں دونوں گاڑیاں ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں۔ پک اپ نے میری طرف سے ٹکر ماری تھی لہٰذا میں اچھل کر خالد کی گود میں جا پڑا۔

دھماکے کی آواز اتنی شدید تھی کہ فوراً ہی ہر طرف سے لوگ گاڑیوں کی طرف دوڑ پڑے۔

اس حادثے کے نتیجے میں خالد غیر متوقع طور پر بچ گیا مگر میں شکار ہوا تھا۔ جب طرف اس کی کار شوکھا کر بے قابو ہو گئی تو ... طرف میرا سارا بوجھ اچانک اس پر منتقل ہو گیا تھا۔ کار ... نے بائیں طرف بڑی تیزی سے ... جیسے جیسے ... نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے پوری قوت سے بریک لگا کر کار کو روک لیا اور یوں کوئی شخص کار کا نشانہ نہ بن سکا۔

کار رکتے ہی ہم دونوں ڈرائیونگ سیٹ والے دروازے سے نیچے اتر آئے۔ دوسری گاڑی کا ڈرائیور بھی بوکھلایا ہوا ... آ پہنچا۔ اس سے پہلے کہ وہ ہم دونوں کی سلامتی کی خیریت ... وہ خاصا شریف نظر آ رہا تھا۔

خالد کی کار کا ایک دروازہ پچک کر اندر گھس آیا تھا ... کے قابل تھی جب کہ دوسری کار کے انجن وغیرہ کو خاصا نقصان پہنچا تھا۔ ریڈی ایٹر انجن میں گھس جانے کے باعث کار کا دوبارہ اسٹارٹ کرنا ناممکن تھا مگر اس نے نہایت فراخ دلی سے غلطی تسلیم کرتے ہوئے ہم لوگوں کو جائے حادثہ سے رخصت ہونے کی اجازت دے دی!

خالد نے اسے نقصان زدہ کار کسی قریبی گیراج تک پہنچانے کے سلسلے میں کسی مدد کی پیشکش کی لیکن اس نے شکریہ ادا کر کے ... سنبھال لی اور ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔

"اس شریف آدمی کی جگہ کوئی خود غرض ہوتا تو ہم بڑی دیر سے دوچار ہو جاتے۔" کار روانہ ہوتے ہی میں نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔

"آج کا دن ہی کچھ نامبارک ثابت ہوا ہے!" خالد اپنا پسینہ پونچھتے ہوئے بولا۔

"کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے!"

"بروسیلز میں خشکی کے ذریعے مال کی نقل و حمل کے لئے ... ایس بلاک جیسے اداروں ... اتفاق دیکھو کہ میں نے تمہاری روانگی کا بندوبست اسی ادارے میں کیا جس کے ایک ٹرک نے تم کو بروسیلز میں پولیس افسروں کا شکار بنوایا تھا۔"

"اگر تم اس ٹرک سے نکلنے نہ پاتے تو آج حالات کچھ اور ہوتے۔" میں نے ذہن میں گزرے ہوئے واقعات کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

"ٹرک والے نے تمہیں پولیس کے حوالے کیا ... شہیر مارکیٹ ... اور پھر شاید ... بتایا۔ اگر یہ سب نہ ہوا ہوتا تو شاید تم اس وقت اپنی ...

دیکھ کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔"

"پھر تم نے سالا ... میں اب کیا سوچ رہے ہو؟"

"ابھی دماغ ٹھیک نہیں ہے ورنہ جس طرح ہو لا دوسری گاڑی ... زیادہ بہتر ہوتی! ایسے کہ اوسان بحال ہو جاتے تو ہمارے گاؤں ... کوئی امکانات تھے تو اس بارے میں سوچ رہا ہوں کہ ... گیا ہوں۔"

حادثے کے بڑے جانے کے بعد یہ نکلنا کہ سعودی آمد ہوئی ... کے ہوا جارہے جان سے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہا اس ... قدرت کہ تم پر مہربان ہے!"

"قدرت کہہ رہے ہو؟" اس نے کہا۔ "بعض مجبوری ... رہا ہوں کہ ساری تدبیریں اور دلائل دھرے رہ جاتے ہیں!"

"مجھے بروسیلز میں ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا ہے!"

"مجھے پورا احساس ہے۔" اس نے پرخلوص لہجے میں کہا "مگر ... دو تین دن صبر کر لو تو بے سروسامانی کے عالم میں بھاگنے سے نجات حاصل کر لو گے!"

"یعنی تمہارے ذہن میں کوئی منصوبہ موجود ہے!"

"اس کاغذات کے تم ہر جگہ خطرات محسوس کرتے رہو گے ... خواہش ہے کہ تم بروسیلز سے اب مکمل سفری دستاویزات کے ساتھ روانہ ہو!"

"جعلی کاغذات بھی کم خطرناک نہیں ہوتے ان کے ہوتے ہوئے بھی مجھے سکون حاصل نہ ہو سکے گا!"

"تمہیں کسی دوست ملک کے سفارت خانے سے اصل کاغذات دلواؤں گا۔" اس نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"اس سے بہتر کیا بات ہو سکتی ہے۔" میں نے تشکر آمیز لہجے میں کہا "کاغذات بننے کے بعد تو میں خود بھی اپنا سفر جاری رکھ سکوں گا!"

"اس صورت میں تم کہاں جاؤ گے؟"

"فی الحال اب میرا ... ہے وہاں میں اطمینان سے ... زندگی کے آخری ایام سکون سے گزار سکوں گا!"

"ہو سکتا ہے کہ تم سیدھے جانا چاہتے ہو۔" اس نے مشورہ ... تقریباً ہر قسم کی معاشرتی پابندیوں سے آزاد زندگی ... کے لئے وہاں ہے!"

"وہاں اور یہاں میں بڑا فرق ہے ... انسانی احساس ہے اور ... ابھی اتنا سرکش نہیں ہوا!"

"... ہم لوگ اتنے سکون سے! ... کرتے چلے جائیں ... گھر لوٹ رہے ہوں!"

"... ہو سکتا ہے کہ تم باہر رہ کر مجھے مادام بواری ... اسرائیلیوں کے گروہ کے بارے میں کوئی نئی خبر نہیں لا سکے۔" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"اپنے چکروں میں تمہیں بتانا بھول گیا۔" وہ بولا "شاید تمہارے علم میں اس معاملے کی جاننے والی تنظیموں کا ... چوری کی تفتیش ابھی تک نہ مرنے والے کی شناخت ہو سکی ہے اور نہ ... اسرائیلی سیاح کی لڑکی کا اسرار کھل سکا ہے۔ آج شہر کے دو مجرموں نے اخبارات میں اسرائیلی مشن کے دو ملازموں کو ... سے ہلاک کر دیا گیا۔"

"پھر ان میں میرے لئے یہ سوچنا بھی ممکن نہ تھا۔" میں نے پر خیال لہجے میں کہا۔

"کیا؟" اس نے سوال کیا۔

"وہاں بھی میاں بیوی ناکام قاتلانہ حملوں کی پاداش میں مادام بواری کے شوہر کے شہر میں فلسطینیوں کا باہر نکلنا دشوار کر دیا تھا اور ... ساتھ قاتلانہ حملے ہوئے تھے۔"

"میں نے اخبارات میں پڑھا تھا۔" وہ بولا "مگر مجھے ان دونوں کا پس منظر معلوم نہیں ہو سکا تھا اور اس کا شوہر کہاں سے آگیا، میں نے تو سنا ہے کہ بیٹا ہو گا وہ رہا ہے۔"

"یہ واقعی خیریت ہوئی ہے مگر میں اصل مادام بواری کے شوہر کا ذکر کر رہا تھا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"تو اصل مادام بواری کوئی اور ہے؟" اس کی حیرت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

میں نے بتایا کہ ... اصلی مادام بواری ... میاں کی شکل بگاڑ دی تھی اور پچھلے دنوں بروسیلز میں ... اس اطلاع پر خالد ... کے بارے میں تفصیلات بتانی پڑیں ... بے یقینی کے عالم میں منہ پھاڑے میری کہانی سنتا رہا۔

"فلسطینی بلاوجہ تمہارے مخالف نہیں ہیں۔" میری کہانی سننے کے بعد اس نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "تمہیں جیسی ہوش مند شخصیتوں کو بے نقاب کرنے میں خاص ملکہ حاصل ہے!"

"جان پہ بن جائے تو سب کچھ ہی کرنا پڑتا ہے ... ویسے بھی بات یہ ہے کہ میں اب مسلسل بھاگتے بھاگتے تھک گیا ہوں اور اپنی ... حاصل کرنے کے بعد بے فکری سے زندگی کا باقی حصہ گزارنا چاہتا ہوں!"

"میں نے کسی سے سنا تھا کہ تم پاکستان میں بھی کسی وجہ سے قانون کو مطلوب ہو۔ پھر اب کہاں آباد ہونے کا ارادہ ہے؟"

"تم فلسطینیوں کے لئے خطرہ ہو!" میں نے اس سے پوچھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"پھر سے زیادہ تو تم نے ہمارے کاز کی خدمت کی ہے!"

"تم ایک ایسی ریاست کے لئے آگ اور خون میں نہا رہے ہو جس کا صرف تصور ہی چل رہا ہے مگر میں تو پاکستان کا شہری ہوں۔ قانون میرے ساتھ جو چاہے سلوک کرے میں اپنی سرزمین سے منہ نہیں پھیر سکتا۔ کتنی حقیر ہی سہی مگر اس ملک کے لئے میری بھی کچھ خدمات ہیں۔"

"میں تمہارے خیالات کی قدر کرتا ہوں لیکن بلاوجہ تو ٹوک بات کہہ ڈالوں!"

"یہی باتیں نہ کہنا منافقت ہے!"

"دراصل ہم اور تم ایک ہی سلسلے کی کڑی ہیں۔" اس نے کھینچتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "تم نے بھی پاکستان بنانے کے لئے ناقابل فراموش قربانیاں دی تھیں جو تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں لیکن ملک قائم ہوا تو خود ہی آہستہ آہستہ معدوم ہوتا جا رہا ہے۔ تمہاری طرح سوچنے والے لوگ کم ہی ملیں گے اور شاید یہی حال ہمارا بھی ہو۔ ابھی ہم... فلسطین کے لئے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے تک برسرِ پیکار میں مصروف ہیں لیکن فلسطین قائم ہو گیا تو شاید ہمارا بھی انداز فکر بدل جائے۔ یہ اندیشے کبھی کبھی مجھے مضطرب کر دیتے ہیں۔"

"بقا کی جنگ لڑنے والوں کے جذبات تنہا کر رکھ دیتے ہوتے ہیں۔" میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "اور ان دنوں میں اسی مرحلے سے گزر رہا ہوں مگر ہمیشہ یہی خیال چھٹ جاتا ہے کہ میرا بھی کوئی وطن ہے جس کی خاک پر میرا حق ہے!"

"میرا پڑاؤ کا قانونی مدرسے میں مجھ سے رابطہ رہے گا وہیں آ کر" وہ بولا۔ "دو سال کے بعد میری بیوی اسے پاکستان ہی بھیجنا چاہتی ہے۔ سنا ہے کہ مسلم ممالک میں وہاں تعلیم کا معیار سب سے بہتر ہے۔ اگر حالات سازگار رہے تو وہ پاکستان پہنچ کر تم سے ضرور ملے گا۔"

"میں اسے اپنا مہمان رکھوں گا۔" میں نے فراخدلی کے ساتھ پیشکش کر ڈالی اور شاید کاتب تقدیر اس وقت میری خوش فہمی پر خندہ زن تھا۔

باتیں کرتے ہوئے ہم واپس اس تنگ و تاریک علاقے میں پہنچ گئے جہاں خالد عبدالفتاح کا قیام تھا۔

"تم یہاں کب سے مقیم ہو؟" مکان میں داخل ہونے کے بعد میں نے سرسری طور پر خالد سے ایک ذاتی سوال کر ڈالا۔

"شیبن مارکیڈو کو قید کرنے کے ساتھ ہی میں یہاں منتقل ہوا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ اصل ٹھکانا کا رخ کیا تو شیبن مارکیڈو کے حامی مجھ تک پہنچ جائیں گے!"

"شیبن مارکیڈو کے سلسلے میں تو شاید وہ کو بھول گئے... تمہارا خیال نہیں آیا۔"

"مقدر کی یاوری ہے!" وہ مسکرا دیا۔

"یہ تنگ و تاریک مکان تمہاری شخصیت سے میل نہیں کھاتا... میں شروع سے ہی اس بارے میں الجھن کا شکار تھا۔"

"تو پھر میرے مکان پر ہی چلو!"

"اب ادھر کا رخ کرنا خطرناک ہو گا۔ ... میرے فرار کے بعد شاید وہ ہر ممکنہ ٹھکانے کا رخ کریں گے اور پہلا خیال یہی آئے گا کہ میں نے رہائی پاتے ہی تم سے ملاقات کی ہو گی۔"

"میرے مکان سے لے کر ابھی ہنگامہ رہے گا ... پڑوسیوں سے انہیں پتہ چلے گا کہ چند روز کے لئے ملک سے باہر جا رہا ہوں۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ یہاں تمہیں میرا انتظار رہے گا؟"

"وہ چند گھنٹوں بعد بتاؤں گا ... مگر تم ... عدنان فاطری سے ضرور ملنا ... ہوٹل کا اسٹاف ... سپرد کر رہے!"

"اور اگر وہ سرمد بوری سے پیش آیا؟"

"تم تو اس طرح سوال کر رہے ہو جیسے ... والے ہو۔ وہ جشن کر لو گا ... جب جاؤ گے تو میں ایک نمائندہ بھیج دوں گا۔"

اگلے روز خالد نے میرے چہرے میں چند تبدیلیاں کر دیں۔ پہلے میری بڑھی ہوئی سیاہ داڑھی صاف ہوئی پھر نمودار ہونے والے بال بھی مونڈ دیئے گئے۔ میں نے آئینے میں اپنا جائزہ لیا چکنی ہوئی کھوپڑی دیکھ کر مسکرا دیا۔

پروفیسر زیبی سر منڈاتے ہی اولے پڑنے والی کہاوت درست ثابت ہوئی تھی پہلی بار شیبن مارکیڈو کے ... رہائی سے قبل میرا سر مونڈا تھا اور میں دو روز بھی آزادی ... دے پایا تھا کہ رشیدہ دوبارہ مجھ پر مسلط ہو گئی۔ اب دوبارہ ... نے میرا سر صاف کیا تھا۔ اس مرتبہ نہ جانے کس طرف سے ہونے تھے!

ان تبدیلیوں کے بعد خالد نے ... سیاہ چشمہ ... فلیش کی مدد سے میری تصویریں اتاریں جو پاسپورٹ کے ... پوریں اور پھر مجھ سے ... نکال کر رخصت ہو گیا ... جاتے ہوئے اس نے احتیاطاً دروازہ باہر سے مقفل کر دیا۔

اسی روز خالد بہت دیر سے واپس آیا ... سے مکان اور لیبر کا انتظار ... تھا۔

"تمہارا اندازہ درست ثابت ہوا!" اس نے آتے ہی ... اخبار میرے سامنے کیا اور میں چونک پڑا۔

"کس اخبار کی بات کر رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میری جیل سے فرار کی بات ... شائع ہو چکی ہے" اس نے ... "ایک رات کچھ لوگ ... اس دو منزلہ عمارت میں گھس گئے تھے ... جب انہیں اوپر والوں سے ... معلوم نہیں ہو سکی تو انہوں نے ... مزدوروں کو ... زدوکوب کر کے باہر نکال دیا اور مکان کو آگ لگا دی۔"

"تم ادھر گئے تھے؟" میں نے دریافت کیا۔

"اخبار میں تفصیلات پڑھنے کے بعد ادھر سے گزرا تھا۔ پوری عمارت جل کر خاکستر ہو چکی ہے۔" اس نے تاسف آمیز لہجے میں کہا۔

"انہیں بھی فوری طور پر اپنی نقل و حرکت محدود کر لینی چاہئے!"

"تم نقل و حرکت کی بات کر رہے ہو؟ میں نے تو انہیں ... ایک غیر معروف گیراج میں مرمت کی غرض سے چھوڑ ... ایک کار کرائے پر لے لی۔ وہ کار کے نمبروں سے بھی ... پہچان سکتے تھے۔" وہ خود کافی پریشان نظر آ رہا تھا۔

"پولیس کا کیا ردعمل ہے؟"

"ہلچل ہوئی ہے۔" اس نے بتایا۔ "تشدد کی پے در پے وارداتوں کے نتیجے میں پورے شہر میں وحشت اور سنسنی پھیل گئی ہے اور بڑے بڑے بازاروں میں بھی ویرانی سی چھائی رہی!"

"اخبارات میں تمہارا نام بھی اچھالا گیا ہو گا؟"

"شہ سرخیوں میں چھاپا گیا ہے۔" وہ بولا۔ "اور یہی ... تفتیش کی جڑ ہے۔ اسرائیلیوں کے خلاف کارروائیوں کے ... نقاب پوشوں کی طرف سے میری کاوش سے ... پولیس ... کر رہی ہے کہ پروفیسر فلسطینیوں اور اسرائیلیوں ... ایجنٹ کا مرکز بن گیا ہے۔"

"... الوری کا نام کہیں نہیں آیا؟"

"نقاب پوشوں نے میرے مکان کی اوپری منزل والوں سے ... کھل کر کہا تھا کہ وہ الوری ... کسی سازش ... طرح پکڑے گی۔ اخبارات نے اس بات کو اہمیت دی ... کا خیال ہے کہ نقاب پوشوں نے رائے عامہ کو گمراہ ... کے لئے محض ... الوری کا نام استعمال کیا ہے!"

"ایسے استعمال تو ہو نہ رہا ہے" میں نے کہا۔ "شاید ... نے کھل کر مجھے جتانے کی کوشش کی ہے کہ وہ مجھے ... سکتا ہے۔"

"... سے طرح ... بے اعتدالی کرتی ہے۔ تاون کے محافظوں سے کھیلا تھا اور" اس نے سنجیدگی سے کہا ہے۔

"ہو سکتا ہے کہ اسی بہانے اس کا فتنہ بھی ختم ہو جائے!"

"وہ تو جب ہو گا مگر یہ کام اس نے سخت الجھن میں ڈال دیا ہے۔" وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اگر میں اس وقت سامنے نہیں آیا تو پولیس شدید قانونی پیچیدگیوں میں گھیر لے گی۔ اور اگر اپنی پوزیشن واضح کرنے کے لئے سامنے آتا ہوں تو کئی ہفتوں تک میری نگرانی ہوتی رہے گی۔ شاید قتل کا خطرہ الگ رہے گا۔ اور تمہارے لئے بھی کچھ نہ کر سکوں گا۔"

"تو پھر کیا ارادہ ہے؟"

"کل تمہارا پاسپورٹ مل جائے گا میں نے تمہارا نام آذان جو ... درج کرایا ہے۔"

"لیکن پولیس کے سامنے آ جانا چاہئے ورنہ بعد میں کسی طرح یقین نہ دلا سکو گے کہ اسرائیلیوں کے خلاف ہونے والی کارروائیوں میں تمہارا دخل نہیں تھا۔"

"اسرائیلیوں نے محاذ کھول دیا ہے۔ میرے مکان پر ہونے والی غنڈہ گردی اور آتش زنی کو انہوں نے سوچی سمجھی سازش قرار دیا ہے تاکہ اس طرح میں اپنی مدافعت کے ساتھ ہی انہیں ملوث نہ کر سکوں۔"

"فی الحال تم میرا پاسپورٹ حاصل کر لو اور ایسا نہ ہو کہ تمہیں آئندہ کے لئے ناقابل تلافی نقصان پہنچ جائے!"

"تمہارا مطلب ہے کہ میں پولیس کے سامنے حاضر ہو جاؤں؟"

"تم اسی طرح خود کو بچا سکتے ہو!" میں نے کہا۔ "تم یہاں ایک فلسطینی گروپ کی نمائندگی ضرور کرتے ہو مگر تمہاری حیثیت ... طور پر مشتہر ہے!"

"پھر میں ابھی اپنے دوست کے پاس جاتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارا پاسپورٹ تیار کر کے اپنے گھر لے آیا ہو اس کے بعد ہی میں کچھ سوچوں گا۔"

"تمہارے دفاع کے لئے وقت کی بڑی اہمیت ہے!" میں نے اسے یاد دلایا۔

"میں کیا سمجھ کر لیٹ آؤں گا۔" وہ دوستانہ انداز میں ... ہوئے بولا۔ "کام بن گیا تو آدھے گھنٹے بعد ہی کسی پولیس اسٹیشن پر جا کر بیان دے دوں گا۔" وہ دوبارہ اپنے جوتے کستے ہوئے افسردہ لہجے میں بولا۔

"میں بے چینی سے تمہارا انتظار کروں گا۔"

وہ مجھے تسلی دے کر چلا گیا۔

میں اس کے انتظار میں سگریٹ پھونکتا رہا۔ حالات جس تیزی کے ساتھ رخ بدل رہے تھے اس کی وجہ سے میں بھی اعصابی

دباؤ محسوس کر رہا تھا۔ اور پروسیلا بلکہ بجیم سے نکلے بغیر اس بیجان سے چھٹکارا مشکل نظر آ رہا تھا۔

وقت نہایت سست رفتاری سے کھسک رہا اور جب میری رسٹ واچ نے گیارہ بجائے تو میرے کان باہر سے گلی میں ابھرنے والی ہر آہٹ کا تعاقب کرنے لگے۔

ساڑھے گیارہ بجے میں بستر پر پڑے پڑے بیزار ہو گیا اور میں نے بے چینی کے ساتھ کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔

اس کے بعد جوں جوں وقت گزرتا گیا، میری حالت غیر ہوتی گئی۔ میں کافی دیر تک کرسی لیے دروازے کے پاس بھی بیٹھا رہا مگر باہر گلی کا قدموں کی چاپ سنائی دیتی جو بند دروازے پر رکنے کے بجائے مجھے مایوس کر کے کہیں اور معدوم ہو جاتی۔

میرا ذہن مستقل جوڑ توڑ کر رہا تھا جس کا مقصد خالد عبدالفتاح کی واپسی میں غیر معمولی تاخیر کا جواز فراہم کرنا تھا۔

پہلے میں یہ سوچتا رہا کہ شاید اس کا دوست میرا پاسپورٹ تیار کر کے گھر لانے کے بجائے دفتر میں ہی چھوڑ آیا ہو گا مگر خالد کے شدید اخلاقی دباؤ کے تحت اسے سالانہ کر اتنی رات گئے اپنے دفتر سے سامان حاصل کرنے کی کوشش کرنا ہو گا۔

یہ کام بہت بڑا تھا۔ اگر میرا خیال درست تھا تو اسے وقت میں سفارت خانے کے کسی بھی اہلکار کے لیے سفیر یا سفارت خانے کے کسی اعلیٰ افسر کی اجازت کے بغیر عمارت میں داخل ہونا... ناممکنات میں سے تھا اور اجازت کا حصول بجائے خود ایک معرکہ ہوتا۔

دوسرا امکان یہ بھی تھا کہ خالد کا دوست سیدھے اپنے گھر ہی نہ پہنچا ہو بلکہ دوستوں کی کسی محفل میں بیٹھا گپ لگاتا رہا ہو اور جب خالد اس کی تلاش میں بے چارہ مختلف ٹھکانوں کی خاک چھانتا پھر رہا ہو یا اس کے گھر کے آس پاس سرد رات میں فٹ پاتھ وغیرہ پہ ڈیرا جمائے اس کی واپسی کا منتظر ہو!

میں دل ہی دل میں خود کو ملامت کرنے لگا۔ میرے ایک ذاتی کام کی وجہ سے خالد کو اس سرد رات میں گرم گرم بستر کی راحت قربان کر کے نہ جانے کہاں کہاں بھٹکنا پڑ رہا تھا حالانکہ یہ بات مشکل بخش تھی کہ میں نے اسے اپنے کاغذات لانے پہ مجبور نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود ہی اس کام کے لیے روانہ ہوا تھا میرا کوئی قصور ہو سکتا تھا تو وہ صرف اتنا تھا کہ میں نے اسے روکنے کی کوئی مخلصانہ کوشش نہیں کی تھی!

میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو تین بج رہے تھے۔ یکایک میرے بدن کے سارے مساموں کے دہانے کھل گئے اور

میں سسکیاں بھینچ کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

باہر گلی میں مکمل ویرانی کا راج تھا۔ قریب کہیں آوازیں بھی بہت دیر سے نہیں سنائی دے رہی تھیں۔ خالد واپسی میں اتنی دیر نہیں لگا سکتا تھا۔ وہ جہاں گیا تھا وہاں سے واپسی کے لیے اتنا وقت ضرورت سے زیادہ تھا۔ وہ یقینی طور پر کسی دشواری کا شکار ہو گیا تھا۔

یہ خیال ذہن میں آتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں اس گنجان آباد علاقے میں ایک بند مکان میں قید تھا۔۔۔ جہاں لوگ معمولی معمولی باتوں کو بھی شبہ سے دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ وہاں سے نکلنے کا ایک ہی راستہ تھا جو خالد نے میرے تحفظ کے خیال سے باہر سے مقفل کر دیا تھا۔ اگر خالد کو خدانخواستہ کچھ ہو جاتا تو میرے لیے دروازہ کھول کر باہر نکلنا ناممکنات میں سے تھا اور دروازہ توڑنے کی کوشش کا نتیجہ یہ تھا کہ میں اس علاقے کی پوری آبادی کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا اور جب میں شدید مشقت کے بعد دروازہ توڑ کر باہر نکلتا تو سیکڑوں مشتبہ آمیز نظریں میرے جسم میں پیوست ہو جاتیں اور ان کے سوالات میری توقعات کے برخلاف مسلط کر دیتے اور اگر استقبالی ہجوم میں پولیس بھی موجود ہوتی تو مجھے آہنی زنجیروں سے خوفناک حبس بے جا کے ساتھ زندانوں کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا جاتا۔ جہاں سے میری رہائی ناممکن تھی کیونکہ مجھے سزا اب زندگی کے لیے... پولیس کو کسی نئی فرد جرم کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ میرے خلاف میکفرسن اور ڈونالڈ کے دوہرے قتل کے الزامات پہلے ہی ریکارڈ پر موجود تھے اور میں ان کا مفرور مجرم تھا۔ میکفرسن اور ڈونالڈ کا خون آسیب بن کر میرے سینے میں انتقام کا پیچھا کر رہا تھا۔ میں ماضی کو فراموش کر کے ایک نئی زندگی کا آغاز کرنا چاہتا تھا مگر وہ آسیب گردن دبوچ کر بار بار مجھے کھینچ لینے پر تلا ہوا تھا۔

اس مکان میں ٹیلی فون کی کمی کا شدید احساس مجھے اسی وقت ہوا۔ اگر وہاں فون موجود ہوتا تو میں سفارت خانے کا نمبر ملا کر ان سے بات کر سکتا تھا۔ وہ میری پریشانی کے پیش نظر ہر ممکن تعاون کرتا اور کسی موثر بندوبست کر سکتا تھا مگر اس وقت میں اس سہولت سے محروم تھا۔

میں نے اضطراری طور پر مقفل دروازے پر ہاتھ ڈالا۔ اپنی جگہ پر سانس سادھے کھڑا تھا۔ خالد عبدالفتاح بہت محتاط فرض شناس آدمی تھا۔ پریشانی کے عالم میں باہر جاتے ہوئے وہ مہمان کی حفاظت کے پیش نظر دروازہ مقفل کر گیا تھا مگر خود کو ہولناک اور خطرناک خطرات میں گھرا ہوا۔۔۔

کے ہی خالد عبدالفتاح اور اس کی دشواریوں کو بالکل بھول گیا تھا لیکن ایک حاسد وہ مستقل دروازہ ہی تھا جو مجھے اپنے محسن کی یاد دلا رہا تھا۔

کمرے میں جو تھوڑے تھوڑے وقفے سے ابھرنے والی سردی کی شدید لہروں کے باوجود میرا جسم ٹھنڈے ٹھنڈے پسینوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ میری سانسوں کا آہنگ بکھرا بکھرا سا تھا اور دل اپنی پوری قوت کے ساتھ پوری کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔

میرے لیے وہ زندگی کا بدترین اعصابی بحران تھا۔ میں ناہموار قدموں سے کمرے میں مسلسل ٹہلے جا رہا تھا پھر اچانک مجھے وہ پستول یاد آیا جو میرے سوٹ کیس کے نیچے کا بچا ہوا تھا۔ میں اس کے ایک کونے میں کوئی چیز رکھ کر اسے ہاتھ میں لے کر جب میں نے لپک کر وہ مہلک آتشیں ہتھیار نکال لیا۔

اس پستول کی نال پر سائلنسر چڑھا ہوا تھا جو دھماکے کی آواز کو بڑی حد تک تحلیل کر سکتا تھا مگر گولی کی بے پناہ شدت کو معدوم کرنا اس کے بس سے باہر تھا اور وہ بستی ویسے بھی پر سکون کے خمار کی بستی تھی جہاں میں صبر آزما ہنگامہ آرائی سے سامنے تھے میں ان کی بھی تجربہ کار شخص کھلے کے ساتھ بلی دبی کو بیچ سکتا تھا کہ قریب ہی کوئی گولی چلائی گئی ہے اور بارود کی بو کا زائل ہونا لاعلاج ہی نہیں تھا۔

میں نے ایک بار پھر دروازے کا جائزہ لیا اور یہ دیکھ کر مجھے شدید مایوسی ہوئی کہ دروازے میں جو قفل نہیں تھا بلکہ اس میں باہر سے کنڈی لگا کر سٹکنے والا تالا لگایا تھا یعنی تالا توڑنے کے لیے پستول بھی بے کار تھا۔

اندرونی کمرے کی عقبی دیوار میں چھت کے قریب ایک روشندان تھا جو بٹ اکھاڑنے کے بعد بھی کسی آدمی کی نکاسی کے لیے ناکافی تھا پھر بھی میں نے مختلف اشیاء رکھ کر اوپر تلے رکھ کر ایک مصنوعی سیڑھی بنائی اور روشندان سے باہر جھانکا تو اس طرف بھی مکانوں کی عقبی دیواریں ہی تھیں جن کے دروازے بھی اسی سمت میں کھلتے تھے اور ادھر ایک گلی بھی تھی لیکن روشندان کو بڑا کرنے کے لیے دیوار پر لگائی جانے والی پہلی ضرب ہی لوگوں کو اس طرف متوجہ کر دیتی۔

مجھے تشویش اور اضطراب کے عالم میں رات کے پانچ بج گئے مگر میں نکاسی کی کوئی راہ تلاش نہ کر سکا۔ خالد بدستور غائب تھا اور حقیقت تو یہ ہے کہ پاسپورٹ اور کاغذات کو لانے کے بعد میں اس کی واپسی کی طرف سے مایوس ہو چکا تھا۔

رات بھر کے سکوت کے بعد گلی میں کسی گاڑی کے انجن کا ابھرتا شور سنائی دیا تو میں چونک کر پھر کھڑکیوں کے ساتھ ٹہلنے لگا۔ بسوں کی گڑگڑاہٹ کی آوازوں نے صورت حال واضح کر دی وہ شاید

ڈیری فارم کی مگر گدھا گاڑی بیٹھانے والی گاڑی تھی جو رک رک کر بڑھتی رہی اور آخر کار اس کی آوازیں معدوم ہو گئی۔

رفتہ رفتہ گلی میں لوگوں کی آمدورفت شروع ہو گئی۔ قریب و جوار کے مکانات سے بھی لوگوں کے بولنے اور بچوں کے رونے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

گلی میں چہل پہل شروع ہونے کے بعد توڑ پھوڑ کرنے کا موقع نہیں تھا۔ پھر بھی میں نے تیسری بار غور سے دروازے کا جائزہ لے ڈالا۔ اس بار میں نے توڑنے کے بجائے دروازے کو اکھاڑنے کے امکانات کا جائزہ لیا جو نہ ہونے کے برابر تھے۔

میں جانتا تھا کہ کم از کم اگلے سولہ گھنٹے تک مجھے اسی طرح قید رہنا ہو گا۔ رات کو گلی میں سناٹا ہونے کے بعد ہی میں کوئی کارروائی کر پاتا جس کا فیصلہ قبل از وقت ہی ناممکن تھا۔

تھک ہار کر میں بستر پر گر گیا۔ نیند کا کوسوں دور پتا نہیں تھا مگر رات بھر کی بے خوابی کے باعث میری آنکھوں میں شدید سوزش ہو رہی تھی۔ میں نے روشنی گل کر کے سکون کی غرض سے اپنی آنکھیں موند لیں۔

یہ کیفیت خاصی دیر برقرار رہی پھر اچانک مجھے ایک تجویز سوجھی جس پر احتیاط سے عمل کر کے میں بارہ چودہ گھنٹوں میں اپنی رہائی کی صورت پیدا کر سکتا تھا۔

کمرے میں روشنی کر کے میں نے وہ چھریاں، خالد کے بیٹے کا راڈ، ایک ٹانکا، چند ایک ٹیڈا اور دوسری دھار والی چیزیں تلاش کیں اور انہیں بچھا کر دروازے کے قریب بیٹھ گیا۔

اس چوبی دروازے کی موٹائی بہت زیادہ نہیں تھی اور میں اسے چھیل چھیل کر اتنا کمزور کر سکتا تھا کہ رات میں کسی بھی وقت احتیاط سے اسے توڑ کر باہر نکل سکوں۔

اپنے کام کے آغاز کے لیے میں نے فریم کے نچلے حصے میں جڑے ہوئے تختوں کے ڈیڑھ فٹ چوڑے اور اسی قدر لمبے ٹکڑے کا انتخاب کیا اور چھری کی دھار سے لکڑی چھیلنی شروع کر دی۔ اس کام کی ابتدا کرتے ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ جوتی کے بجائے وہ زبانوں سے چٹانوں کو چاٹ چاٹ کر سنگریزوں میں تبدیل کرنے کے مترادف تھا۔ میرا کام بھی اسی طرح طویل اور صبر آزما تھا مگر مجھے یقین تھا کہ اس کا نتیجہ حوصلہ افزا ہو گا۔

لکڑی کے چھوٹے چھوٹے اور پھر قدرے بڑے ٹکڑے میرے سامنے فرش پر جمع ہوتے گئے ان کی بتدریج بڑھتی ہوئی مقدار دیکھ کر مجھے خاصی تقویت ہو رہی تھی۔

گیارہ بجے تک میری کارکردگی بہت بڑھ گئی۔ ستائش کی ایک راہ نظر آ جانے کے باعث فطری تقاضے بھی عود کر آئے اور میں نے

سوچ کر بستر پر دراز ہو گیا کہ تھوڑے سے آرام کے بعد ہی رات بھر تازہ دم رہ کر کام کر سکوں گا اور پھر مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کوٹھری سے نکلنے کے بعد حالات غیر یقینی ہوں گے اور شاید پھر طویل عرصے تک نیند تو درکنار، آرام کے بارے میں بھی نہ سوچ سکوں گا۔

ذہنی دباؤ کم ہونے کے سبب مجھے جلد ہی نیند آ گئی لیکن پھر جلد ہی مجھے ہڑبڑا کر بیدار ہونا پڑ گیا۔ چند ثانیوں تک تو میں کچھ سمجھ ہی نہ سکا کہ دل کیا ہو رہا تھا مگر پھر ساری بات واضح ہو گئی کوئی زور زور سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔ ساتھ ہی باہر سے کوئی شخص شاید مقامی زبان میں کچھ پکار بھی رہا تھا۔

وہ آواز اور دستک قطعی طور پر غیر دوستانہ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اندر سے جواب نہ ملنے پر وہ دروازہ توڑنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔

ذرا ہی دیر میں نیند کافور ہو گئی اور میں سرہانے سے پستول اٹھا کر دبے پاؤں سہمتا ہوا دروازے کے قریب پہنچ گیا۔

مجھے حیرت اس بات کی تھی کہ باہر تالا موجود ہونے کے باوجود دستک دینے والوں کو امید کیونکر ہوئی کہ انہیں اندر سے جواب مل سکے گا ـــــ ان کے اس رویے کا بظاہر ایک ہی جواز ہو سکتا تھا کہ خالد عبدالفتاح نہ صرف ان لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا تھا بلکہ اس نے زبان بھی کھول دی تھی۔ تالے کی چابی شاید مقابلے کے دوران خالد سے کہیں گر گئی ہو گی۔ اسی لئے ان لوگوں نے جوشیلے دستکوں کا سلسلہ شروع کیا تھا ورنہ وہ تالا کھول کر براہ راست اندر آ گئے ہوتے۔

دروازے پر دستکوں کا تسلسل برقرار تھا۔ چیخنے والے کی آواز میں غراہٹ پیدا ہو چکی تھی۔ اور میں پستول سنبھالے دروازے کی اوٹ سے کسی بھی لمحے فائر کرنے کے لئے تیار تھا۔

میں مقفل دروازے کی اوٹ میں پستول سنبھالے بدترین صورت حال سے نمٹنے کے لیے تیار تھا۔ سیدھے تنے ہوئے اعصاب میں سمایا ہوا تناؤ مخالف کے سینے میں فوراً اتر چکا ہوتا۔

دوسری طرف چوبی دروازے پر تیز دستکوں کا سلسلہ بھی بلا توقف جاری تھا۔ ساتھ ہی ایک بھاری مردانہ آواز کی غراہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا ترکی میں کہہ رہا تھا لہٰذا اس کا ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑ رہا تھا۔

یہ تمام سلسلہ بمشکل ایک منٹ سے بھی کم عرصے تک جاری رہا۔ پھر یک بیک موقوف ہو گیا مگر اس وقت میرے لیے وہ قلیل سی مدت صدیوں جیسی طوالت اختیار کر گئی تھی۔

دستکیں جاری تھیں تو میرا دل پسلیوں میں دھڑک رہا تھا۔ خاموشی طاری ہو گئی تو یوں محسوس ہونے لگا جیسے میرا دل سینہ پھاڑ کر سینے سے باہر آ جائے گا۔ سکوت کے باعث باہر والوں کی گفتگو کا اندازہ لگانا دشوار ہو گیا تھا۔

میں چونکہ دروازے سے بالکل چپکا ہوا کھڑا تھا۔ لہٰذا دوسری جانب ہونے والی سرگوشیاں سن لینے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ دو یا تین افراد تھے۔ پھر آہنی کنڈے سے بندھے تالے کی حرکت کرنے کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ شاید متعلقہ افراد دستکوں کے آغاز کے بعد ہی ان میں سے کسی کو دروازے کا جائزہ لینے کا خیال آیا تھا اور تالا دیکھنے کے بعد وہ متعجب و شرمسار ہو گئے تھے۔

تالے کی کھڑکھڑاہٹ کچھ دیر تک جاری رہی اور جب ہی وہ آواز موقوف ہوئی کنڈی کھسکا دی گئی اور پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ پٹ کھلنے پر میں اس کی اوٹ میں آ گیا تھا۔ میرے ہاتھ میں پستول تیار تھا لیکن دروازے سے گزر کر فرش پر پڑنے والی روشنی پھیلتی ہوئی تھی مگر اندر آنے والا اپنے سامنے کی بنا پر میری نظر میں نہ آ سکے۔

فرش پر چند ثانیوں تک روشنی کا ہیولا رہا پھر اسی روشنی میں کسی دراز قامت شخص کا لمبا سا سایہ پڑنے لگا۔ وہ جو کوئی بھی تھا دروازے کے سامنے چند ثانیوں تک رکا رہا۔ اس کے دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں تھے اور وہ ہر خیال نظر آ رہا تھا۔ اس مشاہدے نے مجھے الجھن میں ڈال دیا۔

پھر وہ محتاط انداز میں چلتا ہوا اندر آ گیا۔

دروازے کی اوٹ سے نکل کر وہ میری نگاہوں کے سامنے آیا تو اس کی کھوپڑی کی پچھلی سمت کے علاوہ ہر طرف گھوم رہی تھی۔ کمرے کے وسط میں پہنچ کر وہ جیسے ہی پیچھے کی طرف پلٹا تو اس کی آنکھیں حیرت سے کشادہ ہوتی چلی گئیں۔

"اسی طرح کھڑے رہو۔" میں نے تیز سرگوشیانہ آواز میں کہا۔ میرے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کی نال اس کے سینے کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ "ہاتھ اٹھانے کی ضرورت نہیں۔"

میری دھمکی سنتے ہی وہ اپنی جگہ منجمد ہو گیا۔ وہ کوئی درمیانی عمر کا دراز قامت مقامی تھا۔ اس کی وضع قطع سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وقت پڑنے پر وہ کسی بدترین مجرمانہ کارروائی سے بھی گریز نہیں کرے گا۔

اس کی حالت میں تیزی سے تبدیلی آئی۔ شاید باہر والوں کو شبہ ہو گیا تھا اور اس نے ترکی میں کچھ دریافت کیا۔ میں نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر پستول کی نال کو سختی سے جھٹکا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرا مخاطب خاموش تکتا رہ گیا۔

اس نے ہاتھ گرانے سے رک کر جس طرح میری ہدایات پر عمل کیا تھا اس سے ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ انگریزی سے نابلد نہیں تھا۔

"اپنے ساتھیوں کو بھی اندر بلاؤ۔" میں نے درشتی سے لہجہ استعمال کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

"باہر میرا صرف ایک ساتھی ہے۔" اس نے پہلی بار پُراعتماد لہجے میں زبان کھولی۔ "اور وہ اندر نہیں آئے گا۔"

میں نے لات مار کر دروازہ بند کر دیا۔ اس بار میں اس سے چوکنی نگاہ نہیں ہٹا رہا تھا۔

باہر والے نے فوری طور پر زور لگا کر دروازہ کھولنا چاہا مگر میں نے اسے کامیاب نہ ہونے دیا بلکہ دھمکی بھی دے ڈالی کہ اس نے کوئی دخل اندازی کی کوشش کی تو اس کا ساتھی مشکلات سے دوچار ہو جائے گا۔

"تم مجھے صرف اتنا بتا دو کہ تم کون ہو؟" میرے قیدی نے بیان بازی سے احتراز کرتے ہوئے مصالحانہ لہجے میں کہا۔

"سوال کرنے کا حق صرف فاتح کو ہوتا ہے۔" میں نے بغور اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"اس وقت ہماری مساوی حیثیت ہے۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولا۔ "میں تمہارا قیدی ہوں اور تم عملاً میرے ساتھی کے قیدی ہو۔ مجھے نقصان پہنچا کر تم بھی یہاں سے زندہ سلامت نہ نکل سکو گے۔"

"تم یہاں کس کی تلاش میں آئے تھے؟" میں نے اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے اپنی جرح کا آغاز کر دیا۔

"میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا مگر مجھے صرف اتنا بتا دو کہ تم کون ہو؟"

"کالا چور ہوں۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "کیا اس سے کوئی فرق پڑتا ہے!"

اس نے گھور کر مجھے دیکھا پھر سنبھلا اور کہا: "مجھے تمہارے تجربے سے دلچسپی نہیں ہے۔ میں صرف اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ تم خالد کے دوست ہو یا دشمن!"

"اگر میں دشمن ہوں تو کیا ہو گا؟"

"پھر تو راہیں مختلف ہوں گی اور میں بھرپور مدافعت کروں گا۔" اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"لیکن اگر تم خالد کی دوستی کے دعویدار ہو؟" میں نے قدرے نرم لہجے میں کہا۔ "اچھا! اس دعوے کے ثبوت میں کیا پیش کرو گے؟"

"اتنا ہی کافی ہے کہ میں خالد کی اس خفیہ پناہ گاہ سے واقف ہوں۔" اس نے کہا۔ "یہ کوٹھری میری معرفت ہی کرائے پر لی گئی تھی۔ البتہ تمہیں اپنی دوستی ثابت کرنی دشوار ہو گی۔"

میں نے اس کے چہرے پر سچائی کا اعتماد دیکھ کر اپنے پستول کی نال جھکا لی۔ "سب سے بڑا ثبوت تو یہی ہے کہ میں اس مکان میں موجود ہوں مگر خالد کی گرفتاری کی کوشش میں مصروف تھے۔" اس نے مسکرا کر پچھلے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بظاہر تم یہاں قید تھے۔"

"خالد میری حفاظت کے خیال سے باہر سے دروازہ مقفل کر کے گیا تھا۔" میں یہ کہتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"اندر خیریت ہے رافونی؟" میرا اشارہ بھانپ کر اس نے بلند آواز میں انگریزی میں کہا۔ "خاموشی سے اندر چلے آؤ۔"

میں نے دروازہ کھولا تو وحشت زدہ چہرے والا دوسرا نوجوان سر جھکائے اندر آ گیا۔ اس کی چرمی جیکٹ کی پھولی ہوئی جیب میں پستول کی نال کا ابھار صاف نظر آ رہا تھا۔

"خالد کہاں ہے؟" رافونی کے ساتھی نے دروازہ بند ہونے کے بعد مجھ سے سوال کیا۔ وہ کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ پی رہا تھا۔

"میں خود پریشان ہوں۔ اسے یہاں سے گئے ہوئے نو گھنٹے سے زیادہ گزر چکے ہیں جبکہ اسے دو تین گھنٹوں میں لوٹ آنا چاہیے تھا۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "کہیں وہ کسی دشواری میں نہ گھر گیا ہو۔"

"تم نے بڑی خبر سنائی۔" رافونی مایوسانہ انداز میں جوتے کی نوک سے فرش کریدتے ہوئے بولا۔ "ہم اسے خطرات سے آگاہ کرنے ہی آئے تھے۔"

"خطرات سے وہ باخبر تھا، ورنہ اس گنجان بستی میں یوں چھپ کر گوشہ نشینی اختیار کیوں کرتا۔" میں نے بالواسطہ انداز میں انہیں کریدا۔

"رافونی نئے خطرات کی بات کر رہا ہے۔" دوسرا بولا پھر جھجک کر سوال کیا۔ "تمہارا نام کیا ہے اور تم کب سے خالد کے ساتھ ہو؟"

"میرا نام گوڈان برونک ہے۔" میں نے کہا۔ "کل ہی خالد سے ملاقات ہوئی۔"

"مجھے ایشلے کہتے ہیں۔" اس نے اپنا تعارف کرایا۔ "تم شاید خالد کے طویل انتظار سے اکتا کر فرار کا منصوبہ بنا رہے تھے؟"

"مجھے اس کی سلامتی کی فکر لاحق ہے۔" ایشلے کے جواب میں میں نے منہ بنا کر کہا۔ "میں باہر نکل کر اسے تلاش کرنا چاہ رہا تھا۔"

"باہر اس کا نام بھی نہ لینا۔" رافونی جلدی سے بولا۔ "کل رات سے اب تک سات آدمی اغوا کئے جا چکے ہیں۔ انہیں کسی نامعلوم مقام پر لے جا کر بری طرح زدوکوب کیا گیا اور پھر شہر کے مختلف علاقوں میں پھینکوا دیا گیا۔"

"ان کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ خالد کے دوستوں میں سے تھے۔ اغوا کرنے والے تشدد کے ذریعے ان سے خالد کا پتہ معلوم کرنا چاہتے تھے۔" ایشلے نے رافونی کی بات اچک کر جلدی جلدی کہا۔

"اغوا کرنے والے کون تھے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہمیں تو سب سے بڑی خبر یہ ہے کہ انہیں علارام بھاری کا نام لے کر تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور ان ساتوں میں سے کوئی بھی رہائی کے بعد پولیس کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کر سکا۔" رافونی نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"علارام بھاری تو کوئی عورت معلوم ہوتی ہے۔" میں نے سادگی

سے کہا۔

ان دونوں نے ایک دوسرے کو یوں دیکھا جیسے انہیں میرے سچ اللہ بانی ہونے پر شبہ ہو۔ چھوٹا جیلے سے اعتماد ہی سے بولا۔ "تم اس نام سے واقف نہیں ہو؟"

میں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔

"پھر تم کوئی شریف آدمی معلوم ہوتے ہو۔" راڈانی نے طنز سے مادر کہنے میں "مادام ابھی تاحیات ہی کی۔" وہ یورپ کے نام جرائم پیشہ افراد اس جرائم کا نام سے لوتے ہیں۔ اگر تم بار بار بریڈ میں و مٹیالے تو ابھی تعلق بھاتو ہماری لاڈلی ہوتی خبریں اپنے عکوں سے دہ سنتے۔"

"شاید تم ابھی ایسے کالا دیکھے بغیر دروازہ تو اپنے پہنچے ہو جو سے تھے۔" میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"خالد جیب سے یہاں آیا ہے۔ دن کے اجالے میں اندر بیٹھا رہتا ہے۔ روز مرہ عزیزیات کی چیزیں خریدنے بھی غروب آفتاب کے بعد نکلتا ہے۔ اس لیے ہم نے کی بار دھیان نہیں دیا مگر اندر سے جواب دیا کر کبھی بہت بس ہونے لگی۔ اگر ناکے پر ہر وقت نظر پڑ جاتی تو شاید ہم دروازہ توڑ دیتے۔" ایشلے نے کہا۔

"تم خالد کے لیے کب سے کام کر رہے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"ہماری دوستی پرانی ہے۔ لیکن باقاعدہ کام مختصر پر اسی دور سے کام شروع کیا ہے۔ جب دو روز وہ یہاں آیا تھا۔"

"اس سے پہلے بھی اس سے یہاں ملے تھے؟"

"کئی بار۔" ایشلے کا جواب مختصر تھا۔

"پھر اب اس کے بارے میں کیا کیا جائے؟" میں نے تشویش آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"اگر وہ مادام بوارسی سکتا دہمنوں کے ہاتھ لگ گیا ہے تو اس کی تلاش میں وقت کی بربادی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ویسے تو پولیس بھی کسی وجہ سے اس کی گرفتاری کے وارنٹ لیے گھوم رہی ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"پولیس کو وہ کیوں مطلوب ہے؟"

"اسرائیلی سفارت خانے کی عمارت اور ایئر لائنز کے دفتر کی تباہی کے سلسلے میں فلسطینیوں پر شبہ کیا جا رہا ہے اور برسلز میں جب بھی فلسطینیوں کا ذکر آتا ہے پہلا نام خالد عبد المعتاح کا ہی آتا ہے۔"

"کیا اس شبہ میں صداقت ہے؟" میں نے اسے ٹٹولنے کی نیت سے سوال کیا۔

"صداقت" ایشلے اس سنجیدہ انداز میں ہنس پڑا۔ "جب تم ملو گے تو خالد ایسی کارروائی کی دوسری شکل بتاؤ گے جیسے یہاں فلسطینی ایسی ہمت کر بھی نہیں سکتے۔ خالد جو کچھ بھی کرتا ہے، اپنا اپنا کام کرکے کرتا ہے۔"

"تم دونوں خالد کی واپسی تک یہیں رکو گے یا واپس جاؤ گے؟"

میں نے پوچھا۔

"تم جانتے ہو کہ وہ رابطے میں کون ہے۔" ایشلے نے کہا۔ "پتا کہاں سے ملا؟"

"کیا اس نے نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟" راڈانی نے سوال کیا۔

"اس کا کوئی دوست کسی سفارت خانے میں ملازم ہے۔ اس کے گھر کا ارادہ کر کے یہاں سے نکلا تھا۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "ہم کو کے بعد انہیں صحیح صورت حال سے آگاہ کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ خالد کی تلاش میں سہولت ہو سکے۔"

"یہ تو شاید خطرناک جوڑ کے کام تو آ سکتا تھا مگر ہمارے یہاں ہے۔" راڈانی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"مادام بوارسی سے براہ راست ابتدائی جا سکے گیا ہے؟" میں نے کچھ سوچتے ہوئے ان دونوں سے سوال کر دیا۔

"شاید تمہارا دماغ چل گیا ہے۔" راڈانی جیسے تشخیص کر کے بولا۔ "مادام بوارسی کا نام پہلی بار سنا ہے۔ اس نے بہکی بہکی باتیں کیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر خالد مادام بوارسی کے شکنجے میں ہو تو تم لوگ اس کی طرف سے صبر کر کے بیٹھ جاؤ گے؟" میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"ہم اسے کوئی ہو سکتا ہے۔" راڈانی مایوسانہ انداز میں بولا۔ "اچھا کر لیا۔ اگر تم میں دم خم ہے تو تمہیں اجازت ہے۔"

"ضروری تو نہیں کہ تم مادام بوارسی کی کیا بہ خبر ہو۔ اس کے کسی آدمی سے بھی ابتدا کی جا سکتی ہے۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"ہم دونوں میں سے ایک ضرور احمق ہے۔" راڈانی جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "مادام بوارسی کو آج تک کسی نے دیکھا تک نہیں۔ لہٰذا اس سے براہ راست الجھنا ہی ناممکن ہے۔ مگر یہ دھیان رکھو کہ مادام پہلو میں کسی خونخوار شکاری کی طرح اپنے آدمیوں کا خیال رکھتی ہے۔"

"تم مجھے کسی ایسی جگہ لے جا سکتے ہو جہاں سے میں مادام بوارسی کے... ساتھ فون پر بات کر سکوں؟" میں نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" ایشلے نے سنجیدگی سے سوال کیا۔ وہ راڈانی کے مقابلے میں زیادہ سمجھدار نظر آ رہا تھا۔

"برسلز میں ہوٹل بورسس نامی عمارت میں کسی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

میری بات سنتے ہی دونوں کے چہرے پر حیرت سے بھر گئے۔

"ہوٹل بورسس تو مادام بوارسی کے آدمیوں کا گڑھ ہے۔ اس سے تم کب سے واقف ہو؟" ایشلے نے کہا۔

"ابھی مادام بوارسی کے نام سے ناواقف تھے اور اب اس کے ٹھکانے پر اپنے کسی شناسا کی موجودگی کی خبر دے رہے ہو۔" اس کا لہجہ طنزیہ آمیز تھا۔

"یہ سب مجھے نہیں معلوم۔" میں نے طوالت سے گریز کرتے ہوئے کہا۔ "ہوٹل بورسس میں خالد کا کچھ سراغ ضرور مل سکتا ہے۔"

"پہلے شاید تمہیں نہیں خبر راڈانی پر کوئی فون آیا۔ مگر ادا وہاں سے...

یہ بنیادی طور پر خالد کی کمال کی فراست تھی۔ تم ہم سے ہمارا ساتھ نہیں دو گے؟ میں صرف ایک فون کال کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم اس میں بھی مدد نہیں کر سکتے تو اپنا سر پیٹنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "بلکہ براہ راست بات کرنے میں جو امکانی خطرہ ہے اس کا بھی اندازہ ہے۔ کسی غیر متعلقہ شخص کے کانوں میں بات پڑ جانے سے ہم لوگوں کا ٹھکانہ بھی استعمال میں نہ آئے۔"

"چلو چلو کر باتیں مت کرو۔" راڈانی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "ہم لوگ اتنے گئے گزرے بھی نہیں ہیں کہ ایک فون کال سے ڈرنے لگیں۔"

"بڑی خوشی کی بات ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "زیر جلیں" ایشلے نے مزید کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف بڑھ کر میری مدد اس کا ساتھ دیا اور ہم تینوں باہر نکل آئے۔ راڈانی نے کنڈی لگا کر اپنی جیکٹ کی جیب سے تالا نکالا اور دروازہ باہر سے مقفل کر دیا۔

"فکر نہ کرو، وہ بہت بڑا تالا ہے۔" ایشلے میرے چہرے سے بھی جانب کر مسکرانے لگے ہوئے بولا۔ "خالد آیا تو اسے چابی سے با آسانی کھول لے گا۔ راڈانی کو قفل شکنی میں مہارت حاصل ہے۔ وہ تالوں کے معاملے کو بہت کم خراب کرتا ہے۔"

اس وقت شام کے چھ بجے تھے مگر مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے بند گلیوں میں خاصا دھندلکا پھیلا ہوا تھا۔ وہیں بستی کسمبرگ نے بھی کردار کی تھی۔ سرد ہوا اور اس کے باعث لوگوں کی آمد و رفت بھی بہت کم تھی۔ جو لوگ گھروں سے باہر تھے، انہوں نے بھی اپنا کام ختم کر کے گھر کا راستہ پکڑ رکھا تھا۔ ہمیں راستے میں پیدل چلنے کی عادت تھی۔ چنانچہ ہم تینوں کسی کی نظر میں آئے بغیر با آسانی اس کشادہ گلی میں پہنچ گئے جہاں ان لوگوں کی لانڈرنگ کی کار موجود تھی۔

"میں اپنے فلیٹ پر ہی لیے چلتا ہوں۔" راڈانی نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ پھر ایشلے سے مشورہ طلب انداز میں کہا۔

"وہاں سے کوئی فون ہو گی؟" ایشلے نے سوال کیا۔

"معلوم نہیں تو اسے ہی تلاش کر کے میں اسے سامنے کے کرایہ دار فلیٹ پر لے جاتا ہوں۔ اس کی واپسی تک انہیں بتانا ہو جائے گا۔"

"کیا تمہارے فلیٹ میں فون نہیں ہے؟" میں نے ایشلے سے سوال کیا۔

"وہاں فون کے ساتھ ایک عدد بیوی اور پانچ بچے اور بچوں کی فوج بھی موجود ہے۔" راڈانی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ابھی کچھ آپ جانتے ہیں میری ہر بات ماننے میں مگر اس کا کوئی علاج نہیں۔" ایشلے نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اسے ہر وقت کا بہانہ ہے کہ میں اس کی بیٹی کے علاوہ دوسری لڑکیوں سے بھی ملتا ہوں۔ ہم ادھر گئے تو وہ چیخ چیخ کر ساری باتیں سننے کا اہتمام کر کے گی۔"

"یہ نہیں تم لوگوں نے ساسی کو ٹھکانوں کی بدترین علامت کیوں بنا رکھا ہے؟" میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔

"کن لوگوں کی بات کر رہے ہو؟"

"تم برطانیہ یا شاید سارے سے بڑی سفید فام؟" میں نے کہا۔

"دراصل ہم لوگ ازدواجی زندگی میں بھی پیدائشی آزادی کے قائل ہیں اور ساسی اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوتی ہے اور پھر گھر بیٹھی ہر ساس یہی سمجھتی ہے کہ داماد کی صورت میں اسے ایک بلا معاوضہ خدمت گار ہاتھ لگا ہے جس کو اپنے تجربوں، دھونس اور دھمکی کا نشانہ بنانا اس کا پیدائشی حق ہے۔" ایشلے کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"تمہارا اصلی کس ملک سے ہے؟" اچانک راڈانی نے پوچھ لیا۔

"تارکین وطن کا کوئی ملک نہیں ہوتا اور ویسے میں برطانوی شہریت رکھتا ہوں۔" میں نے محتاط لہجے میں جواب دیا۔

"برطانوی پولیس اس معاملے میں زیادہ خطرناک ثابت ہوئی ہیں۔" ایشلے نے کہا۔ "شادی کے بعد تمہارا اندازہ ہو جائے گا۔"

سنتے ہوئے ہم تینوں سمیرو مافیت راڈانی کے فلیٹ پر پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے فلیٹ کا دروازہ مقفل تھا جس کا مطلب تھا کہ راڈانی کی بیوی بچوں کو کہیں لے گئی ہوئی تھی۔

صاف ستھرے فلیٹ کو دیکھ کر یقین کرنا خاصا دشوار تھا کہ راڈانی جیسے وحشت زدہ شخص کی رہائش ہو گی۔

راڈانی تینوں کے لیے وائن تیار کرنے لگا۔ اسی دوران میں ایشلے نے ٹیلی فون ڈائریکٹری سے ہوٹل بورسس کے نمبر تلاش کر لیے۔

"کیا ذکر یہ فون نہ ہو کہ تم وہاں کس سے اور کیا بات کرو گے؟" ایشلے نے ایک سادہ کاغذ پر تینوں نمبر لکھتے ہوئے سوال کیا۔

"سنتے رہنا۔" میں نے شکریہ ساتھ کہا۔

میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ نمبر ڈائل کیا تو دوسری گھنٹی پر ماؤتھ پیس میں ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

"ہوٹل بورسس؟" میں نے اس کے قطرے پر توجہ دیے بغیر سوال کیا کیونکہ وہ فرانسیسی زبان میں مخاطب ہوا تھا۔ "میں صرف انگریزی سمجھ سکتا ہوں۔" میں نے مادام بوارسی سے ہی رابطہ کرنا تھا۔

"ہاں، کس سے بات کرنی چاہتے ہو؟" دوسرے نے انگریزی میں سوال کیا۔

"میں پیرس سے بول رہا ہوں۔ مس شاہدہ سے ملا دو۔"

"شاہدہ سے بات کرنے کے لیے تمہیں لمبا پولا آن کرنا پڑے گا۔"

"تم اسے بلا دو میں دس منٹ بعد دوبارہ رنگ کروں گا۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام عمیر فرید کا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ کسی گمنام مرد سے بات کرنی پسند نہ کرے۔" دوسری طرف سے بولنے والے کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"وہ ڈان فرنانڈو کب سے کہتے ہو؟" میں نے اپنا ایک پرانا مفروضہ نام دہرایا جو شاہدہ کے لیے اجنبی نہیں تھا۔

اور وہ نام شاید میرے مخاطب کے لیے بھی اجنبی نہیں تھا۔ کیوں کہ مجھے ریسیور پر اس کی بے ساختہ تحیر آمیز آواز سنائی دی تھی۔

میں نے فوراً ہی فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"یہ کیا چکر چلا رہے ہو تم؟" ریسیور کریڈل پر رکھتے ہی میرے کانوں میں راڈولی کی تحیر آمیز آواز آئی۔

"اور یہ تم ڈان فرنانڈو کب سے ہو گئے؟" ایشلے نے بھی مجھے مہلت دیے بغیر سوال جڑ دیا۔

"شاہدہ میرے پرانے نام سے واقف تھی اور وہ مجھے ڈان فرنانڈو کے نام سے پہچانتی ہے۔" میں نے [illegible] گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔

"تو اب ڈان بروک کیوں ہو گئے ہو؟" راڈولی کے پاس اگلا سوال تیار تھا۔

"میرا اصل نام یہی ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "شاہدہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی تھی مگر میں اس سے پیچھا چھڑانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس وقت میں نے براہِ راست ڈائلنگ کی سہولت سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ [illegible] پتہ چل جاتا کہ میں یروسیلم میں ہی ہوں تو وہ میری تلاش میں شہر کا کونہ کونہ چھان مارتی۔"

"یہ تو تمہاری [illegible] موجودگی کا جواز ہو گیا۔" ایشلے وائن کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے بولا۔ "مگر تم خالد کے بارے میں اس سے کیا بات کرو گے؟"

"دیکھتے جاؤ، اس کی باتوں سے کوئی نہ کوئی راہ نکلے گی۔"

"شاہدہ کب سے ماما امپواری کے لیے کام کر رہی ہے؟" ایشلے نے اپنا گلاس خالی کرتے ہوئے [illegible] لہجے میں سوال کیا۔

"میں یہ سب نہیں جانتا۔ نہ مجھے یہ معلوم تھا کہ ہوٹل [illegible] امپواری کے کاروبار کا مرکز ہے۔ میں تو سمجھتا تھا کہ شاہدہ اس ہوٹل میں ملازمت کرتی ہوگی۔"

"کمال ہے کہ اتنی دوستی کے باوجود تم نے ادھر کا رخ نہیں کیا اور تمہیں معلوم ہو جاتا کہ وہ کیسے ہوٹل ہی میں رہتی ہے۔"

"جب روز خود ہی چلی آتی تھی تو میرے جانے کی کیا ضرورت رہ گئی تھی۔ پھر اس نے کبھی مجھے ساتھ چلنے کی دعوت دی نہ میں نے اصرار کیا۔"

"کیا وہ یقین کرے گی کہ تم یروشلم ہی سے بول رہے ہو؟"

"براہِ راست ڈائلنگ کے ہوتے ہوئے یقین نہ کرنے کی وجہ ہی نہیں ہے۔" میں نے [illegible] کہا۔ "اور پھر اس سے میری پہلی ملاقات بھی یروشلم میں ہوئی تھی۔ آخری ملاقات کے طور پر میں نے [illegible] پیرس کو منٹ سے کال [illegible] رکھا ہوا تھا۔"

دس منٹ بعد میں نے دوبارہ ہوٹل [illegible] کا نمبر ملایا تو وہ دونوں اجنبی اشتیاق کے عالم میں میرے قریب بیٹھے [illegible]

سلسلہ ملتے ہی جوں ہی میں نے شاہدہ کا نام لیا، ریسیور پر [illegible] کی [illegible] آواز سنائی دی۔ [illegible] مجھے!" وہ اردو میں بول رہی تھی۔

"میں تم سے شرمندہ ہوں۔" میں نے اردو ہی میں کہا۔ [illegible] ناقابلِ فہم زبان میں گفتگو شروع ہو جانے [illegible]

"تم نے مجھے [illegible] اپنی موجودگی کی خبر دے کر [illegible] سپاہی تھا، میرے آدمیوں نے تمہاری تلاش شروع کر دی [illegible] ورنہ ابھی تک میں یروسیلم ہی میں [illegible] تم ہی تم سے کیسے نکلے۔"

"ایک کار کو کنٹینر میں گھس کر [illegible] نکلا تھا۔ میں نے [illegible] ساتھ جو سلوک کیا، اس پر معذرت خواہ ہوں۔"

"تم نے میرے اعتماد کا خون کیا ہے۔" شاہدہ کی آواز [illegible] تھی۔ "مگر اب اس کمرے سے کوئی اس طرح [illegible] نکل سکے گا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم [illegible] کے بارے میں سوچنے لگی ہو۔"

"میں نے محبت تمہارے بارے میں [illegible] اور تم یقین کرو کہ [illegible] اب بھی تازہ ہے۔"

"ایک بھول سے آدمی کے لیے اس طرح [illegible] اپنی [illegible] برباد کر لو گی۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"معمولی آدمی مجھے یوں ترک پہنچانے کی [illegible]" اس کی آواز میں عجیب سی کسک [illegible] آئی۔ "میرا تو خیال تھا کہ [illegible] ایک مروت [illegible] تمہاری [illegible]"

"وقت سب کچھ بھلا دیتا ہے۔" میں نے کہا۔ "قدرت نے [illegible] بھول کے [illegible] سے نوازا ہے [illegible] آج دنیا [illegible] معمولی آدمی محض [illegible] سے ہی مر جاتے۔"

"یہ تمہارا فلسفہ ہے، میرا نظریہ مختلف ہے۔" اس کی آواز [illegible]

"بس تم میرے الفاظ یاد رکھنا!"

"کس انداز کا حوالہ دے رہی ہو؟"

"تمہیں اپنا لوں گی اور اگر نہ اپنا سکی تو کسی اور کا [illegible]"

اس کے لہجے سے عزم جھلک رہا تھا۔

"میں کوشش کروں گا کہ میری اور تمہاری راہیں [illegible]"

"مگر میں تمہارا پیچھا کروں گی۔" اس نے کہا۔ "اب بتاؤ [illegible] فون کیوں کیا ہے؟"

"بس معذرت کے لیے۔ اور وہ بھی یوں کہ میرے [illegible]" میں نے آہستہ سے کہا۔

"تم نے میرا [illegible] اپنی موجودگی کی خبر دے کر [illegible] اس لیے [illegible] کے ساتھ کہا۔

"کیا واقعی؟" میں نے [illegible] سوال کیا۔

"[illegible] یروسیلم میں [illegible] اس شخص کی شناخت آئی ہو [illegible] سے قریب [illegible] کوئی بھی اطلاع مل سکتی ہے۔"

"خالد کا اتفاق [illegible] تو تم نے [illegible] ہماری مدد ہو گی۔" میں نے [illegible] "[illegible] مجھے پہلے [illegible] پتہ ہوتا تو [illegible] کھیل بگڑ جاتا۔ اس کی تلاش خود [illegible] میرے آدمیوں کے ہاتھ نہیں لگ سکا۔ [illegible] کل رات اسے اسرائیلیوں نے پکڑ لیا ہے۔ تم چاہو تو اس کے لیے [illegible]"

"پھر بھی [illegible] کر [illegible] سکوں گا؟"

"یروسیلم آجاؤ، میں تمہاری مدد کروں گی۔" شاہدہ کی آواز میں ایک [illegible] اشتیاق [illegible] آیا۔

"تم سے [illegible] اخلاقی جرأت نہیں ہے۔" میں نے خوبصورتی [illegible] پیشکش ٹالتے ہوئے کہا۔ "ویسے خالد کہاں قید ہے؟"

"[illegible] کی قیام گاہ [illegible] تہہ خانے [illegible] گا۔"

"تم ہی اسے رہا کرا دو۔ تمہاری تو ویسے بھی اسرائیلیوں سے [illegible] ہے۔" میں نے [illegible] کسی قسم کی پیشکش کا اظہار کیے بغیر کہا۔

"میرا احسان مانو گے؟"

"میں تمہارا احسان مند تو اسی وقت سے ہوں جب تم نے کرنل [illegible] اسے اپنے [illegible] تھا۔"

"[illegible] احسان فراموش [illegible]"

"[illegible] جس شخص کے گھر سے فون کر رہا ہوں وہ اتنا ہماری [illegible] امداد کر سکے گا۔ میں نے اسے یاد [illegible] دوسرے ملک سے بول رہا ہوں۔"

"اپنا نمبر دو، میں رنگ کرتی ہوں۔"

[illegible] اس کی مکاری [illegible] ریسیور رکھ کر یہاں سے نکل جاؤں گا۔ یہ بتاؤ کہ تم خالد کے [illegible] کر رہی ہو؟"

"وہ زندہ ہو تو نصف گھنٹے میں رہا کرا دیا جائے گا [illegible] اور کچھ نہیں [illegible] آئندہ سامنا ہوا تو کم از کم تمہاری [illegible]" اس کی آواز میں [illegible] آئی۔

"شکریہ۔ پھر کبھی [illegible] تو فون کروں گا۔"

"میں شاید [illegible] یروسیلم چھوڑ دوں گی۔ آئندہ مجھے فون نہ کرنا۔ [illegible] خدا حافظ۔" میں نے اس کے الوداعی کلمات [illegible] ریسیور رکھ دیا۔

ریسیور رکھتے ہی ایک بے چین [illegible] اداس ہو گیا۔

"کیا [illegible] ہوئیں؟" ایشلے اور راڈولی نے تقریباً ایک ہی ساتھ سوال کیا۔

"خالد اسرائیلیوں کی قید میں ہے۔"

"[illegible]" راڈولی نے دہشت زدہ انداز میں [illegible] سوال کیا۔

[illegible] یہاں آیا ہوا ہے۔ خالد اس کی قیام گاہ پر قید ہے۔"

"تو پھر ہم یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہیں؟" وہ میرا بازو تھام کر مجھے تقریباً کھینچتے ہوئے غصے سے بولا۔

"بیٹھ جاؤ۔" میں نے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ ابھی تک زندہ ہے تو نصف گھنٹے میں آزاد کرا لیا جائے گا۔"

"کون آزاد کرائے گا؟" ایشلے نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"ماما امپواری کے آدمی یا شاہدہ کے دوست۔"

"یہ شاہدہ کیا بلا ہے؟"

"مجھے تو نہیں معلوم، ویسے موہوم سا وہ کہا ہے اس نے۔"

"تم کس زبان میں گفتگو کر رہے تھے؟" راڈولی نے پوچھا۔

"ایک قبائلی زبان تھی۔" میں نے اردو کے نام سے دانستہ گریز کرتے ہوئے کہا۔ "شاہدہ اس زبان میں بات کر کے خوش ہوتی ہے۔"

"میرے لیے تمہاری شخصیت بتدریج [illegible] ہوتی جا رہی ہے۔" ایشلے نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہوتی ہی جا رہی ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "کیوں کہ میں بھی جان [illegible] تمہارے ساتھ [illegible] چلا آ رہا ہوں۔"

"جس شخص کی فرمائش پر ماما امپواری کے کارندے کام کرنے لگیں وہ کوئی معمولی شخص نہیں ہو سکتا۔" ایشلے نے کہا۔

"میرے لیے تمہارے ان الفاظ کی کوئی اہمیت نہیں۔ [illegible] امپواری میرے لیے ایک نامانوس سا نام ہے۔"

"کیا فضول بحث لے بیٹھے۔" راڈولی نے دوسرا گلاس خالی کرتے ہوئے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "وہ لوگ کچھ کریں یا نہ کریں، ہمیں کرنل [illegible] کے مکان کا سراغ لگا کر وہاں جلد از جلد دھاوا بول دینا چاہیے۔"

"تم [illegible] کرو۔" ایشلے اٹھتے ہوئے بولا۔ "اسے چار گلاس سے آگے مت بڑھنے دینا [illegible] میں خالد کے مکان پر جاتا ہوں۔ اگر وہ ادھر پہنچا تو میں اسے ساتھ لے آؤں گا۔"

"چار گلاس کیا، میں بوتل بھی خالی کر دوں تو میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔" راڈولی نے [illegible] گلاس خالی کرتے ہوئے کہا۔ "میں ان [illegible] میں سے نہیں ہوں جو شراب کی [illegible] نشے میں [illegible] ہو جاتے ہیں۔"

"واپسی میں [illegible] کا خیال رکھنا۔" میں نے راڈولی کی [illegible] ایشلے سے کہا جو جاتے جاتے رک کر راڈولی کو گھورنے لگا تھا۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور راڈولی نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔

چند ثانیے تک وہ ہوں ہاں کرتے ہوئے کچھ سنتا رہا پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر مجھ سے بولا۔ "تمہارا فون ہے، کوئی لڑکی بول رہی ہے۔"

"لڑکی؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "یہاں کون سی شناسا پیدا ہو گئی؟"

"آواز سے نوجوان لگتی ہے۔" راڈولی ریسیور کو آنکھ مار کر بولا۔

"ہیلو" میں نے ریسیور سے کچھ گھٹی گھٹی آواز کے ساتھ کہا۔

"میرا اندیشہ درست ہی نکلا" میرے کانوں سے شاہدہ کی آواز ٹکرائی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ "اب فلیٹ سے نکلنے کی حماقت مت کرنا ورنہ چاروں طرف سے گھیرے میں آ جاؤ گے۔ میں خود ادھر آ رہی ہوں۔"

مجھ کو شبہ ہوا تھا میرے پیچھے وجود کو اپنی گرفت میں لے لیا کہ تم نے اپنے پیچھے پوری طرح قابو رکھا؟ تم کچھ نہیں یا کوئی اشارہ ہے۔"

"میری بات سنو" وہ جلدی سے بولی۔ "تمہاری دوسری فون کال کے وقت میں ایجنٹ کو تیار بیٹھا تھا اس نے دوسری بار ٹیلیفون سے آسانی سے معلوم کر لیا کہ تم جمیرو ویلر ایک جگہ پر نہیں بلکہ پیرس کے ہی ایک علاقے سے بات کر رہے تھے اور اس نے معروف طریقہ کار سے اسی فلیٹ کا پتا بھی لے لیا اور اب تک تمہارے دشمن بارہ آدمی اس عمارت کا محاصرہ کر چکے ہوں گے۔ لہٰذا کوئی غلط قدم مت اٹھانا۔ میں ہر حال میں تمہیں زندہ دیکھنا چاہتی ہوں۔" اس کا آخری فقرہ تاکیدی تھا۔

میں نے کچھ کہے بغیر ریسیور رکھ دیا۔ راڈنی اور اسٹیلے شاید میرے بشرے کی بدلی ہوئی کیفیات دیکھ کر صورتحال سمجھ چکے تھے۔

"جاگو ـــ چوٹ ہو گئی!" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا اور کوٹ کی داہنی جیب میں پڑے ہوئے پستول کے سرد آہنی دستے پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے تیزی سے نکاسی کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"خطرہ ہے تو راستے سے آ جاؤ!" راڈنی جلدی سے بولا اور میں فوراً ہی واپس آ گیا۔

کچن کا ایک دروازہ مختصر سی راہداری میں کھلتا تھا اور اس طرف تنگ زینوں کا سلسلہ بھی موجود تھا۔

ہم لوگ جونہی نیم تاریک زینوں کی طرف بڑھے، دیوار کی اوٹ سے ایک دراز قد شخص اچانک سامنے آ گیا اس کے ہاتھ میں سیدھا ہوا ریوالور موجود تھا۔

موت کو یوں اچانک سر پر منڈلاتے دیکھ کر اس وقت میرے وجود میں ناقابلِ یقین سرعت سرایت کر چکی تھی میں نے بجلی کے ساتھ سائیلنسر چڑھا ہوا پستول نکال کر سیدھا کیا اور لمحے میں سامنے ہونے والے کا سینہ پاش پاش کر دیا۔

پستول کے کھٹکے کی آواز کے ساتھ ہی وہ نامعلوم شخص لہرا کر سیڑھیوں پر گرا اور نیچے لڑھکتا چلا گیا۔ میرے پستول کی گولی نے اسے اس قدر سرعت سے موت سے ہمکنار کیا تھا کہ اسے چیخنے تک کی بھی مہلت نہیں ملی تھی۔

اس عقبی زینے پر ویرانی کا راج تھا یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے عمارت کے مکین مدت سے خاندان کا ادھر ہی استعمال کرتے

ہوں گے۔ یہ صورتحال ہم تینوں کے لئے حوصلہ افزا تھی ... کے ساتھ سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے نیچے جا پہنچے!

"کار کلئیر کر لو!" آخری سیڑھی پر ... سرگوشیانہ آواز سنائی دی اور اس ہدایت پر ... میرے لئے شاید یہ آخری الفاظ بہت اہم ... نے کہا تھا کہ وہ مجھے ہر قیمت پر زندہ دیکھنا چاہتی تھی ... اضطراری طور پر اپنی دلی خواہش کا اظہار کر دیا تھا اور ... تھا کہ اس نے اپنے آدمیوں کو بھی میرے بارے میں ... ہدایت کی ہوگی۔ ان لوگوں کی جھجک اور احتیاط ... میری کامیابی کا سبب بن سکتی تھی۔

پھر اس کہر آلود موسم میں کار کلئیر کر لینے کے ... شناخت بھی بہت دشوار ہو چکی تھی لیکن پھر بھی ... صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔

"چلئے!" عمارت کے عقبی دروازے سے باہر نکلتے ... راڈنی نے میرے کان کے قریب کہا اور میری نگاہیں ... اسی طرف اٹھ گئیں۔

کچھ گز کے فاصلے پر اس دروازے کے عقبی ... دیوار کے ساتھ سرخ رنگ کی ایک ٹو سیٹر کھڑی ہوئی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر موجود شخص بے فکری کے ساتھ سگریٹ پینے میں مصروف تھا۔ اس کے سر پر فلٹ ہیٹ ... کے باعث اس کے چہرے کے رخ کا اندازہ لگانا دشوار تھا ... اس نے سگریٹ کا کش لیا تو سگریٹ کے چمکتے ہوئے ... بنا پر پتہ چلا کہ وہ اسی دروازے کی طرف متوجہ تھا۔

"تم رکو ـــ میرا پستول بے آواز ہے!" ... کا ہاتھ جیب میں جیکٹ کی طرف جاتے دیکھ کر سختی سے ...

ہم لوگ عمارت سے نکل کر فٹ پاتھ پر آئے تو ... کا اوپر تھا۔ میں کچھ کہے بغیر سڑک عبور کر کے ٹو سیٹر کی طرف ... چلا گیا۔ ان دونوں نے بھی میری تقلید کی۔

ٹو سیٹر والے نے تین آدمیوں کو ... آتے دیکھا تو شاید بوکھلا گیا۔ اس نے دروازہ کھول کر ... کی کوشش کی مگر اس سے پہلے ہم تینوں اس کے سر پر ... اور میں نے سختی کے ساتھ دروازے پر بایاں ہاتھ رکھ کر ... دروازہ کھولنے سے روک دیا۔

اس سے پیشتر کہ میں اس کے ردعمل کا اندازہ ... کارروائی کرتا، میری پشت سے بجلی کی سی سرعت ... کا ہاتھ نمودار ہوا جس میں ریوالور کی نال دبی ہوئی ... ریوالور کا وزنی دستہ پوری قوت سے ٹو سیٹر والے ...

کنپٹی پر پڑا۔ اس کا جسم بیکار کی سیٹ سے اچھلا، اس کے حلق سے ایک ہی دبی دبی سی چیخ بلند ہوئی اور پھر اس کا بدن ڈھیلا پڑ کر سیٹ پر ڈھیر ہو گیا۔

اسٹیلے نے کار کا دروازہ کھول کر اس کے بے جان بدن کو سہارے سے دھکیلتے ہوئے باہر گھسیٹ کر فٹ پاتھ پر ڈال دیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ پھرتی کے ساتھ میں اور راڈنی دوسری طرف کا دروازہ کھول کر اندر گھس گئے۔ اسٹیلے نے کار اسٹارٹ کی اور کار تیزی کے ساتھ آگے بڑھتی چلی گئی۔

اس کار میں صرف دو نشستیں ہونے کی وجہ سے ہمیں خاصی دشواری ہوئی مگر اس وقت وہ مختصر سی کار بھی ہمارے لئے نعمت غیر مترقبہ تھی جو جس تیزی کے ساتھ اپنے دشمنوں سے دور لے جا رہی تھی۔

اس علاقے سے کافی دور نکل آنے کے بعد ایک پارک کے قریب وہ کار چھوڑ دی گئی کیونکہ زیادہ دیر تک اس میں گھومتے رہنے کی صورت میں ہمارا پکڑا جانا یقینی تھا۔

"یہ سب کیا ہے؟" سائٹ ڈور کا خاتمہ سمجھنے کے بعد اسٹیلے کو اچانک فرار کے اسباب جاننے کا خیال آ ہی گیا۔

"وہ لڑکی میری توقع سے زیادہ چالاک نکلی" میں نے نہایت بگڑے لہجے میں کہا۔ "اس نے مجھے باتوں میں لگائے رکھا اور اس کے کسی ساتھی نے ٹیلیفون ایکسچینج سے یہ معلوم کر لیا کہ میں پیرس کے ... سے ہی بات کر رہا تھا۔"

"مگر تم تو کہہ رہے تھے کہ وہ تمہاری دوست ہے!"

"دوست ضرور ہے مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ ملازم لوگوں کی ... ہوگی۔" میرا لہجہ بدستور جارحانہ تھا۔

"مگر ملازم لوگوں سے تمہاری کیا دشمنی ہے کہ تمہارا سراغ ملتے ہی اس کے آدمی راڈنی کے فلیٹ پر چڑھ دوڑے؟"

"شاید یہ بھی خالد سے واقفیت کا شاخسانہ تھا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ خالد بدستور خطرے میں ہے!"

"خالد کو چھوڑو ـــ سوزی کا کیا ہوگا؟" راڈنی چیختے ہوئے ... فلیٹ پر پہنچتے ہی سب سے پہلے خبر دیں ...

"ان ... باندھتے ہم دونوں کو بھی مشکل میں ڈال دیا" اسٹیلے نے ... بڑبڑایا۔

"تمہارا تو کچھ بھی نہیں بگڑا، میرا فلیٹ ان خونخوار درندوں ... آ گیا ہے پھر ان کا ایک آدمی مارا بھی گیا ہے ... ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے!"

راڈنی کا خوف بجا تھا۔ مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ میں نے اس بے چارے کو بدترین حالات سے دوچار کر دیا تھا۔

"تم اس وقت سوزی سے کہیں رابطہ قائم کر کے روک نہیں سکتے؟" میں نے جھجکتے ہوئے راڈنی سے سوال کیا۔

"وہ کہیں بھی ہو سکتی ہے، میں اسے کہاں کہاں تلاش کروں گا۔" راڈنی بہت زیادہ خوفزدہ نظر آنے لگا تھا۔ "اور ہو سکتا ہے کہ وہ اب تک فلیٹ پر پہنچ ہی گئی ہو!"

کافی دیر تک غور و خوض کے بعد بھی راڈنی کی پریشانیوں کا کوئی حل دریافت نہ ہو سکا اور آخر کار میں نے ایک بار پھر فون کا سہارا لینے کا فیصلہ کر لیا۔

راڈنی تو اس وقت ذہنی طور پر قطعی ناکارہ ہو کر رہ گیا تھا۔ ملازم لوگوں سے دشمنی کی دہشت نے اس کی ساری توانائیاں نچوڑ لی تھیں۔ اسٹیلے نے ابتدا میں میری تجویز سے اتفاق نہیں کیا مگر متبادل راستہ سامنے نہ ہونے کے باعث اسے میرا ساتھ دینا ہی پڑا۔

میں نے ایک ٹیلیفون بوتھ سے راڈنی کے فلیٹ کا نمبر ڈائل کیا اور کافی دیر کے بعد جواب پانے میں کامیاب ہو سکا۔

اسٹیلے باہر کھڑا قرب و جوار کی نگرانی کر رہا تھا اور راڈنی کسی دوسرے بوتھ سے سوزی کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم کون ہو؟ میں صرف انگریزی سمجھ سکتا ہوں۔" میں نے فون پر ابھرنے والی نسوانی آواز سننے کے بعد کہا۔

وہ شاید انگریزی سے بالکل ہی نابلد تھی۔ میں اپنی بات دہراتا رہا اور وہ رک رک کر اپنی بولی میں ... اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کسی کے مشورے پر جوابات دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

چند فقروں کے بے معنی تبادلے کے بعد دوسری طرف کسی نے فون لے لیا۔ اس بار ایک کرخت مردانہ آواز سنائی دی۔

"تم کون ہو ـــ؟"

"میں شاہدہ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"مسٹر ... ؟" اس کی آواز سے چونکنے کی حیرت نمایاں تھی۔ "تم نے کہاں فون کیا ہے؟"

"اگر تم اس کے آدمی ہو تو مجھے پہچان سکتے ہو، اس وقت تم لوگ شاید میری ہی تلاش میں سرگرداں ہو؟"

"ہولڈ کرو میں اسے بلاتا ہوں" وہ جلدی سے بولا۔

"ہیلو" چند ثانیوں کے بعد شاہدہ کی مترنم آواز سنائی دی۔ "اب شاید تم لندن سے بول رہے ہو؟"

"مطلب کس لڑکی نے فون وصول کیا تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"وحشت سے اس بے چاری کی آدھی جان نکلی ہوئی ہے" وہ بولی۔ "شاید اس کا دوست تمہارے ساتھیوں میں ہے!"

"کس دوست کی بات کر رہی ہو؟"

"لڑکی نے اس کا نام راڈنی بتایا ہے!"

"مجھے ایک محفوظ ٹھکانے کی تلاش تھی۔ میں نے لفٹ زنی کے لیے چند گھنٹے پیشتر اس فلیٹ کا انتخاب کیا تھا میں کسی لڑکی کو نہیں جانتا۔"

"یہ تو میں راڈنی سے ہی پوچھوں گی!"

"کیوں چلا رہی ہو بے گناہ لوگوں کو ڈرانے پر تلی ہوئی ہو؟"

"سنڈی بے گناہ ہے اور مظلوم ہے، اگر راڈنی کے بارے میں مجھے اطمینان ہو گیا تو اسے بھی معاف کر دوں گی۔"

"مجھے اس آدمی کی موت کا قلق ہے جو سٹیر جیمل پر میرے ہاتھوں مارا گیا۔"

"بڑی چال چل جاتی ہے تو سہیلی چھپے بیٹھا ہیں۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ وہ حق نمک ادا کرتے ہوئے مارا گیا۔"

شاہدہ کا لہجہ سرسری تھا۔

"میں خالد سے بات کرنی چاہتا ہوں!"

"وہ اب تک اپنے گھر پہنچ چکا ہوگا، جا کر مل لو اس سے!"

"تو تم نے اسے واقعی رہا کروا دیا۔۔۔؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"بہت سے الفاظ اٹل ہوتے ہیں ڈارلنگ!" اس نے ہنستے ہوئے لہجے میں کہا: "تم پر احسان کرنے کے ساتھ ہی میں نے کرنل ڈیوڈ کو بھی زک پہنچائی ہے۔۔۔۔۔ گمشدہ اسرائیلی نیا ترول کی ترسیل اسی کے ذمے تھی۔ ان میں سے تین گم کر دیے گئے ہیں۔"

"تم سے میرا واسطہ دن بدن عجیب رخ اختیار کرتا جا رہا ہے!"

"میں ایسا محسوس نہیں کرتی!"

"دشمنی کے باوجود یہ باتیں عجیب نہیں لگتیں۔۔۔؟"

"دشمنی" وہ ہنس پڑی: "دشمنی ہی تو شین مارگریڈ کے پاگل خانے سے ہوٹل ٹورسین تک کہیں بھی بآسانی مانے جا سکتے ہیں۔"

"چلتے چلتے میں بھی تمہیں ختم کر سکتا تھا، مگر تمہارے بیک نے ہی مجھے دوگنا رہنے پر مجبور کیا تھا۔" میں نے بھی اس پر اپنا ارادہ واضح کر دیا۔

"تم اب کدھر کا رخ کرو گے؟"

"جدھر بھی منہ اٹھ گیا۔" میں نے کہا: "میری کوئی منزل نہیں ہے!"

"منزل تمہارے قدموں میں ہے، تم ہی اسے ٹھکرانے پر تلے ہوئے ہو!"

"اس بار مجھے باتوں میں لگا کر تم میرا سراغ نہ لگا سکو گی!" میں نے کہا: "میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ تم... میں تو نہیں جانتا ہے کیونکہ مجھے اس تک ایک تم بات سے پہنچائی تھی۔"

"وہ انہیں اپنے ٹھکانے پر لے گا۔"

"اور وہاں سے کسے بتائے تمہارا سوال تیار رہے گا۔"

وہ پھر ہنس پڑی: "اتنا گھبراتے ہو تو وہ پیغام بھیج دو، تمہاری خاطر نامہ بری بھی منظور ہے۔"

"اس طرح تو شاید تم مجھے واقعی اسیر کر لوگی۔" میں بھی ہنس کر کہا: "بہر حال تم اس سے یہ کہلوا دینا کہ وہ سامراجیوں سے دور ہی رہے۔"

"عجیب سی بات کہہ رہے ہو!"

"زخم خوردہ اسرائیلی اس وقت بہت خونخوار ہو رہے ہیں۔۔۔ خالد دلیر مگر سادہ لوح ہے۔ اب ان کے شکنجے میں آیا تو بچ نہ سکے گا۔"

"تو آخر تم نے تسلیم کر ہی لیا کہ تمہاری ہمدردیاں فلسطینیوں کے ساتھ ہیں۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔ خالد میرا اچھا دوست ہے!"

"یہ کہتے بتانا بھی نہ بھولنا کہ کرنل ڈیوڈ سے تمہاری اصلیت پوشیدہ نہیں ہے!"

تھوڑی سی گفتگو کے بعد میں نے خوشگوار انداز میں فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

باہر آ کر جب میں نے ابیگیل کو بتایا کہ سنڈی فلسطینیوں کے قبضے میں تھی تو وہ پریشان ہو گیا مگر یہ سن کر مطمئن ہو گیا کہ نہ صرف سنڈی محفوظ تھی بلکہ راڈنی نے بھی بارہ گھنٹے کے جواب میں احتیاط سے کام لیا تو اس پر بھی کوئی آنچ نہ آئے گی۔

ہم دونوں وہاں کھڑے سگریٹ پیتے رہے۔ ابیگیل کو اس بیان پر یقین نہیں آ سکا کہ شاہدہ نے خالد کو رہا کروا دیا تھا۔ مجھے یہ بات عجیب سی محسوس ہو رہی تھی کہ جس مزاج کے گوریلوں کا شاہدہ نے بیان دیا تھا وہ مجھے ایک دوست کی رہائی دلوا رہے تھے مگر حقائق اپنی جگہ پیوستہ تھے۔ یہ بات خالد کی ذاتی تصدیق تک میں شاہدہ کے بیان پر پوری طرح یقین کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

چند منٹ بعد سنڈی شخص اور پریشان حال راڈنی بھی آ گئے۔ اس کے ڈھیلے ڈھیلے شانوں سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ حالات سے مایوس تھا۔

"کہیں نہیں گئی تھی" وہ ندی ہی سے مایوسانہ آواز میں بولا۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں، وہ خیریت سے ہے!" ابیگیل نے میاں صاف پا کر خوش دلی کے ساتھ تبصرہ کیا۔

"کہاں ہے؟" راڈنی کے ڈھیلے ہاتھ جیسے تھانے بچے رہ گئے۔

"اپنے فلیٹ میں تمہاری منتظر ہے۔ تم کیا اس سے بات کرنا چاہو گے؟" میں نے کہا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔" وہ بے اعتباری سے بولا۔

"یہاں کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟" ابیگیل نے اس کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"وہ انگریزی سے نابلد ہے اور ڈان ڈیوچ پاسپورٹ تم جانتے ہو، پھر ان دونوں کی بات کیسے ہو گئی۔" راڈنی اس وقت بے نوا کا دکی نظر آ رہا تھا۔

"ہم ایک سفر کی بات نہیں سمجھ سکے مگر ٹیلی فون کسی نے اٹھایا تھا یہ کہہ کر ہی سنا لیے۔ سنڈی کی خیریت سے آگاہ کر دیا ہے بھی سمجھا دیا کہ اسے سنا ڈیک آدمیوں کے نرغے میں پہنچ کر کیا رویہ اختیار کرنا ہوگا۔"

"ان جیوڈیوں کا سامنا بہت سے باہر ہے" شاید کے ساتھیوں کا ذکر آتے ہی وہ ایک دم بھڑک گیا۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ تم سے شرافت سے پیش آئی ہوگی" ابیگیل نے کہا۔

"شرافت!" اس نے حقارت سے دہرایا: "وہ تمہارے بچے چھپانے کے لئے تم سب ہی ہو۔ تم ان کا ایک آدمی بھیج کر جانتے مار بیٹھے ہو اور پھر بھی ان سے شرافت کی توقع رکھتے ہو!"

"تم نے ان سے مطالبے سے اتفاق کا اظہار کر لیا تھا ان باتوں سے نبھا کیا لینا ہے۔" ابیگیل نے اس کی پشت سہلاتے ہوئے کہا۔

"تم میری جگہ ہوتے تو پھر یہ پوچھتے۔" وہ مسکرا کر بولا: "مد کا تعلق اکیلا آسان کام نہیں ہے اگر سنڈی کا تعلق نہ لگتا ہوتا تو میں فلیٹ کی جانب جا رہا تھا۔"

"خالد سے تمہیں اتنا سارا نہ تو نہیں مل سکے گا۔"

"لند میرا تو بس گن کا ملنا ہے۔" راڈنی کسی طرح ملنے پر تیار نہیں تھا۔

پارک میں بیٹھے بیٹھے ہم اوس کی کاٹ برداشت کرتے رہے۔ ہم دونوں بھی اس کے ساتھ کافی دیر تک سر کھپاتے رہے، آخر راڈنی اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ وہ پہلی بار ابیگیل کے ساتھ اپنے فلیٹ جائے گا تا کہ دونوں مل کر صورت حال سے نمٹ سکیں۔

"اور تم کہاں جاؤ گے؟" ابیگیل کی سوالیہ نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

"میری فکر نہ کرو۔" میں نے ہنس کر کہا: "انسانوں کے سمندر میں کہیں نہ کہیں گم ہو جاؤں گا۔"

اس نے سوال کیا۔

"ضرور جائیے مگر میں کسی نئے پھندے میں گرفتار ہونا نہیں چاہتا۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔ "گردن تو میری ہی پتلی ہے۔ یہ راڈنی جیسے بچے ہی لڑا رہے پرانے جانے پہچانے پھندے بالکل ٹھیک فٹ بیٹھتے ہیں۔"

"اس وقت تم کسی چالاک بیوہ کی طرح نظر آ رہے ہو!" ابیگیل اس کی جھلاہٹ سے لطف اندوز ہونے لگا تھا۔

"اگر مجھے پتہ ہوتا کہ ڈان بے خبری میں مجھے دام الوہی کا چارہ بنا دے گا۔ تو میں صحیح کر کے اسے اپنے فلیٹ پر لانے کی حماقت نہ کرتا۔"

"حماقت ہو ہی گئی تو اب مردانگی کے ساتھ اس کے نتائج بھی بھگتو۔" میں نے کہا۔

"مردانگی کا نام نہ لینا صاحب" وہ میری طرف پلٹ کر بولا: "انفرادی مقابلہ ہو تو میں بڑے بڑوں کے چھکے چھڑا سکتا ہوں۔"

"جب ساری بات طے ہو گئی تو اب بحث کیوں کر رہے ہو؟" ابیگیل نے منہ بنا کر کہا۔

ان دونوں سے نہایت خطرناک انداز میں میری ملاقات ہوئی تھی مگر جلد ہی ان سے بے تکلفی بھی ہو گئی تھی۔ ان کے مزاج بالکل مختلف تھے۔ ابیگیل ٹھنڈے دل و دماغ کا آدمی تھا جبکہ راڈنی کی کھوپڑی میں بارود بھری ہوئی تھی مگر ان کا حسن سلوک قابل داد تھا۔

رخصت ہوتے ہوئے ابیگیل نے تو بڑے تپاک معانقے پر ہی اکتفا کیا مگر تیج کر راڈنی بغل گیر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

میں وہیں کھڑا ان دونوں کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا اور جب ان کے ہیولے شام کی سرمئی کہر میں معدوم ہو گئے تو میں سستانے کی غرض سے جھاڑیوں میں گھری ہوئی ایک بینچ پر جا بیٹھا۔

سردیوں کے ان ایام میں وہ پارک تو ویران ہی پڑا ہوا تھا بس کہیں کہیں چڑھتے خون کی گرمی کے سبب کچھ جوڑے مست خرامی کرتے نظر آ رہے تھے یا نہ جانے کے پھندوں کی چہکار میں بس آوارہ ہواؤں کا شور ہی سنائی دے رہا تھا۔

خالد عبدالفتاح سے ملاقات ہونے کے بعد میں بڑے مسئلے میں ایک بار پھر پھنس گیا تھا۔ وہ شخص میری سفری دستاویزات کے حصول کی نیت سے باہر نکلا تھا مگر شاہدہ کے بقول کرنل ڈیوڈ کے آدمیوں کے چنگل میں جا پھنسا۔ اس اطلاع کے بعد شاہدہ نے مجھے اس کی آزادی کی نوید مسرت سنائی تھی مگر مجھے پورا یقین تھا کہ مجھے دوبارہ گھیرنے کے چکر میں اس نے خالد کے گرد اپنے آدمیوں کا جال پھیلا یا ہوا ہوگا۔ لہٰذا میں ادھر کا رخ کر کے کوئی نیا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

خالد مجھے ڈان بریک کے نام سے مکمل سفری دستاویزات

کے ساتھ شمیم سے طے وار کرنا چاہتا تھا مگر حالات بتا رہے تھے کہ مجھے ہر پہلو سے بھی جبر قانونی طور پر بھی فرار ہونا پڑے گا۔

شام کے سائے دراز ہونے لگے تو مجھے [illegible] کی فکر لاحق ہوگئی۔ کھلے آسمان کے نیچے اس موسم میں رات بسر کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا لہٰذا میں [illegible] اور [illegible] پارک سے باہر نکل آیا۔

کچھ دیر تک ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد میں کسی [illegible] کے انداز میں ٹہلتا ہوا ایک..... [illegible] علاقے میں جا نکلا جو شہر کے دیگر علاقوں کی نسبت ہوٹلوں کا زیادہ ہجوم تھا۔

تھوڑی دیر کی [illegible] کے بعد میں ایک ایسا ہوٹل [illegible] کرنے میں کامیاب ہوگیا جہاں ایک [illegible] سی رقم دے کر رات گزاری جاسکتی تھی۔

ہوٹلوں کی بھیڑ میں بیٹھا ہوا وہ خاصا عجیب محسوس ہو رہا تھا مگر حالات کے تحت میرے لئے وہ ٹھکانا سب سے زیادہ محفوظ تھا۔

کمرے کے حصول کے بعد میں نے باہر ایک اسنیک بار سے [illegible] سرکی اور آٹھ بجے اپنے کمرے میں واپس مقید ہوگیا۔ [illegible] اور [illegible] کے بعد [illegible] تو میں جلد ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

کافی رات گئے اپنے دروازے پر تیز دستکوں کا شور سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ کوئی بے تابی کے ساتھ میرا دروازہ پیٹے جا رہا تھا۔

بستر پر پڑے پڑے اچانک میرا ذہن روشن ہوگیا۔ میرا سب سے پہلا خیال اپنے دشمنوں کی طرف گیا جو شہر میں ہر طرف میری تلاش میں تھے۔

"دروازہ کھولو..... پلیز دروازہ کھولو۔" اچانک باہر سے میرے کانوں میں دبی دبی سرگوشیانہ آواز آئی۔

اس سہمی سہمی نسوانی آواز میں نہ جانے کیا تاثیر تھی کہ میں نے فوراً ہی بستر چھوڑ دیا اور اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ پستول میرے ہاتھ میں موجود تھا۔

دروازہ کھلتے ہی سیاہ آنکھوں اور ریشم جیسی سنہری زلفوں والی ایک [illegible] لڑکی کسی خوفزدہ ہرن کی طرح اندر گھس آئی۔ اس کا سینہ کسی [illegible] کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا جیسے بہت دور سے بھاگتی ہوئی آئی ہو۔

اندر داخل ہوتے ہی اس نے پھرتی کے ساتھ دروازہ بند کردیا اور چوبی پٹ سے ٹیک لگا کر یوں گہرے گہرے سانس لینے لگی جیسے کافی دیر بعد اسے تازہ ہوا میسر آئی ہو۔

میں نے نظر بھر کر اس کا جائزہ لیا۔ تو [illegible] میں [illegible] رہ گئیں۔

وہ [illegible] کی وسعت سے زیادہ حسین تھی [illegible] جیسے گلابی رخساروں پر کچھ تازہ [illegible] خراشیں پڑی ہوئی تھیں [illegible] اس کی بڑی بڑی سیاہ [illegible] کے ساتھ ہی ایسی دہشت [illegible] رہی تھی جیسے [illegible] اچانک برباد ہوگئی ہو۔

اس کے جسم پر معمولی سا لباس تھا مگر [illegible] کے پیش نظر ایسے کسی طرح [illegible] شمار نہیں کیا جاسکتا تھا۔

"تم مجھے رات بھر کے لئے پناہ دے سکتے ہو؟" [illegible] میری طرف دیکھتے ہوئے معصومانہ [illegible]

"تم کون ہو اور کہاں سے آئی ہو؟" [illegible] کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے نرمی سے [illegible]

"[illegible]" وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ "میں [illegible] کمرے میں مقیم ہوں اور میرا نام وسیلا ہے" [illegible] بیگ سے ایک کاغذی رومال نکالا اور اس سے [illegible] چہرے کی خراشیں سہلانے لگی۔

"تم اکیلی ہو ....؟"

"نہیں ... ایک دوست کے ساتھ تھی مگر وہ [illegible] مجھے امید ہے کہ تم مجھے [illegible]"

"تم فکر نہ کرو ... میرا بستر تمہارے لئے حاضر ہے"

"نہیں نہیں" وہ گھبرا کر جلدی سے بولی "میں [illegible] فرش پر پڑ کر سو جاؤں گی"

"تمہارے چہرے پر خراشیں کیسی ہیں؟"

"[illegible] اگر مجھے [illegible] ساحت کا پروگرام نہیں بناتی" وہ [illegible] بولی۔

"تم یہاں بالکل محفوظ ہو ... شاید میں تمہاری کچھ مدد کرسکوں!" میں نے نرمی سے کہا۔

"ہم آج صبح ہی اٹلی سے جبرالٹر پہنچے ہیں" [illegible] اس کے [illegible] بہت شاندار [illegible] کا پروگرام بنایا مگر اس وقت وہ شراب کے نشے میں [illegible] اس پر بری طرح [illegible] سے نکل سکی ہوں!"

"[illegible] کہ اس نے تمہارا تعاقب نہیں کیا؟"

"وہ اس بری طرح [illegible]"

[illegible] سو جائے گی [illegible]

[illegible] جہاں ایک [illegible] چاہو تو میں اسے گھسیٹ کر یہاں لے آؤں، تم [illegible] رات گزار سکو گی!" میں نے پیشکش کی۔

"میں اب اس کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی" وہ جلدی سے بولی "جیسے ہی پو پھٹے گی میں [illegible] میلان روانہ ہو جاؤں گی"

"چاہو تو میں میلان تک تمہارا ساتھ دے سکتا ہوں" میں نے [illegible]

اس نے سر اٹھا کر حیرت سے میری طرف دیکھا مگر [illegible] دیکھ کر اس کی حیرت [illegible] ہوگئی۔

"تم بھی اٹلی جا رہے ہو؟"

"[illegible] مگر شاید [illegible] مگر تم مانو تو میں تمہاری مالی اعانت کرسکتی ہوں" اس نے [illegible] ہوئے کہا۔

"مالی اعانت نہیں، [illegible] تمام سفری کاغذات گم ہو گئے ہیں"

"تو [illegible] تمہارا تعلق کس ملک سے ہے؟"

"[illegible] شہریت ہے مگر بنیادی طور پر [illegible] ہوں" میں نے [illegible] نہایت اعتماد کے ساتھ [illegible] معاملے میں [illegible] کا نظام بہت سخت [illegible] جب تک [illegible] سے میری [illegible] کی اطلاعات کی تصدیق نہیں ہو جاتی [illegible] پاسپورٹ جاری نہیں کریں گے"

"اوہ" اس کے [illegible] ہونٹ [illegible] کے انداز میں سکڑ گئے "میرا خیال ہے کہ میں تمہارے لئے کچھ کرسکوں گی۔ تم [illegible] معلوم ہوتے ہو!"

"تم خود یہاں اجنبی ہو [illegible] کیا کر سکو گی" میں نے [illegible] انداز میں کہا۔

"[illegible] میرے باپ کا ایک قریبی دوست [illegible] سفارت خانے میں [illegible] کمشنر ہوا کرتا تھا۔ اگر وہ اب بھی [illegible] پاسپورٹ دلا سکتی ہوں"

یہ [illegible] میرا دل اچھل پڑا [illegible]

"اگر تم میرا یہ کام [illegible] ایک [illegible] سے اتر جائے گا"

"[illegible] ساتھ [illegible] چلیں گے" وہ بستر [illegible] فرش [illegible] "[illegible]"

"تم بستر پر آرام [illegible] میں نیچے [illegible] گزارا کرلوں گا" میں نے

[illegible] کہا مگر وہ اپنی ضد پر اڑی رہی اور مجھے بستر ہی پر دراز ہونا پڑا۔

"اگر کسی نے [illegible] میں آکر تمہارے لئے ہنگامہ کھڑا کردیا تو کیا ہوگا؟" میں نے نیم [illegible] میں کروٹ بدلتے ہوئے سوال کیا۔

"تم فکر نہ کرو، [illegible] کے نشے میں [illegible] ہونے کے بعد [illegible] دن چڑھے تک سوتا رہتا ہے" اس نے جواب دیا۔

"میلان میں تم کیا کرتی ہو؟"

"اپنے باپ کی فیکٹری میں اکاؤنٹس کلرک ہوں!"

"باپ کی فیکٹری میں اکاؤنٹس کلرک؟" میں نے حیرت سے دہرایا۔

"[illegible] نہیں ہے" وہ [illegible] "میں اپنے باپ کی اکلوتی اولاد ہوں، وہ چاہتا ہے جب میں اس کی کرسی پر بیٹھوں تو حالات کا ہر پہلو میری نظر میں ہونا چاہئے!"

"[illegible] تمہاری فیکٹری میں کام تو نہیں کرتا؟"

"تمہیں کیسے معلوم؟" وہ میری قیاس آرائی پر حیران رہ گئی۔

"[illegible] کامیاب ترین [illegible] سامنے [illegible] کے ساتھ ہوتی ہے"

"میں نے تو بہت کم ایسی انگریزی [illegible] دیکھی ہیں۔ تم کہاں کی بات کر رہے ہو؟" اس نے کچھ [illegible] ہوئے سوال کیا۔

"تم اچھی انگریزی بولتی ہو، یہ زبان تم نے کہاں سے سیکھی تھی؟" میں نے جلدی سے موضوع بدل ڈالا۔

"میرے باپ نے مجھے انگریزی سیکھنے کے لئے خاص طور پر [illegible] امریکا بھیجا تھا" اس نے فخریہ لہجے میں بتایا۔

اس سے باتیں کرتے کرتے مجھے غنودگی نے آ لیا اور میں جلد ہی دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوگیا۔ آنکھ کھلی تو [illegible] کچھ جھنجھوڑ کر بیدار کرنا پڑا۔

میں نے ہڑبڑا کر بستر پر پڑے پڑے اپنی رسٹ واچ کا جائزہ لیا تو وہ صبح کے سوا سات بجا رہی تھی۔ میں نے آنکھیں ملتے ہوئے بستر چھوڑ دیا۔

وسیلا اس وقت بالکل تروتازہ نظر آ رہی تھی۔ وہ نہ جانے کب کی اٹھی ہوئی تھی کیونکہ اس نے لباس کے ساتھ ہی اپنے بال وغیرہ بھی قرینے سے سنوار لئے تھے۔ چہرے کی خراشوں کو چھپانے کے لئے اس نے ہلکے سے میک اپ کا سہارا لیا تھا مگر اس کے [illegible] رخساروں پر وہ [illegible] نشان واضح نظر آ رہے تھے۔

"بہت خوبصورت لگ رہی ہو" میں نے [illegible]

[illegible] سیلا نے [illegible] کہا۔

"حقیقت یہ ہے کہ تم نے اس رات [illegible] اظہار [illegible] تھا" وہ خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ سر جھکا کر بولی۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں کھڑا مسلسل حسن کے اس شاہکار کو دیکھتا رہوں۔

"میں اپنے کمرے میں واپس چلی جاتی۔" وہ شوخ لہجے میں بولی۔ "مجھے ایسے مردوں سے نفرت آتی ہے جو لڑکیوں یا اپنے ملنے کی ابتدا خوشامدانہ الفاظ سے کرتے ہیں۔"

"حسن کی تعریف نہ کرنا تو سراسر بدذوقی ہے۔" میں نے کہا۔ "اپنے کمرے میں واپس جاتیں تو مجھی کو برداشت کرنا پڑتا۔"

"رات میں کمرے کی چابی ساتھ لے آئی تھی۔ اٹھنے کے بعد میں کمرے میں گئی تو جانتے ہو وہ کیا کر رہا تھا؟"

"تمہارے ساتھ ہوتا تو ضرور جان لیتا۔"

"منہ کے بل فرش پر پڑا ہوا سو رہا تھا اور ماتھے پر خون جما ہوا تھا۔ شاید مدہوشی کے عالم میں گرتے ہوئے مسہری کا کونا لگ گیا تھا۔"

"اگر تم واقعی ایک مصنف کار کی بیٹی ہو تو تمہیں کسی بہتر ہوٹل کا رخ کرنا چاہئے تھا۔" مجھے اس سے باسی منہ ہی باتیں کرنے میں مزا آ رہا تھا۔

"میں میلان میں بھی ایک معمولی کلرک کی طرح رہتی ہوں۔ دفتر سے ملنے والی تنخواہ کے علاوہ باپ مجھے ایک پیسہ بھی نہیں دیتا!"

"معاف کرنا، تمہارا باپ خبطی معلوم ہوتا ہے!"

"بہت خبطی!" اس نے میری توقع کے برعکس پرزور انداز میں تائید کی۔ "دفتر میں وہ مجھ سے بیٹی کے بجائے عام ملازم کی طرح پیش آتا ہے۔"

"محبت سے پیش آنے والوں کو تم لوٹ کر یوں چھوڑ کر نکل جاتی ہو!"

"تم آہستہ آہستہ آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"غلطی ہو گئی مادام!" میں نے معذرت خواہانہ انداز میں اپنے کان تھام لئے۔ "آئندہ تمہیں کسی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔"

میں منہ ہاتھ دھو کر واپس آیا تو وہ تیار بیٹھی ہوئی تھی۔

"ابھی کہاں چلو گی؟" میں نے اس کے ہمراہ کمرے سے نکلتے ہوئے دریافت کیا۔

"پیٹ کا خیال کرو تو بہتر ہوگا۔" اس کے لہجے میں تلخی عود کر آئی۔

کاؤنٹر پر پہنچ کر میں نے اپنا حساب بے باق کیا تو لوسیلا نے ایک بار پھر بیچ میں پڑنے کی کوشش کی مگر میں نے اسے روک دیا۔

"تمہارا باپ تمہیں تنخواہ کے علاوہ کچھ نہیں دیتا مگر پھر بھی تم نے مجھے مالی امداد کی پیش کش کی تھی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"تم یقین کرو کہ میں اکثر کسی فضول خرچ کلرک کی مانند مقروض رہتی ہوں۔ مگر اس بار روانگی سے قبل میری ماں نے کچھ رقم دے دی تھی۔"

"معلوم ہے تم اسے ٹھکانے لگانے کے لئے بے تاب ہو!"

باتیں کرتے ہوئے ہم آگے بڑھتے رہے پھر ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر … جو لوسیلا کے بیان کے مطابق اطالوی سفارت خانے میں کام کرتا تھا۔

اطالوی سفارت خانے کی طرف جاتے ہوئے میرا ذہن … خوشگوار لمحوں کا خیال … کے لئے بھی مقرر نہیں ہوا تھا۔ اور میں جانتا تھا کہ اگر … ہو گیا تو میرے لئے کیسی مصیبت ہو جائے گی۔

اطالوی سفارت خانے میں پہنچنے کے بعد میں استقبالیہ میں بیٹھ گیا اور لوسیلا نے کاؤنٹر پر گفتگو شروع کر دی۔

میری خوش قسمتی تھی کہ لوسیلا کے باپ کا دوست ابھی اسی سفارت خانے میں تھا بلکہ دفتر میں موجود تھا۔

لوسیلا نے سادہ کاغذ پر اپنا نام لکھوا کر اندر بھجوایا تو وہ بے چارہ استقبال کے لئے خود ہی باہر نکل آیا۔

وہ کوئی ادھیڑ عمر خوش پوش آدمی تھا اس کے سر کے بال سفید ہو چکے تھے اور بڑی بڑی چمکدار آنکھوں پر عینک لگی نظر آ رہی تھی۔

وہ لوسیلا سے بہت تپاک سے ملا پھر لوسیلا نے مجھ سے اس کا تعارف کرا ڈالا۔ "یہ میرا دوست ڈولن بروک ہے اور یہ انکل … ہیں ہمارے خاندانی دوست!"

نیکلانشی نے میری طرف دیکھا اور پھر اس کی نگاہیں میرے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ اس نے مصافحہ کے بعد میرا ہاتھ بھی چھوڑا تھا۔

اس کے تیور دیکھ کر میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا کیونکہ مجھے پتا تھا کہ … گڑبڑ ہو گئی ہے۔

پھر شاید نیکلانشی کو اچانک ہی لوسیلا کی موجودگی کا خیال آیا اور اس نے جلدی سے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"آؤ میرے ساتھ آؤ۔" وہ ہنستے ہوئے لوسیلا سے بولا۔

"تمہارا دوست خاصا دلچسپ آدمی معلوم ہوتا ہے!"

"تم نے بات کئے بغیر کیسے اندازہ کر لیا انکل؟" لوسیلا نے ہنستے ہوئے سوال کیا اور نیکلانشی اس کے جواب میں … کر رہ گیا۔

نیکلانشی کا دفتر مناسب بڑا خوبصورت اور آراستہ تھا اس کے کمرے میں ایک طرف بڑے بڑے ریوالونگ فریم سجے ہوئے تھے جن میں اٹلی کی بہت سی درآمدی اور برآمدی مصنوعات کی تعارفی تصویریں سجائی ہوئی تھیں اس کی پشت والی دیوار پر بہت بڑا رنگین … آویزاں تھا اور اسی دیوار میں ایک دروازہ بھی تھا جو شاید … کسی اور کمرے میں جانے کا راستہ تھا۔

"تم یہاں کب پہنچی تھیں؟" نیکلانشی نے ایش ٹرے پر سگار رکھ کر کش لیتے ہوئے سوال کیا۔ اس کی نظریں میرے چہرے سے الجھ رہی تھیں۔

"کل صبح آئی تھی۔ یہاں ایک ضروری کام سے آئی ہوں۔"

"ڈولن بروک کو کب سے جانتی ہو؟" نیکلانشی میری موجودگی میں لوسیلا کی باتوں پر پوری طرح توجہ نہیں دے پا رہا تھا۔ … بات شروع کر دی۔

"تم اس میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہے ہو!" وہ ناگواری کے ساتھ بولی۔ "کیا تم اس پر کسی قسم کا شبہ کر رہے ہو؟"

"اس کا نام آشنا معلوم ہوتا ہے۔" وہ سگار کی خیالی راکھ جھاڑتے ہوئے بولا۔ "اگر تم مجھے چند منٹ کی اجازت دو تو میں اس نوجوان سے کچھ بات کر لوں!"

"اس کی کیا ضرورت ہے؟ بات سامنے بھی ہو سکتی ہے۔" لوسیلا اشتباہ آمیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"مناسب یہ ہوگا۔" وہ بزرگانہ انداز میں کہتے ہوئے اٹھا اور سر کی جنبش سے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

میری اور لوسیلا کی نگاہیں چار ہوئیں تو میں نے لاعلمی کے انداز میں اپنے شانے اچکائے اور نیکلانشی کی میز کے پیچھے دروازے کی طرف بڑھ گیا کیونکہ وہ اسی دروازے میں داخل ہو رہا تھا۔

دروازہ بند کرنے کے بعد میں نے خود کو ایک نشست گاہ میں پایا۔

"تم خالد عبدالفتاح کو جانتے ہو؟" نیکلانشی نے دروازہ بند کرتے ہی سوال کیا۔

اس کے منہ سے خالد کا نام سن کر میں ششدر رہ گیا۔ "تم سے اس کا کیا تعلق ہے؟"

"پچھلے ہفتے وہ تمہارے پاسپورٹ کے لئے میرے پاس آیا تھا؟"

"اوہ!" میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس آزاد ہو گیا۔ "میں تو سمجھ رہا تھا کہ وہ کسی قریب سفارت خانے سے جعلی پاسپورٹ بنوا رہا ہوگا۔"

"تمہارا پاسپورٹ میرے دفتر میں تھا لہٰذا میں نے اسے کل صبح بلوایا تھا۔" اس نے سگار کا کش لے کر کہا۔ "اسے پاسپورٹ حاصل کرنے کی عجلت تھی جب وہ کل صبح نہیں پہنچا تو مجھے فکر لاحق ہو گئی۔ وہ کہاں ہے اور لوسیلا تمہارے ساتھ کیسے ہے؟"

"وہ شاید تمہارے گھر سے واپسی میں ہی دشمنوں کے ہتھے چڑھ گیا تھا اور اب ہسپتال میں ہوگا وہ زخموں سے چور تھا۔ میری اس سے ابھی تک ملاقات نہیں ہوئی۔"

"پھر تم یہاں کیسے پہنچے؟"

"محض اتفاق!" میں نے کہا۔ "لوسیلا نے مجھے پاسپورٹ دلانے کی پیش کش کی تھی اور میں اس کے ساتھ یہاں چلا آیا!"

"میں خالد کی بہت عزت کرتا ہوں۔" وہ میرے قریب آ کر سخت لہجے میں بولا۔ "مگر میں یہ ہرگز برداشت نہیں کروں گا کہ لوسیلا کو غلط کاموں میں ملوث کیا جائے۔ وہ میرے عزیز ترین دوست کی اکلوتی بیٹی ہے!"

"اس سے میری کل رات ہی ملاقات ہوئی ہے۔" میں نے احتجاج آمیز لہجے میں کہا۔ "میں نے خراب حالات میں اس کی مدد کی تھی اور وہ میری احسان مند ہے!"

"میں کیسے مان لوں؟" وہ ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"خود اسی سے پوچھ لو۔" میں نے تیزی سے کہا اور پھر اسے بلا کم و کاست اپنی اور لوسیلا کی کہانی سنا دی۔

"اگر یہ کہانی درست ہے تو تم واقعی عظیم آدمی ہو!" وہ براہ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"مگر پاسپورٹ کے بغیر یہ عظیم آدمی کوڑی کا ہو کر رہ گیا ہے!"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔ تمہارا پاسپورٹ میرے پاس تیار پڑا ہے اس پر ضروری اندراجات بھی کرائے گئے ہیں۔ مگر میری ایک شرط ہے!"

"مجھے ہر شرط منظور ہے!"

"کیا منظور ہے؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"یہی کہ میں پاسپورٹ لے کر لوسیلا کے بغیر یہاں سے چلا جاؤں؟"

"آدمی سمجھدار ہو!" وہ پہلی بار مسکرا کر بولا۔ "نہ صرف لوسیلا کے بغیر بلکہ اس سے ملے بغیر بھی پچھلے دروازے سے چپ چاپ چلے جاؤ!"

"مجھے منظور ہے!" میں نے ہنس کر کہا جبکہ دل میں یک بیک نیکلانشی کی عزت بڑھ گئی وہ صحیح معنوں میں لوسیلا

کا شہزادہ ثابت ہو رہا تھا۔

"وہیں ٹھہرو۔ میں ابھی آیا۔" وہ درمیانی دروازہ کھول کر دوبارہ اپنے دفتر میں چلا گیا دروازہ کھلتے ہی پیسے رسیلا کی آواز سنائی دی جو دروازہ بند ہونے کے ساتھ ہی معدوم ہو گئی۔ غالباً وہ کمرہ ساخت کے اعتبار سے مکمل ساؤنڈ پروف تھا۔

چند منٹ کے بعد نیکلاشی واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ موجود تھا جو اس نے میری طرف بڑھا دیا۔

"خالد نے مجھے بتایا تھا کہ تمہیں صرف لیبیا سے نکلنے کے لئے ان دستاویزات کی ضرورت ہے۔ مقصد پورا ہوتے ہی یہ کاغذات جلا کر تلف کر دینا اور ان کے تلف سے قبل ذرا اپنا دامن بچائے رکھنا ورنہ میں دشواریوں میں پڑ جاؤں گا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں اپنی جان پر کھیل جاؤں گا مگر تم پر آنچ نہ آنے دوں گا۔" میں نے گرمجوشی سے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

اس کمرے میں ایک اور دروازہ موجود تھا جو اندرونی راہداری میں کھلتا تھا۔ نیکلاشی نے برآمدے تک بذات خود میری راہنمائی کی۔ پھر پُرجوش انداز میں ہاتھ ملا کر مجھے رخصت کر دیا۔

میں فالوس سفارتخانے کی عمارت سے باہر نکلا تو خوشی سے میرے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے جیسے مجھے دنیا کا سب سے بڑا خزانہ مل گیا ہو۔

لیبیا کی سرزمین میرے لئے ایک وسیع قید خانے کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ مگر پوسیک کے ذریعے قدرت نے میری ناقابل یقین طریقے پر راہنمائی کی اور میں براہ راست اس شخص تک جا پہنچا جس سے ملنے کے بعد خالد کو اپنی آزادی داؤ پر لگانی پڑ گئی تھی۔

لیبیا سے نجات کا پروانہ میں نے اپنی جیب میں رکھا اور ہجوم میں اپنا راستہ بناتا ہوا پیدل ہی ایک طرف چل پڑا۔

میرے چاروں طرف انسان بکھرے ہوئے تھے، زندہ مشینوں کے کاروان کشادہ سڑکوں پر وحشیانہ غراہٹوں کے ساتھ دوڑتے چلے جا رہے تھے مگر میں اس ہجوم میں بھی بالکل تنہا تھا۔ میرا ذہن اس وقت سیتا کی یادوں میں کھویا ہوا تھا۔ جو میری زندگی کی سب سے زیادہ تلخ اور رنگین حقیقت تھی مگر حالات نے مجھے اس سے دور پھینکا ہوا تھا۔

یہ غنیمت ہی تھا کہ میں نے آخری مرحلے پر خالد سے اپنے مستقبل کے بارے میں چند باتیں کر لی تھیں اور اب انہی نکات کے سہارے میں اپنی سیتا تک پہنچ سکتا تھا۔

سیتا کسی اہم مشن کی تکمیل کے بعد شام سے لیبیا پہنچ چکی تھی مگر کسی وجہ سے فلسطینی لیبیا میں زیر عتاب آ گئے تو وہاں ان کے دفاتر سربمہر کر دیئے گئے تھے اور فوجی ٹرکوں کے ذریعے ہزاروں فلسطینی سرحدوں پر چھوڑے جا رہے تھے۔ لیبیا میں سیتا کی موجودگی فلسطینیوں کی وجہ سے تھی لیکن لیبیائی فلسطینیوں کے اخلاقی روابط ختم ہو جانے کے باعث سیتا کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں اور کس حال میں تھی۔

خالد عبدالفتاح نے مجھے یہ ضرور بتا دیا تھا کہ ایتھنز کے ہوٹل ٹولیسکا روڈ میں عدنان فاخوری نامی شخص [illegible] میرا مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔ گو میں خالد سے عدنان کے لئے کوئی تعارفی رقعہ نہ لے سکا تھا مگر مجھے امید تھی کہ اس سے ملاقات ہونے پر میں اسے با آسانی دوست بنا سکوں گا۔

عدنان فاخوری سے سیتا کے بارے میں کوئی خبر ملتی تو میں ایتھنز سے سیدھا اس کے پاس پہنچ سکتا تھا اور سیتا کو پا لینے کے بعد میں اسی سرزمین پر واپس پہنچ جاتا جس کی مٹی سے میرا خمیر اٹھا تھا۔ اور جس دھرتی کے سینے میں میرے بزرگوں کے جسم منوں مٹی کے نیچے ابدی روشنی سے محروم [illegible]

سیتا میری پہلی کمزوری تھی اس کے بعد مجھے اپنا وطن یاد آتا تھا جہاں میں قانون اور اس کے محافظوں کو مطلوب تھا۔ وہاں سے فرار ہوئے ایک مدت بیت چکی تھی مگر جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا میرا واپسی کا عزم پختہ سے پختہ تر ہوتا جا رہا تھا اور آخری کمزوری وہ تھا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے راجہ ہوٹل کے سٹرونگ روم کی چوبی الماری کے ایک پوشیدہ خانے میں چھپایا تھا۔

پارس پتھر پا لینے کے بعد میں سیتا کے علاوہ اپنی ساری عمر بے فکری کے عالم میں گزار سکتا تھا۔ سیتا کی ماں [illegible] کا دیا ہوا وہ سبز رنگ کا سا تحفہ نہ صرف بیش قیمت تھا بلکہ عجیب و غریب اثرات رکھتا تھا جس کا ذکر صرف کتابوں اور کہانیوں میں ملتا تھا مگر میں اس پتھر کو اپنے ہاتھوں سے بارہا آزما چکا تھا۔

میں انہی خیالات میں کھویا ہوا کوچ سروس [illegible] گیا جہاں سے برسیلز کے لئے ذاتی تعلقات کے لئے تھوڑے تھوڑے وقفے سے آرام دہ گاڑیاں روانہ ہوتی تھیں۔

اوسٹنڈ برسیلز سے بہت قریب ترین مقام تھا [illegible] کسی براہ راست پرواز کے ذریعے لیبیا سے باہر [illegible] نے کاؤنٹر سے اوسٹنڈ جانے والی کوچ کا ٹکٹ خریدا اور مختلف اسٹالوں کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا کیونکہ کوچ کی روانگی میں خاصی دیر باقی تھی!

کوچ روانہ ہوئی تو اس کی گیارہ نشستوں پر صرف [illegible] سوار تھے میں ایک سیٹ پر آرام سے ٹانگیں پھیلا کر دراز ہو گیا۔

ڈرائیور خوبصورت راستوں پر بڑی مہارت سے گاڑی دوڑاتا رہا۔ راستے میں مزید چند مسافر اٹھائے گئے مگر میں بدستور پچھلی نشست پر تنہا بیٹھا رہا۔

پھر میری نظر اس بیگ پر پڑی جو شاید اگلی نشست والے کا تھا مگر جھٹکوں کے باعث سیٹ کے نیچے سے سرک کر باہر کی طرف آ پہنچا تھا۔

پہلی نظر میں مجھ پر اس بیگ کے حسن کا انکشاف نہیں ہوا مگر جب میں نے غور سے اس کا جائزہ لیا تو مجھے اپنا جسم بدلتا ہوا لگا۔

میں اس وقت خاصی تنگدستی کا شکار تھا اور میرا اندازہ تھا کہ ایتھنز پہنچ کر ہوائی ٹکٹ کی رقم ادا کرنے کے بعد میں کنگال ہو جاؤں گا۔ ایسی حالت میں اگر بیگ میں اچھے خاصے پیسے [illegible] اس نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرالی تو اس میں کوئی حیرت نہیں تھا!

بیگ دیکھنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ اگر اگلی نشست والے کو دوران سفر ہی میری کارروائی کا علم ہو گیا تو سب سے پہلے مجھ پر ہی شبہ کیا جاتا اور کوئی عجیب نہ ہوتا اگر غیر ملکی ہونے کے باعث مجھے پولیس کے حوالے کر دیا جاتا۔

وہ خطرہ اپنی جگہ سچا تھا مگر سیاہ رنگ کا پرس میرے لئے انتہائی پُرکشش ثابت ہوا تھا۔ میں نے اپنا ہاتھ نیچے لٹکا کر نہایت اطمینان اور صفائی کے ساتھ وہ پرس نکال لیا۔

ٹانگوں کی آڑ لے کر میں نے پرس کی زپ کھولی تو دل باغ باغ ہو گیا اس میں بڑی مالیت کے نوٹوں کی خاصی بڑی تعداد نہایت بے ترتیبی سے ٹھونسی گئی تھی۔

میں نے اس پرس میں سے چند نوٹ اپنی جیب میں منتقل کئے اور زپ بند کر کے پرس دوبارہ اسی بیگ میں ڈال دیا۔ ان حالات میں شاید میں بیگ کو وہیں پڑا رہنے دیتا مگر [illegible] کے بعد وہ بیگ مجھے کاٹنے لگا اور میں [illegible] کر سیدھا بیٹھ گیا۔

کارروائی مکمل کر کے میں نے [illegible] بیگ کو پیچھے [illegible] میں نے جوتے کی نوک سے اس بیگ کو [illegible] دھکیلنا شروع کر دیا اور [illegible] فاصلے پر پہنچانے کے بعد [illegible] نشست پر دراز ہو گیا۔

اوسٹنڈ میں کوچ نے ایئرپورٹ کے قریب ہی [illegible] بغیر لاؤنج میں داخل ہو گیا جہاں مختلف فضائی کمپنیوں کے بکنگ کاؤنٹر نظر آ رہے تھے۔

کسی سے بات کئے بغیر میں لاابالی انداز میں پروازوں کے مختلف شیڈول دیکھتا رہا۔ مگر چند منٹ کی مختصر جانچ میں کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ کون سی پرواز کہاں جائے گی۔

آخر کار میں نے سوئس ائیر کے کاؤنٹر کا انتخاب کیا جہاں ایک دبلی پتلی سراپا انکسار لڑکی عینک لگائے کام میں مصروف تھی۔

اس کاؤنٹر سے مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ شام کے سات بجے الاطالیہ کی ایک پرواز وہاں سے میلان کے لئے روانہ ہو گی۔

الاطالیہ کے کاؤنٹر پر تین مرد موجود تھے جن میں سے ایک بہت زیادہ طرار نظر آ رہا تھا مگر میرے لئے کوئی دوسرا چارہ نہیں تھا لہٰذا میں وہاں پہنچ گیا۔

ان میں سے ایک نے تیزی سے میرے پاسپورٹ کی ورق گردانی کی اور پھر میرا میلان تک کا ٹکٹ تیار کر دیا۔

ٹکٹ بنوانے کے بعد میں نے باہر کی دکانوں سے ایک بریف کیس اور چند ضروری اشیاء خرید ڈالیں کیونکہ خالی ہاتھ مسافر بلاوجہ حفاظتی عملے کی توجہ کا مرکز بن سکتا تھا۔ اگلی پریشانی اس ریوالور پستول کے بارے میں تھی جس میں صرف دو گولیاں باقی رہ گئی تھیں۔

اس ہتھیار نے شروع ہی سے میرا بہت ساتھ دیا تھا اور میں اسے ساتھ ہی رکھنا چاہتا تھا مگر طیارے پر جانے سے قبل الیکٹرونک آلات میرے قبضے میں اس آتشیں ہتھیار کی موجودگی کی نشاندہی کر دیتے لہٰذا میں ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں وہ پستول چھپا سکوں۔ تلاش بسیار کے بعد میں نے ایک ایسی جگہ کا انتخاب کر ہی لیا جہاں پرواز سے قبل میں پستول بحفاظت ٹھکانے لگا سکتا تھا۔

پھر میں نے پستول سے پیچھا چھڑا لیا اور بریف کیس لے کر مسافروں والے مخصوص علاقے میں داخل ہو گیا۔

ہر نئے مرحلے پر میرے سانس کا آہنگ بے ربط ہو جاتا رہا مگر کہیں بھی گرفت نہ ہو سکی۔ تمام مراحل یکے بعد دیگرے بخیر و خوبی طے ہو گئے اور ساڑھے چھ بجے میں الاطالیہ کے بوئنگ طیارے میں موجود تھا۔

انجنوں کے اسٹارٹ ہونے تک مجھے ہر آن دھڑکا لگا ہوا تھا [illegible] بار بار رسٹ واچ کا جائزہ لے رہی تھیں مگر [illegible] نشست پر بیٹھی تھی اور میری نبض اس [illegible] سے تیز رفتار تھی!

حفاظتی بند باندھ لئے گئے [illegible] انگلستان کی مختصر سی غیر معیاری تقریر سنائی دی جس میں دلنشین الفاظ

مزاحمت بے سود تھی مگر بے مقصد تھا پھر وہ دیو ہیکل عفریت لنگڑے کے رن وے پر دوڑنے لگا۔

کھڑکی سے نظر آنے والی روشنیوں کی ناچتی بجھتی قطاریں اس وقت نہایت حسین نظر آ رہی تھیں طیارے نے رن وے کا ایک طویل چکر لگایا اور فضا میں اوپر اٹھتا چلا گیا۔

ارسٹنڈ سے پرواز کے بعد طیارہ بلجیئم کی سرحد پار کر گیا مقررہ وقت سے ملنے کا کوئی رکن پرواز کے ملاقات کی نشاندہی کرتا جا رہا تھا۔

میں نے حفاظتی بند کمر بند کھولنے کے بعد سگریٹ سلگا لی تھی اور نئی حکمت عملی کے بارے میں غور شروع کر دیا تھا۔

ارسٹنڈ کے بعد طیارے کی اگلی منزل پیرس تھی یہ وہ شہر تھا جو تل ابیب سے فرار کے بعد پیرس میں ایئرپورٹ کی حد تک میرا خیر مقدم کرتا رہا تھا۔ پیرس سے پرواز کے بعد اگلی لینڈنگ منزل مقصود پر ہوئی۔

میں نے اٹلی کی سرزمین پر قدم رکھتے ہوئے خود کو دنیا کا سب سے خوش نصیب انسان تصور کیا۔ دادام لاری، اس کے خطرناک غنڈے اور کرنل ڈیوڈ کے سفاک کتے پیچھے رہ گئے تھے میرے لئے اطمینان کی بات یہ تھی کہ میں ان سب سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا بلکہ ان کے لئے کوئی سراغ بھی نہیں چھوڑا تھا جس کے ذریعے وہ میرے ٹھکانے کا کھوج نکال سکتے۔

پہلے میرا ارادہ تھا کہ میلان پہنچ کر اپنے محسن ایڈالا لشتی کے دیئے ہوئے کاغذات پاسپورٹ سمیت جلا دوں گا مگر اس شہر میں پہنچنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میلان میں میں بالکل تنہا اور بے یار و مددگار رہتا ہے کہ میرے لئے وہاں رکنا وقت برباد کرنے کے مترادف ہوتا بہتر یہی تھا کہ میں اسی پاسپورٹ پر جلد از جلد ایتھنز پہنچنے کے بعد ان کاغذات کو برباد کر دیتا۔

میرے پاسپورٹ پر یونان کا ویزا نہیں تھا مجھے اتنا تجربہ تو ہو چکا تھا کہ یورپ سے جنیوا مالک میں ایئرپورٹ پر اترنے کے بعد بھی ویزا کا حصول آسان تھا مگر میں کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔

اگلے روز نصف گھنٹے کے اندر اندر ساری کاغذی کارروائیاں مکمل کر کے میں نے یونان کی سیاحت کے لئے ویزا حاصل کر لیا اور اسی روز میلان سے ایتھنز کے لئے روانہ ہو گیا۔

ایتھنز پہنچنے کے بعد میری جیب میں قلیل سی رقم رہ گئی تھی لہٰذا میں نے ایئرپورٹ سے شہر جانے کے لئے بس کا انتخاب کیا اور اس مختصر سے سفر میں دو مسافروں کے سمت متوجہ ... جیبوں میں منتقل ہو چکے تھے۔

سامان وغیرہ کا بکھیڑا ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے میں نے شہر پہنچتے ہی ہوٹل ڈیسکارڈی کی تلاش کی مہم کا آغاز کر دیا۔ یونان مجموعی طور پر غریب لوگوں کا ترقی پسند ملک ہے جہاں جاہ و حشمت کے مظاہروں کے ساتھ ہی عسرت و افلاس کی مثالیں بھی جابجا ہوتیں مانگنے والوں کے انداز میں ... غلاظت سے متاثر تھے جس کا سبب شاید یہ ہو گا کہ ان کا زیادہ تر ... سیر و سیاحت کے لئے آنے والے غیر ملکی سیاحوں پر تھا۔

میں نے شہر میں جس کسی سے بھی ہوٹل ڈیسکارڈی کا پتہ دریافت کرنے کی کوشش کی وہی میرا منہ تکنے لگا۔ یکے بعد دیگرے کئی مرتبہ یہی صورتحال پیش آئی تو میں نے لوگوں سے پتہ لینے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس طرح ... کے ساتھ ہی اپنا مقصد بھی حاصل کر سکتا تھا۔

کئی گھنٹوں تک ایک سے دوسری جگہ بھٹکنے کے بعد بالآخر مطلوبہ مقام تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

میرا خیال تھا کہ ہوٹل ڈیسکارڈی ... سا ہوٹل ہو گا مگر وہ ایک اوسط درجے کا ریستوران تھا۔ بے شمار ستونوں پر مشتمل ایک بلند قامت عمارت ... میں قائم تھا۔

جس وقت میں وہاں پہنچا شام ہو رہی تھی اور ... میں آنے والوں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہو چکا تھا۔

میں استقبالیہ کاؤنٹر کی طرف بڑھا تو ... ڈنر جیکٹ نما لباس میں ملبوس ایک دراز قد شخص ... میری طرف پشت کئے نہایت احترام سے بار بار ... مبہم کر کسی لڑکی سے بات کر رہا تھا۔

اپنے ... کی وجہ سے وہ شخص ہوٹل کے ... نظر آ رہا تھا۔ میں اس سے چند قدم دور رک گیا ... تو میں اسے متوجہ کر سکوں ... معلومات کے حصول کے لئے اس شخص سے بات کرنے کا ... اس شخص کی پشت میری جانب تھی لہٰذا وہ تو مجھے نہ دیکھ سکا ... سے بات کرنے والی لڑکی نے میری موجودگی محسوس کر لی۔

وہ بہت حسین اور خوش پوش لڑکی تھی ... طور پر اس ... جمال کا اظہار ہو رہا تھا ... ایک بار ... اور سیاہ جیکٹ والے نے پلٹ کر ... کی طرح میری طرف ... لڑکی کے ... شخص آہستہ آہستہ ... حیران رہ گیا کہ اس کے خدوخال عربوں جیسے تھے۔

اس دوران لڑکی میرے سر پر آ پہنچی اور نہایت دلکش انداز میں بولی۔ "میں آپ کی کوئی خدمت کر سکتی ہوں؟" انگریزی پر اسے عبور حاصل نہیں ... اور دلفریب مسکراہٹ نے اس میں چار چاند لگا دیئے تھے۔

"مجھے عدنان ناخوری کی تلاش تھی۔" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔ وہ ... انداز میں میری طرف دیکھ رہی تھی اس کے پرکشش ... طبیعت تو یہی چاہ رہی تھی ... سے کہا جائے کہ ... صرف اسی کا متلاشی تھا۔

وہ لڑکی نے پلٹ کر اس جیکٹ والے کو آواز دی جو چند قدم ... جا چکا تھا۔

لڑکی کی آواز سن کر وہ متحیرانہ انداز میں پلٹا اور جب لڑکی نے اسے ہاتھ سے بلایا تو وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں ہماری طرف چلا آیا۔

"عدنان ناخوری کو پوچھ رہے ہیں۔" لڑکی نے مسکرا کر کہا اور ایک طرف چل دی ... کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے ... وہ میرے قریب آ کر رک گیا۔ اس کی تجسس آمیز نظریں میرے چہرے ...

"میرا نام ثولان ہے۔" میں نے عربی میں کہا۔ "میں آج ہی بروسیلز ... پہنچا ہوں۔"

میرے منہ سے عربی سن کر وہ حیران رہ گیا مگر اس نے نہایت پرتپاک انداز میں مصافحہ کیا تھا۔

"تمہیں میرے پاس کس نے بھیجا ہے؟" اس نے نرم لہجے میں سوال کیا۔ ... ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلنے لگی تھی۔

"خالد عبدالفتاح نے۔"

میرا جواب سنتے ہی وہ پرجوش انداز میں مجھ سے بغل گیر ہو گیا اور ... کے روایتی انداز میں اس نے میرے ماتھے پر بھی بوسہ لیا۔

"خالد عبدالفتاح میرا جگری دوست ہے۔ اس کے بھیجے ہوئے ... سر کا تاج ہوتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے میرا ہاتھ تھاما اور ایک ... چل دیا۔

"ہوٹلوں میں مہمانوں کے اس طرح استقبال کا رواج نہیں۔" میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے شوخ لہجے میں سوال کیا۔ میرا ... تکلفات ... بغیر ... سے براہ راست بے تکلفی ...

"تمہارا کیا خیال ہے ... رہے ہو؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔ "... مہمان نوازی ہماری طرح نہیں پائی جاتی۔"

... پشت پر ہاتھ مار کر زور سے قہقہہ لگایا۔ وہ اس ہوٹل کی مالکن ... ایتھنز میں ... اس کے ... ہم ایک کمرے میں گھس گیا جو غالباً اس کا ...

"شادی شدہ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بیوہ ہے۔" وہ میرے لئے ایک کرسی کھینچتے ہوئے بولا۔ "اس کی عمر چالیس سال سے اوپر ہے مگر کم سن نظر آتی ہے۔"

"مگر ہے خوبصورت۔"

"اس کی خوب صورتی میں انداز اور اداؤں کا زیادہ دخل ہے۔" وہ قہقہہ مار کر بولا۔ "ڈیسکارڈی میں ہر شام بہت سے گاہک صرف اسی لئے کھنچے چلے آتے ہیں کہ وہ خود ہال میں موجود رہ کر سروس کی نگرانی کرتی ہے۔ اسے گولی مارو اور یہ بتاؤ تمہارا حلیہ کیسا ہے؟"

"سفر میں تھا۔" میں نے کہا۔ "کئی روز پہلے تھوڑی سی پریشانی میں پڑ گیا تھا۔"

"اسے کب سے جانتے ہو؟"

"ہمارا پانچ ہفتے پہلے ملا تھا بہت منکسر المزاج آدمی ہے۔"

"تم سے دوستی کیسے ہوئی اس کی؟" اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کرید کر مجھ سے کوئی خاص بات اگلوانی چاہ رہا تھا۔

خالد سے عدنان ناخوری کے بارے میں ... تفصیلی گفتگو ہو سکی تھی مگر اس نے جو کچھ کہا تھا اس کی روشنی میں یہ بات ... فلسطینی تنظیم سے منسلک تھا اور شاید وہ میرے بارے میں کچھ بھی جانتا

چاہتا تھا۔

"تنظیم کے معاملات میں دوستی ہوئی تو میں پیرس سے وہاں پہنچا تھا" میں نے کہا۔

"پیرس سے؟" وہ ایک دم چونک پڑا۔ "تم نے نام کیا بتایا تھا اپنا؟"

"عمران بتایا تھا مگر اصل نام مسعود علی ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

وہ چند ثانیوں تک حیرت اور سکتے کے عالم میں مجھے گھورتا رہا پھر کسی پاگل کی طرح مجھ سے لپٹ گیا۔ "مجھے تم سے ملنے کی بڑی آرزو تھی بڑی تمنا تھی۔ تمہارا نام ہمارے حلقوں میں دلیری اور بے خوفی اور ذہانت کی علامت بن کر رہ گیا ہے۔ یہ میری عزت افزائی ہے کہ خالد نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے۔"

مختصر سا قصہ خاصا طویل ثابت ہوا اس کے اختتام پر وہ بولا۔ "تم سے تو بہت سی باتیں ہوں گی مگر پہلے تمہیں آرام کی ضرورت ہے طویل سفر سے آئے ہو۔"

"اس ہوٹل میں اقامت کا بندوبست ہے؟"

"نہیں... پیرس سے ہوتے ہوئے تم ہوٹل میں کیا کرو گے میرے مکان میں تمہیں آسائش کی ہر چیز ملے گی۔"

"تم تنہا ہی رہتے ہو؟"

"تنہا رہنا ہی پڑتا ہے۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "تمہارا سامان کہاں ہے؟"

میں نے بریف کیس اس کے سامنے رکھ دیا۔ "کل کائنات یہی ہے۔ اس میں شب خوابی کا لباس موجود ہے۔"

"حیرت ہے۔" وہ تحسین آمیز لہجے میں بولا۔ "تم بھی سپاہیوں جیسی زندگی گزارنے کے عادی معلوم ہوتے ہو۔"

وہ میرے ہمراہ باہر آیا جہاں اس کی ٹیکسی موجود تھی۔ مختصر سی ڈرائیو کے بعد اس کا مکان آگیا۔

تین کمروں اور کشادہ صحن پر مشتمل وہ یک منزلہ مکان واقعی رہائش کے قابل تھا۔ میں نے تعریف کی تو عدنان کا سینہ مسرت سے پھول گیا۔

"تم ہوٹل واپس جاؤ گے؟"

"ایسی ضرورت نہیں ہے۔" وہ اطمینان سے بولا۔ "ہوسکتا ہے کہ تم اپنی ضرورت کی کوئی چیز تلاش نہ کر سکو۔"

"اس کی تم فکر نہ کرو لیکن وقت ہے تو یہ ضرور پوچھوں گا کہ آج کل لیبیا میں کیسے حالات چل رہے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"ایک پریس کانفرنس سے ساری خرابی کا آغاز ہوا تھا۔" وہ گھمبیر ... متعلقہ گروپ کے سربراہ نے واقعے کی ذمہ داری قبول ... معطل ... غازی سے برأت طلب کر لیا ہے جس کے بعد حالات سنبھلے ہیں۔"

"فلسطینیوں سے اخلاق کیا رہا؟"

"وہ سودک دیا گیا شاید ایک آدھ روز میں ... شروع ہو جائے جنہیں زیر دستی سرحدوں پر ..."

"لیبیا سے تمہارا آخری رابطہ کب ہوا تھا؟"

"گزرے ہفتے کی بات ہے۔"

"تو ابھی وہاں تمہارے متعارف کام شروع نہیں ہوئے؟"

"وہاں کے حکام نے سارے رفقا کو ... کر دیئے ہیں۔ یہی خبر تھی کہ میں کافی چاہتا تھا ایک گروپ بنا کر غازی یا طرابلس کھول لیتا تھا۔ اب لیبیا میں صرف وہی گروپ باقی رہ گئے ہیں جن کی سفارش یا سرپرستی کریں گے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ حالات پوری طرح معمول پر نہیں آئے؟" میں نے اپنے لئے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"لیبیا کے بارے میں تمہاری فکرمندی کی کوئی خاص وجہ؟"

"بعد میں تفصیل سے بتاؤں گا۔ ابھی تو تم واپس ... ہوئے کافی دیر ہو گئی ہے۔" میں نے کہا اور وہ فوراً ہی اٹھ گیا۔

جاتے ہوئے بیرونی دروازے کی ایک چابی وہ خود ... میرے حوالے کر دی تاکہ میں باہر نکلنا چاہوں تو ... رخصت ہو ...

سب سے پہلے میں نے گرم پانی سے غسل ... تاخیر کی ... کے مطابق اسی کا ایک ... بالکل فٹ آ گیا۔ غسل کے بعد طبیعت ... میں بستر میں گھس کر سو گیا۔

اگلے روز میں دن چڑھے گہری نیند سے بیدار ہوا ... بستر کے قریب کرسی ڈالے اخبار کے مطالعے میں مصروف تھا ... بیدار ہوتا دیکھ کر اس نے فوراً اخبار چھوڑ دیا ... میں منہ ہاتھ دھو کر واپس لوٹا ... ناشتے کے دوران عدنان میرے ساتھ ... کا ذکر کرتا رہا جس سے فلسطینیوں کے مفادات کو خاصی ... اس کا اور ... دیکھ کر مجھے محسوس ہوا بعض فلسطینی مجھے بھی ... کی طرح چاہنے لگے تھے۔

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ ... یہاں کس ... ہو؟" کچھ دیر کے بعد اس نے سوال کر ڈالا۔

"یہاں مجھے صرف انتظار کرنا ہے۔" ... "میری بیوی لیبیا میں ہے اور اس کا سراغ ... ہو جاؤں گا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم یہاں آئے ہو مگر ...

... تمہارے لئے بہتر ہو جگہ تھی۔"

"... پہلے میں میری ... دنیا کے کچھ ... سے عشق ہو گئی تھی ... سب ہی خاصے وسائل کے مالک ہیں۔ اس لئے یہ بار ... نکل آیا۔"

"... یہ کون لوگ تھے؟"

"شاہ عبدالعزیز کا واقعہ تمہارے علم میں نہیں؟" میں نے افسوس ... لہجے میں کہا۔

"... کی خودکشی کی خبر ... میں دو روز تک عجیب حالت میں ..." وہ چونک کر بولا۔ "مگر اس کی خودکشی کی وجہ آج تک معلوم نہ ہو سکی۔"

"عبدالعزیز کو یہ خیال تھا کہ اس کی کوتاہی کی وجہ سے ... گھیرے میں پھنس گئے تھے لہٰذا اس نے اپنی معطلی سے دل برداشتہ ... خودکشی کر لی اور ... والوں نے اسے معطل کر کے اس کے ساتھ سنگین زیادتی کی تھی۔"

"مگر وہ لوگ تھے کون؟"

"ہو سکتا ہے کہ تم نے بھی نام سنا ہو، وہ مادام بوہاری کے گروہ کے آدمی تھے۔" میں نے کہا۔

"مادام بوہاری!" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "تو تم اس سے بھی واقف تھے؟"

"حالات نے اس کے مقابل کھڑا کر دیا تھا۔"

"عدنان میں بھی اس کے خاصے آدمی ہیں۔ یہاں بحری جہازوں کے ذریعے وہ منشیات کی غیر قانونی درآمد اور برآمد کا دھندا ... مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ اتنے بڑے گروہ کو کنٹرول کرنے والی عورت کو کسی نے بھی نہیں دیکھا ہے۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے مجھے بتا دیا۔ میں اب مادام بوہاری کے آدمیوں سے دور ہی رہنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"مگر ... میں ایک درخواست ضرور کروں گا۔" اس نے ... لہجے میں کہا۔

"وہ کیا؟"

"اگر تمہاری مادام بوہاری سے واقعی دشمنی ہو گئی ہے تو اب ہوٹل ... قیام نہ کرنا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"وہاں کیا ہو جائے گا؟"

"... لڑکی ... مادام بوہاری کے لئے کام کرتی ہے۔" وہ بولا۔ "... مشتبہ شخص ... پا لیتی ہے ... ٹھکانے لگانے کے لئے ..."

"... اس کے آدمی نہایت منظم طریقے پر کام کرتے ... انتظام ... تو اس کے ... تک ... یا غائب کر دیا جائے گا۔"

اس کے الفاظ سن کر میں اپنے ہی وجود میں کانپ کر رہ گیا۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ تمہاری مالکن بوہاری کے لئے کام کرتی ہے؟"

"اس کے اراکین اپنی وفاداری کی خود ہی ... تشہیر کرتے ہیں تاکہ چھوٹے موٹے جرائم پیشہ لوگ ان کے راستے میں حائل ہونے کی جرأت نہ کر سکیں۔"

"تمہاری مالکن نے مجھ پر تو کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی؟"

"یہاں سے واپسی پر ملاقات کئے تھے مگر میں نے معروف نام بتا کر تمہیں نوابی ... دولت برباد ..." اچانک وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا کہہ رہے تھے؟"

"مجھے اگر پہلے سے مادام بوہاری کا قصہ معلوم ہوتا تو میں ... سکتا تھا مگر میں نے بے خبری میں تمہارے لئے اپنی مالکن کی آج دوپہر کی دعوت بھی قبول کر لی۔ دوپہر کا کھانا وہ ہوٹل میں تمہارے ساتھ کھانا چاہتی تھی مگر اب میں تمہیں وہاں جانے کا مشورہ نہیں دوں گا۔"

میرے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ "اگر میں تمہاری دعوت کے باوجود کھانے پر نہ گیا تو وہ ضرور مشکوک ہو جائے گی۔"

"میں کوئی بہانہ بنا دوں گا۔" اس نے کمزور سے لہجے میں کہا۔

"نہیں۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "میں اس سے مل کر جاننا چاہتا ہوں کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہی ہے۔"

"میں ضد نہیں کروں گا مگر میری دانست میں تم ... ہی رہو گے۔" اس نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

"میں دوسروں کی جنگ لڑنے کے بجائے خود اپنی ... کے مقابلے کا قائل ہوں اگر وہ میری طرف سے مشکوک ہو گئی ہے تو پھر ... مادام بوہاری کو اپنے زخم چاٹنے ہوں گے میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" عدنان نے سر تسلیم خم کر دیا۔

اس نئی صورتحال نے وہ ذہنی سکون برباد کر دیا جو میں نے دمشق پہنچنے کے بعد محسوس کیا تھا۔ عدنان بھی خاموش تھا اور میرے ذہن میں تو شیطانی کارخانہ ہی چل پڑا تھا۔

میرے دیر میں سونے کے باعث ہمیں زیادہ وقت نہیں تھا لہٰذا ہم تیار ہونے لگے اور ٹھیک ساڑھے بارہ بجے ہوٹل ... کی طرف روانہ ہو گئے۔

کار میں بیٹھنے سے قبل عدنان نے دبے لفظوں میں مجھے ایک مرتبہ پھر روکنا چاہا مگر میں نے نرمی سے اس کا مشورہ ٹال دیا۔

ہم ہوٹل پہنچے تو ریسٹورنٹ کی مالکن دو آدمیوں کے ساتھ ... ہم دونوں کی منتظر تھی۔

راستے میں عدنان فاخوری نے مجھے ہوٹل ڈریکارڈو کی خوبرو مالکن کے بارے میں خاصی باتیں بتا ڈالیں۔۔۔

اس کا نام ہیلن ڈیسس تھا۔ اس کا باپ الگزینڈر ڈیسس ایتھنز کا ایک معزز اور آسودہ حال شخص تھا مگر ہیلن کسی طرح ایک ایسے شخص کی محبت میں مبتلا ہو گئی جو جائز ذرائع سے اپنی روزی کمانے کی کوششوں کو بے سود سمجھتا تھا۔ ہیلن کو اس شخص سے بے پناہ پیار تھا مگر اس کی مصروفیات سے نفرت تھی۔

مگر ہیلن بعد کی کوششوں کے باوجود اسے بدلنے میں کامیاب نہ ہو سکی بلکہ اس نے ہیلن کو بھی اپنے حلقۂ احباب میں متعارف کرا دیا۔ کچھ عرصے بعد وہ پُراسرار حالات میں ایک بحری جہاز پر مردہ پایا گیا اور پولیس سرتوڑ کوششوں کے باوجود قاتل یا قتل کے سبب کا سراغ نہیں لگا سکی۔

بیوگی کے بعد ہیلن نے اپنے نام کے ساتھ شوہر کا نام لکھنا ترک کر دیا اور دوبارہ مس ہیلن ڈیسس بن گئی۔ اس بارے میں بھی اس کا فلسفہ عجیب تھا۔ وہ کہتی تھی کہ ایک بُرے آدمی کی بیوی کہلانا اسے گوارا تھا۔ کیونکہ ڈیسس کا مجرب تھا مگر مجرب کی وفات کے بعد اس بُرے آدمی کی بیوہ کہلانا اسے گوارا نہ تھا لہٰذا اس نے شادی سے قبل کا نام اختیار کر لیا۔

اپنے شوہر کے قاتل کی تلاش میں وہ مقتول کے دوستوں سے ملتی رہی جو مستند طور پر بدقماش لوگ تھے لہٰذا پھر انہی دنوں کسی طرح اس کا رابطہ ملاوم بزاری کے گرگوں سے ہو گیا اور وہ حیرت ناک طور پر اس کے لیے کام بھی کرنے لگی۔

عدنان فاخوری کو ہیلن ڈیسس کے پرانے ملازمین سے یہ باتیں معلوم ہوئی تھیں ورنہ ہوٹل ڈریکارڈو میں آنے والے بیشتر منچلے اسے کنواری دوشیزہ سمجھ کر سرِشام وہیں کھنچے چلے آتے تھے۔ مگر ہیلن نے اپنی تمام تر خوش خلقی کے باوجود ان میں سے کسی کو حد سے تجاوز کرنے کا موقع نہیں دیا تھا۔

مگر اس نے جس انداز میں یک بیک جیری کی ذات میں دلچسپی لینی شروع کی تھی اس کی بنا پر میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ جیری کے لیے ہیلن کی قائم کردہ حدود میں رہنا تقریباً ناممکنات میں سے ہوگا!

اس وقت وہ سادہ سے لباس میں ہوٹل کے برآمدے میں کھڑی ہوئی تھی مگر اس سادگی کے باوجود اس کے سراپا کا ایک ایک نقش قابلِ دید تھا۔ خد و خال، رنگت، قامت اور جسامت تو خیر اس کے حسن کے مرکزی پہلو تھے مگر اس کی مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمکنے والی معصومیت میں بھی عجیب غیر مرئی حسن موجود تھا۔

"ذرا ہوشیار ہی رہنا!" عدنان نے کار کا انجن بند کرتے ہوئے جیری سے کہا۔ "یہ دونوں اس شہر میں خاصے بدنام ہیں۔"

"مگر جانے پاس......!" میرا فقرہ ادھورا ہی رہ گیا۔ اس اثنا میں ہیلن سیڑھیاں اتر کر کار کے قریب آ چکی تھی۔

"خوش آمدید مسٹر ڈولن بروک!" اس نے … کار کا دروازہ کھول کر رسیلی آواز میں کہا۔

"قدرت نے حسن کے ساتھ ہی اخلاق سے بھی نوازا …" میں نے فوری فیصلے کے تحت قدرے جارحانہ الفاظ کا انتخاب … نرم لہجے میں کہا۔

میرے الفاظ پر چند ثانیوں کے لیے وہ سٹپٹا سی گئی … مگر اس نے فوراً خود پر قابو پا لیا … لوگوں سے مل کر …

"خوش قسمتی ہے میری!" میں نے سر کو قدرے خم … "حسین لڑکیوں کے ساتھ وقت گزار کر سرور حاصل ہوتا ہے …"

"حسن صرف دیکھنے والے کی نظر کا فریب ہوتا ہے …" وہ قہقہہ مار کر بولی "ایسا نہ ہو تو بدصورت لوگ زندگی بھر … ہی جھیلتے رہیں!"

وہ میری رہنمائی کرتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف … اسی وقت عدنان فاخوری نے … پیچھے چلے ہی آ کر … دیا مگر میں پہلے ہی ان دونوں کا جائزہ لے چکا تھا … ٹہلنے پوری سنجیدگی سے ہم تینوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔

برآمدے میں ان دونوں کے قریب پہنچ کر ہیلن … "یہ میرے دوست پاپاگوس اور جیری ہیں۔" وہ … کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی "اور یہ میرے مہمان … ہیں۔ عدنان کو تو تم دونوں جانتے ہی ہو۔۔۔"

پاپاگوس نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے … مظاہرہ کیا شاید اس طرح وہ مجھے مرعوب کرنا چاہتا تھا … میں ہوشیار نہ ہوتا تو وہ گرمجوشی کے بہانے … ایک آدھ انگلی ناکارہ کر ڈالتا۔

"عدنان اس وقت تمہارا مہمان ہے یا میرا؟" … پھر پاپاگوس نے بے تکلفی سے عدنان کے شانے پر ہاتھ مار کر … سوال کیا۔

"مہمان ہی سمجھو! ڈولن بروک کو اسی کی معرفت …" فقرہ ختم کرتے ہی وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور مجھے … جیسے کانسی کی بے شمار ننھی ننھی گھنٹیاں ایک ساتھ بج …

"بڑی اچھی بات ہے" جیری کا ہم عمر … ان کی طرف بڑھتے ہوئے جیری … انداز میں بولا "… ڈریکارڈو کا کوئی ملازم اپنی خوشی سے استعفیٰ … نہیں ایک کیسے کا سا احساس دیا ہوا ہے!"

"… کام کرنے والے …"

"… پاپا … تم یہاں کام کرتے ہو؟"

جیری نے برا سا منہ بنا کر تیکھے انداز میں مجھے گھورتے ہوئے … "… پوری سنجیدگی اور نیک نیتی سے کہا ہے!"

"… سنجیدگی سے خالی معدے سے بیزار ہو جاتا ہے۔" میں نے … آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "ایسی باتیں کھانے کے بعد … اچھی لگیں گی۔"

"خوش مزاج بھی ہو۔" پاپاگوس اچانک ہنس پڑا۔ شاید وہ … کسی قسم کی تلخی سے بچنا چاہتا تھا "فکر نہ کرو، میرے … معدہ محفوظ رہے گا۔"

"میں ان لوگوں کے بارے میں بے حد متفکر ہو جاتا ہوں جو … ہی کھوکھلیاں لائے پھرتے ہیں۔" میں نے جیری کو … انداز میں نظرانداز کرتے ہوئے براہِ راست پاپاگوس … "ایسے لوگ دوسروں کے معاملات پر شدت سے اثرانداز ہوتے ہیں۔"

"… اڑا رہے ہو؟" جیری نے نتھنے پھلا کر میری طرف … لہجے میں کہا۔

"میں بزرگوں کا احترام کرتا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے … سے کہا "اور تم سے ویسے بھی میری بے تکلفی نہیں ہے۔"

"… احترام کی ایسی کی تیسی!" وہ آپے سے باہر ہو کر غرایا۔ "… کہاں سے بزرگ نظر آ رہا ہوں؟"

"میں نے کب بزرگ کہا؟ ابھی تو تم بچے ہی ہو …" … سلگانے میں لذت محسوس کر رہا تھا۔

… اس تبصرے پر شاید بات بڑھ جاتی مگر ہیلن ڈیسس … جیری کا ہاتھ تھام لیا "تم اس قدر چھوٹی چھوٹی باتوں پر کیوں … ہو؟"

جیری غصے اور بے بسی کے ملے جلے جذبات نگاہوں میں لیے … مجھے گھورتا رہا پھر شکست خوردہ لہجے میں بولا "تم بھی … الزام ٹھہرا رہی ہو … نہیں دیکھتیں کہ یہی مجھے بدتمیز … رہا ہے!"

"اگر تم کوئی کام کیے بغیر اسے مناسب جواب دے سکو تو مجھے … ہم یہاں اپنا موڈ برباد کرنے کے لیے جمع نہیں ہوئے …" … کہا۔

"… اس کے منہ نہیں لگنا چاہتا۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔ "… کہ اب یہ مجھ سے مخاطب ہونے کی کوشش نہ کرے …"

"… مسٹر ڈولن بروک!" اس کا فقرہ پورا ہوتے … میں نے شریر لہجے میں کہا۔

"… سے کیا فرق پڑتا ہے؟" میں نے لاپروائی سے … "… شام تک بھوکا بیٹھ سکتا ہوں مگر خاموش …

… بہار فراز رہے گا۔"

"بات کرنے کے لیے یہاں تین افراد اور بھی ہیں۔" اس بار عدنان فاخوری نے درمیان میں دخل اندازی کی تھی۔

"تم کہاں سے آئے ہو؟" پاپاگوس نے فوراً ہی سوال داغ دیا۔۔۔

"عدنان کے گھر سے!" میں نے اسے ٹالنے کی غرض سے ازراہِ تمسخر جواب دیا۔

"میرا مطلب ہے ایتھنز سے پہلے تم کہاں رہتے تھے؟"

"بات اگر واضح نہ ہو تو میری سمجھ میں ذرا دیر سے آتی ہے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "تم نے آئن اسٹائن کا مشہور قصہ سنا ہے۔۔۔؟"

"کیا؟" ہیلن نے غیر ارادی طور پر سوال کر کے مجھے موضوع بدلنے کا بہانہ فراہم کر دیا۔

"اس سے کسی نے سوال کیا تھا کہ سونے کا ایک نازک سا زیور اگر خاصی بلندی سے نیچے گر جائے تو کیا ہو گا؟ اور آئن اسٹائن نے کہا کہ کچھ بھی نہیں۔" میں نے رک کر سگریٹ کا کش لیا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا "اس جواب پر سائل سٹپٹا گیا اور قدرے سوچنے کے بعد اس نے دوسری طرح سوال دہرا دیا کہ گرتے ہوئے زیور پر کسی سیر وزنی ہتھوڑے سے زوردار ضرب لگائی جائے تو کیا ہو گا اور اس بار بھی آئن اسٹائن نے نہایت معصومیت سے اپنا جواب دہرا دیا۔ وہ شخص بری طرح چراغ پا ہو گیا کہ ہتھوڑے کی ضرب تو درکنار گرنے سے ہی زیور ٹوٹ پھوٹ کر ڈھیر ہو جائے گا مگر آئن اسٹائن اتنی معمولی سی بات نہ بتا سکا۔"

"وجہ کیا تھی۔۔۔؟" عدنان شاید میرا مقصد بھانپ گیا تھا لہٰذا اس بار اسی نے سوال کر ڈالا۔

"دراصل آئن اسٹائن نے اس شخص سے اپنی کم فہمی پر معذرت کر لی۔" میں نے کہا "دراصل اس کا ذہن سونے کے جوہر اور اس کی ماہیت میں الجھ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس سے زیور کی ٹوٹ پھوٹ جیسے جواب کی توقع رکھی جائے گی۔ مگر سوال کرنے والا میرا ہی کوئی بھائی تھا۔"

ہیلن، پاپاگوس اور عدنان نے دل کھول کر قہقہے لگائے مگر جیری منہ بنائے مجھے گھورتا رہا۔

"یہ قصہ تمہارے دماغ کی پیداوار ہے۔" قہقہے تھمنے پر جیری خشک لہجے میں بولا "آئن اسٹائن کے ساتھ کبھی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا۔۔۔"

"اب یہ تو مجھے معلوم نہیں ہے۔" میں نے ہیلن سے کہا "اس سے پوچھو کیا یہ آئن اسٹائن کے ساتھ ہی کھیلا کرتا تھا؟"

"مجھے بتاؤ کہ تم نے یہ قصہ کہاں پڑھا ہے؟" وہ مصر ہو گیا۔

"اگر تم آئن اسٹائن کے ہم عصروں میں سے ہو تو جیکر ٹی
آئن اسٹائن کا ایک حیرت ناک اشتہار چھپا۔ اگر تم علمی قابلیت بڑھانی
چاہتے ہو تو پہلے اپنا مطالعہ وسیع کرو پھر میرے پاس آنا۔" میں
نے تلخ لہجے میں کہا۔
"اگر تم خاموش نہیں بیٹھ سکتے تو یہاں سے چلے جاؤ!" اس
بار جیلی کا لہجہ سخت اور تحکم آمیز تھا۔
"میں معافی چاہتا ہوں مس نوسس!" وہ ایک دم بھیگی بلی
بن گیا۔ "اس وقت میری طبیعت کچھ ناساز ہے اگر اجازت ہو تو چلا
ہی جاؤں...؟"
"تم چلے ہی جاؤ تو بہتر ہوگا۔" جیلی نے ترش لہجے میں کہا اور
جیری مجھے کینہ توز نگاہوں سے گھورتا ہوا میز سے اٹھ گیا۔
"اگر تم ایسا نہ کرتیں تو یہ سوچا پڑھا جاتا کہ آداب میزبانی کسے
کہتے ہیں؟" میں نے جیری کے جانے کے بعد جیلی سے کہا۔
"ٹولیسکارڈو کی بارونق شامیں اس بات کی گواہ ہیں کہ مادام ایتھنز
کی سب سے کامیاب میزبان ہیں۔" پاپاگرس نے کہا۔
"مادام!" میں نے چونک کر دہرایا۔ "یہ خطاب کچھ ادھورا
محسوس ہوتا ہے۔"
"وہ کیسے؟" پاپاگرس کا لہجہ متجسسانہ تھا۔ مسز فیز تبریہ
یونان والوں کے لئے سے کسی غیر معمولی ردعمل کا اظہار نہیں ہوا تھا۔
"مشرق کا لہجہ میں یہ خطاب ایک گروہ غیر خاتون کے لئے استعمال
ہوتا تھا۔" میں وضاحتی رشتے کے بجائے جارحانہ انداز اختیار
کرتا جارہا تھا۔
"تو کوئی نام نہیں تھا اس کا...؟"
"مادام ریناتے کہلاتی تھی!"
"تو تم سنگاپور سے آئے ہو؟" جیلی کو ایک مرتبہ پھر موقع
مل گیا۔
"میں ایک سیاح ہوں اور اچھے سیاح نئی منزل پر پہنچ
کر پچھلا ٹھکانا بھول جاتے ہیں۔ اگر تمہاری میزبانی نے کچھ مسحور کیا
تو شاید یہاں پڑاؤ کچھ لمبا ہو جائے۔"
"تم چھپانا چاہ رہے ہو۔" جیلی دلفریب مسکراہٹ کے
ساتھ بولی۔
"ہو سکتا ہے!" میں نے کہا۔
"مگر کیوں...؟"
"میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ تم اسی سوال کا جواب سننے کے لئے
کیوں بے چین ہو؟" میرا لہجہ یک بیک خشک ہو گیا۔
"ہر لیکن مان نہیں ہو۔" عدنان جلدی سے بولا۔ "ہم لوگ
ایک میز پر اکٹھے بیٹھے ہوئے ہیں اور یہاں ایک دوسرے کے بارے میں

طور پر بہت جاننے کا شوق ہے!"
"مس جیلی کے اصرار سے تو یہ اندازہ ہو رہا ہے جیسے مجھے
اسی سوال کا جواب سننے کے لئے مدعو کیا گیا ہے!"
"میرا مان گئے۔" جیلی اچانک ہی ہنس پڑی۔
"کوئی اور ہوتی تو تمہیں مجبور نہیں کرتی لیکن یہ بتا دوں
ہوں کہ میں نے تمہیں صرف اسی وجہ سے مدعو کیا کہ تم
عدنان فاخوری کے دوست ہو!"
اسی اثنا میں بیرا مشروبات کی ٹرالی لے آیا۔
جام میرے نام تجویز کیا جو بوجھل سی فضا میں خالی کر دیا گیا۔
وائن بہت عمدہ اور حقیقی معنوں میں اشتہا انگیز تھی۔
کا دور شروع ہوا تو فضا پر چھایا ہوا جمود ٹوٹ چکا تھا۔
وہاں سے چار بجے کے قریب خلاصی ہو سکی۔
بعد گفتگو نہایت خوشگوار اور دوستانہ رہی ایک بار بھی
دیتے پر بھی صورت کی جس کے نتیجے میں جیری کو
مگر ان عدنان نے ہی اعتراف کیا کہ جیری نہایت خود سر
تھا جسے برداشت کرنا ہر ایک کے بس کا روگ نہیں تھا۔
جیلی پاپاگرس کے پہلو میں بیٹھ کا رنگ چہرہ
"میں تم کو چھوڑ کر تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں..."
عدنان فاخوری نے اپنی رسٹ واچ دیکھتے ہوئے جیلی سے کہا۔
"آج تم چھٹی کر لو۔" جیلی فراخدلی کے ساتھ بولی۔
کی سیر میں اکیلے لطف نہ آئے گا۔"
"تم جانتی ہو ایک بڑی ڈیل کے لئے
ہے۔" عدنان نے نرم لہجے میں کہا۔
"اوہ، تو میں بھول ہی گئی تھی۔" جیلی نے تحسین آمیز
"تم واپس چلے آنا شام کو میں تمہیں شہر دکھاؤں گی۔"
"تفریح کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔" میں نے کہا اور
وہاں سے رخصت ہو گئے۔
واپسی میں چند منٹ تک خاموشی رہی جسے عدنان نے
"تم کچھ سمجھے کہ جیلی نے تمہیں کیوں مدعو کیا تھا؟"
"اس کا رویہ بڑا مبہم سا تھا۔ پتہ نہیں وہ کس چکر میں ہے۔
جیلی سے زیادہ مجھے جیری کی فکر ہے۔ وہ خطرناک
آدمی ہے!"
"شاید میں نے اس کے ساتھ زیادتی کر ڈالی!"
"نہیں۔ وہ جیسا ہے تم نے بھی دیکھ لیا
دیکھا تھا۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"میں جیلی کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور
ایک حرکت دیکھ رہا تھا۔ وہ پینے لگا۔ جیری کو

الجھن کی شہ بھی تھی!"
"کہاں ہے... اور پھر خود ہی اسے اٹھا بھی دیا۔"
"وہ عجیب حرکت تھی۔" وہ بولا۔ "اگر تم ابتدا سے
جب بھی شاید وہ موقع پاتے ہی تم سے الجھ بیٹھتا۔"
"لیکن کیوں؟" عدنان نے مجھے الجھن میں ڈال دیا۔
"میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے!"
"ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں کو ٹیکسی اڈے میں الجھا کر جیری نے
مکان کی تلاشی لے ڈالی ہو۔" میں نے چونک کر کہا۔ اسی کے
ساتھ مجھے اپنے سفری کاغذات یاد آگئے جو بریف کیس میں تھے۔
ہدایت کے ساتھ بیروت والے کئے تھے کہ ضرورت ختم ہونے پر
تلف کر دوں گا۔ ایتھنز پہنچنے کے بعد اس کی ہدایت
دی گئی تھا۔
"پہلے میں نے بھی یہی سوچا تھا۔" عدنان بولا۔ "لیکن اگر تلاشی
ہی مقصود تھی تو تمہارے جانے کی کیا ضرورت تھی؟ دوسرا
تلاشی کا تھا مگر یہ کام بھی دور کیا جاسکتا تھا۔ مجھے تو اس
سلسلے میں کچھ اور ہی نظر آرہا ہے!"
راستے بھر ہم دونوں اس معاملے پر تبادلہ خیال کرتے رہے
لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔ اگر جیلی نوسس ایتھنز میں
اسرائیل کے لئے کام کر رہی تھی تو یہ سمجھنا نادانی ہوتی کہ وہ مجھ پر شبہ
نہیں کر سکتی تھی۔
اور وہ ابتدا ہی سے جیری کی طرف سے مشکوک تھا اور پھر میں
نے سنگاپور کے حوالے سے ایک فرضی مادام ریناتے کا قصہ چھیڑ کر اس
شبہ کو تقویت دی تھی اس سلسلے میں یہ بات بھی نظر انداز نہیں کی
جا سکتی تھی کہ حقیقت چھپے رہنے کا نام چھپانا بھی نامناسب تھا
میں یورپ کے کسی بھی شہر کا نام لے کر بات ختم کر سکتا تھا مگر یہ
سب بعد کی باتیں تھیں جو ہونا تھا سو ہو چکا تھا اور مجھے اس کے نتائج
بھگتنے کے لئے تیار رہنا تھی۔
"یہ آئن اسٹائن کا قصہ کیا تھا؟" عدنان نے سوال کر کے
میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔
"اسی وقت تازہ تازہ تیار کیا تھا۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "میں
عدنان پر ہوا تھا مجھے امید نہیں تھی کہ جیلی دوبارہ وہی سوال کر
بیٹھے گی۔"
"مجھے تمہاری برجستگی پر بڑا رشک آتا ہے۔" وہ سر جھٹک کر بولا۔
"بیٹھے بٹھائے ایسے برجستہ اور جامع قصے گھڑ لیتے
ہو کہ سننے والا... اس کا ...ہے کہ وہ بیٹھ... کی آڑ
میں فوراً وقت نکال لیتا ہے۔"
... کو نوری میں ڈھال لیا تو واقعی ... میں ...

پیچھا کرنا پسند کرتا ہوں۔" میں نے نرمی سے کہا۔
عدنان نے اپنے مکان کے سامنے کار روکی تو اچانک کہیں سے
گھومتی ہوئی سبز رنگ کی ایک کار تیزی سے نمودار ہوئی۔ اور اس کے
قریب آرکی!
بریکوں کی چرچراہٹ سن کر ہم دونوں ہی اچھل پڑے اور اسی
وقت ہمیں جیری کا غصے سے تپتا ہوا چہرہ نظر آیا۔
"یہ یاد رکھنا کہ میں تم سے بدلہ لئے بغیر چین سے نہ بیٹھوں گا"
وہ اپنی کار کی کھڑکی میں سے سر نکال کر چیخا تھا جس سے اس کا لہجہ
کھردرا تھا۔
"انجن بند کر کے ابھی نیچے آجاؤ!" میں نے عدنان کی کار سے
اترتے ہوئے تضحیک آمیز لہجے میں کہا میں اس وقت واقعی اس سے
دو دو ہاتھ کرنے کے موڈ میں تھا۔
"جیری اپنی پسند کے موقع پر وار کرتا ہے!" یہ کہہ کر اس
نے اپنی گردن اندر کھینچی اور اس کی کار برق رفتاری سے آگے بڑھتی
چلی گئی۔
"معاملہ خطرناک ہوتا جارہا ہے۔" عدنان میرے قریب
آکر بڑبڑایا۔
"تم فکر نہ کرو اس طرح دھمکانے والے مرد دلیر نہیں ہوتے"
میں نے کہا۔ "لاؤ چابی مجھے دے دو تمہیں دیر ہو رہی ہے!"
"تھوڑی دیر کو بھی میزبانی نہیں کرنے دو گے!" وہ میرے
شانے پر ہاتھ رکھ کر مکان کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔
"تم جاؤ گے تو وہ آئے گی۔"
"تم خوش نصیب ہو کہ وہ تمہیں اتنی لفٹ دے رہی ہے۔
موقع ملے تو کسی قسم کی رعایت سے کام نہ لینا۔"
"اب تو وہ میرے دشمن کی چاہتی ہے!" میں نے معنی خیز لہجے
میں کہا۔
اس وقت تک ملنے والے فلسطینیوں میں عدنان فاخوری بہت
مختلف تھا۔ دوسروں کے برعکس وہ شراب سے بھی رغبت رکھتا تھا۔
عورتوں کے بارے میں بھی جارحانہ سوچ کا مالک تھا اور انفرادی فیصلے
کا اہل بھی معلوم ہوتا تھا۔
گھر میں داخل ہوتے ہی عدنان کی رائے کی تائید ہو گئی۔ ہر چیز
جوں کی توں موجود تھی جس کا مطلب تھا کہ ہماری غیر حاضری میں مکان
کی تلاشی نہیں لی گئی تھی۔
میں نے سب سے پہلے اپنا پاسپورٹ اور دوسرے سفری کاغذات
نکالے اور فرش پر ایک جگہ رکھ کر انہیں آگ لگا دی۔
عدنان نے غسل خانے سے آکر مجھے کاغذات پر آگ تاپتے
دیکھا تو حیران رہ گیا۔ "یہ کیا کر رہے ہو تم؟"

"اصولاً مجھے یہ کام کل ہی کرنا تھا۔"

"مگر کیوں؟" اس کی نگاہیں بدستور سلگتے ہوئے پائپ پر جمی ہوئی تھیں۔

جب میں نے اسے اختصار سے اپنی اس کارروائی کا پس منظر بتایا تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس کی دانست میں وعدے کی پابندی نہایت مردانہ خصوصیت تھی۔

ہوٹل واپس جانے سے پیشتر عدنان نے اپنا ایک پستول میرے حوالے کر دیا۔ اس کے علاوہ وہ خفیہ جگہیں بھی دکھائیں جہاں چند مختصر مگر مؤثر ہتھیار پوشیدہ تھے جن سے انتہائی نازک صورت حال میں کام لیا جا سکتا تھا۔

کچھ دیر ستا کر عدنان واپس چلا گیا اور میں دروازہ اندر سے مقفل کر کے کسلمندانہ انداز میں بستر پر دراز ہو گیا۔

خوش خوراکی اور مشروب نوشی کا اثر یہ ہوا کہ بستر پر لیٹتے ہی میری آنکھ لگ گئی۔ اور میں دوبارہ اس وقت بیدار ہوا جب ڈور بیل کی تیز آواز نے خلل اندازی کی۔

دروازہ کھولنے پر میں نے جیلن کو سامنے موجود پایا۔

"ارے تم سو رہے تھے؟" وہ مجھے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"تنہائی میں نیند سے بہتر اور کیا شغل ہو سکتا تھا؟" میں نے اسے اندر آنے کا راستہ دیتے ہوئے کہا۔

"میں تو سمجھ رہی تھی کہ تم تیار بیٹھے میرا انتظار کر رہے ہو گے۔"

"بڑی خوش فہمی ہے تمہیں اپنے بارے میں!" میں نے مسکرا کر اس کے سراپا پر ناقدانہ نگاہیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"بہت منہ پھٹ ہو!" وہ خفت آمیز ہنسی کے ساتھ بولی "اگر تم سیاح ہی ہو تو تمہیں کمرے میں بند پڑے رہنے کے بجائے گھومنے پھرنے سے دلچسپی ہونی چاہئے۔"

"سیاحت کے شوق سے دوستی کے تقاضے ختم نہیں ہو جاتے!"

"اب بیٹھے کہاں رہے ہو؟ منہ ہاتھ دھو لو تو ذرا باہر کی دنیا بھی دکھا لاؤں۔"

"تم ساتھ ہو تو تفریح کے لئے باہر نکلنا ایسا ہی ہے جیسے ریگستان میں پودوں کی آبیاری کرنا۔" میں اس سے بتدریج بے تکلف ہوتا جا رہا تھا۔

"یہ نہ سمجھنا کہ میں یہاں آ گئی ہوں تو بس اب تمہارے ہی اشاروں پر ناچوں گی۔" اس نے بگڑتے ہوئے کہا۔

"میں شریف لڑکیوں سے اشارے بازی نہیں کرتا۔" میں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"اچھی بات ہے ... سے بچے رہتے ہو!"

"اجازت ہو تو منہ ہاتھ دھو لوں؟"

"میں تو خود بھی کہنے ہی والی تھی!"

اس کے بعد بھی ہم وہیں بیٹھے رہے۔

"اس سے تو بہتر تھا کہ تمہیں ہوٹل ہی میں کھانے کی فکر تو نہ ہوتی۔" اس نے ایک ادا سے منہ بنا کر کہا۔

"فکر نہ کرو، بھوک لگی تو ادھر ہی چلیں گے ... کھانے واقعی بہت لذیذ ہوتے ہیں۔"

میں منہ دھو کر واپس آیا تو جیلن ایک صوفے پر ... شیری کا گلاس خالی کر رہی تھی۔

"پہلے بھی یہاں آتی رہی ہو؟"

"کبھی کبھار!" وہ جانے کیا سوچ کر ...

"پھر تو بڑا امکان ہے عدنان نے ..." میں نے کہا "... پر مجھے اس طرح مبارک باد دے رہا تھا جیسے مجھ میں سرخاب کے پر لگے ہوئے ہوں۔"

"تم الو ہو!" وہ خوشگوار سی جھلاہٹ کے ساتھ بولی "... میں جیسے کسی نہ کسی کام سے آتی ہوں آج جیسی بار ..."

"یعنی عدنان درست ہی کہہ رہا تھا۔"

"تمہارے اگر کہیں سرخاب کے پر ہیں بھی تو ... بچے ہیں؟" وہ بولی "اگر آج لنچ پر جیری تمہارے ساتھ زیادتی کرتا تو شاید یہ نوبت ہی نہ آتی۔"

"میں جیری کا ممنون ہوں، مگر تم یہ تو بتاؤ ..." میں اس سے جیری کے بارے میں کوئی بات چھیڑنی چاہتا تھا۔

"میں ... گھنٹے ہوٹل پر اور دو چار گھنٹے ... قائم کر کے میں نے نئی زندگی حاصل کی ہے؟"

"کوئی حادثہ ...؟"

"ہو جاتا، پر کہہ لو۔" وہ لاپروائی سے بولی "ہو سکتا ہے کہ ... میرے ذہن سے نکل جائے۔ تم جیری سے ذرا ہوشیار ... تم سے کہیں بھی بدلہ لینے کی بھرپور کوشش کر سکتا ہے۔ اس ... میں وہ پورا اور ... ہے۔"

"وہ ایسا نہیں کرے گا۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں ...؟" جیلن کی حیرت بالکل فطری اور بے ساختہ ...

"جوش میں کسی کے کہنے پر چل پڑا تھا، بعد میں عقل ..."

"تم جھوٹ بول رہے ہو، ایسا ہونا ناممکنات میں سے ہے ..." وہ حیرت اور بے یقینی سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "... مدت سے جانتی ہوں۔"

"اگر میں یہ کہوں کہ اس نے مجھ سے مل کر اپنے ... کی ہے ..."

"... ابھی اس سے بات کئے لیتی ہوں۔" وہ قریب ہی ... فون کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

"... یعنی تم کو پورا یقین ہے کہ میرے ساتھ اس کا رویہ مخالفانہ ..." میں نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

"... اس لئے کہ میں اسے جانتی ہوں۔ ... اس کے معذرت کرنے ... سوچ سمجھ کر ... مطلع ہو گا۔"

"... اور تم اس کے مخالفانہ رویے کی فوری تصدیق بھی کرنا چاہتی ... کیا میں اس کی وجہ جان سکتا ہوں؟"

"... تم یہ تو نہیں سمجھ رہے کہ وہ میرا ..." میں نے چونک کر مجھ ہی سے سوال کر ڈالا۔

"اگر تم میری جگہ ہوتیں تو اس کے علاوہ کیا سوچ سکتی تھیں؟"

"... وہ میرا ملازم نہیں، صرف ... دوست ہے۔"

"ملازم سے زیادہ وفادار معلوم ہوا تھا۔"

"تمہارے آ جانے کے بعد اس نے مجھے فون کیا تھا ... اور اب بھی نہ ملنے کی دھمکی دی ہے!"

"اور مجھے اس نے عدنان کے ... باہر براہ راست ..."

"مگر تم تو معذرت کا ذکر کر رہے تھے؟"

"وہ مذاق تھا۔" یہ کہہ کر میں نے اسے جیری سے ملاقات کی ... سنا ڈالی۔

"میں دیکھوں گی کہ اس سلسلے میں تمہارے لئے کیا کر سکتی ہوں۔" ... تشویش زدہ انداز میں بولی۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ ... ساتھ تم نے ... کیا تھا۔" میں نے اس سے پوچھ ہی ڈالا۔

"اتفاق ہی سمجھو، وہ دونوں مجھ سے ملنے آ گئے تھے اور میں نے انہیں کھانے کے لئے روک لیا۔ خاص طور پر انہیں بلانے کی ... نہیں تھی۔"

اس کی گفتگو سے میں نے کم از کم یہ اندازہ لگا لیا کہ وہ ... عورت نہیں تھی۔ اسے ... سے راہ راست پر لایا جا سکتا تھا۔ جیری کے معاملے میں میرا اندازہ تھا کہ جیلن نے کسی وجہ ... ایک دشمن کی موجودگی کا جواز پیدا کرنے کی کوشش ... انداز اختیار کیا گیا تھا۔

ایک طرف تو دشمن کی موجودگی میں جیلن سے زیادہ قریب ... اس سے مدد بھی طلب کر سکتا تھا۔ دوسری طرف اس ... کافی دنوں تک الجھایا جا سکتا تھا۔

کم از کم یہ ثابت ہو چکا تھا کہ جیلن کو مجھ پر کسی قسم کا شبہ ہو چکا تھا اور اگر وہ ... لیاری سے متعلق تھی تو اس شبہ کی نوعیت بھی واضح تھی۔

یہ اتفاق تھا کہ میں عدنان قاقوری سے ملنے کے لئے ہوٹل ... پہنچا تو براہ راست جیلن ہی سے ملاقات ہوئی۔

اگر اس نے میری تصویر دیکھی ہوئی تھی یا میرا حلیہ اسے بتایا جا چکا تھا تو مجھے دیکھ کر اس کا مشتبہ ہونا لازمی تھا۔

پھر اس نے اپنے شبہے کی تصدیق یا تردید کے لئے میرے ... انداز میں دعوت دے ڈالی ہے ... ایسے افراد اور بھی ہیں جنہیں میرے ملنے کے بارے میں ... معلوم رہا ہو گا اور جب ان تینوں نے متفقہ طور پر یہ طے کر لیا کہ مجھے فوری طور پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا تو جیری نے مجھ سے مفت کا جھگڑا مول لے لیا۔

عین ممکن تھا کہ جیلن ... مجھے فوری طور پر نقصان پہنچانا نہ چاہتی ہو اور مجھے اس وقت تک تفتیش میں رکھنا چاہتی ہو جب تک کوئی ایسا شخص وہاں نہ پہنچ جائے جو میرے بارے میں کوئی یقینی رائے دے سکے۔

اس نتیجے پر پہنچ کر میں نرم پڑ گیا "اگر تم واقعی میری خیر خواہ ہو تو یہ میری خوش نصیبی ہے اور اگر دشمن ہو تو حسینوں کی دشمنی بھی لطیف تجربات سے دوچار کرتی ہے۔"

"تو تمہیں مجھ سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟"

"اگر دوستی کا سبب معلوم ہو جائے تو دشمنی کا تذکرہ ہی چھوڑ دوں گا۔"

"میں نے بتایا نا کہ اجنبیوں سے دوستی کرنا میرا مشغلہ ہے۔"

"اگر یہ بات درست ہوتی تو تمہاری غیر متوقع دعوت پر عدنان مجھے اس طرح مبارکباد نہ دیتا جیسے میں نے کے ٹو کی چوٹی سر کی ہے!"

"تو اس نے تمہیں میری طرف سے بدگمان کیا ہے؟" وہ تیکھے لہجے میں بولی۔

"اسے بلاوجہ ملوث نہ کرو۔ جیری نے اس مکان کی چوکھٹ پر مجھے بذات خود للکار کر چیلنج دیا ہے۔"

"میں اس سے تمہاری صلح کرانے کی کوشش کروں گی۔" وہ زچ ہو کر بولی "اگر مجھے تم سے پرخاش ہوتی تو اس کی کوئی وجہ ہونی چاہئے تھی اور اگر تم وجہ بھی تلاش کر لو تو آسان صورت یہ ہوتی کہ اتنے چکروں میں پڑنے کے بجائے براہ راست تمہارے پیچھے لگا دیتی اور تم ... کے بارے میں سوچ بھی نہ پاتے!"

"جیری اتنا بدخو اور اجڈ نہیں ہے جتنا اس نے پہلی ملاقات پر ظاہر کیا تھا۔ اس تک یہ پیغام ضرور پہنچا دینا کہ میں اپنے دشمنوں سے نہایت

بے رحمی سے پیش آتا ہوں۔"

اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں خوف کی ایک بجلی سی ابھر کر فوراً ہی معدوم ہو گئی۔ "پھر تو میں بھی خطرے میں ہوں۔"

"وہ کیوں ___؟"

"تم مجھے بھی تو اپنے دشمنوں میں ہی شمار کرتے ہو۔"

"تمہاری دشمنی میں تو ہر طرح میرا ہی نقصان ہو گا۔"

"میرے کان ایسی باتوں کے عادی ہیں!" وہ لاپروایانہ انداز میں بولی۔ "ابھی کہہ رہے تھے کہ حسینوں کی دشمنی میں لطیف تجربات ہوتے ہیں۔"

"ایسے ویسے!" میں نے قہقہہ مار کر کہا۔ "زبردست ایڈونچر جنم لیتے ہیں۔"

"شاید ذاتی تجربے کی بات کر رہے ہو!"

"ذاتی تجربے کی تمنا ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ ایک خوبصورت لڑکی اپنے لکھ پتی مگر بدصورت کزن سے سخت نفرت کرتی تھی اور اس کی اکلوتی وارث بھی تھی۔ قتل کا حوصلہ نہیں تھا لہٰذا بہت سوچ سمجھ کر اس نے اپنے مدقوق کزن پر ضرورت سے زیادہ مہربان ہونا شروع کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ شخص بکثرت خرچ ہو کر بہت جلد قبر میں پہنچ جائے گا مگر جانتی ہو کہ اس کا نتیجہ کیا نکلا؟"

"وہ لڑکی ہی مر گئی ہوگی!"

"وہ مر جاتی تو صبر آ جاتا مگر ہوا یوں کہ اس شخص کو چارہ پسند آ گیا۔ اور اس کی صحت روز بروز قابلِ رشک ہوتی چلی گئی۔" میں نے اس کی طرف جھک کر کہا۔

"لڑکی نے ضرور خودکشی کر لی ہوگی۔" اس نے نہایت وثوق سے کہا۔

"وہ سنگاپور میں اب بھی موجود ہے اور اپنے کزن سے شادی کر چکی ہے۔"

"کسی امریکی رسالے کی کہانی معلوم ہوتی ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "تمہاری زبان سے دوسری بار سنگاپور کا ذکر سنا ہے!"

"میری عمر کا بیشتر حصہ وہیں گزرا ہے!"

"ماں باپ بچپن میں ہی وطن سے چھٹ گئے ہوں گے!"

اسے تو جو کہنا تھا وہ بڑی روانی سے کہہ گئی مگر ماں باپ کا ذکر آتے ہی میرے وجود میں ایک خلا سا پیدا ہوا جو بڑھتا ہی چلا گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں ایک کھوکھلا انسانی پنجرہ ہوں جس کے اندر دل و دماغ سے لے کر خون تک کچھ بھی نہ ہو۔

اس روز پہلی بار مجھے پوری شدت سے احساس ہوا کہ سیتا کے علاوہ بھی میری زندگی میں کچھ لوگ تھے جن سے میرے جذباتی رشتے تھے اور جن کے بے شمار اخلاقی قرضے مجھ پر واجب الادا تھے، مگر میں نے دل سے بھلا رکھا تھا کبھی ان کا خیال نہ آتا تھا۔

مجھے اپنا وہ بڑا بھائی یاد آیا جس نے مجھے دکان کی … سے رقم نکالنے سے روکنے کی پاداش میں پہلی اور آخری بار تھپڑ کھا کر اپنا سر جھکا دیا تھا۔ اس کی نمناک اور … میرے ضمیر پر … آج پوری طرح ابھر کر پورے وجود پر چھا گئیں۔

پھر ان آنکھوں کی اوٹ سے ابا کا غضب ناک … نمودار ہوا۔ میری بڑھتی ہوئی فضول خرچیوں اور آوارگی سے … عرصے دلگیر رہے مگر جب میں اپنے مطالبات کی خاطر … انہوں نے مجھے ہر چیز سے عاق کر کے گھر سے نکال دیا اور … کو خود بھی نہ جھیل سکے۔ بچھڑے ہوئے جوان بیٹے کو گھر سے … انہوں نے اپنے دل کے ویران خانے میں روگ پال لیا اور … دنیا میں خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

مگر ممتا سے تڑپتی ہوئی ماں زندہ رہی … کہ اچانک پرانے بیٹے کو گلے سے لگا پائے … کرنے دی اور اپنی روتی ہوئی نم آلود آنکھوں سے اپنے بیٹے کو شہر کے اندر … واپس لئے صبر سے دیکھتی … کی التجائیں بھی میری ماں کو اپنے شوہر کی آخری وصیت … پر آمادہ نہ کر سکیں اور گھر سے ٹھکرایا ہوا صفدر علی … سمندر میں تنکے کی طرح بھٹکنے لگا۔

شاہ خرچ اور اوباش صفدر علی کو شب و روز … والے دوست مفلسی کی بو پا کر یوں غائب ہو گئے جیسے … میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ دوسری ٹھوکر اس وقت لگی جب … محبوبہ کو ایک پلانٹر کے ناز و انداز کے ساتھ اپنے … سوداگری کرتے دیکھا۔

عورت میری زندگی کا جہنم تھی!

اسی گلنار کو تحفظ دینے کی خاطر میں نے اپنے باپ کی … نافرمانی اور بڑے بھائی کے ساتھ پہلی زیادتی کی تھی۔ … دوست کی معرفت معزز و شیریں کے روپ میں بہت … سے تحائف کے ذریعے پیسہ بٹورتی رہی مگر میری مفلسی کے … اصلیت کی طرف لوٹ چکی تھی۔ اور اسے متعارف کرانے والا … گلنار کا تقسیم کنندہ بنا ہوا تھا ___!

میں انہیں پہچان گیا مگر وہ بڑھتی ہوئی داڑھی … پیچھے چھپے ہوئے صفدر علی کو شناخت نہ کر سکے تھے!

وہ پہلا موقع تھا جب صفدر علی کے دل میں … پہلا شعلہ بھڑکا ___

محبوبہ بنا کر جسم فروشی کا … مال … چکا کر صفدر علی اس کی خلوت میں جا پہنچا اور جب گلنار … اپنی فطری طرز میں سامنے آئی تو اس نے یکایک … شناخت کا اعلان کر دیا۔

… محبوب کو بھوکے درندے کے روپ میں پہچان کر … ہو گئی مگر صفدر کے ہاتھ اس روز انسان اور جس … کا احترام کھو بیٹھا تھا۔ اس کی ہر طرف خونی درندہ لہراتی نظر … اور اس نے نہایت سفاکی کے ساتھ اپنی زندگی کا پہلا قتل … مقتولہ کو منزل پر پہنچانے کے بعد سویا جاتا تھا … نے اس کی نیند کو واقعی رنگین بنا دیا!

اس چھت کے نیچے دو خون کرنے کے بعد صفدر علی ایک خونخوار … بن گیا جو اپنے دشمنوں کو معاف کرنا نہیں جانتا تھا۔

میں سوچتا رہا اور میرا دل بھاری ہوتا چلا گیا۔ جیلن نے جس … ماں باپ کا ذکر کر کے پورا ماضی نگاہوں میں گھوم گیا … وہ ہستی یاد آنے لگی جو سامنے ہوتی تو میں تمام گناہوں … کر کے گلے سے لگا لیتی ___

"کیا سوچ رہے ہو ___؟" جیلن کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"کچھ نہیں ___!" میں نے سر جھٹک کر جلدی سے کہا اور محسوس … میری آواز نمایاں طور پر بھرائی ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے؟ تمہاری آنکھوں میں نمی تیر رہی ہے۔" وہ … میرے قریب آ گئی۔

"نہیں!" میں نے بوجھل مسکراہٹ کے ساتھ کہا لیکن آنکھوں … واقعی نمی موجود تھی۔

اپنے اس شدید ردِعمل پر خاصی حیرت ہوئی۔ میرا اندازہ تھا … دشمنوں کے ماحول میں طویل مدت گزارنے کے بعد میرا دل نرم … سے محروم ہو چکا تھا۔ مگر اس روز جیلن کی بدولت ہونے والا … تجربہ بہت خوشگوار تھا۔

"محبت زیور، کہاں بکھر گئے تھے؟" وہ میرے شانے سے … لگا کر مدھم انداز میں بولی۔ "تم جیسے کول انسان کی آنکھوں میں … آنسو آنے کا مطلب ہے کہ یاد آنے والی بات بہت زیادہ دردناک … جذبات انگیز تھی!"

"کچھ لوگ یاد آ گئے تھے۔" میں نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"بیوی بچے؟" اس کے لہجے میں تجسس سمٹ آیا۔

"… مگر اس کی یاد میں آنسو نہیں بہا سکتا۔"

"تم مرد کیا سمجھتے ہو؟" وہ قدرے جھک کر بولی۔ "اگر … محبوباؤں کی یاد میں رو سکتی ہیں تو مرد بیوی کی یاد میں دو آنسو … مردانگی کی توہین کیوں سمجھتے ہیں؟"

"تمہارے لہجے سے … ہوتی مگر اس وقت معاملہ کچھ اور … تھا۔"

"کچھ بتاؤ گے بھی یا پہیلیاں بجھاتے رہو گے؟"

"تمہارا سوال سن کر اپنی ماں یاد آ گئی تھی!"

اس نے چند ثانیوں تک مجھے گھورا پھر آہستہ سے بولی۔ "اگر تم میری بات کا برا نہ مانو تو کچھ کہوں؟"

"ضرور کہو ___"

"تمہارے منہ سے اس انداز میں ماں کا ذکر سن کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے پچیس برس کا شخص … یاد کرے … دودھ پیتا چلا آ رہا ہو۔"

"ہو سکتا ہے کہ اپنے معاشرے کے اعتبار سے تمہارا خیال درست ہو مگر تم مجھ پر اس کا اطلاق نہیں کر سکتیں۔"

"تم معاشرے سے باہر کے آدمی ہو ___؟"

"کم از کم تمہارے معاشرے سے باہر ہی ہوں۔ مشرق میں قدروں کا معیار بہت مختلف ہے۔" میں نے کہا۔

"کس مشرق کی بات کر رہے ہو؟" وہ مضحکانہ لہجے میں بولی۔ "میں نے تو سنا ہے کہ سنگاپور نہ مشرق ہے اور نہ مغرب!"

"میں نے آج تک وہاں قدم نہیں رکھا۔" میں نے پہلو بدل کر قدرے استادانہ لہجے میں کہا۔ وقتی ہیجان تو آ کر گزر چکا تھا مگر میں جیلن کے بارے میں ایک فیصلہ کر چکا تھا۔

"پھر بات بات پر ان کا حوالہ کیوں دیتے رہتے ہو؟"

"لوگ بے وجہ بے غیرتوں کی باتیں کرتے ہیں!"

"تم نے اپنا وطن بھی نہیں بتایا؟"

"مجھے چھپانا چاہتا تھا مگر اب مزید بتاؤں گا۔ میں پاکستانی ہوں!" میں نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے کہا۔

"اس وقت تم بہت عجیب اور پیارے ہو گئے ہو … رہے ہو!" وہ پُرتشویش انداز میں میری طرف دیکھتے ہوئے بولی ___

"سچ کا لہجہ ذرا مختلف ہی ہوتا ہے!"

"تو آخر کار تم بھی سوار ہو ہی گئے!" وہ ہنس پڑی۔ "اب میں دل کھول کر تم سے سوالات پوچھوں گی۔"

"تمہارے بیشتر سوالات سے میں واقف ہوں!" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تمہارا خیال درست تھا کہ میری طرف سے تمہارے ذہن میں اندیشے کلبلا رہے ہیں مگر وہم کا کوئی علاج نہیں ہے۔" وہ بولی۔ "سب سے پہلے تو تم یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس فروخت کے لئے ہیرے یا … وغیرہ تو نہیں ہیں؟"

"ان دھندوں سے مجھے نفرت ہے۔" میں نے سختی سے کہا۔ "تمہیں یہ شبہ کیسے آ گیا …؟"

"جیفنر میں بہت سے پاکستانی ہیں۔ ہماری طرح کے بے خوف لوگ وطن سے دور یہاں بھی اکثر چیزیں لاتے ہیں اور انہیں فروخت کر کے اخراجات نکالنے کے علاوہ بھاری منافع بھی کما لیتے ہیں۔ اُدھر کی منشیات یہاں بہت مقبول ہیں۔"

"مادام لواری کے لئے تم بھی کام کرتی ہو؟"

میرے منہ سے مادام لواری کا نام سنتے ہی وہ ایسے اچھل پڑی جیسے اسے بچھو نے کاٹ لیا ہو۔ "یہ تمہیں کس نے بتایا ہے؟"

"سنگاپوری مادام ریناتے کا نام میں نے بلاوجہ نہیں لیا تھا۔" میں نے ٹانگیں پھیلا کر تپائی پر رکھتے ہوئے کہا۔

"تت..... تم واقعی خطرناک آدمی ہو۔" وہ سراسیمہ ہوتی آواز میں بولی۔ اس کے چہرے سے یک بیک نقاہت کا اظہار ہونے لگا تھا۔

میں نے اس کے خالی گلاس میں بوتل سے شیری انڈیل دی اور دھیمی آواز میں بولا۔ "تم بلاوجہ درمیان میں نہ آؤ ورنہ چیونٹی کی طرح پیس کر رکھ دی جاؤ گی۔ مادام لواری کو کمزور پڑتے دیکھ کر ملال بھی نہیں ہوتا۔"

"میں کسی کے درمیان نہیں آ رہی!" وہ گلاس سے گھونٹ لیتے لہجے کو رک رک کر کھوئے ہوئے انداز میں بولی۔

"شاید میرے بارے میں تمہیں مادام لواری کی جانب سے کوئی اہم نوعیت کی ہدایات ملی ہوئی ہیں؟" میں نے اس کی وضاحت کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھے بغیر تیزی سے سوال کیا۔

"میرا اس سے براہ راست رابطہ نہیں ہے!" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد وہ شکست خوردہ لہجے میں بولی۔

"کسی کا بھی نہیں ہے" میں نے کہا۔ "مگر ہدایات سب کو ملتی رہی ہیں۔"

"یہاں نان میں میگورا مادام لواری کا چیف آپریٹر ہے۔ مجھے ابھی ابھی معلوم ہوا تھا۔" وہ گلاس سے باقی ماندہ شیری اپنے معدے میں انڈیلتے ہوئے بولی۔

"میگورا کہاں رہتا ہے؟ کیا کہا تھا اس نے؟"

"وہ جیفنر میں ہی ہے" وہ بولی۔ "اس نے زبانی تمہارا حلیہ بتایا تھا۔ نام کے بارے میں کہا گیا تھا کہ تم بدلتے رہتے ہو۔"

"سراغ مل جانے پر کیا کرنا تھا؟"

"میں نے میگورا کو اطلاع دینی ہے۔ وہ کل کسی وقت خود تمہیں دیکھے گا" وہ آہستہ سے بولی۔ "مجھے یہ معلوم نہیں کہ میگورا تم میں خود دلچسپی لے رہا ہے یا مادام کی ہدایت پر یہ احکام جاری کئے گئے ہیں.....!"

"کیا وہ کسی اور کے لئے بھی کام کرتا ہے؟"

"وہ بہت لالچی اور خود غرض شخص ہے... کیا آدمی ہے جیسے بھی کام ملے کر گزرتا ہے!"

"میرے سے میگورا کا نام اجنبی ہے۔ پہلی بار تمہارا اور مادام لواری کا سنا ہے" میں نے سگریٹ کا کش لے کر کہا۔

"اب کل تم کیا کرو گی؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے ہی سوال کیا۔

"جو تم کہو گے" وہ بولی۔ "اب تو میں تمہارے رحم و کرم پر ہوں۔"

"وہ اکیلا آئے گا یا دو چار آدمی ساتھ لگے ہوں گے؟"

"امکان تو اکیلے کا ہی ہے لیکن وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتی" اس نے خالی خالی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کسی طرح اسے یہاں گھیر لاؤ گی؟" میں نے چند ثانیے سوچنے کے بعد کہا۔

"تم کیوں میری جان کے دشمن ہو رہے ہو؟" وہ رونی آواز سے بولی۔

"فکر نہ کرو، تمہیں ذرا بھی نقصان نہیں پہنچے گا۔ میگورا سے براہ راست پتا چلنے کے بعد میں اس کے لئے ہدایات جاری کر رہا تھا۔"

"اگر وہ بچ نکلا تو مجھ پر کتے چھوڑ دئے گا۔ تم نہیں جانتے وہ بھیڑیے کی طرح مکار اور بھیڑیے کی طرح بے رحم ہے۔"

"مگر تم نے پاپا گوس اور جیری کو اس سلسلے میں آگاہ کیا تھا تو پولیس کی نوبت نہ آتی۔ تم باآسانی بچا لو گی تمہیں ایک شخص کہیں روپوش ہو گیا۔"

"یہ بچانا تو اب بھی کیا جا سکتا ہے" میں نے جلدی سے کہا۔ "اسے پتا نہیں چلے گا۔"

"وہ عام طور پر پیچھے والوں سے براہ راست رابطہ نہیں رکھتا" وہ بولی۔ "بس ایک ہی خطرہ ہے کہ وہ کہیں راز نہ کھول دے۔ کام کی واضح ہدایت ہے کہ مشکوک شخص کو ایک پل کے لئے نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے!"

"جیری کیوں مجھ سے الجھا تھا؟"

"وہ اب تمہیں بھول جائے گا۔" اس نے انگشت شہادت اپنی پیشانی سہلاتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال تھا کہ کسی دشمنی کے سبب میں آسانی سے تمہارا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔"

"اور وہ دونوں اس پر راضی ہو گئے؟"

"پاپا گوس نے مخالفت کی تھی مگر بعد میں وہ بھی راضی ہو گیا۔"

"جیری کو ابھی فون کر دو کہیں وہ جوش میں کوئی حماقت نہ کر بیٹھے" میں نے کہا اور ٹیلی فون سیٹ اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ "میری بات چیت پر دو فون پہلے دونوں سے بات کرتی رہی میں نے ڈرنک اپنے معدے میں اتار دی۔"

میں نے براہ راست اور دو طرفہ گفتگو سننا مجھے زیادہ مشکل ہوئی تھی۔ اور جن واقعات نے تیزی کے ساتھ خطرناک موڑ لیا تھا وہ بلبلوں کی طرح معدوم ہوتے نظر آ رہے تھے۔

اس سلسلے میں ایک ہی دشواری رہ گئی تھی۔ وہ یہ کہ میگورا کو خاموشی سے ٹھکانے لگانا تھا لیکن اس کی کامیابی کا تمام تر انحصار جیلی کے رویئے پر تھا۔

"تم اس گیسٹ کو کب تک قید رکھو گے؟" فون سے فارغ ہو کر جیلی نے مجھ سے پوچھا۔

"جب تم اس کے ہاتھوں مرنا چاہتی ہو تو اپنے بچنے تک کے لئے..." میں نے لاپروائی سے شانے اچکا کر کہا۔

"ابھی تو تم میرے تحفظ کی بات کر رہے تھے.....؟"

"تمہارے تحفظ کے لئے اسے ختم کرنا ہو گا" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "کسی کو خبر تک نہ ہو سکے گی کہ قاتل کون تھا۔"

اس کا حسین چہرہ ایک بار پھر دھواں ہو گیا۔ "میں خون خرابے سے بہت ڈرتی ہوں۔ مجھے اس چکر میں نہ ڈالو۔"

"بڑی بے ڈھنگی سی..."

"ممکن ہے کہ وہ میرے پاس آنے تک کسی کو بتا کر آئے۔ ایسی صورت میں اس کی لاش ملنے پر تو اس کے آدمی ضرور مجھ پر دھاوا بول دیں گے۔"

اس کا خدشہ بجا تھا۔ میں نے کچھ دیر تک سوچا پھر کہا۔ "وہ جب یہاں آئے تو تم اسے ٹال دینا۔ میں اس کا پیچھا کروں گا۔ تمہارا نام شبہ سے بالاتر ہو جائے گا مگر تم اسے یہ نہ بتانا کہ میں تمہارے ساتھ مقیم ہوں۔"

"بتانے کی نوبت ہی نہیں آئے گی کیونکہ میں نے خود آج شام اس کو یہ الزام دیا کہ میں نے ... پسند کرتا ہے۔"

"تم اس سے کیسے ٹکرا گئیں.....؟"

"یقین نہیں کرو گے" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "میرا شوہر بھی بڑا آدمی تھا۔ میں اس کے قاتلوں کی تلاش کے سلسلے میں میگورا تک پہنچی تھی۔ اس نے دلاسے دے کر مجھے چند غلط افراد کے خلاف... پھر وہ منشیات کی باقاعدہ تجارت میں ملوث ہو گیا۔ اس کے بعد اس سے مقصد کے حصول کا کوئی امکان باقی نہیں رہا تھا۔"

جس کے بعد میں میگورا کے پاس پہنچی تھی!"

"تو کیا مادام لواری صرف منشیات کی تجارت ہی چلا رہی ہے؟"

"میں اس کی جانب سے ایمسٹرڈم کی لوکل آپریٹر ہوں اور آج تک میں نے منشیات کی خرید و فروخت کے علاوہ کوئی کام نہیں کیا۔"

"یہ پیشہ ور لوگ رقابت میں....؟"

"متعلقہ لوگ جانتے ہیں کہ میں کس کے لئے کام کرتی ہوں۔ یہاں کوئی بھی مادام لواری سے ٹکرانا پسند نہیں کرتا۔" اس نے کہا۔ "کچھ عرصہ پیشتر ایک شخص نے ان سستے داموں پر بازار میں چھوڑنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے میگورا کو اطلاع دے دی اور اگلے ہی دن اس کی کار ایک ٹرالر سے ٹکرا کر ایسی پاش پاش ہوئی کہ وہ نہ بچ سکا۔"

"شاید یہاں ٹریفک کے قوانین بہت نرم ہیں۔"

"قوانین تو خاصے سخت ہیں۔ بعد میں سنا گیا کہ کیمیکل انجینئر نے ترقی کے محکمے سے برآمد ہونے والی اشیاء کا تجزیہ کر کے ثبوت مہیا کی تھی مگر اس نے زیادہ خرابی کر دی تھی کیونکہ وہ پتا لگا کر اندر تحقیقات کا دائرہ وسیع ہو گیا!"

"پھر تو میگورا سے تصادم دلچسپ رہے گا۔"

"کسی خوش فہمی میں نہ رہنا۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولی۔ "ابھی فون کر کے میں نے تمہیں ایک ناگہانی پریشانی سے بچا لیا ہے۔"

"جیری کا کوئی منصوبہ تھا.....؟"

"میری تیاری سے آرائی پر وہ ششدر رہ گئی۔" "تمہارے انداز حیران کن ہوتے ہیں۔ وہ واقعی آج رات ایک معزز قاتلانہ حملے کی تیاری کر چکا تھا۔"

"میگورا نے مجھے ملنے کا حکم کیوں نہیں دیا؟"

"یہ تو تم ہی بتا سکو گے" اس نے کہا۔ "میں صرف نگرانی کی ہدایت دی گئی تھی۔ سارے معاملے کا حکم مجھ تک ہوتا تو شاید بات مجھ تک نہ آتی....."

"وہ لوگ بھی جانتے ہیں کہ اس معاملے میں تم اناڑی ہو!"

"منشیات کی بات دوسری ہے۔" وہ ہنس کر بولی۔ "نارکوٹکس کنٹرول کے سخت قوانین کے ہوتے ہوئے بھی حکام عملاً آنکھیں بند رکھتے ہیں کیونکہ یہاں کو سیاحت سے زبردست آمدنی ہوتی ہے۔ یہاں سیاحوں میں منشیات کے متلاشی یورپی باشندوں کی بھی بڑی تعداد ہوتی ہے۔ سختی کے نتیجے میں سیاحوں کی تعداد میں کمی ہو سکتی ہے۔"

"اور اگر ضرورت پڑے تو قانون خود ہی نرم پڑ جاتا ہے؟"

"مجھے قانون سے زیادہ میگورا کا خوف لاحق رہتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ تمہیں اس سے ہمیشہ کے لئے نجات مل جائے!"

"مجھے امید ہے کہ میں نے تمہیں جو کچھ بتایا ہے وہ تم اپنی ذات تک ہی محدود رکھو گے۔" اس نے جھکتے ہوئے کہا۔

"تمکو نرکرد! یہاں صرف کوئی دوست نہیں ہے!"

"عدنان کو بھی ان باتوں کا علم نہیں ہونا چاہیے۔"

اس کے بعد بھی وہ خاصی دیر تک بے تکلف ماحول میں میرے ساتھ رہی اسی دوران... اس نے میرے بارے میں کرید کرید کر بہت سے سوالات کیے۔ جن میں سیتا کا ذکر بھی تھا۔ میں نے سیتا کے نام کے علاوہ ہر بات بتا دی کیونکہ قریب سے وہ نہایت قابلِ اعتبار نظر آ رہی تھی!

میرا اصل نام سن کر اس نے کسی خاص ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا اور میرے لیے یہ بات بہتر ہی تھی۔

میگورا یقیناً جرائم پیشہ لوگوں میں بڑا آدمی تصور کیا جاتا تھا اور اپنے ذاتی مفادات کے لیے ہر چیز کو داؤ پر لگا دیتا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ شاید یا مادام لواری اپنے ایک آدمی کی ناکامی کو کیسے برداشت کر رہی تھی۔

ہیلن سے اس کا جواز بھی مل گیا۔ میگورا مادام لواری کی آدمیں جز وقتی کام کرتا تھا ان سے منافع کا رشتہ قرار واقعہ ہوتے تھے مگر وہ اطلاعات باہر نکلنی محال تھیں کیونکہ میگورا کی اپنی تنظیم بہت سخت وہی ہوئی تھی۔

یونان سے باہر کے تمام رابطے قائم رکھنے کی ذمہ داری اس نے اپنے کاندھوں پر لی ہوئی تھی، انتہا یہ تھی کہ اگر گروپ کے کاموں کے سلسلے میں باہر سے مادام لواری کا کوئی ہرکارہ آتا تھا تو اس کی دیکھ بھال میگورا خود کرتا تھا اور اسے اپنے آدمیوں سے بالکل الگ رکھتا تھا۔ ہیلن کے بیان کے مطابق ایک دو بار باہر سے آنے والوں کو کچھ آدمیوں کی ضرورت پیش آئی تو میگورا نے اپنے باقاعدہ اراکین کے بجائے باہر سے کرائے کے آدمی فراہم کیے۔

ہیلن نے مجھ سے اصرار کیا کہ میں اس کے ساتھ ڈیلیکارڈو چلوں اور واپسی میں عدنان کے ساتھ آ جاؤں مگر میں نے یہ پیشکش خوش اسلوبی سے رد کر دی۔ اس مرحلے پر میرا اور ہیلن کا ساتھ دیکھا جانا خطرناک بھی ثابت ہو سکتا تھا۔

ہیلن کے چلے جانے کے بعد میں بھی مکان مقفل کر کے باہر نکل گیا۔

ایتھنز کی رات کی رعنائیاں شباب پر تھیں۔ سب سے پہلے میں نے ایک چھوٹے سے ہوٹل میں کھانا کھایا پھر چہل قدمی کرتا ہوا ایک طرف چل پڑا۔

ایتھنز کا موسم سرد ضرور تھا مگر وہ سردی ناقابلِ برداشت نہیں تھی دوسری اہم بات یہ تھی کہ فضا میں دھند نہ ہونے کی وجہ سے کھلی فضا میں گھومنے سے الجھن نہیں ہو رہی تھی۔

گھومتے گھومتے میں شہر کے ایک ایسے علاقے میں جا نکلا جہاں دو دو اور تین تین منزلہ اونچی عمارتوں کے درمیان سے ایک تنگ و تاریک گلی دور تک چلی گئی تھی۔ گو اس گلی میں روشنی کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا مگر وہاں خاصی چہل پہل نظر آ رہی تھی۔

گلی میں دکانوں وغیرہ کی قطار رہی ہوگی جہاں وہ بیٹھے ہوئے تھے مگر ایک ہی گلی میں جیسے اس کا سبب بھی واضح ہو گیا۔

وہاں کی فضا نسبتاً خاصی کثیف تھی اور اس میں کی ہلکی سی بو بھی سونگھنے سے ہی محسوس کی جا سکتی تھی۔

اس گلی میں لوگوں کے ہجوم میں سے گزرتے ہوئے انکشاف ہوا کہ وہاں غالباً بڑی تعداد دھندے کے لیے خریدار اپنی اپنی پسند کا مال چکھانے میں مصروف تھے ان ہی کے درمیان میں ایسے لوگوں کی موجودگی بھی محسوس کی جا سکتی تھی۔ جو گھوم پھر کر جیبوں میں موجود منشیات فروخت کر رہے تھے۔

ایک سائبان کے نیچے مجھے دو وردی والے نظر آئے قریب سے گزرا تو وہ دونوں سپاہی دیوار سے ٹیک لگائے انہماک سے ہر کسی کو موسیقی میں تحلیل کرنے میں مصروف تھے۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر ایک سپاہی نے مسکرا کر خوابناک انداز میں مجھے آنکھ ماری اور دوبارہ کا بچیاں کے سے انداز میں عالمِ سرور میں کھو گیا۔

"پی شعد؟" چند قدم آگے اس آواز نے مجھے چونکایا۔ اس کے گرد وہ تین آدمی جمع ہوئے تھے اور وہ اپنی ہتھیلی پر پلاسٹک کی چھوٹی چھوٹی تھیلیاں رکھے اس کی جیبی جیکٹ میں لیے گھوم رہا تھا۔

بیچنے والا لمبی ستواں ناک اور گندمی رنگت والا نوجوان تھا جو اپنے خریداروں کو مجرمانہ سوئی انگریزی میں یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کے پاس پشاور کی بہترین چرس موجود ہے۔

چند سیکنڈ میں وہ شخص کئی تھیلیاں فروخت کر کے آگے بڑھ چکا تھا۔

میں نے لپک کر اسے روک لیا۔

"بیسٹ اور کی بہترین چرس!" وہ رٹے رٹائے انداز میں بولا اور اپنی ہتھیلی کھول کر میرے سامنے کر دی۔ اس کی انگریزی کا لہجہ اس سے بھی زیادہ ناقص تھا۔

"پشاوری...؟" میں نے تھیلی اس کی ہتھیلی سے اٹھا کر اس سے سوال کیا۔ "یہ کیا بلا ہے؟" میں جاننا چاہتا تھا کہ وہ پشاور کے بارے میں کچھ جانتا بھی تھا یا محض ایک نام ہی لیتا تھا۔

"وہ بس بیچ رہا اور پشاور نہیں جانتے!" میں نے تعجب سے

بنا بیچے ہوئے میرے ہاتھ سے چرس کی تھیلی واپس لینے کی کوشش کی۔ لہجہ کسی بدذوق سے سودا کرنا اسے گوارا نہ تھا۔

"بتاؤ نا!" میں نے اس کا ہاتھ واپس دھکیلتے ہوئے کہا۔ "پہلے مال اچھا معلوم ہوتا ہے۔"

"چرس کا مال بہترین ہوتا ہے، اعلیٰ سبز چرس ہے۔" میرے نزدیک سن بے خطر تھا۔ "انڈیا، پاکستانی مال نمبر ایک ہوتا ہے۔ پیارا پیا کی باری آئی ہے۔ کتنی چاہیے؟"

دام پوچھے تو میرے ہوش اڑ گئے۔ وہ چھوٹی سی تھیلی جس میں مشکل سے سگریٹ تیار ہو سکتی تھیں آٹھ سو ڈالر کی ساری رقم میں فروخت ہو رہی تھی۔

"بہت مہنگی ہے!" میں نے تھیلی اسے لوٹا دی۔

"کیا ہو گئے؟" اس نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

بس سنی ان سنی کر کے آگے بڑھ گیا۔

اس نے جو پوچھا زبان میں شاید کوئی فقرہ چست کیا مگر میں رکے بغیر آگے ہی نکلتا چلا گیا۔

وہ جگہ اپنے وقتی پراسرار ماحول کے باوجود نہایت پُرکشش تھی وہاں خوش سیاحوں کی ٹکڑیاں پیدل آ رہی تھیں وہ لوگ جن سے چیز چکھ کر دل بہلاتے یونان میں تو مجھے بڑے جا دیا اپنا دل وسعت ان کے قدموں پہ نچھاور کر دیے۔

ایسی چیز جاؤ وہاں معیوب بھی نہیں تھی بلکہ سب سے بڑی بات یہی کہ اس کے جو خرابات میں رہتا ان اور ہر شخص وہ وش فروش قریب کھڑے تھے تاکہ کوئی فساد یا ہنگامے کے لیے کہیں بھی نہیں تھے۔

مجھ پر سیاحوں کو نکالنے سے میرا مطلب کہ ایسے میں جو ہیلن کے سامنے میرا انتظار کر رہا تھا۔

"کہاں غائب تھے؟" اس نے مجھے دیکھتے ہی سوال کر ڈالا۔

"شہر میں ہی نکلا تھا۔" میں نے بستر پر ڈھیر ہوتے ہوئے بیزار سا کہا۔

"کیا ہیلن تمہیں پسند نہیں آئی؟"

"وہ قابلِ احترام عورت ہے، خوش اخلاق، خوبصورت مگر..." میں نے ہیلن کی وکالت کرتے ہوئے کہا۔

"تمہاری باتوں سے عاشقی کی بو آ رہی ہے!"

"شکر کرو، میں عاشقی کی منزل سے بہت آگے نکل چکا ہوں۔"

"اس نے شاید کافی وقت گزارا ہے تمہارے ساتھ یا کہیں باہر گئی تھی؟" اس نے بامطلب لہجے میں سوال کیا۔

"نہیں یہیں تھی اور اس نے ہر بات مجھے بتا دی ہے۔"

"واقعی؟" وہ حیرت سے اچھل پڑا۔

میں نے اسے مختصراً اپنی اور ہیلن کی گفتگو کی تفصیل سنائی۔

"میں نے کہا تھا نا کہ تمہاری ذات میں کوئی عجیب سی کشش ہے!" وہ فرطِ مسرت سے بے قابو ہو کر وہسکی کے گلاس بنانے لگا۔

"بنیادی طور پر وہ ایک نفیس عورت ہے!"

"اتنا نہ چڑھاؤ کہ میں اسے کچھ اور ہی سمجھنے لگوں!" یہ کہتے ہوئے اس نے گلاس میری طرف بڑھا دیا۔ "یہ پیو، تمہاری کامیابی کی خوشی کا جام۔"

"میگورا کو صاف کیے بغیر کامیابی ادھوری رہے گی۔" میں نے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"اگر اس کے ساتھی گروہ میں نہ ہوتے تو اس پر ہاتھ ڈالنے میں دانتوں پسینے آ جائیں گے!"

"یہ سب مجھ پر چھوڑ دو اور مجھے صرف ایک گاڑی کا بندوبست کر دو!"

"میری گاڑی لے لینا، ہوٹل میں بیکار ہی کھڑی رہتی ہے!"

"وہ پہچانی جا سکتی ہے!"

"یہ خطرہ تو کرائے کی کار میں بھی ہوگا۔"

"وہ چلے گی۔" میں نے کہا۔ "دراصل میں نہیں چاہتا کہ میگورا عقب نما شیشے میں دیکھ کر یہ سمجھے کہ کوئی جانی پہچانی کار اس کا پیچھا کر رہی ہے!"

"تمہارا منصوبہ کیا ہے؟"

"اسے تنہائی میں گھیر کر بات کرنا ہوگا۔"

"اور تم یہ کام اکیلے سر انجام دو گے؟"

"کسی اور پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔"

"وہ کسی گینڈے سے زیادہ سخت ہے۔ اگر تم ذرا بھی چوک گئے تو وہ تمہیں دوبارہ سنبھلنے کی مہلت نہیں دے گا۔"

"تمہارے سامنے طاقت بے معنی چیز ہے!"

"میں چوک کی بات کر رہا تھا، اگر تم برا نہ مانو تو میں تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ہیلن نہیں چاہتی کہ اس کا معاملہ تمہارے علم میں آئے۔ اگر کل تم نے ہوٹل سے چھٹی کی اور کل ہی ہمیں کامیابی ہو گئی تو ہیلن سمجھے گی کہ میں نے اس معاملے میں تمہیں اعتماد میں لیا ہے میں اس کا پندار مجروح کرنا نہیں چاہتا۔"

"کل اتوار ہے اور اتوار کو مجھے صبح دو گھنٹے ڈیوٹی دینی ہوتی ہے۔ ہیلن کو معلوم بھی نہ ہو سکے گا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں!"

"پھر کوئی حرج نہیں، مل کے دو بہتر ہوتے ہیں اور پھر ایتھنز میرے لیے ابھی اجنبی جگہ ہے۔" میں نے کہا۔

"ایتھنز بہت قریب ہے۔ بڑا شہر ہے، اجنبیوں کو بھی اپنی مہربان آغوش میں سمیٹ لیتا ہے۔" اس نے بستر پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔

"شہر کی بات کر رہے ہو یا شہر والیوں کی؟"

"دونوں کی ہی سمجھ لو۔" وہ قہقہہ مار کر بولا۔ "اب جیلن ہی کو دیکھ لو، چلی تھی تم سے دشمنی کرنے مگر ایسی دوستی ہوئی کہ تم اسی کے گن گا رہے ہو۔"

"یعنی یہاں کے لوگ دشمنی کرنے کے معاملے میں اناڑی ہیں؟"

"میگورا سے ملاقات کے بعد تمہاری رائے پوچھوں گا۔ یہاں گاڈ فادر بکثرت پائے جاتے ہیں۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد میں نے کہا۔ "بعض اوقات تو لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔"

"لوگ خود بھی اس کام میں دلچسپی لیتے ہیں۔ پیشہ ور گاڈ فادر تو گنے چنے ہی ملیں گے۔" اس نے بتایا۔ "اکثر تو عمر رسیدہ گھر سے سودا لینے نکلتے ہیں لیکن کوئی خاص استیاج ہو جائے تو سودا سلف کرا کسی کی دسترس میں رکھتے ہیں اور شام کو خاصی رقم ان کی جیب میں آجاتی ہے جہاں بھی غربت ہوگی وہاں یہی ماحول ملے گا۔"

"تم یہاں کب سے ہو؟"

"دو سال ہو گئے۔" اس نے کہا۔ "پہلے میں بے تحاشا … کے پیچھے بھاگتا تھا مگر اب سوچا کہ یہیں قناعت کرتا ہوں۔ اس اعتبار سے بھی یہاں کی فضا رنگین ہے!"

"مطلب اس کو یہاں کوئی لڑکی مل گئی؟"

"اس بار یہ تی بڑھے کے ذاتی جہاز پر ہونے والی … پارٹی شہرت رکھتی ہے۔ اس نے شاید ذاتی انتخاب کے لئے کینیڈی کی بیوہ کو منتخب کیا ہے ورنہ یونان میں جیکولین سے زیادہ حسین اور باذوق لڑکیاں اس سے شادی کی مستحق تھیں۔"

"بڑھاپے میں خود نمائی کا جذبہ کچھ شدت سے ہی ابھرتا ہے۔"

"بڑھاپے میں امیر ہو تو کچھ بھی نہیں بس اظہار ہی ہوتا رہتا ہے۔" باتیں کرتے کرتے ہم دونوں نیند کی آغوش میں پہنچ گئے۔

اگلی صبح عدنان ناشتے کے فوراً بعد ہوٹل چلا گیا اور میں فون پر جیلن توسس سے بات کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

"تم اس وقت کہاں ہو؟" مجھے پہچانتے ہی جیلن نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

"اپنے ٹھکانے پر جیلن، کیا بات ہے؟"

"دولت کہ تمہاری جیبری سے ملاقات تو نہیں ہوئی تھی؟"

"نہیں، کیا ہوا؟"

"پچھلی رات کسی نے اسے بہت بری طرح مارا ہے اور پھر اسے لوٹ لیا۔ وہ ہسپتال میں ابھی تک بے ہوش پڑا ہے۔"

"اس معاملے میں تمہیں میرا خیال کیسے آگیا؟"

"پاپا رسس تم پر شبہ کر رہے ہیں۔"

"اس کے دماغ میں فتور آگیا ہے۔ جیبری کا ہوش میں آنا ہی میری پوزیشن صاف کر دے گا۔"

"دراصل اس کی حالت نازک ہے۔" وہ بولی۔ "اسے انٹینسو کیئر یونٹ میں رکھا گیا ہے اور اگر دو چار گھنٹے میں ہوش میں نہ آیا تو ڈاکٹروں کے مطابق اس کے زندہ بچنے کے امکانات معدوم ہو جائیں گے۔"

"میرے ہاتھ صاف ہیں، تم یہ بتاؤ کہ وہ کب ہوا؟"

"جیبری کی خبر جاننے کے لئے میں نے اسے فون کیا تھا، وہ تمہارے بارے میں دریافت کر رہا تھا۔ میں نے اس سے کہہ دیا کہ تم اب تک روپوش ہو گئے ہو۔"

"بہت عقلمندی کی ہوگی…؟"

"اس بارے میں زیادہ بات نہیں کی اس نے!"

"کہیں جیبری ہوش میں آکر یہ نہ بتا دے کہ میں یونان کے ساتھ مقیم ہوں۔" میں نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

"مشکل ہے۔" اس نے بتایا تاکہ … والوں سے … پسند نہیں کرتا۔ اس نے کسی شخص کو جیبری کی دیکھ بھال پر مامور کر دیا ہے۔"

"یعنی اب مجھے خود ہی احتیاط کرنی ہوگی۔"

"یہ تم پر منحصر ہے!"

میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

میگورا کے سلسلے میں ایک نیا خیال بھی مجھے پریشان کرنے لگا تھا۔ یہ درست تھا کہ اس نے جیلن توسس سے میرے بارے میں اطلاع پانے کے بعد اس نے شبہات کی تصدیق نہیں کی تھی مگر یہ خیال پھر بھی باقی تھا کہ کہیں اس نے خود ہی اور عدوری اطلاع مادام لواری کو نہ پہنچا دی ہو۔ اگر ایسا تھا تو شاید وہ کسی بھی وقت ایتھنز پہنچ سکتی تھی اور اس کے آنے کے بعد میری مشکلات کا بیان نہ ہو سکتا تھا۔

اسی سوچ بچار میں دو گھنٹے سے زیادہ وقت گزر گیا۔

عدنان ناشتے کی ٹریکار ڈ سے واپس آپہنچا۔

"میں کار ساتھ ہی لیتا آیا ہوں۔" اس نے آتے ہی کہا۔

"پھر نکلنا چاہئے۔" میں فوراً ہی اٹھ گیا۔

باہر سیاہ رنگ کی ایک پولش کار موجود تھی۔ عدنان نے کار ایک سروس اسٹیشن پر پھر روک دی تھی۔

راستے میں عدنان نے اس سے پہلے تبادلہ خیال کیا تھا …

… میگورا کی عمر … زیادہ … اپنی تنہا …

تاکہ میگورا … سے کچھ بھی نہ کہہ سکتا تھا کہ میگورا نے مادام لواری کو … اطلاع بھی ہوگی یا نہیں۔

"اگر میں فوری طور پر یونان چھوڑنا چاہوں تو کیا صورت ہو گی؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں؟" عدنان نے چونک کر سوال کیا۔

"یہاں مجھے صرف مادام لواری کی طرف سے خطرہ ہے اور میں اپنا وقت کسی جگہ میں اچھے بیسٹ کرنے سے گزارنا چاہتا تھا۔ ایسا نہ ہو کہ میگورا کا چکر طول پکڑ جائے!"

"مگر تم مادام لواری کی آمد کے خیال سے ایسا سوچ رہے ہو تو یہ بھی امکان ہے کہ میگورا ادھر کی اطلاع بھجوا کر … ابھی تک ہم … سے نہیں ہے!"

"مگر میں اپنی بکاسی کے امکان پر بھی نظر رکھنی چاہتا ہوں!"

"یہاں سے نکلنا بہت آسان ہے۔ فوراً جانا چاہو تو کسی بھی بحری جہاز کے عملے میں شامل ہو کر نکل سکتے ہو!"

"قریب و جوار میں بہت سے جزائر ہیں، تو کچھ سوچے ہیں؟"

"ان میں بیشتر سے آباد ہیں۔ … بعض … انتظامات … چھپے ہوں گے۔ وہاں موسم گرما کے آنے پر رونق شروع ہوتی ہے!"

"اگر آج ہم میگورا کو تلاش نہ کر سکے تو میں یہاں جزائر میں کسی کا رخ کرنے کو ترجیح دوں گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اس معاملے میں جیلن تمہاری مدد کر سکتی ہے۔ کیونکہ اس کا بھی … کے کئی ہٹ بھی موجود ہیں!"

"اگر ایسا ہوا تو میں اس سے مزید بات کروں گا۔"

میگورا کی تلاش کے سلسلے میں عدنان سب سے پہلے ایتھنز کے نائٹ کلب میں پہنچا جو اس وقت ویران پڑا ہوا تھا۔ نائٹ کلب میں اسے مطلوبہ شخص مل گیا۔ اسے گہری نیند سے بیدار کرایا گیا تھا۔ وہ عدنان سے بہت احترام سے پیش آیا۔

عدنان مقامی زبان میں کچھ دیر تک اس سے بات کرتا رہا۔ پھر الجھا ہوا …

"اس کو معلوم ہے میگورا کا خدمت گار ہے۔" باہر آکر عدنان نے مجھے بتایا۔ "کہہ رہا تھا کہ آج کل میگورا اپنا زیادہ وقت اصطبل میں گزارتا ہے۔"

"میرا خیال ہے وہ … اصطبل میں کیا کرتا ہوگا؟"

"اسے جنون کی حد تک گھوڑے پالنے کا شوق ہے اور … ریس میں اس کے گھوڑے دوڑتے ہیں۔"

"مجھے بھی گھوڑوں کا شوق ہے!"

"پچھلے چند دنوں میں … اس کے دو گھوڑے مر چکے ہیں۔ میگورا سمجھتا ہے کہ یہ کارروائی اس کے کسی دشمن نے کی ہے، اسی وجہ سے وہ زیادہ وقت اصطبل میں گزار رہا ہے۔"

"گھوڑوں کے پوسٹ مارٹم کا رواج نہیں ہے؟"

وہ مسکرا کر رہ گیا۔ "اس نے کوئی کسر تو نہ چھوڑی ہوگی!"

"اصطبل جانا تو خطرناک ہوگا، کہیں نہ آتے ہی دھوکا دے کر کہیں بلوا یا جائے!"

"دروازہ کھلا ہی ہو تو آسانی ہوجائے۔"

"کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے!"

اس فیصلے کے بعد کار دوبارہ شہر کی طرف دوڑنے لگی۔

میگورا نے اپنے گھوڑوں کی آؤٹ کے لئے میگورا ملٹی ٹریڈرز کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہوا تھا۔ عدنان نے ٹیلیفون ڈائریکٹری میں دیکھ کر اس ادارے کے ایک نمبر کا انتخاب کیا اور ریسیور میرے حوالے کر دیا۔

پہلے نمبر پر جس شخص سے میری بات ہوئی اس نے میگورا کے بارے میں لاعلمی ظاہر کی مگر جب میں نے اسے بتایا کہ معاملہ بہت اہم ہے تو اس نے مجھے ایک فون نمبر لکھوا دیا۔ جہاں میگورا کے موجود ہونے کے امکانات تھے۔

"ایک دفعہ پھر سوچ لو کہ تم اس سے کیا کہو گے؟" دوسرا نمبر ڈائل کرنے سے پہلے عدنان نے اضطراری انداز میں کہا۔

"کام کی بات سب سے آخر میں بتاؤں گا، جو تم سنو گے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "اب اس سے گھوڑوں کے ہی بارے میں بات ہوگی۔"

"گھوڑوں کی پیشکش کرو گے؟"

"اسے گھوڑوں کی پراسرار موت کے بارے میں ایسے اہم انکشافات سے باخبر کروں گا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"بہت مناسب خیال ہے!" اس نے میری تائید کی۔

میں نے نمبر ڈائل کئے تو ایک بے ہمسی غراہٹ کانوں میں سنائی دی۔

"میں مسٹر میگورا سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے انگریزی میں کہا۔

"بول رہا ہوں۔" وہی خونخوار غراہٹ سنائی دی۔

"میں تم سے ایک اہم سودا کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہاری کال کا منتظر تھا۔" ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ مستقل لہجے میں بات کرنے کا عادی نہ ہو۔ "میرا آدمی مجھے بتا چکا ہے کہ کوئی میری تلاش میں تھا۔"

"تم مجھ سے کہیں مل سکتے ہو؟"

"معاملہ کیا ہے؟"

"شاید پچھلے چند دنوں میں تمہارے دو گھوڑے مر چکے ہیں؟"
"شاید کیا، یہ تو پوری دنیا جانتی ہے۔"
"مگر یہ تمہیں بھی معلوم نہ ہو گا کہ تیسرے کی بھی جلد ہی باری آنے والی ہے۔" میں نے چہکتے ہوئے لہجے میں کہا۔
"میں جہنم واصل کر دوں گا۔ میں دیکھتا ہوں کہ اب کون ایسی جرأت کر سکتا ہے؟" وہ بُری طرح برس پڑا۔
"میں تمہاری کامیابی کے لئے دعا گو رہوں گا۔ خدا حافظ۔"
"سنو!" وہ جلدی سے بولا۔ "اس بارے میں تم کیا جانتے ہو ___؟"
"بہت کچھ" میں نے لطف لیتے ہوئے کہا۔ "ان معلومات کے عوض میں دس ہزار ڈالر چاہتا ہوں جو تمہارے لئے قلیل رقم ہے۔"
"یہ بہت زیادہ ہے۔" اس کے لہجے میں پہلی بار نرمی کا موسم سا محسوس ہوا۔ "اگر تمہاری اطلاعات اس قابل ہوئیں تو صرف پانچ ہزار ڈالر دے سکوں گا۔"
"تمہارا ایک ایک گھوڑا ہزاروں ڈالر کی مالیت کا ہے۔"
"فکر نہ کرو وہ سب بیمہ شدہ ہیں۔ مجھے مالی نقصان کا کوئی خطرہ نہیں۔ بات صرف ساکھ کی ہے اور اسی لئے میں نے اتنا آفر دیا ہے۔"
"تمہیں بیمے کا ایک دھیلا بھی نہ مل سکے گا۔ ایسے حالات پیدا کئے جا رہے ہیں کہ انشورنس والے مردہ گھوڑوں کا طبی معائنہ کرائیں اور یہ ثابت ہو جائے کہ گھوڑوں کو خوراک میں کچھ ملا کر محض اس لئے ہلاک کیا گیا ہے کہ ان کے نکما ہونے سے پہلے بیمے کی خطیر رقم وصول کی جا سکے۔"
"میں تم سے ابھی مل رہا ہوں۔" وہ بے چینی آواز میں غرایا۔ "ان لوگوں کی بھنک بھی مل جائے تو میں ان کے چیتھڑے اڑا دوں گا۔" میرا اندھیرے میں بے تکے طور پر چلایا ہوا تیر نشانے پر بالکل ٹھیک بیٹھا تھا۔
"میں رقم میں کمی قبول نہ کر سکوں گا۔"
"وہ میں مل کر طے کر لوں گا۔" وہ جلدی سے بولا۔ "تمہیں اس سودے پر افسوس کا کوئی موقع نہیں دوں گا۔"
"میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں مسٹر مینگور!" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم میری پیشانی میں ایک گولی اتار کر بھی اپنے الفاظ واپس لے سکتے ہو لیکن افسوس اور حسرت صرف زندہ انسانوں کے لئے ہی ہوا!"
"میں تمہیں منہ مانگی رقم دوں گا!" وہ شاید دانت پیس کر غرایا تھا۔
"پھر میں البیدرو کے قریب تمہارا انتظار کر رہا ہوں!"
"میں تمہیں کیسے پہچانوں گا؟" اس کی غراہٹ میں تبدیلی شامل تھی۔ آئینہ نما فرش چمک رہا تھا۔
"میں تمہیں پہچانتا ہوں۔ قریب آ کر تمہیں سرخ سلام سے متوجہ کروں گا۔" میں نے کہا۔
"میرے ساتھ کوئی چالاکی چلنے کی کوشش تمہیں مہنگی پڑے گی۔" اس نے کہا۔ "یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینا!"
"میں اس کے نتائج سے واقف ہوں!"
میں سمجھ گیا کہ وہ ... اس نے کریڈل پر ریسیور رکھ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔
"تم نے بڑے اطمینان سے بات کی ہے!" عدنان نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "محض اس کی آواز سن کر ہی جسم میں ... "
"بڑھاپے میں وہ کسی جیبی گھڑی کی طرح ... "
البیدرو کا مشہور ریستوران کافی تھا۔ وہ شہر کا ایک مشہور ریستوران تھا جہاں وقت میں زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں ہوتی تھی ... کسی ہنگامے یا خطرے کی صورت میں فرار میں بہتر ثابت ہو سکتا تھا۔ عدنان کے پاس اسلحے کی صورت میں ... میں نے لے لیا گیا۔ اس سامان میں ایسی بم بھی تھے ... کے حامل تھے۔ ان سے عام بارودی نقصانات کے علاوہ ... دالی گیس بھی خارج ہوتی تھی۔ اگر کسی ایسے ... جس کی نال پر سائلنسر چڑھا ہوا ہو۔
گیارہ بجے ہم دونوں البیدرو پہنچ گئے۔ ... اپنا میک اپ ... سال ... جوڑے ... ساتھ ہی کسی مشروب سے بھی شغل کرتے جا رہے تھے۔
اس وقت عدنان نے ... بالوں کی وگ لگا کر ... داڑھی بھی ... عینک لگائی ہوئی تھی ... سیاہ رنگ ... مکمل تبدیل ... معلوم ہو رہا تھا ... کی وجہ سے کوئی بھی مجھے صورت ... سے پہچان سکے گا!
اتوار کا دن ... کی وجہ سے اس وقت ہر طرف ویرانی ... تھا۔ پارکنگ لین کے قریب ایک زیر تعمیر عمارت میں بھی کام بند تھا۔ مجھے ہر اعتبار سے وہ عمارت ہی بہتر محسوس ہوئی ... میں نے یہ خیال رکھا تھا کہ ... ہم کسی کی نگاہوں میں نہ آ سکیں۔
عدنان خاموشی سے اپنی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ... میں مصروف تھا۔ میرے اوور کوٹ کی جیبوں میں دو ... ساڑھے گیارہ بجے کے قریب ... ہو رہا تھا۔
میں نے زیر تعمیر عمارت کا جائزہ لیا تو ...

... تک پہنچنے کے بعد پوری عمارت نظر آتی تھی ... اضافی ...
... عمارت کے دو ... ہو چکے تھے۔ البتہ اطراف سے چھپ کر ... کے باہر نکلنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ اس طرف سے ... ہونے کے بعد میں ایک ویران کی اوٹ میں جا بیٹھا جو پارکنگ ... بمشکل بیس فٹ دور تھی۔ ... فاصلے کے بعد ... وقت پر نظر ڈالی جو گیارہ بجے ... منٹ کا وقت بتا رہی تھی۔
... اپنی کمین گاہ سے عدنان کو بخوبی دیکھ رہا تھا۔ وہ ... جس زاویے سے بیٹھا ہوا تھا اس کی نگاہیں زیر تعمیر عمارت پر تھیں مگر وہ مجھے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ٹھیک ... بجے پارکنگ لین کے آخری سرے سے سرخ رنگ کی ... اندر داخل ہوئی۔ پھر اس کی رفتار سست ہو گئی۔
... ایک بیک تیزی سے حرکت میں آ گیا۔ اس کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر ... شخص کا چہرہ صاف نظر آ رہا تھا جس کا مطلب ... وہاں تنہا ہی آیا تھا۔
میں نے ... جیب سے نکال کر اس کا سیفٹی کیچ ہٹا دیا۔ ... کار کے رکتے ہی ... وہ شاید عدنان کی ... لے گی۔ اگر ایسا ہو جاتا تو مجھے بہتر پوزیشن ... کا موقع ... سرخ کار قدرے لہراتی اور عدنان کی ... کے قریب آ کر کنارے سے رک گئی۔
مجھے فوری طور پر اپنی جگہ بدلنی پڑ گئی۔ مینگور کی پشت میرے ... ہو چکا تھا ... جگہ ... میں نے ... پر نگاہ ڈالنی چاہی مگر ... میں نے پھرتی سے اپنا ہاتھ ... سیدھا کر ... نشست باندھی اور ... سے دو فائر کر ڈالے۔
گولیاں کہاں لگیں، یہ میں نہ دیکھ سکا۔ البتہ مینگور نے ... دیکھتے ہی سرخ کار کو اچھال کر تیزی سے آگے بڑھتے ... سڑک پر ... کار کے ٹائروں کی چیخیں ... تھا۔ مینگور نے کار کو نہایت پھرتی اور تیزی سے آگے دوڑایا تھا۔ اسی اثناء میں مجھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ بھاگنے والے زور زور سے کچھ کہتے بھی جا رہے تھے!
پھر اس زیر تعمیر عمارت کے اندر ... سے بھی قدموں کی دھمک ابھرنے لگی اور آناً فاناً میں دو ... چیخ کر دوڑتے ہوئے باہر نکل گئے۔
فائرنگ کے ... کے ... سے شاید ... کے ادھر ادھر بکھر گئے تھے۔ اندر سے جلنے والے بھی ... ہوئے تھے ... اوٹ میں دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔ شاید ان کے ذہنوں پر ... خیالی طاری تھا کہ ... کوئی حادثہ ہو گیا تھا جس کا ان سے یا ان کی عمارت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔
چونکہ اب ... کے فرار ہو جانے کا یقین ہو گیا کے بعد میں نے بھی جگہ چھوڑ دی اور ... کے ساتھ ... اسی جگہ جا پہنچا جہاں سے کمرہ ... پارکنگ لین کا ... جائزہ لیا جا سکتا تھا!
پارکنگ لین ویران ہو چکی تھی۔ شاید عدنان ابھی ... دو دھماکوں کے ... سے خیال سے اپنی کار نکال لے گیا تھا مگر وہاں ... ابھی تک کسی ... وہ دوری سے نمایاں نظر آ رہا تھا اور شاید انہیں کچھ بتانے کا ارادہ ... پوچھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تھوڑی ہی کوشش کے بعد مجھے عدنان کی کار بھی نظر آ گئی جسے اس نے پارکنگ لین سے باہر نکال کر سڑک کے کنارے لگا دیا تھا!

اگر وہاں کافی بھیڑ بھاڑ ہوتی تو میرا باہر نکلنا سہل ہوتا مگر اس وقت زیرِ تعمیر عمارت سے باہر جانے کا مطلب خود کو لوگوں کی توجہ کا مرکز بنانا تھا۔ دوسرے یہ کہ میرے لباس پر بارود کے اثرات موجود تھے اور کوئی بھی تجربہ کار شخص یا پولیس کا [illegible] ناک میں اور میرے لباس میں رچی ہوئی بارود کی تازہ بُو کے سہارے بآسانی یہ کہہ سکتا تھا کہ فائر کرنے والا اسکے آس پاس ہی موجود ہے!

میں لپک کر عمارت کے اندرونی حصے کی طرف ہو لیا جہاں پر جا بجا ابھی سیڑھیاں جو کیمارد کے کمرے سے دور تھیں اور اسی وقت وہ موجود بھی نہیں تھے۔ لہٰذا میں سیڑھیاں عبور کر کے اوپر جا پہنچا۔ اوپری منزل پر بھی تعمیر کے آثار تھے مگر اس وقت میں عمارت سے زیادہ اپنی نکاسی کے بارے میں پریشان تھا!

میگورا پر حملے کا منصوبہ بناتے ہوئے میں نے اس امکان کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ میرا منصوبہ تو یہ تھا کہ فائر کرنے کے ساتھ ہی میں اوٹ سے نکل کر حیران اور خوفزدہ تماشائیوں میں مل جاؤں گا اور پھر دو تین منٹ وہاں سے ساتھ ہی روانہ ہو جاؤں گا۔ مگر تماشائیوں کی قلت نے منصوبے کا آخری حصہ ناکام کر دیا تھا!

میرا خیال تھا کہ عدنان وہاں رُک کر اپنا وقت برباد کر رہا تھا اور غیر ضروری طور پر ان لوگوں کی نگاہوں میں آ رہا تھا جو حادثے کے عینی شاہد تھے۔

میرے لئے اس زیرِ تعمیر عمارت میں چھپ کر اپنے فرار کے لئے اندھیرے کا انتظار کرنا بھی ناممکن تھا۔ یہ یقینی بات تھی کہ قریب ہی جائے واردات رہنے والا کام کرنے والے پولیس کو اس طرح اندھا دھند فائرنگ سے آگاہ کرتے اور پولیس آتے ہی ان تمام مشکوک مقامات کا تفصیلی جائزہ لیتی جہاں سے گولی چلائے جانے کے امکانات تھے!

اس اعتبار سے زیرِ تعمیر عمارت ان کی توجہ کا پہلا مرکز ہوتی اور میں چوہے کی طرح قانون کے چنگل کا اسیر ہو جاتا!

میں نے بہت احتیاط سے عقبی سمت کا جائزہ لیا اور یہ دیکھ کر میری مسرت کی انتہا نہ رہی کہ وہاں دور تک کو تارکی چھپتی ہوئی سڑک نظر آ رہی تھی۔ سڑک کے اس پار چند بلند درختوں سے گھرا ہوا کوئی چھوٹا پارک تھا جہاں اس وقت بادی النظر میں کسی کے آنے کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔

میں نے نجات کی راہ نظر آتے ہی دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا اور پیچھے کی طرف کے کچے فٹ پاتھ پر کود گیا۔

باہر نکلنے کے بعد رُکنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ نہ ہی اس وقت سڑک کے کنارے زیادہ دور تک پیدل جا سکتا تھا لہٰذا میں نے تیزی سے سڑک عبور کی اور خاردار تاروں کی باڑھ عبور کر کے پارک میں گھس گیا۔

پارک میں گھسنے کے بعد میں سڑک کے متوازی اس طرف بڑھنے لگا جدھر سے کوئی موٹر نظر آتے ہی میں جلد از جلد عدنان کی کار تک پہنچ سکتا تھا!

ایک ڈیڑھ فرلانگ چلنے کے بعد مجھے سڑک کی دوسری جانب ایک گلی نظر آئی اور میں پارک سے نکل کر سڑک پر دوڑتا ہوا اس گلی میں داخل ہو گیا۔ اس گلی میں دونوں طرف چھوٹی چھوٹی دکانیں تھیں جن پر سرے سے دوسرے سرے تک بھیڑ تھی۔

وہ مختصر سی گلی آگے چل کر اس سڑک سے مل گئی جو الحیلیہ کے سامنے سے گزرتی تھی۔ اس سڑک پر آکر میں الحیلیہ کی طرف بڑھ گیا۔

خلافِ توقع الحیلیہ سے کافی پہلے ہی مجھے عدنان کی کار کھڑی ہوئی نظر آگئی۔ اور شاید اس نے مجھے دیکھ لیا کیونکہ فوراً ہی کار آگے بڑھا لایا۔

"میں پریشان ہو گیا!" میرے قریب کار روک کر اس نے [illegible] آواز میں کہا۔ "زیادہ دیر وہاں رک سکتا تھا نہ [illegible] واپس لوٹ سکتا تھا!"

میرے بیٹھتے ہی اس نے کار تیزی سے آگے بڑھا دی۔

"میگورا کا کیا ہوا؟"

"دونوں گولیاں اس کی پشت پر لگیں!" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔

"اس نے اپنی کار کا انجن تک بند نہیں کیا تھا!"

"اس نے کار بہت غلط زاویے پر پارک کی تھی۔ اگر [illegible] نالی اوپر کرتا تو گولیاں کھڑکی کے فریم سے ٹکرا جاتیں!"

"وہ تو جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ یہ بتاؤ کہ تم اس جگہ سے وہاں تک کیسے پہنچ گئے؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں نے اسے مختصر روداد سنا ڈالی۔

"یہ بہت اچھا کیا کہ تم فوراً ہی نکل آئے!" اس نے کہا۔ "ورنہ پولیس پہنچنے ہی والی ہوگی!"

"پولیس کو کس نے اطلاع دی؟"

"شاید الحیلیہ والوں نے دی ہو، میں تو یہ سمجھ رہا ہوں کہ کسی نے قیاس کر کے پولیس کو خبر دے دی گئی ہو!"

اس وقت سامنے سڑک ویران پڑی ہوئی تھی اور عدنان بڑی تیزی سے کار دوڑا رہا تھا۔ وہ میری [illegible] میں بھول چکا تھا کہ میرے اور [illegible] کے بیچ میں [illegible] ہو چکا تھا!

"ارے! اچانک [illegible]" میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ بے یقینی کے عالم میں عقب نما میں دیکھ رہا تھا۔

پھر اچانک میری نگاہ اپنے پیچھے مڑ گئیں اور میرے وجود میں ایک [illegible] اسی ساخت کی ایک بڑی سی کار تیزی سے قریب آتی جا رہی تھی جس میں میگورا موجود تھا!

"یہ اسی ساخت اور رنگ کی دوسری کار ہوگی!" عدنان نے تشویش سے کہا۔ "ورنہ میگورا تو بُری طرح زخمی ہوا تھا!"

"اگر وہ اتنی دیر تک اپنی کار میں کہیں رُکا ہوا [illegible] زیادہ خون بہہ جانے کے سبب مر جانا چاہیئے تھا۔ ہم میگورا کے بارے میں کوئی بات یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے [illegible] کے معاملے میں وہ سانپ جیسی شہرت رکھتا ہے!"

"وہ بہت [illegible] خدا کی قسم وہی ہے!" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں چیخ پڑا۔ شاید پچھلی کار اتنے فاصلے پر آ گئی تھی کہ [illegible] ڈرائیو کرنے والے کو صحیح پہچان سکتا تھا!

[illegible] میں کھڑکی سے [illegible] ہاتھ بڑھا کر جھپٹنے کی کوشش کرتا [illegible] اپنی جیب سے دستی بم نکالتے ہوئے کہا۔

ٹھیک اسی وقت عقبی کار سے پیچھے دو تین گولیاں چلیں اور تیسری نے ایک پچھلا ٹائر ناکارہ کر دیا۔

کار ایک طرف جھکنے کے ساتھ ہی بُری طرح اچھلنے لگی اور میں نے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں [illegible] ہماری کار میں نہ پھٹ جائے۔

عدنان کار کو سنبھال رہا تھا کہ [illegible] کی طرح [illegible] گزر گئی۔ گزرتے ہوئے اس میں سے دو گولیاں چلیں، ایک نے عقبی کھڑکی کا شیشہ چکنا چور کر دیا اور [illegible] پر لگ کر اچٹ گئی۔

میں نے بے جھجک پیشتر ڈرائیونگ سیٹ پر موجود شخص کی جھلک دیکھی۔ اس کے بدن پر موجود [illegible] واضح نظر آ رہا تھا۔ اگر [illegible] تو شاید خون کا دھبہ پہچاننا بھی محال ہوتا!

[illegible] کار سے آگے نکلتے ہوئے اس نے [illegible] ایک بار عدنان نے اسٹیرنگ کا [illegible] اور فضا آتشی ہتھیاروں کی جھنکار سے لرز اٹھی [illegible] سڑک پر کچھ [illegible] سنائی دیں!

[illegible] وہ میگورا کا [illegible]

ہم میگورا کی نعش کسی حصے پر گرا اور فضا ایک ہولناک دھماکے سے لرز اٹھی۔ سامنے کثیف دھوئیں اور ملبے کی تہ آتش کم آدمی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

عدنان فاخوری نے اس خطرناک مرحلے پر نہایت مہارت کے ساتھ اپنی کار سڑک سے کچی گزر گاہ پر ڈال کر [illegible] نکلنے کی کوشش کی مگر اس کے مقدر نے یاوری نہیں کی اور میگورا کی کار سے اڑنے والا کوئی آہنی ٹکڑا عدنان فاخوری کی کار کے انجن کے کسی نازک حصے میں پیوست ہو گیا۔ اس کی کار کے انجن نے پے در پے دو تین ہچکیاں لیں اور پھر فوری جھٹکے کے ساتھ کار رک گئی!

کار کے رکتے ہی میں نے اپنی سمت کا دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگا دی۔ عدنان نے بھی اپنے [illegible] میں تاخیر نہیں کی۔ مگر ہم دونوں ابھی اپنی اپنی سمت سے باہر آئے ہی تھے کہ اچانک دو گولیاں چلیں۔ ان میں سے ایک میرے جسم سے چند انچ کے فاصلے سے گزر گئی اور میں بے اختیار زمین پر گر کر عدنان کی کار کی اوٹ میں چھپ گیا۔

اس وقت تک میگورا کی کار بُری طرح شعلوں میں گھر چکی تھی اور اس سے شعلوں کے ساتھ ہی کثیف دھوئیں کے مرغولے بھی بلند ہو رہے تھے!

مگر میرے لئے زیادہ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ زخم خوردہ اور لہو میں نہایا ہوا میگورا پوری طرح مستعد تھا۔ اس نے اپنی کار کی تباہی کے باوجود حیرت انگیز پھرتی سے کام لیا تھا اور شعلوں سے بچ نکلا تھا اور دونوں ہاتھوں میں ریوالور تھامے کسی ویسٹرن عفریت کی طرح جھومتا ہوا عدنان کی کار کی طرف آ رہا تھا۔

اس کے چہرے پر قہر اور نفرت کا ایک سمندر انگڑائیاں لے رہا تھا۔ اس کے کوٹ کا بیشتر حصہ پشت پر لگے ہوئے زخموں سے بہنے والے خون میں آلودہ تھا۔ اب جبکہ میں تازہ زخموں کو دیکھتے ہوئے میگورا کی ہمت اور برداشت پر عقل چکرا کر رہ گئی۔ وہ جو کچھ بھی رہا ہو، کم از کم ایک عام آدمی سے بہت بالا تھا!

"اس سے بچنا!" کار کی دوسری جانب سے عدنان کی اضطراری آواز ابھری۔ اس نے مجھے متنبہ کرنے کے لئے عربی کا سہارا لیا تھا۔ "وہ اس حالت میں بھی ٹکرا گیا تو محض دبوچ کر ہماری پسلیوں کو سرمہ کر ڈالے گا!"

میگورا کی حیوانی قوتِ برداشت اور اس کا عزم دیکھ کر میں دنگ ہو کر رہ گیا۔ اگر لوگ اسے سانڈ یا گینڈے سے تشبیہ دیتے تھے تو اس میں مبالغے سے زیادہ ان کی حقیقت پسندی کا دخل تھا۔

اس کے ہاتھوں میں جو لمبی نال کے ریوالور دبے ہوئے تھے، ان دونوں کی نالوں پر سیاہ رنگ کے سائلنسر چڑھے ہوئے تھے جن کی وجہ سے ان ہتھیاروں کی ہیبت میں اضافہ ہو گیا تھا اور یہ یقین کرنا محال

نظر آ رہا تھا کہ مجھے اور عدنان کو اس زخم خوردہ اژدہے سے جلد ہی نجات مل جائے گی۔

اچانک میگورا کے دونوں ہاتھوں کو جھٹکے سے لگے اور لمحہ بھر کی خفیف سی تاخیر کے بعد فضا میں دو گولیوں کی آواز ابھری اور عدنان فاخوری ایک غضب ناک غراہٹ کے ساتھ اچھل کر کئی فٹ دور جا گرا۔ دوسری گولی میرے سر سے چند انچ کے فاصلے سے زناٹے کے ساتھ گزرتی چلی گئی۔

"کیا ہوا؟" میں نے اضطراری انداز میں اپنے جسم کو پوری طرح عدنان کی کار کی اوٹ میں سمیٹتے ہوئے سوال کیا۔

میگورا کے جان لیوا خطرے کے ساتھ ہی مجھے عدنان فاخوری کی سلامتی کی فکر بھی لاحق ہو گئی تھی!

"گولی سے معمولی زخم آیا ہے، میری فکر نہ کرو!" عدنان کی کرب اور غضب میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔ "کوشش کرو کہ کار کی ڈرائیونگ سیٹ کے نیچے سے ہتھیار نکالنے کی ہمت کر سکو!"

یہ بات اس نے عربی میں کہی تھی۔ عربی سے میری واقفیت کا یہ فائدہ تھا کہ ہم دونوں میگورا کی موجودگی میں بھی بآواز بلند تبادلہ خیال کر سکتے تھے اور وہ ہمارے عزائم کی بھنک بھی نہ پا سکتا تھا!

میں نے کار کے نیچے گردن گھما کر میگورا کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے کی کوشش کی اور اس کے قدم مجھے ایک جگہ جمے ہوئے نظر آئے۔

وہ دونوں ٹانگوں کو کشادہ کیے کھڑا تھا کیونکہ اس کے پیروں کے درمیان کم از کم تین فٹ کا فاصلہ نظر آ رہا تھا اور اس کی پتلون کے پائنچوں پر شاید پشت کے زخم سے بہنے والے خون کے دھبے نظر آ رہے تھے۔

غالباً ان زخموں سے زیادہ مقدار میں خون بہہ جانے کے باعث میگورا نقاہت کا شکار ہونے لگا تھا اور اسے اپنا توازن برقرار رکھنے میں دشواری ہو رہی تھی۔ اسی لیے وہ اپنی پیش قدمی ترک کر کے اپنا توازن قائم رکھنے کی کوشش کر رہا تھا!

میں نے اندازہ لگایا کہ میگورا جس جگہ کھڑا ہوا تھا وہاں سے ڈرائیونگ سیٹ کی سمت والا دروازہ براہ راست اس کے نشانے پر تھا جبکہ دوسرا دروازہ غالباً قدرے محفوظ تھا۔

میں اس وقت نہایت جانگسل صورت حال سے دوچار تھا۔ … کا اژدہا میرے تحفظ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا، دوسری طرف اس شاہراہ پر کسی بھی جانب سے کوئی گاڑی نمودار ہو سکتی تھی۔ وہ سڑک … ویران اور قطعی غیر مستعمل تھی مگر آسمان کی طرف لپکتے ہوئے نارنجی شعلے اور کثیف دھوئیں کے بادل کسی بھی نرم خو اور قانون پسند شہری کو حادثے کے

مناظرین کی امداد کی طرف متوجہ کر سکتے تھے۔ ایسی صورت میں ان کے لیے کوئی دشواری کھڑی نہ ہوتی کیونکہ ظاہری حالات … طرح مظلوم معلوم ہوتا … اور میرا چہرہ بھی مستقل قسم کا … بڑے میک اپ کی صورت میں اپنے رسوخ اور دولت … سے کام لے کر بآسانی جان چھڑا سکتا تھا جب کہ میں کسی بھی … پر قانون کے محافظوں سے سامنا نہیں چاہتا تھا۔

میں بہت آہستگی کے ساتھ کار کے نیچے سے نکلا اور … ہی اٹھ کر کار کا دروازہ کھولا اور اندر گھس گیا۔

میگورا اس وقت بھی پوری طرح مستعد تھا اور … سے فائر کیا مگر گولی کار کی چھت میں گھس گئی۔

کار کی نشست کے نیچے ہاتھ ڈالتے ہی میری طبیعت … گئی۔ وہاں سب سے پہلے میری انگلیوں نے جس مہلک ہتھیار کا … محسوس کیا وہ مخصوص ساخت کی ایک چھوٹی ٹامی گن تھی … ساتھ ہی میگزین کی پیٹی جھول رہی تھی!

اس کے بعد مجھے مزید کسی جستجو کی ضرورت نہیں تھی۔

میں نہایت احتیاط کے ساتھ کار کا دروازہ کھول کر باہر …

اس اثنا میں میں نے میگورا کو دو قدم … بڑھتے دیکھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی بھی لمحے زمین پر گر پڑے گا۔ مگر جونہی اس نے مجھے دروازے سے … ایک بار پھر گولی چلا دی اور اس بار میری داہنی … گو وہ زخم گہرا نہیں تھا مگر اس کے بعد … جاری ہو گئی۔ میں اسی جگہ کار کے متوازی … اور ٹامی گن درست کرنے کے بعد قدرے … دونوں ٹانگوں کے درمیان سے جائزہ لیا اور ایک مرتبہ پھر میگورا کے قدم زمین پر جمے ہوئے نظر آئے۔

میں نے بے دریغ ایک برسٹ مار کر اس کی دونوں ٹانگیں چھلنی کر دیں اور فضا میگورا کی قہر و غضب میں ڈوبی ہوئی … سے لرزا اٹھی۔

پنڈلیاں ہڈی کے ریشوں اور لوتھڑوں میں تبدیل ہو … کے بعد میگورا تو کیا کوئی … بھی اپنے قدموں پر نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کا دیو ہیکل جسم کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح زمین پر ڈھیر ہو گیا!

میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو ٹامی گن ایک جھٹکے کے ساتھ میری گرفت سے نکل گئی۔

وہ جھٹکا انتہائی وحشت اور حیرت … دوستانہ تھا … جس نے خطرے کی للکار بلند کی اور میں حیرت ناک سرعت … زمین سے اٹھ گیا۔

… ٹامی گن کی نال میری طرف اٹھی ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے … ایک بار پھر وہی شخص موجود تھا جس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ اور آنکھوں میں حقارت رچی ہوئی تھی!

… کی سیاہ کار سے چند گز دور پولیس کی مخصوص موٹر … کھڑی ہوئی تھی۔ وہ … کی سمت سے نہ جانے کب نمودار ہوا … میری طرف متوجہ تھا!

… ایک پولیس افسر کو موجود پا کر میرے دل کی دھڑکن … گئیں۔ مگر میں نے اپنے رویے سے خوف کا اظہار نہ ہونے … تشویش زدہ انداز میں اس طرف دیکھنے لگا جہاں خون اور زخموں سے چور میگورا خاک پر بری طرح تڑپ رہا تھا۔

… پولیس افسر کو سمجھنے کے لیے کافی تھا۔ اس نے نہایت … انداز میں میری گردن پر ٹامی گن کے دہانے سے ٹہوکا دے کر … مگر میں نے … انداز میں داہنے ہاتھ سے … نال کو دور جھٹک دیا۔

"میں جانتا ہوں جناب، اسے دیکھو، وہ مرنے والا ہے!" میں نے … انگریزی میں کہا۔

"تم نے جس طرح اس کی ٹانگیں چھلنی کی ہیں، وہ بچ نہ سکے …" ایک قدم پیچھے ہٹ کر مجھے ٹامی گن سے دوبارہ کور کرتے … "تم مجھے اس میں الجھا کر فرار ہونے کی کوشش نہیں کر سکتے!"

… ایک فوری خیال کے تحت دانت بھینچ کر … تمہاری شامت ہی تمہیں یہاں تک لائی ہے۔ میگورا … میں … بھجوا دے گا!"

یکایک اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور ٹامی گن کا دہانہ … زمین کی طرف جھکتا چلا گیا!

"ت… تم میگورا کے آدمی ہو؟" اس نے تھوک نگلتے ہوئے … سوال کیا۔ میگورا کے نام نے اس کا سارا دم خم رخصت …

"تھوڑی دیر رکے رہو، کہیں سے وہ خود بھی آ نکلے گا!" میں نے … کہا۔

"م… میں جا رہا ہوں!" وہ ٹامی گن میری طرف اچھالتے ہوئے … بولا۔ "میں تو ادھر آیا ہی نہیں ہوں!" پھر یک بیک … بولا۔ "تم میگورا سے میری مداخلت کا ذکر نہ کرنا … میں جلوا دے گا! دیکھو نا مداخلت سے پہلے مجھے … معلوم ہو کہ یہاں کون الجھا ہوا ہے۔ مجھے تو اگر دور ہی سے … اپنا راستہ بدل لیتا!"

اس نے گدی پر بیٹھ کر موٹر سائیکل سٹارٹ کی اور پوری رفتار

سے کراچی تیزی سے واپس روانہ ہوا جیسے موت اس کا تعاقب کر رہی ہو۔

یا پھر میگورا کا بدن تڑپ تڑپ کر ساکت ہو چکا تھا۔

میگورا خون اور زخموں میں نہایا ہوا تھا پھر بھی … ہونے کے بعد وہ مکمل طور پر ناقابل شناخت ہو کر رہ گیا تھا۔ میں نے محض اس یقین کی بنا پر پولیس افسر پر رعب گانٹھنے کی کوشش کی تھی کہ مجھ سے ٹامی گن چھیننے سے قبل اس نے خود سے میگورا کو دیکھا اور پہچانا نہ ہوگا۔

یہ میرے مقدر کی یاوری ہی تھی کہ میرا یقین درست ثابت ہوا! یہی نہیں بلکہ میرے حد سے بڑھے ہوئے مصنوعی اعتماد اور میگورا کے نام نے پولیس افسر کی سٹی بھی گم کر دی کہ وہ فریقین کی شناخت کے بجائے اپنی عافیت کی فکر میں مبتلا ہو کر … میں واپس بھاگ کھڑا ہوا۔ بصورت دیگر … کم از کم بے ہوش کرنے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا!

فوری طور پر مجھے عدنان فاخوری کا خیال آیا جس کی آواز تک سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ نہ جانے کہاں اور کس حال میں تھا…!

میں نے دو بار اسے پکارا مگر جواب نہ ملا۔

عدنان فاخوری کی تلاش شروع کرنے سے پہلے میگورا کے انجام کا یقین کرنا ضروری تھا!

میں اس کے … ذہن میں … ہوئے ساکت جسم کے قریب پہنچا تو اس کے سینے کے … زندگی کا اعلان کر رہے تھے!

گرتے ہوئے داہنے ہاتھ کا ریوالور اس کی گرفت سے نکل گیا تھا مگر بائیں ہتھیلی میں بے آواز ریوالور بدستور دبا ہوا تھا۔

میں نے اس کا ہاتھ گھما کر بے آواز ریوالور کی نال اس کی کنپٹی پر رکھی۔ پھر اس کی ٹریگر میں پھنسی ہوئی انگلی پر دباؤ بڑھا کر ریوالور چلا دیا۔

ریوالور کی نال سے نکلنے والا شعلہ اس کے بھیجے کے کسی حصے میں پہنچ کر سرد ہو گیا۔ اس کا بدن ایک بار پوری شدت سے تڑپا اور پھر ہمیشہ کے لیے بے جان ہو گیا!

میگورا کی کار دستی بم پھینکے جانے سے اس کے خاتمے تک کی ساری کارروائی بمشکل چند منٹوں میں مکمل ہوئی مگر واقعات کے اعتبار سے وہ چند منٹ مجھے گھنٹوں پر بھاری محسوس ہو رہے تھے۔

میگورا سے فراغت کے بعد میں نے ایک مرتبہ پھر عدنان کو پکارا اور جواب نہ ملنے پر اس طرف بڑھا جدھر وہ زخمی ہو کر گرا تھا۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد جھاڑیوں کے درمیان وہ نظر آیا۔ زخم اس کے شانے پر آیا تھا!

آسیبی مادہ نے یہ پتہ چلایا کہ بظاہر گولی سے ہڈی کو نقصان نہیں پہنچا تھا بلکہ وہ جلد اور گوشت کو ادھیڑتی ہوئی گزر گئی تھی۔

مجھے حیرت ہوئی کہ اس چوٹ کو عدنان جیسا مضبوط آدمی نہ سہہ سکا اور بے ہوش ہو گیا مگر تفصیلی جائزے کے بعد بے ہوشی کا حقیقی سبب بھی دریافت ہو گیا۔

اس کی بے ہوشی کا سبب گولی کا زخم ضرور تھا مگر صرف اس حد تک کہ گولی لگنے کے بعد عدنان اضطراری طور پر اچھل کر دور جا گرا تھا اور گرتے ہوئے اس کا سر کسی پتھر وغیرہ سے ٹکرایا تھا جس کا اظہار سر کے عقبی حصے کے تازہ ابھار سے ہو رہا تھا۔ یقینی طور پر وہی بے تکی چوٹ اس کی بے ہوشی کا سبب بنی تھی!

میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں عدنان کو ہوش میں لانے کی کئی تدابیر کیں جو کچھ دیر بعد بگڑ کر ناکامی پر منتج ہوئیں اور مجھ پہ کچھ تشویش سوار ہونے لگی!

میگنورا کی کار کا بیشتر حصہ جل کر راکھ ہو چکا تھا اور باقی کے رہے سہے اجزائے ترکیبی بھی بھیانک شعلوں کی لپیٹ میں آئے ہوئے تھے۔ عدنان خاقدی کی سیاہ پوش کار کا انجن بھی ناکارہ ہو چکا تھا اور وہ خود مجھے دشواریوں میں گھرا چھوڑ کر بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

میرے لئے وہاں رک کر عدنان کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنا خودکشی کے مترادف ہوتا۔ کیونکہ ادھر نکلنے والے ایک پولیس افسر کو تو میں نے حاضر دماغی سے کام لے کر بھاگ نکلنے پر مجبور کر دیا تھا مگر اس سڑک پر زیادہ دیر تک سناٹا چھائے رہنے کی توقع بے سود تھی۔ اگر اب کوئی عام شہری آ جاتا تو اسے کسی بے ضرر انداز میں دھمکانا مشکل ہوتا جبکہ میں بے قصور اور غیر متعلقہ لوگوں پر ہتھیار اٹھانے سے ہمیشہ گریز ہی کرتا رہا تھا!

ایتھنز میرے لئے اب بھی اجنبی تھا۔ اگر میں بے ہوش عدنان کو کندھے پر لاد کر جھاڑیوں میں چلنا شروع کر دیتا تو مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ میں کہاں پہنچتا اور کن حالات سے دوچار ہوتا!

کافی غور و خوض کے بعد میں نے میگنورا کی لاش کے قریب سڑک پر گرا ہوا اپنا آٹومیٹک ریوالور اپنی جیب میں ڈالا۔ ٹامی گن کندھے سے لٹکائی اور عدنان کو پشت پر لاد کر ڈھلان میں پھیلی ہوئی گھنی جھاڑیوں میں اترتا چلا گیا۔

سڑک سے کافی دور نکلنے کے بعد میں اندازے اور شعلوں کے سہارے سڑک کے متوازی چلنے لگا اور تصادم کے مقام سے تقریباً ڈیڑھ سو گز فاصلہ طے کرنے کے بعد دوبارہ سڑک کی طرف ہو لیا۔ سڑک سے مناسب فاصلے پر گھنی جھاڑیوں کے درمیان میں نے عدنان کو ایسی جگہ مٹی پر لٹا دیا جہاں سڑک سے اس کا دیکھا جانا ناممکنات میں سے تھا!

اس مرحلے سے فارغ ہو کر میں جھاڑیوں کی اوٹ لیتا ہوا اس طرف چل دیا جہاں میگنورا کی کار جل رہی تھی۔

قدرت کو شاید میری بے بسی پر رحم آ گیا تھا کیونکہ … ابھی سے وہ کار دیکھ لی جو … کی سمت سے آ رہی تھی … لی گئی تھی۔

کار دیکھ کر میں بجلی کی سی تیزی سے جھاڑیوں میں دوڑنے لگا … فکر لاحق ہو گئی تھی کہ کہیں میرے پہنچنے سے قبل اس کار والے میگنورا کی لاش سے خوفزدہ ہو کر اپنی راہ پر روانہ نہ ہو جائیں۔

مگر وہ ادھیڑ عمر شخص میرے اندیشے کے برعکس … خاصی جستجو کے بعد وہ مجھے نظر آ گیا۔

سر پہ فلٹ ہیٹ جمائے اور اپنے اوور کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ سڑک پر پڑی ہوئی میگنورا کی لاش اور جلتی ہوئی کار کے درمیان سکون سے کھڑا سگار پی رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں کا کچھ حصہ اس طرح لٹکا ہوا تھا جیسے وہ اس کے دہانے کا کوئی پیدائشی حصہ ہو۔ میں جھاڑیوں میں کوئی آواز پیدا کئے بغیر ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں سے میرا اور اس کا درمیانی فاصلہ مختصر ترین تھا!

دو تین بار اس کے ہونٹوں سے دھوئیں … اور فضا میں دھوئیں کے مرغولے بکھرتے نظر آئے۔ وہ جس انہماک سے اپنے طور پر حادثے کی کڑیاں ملانے کی ذہنی مشق جھیل رہا تھا!

پھر جب وہ وہاں سے ہٹ کر میگنورا کی لاش کے قریب … میں نے بھی پھرتی سے جھاڑیوں میں اپنی جگہ تبدیل کر لی۔

یہ میری خوش نصیبی تھی کہ اس وقت تک سڑک پر … کار نمودار نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا جب وہ ادھیڑ عمر شخص … کے میگنورا کی لاش پر جھکا تو اس کی پشت میری طرف ہو گئی۔

میرے لئے وہ لمحات قیمتی اور فیصلہ کن تھے۔ میں … جھاڑیوں سے نکلا اور بجلی کی سی تیزی سے … عقاب کی طرح اس ہیٹ پوش شخص کے سر پر پہنچ گیا!

میں نے میگنورا کے ریوالور کے آہنی دستے سے اس … پر ایک ہی تلی ضرب لگائی اور وہ ایک تیز … سڑک پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کا ہیٹ سر سے اتر کر دور جا گرا … میگنورا کی لاش کے قریب بیٹھے ہوئے خون میں آلودہ ہو گیا …

میں نے اس بے ہوش شخص کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر … کار کی طرف گھسیٹنا شروع کیا اور پھر اسے اسی کار کی پچھلی نشست پر ڈال دیا۔

کار کی چابی اگنیشن سوئچ میں موجود تھی لہٰذا میں نے وقت … انجن اسٹارٹ کیا اور اس کار کو کچھ ہی آناً فاناً میں لے اڑا۔

بے ہوش عدنان کے قریب میں نے کار روک دی اور انجن بند کئے بغیر … جھاڑیوں میں گھس کر اسے نکال لیا۔ اس پہ ابھی تک بے ہوشی … پھر میں نے اسے بھی پچھلی نشست پر ڈال دیا اور کار دوبارہ … دوڑا دی۔

میں کار کو نہایت تیزی سے موڑتا ہوا … پہلی ذیلی سڑک نظر آتے ہی کار کا رخ ادھر موڑ دیا۔ میں اس شاہراہ سے جلد از جلد دور ہو جانا چاہتا تھا جس پر میگنورا میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

سڑک کی بھول بھلیوں سے گزرتے ہوئے میں نے ایک جگہ خود کو ایک غیر معروف سڑک پر موجود پایا۔

میرے لئے وہ صورت حال خطرناک تھی کیونکہ پچھلی نشست پر دو بے ہوش آدمیوں کی موجودگی ہر شخص کو میری طرف متوجہ کر سکتی تھی۔

میں نے کار دوبارہ گھمائی اور کافی دیر تک بھٹکنے کے بعد آخر کار ایک ایسے علاقے میں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جہاں دور تک سناٹا چھایا ہوا تھا!

اس جگہ میں نے کار کے بے ہوش مالک کو کار سے نکال کر ایک درخت کے نیچے کچی زمین پر ڈال دیا اور عدنان خاقدی کو اس انداز میں نشست پر لٹا دیا کہ باہر سے وہ سوتا ہوا مسافر نظر آئے۔

اس بندوبست کے بعد میں خود کو کافی محفوظ محسوس کرنے لگا۔ … اس مسروقہ کار میں کب تک ایتھنز کی سڑکوں پر … کار کا مالک جلد یا بدیر ہوش میں آ کر پولیس کو اپنی … بتا سکتا تھا اور میری عافیت اسی میں تھی کہ پولیس کی جانب سے تلاش کا آغاز ہونے سے قبل کار چھوڑ دوں۔

میگنورا کے قتل اور اس کی کار کی تباہی کے معاملے میں پولیس ابھی تک نہیں پہنچ سکی تھی اور ہیٹ پوش بھی میری شکل دیکھنے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ اس کے باوجود میرے تحفظ کا انحصار اس بات پر تھا کہ عدنان جلد از جلد ہوش میں آئے تاکہ میں چوری کی کار سے نجات پا سکوں!

میں اپنی تشویش میں گھرا کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ ایندھن کی ٹنکی … میرا ساتھ دے سکتی تھی اور اب مجھے راستوں کے بارے میں … کوئی تشویش نہیں رہی تھی۔

ایک جگہ کسی کار کا تیز ہارن سن کر میں چونک پڑا۔ آواز کی سمت … مخالف سمت سے آتی ہوئی جیلن کی کار … اور وہ ہارن بجانے کے ساتھ ہی کھڑکی سے میری طرف دیکھ رہی تھی!

… میرے لئے … میں نے چاہا کہ اسے … کے ساتھ آگے بڑھ جاؤں مگر اس نے … ہاتھ پرجوش انداز میں اپنا ہاتھ فضا میں لہرایا۔ میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور پھر کار کی رفتار یک بیک تیز کر دی۔

اگر میں رک جاتا تو وہ یقینی طور پر مجھے اور عدنان کی حالت دیکھ لیتی اور مجھے خدشہ تھا … جب اگلے روز کے اخبارات میں میگنورا کے قتل کے ساتھ اس کار کی چوری کا تذکرہ بھی چھاپا جاتا تو جیلن کی ہمدردیاں میرے ساتھ ہوتیں۔ مگر بھاگ نکلنے میں فائدہ یہ تھا کہ شام تک کسی بھی وقت میں اس سے دوبارہ مل سکتا تھا اور جب وہ میری رفتار کی شکایت کرتی تو میں اس کا مذاق اڑاتے ہوئے سرے سے اس بات سے ہی انکار کر دیتا کہ میں دن کے وقت گھر سے نکلا تھا۔

اس سڑک پر بعض اکا دکا کاروں کی آمد و رفت جاری تھی اس لئے مجھے رفتار بڑھانے میں کوئی دقت پیش نہ آئی مگر عقب نما آئینے میں یہ دیکھ کر میں پریشان ہو گیا کہ جیلن بھی پاگلوں کی طرح کار دوڑاتی ہوئی میرے پیچھے بڑھتی آ رہی تھی۔

میں نے میگنورا سے ملاقات کے لئے روانہ ہوتے وقت اپنے ابرو پر سیاہ رنگ سے ایک بڑا اور نمایاں نشان بنا لیا تھا جو بظاہر سیاہ مسہ معلوم ہو رہا تھا مگر جیلن نے اس کے باوجود مجھے پہچان کر دشواری میں ڈال دیا تھا!

اگر معاملہ یہیں تک محدود رہتا تو میں جیلن سے روبرو ہونے کے باوجود اپنی شناخت سے انکار کر سکتا تھا۔ مگر مزید مشکل یہ تھی کہ عدنان نے اس مہم میں اپنا حلیہ بدلنے کے لئے تین چیزوں کا سہارا لیا تھا اور وہ تینوں ہی اس کا ساتھ چھوڑ چکی تھیں۔ لمبے بالوں کی وگ، ملاحوں والی ٹوپی سمیت اس وقت بھی غائب تھی جب میں نے میگنورا سے نمٹنے کے بعد پہلی بار اسے جھاڑیوں میں بے ہوش پڑے دیکھا تھا اور رنگین شیشوں والی عینک مجھے اس کے قریب سے اٹھانی یاد نہ رہی!

… لہٰذا امکان تھا کہ جیلن عدنان کو بآسانی شناخت کر لیتی اور میری مزاحمت مضحکہ خیز ہو کر رہ جاتی۔

دوسری طرف میری کار کا انجن اپنی رفتار کی انتہائی حدوں کو چھو رہا تھا جہاں پہنچ کر انجن میں ایک قسم کی لرزش سرایت کر گئی تھی، اور جیلن کی … طاقتور انجن والی کار لمحہ بہ لمحہ قریب تر آتی جا رہی تھی!

میں نے تن بہ تقدیر ہو کر صورت حال کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنی کار کی رفتار قدرے کم کر دی۔

جیلن کی کار آناً فاناً … میرے برابر میں آ گئی۔ اس نے رفتار کم کر کے اپنی کار میرے برابر میں دوڑاتے ہوئے جھک کر دیکھا اور میں نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورنے پر اکتفا کرتے ہوئے اپنی کار سڑک کے کنارے روک دی۔

جیلن نے بھی آگے نکل کر اپنی کار کھڑی کر دی جب اس کا سراپا کار سے برآمد ہوا تو میں بھی اس کے قریب پہنچ چکا تھا!

"رجنیوں کی طرح کیوں گھور رہے تھے؟" اس نے سامنے ہوتے ہی بے اختیار سوال کیا جیسے میری ذات پر اس کے بہت سے حقوق واجب ہوں۔" اور یہ تمہارے داہنے بازو پر سیاہ دھبہ کیسا ہے؟"

"اپنی کار ذرا پیچھے کر دو!" میں نے اپنا زخمی ہاتھ اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔" عدنان کو تمہاری کار میں منتقل کرنا ہے!"

"وہ باہر کیوں نہیں نکلا؟ کیا ہوا ہے؟" اس نے بوکھلا کر پوچھا۔ میری داہنی کلائی پر پھیلے ہوئے خون نے اسے سراسیمہ کر دیا تھا!

"وہ بے ہوش ہے!" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ خدا!" وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کرب آلود لہجے میں کراہی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم اس سے ٹکرا ہی گئے ہو!"

یہ کہتی ہوئی وہ اپنی نشست پر بیٹھی اور کار کو پیچھے لا کر تقریباً مسروقہ کار سے ملا دیا اور میں نے نہایت اطمینان سے عدنان کا ڈھیلا جسم اس کی کار کی عقبی نشست پر منتقل کر دیا۔ وہ میری کارروائی کو حیرت اور تشویش کے ساتھ دیکھتی رہی۔

پچھلا دروازہ بند کر کے جب میں بھی اگلی نشست پر بیٹھ گیا تو اس نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے حیرت سے سوال کیا۔" اس کار کا کیا ہوگا؟"

"یونہی کھڑی رہے گی!" میں نے اپنے لئے سگریٹ سلگاتے ہوئے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔

"کوئی بھی اڑا لے جائے گا!" وہ دوسرا گیئر بدلتے ہوئے بولی۔

"کوئی حرج نہیں!" میں پہلی بار مسکرایا۔" جس طرح آئی ہے اسی طرح چلی جائے گی!"

"تو کیا تم دونوں نے بھی وہ کار چرائی تھی؟"

"عدنان بے ہوش تھا لہٰذا یہ خوشگوار فرض اسی خادم کو سرانجام دینا پڑا!" میں نے سگریٹ کا دھواں اس کے گلابی رخسار پر چھوڑتے ہوئے کہا۔

"مگر... مگر یہ سب کیسے ہوا؟" وہ میری طرف دیکھ کر الجھن آمیز لہجے میں بولی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کسی بارے میں سخت بے چینی میں مبتلا ہے!

"ہیکٹور سے ملاقات ہو گئی تھی!"

"تمہیں یقین ہے کہ وہ خود تمہارے مقابل تھا؟" اس کے لہجے سے اشتیاق کی بے اعتباری مترشح تھی۔

"بالکل اسی طرح جیسے اس وقت تم سامنے ہو!"

"پھر وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا!" وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔" اگر تم... اسے للکارنے کی حماقت کر ہی بیٹھے ہو تو پھر تمہارا میرے ساتھ دیکھا جانا [illegible] مصائب کے آغاز کا پیش خیمہ ہے...!"

"اگر وہ یونان میں ملوام بھانی کا چیف آپریٹر ہے تو [illegible] لوکل آپریٹر ہوں، اس سے اس قدر کیوں ڈرتی ہو؟"

"یہ ناواقفیت کی باتیں ہیں!" وہ پھیکے انداز میں ہنس کر بولی۔ "اس نے دوبارہ [illegible] تو فرصت بھی جو ملنا بھی بھول جاؤ گے!"

"مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہاں مردوں سے بھی گھبراتی ہو!" میں نے لاپروائی سے کہا اور وہ میرے الفاظ پر اس طرح اچھلی جیسے بے خیالی میں اس کا ہاتھ بجلی کے ننگے تار سے چھو گیا ہو! میں نے پھرتی سے اسٹیئرنگ تھام کر اس کی کار کو فٹ پاتھ پر چڑھنے سے روکا اور اس کوشش میں مجھے اس سے [illegible] نے محسوس کیا کہ میرا آخری فقرہ سن کر اس کے چہرے پر پسینہ [illegible] ہو گئی تھی!

"تم نے کیا کہا تھا؟" اس نے چند ثانیوں بعد نقاہت زدہ لہجے میں سوال کیا۔

"ہم دونوں زخمی ضرور ہوئے ہیں مگر پہلی ہی مرتبہ میں ہیکٹور کا فتنہ ہمیشہ کے لئے دفن کر آئے ہیں!"

"یقین نہیں آتا، یقین نہیں آتا!" وہ بڑبڑائی۔

"مجھے سڑک کا نام نہیں معلوم ورنہ اس ویران شاہراہ پر ابھی تو اس کی بے گور و کفن لاش اٹھائی بھی نہ گئی ہوگی!"

"ویران سڑک؟ وہ سڑک تو نہیں جو ایک گرجا گھر کے سامنے سے گزرتی ہے؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔

"الیکس گرجا تو میں نے دیکھا تھا، اس سڑک پر [illegible] کا اسٹینڈ یا ڈبہ ضرور ہے!" میں نے جواب دیا۔

"ہاں، ہاں وہ وہی سنسان شاہراہ ہے!" وہ جلدی سے بولی۔ "تم نے اسے وہاں کیسے تلاش کر لیا؟"

"لمبی کہانی ہے!"

"مگر میں پوری تفصیل سننا چاہتی ہوں!" اس نے میری بات درمیان ہی سے اچک کر اشتیاق آمیز لہجے میں کہا۔

"گھوڑوں کے چکر میں مارا گیا بے چارہ!" میں نے [illegible] واقعات پھر کسی وقت سنا دوں گا۔"

"تم نے اس کی دکھتی رگ کو چھیڑا تھا!" میرے خاموش ہونے پر وہ بولی۔ "میں نے سنا ہے کہ ان دنوں وہ واقعی مرنے والے گھوڑوں کے بارے میں پریشان ہے۔ ویسے بھی عام حالات میں بھی گھوڑوں کے معاملات طے کرنے کے لئے وہ قطب شمالی بھی جا سکتا ہے!"

"یہ خوش قسمتی ہے کہ وہ تنہا آیا، ایک آدمی بھی [illegible] ہوتا تو معاملہ بہت زیادہ طول پکڑ جاتا!"

"مگر تم اب بھی خطرے میں ہو، میرا تو خیال ہے کہ تم فوری طور پر کسی جزیرے وغیرہ پر منتقل ہو جاؤ!"

"مگر کیوں؟" میں نے سوال کیا حالانکہ مجھے [illegible] خوشی کی [illegible] اس نے خود ہی تجویز پیش کر دی تھی!

"[illegible] پولیس افسر نے تمہیں جائے واردات پر بہت قریب سے دیکھا [illegible] اس وقت تو تم نے حاضر دماغی سے کام لے کر اسے جھکا دیا مگر [illegible] کی پولیس چاروں طرف اس کے بتائے ہوئے حلیے کے [illegible] تلاش شروع کر دے گی!"

"[illegible] زبان کھولنے کی ہمت ہی نہ کر سکے گا!" میں نے پُر اعتماد [illegible] کہا۔

"خوش فہمی ہے تمہاری!" وہ منہ بنا کر بولی۔ "وہ بعد میں [illegible] ہو گیا ہوگا اور ہیکٹور کی لاش دیکھنے کے بعد [illegible] بے وقوف بنانے والا شخص ہی ہیکٹور کا قاتل تھا، وہ بھلا [illegible] کیوں ڈرے گا!"

"[illegible] سوچ کر اپنی قیمتی جان کو ہلکان نہ کرو!" میں نے [illegible] ہوئے کہا۔ "اگر وہ حقائق بیان کر دے یا اس میں [illegible] کہ قاتل نے اسلحے کے بل بوتے پر [illegible] دیا تھا تو پولیس کے اس نااہل محافظ سے یہ سوال ضرور کیا [illegible] کہ اس نے فوری طور پر اپنے اوپر والوں کو باخبر کیوں نہیں [illegible] اپنی گردن بچا بھی گیا تو [illegible] کیونکہ [illegible] اس شخص کی بزدلی اور نااہلی کی وجہ سے واردات کے [illegible] بچ نکلنے میں کامیاب ہو سکا!"

"اس وقت تم چوری کی کار میں کہاں جا رہے تھے؟"

"سڑکوں پر گھوم کر عدنان کے ہوش میں آنے کا منتظر تھا!"

"تم نے عدنان کو اعتماد میں لے کر برا کیا!"

"تمہارا نام کہیں نہیں آیا۔ اسے تو صرف یہ معلوم ہے کہ [illegible] معلومات ملی تھی!" میں نے نرمی سے کہا۔

"تم نے اس کی کوئی وجہ بھی بتائی ہوگی؟"

"میرے اور اس کے تعلقات کی نوعیت عجیب سی ہے۔ ہم [illegible] اسی قدر باخبر رکھتے ہیں، جتنا مناسب سمجھیں، دوسرا [illegible] آگے جانے کی کوشش بھی نہیں کرتا!" میرے [illegible] اطمینان بھی خاصا اہم تھا۔

"تو کیا تم بھی یاسر عرفات کے لئے کام کرتے ہو؟" اس نے [illegible] براہ راست سوال کر ڈالا۔

"یاسر عرفات کے لئے کوئی کام نہیں کرتا!"

"[illegible] ایک اشارے پر ہر سر پھرا فلسطینی نوجوان موت کے منہ میں چھلانگ لگا دیتا ہے!"

"وہ یاسر عرفات کے لئے نہیں اپنے وطن اور اپنے نصب العین کے لئے قربانیاں دیتے ہیں!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آج اگر کوئی انسان ان کی تحریک کی راہ میں منافقت شروع کر دیتا ہے تو وہ اس کے ساتھ بھی اسی طرح عمل کریں گے!"

"اس کا دفاع کر رہے ہو!" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

میں چونک پڑا، میرا لہجہ واقعی جانبدارانہ ہو گیا تھا مگر میں نے مسکرا کر کہا۔ "یہ میں محض اس لئے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا ہے!"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تم یونان سے پہلے کہاں تھے؟ میرا تو خیال ہے کہ سیدھے مصر یا شام سے چلے آ رہے ہو!"

"میں ہونولولو میں تھا جو اچھے طریقے سے یہودی ملوام بھانی کا ہیڈ کوارٹر ہے اور وہیں اس سے میری جنگ شروع ہوئی! مجھے اپنے دفاع کی خاطر کہنا پڑا۔"

"ملوام بھانی کو تم سے کیا پرخاش ہے؟"

"یہ پوچھا تھا مگر اس نے جواب نہیں دیا!" میں نے کہا۔ "میں معاوضے پر مختلف ملکوں کے لئے کام کرتا ہوں، شاید کسی موقع پر ملوام بھانی کو میرے ہاتھوں زک اٹھانی پڑی ہو اور وہ اسی کا انتقام لینا چاہتی ہو!"

"سیکرٹ ایجنٹ ہو؟" اس کی آنکھیں یک بیک چمک اٹھیں۔

"ایک قوم کے ہیرو اور دوسری قوم کے غنڈے کے لئے اس سے زیادہ مناسب نام ابھی تک دریافت نہیں ہو سکا ہے!"

"کبھی فلسطینیوں کے خلاف بھی کام کیا ہے؟" اس کے ذہن میں شاید میرے اور عدنان کے تعلقات کے بارے میں کوئی شبہ جڑ پکڑ گیا تھا!

"کوشش کی تھی، مگر کامیاب نہ ہو سکا!"

"مجھے تو تم سے یہی جواب ملنے کی توقع تھی۔ اگر تم نے ذرا [illegible] کر انکار کیا ہوتا!" اس کی آواز میں طنز کی ہلکی سی کاٹ تھی۔ "میرا یقین کہتا ہے کہ شاید تم کبھی فلسطینیوں کے خلاف جانے کی نہ سوچ سکو گے!"

"پیشہ ور لوگ کسی کے ساتھ مخلص نہیں ہوتے ڈارلنگ!" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ہم لوگ پیسے کے لئے [illegible] خرید کر جہنم کی آگ میں کود سکتے ہیں اور [illegible] اس فریق کے ساتھ ہوتی ہیں جو [illegible] اونچی بولی لگاتا ہے۔ یہ تمہارے فلسطینی دوستوں کی خوش قسمتی ہے کہ آخر میں ان کی بولی [illegible] سب سے زیادہ رہی اور میں نے ان کے راز ان ہی کو فروخت کر دیئے!"

میرے اس جواب نے اسے مطمئن کر دیا۔ "بڑی سنسنی خیز اور رنگین زندگی گزارتے ہو تم لوگ... ہر وقت زندگی اور موت کا دوراہا سامنے ہوتا ہے!"

"رنگینی کی بات نہ کرو، لگتا ہے تمہارے لباس کے پلو دہکنے لگتی ہیں!"

"کیا نظر آتا ہے؟" اس کے لہجے میں حوصلہ افزائی کا عنصر موجود تھا!

"ابھی جو آگ میں تپتا ہوا ایک مہتاب دیکھا، صحرا جو کسی کو فیض یاب کر سکتا ہے اور نہ خود ہی سیراب ہو سکتا ہے!"

"شاعری اچھی کر لیتے ہو!"

"مجسم شعر سامنے موجود ہو تو پتھر بھی شعر کہنے لگتے ہیں، مگر تم یہ بتاؤ کہ ان لمحات سے پہلے تم نے اپنی ذات پر نفس کشی کا خول کیوں چڑھایا ہوا تھا؟"

"شوہر کے خون کا انتقام لینے نکلی تو جوش میں منشیات کا دھندہ کرنے پر آمادہ ہو گئی اور آج مادام بواری کی لوکل آپریٹر ہوں۔ اگر اپنے نفس کو نہ کچلتی تو شاید کسی بڑے قحبہ خانے کا انتظام چلا رہی ہوتی!"

"تو کیا اب یہ خطرہ ٹل گیا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ میگورا کی موت کے بعد بے شمار خطرات ٹل گئے ہیں۔ میں ایک طویل مدت کے بعد آزادانہ زندگی سے لطف اندوز ہو سکوں گی!"

"اس پروگرام میں میری گنجائش کہاں ہو گی؟"

"کھلی اجازت ہے۔ جہاں چاہو گنجائش نکال لو۔" وہ ہلکا سا قہقہہ مار کر بولی۔ "میگورا کے قاتل کو اتنا حق ضرور ملنا چاہیے!"

"میں عدنان کو اپنا شریک نہیں بنا سکتا کیونکہ میگورا کا قتل مشترکہ کاوشوں کا نتیجہ تھا!" میں نے بھی بے حجاب لہجہ اختیار کر لیا۔

"عدنان میرے قریب بھی نہ پھٹک سکے گا۔ یہ پیش کش صرف مقتدر علی کے لیے ہے!" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

"میرے جشن بہاراں کا آغاز کب سے ہو گا؟" میں بھی جذبات کے سمندر میں غرق ہوتا جا رہا تھا!

"یہ تم بتاؤ کہ جانا کہاں ہے؟"

"پہلے عدنان کو ہوش میں لاؤ تاکہ اسے گھر چھوڑ کر میں تمہارے ساتھ کوئی پروگرام بنا سکوں!" میں نے کہا۔

"میں ہوش میں ہوں!" اچانک پچھلی نشست سے عدنان کی آواز آئی اور میں اچھل پڑا۔

جیلن کا چہرہ اچانک زرد پڑ گیا ... اگر اسے معلوم ہوتا کہ اس کا ایک ماتحت پیچھے بیٹھا ساری گفتگو سن رہا ہے تو شاید وہ میرے ساتھ اس قدر فیاضانہ لہجہ اختیار نہ کرتی۔ مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا!

"تم کب سے جاگ رہے ہو؟" میں نے پچھلی نشست کی طرف گھوم کر فیصلے لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے کچھ پتہ نہیں کہ تم کیا باتیں کر رہے ہو اور تمہارے ساتھ کون ہے۔ میری تو حالت ہی خراب ہے۔ ابھی ابھی کچھ سننے اور دیکھنے کے قابل ہوا ہوں!" عدنان فاخوری نے حیرانی بھری آواز میں کراہتے ہوئے خوابناک انداز میں آنکھوں پر جھکتے ہوئے ... ضرب سے شدید کرب کے آثار ہویدا تھے!

"اس وقت ہم مس جیلن روسی کی کار میں سفر کر رہے ہیں" میں نے بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جیلن! یہ چڑیل ... وہ خود تو نہیں ہے تاکہ اس کا ..."

"میں کار ڈرائیو کر رہی ہوں!" جیلن نے معتبر لہجے میں آواز دے کر کہا۔

"اوہ ... میں شرمندہ ہوں مس جیلن!" یہ کہتے ہوئے عدنان بمشکل تمام کہنیوں کے بل نشست پر سیدھا ہو گیا۔ "پتہ نہیں ... کے ساتھ ساتھ چلتے چلتے اچانک مجھ پر کس قسم کا دورہ پڑ گیا!"

میں نے جیلن کی طرف دیکھا تو وہ زیر لب مسکرا رہی تھی۔ "تم مرگی کے مریض معلوم ہوتے ہو، بہت خطرناک مرض ہے۔ تمہیں کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھانا ہو گا!"

"نن ... نہیں ... نہیں ... میرے ساتھ ایسا پہلی بار ہوا" عدنان بوکھلا کر بولا۔ "مجھے اس وقت علاج سے زیادہ آرام کی ضرورت ہے۔ تھوڑی دیر میں غشی کے سارے اثرات زائل ہو جائیں گے!"

"اداکاری مت کرو!" میں نے سخت لہجے میں عدنان سے کہا۔ "میں نے مس جیلن کو ہر بات من و عن بتا دی ہے!"

وہ پلکیں جھپکاتے ہوئے چند ثانیوں تک بے یقینی کے عالم میں میری طرف تکتا رہا پھر دھیمی آواز میں بولا۔ "میگورا کیا ہوا؟"

"اس وقت اس کی لاش پر کام ہو رہا ہو گا!"

"تو آخرکار وہ مارا ہی گیا!" وہ پُرخیال انداز میں بڑبڑایا۔

"اس کے زندہ رہنے کی ایک ہی صورت تھی کہ میں اس کے ہاتھوں مارا جاتا!" میں نے جھنجھلا کر کہا۔

"میں کار کا رخ عدنان کے مکان کی طرف کر رہی ہوں"

"فی الحال یہی مناسب ہو گا!" میں نے کہا۔ "عدنان کا دم معمولی ہے، اسے علاج سے زیادہ آرام کی ضرورت ہے!"

"مس جیلن تمہیں کہاں مل گئیں؟" عدنان نے سوال کیا۔ اس کے حواس رفتہ رفتہ اعتدال پر آتے جا رہے تھے۔

"مقتدر کی بادری کو چھوڑ کر جیلن نے ایک جگہ مجھے پہچان لیا، ورنہ میں تو تمہیں ایک چوری کی کار میں لے کر روانہ ہو چکا تھا!" میں نے کہا۔

"ہماری کار کا کیا ہوا؟"

"وہ تو جواب دے چکی تھی۔ پولیس ابھی تک اس کے سہارے میگورا کے قاتلوں کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہی ہو گی!"

پہلی بار وہ ہنس پڑا۔ "فکر نہ کرو، کل رات ہی ایک تھانے میں اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرا دی گئی ہو گی!"

عدنان کے مکان پر پہنچ کر سب سے پہلے اس کے اور میرے زخم کی مرہم پٹی کی گئی اور اس کے بعد ایک جگہ جیلن نے مجھے گھیر لیا۔

"بہت برا ہوا، عدنان کے ہوش میں آ جانے سے مجھے پریشانی بھی ہو گئی ہے!" اس نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

"وہ نمک حرام نہیں ہے!" میں نے اسے اطمینان دلایا۔ "پارٹی علم میں آ جانے کے بعد بھی تم اس کے رویے میں تبدیلی نہیں پاؤ گی!"

"مجھے ڈر ہے کہ وہ کافی دیر پہلے ہوش میں آ گیا تھا!" جیلن نے ... ہوئے کہا۔ "مجھے یاد ہے ساری گفتگو سننے کے بعد اس نے بڑی قدر کی جسارت کی، تو بہت برا ہو گا، لڑکیوں کے بارے میں اس کی شہرت بہت خراب ہے!"

"تم فکر نہ کرو، ایسا کوئی مرحلہ نہیں آئے گا!"

"اس نے کوئی بدتمیزی کی تو میں اسے گولی مار دوں گی!"

"مار دینا ... وہ تمہارے ہاتھوں بخوشی مر جائے گا!" میں نے ہنس کر کہا۔ "یہ بتاؤ کہ اب کیا پروگرام ہے؟"

"میں آرام کروں گی، اس وقت ذہن تھکا ماندہ اور گندہ ہے!"

"پھر میں شام کو ہوٹل آؤں گا!"

"اچھی بات ہے!" وہ دھیمے سے بولی۔

"تم فکر نہ کرو، مگر یہ تو بتاؤ کہ اس وقت کہاں سے آ رہی تھیں؟"

"گھر سے نکلی تھی اور ایک سہیلی کے پاس جا رہی تھی کہ تم ..." اس نے براہ راست میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"بہت اچھا ہوا!" میں نے مسکرا کر کہا۔ "اول تو بہت ... اور اگر کسی وقت پولیس رجوع کرے تو تم بھی ... دس بجے سے دو بجے تک تم میرے اور عدنان کے ساتھ ... میری نظریں پھر گڑی ہوئی تھیں!" میں نے اچھی ... کہا۔

"... کسی پر پولیس میری طرف ضرور ..." جیلن نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"..." میں نے حیرت سے پوچھا۔

"میرا اور اس کا تعلق؟" وہ دوبارہ ہنس پڑی۔ "خیر یہ بھی ... اور یہ ہر شخص یہ بات جانتا ہے کہ میگورا مادام بواری کا چیف آپریٹر تھا اور میں لوکل آپریٹر تھی!"

"شاید میگورا کی موت کے بعد تمہارا ہی نام چیف آپریٹر کے طور پر آ جائے!" میں نے اپنی دانست میں ایک نازک سوال کر ڈالا۔

"یہ ناممکن ہے!" وہ یقینی لہجے میں بولی۔ "میں تو شاید اب کنارہ کشی ہی اختیار کر لوں گی۔ مار دھاڑ تو دور کی بات ہے، کوئی بھی غیر قانونی دھندا میرے بس سے باہر ہے!"

"بہت شریف ہو!" میں نے ہنس کر اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا اور اس نے میری جسارت پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

اسے تعاون پر آمادہ پا کر میرے وجود میں یک بیک ایک جوالا مکھی سا پھٹ پڑا مگر وہ میری گستاخ جسارتوں پر بوکھلا اٹھی۔

"عدنان تمہارا منتظر ہو گا!" وہ مجھے دھکیلتے ہوئے بولی۔

"میں شام کو آؤں گا!" میں نے اسے یاد دلایا اور اس نے دلربایانہ انداز میں اپنی گردن کی ایک نازک سی جنبش سے پروگرام کی توثیق کر دی۔

"یہ کیا ہوا؟ جیلن درمیان میں کہاں سے آ کودی؟" اس کے رخصت ہونے کے بعد عدنان نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"فکر نہ کرو، اس کی وجہ سے تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہو گی" میں نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

"یہ نہ بھولو کہ وہ دونوں مادام بواری کے نمک خوار ہیں!"

"یہ تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ پورے واقعات سے لاعلم ہو!" میں نے صوفے پر دراز ہو کر سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد میں نے اسے میگورا کی ہلاکت سے لے کر جیلن سے ٹکراؤ تک کے تمام واقعات تفصیل سے سنا ڈالے۔

"یعنی گولی کان پر سے گزر گئی!" میرے خاموش ہونے پر اس نے مطمئن انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا!"

"میگورا تمہاری اصلیت کے بارے میں شبہات کا شکار ہو گیا تھا اور اسے تم نے راہ سے ہٹا دیا۔ اب تو تم یہاں محفوظ ہو!"

"اپنا پاکستان اور جیری کو تم بھول رہے ہو!" میں نے اسے یاد دلایا۔

"وہ جیلن کے تنخواہ دار ہیں!" وہ اطمینان سے بولا۔ "انہیں تو اصل قصے کے سر پیر کا بھی علم نہیں تھا۔ آج جیلن تمہاری دوست ہے تو وہ بھی تمہارے پیچھے دم ہلاتے پھریں گے!"

"مگر ان کے ذہن میں شبہات سر ابھار سکتے ہیں!"

"اتنے مُوشگافیوں کا نکات پر غور کرو گے تو زندہ رہنا دشوار ہو جائیگا!" اس کا جواب مجھے بے حد پسند آیا۔

عدنان کا زخم معمولی تھا مگر گرتے ہوئے سر میں آنے والی ضرب کافی شدید تھی جس کے باعث اس کا سر چکرا رہا تھا!

تھوڑی دیر بعد وہ گھر میں [illegible] پھرنے لگا بلکہ اس نے میرے ساتھ شیمپین کے کئی گلاس بھی خالی کیے۔

"کچھ دیر کے لئے تم گھر میں تنہا رہ سکو گے؟" میں نے بادہ نوشی کے دوران اس سے سوال کیا۔

"میں تمہاری جانب سے اس سوال کا منتظر تھا!" اس نے معنی خیز اور گہری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تم اپنے ہوش میں آنے کے بارے میں تم نے جھوٹ بولا تھا۔ جھوٹ نہ بولتا تو تمہیں ڈیلکارڈ کی ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑتے بلکہ وہ تم سے بھی بدک جاتی" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "اگر اس نے بلایا ہے تو تم ضرور جاؤ۔ میں رات بھی آرام سے گزار لوں گا!"

"تمہاری تو اس پر نظر نہیں ہے؟"

"اب وہ تمہاری ملکیت ہے۔ دوستوں کی پسند پر نگاہ ڈالنا بھی بُرا سمجھتا ہوں!" اس نے فراخدلی سے قہقہہ مارتے ہوئے کہا۔

اس نے ایک فقرے میں بہت بڑا فلسفہ بیان کر ڈالا۔ اور میرا ذہن بے اختیار اس دور میں بھٹکنے لگا جب میں کراچی میں ـــــ عیش و عشرت کے نت نئے افسانے تراش رہا تھا۔

شعیب میرا اس دور کا ایک گہرا دوست تھا۔ ہم دونوں نے ایک لڑکی کو ایک ساتھ دیکھا اور شاید دل ہی دل میں ایک ساتھ پسند بھی کیا۔ میں نے اس کے دل کا چور بھانپ لیا اور اس لڑکی کے بارے میں پہل کرتے ہوئے اپنی پسند کا اظہار بھی کر ڈالا جسے سن کر وہ خاموش ہو گیا اور آخر تک ایک لفظ بھی زبان پر نہ لایا!

میری ناکام کوششیں جاری رہیں اور اس روز میں حیران رہ گیا جب میں نے اس لڑکی کو شعیب کی بغل میں بیٹھے کراچی کی ایک تفریح گاہ میں دیکھا۔

وہ میرا گہرا دوست تھا اور میری پسند پر جال ڈال چکا تھا اور دوسری طرف عدنان تھا جو دوست کی پسند پر نگاہ ڈالنا بھی بُرا سمجھتا تھا!

"فکر نہ کرو، میں تمہارا تعاقب نہیں کروں گا!" عدنان نے مجھے خاموش پاکر شیمپین کا ایک لمبا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "تم جب چاہو جیلن سے ملنے جا سکتے ہو!"

"شام کو جاؤں گا!" میں نے کہا۔ "مگر تم تو [illegible]"

"میں بہت گھٹیا شخص ہوں۔ میرا دماغ خراب کرنے کی کوشش نہ کرو!" اس نے ایک جاندار قہقہہ لگا کر کہا۔

"دوست کی آزمائش مصیبت، صحبت، نفرت میں ہوتی ہے [illegible] جیلن تمہارے بارے میں خاصی پریشان تھی۔ اب کچھ اطمینان [illegible] میں نے تمہارے بارے میں مثبت یقین دہانی کرا کے غلطی تو نہیں کی تھی؟"

"تو وہ پریشان بھی میرے بارے میں تھی!" وہ میرے انکشاف سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ہنس کر بولا۔ "موقع ملے تو اس سے کہہ دینا [illegible] عدنان سڑک پر پڑی ہوئی ایک جھوٹی چیز نہیں [illegible] مگر جانے کیوں دوستی کے جھوٹے برتن میں کھانا تو کھانا، دھونا بھی پسند نہیں کرتا!"

"وقت آنے پر وہ خود ہی کہہ دے گی۔ مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں!"

"یہ بات مصدقہ ہے کہ جوگی کے بعد سے وہ [illegible] گزار رہی ہے۔ اب اگر وہ تم پر مہربان ہو گئی ہے تو تکلف نہ کرنا!"

"میں ایسے مرحلوں سے نمٹنا خوب جانتا ہوں!" [illegible] کر قدرے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مجھے حیرت تو اس بات کی ہے کہ [illegible] اس نے ڈیلکارڈ میں آنے والے عاشقوں کو [illegible] کیا تھا!"

وہ ابھی [illegible] میں [illegible] اور میں تحمل سے اس کی [illegible] اور اسی طبعی مذاق میں سن رہا تھا!

"میری کار قریب [illegible]" وہاں سے [illegible] اس نے جیب سے ایک [illegible] نکال کر میری طرف [illegible]

"وہاں کسی سے [illegible] تھی؟" میں نے [illegible]

[illegible] کے لئے؟ [illegible] بنیادی طور پر تو مناسب [illegible] ہونا چاہیے تھا!

میں وہاں سے [illegible] اور [illegible] ہوٹل ڈیلکارڈ [illegible] جہاں [illegible] وقت کے مقابلے میں [illegible] رہی تھی!

جیلن [illegible] استقبالیہ کاؤنٹر کے قریب [illegible] لوگوں سے گفتگو کر رہی تھی [illegible] لوگوں سے معذرت کر کے تیزی سے میری طرف چلی آئی۔

"بہت خوبصورت لگ رہی ہو!" میں نے اس سے پُرتپاک انداز [illegible] میں سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"کیا یہ تعریف ضروری تھی؟"

"یہ حقیقت ضروری بھی نہیں تھا۔ آج شاید تم نے کچھ خوبصورتی [illegible]" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"بعض باتیں نہ چاہتے ہوئے بھی دستورزد ہو جاتی ہیں!" وہ [illegible] لہجے میں بولی۔ "یہی بات ہوٹل میں آنے والے کچھ لوگوں نے بھی کہی تھی۔ مگر وہ ہمیشہ ہی اپنی چرب زبانی کے [illegible] کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اس لئے میں نے ان کی بات کو [illegible] نہیں دی تھی!"

"اب کدھر کا ارادہ ہے؟"

"میرے ساتھ چلے آؤ!" یہ کہہ کر وہ اندر مڑ گئی۔

ڈیلکارڈ کے مختلف حصوں سے گزرتے ہوئے ہم دونوں [illegible] روشن راہداری میں آ گئے جس کے اختتام پر ایک [illegible] دروازہ نظر آ رہا تھا۔ جیلن نے وہاں رک کر اپنے وینٹی بیگ میں سے چابی نکالی اور دروازہ کھول دیا!

میرے پیچھے اندر آ کر اس نے دوبارہ دروازہ مقفل کر دیا۔

وہ ہوٹل کی عمارت کا کوئی حصہ [illegible] مگر دروازہ بند ہوتے ہی باہر سے آنے والی ملی جلی انسانی آوازیں اور موسیقی کا شور معدوم ہو گیا تھا اور میں خود کو کسی مکان کے آراستہ [illegible] میں محسوس کر رہا تھا!

"کیا دیکھ رہے ہو؟ آگے بڑھو، یہاں میں تنہا رہتی ہوں!" [illegible] جھجکتے ہوئے [illegible] لہجے میں کہا۔

میں نے جھجک کا جواب جھجک سے ہی دیا اور وہ بھڑک کر ایک قدم دور ہو گئی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ [illegible]"

"تمہاری زبان سے تنہائی کا ذکر سن کر [illegible] ہو گیا تھا!" [illegible] بڑھ گیا۔

جیلن کا مکان اندر سے نہایت آراستہ اور پُر آسائش تھا۔ [illegible] اشیاء سے [illegible] اس کے ذوقِ لطیف کی بھرپور عکاسی ہوتی تھی!

اس کے مکان کی نشست گاہ ہر اعتبار سے واجبی سی تھی [illegible] ذوقِ لطیف کے بہت سے [illegible] مختلف گوشوں میں سجے ہوئے [illegible] ضرورت کی اشیاء کے ذریعے ان میں نہایت ذوق [illegible] ایک خفیف سا ربط پیدا کر دیا گیا تھا!

"بہت [illegible] کی مالک ہو!" میں نے [illegible] ہوئے نرم دیوان پر بیٹھتے ہوئے تعریفی لہجے میں کہا۔

"تمہارے پاس سے واپسی کے بعد ڈیلکارڈ میں پولیس کی ایک تحقیقاتی جماعت سے سامنا ہو چکا ہے!" وہ میری بات نظرانداز کرتے ہوئے بولی۔

"وہ کن خطوط پر سوچ رہے ہیں؟"

"اس کی موت کو وہ ریس میں دوڑنے والے دو گھوڑوں کی ہلاکت سے ملا رہے ہیں۔ اس کے گھوڑوں کے ٹرینر نے بتایا ہے کہ میگورا ایک فون کال وصول کرنے کے بعد کسی ایسے شخص سے ملنے گیا تھا جو گھوڑوں کی ہلاکت کے بارے میں معلومات معقول معاوضے پر فراہم کرنے کے لئے تیار تھا!"

"اگر وہ ان خطوط پر کام کر رہے ہیں تو تمہارے پاس کس لئے آئے تھے؟" میں نے بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"رسمی خانہ پُری!" اس نے قدرے لاپروائی سے کہا۔ "تحقیقاتی جماعت کا سربراہ سوالات سے زیادہ معذرت میں ہی مصروف رہا!"

"دوبارہ آمد کی راہ ہموار کر رہا ہوگا!"

"تم ان کیلئے تبصرے سے گریز نہیں کر سکتے!"

"میں نے محض اپنا خیال ظاہر کیا تھا!"

"میگورا کی موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی ہے!" وہ قدرے توقف کے بعد بولی۔ "اخبارات نے اس بارے میں خصوصی ضمیمے چھاپے ہیں!"

"اخبارات والے عموماً پولیس سے زیادہ ذہین ثابت ہوتے ہیں!" میں نے اس کی طرف جھک کر معنی خیز لہجے میں کہا۔

"مجرم تمہاری طرح چالاک ہو تو ساری ذہانت دھری رہ جاتی ہے۔ ویسے کیپٹل پولیس افسر کے بارے میں تمہارا قیاس درست نکلا۔ خبروں میں دُور دُور تک کوئی تذکرہ نہیں تھا!" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تمہارے حلقے میں میگورا کی موت پر کیا ردعمل پایا جاتا ہے؟"

"میرا حلقہ؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"مادام پیرارٹی کے گروپ کی بات کر رہا ہوں!"

"دیکھا جائے تو سب ہی خوش ہو رہے ہیں!" وہ بولی۔ "میگورا بہت سفاک اور خودغرض شخص تھا۔ میرے پاس تین شہروں کے ہوٹل آپریٹرز کے فون آ چکے ہیں۔ انہیں میگورا کی موت سے زیادہ اس بات کی فکر تھی کہ اب چیف آپریٹر کون بنے گا!"

"اگر مادام پیرارٹی نے یہ طوق تمہارے گلے میں ڈال دیا!"

"میں تو اب گروہ کی [illegible] کا تہیہ کر چکی ہوں، اور مادام پیرارٹی ویسے بھی کسی ڈیلکارڈ لڑکی کو سربراہی سونپنے کی ہمت نہ کر سکے گی!" وہ بولی۔ "دیکھا جائے تو میں نے اتنے عرصے تک میگورا کے سہارے اپنا کام چلایا ہے!"

"اس کار کے بارے میں کیا خبریں ہیں جس میں تم نے مجھے دیکھا تھا؟" یہاں ماحول بدلنے سے قبل ہی میں اس سے ساری باتیں معلوم کر لینی چاہتا تھا۔

میرا سوال سن کر وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ "جسے تم نے بے ہوش کیا وہ فضائیہ کا ایک معمولی افسر تھا۔ اس نے اپنی کوتاہی پر پردہ ڈالنے کے لیے تمہاری پھرتی، دلیری اور دست درازی کے افسانے تراشے ہیں۔ مختلف بیانات کے مطابق وہ مجرم سے مقابلہ کرتا ہوا سو ڈیڑھ سو گز دور نکل گیا جہاں آخرکار مجرم اس پر غالب آ گیا اور اسے بے ہوش کر کے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا!"

"مقابلے کے ساتھ تو اسے مجرم کا حلیہ بھی بتانا پڑا ہو گا!"

"اس نے بڑی ڈھٹائی سے حلیہ بتایا ہے، مگر مجرم کے چہرے پر مکمل نقاب کی موجودگی کا ذکر کر کے خود وضاحت سے جان بچا گیا!"

"یہ بہت اچھا ہوا، وہ خبطی پولیس والوں کا دماغ خراب کر ڈالے گا! ایسے بے ایمان لوگ مقدر ہی سے پیدا ہوتے ہیں!"

میگ ڈونلڈ والے معاملے میں اپنے تحفظ کا یقین ہو جانے کے بعد میرے وجود پر چھایا ہوا بے نام سا اعصابی اضطراب یک بیک ختم ہو گیا اور مجھے ہیلن ووس پہلے سے کہیں زیادہ دلکش نظر آنے لگی۔

وقت دھیمے دھیمے سرکتا رہا۔ آتشیں مشروب معدے میں پہنچ کر ذہن میں سرور پیدا کرتا رہا۔ پھر گوشت کے تلے ہوئے گرم گرم اور نمکین پارچوں سے شکم پُری کی گئی جس کے بعد دوبارہ جام و سبو کی مست روح محفل جم گئی۔

ہیلن ووس حسین تھی، مگر اس روز اس نے خود کو زیب و زینت کے سہارے حسین تر بنایا ہوا تھا اور جب میری نگاہیں خمار کا لطیف سا دھندلکا محسوس کرنے لگیں تو نشے میں بہکی ہوئی اکھڑی اکھڑی باتیں کرنے والی ہیلن ووس مجھے کسی دوسرے سیارے کی مخلوق نظر آنے لگی۔

ساقی گری کرتے کرتے ہیلن کے حواس جواب دے گئے تو میں نے اس کا کام بھی خود سنبھال لیا اور حقیقت یہ کام ہی نہیں بلکہ ہیلن کو بھی سنبھالنا پڑا۔

خمار آلود کے بہت ہوتے اندھیرے ماحول میں اس وقت میرا ذہن اپنے ہوش و حواس کو سمیٹ کر وہیں تک محدود ہو چکا تھا۔

مجھے کچھ علم نہ ہو سکا کہ ہیلن کب سوئی اور کب جاگی۔ اور اگر میں بھی تو خواب میں آ گیا۔ اگلے پہلوؤں کے ہولناک ... دیکھتا رہا۔ جو موقع ملنے پر حیب و دست کو نکل جانے کے منتظر تھا ... مگر ان میں سے کسی کو کامیابی حاصل نہ ہو سکی اور نہ وہ فرشتے ... ہو کر اندھیرے میں ہی آہستہ تحلیل ہو گئے۔

اگلی صبح تحریر عدنان فاخوری سے ملاقات ہوئی تو وہ خاصا مسرور و مطمئن نظر آ رہا تھا!

"ناشتہ تو ضرور کرو گے؟" اس نے معانقے کے بعد پُرتپاک لہجے میں سوال کیا۔

"آج ٹھیک کا ٹوڈو کا ناشتہ چکھا ہے!" میں نے معنی خیز مسکراہٹ دراز کرتے ہوئے کہا۔ "تم تو بہت خوش نظر آ رہے ہو!"

"دوستوں کی کامیابی پر خوش بھی ہوتا ہوں!"

"اب تک ملنے والوں میں تم سب سے زیادہ عجیب ... شخص ہو!" میں نے ہنستے ہوئے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"فلسطینی اعربوں سے بالعموم طور پر خوش خلقی اور ... ہوتے ہیں اس اعتبار سے شاید تمہارا الزام درست ہو!"

"تم دوسری عادتوں میں بھی مبتلا ہو؟"

"فلسفی تو ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا ہے!"

"تحریک کے لیے کام کرنے والوں میں بے لغش لوگ ... دیکھے ہیں میں نے!"

"ان کے ساتھ کوئی مجبوری ہو گی!" وہ دھیمے انداز...

"بہت سے لوگ اپنی کمزوری کو پاکیزگی کی آڑ میں چھپا لیتے ہیں! زندگی کے ان پہلوؤں پر بڑی گہری نظر رکھتے ہو!"

"سچ پوچھو تو میں ہر وقت بدی کا متلاشی رہتا ہوں ... نیکیاں تو ہر جگہ خود بخود پوری قوت سے ابھر کر خود کو منوا لیتی ہیں!" اس کے لہجے پر عجیب سی پُراعتمادی سی کیفیت ... کرنے لگی۔

"کسی کچے ذہن کے لڑکے نے یہ سن لیا تو تمہارا فلسفہ ... بہا کر لے جائے گا!" میں نے ذرا چڑ کر کہا۔

"تمہارے بارے میں بھی میں اپنے فلسفے پر کاربند رہا ... آج تم نے خود کو منوا لیا!" اس نے کہا۔

"اگر تمہارا اشارہ ہیلن کی طرف ہے تو ... ایسے حوالوں سے خود کو منوانا نہیں چاہتا!" میرا لہجہ قدرے تلخ ہو گیا۔

"خفا ہو گئے!" وہ قریب آ کر میرے ... ہنسا۔ پھر جیب سے ایک لفافہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

"یہ آج ہی حاکم عبدالفتاح کی طرف سے موصول ہوا ہے ..."

میں نے اس سے تمہارے کوائف کی تصدیق طلب کی تھی ...

میں خود کو ایک بیک عدنان کے سامنے ...

گویا اس نے شروع سے ہی میری ملاقات میں کوئی ... طرح میری مدد کر رہا تھا مگر اس نے میرے کوائف کی تصدیق کر کے میری انا کو شدید ٹھیس پہنچائی تھی۔

... کا ملا جلا ردعمل تھا اور ... الفتاح ... مجبوری سمجھتا تھا تو وہ اس کی اپنی فرض داری تھی، مگر اس ... تصدیق کے بارے میں اس کا جتانا مجھے سخت ناگوار گزر رہا تھا۔ ... آخر حاکم عبدالفتاح میرے بارے میں کسی مرحوم سے ... اظہار کرتا تو شاید عدنان کو حق ہوتا کہ وہ مجھے خاک کی ... کر دیتا! ... اس شخص نے ایک ہی فقرے میں میری نگاہوں میں اپنی ... بنا کر رکھ دی تھی!

... غصے اور صدمے کے ملے جلے اثرات کے تحت صوفے سے ... کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ سے لفافہ لینے کی جرأت نہیں کی تھی!

"کیا ہوا؟" مجھے یوں اٹھتے دیکھ کر اس نے گہری سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا۔ شاید میرے چہرے کے گمبھیر تاثرات سے اس نے ... بھانپ لی تھی!

"میں جا رہا ہوں!" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تم نے تصدیق کر لی کہ تمہارے پاس صحیح آدمی پہنچا ہے، مگر مجھے نہیں معلوم میں ٹھیک آدمی سے ہی ملا ہوں! اب اس وضاحت ... ابھی ملاقات ہو گی!"

"مگر کیوں؟" وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر میری راہ میں حائل ہو گیا۔ "اچانک اس وضاحت کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

"مسٹر عدنان!" میں نے اسے گھورتے ہوئے جذبات سے عاری ... "اگر تم خود محنت کرو تو میں بھی اسی زمرے میں آتا ہوں ... بحث کر کے تم محنت نہیں میں ناگوار فضا قائم کر سکو گے ... جا کر مجھے جانے دو!"

"جانا چاہتے ہو تو ضرور جاؤ!" وہ اُدھر مجھے ہی کہتا ہوا راستے سے ہٹ گیا۔ "میرا مقصد تمہیں کچھ جتانا نہیں تھا۔ ... تو میں بے چون و چرا تمہارے ہر حکم کی تعمیل کرتا ... تم تک پہنچ گیا تھا!"

"پھر کیا مقصد تھا؟" میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"تم نے کھول کر دیکھا ہی نہیں!" وہ پُرملال لہجے میں بولا۔ "ویسے ... شاید مطلب اخذ کر بیٹھے کیونکہ وہ خفیہ زبان ... جس طرح نکلے، اس کی بنیاد پر یہ الگ بات ہے ... تم کس حال میں ہو ... تمہیں یہ ... تصدیق طلب کرنے کے لیے ... حفاظت کے لیے بہت بڑا سہارا ثابت ہوا کیونکہ اب ... کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تم میرے پاس مقیم ہو ... تمہاری بیوی کے بارے میں ... پیغام بھی درج ہے

بڑا ہوا تھا جو وہ تم تک پہنچانا چاہتا تھا!"

"کہاں ہے؟ کیا ہے وہ پیغام؟" سیتا کا ذکر آتے ہی میں ایک دم بے چین ہو گیا اور عدنان کے ہاتھ سے لفافہ جھپٹ لیا۔

لفافے میں تار کی صورت میں ایک مختصر سی عبارت درج تھی "فون دیکھ کر خوشی ہوئی۔ حال احمر کو بھیج دو!"

"یہ کیا ہے؟" میں نے وہ دو سطریں پڑھ کر سر اٹھایا تو ایک صدمے سے دوچار ہوا۔ عدنان فاخوری کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی اور وہ ویران نظروں سے میری جانب دیکھے جا رہا تھا۔

"تم رو رہے ہو عدنان!" میں نے اس کے قریب بیٹھ کر مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے سوال کیا۔

"مجھے معاف کر دو میرے دوست!" وہ رقت زدہ آواز میں بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میرے فوری انداز سے تمہاری دل آزاری ہوئی!"

"میں تو خود تم سے معذرت خواہ ہوں کہ بلاوجہ تمہیں غلط سمجھ بیٹھا!" میں نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ "میں مہذب معاشرے کی برابری کا قائل ہوں۔ میرے تھکے ہوئے ذہن میں وہم آ گیا تھا کہ تم مجھ پر اپنی برتری جتانا چاہ رہے ہو!"

"میں تمہاری کیا برابری کروں گا! میں تو تمہارے قدموں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہوں!" وہ سراپا انکسار بنا ہوا تھا!

"جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ اور یہ بتاؤ کہ اس تار میں میرے لیے کیا خفیہ پیغام بھیجا گیا ہے؟" میں نے گفتگو کے خلیج کے لیے کہا۔

"تمہیں بن غازی پہنچنا ہے!" اس نے آہستہ سے کہا۔

اس وقت فضا انتہائی نازک اور جذباتی ہو گئی تھی جس میں سراسر میرا قصور تھا۔ میں نے بروقت تمام عدنان فاخوری کو منایا اور پھر اس کے ساتھ چپکے بیٹھ گیا۔

دو تین گلاس خالی کرنے کے بعد کہیں ماحول اس قابل ہوا کہ ہم دونوں ایک مرتبہ پھر دوبارہ بے تکلفی سے بات کرنے لگے۔

سیتا کے بارے میں عدنان نے جو کچھ کہا، وہ اس کے اندازے پر مشتمل تھا اور میں نے خود بھی یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ میرے بن غازی جانے کا مقصد محض مجھے اپنی عزیز از جان سیتا سے ملوانا ہی رہا ہو گا۔

"اب میری روانگی کا کیا ہو گا؟" مہلت پا کر میں نے اپنے کام کی بات چھیڑ دی۔

"وہ بندوبست میری ذمہ داری ہے!"

"مجھے پتہ چلا تھا کہ تم تنظیم کے رکن نہیں ہو، مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کسی باقاعدہ رکن سے زیادہ ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہو!"

"تنظیم کے لیے تو کام ہر شخص سے لیا جا سکتا ہے!" وہ مسکرا کر بولا۔ "مگر اس کی رکنیت ایک اعزاز ہے جو مجھے میری کوتاہیوں کی

وجہ سے نہ مل سکا؟

"شاید ایڈمنسٹریٹو پوزیشن میں تم ہی تنظیم کے مفادات کی دیکھ بھال کرتے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"پھر رکنیت سے کیوں محروم ہو؟"

"تم مجھے بے خبر نہیں مانو گے؟" وہ بے اختیار ہنس پڑا۔ "تنظیم کی باقاعدہ رکنیت حاصل کرنے سے پہلے ہر امیدوار کو حلف اٹھانا پڑتا ہے کہ وہ عمر بھر شراب اور دوسری تمام اخلاقی برائیوں سے دور رہے گا، مگر میرے لئے یہ ممکن نہیں تھا، میں تو زندگی کے ایک ایک لمحے سے مسرتیں نچوڑ لینے پر یقین رکھتا ہوں!"

"یعنی مقصد تمہارے لئے ثانوی درجہ رکھتا ہے؟"

"یہ الزام ہے۔" وہ عاجزی سے بولا۔ "مقصد تو مجھے جان سے زیادہ عزیز ہے ورنہ اتنی توجہ وہاں قبول نہ کرتا۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں اپنا فاضل وقت اپنی مرضی کے مطابق مسرور رہ کر گزارنا چاہتا ہوں۔"

"آج تم نے میری ایک بڑی الجھن حل کر دی!" میں نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے مطمئن لہجے میں کہا۔

"تو کیا اس بارے میں بھی کوئی الجھن تھی تمہاری؟"

"میں دیکھتا آ رہا تھا کہ تنظیم کے اراکین عام طور پر خرافات سے گریز کرتے ہیں جب کہ تم ان ہی کو ترجیح دیتے ہو۔ یہ تضاد میرے ذہن میں اکثر چبھتا تھا!" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

اس روز باتوں کا دور بہت طویل ہوا مگر عدنان کو جانا تھا، اس لئے وہ معذرت کر کے اٹھ گیا۔

جدا ہونے سے پہلے اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ میری شناخت کے بارے میں بھی کام کا آغاز کرے گا۔

میں رات دیر گئے جاگا تھا اس لئے عدنان کے جاتے ہی لمبی تان کر سو گیا۔ میں شاید شام تک بھی بیدار نہ ہوتا مگر ٹیلی فون کے مسلسل شور نے مجھے بیدار ہونے پر مجبور کر دیا۔

ریسیور اٹھانے پر دوسری جانب سے جیلن فوسٹر کی سریلی آواز سنائی دی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ سو رہے تھے۔ کافی دیر تک گھنٹی بجتی رہی ہے؟"

"فون نہ کرتیں تو شاید اب بھی سو رہا ہوتا!"

"باہر نکلنے کا ارادہ ہے؟"

"تمہارا ہوگا تو ضرور ہوگا!" میں نے کہا۔ "ویسے میرے پاس سواری کا کوئی انتظام بھی نہیں ہے!"

"تم نہا دھو لو، اتنی دیر میں میں آ جاتی ہوں!"

اور میں واقعی ریسیور کریڈل پر ڈال کر غسل خانے میں جا گھسا۔ تھکے ہوئے اعصاب کے لئے گرم پانی اس قدر فرحت انگیز ثابت ہوا کہ غسل ضرورت سے زیادہ طویل ہو گیا اور اس دوران میں جیلن آ پہنچی۔ کیونکہ اس بار فون کی گھنٹی کی بجائے ڈور بیل بجی تھی!

میں عجلت میں غسل خانے سے نکلا اور دروازہ کھولا۔ جیلن میری حالت دیکھ کر کھلکھلا کر ہنستی ہوئی اندر آ گئی۔ کپڑے کا لباس تبدیل کرنے تک وہ سکون سے میری منتظر رہی اور جب میں اس کے پاس واپس آیا تو اس نے [illegible] چھیڑ دی۔

"پروگرام ضرور رہے گا، مگر بعد میں!" میں نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "پہلے یہ بتاؤ کہ میرے لئے ایک پاسپورٹ فراہم کر سکتی ہو؟"

"پاسپورٹ؟ کس لئے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تم سوال بہت کرتی ہو۔ جرح کرنے سے عورتوں کے حسن میں کمی آ جاتی ہے!" میں نے اسے چھیڑنے کی نیت سے کہا۔

"مگر میں مقصد جانے بغیر کیا کر سکتی ہوں۔ ویسے تم تو پرانے پاسپورٹ پر بھی اپنی تصویر چسپاں کر سکتے ہو!" وہ قہقہہ لگا کر بولی۔

"پاسپورٹ صرف سفر کے لئے ہی درکار ہوتا ہے!"

"تو تم جا رہے ہو؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"چند روز کے لئے!" میں نے اس کا دل رکھنے کے لئے جھوٹ بولا۔ "پرتگال سے باہر ایک ضروری کام پیش آ گیا ہے!"

"پرتگال کیسے آئے تھے؟"

"بغیر پاسپورٹ کے سفر کیا تھا، سمندر سے اچھے تیراک کی طرح صاف نکلتا چلا گیا ورنہ اس وقت کسی قید خانے میں ہوتا!"

"تو دوبارہ وہی تجربہ کر ڈالو!"

"ضروری تو نہیں کہ ہر بار قسمت ساتھ دے جائے!" میں نے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تم میرا کام کر سکتی ہو یا نہیں؟"

میں نے اس کے بارے میں شروع ہی میں ایک اندازہ لگا لیا تھا۔ اپنے بارے میں فلیمنگ سے مراسم کی نوعیت اور سیتا کے نام کے علاوہ سب کچھ بتا دیا تھا اور وہ مجھ پر [illegible] لہٰذا پاسپورٹ کے بارے میں بھی اس سے بات کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا تھا۔ وہ ایک شہر [illegible] ہوٹل کی [illegible] امکان بھی تھا کہ [illegible] والوں میں اس کے بھی تعلقات ہوں!

"اس مرتبہ شاید پولیس والوں کے خوف سے بغیر پاسپورٹ بھاگنا ہو گا!" جیلن ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی!

"یہی سمجھو!"

"پاسپورٹ کے محکمے کے دو افسران [illegible] ان میں سے ایک تو مجھ سے بات کرنے کے [illegible] میں پاسپورٹ کے لئے کہوں گی تو وہ انکار نہ کر سکے گا!"

بھاری ہو جائے گا!

"بہت خوب۔ بعد میں اپنے دوست کی حیثیت سے تمہارا تعارف ان کے خاص سرپرست سے بھی کرا دوں گا؟"

"کل ان سے بات کروں گی!"

"آج ہی کوشش کرنے میں کیا حرج ہے؟"

"اگر معاملہ اس قدر اہم ہے تو لاؤ، تصاویر دے دو۔ وہ [illegible] تو فوراً ہی اسے پکڑا دوں گی!"

تصاویر نہ ہونے کی وجہ سے معاملہ اگلے روز پر ملتوی ہو گیا اور ہم دونوں مکان مقفل کر کے باہر روانہ ہو گئے۔

راستے میں جیلن کی زبانی معلوم ہوا کہ میگوری کے قتل کے سلسلے میں پولیس اس نئے جنرل سٹور مالک پر انحصار کر رہی تھی جو قاتل کو [illegible] خوب صورت خد و خال والا تھا اور اسی کی شہ پر بے گناہ شہری حوالاتوں میں پہنچا دیے گئے تھے جن کے [illegible] اس شخص کے بیان سے مطابقت رکھتے تھے۔ جب کہ میری [illegible] بھاگ جانے والا پولیس افسر [illegible] خاموش تھا!

رات کو عدنان سے ملاقات ہوئی تو اس نے بتایا کہ وہ [illegible] سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا [illegible] ایئرپورٹ [illegible] ایک مقامی شخص میری راہ نمائی کے فرائض انجام دینے والا تھا!

مطلوبہ دستاویزات کے بارے میں عدنان کا ارادہ [illegible] مگر جب میں نے اصلی کاغذات پر اصرار کیا تو کافی سوچ بچار کے بعد اس نے بھی جیلن سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا اور جیسا کہ [illegible] میں پہلے ہی پاسپورٹ کے فوری حصول کے لئے جیلن [illegible] آمادہ کر چکا تھا!

میرے لئے اگلے دو روز انتہائی بے چینی کے عالم میں گزرے [illegible] کی وجہ سے شاید ذرا مصروف ہو جاتی تھیں مگر سیتا سے [illegible] جدا ہونے کے بعد جیلن میرے لئے اچھی کشش [illegible] رہی تھی!

تیسرے روز جیلن نے رینی فاس کے نام سے میرا پاسپورٹ [illegible] کروا دیا۔ اس میں میری تمام کوائف وہی درج [illegible] ایک سادہ کاغذ پر لکھ کر دے گئی تھی۔ مجھے حیرت بھی ہوئی کہ [illegible] وغیرہ کے بغیر ہی وہ پاسپورٹ کیسے جاری کر دیا گیا، مگر [illegible] نگاہ ڈالی تو ساری حیرت رفع ہو گئی۔ اس کے [illegible] دعوت انگیز مسکان اچھے اچھے مردوں کے [illegible] کر دینے کے لئے کافی تھی!

اگلی شام عدنان نے [illegible] پیغام بھیجا کہ [illegible]

ہمراہ الوداع کہنے [illegible] وہ اس خیال میں تھی کہ ہم چند روز بعد پھر یکجا ہوں گے۔ مگر حقیقت میں اس سے بچھڑ جانے کے تصور سے اپنا دل بھاری محسوس ہو رہا تھا!

دوسرے روز میں نے اپنا مختصر سا رخت سفر سمیٹا [illegible] عدنان کے ساتھ ہی جیلن بھی مجھے الوداع کہنے آئی ہوئی تھی!

میں نے عدنان کو بتا دیا تھا کہ میں نے چند روز میں واپسی کا پروگرام ظاہر کر کے جیلن سے پاسپورٹ بنوایا تھا اور اس آخری ملاقات میں بھی آپس کی گفتگو میں عدنان کو یہی تاثر دینا ہے کہ میری [illegible] غیر حاضری کی صورت میں جیلن عدنان سے بدظن نہ ہو جائے!

خدا خدا کر کے وہ لمحہ بھی آ پہنچا جب میں ایئرپورٹ کی عمارت سے فارغ ہو کر پورے اعتماد کے ساتھ کنکریٹ کے رن وے پر آگے بڑھا اور دیگر مسافروں کے ساتھ [illegible] طیارے میں سوار ہو گیا!

طویل اور تھکا دینے والی پرواز کے بعد جب طیارے میں کپتان کی آواز گونجی تو اونگھتے ہوئے مسافروں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی!

اس وقت طیارہ بن غازی کے نواح میں موجود تھا، اور مسافروں کو حفاظتی بند باندھنے کی ہدایت دی جا چکی تھی!

طیارے نے اترنے کے لئے بلندی کم کرتے ہوئے شہر کا چکر لگایا تو جہاز کی کھڑکی سے شہر کی روشنیوں کا منظر بہت بھلا معلوم ہوا۔ رات کے وقت بڑے شہروں پر پہنچ کر ویسے بھی حسین ہوتی ہے مگر سیتا کے حوالے سے بن غازی میرے لئے حسین تر ہو چکا تھا۔

مدت سے مجھ سے بچھڑی ہوئی سیتا اسی بنگلہ شہر کے کسی حصے میں میری آہٹ پر کان لگائے میری منتظر تھی اور میں پختہ ارادہ کر چکا تھا کہ غالب سے ملاقات ہوتے ہی براہ راست سیتا کے پاس جاؤں گا۔

وہ مجھ سے میرے وطن کی سرحدوں سے چند سو میل دور بچھڑی تھی اور اب طویل فراق کے بعد ملاقات وطن سے ہزاروں میل دور ایک اجنبی سرزمین پر ہونے والی تھی مگر مجھے پورا یقین تھا کہ میں بہت جلد اسے ساتھ لے کر اپنے وطن لوٹ سکوں گا جہاں ہم اپنے خوابوں اور آرزوؤں کے مطابق زندگی گزار سکتے تھے۔

وہ ہمالیہ کی برف پوش وادیوں میں پہلی بار نظر آئی تو لباس کے تصور سے ناآشنا ایک وحشت زدہ حسینہ ہوتی تھی جو اپنی آرزوؤں اور ارشادوں [illegible] وادیوں میں [illegible]

اور بیت المقدس پر حکمرانی کرتی تھی۔

انسانی تہذیب کے دور جہالت معاشرے میں پروان چڑھنے والی پُرکشش سیتا کو میں اپنی چاہت بنا کر شہروں کی جانب چلا تو میں نے اسے لباس کے ساتھ ہی زبان سے بھی آشنا کیا۔ اسے نت نئے الفاظ سکھائے اور پھر ہم دونوں حالات سے خوفناک جنگیں لڑتے آہستہ آہستہ اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگے۔

ہم دونوں ہر طرف سے لٹیروں کے نرغے میں تھے۔ کچھ بیش قیمت پارس پتھر کی گھات میں تھے، اور کچھ لوگوں کی نگاہیں سیتا پر مرکوز تھیں جو میرے لیے پارس سے زیادہ عزیز تھی۔

ان خونخوار شام وندوں کی ٹولیاں مجھ سے سیتا کو جدا کر کے اور پارس پتھر کو [illegible] جب جنگ و غارت گری کا آغاز ہوا تو سیتا خود مجھ سے بچھڑ کر کہیں گم ہوگئی اور پارس پتھر میں اپنے ہاتھوں سے انبالہ کے راجہ پورٹل میں چھپا کر چھوڑ آیا۔

سیتا کی تلاش کی مہم کے ساتھ ہی میں اپنی بقا کے لیے بھی لڑتا رہا کیونکہ حالات نے چاروں طرف سے بیک وقت حملے شروع کر دیے تھے۔

میں ہر محاذ پر اپنی بقا کی جنگ جیتتا رہا مگر سیتا کی تلاش کے ہر مرحلے پر ناکامیوں کو اپنے قدموں کی زنجیر پایا اور اب ایک طویل مدت کے بعد وہ مبارک ساعت آنے والی تھی جب میری سیتا دوبارہ میرے سامنے ہوتی۔

سیتا میرا پندار تھی اس پر مجھے شروع سے ناز تھا مجھے پورا یقین تھا کہ اس نے وحشت اور تنہائی کا دور بڑی دلیری اور نہایت بے جگری سے گزارا ہوگا وہ متمدن علاقوں میں ایک طویل عرصہ گزار چکی تھی اور میں کوئی قیاس نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کن اطوار کی عادی بن چکی ہے میرے ذہن میں اس کی تصویر وہی جنگلی سی [illegible] اور بکھری زلفوں اور ملبوس [illegible] سے قریب تر ہوتا رہا۔

پھر اچانک جہاز کو ایک خفیف سا جھٹکا لگا اور وہ رن وے پر دوڑنے لگا اس کے ساتھ میرے خیالات کا سارا تسلسل ٹوٹ گیا۔

جہاز رکا اور میں مسافروں کی قطار میں شامل ہو کر ٹرمینل کی سیڑھیوں سے گزرتا ہوا نکاسی کے راستے پر پہنچا تو سب سے پہلے میری نگاہ رن وے کے ایک حصے میں کھڑی ہوئی چند فوجی گاڑیوں پر پڑی پھر مجھے تھوڑے فاصلے پر کھڑے ہوئے چاق و چوبند فوجی بھی نظر آئے جو شاید مجھے [illegible] پہرا دے رہے تھے۔

سیڑھیوں سے اترتے ہی تمام مسافروں کو بس میں سوار کر دیا گیا۔ میں نے بس میں بیٹھتے ہوئے امید بھری نظروں سے چاروں طرف دیکھا مگر وہاں گراؤنڈ اسٹاف کے علاوہ کوئی ایسا آدمی نظر نہ آیا جسے میں طالب سمجھ سکتا۔

رن وے پر عجیب سناٹا طاری تھا اور فضا [illegible] عجیب سے پہرے تھے۔ عمارت کی طرف بھی کوئی چہل پہل نظر نہ [illegible]

پھر میں نے اس گفتگو پر کان لگائے جو بس کے قریب [illegible] ایک بس ڈرائیور کے درمیان ہو رہی تھی۔

لاؤنج تک پہنچنے سے پہلے ہی یہ معلومات اخذ ہو چکی تھیں ہو گیا کہ اس وقت ایئرپورٹ پر سخت ترین حفاظتی انتظامات [illegible] یہ بے دلی پھیلی ہوئی ہے۔

اس رات کسی دوست ملک کا ایک اہم وفد یہاں آنے والا تھا جس کی حفاظت اور رازداری کی خاطر ایئرپورٹ پر کرفیو نافذ تھا اہم ترین خدمات انجام دینے والوں کے علاوہ کسی کو لاؤنج میں آنے کی اجازت نہیں تھی [illegible] تمام پروازیں غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر دی گئی تھیں [illegible] والی پروازوں کو بھی محض اس شرط پر اترنے کی اجازت دی جا رہی تھی کہ انہیں ہنگامی صورت حال کے خاتمے سے قبل دوبارہ پرواز کی اجازت نہیں ملے گی۔

معاملہ اس قدر اہم تھا کہ کسی کو نہیں معلوم تھا کہ دوست ملک سے آنے والا اعلیٰ وفد [illegible] کے استقبال کے لیے اعلیٰ حکام ایئرپورٹ پر موجود تھے۔

میں مسافروں کے ہمراہ بس سے اتر کر امیگریشن ہال [illegible] جا پہنچا وہاں بھی [illegible] فوجی موجود تھے تاکہ [illegible] میں گھسنے کے بجائے دائیں بائیں نہ کھسک جائے اور [illegible] بھی بہت زیادہ چاق و چوبند نظر آ رہا تھا۔

میں نے پورے ہال کا تفصیلی جائزہ لے ڈالا مگر طالب وہاں بھی نظر نہ آیا۔ ہال میں صرف مسافر تھے یا [illegible] طالب کی غیر حاضری اس وقت مجھے پہلی بار کھٹکی اور [illegible] اس کے نہ ملنے کی صورت میں اپنے اقدامات کی منصوبہ بندی [illegible] ہوئے ایک قطار میں سب سے پیچھے جا کھڑا ہوا۔

قطار تیزی سے سرکتی رہی کھڑکی کے پیچھے بیٹھا ہوا [illegible] نہایت پھرتی سے اپنا کام نمٹانے میں مصروف تھا۔

اور پھر میں کھڑکی پر تنہا رہ گیا۔

اس نے میرے ہاتھ سے پاسپورٹ لے کر تیزی سے ورق گردانی کی پھر ایک صفحہ کھول کر اس پر مہر ثبت کر دی۔

پاسپورٹ بند کر کے اس نے میری طرف نگاہیں اٹھائیں تو بے اختیار میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

اس کی نگاہوں میں نشتر کی سی چبھن تھی۔

"تم یونانی ہو؟" اس نے ایک مرتبہ پھر پاسپورٹ پر نظر ڈالتے ہوئے شکستہ انگریزی میں سوال کیا۔

"ہاں، میں یونانی ہوں۔" میں نے انگریزی میں اس کی تکرار سے بچتے ہوئے شستہ عربی میں جواب دیا۔

اس کی سیاہ آنکھوں میں شبہ کا سایہ گہرا ہو گیا۔ "عربی کیسے بولتے ہو؟" اس بار اس نے بھی عربی میں ہی سوال کیا تھا۔

"طالب سے سیکھی تھی۔" میں نے اپنا حلق سوکھتا ہوا محسوس کیا۔

"یہاں کیوں آئے ہو؟" اس نے میرا پاسپورٹ اپنے ہاتھ سے اپنی جانب کھینچ لیا اسی دوران میں برابر والی کھڑکی والا بھی فارغ ہو کر اسی کے پاس آ گیا۔

"تفریح کے لیے۔"

"واللہ ___" دوسرا شخص میرا جواب سن کر طنزیہ انداز میں [illegible] "یہاں لیبیا میں ریت، تیل اور اونٹ کے علاوہ کیا ہے جو دیکھو گے؟"

"میں نے سنا ہے کہ عرب مہمان نواز ہوتے ہیں۔" مجھے اس کے رویے کے ساتھ خفت بھی طاری ہونے لگی تھی لہٰذا میں نے بہت [illegible] ہوئی بات کہہ ہی ڈالی۔

"جب مہمان سمجھ لیں اس کے بعد بھی [illegible] اگر کوئی ڈاکو گھر میں گھس کر مہمان کا دعویٰ کرے تو کیا [illegible] جائے گا؟"

"تم میری توہین کر رہے ہو!" میں نے احتجاج کیا، "میرے کاغذات درست ہیں، آخر مجھے اس کھڑکی پر کیوں روکا گیا ہے؟"

"زیادہ بحث نہ کرو!" پہلے شخص نے خشک لہجے میں جھڑکتے ہوئے کہا پھر وہ آہستہ آہستہ بات کرنے لگے مگر ان کی سرگوشیاں پھر بھی میرے کانوں میں پہنچ رہی تھیں۔

پچھلے والے کا خیال تھا کہ میں کوئی جاسوس تھا جو [illegible] کے بھیس میں جعلی کاغذات کے سہارے لیبیا میں [illegible] جاسوس ہونے کی دلیل یہ تھی کہ مقامی ماحول میں [illegible] کے لیے میں نے عمدہ عربی سیکھی ہوئی تھی اور جعلی کاغذات [illegible] خال و خد غیر یونانی تھے جبکہ پاسپورٹ پر [illegible] یونانی درج تھی۔

[illegible] پہلا شخص تیز لہجے میں میری [illegible] "تم سامنے بیٹھ جاؤ، تھوڑی دیر میں فیصلہ ہوگا۔"

"[illegible] میرا منتظر ہوگا مجھے جلدی فارغ کر دیں!"

"بیٹھ جاؤ۔" وہ کڑک کر بولا۔ "باہر کوئی نہیں ہوگا [illegible] آنے والے [illegible] راستے بند ہو چکے ہیں۔"

"دس پانچ دینار بھی دے سکتا ہوں۔" تنگ آ کر میں نے [illegible] میں بارہا آزمایا ہوا نسخہ دہرایا۔

[illegible] نہ [illegible] کہ ان دونوں نے فوراً [illegible] کر مجھے رشوت پیش کرنے کی [illegible] لعن طعن کرنے لگے۔

شور سن کر ایک فوجی افسر دو جوانوں سمیت دوڑتا ہوا وہاں آ پہنچا ہر شخص کی ملامت آمیز نگاہیں مجھ پر مرکوز تھیں۔

"کیا ہوا؟ یہ کیسے رشوت دے رہا تھا؟" فوجی افسر نے کھڑکی کے پیچھے والوں سے سوال کرتے ہوئے مجھے یوں گھور لیا جیسے کچا چبا جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

"مشکوک آدمی ہے۔" وہ دونوں ہی ساتھ ساتھ بولنے لگے۔ "جاسوس معلوم ہوتا ہے، یہیں کلیئرنس ...... ڈھیلنے کے لیے دس پانچ دینار کی رشوت دے رہا تھا۔"

"اس کے تھیلے کی تلاشی لو۔" کسی کی حقارت آمیز آواز ابھری۔

"میں بالکل ......" میں نے زبان کھولنی چاہی مگر فوجی افسر نے پیر پٹخ کر مجھے خاموش کر دیا۔

"بکواس مت ___" پھر وہ اپنے جوانوں سے مخاطب ہو گیا۔ "اس وقت تلاشی کے چکر میں نہ پڑو اسے لاک اپ میں ڈال دو، صبح دیکھیں گے۔"

میں نے بہت احتجاج کیا مگر میری ایک نہ سنی گئی۔ فوجی افسر اچانک حکم صادر کر کے واپس چلا گیا میرے پاسپورٹ پر لگی ہوئی مہر منسوخ کر کے پاسپورٹ مجھے تھما دیا گیا۔ اور دونوں فوجی مجھے رائفلوں کی نالوں سے ایک طرف دھکیلنے لگے۔

"سنو! ذرا میری بات سنو!" میں نے غصے کو ضبط کرتے ہوئے بے بسی کے عالم میں کہا۔ "یہاں طالب نام کا کوئی شخص ہے؟ وہ مجھے [illegible]!"

"میں خود طالب ہوں!" ان دونوں میں سے ایک فوجی بولا۔ "میں تو تمہیں نہیں جانتا! چلو آگے بڑھو!" اس کی رائفل کی نالی ایک مرتبہ پھر میری پسلیوں میں گھسنے لگی۔ اور مجھے خون کے گھونٹ پی کر خاموشی سے پیش قدمی کرنی ہی پڑ گئی۔



"ٹھہرو!"

"یا اللہ!"

وہ دونوں وقفے وقفے سے کرخت آوازوں میں غرا غرا کر میری پسلیوں میں اپنی رائفلوں کی نال سے ٹہوکے مارتے جا رہے تھے، حالانکہ میری رفتار نہایت مناسب تھی اور میں اپنے رویے سے خفیف سی مزاحمت کا بھی اظہار نہیں کر رہا تھا مگر شاید وہ دونوں ہی تحکم کے غیر ضروری اظہار کے عادی تھے!

امیگریشن ہال سے نکلنے کے بعد شاید تمام مسافروں کو کسی سرکاری سواری میں کہیں روانہ کر دیا گیا تھا۔ کیونکہ وہاں مسلح محافظوں کی گنی چنی تعداد کے سوا کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا۔ مسافروں کو نامعلوم مقام یا شاید کسی قریبی کیمپ تک پہنچانے میں اتنی عجلت سے کام لیا گیا تھا کہ سامان تک کی مالک نہیں اٹھوائی تھی بلکہ مجھے تو گمان ہونے لگا کہ شاید اس طیارے سے سامان سرے سے ہی صورت حال کے خاتمے کے بعد ہی اتارا جا سکے گا۔ اور مسافروں کو وہ تمام مدت اپنے سامان اور آزادی کے انتظار میں محبوس رہ کر گزارنی ہو گی۔

ان دونوں کے غیر ضروری ٹہوکے میرے صبر کا امتحان بنتے جا رہے تھے۔ جب پتھر پر گرنے والی ننھی ننھی مسلسل بوندیں پتھر کے سینے میں شگاف ڈال سکتی ہیں تو پھر وہ درشت آمیز انداز بھلا کب تک مجھ پر اثر انداز نہ ہوتا!

ایک راہداری پر گھومتے ہوئے میں نے اپنی بائیں پسلیوں پر آہنی نال کی ہلکی سی ضرب محسوس کی اور ساتھ ہی ان میں سے کوئی سخت عربی لہجے میں غرایا: "جلدی کرو!"

وہ الفاظ اونٹ کی پشت کا آخری تنکا ثابت ہوئے اور میرے قدم اچانک غیر ارادی طور پر فرش پر جم کر رہ گئے۔ میرے غیر متوقع طور پر رک جانے کے سبب وہ دونوں اپنی جھونک میں تقریباً میری پشت سے آ ٹکرائے!

میں نے پلٹنے میں نہایت پھرتی سے کام لیا اور ان میں سے ایک کی گردن پر میرا ہاتھ چل گیا۔ وہ کربناک سی چیخ مار کر پیچھے الٹ گیا اور میں نے اس کے ہاتھ سے با آسانی رائفل چھین کر اپنے قبضے میں کر لی!

دوسرا میری توقع سے زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا جتنی دیر میں میں اس کی طرف متوجہ ہوا، وہ رائفل کی نال سیدھی کر کے مجھے زخمی کرنے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ میں نے اضطراری طور پر اپنے قبضے میں آئی ہوئی رائفل کی نال تھام کر پوری وحشت سے اس کا کندہ اس کی پسلیوں میں گھما ڈالا۔ رائفل کا کندہ شاید اپنا کام دکھا گیا کیونکہ دوسرے شخص کا کیا ہوا فائر چھت کی طرف گیا تھا اور وہ تڑپ کر دوہرا ہو کر کراہنے لگا تھا!

وہاں جو کچھ ہوا وہ شاید ضرورت سے زیادہ ہی ہنگامہ خیز ثابت ہوا، سہ پہر ویران نظر آنے والا وہ حصہ جو ہوا کھلا تھا، اہلکاروں سے بھرتا چلا گیا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے در و دیوار نے آدمی اگلنا شروع کر دیے ہوں!

آنے والوں کو وہاں پہنچنے میں خود لمحے لگے ہوں گے اور وہ نہایت افراتفری کے عالم میں راہداری کی دونوں جانب سے نمودار ہوئے تھے لہٰذا مجھے فوری طور پر اس ہجوم میں مل جانے کا موقع مل گیا!

ان میں دو ایک عربی لباس میں ملبوس افراد بھی شامل تھے، اہل کار بھی اور مغربی طرز کا لباس پہنے ہوئے لوگ بھی۔ فوری طور پر کسی کی توجہ میری طرف مبذول نہ ہو سکی۔ ہر شخص ان دونوں سے براہ راست معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو میرے سفیدانہ عمل کا شکار ہوئے تھے!

میں وقتی اشتعال کے تحت وہ کارروائی تو کر گزرا تھا لیکن یہ بھی جانتا تھا کہ اس وقت ائرپورٹ اور اس سے ملحقہ علاقے میں سخت حفاظتی انتظامات تھے۔ ان سے بچ کر میرا باہر نکلنا ناممکنات میں سے تھا اور نہ ہی میں زیادہ دیر تک وہاں روپوش رہنے میں کامیاب ہو سکتا تھا۔

میں ایک فیصلے کے تحت راہداری سے واپس مڑا۔ ہجوم سے الگ ہوتے ہی میری نگاہ فوجی وردی میں ملبوس ایک شخص پر پڑی جو عجلت آمیز انداز میں جائے واردات کی طرف جا رہا تھا!

"میرے دوست!... آپ مجھے چند منٹ عنایت کریں گے؟" میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر لجاجت آمیز لہجے میں کہا۔ میں نے اسے مخاطب کرنے کے لیے انگریزی کے بجائے عربی زبان کا سہارا لیا تھا!

اس نے رک کر خشمگیں نگاہوں سے مجھے گھورا اور داہنے ہاتھ سے مجھے دھکیل کر آگے بڑھنا چاہا۔ لیکن میں بھی آسانی سے ٹلنے والا نہ تھا!

"مجھے بہت ضروری کام ہے...!" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"میرے پاس دوسرا اہم کام ہے!" وہ درشت لہجے میں بولا۔ "میرے فرائض میں دخل انداز ہونے کی کوشش نہ کرو!"

"میرا نام اہم ترین ہے!" میں نے کہا۔

"اتفاق سے گڑبڑ ہو گئی ہے، اس وقت میں کوئی خرافات نہیں سن سکتا، چلو میرا راستہ چھوڑ دو!"

"میں اسی بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں!"

اس کے چہرے پر پہلی بار جھنجلاہٹ کی جگہ تجسس عود کر آیا۔ "اسی بارے میں؟ کیا جانتے ہو؟"

"وہاں ایک شب تیری دو محافظوں کی بدتمیزی پر مشتعل ہو گیا تھا...!" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر پُرسکون لہجے میں کہا۔

"تو کیا وہ قیدی فرار ہو گیا؟"

"فرار نہیں ہوا، تمہارے سامنے موجود ہے!" میں نے کہا۔ "وہ دونوں میری حد سے زیادہ تذلیل پر تلے ہوئے تھے، میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا، مگر میں قانون شکنی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا!"

"اس سرزمین پر قانون شکن افراد سے نہایت بے رحمانہ سلوک کیا جاتا ہے!..." وہ چیختے ہوئے لہجے میں بولا۔ مگر پھر اس کی آنکھوں میں سوالیہ حیرت در آئی۔

"بشرطیکہ قانون کے ہاتھ ان کی گردنوں تک پہنچ سکیں!" میں نے اسی لہجے میں اپنے اعتماد کا بھرپور اظہار کرنے کی نیت سے کہا۔ "میں چاہتا تو بھیڑ میں شامل ہو کر با آسانی کہیں بھی روپوش ہو سکتا تھا، مگر میرا ضمیر صاف ہے، میں نے تمہیں نرم خو اور مدبر مزاج افسر سمجھتے ہوئے خود کو تمہارے حوالے کر دیا۔"

"تم نے میری سات پشتوں پر احسان کیا ہے!" وہ زہریلے لہجے میں بولا اور پھر اچانک ہی اس نے اپنے ہولسٹر سے پستول نکال کر میرے سینے پر تان لیا۔ "اور اب تم حراست میں ہو!"

"اس حقیقت کے اظہار کے لیے تم چاہو تو میں دستخط بھی کر سکتا ہوں!" میں نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"اس طرف میرے آگے آگے چلو!" اس نے واپس مڑتے ہوئے اشارے سے مجھے حکم دیا۔

میں نے مزید کچھ کہے بغیر اس کے حکم کی تعمیل کی اور آگے چل پڑا۔

راہداری میں تھوڑی دور چلنے کے بعد اس نے مجھے دائیں جانب مڑنے کا حکم دیا۔ اور پھر آخر کار میں ایک پُرتکلف کمرے میں داخل ہو گیا!

اس کمرے کا پورا فرش نیلے رنگ کے دبیز قالین کی تہہ کے نیچے چھپا ہوا تھا اور سامنے ہی سفید رنگ کا خوبصورت فرنیچر ایک بڑی سی سفید میز کے گرد قرینے سے سجا ہوا تھا! دروازوں اور کھڑکیوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے اور ایک گوشے میں بجلی کے آتش دان کا پنکھا مدھم سی گونج کے ساتھ چل رہا تھا!

میز کے عقب میں دیوار کے اوپر لیبیا کے صدر کرنل قذافی کی ایک بڑی سی رنگین تصویر آویزاں تھی جس میں لیبیا کے حکمران کے جسم پر فوجی وردی سجی ہوئی نظر آ رہی تھی!

میں کمرے کی جزئیات کا جائزہ لینے میں مصروف تھا اور اسی دوران میں مجھے لانے والا فوجی افسر سفید میز کے عقب میں اپنی گھومنے والی کرسی پر جا بیٹھا!

"بیٹھ جاؤ!..." کمرے کی محدود فضا میں اس کی تحکمانہ آواز گونجی تو میں اپنی محویت سے چونک پڑا اور خفت آمیز انداز میں مسکراتے ہوئے اس کے مقابل والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

اس شخص نے اپنا سفید دستے والا اعشاریہ تین آٹھ کا اسمتھ اینڈ ویسن میز کی چکنی سطح پر رکھ دیا تھا!

"اب بتاؤ کہ انہوں نے تمہیں کس جرم میں گرفتار کیا تھا؟" اس نے براہ راست میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"جرم کا تو شاید انہیں بھی علم نہیں تھا جو مجھے کسی چوپائے کی طرح ہانکتے ہوئے لے جا رہے تھے!" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"داستان گوئی کی ضرورت نہیں!" وہ غرایا۔ "...میں حقائق جاننا چاہتا ہوں، اور یہ یقین رکھو کہ اگر تم خود کو مظلوم ثابت کر سکے تو تمہارے ساتھ برا سلوک کرنے والوں کو اپنی بے اعتدالی کا بھاری خمیازہ بھگتنا پڑے گا!"

"امیگریشن کاؤنٹر پر موجود ایک شخص نے ان قانونی سفری دستاویزات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا!" یہ کہہ کر میں نے اپنی جیب سے یونانی پاسپورٹ سمیت اپنی تمام سفری دستاویزات اس کے آگے ڈال دیں۔

"رچی تاس!" وہ پاسپورٹ کے ابتدائی اوراق کی سرسری ورق گردانی کرتے ہوئے زیر لب بڑبڑایا۔ "تمہارے کاغذات تو درست ہی معلوم ہوتے ہیں؟"

"معلوم نہیں ہوتے بلکہ قطعی درست ہیں!" میں نے پُر زور لہجے میں کہا۔ "اس شخص کا اعتراض یہ تھا کہ میرے خدوخال غیر یونانی ہیں، جب کہ پاسپورٹ میں میری قومیت یونانی درج ہے!"

"اعتراض تو درست ہے!" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "یہ دیکھنا یونانی حکام کا کام تھا، اگر انہوں نے پاسپورٹ جاری کر دیا تو

ہم کیا کر سکتے ہیں اور یہی پریشان میں لاکھوں تارکینِ وطن بھی رہتے ہیں!
اتنا کہہ کر وہ چند ثانیوں تک پاسپورٹ کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر بولا: اور اس پر تو ہمارے ایمبیسی کے سفارت خانے کے ویزا کا بھی باقاعدہ اندراج ہے۔ اسے یقیناً کوئی اور لوفی سقم نظر آیا ہوگا ورنہ تمہارے ساتھ اتنا بُرا سلوک نہ کیا جاتا!

میں نے بہتر افہام و تفہیم کے لئے اس سے عربی میں گفتگو شروع کی تو وہ مزید برہم ہوگیا۔ اس کی دانست میں میرا عربی جاننا بھی شبہات پیدا کرنے کے لئے ضرورت سے زیادہ کافی تھا۔

"اگر تمہارا بیان درست ہے، تو مجھے افسوس ہے کہ تمہارے ساتھ میرے وطن کی سرزمین پر بُرا رویہ اختیار کیا گیا!" اس کا لہجہ بے حد نرم، شریفانہ اور دوستانہ تھا۔

"شاید مجھ پر رشوت دینے کا الزام بھی عائد کیا جائے!" میں نے نہایت شائستہ اور معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"بیٹھ جاؤ!" اس نے ہاتھ کے اشارے کے ساتھ کہا: "تم اس شبہے کا اظہار کیوں کر رہے ہو؟"

"میں نے اس شخص کو شرارت پر آمادہ پاکر چند دینار کی پیشکش کی تھی اور اس نے رشوت کا شور مچا کر ہنگامہ کھڑا کر دیا!" اس کا ہمدردانہ رویہ دیکھتے ہوئے میں نے اس سے صاف صاف بات کہہ ڈالی۔

"یہ تم نے بُرا کیا!" وہ تاسف آمیز لہجے میں بولا۔ "رشوت لینا یا دینا ہمارے معاشرے میں ایک سنگین جرم سمجھا جاتا ہے!"

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے ناواقفیت میں اس جرم کا ارتکاب کیا!" میں نے ندامت کے ساتھ کہا: "میں نے پہلی بار لیبیا کی سرزمین پر قدم رکھا ہے اور میں یہاں کے رواج سے قطعی لاعلم ہوں۔ بلکہ میرے تجربات نے مجھے یہی سکھایا ہے کہ جب کوئی سرکاری اہلکار غیر ضروری قانونی باریکیوں میں اُلجھانے کی کوشش کرتا ہے تو درحقیقت وہ ضرورت مند سے رشوت کا طلب گار ہوتا ہے!"

"تم کس کاؤنٹر پر روکے گئے تھے؟"

"امیگریشن کاؤنٹر پر!"

"ہاں ہاں امیگریشن کی تین کھڑکیاں ہیں، تم کس پر تھے؟" اس نے میز کی چکنی سطح پر ہاتھ مار کر اپنی بات کی وضاحت کی۔

"دوسری کھڑکی پر!"

"وہاں عقابی آنکھوں اور جھکے ہوئے کاندھوں والا اور لاغر آدمی بیٹھا ہوا تھا؟" اس نے مایوسانہ لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں، وہی تھا!"

"حمزہ بہت بدمعاش آدمی ہے، وہ تقریباً ہر روز ہی ایک دو مسافروں کو بلاوجہ تنگ کرنے کا عادی ہے۔ میں بعد میں اپنے دوستوں کو ان کے قصے سُنا کر خوش ہوتا ہے!" وہ ہونٹ سکیڑ کر بولا۔

"یہ بتانا میرے کام تو نہیں، مگر ائیرپورٹ کے ایک اچھے افسر کی حیثیت سے جہاں روزانہ سینکڑوں غیر ملکی بھی آتے ہیں، ایسے آدمی ملک کی بدنامی کا باعث ہوتے ہیں!"

"تم ٹھیک کہتے ہو، مگر وہ ایک بارسوخ آدمی کا بھتیجا ہے، اسے چھیڑنے کا مطلب کسی کے لئے بھی ملازمت سے محروم ہونا بھی ہوسکتا ہے!"

"پھر میرے لئے کیا حکم ہے؟"

"فی الحال یہیں رکو، تمہیں چھوڑنے سے پہلے مجھے ضابطے کی کارروائی مکمل کرنی ہوگی۔ تم نے اپنے محافظوں میں سے کسی کو زخمی تو نہیں کیا ہے؟"

"جوش سے زیادہ وہ مجھے ہی بوکھلا دینے کا شکار رہے تھے!"

"گولی کس نے چلائی تھی؟"

"محافظ نے! اگر میں بروقت کارروائی نہ کرتا تو شاید گولی چھت کے بجائے میرے جسم کے کسی حصے میں اتر چکی ہوتی!"

"میں اس ائیرپورٹ کا سیکیورٹی کمانڈر ہوں۔ آج رات میرے آدمیوں کو مشکوک افراد پر گولی چلانے کے خصوصی اختیارات ملے ہوئے ہیں، ورنہ شاید فائرنگ کی نوبت ہی نہ آتی!"

اسی وقت میز پر رکھے ہوئے سرخ رنگ کے فون کی گھنٹی بج اٹھی اور اس شخص نے بوکھلا کر جلدی سے ریسیور اٹھالیا۔

"السلام علیکم یا معلم!" اس نے ماؤتھ پیس میں فوراً ہی کہا تھا۔

چند ثانیوں تک وہ خاموشی سے سنتا رہا پھر اس نے جو کچھ جواب دیا وہ بے حد مؤدبانہ اور فائرنگ کے بارے میں تھا۔

اس نے بتایا کہ فائر ضرور ہوا تھا مگر کوئی خطرناک بات نہیں تھی، صورتِ حال پوری طرح قابو میں تھی اور مہمانوں کے تحفظ کا انتظام بھرپور تھا!

ریسیور رکھ کر وہ غیر ارادی طور پر کاغذی رومال سے اپنی خشک پیشانی رگڑنے لگا۔

"صدر کا فون تھا، وہ اس وقت وی آئی پی لاؤنج میں موجود ہیں اور فائرنگ کی خبر سے متفکر تھے!" اس نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

"صدر قذافی؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "وہ ایسے معاملات میں بھی اس قدر دلچسپی لیتے ہیں؟"

"اہم سرکاری اور دفاعی اداروں میں سرخ فون ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ صدر کسی بھی وقت کہیں بھی بات کرسکتے ہیں ویسے تو وہ عام تھرو فونوں میں بھی اچانک ہی جا نکلتے تھے!"

اس اثناء میں باہر بہت سے افراد کی ملی جلی آوازیں اور قدموں کی

شاید وہ لوگ اسی طرف آرہے ہیں!" میں نے تشویشناک لہجے میں کہا۔

"نہیں تو وہ بالکل نہیں جانتے کہ تم یہاں ہو! ان کی سرپرستی میں ہو..." وہ سرسری لہجے میں بولا۔ "جب تک میں تمہیں صاف طور پر نہ بتا دوں، تم یہاں سے جانے کی کوشش نہ کرنا!"

مجھے حیرت ہے کہ فائر اور ایک تیدی کے فرار کے باوجود ابھی تک وہ لوگ نہیں آئے! میں اس شخص سے گفتگو کر رہا تھا جو بھی دونوں جیلیوں کے درمیان تھا۔

"میرے پاس الزام سوچنے ہیں!" وہ اپنی میز سے ملحق ایک کیبنٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "جب تک میں یہاں سے نکل نہ جاؤں میری روشنی کا انتظام موجود ہے، کوئی محافظ اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا، خواہ ہر طرف گولیاں چلنے لگیں۔ عام حالات میں ہر الزام پر عمل درآمد ہوتا رہتا ہے جو اس وقت بھی آن ہو چکے!"

مجھے دوبارہ آنے والوں کی جھنجھلاہٹ سیکیورٹی کمانڈر کے دروازے تک لے آئی اور میرے ہاتھوں زک اٹھانے والے دونوں محافظ اندر آگئے۔

میری پشت دروازے کی طرف تھی، مگر میں نے گردن گھما کر کنکھیوں سے انہیں دیکھ لیا اور دوبارہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

انہوں نے شاید میری طرف توجہ بھی نہیں دی اور قالین پر ایڑیوں کی مدھم سی دھمک کے ساتھ اپنے کمانڈر کو سلام پیش کر ڈالا۔

"حمزہ نے ایک مشکوک قیدی ہمارے سپرد کیا تھا جو ایک بار اسی ہم پر حملہ کر کے کہیں روپوش ہونے میں کامیاب ہوگیا، ہم نے ہر جگہ اس کو تلاش کیا، چپہ چپہ چھان مارا لیکن اس کا کہیں سراغ نہ مل سکا!" ان میں سے ایک کی آواز مشینی انداز میں سنسنانے لگی۔

"یہ شخص تو نہیں تھا؟" سیکیورٹی کمانڈر نے میری طرف اشارہ کرکے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

وہ دونوں آگے بڑھے، میں نے بھی اپنا چہرہ تقریباً ان کی طرف گھمایا اور وہ حیرت سے تقریباً اچھل پڑے۔

"یہی ہے... یہی ہے وہ نابکار!" دونوں کے حلق سے بیک وقت آوازیں بلند ہوئیں اور انہوں نے میری طرف جھپٹنے کے لئے پر تولے ہی تھے کہ سیکیورٹی کمانڈر نے للکار کر انہیں روک دیا۔

"حمزہ نے اسے کس جرم میں تمہارے حوالے کیا تھا؟" سیکیورٹی کمانڈر کا لہجہ تحکم آمیز اور خاصا سخت تھا۔

اس سوال پر وہ دونوں سٹپٹا گئے۔ "وہ اس پر غیر ملکی جاسوس ہونے کا الزام لگا رہا تھا!" ان میں سے ایک نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"اس کی تحریری رپورٹ کہاں ہے؟"

"جی، سارجنٹ محمد نے اسے لاک اپ میں ڈالنے کا حکم دیا تھا!" ان میں سے ایک کی ڈری ڈری آواز ابھری۔

سیکیورٹی کمانڈر نے میز پر رکھے ہوئے سفید رنگ کے انٹرفون کا سوئچ آن کیا جو شاید سیکیورٹی سسٹم سے منسلک تھا اور پھر سارجنٹ محمد کو فوری طور پر اپنے کمرے میں پہنچنے کا حکم دے کر سوئچ آف کر دیا!

سارجنٹ محمد چند ثانیوں میں وہاں پہنچا ہوا وہاں آپہنچا اور میں نے اسے پہچان لیا۔ اسی کے حکم پر فوجیوں نے مجھے حراست میں لیا تھا۔

سیکیورٹی کمانڈر کے استفسار پر محمد نے میری گرفتاری کے وہی دو اسباب بتائے جو محافظ بتا چکے تھے۔

"حمزہ کی رپورٹ کہاں ہے؟" سیکیورٹی کمانڈر میز پر ہاتھ مار کر دھاڑا: "ہم لوگ ایک قانون کے پابند ہیں، اگر ہم غیر ملکیوں کی اسی طرح تذلیل کریں گے تو ہمارا قومی وقار خاک میں مل کر رہ جائے گا! مگر ہم لوگ اپنے شبہات کی بنا پر بھی تو کسی مشکوک شخص کو حراست میں لینے کا اختیار رکھتے ہیں!" سارجنٹ نے دبے لہجے میں کہا۔

"بحث مت کرو سارجنٹ!" سیکیورٹی کمانڈر قہر آلود لہجے میں بولا: "تم خود اعتراف کر چکے ہو کہ اس معزز غیر ملکی کے ساتھ جو کچھ ہُوا وہ حمزہ کی شکایت پر ہُوا۔ اگر تم اپنی صوابدید پر عمل کرتے تو شاید میرا رویہ مختلف ہوتا۔ میں نے اس شخص کے کاغذات دیکھے ہیں جو مکمل اور درست ہیں!"

"مجھے افسوس ہے!" سارجنٹ سر جھکا کر بولا۔

"میں اپنے ماتحتوں کے غیر ذمہ دارانہ رویے پر معذرت خواہ ہوں مسٹر ریتی تاس!" کمانڈر نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"میں ممنون ہوں کہ اس اجنبی سرزمین پر کم از کم ایک شخص کو تو میری بے گناہی کا یقین آیا!"

"سارجنٹ! تم مسٹر ریتی تاس کو چیف امیگریشن آفیسر کے پاس لے جاؤ تاکہ وہ اس کے کاغذات کی پڑتال کرے، اور اگر سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو تو مسٹر ریتی تاس کو امیگریشن کے خاتمے تک ریٹائرنگ روم میں رکھو!"

یہ کہہ کر سیکیورٹی کمانڈر نے اپنی نشست چھوڑ دی۔ میں نے اٹھ کر اس سے ہاتھ ملایا اور سارجنٹ محمد کے ساتھ باہر نکل آیا۔

دونوں فوجی پہلے ہی باہر نکل چکے تھے۔ وہاں جمع لوگوں نے ان سے بات کرنے کی کوشش کی مگر وہ سیدھے چلے گئے اور دروازے میں سیکیورٹی کمانڈر کا چہرہ دیکھتے ہی ساری بھیڑ کائی کی طرح

جھوٹتی چلی گئی۔

راستے میں سارجنٹ محمد نے زبان سے تو کچھ نہ کہا لیکن اس کے تیور سخت جارحانہ تھے جیسے وہ مجبوری کے تحت کوئی ناگوار کام سرانجام دے رہا ہو!

چیف امیگریشن آفیسر عام طور پر بہت بڑا عہدہ ہوتا ہے مگر لیبیا میں قدم رکھتے ہی میں نے یہ خاص بات محسوس کی کہ بڑے افسران کے دروازوں پر ان کی موجودگی کا احساس نہیں تھا۔ ہر شخص بلا روک ٹوک کہیں بھی گھس سکتا تھا مگر مراتب کا احترام پھر بھی ہر جگہ دیکھنے میں آ رہا تھا!

چیف امیگریشن کو سارجنٹ نے اختصار کے ساتھ میرے بارے میں بتایا۔ پہلے اس نے سرسری طور پر سارے اندراجات کا جائزہ لیا پھر بغور عدسے کی مدد سے کئی صفحات کو دیکھتا رہا۔ مہر ثبت کرنے سے پہلے شاید وہ پوری طرح یقین کرنا چاہتا تھا کہ میں نے کہیں جعلسازی تو نہیں کی تھی!

اور آخرکار مجھے لیبیا میں داخلے کا قانونی حق دے دیا گیا۔

چیف امیگریشن آفیسر کے دروازے سے نکلنے کے بعد ویٹنگ روم کی طرف جاتے ہوئے راستے میں اچانک حمزہ کہیں سے آ ٹکرایا۔

"یہ تمہارے ساتھ کہاں لگا پھر رہا ہے؟" مجھے دیکھتے ہی حمزہ نے تضحیک آمیز انداز میں سارجنٹ سے سوال کیا۔

"آج تمہاری وجہ سے میری بے عزتی ہوئی ہے برادر!" سارجنٹ قدرے تلخ لہجے میں بولا۔ "یہ شبہات سے بالاتر تھا مگر تم نے اسے لاک اپ میں ڈلوا دیا۔ ابھی یہ چیف امیگریشن آفیسر سے کلیئرنس لے کر آ رہا ہے!"

"یہ وہاں گیا کیسے؟" حمزہ غصے میں آپے سے باہر ہو گیا۔ "میں دیکھوں گا … منہ کی کھا آ رہا ہے؟"

"تم کچھ بھی نہ کر سکو گے!" سارجنٹ کے لہجے سے مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ حمزہ کو اشتعال دلانا چاہتا ہو۔ "اسے سیکیورٹی کا … وہاں بھیجا تھا اور اس نے ہم سب کے روبرو … سے معذرت بھی کی ہے!"

حمزہ بہت ہی مشتعل مزاج شخص تھا۔ سارجنٹ کا فقرہ مکمل ہوتے ہی وہ دانت پیستا ہوا میری طرف جھپٹا اور صرف ایک قدم کے فاصلے پر رک کر تحقیر آمیز انداز میں میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے غرایا۔

"میں تمہیں دیکھ لوں گا… اگر کسی خارش زدہ کتے کی طرح لیبیا سے باہر نہ پھینکوا دیا تو میرا نام بدل دینا!"

"ابھی نام بدل دو تو بعد کی ندامت سے بچ جاؤ گے!" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "ویسے اب سے پہلے کیا نام تھا تمہارا؟"

اس نے غیر متوقع طور پر میرا گریبان پکڑ لیا مگر تھپڑ مارنے سے پہلے ہی سارجنٹ نے پھرتی سے اسے دبوچ کر الگ ہٹا دیا۔

"اسے یہ کیا غضب کر رہے ہو؟" سارجنٹ … انداز میں بولا۔ "ابھی یہ ہماری تحویل میں ہے اور اس کے تحفظ کی ذمہ داری ہم پر ہے!"

"جب اس کی آستین نہیں اچھال دوں گا…" حمزہ … "اس نے یقیناً سیکیورٹی آفیسر سے میری شکایت کی ہو گی!"

"وہ تمہارا کیا بگاڑ لے گا!" سارجنٹ … لہجے میں بولا۔ "فی الحال میری نوکری پر رحم کرو… تم بعد میں بھی بدلہ لے سکتے ہو!"

سارجنٹ کی خوشامد نے اسے نرم کر دیا۔ "ٹھیک ہے لے جاؤ اسے! میں دیکھوں گا کہ یہ کتنے گھنٹے لیبیا میں آزاد رہ کر گزارتا ہے!"

وہ مجھے چیلنج کرتا ہوا تحقیر آمیز نگاہوں سے گھورتا ہوا وہاں سے چلا گیا اور سارجنٹ مجھے دوبارہ ویٹنگ روم کی طرف لے جانے لگا۔

"الحمد للہ!" میں نے راستے میں عربوں کے مروجہ انداز میں سارجنٹ کو مخاطب کیا۔ "تم حمزہ سے کچھ خائف ہو!"

"تم تو کچھ دیر بعد چلے جاؤ گے۔ ہمیں تو اس کا سامنا ہے!" وہ بے زاری کے عالم میں بولا۔ "وہ بہت کینہ پرور شخص ہے۔ اپنی ذرا سی بھی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔ آج وہ کسی … ہے!"

"خطرناک ہے؟"

"مرتبے گھرانے کا لاڈلا لڑکا ہے!" سارجنٹ … کر کے بولا۔ "اگر قتل بھی کر گزرے تو اس کے اعلیٰ خاندان والے … کی استطاعت رکھتے ہیں!"

سارجنٹ محمد مجھے ویٹنگ روم میں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ میرا پاسپورٹ اس نے یہ کہہ کر لے لیا تھا کہ … کی صورت میں شام تک مجھے پاسپورٹ واپس مل جائے گا اور شہر میں رہنے کی اجازت دے دی جائے گی!

ویٹنگ روم آراستہ اور آرام دہ تھا۔ عمارت … کے مرکزی نظام سے منسلک ہونے کے باعث وہاں نہایت … سی حرارت کا دباؤ بھی محسوس ہو رہا تھا!

میں نے اس وسیع کمرے میں کافی وقت تنہا … اس دوران … پڑھتے ہوئے عربی رسائل نے … سہارا دیا۔

ویٹنگ روم میں میرا قیام ضرورت سے زیادہ طویل … تو مجھ پر اکتاہٹ طاری ہونے لگی …

… قدم روک دیئے۔ خدا حافظ کہہ کے مجھے ایک مدت تنہا الجھن سے … اور میں اتنی قلیل مدت میں کسی دوسرے معرکے کا … نہیں لے سکتا تھا جب کہ حمزہ مجھے براہِ راست چیلنج … چکا تھا۔

مجھے اتنا یقین تو تھا کہ میں جب تک ویٹنگ روم میں … ہوں حمزہ مجھ پر کوئی وار نہیں کرے گا، مگر اس یقین کے … تھوڑے تھوڑے وقفے سے اندیشوں کا ہجوم ذہن کی گہرائیوں … سے ابھرنے لگتا تھا!

لیبیا میں میرا استقبال نہایت واہیات انداز میں ہوا تھا۔ میں … اور دوسرے کے ساتھ وہاں پہنچا تھا، حمزہ کے رویے نے … رکھ دیا تھا اور میں ایئرپورٹ سے نکلنے کے بعد اپنی … کے بارے میں فکرمند تھا۔ حمزہ نے جس تیور کا مظاہرہ کیا تھا … قدم قدم پر محتاط رہنا تھا!

ایک طرف حمزہ میرا ناگہانی دشمن پیدا ہو گیا تھا اور دوسری … شخص لاپتہ تھا جو لیبیا میں زیادہ بہتر میری رہنمائی کر سکتا … حمزہ کے مقابل بھی میری سپر بن سکتا تھا۔

لیبیا میں کسی ہمدرد اور رہنما کے بغیر مجھے اپنا مستقبل … نظر آ رہا تھا۔ … اس وقت … کے بھی لالے پڑتے نظر آ رہے تھے اور مجھے کچھ علم نہیں تھا … کا سراغ کیسے پا سکوں گا!

رات کے پونے تین بجے ویٹنگ روم میں مجھے دوسری … ہوئی۔ وہ کوئی ہونق سا مقامی تھا!

ویٹنگ روم کے … سے ہٹ کر وہ چند ثانیے تک … سے کمرے کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اپنے داہنے ہاتھ سے … سہلانے لگا جیسے فیصلہ نہ کر پا رہا ہو کہ اسے کیا کرنا … اس دوران میں اس نے مجھے بھی نظرانداز کیا تھا جیسے … میں بھی اس کمرے کی آرائشی ترتیب کا کوئی بے جان … !

میری … آ کر وہ یوں چونکا جیسے اس وقت تک میری … سے قطعی لاعلم رہا ہو!

چند ثانیے تک وہ کسی ایسے الو کی طرح دیر سے … میری … کو گھورتا رہا پھر اچانک تیز و تند … میں … لہجے میں بولا۔ "تم کون ہو اور یہاں … رہے ہو؟"

میں … کیونکہ وہ گلے پڑتا نظر آ رہا تھا، پھر بھی … مسکراتے ہوئے کہا۔ "میرا نام رتیق فاس ہے اور مجھے سارجنٹ محمد یہاں چھوڑ گیا ہے!"

"کیا نام بتایا؟" وہ اپنے کان پر ہتھیلی کی اوٹ بنا کر جھکتے ہوئے بولا…!

"ر… تی… فاس!" میں نے ایک ایک حرف کی تقطیع کر کے کہا۔

"نام تو وہی ہے!" وہ خودکلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔ پھر … بلند لہجے میں مجھ سے بولا۔ "مگر مجھے کیسے پتہ چلے کہ تم ہی رتیق فاس ہو؟"

وہ آدمی خبطی اور بیوقوف سا تھا مگر اس کا سوال سن کر مجھے جھرجھری آ گئی۔ میرا پاسپورٹ سارجنٹ لے گیا تھا اور اس وقت میرے پاس اپنی شناخت کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ مجھے بے اختیار حمزہ کے الفاظ یاد آ گئے جس نے مجھے لیبیا میں آزاد نہ رہنے کی زبردست دھمکی دی تھی۔ اگر وہ آدمی حمزہ کا ہی فرستادہ تھا تو نہایت آسانی سے مجھے دوبارہ گرفتار کروا سکتا تھا اور اس مرتبہ تو شاید مجھے سیکیورٹی آفیسر سے بھی رجوع کرنے کی مہلت نہ ملتی!

میری زبان خشک ہو کر حلق میں اٹکنے لگی۔ میرے لیے وہ صورتِ حال گمبھیر اور بے بسی کا شاہکار بن کر رہ گئی تھی۔

"رتیق فاس … مانتے تو … کہو تو؟" میں نے اپنے لبوں پر مصنوعی مسکراہٹ بکھیر کر آہستہ سے کہا۔

"شناخت ضروری ہے!" اجنبی نے چہرہ گھمبیر بنانے کی … اس کی آواز مضحکہ خیز ہو کر رہ گئی۔ "تم خود کو کالا چور بھی کہو گے تو میں اس کا ثبوت مانگوں گا!"

"جواب دینے سے پہلے میں تمہاری شناخت دیکھنا چاہوں گا!" میں نے ہمت کرتے ہوئے بات بدلنے کی کوشش کر ڈالی۔

وہ عجیب انداز میں مسکرا دیا۔ "میں تمہارا پاسپورٹ واپس لایا ہوں اور وہ لے کر تم باہر جا سکتے ہو، مگر میں یہ کیسے یقین کر لوں کہ میں پاسپورٹ صحیح آدمی کو واپس کر رہا ہوں!" یہ کہتے ہوئے اس نے جیب سے میرا پاسپورٹ نکال لیا۔

اس کے احمقانہ رویے پر میں ہنس کر رہ گیا مگر اس وقت غصے کا اظہار قرینِ مصلحت نہیں تھا۔

"پاسپورٹ پر میری تصویر دیکھ کر تم اپنا اطمینان کر سکتے ہو!"

میری بات سن کر وہ یوں اچھلا جیسے میں نے کوئی بہت معقول ترکیب بتا ڈالی ہو۔ اسی کے ساتھ اس نے پاسپورٹ کے اوراق کھول لیے۔

دو تین بار اس کی نگاہیں تصویر سے اچٹ کر میرے چہرے پر مرکوز ہوئیں اور آخرکار اسے میری بات پر یقین آ گیا۔

"واقعی تم رتیق فاس ہی ہو!" وہ پُرسکون لہجے میں بولا۔ "مجھے بتایا گیا تھا کہ تم اس کمرے میں پاسپورٹ کے منتظر ہو گے!"

یہ کہتے ہوئے اس نے آگے بڑھ کر پاسپورٹ میرے حوالے کر دیا۔

"تم بہت نیک اور مہربان آدمی معلوم ہوتے ہو!" میں نے اس سادہ لوح شخص سے دوستی کا نقشہ جماتے ہوئے کہا۔ "اگر تم پاسپورٹ کسی کے بھی حوالے کر کے چلے جاتے تو کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا، مگر مجھے ضرور قید خانے کی ہوا کھانی پڑتی!"

وہ نہایت معصومانہ انداز میں ہنس دیا۔ "میرے ساتھی مجھے بے وقوف کے خطاب سے یاد کرتے ہیں، مگر تم نے دیکھ ہی لیا کہ میں اپنے فرائض کے سلسلے میں کس قدر محتاط اور سنجیدہ رہتا ہوں!"

"یہ دور ہی بہت خراب ہے!" میں نے اچھے ساتھی کی طرح ضبط کرتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تم جیسے سادہ لوح اور فرض شناس لوگوں کے لئے تو زندگی گزارنا بھی مشکل ہے!"

"تم کون ہو؟" اس نے میرے ہمراہ ویٹنگ روم سے نکلتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ تو مسٹر آئی!" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"میرا مطلب تھا کہ تم کیا ہو اور آئے کہاں سے ہو؟" اس نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا اور چلتے چلتے رک گیا۔

"سیاحت کرتا ہوں اور لندن سے آیا ہوں!"

"پہلے بھی یہاں آ چکے ہو؟" اس نے سوال کیا۔

"پہلی بار لیبیا کی سرزمین پر قدم رکھا ہے!" میں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے جواب دیا۔

"واقعی؟" اس کی آنکھوں میں حیرت عود کر آئی۔

"ہاں!... تمہیں حیرت کیوں ہو رہی ہے؟"

"اگر تم یہاں اجنبی ہو تو تمہارے دشمن کیسے پیدا ہو گئے؟" وہ ترحم آمیز نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے تشویش زدہ لہجے میں بڑبڑایا۔

"میرے دشمن؟" میں نے اضطراری طور پر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو، مجھ سے کس کو دشمنی ہو گئی؟"

"اس وقت اس عمارت کے باہر حمزہ زیدی تمہارا منتظر ہو گا!" وہ آہستہ سے بولا۔ "تمہیں اس کے تیور اچھے نہیں لگے، ویسے بھی وہ عام طور پر ایک برے آدمی کے نام سے پہچانا جاتا ہے!"

اس کے الفاظ سن کر میرے رگ و پے میں سنسنی کی لہر سرایت کر گئی۔ "تمہیں ان باتوں کا کیسے علم ہوا؟"

"اس نے خود مجھ سے کہا تھا کہ وہ باہر تمہاری تلاش کا انتظار کرے گا!" وہ جھجکتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اگر تم مجھے اس سے بچا کر باہر نکال دو تو میں زندگی بھر تمہارا احسان نہیں بھول سکوں گا!" میں نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"یہ بات!" وہ پرجوش ہو کر بولا۔ "میرے ساتھ باہر نکلو تو ضرور مصیبت میں پڑ جاؤ گے، حمزہ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں کسی طرح تمہیں ساتھ لے کر باہر نکلوں، باقی کام وہ خود سنبھال لے گا!"

میرے وجود پر خوف آور سی بے چینی طاری ہو گئی۔ "مجھے کوئی راستہ بتاؤ، میں اس خبیث سے ٹکرانا نہیں چاہتا!"

"تم اسے کیسے جانتے ہو؟" اس نے اشتیاق آمیز لہجے میں پوچھا۔

"امیگریشن کاؤنٹر پر میرا اس سے معرکہ ہو چکا ہے، بلکہ مجھے اس کے نام کا علم کافی دیر بعد ہوا تھا!" میں نے کہا۔ "تمہارے ستارے یقیناً گردش میں ہیں!" اس نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "حمزہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے!"

"یعنی تم میری کوئی مدد نہیں کر سکتے؟"

"یہی کیا کم ہے کہ میں تمہیں اپنے ساتھ باہر نہیں لے جا رہا ہوں، ورنہ بے خبری میں چوہے کی طرح مارے جاتے!"

"ایئرپورٹ پر ہنگامی صورت حال ختم ہو چکی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ختم نہ ہوئی ہوتی تو شاید تمہیں جانے کی اجازت نہ ملتی!"

"ہنگامی صورت حال کا سبب کیا تھا؟" میں نے سرسری لہجے میں پوچھ لیا۔

"کسی کو علم نہیں، افواہ ہے کہ روس کا کوئی اعلیٰ سطح کا وفد آیا ہے!" اس نے دانستہ لاعلمی کے لہجے میں کہا۔

"میں لیبیا میں اجنبی ہوں!" میں نے پیچھا چھڑانے کی کوشش میں بہت شکستہ خوردہ لہجے میں کہا۔ "جس شخص کو ایئرپورٹ پر میرے استقبال کے لئے آنا تھا، وہ کسی وجہ سے شاید نہیں پہنچ سکا۔ اب مجھے کچھ اندازہ نہیں کہ مجھے کدھر جانا چاہئے!" میں اس سادہ لوح کی ہمدردیاں جیتنی چاہ رہا تھا!

"تمہارا میزبان کون تھا؟ میرے بارے میں وہ بے چارہ بھی وقتی طور پر پریشانی کا شکار ہوتا جا رہا تھا۔

"میں صرف اس کا نام جانتا ہوں، وہ طیب کہلاتا ہے!"

"اس کا پتا ٹھکانہ؟"

میں نے مایوسانہ انداز میں اپنا سر نفی میں ہلایا۔

"اگر تمہیں اس کا پتا معلوم ہوتا تو میں اس تک تمہیں پہنچا سکتا تھا!" وہ دائیں ہاتھ سے اپنا کان سہلاتے ہوئے بولا۔ "موجودہ صورت حال میں تو دو چار چیزیں ہی تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا.....!"

"یہاں کھڑا ہو کر سوچنے کے بجائے کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ ہم ویٹنگ روم میں بیٹھ کر سکون سے مشورہ کریں؟"

"مجھے تمہارے پاس آئے ہوئے کافی دیر ہو گئی ہے، اس وقت میں ڈیوٹی پر ہوں!" وہ اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے بولا۔

وہ بخوبی مرتب نہ کر پا رہا تھا، لہٰذا میں اس کا ہاتھ تھام کر ویٹنگ روم میں واپس آ گیا اور اس نے بھی کوئی تعرض نہیں کیا۔

رستے میں تیزی سے سوچتے ہوئے میں نے فیصلہ کیا کہ اتفاقی طور پر فلسطینیوں کے بارے میں اس شخص کی رائے معلوم کی جائے، اور اگر وہ فلسطینیوں کے حامیوں میں سے ہو تو پتا لگایا جائے کہ میگنشور میزبان کا تعلق الوایق الذکی سے تھا۔ اس طرح شاید وہ آسانی سے طیب تک میری رہنمائی کر سکتا۔

"ہر جن مذاق میں کسی تو تم فلسطینیوں سے واقف ہو؟" ویٹنگ روم میں بیٹھنے کے بعد میں نے دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

"کیوں؟ یہ ایک دم فلسطینی کیسے یاد آ گئے تمہیں؟" اس نے پلٹ کر سوال کیا۔

"اس طرح شاید میں آسانی سے طیب تک پہنچ سکوں گا!"

"تو کیا وہ فلسطینی ہے؟"

"مجھے اس کے نام کے سوا کچھ معلوم نہیں، لیکن وہ فلسطینیوں سے ہمدردی رکھتا ہو گا!" میں نے کہا۔

"اگر تم لیبیا میں واقعی کچھ روز سکون سے گزارنا چاہتے ہو تو طیب کو بھول ہی جاؤ!" وہ ہمدردانہ لہجے میں بولا۔

"کیوں؟"

"آجکل فلسطینیوں سے لیبیا کی حکومت کے مراسم بدترین ہو رہے ہیں!" وہ غیر معمولی طور پر سنجیدہ نظر آنے لگا۔ "اگر کسی کو ذرا بھی پتا لگ گیا کہ تمہارا فلسطینیوں سے کوئی تعلق ہے تو چشم زدن میں تمہارا ویزا منسوخ کر کے تمہیں قریب ترین ہوائی جہاز میں دھکیل دیا جائے گا!"

"مجھے طیب کے ذریعے ایک اور شخص سے ملنا تھا!" میں نے بتایا۔ "جو اسفاق بیشی کہلاتا ہے، میری یہاں آمد کا تعلق فلسطینیوں سے نہیں ہے!"

"طیب کے معاملے میں میں کچھ نہیں کر سکتا!" وہ پر خیال انداز میں بولا۔ "تم ایسا کرو کہ شارع الجمہوریہ میں حاجی العزیز سے مل لو، شاید وہ تمہارے کسی کام آ سکے!"

"حاجی العزیز کوئی ڈیپارٹمنٹل اسٹور ہے؟"

"ہاں... حاجی العزیز وہاں کیشیئر کی حیثیت سے بیٹھتا ہے!" یہ کہتے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"حمزہ کے بارے میں کیا کروں؟" میں نے اس کے ہمراہ باہر نکلتے ہوئے سوال کیا۔ مجھے وہ اتفاقی ملاقات میں کوئی فرشتہ نظر آ رہا تھا!

"کسی مسافر کے ساتھ نکلنے کی کوشش کرو، ورنہ بے موت مارے جاؤ گے!"

اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "بہتر یہی ہے کہ تم کسی طرح چپکے چپکے اس عمارت سے نکل جاؤ۔ ایک بار شہر کے ہجوم میں تم گم ہو جاؤ تو حمزہ کے فرشتے بھی تم تک نہ پہنچ سکیں گے، تمہیں ان سے ہر حال میں بچنا چاہئے!"

میں نے بھرپور انداز میں اس کا شکریہ ادا کیا اور وہ اپنی راہ پر چل دیا۔ میں ایک جگہ پر تنہا اپنا سامان کندھے پر لٹکا کر ایک طرف چل دیا۔

ایئرپورٹ کی اس عمارت میں چھائی ہوئی بے رونقی ختم ہو چکی تھی اور لوگ لاپرواہانہ انداز میں ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔

میں نے اسکرین پر پرواز کی آمد و رفت کے شیڈول کا جائزہ لیا تو پتا چلا کہ بیس منٹ بعد یعنی صبح کے سوا پانچ بجے ملٹا کی ایک پرواز بن غازی ایئرپورٹ پر لینڈ کرنے والی تھی۔

ٹرمینل سے باہر نکلتے ہی میرے لئے بے شمار خطرات موجود تھے، مگر کسی پرواز سے آنے والے مسافروں کی بھیڑ میں شامل ہو کر میں خود کو درپیش خطرات سے محفوظ کر سکتا تھا!

اس وقت میں کریم کلر کے سفاری سوٹ میں موجود تھا جس پر بلیو ٹائی اور ویسٹ کوٹ پہنا ہوا تھا۔ میرا خیال تھا کہ لباس میں نمایاں تبدیلی بھی مجھے حمزہ کی نگاہوں سے محفوظ رکھ سکتی تھی!

تھوڑی دیر تک ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد میں ٹوائلٹ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اندر داخل ہونے کے بعد میں نے سفید قمیص کے ساتھ سیاہ رنگ کا سوٹ زیب تن کیا اور اس پر ٹائی باندھ کر باہر نکل آیا۔ باہر آتے ہوئے میں نے اپنے بالوں کی ترتیب میں بھی نمایاں تبدیلی کر لی تھی اور سفاری سوٹ اسی ٹوائلٹ روم میں چھوڑ دیا تھا۔ ان تمام تبدیلیوں کے بعد مجھے اطمینان تھا کہ حمزہ تو کیا اس کے فرشتے بھی مجھے آسانی سے نہیں پہچان سکیں گے۔

ان امکانی تبدیلیوں کو تقویت دینے کے بعد میں ریستوران سے ملحقہ اسٹور میں داخل ہوا اور تھوڑی سی جدوجہد کے بعد قیمتی تاریک شیشوں والی ایک عینک خریدنے میں کامیاب ہو گیا۔ گو اس عینک میں سادہ شیشے لگے ہوئے تھے، مگر دیکھنے والوں کو میرے بارے میں یہی گمان ہوتا کہ میں نے اپنی کمزور بینائی کو سہارا دینے کے لئے عدسوں کا سہارا لیا ہوا تھا!

عینک کی خریداری کے دوران ہی پبلک ایڈریس سسٹم پر عربی اور شاید فرنچ میں ملٹا کی پرواز کی آمد کا اعلان کیا گیا اور میں اضطراری انداز میں مختلف اشیاء کا جائزہ لے کر اپنا وقت گزارنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد مجھے کاؤنٹر کے پار امیگریشن ہال میں پچیس تیس مسافر نظر آئے اور میں ان کے نکلنے کے انتظار میں

چہل قدمی کرنے لگا۔

ائیرپورٹ پہنچا تو صورتحال ختم ہوئے کم و بیش چالیس منٹ گزر چکے تھے، مگر مجھے کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آ رہا تھا جسے طبیب سمجھا جا سکتا!

مجھے ابتدا ہی سے یہ خیال آ رہا تھا کہ اگر کرنل وغیرہ اور خفیہ معمولی انتظامات کے باعث طبیب بروقت ائیرپورٹ پہ نہ پہنچ سکا تو سوال کے اعتدال پر آتے ہی ائیرپورٹ پہنچے گا اور کسی نہ کسی طرح مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے گا۔ مگر کرفیو وغیرہ کا خاتمہ ہوئے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے گزر چکے تھے اور مجھے وہاں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آ یا تھا جسے میں طبیب سمجھ سکتا!

امیگریشن کاؤنٹر سے نمٹ کر مسافر اپنے سامان کی منتظر رہے اور پھر جیسے جیسے تربیب ان میں سے اکا دکا مسافر باہر نکلنے لگے۔ پھر ایک مرتبہ جب تین مسافر تقریباً ایک ساتھ نکاسی کے راستے کی طرف بڑھے تو میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔

دروازے سے باہر قدم رکھتے ہی اچانک میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا کیونکہ حمزہ دو آدمیوں کے ساتھ نہایت بے چینی سے اسی برآمدے میں چہل قدمی کرنے میں مصروف تھا!

میں ٹھٹکے یا واپس لوٹنے کے بجائے اسی طرح آگے بڑھتا رہا۔ اور حمزہ سے چند میٹر کے فاصلے سے گزر کر ٹیکسی اسٹینڈ تک جا پہنچا۔ حمزہ یا اس کے ساتھیوں کو گمان بھی نہ ہو سکا کہ وہ لوگ جس شخص کے منتظر تھے وہ ان کے قریب سے گزر چکا تھا۔

میں نے ٹیکسی میں بیٹھ کر اس کے ادھیڑ عمر ڈرائیور کو کسی متوسط درجے کے ہوٹل میں چلنے کے لئے کہا اور وہ بیک وقت تیزی سمت ترازی کے ساتھ ریورس کر کے قطار سے نکل آیا۔

لیبیا کے بارے میں میرے تمام خوبصورت منصوبے اور خواب پانی پانی ہو چکے تھے۔ میرا خیال تھا کہ میں بن غازی کے نواحی ہوائی اڈے پر اترنے کے چند گھنٹوں بعد ہی اپنی سینا سے ملنے میں کامیاب ہو سکوں گا! مگر وہاں تو دور دور تک اپنے کوئی آثار نہیں تھے۔ سینا سے ملنا تو درکنار مجھے وہاں کوئی یہ بتانے والا بھی نہ تھا کہ میں جن کی خاطر اتنی دور آیا ہوں وہ کس سے بیشتر زیادہ سے زیادہ دن کیسے گزار سکتا تھا؟

تقریباً بیس منٹ کے بعد ٹیکسی ایک جگہ رک گئی۔ باہر سرد اور ویران ماحول میں ہوٹل کا ڈلی کے روشن حروف چمکتے نظر آ رہے تھے!

اس ٹیکسی میں میٹر قسم کی کوئی چیز نہیں تھی۔ میں نے سفر کی طوالت کے پیش نظر ڈرائیور کو دو دینار دیئے تو اس نے شکایت سے اپنی تیوریاں چڑھا لیں اور نوٹوں کو ہاتھ تک نہ لگایا۔

بھی وہ پہنچے تھے تو ائیرپورٹ سے بیدل آ جاتا! اس نے غصہ اچھال کر کہا۔ ائیرپورٹ سے یہاں تک کے دس دینار بنتے ہیں!

"دس دینار؟" حیرت سے میری آنکھیں پھیلنے لگیں۔

"مجھے مت نوچو، یہ نہ جانو، مطالبہ کر رہے ہو۔"

اس سے تھوڑی سی بحث ہوئی اور آخر کار وہ ہار گیا اور دیکھ رہا۔ اس بارے میں قصور میرا بھی تھا کہ میں ٹیکسی میں سوار ہوتے ہوئے اس سے کرایہ طے نہیں کیا تھا، لہٰذا اسے پانچ دینار اور ایک کی بجائے جیسے کہ اس نے اتنا بے زاری کا مظاہرہ کیا کہ یوں جیسے اس کی شان میں کوئی ناقابل معافی گستاخی کی ہو۔

میرے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ دس کے بجائے پانچ دینار پر راضی ہو گیا تھا۔ اگر وہ مصالحت پہ آمادہ نہ ہوتا تو میں اس کا کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا!

صبح ہونے ۔۔۔ کا وقت تھا۔ سڑکیں اور فٹ پاتھ سنسان ویران پڑے ہوئے تھے۔ ہوٹل کا ڈلی کے شیشے کے پیچھے دروازے کے عقب میں بیٹھے ہوئے صوفوں پر دو باوردی ملازم نہایت بے سدھ سوئے ہوئے تھے۔ ٹیکسی کی آمد نے بھی انہیں بیدار نہیں کیا تھا!

دروازے سے آگے بڑھا تو ہوٹل کی استقبالیہ کاؤنٹر پر بیٹھی لڑکی کو بیٹھے دیکھا ۔۔۔ جو کسی خواب خرگوش میں مصروف نظر آئی اور میں بلا تکلف آگے بڑھتا چلا گیا۔

اول تو اس ہوٹل کا عملہ بادی النظر میں نہایت بیزار نظر آ رہا تھا اور دوسرے مجھے یہ خدشہ تھا کہ اگر حمزہ نے ٹیکسی کا احساس ہونے کے بعد میرے بارے میں ٹیکسی ڈرائیوروں سے پوچھ گچھ کی تو وہ با آسانی ہوٹل کا ڈلی تک پہنچ سکتا ہے!

میرے لئے بہتر یہی تھا کہ کا ڈلی کے بجائے کسی دوسرے ہوٹل کا رخ کرتا جہاں حمزہ کی رسائی مشکل ہوتی!

میں نے چند قدم آگے بڑھ کر سڑک کا احساس ہونے کے بعد سگریٹ سلگائی اور سیدھا آگے چل دیا۔

اس وقت سارا بازار بند تھا اور دور دور تک میرے سوا کوئی دوسرا متنفس نظر نہیں آ رہا تھا، مگر آثار سے پتہ چل رہا تھا کہ سورج طلوع ہونے کے بعد یہ بازار خاصا بارونق ہوتا ہو گا!

تھوڑی دور چلنے کے بعد مجھے بس کے مسافروں کے لئے بنی ہوئی سیمنٹ کی بنچ نظر آئی اور میں سائبان کے نیچے بنچ پہ بیٹھ گیا!

صبح کے چار بج گئے۔ اجالے میں تنہا سڑک پر بیٹھا ہوا کسی بھی شخص کی توجہ کا مرکز بن سکتا تھا، لہٰذا میں نے کسی نہ کسی سڑک پہ بیٹھ کر سورج طلوع ہونے کا انتظار کرنا مناسب سمجھا۔

وہاں بیٹھے بیٹھے مجھ پر اونگھ سوار ہو گئی اور میں جب تک بیٹھی رہی نیند نے غافل ہی نہ چھوڑا۔ جب میری آنکھ کھلی تو فضا اس قدر پرشور تھی کہ لوگوں کے چلنے پھرنے اور ٹریفک کے شور سے گونج رہی تھی اور ہر طرف سورج کی روشنی پھیلی ہوئی تھی!

میں نے ہڑبڑا کر اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو دس بج رہے تھے جس کا مطلب تھا کہ میں کم و بیش تین گھنٹے تک سوتا رہا تھا۔

میں نے کسمساتے انداز میں انگڑائی لی اور وہاں سے چل پڑا۔ بازار میں اس وقت کافی چہل پہل تھی۔ جدید تراش خراش کی بے پناہ ملبوسات، دکانوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے وہاں کے لوگ نظر آ رہے تھے۔ پیدل چلنے والے مقامی لوگ نظر آ رہے تھے اور ان کی بھیڑ میں اکا دکا غیر ملکی بھی نظر آ رہے تھے!

میری نگاہیں بے چینی سے کسی اقامتی ہوٹل کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں اور میں اپنی دھن میں مگن چلا جا رہا تھا کہ اچانک اپنے شانے پر کسی ہاتھ کا دوستانہ دباؤ محسوس کر کے میں چونک پڑا۔ وہاں پچاس سالہ مشرقی خد و خال سے مرصع گندمی رنگ کے ایک بارعب چہرے پر سنہری فریم والی عینک کے پیچھے دو آنکھیں دوستانہ انداز میں مسکرا رہی تھیں۔

میں نے حیرت اور تذبذب کے ملے جلے انداز میں گرفت ڈھیلی کرتے ہوئے اس شخص کے بھاری ڈیل ڈول کا تفصیلی جائزہ لیا پھر خشک لہجے میں سوال کیا۔

"فرمایئے! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" یہ سوال میں نے عربی میں کیا تھا۔

"آپ کا نام صفدر علی تو نہیں ہے؟" اس نے میرے شانے سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے صاف ستھری اردو میں سوال کیا۔

اس کے الفاظ میرے ذہن پر کسی ہتھوڑے کی طرح گرے۔ وہ نہ صرف میرے اصلی نام سے واقف تھا بلکہ اسے یہ یقین بھی تھا کہ میں اردو سے واقف تھا۔

"صفدر علی!" میں نے حیرت سے دہرایا۔ "تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ مگر میں اس غلط فہمی کا سبب ضرور جاننا چاہوں گا!"

"میرا نام عظیم ہے۔۔۔ عظیم قریشی!" اس نے شستہ لہجے میں کہا۔ "صفدر علی نامی ایک پاکستانی میرا بچپن کا دوست ہوا کرتا تھا۔ تمہیں دیکھ کر مجھے اس کا گمان ہوا تھا۔ کافی دیر سے تمہارے پیچھے چلا آ رہا ہوں۔"

اس کا نام سنتے ہی یک بیک میرے ذہن میں ماضی کی بہت سی دھندلی دھندلی تصویریں واضح ہو گئیں۔

جن دنوں میں لیاقت آباد میں فردوس سینما کے قریب بچپن کے ایک محلے میں جمال سنیاسی سے کیمیاگری سیکھ رہا تھا ان دنوں عظیم سے میری دوستی ہوئی تھی اور پھر یہ تعلق کافی دور تک قائم رہا۔

بعد میں خوشگوار اعتماد کی فضا قائم ہونے کے بعد میں نے اسے اپنی مصروفیات کے بارے میں بتا دیا تھا اور اس نے مجھے کیمیاگری کے خبط کو ترک کرنے کے لئے بہت مجبور کیا مگر ان دنوں مجھ پہ جنون سوار تھا۔ میں نے اس کی ایک نہ مانی اور پھر میں جمال سنیاسی کے ہمراہ جڑی بوٹیوں کی تلاش میں مشرقی پاکستان کے راستے نیپال کی طرف روانہ ہو گیا تو میں نے عظیم سمیت اپنے کسی بھی دوست کو کوئی خبر نہ دی۔۔۔ اتنے طویل ترک تعلق کے بعد کسی پرانے شناسا کا یوں ملنا میرے لئے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھا۔ مگر اس معروف شاہراہ پر میں کسی گرمجوشی کا اظہار ابھی نہیں کرنا چاہتا تھا!

میں نے ان حوالوں کے بعد عظیم کو پہچان لیا تھا، مگر مجھے اس بات پہ شدید حیرت تھی کہ زمانے کے اتنے سرد و گرم سے گزرنے کے بعد میری شخصیت میں جو ظاہری انقلابات رونما ہوتے تھے، عظیم ان سے بھی دھوکا نہیں کھا سکا تھا!

"میں صفدر علی نہیں ہوں، پھر بھی تمہارا ہم زبان تو ہوں!" میں نے قدرے توقف کے بعد مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم اس بھری پری جگہ کے بجائے کسی پرسکون گوشے میں بیٹھ کر باتیں کر سکیں۔۔۔!"

"چاہو تو میرے گھر چل سکتے ہو۔ میرے بیوی بچے آجکل پاکستان گئے ہوئے ہیں!" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"ملاقاتیوں کو زحمت نہ ہو!" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"ارے نہیں! وہ یک بیک بے حد سرد نظر آنے لگا تھا۔ "ملاقاتیوں میں اپنے کسی ہم وطن سے زیادہ عزیز اور کون ہو گا!" یہ کہہ کر وہ میرا ہاتھ تھام کر واپس ہو لیا۔

"ہم وہی بچے دلن لگے ہوئے ہیں، تمہاری فلاحی ہی پہ آگے رہتے ہو گے!" اسے پہچان لینے کے بعد میں بے تکلفی پر اتر آیا۔

اس نے سر گھما کر غور سے میری طرف دیکھا اور زیر لب مسکرا کر آواز میں بولا: "میں اس قدر دقیانوسی مزاج نہیں ہوں!"

"تم یہاں بن غازی میں کیا کر رہے ہو؟"

"طرابلس میں وزارت زراعت میں ملازم ہوں، دو دن پہلے ہی سے ایک سرکاری کام کے سلسلے میں یہاں مقیم ہوں!"

باتیں کرتے ہوئے ہم اس کی کار تک پہنچ گئے اور جب ہم کار میں ایک پرسکون راستے سے گزر رہے تھے تو میں نے اسے اپنے صفدر علی ہونے کا اعتراف کر لیا۔

میرے اعتراف پر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ "مجھے یقین تھا کہ میری نگاہیں مجھے دھوکا نہیں دے سکتیں، تم نے جب انکار کیا تھا تو میرا دل بجھ گیا تھا۔"

"میں اس وقت بہت زیادہ پریشان تھا۔" میں نے کہا۔ "تمہارے مل جانے سے مجھے بہت سکون ملا ہے!"

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ میں نے تو سنا تھا کہ تم جالیہ کی طرف چلے گئے ہو!" اس نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"خوش قسمتی جھیل رہا ہوں!" میں نے طویل سانس لے کر کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ تمہارے تعاون سے میری مشکلات کچھ کم ہو سکیں!"

"مجھ سے جو کچھ ہو سکے گا کروں گا!" اس نے کہا۔ "لیکن یہاں کسی کا بھروسہ نہیں! جس وقت بھی موقع مل گیا، پاکستان روانہ ہو جاؤں گا!"

راستے میں جو گفتگو ہوئی، اس سے پتہ چلا کہ ان دنوں شاید لیبیا اور پاکستان کے تعلقات میں سرد مہری آئی ہوئی تھی کیونکہ وہاں کام کرنے والا جو بھی پاکستانی مقررہ مدت کے بعد پاکستان جانے کے لئے چھٹی کا طلبگار ہوتا تھا اسے ایک ہی جواب ملتا تھا کہ اگر وطن جانا ہے تو حساب کتاب صاف کر کے اس طرح جاؤ کہ واپسی کی نوبت ہی نہ آئے۔ یہی مسئلہ عظیم کے ساتھ بھی تھا مگر اس کا محکمہ کوشش کر رہا تھا کہ اسے چھٹی گزارنے کے بعد واپسی کی اجازت مل جائے اور اسی نیلوفر کے انتظار میں وہ بن غازی میں اپنا وقت گزار رہا تھا۔

اس کا مکان مختصر اور صاف ستھرا تھا۔ اس وقت میں شدید تکان اور بے زاری کا شکار ہو رہا تھا، لہٰذا گرم پانی سے غسل کرنے کے بعد عظیم کے بستر پر دراز ہو گیا اور وہ مجھے چھوڑ کر اپنے کام پر چلا گیا۔

بن غازی میں عظیم میرے لئے بہت بڑا مددگار ثابت ہو رہا تھا، اگر میں کسی ہوٹل میں قیام کرتا تو حمزہ نام کے سہارے جلد یا بدیر میرا سراغ لگا لیا جاتا اور شاید مجھے شدید مشکلات میں مبتلا کرنے میں کامیاب ہو جاتا مگر عظیم کے گھر پر قیام کرنے کے بعد مجھے اس قسم کے خوف سے نجات مل چکی تھی!

اس طرف سے سکون کے بعد دوسرا مرحلہ سیتا تک رسائی کا تھا۔ اس سلسلے میں طیب کا ملنا بہت ضروری تھا، کیونکہ وہی میری رہنمائی کر سکتا تھا۔ مگر ایئر پورٹ سے ملنے والی معلومات کے مطابق ان دنوں فلسطینی بھی حکومت کے عتاب میں تھے، اس لئے طیب کے بارے میں کھل کر کوئی کوشش نہیں کی جا سکتی تھی۔

مجھے قوی امید تھی کہ اگر عظیم کو اپنے ملک جانے کے لئے پروانۂ راہداری نہ ملا تو وہ بن غازی میں میرا بہترین معاون ثابت ہو سکے گا!

پاکستان سے نکلنے کے بعد طویل مدت میں وہ پہلا موقع تھا کہ مجھے کوئی ایسا شخص نظر آیا تھا جو پاکستان میں میرا شناسا تھا۔ اس اعتماد سے میرا دل چاہا کہ میں عظیم کو اپنے سارے حالات بلا کم و کاست سنا دوں، مگر میں نے ارادی طور پر تمام تفصیلات سے گریز کیا اور اسے صرف اتنا ہی بتایا کہ میں ایک کاروباری سلسلے میں طیب نامی ایک فلسطینی کا متلاشی ہوں!

اسی قسم کی بات تو مجھے بتانا پڑا کہ میں رفیق خان کے نام سے یونانی پاسپورٹ پر لیبیا پہنچا تھا!

عظیم نے اس ہیر پھیر کی وجہ دریافت کرنا چاہی تھی مگر میں شدید تکان کا بہانہ کر کے اس موضوع سے جان چھڑانے میں کامیاب ہو گیا۔

میں عظیم کے بستر پر نرم کمبل اوڑھے گہری نیند سو رہا تھا کہ اچانک میں نے اپنے اوپر ایک متحرک بوجھ محسوس کیا اور ہڑبڑا کر کمبل دور اچھال دیا۔

پلکیں جھپکاتے ہوئے میں نے اس حسین چہرے کا جائزہ لیا جو بیزاری سے منہ بنائے اپنے سر بالوں کے گرد الجھے ہوئے کمبل نکالنے کی کوشش میں مصروف تھا!

وہ متوسط قامت والی ایک خوبرو دوشیزہ تھی جو میرا چہرہ دیکھتے ہی ایک خوفزدہ سی چیخ مار کر دور جا کھڑی ہوئی تھی۔

"عظیم کہاں ہے؟" میری مسکراتی نگاہیں اپنے چہرے پر مرکوز پا کر اس نے سہمی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور اندر کیسے داخل ہو گئیں؟" میں نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"میں یہاں نرس اور کیئر ٹیکر کے طور پر آتی ہوں، میرے پاس اس کے دروازے کی چابی موجود رہتی ہے!" وہ سنبھلتے ہوئے بولی۔

"تو کیا پہنے ہوئے کپڑے بھی اتار کر وصول کرتی ہو؟" میں نے ہنس کر پوچھا۔

"بیہودہ مت بکو!" وہ تند لہجے میں بولی۔ "اگر مجھے علم ہوتا کہ بستر پر کوئی اجنبی سویا ہوا ہے تو اس حرکت کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی! پھر میں کوئی ایسی ویسی عورت نہیں ہوں!"

"عظیم سے خاصی بے تکلف معلوم ہوتی ہو!"

اس نے ایک ادا سے اپنے سر کو جھٹکا دیا اور زیر لب کچھ بڑبڑاتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔

اس وقت دوپہر کے تین بج رہے تھے۔ میں نے غسل خانے میں گھس کر دوبارہ غسل کیا اور پھر درست ہو کر آ بیٹھا!

گھر میں کام کرنے والی جواں سال ملازمہ کو علم تھا کہ میں جاگ چکا ہوں لہٰذا وہ غیر ضروری طور پر کچن میں برتنوں کا شور کر رہی تھی۔ میں جانتا تھا کہ اس طرح وہ میری توجہ اپنی طرف مبذول کرانا چاہ رہی تھی، مگر ایک بار عظیم کے ساتھ اس کے تعلق کا علم ہو جانے کے بعد وہ میرے لئے اپنی ساری کشش کھو بیٹھی تھی۔

ساڑھے تین بجے عظیم واپس آ پہنچا۔ اس کے ساتھ گھنی مونچھوں والا ایک سرخ و سفید عرب نژاد شخص بھی تھا۔

عظیم نے مجھے اس شخص کا حامد کے طور پر تعارف کرایا۔

"تمہارا پورا نام حامد حسنہ تو نہیں ہے؟" میں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے بے تکلفانہ لہجے میں دریافت کیا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" وہ میری زبان سے اپنا پورا نام سن کر حیران رہ گیا۔ کم و بیش یہی کیفیت عظیم کی ہوئی تھی۔

"عالیان ایئر میں کام کرتے ہو؟" میں نے اس کی حیرت میں اضافہ کرنے کے لئے دوسرا سوال کر ڈالا۔

"تمہیں میرے بارے میں یہ سب کس نے بتایا؟" میرے پے در پے سوالات پر حامد ہکلا کر رہ گیا۔

"میں نے تو تم سے حامد کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا تھا!" عظیم نے معذرت طلب انداز میں اپنی صفائی پیش کی۔

"تم نے تو واقعی کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا مگر مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ عالیان ایئر کمپنی میں کام کرنے والا حامد فلسطینیوں کا سرگرم ایجنٹ ہے!" میں نے حامد کی پشت پر ہاتھ مارتے ہوئے ہنس کر کہا۔

میری معلومات کے بارے میں انہیں اس قدر تجسس پیدا ہو گیا کہ میری وضاحت کے بغیر سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا اور جب میں نے بتایا کہ وہ معلومات مجھے ایئر پورٹ پہ ہی حاصل ہوئی تھیں تو حامد حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کی سرگرمیوں کی اس قدر تشہیر ہو رہی تھی۔

"تم طیب سے ملنا چاہتے ہو؟" ماحول معمول پر آ جانے کے بعد حامد نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"لیبیا میں میری منزل کا تعین اسی کے ذریعے تھا!" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اسے ایئر پورٹ پر میرا استقبال کرنا تھا! شاید وہ تمہارے چکر میں ہی مارا گیا ہے!"

"مارا گیا؟" میں نے حیرت سے دہرایا۔

"گھبراؤ نہیں، وہ زندہ ہے!" حامد جلدی سے بولا۔ "پچھلی شام ایئر پورٹ کی حدود میں غیر ضروری طور پر داخل ہونے کی کوشش کرتے ہوئے پکڑ لیا گیا اور اب بھی وہ فوجی حکام کی تحویل میں ہے!"

"کل رات تو ایئر پورٹ پر کرفیو تھا؟" میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں نے بھی سنا ہے!" حامد نے میری تائید کی۔ "کل رات تیونس کا کوئی فوجی وفد صدر سے ملنے آیا تھا!"

"طیب کو کن لوگوں سے احکامات ملتے ہیں؟"

"ان تک میری رسائی نہیں ہے!" حامد نے انکسار کے ساتھ اعتراف کیا۔ "میں تو تنظیم کا بہت ادنیٰ کارکن ہوں۔ یہی حکام کی سختیوں کی وجہ سے جانے کتنے اہم ارکان تو کل زیر زمین چلے گئے ہیں!"

"مگر میں نے تو سنا تھا کہ اب حالات بہتر ہو گئے ہیں!"

"اسی حد تک بہتر ہوئے ہیں کہ مجھ جیسے بے ضرر لوگ باہر دکھائی دینے لگے ہیں۔ چار دن پہلے میں بھی قید میں تھا!"

"میرا خیال ہے کہ تم بھی فلسطینیوں کے معاملات میں ضرورت سے زیادہ ملوث ہو!" عظیم نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا جو میری اور حامد کی گفتگو شروع ہی سے نہایت حیرت کے ساتھ سن رہا تھا۔

"اتفاقات کی بات ہے!" میں نے مسکرا کر کہا۔ "ورنہ میں تو یہاں ایک نجی کام سے آیا تھا!"

"تمہارا اصل نام کیا ہے؟" حامد نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"عظیم نے کیا بتایا ہے؟"

"رفیق خان!"

"میں نے لیبیا میں داخلے کی خاطر اسی نام پر عمل کیا ہے، مگر میرا اصل نام صفدر علی ہے جو تم اپنی ذات تک محدود رکھو گے!" میں نے کہا۔

"صفدر علی؟" اس نے مضطربانہ انداز میں بے یقینی سے دہرایا۔ "کیا واقعی تمہارا نام صفدر علی ہے؟"

"تم عظیم سے تصدیق کر سکتے ہو!" اسے جواب دیتے ہوئے میں نے اپنے دل کی گہرائی میں مسرت کی ایک لہر سی ابھرتی محسوس کی۔ میرا نام سن کر اس نے جس رد عمل کا اظہار کیا اس سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ میرے بارے میں خاصا کچھ جانتا ہے اور طیب کے قید ہو جانے کے باوجود سیتا کے معاملے میں میری رہنمائی کر سکتا ہے۔

"تم سیتا سے واقف ہو؟" حامد نے سوال کیا۔ اس کے لہجے میں احترام سمٹ آیا تھا اور مجھے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے میں کوئی عجوبہ ہوں!

"وہ میری بیوی ہے... تم اس کے بارے میں جانتے ہو؟" اس مرتبہ حامد کے الفاظ نے مجھے بے چین کر دیا۔

"لیبیا میں وہ بدنصیبی کا شکار ہو گئی ہے!" حامد نے پژمردہ لہجے میں کہا۔

اس کے منہ سے وہ بُرے الفاظ سن کر میں اپنے وجود کی گہرائیوں میں لرز اٹھا اور میں نے اسے شانوں سے پکڑ کر سختی سے جھنجھوڑ ڈالا: "تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"یہ شاید میری بدنصیبی ہے کہ اس کی کہانی مجھے سنانا پڑ رہی ہے۔" حامد افسردہ لہجے میں بولا۔ "وہ صحرائے اعظم کے ایک نخلستان میں کافی دنوں سے چند مسلح باغیوں کو فوجی تربیت دے رہی تھی، ان بندوں نے بعض ایسے کارنامے سرانجام دیئے کہ صدر قذافی نے تمہاری بیوی کو لیبیا کے اعلیٰ ترین شہری اعزاز سے نوازا مگر پھر

اسی مرکز کے ایک بندے نے طرابلس کے ایٹمی تحقیقاتی مرکز میں بعض اہم تنصیبات کو بُری طرح تباہ کر ڈالا۔ سننے میں آیا ہے کہ سیتا نے ... اس حادثے کو بندے کے ذہنی اختلال کا نتیجہ قرار دینے کی کوشش کی، مگر ملک کے حاسدوں نے ایک نہ چلنے دی اور اسے مختصر سے کورٹ مارشل کے بعد چودہ سال کی قید بھگتنے کے لیے ایک ریگستانی قید خانے میں ڈال دیا گیا۔"

"کہاں ہے وہ اب، وہ کہاں ہے؟" حامد کی زبانی سیتا کی روداد سُن کر میں بُری طرح تڑپ اٹھا۔

"یہ کوئی چند برس پرانا قصہ ہے۔" حامد بولا۔ "فلسطینیوں کی تقریباً تمام تنظیموں نے اپنے سارے ذرائع داؤ پر لگا دیے، انگریز سراغ رسانی کو بھی کرائے پہ لیا گیا مگر کامیاب نہ ہو سکے کہ اس المناک سانحے میں سیتا کے اندرون کا کوئی دخل نہیں تھا بلکہ سیتا شاید حالات کے سامنے جھکنا نہیں جانتی۔ تین روز قبل وہ اس خوفناک ریگستانی قید خانے سے فرار ہو چکی ہے اور لیبیا کے شہری اور فوجی ادارے سر توڑ کوششوں کے باوجود اس کا سراغ لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔"

"تم جھوٹے ہو۔" میں نے بے تابی سے ... "تم لوگ مجھے سیتا سے دور رکھنا چاہتے ہو تاکہ اس سے حسبِ مرضی کام لیتے رہو۔"

"خود پر قابو رکھو صفدر علی۔" عظیم نے آگے بڑھ کر میرے ہاتھوں سے حامد کا گریبان چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "حامد یہاں مہمان اور ہمارے دوست کی حیثیت میں آیا ہوا ہے۔"

"ہم لوگ سیتا کے بارے میں تم سے زیادہ متفکر ہیں۔" حامد نے گریبان چھوٹنے کے بعد چند گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا۔ "اس کے تربیت دیے ہوئے بندروں نے مقبوضہ عرب علاقوں میں اسرائیل کے خلاف ایسے اہم کارنامے انجام دیے ہیں کہ کئی انسانی جانوں کی قربانی دینے کے بعد بھی ان کا تصور ممکن نہ ہو پاتا۔"

"میں یہاں صرف اپنی بیوی کو لینے آیا تھا۔" مجھ پہ یک بیک محرومی کا احساس غالب آ گیا۔ "تم لوگوں نے اسے اپنے مفادات کی بھینٹ چڑھا دیا ہے، اور اب تمہیں ہی اسے تلاش کر کے میرے حوالے کرنا ہو گا۔"

"تم چاہو تو میں تمہیں ہاشم سے ملوا سکتا ہوں۔" حامد نے میری دلی کیفیات کو بھانپ کر پیش کش کر ڈالی۔

"ہاشم کون ہے؟"

"جن لوگوں تک میری رسائی ہے، ان میں وہ سب سے بہتر ہے۔" حامد نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا۔

"میں پہلی فرصت میں اس سے ملنا چاہوں گا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "جنہوں نے فلسطینی مفادات کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا مگر تم لوگوں سے یہ ممکن نہ ہو سکا کہ میری آمد تک سب ... کر اپنی نگاہوں میں رکھتے۔"

"اسے لیبیا کی بہترین جیل میں رکھا گیا تھا اور یہ بات کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ وہ عورت ذات ہوتے ہوئے وہاں سے فرار ہونے کی کوئی کامیاب یا ناکام کوشش کر سکے گی۔"

"ہاشم سے کب ملاقات ہو گی؟"

"میں یہاں سے جاتے ہی اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کروں گا۔ وہ پہلی فرصت میں تم سے ملے گا۔" اس نے کہا۔

اسی اثنا میں کچن سے قہوے والی دروازے پہ آ گئی۔

"قہوہ تیار ہے۔" اس نے شاید عظیم سے کہا اور میں اس کی مترنم آواز سُن کر چونک پڑا۔

"قہوہ پیو گے؟" عظیم نے مجھ سے سوال کیا۔

"تم اس کے ہمراہ کچن میں جا کر پی لو تب جلدی ... ہو جائے گی۔" میں نے کہا اور عظیم جھینپے ہوئے انداز میں ہنس دیا۔

وہ قہوہ لائی اور ہم تینوں خاموشی سے اس سے شغل کرنے لگے۔ حامد بار بار عجیب سی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"سُنا تھا کہ پچھلے برس سیتا کچھ عرصے کے لیے ... تھی؟" میں نے قہوہ پیتے ہوئے سوال کیا۔

"ہو سکتا ہے، مجھے علم نہیں... میں نے تمہیں بتایا نا کہ میں ایک بہت معمولی کارکن ہوں اور بہت سی اہم باتیں میرے علم میں نہیں آتیں۔"

"مگر سیتا کی قید اور فرار کے بارے میں ساری تفصیلات سے واقف ہو؟" میں نے طنز کیا۔

"اس کے بارے میں ساری خبریں اخبارات میں آ گئی تھیں۔ جس روز وہ جیل سے فرار ہوئی تھی، اس سے اگلے دن سارے اخبارات میں اس کی تصاویر کے ساتھ بڑے بڑے اشتہارات شائع ہوئے تھے جن میں لوگوں سے اس کی دوبارہ گرفتاری میں مدد کی اپیل کی گئی تھی۔"

"اس کے تربیت یافتہ بندر اب کہاں ہیں؟"

"ایٹمی تحقیقاتی مرکز کے حادثے کے بعد حکام نے ایک ایک بندر کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ وہ مستقبل میں اسی نوعیت کی کسی تخریب کاری کا اعادہ نہیں کرانا چاہتے تھے۔"

"سیتا کو ان بندروں کی موت کا بہت دکھ ہوا ہو گا؟"

"یقیناً ہوا ہو گا۔" وہ بولا۔ "صدمہ تو ہم سب کو بھی ہوا کیونکہ ان کے سدھائے ہوئے بندروں نے اسرائیل کے خلاف بہت اہم اور کامیاب کارروائیاں کی تھیں جو شاید ہمیشہ ... دشا کار نہ کر پاتے۔"

پھر وہ پیچھے جانے کے بعد حامد چلا گیا۔ ہرن جیسی آنکھوں والی خادمہ اس سے پہلے جا چکی تھی لہٰذا میں عظیم کے ساتھ وہاں تنہا رہ گیا۔

"سیتا تمہاری بیوی کا نام ہے؟" تنہائی میسر آتے ہی عظیم نے ... جلتا ہوا وہ سوال دہرا دیا۔

"وہ صرف بیوی ہی نہیں، تم اسے میری دوست بھی کہہ سکتے ہو۔" میں نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ "اس کے بچھڑ جانے کے بعد میں اپنی زندگی میں ایک بھیانک خلا محسوس کرتا ہوں۔"

"مجھے تمہارے کرب کا احساس ہے۔" وہ بولا۔ "کیا تمہاری بیوی مسلمان ہے؟"

میں سوگوار انداز میں مسکرا دیا۔ "سیتا ہندو زادی ضرور ہے، مگر مسلمان ہو چکی ہے، البتہ میں نے اس کا نام تبدیل نہیں کیا۔"

"وہ تم سے بچھڑ کر یہاں کیسے پہنچ گئی؟" عظیم کے ذہن میں جاننے کے بارے میں بہت زیادہ تجسس موجود تھا۔ "تمہاری اور حامد کی باتوں سے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہت عرصے سے یہاں ہو۔"

"بہت طویل کہانی ہے۔" میں نے کہا۔ پھر اچانک موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ کمرے اور ہرن جیسی آنکھوں والی عورت سے تمہارے کیا مراسم ہیں؟"

"بس... کیسے ہو سکتے ہیں؟" اس غیر متوقع سوال پر وہ بوکھلا گیا۔ "بس وہ یہاں کام کرنے آتی ہے۔"

"اس کا نام بھی کچھ تو ہو گا؟" میں نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"میں ان خرافات سے بہت گھبراتا ہوں۔" اس نے پارسائی کا اظہار کرتے ہوئے معصومانہ لہجے میں کہا۔

"وہ سوتے ہوئے مجھے عظیم سمجھ کر میرے سینے پر نہ چڑھ گئی ہوتی تو شاید میں تمہاری بات پہ یقین کر لیتا۔"

میری بات سُن کر اس کا چہرہ دھواں ہو گیا اور وہ جھینپے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تم مذاق کر رہے ہو۔"

"شرمندگی کی ضرورت نہیں۔" میں اس کیفیت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولا۔ "تنہائی انسان کو ایسے راستوں پر لگا ہی دیتی ہے۔"

"میں جس وقت سے زبانی جمع خرچ ... لیتا ہوں۔" وہ مجھ سے نظریں چراتے ہوئے دھیمی آواز میں بولا۔

"وہ تنہا ہے اور اس کا معاملہ ... بڑی بات ہے کہ وہ یہاں ..."

عظیم سے میرے ... مراسم میں ذمہ داری کا عنصر بہت نمایاں تھا۔ ہم دونوں نے اپنے لیے کچھ حدود مقرر کی ہوئی تھیں اور ہمیشہ انہی حدود میں رہ کر گفتگو کرتے تھے، مگر طویل مدت کے بعد دوبارہ

جب اچانک ملاقات ہوئی تو ہم دونوں کسی حد تک غم رسیدہ تھے، اور اپنے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے کسی قابلِ اعتماد ساتھی کے متلاشی تھے اور جب مقدر نے دونوں کو یکجا کر دیا تو رات گئے تک کھل کر باتیں ہوتی رہیں۔

عظیم میرے بیدار ہونے سے پہلے ہی صبح سویرے اپنے دفتر چلا گیا۔ میں دن چڑھے بیدار ہوا تو کچن میں میرا ناشتہ تیار تھا۔

میں نے غسل کے بعد چائے کی پیالی سے پہلا گھونٹ ہی لیا تھا کہ دروازے پہ دستک سنائی دی اور میں پیالی چھوڑ کر دروازے کی طرف چلا گیا۔

میں نے لوٹ کھولتے ہی باہر والے نے دھکا دے کر مجھے ایک دم پیچھے اندر دھکیل دیا اور پیچھے پیچھے دو مقامی افراد اندر گھس آئے۔

پہلا چہرہ میرے لیے نا آشنا تھا اس لیے میں کچھ نہ سمجھ سکا مگر دوسرے نے جب اندر گھستے ہی میرے پیٹ میں اپنا گھٹنا مارنے کی ناکام کوشش کی تو مجھ پر ساری صورتحال عیاں ہو گئی۔

ایئرپورٹ کے امیگریشن کاؤنٹر والا حمزہ نامی شخص اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک ساتھی کے ہمراہ میرا سراغ لگانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

میں پھرتی سے ان دونوں کی طرف پلٹا مگر اسی اثنا میں حمزہ اپنی جیب سے ریوالور نکال چکا تھا۔

"اندر چلو۔" اس نے مجھے گھورتے ہوئے تحقیر آمیز لہجے میں حکم دیا پھر اپنے ساتھی سے بولا۔ "اسے اس طرح جکڑ کر باندھنا کہ یہ ہل بھی نہ سکے۔"

حمزہ کا نام سُن کر میں چونکا گیا۔ وہ شخص واقعی ضرورت سے زیادہ کینہ پرور اور سفاک معلوم ہوتا تھا۔

"میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے جو تم میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟" میں نے آہستہ آہستہ کمرے کی طرف جاتے ہوئے معصومانہ لہجے میں سوال کیا۔

"بگاڑ لیا ہوتا تو یہاں دھونے کے بجائے گولی ہی مار دیتا۔" وہ زہریلی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "تمہارا خیال تھا کہ میں اس مکان میں تم تک نہ پہنچ سکوں گا؟"

"تم میرے ساتھ جو سلوک کرو مگر میں یہ بات ضرور جاننا چاہوں گا کہ تم مجھ تک کیسے پہنچے؟" میں نے اس کی انا کی تسکین اور اسے تھوڑی دیر تک گفتگو میں الجھائے رکھنے کی نیت سے کہا۔

وہ وحشیانہ انداز میں زور سے ہنس پڑا۔ "وہ بڈھا بہت دور اور لالچی ہے جس نے تمہیں سچ لکھنے کی ترکیبیں بتائی تھیں۔ اسے یقین تھا کہ ان مشوروں کے طفیل وہ تم سے چند دینار مزید حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ مگر جب تم نے اسے سوکھے شکریے پہ ٹرخا دیا تو وہ تمہیں کوستا ہوا گھر بھاگ گیا۔" اتنا کہہ کر اس نے رومال سے اپنا منہ صاف

کیا اور مجھ کھینچنے لگا۔ کل میں نے اسے ڈانٹ ڈپٹ کی تو سب سے پہلے اس نے یہی شکایت کی کہ تم نے اس کی صفائی کے عوض ایک پیسہ بھی نہیں دیا۔ پھر بتایا کہ تم طیبہ نامی کسی فلسطینی کی تلاش میں تھے اور بد قسمتی سے مخبروں کے مطابق تعاون الکبریٰ کے حامد العزیز سے مل رہے تھے۔ اور کل شام میں نے حامد سے ایک اہم کام کے حوالے سے تمہارے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بھی بتا دیا اور تم جب وہاں پہنچ گئے۔ مگر مجھ سے تمہیں کیا پرخاش ہے؟"

"تم نے میرے اختیار کی توہین کی تھی۔" وہ غصیلے لہجے میں بولا۔ "اور میں تمہیں لیبیا سے نکلوا کر ہی دم لوں گا!"

اس نے فقرہ مکمل کرتے ہی اپنے ساتھی کو اشارہ کیا اور اس نے پھرتی کے ساتھ اپنی جیب میں سے کپڑے کی ایک چھوٹی سی تھیلی نکالی جس میں شاید تھوڑی سی ریت بھری ہوئی تھی۔ پھر وہ تھیلی ایک زناٹے کے ساتھ میری کھوپڑی کے عقبی حصے پر پڑی اور میں کراہتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

خوابناک دھند میں ڈوبتے ہوئے ذہن میں جو آخری آواز پہنچ سکی، اس میں حمزہ کے قہقہے کی گونج نمایاں تھی!

میری بے ہوشی خاصی طویل ثابت ہوئی۔ آنکھ کھلی تو دن بہت چڑھ چکا تھا اور میں چھت کے ایک جھونپڑے میں پیال پر پڑا ہوا تھا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ پھر باہر مجھے بہت سی ٹولیاں آوازیں سنائی دیں۔ مگر اس جھونپڑے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ مگر میں نے باہر کا جائزہ لینے کے لیے کھڑکی کا انتخاب کیا اور دیکھا کہ باہر چھ سات آدمی مختلف کاموں میں مصروف ہیں۔

باہر پھیلے ہوئے سرسبز درختوں اور ان کی آبپاشی کے نظام کو دیکھتے ہوئے مجھے یہ سمجھنے میں دقت نہیں ہوئی کہ میں اس وقت کسی چھوٹی نخلستان میں قید تھا جو شاید حمزہ کی ملکیت تھا!

باہر کام کرنے والوں میں سے اچانک کسی نے کھڑکی کی اوٹ میں میرا چہرہ دیکھ لیا اور وہیں سے للکار کر مجھے باہر نکلنے کا حکم دیا۔

باہر والوں میں سے ہر ایک مجھ پر اپنی برتری جتانے کے چکر میں تھا۔ انہوں نے مجھے بیک وقت کئی کام کرنے کے احکام دے ڈالے۔

"حمزہ کہاں ہے؟" چند ثانیوں تک خاموش کھڑے رہنے کے بعد میں نے جھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

اسی وقت اچانک کسی نے اچھل کر میری گردن دبوچ لی اور کئی آدمیوں نے مل کر مجھے کسی وحشی کی طرح زمین پر گرا لیا اور پھر میرے جسم پر چاروں طرف سے گھونسوں اور لاتوں کی یلغار کر دی گئی۔

ان لوگوں کی یہ وحشیانہ مشق ستم اس وقت تک جاری رہی، جب تک میرے جسم کے کئی حصوں سے خون رواں نہ ہو گیا!

شاید خون دیکھ کر ہی ان صحرانشینوں کی وحشیانہ جبلت کو تسکین ملی تھی ورنہ وہ مجھے ہلاک کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے!

اس نخلستان میں تین روز تک میرا قیام رہا اور شاید پہلی بار مجھے ان لوگوں نے مختلف تکلیفوں اور بہانوں سے میری ٹریننگ بھی کی۔ اس محنت اور مشقت کے بعد مجھے وہاں جو کی روٹی اور اونٹنی کا پھیکا دودھ صرف شکم پری کے لئے دیا جاتا تھا اور جو بمشکل ہضم کر کے ہی جیا جاتا تھا!

چوتھے روز وہاں ایک جیپ آئی اور جب اس سے اترنے والوں نے اپنے چہروں سے رومال ہٹائے تو پتہ چلا کہ ان میں حمزہ بھی موجود تھا۔

"میں تمہاری گستاخی و دشمنی کو میں بھولا معاف کر دیتا ہوں۔" اس نے قریب آ کر میری پشت پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

اس کا ہاتھ ایک زخم پر پڑا تھا اور میں کراہ کر آگے جھک گیا۔ "اگر تم یہ فیصلہ پہلے ہی کر لیتے تو میرا بدن ان زخموں سے بچ جاتا!"

"یہ ضروری تھی!" وہ سفاکانہ انداز میں بولا۔ "میں چاہتا تو تمہاری لاش صحرا کے کسی دور افتادہ حصے میں پھنکوا دیتا۔ مگر مجھے تم پر رحم آ گیا۔ میرا خیال ہے کہ اس معاملے میں تم سے زیادہ قصور … افسر کا تھا!"

"مجھے خوشی ہے کہ اب تم میرے بارے میں بہتر انداز میں سوچ رہے ہو!" میں نے اپنی کنپٹی کا زخم سہلاتے ہوئے کہا۔

"میں یہ سوچ کر حیران ہو رہا ہوں کہ یہاں سے جانے کے بعد اگر تم نے پولیس سے رجوع کرنے کی حماقت کی تو تمہارا عبرتناک انجام ہو گا!"

"میں جانتا ہوں!" میں نے جلدی سے کہا۔

"اسے شہر چھوڑ آؤ!" حمزہ نے ایک آدمی کو حکم دیا اور میں اپنے نام نہاد محسن سے ہاتھ ملا کر جیپ میں سوار ہو گیا۔

وہ نخلستان بہت مختصر سا تھا کیونکہ جیپ چند منٹ بعد اس سے باہر نکل آئی … صحرائی شاہراہ سے ملا دیا تھا!

اس وقت سورج اپنے شباب پر تھا اور صحرا میں چاروں طرف تاحد نظر ریت ہی ریت پھیلی ہوئی تھی اور ریت کے اس لامتناہی سمندر کے درمیان تارکول کی چمکتی ہوئی سیاہ سڑک دور تک کسی ناگن کی طرح بل کھاتی ہوئی نظر آ رہی تھی!

چلچلاتی دھوپ میں صحرائی سڑک پر مسلسل کا سفر تھا۔ جیپ کا شور، صحرا کی ریت، سورج کی چمک اور سیاہ سڑک — ایک بھیانک تسلسل ہو رہا تھا اور میں ان عناصر کا … حمزہ کی زندگی کا تسلسل منقطع کرنے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا!

اس نے میرے ساتھ جو کچھ کیا، وہ اس قابل تھا کہ … زندہ سلامت بن غازی کی طرف جا رہا تھا مگر میرے بدن پر زخم حمزہ کی بہیمیت کا کھلا اشتہار تھے اور … دشمن کی کمینگی کو معاف کرنا نہیں سیکھا تھا!

بات صرف حمزہ تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ اس وقت تک میں ان چالوں سے دوچار ہو چکا تھا اور اب تک میں نے نظر میں اپنا ہیت … دراں کی … میں مجھے اجنبیت کا احساس ہو رہا تھا۔ جبکہ یہ کیفیت اپنی طویل سیاحت میں پہلی بار محسوس کی تھی۔ صحرا میں جانا سفر تقریباً ایک گھنٹے جاری رہا جس کے بعد شہر نظر آنے لگے۔ یہ جاڑوں کا موسم تھا، اگر گرمیاں ہوتیں تو وہ ایک عذاب سے کم نہ ہوتا!

جیپ کے ڈرائیور کو شاید حمزہ نے میری منزل مقصود کے بارے میں بتا دیا تھا کیونکہ اس نے مجھے عظیم کے مکان کے سامنے ہی اتارا تھا۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کر کے اسے رخصت کر دیا مگر بدقسمتی سے مکان مقفل پایا۔ یاد آیا کہ عظیم اس وقت ڈیوٹی پر ہے!

میں بہت احتیاط کے ساتھ راستے کی نشانیوں کا تعین کرتے ہوئے اس طرف چل دیا۔ وہاں کافی وقت گزار کر میں پانچ بجے کے قریب دوبارہ عظیم کے مکان پر پہنچا جو بدستور مقفل تھا۔

گلی میں کھیلتے ہوئے بچوں سے استفسار پر پتہ چلا کہ عظیم ایک ہفتہ قبل بغیر بتائے رخصت ہو چکا ہے اور وہ مکان کرائے کے لیے خالی ہے!

میں وہاں سے چل پڑا۔ اس مرتبہ میرا رخ تعاون الکبریٰ کی طرف تھا کیونکہ میرے لئے معلومات کا اصل منبع وہی تھا۔

مجھے دیکھ کر حامد نے اپنے کاؤنٹر پر قطار میں کھڑے ہوئے افراد کو بیری سے نمٹا دیا اور کاؤنٹر مقفل کر کے باہر آ گیا۔

"میرے پاس بہت سی باتیں ہیں؟" میں نے اسے دیکھتے ہی کہنا شروع کیا مگر اس نے حیرت سے میری بات بیچ میں کاٹ دی۔

"تم غائب کہاں تھے؟ اور یہ تمہاری کیا حالت بنی ہوئی ہے؟" اس کا استفسار بجا تھا کیونکہ میں واقعی خستہ حال نظر آ رہا تھا!

"مجھے اغوا کر کے قیدی بنا لیا گیا تھا، زندگی تھی کہ ان لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا ورنہ لاش کا بھی نشان تک نہ ملتا!" میں نے کہا۔

"سات بجے میری چھٹی ہو گی!" وہ رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ "اگر یہ وقت تم کہیں گزار لو تو میں تمہیں اپنے فلیٹ پر لے چلوں گا!"

"میں سات بجے یہیں واپس آ جاؤں گا!" میں نے کہا اور وہ معذرت خواہانہ انداز میں مسکرا کر واپس اسٹور میں گھس گیا۔

سات بجے تک میں بازار میں بے مقصد ادھر ادھر گھومتا رہا۔ جب مقررہ وقت پر واپس لوٹا تو حامد پہلے ہی باہر آ چکا تھا۔

"اب بتاؤ کہ تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟" اس نے اپنی کار میں بیٹھ کر اسٹارٹ کرتے ہوئے سوال کیا۔

میں نے اسے اختصار سے پوری کہانی سنا دی۔

"اوہ خدایا! میری بات سن کر اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ "مجھے تو شبہ بھی نہیں تھا کہ تمہارا پتہ معلوم کرنے والے تمہارے دشمن ہوں گے، ورنہ میں ان کا خانہ خراب کر دیتا!"

"اب اسے مجھول جاؤ، یہ بتاؤ کہ نئی خبریں کیا ہیں؟"

"خبریں تشویشناک ہیں!" وہ پرخیال لہجے میں بولا۔ "سینتا کے بارے میں پولیس کو اپنے وسائل سے ملنے والی خبروں کی بنا پر یقین ہے کہ وہ جیل سے فرار ہو کر جنوب مشرق کی طرف گئی ہے جدھر دور تک صحرا پھیلا ہوا ہے اور پچھلے دو روز سے صحرا میں اس کی تلاش جاری ہے۔"

"اور شاید وہ بھٹک کر مر جائے گی!" میں نے بے چینی کے ساتھ کہا۔ "خدا کرے کہ اس نے ادھر جانے کی حماقت نہ کی ہو!"

"اور دوسری بات یہ کہ پولیس کو یہ شبہ بھی ہو گیا ہے کہ سینتا کا شوہر اس وقت لیبیا میں موجود ہے!"

"نہیں!" اس کے الفاظ سن کر میں حیرت اور خوف سے اچھل پڑا۔ "انہیں سینتا کے شوہر کے بارے میں کیسے علم ہوا؟"

"سینتا کی قید تو بعد کا واقعہ ہے، پہلے سے مقامی حکومت کی سرپرستی بھی حاصل تھی اور اس کے بارے میں تمہارے لئے کئی پیغامات لیبیا کی سرکاری ایجنسیوں کی معرفت بھیجے گئے تھے۔ اس وقت کا اعتماد اب نقصان پہنچا رہا ہے!" اس نے شرمسار لہجے میں اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"پھر میرے بارے میں سرکاری رویہ کیا ہے؟"

"انتہائی خونخوار!" اس نے آہستہ سے کہا۔ "وہ لوگ سینتا کے ساتھ اب تمہیں بھی لیبیا کا دشمن سمجھتے ہیں!"

"یہ باتیں اخبارات میں بھی آ رہی ہوں گی؟"

"نہیں!" اس نے پریقین لہجے میں کہا۔ "اخبارات میں آ جاتیں تو حمزہ بھی باخبر ہوتا اور تمہیں رہا کرنے کے بجائے مشکوک سمجھتے ہوئے پولیس کے حوالے کر دیتا!"

"اس کا مطلب ہے کہ میرا یہاں رکنا بھی اب کسی حق میں مضر ثابت ہو سکتا ہے!" میں نے تشویشناک لہجے میں کہا۔

"تشویش صرف ایک بات کی ہے کہ سینتا کے فرار کے معاملے کی تفتیش کے لئے پریس اور اسکاٹ لینڈ یارڈ سے ماہرین طلب کئے گئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ بیرونی امداد کے بغیر اس جیل سے کسی عورت کا فرار ہونا ناممکنات میں سے ہے اور اس بارے میں بنیادی مفروضہ یہ رکھا گیا ہے کہ سینتا کو فرار میں فلسطینیوں سے مدد ملی ہو گی!" اس نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تمہاری باتوں سے مجھے وحشت ہو رہی ہے!"

"سرگرم فلسطینیوں سے بازپرس کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے،

ایک شخص پرنٹ ہو بھی گیا تھا۔ شاید کسی وقت وہ لوگ مجھ تک بھی آ پہنچیں۔" وہ اس بدلی ہوئی صورت حال پر نا پریشان نظر آ رہا تھا۔

"پھر مجھے ملک رہنا چاہیے؟"

"پچھلے ایک ہفتے میں لیبیا آنے والے غیر ملکیوں کی کڑی جانچ پڑتال کی جا رہی ہے اور وہ تم تک بھی پہنچیں گے۔ خاص بات یہ ہے کہ مقامی حکام سے صفدر علی اور سیتا کا رشتہ معلوم ہونے کے بعد اسکاٹ لینڈ یارڈ والوں نے اپنے طور پر کل ابھی تمہارے بارے میں تمام معلومات حاصل کر لی ہیں۔"

"گھبرا نہ گیا ہوں۔ میں ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "مگر میں بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اگر سیتا اس ملک کی سرحدوں میں ہے تو میں اسے حاصل کیے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔"

"لیکن تم قانون کے محافظوں کا سامنا کرنے سے گریز ہی کرو تو بہتر ہے۔ بازاروں میں بھی راہ چلتے غیر ملکیوں کو روک کر ان کے کاغذات وغیرہ دیکھے جا رہے ہیں۔ اگر تم ان کے ہاتھ لگ گئے تو نجات مشکل ہو جائے گی۔"

"قانون آہنی شکنجے کی مانند ہے جس پر انصاف کی قانون اندھا ہوتا ہے اور مجھے بخوبی اس کا اندازہ ہے کہ میں آج بھی اپنا پاسپورٹ تلف کر دوں گا۔ مجھے ریتی فاس کے ڈھکوسلے کی ضرورت نہیں۔"

"دیکھو سیتا ضرور مشکلات میں مبتلا ہو۔" وہ جھجکتے ہوئے ناصحانہ انداز میں بولا۔ "مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم بھی غیر ضروری مسائل میں ٹانگ اڑا بیٹھو۔"

"میں یہ سب باتیں جانتا ہوں۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم دیکھو گے کہ اب حالات کچھ اور ہوں گے۔ میں اس ملک کو جائے امان سمجھ کر یہاں آیا تھا۔ مگر یہاں ہر طرف سے مجھ پر مصائب نازل کیے جا رہے ہیں، ان کا حساب چکانا میری ذمہ داری بنتا جا رہا ہے۔ میں حمزہ کے آدمیوں کے لگائے ہوئے زخموں کو بھی بھول جانے پر آمادہ تھا۔ مگر اب میں اپنے لہو کی ایک ایک بوند کا حساب لوں گا۔ اگر تم اس ہونے والی معرکے میں میرا ساتھ نہ دے سکو تو اپنی کار روک کر مجھے یہیں اتار دو۔ میں اپنا حساب خود چکا لوں گا۔"

"تم جذبات کی رو میں آ کر بہک رہے ہو۔" میرے لہجے پر حامد پریشان ہو گیا۔۔۔

"بہک نہیں رہا بلکہ اپنی اصلیت کی طرف لوٹ رہا ہوں۔ میں اب تک اس سرزمین پر مظلوم بنا رہا لیکن حالات مجھے ہتھیار اٹھانے پر مجبور کر رہے ہیں اور میں حالات کی اس پکار پر لبیک کہنے کو تیار ہوں۔۔۔!"

میرے تیور دیکھ کر حامد خاموش ہو گیا اور اس کی کار پہاڑ ساز کے جنگل سکوت میں منزل کی طرف بڑھتی رہی۔

پھر حامد نے جونہی اپنی کار ایک گلی میں گھمائی، اس کے بے اختیار بریک پیڈل پر جا پڑے۔

اس گلی میں پولیس کی دو گاڑیاں موجود تھیں اور مسلح سپاہی تن بانہ پر وردی تک چھپے ہوئے تھے۔

"میرا فلیٹ شاید محاصرے میں ہے۔" حامد اضطراری لہجے میں بڑبڑایا اور اسی کے ساتھ اس نے ریورس گیئر ڈال دیا۔

مگر وہ دیکھا جا چکا تھا۔ شاید اس کی کار پہچان لی گئی تھی کیونکہ کئی سپاہی اپنی رائفلیں سیدھی کرتے ہوئے اس کی طرف دوڑ پڑے تھے۔

حامد نے جونہی اپنی کار کو پیچھے ہٹانے کی کوشش کی، کہیں سے دو فائر ہوئے اور اس کی کار کا ایک اگلا ٹائر دھماکے سے پھٹ گیا۔

میں نے اپنی سمت کا دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگا دی۔۔۔!!

حامد العزیز نے بھی اپنی مجرمانہ سرشت کا ثبوت دیتے ہوئے بغیر کسی تاخیر کے بھی کی جگہ دوڑ لگا دی۔ ثابت ہوا کہ ہم سے اترتے ہی پولیس کی کار کا چکر لگا کر بیک قریب ہی آ موجود ہوا تھا۔

"بھاگو!" میرا بازو مضبوطی سے تھام کر وہ بائیں طرف میں چیخا۔ مگر اس کے لب ہلنے سے قبل ہی اپنا توازن درست کر کے دوڑ پڑا تھا۔

اس تنگ سی گلی میں دونوں طرف کئی منزلہ عمارتیں تھیں اور وہاں خاصے بچوں اور افراد کی آمد و رفت بھی جاری تھی کار کے ٹائروں پر کیے جانے والے فائروں کے دھماکوں کے سبب وہاں بھگدڑ سی مچ گئی اور لوگ خوفزدہ انداز میں بچتے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔

اس اثنا میں شاید مجھے اور حامد کو کالے کوٹ نے دیکھ لیا تھا کیونکہ ہم دونوں کے پیچھے تین چار آدمی کھڑے تھے مگر ہم بھاگنے والوں کے جرم میں شامل ہونے کے بعد خود کو بہت زیادہ محفوظ اور مطمئن محسوس کر رہا تھا۔ رات کے آٹھ بجے فضا پر چھا جانے والا اندھیرا میرے لیے بھی مہربان ثابت ہوگا۔ چنانچہ اس صورت حال میں آغوش مادر کی طرح مہربان ثابت ہوا۔ غنیمت یہ تھا کہ افراتفری اچانک ہی پیدا ہوئی تھی اور پولیس والوں میں کسی کو یہ جاننے کا موقع نہیں مل سکا تھا کہ وہ ابتدائی دو فائر کیوں اور کس پر کیے گئے تھے لہٰذا کوئی بھی میری یا حامد کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔

دوسری سہولت پولیس والوں نے اپنی حماقت سے پیدا کی۔ انہوں نے حامد کی رہائش گاہ پر دھاوا بولا تھا اور شاید اس پوری عمارت کو محاصرے میں لیا ہوا تھا جس میں حامد کا فلیٹ واقع تھا۔ انہوں نے اس عمارت کو آنے والے راستوں کی ناکہ بندی پر توجہ دی تھی۔

میرا ارادہ تو یہی تھا کہ ہم دونوں سیدھے بھاگتے ہوئے اس گلی سے نکل جائیں گے اور پولیس اپنی ناکامی پر سر پیٹتی رہ جائے گی مگر حامد کے ذہن میں کچھ اور ہی تھا۔

اس نے میرا بازو نہایت مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔ ہم رہائشی علاقے سے تنازعے کے باوجود پوری قوت سے دوڑ رہے تھے۔ ظاہر ہی زیادہ بدتر اس قسم کے راہگیروں نے مزید ہم دونوں کو بیان کرنے کی کوشش میں اپنے سینوں پر میری والی قیا حامد کے بائیں ہاتھ کے نیچے کی پاؤ راست ضرب محسوس کی۔ راہگیروں میں تعاقب کرتے ہوئے اپنا راستہ بناتے ہوئے ہم ایک اچانک ہی حامد العزیز میرا ہاتھ تھامے ہوئے ایک عمارت کے داخلی راستے میں گھس گیا۔

کشادہ راہداری روشن تھی اور دونوں جانب سے خوفزدہ مرد، عورتیں تجسس آمیز انداز میں ستونوں وغیرہ کی اوٹ میں دبکے ہوئے تھے۔

"کیا ہوا ہے؟" اسی راہداری میں ایک جگہ ایک بے حد متجسس آدمی کھڑے ہوئے مقامی نے حامد کا بازو تھام کر اسے روکنے کی کوشش کرتے ہوئے سہمی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"قتل!" حامد اپنی رفتار میں فرق لائے بغیر بولا۔ "لاشوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے باہر!"

اپنا فقرہ پورا کرنے تک وہ سوال کرنے والے سے کافی دور نکل گیا تھا۔ انگریزوں کے الفاظ پوری طرح دوسروں تک پہنچ گئے تھے۔

"دونوں طرف سے دروازے بند کر دو!"

"کسی کو اندر نہ گھسنے دو!"

"گولیاں چل رہی ہیں، ہم بھی مارے جائیں گے!"

یکا یک بہت سے لوگ بولنے لگے۔

چند ثانیوں بعد ہم دونوں اس عمارت کے عقبی راستے سے گلی میں نکلے تو میں حامد کی عقل کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

اس نے انجانے لوگوں کی راہداری سے گزرتے ہوئے وہاں ایسا ہراس پھیلا دیا تھا کہ ہمارے نکلتے ہی عقبی راستہ بھی بند کر دیا گیا۔ اس طرح ہم دونوں کو سانس لینے کی مہلت مل گئی تھی۔

رائفلوں کے فائر دوسری گلی میں بھی سنے گئے تھے مگر وہاں زیادہ افراتفری نہیں تھی۔ البتہ لوگ ٹولیوں میں بٹے ہوئے اپنی اپنی تشویش کا اظہار کر رہے تھے۔ جو چند افراد پہلی گلی سے فرار ہو کر ادھر آئے تھے ان کے گرد زیادہ بھیڑ نظر آ رہی تھی۔

عقبی گلی میں قدم رکھتے ہی ہم دونوں نے بیک وقت اپنی رفتار معتدل کر لی۔ حالانکہ اپنے دماغ کی طرح ہم بھی تیز چلنا چاہتے تھے مگر میرا خیال تھا کہ اپنی رفتار کم کر کے ہم نے خود کو لوگوں کی توجہ کا نشانہ بننے سے بچا لیا تھا۔

"اس گلی میں وہ ایک ہی عمارت ایسی ہے جو دونوں گلیوں کو ملاتی ہے ورنہ ادھر آنے کا راستہ خاصا طویل ہے۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد حامد نے چھپے ہوئے سانسوں کے درمیان کہا۔

"عجیب بات ہے!" میں نے قدرے حیرت سے کہا۔ "شاید یہاں کے لوگ دوسرے راستے کی افادیت سے بے خبر ہیں!"

"اعصاب شکن خوف اور سنسنی کے باوجود وہ مسکرا دیا۔" "وہ عمارت دو قطعات اراضی کو ملا کر بنائی گئی ہے باقی سب عمارات کی عقبی دیواریں ایک دوسری سے ملی ہوئی ہیں۔"

فضا میں وقفے وقفے سے ابھرنے والی فائرنگ کی آوازیں ہم



ترڑ چکی تھیں۔ شاید پولیس والوں کو پیش آگیا تھا کہ اس طرح وہ اصل ملزمان کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر خالی آبادی میں خوف و ہراس پھیلا رہے تھے۔

اس علاقے کی ہر گلی میں اکا دکا ایسی عمارات بچی ہوئی تھیں جن میں نکاسی کے دو لتے تھے اور حامد ایسی ہر عمارت سے بخوبی واقف تھا۔ ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ ہمیں اگلی سمت میں چلنے کے بجائے واپس چلنا پڑا کیونکہ وہ عمارت جیسے وہ گلی تھی جو پانچویں گلی کو چھٹی گلی سے ملاتی تھی!

اور آخر کار ہم چھٹی گلی سے ایک روشن شاہراہ پر نکل آئے تھے۔

"تمہیں تو یہ ساری مخصوص عمارتیں اس طرح یاد ہیں جیسے تم مدت سے آج کے واقعے کی تیاری کر رہے ہو!" میں نے پہلی بار خود کو پرسکون محسوس کرتے ہوئے اس سے کہا۔

"جذباتیت یہاں کا قومی مزاج ہے۔" وہ دھیمی آواز میں بولا۔ "فلسطینی تو یہاں کئی بار حکام کے عتاب کا شکار ہو چکے ہیں لہٰذا حالات بگڑنے سے قبل ہی ہم لوگ نکاسی کی راہوں پر اپنی نگاہ رکھتے ہیں!"

"یہاں بہت محتاط ہو تم لوگ؟" میں نے حیرت سے کہا۔

اس نے میری بات کا کوئی جواب نہ دیا اور چند ثانیوں بعد ہم دونوں ایک ٹیکسی میں سوار ہو گئے۔

حامد العزیز نے ٹیکسی ڈرائیور کو جس مقام پر چلنے کی ہدایت کی اس کا نام میرے لئے اجنبی تھا لہٰذا میں خاموش ہی رہا اور یہ دو طرفہ خاموشی ڈرائیور کی موجودگی کے باعث سارے راستے میں برقرار رہی!

اس سفر کا اختتام بن غازی کے ایک بارونق اور مصروف بازار میں ہوا۔

ٹیکسی کے آگے بڑھ جانے کے بعد میں حامد کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "میں تم سے کہیں بیٹھ کر بات کرنا چاہتا ہوں۔ تم نہ جانے کیا سوچ بیٹھے ہو؟"

"یہاں ہم ایک قہوہ خانے میں چند منٹ گزاریں گے اس کے بعد ٹیکسی میں دس بارہ منٹ کا ایک سفر اور ہوگا پھر ہم کھل کر باتیں کر سکیں گے!" اس نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میرے ساتھ ساتھ تم بھی روپوشی اختیار کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے؟"

"ایک دو دن تو ہر کام کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔"

"مگر یہ سب ہوا کیسے؟" میں نے اس کے ہمراہ ایک طرف بڑھتے ہوئے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔ "تمہارے فلیٹ پر جس جارحیت کے ساتھ انہوں نے دھاوا بولا ہے اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ فیصلہ کافی پہلے کیا گیا ہوگا، ایسی صورت میں کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ تمہیں مخازن الکبریٰ میں ہی دھر لیتے!"

"یہ لیبیا ہے دوست!" وہ پھر مسکرا دیا۔ "یہاں والوں کے کام کرنے کے اپنے انداز ہیں جو تمہارے لئے حیران کن ہو سکتے ہیں مگر میں ان کا عادی ہوں!"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔"

"اول تو یہاں والے نہایت تیزی میں سب کچھ کر گزرنے کے عادی ہیں۔" وہ بولا۔ "پھر دوسری بات یہ ہے کہ پولیس، ملٹری اور آرمی انٹیلی جنس کے افسران کو مشکوک افراد کے گھروں پر اچانک دھاوا بول کر خانہ تلاشی لینے اور پھر انہیں گرفتار کرنے کا طریقہ بہت مرغوب ہے۔ اگر وہ مخازن الکبریٰ کا رخ کرتے تو شاید بہت ممکن تمہارے ساتھ ہی گردش میں آگئے ہوتے ویسے مجھے پورا یقین ہے کہ یہ بھی فیصلے ہوئے ہوں گے بات پیچیدہ بعد ہی ہوئے ورنہ مخازن سے نکلنے کے بعد میری نگرانی ضرور کی جاتی!"

"تو یہ ساری تیاری تمہارے لئے تھی؟"

"یقیناً!" اس نے بڑے اعتماد بھرے لہجے میں کہا۔ "تیاری ہمیشہ کے لئے تھی۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تمہاری تلاش کی مہم کا ایک حصہ بھی ہو!"

"سات بجے کے بعد فیصلہ کرنے کے بعد اتنی قلیل مدت میں کارروائی کر گزرنے کا معاملہ میرے حلق سے نہیں اترتا!"

"جب انا کی پشت پر سرمایہ کارفرما ہو تو یہی کچھ ہوتا ہے۔" اس نے کہا۔ "تم بتا سکتے ہو کہ لیبیا کی فضائیہ کے تمام لڑاکا اور بمبار طیارے کم از کم کتنی مدت کے نوٹس پر فضا میں جا سکتے ہیں؟"

"پوری فضائیہ کی بات کر رہے ہو؟"

"ہاں!"

"دو گھنٹے!" میں نے اپنی دانست میں نہایت کم وقت کا اظہار کیا مگر حامد العزیز میرا جواب سن کر ہنس دیا۔

"صرف نصف گھنٹے کے نوٹس پر لیبیا کے تقریباً سارے ہی طیارے اپنی فضاؤں میں مستعد ہو سکتے ہیں!"

"مذاق کی بات ہے۔" میں نے بے اعتباری سے ہنس دیا۔ "ابھی کل کی نوبت آگئی تو شاید اپنے حصن لینے میں ہی پورا دن گزر جائے!"

"بہرحال یہاں کی آزمائش کے لئے ہر ہفتے صدر قذافی کی نگرانی میں عملی مشقیں کی جاتی ہیں اور طیارے ہابانے اطلاع ملنے کے بعد نصف گھنٹے سے بھی کم مدت میں عقابوں کی طرح فضاؤں میں پھیل جاتے ہیں!"

"سمجھنے میں تو یہاں کے لوگ خاصے کاہل نظر آتے ہیں!"

"اپنے اپنے شاہ جی کی بات ہے۔" وہ بولا۔ "لیکن کام کرنے سے زیادہ کام لینے کے ماہر ہیں طرابلس میں دو ماہ کی قلیل مدت میں جو بلڈنگ بنا ڈالی گئی۔ ایک بلڈر فرم نے کام شروع کر دیا تھا جو ماہرین کے مطابق گیارہ ماہ سے کم عرصے میں کسی طرح مکمل نہیں ہو سکتا تھا!"

"یعنی الٹنے لگے ہوں گے!"

"کام کرنے والے وہی تھے جو گیارہ ماہ کی بات کرتے تھے فرق صرف یہ ہوا کہ مزدوروں اور فنی ماہرین کو دو ماہ میں تکمیل کی صورت میں سرکاری خزانے سے چار گنا معاوضہ دیئے کا اعلان کر دیا گیا تھا!"

"اگر وہ تم ہی کو پکڑنے آئے تھے تو اس کا جواز کیا تھا؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد میں نے سوال کیا۔

"میں نے کہا نا کہ میری تلاش شاید تمہاری تلاش کی مہم کا ہی ایک حصہ ہو!" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "اور پھر تمہارے بارے میں ایک فلسطینی بچے ہی متعلقہ حکام کے خفیہ کان تک پہنچا چکا ہے!"

"اگر میں تمہارے ساتھ نہ ہوتا تو کیا اس وقت بھی تم فرار کی راہ اختیار کرتے یا خود کو حکام کے حوالے کر دیتے؟"

"یہاں پولیس کے سلسلے میں بہت سے طے اصولوں پر عمل کئے جاتے ہیں جو پولیس مخصوص مشکوک ترین افراد سے بھی ایسے نرم لہجے میں سوالات کئے جاتے ہیں کہ وہ خود کو معزز شہری سمجھنے لگتا ہے اور پورے وقار کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں اگر اس کے ملزم ہونے پر حکام کو ذرا بھی شک کا یقین ہو جائے تو اسے ختم کر دیا جاتا ہے بصورت دیگر مقدمہ شروع ہو اور اگر حکام یہ سمجھیں کہ ملزم سخت جان ہے اور اس نے اپنی زبان بند رکھنے کا تہیہ کیا ہوا ہے تو اسے غیر معینہ مدت کے لئے کہیں گمنام جگہ پر قید کر دیا جاتا ہے!" اس نے بتایا۔

"پھر مقدمہ چلایا جاتا ہے؟"

"سال چھ ماہ بعد مقدمہ بھی شروع ہو جاتا ہے اور اس وقت تک ملزم کی ذرا سی مزاحمت بھی باقی نہیں رہتی!"

"بہت مزے کا طریقہ کار ہے۔" میں پھر بھی ہنس کر بولا۔ "ملزم کا فیصلہ تفتیشی حکام کے آمرانہ فیصلوں پر ہوتا ہے!"

"حیرت کی بات یہ ہے کہ اس طریقہ کار کے تحت کم و بیش تمام ملزمان تفتیشی مجرم ثابت ہوتے ہیں، صرف تین فیصد کے لئے ہی بے گناہی کا نہایت معمولی سا شبہ کیا جا سکتا ہے!"

"میں یقین نہیں کر سکتا!"

"مگر یہ حقیقت ہے!"

"اس وقت کی بات ہے وہ اگر ہم مقابلے میں ناکامی کے بعد نکل جاتے تو ہمیں پکڑنے والے تفتیش کے دوران ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتے!"

"اس طریقہ کار کی کامیابی کا راز یہی ہے کہ تفتیش کرنے والے ادارے علیحدہ ہیں اور ان میں نہایت ٹھنڈے دل و دماغ کے سمجھے گئے افراد ملازم ہیں، پولیس کو بیانات لینے کے لئے تشدد کا کوئی اختیار نہیں ہے!"

"پھر سیتا کے ساتھ کیا ہوا؟" میں نے اس کی پرزور وکالت کو ناپسند کرتے ہوئے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

حامد العزیز کے پاس میرے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا لہٰذا ندامت سے بچنے کے لئے وہ کھلا بیٹھ میں ایک چھوٹے قہوہ دکان میں گھس گیا۔

وہاں سے اس نے غیر ضروری طور پر سگریٹ کے دو پیکٹ چیونگم اور ایک عدد شیونگ سیٹ خریدا۔ اور جب ہم باہر نکلے تو وہ کچھ بولنے کا موقع دیئے بغیر لیبیا کے موسم پر نہایت روانی سے بولے جا رہا تھا۔

میں قہوہ خانے میں داخل ہونے تک نہایت تحمل سے اس کے خاموش ہونے کا انتظار کرتا رہا اور جیسا موقع میسر آتے ہی میں نے اس سے سوال کر ڈالا۔

"یعنی اکیلے ہوتے ہیں بھی تم وہی کچھ کرتے جو آج کیا ہے؟"

"کیا غضب کرتے ہو؟" وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں میز پر کہنیاں جما کر میری طرف جھکا۔ "یہاں ایسی باتیں خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں!"

"یہ میں بھی جانتا ہوں۔" میں نے اسے سرد نگاہوں سے گھورتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے تلخ الفاظ میں یہ بات سمجھائی جا سکتی ہے!"

"تم پر میری طرف سے کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔" وہ نظریں جھکا کر آہستہ سے بولا۔ "میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔"

"بس میں یہی جاننا چاہتا تھا!" اس کے الفاظ سن کر میرے دل و دماغ پر سے کوئی بہت بڑا وزن ہٹ گیا۔

تلخ قہوے کی تین ننھی ننھی پیالیاں اپنے معدوں میں اتارنے کے بعد ہم دونوں وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔

"اب کیا پروگرام ہے؟" باہر آنے کے بعد میں نے سوال کیا۔

اس نے محتاط انداز میں گرد و پیش کا جائزہ لیا پھر دھیمی آواز میں بولا۔ "میں تمہیں اس وقت قاسم کے مکان پر لے جا رہا ہوں...!"

"وہ ہمیں کیا کرے گا؟"

"ایسی باتیں نہ کرو۔" وہ پیار سے تھپتھپا کر بولا۔ "میری کار تو پہچان ہی لی گئی تھی مگر دونوں طرف کے دروازے کھلنے کے سبب اندھیرے کے باوجود انہوں نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ کار میں دو آدمی تھے

دیکھا جائے تو انہیں تمہارے بارے میں بہت اہم سراغ مل چکا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم سے الگ ہونے کے بعد تم بڑی دشواریوں سے دوچار ہو جاؤ اور ہم کچھ بھی نہ کر سکیں!"

"انہیں گمراہ کرنے کی بہترین صورت یہی ہے کہ میں فلسطینیوں سے اپنے تمام رابطے منقطع کر لوں اور اپنی جنگ تنہا لڑوں!" مجھ پر اس وقت بگڑے ہوئے حالات کے سبب انتہا پسندی غالب آتی جا رہی تھی۔

"یہ تمہاری بھول ہے میرے دوست!" وہ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "عربوں پر قوم پرستی کے جنون میں مبتلا ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے مگر یقین اس معاملے میں بہت کٹر ہیں۔ تم خود کو ان میں کسی طرح مدغم نہ کر سکو گے اور کسی بھی مرحلے پر کوئی یقینی ہی تمہیں مروا دے گا۔"

"میں اپنے لائحہ عمل کے بارے میں فیصلہ کر لوں گا۔ فی الحال تم جہاں جا رہے ہو، چلنے کے لئے تیار ہوں!"

"ویسے عمر تمہارے بارے میں فکر مند ہے۔" وہ بولا۔ "اگر عمرو نے تمہیں اغوا نہ کر لیا ہوتا تو شاید تم اب تک اس سے مل کر کوئی راہ تلاش کر چکے ہوتے۔"

"راہ!" میں تلخ انداز میں ہنس پڑا۔ "راہ تو بے چاری سیتا تلاش کر رہی ہوگی۔ جسے حالات نے نفرت کے بھیانک سمندر میں دھکیل دیا ہے۔"

"ضروری نہیں کہ وہ ادھر ہی گئی ہو۔" حامد العزیز مدافعانہ لہجے میں بولا۔ "اس کے بارے میں ابھی تک کہیں سے خفیف سا سراغ بھی نہیں مل سکا ہے اور اگر وہ صحرا میں ہی نکل گئی ہے تو جاڑوں کا یہ موسم وہاں اتنا خوفناک نہیں ہوتا۔"

میں زہریلے انداز میں پھر ہنس پڑا۔ "یہ اسے بتانا جو صحراؤں کا تجربہ نہ رکھتا ہو۔ میں مشرق وسطیٰ کے ریگزاروں میں طویل عرصہ گزار چکا ہوں۔ ان ہولناک صحرائی آندھیوں میں سیکڑوں فٹ بلند ریت کے تودے ایک سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتے ہیں۔ یہاں شاید تم ان آندھیوں کو بھول چکے ہو اور پھر جاڑوں میں صحرا کی یخ بستہ ہوائیں جو ہڈیوں میں پیوست ہو کر براہ راست دلوں کے گوشے کو جا بیٹھنے کی طاقت رکھتی ہیں نہ جانے وہ بے چاری اس وقت کن مشکلات سے دوچار ہوگی۔"

"شجاعت اور بے خوفی کے سلسلے میں ہم نے سیتا کی جو کہانیاں سنی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ قدرت نے اسے بے پناہ قوت برداشت سے بھی نوازا ہے اور......"

"اور تم سب مل کر اس قوت برداشت کا امتحان لے رہے ہو!" میں نے اس کا فقرہ درمیان سے ہی اچک لیا۔

"تلخ باتیں نہ کرو برادر!" وہ چلتے چلتے رک کر گمبھیر لہجے میں بولا۔ "میں ہی نہیں، ہر فلسطینی کا بال بال تمہارا احسان مند ہے۔ چاہو تو حکم دے کر آزما لو۔ تمہارے ایک اشارے پر کسی تیز رفتار کار کے سامنے کود کر جان دے دیں گے [illegible] ہوئے پہاڑوں کی برسات کر دیں گے۔"

"سیتا کی مشکلات کے ذمہ داروں کے ساتھ شاید میں اس سے بھی بدتر سلوک کروں گا مگر تمہارے ساتھ میرا کوئی ذاتی جھگڑا نہیں تھا۔"

"سیتا تمہاری بیوی ہی نہیں، میں اسے اپنی بہن سمجھتا ہوں۔" اس نے جذباتی لہجے میں بات شروع کی تو [illegible] کے باعث بھانے کے لئے ریحان ہی بیچ میں ٹوک دیا۔ "تم ملے تھے اس سے؟"

"اس سے ملنا میری دسترس کے لئے ممکن نہیں تھا۔" وہ حسرت زدہ لہجے میں بولا۔ "کوشش بہت کی۔ اس سے ملنا تو ناممکن ہی تھا۔ اس کے گرد تو ایسا ناقابل شکست حفاظتی حصار تھا کہ ہر مجاہد کے لئے وہ جیتی جاگتی عورت سے زیادہ ایک نادیدہ علامت بن گئی تھی مگر اس کے بارے میں جو کچھ ہم نے سنا اس کے باعث دلوں میں ہمارے لئے بے پناہ احترام ابھر آیا ہے۔"

"تمہارا ایک ایک لفظ میرے زخموں پر نمک پاشی کر رہا ہے حامد العزیز!" میں کرب آمیز لہجے میں بولا۔ "جب تک مجھے سیتا نہیں ملتی میں اس عالم تنہائی کی گہرائیوں میں غرق ہو کر رہ جانا چاہتا ہوں مگر لوگوں کے پرعقیدت اور خلوص آمیز تبصرے میرے زخموں کو تازہ کر دیتے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے!" وہ بس اسی قدر کہہ سکا کیونکہ اسی لمحہ ہمیں ایک ٹیکسی نظر آگئی تھی جو حامد کے اشارے پر ہمارے قریب رک گئی۔

"کہاں جانا ہے؟" ادھیڑ عمر عربی ڈرائیور نے چارخانہ والی کھڑکی کا شیشہ اتار کر کرخت لہجے میں سوال کیا۔

"شارع بحرین!" حامد العزیز نے جواب دیتے ہوئے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ دیا۔ مگر ٹیکسی ڈرائیور نہایت تیزی کے ساتھ ٹیکسی آگے بڑھا لے گیا۔ جیسے حامد العزیز نے اسے کوئی گندی گالی دے ڈالی ہو۔

"لگتا ہے ہماری منزل پسند نہیں آئی۔" حامد العزیز نے نفرت آمیز انداز میں ہنستے ہوئے تبصرہ کیا۔

اس وقت مجھے اپنا وطن یاد آ گیا۔ میں نے [illegible] کی نیت سے ہنستے ہوئے کہا۔ "وہاں اگر تم مشرق کی طرف جانا چاہو تو ڈرائیور نہایت بے تکلفی سے کہہ ڈالتا ہے کہ وہ تمہیں مغرب کی طرف لے جا سکے گا۔"

"مغرب اور مشرق کے ڈرائیور بہت مسکین ہوتے ہیں۔" [illegible]

یہاں مسافروں کو ترجیح دیتے ہیں اور انہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ [illegible] جہاں چاہیں اتار دیتے ہیں خواہ مسافر کتنا ہی معزز آدمی رہا ہو!"

"[illegible]"

"خاصے تجربہ کار ہو!"

"ہماری خرابی یہ ہے کہ میں شراب کا عادی ہوں۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "شراب کے بعد عورت کی طلب ہوتی ہے۔ بازار میں با آسانی پوری ہو جاتی ہے تو طبیعت تبدیلی کی متلاشی ہے۔ یہ تبدیلیاں کسی نہ کسی مرحلے پر انسان کو اس بازار میں لے جاتی ہیں جہاں خوابناک دھندلکوں میں مخمور ذہن اپنی پسند کی لڑکیاں [illegible] لگانے کے لئے جمع ہوتے ہیں!"

"پھر یہاں کیسے زندہ ہو؟"

"ناشکری سے ہم تو زندہ درگور ہو جاتے ہیں۔" وہ اپنی [illegible] بولا۔ "شکر خدا کا [illegible] ملتی ہے!"

"قدرت کی بات......"

اس مرتبہ میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ دوسری ٹیکسی آ کر رک گئی۔ وہ خاصا خلیق الطبع انسان معلوم ہوتا تھا کیونکہ وہ شارع بحرین کا نام سن کر نہ صرف تحمل کے ساتھ برداشت کر گیا بلکہ ہمیں سوار ہونے کی اجازت بھی عطا کر دی۔

سفر کا آغاز ہوتے ہی ہم دونوں کو ایک بار پھر چپ لگ گئی۔ بازار کی روشنیاں تیزی سے پیچھے دوڑنے لگیں۔ روشن، نیم روشن اور تاریک علاقے تیزی سے گزرتے رہے۔ ٹیکسی کسی سبک رفتار شکاری پرندے کی طرح دھیمی غراہٹ کے ساتھ ہموار سڑک پر تیرتی رہی۔

"تم دونوں ایک دوسرے سے ناواقف ہو یا تمہارا ساتھی [illegible]؟" خاصے طویل سکوت کے بعد ڈرائیور نے لب کشائی کی۔ حامد العزیز [illegible] نظر لیا تو [illegible] لہجے میں سوال کیا۔

"فلسفہ بولنا شروع کیا تو تمہیں خارش شروع ہو جائے گی۔" [illegible] فوری طور پر تند لہجے میں کہا۔ اس کا بے تکلف انداز مجھے پسند نہیں آیا تھا۔

"[illegible] ماردی کیوں" میں نے ... جیسے مجھے چھوڑ کر خاصا محظوظ [illegible] مسافر بہت پسند آتے ہیں جو بولنے والے ہوں [illegible] اس طرح مجھے مفت میں تجربات کا نچوڑ حاصل ہوتا [illegible]

"[illegible] معلوم ہوتے ہو جو دوسروں کے تجربات نچوڑتے [illegible]" میں نے خوش دلانہ انداز میں کہا۔

"[illegible] بات سمجھ میں نہیں آتی!" اس نے یہ کہتے ہوئے [illegible] اسٹیریو آن کر دیا اور فضا شستاں [illegible]

موسیقی کے سُروں سے گونج اٹھی۔

"تم واقعی [illegible] معلوم ہوتے ہو!" میں نے ذہن پر یلغار کرتے ہوئے تفکرات سے چھٹکارا پانے کے لئے اس سے بات جاری رکھنے کا ارادہ کر لیا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا؟" اضطراری طور پر اس نے گردن پیچھے گھمائی۔

"سامنے دیکھو ورنہ گاڑی کہیں لڑا دو گے۔" میں نے بوکھلا کر کہا اور اس نے دوبارہ اپنی گردن سیدھی کر لی۔ "تمہارے ایک ایک لفظ سے نا آسودگی کی بو آ رہی ہے..... کوئی بھی تمہاری باتوں سے اندازہ لگا سکتا ہے۔"

وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ "میں نے ایک فرانسیسی لڑکی کو چاہا تھا اور اسے اپنے ساتھ پیرس سے یہاں لایا تھا مگر وہ دو ہفتے بعد ہی مجھے چھوڑ کر اپنے وطن بھاگ گئی۔" فقرے کے اختتام پر اس نے دوسرا ٹھنڈا سانس لیا۔

"کیوں بھاگ گئی؟" میں اس کی باتوں میں دلچسپی لینے لگا۔

"اسے چھپ کر شراب پینے سے نفرت تھی۔ وہ شراب کی رسیا تھی اور ہر وقت سرور میں رہتی تھی۔ اس پر یہ دہشت سوار ہو گئی کہ کبھی کسی روز اس حالت میں پکڑی گئی تو اس پر حد جاری نہ کر دی جائے!"

"اس کا ڈر بجا تھا۔" میں نے اس کی ہرجائی محبوبہ کی تائید کی۔ "یہاں کا ماحول بھی عجیب پُراسرار سا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے سب لوگ کسی تنویمی اثر کے تحت چل پھر رہے ہوں یا ایک [illegible] کی سراغرسانی پر مامور ہوں......!"

حامد العزیز نے میرا پیر دبا کر مجھے بات آگے بڑھانے سے روکنا چاہا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" اس نے فراخ دلی سے اعتراف کیا۔ "باہر سے آنے کے بعد میں نے پہلی بار محسوس کیا ہے مگر پھر میں اس ماحول کا عادی ہو گیا۔ ہاں، شاید وہ بے چاری اس گھٹن کو قبول نہ کر سکی۔"

"مگر یہ گھٹن کیوں ہے؟"

"شاید یہ اس وقت اس نسل کی گرفت مضبوط ہے جو آزادی کی جدوجہد میں بہت زیادہ تھک گئی تھی۔ یہ اسی تھکی ہوئی نسل کے اثرات ہیں۔ جب نئی نسل اپنا مقام سنبھالے گی تو شاید معاشرہ اتنا مضمحل نہ رہے!"

"بڑی گہری نظر ہے تمہاری!" میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔

"یہ میرا ذاتی [illegible] شکست خوردگی یا چھپا اسرار نہیں جو تم سمجھتے ہو۔ اس کی بڑی وجہ ہے کہ ہماری موجودہ نسل کو یہ احساس ہو رہا ہے

کہ وہ اپنے حلقے سے کہیں زیادہ کام سرانجام دے چکا ہے لہٰذا ہر شخص پھولوں کی رہ گیا ہے۔" وہ نہایت واضح اور صاف سوچ کا مالک معلوم ہو رہا تھا۔

"اپنی زبان کو لگام دو میاں!" حامد العزیز نے تادیبی لہجے میں پہلی بار مداخلت کی۔ "ہر شخص تمہارے ان خیالات سے اتفاق نہیں کرے گا۔"

"فکر نہ کرو۔" وہ مدراس ہو گیا۔ "میرے دوست بھی یہی کہتے ہیں کہ کسی روز مجھے نفرت اور مایوسی پھیلانے کے جرم میں مقدمہ چلا کر سزائے موت دے دی جائے گی مگر میں اس سے پہلے ہمیشہ کے لئے پیرس چلا جاؤں گا۔ میری بیوی نے مجھے خط لکھا ہے کہ وہ بھی اگلے موسم بہار تک میرا انتظار کرے گی۔"

"تمہارے لئے پیرس چلے جانا ہی بہتر ہوگا۔" میں اس شخص سے یک بیک بہت زیادہ متاثر ہوا تھا۔ "اپنے ہی وطن میں اجنبی بن جانے سے بہتر ہے کہ آدمی ہجرت کی راہ اختیار کرلے۔"

"تم بہت سمجھدار معلوم ہوتے ہو۔" وہ عقیدت آمیز لہجے میں بولا۔ "اپنے ہی وطن میں اجنبی ــــ تم نے بڑی خوبصورتی سے احساس کو الفاظ میں ڈھالا ہے۔ کون ہو تم؟"

"مسافر ہوں!"

"اچھا ہو کہ کبھی میرے پاس چلے آنا، تم ایک اچھا دوست پاؤ گے۔" اس نے میری طرف دیکھے بغیر ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے اپنا عربی میں چھپا ہوا وزیٹنگ کارڈ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ "میں ملن سٹریٹ پر رہتا ہوں۔ اتوار کی صبح مذہب ہونے کے بعد ٹیکسی لے کر نکلتا ہوں اور راستے گلیوں میں آوارہ گردی کرتا رہتا ہوں۔"

"میرا نام ریجی فاکس ہے اور میں لبنان سے آیا ہوا ہوں۔" میں نے اپنی اخلاقی ذمہ داری نبھاتے ہوئے کہا اور اس کا کارڈ اپنے پرس میں رکھ لیا۔

شارع بحرین رہائشی عمارات کے درمیان سے گزرنے والی شاہراہ تھی جو شاید کہیں سمندر سے بھی ملتی ہوگی جب حامد العزیز نے ایک جگہ ٹیکسی رکوائی تو وہ بھی انجن بند کرکے نیچے آگیا جو اس کی جانب سے احترام کے بے پایاں اظہار کی علامت تھی۔

حامد العزیز نے اسے کرایہ ادا کرنے کی کوشش کی مگر بری طرح ناکام ہوا۔

"میں نے ریجی فاکس کو دوست کہا ہے۔ میرے نزدیک دوستوں سے کسی بھی قسم کا معاوضہ لینا حرام ہے۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تھا۔ "اگر واپسی کا ارادہ ہو تو میں تمہارا انتظار بھی کروں گا۔"

اسے یقین دلا کر بہ دقت تمام واپس لوٹا دیا کہ ہمارا واپس آنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے اور اس سے پرجوش معانقے کے بعد ہم اس مکان کی طرف چل دیئے جسے حامد العزیز نے [illegible] پیچھے چھوڑ دیا تھا۔

"یہ آدمی تو ٹھیک ہی نکلا لیکن تمہیں ہر ایک سے یہ گفتگو نہیں کرنا چاہیے۔ یہاں اس طرح تم عدم تحفظ کی فضا پیدا کر دو گے۔" راستے میں حامد العزیز نے مجھے نصیحت کی جو خاموشی سے [illegible]

وہ ایک کثیر المنزلہ عمارت کی زمینی منزل کا ایک دروازہ تھا جس پر حامد العزیز نے ڈور بیل بجائی۔

لفٹ سے متصل وہ دروازہ کھلا تو مجھے عربی لباس پہنے گٹھے ہوئے جسم والا ایک پست قد اور گنجا شخص نظر آیا جس کی کھوپڑی میں عجیب سی سرخی چمکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

پہلے اس کی آنکھیں میرے چہرے پر پڑیں اور کچھ جھجکا ہوا نظر آنے لگا مگر یہ کیفیت پل بھر سے زیادہ قائم نہ رہی کیونکہ وہ حامد العزیز کو دیکھتے ہی نہ صرف مطمئن ہو گیا بلکہ [illegible] کر مجھے سینے سے لپٹا لیا۔

اس نے ہم دونوں سے باری باری معانقہ کیا جہاں کافی سردی محسوس کی تھی جبکہ اس کے فلیٹ کے کھلے ہوئے دریچوں سے [illegible] ہوا کے خوشگوار جھونکے آ جا رہے تھے، شاید اندر مکان کو گرم رکھنے کا معقول انتظام تھا۔

حامد نے زیر لب مجھے اس شخص کا نام بتایا اور [illegible] پھر بھی پُرتپاک معانقے کے بعد وہ محبت آمیز انداز میں ہمیں [illegible] لے گیا۔

ہم جس کمرے میں داخل ہوئے وہ فرشی قالین سے مزین تھا مگر وہاں صوفوں کے ساتھ ایک کونے میں مسہری بھی پڑی ہوئی تھی۔ داخلی دروازے کے علاوہ اس کمرے کی ایک دیوار میں پہلو بہ پہلو دو بند دروازے اور بھی تھے جن کا بھرم زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا۔

ایک دروازہ کھول کر حامد پیشاب کرنے ملحقہ غسل خانے میں چلا گیا اور دوسرا دروازہ کھول کر ہمارے میزبان نے باورچی خانہ [illegible] اس فلیٹ میں کل وہی ایک کمرہ تھا جس سے [illegible] جانا چاہتے تھے۔

وہ فلیٹ دیکھ کر مجھے دلی صدمہ ہوا۔ حامد مجھے اشتم سے ملانے کے ارادے سے اس علاقے میں آیا تھا اور اس کے بیان کے مطابق اشتم ان فلسطینیوں میں سے تھا جن کی [illegible] تک رسائی تھی۔ اگر اس شخص کو [illegible] معیار سے اشتم کے عروج کا اندازہ لگایا جاتا تو [illegible] نزدیک وہ بہت ہی بے بس انسان تھا مگر میں نے فوری طور پر چہرے سے کسی بھی اپنے احساسات کا اظہار نہیں کیا۔

"تم قہوہ پیو گے یا [illegible]؟" باورچی خانے سے ہمارے میزبان نے عربی میں سوال کیا۔

"یہ بعد میں ہوتا رہے گا، پہلے کچھ کام کی باتیں کر لی جائیں!" میں نے بے رخی کرتے ہوئے کہا۔

وہ دوستانہ انداز میں مسکراتا ہوا باورچی خانے سے باہر نکل آیا جس وقت حامد بھی باتھ روم سے نکل آیا۔

"میں نے سنا ہے کہ تم یہاں کے سرکردہ فلسطینیوں میں شمار کئے جاتے ہو۔" میں نے اس سے سوال کیا تو غیر ارادی طور پر میرے لہجے میں طنز کی آمیزش [illegible] جسے اس نے بھی محسوس کیا ہوگا۔

"بشمتی!" اشتم کے جواب دینے سے پہلے حامد العزیز [illegible] "فلسطینیوں کا نام اونچی آواز میں نہ لو! یہاں اس کا نام کامل حسینی ہے اور یہ مصری نژاد ہے!"

"اتنا گھبرانے کی ضرورت نہیں۔" میرا میزبان حامد کی پشت پر ملائم مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "یہاں اونچی آواز میں تم ہر بات کر [illegible]" پھر وہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "شاید تم نے دوستی [illegible] بتاؤ کہ تم کون ہو اور میرے پاس کس سلسلے میں آئے ہو؟"

"یہ مصری ہے......" حامد العزیز نے کہا۔

اور وہ شخص اسے مزید بولنے کا موقع دیئے بغیر والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔

"تم کہاں تھے میرے دوست؟ میں تو کئی دن سے تمہارا انتظار [illegible]" کامل حسینی یا اشتم مجھ سے گلے ملتے ہوئے مسرت آمیز لہجے میں بولا۔

"ایک ہفتے کا قیدی تھا۔" میں نے بمشکل کہا کیونکہ اس نے [illegible] اس طرح کہ میرا سانس لینا بھی دشوار کر دیا تھا۔

"ایئرپورٹ پر قدم رکھتے ہی سعد علی کی [illegible] [illegible]" حامد العزیز نے وضاحت کی۔

اشتم کے استفسار پر میں نے اسے پوری تفصیل سنائی تو وہ [illegible] کا نام اور کردار اس کے لئے اجنبی نہیں تھا [illegible] کے اختصار کے باوجود وہ پوری صورتحال سمجھ گیا۔

"اگر تم ایئرپورٹ پہنچ جاتا تو شاید تم ان ناگہانی [illegible]" [illegible] خاموش ہونے پر اشتم نے کہا۔

"شکر ہے کہ وہ [illegible] مقام کی [illegible] ہے!"

"[illegible] بات ہے۔" اشتم اداس لہجے میں بولا۔ "طیب کو [illegible] کرتے ہوئے ممنوعہ علاقے میں داخل ہونے کی [illegible] قید یا مشقت کی سزا سنا دی گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ لیبیا کی سرزمین سے [illegible] واپس نہیں آ سکی!" [illegible] سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"مایوسی بڑی چیز ہے!" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔ "یہاں کے لوگ بہت مخلص اور مہمان نواز ہیں، تم مقدر کی ستم ظریفی کا شکار ہو گئے ہو۔"

"اور سیتا؟" میں نے بے رحمانہ نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کرتے ہوئے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

چند ثانیوں کے لئے فضا پر موت کا سا بوجھل سکوت طاری ہو گیا۔ حامد العزیز ایک بیکار سی تصویر کی طرف دیکھ رہا تھا اور اشتم پر خفت طاری تھی۔

"سیتا کے معاملے میں کچھ نئی خبریں موصول ہوئی ہیں!" آخر کار اس سکوت کو اشتم کی مرتعش آواز نے ہی توڑا۔

"مایوس کن اور؟" میں نے سوال کیا۔

"پتہ نہیں تم اسے کس زاویے سے دیکھو۔" اس نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔ "سیتا کے جیل سے ناقابل یقین فرار کے سلسلے میں مقامی حکام کو کچھ ثبوت ملے ہیں کہ اس معاملے میں البرٹو کاستیلو نامی ایک شخص بھی پوری طرح ملوث ہے!"

"البرٹو کاستیلو؟" میں دانت چبا کر غصیلے لہجے میں بولا۔ "کون ہے وہ اور اس کا مستقل ٹھکانہ کہاں ہے؟"

"کاستیلو ایک پیشہ ور سیکرٹ ایجنٹ ہے اور بہت سے ملکوں کے لئے کام کرتا ہے۔ اس مرتبہ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کن لوگوں کے اشاروں پر ناچ رہا ہے۔" اشتم کے الفاظ نے مجھے اندر کہیں چونکا دیا۔

"تمہارا خیال ہے کہ اس نے سیتا کو جیل سے نکالا ہے؟"

"یہ ضروری نہیں۔" اشتم دھیمے لہجے میں بولا۔ "ویسے بھی یہ لیفٹیننٹ نیشنل سیکورٹی [illegible] کی ہے۔ ان لوگوں کو کاستیلو کے بارے میں ناقابل تردید شہادتیں ملی ہیں اور سیتا کے فرار کے بعد سے وہ روپوش ہے۔ اس وقت پورے لیبیا میں سیتا کے ساتھ ہی اس کی تلاش بھی جاری ہے!"

"تمہارے اپنے ذرائع اطلاعات کیا کہتے ہیں؟"

"خدا کے لئے مجھ سے ایسے بے رحمانہ انداز میں گفتگو نہ کرو۔" اشتم تڑپ کر بولا۔ "پچھلے کچھ عرصے سے میں یہاں ایک مجبور و مسکین تارک وطن کی طرح اپنا وقت گزار رہا ہوں۔"

"مگر نیشنل سیکورٹی چیف تک رسائی رکھتے ہو!" میں اس پر پوری طرح اپنے دل کا غبار نکالنا چاہتا تھا۔

"تم نہیں سمجھ سکتے، تم سمجھ ہی نہیں سکتے!" وہ بے بسی کے عالم میں بولا۔ "تم لفٹ سے متصل اس مختصر ترین فلیٹ کی حقیقت جاننا نہیں چاہتے میرے دوست! میں اس عمارت کا چوکیدار ہوں...... کامل حسینی کے نام سے اپنا وقت گزار رہا ہوں ورنہ اشتم کے سے

تو چند روز قبل ہی ملک بدر کیے جانے کے احکام جاری ہو چکے ہیں۔
"تمہاری مجبوریاں اپنی جگہ سچا ہیں،" طیب میری وجہ سے پڑا گیا۔ حامد العزیز میری وجہ سے پریشان ہے۔ میں تو یہ محسوس کر رہا ہوں کہ جیسے پیچھے دھکیلتے دھکیلتے دیوار سے لگا دینے کے بعد ہر شخص مجھے چھوڑ دینا چاہتا ہے!"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔" ہاشم پرجوش لہجے میں بولا۔ "ہم تمہارے ہر حکم کی تعمیل کے لیے تیار ہیں مگر حالات اس وقت ساز گار نہیں ہیں۔"

"اگر تم تعاون کے لیے تیار ہو تو یہ تمہارا مجھ پر احسان ہے مگر میں اب تنہا ہی کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ تم صرف اتنا ہی کرو کہ مجھے بتا دو کہ اس کے بعد میں خود ہی اپنی راہ تلاش کر لوں گا۔"

"تم ہماری طرف سے بے اعتمادی کا شکار ہوتے جا رہے ہو۔" ہاشم نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"بس یہی مجھ سے زیادہ حالات کا دخل ہے برادرم!"

"یہ بتاؤ کہ ہمیں چھوڑ کر تم کیا قدم اٹھانا چاہتے ہو؟" اس نے چند ثانیوں تک میری طرف گھورتے رہنے کے بعد سوال کیا۔

"مجھے تو خواہ مخواہ پھنسا دیا گیا ہے۔ آنے والا وقت ہی بتا سکے گا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے، پیشگی منصوبہ بندی میرے بس سے باہر ہے!"

"پھر میں مشورہ دوں گا کہ غصہ ترک کر دو اور چند روز یا چند ہفتوں کے لیے ہماری کوششوں پر اعتماد کر لو۔"

"مگر تم کر کیا رہے ہو؟" میں نے کہا۔ "تم تو خود اپنے حصار میں بیٹھے ہوئے ہو اور تم پر انحصار کرنے کے بعد تو شاید مجھے مقدر کے لکھے کا پورا ہونے کا ہی انتظار کرنا ہوگا جب کہ میں مقدر پرست کسی بھی معاملے میں بے عملی کا قائل نہیں ہوں۔"

"یہ بے عملی اور بے بسی میری اپنی ذات تک محدود ہے ورنہ میرے چند بہترین آدمی اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ پولیس سے قبل البرونو کا سراغ لگانے کی کوششوں میں بھی مصروف ہیں۔"

"تمہارا ان سے رابطہ کس طرح ہے؟"

"فی الحال نہیں۔" اس نے کہا۔ "لیکن کامیابی حاصل ہوتے ہی وہ مجھ کو اطلاع پہنچانے کے پابند ہیں!"

"تمہیں ملک بدر کیے جانے کے احکام جاری ہو چکے ہیں، پولیس میری تلاش میں ہے اور حامد العزیز تو ابھی ابھی پولیس کے شکنجے سے نکل کر نیا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ہم تینوں مل کر کیا کر سکیں گے!" میں نے الجھن آمیز لہجے میں اپنے حقیقی خدشات

ظاہر کیے۔

"حامد کو تو بھول جاؤ۔ فی الحال یہ بالکل گوشہ نشین رہیں گے۔ اس کا بہنوئی ایک عرب سفارت خانے میں اہم عہدے پر ہے اگر یہ وہاں روپوش ہو گیا تو کوئی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔"

"میرے بارے میں کیا کہو گے؟"

"تمہارے لیے بھی کوئی جگہ مل ہی جائے گی۔ تم بھی اپنا حلیہ کسی عربی کی طرح بدل لو، یوں اس کے پیش نظر یہ کام آسانی سے ہو جائے گا۔"

"میں اپنے بہنوئی کے پاس جانے کے بجائے کسی محفوظ جگہ جانے کو ترجیح دوں گا۔" حامد نے موقع پاتے ہی کہا۔

"کیا اس سے کچھ الگ نئی بات ہو گئی ہے؟" حامد نے ہاشم کا سوال کر کے اسے ساکت کر دیا۔

"اسی عمارت میں پہلی منزل پر ایک فلیٹ خالی ہے۔" کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد ہاشم بولا۔ "کرائے دار طرابلس سے بیجنگ جیسا آئیں گے مگر انہوں نے فلیٹ بک کرا رکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم دونوں وہاں آرام سے رہ سکو گے اور کسی طرح چارہ سازی بھی ممکن ہو سکے گی۔"

"تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو!" حامد العزیز نے کہا۔

"ایک اور اہم بات!" ہاشم ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "جس کا تعلق آہستہ آہستہ سنبھل رہا تھا، حامد ابھی تک تھا۔ اب تم حامد ہو اور نہ یہ مسٹر یا یوسف خاص سے۔ تم لوگ اپنے لیے دو نئے ناموں کا انتخاب کر لو۔" وہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "تمہارا عربی لب و لہجہ بہت اچھا ہے مگر الفاظ کے تلفظ کی ادائیگی میں تمہیں محتاط رہنا ہو گا۔"

"میں سمجھا نہیں!"

"تم بار بار مشکل الفاظ کہہ رہے تھے۔ میں خود بہت عرصے عرب میں رہا ہوں اور یہی تلفظ اندازہ لگا سکتا ہوں کہ عرب قومیت کے لیے کام کرنے والا کسی اجنبی کی پہچان کر سکتا ہے۔ آخر تم اس کی احتیاط کرو۔"

"تو کیا مجھے عرب بن کر رہنا ہو گا؟"

"صرف لباس کی حد تک!" ہاشم جلدی سے بولا۔ "تلفظ کے بارے میں، میں نے جو کچھ کہا وہ صرف احتیاط پر مبنی ہے!"

"اس عمارت کا مالک کون ہے؟"

"اس کی طرف سے بے فکر رہو، وہ ایک مقامی ہے مگر وہ میرا بہت بڑا ملکہ ہے۔ اسے بھی آپ نے کچھ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے مجھے اپنی پیشکش کی تھی وہ تمہارے لیے کوئی دشواری پیدا نہیں کرے گا۔"

ہاشم نے تینوں کے لیے قہوہ تیار کیا جو شاید باورچی خانے سے متعلق تھا۔ لہذا ہم نے کرسیاں دروازے کے قریب سرکا لیں۔ ہاشم نے میرے سوالات کے جواب میں نہ صرف البرونو کا

اصل حلیہ بتا ڈالا بلکہ قہوہ نوشی کے دوران میں اس نے اپنے وجود کی تلاشی لے کر البرونو کا ایک چند برس پرانا فوٹو بھی میرے حوالے کر دیا جس کے ذریعے البرونو کا سیلانوں کے خد و خال کی شناخت ہو سکتی تھی۔

البرونو اپنے چہرے کے خد و خال سے ایک سفاک اور بے رحم نظر آتا تھا۔ جو اپنے چند کوڑیوں کے مفاد کی خاطر کسی بھی انسان کو بھی قتل کر سکتا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم البرونو کی تلاش میں باہر نکلنے کا قصد رکھتے ہو۔" البرونو کی تصویر میں میری دلچسپی دیکھتے ہوئے ہاشم نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے بہتر ہے کہ کسی نہ کسی سمت میں کام شروع کر دیا جائے۔" میں نے کہا۔

"البرونو کے جو زف سے شاید گہرے مراسم تھے؟" حامد العزیز نے استفسار طلب لہجے میں ہاشم سے کہا۔

"وہ ماضی قریب کی بات ہے جب بن غازی میں شراب کسی قیمت پر نہیں ملتی تھی۔" ہاشم نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "اس وقت البرونو گھنٹوں جوزف کے قہوہ خانے کے پچھلے کمرے میں بیٹھا رہتا تھا۔ اب جوزف شاید ہی اسے یاد کر سکا ہو!"

"پھر بھی اس سے مل لینے میں کیا حرج ہے۔" میں اس سے کچھ دلچسپی محسوس کر رہا تھا۔ "مشکل وقت میں آدمی اکثر پرانے دوستوں کا رخ کرتا ہے۔"

"تمہاری مرضی ہے۔" ہاشم لاپروائی سے بولا۔ "بس یہ خیال رکھنا کہ اس کی دوستی کو دعوت دشمنی نہ سمجھو!"

اس وقت خاصی رات ہو گئی تھی۔ ہاشم نے جاتے جاتے اپنے ہی لوہا کھانے کا بندوبست کیا اس سے پہلے شراب کا ایک ہلکا سا دور چلا کر اس نے کھانے کا لطف دوبالا کر دیا۔ کھانے کے بعد ہاشم نے ہمیں پہلی منزل کے خالی فلیٹ میں پہنچا دیا۔

وہ فلیٹ ضروریات زندگی سے پوری طرح آراستہ تھا۔ بستر، تکیے اور صوفوں سے لے کر نفیس کراکری تک ہر شے میسر تھی......

حامد العزیز نے بتایا کہ بن غازی میں ایسے آراستہ فلیٹ اتنے جاری کرائے کے باوجود بہت مقبول تھے کیونکہ وہ چار چار ماہ کے لیے ان میں قیام کرنے والے باہر کے لوگ گھریلو ساز و سامان کی خریداری کے بکھیڑوں سے بچ کر نہایت پرسکون انداز میں رہ سکتے تھے اور پھر خیال رکھنا کہ فلیٹ علاقے کے ہوٹلوں سے بہ جہا سستے پڑتے تھے۔

میں نے ہاتھ کر کے کمرے کو گرم کرنے کے نظام کو حرکت میں لانے کے بعد حامد العزیز سے ہوٹل کر خالی کرنے میں مصروف ہو گئے جو ہاشم علیحدہ کر کے پہلے ہی نصف دے گیا تھا۔

لیبیا پہنچنے کے بعد وہ میری پہلی رات تھی جو بے حد سکون کے عالم میں گزری۔ صبح دیر سے بیدار ہوا تو ہاشم پہلے ہی ناشتہ میز پر خورد و نوش کی اشیاء رکھ چکا تھا اور حامد اخبار پڑھتے ہوئے میرا انتظار کر رہا تھا۔

میں منہ ہاتھ دھو کر ناشتے کی میز پر بیٹھا تو حامد العزیز نے تپائی پر پڑے ہوئے پیکٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ہاشم تمہارے لیے لایا ہے!"

"کیا ہے؟"

"مقامی وضع کے دو لباس۔" حامد مسکرا کر بولا۔ "تمہیں ان کے پہننے میں الجھن نہ ہوئی تو مزید آ جائیں گے۔"

"موجودہ حالات میں چاہے کیسے ہی لباس سے زیادہ سوچا رہا ہوں۔" میں نے چائے کا ایک لمبا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"کھانے کے بعد کپڑوں کی الماری میں دیکھنا۔" وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

ناشتہ ختم کرنے کے بعد میں نے کپڑوں کی الماری کھولی تو میرا دل باغ باغ ہو گیا۔ وہاں مجھے پورے دو خودکار پستول مع سائلنسرز موجود ملے۔ نائٹ رائونڈ زسے بھرے ہوئے دو ڈبے بھی موجود تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ضرورت کے تحت انتخاب کرنے کے لیے کمر سے باندھے جانے والے ولیٹ ہولسٹرز کے ساتھ ہی بغلی ہولسٹرز بھی موجود تھے۔ ان سے بڑھ کر مجھے جو چیز پسند آئی وہ زہر بجھے تیر داغنے والی پلاسٹک کی دو شیشیاں تھیں جنہیں میں کبھی بھی نہ بھول سکا تھا۔

وہ شیشی سا مہلک ہتھیار مجھے تل ابیب میں ایک یہودی ہتھیار گروپ کے رکن سے ملا تھا اور اسی گروپ کی مدد سے میں نے ال ال کے طیارے کے اغوا میں سنا یا کردار ادا کیا تھا۔ ان سے جدا ہونے کے بعد وہ شیشی میرے ہی قبضے میں رہی اور میں نے اس سے انتہائی نازک موقع پر خوفناک کام لیے مگر ایک معرکے میں وہ شیشی مجھ سے گم ہو گئی۔ اب غیر متوقع طور پر اس ہتھیار کو دوبارہ پا کر مجھے بے اندازہ خوشی ہوئی تھی۔

"یہ شاید تمہارا فرمائشی ہتھیار ہے۔" حامد العزیز نے میرے چہرے سے مسرت بھانپ کر کہا۔ "ہاشم کو اس کے استعمال کا علم ہے اور نہ مجھے مگر وہ کہہ رہا تھا کہ اسے کچھ عرصے قبل پیغام ملا تھا کہ تم جب بھی لیبیا پہنچو یہ ہتھیار تمہیں ضرور دیا جائے!"

"یہ دونوں پستول کیسے ہیں؟"

"ان سے مگر یہ ہے کیا بلا؟" حامد میرے قریب اٹھ آیا۔

اور جب میں نے اس ننھی سی بے ضرر شیشی کے خواص بیان کیے تو وہ حیران رہ گیا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کپڑوں سے داغ دور کرنے والی دوا کے سپرے کی آڑ میں ایسی ہلاکت پوشیدہ ہے!"

حامد العزیز کے قریب ہو گئے تھے ٹیکسی سٹینڈ سے شہر
کرنے اور لباس تبدیل کرنے کے بعد ہم نے قد آدم آئینے میں اپنے سراپا کا جائزہ لیا اور مسکرا دیا۔ کیونکہ اب تک ہمیں خود کو پہچاننا دشوار ہو گیا تھا۔

ہم نے اپنے پستول کوٹ کے نیچے بغلی ہولسٹرز میں چھپا لئے اور میں زہریلے نیزوں والی ایک شیشی لے کر باہر آ گیا۔

نیچے آنے کے بعد ہم نے دھوپ کے چشمے بھی لگا لئے اور ٹیکسی میں ایک طرف روانہ ہو گئے۔

نصف گھنٹے کے بعد ہم دونوں مقہی الیوسف کے سامنے موجود تھے۔

"یوسف کا اصل نام کیا ہے؟" میں نے بورڈ پڑھتے ہوئے حامد سے سوال کیا۔

"جوزف! یہ شخص عیسائی ہے مگر عربی میں جوزف کو یوسف ہی لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔" اس نے کہا۔

اندر میزوں کے گرد گنتی کے افراد موجود تھے اور کاؤنٹر پر چند حیائی جیسی آنکھوں والا ادھیڑ عمر کا ایک شخص براجمان تھا۔

"موائل سیلبرٹ ہے؟" حامد العزیز نے کہنیاں کاؤنٹر پر جما کر اس شخص کی طرف جھکتے ہوئے سوال کیا۔

"ضرور ہو گی اور ہی چلے جاؤ۔" اس نے اندرونی راستے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "جوزف وہیں بیٹھا ہے!"

حامد العزیز نے پلٹ کر نہایت اعتماد اور بے تکلفی سے میرا ہاتھ تھاما اور ہم دونوں کاؤنٹر والے کی بتائی ہوئی سمت میں بڑھتے چلے گئے۔

اس بیٹھک سے ملحقے کا اختتام ایک بند دروازے پر ہوا جب میں نے دروازے پر زور ڈالا تو وہ اندر سے مقفل تھا۔

میں نے اضطراری کیفیت میں دروازے پر دستک دی اور فوراً ہی دروازہ کھول دیا گیا بلکہ اس میں تھوڑی سی جھری پیدا کی گئی جس کی اوٹ سے ایک گندمی رنگ کا نسوانی چہرہ جھانک رہا تھا۔

"جوزف! مجھے جوزف سے ملنا ہے۔" میں نے دروازہ کھولنے کی کوشش میں ایک پٹ پر زور دیتے ہوئے کہا مگر وہ عورت شاید دروازے کے پیچھے اپنی ٹانگ اٹکائے کھڑی تھی کیونکہ وہ دروازہ نہ کھل سکا۔

"وقوف زبانی ذکر وہ یہ بتاؤ کہ اس سے کیا کام ہے؟"

میرے کانوں میں کرخت سی سرگوشیانہ آواز آئی اور ساتھ ہی کوئی مردانہ ہاتھ پشت سے جھپٹ کر شانے پر جم گیا۔ میں بڑبڑا کر پلٹا تو میرے اور حامد کے درمیان چند حیائی جیسی آنکھوں والا وہی شخص کھڑا تھا جس سے ہم کاؤنٹر پر مل چکے تھے۔

پل بھر کے لئے میری اور حامد کی نگاہیں چار ہوئیں مگر کاؤنٹر

ملنے کے بارے میں مجھ سے زیادہ حیران تھا اس کا مطلب تھا کہ ہم ہم دونوں کی لاعلمی میں شاید قدم وہاں تک پہنچا تھا۔

صورت حال کی نزاکت محسوس کر کے میں مسکرا دیا اور عورت کی طرف پلٹ کر نرم لہجے میں بولا: "دراصل ہمیں موقع ہیں!"

"کون سی؟" وہ بیچ میں اندر گھسنے کی اجازت دیتے ہوئے بولی "تم جیسی شہرت میں الف بھی ہوں!"

"موائل سیلبرٹ!" ہم نے کن انکھیوں سے کاؤنٹر والے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"یہ سٹر دیا جاؤ!" عورت نے خالص کاروباری انداز میں ہاتھ میری طرف چلا دیا۔ میں نے کانوں کے انداز میں اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا اور جیب کی اوٹ میں چھپا کر زہریلے نیزوں والی شیشی بھی نکال لی۔

کاؤنٹر والا اوپر اٹھا تو انداز میں میرے ہاتھ میں موجود تھے دیکھ کا منتظر تھا اور حامد کو بھول کر میری ہی طرف متوجہ تھا!

میں نے شیشی کا رخ درست کیا اور نہایت خفیف سے زنائے کے ساتھ ایک سوئی شیشی سے اڑ کر کاؤنٹر والے کی گردن میں پیوست ہو گئی۔ اور وہ لڑکھڑا کر فرش پر لڑھکنے لگا۔

حامد العزیز اگر پھرتی سے اسے اپنے ہاتھوں کا سہارا دے کر فرش پر نہ ڈالتا تو اس کی لاش کے گرنے کا دھماکا لوگوں کو متوجہ کر دیتا۔

"کیا ہوا ہے؟" عورت چونک کر دروازے سے باہر آ گئی۔

مجھ پر اس وقت درندگی سوار ہو چکی تھی میں نے نہایت پھرتی سے بایاں ہاتھ غضب سے اس کے منہ پر جمایا اور دائیں ہاتھ کی دوسری ہی ضرب میں اس کا مزاحمت کرتا ہوا جسم بے جان سا ہو گیا۔

اس نے بے ہوشی سے قبل اپنی گلو خلاصی کے لئے میرے بال پکڑنے کی ہر تو ڑ کوشش کی تھی مگر میرے سامنے اس کی ایک نہ چل سکی۔

میں نے اس کے بدن کو فرش پر ڈالا تو حامد العزیز بغلی ہولسٹر سے اپنا پستول نکال کر اندر گھس چکا تھا۔

میں نے پھرتی سے بے ہوش مرد اور عورت کو دروازے سے اندر گھسیٹ کر دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا اس طرح ہم دونوں باہر کی طرف سے کسی مداخلت کے خطرے سے بے نیاز ہو گئے تھے۔

"ہلے تو گولی مار دوں گا!" اسی لمحے اندر سے حامد العزیز کی چنگھاڑتی ہوئی سرگوشیانہ آواز سنائی دی۔

میں نے لپک کر وہ چھوٹی سی کوٹھڑی عبور کی اور ایک

کمرے میں جا پہنچا جہاں حامد العزیز نے ایک صحت مند شخص کو اپنے ہولناک پستول کی نال کی زد میں لیا ہوا تھا۔

اس شخص کے سامنے فرش پر مختلف مالیتوں کے بہت سے نوٹوں کی گڈیاں بکھری ہوئی تھیں اور ایک بڑا بریف کیس بھی کھلا پڑا رکھا تھا جس میں گڈیاں قرینے کے ساتھ لگی ہوئی تھیں۔

شاید ہمارے پہنچنے سے قبل وہ اس دولت کے ساتھ مل کر رقم گن کر بریف کیس میں رکھ رہا تھا۔

اس شخص کے اعصاب قابلِ رشک تھے۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے ہوئے تھے، مگر اس کی نگاہوں میں غصے اور حقارت کے کوندے لپک رہے تھے۔

میں نے اس پر مزید نفسیاتی دباؤ ڈالنے کے لیے اپنا پستول بھی نکال لیا۔

"میں ان کھلونوں سے نہیں ڈرتا۔" وہ پیر پٹخ کر بولا۔ "یہ بتاؤ کہ ماریا کہاں ہے؟ وہ تم سے ڈرنے پر بات کر رہی تھی۔"

"وہ باہر پولیس کی گاڑی میں بیٹھی تمہارا انتظار کر رہی ہو گی۔!" میں نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تمہارا چنڈو خانہ اس وقت پولیس کے محاصرے میں ہے۔"

اس کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے سراسیمگی کے آثار نظر آئے مگر وہ سنبھل گیا اور تحقیر آمیز لہجے میں بولا۔ "پولیس؟ وہ یہاں کیا لینے آئی ہے؟ میں انہیں ہمیشہ مقررہ وقت سے پہلے ان کا حصہ پہنچا دیتا ہوں! پھر ایک ہلہ بول کر آ رہا ہے لیکن تمہارے جسموں پر تو پولیس کی وردیاں نہیں ہیں۔ اور نہ پولیس افسران کو اتنے بڑے بڑے پستول ملے ہوئے ہیں؟"

"خاطر جمع رکھو۔" میں زہریلے انداز میں مسکرا دیا۔ "پولیس ہماری مدد کر رہی ہے اور ہمارا تعلق نیشنل سیکیورٹی بیورو سے ہے!"

میرے الفاظ پر اس کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ "تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"ہمیں تمہاری شراب فروشی اور ناجائز کمائی سے کوئی غرض نہیں۔ ہم یہاں دوسرے معاملے میں آئے ہیں!"

"واقعی؟" اس کی آنکھوں سے بے اعتباری مترشح تھی۔ "تو تم اس رقم کو ہاتھ نہیں لگاؤ گے؟"

"اگر تم سچ بولتے رہے تو ہم تمہیں یہیں چھوڑ جائیں گے ورنہ وہ ہوگا جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔" میں نے بریف کیس ایک طرف سرکاتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا۔ حامد بھی سرد نہ لگنے پہ بیٹھ گیا۔

"مجھے یقین نہیں آتا۔" وہ بڑبڑایا۔ "اگر مفت میں یہ بول کر میری جان بخشی ہو سکتی ہے تو میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔!"

"ابو نواز کا تمہارے گودام میں کیا چلتا ہے؟" میں نے سرد لہجے میں سوال کیا اور اس کے چہرے پر موت کی سی زردی پھیلتی چلی گئی۔

"میں نے اسے پہلی بار نہیں دیکھا۔" جہنم تاریک ملک کی قوت نے لیڈر لیبیا قوتوں کی آواز کسی گھبرائے ہوئے گوریلے کے حلق سے آتی محسوس ہوئی۔ "جب شراب بندی کے قانون پر سختی سے عمل ہو گا تھا تو وہ میرا گاہک تھا۔"

"جھوٹ مت بولو جوزف!" میں نے پستول کی نال اس کی ٹھوڑی پہ رکھتے ہوئے غضب ناک لہجے میں کہا۔

"اس نے مجھے کبھی اپنی سرگرمیوں کے بارے میں نہیں بتایا، مگر میں نے سنا تھا کہ وہ اکثر مختلف ملکوں کے لیے جاسوسی کرتا رہتا تھا۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر رک رک کر بول رہا تھا جیسے الفاظ کہیں قریب ہی چھپا ہوا ساری گفتگو سن رہا ہو۔

"اتنا ہم بھی جانتے ہیں۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ تم ملک لالی دیتے ہو۔ یہ بتاؤ کہ وہ اب کہاں ہو گا اور آخری بار تم سے کب ملا تھا؟"

"میرے ساتھ ظلم نہ کرو۔" وہ ملتجیانہ انداز میں کراہا۔ "جب یہ بتایا کہ مجھے علم ہی نہیں ان کے بارے میں میں کیا کہہ سکتا ہوں؟"

"ظلم؟" میں بے رحمانہ انداز میں جیسے پھٹ پڑا۔ "اگر یہ ظلم ہے تو پھر انگلیوں کے ناخن اکھاڑنے اور کانوں میں کھولتا ہوا تیل ڈالنے کو کیا کہو گے؟"

"نہیں!" وہ ہذیانی انداز میں پیچھے سرک گیا۔ "تم جیسے لوگ ایسی بربریت اختیار نہیں کر سکتے کیونکہ مجھے اس شہر کے معزز لوگوں کی پشت پناہی حاصل ہے۔ وہ ہر حالت میں میرا ہی ساتھ دیں گے۔ انہیں علم ہو گا تو تم ساری زندگی جیل کی اذیتیں جھیل کر اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گے!" میرا لہجہ نہایت پُراعتماد اور مستحکم تھا۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے۔" اس نے بے اعتباری سے کہا۔ "ہم یہاں سے لے کر نکل گئے اور پورے شہر کو میری گرفتاری کی خبر ہو جائے گی اور....."

"تمہیں لے کر نکلیں گے؟" میں نے استہزائیہ انداز میں قہقہہ لگایا۔ "ہم مرنے والوں کو ساتھ لے جانے کے قائل نہیں ہیں۔"

"تو تم مجھے یہیں مار ڈالو گے؟" اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

"اگر تمہیں اپنی زندگی پیاری معلوم ہونے لگی ہے تو ہم بھی بے بس ہو کر رہ جائیں گے۔" میں اس سے گفتگو کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا لائحہ عمل بھی طے کرتا جا رہا تھا۔

"لیبیا کا کوئی قانون سرکاری اہلکاروں کو بے گناہ شہریوں کے قتل کی اجازت نہیں دیتا۔" وہ احتجاج آمیز لہجے میں بولا۔

میں نے اس بات پر بھی کہ اپنے چہرے کو سنجیدہ رکھا۔ "تم جانتے ہو کہ کس کی بات کر رہے ہو؟" اس نے ملتجی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر... بے بسی...

حامد العزیز نہایت فرمانبرداری کے ساتھ باہر نکل گیا۔

"تم بھی جوزف!" جوزف ہذیانی لہجے میں بولا۔ "تم لاپروائی کی باتیں کر کے میرے اعصاب کو تباہ نہیں کر سکتے!"

"ابو نواز ضرور جہنم داخل ہو گا مگر تم کو شاید اس سے پہلے ہی جہنم نہ پہنچنا پڑے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

اسی اثنا میں حامد العزیز مستعدی سے کاؤنٹر والے کی گردن دبوچے اس کو گھسیٹتا ہوا اس کمرے میں لے آیا۔

اس کی حالت دیکھتے ہی جوزف کا چہرہ ست گیا اور وہ مردہ سی آواز میں بولا۔ "تو تم نے واقعی اسے مار دیا ہے؟"

"ابھی یہ مرا نہیں ہے، اس کا حشر بھی ہو سکتا ہے۔"

"سچ سچ بتاؤ کہ ماریا کہاں ہے؟" وہ اضطرابی طور پر سر جھٹک سے نزدیک تر ہوتا جا رہا تھا۔

"وہ تمہاری کون ہے؟"

"جی...! میں لیلا ہے اور میں اسے دیوانہ وار چاہتا ہوں اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں زندہ نہ رہ سکوں گا۔"

"اچھا! تو تم نے بتایا! اب تشدد کا آغاز ناخن اکھاڑنے سے ہوگا۔" میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔

"میری بات پر یقین کریں۔ بخدا میں سچ کہہ رہا ہوں، ہاتھ بھی نہ لگا سکو گے" وہ بلبلا اٹھا۔

"یہ بھی تو ہے، دارنگ ہے۔ پہلے عورتوں کو ہاتھ لگانا عجیب تھا۔" میں نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اگر تم نے زبان نہ کھولی تو ہم تمہارے سامنے گولی مار دیں گے۔ اس کی بے بسی دیکھ سکو گے۔"

اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر بے اختیار اپنے بال نوچ ڈالے اور بلبلانے لگا۔ "اے خداوند! میری مدد فرما!"

"تمہیں چلنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے تیز لہجے میں کہا۔ "اگر اگلے ایک گھنٹے تک زبان نہ کھولی تو میں ماریا کو یہاں طلب کر لوں گا۔"

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اس نے تقریباً اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا اور اس کی آنکھوں سے شکست کا احساس جھلکنے لگا تھا۔

"ابو نواز کا ٹھکانہ!" میں نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔ "وہ غائب ہے اور کیوں ملا تھا؟"

اس کا پیچھا تو پہنچنے کے بعد اس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ اس کی ماریا کے لیے بھی اس نے دوبارہ ہاتھ اٹھانے کا حکم دے دیا۔ ابو نواز یہاں سے بیس میل دور کسی جگہ غائب ہو چکا ہے اور وہ کسی ایسی آتش فشاں پہاڑ میں مبتلا نظر آ رہا تھا۔

وہ لرزتا ہوا بے بسی سے میری طرف دیکھتا رہا پھر گھٹنوں کے بل زمین پر گر کر نوٹوں کی گڈیاں بکھیرنے لگا۔

"تم ابو نواز میں کیوں اتنی دلچسپی لے رہے ہو؟" طویل سکوت کے بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"بس مرنے والا ایک سنگین جرم میں ملوث ہے!"

"اگر اسے پتہ چل گیا کہ میں نے ابو نواز کے بارے میں زبان کھول کر مخبری کی ہے تو میری نسلیں بھی لیبیا کا رخ نہ کر سکیں گی۔" وہ تشویش زدہ بلکہ تقریباً روتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "آخر تم ابو نواز کے معاملے میں میرے پیچھے ہی کیوں پڑے ہو؟ اس شہر میں اس کے بڑا آشنا سا ہیں۔"

"تمہاری بدقسمتی۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "اب بکواس بند کرو اور وقت ضائع کرنے کے بجائے کام کی بات کرو۔ البتہ یہ اطمینان رکھو کہ ابو نواز بھی تم جیسا ایک انسان ہے اور اگر ہم اس تک پہنچ گئے تو وہ تمہارا بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔"

"مجھے ابو نواز سے زیادہ حمزہ کا خوف ہے!" وہ کراہا۔

"دوسرا کون؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"حمزہ العلاوی!" وہ آنکھیں موند کر تھکی ہوئی آواز میں بولا۔ "اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ بچھو کے خواص رکھتا ہے، کوئی چاہے نہ چاہے وہ ہر کسی کو ڈنک مارتا ہے خواہ اسے فوری کیوں نہ زخمی ہونا پڑے!"

اس کی زبان سے حمزہ کا نام سن کر میرے ساتھ ہی حامد العزیز بھی چونک پڑا۔

"حمزہ کا ابو نواز سے کیا واسطہ ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"پچھلے ہفتے ابو نواز اسی کو ملنے یہاں آیا تھا۔ اس کی اعصابی شکست و ریخت کے مراحل پورے ہو چکے تھے اور لگتا ہر سوال کا سیدھا سا جواب دینے پر آمادہ نظر آ رہا تھا۔

"تو کیا حمزہ بھی تمہارے گاہکوں میں شامل ہے؟"

وہ نہایت ملتجیانہ انداز میں بولا۔ "پتہ نہیں، اس کے بارے میں سنا ہے شراب کے معاملے میں بھی بہت سخت ہے، اور میں نے کبھی اسے یہاں آتے نہیں دیکھا۔ وہ سیاست کے سلسلے میں ایک آدھ گھنٹے کے لیے ضرور یہاں آتا ہے اور یہ بات ابو نواز کو بھی معلوم تھی۔"

"پچھلے ماہ ابو نواز یہاں کیوں آیا تھا؟"

"مجھے کچھ علم نہیں۔" وہ مرنے والے لہجے میں بولا۔ "وہ دونوں اسی کمرے میں بیٹھے دیر تک باتیں کرتے رہے اور میں ماریا کو ساتھ لے کر خریداری کے لیے نکل گیا۔ اس روز پہلے بھی میں نے ابو نواز کو دیکھا تھا۔ واپسی پر میں نے حمزہ کو اپنا منتظر پایا۔ اس نے مجھ سے بڑے سخت لہجے میں قسم لی کہ میں اس کی اور ابو نواز کی ملاقات کے بارے میں اپنی زبان بند رکھوں گا۔ اسی وقت میرا ماتھا ٹھنکا تھا کہ حمزہ کسی بڑے معاملے میں اپنی...

ٹانگ پھنسا رہا تھا۔

اس ملاقات میں ان دونوں کے درمیان کیا گفتگو ہوئی تھی؟" میں نے پُرتجسس لہجے میں جوزف سے سوال کیا۔

وہ بولا "کہا نا کہ مجھے کچھ علم نہیں۔ اس کی ملاقاتیں یکسر ہم تو ٹوٹ چکی تھیں اور وہ مجھ سے گلو خلاصی کا متمنی تھا۔"

"مرزو کی دوسری سرگرمیاں کیا تھیں؟"

"سنا ہے کہ پرائیویٹ طور پر کسی سرکاری محکمے میں معمولی سی تنخواہ پر ملازم ہے مگر وہ تو اس کی وقت گزاری ہے، وہ گھر بیٹھ کر بھی کما سکتا ہے تو اس کی اولاد کو پیسے کی کوئی کمی نہ ہو گی۔"

"اب کان کھول کر غور کرو، یہاں آنے والی پولیس کی تمام نفری سادہ پوشوں پر مشتمل ہے اور تمہاری بیوی باہر والی کوٹھڑی میں بے ہوش پڑی ہے۔ تم دونوں بعد میں جو کہانی چاہو تراش سکتے ہو لیکن اس میں مرزو یا عبدل وغیرہ سے ہماری دلچسپی کا ذکر نہ ہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہو گا کیونکہ اس طرح تم خود کو محفوظ رکھ سکو گے۔ بولو کیا کہتے ہو؟"

"ماریا، میری ماریا بے ہوش ہے؟" میرے اور حامد کے لٹکانے کے باوجود وہ دوڑتا ہوا اندرونی کوٹھڑی میں جا گھسا جہاں ماریا فرش پر بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی اور پھر جوزف اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر کسی ننھے سے بچے کی طرح بلک کر رو پڑا۔

ہم دونوں نے اسے لا سر پیٹنے کی بہتری کی کوششیں کیں مگر اس کے لئے کچھ خاص نہ ہو سکا۔ پہلے تو وہ یہی سمجھا تھا کہ شاید ہم نے ماریا کو ہلاک کر دیا ہے مگر اس کے دل کی دھڑکنیں سننے کے بعد اس کو قدرے تسلی ہوئی اور ہم دونوں اس کی بیوی کو اٹھا کر بستر پر لے آئے۔

اس وقت جوزف بدترین قسم کے ہیجانی بحران میں مبتلا تھا اور مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ وہ آگے چل کر کیا رویہ اختیار کرے گا لہٰذا میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں حامد العزیز سے مشورہ کیا اور پستول کے دستے کی ایک ناگہانی ضرب نے جوزف کو بھی بے ہوش کر دیا۔

جوزف اور ماریا بے ہوش پڑے ہوئے تھے اور ... کی آمیزش سو کر بہت زیادہ اثر کر چکی تھی۔

کمرے کے فرش پر بکھری ہوئی رقم کے بارے میں میرا اندازہ ٹھیک نہیں تھا۔ جب میں نے حامد سے اس معاملے میں مشورہ کیا تو اسے بھی اپنا ہم نوا پایا۔

"ہم دروازہ کھلا چھوڑ کر ہی جائیں گے تاکہ اس خانے کی حمایت میں غیر ضروری طور پر دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔ "تھوڑی دیر کا کوئی بھی ملازم اگر جوزف کے ہوش میں آنے سے قبل ادھر آ نکلا

تو یہ رقم اڑ جائے گی اور سارا الزام جوزف پر آ جائے گا۔"

"وہ شخص جس انداز میں رہ رہا ہے اس کے پیشِ نظر اس سے زیادہ مالی امانت کی امید نہیں کی جا سکتی۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

حامد العزیز میرا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی نوٹوں کی گڈیاں بریف کیس میں بھرنے میں مصروف ہو چکا تھا۔ "اس پیسے کا تعلق تمہارے سے بھی ہے اور دشمن کے مال پر قبضہ ہر لحاظ سے جائز ہے!"

"یہ رقم کسی چادر میں لپیٹ کر کسی کونے میں ڈال دو۔" بریف کیس بھر جانے کے بعد بچی ہوئی رقم کے بارے میں میں نے کہا۔

"جیبوں میں نہ ٹھونس لیں؟"

"یہ نہ بھولو کہ ان دونوں سے پھولی ہوئی جیبوں کے ساتھ ہم دوسرے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جائیں گے جبکہ باہر جا کر ٹیکسی بھی حاصل کرنی ہے اور لباس میں وزنی پستول بھی لٹک رہے ہیں۔"

"تو چلو!" اس نے بقیہ نوٹ ایک چادر میں لپیٹ کر پلنگ کے نیچے پھینک دیئے اور بریف کیس بند کر کے جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

جائزہ لینے پر عقبی سمت بھی ایک بند دروازہ دریافت ہوا جو اپنے فرار کے لئے ہر اعتبار سے بہترین تھا۔ اس طرح ہم دونوں بآسانی عقبی سمت میں نکل سکتے تھے!

پہلے ایک دوسرے کے چیخنے کا نادانستہ لگا ... اور پھر مطمئن ہو کر اس دروازے سے نکل گئے۔ باہر جانے کے بعد ہم دونوں نے پٹ ملا کر پھرتی سے اس طرح دروازہ بند کر دیا کہ اندر سے مقفل معلوم ہو۔

وہ ایک خاصی گندی، تنگ سی گلی تھی جس میں ... پیچھے کھلتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ہم دونوں ... چل دیئے۔

وہ بے حد تنگ و تاریک رہائشی مکانات کے درمیان سے گزر کر ہم چند ہی منٹ میں ایک کشادہ سڑک پر پہنچ گئے۔ ٹیکسی میں سوار ہو کر حامد نے اسے شارع ... کوئی اور پتہ بتایا جس پر پہنچ کر ... قائل ہو گیا۔

پچھلی بار ہم اس نے حلیے وارادات سے ... رہا تھا۔ فسطین میں کیا تھا اور شاید اس ... مرکزی بازار میں ہی ٹیکسی چھوڑ کر ہم ... سے گزرنے کے بعد دوسری ٹیکسی میں سوار ہو گئے ... پہنچے اور اپنے تھے تاکہ حامد کا سراغ لگانے کی کسی کی کوشش ... کامیاب نہ ہو سکے۔

دن ... ہم سیدھے شارع ... پہنچے ... کی کوٹھی سے ... کے بعد ہم پیدل چلتے ہوئے اپنی عمارت پہنچے۔ ... رقم پانی کے ٹینک کے پائپوں پر ... کیا تھا۔

... اسٹالیٹ تھا شاید پمپ کے ذریعے پمپ کر ... ٹینکیوں میں میٹھا پانی پہنچایا جاتا تھا۔ وہ ... تھا اور ... اس عمارت کے چار ... فرمائش کی تعمیل کرا رہا تھا ... بڑا ... مگر اس نے ہم میں سے کسی سے مخاطب ... کی مگر دوبارہ ڈرائیور سے باتیں کرنے لگا۔

ہم دونوں ٹنکی کی دوسری جانب سے گزر کر لفٹ کے ذریعے ... پہنچ گئے۔

... داخل ہو کر حامد العزیز نے گہرا سانس لیتے ہوئے ... بریف کیس یوں صوفے پر پھینکا جیسے اس میں کوئی ... شدید ہو۔

"تم زیادہ ... شاید تھک گئے؟" میں نے ... اس کی حالت پر طنز کیا۔

"... میرے لئے یہ تجربہ بالکل نیا تھا۔" وہ اپنے کانوں کو ... "مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پولیس ... پیچھا ... دوسرا آدمی ... گھورتا ہوا ...

"... کچھ عرصے بعد اعتماد بھی آ جائے گا۔" میں اس ... اندر ... تھا۔ "اب جلدی سے رقم نکال کر ... کو کھول دو۔"

"... ٹھیک ہی کہتے ہو۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے ... سنبھالی رقم رکھ سکتے ہو!"

"... سمجھنے کی بات ہے، ضرورت پیش آنے پر ... جیسا ... کام بھی کیا جا سکتا ہے۔"

"... کام ... سمجھا جاتا ہے، پڑے ... کر کے گلا ... جاتے ہیں۔" وہ بریف کیس سے نوٹوں کی ... ہوئے بولا۔

... ایک الماری میں ڈال کر ہم نے بریف کیس کو پھاڑ ... ٹکڑوں میں تبدیل کیا اور پھر ان ٹکڑوں کو احتیاط ... تاکہ انہیں جلا کر بالکل ہی نیست و نابود ...

... ابھی جلانے کی نوبت آئی تھی کہ اچانک فلیٹ کی ... گھنٹی کے ... سے گونج اٹھی۔

ہم دونوں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر دونوں ہی بیک وقت نشست گاہ میں نکل آئے۔

دوسری گھنٹی بجی تو سمت کا تعین کر لیا گیا۔

آواز ایک صوفے کے پیچھے سے آ رہی تھی اور پھر میں نے ہاتھ ڈال کر گرد آلود فون باہر نکال لیا۔

وہ وقفہ بہت طویل تھا مگر ہم دونوں فون کو یوں گھور رہے تھے جیسے وہ کوئی آسیبی چیز ہو۔ پھر جوں ہی تیسری گھنٹی بجی میں نے ریسیور اٹھا کر خاموشی سے کان سے لگا لیا۔

"میں کامل حسینی بول رہا ہوں۔" ریسیور پر مجھے ہاشم کی گھٹی گھٹی پہچانی ہوئی آواز سنائی دی۔ "تم دونوں کیا کر رہے ہو؟"

میں حامد العزیز کو آنکھ مار کر مسکرا دیا اور مجھے مسکراتا دیکھ کر اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی وحشت یک بیک دور ہو گئی۔

"ہم شہر کے مختلف اڈوں میں سے مختصر برآمد کر رہے ہیں، موقع ملے تو تھوڑی دیر کے لئے آ جاؤ۔" میں نے کہا۔

"میں آ رہا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"کون تھا؟" میرے ریسیور رکھتے ہی حامد العزیز نے مشینی انداز میں وہ سوال کر ڈالا جس کی مجھے پہلے سے توقع تھی۔

"تمہارا قیاس کیا کہتا ہے؟"

"ہاشم کے علاوہ تم اور کسی سے اتنی بے تکلفی سے بات نہیں کر سکتے ہو۔" اس نے بڑا سا منہ بنا کر کہا۔

"وہی تھا۔" میں ہنس پڑا۔ "کتنی عجیب بات ہے کہ انسان بہت سی باتوں کے بارے میں پُر یقین ہوتا ہے مگر جب تک کسی دوسرے متعلقہ کی تائید نہ کر لے اس کا یقین پختہ نہیں ہوتا۔"

"یہ اس وقت ہوتا ہے جب آدمی تائید کرنے والے کو اپنے سے بہتر سمجھتا ہو۔" اس کے پاس فوری جواب تیار رہتا۔

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی اور حامد العزیز نے لپک کر دروازے کا بولٹ کھول دیا۔

اندر آنے والا میری توقع کے مطابق ہاشم ہی تھا۔

"تم دونوں بہت جلدی واپس لوٹ آئے۔" دروازہ بند ہونے کے بعد ہاشم نے تقریباً سرزنش لہجے میں سوال کیا۔ پھر یک لخت نتھنے سکوڑتے ہوئے بولا۔ "یہ کس چیز کے جلنے کی بو ہے؟"

میں خاموشی سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے باورچی خانے میں لے گیا۔

"اوہ!" وہ بریف کیس کے ٹکڑوں کو دیکھتے ہی حیرت سے بول پڑا۔ "اگر میری نگاہیں دھوکا نہیں کھا رہیں تو یہ اسی بریف کیس کے ٹکڑے ہیں جو واپسی میں حامد کے ہاتھ میں جھول رہا تھا۔

"تمہاری قوتِ مشاہدہ واقعی قابلِ داد ہے۔" میں نے اس کی پشت پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "آؤ اب ان شکاروں کو جلانے میں ہماری مدد کرو۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔ انہیں اسی طرح کوڑے دان میں ڈال دو۔" اس نے بے فکری کے ساتھ کہا۔

"یہ کوڑے سے جاسوسوں کا مسکن بن سکتے ہیں!"

"تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ ہنس کر بولا۔ "اس عمارت کے چوکیدار کی حیثیت سے مجھے ہر فلیٹ سے تین دینار ماہانہ ملتے ہیں۔ پرسٹری ہوئی خوردونوش کی اشیاء سے بھرے ہوئے کوڑے کے ان تھیلوں کو بھی خالی کر کے واپس لانا ہوتا ہے، وہاں یہ خود بخود جل جائیں گے!"

مجھے صبر کرنے کے بعد یہ جذباتیت غالب آگئی۔ ہاشم واقعی بہت عظیم شخص تھا جو ہر وقت آنے پر محض اپنے صدر کی خاطر اپنے عہدے اور مقام کی پرواہ کئے بغیر اپنے سے کمتر اور حیثیت کے لوگوں کے کوڑے دان جبیں پر بل لائے بغیر صاف کرتا تھا اور اس میں اپنی تحقیر محسوس نہیں کرتا تھا۔

مگر اس سے پیشتر کہ میں الفاظ میں اپنی جذباتیت کا اظہار کرتا ہاشم نے ایک سوال کر ڈالا۔

"تم لوگ اس بریف کیس میں کیا لائے تھے؟"

اور عبدالعزیز نے نہایت ڈرامائی انداز میں صفی البوسف کی کہانی چھیڑ دی جو ہاشم کے لئے بے حد سنسنی خیز ثابت ہوئی۔

"جو کچھ ہوا، درست ہی ہوا!" عبدالعزیز کے خاموش ہوجانے پر ہاشم میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "لیکن اس ایک قتل کے بعد تم لوگوں کی رفتار رک گئی ہے، ذرا سی لغزش بھی تمہارے لئے مسائل پیدا کرسکتی ہے۔"

اس کے تبصرے پر میں نے اپنی رگ رگ میں سنسنی کی لہر سی سرایت کرتی محسوس کی۔ "تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

اور ہاشم نے وہی جواب دیا جس کی مجھے امید تھی۔ "ایک قتل کے دو گواہ بہت بھاری پڑتے ہیں۔" ہاشم کا لہجہ نرم اور آواز دھیمی تھی۔ "جب آدمی اپنی زندگی کے لئے خطرہ بن جائے تو اصول بڑے سخت ہوجاتے ہیں اور راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کے بیچ بھی عمر بھر دانتے پڑ جاتے ہیں۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تمہیں یہ بات سمجھانی پڑ رہی ہے۔" میں سر تھام کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ "پتہ نہیں اس وقت مجھے کیا ہوگیا تھا۔ یوسف اور سارہ واقعی خطرناک ثابت ہوسکتے ہیں!"

"یوسف پارسا نہیں ہے۔ سنا ہے کہ اس نے ماضی میں ایک عرصہ لبنان میں ایک یہودی کو قتل کرکے اس کی دولت سنبھالی تھی۔ یوسف اس کے بعد بھی ایسی ہی کوششوں میں ملوث رہا اور سپاہیوں نے اس کے گرد جال بُننا شروع کیا تو وہ بھاگ آیا۔ مجرم صفی جیسے لوگ کچھ برا نہ کرتے!"

"میں اس کا ازالہ کروں گا۔" میں نے غضب آمیز لہجے میں کہا۔

"مگر یہ عجیب اتفاق ہے کہ حمزہ کا نام دونوں جگہ شامل آیا۔" ہاشم نے آہستگی سے کہا۔

"وہاں سے ایک ڈیوٹی پر حیرت کے نتیجے میں ... اور شاید اس سے پہلے ہی البرلو کی معاونت کرکے ... میں ملوث ہوچکا تھا۔"

"البرلو کو تم کس خانے میں رکھ رہے ہو؟"

"اگر غیرسنجیدہ بحث کی ڈیلروں کے انداز میں سوچا جائے تو البرلو سینا کا ہمدرد ہے لیکن میرا خیال مختلف ہے۔ ... جیسا رسوائے زمانہ شخص ذاتی مفاد کے بغیر کسی سے ہمدردی نہیں کرسکتا۔ اگر اس نے سینا کو راتوں رات فرار ہونے میں مدد کی ہے تو اپنے لئے کسی نئے چکر میں پھنسانے کے درپے ہوگا۔"

"یہ امکان بھی تو ہے کہ سینا خود ہی فرار ہوئی ہو مگر ... البرلو سے جا ٹکرائی ہو۔" عبدالعزیز نے کہا۔

"پھر ایک ماہ قبل صفی البوسف میں یوسف کی اور حمزہ کی ملاقات کو کہاں فٹ کرو گے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہوسکتا ہے وہ کوئی اور ہی چکر ہو!"

"حمزہ الملا سے ملے بغیر ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔" ہاشم نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"اس کا ٹھکانہ کہاں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ویسے تو وہ ایک شخص ہاشم کا آدمی ہے۔" ہاشم نے بتایا۔ "یہاں سے تقریباً چالیس کلومیٹر دور صباحیہ میں اس کا ایک چھوٹا سا نخلستان ہے جو اس کے چچا کی ملکیت ہے۔ وہ ہر روز وہاں ... سیاحانہ ..."

"یہ ہی نخلستان تو نہیں جہاں اس نے مجھے قید کیا تھا؟"

"شاید کیونکہ اندر ہی ... بن قازی کے ... خاندان کی بے شمار جاگیریں ہیں۔ اب صباحیہ تو ... بھی بہت خوبصورت اور صاف ستھری جگہ ہوا کرتی ... کے چھوٹے چھوٹے مکانات کے ... ایک ... حویلی ہوتی تھی!"

"تم وہاں جاچکے ہو؟"

"... اپنی خاندانی تقریبات ... ہیں۔ اگر تم ادھر گئے تو اندر داخل ہونا تمہارے لئے ..."

"داخل تو ہونا ہی پڑے گا۔"

"اس حویلی نما مکان کے گرد سات آٹھ فٹ ..."

بنی ہوئی ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس میں کئی دروازے ہوں مگر عام طور پر شاید ایک ہی دروازہ استعمال میں رہتا ہے جہاں شاید محافظ موجود رہتے ہیں۔"

ہم تھوڑی مزید کچھ دیر اس سلسلے میں تبادلۂ خیال کرتے رہے پھر سیکریٹری کے اشارے پر حامد نے جوزف کے کان سے مائل کی ہوئی ستارہ رقم ایک بیگ کے غلاف میں ڈال کر ارشم کے حوالے کر دیا۔

"میں اس کا کیا کروں گا؟" ارشم نے حیرت سے سوال کیا۔

"اسے تم ہی رکھ لو، تمہاری اپنی ضروریات بہت زیادہ ہوں گی۔ فی الحال تم رکھ لو۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "جب جو ضرورت ہوگی وہ لیتے رہیں گے بچنے والی رقم تنظیم کے فنڈ میں ڈال دینا۔"

"اسے یہیں رہنے دو۔ اگر کسی وقت سیکریٹری خوف مخبری ہو گئی تو میرے لئے اس خطیر رقم کے بارے میں جواب دہی مشکل ہو جائے گی۔"

اس کی دلیل معقول تھی لہٰذا حامد نے پیکٹ کا وہ بھرا ہوا غلاف اسی طرح الماری میں ڈال دیا۔

ارشم کے جانے کے بعد حامد العزیز نے میز کے نیچے سے ٹیلی فون ڈائریکٹری نکال لی اور اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔

یہ عربی ڈائریکٹری تھی کہ حروف تہجی کی ترتیب میں السلاوی کے ساتھ ملتے نام ایک ہی جگہ جمع تھے۔

اس فہرست میں حمزہ کے نام کے آگے دو فون نمبر تھے جبکہ صباحیہ کے پتے پر سلطان العلاوی کے نام سے دو فون نمبر تھے!

"کمال ہے!" میں نے صباحیہ کے نمبر سننے کے بعد کہا۔ "یعنی دو نمبروں کے فون کی لائنیں اس صحرائی نخلستان تک لے جائی گئی ہوں گی۔"

"وہ وائرلیس فون ہوں گے۔" حامد العزیز نے کہا۔ "یہاں صاحب حیثیت لوگ اپنی موٹروں میں بھی فون لگانے کے خبط میں مبتلا ہیں۔ ان کی دانست میں یہ چیز ان کا سماجی مرتبہ بلند کرتی ہے۔ اسی وجہ سے یہاں وائرلیس فون بکثرت فراہم کئے جانے کا انتظام ہے۔"

"لوگ کتنے پیچھے ہیں۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "سماجی مرتبہ ذاتی کردار اور اوصاف سے ہوتا ہے اگر اوپر سے ٹھونسی ہوئی چیزیں اس میں اضافہ کرسکیں تو سارے ردی فروش صفت لوگ... شو کیسوں میں سجے نظر آئیں!"

"ابھی کو چڑیوں کو تم اپنے سانچے میں نہیں ڈھال سکتے!" وہ مسکرا دیا۔

"یہ تبصرے اسی وقت تک چلیں گے جب تک ان کے نمبر پیرا

تیل اگل رہی ہے جس روز قدرت نے زمین کے سینے سے ... دیے اس روز انہیں اپنے ملک میں زندہ رہنا دوبھر ہو جائے گا۔ مغربی قوموں نے سوچی سمجھی سازش کے تحت کالے ممالک عرب میں ان کے اطوار کے بھٹکنے طریقوں کو رواج دیا ... شاید کبھی انہیں اپنی اس فضول خرچی کا احساس ہو جائے" ... لہجے میں بولا۔ "ان خرافات میں ضائع ہونے والا سرمایہ اگر ... کاز کو تقویت پہنچاتا تو آج ہم اپنے وطن میں ہوتے۔"

گفتگو کا انداز تلخی کی طرف مائل تھا لہٰذا میں نے موضوع بدل دیا۔ "حمزہ کے بارے میں اب کیا کریں گے؟"

"پہلے صباحیہ سے رابطہ قائم کیا جائے!" اس نے کہا اور میری کھوپڑی کی تائیدی جنبش کے ساتھ ہی فون پر نمبر ملانے لگا۔

"حمزہ موجود ہے؟" سلسلہ مل جانے کے بعد حامد العزیز نے نرم لہجے میں سوال کیا۔

وہ چند ثانیوں تک فون پر بات کرتا رہا اس دوران اس نے ایک نمبر بھی دہرایا پھر سلسلہ منقطع کر دیا۔

"کوئی لڑکی تھی۔" وہ ریسیور رکھ کر معنی خیز لہجے میں بولا۔

"وہ تو تمہارے قدردانہ لہجے سے ہی ظاہر ہو رہا تھا۔"

"آج کل وہ شاذ و نادر ہی صباحیہ کا رخ کرتا ہے۔" اس نے کہا۔ "جب میں نے حمزہ سے اپنے قریبی تعلق کا اظہار کیا تو اس نے بتایا کہ وہ ان دنوں صفیہ نامی ایک عراقی لڑکی کے چکر میں ہے!"

"اس کا پتہ؟"

"پتہ نہیں معلوم، فون نمبر بتایا ہے۔" وہ بولا۔ "لیکن لگتا تھا کہ صفیہ کوئی اچھی لڑکی نہیں ہے!"

"اگر اچھی لڑکی نہیں ہے تو میں اس سے بات کروں گا۔" میں نے یہ کہہ کر کریڈل سے ریسیور اٹھا لیا۔

حامد العزیز نے نمبر ملایا اور دوسری گھنٹی پر ہی دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا اور میرے کانوں میں ایک مترنم نسوانی آواز سنائی دی۔

"خاتون میں جابر بول رہا ہوں۔" میں نے نہایت فصیح و بلیغ عربی میں کہا۔ "مجھے تمہارے ایک قدردان نے یہ فون نمبر دیا ہے!"

"کس لئے دیا ہے؟" اس کی آواز میں شوخی اور دلچسپی موجود تھی۔

"اس شہر میں سیکڑوں دل و جگر برباد کر کے بھی میں تنہائی کے احساس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید تم میری مدد کر سکو گی۔"

سیکڑوں دل و جگر کا تذکرہ کر کے میں نے اس پر اپنی قدر کا اظہار کرنا چاہا تھا اور شاید میں اس میں کامیاب بھی رہا۔

"تم چاہو تو اسی وقت چلے آؤ۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"بتاؤ شام کا سہانا وقت مناسب رہے گا؟"

"پونے سات بجے کے بعد تو تمہیں ایک پل کے لئے بھی نہ رکنے دوں!" اس نے نرمی سے کہا مگر اس کی آواز میں اعتراف دلی ... بغیر نہ رہ سکا۔

"میں وجہ جان سکتا ہوں خاتون؟" میں نے اپنے لہجے میں ... اس کی آواز پہ ہی فریفتہ ہو گیا تھا۔

"میری کچھ ذاتی مجبوری ہے شیخ!" اس مرتبہ اس کی آواز میں ... تھی!

"میں دوسروں کے ذاتی معاملات میں دخل نہیں دیتا۔" میں نے ... کے ساتھ کہا۔ "اگر تم ان دنوں کسی کی پابند ہو تو میں تم ... میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا۔"

"نہیں، نہیں" اس کی بوکھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "... اس شہر کا ایک دیہاتی ان دنوں میرے ... ہوا ہے۔ اور ہر شام ساڑھے چھ سات بجے میرے فلیٹ ... اور شراب پی کر میرے ساتھ بیٹھتا ہے ... نہیں چاہتی کہ اس کی وجہ سے تم کسی دشواری میں مبتلا ہو...

... باز۔"

اس کے الفاظ سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا وہ دیہاتی ... ایک اچھی صورت معلوم ہوتی تھی اور صفیہ جیسی مالدار ... آسانی سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھی۔

"اگر وہ ایسا ہی ناپسندیدہ اور سرکش شخص ہے تو میں اس کے ... کر تمہارے فلیٹ سے باہر پھینک دوں گا!"

"کاش کہ ایسا ہو سکے۔" وہ حسرت بھرے لہجے میں بولی۔ "لیکن تمہیں اس سے الجھنے کا مشورہ نہیں دوں گی، وہ بڑے ... کا ہے اور ہر طرف بے پناہ اثر و رسوخ رکھتا ہے۔"

"... ایک اشارے پر اسے زندگی بھر جیل میں سڑایا جا ... عربوں کے انداز میں فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اس ... زحمت کرو۔"

"میں معافی چاہتی ہوں شیخ!" شاید وہ سہم گئی تھی۔ "تم جب ... تمہاری موجودگی میں مجھے بڑی تقویت حاصل ہو گی!"

"... آ رہا ہوں، مگر میں اس کا انتظار کروں گا!"

"میں منتظر رہوں گی۔"

"اگر تم اجازت دو تو میں اپنے سیکریٹری کو ساتھ لیتا آؤں؟"

حامد العزیز ... جاتے ہوئے ... میں کہا ... اس نے ... لہجے میں جواب دیا۔

"... مشکل ہے اس کی موجودگی میں ہم خواب گاہ ... جائیں گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔" اس پر پوری طرح غالب آتے ہوئے میں نے خوشگوار لہجے میں کہا۔ "ضرورت محسوس ہوئی تو میں اسے ایسی ... دوں گا ... تم اپنا پتہ بتاؤ!"

حامد العزیز نے جیب سے قلم نکال کر میرے حوالے کر دیا اور میں نے سگریٹ کے پیکٹ پر اس کا پتہ نوٹ کر کے خوشگوار الوداعی فقروں کے ساتھ سلسلہ منقطع کر دیا۔

حامد العزیز یکطرفہ گفتگو سننے کے باوجود معاملے کی تہ تک پہنچ چکا تھا، یکبارگی میرے گلے سے لپٹ گیا۔

"تم واقعی عظیم ہو۔" وہ میرے رخسار کا بوسہ لیتے ہوئے بولا۔ "اس لڑکی کو ایسے بھرپور انداز میں شیشے میں اتارنا میرے بس سے باہر تھا۔"

"حمزہ کی شامت ہی آ گئی ہے۔" میں نے پرجوش لہجے میں کہا۔ "اگر ہم نے جاتے ہی لڑکی کو سو دو سو دینار دے دیئے تو اگر ہم حمزہ کو وہاں ذبح بھی کر ڈالیں تو وہ مداخلت کرنے کی کوشش نہیں کرے گی۔"

اس وقت دن کے دو بج رہے تھے، ہم دونوں تیزی کے ساتھ اس اہم معرکے کی تیاری کرنے لگے جس کے نتائج پر آئندہ اقدامات کا انحصار تھا۔

میں اپنے کمرے میں دوسرا لباس پہننے کے بعد سر پر رومال باندھ رہا تھا کہ اچانک باہر فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔ اور میں یوں اچھل پڑا جیسے فیلائن میں بجلی کا ننگا تار میرے پیروں پر آ گرا ہو!

مسٹر ہیٹی پک کر نشست گاہ میں پہنچا تو حامد الحسنین حیرت
پہلے ریسیور اٹھا چکا تھا۔ اس کے بشرے سے تشویش کی علامات ظاہر ہو رہی تھیں جو لمحہ بھر کے بعد ہی سکون اور مسکراہٹ میں تحلیل ہو گئیں۔

"اس فون نے تو میرا وہم ہی نکال دیا تھا!" وہ ماؤتھ پیس میں بولا۔ "ہم ابھی باہر جا رہے ہیں۔ کچھ اہم تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں...!"

"ایک منٹ ٹھہرو، ذوالقرنین سے بھی بات کر لو!" قدرے توقف کے بعد اس نے ماؤتھ پیس میں کہا اور ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔ حامد الحسنین کے انداز سے میں سمجھ چکا تھا کہ وہ کال ہاشم کی تھی۔ لہٰذا میں نے بلا تامل اس سے ریسیور لے لیا۔

"تم کیا کر رہے ہو یار!" میں نے ریسیور لیتے ہی کہا۔

"فی الحال او پیرا تھیٹر میں ہوں!" مجھے حسب توقع ریسیور میں ہاشم کی آواز سنائی دی۔ "تم کہاں جا رہے ہو؟"

"فون پر گفتگو خطرناک بھی ہو سکتی ہے!" میں نے اسے یاد دلایا۔

"ابھی خطرناک بھی نہیں ہے، ویسے بھی اس وقت اوپیرا ہال ہے۔ دوسری منزل والے دس منٹ سے اپنے مہمانوں کو الوداع کہنے کے لئے برآمدے کے سامنے موجود ہیں، اور ان کی الوداعی ملاقات جلد ختم ہوتی نظر نہیں آتی!"

"شاہ کے عناصر خلاف کیا ہیں؟" میں نے ہنستے ہوئے سوال کیا۔

"تمہاری طرف کا علم نہیں، ہمارے یہاں زن، زر اور زمین ہیں!" اس کی آواز میں بھی شوخی تھی۔

"اس بارے میں دونوں متفق ہیں!" میں نے ہنس کر کہا۔ "اس بار فساد کا باعث عورت کی ذات ہے!"

"کیسی عورت؟" اس کی آواز میں حیرت امڈ آئی۔

"خوبصورت ہی ہو گی!" میں نے لاپروا انداز میں کہا۔ "ان دنوں تمہارا دوست ایک عاشق ہو گیا ہے!"

"مذاق بعد میں کر لینا!" وہ میری زبان سے معاملے کی نوعیت جاننے کے لئے بہت زیادہ بے تاب ہو رہا تھا!

"وہ شام کو ساڑھے چھ سات بجے اس لڑکی کے پاس آتا ہے۔ اس وقت ہم وہیں جانے کے لئے پر تول رہے ہیں!"

"اس کا سراغ کیسے ملا؟"

"لمبی کہانی ہے، واپسی پر بتاؤں گا!"

"واپسی کے بارے میں بے یقینی ہو تو؟" اس کی آواز میں تشویش کی علامات نمایاں ہو گئیں!

"آخری لمحے پر بھی شبہ ہو گیا تو واپس چلے آئیں گے!"

دونوں جا رہے ہو؟

"ہاں! تم بے فکر رہو...!"

"میں بے چینی سے تمہارا منتظر رہوں گا!" یہ کہہ کر اس نے رابطہ کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں نے وہیں حامد الحسنین کو ابھی اور ہاشم کی گفتگو سے آگاہ کیا اور پھر ہم دونوں فلیٹ مقفل کر کے باہر آ گئے۔

ہم دونوں اس موقع پر پوری طرح مسلح تھے کیونکہ مقابلہ حمزہ جیسے عیار اور بارسوخ دشمن سے تھا!

فلیٹ سے نکلنے کے بعد حامد الحسنین کچھ دیر تک [illegible] میں پیدل ہی راستہ طے کرتا رہا، مگر جب اس کے [illegible] آثار نظر آنے لگے تو مجھے مجبوری کے عالم میں بولنا پڑا۔

"کیا پورا راستہ پیدل ہی طے کرنے کا ارادہ ہے؟"

وہ میری طرف دیکھ کر ہنس پڑا۔ "اس وقت میں جن [illegible] کی رو میں ڈوبا ہوا تھا، تم نہ ٹوکتے تو نہ جانے کہاں جا نکلتا!"

"صفیہ کے فلیٹ پر ہی پہنچتے!" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"نہیں!" وہ میرے شانے پر زور سے ہاتھ مار کر بولا۔ "ہم اس سے مخالف سمت میں جا رہے ہیں!"

"کیا ہم اس وحشت کا سبب دریافت کر سکتا ہوں؟" میں نے اسے خشمناک نگاہوں سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"برسوں کے تجربے کے بعد میں نے چند اصول وضع کئے تھے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ منزل کی طرف سفر کی ابتدا مخالف سمت میں پیدل چل کر کی جائے تو تعاقب یا سراغ پانا دشوار ثابت ہوتا ہے!" وہ خاموش ہو کر اپنے لئے سگریٹ سلگانے لگا۔

"اچھا اگر یہ ہے تو تعاقب کے بارے میں کیا اصول وضع فرمایا ہے جناب نے؟" میں نے طنزیہ لہجے میں دریافت کیا۔

وہ بے اختیار ہنس پڑا۔ "وضع ہونے والی چیز کوئی اور ہی ہوتی ہے۔ اصول وضع نہیں کیے جاتے، بلکہ وہ خود کو منوا لیتے ہیں!"

"تو ان کس اصول نے خود کو منوایا؟"

"کسی اہم منزل کی جانب سفر دو یا تین قسطوں میں کیا جانا ضروری ہے۔ یہ ترکیب ہمیشہ معاون رہی ہے!"

"تو اب بھٹکنے کا سلسلہ شروع ہو گا؟"

"پتہ نہیں، تمہیں کیا ہو رہا ہے!" وہ خوش دلی سے [illegible] "صفیہ کے مکان کا پتہ ہمارے پاس موجود ہے۔ [illegible] بجے کے بعد ہی پہنچے گا۔ ہمارے پاس کافی وقت ہے۔ اور ہم [illegible] سی وقت گزاری کے بعد با آسانی صفیہ کے فلیٹ پر [illegible]

بیٹھ گئے

میں نے جو کچھ کہا اسے چڑانے کے لئے کہا تھا، ورنہ میں اس کے [illegible] تجربات سے بخوبی واقف ہو چکا تھا اور میری دانست میں اس کی [illegible] تدبیریں بہر صورت الجھن کے باوجود تحفظ فراہم کرتی تھیں!

ایک ٹیکسی کے ذریعے ہم نے تقریباً دس کلومیٹر کا فاصلہ طے [illegible] اس مقام پر تھوڑی سی چہل قدمی کے بعد دوسری ٹیکسی کے ذریعے شہر کے ایک صاف ستھرے رہائشی علاقے میں جا پہنچے جہاں [illegible] سے کافی فاصلے پر کشادہ اور ہوادار عمارات [illegible] بنی ہوئی تھیں۔

ان میں بیالیسویں عمارت تلاش کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی جو سیدھی سڑک کے کنارے ہی واقع تھی!

دوپہر کا وقت ہونے کے سبب سے عمارت میں چہل پہل کے [illegible] مفقود تھے۔ ہم دونوں کسی کی نظروں میں آئے بغیر چوتھی منزل پر پہنچ گئے۔ اس فلور پر دو فلیٹ واقع تھے۔ میں نے دروازے پر [illegible] جھکتے ہوئے سمت دیکھ کر دھڑکتے دل کے ساتھ [illegible] فلیٹ کی ڈور بیل کا بٹن دبا دیا۔

وہ شاید میری منتظر ہی تھی، کیونکہ فوری طور پر دروازہ کھول دیا گیا اور مجھے اپنے مقابل بے حد دلکش لیکن استفسار طلب چہرہ... نظر آیا!!

"صفیہ!" میں نے دھیمی مگر بھاری آواز میں سوال کیا۔

اس دراز قامت اور رسیلے اندام دوشیزہ نے اپنے سر کو [illegible] جنبش دی، مگر مجھے اندر داخلے کا راستہ دینے پر آمادہ نہ ہوئی!

"میں جابر الحجر ہوں، اور یہ میرا سیکرٹری ہے، تھوڑی دیر پہلے فون پر میری تم سے بات ہوئی تھی!"

میرا نام سنتے ہی اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں دلربا مسکراہٹ عود کر آئی اور اس نے ہم دونوں کے لئے راستہ چھوڑ دیا۔

"اندر آ جاؤ، مجھے امید ہے کہ تمہیں یہاں تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی ہو گی!" اس کی مترنم آواز سن کر مجھے خوشی ہوئی۔

"یہ تو مشہور ہے اگر تم صحرا کے وسط میں مقیم ہو تب بھی تمہارا پتہ پوچھ جاتا!" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔

دروازہ عبور کرتے ہی ہم ایک بیٹھک میں داخل ہوئے جہاں [illegible] قیمتی صوفہ سیٹ موجود تھا اور باہر کے موسم کے مقابلے میں وہاں خاصی سکون آمیز خنکی بھی رچی ہوئی تھی۔

بیٹھک سے ملحق کشادہ ڈرائنگ روم تھا جو نہایت صاف ستھرے انداز میں قرینے سے سجایا گیا تھا۔ صفیہ کے برابر ہم دونوں وہیں بیٹھ گئے۔

ڈرائنگ روم محض ایک پردے کے ذریعے ایک گیلری سے ملحق تھا اور اسی راہداری میں کچن واقع تھا۔ کچن سے متصل ایک مختصر سا کمرہ تھا جو شاید اس کی خواب گاہ کے مصرف میں رہا ہو گا۔

"کیا پینا پسند کرو گے؟" صفیہ نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

تعارف ہو جانے کے بعد یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے انگ انگ سے مسرت پھوٹ رہی ہو۔ مزاج اور خد و خال کے اعتبار سے وہ عورتوں کی اس قسم میں شامل تھی جو بہت جلد دوسروں کو دوست بنا لیتی ہیں اور ان سے چند ثانیوں کی گفتگو کے بعد ہی پرانی رفاقت کا ایک عجیب سا احساس ذہن پر طاری ہو جاتا ہے!

"ساقی کی مرضی پر منحصر ہے!" میں نے آہستگی سے کہا۔

اس نے بے چینی سے پہلو بدل کر حامد الحسنین کی طرف دیکھا جو نہایت سعادت مندانہ انداز میں چھت پر کوئی واضح دھبہ تلاش کرنے کی سعی لاحاصل میں مصروف تھا!

"گفتگو کی حد تک تو قطعی بے ضرر ہے!" میں نے صفیہ کی طرف جھک کر سرگوشی کی۔

"یہ بھی پیئے گا؟"

"صبر بھی کر سکتا ہے!" میں نے اس کے بولتے ہی [illegible] مسکرا کر بیٹھے ذہن پر اثر انداز ہوتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "بہتر یہی ہو گا کہ اسے ایک گلاس لیمو نیڈ وغیرہ دے دو تاکہ بیٹھک میں خود کو مصروف رکھ سکے!"

"بولتا بھی ہے یا گونگا ہے؟" صفیہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اتنے بلند لہجے میں سوال کیا کہ حامد الحسنین بھی سن سکے۔

مگر وہ اس وقت ایک وفادار سیکرٹری کا رول بخوبی نبھا رہا تھا۔ صفیہ کے الفاظ سننے کے باوجود اس کی محویت میں کوئی فرق نہ آیا!

"یاسکرتیرا!" میں نے خالص عربی لب و لہجے میں اسے پکارا...

وہ انتہائی مؤدب انداز میں میری طرف متوجہ ہو گیا۔

"صفیہ کے کان تمہاری آواز سننے کو ترس رہے ہیں!"

حامد الحسنین نے بے چارگی کے عالم میں دانت نکال دیے۔

"تمہیں معلوم ہے کہ [illegible] رہا ہوں تو مجھے عجیب لگ رہا ہے!" شاید اس نے صفیہ کا ابتدائی فقرہ سن لیا تھا اور صرف [illegible] ابھی سے [illegible] کا جواز مستحکم کرنا چاہ رہا تھا!

"چھت میں کیا تلاش کر رہے تھے؟" صفیہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دلچسپی سے سوال کیا!

"جب دوسری جگہوں میں دیکھنا قابل مواخذہ ہو تو چھت ہی [illegible]

"بہ حرکت نہ تاب ہوتی ہے؟" اس نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"بہت حاضر جواب ہے؟" میں نے ہلکا سا قہقہہ مار کر کہا۔ "پچھلے سات برسوں سے یہ میرے ساتھ ہے اور بے پناہ خوبیوں کا مالک ہے!"

"مجھے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے!" وہ یوں جھینپ پڑی جیسے بے خیالی میں کسی نے اسے گدگدا دیا ہو۔

وہ اٹھی اور ریڈ اپارٹمنٹ کی طرف چلی گئی۔

حامد العزیز نے میری طرف دیکھ کر آنکھ ماری اور کسی لفنگے کی طرح بازاری انداز میں مسکرانے لگا!

چند ثانیوں بعد صفیہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت سی ٹرے تھی جو اس نے حامد العزیز کے سامنے تپائی پر رکھ دی۔ اس ٹرے میں وہسکی کا ایک کوارٹر، سوڈے کی بوتل اور ایک دو گلاس موجود تھے!

"بہت بہت شکریہ بہن!" حامد العزیز نے مدہوش سے انداز میں ٹرے اپنے قریب سرکاتے ہوئے احسان مندانہ لہجے میں کہا۔ "اس شہر میں تم جیسے مہمان نواز لوگ خال خال ہی ملتے ہیں؟"

"ایک رسم نہ چلے جاتا!" صفیہ کو شاید اس کا جملہ پسند نہیں آیا تھا۔ "اس کے بعد کچھ نہ دے سکوں گی!"

"دو چار ماہ بھی نہ دے سکو گی۔" حامد العزیز بیباک لہجے میں کہہ گیا۔

یک بیک صفیہ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ میری طرف دیکھ کر بلبلا پڑی۔ "یہ کیسا بیہودہ آدمی ہے، اسے عورتوں سے بات کرنے کا سلیقہ بھی نہیں ہے؟"

"تم غلط سمجھی ہو!" میں نے صورت حال کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ "حامد ڈبوں میں وہسکی کے ساتھ کچھ لیتے ہوئے انڈے شوق سے کھاتا ہے!"

میری وضاحت معقول تھی جس کے نتیجے میں وہ لڑکی خود کو شاید شرمندہ محسوس کرنے لگی۔ میں نے اس کے بشرے پر پھیلی ہوئی خفت بھانپ کر نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اسے اندر لے گیا!

اس کی خواب گاہ ڈرائنگ روم کے مقابلے میں بہت زیادہ خوبصورت اور آراستہ تھی۔ مسہری سے الماریوں تک ہر چیز سلیقے سے سجی ہوئی تھی!

میں الوئیم کے ہوتے ہوئے آرام دہ صوفے پر بیٹھا تو صفیہ نے بڑے انداز سے قالین پر بیٹھ کر میرے جوتے اتار دیے۔ میں نے اسے باز رکھنا چاہا لیکن وہ نہ مانی۔ جوتے مسہری کے نیچے سرکانے کے بعد اس نے مصری موسیقی کا ایک ٹیپ چلا دیا جس کی مدھم لیکن ولولہ انگیز گونج کمرے کے در و دیوار سے ابھرتی محسوس ہو رہی تھی۔

زیب چلا کر وہ مسکراتے ہوئے میری طرف بڑھی تو میں نے [illegible] کے نوٹ اس کی طرف بڑھا دیئے!

اس نے کسی تکلف کا اظہار کیے بغیر خوش دلی کا اظہار کرتے ہوئے میرے ہاتھ سے وہ نوٹ لے لیے۔

"بیٹھے بیٹھے" کہتے ہوئے بیٹھنے کا ارادہ ہی تھا، اس نے سرسری نظر ڈال کر نوٹوں کی مالیت کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہاری کیا خدمت ہے؟" میں نے لاپروایانہ انداز میں کہا۔ "دل کے معاملات میں تساہل کرنا اور بد بختی اور تنگی کا قائل نہیں!"

مہذب الفاظ سے وہ یک بیک بہت زیادہ مرعوب ہوگئی۔ شاید میری نگاہ فریفتہ ہوئی اس کی توقع سے بہت زیادہ تھی۔

"تمہارا تعلق کس علاقے سے ہے؟" وہ میرے پہلو والے صوفے پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ میری ذات کے بارے میں اس کا رویہ مشتاقانہ بھی اور سنجیدہ بھی ہو گیا تھا!

"عاشقوں کا کوئی علاقہ نہیں ہوتا!" میں نے بے تکلفی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اس کی نرم زلفوں سے کھیلنا شروع کر دیا۔ "زیادہ جا ہو تو میں تمہیں [illegible] نہیں کروں گی! اچھا یہ بتاؤ تمہارا تعلق عراق سے ہے!" وہ سپردگی کے انداز میں بولی۔

"میں زیادہ مت بولو، تم نے کوئی انکشاف نہیں کیا۔ تیکھے نسوانی خد و خال اور چمکتی ہوئی بڑی بڑی پرکشش سیاہ آنکھیں عربوں میں صرف عراقی عورتوں کو بخشی ہیں اور وہ دور سے پہچانی جا سکتی ہیں!"

"مصری حسن کو کہاں لے جاؤ گے؟"

"حسن وہاں بھی ہوتا ہے، مگر خد و خال کی دلکشی بہت کم ملتی ہے۔ پھر دوسری چیز حیا بھی ہے۔ مصری عورتیں حسیات سے بے اعتنائی برتتی ہیں جب کہ عراقی عورت میں مشرقی حیا پائی جاتی ہے!"

"عورتوں پر بڑی گہری نظر ہے تمہاری!"

"مجھے یہ بتاؤ کہ تم عراق چھوڑ کر یہاں کیسے پڑی ہو؟" میں نے اچانک ہی اس سے سوال کر ڈالا۔

"یہاں ذرا آزادی ہے!" وہ سر جھکا کر بولی۔

"آزادی؟" میں نے [illegible] انداز میں کہا۔ "میرا خیال ہے [illegible] اسباب کی پرواہ کیے بغیر ملتی تو [illegible] شراب اور شباب کے بارے میں بہت سی قانونی رعایتیں حاصل ہیں!"

"وہاں قانونی رعایتیں ضرور حاصل ہوتی ہیں مگر متوسط درجے کی عورتوں پر معاشرتی پابندیاں بہت سخت ہیں۔" وہ یک بیک سنجیدہ ہو گئی۔ "میں بصرہ میں رہتی تھی اور [illegible]

[illegible] کی عورتیں بناؤ سنگھار کیے ساتھ کو تیار سرحد کے قریب [illegible] بازاروں میں گھومتی تھیں جو کویت سے آنے والے شراب کے شوقین [illegible] اور پھر بصرہ کے نواح میں [illegible] ہو جاتی تھیں۔ مگر ان عورتوں کو بصرہ میں انتہائی تحقیر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا!"

"تو یہاں کیا فرق ہے؟"

"یہاں خوش حالی ہے!" وہ آہستہ سے بولی۔ "وہاں دو تین دینار مشکل سے ملتے تھے، یہاں پچاس دینار تک مل جاتے ہیں، پھر یہاں پیار اور احترام بھی ملتا ہے۔ عراق میں عورتوں کو روزگار کے لیے ملازمتیں نہیں ملتیں!"

"معلوم ہوتا ہے کہ اب تمہارے یہاں بیٹھنے کے لیے کچھ نہیں رہا؟" میں نے اچانک اسے یاد دلایا اور وہ بوکھلا کر اٹھ گئی۔

مے نوشی کے دوران کچھ دیر تک رنگین باتیں ہوتی رہیں، پھر [illegible] سمٹ گیا اور پھر میں نے حمزہ العلاوی کی بات چھیڑ دی۔

"آخر وہ بدمعاش تمہارے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے؟"

"اسے شاید میرے پاس آنے والے کسی شخص سے میرے بارے میں علم ہوا ہوگا کیونکہ وہ بڑے اطمینان سے یہاں آیا تھا!"

"تم اس سے کیوں بدظن ہو؟"

"میں اسے غائبانہ طور پر جانتی ہوں، اگر ایک بار میں نے اس کے سامنے سپر ڈال دی تو وہ مجھے اپنی باندی بنا لے گا اور پھر اس کے کسی نخلستانی حرم میں پہنچا دی جاؤں گی!" وہ تاسف سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"وہاں تمہیں کوئی تکلیف تو نہ ہو گی!"

"میری ذات کا معاملہ ہو تو میں کسی کے بھی گھر پڑ سکتی ہوں" اس کے لہجے میں کرب ابھر آیا۔ "بصرہ میں میری [illegible] بہنیں، دو بھائی اور معذور ماں سب میری بھیجی ہوئی رقم کا انتظار کرتے ہیں! ان سب کو خبر ہے کہ میں لیبیا میں آبرو مندانہ ملازمت کے ذریعے ان کا خیال رکھتی ہوں!"

"پھر تو حمزہ واقعی بہت موذی ہے!"

"ہو سکتا ہے کہ نہیں [illegible] وہ مجھے اغوا کرتے [illegible] مجھے کشتی کے ذریعے ساتھ باہر لے جائے گا، یا پھر اپنے خوشامدیوں کو ہدایت کر دے گا جو حمزہ کے جھنڈے کے نیچے اپنی جانوں پر کھیلتے ہیں!"

"تم دیکھو گی کہ آج کے بعد وہ اپنا [illegible] بھی نہ کر سکے گا!" میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"تم یہاں مہمان ہو، آج نہیں تو چند روز یا چند ماہ بعد واپس چلے جاؤ گے، پھر وہ میری زندگی عذاب بنا دے گا!"

"اس کی تو بس ایک ہی صورت ہے!"

"میں ہر صورت کے لیے تیار ہوں!"

"میں کسی کی مدد کیے بغیر لوٹ جاتا ہوں۔ تم بالکل بھول جاؤ کہ تم نے حمزہ کے بارے میں مجھ سے کوئی بات کی ہے۔ وہ یہاں سے واپس ہوگا تو میرے آدمی اسے گھیر لیں گے، اس طرح وہ تم پر شبہ نہیں کر سکے گا!"

"یہاں تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟"

"سکریٹری کے علاوہ نو ملازمین ہیں!"

"ان میں کسی اضافے کی گنجائش ہے؟" اس نے پر امید لہجے میں پوچھا۔

"گنجائش ضرور ہے، مگر میں اپنے خاندان کی سربراہ کے بنائے ہوئے ضابطوں سے انحراف نہیں کر سکتا!"

"وہ کیا؟"

"اس کی جانب سے لڑکیوں سے دوستی کی اجازت ہے مگر انہیں ملازم رکھنے پر سخت ترین پابندی ہے جس سے انحراف کرنے والے کو تاحیات وراثت سے محروم کر دیا جائے گا!" میں نے بالکل سادہ لہجے میں کہا۔ "اگر یہ پابندی نہ ہوتی تو بہت سے حسین چہرے میری جماعت میں شامل ہوتے!"

"بڑا عجیب ضابطہ ہے!"

صفیہ جس قدر خوبصورت تھی، اسی قدر ذہین بھی تھی مجھے اس کے ساتھ وقت گزار کر عجیب سی مسرت اور آسودگی کا احساس ہو رہا تھا جو میرے لیے ایک مدت سے اجنبی بنا ہوا تھا!

حامد العزیز ہم دونوں کی سرگرمیوں میں مخل ہوئے بغیر نشست گاہ میں جما رہا اور مجھے تو کافی دیر تک یہ بھی یاد نہ رہا کہ اس فلیٹ میں میرے اور صفیہ کے علاوہ کوئی تیسرا فرد بھی موجود ہے!

الجھے ہوئے مشتعل اور مخمور سانسوں کی دھیمی آہنگ پر نہ جانے ہم دونوں کے درمیان کیا کیا باتیں ہوئیں۔ اور وہ ہر موضوع پر چہکتے ہوئے ترنم ریز لہجے میں میرا ساتھ دیتی رہی!

اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں شراب کا گہرا خمار تھا جس کے باعث جلال اور جمال کا ایک سحر انگیز امتزاج پیدا ہو گیا تھا جس کے تصور ہی سے انسان کے بدن میں حرارت کو لپکنے لگیں اور جیسے ہی میرے پانچوں حواس صفیہ کے حسن کی نزاکت اور لطافت سے پوری طرح آشنا ہو گئے تو یک بیک مجھے صفیہ کی کہی ہوئی ایک بات یاد آ گئی۔

اس نے مجھے بتایا تھا کہ کویت کے باسی ہفتہ وار تعطیل

کا آغاز ہوتے ہی دریا کے کناروں پر طوفانی رفتار سے اٹھنے والے بصرہ یا سرحد سے ملحق بستیوں پر مشتمل ان عراقی لشکروں کا ہم کو آغاز کرتے جہاں خزب بیندشباب تحلیل کر کے حسین فصری بستیوں میں مہاجرین کو بٹھائی کی جاتی تھی!

عراق دجلہ اور فرات کی وادی تھی اور ان دریاؤں کے کنارے پنپنے والی تہذیب نے قدیم انسانی تہذیب کو ایک مسکن عطا کیا تھا۔ پھر تو ایک مصر کا خیال آیا جو نیل کی زرخیزیت کا عکاس تھا اور وہاں۔۔۔ بھی عرب تمدن کی قدیم تہذیب کا ورثہ پوشیدہ تھی اور جب میرے سرور میں ڈوبے ہوئے ذہن نے دریاؤں سے محسوس کیا تو یہ آب و گیاہ عرب ریاستوں سے ان دونوں ممالک کا موازنہ کیا تو نتیجہ حیرت انگیز تھا!

بنجر صحرا اور ریت کے ٹیلوں والے کرخت مزاج، تندخو اور تند مزاج بدوؤں کے مالک تھے جب کہ زرخیز علاقوں کے عرب نرم خو، حلیم الطبع اور ملنسار تھے جن کی بنا پر میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ کسی بھی خطے کا مزاج کے ارتقاء کے لئے ایگریکلچر کا ہونا لازمی تھا!

صفیہ کو میں نے اپنے اس فلسفے سے آگاہ کیا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "ثقافت اور زراعت میں بڑا عجیب تعلق نکالا ہے تم نے!"

"عراق میں یہ تعلق اچھا نہیں لگتا، کلچر اور ایگریکلچر ہی مناسب ہے!" میں نے کہا۔ "کیا تم اسے جھٹلا سکتی ہو؟"

اور عراق کی زرخیز زمین سے جنم لینے والی وہ زرخیز لڑکی مجھ سے اختلاف کی جرأت نہ کر سکی!

آٹھ بجے کے قریب صفیہ کے ہوش بحال ہو چکے تھے اس نے مجھے اپنا منصوبہ بتلایا اور میں وہاں سے اٹھ گیا!

صفیہ نے مجھے اپنا حلیہ درست کرنے میں نہایت ماہرانہ انداز میں مدد دی اور جب میں ڈرائنگ روم میں پہنچا تو میری جلد پر اس کی ہونٹوں کی خوشبو میں مہیلی سی سوزش سی ہو رہی تھی!

حامد العزیز اپنا کوٹ ختم کر چکا تھا اور صوفے پر دراز دنیا و مافیہا سے بے خبر گہری نیند سو رہا تھا!

"بڑا مظلوم شخص ہے بے چارہ!" صفیہ نے اس کی حالت دیکھ کر ترحم بھری سے سر کو جھٹکا۔

"مظلوم؟" میں اس کی طرف گھوم گیا۔

"بیماری کی مایوسیوں سے نجات پانے کے لئے اس نے نیند کا سہارا لیا ہے۔ عراقی ملوکیت کے معتمد ہونا ناپسند جسم ہوتے ہیں اور وہ مسور ہوتے ہوئے بھی۔ ان کی ناک کے نیچے دریا بہتے رہتے ہیں مگر وہ پیاسے ہی رہتے ہیں!"

"یہ انہی میں سے نہیں ہے کسی بھی وقت اکیلا رہ جائے گا!" یہ کہتے ہوئے میں نے حامد العزیز کو جھنجھوڑ ڈالا۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور سنبھلتے ہوئے اپنے سوجے ہوئے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا!

"چلو!" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "پہلے منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر ذرا تازہ دم ہو جاؤ، پھر ہم روانہ ہوں گے!"

"ہم۔۔۔ مگر ہم تو شاید یہاں کسی معرکے کی تیاری کرنے آئے تھے؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"اسے بھول جاؤ، وہ میرا وہم تھا!"

حامد العزیز کو صفیہ نے اپنی خواب گاہ سے ملحقہ باتھ روم کا راستہ دکھایا اور واپس میرے پاس آ گئی۔

"آج میں بے حد کرب سے یہ سوچ کر برداشت کروں گی کہ وہ آخر وہ ادھر کا رُخ نہیں کر سکے گا!" اس نے میرے شانے پر سر ٹکا دیا۔ "کوشش کرنا کہ یہاں سے جاتے ہوئے وہ تمہارے ساتھ نہ ہو!"

"میری کوشش کی ضرورت ہی نہیں، اپنی ناکامی کا بدلہ لینے کے لئے وہ روزانہ یہاں آ سکتا ہے!"

"یہ بہت اچھی بات ہے!"

"یہ بتاؤ کہ تم اسے ہلاک تو نہیں کرو گے؟" وہ میرے لہجے پر اچانک چونک کر ایک چبھتا ہوا سوال کر بیٹھی۔

"اگر میں اسے وہ پیغام پہنچاتا ہوں تو دنیا کی کوئی طاقت اسے نہ بچا سکے گی!" میں نے لاپروا انداز میں کہا۔

"وہ مارا گیا تو پولیس اس کے قاتل کی تلاش میں ہمیشہ مجھ تک آ پہنچے گی اور شاید میرا نام بھی اچھالا جائے!"

"وہ صحیح سلامت رہے، زخمی ہو یا مارا جائے، تمہاری ملاقات اسی میں ہے کہ اسے مجبور کر کے اس کے بارے میں میرا ذکر کرو گی!" میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "اس سے نمٹنا میرا کام ہے، وہ تمہارا کچھ نہ کر سکے گا!"

اسی اثناء میں حامد العزیز منہ دھو کر واپس آ گیا اور ہم دونوں صفیہ سے پرتپاک انداز میں رخصت ہو گئے!

"یہ کیا ہوا؟ مجھے اتنی جلدی ہم نے" حامد العزیز نے الجھے ہوئے لہجے میں سوال کیا!

"اچھا ہی تھا!" میں نے ہنس کر کہا۔ "بہتر یہی ہے کہ حمزہ کو باہر ہی گھیر لیا جائے ورنہ صفیہ بھی گھیرے میں آ جاتی!"

"ہمارے پاس نہ اپنی سواری ہے اور نہ کوئی ایسا ٹھکانا جہاں ہم اسے اغوا کر کے لے جا سکیں!"

"حمزہ کی گاڑی کس کام آئے گی؟"

"اگر تم نے کچھ سوچ رکھا ہے تو اب میں خاموش ہو جاؤں گا!" اس نے چڑ کر کہا۔ وہ لفظے میں تو نہیں تھا، مگر اس بے وقت سے چونک

ٹانگیں۔

ہم اسی کی گاڑی میں گھس گئے اور جب وہ حسب معمول بدلے ہوئے روٹ سے ناکام و نامراد واپس ہوگا تو اسے کسی ویران جگہ لے جائیں گے!

اس عمارت میں ملاقاتیوں کے لئے پارکنگ کی کوئی جگہ مخصوص نہ تھی، البتہ ملحقہ خالی پلاٹ پر بہت سی کاریں بے ترتیبی سے کھڑی ہوئی تھیں!

ہم دونوں نے عمارت سے باہر آ کر چند لمحے ادھر ادھر کی چہل قدمی میں گزار دیے۔ اور اسی دوران میں ایک سرخ رنگ کی پیوجو کار کی نمبر پلیٹ پر حمزہ العلاوی کا نام پر نظر پڑ گیا!

میرے ذہن میں اس صورت حال کے پیش نظر فوراً ہی ایک منصوبے نے جنم لیا اور اس سے پہلے کہ مجھے حامد کا ہاتھ تھام کر کسی رنگینی ہوتی کار کے عین سامنے پہنچ گیا!

وہ اپنی کار پارک کرنے کے لئے کسی مناسب جگہ کی تلاش میں تھا، یہ سامنے دیکھ کر اس کی تیوریوں میں بے شمار شکنیں پڑ گئیں، مگر بہتر ہوا کہ اس نے مجبوراً کار چلانے کے بجائے بریک لگا دیے۔

"کیا مصیبت ہے؟" وہ کھڑکی سے سر نکال کر غصیلے لہجے میں اردو میں سے آدمی واحد میں اندازہ لگا لیا کہ وہ خاصا ترش مزاج ہے!

"تم حمزہ العلاوی ہی ہو نا؟" میں نے لپک کر اس کے قریب پہنچتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے کیسے جانتے ہو؟ وہ دمشق کے محلوں میں مجھے پہچاننے کی کوشش کرتے ہوئے حیرت زدہ لہجے میں بولا۔

"میرا نام یحییٰ فاسی ہے!" میں نے مسرت آمیز گرمجوشانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے کتنی دیر تک تم نے اپنے ایک نخلستان میں مہمان رکھا تھا!"

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔!" اسے یک بیک یاد آ گیا۔ "تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"دراصل سیاہ رنگ کی ایک کار میں ابھی ابھی میری محبوبہ کو اغوا کر لے گئے ہیں!" میں نے ستم رسیدہ لہجے میں کہا، جس سے لفظ لفظ ماتم کا سا تاثر چھلک رہا تھا!

"تمہاری محبوبہ؟" وہ استہزائیہ انداز میں ہنس دیا۔

"ہاں، ایک عراقی نژاد پیشہ ور لڑکی ہے!"

"تم صفیہ کی بات تو نہیں کر رہے؟" وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔

"بالکل، بالکل!" میں نے جلدی سے کہا۔ "کیا تم بھی اسے جانتے ہو؟"

"اسے لعنت ہو تم پر!" وہ دانت پیس کر غرایا۔ "کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو، جلدی سے گاڑی میں بیٹھو۔ وہ دور نکل گئے تو تمہیں پکڑنا دشوار ہو جائے گا!"

میں نے پھرتی سے اس کے پہلو والی نشست سنبھالی تھی۔ حامد العزیز مجھ سے پہلے ہی عقبی نشست پر بیٹھ چکا تھا۔

"کدھر گئے ہیں وہ؟" حمزہ العلاوی نے کار دوبارہ سڑک پر لاتے ہوئے بے چینی کے ساتھ سوال کیا۔

"کسی صحرائی علاقے کی طرف گئے ہیں!" اسے یہ جواب دے کر میں اچانک حامد کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "کیا نام لے رہے تھے وہ؟"

میں نے اپنی دانست میں حامد العزیز کو اشارہ دے دیا تھا۔ وہ فوراً ہی بولا۔ "صلالہ کے نواحی علاقے کا منصوبہ بنا رہے تھے!"

"صلالہ؟" حمزہ العلاوی۔۔۔ دانت پیس کر غرایا اور اس نے اپنی کار کی رفتار یک بیک تیز کر دی۔ "آج جاندنی رات ہے، شاید وہ صحرا کی نرم اور ٹھنڈی ریت پر شب بسری کا منصوبہ بنا کر گئے ہیں، مگر میں اس ریت کو ان کے لہو سے رنگین کر دوں گا!"

چند لمحے کے بعد ہم وحشیانہ رفتار سے سڑک پر دوڑ رہے تھے۔ پھر حمزہ کو کسی خیال کے تحت جھٹکا لگا۔ "تمہارا صفیہ سے کیا تعلق ہے؟ اور اسے لے جانے والے کون لوگ تھے؟"

"پچھلے چند روز سے میری اس سے دوستی ہو گئی ہے، آج رات وہ میرے ساتھ ساحل پر گزارنے کے ارادے سے باہر آئی تھی، مگر اچانک دو آدمیوں نے اسے زبردستی اپنی کار میں ڈالا اور فرار ہو گئے۔"

"اور تمہارے علاوہ وہاں کوئی نہیں تھا؟" اس کا لہجہ معنی خیز تھا!

میرے وجود میں سنسنی کی ایک لہر سرایت کر گئی۔ کیونکہ حمزہ العلاوی نے اس سوال کے ساتھ ہی کار کی رفتار کم کرنا شروع کر دی تھی!

"پارکنگ لاٹ تو ابھی تک ویران ہی تھی، تم نہ آتے تو وہ۔۔۔ تم کار کیوں روک رہے ہو؟" میں نے بوکھلاتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"ابھی بتاتا ہوں!" وہ پتلون لینے کے لئے اندر کی جیب ٹٹولتے ہوئے تلخ لہجے میں بولا، مگر حامد العزیز اپنے محاذ پر مستعد تھا!

حمزہ العلاوی کی کنپٹی پر پستول کے وزنی دستے کی ضرب پڑی اور وہ کراہ کر سیٹ پر ہی ڈھلک گیا۔ میں نے پھرتی سے گھوم کر اس کے اسٹیئرنگ اپنے ہاتھ کی طرف کاٹا اور ہینڈ بریک کھینچ لیا!

اس وقت سڑک پر اکا دکا گاڑیاں ہی تھیں۔ پیوجو کار کے تمام شیشے رنگین تھے لہٰذا ہم دونوں نے اطمینان سے حمزہ کے بے ہوش جسم کو پشت کی طرف سے اوپر اٹھا کر عقبی نشست کے پائیدان میں پھینک دیا اور حامد العزیز اسی طرح پشت کی طرف پھاند کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔

ایک قلیل سے وقفے کے بعد سرخ جیپ پیچھے سے نمودار ہوئی اور تیز رفتاری کے ساتھ اس وسیع شاہراہ پر موڑ دی گئی۔

"تم نے اچانک پروگرام تبدیل کر کے خاصا بڑا خطرہ مول لیا تھا!" اپنے منصوبے پر قابو پانے کے بعد حاتم العسنیزی نے کہا۔

"یہ صلالہ کیسی جگہ ہے؟" میں نے اس کی بات سنی ان سنی کر کے کہا۔

اس نے اندھیرے میں گردن گھما کر شاید مجھے گھورا پھر بولا، "میں تمہارا اشارہ سمجھ گیا تھا۔ صلالہ ایک گاؤں ہے اور اس سے آگے تاحد نظر ریت کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا!"

"چاندنی رات میں حمزہ کو وہاں دوڑانے میں خاصا لطف آئے گا!"

"اور ڈرانے کی بات نہ کرو!" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "اس پر تمہارا احسان تبھی ہوا جب اللہ اسے [illegible] اور پھر تم نے جس بے دردی سے اس پر ہاتھ اٹھایا ہے، اس کا تقاضا تو یہی ہے کہ اسے ذبح کر ڈالا جائے!"

"ہمارا صفیہ کے فلیٹ پر جانا غیر ضروری تھا" میں نے تاسف آمیز لہجے میں کہا۔ "اس کا پتہ معلوم ہو جانے کے بعد ہم مقررہ وقت پر حمزۃ العلاوی کو گھیر سکتے تھے!"

"اس وقت تمہاری بات معقول معلوم ہوتی ہے، لیکن پہلے صفیہ سے ملے بغیر اس کی کہانی کی صداقت پر یقین نہیں کیا جا سکتا تھا"

"دو سو ریال کی رقم اور خود اس کے ملوث ہونے کا خطرہ اسے خاموش رکھنے کے لیے کافی ہوگا، مگر ہم غیر ضروری طور پر اپنے خلاف [illegible] پیدا کرتے جا رہے ہیں!"

"صفیہ کو [illegible] تمہارا مذکرہ کرو!" وہ بولا۔ "آپ کے اسے بیٹی وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ ہرگز دغا نہیں کرے گی!"

"اسی لیے کہا، [illegible]" میں نے مڑ کر عقبی پائیدان پر نگاہ ڈالتے ہوئے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔

"سمجھا تو تم بھی نہیں [illegible] مجھے [illegible] پر بٹھا دیا؟" وہ [illegible] کر بولا۔

"پتہ نہیں حمزہ کو عقبی ابو یوسف کے واقعات کا علم ہو پایا ہو یا نہیں؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد میں نے کہا۔

"اس واقعہ کو چھ سات گھنٹے گزر چکے ہیں، اس قسم کی باتیں جیپ [illegible] نے حمزہ سے اظہار تام کیا ہوگا!"

"مجھے بھی اس نے البریدہ کو سنبھالنے کا حوالہ نہیں دیا ہوگا!" میں نے رائے زنی کی۔ "کیوں کہ اس طرح وہ قسم توڑنے کا اعتراف کرتا...!"

"وہ پہلا اعتبار سے لگا رہا ہے، ہو سکتا ہے کہ اس نے سب کچھ بتا دیا ہو، مگر زیب داستان کے لیے یہ کہہ ڈالا ہو کہ حملہ آور دس کی تعداد

کے ابو جہاں سے نہ البریدہ کے بیت میں زبان نہیں کھولی!

"تھوڑی دیر کی بات ہے، پھر سب کچھ سامنے آ جائے گا!"

صلالہ سے آگے کا سفر خاصا طویل ثابت ہوا [illegible] سے گزرنے کے بعد کئی قصبے بھی گزر رہے، پھر صلالہ کی مختصر سی آبادی بھی گزر گئی!

پھر جیپ کے طاقتور ہیڈ لیمپس کی روشنی میں تا حد نگاہ [illegible] سڑک کے دونوں طرف ریت کے ٹیلوں کی [illegible] بکھرا نظر آ رہا تھا!

صلالہ سے کم از کم تین میل آگے نکلنے کے بعد حاتم العسنیزی نے [illegible] جیپ کے ایک خانے سے قطب نما نکالا اور اس کی مدد سے گاڑی دائیں طرف ریت میں اتار کر جنوب کی سمت میں ڈال دیا۔

ریت پر سفر کے دوران حاتم العزیز مسلسل قطب نما پر بھی [illegible] اس سے معلوم ہوا کہ صحرا کی پُرسکون راتوں کی آغوش میں گم شدہ تلاطم پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اگر صحرا میں داخل ہونے کے بعد کسی وقت تیز ہوا چل گئی تو واپسی میں ٹائروں کے نشانات مٹ جائیں گے اور پھر قطب نما کی مدد کے بغیر صحرا سے نکلنا دشوار ہو جائے گا۔ بعض اوقات [illegible] کی وجہ سے وہ جنوب کی سمت میں خط مستقیم پر سفر کر رہا۔

جب [illegible] آدھا گھنٹہ صرف سے [illegible] ہو گئی تو حاتم العسنیزی نے جیپ ایک بڑے سے ریتیلے ٹیلے کی اوٹ میں روک دی!

میں نے دروازہ کھول کر باہر قدم رکھا تو سردی کے باعث جھرجھری سی آ گئی۔ شہر کے مقابلے میں کھلا صحرا خاصا سرد تھا!

گاڑی میں حمزہ کے دیر تک ہوش میں آنے کا امکان نہیں تھا لہٰذا اسے عقبی پائیدان سے گھسیٹ کر ٹھنڈی ریت پر ڈال دیا اور ہم دونوں گاڑی میں بیٹھ کر سگریٹ پینے میں مصروف ہو گئے۔

خنک ہوا کے تھپیڑوں نے آدھے گھنٹے میں ہی حمزہ کے اوسان درست کر دیے اور وہ ہوش میں آتے ہی کراہتے ہوئے کسمسانے لگا!

"ہوش میں آ کر بھاگنے کی کوشش نہ کرے!" حاتم العزیز نے کہا۔ "گولی سے بچ کر کہاں جائے گا۔ [illegible]"

"ہم پندرہ میل اندر آ گئے ہیں، [illegible] کے خوف سے وہ سوالوں سے [illegible] رہے گا!" میں نے بے دھیانی انداز میں [illegible] وہ بات یاد آ گئی جب حمزہ کے ایک [illegible] بات بے بات پر [illegible] کی طرح [illegible] اور ڈانٹ سے [illegible] کر رکھ دیتے تھے!

میں [illegible] پھر اس کی جانب [illegible] ڈرائی جس کے [illegible] میں ایک [illegible] بھرا ہوا [illegible] جو میں نے اپنی جیب میں ڈال لیا۔ دوسری طرف حاتم [illegible]

کار کی تنا ہٹی لیلی شروع کر رہی تھی!

چند لمحوں تک کسمسانے کے بعد حمزہ کا بدن پھر ساکت ہو گیا تو میں نے اس کی پنڈلی پر ٹھوکر رسید کی اور اس نے کسی اونٹ کی طرح بلبلا کر آنکھیں کھول دیں۔ چند ثانیوں تک وہ کراہتے ہوئے اپنے حواس مجتمع کرنے کی کوشش کرتا رہا، پھر مجھے پہچان کر تیزی سے اٹھ گیا۔

"تم؟ ولد الحرام!" وہ غراتا ہوا میری طرف لپکا، لیکن اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا بلکہ بائیں رخسار پر میرا بھرپور تھپڑ کھا کر پیچھے الٹ گیا۔

اسے زمین سے اٹھنے کا موقع دیے بغیر میں اس کے سر پر پہنچ گیا اور اس کی پسلیوں میں ایک ٹھوکر رسید کی۔ اس کے حلق سے گھٹی گھٹی ہوئی دردناک چیخ بلند ہوئی اور اس نے میری ٹانگ پکڑنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا!

"اپنی زبان پر قابو رکھو لڑکے!" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "ورنہ یہی ٹھوکریں تمہارے جسم کا ریشہ ریشہ اُدھیڑ کر رکھ دیں گی!"

اسی وقت اس کا ہاتھ پتلون والی جیب کی طرف گیا، پھر اس نے چاقو کا رخ کیا اور دونوں طرف ناکامی کے بعد اس کا چہرہ اتر گیا۔

"تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟" اس نے پھٹے ہوئے ہونٹ سے خون صاف کرتے ہوئے تیسری بار مجھ سے یہی سوال کیا۔

"البرٹو کا سٹیلاتو کہاں ہے؟" میں نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا۔ وہ میری ٹھوکر سے اس قدر خوف زدہ تھا کہ بیٹھنے کے بجائے سرک کر تیزی کے ساتھ سیدھا کھڑا ہو گیا!

"تو وہ حرامزادہ مجھ سے جھوٹ بولا تھا!" وہ اٹک اٹک کر لہجے میں بولا۔

"اپنی کس اولاد کا تذکرہ کر رہے ہو؟"

"اسے ذرا یہ دیکھو!" اچانک حامد العزیز کی مسرت آمیز آواز سنائی دی۔ میں اس کی طرف مڑا تو وہ حمزہ العلاوی کی کار کی کھلی ہوئی ڈکی میں جھکا ہوا تھا!

صورت حال کے پیش نظر مجھے حامد العزیز کا وہ لاتعلقانہ انداز بہت پسند آیا۔ اس طرح حمزہ کو یہ احساس دلایا جا سکتا تھا کہ ہم اسے بالکل بے ضرر سمجھ رہے تھے!

میں سرعت سے چوکے قریب پہنچا تو ڈکی میں جلنے والے بلب کی روشنی میں مجھے سوڈا اور وہسکی کی بڑی بوتلیں نظر آ رہی تھیں۔ حامد العزیز نے کار کی عقبی نشست کی پشت گاہ سے لگتے ہوئے مختصر سے کار ریفریجریٹر سے برآمد کی تھیں!

میرے لئے وہ ریفریجریٹر بھی دلچسپی کی چیز تھی۔ اس کی بیرونی سطح پر کار کے رنگ کی مناسبت سے سرخ رنگ کی تمام چیزیں پڑی ہوئی تھیں، مگر اس سے زیادہ دلکش وہسکی کی وہ چار بوتلیں تھیں جو پلاسٹک کے ریک پر رکھی ہوئی تھیں!

ہمیں غافل پاکر حمزہ نے حامد العزیز پر جست لگائی، مگر پیٹ میں گھٹنے کی ضرب کھا کر کافی دور جا گرا۔

میں نے دو کاغذی گلاس نکال کر ان میں وہسکی انڈیلی، پھر ہم دونوں وہیں ریت پر بیٹھ گئے۔ جب ہم گلاس خالی کر چکے تو

"تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟" کافی دیر تک جب ہم نے اس کی طرف توجہ نہ دی تو وہ پوری قوت سے ہذیانی انداز میں چیخ پڑا!

"پکنک منانے!" حامد العزیز نے قہقہہ مار کر کہا۔ "سارا سامان تو تمہاری کار سے ہی برآمد ہو گیا ہے!"

"جاتولی کو کس نے مارا تھا؟" اس نے قدرے توقف کے بعد بیٹھے بیٹھے سوال کیا۔

"کس جاتولی کی بات کر رہے ہو؟" حامد نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے سوال کیا اور اپنے لئے دوسرا گلاس بنانے لگا!

"مقتول البرٹو کے کارندے کی!" وہ غصے کے عالم میں بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ ہم ہی نے مارا ہو!" حامد العزیز پہلا گلاس چڑھا لینے کے باعث قدرے ترنگ میں آ گیا تھا!

"تمہیں البرٹو کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا ہے…" حامد العزیز کے انداز گفتگو پر وہ اندر ہی اندر تلملا رہا تھا!

"بتاؤ کیا بات ہے تم نے البرٹو کے آتے ہی باہر بلا لیا تھا؟"

"وہ یہودی کی اولاد، حرامی، کمینہ…!" غصے کی شدت سے حمزہ کی زبان لڑکھڑا گئی۔ "اس نے قسم کھا کر مجھے یقین دلایا تھا کہ اس معاملے میں اس نے اپنی زبان بند رکھی تھی۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا!"

"پہلے یہاں سے اپنی زندہ واپسی کی فکر کرو۔ اب حماقت سے تم ہمیں اپنا مدمقابل نہ سمجھو!" میں نے کہا۔

اس نے ریت پر بیٹھے بیٹھے چند ثانیوں تک ہم دونوں کو گھورا، پھر بولا۔ "تم لوگوں کو البرٹو سے کیا دلچسپی ہے؟"

"بہت سوال کر چکے، اب شرافت سے جواب دو، ورنہ وہسکی کی خالی بوتل کا پیندا مار مار کر سارے دانت چبا ڈالوں گا!" میں نے جارحانہ انداز میں کہا۔

"میں کسی البرٹو کو نہیں جانتا!" وہ حماقت سے اکڑ کر بیٹھا۔ "یہ یاد رکھنا کہ میں نے تم دونوں کو کسی جوہڑ میں نہ پھنکوایا تو اپنا نام بدل دوں گا!"

حامد العزیز اس بیہودہ سوال پر مشتعل ہو گیا اور پہلے کاغذی گلاس میں بچا ہوا وہسکی اس کے منہ پر اچھال دی، پھر حمزہ العلاوی پر جا پڑا۔ کچھ حامد کا نشہ اور کچھ حمزہ کی پھرتی، حامد اس کو دبوچنے سے پہلے ہی منہ کے بل ریت پر جا پڑا اور حمزہ اس کی پشت پر سوار ہو گیا!

حمزہ نے حامد کے بال پکڑ کر اس کا چہرہ ریت میں رگڑنے کی کوشش کی، مگر حامد آسانی سے قابو میں نہ آ سکا!

تھوڑی ہی جدوجہد کے بعد اس نے حمزہ کو اپنے اوپر سے اچھال دیا اور پھر وحشیانہ انداز میں اس پر سوار ہو گیا۔

حامد العزیز کے گھونسوں اور ٹھوکروں نے چند ہی ثانیوں میں حمزہ کا بُرا حال کر دیا اور وہ بوکھلا کر کسی ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح چیخنے لگا!

حامد العزیز نے اس پر سے اٹھتے اٹھتے بھی دو چار ٹھوکریں رسید کیں اور ہاتھ جھاڑتا ہوا میری طرف مڑ گیا!

حامد کا چہرہ بھی خون میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں نے بوکھلا کر اس کی پیشانی اور جسم کو ٹٹولا تو یہ معلوم کر کے مجھے خوشی ہوئی کہ حامد العزیز شدید قسم کی ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ تھا اور اس کے چہرے پر لگنے والا خون حمزہ کا تھا!

میرے مشورے پر حامد العزیز کار میں چلا گیا اور اندرونی بلب روشن کر کے عقب نما آئینے کی مدد سے اپنا چہرہ صاف کرنے لگا۔ اس کام میں گاڑی میں رکھے ہوئے ٹشو پیپرز بہت کام آئے!

"مجھے وہ وقت یاد ہے جب تمہارے آدمیوں نے نخلستان میں قید کر کے مجھے کسی جانور کی طرح خیمے میں ڈال رکھا تھا!" میں نے آتش صفت سیال کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "اگر تم نے زبان نہ کھولی تو ہم تمہیں نیم مردہ کر کے یہیں چھوڑ جائیں گے اور تم اسی صحرا میں بھوک پیاس سے مر جاؤ گے۔ اس وقت تم صحرا میں اپنے ساتھی کو یاد کرو گے تو وہ بھی نہیں آئے گا!"

اس نے اپنا خون آلود چہرہ اوپر اٹھایا اور وحشت زدہ لہجے میں بولا۔ "مجھے بھی وہسکی کا ایک گلاس دو!"

"نشے میں تم پھر بہکنے لگو گے!"

"میں کہہ رہا ہوں کہ مجھے ایک گلاس دو۔ اس وقت میں مخالف ہونٹوں سے بھی سوڈا نہ ملانا!…" وہ پٹنے کے باوجود رعونت سے ظاہر ہو رہا تھا!

میں اپنا گلاس اس کے لئے انڈیلنے لگا تو مجھے ہاتھ روکتے دیکھ کر وہ بے تابانہ انداز میں غرایا… "پھر دو! میں قطرے گن کر نہیں پیتا!"

میں نے اس گلاس میں دو گھونٹ بڑے پیگ کے قریب مقدار انڈیلی اور قریب جا کر گلاس اسے تھما دیا!

اس نے فوراً بے تابی سے دو لمبے لمبے گھونٹ لئے پھر منہ سے گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔ "تم ٹھیک آدمی ہو، تمہارا ساتھی تو درندہ ہے، پورا درندہ!" اتنا کہہ کر اس نے گلاس دوبارہ اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

"یہ جوتے کھا کر ہی زبان کھولے گا، اس سے ہمدردی نہ کرو!" حامد العزیز میرے قریب آ کر بلند آواز میں بولا۔ شاید اس نے حمزہ کا تبصرہ سن لیا تھا اور خود کو اسی معیار پر برقرار رکھنا چاہتا تھا!

"ذرا سی نرمی بھی برتنے دو، شاید وہ راہ راست پر آ جائے!" میں نے حمزہ کو سنانے کے لئے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"وقت برباد کرو گے!" حامد العزیز نے ناک چڑھا کر کہا۔ "اگر تم حمزہ کو اس کی لاش دکھا سکو تو وہ ہمیں البرٹو کے بارے میں بہت کچھ بتا ڈالے گا!"

"اسے خاموش رکھو!" حمزہ کاغذی گلاس فضا میں اچھالتے ہوئے بولا۔ "اس کی بیہودہ گفتگو میرا سرور تباہ کر دے گی… ذرا ایک گلاس اور دے دو!"

"دوسرا گلاس بھی دے دوں گا، مگر تم پہلے ہی کہانی ختم کر دو!"

"اگر… اگر میں نے البرٹو کا سٹیلاتو کے بارے میں تمہارے سوالات کے جوابات دے دیے تو مجھے ہلاک تو نہیں کرو گے؟" اس کی زبان پر نشے کی ہلکی سی لکنت طاری ہونی شروع ہو گئی تھی!

"تم یقین رکھو کہ پھر ہم تمہیں ذبح نہیں کریں گے!" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"وعدہ کرتے ہو؟"

"پکا وعدہ!" میں نے پورے وثوق سے کہا۔

"لاؤ، پھر مجھے دوسرا گلاس بھی دے دو اور جو چاہو پوچھ کر چلے جاؤ!" اس نے ہنک کر کہا۔

"البرٹو ایک ماہ پہلے تم سے کیوں ملا تھا؟" میں نے نئی بوتل سے اس کے لئے دوسرا گلاس بھرتے ہوئے سوال دہرایا۔

"وہ اس کا ذاتی معاملہ تھا!" حمزہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "وہ ایک یہودی لڑکی کے عشق میں مبتلا تھا جو صدر ریاست کے حکم سے قصر ضیاء کے بدترین جیل خانے میں قید تنہائی کی سزا بھگت رہی تھی!"

"کیا بک رہے ہو؟" میں بے یقینی کے عالم میں غرایا۔

وہ جھکتے ہوئے انداز میں ہنس دیا۔ "تم تو یوں چونک رہے ہو جیسے البرٹو تمہارا رقیب رہا ہو!"

حمزہ کے الفاظ نے یک بیک مجھے مشتعل کر دیا، مگر حامد العزیز نے زور سے میرا شانہ دبا کر مجھے خاموش کر دیا۔

"وہ تم سے کیا چاہتا تھا؟" حامد العزیز نے میرے ہاتھ سے خالی ہو چکا دوسرا گلاس لے کر حمزہ کو تھماتے ہوئے سوال کیا۔

"قیصر ضیاء سے فرار میں اس لڑکی کی مدد کرانی چاہتا تھا۔" حمزہ نے دوسرے گلاس سے پہلا گھونٹ لیتے ہوئے بڑا اسامنہ بنا کر کہا۔

"اس سلسلے میں تم کیا کر سکتے تھے؟"

"قیصر ضیاء کا سینئر وارڈن میری تیسری بیوی کا سرپرست ہے اور میں اس سے اپنا ہر بات منوا سکتا تھا!"

"پھر کیا ہوا؟"

"البرٹو سے زبردست سودے بازی کے بعد سات ہزار دینار میں معاملہ طے ہوا اور میں نے ساری رقم پیشگی وصول کرلی!" اتنا کہہ کر اس نے گلاس سے ایک لمبا گھونٹ لیا تو اسے ہچکیوں کا دورہ پڑ گیا۔

میرا یہ یقین کے ساتھ اس کی حالت اعتدال پر آنے کا انتظار کرنے لگا۔ اس وقت میری کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی۔ ذہن پر غصے کے ساتھ ہی جھنجھلاہٹ اور بے بسی بھی طاری تھی۔ اس وقت حمزہ الطلاوی کی زبانی سے مجھے اپنی بھتیجی جوسی کے بارے میں بھی خرافات سننی پڑ رہی تھیں جو تمام حالات میں میری برداشت سے قطعی باہر ہو تیں مگر اس وقت میں صبر کے ساتھ حمزہ کی کہانی کی تکمیل کا انتظار کر رہا تھا!

حامد العزیز کی مدد سے کئی منٹ بعد حمزہ کی حالت سنبھل سکی مگر اس دوران میں شراب کا نشہ اس پر اپنا رنگ جما چکا تھا!

"پھر قیصر ضیاء میں کیا ہوا؟ اسے خاموشی کا مناسب وقفہ دینے کے بعد مجھے یہ بات چھیڑنی پڑ گئی۔

"میں بہت چالاک ہوں!" حمزہ جھومتے ہوئے فخریہ انداز میں ہنس پڑا۔ "میں نے البرٹو سے سات ہزار دینار وصول کیے مگر بے چارہ سینئر وارڈن دس ہزار کی جھلک دیکھ کر ہی رال ٹپکانے لگا۔ اس کے ذریعے لڑکی تک پیغامات جانے لگے اور تین ہفتے کی تیاری کے بعد فرار کا ایک ایسا جامع منصوبہ بنا لیا گیا کہ بعد میں کسی پر بھی شبہ کرنا ممکن نہ ہوتا۔ مقررہ وقت پر البرٹو کار، اسلحہ اور دوسرا ضروری سامان لے کر جیل کے احاطے کے عقب میں پہنچ گیا مگر وہ گھنٹے گزرنے کے بعد بھی کچھ نہ ہوا تو اس نے سینئر وارڈن سے براہِ راست رابطہ قائم کیا اور اس وقت پتہ چلا کہ وہ چالاک لڑکی سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر مقررہ وقت سے کم از کم دس گھنٹے قبل جیل کو چھوڑ کر جا چکی تھی!"

"پھر پھر کیا ہوا؟" میں نے بے تابی سے سوال کیا۔

"البرٹو نے سینئر وارڈن سے سات ہزار کی فوری واپسی کا مطالبہ کیا، وہ بے چارہ دھمکی کے ساتھ سن کر پچکا گیا اور سمجھا کہ البرٹو سے کر جوبل میں پانچ سات ہے۔ نتیجتاً البرٹو کو گرفتار کر لیا گیا۔ چکی وہی تو وہ بوکھلاہٹ میں کار چھوڑ کر فرار ہو گیا، جو بعد میں پولیس نے اپنی تحویل میں لے لی!"

"اب البرٹو کہاں ہے؟"

"وارڈن سے جھڑپ کے بعد اس کا کچھ پتہ نہیں۔ وہ میرے پاس بھی نہیں آیا! وہ پاگل معلوم ہوتا ہے کہ وہ سات ہزار دینار بھی بھول گیا ہے!"

"لڑکی جیل سے قبل از وقت کیسے فرار ہوئی؟"

"کسی کو علم نہیں! وہ کئی ہفتے سے فرار کا پروگرام بنا رہی تھی، لوگ اس کے ساتھ فرار کا پورا منصوبہ طے ہو چکا تھا اور وہ جانتی تھی کہ مقررہ وقت پر یہ کیسے ممکن ہے۔ مگر وہ اب تک یہ بات جانتی تھی کہ اس کے ستارے اچھے تھے کہ وہ ان خامیوں سے مقررہ وقت سے پہلے ہی فائدہ اٹھانے میں کامیاب ہو گئی۔"

"تمہیں لڑکی کے بارے میں البرٹو کی کہانی پر یقین تھا؟" میں نے اپنے جذبات پر قابو رکھتے ہوئے سوال کیا۔

"میں اتنا احمق نہیں ہوں!" وہ جھومتا ہوا اور بڑے غرور سے فضا میں ہاتھ لہراتے ہوئے بولا۔ "اس لڑکی کے بارے میں اخبارات میں اتنا چھپ چکا تھا کہ میں اس کا جھوٹ سمجھ رہا تھا، مگر سات ہزار دینار کے لیے میں جھوٹ تو کیا قتل سے بھی چشم پوشی کر سکتا تھا!" پھر وہ حیرت سے یکا یک اچھل پڑا اور اس کی پھٹی پھٹی نگاہیں میرے چہرے پر جم گئیں۔ "اوہ خدا ۔۔۔! کہیں تم ہی تو اس کے گمشدہ شوہر نہیں ہو جس کا انتظار میں وہ مدت سے در بدر بھٹک رہی تھی!"

میں نے اپنے سر کو مثبت انداز میں جنبش دی۔ "کیا یہ بات بھی اخبارات میں چھپ چکی تھی؟"

"وہ برسوں تمہیں کھوجنے کے لیے مارا مارا پھر رہا تھا، جب وہ سرکاری عتاب نازل ہوا تو تمہاری گرفتاری کے لیے دوبارہ انعام کا اعلان کیا گیا تھا! اس نے دوسرا گلاس بھی خالی کر کے میز پر پٹخ دیا۔ "کاش کہ یہ بات مجھے اس وقت یاد آ جاتی جب تم میرے قید میں تھے۔ مگر اس وقت تو تم اپنے سکیورٹی اور نقاب میں ملبوس تھے کہ میں تمہاری ذات کے اس خول کے پیچھے دیکھ ہی نہ سکا!"

"اس وقت یاد آ جاتا تو کیا ہوتا؟"

"میرا مطلب ہے میں تمہارا خون بہانے کی قیمت نہ لگا سکتا مجھے اور شراب نہیں دو گے؟ ۔۔۔" اس نے مرتعش انداز میں اپنا خالی گلاس آگے پھیلا کر کہا۔

"اب تم مجھے پہچان چکے ہو تو میں تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ کر بھی معاف نہیں کر سکتا!" میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔ "تم اپنے پیچھے سارے سراغ بھی مٹاتے چلے جانے کا کرتے ہو۔"

بڑی مجبوری!

"مت... تمہارا کیا مطلب ہے؟" وہ خوفزدہ لہجے میں گڑگڑایا۔

میں نے اپنے نرم لہجے پر انگلی پھیر دی!

"نہیں!" وہ ابتر حالت میں ہونے کے باوجود بوکھلا کر اپنے زانوں پر کھڑا ہو گیا۔ "تم مجھ سے جان بخشی کا وعدہ کر چکے ہو!" ابھی تک اس کے سامنے آنے کے باوجود اس کی پیشانی اتنا ہی پسینے میں ڈوب گیا۔ خوف کے دیمک اس کے چہرے پر نمایاں تھے!

"میں وعدے پر قائم ہوں!" میرا لہجہ بدستور سرد اور بے جذبہ تھا۔ "میں تمہیں ذبح نہیں کروں گا بلکہ گولی ماروں گا!"

"تم ایسا نہیں کر سکو گے۔" وہ چیختا ہوا میری طرف بڑھا، مگر دو قدم بڑھتے ہی بے بسی سے لڑکھڑا کر بیٹھ گیا اور ڈھیر ہو گیا!

"میں ضرور ایسا ہی کروں گا!" میں نے اپنا پستول نکال کر فضا میں اچھالا اور بائیں ہاتھ سے پکڑنے کے بعد بیک لیا!

"نہیں!" اس کی آنکھوں میں وحشت سمٹ آئی۔ "پلیز تم سے معاہدہ کرتا ہوں کہ زندگی کے آخری سانس تک البرٹو کی تلاش میں تمہاری مدد کروں گا!"

"اب میں تمہارے پورے بدن کو چھلنی کر کے تمہیں دو تین گھنٹے تک سسکا دوں گا۔ اور جب تمہیں پیاسا مارا جائے گا تو آخری گولی تمہارے دل میں اتاروں گا! مگر تم پہلی گولی سے فوراً مرنا چاہتے ہو تو اب زمانہ کا راز ظاہر کر دو یا پھر وہ بات بتاؤ جو مجھے البرٹو کی تلاش میں مدد دے سکتی ہے!"

دنیا کے ہر نیٹ آدمی کی طرح اسے بھی اپنی زندگی سے بے حد پیار تھا، وہ میرے سامنے گڑگڑاتا رہا، پھر گریہ زاری پر اتر آیا مگر مجھے اپنے ارادے پر اٹل پا کر اس کی آنکھوں میں موت کی زردی اور بے پناہ ایذا رسانی اتر آئی۔

وہ چند ثانیوں تک سکتے کے عالم میں پلکیں جھپکائے بغیر میری طرف دیکھتا رہا، پھر بہت خفیف اور لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ "اب سمجھا ہی ہے تو میں موت کی اذیت جھیلے بغیر اس مرحلے سے گزرنا چاہتا ہوں۔ تیرے دل کا ہوش نہ لینا ۔۔۔ اور اس خواہش کے عوض میں تمہاری شرط پوری کر رہا ہوں۔ البرٹو کے بارے میں الڈا کے مقامی دفتر کا میجر رینکن بلاشبہ بہتر جانتا ہے!" اتنا کہنے کے بعد وہ سانس لینے کے لئے رکا، پھر بے تحاشا ہانپتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اس لڑکی کے معاملے میں بھی البرٹو کو سمجھنا یہ غلط ہو رہا تھا!"

اسی لمحے حامد العزیز نے شانے پر ہاتھ رکھ کر مجھے قدرے فرسٹ کیا۔ اس کی خواہش تھی کہ میں البرٹو کے معاملے میں حمزہ کو زندہ رکھوں، کیونکہ اس سے کام لیا جا سکتا تھا، مگر میں اس کی فطرت سے بخوبی واقف ہو چکا تھا۔ ایک بار جب گرفت کمزور ہوتی تو وہ صاف بچ نکل جاتا، لہٰذا پوری قوت اور وحشت انگلی سرخ کر کے ٹریگر دبایا اور حامد العزیز کو بھی خوش کر دیا!

اس کا کام ختم ہو چکا تھا اور وہ ہر اعتبار سے موت کا مستحق تھا۔ عام لوگوں کے لیے وہ موذی تھا، پھر میرے لئے تو ذاتی معاملہ بھی یہ مقدم تھی!

ہم دونوں مشورہ کر کے واپس لوٹے تو وہ شاید خوف کی شدت سے بے ہوش ہو چکا تھا۔ حامد العزیز نے قریب بیٹھ کر اسے ہلایا جلایا، مگر اس کے بدن میں کوئی جنبش نہ ہوئی!

اس کے اعضاء کی غیر فطری بے حسی نے مجھے چونکا دیا۔ میرے اشارے پر حامد العزیز نے اس کے دل کی دھڑکنیں سننے کی کوشش کی مگر وہاں موت کا ہیبت ناک اور لامتناہی سکوت طاری ہو چکا تھا، نبضیں بھی یکسر مفقود تھیں۔ حامد العزیز اس کی لاش سے بھی سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا!

"قدرت نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا!" وہ سر جھکا کر مضطرب لہجے میں بولا۔ "شاید یقینی موت کی وحشت سے اس کی حرکت قلب بند ہو گئی ہے!"

غریب کے انوکھے احساس سے مجھے اپنا وجود معمول سے جدا معلوم ہونے لگا! قدرت اس قدر فیصلہ کن انداز میں بہت کم انسانی عزائم کی تائید کرتی ہے!

صحرا کے زرد سینے پر اس وقت مکمل سکوت اور دھیما چاند فضا کا راج تھا اور صحرا کی فضا بہت پرسکون معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے اپنا رومال گیلا کر کے حامد العزیز کا چہرہ بہت احتیاط سے صاف کیا اور پھر کوئی دھبہ نظر آنے کے بعد جب میرا سفید رومال سرخ ہو گیا۔ چہرہ صاف ہونے کے بعد حامد کی پیشانی پر چند معمولی خراشیں رہ گئیں!

اگلا مرحلہ حمزہ کی لاش کو ٹھکانے لگانے کا تھا۔ حامد العزیز کی رائے تھی کہ لاش کو گاڑی میں بند کر کے گاڑی کہیں چھوڑ دی جائے تاکہ پولیس کو سواری اور مسافر کی الگ الگ تلاش نہ کرنی پڑے، مگر میں یہ خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا!

میرے ساتھ حامد بھی پولیس کی نگاہوں میں مفرور تھا۔ اتنی رات گئے شہر کی طرف لوٹتے ہوئے راستے میں کوئی سپاہی روک لیتا تو لاش کا کار کی تلاشی بھی لی جاتی اور لاش کی موجودگی میں چھٹکارا ناممکن ہو جاتی!

حامد العزیز اس نکتے پر فوراً مجھ سے متفق ہو گیا اور ہم دونوں نے نرم ریت میں ایک گڑھا کھود کر حمزہ کی لاش ریت کی چند انچ موٹی

شہر کے نزدیک بڑی ہیر پھیر کے واردات سے قبل بیئر کے ٹین اور خالی کاغذی گلاس بھی سمیٹ کر نذر آتش کر دیئے، تاکہ پولیس کو ان سے کوئی سراغ نہ مل سکے!

روانگی سے قبل کار کو پھیلا دیا۔ پچھلے دس منٹ تک میں جیپ کو اسی مقام پر بے ترتیب دائروں کی صورت میں گھماتا رہا تاکہ ریت پر نظر آنے والے قدموں کے نشانات کو مٹایا جا سکے!

اس اہم کارروائی سے فارغ ہو کر حامد نے کار [illegible] سمت کے قریب سے ٹھیک شمال کی سمت میں ڈال دی۔

صحرا میں چاندنی اس وقت تک اتنی نکھر چکی تھی کہ روشنیاں جلانے کی قطعی ضرورت محسوس نہ آئی۔

"ریمنگٹن پارٹنر کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے پُرخیال لہجے میں سوال کیا۔

"اس نے موت کے دہانے پر پہنچ کر زبان کھولی تھی!" حامد العزیز نے کہا۔ "اس حالت میں آدمی سچ ہی بولتا ہے!"

"بلکہ اس وقت صادق آتا ہے جب مرنے والا چند گھنٹوں کے بعد [illegible] حمزہ نزاعی حالت میں اپنے قاتلوں سے مخاطب تھا!"

"تمہارے تجزیے بہت خوبصورت اور حقیقی ہوتے ہیں!"

"اس نے مجھے بتایا تھا کہ ہم تمہارے باعث مر رہے ہیں۔ ان آخری سانسوں میں اس نے ہمیں ایک ایسے آدمی کا نام دے دیا جس نے شکاگو میں ہمیں کسی مصیبت سے دوچار کر سکتا ہے!" میں نے کہا۔

"یعنی ریمنگٹن پارٹنر کا البرٹو والے معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہو گا؟" حامد العزیز نے حیرت سے سوال کیا۔

"ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی!" میں نے جواب دیا۔ "دونوں ہی امکانات ہیں! مگر بظاہر یہ لگتا ہے کہ ریمنگٹن پارٹنر کا معاملہ سیدھا سادا نہیں ہو گا! اور پھر حمزہ کی موت کے بعد ہم البرٹو کے معاملے میں بالکل تاریکی میں ہیں! ہم اس کو یکسر نظر انداز بھی نہیں کر سکتے!"

"ہم ریمنگٹن پارٹنر سے براہ راست وہاں الجھنے سے پہلے اس کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتے ہیں! پھر وہ بہت کچھ کر [illegible] مگر اب تم البرٹو کا سلیفانو کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہو؟"

"کیا تم سمجھ رہے ہو کہ البرٹو جیسا [illegible] ہزار دینار کی خاطر [illegible] کر [illegible] پولیس کے خوف سے روپوش ہوا ہو گا، جب کہ اس کا ماضی ہمیشہ سے بہت مشکوک رہا ہو؟"

"اس نے [illegible] اپنی موت کا یقین ہونے سے پہلے شراب [illegible] اور پھر تم ابھی تک [illegible] ہو: [illegible] زبان کھولنے کی اہمیت رکھتے ہو!"

میں اور اس معاملے پر کچھ اور بھی انداز سے سوچ رہا تھا!

"اسے بھی آواز سے سوچنے کی بجائے مجھے کوئی مشورہ دے سکو گے!"

"یہ کوئی لمبا چکر ہے!" میں نے پُرخیال لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "البرٹو کو کبھی اور کسی شخص نے ستیا کی راہ پر لگایا ہو گا۔ ہو سکتا ہے یہ انکشاف والا ریمنگٹن پارٹنر ہی ہو! [illegible] اس نے البرٹو کو خطرہ [illegible] فراہم کی، پھر جب ستیا کے قبل از وقت فرار پر البرٹو نے جیل کے وارڈن پر معاملہ کھولا تو [illegible] کے وارڈن یا اس کے خلاف البرٹو کو کوئی اہم نکتہ سوجھ گیا۔ ستیا کا حصول اس کے لئے اس قدر اہم یقینی تھا کہ وہ [illegible] ہزار دینار [illegible] اور [illegible] کو [illegible] کوشش کر کے اپنی دانست میں ستیا کے تعاقب میں [illegible] اب اگر ریمنگٹن پارٹنر بھی اس منصوبے کا [illegible] تو ہم اس کے [illegible] پر پستول کی نالی رکھے بغیر کچھ معلوم نہ کر سکیں گے!"

"تمہارے اندیشے بہت ٹھوس وزن رکھتے ہیں۔ ہمیں اس کے پٹھے سے قبل ہر پہلو پر غور کرنا ہو گا!"

مزید گفتگو کے بغیر ہم سڑک پر آ گئے۔

"یہ کار کہاں چھوڑو گے؟" میں نے سوال کیا۔

"شہر کے قریب!" اس نے کہا۔ "یہاں سے [illegible] تو شہر پہنچنے تک سردی اور تکان ہمارا کام تمام کر دے گی!"

ویران صحرائی شاہراہ پر ہم تیز رفتاری کے ساتھ سفر جاری رہا۔ راستے میں ایک گشتی کار بھی نظر آئی جس کی چھت پر سرخ بتی گردش کر رہی تھی، مگر خوف کے باوجود حامد العزیز نے رفتار اور اسٹیئرنگ پر قابو رکھا اور وہ پولیس کار ہم سے کوئی تعرض کئے بغیر مخالف سمت میں چلی گئی۔

"اگر رات کو صحرا میں تیز ہوائیں نہ چلیں تو صبح ہونے تک [illegible] پولیس حمزہ کی لاش تک پہنچ جائے گی!" تھوڑی دیر کے بعد حامد العزیز نے کہا۔

"اس قدر جلدی کیسے؟"

"زیادہ مشکل بات نہیں، پولیس [illegible] اصولوں پر کام کرتی ہے!" اس نے بتایا۔ "گشتی کار کا عملہ گشت کے دوران آنے جانے والی گاڑیوں کے نمبر اور سمتیں وغیرہ نوٹ کرتا ہے اور یہ ریکارڈ روز [illegible] کر دیا جاتا ہے۔ صبح جب یہ پولیس کے مرکزی دفتر میں ریکارڈ سے معلوم ہو گا کہ کار رات کے [illegible] جگہ صحرا سے [illegible] گاڑی آتے ہوئے دیکھی گئی تھی اور فوراً ہی ایک جماعت [illegible] کے نشانات کے ذریعے [illegible] گاڑی سے ملا دی جائے گی۔ اگر رات پُرسکون رہی تو ریت پر ٹائروں کے نشانات بھی وہ جماعت صبح ہی میں کھوج لگا لے گی۔ ہاں اگر رات کو تیز ہوا سے جھکڑ چل گئے تو کچھ بھی معلوم نہ ہو سکے گا!"

"انہیں کے طریقہ کار سے گہری واقفیت رکھتے ہو۔"

"دوستانہ ابھی مجھے میں کلرکی کی ہے!" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اجنبیوں کے لئے مقامی نظام کے لئے یہ رموز جاننا واقعی ممکنات میں سے ہے!" میں نے خلوص دل سے کہا۔

شہر میں داخل ہونے کے بعد حامد نے وہ کار ایک سنسان مقام پر سڑک کے کنارے چھوڑ دی اور ہم دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہاں سے پیدل ہی ایک سمت میں بڑھ گئے۔ اس وقت رات کے گیارہ بج چکے تھے اور ہر سو پھیلی ہوئی ویرانی کو دیکھ کر میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا!

"یہاں سے فلیٹ کی کتنی مسافت ہے؟"

"اگر ایک آدھ میل!" اس کا جواب سن کر میرا دل بیٹھ گیا! "اس وقت ہم بن غازی کے مضافات میں ہیں؟"

"کار ابھی شہر میں چند میل اور لے جاتے!"

"رات کے وقت شہری حدود میں ہر سواری کو روک کر جامہ تلاشی لی جاتی ہے۔ میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا!"

"پھر کسی ہوٹل میں رات بسر کرنے کا ارادہ ہے؟"

وہ ہنس پڑا۔ "قریب ہی میرا ایک قابل اعتماد دوست رہتا ہے۔ رات اسی کے پاس بسر کریں گے۔ صبح سویرے وہ ہمیں فلیٹ پر چھوڑ دے گا!"

"تو وہ ابھی کہیں نہ چھوڑ دے گا؟"

"کہا نا کہ اس وقت خطرہ ہے!" وہ بے پروائی سے بولا۔ "راستے میں جگہ جگہ پڑتال ضرور ہو گی اور ہم انہیں مطمئن نہیں کر سکیں گے!"

تھوڑی دیر بعد ہم پختہ اور نیم کچے مکانات پر مشتمل ایک آبادی میں جا نکلے جہاں ہر طرف کثرت سے کھجور کے درخت پھیلے ہوئے تھے۔

حامد العزیز نے عقبی گلی سے ایک مکان کے دروازے پر مدھم سی دستک دی۔ فوراً ہی اندر سے ایک غنودہ آواز ابھری اور چند ثانیوں بعد ایک جوان العمر شخص باہر آ گیا۔ اس کی آنکھیں نیند کے خمار سے بوجھل ہو رہی تھیں۔

وہ حامد کو دیکھتے ہی اس سے بغل گیر ہو گیا اور ہم دونوں کو اندر کھینچ کر دروازہ پھرتی سے مقفل کر دیا۔

"کیسے آئے ہو؟" کمرے میں آ کر اس نے تجسس آمیز سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "تمہاری پیشانی پر بھی تشویش ہے!"

"رات گزارنے آئے ہیں! صبح سویرے تم ہمیں فلیٹ تک چھوڑ دو گے؟" حامد العزیز گفتگو کو مختصر رکھنا چاہ رہا تھا!

اس کے مکان میں چار کمرے تھے جو جدید طرز زندگی کی تمام آسائشوں سے مزین تھے۔ منہ ہاتھ دھونے کے لئے ہم دونوں غسل خانے میں چلے گئے۔ وسیع صحن میں ایک ٹوٹے پھوٹے صحن میں سیاہ رنگ کی بیوک موجود تھی!

ہم دونوں منہ ہاتھ دھو کر فارغ ہوئے تو گوشت کے پارچے، مقامی طرز پر تیار کیا ہوا چاول، پنیر، سبز زیتون اور دو تین مشروبات … تکلف اور شراب نوشی کے بعد دستر خوان پر دیکھ کر بھوک چمک اٹھی اور ہم نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا۔

مجھے حیرت اس بات کی تھی کہ حامد العزیز نے میرا اور اپنے دوست کا تعارف نہیں کرایا تھا اور نہ ہی اس شخص کو اس بات کی فکر تھی کہ اپنی چھت کے نیچے رات بسر کرنے والے اجنبی کے بارے میں کچھ معلوم کرے!

جب ہم دونوں سونے کے لئے ایک کمرے میں پہنچے تو میری تشویش زبان پر آ گئی! میں اپنے تجسس پر قابو نہ رکھ سکا!

"یہ کون ہے؟"

"کیا اتنا کافی نہیں کہ میرا ایک قابل اعتماد دوست ہے!" حامد العزیز نے مسکرا کر کہا اور میں ندامت سے پانی پانی ہو گیا! اس نے پہلی بار مجھ پر نہایت لطیف پیرائے میں چوٹ کرنے کی جرأت کی تھی۔

بستر پر دراز ہونے کے بعد بھی حامد العزیز کے وہ الفاظ میرے ذہن میں چبھتے ہوئے کانٹے کی طرح کھٹکتے اور مسلسل دستک دیتے رہے۔ بار بار جی چاہا کہ خاموشی سے بستر چھوڑ کر رات کے اندھیرے میں گم ہو جاؤں کہ حامد کو میرا سایہ تک نہ مل سکے مگر رفتہ رفتہ میرا ذہن اعتدال پر آ گیا!

انگریز لوگوں کا اپنا کوئی طریقہ کار اور بہت بچ بچا کے … تو مجھے غیر ضروری طور پر اس میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ دراصل اسرائیل میں مجھے اور فلسطین میں عبداللطیف اور عبدالعزیز کے ساتھ رہ کر میری عادت اتنی خراب ہو چکی تھی کہ میں ان لوگوں کی سرگرمی اور متعلق کی جزئیات کو جاننا اپنا حق سمجھنے لگا تھا!

اس ذہنی ابال سے نجات پانے کے بعد میں گہری نیند سو گیا۔ اگلی صبح ساڑھے پانچ بجے حامد العزیز نے مجھے جھنجھوڑ کر جگایا۔ اس کا دوست نہ جانے کب سے جاگا ہوا تھا کیونکہ جب میں باتھ روم سے ہو کر لوٹا تو گرم گرم ناشتہ تیار تھا!

چھ بجے ہم وہاں سے بیوک میں روانہ ہو گئے۔ بستیوں میں معمول کی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ بلند عمارتوں کی روشن کھڑکیاں بتا رہی تھیں کہ بن غازی کے لوگ صبح دم اٹھنے کے عادی تھے!

سات بجے ہم … پر اپنے ٹھکانے سے تھوڑی دور بیوک سے …

… ہوئے میں نے فلیٹ کے … کہ اس شخص کو پہلی بار مخاطب کیا۔ … جواب اس نے شائستگی سے دیا۔ پھر وہ رخصت ہو گیا اور ہم … اپنے ٹھکانے کی طرف چل دئیے!

فلیٹ سے ملحق ہاشم کا کمرہ تھوڑی ہی دور تھا۔ … ایک نظر ڈالا تھا لیکن ہم لفٹ میں سوار ہوتے تو ہاشم کے کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک … دروازہ بند ہونے سے قبل لفٹ میں آ گیا۔

وہ ہاشم تھا! اس کی جاگی ہوئی سرخ آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ پریشانی کا شکار … رات بھر کسی … ہمارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر میرے دل کے کسی خانے میں ایک خفیف سی لہر ابھری جو نہ جانے کس جذبے کی پیداوار تھی!

ہمارے فلیٹ میں پہنچ کر اس نے ہماری بے خوابی کا شکوہ کیا … دونوں کی طرف … حامد کا گلہ … بس اتنا بتایا کہ ہم دونوں … دشواری میں پھنسے تھے کہ رات بھر واپسی کی نوبت ہی نہ آ سکی!

حامد نے اختصار کے ساتھ اسے سارے واقعات سے آگاہ کر دیا۔ پھر کہا: "ان سب معاملات میں تو میں بھی شریک تھا، مگر … خلوت میں جو کچھ ہوا وہ تم اسی کی زبانی سن سکو گے!"

"ایسی خلوتوں میں جو کچھ ہوتا ہے وہ بن کہے ہر ایک جانتا ہے!" ہاشم بزرگانہ انداز میں ہنستے ہوئے بولا۔ "مجھے حیرت تو یہ ہے کہ تم نے حمزہ جیسے عفریت کو اتنے قریب سے … سلامتی سے مار لیا! میں تو اسی خیال سے لرز رہا تھا کہ کہیں بازی الٹی ہی نہ ہو گئی ہو!"

"مجھے الزام نہ دو، منصوبہ کچھ اور بنا تھا مگر مستقبل نے اچانک … تبدیلی کر کے دوسری چال چل دی اور وہ ضرورت سے زیادہ اسباب ثابت ہوئی!" حامد بولا۔

"وہ قصہ تو ختم ہو گیا!" میں نے کہا۔ "میری چند لمحے … تم رحیش پانڈے کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے تھے … ہو جائے تو خاصا وقت بچ سکے گا!"

"تم دونوں کے یہاں آ جانے سے مجھے بڑی ڈھارس ہوئی ہے! … اعتماد بھی بحال ہو رہا ہے۔ میں کچھ …" ہاشم … تھپکی دے کر کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس چلا گیا تو میں نے گرم پانی سے طویل غسل … بستر میں گھس کر سو گیا!

شام کو ہاشم رحیش پانڈے کے بارے میں اطلاعات لایا جو خاصی مایوس کن تھیں کیونکہ ان میں کوئی قابل ذکر بات نہیں تھی! رحیش پانڈے ایک غیر شادی شدہ ادھیڑ عمر شخص تھا جو … مصروفیات کے بعد بقیہ وقت اپنے مکان پر گزارتا تھا۔ اس کے چند … گھرانوں سے مراسم تھے۔ … [illegible]

… تھا جس کا اظہار … لیکن اس پریشانی کی نوعیت سے کوئی بھی واقف نہیں تھا!

"ہو سکتا ہے کہ اس پریشانی کا تعلق البیرونو کا سیڈا … کے معاملے سے ہو!" حامد نے ہاشم کی پوری کہانی سننے کے بعد کہا۔

"اس سے خود ہی پوچھ لیں گے!" میں نے کہا۔ "اس نسخے کے بغیر ہم کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے!"

"ایک اور بھی اہم خبر ہے!" ہاشم نے چونک کر کہا۔ "حمزہ کی کار پولیس نے اپنی تحویل میں لے لی ہے اور اس کار کو رات گئے دو مسافروں کے ساتھ مصلاتہ سے بن غازی کی طرف آتے ہوئے دیکھا گیا تھا!"

"یہ کہاں سے معلوم ہوا؟"

"شام کے اخبارات میں خاصی نمایاں خبر ہے!" ہاشم بولا۔ "پولیس کو حمزہ کی گمشدگی کے بارے میں تشویش ہے!"

"یعنی وہ لاش تک نہیں پہنچ سکے؟" میں نے سوال کیا۔

"اخبارات میں ایسا کوئی اشارہ نہیں تھا!"

"پھر بات کی کھوج میں یقیناً تیز ہو گئی ہو گی!" حامد العزیز نے کہا۔ "ہاشم کے معاملے میں قدرت نے ہمارا بھرپور ساتھ دیا ہے!"

"مجھے خوشی ہے کہ تم دونوں اپنے اقدامات کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھتے ہو!" ہاشم نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "ویسے تمہیں محتاط بھی رہنا چاہیے کیونکہ پولیس ابھی تک تم دونوں کی تلاش میں ہے!"

"تمہیں اپنے ذرائع سے سیتا کے بارے میں کوئی اطلاع ملی؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں!" وہ بولا۔ "مجھے تو یقین سا ہو چلا ہے کہ وہ لیبیا سے چلی گئی ہے۔ پولیس نے سیتا اور البیرونو کی تلاش میں کچھ جاسوس پڑوسی ممالک میں بھیجے ہیں۔ ویسے البیرونو کا نام ابھی تک صیغہ راز میں رکھا جا رہا ہے!"

ہاشم کے سامنے ہی ہم دونوں نے رحیش پانڈے کے مکان پر چھاپہ مارنے کا پروگرام طے کیا اور اس کے جانے کے بعد اپنی وضع قطع میں نمایاں تبدیلی کر کے ہم دونوں منزل کی طرف روانہ ہو گئے!

رحیش کے بارے میں اطلاعات ملی تھیں، ان کی روشنی میں کافی بحث و تمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ میں تنہا اس کے پاس جاؤں گا اور حامد العزیز باہر رہ کر کسی ممکنہ خطرے کی نگرانی کرے گا!

رحیش پانڈے اوسط درجے کی جس تین منزلہ عمارت میں مقیم تھا وہاں شاید سب ہی ہندوستانی گھرانے رہتے تھے کیونکہ عمارت کے احاطے میں کھیلنے والوں میں کوئی لیبی بچہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

میں نے آخری منزل پر رحیش پانڈے کے دروازے پر دو مرتبہ دستک دی تو دروازہ کھول دیا گیا!

دروازہ کھولنے والا کرتے اور دھوتی میں ملبوس ادھیڑ عمر

کا شخص تھا جس کی آنکھوں پر بینائی کا چشمہ نظر آ رہا تھا!

مجھ پر نگاہ پڑتے ہی وہ فوراً سے اٹھ کھڑا ہوا!

"رشین پانچ؟" میں نے اسے شک سے واپس فلیٹ میں گھستے ہوئے اردو میں سوال کیا!

مقامی وضع قطع کے ایک فرد سے اردو سن کر اسے خاصی خوش گوار حیرت ہوئی اور وہ مسکراتا انداز میں پیچھے ہٹ گیا!

"مجھے حمزہ العلاوی نے تمہارے پاس بھیجا ہے!" اندر بیٹھنے کے بعد میں نے عقابی نظروں سے فلیٹ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"اس سے کہہ دو اسے کچھ نہ دے سکوں گا!" وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر [illegible] بولا۔ "میں نے اپنی ساری جمع پونجی صرف کر کے وہ ہنڈیاں خریدی تھیں، مجھے کچھ نہیں معلوم کہ ان میں جعلسازی کیسے ہو گئی۔"

تلاشی! اس کا جواب سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے۔ "یہ کیا معاملہ ہے؟" میں نے محتاط لہجے میں سوال کیا۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور حمزہ سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"برسوں سے حمزہ کا ملازم ہوں!"

"وہ ملعون مجھے برباد کر چکا ہے۔ اب تو میں اسے ایک پیسہ نہیں دے سکوں گا! شاید تم اس معاملے سے بے خبر ہو!"

میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

اس نے تھکے ہوئے انداز میں اپنی آنکھیں موند لیں۔ "کئی مہینے پہلے میں نے آٹھ سو ہنڈیاں ایک مقامی سیٹھ سے خرید کر ہندوستان میں اپنے بیٹے اور بھتیجوں کو بھیجی تھیں، مگر کچھ دنوں بعد وہ [illegible] امیگریشن والوں نے انہیں [illegible] ان کے پاس جعلی [illegible] تھے۔ اس [illegible] سے میرا نام معلوم ہوا تو حمزہ میرے سر پر سوار ہو گیا، وہ مجھے اس چکر سے نکالنے کے عوض ایک ہزار ریال طلب کر رہا تھا جب کہ میرے پاس سو ریال بھی نہیں تھے۔ مجھ سے مایوس ہو کر وہ اول فول دھمکیاں دے کر چلا گیا۔ اس روز کے بعد سے امیگریشن والے اور مقامی سراغرسانی والے مسلسل میری اور میرے ملاقاتیوں کی نگرانی کر رہے ہیں، دو مرتبہ مجھ سے کڑی باز پرس بھی کی جا چکی ہے۔ حمزہ نے انہیں یقین دلایا ہے کہ میں یہاں سے جعلی ہنڈیاں ترسیل کرنے کا منظم کاروبار چلا رہا ہوں!"

میرے حلق سے بے اختیار ایک طویل سانس آزاد ہو گئی۔ "اس کا مطلب ہے کہ یہاں سے جانے کے بعد میری بھی نگرانی ہو گی!"

"تم شاید اندازہ نہیں لگا سکے کہ تم بھی ہندوستانی ہو، حمزہ نے تمہیں سزا کے طور پر یہاں بھیجا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ نیچے اترتے ہی وہ تمہیں پکڑ لے جائیں!"

"مگر انہیں کیسے معلوم ہو گا کہ میں تمہارے پاس ہی آیا ہوں؟ [illegible]

بلڈنگ میں کوئی فلیٹ ہے؟"

"انہوں نے سب کی زندگی اجیرن کی ہوئی ہے!" وہ [illegible] کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہاں کئی فلیٹ ہیں، تمہارے اندر گھستے ہی ان کے ایک آدمی نے [illegible] آنے والوں کی بابت رپورٹ کیا ہو گا۔ اس [illegible] کے بعد انہیں معلوم ہو چکا ہو گا کہ تم [illegible] میں موجود ہو [illegible] جعلسازی کر رہی ہے!"

یہ سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ حمزہ العلاوی نے [illegible] مجھے یہ کاروائی [illegible] کر دیا تھا!

"وہ دیکھو!" وہ مجھے اپنے قریب بلاتے ہوئے بولا۔ "سرخ اور سبز رنگ کی کاریں کھڑی ہیں، اس وقت ان کی سیاہ کار میرے سامنے موجود ہے!"

کھڑکی سے باہر وہ سیاہ کار مجھے صاف نظر آ رہی تھی۔ میں نے حامد العزیز کو بھی تلاش کرنا چاہا مگر وہ مجھے کہیں نظر نہ آ سکا!

"اگر میں انہیں چکمہ دے کر نکل گیا تو وہ تمہیں تنگ کریں گے!"

"میں تو شکر ہی کر رہا ہوں!" وہ [illegible] انداز میں بولا۔ "[illegible] کے دوران مجھ پر دو بار تشدد بھی ہو چکا ہے [illegible] کسی وقت مجھ پر مقدمہ چلا کر مجھے سزا دے سکتے ہیں جس کے بعد ملک بدر کر دیا جاؤں گا، حمزہ نے میری پوری زندگی تباہ کر کے رکھ دی ہے!"

رشین پانچ واقعی سیدھا سادہ شریف انسان تھا۔ اس کی کہانی سننے کے بعد میں سمجھ چکا تھا کہ حمزہ نے اسی کا نام کیوں لیا تھا۔ اس گفتگو کے بعد رشین کے سامنے اپنا نام لینا کتنا خطرناک تھا!

"تم عربی سمجھ لیتے ہو؟" میں نے اس سے عربی میں سوال کیا۔

"دس برس سے یہاں [illegible]" وہ [illegible] عربی میں ہی بولا۔ "شاید اب [illegible] مل جائے!"

"میری تم سے ایک التجا ہے!" میں نے اس سے [illegible] کہا۔ "اگر تم سے پوچھ گچھ کی نوبت آ بھی جائے تو [illegible] ملنے آنے والا ایک عرب تھا، اردو کا حوالہ نہ دینا!"

"تم بے فکر رہو!" وہ پُر خلوص لہجے میں بولا۔ "اگر میں اپنے ساتھ تمہیں بھی لے ڈوبا تو مجھے خود افسوس رہے گا!"

میں کچھ دیر وہاں بیٹھا اس سے حالات کی بابت [illegible] کرتا رہا، پھر وہاں سے اٹھ گیا۔ زینے طے کرتے ہوئے میرا [illegible] میں تھا اور [illegible] ختم کر کے باہر نکلا تو حامد العزیز [illegible] کار کا کھیل دیکھنے میں مصروف تھا!

مجھے دیکھتے ہی وہ [illegible]

"[illegible] معاملات کی نگرانی ہو رہی ہے۔ تمہارے جانے کے بعد ہی ایک آدمی [illegible] منٹ بعد باہر آ کر پھر اپنے مورچے پر جم گیا۔ [illegible] سیاہ کار کی بات کر رہے ہو؟"

[illegible] لہجے میں بولا۔ "دیکھو وہ دونوں افراد [illegible] اخبار [illegible] سیاہ [illegible] مقامی افراد [illegible] سڑک عبور کر کے ہماری طرف آ رہے تھے!"

[illegible] سوال کیا۔

[illegible] لہجے میں [illegible] ہو سکتا ہے [illegible] جانے کے بعد ہم [illegible] کے سبب یہاں سے نکل [illegible]

میں نے ایک طویل سانس [illegible] ہاتھ جیب سے باہر [illegible]

ہم دونوں [illegible] واپسی کی طرف [illegible]

[illegible] کبھی [illegible] ہاتھ ملا کر جیب [illegible]

[illegible] پارکنگ کی کھڑکی سے [illegible]

[illegible] قریب [illegible] قد والے [illegible] چہرے پر [illegible] کے رعونت [illegible]

[illegible] معمور [illegible]

[illegible] کا [illegible] جاتا [illegible]

[illegible] العزیز [illegible] میں [illegible]

[illegible] العزیز کے لب [illegible] ہو گئے [illegible]

[illegible] ہم [illegible] پولیس [illegible]

[illegible] جعلسازی [illegible]

[illegible]

سینئر افسر کی شان پر اپنا زبردست رنگ جمایا تھا!

"تمہارے شناختی کارڈ کہاں ہیں؟" حامد العزیز نے [illegible] افسر کی طرح ان کے سامنے [illegible] ہو رہے۔

انہوں نے جھجکتے ہوئے اپنے کارڈ حامد العزیز کے حوالے کر دیے اور اس نے کارڈ پر سرسری نظر ڈال کر اپنی جیب میں ڈال لیا "نیشنل سیکیورٹی بیورو کے افسر کے طور پر تم دونوں کے کارڈ ضبط کر رہا ہوں!"

نیشنل سیکیورٹی بیورو لیبیا میں داخلی سلامتی سے متعلق اہم ترین ادارہ تھا، جس کا نام سنتے ہی دونوں کے چہرے پر ہوائیاں اڑ گئے، مگر پھر بھی انہوں نے جھجکتے ہوئے [illegible] حامد العزیز سے ایک چبھتا ہوا سوال کر ہی ڈالا "تم دونوں کے شناختی کارڈ کہاں ہیں؟"

"شناختی کارڈ؟" حامد العزیز بھڑک اٹھا [illegible] بولا "کارڈ کہاں ہے تمہارا؟ ایسے ساتھ ہیڈ کوارٹر چلو، وہاں میں تمہارے چیف کو سارے شناختی کارڈ دکھاؤں گا!"

"تم ہمارے ساتھ چلو گے؟" دراز قامت کا سر ٹھنک گیا۔

"ہاں! اپنی کار لاؤ!" وہ غرایا۔

پستہ قامت نے [illegible] دونوں میں جو [illegible] تھا کیونکہ وہ کار لانے کے لیے چلا گیا۔

"تم مجھے اچھا شریف آدمی لگتے ہو اور میرا ساتھی تم سے وہ [illegible] معافی مانگنے کو تیار ہے!" اکیلے رہ جانے پر دراز قامت نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"[illegible] ہے!" حامد العزیز نے اسے جھڑک دیا۔ "اب فیصلہ تمہارے چیف کے ہی سامنے ہو گا!"

کار آئی تو پستہ قامت جھک کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ حامد العزیز نے دراز قامت کے ساتھ عقبی نشست سنبھال لی۔

"دونوں عرب ہیں تو اب ملزم کی نگرانی کون کرے گا؟" حامد العزیز نے کار کے حرکت میں آتے ہی [illegible] لہجے میں سوال کیا۔

"وہاں ہمارے دو آدمی اور بھی [illegible]" دراز قامت کی مردہ سی آواز ابھری۔

"یہ تم دونوں سے زیادہ ذہین معلوم ہوتے ہیں جو انہوں نے [illegible] مداخلت کی کوشش نہیں کی!" اسی وقت حامد العزیز [illegible] دونوں کا افسر معلوم ہو رہا تھا!

"وہ بھی ہمارے پیچھے آ رہے ہیں!" پستہ قامت نے [illegible] دیکھ کر کہا اور میرے وجود میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔

"انہیں رکنے کا [illegible]" دراز قامت الجھن آمیز لہجے میں بولا۔ "پیچھے کوئی گڑبڑ ہوئی تو چیف سب کو پھاڑ کھائے گا!"

"ہو سکتا ہے کہ انہوں نے [illegible] پر بیٹھ کر [illegible]

لیے ہوئے! پستہ قامت کا ہر قدم صورت حال کو گمبھیر تر کرتا جا رہا تھا۔

"آگے موڑ... انہیں بھی آنے دو۔" حامد العزیز کی اضطرابی آواز سنائی دی۔ پھر یک بیک اس کا لہجہ بدل گیا۔ "اپنی کار کی رفتار تیز کر دو اور ان سے ساحلی شاہراہ پہ نکالنے کی کوشش کرو!"

اس کے ساتھ دراز قامت کی عجیب سی آواز آئی۔ میرے لیے یہ اشارہ کافی تھا۔ میں نے اپنی جیبوں سے پستول کے ساتھ ہی زہریلے تیروں والی شیشی بھی نکال لی۔

میں پشت گاہ پہ بازو ٹکا کر پیچھے گھوما تو حامد العزیز اس کی پسلیوں میں اپنی نال اڑا چکا تھا!

اس وقت صورت حال بہت زیادہ خطرناک ہو چکی تھی۔ چونکہ دراز قامت کو خاموشی سے ختم کرنے کے لیے زہریلے تیروں والی شیشی سے اس کی موت کا لٹ دیا اور اسی لمحے پستہ قامت نے مجھے اپنی طرف سے غافل پا کر اسٹیئرنگ چھوڑ کر پوری قوت سے میرے ہاتھ سے پستول چھیننے کی کوشش کی۔

اس جدوجہد میں میرا ہاتھ جھک گیا اور بے اختیار میرے حلق سے ایک وحشیانہ غراہٹ آزاد ہو گئی۔ کیونکہ تیر چھینکتے ہوئے میرا نشانہ حامد العزیز کے چہرے کی طرف ہو گیا تھا۔ مگر اس کے ستارے اچھے تھے کہ وہ فوراً ہی صورت حال کی نزاکت کو بھانپ گیا اور نیچے جھک کر خود کو اس مہلک وار سے بچانے میں کامیاب ہو گیا۔

مگر اس کوشش میں دراز قامت کو حامد العزیز پہ جھپٹنے کا موقع مل گیا۔

ادھر پستہ قامت نے کار کی رفتار سست کر دی تھی اور پوری قوت سے پستول چھیننے پہ مصر تھا۔ اسی اثنا میں سڑک پہ کوئی خفیف سی اونچ نیچ آ جانے کے باعث کار تھوڑی سی لہرائی اور لکڑی جیسے شاید کسی چیز سے ٹکرا کر آگے بڑھ گئی۔

اس جھٹکے کا نتیجہ اس قدر شدید تھا کہ پستہ قامت نے غیر ارادی طور پہ پستول چھوڑ کر جلدی سے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔

مگر پچھلی نشست پہ خوفناک جدوجہد جاری تھی۔ دوسری طرف کے پیچھے آنے والی کار نے شاید سیاہ کار کی رفتار اور مشکوک صورت حال کو بھانپ لیا تھا۔ کیونکہ انہوں نے مسلسل سائرن بجانا شروع کر دیا تھا!

اس وقت دراز قامت نے حامد العزیز کو کسی طرح اپنے سینے کے ساتھ دبوچ رکھا تھا۔ اور حامد العزیز کو اس کے جسم کے کسی حصے میں گولی مارنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ مگر اتنا ہی کافی تھا کہ پستول بدستور حامد کے قبضے میں تھا!

میں اپنے معاملات پہ قابو پا چکا تھا۔ میں نے [illegible] کر چشم زدن میں دراز قامت کے [illegible] لمحے بھر میں وہ [illegible] بے جان ہو گیا جیسے کوئی برقی کھلونا [illegible]

کے بعد اچانک رک جاتی ہیں!

مرنے والے کو حلق سے کوئی آواز نکالنے کی مہلت تک نہ ملی تھی۔ مگر پستہ قامت عقبی نشست پہ کھیل کے اس خاتمے سے پریشان ہو گیا۔

"اسے کیا ہوا؟" اس نے گھبراہٹ سے شکستہ سی آواز میں سوال کیا۔

"مر گیا اور اگر تم نے میری ہدایت پر عمل نہ کیا تو تمہاری لاش بھی اسی سڑک پر لڑھکا دی جائے گی!" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

اس پہ میری دھمکی کا خاطر خواہ اثر ہوا اور اس نے کار کی رفتار یک بیک بہت تیز کر دی اور پیچھے والی کار کے ہیڈ لیمپس سے فاصلہ بڑھنے لگا!

"کیا اس کار میں سائرن نصب ہے؟" میں نے پلٹ کر پیچھے دیکھتے ہوئے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

"سائرن تو ہے... وائرلیس سیٹ نہیں ہے!"

"تو پھر آن کر دو اسے!" میرے الفاظ کے ساتھ ہی فضا میں سائرن کی دل دہلا دینے والی وحشت ناک آواز سے گونج اٹھی۔ مگر پچھلی آواز سے خالی ڈھارس ہوئی۔

پیچھے والی سیاہ کار کا سائرن سن کر ہر شخص یہی سمجھ سکتا تھا کہ اصل میں سیاہ کار کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ اور یہ اندازہ لگانے کے بعد کوئی بھی پُرجوش شخص سیاہ کار کا راستہ مسدود کرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔ لیکن دونوں کاروں کے سائرن [illegible] لگتے کہ دونوں کاریں کسی اہم مشن پہ جا رہی ہیں!

پیچھے والوں نے بھی اپنی رفتار میں خاصا اضافہ کر دیا تھا اور ان کے ہیڈ لیمپس کی روشنیاں ایک مستقل فاصلے سے پیچھا کرتی آ رہی تھیں!

ریشی پارٹی کی تمام [illegible] دوسری پارٹی کی موجودگی نے [illegible] کھیل بگاڑ دیا تھا اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہم اس صورت حال سے کیسے نجات حاصل کر سکیں گے!

حمزہ العلادی نے اپنی زندگی کے آخری سانس لیتے ہوئے ہم دونوں سے جس انتقام لینے کا جو منصوبہ بتایا تھا وہ بالآخر پایۂ تکمیل کو پہنچتا نظر آ رہا تھا!

پھر شہر کا وہ حصہ ایک اور سائرن کی گونج سے گونجنے لگا۔ چند ثانیوں بعد سامنے سے آتی ہوئی ایک کار بھی نظر آئی جس کی چھت پہ سرخ روشنی تیزی سے گردش کر رہی تھی! تعاقب کرنے والوں کا وائرلیس سیٹ [illegible]

مجھے موت سامنے نظر آ رہی تھی!

[illegible]

اس وقت ہماری سیاہ سائرن کار دو بلند عمارات کے درمیان ایک اوسط درجے کی سڑک پہ گامزن تھی اور اگر سامنے سے آنے والی کار بھی اسی طرف مڑ جاتی تو ہمارے لیے آگے بڑھنے کا راستہ مسدود ہو جاتا اور ہم پیچھے سے آنے والے [illegible] مسئلہ ہو جاتے۔

"دائیں گلی نظر آتے ہی کار اس میں گھما لو!" میں نے شدید اضطراب کے عالم میں پستہ قامت کو حکم دیا۔

خوش قسمتی سے تقریباً فوراً ہی دائیں جانب ایک ذیلی سڑک نظر آئی اور پستہ قامت نے بریک لگا کر نہایت مہارت سے کار اس طرف گھما لی۔

رہائشی عمارات کی وجہ سے یہ سڑک خاصی مصروف تھی۔ دونوں طرف دکانوں وغیرہ پہ کافی لوگ موجود تھے جو سائرن کا شور قریب سن کر چونک پڑے اور [illegible] حیران [illegible] چلا گیا۔

"کار سڑک کے وسط میں چلاؤ!" پستہ قامت کو حکم دیتے ہوئے میں حامد العزیز کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "بائیں طرف کا دروازہ کھول کر لاش سڑک کے وسط میں پھینک دو تاکہ وہ آگے نہ بڑھ سکیں۔"

حامد العزیز نے نہایت پھرتی سے میری ہدایت پر عمل کیا۔ میں اپنے پیچھے متوقع نتائج کا جائزہ لے رہا تھا اور یہ دیکھ کر باغ باغ ہو گیا کہ لوگوں پر اس واقعے کا فطری ردعمل ہوا تھا۔

بہت سے لوگ [illegible] چلاتے ہوئے آگے لپکے تاکہ [illegible] کی ایک بڑی تعداد سڑک کے وسط میں پڑی ہوئی لاش [illegible] تھی۔

[illegible] گاڑی سے گرتے دیکھ کر کسی کو شبہ بھی نہیں ہوا ہوگا کہ ایک سرکاری یا نیم سرکاری کار سے کوئی لاش بھی سڑک پہ پھینکی جا سکتی ہے [illegible] کسی کو یہی شبہ ہوا ہوگا کہ کسی ملزم نے [illegible] سے چھلانگ لگا دی ہے [illegible] پیچھے لوگوں کے [illegible] سے [illegible] خوش قسمتی کی اصل بات یہ تھی کہ آناً فاناً [illegible] ایسی صورت حال پیدا ہو گئی کہ [illegible] والے اس سڑک پہ گھس بھی آتے تو چند منٹ ضائع کیے بغیر آگے بڑھ جانے کا راستہ حاصل نہ کر پاتے۔

[illegible] نے آنکھوں ہی آنکھوں میں حامد العزیز سے مشورہ کیا [illegible] پہنچنے کے بعد پستہ قامت سے کہا "اب کار کی رفتار سست کر دو۔ میں پیچھے آنے والوں کو بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

میرا [illegible] انداز اتنا معقول تھا کہ اس نے [illegible] کار کی رفتار سست کر دی۔

اسی لمحے حامد العزیز نے پیچھے سے ہاتھ ڈال کر ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ اور میں نے ایک زہریلی سوئی پستہ قامت کی گردن میں اتار دی۔

اس کے جسم نے ایک شدید جھٹکا لیا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت اس کا دایاں پاؤں ایکسیلیٹر کے بجائے بریک پیڈل پر تھا لہٰذا کار ایک جھٹکا کھا کر رک گئی۔ مگر اس کا انجن بدستور چلتا رہا۔

اس وقت کئی لوگ بیٹھے بیٹھے رک کر کسی ہنگامے کی توقع میں کار کی طرف دیکھ رہے تھے اس مقام پہ سائرن والی کار کا رکنا اس بات کی علامت تھی کہ وہاں آس پاس ہی کوئی بڑی کارروائی ہونے والی ہے۔

حامد العزیز نے مرنے والے کی گردن تھامی اور میں نے اسٹیئرنگ سے اس کی انگلیاں چھڑا کر اسے پچھلے دروازے سے باہر..... لڑھکا دیا۔

تماشائی کچھ نہ سمجھ سکے کہ وہاں کیا ہو رہا تھا اور میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر سیاہ کار تیزی سے آگے بڑھا دی۔

کار کے [illegible] وہاں [illegible] ہجوم بڑھ گیا اور عقب نما آئینے میں دوسری کاروں کے گرد بھی ہجوم ہوتا نظر آنے لگا۔

"سائرن بند کر دو۔" حامد العزیز نے اگلی نشست پر آتے ہوئے بولا۔ "اب وہ جانے سالوں کو بھی نہ پہنچ سکیں گے۔"

میں نے اپنی طرف کا [illegible] موڑتے ہوئے سائرن بند کر دیا۔

حامد العزیز کی ہدایت پہ چند موڑ کاٹنے کے بعد ہم اتنی دور نکل آئے کہ تعاقب کرنے والی کاروں کے سائرنوں کا شور معدوم ہو گیا۔ اس وقت سیاہ کار ایک عام سی کار تھی لہٰذا کوئی بھی ہماری طرف متوجہ نہیں تھا۔

"اب کسی بھی پارکنگ لاٹ میں گھس جاؤ!" ایک بار [illegible] گزرتے ہوئے حامد العزیز نے کہا۔

ایک جگہ پارکنگ کا نشان دیکھ کر میں نے کار تنگ گلی میں موڑ دی اور تجارتی عمارات کے عقب میں ایک وسیع پارکنگ لاٹ میں داخل ہو گیا جہاں اندھیرے میں سیکڑوں کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔

ہم نے سیاہ کار ایک دور افتادہ حصے میں پارک کی اور حامد العزیز کار کے اندرونی حصوں کو اس طرح صاف کرنے لگا کہ نشانات انگشت کسی کے ہاتھ نہ لگ سکیں [illegible] کے علاوہ [illegible] ریشی پارٹی کے سلسلے میں پہلے سے لیے گئے [illegible] کا اندازہ ہوا تو ہم گھر سے نکلتے ہی باریک دستانے [illegible] سیاہ کار کی کھڑکی اور اسٹیئرنگ وغیرہ کی صفائی کرتے ہوئے [illegible] ارادہ کر لیا کہ میں بھی باریک دستانوں کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلوں گا۔

باہر نکل کر ہم نے سیاہ کار کی چابی ایک طرف ریتلی زمین پہ پھینک دی اور عقبی سمت سے باہر نکلنے لگے۔

"اب ہمیں جلد از جلد فلیٹ واپس پہنچنا چاہیے۔" میں نے اندھیرے میں رک کر اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"جلدی کی بات نہ کرنا۔" وہ فوراً ہی بولا۔ "یہاں سے فلیٹ تک پہنچنے میں کم از کم ایک ڈیڑھ گھنٹہ صرف ہو گا۔"

"کیا پیدل چلنے کا ارادہ ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔" وہ میری پشت پر ہاتھ مار کر ہنسا۔ "ورنہ تھوڑی سی دلچسپی ہوتی ہے تو آدمی جان بوجھ کر بند رہتا ہے۔"

"میں باز آیا ایسی دلچسپی سے، تم فوراً ٹیکسی روکو۔"

"بن غازی میں یک دم دو سرکاری اہلکاروں کا قتل ایسی خوفناک واردات ہے جو شاید پچھلے دس بارہ برسوں میں پہلی بار ہوئی ہے۔" وہ سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولا۔ "اس وقت علاقے بھر میں ناکہ بندی ہو رہی ہوگی اور شہر کی سڑکوں سے کوئی کار تلاشی کے بغیر نہ گزر سکے گی۔"

"وہ اتنے مستعد ہیں؟"

"وائرلیس پر سیکنڈوں میں ہر طرف خبر پھیل گئی ہوگی۔ اس وقت پیدل سفر کرنے ہی میں ہم لوگوں کی توجہ سے بچے رہیں گے، ورنہ ٹیکسی میں ایک جگہ نہیں جگہ جگہ اپنی شناخت اور بازپرس کے مراحل سے گزرنا ہوگا۔"

اس نے اپنا مدعا نہایت سادہ اور سلیس الفاظ میں ادا کیا تھا۔ مگر میں دل ہی دل میں حامد العزیز کی قوت فیصلہ کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

[دنیا میں عام طور پر ننانوے فیصد مجرم محض اس وجہ سے قانون کی گرفت میں آجاتے ہیں کہ جرم کے ارتکاب کے بعد جلد از جلد جائے واردات سے زیادہ دور نکل جانا چاہتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت وقوعہ کے وقت جائے واردات سے عدم موجودگی کا ثبوت فراہم کر سکیں اور ان کی یہی عجلت قانون کا آہنی شکنجہ بن کر ان کے حلقوم کے گرد موت کا پھندا بن جاتی ہے]

قانون کی گرفت سے بالکل صاف بچ نکلنے والوں میں اکثریت ان کی ہوتی ہے جو جرم کی منصوبہ بندی نہایت ٹھنڈے دل و دماغ سے کرتے ہیں اور ارتکاب جرم کے بعد ایک عامیانہ مجرم کی طرح موقع سے فرار ہونے کے بجائے تماشائیوں میں مل کر قانون کے محافظوں کی موشگافیوں سے محظوظ ہونے کی جرأت رکھتے ہیں۔

قانون کا ہر دو یعنی محافظ اور عام شہری یہی حساب لگاتا ہے کہ جرم کو وقوع پذیر ہوئے اتنا وقت گزر چکا ہے اور مجرم اس عرصے میں سو کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے جائے واردات سے اتنا دور نکل چکا ہوگا پھر وہ اپنے تجربے کے مطابق جائے واردات سے [illegible] کر اس فاصلے کے حساب سے ایک دائرہ کھینچتا ہے اور جو مقامات اس دائرے کی زد میں آتے ہیں ان سب پر چھاپے مارنے اور تلاشی کا ہدف بنا دیا جاتا ہے۔

حامد العزیز نے اپنے مختصر سے تبصرے میں ان تمام امکانات کا مکمل تجزیہ کر دیا تھا۔ عام شہریوں کی طرح خراماں خراماں اپنی منزل کی طرف بڑھتے ہوئے ہم کسی کی توجہ کا نشانہ بنتے اور نہ ہی اپنی شناخت کرانے کے ناقابل عمل مرحلے سے دوچار ہونا پڑتا۔

ہم دونوں چکر کاٹ کر سڑک پر آئے تو عالمت خراماں خراماں معتدل رفتار کے ساتھ شاہراہ جمہوریہ کی طرف بڑھنے لگے۔

راستے میں ہم کو پولیس کی تین چار گاڑیاں برق رفتاری سے آتی جاتی ہوئی نظر آئیں اور پھر ہمیں وہ منظر بھی نظر آ گیا جس کے بارے میں حامد العزیز پیشگی اظہار خیال کر چکا تھا۔ اس مقام پر سڑک کی ناکہ بندی کی ایک لمبی قطار سڑک کے دونوں اطراف میں رکی ہوئی تھی اور پولیس کے چند سپاہی نہایت پھرتی کے ساتھ ہر سواری کا مختصر جائزہ لینے کے بعد اسے آگے بڑھنے کی اجازت دے رہے تھے۔ پیدل چلنے والوں کی بھی ایک بڑی تعداد رک کر حیرت سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔

اس جانچ پڑتال کا طریقہ بھی بے حد پسند آیا۔ پولیس والوں نے جائے واردات کے نزدیک متعدد گاڑیاں اور ٹیکسیاں کو سفر جاری رکھنے کی اجازت دے دی مگر دو تین کاروں پر شبہ کرتے ہوئے انہوں نے قطار سے باہر نکال کر قدرے آگے کھڑی ہوئی ایک پولیس کار کی طرف بھیج دیا جہاں ایک لمبا تڑنگا افسر اپنے ماتحت کے ساتھ مشکوک مسافروں کی تفصیلی پوچھ گچھ کے ساتھ ہی ان کے کاغذات وغیرہ بھی دیکھ رہا تھا۔ اس طرح چند مشکوک افراد کی وجہ سے دوسروں کو غیر ضروری طور پر انتظار کی زحمت میں نہیں ڈالا جا رہا تھا۔

ہم دونوں کسی دشواری سے دوچار ہوئے بغیر نہایت سکون سے آگے بڑھتے رہے ہمیں اپنی طویل مسافت میں مزید دو مقامات پر ناکہ بندی کے ایسے ہی مناظر نظر آئے۔ حامد العزیز نے پولیس والوں کی اس کارروائی کے بارے میں یہ بھی بتایا کہ انہوں نے نہایت قرینے سے ہر سڑک پر ایک ہی موزوں جگہ کا انتخاب کیا ہوا تھا اور یوں مختصر عملے کے ساتھ پورے شہر کی ناکہ بندی کی جا چکی تھی۔

خدا خدا کر کے ہم بخیر و عافیت اپنے ٹھکانے پر پہنچ ہی گئے۔ وہاں ہاشم اور دو کورش پہلے ہی اپنے کمرے سے باہر ایک صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے قریب سے گزرتے ہوئے میں نے صرف خفیف سی جنبش سے اسے سلام کرنے پر ہی اکتفا کیا لیکن میں یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کہ وہ بہت زیادہ پریشان تھا۔

فلیٹ میں پہنچتے ہی حامد العزیز نے بھی یہی بات چھیڑی۔ "ہاشم کچھ متفکر نظر آ رہا تھا۔"

"کچھ گڑبڑ معلوم ہوتی ہے؟"

"فون پر بات کروں؟"

"نہیں، مجھے توقع ہے کہ وہ خود ہی اوپر آئے گا۔"

ہم دونوں نے فلیٹ میں نہایت سکون کے ساتھ کھانا کھایا، پھر ہاشم کے انتظار میں حامد العزیز نے ٹیلی ویژن کھول دیا۔

اس وقت اسکرین پر حیرت کی جیتی جاگتی تصویر سا ایک ناسب رکھنے والی ایک [illegible] کے [illegible] پر رقص پیش کر رہی تھی۔

اس حسینہ کے تیکھے خدوخال بے حد حسین اور صورت انگیز تھے [illegible] کسی دلنواز سراپا کی طرح اتنا مختصر تھا کہ چیتوں کے حصار [illegible] جیسے گھمایا جا سکتا تھا اس سے نیچے صراحی دار [illegible] تخیل ہو رہی تھی نگاہ اس سے ذرا نیچے اچانک [illegible] تھا اس پر شکن ہو لاک عدولین سے نیچے جسم جیسے زانسر [illegible] نے فوراً ہی پھیلاؤ اختیار کر کے اسی قدر تیزی کے [illegible] سر کر لیا تھا۔

[illegible] کے ساتھ اس کا اوپری بدن ساکن رہتا [illegible] جیسے کسی نے درست پھلی کو پانی سے [illegible] خشک ریت پر پھینک دیا گیا ہو اور اس کا جسم [illegible] انداز میں ساکن ہوتی کہ نچلے بدن پر تمنائی [illegible] ہو جاتا اور اس کی دعوت عجب والہانہ [illegible] ترپ کر دوسرا پھلی جذبوں کو جنون پر مائل [illegible]

[illegible] ساز رقص ہے۔" میں نے گہری تحریر سے مرعوب ہوتے ہوئے کہا۔

"[illegible] ہے۔" وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "سمانی [illegible] کر ایک کر لیتا ہے اپنی دلکشی کی زد میں آنے [illegible] جنہیں پیچھا مگر ساتھ اپنے سر تماشائی کو پاگل [illegible]

"یہ کہاں ملتی ہے؟" میں نے سرخ خراب کے گلاس سے ایک [illegible] بوجھا سوال کیا۔

"بھول جاؤ۔" وہ چٹکی بجا کر زور سے ہنسا۔ "یہ لاکھوں میں کھیلنے [illegible] کے بجائے اپنا پسندیدہ جزیرہ رکھتی ہے۔"

"[illegible] ہے۔"

"[illegible] شاید تمہاری طرف بلائی جاتی ہے یا اس کے بعد بھی جا [illegible] اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

[illegible] پر میرا اندر سے بری طرح تڑپا مگر دل کا چور [illegible] وہ جس انداز میں اور جس کسی کے لیے بھی کہا تھا وہ [illegible] اس سے بات آگے بڑھانے کی ہمت نہ پڑ سکی۔

تھوڑی دیر کے لیے ماحول پر عجیب سی بوجھل خاموشی طاری ہو گیا۔ اس [illegible] خاموشی کے ساتھ شراب سے شغل کرتے رہے اور جب [illegible] تو شراب کے عالم میں بھی بے چینی سی گفتگو چھڑ گئی۔

گیارہ بجنے کے اعلان کے ساتھ ٹیلی ویژن کی نشریات ختم ہو گئیں تو حامد العزیز چونک پڑا۔ "ہمیں آئے دو گھنٹے سے زیادہ وقت ہو چکا ہے لیکن ہاشم ابھی تک ہم سے ملنے فلیٹ پر نہیں آیا۔"

"نیچے جا کر دیکھنا پڑے گا۔"

"اس وقت فلیٹ سے باہر نکلنا بھی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" وہ بوجھل لہجے میں بولا۔ "وہاں نہ جانے کیا حالات ہوں؟"

"پھر فون ہی کر لیا جائے۔" میں نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اپنا نام نہ بتانا۔" وہ جلدی سے بولا۔ "پہلے یقین کر لینا کہ دوسری طرف ہاشم ہی نے ریسیور اٹھایا ہے۔"

میں نے یکے بعد دیگرے تین بار ہاشم کا نمبر ڈائل کیا مگر ہر مرتبہ انگیج ٹون ہی سنائی دی جس کے دو مطلب تھے۔ یا اس کا فون خراب تھا یا وہ خود کسی سے گفتگو کرنے میں مصروف تھا۔

اس مرحلے پر حامد العزیز کی تشویش بڑھ گئی۔ چند منٹ بعد اس نے بھی کئی بار ہاشم کا نمبر ملانے کی ناکام کوشش کی اور پھر عین اس وقت جب ہم دونوں ہر خطرہ مول لے کر نیچے اترنے کے بارے میں تبادلہ خیال کر رہے تھے، اطلاعی گھنٹی بجی اور ہم دونوں چونک پڑے۔ [illegible] اور میں نے لپک کر دروازہ کھول دیا۔

ہاشم خوف زدہ انداز میں فوراً ہی اندر گھس آیا اور میں نے دروازہ مقفل کر دیا۔

"کیا ہوا؟" حامد العزیز نے اس کی بوجھل پلکیں دیکھتے ہوئے تشویش بھرے لہجے میں سوال کیا۔ "اتنی دیر سے تم کہاں تھے اور تمہارے فون کو کیا ہوا؟"

"مقامی لوگ ہی سمجھ رہے تھے کہ دو مشکوک افراد نے شہر میں چند گھنٹے قبل دو پولیس افسران کو بے دردی سے قتل کر دیا اور فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔" ہاشم نے اپنے لیے وائن کا گلاس بناتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"تم کیوں پریشان ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"تمہارے یہاں پہنچنے کے بعد ہی ایک پولیس پارٹی اس سڑک پر بھی پہنچی تھی وہ کافی دیر تک یہاں پوچھ گچھ کرتی رہی کچھ کاروں کی تلاشی لی اور پھر ابھی واپس گئی ہے۔" اس نے بتایا۔

"تمہارے پاس بھی آئے تھے؟"

"ہاں۔" وہ وائن کا ایک لمبا گھونٹ لے کر بولا۔ "مگر میں ان کے آنے سے پہلے ریڈیو پر نشر ہونے والا اعلان سن چکا تھا جس میں شہریوں سے قاتلوں کی گرفتاری میں مدد دینے کی اپیل کی گئی تھی۔"

"اوہ... تو معاملہ اس حد تک بڑھ گیا!" میں نے حیرت سے کہا۔

"اس وقت پورے شہر میں سنسنی پھیلی ہوئی ہوگی۔" ہاشم نے کہا۔

یہاں مقتولوں کے ایسا ہولناک واردات ہوئی ہے۔"

"مگر تمہارے فون کو کیا ہو گیا؟" حامد العزیز نے سوال کیا۔

"میں نے ریسیور کریڈل سے ہٹا دیا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں تم فون نہ کر بیٹھو اور ہماری گفتگو اس پاس منڈلاتے ہوئے کسی سپاہی کے کان میں نہ پڑ جائے۔"

"تم نے اچھا ہی کیا۔" میں نے طویل سانس لے کر کہا۔ "ہم کڑی نگرانی سے گزر کر یہاں پہنچے ہیں، اگر سواری کا انتظام کرتے تو شاید دھر لیے جاتے۔"

"تو کیا پیدل ہی آئے ہو؟" اس نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"پیدل تو نہیں، سلامتی کا بہانہ بن گیا ورنہ اس وقت کسی قید خانے میں بار بار پولیس کے ڈنڈے کے ہاتھوں سے گزر رہے ہوتے۔"

"ان دونوں پولیس افسران کے قتل کا کیا معاملہ ہے؟" اشم نے تجسس آمیز سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

"حمزہ العلاوی نے ریشم پانڈے کے حوالے سے ہم سے خوفناک انتقام لینے کی کوشش کی تھی۔" اس بار میں نے جواب دیا۔ "کیونکہ حامد العزیز گلاس خالی کرنے میں مصروف ہو چکا تھا۔ "یہ صرف قدرت کی یاوری ہی تھی کہ ہم دو سرکاری اہلکاروں کو مار کر خیریت سے واپس آ گئے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" وہ تحیر آمیز لہجے میں بولا۔

میں نے تفصیل کے ساتھ اسے گزشتہ ہونے والے واقعات سے آگاہ کر دیا۔

"مجھے بڑا لرزہ خیز تجربہ سے گزرے ہو تم دونوں۔" وہ میرے خاموش ہونے پر آہستہ سے بولا۔ "شاید حمزہ العلاوی کو یقین ہو گیا تھا کہ تم ہر صورت میں اسے ہلاک ہی کر دو گے۔"

"صورت کی طرف سے بے خبر ہو کر مجھے بڑے دل کے اعصاب جواب دے جاتے ہیں۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "مگر حمزہ العلاوی تو کس انداز میں جی گزار رہا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ آہنی اعصاب کا مالک تھا۔"

"اس کے اعصاب تو اسی کے ساتھ صحرا کی ریت میں دفن ہو گئے۔" وہ صوفے کی پشت گاہ سے ٹیکتے ہوئے بولا۔ "اصل چیز یہ ہے کہ تو جانتا ہے اس وقت عرب پر میں اور لیبیا جیسے ملک میں بھی کسی جرم کا ارتکاب کر کے جلتے واردات سے بچ نکلنا ناممکنات میں شمار ہوتا ہے۔"

میں چونک پڑا۔ اس معاملے میں حامد العزیز کی حاضر دماغی کام آئی۔ اگر یہ ٹیلی ویژن پر ان کے حوالے سے ہم دونوں کو خائف نہ کرتا تو حالات نہ صرف بگڑ جاتے بلکہ میری اور اس کی گلو خلاصی بھی ناممکن ہو جاتی۔"

"یہ بڑی اچھی بات ہے کہ تم دونوں فراخدلی سے اپنی کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے رہتے ہو!" اشم نے بڑے گرمجوشی کے ساتھ کہا۔ "ورنہ ہر شخص کسی بھی کام میں اپنا ہی نام اونچا رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔"

"ہم تو مبالغات سے زیادہ لگاؤ والی صاحب تحمل ہیں۔" حامد العزیز میری طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے بولا۔

"سیتا کے بارے میں ہماری ساری تگ و دو ابھی تک بے سود ہی رہی ہے۔" میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد گہرا سانس لے کر کہا۔

"اس وقت سیتا سے زیادہ تم دونوں کی سلامتی اہمیت اختیار کر گئی ہے۔" اشم کی یہ بات مجھے خاصی ناگوار گزری۔

"حیرت کی بات ہے۔" میں نے قدرے ترش لہجے میں کہا۔ "اور دو تم ہیں جو اپنی زندگی کا ہر لمحہ موت سے ٹکرا کر حاصل کرتے ہیں، اگر لیبیا کی ساری پولیس بھی میری تلاش میں ہو گی، ہوا تو میں سیتا کے معاملے کو التوا میں نہیں ڈالوں گا۔"

"پولیس کی اہمیت کم نہیں کر رہا۔" اشم جلدی سے بولا۔ "تمہارا خیال ہے پولیس پیچھے سے کام کر رہی ہے جو حامد العزیز کے فلیٹ پر تم دونوں پولیس کے معیار میں چاہتے چاہتے بہ مشکل فرار ہو سکے اور اب ریشم پانڈے والے معاملے نے تو اس کے متعلق شکوک اور بڑھا دیے۔"

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ریشم پانڈے [illegible] والوں کے قتل کے بعد ہم پہچان لیے گئے ہوں گے؟" میں نے [illegible] ہوتے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"تم غیر ضروری طور پر الجھ رہے ہو۔" اس مرتبہ اشم پیرا عرصہ خاموش نہ رہ سکا۔ "ہم اس فلیٹ کی خفیہ دیواروں میں بیٹھ کر محض تماشا دیکھتے رہ سکتے ہیں۔ تم دونوں کی سرگرمیاں بڑی کارآمد رہی ہیں۔ یہ قدرت کا بہت بڑا احسان ہے کہ ریشم پانڈے والے جھٹکے میں کوئی بھی قانون کی گرفت میں نہیں آ سکا۔ ریڈیو پر بھی جو اطلاعات نشر کی گئی ہیں ان میں قاتلوں کی تلاش کے علاوہ کوئی بات نہیں بتائی گئی۔ لیکن خطرات اس کے باوجود منڈلا رہے ہیں۔ بے جا احتیاط لازمی ہے۔ ممکن ہے کہ تم دونوں ایک ساتھ باہر نہ نکلو۔ تمہارے کہنے پر ہی اگر کسی نے تمہیں یا حامد کو دیکھ کر شناخت کی کا ذرا شک ظاہر کر دیا تو تمہارے لیے ایک اور قتل کا گڑھ کھد جائے گا۔" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"مگر میں ان بے بنیاد خطرات کے خوف سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھ سکتا۔" میں نے کہا۔ "جب تک سیتا [illegible] کا سراغ نہیں مل جاتا، میں [illegible] سے گولی بھی چکر لگانے کے لیے [illegible] کرتے رہنے کے لیے تیار ہوں۔"

"تمہارے کلمات جرأت مندانہ ہیں۔" اشم بڑی نرمی سے بولا۔ "میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ دونوں ایک ساتھ باہر مت جاؤ۔ تم دونوں کے آ جانے کے بعد اسی وقت تک تم یہ موجودہ صورت حال کو قبول کر لو۔"

ہاں ہے کہ اتنی معقول اور مناسب بات کہنے کے بعد تم چھڑ کر غیر ضروری طول دیا۔" اس کا سارا جوش ٹھنڈا ہو جانے کے بعد [illegible] ہنس پڑا۔

"در اصل تم سے براہ راست بات کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔" وہ [illegible] شانہ دباتے ہوئے بولا۔ "اپنی بیوی کے فراق میں تم اس قدر [illegible] اور جذباتی ہو گئے ہو کہ بال کی کھال نکالتے رہتے ہو......"

میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم اندازہ نہیں کر سکتے اشم! [illegible] زبانی سے واقف کا گلاس اٹھا کر سارا [illegible] سیال اپنے حلق [illegible] انڈیل لیا اور پھر صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر تھکے ہوئے انداز [illegible] تمہیں معلوم نہیں، سیتا محض ایک بیوی نہیں بلکہ مثالی بیوی [illegible] کے بغیر میں اپنی زندگی میں ایسا بے پناہ خلا محسوس کرتا ہوں [illegible] کوئی طاقت پُر نہیں کر سکتی۔ کاش کہ تم اس سے ملے ہوتے [illegible] اندازہ ہوتا کہ وہ کس قدر سیدھی، سچی اور دل میں اتر جانے [illegible] شخصیت کی مالک ہے۔"

"میں تمہارے ان خیالات کی قدر کرتا ہوں برادر!" اشم احترام [illegible] لہجے میں بولا۔ "یہ میری بد قسمتی ہے کہ میں سیتا سے نہ مل سکا لیکن [illegible] تھا کہ مگر انہوں نے مناسب میں نہیں آ گئی تھی ان دنوں اس [illegible] سنی صلاحیتوں کے تذکرے سننے میں آتے تھے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔"

"سیتا کے بارے میں تمہارے نزدیک کیا کہتے ہیں؟"

"ابھی تک کوئی اطلاع نہیں ملی۔" وہ بولا۔ "اور اب میں نے سیتا [illegible] حامد العزیز کا شیلڈ کی تمام لوگوں کو ہدایات بھی جاری کر دی ہیں۔"

"اب ہمیں کب تک گوشہ نشین رہنا پڑے گا؟" حامد العزیز نے [illegible] موضوع تبدیل کرتے ہوئے سوال کیا۔

"ہو سکتا ہے کہ کل اخبارات کل ہی آ جائیں۔" اشم اٹھتے ہوئے بولا۔ "[illegible] میں تم مجھ سے فون پر بات کرنے سے گریز ہی کرنا۔"

"کیوں، تمہاری فرشتگی کیا مدت صفیہ کے فلیٹ پر ہی گزاری جائے گی؟" [illegible] مجھے مسکراتے ہوئے بولا۔

"تجویز معقول ہے۔" میں ہنستے ہوئے بولا۔ "مگر میری موجودگی میں [illegible] تمہاری دال ہرگز نہیں گل سکے گی۔"

"اوہ، نہ جانا۔" اشم جلدی سے بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ حمزہ العلاوی [illegible] کے سلسلے میں وہ بھی پولیس کی نگاہ میں آ چکی ہو۔"

"اچھا جناب!" حامد العزیز نے بیچارگی سے ہم سے گہرا سانس [illegible]

[illegible] والی عمارت میں بھی ایک معمولی مرمت رہتی ہے۔" اشم نے [illegible] کسی کو پڑھا گیا ہے [illegible] عمارت کے بارے [illegible] صرف [illegible] مرغوب [illegible]

ہوں گا۔"

"کیا نام ہے اس کا؟" حامد العزیز نے دلچسپی سے پوچھا۔

"نام نہیں معلوم مگر ہے بہت طرح دار ـــــ مگر یہ احوال تمہارے سننے کا ہو تو تمہارے لئے اچھا ہے۔" ہاشم یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

دن بھر کی تھکان اور شراب نوشی کے بعد ہم دونوں گہری نیند سوئے اور اگلی صبح کافی دیر سے اس وقت بیدار ہوئے جب فون کی گھنٹی کافی دیر تک مسلسل بجتی ہی چلی گئی۔

میں نے ریسیور اٹھایا تو ہاشم کی مسرت آمیز آواز سنائی دی۔

"تم ابھی تک سو رہے ہو، اس وقت دس بج رہے ہیں۔"

"کیا ضروری کام ہے؟" میرا ذہن اس وقت تک نیند کے گہرے خمار سے بوجھل ہو رہا تھا۔

"میں تین دفعہ تمہارے ہوٹل کے ریسیپشن پر فون کر چکا ہوں۔"

وہ بہت زیادہ مسرور تھا "میں ابھی اوپر آ رہا ہوں۔"

اس نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا اور تھوڑی ہی دیر بعد وہاں آ موجود ہوا۔ اس کے ہاتھ میں اخبارات کا ایک بنڈل موجود تھا۔

وہ آتے ہی والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہو گیا اور خوشی سے کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا "ہم بڑی مشکل سے بچ گئے ہیں۔"

اسی اثنا میں حامد العزیز اخبارات کا بنڈل کھول چکا تھا۔ تین عربی اخبارات تھے اور تینوں کی سرخیاں یکساں تھیں۔ طرابلس میں یاسر عرفات کے ساتھ صدر قذافی کے تنہائی کے دو روزہ مذاکرات کے بعد دوستی کے ایک نئے دور کے آغاز کی نوید دی گئی تھی۔ اخبارات کے مطابق ان مذاکرات کے نتیجے میں فلسطینیوں کی طرف سے ساری غلط فہمیاں دور ہو گئی تھیں اور فلسطین کے لئے کام کرنے والے اداروں کو لیبیا میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کی اجازت مل گئی تھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ فلسطینیوں کی گرفتاری کے لئے خصوصی وارنٹ فوری طور پر منسوخ کر دیئے گئے تھے اور جو فلسطینی حراست میں تھے انہیں رات ہی کو رہا کیا جا چکا تھا۔

"مبارک ہو بڑی ایک خبر ہے۔" میں نے گرمجوشی کے ساتھ اسے مبارک باد دیتے ہوئے کہا "شاید اب تمہیں بھی زیر زمین نہیں ہونا پڑے گا۔"

"اس عمارت کے مالک سے فون پر میری بات ہو گئی ہے۔" وہ پرجوش لہجے میں بولا "بس پڑتا ہے آ جائے تو میں چلا جاؤں گا۔"

"حامد العزیز کے لئے بھی کوئی مشکل نہ ہو گی؟"

"نہیں نہیں۔" ہاشم بولا "میں نے کہا نا کہ ایک طرح سے لیبیا میں مقیم فلسطینیوں کو عام معافی مل گئی ہے۔"

"یہ بہت اچھا ہوا۔ اب تم دونوں کے تقریباً سارے مسائل حل ہو گئے۔ میرا خیال ہے کہ مجھے اپنے لئے کوئی بندوبست کر لینا چاہئے۔" وہ دونوں ہی حیرت سے میری طرف دیکھنے لگے پھر حامد العزیز

نے سب سے شائستہ تمام کر کے تقریباً جھنجھوڑ کر رکھ دیا "تمہارا وجود نہ ہوتا تو ہم شاید نہ بچ سکتے۔ جب تک تم لیبیا میں ہو تمہاری ضروریات کو پورا کرنا یا [illegible] فرض میں شامل ہے۔ [illegible] کے ساتھ ہم تمہاری [illegible] پورا پورا تحفظ فراہم کریں گے۔"

"یہ تمہاری اعلیٰ ظرفی ہے۔" میں نے [illegible] میں کسی [illegible] نہیں جا سکتا۔ یہ سوچ کر کہ ایک عزیز دوست کی قربانی فراہم کر کے [illegible] سے دعا بر جاؤں۔"

"معلوم ہے کہ [illegible] ہاشم نے جذباتی انداز میں آنکھیں [illegible] تمہارے احسانات سے ہماری [illegible] تمہاری خدمت [illegible] میں اگر ہم اپنی جانیں قربان کر دیں [illegible] احسانات سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔"

"میں تمہیں سمجھ سکتا ہوں کہ محبت بھرے رشتے [illegible] تم خود کو کس طرح سبکدوش کرو گے۔"

"یہ تمہارا جرم ہے۔" ہاشم نے [illegible] مجھے یہاں پر ہی [illegible] کے ساتھ قیام کرنا ہے اب [illegible] خارش زدہ بچے کی طرح سمجھی ہوئی [illegible] تھا۔

"یاسر عرفات کا [illegible] سیکرٹری کی بیٹی سے منسوب ہے؟"

"ہمارا گروپ افواجِ آزادیٔ فلسطین کے نام سے کام کرتا ہے مگر یاسر عرفات فلسطین کے مفاد کے لئے کام کرنے والوں سے پوری طرح واقف رہتا ہے اور دیکھا جائے تو وہ ساری فلسطینی تنظیموں کا سربراہ ہے جسے مرکز تسلیم کیا جاتا ہے۔ وہ مشرقِ وسطیٰ اور سیاست کے معاملات پوری طرح باخبر ہے مگر یہ نہیں کہ صدر قذافی اس وقت لیبیا میں موجود ہے۔"

"میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"میں نے تو سنا ہے کہ وہ خود قذافی سے ملاقات کا متمنی ہے مگر کل مذاکرات ختم ہونے ہی وہ طرابلس سے بیروت روانہ ہو گیا جہاں شدید نوعیت کے کچھ مقامی اختلافات نے خونریز تصادم کی صورت اختیار کر لی ہے۔"

"کیا یاسر عرفات بھی صدر قذافی کو سبیتا کی بے گناہی کا یقین دلا سکتا ہے؟" میں نے کچھ سوچتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے حالات کا صحیح علم نہیں لیکن یہ اندازہ ضرور لگا سکتا ہوں کہ کوششیں بے سود ہی ثابت ہوں گی۔" ہاشم نے [illegible] میں کہا "بہتر یہی ہو گا کہ تلخ باتوں کو نہ چھیڑو تو مناسب ہو گا۔ وہ کہاں سے نکلا ہوا تیر تھا جو اب کسی طرح واپس نہیں آ سکتا۔ دیکھو، مذہ کے بعد کرتا ہوں کہ تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہ ہونے پائے گی۔"

"ایک خیال مجھے بار بار پریشان کر رہا ہے۔" میں نے مضمحل لہجے میں کہا۔

والے دل میں مزید کھوٹ مجھے کچھ ڈال دو، اس طرح تمہارا بے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔" اس نے مربیانہ انداز میں کہا۔

"یاسر عرفات تمہاری تنظیم کا سربراہ نہیں تو سرپرست ضرور ہے اس کے خیال میں اتنا وزن ہے کہ لیبیا کی حکومت اس کی سفارش پر فلسطینیوں کی گرفتاری کے وارنٹ واپس لے سکتی ہے تو سبیتا کے معاملے میں ایسی کوشش کیوں نہیں کی گئی؟ میری دانست میں اس معاملے کو دانستہ نظرانداز کیا گیا ورنہ سبیتا آج بھی لیبیا میں حکومت کی معزز مہمان کے طور پر مقیم ہوتی۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے دل کی بات کہہ ڈالی۔" ہاشم اپنے لئے سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا "لیبیا کے حکمران اپنے ملک کو ایک مثالی ریاست قرار دیتا اور یہاں ہونے والے حکومتی فیصلے ہوتے ہیں ان کی بنیاد افراد کے بجائے اصولوں پر ہوتی ہے۔ سبیتا کا معاملہ محض اسی لئے پس پشت ڈال دیا گیا کہ وہاں اصولی بنیادیں فردی خدمات کے حوالے سے گفتگو کرنا پڑتی ہے۔ صدر قذافی معاملات میں قبول نہیں کرتے وہ تو اپنے اہل خانہ کے لئے بھی کوئی رعایت دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ یہاں ایسی کئی مثالیں ہیں کہ صدر قذافی نے بعض اختیارات بخشنے کا ارادہ کرتے ہوئے اپنے رشتے داروں کو ایسی سخت سزائیں دیں۔ [illegible] شہریوں کے جرم کے ارتکاب کی صورت میں ہرگز نہ دی جاتیں۔ ان حالات میں تم خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ اگر سبیتا کے معاملے میں یاسر عرفات نے بھی سطح پر کوئی کوشش کی ہوتی تو اس کا کیا حشر ہوا ہوگا؟"

"میں ان باریکیوں میں نہیں پڑنا لیکن یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ اب سبیتا کے لئے کیا کر سکتے ہیں؟"

"مجھے پورا یقین ہے کہ سبیتا لیبیا کی سرحدوں کو خیرباد کہہ چکی ہو گی۔ تم نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے؟ معاہدہ ہو رہا، ان میں سیکٹر آدمی آزمائش میں معروف ہیں اس کے علاوہ جو شاید مل جائے کے لئے میں ایسے آدمی تک بھی پہنچ سکوں گا جو البرولو اور اس کی مصروفیات کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔"

"کون ہے وہ؟"

"البرولو کا سیکنڈ ان کمانڈ [illegible] کا باپ جو کسی زمانے میں ان کے لئے کام کرتا تھا مگر ان سے علیحدہ ہونے کے بعد گمنامی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔"

"مجھے اور حامد کو اس کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟" میں نے تعجب سے سوال کیا۔

"وہ کسی ملاقاتی سے ملنا پسند نہیں کرتا اور اگر تم زبردستی اس تک پہنچے تو وہ زبان نہ کھولتا مگر ایک معاملے میں وہ میرا احسان مند ہے اس لئے مجھے امید ہے کہ وہ ہمیں معاف کر دے گا۔ اس نے کہا۔

"[illegible] میں بہتر ہے تو مجھے [illegible] کا اذن طلب

کر لینے تو میں کیا کروں گا؟" میں نے سوال کیا۔

"تمہارے کوئی خدمات آج کسی بھی وقت آ جائیں گے۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولا "اس کے علاوہ مجھے اپنی سرکاری حیثیت میں یہاں بہت سی مراعات حاصل ہیں جو آج سے بحال ہو گئی ہیں۔ ان کی وجہ سے پولیس یا خفیہ ادارے کی تلاشی سے بچ کر میں اس طرح اپنے مہمانوں کو پورا تحفظ فراہم کر سکتا ہوں۔"

"پھر تو مجھے بھی تمہارا ہی مہمان رہنا ہوگا۔" حامد العزیز نے دلِ درد مقولات کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"وہ کیوں؟" ہاشم چونک پڑا۔

"اس لئے کہ مجھے یہ پانسا سہیل لڑکی تمہارا پسند آ گیا ہے اور اس کے بغیر میں اپنا وقت نہ گزار سکوں گا۔"

"تو پارٹیشن اسٹور میں اپنی ڈیوٹی کر لینے کے بعد تمہارے پاس وقت ہی کہاں بچتا ہے جو تم میکسر کے بارے میں سوچ سکو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "بہتر یہی ہے کہ اب تم شریف بچوں کی طرح اپنے کام پر توجہ دو۔"

"سیفو سے تمہارے بارے میں کیا کہوں؟" حامد العزیز نے روکھا سا منہ بنا کر سوال کیا۔

"تو وہاں جانے کا ارادہ ہے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"جانا ہی پڑے گا۔" وہ بے چارگی کے ساتھ بولا "آج رات بھی خواب میں بری طرح تنگ کرتی رہی تھی۔"

"کل دوپہر کو میں باہر آیا تھا اور چند منٹ بیٹھنے کے بعد واپس چلا گیا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"سکول میں تو تمہارا سکریٹری تھا۔"

"مقامی طور پر رکھا ہوا عاشق سکریٹری۔" میں نے اس کی تصحیح کی "یہ یاد رکھنا کہ میں دوبارہ وہاں نہیں جاؤں گا۔ البتہ تم میکسر کے بارے میں جو چاہو کہہ سکتے ہو۔"

"تمہیں پیڑ کے مافلے کے بارے میں جو کچھ کہا گیا بہت درست ہی کہا گیا ہے۔" وہ منہ بنا کر بولا "جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے تم نے اس سے کہا تھا کہ میں پچھلے سات برسوں سے تمہاری رفاقت میں ہوں۔"

"ادھر کا رخ کرنا بھی نہ کرنا۔" ہاشم نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "پولیس حمزہ کے قتل کی تفتیش کرتے ہوئے اس تک بھی پہنچی ہوگی۔ ایسا نہ ہو کہ تم کسی پیچ پر چکر میں پھنس جاؤ اور کوئی تمہاری مدد نہ کر سکے۔"

"تم پھر جانے والی عصری داستانی سے ملنا پڑے گا۔" حامد العزیز کا عاشقانہ چہرا معلوم ہو رہا تھا۔

"وہ تمہیں کر دے گی۔" میں نے قہقہہ مار کر کہا۔

"پولیس کے ہاتھ لگنے سے تمہارا بھائی بننے کی سعادت حاصل ہو جانے

گی یہ اس نے برجستہ کہا۔ اور میں لاجواب ہو کر رہ گیا۔

"بدلتے ہوئے حالات کی تو یہ اس شخص کے دماغ پر شاید گہرا اثر ڈالا ہے۔" ہاشم حقارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "تم اس کی کسی بات کا برا نہ ماننا۔ ویسے میں خود اس کی لیپا پوتی پر ۔ ۔ ۔ حیران ہوں۔"

"اب میرے لیے اگلا حکم کیا ہے؟" حامد العزیز یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔

"تم فوری طور پر اپنے مکان پر واپس چلے جاؤ۔" ہاشم نے کہا "کہ تمہارے معمولات میں فرق نہیں آنا چاہیے۔ چند روز کی غیر حاضری کے بارے میں تم اپنے آجر سے بیماری وغیرہ کا کوئی بہانہ کر سکتے ہو۔"

"اور یہ تمہارے ساتھ رہے گا؟"

"آج کے بعد اس سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں رہے گا۔" ہاشم خشک لہجے میں بولا۔ "یہ ایک مہمان بن کر تم سے ٹکرایا تھا اور اسی طرح تم سے اچانک بچھڑ جائے گا۔ بہتر یہ ہو گا کہ تم اس کے بارے میں زیادہ نہ سوچو۔"

"تمہارا حکم سر آنکھوں پر۔ مگر سوچ پر پابندی لگانا تو دکتاتور کے لیے بھی ناممکن ہے۔ بعض لوگ ہماری زندگی میں دبے قدموں خاموشی سے در آتے ہیں اور پھر اسی طرح واپس بھی چلے جاتے ہیں۔ مگر ان کو برسوں نہیں بھلایا جا سکتا۔ صفدر علی کا تعلق انسانوں کی ان قبیل سے ہے۔" حامد العزیز کے لہجے پر جذباتیت حاوی ہو گئی۔

"اس سے دور رہ کر تم اس کی نا قابل فراموش خدمت کرو گے۔" ہاشم بھی اس کے لب و لہجے سے متاثر ہو گیا۔ "ہو سکتا ہے وہ وہ مراحل سے بخیر و خوبی نمٹنے کے بعد زندگی کے کسی ناخوشگوار موڑ پر تم سے ٹکرا جائے تو اس وقت تم مہربانیوں کا سارا حساب آسانی سے بے باق کر سکو گے۔"

"اجازت ہو تو اس کا پتہ لے لوں۔" حامد العزیز اس گفتگو کے بعد یک بیک بے حد اداس نظر آنے لگا تھا۔

"وہ تمہارا آپس کا معاملہ ہے۔" ہاشم ماحول کا بوجھل پن کم کرنے کے لیے ہنس پڑا۔ "چاہو تو میں خلوت میں چھوڑ کر باہر جا سکتا ہوں۔"

"میرا کوئی پتہ ٹھکانہ نہیں ہے میرے دوست۔" میں نے حامد العزیز کے شانے پر ہاتھ رکھ کر گرمجوشی سے کہا۔ "مجھے اپنا گھر سمجھو۔ غنیمت ہے کہ میں ایک ایسی منزل کا راہی ہوں جو کسی سراب کی مانند قریب آ کر بھی دھندلکوں میں معدوم ہو جاتی ہے۔"

"تم پاکستانی ہو نا؟" حامد العزیز اس وقت بدلا ہوا، گمبھیر شخصیت کا مالک نظر آ رہا تھا۔

میرے دل پر چوٹ سی لگی۔ ایک مدت کے بعد کسی نے مجھے

میری قومیت کے حوالے سے پہچاننے کی پرخلوص کوشش کی تھی۔ میں نے زبان سے کچھ کہے بغیر اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے دی۔

"عجیب بھی چھٹی مل گئی تو میں پاکستان ضرور جاؤں گا اور وہاں جا کر تم سے نہ ملنا بڑا ظلم ہو گا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

میں اداسی کے ساتھ مسکرا دیا۔ "ہو سکتا ہے کہ میں چند ہفتوں میں پاکستان چلا جاؤں اور یہ امکان بھی ہے کہ شاید مدت تک وہاں جانے کی نوبت ہی نہ آ سکے۔ سارا دارومدار اس بات پر ہے کہ سیتا کب ملتی ہے۔"

"اگر تم پاکستان میں ملے تو میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا۔"

"تو کیا وہاں کوئی اور بھی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کراچی میں آٹو پارٹس کا ایک تاجر ہے جو یہاں بہت سا دوسرا سامان بھیجتا ہے۔ وہ جب بھی لیبیا آتا ہے، مجھے ملنے جانے پر تیار رہتا ہے۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "اس کا نام انتظار احمد ہے۔ عجیب آدمی ہے مگر کام کے سلسلے میں بے حد چالاک۔ اس نے میرے لیبیا پر مشتمل اسٹور کے مالکان کو اپنی میٹھی باتوں سے ایسا رام کیا ہوا ہے کہ وہ جاپان سے سستا مال منگوانے کے بجائے انتظار کی سرپرستی کرتے ہیں۔"

حامد العزیز کے الفاظ سن کر مجھے ایک انجانی سی مسرت ہوئی کہ دیار غیر میں میرے ایک ہم وطن نے نیک نام پیدا کیا تھا۔

"مگر اس کا نام غلط ہے۔" ہاشم نے دخل دیتے ہوئے کہا۔ "انتظار فعل ہے اور قواعد کی رو سے فعل کسی کا نام نہیں ہو سکتا۔ اسے چاہیے کہ وہ اپنا نام منتظر اللہ احمد رکھ لے تاکہ معنی پیدا ہو سکیں۔"

"ہماری طرف لوگ قواعد کی پروا نہیں کرتے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "وہ عربی زبان کے ہر لفظ کو مقدس سمجھتے ہیں اور جو لفظ پسند آ جائے اسی کو نام میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔"

"عربی میں تو بے شمار الفاظ ہیں۔" حامد العزیز نے دوبارہ آنکھ دبا کر کہا۔ "کیا انہیں بھی نام بنا لیا جاتا ہے؟"

"ہماری طرف عربی زبان کے گندے الفاظ کو بھی مقدس قرار دے کر فوراً نام میں مستعمل کر دیا جاتا ہے۔"

میرے جواب پر وہ دونوں ہنستے ہنستے بے حال ہو گئے۔

"عجیب بات کہی ہے تم نے۔" ہاشم نے اسی دوران میں کہا۔ "تمہاری حالت پر اس سے زیادہ لطیف طنز نہیں ہو سکتا۔"

"میں طنز نہیں کر رہا تھا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "یہ حقیقت ہے کہ ہماری طرف کے لوگ عربوں کو دنیا کی معصوم ترین مخلوق تصور کرتے ہیں جو اپنا بیشتر وقت یاد خدا میں صرف کرتی ہے۔"

"کاش۔۔۔ ایسا کوئی طریقہ ہو جس سے ہم یہ بتا سکیں۔" ہاشم ... رک گیا اور اس کے لہجے میں درد سمٹ آیا۔ "مجھے دلوں کا ... کے ایک چھوٹے گاؤں میں ایک غریب ... ایک رات میں ...

پر تعیش زندگی کے عادی ہو کر نہایت خوبصورت اور پراسرار انداز میں اچانک لاپتا ہو جاتا ہے اور یہ حیثیت عرب اس سے زیادہ ہو تو ہار کر وہ شہرت اور تعریف حاصل کرنے کے چکر میں ہو گا۔"

"یہ باتیں تو چلتی ہی رہیں گی۔" حامد العزیز نے ہاشم کے خاموش ہونے پر بات اچک لی۔ "تم سے میری یہ ادھوری ملاقات ہے مجھے اپنا پتہ دو تاکہ کبھی پاکستان کا رخ کروں ۔۔۔ تو تم تک پہنچ سکوں۔"

"پاکستان میرا وطن ضرور ہے دوست۔ مگر وہاں میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "تم مجھے اپنے دوست کا پتہ بتا دو۔ اگر میں پاکستان پہنچ گیا تو اپنے تازہ ترین پتے سے باخبر رکھوں گا۔"

"مجھے اس کا پتہ تو پوری طرح یاد نہیں۔ ویسے شاید وہ جوڑیا بازار جوڑیا میں کام کرتا ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

اس بار میری ہنسنے کی باری تھی۔ "جوڑیا کیسے اندر کی بات تو نہیں ہے؟"

"اس نے ایک بار سرسری سا ذکر کیا تھا۔" وہ ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا۔ "جوڑیا کے باہر شاید کچھ دکانیں وغیرہ ہیں یا شاید دفاتر ہیں۔ شاید کسی میں اس کا کاروبار ہے۔"

"اتنا کافی ہے۔ میں اسے تلاش کر لوں گا۔"

کچھ دیر تک بات چیت کرنے کے بعد ہاشم واپس چلا گیا اور حامد العزیز ہاتھ منہ دھو کر روانگی کی تیاری کرنے لگا۔

جیسے جیسے حامد العزیز اپنی تیاری کے مراحل طے کرتا جا رہا تھا، ہمارے بیچ اس کی گفتگو جذباتی رخ اختیار کرتی جا رہی تھی اور جب وہ ناشتے کی میز پر میرے مقابل بیٹھا تو اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں آنسوؤں کا سیلاب روکنے کی کوشش میں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ مجھ سے نظریں چرا رہا تھا اور گلوگیر آواز میں بول رہا تھا۔

"ہماری رفاقت بڑی مختصر رہی۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "مگر تم نے ایک ہمدرد بھائی کی طرح مجھے اپنایا۔ ہمارے خون بہت فرزانہ سمجھتے ہوئے کام کرنا ہم ایک دوسرے کے شریک تھے۔ میرا خیال ہے کہ اب ہماری زندگی کے کئی ایسے ہنگامہ پرور شب و روز گزارنے کی حسرت تمہارے جیسا فوجی اور درست فیصلے کرنا والا ساتھی مجھے کہیں میسر آ سکے۔"

"ہم نے واقعی یادگار دن گزارے ہیں، مگر ہماری راہیں جدا ہیں۔" میں نے اس کی دلجوئی کی۔ "تلخ قہوہ انڈیلتے ہوئے کہا۔ "ایک نہ ایک دن تو جدا ہونا ہی تھا۔"

"قسمت کا نظام بھی نرالا ہے۔" اس نے سر اٹھایا تو اس کی آنکھوں میں نمی کی ایک موہوم سی چادر لرز رہی تھی۔ "اچھے ساتھی کو کھو دینے کا احساس ناقابل برداشت ہوتا ہے۔"

ہمیشہ کے لیے کھو جانے کا ڈر بن جاتے ہیں۔"

"ہم بچھڑ رہے ہیں تھے۔" میں نے اٹھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔ "اچھا سپاہی وہی ہوتا ہے جو تیزی سے بدلتے ہوئے حالات سے بھی فوری سمجھوتہ کر لے۔"

وہ ایک نازک جذباتی بحران تھا جس سے ہم بمشکل نمٹ سکے اور انجام یہ ہوا کہ حامد العزیز یک بیک ایک جھٹکے کے ساتھ فلیٹ سے نکل کر چلا گیا۔ اس نے دروازے پر رک کر الوداعی مسکراہٹوں کے تبادلے کی بھی ہمت نہیں کی تھی۔

میں فلیٹ کا دروازہ بند کر کے تھکے ہوئے انداز میں بستر پر گر گیا۔ اس وقت میں اندر سے اپنا وجود خالی خالی محسوس کر رہا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے میرے جسم کا یک بیک کسی اہم عضو کی کمی واقع ہو گئی ہو۔

میں بستر پر پڑے پڑے کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ تنہا رہ جانے کے بعد میرے ذہن کی اسکرین پر گزرے ہوئے واقعات آسیبی سایوں کی طرح ابھر ابھر کر معدوم ہو رہے تھے۔

میری بیتا تیرے بچھڑنے کے بعد جانے کن کن کمالات پر قادر ہو چکی تھی۔ اس کی کہانیاں سن کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سیتا کسی غیر مرئی چھلاوے کا نام ہو جسے زمان اور مکان کی قید میں رکھنا انسانی بس سے باہر ہو۔

ہمالیہ کی برف پوش چوٹیوں کے خطے میں، جانوروں کے غول پر حکمرانی کرتے ہوئے اچانک ہی بیابانی مال سندری کے ماتحت پروان چڑھنے والی اس سیدھی سادی مگر دیہاتی لڑکی نے مہذب دنیا میں قدم رکھنے کے بعد بھی شہر تہذیب ڈال دی تھی۔ بلکہ اس کی سیماب صفت طبیعت نے شاید فوری طور پر جدید طرز زندگی کے سارے لوازم اس طرح جذب کر لیے تھے کہ حالات کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا اس کے لیے کبھی اور کبھی بھی دشوار ثابت نہیں ہوا تھا۔

مگر اس کی وہ دیدہ دلیری بے خوفی اور پھرتی میرے احتمال کی صورتوں کو طول سے طویل تر کرتی جا رہی تھی۔ میرے ذہن میں اس کے خدوخال کی سینکڑوں تصویریں ابھرتی اور دھندلاتی رہیں مگر میں یہ اندازہ نہ کر سکا کہ میری سیتا مجھ سے کس سبب سے اور کہاں چھپ گئی۔

سیتا سے بچھڑنے کے بعد کئی دلنواز اور خوبرو لڑکیاں میری زندگی میں آ ئیں۔ مگر ان میں سے کوئی بھی میرے دل سے سیتا کی جدائی کا داغ دور نہ کر سکی۔ بلکہ ہر نئی ملاقات سے ملنے کے بعد دل کی گہرائیوں میں سیتا کی طلب اور شدید ہو گئی۔

البتہ مرد دوستوں میں ایسے ہمدرد اور ہم نوا ضرور ملے جن کی موجودگی میں تنہائی کا بوجھ ہلکا اور آسیبی احساس وقتی طور پر دب گیا اور ایسے لوگوں کی فہرست بڑی مختصر سی تھی۔

اسرائیل میں محروسہ وطن کا حق ادا کیا تھا اور اسی کے طفیل میں فلسطینی تحریک سے متعارف ہوا اور اسی شخص نے مجھے اس یہودی سلطنت سے فرار میں مدد دی ورنہ میں تو ابیب کے کسی تنگ و تاریک قید خانے میں اذیتوں کا عذاب سہہ کر نہایت دردناک انداز میں موت کی بھیانک آغوش میں جا گرتا۔ پھر فرض میں حامد العزیز کی ذات میں نرم اور لطیف جذبوں کی ایک دلربا انگیز کائنات بسی ہوئی تھی اور آج ایک مدت کے بعد اپنی یہ کہانی رقم کرتے ہوئے مجھے اس بات کا اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ مذہبی رجحانات اور احکامات کے سلسلے میں اس کا ذہن قابل رشک حد تک کسی آئینے کی طرح صاف تھا۔ وہ شب و روز میرے ساتھ رہا لیکن شراب یا عورت تو درکنار اس نے حصول کے لیے کبھی سگریٹ کو ہاتھ نہ لگایا اور اسے الوداع کہنے کے بعد اس وقت تک حامد العزیز میری زندگی کے گروہیت سے بہترین لوگوں کا وہ ساتھی تھا جس سے میری رفاقت نہایت مختصر رہی۔ مگر اس کا اثر بہت گہرا تھا۔

حامد العزیز کسی فلسطینی تنظیم کا باقاعدہ رکن تھا نہ کسی مذہبی رجحانات کا مالک تھا۔ اسے مذہب کی بنیاد پر تعصب کا اظہار نہ کرنا تھا۔ مگر خلوص اور وفاداری کی حد تک اس کے اپنے اصول بہت سخت اور سخت گیر تھے۔

اس نے مجھے بدترین لمحات میں ایسا بھرپور سہارا دیا تھا کہ اپنی ملازمت کو قبول کر کے ایک معقول رقم کے روپ میں مجھے تحفظ فراہم کر دیا اور اس وقت حامد العزیز بھی مجھ سے بچھڑ کر انسانوں کے ہجوم میں گم ہو چکا تھا۔

ہاشم میرے ساتھ تھا۔ وہ پختہ عمر اور وسیع تجربے کا مالک تھا مگر میرے لیے اس کی ذات بے کیف تھی کیونکہ اس میں دوستوں کے لیے آنکھ بند کر کے مر مٹنے کا والہانہ جذبہ مفقود تھا۔ وہ مجھے معقول مشورے ضرور دے سکتا تھا۔ مگر مجھے پورا یقین تھا کہ وہ میری مرضی پر عمل درآمد کرتے ہوئے میرے ساتھ آنکھ بند کر کے کسی زہر و گداز خطر میں کود پڑنے کے لیے تیار نہ ہوگا۔

اور یہی وہ مقام تھا جہاں حامد العزیز کے چلے جانے کے بعد مجھے اپنی تنہائی بہت زیادہ یاد آنے لگی۔

اسی بدحواسی کے عالم میں میری آنکھ لگ گئی۔ دوبارہ بیدار ہوا تو دوپہر ہو چکی تھی۔ میں نے جیسے تیسے اپنا وقت گزارنے کا اہتمام کیا۔ اور جب شام کا دھندلکا پھیلنے لگا تو ہاشم میرے فلیٹ پر آ پہنچا۔ اس کے لباس سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کہیں جانے کے لیے تیار تھا۔ اس نے آتے ہی اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا بریف کیس میرے سامنے ڈال دیا۔

"ساری رقم اس میں بھر لو۔ یہ خالی ہے۔" اس نے مجھ سے کہا۔

الماری سے رقم نکالتے ہوئے میں نے پوچھ لیا۔ "اس میں حامد العزیز کا بھی حصہ تھا۔ وہ خالی ہاتھ ہی چلا گیا۔"

"وہ کچھ نہیں لے گا۔ یہ ساری رقم تمہاری ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "تمہیں اس رقم کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ مگر ہم الیگزر کی محبوبہ کے باپ کو بھی رشوت کی پیشکش کر کے زبان کھلوانے پر آمادہ کر سکیں گے۔"

"یہاں شراب کی ایک دو بوتلیں بھی پڑی ہیں۔" میں نے اس کے ہمراہ فلیٹ سے نکلتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

"رہنے دو۔" وہ بولا۔ "حارس کے کام آ جائیں گی۔"

نیچے سفید رنگ کی ڈاٹسن گاڑی موجود تھی جس کی نمبر پلیٹ کے ساتھ ہی سرخ رنگ کی ایک اور خصوصی پلیٹ لگی ہوئی تھی۔

"یہ تمہارے نئے شناختی کاغذات ہیں۔" اس نے خاکی رنگ کا ایک لفافہ ڈیش بورڈ سے نکال کر میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "اس میں تمہارا اردنی پاسپورٹ بھی ہے۔ اب تم بڑی حد تک محفوظ ہو۔"

"اس مرتبہ خاصا مشکل نام چنا ہے۔" میں نے لفافہ کھول کر پاسپورٹ کی ورق گردانی کرتے ہوئے کہا۔

"کیا نام ہے؟" اس نے ہنستے ہوئے سوال کیا۔

"مصطفیٰ المرزوقی۔" میں نے کہا۔ "مرزوقی بڑا نامانوس سا نام ہے۔"

راستے بھر ہاشم سے باتیں ہوتی رہیں۔ اس نے بتایا کہ وہ [illegible] راست الیگزر کا سٹیلا نو کی محبوبہ کے باپ کے پاس جا رہا تھا۔ میرے پاس رقم کے علاوہ زہر بجھے تیروں والی دو [illegible] اور ایک بھرا ہوا پستول بھی تھا۔ مگر ہاشم کے خیال میں اب یہ سب ہتھیار غیر ضروری تھے۔

ہمارے سفر کا اختتام ایک گندی سی آبادی میں ہوا جہاں کچی گلیوں میں سے گزرنے کے بعد ہاشم نے ایک درخت کے قریب کار روک دی۔

ایک خستہ حال یک منزلہ مکان کے دروازے پر دستک دینے کے خاصی دیر بعد دروازہ کھولا گیا اور فوراً ہی اس تاخیر کا سبب بھی سامنے آ گیا۔

دروازہ کھولنے والا ادھیڑ عمر کا ایک معذور شخص تھا جو الومینیم کی بیساکھیوں پر کھڑا ہوا تھا۔

شاید اس کی بینائی بھی کمزور تھی کیونکہ اس نے ہاشم کو دیر سے پہچانا۔ پھر اس کے چہرے پر چمک عود کر آئی۔

"ارے ہاشم!" اس کا لہجہ حیرت آمیز تھا۔ اور وہ عربی میں بول رہا تھا۔ "تم ادھر کیسے آ نکلے؟ اندر آ جاؤ۔"

"یہ میرا دوست مرزوقی ہے۔" ہاشم نے اندر داخل ہوتے ہوئے اس معذور شخص سے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "اور یہ ہے میرا فوٹوگرافر اور دوست۔"

کچی منزل کے تنگ راستے کے دوران ہم اندرونی کمرے میں پہنچے یہاں ہر چیز بے ترتیبی اور مفلوک الحالی بکھری ہوئی تھی۔ تینوں خاموشی سے گرد آلود کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"مجھے حیرت ہے کہ تمہارے حالات اب بھی جوں کے توں ہیں۔" ہاشم نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے تمہیں معذور ہونے کے بعد تنظیم سے کافی بڑی رقم ملی تھی۔"

"ضرور ملی تھی۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "اگر یہاں علاج کی سہولت میسر ہوتی تو شاید دوبارہ پیروں پر کھڑا ہو جاتا۔ بچی کی ساری رقم میں نے چھپا لی تھی۔"

"بڑی افسوسناک بات ہے۔" ہاشم نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ "شفیقہ کا کیا ہوا؟ وہ تو شاید تمہارے ساتھ ہی نہیں رہتی تھی۔"

"مجھے کہ بات بہت بڑی لگتی ہے۔" وہ کہتے کہتے کسی ایک دم اچانک خاموش ہو کر مشکوک نظروں سے ہاشم کو دیکھنے لگا جو بظاہر خالی الذہن نظر آ رہا تھا۔ "پھر وہ اس قصے کو کوئی بات کرو۔" تھوڑے توقف کے بعد الیگزر نے مضمحل لہجے میں کہا۔ "میں ان باتوں کو بھول جانا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہارے نجی معاملات میں مخل نہیں ہونا چاہتا۔" ہاشم معذرت آمیز انداز میں بولا۔ "جہاں تک مجھے علم ہے وہ اپنی کسی ہم عمر لڑکے کے ساتھ رہ رہی تھی یا شاید شادی بھی کر لی تھی۔"

وہ تلخ انداز میں ہنس پڑا۔ "آج کل کے لڑکے بوڑھوں سے زیادہ پیسے کو پسند کرتے ہیں۔ کسی روز وہ اچانک مجھے چھوڑ کے اور دوسرا جواری ہے۔ اکثر کوڑی کوڑی کو ترستا رہتا ہے۔ پھر اچانک نوٹوں سے کھیلنے لگتا ہے اور چند روز بعد پھر وہی مفلسی طاری ہو جاتی ہے۔ جواری کے لیے تو جوئے کی کہانی بھی کم پڑ جاتی ہے۔"

"شاید تمہاری رقم اسی کے ذریعے ہتھیائی ہو گی۔" ہاشم نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "مگر چاہو تو مرزوقی تمہاری مالی اعانت کر سکتے ہیں۔"

الیگزر کی آنکھوں میں حریصانہ چمک عود کر آئی اور اس نے پہلی بار گہری توجہ کے ساتھ میرا جائزہ لیا۔

"میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔" میں نے بے نیازی سے کہا۔ "لیکن اس نابکار شخص کو [illegible] مل گئی تو وہ پھر اپنی [illegible] اس کے سر پر مسلط کرے گا۔"

"وہ کہاں ملے گا؟" ہاشم نے قدرے غصیلے لہجے میں کہا۔ "تم اس کا نام اور پتا بتاؤ۔ میں سختی کے ساتھ اسے سمجھاؤں گا کہ ایک معذور انسان کی زندگی سے کھیلنا کتنی قابل نفرت حرکت ہے۔"

"پھر سے سرکو ابلیب کو ہے۔" اس نے بظاہر ہاشم کی بات کا جواب دیا مگر اس کی نظریں مجھ پر ہی جمی ہوئی تھیں۔ "اس محلے کے لوگ اکثر میری اعانت کرتے رہتے ہیں۔ اگر مجھے دو چار سو ڈالر مل جائیں تو میں اسی کمرے میں روزمرہ کی ضروریات کی چیزوں کی مختصر سی دکان کھول لوں گا جس سے میرا گزارا بھی ہو جائے گا اور وقت بھی اچھا گزر جائے گا۔"

"اس نیک مقصد کے لیے تو مرزوقی تمہیں ہزار ڈالر دے سکتے ہیں۔" ہاشم اس وقت نہایت مخیر اور نرم دل انسان نظر آ رہا تھا۔ "مگر پہلے تم مجھے اس ناہنجار کے بارے میں بتاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ میں اسے اپنے ہی دائرے میں رکھنے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

میری جیب میں نوٹوں کی ایک گڈی موجود تھی۔ میں نے صورتحال کی نزاکت بھانپتے ہوئے جیب سے گڈی نکال کر دس دس ڈالر کے دو نوٹ الیگزر کی طرف بڑھا دیے جو اس نے نہایت بے تابی سے لے لیے۔

"بشیرو تو بگڑا ہوا آدمی ہے۔" [illegible] اس نے کہا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ایک ہزار ڈالر ہاتھ میں آ جانے کے بعد اپنائیت کے دو بول میں مضبوطی طاری ہو گئی تھی۔

"تم بہت اچھے لوگ ہو۔" وہ گڈی اپنی جیب میں ٹھونستے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ تم البرونو سے

ملو، وہ بہت اکھڑ اور بد زبان شخص ہے۔ کہیں تم پر کوئی گندی تہمت نہ لگا بیٹھے۔"

"اگر تم کسی ذاتی وجہ سے اس کا پتہ چھپا رہے ہو تو اور بات ہے ورنہ میں تو تمہاری ہی بھلائی سوچ رہا تھا۔" ہاشم نے ایسا لہجہ اختیار کیا کہ انسپکٹر اندازہ کر سکے کہ اس موضوع سے اس کی مسلسل پہلو تہی ہاشم کو ناگوار گزر رہی ہے۔

وہ حریف بات کی تہ تک پہنچا اور انسپکٹر فوراً ہی بول اٹھا۔ "مجھے غلط نہ سمجھو۔ دراصل اس کی حرکتیں بہت ہی مشکوک تھیں اور وہ بات بے بات پریشان کرتا رہتا تھا۔ اس کے بارے میں کسی کو کوئی بھی اطلاع فراہم کرنے سے پہلے بھی وہ کئی روز سے غائب تھا اور کل ہی ایلی بھی سوئٹزرلینڈ گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ آج کل وہیں ہوگا۔ اب بتاؤ کہ میں تمہیں اس کے بارے میں کیا بتا دوں؟"

"تمہیں یہ علم ہے کہ وہ کہاں ہے؟"

"ایلی کل مجھے بتانے آئی تھی کہ وہ چند ہفتوں کے لئے سوئٹزرلینڈ جا رہی ہے۔ البرونو کے بارے میں میرے استفسار پر بھی اس نے کچھ نہیں بتایا۔ لیکن اس کے رویے سے میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ وہ البرونو کے طلب کرنے پر وہاں جا رہی تھی۔" انسپکٹر کا … اپنا ہاتھ کوٹ کی اس جیب میں مسلسل حرکت کر رہا تھا جس میں رقم موجود تھی۔ شاید اتنے نوٹوں کا لمس محسوس کر کے اس کی کسی نہ کسی حس کو تسکین ہو رہی تھی۔

"تمہارا شکریہ!" ہاشم گہرا سانس لے کر بولا۔

تھوڑی دیر بعد ہم وہاں سے اٹھ گئے۔ میں نے بریف کیس سے نوٹوں کی مزید دو گڈیاں نکال کر انسپکٹر کو تھما دیں۔

"مجھے ابھی ابھی ایک خیال آیا ہے۔" اس نے وہ نوٹ بھی جلدی سے جیب میں ٹھونستے ہوئے کہا۔

"کیا؟" ہاشم کا لہجہ … ٹھٹک گیا۔

"اگر تم میرے لئے کچھ کرنا ہی چاہتے ہو تو اس وقت … ہے۔" وہ ہاشم کی طرف جھک کر کہنے لگا۔ "ایلی اور البرونو دونوں ملک سے باہر ہیں۔ اگر کسی طرح ان کے فلیٹ کی تلاشی لے کر یہ معلوم کیا جا سکے کہ البرونو کا ذریعہ معاش کیا ہے تو پھر شاید وہ اپنے … مجھے بلیک میل کرنا چھوڑ دے۔"

ہاشم چند لمحوں کے لئے خاموش رہا پھر جیسے کسی کی جوابدہی کی … "کسی کی … ایک سنگین جرم ہے۔ ویسے میں کوشش کروں گا۔ تم مجھے اس کا پتہ دے دو۔"

انسپکٹر نے ہاشم کو البرونو کے مکان کا پتہ دیا اور پھر ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔

"اس لالچی بلیک میلر نے … زبردست اثر کیا ورنہ ہم ناکام ہی واپس لوٹتے۔" ہاشم نے مسرت آمیز لہجے میں کہا۔

"یہ ضرور علم ہو گیا کہ البرونو کی سوئٹزرلینڈ میں … کئی مکانات ہیں مگر سوئٹزرلینڈ بہت بڑا ملک ہے۔"

"وہ تو اسی سے معلوم ہو جائے گا کہ کسی ٹریول ایجنٹ یا فلائٹ کمپنی کے کاؤنٹر پر پہنچ ہوگا اور کل سوئٹزرلینڈ جانے والی پرواز کے مسافروں کی فہرست دیکھ کر ایلی کی منزل کا علم ہو جائے گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مگر میں البرونو کے مکان کے پتے کی بات کر رہا تھا۔"

"تو کیا پہلے تمہیں اس کا پتہ معلوم نہیں تھا؟"

"مجھے یہ معلوم تھا کہ وہ … ایک … عمارت میں مقیم ہے۔ مگر اب … شہر کے … علاقے کا ہے۔ شاید وہ البرونو کی خفیہ قیام گاہ ہوگی۔"

"اگر وہ واقعی خفیہ قیام گاہ ہے تو اس کی تلاشی … ہو سکتا ہے۔" میں نے اس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"مگر تالا توڑنے کے لئے کسی ماہر کو تلاش کرنا ہوگا۔" وہ بولا۔ "اگر تالا توڑتے ہوئے کسی نے ہمیں دیکھ لیا تو بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔"

"فکر نہ کرو۔ میرے سامنے مضبوط سے مضبوط تالا بھی … پگھل جاتا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے اسے دلاسا دیا اور اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اس کام میں بھی ماہر ہو۔"

"شاید تمہیں یقین نہ آئے کہ اپنے … وقت میں میں نے … کر کے معمولی چوریاں تک کی ہیں۔"

"البرونو…" اس نے اچانک سخت لہجے میں کہا اور میں … پڑا۔ "ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ یہ ناممکن ہے کہ تم کوئی … اور ہاشم اس پر پوری طرح یقین نہ کر سکے۔"

میں ایک گہرا سانس خارج کر کے ہنس پڑا۔ "تم نے تو اپنے لہجے سے مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔"

انسپکٹر سے ہونے والی اہم ملاقات پر بحث کرتے ہوئے ہم … اور پہنچ کر … علاقے میں پہنچ گئے۔ جہاں البرونو کا … کی خفیہ قیام گاہ کا سراغ ملا تھا۔

وہ کثیر المنزلہ … عمارت تھی۔ ہم دونوں خاموشی سے لفٹ میں سوار ہوئے اور … منزل پر اتر گئے۔ اس عمارت کا … اگر غور سے ہمیں دیکھ بھی رہا تھا تو اس نے … مقامی وضع قطع کے باعث … کی کوشش نہیں کی تھی۔

راہداری میں لفٹ سے اتر کر ہم زینوں کے راستے … منزل پر … جہاں … فلیٹ کا دروازہ سامنے ہی تھا۔

اس عمارت میں ہر منزل پر دو فلیٹ تھے۔ … دروازہ بھی بند تھا۔ میں نے … [illegible]

اس دوران میں ہاشم بہت بے چینی اور اضطراب کے عالم میں میری ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا۔

جب میں نے تالا کھولنے کے مخصوص انداز میں … دروازہ اچانک کسی آواز کے بغیر کھل گیا۔ میں … ہوئے انداز میں سیدھا ہوا تو کھلے ہوئے دروازے کی آڑ سے … ہونے والے شخص کا وحشت زدہ چہرہ نظر آیا۔ … وہ سفید دستے والا ایک ریوالور تھا جو اس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔

"ہم… مسٹر البرونو۔" اس پر نظر پڑتے ہی بے اختیار میرے منہ سے نکلا اور … سفاکانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"خاموشی سے اندر چلے آؤ۔ ورنہ تمہارے … میں سوراخ کر دوں گا۔" ریوالور کی نال کو جنبش دیتے ہوئے بولا۔ اس کی عربی بہت شستہ تھی۔ مجھ سے پہلے ہاشم نے اس کی ہدایت کی تعمیل کی اور میرے قریب سے … میں داخل ہو گیا۔ میرے پہلو سے گزرتے ہوئے اس نے مجھے … کی کوشش کی تھی جو میری سمجھ میں نہ آ سکی۔

میں کور کرنے والا شخص بہت چالاک تھا۔ اس نے … دروازہ کھول … اپنی جگہ سنبھال لی تھی … اور ہاشم دونوں ہی بیک وقت اس کے … ریوالور کی زد میں تھے۔

میرے اندر داخل ہوتے ہی اس نے دروازہ بند کر کے دوبارہ مقفل … اس دوران میں وہ ایک لمحے کے لئے بھی ہماری طرف سے غافل نہیں ہوا تھا۔

ہم دونوں کو اپنے ہاتھ اٹھا کر … کا حکم دے کر وہ اطمینان سے … بیٹھ گیا۔

"تم دونوں میں سے … عبدالصباح کون ہے؟" اس شخص کا پہلا سوال … تھا … ہم دونوں کو چونکا دیا۔

ہم دونوں نے بیک وقت ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر ہاشم نے … لہجے میں جواب دیا۔ "کوئی بھی نہیں۔ لیکن تم کون ہو؟ اور یہ سب کیا …"

"کیا البرونو کا … کو … کبھی … ہو؟" … سفید فام نے کہا۔

"… کرو۔" ہاشم نے … لہجے میں کہا۔ "میں البرونو … تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔"

"… تمہیں نہیں بتا سکتا۔" وہ … کے ساتھ ہنسا، پھر یک بیک … "سنو، تم جو کوئی بھی ہو، اس معاملے سے … باخبر … نقب زنی کرتے ہوئے … اب تمہاری گلو خلاصی … ممکن نہیں ہے۔"

"تمہاری خود ساختہ … سے پہلے یہ بتا دو کہ البرونو … کے سلسلے میں … مصروف ہے۔" ہاشم اس سے قطعی خائف نہیں تھا۔ "اس نے تمہارے … رقم کی واپسی کا وعدہ کیا تھا مگر … وہ شہر سے ہی لاپتہ ہے۔"

"تمہارا خیال تھا کہ وہ شریف آدمی اپنے فلیٹ میں مقفل ہو کر بیٹھ گیا ہے۔" اس نے مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔

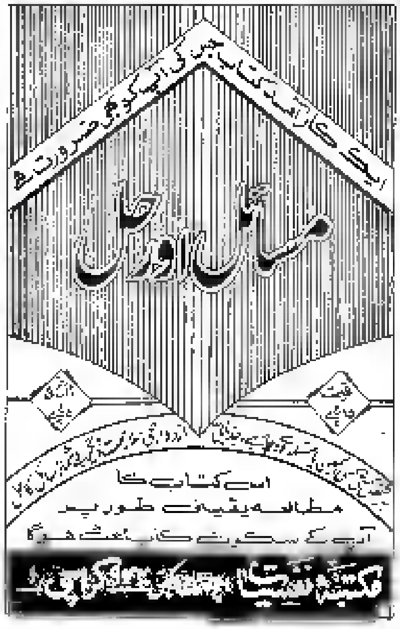
"ہمیں علم ہے کہ وہ کہیں فرار ہو گیا ہے۔" ہاشم نے چہرہ سخت کیے بغیر کہا۔ "ہم نقب زنی کر کے یہاں سے اپنی رقم کی مالیت کا سامان اٹھا لے جانے کی نیت سے آئے تھے۔"

"میرا اس سے کوئی …" وہ … ہوتے ہوئے غرایا۔ "میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ جنیوا سے فرار ہونے والی لڑکی اور … کی … میں کیا تعلق ہے؟ اگر تمہاری بات درست مان لوں تب بھی البرونو سے تمہارے … تھے اور تم اس بارے میں ضرور واقفیت رکھتے ہو گے۔"

"تم کس لڑکی کی بات کر رہے ہو؟" میں نے انتہائی پرسکون انداز میں پہلی مرتبہ مداخلت کی۔

"معصومیت سے تم اتنے جاہل تو نظر نہیں آتے۔" وہ … "اخبارات میں کئی دن تک اس لڑکی کے نام کی سرخیاں شائع ہوتی رہی ہیں۔"

"اوہ۔" میں ایک گہرا سانس لے کر سوچنے لگا … منصوبے کی … بولا۔



"ابو یوسف! تم کہ البرونو اسی عورت سے غائب ہے جس روز سیتا نامی لڑکی جیل سے فرار ہوئی تھی، اگر تم بھی کہو تو یہ ایک ہی بات کہ سکتے ہو کہ دونوں کا بیک وقت غائب ہونا محض اتفاق ہی ہو سکتی ہے۔"

"یہ تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ تم بھی دوسرے یہودیوں کی طرح سوچتے ہو۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اصل بات کیا ہے۔ البرونو کا منصوبہ یہی تھا اور سیتا کو اغوا کر کے دوسرے ملک لے جانا چاہتا تھا۔ لڑکی میرے حوالے کرنے والا تھا، مگر وہ حرامی نہ جانے کہاں مر گیا ہے۔"

"اب میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "شاید میں تمہاری مدد کر سکوں۔ اگر تم میری مدد کرو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں چھوڑ دوں گا۔"

وہ بے تابی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

میں دل ہی دل میں اس کی حماقت پر ہنسا۔ یہودیوں کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ "مجھے یقین ہے کہ سیتا کے بارے میں البرونو سے تمہارا کوئی سودا ہوا تھا۔ اس کے بدلے تم نے اسے جیل کے طور پر کچھ رقم دی تھی۔ جو وہ سیتا کے جیل سے فرار کے کئی روز بعد تک اپنے پاس رکھے رہا۔ پھر لڑکی خود ہی جیل سے فرار ہو گئی تو وہ خوفزدہ ہو گیا۔ تم یقیناً اس سے لڑکی کے بارے میں مطالبہ کرتے اور وہ سمجھتا تھا کہ تم اسے ہلاک کر دیتے لہٰذا خود ہی ابیب سے بھاگ گیا۔"

اس کی آنکھوں سے الجھن جھلکنے لگی۔ "اب اچھا لگا، وہ یادیں بھی تازہ ہو گئی تھیں۔ لیکن یہ یقین نہیں کہ وہ اس قدر بزدل ثابت ہوا ہو گا اور پھر قیصر جیالے کے قید خانے سے کیسی عیش کی کا خیال بھی بعید از فہم ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ البرونو کے علاوہ کوئی اور بھی لڑکی میں دلچسپی لیتا رہا ہو؟" میں نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "مگر تم تو کہہ رہے تھے کہ تمہیں پہلے سے البرونو کے منصوبے کا علم تھا۔"

میری گفتگو کے نتیجے میں اس کا سوال اندازہ بڑی حد تک تبدیل ہو چکا تھا اور میں اسے باتوں میں الجھانے کے ساتھ ہی اس کی اصلیت اگلوانے میں بڑی حد تک کامیاب ہی نظر آ رہا تھا۔

"تم غلط سمجھے۔" وہ نرمی سے بولا۔ "منصوبہ یہی تھا مگر مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ اسے کب پہنچائے گا۔ مجھے اخبارات سے لڑکی کے فرار کی خبر ملی تو میں نے فکر مند ہو کر البرونو کا انتظار شروع کر دیا۔"

"تم نے ابھی الاحمد کا بھی تو نام لیا تھا؟" ہاشم نے اسے یاد دہانی کرائی۔

"ہاں، وہ نہیں، ہاشم! اس نے تصحیح کی۔ "میں اسی کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ وہ بھی سیتا کا سب سے بڑا مقصد تھا۔ ممکن ہے کہ اسی نے سیتا کو جیل سے نکالا ہو۔"

"تو تم اسے کیوں نہیں پکڑ لیتے؟" ہاشم نے صورت حال سے لطف

اندوز ہوتے ہوئے مسکرا کر سوال کیا۔

"آج صبح تک بیبیا بھی حالات سرگرم فلسطینی تنظیموں سے اچھی طرح واقف بھی نہیں ہے۔ البتہ البرونو نے مجھے بتایا تھا کہ اس کا کام کی وجہ سے اس کا کام دشوار ہو جائے گا۔ تمہاری کہانی کے مطابق تو اب ہاشم بھی کو پکڑنا ہو گا۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم اسرائیل کے لیے کام کر رہے ہو۔" ہاشم نے فوراً ہی ایک نازک سوال کر ڈالا۔

اس نے ایک بار نظر گھما کر ہاشم کی طرف دیکھا، پھر آہستہ سے بولا۔ "نہیں، یہ ذاتی دلچسپی کا معاملہ ہے۔"

وہ تنومند اور خوبصورت مضبوط قامت کا آدمی تھا، بہت ہی چالاک اور یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ ہر عرب فلسطینیوں کو پسند کرتا ہے لیکن اسرائیلیوں کا دوست نہیں ہو سکتا۔ محض اس وجہ سے اس نے حقیقت کے اعتراف پر ایک جھوٹ کو ترجیح دی تھی۔ حالانکہ اس کا لہجہ اس کے جھوٹ کی چغلی کھا رہا تھا اور میں سمجھ گیا کہ وہ ایک مشکوک شخص ہے جو درحقیقت میں اس طرح وہ ہماری خوشنودی حاصل کرنے کی لاشعوری کوشش کر رہا تھا۔

"تم اپنی رقم پر قربان کر دو۔" میں نے کہا۔ "لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"میرا خیال ہے کہ تم لوگ بھی معاملے میں ملوث نہیں ہو۔ اگر میں البرونو سے واجب تمہارے فریضے کی رقم ادا کر دوں تو پھر ہم دونوں کو شکر گزار ہو کر تم میری خاصی مدد کر سکو گے۔" اس نے توقف کے بعد کہا۔

"یہ تین ہزار کا معاوضہ تھا۔" ہاشم نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ اس وقت وہ حواس باختہ نظر آ رہا تھا۔ اس پر سفید فام کا شبہ بھی تھا اس کو ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی کہ اس سفید فام سے قبل ہی وہ الیگزینڈر کو بھی تین ہزار دے چکا تھا۔

"میں کل ہی یہ رقم ادا کر دوں گا۔" اس نے یہ کہتے ہوئے اپنے دیوان کی الماری کھولی اور ہم دونوں اس کے مقابل صوفے پر بیٹھ گئے۔ ہم دونوں نے اس وقت بڑی ہوشمندی کا ثبوت دیا ہے۔ اگر تم مقابلے کی کوشش کرتے تو ہم تینوں ہی اس کے ہاتھوں مارے جاتے۔ یہاں ہم تینوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔"

"رقم ادا کر دینے کے بعد تم جب یہاں سے اچھی طرح جانے دو!" میں نے اس لہجے میں کہا۔ "ہم نے تمہیں اچھی طرح صاف صاف بتا دیا۔ لیکن تمہاری یہاں موجودگی کا سبب ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا۔"

اس نے ہنکارا بھرتے ہوئے نیا سگریٹ سلگایا اور بولا۔ "جب البرونو بار بار یہاں آتا ہے اور میں تم جیسے چھوٹے موٹے لوگوں کو سنبھالتا ہوں۔ البرونو کی طویل غیر حاضری کے بعد میں بڑی مشکل سے یہاں پہنچا تھا۔

"کہیں البرونو نے مکان میں مردہ تو نہیں پڑا ہے، یہاں آ کر مجھے اس کے گھر پر کا علم ہوا، مگر مجھے کچھ نہ مل سکا۔ اچھا ہوا آج تم آ گئے۔ معلوم ہوا کہ اس عمارت میں اس کا کوئی خفیہ ٹھکانہ بھی ہے، مگر کوئی اپنی نشاندہی نہیں کر سکا۔ تم لوگ یہاں پہنچے تو مجھے اس فلیٹ کا علم ہوا۔ میں اس وقت سے یہاں موجود ہوں۔ فلیٹ کی صفائی اور فضا میں پھیلی ہوئی خوشبو بتا رہی تھی کہ یہ فلیٹ ایک روز پہلے تک آباد تھا۔ انتظار میں بیٹھا ہوں کہ اس کی واپسی کا منتظر تھا کہ تم لوگ آ گئے۔"

"تمہیں فلیٹ کی تلاشی تو لینی ہوگی؟" میں نے سوال کیا۔

"کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جو البرونو کی یہاں موجودگی یا فرار پر روشنی ڈال سکے۔ البتہ یہ میں نے دیکھا ہے کہ غذائی اشیاء تازہ تھیں اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حالات کی نشاندہی کر رہا تھا۔"

"پھر تو سارا معاملہ صاف ہے۔" ہاشم نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "ان کی موت کے بعد وہ تم سے منہ چھپا کر اس خفیہ فلیٹ میں رہ کر کسی لڑکی کے ساتھ دادِ عیش دیتا رہا اور کل یا پرسوں جب اسے یہ پتا چلا کہ تم اس عمارت میں پہنچ چکے ہو تو اسے خوف لاحق ہو گیا ہو گا کہ تم کسی بھی وقت اس تک پہنچ کر لڑکی یا رقم کی واپسی کا مطالبہ کر سکتے ہو۔ لہٰذا وہ سب کچھ چھوڑ کر یہاں سے بھاگ گیا۔"

"یہ تو بالکل سامنے کی بات ہے۔" وہ حیرت سے اچھل پڑا۔ "مگر اس چھوٹے سے شہر میں یہ نتیجہ اخذ نہیں کر سکا۔"

"تمہیں یہ علم نہیں تھا کہ وہ تمہاری دی ہوئی خطیر رقم اصل میں خرچ کرنے کے بجائے کسی اور کام پر لگا رہا تھا۔" میں نے یہ مہارا دیا۔ "میرا تو خیال ہے کہ تمہارے گروپ میں غدار ہے اور وہ تمہاری مدد کی بجائے اس کا ایجنٹ بن گیا ہے۔ چاہو تو شراب کا ایک دور ہو جائے۔ یہاں دنیا کی بہترین شرابوں کا ذخیرہ موجود ہے۔"

"وہ تمہاری رشوت ہے یا دوستی کی آفر؟" میں نے اسے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "اچھا، رقم یہاں ملے گی یا۔"

"میں شرمندہ ہوں، تمہاری یہ بات ٹھیک ہے۔ اگر میرے شانے پر ہاتھ رکھ دو تو ہم ایک دوسرے کے دوست بن جائیں گے۔"

"پھر دوستی کے ایک دو جام پی لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ اور وہ اٹھ کر چلا گیا۔

"اب معاملے کو طول نہ دو۔" ہاشم نے اس کے جاتے ہی میرے کان کے قریب منہ لا کر آہستہ سے کہا۔

"ماحول سازگار ہو گیا ہے تو یہ معلوم کریں گے کہ وہ کس کس کے خلاف کام کر رہا تھا۔"

"میں شرط لگانے کو تیار ہوں کہ یہ یہودی ایجنٹ ہے۔"

"سخت گیر میں انکل ہے۔" میں نے اپنی آنکھ دبا کر کہا۔

"دیکھو تمہاری مرضی، تم کیا کہتے ہو اس کے کہ وہ البرونو کا ساتھی ہو یا نہ ہو، اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ وہ کچھ پوچھے بغیر گلاس بھر رہا تھا۔"

ہاتھ میں طشت لیے اندر داخل ہوا۔ اس سفید فام کے قدموں کی آہٹ سن کر ہم دونوں خاموش ہو کر تکیے جیسے انداز میں صوفوں پر بیٹھ گئے۔

اس نے گلاس میز پر رکھے اور ایک ایک گلاس ہمیں تھما دیا۔ پہلا گھونٹ لیتے ہی اس کا ذائقہ محسوس کر لیا۔

"یہ میرے اصولوں کے خلاف ہے۔ اگر تم مجھے اپنے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو! اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔" اور ہم دوست ہیں۔"

"اسی اصول کا اطلاق کرتے ہوئے مجھے بتاؤ کہ ادب سے جانے والا کون تھا۔" ہاشم نے ہنستے ہوئے کہا۔ "جیسے تم نے ہمیں کسی کا نام بھی دیا تھا۔"

"تم کس طرح سمجھے کہ اسرائیل جا سکتے ہو؟" دوسرا گلاس تیار کرتے ہوئے میں نے اپنا ہیجان چھپا کر اس سے سوال کیا۔

"کیونکہ وہ اسرائیل کا نام سنتے ہی وہ چونک پڑا۔

"سنا ہے وہاں کا معاشرہ بہت آزاد ہے اور یہودی لڑکیاں بڑی حسین ہوتی ہیں۔" میں نے بے تکلفی کے ساتھ کہا۔

"یہودی لڑکیاں تو اسرائیل سے باہر بھی آسانی سے مل جاتی ہیں۔"

"میرے لیے اسرائیل کی سرزمین بڑی پُرکشش ہے۔" میں نے خیالات میں کھوئے ہوئے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مختصر سے خطے اور چند لاکھ والی چھوٹی سی قوم عربوں کے مقابلے میں کیسے ڈٹی ہوئی ہے اور ان کی بات ہو سکتی ہے۔"

"ان کی عورتیں بھی مردوں کے ساتھ شانہ بشانہ لڑتی ہیں۔" ہاشم نے تیز آواز میں لقمہ دیا۔ "عورتیں لڑائی کرتی ہیں، مرد بھاگ کر سرد خانے میں چھپ جاتے ہیں۔"

"تم دونوں کو چاہیے کہ ایک بار وہاں کی سیر کر آؤ۔" وہ قدرے تشویش آمیز لہجے میں بولا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ پینے کے معاملے میں بالکل ہی اناڑی ہو۔"

"اسرائیلی دلیری کے بنیادی فلسفے پر عمل کرتے ہیں۔" میں نے اس کی کمی کی تلافی کرتے ہوئے ہاشم سے مخاطب ہو کر کہا۔ "ذرا تصور تو کرو کہ اگر میری محبوبہ قریب کے مورچے میں قتل ہو رہی ہو تو میں فوراً دشمن کے ٹینک میں گھس جاؤں گا۔"

ہم دونوں چند منٹ تک اسی انداز میں اوٹ پٹانگ باتیں کرتے رہے۔ ایجنٹ نے ہماری ہنسی مذاق میں حصہ نہیں لیا۔ مگر وہ ہماری گفتگو بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا۔

"اسرائیل اور اسرائیلیوں کو قریب سے دیکھنے کی ایک صورت ہے۔" سفید فام نے کہا۔ "میں ایجنٹ بھی ہوں اور وہاں کے ساتھیوں کا میں منتظر تھا۔"

"کیا؟" میں نے آنکھیں پھاڑ کر اس کی جانب جھک گیا۔

"ہو سکتا ہے کہ تم اسے برا سمجھو۔" اس نے ایک گھونٹ لے کر

جھجکتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں" میں نے تقریباً اسے ... کہا "جیسے تم کہو۔"

کر دیں گے۔"

اس نے گلاس سے ایک گھونٹ لیا اور باری باری ہم دونوں کے چہروں کا جائزہ لینے کے بعد بولا۔ "اسرائیل کے لیے کام کرنا چاہو تو تمہاری خدمات حاصل ہو سکتی ہیں۔"

میں سرک کر اس کے قریب پہنچ گیا اور تجسس آمیز سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "کیا واقعی ایسا ہونا ممکن ہے۔"

میں محسوس کر سکتا تھا کہ اس کے چہرے پر پھیلا ہوا تناؤ کچھ کم ہو گیا تھا مسکراہٹ بکھر گئی۔

"کیوں نہیں" میں بھی ... شاید تم بھی ... گئے ہو۔"

بستے غازہ شہر کی سڑکوں پر اتنی رات گئے بہت معمولی سا ٹریفک تھا اور سڑکوں کے سناٹے میں جاری کار کے انجن کا شور عجیب آہنگ پیدا کر رہا تھا۔ میں ہیچھے کی سیٹ پر بیٹھا خاموشی سے اپنے خیالات کی رو میں ڈوبا ہوا تھا۔

سیتا لیبیا میں کسی وجہ سے زیر عتاب آ کر زندان میں جا پہنچی اور اسرائیلیوں نے خطیر رقم صرف کر کے البرٹو کا سیتلانو کو جیل سے سیتا کے اغوا پر مامور کر دیا۔ مگر سیتا قبل از وقت اپنی ہی کوششوں کے ذریعے جیل سے حفاظت فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔

سیتا کہاں تھی؟

یہ سوال ہمارے لئے ایک پراسرار معمہ بنا ہوا تھا مگر اینجلا اور اینڈریو سے ملنے کے بعد ایک واضح صورت حال سامنے آ چکی تھی۔

البرٹو کو سیتا کے اغوا کے لئے ایک لاکھ دینار کی رقم پیشگی ادا کی گئی تھی جو بلاشبہ توقع سے زیادہ خطیر رقم تھی۔ اور البرٹو جانتا تھا کہ ایک لاکھ دینار صرف کرنے والے اس سے دگنی قیمت پر سیتا کا مطالبہ کریں گے اور اگر وہ ان کے سامنے جا کر اپنی بدترین ناکامی کی داستان سناتا تو اس کا مارا جانا یقینی تھا۔

اس ایک لاکھ دینار میں سے ساٹھ ہزار دینار البرٹو نے اینجلا سے اور اس طرح وہ اینجلا کے وارثوں کو پہنچا دیے جو سیتا کے اغوا کے منصوبے کا اہم ستون تھا۔ مگر ان اخراجات کے باوجود البرٹو کو پیشگی ملنے والی رقم میں سے چالیس ہزار دینار بچے تھے اور کامیابی کی صورت میں ان سے مزید ادائیگی کا بھی امکان تھا۔ لہٰذا یہ بات بھی کہ البرٹو نے اپنے یہودی سرمایہ کاروں سے روپوش ہو گیا تھا اور اپنے طور پر سیتا کے معاملے میں ملوث رہا ... ان کی صورت میں بھی تھا۔ اپنے وجود کو خفیہ رکھتے ہوئے سیتا کی تلاش میں مصروف تھا۔

اینجلا کے بیان کے مطابق اس کی بیٹی پچھلی رات سے غائب ہو چکی تھی۔ وہ البرٹو کی ایسی معتمد تھی کہ اس کی عدم موجودگی میں اس کی خفیہ کمین گاہ کی حفاظت کرتی رہی تھی۔ البرٹو کے مکان کے کچن میں کاغذات کی جلی ہوئی راکھ کی موجودگی یہ ظاہر کرتی تھی کہ البرٹو کی بہت سی اہم دستاویزات بھی ایلی کی تحویل میں تھیں جو اس نے اپنی روانگی سے قبل دست برد سے بچا کر نذرِ آتش کر دیں۔

اگر وہ کاغذات البرٹو نے ہی جلائے ہوتے تو وہ غائب ہو سکتا مگر ہم ایک عرصے سے موجود تھا اور اس وقت تک ایلی اس فلیٹ میں مقیم تھی لہٰذا کاغذات کی وہ راکھ جو اعتماد سے منسلک کر دی جاتی پہنچتی تھی۔

ایلی اور البرٹو کے اس باہمی اعتماد نے میرے لئے ایک بیٹی ایلی کا کردار بھی اہم بنا دیا تھا۔ اگر ایلی سوڈان ہی گئی تھی تو میرا بھی ادھر جانا ناگزیر تھا۔

اگر سوڈان میں البرٹو مل جاتا تو یہ بات واضح ہو جاتی کہ سیتا اس کے قبضے میں بازیاب کر سکتا تھا۔ اس کے نہ ملنے کی صورت میں مجھے اپنا کام کچھ نکالنا پڑتا اور مجھے تو یقین تھا کہ ایلی سے البرٹو کی اتنی کمزوری کے بارے میں اہم باتیں اگلوائی جا سکتی تھیں۔

اہمیت کے اعتبار سے سیتا، البرٹو اور ایلی ایک مثلث کی طرح نقطے تھے جو کسی نہ کسی طرح آپس میں منسلک تھے اور میں ان تک رسائی حاصل کئے بغیر اپنے مقصد میں کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

سوڈان کے بارے میں سوچتے ہوئے میرے ذہن میں ہاشم کا چہرہ بھی ابھرا۔ مقتول انگلر کا سفید داڑھی والا سیاہ چہرہ سر اجنبی ابھرتا تھا۔ البرٹو کا سیتلانو کی رہائشی عمارت کی لفٹ میں محض اپنی فرض شناسی کے باعث ہاشم کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

اینجلو نے ہاشم کو چھیڑ دیا۔ لیکن جوابی کارروائی میں کسی بھی حد تک... ہم۔ ایسا ہو کہ سوچتے ہوئے اپنی کار میں خود بیٹھ گئے۔

میں نے اسے مارکر اچھا نہیں کیا۔ اس کی آواز میں تشویش کی جھلک تھی۔ مگر لہجے پر نہایت گمبھیر سنجیدگی طاری تھی۔

"یہ محض تمہاری پشیمانی ہے۔ اس وقت تمہارا وہ فیصلہ ہی بہترین تھا۔ اگر اسے ہلاک نہ کیا جاتا تو اینجلو کی لاش دریافت ہونے کے بعد وہ ہم دونوں کا حلیہ پولیس کو بتا دیتا۔" میں نے بڑا مختصر لہجے میں کہا۔ "وقت گزر جانے کے بعد موقع پر کئے گئے سو میں سے ننانوے فیصلے گزرا ہوا ہونے کے باعث غلط محسوس ہوتے ہیں۔"

"... ہم لوگ تفصیلی جائزے کا موقع ملے بغیر ہی بہت کچھ کر سکتے..." اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

میں اسے پشیمانی سے نجات دلانے کے لئے مضحکہ اڑانے والے انداز میں نہیں ورنہ وہ مجھی تو ہو سکتا تھا کہ ہم پر نگاہ پڑتے ہی وہ شخص سے خوف سے بے ہوش ہو جاتا۔ "پھر سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "وہ شخص شبہ کی وجہ سے لفٹ میں سوار ہو کر چوتھی منزل پر آ پہنچا تھا۔ اسے بے ہوش کرنے کے لئے جدوجہد کرنی پڑتی۔ اور خود کو خطرے میں پڑ کر وہ چیخ بھی سکتا تھا۔ اس کا ادھر ادھر تو تیزی سے ہر طرف ہو کر پہنچ جاتا تھا جو اپنے شکار کو کسی بھی قسم کی مزاحمت وغیرہ کا موقع نہیں دیتی۔"

"مگر وہ بہت معصوم آدمی تھا۔"

"شاید اس لئے کہ نہایت خاموشی سے مر گیا۔"

"اس کی آنکھوں میں سادگی اور چہرے پر معصومیت تھی۔" اس کے لہجے کا آدمی ضرورت سے زیادہ حساس تھا۔ "اور سوڈانی تو ویسے بھی بہت سادہ لوح اور وفادار ہوتے ہیں۔"

"ایسی باتیں نہ کرو کہ میں تمہارے گلے سے لگ کر دھاڑیں مار مار کر ... رونے لگ جاؤں۔" میں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

وہ بے اختیار ہنس پڑا۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔ اور ... کوئی ذاتی بات...

اس سوڈانی کو زندہ چھوڑ سکتی مگر کچھ اس کے قتل کا افسوس ہے...

"اس وقت کہاں جا رہے ہو؟" میں نے موضوع بدلنے کی نیت سے پوچھا۔ حالانکہ میں اس کے جواب سے واقف تھا۔

"بہت دن بعد اپنی چھت کے نیچے رات گزاروں گا۔"

"تمہیں یہ کار اچانک کہاں سے میسر آ گئی؟"

"یہ میں نے اخبار کے بعد سے پہلی مرتبہ سے ایک گیراج میں کھڑی کر دی تھی۔ آج تاخیر یہ معذرت کر کے واپس لے آیا۔"

"تم لیبیا کے ساتھ سرخ رنگ کی خصوصی پلیٹ کیا ہے؟"

"ایک طرح کا نام سرکاری سفارتی نشان سمجھو۔" اس نے جواب دیا۔ "لیبیا کی حکومت فلسطینی نمائندوں کو تسلیم کرتی ہے انہیں اپنی اپنی گاڑیوں پر اعزازی تختی لگانے کا حق بھی دے رکھا ہے۔ اسی کی وجہ سے ان کاروں کی تلاشی لی جا سکتی ہے اور نہ ان کے مسافروں پر مقامی قانون کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔"

"خدا کی پناہ ... مصطفیٰ المرزوقی کہیں یہ سوار ہو!"

وہ ہنس کر رہ گیا۔

سفر کا اختتام اوسط درجے کی آبادی میں واقع ایک یک منزلہ مکان پر ہوا جہاں گھمبیر تاریکی اور ویرانی کا راج تھا۔

پورچ میں کار کا انجن بند کر کے ہم دونوں اترے اور ہاشم نے برآمدے میں لگا ہوا سوئچ دبا کر برآمدے میں روشنی کر دی۔

گرد آلود فرش پر چند قدم آگے بڑھ کر ہاشم نے داخلی دروازے کی چابی گھما کر خفیف سا دباؤ ڈالا اور غیر متوقع طور پر دروازہ کھل گیا۔

ہاشم نے بلا تامل ایک گہری سانس لے کر اندر داخل ہو گیا اور سوئچ دبانے کی آواز کے ساتھ ہی وہ راہداری بھی روشن ہو گئی۔

"تو کیا تم اتنی عجلت میں روپوش ہوئے تھے کہ مکان کو مقفل کرنے کا موقع بھی نہ مل سکا؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"مکان مقفل تھا۔" اس نے نشست گاہ میں داخل ہوتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

"مگر تم نے تو چابی لگائے بغیر دروازے کا ہینڈل ایسے اعتماد سے گھمایا تھا جیسے تمہیں یقین تھا کہ دروازہ غیر مقفل ہوگا۔"

"میں جانتا تھا کہ میرا سراغ حاصل کرنے کے لئے میری عدم موجودگی میں بارہا اس مکان کی تلاشی لی گئی ہوگی۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

... پورے مکان کا جائزہ لینے کے بعد ہاشم کے خیال کی مکمل تصدیق ہو گئی۔ سارے کمروں میں سامان بے ترتیبی سے بکھرا ہوا پڑا تھا۔ صوفوں کی پشت کو ادھیڑ کر ان کے نیچے سپرنگوں ... غرض کہ چپے چپے کو الٹ پلٹ کر دیکھا گیا تھا۔ اور ان تمام علامات ... کے بعد تو ابھی تک کوئی بات ... خوفناک حالت میں دیکھنے کی ہمت نہیں کی گئی تھی۔

"اس سے تلاشی لینے والوں کی شکایت یا احتجاج کروگے؟"

... انہوں نے تو ...

"ہوسکتا ہے تلاشی ہی لی ہو مگر ہم نے شہر میں کسی خوف کے بغیر ۔ اپنے جیسا کوئی شکایت زیب دے گی؟"

میں اپنے سر کو تفہیمی انداز میں جنبش دے کر رہ گیا۔

اس وقت ہم دونوں اس قدر تھکے ہوئے تھے کہ بمشکل اپنے بستر درست کر کے ان پر دراز ہو گئے۔

ہاشم سونے سے قبل ایک تفصیلی جائزہ لینا چاہتا تھا مگر شیلف کا جائزہ لینے پر انکشاف ہوا کہ تلاشی لینے والوں نے وہاں موجود تینوں بوتلوں کے پیندے تک سیدھے کر دیئے تھے۔

اگلی صبح میں خاصی دیر سے بیدار ہوا اور مکان کی بدلی ہوئی حالت دیکھ کر حیران رہ گیا لیکن ہاشم نے یہ چمکیلی صفائی اور کردی کہ اس نے صبح سویرے ہی اپنے پرانے بلدیہ کی اور خدمت گار کو بلا لیا تھا۔ اور ان دونوں نے آناً فاناً پورے مکان کی اصل حیثیت بحال کر دی۔

ناشتے کی میز پر میں نے ان دونوں کو بھی دیکھ لیا۔ ہاشم پہلے ہی نمٹ چکا تھا لہٰذا وہ تلخ قہوے کی ایک پیالی لے کر ٹیلی فون کی طرف چلا گیا۔

میرے ناشتے کے دوران وہ مسکراتا ہوا واپس آ گیا۔ "ایلی کی منزل کا سراغ لگا لیا گیا ہے، وہ پچھلی رات ہی روانہ ہوئی تھی۔"

"یعنی اینجلا نے درست ہی کہا تھا!" میں نے مسرت آمیز لہجے میں کہا۔ "مگر وہ یہاں سے نکل کر گئی کہاں ہے؟"

"وہ لیبیا کی ... سرکاری ... ایئرلائن کی پرواز سے ..."



پندرھویں رات گیارہ بجے روانہ ہونی تھی۔ اس کا ٹکٹ بن غازی سے خرطوم تک کا تھا۔"

"یہاں سے براہ راست تھی؟"

"نہیں۔" وہ چونک کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "بن غازی سے قاہرہ ہوتے ہوئے خرطوم پہنچی ہوگی۔"

"اور اگر وہ قاہرہ ہی میں اتر گئی ہو تو؟"

ہاشم کی اس منطق سے الجھن محسوس ہونے لگی۔ یقینی تو یہ کہنا چاہیے ہو کہ خرطوم تک کا ٹکٹ اور اپنے باپ سے سوڈان روانگی کا ذکر اس نے محض تعاقب کو ناکام بنانے کے لیے کیا تھا۔ پھر تو اس کی منزل کا تعین ہی ناممکن ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ قاہرہ اترنے کے بعد کسی دوسرے جہاز سے کہیں اور نکل گئی ہوگی۔"

"میں محض امکانات پر غور کر رہا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "بن غازی سے نکلنے کے بعد تو میں شاید کسی سے مشورہ نہ کر سکوں گا۔"

"تمہاری بات قرین قیاس لگتی ہے۔" وہ بولا۔ "البروتو کا سنڈیکیٹ بہت طاقتور ایجنٹ ہے۔ اس سے ہر احتیاطی اقدام کی توقع کی جاسکتی ہے۔"

"بن غازی سے خرطوم کا فاصلہ بہت زیادہ ہے جبکہ مصری سرحد یہاں سے قریب ہے۔ سینڈرا کے لیے لیبیا سے فرار ہو کر مصر پہنچنا قرین قیاس نظر آتا ہے لیکن لیبیا کے شمالی ساحل سے چل کر پورا ملک گھومتے ہوئے جنوب مشرق کی انتہائی سوڈانی سرحد میں داخل ہونے سے قبل ہی شاید وہ پکڑی جاتی۔ کیونکہ اس کی تلاش کی مہم ملک گیر پیمانے پر شروع کی گئی ہوگی۔"

"میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔" وہ سگریٹ کا گہرا کش لے کر دھوئیں کے مرغولے فضا میں بکھیرتے ہوئے بولا۔ "البروتو کے معاملے میں اس وقت اپنی جان سے زیادہ احمد مراغی ہے۔ قاہرہ میں میرے کچھ اچھے دوست ہیں۔ ان سے تمہیں تجسس کی مدد ملے گی۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ قاہرہ ہی میں اتر گئی تھی تو تم بلا روک ٹوک اسے تلاش کر سکو گے ورنہ پھر تم خرطوم جاسکتے ہو۔"

"خرطوم میں تمہارے کیسے مراسم ہیں؟"

اس نے پراسرار انداز میں اپنا سر ہلایا۔ "خرطوم میں ہمارے صرف دو آدمی ہیں جو محض کسی طور پر تنظیم کا وجود برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ ان سے تمہیں کوئی موثر مدد نہ مل سکے گی۔ وہ دونوں ذہنی طور پر ناکارہ ہو چکے ہیں۔"

"کیوں؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "سوڈان تو تمہارے حامیوں میں شامل ہے؟"

"سیاسی طور پر وہ ایک غیر جانبدار ملک ہے۔" ہاشم نے کہا۔ "اخلاقی طور پر وہ ہم سے ہمدردی اور تعاون کرتے ہیں مگر عملی طور پر دشمن سے اپنا دامن بچائے رکھنا چاہتے ہیں۔ وہاں جنگ کے ساتھ مقامی کالونی کی مدد و [illegible] رہنما ثابت ہوسکتے ہیں۔"

"مجھے یہ سن کر حیرت ہوئی کہ تمہاری تنظیم میں کچھ ناکارہ لوگ بھی ہیں۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ جلدی سے بولا۔ "جہاں دشمن کی طاقت سے زیادہ کچھ کام نہ ہو وہاں فعال ترین آدمی کی صلاحیتوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے۔ بیروت میں وہ دونوں بہت ذہین سمجھے جاتے تھے مگر جب سے خرطوم میں پڑے رہنے کے باعث سپاٹ اور پرسکون زندگی کے عادی ہو گئے ہیں۔"

"اگر سینڈرا بدقسمتی سے خرطوم یا سوڈان کے کسی اور علاقے میں چلی گئی تو وہاں وہ بالکل بے یار و مددگار ہوگی۔"

ہاشم کے پاس میرے اس ہولناک اندیشے کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس نے خاموشی سے نظریں جھکالیں۔

ہاشم نے اسی روز جلد جلد کر کے — دو گھنٹے میں میرے پاسپورٹ پر تمام ممالک کا ویزا لگوا دیا جس کے بعد میں عرفی نام نجیب مصطفی الفرازی کی — حیثیت سے اردن کے علاوہ مصر، سوڈان اور لبنان کا سفر کر سکتا تھا۔ جبکہ لیبیا کا ویزا پہلے سے موجود تھا۔

مگر پاسپورٹ پر اندراجات کرانے کے ساتھ ہی وہ چند بری خبریں بھی لایا تھا۔ اس کے ہاتھ میں خصوصی اخباری تراشوں کا ایک بنڈل تھا جو پاسپورٹ دکھانے کے بعد اس نے میرے سامنے ڈال دیا۔

موٹی موٹی سرخیوں پر نگاہ پڑتے ہی میرے ذہن میں چیونٹیاں سی گردش کرنے لگیں۔

ان کا سرخیل حقی البوسف کا ذکر والا شخص جیالی تھا جو میرے ہاتھوں لیبیا میں زہریلی سوئی کا شکار بننے والا پہلا شخص تھا۔ اس کے بعد حمزہ العلاوی ویران صحرا میں میرے اور حامد عبدالعزیز کے ہاتھوں بری طرح لہولہان ہو کر حرکت قلب بند ہونے کے باعث مر گیا تھا۔ پھر منصوبے کے مطابق [illegible] جنہیں ہم دونوں رمیش پانڈے کے علاقے میں پہنچے تو خطرہ بھانپ کر رات سے پہلے ہی فرار ہو گیا۔ مگر بھاگتے ہوئے بھی قانون کے محافظوں سے خونریز تصادم ہو گیا اور دو پولیس افسر میرے ہاتھوں زہریلی سوئیوں کا نشانہ بن گئے۔ اور وہ اخبار جس میں ایک عمارت کے مقفل فلیٹ سے ایک نامعلوم غیر ملکی کی لاش کی دریافت کے ساتھ اسی عمارت کی چھت سے سوڈانی نگہبان کی لاش ملنے کی خبر درج تھی۔

وہ دونوں لاشیں بھی زہریلی سوئیوں کا شکار بنی تھیں۔ پانچوں لاشیں قلیل سے عرصے میں پائی جا چکی تھیں اور ہر مقتول یکساں حربے کا شکار ہوا تھا۔ جب کہ پولیس صحرا میں مدفون حمزہ کی لاش تک نہیں پہنچ سکی تھی۔ مگر اخباری ضمیمے میں حمزہ العلاوی کی گمشدگی کے حوالے سے یہ لکھا گیا تھا کہ زہریلی سوئی سے شکار کی گئی اس کی لاش بھی

شہر کے کسی علاقے میں کسی بھی وقت مل سکتی تھی۔

اخبارات کی رائے میں پانچوں یکساں قتل ایک دوسرے سے مربوط تھے۔ اور ان سنسنی خیز واقعات کی واحد زندہ کڑی رمیش پانڈے کی صورت میں پولیس کی تحویل میں تھی۔ رمیش پانڈے کے قید میں ہوتے ہوئے نامعلوم غیر ملکی اور سوڈانی چوکیدار کی ہلاکت سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا تھا کہ رمیش پانڈے قاتل نہیں تھا مگر اس کا غیر قانونی کاروبار زہر والوں کے کسی ایسے مضبوط گروہ سے منسلک تھا جو اپنی زد میں مزاحم ہونے والے ہر انسان کو کسی حقیر اور بے جان سنگریزے کی طرح ٹھوکر مار کر واردات میں پڑا رہنے دیتا تھا۔

ان ہی خبروں کے مطابق پولیس کی تحویل میں رمیش پانڈے شدید زخمی ہو کر ہسپتال پہنچایا گیا تھا جہاں اپنے گروہ کے ممکنہ قاتلانہ حملے سے بچنے کے لیے اس کے کمرے پر سخت فوجی پہرہ لگا ہوا تھا۔

اعلیٰ حکام کا خیال تھا کہ تندرست ہونے کے بعد وہ خود تعاون کی تحریک میں مزید بہ خلاف وعدہ معاف گواہ کو حکومت پر ختم کرنے کے لیے کوشاں ہوگا۔

"غنیمت ہے کہ وہ لوگ بالکل ہی غلط راہ پر لگے ہوئے ہیں۔" میں نے لمبے ہوئے انداز میں ہاشم کی پشت نگاہ سے جھکتے ہوئے کہا۔

"بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ پولیس دنیا کا نہایت دیدہ دلیر کرنے والے کسی منظم گروہ کی تلاش میں سرگرداں ہے مگر شہر میں کچھ اور خبریں گرم ہیں۔"

"وہ کیا؟" میں نے اضطراری انداز میں پوچھ لیا۔

"صدیقی کو جب دوبارہ ڈیتھ ہاؤس کی لاش ملنے کے بعد پولیس نے یہ سراغ لگا لیا ہے کہ فلیٹ البروتو کا سیکرٹری کا تھا اور فلیٹ میں موجود ضروریات کا سامان دیکھنے کے بعد پولیس البروتو کی تلاش کے لیے شہر میں جگہ جگہ چھاپے مار رہی ہے جو اس کے ساتھ فلیٹ میں بھی رہتی ہے۔"

"اگر ابھی تک میں نے اندیشہ ظاہر کیا۔ "پولیس کو اس کا نام معلوم ہو گیا تو پوشیدہ نہ رہ سکے گا اور پولیس باقی تفصیلات بھی اگلوا لے گی۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس میں کچھ وقت لگے۔" ہاشم پر خیال انداز میں بولا۔ "فوری خطرہ یہ ہے کہ ان واردات میں البروتو کا تعلق ظاہر ہونے کے بعد لیبیا کے پراسرار قتل کا واقعہ ایک اہم اشتہار بنے گا اور لیبیا میں تفتیش شروع کر دی جائے گی۔"

"اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ مجھے فوری طور پر لیبیا کی سرحد عبور کر جانا چاہیے۔" میں ان خبروں سے تشویش میں مبتلا ہو گیا۔

"تمہارا ابھی بھی اتنا آسان نہیں ہوگا۔" وہ بڑبڑایا۔

"تم لوگ حرکات کیوں نہیں کرتے؟" میں نے بے تابانہ انداز میں اپنی نشست چھوڑ کر اس کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"اکا دکا اسکاٹ لینڈ یارڈ سے آئے ہوئے سراغ رسانوں کی ٹیم شاید معاملے کی تہہ تک پہنچ گئی ہے۔" وہ لڑکھڑا کر

میں بولا۔ "زہریلی سوئیوں کے حوالے سے انہوں نے بہت سی پرانی کڑیاں یکجا کر لی ہیں۔"

"ممکن کہ یوں ہی بات کر رہے ہو۔" مگر میرا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا اور میں بے دم ہوتا جا رہا تھا۔ سینکڑوں چیونٹیاں سی رینگنے لگی تھیں۔

"پولیس [illegible] سوئیاں [illegible] کا ایک اہم ترین اور خفیہ ہتھیار ہے جسے طویل عرصے کے بعد پہلی بار لیبیا کی جانب سے کرنل [illegible] کے بعد اغوا کی واردات استعمال کیا گیا تھا۔ یہ معلوم کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے کہ تم اسی لیبیا سے فرار ہونے میں کامیاب ہوئے تھے۔ آہستہ آہستہ بات نکلے گی۔ جبرئیل میں اسرائیلیوں سے تمہارا تصادم ہوا اور تمہارے ہاتھ بھی زہریلی سوئیاں استعمال کیں۔ ان معلومات کی روشنی میں انہوں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ اس وقت مقدر علی لیبیا کی حکومت جنت میں موجود ہے۔"

"مگر میں تو اب مصطفیٰ الفرازی ہوں۔"

"محبت یا نفرت کا نام بدلنے سے دھوکہ نہیں کھا سکتے۔" وہ قدرے توقف کے بعد بولا۔ "اس نظریے پر پہنچنے کے بعد اسکاٹ لینڈ یارڈ کے ماہرین نے اپنے طور پر تمام ہیبت کے پیش نظر تم پر جو جال پھیلایا ہے اس میں رکھی ہے اور جس پر بھاگتے ہوئے جو خطرہ رکھوں گے زہریلی سوئی سے بن غازی کی ہر شکل پر نظر بندی کر دی گئی ہے۔"

میرے جسم کے تمام مساموں سے یک بیک پسینے کی دھاریں بہہ نکلیں۔ "یہ سب اتنی جلدی کیسے ہو گیا؟"

وہ جارجی کی لاش ملنے کے بعد سے ہی اس خطوط پر کام کر رہے تھے۔ مگر میں اپنی گرفتاری کے خوف سے چھپا ہوا تھا۔ اس لیے انہیں یہ معلومات نہ مل سکیں۔ آج ہی میں نے یہ تمام حقائق معلوم کیے۔ سبھی سے ہمیں پتہ چلا کہ شہروں کو اپنے نگرانی میں رکھوا کر سمیت اہم مقامات پر نظر رکھی جا رہی ہے اور یہی حال شہر سے نکلنے والی تین شاہراہوں کا ہے۔"

"وہ ہر گاڑی کو روک رہے ہیں؟"

"مفادات کی ٹولیاں بھی ان کے بغیر نہیں گزر سکتیں۔"

"مگر یہ تو صریحاً زیادتی ہے۔"

"حکام نے ہنگامی اختیارات کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلے کیے ہیں اور ہر سفارتی دفتر کو بھی گشتی مراسلوں کے ذریعے پیشگی اطلاعات دی گئی ہیں۔"

ان تین شاہراہوں کے علاوہ بھی شہر سے نکلنے کے دوسرے راستے ہیں؟" میں نے امید بھرے لہجے میں کہا۔

"دو راستے ہیں۔ وہ نہ کر آمیز لہجے میں بولا۔ "لیکن ان کے اندر جنگی راستوں پر اگر کسی غیر مشتبہ شخص کو بھی دیکھ لیا گیا تو سا جائے پکڑ لیا جانے یقیناً [illegible] امکانات ہیں۔ ان راستوں کو بھی کہا جا گیا ہوگا۔"

"تم نے مجھے وحشت میں مبتلا کر دیا۔" میں دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بولا۔ "مسائل ہی مسائل ہیں تمہارے پاس اور بھاگ نکلنے کی بھی کوئی تدبیر ہے یا میں یہی سوچوں کہ حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دوں؟"

"حکام تمہیں بے خبری میں گھیرنا چاہتے ہیں۔" وہ بولا۔ "اگر میں اپنے مخبروں سے رابطہ قائم نہ کرتا تو شاید یہ اطلاعات ابھی تک نہ ملتیں۔ ہمارے سامنے اب ایک ہی موہوم سی امید باقی رہ گئی ہے۔"

"ساحل کی بات کر رہے ہو؟"

"بالکل درست اندازہ ہے تمہارا۔" وہ عجیب انداز میں ہنس دیا۔ "ساحل پر فی الحال سخت گشت حسب معمول جاری ہیں۔ لیکن کل سے غیر معینہ مدت کے لئے سمندر سے بھی کشتیوں اور ماہی گیروں پر قدغن لگا دی گئی ہے۔ دو شب قبل ہمارے ایک دوست کی موٹر بوٹ میں سوار ہو کر سوڈانی ملزم فرار ہو کر نکل گئے تھے۔ اب یہی ہو سکتا ہے کہ فوری طور پر کسی ماہی گیر کا لباس پہن کر ساحل سے قریب رہتے ہوئے طرابلس کی سمت میں خلیج الصدرہ کی کسی کشتی تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔"

"اس سرد موسم میں؟" میں جھرجھری لے کر رہ گیا۔ "اور اگر سمندر میں گشت کرنے والی کسی مسلح بوٹ نے ہمیں دیکھ لیا تو کیا ہوگا؟"

"موجودہ حالات میں تمہارا بن غازی میں رکنا زیادہ خطرناک ہے۔ مگر دوسری طرف یہ راستہ بھی خطرناک ترین نظر آ رہا ہے۔"

کچھ دیر کے لئے فضا پر دوبارہ گہرا سکوت چھا گیا۔ ہم دونوں ہی سگریٹ پھونکتے ہوئے سوچنے میں مصروف تھے۔

میری دانست میں میرے لئے اسرائیل بد ترین قید خانہ تھا۔ مگر میں وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔ مگر لیبیا جیسے ہی دوستوں کی سرزمین سمجھ رہا تھا میرے لئے بھیانک مشکل بنتی نظر آ رہی تھی۔ مصیبت زیادہ گہری ہوتی جا رہی تھی اور فضائی راستے مسدود کئے جا چکے تھے۔ ادھر بن غازی کے چپے چپے میں میرا شکار شروع ہو چکا تھا۔ جسے جلد یا بدیر میری شکست پر منتج ہونا تھا۔

اس گمبھیر خاموشی کے دوران ہاشم نے نگاہوں سے کئی بار میری طرف دیکھا لیکن ایک مرتبہ بھی مجھے مخاطب کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔

"صرف دو صورتیں ممکن ہیں۔" طویل سکوت کے بعد میں نے بھرائی ہوئی آواز میں سکوت توڑا۔ "اور دونوں صورتوں میں مجھے اپنی موت اور گرفتاری کا خوف ہوگا۔"

میری طرف دیکھتے ہی ہاشم جو کچھ کہنے جا رہا تھا رک گیا۔ پھر جلدی سے بولا۔ "تم کیا سوچ رہے ہو؟ مجھے بتاؤ شاید کوئی راہ نکالی جا سکے۔"

"فوری طور پر تمہارا کوئی آدمی بن غازی سے سگنل کو میل دور طرابلس کی طرف بھیجا جائے اور شہر میں زہریلی سوئیوں سے کم از کم ایک یا دو افراد کو قتل کرے۔" میں نے جذبات سے عاری سرد لہجے میں کہا۔ "شاید

کیا تم اس طرح حکام کو یہ تاثر دینا چاہتے ہو کہ تم شہر چھوڑ کر جا چکے ہو اور بن غازی سے فرار ہو سکے ہو؟"

"ہاں... مگر کسی بے گناہ کا قتل..."

اس نے ہکلاتے ہوئے احتجاج کرنا چاہا مگر میں نے سخت لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ "میرا مقصد بے گناہ نہیں تھا۔ بلکہ ایسے لوگ ہیں جو قتل کے سزاوار ہیں۔ مگر قیمت کی قیمت سے بچتے رہے ہیں۔ اس میں سے ایک دو کی تلاش کرنا تمہارا کام ہوگا۔ اپنا کام کر دکھانے کے بعد وہ زہریلی سوئیوں کی شیشی تلف کر دے گا۔"

"مگر... تم کسی دوسری صورت کا بھی تو ذکر کر رہے تھے؟" بہت خطرناک اور بھیانک منصوبہ دیکھ کر ہاشم ہو کر رہ گیا تھا۔

"دوسری صورت یہ ہے کہ تم مجھے استعمال شدہ ٹکٹ اور اپنی کار کی چابی دو۔ جب وہ لوگ میرا پیچھا کریں گے تو فوری طور پر اسے صفدر علی سمجھ کر گرفتار کر لیا جائے گا اور یہ ڈرامہ میں اس موقع سے فائدہ اٹھاؤں گا۔ جب تک وہ شخص اپنی شناخت کرائے گا میں بہت دور نکل چکا ہوں گا۔"

"اس میں بھی خطرہ ہے کہ جس شخص کی گرفتاری ہوگی وہ اتنا غریب نہ ہو کہ جلد ہی وہ ادھر آ جائے اور تم پہلے ہی ختم ہو جاؤ۔" "اتنا غریب تو ہم جانتے ہیں کہ دو تین دن سے زیادہ استعمال میں نہ آئے گا۔ اس لئے اسے جلد ہی رہا کر دیا جائے گا۔"

"اگر یہ صورت ہو تو اس کی تفصیلات بھی ہوں گی۔ ورنہ میں تو اسے ختم ہی کر دوں گا۔" میں نے کہا۔

"یہ طریقہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔" چند ثانیوں کے بعد ہاشم کے حلق سے خفیف سی آواز نکلی۔ "وہ زندہ بچ گیا تو دنیا بھر کے بارے میں حکام کو یہ بتا سکتا ہے کہ اسے کس طرح پھنسایا گیا تھا۔"

"بہر حال یہ طریقہ خطرناک ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "ظاہر ہے کہ اس شخص کو بے خبری میں قتل کر دینا ہی بہتر ہے۔ اگر حکام کے اعصاب مضبوط ہوئے تو وہ صورت حال کو بھانپ لیں گے کہ قاتل نے محض دھوکا دینے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے اور وہ شخص سفر پر آمادہ کیا گیا تھا اور جسم اپنا مقصد حاصل کر سکیں گے۔ اس بات کو یقینی بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس بھی اس کے قتل کے بعد اس شخص کو کوئی نادیدہ گولی چاٹ جائے۔"

"ابھی تم نے کہا تھا کہ جب تک وہ شخص اپنی شناخت کرائے گا تم لیبیا سے بہت دور نکل چکے ہوگے۔" ہاشم میرے خیالات سے اختلاف کرتا مشوروں سے خائف نظر آ رہا تھا۔

"کہا تھا۔" میں نے سخت لہجے میں اعتراف کیا۔ "مگر اب مجھے سوال پیدا ہوتا ہے۔ جیسا پہلے سے نہیں اور کوئی واضح منصوبہ بھی نہیں کرنا ہوگی۔"

"اگر تم چند روز کے لئے یہیں کوئی محفوظ پناہ گاہ تلاش

سے اٹھاؤں گا۔ زہریلی سوئیوں کی دوسری شیشی جو تمہارے پاس ہے وہ مجھے لوٹا دو۔ اس کے علاوہ کچھ کرنسی چاہئے تاکہ میں ایک ہوٹل کے کیبن میں سما سکوں۔"

"تو تم نے واقعی اپنی جان پر کھیل جانے کا فیصلہ کر لیا ہے؟"

"کسی تاریک کمرے میں بیٹھ کر موت کا انتظار کرنے سے بہتر ہے کہ آگے بڑھ کر موت کے دانت سے اپنی زندگی چھین لی جائے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر تم چاہو تو میں کوئی نہیں کہ کسی سے بھی ملوں۔ میں دوست کی طرح تم سے گلے مل کر رخصت ہو جاؤں گا۔"

"تمہاری زبان کی دھار بہت تیز ہے۔" وہ سر جھٹک کر بولا۔ "میرے لئے تم جیسے ضدی شخص کو قائل کرنا بہت دشوار ہے۔"

"میں نے اب جو فیصلہ کیا ہے وہ موجودہ حالات میں ناگزیر ہے۔"

"تو کیا تم سڑک کے راستے قاہرہ جانے کا ارادہ رکھتے ہو؟" اس کی آنکھیں تیز نگاہی سے میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"اس بارے میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"آخر تم کیا کرنے جا رہے ہو؟ مجھے کچھ تو بتاؤ۔"

"میرے منصوبے کے بارے میں زیادہ تجسس کا اظہار کرو۔" میں نے سنجیدگی سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "جو کچھ ہوگا کل کے اخبارات کے ذریعے تمہارے علم میں آ جائے گا۔ اگر میں نے ابھی تمہیں سب کچھ بتا دیا تو میری مہم کی ناکامی کی صورت میں تمہارا ضمیر ہمیشہ کے لئے تمہیں ملامت کرتا رہے گا اور میں تمہارے جیسے کمزور انسان کو ایسے کسی کڑے امتحان سے دوچار کرنا نہیں چاہتا۔"

"مجھے معلوم ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کوئی اندھی چال چلو گے۔" وہ بھرائی ہوئی مضطرب آواز میں بولا۔ "ابھی تمہیں خود علم نہیں کہ تم کیا کرو گے اور اس کا امکانی انجام کیا ہوگا۔ یہ خودکشی ہوگی۔ سراسر خودکشی۔"

"میرے ذہن میں منصوبے کی تمام جزئیات بالکل واضح ہیں۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "تیز رفتار کار، کچھ نقدی، ہم اور زہریلی سوئیاں میں جو در حقیقت نہیں کروں گا۔ اگر کامیاب رہا تو واپس تمہارے ہی پاس آؤں گا۔"

"واپس آؤ گے؟" اس نے حیرت اور بے یقینی سے سوال کیا۔ "کس صورت میں میرے پاس واپس آؤ گے؟"

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "ناکام رہا تو ہسپتال یا کسی تہہ خانے پہنچا دیا جاؤں گا۔ یہ امکان بھی ہے کہ یا واردات کی تفتیش کی ہی نوبت آ جائے۔"

"تمہیں اپنی ذات کے بارے میں ایسے بے ساختہ فیصلے کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔" وہ یکا یک برہم ہو گیا۔ "تم سمجھتے ہو کہ اپنی جان پر کھیل کر تم سیسیلیا کی کوئی لازوال خدمت انجام دو گے۔ جس کی بنا پر موجودگی کے عالم میں بھی فخر سے اپنا سر بلند کر کے چل سکو گی؟"

"میرے ذہن میں ایسی کوئی احمقانہ بات نہیں ہے۔" میں نے جھنجھلا

ہمارا جوش و خروش کی حدت بھی پڑ جائے گا۔"

"میں یہ بھی جانتا ہوں۔" میں نے دو طویل سگریٹوں کو بجھاتے ہوئے اس سے مسلسل کہا۔ "مگر میں جان چکا ہوں کہ وہ البرو تو کسی بھی جگہ ہو گی مگر ہیں اس کے تعاقب میں لگا ہوا ہے۔ میں اس صورت حال کو ایک بچے کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔"

وہ ششدر سا میرا انداز دیکھتا خاموش ہو گیا۔

میں خاموشی سے ایک اس کے فیصلے کا منتظر رہا۔ لیکن جب سکوت طویل سے طویل تر ہوتا چلا گیا تو مجھے اس کو ٹوکنا پڑا۔

"میں تمہارے جواب کا منتظر ہوں۔"

اس نے جواب دینے کے بجائے عجیب انداز میں اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ "میرے لئے دونوں ہی صورتیں ناقابل عمل ہیں۔" اس کا لہجہ اس بار بے حد اداس اور شکستہ تھا۔ "تم خود ہی سوچو، کسی ایک یا دو بے گناہ انسانوں کو کیسے قتل کر سکتا ہوں۔ بے گناہ انسانوں کے خون کا بوجھ لے کر میں ایک پل بھی سکون سے زندہ رہ سکوں گا۔ یہ اور بات ہے کہ خود میرا ایک آخری ثبوت ہو کہ تم یقین کرو کہ سوڈانی حاملہ کے قتل کے بعد سے اب تک میرا ضمیر مجھے شدید ملامت کر رہا ہے۔ میں اس سے زیادہ بوجھ اٹھانے کا اہل نہیں ہوں۔"

میرے لئے اس کا جواب دو ٹوک تھا۔ میں نے جھلاہٹ کے عالم میں ایک جھٹکے سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"کیا ہوا؟" اس نے جھک کر میرا بازو تھام لیا۔ میری زبان سے یہ سن کر ناراض ہو گئے؟"

"جس کا مقصد اس سے ناراض ہونا ہو گا کسی دوست کیا ناراض ہوگا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "مشکل یہ ہے کہ تم نے مجھے بہت ہی بے بس اور بڑے خطرناک مرحلے پر پہنچ جانے کا فیصلہ کیا۔ میں نے تو بہت پہلے تم سے اجازت چاہی تھی کہ میں لیبیا کی سرزمین چھوڑنے کی جدوجہد تنہا کروں گا مگر اس وقت تم نے میرے قدموں میں امید کی زنجیریں ڈال کر مجھے روک لیا۔ مجھے افسوس ہے برادر ہاشم کہ میری وجہ سے تمہیں ایک ایسا قتل کرنا پڑا جس پر تم نادم ہو۔ میں ایک لمحے کے لئے خاموشی سے کھڑا رہا۔ ایک میں ہی ایسا بے ضمیر شخص ہوں جو قتل کے اسباب پیدا کرتا ہے جبکہ فلسطین اور فلسطینیوں کے نام پر ان کے دشمنوں کے لہو کی ہولی کھیلتا چلا آ رہا ہوں۔"

"طنز اور ملامت کے تیر نہ برساؤ۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔ "اس وقت تم جذباتی ہو رہے ہو۔ اطمینان سے ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرو گے تو تمہیں احساس ہو جائے گا۔ میں اب بھی تمہاری ہر ممکن خدمت کے لئے تیار ہوں۔"

میں چند ثانیوں تک اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر ٹھٹکے ہوئے مخصوص انداز میں جب بولا۔ "مجھے ایک تیز رفتار کار کی ضرورت ہے جو میں کہیں

سے کہا: "میرے دل میں زندہ رہنے کی امنگ اب بھی باقی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ میں ہر اُس معرکے کو جرأت کا امتحان سمجھتا ہوں، جسے تم خودکشی قرار دیتے ہو اور موت صرف آتی ہے کہ تم محض تماشائی ہو جبکہ میں خود اپنا تماشا بن کر رہ گیا ہوں اور اب اس تہمت سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ چند ثانیوں تک ہونٹ بھینچے تیز نگاہوں سے مجھے گھورتا رہا اور میں مسلسل اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مسکراتا رہا۔

آخر کار وہ ضبط نہ کر سکا اور ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی نشست چھوڑ کر اندرونی کمرے میں چلا گیا۔

وہ اگرچہ اصول پرست تھا تو میں بھی اپنی دھن کا پکا تھا۔ میں اسے یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ دوستی میں بعض مقام ایسے بھی آتے ہیں جہاں اصولوں کو فراموش کر کے محض دوستی کے جذبے کی لاج رکھنی پڑتی ہے اور اگر انسان ایسے موقع پر بھی اپنے مقام سے جنبش نہ کرے تو اسے انسان کے بجائے پتھر کا ایک متحرک مجسمہ سمجھا جاتا ہے۔

چند منٹ بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک منی بریف کیس جھول رہا تھا جو اس نے میرے سامنے میز پر رکھ دیا۔

بیٹھتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے زہریلے تیر پھینکنے والی شیشی نکال کر مجھے تھمادی اور تندی سے درشت لہجے میں بولا: "اس بریف کیس میں تین دستی بم ہیں، ایک آتش گیر، دوسرا بارودی اور تیسرا دھوئیں کا گرنیڈ ہے۔"

"تمہارے مکان کی تلاشی میں یہ اسلحہ کیسے پہنچ گیا؟"

"مجھ پر شبہ نہ کرو، بریف کیس کھول کر دیکھ لو۔" وہ تلخ لہجے میں بولا: "چاہو تو ایک گرنیڈ اسی مکان پر آزما سکتے ہو۔ وہ تینوں اصلی اور کارآمد ہیں۔ میں نے تمہیں دھوکا نہیں دیا ہے۔"

میں نے بے اختیار دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹ ڈالا اور جھلاتے ہوئے لہجے میں کہا: "تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ لعنت ہو شبہ کرنے والے پر۔ میں تو صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا اس مکان میں کوئی خفیہ ٹھکانا بھی ہے؟"

"تم اب چلے ہی جاؤ تو بہتر ہوگا۔" وہ میری وضاحت پر ملامت آمیز لہجے میں بولا: "ایسا نہ ہو کہ ہم آپس ہی میں دست و گریبان ہو جائیں۔"

"کار چرانا ہی پڑے گی؟" میں نے بریف کیس احتیاط سے اپنی گود میں رکھتے ہوئے معافیانہ مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

"ظاہر ہے۔" اس نے شانے اچکا کر کہا: "چاہو تو پچھلی گلی سے ایک بیوک لے جا سکتے ہو۔ ادھر دوستی کی ڈیلوں میں جتنی گاڑیاں موجود رہتی ہیں، ان ہی میں ایک طاقتور بیوک بھی ہے۔"

میرے استفسار پر اس نے گاڑیوں میں چابی کی موجودگی کا سبب بھی بتادیا۔ ان تینوں کاروں کو اپنے مقام پر کھڑی کی جاتی تھیں ... کہ جگہ رہ جاتی تھی اور اگر رات گئے اس طرف پانی کا کوئی ٹرک یا ایمبولینس وغیرہ آجاتی تھی تو اسے آگے بڑھنے کا راستہ نہیں ملتا تھا لہٰذا اگنیشن میں موجود چابی کے ذریعے ہنگامی ضرورت کے تحت کوئی بھی ان کاروں کو آگے بڑھا کر راستہ بنا سکتا تھا۔

میرے لیے ہاشم کی یہ وضاحت خاصی حیرت ناک تھی۔ ایک ترقی یافتہ معاشرے میں شہری اور اجتماعی ذمے داریوں کا احساس ایک معجزے سے کم نہیں تھا۔

"یہاں چوری کو رشوت کے بعد دوسرا بدترین جرم سمجھا جاتا ہے۔" اس نے میری حیرت بھانپتے ہوئے کہا۔ اس کا مزاج آہستہ آہستہ اعتدال پر آگیا تھا۔ "سال بھر میں چوری کے اکا دکا واقعات ہوتے ہیں جن میں بیشتر غیر ملکی ہی ملوث ہوتے ہیں ورنہ لیبیا میں چوری ... نہیں ہوتی۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے۔" میں ہنس پڑا۔ "اس بار بھی کار چرانے والا ایک غیر ملکی ہی ہوگا۔"

"غیر ملکی!" وہ غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ "کیا تمہارے سارے ہم وطن تمہارے ہی جیسے ہوتے ہیں؟"

میں اس کے معصومانہ سوال پر ہنس پڑا۔ "اگر سارے فلسطینی تم اور حمید جیسے ہوتے ہیں تو میرا جواب اثبات میں ہے۔"

"حمید ... تو پہلے بھی تھی مگر تم سے ملنے کے بعد پاکستان دیکھنے کی آرزو شدت اختیار کر گئی ہے۔"

"میرے لیے خوشی کی بات ہے ... والے سے بھی پہچانا جاتا ہے لیکن تم برا نہ ماننے کا وعدہ کرو تو ایک بات کہوں؟"

"کہہ ڈالو۔"

"فلسطین کے مسئلے میں ہر پاکستانی جذبات کی پوری شدت کے ساتھ ملوث ہے لیکن میرے ملک میں تعلیم کے حصول کے لیے ... پر آنے والے بعض فلسطینی طلبہ کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر انہیں مایوسی ہوتی ہے۔"

"وہ کیوں؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ انہیں گراں قدر وظائف ملتے ہیں اور وہ اپنی ضروریات سے بچ رہنے والی رقوم عیاشی پر صرف کرتے ہیں، مگر یہ بات مصدقہ ہے کہ کچھ لڑکے بے تحاشا ... سرگرمیوں میں ملوث رہتے ہیں؟"

"یہ تو بڑی افسوسناک بات سنائی تم نے۔" وہ قدرے ... سا ہو گیا۔ "انہیں بڑی ... کے بعد عظیم توقعات کے ساتھ برادر ممالک میں بھیجا جاتا ہے ..."

... تقاضہ میں مزید کچھ دیر ہاشم کے پاس رک سکتا تھا تاکہ رات کے سناٹے میں مجھے اپنا منصوبہ پوری طرح رُو بہ عمل لانے کی سہولت حاصل رہے۔

"مگر میں نے تمہیں ایک ... کہا ہے؟"

"تم ... کا جواز بھی درست ہی بنایا ہے۔" وہ بولا: "تم قابل ... پہنچے"

ہوں کر پوری قوت سے گرائی کی طرف دھکیل ... پھر دوسری بات ... نہیں کوئی دیکھنے اور روکنے والا بھی نہیں ہوتا۔"

"یہ تمہارے سمجھنے کی باتیں ہیں اور میں ... تجربے کی روشنی میں ... بات تالی ہے ... اسی سرگرمیوں سے تمہارے کاز کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔" میں نے اس موضوع کو بدلنے کی نیت سے کہا۔

وہ خود بھی شاید مزید بحث سے بچنا چاہتا تھا لہٰذا اس نے خود ہی قاہرہ کا ذکر چھیڑ دیا۔

اس نے مجھے قاہرہ میں اپنے چند دوستوں کے نام اور پتے بھی دیے جو وہاں میری ہر طرح مدد کر سکتے تھے۔

سینا کے بارے میں حالات اور واقعات کی روشنی میں، میں اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ اس کے لیے لیبیا سے محفوظ طریقے پر فرار ہو کر سوڈان کے مقابلے میں مصر پہنچنا زیادہ آسان تھا جبکہ اس کے تعاقب میں لگے ہوئے خونخوار ایجنٹ البردو کا ... لڑکی ... عبد الہادی ... دن قیاس آرائیوں کی نفی کر رہی تھی۔

پھر کیف میں نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ اگر میں لیبیا میں کسی بڑے خطرے سے دوچار ہوئے بغیر سرحد عبور کرنے میں کامیاب ہو گیا تو قاہرہ پہنچ کر پہلے وہیں سینا کو تلاش کروں گا اور بالفرض وہاں اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا تو خرطوم پہنچ کر البردو یا ایلی کو تلاش کروں گا۔

دس بجے رات میں ہاشم کو الوداع کہہ کر اس کے مکان سے نکل آیا۔ میرے ہاتھ میں ہتھیاروں سے بھرا ہوا بریف کیس جھول رہا تھا اور جیبوں میں خطیر رقم کے ساتھ ہی زہریلے تیر پھینکنے والی دو شیشیاں بھی موجود تھیں۔

سرد رات کے گمبیر سناٹے میں ... پر ... قدموں کی ... چاپ کسی ... پر پڑنے والی ضربوں کی طرح گونج رہی تھی۔ میں کچھ دور آنے کے بعد بائیں ہاتھ پہلی گلی میں گھوم گیا۔ چند ثانیوں بعد مجھے دوبارہ دائیں طرف گھومنا پڑا اور میں ہاشم کے مکان کی پچھلی گلی میں داخل ہو گیا۔

وہ پچھلی گلی بمشکل دس فٹ چوڑی تھی اور اس طرف روشنی کا انتظام بھی خاصا معقول تھا مگر ... میرے لیے مسرت کا باعث یہی ... تین کاروں کی موجودگی تھی۔

ان میں سے تیسری کار جدید ساخت کی بیوک تھی۔ دور ہی سے اس کا جائزہ لینے کے بعد میں ... کے انداز میں بیوک کی طرف بڑھنے لگا۔

خنک اور تیز ہوا چلنے کی وجہ سے علاقے کے سارے مکین کھڑکیاں اور دروازے بند کر کے اندر دبکے ہوئے ... حرارت سے لطف اندوز ہو رہے تھے ... پھر رات بھی خاصی بیت چکی تھی لہٰذا وہ پچھلی گلی بالکل ویران پڑی ہوئی تھی۔

میں نے آخری بار گردن گھما کر قرب و جوار کا جائزہ لیا اور بیوک کی ڈرائیونگ سیٹ کی سمت کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی جو پہلی ہی کوشش میں کامیاب رہی۔

دروازہ کھلتے ہی میری عقابی نظروں نے ڈیش بورڈ کے قریب اگنیشن سوئچ میں لگی ہوئی چابی کی جھلک بھی دیکھ لی۔

میں نے آہستگی سے دروازہ بند کر کے چابی گھمائی اور ... وہ ہولناک مشینی درندہ ایک خفیف جھرجھری لے کر بیدار ہو گیا۔

اس کار کے گیئر کا نظام خودکار تھا۔ میں نے گیئر لیور کو پارکنگ کی پوزیشن سے کھینچ کر ریورس میں ڈالا اور آہستہ رفتار سے چند گز پیچھے ہٹانے کے بعد کار کو آگے بڑھا لیا۔

اگلی کار کے قریب سے گزرتے ہوئے مجھے خاصی دشواری ہوئی مگر خیریت یہ ہوا کہ میں کہیں ٹکرائے بغیر بیوک کو باہر لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔

ہیڈ لیمپس کا سوئچ مجھے تیسری کوشش میں ملا اور میں تیز روشنی کی ان چادروں کے تعاقب میں بڑی سڑک پر آگیا۔

ڈرائیونگ پر پوری توجہ مرکوز کرنے سے قبل میں نے احتیاط سے کار کے مختلف کنٹرولز اور سوئچوں کا سرسری جائزہ لیا اور پھر یک لخت بیوک کی رفتار بڑھا دی۔

ہاشم نے بن غازی سے مصری سرحد کی طرف جانے والی شاہراہ کے بارے میں زبانی طور پر میری اتنی عمدہ رہنمائی کی تھی کہ میں نہایت اعتماد کے ساتھ اس کی بتائی ہوئی نشانیوں سے واقف ... گزرتے ہوئے آخر کار اس چکنی ساحلی شاہراہ پر آنکلا جو تھوڑی دور چلنے کے بعد مصری سرحد کا رخ اختیار کر لیتی تھی۔

کار کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی جہاں تک جاتی تھی اس سپاٹ اور ... سڑک سے زیادہ دور تک نظر ... تھی کیونکہ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس راستے کی ناکہ بندی کس مقام پر کی گئی ہوگی۔

اس وقت میرا دل آنے والے نامعلوم مگر فیصلہ کن لمحات کے تصور سے کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ میں نے بریف کیس اپنے پہلو میں سیٹ پر رکھ کر کھول دیا تھا تاکہ بوقت ضرورت کوئی بھی گرنیڈ فوری طور پر استعمال کر سکوں۔ زہریلے تیر پھینکنے والی ... شیشی بائیں ہاتھ میں دبائی ہوئی تھی جس کے بارے میں مجھے پورا یقین تھا کہ کم از کم آنے والے معرکے میں آخر تک اپنی مہلک صلاحیت کے ذریعے میرا ساتھ دے گی۔

رفتہ رفتہ سڑک کے خم کے ساتھ میرے بائیں جانب ... ساحل ریت کے ٹیلوں کی اوٹ میں آتا چلا گیا کہ لہروں کے تھپیڑوں کا شور بھی مدھم ہو گیا۔ اس سڑک پر اب روشنی کا سرکاری سلسلہ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ ... تیز روشنی کی دور تک پھیلی ہوئی ایک چادر بیوک سے آگے سیاہ سڑک اور ریتیلے ٹیلوں پر ... رفتاری سے تیرتی چلی جا رہی تھی جبکہ

عقب نما آئینوں میں جو ٹرک کے پیچھے پھیلا ہوا مہیب اندھیرا نظر آ رہا تھا۔

اس طرح کے خوف ناک سناٹے میں کار دوڑاتے ہوئے مجھے دس منٹ گزر گئے اور پھر اچانک ہی مجھے سڑک کے کنارے ریت میں نصب شیشے کا دھندلا سا ہیولا نظر آیا جو اگلے ہی لمحے واضح ہو گیا۔

میں نے اچانک کار کی رفتار کم کر دی اور میرا ذہن نہایت تیزی کے ساتھ آنے والے لمحات کے بارے میں فیصلے کرنے لگا۔

پھر ان کھمبوں کے قریب ایک لینڈ کروزر کے گرد چند ہیولے نظر آئے ان میں سے کوئی سرخ شیشے والی ٹارچ روشن کر کے مجھے رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

ایک ڈیڑھ منٹ میں ساری صورت حال عیاں ہو گئی۔

اس کھمبے کے قریب اوور کوٹ میں لپٹے ہوئے تین افراد موجود تھے ان کے ساتھ ہی زنجیر میں بندھا ہوا ایک خاصا قد آور کتا بھی تھا جو غصے میں منہ اٹھائے نہایت بے چینی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

اس کے علاوہ سڑک کے دونوں جانب ریت میں آہنی پائپ یا چوبی کھونٹے نصب کر کے ان سے اس طرح زنجیر باندھ دی گئی تھی کہ کسی بھی سواری کے لئے وہاں رکنا ناگزیر تھا۔

آگے بڑھ جانے کی دو ہی صورتیں تھیں۔ پہلی صورت یہ تھی کہ کار کو ریت میں اتار کر آگے بڑھایا جانا ممکن تھا لیکن اس طرح کار کے ریت میں دھنس جانے کا شدید خطرہ تھا جس کے بعد وہ لوگ فرار کی کوشش کرنے والے کو بآسانی پکڑ سکتے تھے اور مجھے پکڑنے کے لئے تو شاید انہیں خود زحمت بھی نہ کرنا پڑتی بلکہ میری پشت پر سدھایا ہوا خونخوار کتا زنجیر تڑا کر خود ہی مجھ پر آن پڑتا۔ شاید ان لوگوں نے شاہراہ کی ناکہ بندی کے لئے اس دور دراز مقام کا انتخاب اسی لئے کیا تھا کہ انہیں پورا یقین تھا کہ سڑک سے اترنے کی کوشش کرنے والا کوئی بھی شخص ان کی گرفت سے زیادہ دور نہیں نکل سکے گا۔

دوسری صورت اس سے زیادہ خطرناک تھی اگر میں ان کی تنبیہ کی پروا کئے بغیر تیز رفتاری سے آہنی زنجیر توڑتا ہوا آگے نکلتا چلا جاتا تو نہ صرف کار کے انجن اور باڈی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا، بلکہ میں خود بھی زخمی ہو سکتا تھا۔

ان دونوں خطرات سے قطع نظر اگر میں کسی طرح وہاں رکے بغیر آگے بڑھنے میں کامیاب ہو بھی جاتا تو میری ذات یک بیک ان کی تمام تر توجہ کا مرکز بن جاتی اور اس شاہراہ پر میرا تعاقب شروع ہو جاتا جس کا اختتام میرے لئے کسی طور بھی خوشگوار ثابت نہ ہوتا اور بعض اسی وجہ سے میں نے ابتدا ہی سے فرار کی کسی کوشش کو اپنے منصوبے کا جزو بنانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

میں نے دور ہی سے رفتار کم کرنا شروع کر دی۔ پھر مجھے ریت پر ایستادہ شیشے میں روشنی بھی نظر آئی جس سے ذرا دور سڑک کے کنارے لمبے لمبے انٹینا والی دو بڑی کاریں بھی موجود تھیں۔

آخر کار ان کے خدوخال بھی واضح ہو گئے۔ ان میں دو سفید فام تھے اور ان ہی میں سے ایک شخص کتے کی زنجیر تھامے ہوئے تھا اور تیسرا کوئی مقامی معلوم ہو رہا تھا۔ روشن ٹارچ اسی کے ہاتھ میں ہلتی ہوئی تھی۔

ان سے چند سو فٹ کے فاصلے پر میں نے کار کو سڑک کے کنارے پر لا کر رفتار اتنی سست کر دی تھی کہ وہ دوسرے گیئر میں رینگ رہی تھی ٹارچ والے نے مجھے اپنی ہدایت پر عمل پیرا دیکھتے ہوئے آسودہ انداز میں اپنا ٹارچ والا ہاتھ گرا لیا اور وہ تینوں کچھ بے فکر سے ہو کر چند قدم آگے بڑھ آئے۔

میرے لئے وہ زاویہ بہت مناسب تھا۔ بجلی بن کر خود کار گیئر اس وقت میرے لئے سب سے بڑا ہتھیار تھا۔ میں نے اسٹیئرنگ پر اپنی گرفت مضبوط کی اور اچانک کار کی رفتار بڑھا دی۔ وہ بھاری بیوک کسی منہ زور گھوڑے کی طرح اچھل کر تیزی سے آگے بڑھی۔ میں نے تھوڑا سا اسٹیئرنگ کاٹا اور ایک ہولناک دھماکے کے ساتھ اپنی سیٹ پر اچھل کر رہ گیا۔

بیوک ان چاروں کو ایک ساتھ روندتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی۔

اگر میں تصادم کا جھٹکا سہنے کے بعد فوری طور پر اپنے اعصاب پر قابو نہ پاتا تو کار گہری ریت میں جا کر دھنس جاتی۔

آہنی زنجیر کے قریب میں نے کار روکی اور انجن بند کئے بغیر ہینڈ بریک لگا کر پھرتی سے نیچے آ گیا۔

ان تینوں میں سے ایک کربناک انداز میں زور زور سے کراہ رہا تھا۔ کتا بری طرح کار کے نیچے کچلا گیا تھا۔ بقیہ دو افراد بے حس و حرکت خون میں نہائے ہوئے پڑے ہوئے تھے۔ ایک کا چہرہ کچلا گیا تھا دوسرے کی حالت بھی ابتر تھی مگر میرے پاس ان کے تفصیلی جائزے کی فرصت نہیں تھی۔ میں نے یکے بعد دیگرے چار زہریلی سوئیاں ان تینوں کے علاوہ کتے کے بدن میں بھی اتار دیں اور واپس ہو گیا۔

آہنی زنجیر کا ایک سرا کھونٹے میں نصب تھا جبکہ دوسری طرف ایک کڑی کھانچے میں پھنسی ہوئی تھی، میں نے اوور کوٹ کے دامن سے پکڑ کر وہ کڑی نکال دی اور زنجیر سڑک پر آ گئی۔

کار کو سڑک پر لا کر میں تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ میری نگاہیں عقب نما آئینے پر جمی ہوئی تھیں اور اگر وہاں ان تینوں کے سوا کوئی اور موجود تھا تو اسے لازمی طور پر سڑک کے دوسرے کنارے پر کھڑی ہوئی گاڑیوں میں سے کسی ایک کے ذریعے میرے تعاقب میں روانہ ہو جانا چاہئے تھا مگر شاید وہاں ان تینوں کے سوا کوئی اور شخص موجود ہی نہیں تھا۔

دو ڈھائی میل آگے نکل آنے کے بعد میں نے ویران اور [illegible]

[illegible] پر رخ بدلا اور ایک ساحلی چوکی کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں کسی بھی چوکی کے نمودار ہونے سے قبل جلد از جلد اپنا ادھورا کام مکمل کرنا چاہتا تھا۔

میرا کام مکمل ہو چکا تھا۔ اس حادثے کا کوئی گواہ زندہ نہیں تھا۔ زہریلی سوئیوں کے ذریعے میں نے ان کی ہلاکت کو یقینی بنا دیا تھا۔

میں بیوک میں تیزی کے ساتھ شہر واپس روانہ ہو گیا۔ سارا کام میری توقع سے زیادہ آسانی کے ساتھ نمٹ گیا تھا اور میں بچے ہوئے دستی بم شکریے کے ساتھ اسے واپس کر سکتا تھا۔

بن غازی کی طرف لوٹتے ہوئے سب سے پہلے میں نے اس شاہراہ کو ترک کر کے راستہ تبدیل کیا جو مصر کی طرف جاتی تھی۔ اس کے بعد بیوک ان گلیوں میں پھنس گیا جب کار نالی سے نکلنے کے بعد میں دوبارہ سڑک پر آیا تو میں نے ایک سنسان مگر آباد علاقے میں گاڑیوں کے درمیان بیوک پارک کر دی۔

اس جگہ روشنی ناکافی تھی اور کسی بھٹکے بھٹکے آدمی کے لئے بیوک کی طرف متوجہ ہونے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

انجن بند کر کے میں اگلی سیٹ کے پائیدان میں دبک گیا۔

میں نے اسی حالت میں کئی گھنٹے دھڑکتے دل کے ساتھ گزارے باقی رات گئے میری مشکوک نقل و حرکت کہیں بھی میری موت کا باعث بن سکتی تھی۔

صبح کے پہلے آثار نمودار ہوتے ہی میں پوری احتیاط کے ساتھ پائیدان سے نکل کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا اور پھر بیوک وہاں سے روانہ ہو گئی۔

بن غازی کے لوگ سحر خیز تھے اور ان کی یہ عادت اس وقت میرے لئے بہت کارآمد ثابت ہوئی تھی سڑکوں پر چھایا ہوا رات کا سکوت ٹوٹ چکا تھا اور اکا دکا گاڑیاں سڑک پر رواں دواں تھیں جن کے درمیان میں خود کو چوری کی اس کار میں بھی محفوظ سمجھ رہا تھا۔

بن غازی کے ایک مانوس علاقے میں پہنچ کر میں نے بیوک پارک کر دی۔ وہاں سے روانہ ہوتے ہوئے میں نے سرسری نظر سے اس کے اگلے حصے کا جائزہ لیا اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ فولادی بمپر پر بنی ہوئی اس کار پر اس زبردست تصادم کا کوئی قابل ذکر نشان نہیں ہوا تھا۔

حامد العزیز کے سکھائے ہوئے اصول پر عمل کرتے ہوئے میں تین میل پیدل چل کر جب ہاشم کے گھر پہنچا تو صبح کے ساڑھے سات بج رہے تھے۔

وہ مجھے اپنے دروازے پر زندہ و سلامت دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"سنا تھا کہ تم آج بن غازی سے نکل گئے ہو؟" اس نے مجھے اندر لے جاتے ہوئے میرا شانہ دباتے ہوئے سوال کیا۔

"تم نے کہاں سے سن لیا ہے؟"

"صبح سے متعدد بار ریڈیو سے اعلان نشر ہو چکا ہے ایک مرتبہ خبروں میں تفصیلی ذکر آیا تھا۔" اس نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ میرا منصوبہ کامیاب رہا ہے۔" میں نے صورت حال سے لطف اندوز ہوتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"کامیاب ہے؟" وہ حیرت سے بولا "اب تو وہ صاف طور پر تمہارا نام لے رہے ہیں کیا بات ہے کہ تم نے تین افراد کو اپنی کار سے کچلا تھا؟"

"چار" میں نے اس کی تصحیح کی "چوتھا ایک تربیت یافتہ کتا تھا......"

"خبر کے مطابق تم نے انہیں کچلنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ بن غازی کی حدود سے نکلنے سے قبل ان کے جسموں میں اپنا مخصوص ہتھیار بھی پیوست کر دیا تاکہ ان میں سے کوئی زندہ نہ بچے" اس نے کہا "انہیں تمہارا سراغ مل گیا ہے اور تم اسے اپنی کامیابی قرار دے رہے ہو۔"

"مجھے حادثے کے علاقے سے یہی پتہ چلے گا کہ قاتل بن غازی سے فرار ہو کر ڈیڑھ دو میل آگے نکلنے کے بعد واپس لوٹ آیا ہے یہ بات کوئی نہیں جانتا، میں، تم اور حامد العزیز کے سوا کوئی نہیں جانتا" میں نے تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر دراز ہوتے ہوئے کہا "اگر میں واقعی آگے نکل جاتا تو زیادہ دور نکلنے سے پہلے ہی دھر لیا جاتا۔ اب میری واقعی تلاش کے سلسلے میں وہ بن غازی کو بھول جائیں گے اور اپنی ساری توجہ مشرقی شہروں پر مرکوز کر دیں گے۔ میں نے انہیں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ میں ساحلی شاہراہ کے ذریعے بیدا اور درنہ سے ہوتا ہوا طبرق پہنچنا چاہتا ہوں جہاں سے سڑک یا ریل کے ذریعے مصر میں داخلہ ممکن ہے اور میں اپنی اس کوشش میں کامیاب رہا ہوں۔"

"تمہارے منصوبوں کی تہہ تک پہنچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔" وہ ستائش آمیز لہجے میں بولا "جو کام تم مجھ سے لینا چاہتے تھے میرے انکار کے بعد تم نے خود کیا ہے اور اب تم مصطفیٰ المرزوقی کی حیثیت سے کسی بھی وقت یہاں سے قاہرہ کے لئے بلا خوف و خطر پرواز کر سکتے ہو۔"

"اس کے علاوہ میرے پاس کوئی متبادل راستہ نہیں تھا۔" میں نے ملول سا لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارے سامنے میں نے تین ناگہانی قتل کئے ہیں، جو سزا چاہو دے سکتے ہو۔"

"ان میں دو اسکاٹ لینڈ یارڈ کے ماہر تھے اور تیسرا بھی ان ہی میں سے ایک تھا انہوں نے اس راستے کو سب سے اہم قرار دیا تھا۔" اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"ان کی روحوں کو مسرت ہوگی کہ میں نے ان کے اندازوں سے سرمو بھی انحراف نہیں کیا۔"

"تم بن غازی سے فوراً نکل جاؤ۔"

"جب تک تمہاری زبان سے ایئرپورٹ سے نگرانی کے خاتمے کی خبر نہ سن لوں، ایسی حماقت نہیں کرسکتا۔"

"وہ کار کہاں چھوڑی تھی؟"

"مشرق کے نزدیک۔" میں نے جواب دیا۔ "کیا تمہیں علم ہو گیا تھا کہ میں نے پچھلی گلی سے ہی کار اٹھائی تھی؟"

"رات کے پیچھے ہی سب کو علم ہو گیا تھا۔" وہ بولا۔ "کار والے کو اپنی حاملہ بیوی کو ہسپتال لے جانے کے لئے کار کی ضرورت پیش آئی تو اس کی بیوک غائب تھی۔"

"حاملہ بیوی!" میں بے اختیار زور سے ہنس پڑا۔ "قدرت بھی مہربان معلوم ہوتی ہے۔ جب تک اسے اپنی بیوی کی طرف سے بے فکری نہ ہوگی، شاید وہ پولیس کو رپورٹ بھی نہیں دے گا۔ یہ بہت اچھا ہوا۔"

وہ میرے تبصرے سے بہت محظوظ ہوا اور پھر میرے لئے خورد و نوش کا بندوبست کرنے میں مصروف ہو گیا۔

رات بھر کا جاگا ہوا تھا اور پیٹ میں نے ڈٹ کر کھانا شروع کر دیا تھا پھر گندم کے خاتمے نے تو مجھے براہ راست بستر ہی پر پہنچا دیا۔

شام کو چھ بجے میں بیدار ہوا تو ہاشم ٹیلی ویژن پر ایک پروگرام دیکھنے میں مصروف تھا۔ میں تازہ دم ہو کر نشست گاہ میں پہنچا، تو وہ ہنس پڑا۔

"کئی مرتبہ چاہا کہ تمہیں جگا دوں لیکن چھیڑنے کی ہمت نہ ہوئی۔"

"ایسے دل گیا ہوا تھا؟" میں نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"تمہارے بارے میں ٹیلی ویژن پر نصف گھنٹے کا خصوصی پروگرام تھا۔"

"واقعی؟" میں چونک پڑا۔

"ہاں۔" وہ بولا۔ "تمہاری کئی تصاویر بھی مختلف زاویوں سے پیش کی گئیں۔ بن فاری سے بیروت جانے والی ساحلی شاہراہ کے شہروں اور مضافاتی قصبات کے رہنے والوں کو صندل علی نامی خوفناک اور پیشہ ور قاتل سے خبردار کرتے ہوئے اس کی گرفتاری میں تعاون کی اپیل بھی کی گئی تھی۔"

"میری تصاویر تو انہیں اسرائیل ہی سے ملی ہوں گی۔" میں نے وثوق سے کہا۔

"ہاں، پرانی ہی معلوم ہو رہی تھیں۔ اسکاٹ لینڈ یارڈ والوں نے اپنے طور پر تمہارے خلاف اسرائیل سے خاصا مواد حاصل کیا ہے۔ لیکن ایک بات ہے کہ ٹیلی ویژن پر تمہاری تصاویر دیکھنے والا کوئی بھی شخص اس وقت تمہیں صندل علی تسلیم نہیں کرسکتا۔"

"بڑی خوشی کی بات ہے۔"

"مشکل حالات میں تمہاری حاضر دماغی دیکھ کے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ تم نے بچپن ہی سے بہت سخت زندگی گزاری ہے۔" چند لمحوں تک خاموشی سے میری طرف دیکھتے رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"کاش کہ میرا تابناک بچپن پھر لوٹ آتا۔" اس کے بعد ایک ہی موٹر کے حادثے میں سب پیچھے رہ گئے۔ والدین کا ایسا لاابالی تھا جس نے زندگی کو ہمیشہ ہنستے مسکراتے دیکھا تھا۔ میری شخصیت کی جو بھیانک تباہی اس کے بعد ہوئی ہے وہ سب کو معلوم ہے۔"

"شخصیت کی تباہی!" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ تم مختصر سی مدت میں ہی تجربات کی بھٹی میں تپ کر کندن ہو گئے ہو۔"

"تم جو چاہو کہہ لو، مگر میں اپنی ذات سے شرمندہ رہتا ہوں۔" میں نے اداس لہجے میں کہا۔

"آخر کیوں؟" وہ مصر ہو گیا۔

"قتل و خونریزی خواہ کیسے ہی بدترین حالات میں کی جائے کبھی سرخروئی کا باعث نہیں بنتی۔ انسانی لہو کی حرمت کو پامال کرنا ایک گھناؤنا جرم ہے اور میں پے در پے اس کا ارتکاب کرتا رہا ہوں۔ شاید تم یقین نہ کرو کہ بعض اوقات مجھے اپنے بدترین حریفوں کو قتل کر کے بھی ملال ہوتا ہے۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان جیسی باتیں؟ میں تو سمجھا تھا کہ تمہارا تعلق عام آدمیوں سے ماورا کسی ایسی جنس سے ہے جس میں نرمی کی انتہا ہے اور نہ قہر کی کوئی تھاہ۔"

"میری ذات کو موضوع نہ بناؤ برادر۔" میں نے شکستہ لہجے میں کہا۔ "ایک ایک لفظ پر میرا دل دکھتا ہے۔ اگر کبھی میں نے اپنے تجربات کو قلم بند کیا تو اس میں میری ندامت کا اعتراف سب جزئیات پر حاوی ہوگا۔"

"اور اس کہانی میں میرا ذکر ہوگا؟" یک بیک اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"اس کے بغیر شاید کہانی مکمل ہی نہ ہو سکے گی۔" میں ہلکے ہوئے انداز میں مسکرا دیا۔

"اس کی ایک نقل مجھے ضرور بھیجنا۔ میں اسے عربی میں ترجمہ کرا کے بیروت سے شائع کراؤں گا تاکہ ہمارے بعد والوں کو بھی پتہ چل سکے کہ ہم نے کیسے کٹھن حالات میں فلسطین کے لئے کیا کچھ کیا تھا۔"

"تم یہ بتاؤ کہ باہر نکلے تھے؟" میں نے سوال کیا۔

"پہلے وعدہ کرو، پھر بتاتا ہوں۔"

اور میں نے اس سے وعدہ کر لیا۔

نگرانی کہانی کا آغاز کرتے ہوئے مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔ چند روز قبل مجھے اپنا وعدہ یاد آیا تو میں نے اسے بیروت کے پتے پر ایک خط لکھا جہاں سے آج ہی ہاشم کی بیوہ کا جذبات سے لبریز ایک خط آیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہاشم الاحمد العیاج کئی برس پہلے اسرائیلی جنگی کشتیوں کے ایک بحری حملے میں مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا۔ خدا اس کی مغفرت کرے۔

بہرحال ہاشم سے کیا ہوا اپنا وعدہ میں نبھا سکا یا نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ میرے اقرار کے بعد اس نے بتایا کہ وہ دوپہر میں شہر کا جائزہ لینے نکلا تھا اور اس نے ایئرپورٹ محفوظ پایا تھا کیونکہ وہاں سے تربیت یافتہ کتوں کو ہٹا لیا گیا تھا۔

اس نے اپنے وسائل کے ذریعے کھوج نکالا تو اسے علم ہوا کہ بن فاری سے بیروت تک بہت بڑے پیمانے پر میری تلاش شروع کی جا چکی تھی۔ بن فاری اور ریاحنیہ کے ماہر سراغ رسانوں کے علاوہ لیبی فوج کے تربیت یافتہ سپاہی پھیلا دیے گئے تھے جبکہ بحریہ کی کشتیوں نے مصری حدود تک پوری ساحلی پٹی کی ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ اس پر مستزاد بری فوج کے دستے بیروت کا رخ کرنے والی شاہراہ سے جنوب میں پھیلے ہوئے بنجر ریگستان تک کے چپے چپے کی تلاشی لے کر صندل علی کو تلاش کر رہے تھے۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے ہاشم نے اگلی صبح روانہ ہونے والی پرواز پر میرے لئے قاہرہ کی نشست محفوظ کرا لی تھی۔ حالات کچھ ایسے تھے کہ کسی سے مدد لینے کے بعد بھی مجھے اگلی صبح تک کسی تبدیلی کا امکان نہیں تھا۔ لہٰذا وہ لیبیا میں ہمارے اشتراک کی آخری رات تھی۔

اس رات ہم دونوں نے مکان کے تمام دروازے اندر سے مقفل کر کے خوب شراب نوشی کی۔ اس دوران میں شراب کو بے لگام ہو کر فیصلے کی اجازت نہیں دی مگر اس کے باوجود ہم دونوں نے ایک دوسرے کے سامنے ایسے ایسے اعترافات کیے جنہیں شاید کوئی قلم بھی دہرانا پسند نہ کرے۔ معلوم ہو رہا تھا جیسے دو قریب المرگ راہب اپنے گناہ بخشوانے کے لئے ایک دوسرے کے سامنے اپنے گناہوں کا کھلے دل سے اعتراف کر رہے ہوں۔

جب ہاشم کی زبان کے لئے الفاظ کو سنبھالنا مشکل ہو گیا تو میں نے بوتل سنبھال لی اور اسے خالی کر کے مسہری کے نیچے لڑھکا دیا۔

ہاشم تھوڑی دیر بعد سو گیا مگر میں نیم مدہوشی کے عالم میں جاگتا رہا۔ میرے تصور کے سامنے عجیب عجیب انسانی اور حیوانی ہیولے رقص کر رہے تھے۔ انسانی ہیولا اپنے تمام کرتب دکھانے کے بعد سپاہی کے روپ میں ڈھل کر خوفناک انداز میں مسکرا دیتا تھا اور حیوانی ہیولے کالے ہو کر چلتے ہوئے خونخوار کتوں کے روپ میں اپنی گز بھر لمبی زبانیں باہر لٹکائے میری طرف لپکتے تھے۔

آخر نیند کے غلبے کا احساس کر کے میں بستر پر ڈھیر ہو گیا۔ میں نے ہاشم کو جگانے کی بہت کوشش کی مگر وہ خمار کے عالم میں اتنی گہری نیند سو رہا تھا کہ بار بار بھی جواب نہیں دیا۔

خمار کا اثر مجھ پر بھی طاری تھا جس کے باعث صبح کچھ دیر سے آنکھ کھلی اور مجھے عجلت سے باتھ روم کی طرف بھاگنا پڑا۔

روانگی سے قبل میں نے ایک بار پھر اسے بیدار کرنے کی ناکام کوشش کی اور آخر کار اپنے سوئے ہوئے دوست کی پیشانی پر بوسہ دے کر باہر نکل آیا۔

میں مقررہ وقت سے ذرا پہلے ہی ایئرپورٹ پر پہنچ گیا۔ وہاں ٹیکسی سے اترتے ہی میں نے قرب و جوار کا جائزہ لے ڈالا۔ یہ ٹیکسی میں نے ذہن میں رکھ کر رقم لوٹنے کے بہانے حاصل کی تھی۔

حقیقت یہ کہ وہاں کے بارے میں ہاشم کی فراہم کی ہوئی اطلاعات درست تھیں ورنہ میں طے کر چکا تھا کہ کہیں بھی کوئی پالتو کتا نظر آ گیا تو کوئی خطرہ مول لئے بغیر اسی ٹیکسی سے واپس روانہ ہو جاؤں گا۔

ہاشم نے میرے لئے کھلا ٹکٹ لیا تھا۔ میں نے پاسپورٹ دکھا کر کاؤنٹر پر ٹکٹ کے اندراجات درست کرائے اور تھوڑی دیر بعد مجھے بورڈنگ کارڈ مل گیا۔

روانگی کا وہ مرحلہ بخیر و خوبی گزر گیا۔ تلاشی کے بارے میں مجھے کوئی فکر نہیں تھی۔ میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ بس جیبوں میں زہریلے تیر پھینکنے والی دو شیشیاں تھیں جو بظاہر کپڑوں پر سے دھبے صاف کرنے والے بے ضرر محلول پر مشتمل تھیں۔

اگلا مرحلہ تلاشی کا تھا جس کے بعد مجھے اس مسدود حصے میں جانے کی اجازت مل جاتی جہاں روانہ ہونے والے مسافر بٹھائے جاتے ہیں۔

مسافروں کا دستی سامان کلوزڈ سرکٹ ٹیلی ویژن کیمرے سے منسلک صندوق میں سے گزارا جا رہا تھا اور ایک ماہر اسکرین پر اندرونی سامان کا معائنہ کر رہا تھا۔ اس مرحلے سے فراغت کے بعد مسافر دھات کا سراغ لگانے والی الیکٹرانک مشین سے گزرتے تھے اور آخر میں ایک گارڈ جسم کے مختلف حصوں پر پھرتی سے ہاتھ پھیر کر مسافر کے بارے میں پوری طرح اطمینان کرتا تھا۔

میں دستی سامان جانچنے والے کاؤنٹر کی طرف بڑھا ہی تھا کہ ایک تیز آواز سن کر میرے قدموں کی جان نکل گئی۔

"کھولو اس میں رقم معلوم ہوتی ہے۔" کاؤنٹر والا اپنے سامنے کھڑے ہوئے عرب مسافر کو ڈانٹ رہا تھا۔

"اس میں تین ہزار ڈالر ہیں۔" مسافر نے اپنا بیگ لیتے ہوئے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔

"انہیں لے جانے کا اجازت نامہ ہے؟"

"نہیں، مگر ......"

"اگر مگر مت کرو۔" وہ غرایا۔ "خصوصی اجازت کے بغیر تم یہاں سے دو سو دینار سے زیادہ رقم باہر نہیں لے جا سکتے۔ تم نے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کرنسی باہر اسمگل کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"یہ ضبط کرلی جاتی ہے۔ اگر تم شریف ہو تو رسید لے لو، واپسی پر پیسہ مل جائے گا۔"

کاؤنٹر والا تکنیک آمیز انداز میں جس وپائے بورڈنگ کارڈ واپس کر دو۔ تم فیصلہ ہونے تک کلاک سے باہر نہیں جا سکتے۔"

"مجھ میرا آگاہ ہو جانا ضروری ہے۔" وہ غرشا رانہ لہجے میں بولا۔ "میں رقم دینے جانے پر تو اصرار نہیں کر رہا۔ وقت ضائع مت کرو......"

بے زحمتا تیجے میں کاؤنٹر والے کے کیجے ہوئے یہ الفاظ سننے کے لیے میں وہاں نہیں رکا۔

میسٹر بریف کیس میں مختلی ایوسف سے حاصل کی ہوئی ہزاروں دینار کی رقم موجود تھی جو میرے لئے مصیبت کا باعث بن سکتی تھی، لہذا تلاشی لینے سے قبل اسے جیسا کہ حاصل کرنا ناگزیر تھا ورنہ تلاشی کے ہر مرحلے پر جواب دہی مشکل ہو جاتی۔

میں چہل قدمی کے انداز میں ٹرانزٹ روم کی طرف چلا یا اور دروازہ بند کر کے تیزی سے بریف کیس کا جائزہ لینے لگا۔

اس میں کرنسی کے علاوہ جو اشیاء موجود تھیں وہ میں نے چند منٹ کے ساتھ اپنی جیبوں میں منتقل کیں اور بریف کیس سے ایراتی کا ٹیگ نکال کر باہر پھینک دیا۔ اس طرح صرف اس بریف کیس کی مدد سے اس کے مالک کا سراغ لگانا ناممکن تھا۔

جہاز کی پرواز میں ابھی خاصا وقت باقی تھا اور میں بریف کیس سے ایسی ہوشیاری سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا کہ طیارے کی پرواز تک وہ لاوارث بریف کیس کسی کی نگاہوں میں نہ آسکے۔

میں نے وسیع ہال میں ایک آرام دہ کرسی پر جا بیٹھا اور تنہائی سے اخبار اٹھا کر اس کا مطالعہ کرنے لگا۔ میرے قریب ہی ایک خوش پوش مقامی بوڑھا صاحب پہلے ہی اخبار کے کوئی رسالہ پڑھنے میں مصروف تھا۔

میں نے بوڑھے کی اپنی طرف سے غافل پاکر اپنا بریف کیس آہستہ سے کرسی کے نیچے سرکا دیا اور خود اخبار کی سرخیاں دیکھنے لگا۔

چند منٹ تک انتظار اور اگلی پرواز کے اعلانات کے درمیان اخبار پڑھنے کے بعد میں خالی ہاتھ وہاں سے اٹھا اور ایک طرف چل دیا۔

مگر میں چند قدم بھی نہیں گیا تھا کہ عقب سے ایک ہاتھ میرے شانے پر جم گیا۔

میں مڑ کر دیکھا تو وہی بوڑھا میرے پیچھے موجود تھا، میرا بریف کیس اس کے داہنے ہاتھ میں لٹکا ہوا تھا۔

"یہ تم وہیں بھول آئے تھے۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "یہ جیسے بوڑھے کے لئے بہت وزنی ہے۔"

میرا جی تو یہ چاہا کہ ایک مکا مار کر اس آسانی زادہ بڑھے کی کھوپڑی چٹخا دوں لیکن صورت حال کی نزاکت کے تحت شکریہ ادا کر کے بریف کیس اس سے لے لیا۔

"سونا تو نہیں بھرا اس میں؟" بریف کیس دیتے ہوئے بوڑھے نے

رازدارانہ لہجے میں مذاق کرنے کی بھونڈی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اس میں بیش قیمت کتابیں ہیں جو آسانی دستیاب نہیں ہو سکتیں۔" میں نے اپنے کھولتے ہوئے خون کو قابو میں رکھتے ہوئے زبردستی مسکرا کر کہا اور وہاں سے آگے چل دیا۔

ایک کوشش ناکام ہو چکی تھی اور اب مجھے اس نا گوار بوجھ کے لئے کوئی دوسرا ٹھکانا تلاش کرنا تھا۔

کچھ دیر تک ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد آیا مجھے وہ ٹوائلٹ روم یاد آیا جو ٹرانزٹ روم کے قریب طیارے کا میں رکھا ہوا تھا۔

میں دوبارہ اسی طرف ہو لیا۔ ٹوائلٹ سے ایک آدمی کو نکلتے دیکھ کر میں نے اپنی رفتار سست کر دی اور جب میں اس مختصر سی طیارے میں داخل ہوا تو وہ ویران پڑی ہوئی تھی۔

میں نے پھرتی سے بریف کیس ڈسٹ بن پر پھینک دیا، بریف کیس کے بوجھ سے ڈسٹ بن کا ڈھکن اندر دبا اور میرا بیش قیمت بریف کیس ہلکی سی آواز کے ساتھ اندر موجود کچرے میں جا گرا اور ڈھکن اسپرنگ کے زور سے اچھل کر دوبارہ اپنی جگہ واپس آگیا۔

ہال میں گھستے ہی دوبارہ اسی بڑھے سے سامنا ہو گیا وہ ایک قد آدم آئینے کے سامنے کھڑا اپنے دانتوں کا جائزہ لے رہا تھا جن پر شاید مصنوعی تھے۔

میں اسے نظر انداز کر کے آگے نکل جانا چاہتا تھا مگر وہ میرے سامنے آگیا۔ "تمہارے ہاتھ خالی ہیں برادر! معلوم ہوتا ہے پھر کہیں بھول آئے۔" اس کا دھیما لہجہ بزرگانہ ملامت کا رنگ لئے ہوئے تھا۔

"تمہارے کہنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ وہ واقعی بھاری تھا۔" میں نے خود پر زبردستی خوش اخلاقی طاری کرتے ہوئے کہا۔ "اسی لئے میں نے اسے اپنے سامان کے ساتھ ڈال دیا۔"

"بہت اچھا کیا۔" وہ خوش ہو گیا۔ "آج کل کے نوجوان حد سے زیادہ بھول بھلکڑ ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر تم ایسا نہ کرتے تو کہیں نہ کہیں ان قیمتی کتابوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ ویسے تم جا کہاں رہے ہو؟"

"جہاں مقدر لے جائے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر بے دلی سے کہا اور تیزی سے آگے کی طرف چل دیا۔

"عجیب لڑکے ہیں آج کل کے۔" مجھے اپنے پیچھے بوڑھے کی بڑبڑاہٹ سنائی دی۔ "ہمدردی کرو تو اکتا جاتے ہیں۔ اللہ کے ملک پر بھوکے دو آور ہو گئے ہیں۔"

میں واپس پہنچا ڈر کرنسی اسمگل کرنے کے الزام میں پھنسا ہوا شخص کسی باوردی افراد میں گھرا ہوا تھا۔ اس کے چہرے کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا شاید کسی نے اسے ممکنہ سزاؤں سے باخبر کر دیا تھا۔

میں اپنی ذاتی تلاشی کے دوران ہر طرح سے گھر کر تیار بیٹھا تھا لاؤنج میں پہنچا تو جہاز کے مسافر ابھی تک وہاں موجود تھے۔

پندرہ منٹ بعد مسافروں کو طیارے میں سوار کیا جانے لگا، اس وقت طیارے کے نچلے حصے میں سامان لادا جا رہا تھا۔

طیارے میں مجھے لڑکی کے قریب ہی نشست ملی اور چند منٹ بعد میرے برابر والی نشست پر خوشبوؤں میں بسی ہوئی ایک خوبرو اور سبک اندام لڑکی پرسکون اور محتاط انداز میں آ بیٹھی۔

پرواز شروع ہونے تک خاموشی برقرار رہی۔ اس کی طرف سے پہل کی توقع تو خیر بے سود ہی تھی مگر مجھے بھی کوئی موقع نہ مل سکا البتہ جب پرواز معمول پر آنے کے بعد تمباکو نوشی کی ممانعت کی روشن ہدایات معدوم ہوئیں تو مجھے موقع مل گیا۔

"خاتون اگر آپ برا نہ مانیں تو میں تمباکو نوشی کر لوں؟" میں نے مؤدب لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"مجھے سگریٹ کے دھوئیں سے سخت نفرت ہے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ اپنی دانست میں اس نے مجھے منع ہی کیا تھا۔

"مجھے افسوس ہے پھر آپ کسی اور خالی نشست پر چلی جائیے۔" اس کا گھمنڈ دیکھ کر میں نے نرم لہجے میں ایک سخت مشورہ دے ڈالا۔ "میں سگریٹ سلگانا چاہ رہا ہوں۔"

اس نے مجھے پھاڑ کھانے والی نظروں سے دیکھا مگر منہ سے کچھ نہ بولی اور نہ ہی وہ نشست چھوڑنے پر آمادہ نظر آئی۔

چند سیکنڈ کے توقف کے بعد میں نے سگریٹ سلگا لی اس نے ایک بار اضطراب کے عالم میں پہلو بدلا، گو تیوری پر بل پڑنے لگے مگر میں نے اس پر توجہ دینے کی کوئی زحمت نہیں کی۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟" کچھ دیر بعد اسی نے سوال کیا۔

"تاہرہ سے پہلے تو کہیں نہیں اتر سکتا۔" میں نے بے رخی سے جواب دیا۔ اور اس کے چہرے سے ٹوٹتے ہوئے چٹخے تلووں پر نے حقیقتاً زندگی چل گئی۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ مسکرانے والے حسین چہروں کی مسکراہٹ کس قدر حسین اور خطرناک ہوتی ہے۔

"میں بھی معلوم کرنا چاہتی تھی کہ راہ میں ہی اتر جاؤ گے یا آگے تک ساتھ دو گے؟"

"اگر تم چاہو تو آگے بھی جا سکتا ہوں۔" اس کی ذات پر چڑھا ہوا خمار چلے جانے کے بعد میری ہمت بندھ گئی۔

"تو کیا بے مقصد سفر کر رہے ہو؟" اس نے انجان بن کر معنی خیز سوال کیا۔ وقت گزاری کے لئے شاید اس نے مصالحت اختیار کر لی تھی۔

"ہم سفر اچھا ہو تو آدمی منزل اور مقصد دونوں کو ہی بھول جاتا ہے۔" اسی دوران قریب سے گزرتی ہوئی ہوسٹس کو روک کر شراب طلب کی، دوسرے نے بھی اپنے لئے فرمائش کر ڈالی۔

"کمال ہے کہ تم شراب پیتی ہو!" ہوسٹس کے چلے جانے کے بعد میں نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"اور تم نے جو سنگرانی ہے؟"

"تمہاری پیروی کی ہے ورنہ تمہاری رفاقت میں کسی اور شے کا تصور نامناسب سا ہے۔"

"آہستہ بولو۔" وہ جھینپتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "جہاز کے کپتان کو تمہارے خیالات کی بھنک بھی مل گئی تو کوئی بعید نہیں کہ وہ دروازہ کھول کر دوران پرواز ہی ہزاروں فٹ کی بلندی سے نیچے بے تہ سمندر میں پھینک دے گا تمہیں۔"

"وہ تمہارا کون ہے؟"

"ابھی پتہ چل جائیگا۔" وہ دلفریب انداز میں مسکرائی۔ "یہ اس کی ریٹائرمنٹ سے قبل آخری پرواز ہے اور اسے وہ یادگار طریقے پر اختتام تک پہنچانا چاہتا ہے۔"

"کہیں تمہارا یہ مطلب تو نہیں کہ تم کپتان ہی جا کر اس کے ساتھ کسی جشن میں شرکت کرو گی؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"خاصے سمجھدار ہو۔" وہ چمکیلے انداز میں مسکراتی۔ "میں اس کی ذاتی ہوسٹس ہوں خاص طور سے سوار ہوئی تھی۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس وقت کوئی دوسری بس کے ساتھ ہو گیا ہو [illegible] کے بارے میں معلومات میں اضافہ ہونے کے ساتھ ہی میری دلچسپی بڑھنے لگی۔

"وہ شراب پینے بغیر عیاشی کا قائل نہیں ہے۔" لڑکی غالباً اس طرح مجھے اپنے حسن کی خریداری سے باخبر کر کے اپنی ناکامی [illegible] کر رہی تھی۔

"مسافروں کا کیا ہو گا؟"

"اس کا نائب اپنے کام پر پوری دسترس رکھتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ اب تک نشے میں دھت ہو۔"

وہ طنزیہ انداز میں ہنس پڑی۔ "لیبیا کے شہری ہوابازی کے حکام بہت سخت گیر ہیں۔ فنی تو درکنار، اگر اس کے منہ سے شراب کی بو بھی آرہی ہوتی تو بنغازی ہی پر طیارہ معطل کر کے اسے گرفتار کر لیا جاتا۔ عیاشی کی ابتدا تو لیبیا کی سرزمین چھوڑنے کے بعد کھلے آسمان میں ہو گی۔"

"تمہارا تعلق کس ملک سے ہے؟" میں نے ایک گہرا سانس لے کر دریافت کیا۔

"فلسطین سے۔" اس نے اپنا پیالہ خالی کرتے ہوئے کہا اور اس کے ان دو الفاظ سے مجھے شدید ذہنی صدمہ پہنچا۔

مگر چند منٹ بعد جب اس کے نام کا انکشاف ہوا تو میری حیرت صادق رہی۔ عقیدے کے اعتبار سے وہ پروٹسٹنٹ عیسائی تھی اور اس کے نزدیک آزاد روی کوئی سنگین اخلاقی جرم نہیں تھا۔ یوں کہ میری ذہنی کوفت میں خاصی کمی واقع ہوئی ورنہ اس سے قبل تو میں

فلسطینی کا ذکر آتے ہی یہ نتیجہ اخذ کر لیتا تھا کہ وہ یقیناً مسلمان ہوگا۔

"اپنے وطن کے بارے میں تمہارے کیا احساسات ہیں؟" موقع ملتے ہی جانے کیوں میں نے اس پہلو کو بھی چھیڑ دیا۔

"تم شاید فلسطین کی بات کر رہے ہو؟" وہ محتاط انداز میں بولی۔ "شروع سے قائم ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ کسی جگہ کا نام یا حکمران بدل جانے سے اس جگہ کی تاریخ اور ماہیت نہیں بدل سکتی۔ ہو سکتا ہے کہ آج وہاں اسرائیل ۔۔۔۔ حکمران ہیں تو کچھ عرصے بعد مسلمانوں یا عیسائیوں کو یہ موقع مل جائے۔"

فلسطین کے حوالے سے مفتی ابو یوسف کا مالک جو تنہا جوت جگائے والا پہلا عیسائی تھا، مگر اس سے کسی گفتگو کی نوبت ہی نہ آ سکی اور دوسری وہ لڑکی تھی جو فلسطینی تحریک کے بارے میں شاید اپنے طریقے کے خیالات کا اظہار کر رہی تھی۔

"تمہاری دانست میں یہودی تسلط قابل اعتراض نہیں ہے؟"

"فلسطین مسلمانوں کو مل جائے تو تمہارے لیے کیا فرق پڑے گا۔ وہ سرو مہری سے خالص دو ٹوک باتیں کر رہی تھی۔ "یا سر عرفات کو اقتدار مل جانے سے بھی ہمارے لیے حالات ویسے ہی رہیں گے۔ میں تو اس تحریک کو اقتدار کی جنگ سمجھتی ہوں جسے بدقسمتی سے مذہب کی آڑ میں پروان چڑھایا جا رہا ہے۔"

میرے منہ سے حلق تک تلخی سرایت کر گئی۔ اس لڑکی کی گفتگو نہایت زہریلی اور تعصب آمیز تھی۔ اور اسی کے ساتھ میرے ذہن میں لبنان میں ہونے والی وہ چھوٹی بڑی خانہ جنگیاں بھی تازہ ہو گئیں جن کے نتیجے میں تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد سیکڑوں مسلمان اور عیسائی مارے جاتے تھے اور ایسے ہر موقع پر اسرائیل کے بحری دستے جنگی کشتیوں سے لبنانی ساحلوں پر اتر کر عیسائی فوجوں کو دست گیری کیا کرتے تھے۔

مگر اس لڑکی سے گفتگو زیادہ تلخ نہ ہو سکی کیونکہ ایک ائیر ہوسٹس نے پر شاید اسے پہچانتی تھی، قریب آ کر اسے سرگوشی میں کوئی پیغام دیا اور وہ عجلت میں اٹھ کر چلی اور دونے در پیچ کو تیلی والی کرنے جو ری پردے کے عقب میں غائب ہو گئی۔ شاید اس کے آشنا نے اسے طلب کر لیا تھا۔

میں نے اپنی نشست کی پشت گاہ پیچھے ڈھلکائی اور ذہن میں چلنے والی آندھیوں سے نجات پانے کے لیے ایک اخبار کا جائزہ لینے لگا۔

تقریباً دس پندرہ منٹ بعد میں نے اکانومی کلاس میں مسافروں کو ناشتہ وغیرہ فراہم کرنے والے عملے میں ایک سر جو سی سراسیمگی دیکھی جو شاید دوسرے مسافروں کی نگاہ میں نہ آ سکی تھی۔

دو لڑکی ایئر ہوسٹس دوسری مسافر کو ناشتہ دینے گئی اور حرکت میں ہی اپنی ٹرالی کو مخصوص کیبن کی طرف غائب ہو گئیں۔

اس وقت وہ دونوں دیکھ نفسی عفریت کو اتنا کچھ تحرّک سے سوالاتی جانوں کو اپنی آغوش میں سمیٹے ہزاروں فٹ کی بلندی پر پرواز کر رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ جہاز کا کپتان اپنی آخری پرواز کو یادگار بنانے کے لیے کہیں مصروف تھا۔

میرے پورے وجود میں یک بیک کرنٹ دوڑ گیا، چیونٹیاں رینگنے لگیں اور میں نے غیر ارادی طور پر ائیر ہوسٹس کو طلب کرنے والی گھنٹی بجا دی۔

مشتعل ہو کر گھنٹی کو بجی دو بار دبانے کی بار بار کوشش کی تاہم میرے برابر کے سارے مسافروں سے حفاظت سے پسینے کی دھاریں بہہ نکلیں۔

پھر اچانک ایک ائیر ہوسٹس نمودار ہوئی۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں تھا اور طیارے کے فرش پر چلتے ہوئے اس کے قدم یوں لڑکھڑا رہے تھے جیسے وہ کسی بھی لمحے بے ہوش ہو کر نیچے ڈھیر ہونے والی ہو۔

میرے قریب آ کر وہ کسی بے جان مشینی پتلے کی طرح ساکت کھڑی ہو گئی۔

"کیا بات ہے؟ تم گھبرائی ہوئی ہو۔ کیا کوئی گڑبڑ ہے؟" میں نے اس کی طرف جھک کر کانپتی ہوئی سرگوشیانہ آواز میں سوال کیا۔

"نہیں ۔۔۔ نہیں، سب ٹھیک ہے۔" اس کی چیختی آواز بتا رہی تھی کیفیت طاری تھی جیسے وہ کوئی بھیانک سپنا دیکھ رہی ہو۔ "تم نے مجھے کیوں بلایا ہے؟"

"مجھے ناشتہ درکار ہے۔"

اس کے ہونٹوں پر یرقان زدہ سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ "چند لمحے صبر کرو۔ ناشتہ ابھی آتا ہی ہوگا۔"

اور چند منٹ بعد واقعی ناشتے کی ٹرالیاں دوبارہ نمودار ہوئیں مگر ان کے ساتھ آنے والا عملہ پریشان اور بوکھلایا ہوا تھا۔

انہیں دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ طیارے کے اندر کوئی ناگہانی آفت نازل ہوئی تھی جس پر حالات بگڑنے سے پہلے ہی قابو پا لیا گیا۔

میں ناشتے میں مصروف تھا تو میری ہم سفر لڑکی بھی آ گئی۔ آنے سے قبل شاید اس نے اپنی نوک پلک سنوار لی تھی مگر کوشش کے باوجود اس کے چہرے اور بالوں کی ترتیب میں کچھ ایسی فرق نمایاں دکھائی دیتا تھا جو کسی اندرونی کشمکش کے نتیجے میں ظاہر ہوتی ہے۔

وہ مجھ سے نگاہیں چرانے کے انداز میں خاموشی سے اپنی نشست پر بیٹھ گئی۔

"بہت جلد واپس آ گئیں؟" میں نے گفتگو کا آغاز نرم لہجے میں کرنا ہی مناسب سمجھا۔ ورنہ جانتا تھا کہ تیز لہجے کے ساتھ اس سے کچھ اگلوانا ناممکن ہو جاتا۔

"مجھے ۔۔۔۔ سکون سے ۔۔۔۔ بیٹھنے دو۔" وہ ترش آواز میں بولی۔ اس کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا اور آنکھوں میں خوف رینگ رہا تھا۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری حالت خیریت نہیں، تمہارا جسم بھی کانپ رہا ہے ایسی لڑکی؟" میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا اور میرا وار کام کر گیا۔

اس نے بے اختیار اپنا سر میرے شانے سے ٹکا دیا اور میں بے ساختہ اس کے ٹھنڈے رخسار کو سہلانے لگا۔

جب تک اس کی حالت قدرے بحال نہ ہوئی، میں اسے تسلی دلاسہ ہی دیتا رہا۔ اور وہ میرے سینے سے سر ٹکائے بے آواز سسکیاں لیتی رہی۔

تھوڑی دیر بعد اس نے اپنی نمناک پلکیں اوپر اٹھائیں اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "تھوڑی دیر قبل ہم موت کے منہ میں جاتے جاتے بال بال بچے ہیں۔"

میرے لیے وہ خبر غیر متوقع نہیں تھی، پھر بھی مجھے بے اختیار جھرجھری آ گئی۔ "کیا واقعی؟"

"فرسٹ کلاس کیبن میں ایک مسافر کے ہاتھ سے وسکی کا گلاس گر گیا تھا۔ پھر اس کی جلائی ہوئی ماچس کی تیلی سے وسکی میں بھیگی ہوئی قالین والی نشست شعلوں کی لپیٹ میں آ گئی، مگر بروقت اس پر قابو پا لیا گیا تو طیارہ اب تک شعلوں کی گیند میں تبدیل ہو کر ۔۔۔۔ سمندر میں گر گیا ہوتا۔"

"وہ کپتان تو نہیں تھا؟" میں نے معنی خیز لہجے میں سرگوشی کی۔

"ہشت، وہ بے چین ہو گئی۔" "ایسی خبر بہت نازک ہے۔ تم کہیں کپتان کا اس قصے سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔"

"مگر تمہاری کلائی کا تعویذ سارا ان جیسا ہے؟" میں نے اس کی داہنی برہنہ کلائی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"خاموش رہو۔ خدا کے لیے خاموش رہو۔" وہ شکست خوردہ انداز میں بڑبڑائی۔ وہ بھیانک منظر بار بار میری نگاہوں میں گھوم رہا ہے۔ "میں اسے ترحم آمیز نگاہوں سے گھورنے لگا۔

جہاز کے دیگر تمام مسافر ان ہولناک لمحوں سے بے خبر اپنی اپنی مصروفیات میں لگے ہوئے تھے۔ کبھی کبھار بلند آہنگ قہقہے اور ترنم آمیز آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں جن میں زندگی اپنے پورے جوش اور ولولے کے ساتھ نمایاں ہو رہی تھی۔

مجھے یقین تھا کہ فرسٹ کلاس کے بارے میں لڑکی کی سنائی ہوئی کہانی میں مسافر کا نام محض ایک بہانہ تھا۔ اول تو کسی بھی پرواز پر مسافر کو اتنی شراب فراہم نہیں کی جاتی کہ وہ اپنی ذات کو بھلا کر دوسروں کے لیے پریشانیاں پیدا کرنے لگیں اور اگر واقعی ایسا ہوا تھا تو مسافر حال اعتدال پر نہ رکھ سکنے کے باعث اس مسافر کے بارے میں کسی تیزی کا اظہار کے ساتھ ہی مسافروں کو گزرتے ہوئے خطرے سے باخبر کرنا ضروری تھا تاکہ وہ شراب نوشی کے دوران خصوصی احتیاط برت سکیں مگر کیبن کی طرف سے مکمل خاموشی اور عملے کا سہما سہما انداز یہ کچھ اور ہی کہانی سنا رہا تھا۔

طیارے میں انجنوں کا دھیما دھیما آہنی آہنگ ایک تواتر کے ساتھ گونج رہا تھا اور پرواز کسی خطرے کے بغیر جاری رہی۔

"تم کپتان کی فرسٹ کلاس میں جہاد میں سوار ہوئی تھیں؟" کچھ پل سکوت کے بعد میں نے اسے یاد دلایا۔

"کیا میں کسی دوسری نشست پر چلی جاؤں؟" اس نے پیچھے کی طرف جھکتے ہوئے غصیلے لہجے میں سوال کیا۔

"اگر جا سکو تو ضرور چلی جاؤ۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

وہ تھکے ہوئے انداز میں یوں ہنس پڑی جیسے ہنستے ہوئے بھی کسی سے خوف زدہ ہو۔ "لاؤ مجھے ایک سگریٹ دو۔"

"مگر مجھے تو سگریٹ سے سخت نفرت ہے۔"

"موت کو اتنے قریب سے دیکھ لینے کے بعد محبت اور نفرت کے سارے معیار یکسر بدل جاتے ہیں۔ اس وقت میں صرف ایک لڑکی ہوں جو عورت ہیں اور ہر قیمت پر سکون کے ساتھ زندہ رہنا چاہتی ہے۔"

"اچھا یہ بات ہے تو زندگی سے پیار ہے۔" میں نے سگریٹ سلگا کر اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"کسے نہیں ہوتا؟"

"مگر اپنی زندگی سے اتنا ہی پیار ہے تو آئندہ دوران پرواز کسی سے عشق جتانے کی کوشش نہ کرنا۔ بچھڑی ہوئی محبوبہ کو سامنے پا کر بہکا ہوا آتش کا احمق اور بھی ہاتھ کا فرق بھول کر مہک سے بے احتیاطی کر گزرتا ہے۔"

"ٹھیک ہے کچھ اور باتیں کرو۔" وہ جھرجھری لے کر بولی۔

"اچھا بس ایک بات اور بتا دو۔"

"پوچھو۔" وہ بیزاری سے بولی۔

"اس مسافر کا اب کیا حال ہے؟"

"وہ تھوڑی سی زیادہ پی گیا تھا، اسے شراب اور دوا کا انجکشن لگا دیا گیا ہے۔" اس نے مجھ سے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا۔

اس کی زبانی حادثے کی جزئیات سن کر میں نے اپنی کہانی مکمل کر لی تھی لہٰذا اس کے بعد میں نے اسے نہیں چھیڑا۔

بدقسمتی سے قاہرہ کی پرواز میری توقع سے زیادہ طویل ثابت ہوئی۔ ناشتے اور مشروبات کے برتن سمیٹے جانے کے دوران ہی کیبن میں جہاز کے نائب کپتان کی آواز گونجنے لگی۔

طیارے کی بلندی کم کی جا چکی تھی اور مراکش لائٹ پر لینڈنگ سے قبل طیارہ قاہرہ کے جنوب مغرب میں صحرا کے سینے پر پھیلے ہوئے عظیم الشان اہرام پر پرواز کر رہا تھا۔

مسافر کھڑکیوں میں سے جھانک جھانک کر ان عظیم الشان

سنگی علامتوں کو دیکھنے لگے جو صورت کی تحریر تشتی میں نیل کی کہانی ہے
کی کہانی سنا رہی تھیں۔

نیل کے مغربی کنارے پر ممفس کے کھنڈرات۔ ابوالہول کے مجسمے
اور اہراموں پر پرواز کرتے ہوئے طیارے نے دوبارہ نیل کو عبور کیا۔ پھر
الفاظ چونکہ واقعات بہت اثر انداز ہم واقعہ کی صورت میں قاہرہ کے
جنوب سے جگہ کا شاندار اسوانی ڈیم پر پرواز کرنے لگا۔

اس طیارے کے نائب کپتان نے حفاظتی بند باندھنے کی ہدایت کی
اور میں نیل کی سرزمین پر اپنے مستقبل کی تلاش میں اترنے کی تیاری
کرنے لگا۔

نیل کی وادی جو افسانوں، پراسرار کہانیوں، عظمت و جبروت اور
فسوں خیز واقعات کی سرزمین تھی میرے لیے اپنے دامن میں کچھ نئی
پہیلیاں چھپائے میری منتظر تھی۔

"تم نے اپنا نام نہیں بتایا۔" اپنا حفاظتی بند باندھتے
ہوئے اس لڑکی نے سوال کیا اور جواب کی توقع
میں میری طرف دیکھنے لگی۔

"مصطفیٰ المرزوق۔" میں نے بلا تکلف اپنا فرضی نام بتا دیا۔
"قاہرہ میں کہاں ٹھہرو گے؟"
"تو کیا تم بھی قاہرہ میں ہی اترو گی؟"
وہ ہنس پڑی۔ "یہ طیارہ برلن سے شروع ہو کر قاہرہ میں ہی ختم
ہو جاتی ہے۔"

میں نے محسوس کیا کہ کپتان سے ملاقات کے بعد واپس پر وہ جو
اس وقت لیے اوپر غالب آتے ہوئے خوف سے نجات حاصل کر سکی
تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ چند منٹ بعد طیارہ اترنے والا تھا۔
"پہلے بھی قاہرہ آتی رہی ہو؟"
"اکثر آتی رہتی ہوں۔" مریم نے مسکرا کر کہا۔
"پھر تو اس مرتبہ تم اپنے کپتان دوست کے ساتھ بہترین وقت
گزارو گی۔"
"اس کا ذکر چھوڑو۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔ "میں نے تم سے پوچھا
تھا کہ تم قاہرہ میں کہاں قیام کرو گے؟"
"میں پہلی بار قاہرہ آیا ہوں، نہ جانے کہاں ٹھکانا ملے۔ ایسا کرو
کہ تم مجھے اپنا پتہ دے دو، میں خود تم سے مل لوں گا۔"
"پتہ نہیں بتانے تو نہ بتاؤ۔" وہ خفیف لہجے میں بولی۔ "یہ نہ سمجھنا
کہ میں پہلی ہی نظر میں تم پر مرمٹی ہوں۔"
"میں حقیقت بتا رہا ہوں۔" میں نے عاجزانہ لہجے میں کہا۔
"میں قاہرہ میں اس حد تک اجنبی ہوں کہ تم چاہو تو تمہارے ساتھ رہ
سکتا ہوں۔"
"اور تمہاری قومیت کیا ہے؟" اس نے تیز نظروں سے گھورتے
ہوئے بے یقینی کے لہجے میں سوال کیا۔
"اردنی ہوں۔"
"عجیب عرب ہو۔" وہ سر جھٹک کر بولی۔ "عرب اپنے گھر سے
باہر نکلتا ہے تو قاہرہ اس کی پہلی منزل ہوتی ہے اور ایک تم ہو کہ
آدھی عمر نکلنے کے باوجود اس عظیم شہر سے ناواقف ہو۔"
میں جواب میں بس مسکرا کر رہ گیا۔

اس نے اپنے دستی بیگ میں سے قلم نکال کر کاغذ کے ایک
پرزے پر کوئی فون نمبر لکھ دیا۔ "فرصت ملے تو اس نمبر پر فون کر لینا۔ اس
وقت تک میں قاہرہ میں کسی سے بھی تو کہیں مل بیٹھیں گے۔"
"اس نمبر پر براہ راست تم سے ہی بات ہو گی؟"
"نسوانی آواز سنائی دے تو بات کرنا اور اگر مردانہ آواز مخاطب
ہو تو بات کیے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کر دینا۔"

"تو میرا خیال درست ہی تھا۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔
"قاہرہ میں بھی کپتان ہی تمہارا میزبان ہو گا۔"
"ذاتیات میں دخل نہ دو۔" اس کا لہجہ یک بیک سخت ہو گیا۔
"اگر یہی ارادہ ہے تو بہتر ہو گا کہ ہم دوبارہ نہ ملیں۔"
"میں تو ویسے ہی اپنے اندازے کی درستگی پر خوش ہو رہا تھا۔" میں نے
جلدی سے کہا۔ "ورنہ اس جہاز سے اترنے کے بعد تمہارے ذاتی معاملات
سے میرا کوئی تعلق نہ ہو گا۔"
"تم قاہرہ کیوں آئے ہو؟" یک بیک اس نے سوال کر ڈالا۔
"تاکہ قاہرہ دیکھنے کے بعد مکمل عرب کہلانے جانے کا حقدار بن
سکوں۔" میں نے مسکرا کر برجستہ جواب دیا۔

اسی اثنا میں طیارے نے اپنا بوجھ لنگر پٹے کے رن وے سے
شکر لینے والے پہیوں پر ڈال دیا تھا۔ جھٹکے سے جھٹکے کے ساتھ طیارہ رن وے پر
دوڑنے لگا۔

قاہرہ کے ہوائی اڈے پر خاصی چہل پہل تھی مگر ماحول پر عجیب
سی گھٹن طاری تھی۔ اس کی بڑی وجہ ہر جگہ موجود وہ بے فکرے مقامی
تھے جن کے پاس خاصا وقت کی کرنی تھی اور اپنی مرضی سے بیک
بیک کسی ٹولی بنا کر ہنگامے کے ساتھ اپنی بولیاں بول رہے تھے۔
مجموعی طور پر وہاں بے انتہا سستی و سست روی کا اظہار ہو رہا تھا
جیسے کسی کو وقت گزرنے کی فکر ہی نہ ہو۔ ہر شخص اپنی مرضی اور مزاج کے
مطابق کام کرنے کا عادی معلوم ہو رہا تھا اور یہی زوال پذیر معاشرے
کی سب سے بڑی نشانی تھی۔

ایک کاؤنٹر پر میں قطار میں بیٹھے ہوئے ہجوم کے پیچھے کھڑا ہوا تھا مگر کاؤنٹر
والا کلرک شخص کا پاسپورٹ ہاتھ میں تھامے بیٹھے لگا کر اپنے کسی ساتھی
سے مذاق کر رہا تھا۔ اسی اثنا میں کسی جانب سے قہوے کی تیاری کا نعرہ
گونجا اور وہ شخص حیران و پریشان مسافروں کو ان کے حال پر چھوڑ کر
اندر ہی دبلتے قہوہ نوش کرنے چلا گیا۔

تکلف تھا بہت اور کاہلی سے بیزار لوگوں سے فراغت پا کر میں
گردو پیش کا جائزہ لیا تو مریم غائب تھی۔
ایئرپورٹ سے باہر آیا تو ٹیکسی ڈرائیوروں کی ایک ٹولی تیزی سے
میری طرف جھپٹی اور اگر مجھ سے ذرا بھی چوک ہوتی تو میرا مختصر سا سوٹ کیس
ان ہی میں غائب ہو گیا ہوتا۔

ہاشم نے مجھے جو اہم ترین علم اور پتہ دیا تھا اس وقت میرے
لیے وہی اہم ترین تھا۔ ہاشم کی دی ہوئی قیمت کو نظر انداز کرنا اس
وقت میرے بس سے باہر تھا۔

شہر پہنچ کر میں نے ایک اوسط درجے کے ہوٹل میں کمرہ
لے لیا اور سوٹ کیس وہاں مقفل کر کے چند منٹ بعد ہی باہر
نکل گیا۔

نصف گھنٹے بعد میں کیپٹن پر مشتمل قدیم بازار کے اس حصے میں
پہنچ گیا جہاں مجھے عبدالکمال سے ملنا تھا۔
ہاشم کے بیان کے مطابق عبدالکمال اس بازار میں گیارہ نمبر
پر اپنے کپڑا بیچنے کا کام کرتا تھا۔
جب اس بھیڑ بھاڑ میں کافی وقت برباد کرنے کے باوجود میں
بارہویں کیبن کا سراغ نہ پا سکا تو ناچار پندرہ نمبر کیبن پر جا پہنچا۔
اتفاق سے وہ شخص بھی کپڑا فروش تھا۔ اس نے خوشامدانہ انداز
میں دانت نکال کر میرا استقبال کیا۔
"عبدالکمال کا کیبن کدھر ہے؟" میں نے براہ راست سوال
کیا۔
"یہی ہے۔ اس کا ابھی تک یہی چل رہا تھا کہ وہ میرے قدموں میں
پڑ کر مجھے رام کر لے۔"
میں نے تیوریاں چڑھا کر اس سیاہ آدمی کو دیکھا جس پر پانچ
روپے چار روپے نمبر درج تھا۔
"عبدالکمال تو گیارہ نمبر کیبن میں بیٹھتا ہے۔"
"عبدالکمال میرا چھوٹا بھائی ہے۔ مال بیچنے گیا ہوا ہے۔" اس کی
خوش خلقی بدستور برقرار تھی۔ "تم بتاؤ تو سہی کہ کیا لینا ہے، میں اس کی غیر موجودگی
میں بھی تمہیں پوری رعایت دوں گا۔ تم میرے بھائی ہو۔"
اس کے اس رویے پر میرا خون کھول گیا۔ لالچ اس کی آنکھوں اور چہرے
سے ہویدا تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھے موٹا گاہک سمجھتے ہوئے جھوٹ
بول کر عبدالکمال سے اپنی قریبی رشتہ داری کا اظہار کر رہا تھا۔
میں نے غصے کا اظہار کیے بغیر سنجیدگی برقرار رکھی اور آہستہ سے
کہا۔ "اگر وہ واقعی تمہارا چھوٹا بھائی ہے تو میری صورت دیکھ کر ہرگز
نظر نہیں آئے گا۔"
"وہ کیوں؟" وہ میرے جواب پر حیران ہو گیا۔

"وہ تین برس سے میرا گیارہ ہزار پاؤنڈ کا مقروض ہے۔" میرے
الفاظ سن کر اس کے چہرے سے مسکراہٹ یک لخت غائب ہو گئی۔
"پھر تو تم گیارہ نمبر پر ہی جاؤ۔" وہ خشک لہجے میں بولا۔ "تم نے
بلا وجہ میرا وقت برباد کیا ہے۔"
"مگر عبدالکمال تو تمہارا چھوٹا بھائی ہے۔ اسے سبق دینے کی
نیت سے میں کچھ بھی بتا دیتا۔"
"یہ دکان میری ہے۔" وہ تیز لہجے میں غرایا۔ "آگے تیسری گلی میں
بائیں طرف مڑ جانا وہیں داہنے ہاتھ پر پانچویں دکان پر تمہارا قرض دار
موجود ہو گا۔"
"مگر تمہارا بھائی...!"
اس نے جھنجھلا کر میری بات کاٹ دی۔ "جہنم میں گیا میرا بھائی،
میرا کوئی بھائی وائی نہیں ہے تم گیارہ نمبر پر جاؤ اور میری جان چھوڑ دو۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے جھوٹ بول کر مجھے یہاں روکا تھا۔"
میرا لہجہ بھی بلند ہو گیا۔ "آخر اس حرکت کا مطلب کیا تھا؟"
میرا لہجہ تیز ہو جانے پر اس نے ایک لمحے کے لیے مجھے گھور کر
دیکھا پھر اچانک ہنس پڑا۔ "وہ دکانداری کی بات تھی۔ ہو سکتا ہے کہ کسی
بھی قیمت پر دوسری جگہ نہیں جانے دیتے تمہارا تو معاملہ ہی دوسرا نکلا۔"
اس نے ڈھٹائی کے ساتھ اپنی غلطی تسلیم کر لی تھی لہٰذا میں آگے
بڑھ گیا البتہ اس کے ساتھ اتنا وقت ضائع کر کے میں نے عبدالکمال کا
پتہ معلوم کر لیا تھا۔

پندرہ نمبر کیبن والے کی بتائی ہوئی گلی میں داہنے ہاتھ کا پانچواں
کیبن واقعی گیارہ نمبر تھا مگر اس شان سے کہ اس کے ایک طرف ایک
سو تین نمبر تھا اور دوسری طرف اٹھاسی نمبر کی تختی کا میرا منہ چڑا رہی تھی۔
اگر میں بعض مشغلوں کے سہارے بھٹکتا رہتا تو شاید وہ رات تک
بھی اپنے مطلوبہ مقام پر نہ پہنچ پاتا۔
"عبدالکمال تم ہو؟" میں نے کیبن پر پہنچ کر دوستانہ لہجے میں
سوال کیا اور تکیے کے سہارے نیم دراز شخص نے قدرے حیرت سے
میری طرف دیکھ کر سر کو اثبات میں جنبش دی اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔
"کیا ہم کہیں اور چل سکتے ہیں؟" میں نے دھیمے لہجے میں کہا
کیونکہ وہ کیبن اتنے مختصر تھے کہ دھیمے سے دھیمے لہجے میں کہی ہوئی بات
بھی دوسرے کانوں تک پہنچ سکتی تھی۔
"ہاں کیوں نہیں۔" وہ پر تپاک انداز میں کیبن سے نیچے اتر آیا۔
اپنی جوتیاں اس نے کیبن میں بچھی ہوئی دری کے نیچے سے نکالی تھیں۔
"کہاں سے آئے ہو؟ کس نے بھیجا ہے؟" اس نے میرے ہمراہ
ایک طرف چلتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں سوال کیا۔
"بن غازی سے ہاشم نے بھیجا ہے۔"
"ارے تو پہلے کیوں نہ بتایا۔" وہ چلتے چلتے رک گیا۔ "تم تو میرے

مربی کے بھیجے ہوئے مہمان ہو؟ میں ابھی دکان کو تالا لگا کر آتا ہوں۔"

"سنو! میری آمد کو غیر معمولی اہمیت نہ دو۔"

"اوہ!" اس کے ہونٹوں سے بے اختیار ایک طویل سانس آزاد ہو گیا۔ "تم بہت سمجھدار معلوم ہوتے ہو، لیکن بازار بند ہونے تک تم کہاں بھٹکتے پھرو گے؟"

"میری فکر نہ کرو، میں مطعم الدولی کے کمرہ نمبر چار میں مقیم ہوں۔" میں نے اس کے ہمراہ آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"شاید کسی اہم کام سے آئے ہو؟"

"وہ باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ تم دکان خالی چھوڑ آئے ہو، ایسا نہ ہو کہ لوگ میدان صاف پا کر اسے خالی ہی کر دیں۔"

میری بات پر اس نے بڑا جاندار قہقہہ لگایا اور بولا "واللہ تم نے سمجھا ہے قاہرہ کو۔ لیکن اس بازار میں لوگ ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں۔ خالی دکان میں چوری نہیں ہو سکتی لیکن سڑک پر کھوٹا سکہ بھی پڑا ہو تو لوگ اسے اٹھا لے جائیں گے۔"

ایک قہوہ خانے کے دور افتادہ گوشے میں لے جا کر میں نے اسے صرف اتنا بتایا کہ میرا اصل نام صفدر علی تھا جس پر وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا۔

"چند روز پہلے تک میرے لیے تمہارا نام اجنبی تھا۔" وہ کہنیوں کے بل میز پر میری طرف جھک کر بولا۔ "لیکن مقامی اخباروں میں تمہارا نام خوب اچھالا جا رہا ہے۔ آج ہی خبر چھپی ہے کہ تم تین پولیس افسروں اور ایک تربیت یافتہ کتے کو ہلاک کر کے بن غازی سے مصری سرحدوں کی طرف بھاگے ہو۔ مجھے تو حیرت ہے کہ اتنی تشہیر کے باوجود تم اتنی جلدی کیسے آ گئے؟"

"سب کچھ بتا دوں گا، تم مطعم الدولی کب آ رہے ہو؟" میں نے اس کی گفتگو کو اختصار دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"رات نو بجے تک۔" وہ پُراشتیاق لہجے میں بولا۔ "چاہو تو دکان جلدی ہی بند کر دوں۔"

"اپنے معمولات میں فرق نہ آنے دو۔" میں نے عاجزی سے کہا۔

"میری سلامتی کے لیے یہ نکتہ بہت اہم ہے۔"

"تم فکر نہ کرو، میں خیال رکھوں گا۔"

قہوے کی پیالیاں خالی کر کے ہم دونوں وہاں سے اٹھ گئے۔ عبدالکمال اپنی دکان کی طرف چل دیا اور میں مخالف سمت میں ہو لیا۔

میں اپنی دھن میں مگن لاپرواہانہ انداز میں سیدھا چلا جا رہا تھا کہ کچھ دیر بعد ایک نسوانی سرگوشی نے مجھے چونکا دیا۔

میں نے "یا حبیبی" کہنے والی کی طرف سر گھمایا تو کاجل کے ڈوروں میں لپٹی ہوئی دو مدھ بھری آنکھوں نے مجھے ایک والہانہ سا اشارہ کیا اور چلتے چلتے میرے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے۔

بھرے بھرے بدن والی وہ خوبصورت عورت لپک کر میرے قریب آ گئی اور میں نے اس کے بدن سے اٹھتی ہوئی والہانہ خوشبو نتھنوں کے راستے دماغ پر اثر انداز ہوتی محسوس کی۔ وہ عجیب تھی، بہر حال قابل برداشت تھی۔

مگر وہ میری توقع سے زیادہ بیباکی پر آمادہ تھی۔ "تم میرے ساتھ چلو گے یا میں تمہارے ساتھ چلوں؟" اس نے اپنی بات اتنے وثوق سے کہی گویا اس کی دانست میں میرے لیے دوسری صورت اختیار کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔

میں نے اس کے نیچے گلے والے بلاؤز میں سے جھانکتے ہوئے گداز گندمی بدن کا جائزہ لیا اور اسکرٹ سے نیچے برہنہ پنڈلیوں تک کا مختصر سفر طے کرنے کے بعد دوبارہ سر اٹھایا تو وہ گرد و پیش سے بے خبر اپنے بھرے بھرے خوبصورت ہونٹوں پر حسین مسکان سجائے میرے جواب کے لیے سراپا انتظار بنی ہوئی تھی۔

"تم نے غلط آدمی کا انتخاب کیا ہے...." میں نے اپنے وجود میں ابھرنے والی خواہش پر قابو پاتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

"میرا نام خالدہ ہے۔" میرا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ بول پڑی۔ "میری سرپرستی غلط آدمی ہی کرتے ہیں اور مجھے ان کی بڑی پہچان ہے۔ آؤ میرے ساتھ چلو، مایوس نہیں کروں گی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے جمالی خدوخال کچھ اور واضح کر دیئے۔

"میری جیب خالی ہے۔" اس کے پے در پے حملوں کے سامنے میرا ارادہ کمزور پڑنے لگا۔

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "جیب خالی ہے تو نکالو، میں ان میں سے نہیں ہوں جو مردوں کی جیبیں خالی کراتی ہیں، جو مٹھی ہو جائے وہ دے دینا۔"

پھر میرے جواب کا انتظار کیے بغیر اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ صفدر علی زندگی میں کبھی دن دہاڑے بھرے بازار ایسے مرحلے سے دوچار نہیں ہوا تھا مگر اس روز یہ واقعہ بھی پیش آ ہی گیا۔

پہلے میرا خیال تھا کہ اسے ہوٹل لے جاؤں لیکن قاہرہ آمد کے ابتدائی مرحلے پر میں ایسے احتمال سے گریز ہی کرنا چاہتا تھا لہٰذا خالدہ کے استفسار پر میں نے خود کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

اس کا دو کمروں پر مشتمل عشرت زدہ سا فلیٹ شہر کے گندے اور تنگ و تاریک مقام پر واقع تھا جہاں فلیٹ کے بند دروازوں کے پیچھے بھی ان بچوں کا شور سنائی دے رہا تھا جو نیچے گلی میں دھول اڑاتے کھیلتے پھر رہے تھے۔

"بڑی گنجان آبادی میں رہتی ہو تم۔" اس کے فلیٹ پر پہنچ کر میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"یہاں فلیٹ کا کرایہ کم ہے۔" وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کوئی ایک دوسرے کے معاملات میں زیادہ دخل نہیں دیتا۔"

"یہ تو عجیب بات کہہ دی ہے تم نے۔" میں نے سگریٹ کا ایک زوردار کش لے کر کہا۔ "گنجان بستیوں میں تو ہر عورت پڑوس کے گھر میں جھانکنے کے لیے بے تاب رہتی ہے، خاص طور پر اس وقت جب پڑوس میں کوئی خوبرو لڑکی تمہارے جیسی ہو۔"

"یہاں تاک جھانک کی گنجائش ہی نہیں ہے۔" وہ بولی۔ "دو سال سے رہ رہی ہوں، جس روز آتے جاتے کسی نے ٹوک دیا تو میں خود ہی چلی جاؤں گی۔"

"برا نہ مانو تو ایک بات کہہ ڈالوں؟" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

"برا مان کر کیا کروں گی۔" وہ خاصی حقیقت پسند واقع ہوئی تھی۔

"یہاں آنے سے تو بہتر تھا کہ تم میرے ساتھ چلتیں۔"

"تم ہی خاموشی اختیار کر گئے تھے، ویسے عام طور پر میں کہیں جانے کے بجائے اپنے دوستوں کو یہیں لانا پسند کرتی ہوں۔"

"دوستوں کو؟"

"ہاں ہاں۔" وہ ہنس کر بولی۔ "عارضی سہی مگر تم بھی تو اس وقت میرے دوست ہی ہو۔"

"وہ بات رہ گئی۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"کون سی؟"

"دوستوں کو یہاں لانے والی۔"

"اوہ۔" وہ ایک بار پھر ہنس پڑی۔ "لاکھ بری سہی مگر میں ایک عورت ہوں، اپنے ٹھکانے پر میں ہمیشہ خود کو محفوظ سمجھتی ہوں۔"

"تمہارے پاس تو مختلف قسم کے سوداگر آتے ہیں۔" میں نے اس کے قریب سرکتے ہوئے کہا۔ "ان سے تمہیں کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟"

"یہ نہ کہو، ان میں بھی بڑے بڑے جنونی ہوتے ہیں۔"

"تمہارا تجربہ تو ہر جنونی کا توڑ سکھا رہا ہے۔"

"شاید تم نے شام کے اخبار نہیں دیکھے۔" وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "سب سے بڑی خبر ہی پڑھ لی ہوتی تو مجھ سے بحث نہ کرتے۔"

"کیا ہے اس خبر میں؟"

"ایک غیر ملکی اپنے ہوٹل کے کمرے میں مردہ پایا گیا ہے۔" بڑے ہاتھوں سے اس کے بدن کا لحاظ اور آثار نمایاں طور پر محسوس لیے۔

"روز نہ جانے کتنے لوگ مردہ پائے جاتے ہیں۔ اس کا تمہاری ذات سے کیا تعلق ہے؟" میں نے سرسری لہجے میں سوال کیا۔

"اس کی قاتل ایک عورت تھی۔"

"یہ نکتہ تمہارے فلسفے کے خلاف جاتا ہے۔"

"مرنے والے کی مٹھی میں کسی عورت کے لمبے سرخ بال پائے گئے۔ اس کے بدن پر [illegible] جیسا ہوا تھا۔

جس کا مطلب ہے کہ مرنے والے نے عورت پر زیادتی کی ہو گی اور عورت نے جل کر اس کا ٹینٹوا ہی دبا ڈالا۔" اس واقعہ کی تفصیل بتاتے ہوئے خالدہ پر خوف طاری ہونے لگا۔

"عورت پکڑی گئی؟"

"نہیں وہ تو چھلاوہ نکلی۔" خالدہ نے کہا۔ "ہوٹل کے عملہ تک نے اس کی جھلک نہیں دیکھی۔ اسے نہ آتے ہوئے دیکھا گیا نہ جاتے ہوئے۔"

"اور اگر اب میں تمہارے ہی فلیٹ میں تمہارے ساتھ زیادتی شروع کر دوں تو کیسا رہے گا؟"

وہ پھریری لے کر اچانک مجھ سے دور ہٹ گئی اور خوفزدہ لہجے میں بولی۔ "خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ میں خوفزدہ ہو کر بے اختیار چلانے لگوں۔"

"ڈرو نہیں۔" میں ہنسنے لگا۔ "میں اتنا خونخوار عاشق نہیں ہوں۔"

"میں جانتی ہوں۔" وہ پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "لیکن میں ایسا خوفناک مذاق بھی برداشت نہیں کر سکتی۔"

"چلو اب خیال رکھوں گا۔" میں دوبارہ اس کے قریب پہنچ گیا۔

"ٹھہرو، پہلے لباس بدل لوں۔" وہ میری گرفت سے بچ کر پھرتی سے اٹھ گئی۔ "تمہارا پہلو تہی سے کی تھی اور اب مزید صبر نہیں ہو رہا۔"

وہ لپک کر غسل خانے میں جا گھسی اور میں اٹھ کر کمرے کے وسط میں ٹہلنے لگا۔ اسی اثنا میں میری نظر اخبار پر پڑی اور میں نے اسے اٹھا لیا۔

وہ قاہرہ کے روزنامے القبس کا شام کا ضمیمہ تھا اور اس کی سرخی قتل کے اسی واقعہ کے بارے میں تھی جس کا ذکر خالدہ کر چکی تھی۔ سرخیوں کے نیچے میں نے متوفی کی لاش کا مسخ شدہ چہرہ دیکھا تو یکبارگی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اذیت ناک موت کے آخری اثرات نے لاش کا چہرہ...... بہت بگاڑ دیا تھا لیکن البیرونو کاسٹیلانو کی تصویر میں پہلی نظر میں پہچان چکا تھا۔ میں نے نہایت بے چینی کے ساتھ پوری خبر کا مطالعہ شروع کر دیا۔

اگر مرنے والا البیرونو کاسٹیلانو تھا اور اس کی قاتلہ کوئی عورت تھی تو وہ صرف سیتا ہی ہو سکتی تھی۔ میری پیاری، میری دلبر سیتا۔

سیتا کے سرخ بال البیرونو کی مٹھی میں ملے تھے اور اس حقیقت نے مرنے سے قبل سیتا کا چہرہ یا بدن بری طرح نوچا تھا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ وہ معرکہ جو کچھ بھی رہا ہو سیتا کے سامنے البیرونو کے شیطانی عزائم بری طرح ناکام ہوتے ہوں گے مگر آتش کی

بات یہ تھی کہ زخمی ہونے کے بعد سیتا خطرات سے دوچار تھی۔ پولیس کو ہر حال میں عورت پر البرونو کی قاتلہ کا شبہ کرنے کا پورا قانونی اور اخلاقی حق حاصل تھا۔

میں دوبارہ سنسنی خیز خبر پر جھک گیا مگر اس میں کہیں بھی سیتا یا البرونو کا نام نہیں تھا۔ البرونو کا سیشیلا نواس ہوٹل میں اسمتھ براؤن نام کے برطانوی باشندے کے طور پر مقیم تھا اور خبروں میں اس کا وہی نام شائع ہوا تھا البتہ سیتا کے بارے میں صرف تحریری تحریر تھا۔

اگر البرونو کی مٹھی سے نسوانی بال برآمد نہ ہوتے تو شاید یہ پتہ چلانا بھی دشوار ہو جاتا کہ قاتل کی جنس کیا تھی۔

بے اختیار میری مٹھیاں بھنچ گئیں اور میرے بدن کا ذرہ ذرہ انتقام کی بھٹی میں تپنے لگا۔ میں بن غازی سے جس مشن پر نکلا تھا اس میں غیر متوقع طور پر پہلے ہی مرحلے میں نمایاں کامیابی ہو گئی تھی نہ صرف سیتا بلکہ اس کے دشمن کا بھی ایک حد تک سراغ مل گیا تھا۔

میرے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ البرونو نے سیتا کے ساتھ ظلم کیا تھا اور میں اس کے احساس ہی سے پاگل ہوا جا رہا تھا مگر سیتا نے میرے انتقام کے لیے کچھ نہیں چھوڑا تھا اس نے اپنا بھرپور بدلہ خود ہی لے لیا تھا اور میرے لیے اپنا ایک موہوم سا سراغ چھوڑ کر ایک مرتبہ پھر کہیں گم ہو گئی تھی۔

بن غازی سے روانہ ہوتے ہوئے میں نے منصوبہ بنایا تھا کہ قاہرہ سے سیدھا خرطوم جاؤں گا اور پھر البرونو کا سیشیلا کی محبوبہ ایلی کا کھوج نکال کر اس کے ذریعے البرونو تک پہنچوں گا اور اس سے سیتا کا پتہ چلاؤں گا۔

مگر قدرت شاید اسی وقت سے میرے منصوبوں پر خندہ زن تھی۔

قاہرہ کے بھرے بازار میں طوائف کے روپ میں مجھے ایک بہروپن رقاصہ آ ملی تھی جسے میں احتیاط کے باعث ٹھکرا رہا تھا لیکن خالدہ جیسے گلے کا ہار بن گئی اور پھر اس کے فلیٹ پر ایسی گفتگو کا آغاز ہوا جس کے نتیجے میں مجھے اہم ترین اطلاعات مل گئیں۔

اگر میں خالدہ کے ساتھ نہ آتا تو شاید البرونو کے قتل اور شام کے اخباری تبصروں کی سرخیوں سے بھی لاعلم رہتا کیونکہ ان میں اسمتھ براؤن کا نام تھا جب کہ میں خبر کا تعلق سے البرونو اور سیتا کے حوالے سے بات کرتا اور وہ مجھے کچھ بھی نہ بتا پاتا۔ دوسرا اہم ترین اتفاق خالدہ کا وجود تھا۔ اس کی زبانی قتل کا پورا تفصیلی سن کر بھی میں معاملے کی اہمیت کا اندازہ نہ کر سکا تھا مگر خود کو اس کے حسن کی رعنائیوں میں کھو دینا چاہتا تھا لیکن خلاف توقع وہ اس مرحلے پر خود سپردگی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے لباس تبدیل کرنے کے بہانے غسل خانے میں جا گھسی اور یوں خالی لمحات میں میری نگاہیں اخبار تک جا پہنچیں جہاں پہلے ہی سے میرے لیے انکشافات موجود تھے۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" اچانک خالدہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے تیزی سے سر گھمایا تو وہ بال شانوں پر بکھرائے باریک لباس زیب تن کیے میری لاعلمی میں نہ جانے کب میرے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھی۔

"میں مقدر کی کرشمہ سازیوں پر غور کر رہا تھا۔" میں نے اخبار پھینک کر صوفے سے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"ان نجومیوں کی باتوں میں نہ آنا یہ پیسے کے لالچ میں برسوں سے وہی گھسی پٹی اور غیر منطقی پیشین گوئیاں کرتے آ رہے ہیں۔"

"کن نجومیوں کی بات کر رہی ہو؟"

"شام کے اخبارات میں نجومیوں کے کالم لازمی صورت اختیار کر گئے ہیں اور ہر قاری ان پر یقین نہ کرنے کے باوجود انہیں بڑے شوق سے پڑھتا ہے۔" وہ میرے پھینکے ہوئے اخبار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"تمہاری بتائی ہوئی خبر پڑھنے کے بعد تو کسی کالم پر نظر ڈالنے کی ہمت ہی نہیں پڑی۔" میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے نرمی سے اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے کہا۔

"پڑھ لی نا خبر تم نے۔ اب بتاؤ کہ میں غلط کہہ رہی تھی کیا؟"

"اگر چہرے پر خراشوں کے تازہ نشانات والی کوئی عورت کہیں نظر آ جائے تو اس کے ساتھ تمہارا کیا سلوک ہوگا؟"

"اس کے ہاتھوں کو چوم لوں گی۔" اس نے بے ساختہ کہا۔

"اتنی عقیدت ہو گئی ہے اس سے؟" میں نے اسے ٹٹولنے کی نیت سے پوچھا۔

"بس کچھ یوں ہی۔" وہ لاپروائی سے بولی۔

"چاہو تو اسے تلاش بھی کر سکتی ہو؟" میں نے اندھیرے میں دوسرا تیر پھینکا۔

"یہ قاہرہ ہے۔" وہ بولی۔ "ایک عورت تو بڑی معمولی چیز ہوتی ہے اگر ابوالہول کا مجسمہ بھی بدمعاشی پر تل جائے تو قاہرہ میں اس کا سراغ بھی نہ مل سکے گا۔"

"تمہارے بدن پر یہ لبادہ گھٹیا معلوم ہو رہا ہے۔" میں نے موضوع بدلنے کی نیت سے بغور اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو کیا اسے بھی مجھے خود ہی اتارنا ہوگا؟" اس نے بے تابانہ لہجے میں سوال کیا۔

"لاحول ولا قوۃ۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "لباس وہ اچھا لگتا ہے جو جسم کو پوری طرح چھپائے۔"

"اور میرے غسل خانے میں جانے سے پہلے تم اسی لباس کے دشمن ہو رہے تھے۔" اس نے جھینپتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اس وقت تجسس سوار تھا، اب ندامت ہو رہی ہے۔" میں نے صاف لفظوں میں اپنے احساسات کا اعتراف کر لیا۔

"پیسے چھین لینا چاہتے تو زر دینا مگر احمقانہ انداز میں گفتگو کر کے میری عقیدت [illegible]"

میں بولا۔

"زر حاضر ہے۔" میں نے جیب سے چند بڑے نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھائے اور دھیرے سے اٹھ گیا۔

اس نے تحیر آمیز خوشی کے ساتھ وہ نوٹ لے لیے جو یقیناً اس کی توقع سے کہیں زیادہ تھے۔

میں دروازے کی طرف بڑھا تو خالدہ نے لپک کر میرا بازو تھام لیا "پیسے دے کر کہاں جا رہے ہو؟"

"یہ تمہارے اس وقت کا معاوضہ ہے جو میں نے برباد کیا۔" میں نے مگر بہت نرم لہجے میں کہا۔

ایک ثانیے کے لیے اس کی نگاہوں میں حقارت اور غصے کی لہر دوڑ گئی اور اس نے ایک جھٹکے سے وہ نوٹ میری جیب میں اڑس دیئے۔

"میں بھکارن نہیں ہوں۔" وہ غصے سے جذباتی ہوئی آواز میں بولی۔ "اپنا جسم ضرور بیچتی ہوں مگر مفت کے ٹکڑوں پر نہیں پلتی... تم نے مجھے بہت غلط سمجھا ہے میری توہین کی ہے اور میرا دل دکھایا ہے۔"

وہ واقعی بہت آزردہ تھی۔ شاید اس کی نسائیت پر وار ہوا تھا اور میرے رویے سے اس کی انا کو شدید ٹھیس لگی تھی۔

"مجھے معاف کر دو خالدہ۔" میں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ندامت آمیز لہجے میں کہا۔ "میرا مقصد تمہاری دل آزاری نہیں تھا۔ ان پیسوں کو تم ایک دوست کا حقیر سا تحفہ بھی سمجھ سکتی ہو۔ تم ہی نے تو کہا تھا کہ اس وقت ہم دونوں ایک اعتبار سے اجنبی دوست ہیں۔"

"کوئی کسی کا دوست نہیں ہو سکتا۔" وہ بھرائی ہوئی غصیلی آواز میں بولی۔ "نکل جاؤ یہاں سے ورنہ ابھی شور مچا کر لوگوں کو جمع کر لوں گی۔"

میں نے تاسف آمیز انداز میں اس کی طرف دیکھا اس وقت اس کے تیور خطرناک تھے اور میں محسوس کر رہا تھا کہ میرے مزید ٹھہرنے پر وہ واقعی شور مچانا بھی شروع کر سکتی تھی۔

میں اس کے فلیٹ کا دروازہ کھول کر بوجھل دل کے ساتھ باہر آ گیا۔

خالدہ سرزمین نیل کی بیٹی جیتی تھی جو ایک طوائف کے روپ میں [illegible] تھی مگر اس میں خودداری کا جذبہ پوری قوت سے موجود تھا۔

مطعم الدولی پہنچنے کے بعد بھی میں اس واقعے کو فراموش نہ کر سکا۔

ایک ایسی عورت جس نے مالی تنگی میں میری پیش کی ہوئی امداد کو بھی ٹھکرا دیا تھا میں اس کے الفاظ کی حد تک بھی خوش نہ رکھ سکا تھا۔

راستے میں میں نے شام کے کئی عربی اور انگریزی اخبارات کے ساتھ ہی شراب کی ایک بوتل بھی خرید لی تھی۔ البتہ خود کو ہوٹل کے [illegible] اخبارات کا مطالعہ شروع کر دیا۔

ہر اخبار نے قتل کی اس ہولناک واردات پر اپنے اپنے... انداز میں قیاس آرائی کی تھی مگر مشن کے اعتبار سے میری معلومات میں کوئی اضافہ نہ ہو سکا۔

ہر اخبار نے ایک ہوٹل کے کمرے میں سرخ بالوں والی کمسن بے خوف لڑکی کے ہاتھوں اسمتھ براؤن نامی ایک انگریز کے قتل کی کہانی شائع کی تھی جو پچھلے کئی روز سے اسی ہوٹل میں قیام کیے ہوئے تھا۔

البتہ المستقبل نامی اخبار کے نامہ نگار نے ذاتی جدوجہد کے بعد یہ معلوم کیا تھا کہ مقتول بہت زیادہ تنہائی پسند تھا اور اسے کھانا وغیرہ بھی کمرے ہی میں پہنچایا جاتا تھا وہ ہر روز تین چار گھنٹوں کے لیے ہوٹل سے غائب رہتا تھا جس کا مطلب تھا کہ اسے تاریخی مقامات وغیرہ کی سیاحت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

اس ضمن میں ایک خاص بات یہ تھی کہ ہوٹل کے کوریڈور میں مقیم مسافروں کی عورت پر معترض کبھی بھی اس کے کمرے میں کسی لڑکی کو آتے جاتے نہیں دیکھا تھا جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا تھا کہ وہ عیاشی کا دلدادہ بھی نہیں تھا۔

المستقبل کے نامہ نگار کے لیے وہ نکات اہم تھے مگر میں البرونو کا سیشیلا کے اس رویے کے اسباب سے واقف تھا۔

وہ اسرائیلی ایجنٹوں سے خطیر رقم پیشگی وصول کرنے کے باوجود سیتا کو ان کے حوالے کرنے میں ناکام رہا تھا۔ اور سیتا قصر خیار کی جیل سے فرار ہو کر لیبیا کی سرحد عبور کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی اور البرونو اس کے تعاقب میں قاہرہ پہنچ گیا۔

اسے ایک طرف سیتا کی تلاش تھی جسے وہ مزید رقم مانگ کر کے عوض اسرائیلیوں کے حوالے کر سکتا تھا تو دوسری طرف وہ اسرائیلی خفیہ ایجنٹوں سے بھی چھپتا پھر رہا تھا۔ ان حالات میں اس کے لیے تنہائی پسندی ہی بہتر صورت تھی۔

اس موڑ پر مجھے ایلی کا خیال آیا جو بن غازی سے خرطوم کے لیے روانہ ہوئی تھی مگر میرا ذہن قاہرہ میں البرونو کے قتل کے بعد ایلی کے معاملے کو اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

البرونو نے شاید حفظ ماتقدم کے طور پر ایلی کو قاہرہ کے بجائے خرطوم پہنچنے کی ہدایت کی تھی اور حالات ساز گار رہتے ہی وہ اسے ضرور قاہرہ طلب کر لیتا۔

رات کے نو بجے وہ دیر تک سوچنے کے بعد بھی میں خیالات کی ہولناک یلغار سے نجات پا سکا۔

اس وقت تک نصف سے زیادہ بوتل میرے معدے میں منتقل ہو چکی تھی اور ایش ٹرے سگریٹ کے مسلے ہوئے ٹکڑوں... سے بھری ہوئی تھی۔

میں نے نہایت کسلمندی کے عالم میں دروازہ کھولا تو [illegible]

مسکراتا ہوا بارونق چہرہ میرے سامنے موجود تھا۔

"اب بتاؤ کہ تم یہاں کیسے پہنچے؟" سلام دعا کے بعد اس نے اندر آتے ہی مجھ سے پہلا سوال کر ڈالا۔

"میں کسی نہ کسی طرح آ ہی گیا۔"

"الکحل اور تمباکو دونوں ہی صحت کے لیے زہر ہیں۔" اس نے بھری ہوئی ایش ٹرے اور نصف بوتل پر ناپسندیدگی سے نگاہ ڈال کر کہا۔

"دراصل تم دکھوں سے ناواقف ہو ورنہ ہر زہر کو امرت سمجھنے پر مجبور ہو جاتے۔" میں نے درد آمیز لہجے میں کہا۔

"تمہارا لہجہ لکنت سے عاری ہے ورنہ میں یہی سمجھتا کہ تم نشے میں مکالمے بولنے کی مشق کر رہے ہو۔"

"شاید تم نے سیتا کا نام نہیں سنا؟"

وہ پُراعتماد انداز میں ہنس دیا۔ "بن غازی سے تمہارے خون آشام فرار کی خبروں کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا گیا تھا کہ کچھ عرصے قبل تمہاری سیتا نامی بیوی بھی لیبیا کی ایک جیل سے فرار ہو کر لاپتہ ہو چکی ہے۔"

"میں اسی کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔" میں نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں تمہاری ہر خدمت کے لیے تیار ہوں۔"

"سیتا کا کوئی سراغ مل سکے گا؟"

"میرے لیے تو ابھی تک وہ محض ایک نام ہے۔ اب تم نے کہا ہے تو کوشش کروں گا ویسے تمہارے پاس اس کی کوئی تصویر تو ہوگی؟"

میں نے مایوسانہ انداز میں اپنا سر نفی میں ہلا دیا۔ "اسے مجھ سے بچھڑے ہوئے اتنا عرصہ گزر گیا ہے کہ اب تو شاید میں خود بھی اسے فوراً نہ پہچان سکوں۔"

"تصویر کے بغیر بڑی مشکل ہوگی۔" وہ سوچ میں پڑ گیا۔ "ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنا نام بدل لیا ہو۔"

"اگر تم لیبیا کے ایک ڈیڑھ ماہ پرانے اخبار حاصل کر سکو تو شاید ان ہی میں سیتا کی کوئی تصویر مل جائے۔ ان دنوں وہ لیبی حکام کے لیے بہت مطلوب ہو گئی تھی۔" میں نے فوری خیال کے تحت تجویز پیش کی۔

"یہ تو بہت آسان ہے۔" وہ خوش ہو گیا۔ "لیبیا کے سفارت خانے کے ریڈنگ روم میں پرانے اخبارات کی ساری فائلیں مل جائیں گی..... اس کے بعد اگر وہ ابھی قاہرہ ہی میں موجود ہے تو میں اسے تلاش کر لوں گا۔"

"وہ قاہرہ ہی میں ہے۔" میں نے باوثوق لہجے میں کہا۔ "کم از کم آج صبح تک قاہرہ میں موجود تھی۔"

"یہ کیسے کہہ سکتے ہو جب کہ تم دوپہر کو قاہرہ ایئرپورٹ پر اترے ہو؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔

"شاید تم نے شام کے اخبارات نہیں پڑھے!"

"اوہ!" اس کا منہ فرط حیرت سے وا ہوتا چلا گیا۔ "کہیں تمہارا اشارہ اسمتھ براؤن کی ہلاکت کی طرف تو نہیں ہے؟"

میں نے گلاس میں بچی ہوئی شراب اپنے حلق میں انڈیل کر محض اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔

"یہ کیسے ہو گیا؟"

"لمبی کہانی ہے۔" میں نے اپنے لیے نیا گلاس تیار کرتے ہوئے کہا۔ "بس یہ سمجھو کہ وہ بدمعاش سیتا کا اور میں اس بدمعاش کا تعاقب کر رہا تھا۔ اسمتھ براؤن اس کا فرضی نام تھا۔ اصل نام البرٹو کا سیٹلاز تھا اور وہ یہودیوں کے لیے کام کر رہا تھا۔"

"کمال ہے کہ یہ سارا شبہ بھی آج ہی ہونا تھا۔" وہ بے یقینی سے بڑبڑایا۔ "تمہیں شام کے اخبارات کا خیال کیسے آ گیا تھا؟"

"ایک عورت مجھ سے ہاتھ چھڑا کر بھاگ نکلی ورنہ شاید مجھے کچھ بھی معلوم نہ ہو پاتا۔" میں نے خالدہ کے بارے میں ایک مرتبہ اپنے دل میں کسک سی محسوس کی۔

عبدالکمال کے استفسار پر میں نے خالدہ کے آ نکلنے کا واقعہ سنا دیا۔ "جب وہ مجھ پر برس رہی تو میں اپنے کانوں پر یقین نہ کر سکا۔ جس طرح کوئی چور ایماندار نہیں ہو سکتا اسی طرح کوئی پیشہ ور عورت غیرت مند نہیں ہو سکتی۔ مگر خالدہ نے اپنے دو ٹوک رویے سے میرے برسوں پرانے تجربے کو چند لمحوں میں جھٹلا دیا۔"

"تم خوش نصیب ہو ورنہ قاہرہ میں تو حسین چہرے والیاں شیاطین کی جیب میں ڈالنے کا کام بھی نہیں چھوڑتیں۔"

"مجھے یہ بتاؤ کہ سیتا کے ملنے کا کیا امکان ہے؟"

"وہ زخمی ہے اور اس حالت میں سفر کرنے کا خطرہ مول نہیں لے گی۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی تلاش کے لیے اگلے چوبیس گھنٹے اہم ثابت ہوں گے۔"

"خدا تمہارے الفاظ مبارک کرے۔"

"میں اب چلوں گا۔ میرے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلتے چلتے ایک بات بتاتے جاؤ۔"

"پوچھو!"

"تم تنظیم کے رکن ہو؟"

"کیسی تنظیم؟"

"آزادیٔ فلسطین۔" میں نے کہا۔

"اس کی رکنیت کی فرصت کسے ہے۔" وہ لاابالی انداز میں بولا۔ "ہاشم جیسے دولت مند اور جذباتی لوگ ہی ایسی تنظیموں کا ایندھن بنتے ہیں۔ میں [illegible] ہوئے

مہمان کی خدمت کا فرض نبھانے کی کوشش کروں گا۔"

"اچھا ہی ہوا کہ میں نے پوچھ لیا ورنہ تم سے کچھ اور بھی توقعات کر بیٹھتا۔"

"فکر نہ کرو۔ اگر رقم وغیرہ کی بھی ضرورت ہو تو بے دریغ بتانا۔ میرے دوستوں کے لیے ہاشم ناقابل فراموش خدمات انجام دیتا رہا ہے۔"

"میرے پاس خاصی رقم موجود ہے۔ میرا مقصد محاذ آرائی ہے تمہارا۔"

"کس سے لڑو گے تم؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"اپنے ہر اس دشمن سے جو میرے اور سیتا کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کرے گا۔" میں نے نیا گلاس بھی خالی کر دیا۔

"سنو!" اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔ "اس وقت تمہارے اور سیتا کے درمیان صرف اور صرف قانون حائل ہے کیونکہ اپنے دشمن کو تمہاری بیوی خود کیفر کردار تک پہنچا چکی ہے۔ اگر تم نے قانون سے ٹکرانے کی حماقت کی تو مجھے اپنے ساتھ نہیں پاؤ گے۔"

"میں جانتا ہوں۔" میں نے عجیب سے انداز میں ہنس دیا۔ "ایسا کوئی فیصلہ کرنے سے قبل میں خود ہی تم سے کنارہ کشی اختیار کر لوں گا۔"

عبدالکمال نے میرے عزائم بھانپ کر مجھ سے بالکل وہی بات کہی تھی جو مجھے قانون شکنی پر آمادہ پا کر ہاشم نے بھی کہی تھی۔ بہرحال اس معاملے پر ان دونوں کی ذہنی ہم آہنگی میرے لیے تعجب خیز بھی نہیں تھی کیونکہ گہری دوستی کے لیے خیالات کی بنیادی ہم آہنگی ضروری ہوتی ہے۔

عبدالکمال عجلت میں مجھ سے رخصت ہو گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ سیتا کو قاہرہ سے نکلنے کا موقع میسر آنے سے قبل اس کے گرد اپنے مخبروں کا ایسا جال پھیلا دے کہ اس کی نقل و حرکت کی خبریں اس تک پہنچنے لگیں۔

اس رات میں نے ہلٹن العربی کے کمرے میں بے تحاشا شراب نوشی کی اور بلا نوش ہونے کے باوجود اس رات میرے حواس بہکنے شروع ہو گئے۔

اسی بدہوشی کے عالم میں پڑے پڑے وہ رات بسر کی۔ صبح بیدار ہوا تو میرا سر بہت زیادہ بھاری ہو رہا تھا۔ کسلمندی کا یہ عالم تھا کہ بستر سے اٹھ کر باتھ روم تک پہنچنا دشوار ہو گیا۔ اپنی مصروفیات سے فارغ ہو کر میں نے ناشتہ کمرے میں ہی طلب کر لیا مگر ناشتے کے بعد بھی پچھلی رات کی بے اعتدالی کے اثرات سے نجات نہ مل سکی۔

مگر میرے لیے باہر نکلنا ناگزیر تھا۔ خدمت گار سے مقامی اخبارات منگوا لینے میں خفیف سا امکان تھا کہ وہ اخبارات میں میری غیر معمولی دلچسپی کو مشتبہ سمجھتا جب کہ میں مختلف اخبارات کے ذریعے البرٹو کا سیٹلاز کے قتل کے بارے میں پولیس کی کارگزاری سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا تھا۔

میں خود ہی تحریر کر کے باہر نکل ہی گیا اور پھر ایک قریبی اسٹال پر سجے ہوئے اخبارات کی شہ سرخیوں میں سیتا کا نام دیکھ کر یک بیک میری نظریں [illegible] ان کی سرخیوں میں البرٹو کا سیٹلاز کا نام بھی [illegible] تھا

میں نے بڑا سا برا [illegible] احتیاط کرتے ہوئے ایک سرخی پڑھ ڈالی۔

"ہوٹل کے کمرے میں مرنے والا مشہور ایجنٹ البرٹو کا سیٹلاز ثابت ہوا — اس کی قاتلہ سیتا ہے جو لیبیا کی جیل سے مفرور ہے۔"

سرخیاں اس قدر سنسنی خیز اور ایسے یقینی الفاظ سے سجائی گئی تھیں کہ مجھے یقین ہونے لگا کہ پولیس نے پوری گتھی سلجھا لی تھی۔

میں نے دو عربی اور ایک انگریزی اخبار خریدے اور بازار کا ایک مختصر سا چکر لگا کر واپس اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔

اس وقت مجھ پر شدید بیزاری اور تقریباً بے حسی طاری ہونے لگی تھی اور میری نگاہوں میں اپنی طویل جدوجہد کا بھیانک انجام ناچ رہا تھا۔

میں نے دھڑکتے دل اور کانپتے ہاتھوں سے پہلا اخبار کھولا تو ابتدائی سطروں سے گزرتے ہی پوری صورتحال واضح ہونے لگی۔ اخبار کی تفصیلی کہانی البرٹو کا سیٹلاز کی محبوبہ ایلی الیشر کے بیان پر بنائی گئی تھی جو پچھلے روز ہی اپنے محبوب کی پہلے سے طے ہوئی ہدایت کے تحت بن غازی سے خرطوم جا کر واپس قاہرہ لوٹی تھی۔

البرٹو نے اسے اپنے پاس طلب کیا تھا مگر مخصوص الفاظ کے سہارے یہ واضح کر دیا تھا کہ ایلی کو البرٹو کی زندگی کی خاطر براہ راست قاہرہ پہنچنے کے بجائے خرطوم ہو کر واپس آنا تھا۔

وہ اپنے مفرور محبوب سے ملاقات کی تمنا لیے قاہرہ پہنچی تو اس نے اخبارات میں اپنے مقتول محبوب کی تصاویر دیکھیں اور غم و غصے سے مغلوب ہو کر وہ ماتم گسار دوشیزہ اعلیٰ پولیس حکام کے سامنے پہنچ گئی۔

اس نے بتایا کہ اسمتھ براؤن دراصل البرٹو کا سیٹلاز کا فرضی نام تھا اور وہ بن غازی سے سیتا نامی سفاک مجرمہ کا تعاقب کرتا ہوا قاہرہ پہنچا تھا۔ ایلی کے بیان کے مطابق سیتا اس قدر مکار، خطرناک اور بے خوف عورت تھی کہ جیل سے فرار ہونے کے بعد لیبیا سے متعدد سرحدی اہلکاروں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر قاہرہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔

اس مرحلے پر ایلی نے صحرائے اعظم میں کھوئی ہوئی سوئی کی مثال دے کر اپنے عاشق کی بے پناہ تعریف کی تھی کہ وہ کوئی سراغ نہ ہونے کے باوجود قاہرہ میں سیتا کا کھوج لگانے میں کامیاب ہو گیا مگر مقدر نے اس کی یاوری نہیں کی اور وہ فتح یاب ہونے کے بجائے کھیل کی آخری گھڑی میں حریف کے ہاتھوں اپنی زندگی کی بازی ہار گیا۔

سیتا کو البرٹو کا سیٹلاز کے قتل کا واحد اور کلی ذمہ دار قرار دیتے ہوئے اس نے حکام کی توجہ لیبیا کے پرانے اخبارات کی طرف بھی مبذول کرائی تھی جس کے نتیجے میں سارے اخبارات نے اپنے سرورق اور اندرونی صفحات پر سیتا کی اس دور کی ہنستی مسکراتی تصویریں شائع کی تھیں جب

وہ لیبیا کے حکام کے عتاب میں نہیں تھی۔

میرے لیے اس مرحلے پر الیو کا رول یا اچانک نمودار ہونا اس سے زیادہ تشویشناک تھا اس طرح سیتا کی سلامتی ایک مرتبہ پھر خطرے میں پڑ گئی تھی۔

اخبارات نے سیتا کا نام سامنے آنے کے بعد اس کی ذات اور ماضی کے بارے میں اپنی معلومات کی حد تک ایسے مبالغہ آمیز تبصرے شائع کیے تھے جن کی روشنی میں سیتا کا کردار مافوق الفطرت عادات اور قاتل کا مظہر معلوم ہوتا تھا اور اسی کے حوالے سے میرا نام بھی اچھالا گیا تھا۔

اخبارات نے سیتا کے شوہر صمد علی کے بارے میں یہ تاثر بھی دیا تھا کہ وہ شخص جیل سے اپنی بیوی کے فرار کے چند روز بعد ہی بن غازی کے نواح میں متعصب سروس کے ایجنٹوں کے ہاتھوں جیسا کہ میں کھیل چکا تھا اور اس واردات کے بعد بھی حکام تو بیخ کی حد کے باوجود صمد علی کا سراغ نہیں لگا سکے تھے اور اس امر کے قوی امکانات تھے کہ صمد علی سرحد عبور کر کے مصر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا ہو۔

مجھے اپنے نام کے بارے میں کوئی پریشانی نہیں تھی کیونکہ اس وقت میں مصطفیٰ الزبیدی بنا ہوا تھا میری مطبوعہ تصاویر بھی پرانی تھیں جن کی میرے موجودہ حلیے سے ان کی کوئی مطابقت نہیں تھی۔

البتہ سیتا کے لیے آزادی کی جدوجہد جیسا کہ سنگین اختیار کر گئی تھی۔

اس ضمن میں ایک اخبار نے نہایت محققی انداز میں قتل کی وارداتوں کا منطقی تجزیہ کر کے کچھ سوال اٹھائے تھے۔

اس کے بیان اور سابقہ اطلاعات کی روشنی میں یہ بات مسلّم تھی کہ سیتا انتہائی بے خوف عورت تھی جسے جسمانی طاقت کے علاوہ جدید اسلحہ کے استعمال پر بھی کافی عبور حاصل تھا اور وہ اس خوفناک عورت کے تعاقب میں تھی۔

اگر وہ دونوں واقعی ایک دوسرے کے دشمن تھے تو سیتا رضاکارانہ طور پر الیو کے ہوٹل کے کمرے میں ہرگز نہ آئی ہوگی۔ دوسری طرف اگر یہ مان لیا جائے کہ الیو نے اغوا کر کے زبردستی ہوٹل لایا تھا تو اس جیسے زیرک اور تجربہ کار شخص سے یہ امید نہیں کی جا سکتی تھی کہ اپنی بدترین دشمن کے سامنے اس نے حماقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود کو غیر مسلح کر رکھا ہو۔

جب کہ جائے واردات پر کوئی اسلحہ طلاقانہ ہوٹل میں ہی کسی قاتل وغیرہ کا دھماکہ سنا گیا تھا۔

الیو کے کمرے میں جو کچھ ہوا وہ سراسر جسمانی طاقت کی برتری کا ایک خونی تماشا معلوم ہوتا تھا۔

الیو کے ناخنوں میں پھنسے ہوئے جلد اور گوشت کے ریشوں

اور جسم کے انسانی خون سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ قتل ہونے سے قبل الیو نے اپنی ہاتھ پیروں سے اپنا دفاع کیا تھا اور آخر کار سیتا نے اس کا گلا دبا کر اسے ہلاک کر دیا۔

ان حالات میں اہم ترین سوال یہ پیدا ہوتا کہ دو انتہائی خطرناک چالاک اور تجربہ کار دشمن ایک ہوٹل کے رہائشی کمرے میں ایک دوسرے کے دفاع غیر مسلح حالت میں کیوں کر جمع ہو گئے جب کہ ان میں سے ایک کی رہائش اسی کمرے میں تھی۔

میرے لیے یہ نکتہ بہت خیال افروز تھا۔

اگر الیو کی لاش اس کے رہائشی کمرے کے بجائے کسی اور جگہ ملی ہوتی تو میں ان حالات میں یہی نتیجہ اخذ کرتا کہ اپنی بدقسمتی سے وہ دونوں ہی کسی خطرناک اسرائیلی ایجنٹ کے ہاتھ لگ گئے۔ جس کے نزدیک سیتا اس کے قومی مجرم کی بیوی تھی اور الیو کا شیلا زنجیر رقم کے فراڈ کا مجرم تھا لہٰذا اس نے ان دونوں کو نہتا کر کے ایک دوسرے سے لڑا دیا جس کے نتیجے میں الیو مارا گیا اور سیتا کو اس ایجنٹ نے اپنا قیدی بنا لیا۔

مگر ہوٹل کے کمرے کے باعث یہ نظریہ بالکل بے جان معلوم ہوتا تھا۔

میں اپنے خیالات میں غلطاں اپنے کمرے میں محصور تھا کہ دوپہر کے وقت عبدالکمال آ پہنچا۔ وہ بہت زیادہ جوش میں معلوم ہو رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" میں اسے دیکھ کر مضطرب ہو گیا۔

"میں... میں تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آیا ہوں۔" اس نے سنسنی خیز لہجے میں کہا۔ "حالات کچھ نازک ہو گئے ہیں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"المحرا کے رہائشی علاقے میں پولیس بہت بڑے پیمانے پر پُراسرار سرگرمیوں میں مصروف ہے۔ میرے ساتھیوں کا خیال ہے کہ انہوں نے کسی خاص عمارت کا محاصرہ کیا ہے اور تیزی کے ساتھ اردگرد کی عمارات خالی کرا رہے ہیں۔"

"یعنی... یعنی تمہارا مطلب ہے کہ انہوں نے سیتا کو گھیر لیا ہے۔" میں نے اس کے شانے پکڑ کر اسے بری طرح جھنجھوڑ ڈالا۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" اس نے دونوں ہاتھ میرے سینے پر رکھ کر ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "مگر پولیس کی سرگرمی دیکھ کر شبہ سا ہو رہا ہے۔"

"چلو... چھکڑے مت کیا کرو۔" میں نے فرطِ جذبات میں اسے ڈانٹ دیا اور یہی سیتا کے محاصرے کا تصور اس وقت میرے لیے سوہانِ روح بن گیا تھا۔

ہم دونوں ہوٹل سے باہر نکلے تو فٹ پاتھ کے کنارے عبدالکمال کی پرسیدہ سی سیاہ فورڈ کار کھڑی ہوئی نظر آئی اور اس میں ہم دونوں

ایک طرف روانہ ہو گئے۔

"المحرا میں خوش قسمتی سے میرا ایک دوست رہتا ہے۔" عبدالکمال نے کار آگے بڑھاتے ہی کہا۔ "آج جس وقت گلیز شروع ہوا تو اس نے چند نامعلوم لوگوں کو کسی عمارت سے اسٹین گن کے ذریعے گولیاں چلاتی تھیں بعد میں معلوم ہوا کہ گولیوں کا نشانہ بننے والے پولیس کے اہلکار تھے جنہوں نے ایک مشتبہ عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی۔ ان کی دانست میں عمارت میں داخلہ محفوظ تھا۔"

"تو کیا اس عمارت میں کوئی ایک ہی خاندان مقیم تھا؟" میں مختصر سے مختصر عرصے میں اس واقعے کی تمام تفصیلات جاننے کے لیے بے تاب تھا۔

"نہیں ——— وہ کثیر المنزلہ عمارت ہے اور اس میں بہت سے خاندان مقیم ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ پولیس کے بروقت محاصرے کے ساتھ ہی عمارت میں موجود مشتبہ افراد نے سارے مکینوں کو یرغمال بنا لیا ہے۔"

"یہ کام اکیلی عورت تو کیا دو تین مردوں کے بس سے بھی باہر ہے۔" میں نے اپنی نشست پر بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"وہ تعداد میں کتنی ہیں۔" اس نے جستہ جستہ کہا۔ "پولیس نے کئی مرتبہ آنسو گیس بھی استعمال کی ہے مگر وہ عمارت میں گھسنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ویسے اس علاقے میں یہ بات زبان زدِ عام ہو چکی ہے کہ لوگوں نے اسٹین گن سے مسلح ایک عورت کو اس عمارت کی چھت پر ٹہلتے دیکھا ہے۔"

"پولیس کے نقصانات کیا بتائے ہیں؟"

"انہوں نے سختی سے خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔"

"فائرنگ سے کوئی مرا تو نہیں؟"

"ایک سپاہی مارا گیا ہے تین بری طرح زخمی ہوئے ہیں۔" اس کے لہجے میں جوش کی جگہ فکر ابھر آیا۔ "پچھلے ایک گھنٹے میں دونوں طرف تین بار گولیوں کا زبردست تبادلہ ہوا ہے۔ پہلے پولیس والوں کے پاس صرف رائفلیں تھیں مگر اب آخری راؤنڈ میں انہوں نے بھی بھاری اسلحہ استعمال کیا ہے۔"

"اگر وہ سیتا ہی ہے تو بری طرح گھر چکی ہے۔"

"خدا کرے کہ وہ سیتا نہ ہو ورنہ اسے تنہا دیکھ کر ساتھی کہاں سے لے آئیں گے۔ مصطفیٰ! اس نے اس طرح قانون کا مذاق اڑانے کی کوشش کی ہے۔"

میں اسے گھور کر رہ گیا۔

اس کی نگاہ جرم پر تھی مگر وہ محرکات سے گریز پا معلوم ہوتا تھا یہ درست تھا کہ سیتا نے الیو کا سنیلا کر کے دھمکی کے ساتھ قتل کر دیا لیکن وہ مقتول بھی کوئی فرشتہ نہیں تھا قدرت الیو نوا سے تعمیر کرتی تھا۔ وہ

سب لوگوں کے فیصلے تھے! ساری حالات وہی تھے لیکن نتائج بدل جاتے تھے اور لیونا نے الیو کے بجائے پولیس سے عوام تک ہر ایک کی ہمدردیاں سیتا کے ساتھ ہو گئیں۔

"یہ کیسے معلوم کیا جائے کہ وہاں کون محصور ہے؟" چند ثانیوں کے تکلیف دہ سکوت کے بعد میں نے سوال کیا۔

"میرے چند دوست اسی علاقے میں موجود ہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ اب تک کچھ معلوم کر چکے ہوں۔"

"اس عمارت میں کسی کو فون کرنے کی کوشش کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے نرمی سے کہا۔

"بے سود ہے۔ وہ فون کی ساری لائنیں کاٹ چکے ہیں۔" اس نے مایوسانہ لہجے میں مجھ سے کہا۔

کچھ دیر کے سفر کے بعد ہی ہمارے کانوں میں فائرنگ کا دھیما دھیما شور آنے لگا جس میں خاصا تسلسل تھا۔

"اس وقت بھی مقابلہ جاری ہے۔" عبدالکمال بولا۔ "ابھی ہم المحرا سے تقریباً دو کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں۔"

"فائرنگ بند ہونی چاہیے ہر قیمت پر بند ہونی چاہیے۔" میں نے تشویشناک لہجے میں کہا۔ "جتنا زیادہ خون خرابہ ہوگا اسی قدر ان لوگوں کے جرم کی نوعیت سنگین ہوتی چلی جائے گی۔"

اور اسی لمحے فائرنگ کی واضح ہوتی ہوئی آوازیں یکلخت موقوف ہو گئیں۔

متاثرہ علاقے سے کافی دور ہمیں کار چھوڑ دینی پڑی محصور عمارت کی طرف جانے والی گلیوں پر پولیس کی سخت پروا رہتی تھی نفری تعینات تھی اور ان پولیس والوں کے پیچھے خوف و دہشت، اشتعال اور غصے میں بھرا ہوا تماشائیوں کا ہجوم تھا۔

ہم دو گلیاں جھانکنے کے بعد تیسری گلی میں گم ہو گئے۔

وہاں سے نہ صرف چار منزلہ محصور عمارت صاف نظر آ رہی تھی بلکہ عبدالکمال کو وہاں ایک ملاقاتی بھی نظر آ گیا تھا۔

کافی جدوجہد کے بعد ہی ایک ایسی جگہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جہاں سے عمارت کے سامنے والی سڑک کا حال بہتر طور پر نظر آ رہا تھا۔

عمارت کے عین سامنے پولیس والوں کے ساتھ ہی بلادی فوجی بھی نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے سڑک کے وسط میں اونچی باڈی والے ٹرک کھڑے کر کے انہیں مورچے بنائے ہوئے تھے۔ اور خود اسی کے پیچھے موجود تھے۔

چند فوجی رائفلیں سیدھی کیے بیٹھے کے بل سڑک پر اس طرح لیٹے ہوئے تھے کہ ان کی نالوں کے دہانے ٹرکوں کے پیچھے سے براہ راست اس عمارت کے داخلی دروازے کی طرف اٹھے ہوئے نظر آ

رہے تھے۔

اس عمارت کے اردگرد کا علاقہ تو شاید خالی کرایا جا چکا تھا کیونکہ ادھر موت کی سی ہولناک ویرانی طاری رہی تھی۔

اچانک عبدالکمال مجھے مجمع سے نکال لے گیا۔

"بہت سے تماشائی تو پولیس کو بھی اس کی پُراسرار طور پر جاری کارروائی پر گالیاں دے رہے ہیں۔" میں نے کانی دیر ذہن ڈال لینے کے بعد کہا۔ "ان کا خیال ہے کہ اس طرح یرغمالیوں کو ناقابلِ تلافی نقصانات پہنچ سکتے ہیں۔"

"ایک خوش خبری ہے وہ شخص تیسری منزل کی عقبی کھڑکی سے نیچے چھلانگ لگا کر اپنے ہاتھ پیروں کی ہڈیاں تڑوا چکا ہے۔"

"تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"

"یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ یرغمالیوں کی سربراہی سرخ بالوں والی ایک خوبصورت عورت کر رہی ہے جس نے اپنا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپایا ہوا ہے۔"

"کیسے؟"

"انہوں نے ایک سترہ سالہ لڑکی اور ایک حاملہ عورت کو رہا کیا ہے اور ان دونوں کے ذریعے اپنے مطالبات بھیجے ہیں۔ وہ لوگ اپنی سلامتی کی ضمانت کے طور پر یکرا اکرپارہ یرغمالیوں کو لے کر یہاں سے نکلنا چاہتے ہیں۔"

"وہ دونوں کہاں ہیں؟"

"لڑکی فوجی حکام کی تحویل میں ہے جبکہ حاملہ عورت کو زچگی نمٹانے کے لیے ایک ہسپتال روانہ کر دیا گیا ہے۔ اسی عورت نے ذہنی ہیجان کے عالم میں یہ باتیں بتائی تھیں۔ یہ بھی کہ عمارت پر قبضہ کرنے والی عورت بے حد حسین ہے لیکن اس کے ہاتھ میں اسٹین گن دیکھ کر پتہ پانی ہونے لگتا ہے۔"

"ہمیں کچھ کرنا پڑے گا میرے دوست، کچھ کرنا پڑے گا۔" میں نے اضطراب کے عالم میں مٹھیاں بھینچ کر کہا۔ "سینا خطرناک لوگوں کے ہاتھ میں آ پھنسی ہے۔"

"ہم بے بس ہیں۔" اس نے مجھ سے نگاہیں چرا کر کہا۔

"پھر تم چلے جاؤ۔" میں نے اسے پیچھے دھکا دے دیا۔ "یہاں سے چلے جاؤ اور مجھے تنہا چھوڑ دو۔ میں اپنا نوشتۂ تقدیر خود جھیلوں گا۔"

یہ کہہ کر میں واپس مجمع کی طرف ہو لیا مگر چند قدم بھی نہ چلا تھا کہ ہجوم میں زبردست بھگدڑ مچ گئی اور قریب تھا کہ اس کے ساتھ فضا میں اٹھنے والا ہیبت ناک شور مجھے بھی کھینچنے لگا۔

بھاگنے والوں کے شور و غل میں ایک وردی پوش ڈبلی پتلی چیخ کر جو شور میں مدغم ہو گئی، شاید عمارت پر کوئی مارا گیا تھا۔

"کیا ہوا؟" میں بڑی مشکل تمام ایک شخص کو روکنے میں کامیاب ہو سکا۔

"ایک فوجی نے عمارت کے دروازے کی طرف بڑھنے کی کوشش کی تھی اور چھلنی کر دیا گیا۔" اس نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان بدقتِ تمام کہا۔ شاید وہ اس واردات کو بہت قریب سے دیکھنے والوں میں سے تھا۔

لوگوں کا وہ بپھرا ہوا ریلا ختم ہوا تو عبدالکمال مجھ سے بچھڑ چکا تھا۔ بھاگنے والوں نے مجھے بھی اپنی جگہ سے دھکیل کر ایک مکان کے دروازے پر پہنچا دیا تھا۔

میں وہیں کھڑا ہوا اس پراسرار صورتحال کے بارے میں غور کرتا رہا۔ گلی میں بکھرے ہوئے جوتے اور مکانوں کی کھڑکیوں سے جھانکتے ہوئے خوفزدہ چہرے کچھ نہ سمجھ سکنے والے ان لمحات کی کہانی سنا رہے تھے جن کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا۔

بہرحال ایک بات یقینی تھی کہ پولیس اور فوج کے حکام نے خونریزی کی طرف قدم بڑھا کر اپنے عزائم کا اظہار کر دیا تھا کہ وہ کسی بھی قیمت پر پیچھے نہیں ہٹیں گے اور ان کا یہ موقف خاصا درست بھی معلوم ہوتا تھا۔

قانون کی پشت پناہی کرنے والوں کو باہر سے جس قدر افرادی قوت اور اسلحہ مل سکتا تھا مگر گھری ہوئی ٹولی کا کل اثاثہ وہی تھا جو ان کے پاس موجود تھا۔ چند گھنٹے یا زیادہ سے زیادہ ایک آدھ روز گزر جانے کے بعد انہیں یا تو خودکشی کرنی پڑ جاتی یا خود کو قانون کے حوالے کرنا پڑ جاتا۔

میرے خیالات کا تسلسل اس وقت ٹوٹا جب لاؤڈ اسپیکر پر اس علاقے میں کرفیو کے نفاذ کا اعلان کیا جانے لگا۔

اعلان کرنے والی فوجیوں کی جیپ میرے قریب سے گزری تو ایک سپاہی نے فضا میں رائفل لہرا کر مجھے گھر بھاگ جانے کا حکم دیا مگر میں اس کی بات پر کان دھرے بغیر اس کی طرف تکتا رہا۔ وہ ایک بار پھر غرایا اور مجھے اپنی جگہ سے ہلتے نہ دیکھ کر رنگتی ہوئی جیپ سے کود کر گالیاں دیتا ہوا میری طرف لپکا۔

اس نے پیش قدمی کرتے ہوئے رائفل کی نال اپنے ہاتھ میں تھام لی تھی اور شاید بٹ کے ذریعے میری پنڈلیوں پر ضرب لگانا چاہتا تھا۔

جونہی اس کا ہاتھ گردش میں آیا میں نے پھرتی کی طرح سکتے ہوئے بجلی کی سی سرعت سے حرکت کی اور اگلے ہی لمحے رائفل میرے ہاتھ میں تھی جسے میں نے حقارت سے سڑک پر پھینک دیا۔

میری اس جسارت پر دیگر فوجیوں کو اشتعال آ گیا۔

جیپ رک گئی۔ کرفیو کا اعلان بھی موقوف ہو گیا اور پانچ فوجی بھوکے بھیڑیوں کی طرح میری طرف لپک پڑے۔

مجھے ہاتھ اٹھا دیے۔ میں دونوں ہاتھ سر سے اونچا اٹھا کر بولا۔

لہجے میں بولا "میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔"

ان میں سے آگے والا جو شاید ان کا کمانڈر تھا میرے رویے سے متاثر ہو گیا اور اس کے حکم پر جو جہاں تھا وہیں رک گیا۔

میں نے اپنے ہاتھ گرا دیے۔

"کیا تم نے کرفیو کا اعلان نہیں سنا؟" کمانڈر نے میرے قریب آ کر سخت اور ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"میں تمہاری جدوجہد میں شریک ہونا چاہتا ہوں۔" میں نے ایک قدم آگے بڑھ کر سپاٹ لہجے میں کہا۔

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا جیسے میرے کہے ہوئے الفاظ کا مفہوم اس کے ذہن میں نہ آیا ہو۔

"یہ گلی لاشوں سے پٹ جائے گی۔ شاید انتظامیہ کا دباؤ استعمال کرنے کے لیے وہ جنونی کچھ دیر بعد دیگرے یرغمالیوں کی لاشیں نیچے پھینکنے لگیں۔ اس وقت پورا شہر مشتعل ہو کر تمہارے مقابل آ جائے گا۔ تم رائفل کی نال کے زور پر کس کس کو گھر واپس بھیجو گے؟"

"ہم اپنا کام جانتے ہیں۔ تم چلے جاؤ یہاں سے۔"

"میں تمہاری مدد کرنی چاہتا ہوں۔"

"مدد؟" اس بار کمانڈر کے بجائے کوئی اور استہزائیہ انداز میں بولا۔ "یہ ایسے بھیڑ چالنے کا جناب اس کی تو وضع کرنی ہی پڑے گی۔"

"کیسی مدد؟" کمانڈر خاصا سلجھا ہوا شخص معلوم ہوتا تھا۔

"اگر اس عمارت میں سینا ہی محصور ہے تو میں اسے ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کر سکتا ہوں۔" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔

"تم کون ہو؟" کمانڈر کی آواز گونجی۔

"صفدر علی ــ سینا کا شوہر۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد اور پُراعتماد لہجے میں کہا۔

ان کی گردنیں یوں بے اختیار ایک ہی سمت کی طرف گھومیں جیسے پتلیاں اپنی جگہ سے سرک گئے ہوں۔

"تم جھوٹے ہو۔" کمانڈر کے لہجے سے بے اعتباری مترشح تھی۔ "میں شہرت کے بھوکے نوجوانوں کی فطرت سے خوب واقف ہوں۔ یہاں سے چلے جاؤ اور گھر پر آرام کرو۔ مقدر میں ہوئی تو شہرت کبھی نہ کبھی مل جائے گی۔"

"کیسی عجیب بات ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "جب تک میں انکار کرتا رہا تو مجھ سے اقرار کرانے کی کوششیں کی جاتی رہیں۔ آج میں اعتراف کر رہا ہوں تو تم صفدر علی کو گھر جانے کا مشورہ دے رہے ہو، جس کا کوئی گھر نہیں ہے۔"

"تم صفدر ہو!" کمانڈر کے لبوں پر تحقیر آمیز تبسم پھیل گیا۔

"میں نے صرف اس لیے خود کو تمہارے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا ہے کہ محض اسی طرح میں سینا کو زندہ بچا سکتا ہوں ورنہ وہ آل کا دا اس ہجوم سے زندہ نہ بچ سکے گی۔" میں نے کہا۔

"اسے بٹھا لو جیپ میں۔" کمانڈر نے مڑ کر سپاہیوں کو حکم دیا اور میں خود بخود جیپ کی طرف چل پڑا۔

اس مرتبہ جیپ تیزی کے ساتھ روانہ ہوئی اور کئی گلیوں کا چکر کاٹ کر محصور عمارت کے سامنے گزرنے والی چوڑی سڑک کے اس محفوظ کنارے پر رک گئی جہاں فوجی گاڑیوں کے قریب اعلیٰ فوجی اور شہری حکام جمع تھے۔

ان سے آگے پوری سڑک پر ویرانی کا راج تھا البتہ ایک قطار کی صورت میں سڑک کے وسط میں کھڑے ہوئے دیوہیکل فوجی ٹرک اور ان کے پیچھے گشت کرتے ہوئے فوجی ماحول کی ہیبت میں اضافہ کر رہے تھے۔

مجھے سپاہیوں کی تحویل میں چھوڑ کر کمانڈر افسران کے جمگھٹے کی طرف بڑھ گیا جہاں کسی نے اس کی آمد پر توجہ نہیں دی۔

پھر شاید اس نے دھیمے لہجے میں ان سے کچھ کہا اور وہ سب ہی یوں چونک کر جیپ کی طرف متوجہ ہو گئے جیسے وہ جیپ کے بجائے کوئی اڑن طشتری ہو۔

پھر ان کے درمیان مشوروں کا آغاز ہو گیا۔

یہ مشاورت چند منٹ تک جاری رہی۔ غالباً ان میں سے کوئی بھی یہ باور کرنے کے لیے تیار نہیں تھا کہ صفدر علی جیسے شخص نے اتنی آسانی اور شرافت سے گشت پر نکلی ہوئی ایک جماعت کے سامنے سپر ڈال دی۔

وہاں کسی نے مجھے منگوانا ہی مناسب خیال نہیں کیا اور دو سپاہی مجھے لے کر ایک فوجی گاڑی کے عقبی بند حصے میں سوار ہو گئے۔ فوراً ہی گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہوا اور میرا نامعلوم سفر شروع ہو گیا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" سفر کے آغاز کے بعد میں نے دوستانہ لہجے میں ایک سپاہی سے دریافت کیا۔

"تمہاری خوش نصیبی ہے کہ پاگل خانے نہیں جا رہے۔" اس نے برا سا منہ بنا کر کہا اور اس کا ساتھی دل کھول کر ہنس پڑا۔

"باشندہ تو وہیں کا معلوم ہوتا ہے۔" دوسرے نے ہنسی کے دوران کہا اور میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔

سفر کے اختتام تک میں خاموش ہی رہا۔ ان دونوں نے دو ایک بار مجھے چھیڑنے کی کوشش کی مگر میں چپ سادھے رہا۔

نصف گھنٹے بعد ہمارے سفر کا اختتام خاردار تاروں سے گھرے ہوئے ایک فوجی علاقے میں ہوا۔ وہاں دونوں سپاہی مجھے ایک پختہ کمرے میں بند کر کے کہیں غائب ہو گئے اور میں سر تھام کر بیٹھ گیا۔

کافی دیر بعد دوبارہ اس کمرے کا دروازہ کھولا گیا اور اس بار مجھے مسلح فوجیوں نے ایک آراستہ کمرے میں پہنچایا جہاں ایک جنرل کی سربراہی میں تین اعلیٰ فوجی افسر مختلف کرسیوں پر باوقار انداز میں براجمان تھے۔

"ہاں۔ تو یہ ہے وہ شخص۔" جنرل نے بغور میرا جائزہ لیتے ہوئے اس طرح زیر لب کہا جیسے وہ بھی میرے اعتراف سے شاکی ہو۔

"شاید تمہیں بھی میرے صفدر علی ہونے میں شبہ ہے؟" میں نے اس کے سوال کا انتظار کیے بغیر اسے براہ راست مخاطب کیا۔

"سیتا کے مددگار ہمیں اصل محاذ سے غافل کرنے کے لیے ایسا شوشہ چھوڑ سکتے ہیں۔" وہ خلاف توقع نرم لہجے میں بولا۔ "تمہارے پاس اپنے دعوے کا کیا ثبوت ہے؟"

"بڑا عجیب سوال ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "کئی برس میں ایسی زندگی گزار رہا ہوں کہ ہر قدم پر اپنی شناخت کے نشانات مٹاتا چلا آرہا ہوں۔"

"ایسی صورت میں تمہیں فوجی تحویل میں رہ کر اس وقت کا انتظار کرنا ہوگا جب تمہارے الفاظ کی صداقت ثابت ہو جائے۔" جنرل کہے بغیر نہ رہ سکا۔

"میں نے انتہائی مجبوری کے عالم میں یہ اعتراف کیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ میری اصلیت ثابت ہو جانے کے بعد کئی ملک میرے خون کے طلبگار ہو جائیں گے۔ جس وقت میں نے اپنی بیوی کو زندہ بچانے کے لیے اپنی سلامتی داؤ پر لگائی ہے ورنہ مجھے اپنی زندگی سے بے پناہ پیار ہے۔" میں نے کرب آلود لہجے میں کہا۔

"مجھے بتایا گیا ہے۔" جنرل نے سگار کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے کہا۔ "اگر میری سمجھ میں یہی آیا کہ تم اپنے ہتھیار ڈالنے پر کسی قدر آمادہ کر دو گے۔ تم نے اس عمارت کی طرف قدم بھی بڑھایا تو بھون ڈالے جاؤ گے!"

"وہ مجھے میری آواز کو میری بو کو پہچان لے گی۔" میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "مجھے بس یہ اطمینان ہونا چاہیے کہ میری پشت پر کوئی فوجی یا سپاہی گولی نہیں چلائے گا۔ اگر مجھے مقدر میں اپنے سینے پر سیتا کی گولیاں کھانا لکھا ہوا ہے تو میں خوشی سے اپنے نوشتہ تقدیر کو تسلیم کر لوں گا۔"

"اس کے ساتھ کتنے افراد ہیں؟" جنرل کا لہجہ ہمدردانہ ہو گیا۔

"ہو سکتا ہے کہ سیتا سے پہلے اس کا کوئی ساتھی تمہیں دیکھ کر گولی چلا دے۔"

میں خاموش ہو گیا۔ اس کا اعتراض بہت وزنی تھا۔ سیتا کی محبت میں میں اس کے ساتھیوں کو بھول گیا تھا۔

"یہ تو بعد کی باتیں ہیں۔" جنرل کے ایک ساتھی نے کہا۔ "اصل بات تمہاری شناخت کی ہے جس کا کوئی ذریعہ نہیں؟"

"میرے فنگر پرنٹ اسرائیلی سیکرٹ سروس....."

اسی افسر نے آلودگی سے میری بات کاٹ دی۔ "اسرائیل کا نام نہ لو ہم دشمنوں سے کہیں بھی مصالحت نہیں کرتے۔"

"لیبیا کے حکام نے اسکاٹ لینڈ کی معرفت میرے فنگر پرنٹ حاصل کیے تھے۔" میں نے اس کے خاموش ہو جانے پر کہا۔ "وہاں سے تصدیق کی جاسکتی ہے!"

تینوں افسروں نے ایک دوسرے کو معنی خیز انداز میں دیکھا پھر جنرل نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "فنگر پرنٹس والی بات معقول ہے مگر فوری طور پر صرف یہ ممکن ہے کہ تمہیں ہتھکڑیاں لگا کر العمرا کے علاقے میں لے جایا جائے اور تم کو سیتا سے جو کچھ کہنا ہے وہ میگا فون پر کہو۔"

"میں اس فیصلے کے لیے ممنون ہوں۔" میں نے صدق دل سے کہا۔ "لیکن قانون کے محافظوں کے حصار میں ہتھکڑیوں کی کیا ضرورت ہے؟"

"میں جانتا ہوں۔" جنرل پہلی بار مسکرایا۔ "تم اس وقت اپنی ذات کی شکست کے جذباتی بحران میں مبتلا ہو ممکن ہے کہ دیوانہ وار چلتے آؤ اور بے موت مارے جاؤ۔ دوسری طرف یہ امکان بھی تو ہے کہ تمہاری اور سیتا کی پہلی ملاقات ہو اور اگر تم ایک بار اندر اس تک پہنچ گئے تو تم باہر کے حالات کی روشنی میں اسے خوفناک بہانے فراہم کر سکو گے بلکہ اپنی بیوی کے ساتھ ساتھ زندہ بچنے یا مرنے کا ایک جذباتی وعدہ بھی نبھا سکو گے۔"

میں لاجواب ہو گیا۔

"اب یہ بتاؤ کہ تمہاری سیتا سے تمہاری آخری ملاقات کب ہوئی تھی؟" ایک افسر نے مجھ سے سوال کیا۔

"میں نے مدت سے اس کی صورت نہیں دیکھی ہے!" میں نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "میں بعد میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا مگر براہ کرم فی الحال وقت ضائع نہ کرو۔ انسانی لہو کی ہر وہ بوند جو اس وقت سیتا یا اس کے ساتھیوں کی چلائی ہوئی گولی سے گر رہی ہے مجھے اپنی ذات کی تباہی سے قریب تر لے جا رہی ہے۔"

"اگر تم واقعی صفدر علی ہو تو تمہاری زبان سے یہ الفاظ عجیب سے معلوم ہو رہے ہیں۔ تمہاری نگاہوں میں انسانی لہو کا واقعی کتنا احترام ہے؟" تیسرے فوجی نے طنزیہ لہجے میں پہلی بار زبان کھولی۔

"اچھا ہوا کہ مجھ سے یہ سوال ایک فوجی افسر نے کیا۔" میں نے خندہ پیشانی سے کہا۔ "محاذ پر سپاہیانہ حالت میں تمہارے سپاہی قتل و غارت گری کر کے قومی ہیرو کا درجہ حاصل کرتے ہیں مگر دوسری فوجی حالت امن میں کسی کو محض زخمی بھی کر دے تو قانون اسے سزا دیتا ہے۔ آج تک میں اپنے دشمنوں کے خلاف صف آرا رہا تھا لیکن سیتا کو سامنے پا کر اب میں امان چاہتا ہوں۔ یوں سمجھو کہ محاذ پر لڑتا ہوا سپاہی ابھی ابھی اپنے گھر واپس پہنچا ہے۔"

آخری الفاظ پر بے اختیار میری آنکھیں نمناک ہو گئیں۔

جنرل نے خاموشی سے اپنی نشست چھوڑ دی۔

میری وہاں آمد قیدیوں والی بند گاڑی میں ہوئی تھی مگر واپسی جنرل کے ساتھ اس کی آرام دہ کار میں ہوئی تھی۔

وہ سیتا کے معاملے میں میری کارگزاری کا بنفس نفیس جائزہ لینا چاہتا تھا۔ العمرا کے گرد و نواح علاقے میں پہنچتے پہنچتے شام ہو چکی تھی۔ خالی کرائی جانے والی عمارتیں تاریک پڑی ہوئی تھیں اور محصور عمارت میں بھی کوئی روشنی نہیں تھی۔ وہ اپنی حفاظت کے نقطہ نظر سے فوجیوں اور پولیس والوں نے بھی اندھیرے کو ہی ترجیح دی تھی۔

ویران سڑک پر پُرہول تاریکی میں فوجی جیپوں کو نقل و حرکت میں مصروف دیکھ کر میں بھی ہکا بکا رہ گیا۔

جنرل کی کار دور ہی سے پہچان لی گئی تھی اور وہاں یکلخت دبا دبا سا جوش پھیل گیا۔ جنرل کار سے اُترا تو یکلخت سڑک ایڑیوں کی کھٹا کھٹ سے گونج اٹھی۔

جنرل کے ساتھ آنے والے ایک افسر کے اشارے پر میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی گئی اور پھر ہم سڑک کے وسط میں کھڑی ہوئی گاڑیوں کی آڑ لیتے ہوئے اس عمارت کی سمت میں بڑھنے لگے جہاں سیتا زندگی کی آخری جنگ لڑ رہی تھی۔

عمارت کے ٹھیک سامنے ایک ٹرک کھڑا ہوا تھا۔ میں جنرل کی ہدایت پر وہیں رک گیا۔ پھر میرے پیروں میں بیڑیاں بھی ڈال دی گئیں۔ اس پر میں نے کوئی تعرض نہیں کیا۔

اسی اثنا میں جنرل کے حکم پر کوئی شخص ایک طاقتور میگا فون بھی لے آیا جو جنرل نے مجھے تھما دیا۔

میرا دل حلق اور کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔

"تم جو چاہو کہہ سکتے ہو۔" اس وقت جنرل کا لہجہ نرم اور ترحم آمیز تھا۔

میں نے میگا فون کا سوئچ آن کیا اور اسے منہ کے قریب لے آیا۔

"سیتا!" میری آواز سناٹے میں دور تک گونج گئی مگر فضا اچانک اسٹین گن کی تڑتڑاہٹ سے لرز اٹھی۔

عمارت سے ایک برسٹ مارا گیا تھا۔ گولیاں ٹرک کی آہنی چادروں سے ٹکرا کر چھن چھن کا شور پیدا کر رہی تھیں۔

جیسے جیسے برسٹ رہے تھے سیتا نے میری پہلی آواز کا جواب اسٹین گن کی گولیاں چلا کر دیا تھا۔ میں جنرل کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ کر سکا۔

چند ثانیوں تک میں خود کو فائرنگ کے صدمے سے سنبھالتا رہا۔ اس دوران میں فضا میں پھیلی ہوئی گونج بھی دور ہو گئی۔

شاید سب فوجیوں نے بھی کو بھی صورت حال کا علم ہو چکا تھا۔ اور ہر شخص کسی نہ کسی مورچے کی آڑ لیے سانس روکے نئی تبدیلیوں کا منتظر تھا۔

"دوبارہ ہمت کرو۔" جنرل کی بھاری آواز سرگوشی میں یوں پھیل پڑا جیسے کسی نے میرے سر پر بے خبری میں ٹھنڈے پانی کی بالٹی الٹا دی ہو۔ "جب تک تم مایوس نہیں ہو جاتے میری طرف سے کوئی گولی نہیں چلائی جائے گی۔"

"سیتا! میں تمہارا شوہر صفدر علی تم سے مخاطب ہوں۔" میں عجیب خودسپردگی اور پوری قوت سے چیخا۔ حالانکہ طاقتور میگا فون تو سانس کی آواز بھی میلوں دور تک پہنچا رہا تھا۔

اس مرتبہ خلاف توقع فوراً ہی گولیاں چلا کر جواب نہیں دیا گیا۔ اور میرا دل خوشی سے اچھل پڑا مگر یہ خوشی فوراً ہی معدوم ہو گئی۔

"تم مجھ سے مت مخاطب رہو!" تاریک عمارت کی چھت سے کسی عورت نے چیخ کر عربی میں کہا اور اسی کے ساتھ ایک اور برسٹ مارا گیا۔

اس بار ساری گولیاں میرے سامنے کھڑے ہوئے ٹرک پر پڑی تھیں۔ شاید وہ بہت چالاک تھی اور اس بار اس نے میری کمین گاہ کا پتہ چلا لیا تھا۔

مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ پہلی بار تو میں نے صرف اس کا نام لیا تھا مگر دوسری بار اضطراب کے عالم میں عربی بولا تھا اور شاید سیتا عربی سے واقف تھی لہٰذا اس نے اسی زبان میں جواب دیا تھا۔ زبان اور لہجے کے باعث میں اس کی آواز نہ پہچان سکا تھا تو وہ بھلا میری آواز کیسے پہچانتی۔

"میں تمہارا صفدر ہوں سیتا۔" میں فرط جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں اردو میں بولا۔ "میں تمہیں تمہاری اس ہٹ دھرمی کا واسطہ دیتا ہوں کہ ہتھیار پھینک کر خود کو قانون کے حوالے کر دو۔"

"نہیں!" تاریک چھت سے کرب میں ڈوبی ہوئی ایک نسوانی چیخ ابھری۔ "میرا صفدر مجھے ایسا بزدلی کا مشورہ نہیں دے سکتا۔ وہ یقیناً تمہارا قیدی ہے اور تم کوئی بہروپیے ہو۔" اور اسی کے ساتھ کئی اسٹین گنیں مختلف سمتوں میں دیوانہ وار گولیاں برسانے لگیں۔

میری ٹانگیں بید مجنوں کی طرح لرزنے لگیں اور آنکھوں کے سامنے رنگ برنگی دھند ناچنے لگی۔

اس بار میں نے سیتا کی آواز صاف پہچان لی تھی مگر وہ مجھے گولیوں سے جواب دینے پر تلی ہوئی تھی۔

میرے لیے وقت کی رفتار اچانک تھم کر رہ گئی تھی۔

میری ٹانگیں بدن کے بوجھ سے لرزنے لگی تھیں۔ بصارت یکبارگی دھندلا گئی۔ ساری جسمانی توانائی نقاہت میں بدل گئی۔ زبان گویا تالو سے چپک کر رہ گئی مگر ان تمام احساسوں کا ازالہ میری قوت سماعت نے کر دیا تھا۔

العمرا کے علاقے میں تاریک ویران اور خوف آمیز فضا میں گونجتی ہوئی اسٹین گنوں کے فائر کی آوازوں میں جنرل کا سخت لہجہ ڈوب گیا تھا۔ لیکن کا جواب وہی ترک شناختی کی آواز بن گیا۔ میں نے جنرل اور دوسرے اعلیٰ فوجی حکام کے ساتھ پناہ لی ہوئی تھی۔ آہنی چادروں پر برستی ہوئی گولیوں سے ماحول میں ایک خلش پیدا ہو گئی۔ ایک گھنٹہ بچہ پیدا ہو چکا تھا اور پھر یہ سلسلہ یک لخت موقوف ہو گیا۔

مقدر کی گردش نے اس وقت مجھے ایک اذیت ناک موڑ پر لا کھڑا کیا تھا۔

میرے لیے دنیا میں اگر کوئی ہستی قابل محبت تھی تو وہ صرف میری

بھرتی ہوئی سیتا ہی تھی جس کے ساتھ میں نے ہالینڈ کی پرفضا وادیوں میں پُرسکون گھریلو زندگی کے سنہرے خواب دیکھے تھے۔

سیتا نے خاندانوں سے دور ہالینڈ ہی کی وادیوں میں اپنی ماں کی گود میں آنکھ کھولی تھی اور وہیں پروان چڑھی تھی۔ اس کی دوستی ان علاقوں میں ہجرت پا کر جانے والے ہندوؤں اور دہشت گردوں سے تھی جو اس کی زبان سے نکلنے والے ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے مگر ذہنی اعتبار سے وہ باہر کی دنیا کے لوگوں سے کہیں برتر تھی۔ اس میں بس ایک ہی خرابی تھی کہ وہ بہت زیادہ انا پرست تھی۔

اور اس کی یہی انا ایک روز اسے ایسے راستے پر لے گئی جو مجھ سے دور جاتا تھا۔

وہ خود بھی مجھے لوٹ کر چاہتی تھی۔ چاہے شرق ہو یا غرب، جہاں لیبیا اور سارے لوگ سب ہی مشترک تھے مگر جب وہ مجھ سے بچھڑی تو پھر اس کا سایہ تک کہیں نظر نہ آ سکا۔

سیتا سے جدائی کی اس طویل مدت میں میں نے اپنی تنہائی کا روگ مٹانے کے لئے ان گنت لڑکیوں سے دوستی پیدا کی لیکن ان میں سے کوئی بھی میرے دل سے سیتا کی صورت تحریر یا دوں پر نقش نہ مٹا سکی۔ ان میں سے ہر ایک کی راہ میں مجھے سیتا اس پتھر کی طرح نظر آئی جو امتیاز پر سا... کی ٹھوکروں کا انتظار کرتا ہے۔ اور اسے کہیں امان نہیں ملتی۔

اب تا حال میں سیتا کا سراغ مل گیا تھا، وہ قانون کے محافظوں کے خوفناک حصار میں گھر کر بھی موت پر سارا ہی تھی اور میں اس کے مقابل آ گیا تھا۔

اردو زبان اور سندھی کا نام استعمال کر کے میں نے اپنی صداقت میں سیتا کو یقین دلانے کی آخری کوشش کر ڈالی تھی کہ اس کا مخاطب اس کا شوہر صفدر علی ہی تھا مگر اس نے میری آواز سنکر بھی اور پہچان لینے کے باوجود حقیقت کو تسلیم کرنے سے یکسر انکار کر دیا تھا۔

سیتا جب مجھ سے بچھڑی تھی تو اس وقت میں اپنی طاقت اور جوانی کے زعم میں ڈوبا ہوا ایک سرکش نوجوان تھا جو دشمنوں سے ٹکرا کر فنا ہو جانے کو شان سمجھتا تھا مگر ہتھیار ڈال کر زندہ رہنے کو کسی طرح تیار نہیں تھا۔

اسی وجہ سے سیتا نے میری شناخت سے انکار کیا تھا۔ اس کی نظر میں اس کا شوہر صفدر علی اسے کسی بھی قیمت پر ہتھیار ڈالنے کا بزدلانہ مشورہ نہیں دے سکتا تھا۔

اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ گھر بار اور سکون کو ترسا ہوا ایک شخص اپنی ہی جنگ کے آخری مرحلے پر بعض اوقات خوف کے لمحوں کے عوض اپنے ہر اصول کو خیر باد کہنے کے لئے تیار ہو سکتا ہے۔

ہولناک آتشیں اسلحے کے حصار میں گھری ہوئی سیتا نے مردانہ وار فائرنگ کر کے اپنے اسی عزم کا اظہار کر دیا تھا کہ وہ آخری سانس یا آخری گولی تک اپنا دفاع جاری رکھے گی۔ یہی اس کے ہر ... تھا۔

قانون کے محافظ امداد کے جذبے سے لبریز تھے۔ وہ سیتا تو کیا اس جیسی سیکڑوں ساتھیوں کو بھی بھسم کر ڈالنے کی قوت رکھتے تھے مگر اس وقت وہ حادثاتی طور پر پس منظر میں چلے گئے تھے اور میں براہ راست سیتا کے سامنے آ گیا تھا۔

ایک طرف اسلحے سے لیس بپھری ہوئی سیتا تھی تو دوسری طرف بے بس و لاچار میں، جس کے پاس ایک لڑکھڑاتی آواز کے سوا صرف میگا فون ہی تھا۔

اچانک پشت سے ایک ہاتھ نرمی سے میرے شانے پر جم گیا۔

میں چونک کر مڑا تو اندھیرے میں جنرل کی چمکتی ہوئی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز نظر آئیں۔

"مجھے افسوس ہے جوان!" جنرل کی دھیمی آواز میں واقعی تاسف کا عنصر نمایاں تھا۔ "وہ تمہیں نہیں پہچان سکی — اب تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیئے۔ میں نے تمہیں پورا موقع فراہم کیا تھا۔"

"یہ سب مقدر کی خرابی ہے۔" میں نے بجھی بجھی آواز میں کہا۔ "مجھ میں مزید کسی کوشش کی ہمت نہیں رہی۔ اب میرا مستقبل تمہارے احکام کا پابند ہے۔"

وہ مربیانہ انداز میں ہنس دیا۔ اندھیرے میں اس کے سرخ چہرے پر سفید داڑھی کی قطاروں میں ہلکی سی ... نمایاں ہو گئی پھر وہ بولا۔ "کیا اس تجربے کے بعد بھی تم اپنے دعوے پر اصرار کرتے رہو گے؟"

میں نے چند ثانیوں تک سوچا پھر سر اٹھا کر کہا۔ "اصولاً تو مجھے اس مرحلے پر اپنا دعویٰ ترک کر دینا چاہیئے تھا تاکہ اس طرح مجھے آزادی مل سکے مگر میں تمہارے اعتماد کو مجروح نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے اب بھی اقرار ہے کہ میں صفدر علی ہوں۔"

"میرا سوال محض رسمی تھا۔" جنرل بولا۔ "تم اقرار کرتے یا انکار، ہم تمہیں اس وقت تک نہ چھوڑتے جب تک لیبیا سے تمہارے فنگر پرنٹس کی رپورٹ موصول نہ ہو جاتی۔ مگر تمہارے جواب سے مجھے خوشی ہوئی ہے۔"

"اب میرا کیا ہو گا؟"

"تم ہمارے قیدی ہو۔ فی الحال تمہیں کسی فوجی قید خانے میں منتقل کیا جائے گا جہاں تمہیں آزادی کے علاوہ ہر سہولت میسر ہو گی۔"

"تم نے میری پہلی بات مان کر مجھ پر احسان کیا ہے۔ اگر اجازت دو تو اپنی آخری آرزو بھی ظاہر کر دوں؟"

"آخری آرزو؟" اس نے تعجب آمیز لہجے میں دہرایا۔

"ہاں۔" میرا لہجہ پُر اعتماد تھا۔ "میں جانتا ہوں کہ صفدر علی کی حیثیت سے میری شناخت ہو جانے کے بعد میرے لئے موت ہی واحد سزا ہو گی۔"

جنرل نے اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیوں میں دبے ہوئے سگار کے دو تین گہرے کش لئے، میری طرف دیکھا پھر جیسے بدلے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ایسی باتیں نہ کرو۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ مجھے تمہارے اعتراف پر شبہ ہے اور اگر تم صفدر علی ہی ہو تو مصری قانون شاید تمہیں کوئی سزا نہ دے سکے۔"

حیرت اور مسرت سے یک بیک میرا دل اچھل پڑا۔ "شاید تم میرے ساتھ مذاق کر رہے ہو؟"

"مذاق نہیں — یہ حقیقت ہے۔" وہ بولا۔ "میری اطلاعات کے مطابق صفدر علی نے لیبیا سے مصر کا رخ ضرور کیا ہے مگر مصری سرحدوں پر ابھی تک اس کے کسی ارتکاب جرم کی خبر نہیں ملی ہے۔"

"یہ درست ہے کہ مصری قانون کی نظروں میں میں ابھی گناہ گار نہیں ہوں مگر لیبیائی حکومت نے مجھ پر سنگین الزامات عائد کئے ہوئے ہیں۔ مصری حکومت سے اپنا مجرم طلب کر کے وہ لوگ مجھے پھانسی لگا دیں گے۔"

"ان الزامات کا انکار یا اعتراف تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔" جنرل بڑی نرمی سے بولا جیسے میری زبان سے کسی جرم کا اقرار سننا نہ چاہتا ہو۔ "فی الحال مصر میں تم محفوظ ہو اور اگر کوئی سزا ملی تو وہ ہماری سرحدوں سے باہر کا معاملہ ہو گا۔"

اسی وقت اچانک تاریک عمارت کی چھت سے گولیوں کی ایک اور بوچھاڑ ہوئی جو یقیناً بے مقصد ہی تھی۔

ان گولیوں سے کوئی نقصان تو نہ ہوا لیکن چند ثانیوں کے لئے وہاں موجود ہر شخص پر اعصابی تناؤ طاری ہو گیا۔

"چلو —" سکتے کی اس کیفیت کے خاتمے پر جنرل کے برابر میں کھڑے ہوئے ایک باوردی افسر نے مجھ سے کہا۔

"میری آخری آرزو —" میں نے جنرل کی طرف مڑ کر خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے اس محاصرے کا دردناک انجام معلوم ہے مگر پھر بھی میں یہ اختتام بچشم خود دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ کوئی شرارت نہیں کروں گا — اور اگر مجھ پر ذرا بھی شبہ ہو تو مجھے بے دریغ گولی مار دی جائے۔"

"مجھے تمہارے ساتھ ہمدردی ہے نوجوان!" جنرل دھیمی آواز میں بولا۔ "مگر مجھ سے نا سمجھ بچوں جیسی باتیں نہ کرو۔"

جنرل کے کہنے کے گوشے میں شاید میرے لئے ہمدردی کے جذبات چھپے رہ گئے تھے جو وہ چند منٹ تک مجھ سے بحث میں الجھا رہا اور آخر کار مجھے فوجی قیدیوں کو لے جانے والی ایک گاڑی میں بند ہو کر موقع پر موجود رہنے کی اجازت دے دی۔

مجھے ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کے لوہے میں آہنی جالیوں سے ڈھکی ہوئی ایک گاڑی کے پچھلے حصے میں منتقل کر دیا گیا جس کے ساتھ ایک مسلح گارڈ بھی موجود تھا۔

اس گاڑی کے دروازے میں باریک آہنی جالی لگی ہوئی تھی اور وہ اس کے سامنے اس طرح کھڑی ہوئی تھی کہ محصور عمارت اس کے ٹھیک سامنے تھی۔

محاذ پر کئی منٹ تک پر ہول سی خاموشی چھائی رہی پھر عمارت [illegible]

شاید فوجیوں نے سیتا اور اس کے اعصاب کو مفلوج کرنے کے لئے دھویں وغیرہ کے بم پھینکے تھے۔

ان دھماکوں کی گونج میں عورتوں اور بچوں کا اجتماعی شور سنائی دیا۔ چند ثانیوں بعد ایسا محسوس ہوا جیسے چھپنے والوں کا دم گھٹنے لگا ہو اور پھر فضا گولیوں کی ہولناک آوازوں سے لرزنے لگی۔

گولیاں تڑاتڑ آہنی چادروں سے ٹکرا رہی تھیں۔ میں اپنے دل میں بے چینی کی لہر محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔

سیتا اس طرح بے مقصد فائرنگ کر کے اپنا دفاع کمزور کر رہی تھی۔

پھر اچانک ایک لرزہ خیز دھماکا ہوا اور میری نگاہوں کے سامنے شعلوں کی ایک چادر سی تن گئی۔ اس کے ساتھ ہی فضا مرنے والوں اور زخمیوں کی چیخ و پکار سے لرزنے لگی۔

عمارت سے پھینکے جانے والے آتش گیر بم نے کم از کم دو یا تین گاڑیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

گولیوں کی برسات رک گئی مگر فوجیوں اور پولیس والوں کی صفوں میں پھیلی ہوئی ابتری کم نہ ہو سکی۔ وہ لوگ زخمیوں کو سنبھالنے کے ساتھ ساتھ چھپ کر آگ پر قابو پانے کی کوششیں بھی کر رہے تھے۔

"بس سنو!" اچانک فضا میں سیتا کی چیختی ہوئی آواز گونجی۔ اس نے عربی زبان ہی استعمال کی تھی۔ "یہ اینٹ کا جواب پتھر سے ہوگا۔ تم نے بھڑکنا چاہا تو ہم پر دھوئیں کے بم پھینک کر بے گناہوں کو زخمی کر دیا ہے۔ عمارت کے ارد گرد پر لگا ... میں گیا تو یرغمالیوں کو مار ڈالوں گی۔ میرے ساتھ وہ ساتھی ہیں جو کسی کوشش میں نہیں جھکیں گے۔ عمارت کی چھت اور یہاں سے ہمارے جانباز ساتھی پوری صورت حال کا جائزہ لیتے رہیں گے۔"

"ہتھیار ڈال دو۔" اس کے خاموش ہوتے ہی میگا فون پر ایک بھاری مردانہ آواز گونجی۔ "تم نے ہتھیار نہیں ڈالے تو کم از کم اعصاب مزید چند ہی لمحے تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے اور تمہارے ٹکڑے اڑا دیئے جائیں گے۔"

جواب میں ایک زہریلا قہقہہ گونجا پھر سیتا کی آواز سنائی دی۔ "بکواس بند کرو۔ اب کچھ یرغمالی بھی ہمارے ساتھ مل گئے ہیں اور اگر چند گھنٹوں تک تم نے ہماری شرائط نہ مانیں تو ہم سارے علاقے کو جہنم کے شعلوں میں بدل دیں گے۔"

اس کی آواز معدوم ہوتے ہی اسٹین گن کا ایک برسٹ گونجا۔ شاید اس بار ہوائی فائر کئے گئے تھے مگر گولیاں کسی ٹرک کی چادر سے ٹکرائی تھیں اور ان کا شور بھی فوراً ہی معدوم تھا۔

دروازے میں لگی ہوئی آہنی جالی میں سے میں نے دیکھا کہ کافی دور فوجی ایمبولینس کے علاوہ دو سپاہی گاڑیاں حرکت میں آ چکی تھیں۔

میری گاڑی میں ڈرائیور کے علاوہ کوئی اور موجود ہوتا تو مارا جاتا۔ سیتا کی آواز گونجی۔ شاید گاڑیوں کی نقل و حرکت اس نے

بھی دیکھ لی تھی۔

جلتے ہوئے ٹرکوں کی آتشیں روشنی میں میں نے ان دونوں گاڑیوں پر بنے ہوئے لٹیرے ٹرکوں کے نشانات کے ساتھ ہی وہ سفید پرچم بھی دیکھ لیے جو ان پر نمایاں طور پر لہرا رہے تھے۔

دیکھتی اور غراتی ہوئی وہ دونوں گاڑیاں آسیبی ہیولوں کی طرح بیچ سے گزر کر دائیں ہاتھ پر معدوم ہو گئیں۔ چند ثانیوں بعد اور یہ اندازہ ہوا کہ گاڑیاں تو رک چکی تھیں مگر ان کے انجن بیدار تھے۔

ان گاڑیوں کی واپسی میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ بمشکل چند منٹ بعد ہی وہ سائرن بجاتی ہوئی تیزی سے اسی سمت میں چلی گئیں جدھر سے آئی تھیں۔

دو تین منٹ کے لئے پھر سکوت چھا گیا۔ اس کے بعد ایک مرتبہ پھر عمارت سے فائر کیا گیا۔ اس بار کئی سمتوں سے فوجیوں نے بھی رائفلیں چلائیں مگر دونوں فریق ایک دوسرے کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

ظاہر ہوتا تھا کہ بمشکل پانچ منٹ تک تمام رضاکار پوزیشن گن کی گولیاں برسنے لگیں۔

اسٹین گن خاموش ہوئی تو میگا فون پر ایک سرد اور تحکم آمیز آواز ابھری: "خود کو قانون کے حوالے کر دو ورنہ ہم پوری عمارت اڑا دیں گے۔"

دوسری طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔

"ہم تمہارے جواب کے منتظر ہیں۔" تھوڑے انتظار کے بعد میگا فون والے کی آواز دوبارہ سنائی دی۔

اس بار بھی جواب دینے کی زحمت نہیں کی گئی۔ میرے لئے سناٹے کی خاموشی نہایت حیرت انگیز تھی۔

پچھلی فائرنگ کے کم و بیش پانچ منٹ بعد جب اسٹین گن کا شور دوبارہ سنائی دیا تو ایک بیمار سا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور نگاہیں کلائی کے ساتھ بندھی رسٹ واچ پر جم گئیں جس کے ڈائل کے ہندسے اور سوئیاں اندھیرے میں نمایاں طور پر چمک کر وقت بتا رہے تھے۔

فائرنگ تھم گئی مگر میری نظریں رسٹ واچ پر ہی جمی رہیں جیسے مجھے اس سے کسی معجزے کے نمودار ہونے کی امید ہو۔

لمحہ لمحہ کر کے وقت رینگتا رہا۔ شاید اس وقت گھڑی کی رفتار بھی سست ہو گئی تھی۔ مجھے ایک ایک سیکنڈ گزارنا دشوار معلوم ہو رہا تھا۔

پھر جوں ہی پانچ منٹ کا وقفہ مکمل ہوا، اسٹین گن ایک مرتبہ پھر مشینی انداز میں چل پڑی۔ اس بار نیچے سے بھی فائرنگ کا بھرپور جواب دیا گیا۔ جس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔

میرے ذہن میں ایک موہوم سی امید جنم لے چکی تھی اور میرا دل خوشی سے تیزی سے دھڑکنے لگا تھا مگر اپنے خیال کی تائید کے لئے مجھے مزید کچھ وقت درکار تھا۔

اسٹین گن کا آخری برسٹ پھر پانچ منٹ کے وقفے سے آیا اور پھر کافی دیر تک ایک لمبا وقفہ ہو گیا۔ اس بار نیچے سے فائر نہیں کیا گیا تھا۔

میری امید کو اس صورتحال سے خاصی تقویت حاصل ہوئی۔

اور جب اسی پانچ منٹ کے وقفے کے بعد اسٹین گن پھر گنگنائی تو میں نے بڑے محتاط انداز میں اپنا رسٹ واچ والا ہاتھ گرا لیا اور بے اختیار ساتھ موجود مسلح فوجی کو مخاطب کر بیٹھا۔

میری آواز سنتے ہی وہ آگے بڑھا مگر میں اپنی اضطراری حالت پر سٹپٹا کر رہ گیا۔ اس وقت مجھے بات بند رکھنی تھی مگر سوچنے کا موقع نہ ملنے کے سبب مجھے اس سے کچھ نہ کچھ کہنا بھی ضروری ہو گیا تھا۔

"ایک سگریٹ ہو گی تمہارے پاس؟" میں نے سوال کیا۔

اسی لمحے مختلف سمتوں سے متعدد رائفلیں چلیں اور کسی کارتوس نے کام دکھا دیا۔ عمارت کی سمت سے ایک کربناک چیخ ابھری اور ساتھ ہی اسٹین گن کے فائر کا سلسلہ بھی موقوف ہو گیا۔

"وہ مارا۔" میرا نگراں فرط مسرت سے چلایا۔

جانتا میں بھی تھا کہ نیچے والوں کی فائرنگ سے عمارت میں موجود ایک ایسا شخص ہلاک یا زخمی ہوا تھا جو اسٹین گن چلا رہا تھا لیکن اس وقت میرے لئے عمارت یک بیک اپنی اہمیت کھو بیٹھی تھی۔

واقعات اور ان کے تواتر سے میں نے اپنے ذہن میں ایک ایسی دلیل کا تانا بانا تیار کر لیا تھا جس میں وہ عمارت کوئی افادیت نہیں رکھتی تھی۔

ایک تھکا دینے والے سکوت کے بعد نیچے والوں کا جوش و خروش بڑھ گیا۔ ہر سمت سے گولیوں کا کان پھاڑ دینے والا شور سنائی دینے لگا مگر دوسری طرف سے ان وحشیانہ حملوں کا کوئی جواب سنائی نہ دیا۔

"فائر بند کرو۔" اچانک میگا فون پر ایک چیختی ہوئی تحکمانہ آواز گونجی اور لرزتی ہوئی فضا کو یک بیک قرار آ گیا۔

مسلسل شور کے بعد وہ سناٹا غیر فطری محسوس ہو رہا تھا۔

میرے محافظ نے ایک سگریٹ سلگا کر میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے اطمینان سے اسے لبوں میں دبا لیا۔

"اپنے ہتھیار پھینک دو اور خود کو ہمارے حوالے کر دو ورنہ ہمارا اگلا قدم بہت سخت ثابت ہو گا۔"

میگا فون پر پھر تحکمانہ آواز ابھری اور اپنی ہی بازگشت میں ڈوب گئی۔ دوسری جانب سے اس تنبیہ کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

میں پُرسکون تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ فریق مخالف کی خاموشی قانون کے محافظوں کے اعصاب پر گراں گزر رہی ہوگی۔

کچھ دیر تک سکوت طاری رہا۔ شاید محاذ کے کمانڈر جیپ ہی میں آپس میں صلاح مشورے کر رہے تھے۔

پھر غالباً وہ کسی نتیجے پر پہنچ ہی گئے۔

"اگر پانچ تک گنتی مکمل ہونے تک تم نے جواب نہیں دیا تو نتائج کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔" میگا فون پر طویل سکوت کے بعد وہی آواز ابھری اور اس نے گنتی شروع کر دی۔ "ایک"

چند ثانیوں کے لئے سناٹا چھا گیا پھر وہ آواز گونجی۔ "دو"

وہ دانستہ گنتی مکمل کرنے میں تاخیر کر رہا تھا تاکہ فریق مخالف کو سوچنے کے لئے زیادہ وقت مل سکے مگر بظاہر اس کی یہ کوشش رائیگاں جاتی نظر آ رہی تھی۔ محصور ٹولی نے مسلسل چپ سادھی ہوئی تھی۔

"تین....." اس کے ساتھ ہی کئی فوجی گاڑیوں کے انجن بیدار ہو گئے۔ ان کی بھاری گھڑگھڑاہٹ نے ماحول کو اور بھی پُرہیبت بنا دیا۔ جلتی ہوئی گاڑیوں کے شعلے گو ماند پڑ چکے تھے مگر وہاں سے اٹھنے والا کثیف دھواں اور بے رنگ انگارے اس وقت کسی پامال محاذ کا سماں باندھ رہے تھے جیسے دشمن کی سپاہ بے دردی سے شکست دیتی ہوئی آگے نکل گئی ہو۔

پھر یکلخت ایک بجلی خراش دھماکے سے فضا لرز اٹھی جس کے جلو میں بھاری آہنی جھنکار بھی نمایاں تھی۔

شاید کسی ٹرک کا ٹائر پھٹا تھا۔

"چار......پانچ" اور گنتی مکمل ہوتے ہی سڑک کے وسط میں کھڑے ہوئے آہنی ٹرکوں کی فصیل بکھر گئی۔

بیک وقت سات آٹھ ٹرک غراتے ہوئے اپنی جگہ سے نکل کر محصور عمارت کے داخلی پھاٹک کی طرف بڑھے۔ جگہ کی تنگی کے باعث دو تین ٹرک تیز رفتاری میں ایک دوسرے سے متصادم بھی ہوئے مگر ان کی پیش قدمی میں فرق نہ آیا۔ وہ ایک دوسرے کی آہنی چادریں پھاڑتے ہوئے میری گاڑی کی داہنی جانب روپوش ہو گئے اور پھر شاید انہوں نے عمارت کے داخلی راستے پر ناقابل شکست مورچے قائم کر لئے جنہیں توڑنا آسان نہیں تھا۔

پھر یکلخت سڑک پر دوڑتے ہوئے قدموں کا شور سنائی دیا۔ شاید ان ٹرکوں میں چھپے ہوئے مسلح فوجی نیچے اتر کر عمارت میں گھس پڑے تھے۔

اتنا کچھ ہو گیا مگر عمارت سے کوئی گولی نہ چلی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ایک محصور ملزم کو گولی لگتے ہی اس کے باقی ساتھی بھی معذور ہو چکے تھے۔

مختصر سے وقت میں بولا جانے والا وہ دھاوا اس اعتبار سے نہایت منظم تھا کہ کارروائی کے آغاز کے چھ سات منٹ بعد ہی اندر سے وہ خبر آ گئی جس کا میں خاصی دیر سے منتظر تھا۔

عمارت میں ایک شخص اسٹین گن کے ساتھ مردہ حالت میں ملا تھا۔ اس کے علاوہ وہاں صرف ... خالی تھے۔ سیتا اور اس کے باقی ساتھیوں کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

اس خبر نے ... گلیوں میں چھپے ہوئے تماشائیوں کا ہجوم بے تابانہ سیلاب کی صورت میں چاروں طرف سے لپک آیا۔ چاروں طرف سے تلاش گمشدگی کی پکار بلند ہونے لگی۔ حکام پیچ در پیچ گروہوں کو ... کر رہے تھے مگر وہاں کوئی ان کی بات سننے کے لئے تیار نہیں تھا۔

اس عمارت تک پہنچنے میں دو منصوبوں سے بھی وقت لیا جا چکا تھا۔

اندر گھسنے والے دستوں کے سربراہ نے ہیجان اور اضطراب کے عالم میں سیتا وغیرہ کے لاپتہ ہونے کی خبر جلد از جلد اپنے پیچھے والے ساتھیوں تک پہنچانے کے لئے وائرلیس ٹرانسمیٹر وغیرہ کے بجائے میگا فون استعمال کر ڈالا تھا۔ جس کی آواز دور دور تک سنی گئی تھی اور مجرموں کے نکل جانے کے اس انکشاف نے آن کی آن میں وہاں کا نظم و نسق تہہ و بالا کر دیا تھا۔

فوجی افسران سڑک کے وسط میں کھڑی ہوئی گاڑیاں ہٹانا یا کہیں اور لے جانا چاہ رہے تھے۔ بہت سے انجن بھی اسٹارٹ کر دیئے گئے تھے مگر اس سیل بے پناہ میں موجود افراد کو زخمی کئے بغیر کسی گاڑی کو اپنی جگہ سے ہلانا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔

ہجوم کو بار بار وارننگ دی گئی۔ مگر افراتفری میں کوئی کمی نظر نہ آئی۔ میرے ساتھ موجود مسلح نگراں وقت بے بسی کے ساتھ نہایت فراخ دلی سے ان سرکش تماشائیوں کی ماؤں بہنوں سے زبانی حد تک ناگفتنی رشتے استوار کئے جا رہا تھا۔

"کیوں اپنی زبان خراب کر رہے ہو؟" میں نے نرم لہجے میں اسے ٹوکا۔

"بکواس مت کرو۔" وہ غرّا کر مجھ پر ہی چڑھ دوڑا۔ "زیادہ نقاہت دکھائی تو ایک ہی گولی میں خانہ خراب کر دوں گا۔"

"میں مجرم نہیں ہوں۔" میں نے دھیمے سے احتجاج بھی کیا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" وہ بپھر کر بولا۔ "مجھے حکم ملا ہے کہ تم ذرا بھی چالاک بننے کی کوشش کرو تو تم سے اپنی مرضی کے مطابق نمٹ سکتا ہوں۔"

اس دوران میں باہر کیا ہو رہا ہے اس سے لاعلم رہا البتہ اچانک ہوائی فائرنگ کا شور سن کر میں نے تماشے کی طرف توجہ مرکوز کی۔

اندھیرے میں بے شمار لوگ ایک دوسرے پر گرتے پڑتے ادھر ادھر کسی جائے پناہ کی تلاش میں واپس بھاگے جا رہے تھے۔

پھر شاید کسی کو بھاگنے والوں کی حالت زار پر ترس آیا اور وہاں موجود تمام فوجی ٹرکوں کے ہیڈ لیمپس روشن کر دیئے گئے۔

وہ ہجوم جتنی تیزی سے جمع ہوا تھا، ہوائی فائرنگ کی دہشت سے اس سے زیادہ سرعت سے صاف ہو گیا۔

البتہ ہیڈ لائٹس کی روشنی میں دور تک جوتے، رومال اور مختلف اشیاء بکھری ہوئی نظر آ رہی تھیں جو کسی خوفناک بھگدڑ کا لازمی نتیجہ ہوتی ہیں۔

فوجی گاڑیاں میدان صاف ہوتے ہی سڑک کے وسط سے ہٹا کر مناسب مقامات پر کھڑی کی جانے لگیں۔ اس وقت وہاں کا ماحول نسبتاً پرسکون تھا مگر ہر ایک پر ایک اداسی طاری نظر آ رہی تھی۔

پھر میری گاڑی کا انجن بھی بیدار ہو گیا اور کسی کی ہدایت پر گاڑی آگے بڑھنے لگی۔ اسی وقت میں نے دیکھا کہ محصور عمارت کے سامنے سیلی

جوانوں کی بھاری تعداد شانے سے شانہ ملائے اس طرح کھڑی تھی کہ چڑیا کا بچہ بھی ان کی نظروں میں آئے بغیر اس عمارت سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔

میری ہتھکڑی کبھی رسکنے کے بہانے سیتا بھی چلی گئی جس کا مطلب یہ تھا کہ میں لمحہ بہ لمحہ زندگی سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔

سیتا قانون کے محافظوں کے خطرناک نرغے میں پھنسنے کے باوجود صاف بچ نکلی تھی اور میں نے از خود اپنی گردن قانون کے شکنجے میں پھنسا دی تھی۔

واقعات کی ترتیب کے پیش نظر مجھے سیتا کے فرار کی راہیں نکالنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

مجھے یقین تھا حالات بگڑتے دیکھ کر سیتا اپنے ساتھیوں سمیت یرغمالیوں کی رہائی کے بعد جانے والی آخری کھیپ میں شامل ہو کر فرار ہو گئی تھی۔ راز رکھنے کے لیے اس نے کسی یرغمالی ہی کو آلۂ کار بنایا ہوگا جو کسی کے حکم کے مطابق میرا پیچھا … مختصر وقت کے لیے اسٹیشن تک … چلاتا رہا۔ غالباً اسے دھمکی دی گئی ہوگی کہ اگر اس نے پولیس سے اعتراف کیا تو اس کا بدن چھلنی کر دیا جائے گا اور وہ بے چارہ آخری سانس تک اسی نفسیاتی خوف میں مبتلا رہا۔

اس طرح سیتا نے صاف … نکلنے کے بعد کافی وقت حاصل کر لیا تھا اور اس صورت میں اس نے یرغمالیوں کو لے جانے والی فوجی گاڑیوں سے گلوخلاصی کی بھی کوئی نہ کوئی صورت نکال لی ہوگی۔

اگر بدقسمتی سے کسی نے بھی … کا ذکر نہ کیا ہوتا تو شاید کافی دیر تک فوجیوں کو یہ علم ہی نہ ہو پاتا کہ جس کی خاطر وہاں گھیرا ڈالے ہوئے تھے وہ انہیں چکمہ دے کر نکل گئی تھی۔

"تم کہاں جا رہے ہیں برادر؟" طویل سکوت کے بعد میں نے نہایت محتاط لہجے میں اپنے نگراں سے سوال کیا۔

"جہنم میں۔" وہ پھاڑ کھانے والے انداز میں غرایا۔

"میرے بارے میں ایسی بدفال تو منہ سے نہ نکالو۔" میں نے پھیکے لہجے میں احتجاج کیا۔

"وہ فال بھی کسی جہنم سے کم نہیں۔" وہ سخت بیزار نظر آ رہا تھا اور اسی بیزاری میں وہ میرے … کا مفہوم بھی نہ پا سکا تھا۔ "خاموش بیٹھے رہو۔ بس پہنچ جاؤ گے۔"

"مجھے بتایا ہے ایک افسر نے کچھ گڑبڑ … تو معلوم ہو رہا ہے۔"

"زبردستی۔" اس نے زہریلے لہجے میں دہرایا۔ "وہاں ایک افسر نے … سب کو معلوم تھا کہ تم زبردستی اس کے رشتے دار بن بیٹھے تھے۔ وہ تو اسی نے خود … منہ پر تھوک دیا۔"

"مجھے بڑی تسلی ہوئی۔" میں نے … آواز میں …

پھر اس پانی لینے کے بعد مجھے کچھ بھی ہوش نہیں رہا تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں؟"

"تم مجرم ہو؟" اس کا غصہ قدرے کم ہو گیا۔

"ہاں۔" میں نے غمناک لہجے میں کہا۔

"مگر تمہاری حالت تو بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔" اس نے حیرت سے کہا۔ "معلوم ہی نہیں ہو رہا تھا کہ تم نشے میں ہو۔"

میں ہنس پڑا۔ "جب مجھے خود پتہ نہیں چلا تو دوسروں کو کیا معلوم ہوگا۔" پھر قدرے توقف کے بعد بڑبڑایا۔ "پتہ نہیں اب گلوخلاصی کیسے ہوگی۔"

"سیتا کے نکل جانے کی وجہ سے تمہارا معاملہ بگڑ گیا ہے ورنہ میں تمہاری کافی مدد کر سکتا تھا۔" وہ ہمدردانہ لہجے میں بولا۔ مجھے خوشی تھی کہ میں اپنی کوششوں سے اس کے دل میں اپنے لیے جگہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"ہو سکتا ہے کہ اب مجھے پھانسی پر ہی چڑھا دیا جائے۔" میں نے گلوگیر لہجے میں کہا۔ اس بند گاڑی میں اندھیرا ہونے کے باعث مجھے اس کے ساتھ اداکاری کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آ رہی تھی۔

"تم نے … ہو۔" میری … پر … ہو گیا۔ "وہ زیادہ سے زیادہ دو چار دن قید میں رکھ کر تمہارے بارے میں تفتیش کریں گے اور تمہاری اصلیت معلوم ہونے کے بعد تمہیں رہا کر دیا جائے گا۔"

"کاش ایسا ہو سکتا۔" میرے لہجے میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ "وہ تفتیش کریں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں اپنی بیوی کا … قاتل ہوں۔"

اچانک وہ میرے قریب آ گیا اور پُرجوش انداز میں میرا شانہ دباتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "تو تم اپنی بیوی کے قاتل ہو؟"

"میں اس کی بدزبانی سے عاجز آیا ہوا تھا۔ ایک روز نشے کے عالم میں اس کے پیٹ میں چھری اتار کر ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔ … نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ اس کی خون میں لت پت لاش وہیں چھوڑ کر گھر سے ایسا نکلا کہ ابھی تک پھر ادھر کا رخ نہیں کیا ہے۔"

میں نے محض باتوں ہی باتوں میں اچھا … کوئی موقع پیدا کرنے کی نیت سے داستان طرازی کی تھی مگر نئے موضوع میں اس کی غیر متوقع دلچسپی محسوس کر کے میں ہر موقعے سے فائدہ اٹھانے کے لیے پوری طرح تیار ہو چکا تھا۔

"نشہ واقعی بری چیز ہے۔" وہ حسرت آمیز لہجے میں بولا۔ "آدمی ایسے ایسے کام کر گزرتا ہے جن کے بارے میں سوچ کر ہی ہوش کے عالم میں پتہ پانی ہونے لگتا ہے۔ کاش میں بھی کبھی کوئی کارنامہ انجام دے سکوں۔"

"تم … کی بات جانے دو۔ شاید میں تمہاری مدد کر سکوں۔" میں نے اس کی غیر اخلاقی خواہش کو اخلاقی سہارا دیا۔

"تم بہت اچھے آدمی ہو۔" اس کا لہجہ بالکل ہی تبدیل ہو گیا۔ "اور میں بیوی کا ستایا ہوا ایک بزدل شخص ہوں۔"

مجھے … کہا جاتا ہے … دست … مجھے مربیانہ انداز گفتگو اختیار کرنے کا موقع مل جاتا تھا۔

"مجبوری زندگی اور عورتوں کے لیے کیا جاتا ہے …" میں پہلے اس کا تجربہ بہت تلخ تھا۔ میرا یقین ہے کہ سانپ کا کاٹا زندہ بچ سکتا ہے مگر بیوی کا ڈسا ہوا کبھی نہیں پنپ سکتا۔"

"بہت دکھی ہو؟"

"ایسا ویسا۔" اس وقت وہ اپنی اور میری حیثیت کا فرق بالکل بھول چکا تھا۔ "میری کمائی کا پیسہ پیسہ لے کر اپنے میکے والوں کو پالنا چاہتی ہے۔ میں سرحدی پولیس میں ہوں تو اپنی مرضی کے خلاف اسمگلروں سے تعاون کے عوض جو رقمیں ملتی ہیں … جس دن سے میری … بیوی نے مجھے … باوجود میں اپنی آمدنی بڑھانے کے ذرائع پیدا کر سکتا … مجھے … بتاتے ہیں … کے ساتھ … جب … میری … کی کمائی کی …"

"تو کیا اس کا کوئی علاج ہے؟"

"بہت … اس … بھی … میں … چاہتی ہیں۔ تم جانتے ہو کیا کر کے دکھانا چاہتی ہیں؟ … دنیا … اپنا … ہے … مگر شاید میری بیوی کو … اس … ہے۔"

"ایسی عورت کو واقعی ایک پل بھی زندہ رہنے کا حق نہیں ہے۔"

"مجھے سامنے کی باتیں سمجھانے کی کوشش نہ کرو۔" وہ … لہجے میں بولا۔ "یہ بتاؤ کہ تم میری کیا مدد کر سکتے ہو؟"

میں نے اپنی زنجیروں کو آپس میں ٹکرایا۔ "اس … لینے کے قابل ہی نہیں چھوڑا ورنہ بتانے کے بجائے میں بہت کچھ کر دکھاتا۔"

"تو کیا …؟"

"ہاں ہاں … درست سمجھے ہو۔" میں نے صاف اس کی بات … انداز میں کہا۔

"وہ بے حد حسین ہے اور شاید میری بدقسمتی کا سبب بھی یہی ہے۔" وہ … لہجے میں بولا۔ "ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں اپنے حسن کے سحر میں گرفتار کر لے۔"

"ایک مجبور آدمی پر تم جو الزام چاہو عائد کر سکتے ہو۔" میں نے … ہتھکڑیاں بجا کر کہا۔

"نہیں — میرا مطلب غلط نہ سمجھو۔" وہ بڑبڑا کر سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "اخبار … پڑھنے کے بعد … اور … بھی … اخباروں میں اشتہاروں میں … مرد کو زیر کر لیتی ہے۔"

"… بھی ہوتی تو … اتوں …"

… ہے … کے عالم میں مجھے خاموش کر دیا …

اچانک … کہ … نے … کہا۔ "میں جانتا ہوں تم اس وقت نہیں ٹال کر سکتے ہو مگر اس طرح سارا الزام مجھ پر آ جائے گا۔ میں جلاد نہیں ہوں … مگر تمہیں میرا کام اس خوش اسلوبی سے کرنا ہوگا کہ مجھ پر حرف نہ آنے پائے۔"

"مجھے منظور ہے۔" میں نے کہا۔

ایک بدکار اور شوہر کی بے وفا بیوی کا قتل میری نگاہ میں کوئی ایسا قابل نفرین فعل نہیں تھا جس سے میں پس و پیش کرتا جبکہ اس طرح مجھے فرار کی سہولتوں میں ایک اور نہایت معتبر سہارا مل رہا ہے۔

"یہ بھی میری خوش قسمتی ہے کہ میں آج کل قاہرہ کے مضافات میں ہی متعین ہوں مگر ہفتہ وار تعطیل کے سوا میں کیمپ سے باہر نہیں جا سکتا۔ اگلی چھٹی میں صرف ایک دن رہ گیا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں وہاں … اگر تم اگلے روز … سے اپنا کام سرانجام دے سکو گے۔"

"تو وہ قاہرہ میں ہی رہتی ہے؟"

"ہاں، ایسی عورتوں کے لیے بیروت کے بعد قاہرہ ہی سب سے زیادہ موزوں شہر ہے۔" اس نے … تلخ آواز میں کہا۔

"نام کیا ہے اس کا؟"

اسی وقت اچانک گاڑی کی رفتار کم ہوئی اور وہ برق کی طرح اچھل کر مجھ سے دور ہٹ گیا۔ جیسے ہمیں فوراً ہی دیکھ لیے جانے کا امکان ہے۔

چند ثانیوں بعد اس کی بوکھلاہٹ کا سبب بھی واضح ہو گیا کیونکہ ہماری قیدیوں والی گاڑی خاردار تاروں کی باڑھ میں بنا ہوا چوبی پھاٹک عبور کر کے سرچ لائٹوں سے منور فوجی کیمپ میں داخل ہو چکی تھی۔

"پرسوں رات بالکل رات آؤں گا، تم تیار رہنا۔" وہ میرے قریب آئے بغیر آہستگی سے بڑبڑایا۔

شاید جانے مقصد … قاہرہ کے بجائے یہیں لایا گیا تھا۔ دونوں کا مقصد آزادی کا حصول تھا۔ ایک بیوی سے نجات چاہتا تھا اور دوسرا قید سے۔ لیکن میرے لیے آزادی کے بدلے آزادی کا سودا زیادہ مہنگا نہیں تھا۔

اس کیمپ کے ایک نسبتاً کم دو حصے میں کھپریل کی چھت والے ایک بلاک کے سامنے گاڑی رک گئی۔ انجن بند ہوا اور فوراً ہی جالی دار دروازے کے سامنے دو مستعد فوجی آ موجود ہوئے۔

میں بیڑیوں اور ہتھکڑیوں کی کرخت جھنکار میں اپنے نگراں کے ساتھ گاڑی سے نیچے اترا اور کشاں کشاں ایک وسیع کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

مجھے اندر چھوڑ کر میرا نگراں الٹے قدموں واپس لوٹ گیا۔ پھر ایک اندرونی دروازے سے وہی جنرل داخل ہوا جس نے مجھے … ہوا ابھی کچھ … مجھے سیتا سے براہ راست مخاطب ہونے کا موقع دیا گیا تھا۔

باہر مجھے لانے جانے کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ اپنی ذات کو شبہات سے بالاتر رکھنے کے لیے وہ مجھ جیسے خطرناک قیدی کے قریب نہیں آنا چاہتا تھا اور یہ اس کی عقل مندی کی ایک واضح نشانی تھی۔

مجھے اسی بلاک کے ایک ایسے کمرے میں بند کیا گیا جہاں سونے کے لیے فرش پر صرف ایک بستر اور کمبل موجود تھا۔

محافظ کے پاس چابیاں موجود تھیں اور اس نے میری پاؤں کی زنجیریں، ہتھکڑیاں اور بیڑیاں کھول کر مجھے ان وزنوں سے نجات دلائی اور پھر وہ زنجیریں کھینچتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔

وہ دروازہ بند کر رہا تھا تو معاً میں نے اسے آواز دے ڈالی۔

وہ منہ سے تو کچھ نہ بولا لیکن اس کے تیور بگڑ گئے۔

"کھانے کے لیے کچھ مل سکے گا؟"

اس نے سختی سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ "ناشتہ صبح چھ بجے، دوپہر کا کھانا ایک بجے اور رات کا کھانا سات بجے ملتا ہے۔ نہ پہلے اور نہ بعد۔" مشینی انداز میں اپنی بات مکمل کر کے اس نے سلاخوں والا دروازہ مقفل کر دیا اور کسی طرف چلا گیا۔

اس کمرے میں تیز روشنی والے دو بلب جل رہے تھے۔ میں نے روشنی کم کرنے کے لیے سوئچ تلاش کیے جو نہ مل سکے لہٰذا مجھے مجبوراً اسی حالت میں بستر پر دراز ہونا پڑا اور خاصا آرام دہ ثابت ہوا۔

میں نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر اس آرام دہ بستر سے فائدہ اٹھانا چاہا لیکن ذہن مسلسل سیتا اور بچے کے خیالوں میں الجھا رہا۔

سیتا محل سے نکل کر بدترین خطرے سے دوچار ہو گئی تھی مگر اسے خطرے کی زد سے نکلنے کے لیے خاصا وقت درکار تھا۔

سیتا نے جوڈو اور لڑائی کے استعمال میں جس مہارت کا ثبوت دیا تھا وہ میرے لیے حیران کن تھا۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس نے وہ ساری تربیت کہاں اور کیسے حاصل کی ہوگی؟ پھر عربی زبان سے اس کی واقفیت بھی تعجب خیز تھی۔ اس کے لب و لہجے میں عرب کی جھلک پیدا ہو گئی تھی۔

کانوں سے بہتی چھوٹی سیتا، آنکھوں سے کبھی چھوٹی سہانی صبح اتنی مختلف ہو کر سامنے آئی تھی اور اس نے اس معرکے میں جس جرأت کا ثبوت دیا تھا اس کے پیش نظر مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور خطرات سے نکل جائے گی۔

لیکن طویل مدت کے بعد ایک دوسرے کے مقابل آ جانے کے بعد سیتا کا مجھ سے یوں بچھڑ جانا مجھے بہت گراں گزر رہا تھا۔ میں اسے کسی بھی طرح اپنی سلامتی کا یقین نہ دلا سکا تھا۔

اس سے پیشتر صرف میں مفرور تھا اور قاہرہ کے اس خونریز معرکے کے بعد سیتا بھی مفرور کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔

لیبیا سے جیل سے فرار ہوئی اور طرابلس کے قانون کو مطلوب تھی۔ البحوث کا شعبہ تو ہوا خرابیوں کے ایما پر سیتا کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ قاہرہ میں بھی اس کے اشتہار چھپ چکے تھے اور وہ پہنچ چکا تھا مگر مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ میں سیتا سے کب اور کس طرح مل سکوں گا؟

پھر امید کا دھارا میری بے بسی کے ہاتھوں سے ہٹ کر اس فوجی کی طرف منتقل ہو گیا جو میری آزادی کا واحد سہارا تھا۔

اس سے گفتگو کی تمام تر نوعیت ایسی تھی کہ میں اس کا نام تک دریافت نہ کر سکا اگر مجھ سے رہا ہونے کے بعد اس کا حسبِ انتظام کرنا تھا تو اگلے چوبیس گھنٹوں میں میرے پاس آ جانا چاہیے تھا۔

خیالات کی اس دھند میں کسی وقت میری آنکھ لگ گئی۔

وہ رات کسی خاص واقعے کے بغیر گزر گئی اور صبح سویرے ہی مجھے سپاہی نے جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا۔

اسی کمرے کے ایک گوشے میں دوسری ضروریات کا بندوبست تھا ان سے فارغ ہوا تو ناشتے کی ٹرے فرش پر موجود تھی۔

ابلے ہوئے انڈے، مکھن لگے ہوئے ٹوسٹ اور گرم گرم عربی قہوے پر مشتمل اس ناشتے نے خاصی تقویت پہنچائی اور میں نے صاف کرنے کے بعد اپنے لیے سگریٹ سلگا لی۔

مجھے حیرت تھی کہ ان لوگوں نے میرے پاس ماچس چھوڑ دیا تھا۔ حالانکہ اس کی مدد سے اور کچھ نہ سہی تو میں بستر کو آگ لگا سکتا تھا لیکن ان لوگوں کا اعتماد بھی بلاسبب نہیں تھا۔ وہ کمرہ ایسے سامان سے تیار کیا گیا تھا کہ آگ اس پر کوئی برا اثر نہیں ڈال سکتی تھی۔

دوپہر کا کھانا لانے والا چہرہ میرا شناسا تھا مگر میں نے اسے دیکھ کر کسی مسرت کا اظہار نہیں کیا۔

وہ دروازہ کھول کر کھانے کی ٹرے اندر لایا اور ٹرے رکھتے ہوئے اس نے آہستگی سے ایک چابی فرش پر گرا دی۔

"یہ دروازے کی چابی ہے۔" اس کی زیر لب آواز بہت دھیمی مگر واضح تھی۔ "آج رات دس بجے دروازہ کھول کر راہداری میں دائیں جانب جاؤ گے تو آخری کونے سے وہاں میں فوجی وردی کا تھیلا ملے گا۔ وردی پہن کر پھاٹک تک پہنچ جانا۔ میں وہیں تمہارا انتظار کروں گا۔"

"اور محافظ؟"

"ٹھیک ہے میدان صاف ہوتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ واپس چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ برتن واپس لینے آیا تو ہم نے آپس میں ایک لفظ بھی نہیں بولا تھا البتہ تفہیمی نگاہوں کا تبادلہ ضرور ہوا۔

دروازے کی چابی میں نے اس کمرے میں بچھے قالین کے ایک سوراخ میں اس طرح چھپا دی کہ وہ آسانی سے نظر نہیں آ سکتی تھی اور پھر آنے والی رات کے بارے میں اپنی حکمت عملی پر غور کرنے لگا۔

اس بے نام دوست نے مجھے جو ترکیب بتائی وہ الفاظ کی حد تک بہت آسان اور قابل عمل تھی لیکن اس میں بے شمار خطرات تھے۔

جنرل کے ہاتھ میں ادھ جلا سگار دبا ہوا تھا۔ اس کے پپوٹے سوجے متورم تھے۔ آنکھیں غیر معمولی حد تک چمک رہی تھیں اور پیشانی کی تمام شکنیں ابھری ہوئی تھیں۔ غالباً وہ کسی اندرونی جھگڑے میں کافی دیر سے خراب نوشی میں مبتلا تھا۔

"جلدی لوٹ آئے۔" جنرل نے آتے ہی بھاری آواز مگر طنزیہ لہجے میں کہا۔

"مجھے معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ وہ کیسے نکلنے میں کامیاب ہو گئی؟" میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"تمہاری بیوی بہت خونخوار عورت ہے۔" جنرل کے ان توہین آمیز الفاظ کو سنتے ہوئے میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس وقت مجھے لانے والا نگران وہاں موجود نہیں تھا ورنہ میری ساری محنت رائیگاں جاتی۔

"وہ یرغمالیوں میں مل کر فرار ہوئی۔ اس کے ساتھ دو لڑکے تھے۔" جنرل نے کہا۔ "باقی واقعی یرغمالی تھے۔ راستے میں ان تینوں نے اچانک گارڈز پر فائرنگ شروع کر دی۔ ہمارے پانچ جوان مارے گئے، سات زخمی ہوئے اور وہ تینوں ہماری ہی ایک جیپ میں نکل گئے۔"

"مجھے افسوس ہے جنرل۔" میں نے سر جھکا کر کہا۔ "میں اسی بڑی گڑبڑی کو ٹالنے کے لیے مضطرب تھا۔ اب وہ زیادہ دیر تک تمہاری دسترس سے آزاد نہ رہ سکے گی اور میں بھی اس کے لیے کچھ نہ کر سکوں گا۔"

"یہ الفاظ تمہارے شانوں پر آیا ہوا بوجھ ہلکا نہیں کر سکیں گے۔" جنرل کا لہجہ سپاٹ ہو گیا۔ "تمہاری اور سیتا کی گفتگو ریکارڈ کی گئی تھی۔ تم نے ہندی کا بھی ......"

"ہندی نہیں جنرل، اردو کہو۔" اب جبکہ میں ہندو ہونے کا اعتراف کر چکا تھا۔ ایسی باتوں پر خاموش رہنا بے سود تھا۔

"ایک ہی بات ہے۔" اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"نہیں جناب فرق ہے۔" میں نے اسے ٹوک کر کہا۔ "جس طرح عربی اور عبرانی مختلف ہیں اس سے زیادہ اردو اور ہندی میں فرق ہے۔"

جنرل نے مجھے چبھتی ہوئی نظروں سے گھورا پھر سگار کا ایک گہرا کش لے کر بولا۔ "خیر وہ جو بھی زبان تھی اسے دوبارہ سنا گیا۔ یہ حقیقت ہے کہ ماہرین کے مطابق تم نے اسے فرار کی کوئی راہ سجھانے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ہندی کی کون سی دیوی ہے جس کا تم نے واسطہ دیا تھا؟"

یکایک میرا ذہن ہزاروں میل دور جالندھر کی برفانی وادیوں میں پہنچ گیا اور میں نے خفیف سے جذباتی تلاطم کے ساتھ کہا۔ "وہ کوئی دیوی نہیں تھی جنرل۔ وہ مشرق کے پہاڑوں کی ایک خوبصورت بیٹی تھی جس کی کوکھ نے سیتا کو جنم دیا تھا۔"

"سیتا کی ماں؟" جنرل نے سگار قالین پر پھینک کر جوتے سے مسل دیا۔ "وہ کہاں ہے؟"

"نہ جانے کہاں ہو گی۔" میں نے آخری بار اسے برف پوش چوٹیوں سے گھری ہوئی برف پوش وادیوں میں تنہا کھڑے دیکھا تھا جب وہ اپنی بیٹی کو میرے ساتھ رخصت کر رہی تھی۔" ماضی کی یادیں پھر سے میری آنکھوں میں مجسم ہونے لگیں۔

"شاعری مت کرو۔" جنرل کے ساتھ آنے والوں میں سے ایک نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "جنرل صاحب جو پوچھتے ہیں صرف اتنا جواب دو۔"

"یہ یاد رکھو کہ تم یہاں مہمان نہیں ایک خطرناک قیدی بنا کر لائے گئے ہو۔" جنرل نے دوسرا سگار سلگا کر چباتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہارا رویہ مناسب نہ رہا تو آدمی کے انٹروگیشن سیل میں تڑپا تڑپا کر ہلاک کر دیے جاؤ گے۔"

"مگر میرا جرم کیا ہے جنرل؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "تم نے تو کہا تھا کہ میں مصری قانون کی نگاہ میں بے قصور ہوں کیونکہ میں نے مصر کی سرحدوں میں کسی جرم کا ارتکاب نہیں کیا ہے؟"

"اگر سیتا زندہ یا مردہ پکڑی جاتی تو شاید ایسا ہی ہوتا۔ اس وقت مجھے اپنی حکمت عملی پر اعتماد تھا مگر اب حالات بدل چکے ہیں اور تم ایک مفرور قاتل کے شوہر ہو جسے استعمال کر کے ہم اصل ملزمہ تک پہنچ سکتے ہیں۔" جنرل نے الفاظ کے ہیر پھیر کا سہارا لیے بغیر سیتا کے مقابلے میں اپنی ناکامی تسلیم کر لی۔

"میں اپنے مقدر پر کوئی اختیار نہیں رکھتا۔" میں نے مکمل بیچارگی کی گمبھیر اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "کاش میں نے یہاں آنے کی حماقت نہ کی ہوتی۔"

"وہ تم سے بہت زیادہ چالاک ہے۔" جنرل نے نیا سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "اس نے ہماری گاڑیوں پر دستی آتش گیر بم پھینکے تاکہ ہم مشتعل ہو کر انتقامی کارروائی کریں اور یوں وہ زخمی یرغمالیوں کو ہلاک کرنے کی آڑ میں خود بھی نکل جائے اور وہ کامیاب ہو گئی۔"

بات ختم کر کے جنرل نے اپنے ساتھ والوں کو اشارہ کیا اور وہ مجھے ایک گوشے میں پڑی ہوئی میز کی طرف لے گئے۔

اس میز پر نشانات انگشت کے بڑے بڑے مطبوعہ فارم پڑے ہوئے تھے جن کے قریب ہی دوسرے لوازمات بھی موجود تھے۔

انگلیوں کے نشانات لینے سے قبل انہوں نے تولیے کے ذریعے میرے ہاتھوں کا محتاط جائزہ لیا کہ کہیں باریک جھلی وغیرہ تو نہیں چڑھی ہوئی پھر مختلف فارموں پر نشانات لینے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

میں اس کام سے فارغ ہو کر پلٹا تو جنرل واپس جا چکا تھا اور ایک فوجی میرے جانے کے انتظار میں کھڑا ہوا تھا۔

ان دونوں سے سامنا ہوتے ہی اس فوجی نے انہیں سیلوٹ پیش کیا اور ان کا اشارہ پاتے ہی مجھے لے کر باہر چل دیا۔

پوشیدہ تھے۔

میں ایک رات اس قید خانے میں گزار کر اس بات سے تو واقف ہو گیا تھا کہ میرا کمرہ رات بھر مقفل رہتا تھا لیکن بیرونی برآمدہ یا راہداری پر پہرہ کیسا بھی تھا مگر آدھی رات گئے دروازے کا قفل کھول کر میرا باہر نکلنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

باہر اندھیرے میں گو میں اگر ابھی فوجی وردی میں ہوتا تو بھی ہو سکتا تھا پھر سادہ لباس میں باہر نکلنا بھی کسی خونخوار فوجی سے مڈبھیڑ کا سبب بن سکتا تھا۔

کرنل کے وہاں سے فوجی وردی حاصل کرنے کے لیے اپنا لباس تبدیل کرنا اور ساتھ لے جانا بھی ضروری تھا تاکہ بعد میں کسی کو یہ اندازہ نہ ہو سکے کہ میں اپنا لباس تبدیل کر کے وہاں سے فرار ہوا تھا۔

مجھے امید تھی کہ اگر میں ان مراحل سے بخیر و خوبی گزر کر فوجی وردی تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا تو میرے لیے بارڈر تک پہنچنا مشکل ثابت نہ ہوتا کیونکہ راستے میں ٹکرانے والے کسی بھی فوجی کو با آسانی چل دے سکتا تھا۔

جنوبی بارڈر کا خیال آتے ہی میں سلاخوں دار دروازے کے قریب جا بیٹھا۔ مجھے ستاروں کے بارے میں اتنا علم نہیں تھا کہ رات کے لمحے ان کی مدد سے جنوب کا تعین کر سکتا اور نہ ہی میرے پاس قطب نما کی قسم کی کوئی چیز موجود تھی لہٰذا میں نے باہر کھلے میدان میں پڑنے والے سایوں کا مشاہدہ شروع کر دیا۔

وہ زوال کا وقت تھا لہٰذا میں سایوں کے بڑھنے کی سمت سے اپنا مسئلہ حل کرنے میں با آسانی کامیاب ہو گیا۔ اس اعتبار سے بارڈر کی جنوبی سمت میرے بلاک کے عقب میں واقع تھی۔

مجھے جیسے شام آئی پھر رات بھی آ گئی۔

اعصابی تناؤ کے باعث میں اس رات کھانا بھی نہ کھا سکا۔ میری خواہش یہی تھی کہ مجھے مقررہ وقت تک بالکل تنہا چھوڑ دیا جائے تاکہ میں اپنی تمام ذہنی اور جسمانی قوتیں مجتمع رکھ سکوں۔

رات کے نو بجے میں کمبل اوڑھ کر بستر پر دراز ہو گیا۔ میں نے دانستہ کمبل سر تک اوڑھ کر اپنی پشت دروازے کی طرف کر لی۔

اس طرح میں رات کی تاریکی کے بڑھنے کا انتظار کر رہا تھا۔

میرا ارادہ تھا کہ کمرے سے نکلنے سے قبل بستر خالی چھوڑنے کے بجائے میں کمبل کے نیچے مختلف چیزیں اس طرح چھپا دوں گا کہ باہر سے اگر جھانکنے والا کوئی آدمی دیکھے تو اسے سر تک کمبل اوڑھے سوتا نظر آئے۔

ساڑھے بارہ بجے کے قریب میں نے کروٹ بدل کر کمبل میں خفیف سی جھری پیدا کی تو مجھے اپنے کمرے کے باہر راہداری میں مکمل تاریکی نظر آئی۔ گیارہ بجے تک مجھے قریب جوار میں پکی زمین پر فوجی جوتوں کی دھمک کی آوازیں سنائی دیتی رہیں جو رفتہ رفتہ معدوم ہونے لگیں۔ اور بارہ بجے تک فضا پر ایک ایسا مکمل سکوت طاری ہو چکا تھا کہ میں اپنے دل کی تیز دھڑکنیں واضح طور پر سن سکتا تھا۔ آس پاس کہیں بھی کسی کی موجودگی کے آثار نہیں تھے۔

ٹھیک پونے ایک بجے میں نے آہستگی سے کمبل اتار دیا۔

آہنی سلاخوں سے گزر کر باہر پڑنے والی روشنی کے سوا سامنے گہری تاریکی کا راج نظر آ رہا تھا۔

میں نے سب سے پہلے مشترکہ پیشاب خانے کی چوکھٹ سے دروازے کی چابی حاصل کی پھر بستر کی چادر کو لپیٹ کر کمبل کی سطح میں حسب منشا ابھار پیدا کر دیا۔ اس سے فارغ ہو کر میں چابی لیتا ہوا بلی قدموں کے انداز میں دروازے تک پہنچ گیا۔

قریب جوار سے کوئی بھی خفیف سی آواز نہیں سنائی دی ہر سو ایک سناٹا طاری تھا۔

میرا ہاتھ بے اختیار جیب میں رینگ گیا۔

چشم زدن میں میں تالا کھول کر اس کمرے سے باہر آ چکا تھا باہر آنے کے بعد میں نے کنڈے میں دوبارہ تالا ڈال دیا۔ اور تیزی سے بائیں طرف اندھیرے میں رینگ گیا تاکہ باہر کا ردعمل دیکھ سکوں۔

میں نے اپنے چمڑی جوتے دیدہ دانستہ اندر چھوڑ دیے تھے کیونکہ ان سے اندھیرے میں کہیں بھی آہٹ پیدا ہو سکتی تھی البتہ پیروں پر موزے موجود تھے۔

میں محض چند ثانیوں کے لیے وہاں دیوار کے سہارے رکا اور پھر پنجوں کے بل راہداری میں بائیں طرف چل دیا۔

راہداری میں توقع کے برعکس تاریکی نہیں تھی۔ وہاں کافی فاصلے سے مدھم روشنی والے بلب لگے ہوئے تھے۔

میری کوشش تھی کہ راہداری جلد از جلد طے کر کے کسی تاریک گوشے تک پہنچ جاؤں جہاں کوئی مجھے نہ دیکھ سکے۔

میرے بائیں طرف دیوار کے ساتھ چند ٹوائلٹ بنے ہوئے تھے اور آخری ٹوائلٹ بھی کم از کم پچاس فٹ دور نظر آ رہا تھا۔

میں بلا کسی رکاوٹ کے ان تک پہنچ گیا۔ اس وقت تک میری چند لمحوں کی بہر حال بات تقریباً درست ثابت ہو چلی تھی۔

مگر مجھے حیرت تھی کہ مجھ جیسے خطرناک مجرم قرار دیے جانے کے باوجود بھی افسران نے رات کے وقت میری کوٹھری پر کسی پہرے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

یہ درست تھا کہ میری انگلیوں کے نشانات کی تصدیق ہونے تک وہ مجھے صفدر علی تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھے مگر جنرل کے قول کے مطابق سیتا کے دلیرانہ فرار کے بعد صفدر علی ذات یک بیک اہمیت اختیار کر گئی تھی اور ایک اہم قیدی کو ہر لمحے اس کے حال پر چھوڑ دینا غیر فطری نظر آ رہا تھا۔

ٹوائلٹ کا آہنی دروازہ میں نے بہت احتیاط سے کھولا تو مجھے

اندر پولی تھین کا ایک تھیلا نظر آیا جسے میں نے بلا تامل باہر نکال لیا۔ تھیلا خاصا بھاری تھا اور اس کے علاوہ ٹوائلٹ میں کوئی ایسی شے موجود نہیں تھی جو کسی مغالطے کا باعث بنتی لہٰذا میں نے فوراً ہی آہنی ڈھکنا واپس رکھا اور تھیلا بغل میں دبا کر چند قدم پیچھے ایک تاریک گوشے میں گھس گیا۔

اس دوران میں میرا ذہن آنے والے لمحوں کے بارے میں بہت محتاط تھا کیونکہ شبہات کے آخری مرحلے کی کامیابی کا انحصار اسی ایک پہلو پر تھا۔

تاریک راہداری میں چند قدم بڑھنے کے بعد مجھے اچانک رکنا پڑا کیونکہ میرے کانوں میں کسی جاندار کے سانس لینے کی دھیمی آوازیں ابھری تھیں۔

پہلے میں نے آگے بڑھ کر احتیاط سے صورت حال کا جائزہ لینے کا ارادہ کیا مگر احتیاط کے پیش نظر اسے فوراً ہی ترک کر دیا۔

تاریک کاریڈور سے نیم روشن راہداری میں آتے ہوئے میں نے پوری احتیاط سے کام لیا اور واپس اپنے کمرے کی طرف چل دیا کیونکہ اس بلاک سے نکاسی کا راستہ اسی طرف واقع تھا اور میں ہر قیمت پر فوراً اس بلاک سے نکل جانا چاہتا تھا۔

راستے میں تھیلے کو ٹٹول کر میں نے یہ یقین کر لیا تھا کہ اس میں آرڈرلی نہیں تو وردی سے ملتا جلتا کوئی لباس ہی موجود تھا مگر مجھے خبر بات یقینی کہ وہ وردی پہن لینے کے باوجود میرے جوتوں سے محروم پیر ہر ایک کی توجہ کا مرکز بن سکتے تھے۔

میں نے راستے میں ہی فیصلہ کر لیا کہ تحفظ کی خاطر مجھے ایک بار پھر اپنے کمرے میں داخل ہونے کا خطرہ مول لینا پڑے گا اور چند ثانیوں بعد میں خود کو ایک مرتبہ پھر اسی جگہ مقفل کر چکا تھا۔

میں نے تنگ پیشاب خانے میں داخل ہو کر پولی تھین کی تھیلی پھاڑی اور مصری فوج کی ایک وردی میرے ہاتھ میں آ گئی۔

وردی میرے جسم پر قدرے تنگ تھی مگر یہ تنگی نہیں معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے بوٹ پہننے کے بعد اپنی تمام اشیا فوجی وردی کی جیبوں میں منتقل کیں اور اپنا لباس تھیلی میں ٹھونس دیا۔

میں نے مقفل کمرے یا پیشاب خانے سے جھانک کر باہر کا جائزہ لینا چاہا مگر یہ ممکن نہ ہو سکا اور میں تن بہ تقدیر باہر روشنی میں آ گیا۔

اس مرتبہ سلاخوں والا دروازہ میں نے دوبارہ مقفل نہیں کیا بلکہ پلٹ کر تیزی سے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

اس بلاک کے عقب میں کافی دور تک تاریک میدان پھیلا ہوا تھا اور چونکہ یہ علاقہ امن کا فوجی کیمپ تھا لہٰذا وہاں زمین سے بلند نگرانی برجیاں اور سرچ لائٹس بھی نظر نہیں آ رہی تھیں۔

میں رکے بغیر اپنے اندازے کی بنا پر جنوبی بارڈر کی طرف بڑھتا چلا۔ میری آنکھیں اس اثنا میں اندھیرے کی عادی ہو چکی تھیں لہٰذا مجھے اپنا راستہ تلاش کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آ رہی تھی۔

چند منٹ بعد تاروں کی چھاؤں میں مجھے خاردار تاروں کی وہ باڑ بھی نظر آ گئی جو مشرق اور مغرب کی سمتوں میں اندھیرے میں مدغم ہو رہی تھی۔

"باڑ پھلانگ کر آؤ۔" چند گز دور سے مجھے ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی اور میں لمحہ بھر کے لیے چونک پڑا۔

پھر خیال آیا کہ وہ جو بھی تھا میرے مفاد کی بات کہہ رہا تھا لہٰذا میرے دوستوں میں سے ہی ہو سکتا تھا لہٰذا ابتدائی کشمکش پر قابو پانے کے بعد میں نے آنکھیں بند کر کے وہ باڑ عبور کر ڈالی۔

چند ہی ثانیوں میں تاریکی سے ایک انسانی ہیولا میرے سامنے آ گیا۔ "میرے پیچھے چلے آؤ۔ نیچے گاڑی موجود ہے۔"

اس مرتبہ میں نے اس کی آواز پہچان لی۔ اپنی بیوی کے ہاتھوں ستایا ہوا وہی مظلوم شخص تھا جو اس فرار میں میرا معاون تھا۔

اس نے اپنے چہرے پر ایک نقاب منڈھ رکھا تھا جس کی وجہ سے اس کی آواز میں تبدیلی آ گئی تھی۔

"مجھے اب تک تمہارا نام معلوم نہیں ہو سکا۔" میں نے اس کی رہنمائی میں ریتیلی ڈھلوان عبور کرتے ہوئے کہا۔

"مگر میں تمہارے بارے میں بہت کچھ معلوم کر چکا ہوں۔" اس کا لہجہ معنی خیز تھا جس میں کچھ طنز کی بو بھی محسوس ہوئی۔

"کیا؟" میں نے مختصر سا سوال کر ڈالا۔

"تم سیتا کے شوہر ہونے کے دعوے دار تھے جبکہ تم نے مجھے بتایا تھا کہ تم اپنی بیوی کے عزیز قائل ہو۔"

"اور شاید میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ میں اسے جو کچھ دے سکتے ہیں وہ پیسوں کے نشے میں کہہ گئے تھے جبکہ حقیقت میں میرا سیتا اور اس کے معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ تو خیر میں نے بھی اندازہ کر لیا تھا مگر اخبارات اسی قسم کے سنسنی خیز پہلوؤں کو اچھالتے ہیں۔"

"کیا اندازہ تھا تمہارا؟"

"تم خود بھی ہو اور دلیر بھی مگر اتنی بڑی ہستی نہیں ہو کہ سیتا جیسی عورت تمہیں اپنا شوہر بنا سکے۔"

میں دل ہی دل میں اس کی خوش فہمی پر مسکرا کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد یہ بات واضح ہوئی کہ اس نے فرار کے لیے باڑ کی جنوبی سمت کا انتخاب کیوں کیا تھا؟

اس طرف باڑ کے اختتام پر تقریباً فوراً ہی ریتیلی ڈھلوان شروع ہو گئی تھی جس کے بعد چند ٹیلے عبور کرنے پر ہم سامنے کھلے میدان میں نکل آئے جہاں ایک پرانی وضع کی فورڈ کار موجود تھی۔

"فکر نہ کرو، یہ میری ہی کار ہے۔" وہ مجھے چونکتے ہوئے دیکھ کر

جلدی سے بولا "اس معاملے میں تم سے زیادہ مجھے رازداری کی فکر تھی۔"

"تم اس کام کے اخراجات کہاں سے پورے کرتے ہو؟" میں نے اس کے چہرہ کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"دراصل یہ میرے بڑے بھائی کی ہے" اس نے جواب دیا "جب وہ کاروباری دوروں پر تا ہیرے سے باہر جاتا ہے تو کار میرے گھر چھوڑ جاتا ہے۔"

گو کہ وہ کار پرانی تھی مگر اس کے کل پرزے اچھی حالت میں تھے۔ سیلف لگاتے ہی انجن فوراً بیدار ہو گیا۔ علاوہ اس کے بڈھا شخص آن کئے بغیر کار آگے بڑھا دی۔

"اپنا نام نہیں بتایا تم نے ابھی تک۔"

"میرا نام زرفیق ہے۔" وہ ہنس کر بولا "تم تو شاید اب تک مجھے صفدر علی ہی سمجھتا رہا تھا۔ اب اپنا اصلی نام بھی بتا دو۔"

"مصطفیٰ الرزوقی۔" میں نے کہا۔

"تو کیا تم واقعی عرب ہو؟"

"شبہ ہے تمہیں؟"

"نن۔۔۔ نہیں۔" وہ ہڑبڑا گیا "دراصل صفدر علی ہونے کی وجہ سے تمہیں ہندی ہونا چاہئے تھا۔"

"ہو سکتا ہے نہیں بھی ہوں۔" میں قہقہہ مار کر پھر موضوع بدلنے کی نیت سے جلدی سے بولا "اب مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"

"اپنی بیوی کو دکھا کر تمہیں کہیں چھوڑ دوں گا۔"

"کل تمہاری چھٹی ہے؟" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"ہاں۔۔۔ ہے۔" وہ کچھ خیال لہجے میں بولا "میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم کل ہی اپنا کام نمٹا لو گے۔"

"پھر تو کل ہی سہی۔"

"نہیں۔" وہ جھلا کر بولا "میں یہ چاہتا ہوں کہ جس وقت تم اپنا کام کرو میں کیسینو میں اپنی ڈیوٹی پر ہوں۔"

"پھر مجھے پتا ہو گا وہ بتاؤ۔"

"تب خود ہی کچھ کرنا ہو گا۔" وہ بڑبڑایا "میری بیوی تو آج رات شاید ہی گھر آئے کیونکہ اس کا باپ اور بیٹی ہر وقت رہتی ہیں تو رات گئے اس کا بھائی بھی واپس لوٹ آتا ہے۔"

"میں بندوبست کر لوں گا۔" میں نے کہا "تمہاری بیوی کا نام کیا ہے؟"

"خالدہ۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا "وہ سمجھتی ہے کہ اس کی عیاشی کا علم کسی کو نہیں ہے مگر میں وہ بار اس کا تعاقب کر کے پتا کر چکا ہوں۔ وہ عباسیہ کے علاقے میں ایک چھوٹے سے فلیٹ میں کسی استاد کا نقل ہے بھائی ہے۔"

اس کی زبان سے خالدہ کا نام سنتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور مجھے بے اختیار وہ عورت یاد آ گئی جو مجھے پہلا پسول کا تحفہ دے کر تین سو سالہ فلیٹ میں لے گئی تھی اور وہیں مجھے اس کی زبانی اس کے قتل کی خبر ملی تھی۔

اس عورت نے اپنا نام خالدہ ہی بتایا تھا اور وہ جیسے کے ساتھ ہی عیاشی کی شوقین بھی معلوم ہوتی تھی کیونکہ جب میں نے اسے بچے بغیر چلتے وقت کچھ رقم وقت کی قیمت کے طور پر دینی چاہی تو اس نے حقارت اور غصے سے میری پیشکش کو ٹھکرا دیا تھا۔ اسے یہ جان کر دلی اذیت ہوئی تھی کہ روئے زمین پر ایک شخص ایسا بھی تھا جو اس کے حسن کی دعوت کو بھی ٹھکرا سکتا تھا۔

میرے دل میں بے اختیار یہ خواہش ابھری کہ کاش وہ خالدہ توفیق کی بیوی نہ ہو کیونکہ ایک طرح سے مجھ پر اس کا احسان بھی تھا۔

اس دلچسپ تحریر کے بقیہ واقعات پانچویں حصے میں ملاحظہ فرمائیے





مفرور

اقلیم علیم

مجھے قاہرہ میں قتل کی ایک لرزہ خیز واردات کی خبر اسی کی زبانی ملی تھی اور پھر میں نے اخبارات میں چھپی ہوئی تفصیلات بھی غور سے دیکھیں تو مجھے قاہرہ میں سبتا کی موجودگی کا پتا چلا، کیونکہ مرنے والا اس کا دشمن البروز کا شیلوز تھا اور اخباری اطلاعات کے مطابق اس کی قاتل ایک عورت تھی۔

مگر میں توفیق سے بھی وعدہ کر چکا تھا کہ فرار میں مدد کے عوض میں اس کی بے وفا بیوی کو ہلاک کر دوں گا اور اگر وہی خاتون توفیق کی بیوی تھی تو اس کا اپنے شوہر سے بے وفائی کا مسئلہ تھی اور وہ قتل کی سزاوار تھی۔

"تو کیا تم مجھے اسی فلیٹ پر لے جا رہے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

وہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا: "فلیٹ کے چند دروازوں کے پیچھے تم کچھ نہ کچھ سکو گے۔"

"مگر ابھی تو تم نے کہا تھا کہ مجھے اپنی بیوی دکھاؤ گے۔"

"میں اس کی تین تصویریں لے آیا ہوں۔" وہ یک بیک جذباتی ہو گیا: "پچھلے دنوں میں ہر وقت اس کی ایک تصویر اپنے پرس میں رکھا کرتا تھا۔ مجھے شبہ تک نہیں تھا کہ وہ مجھ سے بے وفائی کر سکتی ہے۔" مگر بولا: "قابل نفرت ثبوت میسر آنے کے بعد میں نے اس کی تصویر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے۔"

اب کار کچے میدان کو عبور کر کے ایک تاریک سڑک پر آ چکی تھی۔

"تمہارے الفاظ میں تبدیل کیا تھا؟" کچھ دیر کے سکوت کے بعد توفیق نے پژمردہ لہجے میں سوال کیا۔

"ادھار ہوتے کپڑے ہیں۔" میں نے کہا: "میں چھوٹا سا آدمی سمجھ لیجئے! میں کسی اور حلیے میں فرار ہوا ہوں — اب وہ قاہرہ وقت لباس کے سہارے مفرور کی تلاش میں برباد کریں گے۔"

"بہت چالاک ہو۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"مجھے شہر کے وسط میں کہیں اتار دینا۔" میں نے چند ثانیوں بعد کہا۔

"ہوں۔" اس نے مختصر سا جواب دیا جیسے ذہنی طور پر کسی گہری سوچ میں کھویا ہوا ہو۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" میں نے اسے ٹوکا۔

"زندگی کے اہم فیصلے بغیر سوچے سمجھے نہیں کئے جاتے۔" اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"مجھے خوشی ہو گی اگر تم اپنا فیصلہ بدل سکو۔" میں نے اسے بلا معاوضہ اپنے دلی جذبات سے آگاہ کر دیا۔

"فیصلہ تو آپ کا ہے۔" اس کا لہجہ الفاظ سے مطابقت رکھتا تھا۔ "مگر اس میں ذرا بھی گنجائش ہوتی تو میں تمہارے ساتھ یہ منصوبہ نہ بناتا۔"

"تو اب کیا سوچ رہے ہو؟"

"میرا اپنا تحفظ بھی اہم ہے" وہ بولا۔

"اس سے زیادہ کیا تحفظ چاہتے ہو کہ جس وقت وہ ماری جائے گی تم فوجی کیمپ میں اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہے ہو گے۔"

"میری ذات پھر بھی شبہات کی زد میں آئے گی۔" اس نے کہا۔ "پرانے کپڑوں کا بنڈل پچھلے پائیدان میں ڈال دو۔ میں انہیں جلا کر تلف کر دوں گا۔"

"میرے کپڑے تمہارے ذہن پر کیوں سوار ہو گئے ہیں؟" میں نے وہ بنڈل عقبی پائیدان کی طرف اچھالتے ہوئے کہا۔

"اگر تم یہ بنڈل جائے واردات پر بھول گئے تو تھوڑی سی تحقیق کے بعد یہ معلوم ہو جائے گا کہ قاتل فوجی کیمپ کا مفرور قیدی ہے اور مقتولہ کا شوہر اسی کیمپ میں متعین ہے۔ تم فوج میں باز پرس کے طریقوں سے لاعلم ہو۔ اگر تفتیش کا رخ ایک بار بھی میری ذات کی طرف ہو گیا تو میں نہ بچ سکوں گا۔"

میں ہنس پڑا۔ "اصل کام کے آغاز سے قبل ہی یہ بنڈل ہی ٹھکانے لگا۔ ویسے یہ اچھی بات ہے کہ اب میرا اور تمہارا تحفظ ایک دوسرے سے وابستہ ہے۔"

ہم شہر میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹے اور ویرانی کا راج تھا۔ شہر کے مکین دن بھر کے ہنگاموں سے تھک کر گہری نیند سو رہے تھے۔

کار چلاتے ہوئے توفیق نے اپنی جیب سے اپنی بیوی کی تینوں تصاویر نکال کر میری طرف بڑھا دیں۔ "وہ صبا سیمک علاقے میں تین منزلہ عمارت کے فلیٹ نمبر سات میں اکیلی ہی رہتی ہے۔" تنہائی کے باوجود اس کا لہجہ رازدارانہ تھا۔ "اور اس کی بیشتر راتیں وہیں بسر ہوتی ہیں۔"

میں نے جلتی تصویر پر نگاہ ڈالی اور اسٹریٹ لائٹس کے دھیمے اجالے میں اس نسوانی چہرے کے نقوش دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ میرے اندیشوں کے عین مطابق وہ وہی خالدہ تھی۔

اس وقت مجھے دنیا بہت مختصر اور حقیر سی معلوم ہونے لگی جہاں ہر فرد ایک دوسرے کا شناسا تھا۔

تاہم جیسے انسانوں کے شہر میں خالدہ، میں اور توفیق اس طرح یکجا ہو گئے تھے جیسے ایک مثلث کے تین ناگزیر نکتے ہوں۔

میں نے وہ تصاویر فوراً ہی اپنی فوجی وردی کی جیب میں رکھ لیں۔

"پہچاننے میں غلطی تو نہیں کرو گے؟" توفیق نے پوچھا۔

"ابھی کافی وقت ہے، فرصت میں تصویروں کو غور سے دیکھوں گا۔"

"میری طرف سے تمہیں اجازت ہے کہ صورتحال کو انجام دینے کے لئے جو راستہ چاہو، اختیار کرو۔ مجھے اب عزت کی کوئی پروا نہیں۔ خالدہ نے مجھے اپنے دوستوں میں سر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ مجھے خوشی ہوگی اگر اس کے قتل کی خبر کسی گمنام جنسی جنونی کے حوالے سے اخبار میں آئے۔"

"یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "طریقہ کار مجھ پر چھوڑ دو۔ تم پر آنچ بھی نہ آنے پائے گی۔"

"میں لوگوں کو یہ جتانا چاہتا ہوں کہ خالدہ اپنی عاقبت سے ڈر گئی جیسے اس نے میری محبت کا مول لگا کر بے دام بیچ ڈالا تھا۔ اس طرح اس کی موت اپنی جیسی دوسری عورتوں کے لیے عبرت آموز بن سکے گی۔" اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میرے اعصاب اتنے مضبوط نہیں ہیں میرے دوست!" میں نے نرمی سے کہا۔

"کاش… کاش تم واقعی صفدر علی ہوتے۔" وہ حسرت اور اشتعال کے عالم میں آہستہ آہستہ بڑبڑایا۔

میں خاموش رہا البتہ اس کے الفاظ سن کر مجھے تھوڑا سا دکھ ہوا کہ غائبانہ طور پر بعض لوگ مجھے درندہ بھی سمجھتے تھے۔

مگر یہ ان کا قصور نہیں تھا جو شخص ایک مرتبہ قانون کا باغی قرار دے دیا جائے، اس کے نام پر لوگ ہر اخلاقی قدر ناسازگار سمجھتے ہیں اور میرا نام اپنے ماضی کی بنا پر اس کام کے لیے نہایت موزوں تھا۔

پھر میرا ذہن اپنے سامان کی طرف منتقل ہو گیا جو مطعم الدولی میں میرے کمرے میں مقفل پڑا تھا۔

زہریلے تیر پھینکنے والی ایک زیر استعمال پستول تو بے شک میرے پاس موجود تھی مگر چند ذاتی چیزوں کے ساتھ ہی دوسری کئی چیزیں بھی ہوٹل میں تھیں جو میں ہر قیمت پر واپس حاصل کرنا چاہتا تھا۔

"تم میرا ایک کام کر سکو گے؟" کچھ دیر تک غور و خوض کرنے کے بعد میں نے توفیق ہی کو ٹٹولنا مناسب سمجھا۔

"اگر بس میں ہوا!"

"فوجیوں کا قیدی بننے سے قبل میں مطعم الدولی نامی ہوٹل میں مقیم تھا۔ میرے چند جوڑے اور ایک آدھ اہم چیز وہیں پڑی ہے۔"

"تم نے بازپرس کے دوران اس ہوٹل کی نشاندہی تو نہیں کی تھی؟" اس نے فوراً ہی سوال کر ڈالا۔

"نہیں۔" میں نے کہا۔ "سچ پوچھو تو مجھ سے کسی بازپرس کی نوبت ہی نہیں آئی۔"

"اور شاید تمہاری کوئی تازہ تصویر بھی نہیں لی گئی ہوگی۔"

"مجھے کوئی اہمیت دیتے تو یہ خیال بھی ضرور آتا۔"

"یوں تو میں بھی تمہارا دوست بن کر حساب بے باق کرنے کے بعد سامان لا سکتا ہوں مگر میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا۔ ان چیزوں کو بھول ہی جانا تمہارے حق میں بہتر ثابت ہوگا۔"

"اس وردی سے بھی تو جان چھڑانا ہے۔" اسے تذبذب میں مبتلا دیکھ کر میں نے بات بدلنا ہی مناسب سمجھا۔

"اسے پہنے رہو۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "اس وردی میں تم زیادہ محفوظ رہو گے۔ یہاں فوجیوں کی کافی عزت کی جاتی ہے۔"

"صرف وردی کیا کرے گی؟ میرے پاس اپنی کوئی شناخت بھی تو نہیں ہے۔ پاسپورٹ وغیرہ بھی ہوٹل ہی میں ہے۔"

"شناخت کی ضرورت تو اس وقت پیش آئے گی جب تم وردی سے کوئی منفعت حاصل کرنے کی کوشش کرو گے ورنہ کوئی تمہاری طرف بری نگاہ ڈالنے کی ہمت بھی نہ کر سکے گا۔" اس نے کہا۔

"چلو پھر یہ نقصان بھی سہی۔"

"میرے ذہن میں تمہاری طرف سے ایک بات کھٹک رہی ہے۔"

"کہہ ڈالو۔"

"تم عادی مجرم ہو مگر تم نے ابھی تک اس معاوضے کا اظہار نہیں کیا ہے۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم اس سلسلے میں میری کوئی مدد نہیں کر سکو گے" میں نے کہا۔ "اسی لیے تو میں اپنے سامان کی طرف سے فکرمند تھا۔"

"تو کیا اس سامان میں جیریں بھی شامل ہیں؟" میری بے تکلفانہ بات اس کے لیے شدید حیرت کا باعث ثابت ہوئی۔

"روپے تو میں کہیں سے بھی حاصل کر سکتا ہوں۔" میں نے قہقہہ مار کر کہا۔

"میں تمہارے لیے جیریں لایا تھا۔" اس نے بایاں ہاتھ جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ تنخواہ کا وقتی تعطل نفع کے بغیر ناکارہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ غنیمت ہے کہ تم ابھی اس منزل سے دور ہو۔"

میں نے اس کے ہاتھ سے تھیلی لینے میں مصنوعی بے صبری کا مظاہرہ کیا۔

"ابھی نہیں۔" اس نے سختی سے کہا۔ "میری گاڑی میں لوٹ کھسوٹ ہو جائے گی۔ اترنے کے بعد تم کسی جگہ اپنا شوق پورا کر لینا۔"

"اس سے تو بہتر تھا کہ یہ تھیلی اترتے وقت ہی میرے ہاتھ میں تھماتے۔"

"بس اب تمہیں اترنا ہی ہے۔ ہم اس وقت شہر کے وسطی علاقے سے گزر رہے ہیں۔" ہچکچاتے ہوئے اس نے کار کی رفتار کم کر دی۔

چند لمحوں بعد کار ویران فٹ پاتھ کے کنارے رک گئی۔ میں توفیق سے گرمجوشی سے ہاتھ ملا کر نیچے اتر گیا۔

"رہائشی علاقہ قریب ہی ہے۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "تم صبح ہونے سے قبل اپنے چند گھنٹے کسی بھی پارک میں سستا کر گزار سکتے ہو۔"

"میں اپنا انتظام خود کر لوں گا۔" میں نے خوش دلی سے کہا اور وہ تیز رفتاری سے اپنی کار آگے بڑھا لے گیا۔

میرے لیے صبح تک کے چند گھنٹے واقعی اہم تھے۔ اگر میں یہ مدت بخوبی گزار لیتا تو صبح میرا ارادہ عبدالکمال سے ملنے کا تھا جو مجھے کوئی بہتر پناہ گاہ مہیا کر سکتا تھا مگر خرابی یہ تھی کہ طلوع ہونے والا دن جمعے وار تعطیل کا دن تھا۔

مگر مجھے پھر بھی عبدالکمال کے بارے میں تھوڑی سی امید تھی۔ اس کا بکری کیبن جس قسم کے بازار میں واقع تھا وہاں تعطیل وغیرہ کے بارے میں لگے بندھے اصولوں کا ہونا ناممکن ثابت ہوتا۔ پھر بعض مقامات پر تعطیل والے دن بازار محض اس لیے کھولے جاتے ہیں کہ خریدار فرصت میں اپنی جیبیں خالی کر سکیں اور اسی امید کے سہارے میں صبح کے وقت ادھر جانے کے لیے تیار تھا۔

وہ علاقہ تو میرے لیے اجنبی تھا مگر میں اجنبی علاقوں اور لوگوں میں اپنی راہ تلاش کرنے میں خاصی مہارت حاصل کر چکا تھا لہٰذا میرے لیے کھلے کھلے اس میدان تک پہنچنا زیادہ دشوار ثابت نہیں ہوا جہاں گراؤنڈ کے چاروں طرف درختوں کے سائے میں ملاقاتیوں کے لیے چوبی بنچیں نصب تھیں۔

کسی مناسب مقام کی تلاش میں چکر لگاتے ہوئے مجھے ان بنچوں پر دو افراد سوتے ہوئے بھی ملے، جن میں سے ایک کی ہیئت ہی اسے پیشہ ور گداگر ظاہر کر رہی تھی اور دوسرا بھی کوئی مفلوک الحال نظر آ رہا تھا۔

میں نے بھی ایک نسبتاً تاریک گوشہ سنبھال لیا اور بنچ پر دراز ہو گیا۔

سر پر ستاروں بھرا آسمان، چاروں طرف کھلا میدان اور گلابی موسم کی بھینی بھینی ہوائیں اس وقت میرے لیے نعمت سے کم نہیں تھیں۔ چند گھنٹے قبل اس ماحول کا تصور بھی مجھے محال نظر آ رہا تھا۔ بلکہ گزرتا ہوا ہر لمحہ مجھے پھانسی سے قریب تر لے جاتا ہوا محسوس ہو رہا تھا مگر اب میں آزاد تھا۔

میرے پے در پے مصائب اور پھر سرخرو رہائی اس بات کی غماز تھی کہ قدرت مجھ پر مہربان تھی۔ میں بارہا موت کے دہانے سے لوٹ کر بچ نکلا تھا اور نجات کے بعد وہ سارے مراحل ایک ناقابل یقین خواب کی طرح نظر آتے تھے۔

جس وقت توفیق کی نگرانی میں مجھے جدا ہی الماری میں قید کیا گیا تو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چپ چاپ گم گو اور مردم بیزار نظر آنے والا وہ فوجی میرے ساتھ اس قدر تعاون کر سکتا ہے مگر میں محض اسے مجبور کرنے کے لیے اسے کریدتا رہا اور یوں ہی میرا تیر ان کے

زخم پر پڑا نہ صرف اس کی بیزاری کی وجہ سامنے آگئی بلکہ میرے اور اس کے درمیان حائل سارے فاصلے ختم ہو گئے۔

میں نے اپنے ذہن میں بار بار یہ تجزیہ کرنا چاہا کہ میں کس کا زیادہ احسان مند تھا؟ خالدہ کا یا توفیق کا؟

ایک نے نادانستگی میں میری مدد کی اور دوسرے نے دیدہ و دانستہ ایک بھیانک خطرہ مول لے کر مجھے قید سے نجات دلائی تھی۔

میرا فیصلہ ہر بار توفیق کے حق میں رہا۔ خالدہ کی مدد غیر ارادی تھی بلکہ وہ شوہر سے بے وفائی کے سنگین جرم کا ارتکاب کر رہی تھی جس کا میں چشم دید گواہ تھا۔

صفدر علی بذات خود کوئی پارسا شخص نہیں تھا۔ اس کی زندگی کا بیشتر حصہ ان ہی رنگینیوں میں گزرا ہوا تھا مگر پھر بھی وہ بیوی اور شوہر کے رشتے کے تقدس پر ایمان رکھتا تھا۔

یہ اس رشتے پر یقین اور بیوی کی محبت ہی تھی جو مجھے کہیں بھی ایک پل چین نہیں لینے دے رہی تھی۔ اگر میرے دل میں یہ جذبہ بیدار نہ ہوتا تو سیتا کے کھو جانے کے بعد میں کہیں بھی اپنی ایک چھوٹی سی نئی دنیا بسا کر پرسکون زندگی گزار سکتا تھا مگر ایک بار محبت کے بندھن میں بندھ جانے کے بعد ہم دونوں نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے کے لیے جیتے تھے بلکہ ایک دوسرے کو پا لینے کے لیے دلوں کی پوری قوت سے ہر اس رکاوٹ سے ٹکرا سکتے تھے جو ہمارے درمیان حائل تھی۔

اور میرا آخری فیصلہ یہ تھا کہ توفیق سے کیے ہوئے وعدے کی پاسداری ہر اعتبار سے میرے لیے ناگزیر تھی۔

مجھے رہائی مل چکی تھی۔ میں چاہتا تو خالدہ کی صورت دیکھے بغیر کہیں بھی روپوش ہو جاتا اور توفیق میرا کچھ بھی نہ بگاڑ پاتا مگر میرا ضمیر مجھے ہر وقت ملامت کرتا رہتا کہ میں نے ایک دکھی انسان کی کمزوریوں کو شکل بدل کر دھوکے میں چھپا کر اپنا راستہ سیدھا کیا جو میرے نزدیک ناقابل معافی جرم تھا۔

خیالات کی رو توفیق کی طرف بھٹکنے کے ساتھ ہی مجھے افسوس ہوا کہ میں نے سارے دنوں میں اس سے یہ دریافت نہیں کیا کہ میرے کیمپ سے فرار کے وقت وہاں جو ہیجانی کیفیت پیدا ہوئی تھی وہ کیمپ کے معمولات میں شامل تھی یا اس میں توفیق کی در پردہ کوششوں کا کوئی دخل تھا۔

اس چوبی بینچ پر ٹھنڈی ہوا کھاتے ہوئے میں نے مریم کے بارے میں سوچا جو فلسطینی لڑکی تھی مگر عیسائی ہونے کے ناطے اس کے خیالات بالکل ہی باغیانہ تھے۔ وہ بن غازی سے قاہرہ تک میری ہم سفر تھی اور دوستوں کے لیے خاصی فراخدل معلوم ہوتی تھی۔ اس نے مجھے بھی اپنا فون نمبر دیا تھا جس پر میں اس سے کم از کم ایک رنگین شام کا پروگرام طے کر سکتا تھا مگر اس کا نمبر

دوسری چیزوں کے ساتھ میرے ہوٹل کے کمرے میں ہی رہ گیا تھا جس کی بازیابی کی اب کوئی امید نہیں تھی۔

ان ہی خیالات میں صبح کا اجالا مشرقی افق پر نمودار ہو چکا تھا۔ جتنی دیر میں اندھیرے میں بینچ پر پڑا رہا میں نے شدید خواہش کے باوجود سگریٹ سلگانے کی حماقت نہیں کی کیونکہ اس طرح دور سے کوئی بھی ناپسندیدہ شخص میری طرف متوجہ ہو سکتا تھا مگر اجالا پھیلنے کے ساتھ ہی میں اپنی اس خواہش کو مزید ضبط نہ کر سکا۔

بینچ چھوڑ کر میں نے ایک سگریٹ سلگائی اور چہل قدمی کے انداز میں نکاسی کے راستے کی طرف چل دیا۔

سست روی کے ساتھ میں نے اس علاقے میں آدھا وقت ضائع کیا کہ سورج ابھرا اور مشرق کی ابتدائی کرنیں زمین پر پڑنے لگیں پھر میری چال میں تیزی آگئی۔

میری جیب میں رقم موجود تھی مگر رات گزارنے کے لیے کوئی معقول ٹھکانا تلاش کرنے میں خاصی دقت کا سامنا ہوا۔

میں نے ناشتے میں کافی وقت صرف کیا پھر اس سے قبل کہ میری طویل نشست لوگوں کو میری طرف متوجہ کرتی میں وہاں سے اٹھ گیا اور ایک حجام کے یہاں پہنچا۔ مجھے اپنے حلیے کو فوجی وردی میں ملبوس دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔

ادھر ادھر وقت گزارنے کے بعد میں دس بجے اس بازار کی طرف چل دیا جہاں عبدالکمال کا کیبن واقع تھا۔

بازار میں داخل ہوتے ہی مجھے دکانیں کھلنے کے آثار دکھائی دیے۔ خاصی چہل پہل ہوئی چند دکانیں کھل چکی تھیں، بعض کھولی جا رہی تھیں۔ میں گیارہ بجے کیبن والی گلی میں پہنچا تو عبدالکمال دور ہی سے نظر آگیا۔

میرے سامنے پہنچنے سے قبل وہ بے خیالی کے عالم میں خلا میں کسی نقطے کو گھور رہا تھا مگر پھر فوجی وردی کو سامنے پا کر بوکھلا گیا اور جب اس کی نگاہ میرے چہرے پر پڑی تو اس کی آنکھیں فرط حیرت سے پیشانی پر جا چڑھیں۔

"تت.....تم" حیرت اور بے یقینی کے عالم میں اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

"ہاں تمہارے گھر چلنا ہے" میں نے آہستہ سے کہا۔

"اسی قہوہ خانے کے باہر انتظار کرو میں دس منٹ میں آتا ہوں" چہرے پر اس کے دلی رشتے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

میں قہوہ خانے کی مخالف سمت میں چل دیا اور دوسری سمت سے ایک طویل چکر کاٹ کر مقررہ مقام تک جا پہنچا۔

چند منٹ بعد عبدالکمال وہیں آگیا۔ ہماری نگاہیں چار ہوئیں اور میں خاموشی سے اس کے پیچھے ہو لیا۔

پیچھے پیچھے چند فرلانگ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد عبدالکمال نے ایک ٹیکسی روک لی، وہ عقبی نشست پر بیٹھا ہی تھا کہ میں بھی سوار ہو گیا اور ٹیکسی عبدالکمال کے بتائے ہوئے پتے پر روانہ ہو گئی۔

سارے راستے ہم دونوں ہی خاموش رہے۔ پندرہ منٹ کی مسافت اور عبدالکمال کی ہدایات کے بعد ٹیکسی ایک پرسکون اور صاف ستھرے علاقے میں ایک مکان کے سامنے رک گئی۔

کرایہ ادا کر کے عبدالکمال اندر گیا اور پھر دروازہ کھول کر مجھے ڈرائنگ روم میں بلایا۔ جہاں فرشی قالین پر گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے۔

"اب" اندر گھستے ہی اس نے میرے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "تم نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔ ہاشم بھی یہاں پہنچا ہوا ہے۔"

"ہاشم؟ وہ کب آیا؟"

"کل صبح۔" عبدالکمال بولا۔ "تمہاری اطلاعات نے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ سب ہی تمہیں شہرت کا بھوکا کرائے کا سپاہی قرار دے رہے تھے مگر القبس کی رائے تھی کہ صفدر علی نے لاوی کی انتہا پر پہنچنے کے بعد خود کو مصری فوج کے حوالے کر دیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اتنے کھلے اعتراف کے بعد تم کیسے بچ نکلے اور یہ وردی کہاں سے ہاتھ لگی؟"

"انہیں میرے فنگر پرنٹس کی رپورٹ ملے گی تو سر پیٹتے رہ جائیں گے" میں نے ہنس کر کہا۔ "وہ میرے اعتراف کو تسلیم کرنے پر ہی تیار نہیں تھے۔ سیتا کے محاصرے سے نکل جانے کے بعد انہوں نے مجھے محض مشکوک شخص سمجھ کر روکا ہوا تھا۔"

"تو کیا انہوں نے تمہیں خود رہا کر دیا؟"

"اپنی وردی پہنا کر ہرگز رہا کرتے" میں نے کہا۔ "مجھے چند دن رکھ کر میرے فنگر پرنٹس کی رپورٹ کے منتظر تھے کہ مجھے فرار کا موقع مل گیا۔"

"غزالی..." وہ اچھل پڑا۔ "واللہ تم میاں بیوی دونوں ہی عقل و ہوش سے کام لیتے ہو۔ سیتا ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر انہیں صاف نکل گئی، وہ ہر طرف کی خاک چھانتے پھر رہے ہیں اور رہی سہی کسر تم نے پوری کر دی۔"

"سیتا کا کچھ علم ہے؟"

"اڑتی سی خبر ملی ہے کہ لیبیا کے دو سرپھرے حریت پسند اس کے ساتھ ہیں اور ان تینوں کا کوئی پتہ نہیں۔ ہاشم کل سے اسی کوشش میں لگا ہوا ہے کہ ان دونوں کے نام معلوم ہوں تو سلسلہ آگے بڑھے۔"

مزید گفتگو کرنے سے پہلے وہ میری کہانی سننے پر مصر ہو گیا اور میں نے اسے ساری تفصیلات سنا ڈالیں۔

"تو اب تم خالدہ کو ملنے جاؤ گے؟" میری بات پوری ہو جانے پر اس نے آنکھیں نکال کر سوال کیا۔

"جانا ہی پڑے گا، توفیق سے وعدہ کر لینے کے بعد یہ میری اخلاقی ذمہ داری ہے۔" میں نے نرمی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ذمہ داری نبھانی ہے تو پہلے پولیس اسٹیشن جاؤ۔" وہ بگڑ کر بولا۔ "تم پر سب سے زیادہ قانون کی ذمہ داری ہے۔"

"مطلب یہ کہ خود کو..." میں ہنس پڑا۔ "وہ جانتے ہی نہیں کہ میں صفدر علی ہوں۔"

"میں بھی بچکانہ بات کرنے والا آدمی ہوں۔" وہ بدستور تیز لہجے میں بولا۔ "اگر وہ عورت بگڑی ہے تو قصور شوہر کا بھی ہوگا۔ تم خدائی فوجدار تو نہیں ہو۔"

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے عبدالکمال" میں نے پہلے سے زیادہ سنجیدگی سے کہا۔ "میں نے یہ خطرہ مول لے کر رہائی کا سودا کیا ہے اور میں یہ قیمت ادا کر کے رہوں گا۔"

وہ مسلسل بحث کرتا رہا۔ اس کی سب سے مضبوط دلیل یہ تھی کہ ایک بار سارے خطرات سے نکل آنے کے بعد محض وعدے کا بھرم رکھنے کے لیے کسی چکر میں پھنسنا حماقت تھی۔ مگر میں ایسے

خاموش کرانے میں کامیاب ہو گیا۔

ہاشم تاہرہ میں تھا مگر آزادانہ آمدورفت کے خیال سے عبدالکمال سے گھر کے بجائے ایک ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ میرے بتانے پر اس نے ہوٹل کا نمبر ملایا مگر ہاشم اس وقت تک باہر نکل چکا تھا۔

"آج میں نے محض تمہاری وجہ سے دکان کھولی تھی۔" ریسیور رکھ کر پر سکتے ہوئے عبدالکمال نے کہا۔

"میری وجہ سے کیوں؟"

"حالانکہ تم فوجی آدمی تھے جہاں سے میری دانست میں رہائی کا کوئی امکان نہیں تھا مگر پھر بھی مجھے یہ خیال تھا کہ تم بھاگ کے پاس آؤ گے میں میری دکان کے علاوہ کوئی اور قابلِ اعتماد ٹھکانہ نہیں ہے۔" اس نے کہا۔ "ظاہر ہے مگر دکان جلدی کھول کر رات گئے بند کی تھی۔ آج چھٹی کا دن ہے مگر میں چلا آیا اور یہ دیکھ کر بڑا اطمینان آ گیا کہ تم کام آ رہی گئی۔"

"دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔"

"اب تمہارا ارادہ کیا ہے؟"

"فی الحال میرے لیے روپوش ہو گیا ہے۔ کل کے بعد یہ ترتیب پر یہاں سے نکلنا ہے۔" میں نے سگریٹ سلگا کر کہا۔

"میرا کو تلاش نہیں کرو گے؟"

"اس کا ایک معرکہ دیکھ کر مجھے اطمینان ہو گیا ہے۔ اگر وہ تھی بھی اس کے ہمراہ ہی تو دونوں پہلا موقع ملتے ہی یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"کہاں جاؤ گے؟"

"کہیں نہیں۔ بس مصر سے نکلنا ہے اور اس کا بندوبست تم ہی کو کرنا ہو گا۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر تمہاری جیب گرم ہو تو یہاں سارے کام ہو جاتے ہیں۔ میں کاغذات بنانے کے ساتھ ساتھ کچھ رقم بھی دے دوں گا۔"

وہ دن میں نے اسی کے گھر میں گزارا۔ اس کی مدارات سے معلوم ہوتے ہوئے میں اس کی بیوی سے بھی ملا۔ بچوں کو وہ دفتر سامنے نہیں لایا کہ کہیں کوئی غیر ذمہ دارانہ بات باہر نہ پہنچ جائے۔

اس کی بیوی مجھ سے نہایت احترام اور حیرت سے ملی۔ شاید عبدالکمال بیوی سے ہر بات کہہ دینے کا عادی تھا۔ کیونکہ اس کی بیوی مسلسل مجھ سے میرا کے بارے میں سوالات کرتی رہی۔

اس کے جانے کے بعد میں وہیں سو گیا۔

شام کو بیدار ہوا تو پھر ہاشم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی مگر وہ ہوٹل سے مسلسل لاپتہ تھا۔ اسی وقت عبدالکمال نے بتایا کہ میرے فرار کی خبر پھیل چکی تھی اور ہر طرف سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔ کیونکہ میرے فرار کے چند گھنٹے بعد ہی مصری فوجی حکام کو تنگ کرنے والی یہ خبر شائع کی گئی جس میں پہلے صدر حمل تسلیم کیا گیا تھا مگر اس وقت تک کیمپ کا کمانڈنٹ پہلے ادھر والوں کو میرے فرار سے مطلع کر چکا تھا۔

عبدالکمال شطرنج کا شوقین تھا اور میرے لیے باہر نکلنا نا مناسب تھا۔ لہٰذا کھانے کے بعد بساط جم گئی جو رات گئے تک جمی رہی۔

بستر پر دراز ہونے سے قبل پانچویں بار بھی ہاشم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش بے سود ثابت ہوئی۔ خدا جانے وہ کہاں غائب تھا اور کیا کرتا پھر رہا تھا۔

دن کے مقابلے میں رات کا خوابناک ماحول میری تھکان کے لیے زیادہ سود مند ثابت ہوا اور میں جیسے گھوڑے بیچ کر سویا کہ اگلے روز دن چڑھے کی خبر لایا۔

عبدالکمال دکان جانے کے بجائے میری بیداری کا منتظر تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہاشم ساری رات غائب رہا اور اس وقت تک ہوٹل نہیں پہنچا تھا۔

وہ میرے لیے دوسرے لباس کا بندوبست بھی کر چکا تھا۔ لہٰذا غسل کے بعد میں نے فوجی وردی کے بجائے نیا لباس پہن لیا۔

عبدالکمال اس روز دکان بند رکھنے کے موڈ میں تھا مگر میں نے ناشتے کے دوران جبراً اسے دکان بھیجنے پر آمادہ کیا۔ کیونکہ اس کے معمولات میں تبدیلی میری ذات کے لیے بھی نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی۔

اس کی روانگی کے چند منٹ بعد میں بھی نکل کھڑا ہوا۔

میرا خیال تھا کہ دن میں خالدہ اپنے فلیٹ پر ہی مل سکتی تھی جبکہ اس کی شامیں جنس پرستوں کی تلاش میں باہر گزرتی تھیں۔

جامعہ کے علاقے میں پہنچ کر میرے لیے تیرہ منزلہ عمارت تک پہنچنا زیادہ دشوار ثابت نہیں ہوا اور پھر میں نے عمارت بھی پہچان لی۔ خالدہ کا عاشق خرید لیں کہ پچھلی بار بھی اسی عمارت میں آیا تھا۔

اس عمارت میں داخل ہوتے ہوئے مجھے جھرجھری سی آ گئی۔

میں زندگی میں پہلی بار ایک پیشہ ور قاتل کا کردار ادا کرنے جا رہا تھا۔ اس سے قبل میں نے انسانی لہو اپنی ذاتی سلامتی اور ذاتی فیصلوں کے تحت بہایا تھا مگر یہ پہلا موقع تھا کہ میں ایک سرد ہاتھی قتل کا ارتکاب کرنے جا رہا تھا۔

باہر دھول مٹی میں لٹے ہوئے بچوں کا شور اپنے عروج پر تھا۔ گنجان آبادی میں ہر ایک اپنی اپنی دھن میں مگن چلا جا رہا تھا کسی نے میری طرف توجہ دینے کی زحمت بھی نہیں کی مگر اس کے باوجود میرے تحت الشعور میں ایک اجنبی سی گونج ابھر رہی تھی۔

اس سے پہلے میرے ہاتھوں جتنے قتل سرزد ہوئے فیصلہ کن لمحہ سامنے آنے سے قبل مجھے خود انجام کا علم نہیں ہوتا تھا مگر اس بار صرف مجھے ہی نہیں بلکہ ایک اور ہستی کو بھی ہونے والے خون کا پیشگی علم تھا۔

تیسری منزل پر ساتویں فلیٹ میری منزل تھا۔

میں نے دروازے کے سامنے راہداری میں رک کر گھنٹی کا بٹن دبایا۔

"دروازہ کھلا ہے اندر آ جاؤ۔" اندر سے وہی نسوانی آواز ابھری۔

میں نے دوبارہ دستک دی۔ اس بار اندر کچھ جھنجھلاہٹ آمیز آہٹیں سنائی دیں اور پھر دروازہ کھول دیا گیا۔

میرے سامنے خالدہ سلیپنگ گاؤن میں ملبوس کھڑی تھی۔ شاید پچھلی رات اس نے جاگ کر گزاری تھی جو اس وقت تک بستر ہی میں تھی۔

"مجھے پہچانتے ہی خالدہ کے چہرے پر رنگ سے آ گئے۔ کیسے آئے ہو یہاں؟

میرا مذاق اڑانے یا مجھے ذلیل کرنے؟"

"تم سے چند باتیں کرنے۔" میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"اور اگر میں انکار کر دوں؟" وہ غرائی۔ غصے میں اس کا حسن کچھ اور نکھر گیا تھا۔

"میں لوٹ جاؤں گا اور کل دوبارہ آؤں گا۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"ایسی کیا ضروری بات ہے؟" میرے اندازِ گفتگو نے اسے الجھا دیا۔

"اندر آ جاؤں؟"

اس نے میرے لیے راستہ چھوڑ دیا اور میں اس کے پیچھے ہوتے ہوئے فلیٹ میں داخل ہو گیا۔

اندر پہنچ کر میں نے کرسی سنبھالی اور پُرسکون انداز میں سگریٹ نوشی شروع کر دی۔ وہ لاپروایانہ انداز میں میرے سامنے بیٹھ گئی۔ اس کے بیٹھنے کا انداز بے حد شہوت انگیز اور بے باکانہ تھا۔

"میں تمہارے بولنے کی منتظر ہوں۔" طویل سکوت کو اس نے توڑا۔ اس کی آواز سے دلی دبی بے چینی جھلک رہی تھی۔

میں نے مسکرا کر اپنی جگہ چھوڑ دی اور اس کے عقب میں پہنچ کر دونوں ہاتھ اس کی مرمریں گردن پر رکھ دیے۔

اس نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ میں نے دو تین بار بار ہولے ہولے اس کی گردن سہلائی اور واپس اپنی کرسی پر آ گیا۔

"ایسے جاؤ کہاں رکھ کیوں گئے؟" اس بار اس کی آواز نرم تھی۔

"ابھی تک تو خاموشی ہی بھلی ہے۔"

"بعض لوگ زبان سے شکست کا اقرار نہیں کرتے، اشاروں کی زبان میں بات کرتے ہیں۔" اس کے لہجے میں ایک بیک اعتماد سمٹ آیا۔ "بولو تم نے شروع کیا ہے تو پھر لیتے جاؤ، اجازت ہے۔"

میں نے گردن جھٹک کر مسکرا دیا۔

کتنی نادان تھی وہ کہ اپنے قاتل کو مسیحا سمجھ رہی تھی۔ وہ اپنی ذات کے ایسے طلسم میں گرفتار تھی کہ اپنے جسم و شباب سے آگے دیکھنے کو تیار نہ تھی مگر اس کے باوجود مجھے اس پر رحم آ رہا تھا۔

میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس سے دو ٹوک بات کرنے کے بعد ہی میں اپنے عہد کو عملی جامہ پہناؤں گا۔ اس سے پہلے نہیں۔

"تم شادی شدہ ہو؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے خالدہ سے سوال کیا۔

"اندھیروں کی سہاگن اور اجالوں کی بیوہ ہوں۔" اس نے بال جھٹک کر شانِ بے نیازی سے جواب دیا۔

اس حسین ساحرہ کو میرے سنگین عزائم کے بارے میں ذرا بھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا اور وہ مسلسل اسی خوش فہمی میں مبتلا تھی کہ ایک بار ٹھکرا کر چلے جانے کے بعد میں اسے نہ بھول سکا اور آخر کار دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک مرتبہ پھر اس کی دہلیز پر آ پہنچا۔

میرے سوال کا جواب اس نے ایسے دو ٹوک انداز میں دیا تھا کہ میں فوری طور پر اپنا سوال دہرانے کے لیے الفاظ کا انتخاب نہ کر سکا۔

"شاعری بھی کر لیتی ہو؟" میں نے توقف کے بعد خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "اجالوں کی بیوہ کیسے ہو سکتی ہو؟"

"رات کے اندھیرے میں مجھ پر اپنی جان نثار کرنے کا دعوے کرنے والے معززین دن کے اجالے میں مجھے پہچاننا بھی گوارا نہیں کرتے۔" وہ شہادت کی مخروطی انگلی سے اپنا دایاں رخسار سہلاتے ہوئے بولی۔

"میں جذباتیوں کا ذکر نہیں کر رہا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں فی الحقیقت یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہاری شادی ہوئی یا نہیں؟"

وہ ایک ادا کے ساتھ ہنس پڑی۔ اس ہنسی میں طنز کا زہر ملا ہوا تھا۔ "بزدل مرد میرے بدن کے حصول کی مہم کی ابتدا ایسے ہی سوالات سے کرتے ہیں۔ تمہیں تو میں اجازت دے چکی ہوں۔"

"میری ہدایت کرو بس ایک معیار پر رہ جا پہنچو۔" میں نے اس کے تضحیک آمیز انداز گفتگو کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "جب میرے سوالات کا مقصد واضح ہو گا تو تم اپنی حیرت پر قابو نہ رکھ سکو گی۔"

"مجھ سے شادی کرنے کا ارادہ ہے؟" وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے باکانہ لہجے میں بولی۔

"میں خود شادی شدہ ہوں۔ وقت برباد نہ کرو اور جو کچھ میں جاننا چاہتا ہوں اس میں پس و پیش نہ کرو۔"

پہلی بار اس کے لہجے پر الجھن کے آثار عود کر آئے اور اس نے فکر آمیز لہجے میں سوال کیا۔ "یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟"

"تمہارا ایک ہمدرد۔" میں نے سگریٹ کا ٹوٹا فرش پر پھینک کر جوتے کے تلے سے بے رحمی سے کچل دیا۔

وہ چند ثانیوں تک خالی الذہنی کے عالم میں میری طرف دیکھتی رہی پھر دھیمی آواز میں بولی۔ "میں شادی شدہ ہوں۔"

"پھر ان بری عادتوں میں کیوں مبتلا ہو؟"

"آخر تمہیں میری نجی زندگی سے اتنی دلچسپی کیوں ہے؟" وہ ایک مرتبہ پھر بھڑک گئی۔ اس کا رویہ غیر یقینی سا تھا۔

"محض ہمدردی۔"

"قاہرہ میں میرے علاوہ اور لڑکیاں بھی ہیں۔ تم ان سے ہمدردی جتانے کیوں نہیں جاتے؟" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ اپنی عادتوں کی وجہ سے ان میں سے کسی کی جان کو فوری خطرہ لاحق ہے تو ضرور اس کے پاس جاؤں گا۔"

یک بیک اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور آنکھوں میں خوف سمٹ آیا۔ "پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔ مجھے بلاوجہ خوفزدہ مت کرو۔"

"میں درست کہہ رہا ہوں مسز خالدہ توفیق!"

وہ کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ اس کی نگاہیں مسلسل میرے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔

"تو تم بہت کچھ جانتے ہو۔" اس کی آواز شکست خوردہ تھی۔ "شاید میری زبان سے اپنی معلومات کی تصدیق کرانا چاہ رہے تھے؟"

"میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے موجودہ روش کیوں اختیار کی ہوئی ہے؟" میں نے ایک نیا سگریٹ سلگاتے ہوئے سوال کیا۔

"تم نے مجھے سہما دیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ میری جان کو کیا خطرہ درپیش ہے اور میرا کون سا دشمن پیدا ہو گیا ہے؟"

"فکر نہ کرو۔ میری موجودگی میں کوئی دشمن تمہاری طرف نگاہ بھی نہیں اٹھا سکتا۔ تم میری بات کا جواب دو۔"

"تم توفیق کے دوست ہو؟" اس کی نگاہوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میری ذات سے خوفزدہ تھی۔

"دوست نہیں ہوں، مگر اسے جانتا ہوں۔"

"اگر جانتے ہو تو یہ بھی معلوم ہو گا کہ وہ کیسا کمینہ آدمی ہے۔" اس نے مشتعل اور غصیلی آواز میں کہا۔

"اس کی کمینگی کا یہ علاج تو نہیں کہ تم سر بازار اپنی آبرو کی دکان سجا ڈالو۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ اس وقت میں حقیقی طور پر خود کو خالدہ کے مقابلے میں عمر رسیدہ اور سرپرست نما شخص محسوس کر رہا تھا اور میرے ذہن کے کسی بھی گوشے میں آوارگی کے جراثیم نہیں ابھر رہے تھے۔

"یہ راستہ مجھے اسی نے دکھایا تھا۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"نہیں؟" بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔ خالدہ کا وہ انکشاف میرے لیے شدید حیرت اور ذہنی جھٹکے کا باعث ثابت ہوا تھا۔

"وہ میری موجودہ سرگرمیوں کے بارے میں تمام واقف ہے مگر اس نے ایک بار بھی براہ راست مجھ سے اس موضوع پر بات نہیں کی۔ وہ جیسے بہانوں سے آئے دن میری غیرت کو للکارتا رہتا ہے مگر

مجھ پر کھلا الزام عائد کرنے کی اس میں جرأت نہیں ہے کیونکہ اس کے دل میں کئی برسوں سے یہ چور موجود ہے۔"

"میرے لیے تمہاری بات ناقابل فہم ہے۔"

"ہونی ہی چاہیے کیونکہ تم خود ایک مرد ہو۔" وہ تحقیر آمیز لہجے میں بولی۔

"تفصیل جانے بغیر میں یقینی رائے کیسے قائم کر سکتا ہوں۔"

"شادی کے دو سال بعد تک میں ایک وفا شعار بیوی تھی۔ میں اپنے شوہر کو رشوت خوری سے باز رکھنے کی ناکام کوشش کرتی رہی۔ آخر کار آسانی سے ملنے والی رقموں کی عادی ہو گئی۔ پھر ایک روز توفیق کو اسمگلروں سے لین دین کرتے ہوئے اس کے افسروں نے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ وہ دو روز حوالات میں رہا، کورٹ مارشل، قید، جرمانہ اور ملازمت سے برطرفی یقینی بات تھی۔" خالدہ کی نگاہیں خلاء میں کسی نکتے پر مرکوز تھیں اور اس کی آواز کرب آلود ہو گئی تھی۔ "پہلی رات اس نے حوالات کی سلاخیں تھام کر بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اپنی آزادی اور مستقبل کے نام پر مجھ سے ایک شرمناک فرمائش کی جس پر میں برہم ہو گئی مگر جب وہ روز روز کی التجائیں کرتا رہا تو میرا رویہ بدل گیا۔ اگلی رات میں نے تحقیقاتی ٹیم کے سربراہ کی خلوت میں بسر کی اور اگلی صبح توفیق کو حوالات سے رہائی مل گئی۔ مگر وہ ملازمت سے معطل رہا۔ دو ماہ بعد اس پر عائد کیے گئے سارے الزامات واپس لے لیے گئے۔ اس دوران میں توفیق کے ایما پر میں بار بار اس افسر سے ملتی رہی۔ وہ قصہ ختم ہوتے ہی توفیق کا تبادلہ کر دیا گیا۔ اور میں اس گھناؤنی ذمہ داری سے بچ گئی مگر ہماری ضروریات بڑھ چکی تھیں۔ توفیق کے لیے رشوت کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ اس نے تبادلے کے لیے ایک مرتبہ پھر مجھے گناہ پر مجبور کیا۔ اس کے نئے افسر نے تین بار مجھ سے درندے جیسا سلوک کیا۔ پھر خود افسر کا اسکندریہ تبادلہ ہو گیا اور میری عزت نفس کی بھینٹ چڑھنے کے باوجود توفیق جہاں تھا وہیں رہا..... لیکن اس بے ثمر پامالی پر میری ذات بکھر کر رہ گئی اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں توفیق کی ترقی کا زینہ بننے کے بجائے اپنی قیمت خود وصول کروں گی۔ اور آج تک میں اپنے اسی فیصلے پر کاربند ہوں۔ توفیق تو ایک شریف عہدہ غلاف اور دھوکے باز نکلا تھا مگر میرے سامنے گاہک ہے... ایماندار ہوتے ہیں۔ جاتے ہوئے طے شدہ معاوضے سے کچھ زیادہ ہی دے جاتے ہیں۔"

اس کی کہانی سن کر میں ششدر رہ گیا۔ توفیق سے گفتگو کے بعد میں خالدہ کو قابل گردن زدنی سمجھ رہا تھا مگر خالدہ کی کتھا سننے کے بعد توفیق جیسے بے شرم آدمی کے لیے موت بھی معمولی سزا نظر آ رہی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ میں نے براہ راست اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے بجائے خالدہ سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا ورنہ نادانستگی میں توفیق کے حصے کی سزا خالدہ کو دے بیٹھتا۔

"تم نے اس سے کنارہ کشی کیوں نہیں کر لی؟" میں نے ذہن میں ابھرنے والا ایک منطقی سوال اس کے سامنے رکھ دیا۔

"اگر معاملہ صرف میری ذات کا ہوتا تو ضرور کر لیتی مگر میری دو بہنوں کا مستقبل میرے سامنے تھا جو اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔"

"وہ تمہاری ذمہ داری کیسے بن گئیں؟"

"یہی پہلو تو دردناک ہے۔" وہ دکھ بھرے لہجے میں بولی۔ "شادی سے پہلے میرا بھائی مزدوری کر کے گھر چلاتا تھا۔ شادی کے بعد توفیق نے میرے باپ، بھائی اور دونوں بہنوں کو اپنے پاس بلا لیا کیونکہ اس کے پاس پیسے کی ریل پیل تھی۔ پیسے کی فراوانی نے میرے محنتی بھائی کو بگاڑ دیا۔ حرام کا پیسہ اسے راس نہ آ سکا اور وہ کام کاج چھوڑ کر بری عادتوں میں غرق ہوتا چلا گیا۔ دو برس میں وہ اس قدر بگڑ گیا کہ جب توفیق پر رشوت کے دروازے بند ہوئے تو میرا بھائی گھر سے بھاگ گیا۔ میرا باپ معذور ہے اور بہنیں پڑھ رہی ہیں۔ ان حالات میں اگر میں توفیق کو ٹھکرا دیتی تو تحفظ کا وہ نام نہاد سائبان بھی باقی نہ رہتا جو شوہر کے طور پر مجھے حاصل تھا جب کہ گزارے کے لیے اس وقت بھی مجھے یہی راستہ اپنانا پڑتا جو توفیق نے مجھے سکھایا تھا۔"

"تم پہلی بار ہی توفیق کی التجا ٹھکرا کر روزی کا کوئی باعزت طریقہ تلاش کر سکتی تھیں۔" میں نے کہا۔

وہ مغموم انداز میں مسکرا دی۔ "یہ مصر ہے عرب دنیا کا غریب ترین ملک، یہاں عورت کے لیے عزت سے روزی کمانا تقریباً ناممکن ہے جب کہ بے شمار مرد روزگار کی تلاش میں جوتیاں چٹخاتے پھر رہے ہیں۔ پھر میری تعلیم صرف تیسری جماعت تک ہے۔"

"میں نہیں مانتا۔ بہت سی عورتیں عزت سے روزی کما رہی ہوں گی۔"

"یہ مفروضہ ہے۔" وہ بولی۔ "بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے مگر خرابی معاشرے کی رگوں میں پیوست ہے اور مجھ جیسی تو ملازمت برقرار رکھنے کے لیے آجروں یا افسروں کو خوش رکھنا پڑتا ہے ورنہ ان کے کام میں نقائص نکال کر انہیں بے روزگاری کے جہنم میں پھینک دیا جاتا ہے۔" وہ کسی بھی شکست ماننے پر آمادہ نہیں تھی۔

وہ قاہرہ کے گندے ماحول میں رچی ہوئی عورت تھی اور جو کچھ کہہ رہی تھی ذاتی تجربات کی بنا پر کہہ رہی تھی۔ مگر مجھے خود بھی اس کے تجزیے سے قدرے اتفاق ہو چلا تھا۔ میرے ذہن میں توفیق کے الفاظ گونج رہے تھے۔ اس نے کہا تھا کہ آوارہ عورتوں کے لیے

بیروت کے بعد قاہرہ سب سے زرخیز شہر تھا۔

اور ایسی زرخیزی کا سبب تیل یا ذخیرہ نہیں ہوتے بلکہ اس کے عوامل اسی مقام کے معاشی اور معاشرتی ڈھانچے کی تشکیل میں ملوث ہوتے ہیں۔ اور ان اسباب پر مجھ جیسا سطحی الشان بھی ایک ضخیم کتاب لکھ سکتا تھا۔

خالدہ معصوم اور بے گناہ نہیں تھی لیکن میرے نزدیک اس کی مزاحمت نہیں ہو سکتی تھی۔ توفیق اس کا برابر کا ساتھی تھا۔ اگر وہ بیوی کو گناہوں سے متعارف کرانے کے بعد خود زندہ رہنے کا آرزومند تھا تو خالدہ کو بھی گناہوں کی دلدل میں اتر جانے کے بعد طبعی زندگی گزارنے کا پورا حق حاصل تھا۔

"اب بتاؤ کہ میرا کیا جرم ہے؟" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد وہ بولی۔ "اور وہ کون ہے جو میری جان کے لیے خطرہ بن سکتا ہے؟"

"تمہاری کہانی جاننے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ وہ محض میرا وہم تھا۔ تمہیں کوئی حقیقی خطرہ لاحق نہیں ہے۔"

"مگر وہ ہے کون؟"

"بزدل اور بے ضمیر شوہر بیویوں کے پیچھے ہی شور مچاتے ہیں اور ان حقائق کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔"

"تو توفیق میرے خون کا پیاسا ہو رہا ہے؟" وہ تعجب آمیز انداز میں بولی۔

"بلکہ ایسا ظاہر کر رہا ہے۔" میں نے تصحیح کی۔

"اسے بس ایک ہی بات ناپسند ہو گی۔" وہ بولی۔ "میرے مشاغل سے وہ باخبر ہے مگر بظاہر ہم دونوں انجان بنتے ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ میں اس کے خلاف کیے بغیر اپنی تمام کمائی اس کے حوالے کر دوں تاکہ وہ رشوت والے دور کی طرح عیاشانہ زندگی گزار سکے۔"

"شاید بنیادی بات یہی ہے۔"

"مگر تم اس سے کہاں ٹکرا گئے؟"

"محض اتفاق۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "پچھلی مرتبہ تم سے مل کر چکا تھا پھر ایک بار میں نے نشے میں بہکتے ہوئے ایک شخص کو کسی عورت کی تصویر پر تھوکتے ہوئے دیکھا تو تجسس پر قابو نہ رکھ سکا۔ تصویر دیکھی تو وہ تمہاری ہی تھی۔ میں اس شرابی سے مل بیٹھا جو بعد میں تمہارا شوہر توفیق ثابت ہوا اور میں تمہیں ہوشیار کرنے یہاں دوڑا چلا آیا۔"

"میں تمہاری احسان مند ہوں۔" وہ اچانک اٹھ کر میرے سینے سے آلگی۔ "اس دور میں تو لوگ ایسے معاملات سے دور ہی بھاگتے ہیں۔"

اسے تھوڑی سی مہلت دے کر میں نے نرمی سے اپنے سینے سے ہٹا دیا۔

وہ کچھ کہے بغیر خاموشی سے اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرے باہر نکلتے ہی تم مجھے بھول جاؤ گی۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

"تم اس مشینی دور کے انسان نہیں لگتے، عجیب اور بے لوث۔ اس لیے ممنونیت سے کہ! تمہیں تو میں عمر بھر نہیں بھلا سکوں گی۔"

"وہ دل کی باتیں ہیں۔" میں دھیمے لہجے میں بولا۔ "میرے اور تمہارے درمیان۔ مگر کسی تیسرے کے لیے پہلے ہی نہیں تھے۔"

"میں سمجھ گئی۔" وہ جلدی سے بولی۔

میں مزید کچھ دیر وہاں رکا اس سے باتیں کرتا رہا۔ اس دوران عبدالکمال کی باتیں مجھے بار بار یاد آتی رہیں۔

اس نے مجھے خالدہ کی طرف آنے سے کافی روکا تھا، مذاق اڑانے کے طعنے بھی دیے تھے۔ اور یہاں تک مانتا تھا کہ اگر خیر سگالی جذبات پر توفیق کے دل میں بیوی کی محبت نے زور مارا تو کہیں وہ خالدہ کے فلیٹ پہ پہنچ کر میرا ہی کام تمام نہ کر دے لہٰذا مجھے میاں بیوی کے اس جھگڑے سے دور ہی رہنا چاہیے۔ مگر میں کسی نہ کسی طرح اسے ٹھنڈا کرانے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔

میں اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اچانک دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

دستک کا انداز دوستانہ اور دھیما تھا مگر خالدہ سراسیمہ سی ہو گئی۔

میری نگاہیں تیزی سے فلیٹ کا جائزہ لے رہی تھیں۔

وہ مختصر سا فلیٹ اس قدر بے ترتیب تھا کہ وہاں چھپنے کے لیے کوئی موزوں جگہ نہیں تھی۔ باتھ روم میں داخل ہونے کا مطلب خود کو چوہے دان میں قید کر لینا تھا۔

میں پھرتی سے دروازے کے قریب دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا تاکہ آنے والے کی نگاہ فوری طور پر مجھ پر نہ پڑ سکے۔

خالدہ میری اس پناہ گاہ سے مطمئن نہیں تھی۔ ابھی اثنا میں دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی اور خالدہ نے اضطراری کیفیت میں کنڈی کھول دی۔

"توفیق! تم؟" دروازہ کھلتے ہی میرے کانوں میں خالدہ کی سراسیمہ سی خوفزدہ آواز آئی اور میرے اعصاب تن گئے۔

میں نے پھرتی سے جیب میں ہاتھ ڈالا مگر زہریلے تیر پھینکنے والی وہ شیشی جو پہلے میرے استعمال میں تھی، اس وقت میری جیب میں موجود نہیں تھی۔

ادھر آنے والے پر نگاہ پڑتے ہی خالدہ نے دروازہ دوبارہ بند کرنے کی کوشش کی تھی جسے شاید ناکام بنا دیا گیا۔

"اندر چلو۔" باہر سے آنے والی دھیمی مگر تحکمانہ آواز توفیق ہی کی تھی۔ "اگر تم دونوں میں سے کسی نے بھی بدمعاشی کرنے کی

کوشش کی تو بلا تامل گولی مار دوں گا۔"

اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کے عزائم نیک نہیں تھے۔

خالدہ شکستہ انداز میں الٹے قدموں اندر آ گئی۔ چند قدم پیچھے ہٹتے ہی اس نے بے بسی کی نگاہوں سے دروازے کے پیچھے میری طرف دیکھا اور توفیق کو فوراً ہی میری کمین گاہ کا علم ہو گیا۔

وہ اس قدر پھرتی اور مکاری کے ساتھ اندر داخل ہوا کہ میں فوری طور پر اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکا۔

اس نے اپنے ہاتھ میں دبے ہوئے آٹومیٹک ریوالور سے براہ راست مجھے اپنی زد میں لیتے ہوئے دروازے کا بولٹ چڑھا دیا۔

"دونوں ایک ہی طرف آ جاؤ۔" اس نے ریوالور کی نال ہلا کر خالدہ کو میرے برابر میں آ جانے کا اشارہ کیا اور خود دیوار کے ساتھ ایک کرسی پر جا بیٹھا۔ اس کی بغل میں اخباری کاغذ میں لپٹا ہوا ایک بنڈل تھا جو اس نے فرش پر گرا دیا۔

"ایک تیر سے دو شکار۔" توفیق کے بشرے پر فاتحانہ مسکراہٹ رقصاں تھی۔ "میں نے تمہیں فرار کرنے کے لیے بڑی محنت کی تھی مصطفیٰ الزرقی!" اس مرتبہ وہ براہ راست مجھ سے مخاطب ہوا تھا۔ "رات کے دوگلاس تک شراب کی بوتلوں میں بے ہوشی کی دوا ملائی تھی پھر خود میرا روپ بدل کر خطرہ مول لیتے ہوئے وردی ڈسٹ بن میں ڈالی تھی اور میری دلی خواہش تھی کہ خالدہ تمہارے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچے مگر شاید تم پر اس کا جادو کام کر گیا جو یہ ابھی تک زندہ ہے۔"

"تم کیمپ کے بجائے یہاں کیسے ہو؟" میں نے پرسکون لہجے میں سوال کیا۔

"میرے لیے آج فرائڈے ہے نا، چھٹی لی ہے آج کی۔"

"تمہاری نیت میں بھی کچھ فتور معلوم ہو رہا ہے۔"

"تمہارے فنگر پرنٹس کی رپورٹ آتے ہی ہر ایک کو تمہاری اصلیت کا۔۔۔"

"تت۔۔۔ تت۔۔۔ تم صفدر علی ہو؟" توفیق کی بات کاٹ کر خالدہ دہشت، حیرت اور مسرت کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ بولی۔

میں انکسار سے اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا مگر وہ مجھے یوں مسلسل گھورے جا رہی تھی جیسے میں کوئی عجوبہ رہا ہوں۔

"تم کچھ کہہ رہے تھے؟" میں نے توفیق کو یاد دلایا۔

"ہاں!" وہ بولنے لگا۔ "تمہاری زندہ یا مردہ گرفتاری کے لیے دو لاکھ مصری پونڈ کا انعام مقرر کیا گیا ہے۔ اور میں آج کل مالی مشکلات سے دوچار ہوں۔ حالانکہ تمہیں آج یہاں آنا تھا مگر میں کل سے ہی اس فلیٹ کی نگرانی کر رہا ہوں۔۔۔"

"تم ذلیل کمینے، تمہیں شرم نہیں آتی۔۔۔؟" خالدہ اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکی۔

"تم خاموش رہو بیوی!" اس نے سختی سے کہا۔ "ہمیں بات کرنے دو۔"

"بیوی کے گاہکوں کی گنتی واقعی شرم کی بات ہے۔" توفیق نے بے حیائی سے کہا۔ "لیکن دو لاکھ پونڈ میری زندگی بدل سکتے ہیں۔ میں صفدر علی کے پیچھے ہی آیا تھا۔ اور اس انتظار میں دروازے پر کھڑا تھا کہ جب یہ تمہیں ہلاک کر کے باہر نکلے گا تو میں اسے دھر لوں گا مگر برا ہو تمہاری ایک پڑوسن کا کہ وہ باہر آ گئی اور مجھے مجبوراً دستک دینی پڑ گئی۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ وہ دروازہ کھلنے سے پہلے ہی زینے اتر گئی ورنہ میں اسے بھی تمہارے فلیٹ میں لا کر ختم کر دیتا۔"

"تو تم مجھے گرفتار کرنے آئے ہو؟"

"ہاں۔ یہ بھی یاد رہے کہ زندہ یا مردہ سے انعام کی رقم میں فرق نہیں پڑے گا۔ بلکہ قتل کی صورت میں مجھے زیادہ بڑا قومی ہیرو قرار دیا جائے گا۔" وہ اپنی کامیابی کے بارے میں بجا طور پر بہت زیادہ پریقین تھا۔

وہ مسلح اور صورتحال پر پوری طرح حاوی تھا اور میں غیر مسلح اور مغلوب تھا۔ اس وقت رہ رہ کر مجھے زہریلے تیروں والی شیشی یاد آ رہی تھی جسے میں اس مہم پر روانہ ہوتے وقت دانستہ عبدالکمال کے گھر چھوڑ آیا تھا۔

میری دانست میں موجودہ مہم بہت آسان سیدھی اور بے خطر تھی۔ مجھے ایک حسین عورت کو قتل کر کے یا بغیر قتل کیے واپس لوٹنا تھا اور اس معاملے میں کسی بھی مرحلے پر کوئی ایسا امکان نہیں تھا کہ اس فلیٹ میں صفدر علی کا تجسس کیا جا سکے۔ اور محض اسی احتیاط کے پیش نظر میں نے وہ شیشی ساتھ نہیں لی تھی کہ کہیں تلاشی کے وقت اتفاقی طور پر اسے استعمال نہ کر بیٹھوں کیونکہ زہریلے تیروں کے شکار صفدر علی کے ہی حوالے ہوئے تھے۔

مگر توفیق کے نئے عزائم نے صورتحال بالکل ہی بدل دی تھی۔ میرے لیے رہائی اہم تھی خواہ وہ زہریلے تیروں کی برسات میں ہی ہوتی۔

"میری زندہ یا مردہ گرفتاری کے بعد بھی تم جوابدہی سے نہیں بچ سکو گے۔ اعلیٰ مصری حکام اتنے احمق نہیں ہیں کہ واقعات کی کڑیاں نہ ملا سکیں۔"

"میں نے وہ سب سوچ لیا ہے۔" اس نے اپنے قدموں میں پڑے ہوئے بنڈل کو ٹھوکر مار کر کہا۔ "اس میں تمہارے وہ کپڑے ہیں جو میں نے تلف کرنے کے لیے کار میں ڈالے ہوئے تھے مگر خوش قسمتی سے بھول گیا۔ اب یہ لباس بھی اسی فلیٹ سے برآمد ہو گا!"

"احمق آدمی تم اس طرح بھی نہیں بچ سکو گے۔" میں خوفناک صورتحال کے باوجود پوری طرح پُرسکون تھا۔

"لوگوں کو میرے اور خالدہ کے اختلافات کا علم ہے۔" وہ شاید زیادہ برتری جتا کر صورتحال سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ "کل شب منصوبہ بنانے کے بعد میں اپنے ایک دو قریبی دوستوں سے ذکر کر چکا ہوں کہ مزید رسوائی میری برداشت سے باہر ہے اور میں خالدہ کو چھوڑ دوں گا۔ فرض کرو میں کل سے اس فلیٹ کی نگرانی کر رہا ہوں تاکہ اس کے ملاقاتیوں کی آمد و رفت پر نظر رکھ سکوں، اسی اثنا میں ایک شناسا چہرہ مجھے خالدہ کے ساتھ عمارت میں داخل ہوتا ہوا نظر آتا ہے اور میں ان کے تعاقب میں اوپر آ گیا۔ اس شناسا چہرے نے ہماری ملاقات کا حادثہ کرایا تھا جس سے خالدہ کو اپنا میزبان بننے پر مجبور کیا تھا جب کہ خالدہ اس سے ایک پیشہ ور عورت کے روپ میں متعارف ہوئی تھی۔" اتنا کہہ کر وہ لحظہ بھر کے لیے رکا پھر خالدہ کو آنکھ مار کر کہنے لگا۔ "لہٰذا میں کچھ دیر باہر منتظر رہا پھر میں نے چیخ کی آواز سنی تو میری بیوی کے فلیٹ پر دستک دی تو صفدر نے پستول کے سہارے زیر کرنا چاہا۔ گولیوں کا تبادلہ ہوا خالدہ صفدر کی گولی سے اور وہ خود میری گولی سے مارا گیا۔"

"آپ کی کہانی میں ایک جھول ہے۔" میں مسکرایا۔

"بتاؤ وہ تو اسے بھی دور کر دوں گا۔" وہ تمسخر آمیز لہجے میں بولا۔ "حکومت سے دو لاکھ کا انعام وصول کرنے کے لیے میں نے ہر پہلو پر غور کیا ہے۔"

"میں غیر مسلح ہوں تم ایک ریوالور سے دو قسم کی گولیاں کیسے چلاؤ گے؟"

"اچھا سوال ہے۔" وہ تحسین آمیز لہجے میں بولا۔ پھر اس نے بغلی ہولسٹر سے اعشاریہ دو چھ کا ایک بھرا ہوا پستول نکال کر میرے سامنے کر دیا۔ "یہ میں ساتھ لایا ہوں مرنے کے بعد تمہارے ہاتھ میں اچھا معلوم ہوگا۔"

میرے ذہن کے مسامات بھیگنے لگے۔ اگر سب کچھ اس کے مقرر کردہ طریقوں پر وقوع پذیر ہوتا چلا جاتا تو اس کا منصوبہ بے داغ تھا۔ وہ اپنی بیوی کو قتل کرنے کے باوجود نہ صرف بے گناہ رہتا بلکہ صفدر علی کو قتل کر کے ہیرو کا درجہ بھی حاصل کر لیتا۔ اور سرکاری خزانے سے دو لاکھ پونڈ کی خطیر رقم اس کی جیب میں منتقل ہو جاتی۔

مجھے اس بزدل، بدکار اور بے ضمیر شخص سے نفرت محسوس ہونے لگی۔

"یہ سونگ ختم کرو ورنہ میں شور مچا کر لوگوں کو جمع کر لوں گی۔" خالدہ تیز لہجے میں بولی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"آواز بھی نکالو گی تو تھوڑی دیر زندہ رہ لو گی۔ ورنہ مجھے صرف دو گولیاں چلانی ہیں اور پھر یہیں رہ کر پولیس کا انتظار کرنا ہے۔" وہ غرّایا اور دوسرا پستول اپنی گود میں رکھ لیا۔

خالدہ بے بسی سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" میں نے نرمی سے کہا۔ پھر توفیق سے مخاطب ہو گیا۔ "تمہیں دو لاکھ پونڈ سے ہی سروکار ہے نا؟"

"ہاں۔" وہ الجھن آمیز لہجے میں بولا۔ "مگر اس عورت کا خاتمہ بھی ضروری ہے۔"

"اس عورت کو میں لے جاؤں گا۔ اس کے عوض نصف گھنٹے میں ڈھائی لاکھ پونڈ تمہیں مل سکتے ہیں۔"

وہ متکبرانہ انداز میں ہنس دیا۔ "میں تو خود نقد کا قائل ہوں تیرا ادھار پر بھروسہ نہیں کرتا۔ اس وقت تو تم میرے نشانے کی زد پر ہو ورنہ تم سے تو عورتیں بھی بازی جیتی آئی ہیں۔ ریوالور کی نال ہٹتے ہی تم بدل گئے تو میں بیچارہ کیا کر سکوں گا اور پھر تم سے ملی ہوئی رقم میں کھلے عام خرچ بھی نہ کر سکوں گا نہیں بھائی! میرے لیے تو عزت آبرو والے دو لاکھ ہی کافی ہیں۔ تمہارے چار لاکھ بھی مہنگے پڑ جائیں گے۔"

"تو پھر یہ بھی سن لو کہ مجھے اس طرح ہلاک کرنے کے بعد روئے زمین پر تمہیں کہیں امان نہ مل سکے گی۔" میں نے اچانک پینترا بدل دیا۔ "تم انعام لو گے تو اخبارات میرے قاتل کے طور پر تمہارا نام شہ سرخیوں میں اچھالیں گے۔ تمہارا شجرہ مع تصاویر شائع ہوگا اور انعام وصول کرنے کے چند گھنٹوں کے اندر ہی تم کسی لاوارث چوہے کی طرح مار دیے جاؤ گے۔ میرے بے جگر ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد تمہارے خون کی بو پر لگ جائے گی۔"

یہ حربہ کارگر رہا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس نے دو تین بار خالی منہ چلایا جیسے حلق میں پھنسی ہوئی کوئی چیز نگلنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"پیشہ ور اور شوقیہ مجرم میں یہی فرق ہوتا ہے۔" وہ بے بسی سے بولا۔ "میں نے اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا۔ دو لاکھ نے میری عقل پر پردہ ڈال دیا تھا۔"

"میں اب بھی ڈھائی لاکھ کے وعدے پر قائم ہوں۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر دھیمی آواز میں کہا۔

"نہیں۔" وہ نروس نظر آنے لگا۔ "تمہارا بھروسہ نہیں۔ تم سامنے سے نال ہٹتے ہی بدل سکتے ہو۔ میں تم دونوں کو ختم کر دوں گا اور خاموشی سے نکل جاؤں گا۔ مجھے انعام سے زیادہ اپنی زندگی پیاری ہے۔"

"تم نہیں جا سکتے۔" میرا لہجہ سرد ہو گیا۔ "ہم دونوں خاموشی سے نہیں مریں گے۔ ہماری چیخیں اور پھر فائروں کے دھماکے اس فلیٹ کے دروازے پر ہجوم جمع کرا دیں گے۔ تم انعام تو پا نہ لو گے مجھے مار کر تم زندہ نہیں رہ سکو گے۔"

اس کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ "تم مجھے خوفزدہ کر رہے ہو۔"

"تمہارے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر سخت لہجے میں کہا۔ "ایسی حالت میں تمہارا نشانہ ضرور خطا ہوگا۔ جتنی زیادہ گولیاں چلیں گی اتنی ہی زیادہ بھیڑ تمہیں گھیرنے کے لیے جمع ہوگی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں محض زخمی ہو کر یا زخمی ہوئے بغیر تم سے پستول چھین لوں وہ تمہارا آخری لمحہ ہوگا۔"

اس کے لبوں کے گوشے پھڑکنے لگے اور وہ ایک جھٹکے کے ساتھ کرسی سے اٹھ گیا۔ اس کی گود میں رکھا ہوا پستول پرشور آواز سے فرش پر گر پڑا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس کا سیفٹی کیچ چڑھا ہوا تھا ورنہ گولی چل گئی ہوتی۔

پستول گرنے کے دھماکے پر توفیق اچھلا۔ چند ساعتوں کے لیے اس کی توجہ فرش کی طرف منتقل ہوئی اور میں نے ایک ہی جست میں اسے جا لیا۔

میرا داہنا ہاتھ مضبوطی سے اس کے ریوالور والے پر جم گیا اور بائیں ہاتھ سے میں نے بآسانی خودکار ریوالور چھین لیا اور اسے ساتھ لیے فرش پر گر گیا۔

خالدہ نے پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرش پر گرا ہوا پستول اٹھا لیا۔

خوف اور دہشت سے توفیق کے بدن پر تشنج کی کیفیت طاری تھی۔ اس کی آنکھیں حلقوں سے باہر ابلی پڑ رہی تھیں اور وہ میری داہنی ہتھیلی پر کاٹ کر اپنا دہانہ آزاد کرانے کی ناکام کوششوں میں مبتلا تھا۔

وہ جس شخص کے قتل کا منصوبہ بنا کر خالدہ کے فلیٹ میں آیا تھا، اس وقت وہی اس کے سینے پر سوار تھا۔

میں نے وار کے لیے سنبھالا بھی نہ تھا کہ خالدہ نے پستول کا وزنی دستہ توفیق کی کھوپڑی کے وسط میں رسید کر دیا۔

کھٹاک کی آواز کے ساتھ ہی توفیق کا بدن خاصی شدت سے اچھلا۔ وہ چیخ تو نہ سکا مگر میری ہتھیلی میں اپنے دانت پیوست کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

خالدہ کی لگائی ہوئی ضرب شدید تھی مگر نشانہ غلط تھا لہٰذا مجھے توفیق کی کنپٹی پر ایک جچا تلا ہاتھ رسید کرنا پڑا اور وہ فوراً ہی بے ہوش ہو گیا۔

"اف۔ کیا بھیانک خواب تھا۔" مجھے توفیق کے بدن پر سے اترتے ہوئے خالدہ کی آواز سنائی دی۔

"ہم موت کے دہانے سے نکلے ہیں۔" میں نے اسے اپنے بازوؤں میں لے کر بھینچتے ہوئے کہا۔ "اس نے میری عقل بھی ماؤف کر دی تھی۔ مگر پھر اس نے خود ہی میرے مقابلے میں شکستوں کی یادگار کر کے مجھے ایک نئی راہ دکھا دی۔"

میرے بدن سے لگا ہوا اس کا پورا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ "تت۔ تمہاری باتیں بہت وحشتناک تھیں... تم واقعی صفدر علی ہو۔ تم نہ ہوتے تو میں شاید ریوالور کی دہشت ہی سے مر جاتی۔"

"تم لیٹ جاؤ۔" میں نے آہستگی سے اسے بستر پر ڈال دیا۔

"اس کا کیا ہوگا؟" اس نے بے ہوش توفیق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تشویش زدہ لہجے میں سوال کیا۔

"اسے میں لے جاؤں گا۔ آئندہ تم اس کی صورت بھی نہ دیکھو گی۔"

"تو کیا تم اسے مار دو گے؟" وہ ایک مرتبہ پھر سہم گئی۔

"اسے چھوڑ دیا گیا تو یہ تمہیں ضرور مار ڈالے گا۔" میں نے سگریٹ جلاتے ہوئے کہا۔ "ایک بار ہم دونوں کا آمنا سامنا ہونے کے بعد کسی ایک کو تو مرنا ہی ہوگا۔"

"خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کرو۔" وہ روہانسی آواز میں بولی۔ "میں ابھی تک اپنی طبیعت نہیں سنبھال سکی ہوں۔"

"میں خود بھی خاموش رہ کر یہ سوچنا چاہتا ہوں کہ اسے باہر کیسے لے جاؤں۔" میں یہ کہہ کر لاپروایانہ انداز میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تم مجھے مارنے آئے تھے؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد خالدہ نے تحیر زدہ آواز میں سوال کیا۔

"ہاں۔ وہ توفیق کی غرض تھی۔" میں نے اس سے جھوٹ بولنا مناسب نہ سمجھا۔ "مگر تمہاری کہانی سننے کے بعد میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا تھا۔"

"میں تمہاری احسان مند ہوں۔" اس کی آواز بھرا گئی۔ "تم واقعی الف لیلوی دنیا کے کوئی پراسرار شہزادے معلوم ہوتے ہو۔"

"توفیق نے ہی تمہیں زیر زمین کمین گاہ سے فرار ہونے میں مدد دی تھی؟"

"ہاں! اس کا سارا انتظام اسی نے کیا تھا کہ عدالت میں ٹہلتا ہوا میں باہر نکل گیا اور کسی نے میری راہ نہیں روکی۔"

"یہ سب اس نے اس لیے کیا کہ تمہاری رہائی کی صورت میں وہ مجھے مقتول دیکھنا چاہتا تھا۔" اس کی آواز اس وقت بھی سوگوار تھی۔

"ہاں! اسے شبہ بھی نہ ہوا ہوگا کہ وہ صفدر علی کو فرار کرا رہا ہے۔ اس وقت تو میں معمولی جرم کا ایک خستہ قیدی تھا۔"

وہ کچھ دیر خاموشی سے بستر پر لیٹی میری طرف دیکھتی رہی۔ پھر حسرت آمیز لہجے میں بولی۔ "پلیز! میرے قریب آ جاؤ۔"

"یہ نہ ہو سکے گا۔" میں نے اٹھ کر اس کی طرف اپنی پشت گھما لی۔
"بعض چہرے ایسے ہوتے ہیں جنہیں بے نقاب کر لینے کے بعد بھی معلوم مجھے کوئی چاہتا ہے۔ تمہارے طریقے اگر میں پاؤں اس آرزو کو پامال کرنا نہیں چاہتا۔"

"پتہ نہیں تم میری مجبوری کو سمجھ پاؤ گے یا نہیں، بہر حال میں زندگی بھر تمہیں نہ بھول سکوں گی۔ تم میرے محسن ہو۔"

"مختصر کرنا تو یوں چھپ کر دکھانا۔" اس وقت میری نگاہوں میں سیتا گھوم رہی تھی۔

"مجھے تم زندہ کیوں چھوڑ رہے ہو؟"

"اس لیے کہ تمہیں زندہ رہنا چاہیے۔" میں دوبارہ اس کی طرف گھوم گیا۔

"میں تمہیں جان چکی ہوں، تمہارے لیے خطرات بھی پیدا کر سکتی ہوں۔" اس نے گویا مجھے اکسانے کی کوشش کی۔

"خطرات۔" میں ہنس دیا۔ "اس عمارت سے نکلنے کے بعد میں انسانوں کے ہجوم میں گم ہو جاؤں گا اور تم کچھ نہ کر سکو گی۔ حالانکہ مجھے تم سے ایسا کوئی حقیقی اندیشہ نہیں ہے اور یہ بھی بتا دوں کہ میری سیکڑوں تصاویر اسرائیلی حکام کے پاس ہیں اب تک مصری حکام تک پہنچ چکی ہوں گی۔"

"پھر تو توفیق بھی تمہارے لیے بے ضرر ہے۔ اسے کیوں ہلاک کر رہے ہو؟"

"تم بھول رہی ہو۔" میں نے کہا۔ "مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن یہ زندہ رہا تو تمہاری جان خطرے میں پڑ جائے گی۔"

"واقعی میں بھول گئی تھی۔"

توفیق کو خالدہ کے فلیٹ سے لے جانا مجھے خاصا دشوار نظر آ رہا تھا کیونکہ میرے پاس اپنی سواری بھی نہیں تھی۔

مثلاً مجھے وہ کار یاد آئی جس میں توفیق مجھے کیمپ سے شہر تک لایا تھا اور میں نے اس کی جیبوں کی تلاشی لینی شروع کر دی۔

اس کی جیبوں سے چند سو پونڈ پر مشتمل رقم، کچھ کاغذات اور ڈرائیونگ لائسنس کے علاوہ کار کی چابیاں بھی برآمد ہوئیں۔ میں نے رقم خالدہ کے حوالے کی، کاغذات وغیرہ جلا کر تلف کر دیے اور خود نیچے چلا گیا۔

توفیق کے بیان کی کار اس عمارت سے کافی دور ایک گلی میں کھڑی ہوئی تھی۔ میں اطمینان سے اسے اسٹارٹ کر کے خالدہ والی عمارت کے قریب لے آیا۔

میں دوبارہ اوپر پہنچا تو خالدہ خاصی وحشت زدہ نظر آئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ میری عدم موجودگی میں توفیق دو مرتبہ کراہ کر پہلو بدل چکا تھا۔ اور وہ خوفزدہ تھی کہ اگر توفیق میری واپسی سے پہلے ہوش میں آ گیا تو وہ مشکلات میں گھر جائے گی۔

میں نے توفیق کے بدن کو کئی مرتبہ ہلایا جلایا مگر اس نے کسی قسم کی رد عمل

کا مظاہرہ نہیں کیا پھر بھی میں نے احتیاطاً اس کی کنپٹی پر ایک اور ضرب رسید کر دی۔

پھر میں نے خالدہ کی مدد سے توفیق کو ایک اونی چادر میں اس طرح لپیٹا کہ اس کا چہرہ چھپ کر رہ گیا۔ اور پھر اس کی داہنی بغل میں ہاتھ دے کر اسے اپنے قدموں پر اس طرح کھڑا کر دیا کہ اس کا سارا بوجھ مجھ پر آ گیا۔ اب وہ بادی النظر میں کوئی علیل شخص معلوم ہو رہا تھا جو اپنے تیماردار کے سہارے باہر جانے کے لیے تیار ہو۔

"پھر کبھی ملو گے؟" مجھے رخصت کے لیے تیار پا کر خالدہ نے ملتجی لہجے میں سوال کیا۔

"اگر موقع ملا۔"

دونوں آتشیں ہتھیار میں پہلے ہی توفیق کی جیبوں میں ڈال چکا تھا۔ بس میرے پرانے کپڑوں کا بنڈل فرش پر پڑا رہ گیا تھا جو میرا اشارہ پا کر خالدہ نے مجھے تھما دیا۔

خالدہ نے فلیٹ کا دروازہ کھولا اور میں اس کی طرف دیکھے بغیر آہستہ آہستہ باہر راہداری میں نکل گیا۔

توفیق کا وزن اتنا زیادہ نہیں تھا اور اگر مجھے زیادہ اٹھانا پڑتا تو شاید مجھے ذرا بھی دقت نہ ہوتی مگر سیڑھیوں پر ایک بے ہوش شخص کو اس کے قدموں پر سنبھالنا شاید دنیا کا مشکل ترین کام تھا۔

وہ تو غنیمت تھا کہ خالدہ کا فلیٹ صرف تیسری منزل پر تھا۔ اور سیڑھیاں بھی بالکل ویران پڑی ہوئی تھیں۔

نیچے پہنچتے پہنچتے میرا سانس بری طرح پھول گیا۔ آخری سیڑھی طے کرنے کے بعد میں نے چند ثانیوں تک رک کر اپنا سانس درست کیا پھر ایک ہی سانس میں توفیق کو لیے ہوئے مورس کار تک پہنچ گیا۔

مجھے دیکھ کر گلی میں کھیلتے ہوئے بچے چونکے مگر ان کے اٹھنے سے پہلے ہی میں نے توفیق کو عقبی نشست پر ڈال دیا۔ اپنے پرانے کپڑوں کا بنڈل بھی میں نے عقبی پائیدان ہی پر ڈال دیا تھا۔

تھوڑے وقت کے بعد مورس کار تیزی کے ساتھ آگے رواں ہو گئی۔ مجھے قاہرہ کے راستوں کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ لہٰذا میری پوری کوشش یہی تھی کہ کسی طرح کسی ویران شاہراہ پر پہنچ جاؤں۔

ڈیش بورڈ میں لگا ہوا فیول گیج ٹنکی کی قابل اطمینان حالت ظاہر کر رہا تھا اور میں بے سوچے سمجھے کار دوڑائے چلا جا رہا تھا۔

تقریباً نصف گھنٹے کی جدوجہد کے بعد میں جنوب مشرق میں حلوان اور العصف کی طرف جانے والی ویران شاہراہ پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ شاہراہ ویران ضرور تھی مگر اس کے اطراف میں سبزہ زاروں کا سلسلہ بھی موجود تھا اور آخر کار میں نے ایک جگہ شروع ہونے والی جھاڑیوں میں کار اتار دی۔

چند سو گز دور تک ناہموار زمین پر کار دوڑا کر رکنے کے بعد میں نے

انجن بند کر دیا۔ اور پھرتی سے عقبی نشست پر پہنچ گیا۔

توفیق کے بدن سے اونی چادر ہٹانے کے بعد میں نے پہلا اسے ریوالور سے ہلاک کرنے کا خیال کیا مگر فائر کا شور کسی کو اس طرف متوجہ کر سکتا تھا لہٰذا میں نے اس کی کنپٹیوں پر دو تین زور دار ضربیں لگائیں پھر اس کے گلے پر ایک چادر ڈال کر دونوں ہاتھوں سے اس کا نرخرہ دبوچ لیا۔ سانس گھٹتے ہی توفیق کا ساکت بدن بری طرح تڑپا مگر میں اس کے سینے پر سوار تھا۔ وہ میری گرفت سے کسی طرح نجات نہ پا سکا۔ زندگی کے لیے اس کی جدوجہد بہت طویل ثابت ہوئی اور آخر کار اس کا بدن بے حرکت ہو گیا۔ اس کی موت کے بعد بھی میں اسے دبوچے رہا۔ ملک الموت آ کر اس کو عقبی نشست پر ہی پڑا رہنے دیا اور وہ اسی حالت میں رہ گیا۔

اس وقت میں غیر مسلح تھا لہٰذا میں نے توفیق کی جیب سے پستول نکال لیا۔ البتہ اس کا ریوالور احتیاطاً اس کی جیب میں چھوڑ دیا پھر میں نے اخبار کے کاغذ کا بنڈل کھول کر خالدہ کی اونی چادر اپنے پرانے لباس کے ساتھ لپیٹی اور جھاڑیوں میں چھپتا ہوا واپس چل دیا۔

واپسی میں میری کوشش یہ تھی کہ حتی الامکان سڑک کے متوازی چلتا رہوں اور جب راستہ دشوار گزار ہو جائے تو مڑ کر چند منٹ میں سڑک پر پہنچ سکوں۔ جھاڑیوں کے درمیان زمین خاصی ناہموار اور دلدلی تھی پھر مجھے اپنے ہاتھ میں دبے ہوئے بنڈل کا بوجھ بھی گراں گزر رہا تھا۔ لہٰذا ایک جگہ میں نے وہ بنڈل گڑھے میں ڈال کر اس پر مٹی ڈال دی تھوڑی ہی دیر میں وہ بنڈل ہمیشہ کے لیے زمین کی آغوش میں گم ہو چکا تھا۔

خاصی دیر بعد میں نے سڑک کا رخ کیا مگر جب چلتے چلتے کافی وقت گزر گیا تو مجھے تشویش ہونے لگی۔ غالباً میں سڑک سے کافی دور ہٹ چکا تھا۔

اس ویران خود رو جنگل میں بھٹکتے ہوئے مجھے تقریباً شام ہو چلی تھی کہ میرے کانوں میں ایک ٹرک کے انجن کا مدھم سا شور آیا اور میں نے رک کر اپنی پوری توجہ اس شور کی سمت کے تعین پر مرکوز کر دی۔

اس کا انداز ہوتے ہی مجھے بائیں طرف گھومنا پڑا اور تقریباً بیس منٹ بعد میں سڑک پر آ چکا تھا۔ اس وقت مجھے پتہ چلا کہ اگر میں بائیں طرف گھومے بغیر سیدھا چلتا رہتا تو ساری رات اسی جنگل میں بھٹکتا رہتا۔

سڑک ضرور مل گئی تھی مگر اب قاہرہ پہنچنے کا مسئلہ درپیش تھا۔ میں سگریٹ سلگا کر آہستہ آہستہ اس سمت میں چلنے لگا جو میرے اندازے کے مطابق مجھے مختصر قریب ترین لے جانے والی تھی۔

شام کا دھندلکا پھیلنے سے قبل مجھے عقب میں کسی انجن کی دھیمی غراہٹ سنائی دی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ کوئی نجی کار تھی جس کی اگلی نشست پر کم از کم چار افراد موجود تھے۔ میں نے اسے روکنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

مگر کار والے شاید اس ویران شاہراہ پر میری موجودگی کو نظر انداز نہ کر سکے۔ اور وہ کار میرے قریب آ کر رک گئی۔

میں پھرتی سے مڑا تو کار کی کھڑکی میں سے جھانکتا ہوا ایک ادھیڑ عمر مرد کا چہرہ میری طرف متوجہ تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" اس کی آواز نرم اور ہمدردانہ تھی۔

"قاہرہ۔" میں نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

"قاہرہ؟" اس شخص کی آواز حیرت آمیز تھی۔ "جانتے ہو تم اس وقت قاہرہ سے کتنے فاصلے پر موجود ہو؟"

میں نے بے بسی سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ "اتنا اندازہ ضرور ہے کہ پیدل چل کر صبح سے پہلے وہاں نہ پہنچ سکوں گا۔ میرے دوست شرارت میں مجھے یہاں اتار کر بھاگ لیے۔ ممکن ہے تھوڑی دیر بعد واپس آ جائیں۔"

"لعنت ہے ایسے مذاق پر۔" وہ غصیلے لہجے میں بولا۔ "آؤ میں تمہیں پہنچا دوں گا۔"

میں اس نیک دل انسان کا شکریہ ادا کر کے عقبی نشست پر بیٹھ گیا۔ ادھیڑ عمر کے برابر میں بیٹھا ہوا نوجوان لڑکا گہری پر اشتیاق نظروں سے میرا تفصیلی جائزہ لے رہا تھا۔

"تم مصری ہو؟" کار روانہ ہونے کے بعد لڑکے نے سوال کیا۔

"اردنی۔" میں نے مختصر سا جواب دے کر جلدی سے موضوع تبدیل کر دیا۔ "شاید تم دونوں باپ بیٹے ہو؟"

"یہ بھتیجا ہے میرا۔" لڑکے کے بجائے ادھیڑ عمر شخص نے جواب دیا۔ "مگر اپنی سگی اولاد سے زیادہ عزیز ہے۔"

"تم قاہرہ میں ہی رہتے ہو؟" میری پوری کوشش رہتی تھی کہ ان کے ذہنوں کو کسی نہ کسی طرح الجھائے رکھوں تاکہ ان دونوں کو میرے بارے میں زیادہ سوچنے اور کریدنے کی مہلت نہ مل سکے۔

"قاہرہ میں بھی مکان ہے مگر ہم زیادہ تر زنگوبار میں رہتے ہیں۔ برسوں ہماری واپسی ہو گی۔ چاہو تو ہمارے ساتھ چلنا۔" ادھیڑ عمر شخص ہمدردی کے ساتھ خاصا فراخ دل معلوم ہو رہا تھا۔

سارے راستے میں ان دونوں کو باتوں میں الجھائے رہا اور آخر تقریباً چالیس منٹ کے بعد کار قاہرہ میں داخل ہو گئی۔

"کہاں اترنا ہے؟ گھر پہنچا دوں گا۔" ادھیڑ عمر نے بڑے اخلاق سے پیش کش کی جسے میں نے نرمی سے ٹال دیا۔

"مجھے بازار میں کچھ کام ہے۔ اس کے بعد گھر جاؤں گا۔"

اور اس نے میری درخواست پر ایک جگہ کار روک دی۔ میرے اترنے سے قبل مجھے اس نے اپنا وزیٹنگ کارڈ بھی دیا جس پر اس کا قاہرہ کا پتہ اور فون نمبر بھی درج تھا اور میں گرم جوشی سے اس سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔

وہ کار آگے بڑھ جانے کے بعد میں ایک بار میں جا پہنچا۔ وہاں تیز میوزک کے دوران کچھ عرصے میں اندر پینے کے بعد سینڈوچ وغیرہ سے شکم پری کی اور باہر آگیا۔

جس وقت میں عبدالکمال کے گھر پہنچا تو میری رسٹ واچ رات کے دس بجا رہی تھی۔

عبدالکمال کے چہرے پر پھیلے ہوئے تردد کے آثار مجھے دیکھتے ہی دور ہو گئے اور اس نے مجھے فوراً نشست گاہ میں بلا لیا۔

اس کمرے میں گھستے ہی مجھے ایک جھٹکا سا لگا اور کچھ یہی کیفیت ہاشم کی بھی ہوئی جو ایک گوشے میں بیٹھا قہوہ پی رہا تھا۔

ہم دونوں نہایت تپاک سے ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے۔ ہاشم کی آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

"یہ کیا حال بنا رکھا ہے تم نے اپنا؟" میں نے ہاشم کے ساتھ فرشی قالین پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

"تمہاری وجہ سے میری نیندیں حرام ہو چکی ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "یہ بتاؤ کہ اس نئی مشکل کا کیا ہوا جو تم مول لیے گئے تھے۔"

"یار، عبدالکمال کے الفاظ یاد آتے ہیں۔"

"کیا؟" اس بار عبدالکمال ہی بولا تھا۔

"کسی کو خدائی فوجدار نہیں بننا چاہیے۔" میں نے کہا۔ "اس لڑکی کے فلیٹ میں اس کا شوہر بھی آ دھمکا۔ میری زندہ یا مردہ گرفتاری پر دو لاکھ کا انعام مقرر ہوتے ہی اس کی نیت خراب ہو گئی اور وہ ایک تیر سے دو شکار کرنے کے چکر میں پڑ گیا۔"

"پھر نتیجہ کیا رہا؟" ہاشم انجام کے بارے میں مضطرب تھا۔

"اس شخص کی لاش شہر سے آگے ویران جھاڑیوں میں پڑی ہوگی۔ میں بمشکل اس سے اپنی گلو خلاصی کرا سکا۔"

مگر میری اختصار گوئی کام نہ آ سکی۔ ان دونوں نے پوری تفصیل سنے بغیر کوئی اور بات کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

"جو کچھ ہوا بہتر ہی ہوا۔" ہاشم ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "عبدالکمال کو تمہاری گرفتاری پر انعام مقرر ہونے کی خبر نہیں ملی تھی ورنہ یہ تمہیں باہر قدم بھی نہ رکھنے دیتا۔"

"ہاشم تمہاری اور سیتا کی فکر میں دو راتوں سے جاگ رہا ہے۔" عبدالکمال نے میری پشت پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "تم جس طرح اقبالی مجرم بنے تھے، اسے تمہاری گلو خلاصی کی خفیف سی امید بھی نہیں رہی تھی۔"

"میرا ذکر چھوڑو، میں تو اب تمہارے ساتھ موجود ہوں۔" میں نے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ سیتا کے بارے میں کیا خبر ملی ہے؟"

"اس کے لیے بھی انعام مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس کے فرار کے سلسلے میں حفاظت پر متعین ایک میجر جنرل اور اس کے تین ماتحتوں کو معطل کیا جا چکا ہے۔" ہاشم نے کہا۔

"مگر وہ خود کہاں ہے؟"

"اس کے ساتھ دو لیبی لڑکے بھی تھے۔ جاسم اور حسین۔" ہاشم پرتشویش لہجے میں بولا۔ "جاسم تو اسی رات لیبیا واپس چلا گیا ہوگا۔ حسین شاید ابھی تک سیتا کے ساتھ ہے۔"

"تمہاری جاسم سے ملاقات ہوئی تھی؟"

"نہیں، اس کے ماموں سے۔ وہ کسی سے نہیں ملتا، وہ بیمار رہتا ہے۔" ہاشم بتانے لگا۔ "اس کی زبانی یہ ضرور معلوم ہوا کہ سیتا نے قاہرہ پہنچنے کے بعد ان دونوں کو واپسی کے لیے مجبور کیا تھا مگر وہ نہ مانے۔ محاصرے سے نکلنے کے بعد جاسم تو سیتا کے مشورے کا قائل ہو گیا اور سیدھا اپنے ماموں کے گھر پہنچ گیا مگر حسین صاحب ابھی آخری سانس تک سیتا کا ساتھ دینے پر مصر ہے۔"

"اس پر عاشق تو نہیں ہو گیا؟" میں نے بظاہر ہنستے ہوئے سوال کیا مگر میں نے اپنے وجود میں حسد کی چبھن سی ابھرتی محسوس کی تھی۔

"ایسا نہیں۔" ہاشم بے ساختہ بولا۔ "گو ان کی عمروں میں بڑا معمولی سا فرق ہے مگر جاسم کے ماموں کے بیان کے مطابق حسین کسی بڑی بہن کی طرح سیتا کا احترام کرتا ہے۔ پھر تمہاری بیوی بھی اس معاملے میں بہت سخت ہے۔"

"سیتا کا تازہ ترین پروگرام کیا ہے؟"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" جاسم بولا۔ "محاصرے کی حالت میں تمہاری آواز سن کر وہ یہی سمجھی تھی کہ تم پکڑے جا چکے ہو اور تمہارے بیانات کی روشنی میں حکام کسی لمحے بھی سیتا سے ہتھیار ڈالنے کا مشورہ دلوا سکتے ہیں۔ اس وقت وہ قاہرہ میں رک کر تمہیں سرکاری قید سے رہائی دلانے کا عزم رکھتی تھی۔"

"جاسم سے میری ملاقات ہو سکتی ہے؟"

"نہیں، لیبیا تمہارے لیے [illegible] ثابت ہوگا۔"

"ان لوگوں کے محصور ہونے کی نوبت کیسے آگئی؟"

"ان تینوں کو خود حیرت تھی۔" ہاشم بولا۔ "محاصرے سے پہلے انہیں شبہ بھی نہ ہو سکا تھا۔ دراصل ان تینوں نے ایک رہائشی عمارت میں ایک خالی فلیٹ کرائے پر لیا تھا۔ شاید مالک مکان یا کسی اور کو ان پر شبہ ہو گیا ہوگا۔"

"جاسم اور حسین کے بارے میں مقامی حکام کو بھی علم ہوگا؟"

"نہیں۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولا۔ "یہ ساری معلومات تو میں نے بمشکل جمع کی ہیں۔ البتہ پولیس وغیرہ کو یقین ہے کہ سیتا تنہا نہیں ہے۔"

"البرونو کا سنسنی خیز قتل اور سیتا کے تصادم کے بارے میں کچھ پتا چلا؟"

ہاشم ایک دم اچھل پڑا۔ "اس معاملے کو تو میں بھلا ہی بیٹھا تھا۔ جاسم نے بتایا تھا کہ سیتا کے چہرے پر کبھی سے تو خراشیں آگئی تھیں۔ شاید کسی نے ان خراشوں کو دیکھ کر ہی اس پر شبہ کیا ہو کیونکہ البرونو کے قتل کے سلسلے میں کسی زخمی قاتل کا امکان بہت اچھالا گیا تھا۔ پولیس اس عمارت میں زخمی چہرے والی ایک عورت کی موجودگی کی خبر پاتے ہی فوراً وہاں چڑھ دوڑی ہوگی۔"

"سیتا نے البرونو کے بارے میں کچھ بتایا تھا؟" عبدالکمال نے اسے ٹوکا۔

"سیتا نے جاسم اور حسین کو صرف اتنا بتایا تھا کہ اس نے اپنے ایک بڑے دشمن کا صفایا کر دیا۔ زخموں کے سبب یا دشمن کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔"

"اس کے ماموں سے ایک بار اور ملو۔" میں نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ جاسم کسی وجہ سے آج رات لیبیا نہ جا سکا ہو۔"

"وہ قاہرہ میں لیبیا کی قومی کمپنی کا اسٹیشن منیجر ہے اور اپنے بھانجے کی سلامتی کی طرف سے بہت فکرمند تھا۔ اس نے ہر قیمت پر جاسم کو روانہ کر دیا ہوگا۔"

"پھر اب میں سیتا کو کہاں تلاش کروں گا؟"

ہاشم نے سر جھکا لیا۔ "میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ یہ مقدر کی ہی بات ہے کہ تم دونوں میاں بیوی ایک شہر میں ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے دور ہو۔"

"میں تو جلد از جلد مصر سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر تم بتاتے ہو کہ سیتا مصر میں رہ کر مجھے تلاش کرے گی۔ ایسی صورت میں مجھے بھی یہاں رکنا پڑے گا۔"

"اس چار دیواری میں تم بالکل محفوظ ہو۔" عبدالکمال نے کہا۔ "خطرہ باہر نکلنے میں ہے مگر گھر میں رہ کر بھی تم حالات کا انتظار کر سکتے ہو۔"

"قاہرہ میں حسین کے بھی کچھ رشتے دار ہیں۔" ہاشم نے کہا۔ "میں ان کے سراغ میں ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ حسین نے ان میں سے کسی سے رجوع کیا ہو۔ اس کی بہن کا مصری شوہر یہاں ہماری تنظیم کا بہت فعال رکن ہے مگر دو روز سے وہ بھی لاپتا ہے۔ حسین کسی سے ملا ہو یا نہ ملا ہو، اس کے پاس ضرور پہنچا ہوگا۔"

"کوئی سراغ ملنا بہت ضروری ہے۔" میں نے مضطرب لہجے میں کہا۔ "ابھی سیتا کے چہرے پر خراشیں باقی ہیں۔ ان کے مندمل ہونے سے قبل وہ باہر نکلنے کا خطرہ مول نہیں لے گی، کیونکہ ایک معرکہ وہ بھگت چکی ہے۔"

"یہ میں بھی جانتا ہوں برادر!" ہاشم تاسف بھرے لہجے میں بولا۔ "تمہاری اچانک گرفتاری کی خبر سن کر ہی یہاں آیا تھا، مگر زیادہ فکر مجھے سیتا کی تھی۔"

"میرے انجام کو اتفاق مت کہو۔" میں نے گھٹے الفاظ میں احتجاج کیا۔ "تم لوگ برسوں سے گھر کے سکون کو ترسے ہوئے انسان کی دلی کیفیت کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتے۔"

"میں بھی گھر بار چھوڑ کر مدت سے بن غازی میں پڑا ہوا ہوں۔"

"وہ درست ہے مگر تمہارا ایک گھر ہے اور تم جانتے ہو کہ جب چاہو وہاں جا کر سکون و راحت کی چند گھڑیاں بسر کر سکتے ہو۔ سکون اور طمانیت کا یہ احساس بجائے خود بہت عظیم ہوتا ہے جب کہ مجھے تو آج تک اپنا گھر بسانے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" عبدالکمال نے لقمہ دیا۔ "میں تو اس جذبے کا قائل ہوں جس کے تحت تم دونوں میاں بیوی مدت سے ایک دوسرے کی تلاش میں دیوانہ وار پھر رہے ہو، ورنہ اتنی طویل جدائی آدمی کو رشتے تک بھلا دیتی ہے۔"

"مجھے دکھ ہے ہاشم! مجھے بڑا دکھ ہے ان لمحوں کا جب ایک طرف مسلح سیتا تھی اور دوسری طرف اس کا پابجولاں شوہر، مگر وہ اپنے شوہر کی آواز نہ پہچان سکی۔" میں نے کرب آلود لہجے میں کہا۔ "اس وقت میں یک بیک ایک ایسا ننھا سا بچہ بن گیا تھا جو مدت سے کسی کھلونے کو ترسا ہوا ہو۔ میں نے جب فوجیوں کے سامنے اپنے مفرور علی ہونے کا اعتراف کیا تو میرے دل میں جیل خانے کے در و دیوار کے لیے بھی محبت پیدا ہو گئی تھی کیونکہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ سیتا کے ساتھ میں سب سے پہلے وہی چار دیواری آباد کروں گا۔"

"گزرے ہوئے لمحوں کو بھول جاؤ برادر۔" ہاشم بولا۔ "ماضی کی یادیں انسان کے حوصلے کو دیمک بن کر چاٹ جاتی ہیں۔"

"جاسم چلا گیا۔ سیتا لاپتا ہے۔ حسین کا بھی کچھ سراغ نہیں ملتا، تم ہی بتاؤ پھر میں کیا کروں؟ [illegible]"

"اس کا نام پتہ مجھے بتاؤ۔ میں کہیں نہ کہیں اسے تلاش کر لوں گا۔"

"میں کہہ چکا ہوں کہ تم اس مکان سے باہر قدم نہیں نکالو گے۔" ہاشم کا لہجہ سخت ہو گیا۔ "زمانے نے تمہارے اعصاب کو کیا کر دیا ہے۔ میں تو تم کو بہت مضبوط اور ناقابل شکست انسان سمجھتا رہا ہوں۔"

"زمانہ مانتا ہے لیکن یہ جانتا ہوں کہ اگر تمہارے جیسے شوہر پر چلتا رہتا تو ابھی تک بن غازی میں ہی کسی گینڈے کی طرح دبکا رہتا۔"

"میں مانتا ہوں۔" اس نے فوراً ہی اعتراف کر لیا۔ "لیکن اس وقت تمہارے لب و لہجے سے مایوسی کی بو آ رہی ہے۔ اس وقت تم بڑے پُرامید تھے۔"

"تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" عبدالکمال نرم لہجے میں بولا۔ "ایک آدھ دن انتظار کر لو۔ اگر اس دوران میں خطرات کچھ کم ہو گئے تو تم بھی باہر جا سکو گے۔"

"میں بھی بندوبست کروں گا۔" ہاشم نے نرمی سے کہا۔ "میں اپنے ایک آدھ صحافی دوست کے ذریعے لیبیا اخبارات میں ایسی اطلاعات بھی شائع کرا دوں گا جن کی بنا پر یہ شبہ ہو سکے کہ مفرور علی مصر سے بوکھلا کر کسی اور ملک میں چلا گیا ہے۔ بن غازی کے مقابلے میں تاثر یہی

ہمارے پاس زیادہ وسائل موجود ہیں۔"

"میں صرف دو دن انتظار کروں گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اس کے بعد یا تو تم میرے ارادوں کی تکمیل میں میری مدد کرو گے یا ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جائیں گے۔"

"ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔" عبدالکمال بولا۔ "دوستی اس لیے نہیں کی کہ مشکل وقت پڑے تو ہم آنکھیں بدل لیں۔"

"تم دونوں کی اپنی بھی ذمہ داریاں ہیں، روپوش تنظیم اور قانون!" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں ان سب سے واقف ہوں۔ میں تمہیں اپنے مسائل سے اتنا زیر بار کرنا نہیں چاہتا کہ تم ان سب کو بھولنے پر مجبور ہو جاؤ۔"

"تمہی انتخاب رد کرو! اپنا فائدہ ہاشم کی بھی۔" "میں قانون شکن بھی ہوں مگر انتہائی ضرورت کے بغیر قانون سے ٹکرانا حماقت سمجھتا ہوں۔"

میرے الفاظ پر اس کے ذہن میں چھپا ہوا مجرم جاگ اٹھا تھا۔ کیونکہ اس نے لیبیا سے نکلنے کے سلسلے میں قانون کی آڑ لے کر مجھے اپنے اقدامات سے روکنے کی پوری کوشش کی تھی۔

"میں طنز نہیں کر رہا۔" میں نے جلدی سے اس کا ہاتھ دبا کر نرم لہجے میں کہا۔ "میں تمہیں صرف اپنی سوچ سے آگاہ کر رہا تھا۔"

"تمہاری سوچ جو کچھ بھی ہو لیکن یہ یاد رکھنا کہ ہم آخری وقت تک تمہارا ساتھ دیں گے، خواہ تم چاہو یا نہ چاہو۔" ہاشم نے کہا۔

"یہ تمہاری شرافت ہے۔" میں نے کہا۔ "بہرحال تم ایک بات سنو۔"

"کہہ ڈالو۔"

"انتظار کے دو دن اس مکان کے بجائے میں کہیں اور بسر کرنا چاہتا ہوں۔"

"کہاں؟" ان دونوں نے بیک زبان سوال کیا۔

"مریم —" میں نے کہا۔ "وہ ایک فلسطینی دوشیزہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کی رفاقت میں میرا وقت بہتر گزر سکے گا۔"

"وہ قاہرہ میں ہی ہے؟" یہ سوال عبدالکمال نے کیا تھا۔

"میرے پاس اس کا فون نمبر موجود ہے۔" میں نے کہا۔

میرا جی خاصا تھا، ان دونوں پر صاف ظاہر تھا۔ انہوں نے بھی بہتر سمجھا کہ اپنی عافیت کے لیے میری زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔

ان دونوں کے ایما پر میں نے لمحہ بھر میں مریم کے بتائے ہوئے نمبر ملائے اور جو میری توقع کے عین مطابق تھی کہ دوسری جانب سے ایک نسوانی آواز ہی سنائی دی۔ اگر وہ آواز مردانہ ہوتی تو مریم کی ہدایت کے مطابق مجھے کچھ کہے بغیر سلسلہ منقطع کرنا ہوتا۔

"مصطفیٰ الرسول۔" میں نے نسوانی آواز سنتے ہی ماؤتھ پیس میں کہا۔ "میں مس مریم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں بول رہی ہوں۔" مریم کی آواز نے کہا۔ "تم دو دن سے کہاں غائب تھے؟"

"مچھلی کے شکار پر چلا گیا تھا۔" میں نے بے تکلفانہ لہجے میں کہا۔

"کوئی مچھلی پھنسی؟" مریم نے قہقہے کے ساتھ سوال کیا۔

"نہیں پھنسی جب ہی تو تمہیں فون کیا ہے۔" میں نے برجستہ کہا۔ "میں فوراً تمہارے پاس پہنچ جانا چاہتا ہوں۔"

"چلے آؤ، میں منتظر ہوں۔"

"پتے کے بغیر تو شاید میں عالم بالا میں بھی صحیح مقام پر نہ پہنچ سکوں۔" میں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"میں القاہرہ کا انتظار ہی کر رہی تھی، میں مقیم ہوں، تم کتنی دیر میں آ سکتے ہو؟" اس کے لہجے سے اشتیاق جھلک رہا تھا۔

"نصف گھنٹے میں۔" میں نے کہا۔

جواب میں بوسے کی چہکار سنائی دی اور پھر فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

ہاشم اور عبدالکمال بیوقوفوں کی طرح میرا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

"نصف گھنٹے میں کہاں پہنچنا ہے؟" ہاشم نے سوال کیا۔

"القاہرہ!" میرا جواب نہایت مختصر تھا۔

"وہاں کون ہے؟" یہ سوال عبدالکمال نے کیا تھا۔

"مریم نامی فلسطینی لڑکی جو حسین بھی ہے نمکین بھی۔"

"قابل اعتبار ہے؟" ہاشم نے سوال کیا۔

"جانچے بغیر کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" ہاشم برا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔ "تمہارے دماغ میں واقعی خلل پیدا ہو چکا ہے۔ تمہیں ضرور اغوا ہو جانا چاہیے۔"

"ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے تم کسی دشواری سے دوچار ہو جاؤ۔" عبدالکمال نے بغور میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے نام وغیرہ کی تشہیر ضرور کی گئی ہے لیکن ان تمام اخبار میں میری پرانی تصاویر ہی لگائی گئی ہوں گی۔ نئی تصویر تو لینے کی زحمت ہی نہیں کی گئی تھی۔ وہ مجھ پر ذرا بھی شبہ نہ کر سکے گی۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔

"عبدالکمال درست کہہ رہا ہے۔" ہاشم نے پرخیال لہجے میں کہا۔ "مجھے مریم مشکوک نظر آتی ہے۔"

"وہ کیسے؟" میرا سوال فطری تھا۔

"اس کا دوبارہ ملنا تمہاری بلاواسطہ اسی سے ملاقات ہوئی تھی؟" ہاشم نے میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں — تم خود ہی سوچ رہے تھے۔" میں نے کچھ نہ سمجھنے والے ا

میں کہا۔

"اسی لیے تو نمبر ہو رہا ہے" وہ بولا۔ "میں خود القاہرہ میں مقیم ہوں اور دوسرے ہوٹلوں کی طرح وہاں بھی کمروں میں براہِ راست فون نہیں ہیں۔ جبکہ آپریٹر کے ذریعے بات ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اس وقت القاہرہ کے بجائے کہیں اور موجود ہے اور ممکن ہے اسی جگہ کا رہا ہو۔ مگر اب وہ تم سے پہلے القاہرہ پہنچ جائے گی۔"

"اس بات کی زیادہ توقع نہیں کی جا سکتی ہے۔" عبدالکمال نے کہا۔ "جنٹلمین بعد وہ القاہرہ کے لیے روانہ ہو چکی ہوگی، انہیں اس نمبر سے کوئی جواب نہیں ملے گا۔"

ان کی گفتگو نے مجھے الجھا دیا۔ "فرض کرو کہ تمہاری بات درست ہی ہو تو پھر تم اس سے کیا نتیجہ اخذ کر رہے ہو۔"

"اگر وہ کہیں اور مقیم ہے تو نہیں القاہرہ کیوں بتا رہی ہے؟" یہ نکتہ ہاشم نے پیدا کیا تھا۔ "اگر وہ کسی اور کے ساتھ تھی تو نہیں بتانا ناممکن تھی لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ وہ تم سے ملاقات کا موقع ضائع کرنا نہیں چاہتی ۔۔۔ آخر کیوں؟ اسے تمہاری ذات سے ایسی کیا دلچسپی ہے کہ وہ اپنی تمام مصروفیات ترک کر کے القاہرہ پہنچنے پر آمادہ ہو گئی۔"

"تمہاری بات منطقی ہے مگر میں اتنا ضرور بتا دوں کہ اس سے میری سرسری سی ملاقات ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تنہائی کا شکار ہو۔"

"بقول تمہارے وہ حسین بھی ہے اور کمسن بھی۔" ہاشم بحث پر آمادہ تھا۔ "قاہرہ میں ایسی لڑکی کبھی تنہائی کا شکار نہیں ہو سکتی۔"

"میں اس قصے کو ابھی نمٹائے دیتا ہوں۔" میں نے فون اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ذرا القاہرہ کا نمبر تو بتاؤ کر لیا ہے۔"

شاید وہ دونوں میرا ارادہ بھانپ گئے اور عبدالکمال نے پھرتی سے القاہرہ کا نمبر تلاش کر کے مجھے بتا دیا۔

"مس مریم" میں نے القاہرہ کا نمبر مل جانے پر آپریٹر سے کہا۔

دوسری طرف چند ثانیوں خاموشی رہی، شاید وہ ہوٹل میں مقیم مسافروں کی فہرست پر نظر دوڑا رہی تھی۔

"کس کمرے میں ہیں وہ؟" توقف کے بعد آپریٹر کی نرم آواز سنائی دی۔

"کمرہ نمبر اٹھارہ۔" میں نے مریم کا بتایا ہوا نمبر دہرا دیا۔

"اس کمرے میں تو مسٹر اور مسز ہیرنگٹن مقیم ہیں۔"

میں نے معذرت کر کے سلسلہ منقطع کر دیا۔ ہاشم کے پہلے کہے گئے شبہ کی پہلی کڑی درست ثابت ہو چکی تھی۔

"کیا ہوا؟" مجھے کریڈل دباتے دیکھ کر ہاشم اور عبدالکمال نے تقریباً بیک آواز مجھ سے سوال کیا۔

"وہ القاہرہ میں نہیں ہے۔" میں نے بکتے ہوئے وہ نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا جس پر کچھ دیر قبل مریم سے بات ہوئی تھی۔

دوسری طرف تیسری گھنٹی کے بعد ریسیور اٹھا لیا گیا اور میرے کانوں میں ایک کھنکتی ہوئی سی مردانہ آواز گونج اٹھی۔

"مس مریم؟" میں نے اپنے لہجے کو اعتدال پر رکھتے ہوئے کہا۔

"کون بول رہا ہے؟" مردانہ آواز سے بیزاری صاف جھلک رہی تھی۔

"تم کون ہو؟" میرا لہجہ غیر ارادی طور پر تلخ ہو گیا۔

"وہ میری داشتہ ہے ۔۔۔ سمجھے؟" دوسری طرف سے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا گیا۔ "تمہیں کیا کام ہے؟"

"کام پوچھ کر مجھے شرمندہ نہ کرو۔" میں نے لہو پیتے ہوئے میں کہا۔ "کہیں تم وہی بدنام زمانہ لکٹ تو نہیں ہو جس نے بغداد کی وہاں پر وارداتیں کرتے ہوئے میں آگ لگا دی تھی؟"

"تم الو کے پٹھے ہو..." وہ اتنی زور سے چیخا کہ مجھے ریسیور کان سے دور ہٹانا پڑ گیا۔ "میں دیکھوں گا کہ وہ تم سے کیسے ملتی ہے"

"ایسا ہی دھڑکتا ہے تو یہ بتاؤ کہ وہ اس وقت کہاں گئی ہے" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے مائیک میں کہا۔

"میں اس کی ذاتی مصروفیات کی نگرانی نہیں کرتا لیکن اتنا بتا کہ وہ تم جیسے گھٹیا شخص سے ہرگز نہیں ملے گی۔ وہ آپ سے ملنے جا رہا تھا۔"

"تو کان کھول کر سن لو کہ الفاکر میں اس کی سب سے قیمتی مصروفیت ہوں اور تم طلائی پروں والے ایک بوڑھے گدھ۔"

یہ کہہ کر میں نے اس کے غضبناک جوابات سنے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ ہاشم اور عبدالکمال کی مستفسر نگاہیں میری طرف نگراں تھیں۔

"ہاشم کا خیال درست تھا۔" میں نے کہا۔ "شاید وہ میری خاطر اب القاہرہ پہنچ کر کوئی کمرہ حاصل کرے گی ورنہ وہ اپنے کسی آشنا کے ساتھ مقیم رہی ہے۔"

"اس غیر معمولی دلچسپی کو تم کیا نام دو گے؟" ہاشم کا ناصحانہ لہجہ پسند نہیں آیا۔

"کچھ بھی نہیں۔" میں نے جارحانہ انداز میں پائپ کی تیلی جلا کر سلگاتے ہوئے کہا۔ "عورت ایک ایسی گتھی ہے جسے آج تک کوئی نہ سلجھا سکا۔"

"مگر اس وقت بات صرف مریم کی ہے۔" عبدالکمال اس وقت ہاشم کا ہمنوا نظر آ رہا تھا۔

"مریم بھی ایک عورت ہے۔" میں نے غیر سنجیدگی سے کہا۔ "اور میں مصطفیٰ القاہرہ ضرور جاؤں گا۔ میں اس سے خوفزدہ نہیں ہوں۔"

"مسئلہ خوف کا نہیں، احتیاط کا ہے پرنس۔" ہاشم نے تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "تم وہاں نہ جاؤ گے تو کیا بگڑ جائے گا؟"

"اور کچھ نہیں تو یہی معلوم ہو جائے گا کہ مجھ میں اس کی غیر معمولی دلچسپی کا سبب کیا ہے۔" میں نے لاپرواہانہ انداز میں کہا۔ "پھر میرے لیے

دن خال بیٹھ کر محض حالات کی بہتری کا انتظار کرنا کسی عذاب سے کم نہیں ہو گا۔"

"تم سے بحث بے سود ہے۔" ہاشم نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "میں تمہارے قریب موجود رہوں گا۔ القاہرہ میں میرا کمرہ نمبر ایک سو چالیس ہے۔ خطرے کی صورت میں ہم ایک دوسرے سے فوری رابطہ قائم کر سکیں گے۔"

اس سمجھوتے کے بعد وہ نشست جلد ہی ختم ہو گئی اور میں عبدالکمال کو الوداع کہہ کر ہاشم کے ہمراہ وہاں سے روانہ ہو گیا۔

راستے میں ہم دونوں ہی خاموش رہے۔ القاہرہ ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں اپنی گاڑی کا انجن بند کرنے کے بعد اس سکوت کو ہاشم ہی نے توڑا۔ "خدا حافظ ــــ یہاں سے ہم اجنبیوں کی طرح ہوٹل میں داخل ہوں گے۔"

اس کی تجویز معقول تھی۔ میں .... آگے بڑھ گیا۔

القاہرہ اپنے نام کی طرح ایک پُرشکوہ ہوٹل تھا۔ میں اس کی پُرشکوہ راہداری میں بے حد محتاط ہو کر بڑھتا چلا گیا۔ میرا ارادہ براہِ راست استقبالیہ پر جا کر کمرے کے دروازے پر دستک دینے کا تھا تاکہ میں بالکل انجان بن کر مریم کے ردِعمل کا جائزہ لے سکوں۔

لیکن مجھے اپنے ارادے پر عمل جامہ پہنانے کا موقع نہ مل سکا۔ مریم لفٹ کے قریب ہی میری منتظر تھی اور مجھے دیکھتے ہی تیر کی طرح میری طرف لپکی۔

"خیریت؟ تم یہاں پہنچے کیا کبھی اپنی جگہ سے غیر متوقع طور پر سامنا ہونے کے باعث میں اپنے فطری ردعمل پر قابو نہ پا سکا۔

"میرے ساتھ آؤ اور چل کر سب بتا دوں گی۔" وہ والہانہ انداز میں میرا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔ "میرا کمرہ نمبر غلط تھا۔"

وہاں پہلو بہ پہلو دو لفٹیں نصب تھیں۔ جن میں پہلی لفٹ میں آنے والی مریم کے ساتھ اس میں سوار ہو گیا۔ ہمارے ساتھ چند افراد اور بھی تھے۔ ان ہی میں ہاشم بھی شامل تھا۔

میں نے اس پر صرف سرسری سی نگاہ ڈالی۔ وہ بالکل لاتعلقانہ انداز میں اس حرکت کرنے میں موجود تھا مگر میری دانست میں وہ میرے لیے ضرورت سے زیادہ ہمدردی کے اظہار پر تلا ہوا تھا۔

"کس کمرے میں جا رہے ہیں؟" میں نے محض ہاشم کو سنانے کے لیے مریم سے سوال کیا۔

"چار سو چار!" اس نے لفٹ کا چوتھی منزل کا بٹن دباتے ہوئے کہا۔ لفٹ پہلی منزل پر رکی تو ہاشم اتر گیا۔ میرا کمرہ نمبر معلوم ہو جانے کے بعد وہ مزید زحمت سے بچ گیا تھا اور مجھے اس کی عدم موجودگی سے آزادی کا احساس ملا تھا۔

چوتھی منزل پر لفٹ سے اترنے والے صرف ہم دونوں تھے۔

"تم نے تو کمرہ نمبر تین سو چار بتایا تھا۔" میں نے راہداری میں آگے بڑھتے ہوئے دبیز قالین پر چلتے ہوئے مریم سے سوال کیا۔

"میں نے یہ کمرہ لفٹ آنے سے چند منٹ پہلے ہی بک کرایا ہے۔" اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "اس وقت میرے پاس کوئی اور بھی موجود تھا مگر میں تم سے ملنا چاہتی تھی۔"

"مریم بی بی! کس سے چھپ رہی ہو تم؟"

"تمہاری ذات سے یک بیک میرا مستقبل وابستہ ہو گیا ہے۔" وہ کمرہ نمبر چار سو چار کے دروازے کا قفل کھولتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

اس نے دروازہ کھول کر مجھے اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا مگر میرے قدم دہلیز پر جم کر رہ گئے کیونکہ اس کی بات بہت معنی خیز تھی۔ مصری حکومت نے میری زندہ یا مردہ گرفتاری کے لیے ایک خطیر انعام کا اعلان کیا تھا اور وہ رقم مریم کے مستقبل کے لیے فیصلہ کن ثابت ہو سکتی تھی۔

"میری ذات سے تمہارا مستقبل کیسے وابستہ ہو گیا؟"

"جہاز میں دوران پرواز ہونے والا حادثہ اور تمہارے قیاسات۔" اس نے بلا جھجک مجھے جواب دیا اور میرے رکے ہوئے قدم بڑھ گئے مگر وہ بدستور کہتی رہی۔ "شاید تمہیں بھی علم ہو گا کہ مصر کے شہری ہوا بازی کے حکام نے اس واقعے کی تحقیقات کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا ہے۔ اگر تم نے وہاں آزادانہ اپنی رائے کا اظہار کر دیا تو نہ صرف یہ کہ جہاز کے کپتان کو سزا ہو سکتی ہے بلکہ انتقامی کارروائی کے طور پر اسے ریٹائرمنٹ پر ملنے والی وہ خطیر رقم بھی ضبط کی جا سکتی ہے جس کی واحد حقدار میں ہوں۔"

"تم اس رقم کی حقدار کیسے ہو گئیں؟"

"کپتان سے میرے بہت پرانے تعلقات ہیں۔" وہ خوبصورت اور آراستہ کمرے میں ایک صوفے پر دراز ہوتے ہوئے بولی۔ "اور میاں بیوی نہ ہونے کے باوجود ہم ایک دوسرے سے بہت قریب ہیں۔ پہلے مجھے کچھ علم نہیں تھا لیکن تحقیقاتی کمیشن کے قیام کے بعد اس نے مجھے بتایا کہ وہ اپنی وصیت میں مجھے اپنا تنہا وارث نامزد کر چکا ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" میں صوفے پر دراز ہو چکا تھا۔

"میرے مقابلے میں وہ بوڑھا ہے اور بوڑھے دل کا مریض لاحق ہونے پر اس کو قبل از وقت ریٹائر کیا گیا ہے۔" اس کا لہجہ سرگوشیانہ اور الفاظ چبتے ہوئے تھے۔ "وہ کسی بھی وقت مر سکتا ہے۔ اس کے لیے ایک ذہنی جھٹکا ہی کافی ہو گا۔ اور پھر اسے ملنے والی ساری دولت میری ملکیت ہو گی۔"

"اس معاملے سے میرا کیا تعلق ہے؟"

وہ ہنسی۔ "کمیشن تین روز سے کام کر رہا ہے اور میں ہر روز دفتری اوقات میں اس عمارت کے داخلی راستے کے سامنے موجود رہی ہوں جہاں کمیشن کے اجلاس منعقد ہوتے ہیں۔ مجھے صرف تمہاری فکر تھی کیونکہ تمام مسافروں میں صرف تم ہی معاملے کی تہہ تک پہنچ سکے تھے۔ تمہارا بیان میرا مستقبل برباد کرنے کے لیے کافی ہوتا۔"

میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ میری ذات سے اس کی دلچسپی کا سبب بہت زیادہ سچی اور مخلصانہ تھا۔

"تم اسی کپتان کے ساتھ رہ رہی ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"اور کہاں رہوں گی؟" اس نے جھنجھلا کر کہا۔ "اب تو میری ساری امیدیں اسی کی ذات سے وابستہ ہیں۔"

"اس کی مرضی سے یہاں آئی ہو؟"

"وہ تو مجھے عاق ہی کر دیتا۔" وہ ہنس کر بولی۔ "آج کل وہ ہر وقت شراب کے نشے میں مست رہتا ہے۔ رات میں کسی بھی وقت دریا پہنچ گئی تو اسے یاد بھی نہ آسکے گا کہ میں اسے چھوڑ کر کہیں گئی تھی۔"

"بالآخر ریٹائرمنٹ کی صورت میں اسے کیا ملے گا؟"

"مصری کرنسی میں کم و بیش ایک لاکھ پونڈ سمجھ لو۔" اس نے ذہن پر تھوڑا زور دیتے ہوئے جواب دیا۔

"اس سے دوگنے کے لیے مقدر کیوں نہیں آزماتیں؟" میں نے خود پر قابو رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا میری بولی لگا رہے ہو؟" اس کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

"ایسے نہیں۔" میں جلدی سے بولا۔ "میں یہ گستاخی نہیں کر سکتا اور پھر اتنی رقم تو میں نے خواب میں بھی نہیں دیکھی۔"

"پھر دوگنے سے کیا مطلب تھا تمہارا؟" وہ سنجیدہ ہو گئی۔

"شاید تم اخبار نہیں پڑھتیں۔"

"اوہ۔" وہ خفت آمیز انداز میں ہنس پڑی۔ "صفدر علی کی بات کر رہے ہو۔ اس جیسے خونخوار آدمی کو میں کہاں تلاش کرتی پھروں گی؟"

"انعام خاصا خطیر ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "تم فلسطینی ہو اور ان کے فلسطینیوں سے قریبی روابط رہے ہیں۔ تم تھوڑی سی جدوجہد کرو تو اس کا سراغ مل سکتا ہے۔"

"پولیس نے بھی ان خطوط پر کام کیا ہو گا۔ صفدر علی تمہاری سوچ سے بہت بلند ہے ورنہ وہ ابھی تک دوبارہ پکڑا گیا ہوتا۔"

میرے لیے اس کا جواب بہت اطمینان بخش تھا اور اسے میرے بارے میں خفیف سا شبہ تک نہیں تھا۔

"تمہاری مرضی۔" میں نے شانے اچکا کر کہا۔ "میرے لیے تو چند ہزار ہی کافی ہوتے۔ باقی رقم پر تمہارا تصرف ہوتا۔"

"آج کل کی جذباتی لہر کی کشمکش میں تو کوئی مجھے فلسطینی تسلیم ہی نہیں کرے گا حالانکہ میں تعلیم یافتہ فلسطینی طبقے کی سوچ رکھتی ہوں۔ میرا کسی تنظیم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں چاہوں بھی تو تمہارے مشورے پر عمل نہ کر سکوں گی۔"

"فلسطین کے بارے میں تمہارا رویہ شاید اسی لیے مختلف ہے کہ تم عیسائی ہو۔" میں نے کھل کر اپنی رائے کا اظہار کر دیا۔

وہ ہنس پڑی۔ "یہ تمہارے متعصب ذہن کا تجزیہ ہے۔ فلسطینی تنظیموں میں بے شمار عیسائی بھی مسلمانوں کے شانہ بشانہ جدوجہد کر رہے ہیں۔" .... موضوع خوش اسلوبی سے بدل گیا۔

"تم خود اپنی بات کی تردید کر رہی ہو۔" میں نے اس کی بات پکڑ لی۔ "اگر کسی جدوجہد کا وجود ہے تو پھر تم کس طبقے کی نمائندگی کی دعویدار ہو؟"

"اگر گفتگو تلخ ہو جائے گی۔ اس موضوع کو چھوڑ ہی دو۔" اس نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"میرا دماغ بہت ٹھنڈا ہے۔" میں نے کہا۔ "میں تمہارے خیالات سے واقف ہونا چاہتا ہوں۔"

"ہماری موجودہ نسل پرائے گھر میں غربت کے عالم میں جوان ہوئی ہے۔" اس کا لہجہ قدرے جذباتی ہو گیا۔ "لبنان اور اردن کے مہاجر کیمپوں میں ہم نے بھوک اور موت کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ تپتی ہوئی ریت اور سنگلاخ ٹیلوں پر لازمی فوجی تربیت کی یادگاریں میری کہنیوں اور گھٹنوں پر گہرے سیاہ نشانات کی صورت میں اب تک باقی ہیں۔ ایسی پُرصعوبت اور غیر یقینی زندگی کے بعد ہمیں دوست ملکوں کے وظائف پر اعلیٰ تعلیم کا موقع نصیب ہوا اور بہت سے ملکوں نے ہم پر اپنی شہریت کے دروازے کھول دیے۔ اور آج ہم تلخ ماضی کو بھول کر اس قابل ہیں کہ آسائشوں کے ساتھ اپنی زندگی گزار سکیں۔ ہم ماضی کو بھول جانا چاہتے ہیں لیکن ہمیں پُرسکون جنت سے زبردستی جنگ و پیکار کے ہولناک جہنم میں گھسیٹنے کی کوششیں جاری ہیں۔"

"یہ کوششیں تمہاری اگلی نسلوں کی بہتری کے لیے ہیں۔" میں کوشش کے باوجود خود کو قطع کلامی سے باز نہ رکھ سکا۔ "تاکہ وہ مہاجر کیمپوں کے بجائے اپنے ملک اور اپنی سرزمین پر آزاد شہری کی حیثیت میں جوان ہوں۔"

"یہی تو ہماری قیادت کا سب سے زیادہ پُرفریب نعرہ ہے۔" اس کے لہجے میں میرے اعتراض کا بھرپور جواب موجود تھا۔ "اسرائیل ہماری مجوزہ سرحدوں کو تسلیم نہیں کرتا اور نہ ہی بین الاقوامی طاقتوں کی سرپرستی حاصل ہے اور ہماری مطلوبہ سرحدیں کسی کے لیے قابلِ قبول نہیں ہیں۔ تم جانتے ہو کہ اس وقت دنیا میں فلسطینی مہاجرین کی تعداد کیا ہے اور مجوزہ فلسطین کا رقبہ کتنے ہزار مربع میل ہے؟ اگر کسی روز یہ لولا لنگڑا فلسطین قبول کر لیا گیا تو ہم پابجولاں ہی بے خانماں ہو کر رہ جائیں گے۔ ہر ملک ہم سے شہریت کے حقوق واپس لے لے گا اور ہمیں اپنی ایسی پُرآسائش جنت ترک کر کے مجبوراً اس پسماندہ فلسطین کی تعمیر میں مصروف ہونا پڑے گا جس کی نسل تو پیوندِ زمین ہو جائے گی مگر فلسطین پھر بھی ایک مفلوک الحال ریاست سے زیادہ کوئی درجہ نہ پا سکے گا۔"

"تمہاری قیادت کو اگر محض حکومت درکار ہوتی تو وہ اب سے پہلے ادھورا فلسطین قبول کر چکے ہوتے۔ سارا جھگڑا اسی بات پر چل رہا ہے۔"

"حکومت ریت کے ٹیلوں پر نہیں کی جاتی۔" اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "کسی ملک کے لیے اس کی افرادی قوت اور قدرتی وسائل بھی لازمی ہوتے ہیں۔ ان کے بغیر کوئی قوم زیادہ دن اپنی خود مختاری کا تحفظ نہیں کر سکتی۔"

اس کے انداز گفتگو سے صاف ظاہر تھا کہ اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں خود غرضی کے سوا کوئی جذبہ موجود نہیں تھا۔ ملکی اور قومی مفاد پر وہ ذاتی آسائشوں کو ترجیح دے رہی تھی۔ اور ایسی عورت سے مزید بحث

ننانویں کو ٹھکانے لگانے کے مترادف ہوتا لہٰذا میں نے اس کے جواب میں چپ سادھ لی اور اپنے لیے سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔

"تم نے ابھی تک میری بات کا جواب نہیں دیا۔" تھوڑے توقف کے بعد اس نے مجھے ٹوکا۔

"کون سی بات؟"

"تم کیپٹن کے سامنے جانے کا ارادہ تو نہیں رکھتے نا؟" اس کے لبوں پر ترغیب آمیز مسکراہٹ مچلنے لگی۔

"اگر میری زبان بند رہنے سے تمہارا کچھ فائدہ ہو سکتا ہے تو میرا کیا حرج ہے!" میں نے لاپروائی سے کہا۔ "میری طرف سے تم بے فکر رہو۔"

"مجھے یقین تھا۔" وہ مسرت آمیز انداز میں میرے سینے سے آلگی۔ "تم خاصے سمجھدار آدمی ہو اور صورتحال بھانپ کر جہاز میں ہی سمجھوتہ کر سکتے تھے۔"

وہ میرے ساتھ قریباً نو بجے تک رکی رہی پھر بے حد معذرت کر کے واپس چلی گئی۔ وہ رات پھر غائب رہ کر اپنے کپتان دوست سے لڑائی مول نہیں لینا چاہتی تھی البتہ اس نے اگلی صبح میرے پاس آنے کا وعدہ کر لیا۔

میں اس کی واپسی کا اطمینان کرنے کے لیے اسے نیچے تک چھوڑنے آیا اور جب وہ چلی گئی تو میں چیک کرنے کے بجائے ہاشم کے کمرے میں جا پہنچا۔

وہ شب خوابی کے لباس میں ملبوس تھا مگر اس کے چہرے پر نیند کی کوئی علامت نظر نہیں آ رہی تھی۔

مجھ سے اس کا پہلا سوال مریم کے بارے میں تھا اور جب میں نے اپنی ذات میں اس کی دلچسپی کا سبب بتایا تو وہ خاصا محظوظ ہوا۔

"بعض لوگ تو اپنی ذات میں انجمن ہوتے ہیں مگر تم تو مسائل کی گٹھڑی بنے ہوئے ہو۔ دوسروں کے پھٹے میں ٹانگ اڑانا آسان نہیں ہے۔"

"اب یہ بتاؤ کہ ہوٹل میں آنے کے بعد تمہارا کسی سے رابطہ قائم ہوا؟" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"ابھی تک نتیجہ صفر رہا ہے کہیں سے کوئی کڑی ہاتھ نہیں آ سکی۔"

میں کچھ دیر بعد اس کے کمرے سے رخصت ہو گیا۔

اس رات میرا ذہنی اضمحلال کسی حد تک دور ہو گیا تھا لہٰذا مجھے گہری نیند آئی۔ دن چڑھے بیدار ہو کر میں نے ناشتہ کمرے میں ہی طلب کر لیا۔

جب ساڑھے دس بج گئے مگر مریم نہ آئی تو میں نے القاہرہ کے ایکسچینج سے وہی نمبر ملوایا جو مجھے مریم نے دیا ہوا تھا۔

"تم اب تک کہاں ہو؟" میں نے فون پر مریم کی آواز پہچان لی۔

"کون؟ مسٹر [illegible]؟" جیسے کانوں میں اس کی تحیر آمیز آواز آئی۔

"ہاں، میری بے تابی بڑھ رہی ہے۔"

"وہ ابھی ابھی کیپٹن گیا ہے، میں بس چند منٹ میں پہنچتی ہوں۔" اس کا لہجہ بہت زیادہ خوشامدانہ تھا۔

"میں انتظار کر رہا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

چند ہی منٹ گزرے تھے کہ مجھے کمرے کے دروازے پر دستک سنائی دی اور میں چونک پڑا کیونکہ مریم اتنی جلدی نہیں پہنچ سکتی تھی۔

اسی اثنا میں دوبارہ دستک ہوئی۔ آنے والا نہایت عجلت میں معلوم ہوتا تھا۔

میں نے بہت احتیاط سے دروازہ کھولنا چاہا مگر ہاشم مجھے دھکیل کر اندر گھس آیا۔

اس کا چہرہ فرطِ جوش سے سرخ ہو رہا تھا۔ اندر آتے ہی وہ مسہری پر گر گیا اور تقریباً ہانپتے ہوئے بولا۔ "فوراً روانگی کی تیاری کرو۔"

"کہاں؟" میں اس کی حالت دیکھ کر حیران ہوا جا رہا تھا۔

"وہ... وہ شاید پھر نرغے میں آگئی ہے۔" ہاشم نے دبے لہجے میں کہا۔

"کون؟ سینا؟" میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اگر وہ دوسری مرتبہ گھیرے میں آ گئی تھی تو شاید اس کے تارے گردش میں آ چکے تھے۔

"ہاں جلدی چلو۔" وہ اضطراری کیفیت میں کھڑا ہو گیا۔ "اس بار صورت حال یہ ہے کہ انہوں نے بھاری مسلح نفری کے ساتھ اس باغ کا محاصرہ کیا ہے مگر ساری کارروائی صیغۂ راز میں ہے۔ وہ شاید حملہ کرنے کے بجائے اس وقت کے منتظر ہیں جب سینا بے خبری میں خود ہی باہر نکلنے کی کوشش کرے گی۔"

"تو کیا وہ کسی باغ میں پھنس گئی ہے؟" میں عجلت میں اپنا حلیہ درست کرتے ہوئے بولا۔

"مجھے صبح پانچ بجے اطلاع ملی تھی کہ کل کسی وقت پولیس نے حسین کے بہنوئی پر ہاتھ ڈال دیا ہے۔" وہ بتانے لگا۔ "وہ بہت نیک آدمی ہے۔ اس کی گرفتاری کا مطلب تھا کہ سینا کے معاملے میں پولیس صحیح راہ پر لگ چکی تھی اور اگر سینا نے پناہ کے سلسلے میں حسین کی معرفت اس کے بہنوئی پر بھروسہ کیا تھا تو وہ خطرے میں تھی لہٰذا میں یہ خبر ملتے ہی ہوٹل سے نکل گیا۔ کافی بھاگ دوڑ کے بعد مجھے صرف ایک جگہ ایسی نظر آئی جو اس کی ملکیت تھی۔ اور جسے ایک محفوظ پناہ گاہ بھی سمجھا جا سکتا تھا۔ قاہرہ کے نواح میں حسین کے بہنوئی صاحب کا ایک وسیع باغ ہے جس کے وسط میں ایک رہائشی کوٹھی بھی ہے۔ یہ باغ مجھے آدھے گھنٹے پہلے معلوم ہوا۔ میں نے خود جانے کے بجائے پہلے ایک آدمی کو وہاں روانہ کر دیا جسے وہاں پہنچ کر صورتحال کے بارے میں معلوم کر کے لوٹ آنا تھا مگر اسے باغ سے دور ہی سڑک پر روک لیا گیا اور اسے صرف شک پر روکا گیا تھا کیونکہ وہاں پولیس کی بھاری نفری کی نقل و حرکت کے آثار بھی تھے جو جھاڑیوں وغیرہ میں چھپی ہوئی تھی۔ اس کے واپس آنے پر میں نے مزید دو افراد بھیجے تو پتہ چلا کہ اس کا فون کٹ چکا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ باہر کی دنیا سے رابطہ منقطع کیے کوٹھی میں بے خبر بیٹھی ہے اور باہر موت اس کی منتظر ہے۔" میرے جسم میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔

"یہ صرف میرے قیاسات ہیں۔" وہ جلدی سے بولا۔ "میرے آدمیوں کو روکنے والوں نے ناکہ بندی کا کوئی سبب نہیں بتایا تھا۔"

"بعض باتیں بتائے بغیر خود ہی واضح ہو جاتی ہیں۔" میرا لہجہ سرد تھا۔

جلد ہی میں ہاشم کے ساتھ کمرے سے باہر آ گیا۔

"اپنے [illegible] زندگی ٹیک رہی ہے!"

میں مضطرب ہو گیا۔ اس وقت میرے لیے خود پر قابو پانا دشوار ہو رہا تھا۔

ہم لفٹ سے نیچے اترے اور آگے بڑھتے چلے گئے۔

یہ میری بدقسمتی تھی کہ راستے میں مریم ٹکرا گئی۔ وہ سامنے سے چلی آ رہی تھی۔ میں نے اس سے کترا کر نکل جانا چاہا مگر وہ مجھے دیکھ چکی تھی۔

"مجھے بلا کر کہاں بھاگ رہے ہو؟" میرے قریب آ کر وہ ناز آمیز لہجے میں بولی۔ غنیمت یہ تھا کہ ہاشم ہوشیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سیدھا نکلا چلا گیا تھا۔

"مجھے اچانک ایک ضروری کام پیش آ گیا ہے۔" میں نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "شاید دو تین گھنٹے تک مصروف رہوں۔ تم چاہو تو واپس جا سکتی ہو، میں واپس آ کر خود ہی فون کر لوں گا۔"

"خیریت تو ہے! تم کچھ مشتعل سے نظر آ رہے ہو؟"

"میں جو کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔" میرا لہجہ غیر ارادی طور پر درشت ہو گیا اور وہ سہم کر مجھ سے دور ہٹ گئی۔

"جاؤ!" میں نے دوبارہ کہا اور وہ خوفزدہ نظروں سے آخری بار میرا جائزہ لینے کے بعد مڑے بغیر ہوٹل سے نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

مریم کی رفتار غیر معمولی حد تک تیز تھی۔ میں باہر نکلا تو وہ کہیں غائب ہو چکی تھی مگر ہاشم دروازے کے قریب ہی میرا منتظر تھا۔

"کیا کچھ ہوا تھا؟ وہ بہت خوفزدہ ہو کر بھاگی ہے؟" ہاشم نے مجھے دیکھتے ہی سوال کیا۔

"کچھ نہیں۔ کم بخت گلے پڑ گئی ہے۔" میری نظریں مریم کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں۔

"اسے باہر آتے ہی خالی ٹیکسی مل گئی تھی۔" اس نے کہا۔ "وہ تو اس طرح واپس ہوئی تھی جیسے موت اس کا پیچھا کر رہی ہو۔"

میں نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس اثنا میں وہ اپنی کار تک پہنچ گیا۔

"تم فوری طور پر کتنے آدمی جمع کر سکتے ہو؟" کار روانہ ہونے کے بعد میں نے سپاٹ لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"عبدالکمال سمیت پانچ۔" اس نے جواب دیا۔ "اور وہ پانچوں راستے میں کسی جگہ ہمارے منتظر ہوں گے۔"

"تم کدھر جا رہے ہو؟"

"قصبے کے [illegible] باغ کی طرف۔"

"وہاں ہم سات آدمی کیا کر سکیں گے؟"

"میری تو عقل ماؤف ہو چکی ہے۔ ہر شخص تمہارے احکام پر عمل کرے گا۔ میں نے اپنے تمام تر وسائل تمہارے لیے مجتمع کر لیے ہیں۔"

"سات افراد۔ یہ تمہارے تمام وسائل ہیں؟" میرا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔

"ان کے ساتھ کافی اسلحہ اور ایمونیشن بھی ہوں گے لیکن میں نہیں سمجھتا کہ اسلحہ ہمارے کسی کام آ سکے گا۔"

"یہ تم نے بہت اچھا کیا۔" میں نے اپنے سفر کے دوران پہلی بار ذہن میں امید کی ایک ہلکی سی کرن ابھرتی ہوئی محسوس کی اور میرا ذہن حالات کے تجزیے میں الجھ گیا۔

ہاشم کی کار قاہرہ کی بھری پُری سڑکوں پر تیزی کے ساتھ دوڑ رہی تھی۔ اور ہم لمحہ بہ لمحہ ایک ایسے محاذ سے قریب ہوتے جا رہے تھے جہاں تمام تر حالات ہمارے خلاف تھے۔

"مجھے بس ایک ہی ڈر ہے۔" ہاشم کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"وہ کیا؟"

"ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی سب کچھ ختم نہ ہو جائے۔"

"نہیں۔" میں وحشت زدہ لہجے میں غرایا۔ پھر مضبوط لہجے میں بولا۔ "میں اسے قریب سے دیکھ چکا ہوں۔ وہ بہت چالاک ہو گئی ہے اگر اس نے واقعی اس باغ میں پناہ لی ہے تو پولیس کے گھیرے کے مکمل ہونے سے قبل وہ کھلے آسمان کے نیچے بھی نکل آئے گی۔"

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔" وہ دھیمی آواز میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

"تم کس حد تک میرا ساتھ دو گے؟" چند ثانیوں کے بعد میں نے سوال کیا۔

"تمہارے پہلے اگلے پچھلے شکوے دور کر دوں گا۔" وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پُرعزم لہجے میں بولا۔

"کچھ کر کے مرنے کے لیے تیار ہو؟" میں نے پھر اسے جھنجھوڑا۔

"زندگی ایک بلبلا ہی تو ہے۔" وہ بولا۔ "پھر اسے کسی بڑے مقصد کے لیے کیوں نہ داؤ پر لگا دیا جائے تاکہ مرنے کے بعد افسوس نہ ہو۔"

"یہ نہ کہو ہاشم۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ "مسلمان کی موت کا ایک وقت مقرر ہے اور میں تمہیں خود سے بہتر مسلمان سمجھتا ہوں۔"

"تم کیا سوچ رہے ہو؟"

"اگر اسلحہ کام آ سکے تو ہم خود کو ان کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھ کر ان کے گھیرے کا جائزہ لیں گے اور رات کا اندھیرا پھیلتے ہی سات مختلف مقامات سے بیک وقت ان پر موت کی یلغار کر دیں گے۔ پھر وہ ہمارے حصار میں ہوں گے۔"

"اور اگر وہ رات سے پہلے باہر نکلی.......؟"

"نہیں۔" میں نے بری طرح سے جھڑک دیا۔ پہلی بار مایوسی کے کلمات زبان پر لائے۔ "باہر مقابلہ شروع ہوتے ہی وہ چونک کر فرار کی تلاش کرے گی۔"

وہ خاموش ہو گیا۔

شہر سے نکلنے کے بعد ہاشم کی کار تھوڑی دور ہی گئی تھی کہ ہمیں سڑک کے کنارے ایک بڑی سیاہ وین کھڑی نظر آئی۔ وین سے ذرا پیچھے ایک شخص کھڑا ہوا تھا جس نے شاید ہاشم کی کار پہچان کر ہاتھ ہلانا شروع کر دیا۔

قریب آنے پر میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ عبدالکمال تھا۔ کار رکتے ہی وہ دوڑتا ہوا میری طرف والی کھڑکی پر آ گیا۔

"سب کچھ تیار ہے۔" اس نے آتے ہی پرجوش لہجے میں کہا۔

"ہم سب تمہارے احکامات پر عمل کریں گے۔" ہاشم کے لہجے پر گمبھیر سنجیدگی طاری ہو گئی تھی جو ان حالات کا تقاضا بھی تھی۔

"میں ایک نظر اسلحہ دیکھنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"ہمارے ساتھ وین پر ہی آ جاؤ۔ سب کچھ پچھلے حصے میں موجود ہے۔" عبدالکمال کا مشورہ نہایت مناسب تھا میں کار سے اتر گیا۔

ہم دونوں وین کے عقبی حصے پر پڑی ہوئی ترپال ہٹا کر اندر گھس گئے۔ وہ شاید کسی گوالے کی وین تھی کیونکہ اس میں دودھ دہی وغیرہ کی مانوس بو رچی ہوئی تھی۔

اندر ایک جوان سال شخص پہلے سے موجود تھا۔ عبدالکمال نے ڈرائیونگ کیبن میں کھلنے والی کھڑکی میں سے جھانکتے ہوئے شخص کو اشارہ کیا اور چند ہی لمحوں بعد وین حرکت میں آ گئی۔

وین میں چار اسٹین گنز فرش پر پڑی ہوئی تھیں۔ ان کے فاضل راؤنڈز کے متعدد چھوٹے کریٹ بھی موجود تھے۔ تین بڑے بڑے صندوق مختلف قسم کے دستی بموں سے بھرے ہوئے تھے ان کے علاوہ تین دو بھاری رائفلیں بھی نظر آ رہی تھیں۔

"اسلحہ بہت کافی ہے۔" میرے اضطراب میں قدرے کمی آ گئی۔ "اگلے حصے میں کتنے لوگ سفر کر رہے ہیں؟"

"تین۔" عبدالکمال نے جواب دیا۔ "تین اسٹین گنز ان کے پاس ہیں۔"

"ایسا نہ ہو کہ ہم براہ راست ان میں جا گھسیں۔"

"اول تو ابھی خاصی مسافت باقی ہے پھر ٹرک کے اسٹیرنگ وہیل پر جو شخص موجود ہے وہ بیسیوں مرتبہ ادھر جا چکا ہے۔ محدود علاقہ آنے سے پہلے ہی وہ ذیلی سڑک پر اتر جائے گا۔"

"سب لوگ اسلحے کے استعمال میں ماہر ہیں؟" میں نے اپنی تسلی کے لیے بادل ناخواستہ یہ سوال بھی کر ہی ڈالا۔

"پیشہ ور جتنا سمجھ سکتے ہو۔"

"یہ ٹرک کس کا ہے؟"

"ایک ڈیری فارم سے چرایا گیا ہے۔ بے فکر رہو اس کے مالک کو رات گئے سے پہلے اس کی چوری کا علم نہ ہو سکے گا۔"

"پھر ہاشم کی کار کا کیا ہو گا؟"

"وہ کسی محفوظ جگہ چھوڑ دی جائے گی تاکہ بھاگتے وقت ہمیں جانے تو کسی مشکل کا سبب نہ بنے۔" عبدالکمال کا جواب مجھے بے حد پسند آیا۔ اس کے الفاظ پُرامید تھے جن میں معرکے کے بعد واپسی کا تذکرہ بھی تھا۔

"کیا تمہیں ہاشم نے کسی منصوبے کے تحت بلایا ہے؟" میں نے سوال کیا جس کا جواب نفی میں ملا۔

"پھر تم مقابلے اور واپسی کی بات کیسے کر رہے ہو؟" میں نے اگلا سوال کر ڈالا۔

"ظاہر سی بات ہے کہ اسلحہ بلاوجہ نہیں منگوایا گیا اور پھر ہاشم نے یہ تو بتا ہی دیا تھا کہ سیتا کس خطرے سے دوچار ہے۔"

"ہاشم الجھا ہوا ہے۔ اس کے ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا۔ اسی لیے اس نے ساری ذمہ داری مجھ پر ڈال دی ہے لیکن مناسب مشورہ تم ہر وقت دے سکتے ہو۔"

"پروگرام کا علم ہو تو مشورے کی نوبت آئے گی نا۔"

میں آہستہ آہستہ عبدالکمال کو اپنے مجوزہ منصوبے کی جزئیات سے آگاہ کرنے لگا۔ تیسرا شخص بھی نہایت انہماک سے میری باتیں سن رہا تھا۔

"ہر عورت کو اپنے مقدر پر ناز ہونا چاہیے جسے تم جیسا شوہر ملا ہو۔" میرے خاموش ہونے پر وہ ستائشی لہجے میں بولا۔ "خدا کی پناہ! تم اپنی بیوی کے حصول کے لیے خون آگ اور تصادم کے کسی سمندر کو بھی خاطر میں لانے کے لیے تیار نہیں ہو۔"

"یہی زندگی ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی تھی کہ میں گوشہ نشین ہو کر ساری عمر اپنی گمشدہ بیوی کی یاد میں آنسو بہاتے گزار دیتا۔"

"تمہارا منصوبہ زبردست ہے مگر اس کی کامیابی کا سارا انحصار اس بات پر ہے کہ سیتا تصادم کے آغاز سے قبل اپنی کمین گاہ سے باہر نکلے۔" عبدالکمال نے قدرے توقف کے بعد تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

"ایک بات پوچھوں؟" وین کے عقبی حصے میں موجود تیسرے شخص نے مؤدب لہجے میں دخل اندازی کرتے ہوئے سوال کیا۔

میری استفسار طلب نگاہیں اس کے چہرے کی طرف اٹھ گئیں۔

"تم سمیت ہماری کل تعداد سات ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "اور تم پولیس والوں پر مختلف سمتوں سے حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہو۔ ہم سات آدمی بیک وقت کتنے مورچے سنبھال سکیں گے؟"

"کسی مورچے کی ضرورت نہیں۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "وہ سیتا کی کمین گاہ کے گرد پھیلے ہوئے ہیں اور ہم سات آدمی ان کے گرد پھیل جائیں گے۔ اسٹین گن کی مار بہت لمبی ہوتی ہے جب ایک ہی وقت پر سات مختلف سمتوں سے ہماری اسٹین گنز چلیں گی تو انھیں سمجھنے کی مہلت ہی نہیں ملے گی اور وہ خوف کے عالم میں منتشر ہو جائیں گے۔ میری طرف سے تم سب کو اجازت ہے کہ انتہائی [illegible] میں خطرہ محسوس کرو

تو فوراً اپنی جان بچا کر بھاگ نکلنا۔"

"نہیں تنہا چھوڑ کر؟" اس نے عجیب سے لہجے میں سوال کیا۔

"میں خود بھی اسی ترکیب پر عمل کروں گا۔" میں نے کہا۔

"یعنی ہم محض دہشت گردی کر کے بے نیل مرام لوٹ جائیں گے؟" اس کا لہجہ مایوسانہ تھا۔

میں تیز انداز میں ہنس دیا۔ "ہمارا مقصد ان کے محاصرے کو درہم برہم کرنا اور سیتا کو باہر کے مخدوش حالات سے باخبر کرنا ہے۔ فائرنگ اور شور سے وہ سمجھ جائے گی کہ اسے خطرات لاحق ہیں اور پھر وہ محاصرے کے انتشار سے فائدہ اٹھا کر نکاسی کی راہ خود ہی تلاش کرے گی۔ ابھی تک آدم خور شیر کی کچھار میں بے خبری کے عالم میں پیر پسارے بیٹھی ہو گی۔"

"بظاہر بڑا آسان لگ رہا ہے۔" عبدالکمال نے کہا۔

"عملاً بھی شاید ہی کوئی دقت پیش آئے۔" تیسرے شخص نے کہا۔ "سات سمتوں سے برسنے والے فائر اور پھر بموں کے دو چار ہولناک دھماکے شاید انھیں یہ تک بھلا دیں گے کہ وہ کن فرائض کی تکمیل پر مامور کیے گئے تھے۔"

"اگر سیتا رجب کے باغ میں موجود ہے تو شاید حسین بھی سیتا کے ساتھ ہی ہو گا۔" عبدالکمال نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد کہا۔

"لازمی بات ہے۔" میں نے کہا۔ "ویسے اگر سیتا تنہا بھی ہوتی تو صورتحال کو مناسب طور پر سنبھال لیتی۔"

"میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ پولیس رجب تک کیسے پہنچ گئی؟" عبدالکمال نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"ہاشم نے بتایا تھا کہ رجب قاہرہ میں فلسطینی تنظیم کا سرگرم رکن ہے۔"

"سرگرم رکن تو ہے لیکن اس کی بیشتر مصروفیات سیاسی ہوتی ہیں۔" عبدالکمال کا لہجہ مدافعانہ تھا۔ "وہ قانون کی حدود کا بہت احترام کرتا ہے۔"

"پھر تو اس کی دو ہی وجوہ ہو سکتی ہیں۔" میں نے کہا۔ "اول یہ کہ کسی نے مخبری کی ہو مگر یہ نکتہ اس لیے بے وزن نظر آتا ہے کہ مخبری کے بعد پولیس رجب پر ہاتھ ڈالنے کے بجائے براہ راست باغ پر دھاوا بولتی تاکہ کسی کو بھی پولیس کی نقل و حرکت کا اندازہ ہونے سے قبل سیتا کو پکڑ لیا جاتا اور دوسرا امکان یہ ہے کہ پولیس کو کسی طرح یہ علم ہو گیا ہو کہ رجب کے ساتھ حسین نامی ایک لمبی داڑھی کا شخص ہے اور پولیس نے کڑیاں یکجا کرنے کے بعد رجب پر ہاتھ ڈال دیا ہو۔"

"یہی صورت قرین قیاس لگتی ہے۔ پہلے رجب گرفتار ہوا اور اس کے بعد پولیس نے اس کے مضافاتی باغ کا محاصرہ کیا۔"

"تو کیا تمہارا خیال ہے کہ رجب نے گرفتاری کے ایک آدھ گھنٹے بعد ہی پولیس کے حربوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے ہوں گے؟"

"وہ بہت مضبوط اور بے خوف آدمی ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "اس سے ایسی امید تو نہیں کی جا سکتی مگر جو کچھ ہوا اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

"یہ پتہ چلا کہ رجب گرفتاری سے پہلے کہاں غائب تھا؟"

"اگر یہ پتہ [illegible] براہ راست پولیس کی تحویل میں پہنچا ہے۔ اگر علم ہوتا تو ہو سکتا کہ وہ کب اور کہاں سے گرفتار ہوا۔"

اس کے بعد ٹرک کے عقبی حصے میں خاموشی چھا گئی۔ کچھ دیر ہم اپنی اپنی جگہ کسی سوچ میں غرق تھے۔

کچھ دیر تک وین کا سفر ہموار سڑک پر جاری رہا پھر وہ بائیں طرف ایک ناہموار راستے پر موڑ دی گئی۔

شدید جھٹکوں کے درمیان تقریباً دس منٹ تک وین آگے بڑھتی رہی پھر اسے روک کر انجن بند کر دیا گیا۔

ہم تینوں وین کے عقبی حصے میں جھولتی ہوئی ترپال ہٹا کر نیچے کودے تو خود کو گھنے درختوں کے درمیان ایک محفوظ جگہ پر موجود پایا۔ وہاں تک رسائی کے لیے بظاہر کوئی راستہ نہیں تھا مگر وین کا ڈرائیور کانٹوں سے جھاڑیاں کچلتا ہوا اندر گھس آیا تھا۔

لحظہ بھر بعد وین کی اگلی نشست سے تینوں افراد بھی ہمارے پاس آ گئے۔ "ہاشم یہاں تک کیسے آئے گا؟" میں نے تجسس آمیز نگاہوں سے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"چند منٹ میں ہی آ جائے گا۔" عبدالکمال نے جواب دیا۔

پھر عبدالکمال کی ہدایت پر بقیہ چاروں افراد ٹرک میں موجود اسلحہ کو اس طرح چھپانے میں مصروف ہو گئے کہ کوئی وارد یا اجنبی نظر بھی ان ہتھیاروں کی شناخت نہ کر سکے۔

اس دوران میں ہاشم بھی وہاں آ پہنچا۔

"تمہاری کار کہاں ہے؟" میں نے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

وہ پھیکے انداز میں مسکرا دیا۔ "یہاں سے ذرا آگے کھڑی کی ہے۔ تم لوگ شاید میرا ہی انتظار کر رہے تھے؟"

دو آدمی وین میں اسلحہ کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیے گئے اور بقیہ آدمی دو ٹولیوں میں بٹ گئے۔

میرے ساتھ ہاشم کے علاوہ وہ شخص بھی تھا جو صبح سویرے ایک بار رجب کے باغ میں جانے کی ناکام کوشش کر چکا تھا اور عبدالکمال کے ساتھ محض ایک آدمی تھا۔ ہم لوگوں کا منصوبہ دور سے محاصرے کا جائزہ لینا تھا۔

دونوں ٹولیاں قطعی غیر مسلح حالت میں اس کمین گاہ سے مختلف سمتوں میں روانہ ہوئیں تاکہ کسی غیر متوقع مڈبھیڑ میں اسلحہ کی موجودگی ہمیں مشکوک ثابت نہ کر سکے۔

"تمہیں یقین ہے کہ ہمیں باغ میں گھسنے کا موقع نہیں مل سکے گا؟" کچھ دور تک خاموشی سے چلنے کے بعد میں نے سوال کیا۔

"تھوڑی دیر بعد تم خود ہی بہتر رائے قائم کر سکو گے۔" ہاشم نے بغور میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارے ذہن میں کیا ہے؟"

میں نے اختصار کے ساتھ اسے اپنی حکمت عملی سے آگاہ کر دیا۔

"موجودہ حالات میں اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی۔" اس نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "پھر تم اندر گھسنے کے بارے میں کیا سوچ رہے ہو؟"

"سیتا میری بیوی ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "دو تین برسوں کے فراق کے بعد بھی اگر میں اس کو قریب سے دیکھنے کی آرزو نہ کروں تو یہ رشتہ بھی بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔"

"آرزو کی حد تک تو بات درست ہے لیکن عملاً تمہارا باغ میں داخلہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

"یہ تم کہہ سکتے ہو لیکن اس وقت میرے لیے بڑے سے بڑا خطرہ بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ میں صرف ایک بار سیتا کو قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"تمہاری خواہش قطعی فطری ہے اور تمہارا جذبہ بھی قابل داد ہے مگر میں صرف یہ جتانا چاہتا ہوں کہ اس مرحلے پر تمہاری کوئی جذباتی حرکت تمہاری اور سیتا کی سلامتی پر بری طرح اثرانداز ہو سکتی ہے۔"

"سلامتی!" میں استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا۔ "میرے لیے تو اب یہ لفظ مذاق بن کر رہ گیا ہے۔ اگر سلامتی یہ ہوتی ہے تو خطرات نہ جانے کیا ہوتے ہیں؟"

وہ خاموش ہی رہا۔

وہ علاقہ گھنے درختوں اور سرسبز باغات سے بھرا ہوا تھا۔ ہم تیزی اور چوکنے انداز میں آگے بڑھتے رہے۔ ہماری رہنمائی کا فرض تیسرا شخص انجام دے رہا تھا جو میری اور ہاشم کی گفتگو سے بظاہر لاتعلق بنا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی ہمیں پولیس کے جوانوں کی پہلی ٹولی نظر آ گئی جو رائفلوں سے لیس بظاہر لاپروایانہ انداز میں ایک کھلے مقام پر براجمان تھی۔ پھر ان کی لاپروائی کا سبب بھی واضح ہو گیا کیونکہ ان کا بوسٹ ان کے سامنے ایک کھلے میدان کے پار واقع تھا اور اگر ادھر کوئی گڑبڑ ہوتی تو پولیس والوں کے پاس جوابی کارروائی کے لیے خاصا وقت موجود ہوتا۔

ہم گھنے درختوں اور جھاڑیوں کی اوٹ میں مسلسل آگے بڑھتے رہے اور اس دوران کہیں کہیں مسلح سپاہی نظر آتے رہے۔

پھر ہم نے وہ سڑک بھی عبور کر لی جو سیدھی باغ کو جاتی تھی۔ اس سڑک پر دور تک چوکسی کے آثار نمایاں تھے۔

تقریباً تین گھنٹے بعد ہم اپنا چکر مکمل کر کے اپنی کمین گاہ میں واپس پہنچے تو تھکان سے برا حال ہو رہا تھا۔

عبدالکمال اور اس کا ساتھی پورا چکر لگائے بغیر ادھورے جائزے کے بعد کافی دیر قبل واپس پہنچ چکے تھے۔

اپنے جائزے کی روشنی میں ہم لوگوں نے آپس میں مشورے شروع کر دیئے جن کا خلاصہ یہی تھا کہ ہماری اچانک فائرنگ پولیس والوں کو حواس باختہ کرنے کے لیے کافی تھی۔

سارے پہلوؤں پر غور و خوض کے بعد جب یہ طے کر لیا گیا کہ ہر شخص اپنا اسلحہ سنبھال کر ساڑھے چھ بجے اس پناہ گاہ سے نکل جائے گا اور ساتوں آدمی دائرے کی صورت میں اپنی جگہیں سنبھال کر ٹھیک ساڑھے سات بجے کسی کا نشانہ لیے بغیر اندھا دھند اندرونی سمت میں فائرنگ شروع کر دیں گے اور اگر موقع ملا تو ایک آدھ دستی بم بھی اس سمت میں اچھال دیں گے تو میں ایک اسٹین گن لیے شانے سے لٹکا کر وہاں سے اٹھ گیا۔

"تم کدھر چلے؟" ہاشم نے حیرت سے میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ساڑھے سات بجے میری اسٹین گن کا نغمہ تمہارے اسلحے کے شور میں شامل ہو گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مگر تم چلے کہاں؟"

"ہو سکتا ہے کہ مجھے اندر گھسنے کا کوئی موقع مل جائے اور میں زیادہ بہتر طور پر اپنا کام سرانجام دے سکوں۔"

"تم پر حماقت کا دورہ پڑ رہا ہے۔" ہاشم غرایا۔ "یہ یاد رکھو کہ اس وقت تم ہی ہمارے کمانڈر ہو۔ اگر تم یہاں سے چلے گئے تو بیک حالت کی ذمہ داری کس پر ہو گی۔ جبکہ یہ پوری طرح تمہاری ذمہ داری ہے۔"

"سارا کام تقسیم کیا جا چکا ہے۔" میں نے احتجاج آمیز لہجے میں کہا۔ "اب یہاں میری موجودگی کی کیا ضرورت ہے؟"

"تم سیتا کو دوگنا خطرناک بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔" عبدالکمال نے ہاشم کے موقف کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"یہ الزام سراسر بے بنیاد ہے۔" میں نے کہا۔ "تم لوگ بس ہر قیمت پر مجھے اپنے ساتھ روکنا چاہتے ہو۔"

"روکنا ضرور چاہتے ہیں مگر صرف تمہاری بہتری کی خاطر۔" ہاشم نے کہا۔ "اگر تم ہمارے ساتھ ہو تو ساڑھے سات بجے ہم صرف سیتا کے فرار کے لیے اپنی مہم کا آغاز کریں گے لیکن تمہارے اندر چلے جانے کے بعد سارا دار و مدار دو افراد کی رہائی کا ہو گا جو خاصی حد تک خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

"میں تمہارے خیالات کی قدر کرتا ہوں مگر اس کے باوجود میں تم سے روانگی کی اجازت چاہوں گا۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

ہاشم اور عبدالکمال کی نگاہیں چار ہوئیں جن میں کچھ تشویش کا اظہار بھی تھا۔ پھر ہاشم مجھ سے نگاہیں چرا کر بولا۔ "تو ٹھیک ہے۔ تم اپنی راہ جاؤ، ہم اپنی راہ چلتے ہیں۔ تمہیں خود انہی حالات میں جھونک کر تو شاید مجھ سے ایک گولی بھی نہ چلائی جا سکے گی۔"

باقی لوگ تو محض حکم کے منتظر تھے مگر ہاشم اور عبدالکمال کے ساتھ میری بحث طول پکڑ گئی اور وہ کسی طرح مجھے ڈھیل دینے پر آمادہ نہ ہو سکے مجھے لہجے کی تلخی بھی ان پر کسی طرح اثرانداز نہ ہو سکی۔

اور اس بحث کا سمجھوتے کے بعد ساتوں افراد کی ٹیمیں راز جگہیں تقسیم کی جانے لگیں۔ سب سے پہلا مورچہ اس کمین گاہ سے قریب ترین تھا۔ مجھ سے دائیں گزرتی دائیں سمت میں ہاشم کو فائرنگ کرنی تھی جبکہ بائیں طرف عبدالکمال موجود رہتا۔ باقی افراد آگے پھیلائے گئے تھے اور ان میں سے ہر ایک کو ذاتی تحفظ کے سلسلے میں ہاشم نے غیر معمولی نوعیت کا لیکچر دیا تھا جس کا لب لباب یہ تھا کہ خطرے کی صورت میں وہ ہتھیار وہیں تک چھپنے کا موقع حاصل کر لیں۔

اسلحے کی تقسیم بڑی حد تک مساویانہ رہی۔ اسٹین گن کی گولیوں کے علاوہ ہر ایک کے پاس دو چار دستی بم بھی تھے جو دہشت گردی کے علاوہ ذاتی تحفظ کے نازک مرحلے پر بھی کام آ سکتے تھے!

چاروں نے افراد کے بعد دیگرے وہاں سے رخصت ہوتے۔ انہیں واپسی کے بارے میں کھلی چھوٹ تھی کہ بحفاظت کسی طرف نکل سکیں تو بغیر ضروری الجھن پیچیدہ راستے نہ اپنائیں اور اگر مشکل محسوس ہو تو آٹھ بجے تک اسی مقام پر پہنچنے کی کوشش کریں جہاں درختوں کے بیچ میں ہماری وین پوشیدہ تھی۔

وین کو وہاں سے واپس لے جانا قطعی ضروری نہیں تھا لیکن ہنگامی صورتحال میں وہ اسلحہ کام آ سکتا تھا جو وین کے خفیہ حصے میں فاضل پڑا رہ گیا تھا اور یہ ذمے داری ہاشم نے اپنے سر لی تھی کہ کام پورا کرنے کے بعد وہ آٹھ بجے تک وین کے قریب درختوں میں موجود رہ کر کسی چھوٹ جانے والے ساتھی کا انتظار کرتا اور اگر سارا کام حسب منشا پورا ہو جاتا تو وہاں سے کھسک کر اپنی کار میں شہر واپس لوٹ جاتا۔

"مجھے امید ہے کہ تم اندر گھسنے کی کوشش نہیں کرو گے!" ہاشم نے وہاں سے روانہ ہونے سے قبل بے اعتباری سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر تم اب بھی مجھے اجازت دے دو تو میں تمہارا احسان مند ہوں گا۔" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"اندر گھس کر نہ صرف تم خود مصیبت میں پڑ جاؤ گے بلکہ سیتا کو بھی غیر ضروری مشکلات سے دوچار کر دو گے۔" وہ ناپسندیدہ لہجے میں بولا۔

"اگر تم مُصر ہو تو میں تمہاری مرضی کے سامنے لاچار ہوں۔" میں نے اس کے سامنے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے۔

"تمہارے سامنے میری مرضی بے معنی ہے۔" وہ قدرے چڑچڑے لہجے میں بولا۔ "تم چاہو تو مجھ سے وعدہ کرنے کے باوجود اندر گھس سکتے ہو۔"

"یہ تو تمہاری غلط فہمی ہے۔" میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے دلاسہ دیتے ہوئے بولا۔ "تم سے کیا ہوا وعدہ میرے لیے اٹل ہو گا اور میں اس سے کسی قیمت پر انحراف نہیں کر سکوں گا۔"

اس نے ایک لمحے کے لیے میری آنکھوں میں دیکھا پھر بولا۔ "اگر تمہارا وعدہ اسی قدر اٹل ہے تو میں ہرگز تمہیں اس احمقانہ اقدام کی اجازت نہیں دوں گا۔ تمہیں باہر رہ کر اپنا کام کرنا ہو گا۔"

"اگر یہ تمہارا حکم ہے تو میں ایسا ہی کروں گا۔" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "وہ اپنے محسنوں کی بات کبھی نہیں ٹالتا۔"

"فی امان اللہ۔" میں نے تھوڑے توقف کے بعد کہا اور ہاشم اپنے انداز میں میرے رخسار پر بوسہ دے کر وہاں سے چلا گیا۔

چند لمحوں بعد ہی عبدالکمال نے بھی اس کی تقلید کی اور میں کالونی کی اس وین کے قریب تنہا کھڑا رہ گیا۔

وہ لمحات نہ جانے کیسے جذباتی شدت کے حامل تھے کہ بے اختیار میری آنکھوں کے گوشے نمناک ہو گئے۔

چند سیکنڈ بعد مجھے اس ماحول سے نجات ملی تو میں نے بھی سر جھٹک کر اپنی اسٹین گن شانے سے لٹکائی اور دستی بم جیبوں میں اڑس کر بحفاظت باغ کی طرف روانہ ہو گیا۔

میں خالی الذہنی کے عالم میں چند منٹ تک آگے بڑھتا رہا پھر ایک دم چونک پڑا کیونکہ میرے کانوں میں کچھ فاصلے سے دو تین مقامی لوگوں کے زور زور سے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں اور میرے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے!

"والحمد! لطف آ جائے گا۔" کوئی قہقہہ لگا کر کہہ رہا تھا۔ میرے کانوں سے ٹکرانے والا وہ پہلا مکمل فقرہ تھا۔

"ذرا دھیرج ہو۔" یہ دوسری آواز تھی۔ "اگر وہ میرے قبضے میں آ گئی تو پہلے اسے کالے کتے کی پوری بوتل پلاؤں گا پھر اسے سجا سجا کر ہلاک کروں گا۔"

"سجا سجا کر؟" یہ دو دلی ملی مضحکہ خیز آوازیں تھیں۔ ابتدائی نعرے کے بعد وہ صرف ایک ہی مردانہ آواز رہ گئی۔

"مجھ سے ٹکرا گئی تو اس کا منہ دبوچ کر اسے اتنی دور لے جاؤں گا کہ پیچھے کا اندھا گم فیصلہ کی آواز بھی تجھ تک نہ پہنچ سکے گی۔"

میری نبض کی رفتار یک بیک تیز تر ہو گئی اور دماغ میں چنگاریاں سی چھوٹنے لگیں کیونکہ ان وحشیوں کی گفتگو بہت زیادہ واضح تھی اور وہ ہولناک تصور میرے لیے قطعی ناقابل برداشت تھا۔

بڑی احتیاط اور اشتعال کی ملی جلی کیفیت میں کئی قدم آگے سرک گیا۔

"وہ جو بھی ہے محض ایک عورت ہی ہے۔" یہ الفاظ ادا کرنے والا سپاہی میری تیز نگاہوں کی زد میں آ چکا تھا۔ "اور اس سے یہی سلوک مناسب لگے گا جو ایک فاتح مرد مفتوح عورت کے ساتھ کر سکتا ہے۔"

اس کے یہ الفاظ میری قوت برداشت کے لیے تازیانہ ثابت ہوئے۔ اس وقت تین باوردی مسلح پولیس والے میری نگاہوں کی زد میں آ چکے تھے۔ میں نے غیر ارادی طور پر اسٹین گن کی نال سیدھی کی، لبلبی چڑھائی اور کسی اور کے تصرف سے پیشتر ہی میری اسٹین گن چل پڑی۔ میرا وار اس قدر کارگر اور سچا ثابت ہوا کہ وہ تینوں ہی فضا میں اچھل کر ایک دوسرے سے گڈمڈ ہو کر زمین پر گر کر ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے۔

اپنا کام کر کے میرا ہاتھ ابھی ساکت ہو گیا مگر اسٹین گن کا شور بدستور جاری رہا۔ چند ثانیوں کے لیے میں الجھ کر رہ گیا۔ میری سمجھ میں نہ آ سکا کہ وہ میرے فائر کی بازگشت تھی یا کسی اور رفیق کا جوابی فائر۔

کانوں میں گونج رہے تھے۔

ان پر اس قدر منظم اور بھرپور انداز میں فائرنگ کی گئی تھی کہ کافی دیر قبل وہ سلسلہ موقوف ہونے کے باوجود وہ یہ یقین نہیں کر سکے تھے ان کے سروں پر منڈلاتا ہوا موت کا ان دیکھا خطرہ ٹل چکا تھا۔

ان کی طرف سے والفلوں کی فائرنگ کا تسلسل ٹوٹ چکا تھا مگر اس کے باوجود بھی چند سیکنڈ بعد ان اطراف سے رائفل کے اکا دکا فائر کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ شاید وہ لوگ گھبراہٹ کے عالم میں خیالی ہیولوں پر بھی فائر کرنے سے نہیں چوک رہے تھے۔

مغادین کی ہولناک فضا ایک مدھم سی سسکار سے گونج اٹھی۔

میں اور میرے ساتھ ہی شاید دوسرے بھی چونک کر پلٹے اور پھر میری اندھیرے کی عادی نگاہ نے ٹرک کے عقبی ترپال کے سوراخ میں سے آنکھیں لگائے ہوئے شخص کو دیکھا جو اپنی نشست پر بے تابی سے بایاں ہاتھ لہرا لہرا کر دوسروں کو بھی اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں وین کے فرش پر لیٹے ہوئے جوانی جسموں سے بچتا ہوا سب سے پہلے اس کے قریب پہنچا اور عقبی پشت کا سرا خفیف سا سرکا کر باہر جھانکنے لگا۔

باہر کا منظر خاصا سنسنی خیز تھا!

ایک طویل القامت اور ڈیل ڈول والا شخص تھا جو دونوں ہاتھوں میں رائفل یا بندوق سنبھالے جھکے انداز میں ان پکی ہوئی جھاڑیوں کو عبور کرتا آگے بڑھ رہا تھا جو وین کے پہیوں تلے روندی گئی تھیں۔

وہ رات ویسے ہی اندھیری تھی پھر وین گھنے درختوں کے نیچے بھی کھڑی ہوئی تھی کہ اسے چند فٹ کے فاصلے سے بھی دیکھا جانا ناممکن تھا ورنہ وہ شخص یوں سیدھا اس کچھار میں نہ گھسا چلا آتا۔

ایک لمحے کے لئے مجھے خیال ہوا کہ وہ ہمارا ساتواں آدمی نہ ہو لیکن اول تو ہم میں سے کسی کا قد اتنا طویل نہیں تھا اور پھر سیٹی کے مخصوص اشاروں کے تبادلے کے بغیر ہمارا آدمی اس طرح کچھار میں گھسنے کی حماقت بھی نہیں کر سکتا تھا کہ مبادا وین پر کسی حریف کا قبضہ ہو گیا ہو جو اسے دیکھتے ہی گولی مار دے۔

میں نے پھرتی سے نگاہیں ہٹائیں تو ہاشم اور عبدالکمال کو بھی وہیں موجود پایا۔ چوتھا آدمی ایک بغلی ترپال پر جا کھڑا ہوا تھا کیونکہ اس موقع پر ساری سمتوں کی یکساں نگرانی ضروری تھی۔

"یہ کون ہو سکتا ہے؟" ساتھی کے آہنگ میں عبدالکمال کی مدھم سی ہیجان انگیز سرگوشیانہ آواز ابھری۔

اس وقت تک آنے والا اتنی دور تھا کہ ایسی کوئی آواز کسی بھی طرح اس کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔

"وہ تو ڈرا سا لنگڑا رہا ہے۔ شاید زخمی ہے!" ہاشم نے ترپال کے سوراخ سے نگاہیں ہٹائے بغیر کہا پھر کسی فوری خیال کے تحت وہ تیزی سے سیدھا ہو گیا اور پرجوش لہجے میں بولا۔ "واللہ! یہ تو بغیر سالوس ہے، لنگڑا سالوس!"

"کون؟" میرا لہجہ سرگوشیانہ اور سرد تھا کیونکہ ہاشم کی زبان سے نکلنے والا نام بجائے خود خاصا معنی خیز تھا۔

"ہمرتی کا سیکرٹ سروس کا ایک خطرناک کارندہ! ہمم... مگر یہ یہاں کیا کر رہا ہے؟" ہاشم نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اسے زندہ پکڑا جائے گا" میں نے دوبارہ سوراخ سے باہر جھانکتے ہوئے کہا "میری ہدایت کے بغیر کوئی اس پر گولی نہ چلائے۔"

"تم احمق ہو" ہاشم غرایا۔ "یہ پیدائشی لنگڑا ضرور ہے مگر چلاوے سے کم نہیں۔ اسے ذرا بھی موقع مل گیا تو ہم سب ان جنگلوں کے سرکز اچھے سے جائیں گے۔"

"کمانڈر میں ہوں ہاشم، تم نہیں" میں نے درشت لہجے میں کہا اور وین میں صرف سانسوں کی آواز باقی رہ گئی۔

ہاشم عقبی رخ پر نگرانی کرتا رہا۔ عبدالکمال نے تیسرا رخ سنبھال لیا اور میں ڈرائیونگ کیبن میں کھلنے والی کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔

آگے والے شاید جاری بھنبھناہٹ تو سنتے رہے تھے مگر صورتحال کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکے تھے۔

اس وقت وہ دونوں شاید نیچے دبکے ہوئے تھے۔ میں نے خفیف سی آواز میں انہیں مخاطب کیا تو ان میں سے ایک سیدھا ہو گیا۔

"ایک آدمی ادھر آ رہا ہے! اس نے اقتصہ ترپال کر دیا مجھے اطلاع دی۔

"اس پر گولی نہ چلانا۔ میں اسے زندہ پکڑنے باہر جا رہا ہوں" پڑکر میں اس کا جواب سنے بغیر نیچے لوٹ گیا۔

باہر نکلو واٹتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں یکبارگی تیز ہو گئیں۔ باہر کافی اندھیرا تھا اور اتنے فاصلے کی کسی چیز کو تفصیل سے دیکھا جانا ممکن نہیں تھا۔ پھر بھی وہ دراز قامت اور دبلا پتلا ہیولا خاصا نمایاں تھا۔ شاید وہ وین دیکھ چکا تھا کیونکہ وہ پتھر کے کسی بت کی طرح ایک ہی جگہ جامد ہوا کھڑا تھا اور اپنی رائفل کو کندھا اس نے زمین پر ٹکا رکھا تھا۔ اس کی اپوزیشن ایسی تھی کہ وہ بیک وقت وین سے دو چلے دیکھ رہا تھا۔ عقبی اور داہنے رخ محفوظ تھا۔

میں نے ڈرائیونگ کیبن کے قریب بائیں رخ پر تیزی سے ترپال الگ کی اور بجلی کی سی سرعت سے آہنی ڈھانچے پر لٹک کر نرم زمین پر پہنچ گیا۔

گھور اندھیرے میں میں فوراً ہی پیٹ کے بل زمین پر لیٹ گیا۔ اور رینگتا ہوا اسی سمت کے اگلے پہیے کے آگے اس طرح لیٹ گیا کہ گیڈر سالوس کا مبہم سا ہیولا میری نگاہوں کی زد میں تھا۔ مگر وہ مجھے نہیں

مگر پھر صورت حال واضح ہو گئی۔ مختلف سمتوں سے اسٹین گنیں چل رہی تھیں۔ میں نے کلائی پر بندھی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو سات بج کر سولہ منٹ ہو رہے تھے۔

ہاشم اور اس کے آدمی پروگرام کے مطابق مقررہ وقت پر فائرنگ کا آغاز کر چکے تھے اور یہ عجیب اتفاق تھا کہ اشتعال کے عالم میں ہماری خونریز فائرنگ مقررہ وقت پر ہی شروع ہوئی تھی!

اسٹین گنوں کی فائرنگ بدستور جاری تھی اور اس کے نتیجے میں اندرونی علاقے میں ابتری کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے تھے جا بجا نیلی چیخیں اور بھاگ دوڑ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

میں نے تھوڑے سے توقف کے بعد اسٹین گن کا دہانہ دوبارہ کھول دیا اسی اثنا میں اندر سے بھی رائفلوں کے فائر ہونے لگے مگر مجھے یہ یقین تھا کہ وہ لوگ اس ناگہانی افتاد کے بارے میں کوئی بھی اندازہ نہ لگا سکے ہوں گے۔

جوابی فائرنگ کا آغاز ہوتے ہی اسٹین گنوں کا شور تھمنے لگا پھر میں نے بھی ہاتھ روک لیا اور اندھیرے میں اٹھنے کی بنا پر تیزی سے اس طرف ہو لیا جہاں درختوں کے جھنڈ میں وین موجود تھی۔ کیونکہ ہاشم کو بہرحال وہیں واپس پہنچنا تھا۔

اسٹین گنوں کے خاموش ہو جانے کے باوجود رائفلوں کی وحشیانہ فائرنگ سے لرز رہی تھی اور میں دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ رسیتا اس موقع سے فائدہ اٹھا کر باغ سے فرار ہو گئی ہو۔

لوٹتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ بیک جانبوں کی فائرنگ بمشکل چھ سات منٹ تک جاری رہی تھی۔ ایسا نہ ہوا ہو کہ مطلوبہ نتائج کے حصول کے لئے وہ عرصہ کم ہو لہٰذا میں نے رک کر ایک بار پھر گولیاں چلانے کا ارادہ کیا جسے دوسرے خدشے کے پیش نظر فوراً ہی ترک کرنا پڑا۔ خوف زدہ اور بوکھلائے ہوئے سپاہی باہر کی طرف گولیاں چلا رہے تھے جبکہ میری گولیاں ان سے گزر کر براہ راست رجیب کے اس باغ تک جاتیں جہاں سے رسیتا کے فرار کی امید تھی اور یہ امکان بھی تھا کہ... اندھیرے میں آزادی کی راہ پر بڑھتی ہوئی رسیتا میری کسی بھٹکی ہوئی گولی کا نشانہ نہ بن جائے۔

اس خوف کے باعث میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

واپسی پر مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ ہماری مسروقہ وین اصل محاذ سے کافی فاصلے پر روکی گئی تھی۔

میں اندھیرے میں احتیاط سے پیش قدمی کرتے ہوئے اس کنج سے چند قدم کے فاصلے پر رک گیا۔

کئی لمحوں تک سانس روک کر سن گن لینے کے باوجود جب مجھے کوئی آہٹ یا آواز نہ سنائی دی تو میں نے نہایت دھیمے سُر میں اپنے ہونٹوں سے ایک بار سیٹی بجائی پھر اس کے جواب میں اندر سے اسی انداز میں دوسری بار سیٹی کی آواز سنائی دی جس کا مطلب تھا کہ میں بلاخوف آگے بڑھ سکتا تھا۔

اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ اگر باہمی شناخت کا وہ اشارہ پہلے سے طے نہ کر لیا جاتا تو بعد میں غلط فہمی کی بنا پر آپس میں ہی کسی خونریز جھڑپ کا امکان پیدا ہو جاتا۔

اندر پانچ آدمی واپس آ چکے تھے۔ ان میں ہاشم اور عبدالکمال بھی شامل تھا صرف ایک آدمی باہر رہ گیا تھا۔

ان سب کو وہاں موجود پا کر مجھے شدید حیرت ہوئی۔ میرے مقابلے میں وہ سب ہی اس کمین گاہ سے زیادہ فاصلے پر بھیجے گئے تھے مگر اس کے باوجود مجھ سے پہلے وہاں واپس لوٹ آئے تھے۔

وہ سب ہی وین میں سوار تھے۔ ہاشم اور عبدالکمال ایک شخص کے ہمراہ عقبی حصے میں موجود تھے جبکہ دو افراد اگلی نشست پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آگے والوں نے بھی باہر کی دیکھ بھال کے لئے کوئی بندوبست کیا ہوا تھا کیونکہ پیچھے والے تینوں افراد نے وین کے عقبی حصے پر منڈھی ہوئی ترپال میں مختلف سمتوں میں سوراخ کئے ہوئے تھے تاکہ خود روپوش رہ کر باہر کی نگرانی کر سکیں۔

وین کے عقبی حصے میں پہنچتے ہی کہ مجھے بھی اسٹین گن سمیت ایک عدد چبوترہ سنبھالنا پڑا کیونکہ سوا آٹھ بجے تک آخری آدمی کا انتظار ضروری تھا۔

"سب آ تو گئے، کیوں لوٹ آئے؟" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں ہاشم سے سوال کیا۔

"ہر شخص کو معلوم تھا کہ میں ہر حال میں سوا آٹھ بجے تک یہاں رکا رہوں گا اور کوئی بھی مجھے تنہا چھوڑنا نہیں چاہے گا پھر یہاں سے واپسی کے لئے سواری کا حصول خاصا دشوار ہوتا جبکہ وین سے شہر پہنچنا بہت آسان ہوگا۔" اس کے بعد تاریک وین میں گہرا سکوت چھا گیا۔ سکوت کے اس تسلسل کو تھوڑے تھوڑے وقفے سے حشرات الارض کی آوازیں توڑ رہی تھیں ورنہ ہم لوگ ایک دوسرے کے دل کی دھڑکنیں تک صاف سن رہے تھے۔ وقت چیونٹی کی چال رینگ رینگ کر گزر رہا تھا۔ ہمارے لئے اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی تھا اور ہم کو پولیس کی تلاش کی مہم شروع ہونے سے قبل خطرناک علاقہ عبور کر جانے کا موقع حاصل تھا جو ساتویں آدمی کے انتظار کے سبب ضائع ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے ایک نگاہ اپنی ریڈیم ڈائل رسٹ واچ پر ڈالی جو آٹھ بج کر دس منٹ کا اعلان کر رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ ہماری روانگی میں ابھی پانچ منٹ کا طویل عرصہ باقی تھا۔

یہ تو ہماری کمین گاہ کا اعصاب شکن اور سنسنی خیز ماحول تھا۔ دوسری طرف رجیب کے باغ کے گرد پھیلے ہوئے مسلح سپاہیوں کی بوکھلاہٹ تھی جس کے صوتی اثرات ابھی تک ہمارے

دیکھ سکتا تھا۔

چند سیکنڈ اسی طرح گزر گئے وہ تو جیسے کسی بے جان مجسمے کی طرح ساکت تھا۔ نہ جانے اس طرح وہ کیا کرنا چاہ رہا تھا۔

پھر اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ بغیر جنبش کی جو میری سمجھ سے بالاتر تھی مگر جلد ہی دنوں میں سب کچھ واضح ہو گیا۔

اس نے نہ جانے کیا حرکت کی تھی کہ اس کے قدموں میں یکبارگی سفید رنگ کی اس قدر تیز روشنی نمودار ہوئی جس نے میری نگاہیں خیرہ کر دیں۔ اس روشنی کا رخ وین کی طرف تھا اور اس کے پیچھے وہی نمودار ہیولا یا روشنی کا دھیما سا عکس تھا۔ یوں معلوم ہوا جیسے سالارن نے ہزاروں واٹ کے طاقتور قمقمے والی سرچ لائٹ ہماری طرف پھیر کر روشن کر دی ہو۔

وہ تیز ترین اور عجیب و غریب روشنی بمشکل ایک سیکنڈ یا اس سے بھی کم وقفے کے لئے برقرار رہی اور پھر ہر سو دبیز گھور اندھیرا پھیل گیا۔

میں نے کئی بار پلکیں جھپکائیں، ہتھیلیوں سے آنکھوں کو رگڑا مگر فوری طور پر میری بینائی بحال نہ ہو سکی۔

مجھے پورا یقین تھا کہ سالارن اپنی پسپائی کی ہونق ان آنکھیں چکا چوند کی آڑ میں واقعی کسی چھلاوے کی طرح کہیں غائب ہو گیا ہوگا۔

"بھاگو ۔۔۔!" چکا چوند کے معدوم ہوتے ہی یا شاید اس سے لحظہ بھر پہلے میرے کانوں میں ہاشم کی آواز آئی۔

یکلخت وین کا انجن جاگ اٹھا اور میں اچھل کر اگلے ٹائر کے سامنے سے ہٹ گیا مگر وہ وین آگے بڑھنے کے بجائے تیزی کے ساتھ الٹی دوڑنے لگی۔ میں دیوانہ وار اچھل کر وین کی عقبی طرف کیبن کے پائیدان پر جھول گیا۔

وین اپنی جگہ سے چند فٹ ہی کھسکی تھی کہ عین اس جگہ کوئی بجلی سی چیز گر کر تیز دھماکے سے پھٹی اور وہاں آگ بھڑک اٹھی۔

شاید وہ کوئی چھوٹا مگر مہلک آتش گیر بم تھا جو پوری وین کو غارت کرنے کے لئے کافی تھا اور بپھرے شعلوں کی روشنی میں جو بھی وین سے کود کر بھاگنے کی کوشش کرتا، سالارن کی جادوئی دلدل کا نشانہ بن جاتا۔

ان سب حرکات میں اس قدر تیزی، تسلسل اور تواتر تھا کہ یہ تعین کرنا دشوار تھا کہ پہلے کیا ہوا اور بعد میں کیا ظہور پذیر ہوا۔ مگر ایک بات یقینی تھی کہ جب ہاشم نے بھاگنے کا نعرہ لگایا تو آتش گیر بم سالارن کی ہتھیلی سے نکل کر فضا میں پہنچ چکا تھا اور اگر وین کا ڈرائیور دماغ سے سرکنے میں ذرا تاک مستعدی کا مظاہرہ نہ کرتا تو وین کے انجن پر پڑنے والا بم وین کے ساتھ ہی ہمیں بھی لے ڈوبتا۔

ایک وار خالی جانے کے بعد سالارن نے دوسرا بم پھینکا مگر موت کے دہانے سے نکلنے والا وین ڈرائیور اس وقت تک گیئر کا رخ تبدیل کر کے درختوں کے حصار سے نکالتا ہوا وین کو ریورس گیئر میں ہی ایک اوٹ میں لے گیا تھا۔

پھر اس نے پوری قوت سے بریک لگا کر پہلا گیئر ڈالا اور وین کسی زخمی درندے کی طرح غراتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی۔

وہ کچا راستہ اس قدر ناہموار تھا کہ مجھے اچھلتی ہوئی وین کے عقب سے پائیدان پر اپنے قدم جمائے رکھنے کے لئے جانگسل جدوجہد کرنی پڑ رہی تھی۔

میں جس طرف لٹکا ہوا تھا، اسی رخ پر وین کی ڈرائیونگ سیٹ بھی تھی اور یہ امکان بھی نہیں تھا کہ میں وین کی رفتار پر اثر ڈالے بغیر کیبن میں داخل ہو سکتا۔

ایک جگہ نہایت تنگ موڑ کاٹتے ہوئے چند شاخیں پوری تندی سے میرے بدن کے مختلف حصوں سے ٹکرائیں اور میں اف بھی نہ کر سکا۔

"صفدر ۔۔۔۔ صفدر کہاں ہے؟" اچانک ڈرائیونگ کیبن میں مجھے عبدالکمال کی تند و تیز آواز سنائی دی۔

شاید وہ عقبی حصے میں کھلنے والی کھڑکی سے میرے بارے میں استفسار کر رہا تھا۔

"وہ ادھر ہی پائیدان سے لٹکا ہوا ہے۔" ڈرائیو کرنے والے کی آواز سنائی دی۔ "ذرا آگے گاڑی روک کر اسے اندر لے لیں گے۔"

"ہم کہاں آگے نکل آئے ہیں۔ اسے اندر لے لو کہیں جھٹکوں سے گر کر زخمی نہ ہو جائے۔" وہ آواز عبدالکمال کی ہی تھی۔

فوری طور پر وین روک دی گئی اور میں تڑپتے ہوئے اعضاء کے ساتھ ۔۔۔ سے ایک کرخت ڈرائیونگ کیبن میں جا بیٹھا۔ وین دوبارہ آگے روانہ ہو گئی۔

اوسان بحال ہونے کے بعد جب میں نے کچھ لمحے کی غیر معمولی حالات پر غور کیا تو انکشاف ہوا کہ واپسی کے لئے مختلف راستہ استعمال کیا گیا تھا۔

"ہم کدھر جا رہے ہیں؟" میں نے لرزتی ہوئی انگلیوں سے اپنے لئے ایک سگریٹ سلگاتے ہوئے وین ڈرائیور سے سوال کیا۔

"شہر کی طرف۔" اس کا مختصر جواب تھا۔ "یہ راستہ کم و بیش دگنا طویل ہے۔ پرانے راستے پر پولیس سے مڈبھیڑ کا خطرہ تھا۔"

"تم ادھر کیوں بیٹھ گئے؟" اچانک مجھے عقبی حصے میں ہاشم کی آواز سنائی دی۔ بظاہر تھا کہ وہ سوال مجھ ہی سے کیا گیا تھا۔

"بس جلت یا کچھ آرام کی طلب کہہ لو، سگریٹ دوں؟" میں نے زبردستی ہنستے ہوئے خفت کم کرتے لہجے میں کہا۔

"میرے پاس موجود ہے۔" وہ شاید جواب دے کر وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

"ہمارا ساتھی ابھی تک نہیں لوٹا؟" تھوڑے توقف کے بعد میں نے اپنے برابر والے سے نرم لہجے میں سوال کیا۔

"ہم وہاں سے مقررہ وقت کے بعد ہی چلے آئے ہیں۔" اس نے ...

[illegible]

رہ گیا ہو!"

"اگر وہ پولیس کے ہتھے چڑھ گیا تو بڑی مشکل ہو جائے گی!"

"اس کے لئے ضرور مشکل ہو جائے گی مگر وہ زبان کھولنے والوں میں سے نہیں ہے۔" اس کا لہجہ پر یقین تھا۔

"شادی شدہ ہے؟"

"تمہارے سامنے پہلی بار جنبا اور بولا؟ شادی کے ساتھ ہی آدمی کی مردانگی رخصت ہو جاتی ہے؟"

"میرے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے اپنے تربیت کو بالکل گفتگو میں الجھائے رکھنے کی نیت سے سوال کیا۔

"تم ۔۔۔ نہیں ۔۔۔ ہم ۔۔۔ سمجھا نہیں؟" وہ بے چارہ بری طرح بوکھلا گیا۔

"میری مردانگی کو خیلہ شمار کرتے ہو یا ادھورا؟" میں نے اس کی بوکھلاہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"معاف کرنا مجھے معلوم نہیں تھا۔" وہ بے اختیار ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ "وہ بات تو میں نے یوں ہی مذاق میں کہہ دی تھی۔"

"کیا معلوم نہیں تھا تمہیں؟"

"یہی کہ تمہاری شادی ہو چکی ہے۔" اس کے لہجے میں ابھی بھی ایک گھبراہٹ سی تھی جو قصاب کی چھری تلے دبی بکری کی ممیاہٹ میں ہوتی ہے۔

اسے اس بوجھ سے نجات دلانے کے لئے میں جلدی سے بولا۔ "پھر تو شاید تمہیں میرا نام بھی معلوم نہ ہوگا؟"

اس نے خاموشی سے گردن میری طرف گھمائی پھر لحظہ بھر سکوت کے بعد تحیر آمیز لہجے میں بولا۔ "اوہ ۔۔۔ تو تم وہی مشہور و معروف صفدر علی ہو، جس کی پولیس اور فورسز کو بھی تلاش ہے۔ میں تو تمہیں ایک کوئی اتفاقی ہم نام سمجھا تھا۔ میرے تو ... تمہاری دلیری اور مردانگی کی تو قسم کھائی جا سکتی ہے۔"

"تو کیا عبدالکمال نے تمہیں کچھ نہیں بتایا تھا؟"

"جن لوگوں سے ہمارا براہ راست تعلق نہ ہو وہ ہمیں نہیں بتائی جاتیں اور ہم بھی انہیں جاننا چاہتے ہیں۔ مگر تمہاری ذات تو میرے لئے ایک اعزاز ہے۔" وہ ایک جیب میں ... سے بہت زیادہ مرعوب ہو گیا تھا۔

"ایک نقری یہ وین ادھر سے نکل کے ہم آگے بڑھیں گے تو وہ اس ..." عقبی کھڑکی سے عبدالکمال کی آواز آئی۔

"پھر کچا راستہ ہی مناسب رہے گا!" وہ وین ڈرائیور نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"ہاں، موجودہ حالات میں شاہراہوں پر نکلنا خطرناک ہوگا!"

میرے ذہن میں ایک نقری کے بارے میں تجسس نے سر ابھارا مگر میں نے اپنی زبان بند ہی رکھی۔

[illegible]

بھر ہی کوئی دیسی گاڑی پہنچتی ہے۔ اس راستے کی ساخت بتا رہی تھی کہ وہ صرف بیل گاڑیوں کے سہارے چلنے والی بھونڈی گاڑیوں کی برسوں کی آمد و رفت سے وجود میں آیا ہوگا۔

کچھ دیر بعد کھیتوں وغیرہ کا سلسلہ ختم ہو گیا اور وین ریگستانی علاقے میں بڑھنے لگی۔ چند منٹ بعد اس سفر کا اختتام ویرانے کے ایک بوسیدہ سے کچے مکان پر ہوا جہاں وین کے انجن کا شور سن کر ایک ادھیڑ عمر آدمی دروازے پر نکل آیا تھا۔

وین رکتے ہی میں نیچے کود گیا۔

ادھیڑ عمر آدمی ہیڈ لیمپس کی روشنی میں مکان کے دروازے پر کھڑا معصومانہ انداز میں پلکیں جھپکا رہا تھا۔

"کیا حال ہے ایدھال؟" عبدالکمال نے وین کے عقبی حصے سے اترتے ہوئے بآواز بلند اس شخص کی مزاج پرسی کی۔

ان دونوں میں پرتپاک فقروں کا تبادلہ ہوا پھر عبدالکمال کے پیچھے وین سے آدمی اترے۔ پھر سب اس مکان میں سما لے جہاں شاید ایک ٹمٹماتا لیمپ روشن تھا۔

میں نے اس مکان کو اندر سے دیکھنے کی نیت سے اطمینان ... شریک ہونے کی کوشش کی مگر ہاشم نے مجھے روک دیا۔

"تم بیٹھ رہو لڑکے یہ کام چھری سے نمٹا لیں گے!" اس نے کہا۔

"مجھے افسوس ہے ہاشم!" میں نے ندامت آمیز لہجے میں کہا۔

وہ فراخدلانہ انداز میں ہنس پڑا۔ "تمہارا قصور نہیں تھا۔ دراصل تم اس سے ناواقف تھے۔ وہ ہر وقت بے شمار شعبدے جیب میں لئے پھرتا ہے۔ تم نے دیکھا کہ وہ روشنی کیسی عجیب و غریب اور نگاہوں کو خیرہ کرنے والی تھی؟ مگر ہم نوٹنگ کرکے اس کا پیچیدہ حربہ ناکارہ کر دیتے تو شاید یہ نوبت نہ آتی اور وہ آسانی سے پکڑا جاتا!"

"اب اسے بھول جاؤ! بس یہی غنیمت ہوا کہ ہم اس کے ہاتھوں بال بال بچ گئے!"

"اسے میں بھول تو نہیں سکتا!" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "آخر وہ ان حالات میں وہاں کیا کرتا پھر رہا تھا؟"

"اس کی وہاں موجودگی واقعی حیرت ناک تھی۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اسرائیلی ابھی تک تمہارے اور ہیتا کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ البیرونی ... کو سالارن ہی نے ہیتا پر ہاتھ ڈالنے کے لئے تیار کیا ہو اور اس کی موت کے بعد وہ خود میدان میں آ گیا ہو!"

"وہ بہت کھلنڈرا اور تجربہ کار معلوم ہوتا ہے۔ وہ ہماری تمام احتیاط کے باوجود جان گیا تھا کہ وین اس کے لئے خطرے والی ثابت ہو سکتی ہے!" میں نے کہا۔ "پھر وہ اتنا مشہور ہے کہ اسے پہچاننے والوں کے علاوہ بھی بے شمار لوگ جانتے ہوں گے۔ بلیاسو کی ایک دشمن ملک میں ملازمت تو کوئی معمہ سرے کے معمولی ... ہی کر سکتا ہے اور سالارن اتنا احمق نہیں ہو سکتا۔"

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔

"یہی تو نہیں کہ اس معاملے میں مصری حکام نے اسرائیلی سیکرٹ سروس کا تعاون بھی حاصل کر لیا ہو؟"

"اگر تمہاری بات درست مان لی جائے تو سالامن وہاں چوروں کی طرح اکیلا کیوں گھوم رہا تھا؟ اسے تو اہل حکام کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔" اس نے کہا۔

"اس وقت تو یہ معلوم ہونا مشکل ہی ہے کہ ہمارے اقدام کے بعد رجب کے باغ میں کیا واقعات پیش آئے ہیں؟"

"مشکل ہی نہیں، ناممکن سمجھو۔" اس کا جواب تھا۔ "صبح کے اخبارات ہی سے صحیح حالات کا علم ہو سکے گا۔"

اس دوران میں اسلحہ کی منتقلی کا کام مکمل ہو چکا تھا لہٰذا سب لوگ وین میں سوار ہو گئے۔ اس مرتبہ میں ہاشم اور عبدالکمال کے ساتھ پچھلی جگہ میں تھا۔ بقیہ تینوں ڈرائیونگ کیبن میں جا بیٹھے تھے۔

"چھاپہ مار تو اس آدمی نہیں مارے؟" وین روانہ ہونے کے بعد ہاشم نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "مجھے شبہ ہے کہ وہ مارا گیا ہو!"

"خدا کرے کہ وہ زندہ ہو۔" میں نے کہا۔ "مگر اتنا بتا دوں کہ میں نے اس کے کندھے پر گولی اپنے ہاتھوں سے ماری ہے۔"

"دانستہ؟" ہاشم نے حیرت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں، میں نے تو اپنی دانست میں قبل از وقت ہی فائرنگ کا آغاز کر دیا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اتفاقاً مقررہ وقت ہی تھا۔"

پھر ان کے استفسار پر میں نے انہیں ان واردات کی تفصیل سنا ڈالی۔ اسلام والوں نے بھی میرے اس اقدام کی تعریف کی۔

نصف گھنٹے کی مسافت کے بعد ایک جگہ وین رک گئی، اس کا انجن بند کر دیا گیا اور سب لوگ نیچے اتر پڑے۔

مجھے بتایا گیا کہ وہ مقام قاہرہ کی ایک مضافاتی آبادی سے قریب تھا اور چوروں کی وین سے وہیں چھٹکارا پانا مناسب تھا۔

وہاں سے آگے روانہ ہونے کے بعد تینوں ساتھی پرجوش انداز میں رخصت ہو کر تیزی سے مختلف سمتوں میں معدوم ہو گئے۔ اسلام کے چلے جانے کے بعد ہم تینوں بھی ایک طرف روانہ ہو گئے۔

اس آبادی میں عبدالکمال کا کوئی دوست رہتا تھا۔ وہ ہمیں ایک جگہ چھوڑ کر چلا گیا اور دس منٹ بعد ایک اور شخص کے ساتھ کار میں واپس آیا جو اس کا ایک قریبی معتمد تھا۔

واپسی میں اس کے ساتھ ہی ہاشم بھی ہوٹل القاہرہ پر اتر گیا اور عبدالکمال اسی کار میں واپس گھر چلا گیا۔

ہوٹل میں ہم دونوں لاتعلقانہ انداز میں آگے پیچھے داخل ہوئے۔ ہاشم کاؤنٹر سے اپنے کمرے کی چابی لے کر اوپر چلا گیا۔

میں نے روانگی کے وقت کمرہ نمبر چار سو چار کی چابی عجلت کے باعث کاؤنٹر پر واپس نہیں کی تھی۔ لہٰذا میں براہ راست اوپر جا سکتا تھا مگر ایک اندیشہ یہ بھی تھا کہ میں نے جس رکھائی سے مریم سے دامن چھڑایا تھا، اس کے پیش نظر کہیں اس نے کمرے کی بکنگ ہی منسوخ نہ کرا دی ہو اور میں اس کمرے کا قفل کھولتے ہوئے نقب زنی کے الزام میں دھر لیا جاتا۔

پھر میں نے براہ راست کاؤنٹر پر جانے کے بجائے القاہرہ کی ویٹنگ لابی میں لگے ہوئے انٹرکام پر کاؤنٹر کا نمبر ڈائل کیا اور استقبالیہ کلرک سے مسٹر جوزف اور مسز مریم جوزف کے بارے میں دریافت کیا کیونکہ مریم نے کمرہ نمبر چار سو چار انہی ناموں پر بک کرایا تھا۔

جواب میں مجھے بتایا گیا کہ اس کمرے کی چابی کی بورڈ پر موجود نہیں تھی۔

"وہ دونوں ابھی تک یہاں مقیم ہیں؟" میں نے محتاط لہجے میں سوال کیا۔

"جی ہاں۔" مختصر سا جواب ملا اور میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اوپر جانے سے پہلے میں نے کمرہ نمبر ایک سو چالیس پر رنگ کیا اور ہاشم کو بتایا کہ القاہرہ میں میری کمین گاہ بدستور قائم تھی، پھر چوتھی منزل پر اپنے کمرے میں جا پہنچا۔

پہلے میں نے منہ ہاتھ دھویا، اس کے بعد آپریٹر سے مریم کے بتلائے دوست کے گھر کا نمبر ملوایا جہاں سے سلسلہ ملتے ہی مریم کی آواز سنائی دی۔

"تم کہاں ہو؟ میں دو گھنٹے سے تمہارا منتظر ہوں۔" میں نے اس کی آواز پہچانتے ہی خوشگوار لہجے میں کہا۔

"اس وقت رات کے دس بج چکے ہیں۔" اس کا لہجہ دھیما تھا۔ "میں نے آٹھ بجے تک کئی مرتبہ فون کیا مگر کمرے سے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔"

"اب آ سکتی ہو؟"

"مشکل ہی ہے۔ وہ ہنگامہ کھڑا کر دے گا۔ یہ معاملہ صبح پر ہی رکھو۔" اس نے کہا۔ "لیکن یہ تو بتاؤ کہ صبح تمہیں کیا ہو گیا تھا؟"

"صبح آؤ گی تو بتاؤں گا۔ ویسے میں اپنے رویے پر معذرت خواہ ہوں۔" میں نے اسے منانے کی نیت سے کہا۔

"بس تمہاری معذرت ہی کافی ہے۔ میں صبح دس بجے تک پہنچوں گی۔" اس نے مسرت آمیز لہجے میں کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

مریم سے اس گفتگو کے ذریعے میں نے ایسے کسی خطرے کو ٹال دیا تھا جو اس کی ناراضگی کے سبب پیدا ہو سکتا تھا ورنہ درحقیقت مجھے اس کے قرب کی ذرا بھی خواہش نہ تھی۔ بس چند گھنٹوں کی گہری نیند سے ذہنی تکان دور کرنی چاہتا تھا۔

مگر میری خواہش کے برعکس اس رات ایک پل کے لیے بھی نہ سو سکا۔ ساری رات بستر پر کروٹیں بدلتے اور سگریٹ پھونکتے گزر گئی۔

صبح سات بجے مجھے اپنے دروازے پر دستک سنائی دی اور میں نے اٹھ کر پھرتی سے دروازہ کھول دیا۔

میرے سامنے ہاشم کھڑا ہوا تھا۔

اس کا چہرہ [illegible] نظر ملتے ہی [illegible] وجود کی گہرائیوں میں کرب کی ایک اذیت ناک لہر تڑپ اٹھی۔

ہاشم نے فوراً ہی نگاہیں جھکا لیں اور پژمردہ لہجے میں بولا۔ "میرے کمرے میں آ جاؤ۔ کچھ اہم باتیں کرنا ہیں۔"

"اخبارات آ گئے؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"روم سروس والے ساڑھے سات بجے لاتے ہیں۔ میں باہر سے لے آیا ہوں۔" اس کا لہجہ بدستور پژمردہ اور دل گرفتہ تھا۔

"کیا خبریں ہیں؟" میں نے اپنے کمرے سے باہر آتے ہوئے سوال کیا۔

"اختصار سے کام نہیں چلے گا۔ نیچے آ جاؤ، تمہارا ناشتہ بھی وہیں منگوا لوں گا۔" یہ کہتے ہوئے وہ واپس چلا گیا۔

اس نے اپنے چہرے سے میرا سکون برباد کر دیا تھا۔ اس کے چلے جانے کے بعد میں نے عجلت کے عالم میں اپنا حلیہ درست کیا اور جوتے پہن کر نیچے روانہ ہو گیا۔

وہ اپنے کمرے میں میرا ہی منتظر تھا۔ میں نے اندر داخل ہوتے ہی ہر طرف نگاہیں دوڑائیں مگر کوئی اخبار نظر نہ آ سکا۔

"اخبارات کہاں ہیں؟" میں نے سوال کیا۔ اس کے انداز اور لہجے کے باعث میری بے چینی حد سے زیادہ بڑھتی جا رہی تھی۔

"جب کوئی اچھی خبر نہ ہو تو پہلے ہی بتا دینا خیال کرتے ہیں۔" اس نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے اپنے برابر بٹھاتے ہوئے کہا۔

"میں ذہنی طور پر بری خبر کے لیے تیار ہوں۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔ "میرے ساتھ پہیلیاں بجھوانے کا سلسلہ ختم کرو۔"

"تمہارے لیے بدترین خبر کیا ہو سکتی ہے؟" اس نے بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"سیتا فرار نہ ہو سکی ہو گی۔ فرار ہوتے ہوئے زخمی ہو گئی ہو گی یا... یا..."

اس سے آگے میری زبان لڑکھڑا گئی۔

اس نے کئی اخبارات میرے سامنے ڈال دیے۔

عربی اخبار المستقبل کی شہ سرخی پر نظر پڑتے ہی میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا اور مجھے اپنا وجود یک بیک کھوکھلا محسوس ہونے لگا۔ المستقبل کی شہ سرخی زندگی کے بے رحموں سے لڑنے والی بے خوف اور دلیر سیتا کی موت کی کہانی سنا رہی تھی۔

میرے جبڑے بھنچ گئے اور آنکھوں کے گوشے غیر ارادی طور پر نمناک ہو گئے۔

"دل چھوٹا نہ کرو برادر۔" وہ میرے قریب آ کر میری پشت سہلاتے ہوئے بولا۔ "موت ہر انسان کا یقینی مقدر ہے اور اس کا ایک وقت معین ہے۔ کوئی اس سے ذرا پہلے جا سکتا ہے نہ ایک سانس زیادہ لے سکتا ہے۔"

"تم درست کہتے ہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "میں دیکھوں گا کہ اب کس کس کو اس کے مقررہ وقت کی لپیٹ میں لاتا ہوں۔"

میرے چہرے پر ابھرنے والے انتقام کی آگ [illegible] کر دیا۔

وہ کچھ دیر رکا، اور میں تفصیلی خبر پڑھنے لگا۔

المستقبل کے نامہ نگار نے واقعات کی کڑیاں بہت محنت سے یکجا کی تھیں۔

پولیس کو سب سے پہلے یہ اطلاع ملی کہ سیتا کے ساتھ حسین نامی ایک تیسرا آدمی بھی موجود تھا۔ اور پھر پولیس حسین کے ذریعے ہی رجب تک پہنچ گئی۔ جب پولیس کو یہ علم ہوا کہ قاہرہ کے مضافات میں رجب کے باغ میں ایک رہائشی کاٹیج بھی ہے تو فوری طور پر اس کاٹیج کے بارے میں معلومات حاصل کی گئیں اور یہ اطلاع ملی کہ وہاں ایک ایسی حسین عورت مقیم تھی جس کے چہرے پر خراشیں پڑی ہوئی تھیں۔

اس اطلاع کے بعد فوری طور پر اس باغ کا خفیہ محاصرہ کر لیا گیا مگر شام کے ساڑھے سات بجے نامعلوم لوگوں نے بھاری جمعیت کے ساتھ اچانک پولیس پر دھاوا بول دیا۔ وہ سب آتشیں گنوں سے لیس تھے۔ ان کی فائرنگ سے چار پولیس والے ہلاک اور تین زخمی ہوئے۔ پولیس کا اندازہ تھا کہ حملہ آوروں میں بھی کم از کم چھ افراد ہلاک اور زخمی ہوئے جنہیں حملہ آور بھاگتے ہوئے اٹھا کر لے گئے۔

پولیس کے مطابق اس تشدد آمیز کارروائی کے بعد باغ اور کاٹیج پر دھاوا بولنے کا فیصلہ کر لیا گیا اور جب پولیس کسی مزاحمت کے بغیر رات کے ایک بجے کاٹیج میں داخل ہوئی تو وہاں سیتا کی مسخ شدہ لاش ملی۔

اس کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے تھے، منہ پر مضبوطی سے ٹیپ چپکا ہوا تھا اور اس کے جسم کے مختلف حصوں پر تشدد کے بے شمار نشانات واضح تھے۔

سرکاری حکام کا خیال تھا کہ سیتا جرائم پیشہ لوگوں کے کسی حریف گروہ کے ہاتھوں اپنے کیفر کردار کو پہنچی تھی۔

اس کی لاش پر قبضہ کرنے کے ساتھ ہی پولیس نے اس کے قاتلوں اور حملہ آوروں کی تلاش کی مہم تیز کر دی تھی۔ ساتھ ہی مسعود علی کی گرفتاری کے لیے خصوصی دستے تشکیل دیے گئے تھے۔

روزنامہ اخبار بھی اسی واقعے سے متعلق خبروں سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں سیتا کی پرانی تصاویر اور باغ کی تصاویر کے ساتھ اقتباسات بھی شائع کیے گئے تھے مگر اس کی لاش کی تصویر شاید اشاعت کے لیے جاری نہیں کی گئی تھی۔

تفصیلی مطالعے کے بعد میں نے اخبار فرش پر پھینک دیا۔

"اس تمام بربادی کا ذمہ دار رجب ہے۔" میں نے سرد اور فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اگر وہ تشدد کے خلاف مزاحمت کی صلاحیت سے عاری تھا تو اسے سیتا کو بتا دینا چاہیے تھا۔ اسے ان میں پھنسانے کا کوئی حق نہیں تھا۔"

"اسے کسی نامعلوم مقام پر سخت پہرے داری میں رکھا گیا ہے۔ اس کی تلاش کی سرتوڑ کوششیں جاری ہیں۔ یہ تو اسی سے معلوم ہو سکے گا کہ اس المناک سانحے کا وہ کس حد تک ذمہ دار ہے۔"

"اب کسی صفائی، وضاحت یا تاویل کی ضرورت باقی نہیں رہی۔" میرا لہجہ تلخ اور سرد تھا۔ "میرے سینے میں جو آگ لگی ہوئی ہے، میرے اندر کا آدمی اس وقت شکست و ریخت کے عذاب سے دوچار ہے۔ میں اب سکون چاہتا

یوں چند روز تو مکمل سکون رہا۔ اس کے بعد لوگوں کو صفدر علی کے بیٹے ہاشم کے روپ سے بھی متعارف کرا سکوں۔"

"اگر ان خبروں کو درست مان لیا جائے تو پھر اس تمام پر سالازن کی موجودگی کا جواز بھی مل جاتا ہے۔" اس نے تھوڑے توقف کے بعد کہا۔

اس کے بعد میں چونک پڑا۔

اسرائیلی سیکرٹ ایجنٹ سالازن کو میں واقعی بھول ہی گیا تھا۔ اگر یہ بات درست تھی کہ سیتا پولیس کے سسٹم کا نشانہ نہیں بنی تھی تو سالازن پولیس سے پہلے ہی جب کے باغ تک پہنچ گیا تھا۔ اور وہی سیتا کے قتل کا ذمہ دار تھا۔

لیکن یہ بات بعید از فہم تھی کہ سالازن نے سیتا کو زیر کرنے کے بعد اس پر تشدد کیا ہو۔ اسرائیلی اسے زندہ گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ اگر وہ سالازن کے قبضے میں آ گئی تھی تو اسے چاہیے تھا فوراً سیتا کو لے کر اپنے ملک کی طرف فرار ہو جاتا۔

"اسرائیلیوں کے لیے سیتا کی حیثیت ثانوی تھی۔" میرا سوال سن کر ہاشم نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "وہ تم تک پہنچنے کے لیے سیتا کو آلۂ کار بنانا چاہتے تھے مگر اس وقت سالازن کے لیے سیتا سمیت ملک سے نکلنا ناممکن تھا لہٰذا وہ سیتا سے تمہارے ٹھکانے کے بارے میں بازپرس کرتا۔ شاید وہ سیتا کو ہلاک نہ کرتا لیکن اسی دوران میں باہر سے ہم نے حملہ کیا اور وہ سیتا کو ہلاک کر کے باہر نکل گیا۔"

"شکوہ اسسالازن زیر بحث حال مجھ سے منسوب کر کے یہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے۔" میں نے سگریٹ جلاتے ہوئے کہا۔ "کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور ہے اس قتل کو واقعہ سیدھا سادا اخبار میں پیش کیا گیا ہے۔"

"ان خبروں میں جھوٹ تو ضرور ہے۔" وہ بولا۔ "حملہ آوروں کی بھاری جمعیت اور پھر الف کے گھر کو گھیرا۔ آدمی بلاک یا زخمی کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اس طرح پولیس نے اپنی نااہلی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے تاکہ ان کے بیانات کو حیرت پر حیرت ... کا نشانہ نہ بنایا جا سکے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہمارا سالازن آدمی بھی بخیر و عافیت نکل جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔" میں نے کہا۔

سیتا کی موت کی خبر نے ابتدا میں میرے اعصاب کو تو ہلا کر رکھ دیا تھا مگر بلکہ مجھے چونکہ ایک موہوم سی توقع ہے جو اب تک محسوس ہو رہی تھی مگر پھر بھی میں اس بارے میں یقین اور بے یقینی کے ملے جلے ردعمل کا شکار تھا۔

"پیار سالازن کی حد تک تو میں بدی کی طرح مقابلے پر آمادہ ہوں۔ ساس سے الگ لا تعلق کر کے بیٹھ رہ جب کی سیاسی کا استقلال کرنا ہوگا۔" ہاشم نے کہا۔

"لیکن رجیب کب تک باہر ہوگا۔ سالازن کے بارے میں تم کیا کہہ سکتے ہو؟" میں نے دل برداشتہ لہجے میں سوال کیا۔

"رجیب کسی بھی وقت رہا ہو سکتا ہے۔" اس نے کہا۔ "وہ سیاسی آدمی ہے اور شہر کے اعلیٰ طبقوں میں خاصا اثر و رسوخ رکھتا ہے۔ اس کی ضمانت کی کئی درخواستیں داخل کی جا چکی ہیں۔ اور سالازن کے بارے میں رات بھی میں

کے ہدایات جاری کر دی ہیں۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ بہاولپور کے اعوان، اسرار اور تمام کے حصول میں تشویش لگتا ہے۔ بہرحال رجیب کی رہائی سے کچھ امید وابستہ کی جا سکتی ہے۔"

میں نے ہاشم کے ہمراہ اس کے کمرے میں ناشتہ کیا۔ اس دوران میری ذہنی کیفیت عجیب و غریب تھی۔ کبھی طبیعت چاہتی کہ کچھ نہ کچھ کر گزروں۔ بلند روایت پلاسٹر ملازموں میں نکل جاؤں اور آنکھیں بند کر کے اس علاقے کو جہنم میں بدل دوں۔ جہاں زندگی کی کوئی بھی روشنائی مجھے اپنی طرف کھینچتی نظر آئے لیکن پھر ہنگاموں کی کثرت بھی اس زندگی کو تیاگ کر کسی گوشۂ عافیت میں بیٹھنے کا منصوبہ بھی پار جاتا۔

ہاشم اس وقت ہر طرح میری دل جوئی کی کوششوں میں مصروف تھا مگر اس کی طفل تسلیاں میرے لیے بے وقعت تھیں۔

اپنے گھر سے بچھڑنے کے بعد میں نے کچھ وقت اپنے تحفظ کی ... کوششوں میں گزارا۔ پھر سیتا کو اپنانے کے بعد میں یک بیک ... معروف ہو گیا۔ اپنی ذات کی بقا اور سیتا کا تحفظ۔

میرے دو ہی مقاصد اولیٰ تھے۔ ان میں سے کسی کو کسی پر کوئی فوقیت نہ تھی۔ پچھلی رات تک میری یہ جنگ جاری تھی۔

لیکن سیتا کی موت کے ساتھ میری زندگی کا ایک تابناک باب بند ہو گیا۔ اچانک ختم ہو گیا تھا۔ میں ادھورا رہ گیا تھا اور میری ذات بکھر گئی تھی۔ میری سوچ میں انگاروں کی تپش بھر گئی تھی۔ وہ بھی اس الجھن کا بدلہ ہر خیال کی بنیاد پر مجھے اتنی کثرت سے تقویت ملتی تھی کہ اس وقت میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ انتقام کی آگ میں جلتا ہوا صفدر علی اپنی باقی زندگی ایک ... کیسے کیسے اور کیسے گزار سکے گا۔

ہاشم مجھ سے نہ جانے کیا کیا کہتا رہا لیکن میرا ذہن تاریک خلاؤں میں پرواز کرتا رہا۔ نہ جانے کی کوشش میں بھٹکتا رہا۔ میں صرف ہوں ہاں کرتا رہا اور پھر اس کے کمرے سے اٹھ کر واپس اوپر آ گیا۔

اس وقت میں تھکا ہوا تھا اور مضمحل تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میری عمر یک بیک دس برس بڑھ گئی ہو۔

وہ دن میری زندگی کا ایک عجیب اور پُرگداز دن تھا۔ مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ زندگی اور زندہ رہنے کے لیے لطیف جذباتی سہاروں کی کتنی ضرورت ہے۔ ان کے بغیر انسان کسی کٹی ہوئی پتنگ کی طرح وقت کی ہوا کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ مقصد جستجو کا راستہ جس کی کوئی منزل ہوتی ہے اور ... کے تھپیڑے جدھر دھکیل دیں ادھر ہی چلا جاتا ہے تا وقتیکہ کوئی ... اسے موسم سامنے کے پڑاؤ الٹ دیتا ہے۔

میرے دل میں اس روز بڑی شدت سے یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں اپنی مرضی سے آزاد فضاؤں میں پرواز کرنے والا وہ پنچھی بن جاؤں جس کے نہ جذبات ہوتے ہیں اور نہ جذباتی رشتے۔ جس شاخ پر کوئی بیٹھا ہو میں نے رات بھر اسی کروٹ پر گزار دیا اور اگلی صبح طلوع ہو گئی۔

نے آسمان پلانے والے نے بجوگی کی تلاش میں فضاؤں پر پھیلائے بیٹھ کر بکھر جاتی ہے۔

اچانک دستک کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے ترحم زدہ انداز میں اٹھ کر دروازہ کھولا تو وہ مجھے دھکیل کر اندر آ گئی۔

قاہرہ کی ایک شاطر پر اسرار قدم، جیسے زخم خوردہ، خفگی سے بھرے کی جانب بھی ایک عجیب نظر آ گئی تھی۔

میں دروازہ مقفل کر کے اس کے پیچھے ہو لیا۔

"یہ کمرے میں اندھیرا کیوں کیا ہوا ہے۔ کیا ابھی تک سو رہے تھے؟" اس نے حیرت آمیز لہجے میں سوال کر دیا۔

"بہتر ہے روشنی بھی گل کر دو۔" میں نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اس وقت اندھیرے میں بڑا سکون مل رہا ہے۔"

"کیا ہو گیا تم کو؟" یہ کہتے ہوئے اس نے کمرے کی روشنی کو جلایا اور میری طرف مڑتے ہوئے بولی۔ "یہ تمہاری آنکھیں کیوں اتنی سرخ اور متورم ہو رہی ہیں؟"

مرانی کی بے کلی کی کہانی ایسی ہی آنکھیں سناتی ہیں۔" یہ کہتے ہوئے تقریباً بستر پر گر گیا۔ اور وہ میرے قریب ہی آ بیٹھی۔

"کیا بات ہے؟ تم بہت اداس ہو؟" اس نے میرے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے پیار کے ساتھ پوچھا۔

میں نے آنکھیں موند لیں۔ اس کا نرم اور گداز ہاتھ میرے لیے بہت لذیذ و دلگیر تھا۔

"یہ روشنی گل کر دو۔"

"پہلے اپنی پریشانی کا سبب بتاؤ پھر گل اندھیرا کروں گی۔" اس نے سرگوشی اور ناز آفرین لہجے میں اصرار کیا۔

"گل میں بلاوجہ پریشان نہیں تھا۔" میں نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔ "دشمنوں نے میرے گھر کو آگ لگا دی۔"

"کہاں؟ امرتسر میں؟"

"سب کچھ جل گیا۔ کچھ نہ بچ سکا۔" غیر ارادی طور پر میرے لہجے میں اندر کا درد واضح طور پر ابھر آیا۔ میں نے اس کا سوال نظر انداز کر دیا۔

"کوئی جانی نقصان تو نہیں ہوا؟" وہ میرے اوپر جھک گئی۔ میرے انکشاف سے اسے واقعی صدمہ ہوا تھا۔

"پھر گھر ہی گیا۔ کوئی بھی زندہ نہ بچ سکا۔ میری ساری عمر کی پونجی برباد ہو گئی۔ میں اکیلا رہ گیا۔ مریم! میں اب اکیلا رہ گیا۔" آخری فقرے پر میری آواز بھرا گئی اور محبت آمیز انداز میں مرا سر سہلانے لگی۔

"روشنی گل کر دو۔" تھوڑے توقف کے بعد میں اسی بھرائی ہوئی آواز میں غرایا۔

وہ خاموشی سے اٹھی اور چٹ چٹ کی دو آوازوں کے ساتھ کمرہ گہری تاریکی میں ڈوب گیا۔ مدھم سی کرنوں کا شمار میں کرنے لگا جو کھڑکی کی جھری سے جھلملاتے ہوئے دبیز پردوں کو عبور کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف تھیں۔

مریم کو میں جتنی جلد باشتا رہا تھا بلکہ اپنی ذات میں سمیٹ سکا۔ وہ جذبے سادے الفاظ میں میری دوستی اور میرے گھر کے بارے میں دیانت کر رہی تھی اور میں استعاروں میں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتا رہا۔

میری کوئی بات جھوٹ نہیں تھی۔

سیتا واقعی میری زندگی کی سب سے بڑی پونجی تھی۔ میرے گھر کا تصور اس کی ذات سے وابستہ تھا۔ وہ میرے گھر کی ابتدا بھی اور میری انتہا بھی۔ اس کی موت کے بعد میں اعتبار سے یکسر تہی داماں ہو گیا تھا۔

کمرے میں ٹوپل کی سبھی تکلیفیں موجود تھیں۔ بھلانے کیوں مجھے ان کا خیال بھی نہیں آیا تھا۔ مریم نے ایک بوتل کھولی اور بستر کے سرہانے لگا ہوا ریشمی تکیہ والا لیمپ آن کر دیا جو اس وقت خاصا تیز محسوس ہو رہا تھا۔

مریم نے دو گلاس تیار کیے۔ فضا میں شیشے کے باہم ٹکرانے کی ہلکی سی کھنک پیدا ہوئی۔ مریم نے گلاس سے لبوں تک لے جاتے ہوئے اس کے دیکھتے ہوئے باقرآن پر زبان پھیری اور میں نے پورا گلاس حلق میں انڈیل لیا۔

مریم کا پہلا گلاس ہی چل رہا تھا اور میں جو تھا گلاس خالی کر گیا۔ اس وقت مجھے تھوڑا بہت ہوش تھا۔ گر سنسنی میں آ گیا تھا کہ اعصابی تناؤ کی کیفیت میں نشہ بہت سرعت کے ساتھ اور زیادہ اثر کرتا ہے۔ لہٰذا تھوڑی دیر بعد ہی میں من و تو کے فرق کو یکسر فراموش کر کے اپنے ہی تصور کی تراشی ہوئی لمحاتی جنت میں گم ہو گیا۔

اس روز مریم جانے کب واپس گئی۔ شاید اس نے واپس جاتے ہوئے میری نیند بھی خراب کرنے کی کوشش نہیں کی۔

میری آنکھ کھلی تو رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ میرا سر بھاری ہو رہا تھا۔ کھانے میں خود کو بہت ہلکا محسوس کر رہا تھا۔

میں نے کمرے کا جائزہ لیا تو فرش پر ٹوپل کی ایک خالی بوتل پڑی تھی اور دوسری بوتل جو نصف سے قدرے زائد تھی، میز پر پڑی ہوئی تھی۔

میں نے غسل خانے میں گھس کر گرم پانی سے طویل غسل کیا۔ پھر تر و تازہ ہو کر آئینے کے سامنے ہاشم سے بات کرنے کا ارادہ کیا جسے فوراً ہی ملتوی کرنا پڑا۔ کیونکہ میں قاہرہ میں اپنے اور ہاشم کے تعلق کے زیادہ گواہ پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں نیچے پہنچا تو ہاشم کے کمرے سے کوئی جواب نہیں ملا اور میں تازہ نیچے پہنچ کر ہوٹل سے باہر نکل گیا۔

اس وقت قاہرہ کی رات اپنے شباب پر تھی۔ پچھلے مقامی اور غیر ملکی ہوٹلوں کے لوگ بڑی سرعت تفریح کے ساتھ ہی زندہ اور بے جان اشیا کے حرف وادی میں معروف تھے مگر مجھے ان تمام سرگرمیوں پر گوارا ہی کی کہری ملی ہوئی محسوس ہو رہی تھی جو شاید میری اندرونی حالت کی عکاسی کر رہی تھی۔

ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد میں اپنے خیالات کی رو میں ڈوبا واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ ایک مرتبہ پھر میری طبیعت ہر چیز سے اچاٹ ہونے لگی تھی۔ رات میں چند پہری کر لیے کہ باعث دور دور تک نیند کا پتہ نہیں تھا۔

میں بستر پر پڑا اپنے مستقبل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ذہن میں ایک خیال یہ بھی تھا کہ سیناٹ سے باقاعدہ ہو لینے کے بعد بہتر یہی ہوگا کہ میں اپنے وطن کی راہ لوں اور اپنے خاندان کی ان گمشدہ کڑیوں کو تلاش کر کے ان کے سامنے میں باقی ماندہ زندگی گزاروں جن سے اپنی حرکات کے باعث میں نے ہر ناطہ توڑ لیا تھا۔

مجھے یقین تھا کہ وہ لوگ مجھے ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

رات گئے ہاشم میرے پاس آ پہنچا۔ وہ اس روز کے اخبارات بھی ساتھ ہی لیتا آیا تھا جو اس نے میرے آگے ڈال دیے۔

"کہاں غائب رہتے ہو؟" میں نے اس سے چھوٹتے ہی پہلا سوال کیا۔

"میں مصروف رہا تھا۔ غنیمت ہے کہ سرخرو ہو کر واپس لوٹا ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"رجب کی ضمانت ہو گئی ہے؟"

اس کا چہرہ تاریک ہو گیا اور وہ اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے بولا۔ "ضمانت مسترد ہو گئی۔ اس پر ناقابل ضمانت جرائم عائد کیے گئے ہیں۔"

"یعنی معاملہ طول پکڑے گا؟"

"وہ اہم صاحب مرتبے کا مالک ہے۔ اس کا وہ روز کار ریمانڈ دیا گیا ہے۔ اس کے بعد ابتدائی چالان پیش ہوگا۔ شاید اس وقت کامیابی حاصل ہو جائے۔"

وہ ہر معاملے کے روشن پہلو پر نگاہ رکھنے کا عادی تھا۔

"اور کس سرخروئی کی بات کر رہے تھے؟"

"صبح تم نے سارے اخبار تفصیل سے پڑھے تھے؟" اس نے جواب دینے کے بجائے الٹا سوال کر ڈالا۔

"ہاں پڑھے تھے۔"

"اس میں کہیں اس واردات کا ذکر تھا جو میر سالومن نے ہمارے ساتھ کی تھی؟" اس نے اگلا سوال کیا۔

"اس معاملے کے دونوں فریق ہی جو فرار ہو گئے پھر اخبار تک خبر کیسے پہنچتی؟" میں نے کہا۔

"تو تمہارا خیال ہے کہ تھوڑی دور موجود محلے نے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں تیز روشنی دیکھی ہوگی اور نہ ہی بموں کے دھماکے سنے ہوں گے؟"

"دھماکے تو ہر طرف ہی ہوتے رہتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ روشنی کو کوئی اہمیت نہ دی گئی ہو۔" میں اس سے بحث پر آمادہ تھا۔

"وہ لوگ بعد میں یقیناً اس کوٹھی تک پہنچے ہوں گے۔ جلتی ہوئی جھاڑیاں اور دین کے ٹائروں کے نشانات سے بہت سے نتائج اخذ کیے گئے ہوں گے مگر اخبارات میں ان کا کہیں ذکر نہیں ہے۔"

"اس طرح تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟" میں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"سالومن کو دیدہ و دانستہ ان الجھنوں سے دور رکھا جا رہا ہے۔" اس نے سرگوشی کے لہجے میں اپنی رائے سے آگاہ کیا۔

"اس میں کس کا مفاد ہے بھلا؟"

"مقامی حکام کا۔" وہ بولا۔ "کیونکہ میر سالومن ان کے لیے کام کر رہا ہے اور یہ معاملہ خفیہ رکھا جا رہا ہے۔"

"میں یہ بات تسلیم نہیں کر سکتا۔ مجھے اور سیناٹ کو خوف زدہ کرنے کے لیے تو قاہرہ میں ایک اسرائیلی سیکرٹ ایجنٹ کی موجودگی کی تشہیر بہت ضروری تھی۔"

"مسئلہ صرف تمہارا یا سیناٹ کا ہی نہیں تھا۔ رائے عامہ بھی وزن رکھتی ہے۔" اس نے کہا۔ "تم مصریوں کو نہیں جانتے۔ وہ اسرائیلیوں سے اس قدر نفرت کرتے ہیں کہ یہ تک برداشت نہیں کریں گے کہ اسرائیلی حکومت کے تنخواہ دار ہماری سڑکوں کو دھماکوں سے تباہ کرتے پھریں۔ کوئی بھی مصری اہلکار اس قومی انا کو مجروح کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

"اگر میں یہ بات مان بھی لوں کہ ایسا ہوا ہے تو سالومن خاص علاقے میں چوروں کی طرح کیوں چھپا پھر رہا تھا؟ جب کہ وہاں اسے مصری حکام کی بھرپور اعانت حاصل ہونا چاہیے تھی۔" میں ہر کمزوری کو سامنے لا رہا تھا۔

"سالومن ان سب سے الگ ہو کر چند اعلیٰ مصری حکام کے تحت کام کر رہا تھا۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔ "عام محاصرہ کرنے والوں کو بھی اس کے بارے میں علم نہ ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ اسے اتنی احتیاط کے ساتھ ایسی شناخت تفویض کی گئی ہوگی کہ نچلے درجے کا کوئی اہلکار اس کی راہ میں حائل نہ ہو سکے۔"

"کیا یہ سب تم محض اس لیے کہہ رہے ہو کہ اخبارات میں سالومن کی بھاگ دوڑ کے بارے میں کچھ شائع نہیں ہوا ہے؟"

"وہ تو محض شبہے کی ابتدا تھی جس کی بعد میں تائید ہوتی چلی گئی۔ شام سالومن کو قاہرہ کے پولیس کمشنر کی قیام گاہ سے برآمد ہوتے ہوئے دیکھا گیا تھا اور وہ شہر کے اعلیٰ رہائشی علاقے کے ایک ایسے بنگلے میں مقیم ہے جو محکمۂ پولیس کی ملکیت ہے۔" اس نے پُر اعتماد لہجے میں بتایا۔

"وہ ابھی تک وہیں ہے؟" میں حیرت سے اچھل پڑا۔

"ہاں۔ اس کی مسلسل نگرانی کی جا رہی ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "اب سے نصف گھنٹہ قبل میں اسے اس کی قیام گاہ تک چھوڑ کر آیا ہوں۔"

"وہاں کچھ حفاظتی انتظامات بھی ہیں؟"

"بظاہر نظر نہیں آتے۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "وہ سارا دن تقریباً بے مقصد گھومتا رہا۔ جانے کس چکر میں ہے؟"

"شاید کہیں سے اسے ابھی پکڑ لیا جائے۔"

"اپنے ٹھکانے پر وہ آسانی سے شاید ہی قابو میں آ سکے۔"

"پھر تم کیا سوچ رہے ہو؟"

"اگر وہ کل بھی اسی طرح بے مقصد شہر میں گھومتا رہا تو اسے کہیں سے اغوا کیا جا سکتا ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے کہ اس کی قیام گاہ میں خطرے کے الارم وغیرہ نصب ہوں۔ اگر وہ ایک مرتبہ بھڑک گیا تو دوبارہ اس کا سراغ تک پانا محال ہو جائے گا۔"

"وہاں اس وقت بھی تمہارا کوئی آدمی موجود ہے؟"

"ہاں۔ صبح چار بجے دوسرا آدمی اس کی جگہ سنبھال لے گا۔"

"ان سے تمہارے رابطے کی کیا صورت ہوگی؟"

"یہ شخص ڈیوٹی ختم کر کے اپنی تحریری رپورٹ ایک مقام پر چھوڑ دے گا جو میں حاصل کر لوں گا۔ ہدایات کا بھی یہی طریقہ ہوگا۔ ہنگامی صورت میں اسی جگہ سے رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ سالومن گھر ہی پر موجود ہو۔"

"تمہاری کار واپس آ گئی ہے؟"

"ہاں۔ میں اسی میں گھومتا رہا ہوں۔"

"پھر تم فوراً ایک اور کار کا بندوبست کرو۔ صبح چار بجے سے ہم دونوں الگ الگ کاروں میں اس بنگلے کی نگرانی کریں گے۔"

یہ پروگرام طے کر کے ہاشم واپس چلا گیا۔ اس وقت رات کے دو بجے تھے اور اسے میرے لیے ایک اور گاڑی کا بندوبست کرنا تھا تا کہ صبح چار بجے والا منصوبہ کسی تبدیلی کے بغیر روبہ کار لایا جا سکے۔

صبح چار بجے ہاشم خبر لایا کہ ہم کے لیے جاسوسی کی ایک کار کا بندوبست کر لیا گیا تھا جو ایک دوسرے دور کے لیے مخصوص تھی۔

"تم چاہو تو میری کار لے لینا۔" اس نے پیشکش کی۔ "ہم میں سے جو بھی جاسوسی کی کار میں ہوگا وہ زیادہ آزادانہ طور پر کارروائی کر سکے گا۔"

"تم اپنی کار میں جاؤ گے۔" میں نے کہا۔

پھر ہم دیر تک بیٹھے تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ ہاشم کا ارادہ اسے اغوا کر کے ایک ایسی جگہ پہنچانے کا تھا جہاں میلوں دور تک کوئی اس کی فریاد سننے والا نہ تھا۔ اس کی دانست میں سیناٹ کی موت کا انتقام سالومن کی موت ہرگز نہیں ہو سکتی تھی بلکہ اس کی سسکتی ہوئی زندگی ہی انتقام کہلاتی۔

ہم الوداعی ہوٹل سے لاپروایانہ انداز میں رخصت ہوئے۔ ہاشم کی کار بکنگ لائٹ کے بجائے باہر موجود تھی اور مسز ... اسی انتظار میں کھڑی ہوئی تھی۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا اور اپنی اپنی گاڑیوں میں جا بیٹھے۔

ہوٹل سے سالومن کی قیام گاہ تک کا فاصلہ بیس منٹ میں طے ہو گیا۔ وہ علاقہ کی طرز تعمیر ... تمام مکانات کا رقبہ کم ہی تھا۔ بیشتر مکانات کے سامنے کاریں فٹ پاتھ کے ساتھ کھڑی ہوئی تھیں۔ ہاشم نے اپنی کار ایک مناسب مقام پر روک دی۔ میں نے بھی کچھ دور جا کر گاڑی روک لی۔ ہاشم کی بتائی ہوئی علامات کے مطابق سڑک کے اس پار مجھ سے تھوڑے فاصلے پر ہمارے شکار کا مسکن واقع تھا۔

سامنے مسز ... کار سے نکل کر باہر ... خطرناک تھا لہٰذا میں خود کو کچھ فاصلے کی تیرگی سے کار کے شیشے پر دھندلکا دکھائی دیا ... ہو گیا۔

پروگرام یہ طے ہوا تھا کہ ہاشم سالومن کو مکان سے نکلتے دیکھ کر اپنی گاڑی کا ہارن بجاتا اور میں ہاشم کے پیچھے چلنے کے لیے تیار ہو جاتا۔ ہاشم کی کار کا ہارن بہت ہی مخصوص آواز والا تھا جس کی بنا پر دھوکا کھانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ آخر کار صبح طلوع ہو گئی اور سڑک پر تھوڑا بہت ٹریفک بھی رواں ہو گیا۔ میں خاموشی سے اپنی کار سے اترا اور ہاشم کی طرف چل دیا۔ میں نے دور سے دیکھا کہ وہ کسی بیزار ڈرائیور کی طرح اپنا سر اسٹیئرنگ پر ٹکائے اونگھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ دوسری طرف تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ پورے ہوش و حواس کے ساتھ سالومن کے مکان کی نگرانی کر رہا ہوگا۔ شاید اس نے کسی کھڑکی کا شیشہ تھوڑا کھلا ہوا تھا کیونکہ میری آہٹ پاتے ہی وہ چونک پڑا۔

"تم یہاں کیوں آ گئے؟" جو بیٹھے بیٹھے اکڑ کر اس نے مزید تاریکی میں رہتے ہوئے سوال کیا۔ "کیا بیٹھے بیٹھے بیزار ہو گئے ہو؟"

"یہ کام بڑا ذلیل ہے۔ تمہارا آدمی تو جھوٹ ہی پلا گیا ہے؟"

"اسے میں نے چلتا کر دیا۔ زیادہ دیر ٹھہرنے سے گڑبڑ کا امکان تھا۔"

"اب دن نکل آیا ہے۔ میں پوری طرح ہوشیار رہوں گا۔ سالومن کو دیکھ کر تم ہارن بجانا۔ میں خود خیال رکھوں گا۔ ہارن کی آواز پر کہیں وہ چوکنا نہ ہو جائے۔"

"پھر اپنی کار کا رخ گھما لو۔" اس نے دانشمندانہ مشورہ دیا۔ "اس طرح ہم دونوں سمتوں میں فوری طور پر اس کا پیچھا کر سکیں گے۔"

واپس جا کر میں نے اپنی کار سڑک کے دوسرے کنارے پر لگا دی۔ اس طرح میں عقب نما آئینے کے بجائے براہ راست سالومن کے مکان پر نظر رکھ سکتا تھا۔

طویل اور اکتا دینے والا انتظار ساڑھے آٹھ بجے تک جاری رہا۔ پھر آخر کار سالومن کی سفید آسٹن مکان سے باہر نکلتی ہوئی نظر آئی اور میں نے اپنی گاڑی کا انجن اسٹارٹ کر لیا۔ سفید آسٹن باہر نکل کر آگے جانے کے بجائے سیدھی میری طرف بڑھتی چلی آئی۔ تھوڑے فاصلے سے ہاشم کی کار بھی بڑھ آئی۔ اس کے گزر جانے کے بعد میں یو ٹرن لے کر اسی راہ پر ہو لیا۔ نہ صرف وہ سفید آسٹن میری نظروں میں پوری طرح آ چکی تھی بلکہ میں اس کا نمبر بھی یاد کر چکا تھا۔ کچھ دور نکلنے کے بعد میں نے ہاشم کو پیچھے چھوڑ دیا اور خود سالومن کے پیچھے لگ گیا۔ یہ اکثر ... ایک ایسے شہری علاقے کی طرف ... جہاں شاید ساتھی سرکاری ملازمین ... میں بیٹھے تھے کیونکہ ... کا ڈرائیور آدمی نظر آ رہا تھا۔ سالومن کار ... میں نے ایک فوری خیال کے تحت اپنی کار کا انجن بند نہیں کیا ... میری ... تھی۔

کی انتہا کر رہی ہو کر ٹریفک صاف پا کر سالومن سکون سے سڑک عبور کر رہا تھا۔

میں نے پھرتی سے گیئر ڈالا اور مسروقہ کار کسی چیتے کی طرح فراٹے بھرتی آگے بڑھی تھی۔ اس وقت تک سالومن نصف سڑک عبور کر کے آنے والے ٹریفک کی لائنوں میں داخل ہو چکا تھا اور ٹریفک نہ ہونے کے باوجود اس کی نگاہیں مخالف سمت میں نگراں تھیں تاکہ وہ ناگہانی نمودار ہونے والی کسی گاڑی کا شکار نہ ہو سکے۔

مگر اس کے لیے ناگہانی مصیبت دوسری طرف سے نازل ہو رہی تھی۔ میں نے ٹریفک کے قاعدے کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے گاڑی کے بمپر سے اس کی پنڈلیوں پر شدید ضرب لگائی اور دوسرے ہی لمحے بریک لگا کر پھرتی سے نیچے اترا۔ سالومن کراہتے ہوئے سڑک سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

باہر موجود اکا دکا افراد بھی دھماکے اور چیخ کی آواز سن کر ادھر لپکے تھے۔ میں نے پھرتی سے سالومن کے بال پکڑ کر کنپٹی کے رخ سے اس کا سر سڑک پر دے مارا اور اس کا بدن کانپ کر ساکت ہو گیا۔ اس کی ٹوٹی ہوئی پنڈلیوں سے بہنے والا خون اس کی پتلون سے بہہ کر سڑک کو رنگین کر رہا تھا۔ میں نے اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈالا اور اسے اپنی کار کی طرف کھینچنے لگا۔

"ٹھہرو... پہلے پولیس بلائی جائے گی۔" وہاں آ جانے والوں میں سے کسی نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"چلیے یہ خون بہنے کے سبب مر ہی نہ جائے۔" میں غصیلے لہجے میں غرایا۔ "اسے میری گاڑی میں ڈالو اور کار کا نمبر نوٹ کر لو۔ مجھے معلوم ہے کہ غلطی میری ہے۔ میں خود پولیس کے سامنے اس کا اعتراف کروں گا۔"

مسروقہ کار کی شان و شوکت اور میرے لب و لہجے نے ان کو مرعوب کر دیا اور دو افراد نے اپنے کپڑوں کی پروا کیے بغیر سالومن کو میری کار کی عقبی نشست پر ڈال دیا۔

وہاں تماشائیوں کی بھیڑ بڑھنے لگی تھی۔ دفاتر سے بھی لوگ باہر آنے لگے تھے مگر میں وہاں سے اپنے شکار کو لے کر روانہ ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ عقب نما آئینے میں ہاشم کی کار میرے پیچھے چلی آ رہی تھی۔

میں کافی دور تک تیز رفتاری سے کار دوڑاتا رہا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ میں جائے واردات سے محفوظ فاصلے پر پہنچ چکا ہوں تو میں نے رفتار سست کر دی اور ہاتھ لہرا کر ہاشم کو آگے نکلنے کا اشارہ کیا۔ ہاشم کی گاڑی میری کار سے آگے نکل گئی اور میں اس کی تقلید کرنے لگا۔ چند منٹ بعد ہی دونوں گاڑیاں ایک ویرانے میں پہنچ گئیں جہاں ہاشم نے اپنی کار روک دی۔ میں نے بھی اپنی کار اس کے پہلو میں روک دی اور میدان صاف پا کر ہم دونوں نے آناً فاناً میں سالومن کو ہاشم کی کار میں منتقل کر دیا۔

پھر میں نے مسروقہ کار کا رخ گھما کر اسے سڑک کے کنارے کھڑا کر دیا اور خود ہاشم کی کار میں آ بیٹھا۔

اگلے ہی لمحے ہاشم کی کار نئی منزل کی طرف اڑی جا رہی تھی۔

"یہ تو بہت آسانی سے ہاتھ آ گیا۔ تم نے بھی پھرتی کر دی۔" لمبے چلتے ہوئے سانسوں پر قابو پانے کے بعد ہاشم نے کہا۔

"وہ بس ایک فوری خیال تھا اور غنیمت یہ ہوا کہ وہاں جمع ہونے والے بھی میری ہمدردی کے رعب میں آ گئے۔ اگر میں تمھاری کار چلا رہا ہوتا تو یہ قدم ہرگز نہ اٹھا پاتا۔"

"تو کیا انھوں نے تمھیں روکنے کی کوشش کی تھی؟"

"ہاں، احمق پولیس کو بلانا چاہتے تھے۔ میں نے انھیں جھڑکا کہ وہ کار کا نمبر نوٹ کر لیں۔ زخمی کو طبی امداد نہ دی گئی تو پولیس کے آنے تک مر ہی جائے گا۔"

"یہ فوری قلابازیاں تمھارے ہی بس کا روگ ہیں۔"

"دیکھنا یہ ہوگا کہ اب سالومن کیا قلابازیاں کھاتا ہے۔"

دور کا سفر خاموشی کے ساتھ جاری رہا۔

ہاشم ـــــ میرا دوست، میرا ہمدرد، خاموشی کے ساتھ کار ڈرائیو کر رہا تھا اور سالومن پچھلی نشست پر نیم بے ہوشی کے عالم میں بھی فرشتوں کے پانیوں میں دنیا و مافیہا سے بے خبر پڑا ہوا تھا۔

"تمھاری ایک خوبی مجھے بہت متاثر کرتی ہے۔" کچھ دیر کے سکوت کے بعد ہاشم نے عقیدت سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"بعض ہنر وقتی ہے تمھاری!" میں نے بے جھجکی کے ساتھ کہا۔

"میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔" وہ بولا۔ "مشکل کے لمحات میں تمھاری حاضر دماغی دیکھنے کے قابل، قابل رشک ہوتی ہے!"

"جس پر افتاد پڑے، اس کا دماغ کسی کوشش کے بغیر خود بخود حاضر رہتا ہے۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تم پہلے سے اسے کار سے ٹکر مار کر زخمی کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے؟" ہاشم نے مجھ سے سوال کیا۔

"نہیں!" میں نے فراخ دلی کے ساتھ اعتراف کر لیا۔ "لیکن جب اس نے مجھے کار کا انجن بند کرنے سے باز رکھا تھا، اس کے بعد جب میں نے اسے سڑک عبور کرتے دیکھا تو فوری طور پر خطرہ محسوس کر کے میں نے اسے کار کی ٹکر سے زخمی کرنے کا فیصلہ کر ڈالا اور اس کے لیے حالات بھی سازگار ہو گئے۔"

"ٹکر مارتے ہوئے کیا تم نے یہ سوچ لیا تھا کہ اسے اپنی کار میں ہی اٹھا کر لے آؤ گے؟" وہ بال کی کھال نکالے جا رہا تھا۔

"میرے ذہن میں فوری خیال صرف اسے زخمی یا معذور کرنے کا تھا اور جب یہ مرحلہ طے ہو گیا تو میں نے طبی امداد کے بہانے اسے اغوا کرنے کا فیصلہ بھی کر لیا۔ چوری کی کار میں سوار ہونے کے باعث میں نے دلیری کے ساتھ اپنے خیال کو عملی جامہ پہنا ڈالا۔ اگر میرے پاس تمھاری کار ہوتی تو شاید میں یہ خطرہ مول نہ لے پاتا۔"

"مقصد بھی پورا کر رہا ہوں۔" وہ پھر زور سے ہنسی میں بولا۔ "ایسے فیصلے کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔"

"یہ قدرت کے فیصلے ہوتے ہیں جن پر معقولیت یا ہاشم کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہوتا۔" میں نے کہا۔ "جب ہم رجب کے بلاک کے ٹوائلٹ میں تھے تو محض میری ہی ضد کی وجہ سے پیٹر سالومن زندہ بچ نکلنے میں کامیاب ہوا کیونکہ ہم اس کے ہاتھوں ہلاک ہوتے ہوتے بال بال بچے تھے اور اب وہ کسی سہمے ہوئے چوہے کی طرح نہایت آسانی کے ساتھ ہمارے قبضے میں آ گیا۔"

"کسی حد تک تمھاری بات درست ہے۔" وہ توقف کے بعد بولا۔ "مگر یہ بات مقدر کی بھی ہے؟"

"کس کے؟" میں نے ہنس کر سوال کیا۔ "ہمارے یا پیٹر سالومن کے؟"

"دونوں کے ہی کہہ لو۔" وہ بھی ہنس پڑا۔ "جو شکست دے کر پیٹر ہمارے قابو میں تو آ گیا، اب دیکھنا ہے کہ یہ ایکس ہتھڑی میں اپنی زبان کب تک بند رکھ سکے گا؟"

"یہ ایکس ہتھڑی ہے کیا بلا؟" میں نے اپنے ذہن میں دبا ہوا سوال الفاظ کی صورت میں اس کے سامنے اگل دیا۔

"باہر سے تو تم دیکھ ہی چکے ہو، اب اندر سے بھی دیکھ لینا۔" اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "وہ ہمارا ایک ہالہ ٹھکانہ ہے۔"

"اگر ایکس ہتھڑی وہی کچھ ہے جو باہر سے نظر آتا ہے تو کسی اعتبار سے خیر الطوفان بخش ہے۔ اس میں ایک ہی خوبی ہے کہ بیک وقت خاصی دور تک نگاہ رکھی جا سکتی ہے اور کسی ممکنہ خطرے سے نمٹنے کے لیے پیشگی تیاری کی جا سکتی ہے۔"

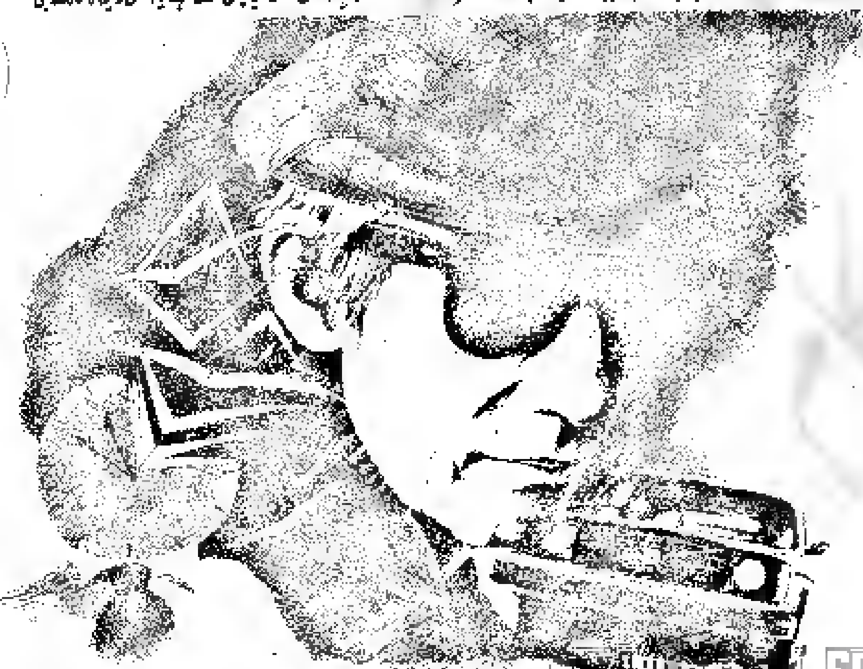
"وہاں ایک عظیم الشان تہہ خانہ بھی ہے۔" ہاشم نے کار ڈرائیو کرتے ہوئے انکشاف کیا۔ "ایک زیر زمین راہداری کے ذریعے اس تہہ خانے سے نکاسی کا دوسرا خفیہ راستہ کم و بیش نصف میل جنوب میں نکلتا ہے۔"

"تو تہہ خانہ بھی ہے وہاں؟" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "اس کے بغیر تو وہ مٹی اور گارے سے بنا ہوا ایک غیر محفوظ سا جھونپڑا ہی رہ جاتا جہاں تحفظ کا احساس ہی باقی نہ رہتا۔"

"مگر اس لق و دق ویرانے میں اس جھونپڑے کی موجودگی کا کیا جواز ہے؟" میں نے ایک اور پہلو چھیڑ دیا۔

"وہ طویل و عریض اراضی ایک شخص کی ملکیت ہے جس نے اپنی ملکیت اور قبضے کی علامت کے طور پر وہاں ابو جمال کو نگہبان رکھا ہوا ہے۔ جس روز بھی ان زمینوں پر پانی پہنچانے کا اہم منصوبہ تکمیل پا گیا وہ سارا ریگستان لہلہاتے ہوئے سبزہ زار میں تبدیل ہو جائے گا۔ مصر میں بنجر اراضی پر مالکان کی جانب سے کل وقتی چوکیداری کا انتظام ایک پرانی روایت ہے۔ اگر ایسا بندوبست نہ کیا جائے تو کسی بھی وقت کوئی دوسرا شخص بطور وارث نظر آنے والی اراضی پر قابض ہو جاتا ہے۔"

"تو تمھارا تعلق محض ابو جمال سے ہے یا اس زمین کا مالک بھی



تمہارے ساتھ ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہاں ایک وسیع تہہ خانے اور پھر پختہ سرنگ کی تیاری کوئی چھوٹا کام نہیں تھا۔" ہاشم نے فخر آمیز لہجے میں کہا۔ "وہ سارے کام زمین کے مالک نے اپنے خاص آدمیوں سے ذاتی نگرانی میں مکمل کرائے تھے اور وہ بذاتِ خود مصر میں ہماری تنظیم کے سربرآوردہ لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے۔"

قاہرہ سے اسکندریہ تک کا فاصلہ خاصا طویل تھا۔ اگر ہم ان باتوں میں مصروف نہ ہوتے تو وہ سفر خاصا بوجھل ہو جاتا۔

میں اس وقت چونکا جب ہاشم نے اپنی کار ایک مضافاتی شاہراہ سے ایسی کچی راہداری پر موڑی جس کے دونوں طرف تاحدِ نظر ریت ہی ریت پھیلی ہوئی تھی اس کا مطلب تھا کہ ہم اسکندریہ کے قریب پہنچ چکے تھے!

اچانک عقبی پائیدان سے پیٹر سالومن کی کراہ ابھری۔

اس کی آواز دبی دبی سی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ بدستور بے ہوش تھا مگر میں اس کے معاملے میں مزید کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔

میں اگلی نشست سے عقبی نشست پر جا بیٹھا اور تیزی کے ساتھ اس کی تمام جیبوں کی تلاشی لے ڈالی۔

کاغذات اور تھوڑی سی رقم کے علاوہ اس کی جیب سے اعشاریہ دو پانچ کا ایک مختصر سا ریوالور برآمد ہوا۔ اس کے علاوہ چند چیزیں ایسی بھی دستیاب ہوئیں جو میرے ساتھ ہی ہاشم کے لئے بھی ناقابلِ فہم تھیں مگر مجھے پورا یقین تھا کہ وہ سب سالومن کے موثر ترین دفاعی حربوں میں شمار ہونے والے شعبدے تھے۔

سالومن کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ قطعی ناگہانی تھا لہٰذا اسے پہلے سے کچھ سوچنے یا کچھ کا موقع نہیں مل سکا تھا لہٰذا میری دانست میں اس وقت وہ تمام شعبدے غیر موثر تھے اور لاعلمی کے باعث ان سے اس وقت تک کوئی نقصان پہنچنے کا احتمال نہیں تھا جب تک انہیں چھیڑنے کی کوشش نہ کی جائے۔

میں نے وہ تمام اشیاء احتیاط سے ڈیش بورڈ میں بنے ہوئے خانے میں محفوظ کر دیں تاکہ سالومن ان تک کسی طرح رسائی حاصل نہ کر سکے۔

تھوڑی دیر بعد ٹیلوں کی اوٹ میں پتھروں، مٹی اور گارے سے بنے ہوئے اس مکان کا ہیولا نظر آنے لگا جو میری نگاہوں میں یکلخت ایک عجیب اور پراسرار سی اہمیت اختیار کرتا جا رہا تھا۔

اس مکان کا مکین تنہا بوڑھا ابوجمال تھا مگر وہ اپنے فرض کے معاملے میں بے حد حساس ثابت ہوا تھا۔

شاید اس نے دور ہی سے ہاشم کی کار کے انجن کی گونج دور تک سے سن لی تھی اور سمت کا بھی تعین کر لیا تھا کیونکہ جب ہم آخری چند ٹیلوں کا طواف کر کے اس مکان کے سامنے پہنچے تو ابوجمال کو سینہ تانے اپنی طرف نگراں پایا۔ اس کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر تھے۔

"اس کے پیچھے چھپے ہوئے ہاتھوں میں یقیناً کوئی مہلک ہتھیار ہوگا۔" ہاشم کار کی رفتار کم کرتے ہوئے ہنس کر بولا۔ "ابوجمال تین برس تک ہمارے گوریلا دستوں میں اہم نوعیت کا کام سرانجام دیتا رہا ہے۔"

شاید ابوجمال نے دور ہی سے اسٹیئرنگ کے عقب میں بیٹھے ہوئے ہاشم کو پہچان لیا تھا کیونکہ یک لخت اس کے سخت گیر بشرے پر مسکراہٹ پھوٹ پڑی تھی۔

مکان کے دروازے کے قریب ہاشم نے کار روکی تو ابوجمال مستعدانہ انداز میں کار کا دروازہ کھولنے کے لئے آگے لپکا مگر شاید دروازہ کھولنے سے پہلے ہی اس کی نگاہ عقبی پائیدان میں پڑے ہوئے زخمی تک پہنچ گئی کیونکہ اس کی آنکھوں سے تحیر کی جھلکیاں تیرتی نظر آئی تھیں۔

اس سے پیشتر کہ ابوجمال ذہنی جھٹکے سے سنبھلتا، ہم دونوں کار سے اتر گئے۔

"کیسے ہو معظم؟" ابوجمال نے عربوں کے روایتی انداز میں مگر احترام کے ساتھ ہاشم کی مزاج پرسی کی۔

"خدا کا شکر ہے۔" ہاشم شاید یکبارگی موڈ میں آ گیا تھا۔ "ذرا اپنا بایاں ہاتھ تو سامنے لاؤ تاکہ پتہ چل سکے کہ تم ہمارے استقبال کے لئے اپنے اسلحہ خانے سے کون سا ہتھیار لائے تھے؟"

وہ کھسیانے ہوئے انداز میں ہنس دیا اور خفت کے ساتھ اپنی پشت سے بایاں ہاتھ سامنے لے آیا جس میں ٹینس کی گیند کے برابر کا ایک آہنی گولا دبا ہوا تھا پھر وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔ "یہ عقلی ناقر ہے، جدید ترین روسی ہینڈ گرینیڈ۔ آگ بھی لگاتا ہے اور چھرے بھی اڑاتا ہے۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ تم آ رہے ہو، ورنہ عقلی ناقر کے بجائے گلاب کے پھول دامن میں سمیٹ کر تمہارا استقبال کرتا۔"

"اس ریگستان میں گلاب کے پھول؟" میں معنی خیز انداز میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔ "اس بنجر زمین پر تو ریت کا تذکرہ ہی زیب دیتا ہے۔"

"اسے بنجر نہ کہو دوست!" وہ دکھ بھرے انداز میں مجھ سے بولا۔ "اس زمین کی زرخیزی سطح کے اوپر نہیں دیکھی جا سکتی۔"

اس کا لہجہ مجھے پسند نہیں آیا اور میں نے اسی پر اپنے عرفان کا اظہار ضروری سمجھا۔ بہت سخت لہجے میں کہا۔ "میں یہ بھی جانتا ہوں اور آج معلوم ہو جائے گا کہ تمہارا تہہ خانہ کس قدر زرخیز ہے؟"

"شاید یہ زخمی بھی لے جایا جائے گا؟" ابوجمال نے ہاشم کو گھور کر ناپسندیدہ لہجے میں سوال کیا۔ اس کے ردِعمل سے ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ ابھی تفصیلی معلومات پر وہ میرے بارے میں کوئی بہتر رائے قائم نہیں کر سکا تھا۔

"شاید نہیں، یقیناً!" ہاشم نے فوری طور پر جواب دیا۔

"اس کی ذات ہمارے لئے بہت اہمیت رکھتی ہے۔"

"اور اس کی قبر بھی آخر کار یہیں کہیں بنے گی۔" میں نے اپنی دانست میں اس پر صورتِ حال کی سنگینی واضح کرتے ہوئے کہا۔

"بڑا مناسب ہوگا۔" وہ خوش ہو گیا۔ "گوشت پوست اور ہڈیوں سے بہترین کھاد وجود میں آتی ہے، شاید تم اسے فوری طور پر دفن کرنا نہیں چاہو گے!"

"اسے نیچے لے جاؤ۔" ہاشم نے کہا۔

اس نے نہایت سعادت مندی سے ہاشم کی کار کا عقبی دروازہ کھولا اور اندر جھک کر نہایت مہارت اور پھرتی کے ساتھ سالومن کے بے ہوش جسم کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔

اندر سے وہ مکان ایک بڑے اور ایک چھوٹے کمرے پر مشتمل تھا ہم بڑے کمرے سے گزر کر چھوٹے کمرے میں پہنچے تو کھلے ہوئے دروازے کے باہر نہایت مختصر سا صحن اور اس میں بنی ہوئی بیت الخلاء کی کوٹھری بھی دکھائی دی۔

ابوجمال نے اسی چھوٹے کمرے کے وسط میں سالومن کے بے ہوش جسم کو فرش پر بچھی ہوئی چٹائی پر ڈال دیا۔

اس کمرے کی کل کائنات ادھر ادھر بکھرے ہوئے چند برتنوں کے علاوہ ایک اونچے سے چوبی تخت پر مشتمل تھی جو ایک طرف دیوار کے سہارے بچھا ہوا تھا اور اس پر قرینے کا بستر بھی لگا ہوا تھا شاید ابوجمال اسی پر سویا کرتا تھا۔

تخت سے نیچے لٹکی ہوئی چادر الٹ کر ابوجمال نے چٹائی کا وہ حصہ لپیٹا جو تخت کے نیچے سے ہوتا ہوا دیوار سے چند انچ کے فاصلے پر جا رہا تھا۔ وہ چٹائی بچھانے میں خاصی احتیاط سے کام لیا گیا تھا۔ اگلی طرف تو وہ تخت کے زیریں پایوں کے نیچے دبی ہوئی تھی مگر اس کا آخری سرا آزاد تھا۔

میں نے چٹائی پلٹنے میں ابوجمال کی مدد کا ارادہ کیا مگر میں اپنی جگہ سے جنبش نہ کر سکا۔ دوسری طرف اس نے تخت کے نیچے والا حصہ لپیٹ کر اس میں لگے ہوئے دو تار تخت کے اگلے پایوں میں اس طرح پھنسا دیئے کہ چٹائی کے دوبارہ کھلنے کا امکان باقی نہیں رہا اور وہ دوبارہ سالومن کی طرف آ گیا۔

اس کے ہٹنے کے بعد میری نگاہ اس چوکور خلا تک پہنچ سکی جو تخت کے عین وسط میں فرش پر نظر آ رہا تھا۔

"تم دونوں نیچے پہنچو، میں اسے نیچے ڈال کر واپس آتا ہوں۔" ابوجمال نے اکڑوں بیٹھ کر تخت کے نیچے گھستے ہوئے کہا۔

پھر وہ سالومن کے بے حس و حرکت جسم کو اپنے کندھوں پر ڈال کر تیزی سے اس تاریک خلا میں تحلیل ہوتا چلا گیا۔

فرش میں بنے ہوئے اس خلا کی چوڑائی زیادہ سے زیادہ دو فٹ رہی ہوگی جبکہ اس کی لمبائی کسی طرح ساڑھے تین فٹ سے کم نہیں تھی۔ ابوجمال اس میں جس طرح غائب ہوا اس کے پیشِ نظر میرا خیال تھا کہ اس خلا میں پیر ٹکانے کی نزدیک ترین جگہ سطح سے کم از کم تین فٹ نیچے تھی اور پھر براہِ راست نیچے اترنے کے لئے سیڑھیاں شروع ہو گئی تھیں۔

میرے لئے ایک کچے صحرائی مکان میں اس قدر خفیہ انتظام ایک عجوبے سے کم نہیں تھا اس جگہ تہہ خانہ بنانے اور پھر اسے ایک راز رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ سارا کام تنظیم کے معتبر ارکان نے خود اپنے ہاتھوں سے سرانجام دیا ہو اور اگر وہ لوگ اپنے افرادی وسائل سے ایسے پیچیدہ اور دشوار کام سرانجام دینے کے اہل تھے تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑتا تھا کہ وہ سب والہانہ لگن کے ساتھ ایک مقدس مشن پر عمل کر رہے تھے۔

یہ میرا ذاتی مشاہدہ تھا مگر ریڈیائی نشریات کی فلسطینی داستانیں، مریم کی تلخ و شیریں باتیں ان سارے مشاہدات کی نفی کرتی تھیں۔

یہ حقیقت ہے کہ وہ مسلمان نہیں، عیسائی تھی اور یوں بھی فلسطین کی آزاد مسلم ریاست کے بارے میں اس کے جذبات میں فطری گہرائی نہیں تھی مگر اس نے تنظیم اور اس کے مقاصد کے بارے میں اعداد و شمار کے حوالے سے جو زہریلی گفتگو کی تھی، اس کی چبھن کسی کسی وقت مجھے اپنے ذہن کی گہرائیوں میں محسوس ہوتی تھی۔

"میں نیچے جا رہا ہوں۔" اچانک ہاشم کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ "تم ابوجمال کے آنے کے بعد اتر آنا۔"

"کیوں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "تم یک بیک کہاں چل دیئے؟"

"ایسا نہ ہو کہ ابوجمال کی واپسی اور ہمارے پہنچنے کے درمیانی عرصے میں وہ ہوش میں آ جائے اور کوئی مشکل کھڑی کر دے!" اور وہ یہ کہہ کر نیچے اتر گیا۔

مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ابوجمال جلتی انداز میں واپس آیا تھا۔ "جاؤ! ہاشم تمہارا منتظر ہے۔"

تنگ اور تاریک سیڑھیوں کو عبور کرتے ہوئے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں کسی گہرے کنوئیں میں اتر رہا ہوں مگر فرش تک پہنچتے ہی اچانک کشادگی کے احساس نے آ لیا۔ وہ تہہ خانہ خاصا طویل و عریض تھا اور وہاں ماحول میں سرد خنکی کا رچاؤ خاصا گہرا تھا۔ رہی سہی کسر تاریکی نے پوری کر دی تھی اور کسی خلا سے آنے والی روشنی بس اسی قدر تھی کہ اس ماحول کا عادی ہونے کے بعد نگاہیں ساکن اور متحرک چیزوں میں باآسانی تمیز کر سکتی تھیں۔

میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس تہہ خانے میں جا بجا بڑی بڑی چوبی پیٹیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے جن کی ساخت سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ ان میں مختلف اقسام کا اسلحہ بھرا ہوا تھا۔

فرش سے چھت تک پہنچی ہوئی بیشتر پیٹیوں کی جسامت اتنی زیادہ تھی کہ انہیں دو فٹ چوڑے خلا میں سے گزار کر نیچے لانا کسی طرح

ممکن نہیں تھا۔

"کہاں رک گئے ہو؟ آگے چلے آؤ!" ہاشم کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

اسلحے کے زبردست ذخائر کے قریب سے گزرتے ہوئے میں نے ان پیٹیوں پر چھپے ہوئے نشانات بھی دیکھے جن سے پتہ چل رہا تھا کہ یہاں مختلف ممالک کا بنا ہوا بھانت بھانت کا اسلحہ موجود تھا۔

ہاشم ایک جگہ پڑی ہوئی چند پرانی وضع کی کرسیوں میں سے ایک پر براجمان تھا اور اس کے قدموں میں پیٹر سالوین بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

"یہ تو اسلحے کا زبردست گودام ہے۔" میں نے دوسری کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔ "مگر اس کی آمد کا راستہ کون سا ہے؟"

"سرنگ کے ذریعے چھوٹے ٹرک بآسانی اندر آ جاتے ہیں۔" اس نے سگریٹ سلگا کر دیا سلائی احتیاط سے بجھاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر ہم اسی راستے سے کیوں نہیں آئے۔ کار سمیت یہاں موجودگی خاصا دشوار تجربہ ہوتی!"

"پیشگی منصوبے کے بغیر باہر سے آنے کے لئے وہ راستہ استعمال کرنا ممکن نہیں ہے۔" اس نے کہا "سرنگ کے دہانے کو کھولنے کا میکانزم اندر ہی پوشیدہ ہے۔ البتہ وہ خودکار طریقے سے بند ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر اب ہم چاہیں تو ادھر سے باہر نکل سکتے ہیں۔"

"پیشگی پروگرام کا مطلب تو یہ ہوا کہ اوجالن ہی مقررہ وقت پر ادھر جا کر سرنگ کا دہانہ کھولتا ہوگا۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "ایسی تجری جائے لئے ایک قابل غور ٹھکانہ ہے۔"

میں نے دیا سلائی جلائے بغیر ہاشم کی سلگتی ہوئی سگریٹ سے اپنی سگریٹ سلگائی پھر تھوڑے توقف کے بعد بولا۔ "میرا خیال ہے کہ سالوین کے ہاتھ پیر جکڑ کر اسے تنہا ہی چھوڑ دیا جائے۔"

"کیوں؟" اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ وہ ہوش میں آئے تو تنہائی میں بخوبی یہ اندازہ لگائے کہ وہ کس قدر سنگین خطرے سے دوچار ہے۔ اسے ذہنی طور پر تھوڑے غور و فکر کرنے کے بعد ہم سامنے آئیں گے تو شاید وہ آسانی سے زبان کھول دے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو!" وہ اٹھتے ہوئے بولا اور پھر کسی گوشے سے نائیلون کی مضبوط ڈوری کا لچھا لے آیا۔

سالوین کی پنڈلیاں بُری طرح زخمی تھیں مگر میرے نزدیک وہ انتہائی سنگدل درندہ تھا جس پر رحم کھانے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ہم دونوں نے اس کے ٹخنے مضبوطی سے جکڑنے کے بعد اس کے دونوں ہاتھ بھی پشت پر باندھ دیئے اور بندشوں کی آزمائش کے بعد ہم دونوں ٹہلتے ہوئے وہاں سے آگے کی طرف چل دیئے۔

وہ تہہ خانہ کسی بھی طرح چھتیس چالیس فٹ سے کم طویل و عریض نہیں تھا۔ اس کی تعمیر میں لوہے کا استعمال خاص فراخدلی کے ساتھ کیا گیا تھا۔

وہاں گھومتے ہوئے میرے ذہن میں رہ رہ کر سیتا کا خیال ابھر رہا تھا جو اخباری اطلاعات کے مطابق ماری جا چکی تھی مگر میرا ذہن واقعات کو قبول کرنے کے لئے قطعی آمادہ نہیں تھا۔ مایوسی کے ابتدائی غلبے کے بعد میں ایک مرتبہ پھر سیتا کی زندگی کے بارے میں موہوم سی امید محسوس کر رہا تھا۔

ہاشم ٹہلتے ٹہلتے ایک ایسے گوشے میں جا نکلا جہاں ایک بڑی چوبی الماری میں بہت سی ایسی چیزیں موجود تھیں جو عموماً اس کام کرنے والے عملے کے استعمال میں آتی رہتی ہیں! اسی سامان میں متعدد طاقتور ٹارچیں بھی تھیں جن میں سے دو ہم نے اٹھالیں ورنہ روشنی کے بغیر اس تہہ خانے کے بعض حصوں میں جانا دشوار نظر آ رہا تھا۔

ہاشم نے ٹارچ روشن کر لی اور پھر ہم دونوں اس سرنگ کے دہانے پر پہنچ گئے جو بھاری اسباب کی آمد و رفت میں کام آتی تھی وہ سرنگ خاصی کشادہ اور تقریباً نیم دائرے کی صورت میں کھودی گئی تھی۔ اس میں چھت اور دیواریں ایک قوس کی صورت میں یوں کھودی گئی تھیں کہ دیواروں کے اختتام اور چھت کے آغاز کا تعین ناممکن ہو کر رہ گیا تھا!

سرنگ کا فرش بہت ہی غیر محسوس اور بتدریج انداز میں [illegible] چڑھتا چلا گیا تھا۔ ہم دونوں اس سرنگ میں بمشکل تھوڑی دور [illegible] چلے ہوں گے کہ تہہ خانے سے ایک آواز ابھری اور ہمارے قدم [illegible] کر رہ گئے۔

ہاشم کی ٹارچ کی روشنی نے سرنگ کو دور تک منور کیا تھا مگر ہم دونوں ایسی مکمل تاریکی میں تھے کہ [illegible] ایک دوسرے کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لینا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

اچانک ہاشم نے میرا ہاتھ تھاما اور واپس مڑ گیا۔

"شاید ہوش میں آ رہا ہے۔" میں نے اپنی آواز دبا کر تبصرہ کیا۔

"اگر اس نے مدافعت کا مظاہرہ کیا تو ہم اس پر زیادہ وقت ضائع نہیں کریں گے!" ہاشم نے جواب میں کہا۔ اس معاملے میں وہ [illegible] ذہین تھا اور میرا مدعا فوراً سمجھ گیا تھا۔ ہمارے تجربے [illegible] اعصاب کے لئے موثر ثابت ہو سکتے تھے۔

"اسے زندہ رکھنا ہمارے حق میں مفید ثابت ہوگا۔" میں نے [illegible] لہجے میں کہا۔ "تاکہ قیدی کے ذہن میں زندگی کی امید باقی رہے۔"

"اگر زبان کھولے گا تو تم کو اختیار رہے گا کہ اسے زندہ [illegible]

ہم نے [illegible] دوسری صورت میں اسے زندہ رکھنے کا خطرہ مول [illegible]

"[illegible] تمہاری صورت سے مجھے سخت نفرت ہے!" ہاشم اب بھی [illegible] ایک خاصی اچھی اداکاری کر رہا تھا۔

ہم دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے دوبارہ اسی طرف جا نکلے جہاں سالوین بدستور فرش پر پڑا ہوا تھا۔

جب روشنی کا دائرہ اس کے جسم پر پڑا تو وہ قدرے کسمسا کر رہ گیا مگر اس کے منہ سے کوئی آواز نہ نکلی۔

ہم دونوں اس کے سر پر پہنچ گئے لیکن اس نے کوئی حرکت نہیں کی۔ میں نے اپنی ٹارچ کی روشنی براہ راست اس کے چہرے پر ڈالی تو اس کے پپوٹوں کی اضطراری جنبش سے مجھے یہ سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ ہوش میں آ جانے کے باوجود حالات کا جائزہ لینے کے لئے بے ہوشی کی اداکاری کر رہا تھا۔

"وہ ہوش میں آ چکا ہے مگر بن رہا ہے۔" میں نے ٹھیٹھ لہجے میں کہا۔

"یہ سیدھی طرح راہ راست پر آنے والوں میں سے نہیں معلوم ہوتا۔" ہاشم بولا "اگر اس کی یہی حرکتیں جاری رہیں تو میں اسے [illegible] آزاد کر کے نکالوں گا۔"

میں نے آگے بڑھ کر اس کے گریبان کو زور سے جھنجھوڑا اور اس نے فوراً ہی کراہ کر آنکھیں کھول دیں۔

"روشنی ہٹاؤ!" وہ فوراً ہی آنکھیں بند کر کے بھرائی ہوئی آواز میں بولا کیونکہ اس کا چہرہ براہ راست میری ٹارچ کی روشنی کی زد میں تھا۔

میں نے ٹارچ کا رخ قدرے گھما دیا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"تو کیا جانے بوجھے بغیر ہی مجھے اٹھا لائے تھے؟" اس کی آواز بھرائی ہوئی ضرور تھی مگر یہ اندازہ بھی ہو رہا تھا کہ وہ غیر معمولی قوت برداشت کا مالک تھا کیونکہ شدید زخمی ہونے کے باوجود اپنے حواس پر پوری طرح قابو رکھتا تھا۔

"تمہاری زبان سے اعتراف سننا چاہتے ہیں!"

"اگر میں کہوں مائیکل ہوں؟" اس کا لہجہ بہت پُرسکون لگ رہا تھا۔ اس کی آواز سے اس کی حالت کا اندازہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

"ہم تم پر زیادہ وقت برباد نہیں کر سکتے!" اس بار ہاشم بھڑک کر بولا۔ "یہ بات سمجھ لو کہ تمہارا کوئی ہمدرد یہاں تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ تم اپنا کوئی شعبدہ دکھا سکتے ہو۔ اس بار تم بُری طرح پھنس چکے ہو!"

"تم نے مجھے بے رحمی سے زخمی کیا ہے!" وہ شکوے بھرے لہجے میں بولا۔ "میرے [illegible] ٹوٹی ہوئی پنڈلیاں اور ابھی تک بہتی جا رہی [illegible] سب سے بڑھ کر مجھے تم دونوں کی نیت کا اندیشہ ہے مگر آؤ میں شاید تمہاری باتوں پر زیادہ توجہ نہ دے سکوں گا!"

"میں نے کہا ہم تم پر زیادہ وقت برباد نہیں کر سکتے!" ہاشم [illegible] کمزور عذر مجھے [illegible] ہاشم نے غرایا۔

"کم از کم میرے ہاتھ پیروں کو آزاد کر دو تاکہ میں بیٹھ کر کسی بہتر حالت میں گفتگو کر سکوں ورنہ شاید تکلیف کی شدت مجھے دوبارہ بے ہوش کر دے گی!" اس بار اس کے لہجے میں واضح طور پر بے بسی اور التجا کی آمیزش تھی۔

ہم نے جھک کر اس کے پیروں کی بندش کھول دی۔

"نام؟" میرے پیچھے بیٹھتے ہی ہاشم غرایا۔

"سالوین!" وہ بولا۔ "یہ یاد رکھنا کہ میں زندگی سے مایوس ہو چکا ہوں۔ شاید تم لوگ سیتا کے حامی ہو۔ تمہارا لب و لہجہ بتا رہا ہے کہ فلسطینی بھی ہو۔ مجھ سے ایسے سوالات نہ کرنا جن کے جواب میں نہ دے سکوں اور تم غصے میں بے قابو ہو جاؤ۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو تم؟"

"میں اپنی قوم سے غداری نہیں کر سکوں گا۔" وہ سر جھکا کر کہتے ہوئے بولا۔ "جس وقت میں نے کام شروع کیا اسی روز سے اس وقت کے لئے تیار تھا مگر یہ شاید میرا مقدر ہے کہ وہ برا وقت آج تیس برس بعد آیا ہے!" وہ صورتحال کی سنگینی کا پوری طرح اندازہ لگا چکا تھا اور اس کے ذہن پر مایوسی کی لہر طاری ہونے لگی تھی۔ "جو بتا سکتا ہوں وہ بلا جھجک بتاتا چلا جاؤں گا اور جو نہیں بتا سکتا وہ میرے لئے تمہارا تشدد بھی کام نہ آ سکے گا کیونکہ میں زندگی کی بھیک مانگنے کا قائل نہیں ہوں!"

ہاشم اس کی باتوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ جو شخص خود ہی موت کو گلے لگانے کے لئے تیار ہو اسے کسی بھی طرح دھمکایا نہیں جا سکتا تھا۔

وہ میرا بدترین حریف تھا کیونکہ وہ سیتا کا قاتل تھا یا اس مذموم فعل میں شریک تھا یا اگر سیتا زندہ تھی تو وہ اس کی راہ پر لگا ہوا تھا مگر پھر بھی میں اس شخص کے لئے اپنے دل میں خفیف سی ہمدردی محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔

اس کی پنڈلیاں قطعی ناکارہ ہو چکی تھیں اور وہ کھڑے ہونے کے قابل بھی نہیں تھا۔ اس کی ساری جیبیں خالی کی جا چکی تھیں لہٰذا ہم نے جھک کر اس کے ہاتھ بھی کھول دیئے۔ اس نے کراہتے ہوئے اپنے بدن کو آہستہ آہستہ جنبش دی اور فرش پر چت لیٹ گیا۔

"تم اعلیٰ ظرف کے مالک ہو!" اس نے [illegible] تشکر آمیز لہجے میں کہا۔ "شکست خوردہ حریف کے ساتھ نرمی سے پیش آنا شاید میری تحریر میں بھی شامل نہیں ہے مگر تم بہت عظیم ہو کاش میں تم سے کچھ بہتر حالات میں ملا ہوتا!"

"سیتا کے بارے میں کیا واقعات پیش آئے تھے؟" میں نے قدرے توقف کے بعد گمبھیر لہجے میں دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔

"تم شمعون کے ٹھکانے سے واقف ہو؟" اس نے عجیب سے لہجے میں سوال کیا۔

"کیوں؟" میں نے بے اختیار سوال کیا۔

"میری حالت ابتر ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میں اسے زیر نہیں کر سکوں گا مگر میرے دل میں اسے قریب سے دیکھنے کی حسرت ہے۔" اس کے لب و لہجے پر مایوسی کی جگہ بے پناہ بے بسی گہری ہوتی جا رہی تھی۔

"باتوں میں الجھانے کی کوشش نہ کرو..." ہاشم کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔

"سنو دوست!" دفعتاً سالومن کا لہجہ یک بیک تلخ ہو گیا۔ "میں پیشہ ور سیکرٹ ایجنٹ ہوں اور سیکرٹ ایجنٹ ان حالات کے لیے تیار رہتا ہے۔ تم اگر مجھے ابھی مار دو تو میں جانتا ہوں کہ میرے بدلے سے تمہارا خون نہ بہایا جائے گا۔ بے شک میں ایک آدھ دن گزار سکوں گا۔ تم نے اخبارات میں پڑھ لیا ہوگا سیتا وہاں بلاوجہ گئی تھی... مگر اصل حالات صرف میں ہی جانتا ہوں۔ جہاں پیش آنے والے اتفاقات کی [illegible] اور صرف صفدر علی کے سامنے ہی [illegible] مجھے دیکھنا اس وقت میری باقی ماندہ صفدر علی کی وجہ سے بڑی حسرت ہے۔ اسے میرے سامنے لائے بغیر تم میری زبان نہ کھلوا سکو گے۔"

"کیا یہ تمہارا عہد ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں یہ میرا آخری عہد ہے اور شاید مقدس کی قسم میں اس پر قائم رہوں گا۔" اس نے بہت [illegible] کہا۔

"تو دیکھو!" یہ کہہ کر ہاشم نے اچانک اپنی ٹارچ روشن کر دی مگر اس کا رخ براہ راست میری طرف نہیں تھا لیکن میرا چہرہ روشنی کی زد میں آ گیا تھا۔

"شاید قدرت تم پر مہربان ہے کہ صفدر علی خود تمہارے سامنے موجود ہے۔"

سالومن کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ سرگوشیانہ انداز میں بڑبڑایا۔

"صفدر علی! سب کچھ بدل گیا ہے مگر آنکھیں نہیں بدلیں... اب کم از کم مجھے ایک بات کی خوشی ہے کہ میری زندگی کی آخری اور فیصلہ کن شکست میرے اس حریف کے ہاتھوں ہوئی جسے میں نے کبھی خود سے کم تر نہیں سمجھا تھا۔"

"اپنا وعدہ پورا کرو سالومن!" میں نے کرختگی سے اسے یاد دلایا۔

میں زندگی کے کسی بھی مرحلے پر خود پسندی یا انا پرستی کا شکار نہیں رہا لیکن مجھے اعتراف ہے کہ قریب المرگ سالومن کی باتوں نے وقتی طور پر میرے ذہن میں برائی کا فتور پیدا کر دیا اور مجھے محسوس ہونے لگا کہ میں اپنے مخالف کے لیے بھی ایک بہتر ہمدردانہ جذبے کا مالک تھا۔

"رجب علی مصری سرزمین پر شاید سیتا کا سب سے بڑا مجاہد تھا۔" پھر سالومن نے کراہتے ہوئے کہا۔ رفتہ رفتہ اس کا وجود بکھرتا جا رہا تھا۔ "میں کافی عرصے سے تمہاری اور سیتا کی گرفتاری کے مشن پر مامور تھا۔ اپنی چال میں ایک نمایاں خامی کے باعث عرب ملکوں میں میرا تحفظ بجائے خود ایک مسئلہ بن چکا ہے اسی لیے میں نے لیبیا میں الفیز کا سپیشل سیتا کے پیچھے لگایا مگر وہ الفیز کو چل بسے تھی۔ اور آخر کار تم ہو گئیں میں نے الفیز کا سپیشل لوگ [illegible] کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ الفیز کی موت اور پھر ایک محاصرے سے سیتا کے سنسنی خیز فرار کے بعد مصری وزارت خارجہ نے تمہاری اور سیتا کی گرفتاری کا پختہ ارادہ کر لیا۔ سب جانتے ہیں کہ تمہارے بارے میں ہی دنیا میں سب سے زیادہ معلومات مجھے

حکام کے قبضے میں ہیں لہٰذا مصری وزارت خارجہ نے ایک مشترکہ دوست ملک کے ذریعے اسرائیل سے مدد کی درخواست کی اور نتیجے کے طور پر مجھے قاہرہ بھیج دیا گیا۔ یہاں مجھے تقریباً لامحدود اختیارات دے دیے گئے اور میں براہ راست ایک مصری جنرل کو جواب دہ تھا۔ تمہارے حلیے کو میری مصر میں موجودگی کا علم نہیں تھا۔" اس مرحلے پر وہ خاموش ہوا اور کراہتے ہوئے اپنی پوزیشن تبدیل کر کے دوبارہ کہنے لگا۔ "میری یہاں آمد کے ساتھ ہی رجب پکڑا گیا اور پھر اس کے مضافاتی باغ کا علم ہوتے ہی حکام نے باغ کا خفیہ محاصرہ کر لیا۔ میرے لیے انتظار محال تھا۔ لہٰذا میں کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر محاصرے سے گزر کر باغ میں بنے ہوئے رہائشی کاٹیج میں جا پہنچا اور وہاں مجھے ایک ایسی خوبصورت لڑکی نظر آئی جس کے رخساروں پر خراشوں کے نشانات پڑے ہوئے تھے۔ ان خراشوں سے میں دھوکا کھا سکتا تھا کیونکہ لڑکی کے خد و خال ہمارے پاس سیتا کی پرانی تصاویر سے قطعی مختلف تھے۔ میں نے نہایت ہوشیاری سے لڑکی کو زیر کر دیا پھر پتا چلا کہ اس کے رخساروں پر خراشوں کے نشانات محض میک اپ کا نتیجہ تھے۔ جس کا مطلب تھا کہ اس لڑکی کو لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا کر سیتا کو فرار ہونے کا موقع فراہم کیا گیا تھا۔

میرے نزدیک وہ لڑکی بھی سازش میں شریک تھی میں نے بازیابی کے سلسلے میں اس پر تشدد کیا مگر لڑکی سے کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ تشدد کے نتیجے میں لڑکی کی حالت اتنی ابتر ہو گئی تھی کہ وہ زندہ بھی رہتی تو معذور ہی رہتی پھر میری شناخت کا معاملہ بھی نازک تھا لہٰذا میں نے اسے ہلاک کر دیا۔ [illegible] میں شاید تمہارے ساتھیوں سے ٹکراؤ ہوا جب میں نے جنرل کو یہ [illegible] سنائی تو اس نے سیتا کی ہلاکت کا اسکینڈل بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح صفدر علی انتقام میں اندھا ہو کر دیوانہ وار سامنے آئے گا اور کسی مجنوں الحواس عاشق کی طرح آسانی کے ساتھ پکڑ لیا جائے گا۔"

وہ اس کے بعد بھی دیر تک رک رک کر بے ربط باتیں کرتا رہا مگر میں کچھ نہ سمجھ سکا۔ اس کی زبان سے سیتا کی زندگی کی نوید سننے کے بعد مجھے اپنا وجود پرندوں سے زیادہ ہلکا ہو کر فضا کی بیکراں وسعتوں میں پرواز کرتا محسوس ہو رہا تھا۔

میری سیتا زندہ تھی۔

اس کا مطلب تھا کہ صفدر علی کے لیے زندہ رہنے اور اپنی زندگی کے لیے پورے عزم کے ساتھ لوٹ دینے کا جواز باقی تھا۔

"تو تم سمجھتے ہو کہ رجب کے مضافاتی باغ میں تمہارے ہاتھوں جو [illegible] لڑکی اور [illegible] ماری گئی تھی؟" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔" زیادہ دیر تک مسلسل بولتے رہنے کے باعث اس پر نقاہت غالب آ گئی تھی۔ "اور اس وقت تمہارے سامنے نہ ہوتے تو شاید اس موضوع پر اپنی زبان بند ہی رکھتا۔ یہ سمجھو کہ سیتا کی زندگی کا انکشاف تمہارے لیے اس جرأت اور بہادری کا انعام ہے جو تم نے اپنے دشمن کے ساتھ اختیار کی ہے۔"

"میں تمہیں مارنا نہیں چاہتا تھا!" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے

سکا مگر اس قدر بے بسی کے عالم میں نہیں۔ [illegible] اور یہی وہ مقام ہے جہاں اپنے ہتھیاروں کا نشانہ بنانا میرے لیے تمہارے انجام سے بے حد عبرت ناک ہے۔"

"تکلیف کی شدت آہستہ آہستہ میرے حواس پر اثر انداز ہو رہی ہے نقاہت بھی بڑھ گئی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم مجھے زندہ رکھنے کی کوشش نہیں کرو گے مگر میں یہ درخواست ضرور کروں گا کہ مجھے سسکتی ہوئی موت سے بچانے کے لیے گولی مار دو۔"

اور میرے ذہن پر یک بیک کئی فلسفوں کا نزول شروع ہو گیا۔

اقتدار، اختیار اور طاقت کے نشے میں سرشار ہر انسان اپنے عروج کو زوال بنا کر ہمارے سروں کے لیے اپنے ہم نفسوں سے بڑھ کر اس قدر خون آشام انداز میں پیش ہو جاتا ہے کہ اسے خود اپنا بھی [illegible] کو بھی بچانا ہے۔

اس وقت وہ شاید بھول جاتا ہے کہ وہ اپنے مرنے کے لیے کائنات کی کسی برتر قوت کا احسان مند ہے اور اس پر بھی [illegible] ایسا وقت آنے والا ہے جب اسے زندہ رہنے کے لیے اپنی قوت کے بجائے دوسروں کے رحم کی ضرورت ہوگی اور اگر وہ اسے اس پر رحم کرنے کے بجائے حالات کی سولی پر چڑھانے کا فیصلہ صادر کر دیں تو اس کی کوئی ذاتی خوبی اور ذاتی صلاحیت اسے موت کے دردناک عذاب سے نہ بچا سکے گی۔

اس وقت سالومن کی کیفیت بالکل ویسی ہی تھی۔

وہ میرا خود دار، انا پسند اور عظیم دشمن تھا مگر اچھی طرح جانتا تھا کہ میں اس کی تمام خوبیوں کا معترف ہونے کے باوجود تہہ دل سے اس کی موت کا خواہاں ہوں اور اگر وہ مجھ سے زندگی کی کوئی التجا کرے گا تو وہ ٹھکرا دی جائے گی۔ وہ نہ [illegible] التجا مگر رحم [illegible] اسے اپنی انا کی تحقیر گوارا نہیں تھی کہ اس کا دشمن اپنی [illegible] اور برتر قوت کو بھولتے ہوئے اس کی التجا کو ٹھکرا دے۔

وہ مرنے کے لیے تیار تھا اور مرنے سے پہلے دردناک اذیت کے ایک کربناک جہنم سے گزر رہا تھا جس کا اختتام آخر کار موت کی سنسناتی ہوئی گولی اور گمنام وادیوں ہی میں ہوتا تھا مگر وہ اپنے اس دردناک عارضی دور کے اختصار کے لیے بھی کوئی التجا کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس کا یہ عزم [illegible] جانے والی [illegible] کہانیوں کا امین تھا۔

میرے اور ہاشم کے لیے وہ پتھر کی ایک ایسی طلسماتی دیوار بن کر رہ گیا تھا جس سے سر ٹکرا کر خود ہی لہولہان ہو جاتا اور اگر اس پر سنگ باری کی جاتی تو وہ اس کی بنیادوں سے چپک کر اسے اور زیادہ مضبوطی عطا کر دیتے۔

میں خاموشی کے ساتھ ہاشم کو ایک طرف لے گیا۔

"اسے گولی مار دو۔" کچھ دور ہٹ جانے کے بعد میں نے سرگوشیانہ لہجے میں ہاشم سے کہا۔

"اس سے یہ تو پوچھو کہ اس کے ہاتھوں مرنے والی لڑکی کون تھی؟" ہاشم کا لہجہ بہت دھیما تھا۔

"مگر اتنا کافی نہیں کہ وہ سیتا نہیں تھی۔"

"وہ جو بھی تھی بہت عظیم تھی۔" ہاشم نے کہا۔ "اس نے سیتا کی سلامتی کی خاطر دیدہ و دانستہ اپنی جان قربان کر دی۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس گمنام محسنہ کا نام معلوم کریں۔ وہ ایک جیتی جاگتی عورت تھی، پتھر کا بے جان مجسمہ نہیں تھی۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "یہ معلوم کرنے کے بعد ہم سالومن کو ختم کر دیں گے۔ اس کی حالت بہت زیادہ ابتر ہے۔"

"آپ پر بہت زیادہ مہربان ہو گئے ہو؟" وہ بھیجتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "وہ سیتا کا نہیں مگر ہماری ایک بے قصور لڑکی کا قاتل ہے۔"

"وہ کس کا قاتل ہے اور قاتل ہے بھی یا نہیں۔ اس وقت میرے لیے یہ مفروضات بے معنی ہیں۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "اس کی حالت ابتر ہے اور وہ شاید مزید بات نہیں کر سکے گا۔"

"تو اب تم اسے میرے حوالے کر دو۔"

"وہ تمہارے ہی حوالے ہے۔" میں نے حیرت سے کہا۔

ہم دونوں واپس آئے تو سالومن نقاہت زدہ انداز میں آنکھیں بند کیے زیر لب کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ جانے قدموں کی آوازیں سن کر اس نے بیک وقت تمام اپنے چہرے پر ابھری پیدا کی پھر اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔

"سالومن!" ہاشم نے اسے کرخت لہجے میں پکارا۔

اس نے اپنی گردن کو ہولے سے جنبش دی مگر اس کی زبان سے کوئی آواز نہ نکل سکی وہ بہت زیادہ نڈھال ہو رہا تھا کیونکہ اس کی پنڈلیوں کے زخموں سے اس وقت تک تھوڑا تھوڑا خون رس رہا تھا۔

"رجب کے باغ میں تمہارے ہاتھوں مرنے والی لڑکی کون تھی؟" ہاشم نے سرد لہجے میں اس سے سوال کیا۔

سالومن نے اپنی ہتھیلی کو مٹھی کے انداز میں فضا میں لہرایا۔

"اس نے زبان نہیں کھولی تھی۔" وہ ہماری طرف سے مجبور ہو کر آواز میں بڑبڑایا۔ مگر جب ظلمت کے پرسکوت ماحول میں اس کی آواز ہم تک پہنچ ہی گئی۔

"وہ یا تو پولیس کی [illegible] جسے دو برس پہلے حیفہ میں یوم القدس کی تیاری کے جرم میں گرفتار کیا گیا تھا؟" ہاشم کا لہجہ جاندار اور سرد تھا۔

"وہ جیلوں میں دم توڑ گئے۔" سالومن نے جواب دیا۔ [illegible] تھا کہ جیسے اس مرحلے پر یہ بات بتانے پر آمادہ ہو گیا ہو جو اس کے علم میں ہی نہ ہو۔ "اف... اس پر بہت زیادہ تشدد کیا گیا تھا۔"

اچانک وہ بری طرح تڑپا اور اس کے حلق سے کریہہ [illegible] نحیف سی غراہٹ ابھری پھر اس کا بدن جھٹکے کھانے لگا۔

میں نے اسے آواز دی مگر وہ کچھ نہ بولا۔

اس کے تنفس کی رفتار یک بیک تیز ہو گئی تھی۔

ہم دونوں خاموشی سے ترحم آمیز نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے شاید قدرت کی طرف سے اس کا وقت پورا ہو گیا تھا۔

مارنے کی کوشش میں اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے رینگنے والی کیڑے پیدا ہو گئی تھیں۔ چہرے کی تمام وریدیں نیلے کیچوے کی طرح جلد پر ابھر آئی تھیں۔

بمشکل تمام اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی: "شاید ایکس تھری ... ہے۔ مجھے لے کر ... وہ ... دیکھنے کی نشانی۔" اس کی زبان سے ایکس تھری کا نام سن کر میرے ساتھ ہی ہاشم بھی چونک کر رہ گیا۔

"میری کوشش کم از کم چار گھنٹے اسی تہہ خانے میں پڑے رہنے کی تھی۔" وہ اٹک اٹک کر کہہ رہا تھا: "نہ جانے میری حالت اچانک کیوں بگڑ گئی ہے۔ ... کچھ دیر اور زندہ رہنا چاہتا تھا لیکن کچھ دیر میں چار گھنٹے ... یا اب زوال بس چند گھنٹے۔"

کرب اور مایوسی میں ڈوبے ہوئے اس کے آخری الفاظ نے میرے ذہن کے کسی گوشے میں گویا بھونچال مار دیا۔

"اسے باہر لے چلو۔" میں لپک کر سالومن کے نیم جان بدن کو کھینچتے ہوئے ... انداز میں بولا۔ "مجھے راستہ دکھاؤ۔"

"کیا ہوا، کیا ہوا؟" ہاشم بوکھلا کر رہ گیا۔

"یہ سب کچھ کام رکھا گیا ہے۔" میں سیڑھیوں کی طرف تیزی سے لپکتے ہوئے بولا۔ اس کے الفاظ خوف آور تھے۔

سالومن کے الفاظ زور دار تھے۔ اس نے میری کارروائی کے خلاف ... کرنے کی کوشش کی تھی۔ اب بالکل طاقت باقی نہیں رہی تھی۔ وہ کچھ بولا ... مگر اس وقت میں کوئی بات سننے کے لیے تیار نہ تھا۔

سیڑھیوں تک پہنچتے ہی ہاشم نے ابوجمال کو آواز دی اور جب میرا سر اس خلا سے باہر نکلا تو ابوجمال سراسیمہ انداز میں وہاں آ پہنچا تھا۔

"کیا ہوا، کیا ہوا؟" اس نے آتے ہی بلند آواز میں سوال کیا۔

"ذرا جلدی کرو، سنبھالو۔" میرے پیچھے سیڑھیوں سے ہاشم نے اسے ہدایت دی اور ابوجمال نے ... میرے کندھوں سے سالومن کو باہر کھینچ لیا۔

"اسے اٹھا کر یہاں سے سرپٹ دوڑتے چلے جاؤ اور اسے فوراً تنگ و کھلے ریگستان میں پھینک آؤ۔" میں نے سنبھل کر باہر آتے ہوئے کہا۔

"مگر ... شاید ہوش میں ہے۔" ابوجمال نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"بھاگو۔" میں اضطراری انداز میں چلایا اور وہ ... کر دوڑ پڑا۔

میں ہاشم کے ہمراہ تہہ خانے سے نکل کر باہر آیا تو ابوجمال دوڑنے کی کوشش میں ... ریت پر کافی دور نکل چکا تھا۔

"تمہیں کیا ہوا؟ آخر اس طرح بھاگنے کی کیا ضرورت ... اچانک کیا خطرہ محسوس ہونے لگا؟" ہاشم نے حیرت سے سوال کیا۔

"میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "ہو سکتا ہے میرا یہ اقدام ... ثابت ہو مگر سالومن کے آخری لفظوں نے میرے ذہن میں خطرے کے ایک ہولناک امکان کو جنم دیا تھا۔"

"... کی ترکیب جاننا چاہتا ہوں۔"

اس کی زبان سے یہ انکشاف سننے کے بعد میں چونکا تھا کہ ... تھری کے بارے میں درست اندازہ لگا چکا تھا۔ اسے ... اندازہ ہو چکا ہو گا کہ وہ کسی نہ کسی ... تہہ خانے میں قید پڑا ہمارا ... ہماری ناکامیوں کی ... میں ... نے اسلحے سے بھری ہوئی جیپ ... دیکھ لیے ...

"کیا ... ذرا ٹھہرو۔" ہاشم نے میری بات کاٹی۔ "کیا تم یہ ... کہ اسرائیلی ... کے ... ایکس تھری نامی اسلحے کے گودام سے باخبر ہیں؟"

"شاید صرف نام اور استعمال کی حد تک۔" میں نے کہا۔ "اس کے محل وقوع سے لاعلم ہیں۔ ورنہ آج سے بہت پہلے ایکس تھری پر چھاپہ مار کر ... اسے غیب ... نابود کر چکا ہوتا۔"

"تم اپنی بات جاری رکھو۔" اس نے ... لہجے میں کہا۔ "اس ... تم نے میرے ذہن کے تار جھنجھنا ڈالے!"

"ایکس تھری کی شناخت کے بعد اسے یقین ہو گیا ہو گا کہ ... حالت میں اپنی مدافعت کر سکے گا اور نہ ہمارے چھوڑ دینے کے بعد ... نفسیاتی طور پر متاثر کرنے کے لیے ابتدا سے ہی ... اختیار کیا اور اس طرح اسے یقین بھی ہو گیا کہ وہ ... تھری ... بلکہ ... کے سپرد بھی ہے۔ اب تم سوچو کہ اگر وہ ... ایکس تھری کو برباد کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو کیا اس کا ... ہوتا ہے؟"

"مگر کیسے؟" ہاشم نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔ "وہ ... اور ... دور ہو چکا تھا اور اس کی جیبیں ہم پہلے ہی ... کر چکے ..."

"میں نہیں جانتا۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے ... "لیکن مجھے ایک ... خطرے کا احساس ہوا تھا۔"

"تو تم اسے وہیں ہلاک کر سکتے تھے۔" ہاشم کی ذہنی الجھن ... گئی تھی۔ "اسے یہاں سے دور ... میں کیا مصلحت ..."

"میرے ذہن میں صرف ایک بات تھی۔" میں نے ... سے کہا۔ "وہ مر جانے کے بعد بھی کم از کم چار گھنٹے اپنی لاش تہہ خانے ... لینا چاہتا تھا یعنی اس مدت میں اسے کسی ... ہونے کی امید تھی۔ لہٰذا ... فیصلہ یہی ... بلا تاخیر باہر پھینکا جائے۔ اب چار گھنٹے کے بعد ہی معلوم ہو سکے گا کہ میرا اندیشہ حقیقی تھا یا محض ..."

"شاید ... نے ... پیدا کیا ہے۔ اس وقت تم ... خواہش ... کرنے ... گئے تھے۔"

"ہم نے اس کے جسم کی تلاشی نہیں لی تھی۔" میں نے ... یہ جانتے ہوئے ... ابوجمال ... کیا۔ "ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز

کے قبضے میں رہ گئی ہوتی جس نے کالی دنیا والے ایک ہولناک کاسا بیمار ہونے والے عجیب حیاتیاتی تجربات کے بارے میں بتایا تھا۔ ان تجربات کی بنیاد یہ تھی کہ کسی طرح ایک وائرس تیار کیے جائیں جو میدان جنگ میں دشمن کے خلاف اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر سکے۔"

"ابوجہال بھانپ گیا ہوگا۔" ہاشم نے کہا۔ "اگر ہم اسے کار میں لے جاتے تو کبھی یہ سوال آتے تو بہتر رہتا۔"

کچھ دیر بعد ابوجہال واپس آگیا اور آتے ہی بولا۔ "میں ایک بات چیت سے قبل ہی بال بال بچا ہوں۔ ورنہ میں نے تو مصر لیے جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔"

"کس بات کا؟" ہاشم نے پوچھتے ہوئے سوال کیا۔

"یہی کہ اسے زندہ تو وہاں چھوڑ کر نہ آتا۔" اس نے پُر یقین لہجے میں کہا۔ "غنیمت یہ ہوا کہ وہ راستے میں خود ہی چل بسا۔"

"کچھ کہہ رہا تھا؟"

"اسے سانس لینا دشوار ہو رہا تھا!"

اندر پہنچ کر ہم دونوں نے جھونپڑے کے فرش کا ٹوٹا ہوا تختہ ہٹائی کے نیچے چھپا دیا۔ میں ابوجہال کی مدد کرنی شروع کی تھی کہ ہاشم نے ایک مناسب مشورہ دیا اور ہم دونوں ایک سرنگ کے ذریعے تہہ خانے میں اتر گئے۔

ہم نے ٹارچوں کی روشنی میں اس سمت کا چپہ چپہ چھان مارا جہاں ہم نے اندیشے سے سالومن کو ڈالا تھا مگر وہاں خون کے دھبوں کے علاوہ کوئی ایسی مشتبہ چیز نظر نہ آسکی جسے سالومن سے موسوم کیا جا سکتا۔

اس کے بعد تہہ خانہ دوبارہ بند کر دیا گیا۔ ابوجہال چائے تیار کرنے میں مصروف ہو گیا اور ہم دونوں باہر ریت پر آ بیٹھے جہاں سورج کی خوشگوار حدت ٹھنڈی صحرائی ہوا میں عجیب لطف دے رہی تھی۔

یہ ہماری خوش نصیبی تھی کہ اپنے شبہات کی تصدیق کے لیے ہمیں وہاں چار گھنٹے برباد نہیں کرنے پڑے۔

پہلا گھنٹہ گزرنے سے قبل ہی وہ ویرانہ ایک ہولناک دھماکے سے لرز اٹھا۔ جس سمت سے ابوجہال کی واپسی ہوئی تھی اور ریت کا ایک زبردست بگولا کافی بلندی تک اٹھتا چلا گیا تھا۔ ہم دونوں حیرت اور خوف کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ دھماکے کی آواز سن کر ابوجہال بھی گھبرا کر باہر آ گیا۔

اس دھماکے نے میرے شبہے کی تصدیق کر دی تھی مگر اس بارے میں مجھے خوشی کے بجائے گہری تشویش لاحق ہو گئی تھی۔

پتہ نہیں وہ سالومن کے بدن کے کسی حصے سے بندھے ہوئے بم کا دھماکا تھا یا کسی حرکت کے نتیجے میں سالومن کی لاش ہی بم کی طرح پھٹی تھی۔

اس دھماکے کا سبب جو بھی رہا ہو مگر یہ بات یقینی تھی کہ اگر سالومن کی لاش تہہ خانے میں پڑی رہتی تو اس ہولناک دھماکے کے نتیجے میں تہہ خانے میں رکھا ہوا بارودی اسلحہ بھی پھٹ پڑتا اور پھر ہم سب ایجنس نمبری کے جھلسے ہوئے جسموں یا چیتھڑوں کی صورت میں دفن ہو کر رہ جاتے۔

"ہم موت سے بال بال بچے ہیں!" ہاشم پھر یہی کہہ کر بولا۔ "مجھے خبری میں ادا ہونے والی ایسی موت بہت عجیب ہوتی ہے!"

"غنیمت ہے کہ بچ گئے!" میں نے قدرت کا شکر ادا کرتے ہوئے گلاب کو گھورتے ہوئے کہا۔ "اس دھماکے نے کسی کو ادھر متوجہ تو نہیں کیا ہوگا!"

"بہت کم امکان ہے!" ابوجہال کی آواز بھی سہمی ہوئی تھی۔ "یہ علاقہ عام گزرگاہ سے بہت دور اور اندر کی طرف واقع ہے!"

"وہاں چل کر دیکھا جائے؟" ہاشم نے رائے پیش کی۔

"اب دیکھنے کو کیا رہ گیا ہوگا؟" میری آواز میں بھی بشاشت مفقود تھی۔ "مجھے ایک جگہ لگا لیتے ہیں!"

ہم دونوں سگریٹ سلگا کر اس طرف چل پڑے۔ ریت میں چلنے کی وجہ سے پیش نظر کافی دیر لگی تھی۔

وہ جگہ بغیر کسی دقت کے نظر آ گئی۔ دھماکے کے باعث وہاں زمین میں کئی فٹ گہرا اور کم و بیش دس فٹ قطر کا ایک گڑھا پیدا ہو گیا تھا جس میں سالومن کے جسم کے کسی حصے کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ اس کے بچے کھچے باقیات شاید صحرا کی ریت نے اپنے سینے میں چھپا لیے تھے!

مجھے سیتا کی زندگی کی فکر لاحق ہو چکی تھی۔ بیپر سالومن جیسے خوفناک حریف سے جینے کے لیے چھٹکارا حاصل ہو چکا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایجنس نمبری کو اس ساری مہم میں ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا تھا مگر اس کے باوجود میرا دل بوجھل تھا اور ہاشم کے چہرے سے بھی کسی خاص مسرت کا اظہار نہیں ہو رہا تھا!

"تم کچھ خاموش ہو!" قاہرہ کی طرف واپسی کے سفر میں میں نے ہاشم کو کریدنے کی نیت سے کہا۔

"نہیں!" اس نے چونک کر کہا۔ "بس کچھ سوچ رہا تھا۔"

"وہی تو میں جاننا چاہتا ہوں!"

"آج میں پریشان ہوں دوست!" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "سالومن سے جو کچھ معلوم ہوا وہ میرے لیے دلی تکلیف کا باعث بنا۔"

"سیتا کی وجہ سے ماری جانے والی لڑکی کے لیے اداس ہو؟"

"سیتا کے لیے تو ایسی کتنی ہی جانیں نثار کی جا سکتی ہیں مگر میری پریشانی کا سبب کچھ اور ہے۔ مجھے اس خطے میں بڑی دور رس تبدیلیوں کا امکان نظر آ رہا ہے جو شاید ہمارے حق میں بہتر ثابت نہیں ہوں گی۔"

"کھل کر بات کرو۔"

"مصر آج تک ہر مرحلے پر جارحیت کا بڑا علمبردار رہا ہے اور اسرائیل کے ازلی دشمنوں میں شمار ہوتا ہے۔ وہ اسرائیل جارحیت کا بھی شکار ہوا ہے اور اس کی سرزمین کا وسیع رقبہ صیہونی ترجیح پسندی کی زد میں آیا ہوا ہے مگر اس کے باوجود اعلیٰ سرکاری سطح پر شہادتیں اور سیتا کے معاملے میں مصر نے اسرائیل سے جو تعاون کیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصری حکومت کے موقف میں جھکاؤ پیدا ہو رہا ہے۔ ہماری ملی کمان اور بیشتر عرب ملکوں کے لیے یہ خبر نہایت اندوہناک اور پریشان کن ثابت ہوگی!"

"ہو سکتا ہے کہ سالومن کو مصری حکومت کے کسی بڑے نے ذاتی مراسم کی بنا پر یہاں طلب کیا ہو۔" میں نے کہا۔

"حساس سیاسی معاملات میں ذاتی مراسم بالائے طاق رکھ دیے جاتے ہیں۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "آج مصری عوام سے پوشیدہ رکھ کر ایک اسرائیلی اہلکار کو اس سرزمین پر کام کرنے کی آزادی دی گئی ہے۔ میں تو کئی برس آگے کی سوچ رہا ہوں۔ شاید مصری فیصلہ کر چکے ہیں کہ اسرائیل سے دوستی کیے بغیر وہ اس خطے میں کبھی نہیں پنپ سکیں گے!"

"یہ باتیں اپنی ملی کمان کے لیے چھوڑ دو......!"

"مجھے عرب باشندوں اور حکام کی تادیب کرنا میرے فرائض منصبی میں شامل ہے جو حشر کر عرب مفاد کو پس پشت ڈال کر اپنی مرضی کی راہ پر چلنے لگیں!" وہ میری بات کاٹ کر بولا۔

"تو کیا تم قاہرہ کے پولیس کمشنر سے بھی ملو گے؟"

"اس خبیث کو تو اغوا کرنا پڑے گا تاکہ اس جنرل کا نام جانتے آئے جس کے بارے میں سالومن جواب دے رہا تھا!"

"اور پھر اس جنرل کو گھیرو گے؟"

"اگر ہدایت ملی تو یہ بھی کرنا پڑے گا!"

ہم دونوں ہوٹل القاہرہ پہنچے تو شام کے چار بجے تھے۔ ہم دونوں خاموشی کے ساتھ اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

مجھ پر پچھلی رات کی بے خوابی کے باعث تکان طاری تھی لہٰذا میں منہ ہاتھ دھو کر بستر پر دراز ہو گیا۔

اور بستر پر دراز ہوتے ہی مجھ پر اپنی اداسی کا سبب منکشف ہو گیا۔

ابھی تک میرے پاس سیتا کا سراغ موجود تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ قاہرہ میں موجود تھی۔ پھر اس کی موت کی خبر آئی اور میں تنہائی کے ہولناک احساس میں گھر گیا۔ سیتا کی حیات نو کی خبر پا کر میں تنہائی کے احساس سے تو نجات پا گیا تھا مگر میرے لیے سیتا ایک بار پھر صحرا کا سراب بن گئی تھی۔ مجھے اس کی نقل و حرکت اور ٹھکانے کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔

ابھی ابھی وہ مدتوں بعد مجھ سے ملنے ملتے رہ گئی تھی ایک بار پھر بچھڑ گئی تھی

اور جب مقدر نے مجھے قاہرہ میں یکجا کیا تو حالات نے سیتا کو میرے سامنے سپر انداز کر دیا۔

قاہرہ میں ملے بغیر سیتا کا مجھ سے یوں بچھڑ جانا مجھے اپنی ذات کے لیے ایک المیہ محسوس ہو رہا تھا!

ایک طویل مدت ہو گئی تھی کہ قانون میرے تعاقب میں تھا اور میں سیتا کے پیچھے لگا ہوا تھا لیکن نہ قانون میرے قدموں میں زنجیر ڈال سکا تھا اور نہ میں سیتا کی مغرور گردن میں اپنی بانہیں ڈال سکا تھا۔

تین گھنٹے کی گہری نیند کے بعد میں بیدار ہوا تو تازہ دم ہو چکا تھا۔

ہاشم کے ذہن پر سالومن والے قضیے کے اثر سے سیاست سوار ہو چکی تھی لہٰذا میں نے ادھر جانے کے بجائے تنہا باہر نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔

گھومتے گھامتے میں قاہرہ کے اس بارونق حصے میں جا نکلا جہاں کئی تھیٹر اور کلب موجود تھے۔

میں آہستہ خرامی سے باہر لگے ہوئے قد آدم پوسٹروں کا جائزہ لیتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک کسی سے ٹکرا گیا۔

ٹکرانے کا احساس تو خیر بعد میں ہوا، چونکا دینے والا احساس حرارت اور گداز لمس کا تھا۔

سر اٹھایا تو کم و بیش اپنی ہم قامت ایک مقامی عورت کو

اپنے سامنے موجود پایا جس نے گلابی اسکرٹ اور بلاؤز پہن رکھا تھا۔ گلے کا لمبا کوٹ پہنا ہوا تھا۔ کوٹ کے کالر میں لگی ہوئی پھولی ہوئی فر میں اس کا سرخ و سفید اور حسین چہرہ ان کے درمیان سجے ہوئے گلاب کے تروتازہ پھول کی طرح دمک رہا تھا۔

"ہلو! نگاہیں چار ہوتے ہی وہ دعوت انگیز مسکان کے ساتھ ترنم ریز آواز میں مجھ سے مخاطب ہوئی۔

اس بے باک انداز پر کہ جو وہ دوشیزہ کو لیوں اچانک مطلعے پانے کے بعد میرا ابتدائی ردعمل لڑکھڑاہٹ کا تھا۔ جس پر میں نے فی الفور قابو پالیا اور دلپذیر مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"ہلو! کہو میں تمہارے کس کام آسکتا ہوں؟"

"اگر کسی بہتر تفریح کی تلاش میں ہو تو میرے پاس سامنے والے کلب کے دو ٹکٹ ہیں دونوں ہر رات جیتے ہو تا ہے کھیلو گے؟"

"تمہاری ناچتی ہو گی؟" میں نے مسکراتے ہوئے بے تکلفی سے کہا۔

"نہیں تو!" اس نے سنبھل کر کہا۔ "یہ کیسے کہہ پا رہے ہو؟"

"تمہارا کمر خاصی لچکیلی ہے!" میں نے اگلا فقرہ چھوڑ دیا۔ حالانکہ میں اچھی طرح واقف تھا کہ مغربی جلسے کے برعکس مشرقی جلسے میں جسمانی کمر کے بعد اگر فوری طور پر جسم مجذوب نہ ہو تو اس کا مقصد ابتدائیہ کے بجائے محض آپ کے سامنے ہی ناچنے پر اکتفا کرنا ہوتا ہے۔

"تم ٹھیک ہو گے؟" اس کے چہرے پر مسکراہٹ برقرار رہی لیکن اس نے اپنی کمر کی تعریف پر کسی مسرت کا اظہار نہیں کیا۔

"دوسرا ٹکٹ کیا کرو گی؟"

"دوسرا کسی اور کو دے دوں گی۔" وہ جھجکتے ہوئے بولی۔ "دراصل میرا ساتھی کسی ضروری کام کی وجہ سے نہ آ سکے گا ورنہ ہم خود ہی یہ پروگرام دیکھتی!"

"تم میرے ساتھ دیکھ لو!" میں نے اسے پیشکش کی۔

"اگر مجبور کرتے ہو تو چلو یہی سہی!" اس نے میرے مجبور کیے بغیر فوری طور پر کہا اور میں نے نہایت نرمی سے اس کی کمر کے گرد ہاتھ ڈال دیا جس پر اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا مجھے اس کی یہ ادا خاصی پسند آئی۔

"لاؤ پیسے دو تو ٹکٹ لے آؤں!" اس نے دھیمی آواز میں کہا اور اس کے گرم گرم سانس میرے چہرے سے ٹکرا رہے تھے۔

"مگر تم نے تو کہا تھا کہ ٹکٹ تمہارے پاس ہیں؟"

"بجلی کی لڑکی میرا دوست ہے وہ ٹکٹ اس نے رکھ لیے ہوں گے میں پانچ منٹ میں ابھی لے آتی ہوں!"

اس کا انداز اس قدر دلربایانہ اور جارحانہ تھا کہ میں نے جیب سے دس پاؤنڈ نکال کر اس کے حوالے کر دیے۔

"تم یہیں ٹھہرو، میں ابھی آئی!" نوٹ لے کر اس نے کہا اور پھرتی سے ایک طرف چل دی۔ میں لاپرواہانہ انداز میں سگریٹ سلگا کر ایک پوسٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اس شوخ پوسٹر کی ساری جزئیات میرے ذہن نشین ہو گئیں پھر میری سگریٹ بھی ختم ہو گئی تو مجھے تشویش لاحق ہوئی کہ وہ لڑکی کہاں غائب ہو گئی؟

میں نے گرد و پیش میں نظریں دوڑائیں لیکن تیتلی کمر والی کا دور دور بھی پتہ نہیں تھا۔ دوسری طرف زیادہ دیر تک اسی جگہ کھڑے رہنے کے باعث میں وہاں لوگوں کی توجہ کا نشانہ بنتا جا رہا تھا۔

ان میں سے بیشتر کم سن یا نوجوان لڑکے تھے اور وہ وقفے وقفے سے میری طرف متوجہ ہو کے بغیر تند آوازے کستے جا رہے تھے۔

میں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ وہ جگہ چھوڑ دوں۔ دس پاؤنڈ کے نوٹ کو بھول جاؤں اور آئندہ حسن کے اچانک بیدار ہونے والے جذبے کی مشق سخت مزاج کروں تاکہ کوئی اور چنچل لڑکی مجھے اتنی آسانی سے احمق نہ بنا سکے۔

میں اپنے حلق میں تلخی محسوس کرتا منزل ہی کی جانب بڑھ رہا تھا کہ اچانک پشت سے ایک نرم و نازک جسم میرے شانے سے مَس ہوا۔ میں چونک کر مڑا تو دیکھا وہی لڑکی نرم شفقت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ موجود تھی۔

"میں سمجھی تم موقع ملتے ہی چلے گئے ہو، وہ تو اتفاقاً میری نظر پڑ گئی ورنہ نکل جاتے!" اس نے نہایت معصومیت سے کہا۔

مجھے دل ہی دل میں خود پر لعنت بھیجی کہ ایسی حسین اور سادہ لوح دوشیزہ کے بارے میں اپنے دل میں شبہات پال رہا تھا حالانکہ وہ ایک ایماندار لڑکی تھی۔ چاہتی تو مجھے جاتا ہوا دیکھ کر خود بھی کھسک جاتی لیکن اس نے بڑھ کر مجھے روکنے کا فیصلہ کیا تھا جو نہایت شائستہ تھا۔

"اتنی دیر کہاں لگا دی؟" میں نے پلٹ کر اس کی پتلی کمر میں دوبارہ اپنا ہاتھ حمائل کر دیا۔ اس بار بھی اس نے بے کار بڑائی لیے ہوئے کوٹ کے اندر سے کوئی سختی کیونکہ پچھلی بار کوٹ کی درمیان میں موجودگی کے باعث کم خاصی بڑی محسوس ہوئی تھی!

وہ خاصی وضعدار لڑکی تھی جب سابق اس بار بھی اس نے میری جسارت پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ خفت آمیز انداز میں بولی۔

"میں سر سمندر گی سے سمجھا جا رہی تھی، میں نے چند جگہ جہاں میرا اکثر نوٹ کھوتا ہے نہیں ملے۔ میرا خیال ہے کہ وہ کوئی جنھیں کرنی ایک بار بہت صفائی سے انھیں اڑا لے گیا!"

وہ شاید مجھے صرف اتنا ہی بتانے آئی تھی مگر میں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ ایک بار اسے رقص دکھانے کی دعوت دینے کے بعد یونہی واپس جانے دوں۔ میرا ہاتھ مشینی انداز میں جیب میں گیا اور مزید دس پاؤنڈ باہر آ گئے۔

ہے۔" وہ میرا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے بولی۔ "ابھی زیادہ میں دوبارہ جیبکٹ نہ ہو تم خود ہی ساتھ چلو کر اس سے ٹکٹ لے لو!"

"کوئی بات نہیں یہ تیسری بار کوشش کر لیں گے!" میں نے خوشدلی سے کہا پھر نوٹ دکھائی سے نوٹ اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔ "جو کچھ ہوا ہوں وہ کہ وہ جاؤ اور جلدی سے دونوں ٹکٹ لے آؤ!"

مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے فوری طور پر میری بات مان لی اور نوٹ لے کر تیز تیز قدموں سے واپس چلی گئی۔

اس بار میں کہ اس کا ایک کوئی دلکش پوسٹر نہیں تھا لہٰذا میں پہلے کی طرح اسی کو دیکھنے لگا۔

وہ مجھ سے الگ ہو کر تھوڑی ہی دور گئی تھی کہ کسی جانب سے ایک نوجوان اس کی طرف لپکا اور وہ دونوں ساتھ ساتھ... چلنے لگے۔

چلتے چلتے لڑکی نے اپنا سر پیچھے گھمایا اور پھر مجھ پر ہی لے یہ احساس ہو گیا میں اسی طرف دیکھ رہا تھا تو یک بیک اس کی رفتار تیز ہو گئی!

برقی اشتہاروں کی روشنی میں میں نے لڑکی کے چہرے پر واضح طور پر سراسیمگی کے آثار نمودار ہوتے دیکھے تھے۔

میں تیزی سے واپس پلٹا مگر جب تک میں وہاں پہنچا تب تک لڑکی اپنے نوجوان ساتھی سمیت کہیں غائب ہو چکی تھی۔

اس وقت مجھے اپنی حماقت پر غصہ تو آیا۔ میں ایک ہی طرح سے دو بار لٹ گیا تھا اور سارا قصور اس نسوانی لمس کا تھا جو پہلی بار میں نے اس کے کوٹ پر سے اور دوسری بار اس کی اسکرٹ پر سے اپنے بائیں ہاتھ پر محسوس کیا تھا۔

میرے ذہن میں جھنجھلاہٹ طاری ہونے لگی۔

میں اپنی دانست میں ایک پختہ کار اور گھاگ مرد تھا میرے لیے کسی عورت کے غرور اور بالواسطہ لمس سے اس قدر متاثر ہو جانے کا صرف ایک ہی مطلب تھا کہ اس وقت میرے ذہن کے کسی گوشے میں کوئی مریم سرابھار رہی تھی۔

آگے بڑھتے ہوئے میری نگاہ ایک فون بوتھ پر پڑی اور میں اندر جا گھسا۔

مریم کے سٹیا ہوڈ پاکنگ ہوسٹل کا نمبر مجھے یاد تھا اور میرا خیال تھا کہ اس وقت وہ لنچ میں مصروف ہو گی لہٰذا میں نے سکہ ڈال کر اس کا نمبر ڈائل کر ڈالا۔

سلسلہ ملنے پر میرے کانوں میں ایک نامانوس سی کرخت آواز آئی جو مریم کے دوست کی ہرگز نہیں تھی کیونکہ اس کی آواز میں



ایک بار فون پر سن چکا تھا۔

"مس مریم؟" میں نے استفسار کیا۔

"تم کون ہو؟" آواز سرد اور گمبھیر تھی۔

"مس کا ایک دوست!"

"پھر تم فوراً یہاں آجاؤ۔"

"ہماری ملاقاتیں باہر ہی ہوتی رہی ہیں۔" میں روانی میں کہہ گیا۔

"تو شاید وہ تمہاری ہی وجہ سے ماری گئی ہے!"

"ماری گئی ہے؟" میں نے حیرت سے دہرایا۔

"میں تفتیشی پولیس انسپکٹر بول رہا ہوں، پڑوسیوں نے فائر کی آواز سن کر تھانے فون کیا تھا۔ اگر تم مریم سے ذرا بھی لگاؤ رکھتے تھے تو تمہارا فرض ہے کہ یہاں آکر قانون کی مدد کرنے کی کوشش کرو۔"

میں نے مزید کچھ سنے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

میرے لیے وہ دن کچھ ناسازگار ہی تھا۔

لبنیٰ کی زندگی کی خبر ایسی تھی جو سلاخوں کے پیچھے تک پہنچا دیتی اور دیگر معاملات میں مقصد بالکل ہی بادری جنبش کر رہا تھا۔

مریم کے قتل کی خبر ملنے کے بعد میرا اٹھا ہوا جانا خطرناک تھا۔ پولیس کی تفتیش کے نتیجے میں وہ ٹھکانا بھی جلد ہی مشکوک ہو سکتا تھا لہٰذا میں نے بوجھ اپنے ہی رکھی ہوئی ڈائریکٹری کی ورق گردانی کر کے القاہرہ کا نمبر ملایا اور ایک بار پھر سے ہاشم کے کمرے کا نمبر مانگا مگر چند ثانیوں بعد مجھے بتایا کہ کمرے سے کوئی جواب نہیں مل رہا ہے۔

مسلسل کے ساتھ پیش آنے والی ان گنتی ناکامیوں نے میری طبیعت خاصی مکدر کر دی!

دلی کے تلخ تجربے کے بعد میں نے قاہرہ کے بارے میں خاصی تلخ رائے قائم کر لی تھی۔ وہ ٹھگوں کا شہر تھا اور مجھ جیسے شخص کے لیے بھاری مالی نقصان سے دوچار ہوئے بغیر مقامی تفریحات کی خریداری ناممکن تھی!

میرے لیے بے مقصد شہر میں بھٹکتے پھرنا بھی ناممکن تھا۔ ہاشم ہوٹل کے کمرے سے غائب تھا، عبدالکمال کی دنیا نگاہ کے بھید ابھی میرے ذہن میں محفوظ نہیں ہوئے تھے اور مریم قتل کی جا چکی تھی۔

یہ غنیمت ہی ہوا کہ میں نے ہوٹل کا رخ کرنے سے پیشتر مریم کے دوسرے ٹھکانے پر فون کر لیا ورنہ میں کسی بھی وقت ایک نئی مصیبت سے دوچار ہو سکتا تھا۔

فون پر تفتیشی افسر نے جو کچھ کہا اس سے تو یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا تھا کہ اس کے نام نہاد عاشق کراس پر بے وفائی کا شبہ ہو گیا تھا اور پھر لبنیٰ کی خبر کسی نہ کسی طرح جس کی تفتیش میں کچھ مواد جمع کرنے کے بعد اس نے اشتعال کے عالم میں مریم جیسی حسین اور طرحدار لڑکی کو ہلاک کر ڈالا۔

سیکیورٹی نے ذاتی طور پر اب قاہرہ میں رکنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہا تھا۔ میں خالی ہاتھ بے مقصد بھٹکتے ہوئے اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنے لگا۔

ہاشم کے لیے قاہرہ میں یکبارگی کام بڑھ گیا تھا۔ اسے مصری حکومت میں پہلے ہونے والے اسرائیل پرستانہ رجحان کی بنیادیں تلاش کرنی تھیں اور اس بارے میں قاہرہ کے پولیس کمشنر کا نام اس کے سامنے موجود تھا جس پر تنقید کرکے شاید اس جنرل کا سراغ حاصل کیا جا سکتا تھا جو مصر میں سازش کی سرگرمیوں کا ذمہ دار تھا اور شاید اس کے لیے بے مصر میں رہنا پڑ جاتا۔

اپنی ذاتی مصروفیات کے باعث ہاشم زیادہ وقت نہیں دے سکتا تھا البتہ یہ امکان ضرور تھا کہ وہ اپنے ساتھ مجھے بھی الجھا لے اور میں ایک مرتبہ اس نئے چکر میں ملوث ہونے کے بعد اخلاقی طور پر اس وقت تک ہاشم کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا تھا جب تک اس کے کام میں بہتری کے کچھ آثار پیدا نہ ہو جاتے!

اور پھر سیتا بھی ابھی تک مجھ پر یہ ثابت نہیں کر سکی تھی کہ وہ مصر کے خفیہ حلقوں میں سرگرم عمل ہے اور مصری حکام کے ناکام تجربے میں آنے کے بعد بھی مصری سرحدوں میں ہی خطرناک کھیل رہی ہے۔

میری دانست میں رجب کے باغ والے معاملے کے بعد اسے ایک لمحے کے لیے بھی مصر میں رکنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیے تھا۔

قاہرہ میں میری دلچسپی کا مرکز اب صرف رجب کی ذات تھی۔ وہی رہا ہونے کے بعد یہ بتا سکتا تھا کہ سیتا قاہرہ سے کہاں گئی تھی اور باغ میں سالارن کے ہاتھوں مرنے والی لڑکی کا سیتا سے کیا تعلق تھا اور وہ کس طرح سے ہی سیتا کا روپ دھار کر باغ میں رہ رہی تھی اور خطرہ بھانپنے کے بعد اس نے سیتا کی جگہ لی تھی۔

کافی دیر بعد ایک دوسرے ٹیلیفون سے میں نے القاہرہ فون کیا تو اس بار ہاشم سے بات کرنے میں کامیابی حاصل ہو گئی۔

"تم کہاں غائب ہو؟" اس نے میری آواز پہچانتے ہی سوال داغ دیا۔

"میں ہوٹل الملک لیلیٰ کے نزدیک والے بوتھ سے بول رہا ہوں۔ کیا تم فوری طور پر یہاں پہنچ سکتے ہو؟" میں نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"میں فوراً آرہا ہوں۔" وہ موقع کی نزاکت بھانپ گیا اور کچھ کہے بغیر اس نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

شاید میں اس وقت القاہرہ سے زیادہ دور نہیں تھا کیونکہ ہاشم بمشکل دس ہی منٹ میں وہاں آ پہنچا۔

"خیریت تو ہے؟ کہاں بھاگتے پھر رہے ہو؟" میرے بیٹھنے کے بعد اس نے کار آگے بڑھاتے ہوئے سوال کیا۔

"مریم قتل کر دی گئی!" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "پولیس

جلد یا بدیر القاہرہ تک بھی پہنچ ہی جائے گی، میں ایک مرتبہ پھر سے گھر کے گیا ہوں!"

"کسی کی فکر نہ کرو....!"

"فکر کیسے نہ کروں؟" میں نے کہا۔ "مصطفیٰ شناختی کاغذات مصطفیٰ المرزوقی کے نام سے ہیں اور مریم بھی اسی نام سے واقف تھی ہو سکتا ہے کہ اس کی کسی تحریر یا یادداشت سے پولیس کو یہ نام معلوم ہو جائے؟"

"تمہارے نئے کاغذات تیار ہو جائیں گے۔" اس نے ہنس کر کہا۔ "نئی شناخت کے کاغذ بنانا بہت آسان ہے۔ اس کو فوری طور پر شیخ کے ایک لڑکا کے سامنے دیکھنے ہیں۔ وہ تنظیم سے باہر کا آدمی ہے مگر بہت زیادہ قابل اعتماد ہے!"

"جب اسے میری اصل شخصیت کا علم ہی نہ ہو گا تو اعتماد کی زیادہ اہمیت نہیں رہتی، بس مجھے اپنے مکالمے سنا سنا کر بور نہ کرے!"

"بہت خوش باش اور مجلسی آدمی ہے!"

"پہلی کمر بھی ایسی ہی لگتی تھی!" میں نے ٹھنڈا سانس لے کر بے اختیار کہا۔

"پہلی کمر؟" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "کیا یہی مریم کا کوئی نام تھا؟ اور دل تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ وہ کیسے ماری گئی؟"

میں پہلی کمر کا تذکرہ گول کر گیا۔ ہاشم کو وہ قصہ سنا کر میں خود کو مذاق بنانا نہیں چاہتا تھا لہٰذا اسے مریم کے قتل کی تفصیلات میں الجھا لیا۔

میں خاموش ہونے کے چند ثانیوں بعد اس نے سکوت توڑا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ پولیس کمشنر پر کیسے ہاتھ ڈالوں، مجھے یہ کام بہت دشوار لگ رہا ہے!"

"ایک اہم سرکاری افسر کا معاملہ ہے، سوچ سمجھ کر ہی قدم اٹھانا ہوگا۔" میں نے ہم زبان لہجے میں کہا۔

"میری تو عقل کام نہیں کر رہی!" وہ بڑبڑا کر رہ گیا۔ "ہر وقت وہ سینئر افسران اس کے ساتھ لگے رہتے ہیں، جب تک یک وقت غیر اس پر ہاتھ نہ ڈالا جائے ہمارا راز فاش ہونے کا خطرہ سر پر منڈلاتا رہے گا!"

"میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے اگر کوئی قابل اعتماد عورت مل سکے تو یہ کارروائی اسی وقت کی جا سکتی ہے!"

"کیا ترکیب ہے؟" وہ متجسس لہجے میں بولا۔

"عورت بدلنے والا آدمی نے زور دے کر کہا: عورت کے بغیر یہ منصوبہ کامیاب ہونا ناممکن ہے!"

"وہ منصوبہ بعد میں جاننا چاہوں گا، دوسری چیز سننے کے بعد پولیس کمشنر کا حساب ڈرائنگ کا رجحان بھی کیا ہو سکتا ہے؟"

"رقص کون؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"وہی شعبہ جس کا ادارہ وہ پولیس کی مدد سے اسی کے ساتھ مشغول آتی ہے۔ پھر وہ جھنجھلا کر بولا: مگر تم رقص کو کیوں نہیں جانتے!"

"وہ لڑکی مظلوم انداز میں حیلہ آوازیں کوشش کر رہی ہے، کسی کو آخر وقت میں بلاتے ہیں....!"

"اور شاید خیال ہے کہ ایک مظلوم اور رقص آوارگی کر رہے اگر کوئی ہاتھ لگ جائے دولت کا پتہ چلا۔" میری اپنی ہنسی پیٹ سے نکل جاتی پڑی۔

میری ہنسی چھوٹ گئی۔ پہلے ہی ہنسی ہر شخص کی نظریں رقص کو جاتے بار بار پوسٹ جنرل کو جواب بنتا، بحث ہاشم نے کہا کہ پولیس کمشنر کے ذریعے کسی کو دیکھا اس کا مطلب ہے کہ پولیس کمشنر بھی سالارن سے متعارف ہے۔ ہم بات کا امکان ہے کہ رقص کے ایک شعبے ایجنٹ ہوں جو ایک ایسے عہدے پر فائز ہو اور لڑکی کی چال میں بھی ایک مخصوص جگہ موجود ہو۔ وہ قاہرہ کے پولیس کمشنر کے لیے بھیجی جا سکی ہو گا۔ وہ لڑکی پولیس کمشنر سے بھی کسی کو سالارن کا کسی منظم شعبے کی حالت میں بچا ہے اور اسے ملتی اور پہنچانے کے لیے ہماری بہت سی معلوماتی مدد کی ضرورت ہے، مثلاً وہ کون کون سے ٹھکانے ہیں جہاں اسے ظاہر کرنے کی خوشی ہے۔ تو ضرور ہے کہ وہ اس کی عادت سے واقف ہے۔ وہ اشتہا کرنے کی کہ وہ نام اور فون نمبر اسے قریب اگر کسی سالارن سے واقف ہے۔"

"اور اگر اس نے حادثے کے سبب کرنے سے انکار کر دیا؟"

"ایسے موقع پر گمنام اور مشکل طرح جانا ہی بہت بہتر ہے، کا مطلب یہ ہے کہ وہ لڑکی خود کو سالارن کی دوست بنانے کی اور ہم حادثات کی تمام کوشش نا کام ہو گا!" میں نے اختصار سے کہا۔

"اور اگر مشکوک آواز میں کر دی گئی!"

"وہیں کا مجبور کی آواز اس کی شہادت زندہ ہو گی۔"

"میں مذاق نہیں کر رہا۔" سنجیدگی سے غور کرو، اپنے مجرم کا کھوج کر لیا تو تمام اخبارات کی حد تک تو ٹھیک ہے۔ ہلاک کر چکے ہیں، مگر پولیس کمشنر ضرور حقیقت سے آگاہ ہوگا۔ وہ یہ بھی سوچ سکتا ہے کہ سیتا کسی طرح سالارن کی جھنجھلاہٹ ملی ہے اور وہ سالارن کے نام کی آزمائش سے گھبرانے کی کوشش کر رہی ہے۔"

"تم یہ بات دور کی سوچی ہے۔" میں نے خوشی سے لہجے میں کہا۔ "لیکن کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے، ہم مقررہ مقام پر چھپے رہنے کے بجائے ادھر ادھر سے راستے پر کسی شخص سے نظر رکھیں گے۔ اگر وہ تنہا آیا تو اس سے رابطہ کریں گے، ورنہ وہ سرچ کر کے واپس لوٹ جائے گا۔ بس ہمیں ایسے محفوظ مقام کا انتخاب کرنا ہو گا جہاں تک پہنچنے کے لیے پولیس کمشنر کو ایک ہی راستہ ہو!"

"مسئلہ تو صرف اس بات پر ہے کہ پولیس کمشنر کے تعلقات سالارن کے تحفظ کے سلسلے میں کتنی رقم وابستہ ہے۔" ہاشم نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ سالارن کے زخمی ہونے کی خبر اسے چکر میں ڈال دے اور وہ اپنی جگہ بدلنے کے لیے جانے ہوئی جگہ کی طرف دوڑ پڑے۔ بس صورت میں اسے زیادہ پوچھ گچھ کی کوشش نہیں رہے گا۔"

یہ سب محض اس لیے ضروری ہے تاکہ تم اسے زندہ پکڑ کر جیل تک پہنچا سکو ورنہ ہلاک کر ڈالنا اسے تو بہت آسان تھا!

"پھر شاید رفیق کے گھر ہی چلے جا رہے ہیں۔" اس نے مزید طلب لہجے میں کہا۔

"یہ تمہارے سمجھنے کی بات ہے!"

وہ چھوٹے چھوٹے مکانات پر مشتمل متوسط طبقے کی بستی تھی جہاں پہنچ کر سفر کا اختتام ہوا، کار سڑک کے کنارے رکی اور ہم دونوں ایک دروازے پر جا رکے۔

ہاشم نے دروازہ آہستہ سے کھٹکھٹایا اور چند لمحوں بعد دروازہ کھول دیا گیا۔

"ارے ہاشم بھائی! تم؟" دروازے کی اوٹ سے [illegible] ایک مسرت آمیز نسوانی آواز ابھری اور پھر دروازے کے پٹ کھل گئے۔

اس عورت [illegible] پر نظر پڑتے ہی میری نظر [illegible] سے الجھ گئی!

پھر اس کی نگاہ جیسے ہی ہاشم سے گزر کر میرے چہرے پر پڑی تو وہ مبہوت سی رہ گئی۔ اس کا دہانہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا اور پھٹی ہوئی آنکھیں پریشانی سے جھپکنے لگیں!

"کیا تم دونوں ایک دوسرے کے شناسا ہو؟" ہاشم نے الجھے ہوئے انداز میں ہم دونوں کے چہروں پر نگاہیں دوڑاتے ہوئے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

اس وقت ہاشم گردن گھما کر میرا چہرہ دیکھ رہا تھا اور میری نگاہیں [illegible] کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں جہاں زلزلے کے آثار نمایاں تھے!

اس کا [illegible] کے لیے وہ [illegible] تھی [illegible] میری زبان سے اپنے کردار کا انکشاف سننے کا خطرہ تھا اور اگر [illegible] کے پیچھے اس کے [illegible] الفاظ تھے اور نہ موضوع۔ اس نے ہاشم کی توجہ میری طرف سے ہٹانے [illegible] انتہائی بے بسی سے اپنے دونوں کانوں کو چھو کر ہاتھ جوڑ لیے اور گردن بہت تیزی کے ساتھ نفی کے انداز میں ہلنے لگی۔ گویا وہ بے زبان خاموشی کی زبان میں کہہ رہی ہو کہ خدا کے لیے اپنی زبان بند رکھو۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کروں گی۔

"ہاں ہاشم! ایک تو وہ [illegible] ایک دوسرے سے ملے تھے!" میں نے مسکرا کر ہاشم سے کہا اور [illegible] کے چہرے پر گہرے سکون کی لہر دوڑ گئی۔ "معمولی شناسائی ہے لیکن تفصیلی تعارف کی نوبت نہیں آ سکی۔"

"اندر نہیں بلاؤ گی؟" ہاشم نے پلٹ کر کہا۔ "رفیق کہاں ہے؟"

"آ جاؤ، آ جاؤ، وہ اندر ہی ہے!"

سیدھا رہے، ہاشم مختصر سے صحن میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔ رفیق کی [illegible] ہے۔ [illegible] نے اسے کافی عرصے کے بعد دیکھا ہے مگر اب بھی پہلے جیسی ہے۔

[illegible] اور [illegible] کو ایک مختصر سے کمرے سے باہر آ گیا۔ [illegible] تھا۔ مجھے شبہ سا ہوا کہ وہ شخص تھا جو اس لڑکی کے ساتھ مجھے تماشائیوں کی بھیڑ میں آخری بار نظر آیا تھا۔

اس کے چہرے پر مجھے اپنے لیے شناسائی کے کوئی آثار نظر آئے۔

دروازے میں کھڑی اور [illegible] ہاشم سے [illegible] جیسے بدحواس ہو رہا ہو۔ پھر وہ ہمیں اندر لے گیا۔

عابدہ اس وقت تک جا بیٹھی جب تک [illegible] سے پوری طرح اطمینان نہیں ہو گیا۔

میرے لیے یہ بات حیرت ناک تھی کہ رفیق جیسا خوددار اور [illegible] آنکھوں والا شخص اپنی محبوبہ کے خفیہ سیاہ حرکات کی [illegible] تھا۔ شاید وہ ہاشم کی ان حرکات کا علم نہیں تھا ورنہ اس کے لیے [illegible] کے لیے خلوص اور احترام نہ ہوتا کیونکہ ہاشم بنیادی طور پر ایک اصول پرست انسان تھا۔

کچھ دیر بعد ہی ماحول بھی خوشگوار ہو گیا۔

قاہرہ کی تفریح گاہوں میں [illegible] نسوانی آزادی کی سرمستی [illegible] مرد اور اداکاروں کے لیے [illegible] کے مواقع [illegible] جس کے پیچھے رفیق [illegible] تھا اور وہ [illegible] عابدہ کو وہ ملازمت کرنا ہی نہیں چاہتا تھا [illegible] نوکری سے گزر بسر ہو رہی تھی۔

گھر [illegible] دیکھ رہا تھا اس مختصر سے گھر میں تنگی ترشی کی ایسی [illegible] بھی موجود تھی جو ان دونوں کی لوٹ مار کو جواز مہیا کرتی تھی!

[illegible] انسانی معاشرے کا ایک افسوس ناک پہلو تھا۔ وہ مشغول ہیں [illegible] لوگ اپنے چہروں پر دوہرے چہرے سجانے کے عادی ہوتے جا رہے تھے۔ پہلا چہرہ ایک امن پسند اور صلح جو کا ہے جو اذیت پہنچنے پر بھی [illegible] کر رہ جاتا ہے اور دوسرا چہرہ کسی خونخوار بھیڑیے کا تھا جو کسی بھیڑ [illegible] [illegible] کا حق دینے کو تیار نہیں ہوتا۔

ہاشم کے لیے وہ دونوں معزز اور شریف تھے مگر میری نگاہ میں وہ دونوں بے آبرو ہو چکے تھے۔

پھر اچانک ہاشم کو عابدہ سے بات کرتے ہوئے [illegible] لوگوں کے باہمی مراسم کو دیکھتے ہوئے اب کسی قسم کی جرأت نہ کر سکا۔

"مجھے عابدہ سے ایک کام ہے!" ہاشم نے کہا اور وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ورنہ اس کی نگاہیں مسلسل میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"میں کسی بھی خدمت کے لیے تیار ہوں!" وہ خوش ہو کر بولی۔

"تمہیں میرے دوست کے ساتھ جانا ہوگا۔ [illegible] ایک فون کرنا ہے [illegible] کام کا معقول معاوضہ دیا جائے گا!" ہاشم نے کہا پھر کاغذ کے ایک پرزے پر ایک فون نمبر لکھ کر میری جانب بڑھا دیا۔ "اسے دلّی پہنچنے کے لیے کہنا ہے!"

"معاوضے کی بات کر کے تم نے میرا دل دکھایا ہے ہاشم!" وہ [illegible] افسردہ لہجے میں بولی۔ "ہم دونوں کو تمہاری خدمت کے لیے تیار پاؤ گے۔"

"عابدہ کو قربانی پر ادا کاری کرنی ہے جس سے مجھے کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔" ہاشم نے کہا۔ "وہ لوگ تمہارا [illegible] اسے معاوضہ دینے پر اچھا نہ لگے تو میں [illegible] کرنے کی کوشش کروں گا۔ یہ میری طرف سے ہو گی!"

"ٹھیک ہے۔" رفیق نے مسکرا کر رضامندی کا اظہار کیا۔

"ہو سکتا ہے نہیں۔" ہاشم نے مزید کہا۔ "آج سے میرا یہ دوست چند روز کے لیے تمہارے پاس ہے گا لیکن تم خورد و نوش کے تمام اخراجات ادا کرنے کا کیونکہ میں تمہارے مالی حالات سے واقف ہوں البتہ تنخواہ شاید یہ بتا ہے جیب خرچ بھی تم ہی سے وصول کر لے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" احتجاج کے بعد وہ ہاشم کا دوسرا مشورہ بھی مان گئے۔

ہاشم نے اپنی کار کی چابی مجھے تھما دی اور میں عابدہ کے پیچھے چلتا ہوا باہر آ گیا۔ کار والا سیاہ مخمل کوٹ بھی [illegible] لیا تھا اور اب وہ میرے لیے مکمل طور پر وہی ٹھگ لڑکی بن چکی تھی۔

"کہاں لے جاؤ گے مجھے؟" کار میں بیٹھ کر عابدہ نے تنزل آمیز لہجے میں پہلی بار زبان کھولی۔

"فون بوتھ!" یہ کہہ کر میں اسے فون پر کی جانے والی گفتگو کے بارے میں تفصیلات سمجھانے لگا۔ اس دوران میں نے کار آگے بڑھا لی تھی۔

ہاشم کے دوست سے عابدہ کا تعلق ثابت ہو جانے کے بعد میں نے اپنا رویہ تھوڑا نرم کر لیا تھا تاکہ میری وجہ سے ہاشم کو کسی قسم کی ندامت نہ ہو۔

"سیدھے بیٹھے ہو؟" عابدہ نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور پھر اس کا ہاتھ وہیں جم کر رہ گیا۔

گفتگو سے متعلق تفصیلات سمجھا کر میں خاموش ہو گیا پھر چوڑی کار قدرے تاریک سڑک پر بڑھ گئی۔ عابدہ اچانک مجھ پر جھک آئی۔

"سیدھی بیٹھو، حادثہ ہو جائے گا۔" میں نے بوکھلا کر کہا۔

"تم بہت اچھے انسان ہو۔" وہ احسان مندانہ لہجے میں بولی۔ "تم نے ہاشم کے سامنے اپنی زبان بند رکھ کر مجھے اور رفیق کو بہت بڑی ندامت سے بچا لیا ہے۔"

"اس حرکت کا مقصد کیا ہے؟"

"گزر اوقات کے لیے ہمیں کچھ کرنا پڑ رہا ہے۔ تم جان ہی گئے ہو تو بھی بتا دوں کہ تم سے بھی پانچ سو وصول کرنا چاہا ہو تو میں اپنا جسم پیش کر کے خوشی محسوس کروں گی!"

"تم خوبصورت عورت ہو۔" میں نے بائیں ہاتھ سے اپنی کھوپڑی سہلاتے ہوئے کہا۔ "پہلی ملاقات میں ہی میں نے تمہارا نام اپنی فہرست پر لکھ لیا تھا۔"

"کیا واقعی؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"دوسری بار تمہیں دس پاؤنڈ طلب کرتے دیکھا تو تم اچھے لگ رہے تھے۔"

"[illegible] دنیا کتنی مختصر سی ہے۔" وہ کھلکھلاتی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میرا آج کا شکار کچھ دیر بعد میرے [illegible] کے ایک پرانے دوست کے ساتھ ہمارے گھر پر موجود ہوگا!"

"مگر تم میرا کوئی اخلاقی دباؤ محسوس نہیں کرتی۔" میں نے قدرے سخت آواز میں کہا۔ "میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ تم رفیق کے ساتھ مل کر دھوکا دو۔"

[illegible] نے آہستہ میں ہنس کر کہا۔ "دھوکا!" پھر قدرے توقف کے بعد بولی۔

"ہم دونوں طویل عرصے سے محض اس لیے ساتھ ہیں جیسے آئے ہیں کہ ہم نے ہر قیمت پر ایک دوسرے کی ضروریات پوری کرنے کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔ ہم ایک دوسرے کی کسی آزادی میں مداخلت نہیں کرتے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ برے وقت میں ہم آخر کار ایک دوسرے ہی کو تلاش کریں گے اور تم جانتے ہی ہو گے کہ برے وقت سے زیادہ برا وقت انسان کی زندگی میں کبھی نہیں آتا!"

"تمہارا تعلق بڑا عجیب اور ناقابل فہم سا ہے۔"

وہ ہنس پڑی۔ "تمہیں شاید یہ جان کر حیرت ہو کہ ہم میں رشک اور حسد کا مادہ بالکل نہیں ہے۔ اگر وہ میرے ساتھ گھر میں کسی اجنبی مرد کو دیکھ لیتا ہے تو ضروری کام کا عذر کر کے ساری رات کے لیے غائب ہو جاتا ہے اور جب وہ اپنی کوئی ہم پسند لڑکی لے آتا ہے تو میں ساری رات کسی سرکاری پارک کے بنچ پر سو کر گزار دیتی ہوں!"

"بڑی بے مقصد زندگی گزار رہے ہو تم لوگ!"

"اس میں آسودگی ہے۔" وہ بولی۔ "اگر تم چند روز ہمارے ساتھ رہے تو دیکھنا کہ وہ شادو اور بھی ادھر کا رخ کرے گا!"

"کیوں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"میں تمہیں پسند کرنے لگی ہوں۔" اندھیرے میں اس کی خواب ناک آواز ابھری۔ "اور رفیق میں بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ میری نگاہوں کو پہچانتا ہے!"

"مسوا اخلاق باختہ مغربی معاشرے کی خوب فرمائش ہے تمہاری زبان سے ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں!"

"جو آج مغرب میں ہو رہا ہے وہ صدیوں پہلے ہماری سرزمین پر ہو رہا ہے!" اس کے وجود میں [illegible] ہوئی زہریلی ہنسی [illegible] اور اس نے میرے زانو سے سر اٹھایا۔ "قلوپطرہ اس سرزمین کی بیٹی تھی!"

"مگر تم یہ ویران راستے پر پہلے جا رہے ہو؟" میں نے ایک گفتگو [illegible] کرتے ہوئے کہا کیونکہ اس کی گفتگو جذباتی اور اخلاقی اشتعال کی طرف مائل تھی جس سے گریز کرنا ضروری تھا۔ "ہم ایک اہم فون کرنے نکلے تھے!"

"آگے سے داہنی طرف گھما لینا!"

فون بوتھ تک پہنچنے میں خاصا وقت صرف ہوا پھر میں بھی عابدہ کے ساتھ ہی بوتھ میں داخل ہو گیا۔ نمبر ڈائل کرنے پر دوسری طرف سے قاہرہ فوراً ہی فون اٹھا لیا گیا تھا۔

عابدہ نے اپنا کردار اس خوبی سے نبھایا تھا کہ دوسری جانب سے زیادہ سوالات کی نوبت ہی نہ آ سکی اور اس نے دلّی ابھری کا نام سنتے ہی سلسلہ منقطع کر دیا۔

آس پاس سناٹا تھا اور بوتھ میں شیشے صرف دروازے کے رخ پر تھا۔ عابدہ ریسیور ہک سے لٹکا کر مجھ سے لپٹ گئی۔ غیر ارادی طور پر میرے ہاتھ اس کے جسم کے طواف کرنے لگے مگر میں فوراً ہی سنبھل گیا اور دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔

"معقول ہے۔" عابدہ نے بڑے مزہ لہجے میں کہا۔ "اب ہم کیا کریں گے؟"

"جلدی چلو، انہیں چھوڑ کر ہاشم کو ساتھ لینا ہے۔"
سپاہی عابد نہ جانے کہاں اور کدھر گئے ہیں۔ اس کے تیور خطرناک تھے۔
"یہ معاملہ ہاشم نے نمٹا لیا ہوگا۔" میں نے اطمینان بخش لہجے میں کہا اور کار میں گھس گیا۔
گلی نمبر [illegible] تک پہنچنے میں جتنا وقت صرف ہوا تھا اس کے پچھلے حصے میں ہم تھوڑا واپس پہنچ گئے۔
"کیا رہا؟ کہاں دیر کر دی؟" ہمیں دیکھتے ہی ہاشم نے اضطراری طور پر سوال کیا۔
"وہ آ رہا ہے۔ ہاتھوں میں کوئی تھیلا ہوا تھا، نمبر سے بھاگے۔" عابد نے [illegible] ہاشم کے دونوں سوالوں کے جواب دیے۔
"دیکھا! میں نہ کہتا تھا۔" رفیق نے تحسین طلب لہجے میں ہاشم سے کہا۔ "جہاں پبلک ہو، وہاں گھسنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ باہر بھی کوئی منتظر ہوگا۔"
وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ اگر میں عابد کو زبردستی ہاتھ سے باہر نہ لاتا تو وہ خاصا وقت وہیں گزارنے پر آمادہ نظر آ رہی تھی۔
"چلو۔" ہاشم ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔
ہم دونوں وہاں سے عجلت میں روانہ ہوئے اور چند منٹ کی مسافت کے بعد ہاشم نے اپنی کار شاہراہ سے ملنے والی ایک بغلی گلی کے دہانے پر روک دی۔
"شہر سے وادی البحر جانے والی یہ واحد شاہراہ ہے۔" اس نے مجھے باخبر کیا۔ "اور وادی البحر یہاں سے کم از کم چھ میل دور ہے۔"
"مگر یہاں روشنی ناکافی ہے۔" میں نے کہا۔ "تم اسے کیسے پہچانو گے؟"
"وہ اکیلا آیا تو سیاہ مرسڈیز میں ہوگا اور محافظوں کو ساتھ لیا تو سیاہ جیپ [illegible] سرکاری [illegible] ہوگی۔" اس نے اپنا وقت برباد نہیں کیا تھا بلکہ پولیس کمشنر کے معمولات کے بارے میں خاصی تفصیلات جمع کر لی تھیں۔
وہاں سنسنی اور اعصابی تناؤ کے عالم میں ہم خاموشی سے انتظار کرتے رہے۔ اس دوران میں ہم نے پہلی سگریٹ ختم کر کے دوسری سگریٹ بھی سلگا لی۔ انتظار کے معاملے میں ہم دونوں کا اعصابی ردعمل کم و بیش یکساں ہی تھا۔
دوسری سگریٹ کے خاتمے سے قبل شہر کی سمت سے آنے والی اِکا دُکا گاڑیوں میں تقریباً چھ کے بعد ہیڈ لیمپس روشن نظر آئے جن کا درمیانی فاصلہ اور لیمپ کی سڑک سے بلندی کسی بڑی کار کی آمد کا اعلان کر رہی تھی۔
ہاشم نے اپنی کار کا انجن اسٹارٹ کر لیا۔ وہ روشن ہیڈ لیمپس سامنے سے گزرے تو معلوم ہوا کہ وہ سیاہ مرسڈیز ہی تھی اور اس میں صرف ایک انسانی ہیولا نظر آ رہا تھا جو اسٹیئرنگ وہیل کے پیچھے براجمان تھا۔
اس کے آگے بڑھتے ہی ہاشم نے اپنی کار بھی سڑک پر ڈال دی۔
"کیا کوئی اسلحہ ہے تمہارے پاس؟" اس نے مجھ سے سوال کیا۔
"صرف زہریلے تیروں والی زیرِ استعمال خنجر سی ہے!"
"اپنی نشست کے نیچے ہاتھ ڈال کر اعشاریہ تین آٹھ کا پستول نکال لو۔ وہ اکیلا ہے، ہم کہیں بھی اسے روک لیں گے۔"
"وادی البحر کیسی جگہ ہے؟" میں نے سوال کیا۔
"ویران جگہ ہے مگر وہاں اکا دکا رہائشی مکانات بنے ہوئے ہیں۔"
"تو کیا راستے میں اس سے بہتر جگہ ملنے کا امکان نہیں؟"
"ہاں! بس تم دیکھتے جاؤ۔" وہ صورتحال کے بارے میں بہت زیادہ پُراعتماد نظر آ رہا تھا۔
کچھ دور تک وہ دونوں کاریں اسی ترتیب میں دوڑتی رہیں۔ ہاشم نے اپنی کار کے ہیڈ لیمپس روشن نہیں کیے تھے اور اس [illegible] شاہراہ پر سیاہ مرسڈیز کا تعاقب کرتے ہوئے وہ احتیاط کسی دشواری کا سبب بھی نہیں بن رہی تھی۔
پھر جوں ہی آبادی کے آثار ختم ہوئے اور ایک ویرانے کا آغاز ہوا، ہاشم نے یک بیک اپنی کار کی رفتار تیز کر دی۔ بغیر روشنیوں والی وہ برق رفتار کار جب [illegible] سیاہ مرسڈیز کے برابر سے گزرنے لگی تو اس کا ڈرائیور [illegible] ہاشم نے ایکسلریٹر پر اپنے پاؤں کا دباؤ کم کر دیا اور سیاہ مرسڈیز کے تقریباً پہلو بہ پہلو دوڑتے ہوئے تیزی سے [illegible] سے نیچے اترنے پر مجبور کرنے لگا۔
پھر اچانک ہاشم کی کار کا عقبی حصہ مرسڈیز کے اگلے حصے [illegible] پُرشور آواز کے ساتھ ٹکرایا، اسی کے ساتھ مرسڈیز سے ایک فائر ہوا اور گولی عقبی کھڑکی کا شیشہ توڑتی ہوئی گزر گئی۔
دوسرا فائر میں نے کیا۔ اس بار مرسڈیز کا اگلا ٹائر [illegible] دھماکے سے پھٹ گیا اور وہ لہراتی ہوئی نشیب میں کافی دور تک چلی گئی۔
میں نے مرسڈیز کا ٹائر پھٹتے ہی ہاشم کی کار سے نیچے چھلانگ لگا دی۔ چلتی کار سے کودنے کے باعث میرے جسم پر کچھ خراشیں [illegible] مگر میں ان کی پروا کیے بغیر نیچی ڈھلوان پر ڈگمگاتی ہوئی مرسڈیز کے پیچھے دوڑ پڑا۔
اور جب خاصی دور تک گھسٹنے کے بعد سیاہ مرسڈیز [illegible] میں اس کے برابر میں موجود تھا۔ اس کا ڈرائیور اگنیشن آف کر کے [illegible] کود ہی جانا چاہتا تھا کہ میں نے اس کے کھولے ہوئے دروازے میں سے گریبان پکڑ کر اسے باہر گھسیٹ لیا اور دھکا دیا تو وہ منہ کے بل زمین پر آ رہا۔ اپنے گرتے ہوئے جسم کو ہتھیلیوں کا سہارا دینے کی کوشش میں اس کے ہاتھ سے ریوالور بھی نکل گیا تھا اور اب وہ میرے [illegible] بالکل نہتا تھا۔

شاید منہ کے بل گرنے کے باعث اسے شدید ضربات آئی تھیں کیونکہ کچھ دور تک گھسٹنے کے بعد اس کا بدن ساکت ہو گیا تھا۔ میں اس خیال سے آگے بڑھا کہ کہیں وہ نازک مزاج بے ہوش نہ ہو گیا ہو مگر وہ [illegible] اپنے سر پر [illegible] آہنی شکنجہ کس کر فوراً سنبھل گیا۔
تاریکی کی [illegible] میرے لیے اس کی حالت کا صحیح اندازہ لگانا دشوار تھا مگر اپنی دانست میں میں نے یہ ضرور دیکھ لیا تھا کہ اس کی پیشانی سے خون بہہ کر اس کے چہرے کو داغدار کر رہا تھا اور اس کے قدموں میں بھی قدرے لڑکھڑاہٹ نمایاں تھی۔
اسی اثناء میں ہاشم بھی اپنی کار سے اتر کر دوڑتا ہوا وہاں آ پہنچا۔
"اٹھو!" ہاشم اس کے سر پر پہنچ کر غرایا۔
اس وقت وہ دونوں ہاتھ پیروں پر [illegible] ٹیکے ہوئے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہاشم کی آواز سن کر وہ کچھ تیزی سے اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا جیسے یہ تنبیہ ہی اسے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کا حکم [illegible] تھا۔
"تم کون ہو؟" اس نے آستین سے اپنی خون آلود پیشانی صاف کرتے ہوئے غضبناک لہجے میں سوال کیا۔
ہاشم نے جواب دینے کے بجائے آگے بڑھ کر اس کی جامہ تلاشی لے ڈالی مگر اس کی جیبوں سے کوئی ہتھیار برآمد نہ ہوا۔
"ادھر چلو!" ہاشم نے اسے اپنی کار کی طرف دھکیلتے ہوئے درشت لہجے میں حکم دیا مگر وہ سنبھل کر دو قدم آگے جا کر رک گیا۔
"شاید تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اس وقت تم نے کس پر ہاتھ ڈالا ہے۔" اس نے پُراعتماد اور قدرے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔
وہ بہرحال ایک اعلیٰ پولیس افسر تھا اور اس نے ابتدائی صدمے سے سنبھلنے میں زیادہ وقت نہیں لیا تھا۔
"معلوم ہے۔ معلوم ہے کہ تم [illegible] کے داماد ہو۔" ہاشم نے اس کا تمسخر اڑاتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔ "اگر اب تم نے کوئی غیر مناسب حرکت کرنے کی کوشش کی تو گولی مار کر تمہارا سر فرش کر دوں گا۔"
"تمہیں چند گھنٹوں سے زیادہ مہلت نہیں ملے گی۔" وہ ہاشم کی کار کی طرف بڑھتے ہوئے غصے اور بے بسی کے ملے جلے لہجے میں بولا۔ "صبح تم [illegible] کسی بدترین حوالات میں نظر آؤ گے۔ سرکاری کام میں دخل اندازی کی جسارت تمہیں بہت مہنگی پڑے گی۔"
"سرکاری کام؟" ہاشم کا لہجہ استہزائیہ تھا۔ [illegible]
"میرا تعلق [illegible] سے ہے۔ مجھے جلد ہی [illegible]"
[illegible] چلتے چلتے رک گیا۔ "میرے لیے ...."
"ان لوگوں سے اور ان کے کام سے خوب واقف ہوں۔" ہاشم نے [illegible]۔ پولیس کمشنر کے ساتھ اس کا رویہ نہایت تحقیر آمیز تھا۔
لمحہ بھر کے لیے اس کے لہجے میں تحیر امڈ آیا لیکن وہ [illegible] تو نہیں تھی۔
"درست کہتے ہو! [illegible] بہتر یہی ہے کہ [illegible] پر عمل کرو۔"
"سالار کہاں ہے؟" [illegible] سنگین خطرہ محسوس کر کے اس پر خوف طاری ہونے لگا۔
"عالم بالا میں۔" ہاشم نے کہا۔ "اور اگر تمہاری [illegible] تو تمہیں بھی اسی کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔"
"او میرے خدا!" وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کراہا۔ "آخر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ اب میرے لیے ناقابلِ تصور دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔"
"آگے بڑھو۔" میں نے اس کا بازو سختی سے تھام کر کہا اور وہ مضمحل انداز میں میرے ساتھ ہاشم کی کار کی طرف بڑھنے لگا۔
"تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟" کار کا انجن اسٹارٹ ہوتے ہی اس نے لرزتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔
"ہمیں اپنے مطلوبہ جوابات مل گئے تو راستے میں ہی اتار دیں گے ورنہ تمہاری سالار سے بھی ملاقات ہوگی۔"
"مجھے صرف ایک بات بتا دو۔" اس نے گھگھیائی ہوئی آواز میں کہا۔ پھر [illegible] کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر دوبارہ بولا۔ "تم فلسطینی تو نہیں ہو؟"
اس بار ہاشم [illegible] بول پڑا۔ "فکر نہ کرو، [illegible] وہ بھی تم سے نمٹ لیں گے اور شاید ان کا رویہ تم سے بہت مختلف ہوگا۔"
"پھر تم کون ہو؟"
"اس لڑکی کے قریبی رشتے دار جو [illegible] کے نام پر سالار کے ہاتھوں ماری گئی تھی۔" میں نے جواب دیا۔
"پھر تو تم سیتا سے بھی واقف ہو گے؟"
"اسے تو تم مار ہی چکے ہو۔" ہاشم نے طنزیہ لہجے میں کہا۔
"وہ مجھ سے اوپر والوں کی حرکت تھی۔"
"کان کھول کر سنو، ہم اس لڑکی کے قاتل کو جہنم رسید کر چکے ہیں مگر ہر اس شخص کو بھی اس ہولناک واقعے میں برابر کا شریک سمجھتے ہیں جس نے سالار کو معصوم لڑکی کی زندگی [illegible] کی اجازت دی تھی..."
"[illegible] سالار کو جاننے والے تمام آدمی [illegible] ہو چکے۔" وہ ہاشم کی بات کاٹ کر [illegible] لہجے میں بولا۔ "تم لوگ مجھ سے یقیناً کوئی بات چھپا رہے ہو۔ کوئی ایسی بات جو بنیادی اہمیت کی حامل ہے!"

"تمہارا محکمہ درست کہتا ہے۔ ہمارے پاس بھی تحقیقات کے بعد یہی کہا گیا تھا کہ ہاشم کا تعلق تھا۔ تم بتاؤ کہ سالومن تمہارے محکمے کے لیے کیسے کام کر رہا تھا؟"

"میرے محکمے سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔"

"بکواس مت کرو!" ہاشم غرایا۔ "تم کئی بار اس کے دفتر میں آتے جاتے دیکھے گئے تھے اور وہ تمہارے محکمے کی ایک اقامت گاہ میں رہ رہا تھا!"

"وہ براہ راست کسی اور کو جواب دہ تھا۔ اس کی ہدایت پر مجھے سالومن کو رہائش گاہ فراہم کرنی پڑی اور سالومن کی میرے پاس آمد کا سبب صرف یہ تھا کہ رجب کے بارے کا عناصر میرے آدمیوں نے کیا ہوا تھا۔ سالومن کو ان کی دخل اندازی سے محفوظ رکھنے کے لیے مجھے اس کو افسر ترین ہدایات کے ساتھ ایک شناخت نامہ جاری کرنا پڑا۔ پورے محکمے میں میرے علاوہ کوئی اس سے واقف نہیں تھا!"

"وہ شناخت نامہ تم نے کس کے ایما پر جاری کیا؟"

"فوجی سیکرٹ سروس کا چیف!"

"جنرل احمد فواد؟"

"ہاں، اس نے ذاتی طور پر مجھے حکم دیا تھا۔"

"مگر تم اس کا حکم ماننے پر مجبور تو نہیں تھے!"

"قانون کے حوالے سے تمہاری بات درست ہے مگر عملاً جنرل کے حکم سے سرتابی کا مطلب ملازمت بلکہ شاید جان سے ہاتھ دھونے کے مترادف ہوتا!"

"مگر تم صرف اسی حد تک قصور وار تو نہیں تھے۔ سالومن کی موت کی خبر سن کر تم نے کن نا قابل تصور دشواریوں کا ذکر کیا تھا؟"

"سالومن کا ذاتی تحفظ بھی میری ذمہ داری میں شامل تھا!"

"اپنے ماتحتوں میں سے چند کو تم نے اس کام میں لگا رکھا تھا جس سے تم اس کا تحفظ کیسے کر سکتے تھے؟" ہاشم نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"کسی کو اعتماد میں نہیں لیا، اسی لیے تو سالومن تمہارے ہاتھوں مارا گیا۔"

"سیتا کے بارے میں تمہیں کیا معلوم ہے؟" تھوڑے توقف کے بعد میں نے سوال کیا۔

"کچھ بھی نہیں۔" اس نے بیزاری سے کہا۔ "اس بارے میں تو جنرل ہی کچھ بتا سکتا ہے مگر اس نے سختی سے زبان بند کر رکھی ہے۔"

"سالومن کی موت کی وجہ کیا ہو سکتی ہے، اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ سیتا کا معاملہ ہمارے لیے ایک شرمناک چیلنج بن گیا تھی اور ہم اپنے بہترین وسائل بروئے کار لا کر بھی اسے زیر نہیں کر سکے تھے۔ اس معاملے میں اسرائیل جیسے دشمن ملک کا تعاون حاصل کرنا مزید شرمناک تھا۔"

"تو کیا جنرل احمد کو اپنے اختیارات حاصل ہیں کہ وہ اس معاملے میں کوئی ایسا قدم اٹھا سکے، اس کا مجاز ہوتا؟"

"ہرگز نہیں!" وہ بولا۔ "اگر کوئی دوست ملک ہوتا تو شاید یہ بات مان لیتا لیکن اسرائیل سے رجوع کرنے میں ہمارا قومی وقار داؤ پر لگ گیا۔ یہ قدم تو صدر کی منشا کے بغیر ہرگز نہ اٹھایا گیا ہوگا۔ اگرچہ سالومن کے معاملے پر اتنی منفرد ذمہ داری تھی لیکن تمہارے کریدنے سے مجھے احساس ہوا ہے کہ اس کی یہاں موجودگی ایک بہت بڑا واقعہ تھی!"

"شاید تم ہماری مجبوری جیتنے کے لیے سب کچھ کر رہے ہو ورنہ مصری حیثیت کے نیلام ہونے میں تم بھی برابر کے شریک تھے!" ہاشم نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔

"مجھے برابر کا شریک نہ کہو۔" اس نے احتجاج کیا۔ "سالومن کو یہاں طلب کرنے میں میری مرضی یا کوششوں کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اگر میں اسے شناخت نامہ جاری کرنے سے انکار کر دیتا تو مجھے معطل کر کے کسی قید خانے میں سڑا دیا جاتا اور وہ میری جگہ اپنی پسند کا آدمی لے آتے جو سب کچھ کر گزرتا۔"

اس کا بیان کیا ہوا جواز معقول تھا اور اب تک کی اپنی گفتگو سے وہ خود کو معقول ثابت کرتا چلا آیا تھا۔

"اب اگر تمہیں زندہ چھوڑ دیا جائے تو تمہارا رد عمل کیا ہوگا؟" چند لمحوں کے سکوت کے بعد ہاشم نے سوال کیا۔

"زندگی کے قلیل سے وقت کے واقعات کو بالکل بھلا دوں گا۔"

"اور سالومن کی گمشدگی؟"

"اس کی لاش برآمد ہونے تک میں بھی اس کی روپوشی پر زور و شور سے اپنی تشویش کا اظہار کرتا رہوں گا۔ دیکھا جائے تو اس کی موت سے مجھے سرخروئی حاصل ہوگی!"

"سرخروئی کا خیال کیسے آیا؟"

"دیکھا جائے تو سیتا کے مقابلے میں سالومن کو سپر مین سمجھ کر بلایا گیا تھا۔ دوسرے الفاظ میں میرے محکمے کو نا اہل سمجھا گیا تھا۔ سالومن کی لاش ان لوگوں کو یہ یقین دلانے کے لیے کافی ہوگی کہ سیتا کوئی آسان شکار نہیں تھی۔ ہر شخص یہی سمجھے گا کہ سالومن سیتا کے جوابی وار کا شکار بنا ہوگا!"

"اور تم اسی منظر نامے کو ابھارو گے!"

"میں خود کو بچاؤں گا!"

ہاشم نے ایک سڑک اور تاریک مقام پر کار روک دی۔

"تم مجھے بہت دور لے آئے ہو۔" وہ خوشامدانہ لہجے میں بولا۔ "اگر مجھے اپنی کار کے پاس ہی اتار دو تو بہتر ہوگا۔ میرے کئی ساتھیوں اور دربان نے مجھے اسی مرسڈیز میں گھر سے نکلتے دیکھا تھا۔ اگر صبح وہ کار دیر تک میں رہی تو میری حیثیت مشکوک ہو جائے گی اور میں اس بارے میں

کوئی تاویل بھی پیش نہ کر سکوں گا۔"

ہاشم نے اس کی حجت کے بغیر ایک کار کا دروازہ کھولا۔ اس کا سر تا فرش سے لگا ہوا تھا۔ اسے پولیس کمشنر کی گاڑی کے بعد ہی پہچان لینے کا شبہ کر چکا تھا۔ اسے وہ اطمینان سے لگا کہ بہیں اس کی زبان سے نکلی ہوئی کوئی معلومات اسے دوبارہ شرمندگی میں نہ ڈال دے۔ مزید نہ پہنچ کر سیاہ مرسڈیز بدستور سڑک کے نیچے نشیب میں کھڑی ہوئی تھی!

کار رکتے ہی پولیس کمشنر جھکے ہوئے انداز میں نیچے اتر گیا اور ہاشم نے کار انتہائی پھرتی سے ٹرن کر کے تیزی سے آگے بڑھا دیا!

"ہیڈ لیمپس روشن کر دو!" میں نے چند لمحوں کے انتظار کے بعد یاد دلایا۔

میں نے پستول روشنیاں گل کر دی تھیں۔ وہ صحیح اندازہ لگا رہا تھا تاکہ وہ کار کا نمبر نہ دیکھ سکے۔

"وہ کار کا نمبر، ماڈل اور رنگ تو دیکھ ہی چکا ہے۔ پھر بھی وہ کسی طرح پہچان چکا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہم سے بد عہدی نہیں کرے گا۔"

"تم نے فلسطینی ہونے سے کیوں انکار کیا؟"

"کیا میں فلسطینی ہوں؟" میرے اس سوال پر وہ ہنس پڑا۔ "اور اس نے بات جاری رکھی۔ "میں نے دخل دیے کہ میں جھوٹ بولنے سے بچایا!" وہ فلسطینیوں سے بہت زیادہ خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔ شاید پکڑا جاتا ہی ایسی حماقتیں کر گزرتا کہ اسے ختم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ لہٰذا میرے خیال میں شاید وہ تمہارے کام آ سکے گا!

"بزدل اور ضمیر فروش عرب فلسطینی تنظیموں سے خائف رہتا ہے۔" اس نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔

"اب کیا پروگرام ہے؟"

"تمہیں رفیق کے مکان پر چھوڑ دوں گا۔"

"جنرل احمد فواد کو معاف کر دیا؟"

"اس تک رسائی اتنی آسان نہیں ہے، بہت چالاک اور مکار جنرل ہے۔ صرف اس کا نام سامنے آ جانا کافی ہے۔ البتہ کارروائی اوپر سے ہدایات ملنے کے بعد کی جائے گی۔"

"ہاں، ایک بات تو بتاؤ۔" قدرے توقف کے بعد میں نے ایک سوال کیا۔ "تم نے مجھ سے عابدہ کو رفیق کی بیوی کے طور پر کیوں متعارف کرایا تھا؟"

"عورت بھی کیا عجیب شے ہوتی ہے!" وہ دھیمے سے ہنس کر بولا۔ "مگر اس کے منہ پر اس کے رفیق کی بیوی ہونے پر کتنا فرق آ گیا، یقیناً صدمہ ہوا تھا۔"

"جس سے اب وہ محبت ہو!" میں نے ہنس کر کہا۔ "رفیق سے کیسے رشتہ ہے؟"

"ہم اسکول میں ساتھ پڑھتے تھے۔" آخر تم اس میں اتنی دلچسپی کیوں لے

رہے ہو؟" اس نے یک بیک ایک چبھتا ہوا سوال کر ڈالا۔

"یہ میری سلامتی کا معاملہ ہے۔" میں نے اپنے دل کا چور چھپاتے ہوئے دیدہ دلیری سے کہا۔ "رفیق مالی مشکلات کا شکار ہے۔ اگر وہ میری طرف سے مشکوک ہو گیا تو خطیر رقم کے لالچ میں مجھے مروا بھی سکتا ہے۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم اس کو کس حد تک جانتے ہو اور وہ کہاں تک قابل اعتماد ثابت ہوگا؟"

"اس کی طرف سے تم بے فکر رہو۔ تمہاری سلامتی کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہے۔" اس نے بڑا سا منہ بنا کر بغیر کوئی دلیل دیے بات ختم کر دی۔

ہم واپس رفیق کے مکان پہنچے تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ گلی میں دستک ہوئی اور دروازہ کھول دیا گیا۔ شاید وہ دونوں ہماری واپسی کے منتظر تھے۔ دروازہ کھولنے والا رفیق تھا۔

"میرا دوست اب تمہارا مہمان ہے۔ میں جا رہا ہوں۔" ہاشم نے کار سے اترتے بغیر رفیق سے کہا۔

"تھوڑی دیر بیٹھو گے نہیں؟" رفیق کا لہجہ رسمی سا تھا۔

"نہیں، مجھے جلدی ہے!"

"پھر ذرا مجھے اسٹور روم دکھا دو، کچھ سامان لینا ہے۔" رفیق بولا کر بلا تکلف ہاشم کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا اور کھڑکی سے سر نکال کر مجھ سے بولا۔

"تم اندر چلے جاؤ۔ شاید وہ کچن میں ہوگی!"

کار آگے بڑھ گئی اور میں رفیق کے مکان میں داخل ہو گیا۔

میری دانست میں نئے کھیل کا آغاز ہو چکا تھا!

عابدہ نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ رفیق کے ساتھ ایک ان کہے معاہدے کے تحت رہ رہی تھی جس کی رو سے دونوں کو جنسی انفرادی آزادی حاصل تھی۔ عابدہ کی نگاہوں میں میرے لیے پسندیدگی جھلکتی دیکھ کر رفیق از خود راہ سے ہٹ گیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے سامان کی خریداری کا بہانہ کیا تھا ورنہ عابدہ کے مطالبے کے بغیر اسے چلے جانے کی نیت سے ہاشم کے ساتھ گیا تھا!

میں اندر پہنچا تو عابدہ نہایت آرام سے ٹیک لگا کر بیٹھی ہوئی کسی رسالے کی ورق گردانی کر رہی تھی!

اس وقت اس کے بدن پر شب خوابی کا لباس تھا جس نے اس کے سراپے کو اور بھی فتنہ انگیز بنا دیا تھا۔ ریشمی کمر تک اس کے شانوں پر بکھری ہوئی سیاہ ریشمی زلفوں نے اسے اپسرا بنا دیا تھا!

مجھے یکایک اپنے حلق میں کوئی چیز پھنستی محسوس ہوئی۔

"بہت جلدی لوٹ آئے۔" وہ رسالہ تپائی پر ڈال کر مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ "تمہارا دوست ہاشم کہاں رہ گیا؟"

"وہ چلا گیا!" میں نے مسکرا کر اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ "ہمارا کام توقع سے زیادہ آسان ثابت ہوا۔"

"بیٹھ جاؤ۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "ٹھنڈا پانی لاؤں؟ شاید تمہارے گلے

میں تو اکتا گئی ہے۔"

میں ایک طویل سانس لے کر خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ "رفیق آدھی رات گئے کس چیز کی خریداری کرنے گیا ہے؟"

"ہم دونوں کی غیر موجودگی میں ہاشم نے اسے تمہارے مشاغل سے آگاہ کر دیا تھا۔" وہ میری الجھن سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولی۔ "ہاشم سمجھتا ہے کہ تمہیں شراب پی کر گہری نیند آتی ہے۔ ورنہ رات بھر ٹہلتے رہتے ہو۔ مہمانوں کا بڑا خیال رکھتا ہے!"

"چاہو تو اس الماری سے رفیق کے کپڑے لے لو۔" اس نے بیڈ روم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی آتی ہوں۔"

اس کا مشورہ مناسب تھا۔ میں نے الماری میں سے شب خوابی کا ایک دھلا ہوا پاجامہ نکالا اور باہر غسل خانے میں جانے کے بجائے کمرے کا دروازہ بند کر کے وہیں لباس تبدیل کر لیا۔

چند منٹوں بعد عابدہ خشک میوے لے آئی، پھر رفیق بھی واپس آگیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تھیلا موجود تھا جس میں سے بلیک ڈاگ کی دو بوتلیں برآمد ہوئیں۔

"ہاشم بہت فضول ہے۔" رفیق ہنستے ہوئے بولا۔ "میرے اصرار کے باوجود وہ مجھے دکان چھوڑنے پر تیار نہ تھا۔"

"یہ دو بوتلیں کس کے لیے لائے ہو؟"

"ایک آدھ دن میں تو ہم دونوں بھی تمہارا ساتھ دینے لگیں گے، کیوں عابدہ؟"

اس نے ہنس کر کہا۔ "اس کے بعد تم جلد اور بہت بدنام!"

"میری عادتیں اتنی خراب نہ کرو کہ میں تمہارے گھر سے نکلنے سے انکار کر دوں۔"

"نکلو گے کیوں، دوستوں کے لیے ہمارا دل بہت بڑا ہے۔"

رفیق کی گفتگو بہت کھلی ہوئی تھی۔ اگر عابدہ نے اس کے بارے میں زبان نہ کھولی ہوتی تو میں یقیناً اس کے اخلاق و کردار سے متاثر ہو جاتا مگر میرے ذہن میں رہ رہ کر یہ خیال آرہا تھا کہ اس کے بچھائے ہوئے جال میں کس نازک مرحلے پر وہ اپنی محبوبہ کو میرے حوالے کر کے خود کہیں غائب ہو جائے گا۔

مگر ایسا نہ ہو سکا!

ہم تینوں نے دیر تک وہیں بیٹھے بیٹھے جام خالی کیے پھر رفیق کھلی ہوئی بوتل لے کر دوسرے کمرے کی طرف چل دیا۔ مجھے بھی اس نے ساتھ آنے کو کہا تھا۔ دوسرا کمرہ میرے سونے کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ وہاں عابدہ ہمارے ساتھ نہیں آئی اور میں اس کا انتظار ہی کرتا رہ گیا [illegible] تک ہم دونوں بیٹھے شراب نوشی کرتے رہے۔

شاید وہ میرے سونے کا منتظر تھا اور میں اس کے اٹھ کر جانے کا منتظر بیٹھا تھا جب وہ [illegible] کے نام پر اس چھت کے نیچے سے رخصت ہوا۔

"تم کیوں نہیں جاتے میرے دوست؟" آخر کار رفیق نے بری طرح جھومتے ہوئے مجھ سے یہ نازک سوال کر ہی ڈالا۔

"تم کہو تو ابھی سو جاتا ہوں۔" میں نے اس کے گھٹتے بڑھتے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے اس کے تاثرات پڑھنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"سو جاؤ، بہتر یہی ہے کہ سو جاؤ۔" اس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ "تاکہ میں بھی سکون سے سو سکوں!"

اچانک میرے ذہن میں اشتعال کے انگارے چٹخنے لگے۔

عابدہ نے دو دن سے مجھے اپنی چال کر کے ادھر سے مسلسل [illegible] جا رہا تھا اور اب مہمان بنانے کے بعد بھی عجیب سی امید دلا کر رفیق [illegible] میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔ وہ اول درجے کی مکار عورت معلوم ہوئی۔

"کیا تمہاری بیوی سو گئی؟" میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے سوال کر ہی ڈالا۔

"اس سے تمہارا کیا مطلب؟" وہ میرے سوال پر غیر متوقع طور پر چونک کر اکھڑ گیا۔ "تم بہت گھٹیا آدمی معلوم ہوتے ہو!"

میں بھی تھوڑی سی جھونک میں تھا۔ اپنے رد عمل پر قابو نہ رکھ سکا اور تلخ لہجے میں بولا۔ "ان سے تو بہتر ہوں جو محبت کو چارہ بنا کر جال بچھائے بیٹھے ہیں!"

اس نے بے اختیار ہاتھ گھما دیا۔

لیکن نشے کے باعث اس کی جسارت ناکام ہی ثابت ہوئی۔ ہاتھ پوری قوت سے ہوا میں لہرا کر میری پیشانی سے ٹکرایا اور وہ خود بھی بوتل سمیت فرش پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

بلیک ڈاگ کی خالی بوتل فرش پر گر کر ٹوٹ گئی۔ دوسری بوتل اگر بھری ہوتی سے اتفاقاً ہوتی تو اس کا حشر بھی مختلف نہ ہوتا!

"اسے کیا ہوا؟" اچانک دروازے پر عابدہ کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ میں نے سر گھمایا تو وہ بال بے ترتیبی سے اپنے شانوں پر بکھرائے شب خوابی کے لباس میں ملبوس میرے سامنے موجود تھی۔

اس کی خوبصورت سیاہ آنکھوں میں رچی ہوئی نیند کی سرخی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ سوتے سوتے اٹھ کر یہاں آئی تھی۔ غالباً شراب کی خالی بوتل کے ٹوٹنے کی آواز نے اس کی نیند خراب کر دی تھی۔

"شراب پی کر اس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔" میں نے ایک نظر اس کا جائزہ لینے کے بعد سپاٹ لہجے میں کہا۔

"کیا تم نے مارا ہے اسے؟" اس کا لہجہ غصیلا تھا اور وہ جھجکتے ہوئے اندر چلی آئی تھی۔ رفیق جس حالت میں فرش پر گرا تھا، بدستور اسی حالت میں پڑا ہوا تھا!

"قسم لے لو جو ہاتھ بھی لگایا ہو!"

"ارے، اس پر تو بے ہوشی طاری ہے۔" وہ اس کے قریب بیٹھ کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"ہو گا۔" میرا لہجہ لاتعلقی لیے ہوئے تھا۔ "اپنی مرضی کا مالک ہے، جب چاہے گا ہوش میں بھی آجائے گا۔"

"بیٹھے منہ کیا دیکھ رہے ہو، مدد کرو نا میری۔" وہ دانت پیس کر جھلاتے ہوئے لہجے میں بولی۔

میں اس کی کیفیت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے مسکراتے ہوئے اٹھا اور رفیق کے بدن کو مسہری پر ڈال دیا۔

"یہ بھی وہی میری سرکش بتاؤ گے؟" عابدہ نے غصے اور بے بسی کے ملے جلے اثرات کے ساتھ مجھے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ سوال اسی سے کرنا تو بہتر تھا۔" میں نے کہا۔ "بات سامنے پڑا، ذہنی صدمے کے باعث بھی ہو سکتا تھا!"

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے جیسے میں بھی پاگل ہوتی جا رہی ہوں۔" وہ شک کے لہجے میں بولی۔ "میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ اسے کیا ہوا ہے؟"

"تمہارے اس شوہر نے بات کرتے کرتے جذباتی ہو گیا تھا۔ پیشانی پر مکا مار کر اور کسی خالی بوری کی طرح فرش پر ڈھیر ہو گیا۔"

"ضرور تم نے کچھ کہا ہو گا؟"

"میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ تمہاری بیوی بہت بھلی عورت ہے!"

"پھر؟ پھر کیا ہوا؟" مجھے خاموشی سے سگریٹ سلگانے میں مصروف پا کر وہ ایک مرتبہ پھر بے تاب ہو گئی تھی۔

"وہ صاف مکر گیا۔ کہنے لگا کہ عابدہ میری بیوی نہیں بلکہ محبوبہ ہے اور اس کی وجہ صرف اتنی ہے کہ میرا [illegible] عورت ہے اور عابدہ کا [illegible]"

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"اس نے کہیں پڑھ لیا تھا کہ ہر [illegible] عورت والے مردوں کی شادیاں [illegible] ناکام ہوتی ہیں۔ اسے سلسلے [illegible] رکھنے کے لیے یہ بات [illegible] جا رہا تھا کیونکہ غصے میں بات کرتے ہوئے اس کا حسن اور نکھر جاتا تھا۔

"تم جھوٹے ہو۔"

"اور شاید رفیق کی بے ہوشی خراب ہے۔" میں نے سگریٹ کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے کہا۔ "کاش عابدہ کا [illegible] قریب ہوتا! حسرت زدہ انداز میں یہ کہتے ہوئے اس نے زور سے میز پر ہاتھ مارا اور پھر بے ہوش ہو گیا تھا۔"

"مجھے زیادہ نہ بتاؤ۔" وہ [illegible] ہو گئی۔

انگلیوں نے اس کے چہرے کا تمام حسن نگل لیا [illegible] مجھے یقین [illegible] یہ بات [illegible] مجھے حواس [illegible] ستارے [illegible] قدرت [illegible] وہ نجوم اور دست شناسی وغیرہ جیسے مضامین بہت انہماک سے پڑھتا ہے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس کا یہ خبط اتنا شدید ہے۔"

"[illegible] ہو گیا۔ یہ سب عملی زندگی سے فرار کی باتیں ہیں۔ ان باتوں پر عمل ہوتا تو آج ساری شادیاں ان ہی [illegible] کے ذریعے ہوتیں اور شادی شدہ [illegible] کامیاب رہتیں!"

"مجھے آج تک علم نہیں تھا۔ اسے میری باتوں پر یقین آ جاتا تھا۔ وہ شراب کا عادی نہیں ہے۔ اس نے نشے کی جھونک میں تمہارے سامنے یہ باتیں اگل دیں۔ [illegible] اس کی [illegible] خبر لگ گئی۔"

"اگر وہ نشے کا [illegible] نہ ہوتی تو آج تم اس کے سامنے نہ [illegible] خفت [illegible] ہوتی؟"

"مگر میں اس کے ذہن سے قسمت کا بھوت اتار سکتی ہوں۔" اس کا انداز [illegible] مصالحانہ ہو گیا اور وہ میرے قریب بیٹھ گئی۔

"تم [illegible] تمہارے ساتھ شادی پر آمادہ کر لیتا؟" میں نے پورے خلوص کے ساتھ کہا۔

"میں اپنی موجودہ زندگی سے خوش ہوں۔" وہ [illegible] کر بولی۔ "میرے اور اس کے درمیان جو تعلق برقرار ہے، وہ بھی بالکل درست ہے۔ میں شادی ابھی نہیں کرنا چاہتی، مگر [illegible] خیالات سے کہ وہ محض نجوم اور [illegible] جیسے ڈھکوسلوں کی وجہ سے شادی سے گریز کر رہا ہے!"

"اسے سمجھانے کے لیے میں کافی ہوں [illegible] تم اس سے بات نہ کرنا۔" میں نے اسے [illegible] کہا۔ "[illegible] ضرورت سے زیادہ [illegible] ہے۔"

"وہ حساس [illegible] ہے۔" عابدہ [illegible] "ایسا نہ ہو کہ [illegible] ہمیشہ کے لیے کہیں چلا جائے۔"

"تم نے [illegible] اس کے بارے میں کچھ اور [illegible] کہا تھا۔" میں نے [illegible] لہجے میں کہا۔

"میں ایک نکتہ فراموش کر گئی تھی۔" وہ دھیمے سے مسکرا دی۔

"وہ کیا؟"

"ہاشم اس کا بچپن کا دوست ہے اور اسے عزت [illegible] سمجھتا ہے اور تم [illegible] اس کے ساتھ [illegible] تمہارے سامنے ہر قیمت پر اپنا بھرم رکھنے کی کوشش کرے گا۔" وہ میری طرف جھک کر بولی۔ "چاہو تو ....!"

"بالکل نہیں۔" میں نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم مجھے بہت پسند آئی ہو، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اس شخص کے [illegible] جس کی چھت کے نیچے میں نے پناہ لی ہوئی ہے۔"

"تم [illegible] ہو۔" وہ براہ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے [illegible] انداز میں مسکرا کر بولی۔

"[illegible] کے ساتھ [illegible] پرست [illegible] ہوں مگر اپنی حدود میں۔"

وہ کافی دیر تک [illegible] اس کے چہرے اور پیشانی پر [illegible] سلسلہ [illegible] رفیق نے [illegible] انداز میں آنکھیں کھول دیں۔ وہ عابدہ کی طرف دیکھ کر نہایت والہانہ انداز میں مسکرایا تھا اور پھر

جب اس کی نگاہیں میرے چہرے پر پڑیں تو اس کے بشرے پر معصومیت پھیل گئی:

"شاید میں نے تمہارا سارا لطف غارت کر دیا۔" وہ کہنیوں کے بل بستر سے اٹھتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔

"تھوڑی دیر لیٹے رہو۔" عابدہ نے سختی سے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اب تم حیران ہو گئے۔" وہ ہنستے ہوئے سیدھا ہو کر مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ "میں نے تمہیں زیادہ تنگ تو نہیں کیا تھا؟" اس کا لب و لہجہ اس وقت بھی اچھل اور شگفتہ تھا مگر وہ جنت عنب کے سحر سے پوری طرح آزاد نہیں ہوا تھا۔

"یہ جگہ بدلنے پہ کچھ اور بات کرو۔"

"بہر حال!" وہ سر جھٹک کر بولا۔ "میں شرمندہ ہوں۔ شراب کے معاملے میں میری قوت برداشت بالکل ناکارہ ہے۔"

"میرا خیال ہے تم اب جا کر آرام کرو۔ عابدہ نیند سے اٹھ کر آئی ہو!" میں نے سنجیدگی سے اسے مشورہ دیا۔

وہ مزید کچھ دیر تک دل اپنی خفت کا ازالہ کرنا چاہ رہا تھا لیکن عابدہ اسے ڈرائنگ روم سے اٹھا لے گئی اور میں نے اپنا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

اگلی صبح میں بیدار ہوا تو میرا ذہن بالکل صاف تھا!

رفیق کہیں جا چکا تھا اور عابدہ میرے بیدار ہونے کی منتظر تھی۔ ناشتہ تمیری نان، مکھن، پنیر اور قہوے پر مشتمل مختصر سا ناشتہ تیار تھا اور عابدہ رفیق کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میرے مقابل ایک بیساکھی پر بیٹھ گئی تھی۔

"رفیق صبح سویرے کہاں چلا گیا؟" میں نے سکوت کو توڑنے کی نیت سے سوال کیا۔

"دس سویرا ہے؟" وہ کھنکتی ہوئی آواز میں ہنسی۔ "اس وقت ساڑھے دس بج رہے ہیں!"

بے اختیار میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی جو عابدہ کے بیان کی تائید کر رہی تھی!

"اسے کوئی بلانے آیا تھا!"

"ہاشم کا کوئی ساتھی تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"پتہ نہیں، میرے ساتھ تو وہ رفیق کے لیے بھی اجنبی تھا!" وہ بولی۔ "اس کی آمد میرے لیے بھی غیر متوقع تھی!"

"ناشتے کے بعد کیا پروگرام ہے؟"

"جو مزاج دوست میں آئے!" وہ دلربایانہ انداز میں مسکرائی۔

"تمہارے معاملے میں میرا مزاج حالات کا شکار ہو چکا ہے بہتر ہوگا کہ تم باہر جا کر میرے لیے اخبارات لے آؤ۔"

"تمہیں اخبارات سے چڑ ہے۔ آج تم کیوں نہیں لے آئے؟"

"جب تم میرے لیے [illegible] کے گشت ختم کی ہوتی اخبارات لے آتے ہیں کیا مضائقہ ہے؟" میں نے چھیڑتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں تمہارے بیس پاؤنڈ واپس کرنے کو تیار ہوں۔" وہ تنک کر بولی۔

"مجھے معلوم ہے مگر میں اس رقم سے دستبردار ہو چکا ہوں۔"

اس نے پھرتی سے بلاؤز میں ہاتھ ڈال کر پرس نکال لیا: "[illegible] کر لی گئی ہیں ——— یہ لو اپنے بیس پاؤنڈ!"

"اسے رکھو۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "مذاق میں برا نہیں مانتے۔"

"یہ اب پتہ چلا کہ تم مذاق بھی کر لیتے ہو۔" اس کا موڈ [illegible]

"پیسے واپس لے لو ورنہ تمہاری زبان پہ ان ہی کا ورد رہے گا۔"

"یہ نوٹ واپس رکھ لو۔ تمہارے پاس ان کا مقام بلند ہے۔ وہ بھی خوش رہیں گے۔" میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

اس نے تنگ آمیز انداز میں ہنس کر بے بسی سے مجھے گھورا اور نوٹ پرس میں ڈال کر اسے دوبارہ بلاؤز میں اڑس لیا۔

ناشتے کے بعد عابدہ باہر چلی گئی۔ اس کی واپسی میں تقریباً نصف گھنٹہ صرف ہوا۔ لیکن وہ آئی تو اس کے ہاتھوں میں کئی اخبارات کے علاوہ کچھ سگریٹ وغیرہ بھی موجود تھیں۔

میں اس کا شکریہ ادا کر کے اخبارات کے مطالعے میں مصروف ہو گیا اور وہ دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

ان تمام اخبارات میں کہیں بھی قاہرہ کے پولیس کمشنر کی ایسی کوئی خبر نہیں تھی جس میں پچھلی رات کے واقعے کا شائبہ بھی [illegible] کے مضافاتی علاقوں میں پیش آنے والے خونریز واقعات کی باز گشت [illegible] غائب تھی!

اخبارات کو سرکاری ذرائع سے اس واقعے کے بارے میں جو اطلاعات فراہم کی گئی تھیں ان کا محور یہی تھا کہ سیتا اس معرکے میں ہلاک کر دی گئی اور اس مفروضے کی بنیاد پر اخبارات میں سیتا کے ماضی کے [illegible] افسانوی واقعات شائع کیے گئے تھے۔

مگر ایک روز قبل میں نے سیتا کے بارے میں وہ اخباری [illegible] پڑھی تھیں تو نہایت دل گرفتہ ہو جاتا مگر اب [illegible] وہ اعترافات شائع ہو چکا تھا جس کی رو سے مضافاتی علاقے میں سیتا [illegible] سایہ بھی اس کے مصنوعی مرہون کی زد میں نہ آ سکا تھا!

ایک روز کے فرق سے میرے لیے سیتا زندہ ہو چکی تھی [illegible] شکار ہو نکلا تھا [illegible] اپنے عبرت ناک انجام سے دوچار ہو چکا تھا [illegible] پلیٹ سالارین کو معروف تحقیقی طور پر [illegible] اس کے نام کی اشاعت کی توقع ہی بے سود تھی۔ مگر کسی بھی سطر سے [illegible] کی موت کی سنسنی [illegible] کسی راز [illegible] اس کے مصری حریف خواہ مخواہ کو ملی تھی یا نہیں!

میں اخبارات کی ورق گردانی میں مصروف تھا [illegible] کے قتل کے بارے میں خبر نظر آئی۔ خبر کے ساتھ اس کی [illegible] تصویر [illegible]

جوڑ تھیں۔

وہ آوارہ خیال، الہڑ لڑکی اپنے ہی ایک بوڑھے اور امیر عاشق دوست کے ہاتھوں ماری گئی تھی جس کی [illegible] والی خطیر رقم کی امید میں اس نے اپنے جوان [illegible] بار صاحب کی بجائے بزرگوار کا انتخاب کیا تھا اور اس قتل کا سبب وہی تھا جو مرد اور عورت کی ازلی فطرت میں ہمیشہ سے موجود رہا ہے۔

بڑے عاشق کو شبہ ہو گیا تھا کہ اس کا کوئی جوان رقیب اس کی دولت اور مریم کے خوبرو جسم کے حصول کی بازی میں اسے مات دینے پر تلا ہوا ہے اور جب مریم اپنی غیر حاضری کے بارے میں کوئی معقول جواز پیش نہ کر سکی تو بوڑھے کے ریوالور سے نکلی ہوئی دو گولیوں نے مریم کے سانسوں کی ڈوری کو توڑ دیا۔

اس معاملے میں قاہرہ کی پولیس خاصی مستعد ثابت ہوئی تھی۔ مریم کے پرس سے برآمد ہونے والی ایک پرچی کے سہارے اسے ہوٹل القاہرہ تک اس کے کمرے کا سراغ مل گیا جہاں مریم کسی پُراسرار نوجوان کے ساتھ اکثر رات کا کچھ حصہ گزارتی تھی۔ وہ کمرہ مرنے والی کے نام پر محفوظ تھا مگر اس کا جوان سال محبوب خطرہ بھانپ کر پہلے ہی غائب ہو چکا تھا اور پولیس اپنے پورے وسائل کے ساتھ اس کا سراغ لگانے کے لیے کوشاں تھی۔

وہ تفصیل پڑھ کر میں حرف حرف سے [illegible] ہو کر رہ گیا!

مریم کے عاشقوں میں متعدد نے بڑی زبردست پابندی کی تھی۔ [illegible] پچھلی رات وہ ہوٹل سے تنہا باہر نکلی تھی تو قسمت یہ ساری کہانی کا رخ ہی کچھ اور ہو گیا!

پچھلی رات ہاشم نے اس کا احسان [illegible] کی کوششوں میں عابدہ سے زندگی بچا [illegible] اس کی وجہ کی بازی کا نتیجہ تھا کہ آخر کار میں نے مریم کو فون کر کے ہوٹل بلانے کا ارادہ کیا اور پولیس مجھے بروقت اس کے قتل کی اطلاع مل گئی ورنہ میں القاہرہ کے کمرے میں وہاں [illegible] نہایت بے بسی کے ساتھ گرفتار کر لیا جاتا!

میں اخبارات میں ابھی تک الجھا ہوا تھا کہ ہاشم آ پہنچا۔

عابدہ اسے میرے پاس چھوڑ کر چلی گئی۔ اس روز ہاشم کے چہرے سے خاص تھکاوٹ کا اظہار ہو رہا تھا جو میرے لیے تشویش کا باعث تھا۔

"تم آتے ہو میرے زخم [illegible]" اس نے مجھے خوشخبری سنائی۔

"[illegible] کے کاغذات تیار [illegible] ہو گئے ہیں۔ تم بہت جلد [illegible] چلے جاؤ گے۔"

"اسے عدالت میں لایا گیا تھا؟" میں نے دوستانہ لہجے میں سوال کیا۔

"نہیں!" وہ بولا۔ "تم فکر نہ کرو۔ میں وقت ضائع کیے بغیر [illegible]"

"میں جلد از جلد مصر سے نکلنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے احساس ہے یہاں میرا تمام [illegible] ورنہ میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلتا۔"

"جنرل سکندر [illegible] کچھ وقت [illegible] میں نے [illegible] سوال کیا ورنہ اس وقت میں ذہنی طور پر کسی اور موضوع پر بات کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"میں نے تمہیں پہلے ہی اپنی رپورٹ بیروت روانہ کی ہے۔ کل تک وہاں سے احکام آجائیں گے۔ اس کے بعد ہی کچھ ہو سکے گا۔" پھر چونک کر بولا: "تمہیں یہاں کوئی پریشانی تو نہیں ہے؟"

"شاید میرے لیے اس مکان سے بہتر پناہ گاہ ملنی مشکل تھی۔"

"ایک بات کا خیال رکھنا، رفیق دو تین پیگ پی کر ہی بے قابو ہو جاتا ہے!"

"تم نے بتانے میں دیر کر دی۔" میں نے طویل سانس لے کر کہا۔ "اس بارے میں کل رات ہی اچھا خاصا تجربہ حاصل کر چکا ہوں!"

"زیادہ گڑبڑ تو نہیں ہوئی تھی؟" وہ جھلا کر بولا۔

"عابدہ نے بڑی خاطر مدارات کی تھی!"

"بڑی اچھی لڑکی ہے۔ پتہ نہیں یہ دونوں آپس میں شادی کیوں نہیں کر لیتے؟" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔

"ستارے نہیں ملتے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "عابدہ چاہتی ہے شاید ستاروں سے سمجھوتہ کر لیں۔"

"تم بہرحال احتیاط سے رہو۔" اس نے کہا۔ "میں نے کل رات رفیق کو [illegible] موقع نہ دیتے تھے!"

"جب بھی وہ اسکاچ کی دو بوتلیں لایا ہے!"

اسی وقت بیرونی دروازے پر دستک سنائی دی اور ہم دونوں چونک پڑے!

عابدہ نے لپک کر دروازہ کھولا پھر [illegible] قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ میں اپنی جگہ پر [illegible] ہو کر بیٹھ گیا۔

"میں کل صبح واپس آؤں گا۔" باہر سے رفیق کی آواز آئی۔ شاید وہ عابدہ سے مخاطب تھا۔

"کیسے؟ کہاں جا رہے ہو؟" عابدہ کی آواز [illegible] تھی۔ مگر اس کے لہجے میں اس وقت کسی قدر [illegible] تحکم تھا!

"ضروری کام ہے۔ معقول معاوضے کا ذکر کرتے ہوئے" وہ دونوں سامنے آ پہنچے اور میں چونک پڑا۔

ہاشم کا رد عمل بھی مجھ سے مختلف نہیں تھا کیونکہ ان دونوں کے پیچھے ایک طویل قامت [illegible] سیاہ فام چلا آ رہا تھا جس کے جسم پر خاکی پتلون اور بشرٹ موجود تھی۔

"اوہ ... تم بھی یہاں موجود ہو!" ہاشم پر نگاہ پڑتے ہی رفیق نے مسرت کا اظہار کیا مگر اس کے چہرے پر چھائی ہوئی گھبراہٹ اس مسرت میں بھی نہ دب سکی۔

"کہاں جا رہے ہو؟" ہاشم نے بغور اس کا جائزہ لیتے ہوئے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"ایک کام مل گیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے داہنی آنکھ دبائی۔ اس کی یہ حرکت بھی سیاہ فام نے دیکھی اور نہ ہی حساب دہ۔

رفیق کی حرکت سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کچھ گڑبڑ ہو چکی تھی اور اس گڑبڑ کے بارے میں سیاہ فام کی ذات سب سے زیادہ مشتبہ تھی۔

میں محسوس کر رہا تھا کہ رفیق ناپسندیدہ لوگوں کے چنگل میں پھنس چکا تھا اور ان ہی کے ایما پر اسے کسی ناگزیر ضرورت کے تحت اپنے گھر آنا پڑا تھا اور اس سلسلے میں ایک خطرناک نگران اس پر مسلط کر دیا گیا تھا تاکہ وہ کسی کو بھی اصل صورت حال سے آگاہ نہ کر سکے۔

"یہ کون ہے؟" ہاشم نے سیاہ فام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"اسی کے مالک نے مجھے کام فراہم کیا ہے۔" رفیق جلدی سے بولا جیسے خطرہ ہو کہ تاخیر کی صورت میں سیاہ فام اس کی گردن دبوچ لے گا۔

"تو کیا صرف یہی بتانے آئے ہو؟" عابدہ نے تیز لہجے میں سوال کیا۔ وہ بھی گڑبڑ کا اندازہ تو کر چکی تھی مگر اسے صحیح صورت حال کا ادراک نہیں ہو سکا تھا۔

"یہ بتانے بھی اور کچھ ضروری سامان لینے بھی!"

"وقت ضائع مت کرو!" سیاہ فام نے عقب سے رفیق کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں کہا مگر لہجے کے برعکس رفیق کے شانے پر اس کی گرفت بہت سخت تھی۔

رفیق تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ ہم تینوں وہیں رکے رہے مگر سیاہ فام نہایت اطمینان سے اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوتا چلا گیا۔

اور اس وقت میں نے دیکھا کہ اس گرانڈیل سیاہ فام کا داہنا ہاتھ پتلون کی جیب میں موجود تھا۔ یقینی طور پر اس پھولی ہوئی جیب میں کوئی ہتھیار رہا تھا جو اجنبی لوگوں کے درمیان بھی سیاہ فام کو بلا کا اعتماد بخش رہا تھا۔

ہماری طرف اس کی پشت ہوتے ہی میری اور ہاشم کی نگاہیں چار ہوئیں اور میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے سیاہ فام پر حملہ آور ہونے کا اشارہ دیا مگر ہاشم کے چہرے پر وحشت عود کر آئی اور اس نے تیزی کے ساتھ اپنی گردن کو نفی میں جنبش دینی شروع کر دی۔

میرے لئے وہ وقت غنیمت تھا۔ ایک بار سیاہ فام پلٹ پڑتا تو وہ سنہرا موقع ضائع ہو جاتا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ سیاہ فام اپنے عقب میں کئے جانے والے حملے سے کسی بھی طرح سنبھل نہیں سکے گا۔

میں ننگے پیر اپنے کمرے سے نکلا اور حیران و پریشان عابدہ کے قریب سے گزر کر رفیق کے کمرے میں داخل ہوا۔

اس وقت تک رفیق اور سیاہ فام کی پیٹھیں تقریباً ہماری طرف تھیں۔ میرے اس کمرے میں گھستے ہی نہ جانے سیاہ فام کی کون سی حس نے … آگاہ کر دیا کہ وہ کسی چیتے کی سی پھرتی سے واپس پلٹ پڑا اور اس کا داہنا ہاتھ جیب سے باہر آ گیا جس میں اعشاریہ دو پانچ کا ریوالور دبا ہوا تھا جس کا دہانہ میرے سینے کی طرف اٹھا ہوا تھا۔

میرے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے اور سیاہ فام کے موٹے موٹے ہونٹوں پر معنی خیز سی مسکراہٹ ابھر آئی۔

اگر سیاہ لٹکے ہوئے سیاہ ہونٹوں کے عقب میں اچانک موتیوں جیسے سفید دانتوں کی قطار نہ چمکنے لگتی تو شاید میرے لئے اس کی مسکراہٹ کا اندازہ لگانا بھی دشوار ہو جاتا۔

"مجھے گھیرنے کا ارادہ ہے؟" سیاہ فام پہلی بار مجھ سے براہ راست مخاطب ہوا تو اس کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔

"میں رفیق سے کچھ معلوم کرنے آیا تھا!"

"ننگے پاؤں؟ چوروں کی طرح؟" اس بار سیاہ فام کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"صرف اتنا بتا دو کہ رفیق صبح تک واپس تو آ جائے گا یا کہیں ہم کو اس کی تلاش و تعاقب ہو تو ہم لوگ تمہیں کہاں تلاش کریں؟"

"ایسی صورت حال صرف اسی وقت پیش آ سکتی ہے جب … ہماری ہدایات پر عمل کرنے سے انکار کرے!"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارے ساتھ اور لوگ بھی ہیں؟"

"وہ تو اسی مکان کے بیرونی دروازے پر موجود ہوں گے!" … طنزیہ انداز میں ہنسا۔ "کچھ اور بھی ہے؟"

"تو تم اعتراف کرتے ہو کہ رفیق کو معاوضے پر کوئی کام نہیں … بلکہ تم نے اسے کسی مقصد کے لئے اغوا کیا ہے؟"

"یوں دل خوش ہوتا ہے تو یہی سمجھ لو۔" وہ سیدھی سیدھی بات کرنے کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ "مگر حقیقت یہ ہے کہ … ساتھی آخر تک ہماری ہدایات پر عمل کرتا رہا تو آخر میں اسے … انعام ملے گا۔"

"چند تولے پگھلا ہوا سیسہ؟"

"وہ غلاظت بے ضمیر لوگ کرتے ہیں!" اس نے شانے اچکا… کہا پھر رفیق سے مخاطب ہو گیا۔ "تم فارغ ہوتے ہو یا نہیں؟"

رفیق گڑبڑا گیا کیونکہ وہ سب کچھ بھول بھال کر … انداز میں میری اور سیاہ فام کی گفتگو سن رہا تھا۔

"بس… بس دو منٹ میں چلتا ہوں!" وہ … کے لہجے میں کہتے ہوئے اپنی الماری کی طرف متوجہ ہو …

"اپنے کام کے لئے تم نے ایک غلط آدمی کا انتخاب کیا ہے!" میں نے اسے دوبارہ اپنی طرف متوجہ کرنے کی نیت سے کہا۔

"مجھے باتوں میں الجھانے کی کوشش نہ کرو!" وہ خشک لہجے میں بولا۔ "اور یہ بھی یاد رکھنا کہ جانے تعاقب کی کوشش نہ صرف تمہارے لئے بلکہ رفیق کے حق میں بھی مضر ثابت ہو سکتی ہے!"

"تم کون ہو؟"

"میں تمہاری کسی بات کا جواب دینے کا پابند نہیں ہوں!"

"تم ایک بیوی کے سامنے اس کے شوہر کو ریوالور کی زد پر لئے جا رہے ہو، کیا اس حرکت پر تمہارا ضمیر تمہیں ملامت نہیں کرتا؟"

"میرے ضمیر کا جھٹکا لینے کی کوشش نہ کرو اور اس کمرے سے باہر نکل جاؤ۔" اس نے ریوالور کی نال کو ہلا کر درشت لہجے میں کہا۔

"بحث مت کرو!" رفیق پلٹ کر مجھ سے خوشامدانہ لہجے میں بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کا ارادہ نیک ہی ہو۔"

اچانک دروازے پر ایک دبی دبی تحیر زدہ آواز سنائی دی اور پھر مجھے عابدہ بھی نظر آ گئی جو دروازے پر ہاشم کے ساتھ کھڑی خوفزدہ نگاہوں سے ریوالور بردار سیاہ فام کو تکے جا رہی تھی۔ وہ آواز اسی کی تھی!

ان دونوں کا یکایک وہاں نمودار ہونا فطری امر تھا کیونکہ مجھے اس کمرے میں آئے خاصی دیر ہو چکی تھی اور حالات تجربہ کی سی ہو چکے تھے۔

"خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں لڑکی!" سیاہ فام کی آواز گونجی۔ "یہ ریوالور تمہارے اس نادان دوست کی وجہ سے جیب سے باہر آیا ہے جو مجھے زیر کرنے کی نیت سے میرے پیچھے آیا تھا ورنہ مجھے کسی سے کوئی پرخاش نہیں ہے!"

"تم ابوسلطان کے آدمی تو نہیں ہو؟" ہاشم نے بغور سیاہ فام کا جائزہ لیتے ہوئے ایک سوال کر ڈالا۔

"کون ابوسلطان؟" سیاہ فام کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"اخوان الصفا کا مقامی امیر!"

"سیاہ فام جنس پٹھان دور کی کوڑی لائے ہو۔ مصر میں رہنے والا سوڈانی اخوان الصفا کا رکن نہیں ہوتا!"

"مگر میرے لئے تمہاری صورت شناسا ہے!" ہاشم نے اصرار کیا۔

"ہو گی!" وہ حقارت سے ہونٹ سکوڑتے ہوئے بولا۔ "میرے جانے کے بعد اپنے ذہن پر زور ڈالو مگر جب رفیق خیریت سے واپس آئے گا تو تم سب کچھ بھول جاؤ گے!"

اس اثنا میں رفیق ایک چھوٹا چرمی صندوق سنبھال چکا تھا۔

"تم تیار ہو؟" سوڈانی نے اس سے دریافت کیا اور جب رفیق نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی تو بولا۔ "باہر جا کر سیدھے کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ!"

رفیق نہایت سعادت مندانہ انداز میں واپس چل دیا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟" جب وہ عابدہ کے قریب سے گزرا تو وہ رفیق کا بازو تھام کر لپک پڑی۔ "میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی!"

"ضرور چلو!" سوڈانی بولا۔ "مگر میرے بعض ساتھی عورتوں کے خطرناک شکاری ہیں! ایسا نہ ہو کہ رفیق کو تنہا واپس ہونا پڑے!"

ہاشم نے ملامت آمیز نظروں سے سوڈانی کو گھورا اور عابدہ کو کھینچ کر رفیق سے دور کر دیا اور وہ عابدہ کی گرفت سے آزاد ہوتے ہی مشینی انداز میں آگے بڑھ گیا۔

"غالباً یہاں تم تینوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے!" سوڈانی نے تجسس آمیز نگاہیں چاروں طرف دوڑاتے ہوئے کہا۔

"تلاش کر لو!" میں نے کہا۔

"اتنا احمق نہیں ہوں!" وہ ہنس پڑا۔ خاصے تنومند جسم کا مالک تھا۔ "اب تم تینوں ادھر آؤ اور عقبی دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ!"

اس کی بات سن کر عابدہ سہم گئی اور کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ سیاہ فام بول پڑا۔ "ڈرو نہیں۔ تم پر گولیاں نہیں برساؤں گا!"

وہ ہم سے الگ چوکنا کھڑا رہا اور جب ہم تینوں اس کی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچے تو اس نے پھرتی سے باہر نکل کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور باہر سے کنڈی لگا دی۔

وہ دونوں بے دست و پا ہو رہے تھے مگر میں یک بیک مشتعل ہو گیا اور میں نے دوڑ کر پوری قوت سے اپنا بایاں شانہ چوبی دروازے پر دے مارا۔

چوکھٹ مضبوط تھی مگر دروازے میں لگے ہوئے تختے میرے شانے کی شدید ضرب نہ سہار سکے اور چرچرا کر ٹوٹ گئے۔

میں نے ٹوٹے ہوئے تختوں میں سے ہاتھ باہر نکال کر کنڈی کھول دی اور پھر ہم تینوں ہی دوڑتے ہوئے کمرے سے باہر آ گئے۔

مکان سے نکاسی کے دروازے پر بھی مایوسی ہماری منتظر تھی۔ وہ خبیث جاتے جاتے وہ دروازہ بھی باہر سے بند کر گیا تھا۔

میں وقت ضائع کئے بغیر کسی بندر کی سی پھرتی کے ساتھ احاطے کی دیوار پر چڑھ کر باہر کود گیا۔ گلی میں سے گزرتے ہوئے اکا دکا لوگوں نے حیرت سے مجھے دیکھا مگر میں نے ان کی کوئی پروا کئے بغیر باہر سے دروازہ کھول دیا۔

ہاشم کے ہمراہ عابدہ کو کھلے ہوئے دروازے سے باہر آتے دیکھ کر وہ لوگ آگے بڑھ گئے۔ وہ شاید اسی علاقے کے مکین تھے اور باہر سے لگی ہوئی کنڈی کو بچوں کی شرارت سمجھے تھے۔

میں نے احاطے کی دیوار پر چڑھتے ہوئے گلی کی نکڑ سے سرمئی رنگ کی ایک کار کو تیزی کے ساتھ بائیں طرف گھومتے دیکھا تھا لہٰذا ہاشم کی کار میں سوار ہوتے ہی میں نے اسی سمت میں روانہ ہونے کی ہدایت کی جس پر بڑی عجلت میں عمل کیا گیا۔

روانگی کے وقت ہاشم نے عابدہ کے مکان کے بیرونی دروازے کے پٹ ہلا کر معلوم کیا تھا کہ بند کر کے گئے تھے مگر کنڈی ہی نہیں لگائی تھی۔ تھوڑی دور نکلنے کے بعد ہاشم نے عابدہ کو یاد دلایا تو وہ کچھ نہ بولی۔ شاید اسے خدشہ تھا کہ ذرا سی بھی تاخیر اس وقت رفیق کے حق میں مضر ثابت ہو سکتی تھی۔

"تم یہیں اتر جاؤ۔" میں نے اس سے کہا۔ "اپنے گھر میں ٹھہرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری وجہ سے ہم کسی دشواری میں پڑ جائیں۔"

"میری فکر نہ کرو۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔ "رفیق کے لئے میں اندھے کنوئیں میں بھی چھلانگ لگا سکتی ہوں۔ تم پر بوجھ نہیں بنوں گی۔"

"رفیق اس چوبی صندوق میں کیا لے گیا ہے؟" ہاشم نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" وہ بولی۔ "غالباً وہ ڈراموں وغیرہ کے سلسلے میں اپنا میک اپ خود ہی کرتا ہے اور اس صندوق میں وہی شعبدے بہروپ رکھتے ہیں۔"

"میک اپ کا سامان!" ہاشم کار تیزی سے موڑتے ہوئے بڑبڑایا۔ "ضروری تو نہیں کہ وہ وہی سامان لے گیا ہو۔"

"اس کی الماری دیکھے بغیر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" عابدہ بولی۔ "اس کے پاس کوئی بریف کیس بھی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے کوئی چیز لے جانے کے لئے اس چوبی صندوق کو بریف کیس کے طور پر استعمال کیا ہو!"

"وہ رہی!" میں اچانک اچھل پڑا۔ مجھے کئی فرلانگ کے فاصلے پر ایک سرمئی کار نظر آ گئی جو میری بتائی ہوئی تفصیل کے مطابق معلوم ہو رہی تھی۔

ہاشم نے اپنی کار کی رفتار اور تیز کر دی جس کے نتیجے میں کار کا پورا ڈھانچہ پرشور آواز سے لرزنے لگا۔

سرمئی کار سے ہمارا فاصلہ لحظہ بہ لحظہ کم ہونے لگا۔

"سیٹوں کے نیچے دیکھو، شاید کوئی ہتھیار پڑا ہو!" ہاشم کی آواز میں اس وقت گھبراہٹ کے بجائے ہیجان نمایاں تھا۔

ہاشم کے برابر والی نشست کے نیچے پائیدان میں غیر معمولی ابھار تھا لہٰذا میں نے پائیدان کے نیچے ہاتھ ڈال دیا اور اعشاریہ تین آٹھ کا سات گولیوں والا خودکار پستول میرے قبضے میں آ گیا جس کا چیمبر بھرا ہوا تھا۔

میں نے پستول کی نال کو بوسہ دیا اور سیفٹی کیچ ہٹا کر اپنی سمت والی کھڑکی کا شیشہ اتار دیا۔

"کیا تم ان پر گولیاں چلاؤ گے؟" کار کے ڈھانچے کے شور میں عابدہ کی کانپتی ہوئی، خوف زدہ آواز ابھری۔

"وہ دونوں تو گلاب کے پھول برسائیں گے!" میں ہاشم کی موجودگی کو فراموش کر کے روانی میں کہہ گیا۔

"نہیں، خدا کے لئے اس کار پر گولی نہ چلانا!" وہ مجھے جلو بدل

کار اپنی نشست درست کرتے ہوئے دیکھ کر بولی۔ "کہیں تمہارا رفیق کو نشانہ نہ بنا لے!"

"ڈرو نہیں، میں اس کے عقبی ٹائروں کا نشانہ لوں گا۔" میں نے سر گھما کر تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

"اس اچھلتی کودتی کار میں تمہارا نشانہ خطا ہو گیا تو" وہ بہت زیادہ خائف نظر آنے لگی تھی۔ "ان سے آگے نکل کر کیوں نہیں رکتے؟"

"وہ ہمیں پہچان گئے ہیں۔" ہاشم نے دخل دیا۔ "شاید وہ ہماری کار سے غافل ہی ہیں۔ یہ جانتے ہوئے اچھا ہے"

وہ طویل سڑک غیر آباد تھی اور وہ بھی محض کے اطراف میں دو میل وغیرہ بعض مکانات بنے ہوئے تھے دور تک کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا اور ہماری کار کا ان تیز ہوتی جا رہی تھی۔

جوں ہی میں نے محسوس کیا کہ فاصلہ مناسب ہے والے ہاتھ سمیت اپنا دھڑ کھلی ہوئی کھڑکی سے باہر نکال میں تیز ہوا لگتے ہی آنسو امڈ آئے۔ میں نے سر سے اپنی ڈبڈباتی ہوئی آنکھیں خشک کیں اور اس بار کی سرمئی کار پر یکے بعد دیگرے دو فائر کر دیئے۔

"وہ مارا!" ہاشم کی مسرت آمیز آواز ابھری۔

فائر ہوتے ہی سرمئی کار سڑک کے ایک سمت تک اس بری طرح لہرائی تھی کہ جیسے مجھے اپنا نشانہ ہو گیا مگر اگلی کار کے وہ لہرانے فائر سے بچنے کے لئے کامیابی کے بعد ہی اس کی رفتار بڑھا دی گئی۔

میری نظر ہاشم کے داہنے پاؤں پر پڑی جس پیڈل کو پائیدان میں پیوست کرنے میں کوئی کسر فاصلہ بدستور قائم تھا۔ شاید سرمئی کار کی آخری حد ہی پہ چلائی جا رہی تھی ورنہ ہم سر بیٹھے رہ جاتے

"وہ رفیق کو نہ مار دیں!" عابدہ کی رقت آمیز آواز

"خاموش بیٹھی رہو!" ہاشم غرایا۔ میں نے بیچ بچاؤ اور زندگی کے آثار محسوس کئے ورنہ زخم کھا کر بھی ثابت ہوا تھا۔

پھر ہم دونوں کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

سرمئی کار کی بریک لائٹس یک بیک جل اٹھیں پڑے ٹائروں کی چیخیں ابھری تھیں جن سے اٹھتا ہوا دھواں سکتا تھا۔

اس قدر تیز رفتاری پر اچانک بریک لگائے جانے خطرناک تھا۔ سرمئی کار بے قابو ہو کر گھسٹتی ہوئی اور پھر سڑک کے وسط میں رک گئی۔

ہاشم نے بھی سرمئی کار کی بریک لائٹس دیکھتے ہی اپنا پاؤں بریک پیڈل پر رکھ دیا تھا! اس کی کار نے جھٹکا لیا مگر رفتار میں سرعت سے کمی واقع نہیں ہوئی۔

ہماری کار آہستہ آہستہ سرمئی کار سے ٹکراتی نظر آ رہی تھی کیونکہ اگلی کار کے مقابلے میں ہاشم کی کار کے بریک ناقص تھے۔

اس نے دو تین مرتبہ پیڈل کو پمپ کر کے بریک لگائے مگر اس وقت تک وقت اپنا فیصلہ صادر کر چکا تھا۔

اگلی کار سے تین فائر ہوئے۔ رائفل کے دھماکوں سے فضا لرز اٹھی پھر ان دھماکوں میں ہماری کار کے اگلے ٹائروں کے پھٹنے کا شور بھی شامل ہو گیا اور کار تھوڑی دور تک اچھل کر ساکت ہو گئی۔

پہلے فائر نے داہنا ٹائر ناکارہ کیا، دوسرا بونٹ کو چھلنی کر گیا اور شاید ریڈی ایٹر بھی اس کی زد میں آیا تھا اور تیسرے فائر نے بائیں ٹائر کو برباد کر گیا۔

تیسرے فائر کی بازگشت معدوم ہونے سے پہلے ہی سرمئی کار برق رفتاری سے آگے بڑھ گئی اور ہاشم کا منہ تک گیا۔

چند ثانیوں تک ہم دونوں سکتے کے عالم میں کار ہی میں بیٹھے رہے۔ عابدہ عقبی نشست پر دبی دبی سسکیاں لے کر رو رہی تھی۔

"جواب دہی کی فکر کرو۔" آخر مجھے ہی آنے والے خطرات کی سنگینی نے چونکا دیا۔ "فائرنگ اور دھماکے دور تک سنے گئے ہوں گے اس علاقے کے مکین کسی بھی لمحے جمع ہونے لگیں گے۔"

ہاشم دروازہ کھول کر باہر کود گیا میں نے بھی اس کی تقلید کی، عابدہ بدقت نیچے آ سکی۔ رونے کے واضح اثرات اس کی آنکھوں [illegible] اور سرخ ناک سے نمایاں تھے۔

اس وقت تک میدان صاف تھا۔ ہاشم نے پستول مجھ سے لے کر اپنے کوٹ کی جیب میں ڈال لیا تھا۔ اور سامنے ہی جھاڑیوں سے اٹے ہوئے ویران قطعات بھی تھے جن میں ہم تینوں بآسانی روپوش ہو سکتے تھے مگر ایسی صورت میں ادھڑی ہوئی کار زیادہ مسائل کا سبب بن جاتی کیونکہ اس کے نمبروں کے ذریعے پولیس ہاشم تک پہنچ سکتی تھی!

"تم دونوں نکل جاؤ، میں یہیں رکوں گا۔ ہو سکتا ہے کسی نے پہلا فائر سنتے ہی پولیس کو خبر دے دی ہو۔" یہ کہہ کر اس نے پستول دوبارہ مجھے تھما دیا۔

اس کے الفاظ سن کر میرے وجود میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔

ان دنوں میں ہر طرف سے خطرات میں گھرا ہوا تھا مگر میرے لئے بدترین خطرہ تازہ کی پولیس بنی ہوئی تھی جس سے میں ہر قیمت پر دور رہنا چاہتا تھا۔

میں نے عابدہ کا ہاتھ تھاما اور سڑک عبور کر کے کالونی اور سڑک کے درمیان خالی قطعات پر اگی ہوئی خودرو جھاڑیوں میں روپوش ہو گیا۔ شاید میں وہیں چھپ کر ہاشم کو پیش آنے والے واقعات کا جائزہ لیتا مگر میرے ذہن میں ایک اندیشہ یہ بھی تھا کہ کسی نے اپنے مکان کی اوپری منزل کے کسی جھروکے سے ہم تینوں کو تباہ شدہ کار کے قریب دیکھا نہ دیکھ لیا ہو اور یہ اطلاع پولیس کو نہ مل جائے لہٰذا ہاشم سے ملاقات کے بجائے بقیہ دو افراد کی تلاش میں [illegible] چھپتے چھپاتے جھاڑیاں مارتی۔

"اپنی حالت درست کرو۔" جھاڑیوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے میں نے عابدہ کو تنبیہ کی۔ "تم تو یوں رو رہی ہو جیسے وہ تمہارا شوہر تھا۔"

"بکواس مت کرو۔" وہ منہ چڑا کر بولی "وہ میرے لئے [illegible] زیادہ تھا!"

"ابھی اس کی زندگی کی امید ہے۔" میں نے اسے سمجھایا "ابھی سے اس کے لئے اتنا نہ روؤ کہ اس کے لئے مرنا ناگزیر ہو جائے۔"

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔"

"میری وجہ سے؟" اس کا یہ انکشاف میرے لئے حیرت [illegible]

"ہاں ہاں، تمہاری وجہ سے۔" وہ غصیلے لہجے میں بولی "پچھلی رات تم نے اسے شراب پلائی اور وہ اپنی ہلاکت چھپائے صبح سویرے باہر نکلا تھا!"

"بڑی اچھی منطق ہے۔" میں آخری جھاڑی عبور کر کے کالونی میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔ "پھر تو سب سے بڑا قصور اس کی ماں کا ہے [illegible] نہ وہ پیدا ہوتا اور نہ آج اسے یوں اغوا ہونا پڑتا۔"

وہ کھسیانے ہوتے ہوئے انداز میں بے اختیار ہنس پڑی۔

"خدا کا شکر ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا: "میں سمجھا تھا کہ تم ہنسنا ہی بھول گئی ہو۔"

"پتہ نہیں وہ کون لوگ ہیں اور اسے کیوں اٹھا لے گئے۔" وہ تشویشناک لہجے میں بڑبڑائی۔ "وہ تو کسی سے بھی نہیں الجھتا۔"

"دشمنی کا معاملہ ہوتا تو وہ سو والی لے کر [illegible]" کہا۔ "یہ معقدہ اسی وقت حل ہو گا جب یہ پتہ چلے گا کہ وہ [illegible] میں کیا لے گیا تھا؟"

ہمیں بارونق علاقے تک رسائی حاصل کرنے کے لئے دو میل پیدل چلنا پڑا۔ پھر ایک ٹیکسی کے ذریعے ہم گھر پہنچے۔ مجھے دیکھ کر حیرت ہوئی کہ [illegible] دروازے کے پہلو [illegible] بند تھے اور ان میں ہی کسی کی دخل اندازی کے آثار نہیں [illegible]

"میں نے تو سنا تھا کہ [illegible] چودھری [illegible] پکاری کے [illegible]"

"بے نام سے [illegible]" میں نے بستر پر دراز ہوتے ہوئے کہا:

"دروازہ بہت سناتا تھا۔" وہ بولی "باہر سے کنڈی کھلی ہوئی تھی کسی کو یہ معلوم ہی نہیں ہو پاتا تھا کہ اس وقت گھر ویران پڑا ہے ورنہ کوئی نہ کوئی ضرور گھس آتا!"

"یہاں بھی ایک کوتاہی بہت کا جواز بن گئی!"

"اگر گھر کا صفایا بھی ہو جاتا اور ہم رفیق کو بچا لانے میں کامیاب ہو جاتے تو ہمیں پروا نہ ہوتی مگر اب طبیعت فکر مند ہے!"

"پینے پلانے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"جس وقت تو تمہیں بھی نہ پینے دوں گی۔ مجھے تمہاری توجہ اور مدد کی ضرورت ہے!" اس نے سختی سے کہا۔

"مجھ پر تمہارا ایسا کوئی حق نہیں ہے!"

"مجھے تنگ نہ کرو!" وہ سنجیدگی سے بولی "رفیق سے مجھے کافی عرصے سے والہانہ محبت ہے مگر اس کے بعد اگر کسی نے مجھے واقعی متاثر کیا ہے تو وہ تمہاری ذات ہے!"

"اپنے باپ سے!" میں ہونٹ چباتے ہوئے ٹھوڑی سہلاتے ہوئے بولا "اس کا مطلب ہے کہ اب میرے اغوا کی باری ہے!"

"تم بہت ابتر ہو، تمہیں دوسروں کے دلی جذبات کا ذرا بھی پاس نہیں!" وہ بگڑ گئی۔

"دوسروں کے جذبات کا پاس نہ ہوتا تو اس وقت تمہارے ساتھ رفیق کے اغوا کا جشن منا رہا ہوتا!" میں نے کہا اور وہ خاموش ہو گئی۔

مجھے صبح سے پہلے رفیق کی واپسی کی امید نہیں تھی اور سچ تو یہ تھا کہ اغوا کرنے والوں سے ناکام ٹکراؤ کے بعد مجھے رفیق کی صحیح سلامت واپسی کی بھی امید نہیں رہی تھی مگر پھر بھی میں اس کے اغوا کا سبب جاننا چاہتا تھا۔ لہٰذا میں عابدہ کے ہمراہ اس گوشے کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گیا جہاں سے رفیق چوری شدہ رقم لے گیا تھا۔

"وہ میک اپ کا سامان بھی لے گیا ہے!" کافی دیر کی دیکھ بھال کے بعد عابدہ نے اعلان کیا "وہ میک اپ سے متعلق ہر چیز اٹھا لے گیا ہے!"

"کیا اسے میک اپ بدلنے میں خاص مہارت حاصل ہے؟"

"اس فن کا ماہر ہی سمجھو، لوگوں کو ٹھگنے کی وارداتوں میں وہ اکثر میک اپ سے خدوخال میں تبدیلی کرتا رہتا تھا تاکہ پکڑے جانے کا احتمال نہ رہے!"

"اور اس کے باوجود بے روزگار رہتا ہے!"

"فلم میں اداکاری یا ٹیلی ویژن پر ایسے لوگوں کی اجارہ داریاں ہیں جو خاندانی [illegible] اور رنگوں سے سر اٹھنے بھرتے ہیں، رفیق کا فن [illegible] سے جس کا رجحان پچھلے چند سالوں میں بالکل بدل گیا [illegible] گیا ہے!"

میرے وجود میں ایک نئے خیال کے تحت جھرجھری کی لہر سی دوڑ گئی! "فی الحال یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں نے کسی کی شناخت بدلنے کے لئے رفیق کو اغوا کیا ہے اور شاید وہ شخصیت کسی خطرے سے دوچار ہے!"

"ہو سکتا ہے مگر کسی کو یہ حق کیسے مل گیا کہ اپنی جان بچانے کے لئے دوسروں کو بے دریغ خطرات میں جھونک دے؟"

"اس پر بعد میں بحث ہوتی رہے گی فی الحال مجھے بے چینی سے ہاشم کا انتظار ہے!" میں نے جان چھڑانے کی نیت سے کہا کیونکہ اب میرا ذہن ایک دوسرے خیال پر سوچنے میں مصروف ہو چکا تھا۔

میرے لئے اس وقت ایک ایک پل گزارنا دوبھر ہو رہا تھا۔ مگر مشکل یہ تھی کہ میں ہاشم کے بغیر ذرا بھی پیش قدمی نہیں کر سکتا تھا۔ شام ڈھلنے والی تھی مگر ہاشم کا کہیں پتہ نہیں تھا، اس کے بیان کے مطابق رجب کو رہائی ملے کئی گھنٹے گزر چکے تھے اور تاجر میں وہ واحد شخص تھا جسے سیتا کے بارے میں سب سے بہتر معلومات حاصل ہونی چاہئے تھیں۔

رجب سیتا کا محافظ تھا اور سیتا کا معاملہ اس قدر نازک تھا کہ اس کا کوئی بھی خیر خواہ اس موضوع پر ایک اجنبی سے بات کرنا پسند نہ کرتا جبکہ میں رجب کے لئے قطعی اجنبی تھا۔ ہاشم کے بغیر میں رجب کو کسی طرح اپنی اصلیت کا یقین نہیں دلا سکتا تھا۔

آخر کار مغرب کے وقت وہ آ ہی پہنچا۔ اس کے بشرے سے شدید تکان اور اضمحلال کا اظہار ہو رہا تھا۔

"کہاں رہ گئے تھے؟" میں نے اسے دیکھتے ہی سوال کیا۔

"وہاں سے بڑی مشکل سے گلوخلاصی ہوئی، پولیس کو بمشکل میری کہانی پر یقین آ سکا!" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"رجب کا کیا رہا؟"

"مجھے معلوم تھا کہ تم یہ سوال ضرور کرو گے، میں اسی کے پاس سے ہوتا ہوا آ رہا ہوں!" وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ عابدہ آ گئی۔

"رفیق کا کچھ پتہ چلا؟" وہ اپنے ہی فراق میں تھی۔

"آج پہلی بار مجھے پرانی کار کی وجہ سے خفت اٹھانی پڑی ہے!" ہاشم نے کہا "وہ لوگ ایسے صاف نکلے کہ اب ان کا سراغ لگانا مشکل ہے!"

اس موضوع پر عابدہ کی تھوڑی سی تشفی کرنے کے بعد ہاشم نے تنہائی کی خواہش کا اظہار کیا جس کا مطلب محض عابدہ کو رخصت کرنا تھا۔

"سیتا اسی گھر کے باغ میں روپوش تھی!" عابدہ کے جاتے ہی وہ ..... سرگوشیانہ لہجے میں بتانے لگا "مگر جب سے اس نے غیر محفوظ خیال

کرتے ہوئے روستے ٹھکانے پر منتقل کر دیا اور لوگوں کی توجہ تبدیل کرانے کے لئے رشیدہ نامی ایک لڑکی کو جلتے خطرات سے دوچار کرتے ہوئے سیتا کے میک اپ میں فارم پر بھیجنے پر آمادہ کر لیا یوں پولیس کی ساری توجہ ادھر مبذول ہو گئی اور ان سالارمن کے ہاتھوں رشیدہ ماری گئی تھی۔"

"مگر سیتا کہاں ہے؟"

"پروگرام کے مطابق اسے ایک صحرائی قافلے میں شریک ہو کر سوڈان جانا تھا......"

"سوڈان!" میں نے پرجوش لہجے میں کہا۔ "تو کیا وہ وہاں پہنچ گئی؟"

"رجب تو فوراً ہی پکڑا گیا تھا اسے تو یہ تصدیق کرنے کا موقع بھی نہیں مل سکا تھا کہ سیتا اس کے باغ سے مقررہ مقام پر بحفاظت پہنچی یا نہیں۔" اس نے کہا۔ "تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ اس نے سیتا کو کس کی تحویل میں دیا تھا؟"

"ابوسلطان کا نام تمہاری زبان سے بلاوجہ نہیں نکلا تھا۔"

اس کی گفتگو سن کر میرا جوش بڑھتا جا رہا تھا۔

"اخوان الصفا کا ہیڈ کوارٹر قاہرہ میں ہے اور اس خالص مذہبی تنظیم کا مقامی امیر ابوسلطان رجب کے گہرے دوستوں میں سے ہے لیکن اب جب فون پر اس سے رابطہ قائم کرتے ہیں تو ناکام رہے۔"

"سیتا سے اس مذہبی تنظیم کو کیا ہمدردی ہو سکتی ہے؟"

"اخوان الصفا ایک ایسی تنظیم ہے جو حقیقی اسلامی انقلاب کے لئے کوشاں ہے اور اس کے اراکین فلسطین کے مسئلے پر جہاد کو فرض تصور کرتے ہیں لہٰذا فلسطینیوں کی ہمدرد ہونے کی بنا پر سیتا ان میں بھی مقبول ہے۔"

"تم نے رفیق کو اغوا کرنے والے کو اخوان الصفا کا حوالہ کیوں دیا تھا؟"

"وہ سوڈانی تھا اور ایک زمانے میں مجھے اخوان الصفا سے قریب رہ کر کام کرنے کا موقع مل چکا ہے میرا خیال تھا کہ میں اسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہوں!"

"بتا سکتے ہو کہ رفیق کو کیوں اغوا کیا گیا ہے؟"

"میں تو ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا! تمہاری کیا رائے ہے؟" اس نے اپنے لئے سگریٹ سلگاتے ہوئے سوال کیا۔

"سیتا ابھی تک قاہرہ میں ہے......!"

"اس کا رفیق کے اغوا سے کیا تعلق ہو گیا؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"سنتے جاؤ" میں نے مسکرا کر کہا۔ اس کی زبان سے تازہ ترین معلومات حاصل ہونے کے بعد میں اپنے وجود میں ایک نیا ولولہ

بیدار ہوتا محسوس کر رہا تھا۔

"سیتا ابوسلطان کی تحویل میں سونپ دی گئی!" میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "مگر حالات اتنی تیزی سے تبدیل ہو گئے کہ وہ صحرائی قافلہ اپنے سفر کا آغاز نہ کر سکا اور پھر رجب کے مضافاتی فارم پر پولیس کے چھاپے کے بعد ابوسلطان نے قافلے والا منصوبہ ترک کر دیا۔ یہ بھی ایک عجیب اتفاق معلوم ہوتا ہے کہ ابوسلطان نے سیتا کو حلیہ بدل کر مصر سے نکالنے کا فیصلہ کیا اور پھر سیتا کے حلیے میں تبدیلی کے لئے اخوان الصفا والوں کی نظر انتخاب رفیق پر پڑی اور وہ اسے لے گئے......!"

"واللہ یہی ہوا ہے بالکل یہی ہوا ہے۔" وہ اچھل پڑا۔ "مقدر نے ہم سب کو سمیٹ کر ایک ہی جگہ جمع کر دیا مگر ہم ایک دوسرے کو دشمن سمجھتے ہیں۔ دیکھا جائے تو رفیق کو بچانے کی کوشش کر کے ہم نے سیتا کی راہ میں روڑے اٹکانے والی حرکت کی تھی۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ وہ لوگ خون خرابے کے بغیر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے!"

"ابوسلطان محض اسی لئے روپوش ہے کہ وہ اپنی نگرانی میں رفیق سے سیتا کے خدوخال میں نمایاں تبدیلیاں کرانے کا اور اسے کسی طرح مصر سے نکال دے گا۔ میرا خیال ہے سیتا آج رات کسی بھی وقت مصر چھوڑ دے گی۔"

"یہ کس بنا پر کہہ رہے ہو؟"

"وہ اور دو چار والی بات ہے۔" میں نے فاتحانہ لہجے میں کہا۔ "کسی کے حلیے میں تبدیلی کے لئے سولہ اٹھارہ گھنٹے درکار نہیں ہوتے رفیق ایک دو گھنٹوں میں نمٹ گیا ہو گا مگر اخوان الصفا والے اسے اس وقت تک اپنے پاس رکھیں گے جب تک سیتا بحفاظت اپنی منزل تک نہ پہنچ جائے۔ اگر وہ رفیق کو اس سے پہلے چھوڑ دیں تو یہ خطرہ برقرار رہے گا کہ رفیق سیتا کے نئے حلیے کا راز حکام کے سامنے فاش نہ کر دے۔"

"رفیق محفوظ ہاتھوں میں ہے۔" پاسکل نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ "اور یقیناً صبح بخیر و عافیت واپس آ جائے گا۔"

"کاش! کسی طرح علم ہو سکتا کہ ابوسلطان نے سیتا کو کہاں رکھا ہے اور وہ لوگ کس وقت مصر سے نکالنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"اخوان الصفا والے اصولوں پر جان دیتے ہیں۔" اس نے کہا۔ "رجب سے پکڑے جانے والے دو اراکین سے رابطہ قائم کیا مگر ابوسلطان کے بارے میں انہوں نے کچھ بھی بتانے سے صاف انکار کر دیا۔ میرا خیال ہے کہ رفیق کی رہائی کے بعد ہی وہ بھی خود دار ہو جائے گا۔"

"تم اس سے واقف ہو؟"

"بہت اچھی طرح!"

"پھر صبح ہم اس سے براہ راست ملنے کی کوشش کریں گے۔" میں نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ رجب کی خفیہ نگرانی کی جا رہی ہو!"

واشم کا ارادہ القاہرہ واپس جانے کا تھا مگر میں ابوسلطان سے ملنے تک اسے ساتھ رکھنے پر مُصر تھا۔ عابدہ کو میرے اصرار کا سبب تو معلوم نہیں تھا مگر وہ خوش تھی کہ آفندی واشم نے بھی میری ہم نوائی شروع کر دی۔ وہ رفیق کا سراغ ملنے تک واشم کو اپنے پاس روکے رکھنا چاہتی تھی۔

"اگر وقت ضائع کرنے کے بجائے رفیق کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرا دی جائے تو کیا رہے گا؟" عابدہ نے خوفزدہ ہوتے ہوئے اپنے مطلب کی بات چھیڑ دی جس کی میرے اور واشم کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔

"واشم نے صبح تک اسے رہا کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ ہمیں کسی بھی اقدام سے پہلے اس وقت تک انتظار کرنا ہو گا بصورت دیگر وہ رفیق کو نقصان پہنچا سکتے ہیں!"

"میرے لئے وقت کاٹنا دوبھر ہو رہا ہے!"

"صبح تک کے لئے اپنے دل پر جبر کرو۔ مجھے یقین ہے کہ اس کا بال بھی بیکا نہ ہونے پائے گا۔" واشم نے کہا۔

"تمہاری کار کہاں ہے؟" میں نے موضوع بدلنے کی نیت سے سوال کیا۔

"پولیس کرین اٹھا لے گئی۔ وہ جرمانہ کر لیں گے! واپس ملے گی تو شاید ڈھانچہ ہی ڈھانچہ رہ جائے گا باقی حصے تفتیش کی نذر ہو جائیں گے۔"

"یہ خوبی یہاں بھی موجود ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تم تو یوں پوچھ رہے ہو جیسے امریکہ سے آئے ہو!" عابدہ نے دخل اندازی کی۔ "ہر عرب جانتا ہے کہ مصر کے سرکاری اہلکار تمام عرب ملکوں میں سب سے زیادہ اصولوں سے عاری ہیں اور پرائی چیز کو اپنا حق سمجھتے ہیں!"

مجھے فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا کیونکہ عابدہ کے لہجے میں ایک عرب پن تھا پھر بھی بات سنبھالنے کے لئے میں نے ہنس کر کہا۔ "مصریوں کا کام سے میرا کبھی واسطہ نہیں پڑا۔"

رات کا کھانا عابدہ بازار سے لے آئی جو ہم نے گھر میں بیٹھ کر کھایا پھر رات گئے تک تینوں آپس میں نوک جھونک کرتے رہے۔ رفیق کے اغوا والے قصے کے بعد واشم کے سامنے بھی عابدہ بے تکلفانہ انداز میں بات کرنے کا جواز فراہم ہو گیا تھا اور مجھے ایسے ماحول میں خاصا لطف آ رہا تھا۔

میں رات کے قریب بستر پر دراز ہوا اور تقریباً فوراً ہی نیند بھی آ گئی۔ صبح آنکھ کھلی تو گھر میں خاصی چہل پہل تھی۔

بستر چھوڑنے پر معلوم ہوا کہ رفیق کو اغوا کرنے والے اسے صبح پو پھٹتے خود ہی گھر کے دروازے پر چھوڑ گئے تھے۔

رفیق مجھ سے یوں لپٹ گیا جیسے برسوں سے بچھڑا ہوا کوئی قریبی عزیز ہو پھر سب سے پہلے اس نے پرجوش لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ وہ مجھے کیوں لے گئے تھے؟"

"پتہ نہیں!" میں نے اس کا دل رکھنے کے لئے اپنے قیاسات کا اظہار مناسب نہ سمجھا۔

"ایک عورت کا حلیہ بدلنا تھا۔ میں ان کے سامنے تو احمق بنا رہا مگر میں اسے دیکھتے ہی پہچان گیا وہ سیتا تھی سیتا!"

"سیتا؟" میں اور بھی انجان بن گیا۔ "یہ تو کسی غیر زبان کا لفظ معلوم ہوتا ہے۔"

"کمال ہے!" وہ سینہ پھلا کر بولا۔ "شاید تم اخبار نہیں پڑھتے ورنہ قاہرہ کا بچہ بچہ اس دلیر عورت کے نام سے واقف ہے۔ بہت حسین اور دلیر عورت ہے۔"

"اچھا!" میں نے سمجھنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "یہ وہی قانون شکن عورت تو نہیں جو شاید صفدر علی کی بیوی ہے؟"

"ہاں، وہی.... وہی....!" رفیق مسرت آمیز لہجے میں بولا۔

"اس کا شوہر بھی ساتھ ہو گا۔ کیسا آدمی ہے؟"

"ساتھ تو نہیں تھا مگر سنا ہے وہ بھی بے جگر آدمی ہے ہو تم سیتا کو قانون شکن کہہ رہے ہو... وہ قانون شکن ضرور ہے مگر انصاف پسند بھی ہے۔ اپنے فال کام کے لئے مجھے اغوا کر کے اس نے جرم کیا تھا مگر جاتے ہوئے مجھے دس ہزار پونڈ کا انعام بھی دلوایا ہے۔"

"وارے نیارے ہو گئے تمہارے تو!" اتنی خطیر رقم کا ذکر میرے لئے حیرت انگیز تھا۔

"انعام کب دیا گیا؟" قدرے توقف کے بعد میں نے سوال کیا۔

"صبح آتے ہوئے!" اس نے جواب دیا۔

اگر اسے رہائی کے وقت ابوسلطان کی جانب سے وہ خطیر انعام دیا گیا تھا تو اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ رفیق کا کیا ہوا میک اپ کامیاب رہا تھا اور سیتا اپنی منزل پر بخیر و خوبی پہنچ گئی تھی۔

"میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد کبھی اتنی بڑی رقم نہیں دیکھی تھی۔" رفیق اپنی دھن میں مگن کہے جا رہا تھا۔ "اگر کل وہ لوگ مجھے چھوڑ دیتے تو میں اس رقم سے محروم رہ جاتا۔ قسمت جب فیاضی کرتی ہے تو چھپر پھاڑ کر دیتی ہے۔"

جب تک رفیق ہم دونوں کے پاس رہا۔ عابدہ اس سے تنہائی

ہیں ملنے کے لئے بے چینی کے ساتھ انتظار کرتی رہی۔ آخر کار ہم دونوں اسی بہانے سے اٹھ گئے۔

"ٹھہرو، کہاں جا رہے ہو؟" رفیق نے ہم دونوں کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تھوڑی دیر میں آتے ہیں، باہر کچھ ضروری کام ہے۔" ہاشم نے کہا اور ہم دونوں گھر سے باہر آ گئے۔

رفیق کے گھر سے بیک ٹاؤن تو خاصی دور تھا۔ راستے بھر ہم ان اتفاقات پر گفتگو کرتے رہے جن کے تحت ہم رفیق تک پہنچے تھے اور بعد میں تھیٹر کا وہ ناکام اداکار ہماری کہانی میں ایک ایک اہم مقام حاصل کر گیا تھا۔

"اگر وہ بھتیجا ہوا تو اس سے ابھی ملاقات کرنے چلے گے نا؟" بازار میں پہنچ کر ہاشم نے تائید طلب لہجے میں دریافت کیا۔

"صرف پتا چلے گا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "میں تو بے چینی سے اس وقت کا منتظر تھا کہ رفیق واپس آئے تو ہم ابوسلطان کی جستجو کریں۔"

"اور اگر اس نے اب بھی سینا کے بارے میں بات کرنے سے گریز کیا تو...؟" ہاشم نے اپنے دل میں چھپا ہونے والے اندیشے کا اظہار کیا۔

"اس کا امکان نہیں ہے۔" میں نے وثوق سے کہا۔ "تم سن ہی چکے ہو کہ ان کے نرتنے کے باوجود رفیق سینا کو پہچان گیا تھا۔ اگر ابوسلطان نے اسے رہا کیا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ سینا اب احتیاطی تدابیر کے مراحل سے آگے بڑھ چکی ہے۔"

"رفیق سے ایک بات پوچھنی رہ گئی۔" ہاشم نے اچانک کہا۔

"وہ کیا؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"اس نے سینا کے حلیے میں اچھی خاصی تبدیلیاں کی تھیں یا اسے کسی مخصوص روپ میں لانے کی کوشش کی گئی تھی۔"

"یہ واقعی چوک ہو گئی، واپسی میں پوچھیں گے۔"

ایک فون بوتھ سے ہاشم کی پہلی ہی کوشش بار آور ثابت ہوئی کیونکہ وہ ایک کال کرنے کے لئے ہی باہر آیا تھا۔

"چلو، وہ اپنے گھر پر ہے۔" ہاشم کے لہجے سے مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"آج دن کا آغاز بہت اچھا ہوا ہے۔" مجھے اس کی کامیابی سے واقعی مسرت ہوئی۔ "ہو سکتا ہے کہ سورج غروب ہونے سے پہلے ہی سینا سے میری ملاقات کی کوئی سبیل نکل آئے۔"

"اتنی خوش فہمی بھی مناسب نہیں۔" وہ ہنس کر بولا۔ "ابھی تو ہمارے شیخ سعدی کا عندیہ بھی حاصل کرنا ہے۔ اس کام میں ایک آدھ دن ضائع ہو سکتا ہے۔"

"اس بار کوئی آسان نام منتخب کرنا۔ مصطفیٰ المرزوق بڑا ثقیل ہو گیا تھا۔"

"اگر برا نہ مانو تو ایک بات پوچھ لوں؟" ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف جاتے ہوئے ہاشم نے دبے لہجے میں کہا۔

"تمہاری بات کا برا مان کر کہاں جاؤں گا؟"

"نہیں، وہ ایسی ہی بات ہے مگر رہ رہ کر میرے دل میں چبھ رہی ہے۔" اس کے لہجے پر میں چونک پڑا۔ وہ یقیناً کوئی خاص بات پوچھنے والا تھا۔

"تم نے مجھے بے چین کر دیا ہے۔"

"میں اب بھی زبان بند ہی رکھتا۔" اس نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ "مگر اب ہم کسی بھی لمحے ایک دوسرے سے جدا ہو سکتے ہیں اور میں اس سے پہلے تم سے عابدہ کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ تم اس سے پہلے سے واقف تھے اور وہ تمہیں میرے ہمراہ اچانک دیکھ کر جس طرح سراسیمہ سی ہو گئی تھی، اس وقت تو میں انجان بن گیا تھا، مگر اس کا وہ رویہ مسلسل میرے ذہن میں خلش بنا رہا ہے۔"

"میں نے اس وقت بھی تمہیں یہ بات بتائی تھی۔ وہ مجھے شہر کے ایک تفریحی مقام پر ٹکرائی تھی اور تعارف کی نوبت آنے سے پہلے ہی ہم اپنی اپنی راہ ہو لئے تھے۔" میں نے بالآخر اپنی بات دہرا ڈالی۔

"وہ تم سے ٹکرائی تھی؟" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر پوچھا۔

مجھے احساس ہوا کہ نادانستگی میں میرے منہ سے غلط الفاظ نکل گئے تھے۔ میں نے جلدی سے کہا۔

"میرے الفاظ پر نہ جاؤ۔ وہ لڑکی کسی غلط راہ پر نہیں ہے۔"

"میں نے محسوس کیا کہ وہ آج تم سے بہت زیادہ بے تکلف تھی۔"

"میں دوستی کا آخری درجے تک احترام کرتا ہوں ہاشم!" میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ تمہارا ذہن غلط رخ پر بھٹک رہا ہے۔"

"نہیں نہیں، میری باتوں کا غلط مقصد نہ لو۔" وہ لڑکھڑا کر بولا۔ "میرا مقصد تمہاری ذات کو الزام دینا نہیں ہے۔ مجھے اپنے دوست رفیق کی فکر ہے۔"

"تم اس کی فکر چھوڑ دو۔ عابدہ اسے دیوانہ وار چاہتی ہے۔"

"مجھے بھی اندازہ ہے مگر اس کا تمہاری طرف جھکاؤ بہت زیادہ تھا۔ مجھے اس کی یہ بات پسند نہیں آئی۔" اس نے ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بڑھ کر کہا۔

میں سمجھ رہا تھا کہ اسے کیا خلش تھی اور وہ اپنی جگہ بالکل درست تھا مگر میں نے اسے بتانا مناسب نہ سمجھا کہ اس کا دوست ڈرامے میں

کردار کو اس ناکام اداکاروں کو ٹھگنے میں مصروف تھا، ورنہ رفیق ہمیشہ کے لئے اس کی نگاہوں سے گر جاتا۔

"ہم اگر میں نے کوئی غیر معمولی بات محسوس نہیں کی، میرا خیال ہے کہ رفیق کے دیوانے ہمارے درمیان تکلفات ختم کرنے میں خاصا اہم کردار ادا کیا۔"

"میں پھر کہتا ہوں کہ اس وقت تمہاری ذات میرا ہدف نہیں تھی۔" اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "مجھے لڑکی کی طرف سے تشویش تھی جو تم نے دور کر دی ہے۔"

"اب اس موضوع کو ختم کرو۔"

ہم دونوں ایک ٹیکسی کی طرف بڑھے اور ہاشم ڈرائیور سے کرائے میں رد و کد کر کے عقبی نشست پر بیٹھ گیا۔

"پیدل بیٹھے نہیں جاتے؟" میں نے تعجب لہجے میں ہاشم سے سوال کیا۔

"تمہاری کمائی دیسے چلتا ہو، بیٹا بیرو ہے۔"

"مجھے تمہارے ساتھ دیکھ کے وہ بھڑک سکتا تو نہیں؟" ٹیکسی روانہ ہونے کے بعد میں نے اس سے دریافت کیا۔

"تعارف کرانے کے بعد تو شاید اسے خوشی ہو گی۔" ہاشم نے کہا۔ "بہت خوش اخلاق اور وسیع ذہن کا مالک ہے۔" پھر ہم دونوں خاموشی کے ساتھ سگریٹ پھونکنے میں مصروف ہو گئے۔

ٹیکسی کا سفر بیس پچیس منٹ تک جاری رہا۔ پھر ہاشم نے اسے ایک جگہ رکوا لیا۔ وہ علاقہ خاصا گنجان آباد تھا اور اس وقت وہاں خاصی چہل پہل تھی جو اتنے سویرے میرے لئے غیر معمولی تھا۔ ایک گلی عبور کر کے ہم دوسری سڑک پر نکلے تو اس چہل پہل اور ہیجان کا سبب بھی نظر آ گیا۔ وہاں فوجیوں کا ایک ٹرک موجود تھا اور ایک عمارت کے قریب ان کا جماؤ نظر آ رہا تھا۔

میری چھٹی حس نے بارود کی بو بھی محسوس کر لی اور میں چوکنا ہو گیا۔

"خدا خیر کرے۔" ہاشم میرے کان کے قریب بڑبڑایا۔ "فوجی اسی عمارت کے سامنے ہیں جہاں ہمیں جانا ہے۔"

"کسی سے معلومات تو حاصل کرو۔" میں نے کہا۔

مگر کسی سے پوچھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ چند افراد آس پاس قریب ہی تبادلۂ خیال میں مصروف تھے اور ان کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ آٹھ دس فوجی اس عمارت کی دوسری منزل پر کسی شخص کی گرفتاری کے لئے آئے تھے مگر اس نے فوجیوں کو دیکھتے ہی اخوان الصفا کا نعرہ لگا کر ان پر گولیاں چلا دیں اور اگلے لمحے فوجیوں نے اس کا بدن چھلنی کر دیا۔

اخوان الصفا کا نام آ جانے کے بعد کوئی امید عبث تھی۔

میرے ذہن پر یک بیک بیزاری چھا گئی۔ مگر میں یہ کہنے سے قاصر تھا کہ ہاشم کے فون کرنے سے وہاں پہنچنے تک نصف گھنٹے میں ایسا کیا واقعہ رونما ہوا کہ فوجیوں نے ابوسلطان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش میں اسے ہلاک ہی کر دیا۔

ہم دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں اور پھر ہم تیزی کے ساتھ بھیڑ سے نکلتے چلے گئے۔

صبح سویرے پیش آنے والے اس واقعے کے اثرات دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ ہر طرف ہیجان اور افراتفری نظر آ رہی تھی۔ اس ماحول سے نکلنے کے لئے ہمیں خاصی دور ایک چھوٹے سے باغ میں پناہ لینی پڑی۔

"بہت گڑبڑ ہو گئی۔" ہاشم تشویش آمیز لہجے میں بڑبڑایا۔

"مگر اتنی جلدی یہ بساط کیسے الٹ گئی؟"

"بیشتر افریقی ملکوں میں اخوان الصفا پر انتہا پسندانہ رجحانات کی وجہ سے پابندی ہے۔ یہ جماعت مصر میں بھی خلاف قانون قرار دی جا چکی ہے، مگر اس کے باوجود یہاں منظم اور فعال ہے۔ آئے دن اس کے ارکان گرفتار ہوتے ہی رہتے ہیں۔"

"مگر اس وقت تو حد ہو گئی۔"

"شاید وہ پہلے سے ابوسلطان کی گھات میں تھے۔" وہ بولا۔ "ہو سکتا ہے ان کے فلیٹ کی نگرانی ہوتی رہی ہو اور انہیں جیسے ہی مخبر سے ابوسلطان کے بارے میں واپسی کی خبر ملی، انہوں نے اس کے فلیٹ پر دھاوا بول دیا۔"

"ایسے اتفاقات بہت کم ہی دیکھے ہیں۔" میں نے کہا۔ "اگر ہم کو چند منٹ ہی اس سے بات کرنے کا موقع مل جاتا تو کام بن گیا تھا۔"

"اب یہاں وقت برباد کرنا بے سود ہے۔"

"پھر کہاں جانے کا ارادہ ہے؟"

"ایک مرتبہ پھر رجیب سے رجوع کرنا پڑے گا۔"

"اور اگر ہم وہاں دھر لئے گئے؟"

"وہاں میں اکیلا جاؤں گا۔" ہاشم نے کہا۔ "ابھی سینا کو ابوسلطان کی تحویل میں رہنا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ مرنے سے قبل ابوسلطان کو اس سے بات کرنے کا موقع مل گیا ہو اور سینا کے بارے میں رجیب کو کچھ علم ہو گیا ہو۔"

"گردش کا آغاز ہو چکا ہے۔ میری مانو تو وہاں جانے سے پہلے اسے فون کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ وہاں بھی بازی الٹ چکی ہو۔"

ہم ایک مرتبہ پھر پبلک بوتھ کی تلاش میں چل پڑے۔

ہاشم نے دو تین دفعہ نمبر ملائے مگر ہر بار گھنٹی بجتی رہی۔ دوسری طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ تنگ آ کر اس نے رجیب کے سیکرٹری کے گھر فون کیا اور وہاں سے یہ اطلاع ملی کہ پچھلی شام رجیب

کے بعد صبح سویرے رجب کو فوجی حکام کے دوبارہ حراست میں لے لیا تھا۔

ابو سلطان مارا جا چکا تھا اور رجب دوبارہ پکڑا گیا تھا میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ فوجی حکام کو سیتا کے بارے میں کوئی اہم سراغ مل چکا تھا ورنہ یوں یک لخت وہ اہم مہروں پر ہاتھ ڈالنا ممکن نہیں تھا۔

ایک امکان یہ بھی تھا کہ بشیر سالاری لاپتہ تھا جسے اسرائیل سے طلب کیا تھا لہٰذا سالاری کی تلاش میں ... پہ ایک آپریشن کا آغاز کر دیا تھا۔

اصل صورت حال کیا تھی، اس کا جواب آنے ...



سیتا کی حد تک حالات بہت امید افزا تھے۔ وہ قاہرہ میں مسلسل فوج اور پولیس کا نشانہ بنی رہی تھی پھر رجب کے مضافاتی فارم والے تہہ خانے کے بعد سے اسی شہر میں روپوش تھی۔

میں اس کے بارے میں یکسر لاعلم تھا مگر پچھلے روز رفیق کے اغوا اور پھر انعام کی خطیر رقم سمیت اس کی خوش و خرم واپسی کے بعد مجھ پر یہ پہلے ہی یہ معلوم ہوا کہ اسٹیج کے اس ناکام اداکار کو سیتا کے ٹھکانے کا پتا تبدیل کے لئے اغوا کیا گیا تھا۔

ان واقعات کی بنا پر یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی تھی کہ سیتا روپ بدل کر قاہرہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکی تھی اور قاہرہ ہی نہیں بلکہ اس نے مصر بھی چھوڑ دیا ہوگا!

مگر رفیق کو کچھ علم نہیں تھا کہ سیتا وہیں موجود تھی یا کہیں روانہ ہوئی تھی اور اگر وہ کہیں روانہ ہوئی تھی تو اس نے سفر کے لئے کون سی منزل کا انتخاب کیا تھا۔

ابو سلطان کے مکان پر پولیس آ گئے ... میں چھپ رہا تھا۔ ہاشم نے فون پر اس کی گھر میں موجودگی کی تصدیق نہ کی تھی اور اس کے بعد ہمیں وہاں پہنچنے میں بمشکل نصف گھنٹہ لگا تھا۔ تیس منٹوں میں ابو سلطان کے فلیٹ پر فوج نے دھاوا ... لیا ہر تو یہ سوچنے کی بات تھی کہ کا فون کال ... کی گھات میں تھے وہ روپوش تھا اور پھر جوان ہی وہ لپٹ آیا اور ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر حکام نے اس کی ... چشم دید گواہوں سے پتہ چلا تھا کہ حملے کے وقت ... ایک آدمی تھا جس نے اخوان الصفا کا مخصوص نعرہ لگایا ... گرفتاری کی بجائے اپنے ... خود کشی کر لی ...

... چلانی کر دیا۔ سامنے کے آثار یہی بتاتے تھے کہ مرنے والا خود ابو سلطان تھا مگر میرا دل ہی خیال کی نفی کر رہا تھا۔ وہ محض رجب ملکوں کی سیل جیسی ایک تیز ترین تنظیم کا مقامی سربراہ تھا اور اس رتبے کا کوئی شخص یوں جذباتی انداز میں موت کو گلے لگانا پسند نہیں کرتا۔ جب تک کہ مقصد یا گروہ کو کوئی ... نا گزیر ہو۔

مگر میں نے ہاشم پر اپنے ان خیالات کا اظہار نہیں کیا۔ بالکل فرق رجب کا معاملہ بھی خوب ہو گیا تھا اسے چند گھنٹوں سے زیادہ آزادی کی فضا راس نہ آ سکی تھی اور وہ ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی دوبارہ فوجی حکام کی قید میں جا پہنچا تھا۔

ابھی ہاشم کو صرف اسی قدر معلوم ہو سکا کہ اس کے فارم سے بھاگ جانے کے بعد سیتا کو ایک صحرائی قافلے میں شامل ہو کر خرطوم کی طرف روانہ کرنے کا پروگرام تھا جو اخوان الصفا کی خفیہ سرگرمیوں کا مرکز رہا تھا۔

پے در پے لگنے والی ان بڑی تبدیلیوں کے بعد ہاشم کو چپ سی لگ گئی تھی اور وہ فلسفیانہ انداز میں میرے ساتھ چلا جا رہا تھا۔

"اب کوئی ارادہ ہے؟" میں نے اسے مخاطب کیا تو وہ یوں چونکا جیسے راہگیروں کے ہجوم میں ساتھ گزرنے کے باوجود وہ خود کو تنہا محسوس کر رہا ہو!

"کہاں سر ٹکرایا جائے؟" اس کے لہجے سے یاسیت کے ڈورے ٹپک رہے تھے۔

"تمہارے لب و لہجے سے مایوسی کی بو آ رہی ہے!"

"ان حالات میں تو مسکرانا بھی گناہ معلوم ہوتا ہے۔" وہ بولا۔ "ہم ایک مرتبہ پھر ایسے چوکھٹے میں آ پہنچے ہیں جہاں چاروں طرف پتھر کی دیواریں ہیں۔"

"نکاسی کی راہ ضرور ملے گی۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔ "مگر حوصلہ رکھنا ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ابو سلطان زندہ ہو۔"

وہ میرا ہاتھ تھام کر اضطراری انداز میں ایک طرف لے گیا اور تیز سرگوشیانہ لہجے میں غرایا۔ "تم مجھے بہلا رہے ہو؟"

"اگر مرنے والا وہی تھا تو میری رائے میں اسے مر جانے کا کوئی حق نہ تھا۔"

"تو کیا وہ ہتھیار ڈال کر خود کو ان بھیڑیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا؟"

"ان حالات میں ہر سمجھدار آدمی یہی کرتا۔"

"وہ اسے چند روز میں ہی سولی پر لٹکا دیتے......!"

"چند روز تو مل جاتے نا؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "مہلت میں فرار کا امکان تو ضرور باقی رہتا۔"

"یہ سمجھداری کی بات ہوتی ہے۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔ "اگر تم ...

بدترین اور جان لیوا ماحول سے بھی فرار میں کامیاب ہو گئے ہو تو یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص خود کو اتنا ہی خوش نصیب سمجھے اور ہوتے زندگی بھر کا قیدی بن جائے۔"

"اب گھر واپس چلو!" قدرے سکوت کے بعد میں نے نرمی سے کہا۔

"کس کے گھر؟" اس نے غور سے میری طرف دیکھا۔

"رفیق کے گھر!" میں نے کہا۔ "مجھے کھٹک رہا ہے کہ شاید عائدہ کے بارے میں تمہیں میری باتوں پر یقین نہیں آیا۔"

"جو تم نے کہا وہ میں نے مان لیا ہے..... مگر نہ جانے کیوں میں عائدہ کا سامنا کرنا نہیں چاہتا۔ تمہارا دل صاف ہے مگر میں نے ایک غیر جانب دار تماشائی کی طرح اس کی آنکھوں میں تمہارے لئے بے انتہا پسندیدگی دیکھی ہے! میں تمہیں بھی مشورہ دوں گا کہ اب ادھر کا رخ نہ کرو!" اس نے جھجکتے ہوئے کہہ ہی ڈالا۔

"وہ تمہارے دوست کا گھر ہے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "تم وہاں نہ گئے تو اس رستے پر میرا کیا کام۔ مگر تمہاری باتوں نے میرا دل دکھایا ہے۔ تم عائدہ کو غیر ضروری اہمیت دے رہے ہو حالانکہ وہ رفیق کی منکوحہ ہے جو کبھی بھی میلی جا سکتی ہے۔"

"مگر وہ برسوں سے ساتھ رہ رہے ہیں۔" اس نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ "ان میں میاں بیوی جیسی چاہت اور ہم آہنگی ہے۔"

اس کے الفاظ نے مجھے پھوٹ پڑنے کا موقع فراہم کر دیا۔ "میاں بیوی کے مقدس رشتے کو گالی نہ دو ہاشم، اگر ان میں اسی قدر خلوص ہوتا تو وہ اب تک شادی کر چکے ہوتے، چند سکوں یا چند لمحوں کے لئے اشتعال کرنے والی کبھی اس مقدس رشتے کو سمجھ ہی نہیں سکتی۔ جو میاں بیوی کے درمیان پرشانی بن جاتا ہے اور وہ تو اسٹیج پر ناچنے والی ہے، دن میں نہ جانے کتنے لوگوں کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھتی ہو گی، تم کہاں تک رفیق کی آبرو کو محفوظ کرتے پھرو گے؟"

میں نے براہ راست کہہ کے بغیر اپنے دل کا غبار نکال دیا۔ جب سے ہاشم نے عائدہ کے بارے میں بات چھیڑی تھی میں اندر ہی اندر خود کو بیا محسوس کر رہا تھا مگر دل ہلکا ہو جانے کے بعد وہ بے بنیاد سی شرمساری جاتی رہی تھی۔

"شاید تم درست کہتے ہو۔" وہ کمزور سے لہجے میں بولا۔ "میں اس ماحول کا عادی نہیں ہوں۔ غلطی میری ہے مجھے تم سے براہ راست اس موضوع پر بات نہیں کرنی چاہئے تھی۔ مگر تم نے بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دیا ہے!"

"شاید اس کے بغیر تم قائل بھی نہ ہوتے!" میں اس پر بُری طرح حاوی ہو چکا تھا۔ "وہ کس سے ساتھ رہتے ہیں؟ رفیق بے روزگار ہے اور تم غور کرو تو وہ عائدہ کی کمائی پر ہی پل رہا ہے اس نے یقیناً عائدہ

کو بہت سی ناگفتنی رعایتیں دے چکی ہوں گی اور تم ...... تم شاید اپنی خواہش کی خاطر میرے دامن پر داغ لگانے کی کوشش کر سکتے ہو۔"

"تم مجھے غلط سمجھے ہو۔" اس نے مضبوطی سے میرا بازو دبوچ لیا۔

"میں بات اتنی زیادہ بڑھانا نہیں چاہتا تھا، مجھے معاف کر دو، ہم ابھی رفیق کے گھر چلیں گے۔"

"میں رفیق سے صرف اتنا پوچھنا چاہتا تھا کہ اس نے بیٹا کا ... نیک اپنی مرضی سے کیا تھا یا کسی تقریب کے مطابق مگر اب میں ادھر کا رخ بھی نہیں کروں گا۔" میں نے ملامت آمیز انداز میں کہا۔

"اس بات کو اتنا طول نہ دو۔" وہ چلتے چلتے رک گیا۔ اس وقت ہمارے ارد گرد اکا دکا ہی راہگیر دکھائی دے رہے تھے۔

"اپنی باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرو۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "تم نے بہت بڑی بات کہی ہے اور مجھے اس پر برا ماننے کا پورا حق ہے!"

"میں کہہ رہا ہوں معاف کر دو مجھے۔" اس کی آواز بھرا گئی۔ "ورنہ سچ تمہارے سر میں گولی مار کر خودکشی کر لوں گا۔"

"میں مرنے سے نہیں ڈرتا۔"

"میں جانتا ہوں۔" اس کی آواز بدستور گلوگیر تھی۔ "اور یہ بھی سمجھ گیا ہوں کہ میں تم سے جانے کیوں بچھڑ جانے کی نادانستہ حماقت کر بیٹھا تھا مگر اب مجھے زیادہ شرمسار نہ کرو، ختم کر دو اس ناگوار قصے کو۔"

"میری طرف سے ختم ہی سمجھو۔"

"تو پھر رفیق کے گھر چلو!"

"یہ پھر کبھی ہو گا۔" میں نے سختی سے انکار کر دیا۔

"میں اسی وقت تمہارا دل صاف سمجھوں گا جب تم میرے ساتھ وہاں چلو گے!" اس کا لہجہ خوشامدانہ ہو گیا۔

میرا انکار جاری رہا اور وہ اصرار کرتا رہا اور نتیجہ یہ نکلا کہ کافی رد و قدح کے بعد مجھے اس کے ہمراہ رفیق کے گھر کی طرف روانہ ہونا پڑا۔

گھر پہنچے تو رفیق غائب تھا اور عابدہ موجود تھی۔

میں نے ہاشم کی گفتگو کے انتقامی ردعمل کے طور پر عابدہ کی دلآویز مسکراہٹ کا جواب نہایت فراخ دلی سے دیا۔

اس سے پہلے کئی مرتبہ میں نے عابدہ کی کھلی دعوت کو ٹھکرایا تھا کیونکہ میرے ذہن میں صرف ایک ہی بات تھی کہ اس کا ایک ایسے شخص سے تعلق تھا جس نے مجھے مہمان سمجھ کر برے وقت میں مجھے اپنی چھت کے نیچے پناہ دی تھی۔

مگر اب میں عابدہ کے لئے اپنے وجود میں درندگی ابھرتی محسوس کر رہا تھا۔

میں کوئی پاکباز شخص نہیں تھا مگر میں نے ہمیشہ اپنی حد کا پورا لحاظ رکھا تھا لیکن ہاشم نے مجھ پر اپنی حد سے تجاوز کا الزام لگا کر میرے کردار میں ایک منفی اور وحشیانہ ردعمل پیدا کر دیا تھا۔ اس کی شرمندگی اور معذرت بھی فرو نہ کر سکی تھی۔

"رفیق کہاں ہے؟" میں نے مسکرا کر سوال کیا تو [illegible] اس کے حسین رخساروں پر لالی سی ابھری تھیں جیسے کوئی [illegible] سے پہلے اپنے شکار کو گھورتا ہے۔

"آتا ہی ہو گا۔" وہ ابھی [illegible] اور میرا خون [illegible] کنپٹیوں میں شور کرنے لگا۔

ہاشم شروع ہی سے سر نیچے جھکائے بیٹھا تھا [illegible] میری مسکراہٹ کی خبر تھی نہ عابدہ کی چشمک زنی کی [illegible] تھی کہ وہ ان تفصیلات کو بغور دیکھے اور مسلسل ندامت میں مبتلا [illegible]

"شاید انعام کی رقم ٹھکانے لگانے کا کام شروع ہو گیا [illegible]" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اسے کہہ کر گئے تھے [illegible] ہیں وہ وہی لینے کے لئے گیا ہے۔"

"اسے ہوٹلنگ خرچ کرنے کا حق حاصل ہے۔" میں نے [illegible] انگڑائی لے کر کہا۔

"کیا مطلب؟" اس نے چونک کر سوال کیا اور ہاشم [illegible] کر میری طرف متوجہ ہو گیا شاید اسے ڈر ہو گا کہ میں عابدہ [illegible] کا ہی ذکر کروں حالانکہ اس وقت تو میں اس [illegible] سر تا پا نیاز بنا ہوا تھا!

"تم جیسی ...... یعنی سمجھدار بیوی کے ہوتے ہوئے [illegible] کوئی فکر نہیں ہونی چاہئے۔" میں نے ذومعنی بات کہتے [illegible] کر وضاحت کر ڈالی۔ "اس معاملے میں رفیق بہت خوش [illegible] ہوتا ہے۔"

"تو چائے نہیں پلاؤ گی؟" ہاشم نے موقع پاتے ہی [illegible] تسلسل توڑ دیا۔

"ابھی لائی۔" عابدہ یہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔

"تم مجھے معاف نہیں کرو گے؟" تنہائی میسر آتے ہی [illegible] مجھ سے بے بسی کے ساتھ سوال کیا۔

"کس سلسلے میں؟" میں دانستہ انجان بن گیا۔

"عابدہ سے بات کرتے ہوئے تمہارے تیور [illegible] کے لہجے میں بے بسی کے ساتھ ہی شکایت کا عنصر بھی ابھر آیا۔

"وہ پہلے ہی [illegible] میرے لئے چیلنج بنی ہوئی [illegible] نے کچھ ڈالا۔ میرے انداز گفتگو کا تمہارے معاملے سے کوئی [illegible] نہیں تھا۔"

"وہ تمہارا اور عابدہ کا معاملہ ہے، مجھے درمیان [illegible] شک [illegible] کرنا ہو گا۔" میں نے [illegible]

اس وقت مجھے ہاشم سے کوئی ہمدردی نہیں رہی تھی۔

ہم دونوں خاموش اور اپنے اپنے خیالات میں گم گھر پہنچے۔

مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے ہم دونوں کے درمیان عابدہ کی وجہ سے ایک غیر محسوس سی دیوار حائل ہو چکی تھی جسے گرانا ہاشم کے بس کی بات نہیں تھی اور مجھے اس کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی بھی دلچسپی باقی نہیں رہی تھی۔ اس وقت میرے ذہن میں ایک ہی جنون سوار تھا کہ عابدہ کی مہرو ملت کو شرف قبولیت بخشا جائے۔

"میری طرف سے تمہارا دل ابھی تک صاف نہیں ہوا ہے!" کچھ دیر کے بوجھل سکوت کے بعد ہاشم نے سکوت توڑا۔

"تلوار کے زخم جلدی بھر جاتے ہیں مگر الفاظ کے گھاؤ بڑا وقت لیتے ہیں۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔ "رفتہ رفتہ تمہاری شکایت بھی دور ہو جائے گی، ویسے میں دانستہ تمہارے ساتھ مخاصمانہ رویہ اختیار نہیں کر رہا۔"

"اس بار مجھے اپنی زندگی کا ایک اہم ترین تجربہ حاصل ہوا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"ذاتی موضوعات پر کسی قریبی دوست سے بھی کھل کر بات نہ کرنی چاہئے۔" اس نے کہا۔ "ورنہ کسی غلطی کا ازالہ ناممکن ہو کر رہ جاتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اس موضوع کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے ہو۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"میرے لئے تمہاری خوشنودی سب سے زیادہ عزیز ہے!"

"تم نے جنرل کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" میں نے خاموشی کا دھیان بانٹنے کی نیت سے ایک نیا موضوع نکال لیا۔

"کون جنرل؟"

"جنرل احمد فواد۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"آج کل کسی وقت بیروت سے احکام آ جائیں گے۔ اس کے بعد ہی کوئی حتمی اقدام کئے جائیں گے یا میں طرابلس واپس چلا جاؤں گا۔"

"میرا معاملہ تو خیر اس وجہ سے بگڑ گیا تھا کہ پتا آخر کیا آیا ہمیں لیبی حکام کے عتاب کا نشانہ بننا پڑا تھا ورنہ میرا خیال ہے کہ تم لیبیا میں آزادی کے ساتھ کام کرتے ہو۔"

"لیبیا میں آزادی کا تصور قدرے مختلف ہے!"

"وہ کیسے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"وہاں مکمل آزادی کے لئے قدم قدم پر رکاوٹیں حائل ہوتی رہتی ہیں۔" گفتگو کا موضوع تبدیل ہو جانے پر وہ بھی خوش نظر آ رہا تھا۔

"مگر افواج آزادی فلسطین کے ایک عہدیدار کے لئے میزبان ملک کی سرکاری پالیسی کی بھلا کیا اہمیت ہو سکتی ہے!"

"بظاہر نہیں ہوتی لیکن عملاً ساری اہمیت اسی کی ہے!" ہاشم نے زور دے کر کہا۔ "لیبیا کی حکومت استعماری قوتوں اور استحصال کے خلاف چلنے والی ہر تحریک کی اصولی طور پر حمایت کرتی ہے خواہ وہ قطب شمالی میں ہو یا سوڈان میں اور اس ضمن میں وہ تخریب اور تشدد کو بھی جائز سمجھتی ہے مگر یہ غیر مشروط حمایت عملاً مشروط ہے کیونکہ صدر قذافی کے فیصلوں سے اتفاق نہ کرنے والے افراد کے ساتھ ہی ان کی تنظیمیں بھی لیبی حکومت کی حمایت سے محروم ہو جاتی ہیں لہذا لیبیا میں آزادی سے کام کرنے کے لئے مجھے ان کی حکومت کے ہر فیصلے اور موقف کی تائید میں داد و تحسین سے لبریز بیانات جاری کرنے پڑتے ہیں۔"

"ایران بھی یہی۔" میں نے کہا۔ "اگر تم سر سہلا کر بھیجا کھانے کی استطاعت رکھتے ہو تو یہی کیا کم ہے۔"

"چند ماہ پہلے یہ بھی ہوا تھا کہ میری عدم موجودگی کے بعد صدر قذافی کے اہلکاروں نے ہمارے گروپ کی فوجی امداد کے لئے پچاس لاکھ پاؤنڈ کی امداد منظور کی تھی اور اس کا باقاعدہ اعلان بھی جاری ہو گیا تھا مگر تیسرے ہی روز کویت میں ایک فلسطینی رہنما کے "انتقامانہ تنقیدی بیان" کی وجہ سے وہ امداد منسوخ کر دی گئی!"

"کس کی امداد منسوخ ہو گئی؟" عابدہ نے قہوے کی ٹرے سمیت کمرے میں داخل ہوتے ہوئے مسکرا کر سوال کیا۔

شاید اس نے ہاشم کے آخری الفاظ سن لئے تھے۔

"سوڈانیوں کی ایک انجمن کا تذکرہ تھا۔" ہاشم نے جلدی سے بات بنائی۔ "پچھلے دنوں ان کا سرکاری چندہ روک دیا گیا۔"

"یہ تو بڑی بات ہے۔" وہ پیالیوں میں گرم گرم قہوہ انڈیلتے ہوئے بولی۔ "اب تو شاید رفیق ہی ان کی کچھ مدد کر سکے گا، کون لوگ چلاتے ہیں یہ انجمن؟"

"میرے دوست ہیں۔" ہاشم کو کہنا پڑا۔ "ان کا دس بیس ہزار پاؤنڈ سے بھی کچھ بھلا نہ ہو سکے گا۔"

"تم کو بھی معلوم ہوتے ہیں وہ لوگ!" عابدہ نے قہوے کی ایک پیالی ہاشم کی طرف بڑھاتے ہوئے قہقہہ مار کر کہا۔

"سوڈانیوں اور مسکینوں کی دیکھ بھال جیسے متوسط لوگوں کا کام بھی نہیں ہے۔" میں اس کی تائید کرنے میں خوشی محسوس کر رہا تھا۔

"سوڈانیوں تک تمہاری بات درست ہے، مسکینوں کو اس میں شامل نہ کرو، میں ان کی خاصی مدد کر چکی ہوں۔"

"کن مسکینوں کا ذکر ہے؟" ہاشم نے اسے وہیں الجھا لیا۔

"ہندی مسکین!" وہ استہزائیہ انداز میں زور سے ہنس پڑی اور اس وقت پہلی بار مجھے اندازہ ہوا کہ عرب نژاد افراد ہندوستانی باشندوں کو بالکل تحقیر کے مسکین کہہ کر پکارتے تھے!

"کیا قصہ تھا؟" میں نے اپنے فطری تجسس کے تحت سوال کیا۔

"پچھلے دنوں دمشق میں ہند کے یوم آزادی کے موقع پر ایک ہندی مسکین نے دعوتی شو منعقد کیا تھا جس میں شرکت کے لئے مجھے

دولت مند شخص اور وقت قیام و طعام کے علاوہ اس نے چھ ہزار پاؤنڈ نقد دیئے تھے۔ سنا ہے کہ ساری ادائیگیوں کے بعد اسے ڈیڑھ ہزار جعفری پاؤنڈ کے مساوی رقم بچی تھی جس پر وہ بے حد مسرور تھا۔"

عابدہ کو ملنے والی مراعات و صاف تھے سے صاف ظاہر تھا کہ اسٹیج پر اسے اپنے جسم کی بے حجاب نمائش پر آمادہ کیا گیا ہوگا مگر اس وقت میں نے وہ پہلو چھیڑنا مناسب نہ سمجھا بلکہ اس گمنام ہندی مسکین کی وکالت میں ایک فقرہ کہہ گیا "ہو سکتا ہے کہ اسے ڈیڑھ ہزار پاؤنڈ سے زیادہ کامیاب پروگرام کی خوشی ہو!"

"یہ تم اسی لئے کہہ رہے ہو کہ ان سے ناواقف ہو۔" وہ سنجیدہ ہو گئی "بلیک کرڑیوں کے عوض اپنی ہر چیز داؤ پر لگا دیتے ہیں۔"

عابدہ کا تعلق ایک مختلف جغرافیائی خطے سے تھا جبکہ ہندی کسی حد تک میرے اپنے علاقے کے لوگ تھے لہٰذا میں تلملا گیا اور ہاشم کی موجودگی کا لحاظ کرتے ہوئے ایک بالواسطہ حملہ کر ڈالا۔

"کسی قوم کو برا نہ کہو عابدہ! میں ایسے مصریوں سے واقف ہوں جو اپنے ملعون مقاصد کے لئے اپنی محبوباؤں کو عربوں کی سوداگری پر اکساتے رہتے ہیں۔"

وہ بہت چالاک تھی لہٰذا میرے تبصرے پر کھلکھلا کر ہنس پڑی "ہندیوں سے بہت ہمدردی ہے نہیں؟"

"میری محبوبہ ایک ہندی لڑکی ہے۔" میں نے جذباتی لہجے میں کہا "اور میں اس کی پالی ہوئی کی قسم بھی کھا سکتا ہوں!"

ہاشم جو اس وقت تک منکا بنا بیٹھا ہم دونوں کی بحث سن رہا تھا اس نازک موڑ پر چوٹ کئے بغیر نہ رہ سکا۔

شاید اس نے اندازہ لگا لیا کہ عابدہ سے بات کرتے کرتے میرے جذباتی دھارے کا رخ بیتا کی طرف ہو گیا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اس نے براہ راست مجھ سے مخاطب ہو کر عجلت آمیز لہجے میں کہا "ایک آدھ فرد کے کردار کو کلیہ نہیں بنایا جا سکتا۔"

"تمہارا دوست بہت زیادہ آتش مزاج ہے۔" عابدہ ہنس کر بولی جیسے مجھ پر اس کے طنز کا بھی کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا۔

"کوئی بھی شخص اپنی محبوبہ کے وطن کی برائی برداشت نہیں کر سکتا۔" ہاشم نے مصالحانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"برا نہ مانو تو ایک بات پوچھوں؟" عابدہ نے براہ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"اچھے لوگ بُری باتوں کا بھی برا نہیں مانتے!" میں اپنے ذہن میں ابھرنے والی تلخی کو کوشش کے باوجود نہ چھپا سکا۔

"حسین و جمیل ہندی عورتیں عرب ملکوں کو سونے کی کان سمجھ کر گھریلو خادماؤں کے طور پر یہاں آتی ہیں اور پھر اپنی بے حجاب اداؤں کے سہارے کسی عرب کی محبوبہ یا تیسری چوتھی بیوی بن جانے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔"

"تمہارے حق پر ڈاکا ڈالتی ہیں؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"اگر تم دونوں کسی اور موضوع پر بات نہیں کر سکتے تو بہتر ہوگا کہ میں رفیق کو ڈھونڈ لاؤں۔" ہاشم فیصلہ کن انداز میں اٹھ ...

"عابدہ کو ان باتوں میں مزہ آ رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم رفیق کی غیر موجودگی میں اس کے دوستوں سے ایسے موضوعات پر بات کرو۔" ہاشم نے ملامت ... لہجے میں عابدہ سے کہا۔

"یہ میرا اور رفیق کا باہمی اعتماد کا معاملہ ہے۔" عابدہ نے ... سے کہا "تمہیں اخلاق کی تربیت کی ضرورت نہیں ہے!"

"پھر میرا جانا ہی بہتر ہے۔" ہاشم نے خشک لہجے میں ... سے کہا اور نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

میں نے اسے روکا اور نہ ہی عابدہ نے اسے روکنے کی کوشش کی۔ وہ چند ثانیوں تک نکاسی کے راستے کی طرف دیکھتی رہی ... والہانہ انداز میں ہنس پڑی۔

"پاگلوں کی طرح کیوں ہنس رہی ہو؟" میں نے اسے گھور کر ... ہوئے تنبیہی لہجے میں سوال کیا۔

"جل گیا۔" وہ بدستور ہنستے ہوئے بولی "یہ ... کہ اس کے دوست کی بیوی کسی اور سے ہنس ہنس کر بات کرے!"

"اور اگر اس نے رفیق سے شکایت کر دی؟"

"وہ ہاشم کے سامنے جو چاہے اداکاری کرے مگر میرے ... سامنے کی جرأت بھی نہ کر سکے گا۔"

"میں نے یہاں رک کر غلطی کی ... مجھے بھی اسی کے ساتھ ... تھا۔" میں نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی نشست چھوڑتے ہوئے ...

"جانے تو نہیں دوں گی۔" وہ لپک کر میری راہ میں حائل ...

"عورت کو اکیلا چھوڑ کر بھاگ نکلنا مردانگی نہیں بزدلی ہے!"

"مجھے احمق نہ بنا سکو گی۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے ... "لئے رفیق ہی مناسب ہے یا پھر تمہارے اپنے تلاش کئے ہوئے ..."

"تمہیں بھی میں نے ہی تلاش کیا تھا۔" وہ میرے قریب ...

"ہاشم تو نہ جانے کہاں سے ہمارے درمیان آ ٹپکا؟"

"تمہاری دلیری اسی نے دکھائی ہے!"

"تو پھر اس دلیر کے شک سے کیوں پرہیز کر رہے ہو؟ ..."

اس نے اپنے جارحانہ رویے سے ... میں اشتعال کا ایک ایسا جوالا مکھی بیدار کر دیا تھا جسے کوئی ... ہی سرد کر سکتی تھی۔

میرے ذہن سے رفیق اور ہاشم کا تصور بالکل ہی محو ہو ...

میری نگاہوں کے سامنے اس وقت صرف ایک مکا رتا ہوا وجود باقی رہ گیا تھا جس کا غرور پامال کرنا اس وقت میرے لئے اہم ترین معرکہ تھا۔

میں نے خود کو ان سنگین لمحات سے بچا لینے کی سرتوڑ کوشش کی تھی مگر عابدہ نے میری اس ہر خواہش کو یوں پامال کیا کہ مجھے پڑی۔ طرح پامال کرنے کے باوجود بھی خیالی انتقام کی آگ سے نجات نہ پا سکا۔

کچھ دیر بعد رفیق آ گیا۔

اس کے پیچھے ایک حمال بھی تھا جس کے سر پر لدی ہوئی ٹوکری نعمت ... کے پاماں سے بھری ہوئی تھی۔

مجھے دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

میں نے عابدہ پر نگاہ ڈالی اور اسے قدرے شرمسار دیکھ کر مجھے خاصی حیرت ہوئی۔

"ہاشم نہیں ملا تمہیں؟" عابدہ نے اس سے سوال کیا۔

"ہاشم؟ کہاں ہے وہ؟" رفیق نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہیں ڈھونڈنے نکلا تھا کچھ دیر پہلے۔" میں نے کہا "میری اور عابدہ کی بحث سے بوکھلا کر بھاگ نکلا تھا۔"

"تم تو صرف سگار لینے گئے تھے؟" عابدہ نے باربردار کی ٹوکری کا جائزہ لیتے ہوئے چالاکی کے ساتھ میری بات کاٹ دی۔

"کچھ چیزیں تمہارے لئے بھی لے آیا۔" رفیق کا انداز والہانہ تھا۔ اس نے مزدور کو اجرت دے کر رخصت کیا تو عابدہ سامان سمیٹنے میں مصروف ہو گئی اور میں رفیق کو تخلئے میں لے گیا۔

"صبح ہم تم سے ایک بات پوچھنی بھول گئے تھے۔" میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا "تم نے جس لڑکی کا میک اپ کیا وہ واقعی سپیتا تھی؟"

وہ ہنس پڑا "یہ تو میں نے صبح ہی بتا دیا تھا وہ سو فیصدی بیتا ہی تھی مگر تم اور ہاشم اس کے معاملے میں زیادہ پرجوش نظر آ رہے ہو!"

"اس کی صورت تم نے اپنی مرضی سے تبدیل کی تھی؟" میں نے اس کا جائزہ تنقیدی انداز میں لیتے ہوئے سوال کیا۔

"مجھے ایک تصویر دی گئی تھی۔" میرے سوال پر وہ سنجیدہ ہو گیا "میرا خیال ہے کہ میک اپ کے بعد اس کو تصویر والی کا ہم شکل بنا دیا تھا۔"

"تم اس کا بدلا ہوا حلیہ بتا سکو گے؟" میں نے پوچھا۔ لیکن اس کا جواب سن کر مجھے خاصی مایوسی ہوئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ صرف تصویر کے بجائے کسی پاسپورٹ پر لگی ہوئی تصویر کا حوالہ دے گا۔

"خدوخال میں کوئی بڑی تبدیلی تو ناممکن تھی۔" وہ پرخیال لہجے میں بولا "نمایاں بات یہ تھی کہ مجھے اس سرخ و سفید عورت کی جلد کو سیاہی مائل کرنا پڑا!"

"مصری تو زیادہ تر گندمی.....!"

اس نے میرا مفہوم سمجھ کر میری بات درمیان ہی سے اچک لی۔

"مصری نہیں وہ اس رنگ و روپ میں وہ کسی سوڈانی قبیلے سے متعلق نظر آ رہی تھی۔ میں نے اس کے بالوں کی ترتیب بدلنے پر بڑی محنت کی تھی۔"

"کوئی اور بات؟" میں نے بے چینی سے سوال کیا۔

"میں سوڈانیوں کے درمیان تھا اور وہ ان سے کافی مانوس نظر آ رہی تھی..... لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم دونوں اس میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟"

"میں ہاشم کے ایما پر اس معاملے میں دلچسپی لے رہا ہوں۔" میں نے فوری طور پر دفاعی انداز اختیار کر لیا "اگر ہاشم تمہاری تلاش میں نہ نکل جاتا تو میں یہ سوالات بھی نہ کرتا مگر اس وقت عابدہ مصروف ہے اس لئے میں نے تخلئے کا فائدہ اٹھا لیا۔"

"تم بھی تو کچھ نہ کچھ جانتے ہو گے؟" اس نے زور دے کر کہا "میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ یہ کوئی لمبا معاملہ ہے ایسا نہ ہو کہ ہاشم بے چارہ بے موت مارا جائے!"

"وہ ذاتی تحفظ کو داؤ پر لگانے والوں میں سے نہیں ہے!" میں نے اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے کہہ دیا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ آج کل فلسطینی گروہوں کے معاملات میں ضرورت سے زیادہ ملوث ہو گیا ہے۔" وہ رازدارانہ لہجے میں کہنے لگا "مجھ میں اس سے براہ راست اس موضوع پر بات کرنے کی ہمت نہیں ہے لیکن تم اس کے دوست ہو تو اسے روکو۔ آج کل کے حالات بہت نامساعد ہیں۔ وہ کسی چکر میں پھنس گیا تو مجھے بڑا قلق ہوگا۔"

"میں کوشش کروں گا۔"

پھر عابدہ بھی ہم دونوں کے ساتھ شامل ہو گئی اور خوش گپیوں کے دور کا آغاز ہو گیا۔ اس دوران میں میں نے عابدہ کے رویے میں ایک نمایاں تبدیلی محسوس کی کہ وہ براہ راست میری آنکھوں میں دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔

پھر کھانے کا وقت ہو گیا مگر ہاشم کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

عابدہ کی رائے ہم دونوں سے مختلف تھی اور ہمارا خیال تھا کہ کھانے کے لئے ہاشم کی واپسی کا انتظار کیا جائے مگر عابدہ کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈالنے ہی پڑے۔

جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا مجھے ہاشم کے بارے میں تشویش ہوتی جا رہی تھی اور میں سنجیدگی سے ان امکانات پر غور کرنے لگا تھا کہ اگر ہاشم کسی دشواری میں گھر گیا یا اس نے دانستہ عابدہ کے مکان پر واپس نہ آنے کا فیصلہ کر لیا تو میں اپنے قیام کے لئے کدھر کا رخ کروں گا اور میری حکمت عملی کیا ہوگی!

لیکن ہاشم کی گمشدگی کے بارے میں میرے تمام خدشات بے بنیاد ثابت ہوئے اور کھانے کے اختتام پر وہ آ پہنچا۔

اس کی حالت خاصی ابتر تھی۔ بشرے سے تکان کا اظہار ہو رہا

تھا اور چال میں خفیف سی لنگراہٹ آگئی تھی۔

"کہاں رہ گئے تھے؟" اسے دیکھتے ہی عابدہ نے سوال کیا۔

"رفیق قریبی بازار میں مجھے ملا تو میں اپنے ضروری کام سے آگے چلا گیا۔" حسن نے تھکے ہوئے انداز میں کرسی میں ڈھیر ہوتے ہوئے کہا۔

عابدہ اس کے لئے کھانا لینے گئی تو ہاشم نے آگے جھک کر آہستہ سے کہا: "باہر جانا بے حد خطرناک اور دشوار ہے، کیا ہم دونوں کو تھوڑی دیر کے لئے تنہائی میسر آسکے گی؟"

"ابھی ابھی تو" رفیق نے خوش دلی کے ساتھ کہا: "تم کھانا کھا لو میں ابھی تمہارے ساتھ باہر چلا جاؤں گا، مگر بات کیا ہے؟"

"کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" ہاشم نے معذرت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ گول مول جواب دیا۔ "میں تمہیں مطمئن کئے بغیر نہیں جا سکتا۔"

"تمہاری مرضی، مگر میں بھی تمہارا خیرخواہ ہوں۔" رفیق نے شانے اُچکا کر نرم اور دوستانہ لہجے میں کہا۔

"میں جانتا ہوں اور تمہارے جذبات کی قدر بھی کرتا ہوں۔" ہاشم نے کہا۔ "مگر میں تمہارے تفکرات میں اضافہ کرنا نہیں چاہتا۔"

کھانا آیا اور ہاشم خاموشی سے فارغ ہو گیا۔ عابدہ نے دو تین بار لب کھولنا چاہا لیکن وہ ہر بار گفتگو کو اختصار کے دائرے میں رکھنے میں کامیاب رہا۔

کھانے کے بعد رفیق واقعی عابدہ کو لے کر کہیں رفو چکر ہو گیا۔

"تم مجھ سے کیا سننے کی توقع کر رہے ہو؟" تخلیہ میسر آجانے کے بعد ہاشم نے سگریٹ سلگاتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

"کوئی کہانی ——— دشواریوں اور مشکلات سے پُر!" میں نے اس کے چہرے کے تاثرات کا بغور جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"کیسے اندازہ لگا لیا تم نے؟" وہ متحیر ہو گیا۔

"تمہاری چال کی خفیف سی لنگڑاہٹ نے بہت کچھ بتا دیا ہے۔"

"تو کیا میں لنگڑا رہا تھا؟" اس نے بوکھلا کر سوال کیا۔

"سامنے کی بات ہے!"

"مگر رفیق یا عابدہ نے اسے محسوس نہیں کیا ورنہ عابدہ ضرور طعنہ دیتی بیٹھ کر باتیں میں اس کے تیور اچھے نہیں تھے۔"

"میں تمہاری کہانی سننے کے لئے بے چین ہوں!"

"شاید تمہیں یقین نہ آئے۔" اس نے سگریٹ کے دو گہرے کش لے کر کہا: "تمہاری باتوں نے مجھے الجھن میں ڈالا تھا اور مجھے ابوسلطان کی تلاش کی جستجو تھی۔ اسی سیاق و سباق میں ایک گمنام علاقے میں دو غنڈوں نے مجھے بلاوجہ گھیر لیا۔ اور خاصی مرمت کے بعد چھوڑ کر رفوچکر ہو گئے لیکن ان کی اس حرکت کا کوئی مطلب نہیں سمجھ سکا۔"

"بلاسبب مرمت؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"ہاں وہ ناگہانی پیچھے سے مجھ پر حملہ آور ہوئے تھے اور مجھ پر لاتوں گھونسوں کی بارش

چکتے ہوئے مجھ پر مکّوں اور لاتوں کی یلغار کر دی!"

"مقامی ہی تھے؟"

"یہ سمجھنے کی مہلت ہی نہ مل سکی، البتہ ٹھٹکتے عربستان تو آنا فانا میں شدید ضربیں لگائیں اور جتنی دیر میں سنبھلتا وہ ہاتھ پاؤں جھاڑ کر بھیڑ میں غائب ہو چکے تھے!"

"قرب و جوار کے لوگوں سے بھی کچھ معلوم نہ ہو سکا؟"

"وہ سب اتنی سرعت سے ہوا کہ لوگ مجھے کچھ بتانے کے بجائے جرح کرنے لگے تھے لہٰذا میں نے وہاں تماشا بننے کے بجائے اسی میں عافیت سمجھی!"

"ایک بات تو طے ہے کہ وہ سرکاری آدمی نہیں تھے۔"

"یہ کیسے کہہ دیا تم نے؟ مجھے تو سب سے زیادہ ڈر اسی بات کا تھا۔"

اس نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

"سرکاری اہلکار ہوتے تو یوں مار دھاڑ کر کے فرار نہ ہوتے، پورے اختیارات کے ساتھ تمہارے سینے پر سوار ہو جاتے!"

"میری پسلیاں ابھی تک دُکھ رہی ہیں۔" وہ آہستہ سے کراہا: "ہو سکتا ہے کہ انہوں نے مجھے ہراساں کرنے کی کوشش کی ہو!"

"ایسا ہوتا تو پہلی بات یہ ماننی پڑے گی کہ وہ لوگ تمہیں پہچانتے تھے۔" میں نے کہا۔ "اور اگر ہراساں کیا گیا تھا تو اس کا ایک ہی مقصد ہو سکتا ہے کہ تم بوکھلا کر اپنے کسی اہم ترین ٹھکانے کا رُخ اختیار کرو اور وہ ڈال سکیں۔"

وہ چونک کر کرسی میں سیدھا ہو گیا: "یہ تو میں نے خیال نہیں کیا، ہو سکتا ہے کہ یہاں تک میرا تعاقب کیا گیا ہو۔"

"اگر تعاقب کیا گیا ہوتا تو اب تک کوئی نہ کوئی دروازے پر دے رہا ہوتا۔" میں نے اس کے خیال کی نفی کی۔

وہ ایک پُر ہجوم گزرگاہ پر مجھ پر حملہ آور ہوئے تھے۔

"میں مان ہی نہیں سکتا کہ وہ کوئی اتفاق تھا یا کوئی بے مقصد حرکت تھی۔"

"ایک امکان اور بھی ہے۔" میں نے ایک فوری خیال کے تحت

"وہ کیا؟"

"ابوسلطان کی تلاش میں تم کہاں کہاں گئے تھے؟"

سوال کیا۔

"اخوان الصفا کے کم از کم تین معتمد ارکین سے ملا۔"

"اور ان سے کیا اطلاعات ملیں؟"

"ابوسلطان کے بارے میں ہر ایک نے لاعلمی ظاہر کی۔" وہ سے پلکیں جھپکاتے ہوئے بولا۔

"اب یوں سمجھ لو کہ ابوسلطان زندہ ہے ......!" میں نے شروع کیا مگر ہاشم نے میری بات کاٹ دی۔

"مگر وہ تو مر چکا ہے؟"

"فرض کرو کہ وہ زندہ ہے۔" میں نے زور دے کر کہا: "حکام سمجھ بیٹھے ہیں کہ انہوں نے اسے مار لیا۔ ان حالات میں اگر کوئی اس کی تلاش شروع کر دیتا ہے تو اس کے جاں نثار یہی سمجھیں گے کہ اس طرح مقامی حکام بھی دوبارہ اس کی بُو پر لگ جائیں گے۔ دوسری طرف ابوسلطان کے حامی یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس کی تلاش میں مصروف آدمی دشمن نہیں بلکہ دوست ہے لہٰذا انہوں نے براہِ راست سامنے آکر شدید تشدد کے بجائے اس شخص کی مرمت پر اکتفا کیا تاکہ وہ تلاش کا عمل فی الحال معطل کر دے۔"

"اتنی گہری سوچ اخوانیوں کے بس کی بات نہیں۔" اس نے کہا۔ "ان کی پوری تحریک دو تین رہنماؤں پر چل رہی ہے جنہیں بے شمار زندہ پیروکار ملے ہوئے ہیں۔"

"یہ تو طے ہے کہ وہ سرکاری آدمی نہیں تھے۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اور اگر تم انہیں اخوانی بھی نہیں مانتے تو وہ تمہارے کسی ذاتی دشمن کے بھیجے ہوئے کرائے کے بدمعاش تھے۔"

"قاہرہ میں میرا کوئی دشمن نہیں ہے!" حسن نے کہا۔ "میں ذاتی مراسم بنانے میں ہمیشہ سے محتاط رویّے کا عادی ہوں!"

"اس وقت جانے جانے صرف دو نام ہیں۔" میں نے کہا۔ "ابوسلطان اور جنرل فواد! ان کے علاوہ تیسرا کوئی حریف نہیں ہے۔"

"تم اس نتیجے پر کس قدر زور کیوں دے رہے ہو کہ ابوسلطان زندہ ہے؟" اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"مرنے والے کے برجستہ جذباتی انداز اختیار کیا وہ کسی پختہ کار آدمی کے رویّے سے میل نہیں کھاتا۔"

"تم یوں بھی تو سوچ سکتے ہو کہ ابوسلطان بوکھلاہٹ کے عالم میں شاید پستول اٹھا کر مر سکا۔"

"میں نے تو اسے دیکھا بھی نہیں ہے، بس تمہاری باتیں سن کر اپنے ذہن میں اس کی ایک تصویر بنائی ہے۔ میرا خیال ہے کہ کسی فیصلے پر پہنچنے کے لئے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ پر توجہ دی جانی چاہئے۔ یہاں شاید موت کے اسباب کے ساتھ ہی متوفی کی شناخت کا مرحلہ بھی مُردہ خانے میں طے ہوتا ہو!"

"یہ تو میں تمہیں بتانا ہی بھول گیا۔" وہ پُرجوش انداز میں چلا اٹھا: "ابوسلطان کے جو بھی گولیاں کھا کر فرش پر گرا اور اس کا بدن ایک دھماکے سے بھڑ کا اٹھا، اس کا جسم جل کر ایسا ہو گیا کہ اس کا چہرہ بھی ناقابل شناخت تھا۔"

"اب تو میں نے یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ زندہ ہے۔" میں نے پُرزور لہجے میں کہا: "فلیٹ پر اس وقت ابوسلطان کے علاوہ اس کا کوئی جاں نثار بھی موجود تھا جب تم نے اسے فون کیا تھا۔ اور میرا خطرہ بھانپتے ہی ابوسلطان فرار ہو گیا۔"

"یہ تو میں نے غور ہی نہیں کیا تھا۔" حسن نے سپاٹ لہجے میں کہا: "تمہارا اندازہ بہت زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ مرنے والے نے مرتے مرتے اسی لئے اپنی ذات پر کوئی گرینیڈ وغیرہ آزما لیا کہ اس کی شناخت نہ ہو سکے اور یہی سمجھا جائے کہ مرنے والا شخص ابوسلطان ہی تھا۔"

"مگر ابھی تم نے بتایا کہ اخوان الصفا خلافِ قانون ہے مگر معاشرے میں ان کی کیا حیثیت ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"مصر میں بھی وہ لوگ زیرِ عتاب ہیں!" اس نے کہا: "یہ فرق ضرور ہے کہ یہاں سرکاری اہلکار شکاری کتوں کی طرح ان کا پیچھا نہیں کرتے۔"

"اتنی پابندیوں کے باوجود وہ تحریک کیسے زندہ ہے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔ "انہیں سرمایہ کہاں سے ملتا ہے؟"

"میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا۔" حسن نے کہا۔ "اخوان الصفا کا سب سے بڑا سرپرست ہے۔ وہ لوگ ایسی بازی کے انتہاپسندوں کی بھی کھل کر حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔"

"اگر یہ سب درست ہے تو شاید جلد ہی ابوسلطان سے تمہاری ملاقات ہو سکے گی۔" میں نے اپنی رائے سے آگاہ کیا۔

"مگر کیسے؟"

"تمہاری مرمت کرنے والے اپنے کارنامے سے ضرور آگاہ کریں گے اور وہ تم سے ملنے کی کوئی راہ نکال لے گا۔"

"اسے مجھ سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ اس کے اپنے مسائل ہی بہت زیادہ ہیں۔" حسن نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"تمہارے فون اور پہنچنے کے درمیان اس کے فلیٹ پر چھاپہ مارا گیا تھا اور وہ شاید تمہاری وفاداریوں سے بھی باخبر ہے لہٰذا وہ جاننا چاہے گا کہ تم اس سے کس لئے ملنا چاہتے تھے اور اس معاملے کی کیا اہمیت تھی؟"

وہ اس معاملے پر مجھ سے خاصی دیر تک بحث کرتا رہا اور آخرکار میری رائے سے متفق ہو ہی گیا۔ اس کے بعد اس نے بتایا کہ اسے جنرل فواد کے بارے میں بیروت سے احکامات مل گئے تھے۔

افواجِ آزادیٔ فلسطین کے اعلیٰ اہلکاروں کی دانست میں جنرل کا وہ جرم ناقابلِ معافی تھا جو اس نے سینا کی گرفتاری کے لئے چیف سالومن کو مصر مدعو کر کے کیا تھا۔

چیف سالومن کی ذاتی صلاحیتیں جو بھی رہی ہوں مگر بنیادی نکتہ یہ تھا کہ وہ اسرائیل کا تنخواہ دار سرکاری ملازم تھا اور اسے بلا کر عربوں کی اصولی خودداری پر ناقابلِ تلافی کاری ضرب لگائی گئی تھی۔

تنظیم کے قائدین اس معاملے کو مصری قیادت کے سامنے سفارتی سطح پر بھی اٹھانے کا ارادہ رکھتے تھے مگر سرکاری پالیسی میں کسی بڑی تبدیلی کے بغیر جنرل کے لئے کوئی ایسا قدم اٹھانا ممکن نہیں تھا۔

مگر ہاشم کے لیے خفیہ حکم بہت واضح تھا اسے ہر قیمت پر جلد از جلد جنرل احمد فواد کا کام تمام کرنے پر مامور کر دیا گیا تھا۔

"الوسلیان سے رابطہ قائم ہونے تک میں جنرل احمد فواد کے شکار میں تمہارا ساتھ دوں گا لیکن اب ہمارا قیام کہاں ہوگا؟"

وہ الجھن آمیز نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا پھر قدرے توقف کے بعد بولا۔ "یہاں رہنے میں کیا حرج ہے؟"

"میں نہیں چاہتا کہ عابدہ کی وجہ سے تمہارے ساتھ دوبارہ کوئی تلخی پیدا ہو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہاں رہنے میں یہ فائدہ بھی ہے کہ رفیق اخوان الصفا والوں کی نظروں میں آ چکا ہے۔" اس نے کہا مگر میں سمجھتا اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"اسے بھول جاؤ، عارضی طور پر وہ ان کے لیے کارآمد تھا انہوں نے اس سے اپنا کام نکال لیا اب وہ اسے بھول چکے ہوں گے۔"

"پھر کوئی ہوٹل ہی تلاش کرنا ہوگا۔" وہ بہت فراخ دل انسان تھا عابدہ کے سلسلے میں ہونے والی تلخ کلامی کو یکسر فراموش کر چکا تھا۔

ہمارے تبادلۂ خیال کے دوران ہی رفیق، عابدہ کے ساتھ واپس آ گیا عابدہ لباس تبدیل کرنے چلی گئی، رفیق ہمارے پاس آ گیا۔

"تم نے ہماری جو دیکھ بھال کی اس کے لیے میں تمہارا شکر گزار ہوں۔" ہاشم نے اس سے کہا۔ "اب ہم رخصت چاہیں گے۔"

"اس حالت میں؟"

"کیوں؟ کیا ہوا میری حالت کو؟"

"اس وقت میں نے عابدہ کے سامنے بات نہیں کی ورنہ تم آتے وقت لنگڑا رہے تھے۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"چھلکے کے جھلکے پر سے پاؤں پھسل گیا تھا۔" ہاشم نے کھسیانے ہوئے انداز میں ہنس کر بات بنا دی۔

"سب کچھ تمہاری سہولت پر منحصر ہے!" رفیق نے اس کا عذر قبول کرتے ہوئے پرخلوص لہجے میں کہا۔

"تم جانتے ہو کہ میرا تو اپنا ٹھکانا ہے" میں اپنے دوست کو تمہارے پاس لایا تھا، یہ کسی بھی وقت روانہ ہو جائے گا۔"

"مجھے امید ہے کہ تمہارے دوست کو کوئی تکلیف نہ ہوئی ہوگی۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "عابدہ ذرا منہ پھٹ ہے مگر دل کی بری نہیں۔"

"وہ بہت اچھی میزبان ہے۔" میں نے لہجے کو گہرائی سے کہا۔ "میں اسے طویل عرصے تک نہ بھلا سکوں گا۔"

اور تھوڑی دیر بعد جب ہم وہاں سے رخصت ہونے لگے تو عابدہ کو خاصی حیرت ہوئی۔ وہ بار بار عجیب انداز میں میری طرف دیکھ رہی تھی! اور پھر اس نے مجھ سے چند ثانیے کے لیے تنہائی میں بات کرنے کا موقع نکال ہی لیا۔

"اتنی جلدی کیوں جا رہے ہو؟" اس نے شکایت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"قاہرہ میں رہا تو پھر آؤں گا۔"

"آج رات نو بجے میں میمفس میں تمہارا انتظار کروں گی!" اس نے عجلت آمیز سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"مم... مگر۔" میں نے احتجاج کرنا چاہا۔

"مگر اس مت کرو، نہیں آنا ہوگا۔" وہ تیزی سے بولا۔ "میں تمہاری بہتری کے لیے کچھ باتیں یوں نہ آئے تو پچھتاؤ گے۔"

اس کے الفاظ پر میرے وجود میں سنسنی کی ایک سرد سی لہر سرایت کر گئی کیونکہ اس کا لہجہ بہت گمبھیر تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس وقت پچھتانے کا حوالہ دے کر وہ اپنے وجود کی سرد آگین صفات نہیں بلکہ کچھ اور یاد دلانا چاہ رہی تھی!

ہم دونوں گھر سے نکلے تو کچھ دور تک رفیق ہمارے ساتھ آیا پھر ہم پیدل ہی ٹیکسی کی تلاش میں آگے بڑھتے چلے گئے۔

عابدہ کی آخری گفتگو کے بارے میں کئی بار میں نے زبان کھولنی چاہی لیکن ہمت نہ کر سکا کیونکہ اس دل ربائی جانتے ہیں میرے دل پہ کچھ پہلے ہو چکا تھا اور مجھے شبہ تھا کہ ہاشم اس گفتگو کو کوئی اہمیت دینے کے بجائے رنگ رلیوں کے پروگرام کا آغاز ہی تصور کرے گا۔

بارہ بجے شروع کے بعد ہم دونوں نے شہر کے ایک اوسط درجے کے ہوٹل میں دو علیحدہ کمرے بک کرالیے۔ ہوٹل کے رجسٹر میں میں نے اپنا نام فاروق لکھایا اور مستقل رہائش گاہ اسکندریہ میں ظاہر کی اس طرح میں ان شناختی جھمیلوں سے بچ گیا جو ایک غیر ملکی کی صورت میں پیش آ سکتے تھے۔

میرے لیے وقت گزارنا دوبھر ہو رہا تھا۔ میں عابدہ کی گفتگو پر جتنا غور کر رہا تھا اسی قدر میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھی میں جلد از جلد اس سے وہ باتیں سننا چاہتا تھا جن سے محرومی کو اس نے پچھتاوا قرار دیا تھا۔

میں غیر یقینی کیفیت کا شکار تھا اور ساتھ ہی الاشعور میں نامعلوم خطرہ کا احساس بھی کسی سیاہ بچھو کے پر پیلے ڈنک کی طرح چبھنے لگا تھا۔

میرے پاس حفظِ ماتقدم کے طور پر بہت بچے ہیروں والی زیرِ استعمال شیشی ہی وہ گولی تھی جو کسی بھی لمحے جواب دے سکتی تھی۔

میں اضطرار کے عالم میں ہاشم کے پاس جا پہنچا۔

"کچھ پریشان نظر آ رہے ہو؟" اس نے مجھے دیکھتے ہی سوال کیا۔

"طبیعت کچھ مضطرب سی ہے۔" میں نے کہا۔ "شاید چھٹی حس کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی ہے جو ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"اکتاہٹ کا شدید حملہ معلوم ہوتا ہے!"

"کوئی ہتھیار ہے تمہارے پاس؟"

"کولٹ کا اعشاریہ دو بارہ بور کا خودکار ریوالور ہے، اچانک بہت ہی اچانک بہت زیادہ سنجیدہ ہو گیا۔ "آخر کیا بیک تم کیا سوچ رہے ہو؟"

"بتا بھی دی تو ضرور بتاؤں گا۔" میں نے کہا۔ "سائیلنسر کے ساتھ زیادہ بہتر اور وزنی ہوگا؟"

"دیکھ لو!" وہ بریف کیس اپنے سامنے کھینچتے ہوئے بولا۔ "بالکل نئی چیز ہے، سائیلنسر الگ سے نہیں ہے نالی میں ہی کچھ ترتیب دیا گیا ہے، بند کمرے میں کیے جانے والے فائر کی آواز باہر نہیں سنی جا سکتی۔"

اور وہ واقعی بہت سبک اور عمدہ ریوالور تھا۔ میں نے فاضل راؤنڈ جیب میں ڈال کر مکمل تسلی کے بعد ہاشم کو واپس دے دیا۔ یہ سب بے حد مزیدار تھا۔

"اب تم کہاں جاؤ گے؟" ہاشم نے اسی تیز لہجے میں سوال کیا۔

"اپنے کمرے میں!" میں نے کہا۔ "ریوالور محض احتیاطاً لیا ہے کیونکہ زہریلے ہیروں والی شیشی کا جیسا دیکھ کر پہلے سے اندازہ لگانا مشکل ہے، پھر اس سے سرِ دست کسی کو دھمکایا بھی نہیں جا سکتا۔"

میں نے کچھ وقت اس کے پاس گزارا پھر کمرے میں لوٹ آیا میں نے اس سے میمفس کے بارے میں پوچھنے کا ارادہ کیا تھا مگر باز رہا کیونکہ اس سوال پر وہ چوکنا ہو جاتا اور پھر شاید میرے تعاقب میں بھی ہو لیتا۔

آٹھ بجے میں خاموشی سے ہوٹل سے نکل گیا۔

اس روز قاہرہ بھیگی ہوئی سرد ہواؤں کی زد میں آیا ہوا تھا سڑکوں پر رونق میں خاصی کمی تھی!

میں تھوڑی دور تک چلنے کے بعد ایک ٹیکسی میں سوار ہو گیا۔

"کہاں جانا ہے؟" ڈرائیور نے خلاف معمول میٹر نیچے کرتے ہوئے سوال کیا۔

"میمفس!" میں نے یہ سمجھ کر کہہ دیا کہ وہ یقیناً کوئی مشہور جگہ ہوگی اور وہ نام سنتے ہی چل پڑے گا۔

"کلب یا ہوٹل؟"

اس کا سوال میرے ذہن پر وزنی ہتھوڑے کی طرح پڑا۔

عابدہ سیٹھی کی رقاصہ تھی لہٰذا کلب کی طرف ذہن جانا لازمی تھا مگر اس نے جس رازدارانہ لب و لہجے میں مجھے مدعو کیا تھا اس کی بنا پر میرا خیال تھا کہ اس نے اپنے کسی ٹھکانے کا انتخاب نہیں کیا ہوگا۔

بہرحال چند سیکنڈ میں سوچ لینے کے بعد میں نے ڈرائیور کو کسی شبہ کا موقع دیے بغیر اعتماد سے ہوٹل کہہ دیا۔

ہوٹل میمفس قدیم طرز کی ایک پرشکوہ عمارت میں واقع تھا میں پورچ میں ٹیکسی سے اترا تو میری رسٹ واچ پونے نو بجا رہی تھی۔

میں کرایہ ادا کر کے دو تین سیڑھیاں ہی طے کر پایا تھا کہ پورچ کے کسی نیم تاریک گوشے سے عابدہ اچانک سامنے آ گئی اور میرا ذہن تمام کر داخلی دروازے کے بجائے ایک بغلی راہداری میں گھستی چلی گئی۔

"بہت اچھا ہوا کہ تم آ گئے۔" اس کی سرگوشیانہ آواز سے گھبراہٹ مترشح تھی۔ "رفیق بہت غیاب ہے وہ تمہارے گرد شکنجہ کس رہا ہے!"

سنسنی کی ایک لہر میری ریڑھ کی ہڈی میں سے گزرتی چلی گئی۔

"رفیق؟ تو کیا اسے میرے اور تمہارے مرشم کا......"

"اسے ان باتوں کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔" وہ تحقیر آمیز لہجے میں بولی۔ "اس کا اصل روپ تو میں نے پہچانا آج وہ پھر کو دیکھا ہے فاروق صاحب!"

میرے بدن کے مساموں نے خنکی کے باوجود پسینے کا اخراج شروع کر دیا۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی اس کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے ہوتا تھا کہ اس نے مجھے اس نئے نام سے پکارا تھا جو رفیق کے گھر سے رخصت ہونے کے بعد میں نے چند گھنٹوں قبل اختیار کیا تھا اس کا مطلب تھا کہ عابدہ میرے بارے میں بہت زیادہ باخبر تھی۔

میرا دایاں ہاتھ غیر ارادی طور پر جیب میں رینگ گیا اور میں نے کولٹ کا سرد آہنی دستہ اپنی ہتھیلی کی گرفت میں لے لیا۔

راہداری کی دیواروں میں چھپے ہوئے اسپیکروں سے پھوٹنے والی دھیمی عربی موسیقی، نیم اندھیرا، نیم اجالا اور عابدہ کا سانسوں کو چھو لینے والا قرب احساسات کے لیے اپنی ساری لطافت کھو چکا تھا۔

وہ مجھے لے کر نیچی چھت والے ایک ایسے ہال میں آ پہنچی جہاں میزوں پر ننھی شمعیں روشن تھیں۔ میزوں کا درمیانی فاصلہ بھی کافی تھا اور سب سے بڑھ کر بیشتر میزیں ویران پڑی ہوئی تھیں۔

اس ہال میں محدود میزیں بھی تھیں مگر گلدان مہکار رہے تھے مبہم اور نیم تاریک ماحول میں سرگوشی کرنے والی دو چار لڑکیاں اس قدر خاموش اور پُراسرار انداز میں حرکت کر رہی تھیں جیسے ذرا سی آہٹ پا کر انہیں ہال میں سوتے ہوئے فرعونوں کے جاگ پڑنے کا خطرہ ہو۔

ہم دونوں اس ہال کے ایک ذرا فاصلہ گوشے میں جا بیٹھے۔

"نہیں.... نہیں شاید میری بات کا یقین نہیں آیا!" بیٹھنے کے بعد اس نے قدرے اداس لہجے میں کہا۔

"مگر تم کوئی بات بتاؤ تو سہی۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں سے شروع کروں؟" وہ بہت زیادہ بوکھلائی ہوئی تھی۔ "بس یہ سمجھ لو کہ بہت سے درندوں نے تمہیں ایک گھیرے میں گھیر لیا ہے وہ تین سمت سے بڑھ رہے ہیں اور تمہارے پیچھے ایک بے رحم قبر کھلا ہوا ہے۔"

"تم تو کسی قدر کامیاب تمثیل نگار بن سکتی ہو۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے ہنس کر کہا۔ اصل کا مدعا سامنے آنے سے قبل میں اس پر اپنا اضطراب ظاہر کرنا نہیں چاہ رہا تھا۔

"واللہ! میں سچ کہہ رہی ہوں۔ تم ہاشم کے دستِ نگر ہوتے تو

شاید اب تک رفیق تمہیں بند کر کے تمہارے پرزے اڑا ڈالتا۔"

"وہ تمہاری زبردستی تھی۔" میں خود پر جبر کر کے لاپروائی کا اظہار کر رہا تھا۔ "میں تو بچنا ہی چاہ رہا تھا۔"

"تم بچے کیوں نہیں۔" وہ جھنجلا گئی۔ "رفیق کسی خفیہ سرکاری ادارے کا تنخواہ دار ہے اور کسی جنرل کا۔ اب یہ جانتے ہو رفیق تم پر کیا شبہ کر رہا ہے؟"

"میں تو اب تک اسے ٹکڑی ہی سمجھتا رہا ہوں۔"

ویٹرس کو آتے دیکھ کر وہ خاموش ہو گئی۔ میں نے فوری طور پر اپنے لئے وسکی کا ڈبل پیگ منگوا لیا۔ عابدہ نے شیری کا انتخاب کیا۔

"شیری کے منگوانے کے چلانے میں اسی کی ہدایت پر تمہارے پیچھے لگی تھی۔" ویٹرس کے چلے جانے پر وہ بولی۔ "وہ تو ہاشم تمہیں خود ہی پکڑ کر لے آیا ورنہ رفیق شاید اسی روز سے مسلسل تمہاری نگرانی کر رہا ہو گا۔"

"پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ صبح تک تم خاموش تھیں مگر اب اچانک تمہارا ٹیپ کیوں چل پڑا ہے؟" میں نے مطلب پر آتے ہوئے سوال کیا۔

"اگر وہ پہرے پر ہم تمہیں چھوڑ کر باہر نہ جاتے تو یہ نوبت نہ آتی۔"

وہ خاموش ہو گئی کیونکہ ویٹرس مشروبات کی ٹرے لے آئی تھی۔

"وہ بہت خود غرض اور کمینہ ہے۔" ویٹرس کے چلے جانے پر وہ بولی۔ "ہم گھر سے نکل کر تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ پیچھے سے اچانک ایک سیاہ فورڈ کار ہمارے قریب آ کر رکی اور اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے ترش رو شخص نے بالکل تہیہ کئے رفیق کو گاڑی میں سوار ہونے کو کہا۔ رفیق اسے دیکھ کر رک گیا تھا۔ اس نے اس شخص کو میری موجودگی کی طرف توجہ دلائی تو اس نے غضب ناک انداز میں عربی میں گالیاں دیں اور کہا کہ اگر میں نے کسی سے زبان بھی کھولی تو وہ میرا نرخرہ چیر ڈالے گا۔ رفیق نے اس کی ہرزہ سرائی بڑی لاتعلقی سے سنی اور پیچھے کی کار میں سوار ہو گیا۔ اس وقت میں غصے میں ہونے کے باوجود بہت زیادہ خوف زدہ تھی۔ وہ شخص رفیق کو کسی جنرل کی تفتیش سے آگاہ کرنے آیا تھا کیونکہ رفیق نے کئی روز سے اسے رپورٹ نہیں دی تھی بلکہ کسی کی اجازت کے بغیر صفدر کو اپنے مقصد کی اغوا میں ملوث کیا تھا جس کے نتیجے میں بے مقصد فائرنگ کا تبادلہ بھی ہوا تھا۔"

وہ سانس لینے کے لئے رکی اور میں نے انتظار کے عالم میں جلدی جلدی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر وسکی کا گلاس خالی کر دیا۔

وہ ایک بالکل ہی نئی کہانی لے کر آئی تھی جس نے میرے تمام سابقہ اندازوں کو تہس نہس کر کے رکھ دیا تھا۔

میرے ذہن میں بیک وقت بے شمار سوالات ابھرے تھے جن کا جواب عابدہ ہی کے پاس تھا مگر میں اس کے خیالات کے تسلسل کو نہیں توڑنا چاہتا تھا۔

رفیق جنرل کا آدمی ہے ــ اور اس وقت ہمارے جانے بغیر ایک جنرل کا نام تھا جو شاید سیتا کے ساتھ ہی صفدر علی کی سرکوبی پر بھی مامور تھا۔

گویا میں ہاشم کے ساتھ کئی روز تک آدم خوروں سے پناہ کے لئے خود اسی کی کچھار میں چھپا رہا تھا اور حیرت کی بات یہ تھی کہ زندہ و سلامت لوٹ آیا تھا۔

"اس سے بات کرتے ہوئے رفیق بالکل مختلف اور بااختیار نظر آ رہا تھا۔" عابدہ شیری سے اپنا حلق تر کر کے بولی۔ "رفیق نے بتایا کہ وہ اپنی ذمے داری سے بخوبی واقف ہے اور کوئی یقینی نتیجہ اخذ کئے بغیر رپورٹ میں بھیجنے کا عادی نہیں ہے۔ جب بھی کوئی مثبت پیش رفت ہو گی، جنرل کو اطلاع مل جائے گی۔ پھر اس شخص نے تم دونوں کے بارے میں دریافت کیا اور رفیق نے دونوں کو اپنا دوست بتایا۔ مگر میں تمہارے تمام پردہ ناواقف تھا کیونکہ اسے رفیق سے ملنے کے لئے باہر جھکنا پڑا ہے ..... اس کمینے شخص کی زبان سے گالی کھا کر اور پھر رفیق کا رویہ دیکھ کر میں نے خود کو بہت حقیر اور بے آبرو محسوس کیا۔

جب اس نے ہمیں ایک جگہ اتارا تو باتوں میں رفیق پر بری طرح برس پڑی اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس نے مجھے ہموار کرنے کے لئے بہت کچھ بتایا۔ مجھے پتا تھا کہ وہ سرکاری آدمی ہے اور اس کا کام فلاں ملک میں گھل مل کر قوم کے دشمنوں پر نگاہ رکھنا ہے اور اس کام میں اسے میری ذات سے بڑی مدد ملتی رہی ہے۔ تم دو ساختہ اغوا کے بارے میں میری ضد پر وہ مشکل کھلا کہ ہاشم دراصل ایک فلسطینی تنظیم کا اہم رکن ہے جو اس وقت صفدر علی اور سیتا نامی خطرناک مجرموں کی اعانت کے جرم میں مصری حکومت کو مطلوب ہے مگر محض دوستی کی وجہ سے وہ کسی ناقابل تردید ثبوت کے بغیر ہاشم کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے نہیں پہنچائے گا۔

ٹکڑوں کے چلانے تمہارے ساتھ بھیجتے وقت اس نے تمہیں ٹکڑی آسامی بتایا تھا مگر آج دوپہر کو اس نے اگلا کہ پہلی نظر میں ہی اسے تم پر صفدر علی ہونے کا شبہ ہوا تھا۔ اس وقت اس نے تمہارے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی تھی اور بعد میں بھی ایسے ذریعے تم پر جال ڈالنے کا ارادہ تھا اور وہ یہ کارنامہ تنہا سر انجام دینے کے خبط میں تھا مگر وہاں تم جیزہ میں گم ہو گئے۔ پھر رات کو اس کی خوش قسمتی تمہیں ہاشم کے ساتھ یہاں کھینچ لائی اور اس نے میزبانی کی آڑ میں اطمینان سے تمہاری جاسوسی پر رکھنے کا منصوبہ بنا لیا۔ اگر تم صفدر علی ثابت ہو جاتے تو وہ تمہارے ساتھ ہی ہاشم کو بھی جیل بھجوا دیتا۔ وہ اب بھی تمہارے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ تم فاروق کے نام سے ایک سستے ہوٹل میں ٹھہرے ہو۔"

اس نے خاموشی سے سگریٹ سلگائی اور شیری کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے ہوئے میری آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

"میں تمہارا مشکور ہوں عابدہ!" میں نے آہستہ سے کہا۔

"مگر سچ سچ بتاؤ کہ تم واقعی صفدر علی ہو؟" اس کے لہجے میں بلا کا تجسس امڈ آیا۔

میں یوں ہنس پڑا جیسے اس نے کوئی احمقانہ سوال پوچھ لیا ہو۔ "اگر میں صفدر علی ہی ہوتا تو رفیق اب تک مجھے سولی لگوا چکا ہوتا۔"

"کاش تم صفدر علی ہی ہوتے۔" وہ آنکھیں موند کر مچلے سے بولی۔ اس کے لہجے میں حسرت ہی حسرت تھی۔

"دو اغوا کا قصہ رہ گیا۔" اسے خیالات کی لذت میں کھوئے دیکھ کر کی عزیزی سی بات چھڑنے کے بعد میں نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں!" وہ چونک کر بولی۔ "سیتا کے معاملے میں کوئی سودائی بھی پوری طرح ملوث ہے۔ صرف ہر آباد بہت سے عربی بھی رنگ اٹھ چکے کہ شباہت سے سودائی لگتے ہیں لہٰذا اس نے تمہارا امتحان لینے کے لئے اپنے اغوا کا ناٹک رچایا اور واپسی پر سودا قبول اور سیتا کے بیک اپ کا من گھڑت قصہ سنایا جس پر تمہارا رد عمل بہت سرد اور مایوس کن تھا کیونکہ تم نے تو صفدر علی کے بارے میں بھی سوالات کئے تھے۔ اس مرحلے پر اس نے تمہارا پیچھا ترک کر دینے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر آج صبح تم دونوں گھر سے نکلے تو اس نے تمہارا پیچھا کیا کیونکہ اس نے اسی وقت اپنی واپسی کی کہانی سنائی تھی اور پھر تم عجلت میں روانہ ہو گئے تھے۔ اس مرتبہ اس نے تمہیں الوسلطان کی قیام گاہ کے اطراف میں دیکھا جو تمہارے معاملے میں آج کل بدنام ہے اور وہ ایک بار پھر شبہات کا شکار ہو گیا۔ یہی وجہ تھی کہ تم واپس آئے تو وہ گھر پر نہیں تھا۔ آخر میں تمہیں اپنے گھر کی طرف آتے دیکھ کر اس نے راہ بدل لی تھی اور وہ کوئی نئی گھات لگانے والا ہے!"

"یہ سب جاننے کے بعد اس نے تمہیں کیسے چھوڑ دیا؟"

"وہ ہرگز مجھے کچھ نہ بتاتا۔" وہ بولی۔ "وسیلہ کا رد عمل اچانک نمودار ہو کر میری آنکھیں کھول دیں ورنہ میں شاید بے خبری میں ساری عمر اس کی آلہ کار بنی رہتی۔ وہ گھٹیا شخص اپنے پیشہ ورانہ مفادات کے لئے مجھے بھی مسلسل استعمال کرتا رہا ہے مگر اب میں نے اسے ایک حقیر کیڑے کی طرح مسل ڈالنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میں اس پر اسی کی چال چلوں گی۔ اس نے مجھ سے تمہیں ملی تھیں کہ میں یہ جانتے ہوئے لہجے میں رفیق دکھاؤں گی مگر میں سیدھی تمہارے پاس چلی آئی۔"

"تم اس سے اکیلی کیسے نمٹو گی؟" میں نے نرمی سے سوال کیا۔

"تو تمہارے پاس کیوں آئی ہوں؟"

"میں اس کا کیا بگاڑ سکوں گا جس کی پشت پر قانون کی طرح قوت موجود ہے اور میں ایک تنہا انسان!"

"کاش کہ تم صفدر علی ہی ہوتے تاکہ تم اس سے کسی جونک کی طرح اس کی نالیوں میں چمٹ سکتے۔" وہ حسرت زدہ لہجے میں بولی۔ "مگر اب تم ہاشم کو یہ ساری باتیں بتا دینا۔ وہ یقیناً رفیق کو معاف نہیں کرے گا!"

"اور اگر میں ہی اس کی ٹانگیں چیر دوں؟"

"تو تم میرے صفدر علی ہو گئے!" وہ بے اختیار بولی۔

"صفدر علی کیوں؟" میں نے چہرے سے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "کیا میرا اپنا نام تمہارے لئے فخر کا باعث نہیں ہو گا؟"

"ضرور ہو گا!" اس نے ملائمت سے کہا۔ "دراصل صفدر علی کا نام میرے لئے ہی نہیں، نہ جانے کتنوں کے لئے جرأت و دلیری کی علامت بن گیا ہے!"

"کبھی سامنا ہوا تو دیکھوں گا کہ کتنی جرأت ہے اس مرد میں؟"

"مجھے ناموں کی یوں توہین نہیں کی جاتی۔"

"میرا نام ..... جو بھی ہو!" میں نے اپنا باقی ماندہ گلاس ایک گھونٹ میں خالی کر دیا۔ "بیوی کے نئے سے سسکتا اور قانون سے چھپتا ہوا ایک دو ٹکے کا مجرم آج بڑے نام سے یاد کیا جا رہا ہے۔"

"اپنا اس سے مقابلہ نہ کرو۔" وہ میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولی۔ "ایک مفرور مجرم کے لئے واقعی اس طرح نہ سوچنا چاہیے۔"

"وہ مجھ سے بہتر ہے!" میں نے فوری خیال کے تحت کہا۔ "ایسا تو نہیں کہ وہ میرے تعاقب میں یہاں بھی آ پہنچا ہو؟"

"تمہارا ٹھکانہ نظر میں آ جانے کے بعد وہ مطمئن ہے ـــ" وہ زبردستی ہنس کر بولی۔ "تمہارے ہوٹل سے آنے کے بعد مسلسل میرے ساتھ سائے کی طرح لگا ہوا تھا۔ بمشکل اس سے پیچھا چھڑا کر آئی ہوں۔"

"اور اگر اس نے تمہارا ......"

اس کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں اور وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔ "یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا!"

"خود کو سنبھالو عابدہ!" میں نے سختی سے کہا۔ "ہم یہاں بیٹھے ہوئے کسی نگرانی کرنے والے کو یہ تاثر بھی دے سکتے ہیں کہ ہماری ملاقات کسی نازک جذباتی رشتے کا نتیجہ ہے!"

"پہلے میں اسے اسی قدر کند ذہن سمجھتی تھی مگر آج دوپہر کو میں نے اسے پہچانا ہے، وہ بھیڑ کی کھال میں چھپا ہوا بھیڑیا ہے۔"

"تو پھر اٹھو یہاں سے!" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور ویٹرس کو بل لانے کا اشارہ دیا۔

وہ بے چارگی کو کھلاتی ہوئی آئی۔ "کیا تم جانتے ہو جناب آپ نے آرڈر دیا تھا۔" شاید وہ حیران تھی۔ ایک ڈبل وسکی نے مجھے کس طرح اتنا حاذق کر دیا۔

"مجھے یاد ہے مادام!" میں نے چہکتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کھانے کا بل بھی لے آؤ اور برتن کسی اور کے سامنے الٹ دینا۔"

وہ تیزی سے گئی اور جلد ہی لوٹ آئی۔ میں نے بل کی رقم ٹرے میں ڈالی اور عابدہ کی پتلی کمر کو سہارا دے کر وہاں سے اٹھ گیا۔

مردود منہ سے جھکتے ہوئے اس بل سے نکل کر ہم دونوں۔ جیسا ہی نیم روشن راہداری میں گھومے مجھے سامنے ایک ہیولا سا لہراتا دکھائی دیا جو فائر کی ہولناک گونج کے ساتھ ہی دائیں طرف والے رخ ہو گیا اور عابدہ تیز چیخ مار کر کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح فرش پر بچھے ہوئے قالین پر ڈھیر ہو گئی۔

گرتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ لپکے بائیں پہلو پر تھے اور میں نے اس کی انگلیوں کے درمیان سے سرخ سرخ لہو کی لکیریں باہر نکلتی دیکھیں۔ جابجا فائر کرنے والے کے تعاقب میں راہداری میں دوڑتا چلا گیا۔ عابدہ کے بارے میں میرا پہلا اور آخری اندازہ یہی تھا کہ قاتل کا نشانہ بے خطا تھا اور وہ سعید علی کی زبان سے اس کی اصلیت کا انکشاف سننے کی حسرت دل میں لئے اس دنیا سے رخصت ہو چکی تھی۔

چند گز کے فاصلے پر راہداری میں دائیں طرف ایک مختصر سا لابی تھا جس کے اختتام پر بند دروازہ تھا جس پر ٹوائلٹ روم کی علامات بنی ہوئی تھیں۔

میرے لئے ایک لمحہ نہیں تھا۔ اگر قاتل ٹوائلٹ روم میں ہی موجود تھا تو میں دروازہ کھولتے ہی براہ راست اس کی زد میں آ جاتا۔ پیچھے پلٹنا بھی دشوار تھا کیونکہ فائر کی گونج پورے ہوٹل میں پھیلی تھی اور یقینی طور پر عابدہ کا لہولہان بدن دیکھنے والوں کو اس کے قاتل یا کسی مشکوک فرد کی جستجو ہو گئی ہو گی۔

میں نے انتظار بے مد یا پچھ کا خود کو اور بے آواز کر کے نکالا اور بجلی کی سی سرعت سے ٹوائلٹ روم میں گھس گیا جہاں دوسرا دروازہ میرا منہ چڑا رہا تھا۔

میں خوف سے بھٹکے ہوئے کسی درندے کی طرح اس دروازے سے بھی گزر گیا اور غیر متوقع طور پر سرد ہوا میرے چہرے سے ٹکرائی۔ اس طرف ہوٹل کا تقریباً تاریک لان تھا اور عمارت کی تحریر پر لگے ہوئے سعد احمد طیب کی روشنی میں ایک انسانی سایہ تیزی سے دوڑتا ہوا بائیں طرف مڑ رہا تھا۔

میرے لئے مزید کوشش بے سود تھی۔

میں بھی تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اسی طرف پہنچا اور لوہے کی میں پھیلی ہوئی بھیڑ میں گم ہو گیا۔

فائر کا دھماکہ سنتے ہی ہوٹل میں موجود بیشتر مرد اور عورتیں ہذیانی انداز میں چیخ و پکار کرتی باہر آ چکی تھیں اور ان میں سے ہر ایک کی یہ کوشش تھی کہ سب سے پہلے اپنی کار میں سوار ہو کر وہاں سے نکل بھاگے۔

دلیاور گیر اچھلی فائر ہو گئے سبھی کی حد تک پانوں کے جانے یعنی میں کے ہلے کے کسی ذمے دار کی بوکھلائی ہوئی آواز گونج رہی تھی وہ فائر کے حوالے سے لوگوں سے پولیس کی آمد تک ہوٹل میں رکنے کی درخواست کر رہا تھا مگر انسانوں کا اس بھیڑ کے ہوتے ہوئے ریلے میں کوئی بھی ان التجاؤں پر کان دھرنے پر آمادہ نہیں تھا۔

مجھے عابدہ کے سانحے پر تشویش نہیں تھی بلکہ میں خوف ناک سانحے پر قلق تھا مگر میں وہاں رک کر اپنے لئے مزید دشواریاں پیدا نہیں کرنی چاہتا تھا لہٰذا جلد ہی پارکنگ کی طرف بڑھ گیا۔

اس وقت تک پارکنگ جنت ہو چکا تھا۔ قطار میں کھڑی کاروں کے ڈرائیور مسلسل تیز ہارن بجاتے جا رہے تھے اور کچھ کاروں سے باہر نکل کر ہولناک انداز میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔

اسی لمحے فضا ایک خوفناک دھماکے سے لرز اٹھی اور پارکنگ کی جانب کثیف دھوئیں کے بادلوں میں سرخ شعلے لپکتے نظر آئے۔

وہ کسی طاقتور بم یا ڈائنا مائٹ کا دھماکا تھا جس نے وہاں کسر پوری کر دی!

وہاں شاید سالمہ تو جی تھا کیونکہ وہ فوراً ہی دروازے کو سنبھلیوں میں دبا کر اپنی کہنیوں کے بل فرش پر گر گیا۔ دھماکے کی وہ دوسرے دھماکے کا منتظر رہے مایوس ہو کر سیدھا ہو گیا۔ پریشان ہراساں افراد پارکنگ کی طرف جا رہے تھے اور کاروں کی قطار کے ساتھ ہی افراد بھی باہر بھاگ رہے تھے پیدل بھاگنے والوں میں اب پارکنگ کے علاقے کے افراد بھی نظر آ رہے تھے۔

میں باہر آیا تو ہوٹل سے تھوڑی دور سڑک کے دوسری جانب سیاہ رنگ کی ایک فورڈ مستانگ شعلوں میں گھری پچھوڑی کی طرح دہک رہی تھی۔

عابدہ کی زندگی کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔ جلتی ہوئی کار کو دیکھنے تک میں عابدہ کے قتل کا ذمہ دار رفیق کو سمجھ رہا تھا۔ جلتی ہوئی سیاہ فورڈ نے گرد و پیش کی ترتیب قدرے بدل دی تھی۔ میری دلی خواہش تھی کہ جلنے والی کار میں ہوٹل کا وہی پیرکار سوار رہا ہو جس نے مجھ پر رفیق کے سامنے عابدہ کو زندہ بچانے پر آمادہ کیا تھا۔

جائے واردات سے دور نکلتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ اگر عابدہ کو رفیق نے مارا ہوتا تو وہ اسی پر اکتفا نہ کرتا بلکہ مجھ پر بھی وار کرتا لہٰذا گمان یہی ہوتا تھا کہ وہ پیرو ہے جس نے سوچا ہو گا کہ عابدہ غیر ضروری طور پر اس کے اور رفیق کے تعلق سے واقف ہو گئی تھی اور وہ اس کا ذمہ دار تھا جبکہ اسے عابدہ کے کردار کا بھی علم ہو گا لہٰذا اس نے ایک حماقت کی اور اس نے دوسری بڑی حماقت کا فیصلہ کیا اور کھوج لگانے لگا۔ عابدہ تک پہنچ گیا جہاں رفیق پہلے سے عابدہ کی اور میری نگرانی میں مصروف تھا۔

اس طرح رفیق رد شخص رفیق کی نگاہوں میں آ گیا مگر رفیق کو مجھ سے پہلے ہی وہ عابدہ کو مار کر بھاگ گئے میں کامیاب ہو گیا اور رفیق نے اس کے تعاقب میں وقت ضائع کرنے کے بجائے تھوڑا سے اس کی کار کا پیچھا کر کے ترجیح دی اور جب اس کی تمام بہادری بم کا قاتل کار لے کر فرار ہونے لگا تو رفیق نے اس کی کار پر دستی بم پھینک کر قصہ تمام کر دیا۔

کچھ آگے چل کر میں نے ٹیکسی لی۔ ٹیکسی چلتی رہی اور میرے ذہن میں بس ہم یہ کیا روا... سوال یہ تھا کہ رفیق سے عشق میں دستی بم مارنے میں کیا ... لئے کیوں ہو ... تھا اور اگر اسے پہلے سے ترش رد کی حرکت کا علم تھا تو اس نے عابدہ کو بچانے کے بجائے اسے ناکام بنانے کی کوشش کیوں نہیں کی۔

ذہن ہی خیالات کی غلطاں میں ہوٹل جا پہنچا۔

وسیم اپنے کمرے میں موجود نہیں تھا جس سے نہ اور کئی خیال لگے ذہن الجھا ہوا تھا لہٰذا مجبوراً اپنے کمرے میں جا کر پڑ گیا۔

دنیا کی ہر بری عورت کی طرح عابدہ میں بھی ایک خرابی تھی جس نے مجھے بہت متاثر کیا تھا کہ وہ اپنے مفلوک مستقبل کی امید پر اپنا حال زیاں کئے جا رہی تھی مگر جب اسے پتہ چلا کہ اس کا دوست اس کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کرتا آیا ہے تو وہ اس کی ذات تک پہنچ گئی اور اسی کوشش میں اپنی جان سے گزر گئی۔

پھر میں نے اپنے رویے پر غور کیا اور اندازہ ہوا کہ زندہ انسان کسی کو خوشی سے بڑا اور بہتر نہیں سمجھتا اور مرنے والوں کے لئے تجربے کے پتھر دل میں بھی نرم گوشے دریافت ہو جاتے ہیں کیونکہ اس وقت مرنے والا کسی زندہ انسان کے لئے چیلنج نہیں ہوتا۔

میں ابھی سگریٹ پھونک چکا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی میں نے دروازہ کھولا تو وسیم بجھے ہوئے تیوروں کے ساتھ اندر گھس آیا۔

"تم کہاں چلے گئے تھے؟" دروازہ بند کر کے اس نے بلا کسی تمہید کے ملامت آمیز اور دھیمے لہجے میں کہا۔

"کس کی بات کر رہے ہو؟"

"وہ شخص کیوں گئے تھے؟"

"اوہ — تو تم میرا تعاقب کر رہے تھے؟" میں نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "پھر تو عابدہ کی لاش بھی دیکھ آئے ہو گے۔"

"تم نے میرا خون خشک کر دیا۔ اگر ابد علی تو میں نے تمہاری واقعہ ڈالتی تھی۔" وہ بہت زیادہ برہم تھا مگر غصے کے اظہار میں کفایت سے کام لے رہا تھا۔ "تم نے مجھ سے جھوٹ بولا تو میرا ماتھا اسی وقت ٹھنکا تھا مگر مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ عابدہ تمہارے ساتھ ہے اس حد تک ملوث ہو چکی ہے۔"

"ابھی مجرم اس نے کہا۔" میں نے کہا۔ "میری کہتا ہوں گے تو....

انگشت بدنداں رہ جاؤ گے کہ وہ شخص جانے کے لئے مارا گیا ہے۔"

"میں سمجھ رہا تھا کہ تم کسی سے لڑنے مرنے جا رہے ہو اسی لئے میں خاموشی سے تمہارے پیچھے ہو لیا۔ کوئی ہتھیار نہیں تھا تو وہ پیچھے ہم ہی جیب میں....؟"

"تو پھر وہ کیسا دھماکہ تھا؟ تمہارا ہی نشانہ تو نہیں بنی؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"شخص کے پوچھنے میں تمہیں عابدہ کے ساتھ بیٹھے دیکھ کر میری چھ یا ایک سے گریز نہیں مگر اسی وقت میں نے تم دونوں کے پیچھے ایک آدمی کو راہداری میں جاتے دیکھا اور واپس کا ارادہ ملتوی کر دیا۔" وہ بتانے لگا۔ "راستے میں میں نے تم دونوں کی نگرانی کر رہا تھا میں نے بہت کوشش کی کہ اسے نگاہوں سے اوجھل کئے بغیر تمہیں ہوشیار کر دوں مگر یہ ممکن نہ ہو سکا اور پھر میرے گمان میں یہ بات نہیں تھی کہ وہ بھرے ہوٹل میں قتل کی جسارت کر سکے گا۔ گولی چلی تو میں یہی سمجھا کہ تم مارے گئے وہ چھلاوے کی طرح باہر نکلا مگر میں نے اسے پارکنگ سے باہر نکل کر فٹ پاتھ کے کنارے لگی ہوئی کار میں سوار ہوتے دیکھ لیا اور پھر میرا ماتھا ٹھنکا۔"

"تم نے بہت تجسس مزوری کا مظاہرہ کیا ہے۔ اگر میرا قیاس غلط نہیں تو وہ جنرل احمد فواد کے تلکے کا کوئی اہم آدمی تھا۔"

"یہ تم کیا جانو؟" وہ حیرت سے بولا۔

"یہی نہیں بلکہ تمہارا بچپن کا دوست بھی مجھ پر شبہ کر رہا ہے اور وہ بھی طویل مدت سے جنرل احمد فواد کے لئے کام کر رہا ہے۔"

"نہیں — میں نہیں مان سکتا۔" وہ بے اعتباری سے بولا۔

"تمہارے نہ ماننے سے حقائق نہیں بدل سکتے۔" میں نے کہا۔ "عابدہ نے مجھے یہی سب بتانے کے لئے بلایا تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میں فاروقی کے فرضی نام سے اس ہوٹل میں مقیم ہوں۔"

مجھا اور عابدہ کو یکجا دیکھ کر اس کا ذہن کسی اور راہ پر کام کرنے لگا تھا مگر میری زبان سے تفصیلات سن کر وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ گیا۔

"میں یقین نہیں کر سکتا۔ میں اب بھی یقین نہیں کر سکتا۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ "رفیق میں ایسی شرمناک مطلبی کوئی صلاحیت ہی نہیں تھی۔"

"شاید اس وقت یقین آ جائے جب وہ میرے ساتھ تمہیں بھی ہلاک کرنے لگا۔" میں نے کہا۔ "اگر عابدہ مجھے جگر نام سے ذمہ داری تو شاید میں بھی اس کی باتوں کو اتنا وزن نہ دیتا۔" وہ اب بے خطا تا فوراً چھوڑتا پوچھنے لگا۔

"کیا تم اسی وقت بلاواسطہ رفیق سے ملنا چاہتے ہو؟"

"کس سلسلے میں؟"

"عابدہ کی تعزیت سے بہتر بہانا کون سا ہوگا۔ میں ایک بار خود سے اس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔"

"یہ اپنی گردن پھندے میں پھنسنے کے برابر ہوگا۔" میں نے کہا۔ "یہ تمہیں کیا معلوم کہ عابدہ ماری گئی۔ یہ خبر تو صبح کے اخبارات ہی سے پھیلے گی۔"

"اگر عابدہ نے سب کچھ درست کہا ہے تو ہماری یہ خوش فہمی بھی رفع ہو جانی چاہیے کہ سبتا ابوسلطان کی تحویل میں ہے یا مصر سے نکل چکی ہے۔"

"سوچنے کی بات ہے اس کے معاملے میں ہم پھر تاریکی میں ہیں۔ بلکہ اب تو تمہارے اوپر حملہ کرنے والوں پر بھی شبہ ہو رہا ہے۔"

"وہ رفیق کے آدمی تھے؟"

"حملہ آور ہونا اور پھر محض مار پیٹ کر بھاگ جانے سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تمہیں شدید جسمانی نقصان پہنچانا نہیں چاہتے تھے۔"

"اس حرکت سے اس کا کیا مقصد ہو سکتا تھا؟"

"شاید ہم بوکھلاہٹ میں کوئی ایسی حرکت کر گزریں جس سے اس کا کام پہلے سے زیادہ آسان ہو جائے۔" میں نے کہا۔ "یا کوئی دوسرا مقصد بھی ہو سکتا تھا۔ اس معاملے میں وہ بہت چالاک معلوم ہوتا ہے۔"

"اگر یہ سب درست ہے تو تم یقین کرو کہ وہ مجھ سے بھی پناہ مانگے گا۔" رفتہ رفتہ ہاشم بھی رو میں آنے لگا۔

"دنیا گول بھی ہے اور نہایت مختصر بھی!" میں نے کہا۔ "ابتدا میں سارے حالات دھاگوں کی طرح الجھے ہوئے تھے مگر اب جنرل الجوزار، ابوسلطان، رفیق اور سبتا کا ایک دوسرے سے تعلق پیدا ہو چکا ہے۔ ہاں میں تمہیں ایک بات تو بتانی بھول ہی گیا تھا کہ جب تم مجھ سے ناراض ہو کر آج عابدہ کے گھر سے چلے گئے تھے تو رفیق نے جلدی میں مجھے گھیر لیا تھا مگر میں انجان بنا رہا۔ اس نے تو بہانے بہانے میں تو جواہر لال کو مشورہ دیا تھا کہ میں تمہیں فلسطینیوں کے معاملات سے کنارہ کشی پر آمادہ کروں۔"

"میں اس کی اس ایک بات کا جواب طلب کروں گا۔"

"یہ شاید اتنا آسان نہ ہو۔ وہ صفدر علی کو تنہا پکڑنے کے چکر میں اب تک بھٹک رہا ہے۔ ورنہ شاید فوجی ٹرک میں نیند کے عالم میں ہی اس کے گھر سے اٹھا کر فوجی قید خانے میں منتقل کر دیتے۔"

"میرے ذہن میں بھی اس کے لیے ایک لاجواب ٹھکانہ ہے۔"

"انکیس بختری سے بہتر کیا ہوگا۔"

"میں اسے منہ لگاؤں گا۔" وہ طیش کے عالم میں بولا۔ "جہاں میلوں دور تک اس کی فریاد سننے والا نہ ہوگا۔"

"اس کا معاملہ تم مجھ پر چھوڑ دو گے۔" میں نے سختی سے کہا۔

اس روز کے واقعات نے اتنی تیزی سے پلٹا کھایا تھا کہ ہم دونوں رات گئے تک سر جوڑے اپنے مستقبل کے بارے میں [illegible] ہمیں اس دوران میں ایک لمحہ یہ بھی ابھرا تھا کہ اگر ہوٹل والوں کے بیان کی روشنی میں عابدہ کے ساتھی کی تلاش ہوئی تو [illegible] پولیس مجھ تک پہنچے یا نہ پہنچے رفیق کا ذہن ضرور میری طرف [illegible] جب نے اس شام والا اپنا لباس اسی وقت جلا کر [illegible] اور اس کی خاک نالی میں بہا دی۔ مجھے یہ بھی تسلی تھی کہ جیمس کے لوگوں نے ہمیں دیکھا تھا اور پھر عابدہ نے واقعے کے لیے [illegible] کیے گئے سروں کا بیڈ روم استعمال کیا تھا۔ پھر موم بتی مشعلوں کی ناکافی روشنی میں [illegible] اس بات کا بہت کم امکان تھا کہ عملے کا کوئی فرد عابدہ کے ساتھی کو میری شناخت کر سکے۔

اگلی صبح کے اخبارات توقع کے عین مطابق [illegible] عابدہ قتل [illegible] کی اطلاع ملنے سے قبل ہی جیمس کے سر [illegible] دوڑ گئی تھی۔ رپورٹ کے مطابق [illegible] اعتبار یہ بھی ہوا کہ پستول سے [illegible] چلائی گئی تھی اس کی گولی [illegible] اور بارہویں پسلی توڑ کر دل میں پیوست ہو گئی۔

دوسری اہم خبر جیمس کے قریب ہی طارق سیکرٹ [illegible] کے ایک اعلیٰ عہدے دار کی کار میں بم پھٹنے سے [illegible] حادثوں کی جائے وقوع بہت قریب تھی مگر مرنے والوں کے [illegible] اور ان کی مصروفیات کے باعث کسی بھی اخبار نے دونوں حادثوں میں کوئی تعلق پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ البتہ مصر ہی [illegible] کی ہلاکت کے قصے میں قارئین کو مصر میں قانون [illegible] باور کرائی گئی تھی کیونکہ سرکاری اور اخباری ریکارڈ کے مطابق [illegible] نور حبیب کے مضافات قاہرہ میں ہلاک کر دی گئی تھی۔

تیسری اطلاع میں ابوسلطان کی موت کا تذکرہ تھا۔ اس [illegible] خاصی حاشیہ آرائیاں کی گئی تھیں اور ابوسلطان کی موت کو [illegible] جیسی دہشت گرد تنظیم کے خاتمے کے سلسلے میں بڑی کامیابی قرار دیا [illegible]

"مجھے حیرت ہے کہ اخبارات پر سنسر نہ ہونے کے باوجود [illegible] تمام ہی صحافی سرکاری سروں میں گانے کے عادی ہیں۔" [illegible] کے مطالعے کے بعد کہا۔

"اسرائیل کے ساتھ پے درپے جنگوں نے صحافت کو [illegible] اقدامات کی حمایت کا عادی بنا دیا ہے اور شاید مصری عوام [illegible] روش کو قبول نہیں کرتے بس یوں سمجھ کر قومی وقار ملحوظ [illegible] ہو کر رہ گیا ہے۔" ہاشم نے کہا۔

"یہ رویہ مایوسی بلکہ اجتماعی مایوسی کا اظہار کر رہا ہے۔"

"ضرور کرتا ہے جو قوم برسوں سے [illegible] میں دکھ رہی ہو اس پر مایوسی نہیں تو کیا مسرت [illegible]

"شاید ابھی [illegible] سے جنرل احمد فواز جیسے لوگوں کو [illegible]

ورنہ پیر سالومن مصر تک قدم نہ رکھ پاتا۔"

"فقیر کروان مقامی نقشوں کو۔" ہاشم اکتاتے ہوئے انداز میں بولا۔ "دن رات ہر ایک سے اسی موضوع پر سر کھپانا پڑتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب کیا ارادہ ہے؟"

"رفیق کے پاس جانا تو ضروری ہے لیکن ڈر ہے کہ وہاں تفتیشی حکام کا ہجوم نہ ہو۔" میں نے رائے ظاہر کی۔

"اگر وہ واقعی سیکرٹ سروس کا کارندہ ہے تو شاید وہ لوگ اسے تنگ نہ کریں۔" ہاشم کی بات معقول تھی۔

ہم دونوں رفیق کے مکان پر پہنچے تو دروازے پر وزنی قفل لگا ہوا تھا۔ پھر ہاشم نے اس تالے پر سرکاری سیل بھی دیکھی جس کا مقصد تھا کہ عابدہ کے قتل کی تحقیقات مکمل ہونے تک وہ مکان سیل کر دیا گیا تھا۔ محلے کے ایک شخص سے معلوم ہوا کہ رفیق نے پچھلی رات عابدہ کے قتل کی خبر ملنے کے بعد ہی اپنی رہائش گاہ بدل لی تھی۔ اس مکان پر سرکاری سیل رفیق کی عدم موجودگی میں لگائی گئی تھی۔

ہم دونوں تھوڑی دور ہی آگے چلے تھے کہ سامنے سے رفیق آتا ہوا نظر آیا۔ ہمیں دیکھ کر وہ خفیف سا مسکرایا مگر اس کے چہرے پر اضمحلال طاری تھا۔ اسے دیکھ کر میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ وہ ہو نہ ہو ہمارا تعاقب کر رہا تھا۔ گو کہ پلٹنے پڑنے کے رستے سے ہمیں واپس جاتے دیکھ کر سامنے آ گیا۔

ہم دونوں نے وہیں رک کر اس سے رسمی انداز میں اظہار تعزیت کیا۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے چند سیکنڈ باتیں کیں پھر بولا۔ "آؤ گھر میں بیٹھتے ہیں۔"

"مکان پر تو سیل لگی ہوئی ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ تم اپنی بیوی کے قتل کی خبر سننے کے بعد کہیں اور منتقل ہو گئے ہو۔" میں نے کہا۔

"سیل ہے؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "میں تو اس خیال سے دوسری جگہ چلا گیا تھا کہ عابدہ کے بے شمار ملاقاتی تھے انہیں تعزیت کے لیے آنے والوں سے پریشانی ہو جاتا اور وہ میری بیوی نہیں دوست تھی۔"

"دوست؟" اس بار میرے حیرانی سے منہ کھلا رہ گیا تھا۔ پھر میں ہاشم کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "تم نے تو عابدہ کو رفیق کی بیوی بتایا تھا۔"

"منہ سے نکل گیا ہوگا۔" ہاشم کے بجائے رفیق بولا۔ "ہم سب ہی تو اسی طرح سمجھتے تھے۔"

"پھر اب کہاں چلنے کا ارادہ ہے؟" ہاشم نے سوال کیا۔

"اگر میرے ساتھ چلو تو میرا اپنا فلیٹ تم پسند کرو گے۔" رفیق نے اداسی کی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

پھر وہ قریب ہی کھڑی ہوئی نیلی فاکس ویگن کی طرف بڑھا تو ہمارے قدم ٹھٹکے۔ جس پر اس نے بتایا کہ وہ کار اس نے پچھلی شام ہی خریدی تھی۔

چند منٹ میں ہم اس کے فلیٹ پر پہنچ گئے۔ وہ ایک بیس منزلہ عمارت کی گراؤنڈ فلور پر اس طرح واقع تھا کہ راز دارانہ آمد و رفت بھی ممکن تھی۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بعد چند ثانیوں تک ماحول پر بوجھل سی خاموشی طاری رہی۔ وہ تو ہمارے بارے میں پہلے ہی مشکوک تھا مگر اب اس کی اصلیت بھی ہم سے پوشیدہ نہیں تھی!

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دو ریچھ کے شیر شبیہ تحمل سے ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے فریق مخالف کی کسی غلطی کے منتظر ہوں اور آخر اس نے خود ہی ہماری مشکل آسان کر دی۔

"کیا بات ہے؟ آج تم دونوں کا رویہ کچھ بدلا ہوا ہے؟" اس نے دکھی سی مسکراہٹ کے ساتھ پُرسکون لہجے میں کہا۔

"عابدہ کی موت کے بعد وقت نے زبان بند کی ہوئی ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جو بھی اس سے ملا ہے اُسے ضرور دکھ ہوگا۔" وہ بولا۔ "مگر یہ قدرت کا منشا ہے ہر ایک کا انجام یہی ہے تو پھر جانے والوں کو کڑھنے سے فائدہ؟"

"حالانکہ زندگی میں انسان ساتھ جینے اور ساتھ مرنے کی قسم کھاتا ہے۔" باتیں محتاط انداز میں گفتگو کو آگے بڑھاتا رہا۔

"موت کا نام لینا سہل ہے مگر اس کا سامنا کرنا بہت مشکل کام ہے۔"

"بعض لوگ تو اپنی موت کی جستجو میں رہتے ہیں۔" میں اس سے مخاطب تھا۔۔۔ اور ہاشم بغور اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لے رہا تھا۔

"کس کی بات کر رہے ہو؟" وہ قدرے بے چینی ظاہر کرنے لگا۔

"سیکرٹ ایجنٹوں کو ہی لے لو۔" میں نے سنبھل کر کہا۔

اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ اس کی بے چینی بھی معدوم ہو گئی تھی۔ "موت کسی پیشے میں نہیں چھپی ہوتی۔ مارے وہ لوگ جاتے ہیں جو عورتوں کی عقل سے سوچتے ہیں۔"

اس کا طنز بہت گہرا تھا۔ شاید اس نے کوئی چوٹ کرنے کی کوشش کی تھی کہ میں نے عابدہ سے مل کر ملنے پر سیکرٹ ایجنٹ کا ذکر چھیڑا تھا۔

"اور جو عورتیں ماری جاتی ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ بھی اپنی عقل کے سبب۔" وہ جیسے کہتا اور چہرہ سپاٹ نظر آ رہا تھا۔

"عابدہ کی موت کو کہاں فٹ کرو گے؟"

"میری مان لیتی تو میرا ساتھ چھوڑ کر کسی بھی بے جان اور شاید عابدہ بھی مل جاتا۔" اس نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم خطرے سے آگاہ تھے؟"

"میری چھٹی حس بہت تیز ہے۔" یک بیک اس کے لبوں پر زہریلی مسکراہٹ عود کر آئی۔

"تم اس انداز میں بھی مسکرا لیتے ہو؟" ہاشم نے حیرت سے سوال کیا۔

"یہ شخص کون ہے؟" جانے اچانک اس نے اپنا داہنا ہاتھ میری طرف اٹھایا جس میں دبے ہوئے ریوالور کی نال میری طرف اٹھی ہوئی تھی۔

"فاروقی... احمد فاروقی۔" ہاشم کے بجائے میں نے جواب دیا۔

"عابدہ نے تم سے مرنے سے پہلے کیا کہا تھا؟" اس نے صوفے سے ٹیک لگا کر سوچتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

"مرنے سے پہلے؟" میں نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔ "اس سے میری آخری ملاقات تمہارے سامنے ہی ہوئی تھی۔"

"مجھے ہوٹل سے عابدہ کے ساتھی کا جو سرسری حلیہ معلوم ہوا ہے وہ پورے قاہرہ میں تمہارے سوا کسی پر صادق نہیں آ سکتا۔"

"یہ کیا حرکت ہے رفیق؟ یہ ریوالور نیچے کرو۔" ہاشم بازی ہاتھ سے نکل جانے پر بوکھلاتے ہوئے انداز میں بولا۔ شاید اسے علم نہیں تھا کہ رفیق نے مجھے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتے دیکھ کر مجھ سے زیادہ پھرتی سے ریوالور نکالا تھا۔

"تم میرے دوست ہو ہاشم۔" وہ اس سے نرم لہجے میں بولا۔ "میں تمہارے ساتھ فی الحال کوئی بدتمیزی نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے....."

"مگر یہ میرا دوست ہے۔" ہاشم نے احتجاج کیا۔

"ہوا کرے۔ اگر آج میں نے اس پر ہتھیار اٹھا ہی لیا ہے تو میں اس سے کچھ باتیں بھی کروں گا....."

اس نے بوکھلا کر اس تپائی سے اپنا چہرہ بچانے کی کوشش کی جو میں نے بائیں جوتے میں اٹکا کر اس پر اچھال دی تھی اور وہ ہاشم کی طرف متوجہ ہونے کے باعث آخری لمحے تک میری اس حرکت کو نہ دیکھ سکا تھا۔ میں نے چشم زدن میں اس پر جست لگائی۔ ریوالور بدستور اس کے ہاتھ میں تھا جس کے لیے وہاں ایک دھینگا مشتی کا آغاز ہو گیا۔

وہ آسانی سے پیچھا چھوڑنے پہ آمادہ نہ تھا اور میں اس معصوم صورت درندے کو کوئی رعایت دینے پہ تیار نہ تھا۔

ریوالور بدستور اس کے داہنے ہاتھ میں دبا ہوا تھا اور شہادت کی انگلی ٹریگر پر موجود تھی مگر اس کی دونوں کلائیاں میری مضبوط گرفت میں اس طرح جکڑی ہوئی تھیں کہ میں اس کے سینے پر سوار تھا۔

اسی لمحے میری نگاہ غیر ارادی طور پر ہاشم پر پڑی جو حیرت اور غصے کے شدید دباؤ کے باعث سکتے کی کیفیت میں ایک طرف کھڑا ہم دونوں کو گھورے جا رہا تھا۔

رفیق نے پوری قوت سے اپنی ٹانگیں چلا کر میری پشت پر اپنے گھٹنوں سے چند شدید ضربات لگائیں اور میں بے اختیار اس پر جھک گیا۔ میرا چہرہ اس کے چہرے سے اس قدر قریب ہو گیا کہ اس کے چنگھاڑتے ہوئے گرم گرم سانسوں کا لمس مجھے اپنے رخساروں پر محسوس ہونے لگا تھا۔

"بہت جلد تم دیکھو گے میرے سینے پر سے اٹھ......" وہ کسی زخمی درندے کی طرح غضب ناک لہجے میں غرایا۔ مگر میں نے بیچ ہی میں اس کی بات کاٹ دی۔

"یوں ہی پڑے رہو گے۔" میں نے کہا پھر قدرے توقف کے بعد بولا۔ "ریوالور فرش پر گرا دو۔ میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔"

اس کے حلق سے عربی میں ایک ثقیل سی گالی برآمد ہوئی اور اس نے ایک مرتبہ پھر میری گرفت سے نکلنے کے لئے جان توڑ کوشش شروع کر دی۔

میں چاہتا تو پھرتی کے ساتھ اس کی بائیں کلائی چھوڑ کر اپنے بائیں ہاتھ کی مدد سے ریوالور چھیننے کی کوشش کر سکتا تھا جس میں کامیابی اور ناکامی کے مساوی امکانات تھے مگر میں ایک بار اس کے ریوالور کی زد پر آ کر اس کی پھرتی کا تجربہ بھی کر چکا تھا لہٰذا کوئی غیر محتاط قدم اٹھانا نہیں چاہتا تھا۔

رفیق کی اچھل کود میں ایک بار جونہی مجھے موقع ملا میں نے اس کی ناک پر پوری قوت سے اپنے سر کی ضرب لگائی اور وہ بلبلا اٹھا۔

ناک پر شدید ضرب لگنے کے ساتھ ہی غیر ارادی طور پر ریوالور پر اس کی گرفت کمزور سی ہوئی اور اگلے ہی لمحے میں اس کا ریوالور میرے قبضے میں آ گیا تھا۔

میں پھرتی سے اسے چھوڑ کر الگ جا کھڑا ہوا تھا۔

اس کی زخمی ناک سے خاصی مقدار میں خون بہہ رہا تھا جس کے باعث اس کے چہرے کا نچلا حصہ رنگین ہو کر بہت زیادہ بھیانک نظر آ رہا تھا۔

یہ سب محض کئی سیکنڈ بعد ہی جب وہ فرش سے اٹھنے پہ آمادہ نظر آیا تو میں نے اس پہ ریوالور تان لیا۔

"سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔" میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"تم آج اس چھت کے نیچے سے زندہ نہ جا سکو گے۔" وہ جیب سے اپنے رومال سے ہونٹ صاف کرتے ہوئے حقارت سے بولا۔

"وہ بعد کی بات ہے۔" میں نے اس کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہا۔ "فی الحال وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں ورنہ مزید ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاؤ گے۔"

"تمہارا یہ رویہ دیکھ کر مجھے شدید ذہنی صدمہ ہوا ہے رفیق۔" ہاشم نے دھیمے اور پر ملال لہجے میں کہا۔

"صرف تمہاری دوستی کی وجہ سے آج یہ نوبت آئی ہے۔" رفیق نے کہا۔ "ورنہ میں آج سے بہت پہلے ہی اسے قید کرا چکا ہوتا۔ میں کچھ غلط فہمیوں کی بنا پر کوئی ایسا قدم اٹھانے سے گریز کرتا رہا جس میں تمہاری ہماری دوستی کے مجروح ہونے کا امکان بھی ہو۔"

"مگر آج تم نے ان تمام باتوں کو پس پشت ڈال دیا۔"

"تم جاہلانہ حماقت سے کام لے رہے ہو ہاشم!" وہ فرش سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "اگر تم واقعی حقائق سے بے خبر ہو تو میری زبان سے سن لو کہ تمہارا دوست ایک بدمعاش صفدر علی ہے جس کی مصری پولیس کو تلاش ہے۔"

"مصری پولیس بلا وجہ اس کے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔" ہاشم نے کسی غیر معمولی رد عمل کا مظاہرہ کیے بغیر کہا۔

"زیر حراست سے فرار اور دہشت گردی کے علاوہ اس پر کئی قتل کرنے کے الزام بھی ہیں اور یہ معمولی جرائم نہیں ہیں۔"

اس وقت تک ہاشم ذہنی جھٹکے سے سنبھل چکا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ ابھر آئی۔ "اور اپنے محبوب الحزب کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میرے محبوب؟" اس نے حیرت اور حقارت سے کہا۔

"تم فلسطینی تحریک کے دشمن ہو۔" اس بار میں نے کہا۔ "اسی لئے تم خود ہو سکتا تھا کہ ہاشم کو ان معاملات میں ملوث ہونے سے روکو۔"

"مجھے اپنی رائے قائم کرنے کی مکمل آزادی ہے۔"

"یہی آزادی مجھے بھی ہے۔" ہاشم بولا۔ "اس کے علاوہ تم نے مجھے دوستی کا واسطہ دیا تاکہ وہاں کے ایک بھرے پرے بازار میں کرائے کے بدمعاشوں سے مجھ پر حملہ کرا دیا۔ وہ تمہاری دشمنی کا کھلا ثبوت تھا۔"

شاید اس کے خون آلود ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری۔ "وہ تمہیں زدوکوب کر کے بھاگ گئے تھے۔ میری ہدایت ہوتی تو وہ آسانی کے ساتھ تمہیں ہلاک بھی کر سکتے تھے۔"

"یہ اچھا ہوا کہ تم نے جھوٹ بولنے کی کوشش نہیں کی۔" ہاشم پر رفتہ رفتہ غصہ غالب آتا جا رہا تھا۔ "اب یہ بتاؤ کہ تم کس کے لئے کام کر رہے ہو اور کس کے ایما پر صفدر علی کے پیچھے لگے تھے؟"

"شاید عابدہ نے اسے بہت کچھ بتا دیا تھا۔" وہ میری طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "یہ اسی سے معلوم کرو تو بہتر ہو گا۔"

"تمہیں اعتراف ہے کہ تم جنرل کے لئے کام کرتے ہو؟"

"میں جنرل کا غلام نہیں ہوں۔"

"جنرل احمد فواد سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟"

"کان کھول کر سن لو کہ میں مصر کے سرکاری خزانے سے تنخواہ پاتا ہوں اور جنرل اس محکمے کا سربراہ ہے جو میری خدمات سے استفادہ کرتا ہے۔ تم میرے ساتھ جو سلوک چاہو روا رکھو لیکن اتنا یاد رکھنا کہ تمہارا انجام عبرتناک ہو گا۔"

"وہ نظر بھی آ رہا ہے۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

"تمہیں علم ہے کہ جنرل نے سینا اور صفدر علی کی گرفتاری میں مدد کے لئے اسرائیل سے پیٹر سالومن کو یہاں بلایا تھا؟" ہاشم نے سوال کیا۔

"اس کا اقدام بڑا دانشمندانہ تھا۔" رفیق نے بے جھجک کہا۔

"یہ عربوں کے اجتماعی موقف سے کھلی غداری نہیں تھی؟" ہاشم نے غصیلے لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"اجتماعی موقف!" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ "اسی کی خاطر ہم اسرائیل سے تباہ کن جنگیں لڑ چکے ہیں۔ ہمارے خزانے، سینا پہ محیط سرزمین اسرائیلی قبضے میں ہے۔ ہمارے ہزاروں شہری اور فوجی مارے گئے۔ اس اجتماعی موقف نے مصر کو مکمل تباہی اور بربادی کے سوا کیا دیا؟"

"میرے نزدیک تم جیسے لوگ منحرف اور غدار ہیں۔" ہاشم غرایا۔

"ضرور ہوں گے۔ ہم لوگ پہلے مصر کی سلامتی اور بہبود کے بارے میں سوچتے ہیں۔ اس کے بعد عرب اور فلسطین کی باری آتی ہے۔ ہم قربانی کا دنبہ نہیں ہیں۔ ہماری موجودہ نسل جنگ، دھوئیں اور جنگ کی دوسری تباہ کاریوں سے نفرت کرتی ہے۔ دوسری عرب قومیں اب ہمیں ہمارے نام پر پیسہ دے کر خون بہانے پہ مجبور نہ کر سکیں گی۔" ہاشم کی بات کا جواب دیتے ہوئے وہ جذباتی ہو گیا۔

"جنرل احمد فواد سے تمہارے رابطے کا کیا ذریعہ ہے؟" چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد میں نے سوال کیا۔

"اس وقت میں تمہارے قبضے میں ہوں۔ خود ہی پتہ چلا لو۔" اس نے ڈھٹائی کے ساتھ جواب دیا۔

"ٹرانسمیٹر؟" ہاشم نے سوال کیا۔

"تلاشی لو گے تو صرف اذیتناک انجام ہو گا۔" وہ زہریلا قہقہہ مار کر بولا۔

ہاشم نے پوری قوت سے جھک کر اس کے منہ پر الٹا ہاتھ رسید کیا اور وہ کراہ کر پیچھے الٹ گیا۔

"مجھے اپنے سوال کا جواب چاہئے۔" اس کے کھڑے ہو جانے پر ہاشم نے سرد لہجے میں اسے یاد دلایا۔

"تم میری زبان نہ کھلوا سکو گے۔" وہ تحقیر آمیز لہجے میں بولا۔ "میں اپنے فرائض سے آخری سانس تک بھی انحراف نہیں کروں گا۔"

"تم دونوں ہاتھ بلند کر کے دیوار کی طرف منہ کر لو۔" میں نے ریوالور کی نال کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "ہاشم تمہاری جامہ تلاشی لے گا۔"

"اسے میرے پاس سے کچھ نہ ملے گا۔" وہ دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھاتے ہوئے بولا۔

"منہ دیوار سے لگا لو۔" میں نے حکم دیا اور اس نے کسلمندانہ انداز میں میرے حکم کی تعمیل کر ہی ڈالی۔

ہاشم نے اس کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے میری طرف دیکھا مگر میں نے آنکھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

ہاشم مجھے ریوالور کی مختصر سی نال تھامے دیکھ کر میرا ارادہ

جانب گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر رفیق کی تلاشی لینے کے بجائے اس کی دائیں کنپٹی پر ریوالور کے دستے کی تیز ضرب لگائی اور وہ حلق سے غراہٹیں بلند کرتا ہوا کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

"اسے بے ہوش کیوں کر دیا؟" ہاشم نے سوال کیا۔

"یہ جگہ ہمارے لئے مخدوش ہے۔" میں نے کہا۔ "ایکس تھری میں اس سے مناسب طور پر بازپرس ہو سکے گی۔"

"بات تو درست ہے مگر ہم اسے کس طرح لے جائیں گے؟"

"بے ہوشی کی حالت میں یہ کوئی گڑبڑ نہیں کر سکے گا۔"

"مگر ہمارے پاس سواری کہاں ہے؟"

"تم رفیق کی جیلی فاکس ویگن کو بھول رہے ہو جو اس نے کل ہی خریدی ہے!" میں نے اسے یاد دلایا۔

ہاشم یک بیک خوش ہو گیا۔ "اس نے شاید وہ کار ہماری سہولت کے لئے خریدی ہے۔"

وہاں سے روانگی میں رفیق کے فلیٹ کا محل وقوع بہت کام آیا۔ گراؤنڈ فلور پر واقع وہ فلیٹ اس طرح بنا ہوا تھا کہ وہاں سے کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر نکلنا خاصا سہل ثابت ہوا۔

روانگی سے قبل ہم دونوں نے رفیق کی ناک کا زخم اور چہرہ اچھی طرح صاف کر دیا تھا۔ پہلے میرا خیال تھا کہ میری ٹھوکر کے باعث رفیق کی نکسیر پھوٹ نکلی تھی مگر خون صاف کرتے ہوئے پتا چلا کہ اس کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔

رفیق کو عقبی نشست پر ڈال کر میں ہاشم کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا۔ اور اس نے کار تیزی سے آگے بڑھا دی۔

میں سگریٹ سلگا کر اپنے آئندہ لائحہ عمل کے بارے میں سوچنے لگا۔

قاہرہ پہنچنے کے بعد میں حالات کی بھول بھلیوں میں کچھ اس طرح پھنسا تھا کہ یہیں آخری مرحلے پر میرا مسئلہ نظر آتی تھی۔

سیتا جب کے مضافاتی فارم سے زندہ سلامت نکل گئی تھی لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ وہ اخوان الصفا کے مقامی امیر ابو سلطان تک پہنچی تھی یا نہیں۔ اس تنظیم کا ذمہ دار جب ایک مخبر سے تعلقے کے بعد دوبارہ قیدی بن چکا تھا۔ ابو سلطان کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔ مقامی ذمہ دار اسے مردہ قرار دے رہے تھے مگر میرا قیاس کہتا تھا کہ وہ زندہ ہے لیکن وہ کہاں چھپا ہوا تھا یہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔

"اب کیا پروگرام ہے؟" ہاشم کی آواز نے میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔

"شاید ابو سلطان کے بارے میں رفیق سے کچھ معلوم ہو سکے۔"

"مشکل ہی ہے۔"

"مجھے تو توقع ہے۔" میں مسکرایا۔ "وہ سیتا اور سوزانی کے مراسم سے اس حد تک آگاہ تھا کہ اس نے میری شخصیت کے لئے سوزانی کے ہاتھوں پہلے اغوا اور پھر سیتا کے ہاتھوں اپ کا ڈرامہ رچایا تھا۔"

"اور اگر اس نے زبان نہ کھولی؟"

"ہم اس پر زیادہ وقت برباد نہیں کریں گے۔" میں نے قدرے پریشانی محسوس کرتے کہا کہ رفیق ہوش میں آ رہا تھا۔ "اگر اس نے منہ کھولا تو نہ صرف زندہ رہے گا بلکہ شاید اسے مالی فائدہ بھی ہو جائے ورنہ میں اسے ختم کر دوں گا۔"

ہاشم نے چونک کر میری طرف دیکھا اور میں اسے آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔

چند لمحوں بعد میں نے عقبی نشست کا جائزہ لیا تو رفیق بے حس و حرکت پڑا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔

"میرا خیال ہے اسے براہ راست ہلاک کرنا مناسب نہیں۔" ہاشم نے کہا۔ "اسے شایان شان طریقے سے مرنا چاہیے۔"

"وہ کیسے؟"

"اسے برہنہ کر کے بے ہوشی کی حالت میں قاہرہ کے کسی علاقے کے کوڑا گھر پر ڈال دیا جائے اور جب لوگ اچھی طرح بدحواس مجرمے کا دیدار کر لیں تو اس پر ایک عدد گولی ضائع کر دی جائے۔"

"تجویز خاصی معقول ہے۔"

جب فاکس ویگن ایکس تھری کو جانے والے صحرائی راستے پر گھومی تو سورج کی چمکیلی روشنی میں تاحد نظر ریت ہی ریت چمک رہی تھی۔

ایکس تھری کے آثار نمودار ہونے سے قدرے پہلے رفیق ہوش میں آ گیا۔

"تم لوگ مجھے کہاں لئے جا رہے ہو؟" انجن کی پرشور غراہٹ میں اس کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ایک صحرائی پکنک پوائنٹ پر جا رہے ہیں۔ تم بھی اس کا لطف اندوز ہو سکو گے۔"

وہ پلکیں جھپکاتے ہوئے سیٹ پر سیدھا بیٹھ گیا پھر اس کے حلق سے تحیر آمیز سی آواز نکلی۔

"اوہ۔ تم تو صحرا میں داخل ہو چکے ہو۔ یہ یاد رکھنا کہ آخر تم جنرل پر ہاتھ نہ ڈال سکو گے اور نہ تم اس کا راستہ آسانی سے طے کر سکو گے۔"

"ہماری فکر نہ کرو اپنی خیر مناؤ۔" ہاشم نے کہا۔ "تم نے دوست بن کر جو غداری کی ہے وہ کسی بڑی سزا کی متقاضی ہے۔"

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"جنرل سے تمہارے رابطے کا کیا ذریعہ ہے؟" ہاشم کے ذہن پر جنرل احمد فوادی کی دھن طاری تھی۔

"ان سب باتوں کے بجائے اگر تم اپنا مقصد بیان کر دو تو شاید ہم بہتر فضا میں بات کر سکیں۔"

"ہمارا مقصد تمہاری سوچ سے بہت بلند ہے۔" ہاشم نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔ "بس اتنا یاد رکھو کہ اب تم ہمارے رحم و کرم پر ہو۔"

"میں تمہارے لئے تر لقمہ ثابت نہیں ہو سکتا۔" اس کے لہجے میں بے چینی عود کر آئی۔ "تمہاری برتری کسی بھی لمحے ختم ہو سکتی ہے۔"

"سیتا کی تلاش میں تم ہماری کیا مدد کر سکتے ہو؟" میں نے دخل اندازی کرتے ہوئے سوال کیا۔ "تم اس معاملے میں خاصے باخبر معلوم ہوتے ہو۔"

"میری معلومات تم سے زیادہ نہیں ہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ "مقامی حکام نے ذرائع ابلاغ کے ذریعے یہ تاثر پھیلایا ہے کہ سیتا ایک مقامی آدمی پر حملہ کرتے ہوئے ماری گئی تھی مگر درحقیقت وہ کوئی اور لڑکی تھی۔"

"مگر سیتا کہاں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"مجھے معلوم نہیں۔" وہ لاپرواہی سے بولا۔ "میں نے تو محض تمہاری اصلیت معلوم کرنے کے لئے سیتا کا نام استعمال کیا تھا۔"

"پھر تمہیں جنرل کے بارے میں ہاشم کے سوالات کے جواب دینا ہوں گے۔" میں نے کہا۔

"شاید تم اس جھونپڑے تک جا رہے ہو۔" اس نے ایک ریتلے ٹیلے کی اوٹ میں اچانک نمودار ہونے والے ایکس تھری کے آثار دیکھ کر کہا۔

فاکس ویگن ایکس تھری کے سامنے رکی تو مقامی نگہبان باہر موجود تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ جیب میں چھپا ہوا تھا۔

"میں ہاشم ہوں۔" ہاشم نے انجن بند کر کے زور سے کہا کہ وہ عجلت اور غلط فہمی میں کہیں فائر نہ کر بیٹھے۔

نگہبان کا دایاں ہاتھ جیب سے باہر آ گیا۔ اس کی ڈھیلی جیب اندر کسی وزنی ہتھیار کی موجودگی کی چغلی کھا رہی تھی۔

ہم تینوں یکے بعد دیگرے کار سے اتر آئے۔

ہاشم نے قریب جا کر نگہبان سے کچھ بات کی اور وہ جھونپڑے میں چلا گیا اور ہم جھونپڑے کے باہر ہی ریت پر بیٹھ گئے۔

خنک ہوا میں قدرے گرم ریت بہت خوشگوار محسوس ہو رہی تھی۔

اس وقت میرے پاس ہاشم کے دیئے ہوئے اعشاریہ دو پانچ سکس کے آٹومیٹک کے علاوہ رفیق سے چھینا ہوا ریوالور بھی موجود تھا جو میں نے جیب سے نکال لیا پھر میرے ایما پر ہاشم نے رفیق کی جامہ تلاشی بھی لے ڈالی لیکن کوئی کار آمد چیز برآمد نہ ہو سکی۔

کافی دیر کی کوشش اور تھوڑے سے تشدد کے بعد ہاشم یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ رفیق اپنے گھر میں موجود ایک ٹرانسمیٹر پر جنرل سے ہدایات لیا کرتا تھا اور اس کا کوڈ نام فالکن ہوا کرتا تھا۔

یہ معلوم ہو جانے کے بعد ہاشم نے نگہبان کو آواز دی۔ اور اسے رفیق کی نگرانی پر مامور کر کے میرے ساتھ ایک طرف ہو لیا۔ ہمارے چلنے سے قبل نگہبان نے خودکار پستول نکال لیا۔

"الحدید کے علاقے میں ویران پہاڑیوں سے میں ایک اہم کام لینا چاہتا ہوں۔" رفیق سے کچھ دور نکل آنے کے بعد ہاشم نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"میں نے سنا ہے کہ جنرل احمد فوادی قاہرہ کے مضافات وغیرہ میں آمدورفت کے لئے ہیلی کاپٹر کے استعمال کا شوقین ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ رفیق ہماری نگرانی میں ٹرانسمیٹر پر جنرل سے بات کرے اور آج رات اسے الحدید آنے کا مشورہ دے۔"

"تو کیا تم جنرل کو اتنا احمق سمجھتے ہو کہ وہ رفیق کے مشورے پر اعتماد کر کے عمل کر ڈالے گا؟"

"اس کا انحصار تو بہانے پر ہوگا۔"

"رفیق کیا بہانہ کرے گا؟" میں نے پوچھا۔

"وہ کہہ سکتا ہے کہ آج رات الحدید کی پہاڑیوں میں صفدر علی اور سیتا کی ملاقات کا امکان ہے۔ اور اسے یہ خبر باوثوق ذرائع سے ملی ہے۔"

"ایسی صورت میں وہ ہیلی کاپٹر کے بجائے کسی دوسرے رازدارانہ طریقے کو ترجیح دے گا۔" میں نے کہا۔ "تم نے ہیلی کاپٹر ہی کا کیوں سوچا تھا؟"

"یہ ضروری ہے۔" وہ بولا۔ "اس کا ہیلی کاپٹر تیز رفتار ہے اور ہمیں جنرل کے ساتھ ساتھ اس پر بھی قبضہ کرنا ہے تاکہ جلد از جلد قاہرہ سے دور نکل سکیں۔"

"تو کیا تم ہیلی کاپٹر اڑا لو گے؟"

"جنرل یا اس کا کوئی معاون ہوا تو وہی ہمارے بتائے ہوئے راستے پر پرواز کرے گا۔"

"ہیلی کاپٹر میں تم مصر کی سرحد تو عبور کر سکو گے۔"

"ہیلی کاپٹر تو ہم ایندھن ختم ہونے سے قبل کسی محفوظ مقام پر چھوڑ دیں گے اور وہاں سے آگے بڑھنے کے بجائے واپس ہو لیں گے تاکہ حکام ہم تک نہ پہنچ سکیں۔"

"میری دانست میں یہ سب سے عمدہ تجویز ہوگی۔" میں نے کہا۔ "اگر رفیق کی آڑ لے کر جنرل کو ہلاک ہی کرنا ہے تو قاہرہ شہر سے بہتر جگہ ملنا مشکل ہے۔"

"شہر میں وہ محافظوں کے جھرمٹ میں نکلتا ہے۔ شاید صدر سے

زیادہ اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔"

"پھر تو وہ الحدید پہنچنے سے قبل ان پہاڑیوں کا گھیرا ؤ ماصرہ بھی کیا جا سکتا ہے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"یہ کم اس لیے کہہ رہے ہو کہ ان پہاڑیوں سے ناواقف ہو۔" اس نے کہا۔ "ان کا محل وقوع ایسا ہے کہ جنرل سے رفیق کی گفتگو کے بعد ہم نے وہاں مورچے سنبھال لیے تو ہماری نظروں میں آئے بغیر چڑیا کا بچہ بھی وہاں پر نہ مار سکے گا۔"

"لیکن تم نے ابھی تک اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا کہ اگر جنرل ہیلی کاپٹر کے بجائے کسی آمد و رفت کار وغیرہ میں الحدید پہنچا تو کیا ہوگا؟"

"تمہارا یہ بھی اعتراض معقول ہے۔ ایسی صورت میں ہم دوبارہ رفیق کا نام بھی استعمال نہ کر سکیں گے۔"

"کیسے نہ رفیق کو ختم کر کے تم اس کی جگہ سنبھال لو۔" چند ثانیوں تک سوچنے سمجھنے کے بعد میں نے تجویز پیش کی۔

"کیسے؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔ شاید وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"جنرل سے ملنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ بس تم رفیق کا ٹرانسمیٹر اور کوڈ استعمال کرتے رہنا۔ اس طرح شاید کوئی موقع مل جائے۔"

اچانک سوال کی فضا ایک دھماکے اور پھر انسانی چیخ سے لرز اٹھی۔ ہم دونوں بوکھلا کر چلے تو ہیکس تھری کا نگہبان ریت پر ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا اور رفیق فاکس ویگن میں جا چکا تھا۔ مجھے صورت حال کی سنگین نوعیت کا اندازہ لگانے میں کوئی وقت پیش نہ آئی اور میں ریوالور نکال کر جائے واردات کی طرف دوڑ پڑا۔

ابھی تھا میں رفیق اگنیشن میں چابی موجود نہ پا کر برق رفتاری سے ہیکس تھری میں گھس پڑا۔

بھاگتے دوڑتے ہوئے اضطراری طور پر دو فائر کیے لیکن فاصلہ زیادہ ہونے کے باعث وہ ضائع گئے اور جب میں ہیکس تھری کے قریب پہنچا تو احتیاط کے پیش نظر مجھے باہر رکنا پڑا۔

"رفیق! خود کو ہمارے حوالے کر دو۔" میں نے باہر ہی سے اسے للکارا۔ اس دوران میں ہاشم قریب المرگ نگہبان کے قریب پہنچ چکا تھا۔ میرے جواب میں اندر خاموشی ہی رہی۔ میں نے اسے دوبارہ للکارا پھر کوئی جواب نہ پا کر دوڑ کر اندر گھسا۔ پہلا کمرہ ویران تھا اور دوسرے کمرے میں تہہ خانے میں داخلے کا کھلا ہوا منہ میرا منہ چڑھا رہا تھا۔

میں آہستہ آہستہ زینے کے قریب پہنچ گیا۔ اندر سے واضح طور پر کسی کے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"رفیق! باہر آجاؤ۔" میں نے تہہ خانے کے دہانے پر جا کر آواز دی۔

"وقت ہو جاؤ۔" تہہ خانے میں سے رفیق کی تیز آواز گونج ابھری۔ "اگر دو گھنٹے میں مصری سیکرٹ سروس کے حکام کی آمد کا فون میں نے نہ کیا تو میں اس تہہ خانے کے اندر زیر زمین گودام کو اڑا کر اپنے ساتھ سب کو خاک کر دوں گا۔"

اچھل پڑا۔

وہ ہاشم تھا۔ اس کے چہرے پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔

"وہ مر گیا، گولی اس کے دل میں لگی ہے۔" اس نے مجھے ہیکس تھری کے نگہبان کی خبر دی۔

میں اس کا بازو تھام کر باہر آ گیا۔

صورت حال یک بیک گمبھیر ہو چکی تھی۔ غدار رفیق اسلحہ کے ہولناک ذخیرے پر قابض ہو چکا تھا اور زندگی سے مایوس ہو کر کسی وقت بھی اسے تباہ کر سکتا تھا۔

میں نے ہاشم کو رفیق کی شرط سے آگاہ کیا تو اس کا منہ اتر گیا۔

"یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ اگر میں تمہیں مشورے کے لیے دور نہ لے جاتا تو یہ خوفناک صورت حال پیدا نہ ہوتی۔ اب ہیکس تھری کا ٹھکانہ..."

"جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ اب اس کے ازالے کا سوچو۔" میں نے فکر آمیز لہجے میں کہا۔

"یہ اسلحہ خانہ مصری سیکرٹ سروس کے حوالے کرنے سے بہتر ہے کہ رفیق مایوس ہو کر خود کو اسلحے سمیت ہلاک کر کے آتش فشاں بنا دے۔" اس نے کہا۔ "کم از کم اس کا مطالبہ تو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔"

"الحدید کی پہاڑیوں والا منصوبہ؟"

لمحہ بھر کے لیے اس کی آنکھوں میں چمک نمودار ہوئی۔ پھر ذرا ہی معدوم ہو گئی۔ "ہم جنرل کو ادھر آنے پر آمادہ کر سکتا ہے مگر یقین رکھو کہ وہ اپنی بھرپور تیاریوں سے آئے گا اور ہم اس کو بھی اس کھلے صحرا میں کہیں امان نہ مل سکے گی۔"

"کیوں نہ اسے شہر کے کسی مقام پر بلا کر اغوا کیا جائے؟"

"بہت مشکل ہوگا۔ تم میرے ساتھ شہر کیوں نہیں چلتے؟" اس نے کہا۔ "شاید ہم دونوں مل کر کوئی راہ نکال سکیں۔"

"اور اگر رفیق نکل بھاگا؟"

"وہ سوچ بھی نہ سکتا ہوگا کہ ہم اس قدر اہم اور بڑے اسلحہ خانے کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلے جائیں گے۔" اس نے پُر وثوق لہجے میں کہا۔ "وہ اندر ہی جل مرے گا لیکن باہر آنے کی ہمت نہیں کرے گا۔"

"دشمن کو حقیر نہ سمجھو ہاشم!" میں نے فکر مند لہجے میں کہا۔ "اب تک تمہاری توقعات سے زیادہ ذہین اور مکار ثابت ہوا۔"

"میں تمہارے ہیکس تھری تک کوئی بھی آسکتا ہوں۔" ذہنی خلفشار کے عالم میں پیشکش کی۔

بھی تمہارے ساتھ روانہ کر دے گا۔"

"میرا لب و لہجہ جنرل کو شبہ میں ڈال دے گا۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "تم مستقل جسم کی عربی بولتے ہو جبکہ ٹرانسمیٹر پر تمہاری آواز رفیق سے مشابہ ہوگی اور پھر میرے لیے تمام راستے اجنبی ہیں۔ شاید میں وہاں بھی نہ پہنچ سکوں۔"

"تو بہت جلد بھٹک جاؤ گے۔" وہ بالوثوق انداز میں بولا۔ "صحرائی ہوائیں آنا فانا میں ریت پر ٹائروں کے نشان صاف کر دیتی ہیں۔"

تھوڑی سی رد و قدح کے بعد وہ ہیکس تھری سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور میں محتاط انداز میں اس اندرونی کمرے میں جا بیٹھا جہاں تہہ خانے میں اترنے کا راستہ موجود تھا۔

میں نے دونوں ریوالور گود میں رکھ لیے اور ایک دیوار کے سہارے اس طرح بیٹھ گیا کہ تہہ خانے کا راستہ براہ راست میری نگاہوں کی زد میں تھا۔

میرے لیے بھی وہ صورت حال زندگی فرسا تھی۔ میرے قدموں کے عین نیچے ہزاروں ٹن بارود کی قوت کے آتش گیر ذخائر موجود تھے جن پر ایک مایوس شخص قابض تھا اور وہ کسی بھی لمحے اس ذخیرے کو اڑا سکتا تھا۔

وقت جونک کی چال رینگتا رہا۔ باہر سے آنے والی ہوا میں خنکی کے بجائے حدت بتدریج بڑھتی جا رہی تھی اور میں اس تدریج فرسا معرکے کے ممکنہ نتائج پر غور کر رہا تھا۔

یک بیک میں چونک پڑا۔

تہہ خانے سے کوئی تیز آواز ابھری تھی۔ میں دونوں ہاتھوں میں ریوالور تھام کر بے آواز سیدھا کھڑا ہو گیا۔

چند سیکنڈ گزر گئے مگر دوسری آواز نہیں ابھری۔

میرے اعصاب پر تناؤ طاری ہونے لگا۔ شاید رفیق کوئی آہٹ پیدا کیے بغیر ننگے پاؤں زینے طے کر کے اوپر آ رہا تھا۔

"ہاشم!" اس بار تہہ خانے میں سے آنے والی رفیق کی آواز میں نے واضح طور پر سنی۔ جو اپنی ہی گونج میں معدوم ہو گئی۔

میں اپنی جگہ خاموش لیکن چوکنا کھڑا رہا۔

"ہاشم!... جواب دو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم میری گھات میں کسی مردے کی طرح دبکا بیٹھا ہوگا مگر یہ سن لے کہ آدھا گھنٹہ گزر چکا ہے اگر دو گھنٹے گزر گئے تو میں بلا تردد اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنا دوں گا۔"

اس بار بھی میں خاموش رہا اور احتیاط سے ایک ایسی جگہ سرک گیا جہاں سے میں تہہ خانے کے راستے پر نظر رکھ سکتا تھا لیکن تہہ خانے سے برآمد ہونے والا فوری طور پر مجھے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

میری مسلسل خاموشی پر تہہ خانے میں بڑبڑاہٹ سی گونجی

کتنے آدمی لے آؤ گے؟"

"بار پیسے پندرہ تک مسلح اور جانباز کو بیٹھے۔" اس نے کہا۔ "وہ تمہارے ایک اشارے پر تہہ خانے میں کود پڑیں گے۔"

"میں کسی کو موت کی بانہوں میں دھکیلنا پسند نہیں کرتا۔" میں نے کہا۔ "وہ ذرا سا بھی خطرہ دیکھتے ہی اسلحے کے پورے ذخیرے کو اڑا دے گا۔"

"پھر... پھر کیا کیا جائے؟" اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔ وہ بہت زیادہ متوحش اور پریشان نظر آ رہا تھا۔

"بظاہر تو بربادی ہیکس تھری کا مقدر معلوم ہوتی ہے۔" میں نے حقیقت پسندانہ لہجے میں کہا۔ "ہماری کوشش بس یہی ہو سکتی ہے کہ رفیق اس کے ملبے سے زندہ فرار نہ ہو سکے۔ اس کے علاوہ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔"

"کیوں۔ آخر ہم اس قدر بے بس کیوں ہیں؟" اس پر وحشت سی طاری ہونے لگی۔ اس کا ذہن ہیکس تھری کی بربادی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"جذباتی نہ بنو ہاشم!" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے دلاسا دیا۔ "تلخ حقائق کا سامنا ہی مردانگی کی شان کہلاتا ہے... میرا مشورہ مانو تو فوراً شہر لوٹ جاؤ اور جنرل کو ہیکس تھری کی راہ پر لگا دو..."

"مگر کیسے؟" اس نے اضطراب کے عالم میں میری بات کاٹ دی۔

"تم رفیق کے ٹرانسمیٹر سے خاص کا کوڈ استعمال کرتے ہوئے مضافات کے صحرا میں اسلحے کے بھاری ذخیرے سمیت مفرور کی موجودگی کی خبر دے ڈالو۔ ہم اتنی بڑی نظر آئے گی کہ جنرل نے فوجی دستے بھی ساتھ لیے تو ان کی کمان خود ہی کرنا چاہے گا۔ تم اپنے مسلح ساتھی یہاں لے آؤ۔ جنرل کو رفیق کی موجودگی کا علم نہ ہوگا اور اس کے آدمی ہیکس تھری پر دھاوا بول کر اس کے ساتھ ہی رفیق کے بھی پرخچے اڑا دیں گے اور عقب سے تمہارے آدمی جنرل کے عملے پر آگ برسانی شروع کر دیں گے۔ اس طرح اگرچہ ہیکس تھری تو تباہ ہو ہی جائے گا مگر یہ امکان بھی ہے کہ جنرل الاحمد واد ہمارے ہاتھوں مارا جائے۔"

"تو پھر تم بھی میرے ساتھ شہر چلو۔" میری تجویز اس کے ذہن میں سما گئی۔

"ہم میں سے ایک آدمی کا یہاں ٹھہر کر نگرانی کرنا ضروری ہے۔" میں نے کہا۔ "رفیق مرنے کا ارادہ ——— کرنے کے باوجود زندگی کے لیے آخری کوشش ضرور کرے گا جسے ناکام بنانا ہم میں سے کسی ایک کی ذمہ داری ہوگی۔"

"تو میں یہاں رک جاتا ہوں، تم شہر چلے جاؤ۔" وہ اس وقت زود رنج ہو رہا تھا۔ "جنرل سے بات کرنے کے بعد میرے حوالے سے عقل... مصروف رہو گا اور وہ میرے... مختصر سی بحث

محسوس ہوئی اور ہکیس بقری میں ایک بار پھر سناٹا چھا گیا۔

انتظار کے لمحات کتنے طویل اور صبر آزما ہوتے ہیں، اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس صعوبت سے گزر چکے ہوں۔ رفیق کے بیان اور میری رسٹ واچ کے مطابق واقعی صرف نصف گھنٹہ گزرا تھا مگر مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں کئی گھنٹوں سے انتظار کی اس کیفیت کو بھگت رہا ہوں۔

باہر صحرا میں بھی بدستور سکوت کا راج تھا بس کبھی کبھار چٹانوں میں سے گزرنے والے جھکڑ تیز شور پیدا کرنے لگتے تھے۔

"ہاشم اور صفدر!" طویل سکوت کے بعد تہ خانے میں سے رفیق کی آواز پھر ابھری۔ "تم دونوں میری بات کا جواب دو یا نہ دو لیکن میں جانتا ہوں کہ تم میری آواز ضرور سن رہے ہو۔"

چند ثانیوں کے لیے بوجھل اور کشیدہ سکوت طاری ہوا، جس کے بعد اس کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ "تہ خانے میں طاقتور ڈائنامائٹ کے سیٹ بیٹریوں اور ریموٹ کنٹرول سمیت موجود ہیں۔ میں نے چار سیٹ پورے تہ خانے میں پھیلا کر بیٹری سے جوڑ دیے ہیں اور میں ریموٹ کنٹرول ساتھ لے کر باہر آ رہا ہوں۔ اگر تم دونوں سے مجھے ذرا بھی خطرہ لاحق ہوا تو یہ عظیم الشان تہ خانہ پورے سلسلے سمیت میرے خفیف سے اشارے پر ایک جلتے ہوئے الاؤ میں تبدیل ہو جائے گا۔"

میں ایک جھرجھری لے کر رہ گیا۔

اس مکار شخص نے تہ خانے میں اپنی گلو خلاصی کا ایک موثر ذریعہ تلاش کر ہی لیا تھا اور گویا رفیق کی موت کے عوض ہکیس بقری کی بربادی کو گھاٹے کا سودا شمار کرتا تھا۔

"مختصر سا ریموٹ کنٹرول یونٹ میرے ہاتھ میں ہے۔" تہ خانے کے دہانے کے قریب سے رفیق کی آواز آئی۔ شاید وہ سیڑھیاں عبور کر کے اوپر آ رہا تھا۔ "اور میری انگلی اس بٹن پر ہے جو اس تہ خانے کو کھنڈر بنا سکتا ہے۔ تم دونوں کے ہاتھوں میں کوئی ہتھیار نہ ہونا چاہیے اور نہ تم مجھ سے قریب آنے کی کوشش کرو گے۔"

"تو یہ بلا باہر تو نکل رہی ہے۔" میں نے دل ہی دل میں کہا۔ "پھر دیکھا جائے گا کون کتنے پانی میں ہے!"

میں دونوں ریوالور جیب میں ڈال کر ایک پتھر کی اوٹ میں ہو گیا۔ چند سیکنڈ تک کچھ نہ ہوا پھر اچانک رفیق کی کھوپڑی غار کے خلا میں سے نمودار ہوئی اور نہایت سرعت سے فوراً ہی غائب ہو گئی۔ شاید اس طرح وہ باہر کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔

قدرے توقف کے بعد وہ چوکنا نگاہوں سے چاروں طرف کا جائزہ لیتا ہوا اس خلا سے باہر آ گیا۔

اس کے داہنے ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا اور بائیں ہاتھ میں سگریٹ کی ڈبیہ کے برابر ایک سیاہ بکس تھا جو یقینی طور پر تاروں کے رابطے کے بغیر ہی فاصلے سے ڈائنامائٹ کو اڑا سکتا تھا۔

باہر آ کر وہ کمرے کے وسط میں خاصی دیر تک ہماری موجودگی کا سراغ لگانے کی کوشش کرتا رہا۔ شاید اسے خود کو وہاں تنہا دیکھ کر خاصی حیرت ہوئی ہو۔ آخر کار وہ سر جھٹک کر نکاسی کے راستے کی طرف چل پڑا جو بیرونی کمرے سے ہو کر گزرتا تھا۔ میرے کان اس کے قدموں کی مدھم سی چاپ پر مرکوز تھے جو مدھم پڑتے اور پھر تیز ہوتے تسلسل کے ساتھ دور ہوتی جا رہی تھی۔

میں نے پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑ دی اور پنجوں کے بل اس دروازے کی اوٹ میں پہنچ گیا جو دونوں کمروں کو ملاتا تھا۔

رفیق کی پشت میری جانب تھی اور وہ اس دروازے کی جانب جا رہا تھا جو صحرا میں کھلتا تھا۔ غالباً اسے اطمینان ہو چکا تھا کہ اس کے پیچھے جھونپڑے میں کوئی موجود نہیں تھا۔ اس وقت میں چاہتا تو عقب سے فائر کر کے بآسانی رفیق کو ختم کر سکتا تھا مگر وہ مرتے مرتے بھی ریموٹ کنٹرول سے ہکیس بقری کو تباہ کر سکتا تھا جب کہ بدلے ہوئے حالات میں میرا ذہن ایک اور ہی منصوبہ ترتیب دے رہا تھا۔

وہ باہر چلا گیا مگر میں آگے نہ بڑھا۔ اگر میں بیرونی کمرے میں چلا جاتا تو رفیق کی اچانک واپسی کی صورت میں میرے لیے خود کو چھپانا ناممکن ہو کر رہ جاتا اور میں مناسب موقع آنے سے قبل اس کا سامنا کرنا نہیں چاہتا تھا۔

باہر جا کر شاید اسے یقین ہو گیا کہ اس کے دونوں حریف بھاگ نکلے تھے کیونکہ اسی کار میں ہاشم جا چکا تھا۔ پھر اپنے عقب پر ایک آواز سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

وہ آواز بہت واضح اور تیز تھی۔ زیادہ محسوس ہوا تھا جیسے کسی نے پھوس کی چٹائی کو توڑنے کی کوشش کی ہو۔

وہ آواز یقینی طور پر اندر داخل ہونے کے پیچھے والے احاطے سے آئی تھی۔ شاید رفیق اس وقت تک مطمئن نہیں ہوا تھا۔

وہ بے خبری میں عقب سے اندر داخل ہو کر یقین کرنا چاہتا تھا کہ اندر واقعی سناٹا تھا۔

میرے لیے وہ لمحات بڑے خطرناک تھے۔ میرا صرف ایک ہی خیال تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے وہی حکمت عملی سے ذہن میں ڈال دیا تھا۔

میں وہاں رکا رہتا اور رفیق پچھلی جانب سے اندر گھس آتا تو یقیناً مجھے دیکھ سکتا تھا اور اگر میں بیرونی کمرہ عبور کر کے باہر جا نکلتا اور پیچھے سے ہٹنے کے بارے میں میرا اندیشہ بے بنیاد ہوتا تو وہ وہاں مجھے دیکھ لیتا۔ تیسری راہ اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگانے کے مترادف تھی یعنی پھرتی کے ساتھ تہ خانے میں اتر جانا مگر میرے لیے وہ ہی یقینی راستہ تھا۔

نیچے اترنے کے بعد میں بیٹری سے منسلک تاروں کو علیحدہ کر کے ریموٹ کنٹرول کو بآسانی ناکارہ بنا سکتا تھا مگر ذہن کی طرف عجلت میں جیزی احمد فواد کو ہکیس بقری کی طرف متوجہ کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ وہ کسی بھی لمحے وہاں آ سکتا تھا۔ ایسی صورت میں منصوبے کے برعکس رفیق کے بجائے وہی اس کے ہولناک انبار میں ہلاک ہو جاتا۔ یہ راستہ میں نے فوری طور پر ترک کر دیا۔

پھر چند ہی ثانیوں میں دوسری آہٹ سنائی دی جس نے ثابت کر دیا۔ تقدیر پر ہو کر اپنی جگہ چھوڑ دی اور ایک ریوالور ہاتھ میں لے لیا۔ بیرونی کمرہ عبور کر کے میں پھرتی سے نکاسی کے راستے کی اوٹ میں پہنچا اور ذرا سا سر باہر نکال کر جائزہ لیا تو دروازے کے سامنے پڑی ہکیس بقری کے نگہبان کی لاش کے سوا وہاں کوئی اور نہیں تھا۔

میں دھڑکتے دل کے ساتھ جھونپڑے کو خیرباد کہہ کر کھلے صحرا کے سینے پر نکل آیا۔ باہر آنے کے بعد یہ اندیشہ بھی تھا کہ کہیں غیر متوقع طور پر رفیق سامنے نہ آ جائے۔ ایک مسلح اور وحشی دشمن کے پیچھے یہ میرا عجیب و غریب تجربہ تھا جس میں ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ چھپن چھپائی کا کھیل کھیل رہے تھے اور کسی کو معلوم نہیں تھا کہ آخر کار دونوں میں کون فاتح ثابت ہوگا۔

میں سامنے سے ہٹ کر اس جھونپڑے کی دائیں طرف دبک گیا۔

اس بار رفیق کے انداز میں جلد بازی یقینی اور بے احتیاطی نہیں تھی۔ وہ غلاف احتیاط سے باہر آیا تھا۔ اس کا پستول والا ہاتھ بدستور بلند تھا مگر بایاں ہاتھ پہلو میں جھول رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ ریموٹ کنٹرول یونٹ کے بٹن پر سے اپنی انگلی بھی ہٹا چکا تھا۔

وہ اپنی دانست میں ہکیس بقری کی مکمل تلاشی لے چکا تھا اور اپنے کسی حریف کو وہاں موجود نہ پا کر خاصا مطمئن تھا۔ اس کی تقویت میں علی نکس و یکین کی عدم موجودگی کا نمایاں دخل تھا۔

آہستہ سے ریموٹ کنٹرول کا مختصر سا سیاہ یونٹ ریت پر رکھ دیا اور خود جھونپڑے کی دیوار کے سائے میں ٹانگیں دراز کر کے بیٹھ گیا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ سوچتے سوچتے اچانک اس نے اپنا سر بائیں طرف گھمایا۔ اس وقت میرا سر اوٹ سے ذرا آگے نکلا ہوا تھا۔ میں خود کو اس کی نگاہوں سے نہ بچا سکا۔

پھر ہم دونوں نے قیامت کی پھرتی دکھائی۔ اس نے اٹھتے اٹھتے ریت پر سے ریموٹ کنٹرول بھی اٹھانا چاہا اور میں نے ہاتھ سیدھا کر کے گولی چلا دی۔

اس سے بچاؤ کا ایک ہی راستہ تھا۔ میرا پہلا فیصلہ گولی چلانے کا تھا مگر مجھے بے مصرف ثابت ہوا اگر مجھے دیکھ کر ایک لحظے کے لیے وہ ٹھٹکا نہ ہوتا پھر اسے وار کرنے کے ساتھ ہی ریموٹ کنٹرول کی بھی فکر تھی لہٰذا وہ مار کھا گیا۔

بائیں پسلیوں میں گولی پیوست ہوتے ہی وہ چیخ مار کر داہنی طرف لڑھک گیا۔ اس کے اور میرے درمیان وہ مختصر سی سیاہ ڈبیہ بدستور ریت پر پڑی ہوئی تھی جس پر ہکیس بقری کی سلامتی کا دارومدار تھا۔

میری گولی نے اسے زخمی تو کیا تھا مگر زخم کاری نہیں ثابت ہوا تھا۔ ریت پر قلابازی کھا کر وہ فوراً ہی سیاہ ڈبیہ کی طرف جھپٹا مگر میں اس سے زیادہ سرعت کے ساتھ وہ ڈبیہ لے کر پیچھے ہٹ چکا تھا۔

اس نے گھٹنوں کے بل ریت پر کھڑے ہو کر میری طرف ایک فائر جھونک مارا۔ میرے لیے اس بہکے ہوئے فائر سے بچنا دشوار ثابت نہیں ہوا۔

میں نے اس کے پستول والے ہاتھ کا نشانہ لے کر دوسرا فائر کیا اور گولی اس کے پیٹ میں اتر گئی۔ اس کا نچلا دھڑ اس کے لہو میں رنگین ہونے لگا اور اسی وقت صحرا کی فضا میں کسی کار کے انجن کی کرخت سی گونج سنائی دینے لگی۔

رفیق کے پیٹ اور پسلیوں سے بھاری مقدار میں خون بہہ رہا تھا مگر وہ ریت میں لوٹ کر ایک بار پھر اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔

اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا اور غیظ و غضب نے اس کے چہرے کے نقوش مسخ کر کے رکھ دیے تھے۔

اس بار میں نے توقف کیے بغیر تیسری گولی چلا دی اور اس کے داہنے کندھے سے سرخ لہو کی دھاریں بہہ نکلیں۔

اس کے جسم نے ایک شدید جھٹکا کھایا مگر وہ بدستور اپنی ٹانگوں پر کھڑا رہا اور نقاہت سے لرزتی ہوئی قہر آلود آواز میں بولا "صفدر علی... کاش میں تجھے مار سکوں۔"

اس کے پستول سے یکے بعد دیگرے تین گولیاں برآمد ہوئیں۔ چوتھی بار صرف کھٹکا ہو کر رہ گیا کیونکہ چیمبر خالی ہو چکا تھا۔ اس کی پہلی اور تیسری گولی تو نہ جانے کدھر نکل گئی مگر دوسری گولی نے میرا بایاں بازو ادھیڑ ڈالا۔

میری فائرنگ نے اسے تین گہرے زخم پہنچائے تھے جن سے تیزی سے خون رواں تھا مگر وہ سخت جان نہ صرف اپنے قدموں پر کھڑا ہوا تھا بلکہ اس نے مجھے بھی زخمی کر دیا تھا۔ میں نے اشتعال کے عالم میں اس کی پنڈلی کا نشانہ لیا اور اس بار وہ چیخ مار کر ریت پر ڈھیر ہو گیا۔

انجن کا کرخت شور اب خاصا قریب ہو چکا تھا۔ شاید ہاشم اپنے مشن سے واپس آ رہا تھا اور میں پلٹنے ہی والا تھا کہ

منصوبے کی بنیاد ہی حسب مرضی ڈھالنے میں غیر متوقع کامیابی حاصل کر چکا تھا۔

رفیق شدت اذیت کے عالم میں مجھے بے تحاشا گالیاں دے رہا تھا۔ زندگی اور موت کے اس بھیانک موڑ پر بھی وہ چند سانسوں کی التجا کرنے پر تیار نہیں تھا۔

"یہ قصاص ہے رفیق!" میں نے اس کے قریب پہنچ کر پرسکون لہجے میں کہا۔ "مرنے والے نگہبان کے لہو کا قصاص۔"

"روئے زمین پر تجھ سے زیادہ مکار انسان نہ ہوگا۔" اس نے غصے اور حقارت سے لبریز لہجے میں رک رک کر کہا۔ "کاش... میں نے حد سے زیادہ خود اعتمادی نہ دکھائی ہوتی۔"

"تم بہت لوٹے نکلے۔" قریب المرگ دشمن کے ساتھ میں نے ترش روئی مناسب نہیں سمجھی۔ "مجھے امید نہیں تھی کہ میں اس گودام کو اپنے ہاتھوں سے اڑا سکوں گا۔"

اس کی آنکھوں میں حیرت تیر گئی۔ "تو کیا... تم بھی ہاشم کے پیچھے لگے ہوئے ہو؟ دوست بن کر اسے دغا دے رہے ہو؟"

"سوچا ہوا سمجھ لو۔" میں اپنے بازو کا زخم دباتے ہوئے مسکرایا۔ "کیا تمہیں پہلے سے اس گودام کا علم تھا؟"

"علم ہوتا تو یہ بہت پہلے مٹا دیا گیا ہوتا۔" وہ ریت پر کروٹ بدل بدل کر بلبلا رہا تھا۔ "کاش میں ہاشم کو تمہارا قابل نفرت چہرہ دکھا سکتا۔"

"وہ آ رہا ہے۔" میں نے کہا۔ "اپنی کار کے انجن کی آواز پہچانو۔"

"واللہ وہ تمہیں زندہ نہ چھوڑے گا... میں تو خیر دشمن ہی ہوں مگر تم دوست ہونے کے باوجود اس اسلحہ خانے کے سراغ میں لگے ہوئے تھے۔"

"مجھے صرف اتنا بتا دو کہ نگہبان کو قتل کرنے کے بعد تم اتنی آسانی کے ساتھ تہ خانے میں کیسے گھس گئے؟"

"لوگوں کو مشتعل کر کے ان کی زبان کھلوانا ایک فن ہے۔ نگہبان کی ہرزہ سرائی میری معلومات کا ذریعہ بنی تھی۔"

اسی اثنا میں نیلی کاکس ویگن وہاں آ پہنچی۔ اس میں ہاشم کے علاوہ بھی کئی آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔

ہاشم گاڑی سے اتر کر تیر کی طرح میری جانب آیا۔

"تت... تم نے اسے زیر کر لیا؟" وہ ریت پر کراہتے ہوئے رفیق کو دیکھ کر حیرت سے بولا۔ "یہ کیسے ہو گیا؟"

"یہ تہ خانے میں ریموٹ کنٹرول پر چلنے والا ٹائم بم سیٹ کر کے باہر نکلا تھا۔" میں نے اسے سیاہ ڈبیہ دکھا کر کہا۔ "بس پھر..."

"یہ حرامی تمہارا دشمن ہے۔" رفیق درمیان میں چیخ پڑا۔ "دوست بن کر اپنا کام نکال رہا ہے اور یہ تمہارا اسلحہ خانہ برباد کرنا چاہتا ہے۔"

ہاشم نے کچھ دیکھنے والے انداز میں میری طرف دیکھا اور پھر آنکھ مار کر مسکرا دیا۔

"ارے... یہ" ہاشم لاپروایانہ انداز میں بولا۔ "تم غم نہ کرو... پھر آیا تو اسے بھی سنبھال لوں گا۔"

میری نگاہیں ہاشم کے ساتھ آنے والے ان پانچوں پر مرکوز تھیں جو کاکس ویگن سے اترنے کے بعد پشتوں سے اسٹن گنیں نکال رہے تھے۔

"یہاں سے بھاگنے کی فکر کرو۔" ہاشم نے مجھے کراہتے ہوئے دشمن سے دور لے جا کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"جنرل سے کیا بات ہوئی؟"

"کچھ بھی نہیں۔" وہ رسٹ واچ دیکھتے ہوئے بولا۔ "میرا آدمی اب سے دس منٹ بعد جنرل سے بات کرے گا۔"

"تم اسے روک نہیں سکتے؟" میں نے اضطرار کے عالم میں اس کا بازو پکڑ لیا۔

"نا ممکن ہے۔" اس نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "یہاں سے کی مسافت نصف گھنٹے سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ پھر تمہارا تو بازو زخمی ہے!"

"فکر نہ کرو معمولی زخم ہے۔" میں نے کہا۔ "تم یہ بتاؤ کہ پروگرام کیوں بدل دیا؟"

"چھاپہ ماروں کا ایک گروپ سینائی کے مقبوضہ علاقے میں ہے جو صرف پانچ آدمی بیک وقت اقدام کر سکے۔" اس نے بتایا۔ "میرے ذہن میں آیا کہ اگر مجھے واپسی میں ایکس تھری پہنچنے سے پہلے جنرل نے دھاوا بول دیا تو تمہارا منصوبہ چوپٹ ہو جائے گا۔ اس لیے آدمی کو ٹھیک دس منٹ بعد جنرل سے بات کرنے پر مامور کر آیا ہوں۔ تم فوری طور پر یہاں سے بھاگنے کی فکر کرو۔"

"کیوں؟"

"میں نے کہا نا کہ آج میری عقل ذرا تاخیر سے کام کر رہی ہے۔ مجھے صحرا میں کہیں ایک انچ کا بھی سایہ میسر نہیں ہے اگر جنرل نے طیارے استعمال کیے تو ہم سب بھی مولی گاجروں کی طرح فضائی فائرنگ سے کاٹ دیئے جائیں گے۔"

"اس کا بندوبست ہو جائے گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم یہ بتاؤ کہ یہ ریموٹ کنٹرول زیادہ سے زیادہ کتنے فاصلے تک کارآمد ہے؟"

"ڈیڑھ میل!" ہاشم نے پلاسٹک کی سیاہ ڈبیا الٹ کر اس کا لیبل دیکھتے ہوئے کہا۔ "آخر تم کیا کرنے والے ہو؟"

"بس دیکھتے جاؤ!" میں نے کہا اور وہ خاموش ہو گیا۔

اسی وقت ایک رفیق نقاہت کے باعث بے ہوش ہو گیا۔

اس کا جسم روندا کریں ... تھا جیسے اس پہ نزع کا عالم طاری ہو۔

میری ہدایت پر وہ پانچوں ایکس تھری میں گھس گئے اور ہاشم میرے بازو پر بندھے کے زخم پر رومال کی پٹی کسنے لگا۔

"اگر وہ ریموٹ کنٹرول سمیت باہر آیا تھا تو آخر تم نے کس طرح اسے زیر کر لیا؟" ہاشم نے مجھ سے دوبارہ سوال کر ڈالا۔ "اور وہ بھی ایکس تھری کو نقصان پہنچائے بغیر!"

"بس تقدیر اور احتیاط کہہ لو ورنہ مجھ پہ ایک ایک لمحہ بھاری تھا۔ کوئی بھی ذرا سی لغزش ہو جاتی تو شاید تمہارے سامنے زندہ نہ ہوتا۔ دراصل تم نے جنرل کو ادھر متوجہ کرنے کا فیصلہ کر کے بڑی غلطی کی۔" اس نے تاسف آمیز لہجے میں کہا۔ "ورنہ ایکس تھری کو بچایا جا سکتا تھا!"

"پہلے میں بھی یہی سوچ رہا تھا لیکن درحقیقت اسی فیصلے کی وجہ سے اس وقت صورت حال پر ہمارا کنٹرول مضبوط ہے!" میں نے کہا۔

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی!"

"میں فوراً براہ راست تصادم سے پہلے رفیق کی نگاہوں سے اوجھل رہا۔ اس نے مجبوراً پڑے کی بجائے مکمل تلاشی لی تھی مگر ہم دونوں کے بھاگ نکلنے کا یقین اسی وقت آیا جب اس نے اپنی کار غائب پائی۔ اس کے بعد وہ بے فکر ہو گیا اور اس کی یہی بے فکری میری کامیابی کا سبب بن گئی۔" میں نے اسے بتایا۔

"یوں بھی ہو سکتا تھا کہ ہم اس کی کار چند فرلانگ دور کسی ٹیلے کی اوٹ میں چھپا دیتے۔" اس کے لہجے میں تاسف نمایاں تھا!

"اسی وقت ہو سکتا تھا جب مجھے رفیق کے اقدامات کا پیشگی علم ہوتا۔" میرا لہجہ قدرے تلخ ہو گیا۔ "جس وقت تم روانہ ہو رہے تھے میرے ذہن پر صرف دو گھنٹے کی مہلت مسلط تھی اور اس وقت تمہیں یہ تک معلوم نہیں تھا کہ تہ خانے میں اس قدر خطرناک قسم کے ٹائم بم بھی موجود ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ شرمندہ ہو گیا۔ "بعض اوقات میں ناسوچے سمجھے اپنے قیاسات کا اظہار کرتا چلا جاتا ہوں۔"

وہ پانچوں ایکس تھری میں سے مٹیالے رنگ کی تین ترپالیں لے کر آئے تو میرے ساتھ ہی ہاشم بھی خوش ہو گیا۔

"اس طرف دو ڈھائی فرلانگ دور چلے جاؤ۔" میں نے جنوب کی سمت میں اشارہ کر کے ان پانچوں سے کہا۔

"ادھر ہی کیوں؟" ان کے چلے جانے کے بعد ہاشم نے سوال کیا۔

"اگر میرا اندازہ درست ہے تو حملہ شمال سے ہی ہوگا۔"

"تمہارا اندازہ قابل رشک ہے۔ ہم اس وقت تابوت کے ٹھیک جنوب میں ہیں۔" اس نے کہا۔ "ادھر ہم نسبتاً محفوظ رہیں گے۔"

"اس کا کیا کیا جائے؟" میں نے رفیق کے سانسوں کی بے ترتیب آمد و رفت محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔

"پڑا رہنے دو۔ تہ خانے میں اتنا بارود ہے کہ وہ کافی دور تک کر برباد کر دے گا۔" اس نے میرا کام سہل کر دیا۔

"اس کی لاش بھی نہیں بچے گی۔" قدرے توقف کے بعد وہ نگہبان کی خون آلود لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "بعد میں آنے والوں کے لیے ٹکراؤ کی خاصی اثر انگیز کہانی سنا دے گی۔"

"دوسری لاش کہاں سے لاؤ گے؟"

"دیکھنے انداز میں جس پڑا ہے رفیق لاش سے کم نہیں ہے۔ اس کے جسم سے اتنا خون بہہ چکا ہے کہ کوئی علاج اسے نہ بچا سکے گا۔"

پھر ہم دونوں بھی ان پانچوں کے پیچھے چل پڑے۔

"اگر رفیق کی کار کچھ دور چھپا دی جاتی تو وہ تباہی سے بچ جاتی۔" کچھ دور چلنے کے بعد ہاشم نے لہجے میں کہا۔

"اسے بچا کر کیا کرنا ہے؟"

"واپسی میں سہولت ہو جاتی۔"

"صحرا میں گھسنے والی پارٹی جس طرح بھی آئے لیکن یقین رکھو سڑک کی ناکہ بندی بھی کر لی جائے گی۔ ادھر سے واپسی کی کوشش موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوگی۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو تمہارے ذہن میں واپسی کی کیا راہ ہے؟"

میں مسکرا دیا۔ "شام کے دھندلکے میں ہم اس شتنگی کی طرف رہنمائی کریں گے جو رجیب کے خادم کہے جاتے ہیں۔"

"ابھی تک تمہیں یاد ہے۔ خاصا وقت صرف ہوگا اور مزدوروں کا ذکر تو خیر بے شک ہے۔" اس نے کہا۔ "مگر اپنی جانوں کے تحفظ کے لیے یہ بھی کرنا ہی ہوگا۔"

ایکس تھری سے دو فرلانگ کے فاصلے پر ہم ساتوں ایک ایسے ریتیلے ٹیلے کی اوٹ میں کامیاب ہو گئے جس کی اوٹ میں ایکس تھری سے ہمیں دیکھا جانا ممکن نہیں تھا۔

اس وقت میری رسٹ واچ دو بج کر دس منٹ کا وقت بتا رہی تھی۔ میں نے جلدی جلدی ان پانچوں کو ہدایات دینی شروع کر دیں اور وہ پانچوں دو ترپالیں اوڑھ کر پیٹوں کے بل نرم گرم ریت پر لیٹ گئے۔ ترپالوں کے نیچے ان کے ہاتھ اپنے ہتھیاروں پر تیار تھے اور انہوں نے سر تا پا خود کو اس طرح ترپالوں میں چھپا لیا تھا کہ کسی ہیلی کاپٹر میں اوپر سے پرواز کرتے ہوئے بلندی سے ان پر شبہ کرنا مشکل تھا۔

تیسری ترپال میں نے ہاشم کے ساتھ سر پر اوڑھ لی۔ ہم دونوں ٹیلے کی اوٹ میں لیٹ کر ایکس تھری کی نگرانی کر رہے تھے اور ہماری پوزیشن ایسی تھی کہ کسی صورت پیش آنے پر ہم دونوں پل بھر میں ترپالیں

اور ہم سینے کے بل ریت پر گر گئے تھے!

"ریموٹ کنٹرولر کہاں ہے؟" ہاشم نے سوال کیا۔ اس کی آواز میں ہلکا سا ہیجان پیدا ہو چکا تھا!

میں نے وہ ہاتھ اس کے سامنے کر دیا جس میں چوکور شکل کی سیاہ ڈبیا موجود تھی!

"سوا دو!" ہاشم رسٹ واچ دیکھ کر بڑبڑایا۔ "سیکرٹ سروس کے ہیڈکوارٹرز میں اب تک ہنگامہ شروع ہو چکا ہوگا۔"

"اس موضوع پر اتنی شدت سے نہ سوچو۔ آنے والے وقت کے لئے اپنی صلاحیتوں کو محفوظ رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ سوچتے سوچتے اعصاب جواب دے جائیں اور عین وقت پر ہم سے بوکھلاہٹیں سرزد ہونے لگیں۔"

"مگر اس وقت ذہن کو کسی اور طرف لگانا محال ہے!"

"شہر میں تھے تو حبیب یا الپ سلطان کے بارے میں کوئی خبر پہنچی؟" میں نے سرسری لہجے میں سوال کیا۔

"میری کیا خبر پہنچا سکتے ہو؟" وہ ہنس دیا مگر اس کے لہجے میں بھی فکرمندی کی جھلک رہی تھی۔

"اس واقعے کے بعد شاید قاہرہ میں ہماری نقل و حرکت مخدوش ہو جائے۔ اسی خیال سے پوچھا تھا!" میں نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

"مجھے ایک لمحے کی مہلت نہیں ملی۔ ایکس تھری، رفیق اور جنرل میرے ذہن پر سوار تھے۔"

"جنرل کے بذات خود آنے کے کیا امکانات ہیں؟"

"فالکن نے اسے یہاں صفدر علی کی موجودگی کی خبر دی ہوگی....."

"اوہ..... ایک غلطی ہو گئی!" میں نے اضطراری انداز میں اپنے سر پر سے ترپال پھینک دی۔ "جلنے کی بات رہ گئی!"

"کہاں چلے؟ بتاؤ تو سہی کیا بات ہے؟" میری بدحواسی دیکھ کر ہاشم بھی بوکھلا گیا۔

"فالکن کے گھر پر ٹرانسمیٹر ہے۔ وہ ہر دو بجے کرسس منٹ پر جنرل سے بات کرتا ہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد جنرل ایکس تھری کے باہر فالکن کی لاش دیکھے گا تو فوراً خطرہ بھانپ لے گا۔ تمہارے کہنے کے مطابق شہر سے یہاں تک کا راستہ نصف گھنٹے کا ہے۔ پھر رفیق کے زخموں پر خون کی جمی ہوئی پپڑی بتا دے گی کہ وہ دو سوا دو کے لگ بھگ زخمی ہوا ہے..... نہیں ہاشم! ہمیں وہاں سے نکلنا نہیں ہونا چاہئے۔"

"اب وقت نہیں ہے۔" ہاشم ترش لہجے میں بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ تم وہاں سے لوٹنے بھی نہ پاؤ کہ وہ آ جائیں۔"

شاید قدرت کو حالات میں تبدیلی منظور نہیں تھی کیونکہ اسی وقت ہمارے کانوں میں ہیلی کاپٹر کا شور گونجنے لگا جو تیزی سے قریب آتا جا رہا تھا۔

میں نے پھرتی سے ترپال اٹھا کر اپنے اور ہاشم کے سر پر ڈال لیا۔

اور ہماری نگاہیں شمال کی سمت اٹھ گئیں جہاں ایکس تھری سے کافی آگے ریت کا ایک ہولناک بادل تیزی کے ساتھ ایکس تھری کی طرف بڑھتا آ رہا تھا۔

وہ ہیلی کاپٹر اس قدر نیچی پرواز کر رہا تھا کہ سورج کی روشنی کے باوجود ریت کے گہرے بادل میں ایک سرخی ہونے کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"وہ وہ رہے!" اچانک ہاشم ہذیانی انداز میں بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ پیچھے اور بھی ہوں!" میں نے اپنے ذہن کو ہر حال کے لئے تیار کرنے کی نیت سے کہا۔

"اور اگر وہ کئی سمتوں سے آئے؟" ہیلی کاپٹر کا شور بڑھنے کے ساتھ ساتھ ہاشم کے خلجان میں اضافہ ہو گیا۔

میرے نزدیک اس کا جواب بہت مایوس کن تھا اور اس کے لئے میں بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ساتوں آدمی اور ریوالور ایکس تھری پر ہونے والی یلغار کا مقابلہ کرنے سے قاصر رہ گئے!

ریت کے بگولوں نے ایکس تھری تک پہنچتے پہنچتے ماہیت بدل لی اور پھر دو ہیلی کاپٹر دائیں بائیں سے اس کی طرف بڑھتے نظر آ گئے!

پہلے ان میں سے ایک ہیلی کاپٹر دائرے کی صورت کاٹتا ہوا ایکس تھری پر سے گزرا اور صحرا کا سینہ مشین گن کی فائرنگ سے لرز اٹھا۔

پھر دوسرا ہیلی کاپٹر زمین سے بمشکل بیس فٹ پرواز کرتا اور گولیاں برساتا ایکس تھری پر سے گزر گیا۔ انہوں نے کئی بار چکر لگا کر اور بے تحاشا گولیاں برسا کر نشانے کا جائزہ لیا اور مزاحمت کے آثار نہ دیکھ کر یکے بعد دیگرے ریت پر اتر گئے۔

ان کے پنکھوں سے اٹھنے والا ریت کا طوفان شدید تھا کہ مسافروں کے لئے اترنا محال تھا لہٰذا ان کے انجن بند کر دیے گئے۔

ایکس تھری کا ویران ڈھانچہ ہیلی کاپٹروں کے عقب میں رہ گیا تھا۔

پھر ہیلی کاپٹروں نے مسلح اور وردی پوش فوجی اگلے جو زمین پر قدم رکھتے ہی پیٹ کے بل لیٹتے جا رہے تھے۔

ایک ہیلی کاپٹر سے تین نفوس باہر آئے جبکہ دوسرے والوں کی تعداد کسی طرح پندرہ بیس سے کم نہیں تھی۔

ریت کا طوفان ختم ہونے کے بعد دوسرے ہیلی کاپٹر پر بنے ہوئے فوجی نشانات بھی نظر آنے لگے تھے۔

اچانک فضا ایک بار پھر مشین گنوں کے شور سے لرز اٹھی۔ شاید پیش قدمی سے قبل ایک مرتبہ پھر اپنی تسلی کرنا چاہتے تھے۔ میں ٹیلے کے عقب میں دبک گیا۔

"یوسف!" اچانک ہاشم نے کسی کو پکارا۔

"الیاہو! یا مستقیم!" معقب سے آواز آئی۔

"دوربین دو!"

اور پیچھے سے ایک شخص نے ترپال سے نکلے بغیر جیبی دوربین ہاشم کو تھما دی۔

"ترپالوں سے باہر آ جاؤ!" میں نے ہدایت کی۔ "لیکن فضا میں کسی بھی جہاز یا ہیلی کاپٹر کی آواز سنتے ہی دوبارہ ترپالیں اوڑھ لینا!"

وہ پانچوں اپنی اسٹین گنیں سنبھال کر جانے پیچھے آ گئے۔

"ان میں کوئی بھی جنرل کی وردی میں نہیں ہے!" ہاشم دوربین آنکھوں سے ہٹائے بغیر تشویش زدہ لہجے میں بڑبڑایا۔ "دو تین کے کندھوں پر وائرلیس سیٹ بھی ہیں!"

"غور سے دیکھو!" میں نے کہا۔ "وہ ضرور ہوگا۔"

"تین افسر لاشوں کا معائنہ کر رہے ہیں باقی فوجی جھونپڑے کے گرد پھیل گئے ہیں۔" وہ بتانے لگا۔ "شاید رفیق بھی مر چکا ہے۔ زندہ ہوتا تو اسے ہوش میں لانے یا طبی امداد پہنچانے کے لئے کچھ بھاگ دوڑ ہوتی جو مفقود ہے!"

تھوڑے سے وقفے کے بعد ایک بار پھر تڑتڑ سب مشین گنیں چلنے لگیں۔ مختلف پوزیشنوں کے بنے ہوئے ایک جھونپڑے میں داخل ہونے کے لئے ان کی احتیاطی تدابیر میرے لئے حیرت ناک تھیں جبکہ آثار کے مطابق وہ سب ہی فوجی نظر آ رہے تھے۔

"وہ، وہ تو جھونپڑا گرا رہے ہیں!" بے اختیار ہاشم کے حلق سے نکلا اور میں نے اس کے ہاتھ سے دوربین جھپٹ لی۔

ان کی حرکتیں مضحکہ خیز تھیں۔ ان کے تین افسر الگ کھڑے جائزہ لے رہے تھے جو شاید بلند آواز سے ہدایات دے رہے تھے لہٰذا فوجی اس طرح ڈر ڈر کر چھپروں کی چٹائیاں توڑ رہے تھے جیسے کسی بھی چھپر میں سے اچانک کسی کے نکل پڑنے کی امید ہو!

"ان سب کے دماغوں پر تمہارے نام کا آسیب سوار ہے۔ شاید انہیں بتا دیا گیا ہے کہ یہ مہم کس کی گرفتاری کے لئے ترتیب دی گئی ہے!" ہاشم نے ٹیلے کی اوٹ سے تبصرہ کیا۔ "شاید یہ لوگ وائرلیس پر ملنے والی ہدایات پر عمل کر رہے ہیں!"

میں نے غور سے جائزہ لیا۔ اس وقت وہ سب ایکس تھری کے ہولناک آتش نشاں کی زد میں تھے۔ البتہ دونوں ہیلی کاپٹروں کے لئے ٹھکانہ کچھ دشوار تھا۔

اچانک فضا میں ایک مانوس سی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ وہ پانچوں فوراً ترپالیں اوڑھ کر ریت پر لیٹ گئے۔ ہاشم نے بھی ترپال سر پر گھسیٹ لی۔

شمال کی جانب سے ایک تیسرا ہیلی کاپٹر ریت کے بگولے اڑاتا ایکس تھری کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔

تیسرے ہیلی کاپٹر نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا۔ اس وقت تیسرا ایکس تھری کے گرد کم از کم اٹھارہ فوجی موجود تھے اور اگر ان میں مزید بارہ پندرہ افراد شامل ہو جاتے تو شاید وہ لوگ اپنا دائرہ کار دور تک پھیلا دیتے۔

اتنا اندازہ تو کوئی عام آدمی بھی کر سکتا تھا کہ ایکس تھری کے باہر دو تازہ لاشیں موجود تھیں اور قاتل کا صحرا میں زیادہ دور جانا ممکن نہیں تھا لہٰذا ان کے پھیلنے کی صورت میں اول تو ہماری کمین گاہ خطرے میں پڑ جاتی پھر وہ لوگ ہمیں گھیرنے کی کوشش بھی کر سکتے تھے۔

تیسرا ہیلی کاپٹر دائیں بائیں پہلو سے آنے کے بجائے سیدھا ایکس تھری کی طرف آیا۔ اس کی زمین سے بلندی خطرناک حد تک کم تھی۔

پھر جوں ہی ہیلی کاپٹر سے پیدا ہونے والے ہوا کے جھکڑوں نے ایکس تھری کے بچے کھچے ڈھانچے کو اپنی زد میں لیا، میں نے ریموٹ کنٹرولر کا بٹن دبا دیا۔

کان پھاڑ دینے والا دھماکا میری توقعات سے کہیں زیادہ شدید تھا۔ آگ، سیاہ دھوئیں اور ملبے کا ایک مینار ایکس تھری سے آسمان کی طرف اٹھتا چلا گیا۔

تیسرے ہیلی کاپٹر والا سیدھا اسی طرف چلا آ رہا تھا۔ اسے اپنا رخ تبدیل کرنے کی مہلت بھی نہ مل سکی اور بارود کے ملبے کی زد میں آ کر اس ہیلی کاپٹر کے فضا میں ہی پرخچے اڑ گئے۔

اس کے بعد دھماکوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ صحرا کا سینہ آتشیں گولوں کی زد میں آئے ہوئے کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح لرز رہا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے صحرا کے اس حصے میں کوئی آتش فشاں یکا یک پوری قوت سے جاگ اٹھا ہو۔

میں نے اپنی ترپال ایک طرف اچھال دی۔

ہاشم کا چہرہ تاریک پڑا ہوا تھا اور وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے بلند ہوتے اس سیاہ ستون کو دیکھ رہا تھا جس کی بنیاد ایکس تھری کی راکھ سے اٹھی تھی۔

"سب ختم ہو گیا!" میں نے ہاشم کے کان کے نیچے چیخ کر کہا۔ مگر اس کے چہرے کے تاثرات جوں کے توں رہے!

یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی سماعت کھو چکا ہو۔

میں نے اسے جھنجھوڑا تو وہ ہڑبڑا گیا اور ہذیانی انداز میں بڑبڑایا۔ "تم نے سب کو مار دیا۔ سب کو مار دیا۔ ان میں سے ایک

بھی زندہ نہیں بچا ہوگا۔"

اس کی آنکھوں میں غیر معمولی ویرانی چھا گئی تھی۔ میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہ ہوا کہ ذہنی صدمے سے وہ وقتی طور پر ماؤف ہو چکا تھا۔

"ایک آدمی ہاشم کو دیکھو، چار میرے ساتھ آؤ۔" میں نے چیخ کر کہا۔ "جو سامنے آئے اسے بے دریغ گولی مار دینا۔"

"ٹھہرو!" اچانک ہاشم چیخا۔ "کسی زخمی پر قسم ہے کوئی ہتھیار نہیں اٹھائے گا۔" اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے!" میں غرایا۔

"جو مر گئے سو مر گئے، جنہیں قدرت نے اس حادثے کے بعد بھی زندہ رکھا ہے انہیں زندہ رہنے کا پورا حق حاصل ہے۔"

"یہ اخلاقیات جھاڑنے کا وقت نہیں ہے ہاشم!" میں بے بسی سے غرایا۔ "یہ ہماری جنگ ہے اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے!"

"جو میں کہہ رہا ہوں وہی ہوگا۔" اس پر اپنی بات منوانے کا غیر معمولی جنون سوار تھا۔ "تمہارے سر پر اس وقت خون سوار ہے۔"

ہاشم کے اندر کا آدمی ایک مرتبہ پھر میری راہ میں دیوار بن کے اٹکا رہا تھا۔ اس سے پہلے لیبیا میں بھی ہاشم نے ایک نازک موقع پر لڑنے میں میرا ساتھ دینے سے صاف انکار کر دیا تھا اور اب نیل کی سرزمین پر اس ویران صحرا میں وہ پھر مجھ سے سرکشی پہ آمادہ تھا۔

"اور اگر بچنے والا جنرل احمد فواد ہوا؟" میں نے بھنچے بھنچے لہجے میں سوال کیا۔

"اسے میں خود گولی ماروں گا۔" وہ مشتعل ہو گیا۔ "وہ گندگی کی طرح مٹائے جانے کے قابل ہے۔"

"اگر وہ زندہ ہے تو اسے بھی قدرت ہی نے بچایا ہے، خود ہمارا انتقام اسی کے لئے تھا۔" میں نے پُرزور لہجے میں کہا۔

وہ کچھ نہ بولا۔ بس خاموشی سے مجھے گھورتا رہا۔

"جنگل میں تو جبسے دیکھ کر گولی نہیں چلائی جاتی۔" میں نے نرمی سے اس کا بازو تھام کر کہا۔ "وقت ضائع نہ کرو، دھوئیں کے یہ کثیف بادل اور ہولناک دھماکے اب تک دور دور کے لوگوں کو اس طرف متوجہ کر چکے ہوں گے۔"

"چلو!" اس نے سر جھکا لیا۔ پھر ان پانچوں سے مخاطب ہو کر بولا۔ "میرا ذہن اعتدال پر نہیں رہا ہے۔ تم وہی کرو گے جو میرا بھائی کہے گا۔"

دھماکوں کی شدت میں کمی ضرور آ گئی تھی مگر ان کا سلسلہ موقوف نہیں ہوا تھا۔

انجن نہیں سیٹوں سے لیکن اور ہم ساتوں ٹیلے کی اوٹ سے نکل کر ایکس تھری کے آتش بداماں ملبے کی طرف دوڑنے لگے۔

کثیف دھوئیں نے اوپر فضا میں پھیل کر ابر کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی مگر پیش قدمی کے بعد یہ دیکھنا مشکل ثابت نہیں ہوا کہ دونوں ہیلی کاپٹر بدستور صحیح سالم کھڑے تھے۔

"اب خالد کام آئے گا۔" ہاشم کا لہجہ مسرت سے لبریز بلکہ گمبھیر تھا۔

"کیا خالد ہوا باز ہے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"آرمی ایوی ایشن کا ریٹائرڈ میجر ہوں جناب۔" میرے ساتھ بھاگنے والوں میں سے ایک نے کہا۔ "مگر ہیلی کاپٹر اڑا سکتا ہوں۔"

کچھ اور آگے پہنچے تو رفیق کی لاش دیکھی گئی... پہچاننا مشکل تھا۔ نہ جانے وہ دھماکوں سے اڑ کر کہاں جا گری تھی؟

ایکس تھری کی جگہ ایک ہولناک گڑھا کسی جہنمی بھٹی کی طرح سلگ رہا تھا۔ وہاں کہیں بھی زندگی کے آثار باقی نہیں بچے تھے۔ نہ ہی کوئی لاش نظر آ رہی تھی۔ شاید دھماکوں نے اپنی زد میں آنے والی ہر چیز کے پرخچے اڑا دیئے تھے!

"ایک ہیلی کاپٹر ناکارہ ہے۔" خالد نے تقریباً چیخ کر کہا۔

مجھے ہوا بازی کی ابجد کا بھی علم نہیں ہے مگر خالد کا اشارہ پا کر میں نے ایکس تھری سے نسبتاً قریب کھڑے ہوئے ہیلی کاپٹر کی طرف دیکھا تو اس کی ایک دیو ہیکل پنکھڑی غائب تھی اور ڈھانچے میں بھی کئی جلے ہوئے سوراخ نظر آ رہے تھے جو جلتے ہوئے اڑنے والے گرم ٹکڑوں نے بنائے ہوں گے۔

اس سے آگے کھڑا ہوا ہیلی کاپٹر صحیح سلامت تھا۔ سب سے پہلے خالد چڑھا، اس کے پیچھے میں کیبن میں گھسا تو وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔

ہیلی کاپٹر میں پائلٹ اور اس کے معاون کے علاوہ دو تین اشخاص کی جگہ تھی، ہم با آسانی سما گئے۔

"ریڈیو ـــــ پرواز سے پہلے ریڈیو چیک کرو!" ہاشم نے کہا۔

خالد نے ریڈیو آن کر دیا۔

"کنٹرول ..... کنٹرول کالنگ ٹو آپریشن شارک اوور!"

فوراً ہی آواز ابھری۔

خالد نے انجن آن کر دیا۔ اس دوران میں وقفے وقفے سے وائرلیس ریسیور پر وہی پیغام سنائی دیتا رہا مگر اس کا جواب نہ دیا گیا۔

جلتے سروں پر ہیلی کاپٹر کی دیو ہیکل پنکھڑیوں کا شور بڑھتا رہا پھر خالد نے اپنے ہاتھوں کو مختلف آلات پر آزمایا اور ہیلی کاپٹر کسی مست خرام پرندے کی طرح سرعت سے فضا میں اٹھتا چلا گیا۔

"کنٹرول کو گمراہ کرو!" میں نے خالد کو ہیڈ فون پر ہدایت کی۔

"آپریشن شارک ٹو کنٹرول اوور۔" خالد نے ایک بٹن دبا کر ذرا گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ میں کسی کی آواز ہیڈ فون پر سن رہا تھا۔

"ہمیں کافی دیر سے جواب نہیں ملا۔ فیلڈ سٹ والے کہاں گئے، وہاں کیا ہو رہا ہے؟ جنرل کہاں ہے اوور؟" دوسری طرف سے فیصلی آواز میں بیک وقت کئی سوالات کر ڈالے گئے۔

"ان لوگوں نے اپنا اسلحہ کا ذخیرہ خود تباہ کر دیا۔" خالد کی آواز آ رہی تھی۔ "ہمارا تیسرا ہیلی کاپٹر جلنے کی برسات میں گھر کر تباہ ہو چکا ہے۔ کچھ لوگ گرفتار ہوئے ہیں، باقی مارے گئے۔ مقابلہ اب بھی جاری ہے ــــ اوور!"

"تیسرا ہیلی کاپٹر تباہ ہو گیا؟ یہ تم کیا کہہ رہے ہو ــــ اوور؟" دوسری طرف سے حیرت سے تقریباً چیخ کر کہا گیا۔

"یس سر!" خالد کی آواز ابھری۔ "فیلڈ وائرلیس والے بھی ہلاک یا زخمی ہو گئے، ہمارا انجن اسٹارٹ ہے جیسے ہی سگنل ملا ہم قاہرہ کے لئے پرواز کریں گے ــــ اوور۔"

"تم کون ہو؟ اوور۔" اس بار وائرلیس سیٹ پر تشویش آمیز ایک نئی آواز ابھری۔

"میں رمضان ہوں جناب ..... اور کچھ لوگ فائر کرتے ادھر ہی آ رہے ہیں، اوور اینڈ آل۔" خالد نے یہ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس نے اپنا کردار بہت خوبصورتی سے نبھایا تھا اور کنٹرول میں موجود افراد کو ایسی الجھن میں ڈال دیا تھا کہ ان کی اگلی کارروائی میں نہ صرف تاخیر کا امکان تھا بلکہ ان کی تمام تر توجہ ایکس تھری پر ہی مرکوز رہتی ــــ

تیسرے ہیلی کاپٹر کی تباہی پر کنٹرول نے جس حیرت اور بے یقینی کا اظہار کیا تھا وہ میرے لئے باعث مسرت تھی اور میرے اس موہوم سے شبہ کو تقویت پہنچا رہی تھی کہ ایڈولفس پارٹی سے رابطہ منقطع ہونے کے بعد جنرل احمد فواد تیسرے ہیلی کاپٹر میں بنفس نفیس ایکس تھری آیا تھا لیکن لینڈ کرنے سے قبل ہی اجل کے بے رحم ہاتھوں نے اسے فضا میں اچک لیا اور یوں ایکس تھری کی تباہی کی قیمت وصول ہو گئی۔

مجھے کچھ اندازہ نہیں کہ ہیلی کاپٹر کتنی دیر محو پرواز رہا۔ جب وہ اترا تو چاروں طرف ریت ہی ریت تھی۔ پنکھا رکتے ہی ہم ساتوں ہیلی کاپٹر سے نیچے اتر آئے۔

یہاں سے ہماری رہنمائی خالد نے سنبھال لی اور ہم تیز رفتاری کے ساتھ ایک طرف چل دیئے۔

یہ سفر خاموشی اور اکتا دینے والا ثابت ہوا۔

محسوس ہو رہا تھا وہ پانچوں اجنبی تھے اور ہاشم [illegible] تھا۔

شاید اس کے لئے اتنے آدمیوں کی اجتماعی موت کا منظر بہت ہی بھیانک ثابت ہوا تھا۔ حالانکہ وہ یہ بھول رہا تھا کہ اگر جنرل فواد اور اس کے حواری ہم پر غالب آ جاتے تو ہماری موت شاید کہیں زیادہ دردناک ہوتی۔

شام سات بجے کے قریب پہلی بار ایک آبادی کے خوابناک سے آثار نظر آئے تو یہ مختصر سا کارواں رک گیا اور میری خون آلود قمیص ایک شخص سے بدل دی گئی۔

"اب ہم اپنی راہ جا رہے ہیں۔" خالد نے ہاشم سے کہا۔

"ہم ساتوں کا ایک ساتھ کسی بستی میں داخل ہونا خطرناک ہو سکتا ہے۔" ایکس تھری کی تباہی کے بعد میں نے پہلی بار ہاشم کو اپنے اوسان میں دیکھا۔

"یہ بستی عمارہ کہلاتی ہے، یہاں چند ایسی سرائیں ہیں جہاں پر بغیر ضمانت اجنبی بلا خوف آتے جاتے رہتے ہیں۔" خالد نے بتایا۔

"جبل کیوں نہ لے گئے؟" ہاشم نے کہا۔

"ہیلی کاپٹر دریافت ہونے کے بعد قریب ترین آبادیاں ان کا پہلا نشانہ ہوں گی۔" خالد نے کہا۔ "عمارہ وہاں سے طویل مسافت پر ہے۔"

پھر وہ پانچوں ہم دونوں سے پُرتپاک انداز میں گلے مل کر اندھیرے میں واپس روانہ ہو گئے۔

کس قدر عجیب تھے وہ انسان، جو محض ایک مقصد اور اعتقاد کے باعث دوسروں کے اشاروں پر اپنی زندگیاں داؤ پر لگا دیتے تھے اور کٹھن لمحات گزرنے کے بعد بالکل اجنبی بن کر انسانوں کی بھیڑ میں یوں گم ہو جاتے تھے جیسے ان کی زندگی کا مقصد ہی دوسروں کی حفاظت کے لئے خطرات مول لینا ہو!

خلوص، وفاداری اور محبت کے تمام جذبوں کا محور بھی ایک اعتماد ہے کہ فریق ثانی کو سچا تصور کر لیا جاتا ہے پھر وہ جو کہے وہ نہ صرف مانا جاتا ہے بلکہ اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے، اور جہاں یہ اعتماد مفقود ہو وہاں پر ایک دوسرے کو جھوٹا اور بے ایمان تصور کرتا ہے۔ لمحوں کا اور معروضیت کا حساب طلب کیا جاتا ہے پیار کے آبگینے ٹوٹتے جاتے ہیں اور پھر جس اس نازک حساب میں ذرا سی لغزش ہو جائے تو مغلوب الغضب اور بے کردار بن کے ایک دوسرے کے سامنے سینہ سپر ہو جاتے ہیں۔

میرے دل کی گہرائیوں میں ان پانچوں کے لئے عقیدت کا ایک ناقابل بیان احساس انگڑائیاں لے رہا تھا انہوں نے جو کچھ کیا وہ بڑے بے حوصلہ لوگ کرنے سے کتراتے مگر ان کا انداز اس قدر عاجزانہ تھا جیسے انہوں نے بچی پگڈنڈی سے محض ایک ٹوٹا ہوا شیشہ

اٹھا کر کتابت سے ڈالا ہوتا کہ کسی دہقان کا چہرہ بھی نہ ہو جائے۔
وہاں ذہن سے میں اپنے وجود کا نور بکھیرنے کسی طرف چلے گئے اور میں ہاشم کے ساتھ عمارہ کی بستی کی طرف بڑھنے لگا۔

ہاشم نے مجھے بتایا کہ عمارہ کوئی بڑا قصبہ نہیں تھا اس کی آبادی خاصی مختصر تھی مگر وہ قاہرہ سے آنے والی ایک معروف شاہراہ کے قریب واقع تھا۔

ہم دونوں باتیں کرتے شہر میں داخل ہوئے تو میرے احساسات عجیب سے تھے۔

وہ الف لیلوی انداز کا ایک سست رو قصبہ تھا جہاں زیادہ تر پختہ عمارتوں سے قطع نظر قدیم طرز کے کچے یا نیم پختہ مکان تھے۔ وہاں کے باشندے بھی سست یا قناعت پسند نظر آتے تھے ایک اہم مواصلاتی شاہراہ سے قریب ہونے کے باوجود ان کی بود و باش جدید تہذیب کا اثر نہ ہونے کے برابر تھا!

قہوہ خانوں میں سراسر فرصت کا سماں تھا۔ جو بیٹھا تھا وہ اس بے فکری سے بیٹھا ہوا تھا کہ جب تک اسے لفظوں میں لڑھکتے کر نہ اٹھایا جائے جگہ خالی نہیں کرے گا۔ قہوہ خانوں میں کرسیوں کے حقوں کی فراوانی تھی۔ اس فراوانی کے باوجود ایک ایک حقے پر کچھ آدمی طبع آزمائی میں مصروف تھے۔

مجھے زندگی کا یہ ہلکا پھلکا انداز پسند آیا اور میں ہاشم کے ساتھ ایک ہوٹل میں جا گھسا جہاں حقے اور قہوے کے علاوہ کھانے کا انتظام بھی تھا۔

مصری طرز کا کھانا لذیذ تھا مگر پیش کرنے کا انداز بہت بھونڈا تھا۔ کھانے کے بعد قہوے کے دور کا آغاز ہوا تو پچھلی میز پر ہونے والی گفتگو نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرائی اور ہاشم کے بھی کان کھڑے ہو گئے۔

وہ ادھیڑ عمر آدمی زمانے کی خرابیوں کے ضمن میں ان مجرموں کا تذکرہ کر رہے تھے جن کے بارے میں ریڈیو سے اعلان کیا گیا تھا۔

ان تخریب کاروں کی تعداد نامعلوم تھی وہ بیس قیدیوں کے ایک دستے کو ہلاک کر کے فرار ہوئے تھے جن میں ایک جنرل بھی شامل تھا۔

ہم دونوں پیسے ادا کر کے وہاں سے اٹھ گئے۔

"مجھے خوشی ہے کہ جنرل بھی ان میں شامل تھا مگر وہ وہاں کیسے گیا؟" راستے میں ایک جگہ رک کر ہاشم نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"پتہ نہیں تمہیں کیا ہو گیا تھا۔" میں نے کہا "یاد نہیں کہ کنٹرول سے بات کرنے والے نے تیسرے سیل کا چارج بتائی پہ کس قدر حیرت کا اظہار کیا تھا؟"

"تو کیا وہ اسی میں تھا؟"

"اگر مجھے بھی وہاں نے میں ذرا بھی تاخیر ہو جاتی تو وہ ایک بھی تخریب بچ کر نہ جاتا اور اس کا بال بھی بیکا نہ ہوتا!"

"تو کیا تمہیں اس سیل کا جنرل پہ شبہ تھا؟"

"وہم و گمان تک نہ تھا۔ بس یہ خیال تھا کہ اگر ان کی نفری میں دو یا ہ کا اضافہ ہو گیا تو وہ دور تک پھیل جائیں گے۔"

"یہ بھیانک منظر میں ساری عمر نہ بھول سکوں گا۔" وہ جیسے پشیمان بولا "میں نے اپنی آنکھوں سے انسانی اعضا گردوں اور پھانسے دیکھے تھے۔"

"اس نمبر وار دل ہو کر کام کیسے کر رہے ہو؟"

"میرا واسطہ غیر فوجی شعبے سے ہے۔ یہ سارے تجربات محض اتفاقیہ دوستی میں جو مجھے یہاں لایا اس نے مجھ پر رکھا۔"

"مسٹر جبران کے بارے میں تو تمہیں براہ راست واضح حکم ملا ہوگا؟"

"اس کی نوعیت بھی غیر فوجی تھی۔ میں جنرل کو تنہا گھیرنے کی کوشش کرتا۔" اس نے کہا "مگر تم پہ خدا کی پناہ، ہم تو پوری بٹالین سے بھی لڑنے پر تلے بیٹھے ہو۔"

"حالات کے تحت سب کچھ کرنا پڑتا ہے میرے دوست!"

"پھر اب کیا ارادہ ہے؟"

"مصر سے اکتا گیا ہوں نکلنا چاہتا ہوں۔" میں نے اسے اپنی دلی کیفیت سے آگاہ کر دیا۔ "مزید یہاں رکا یا تو پاگل ہو جاؤں گا۔"

"اور تمہاری بیوی؟" اس نے سیتا کا نام لینے سے احتراز کرتے ہوئے جھجکتا ہوا سوال کیا۔

"تم جیسے دوستوں کے طفیل اس کی بھی کوئی خبر مل ہی جائے گی!"

"کدھر کا رخ کرو گے؟"

"جدھر موقع مل گیا۔ اب میں کچھ روز گمنام رہ کر زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہماری امداد کرتے کرتے بیزار ہو گئے ہو؟"

"ایسے نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا "تم لوگوں کی وجہ سے تو میری زندگی میں رونق رہی ہے ورنہ تنگ سے میں بھی کا اکتا گیا ہوتا۔"

اس پرسکون قصبے میں چہل قدمی کرتے ہوئے ہم دونوں خوش گپیاں کرتے پھر رہے تھے یا کم ہم بظاہر الگ ہو جائیں مگر ایک دوسرے کی خیر خبر رکھیں۔

یہ عارضی انتظام تھا جو محض عمارہ میں قیام کے لیے کیا گیا تھا کیونکہ مفرور ملزموں کی تشہیر کے بعد خطرات کافی بڑھ گئے تھے۔

وہ سرائے سے قریب تھے مگر اور جو ہوٹل سے قریب ایک مکان تھا جہاں ہاشم کے لیے بھیس بدل کے جنرل اور دوسروں کی طرح کئی بستروں نے کرائے پر لے رکھے تھے۔

ایک یہ اتفاق بھی تھا کہ اس ہوٹل میں تین بستروں کا صرف ایک کمرہ خالی تھا۔ [illegible]

اٹھانے ... چلا آیا۔

تیسرا بستر ... ہونے کے باوجود خالی ہی رہا۔ ظاہر ہے کہ ... ہاتھ آیا تو نیند نے فوراً ہی آ لیا۔ صبح مجھے ہاشم نے بیدار کیا تو طبیعت خاصی شگفتہ تھی۔

ریڈیو کی نشریات ہاشم نے سنی تھیں جن سے یہ تصدیق ہو گئی کہ ... جنرل کے بارے میں ملٹری سیکرٹ سروس کا سربراہ جنرل احمد فوادی بھی ... سرکاری ذرائع نے مجرموں کی تعداد واضح نہیں کی تھی لیکن ... آسانی کے ساتھ مسلح قیدیوں کو ہلاک کر کے جیل کا ... فرار ہونا ناممکنات میں سے تھا۔

مسرورہ جیل کا ... ایک مسافر بردار طیارے کے ہوا باز کی اطلاع پر ... برآمد ہو گیا تھا۔ اس سلسلے میں ماہرین کا کہنا تھا کہ اس جیل کا ... کسی بھی طرح بارہ سے زیادہ آدمی نہیں رکھتے تھے اور کم از کم آٹھ یا دس مجرم صحرا کی جانب بھاگ گئے یا قاہرہ کی طرف نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

جنرل کے معاملے میں مصر کے فوجی اور سول حکام کا رد عمل تقریباً یکساں تھا۔ وہ ... کے لیے ملزمان کی تعداد میں مبالغہ آرائی کر رہے تھے جس کے نتیجے میں انہیں شہریوں سے مزید ... حمایت ہو جاتی تھی۔

اخبارات میں بارہ کے ٹولے کے فرار کی خبر پڑھنے کے بعد ... مشکوک افراد بھی عام آدمی کے لیے قابل توجہ نہیں سمجھے تھے لیکن اس بار فوجی حکام نے اپنی حماقت کا ازالہ میری ان پرانی تصاویر کی اشاعت سے کیا تھا جو اسرائیل میں میری قید کے دوران میں لی گئی تھیں اور ... کے ذریعے مصر پہنچی تھیں۔

وہ سردیوں کا خوشگوار موسم تھا لہٰذا دن کا بیشتر وقت ہم نے شہر میں الگ الگ گھوم کر گزارا اور ایک بجے واپس ہوٹل آ گئے۔ ہاشم مجھ سے پہلے پہنچا تھا اور اپنے چہرے پر چمک سجائے میری واپسی کا منتظر تھا۔

"کیا کوئی خزانہ مل گیا ہے؟" میں نے اس کے ہونٹوں پر پھیلی مسکراہٹ دیکھ کر سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

جواب میں اس نے اپنی جیب سے ایک رقعہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا "آج بازار میں کسی نے میری بے خبری میں میری جیب میں ڈالا ہے۔"

اس رقعہ پر ... میں صرف ایک سطر لکھی تھی "آج شام سوڈانی سرکس میں ..."

خط ... مخاطب تھا نہ بھیجنے والے کا نام اور نہ ہی تاریخ۔ ... اس اجنبی قصبے میں ہاشم کا کون شناسا ہو سکتا تھا ...

"پھاڑ دو۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"فکر مت کرو لکھنے والا ... گا تو اسے جلا دوں گا۔" اس نے بڑی بے نیازی سے کہا "سیدھا بتاؤ کہ تم کیا سمجھے ہو؟"

"تمہارا کوئی بے تکلف دوست ہو...." میں کہتے کہتے رک گیا۔ اور حیرت سے بولا "وہ سوڈانی سرکس ... نظر آتا ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"سرکس اسی شہر میں ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"کمال ہے کہ تم نے اس کی شہرت نہیں سنی۔" وہ حیرت سے بولا۔ "سوڈانی سرکسوں میں جانوروں سے زیادہ انسانی کمالات دکھائے جاتے ہیں اور ان میں بھی عورتوں پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔"

"رقاصائیں ہیں؟"

"ہاں۔ اس سرکس میں بھی تین غضب کی رقاصائیں ہیں جو ... جوہر دکھاتی ہیں۔ قصبے میں سوڈانی سرکس کے ٹکٹ بلیک ہو رہے ہیں۔"

"تو تم تیار ہو جاؤ میں بھی دو ٹکٹوں کا ... شو کس وقت شروع ہوتا ہے؟" اس ... نے مجھ میں از سر نو حرارت کی دوڑا دی۔

"میرے ساتھ ہی چلو۔"

"وہ مناسب نہیں ہوگا۔" میں نے کہا "ہو سکتا ہے مجھے ساتھ دیکھنے کے بعد تمہارا نامعلوم دوست سامنے ہی نہ آئے۔"

پھر یہی طے ہوا کہ شام والے شو میں ہم دونوں اپنے عہدوں پر چلے جائیں
مجھے دیکھ کر ہاشم کی پریشانی بھی کم ہوئی تھی۔
کھانے کے بعد میرے پیچھے وہاں کے رہنما شو ہوگیا اور میں
ہاشم سے رخصت ہو کر بازار کی طرف چل دیا۔
تو جیسے پہنچے عمارہ کے کئی اہم مقامات پر سوڈانی سرکس کے بورڈ
نظر آئے جن پر مختلف عرب رقاصاؤں کے نام جلی حروف میں درج تھے۔
ایک نوجوان خاتون کی پوشاک سے بھی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ میں نے گردن گھما کر
کے بورڈ کو بھی دیکھا پھر سیتا کی صورت تلاش نہ کر سکا۔
شام تک آوارہ گردی کے بعد میں اتنا معلوم کرنے میں کامیاب
ہوگیا کہ سوڈانی سرکس عمارہ میں دس دن پہلے آیا تھا اور پہلے شو کے بعد ہی
اس کا پروگرام پورے قصبے میں مشہور ہوگیا تھا۔
وہ سرکس قاہرہ سے واپس آ کر درمیان جا رہا تھا۔ سوڈان جاتے
ہوئے ان کا راستے میں ہر قریے میں... مختصر پڑاؤ کا پروگرام تھا اور وہ
اگلے روز عمارہ سے بھی روانہ ہونے والے تھے۔
اُم درمان خرطوم کے مغرب میں ایک شہر تھا اور اتنا تمام کر لینے
کو یکجا کرنے کے بعد میرے ذہن میں ایک ہی بات آ رہی تھی کہ کسی نہ کسی
طرح سیتا یا ابو سلطان کا اس سرکس سے گہرا تعلق تھا۔
سرکس چونکہ شروع ہونا تھا مگر میں بالکل ٹھیک ہی پنڈال پر پہنچ
گیا۔ وہاں ہر دروازے کے ٹکٹ گھر کے سامنے اچھی خاصی بھیڑ لگی ہوئی
تھی۔ تماشائیوں میں ہر طرح کے لوگ شامل تھے لیکن عورت کا سایہ تک نظر
نہ آتا تھا۔ بھیڑ میں گھسنے کی کوشش میں ایک دو بار میرے شانے کے زخم
پر ٹھیس بھی لگی مگر مجھے کھڑکی سے ٹکٹ نہ مل سکا۔ کھڑکی بند ہونے کے بعد
ایک لڑکے سے میں نے دو گنے داموں پر تیسرے درجے کا ٹکٹ لیا اور
اندر داخل ہو کر آخری قطار میں ایک نشست سنبھال لی...
پنڈال میں گراموفون پر تیز صحرائی موسیقی کے ریکارڈ بج رہے تھے اور بیشتر
پُرجوش تماشائی سیٹیوں اور تالیوں کی تال پر موسیقی کا ساتھ دینے کی ناکام
کوشش میں مصروف تھے۔
ٹھیک چھ بجے پنڈال کے پردے گرا دیے گئے۔ چاروں طرف
دھندلکا سا چھا گیا۔ بس وسط میں بنے ہوئے رنگ میں رنگ برنگی
روشنیوں کے ہالے رقص کر رہے تھے۔ شو کی ابتدا مسخروں کے کام
سے ہوئی۔ ان میں ایک پستہ قامت لڑکا جنگلی بنا ہوا تھا اور دوسرا
باریش شخص تھا۔ ان دونوں کے بازاری فقروں پر تماشائیوں میں خاصا
جوش و خروش پیدا ہوا۔ اس کے بعد جانوروں کے کرتب دکھائے گئے۔
اسی دوران میں ایک رقاصہ قد آدم رنگین جھنڈیاں اپنے شانوں کے سہارے
بدن کے دونوں طرف لٹکائے اسٹیج پر آئی اور موسیقی کی پہلی تال کے ساتھ
ہی اس سرکس کی کامیابی کا راز سامنے آ گیا۔

اس کے بعد رنگ میں کیا ہوتا رہا مجھے کچھ علم نہیں۔ میری نظریں
ہاشم کی تلاش میں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں اور اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔
وہ مجھ سے پہلے ہی سرکس والوں کے خیمے کے سامنے کھڑا
تک جا رہا تھا۔ دو تین بار منتظمین... مردانہ قسم کے جانور...
لیکن تماشائی صرف رقص دیکھنے پر مصر تھے جس کے بعد...
کے کرتب اور رقص ساتھ ساتھ چلتے رہے۔
نو بجے کے بعد حیرت اور بے زاری کے عالم میں ہوٹل پہنچا تو
وہاں بھی وہ موجود نہیں تھا۔ سرکس کے بعد ہوٹل سے بھی ہاشم
میرے لیے تشویش ناک تھی مگر یہ تشویش زیادہ دیر برقرار نہ رہی...
واپس لوٹ آیا۔
"کہاں رہ گئے تھے؟" میں نے اسے دیکھتے ہی سوال داغ دیا۔
"ہم بہت بروقت عمارہ پہنچے ہیں۔ کہیں اللہ نہ کرے جائے...
قلو پٹرا..." اس نے مجھے بیٹھے بیٹھے کہا۔
"کچھ بتاؤ گے بھی یا پہیلیاں بجھواتے رہو گے؟" میں نے چڑ کر کہا۔
"اس سرکس میں ابو سلطان شامل ہے۔" اس نے رازدارانہ لہجے میں
کہا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ "اس نے آج دن میں مجھے
دیکھا تو خود ہی میری جیب میں رقعہ ڈال دیا۔"
"اور تم اسے نہ پہچان سکے تھے؟"
"اس کے سر اور داڑھی منڈوا دی ہے۔ میں اسے صرف آواز سے
پہچان سکا ورنہ وہ بالکل بدلا ہوا آدمی ہے۔"
"کیوں بلایا تھا اس نے؟"
"اب پوچھا ہے تم نے صحیح سوال۔" وہ ہنسا۔ "وہ تمہارا
چاہتا ہے۔"
"کیا تمہاری گواہی کافی نہیں؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔
"اس سرکس میں ایک بندہ ہے جسے سیتا نے تمہاری تصویر دکھائی
ہوئی ہے۔ اگر وہ تمہیں پہچان لے گا تو ابو سلطان تمہیں بھی قافلے میں
کر لے گا۔ سیتا بندے کے علاوہ کوئی گواہی نہیں مانے گی۔"
"مگر سیتا کہاں ہے؟" میں بے چین ہوگیا۔
"وہ ایک اور سرکس کے ساتھ کئی دن پہلے یہاں سے گزر گئی
لوگ تو شاید اب سرحد بھی پار کر چکے ہوں گے۔"
"تو چلو میں ابھی ابو سلطان کے پاس چلنے کو تیار ہوں۔"
"اس کے خیمے میں بہت سے نگہبان ہیں اور صبح..."
ہاشم نے نرمی سے کہا۔ "اس نے کل صبح دس بجے بلایا ہے۔ وہاں
شام کو روانہ ہو جائے گا۔"
میں نے رشک سے بے اختیار ہاشم کی پیشانی چوم لی۔ اس
خبر سنائی بھی تھی کہ کل ایک طویل مدت سے منتظر تھا۔

ہاشم غائب تھا تو میرے لیے یہ عجیب سا بوجھ سا لگتا تھا
اور اب وہ واپس آیا تھا تو میرے لیے عجیب خبر
لایا تھا!
عمارہ میں مقیم سوڈانی سرکس میں بدترین تنظیم کا اتفاقی سربراہ
ابو سلطان بے ہنگم حلیے کے ساتھ موجود تھا اور میری تن اخت
کے بعد مجھے سرکس کے ساتھ سوڈان کے شہر ام درمان لے جانے
کے لیے تیار تھا!
سیتا اس سے آگے جانے والے سرکس کے عملے میں شامل ہو کر
شاید اسی وقت تک سوڈان کی سرحد میں داخل ہو چکی تھی!
اگر عمارہ میں مقیم سوڈانی سرکس میں میری کھوج پر ابھا ہوا
کوئی ایسا بندہ موجود تھا جو مجھے پہچان سکتا تھا تو میرے لیے یہ اطلاع
بڑی خیال انگیز تھی!
ایک دوسرے سے جدائی کے اتنے طویل عرصے کے بعد بھی
جب ذاتی مشغل کی کچھ ایسی چیزیں اس نے سنبھال کر رکھی ہوئی تھیں
جن کے سہارے میری شناخت ممکن تھی!
وہ مجھ سے بچھڑی ہوئی ضرور تھی مگر اس کے دل میں میری
یاد پوری شدت سے باقی تھی اور اگر میں آج اپنی زندگی کا مقصد
سمجھ کر اس کی تلاش میں دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک
بھٹک رہا تھا تو سیتا کی ذات اس جستجو کی مستحق تھی!
اور پھر میرے ذہن میں ایک دوسری رو ابھرنے لگی جس
کی چبھن میرے لیے ناقابل برداشت تھی!
عمارہ میں سوڈانی سرکس کا ایک شو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ
چکا تھا اور سرکس میں شریک تین رقاصاؤں کو سیکڑوں تماشائیوں
کے سامنے اپنے بدن کی نمائش کے جنون میں بھی مبتلا دیکھا تھا۔ ان
تینوں میں سے ہر ایک موسیقی کی ایک ایک تال پر اپنے بدن کے
ان گنت زاویوں کی بجلی تماشائیوں پر گرانے کی کوشش کرتی تھی
اور یہی سبب تھا کہ عمارہ کی پوری آبادی سرکس دیکھنے کے لیے ہر شام
ہی... پنڈال پر ٹوٹ پڑتی تھی!
اور سیتا بھی ایک سرکس میں شامل ہو کر عمارہ سے گزر کر سوڈان
کی طرف گئی تھی! وہ سرکس میں کس حیثیت میں شامل تھی؟ کیا وہ
بھی تماشائیوں کو بہلانے پر مامور تھی؟ کیا وہ اس قدر گر سکتی ہے
کہ محض عارضی سہارے کے لیے سرکس کے منتظمین کی ہدایات پر
تماشائیوں کو اپنے حسن کے جلووں سے مسحور کرنے پر آمادہ ہوگئی ہو؟
میرے ذہن میں خیالات کے ہولناک بگولے اٹھنے لگے!
سیتا کے حوالے سے میرے ذہن میں عصمت و عفت کا ایک ایسا مجسمہ
قائم ہو چکا تھا جو ذرا سی بھی لغزش کی تاب نہ لا سکتا تھا۔ اگر



میں نے اپنی آنکھوں سے سرکس میں انسانوں کے حیوانی تماشے دیکھے تھے۔ فرشتہ شاید ان میں ایسے خیالات ہی نہ آتے ہوں مگر اس ... کے بعد میں یہ جاننے کے لیے بے چین ہو گیا تھا کہ سبا کو عمارہ اور دوسری بستیوں کے تماشائیوں نے کس انداز میں سرکس میں شریک دیکھا ہو گا!

"کیا سوچ رہے ہو؟" میری طویل خاموشی پر ہاشم ٹوکے بغیر نہ رہ سکا۔ "اب عمل کا وقت قریب آ رہا ہے!"

"میں شروع سے آخر تک وہاں موجود رہا تھا۔" میں نے بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ تمہیں کہاں ملا تھا؟"

"جنگل کھر پر جب بھیڑ بھاڑ دیکھ کر میں تو وہیں رکا رہا تھا۔ اسی اثنا میں وہ کہیں سے میرے پاس آ گیا۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"پھر گفتگو کہاں ہوئی؟"

"جانوروں کے پنجروں کے قریب جلے کے لیے چھوٹی چھوٹی ... لگی ہوئی ہیں۔ ان ہی میں سے ایک میں ہم جا بیٹھے تھے۔"

"کتنی دیر باتیں ہوتی رہیں؟"

"بمشکل چند منٹ!"

"میں پورا شو دیکھنے کے باوجود تم سے پہلے واپس آ گیا۔ تم کہاں رہ گئے تھے؟" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے سوال کیا۔

"ابوسلطان نے اپنا ایک کام میرے ذمے لگا دیا تھا۔" وہ ٹہل کر بولا۔ "مصر میں اخوان الصفا کے کسی رکن کو ابوسلطان کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ کچھ لوگ تو یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ واقعی فوجی حملے میں مارا گیا۔ میں نے عمارہ میں ایک شخص کو یہ اطلاع دی ہے کہ ابوسلطان نہ صرف زندہ ہے بلکہ مصر سے نکل چکا ہے!"

"اگر وہ خاموش ہی رہتا تو کیا حرج تھا؟"

"جب تک امیر کی موت کی تصدیق نہ ہو جائے اس کا نائب کام نہیں سنبھالتا اور ان لوگوں کی تمام سرگرمیاں معطل رہتی ہیں۔ عام حالات میں بھی امیر کی روپوشی کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ حالات خراب ہیں اور اراکین ہر سرگرمی سے احتراز کریں۔ جو زیادہ سرگرم ہوتے ہیں وہ زیر زمین چلے جاتے ہیں۔ اب مصر سے ابوسلطان کی روانگی کی خبر ملتے ہی وہ لوگ اپنے نائب امیر کی ہدایات کے مطابق سرگرم ہو جائیں گے!"

"مگر ابوسلطان تو ابھی تک مصر ہی میں ہے!"

"وہ سامنے نہیں آنا چاہتا۔ اخوان الصفا کے سرگرم ہونے کی وجہ سے حکام بھی الجھ جائیں گے اور وہ خاموشی سے سوڈان چلا جائے گا۔"

"بڑا عجیب طریقہ کار ہے!"

"زیر زمین تحریکوں میں یہ طریقے رائج ہیں۔" وہ بولا۔ "بعض گروپوں میں تو ہر وقت دس دس لیڈر نامزد کیے جاتے ہیں۔ ایک کے بعد دوسرا طے شدہ علامات کے ظہور پذیر ہوتے ہی خود بخود کام سنبھال لیتا ہے!"

"تاکہ کسی ایک شخص کو نقصان پہنچنے کی صورت میں تحریک وہیں ٹھپ ہو کر نہ رہ جائے؟" میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

"ہاں! مجھ جیسے مخلص اور صلاح کار رابطے بھی اسی لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ اپنے وطنوں میں سکون سے بیٹھے دلوں کی تنظیم کر لی جائے۔"

"مگر یہ طریقہ خطرناک ہے۔" میں نے کہا۔ "اگر نائب امیر ہی کوئی بھی بغاوت یا سرکشی پر آمادہ ہو جائے تو اس کا انجام تباہی سے کم نہ ہو گا!"

"زیر زمین دنیا میں اعتماد بنیادی عنصر ہوتا ہے۔" اس نے میری طرف جھک کر کہا۔ "یہ لوگ آخری دم تک اپنے ... ضوابط کا پورا پورا احترام کرتے ہیں۔ تمہارا خیال فطری ہے مگر اب تک کوئی ایسا واقعہ سامنے نہیں آیا!"

میں ہنس دیا۔ "تمہارا اپنا تعلق بھی تو زیر زمین دنیا سے ..."

"اسی لیے میں ان باتوں سے واقف ہوں۔" وہ بولا۔ "مجھے آئے ہوئے کافی عرصہ ہو گیا ہے مگر میرے ... سارا کام سنبھال لیا ہو گا!"

"وہ کیسے؟"

"ہمارا اصول ہے کہ اگر نائب اور مجاہدین ... رابطہ نہ ہو تو نائب آگے بڑھ کر کام سنبھال لے اور اگر نائب بھی ... کسی طرح سربراہ سے رابطہ قائم نہ کر سکے تو سربراہ کو ... ہو جاتا ہے کہ وہ اپنا نیا نائب نامزد کر دے!"

"مگر نائب پر خواہ کیسی ہی افتاد کیوں نہ ہو؟"

"اس کی نشاندہی اور اطاعت کی ساری کوششیں ... اسے دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال باہر نہیں کیا جاتا!"

"کبھی موقع ملا تو زندگی کے اس جنسی جزیرے پر ... دیکھنے کی کوشش کروں گا جس میں ہر انسان کے کئی چہرے ..."

"عمارہ کا آدمی اپنے مقصد سے بہت مخلص ہوتا ہے۔" ... فوراً کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ اس کے مقصد کو برا تصور کریں جن کے مفادات پر وہ ضرب لگاتا ہو مگر وہ سب بھلائی کے لیے کرتا ہے!"

"میں اس فلسفے سے بخوبی واقف ہوں۔" میں ...

"جنگ میں بھی تو یہی ہوتا ہے کہ محاذ پر مجاہدوں کو ... دشمن لوٹ آئے تو اس کی چھاتی تمغوں سے جھلملا ... اور اگر وہی شخص دشمن کی قید میں چلا جائے تو اسے ... قرار دے کر بدترین سزاؤں کا مستحق سمجھا جاتا ہے!"

"یہودیوں کی عدالت کیا تھی!" وہ دھیمے مگر پرجوش لہجے میں بولا۔ "محض ایک ڈھکوسلا! واقعہ تو یہ ہے کہ مفتوحین پہلا ملزم ... زیادتیاں کیں اور انہیں اپنے جرائم پر سزائیں دی گئیں جو نازیوں کی ... تمھاری صورت میں تاریخی کارنامے قرار پا گئے!"

"... اور ہٹلر جیسے جرنیل ... تک سب کو عدالتی کٹہروں میں لے آتا!" میں نے مسکرا کر کہا۔ "تاریخ بالکل ہی الٹ ہوتی!"

"یہ جانے خیالات ہیں۔" وہ سنجیدہ ہو گیا۔ "دوسری جنگ عظیم کے بعد اب تک عالمی ذرائع ابلاغ پر ہٹلر کے بدترین دشمنوں کا غلبہ رہا ہے۔ انھوں نے اس کی ایک بھیانک اور کراہت آمیز شبیہ بنائی ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ ہٹلر کو تاریخ کا سب سے بڑا مجرم قرار دینے والے ہٹلر کے معاملے میں تو تعلیم یافتہ لوگ بھی ... لے جاتے ہیں... شاید... شاید وہ اتنا برا آدمی نہیں تھا!"

"شاید اس موضوع پر تمہارا مطالعہ محدود ہے!" میں نے حیرت سے کہا۔ "تاریخ کا جزو بن جانے والے واقعات کو اتنی آسانی سے جھٹلایا نہیں جا سکتا!"

"تاریخ؟" وہ تلخ انداز میں بولا۔ "کس تاریخ کی بات کر رہے ہو؟ ہٹلر کے کردار کو مسخ کرنے کا سارا کام یہودی قلم کاروں نے سرانجام دیا ہے اور دوسرے مورخین بھی ان کے منظم پروپیگنڈے سے متاثر نظر آتے ہیں اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ ہٹلر یہودیوں کو زمین کا سب سے بڑا فتنہ سمجھتا تھا اور انھیں مٹانا چاہتا تھا!"

"اوہ... !" میں طویل سانس لے کر بولا۔ "تم اسرائیل کے ستائے ہوئے ہو اس لیے ہٹلر کے حامی نظر آتے ہو!"

"انھیں یہودیوں کے بارے میں خیالات سے اتفاق رکھنے والے شاید وہ پار فلسطینی ہی ہیں جنھیں بستر تو آ سکیں گے۔ یہ میرا ذاتی تجربہ ہے جس کی بنیاد ٹھوس مطالعے پر ہے۔ دراصل میں نے طویل المیعاد صیہونی منصوبوں کو دیکھ کر ان کے لٹریچر کا مطالعہ کیا ہے۔" اس نے میری طرف جھک کر کہا۔ "ہٹلر کی کردار کشی کا آغاز صیہونی منصوبہ سازوں ... نے کیا اور مغربی قوم اپنی پیشانی سے اپنی تباہ کاری کا داغ مٹانے کے چکر میں ان کی آلہ کار بن گئیں۔ اگر جاپان پر امریکی بم نہ گرائے جاتے تو بھی شاید تاریخ آج مسخ نہ ہوتی!"

"مگر تم نے یہ سارے نتائج کہاں سے اخذ کیے؟" میرے لیے اس کی باتیں نہایت نامانوس اور سطحی سی تھیں!

"میں جاہلوں میں نہیں جانا... بس اتنا کہوں گا کہ اگر ہٹلر اسی طرح ... مرتا تو اس کی موت کے برسوں بعد آج جرمنی میں دوبارہ نازی تحریک زندہ نہ ہوتی!"

"وہ جرمنی کے نوجوانوں کی حرکت ہے۔ اس طرح وہ سستی شہرت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"یہ کہہ کر ان ... رجحانات پر جو ... اجاگر رہا ہے اور پس پشت ایسے عناصر کو پوری سنجیدگی سے کچلنے کی کوششیں جاری ہیں!"

"عمارہ کی اس دقیانوسی سرائے میں بیٹھ کر ہم اب تک کھوئی ہوئی تاریخ کو زندہ نہیں کر سکتے۔" میں نے گفتگو کو اختصار دینے کی نیت سے کہا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ وہ اس موضوع پر اس قدر سنجیدہ بحث لے بیٹھے گا!

"میرے پاس سیکڑوں کتابیں ہیں۔ کبھی فرصت ملے تو لیبیا آنا۔ میں تمہیں ہر سطر کا ماخذ اور محرک بتاؤں گا۔ تم میری باتوں کے سوا کچھ نہ کر سکو گے!"

"اگر یہ درست ہے تو تم نے ایک زبردست کارنامہ انجام دیا ہے۔ تم ان چیزوں کو سینے میں کیوں لیے بیٹھے ہو؟"

"میں ایک فلسطینی گروپ کا ذمہ دار رکن ہوں۔ میرے لیے ان نکات کی اشاعت ناممکن ہے۔ اس سے فوری طور پر ہماری تحریک پر منفی اثر پڑے گا اور ہمارے بہت سے دوست ہماری حمایت سے دست کش ہو جائیں گے!"

"تمہاری ترجیحات بڑی اٹل ہیں!"

"تم سے تو میں نے اتنی بات بھی کر لی ورنہ دوسروں کے سامنے میں محتاط رہتا ہوں۔ سچ پوچھو تو میری ہمدردیاں ہٹلر کے لیے ہیں۔"

میں نے چند ثانیوں کے لیے خاموش رہ کر دوسری سگریٹ سلگائی پھر آہستہ سے اپنا موضوع چھیڑ دیا۔

"سبا اس سرکس میں کس حیثیت سے گئی ہے؟"

"پتہ نہیں۔" اس نے سرسری لہجے میں کہا۔ "میرے لیے تو بس اتنا جاننا ہی کافی تھا کہ وہ کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر سرحد کی طرف بڑھتی جا رہی ہے!"

"شاید اپنے سدھائے ہوئے جانوروں کے تماشے دکھاتی ہو گی؟" میں نے تائید طلب اور دھیمے لہجے میں کہا۔

"اگر وہ اسے قیدی بھی بنا کر لے گئے ہیں تو عزت و احترام سے لے جائیں گے۔ تم اس کی اتنی فکر کیوں کر رہے ہو؟" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "ابوسلطان بہت معتبر آدمی ہے۔ اس کے تعلقات کافی مضبوط ہوتے ہیں!"

میرے پاس بھی خاموش ہو جانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کیونکہ ہاشم کے لیے میرے قلق کو سمجھنا ناممکنات میں سے تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس کمرے میں ایک تیسرا مسافر بھی آ گیا اور اس کے آ جانے کے بعد ہم دونوں کے تعلقات میں سرد مہری سی آ گئی!

زبردست نہایت غلیظ اور اجڈ آدمی تھا۔ اس نے وہاں آتے

ہی ہم دونوں سے بے تکلفی پیدا کرنے کی کوشش کی مگر ہاشم نے سر میں درد کا بہانا کر کے خشک لہجے میں اُسے خاموشی اختیار کرنے کا مشورہ دیا اور حمایت بے تکلفی سے میرے بستر پر آ بیٹھا۔

"یہاں کب سے رہ رہے ہو؟" اُس نے سوال کر کے واحتون کے عقب میں زبان جما کر چرپ کی آواز کے ساتھ فرش پر تھوک کی پچکاری ماری!

"تھیں کر کے فرش پر نہ تھوکنا چاہیے۔" میں نے اُس کا سوال نظرانداز کر کے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"تو کیا بستر پر تھوکوں؟" یہ کہہ کر اُس نے لیل بلند آہنگ قہقہہ لگایا جیسے اُس نے مجھ پر کوئی بہت ہی لطیف طنز کیا ہو۔

"ضرور۔ مگر تمہاری چارپائی وہ ہے۔" میں نے خالی بستر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔

اس مرتبہ وہ بھی سنجیدہ ہو گیا۔ "میں نے بھی تمہارے برابر کرایہ دیا ہے اور مجھے اس کمرے کی ہر چیز پر تم دونوں کے برابر حق ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو!" میں نے اُس سے پیچھا چھڑانے کی نیت سے کہا۔ "مگر ہر چیز میں میرا وجود شامل نہیں ہے۔"

وہ بھر لے بھدے انداز میں ہنسا۔ "بے فکر رہو میں تم پر اپنا کوئی حق جتانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اس معاملے میں میرا ذوق بہت اعلیٰ ہے۔"

اُس کے گھٹیا مذاق پر میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا مگر میرے کچھ بولنے سے قبل ہاشم اپنے بستر سے اٹھ گیا۔

"تم دونوں اپنی بکواس بند نہیں کرو گے تو باہر پھینک دئیے جاؤ گے۔"

وہ باری باری مجھے اور اس دہقانی کو گھورتے ہوئے خونخوار لہجے میں غرایا۔

"کیوں جھینک رہے ہو؟" وہ اکڑ کر بولا۔ وہ ہاشم کے لب و لہجے سے مرعوب تو ہو گیا تھا مگر اُس کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا!

"اس وقت سوا دس بجے ہیں۔" ہاشم اُسی لہجے میں بولا۔ "یہ باتیں کرنے کا نہیں سونے کا وقت ہے!"

"مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔" میں نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہم دونوں مینجر کو تیسرے بستر کا کرایہ دے دیتے ہیں وہ اسے باہر پھینک دے گا۔"

"اپنی زبان سنبھال لنگڑے اونٹ!" وہ مشتعل ہو کر بولا۔ "میں ایک نہیں ایک سو بستروں کا کرایہ دے کر پورا ہوٹل خالی کرانے کی استطاعت رکھتا ہوں!"

"وہ تو تمہاری صورت سے ہی ظاہر ہے!" میں نے اس کے بدبودار لباس پر نگاہ ڈال کر طنزیہ لہجے میں کہا۔

صورت!" اُس نے غرا کر میرا بستر چھوڑ دیا اور فرش پر تھوکا ہوا کپڑے کا بڑا سا تھیلا جوش کے عالم میں فرش پر الٹ دیا۔

میرے ساتھ ہی ہاشم بھی ششدر رہ گیا کیونکہ فرش پر گڈیوں میں بڑے مصری نوٹوں کی گڈیاں پھیل گئی تھیں۔

"میں دو نخلستانوں کا مالک ہوں!" وہ فخر آمیز لہجے میں بولا اور ایک بار پھر فرش پر تھوک کی پچکاری ماری۔

مجبوری ہوتی عادتوں کو اگر مالی حیثیت بنا ہی ڈال دیا جائے تو بہت خطرناک ثابت ہوتی ہیں۔ میں نے اُسی لیے فیصلہ کیا کہ اس دہقانی سے مزید الجھنا کسی بڑی الجھن کو دعوت دینے کے مترادف ہو سکتا تھا لہٰذا اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیا۔

چند لمحوں بعد ہاشم اس کمرے سے نکل گیا۔ اس دوران دہقانی نے کئی بار مجھ سے مخاطب ہونے کی کوشش کی مگر میں اسے نظرانداز کرتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد ہاشم واپس آیا تو تنہا نہیں تھا اس سرائے کا مالک یا منیجر اس کے ہمراہ موجود تھا۔

"سنا ہے کہ تمہارے پاس خطیر رقم موجود ہے۔" سرائے کے مالک نے آتے ہی تیسرے مسافر سے بات شروع کر دی۔ "اور تم خود بیٹھا اُس کی نمائش کرتے پھر رہے ہو۔ اگر کسی اُچکے نے تاڑ لیا اور رات میں تمہارا پیٹ صاف کر کے رقم لے اُڑا تو دونوں مسافروں کے ساتھ ہی میں بھی مارا جاؤں گا۔"

"اس نے شکایت کی ہے میری؟" دہقانی نے ہاشم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سرائے کے مالک سے سوال کیا۔

"اسے تم شکایت نہیں کہہ سکتے۔ اگر تم یہاں رات گزارنے کا ارادہ رکھتے ہو تو سرائے میں اپنی رقم کا کوئی مناسب انتظام کرو۔"

سرائے کا مالک بہت ہوشیار آدمی تھا۔ چند منٹ کی گفتگو کے بعد وہ دہقان کو اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو گیا!

ہاشم تو جلد ہی سو گیا لیکن میں بیشتر وقت آنے والے حالات کے بارے میں سوچتا رہا!

اگلی صبح ہم دونوں ہی جلدی بیدار ہو گئے۔ تیسرا بستر خالی تھا جس کا مطلب تھا کہ سرائے کے مالک نے اس دہقان کو کہیں اور بستر فراہم کر دیا تھا!

عمارہ کی اس سرائے سے اپنا حساب بے باق کر کے ہم روانہ ہوا دس منٹ بعد ہاشم بھی ایک مقررہ جگہ پہنچا۔

ہم دونوں خراماں خراماں قصبے کے شمالی سمت کی طرف بڑھنے لگے جہاں آبادی سے باہر ابوسلطان کا سرکس خیمہ زن تھا!

"عمارہ سے روانگی کے بعد سوڈان عبور کرنے میں کتنا وقت

لگ جائے گا؟" میں نے راستے میں ہاشم سے سوال کیا۔

"مجھے ان صحرائی راستوں کا کوئی اندازہ نہیں اور ابوسلطان کے منصوبے سے بھی میں لاعلم ہوں۔ اگر سرکس راستے میں پڑنے والی بستیوں میں رکتا رہا تو یہ مدت خاصی طویل ہو سکتی ہے۔" وہ تفکر آمیز لہجے میں بولا۔

"میرے ساتھ ہی ابوسلطان کا مفاد بھی اسی حکمت عملی میں ہے کہ ہم جلد از جلد سوڈان میں داخل ہو جائیں۔" میں نے کہا۔ "اُس سے بات کر کے ہی اندازہ ہو سکے گا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے؟" اُس نے کہا۔ "اب ہمارا تمام تر دار و مدار اسی پر ہو گا۔"

"تم بھی ساتھ ہی چلو گے؟"

"ہاں وہیں سے واپس چلا جاؤں گا۔" اُس نے کہا۔ "اس وقت میرا منظرِ عام پر آنا میرے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

ہم دونوں آبادی سے باہر والے میدان میں پہنچے تو وہاں خلافِ معمول خاصی سرگرمی کے آثار نمایاں تھے۔ چند مضبوط جسم کے افراد وہ بڑا سا خیمہ اکھاڑنے میں مصروف تھے جس میں ہر رات تماشائی بیٹھ کر سرکس دیکھا کرتے تھے!

ہاشم اس پنڈال کے پہلو میں سے گزر کر ایک طرف بڑھا تو ایک خوش شکل جوان حافظ نے اُس کا راستہ روک لیا۔

"ادھر جانا منع ہے!"

"مجھے خلیل نے بلایا ہے۔" ہاشم نے نرمی سے کہا۔

"نام کیا ہے تمہارا؟" حافظ کے لہجے میں فوراً ہی تبدیلی آ گئی۔

"ہاشم!" اُس نے کہا۔ "اور یہ میرا ساتھی ہے!"

"میرے ساتھ آؤ!" حافظ یہ کہہ کر واپس مڑ گیا۔

میرے لیے اُن کی گفتگو سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں تھا کہ ابوسلطان اس سرکس میں خلیل کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔

بڑے پنڈال کے عقب میں جانوروں کے پنجرے تھے جو ایک سرکس کے لیے قطعی ناکافی تھے۔ ان پنجروں میں کوئی بھی بڑا جانور نہیں تھا سوائے کرسلا انتصار پہاڑی بکروں، بندروں، کتوں اور ایک سیاہ ریچھ کے نظر آ رہا تھا۔

پنجروں کے قریب ہی کافی تعداد میں اونٹ بندھے ہوئے تھے اور اس سے ذرا فاصلے پر تقریباً دس چھولداریاں نصب تھیں جن کے پاس خاصی چہل پہل تھی!

روانگی کی تیاریوں کے سلسلے میں چھولداریاں بھی سمیٹی جا رہی تھیں اور اسی طرف بیٹھے بڑے سرکس کی روانگی کا تماشا دیکھنے کے لیے جمع تھے!

حافظ ہم دونوں کو لے کر جس چھولداری میں داخل ہوا وہاں کسرتی بدن والا ایک سیاہ فام شخص موجود تھا جس کے قدموں میں ایک چھوٹا سا بندر بیٹھا زمین کھرچ رہا تھا۔

ہماری آہٹ سن کر بندر چونکا پھر حلق سے ایک تیز چیخ خارج کرتا وہ اچھل کر سیاہ فام کے شانے پر آ رہا۔ ہاشم بوکھلا کر مجھ سے قدر ہٹ گیا۔

کسرتی بدن والے کا اشارہ پا کر حافظ واپس چلا گیا اور اس شخص نے ہم دونوں کو اپنے قریب بلا لیا۔

بندر بدستور اُس کے شانے پر سوار تھا اور عجیب انداز میں میرا سر کھجانے جا رہا تھا!

میں نے تپائی پر بیٹھ کر پہلی بار اس سیاہ فام کو غور سے دیکھا۔ اگر وہ واقعی ابوسلطان تھا تو حالات کی ستم ظریفیوں کا بری طرح شکار تھا۔ اُس کی داڑھی غائب تھی، سر کے بال بھی منڈے ہوئے تھے، بدن پر سرخ اور سفید دھاریوں والی چست ٹی شرٹ اور سیاہ تنگ پتلون تھی مگر اس حلیے کے باوجود اُس کی تنگ پیشانی اور بڑی بڑی آنکھوں سے ذہانت نمایاں تھی!

"آؤ... ادھر آؤ!" اُس نے نرم آواز میں میرے شانے پر بیٹھے بندر کو مخاطب کیا مگر وہ خوخو کر کے بدستور وہیں جما رہا۔

"رہنے دو یہ مجھے تنگ نہیں کر رہا۔" میں نے کہا۔

"تم دونوں کو واپس تو نہیں جانا؟" اُس نے باری باری میرے اور ہاشم کے چہرے پر نگاہیں دوڑا کر کہا اور ہم دونوں نے نفی میں اپنے سر ہلا دیے!

وہ ہمیں لے کر چھولداری سے باہر آ گیا۔ باہر نکلتے ہوئے بندر میرے شانے پر سے اُتر گیا تھا۔ ایک کھلی ہوئی مسطح جگہ پر وہ رک گیا۔

"چھولداری میں باہر سے ہماری باتیں سنی جا سکتی تھیں۔" وہ قدرے مسکرایا اور موٹے موٹے سیاہ ہونٹوں کے پیچھے اُس کے موتی جیسے دانت چمکنے لگے!

"احتیاط اچھی چیز ہے!" میں نے اُس کی تائید کی۔

"تم دونوں لباس تبدیل کر لو۔" اُس نے کہا۔ "اور سامان بیچنے والوں میں شامل ہو جاؤ۔ عمارہ میں ہم نے کچھ مصری کارکنوں کا حساب بے باق کر دیا ہے جو سوڈان جانے کے لیے آمادہ نہیں تھے اور ہماری نفری کم رہ گئی تھی۔ اجرت میں تمہیں کھانے پینے کے علاوہ یومیہ پانچ مصری پاؤنڈ ملیں گے اور اگر ضرورت پیش آئی تو اداکاری یا مسخرے پن سے شفقت تک ہر کام کے لیے تیار رہنا ہو گا۔"

"ہمیں تمہارا ہر فیصلہ منظور ہے!" میں نے کہا۔

"سرکس میں میری حیثیت ثانوی ہے مگر سرکس کا مالک میرے مشورے پر تمہیں اپنی ٹیم میں شامل کر لے گا... اور یہاں تم

اپنے نام بھی بدل لو تو بہتر ہوگا۔"

"مجھے یہ جان کر خوشی نہیں ہوئی کہ سرکس میں اس کی حیثیت ثانوی تھی لیکن نام کی تبدیلی کے بارے میں اس کا مشورہ مناسب تھا۔"

"میرا نام جمال اور اس کا توفیق ہوگا۔" ہاشم نے کہا۔ "لیکن سرحد عبور کرنے کے وقت ہمارے کاغذات کا کیا ہوگا؟"

"سرحد سے آنے جانے والے قافلوں کے پاس اجتماعی اجازت نامے ہوتے ہیں جن میں صرف شرکاء کی تعداد ہوتی ہے۔" وہ دھیمی آواز میں بولا۔ "سرحد عبور کرتے وقت ہر شخص کو ایک نام پیش کرنا ہوتا ہے کوئی خاص جانچ پڑتال نہیں ہوتی۔"

"ہمیں لباس خریدنا ہوگا؟" ہاشم نے سوال کیا۔

"نہیں سب کچھ یہیں سے مل جائے گا میرے ساتھ آؤ!" ابوسلطان نے کہا اور ایک طرف چل دیا ہم دونوں اس کے پیچھے ہو لیے۔

سرکس کا مالک ایک دراز قامت اور صحت مند نظر آنے والا مصری تھا۔ وہ اپنے خیمے میں ایک لڑکی کے ساتھ بیٹھا قہوہ پی رہا تھا لڑکی کے بدن پر موجود مختصر لباس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ سرکس کے عملے میں شامل تھی!

ابوسلطان پر نگاہ پڑتے ہی وہ لڑکی فوراً وہاں سے چلی گئی اور سرکس کا مالک بھی قدرے سنبھل کر بیٹھ گیا جس سے ظاہر ہوا کہ وہ ابوسلطان کا کافی لحاظ کرتا تھا!

"جمال اور توفیق!" ابوسلطان نے باری باری ہم دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ دونوں سرحد تک ساتھ دینے کے لیے آمادہ ہیں۔"

"تمہیں پورا اختیار ہے۔" سرکس کے مالک نے کہا۔ "انہیں کام سے لگا دو!"

"آؤ۔" ابوسلطان یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

"سرکس کا مالک لڑکیوں کے معاملے میں بڑا حساس ہے۔" راستے میں وہ کہنے لگا۔ "بس ان سے دور رہنا۔"

ایک خیمے میں ہم نے نئی شرٹس اور پتلونیں پہنیں اور پھر خیمے وغیرہ اکھاڑنے میں مصروف ہو گئے۔

سرکس کے عملے کے پرانے اراکین نے بڑے سرسری انداز میں ہماری موجودگی کو قبول کیا جیسے نئے لوگوں کی آمد و رفت ان کے لیے انوکھی بات نہ ہو!

ان لوگوں سے باتوں باتوں میں بہت سے نکتے معلوم ہوئے جن میں اہم ترین یہ تھا کہ صحرائی راستوں پر سفر کرنے والے سرکسوں میں سفری صعوبتوں کے باعث جانوروں کی تعداد کم ہوتی ہے۔ صرف وہی جانور رکھے جاتے ہیں جو سفر کی دشواریاں سہہ سکیں لہٰذا

جب وہ لوگ کسی جگہ شو کرتے ہیں تو ان کی آمدنی کا تناسب [illegible] زیادہ ہوتا ہے جس کا سبب سڈول بدن والی حسین و جمیل [illegible] رقاصائیں ہوتی ہیں!

دوپہر تک مجھے سرکس کے عملے کی تعداد کا علم ہو چکا [illegible] سرکس کے مالک اور ابوسلطان کے علاوہ تین سوڈانی لڑکیاں [illegible] تھیں جن میں سے ایک پورے سرکس کا مالک دل و جان سے [illegible] باقی عملے میں سات سوڈانی اور تین مصری شامل تھے اس [illegible] پوری جماعت سترہ نفوس پر مشتمل تھی۔

باربرداری اور سواری کے لیے اس قافلے میں بارہ اونٹ تھے جن کی نگہداشت کے لیے ایک کل وقتی [illegible]

دوپہر کا کھانا سب لوگوں نے ایک جگہ بیٹھ کر [illegible] کے بعد کام میں تیزی آتی چلی گئی۔ دوپہر کے بعد سرکس کی [illegible] تماشا دیکھنے والوں کی تعداد بھی بڑھ گئی تھی لیکن ان کو ایک [illegible] مقام سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں تھی!

ٹھیک چار بجے پورا قافلہ اپنے صحرائی سفر پر روانگی [illegible] تیار تھا۔ چھولداریوں اور لمبے لمبے صندوقوں کے علاوہ [illegible] چھوٹے بڑے گٹھڑیوں کی بھی خاصی تعداد اونٹوں پر لادی [illegible] آ رہی تھی!

مجھے لوگوں سے معلوم ہوا تھا کہ عارضہ سے روانگی کے [illegible] اگلی منزل ایک صحرائی نخلستان تھا جہاں تقریباً سو سوا سو افراد [illegible] آبادی تھی۔ اگلے روز گیارہ بجے صبح تک وہاں پہنچنے کی [illegible] تھے اور چند گھنٹوں کے قیام کے بعد شاید اگلی منزل کی جانب [illegible] عمل میں آتی!

سرکس کے مالک نے اپنی اونٹنی پر آخری بار چکر لگا کر [illegible] بکار وہاں کا جائزہ لیا۔ سارا مال و اسباب لادا جا چکا تھا ہم [illegible] جانوروں اونٹوں پر سوار تھے۔ دریچہ غالباً عارضہ ہی میں کسی سے [illegible] پہ لیا گیا تھا کیونکہ وہ واپس لے جایا جا چکا تھا!

ساڑھے چار بجے ابوسلطان نے اپنی بھاری آواز میں [illegible] کا حکم دیا اور سارے اونٹ حرکت میں آ گئے۔ عارضہ کے [illegible] کا چیختا چلاتا ہجوم اونٹوں کے پیچھے ہو لیا۔ بعض منچلے ان [illegible] پر کنکر وغیرہ مار رہے تھے جن پر سرکس کی رقاصائیں سوار [illegible] سرکس کے مالک کو ان سب حرکات کا علم تھا لیکن وہ ان [illegible] سے انجان بنا ابوسلطان کے ہمراہ سب سے آگے چلا جا رہا [illegible] اُسے کسی سے کوئی واسطہ نہ ہو!

قافلے کی رفتار میں تیزی آنے کے ساتھ ہی الوداع [illegible] والے تماشائیوں کی بھیڑ چھٹنے لگی اور چند سو گز دور [illegible] میدان بالکل صاف ہو گیا!

وہ منظر میرے لیے بہت عجیب اور طلسماتی تھا!

عارضہ کا مختصر سا قصبہ پیچھے رہ گیا تھا اور ہمارے سامنے دور دور تک ریت کا یکساں میدان پھیلا ہوا تھا۔ زرد ریت سورج کی روشنی میں پگھلے ہوئے سونے کی لہروں کی طرح چمک رہی تھی! دن بھر کا تھکا ہارا سورج آہستہ آہستہ مغرب کی سمت جھکتا جا رہا تھا اور اس ماحول میں سترہ انسانوں کا وہ ہنستا بولتا کارواں اپنی منزل کی طرف رواں تھا!

سارے اونٹ ایک قطار میں چلے جا رہے تھے میرے آگے ایک لڑکی کا اونٹ تھا۔ پیچھے ہاشم چلا آ رہا تھا۔ آگے والی لڑکی نے ایک دو بار سر گھما کر میری طرف دیکھا تھا مگر میں اس کی حوصلہ افزائی کی ہمت نہ کر سکا کیونکہ اسے میں سرکس کے مالک کے ہمراہ اس کی چھولداری میں قہوہ نوشی میں مصروف دیکھ چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ابوسلطان کا اونٹ قطار سے الگ ہو گیا اور اس کی رفتار بھی کم ہو گئی سب لوگ یکے بعد دیگرے اس سے آگے نکلتے رہے اور وہ قطار کے آخر میں ہو لیا۔

میرے لیے یوں خاموشی سے چلتے رہنا دشوار تھا لہٰذا کچھ دیر بعد میں نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی اور ابوسلطان کے ساتھ جا پہنچا۔

مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار نظر آئے اس کی گود میں بیٹھا ہوا بندر رسی سے بندھا ہونے کے سبب محض غرّا کر رہ گیا۔

"اگر کوئی مصلحت ہے تو میں واپس اپنی جگہ چلا جاتا ہوں۔" میں نے اپنا اونٹ اس کے پہلو میں لا کر دھیمی آواز میں کہا۔

"صحرائی سفر میں نظم و ضبط بہت اہم ہوتا ہے۔" وہ خشک لہجے میں بولا۔ "اگر ہر ایک یوں ہی بے لگام ہو کر اپنی جگہ بدلتا رہا تو قافلے کی رفتار پر اثر پڑنے لگا۔"

"آئندہ احتیاط رکھوں گا۔" میں نے غصہ ضبط کر کے کہا۔ "اس وقت تم سے چند باتیں کرنے آیا ہوں جو بہت ضروری ہیں۔"

اس نے غور سے میری طرف دیکھا پھر ہم دونوں نے ہی اپنے اونٹوں کی رفتار سست کر دی۔

"سنا ہے کہ ہم لوگ راستے کی بستیوں میں کھیل تماشے دکھاتے ہوئے جائیں گے۔" میں نے قافلے سے پیچھے رہ جانے پر کہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو مگر یہ ضروری ہے اگر ہم دوسرے لوگوں کے برعکس ہمارا سرکس بستیوں سے کترا کر گزرا تو یقیناً ہم پر شبہ کیا جائے گا صحرائی بستیوں والوں سے ہمیں خاصی معقول آمدنی ہوتی ہے!"

"یہ سارا سامان کھولنا اور لپیٹنا ہی دشوار ہوگا ہم جلد سے جلد سرحد عبور کرنا چاہتے ہیں۔" [illegible]

سے پہلے تو سرحد عبور نہ کر سکیں گے!"

"اب تم میرے ساتھ ہو یہ سارے مسائل مجھ پر چھوڑ دو!" اُسے اپنی ذات پر ضرورت سے زیادہ اعتماد تھا۔ "چھوٹی آبادیوں میں ہم کھلے آسمان کے نیچے تماشا دکھائیں گے راستے میں صرف ایک بڑی آبادی آتی ہے جہاں ہمیں پنڈال وغیرہ لگانا ہوگا۔ سے ہو سکتا ہے کہ وہاں ہم کوئی بہانا تراش کر جان چھڑا سکیں!"

"میرے پاس ایک پستول ہے!" میں نے قدرے توقف کے بعد جھجکتے ہوئے کہا۔ "اسے راستے میں پھینک دینے سے قبل تمہارا مشورہ چاہتا ہوں!"

"رہنے دو!" وہ ہنس کر بولا۔ "صحرائی سفر میں اسلحہ پانی سے زیادہ ضروری ہوتا ہے لیکن ہدایت کے بغیر اسے استعمال نہ کرنا!"

پھر ہم دونوں اپنی اپنی جگہ آ گئے!

"کیا اٹھانے گئے تھے؟" مجھ سے آگے والے اونٹ پر بیٹھی ہوئی رقاصہ کو اس بار مجھے مخاطب کرنے کا بہانا مل گیا اس کا لہجہ بے حد شوخ تھا!

"اگر سرکس کے مالک نے تمہیں اس لہجے میں مجھ سے بات کرتے سن لیا تو تمہاری چمڑی اُترا لے گا۔" میں نے کہا۔

وہ ہنس پڑی۔ "بالکل ہی گاؤدی ہو۔ ہم ہوا کی مخالف سمت میں بڑھ رہے ہیں اور وہ سب آگے جا رہے ہیں ہماری آوازیں کیسے سن لے گا۔"

"اس کا دست راست پیچھے ہے!"

"خلیل جبل خود نہیں ہے۔" وہ بولی۔ "وہ اپنے کام سے کام رکھتا ہے!" اسی اثنا میں وہ بتدریج اپنا اونٹ میرے برابر میں لے آئی۔

"جب سرکس کا مالک تم پر فدا ہے تو تم دوسروں کو کیوں تکتی ہو؟" میں نے دھیمی آواز میں اس سے سوال کیا۔

"عورت آقا نہیں ایک چاہنے والا ساتھی تلاش کرتی ہے! آخر تمہاری نظر مجھ غریب پر ہی کیوں پڑی! سرکس میں اور بھی تو بہت سے مرد ہیں!" میں نے اس کی حوصلہ شکنی کرنے کی نیت سے کہا۔

"اسے تم ...."

اس کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ عقب میں یک بیک ایک تیز آواز سنائی دی تھی۔ میں نے بوکھلا کر سر گھمایا تو قافلے سے خاصی دور فضا میں ایک ہیلی کاپٹر پرواز کرتا نظر آیا۔ جو تیزی سے آگے بڑھتا آ رہا تھا۔

یک بیک میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

وہ ہیلی کاپٹر زمین سے خاصا بلند تھا مگر اس کے پنکھوں

سے پیدا ہونے والی ہوا صحرا کے سینے پر ریت کا گرداب بنا رہی تھی اور میری آنکھوں میں اکیس برس قبل کے واقعات پھرنے لگے تھے۔

ناگہانی طور پر نمودار ہونے والا وہ ہیلی کاپٹر میرے لیے کوئی نیک شگون نہیں تھا بلکہ مجھے تو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ فضائی عفریت قافلے ہی کے تعاقب میں ہو۔

"آنے والے شاید فوجی ہیں۔" صحرا میں ابو سلطان کی کرخت آواز گونجی "سب لوگ معمول کے مطابق بڑھتے رہو، ہو سکتا ہے کہ وہ کہیں آگے جا رہے ہوں۔"

یہ اعلان کرنے کے لیے وہ اپنے اونٹ کو آگے بڑھا لایا تھا۔

قافلہ بڑھتا رہا لیکن سواروں کی نگاہیں جیسے آسمان پر جمی ہوئی تھیں۔ نوزائیدوں سے قطع نظر میری اندرونی کیفیت بڑی خراب تھی اور میں خود کو بدترین امکانات کے مقابلے کے لیے تیار کرنے میں مصروف تھا۔

ہیلی کاپٹر ہمارے قافلے پر سے گزرا تو اوپر سے پڑنے والے ہوا کے دباؤ اور انجن کے شور کے باعث چند اونٹ بری طرح بھڑکے مگر ساربانوں نے فوراً ہی انھیں گھیر لیا اور قافلے کو انتشار سے بچا لیا۔

وہ فوجی ہیلی کاپٹر کچھ دور جا کر ریت کے زبردست غبار میں صحرا کے سینے پر اتر گیا اور اسی کے ساتھ خلیل کی ہدایت پر اونٹوں کو ٹھہرا لیا گیا۔

اعصاب شکن سنسنی کے لمحات شروع ہو گئے۔ ہر نگاہ دہشت پر ٹھہرے ہوئے عفریت کی طرف نگراں تھی۔

پنکھے رک جانے کے بعد جب ریت کا طوفان ماند پڑا تو ادھر سے چار باوردی فوجی قافلے کی طرف بڑھتے نظر آئے۔ ان میں سے تین کے ہاتھوں میں اسٹین گن کی قسم کا کوئی اسلحہ نظر آ رہا تھا۔

خلیل چلایا اور اونٹوں کی مہاریں کھینچ لیں۔ سارے اونٹ یکے بعد دیگرے بلبلا تے ہوئے ریت پر بیٹھ گئے۔

وہ چاروں تیزی کے ساتھ بڑھتے ہوئے قریب آ گئے۔ غیر مسلح شخص بقیہ تینوں سے آگے آ گیا۔ وہ کوئی اعلیٰ افسر معلوم ہوتا تھا۔

"میر کارواں کون ہے؟" اس نے تحکم آمیز بھاری آواز میں سوال کیا اور سرکس کا مالک اپنے اونٹ سے اتر کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

"کیا نام ہے تمھارا؟" فوجی افسر نے سوال کیا۔

"جوزف امین!" سرکس کے مالک کی آواز آہستہ ہو رہی تھی۔

"قافلے والوں سے تمھارا کیا واسطہ ہے؟"

"یہ سرکس ہے میرا۔" وہ بولا "ہم چند گھنٹے پیشتر سواکن روانہ ہوتے ہیں اور اُم درمان ہماری منزل ہے۔"

"ٹھیک۔" فوجی افسر تحسین آمیز لہجے میں بولا "یہ ہم معلوم کر آئے ہیں اور تمھیں بتانا چاہتے ہیں کہ کچھ خطرناک قاتل قاہرہ کے نواح میں اہم سرکاری اہلکاروں کو ہلاک کرنے کے بعد شاید صحرا کی طرف فرار ہوتے ہیں اور ہمیں ان کی تلاش ہے... تمھیں کچھ معلوم ہے ان کے بارے میں؟"

جوزف نے بے بسی سے نفی میں سر ہلایا مگر ابو سلطان بڑبڑا گیا۔ "یہ انہی تیس قاتلوں کا قصہ تو نہیں جن کی گرفتاری کی اطلاع دینے والے کے لیے ریڈیو سے پچیس ہزار پاؤنڈ کے انعام کا اعلان کیا گیا ہے؟"

"ہاں۔" فوجی افسر خوش ہو گیا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ ان ہی اطراف میں بھٹک رہے ہوں۔ اگر تمھیں صحرا میں کوئی بھٹکا ہوا اجنبی ملے تو اسے قریب ترین آبادی میں پولیس کے حوالے کر دینا اور سفر کے دوران محتاط رہنا۔"

"بہت بہتر۔" جوزف امین نے سر ہلا کر کہا۔

"ہم نہیں چاہتے کہ کوئی بے گناہ مسافر صحرا میں ان سفاک قاتلوں کا نشانہ بنے۔ تم بہتر ہے کہ اپنی حفاظت کے انتظام تم خود ہو گئے۔"

ڈوبتے سورج کی روشنی میں ان چاروں فوجیوں کا منظر بہت پیچ دار نظر آتا تھا اور ہیلی کاپٹر پرواز کر کے فضا میں بلند ہوا تو قافلے میں ہلچل سی پیدا ہو گئی۔

جوزف نے ابو سلطان سے مشورے کے بعد ایک بڑا سا چوبی صندوق کھلوایا جسے دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔

اس چوبی صندوق میں بڑے بور کی کچھ رائفلیں موجود تھیں جن کی تعداد آٹھ تھی اور بھاری تعداد میں کارتوس بھی موجود تھے۔

جوزف نے اسلحہ تقسیم کرنے سے پہلے نئی صورت حال کی وضاحت کرتے ہوئے سختی سے حکم دیا کہ جب تک وہ اشارہ نہ کرے اسلحہ استعمال نہیں کیا جائے گا۔ اور پھر وہ آٹھوں رائفلیں تقسیم کر دی گئیں۔

مجھے اور ہاشم کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا اور قافلہ ایک بار پھر اپنی راہ پر چل پڑا۔

اس بار قطار والی ترتیب توڑ دی گئی تھی۔ جوزف اور ابو سلطان آگے چل رہے تھے۔ باقی تمام اونٹ ایک جھنڈ کی صورت میں ان کے پیچھے تھے، البتہ بغیر مسافر والے بار بردار اونٹ

چلنے پر مجبور تھے کیونکہ ان کی مہاریں لمبی ڈوریوں کے ذریعے ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھیں۔

سفر کا دوبارہ آغاز خوف کی فضا میں ہوا مگر سورج غروب ہونے کے بعد ماحول پر خوشگوار سی کیفیت طاری ہونے لگی اور ایک شخص نے اونٹوں کے گلوں سے جھولتی ہوئی گھنٹیوں کے ترنم سے متاثر ہو کر ایک صحرائی نغمہ چھیڑ دیا جس میں فوراً ہی دو تین آوازیں شامل ہو گئیں۔

"تم خوفزدہ تو نہیں ہو؟" اپنے قریب ایک مدھم نسوانی آواز سن کر میں چونک پڑا۔

جوزف امین کی لے پالک بیٹی سمیرا قاسم ایک مرتبہ پھر اپنا اونٹ میرے قریب لے آئی تھی۔

"تم سے؟" میں نے برجستہ سوال کیا۔

"صحرا میں قاتل گھوم رہے ہیں۔" وہ آہستہ سے بولی "اور اسلحہ تقسیم کیا جا چکا ہے۔"

"ایک سرکس میں اتنے اسلحے کا کیا کام؟ یہ میری سمجھ میں نہیں آیا ہے۔"

"وادی العلاقی میں قریب العربین نامی صحرائی راستے پر قزاق حملے کرتے ہیں۔ اس وادی سے گزرنے سے قبل ہر قافلہ مسلح سنبھال لیتا ہے مگر اس بار تو ہمیں ابتدا ہی سے مسلح ہونا پڑ گیا ہے۔" اس نے کہا۔

"ہماری اگلی منزل کتنی دور ہے؟"

"الخیرہ!" اس نے کہا۔ "اگر حالات یوں ہی سازگار رہے تو صبح سویرے ہم وہاں پہنچ جائیں گے۔"

"تم اس سرکس میں کب سے ہو؟"

"سات برس پہلے جوزف نے مجھے خریدا تھا۔ جبھی کی قیمت سے اس کے لیے کام کر رہی ہوں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

اس کا جواب سن کر میری کھوپڑی دھمک اٹھی۔ بیسویں صدی کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی بعض خطے ایسے تھے جہاں انسانوں کی خرید و فروخت جاری تھی۔

"مصر میں تو انسانوں کی خرید و فروخت ممنوع ہے!"

"جوزف نے مجھے سوڈان میں خریدا تھا۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔ "یہ شرمناک دھندا وہاں بھی غیر قانونی ہے لیکن میں اس سے فرار ہو کر کہیں پناہ حاصل نہیں کر سکتی۔ بردہ فروشوں کے ہاتھ قانون سے زیادہ مضبوط ہیں۔"

جوزف امین خود بردہ فروش نہیں تھا مگر لڑکیوں کی خریداری کر کے وہ اس شرمناک جرم کی سرپرستی کا مرتکب ہو رہا تھا۔ اس وقت وہ میرے نزدیک قابل نفرت تھا مگر میرے دل میں اس کے لیے نفرت کی ایک چنگاری سلگ اٹھی تھی۔

اندھیری رات میں آسمان پر تارے جگمگا رہے تھے اور پیچھے تاحد نظر ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اس اندھیرے کا وہ لامتناہی سمندر وقت اور سمت کے ادراک سے یکسر عاری تھا مگر جوزف امین شاید ان صحرائی راستوں کا کیڑا تھا کیونکہ وہ نہایت اعتماد سے مختلف زاویوں پر راستے تبدیل کر رہا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" لڑکی نے مجھے ٹوکا۔

"کچھ نہیں۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "تم مجھ پر اتنا کرم کرو کہ دوران سفر مجھ سے دور رہو ورنہ ہم ساری مشکل میں پڑ جائیں گے۔"

اس کے بعد اس نے مجھے مخاطب نہیں کیا۔ شاید وہ میرے لب و لہجے سے ڈر گئی تھی کہ کہیں میں جوزف سے اس کی شکایت نہ کر دوں۔

میرے لیے وہ سفر ایک انوکھا تجربہ ثابت ہو رہا تھا۔ اس پوری بھیڑ میں صرف ہاشم ہی ایسا شخص تھا جس پر مجھے پورا اعتماد تھا ورنہ ابو سلطان جیسے سخت گیر اور متکبر شخص کے ساتھ سمجھوتہ کرنا میرے لیے خاصا مشکل تھا اور جوزف امین کے کردار سے متعلق یہ حقائق منکشف ہونے کے بعد تو میں اس سے تقریباً متنفر ہی ہو گیا تھا مگر اس کے باوجود میں ان لوگوں کے ساتھ اپنی سلامتی کا اہم ترین سفر جاری رکھنے پر مجبور تھا۔

وقت کی رفتار صحرا میں تھم سی گئی تھی۔ اونٹ ہچکولے لیتے تیزی سے آگے بڑھتے جا رہے تھے لیکن اندھیرے کا وہ سمندر ختم ہونے کا نام نہ لیتا تھا۔ پھر گانے بجانے والوں کی آوازوں پر بھی تھکان غالب آنے لگی۔

صبح کا اولین دھندلکا نمودار ہوا تو ہمارے چاروں طرف ریت ہی ریت تھی مگر پھر تھوڑی دیر بعد سامنے ایک آبادی کے آثار نظر آنے لگے۔

سورج طلوع ہونے سے پہلے ہمارا قافلہ اس آبادی میں داخل ہو گیا۔

الخیرہ کی اس مختصر سی بستی کے مکین سحر خیز تھے کیونکہ کاروں کی گھنٹیوں کی آواز سن کر وہاں چند افراد مکانوں سے باہر نکل آئے تھے۔

جوزف ان لوگوں کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ شاید وہ پہلے بھی اپنا سرکس لے کر اس راستے سے گزرتا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہمارا پورا قافلہ پتھروں کی دیوار والے ایک مشتمل احاطے میں داخل ہو گیا جہاں اونٹوں کی خاصی تعداد موجود تھی۔ اونٹ وہاں چھوڑ دیے گئے۔ سازو سامان اتار کر ایک طرف ڈھیر کر دیا گیا۔ جوزف نے آٹھوں رائفلیں بھی واپس لے کر خالی کر دیں۔

"اس بار تمھارے ہاتھوں میں اسلحہ کیوں ہے؟" ایک بوڑھے

نے حیرت کے ساتھ جوزف سے سوال کیا۔

"کچھ خطرناک مجرم صحرا میں بھٹک رہے ہیں۔ تم لوگوں کو بھی چوکنا رہنا چاہیے۔" جوزف نے جواب دیا۔

"دو دن پہلے قاہرہ میں بار بار ریڈیو سے اعلان ہو رہا ہے۔" کسی اور شخص نے تحیر آمیز لہجے میں دریافت کیا۔

"ہاں۔ ابھی تک ان کا سراغ نہیں ملا ہے۔ فوجی افسر صحرا میں دور دور تک انہیں تلاش کر رہے ہیں۔" جوزف نے کہا اور اس وقت مجھے احساس ہوا کہ اسے میری اور ہاشم کی اصلیت کے بارے میں ذرا بھی علم نہیں تھا۔

اسی احاطے میں ایک چھپر کے نیچے پیال کا فرش بچھا ہوا تھا۔ خورد و نوش کی مختصر سی محفل کے بعد سب نے وہیں جگہ سنبھال لی۔

اونٹ کی پشت پر چودہ پندرہ گھنٹے گزارنے کے بعد میرا جوڑ جوڑ شل ہو کر رہ گیا تھا۔ بستر پر لیٹتے ہی میں ایسا بے خبر ہو کر سویا کہ دنیا و مافیہا کی کوئی خبر نہ رہی۔ اگر ہاشم شیخ سے بیدار نہ کرتا تو شاید میں رات گئے بھی خود سے بیدار نہ ہوتا۔

منہ ہاتھ دھونے کے بعد میں نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا۔ باقی لوگ شاید پہلے ہی فارغ ہو چکے تھے۔

کھانے کے بعد میں چہل قدمی کے لیے باہر نکل گیا۔

الفیرہ بحیرہ روم کے ساحل پر ایک مختصر سی سرسبز و شاداب بستی تھی جس کے مکینوں کی زندگی اور روزی کا تمام تر انحصار میٹھے پانی کے ان دو کنوؤں پر تھا جو درختوں کے جھنڈ میں گھرے ہوئے تھے۔ وہ بستی بمشکل ساٹھ یا ستر مکانات پر مشتمل تھی اور جس کے بارے میں یقین کرنا دشوار تھا کہ ان مکانوں میں رہنے والے صحرانشین اتنے خود کفیل تھے کہ بیرونی دنیا سے کوئی رابطہ نہ ہونے کے باوجود بے فکری سے اپنی زندگی بسر کر رہے تھے اور انہیں محرومی کا کوئی احساس نہیں ستاتا تھا۔

لیکن بعد میں ہاشم سے پتا چلا کہ کپڑے، چائے، تمباکو اور نمک کے لیے ان کا انحصار الفیرہ سے گزرنے والے قافلوں پر تھا۔ پانی، اناج، جانوروں کے چارے اور دوسری خدمات کے عوض وہ صرف اپنی ضرورت کی چیزیں لیا کرتے تھے۔

بستی میں چند لوگ رقاصاؤں کی محفل دیکھنے کے لیے منتظر تھے مگر جوزف نے پہلے ہی سے پیش بندی کر لی تھی۔ اس نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ ناچنے والیاں اس بار دوران سفر ہی بیمار ہو گئی تھیں اور اگر انہیں ناچنے پر مجبور کیا گیا تو ان کا قافلہ اپنا سفر جاری نہ رکھ سکے گا۔

"تو دو ایک روز یہاں رک جاؤ۔" ایک نوجوان نے مدھم لہجے میں جوزف سے کہا۔ "جب وہ صحت یاب ہو جائیں تو آگے چلے جانا۔"

"ہمارے پاس زیادہ مہلت نہیں ہے برخوردار!" جوزف نے نرمی سے جواب دیا۔ "تمہارا شوق پورا کرنے کے لیے ایک روز یہاں رکے گو تو سفر کا آخری روز فاقے میں گزرے گا۔ دیسے تم تجربہ کرو، مگر ہاں تو ایک آدھ گھنٹے کی محفل ضرور جمے گی۔"

ایک آدھ گھنٹے کی خبر آگ کی طرح اس نخلستان میں پھیل گئی اور لوگ چھوٹوں کے ساتھ احاطے کے باہر منڈلانے لگے۔

سورج غروب ہونے سے پہلے قافلے والے اونٹوں کو کے لیے تیار کرنے میں مصروف تھے۔ اور جوزف ابوسلطان سے مشورے کر رہا تھا اور پھر اسی دوران میں جوزف دو لڑکیوں اور ایک مرد کو ساتھ لے کر باہر چلا گیا۔

احاطے کے قریب جوار میں منڈلانے والے اس تیزی سے غائب ہونے شروع ہوئے کہ تھوڑی ہی دیر میں سناٹا چھا گیا۔ میں الگ تھلگ اکیلا بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا تو میری لڑکی نہ جانے کہاں سے میرے پاس آموجود ہوئی۔ وہ وہی لڑکی تھی جس نے راستے میں مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی کوشش کی تھی۔

"میرے بارے میں کیا سوچ رہے تھے؟" وہ میرے قریب بیٹھتے ہوئے دلآویز لہجے میں بولی۔

"مجھ پر اپنا وقت برباد نہ کرو لڑکی!" میں نے دھیمے لیکن سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "اگر تم جوزف سے بدظن ہو تو میں تمہاری کوئی مدد نہ کر سکوں گا۔"

وہ طنزیہ انداز میں ہنس پڑی۔ "بہت بزدل ہو۔ تم نے کیا کہ مجھ سے شادی کر لو اور مجھے جوزف کے چنگل سے نجات دلا دو۔ میں جانتی ہوں کہ ساری عمر مجھے اس کے اشاروں پر ناچنا پڑے گا۔ میں تو بس تھوڑا سا وقت ہنس بول کر اچھے انداز میں گزارنا چاہتی ہوں۔"

"جوزف اس وقت یہاں نہیں ہے لیکن یہ نہ بھولو کہ اس کا ہر تنخواہ دار اس کا مخبر بھی ہو سکتا ہے۔ وہ میرے اور تمہارے میل جول کو برداشت نہیں کرے گا۔"

وہ چند ثانیوں تک میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "کون کہتا ہے کہ تم اس سرکس میں نئے ہو؟ تم تو جوزف کی رگ رگ سے واقف ہو۔"

"جوزف جیسے نہ جانے کتنے لوگوں سے میرا واسطہ پڑ چکا ہے۔ یہ محض تجربہ ہے۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "تم تو اس کی زرخرید ہو اور آمدنی کا ذریعہ بھی۔ وہ تمہارا پیچھا نہیں چھوڑے گا، مگر میری زندگی دشوار بنا دے گا۔"

"تم بہت ہوشیار ہو۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "یہاں

بیابانی نفع ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ ایک دوسرے کے لیے مرد یا عورت ہونے کے بجائے محض چلتے پھرتے مجسمے ہیں جو جذبات سے عاری ہوتے ہیں۔"

"شاید اسی لیے تم سرکس کے سٹیج پر تماشائیوں کو مشتعل کرنے والی ہوتی ہو۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"ہاں۔" اس نے جھنجھلائے لہجے میں کہا۔ "مثلاً جیسے تو میں سٹیج پر منہ رقص پیش کروں۔ وہیں تو میری بکلی ہوتی ہے۔ اتنا ہی نہیں کہ سرکس میں ملازم مردوں کے لیے آگ میں جلتی ہوں۔ جن میں ہزاروں تماشائی ہیں، بدن کی ایک ایک جنبش پر۔ نہ جانے لذت کی کن کن منزلوں سے گزرتے ہوں گے۔"

"تو تم مجھے قربانی کا بکرا بنا رہی تھیں؟" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"شاید۔" وہ میرا بازو دبا کر بولی۔ "میرا خیال تھا کہ تم ہتھے چڑھ جاؤ گے تو میرا کچھ نہ بگڑے گا۔ ہاں جوزف تمہیں ذلیل کر کے ملازمت سے برطرف کر دے گا اور تم کوئی نئی ملازمت تلاش کر لو گے۔"

اسی لمحے فضا میں دف کا شور ابھرا اور پھر ایک صحرائی گانے کی لے سنائی دی جو مردانہ آواز میں تھی۔

"وہ ریت پر کچھ پتلیاں نچا رہا ہے۔" وہ لڑکی بولی۔ "تم دیکھنا کہ ناچ دکھا کر ان سے اتنا کچھ سمیٹ لے گا کہ اس بستی کے لوگ برسوں اپنی حماقت پر روتے رہیں گے۔"

"یہاں سے روانگی کب ہو گی؟"

"قافلہ تیار ہے۔" وہ بولی۔ "بس جس وقت بستی کے تماش بینوں کی فیاضی ماند پڑنے لگے گی، وہ واپس آ کر روانگی کا اعلان کر دے گا۔"

"نام نہیں بتایا تم نے اپنا۔"

"جمیلہ۔" اس نے کہا۔ "اور تمہارا نام شاید توفیق ہے؟"

میں اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ "اس سفر میں تم مجھ سے دور ہی رہو۔ اگر ممکن ہوا تو سوڈان پہنچ کر تم کو جوزف سے نجات دلانے کی کوشش کروں گا۔"

"یہ تمہاری خام خیالی ہے۔" اس کا لہجہ یک بیک سرگوشیانہ ہو گیا۔ "میں نے تو نجات کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ اگر کہیں بھاگ کر چھپ بھی جاؤں تو جوزف بھاری قیمت لگا کر مجھے اس سے خرید لے گا یا مجھے ہلاک کر دے گا۔"

"کیا یہ سوڈان کا کوئی بڑا شو والا ہے؟"

"بہت بڑا۔" اس نے کہا۔ "اس کے چار سرکس مصر آتے جاتے رہتے ہیں اور گیارہ سرکس سوڈان کے شہروں میں چلتے ہیں جن میں پھیلے ہوئے بدمعاش ملازم ہیں۔ وہ سب اس کی خریدی ہوئی لڑکیوں کی نگہبانی کرتے ہیں۔"

"ایسی لڑکیوں کی تعداد کتنی ہو گی؟"

"گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔" اس کا جواب سن کر میں ٹھٹھک کر رہ گیا کہ میں اس وقت حقیقی معنوں میں ایک بردہ فروش کی امان میں تھا۔

"اچھے دام ملیں تو وہ لڑکیوں کو بیچ بھی دیتا ہے۔" جمیلہ کہہ رہی تھی اور میرا ذہن جوزف سے بھٹک کر ابوسلطان میں الجھ کر رہ گیا۔

ابوسلطان قاہرہ میں اخوان الصفا کا مقامی امیر تھا اور وہ تنظیم قدامت پسندانہ کٹر مذہبی نوعیت کی سمجھی جاتی تھی لیکن ایک ایسی انتہا پسند مذہبی تنظیم کا ذمہ دار رکن ایک بردہ فروش غنڈے کا اس قدر گہرا دوست تھا کہ اس نے مصر کی حدود سے محفوظ فرار کے لیے اس بردہ فروش کے قافلے کا سہارا لیا تھا۔

میں نے اپنے ذہن میں ابوسلطان کی جو تصویر بنائی تھی وہ تقدس کے نور میں ڈوبی ہوئی اصولوں پر جان قربان کر دینے والے آدمی کی تصویر تھی۔ مگر وہ شخص اپنی جان پر سادے اصول قربان کرنے والا نظر آ رہا تھا۔

میرے دل میں جوزف کے ساتھ ابوسلطان سے بھی کراہت پیدا ہونے لگی۔

جمیلہ میرے پاس سے نہ جانے کب اٹھ گئی مگر میں اپنے خیالات میں ڈوبا رہا۔ میرے خیالات کا سلسلہ اس وقت ٹوٹا جب کھلی فضا سے آنے والی نغمہ و دف کی آوازیں شور و غل میں دم توڑ گئیں۔

چند منٹ بعد جوزف نخلستان سے واپس لوٹ آیا۔ دونوں رقاصہ لڑکیاں اور تیسرا شخص اس کے ساتھ تھا۔

اس محفل سے پیٹے ہوئے تو الف جوزف نے ایک متعفن صندوق میں ڈال دیے اور قافلہ روانگی کے لیے تیار ہو گیا۔

وہ بے حجاب لڑکیوں کے ناچ پر اپنی پونجی لٹانے والوں نے نہایت ادب اور احترام کے ساتھ ہمارے کارواں کو رخصت کیا اور کچھ دیر بعد ہم نے الفیرہ کے آثار کو پیچھے چھپتے ہوئے دھندلکے میں چھوڑ دیا۔

یہ مصر سے ہمارے سفر کا آغاز تھا۔ ریت کے سمندر میں مشرق کی سمت کا کارواں محض جوزف اور اس کی ہوا و ہوس کے سہارے بڑھتا رہا۔ راستے میں کئی جگہ پڑاؤ ہوئے، ناچ گانے سے تماش بینوں کے دل بہلائے گئے اور اگر حقیقت کا اظہار کیا جائے تو شاید قاہرہ سے نکلنے کے بعد وہ سرکس رقص و سرود کا بے حجاب مظاہرہ کرنے والوں کی جمعیت بن چکا

ہو چکا تھا۔

مجھے اس خطرناک خطے کا شروع سے انتظار تھا جو وادی العلاقی میں واقع تھا۔ ہم ایک چھوٹی سی بستی میں پڑاؤ کر کے آگے بڑھے تو بلند ریتیلے ٹیلوں کے درمیان گھاٹیوں سے گزرتے ہوئے مجھے ہر لمحے کسی حملے کا خوف لاحق تھا لیکن جوزف ابن الت اسی راستے پر بارہا سفر کر چکا تھا اور اس کا خیال تھا کہ صحرائی قزاق غیر مسلح قافلوں کو ہی اپنا نشانہ بناتے تھے جو چیونٹی کی طرح رینگتے ہوئے ضرب العربین نامی صحرائی راستے سے گزر جاتے ہیں۔

ضرب العربین سے گزرتے ہوئے ہمارے ہاتھوں میں آٹھ عدد ہوائی رائفلیں تھیں اور جوزف نے پہلے ہی بردار کو کھلی چھٹی دے دی تھی کہ خطرہ بھانپتے ہی بلا تردد فائر کر دیا جائے لہٰذا اس خطرناک گھاٹی میں ہم پر کوئی وار نہ ہوا اور ہم بحفاظت اس پُرخطر مقام سے گزر گئے۔

اس طویل صحرائی سفر کے چھٹے روز ہمارا قافلہ مصری سرحدی چوکی پر ٹھہرا ہوا تھا۔ اہلکاروں کے پاس اجازت نامے دیکھنے کے وسیع اختیارات تھے مگر جوزف ابن کھلے ہاتھوں ان کی مٹھی میں کچھ ڈالنے میں خاصا ماہر تھا۔

خادم بھر گئے اور قافلہ آگے بڑھ گیا۔

سوڈان کی حدود میں داخل ہو کر … نسبتاً زیادہ شریف تھا۔ ان کے لیے کسی خاص … ضرورت پیش نہ آئی اور ہمارا کارواں وادی حلفہ میں داخل ہو گیا۔

میرے لیے مصری سرحد سے گزرنا ایک صبر آزما مرحلہ تھا۔ اس سے نمٹتے ہی میرا دل چاہا کہ اپنے بردہ فروش محسن سے یکسر قطع تعلق کر لوں لیکن احتیاط کے تقاضوں کے پیش نظر میں ایسا نہ کر سکا۔

وادی حلفہ مصری سرحد سے ملحق تھی اور وہیں اسی نام کا اوسط درجے کا ایک شہر بھی تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد مجھے صحیح معنوں میں جوزف ابن کی حقیقت کا علم ہوا۔

وہ شاید کسی پیشگی اطلاع کے بغیر سوڈان پہنچا تھا مگر کارواں کے شہری حدود میں داخل ہونے سے پہلے ہی جوزف کی آمد کی خبر شہر میں پہنچ گئی اور راستے میں ہی کئی گاڑیاں آ پہنچیں۔ آنے والوں نے نہایت تپاک سے جوزف کا استقبال کیا اور پھر قافلے کے چند گنے چنے شرکا ان گاڑیوں میں چلے گئے۔ جوزف کے ساتھ جانے والوں میں ابوسلطان بھی شامل تھا۔ کچھ پیشہ ور ساربان قافلے کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ دیے گئے تھے جن کی رہنمائی میں ہمارا قافلہ پختہ سڑک کے کنارے شہر کی طرف بڑھنے لگا۔

"مبارک ہو۔" موقع پا کر ہاشم اپنا اونٹ میرے قریب لے آیا۔ "سوڈان پہنچ کر تم ہر پریشانی سے محفوظ ہو چکے ہو۔"

"مگر جوزف اور ابوسلطان کہاں غائب ہو گئے ہیں؟"

"خاموشی اور صبر سے انتظار کرتے رہو۔ شاید سوڈان میں جوزف ابن کسی بڑے رتبے کا مالک ہے۔"

"وہ بہت بڑا بردہ فروش ہے۔" میں نے موقع پا کر بار بار اسے اپنی معلومات سے آگاہ کیا۔ "وہ متعدد …"

"مگر مصر میں تو وہ بڑا مسکین نظر آتا تھا۔" ہاشم نے … سے کہا۔ "تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہے؟"

"جمیلہ!" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "اس سے کسی … مقام سے یہ باتیں معلوم ہوئی تھیں ورنہ میں بھی جوزف کو بے زبان سمجھ رہا تھا۔"

"اگر تمہاری معلومات درست ہیں تو جوزف یقیناً بڑا چکر چلا رہا ہے۔" وہ تشویش زدہ لہجے میں بولا۔ "ہمیں فوراً کنارہ کشی اختیار کر لینی چاہیے۔"

"میرا بھی یہی ارادہ ہے۔" میں نے اس کی تائید کی۔ "جمیلہ کا ٹھکانہ معلوم کر کے ہم اس سے رخصت ہو جائیں گے۔"

نصف گھنٹے کے سفر کے بعد قافلہ شہر میں داخل ہوا اور تھوڑی دیر بعد سوڈانی ساربانوں کی رہنمائی میں پورا قافلہ گلی میں بنی ہوئی ایک قلعہ نما چار دیواری میں داخل ہو گیا۔ جس میں وسیع احاطے کے علاوہ کمرے بھی بنے ہوئے تھے۔

احاطے کی بلند دیواروں کے ساتھ بنے ہوئے سائبانوں کے نیچے اونٹ بٹھا دیے گئے اور ایک شخص تمام مسافروں کو لے کر وسیع عمارت کی طرف چل دیا۔

اندر داخل ہوتے ہی ایک وسیع کمرے میں ابوسلطان اضطراب کے عالم میں ٹہلتا نظر آیا۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ آگے بڑھا اور اس نے میرا بازو تھام لیا۔ ہاشم بھی قریب ہی رک گیا۔

ابوسلطان اس وقت تک خاموش رہا جب تک کہ دیگر شرکا وہاں سے غائب نہ ہو گئے پھر وہ بدزبانی میں پھٹ پڑا۔

"تم نے میرا منہ کالا کرا دیا۔ جوزف کس کا خون …"

"کیا ہوا؟ کس کی بات کر رہے ہو؟" میں نے اپنے … اس کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"وہ لڑکی بھاگ گئی، جوزف بہت برہم ہے۔" … نے اضطراری لہجے میں کہا۔ اس وقت وہ خاصا …

"پہیلیوں میں بات نہیں بنے گی۔" میں نے اپنے … لیے تحمل کو … ہوئے کہا۔ "… نہیں سیدھی طرح بات کرو؟"

"تم میرے ساتھ آؤ۔" وہ گھورتے ہوئے بولا۔ "غضب ہو گیا … وہ تنہا نہیں گئی ہے تین لڑکیوں کو بھی اپنے ساتھ بھگا لے گئی ہے۔"

میں اس کی بہکی ہوئی گفتگو سے بہت کچھ اخذ کر چکا تھا۔ مگر میں نے انجان بن کر سوال کیا۔ "تم کس کی بات کر رہے ہو؟"

"جب میں نے اس لڑکی کو جوزف کے حوالے کیا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ میری ساکھ کو بٹہ لگا دے گی۔"

اس وقت تک ہم تینوں ایک کمرے میں داخل ہو چکے تھے۔

"شاید تم جمیلہ کی بات کر رہے ہو؟" کمرے میں پہنچنے کے بعد ہاشم نے دھیمے لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"وہ یہاں پہنچتے ہی نہ جانے کس طرف نکل بھاگی۔ اپنے ہمراہ جوزف کی تین زر خرید کنیزوں کو بھی لے گئی جو سفر میں ہمارے ساتھ تھیں۔" ابوسلطان نے … کی ایک چارپائی پر ڈھیر ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ بہت برا ہوا ابوسلطان!" ہاشم نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "وہ لوگ ایک لڑکی کی بھی حفاظت نہ کر سکے؟"

"وہ یہاں سے کسی چھلاوے کی طرح غائب ہوئی ہے۔" ابوسلطان جھلاتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "جوزف سے … اس کے فرار ہونے تک کسی کو بھی تم دونوں یا اس لڑکی کی اصلیت کا علم نہیں تھا ورنہ شاید جوزف اپنا سفر ترک کر کے سرکاری انعام کی رقم حاصل کرنے کو ترجیح دیتا۔"

"وہ جمیلہ کے بارے میں بھی لاعلم تھا؟" ہاشم نے حیرت سے سوال کیا۔

"نہ ہوتا تو تم بخیر و عافیت سوڈان میں داخل نہ ہو پاتے۔" وہ ہڑبڑاتے لہجے میں بولا۔

"مگر راستے بھر تو اس کا رویہ بہت معقول رہا۔" میں نے کہا۔

"اس کے ذہن میں دراصل کچھ شبہات سر ابھار رہے تھے۔ دوران سفر اس نے کم از کم چار مرتبہ مجھ سے دریافت کیا تھا کہ کہیں تم لوگوں کا اشتہاری مجرموں سے کوئی تعلق تو نہیں۔ وہ پیسے کے معاملے میں بہت حریص ہے۔"

"جمیلہ وادی حلفہ ہی سے غائب ہوئی تھی؟" ہاشم نے سوال کیا۔

"ٹرانزٹ کیمپ … کارواں کے ساتھ اسی عمارت میں مقیم … تین کنیزوں اور چار اونٹوں کے ساتھ وہ لاپتہ ہو گئی۔"

"ہو سکتا ہے کہ اسے اغوا کیا گیا ہو۔" میں نے کہا۔

"بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "وہ دیدہ دانستہ یہاں سے فرار ہوئی ہے۔ جوزف کے آدمی اس کی تلاش میں ہیں اور وہ جلد یا بدیر پکڑی جائے گی مگر اس کی وجہ سے میرے اور جوزف کے برسوں پرانے مراسم میں فرق آ گیا ہے۔"

"میری ایک بات کا جواب دو گے؟" میں نے قدرے توقف کے بعد جذبات سے عاری لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"کیا؟" اس کا انداز بیزاری… کھانے والا تھا۔

"اخوان الصفا دائیں بازو کی ایک کٹر اصول پرست تنظیم ہے اور تم اس کے ایک ذمہ دار رکن ہو؟" میں نے کہا۔

"آگے کہو، تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" وہ ناگواری کے ساتھ غرایا۔

"تم جانتے ہو کہ جوزف ابن کون ہے؟"

"صاف صاف کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"جوزف ابن سوڈان کا ایک بارسوخ بردہ فروش ہے۔۔۔"

"بس، خاموش ہو جاؤ۔" وہ میری بات کاٹ کر دھاڑا پھر ہاشم سے مخاطب ہو گیا۔ "اگر مجھے علم ہو جاتا کہ تم آستینوں میں ایک سانپ لیے پھر رہے ہو تو ہرگز تمہارے ساتھ تعاون پر آمادہ نہ ہوتا۔"

"لہجہ نیچا رکھو ابوسلطان!" میں نے تلخی سے کہا۔ "اگر جوزف نے سُن لیا کہ تم نے اسے دھوکہ دے کر مصر کے اشتہاری مجرموں کو سرحد عبور کرائی ہے تو شاید وہ تمہاری پشت پر خنجر گھونپنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔"

ابوسلطان کے پُرغرور چہرے پر پہلی بار تردد کے آثار نظر آئے۔ "آخر تم مجھ سے کیا توقعات باندھ رہے ہو؟"

"میرا پہلا کام تمہیں شرمندہ کرنا ہے۔" میں اس کی رنگت تبدیل ہو جانے پر اطمینان سے بولا۔ "تمہارے جیسے شخص کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ایک بدنام بردہ فروش سے اتنے قریبی مراسم رکھے۔"

"تم یہاں اجنبی ہو۔" وہ دانت پیس کر بولا۔ "سوڈان میں ہر ذی حیثیت شخص دو چار کنیزوں کا مالک ہوتا ہے۔"

"کیا یہ خرید و فروخت قانونی ہوتی ہے؟"

"نہ ہو، مقامی رسم و رواج قانون سے بالاتر ہوتے ہیں۔" وہ ڈھٹائی سے بولا۔ "سوڈان میں پچھلے کئی برسوں سے کسی پر بردہ فروشی کا الزام عائد نہیں کیا گیا۔"

"اس لیے کہ اس جرم کا ارتکاب کرنے والے بقول تمہارے ذی حیثیت لوگ ہوتے ہیں۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بکواس مت کرو۔" وہ غصے میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے

بولا: "اپنا مدعا بیان کرو کہ تم کیا چاہتے ہو؟"

"تم بھی غیر قانونی رجحانات کے مالک ہو۔" میں نے کہا: "اور تمہارے سوڈان کے زیرِ زمین عناصر سے قریبی روابط ہوں گے۔ میں مفرور لڑکی کا سراغ چاہتا ہوں۔ اگر اس کا بال بھی بیکا ہوا تو جوزف کے ساتھ تم بھی نتائج بھگتو گے!"

"مجھ پر حاوی ہونے کی کوشش نہ کرو۔" وہ غصیلے لہجے میں بولا: "جوزف کو یہ علم نہیں ہے کہ وہ لڑکی تمہاری ساتھی تھی۔ اس بارے میں اگر میں نے زبان بھی کھولی تو میری اور جوزف کی ٹھن جائے گی۔ کاش میں تمہارے معاملے میں نہ پڑا ہوتا!"

"قدرت بعض اوقات بُرے لوگوں سے بھی اچھے کام لیتی ہے!" میں نے اسے سلگانے کے لیے ہنس کر کہا: "تم اپنی فکر چھوڑ دو اور یہ بتاؤ کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"تم مجرم کی طرح خاموش کیوں ہو؟" ابوسلطان ہاشم پر برس پڑا: "یہ مصیبت تم ہی نے مجھ پر مسلط کی ہے!"

"تم تو شروع ہی سے سیتا کے ہمدرد تھے۔" ہاشم نے مدافعانہ لہجے میں کہا: "شاید سرکس میں ناچنے والی لڑکیوں نے اپنی دردناک کہانی سے اسے متاثر کر لیا ورنہ وہ کبھی ایسی حرکت کا ارتکاب نہ کرتی۔"

"جوزف کون ہے اور کیا کرتا ہے؟ ہمیں اس سے سروکار نہ ہونا چاہیے۔" وہ تلملاتے ہوئے لہجے میں بولا: "ہمارے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہمارا محسن ہے!"

"ہم احسان فراموش نہیں ہیں۔" ہاشم نرم لہجے میں بولا: "لیکن ہمارے لیے سیتا کی بازیابی بہت اہم ہے۔ تم یہ بات بخوبی جانتے ہو۔"

"جانتا ہوں!" وہ ملامت بھرے لہجے میں بولا: "کاش! میں نے شروع ہی میں رجب سے انکار کر دیا ہوتا۔ وہ میرے لیے زیادہ بہتر ہوتا۔"

"اب پھر کیا کرنا ہوگا؟" چند ثانیوں کی کشیدگی آمیز خاموشی کے بعد میں نے مدبرانہ لہجے میں بات کی۔

"پہلا مرحلہ جوزف کے اطمینان کا ہے۔" ابوسلطان متفکرانہ لہجے میں بولا: "وہ بُری طرح بپھرا ہوا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس مشکل مرحلے سے تم بخوبی نمٹ لوگے۔" ہاشم نے کہا: "اس میں ہمارا سامنے آنا مناسب نہ ہوگا۔"

"اب سب کچھ چوپٹ ہو جائے گا۔" وہ بولا: "پہلے پروگرام تھا کہ یہاں وہ دو دن کے لیے سامنے عملے کو چھٹی دے دے گا اور دو روز بعد سب لوگ ایک دن میں ام درمان روانہ ہو جائیں گے۔ میری خواہش تھی کہ میں تمہیں تمہارا اسباب بیباق کرا دیتا اور تم دونوں لمبے عرصے پر خرطوم پہنچ کر میرا انتظار کرتے!"

"سیتا کے بارے میں وہ ابھی سخت بپھرا ہوا ہے۔ [illegible] گھنٹوں بعد شاید وہ اعتدال پر آ جائے اس وقت تم [illegible] بہتر ہوگا۔"

"تم دونوں بہت محتاط رہو گے۔" اس نے گمبیر لہجے میں [illegible] "میری ہدایت کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھانا ورنہ مجھے [illegible] کو سنبھالنا دشوار ہو جائے گا۔"

"تم بے فکر رہو!" ہاشم نے اسے اطمینان دلایا۔

وہ ہمیں وہیں کمرا چھوڑ کر ایک طرف [illegible] ہم ایک دو کمروں میں بھٹکنے کے بعد اس طرف [illegible] کامیاب ہو گئے جہاں سرکس کے تمام اراکین کو ٹھہرایا [illegible]

"تم دونوں کہاں رہ گئے تھے؟" ہمیں دیکھتے ہی [illegible] خوانا بیتا لپکا جو شاید عملے کی دیکھ بھال پر مامور [illegible]

"حویلی بہت بڑی ہے۔ راستہ بھٹک گئے تھے۔" [illegible] نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ شخص بھی چلا گیا اور [illegible] لمبی قطار میں بنے ہوئے ان پانچ کمروں میں [illegible] بتانے لگے جہاں سب کو ٹھہرایا گیا تھا۔

میں جمیلہ سے مل بیٹھنے کی کوشش کرتا رہا [illegible] دھونے کے بعد موقع پا کر ہاشم سے کہا: "شاید اس سے [illegible] باتیں معلوم ہو سکیں۔"

ہاشم نے آنکھوں ہی آنکھوں میں میرے ارادے کی تائید [illegible] اور میں آہستگی کے ساتھ وہاں سے کھسک لیا۔

تینوں لڑکیاں ایک ہی کمرے میں مقیم تھیں اور [illegible] ان کے بولنے کی آوازیں سن کر مجھے ان کے کمرے کے تعین میں [illegible] پیش نہیں آئی۔

مجھے اپنے کمرے کے دروازے پر دیکھ کر وہ تینوں [illegible]

"یہ یہاں کسے ڈھونڈ رہا ہے؟" ان میں سب سے شوخ نظر آنے والی لڑکی نے معنی خیز لہجے میں کہا اور [illegible] کے ساتھ قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔

جمیلہ نہ صرف خاموش رہی بلکہ اٹھ کر میری طرف [illegible] اسے آتے دیکھ کر میں دروازے سے ہٹ کر راہداری میں آ گیا اور وہ میرے مقابل آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس وقت [illegible] نگاہوں میں سنجیدگی تیر رہی تھی!

"کیوں آئے ہو؟" اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں [illegible]

"اس بھیڑ میں صرف تم ہی کچھ مانوس نظر آئی ہو۔ باقی سب تو اپنی اپنی ذات میں مگن نظر آتے ہیں۔ [illegible] ملنے آ گیا تھا۔"

"[illegible] وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے ہو تو میرے ساتھ آؤ۔" وہ میرا ہاتھ تھام کر ایک طرف چل دی اور چند موڑ گھومنے کے بعد ہم ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے وہ سائبان صاف نظر آ رہے تھے جہاں قافلے کے اونٹ باندھے گئے تھے۔

جمیلہ اس نیم تاریک گلیارے میں ایک سیڑھی پر بیٹھ گئی۔ میں نے بھی اس کے پہلو میں جگہ سنبھال لی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" میں نے بیٹھتے ہی حیرت آمیز لہجے میں سوال کیا: "اونٹوں پر سے سامان اتارنے کے لیے اس قدر پہرے کی کیا ضرورت ہے؟"

میری نگاہیں ان لوگوں کا جائزہ لے رہی تھیں جو بظاہر [illegible] کیے جا رہے تھے اس احاطے میں جابجا مستعد کھڑے ہوئے تھے۔

"پہرے میں اسمگلنگ کا سامان اتارا جا رہا ہے!" جمیلہ کی دھیمی آواز سنائی دی: "اس وقت کوئی بھی مشکوک آدمی سامنے آ جائے تو بے دریغ مار دیا جائے گا۔"

"اسمگلنگ کا مال؟" میں نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں۔" وہ تلخ لہجے میں بولی: "جوزف امین احمق نہیں ہے جو ہر دورے کے لیے اپنا سرکس لے کر مصر جاتا ہے حالانکہ اس دورے سے بظاہر اتنی مالی منفعت وابستہ نہیں ہے کہ اس جیسا آدمی ان دوروں پر اپنا وقت برباد کرے۔"

"تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"مصر میں بعض افراد نے غیر قانونی طور پر آثارِ قدیمہ کا سراغ لگایا ہے۔" وہ رازدارانہ لہجے میں بولی: "اور انہوں نے اپنی دریافت کو حکومت سے پوشیدہ رکھا ہوا ہے۔ وہ چوری چھپے ان مقامات سے تمام قیمتی اشیاء مصر سے باہر لے جاتے ہیں اور زیرِ زمین عالمی منڈی میں شائقین کو بھاری داموں بیچتے ہیں۔ جوزف امین بھی فرعون کے دور کے ایک عظیم خفیہ مقبرے کا سامان غیر قانونی طور پر مصر سے سوڈان منتقل کرنے کے منصوبے پر کام کر رہا ہے اور اس وقت اس کے جان نثار ان اونٹوں پر سے وہ صندوق اتار رہے ہیں جن میں نوادرات کی قیمتی کھیپ پوشیدہ ہوگی۔"

"تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟"

"میں جوزف کی لاعلمی میں بہت کچھ جانتی ہوں۔" اس کا لہجہ دھیما لیکن پُر اعتماد تھا: "مجھے اس سرکس میں کافی [illegible] گیا ہے مگر میں نے ابھی تک یہ ذہنی غلامی من و عن قبول نہیں کی ہے۔ میں آج بھی مستقبل کے بارے میں پُر امید ہوں۔"

"افسوس کہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا!"

"یہاں کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔" وہ تلخ سی ہنسی کے ساتھ بولی: "آج جوزف غصے میں پاگل ہو رہا ہے۔ ہم سے پہلے مصر سے آنے والے اس کے سرکس میں شامل ایک نئی لڑکی تین ایرانی لڑکیوں سمیت بھاگ گئی ہے اور اس کے آدمی چار روز گزرنے کے باوجود ان میں سے کسی کا سراغ نہیں لگا سکے ہیں۔"

"یعنی وہ چاروں فرار ہو گئیں؟"

"ہاں — چار لڑکیاں بھاگ گئیں مگر چالیس مرد ابھی تک ان کا سراغ نہیں لگا سکے حالانکہ وادی حلفہ سے صرف ایک ہی شاہراہ صحرائے نوبی کی طرف جاتی ہے۔ اس شاہراہ کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔"

"نئی لڑکی کون تھی؟" میں نے سوال کیا۔

"ہوگی کوئی۔" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی: "ہم سب سے بہرحال بہتر تھی کہ حالات سے سمجھوتہ کرنے کے بجائے کچھ کر گزری۔"

"تم چاہو تو اپنے ساتھ ہی متعدد دوسری لڑکیوں کو بھی اس کے چنگل سے نجات دلا سکتی ہو۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"تم ایسا کیسے سوچتے ہو؟"

"ایسا نہیں ہے، حقیقت بتا رہا ہوں۔" میں نے کہا: "آثارِ قدیمہ اور نوادرات ہر علاقے کا قومی ورثہ ہوتے ہیں اور ان کے تحفظ کے لیے بین الاقوامی قانون ہوتے ہیں!"

"قانون!" وہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑی: "جوزف جیسے لوگ قانون سے نہیں ڈرا کرتے۔ ان کے لیے صرف طاقت درکار ہوتی ہے!"

"قانون کی پشت پر طاقت بھی ہوتی ہے۔ تم مخبری کر کے بآسانی اسے رنگے ہاتھوں گرفتار کرا سکتی ہو!"

"صبح کا اُجالا پھیلنے سے قبل سوڈانی پولیس میری خودکشی کے اسباب کی تفتیش کر رہی ہوگی۔" وہ بولی: "اپنے مشورے تم اپنے پاس ہی رکھو!"

"دراصل تم بزدل ہو۔" میں نے کہا: "آخر وہ لڑکی تین کو لے کر فرار ہو گئی نا؟"

"میں نے سب کچھ تمہیں بھی بتا دیا ہے۔ اگر تم بہادر ہو تو مجھے سمجھانے کے بجائے خود پولیس سے رجوع کیوں نہیں کر لیتے؟"

میں لاجواب ہو کر رہ گیا۔ میں اسے اپنی مجبوریوں سے آگاہ نہیں کر سکتا تھا۔

ہم دونوں کو وہاں بیٹھے تھوڑی دیر گزری تھی کہ اچانک باہر چند گاڑیاں رکنے کی آواز آئی اور فوراً ہی باوردی پولیس والوں کی ایک بھاری جمعیت اسلحہ اٹھائے دھڑ دھڑاتی ہوئی اندر

گستی آئی۔

چہرے پر ماسور جوزف کے سلیٹی نگہبان آہٹیں سن کر چونکے اور شیعی انداز میں ان کی رائفلوں کی نالیں بلند ہو گئیں مگر پولیس کی وردی پر نگاہ پڑتے ہی ان سب کے شانے ڈھلک گئے۔

اندر کمروں سے سامان اٹھانے والے بھی رک کر حیرت سے رونما ہوتا دیکھنے لگے۔ چار افراد جو ایک لمبا سا چوبی صندوق اٹھا کر پشتی خانے سے عمارت کی طرف آ رہے تھے ٹھٹک کر ایک طرف ہٹ گئے اور پھر آناً فاناً میں پولیس والوں نے ان سب کو گھیر کر احاطے کے وسط میں جمع کر لیا اور ان کے گرد حصار باندھ لیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" جمیلہ نے تحیر آمیز سہمی ہوئی آواز میں مجھ سے سوال کیا۔

"مجھے خود حیرت ہے۔" میں نے کہا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبولیت کے لمحات تھے اور قدرت نے میری بات سن لی۔"

"میں اسے اتفاق نہیں مان سکتی۔" وہ اشتباہ آمیز لہجے میں بولی۔

"پھر کیا خیال ہے تمہارا؟"

"یہ تمہاری یا تمہارے کسی ساتھی کی شرارت ہے۔" اس نے کہا۔ "شاید پولیس کو کسی اہم ذریعے سے اطلاع دی گئی ہے ورنہ وہ لوگ جوزف ایمن کی طرف نگاہ اٹھانے کی بھی جرأت نہیں کر سکتے۔"

"تھوڑی دیر بعد سب کچھ سامنے آ جائے گا۔"

اسی وقت چند افسران کا ایک گروپ عمارت کی طرف بڑھتا ہوا نظر آیا اور میں نے جمیلہ کے ساتھ وہ جگہ چھوڑ دی۔

"کہاں چلے؟" اس نے سوال کیا۔

"اس وقت یہاں بیٹھنا مناسب نہیں۔ ہر شخص کو اپنی جگہ پر موجود ہونا چاہیے ورنہ خواہ مخواہ شبہات پیدا ہوں گے۔"

جمیلہ کو اس کے کمرے کے قریب چھوڑ کر میں آگے بڑھا تو وہاں سب ہی پرسکون نظر آئے۔ معلوم ہوتا تھا کہ باہر ہونے والی کارروائی سے وہ سب لاعلم تھے!

میں اپنے کمرے میں داخل ہوا تھا کہ ایک بدحواس سوڈانی بری طرح بھاگتا ہوا اس راہداری میں آیا۔ اس کے قدموں کی بے ہنگم دھمک سن کر کئی کمروں میں سے سرکس کے عملے کے متعدد افراد باہر نکل آئے۔

"کیا ہو گیا ہے؟" وہ سوڈانی پھولے ہوئے سانسوں کے درمیان بمشکل کہہ سکا۔ "پولیس نے چھاپہ مارا ہے؟"

"پولیس نے؟" بیک وقت کئی تحیر آمیز آوازیں سنائی دیں۔ "مگر کس لیے۔ ایک سرکس سے پولیس والوں کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟"

"کمروں میں جاؤ۔" اچانک ایک طرف سے جوزف ایمن کی آواز سنائی دی۔ "اگلی ہدایات تک کوئی اپنی جگہ نہیں چھوڑے گا!" اس کی آواز میں ایسا تحکم تھا کہ راہداری فوراً ہی خالی ہو گئی!

میں بھی ہاشم کے پاس جا بیٹھا!

پولیس کی اس غیر متوقع کارروائی سے ماحول پر عجیب سا ہراس اور بوجھل پن طاری ہو گیا تھا اور لوگ سر جوڑے دبی سرگوشیوں میں قیاس آرائیوں میں مصروف تھے!

"تمہیں کچھ خبر ہے اس بارے میں؟" ہاشم نے بہت دبی آواز میں مجھ سے سوال کیا۔

"یہ پولیس اچانک آئی ہے۔" میں نے اسی لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن میں نے جو کچھ سنا ہے اس کی رو سے سوڈانی پولیس جوزف سے کتراتی ہے۔ اس بار نہ جانے انہوں نے یہاں کس کے ایما پر دھاوا بولا ہے؟"

وہاں ہر شخص ایک دوسرے کی گفتگو پر کان لگائے بیٹھا تھا لہٰذا احتیاط کے پیش نظر ہمیں خاموش ہو جانا پڑا۔

اس روح فرسا سنسنی کے لمحات طویل ہوتے ہوئے ناقابل برداشت ہونے لگے تھے اور باہر سے کوئی خبر نہیں آئی تھی اور جب باہر راہداری میں کچھ قدموں کی چاپ سنائی دی تو تمام نگاہیں امید اور خوف کے عالم میں دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ چند منٹ بعد آنے والے ہمارے ہی کمرے میں گھس آئے۔ وہ تعداد میں چھ تھے!

سب سے آگے وہ شخص تھا جو اس قیام گاہ میں سرکس کے عملے کی دیکھ بھال میں مصروف تھا۔ اس کے ساتھ جوزف ایمن بھی اپنا قہر بار چہرہ لیے موجود تھا۔ اس کے پیچھے ابوسلطان چند پولیس افسروں کے ساتھ داخل ہوا تھا۔

"ادھر آؤ تم دونوں۔" جوزف نے سخت لہجے میں مجھے اور ہاشم کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس وقت میری جیب میں ایک بھرا ہوا پستول موجود تھا اور غالباً ہاشم نے بھی اپنا ہتھیار چھپا رکھا تھا لیکن ہم ایسی صورت حال سے دوچار ہو چکے تھے کہ اسلحہ استعمال کرنے کے باوجود وہاں سے نکلنا ناممکنات میں سے تھا۔

"یہ ہیں وہ دونوں خبیث!" بپھرا ہوا آگے بڑھتے ہوئے جوزف نے پولیس افسروں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"یہ کہاں سے تمہارے ساتھ شامل ہوئے تھے؟" ایک پولیس افسر نے کڑی نظروں سے باری باری ہم دونوں کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"قاہرہ سے" جوزف ایمن نے نفرت آمیز لہجے میں جواب دیا۔

بچے بچے ہیں دشواری پیش آئی تو ان کو ہمارے بکھیڑوں میں پھنسانے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں نے کوئی اشارہ ملنے کی امید میں ابوسلطان کی طرف دیکھا مگر وہ دانستہ مجھ سے اور ہاشم سے نگاہیں چار کرنے سے گریز کر رہا تھا۔

وہ لوگ ہم دونوں کو لے کر ایک وسیع کمرے میں جا پہنچے جہاں میز پر شراب سے لبریز صراحیاں اور جام رکھے تھے اور ایک خوبرو دوشیزہ پہلے سے وہاں موجود پولیس افسروں کی ساقی گری کر رہی تھی۔

سب نے کارروائی کے سلسلے میں نشستیں سنبھال لیں۔ میں ایک طرف جا بیٹھا اور ہاشم نے میری تقلید کر لی۔

"قاہرہ میں کس شخص سے سامان خریدا جا رہا ہے؟" ایک پولیس افسر نے کمرے کے ایک گوشے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

اسی وقت میری نگاہ اس لمبے بھاری صندوق پر پڑی جو شاید باہر سے لایا گیا تھا۔ اس کے قریب فرش پر نقرئی اور طلائی مجسموں کے علاوہ منقش ظروف بھی موجود تھے جن کی ساخت ان کی قدیم تاریخ کی کہانی سنا رہی تھی۔

"شاید اسی بارے میں ہم کچھ نہ بتا سکیں۔" میں نے نرم بلکہ کسی حد تک معذرت خواہانہ لہجے میں جواب دیا اور میرا غیر متوقع جواب سن کر جوزف کے ساتھ ہی ابوسلطان بھی حیران رہ گیا۔

"تو تمہیں اعتراف ہے کہ قدیم نوادرات سے بھرے ہوئے یہ چوبی صندوق تمہارے قبضے میں تھے؟" پولیس افسر معاملہ اتنی آسانی سے نمٹتے دیکھ کر خوش ہو گیا تھا۔

"ابھی تک ہمیں علم نہیں تھا کہ ان صندوقوں میں کیا ہے۔" میں نے کہا۔ "ایک بے خبری میں آ کر ہمیں آلہ کار بنایا گیا ہے اور یہاں جس اہتمام کے ساتھ ان صندوقوں سے سامان اتارا جا رہا تھا اسے دیکھ کر مجھے شبہ ہوا تھا کہ شاید یہ سرکس کے کسی ذمہ دار [illegible] مالیت کا اندازہ ہے؟"

"باہر سے آنے والے تو [illegible]" ہم پیشہ اسی طرح [illegible] ابوسلطان [illegible] اس بار جوزف کا لہجہ بے حد نرم تھا۔ "عام حیوان [illegible] آنے والے تمام قافلوں میں قیمتی مال و متاع ہوتی ہے۔ [illegible] قافلوں کو لوٹنے کے چکر میں [illegible]"

"ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ ان نوادرات کو مصر سے باہر اسمگل کر کے تم نے بہت سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے۔" دوسرے پولیس افسر نے کہا۔

"ان نوادرات کا علم نہیں تھا۔" ہاشم کو بھی بولنے کی راہ مل گئی۔ "ہمیں صندوق سوڈان پہنچانے کا جو بھی معاوضہ مل گیا ہے [illegible] ہم احسان مند ہیں۔ ہم تو سیدھے سادے

جفاکش لوگ ہیں۔"

"مال برآمد ہونے کے بعد ملزموں کی گرفتاری ضروری تو نہیں۔" ابوسلطان پہلی بار ہماری حمایت میں پولیس افسران سے مخاطب ہوا۔

"چھاپہ اس عمارت پر مارا گیا ہے اور اعلیٰ حکام کو اطلاع دی گئی تھی۔ ان کے حکم پر ہم نے ادھر کا رخ کیا تھا۔ اب اگر ملزم نہیں پکڑے جاتے تو ہماری کارروائی پر کڑی نکتہ چینی کی جائے گی۔ ان کے اعتراف سے معاملہ سلجھ گیا ہے۔ اب بعد کے معاملات تم ہماری صوابدید پر چھوڑ دو۔" ایک پولیس افسر نے کہا۔

"میں ان سے بات کر لوں؟" ابوسلطان نے جوزف ایمن سے اجازت طلب کی۔

"ہاں ہاں۔ ایک طرف لے جا کر۔" جوزف نے ایسی فراخ دلی سے کہا جیسے وہاں موجود تمام لوگ اس کے تنخواہ دار ہوں۔

"میرے بیٹے تم لوگوں کا رویہ حیرت ناک رہا ہے۔" ابوسلطان مجھے اور ہاشم کو ایک گوشے میں لے جا کر بولا۔ "تم نے ناکردہ گناہ اپنے سر لے کر جوزف کے علاوہ پولیس افسران کی بھی ہمدردیاں حاصل کر لی ہیں اور وہ چار روز میں ہی تمہیں رہائی کا موقع فراہم کر دیا جائے گا۔"

"تو کیا پولیس افسران کو علم تھا کہ ہم بے گناہ ہیں؟" ہاشم نے حیرت سے سوال کیا۔

"جو کچھ ہوا پولیس کے منصوبے سے ہوا ہے۔" وہ رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "اگر تم انکار کرتے تو تشدد کے ذریعے تم سے اقبال جرم کرایا جاتا۔ تم دونوں سرکس کے عملے میں نئے تھے اس لیے جوزف نے تمہارا نام تجویز کیا۔"

"اسے یہ خیال بھی نہیں رہا کہ ہمیں لانے والے تم ہی تھے۔"

"لڑکی کے معاملے میں وہ مجھ سے بدظن ہے۔" وہ بولا۔ "میں نے تو یہ بھی چاہا تھا کہ پولیس کے سامنے لائے جانے سے پہلے تمہیں بھی مطلع کر دوں لیکن وہ اتفاق نہیں ہوا۔"

"اس کی مخبری کون کر سکتا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ان ماتحت افسروں کو کچھ معلوم نہیں لیکن جوزف کو سیتا کے ہمراہ فرار ہونے والی ایک لڑکی پر شبہ ہے، وہ جوزف کے ان غیر قانونی کاموں سے خاصی واقف تھی۔"

"واقف تو جمیلہ بھی......"

"اب ان باتوں کو چھوڑو۔" وہ میری بات کاٹ کر بولا۔ "فی الحال تم حراست میں لے لیے جاؤ گے۔ موقع پا کر تمہیں حوالات سے فرار کرا دیا جائے گا۔ اس کے بعد اپنی حفاظت کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔"

"تم سے کہاں رابطہ قائم ہو سکے گا؟"

"سوڈان میں میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ میری تلاش میں اپنا وقت برباد نہ کرنا۔" اس نے صاف لہجے میں کہا۔ "یہاں میری اور پولیس کی آنکھ مچولی

بھاگ رہی ہے!

"سونا کہاں ہے گا؟" میں نے مدھم لہجے میں دریافت کیا۔

"وہ اب مصر کی سرحد سے باہر ہے۔ اس کو صرف جوزف کی طرف سے خطرہ ہے جو اس نے خود مول لیا ہے۔ ہم اس معاملے میں بے بس ہیں!"

"کہانیاں ختم کرو جلیلی!" جوزف اسمتھ کی آواز گونجی، وہ نسوانی ذہن اور ہم منتقل دونوں اسی طرف ہو لیے جہاں لوگ بیٹھے تھے۔

انھوں نے بہت سے نوادرات کے خفیہ تجوریے ہوئے صندوق برآمد ہوئے تھے جو کسی خفیہ معاہدے کے تحت تقسیم ہو گئے۔

پولیس افسران نے صرف ایک صندوق سیل کر کے اپنی تحویل میں لیا اور جس کا نقشہ بھی ہم دونوں سے دستخط لیے گئے ان میں بھی ایک ہی صندوق کا تذکرہ تھا۔ باقی دو وہ بھی صندوقوں کو جوزف کے حوالے کر کے چلتا کر دیا گیا۔

یہ سب سے بڑا تجربہ تھا جہاں افسوسناک تھا وہاں اس اعتبار سے خوش آئند بھی تھا کہ سو دوں میں آزاد رہنے کا موقع ہاتھ آ گیا تھا۔ اگر جیبیں بھاری ہوں تو وہاں ہر خطرے سے باآسانی نکلا جا سکتا ہے۔

تھوڑی ہی دیر بعد مجھے اور ہاشم کو ہتھکڑیاں لگا دی گئیں اور وہ قافلہ گویا امیروں کو لے کر واپس روانہ ہو گیا۔

اس شہر کے پولیس اسٹیشن کی عمارت خاصی صاف ستھری تھی احاطے میں بھی ہری بھری بیلیں اور پودے لگے ہوئے تھے۔ اس علاقے کے پہنچتے ہی عمارت میں خاصی چہل پہل نظر آئی اور ہم دونوں کو ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

وہاں موجود شخص شاید کوتوال شہر تھا۔ سیدھے سادھے دو اجنبی قیدیوں کو دیکھ کر اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"جوزف اسمتھ کہاں ہے؟" اس نے کرخت لہجے میں ہم دونوں کے ساتھ اندر داخل ہونے والے دو افسروں سے سوال کیا۔

"نوادرات کی اسمگلنگ سے وہ لاتعلق ہے۔" ایک افسر نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔ "سر! کیس کے سلسلے میں شامل یہ دونوں افراد اس جرم کے ذمہ دار ہیں!"

"مگر خبر اس کے بارے میں ملی تھی!" کوتوال شہر غرایا۔

"ہم اسے بھی گرفتار کرتے مگر ان دونوں نے اقبالِ جرم کر لیا اور مال بھی برآمد ہو گیا۔ قانونی تقاضوں کے پورا ہونے کے بعد ہم مجبور ہو گئے۔"

"نوادرات کہاں ہیں؟"

"فہرست کے ساتھ مال خانے میں جمع کروا دیے گئے ہیں۔"

"تم دونوں باہر جاؤ۔" کوتوال نے چند ثانیوں تک مجھے اور ہاشم کو خونخوار نظروں سے گھورتے رہنے کے بعد اپنے ماتحت افسروں کو حکم دیا۔

"سچ سچ بتاؤ کہ تم دونوں کون ہو؟" ان کے چلے جانے کے بعد کوتوال نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"ہم جوزف کے مرکب ہی فائدے سے شامل ہو گئے تھے!"

"اور نوادرات؟ انہی سے تمہارے ساتھ تھے؟"

"جی ہاں!" ہاشم نے مسکین لہجے میں کہا۔

"بکواس ہے!" اس نے غصے میں اپنی انگلیوں میں دبا ہوا سگریٹ فرش پر پھینک کر ایڑی سے مسل دی۔ "میرا خیال ہے جوزف نے تمہیں بھاری معاوضہ دے کر اقبالِ جرم پر آمادہ کیا۔ اگر میرا یہ شبہ درست ثابت ہوا تو میں تم دونوں کی کھالیں کھنچوا دوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنے اردلی کو آواز دی جو ہماری ہتھکڑیاں تھام کر ہمیں باہر لے گیا۔

باہر دونوں ماتحت افسر پژمردہ چہروں کے ساتھ ہمارے منتظر تھے۔ انھوں نے کاغذی خانہ پری کے بعد ہم دونوں کو حوالات میں بھجوا دیا۔

چاروں طرف سے سلاخوں سے گھری ہوئی حوالات کا کمرہ اس وقت غیر آباد تھا۔ ہمیں اندر ڈال کر دروازہ مقفل کر دیا گیا اور پھر ہمیں لانے والے واپس چلے گئے۔

اس حبس زدہ جگہ میں اتنا مکمل سناٹا تھا کہ ہم دونوں کو کافی دیر تک خاموش بیٹھے ایک دوسرے کے سانسوں کی آواز آتی رہی!

"ہم بہت برے پھنسے ہیں!" آخر ہاشم نے ہی سرگوشیانہ انداز میں سکوت توڑا۔

"کوتوال کا رویہ بہت خطرناک ہے۔ اگر ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تو شاید زندگی بھر مصر کی کسی جیل میں سڑتے رہ جائیں گے!"

"دو چار روز تک تو انتظار کرنا ہی ہو گا۔" میں نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔ "کوئی اپنی نوکری کو خطرے میں ڈال کر ہمیں فرار کا موقع نہیں دے گا۔ کوتوال کے تیور دیکھ کر میں نے وہ امید ترک کر دی ہے!"

"پھر کیا کیا جائے ...؟"

میں نے آہستگی سے سگریٹ جلائی پھر سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "حوالات میں ڈالنے سے پہلے ہماری جامہ تلاشی نہیں لی گئی، ہمیں اسی وقت کوشش کا آغاز کر دینا چاہیے!"

حوالات میں پھیلی ہوئی برقی روشنی میں ہاشم کا چہرہ چمک اٹھا۔ "بات تو واضح ہے۔ ہتھیار تو ہمارے پاس موجود ہیں اور تمہارے پاس تو ڈھیر سارے تیسرے دل والی ..."

وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گیا کیونکہ باہر کی جانب کسی کے وزنی جوتوں کی چاپ قریب آتی سنائی دے رہی تھی!

"مجھ سے دور ہٹ جاؤ۔" میں نے دھیمے لہجے میں سرگوشی کی اور وہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر اس کوٹھری کے ایک گوشے میں چلا گیا۔ میں نے وہیں اکڑوں بیٹھ کر اپنا سر دونوں گھٹنوں کے درمیان اس طرح دبا لیا جیسے میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہو۔

آہٹیں بتدریج قریب آتی رہیں پھر یوں محسوس ہوا جیسے آنے والا حوالات کے دروازے پر رک گیا ہو مگر میں نے اپنی ظاہری حالت میں کوئی تبدیلی نہ آنے دی۔۔۔ آنے والے کو دنیا و مافیہا سے اپنی بے خبری کا تاثر دینا چاہتا تھا۔

"مسٹر ذ" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میرے کانوں میں ایک کرخت سی آواز گونجی۔

آنے والے کے بارعب لہجے کے پیش نظر میرے لیے تجاہل عارفانہ کو طول دینا مناسب نہیں تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا تھا اور لمحے بھر کے لیے میرے ذہن میں یہ خیال بھی ابھرا کہ شاید حوالات کی وہ قید میری توقع سے زیادہ مختصر ثابت ہونے والی تھی اور جوزف سے رشوت وصول کرنے والے کسی افسر نے حالات کے مزید خراب ہونے سے پیشتر ہم دونوں کو فرار کا موقع دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اور جب میں نے سر اٹھایا تو ویران راہداری میں حوالات کے سلاخوں دار دروازے کے عقب میں مجھے ایک شناسا چہرہ نظر آیا۔ وہ ان تین راشی پولیس افسروں میں سے ایک تھا جنہوں نے سوڈانی بزنس کے مالک جوزف امین سے ساز باز کر کے مجھے اور یاسمین کو قربانی کا بکرا بنایا تھا۔

اسے پہچانتے ہی میرے دل میں امید کا دیا جل اٹھا۔ شاید وہ ہم دونوں کی مدد کی نیت سے ہی اس وقت وہاں آیا تھا۔ میں لپک کر سلاخوں کے قریب جا پہنچا۔

"اور قریب آجاؤ۔" وہ اضطراری لہجے میں بولا اور میں نے دو مضبوط سلاخیں تھام کر اپنا چہرہ پرتجسس انداز میں ان سے چپکا دیا۔

"کوتوال نے تمہیں تنہائی میں کیوں روکا تھا؟" اس کے استفہامیہ لہجے نے میری خوش فہمی فوری طور پر رفع کر دی۔

اسے ہم سے یا ہماری آزادی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی بلکہ وہ صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ اس کا افسر ہماری گرفتاری پر کس انداز میں سوچ رہا تھا۔

"اسے جوزف امین کی بے گناہی پر شبہ ہے۔" میں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔

"وہ گدھے کی اولاد کچھ نہ پا سکے گا۔" اس کے منہ سے غیر ارادی طور پر نکلا مگر اگلے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا۔ "تم نے کیا جواب دیا؟"

"تمہارے خیال میں کیا کہنا چاہیے تھا؟" جواب دینے کے بجائے میں نے الٹا اسی سے سوال کیا۔ الا میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اس سے صاف دلی سے گفتگو کرنے کا نتیجہ کسی بدترین خسارے کی صورت میں ہو سکتا تھا۔

"میری بات کا جواب دو۔" وہ تند لہجے میں غرایا۔ "میں یہاں تم سے ہنسی مذاق کرنے نہیں آیا ہوں۔"

"اوہ معاف کرنا۔" میں نے سنبھل کر سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔ ہاں! تو تم مجھ سے کیا پوچھنے آئے تھے۔"

وہ اس قدر بدھو بھی نہ تھا کہ میرے طنز کو نہ سمجھتا۔ اس نے غصے میں اس قدر شدت سے اپنے دانت بھینچے کہ اس کے جبڑوں کی وریدیں تک جلد پر ابھر آئیں۔

"سنو الو کے پٹھے۔" وہ دھیمے لیکن غصیلے لہجے میں غرایا۔ "اپنی اوقات سے بڑھ کر میرے منہ لگنے والوں کا انجام عبرتناک ہوتا ہے۔"

"ضرور ہوتا ہوگا۔" میں نے پُرخلوص لہجے میں اس کی تائید کی۔ "لیکن کوتوال نے تمہاری عدم موجودگی میں ہم دونوں سے گفتگو کو ترجیح دی تھی۔ ہم اس کی اجازت کے بغیر تمہیں اس سے ہونے والی بات چیت کا ایک لفظ بھی نہ بتا سکیں گے۔"

"میں تمہیں گولی مار دوں گا۔" وہ غصے میں آپے سے باہر ہونے لگا تھا۔

"بہتر طلبکہ تم قتل عمد کے جرم میں اپنی گردن کٹوانے کے لیے تیار ہو۔" میرا لہجہ بدستور نرم اور مدافعانہ رہا۔ "ویسے تمہاری اطلاع کے لیے عرض کر دوں کہ ایک عدد ریوالور میرے قبضے میں بھی موجود ہے!"

اس نے نہایت تلخ اور تضحیک آمیز انداز میں قہقہہ لگایا۔ "حوالات میں بھیجتے وقت تمہاری جامہ تلاشی سے یہ بات ثابت ہو چکی تھی اور یہ ستم ظریفی بھی موجود ہے۔ تم نے زیادہ اڑنے کی کوشش کی تو میرے پستول کی گولی ہی تمہاری کھوپڑی میں اتر جائے گی اور تمہاری موت کو مایوسی کے عالم میں سرزد ہونے والی خودکشی قرار دے دیا جائے گا۔"

"تمہیں معلوم تھا کہ میں مسلح ہوں؟" اس مرتبہ میری حیرت مصنوعی نہیں بلکہ قطعی غیر ارادی تھی۔

"تمہاری ایک جھولتی ہوئی وزنی جیب دیکھ کر کوئی بھی بے وقوف شخص اندازہ لگا سکتا تھا کہ تم دونوں کے پاس اسلحہ موجود ہے۔ اس کے باوجود میری جرأت تمہاری تسکین کا سبب ثابت ہوئی۔"

"تم نے حوالاتیوں کی جامہ تلاشی نہ لے کر شدید غفلت کا ارتکاب کیا ہے۔ تمہیں پھنسانے کے لیے یہی ایک بے ضابطگی کافی ہو گی۔"

"فرائض سے تھوڑی سی غفلت قتل کے مقابلے میں بے وقعت سمجھی جاتی ہے۔ تمہاری لاش ملنے پر غافل سپاہی بھی کچھ روز تک معطل

تحقیقات ہوتی رہے گی اور پھر معمولی سی سرزنش کے بعد مجھے دوبارہ بحال کر دیا جائے گا۔" اس نے اپنی مضبوط پوزیشن واضح کرنے کے لیے دوران گفتگو۔۔۔ اپنا سروس ریوالور نکال لیا۔

"اور اگر اس سے قبل ہی میں تمہارا پتہ صاف۔۔۔!"

"خبردار!" وہ اپنا ریوالور والا ہاتھ سیدھا کر کے غرایا۔ "اپنے ہاتھ سلاخوں پر رکھو۔ ہاتھ گرانے کی کوشش کی تو بے دریغ گولی مار دوں گا۔"

"اپنے ریوالور سے؟" میں نے مسکرا کر سوال کیا حالانکہ میں مردود کے خوفناک عزائم سے واقف ہونے کے بعد شدید تشویش کا شکار ہو گیا تھا۔

"ہاں۔" وہ بولا۔ "چند سیکنڈ کے وقفے سے چلائی جانے والی دو گولیوں کے بارے میں بڑے سے بڑا سرجن بھی نہیں بتا سکتا کہ موت کا سبب کون سی گولی بنی جب کہ ایک دل میں لگی اور دوسری دماغ میں۔"

"اپنی ایسی لاش مجھے ہرگز پسند نہ آئے گی۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟" میں نے سلاخوں کے پیچھے مایوسانہ انداز میں اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔

"اپنے پہلے سوال کا جواب۔" اس کا لہجہ مزید سنگین ہو گیا۔

"اگر تم اس حد تک جانے کے لیے تیار ہو تو میں تمہیں مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ اس معاملے سے دور ہی رہو۔" میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد گمبھیر لہجے میں کہا۔ "یہ جیب دان جوزف امین کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم اس کا شکار ہو جاؤ۔"

پہلی بار اس کے چہرے پر تردد کے آثار نظر آئے اور وہ الجھن آمیز لہجے میں بولا۔ "آخر تم مجھ سے کیا کہنا چاہ رہے ہو؟"

"تم لوگ جوزف امین کے چکر میں ہو۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "مگر تم سرکاری طور پر اس حقیقت سے لاعلم ہو لہٰذا وہی کرتے رہو جو یہ اطلاع ملنے سے قبل کر رہے تھے۔"

"تم لوگ؟" وہ میری گفتگو کے ابہام سے اور زیادہ الجھ گیا۔ "تو تم دونوں کے ساتھ کوئی اور بھی کام کر رہا ہے؟"

"شاید مجھے کوئی اور واضح بات کرنی ہوگی۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "ہم دونوں کا تعلق مصری پولیس سے ہے اور آثار قدیمہ کی اسمگلنگ کے سلسلے میں جوزف امین بہت دنوں سے قاہرہ کے پولیس کمشنر کی نگاہوں میں تھا لیکن وہ جوزف کی گرفتاری کے ساتھ ہی اس کا طریقہ کار اور سوڈان میں اس کے روابط کا سراغ لگانا چاہتا ہے



محض اسی مقصد کے تحت ہم دونوں نے جوزف کے سرکس میں ملازمت اختیار کی تھی۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔" اس کے لہجے سے حیرت اور لہجے سے قدرے خوف مترشح تھا۔

"تمھارا ماتھا اسی وقت ٹھنکنا چاہیے تھا جب ہم دونوں نے بے چون و چرا جوزف کے ٹھکانے پر ایک ناکردہ جرم کا اعتراف کیا تھا۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "ہم لوگ بھی تجربہ کار ہیں اور وہاں کا ماحول دیکھتے ہی سمجھ گئے تھے کہ مقامی پولیس جوزف سے دبتی ہے اور اگر ہم نے کچھ قبل لینے سے انکار کیا تو ہم پر تشدد کا آغاز ہو جائے گا۔ بلا حیل و حجت اعتراف کر کے ہم معاملے کی تہ تک پہنچنا چاہتے تھے۔"

"مجھے حیرت ہوئی تھی۔" اس کا لہجہ غیر ارادی طور پر مصالحانہ ہو گیا۔ "مگر میں نے اسے تم دونوں کی دور اندیشی سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔۔۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ کوتوال نے تمھیں تنہائی میں کیوں روکا تھا؟"

"ہر چھوٹے قصبے کے پولیس افسر دن رات کسی بڑے مجرم کی گرفتاری کے نتیجے میں شہرت اور ترقی کے خواب دیکھتے رہتے ہیں۔ تمھارا کوتوال بھی ان ہی بے صبر دل میں سے ہے۔" میں نے پورے وثوق سے ایک نئی البیلی کہانی کا آغاز کر دیا۔ "شاید اسے بھی کہیں سے جوزف کے خلاف تیاریوں کی بھنک مل گئی تھی کیونکہ اس منصوبے پر قاہرہ اور خرطوم کے حکام میں قربت کی رابطہ تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ خرطوم پہنچنے سے قبل راستے میں ہی جوزف کو مسروقہ نوادرات سمیت گرفتار کر لے گا۔ وہ اس بات پر برہم تھا کہ ہم دونوں نے جھوٹا اعتراف جرم کر کے اسے جوزف کی گرفتاری کے اعزاز سے محروم کر دیا تھا۔"

"تو کیا وہ تمھاری اصلیت سے واقف تھا؟" وہ حیرت سے منہ پھاڑے میری باتیں سن رہا تھا جو اس کی ننھی سی کھوپڑی کے لیے بہت پراسرار تھیں۔

"تمھارے آنے سے قبل ہی اس نے مصری پولیس سے ہمارا تعلق دریافت کر لیا تھا جس کا مطلب ہے کہ اسے پورے معاملے کی سن گن تھی۔" میں نے پروقار لہجے میں کہا۔ "ہمارے انکار پر وہ جھلائے ہوئے انداز میں ٹہل رہا تھا۔ اس نے تو ہمیں زندگی بھر جیل میں سڑنے کی دھمکی بھی دینے سے گریز نہیں کیا۔"

"تمھارے پاس شناختی کاغذات تو ہوں گے؟"

"چھوٹی آبادی اور بڑے شہروں کی پولیس میں یہی فرق ہوتا ہے۔" میں اس پر پوری طرح حاوی ہو چکا تھا۔ "جوزف خطرناک آدمی ہے ہم اپنی جان ہتھیلیوں پر لیکر نکلے تھے۔ اگر صحرا میں جوزف کو ہم پر شبہ ہو جاتا اور تلاشی پر ہمارے پاس سے شناخت نامے برآمد ہوتے تو وہ وہیں ہماری کھالوں میں بھس بھروا دیتا۔"

"پھر تو بیٹا کوتوال تمھیں واقعی جیل میں سڑا دے گا۔" وہ ہمدردانہ لہجے میں بولا۔ "وہ اپنی دشمنی کا بہت پکا ہے۔ تم اقبالی مجرم ہو اور عدالت میں اپنی سرکاری حیثیت بھی ثابت نہ کر سکو گے۔ تم واقعی مشکل میں پھنس گئے ہو۔"

"خیال ہے تمھارا ذہن ابھی سنجیدگی سے بھٹکا۔ اطلاع ملتے ہی قاہرہ کے پولیس حکام ہمارے لیے حرکت میں آ جائیں گے۔"

"یہاں ماتحت عدالتوں میں انصاف اس قدر بے لاگ نہیں۔" وہ بولا۔ "کوتوال کا بڑا بیٹا مجسٹریٹ ہے۔"

"کب تک؟" میں نے کہا۔ "چند روز یا زیادہ سے زیادہ چند ہفتے اور اس دوران میں اگر قاہرہ کے پولیس حکام کو ہمارے بارے میں کوئی خبر ملی تو وہ پہلے مرحلے پر ہمارا سراغ نکال لیں گے مگر یہ نوبت ہی نہیں آنے دے گی۔"

"بہت پراعتماد ہو۔" اس نے حیرت سے کہا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ میری ہر بات پر پوری طرح یقین کرتا جا رہا ہو۔

"اپنے وعدے کے مطابق تم ہمیں حوالات سے فرار کرانے کے پابند ہو۔" میں نے سخت تیز سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"کون سا وعدہ؟" وہ بوکھلا گیا۔ "میں نے تم سے تو کوئی ایسی بات نہیں کی تھی اور نہ ہی میں اس سنگین معاملے میں اپنی نوکری اور آبرو داؤ پر لگانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"ہم سے براہ راست تو بے شک کوئی وعدہ نہیں کیا گیا تھا۔ جوزف ابن کو تم نے ہی پٹی پڑھائی تھی اور جو کچھ ہوا تھا تمھارے ایما پر ہوا تھا۔"

"اسے بھول جاؤ۔" وہ تیز سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "تم ایک ملک کے سرکاری اہلکار ہو جب تمھیں براہ راست آزادی مل سکتی ہے تو میری گردن کیوں پھنسوانا چاہتے ہو؟"

"اس کے بغیر ہماری کوشش ناکام رہ جائے گی۔"

"یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

"ہم فطری طور پر ان تمام حالات سے گزرنا چاہتے ہیں جو تم اپنی حیثیت کا اظہار کیے بغیر ہمیں پیش آتے۔ ہمیں تم سے بدلہ لینے سے کوئی سروکار نہیں۔ ہم صرف جوزف اور اس کی جڑوں تک پہنچنا چاہتے ہیں تاکہ اس کی پشت پناہی کرنے والے بااثر افراد باضابطہ طور پر بے نقاب کیے جا سکیں۔"

"نہیں، میں قربانی کا بکرا بننے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔" وہ سراسیمہ لہجے میں بولا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمھیں کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ اس وقت وہ مجھے محض ایک بزدل اور ڈرپوک معلوم ہونے لگا تھا۔

"تمھاری رپورٹ میں علاقے کی حوالات سے فرار کے سلسلے میں تمھارا ذکر نہ ہوا تو تمھاری رپورٹ نامکمل ہو گی۔"

"تم اپنے جیز کی فکر نہ کرو، یہاں سے فرار کا سہرا اپنے سر باندھ لوں گا۔" میں نے خفیف مسکراہٹ کے ساتھ جال میں آتے ہوئے شکار کے سامنے آخری چارہ ڈالا۔ "تمھارا نام تو مجھے ابھی تک معلوم نہیں ہوا۔"

"نہیں، اس معاملے میں تمھاری بس کرنا جاؤں گا۔" وہ بولا۔ "تم مجھے اس کام پر کسی طرح مجبور نہیں کر سکتے۔"

"یہ تمھارا آخری فیصلہ ہے؟" اچانک مجھے اپنے عقب سے ہاشم کی بھی آواز سنائی دی۔ وہ نہ جانے کب سے کھڑا پیچھے سے ہماری گفتگو سن رہا تھا۔

"بالکل آخری سمجھو۔" وہ اس قدر شدید ذہنی کرب کا شکار تھا کہ گفتگو میں کسی تیسرے فریق کی شمولیت تک کو محسوس نہ کر سکا۔

میرے لیے ہاشم کے لب و لہجے سے اس کے عزائم کا اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا مگر میں نہیں چاہتا تھا کہ مقفل حوالات کے باہر وہ رائی کا پہاڑ بن کر انتہا تک پہنچ جائے لہٰذا میں نے اس کا جواب پورا ہونے سے پہلے ہی ٹہوکا دے کر ہاشم کو روک دیا جو میرے قیاس کے مطابق اپنا ریوالور نکال چکا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" میں گہری سانس لے کر بولا۔ "اگر تم خود ہی اپنی نجات جلانے کا ارادہ کیے بیٹھے ہو تو ہم تمھاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔"

"میرے خلاف تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔" وہ کمزور سے لہجے میں بولا جس سے بے اعتمادی نمایاں تھی۔

"ہمیں علاقے کے کوتوال کو اعتماد میں لے کر جوزف کے ٹھکانے پر پیش آنے والے واقعات سے آگاہ کرنا ہو گا۔ وہاں ہونے والے لین دین سے واقف ہونے کے بعد وہ تمھیں حکم دے گا اور تم اپنے ہاتھوں سے حوالات کا دروازہ کھول کر ہمیں فرار کراؤ گے۔"

"اس صورت میں فرار کی ذمے داری کوتوال پر ہو گی۔"

"ہرگز نہیں۔" میں فاتحانہ انداز میں مسکرایا۔ "قانون شکنی کے الزام تم پر ہی آ جاتے ہیں، تم کوتوال کو ملوث نہیں کر سکو گے۔"

"او خدا۔" وہ دونوں ہاتھ پیشانی پر مار کر بڑبڑایا۔ "میں کس مصیبت میں پھنس گیا۔ اگر مجھے ان خطرات کا شائبہ بھی ہوتا، تو جوزف کا ساتھ نہ دیتا۔"

"نہ صرف یہ بلکہ ہمارے فرار کے بعد کوتوال تمھیں فرائض سے غفلت اور جوزف سے رشوت کے جرائم میں گرفتار کرے گا اور پھر تمھارا مستقبل ہمیشہ کے لیے تاریک ہو جائے گا کیونکہ کوتوال جوزف کی گرفتاری میں ناکامی کا ذمے دار تمھیں قرار دے گا۔"

وہ چند ثانیوں تک خاموش کھڑا خوف زدہ نظروں سے مجھے گھورتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "تم بہت خبیث پولیس افسر ہو۔ میں تم سے فوراً وعدہ نہیں کر سکتا۔ مجھے سوچنے کے لیے تھوڑی سی مہلت درکار ہے۔"

"ایک گھنٹے بعد ہم تمھارا انتظار کریں گے۔"

"یہ مہلت کم ہے۔" وہ اپنا سروس ریوالور ہولسٹر میں اڑستے ہوئے بولا۔ "جوزف سے ہونے والے معاملے میں دو افراد اور بھی شامل تھے، ان سے مشورے کے بعد ہی میں تمھیں کوئی جواب دے سکوں گا۔"

"دو گھنٹے سہی۔"

"نہیں کل رات سے پہلے مشکل ہے۔" وہ بولا۔ "صبح میری ڈیوٹی ختم ہو گی تو میں پہلے ساتھیوں سے مشورہ کروں گا۔"

"چاہو تو تم انھیں فون بھی کر سکتے ہو۔" میں نے ملتفتانہ لہجے میں کہا۔ "لیکن میں اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ فیصلہ کرنا تمھارا کام ہے۔ ہمیں آج رات آزادی چاہیے ورنہ صبح ہم کوتوال سے ملاقات کر لیں گے۔"

"آج رات؟ یعنی میری ہی ڈیوٹی میں؟" خوف اور حیرت سے اس کی دونوں آنکھیں اس کی پیشانی پر جا چڑھیں۔

"یہ تمھارے مقدر کی خرابی ہے تم خود ہی ہمارے پاس آئے تھے۔" میں نے سرد لہجے اور قدرے بے رخانہ انداز میں کہا۔

"کل رات تک انتظار کر لو۔" وہ خوشامدانہ انداز میں گڑگڑایا۔

"ہمارے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔" میں نے زور دے کر کہا۔ "جوزف لمحہ بہ لمحہ ہماری دسترس سے باہر ہوتا جا رہا ہے۔ ہمیں اس کی نقل و حرکت کی کڑی نگرانی کرنی ہے۔ کل رات تک شاید سارا قصہ ہی تمام ہو جائے۔"

"تمھیں کوئی بہت بڑا قدم اٹھانا ہو گا۔" وہ تشویش زدہ لہجے میں بولا۔ "بہرحال میں دو ڈھائی گھنٹے بعد واپس آتا ہوں۔"

"واپس نہ لوٹے تو ہم صبح کوتوال سے ملنے میں تاخیر نہیں کریں گے۔" میں نے اس پر ذہنی دباؤ بڑھاتے ہوئے کہا اور وہ پژمردہ انداز میں واپس چل دیا۔

اس کے جاتے ہی میری اور ہاشم کی نگاہیں چار ہوئیں۔ اس کا چہرہ کسی بے پناہ اندرونی جذبے کے تحت دمک رہا تھا۔

"تم اوّل درجے کے جھوٹے اور بہترین اداکار ہو۔" پولیس افسر کی آہٹیں دور ہو جانے پر وہ میرا بازو دبا کر سرگوشیانہ سرشار لہجے میں بولا۔ "تم دونوں کی گفتگو کے دوران میں خود کو قاہرہ پولیس کا ذمے دار افسر سمجھ رہا تھا۔"

"شاید ہمیں آزادی مل جائے مگر یہاں کا حال دیکھ کر مجھے دکھ ہوا ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "جہاں لوگوں کی جان و مال کے محافظوں کے اخلاق پست ہوں وہاں شرافت ایک گالی بن جاتی ہے جسے کوئی برداشت نہیں کر سکتا۔"

"کسی ایک شخص کی وجہ سے تم اتنا بڑا نقصان نہیں کر سکتے۔"
ہاشم نے کہا۔ "برے اور بھلے ہر جگہ ہوتے ہیں۔ سوڈان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔"

"بددیانت آدمی کو میدان میں بھی ملتے ہیں۔ آج تک ملک کے بیٹے ہیں۔ یہ اس کے دل کا چور تھا جو اسے گھبرا کر ہمارے قدموں میں لے آیا۔ اس میں اتنی جرأت ہی باقی نہیں رہ گئی تھی کہ کوتوال سے بچنے کی کوشش کرتا اور جان کی تائید کا ارادہ ظاہر کرتا۔"

"اس کو بے قدر و قیمت نہ کرو۔" ہاشم دھیمے سے ہنس کر بولا۔

"تم اس سے اس قدر مسلسل کے ساتھ جھوٹ بولتے رہے ہو کہ وہ بے بس ہو گیا اور ناامیدی میں ہماری نجات کی ایک راہ نکل آئی۔ ورنہ میں نے تو مایوس ہو کر اسے گولی مارنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ورنہ حالات کے سامنے پریشان ہو کر تماشا دیکھتا۔ تم نے بروقت مجھے کسی مارنی تھی ورنہ میں اسے زد میں لے چکا تھا۔"

"تمہارا اقدام خودکشی سے کم نہ ہوتا۔"

"مجھے اعتراف ہے۔" وہ بولا۔ "مگر اس وقت کوئی دوسری راہ بھی نہیں سجھائی دے رہی تھی۔"

"یہ تو بتاؤ کہ تم نے اپنے اصولوں کے برعکس اس پولیس افسر کو گولی مارنے کا ارادہ کیسے کر لیا تھا؟" میں نے موضوع بدلتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"میرا فیصلہ اصول کے مطابق تھا۔" وہ میرا طنز سمجھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔ "وہ اسمگلنگ کی سرپرستی کر رہا تھا جس کی سزا موت سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں ہو سکتی۔"

"میرے ذہن میں ایک خلش باقی ہے۔" اپنے سوال کا معقول جواب مل جانے پر میں نے نئی بات چھیڑ دی۔

"کس کے بارے میں؟" اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"جوزف کے بارے میں مخبری کس نے کی؟" میں نے کہا۔ "وہ جو کوئی بھی ہے وادی حلفہ کے قریب جوار میں ہی ہے ورنہ خرطوم یا ام درمان میں اطلاع دی جاتی تو مخبر کا نام افسروں کی معیت میں بھاری نفری روانہ ہو سکتی۔"

"تم صحیح سمت میں سوچ رہے ہو۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "سوڈان ایک لمبا چوڑا ملک ہے۔ یہاں دور کے شہروں سے حلفہ فون کرنا خاصا صبر آزما کام ہے۔"

"جوزف کے خلاف مخبری کون کر سکتا ہے؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"سیلتا۔" ہاشم کے لبوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔ "اس کے ساتھ فرار ہونے والی تین لڑکیوں میں سے ایک جوزف کے غیر قانونی دھندوں سے خاصی واقف تھی۔"

"مگر اسے جوزف کی نقل و حرکت کا علم کیونکر ہوا اور پولیس نے بروقت چھاپہ مارا ہے اور یہ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ پولیس نے جوزف جیسے بدنام اور خونخوار شخص کے خلاف اس اطلاع پر اتنا بڑا قدم کیسے اٹھا لیا؟"

"نقل و حرکت والی بات تو آسان سی ہے۔ وادی حلفہ کسی بھی قافلے کی آمد سے پوری بستی آگاہ ہو جاتی ہے۔ شاید جوزف پہلے خبر دی گئی ہو کہ جوزف اس بار نوادرات لا رہا ہے لہٰذا پولیس وہ حلفہ پہنچا، چھاپہ مار دیا گیا۔" وہ کہنے لگا۔ "لیکن دوسرا سوال ہے۔ تم نے کوتوال کے رویے میں کوئی خاص بات محسوس کی؟"

اس سوال پر میں چونک پڑا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس کے دل میں جوزف کی طرف سے کوئی عناد معلوم ہوتا تھا بلکہ اس نے تو یہاں تک کہا تھا کہ جوزف نے پہلی بار بھاری معاوضے کے لالچ میں جرم پر آمادہ کیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے جوزف نے کوتوال سے لین دین میں کوئی بے ایمانی کی ہو اور اس نے مخبری کی آڑ میں بدلہ لینے کی کوشش کی ہو۔" ہاشم بولا۔

"کوتوال سے تعلق جانے کی صورت میں اس کے ماتحت عملے کی اس قدر کھلی حمایت نہ کرتے۔ میرا خیال ہے کہ وہ مال ضبط کر کے اور اس کاروبار کے نتیجے میں جوزف سے اپنا بھاری معاوضہ وصول کرنا چاہتا ہے۔"

"تمہارا نظریہ قرین قیاس ہے۔" ہاشم نے تائید کی۔ "کوتوال موقع کی تلاش میں تھا جو کسی مخبر نے اسے فراہم کر دیا۔ تعجب ہے کہ تم اس قدر حقیقی نتائج کیسے اخذ کر لیتے ہو۔ میرا تو ذہن کام نہیں کرتا۔"

"رشوت کا بھاؤ بڑھانے کے نتیجے میں ہر ملک میں سرکاری افسر نے ذہن میں بھرنے والے اپنے وطن کا نام اپنے خمیر کے ساتھ کے اندھے پن سے پوری مہارت سے کام لیا جاتا ہے تو عدالت کے اسمگلر تو درکنار، شرفا بھی اپنی عزت کو حوالات کے سامنے بچانے کے لیے بھاری عزائم بیچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ ایسے ملکوں میں تو پولیس کے عام سپاہی سے افسر تک کے سامنے عہدے سالانہ ٹھیکے کی بنیاد پر فروخت کیے جانے چاہئیں۔" وہ ہنس کر بولا۔ "اس طرح نہ صرف سرکاری خزانے کو آمدنی میں بچت ہو گی بلکہ ٹھیکوں سے کچھ کمی نہ رہ پائے گی۔"

"کہیں کہیں تو یہ دور آ ہی چاہتا ہے۔"

اس وقت جانے دونوں میں سے ٹھیک کا نو بجنے والا ہو چکا تھا لہٰذا ہماری گفتگو بیچ میں رہ گئی اور سوڈان کے اس مختصر

کی حوالات میں ہم عالمی نوعیت کے سیاسی، سماجی، مذہبی اور اپنے اپنے مسائل پر بھی اپنے اٹل فیصلے صادر کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اسی اثنا میں باہر قدموں کی دھمک سنائی دی اور میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو وہ رات کے دس بجا رہی تھی۔

اگر آنے والا وہی پولیس افسر تھا تو وہ حسب وعدہ ڈھائی گھنٹے بعد واپس آ رہا تھا اور اگر کوئی سنتری تھا تو اسے بڑی دیر سے ہماری بات کا خیال آیا تھا۔

ویسے وہاں سنتری کے نہ ہونے پر مجھے کوئی حیرت بھی نہیں تھی۔ کیونکہ حوالات کی کوٹھری ایک عمارت کے آخری سرے پر بنی ہوئی تھی اور حوالات سے نکلنے کا وہ واحد راستہ تھا جس کے اختتام پر ایک طرف کے کمرے کا کمرہ تھا جہاں ایک مسلح سنتری شاید ہر وقت پہرے پر موجود رہتا تھا۔

آنے والا وہی پولیس افسر ثابت ہوا۔ اس وقت اس کے چہرے سے اضطراب جھلک رہا تھا۔ تھوڑی دیر قبل کی تمام پریشانی رفع ہو چکی تھی۔

"سارا بندوبست ہو گیا ہے۔" اس نے قریب آتے ہی سرگوشیانہ لہجے میں خوش خبری سنائی۔ "تین بجے تک تمہارے ساتھ ساز و سامان پہنچا جا سکتا ہے۔ تم دونوں تیار رہنا۔ جیسے ہی قریب جوار میں کوئی جھگڑا زیادہ سنائی دے تو تم حوالات سے نکل پڑو گے۔ وارداتوں کے ڈھیر پر گاڑی ہے۔ اس کی داہنی طرف ہر دو دیواروں کے درمیان سے گزر کر تم آخر پر آؤ گے تو آگے سے باہر صحن میں اندھیرا ہو گا وہاں سے تم احتیاط سے کام لے کر بچ کر نکل سکو گے۔"

"اور تالا کیسے کھلے گا؟" میں نے سوال کیا۔

"اسے میں ابھی کھول دوں گا مگر تم دھماکے سے پہلے باہر نہیں نکلو گے۔ باہر کی نظر میں یہ تالا مقفل ہی نظر آئے گا۔" اس کے لب و لہجے سے ظاہر ہوتا تھا اور میرے دل میں کھٹک رہا تھا، مگر میرے لیے اس پر شبہ کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں تھا۔

"دوسرا دھماکا کہاں ہو گا؟" ہاشم نے سوال کیا۔

"اس سے تمہیں غرض نہیں ہونی چاہیے۔" اس نے روکھے لہجے میں کہا۔ "دوسرے دھماکے کی توجہ مبذول کرانے کے لیے میں اپنا بندوبست ہو چکا ہوں۔"

"مگر ہم اس شہر میں اجنبی ہیں۔" میں نے کہا۔ "حلفہ چھوٹا سا شہر ہے، چند گھنٹوں میں شہر کے بچے بچے کو دو مفرور حوالاتیوں کے متعلق معلوم ہو جائے گا اور تمہارا کوتوال بھی پورے شہر کو الٹ پلٹ کر دے گا۔ ایسی صورت میں ہم کہاں پناہ لیں گے؟"

"پناہ!" اس نے غور سے میری طرف دیکھ کر دہرایا۔ پھر بولا۔ "اس کا معاوضہ تم پر تک تھا۔ پناہ حاصل کرنا تمہارا اپنا مسئلہ ہے۔"

مجبوری ہے برادر! میں نے تمہارے فرار کو بھاری جگہ لگا کر

سوچو، اگر فرار کے چند گھنٹے بعد ہم دوبارہ پکڑے گئے تو قانون سے پیغام آنے تک تمہارا کوتوال ہمیں مار مار کر لہولہان کر دے گا اور اس تشدد سے بچنے کے لیے ہمیں اس کے سامنے سچ بولنا ہو گا جو تمہارے حق میں بھی شاید بہتر ثابت نہ ہو۔"

"تم بدمعاش ہو اور اب بلیک میلنگ پر اتر آئے ہو۔" وہ دھیمے لہجے میں غرایا۔

"جو چاہو کہہ لو، تمہارے ہی نام ہیں۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "کاش ایسے بغیر کیا۔ لیکن ہماری مجبوریاں اپنی جگہ ہیں۔"

وہ خاموش ہو کر چھت کی طرف دیکھنے لگا جیسے کچھ سوچ رہا ہو مگر وہ جب سے آیا تھا میں مسلسل اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نے شدت سے محسوس کیا کہ اس مرحلے پر اس کی آنکھوں میں پرخیال کیفیت مفقود تھی اور وہ سپاٹ انداز میں چھت کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

"یہ بندوبست بھی ہو جائے گا۔" خاصے طویل سکوت کے بعد وہ بولا۔ "برآمدے کے زینے عبور کر کے تم تاریک صحن میں سیدھے بڑھتے جاؤ گے تو کوتوالی کے احاطے سے باہر سڑک پر پہنچ جاؤ گے وہاں سیاہ رنگ کی ایک سیڈان بائیں طرف تمہاری منتظر ہو گی اور تمہیں ایک محفوظ مقام پر لے جائے گی۔"

"تمہیں یقین ہے کہ وہ سیاہ سیڈان وہیں ہو گی؟" میں نے بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے نرمی سے سوال کیا۔

"ہاں، میں ابھی جا کر اس کا بندوبست کرتا ہوں۔"

"ہو سکتا ہے اس وقت وہ کار میسر نہ ہو۔۔۔"

"وہ میرا دوست ہے۔" وہ چڑچڑے لہجے میں بولا۔ "وہ میرے دوست کی کار ہے وہ مقررہ وقت پر ہر قیمت پر آ جائے گا۔"

"میں صرف یہ یاد دلانا چاہ رہا تھا کہ وہ کار کہیں بیرون شہر نہ گئی ہو۔" میں نے شانے اچکاتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

"یہ تمہاری ہی نہیں میری بھی سلامتی کا معاملہ ہے۔" وہ یک بیک نرم پڑ گیا۔ "میں جانتا ہوں کہ خود کو خطرے میں ڈال کر تم مجھے بھی دلدل میں گھسیٹ لو گے۔"

"شاید یہ ملاقات آخری ہو۔" میں نے کہا۔ "اس کا اختتام خوشگوار انداز میں ہی ہونا چاہیے۔"

اس نے جیب سے چابی نکال کر حوالات کے سلاخ دار دروازے کا آہنی قفل کھول دیا۔

"ایک بار دروازہ کھول کر دیکھ لوں؟ کہیں زنگ آلود قبضے شور نہ کرتے ہوں؟" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"جلدی دیکھو۔" شاید اسے میرا لہجہ پسند آ گیا تھا۔
کنڈی کھولنے کے بعد حوالات کا دیو ہیکل دروازہ بے

آواز نکل گیا۔

"شکریہ!" اس پر خوشامد کا اثر دیکھنے کے بعد میں نے کہا۔ "تم اچھے آدمی ہو، جاتے جاتے ایک بار مجھ سے گلے ملتے جاؤ۔"

وہ زیر لب کچھ بڑبڑاتا ہوا کوٹھری کے اندر داخل ہوا۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں پھیلا دیے اور جونہی وہ میری زد میں آیا، میں نے پوری قوت سے اس کا گلا دبا کر اسے آہستگی سے فرش پر گرا دیا اور اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔

ہاشم کے لیے میرا یہ وار بالکل غیر متوقع تھا مگر اس نے کمال ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے جھپٹ کر سنتری افسر کی دونوں ٹانگیں جکڑ لیں تاکہ وہ فرش پر پاؤں مار کر کسی کو ادھر متوجہ نہ کر سکے۔

"سیاہ کار میں کون ہو گا؟" میں نے اس کے نرخرے پر دباؤ بڑھاتے ہوئے سفاکانہ لہجے میں سوال کیا۔

اس کا چہرہ سیاہ پڑ گیا تھا، موت کی دہشت سے آنکھیں حلقوں سے باہر ابلی پڑ رہی تھیں اور شاید اس کا دل بھی اس کے ضمیر کی طرح کمزور تھا کیونکہ میرا سوال سنتے ہی اس نے مزاحمت ترک کر کے کچھ بولنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔

میں نے بتدریج اس کی گردن پر اپنی گرفت اتنی کم کی کہ اس کے حلق سے کوئی آواز برآمد ہو سکے۔

"میرا دوست!" پھنسی پھنسی دہشت زدہ آواز سن کر میں نے یکلخت اس کی گردن پر دباؤ پھر بڑھا دیا اور میرے نیچے اس کا بدن شدت سے کسمسانے لگا۔

شاید دم گھٹنے کے سبب وہ بوکھلا گیا کیونکہ اس کا سر تیزی سے نفی کے انداز میں ہلنے لگا تھا اور میں نے ایک بار پھر گرفت تھوڑی ہلکی کر دی۔

"مجھے چھوڑ دو۔" بدقت تمام اس کے حلق سے سرسراہٹ ابھری۔ "میں بتا دوں گا۔"

میرے لیے وہ لمحہ فیصلہ کن تھا۔ اس شخص کے بارے میں اتنا تو مجھے یقین تھا کہ اپنی جان بچانے کے لیے وہ سب کچھ کر سکتا تھا، کیونکہ وہ تنہا تھا۔ زیادہ امکان یہی تھا کہ وہ سہمے انداز میں سچ اگلنا شروع کر دیتا لیکن ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ کہیں گلا آزاد ہوتے ہی بری طرح شور مچانا شروع نہ کر دے۔

اس وقت بہتر بات یہ تھی کہ حوالات کا دروازہ غیر مقفل تھا اور ہم دونوں کے پاس اپنے ہتھیار ہونے کے علاوہ اس افسر کا ریوالور اور فاضل گولیاں بھی موجود تھیں لہٰذا میں نے خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر ہی لیا۔

"اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھ لو۔" میں نے اسے حکم دیا جس کی پھرتی سے تعمیل کی گئی۔ "دونوں ٹانگیں فرش پر پھیلا دو اور اس وقت تک یونہی پڑے رہنا جب تک میں اٹھنے کی اجازت نہ دوں۔"

اس نے نہ صرف ٹانگیں سیدھی کر لیں بلکہ اس کی آنکھوں میں بھی ممنونیت سی جھلکتی محسوس ہوئی تھی۔ میں نے ایک جھٹکے سے گردن آزاد کی اور اس کے بدن پر سے اچھل کر دور ہٹ گیا۔ ہاشم نے بھی میری تقلید کی مگر وہ اسی احتیاط سے ... اسی اثنا میں وہ کسی وقت اس کے ہولسٹر کو بھی خالی کر چکا تھا۔

"شروع ہو جاؤ۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"ہم... مجھے معاف کر دو۔" وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔ "مجھے معلوم تھا تم فرار کے بعد کسی محفوظ پناہ گاہ کی تلاش کرو گے لہٰذا میں نے تمہیں حوالات سے آزاد کرا کے اپنی ذاتی قیدی بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔"

"جھوٹ مت بولو ذلیل آدمی۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ اس وقت کی خطرناک صورت حال کے پیش نظر میرا لہجہ ... چلا تھا اور میں خود پر شدید اعصابی دباؤ محسوس کر رہا تھا۔

کوتوالی کی مقفل حوالات میں وہ خطرناک ... گم نہیں تھی اور کسی بھی لمحے وہاں کوتوالی کے عملے کی مداخلت کا خطرہ تلوار بن کر سر پر لٹک رہا تھا لہٰذا میں مختصر ترین وقت میں اس کی زبان سے سچ سننا چاہتا تھا تاکہ پھر اگلے اقدام کے بارے میں فیصلہ کر سکوں۔

"میں... میں نے ان سے مشورہ کیا تھا۔" وہ سہمی ہوئی آواز میں بولا۔ "خدا کے لیے مجھے ہلاک نہ کرنا، میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ بے اختیار رو پڑا۔

میں نے اپنی جیب سے پستول کے ساتھ ہی زہریلی سوئی والی شیشی بھی نکال لی جو کافی عرصے سے استعمال نہیں ہوئی تھی۔

"کس سے؟" میں نے اس کے قریب ہو کر سوال کیا۔ "پوری بات کہہ ڈالو۔" پھر میں نے ہاشم کو حوالات کا دروازہ ... کرنے کا اشارہ کیا جس پر فوری عمل کیا گیا۔

"جوزف سے۔" وہ ہانپتے اور لرزتے ہوئے بولا۔ "پہلے سب کچھ بتا دیا جس پر وہ بہت زیادہ مشتعل ہو گیا ... نے حوالات سے تمہارے فرار کا منصوبہ بنایا۔ صبح چار بجے ... آدمی کوتوالی کے اسلحہ خانے پر آتش گیر بم پھینکے گا ... عقب میں ہے مسلسل دھماکوں اور آگ کے باعث سب ... تم باہر نکل کر سیاہ کار میں جا بیٹھتے جس کا آدمی چلا رہا ہوتا ... تمہیں جوزف کے کسی ٹھکانے پر لے جاتا۔"

...

... میں ڈال کر زہریلے تیروں والی شیشی کا رخ اس کی طرف کیا تو وہ کچھ نہ سمجھ سکا اور جب ... لگی ہوئی سوئی اس کی گردن میں پیوست ہوئی تو اس نے سسکاری لینے کے لیے ہونٹ پھیلائے مگر کوئی آواز پیدا کیے بغیر ... کی صورت میں پھیل گئے۔

ہم دونوں نے پھرتی سے اس کی لاش کو ایک کونے میں لٹایا۔ اس سے قبل کہ جسم کی حرارت مفقود ہونے کے بعد لاش اکڑنی شروع ہوتی، ہم نے اسے ایک گٹھڑی کی صورت میں سمیٹ کر اس پر کمبل وغیرہ اس طرح ڈال دیے کہ اس کا دیکھا جانا ناممکن ہو کر رہ گیا۔

میرے لیے اس سنسنی خیز مرحلے کا اختتام بہت تکلیف دہ تھا۔ میں نے فرش پر بیٹھ کر اپنے لیے سگریٹ سلگائی۔

حوالات میں ایک تازہ لاش کے سرہانے بیٹھ کر کوئی سنجیدہ بات سوچنی خاصی دشوار ہوتی ہے مگر میں اس وقت کی صورتحال کے پیش نظر تیزی سے سوچنے پر مجبور تھا۔

سیتا مصری سرحد عبور کر کے بخیر و عافیت سوڈان پہنچ چکی تھی جہاں ابو سلطان کے سوا اسے پہچاننے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ جوزف ... ایک سرکس کے ساتھ وادی حلفہ پہنچی تھی اور پھر سرکس میں کام کرنے والی تین لڑکیوں سمیت پہلی ہی رات یوں غائب ہو گئی کہ کئی روز گزرنے کے بعد بھی جوزف کے معقود ہرکارے اس کا سراغ نہیں پا سکے تھے۔

وہ سوڈان میں ہی تھی لیکن کہاں تھی؟ یہ معلوم کرنا میرا کام تھا۔ اگر میں جوزف اور اس کے طفیلی پولیس کے چکر سے محفوظ نہ ہوتا تو مجھے پورا یقین تھا کہ میں اپنی مہم باآسانی سرانجام دے سکتا تھا۔

اب حوالات میں کوتوال اور اس کا عملہ ہمارا دشمن تھا۔ اگر ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے وہاں بیٹھے رہتے تو چند گھنٹوں بعد کسی بھی لمحے متوفی پولیس افسر کی لاش دریافت ہو سکتی تھی اور قتل بہرحال فرار سے زیادہ سنگین جرم قرار دیا جاتا ہے خواہ وہ کیسے ہی حالات میں سرزد کیا گیا ہو۔ اس مصیبت سے نجات کے لیے فرار کی فوری راہیں غیر یقینی ہی تھیں۔

اگر صبح کے چار بجے کوتوالی کے اسلحہ خانے میں دھماکوں کے بعد ہم فرار کی راہ اختیار کرتے تو باہر جوزف کے آدمیوں سے ٹکراؤ کا اندیشہ تھا۔

فرار کے بعد اپنے اغوا سے محفوظ رہنے کی بہتر صورت یہ تھی کہ ہم متوفی پولیس افسر کے بتائے ہوئے راستے کے بجائے کوئی اور راہ اختیار کرتے مگر یہ خدشہ بھی تھا کہ کہیں جوزف نے احتیاطاً پوری کوتوالی کا محاصرہ نہ کرا لیا ہو۔

مقامی پولیس اور جوزف کی دشمنی مول لینے کے بعد حلفہ جیسے چھوٹے شہر میں کوئی محفوظ ٹھکانا تلاش کرنا بھی ... تھا ... اژدہے کے منہ میں ہاتھ ڈالنے والی بات تھی ... شیر کی کچھار سے جوتے اس کی طرف بھاگنے کے مترادف ہوتا مگر یہ ایک ایسا کام تھا جو بظاہر ناممکن نظر آنے کے باوجود سیتا نے پوری کامیابی سے کر دکھایا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" ہاشم کی سرگوشی نے مجھے چونکا دیا۔

"ایک رکاوٹ تو دور ہو چکی ہے۔" میں نے کمبلوں کے نیچے دبی ہوئی لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "باقی کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"تم نے اس پر زہریلی سوئی استعمال کر کے بڑی غلطی کی۔"

"پستول چلاتا تو شاید چند لمحوں میں ہی شدید مصائب کا آغاز ہو جاتا۔" میں نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"اس کا کھوج دوبارہ لگایا جا سکتا تھا۔" وہ بولا۔ "لیبیا اور مصر میں زہریلی سوئیاں مسعود علی سے منسوب ہیں۔ یہ لاش سامنے آتے ہی سوڈان والوں پر مسعود علی کا ہوّا سوار ہو جائے گا اور تمہاری اصلیت کا راز فاش ہو جائے گا۔"

"تم نے بہت دور کی بات سوچی ہے۔" میں نے تاسف آمیز لہجے میں کہا۔ "میں مسعود علی کی طرف تو ان کا خیال بھی نہیں ہونے دینا چاہتا۔"

"اب تو اس کی ایک ہی صورت ہے کہ چار بجے دھماکا ہوتے ہی ہم لاش کندھے پر لاد کر بھاگ نکلیں۔"

"مذاق نہ کرو! میں بھی سوچ رہا ہوں۔"

"تو کیا تم سیاہ سیڈان کار استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا۔" میں نے کہا۔ "دوسری کوئی راہ اختیار کی تو شاید شہر سے نکلنے سے قبل ہی ہم دوبارہ دھر لیے جائیں اور وہ کار بھی چوہے دان ثابت ہو گی۔"

"صرف ایک ہی امید کی جا سکتی ہے، اگر اس کار میں ڈرائیور کے علاوہ ایک یا دو آدمی ہوئے تو ہم باآسانی انہیں زیر کر سکیں گے۔"

"کیا وہ اتنے ہی بودے ہوں گے؟"

"یہ سوچنے کی بات نہیں، وہ ہماری طرف سے مطمئن ہوں گے۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "وہ یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ ہم ان کے پروگرام سے بے خبر ہیں اور فرار میں انہیں اپنا معاون سمجھ رہے ہیں۔ ہم ان کے اسی اعتماد سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔"

"تمہارا یہ نکتہ دل کو لگتا ہے۔"

"جوزف ہمارے فرار میں غیر قانونی طور پر ملوث ہو رہا ہے لہٰذا وہ بعد میں کسی بھی مرحلے پر اس واردات سے اپنے تعلق کا برملا اظہار نہیں کر سکے گا لہٰذا ہم اس کے ایک آدمی کو ہلاک کر کے اس کی لاش متوفی پولیس افسر سمیت سیاہ کار ہی میں چھوڑ کر ویران صحرا میں لے

آگ لگا دیں گے۔ وہ جلی ہوئی لاشوں کی شناخت ناممکن ہوگی اور انہیں ہماری لاشیں قرار دے کر پولیس اپنی فائل بند کر دے گی۔"

"ابھی وقت ہے۔" وہ اپنی رسٹ واچ دیکھتے ہوئے بولا۔

"اچھی طرح سوچ لو۔ پولیس افسر کو ٹھیک کیل کرتے ہوئے ہم یہ بھلا بیٹھے تھے کہ وہ اپنی گمشدگی کے لئے براہ راست جوزف سے بھی رجوع کر سکتا ہے!"

"وہ تو ہمارے اندازوں کی بدترین غلطی تھی اور اب شاید ہم اسی کی سزا بھگت رہے ہیں لیکن نئے منصوبے کا صرف ایک منفی پہلو ہے جس کا تدارک لازمی ہے۔"

"وہ کیا؟" اس نے پُرتجسس لہجے میں دریافت کیا۔

"ہمارا قیاس ہے کہ جوزف زور و شور سے ہماری تلاش کا آغاز کرے گا اور پولیس سیاہ سیڈان میں دو خاکستر لاشیں دیکھ کر ہمارا کیس داخل دفتر کر دے گی۔ مگر بعد میں گمشدہ پولیس افسر کے بارے میں کیا سوچا جائے گا؟"

"تو پھر جلی ہوئی کار میں تین لاشیں کیوں نہ ہوں۔" ہاشم نے فوری طور پر کہا۔ "اس طرح حلقہ کا کوتوال اپنی پوری توجہ جوزف پر مرکوز کر دے گا۔ وہ پہلے ہی شبہ کر رہا ہے کہ جوزف نے اپنا جرم چھپانے کے لئے افسروں کی ملی بھگت سے جانے کیسے ڈالا ہے۔ لہٰذا کار کے رجسٹریشن سے اس کی ملکیت کا تعین ہوتے ہی اس کی کہانی مکمل ہو جائے گی۔ وہ سمجھے گا کہ اس کے شبہات کی تصدیق پانے کے بعد جوزف نے متوقع کو حوالات سے ہماری رہائی پر آمادہ کیا اور جب تھانے میں تحریری کارروائی ہوئی تو شرفی ہم دونوں کو جوزف کی فراہم کی ہوئی کار میں صحرائی شاہراہ پر لے جائے گا جہاں راستے میں جوزف کے منصوبے کے مطابق کار کو کسی طرح اس کے مسافروں سمیت نذر آتش کر دیا گیا تاکہ جوزف کے خلاف کوئی مضبوط گواہ ہی باقی نہ رہے اور وہ چین کی بنسی بجاتا رہے!"

"تم زندہ مسافروں کو جلانے کی بات کر رہے ہو لیکن مردہ پولیس افسر کی جلی ہوئی لاش سے برآمد ہونے والی اشیاء کے تجزیے سے اس کے جسمانی نظام میں پوٹاشیم سائنائیڈ کی موجودگی کا ثبوت مل جائے گا جو تمہارے مفروضوں کی نفی کے لئے کافی ہوگا۔"

"فکر نہیں اگر ایندھن پورا ہو تو لاشیں اندر تک سے کوئلہ بن جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں وہ کس چیز کا تجزیہ کریں گے؟" اس نے کہا اور مجھے دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا کہ اس بار وہ اپنی تجویز کے ہر پہلو پر غور کر چکا تھا!

"پھر تو معاملہ خاصا سہل نظر آتا ہے۔" میں نے کہا۔ "اگر زہریلی سوئیوں نے ساتھ دیا تو اس کار پر قبضہ کرنا زیادہ دشوار نہیں ہوگا۔"

ایک مرتبہ پھر طے کر لینے کے بعد کہ جوزف ایمن کو زندہ جال میں پھانس کر زندگی جائے۔ ہم دونوں نے سرگوشیوں میں فرار کی جزئیات پر تبادلۂ خیال شروع کر دیا تاکہ کوئی خامی باقی رہ گئی ہو تو اسے دور کیا جا سکے!

گھڑی کی سوئیاں سست رفتاری سے آگے بڑھتی رہیں۔ کوتوالی کے اندرونی حصوں سے آنے والی اکا دکا آوازیں بھی رفتہ رفتہ بالکل معدوم ہو گئیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے تمام افراد سو چکے ہوں۔ ان لوگوں کے اطمینان کا یہ عالم تھا کہ جب سے ہم حوالات میں آئے تھے، شرفی پولیس افسر کے علاوہ کسی سنتری یا سپاہی نے ادھر کا رخ نہیں کیا تھا اور نہ ہی کسی کو یہ معلوم تھا کہ مقتول آخری بار حوالات کی طرف آنے کے بعد واپس نہیں لوٹا تھا۔

مگر مقتول کی طرف سے عملے کے دیگر اراکین کی بے خبری کا جواز بھی میرے ذہن میں آ گیا۔ وہ ڈھائی بجے کے بعد ہمارے پاس آیا تھا اور اس نے خود ہمیں بتایا تھا کہ کوتوالی کا عملہ تین بجے تک سو جاتا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ جس وقت وہ حوالات کی طرف آیا وہاں کا عملہ اپنے سونے کی تیاریوں کا آغاز کر چکا تھا لہٰذا اس کی آمد اور واپسی کے بارے میں کسی کو کوئی تشویش لاحق نہیں ہوئی۔

جیسے جیسے وقت قریب آتا جا رہا تھا، میں اپنے اعصاب میں شطرنج کی بساط جیسی ہی بے چینی محسوس کر رہا تھا جو شاید کسی بڑے معرکے کا پیش خیمہ تھا۔

کہا جاتا ہے کہ آفات کے سلسلے میں جانور بڑے حساس ہوتے ہیں۔ طوفان کی آمد ہو تو پرندے غول کی صورت میں اپنے آشیانوں سے کھلی فضا میں نکل پڑتے ہیں اور تیز آوازیں نکالنے لگتے ہیں یا بلند درختوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر چیخنے لگتے ہیں اور دیگر چوپائے بھی زور زور سے بولنے لگتے ہیں۔ علاوہ ازیں زلزلے کی آمد سے بیشتر چوہے اپنے بلوں سے نکل کر وحشت کے عالم میں ہر طرف دوڑنے لگتے ہیں۔ اسی طرح شاید قدرت نے ناگہانی آفات اور مصائب کے سلسلے میں انسان میں ایک قوت رکھی ہے جو پیشگی اطلاعات فراہم کرتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ لوگ اپنی چھٹی حس کی کمزور سی للکار پر توجہ نہیں دیتے اور بے خبری کے عالم میں مارے جاتے ہیں اور جو لوگ اپنے اعصاب کو پوری طرح تابع رکھتے ہیں وہ عام طور پر خطرات سے بچ نکلتے ہیں یا کسی نہ کسی طرح ان کی سنگینی میں کمی لانے کا بندوبست کر لیتے ہیں۔ بدترین خطرات سے بھی زندہ سلامت نکل آنے کے واقعات کے بعد میں خود کو بھی خوش قسمت لوگوں میں شمار کرنے لگا تھا۔

غیر متوقع طور پر ہوگا! مجھے یہ احساس بھی رہتا تھا کہ میرا خاتمہ قریب بھی ہوا تو اچانک اور غیر متوقع طور پر ہوگا!

"پونے چار!" ہاشم کی فکرمندانہ بڑبڑاہٹ میرے کانوں میں پہنچی اور میں نے مضطربانہ انداز میں اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"تمہارے انداز سے بے چینی مترشح ہے!" ہاشم نے مجھے پشت پر ہاتھ باندھ کر حوالات میں گھومتے ہوئے دیکھ کر آہستہ سے کہا۔

"مجھے اپنی کیفیت کا احساس ہے۔" میں نے رک کر کہا۔ وہ میرے مقابلے میں خاصا پُرسکون نظر آ رہا تھا۔ "مقدر نے یاوری کی تو ہمارا منصوبہ ضرور کامیاب رہے گا لیکن میں اپنی بے چینی کا تجزیہ نہیں کر پا رہا۔ شاید میرے لاشعور میں کچھ اندیشے کلبلا رہے ہیں!"

"کیا؟" اس نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے اپنے پاس بٹھا لیا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" میں نے اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "کاش اپنے لاشعور میں جھانکنا میرے بس میں ہوتا!"

"اس وقت جوزف کے آدمی تیزی سے کوتوالی کے گرد پھیل رہے ہوں گے۔" اس نے میرے ذہن کو مصروف کرنے کے لئے باہر کی کہانی چھیڑ دی!

"گیارہ منٹ رہ گئے!" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا اور حلقہ کے حوالات میں اپنی دانست میں آخری سگریٹ سلگائی۔

"ایک بات پوچھوں؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد میں نے سوال کیا۔ "مگر تم مجھے مایوسی کا طعنہ نہیں دو گے۔ ایسے ہی خیال آ رہا ہے!"

"کون ڈھنگ کی بات پوچھنا ہے؟" میری مسکراہٹ کے جواب میں وہ بھی مسکرا دیا۔

"اگر میں مر گیا تو کیا ہوگا؟"

لمحہ بھر کے لئے وہ خاموشی سے میری طرف دیکھتا رہا۔ پھر سپاٹ لہجے میں بولا۔ "کچھ بھی نہیں — دنیا کے سارے کاروبار اسی طرح چلتے رہیں گے۔ وہ لوگ جن کو تمہاری ذات پیاری ہے وہ چند ماہ یا شاید چند سال تمہارے لئے دل گرفتہ رہیں گے پھر آلام روزگار میں کھو کر تمہیں بھول جائیں گے۔ جب ایک دن ہر انسان نے مرنا ہے تو پھر کسی کی موت کو اپنی زندگی کا روگ بنا لینا قدرت سے بغاوت ہے!"

اس کا جواب میرے لئے غیر متوقع تھا۔ "بڑا بے رحمانہ تبصرہ کیا ہے تم نے۔ تم نے جس کو کچھ ہی ڈالا۔ بیزار ہو مجھ سے؟"

"تمہارا سوال مایوسانہ تھا برادر!" وہ میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "میں نے تمہیں حقیقت بتائی ہے۔ ویسے پوچھو تو تمہاری ذات میرے لئے ایک تربیت گاہ بن گئی ہے۔ تم میرے ساتھ رہو یا نہ رہو لیکن میں آسودہ رہوں گا۔ اب جس روز تمہارے بارے میں کوئی بری خبر آئی، میں خود کو یتیم سمجھنے لگوں گا!"

میں نے بے اختیار اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا اور عین اسی وقت حوالات کے در و دیوار ایک ہولناک دھماکے سے لرز اٹھے!

شاید تخریب کار کی گھڑی کچھ تیز تھی کیونکہ میری رسٹ واچ میں چار بجنے میں ڈیڑھ منٹ باقی تھا!

ہم منصوبے کی جزئیات پہلے سے طے کر چکے تھے۔ اب ان پر برق رفتاری سے عمل پیرا ہونے کا مرحلہ آ گیا تھا۔

میں نے حوالات کا دروازہ کھول دیا اور پستول ہاتھ میں لے کر باہر نکل گیا۔ دیوار میں ایک بورڈ پر دو سوئچ لگے ہوئے تھے جو میں نے آف کر دیئے! حوالات کے ساتھ ہی راہداری میں بھی اندھیرا ہو گیا۔ اب راہداری کے اختتام پر نکاسی کی راہ ایک چوکور اور روشن خلا کی صورت میں نظر آ رہی تھی!

میں اندازے سے چند سیکنڈ وہاں رکا۔ پھر نکاسی کے راستے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس وقت چند پے در پے کئی دھماکے ہوئے اور ساتھ ہی بہت سے لوگوں کا ملا جلا شور بھی سنائی دیا۔ روشن خلا کے سامنے سے گزرتے ہی کئی افراد سرعت سے بائیں جانب گئے اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اندھیرے میں بیٹھا روشن اسکرین پر کوئی فلم دیکھ رہا ہوں۔

تاریک راہداری سے بلا مزاحمت گزر کر محرر کے دفتری کمرے میں پہنچنے میں مجھے بمشکل نصف منٹ لگا۔ اس دوران میں مجھے اپنے عقب میں قدموں کی بے آواز دھمک تیز تر محسوس ہو رہی تھی مگر میں نے مڑ کر دیکھنے کی حماقت نہیں کی کیونکہ میرے لئے سامنے کا محاذ فیصلہ کن تھا جس پر ہماری آزادی اور بقا کا دار و مدار تھا!

محرر کے کمرے میں پہنچ کر میں نے چند سیکنڈ میں ہی سوئچ بورڈ دیکھ کر سارے سوئچ بند کر دیئے اور نہ صرف کمرہ بلکہ اس کے قریب کا حصہ مکمل اندھیرے میں ڈوب گیا اور عقب میں آنے والی دھمک تاریکی کا جواز بن کر راہداری سے محرر کے کمرے میں بڑھ آئی جہاں دائیں طرف کا دروازہ ہمیں الوداع کہنے کے لئے وا تھا۔

کمرے میں پہنچنے اور سوئچ بند کرنے کے درمیان چند سیکنڈ میں میں نے اس کمرے کا پورا جائزہ لے لیا تھا۔

وہاں تین بستر فرش پر لگے ہوئے تھے جو خالی تھے۔ چوتھا بستر راہداری سے ملی ہوئی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی چوبی بینچ پر تھا جہاں شاید سنتری سویا ہوا تھا۔ دھماکوں کے نتیجے میں وہ اس قدر بدحواسی

کے عالم میں بستر چھوڑ کر بھاگا تھا کہ اپنی رائفل بھی پلنگ کے نیچے فرش پر رکھی چھوڑ گیا تھا۔ اس کے علاوہ وہاں ایک خالی کرسی اور میز تھی جس پر فون اور رجسٹر پڑے تھے۔

عمارت کے کمرے میں بائیں جانب سے اب مسلسل دھماکوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ اسلحہ خانہ پوری طرح تباہی کی زد میں آ چکا تھا!

تاریکی میں تھوڑے کم تاریک دروازہ نمایاں نظر آ رہا تھا۔ میں پھرتی سے داہنی طرف مڑا اور دروازے سے گزر کر برآمدے میں جا نکلا جہاں سامنے تاریک صحن پھیلا ہوا تھا۔

اسی وقت کسی طرف سے ایک شخص تیزی سے دوڑتا ہوا آیا۔ میں نے ایک طرف سرک کر خود کو تصادم سے بچا لیا لیکن شاید ہاشم اس وقت دروازے سے گزر رہا تھا اور اس کے شانے پر ایک لاش بھی لدی ہوئی تھی لہٰذا بھاگنے والا پورے زور سے اس سے جا ٹکرایا۔

پختہ فرش پر کئی جسموں کے گرنے کے دھماکے ہوئے۔ ہاشم کی کراہ مدھم تھی مگر ٹکرانے والا پوری آواز سے گالیاں بک رہا تھا۔

میں تیزی سے واپس پلٹا اور تاریکی میں فرش سے اٹھتے ہوئے دو انسانی ہیولوں میں ڈگمگاتے ہوئے اجنبی کو بآسانی پہچان لیا۔

اس وقت کوتوالی میں غیر معمولی صورت حال پیدا ہو چکی تھی۔ سارا عملہ جلتے ہوئے اسلحہ خانے کی طرف متوجہ تھا ایسے میں اگر اندھیری عمارت میں پستول کا دھماکا ہوتا تو یقیناً کچھ لوگ ادھر بھی آ جاتے اور جاری راہ مسدود ہو جاتی اور اس مرحلے پر میں زہر بجھے تیر ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا کہ کہیں جوزف کی کار میں عین موقع پر وہ شیشی جواب نہ دے جائے لہٰذا میں نے فوری طور پر اپنے پستول کی نال اپنے ہاتھ میں تھامی اور بدکلام اجنبی پر ٹوٹ پڑا۔

مجھے نہ اس کی زندگی عزیز تھی اور نہ میں اس کے لہو کا پیاسا تھا میری کوشش صرف اتنی تھی کہ اس کا اونچا لہجہ کسی کو ادھر گرد پڑنے کے وہم میں نہ ڈال دے!

میرا ہاتھ فضا میں بلند ہو کر نیچے آیا اور آہنی دستہ اس کے سر سے ٹکرایا تو ضرب میں غیر ارادی طور پر اتنی شدت تھی کہ لوہا کاسۂ سر میں اتر گیا اور اندھیرے میں ہڈی ٹوٹنے کی آواز واضح طور پر سنائی دی۔

اجنبی کا لہجہ بہک گیا اور وہ کراہتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ میں واپس لوٹا تو ہاشم لاش کو دوبارہ کندھے پر لاد کر برآمدے کے نیچے طے کر رہا تھا۔

"بس کرو پیچھے چلے آؤ" میں نے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے ہیجان آمیز لہجے میں سرگوشی کی اور آگے بڑھ گیا۔

تاریک صحن خاصا طویل تھا مگر موت کے آگے بھاگتے ہوئے شخص کے سامنے صرف یہی اطمینان کافی تھا کہ اس آخری زندگی کا [illegible] آزادی کے چند سانس میسر آ سکیں گے۔

پھاٹک سے نکلنے سے پہلے میں نے بائیں طرف کھڑی ہوئی سیاہ کار دیکھی اور تیزی سے اس کی طرف لپکا مگر اس میں موجود افراد مجھ سے زیادہ مستعد تھے۔

میرے قریب پہنچتے ہی کار کی عقبی نشست کا دروازہ کھل گیا مگر میں باہر ہی رک گیا۔

"اندر آ کر!" کار میں چھپے ہوئے اندھیرے میں کسی کی تحیر آمیز آواز ابھری۔ "وہ بھی آ جائے گا؟"

اسی وقت ہاشم بھی پھاٹک سے نکل آیا۔

"یہ کیا لئے آ رہا ہے؟" کار میں سے پھر وہی دہشت زدہ آواز ابھری؛ اس بار لہجہ تحیر آمیز تھا۔

"ایک پولیس افسر ہے یہ بے ہوش قیدی کی جانب [illegible] ہے۔ اسے بعد میں ہم سے اپنی ذاتی تحویل میں لے [illegible] قریب جا کر کہا۔

"قیدی کو پائیدان میں ڈال دینا!"

اس کی یہ ہدایت غیر ضروری تھی کیونکہ اس کے سوا کوئی صورت ممکن بھی نہیں تھی کیونکہ کار میں ڈرائیور سمیت تین افراد پہلے سے موجود تھے۔

میں نے آہستگی سے پستول جیب میں ڈال کر زہر بجھے تیروں والی شیشی نکال لی جس نے مجھے کئی خطرناک مواقع پر نئی زندگی حاصل کرنے میں مدد دی تھی۔

ڈرائیور کے ساتھ ایک آدمی اگلی نشست پر براجمان تھا۔ دوسرا عقبی نشست پر جا بیٹھا تھا۔ میں نے لاش عقبی پائیدان میں گھسیٹنے میں ہاشم کی مدد کی اور خود درمیان میں بیٹھ گیا۔ ہاشم بائیں پہلو میں بیٹھ گیا۔

دروازہ بند ہونے سے قبل ہی کالی سیڈان کا انجن بیدار ہوا اور وہ کسی غضب ناک درندے کی طرح اچھل کر آگے بڑھتی چلی گئی۔

میں نے سر گھما کر کوتوالی کا جائزہ لیا تو شدید دھماکوں کے ساتھ عمارت کا ایک حصہ گہرے سرخ شعلوں اور کثیف دھوئیں میں گھرا ہوا تھا۔ بھاگ دوڑ کا اختتام ہونے پر نتھنوں نے فضا میں پھیلی بارود کی تیز بو پہلے ہی محسوس کر لی تھی۔

پہلا موڑ آتے ہی میرے داہنے ہاتھ نے خفیف سی جنبش کی اور میرے ساتھ بیٹھا ہوا نامعلوم شخص ایک خفیف سا جھٹکا کھا کر ساکت ہو گیا۔

دشمن کو اذیت پہنچائے بغیر ہلاک کرنے کا وہ طریقہ بہت سہل اور خوشگوار تھا کہ جب تک مرنے والے کو جھنجھوڑا نہ جائے

کا احساس بظاہر اس کی حالت سے یقین کرنا دشوار تھا تا آنکہ زہر کے اثر سے جسم کی جلد سیاہی مائل نیلی پڑنی شروع ہو جائے!

"ذرا تیز چلاؤ بھائی!" یہ کہہ کر میں نے ڈرائیور کو حرکت دیتے ہوئے ڈرائیور کے ساتھ والے کی گردن کے پچھلے حصے کا دامن دبایا اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس بار بھی زہریلی شیشی نے میرا ساتھ دیا تھا۔

خرابی یہ ہوئی کہ میں نے جس وقت اس پر وار کیا اس نے ڈرائیور سے کچھ کہنا شروع کیا تھا مگر اس خوفناک زہر کے اثر سے وہ لفظ بھی مکمل نہ کر سکا۔ ایک جھٹکے کے ساتھ اس کی [illegible] اس قدر غیر فطری تھی کہ ڈرائیور چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

طلوغ چھوٹا سا شہر تھا اور کوتوالی سے چند منٹ کی ڈرائیو کے بعد ہمیں یوسف امین کے مجوزہ مقام پر سفر کے اختتام کا امکان تھا۔ میں عجلت میں تھا اور یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ کار پر قابض ہوتے ہی سب سے پہلے اس کا رخ واپس گھماؤں گا تاکہ جوزف یا اس کے قید خانے کے قریب سے بھی گزرنے کا امکان باقی نہ رہے!

"ابو موسیٰ۔۔۔ ابو موسیٰ!" ڈرائیور نے دوبارہ اسے پکارا پھر ہراساں ہوئی آواز میں بولا۔ "کیا ہو گیا اس کو؟ ابھی تو اچھا خاصا تھا۔"

"ذرا رک کر تو دیکھنے دیا!" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"تم چپ رہو!" اس نے تیکھے لہجے میں مجھے جھڑک دیا پھر بولا۔ "تم لوگوں کا خواہش ہو عبد الکامل؟ ذرا ابو موسیٰ کو تو دیکھو!" اسی کے ساتھ اس نے کار کی رفتار بھی بتدریج کم کرنی شروع کر دی تھی۔

ظاہر تھا کہ اس بار اس کا مخاطب پیچھے والا تھا۔ جو پہلے ہی اللہ کی مشقت سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کر چکا تھا۔

"یہ مجھے بار نگر رہا ہے" میں نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔ "شاید تم لوگ ساری رات کے جاگے ہوئے ہو۔ عبد الکامل تو گرا جا رہا ہے!"

"والحرام!" ڈرائیور کسی کا نام لئے بغیر دانت پیس کر غرایا مگر اس کی آواز پر خوف غالب آ چکا تھا۔

یہ بات واضح تھی کہ اس نے دخل در معقولات پر مجھ ہی کو گالی دی تھی مگر میں یوں خاموش رہا کہ اس نے لپک کر ترشی سے بریک لگا دیئے تھے۔

کار کے ٹائروں نے تیلی دبی آواز میں احتجاج کیا اور کار کالی سڑک پر تھوڑا سا گھسٹنے کے بعد رک گئی۔

میرا ہاتھ اس وقت ڈرائیور کی پشت گاہ پر رکھا ہوا تھا اور اس میں دبی ہوئی شیشی نکال کا ہولناک انتقام لینے کے لئے تیار تھی۔

شاید وہ انگشت بدنداں ہو کر میری طرف پلٹتا لیکن اسے اتنی مہلت ہی نہ مل سکی۔ سیڈان کے انجن کی عارضی خاموشی کے ساتھ ہی اس کی زندگی کا انجن ہمیشہ کے لئے اپنی پٹری سے اتر گیا اور چار لاشوں کے درمیان دو مفرور بیٹھے رہ گئے۔ جن کے حصے میں بٹوارے کے اصول سے فی کس دو لاشیں آتی تھیں مگر یہ خوش نصیبی تھی یا بدنصیبی کہ میں دو گھنٹے سے بھی کم عرصے میں یکے بعد دیگرے چار خون کر چکا تھا اور اگر بدکلام اجنبی مر جاتا تو یہ تعداد پانچ ہو جاتی۔

کھیل کے میدان میں مسلسل تین گول کئے جائیں تو ہیٹ ٹرک کا اعزاز ملتا ہے مگر چار انسانوں کی زندگی گول کرنے والے کے لئے بے نام اندیشوں کی گہری دھند میں ڈوبا ہوا غیر یقینی مستقبل تھا جس کے بارے میں کوئی قیاس نہیں کیا جا سکتا تھا۔

جائے فرار کی راہ کی آخری رکاوٹ جوزف امین کے ڈرائیور کو ٹھکانے لگا کر کالی سیڈان پر قبضہ کرنا تھا اور یہ مرحلہ بھی غیر متوقع کامیابی کے ساتھ نمٹ گیا تھا مگر میری دھیمی جلتی ابھی تک برقرار تھی جو آخری لمحات میں حوالات میں ستا رہی تھی۔

میں نے خیالات کی رو ابھرنے کے باوجود کام میں ذرا بھی تاخیر نہیں کی اور عبد الکامل کی لاش عقبی پائیدان پر لڑھکا دی۔ اسی اثنا میں ہاشم نیچے اتر کر ڈرائیور کی لاش ابو موسیٰ کے قدموں میں گھسیٹ چکا تھا۔ میں نے پیچھے سے ابو موسیٰ کو بھی وہیں گرا دیا اور ہاشم نے پھرتی سے اپنی نشست سنبھال کر انجن اسٹارٹ کر لیا۔

"کار واپس گھماؤ!" میں نے پیچھے سے ہدایت دی۔

"وہاں واپس جانا خطرناک ہے" وہ مہارت سے یوٹرن لیتے ہوئے بولا۔

"تم نے یہ فیصلہ کیوں کیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"پیچھے ایک جگہ صحرائی شاہراہ کی نشاندہی کرنے والا بورڈ دیکھا تھا۔ اس کے مطابق ہمیں واپس ہی جانا ہو گا!"

اس کا جواب سن کر مجھے خوشی ہوئی ورنہ شاہراہ کی تلاش بھی بجائے خود ایک مہم تھی۔ کیونکہ سوڈان کی سرحدی [illegible] ہاشم کے لئے بھی اجنبی تھے!

ویران اور خوابیدہ شہر سے نکل کر ہم صحرائی شاہراہ پر گھومے تو میری رسٹ واچ چار بج کر بارہ منٹ بتا رہی تھی یعنی دھماکے سے اس وقت تک کل ساڑھے تیرہ منٹ میں ہم نے اپنے فرار کے مجوزہ منصوبے کو پوری کامیابی سے عملی جامہ پہنا دیا تھا!

"تم بہت سفاک آدمی ہو!" کچھ دیر بعد ہاشم نے سکوت توڑا تو اس کے لہجے میں کرب تھا۔ ڈیش بورڈ کی مدھم روشنیوں کے انعکاس میں اس کے بشرے پر بھی اداسی اور رقت چھائی ہوئی

محسوس ہو رہی تھی۔

"یہ تم کہہ رہے ہو ہاشم؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔ "جس نے میری مجبوریوں کو اتنے قریب سے دیکھا ہے!"

"دشمن کا خون کرتے ہوئے تم انسان نہیں رہتے، بھیڑیئے بن جاتے ہو جس کے سینے میں کوئی احساسات نہیں ہوتے۔ یہی بھیڑیئے جب کسی بے بس انسان کو ختم کرنے کا فیصلہ کرتا ہے تو تم نے تین انسانوں کو وحشیانہ انداز میں موت کے گھاٹ اتار دیا اور تمہارے چہرے پر ذرا بھی ملال نہیں ہے!"

"وہ یوسف کے پروردہ تھے، اچھے بھلے مجرم!"

"وہ جو کچھ بھی تھے مگر انسان ہی تھے۔" اس نے کہا۔ "اور انسان کے لہو کی بڑی حرمت ہے۔ اسے پامال کرتے ہوئے دل کے کسی گوشے میں ذرا سی کسک تو ہونی چاہیے۔ جرم ایک چیز ہے اور احساس جرم اس سے ماورا ایک دوسرا لطیف جذبہ ہے۔ جس سے تم یکسر عاری ہو۔ بڑا زمانہ تھا، یہ بات میں پہلے بھی کہنا چاہتا تھا مگر آج خود بخود زبان پر آ گئی۔ میں تمہارا احترام کرتا ہوں۔ تم سے محبت کرتا ہوں مگر پھر بھی یہ کہنے پر مجبور ہوں۔"

"تم اپنی جگہ ٹھیک ہو۔ چند تانیوں کی خاموشی کے بعد میں نے اس کے خیالات کی قدر کرتے ہوئے کہا۔ "یہی انسانی خون جلتے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ میرا دل بھی لرزہ اٹھا تھا۔ تمہارے شفیق الالام کا حساب بھی کچھ کم نہیں ہے لیکن تم نے شاید ان حالات کا عشر عشیر بھی نہ دیکھا ہو گا جن سے میں دوچار ہوتا آیا ہوں۔ میں نے اپنی سرکشی کو بہت دبا رکھا ہے ورنہ شاید میری ذات تک اپنی پہچان کھو بیٹھتی!"

"مجھے معاف کر دینا۔" وہ ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ "تمہارا دکھ کریدنا نہیں چاہتا تھا اور نہ ہی یہ وقت اس گفتگو کے لیے موزوں تھا مگر تم سے اتنی اپنائیت ہو گئی ہے کہ زبان کھل ہی گئی۔ میری باتوں کا ملال نہ کرنا!"

"تم مجھے تھوڑے بھی نکلو گے تو شاید تمہارے سامنے میں ہتھیار تو کیا ہاتھ بھی نہ اٹھا سکوں گا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"میں جانتا ہوں۔" وہ عقیدت مندانہ لہجے میں بولا۔ "مجھے بھی تو حیرت ہے کہ تمہاری شخصیت کے دو متضاد روپ ہیں۔ ایک گداز، مہربان اور شفیق دوست کا اور دوسرا سراپا انتقام، بھیانک دشمن کا۔"

"ان میں ایک روپ ہے، دوسرا بہروپ!" میں نے اس کی بات مذاق میں ٹال دی۔ "شاید تم رفیق کو بھول گئے۔ معصوم اور بے ضرر نظر آنے والا شخص آخر میں کس قدر عیار اور مکار ثابت ہوا۔ اس کی دوست عابدہ ایک مکار لڑکی تھی مگر مجھے اس کی موت کا ملال ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "رفیق اسے طویل عرصے تک دھوکا دیتا رہا۔"

"یہ ہیں کراچی کی تلخ یادوں میں سے ایک..." تصور میں کراچی ابھر آیا!

روشنیوں کا شہر جس کی کچھ بستیوں کو بڑی راتیں ڈرائے جاتی ہیں جہاں پسینہ محنت کے بجائے پیسے سے کمایا جاتا ہے۔ کراچی میں میں نے محنت کی تو نان شبینہ سے بھی محتاج ہو گیا اور جب میں نے سفید پوشی کا موں کا رخ کیا تو شہر کی فہرست میں میرا نام بھی ایک چھوٹی سی جگہ پا سکا۔ کراچی ایک شہر خرابات تھا جہاں محبت، رفاقت، عداوت اور رقابت کے سارے جذبے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ شہر کو چھوڑ کر آیا تھا تو جانے اس میں کیا کیا ہو رہا تھا۔ میری سوچ کا دائرہ پھیلتا رہا لیکن کراچی کی سرحدیں نہ آئیں۔

میں وہاں ہی نہ جانے کس کس کی کہانیاں سنانے ہوں، ہاشم عقیدت مندانہ انہماک سے ایک ایک لفظ کو سن رہا تھا۔

صحرائے نوبی ریت کا ایک عظیم الشان سمندر تھا جو تاحد نگاہ پھیلا ہوا اور حد نگاہ پر سرمئی روشنی میں اندھیرا تھا۔ ریت کی سطح پر ٹیلے ہوئے وحشی ہوا کے کی اس وقت بڑا اسرار سے لگ رہے تھے جیسے کوئی دیو ہیکل ہو کے سناٹے میں اپنی ہتھیلی پھیلائے پڑا ہو کہ کوئی آنے والا دیکھا جائے دیکھ کر اسے آنے والے دنوں کا حال سنا سکے۔

صحرا میں طلوع کے بعد شاہراہ سے دور کہیں کہیں نظر آنے جو شاید چھوٹی چھوٹی صحرائی بستیوں کی نشاندہی تھے مگر کالی سیڈان کہیں تک بغیر تیز رفتاری سے سیدھی بھاگی جا رہی تھی۔

پانچ بجے سڑک سے ذرا دور تین اونٹوں پر مشتمل کارواں مخالف سمت سے آتا نظر آیا جو محض ایک لفظ تھا آگے والے اونٹ پر ایک سوڈانی بڑی تمکنت انداز سے بیٹھا تھا۔ پچھلے دو اونٹوں پر سامان لدا ہوا تھا اور وہ سر جھکائے میر کارواں کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔

"یہ پہنچنے والی ہے!" ہاشم نے کہا۔ "صحرا میں کاروبار کا آغاز ہو چکا ہے۔ اب راستے میں شاہراہ کے متوازی سفر کرتے متعدد قافلے نظر آئیں گے۔"

"صحرا نشینوں کی صبح کچھ جلدی کا ہو جاتی ہے؟"

"ہاں۔" اس نے جواب دیا۔ "گرمی ہو یا جاڑا، صحرا میں وقت بہت قیمتی ہوتا ہے لہٰذا یہ لوگ اپنا زیادہ سے زیادہ کام صبح ہی نمٹانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ دن ڈھلے آرام کر سکیں۔"

"ہم جلدی کتنی دور آچکے ہیں؟"

"تقریباً ..... میل۔" اس نے میٹر دیکھ کر جواب دیا۔

"اب ہمیں کار سے پیچھا چھڑا لینا چاہیے۔" میں نے کہا۔ "جتنے دنوں کو صحرا میں سفر کرتے دیکھیں اسی قدر اچھا ہے!"

"تمہارا خیال درست ہے۔" اس نے فوری طور پر کار باہر کی جانب موڑتے ہوئے کہا۔ "جوزف کے آدمی ہماری تلاش میں صحرائے نوبی کا رخ کریں گے؟ انہیں جاننا چاہیے ہیں کہ ہم کس طرف جا رہے ہیں۔"

سڑک کے کناروں سے چند سو گز دور تک ریت خاصی سخت تھی۔ ہاشم نے پہلے کار کو موڑ کر چلایا تاکہ ٹائروں کے نشانات نہ بنیں پھر ہاشم کو جھٹکے سے کار قابو سے باہر ہو کر ریت میں دھنستی چلی گئی اور پہیوں میں آگ لگ گئی۔

جہاں تک کار کے انجن نے ساتھ دیا ہاشم بے دریغ اسے آگے بڑھاتا رہا پھر نرم ریت میں سب سے پہلے کا پہیہ ہیں ایکسیلیٹر دبایا انجن نے آوازیں ابھریں لیکن سفر جاری رہا۔ اندر جانے کے بعد ہاشم نے کار کا رخ سڑک کے متوازی کر لیا تھا مگر اسٹیئرنگ مسلسل پوری طرح کام لے رہا تھا۔

آخرکار ایک ٹیلے کے قریب کار رک ہی گئی۔

دشمنوں کی حالت میں معمولی رد و بدل کے بعد کار کی تلاشی لی گئی جس میں خاصی رقم اور کچھ اسلحہ ہاتھ لگا۔ خورد و نوش کی چند چیزیں بھی تھیں جو تھیلوں میں اوڑھ لی گئیں پھر ہم نے جوزف کے دو آدمیوں کی لاشوں سے بڑی لیسی چیز نکال لی جو کسی متاثر ہونے کے باوجود شناخت میں کام آ سکتی تھی۔ اسی سلسلے میں وہاں کی اشیاء جو ہمارے کام کی نہیں تھیں پھر ہاشم نے شنکی سے فیول پمپ کر مانے والا پائپ کھینچ لیا اور پٹرول کی پتلی سی دھار ریت پر گرنے لگی۔

ہم نے کار میں موجود پٹرول کے گھونٹ پٹرول ہی میں ڈبو کر ڈبے اور بلیٹ ہاتھ ریت میں خشک کرنے کے بعد ایک بڑا کار پر اچھال دیا، دوسرا پٹرول والے پائپ کے قریب پھینکا اور تیز آواز کے ساتھ کار جلنے کا عمل شروع ہو گیا۔

جب تک آگ کے شعلے خطرناک صورت اختیار نہ کر گئے ہم کھڑے ان کو دیکھتے رہے پھر ایک طرف چل دیئے۔

ہم تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ ایک زبردست دھماکا ہوا اور دھوئیں کے کثیف بادل میں لپٹے ہوئے نارنجی رنگ کے شعلے خاصی بلندی تک پہنچ گئے۔

ہم نے پلٹ کر دیکھا تو پوری کار بری طرح جل رہی تھی شاید پٹرول کی ٹنکی پھٹ چکی تھی جس نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی تھی۔

ایک لفظ بھی نہ کہا اور ہم ایک طویل چکر کاٹ کر جلد از جلد شاہراہ تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگے۔

"اب کیا ارادہ ہے؟ ریت کے سمندر میں سمتوں کی احتیاط کے ساتھ سفر کرتے ہوئے ہاشم نے سوال کیا۔

"کسی بستی کا رخ کرنا تو حماقت ہو گا جیسے ذہن میں ایک اور تدبیر آ رہی ہے۔" میں نے کہا اور وہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔

"کسی سے ایک یا دو اونٹ خرید لئے جائیں.....!"

میری بات پوری ہونے سے قبل وہ مسرت سے اچھل پڑا۔ "اس سے بہتر اور محفوظ صورت ممکن ہی نہیں ہے۔ اونٹوں کی مدد سے ہم صحرائی مسافروں کے روپ میں بستیوں میں بھی ایک آدھ رات قیام کر سکتے ہیں!"

"پھر شاہراہ تک پہنچنے میں عجلت کرو۔" میں نے کہا۔ "ہمارے لئے ابتدائی چند گھنٹے بہت قیمتی ہیں۔ ہمیں اس علاقے سے اتنی دور نکل جانا چاہیے کہ تعاقب کرنے والے ہم تک نہ پہنچ سکیں اب تک تو شاہراہ سے کار کے شعلے بھی دیکھے جا چکے ہوں گے۔"

"ہاں!" اس نے رفتار تیز کرتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ لوگ ابھی تک ہمیں طلوع میں ہی ڈھونڈ رہے ہوں گے تو ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد طلوع پہنچنے والا کوئی موٹر سوار صحرا میں بھڑکتے ہوئے شعلوں کی خبر پہنچائے گا۔" اس نے ایک لمحہ کے لئے توقف کیا پھر آہستہ سے بولا۔ "کام بگڑنے کا بس ایک ہی خطرہ ہے!"

"اب ہم بیشتر خطرات سے باہر ہیں!"

"کوئی کار والا تو شعلوں تک پہنچنے کی ہمت ہی نہیں کر سکے گا۔" اس نے کہا۔ "ایسا نہ ہو کہ دھوئیں کے نتیجے میں انعام یا لوٹ مار کے لالچ میں خشک سوار وہاں پہنچ کر آگ پر قابو پالیں اور لاشیں پوری طرح خاکستر نہ ہو سکیں۔"

"آگ بری طرح بھڑک رہی ہے۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔ "پٹرول کی آگ پر تجربہ کار لوگ بھی مشکل ہی سے قابو پاتے ہیں۔ بھلا یہ بے سر و سامان صحرائی تماشا دیکھنے کے علاوہ وہاں کیا کر سکیں گے؟"

"انہیں بے سر و سامان نہ کہو۔" وہ بولا۔ "ریت ہر قسم کی آگ کا بہترین توڑ ہے اور یہی بدو صحرائی مٹھیوں سے ریت اچھال اچھال کر دیکھتے ہی دیکھتے کار کو ریت میں دفن کر دینے کی حیرت انگیز صلاحیت رکھتے ہیں۔"

"امید نہیں ہے۔" میں پلٹ کر شعلوں پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "جب آگ سے ٹائر پھٹ کر دور دور تک اڑیں گے تو کوئی قریب جانے کی ہمت بھی نہ کر سکے گا بس تم اب فاصلے کم کرنا شروع کر دو۔"

نرم ریت پر چلنا ہی کیا کم دشوار تھا کہ ٹیلوں کا آغاز ہو گیا۔ ہر قدم زمین پر رکھتے ہی کئی کئی انچ اندر دھنس رہا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم چند ہی منٹ میں بُری طرح ہانپ گئے کہ سانس درست کرنے کے لئے رکنا لازمی ہو گیا۔

ہمارے چاروں طرف ریت ہی ریت تھی اور مجھے وہاں سمتوں کا کوئی احساس باقی نہیں تھا۔ ہم جلتی ہوئی سیڈان سے بہت دور نکل آئے تھے مگر پھر بھی صحرا کے ایک حصے میں دھوئیں اور شعلوں سے آلودہ فضا دور سے نظر آ رہی تھی۔

"تمہیں یاد ہے نا کہ ہمیں سستانے کے بعد کس سمت میں بڑھنا ہے؟" میں نے نرم اور ٹھنڈی ریت پر دراز ہو کر سگریٹ سلگاتے ہوئے سوال کیا۔

"ہمیں شمال مشرق کی سمت بڑھنا ہے؟" وہ مسکرا کر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ صحیح سمت میں کوئی نشانی رکھ دو تاکہ ہماری سمت بالکل درست رہے؟" میں اس کے صرف شمال مشرق کہہ کر پریشان ہو گئی کیونکہ ریت کے اس بیکراں سمندر میں اس قدر صحت کے ساتھ سمت کا تعین دشوار تھا۔

"مشرقی گوشوں میں پھیلتی ہوئی سفیدی ہماری مدد کرے گی تم بے فکر رہو بھٹکائے بغیر شاہراہ تک لے جاؤں گا۔" وہ میری پریشانی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولا۔

"اب ہمیں شاہراہ تک پہنچنے کے لئے مختصر ترین راستہ اختیار کر لینا چاہئے۔ صبح بہت تاخیر ہو جائے گی؟" اس کا اطمینان میری تشویش میں کمی نہ لا سکا۔

"تو پھر چلو؟" وہ زمین سے اٹھ گیا۔

میں نے کال سیڈان کے ڈیش بورڈ سے برآمد ہونے والے اسکاچ کے سربند ڈبے کو کھول کر تلخ ذائقے کے دو گھونٹوں سے اپنا حلق تر کیا اور ہاشم کے ساتھ ہو لیا۔

صبح صادق کے ملگجے اجالے میں خنک صحرائی ہوائیں عجیب سرور دے رہی تھیں۔ اگر تعاقب میں آنے والوں کا خوف نہ ہوتا تو شاید میں سورج طلوع ہونے تک ایک ہی جگہ رک کر صحرا کے اس رومان انگیز طلسم سے لطف اندوز ہونے کو ترجیح دیتا مگر اس وقت متوقع خطرات کا خوف ساری جمالیاتی حسوں کو نگل گیا تھا اور میں جلد از جلد صحرا کے سینے پر سیاہ ناگن کی طرح لہراتی ہوئی شاہراہ کو چھونے کے لئے بے چین تھا۔

آسمان پر تیزی سے اجالا بڑھتا جا رہا تھا اور بس تا حد نگاہ دیکھنا بھی ممکن ہوتا جا رہا تھا اور پھر ایک ٹیلے کی آخری بلندی پر پہنچتے ہی خوشی سے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ چند فرلانگ کے فاصلے پر صحرائی شاہراہ چمک رہی تھی۔

فاصلے کے بارے میں میری رائے سن کر ہاشم ہنس پڑا: "کھلے صحرا میں فاصلوں کا اندازہ آسانی سے صحیح نہیں ہوتا۔ اب بھی کئی میل دور ہے۔"

"تو مجھے یہ سراب نظر آ رہا ہے؟"

"سراب تو حدِ نظر کا فریب ہی ہوتا ہے ... میں یا سورج کی حرارت میں نظر آتا ہے جب سطحِ زمین کی ہوا زیادہ گرم ہو جاتی ہے۔ تم کو شاہراہ ضرور نظر آ رہی ہے مگر وہ اتنی نزدیک نہیں ہے۔"

اور بعد میں اس کی بات درست ثابت ہوئی ... منٹ کی زبردست جدوجہد کے بعد ہم شاہراہ کے کنارے ... کی اس پٹی میں داخل ہو گئے جو کارواں کی گزرگاہ تھی ... بھی نسبتاً آسان تھا۔

میرے لئے صحرا میں سورج طلوع ہونے کا منظر ... دلکش ثابت ہوا۔ سورج کی پہلی کرنیں نمودار ہونے کے ... ہی ہر طرف اس قدر شفاف اجالا پھیل گیا تھا کہ ہر چیز ... دیکھی جا سکتی تھی اور جب تھوڑی دیر بعد سورج ... تو یوں محسوس ہونے لگا جیسے دوسرا ہونے والا ہو ... دور تک کہیں بھی سائے کا نشان نہیں تھا۔ ہر طرف ... نظر آ رہی تھی۔

وہ سورج کی کرنوں کی نرم اور لطیف حرارت ... دوپہر کے تصور کو پائیدار ہونے کی مہلت نہ دی۔

ایک بار شاہراہ کے قریب آنے کے بعد ہم دوبارہ ... چلے گئے اور ریت کے ٹیلوں کی اوٹ میں علاقے کی ... بڑھنے لگے۔ یہ احتیاط محض اس لئے کی گئی تھی کہ ... دو پیدل مسافروں کو دیکھ کر کسی شبہ کا شکار نہ ہو جائیں۔

چند منٹ کے بعد ہمارے کانوں میں کسی انجن کی ... گونج ابھری جو ہوا کی لہروں کے ساتھ چند ثانیوں تک ... معدوم ہوتی رہی پھر اس میں تسلسل پیدا ہو گیا۔

"شاید کسی کار کے انجن کی آواز ہے مگر اس کی سمت کا ... تعین نہیں ہو رہا" میں نے کہا: "آواز چاروں طرف سے آتی محسوس ہو رہی ہے۔"

"یہ صحرائی گونج ہے۔" چند ثانیوں بعد تازہ ہو کر ... نے کہا اور تھوڑے سے توقف کے بعد اس نے بتایا کہ وہ کار ... عادی علاقے کی طرف سے آ رہی تھی۔

اس کار کو خاصی دیر بعد ہم نے ایک ٹیلے کی اوٹ ... شاہراہ سے گزرتے دیکھا اور پھر آگے چل دیئے۔

... دیکھے تو وہ شاہراہ ...

مینے کے ہمراہ بیٹھے دیکھا تو چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

وہ نہایت اطمینان سے اس لق و دق صحرا میں ریت پر بیٹھا تھا ... اونٹ بھی آسودہ انداز میں بیٹھا جگالی میں مصروف تھا ... اس کا وہاں بیٹھنا نہایت عجیب محسوس ہو رہا تھا۔ اگر وہ کسی مجبوری کے تحت وہاں رکا ہوا تھا تو اس کے انداز میں اس قدر ... نہ پایا جاتا اور اگر وہ سوچ سمجھ کر وہاں رکا تھا تو اس کا مقصد کیا تھا۔

"شاید کھانے پینے کے لئے رکا ہو" — میں نے سوچا ... لیکن ذرا قریب پہنچنے کے بعد اس خیال کی بھی تردید ہو گئی ... کسی طریقے سے خور و نوش کی حرکات و سکنات کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔

"اس بدو شیخ کے پاس چلیں؟" ہاشم کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ شاید اس نے بھی اسی وقت اس شخص کو دیکھا تھا۔

"مجھے تو یہ پُراسرار بلکہ مشکوک سا نظر آ رہا ہے۔"

"ارے نہیں" اس نے لاپروائی سے ہنس کر کہا: "کچھ بیچ رہا ہوگا یہ شخص۔"

"بیچ رہا ہوگا؟" میں نے حیرت سے سوال کیا: "اس ویرانے میں ... اس کے علاوہ کوئی اور نظر نہیں آ رہا۔"

"ہاں — شاہراہ سے گزرنے والوں کی دلچسپی کی ایک آدھ چیز ... بیچ کر یہ لوگ خاصی رقم کما لیتے ہیں۔ آؤ دیکھیں تو سہی یہ کیا بیچ رہا ہے۔"

"جہیں دیکھ کر بھڑک نہ جائے؟"

"نہیں — یہ لوگ عموماً بہت حریص اور دروغ گو ہوتے ہیں ... اس سے بات کرتے ہوئے ذرا ہوشیار رہنا۔"

"حرص کی بات تو سمجھ میں آتی ہے۔ جہاں غربت ہو وہاں لالچ پیدا ہو ہی جاتا ہے مگر دروغ گوئی والی بات میری سمجھ سے تو بالا ہے۔"

"دروغ گوئی کی حد تک مبالغہ کر لو۔" اس نے وضاحت کی: "عموماً پیدائش سے وفات تک ان کی زندگی اس قدر یکساں انداز میں بندھے انداز میں گزرتی ہے کہ یہ اجنبیوں کی نگاہوں میں اہمیت حاصل کرنے اور انہیں بے وقوف بنانے کے لئے فی البدیہہ ناقابلِ یقین بلکہ سنسنی خیز کہانیاں تراش لیتے ہیں اور اپنی بستی کے لوگوں کو شام کے وقت چوپال میں اس جھوٹ کو اپنے کارنامے بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اس بہانے یہ اپنی یکساں زندگی میں تھوڑا سا تنوع اور ہیجان پیدا کر لیتے ہیں۔"

"بڑی گہری نظر ہے تمہاری ان خانہ بدوشوں پر!"

"خانہ بدوش ان سے بہتر ہوتے ہیں۔" اس نے سرسری تبصرہ کیا: "وہ ایک جگہ سے اکتا جاتے ہیں تو ٹھکانا بدل لیتے ہیں۔ جہاں زندگی کی نئی کہانیاں ان کی زندگی میں ہلچل پیدا کئے رکھتی ہیں۔ یہ نسلوں سے صحرا کی ایک ہی بستی میں رہنے والے کنوئیں کے مینڈک ہوتے ہیں جو سنسنی خیزی کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے۔"

"پھر تو بڑی احتیاط سے بات کرنا" میں نے اس کے ہمراہ سڑک کے کنارے بیٹھے ہوئے شخص کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"یہ مطلب نہیں تھا میرا" اس نے کہا: "تمہیں یوں ہوشیار کر دیا کہ اس کی ہر بات پر آنکھ بند کر کے یقین نہ کر لینا۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے اس کی طرف بڑھتے رہے اور اسے اس وقت تک ہماری آمد کا علم نہیں ہوا جب تک ہم اس کے سر پر پہنچ نہ گئے کیونکہ ہوا کی سمت بھی مخالف تھی اور وہ ہماری طرف پشت کئے بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے ریت پر ایک بڑا سا رومال بچھا ہوا تھا جس پر کھجور کے تنکوں سے بنی ہوئی متعدد آرائشی اشیاء رکھی ہوئی تھیں۔ ان میں مردانہ اور زنانہ گڑیاں میری توجہ کا مرکز بنے بغیر نہ رہ سکیں۔

"سلام یا اخی!" پیچھے سے ہاشم نے بلند آواز سے کہا اور وہ خوفزدہ ہو کر بُری طرح اچھل پڑا۔

"سلام!" اس نے اٹھ کر مشکوک اور خوفزدہ نگاہوں سے باری باری ہم دونوں کا جائزہ لیتے ہوئے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا بیچ رہے ہو؟" ہاشم نے آگے بڑھ کر ریت پر بیٹھتے ہوئے بے تکلفی سے سوال کیا۔

وہ ایک دراز قد اور ادھیڑ عمر شخص تھا جس کے چہرے پر سیاہ رنگ کی خاصی بڑی داڑھی موجود تھی۔ اس نے شمالی سوڈان والوں کے مخصوص انداز میں اپنے سر پر سفید عمامہ باندھا ہوا تھا جو اس کی شخصیت میں ایک خوبصورت اضافہ تھا۔

"یہی سب ہے" اس نے اپنی جگہ پر بیٹھ کر آنکھیں جھپکا کر کہا: "لیکن یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور اچانک کہاں سے نمودار ہو گئے؟" اس کے لب و لہجے میں اب بھی خوف باقی تھا۔

اس کی حیرت دیکھ کر مجھے مذاق سوجھا اور میں نے کہہ ڈالا — "دکھو تو ابھی غائب ہوئے جاتے ہیں۔ صحرائی روحوں کو آنے جانے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔"

میری بات پوری ہونے سے پہلے اس کے حلق سے ایک کربیہ چیخ برآمد ہوئی اور وہ بلند آواز سے لاحول پڑھتا اچھل کر ایک طرف بھاگ لیا مگر ہاشم نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا۔

وہ جو کچھ بھی رہا ہو مگر تھا بہت سادہ لوح اور ہمیں اس کی خاصی مدد کی ضرورت تھی۔ اس کے بھاگ نکلنے کے بعد ہم مفت میں اونٹ پر قابض ہو سکتے تھے مگر ایسی صورت میں وہ نہ جانے کس کس کو ہماری کہانی اور اپنے اونٹ کی نشانیاں بتا کر ہماری راہ میں روڑے

انکار دیا۔

ہم دونوں خاصی دیر میں اسے یہ اطمینان دلا سکے کہ ہم اسی کے جیسے انسان ہیں اور ہمارے اونٹ راستے میں قیام کے دوران کسی وجہ سے بھڑک کر مع زاد و سامان سمیت فرار ہو گئے اور ہم آدھی رات سے مدد کی تلاش میں صحرا میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔

"پھر مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" خوف دور ہو جانے کے بعد وہ اپنی پرانی جگہ سنبھالتے ہوئے محتاط لہجے میں بولا۔

"پہلے تو یہ بتاؤ کہ یہ علاقہ کون سا ہے؟" ہاشم نے کہا۔

"الخضارہ" اس نے کہا۔ "سڑک سے چار میل دور جس نام کا نخلستان ہے جہاں سبزیاں کاشت ہوتی ہیں۔" اس نے سڑک کے بائیں جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم یہیں رہتے ہو؟"

"میں جبل العصوف میں رہتا ہوں۔" اس نے بتایا۔ "یہ اس طرف ڈیڑھ دو میل آگے ہے۔"

"اپنا اونٹ فروخت کرو گے؟" ہاشم نے اس کی طرف دیکھے بغیر نرم لہجے میں بے دھڑک سوال کر ڈالا۔ "مسافر ہیں، دعائیں دیں گے۔"

"جہاں جانا ہو میں پہنچا دوں گا۔ مجھے کرایہ دے دینا۔" اس کے لہجے میں توقع کے برخلاف کوئی سرد مہری یا مزاحمت کی علامت نہ تھی۔

"منزل کا تو ہمیں خود بھی علم نہیں۔ ناکام رہے تو واپس وادی حلفہ لوٹ جائیں گے۔" ہاشم کی گفتگو کا یہ انداز میری سمجھ میں نہ آسکا۔

"کسی خزانے کی تلاش ہے؟" وہ آگے جھک کر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ اس کی طبیعت میں چھپے ہوئے تجسس کو ایک بار پھر لبیک کہنے کا موقع مل گیا۔

"صحرا میں خزانہ کہاں!" ہاشم نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "کاش کوئی خزانہ مل ہی جاتا تو در بدر بھٹکنے سے بچ جاتے۔"

"صاف صاف بتاؤ نا۔" وہ ہمدردی پر مائل ہونے لگا۔ "شاید میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔" وہ بھانپ چکا تھا کہ جو لوگ اس سے اونٹ کی خریداری کا سودا طے کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں ان کی جیبیں خالی نہیں ہو سکتیں۔

"ہمیں ایک عورت کی تلاش ہے۔"

"اوہ!" بے اختیار اس کے منہ سے ایک تحیر آمیز آواز نکلی۔ "تو تم بھی ان ہی کے ساتھی ہو مگر وہ تو مجھے اچھے بدمعاش لگتے تھے۔"

"تو کیا کوئی اور بھی اس سلسلے میں تم سے ملا ہے؟"

"انجان نہ بنو۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "جب غنڈہ گردی سے کام نہیں نکلا تو اب تم دونوں کو بھیجا گیا ہے کیا وہ اب تک ملی نہیں؟"

"ہمارا کسی سے کوئی تعلق نہیں۔" ہاشم نے اس کا رجحان بھانپ کر جلدی سے کہا۔ "ہم اس عورت کے سلسلے میں سب سے الگ ہیں اور ان ہی کی [illegible]

کے خوف سے بھاگی پھر رہی ہے۔"

"پھر شاید تم کسی اور کی تلاش میں ہو۔" اس نے تذبذب سے کہا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ شاید تم ان چاروں کی بات کر رہے ہو [illegible] مگر ان غنڈوں سے چار روز پہلے خاصی مار بھی کھائی [illegible]"

"ہاں ہاں۔ ہم ان ہی کے لیے بھٹک رہے ہیں۔" [illegible] کی مانند لپکا۔ "[illegible] پہلی مرتبہ [illegible]"

"شتر سوار مسلح غنڈوں نے پچھلے چند ماہ سے [illegible] علاقے کی ساری صحرائی بستیوں کو ہراساں کیا ہوا ہے [illegible] کیا۔ چار روز پہلے خوفناک صورتوں والے چار شتر سوار [illegible] پہنچے تھے جیسے انھوں نے گولیاں چلا کر سب کو خوفزدہ کیا [illegible] جھگیوں کو انھوں نے باہر نکال کر ایک ایک گھر کی تلاشی لی [illegible] بستی کے مردوں سے چار لڑکیوں کے بارے میں [illegible] ہر ایک چپ سادھے رہا۔ میری شامت نے دھکا دیا تو میں [illegible] کر بیٹھا جس پر ان میں سے ایک نے میرے منہ پر کئی طمانچے [illegible] کوڑے [illegible]" کہتے ہوئے اس نے اپنا دامن اٹھا کر اپنی پسلیاں ہمارے سامنے کر دیں جن پر زخموں کے نشان موجود تھے۔

اس نمائش کے ذریعے شاید اس نے اپنا [illegible] حربہ استعمال کیا تھا۔ اس کی مطلق ضرورت نہیں تھی کیونکہ [illegible] بیچارا شخص تھا جو سیتا کے فرار کے بعد کے حالات سے [illegible] تھا اور میں اسے بھرپور انعام دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا کہ وہ دوسری بستیوں میں بھی گئے [illegible]" ہاشم اس سے پوچھ رہا تھا۔

"میں ہر روز منڈی میں بیٹھتا ہوں اور وہاں سے گزرنے والوں [illegible] مجھے پورے صحرا کی خبریں ملتی رہتی ہیں۔" اس نے فخریہ لہجے میں [illegible] "چار لڑکیوں اور ان کے خون کے پیاسوں کی کہانی شاید صحرا کے ہر بسنے والے کے علم میں آ چکی ہے۔"

اب تک اس نے جو کہا وہ حقیقت پر مبنی معلوم ہوتا تھا۔ جوزف اور ہیری کے آدمیوں کی ناکام مہم کے بارے میں ہمیں [illegible] ہی ابو سلطان کی زبانی معلوم ہو چکا تھا۔ اس صحرائی کی باتوں سے صرف اتنا اضافہ ہوا کہ جوزف اور اس کے آدمیوں نے سیتا کا سراغ [illegible] کرنے کے لیے تشدد اور دہشت گردی کا حربہ اپنایا تھا۔

"تم کہہ رہے تھے کہ جبل العصوف کے مردوں نے لڑکیوں کے بارے میں چپ سادھ لی تو کیا وہ کچھ جانتے تھے؟" ہاشم نے [illegible]

وہ پُر غرور انداز میں ہنسا۔ "جبل العصوف کے لوگ کسی سے تعرض نہیں کرتے اور پھر وہ لڑکیاں بھی مظلوم نظر آتی تھیں [illegible] بلغار سے ایک رات پہلے ہی پریشان حال جبل العصوف پہنچی تھیں [illegible] صحرا سے بالکل ناواقف تھیں۔ ہماری عورتوں نے خوش دلی سے [illegible]

استقبال کیا تھا مگر جب انھوں نے بتایا کہ وہ ایک بردہ فروش سے بھاگی ہیں جو انھیں پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالے گا تو انھیں [illegible] کے لیے دو اونٹ دے کر آگے روانہ کر دیا۔

"کیسی لگتی تھیں وہ چاروں لڑکیاں؟"

"جبل العصوف والوں نے دو اونٹ مفت دے دیئے؟" ہاشم نے [illegible] اس بار قدرے تیز آواز میں کہا۔

"نہیں نہیں۔ اونٹ تو مفت ہی دیئے تھے۔" وہ بڑبڑا کر بولا۔ "جاتے ہوئے انھوں نے اچھی خاصی رقم اور کچھ زیورات بھی انعام میں دیئے۔"

مجھے شبہ ہوا کہ کہیں اس صحرائی کے اندر چھپا ہوا سنسنی پسند داستان گو بیدار ہو گیا ہو جو فی البدیہہ داستانیں سنانے کا ماہر تھا۔ [illegible] امکان خاصا قوی تھا۔ وہ خود بتا چکا تھا کہ اس علاقے سے [illegible] شخص چند سکوں کے عوض [illegible] تفصیلی واقف [illegible] لڑکیوں کا ہمدرد سمجھ کے ان کے [illegible] کہانی مکمل کرنے کا بہترین موقع تھا۔

مگر یہیں اس کی ناکامی کے بعد [illegible] اس کی بات بیچ میں جاری تھی اور اس کا لہجہ کچھ تیز ہو گیا تھا۔ "وہ [illegible] ساتھ کچھ زیورات [illegible] دے گئے۔" اس نے خلوص سے کہا۔ "[illegible] نقصان پورا کر دیں گے۔" ہاشم نے کہا اور [illegible] اپنی کامیابی پر ہنس رہا تھا۔

میرا ذہن گواہی دیتا تھا کہ ہمارا نقصان رائیگاں نہیں جائے گا۔ "دیکھو مقدر نے تمہیں مجھ سے کس طرح لا ملایا ہے۔ تم چاہو تو میرا اونٹ [illegible] پونڈ میں کوئی دوسرا اونٹ خرید لوں گا۔" اس نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے اپنے اونٹ کی قیمت بھی [illegible] لگا دی تھی۔

"[illegible] پونڈ؟" ہاشم نے [illegible] کہتے ہوئے اونٹ کو [illegible] دیکھتے ہوئے کہا۔ "پچاس پونڈ میں تو [illegible] اس سے کہیں زیادہ خوبصورت اونٹ مل جاتا ہے۔" ہاشم نے اس کی بات [illegible] لیکن [illegible] والنست میں وہ اونٹ کسی طرح پندرہ بیس [illegible] سے زیادہ مالیت کا نہیں تھا۔

"مجھے میں اپنا دوست بیچ رہا ہوں۔" [illegible] پچاس پونڈ [illegible] یہ اونٹ تمہارے پاس میری یادگار رہے گا۔ تم چاہو [illegible] سدھا ہوا جانور ہے اور کھانے کو بھی کچھ نہ ملے تو [illegible] گزارہ کر لیتا ہے۔"

[illegible] ذہن میں ایک [illegible]

"وہ لڑکیاں یہیں تو تم جبل العصوف میں ہی تھیں؟" میں نے [illegible]

اور سیدھے سادے لہجے میں سوال کیا کیونکہ میں اس [illegible] شخص کو غیر ضروری طور پر مشتعل نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"میں نے خود ہی انھیں اونٹوں پر سوار کرایا تھا۔" وہ اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

اس دوران میں شاہراہ سے دونوں سمتوں میں کئی موٹریں وغیرہ گزری تھیں مگر وہ شخص متوقع گاہک مل جانے کے باعث انھیں بھولا ہوا تھا۔

"تو پھر تم نے یہ بھی اندازہ لگایا ہو گا کہ ان کا تعلق کس علاقے سے تھا؟" میں نے سوچ سمجھ کر سوال کیا۔

"شمالی اور جنوبی سوڈان تو بڑی چیز ہے۔ میں تو لب و لہجے اور چہرے سے قبیلہ تک بتا سکتا ہوں۔" وہ لہجے بتانے میں اذیت کی حد تک خوش فہمیوں میں مبتلا تھا۔ "مگر ان چاروں میں سے کوئی بھی لڑکی سوڈانی نہیں تھی۔"

وہ اس نکتے پر اتنا زور دے رہا تھا لہٰذا میں نے اس کی اب تک کہی ہوئی ہر ضروری اور غیر ضروری بات پر پورا یقین کر لیا۔

مگر ہاشم شاید ابھی تک غیر مطمئن تھا۔ "پھر کہاں کی لگتی تھیں وہ؟" وہ مسکراتے ہوئے مسلسل کرید رہا تھا۔

"جہاں کی بھی ہوں مگر سوڈانی ہرگز نہیں تھیں۔" اس نے پورے وثوق سے کہا۔ "سرخ و سفید رنگت اور تیکھے خدوخال یہاں کہاں ملتے ہیں اور ان میں تو ایک کی آنکھیں بھی کسی جھیل جیسی گہری نیلی تھیں۔"

میرا جی چاہا کہ اس صحرائی کی آنکھوں کو چوم لوں جس نے صحرا کے ایک گوشہ افتادہ حصے میں میری سیتا کو اتنے قریب سے دیکھا تھا مگر ہاشم کی گھورتی ہوئی نگاہوں نے مجھے اس جذباتی حرکت سے باز رکھا۔ وہ بھانپ گیا تھا کہ گفتگو کے اس غیر متوقع مرحلے پر میرے لیے جذبات سے مغلوب ہونا کس قدر سہل ہو گا۔

"وہ کس طرف گئی تھیں؟" ہاشم نے پوچھا۔

"وہ تعاقب سے خوفزدہ تھیں۔" اس نے کہا۔ "میں نے انھیں قطب نما بھی دیا تھا اور وہ میری بستی سے مغرب کی طرف گئی تھیں، ادھر صحرا بہت خوفناک سمجھا جاتا ہے اس لیے کوئی ادھر کا رخ نہیں کرتا۔ اس غیر آباد ریگستان میں دس بارہ میل اندر گھسنے کے بعد میں نے انھیں جنوب کی طرف جانے کا مشورہ دیا تھا۔ اگر انھوں نے مشورے کا خیال رکھا ہو گا تو چھتیس گھنٹوں بعد ہی کسی بڑے شہر کی طرف جا نکلی ہوں گی۔"

"کیا تم خود ادھر گئے ہو؟"

"صحرا کا چپہ چپہ چھانا ہوا ہے مگر شہر میں سے بے خبر ہوں۔ لڑکیوں کو جو راستہ بتایا وہ بزرگوں سے سنا ہوا تھا۔ [illegible] کے بعد وہ اسی طرف بھاگ گئے تھے۔ اور خود بار نکل جاتے تھے مگر [illegible] صحرا میں بھٹک کر [illegible] پہنچ جاتے تھے اور اب تو زمانہ ہی بدل گیا ہے۔ نہ وہ پہلی

لڑائیاں بھی اور وہ وسیع دشمنیاں۔" اس مرتبہ پہلی بار اس نے اپنی ذات کے بارے میں مبالغہ آرائی سے گریز کیا تھا۔

"تم ہمارے ساتھ چلو گے؟" ہاشم نے سوال کیا۔

"کہاں؟"

"لڑکیوں کی تلاش میں، اسی سامنے پر۔" ہاشم نے کہا۔

"مگر میری دکان کی....."

ہاشم نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اس شاہراہ پر واسطہ کیا کس لیے ہو؟"

"میں کبھی تو سو پونڈ بھی کما لیتا ہوں۔ بمشکل صبح چلتے ہی وہ پھر سامنے آ اترا آیا۔ بس یہ سمجھو کہ ساری کمائی محنت کی ہے۔ ہماری عورتیں یہ چیزیں بناتی ہیں اور جبل العصوف کے چار آدمی اسی شاہراہ پر تھوڑے تھوڑے فاصلے سے راستہ بیچتے ہیں اور تمہیں افراد کے کنبے کی کفالت کرتے ہیں۔"

"سو پونڈ؟" ہاشم نے حیرت سے دہرایا۔

"ہماری دکانداری کے بھی گر ہیں۔" وہ ہاشم کی حیرت کو دانستہ نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ "آنے جانے والے کاروان کے مسافروں کو ہمارا پہلا آدمی بہت دام بتاتا ہے اگر وہ نہ خریدیں تو پھر آگے والے دام کم بتاتے ہیں۔ حتیٰ کہ آخری آدمی کے پاس گاہک تک جاتے تو اپنی مرضی کے دام ان چیزوں کے لیتا ہے مگر یہ نوبت کم ہی آتی ہے۔"

"میں نے تو چادروں کی خبر کا اوٹ نہیں پوچھی تھی۔" ہاشم نے کہا۔

"میں چالیس تو کما ہی لیتا ہوں۔" وہ لاپروائی سے بولا۔ گفتگو کی جو نکتہ اس معاملے میں نہایت ثابت ہو رہا تھا۔

"مسعود ایک سوال سے نہیں اتراتا ہوں۔" ہاشم نے اس کا بازو ذرا سخت پکڑتے ہوئے کہا۔ "ہم تمہیں چالیس پونڈ انعام دیں گے۔" یکایک اس نے دس دس پونڈ کے پانچ نوٹ اس کی طرف بڑھا دیے۔ "اب پتا ہو تو یہاں پر اپنا اونٹ بٹھانے جانے کے لیے ویرانے سو پونڈ دیے ہیں کہ سامنے کسی شہر تک ہماری رہنمائی کرو۔ واپسی میں اپنے جانور لیتے آنا۔"

"چلو میں پونڈ دیے۔" میں نے اس کے چہرے پر تذبذب کے آثار دیکھ کر کہا اور اس نے سوال کا ایک نوٹ کر کے سب چیزیں ریت پر اچھال دیں۔

اس کے چہرے پر تذبذب نہیں بلکہ بے یقینی کی کیفیت طاری تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ چند سو پونڈ دے پہ کلنے والا ہے کہ میں نے مزید پانچ بڑھا دیے اور وہ خوشی میں آپے سے باہر ہو گیا۔

"یہ تمہاری روزی ہے اسے یوں نہ پھینکو۔" میں نے کچھ کے ٹکڑوں سے بچی ہوئی تازک آرائشی اشیاء ریت سے اٹھاتے ہوئے کہا۔ "یہ صحرا کی گرمی مسلسل سفر کی صورت میں صحرا دوران سے بھی کم عرصے میں عبور کیا جا سکتا ہے۔ یعنی چالیس پونڈ کمانے کے بعد اگلے ہفتے تم کو پھر یہیں بیٹھا ہو گا۔"

اچانک اس کا منہ لٹک گیا۔ "یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا میرے ذہن میں تو کھلے چار چھ سو پونڈ گھوم رہے تھے۔"

"بہرحال میں تمہیں کم از کم دو سو پونڈ ضرور دوں گا۔" [illegible]

"خواہ ہم چند گھنٹوں میں ہی صحرا کے اس پار نکل جائیں۔"

اس نے عجلت کے ساتھ تنکوں کا سامان۔ وہاں ہی باندھا اور کی مہا نظام کر بجائے سلقیہ پیدل ہی صحرا کی جانب چل دیا۔ دو سو پونڈ انعام نے اس کا دماغ معلق کر دیا تھا۔

"کام نکل جانے کے بعد تمہارا ارادہ بدل تو نہیں جائے گا؟" [illegible] راستے میں جھجکتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

"مرد کی ایک زبان ہوتی ہے۔" میں نے تیز لہجے میں کہا۔

"واپسی میں بھی تنہا ہوں گا۔ تھوڑے سے توقف کے بعد اس نے ایک بہتر رقم قدر تراش لیا۔ اور تمہیں مجھے دو سو پونڈ دینے ہی پڑیں گے کیوں نہ دے دو۔ یہ رقم واپسی میں لوٹ جانے کے خطرے سے محفوظ ہو جائے اسے میں گھر چھوڑ دوں گا۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ "تم بہت دلچسپ آدمی ہو۔" [illegible] "اگر تم ہمیں صحرا میں مار کر واپس لوٹ آئے تو کیا ہو گا؟"

"میں بھی مرد ہوں۔" وہ طیش میں آ گیا۔ "جیسا ہو تم میرا خنجر گھر سے رہ دوں گا۔ جب بھی تم سے منہ چھپوں بیٹے سینا پر [illegible] ادھیڑ ڈالنا۔"

"چھوڑو کیا بیچنے میں تمہاری زبان ایک نہیں رہتی ہو گی۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"دکانداری کا بھلا مردانگی سے کیا تعلق۔" وہ جیسے بڑائی [illegible] "آنے جانے والوں سے منتخب ہوں کر خوطوم میں تو لڑکیاں بھی مال بیچتی ہیں۔"

وہ مسافت کے سمت رفتاری سے طے کی گئی پھر اس نے بتایا کہ والے آخری ٹیلے کو عبور کرنے کے بعد جبل العصوف کی بستی آ جائے گی۔

اور جب ہم گہری ریت میں اپنا بوجھ گھسیٹتے اس ٹیلے پر چڑھے تو اچانک فضا پستول کے فائر کے ہولناک دھماکے سے گونج اٹھی۔ اسی کے ساتھ ایک کربناک ہوا اور پیچ صحرا کے سناٹے میں دور تک پھیلتی چلی گئی۔

"تم یہیں رکو۔" میں نے ہاشم سے کہا میں چار بڑھ کے بعد [illegible] دل کے ساتھ اس شخص سے کہا۔ "اونٹ کو بھی بٹھا دو۔"

"مگر کیوں؟ یہ دھماکا کیسا تھا؟" وہ چیخ جبل العصوف سے [illegible] وہ بہت زیادہ خائف ہو گیا تھا اور اس کی زرد دولی شتر میں [illegible]

"تم ٹھہرو، ہم اوپر جا کر دیکھتے ہیں۔" ہاشم نے زور لہجے [illegible] دلاسہ دیا اور ہم دونوں تیزی سے اوپر جانے لگے۔

چوٹی کے قریب پہنچ کر ہم سینے اور پیٹ کے بل اوپر سرکنے لگے دوسری طرف سے ہمیں نہ دیکھا جا سکے اور پھر وہ چار شتر سوار [illegible] چند خیموں کی اس مختصر کی نال بستی کے وسط میں نظر آ گئے جن کے [illegible] آتشیں اسلحہ موجود تھا۔

ان کے سامنے خوف زدہ مردوں، عورتوں اور بچوں کی اطلاعی زدہ بھیڑ جمع تھی اور ان میں ہی کہیں ایک بدنصیب اپنے لہو میں لتھڑا صحرا کے زیاں کی زرد ریت پر پڑا ہوا تھا۔

جبل العصوف میں چار لڑکیوں والی کہانی خونریز انداز میں دہرائی جا چکی تھی۔ اس بار ان بھیڑیوں پر پہلا آب ہی خون سوار ہو چکا تھا۔

لڑکیاں فرار ہو چکی تھیں اور وہ ستم بیٹ کر رہ گئے تھے۔ اس بار شاید ان کے آنے کی اطلاع بھی چل چکی تھی یا سیلانی صحرا کی تلاش ہونے کے بعد ان ہی لوگوں نے ہماری تلاش کا حکم دیا تھا۔ اور جبل العصوف کی قریب ترین بستی کے مکین ان کے ستم کا پہلا نشانہ بنے تھے۔

ہم دونوں نے اپنے پستول نکال لیے لیکن فاصلہ اتنا زیادہ تھا پستول بستی پر پہنچے بغیر بالکل بے سود تھے۔

مایک نے سر اٹھا کر ایک بار پھر اس مفلوک الحال صحرائی بستی کا جائزہ لیا۔ اس بار ان چاروں میں سے ایک شتر سوار تحکم آمیز انداز میں اپنا اسلحہ والا ہاتھ زور زور سے لہرا کر کچھ کہہ رہا تھا۔

"میں دیکھ آ جاؤں؟" ہمیں ڈھلان پر اپنے عقب سے جبل العصوف کے باسی کی خوف زدہ سی آواز سنائی دی۔

"ٹھہرو، ہم واپس آ رہے ہیں۔" ہاشم نے الٹے قدموں واپس ہوتے ہوئے کہا۔

ہم واپس لوٹے تو اس کے چہرے پر دہشت چھائی تھی اور وہ ایسے ہم کی کیفیت میں ہم دونوں کی طرف نگراں تھا۔

"کیا دیکھا تم نے؟" اس نے سراسیمگی سے خوف زدہ آواز میں سوال کیا۔ "شاید وہی بد معاش وہ لوگ جبل العصوف آ پہنچے ہیں۔" میں نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ڈھلان سے نیچے جاتے ہوئے کہا۔ "اس بار شہیدان کی شامت ہی انہیں ادھر لائی ہے وہ یہاں سے زندہ نہیں جا سکیں گے۔"

"مت... تم ان سے لڑو گے؟" وہ اپنے اونٹ کی مہار کو خفیف سا جھٹکا دے کر بے اعتباری سے ہکلایا۔

"بس تم دیکھتے جاؤ۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "نام کیا ہے تمہارا؟"

"یوسف۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میری مانو تو ان سے الجھنے کا ارادہ ترک کر دو۔ میری بستی میں دکھا ہی کیا ہے ایک گھنٹے سرا کر کر دوبارہ واپس چلے جائیں گے۔ اگر تم ان سے گئے تو مفت ہی ختم ہو جاؤ گے اور خدانخواستہ اتفاقی پڑی تو بعد میں وہ زیادہ تیزی کے ساتھ جبل العصوف پر حملہ آور ہوں گے اور بے بے خانماں کر کے ہماری عورتوں کی بے آبروئی کر کے تم صحرا کے سوا گزر کو گے کب تک ہمارا ساتھ دے سکو گے؟"

"تم یہ بھول رہے ہو کہ وہ پہلی گولی چلا کر اعلان جنگ کر چکے ہیں۔" میں نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ جبل العصوف کے بوسیدہ خیموں کے درمیان پہلا کوئی فرد کا زیادہ زندگی یا مردہ حالت میں صحرا کی ریت پر پڑا ہو۔ اسے کے جیسے کبھی کر سے گولی لگی تو ہم ایسے جانوروں کے عادی ہیں۔

ہر ایک آدھ برس بعد ہم پر کوئی قدرتی یا انسانی آفت نازل ہوتی ہے اور جلے چند نفوس لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ جب تک انسان اپنے سانس پورے نہ کر لے دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں مار سکتی اور جن کا وقت پورا ہو جاتا ہے وہ ریشمی بستروں پر بھی بیٹھے بیٹھے رہ جاتے ہیں۔ تم فقط دم کی سوچو ورنہ میرا قبیلہ یہاں سے کوچ کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

"اگر انہیں مار کر ہم ان کی لاشیں ریت میں دبا دیں تو قیامت تک کسی کو پتا نہیں چلے گا کہ وہ کبھی جبل العصوف آئے بھی تھے۔" میں نے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔" اس نے تفہیمی انداز میں سر ہلا کر پوچھا۔ "تمہارے ساتھ اسلحہ بھی ہے مگر ان کی تعداد کتنی ہے؟"

"چار شتر سوار ہیں۔"

میرا جواب سن کر وہ پھیکے انداز میں ہنس دیا۔ "پھر انہیں بھول جاؤ۔ تم صحرائی مقابلوں کے طریقوں سے واقف نہیں ہو۔ وہ تم پر غالب آ گئے تو پاتال تک بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے اور اگر تم دو پر ٹوٹ پڑے تو ان میں سے ہر ایک فرار کی کوشش کرے گا تاکہ جلد از جلد ہماری کمک کو تمہاری سرکوبی کر سکے۔ کھلے صحرا میں چار شتر سواروں کو گھیر کر مارنا تم دونوں کے لیے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔"

ڈھلان سے نیچے آ کر ہم تینوں رک گئے تھے اور ہاشم کے ہاتھوں میں اس وقت بھی ہوتے ہوئے پستول موجود تھے مگر اس سیدھے سادے صحرائی نے اپنی منطق سے سیکنڈ میں کسی پیش قدمی کی تمام راہیں مسدود کر دی تھیں۔

"تمہاری بستی کے پیچھے کھجوروں کے درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے ہیں کیا ہم حملہ آوروں کی نگاہ میں آئے بغیر کسی طرح وہاں پہنچ سکتے ہیں؟" قدرے توقف کے بعد ہاشم نے شاید میری مدد کے لیے بات آگے بڑھائی۔

"مشکل ہے۔" یوسف نے بے بسی سے کہا۔ "دوسری طرف ٹیلوں کی آڑ میں پہنچنے کے لیے ہمیں کم از کم تین چار سو گز ہموار ریتیلے میدان سے گزرنا ہو گا جو جبل العصوف سے بالکل صاف نظر آتا ہے۔ ہم ضرور دیکھ لیے جائیں گے۔"

"تم اپنا لباس اور اونٹ مجھے دے دو۔" میں نے ڈھلان کی آڑ میں آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "اور تم میرے ساتھی کے ہمراہ یہیں رکے رہو۔ میں تنہا بستی میں جاؤں گا۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" یوسف سے پہلے ہی ہاشم بول پڑا۔ "تمہاری ظاہری حالت بدلنے سے بستی والے دھوکا نہیں کھائیں گے اور شتر سوار تمہیں پکڑ لیں گے یا مار ڈالیں گے۔ ایسے احمقانہ اقدام سے بہتر یہی ہے کہ یہاں رک کر ان کی واپسی کا انتظار کیا جائے۔ بلکہ اب یہی کرنا ہو گا۔"

"میں اپنا چہرہ یوسف کے رومال سے چھپا لوں گا۔" میں نے کہا۔

"وہ دور سے مجھے بالکل بھی نہ پہچان سکیں گے۔ ہر شخص مجھے یوسف ہی سمجھے گا اور میں اونٹ کو دوڑاتے ہوئے ان چاروں پر یکایک گولیاں برسا دوں گا۔ منصوبہ خطرناک ضرور ہے لیکن مجھے اس کی کامیابی کا پورا یقین ہے۔ ہمیں ان کو گھیرنا چاہیے۔"

"اس کی ایک ہی صورت ہے۔" یوسف نے زبان کھولی۔ "آگے ہم جن راستوں سے ہیں جو پہلی بار لڑکیوں کی تلاش میں آئے تھے تو ان کی واپسی شمال کی طرف ہوگی اور وہ ریتیلے ٹیلوں کے درمیان واقع ہموار ریتیلے میدان سے گزر رہے ہوں گے۔ وہاں تم ٹیلوں کی اوٹ سے بے خبری میں ان پہ کاری وار کر سکتے ہو۔"

"مگر تم نے تو بتایا تھا کہ وہ سیاہ گزرگاہ تین چار سو گز چوڑی ہے۔" ہاشم نے حیرت سے کہا۔ "اگر انھوں نے شمالی سرا اختیار کیا تو وہ ہمارے ہتھیاروں کی زد سے باہر ہوں گے۔"

"وہ ایسا کر ہی نہیں سکتے، پھر تم خود کو ٹیلے کے سرے پر پاؤ گے۔" یوسف بولا۔ "وہ میدان وسیع ضرور ہے مگر نرم ریت میں قدم دھنستے ہیں۔ صحرائی پگڈنڈی ہماری سمت والے ٹیلوں کے قریب سے گزرتی ہے۔ وہ اس سے ہٹ کر چلنے سے اجتناب کریں گے کیونکہ نرم ریت میں اونٹوں کی رفتار صرف سست ہو جاتی ہے بلکہ وہ جلدی تھک جاتے ہیں۔"

"تو پھر ہم ابھی تک یہاں کیوں کھڑے ہو؟" میں نے اسے آگے دھکیل کر کہا۔ اس کی تجویز مجھے بہت مناسب معلوم ہوئی تھی۔

ہم تیز رفتاری سے ٹیلوں کی اوٹ میں آگے بڑھتے رہے۔ اسی دوران میں یوسف پوری طرح سے صحرائی ہواؤں کے دوش پر ابھرنے والی کسی غیر معمولی آواز کی گھات میں لگا رہا تھا کہ ان چاروں کی نقل و حرکت کی خبر دے سکے۔

آخر ایک جگہ ہمیں چھوٹی سی چڑھائی چڑھنی پڑی۔ یوسف کے بیان کے مطابق وہ صحرائی پگڈنڈی کے قریب واقع آخری ریتیلا ٹیلا تھا اور تھوڑی ہی بلندی پر پہنچنے کے بعد ہمیں پگڈنڈی نظر آنے لگی۔

ریت کا وہ ٹیلا بظاہر تو دیکھنے میں سو فٹ اونچا تھا مگر اس صحرائی خطے میں اس کا وجود بھی کسی زبردست ٹیلے سے کم نہیں تھا۔

یوسف نے اپنا اونٹ اس کی ڈھلان پر ایک جگہ بٹھا دیا تھا اور وہ صورتحال سنبھالو وہاں بیٹھ کر اس قدر خلوص سے نگرانی میں مصروف ہو گیا تھا جیسے یوسف نے اتنا حکم صادر نہ کیا تو اپنی ساری عمر اسی مقام پر اسی حالت میں گزارنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

اس ٹیلے سے بھی جبل العقوف کی چوٹی صاف نظر آ رہی تھی مگر اس کا فاصلہ قدرے زیادہ ہو گیا تھا۔

سورج کی چمکتی ہوئی روشنی میں البتہ کہیں دور ایک جگہ جمع نظر آ رہے تھے۔ ان کے قریب دو شتر سوار موجود تھے جب کہ بقیہ ...

اونٹ خالی کھڑے تھے۔

یہ صورتحال دیکھ کر ہم تینوں نے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا کہ شتر سواروں نے حسب الحکم جبل العقوف والوں کی باتوں کا یقین نہ کرتے ہوئے خود تلاشی لینے کا فیصلہ کیا تھا اور ان کے دو ساتھی اس کام میں مصروف تھے۔

"یہ تو مزید بارہ عورتوں کی تلاش میں جبل العقوف تک گئے تھے۔" یوسف تشویش زدہ انداز میں بڑبڑایا۔ "ایسا نہ ہو کہ انہیں کہیں سے یہ خبر مل گئی ہو کہ وہ چاروں عورتیں پہاڑی ڈھلانوں سے مغرب کی طرف فرار ہوئی تھیں۔"

"ان وسوسوں کو بھول جاؤ۔ آنے والے وقت کی تیاری کرو۔" میں نے اس کی پشت پر ہاتھ مار کر کہا۔ "پستول چلا لیتے ہو؟"

اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ "اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ ہم گھر سے نکلتے ہیں تو اپنے ساتھ کمال کے ایک ایک جنبیہ (خنجر) ضرور باندھ لیتے ہیں۔ کسی بھی مقابلے میں وہ ہمارا بہترین ہتھیار ہوتا ہے۔ ریت کی نعمتی میں گھیری کی ضرب دھوپ میں چمکتے ہوئے دانت دشمن کا جواب کو ڈرا دینے کا سبب ہے۔"

"پھر تم ہمیں لے کے جانا۔" میں نے کہا۔ "میرا اشارہ ملتے ہی تم اپنی جگہ سے باہر آئے تو بے موت مارے جاؤ گے۔"

"مجھے خوفزدہ نہ کرو۔" وہ اپنے ہونٹوں پہ زبان پھیر کر پھونکنے کے انداز میں ہنسا۔ "ویسے میں تمھارے ہی مشورے پہ عمل کروں گا۔"

میں نے وقت گزاری کے لیے سگریٹ سلگا لیا اور پھر ہاشم کے ساتھ ایسی جگہ تلاش کرنے میں مصروف ہو گیا جہاں سے پگڈنڈی کا علاقہ ہماری زد میں ہوتا۔

"ان لڑکیوں سے تمھارا کیا تعلق ہے؟" مورچے بن جانے کے بعد یوسف نے وہ سوال کر ہی ڈالا جس سے میں بچنا چاہ رہا تھا۔

"نیلی آنکھوں والی ہمارے سردار کی بیٹی ہے اور باقی تینوں اس کی راشدہ (باندیاں) ہیں۔" ہاشم نے فوراً جواب دے کر میری مشکل آسان کر دی۔

"تمھارا سردار؟" یوسف نے بے اعتباری سے کہا۔ "تو کیا تم شہر والوں میں بھی قبیلے اور سردار ہوتے ہیں؟"

"زندگی رہی تو تمھیں اپنے سردار سے ملوائیں گے۔" ہاشم نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"مگر سردار کی بیٹی یوں صحرا میں کیوں بھاگی پھر رہی ہے؟" یوسف کے ذہن میں تجسس پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔

"لمبی کہانی ہے۔" ہاشم گہری سانس لے کر بولا۔ "اسے غنڈوں نے اٹھا لیا تھا۔ ہم کھوج نکالتے غنڈوں تک پہنچے تو وہ ان کی قید سے نکل چکی تھی۔"

"مگر ان نے لوٹتے کیسے تھے؟ آگے فرار ہونا کیوں پسند کیا؟"

"تم مرد ہو کر ان غنڈوں سے خوفزدہ ہو، وہ تو پھر لڑکیاں تھیں۔"

لب پا ہونے کی کوشش کریں تو ان سے دوبارہ ملاقات ہو جائے۔"

"ہوں۔" اس نے اثبات میں اپنے سر کو جنبش دی پھر یوں گویا ہوا جیسے اسے اچانک کوئی اہم نکتہ سوجھ گیا ہو۔ "ان لڑکیوں کے دشمن نام سے ہی اور وہ خود باہر کی معلوم ہوتی تھیں۔ تم دونوں بھی باہر کے معلوم ہوتے ہو پھر یہ دشمنی کیسے شروع ہو گئی؟"

"اپنے دماغ پر اتنا زور دو۔" میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے اس سے کہا۔ "صحرا میں بیٹھ کر ہمیں دنیا بہت وسیع معلوم ہوتی ہے۔ باہر نکلو تو یہ بڑی مختصر نظر آنے لگی۔ اب تم خاموش رہو اور ہمیں کچھ اور بھی سوچنے دو۔"

"سوچو، سوچو۔" وہ سر ہلا کر بولا۔ "جس دن میں نے باہر کی دنیا دیکھ لی تو میں بھی تمھاری طرح سوچنے لگوں گا۔"

وہ ہم سے ذرا دور ریت پر چت لیٹ گیا اور اپنی آنکھوں پر اس نے رومال ڈال لیا تاکہ سورج کی چمک سے اس کی نگاہیں محفوظ رہیں۔

جانے کیسے وہ صورتحال جو ابھی ہی ہو مگر یوسف کے لیے پریشان کن اور خوفناک ضرور تھی۔ اس کے کنبے کا کوئی فرد بے گناہی کا شکار ہو چکا تھا اور پھر خون آشام درندے ابھی تک جبل العقوف میں دندناتے پھر رہے تھے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ بستی میں اور کیا گل کھلانے کے عزائم

رکھتے تھے لیکن ابتدائی وحشت کے بعد یوسف اب اس طرح پرسکون نظر آ رہا تھا جیسے اپنے صورتحال کی کوئی فکر نہ رہ گئی ہو۔

اس نے ان حالات و دور کو مقدر سمجھ کر قبول کر لیا تھا جس پر اس کا یقین اٹل تھا لہٰذا ان کی ٹالی ہوئی ہر مصیبت بھی اس کے نزدیک مقدر ہی کا ایک حصہ ہوتی جس سے فرار نہ ٹال دینا ممکن تھا اور نہ منصفانہ بھی۔

پھر جب انسان کسی بات کو اپنے اختیار سے اس قدر ماورا تصور کرے تو اس میں ذہنی یا جسمانی صعوبتیں جھیلنا خود ساختہ عذاب سے کم نہیں ہوتا اور یوسف ایسی کسی حماقت کے ارتکاب پر آمادہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"تم نے یوسف کو پیچھے رہنے کی ہدایت کیوں کی ہے؟" کافی دیر کے بوجھل سکوت کے بعد ہاشم نے مجھ سے سوال کیا۔

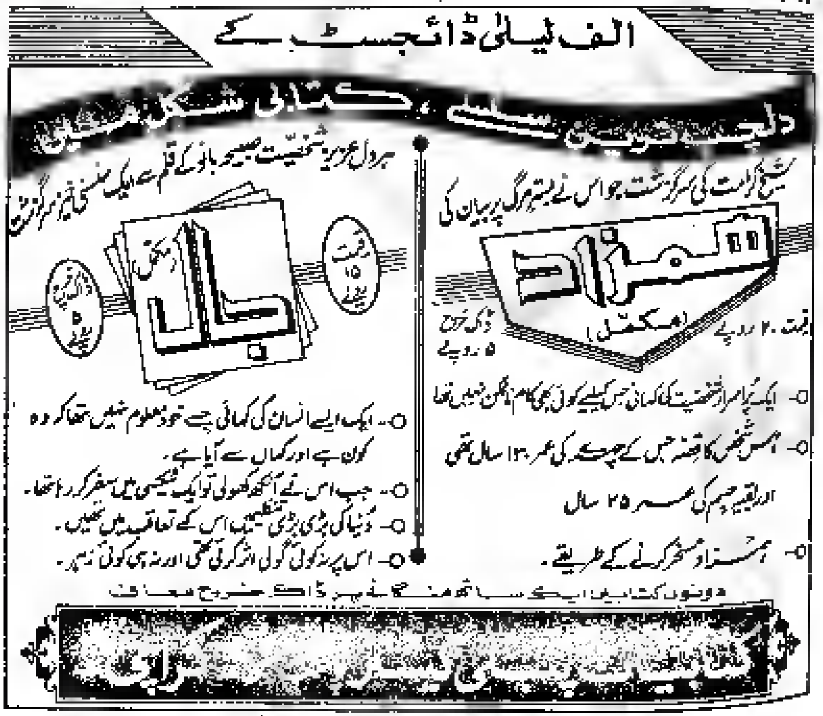
"وہ ہمارے لیے قطعی بے مصرف ہے۔"

"لیکن اپنی پرچھائی کے مقابلے میں تین کی نفری کا خاصا نفسیاتی دباؤ ہوگا۔" ہاشم نے کہا۔ "اسلحے کے ساتھ نفری کی بھی اہمیت ہوتی ہے۔"

"پھر تو میں چاہوں گا کہ انتہائی ضرورت کے بغیر تم بھی سامنے نہ آنا۔" میں نے ایک فوری خیال کے تحت کہا۔

"وہ کیوں؟" ہاشم نے حیرت سے سوال کیا۔

"ہم دونوں نے بھی گولیاں چلائیں تو یہ مشکل ہوگا کہ پہلے ہی راؤنڈ



میں چاروں کا کام تمام ہو جائے۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی "پہلے وار سے بچنے والوں کو اگر برابر کے ٹکراؤ کا اندیشہ ہوا تو وہ مقابلے کے بجائے فرار اور جلدی کمک کے ساتھ فوری واپسی کی کوشش کریں گے اور اگر انھیں مجھے پر ایک ہی حریف نظر آیا تو وہ فرار کے بجائے اسے گھیرنے کی کوشش کریں گے اور یوں بآسانی ہم انھیں مار لیں گے۔"

"پھر تم یوسف سے لباس بدل ہی ڈالو۔" اس نے میری تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "وہ تمھیں دیکھ کر یہی سمجھیں گے کہ جبل العفوت کا کوئی سرپھرا باشندہ ان سے انتقام کے چکر میں ہے جو خود اسی کوشش سے زیر کیا جا سکتا ہے۔"

"پھر یہاں تمھیں سمجھ استعمال کرنا ہوگا۔" میں نے دھیمے سے کہا۔ "جبل العفوت والوں کے پاس تمھیں سمجھ کا مادہ معلوم ہوتا ہے۔"

اسی مقام پر ہماری گفتگو ختم ہو گئی کیونکہ بستی سے وہ چاروں شتر سوار واپس ہماری سمت میں آتے نظر آ رہے تھے۔

میں نے پُرسکون انداز میں بیٹھنے کے بجائے ریت پر لیٹ کر اپنی پوزیشن درست کر لی۔ ہاشم بھی میرے برابر میں تھا۔

"پہلے فائر میں کم از کم دو کا کام تمام ہونا چاہیے۔" میں نے کہا۔

"دو کا؟" ہاشم نے حیرت سے دہرایا۔ "مگر تم نے مجھے منع کیا تھا۔"

"ایک دو سیکنڈ کے وقفے سے تم بھی ایک فائر صحیح نشانہ لے کر کر دینا۔" میں نے کہا۔ "لیکن تمھارا پستول میں بائیں ہاتھ میں لے لوں گا اور کسی مناسب مرحلے پر بیٹھنے والے مقابل کو یہ دکھاؤں گا کہ میں بیک وقت دو پستول چلا رہا ہوں۔"

"میں سمجھ گیا۔" وہ جلدی سے بولا۔ "تم صحیح نشانے کا پورا فائدہ اٹھانا چاہتے ہو۔ فکر نہ کرو میں تمھاری توقعات پر پورا اتروں گا۔"

شتر سوار کی دوسری مٹیوں سے آگے پیچھے تھے اور ان کی رفتار جتنی تیز ہوتی جا رہی تھی اور وہ ایک ڈیڑھ منٹ میں اس ٹیلے کے قریب گزرنے والے تھے۔

"یوسف وہیں بیٹھے رہنا۔" میں نے قدرے بلند آواز میں کہا۔ "وہ کسی بھی لمحے ادھر پہنچ سکتے ہیں۔"

"تم مدد کے لیے بھی پکارو گے تو سامنے نہیں آؤں گا۔" اس نے جواب دیا۔ "مجھے تو ان خطرناک دشمنوں کے تصور ہی سے ہول آتا ہے۔"

گمبھیر صورت حال سے دوچار ہونے کے باوجود میں یوسف کی بزدلی پر دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

ان چاروں کے جسموں پر صحرائی لباس تھے ان کے گندمی چہرے سامنے سے پڑنے والی سورج کی روشنی میں واضح طور پر خباثت سے بھرپور نظر آ رہے تھے مگر میں دیکھ لیے جانے کے خوف کے باعث تفصیل سے ان کا جائزہ نہ لے سکا۔

آخر کار وہ اتنے قریب آ گئے کہ ان کے سنسنے بولنے کی آوازیں ہمارے کانوں میں آنے لگیں۔ پھر چند ثانیوں کے لیے وہ ٹیلے کی اوٹ میں ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ اس کے بعد وہ ہمارے سامنے ہی نیچے گزر رہے تھے۔

ہم دونوں اپنی کارروائی کے لیے پوری طرح تیار تھے۔

جتنا ہی وہ ٹیلے کی آڑ سے نمودار ہوئے میں نے ایک لمحے کو ہاشم کی طرف دیکھا اور شست لے کر فائر کر دیا۔

اس وقت ہم ان کے عقب میں خاصی بلندی پر تھے لہٰذا پہلا فائر کارگر رہا اور ان میں سے ایک اپنی پشت پر گولی کھاتا ہوا ایک چیخ کے ساتھ ریت پر گر گیا۔ اس سے قبل کہ اس کے بقیہ تینوں ساتھی کچھ سمجھ پاتے چند سیکنڈ کے بعد ہی ہاشم نے گولی چلا دی۔ اس بار میں نے دوسرے شتر سوار کو گردن تھامے ریت پر ڈھیر ہوتے دیکھا۔

اس ناگہانی آفت سے بوکھلا کر بقیہ دونوں نے اپنے اونٹوں کو بھگانا چاہا مگر میں نے پے در پے تین فائر کر کے ان میں سے ایک کو زمین چاٹنے پر مجبور کر دیا۔ اس کا اونٹ اپنے سوار کو ریت پر پھینک کر بلبلاتا ہوا ایک طرف بھاگ نکلا۔

میں نے ہاشم کے ہاتھ سے پستول لے کر اپنی جگہ چھوڑ دی اور دونوں ہاتھوں میں پستول لے کر دوڑتا ہوا ڈھلان سے نیچے اترا۔ کچھ دور پہنچ کر جو تھا شتر سوار رک چکا تھا اور مڑ کر میری طرف دیکھ رہا تھا۔ دھاکوں سے وہ اندازہ لگا چکا تھا کہ جس کا گمان دشمن پستول سے مسلح تھا اور اس وقت وہ کسی بڑے سے بڑے ہونے کی پہلی کی بھی زد سے باہر تھا۔

اس نے اپنے شانے سے جھولتی ہوئی رائفل اتار کر اونٹ کی پشت سے سیدھا نشانہ لیا تو مجھے فوری طور پر ریت پر گر جانا پڑا۔

اسی لمحے ایک ہولناک دھماکا ہوا اور میرے قریب بارود کی تیز بو بکھر گئی۔ اس شخص کا نشانہ بہت عمدہ تھا اور مجھے احتیاط کی ضرورت تھی۔ رائفل کی مار سے بچنے کے لیے ریت پر گرتے ہوئے میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ میری اور ہاشم کی گولیوں کا نشانہ بننے والوں میں سے دو اسی جگہ بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے مگر تیسرا اٹھنے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا۔

میں نے اپنا سر قدرے اوپر اٹھایا اور دفعتاً رائفل سے نکلی ہوئی گولی اگر میں نے سر فوراً ہی نیچے نہ کر لیا ہوتا تو چند انچ اوپر سے گزرنے والی رائفل کی گولی نے میرا بھیجا اڑا دیا ہوتا۔ رائفل کی گونج سے اندازہ بھی ہوا کہ چوتھا شتر سوار مجھے اپنی کمین گاہ میں دبکے رہنے پر مجبور کر کے تیزی سے دوبارہ لوٹ رہا تھا تاکہ اپنے تین ساتھیوں کی دیکھ بھال کے ساتھ ہی مجھ پر کاری وار کر کے مفلوج کر سکے۔

میں نے دونوں ہاتھ سینے کے نیچے دبا رکھے تھے اور پستول تھامے ہوئے جیسا کہ دشمن کو محسوس ہی نہ ہو سکے میرے نشانے کی پرواہ کیے بغیر جیسے ہی وقت دونوں پستولوں کا رخ اٹھا کر اور فوراً ہی اگلا دھڑ دونوں کہنیوں پر زمین سے ذرا سا اٹھا لیا۔ چوتھا شتر سوار ٹیلے سے نسبتاً قریب آ کر اونٹ کی پشت سے نیچے اتر چکا تھا۔ اس کا زخمی ساتھی اپنے قدموں پر کھڑا ہو چکا تھا اور کسی لاٹھی کی طرح سہارے کے لیے کراہتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ پستول سے خوف زدہ تھے کیونکہ اس سے قبل ہی وہ توجہ زخمی ساتھی پر مرکوز تھی کیونکہ اس نے میرے پستول کے فائر کی زد میں ہونے کی وجہ سے رائفل نہیں چلائی تھی۔

قریب آنے کے باوجود پستولوں کی زد سے باہر تھا لہٰذا میں نے وہ قریب آنے والے زخمی دشمن کی پشت کا نشانہ لے کر خود کار پستول کی لبلبی دبا دی۔ وہ ایک ہولناک چیخ کے ساتھ فضا میں اچھل کر ریت پر ڈھیر ہو گیا۔

پہلے تو اس کا دم گھٹا اپنے ساتھی کی چیخ سن کر چوتھے کو اپنی حماقت کا احساس ہوا مگر اس کے فائر سے پہلے ہی میں دوبارہ زمین سے چپک چکا تھا۔

پستولوں کی شکل میں مجھے بڑا الجھن ہو چکا تھا کہ وہ مجھے ہوں یا نہ دونوں کو بہت نیچے اور بے خبر سمجھ رہے تھے البتہ چوتھے کا صحیح سلامت رہنا بہت خطرناک تھا جبکہ میرے پاس موجود ایک پستول کے چیمبر میں صرف ایک اور دوسرے میں پانچ گولیاں باقی رہ گئی تھیں لہٰذا میں نے سیفٹی کیچ چڑھا کر جیب میں موجود گولیاں نکالیں اور دونوں پستولوں میں بھر کر اگلے مرحلے کے لیے تیار ہو گیا۔

"وہ ابھی تک تمھیں اکیلا ہی سمجھ رہا ہے۔" اپنے قریب ایک سرگوشی سن کر میں حیرت سے اچھل پڑا۔

سر گھمایا تو ہاشم میرے قریب ہی ریت پر پڑا ہوا تھا۔ وہ کوریلا جنگ کے فن میں باقاعدہ تربیت یافتہ تھا اور شاید اپنی اسی مہارت کے باعث کہنیوں اور پیٹ کے بل رینگتا ہوا میرے قریب پہنچا تھا۔

"کمینے کی اولاد ہتھیار پھینک کر سامنے آ جاؤ ورنہ فنا کر دوں گا۔" ہوا کی لہر سے تھرتھراتی اور غصے میں ڈوبی ہوئی للکار سنائی دی جو یقیناً چوتھے آدمی کی تھی۔

جواب دیے بغیر میں نے اس کی طرف ایک اندھا دھند فائر کر دیا جو بجائے خود اس کے مطالبے کا مسکت جواب تھا۔

الٹے فائر کا اثر حسب توقع رہا اور جھلاہٹ کے عالم میں اس نے کئی گولیوں سے نوازنے کے ساتھ ہی بزدلی اور کمینگی کے طعنے بھی سنا ڈالے۔

اس کے فائر کے ساتھ ہی میں نے ایک بار پھر سر اٹھا کر اس کی پوزیشن کا جائزہ لیا اور فضا میں تحلیل ہوتے ہوئے بارود کی دھند کے عقب سے مرتی عبلت سے اندازہ لگایا کہ اس نے بڑی چالاکی کے ساتھ مزید آگے بڑھ کر چٹیل صحرا میں اپنے لیے ایک جیتا جاگتا مورچہ قائم کر لیا تھا جو زمین پر بیٹھے اور جگالی کرتے ہوئے ایک اونٹ کی صورت میں میرے اور اس کے درمیان پوری طرح حائل تھا۔

شاید اس نے مجھے اٹھتے دیکھا ہوگا مگر وہ فوری طور پر گولی نہ چلا سکا کیونکہ ہر ایک دو فائروں کے بعد اسے رائفل خود کرنی پڑتی ہوگی اور میں نے اسی متوقع وقفے سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔

"وہ مسلسل آگے آ رہا ہے۔" میں نے ہاشم کو اس کا پستول واپس کرتے ہوئے کہا۔ "اسے زندہ پکڑنا ضروری ہے کیونکہ اس کے تینوں ساتھی شاید مر چکے ہیں۔ تم عقبی ڈھلان سے نیچے اتر جاؤ اور ٹیلے کی اوٹ سے ایک دو فائر کرو۔ وہ ٹیلے کو خالی سمجھ کر اپنی رائفل سے تم پر بے خوف ہو کر چلاتا رہے گا اور میں اسے جا لوں گا۔"

اسی وقت یوسف کا اونٹ پے در پے دھماکوں سے گھبرا کر بلبلاتا ہوا ٹیلے سے اتر بھاگا اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس وقت ہمارے پاس صرف ایک ہی اونٹ تھا جس کی وجہ سے نامعلوم دشمن کو میرے

تنہا ہونے کا یقین ہو سکتا تھا۔

"وہ میرے اور تمہارے حساب وزن سے چوکنا ہو جائے گا۔" ہاشم نے پستول بھینچتے ہوئے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

"وہ ابھی تک مجھے پوری طرح دیکھ ہی نہیں سکا ہے۔" میں نے پورے اعتماد سے کہا۔ "جو نہیں اس کے سامنے تو نہیں جانا ہے وہ مغالطے میں پڑ جائے گا۔"

ہاشم نے لیٹے ہی لیٹے سرعت سے اپنی سمت تبدیل کی اور ناہموار قدموں کی آڑ لیتا پیٹ کے بل ڈھلان پر رینگتا ہوا اوپر چلنے لگا۔ اس وقت مجھے بس ایک ہی خدشہ تھا کہ کہیں ہمارا دشمن لاشعوری طور پر اسے نہ دیکھ لے لیکن ہاشم دیکھتے ہی دیکھتے اس انبار میں کہیں غائب ہو گیا۔ بیچ کے وہ لمحات سنسنی خیز اور صبر آزما تھے۔ محاذ پر چاروں طرف پُرہول سناٹا چھایا ہوا تھا۔ لیٹے کے مقابلے میں حریف کو مجھ پر برتری حاصل تھی اور مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ وہ مجھ پر اگلا وار کس سمت سے کرے گا۔

بظاہر آسان نظر آنے والا وہ معرکہ عملی طور پر نہایت پیچیدہ ہوتا جا رہا تھا۔ وقت جیسے جیسے رینگتا رہا مگر میں سر اٹھا کر سامنے کا جائزہ لینے کی ہمت نہ کر سکا۔

چند منٹ کے بعد ٹیلے کے دائیں سے پستول کا دھماکا ہوا تو میں نے اپنے وجود میں آسودگی کی ایک لہر ابھرتی محسوس کی۔ ہاشم ٹیلے کے عقبی دامن میں پہنچ چکا تھا۔ اور اس نے یقینی طور پر دشمن کو دیکھنے کے بعد فائر کیا تھا۔

پھر رائفل چلی اور اس کی آواز اس قدر قریب سے ابھری تھی کہ میں سناٹے میں آ گیا۔ شاید ہاشم کا آدمی دیکھتے ہی پیش قدمی کرتا ہوا ٹیلے کے بالکل نزدیک پہنچ چکا تھا۔

دونوں طرف سے رک رک کر وقفے وقفے سے گولیوں کا تبادلہ ہوا اور ہر بار رائفل کی آواز کی سمت میں تبدیلی آتی رہی۔ وہ شخص میری توقع کے مطابق ٹیلے پر چڑھتا آ رہا تھا۔ شاید وہ یہی سوچ رہا تھا کہ ایک بار بلندی پر پہنچنے کے بعد وہ پیچھے ہٹ آنے والے دشمن کے پستول کی زد سے محفوظ ہو جائے گا۔ اور پھر بے خوفی سے اسے تاک کر رائفل کی گولی مار سکے گا۔

ایک مرتبہ پھر سناٹا چھا گیا مگر تھوڑی ہی دیر بعد پھر فضا ایک تیز چیخ اور پھر مسلسل چیخوں سے گونج اٹھی۔ اس کے ساتھ ہی ایسے دھماکے بھی سنائی دیے جیسے کوئی وزنی بوجھ ڈھلان پر نیچے کی طرف لڑھکتا جا رہا ہو۔

"آؤ جلدی آؤ۔" اس کے ساتھ فضا میں یوسف کی پُرجوش آواز سنائی دی۔ "میں نے گولیاں چلانے والے کو نیچے پھینک دیا ہے۔"

میں نے اٹھ کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ سیدھا ہونے پر مجھے چوتھا آدمی ڈھلان پر نیچے جاتا نظر آ گیا۔ وہ خود کو سنبھالنے کی شدید کوشش کر رہا تھا۔ لیکن چونکہ ڈھلان سے مسلسل پیچھے جا رہا تھا اس لیے بھی خطرناک حد تک غلط ٹکڑوں اور گالیوں کی مار وہ جھیل چکا تھا۔

اس کی طرف دوڑنے سے پہلے میں نے ایک نگاہ میدان کی طرف ڈالی۔ وہاں تین انسان بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے۔

ریتلی ڈھلان پر پہنچنے کی … دوڑنے میں گرنے یا زخمی ہونے کا خطرہ بھی موجود تھا مگر میں اس کی پروا کیے بغیر دوڑ پڑا۔

"ہاشم۔۔۔ باہر آ جاؤ۔" لیکن تبھی زقند بھر کے فاصلے کے بعد ہی چلایا اور پھر رک کر ایک گولی چلا دی کیونکہ جو شخص … میں گئے جہاں اس طرف بھاگا تھا جہاں اس کے ساتھیوں کی بکھری ہوئی رائفلیں پڑی ہوئی تھیں۔

گولی اس کے پہلے وقت میں لگی اور وہ چیخ کر … تھا وہ بہت سخت جان کہ زخم کھانے کے فوراً بعد ہی … لپکا مگر اس نقصان میں ہی اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ میں نے گولی چلانے کے بجائے اس پر چھلانگ لگا دی اور ریت پر اسے دبوچتا چلا گیا۔ وہ جسمانی طور پر مجھ سے زیادہ قوی تھا مگر … اور پھر رائفل سے محرومی نے اس کے ہوش باختہ کر دیے تھے۔ … منکوں اور ناک پر پڑنے والی ایک بھرپور ٹھوکر نے اس کے … نکال دیے اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی خون آلود ناک صاف کرتے ہوئے بے حس پڑا رہا۔

میں نے دور ہٹ کر اس پر پستول تان لیا۔ اسی اثنا میں ہاشم بھی دوڑتا ہوا وہاں آ پہنچا۔

"یوسف کو بھی بلا لو۔" میں نے ہاشم سے کہا۔ "یہ … کا شکار ہوا ہے ورنہ یہ شاید اتنی جلد ختم نہ ہوتی۔"

"تم کون ہو؟" زخمی نحیف آواز میں غرایا۔

"یہ تو تم بتاؤ گے میری جان!" میں نے خوش دلی سے کہا۔ "تم شروع سے ہماری توقعات کے مطابق عمل کر رہے ہو۔ امید ہے اس طرح زبان بھی کھول دو گے۔"

"اوہ!" اچانک اس کے منہ سے ایک حیرت آمیز آواز نکلی اور اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "تم تو وہی ہو۔۔۔۔۔۔"

"جس کی بو پر تمہارے آقا نے تمہیں صحرا کے … میں …" میں نے اس کی بات مکمل کی۔ "مگر تم نے مجھے کیسے پہچان لیا؟"

"میرے ہی سامنے حافظ کی پولیس تمہیں اپنے ساتھ لے گئی تھی۔" اس نے کہا۔ ذہنی طور پر اس کی مزاحمت یک بیک ختم ہو گئی تھی۔

"یعنی تم اسی سرکس کے … کے نمک خوار ہو۔"

"تم … جو چاہے کر لو لیکن اتنا یاد رکھنا کہ اب یہی صحرا تمہارا مدفن بنے گا۔ کار میں … ہوئی لاشیں پا کر پولیس تو شاید دھوکا کھا جائے مگر … تمہاری راہ پر … اور ہمارے آدمی ہر طرف …"

"… تمہارا کیا حشر کرنا چاہیے؟" میں نے اسی سے سوال کیا۔

"میں بتاتا ہوں۔" اچانک یوسف بول پڑا جسے شاید ہاشم ابھی ساتھ لایا تھا۔ اس نے دائیں ہاتھ میں رائفل کو نال سے ایک لاٹھی کی طرح تھام رکھا تھا۔

… اس کے ارادے کا مطلق احساس نہ ہو سکا۔ … جنونی انداز میں اپنے … ہوا کر پکارتا گیا اور اس نے رائفل کا کندہ پوری قوت سے قیدی کی ٹانگوں پر رسید کر دیا اور وہ بلبلا کر چیخ … اب زمین پر تڑپنے لگا۔

مگر اس شدید جھٹکے کے نتیجے میں رائفل چل گئی اور اس کی گولی یوسف کی کلائی اور … ہوئی گزر گئی جس پر وہ خود بھی ناچ اٹھا۔

مجھے یوسف کی اس حماقت پر شدید تاؤ آیا مگر اس سے پہلے … کی مزاحمت خود ہی ٹوٹ چکی تھی لہٰذا میں بیٹھ کر تماشا دیکھنے پر مجبور تھا۔

ہاشم اس کے زخم کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گیا تو میں ڈانٹ کے ذریعے زخمی قیدی کو خاموش کرانے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ … کی حالت میں تھا اور غالباً اپنی زندگی سے بھی مایوس ہو چکا تھا … اس کے تیور جارحانہ ہو گئے تھے۔

گفتگو کے دوران ایک تعجب میں نے اسے خوف زدہ کر … بیٹے بھاگی ہوئی لڑکیوں کا سراغ نہ پا سکا تو بھلا ہمارا راستہ کیسے روک سکے گا۔ تو آپ نے طیش میں آ کر صرف اتنا کہا کہ … کامیاب ہوتے مگر جو ہدف … ان کا کھوج نکال لیا تھا۔ … مگر وہ شخص کوئی کارآمد بات نہ بتا سکا۔ … ٹوٹی ہوئی پنڈلیوں کی اذیت سے نجات دلا دی۔

اس کے تین ساتھی پہلے ہی مردہ تھے۔ دو گولیوں کا شکار ہوئے تھے اور ایک شاید اونٹ کی پشت سے بے طرح گر کر اپنی گردن کی ہڈی تڑوا بیٹھا تھا۔

… ہاشم کے ساتھ ان چاروں کی تدفین کے لیے گڑھا کھودنے لگا اور یوسف کو پانچوں اونٹوں کو پکڑنے پر لگا دیا گیا کیونکہ صحرا میں … اونٹوں کو پہچان کر ان مقتولوں کا کوئی بھی ہمدرد … اندازہ لگا سکتا تھا۔ اونٹ جبل العقوت کے قریب … ہی اپنے … سے محروم ہونے جو رہے تھے۔

اوپر سے نرم ریت ہٹنے کے بعد زمین قدرے سخت ثابت ہوئی لیکن … کی مشقت کے بعد ایک وسیع گڑھا تیار ہو گیا۔ اس اثنا میں یوسف بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گیا۔ پانچوں اونٹ … بھاگنے کے … تھے مگر بندھے ہوئے ہونے کی وجہ سے … نہیں نکلے تھے بلکہ آس پاس ہی موجود تھے لہٰذا یوسف … آسانی … کامیاب ہو گیا تھا۔

چاروں لاشوں کی اجتماعی تدفین … فریضہ … انجام دینا ہی پڑا۔ پھر وہاں سے خون ریزی کے تمام … مٹانے کے بعد ہم وہ رائفلیں اور ان کے کارتوس لے کر روانہ ہوئے۔ وہ رائفلیں … ریت میں دبا دی گئیں کیونکہ یوسف یا جبل العقوت کے کسی باسی کے قبضے سے ان کی برآمدگی پوری بستی کو ناقابل بیان عذاب میں مبتلا کر سکتی تھی۔

"سب کچھ ہو گیا۔" واپسی میں یوسف بولا۔ "انھیں صحرا نے نگل لیا … سمجھے جائیں گے مگر ان چار اونٹوں کا کیا ہوگا۔ ان کے ساتھی پھر ادھر آئے تو … اونٹوں کا ایک ایک بال پہچان لیں گے اور ہم مارے جائیں گے۔"

"دو اونٹ صحرا عبور کرنے میں ہمارے کام آئیں گے۔ دو کو تم بستی میں ذبح کر لینا۔" ہاشم نے اسے مشورہ دیا۔

وہ معصوم انداز میں ہنس پڑا۔ "بستی کے سارے لوگ آٹھ دس دن میں بھی دونوں کا گوشت ختم نہ کر سکیں گے اور اس سے پہلے ہی وہ سڑنا شروع ہو جائے گا۔"

"فکر نہ کرو۔ ان کی مہاریں باندھ کر ہم انہیں بھی ساتھ لے جائیں گے اور صحرا سے نکلنے سے پہلے آزاد کر دیں گے۔" میں نے کہا۔

"تم واقعی بہت عقلمند ہو۔" وہ خوش ہو گیا۔ "مگر اب میری ایک … بستی میں پورا قصہ چند گنے چنے لوگوں ہی کو بتایا جائے گا۔ باقی لوگوں کو وہ خود سمجھا لیں گے ورنہ آپس کی تضاد بیانی پوری بستی کو لے ڈوبے گی۔"

پانچ بجے … کسی لوٹ مار … میں کوئی کمی نہیں تھی … نفری تھی … خاموشی سے بستی میں داخل ہوا جس کی فضا میں … اداسی محسوس کی جا سکتی تھی۔

اونٹوں کو دیکھ کر … بچوں اور مردوں کی بھیڑ لگ گئی اور نیچے اترنے سے پیشتر ہی معلوم ہو گیا کہ حملہ آوروں کے ہاتھوں ایک … مارا گیا تھا جس کو دفنایا جا چکا تھا۔

لوگوں نے تجسس اور خوف کے ملے جلے جذبات و احساسات کے تحت یوسف سے ہمارے بارے میں بہت سے سوالات کیے مگر اس نے سختی سے اپنی زبان بند رکھی اور ہمارے ساتھ مقتول کے … خیمے کی طرف بڑھ گیا۔

جبل العقوت میں ہم نے ایک گھنٹے سے بھی کم وقت گزارا مگر وہ وقت خاصا صبر آزما ثابت ہوا۔ وہاں کے بسنے والے انتہائی غربت کا شکار تھے۔ ان کی روزی کا سارا انحصار کھجور کے قریبی باغ اور میٹھے پانی کے کنوئیں پر تھا مگر پھر بھی ان میں قناعت پائی جاتی تھی۔ یوسف جیسا حریص ان میں کوئی نہیں تھا بلکہ وہ تمام … افراد جنھیں یوسف نے ہماری موجودگی اور سارے واقعات سے آگاہ کیا تھا، صلح جو اور سمجھدار تھے۔

وہ کہانی سنتے ہوئے ان کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ حقارت اور بے رحمی سے خونریز انعام انھیں پسند نہیں آیا تھا۔ محض صحرا کی پرسکون اجتماعی زندگی کی خاطر وہ اپنے ایک لخت جگر کے قاتلوں کو بھی کھلی چھوٹ دینے پر تیار تھے مگر افسوس … طور پر اپنے اس ردعمل کا قطعی اظہار نہیں کیا بلکہ اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ ان کی آمد کے وقت ہم دونوں بستی میں نہیں پہنچے تھے کیونکہ ان چاروں کی ساری باتیں … جنھیں کے بارے میں تھی جن کا تذکرہ وہ انتہائی نفرت اور حقارت سے کر رہے تھے۔

جبل العقوف کے ان تینوں بڑوں نے ہمیں فوری طور مغرب کی طرف روانہ ہونے کا مشورہ بھی دیا تاکہ ان چاروں کی پراسرار گمشدگی کے بعد شروع ہونے والی تلاش کی مہم سے قبل ہم وہاں سے زیادہ سے زیادہ دور نکل سکیں۔

ان کا مشورہ مناسب تھا لہٰذا ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔

یوسف نے اس بھلے معاملے میں توقع سے بڑھ کر ہمارا ساتھ دیا تھا لہٰذا ہم نے روانگی سے قبل اسے چار سو پونڈ دیئے جو اس نے مسرت آمیز حیرت سے قبول کر کے اپنے کسی عزیز کے حوالے کر دیئے۔

پانچ اونٹوں اور تین سواروں کا وہ قافلہ بہت تیز رفتاری سے روانہ ہوا۔ نرم ریت پر اونٹ یوں سبک رفتاری سے دوڑ رہے تھے جیسے فضا میں تیر رہے ہوں۔

"راستے میں پانی یا کسی چیز کی کمی تو نہ ہوگی؟" جبل العقوف سے کافی دور نکل آنے کے بعد میں نے یوسف سے سوال کیا۔

"ہر چیز ضرورت سے زیادہ ہی ہوگی۔" اس نے کہا۔ "یہ دیکھنا کہ زاد راہ کی کثرت کا تمھاری دی ہوئی رقم سے کوئی تعلق ہے۔ اگر تم ہماری بستی سے گزرنے والے مسافر بھی ہوتے تو ہم لوگ تمھاری حسب توفیق اعانت کرتے۔"

"یعنی بچی بیچنے والی … تم ساتھ لے آئے ہو؟" میں نے محض چھیڑنے کی خاطر اسے چھیڑا۔

"میری بیوی نے تو یہی کہا تھا۔" وہ گہرا سانس لیکر بولا۔ "مگر میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ ہر چیز تمھاری ملکیت ہے۔"

"بیوی؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "تو کیا تم شادی شدہ ہو؟"

"جبل العقوف کی سب سے خوبصورت عورت میری بیوی ہے۔" وہ فخر کے ساتھ سینہ پھلا کر بولا۔ "تم نے بھی اسے دیکھا ہوگا۔"

"ٹھہرو۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "مجھے قیاس کرنے دو کہیں وہ سیاہ لباس والی تو تمھاری بیوی نہیں تھی جس کی پیشانی پر ہلکا سا نشان ہے؟"

"واللہ بہت خوب ہے تمھارا اندازہ۔" وہ خوش ہو گیا۔ "ہم ساتھ ہی پلے بڑھے ہیں اور اس کی پیشانی پر بچپن میں میں نے ہی ضرب لگائی تھی۔"

"مقدر جگا رہے تھے اس کا؟" میں نے ہنس کر سوال کیا۔

"سر پھوڑنے سے مقدر جاگنے لگے تو سب سے پہلے … سر میں تیشہ مار لیں۔" وہ حسرت زدہ لہجے میں بولا۔ "مقدر تو یہ ہے کہ بے ملال مجھے چار سو پونڈ بخشش دینے کی استطاعت … ہو۔"

"مقدر صرف پونڈ سے ہی وابستہ نہیں ہوتا۔ زندگی کی … بھی راحتیں ہوتی ہیں جنھیں کسی بھی قسم سے نہیں تولا جاسکتا۔" میں نے … لہجے میں کہا۔

"پتہ نہیں وہ دوسری راحتیں کون سی ہوتی ہیں۔" اس نے … بے زاری کے ساتھ بولا۔ "میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ پیسے سے انسان مسرت خرید سکتا ہے۔ محض پیسے کے بل پر سیاہ دلوں اور گندے ذہن والے نیک انسانوں کے عزول … نظر آتے ہیں؟"

"ایسا ظاہر ضرور ہوتا ہے۔" میں اس صحرا نشین کے فلسفے سے متاثر ہو کر بولا۔ "مگر … جانے والے نیک انسانوں کو … ہوتا ہے جب کہ ان کے … ساری زندگی اپنی ذات کے … میں جلتے رہتے ہیں۔ اللہ کا یہی کرم ہے … ان کی زبانوں کو گندا اور چہرے کو مسخ کا رخ بنا رہا ہے۔"

"ہو سکتا ہے تم ٹھیک کہتے ہو۔" وہ بولا۔ "مگر میں تو پیسے کی خاطر اپنی زندگی کی تمام ان دیکھی مسرتوں سے دستبردار ہونے کے لیے تیار ہوں۔"

"اول تو تمھاری یہ معصوم سی لیکن عامیانہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اور اگر ممکن بھی ہوتا تو … ملال کے سوا کچھ حاصل نہ ہوتا۔"

"تم لوگ کس بحث میں الجھ گئے؟" ہاشم نے …

"یہ تو بتاؤ کہ قطب نما بھی ہے کسی کے پاس؟ یا ہم یونہی … چلے جا رہے ہیں؟"

میری نگاہیں بے اختیار یوسف کی طرف اٹھ گئیں کیونکہ … انتظام اسی کی ذمہ داری تھا۔

"قطب نما نہیں ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "لیکن فکر نہ کرو تمھیں بھٹکائے بغیر مقررہ راستے سے نکال لے جاؤں گا۔"

"مگر کیسے؟" میں نے سوال کیا۔

"جب تک سورج غروب نہیں ہو جاتا، ہمارا سفر اپنے سائے کی مخالف سمت میں جاری رہنا چاہیے۔ اور رات میں ستارے … مغربی سمت کی نشاندہی ہو سکے گی۔" اس نے … جواب …

"اور اگر رات میں بادل چھا گئے؟" میں نے پوچھا۔

اس نے … قہقہہ لگایا جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات … پھر سنجیدگی سے بولا۔ "ان صحراؤں میں بادل کبھی کبھار ہی نظر آتے ہیں جس کا فی الحال دور دور تک کوئی امکان نہیں اور اگر ایسا ہوا تو …

ہمیں دشمن بنا پڑے گا۔"

"مغربی سمت میں ہمیں کتنی دیر تک سیدھا جانا ہوگا؟"

"ریت کے سخت اور دشوار گزار ٹیلے شروع ہونے کے بعد ہم کسی بھی جگہ اپنی سمت بدل سکیں گے۔" اس نے آگاہ کیا۔ "ان اطراف میں خوفناک آندھیاں بکثرت اٹھتی رہتی ہیں جو اپنی زد میں آنے والی ہر شے کو خس و خاشاک کی طرح اڑا لے جاتی ہیں۔ اس خطے میں ہمیں بہت محتاط ہو کر احتیاط سے بڑھنا ہوگا۔"

"ورنہ ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں گے۔" میں نے اس کی بات مکمل کی۔

لمحہ بہ لمحہ ہمارے سائے دراز تر ہوتے جا رہے تھے اور ہمیں ہماری پشت پر پھیلے ہوئے تھے۔ سمت کے تعین کا وہ طریقہ بے حد سہل تھا۔ لیکن یوسف کے بتائے بغیر میرا ذہن اس تک نہیں پہنچ سکا تھا۔

سورج غروب ہونے کے بعد کچھ دیر کے لیے ہمیں سفر کا سلسلہ روکنا پڑا کیونکہ آسمان صاف ہونے کے باوجود اس وقت تک ستارے نمودار نہیں ہوئے تھے۔

اس مہلت کا فائدہ اٹھا کر ہم نے اونٹوں کو کچھ دیر کے لیے آزاد چھوڑ دیا اور خود ریت پر بیٹھ کر کھانے سے فارغ ہو گئے۔

اس وقت ہوا میں ہلکی ہلکی خنک ہوا چل رہی تھی جو نہایت خوشگوار محسوس ہو رہی تھی۔ مختصر شکم پری کے بعد ہم تینوں کو سرخوشی کا ہلکا سا احساس ہونے لگا جسے فزوں کرنے کے لیے میں نے سگریٹ سلگا لی۔

"وہ لڑکیاں بھی صحرا کی اسی راستے سے گزری ہوں گی؟" میں نے … ریت پر لیٹتے ہوئے یوسف سے سوال کیا۔

"قدم بہ قدم تو نہیں کہہ سکتے۔ ہو سکتا ہے چار چھ سو گز ادھر ادھر رہی ہوں۔" وہ پرسوچ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "بشرطیکہ اس مقام تک زندہ سلامت پہنچنے میں کامیاب ہو گئی ہوں۔"

آخری فقرہ اس نے دھیمے لہجے میں ادا کیا مگر اس کے الفاظ سن کر میرے وجود کا رواں رواں کانپ اٹھا۔

"کیا بک رہے ہو تم؟" میں نے شانہ تھام کر اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

"برا نہ مانو تو ایک بات کہوں؟" اس نے اپنا دھیما لہجہ برقرار رکھتے ہوئے معذرت آمیز انداز میں کہا۔

"اول فول نہ بکنا۔" میں نے جھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تم جو چاہو سمجھو مگر میرا اندازہ ہے کہ تم ان میں سے کسی لڑکی کے دل ہار بیٹھے ہو ورنہ میرے اندیشے پر یوں … نہ ہوتے۔"

میں اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ میں سیتا کے بارے میں اپنے رشتے کو کبھی بھی بے نام ہونے کی اجازت نہیں دیتا تھا مگر اس عربی … نے سادگی کے ساتھ مجھے اپنے خول سے باہر گھسیٹ کر ایک … اندازہ لگا لیا تھا۔

"تو تمھاری دانست میں ان میں کوئی چاہے جانے کے قابل بھی تھی؟" میں نے اس کی بات کا وزن کم کرنے کے لیے ہنستے ہوئے کہا۔

"یوں تو چاروں ہی خوبصورت اور طرحدار تھیں۔" یوسف بولا۔ "اسی لیے ان کی آمد پر بستی کی عورتوں میں اشتعال پھیلا تھا مگر نیلی آنکھوں والی تو واقعی ساحرہ تھی۔ عجیب جلال تھا اس کے بشرے پر۔ پھر وہ بات بھی ایسی تمکنت سے کرتی تھی جیسے پورا یقین رکھتی ہو کہ مخاطب اس کی بات تسلیم کرے گا۔"

"بہت خوب سے کہا تھا اسے؟" ہاشم نے ٹکڑا لگایا۔ "اگر اسے اندازہ بھی ہو جاتا کہ تم اس کی ذات میں دلچسپی لے رہے ہو تو ذرا … کر تمھاری دو چار پسلیاں تو توڑ ہی ڈالتی۔ خواہ باقی عمر اسے جبل العقوف ہی میں قیدی بن کر گزارنی پڑتی۔"

"وہ تو بہت حلیم الطبع اور نرم خو تھی۔" یوسف نے بے اعتباری سے کہا۔ "شاید تم کسی اور کی بات کر رہے ہو۔"

سیتا کی تعریف و توصیف میں یوسف نے بہت محتاط لب و لہجہ استعمال کیا تھا جس میں ناشائستگی کا شائبہ بھی نہیں تھا لہٰذا اس کی گفتگو مجھے گراں نہیں گزری بلکہ میں اس سے عجیب سا سرور حاصل کرتا رہا۔

لق و دق صحرا کے وسط میں وہ پڑاؤ خاصا مختصر رہا اور ستاروں کے نمودار ہوتے ہی یوسف ہم دونوں کو لے کر آگے چل دیا۔

صحرا میں وقت کی رفتار تھمی ہوئی معلوم ہو رہی تھی اور فاصلے کا اس کے سوا کوئی تصور موجود نہیں تھا کہ … گھڑی کی سوئیاں سرک رہی تھیں اور ہمارے اونٹ بھی متحرک تھے لہٰذا ہم کسی نہ کسی … کوئی نہ کوئی فاصلہ ضرور طے کر رہے تھے۔

رات کے سوا دو بجے کے قریب جب ہواؤں کی تندی … پیدا ہوئی تو یوسف پر سراسیمگی طاری ہو گئی۔

"رفتار تیز کر دو۔" وہ بے چین لہجے میں بولا۔ "ہمیں کھلے صحرا کے بجائے جلد از جلد کسی ٹیلے کے قریب پہنچنا چاہیے۔"

میں نے اپنے اونٹ کی مہار کو خفیف سا جھٹکا دے کر ڈھیلا چھوڑ دیا اور وہ بلبلا کر ایک جھٹکے سے تیزی سے دوڑنے لگا۔

"کیا کوئی خطرہ درپیش ہے؟" میں نے یوسف کے برابر میں پہنچ کر سوال کیا۔

"خدا کرے کہ یہ ناگہانی افتاد ٹل جائے۔" یوسف کا لہجہ تشویش انگیز تھا۔ "یہ تیز ہوا آندھی کا پیش خیمہ ہے۔"

ہم دونوں میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔ اس وقت وہ خاموشی بھی شدید تشویش انگیز ثابت ہو رہی تھی جسے اونٹوں کے دوڑنے سے اور زیادہ تقویت مل رہی تھی۔

تینوں اونٹ تھوڑے تھوڑے وقفے سے بار بار بڑبڑا کر عجیب خوفزدہ آواز میں بلبلا رہے تھے۔ میرے اونٹ نے تو دو تین بار سرکشی بھی کرنی

چاہتی تھی۔ میں نے نکیل کھینچ کر اسے سختی سے قابو میں کر لیا۔ اس وقت کسی جانور کے بچھڑ جانے کی صورت میں بے کراں صحرا میں سمت کا احساس قطعی بھلا بیٹھنے کے بعد بھٹکنا ہمارا مقدر بن جاتا۔

ہوائیں آہستہ آہستہ تیز ہوتی جا رہی تھیں اور ان میں اڑ کر ریت کے ذرات بھی بڑھتے جا رہے تھے۔ ہمارے سامنے کافی دور آسمان پر غبار کا بادل گہرا ہوتا جا رہا تھا جو اس امر کا ثبوت تھا کہ مغرب کی طرف سے کوئی ہولناک آندھی آ رہی ہے جس کے ہراول بگولے ہمارے چاروں طرف عنقریب کا طواف کر رہے تھے۔

پھر ریت کے ذرات چہرے اور جسم کے کھلے ہوئے حصوں سے ٹکرانے لگے۔ چند منٹ میں ہوائیں اڑ کر آنے والے ان حقیر ذرات میں اتنی قوت پیدا ہو گئی کہ آنکھوں کو کھلا رکھنا محال ہونے لگا۔ میں نے بروقت تمام ایک ہاتھ سے اپنے لباس کا پھڑپھڑاتا ہوا ایک حصہ اپنے چہرے پر لپیٹ لیا مگر اگلے ہی لمحے تیز ہوا کے ایک جھٹکے نے میرا چہرہ دوبارہ برہنہ کر دیا اور سیروں وزنی ریت میرے لباس اور بدن پر یوں آ گری جیسے کسی نے وہ مٹھیوں میں بھر کر اچھالی ہو۔

پانچوں اونٹوں پر دہشت طاری ہو چکی تھی۔ ان کی شتر خرامی بے ہنگم اور بہکی ہوئی چال میں بدل گئی اور وہ مسلسل کربناک آوازوں میں بلبلانے لگے۔

اس بھگدڑ کے بعد ہم ہواؤں کے زبردست تھپیڑوں کی زد میں آ گئے۔

"یوسف!" میں پوری قوت سے چلایا لیکن دہانہ کھلتے ہی مٹھیوں بھر ریت میرے منہ اور حلق تک اتر گئی۔

سانس کی نالی میں ریت جاتے ہی میں بری طرح کھانسنے لگا۔

"اپنے اونٹ کی گردن سے لپٹ جاؤ۔" مجھے اپنے قریب ہی یوسف کی موہوم سی آواز سنائی دی۔ "ورنہ گر کر ریت میں دفن ہو جاؤ گے۔"

شاید اس نے میرے اور ہاشم کے لیے کوئی ہدایت جاری کی تھی جس پر ہم نے فوری طور پر عمل کر ڈالا۔

وہ ہیجانی آندھی اس قدر وحشتناک تھی کہ میرے ذہن میں اپنی سلامتی کے سوا کوئی اور خیال باقی نہ رہا۔

باریک ریت سے آلودہ طوفانی جھکڑوں کی کوئی ایک سمت نہیں تھی جس سے رخ بدل کر بچنا ممکن ہوتا۔ صحرا میں ہواؤں کے راستے میں کوئی بھی رکاوٹ نہیں تھی مگر اس کے باوجود ہوائیں بے سبب بلاؤں کی طرح چنگھاڑ رہی تھیں۔ فضا میں غبار کی کثافت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ رات کی سی تاریکی ہو گئی تھی۔ آسمان اور ستارے سب کے سب اس دبیز بادل میں گم ہو کر رہ گئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا جیسے وہ طوفانی بگولے اس رات صحرا کی ساری ریت اڑا کر آسمان کی وسعتوں میں پھیلا دیں گے۔

میرا اونٹ بار بار بھڑک رہا تھا۔ بغیر سوار کا ایک اونٹ میرے اونٹ کی نکیل سے بندھا ہوا تھا جس کی وجہ سے مزید دقت پیش آ رہی تھی

کیونکہ دونوں اونٹوں کی آزادانہ نقل و حرکت ممکن نہیں تھی اور وہ بار بار ایک دوسرے کی مہاروں پر اذیت ناک جھٹکے پیدا کر رہے تھے۔

میں نے ٹٹول کر ہاتھ سے مہار توڑنی چاہی تاکہ پیچھے والے اونٹ کو آزادی میسر آ سکے اور میری سواری بھی ان دھکوں سے محفوظ ہو سکے لیکن وہ ڈوری اس قدر مضبوط تھی کہ چاقو یا کسی تیز دھار آلے کے بغیر اسے کاٹنا یا توڑنا ناممکن تھا۔

کئی مرتبہ میرا اونٹ دردناک آوازوں میں بلبلاتا ہوا اپنے پچھلے دونوں پیروں پر فضا میں کئی کئی فٹ بلند ہوا۔ شاید وہ اس طرح وزنی بوجھ سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا یا ہواؤں کے جھکڑوں کی شدت میں کمی لانا چاہتا تھا۔

ہواؤں میں مسلسل تیزی آتی رہی جیسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے ماورائی کسی کمال ہاتھ میں، یہیں بیچ صحرا میں طاغوتی قوتوں نے گھیر لیا اور چیختی چلاتی ہوئے چاروں طرف شیطانی رقص میں مصروف ہوں۔

اچانک میرا اونٹ دوڑتے دوڑتے لرزہ خیز اور غیر فطری آوازیں بلبلایا اور بری طرح بائیں پہلو کے بل پوری قوت سے ریت پر گر پڑا۔ اگر اس وقت میں کسی جونک کی طرح اس کی گردن سے لپٹا ہوا نہ ہوتا تو اس کے نیچے کچل کر میری ہڈیاں کا سرمہ بن گیا ہوتا۔

نیچے گر کر اونٹ سیدھا ہو کر تیزی سے اٹھا اور ایک مرتبہ پھر دیوانہ وار طوفان میں دوڑ پڑا۔

میرے اعصاب پر غنودگی اور نقاہت کا غلبہ ہونے لگا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ اونٹ کی گردن پر ہی سو جاؤں اور اس وقت بیدار ہوں جب آوارہ ہواؤں کی بربادی کی خواہش مکمل کر کے تھک چکی ہوں مگر موت کے خوف نے میری خواہش کو مغلوب کیا ہوا تھا۔

"ہاشم... یوسف؟" اونٹ کی گردن کے لمبے لمبے بالوں میں منہ چھپا کر میں نے چند سیکنڈ کے وقفے سے ان دونوں کو آوازیں دیں۔ اس کوشش میں ایک بار پھر مجھے اونٹ کے بالوں میں پھنسی ہوئی ریت پھانکنی پڑی اور میری وہ آوازیں واقعی صدا بصحرا ثابت ہوئیں۔

ہواؤں کے غضبناک شور اور اونٹ کی فریادوں کے سوا مجھے کوئی آواز سنائی نہ دی، اور یہ سوچ کر میرا دل بیٹھ گیا کہ دونوں مجھ سے بچھڑ چکے ہیں۔ نہ جانے وہ کوئی خوفناک جھکڑ تھا یا کوئی ریتیلا ٹیلا، یکلخت مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اونٹ دوڑتے دوڑتے کسی ٹھوس چیز سے ٹکرایا ہو اور اس شدید جھٹکے کے نتیجے میں میرا ذہن تاریک دھند لکوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

دوبارہ ہوش آیا تو آنکھیں کھولنے سے پہلے یہ احساس ہوا کہ میرے ہاتھ پیر کسی طرح اکڑے ہوئے تھے اور میرا جسم ہوتے ہوتے سن ہو رہا تھا۔ آنکھیں کھولیں تو چند فٹ نیچے صحرا کی چمکتی ہوئی زرد ریت دن کے اجالے میں سمندر کی لہروں کی طرح بل کھاتی ہوئی نظر آئی۔

میں نکلے ہوئے اعصاب کے لیے یہ مشاہدہ بہت حیرتناک تھا۔

مگر چند ثانیوں بعد ہی ساری صورتحال مجھ پر پوری طرح منکشف ہو گئی۔ میں اس وقت بھی پوری قوت سے اونٹ کی گردن سے لپٹا ہوا تھا اور شاید میرے وجود کو قدرت کا ادراک نہیں ہوا تھا۔ میرا اعصاب مجھ کو قبول کر رہا تھا کیونکہ میرے ہوش و حواس چند گرفت کی پرواہ کیے بغیر حیرت خرابی کے ساتھ جنگالی میں مصروف تھا۔

اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ یقینی موت کا اندیشہ انسان کے اعصاب پر کس حد تک اثر انداز ہو سکتا ہے۔

شعور اور لاشعور تو بڑی چیزیں ہیں خوف بے ہوشی کے عالم میں بھی انسان کو چونکی طرح اپنی گرفت میں رکھتا ہے۔ میں نے بے ہوش ہوتے ہوئے غیر ارادی طور پر اپنی ساری قوت اور صلاحیت اونٹ کی گردن سے چپکے رہنے پر مرکوز کر دی تھی۔ اور کئی گھنٹوں تک اسی حالت میں رہنے کے باعث میرے جسم کے تمام پٹھے اکڑ چکے تھے۔

میں نے جس طرف بھی سر گھمایا مجھے ہر سمت تاحد نظر بے داغ زرد ریت ہی پھیلی ہوئی نظر آئی۔ ہاشم یوسف اور بقیہ چار اونٹوں کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

اپنی گردن سے چمٹے ہوئے عذاب میں حرکت محسوس کر کے اونٹ کئی مرتبہ بھڑکا مگر گلو خلاصی کی کوئی صورت نہ پا کر اس نے ایک مرتبہ پھر حالات سے سمجھوتہ کر لیا۔

صحرا میں دن طلوع ہوئے دیر ہو چکی تھی۔ ہر طرف گہرے جمود کی حیات آفریں حرارت کا راج تھا اور صحرا یوں پر سکون تھا جیسے وہاں صدیوں سے کوئی بھی طوفان پیدا نہ ہوا ہو۔

میں کئی بار کی کوشش کے بعد اس قابل ہو سکا کہ اپنے پھوڑے کی طرح دکھتے ہوئے ہاتھوں اور ٹانگوں کو حرکت دے سکوں۔

اونٹ نے شاید مجھے اچھال پھینکنے کے لیے اپنی گردن جھکانے اور جھٹکنے کے بھی تمام حربے آزمائے تھے کیونکہ میں اس کی گردن کی اونچائی بلندی پر لٹکا تھا اور میرے ذرا نیچے موجود تھا۔ میں نے آہستگی سے گرفت ڈھیلی کی اور نرم گردن پر پھسلتا ہوا اونٹ کی پشت پر واپس آ گیا۔ اس دوران میں اونٹ نے اتنی شدید جھرجھری لی کہ اس کی جلد سے ریت کا بھاری غبار اٹھا ہوا اس بار میرے لیے بے ضرر ثابت ہوا۔

اونٹ کی پشت پر آنے کے بعد میں نے مہار کی تلاش شروع کی۔ وہ غائب تھی اور میرے اونٹ کی ناک بری طرح لہولہان تھی جس کے ساتھ خون آلود ڈوری کا دس بارہ انچ لمبا ٹکڑا جھول رہا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ طوفان بادِ کے دوران پیچھے دوسرا خالی اونٹ نکیل تڑوا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اپنے ساتھ میرے اونٹ کی مہار بھی لیتا چلا گیا تھا۔

میں نے اپنی جیبوں کی تلاشی لے کر رومال برآمد کیا اور بمشکل اس سے پتلی پتلی دھجیاں پھاڑ کر ان میں گرہیں باندھ لیں۔ اس طرح میں ایک ایسی ڈوری تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا جسے اونٹ کی ناک سے جھولتے ہوئے ٹکڑے سے باندھ کر میں اونٹ کو اپنی مرضی کا پابند رکھنے کا انتظام کر سکتا تھا۔

اونٹ کو پچکار کر میں نے بمشکل تمام ریت پر بٹھایا اور اس کی ادھڑی مہار کو لمبا کر کے اسے کچھ دیر کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔

میرا بدن کسی پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا اور عقل کام نہیں کر رہی تھی کہ اس لق و دق صحرا میں ہاشم اور یوسف کو کہاں تلاش کیا جائے۔

مجھے صحرائی سفر کا کوئی تجربہ نہیں تھا اور نہ ہی میرے لیے سمتوں کا تعین آسان تھا۔ ان حالات میں صحرا میں بھٹکتے رہنے سے مرنا ہی مقدر معلوم ہوتا تھا جس کا تصور ہی میرے لیے اذیت ناک تھا۔

مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ آندھی کے دوران اور اس کے بعد میں مجوزہ راستے سے کتنا بھٹکا تھا۔ مجھے یہ یاد تھا کہ یوسف سخت اور دشوار گزار ٹیلوں تک مغرب کی سمت پر چلتا رہتا اور وہاں سے جنوب کی راہ اختیار کرتا جو ہمیں کسی آبادی میں نکال لے جاتی۔

صحرا میں ہاشم اور یوسف کی تلاش میں بھٹکنا بے سود تھا مگر اپنے تجربات کی روشنی میں میری دعا یہی تھی کہ وہ آندھی کی صعوبتیں جھیل کر زندہ بچ گئے ہوں۔

اس وقت صبح کے آٹھ بجے تھے۔ میں نے احتیاط سے اپنے سائے کی سمت متعین کی اور اونٹ پر سوار ہو کر اسی طرف روانہ ہو گیا۔

میرا پورا جسم، لباس اور حلق ریت سے کرکرا ہو رہا تھا جس کی وجہ سے حلق میں پانی کے چند قطرے ٹپکانے کی شدید خواہش پیدا ہو رہی تھی مگر میرے پاس کھانے پینے کے نام پر سگریٹ کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

خالی الذہنی کے عالم میں کچھ دور چلنے کے بعد یکبارگی میں نے اونٹ کو دائیں طرف موڑ لیا کیونکہ یوسف کے کہنے کے مطابق صحرا سے نکاسی کی راہ جنوب کی طرف ہی تھی۔ اب یہ اور بات تھی کہ میں مقررہ مقام سے پہلے یا بعد میں صحرا کو خیر باد کہتا۔

خورد و نوش کے اسباب سے محرومی کے بعد جوزف امین کے آدمیوں کا خوف بے وقعت ہو کر رہ گیا تھا اور میں ہر قیمت پر جلد از جلد صحرا سے نکلنا چاہتا تھا۔

جنوب کی طرف اتنی تھکن سے آزمائش آمیز سفر کے بعد میری تھکی ہوئی نگاہوں نے کافی دور ایک نادہ سوار کا ہیولا دیکھا جو فوراً ہی معدوم ہو گیا۔ میں نے دو تین بار پلکیں جھپکائیں اور چاق و چوبند ہو کر پھر جنوبی افق پر نظریں جما دیں۔ کئی سیکنڈ تک مسلسل گھورتے رہنے کے بعد ایک بار پھر وہی جھلک نظر آ کر معدوم ہو گئی۔

نگاہوں کے اس تصیلی فریب نے مجھے پریشان کر دیا مگر آٹھ دس منٹ بعد تیسری بار وہ ہراسرار ہیولا نظر آیا تو خاصے انتظار کے بعد بھی نہ تنہا

ہُجوا اور اسی وقت اس آنکھ مچولی کا سبب مجھ پر عیاں ہو گیا۔

اس کا بار بار نظر آ کر روپوش ہونا صحرائی فریبِ نظر تھا جو دوپہر کی دھوپ میں ہوا کی گرم اور سرد تہوں میں انعطاف کے باعث عموماً ہوتا رہتا ہے۔

"المدد... المدد!" میں نے دونوں ہاتھ اپنے دہانے پر رکھ کر پوری قوت سے کئی بار پکارا، تاکہ نظر آنے والے کو اپنی طرف متوجہ کر سکوں لیکن میری یہ کوشش تو ہوا کے رخ کے باعث رائیگاں گئی۔

جونہی ان کے لباس سے شاید سامنے ہی اونٹ مستورن تہمت یا فریب کرتے تھے کیونکہ جیسے ایک ہی اشلنے پر اونٹ بولے باتیں کرنے لگا۔

وہ ہیولا رفتہ رفتہ واضح ہونے لگا اور پھر میں نے یہ یقین بھی کر لیا کہ وہ مشرق کی طرف سفر کر رہا تھا۔

مزید چند منٹ سفر کرنے کے بعد میں نے ایک بار پھر مدد کا نعرہ لگایا اور اس بار یہ محسوس کر کے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا کہ چلتے چلتے وہ رک گیا تھا جس کا مطلب تھا کہ میری آواز سن لی گئی تھی۔

دور سے سوار نے غالباً رومال لہرا کر اشارہ کیا۔ پھر اپنے اونٹ کا رخ میری طرف پھیر دیا اور ہم دونوں تیزی کے ساتھ ایک دوسرے سے قریب ہونے لگے۔ ایک مددگار کو سامنے پا کر میری پیاس اچانک بڑھ گئی تھی۔

اس کی رفتار جو بھی رہی ہو لیکن میرا اونٹ پوری سرعت سے دوڑ رہا تھا۔ پھر بھی آنے والے کے خدوخال واضح نہیں ہو رہے تھے جس کا مطلب تھا کہ ہم دونوں کا فاصلہ .... اس سے کہیں زیادہ تھا جو بادی النظر میں محسوس ہو رہا تھا۔

دس منٹ کی دو طرفہ مسافت کے بعد اس کی شناخت ممکن ہوئی تو میرا دل بلیوں اچھلنے لگا کیونکہ وہ میرا گمشدہ رہنما یوسف تھا۔

"یوسف!" میں نے اسے پہچان کر مسرت آمیز آواز میں پکارا مگر وہ صرف فضا میں ہاتھ ہلا کر رہ گیا۔

اس کے ہونٹوں پر گو ہنسی مفقود تھی اور پھر میں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ اس کا چہرہ بالکل ستا ہوا تھا جیسے وہ ابھی تک پچھلی رات کے روح فرسا تجربات کو فراموش کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا ہو۔

"تم... تم خیریت سے تو ہو نا؟" قریب پہنچ کر میں نے گرمجوشی سے سوال کیا۔

"ہاں!" اس کا شستہ لہجہ بالکل سپاٹ اور جذبات سے عاری تھا۔ "زندگی تھی جو بچ گیا، وہ میری زندگی کا بدترین تجربہ تھا۔"

"اس کے باوجود کہ تم خود صحرائی ہو؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"ان آندھیوں کے بارے میں سنتا ہی آیا ہوں۔ یہ صحرا کے مخصوص حصوں میں اٹھتی رہتی ہیں جن میں جبل القفوف کے اطراف کا وسیع علاقہ شامل نہیں ہے۔" وہ اونٹ کی پشت سے نیچے اتر گیا۔ "یہ علاقہ صحرائے موت ہے۔"

"اللہ! ذرا پانی تو دو۔" میں نے اس کی پشت سے جھولتی ہوئی چھاگل کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے حیرت ہے کہ تم کیسے بچ گئے!" وہ مجھے پانی پلا رہا تھا۔ "اونٹ کی گردن سے لپٹنے کا تمہارا مشورہ دُہراتا تو ہڈیاں تڑوا بیٹھتا۔ جھکڑوں میں اونٹ کسی تنکے کی طرح جھول رہا تھا!"

"مگر وہ نہ بچ سکا!" اس کی آنکھوں کی ویرانی گہری ہو گئی۔

"کون؟ کس کی بات کر رہے ہو؟" میں نے اضطراری لہجے میں سوال کیا تھا۔

"تمہارا ساتھی بڑی دردناک موت مرا ہے۔" اس کے لہجے سے دکھ نمایاں تھا۔ "اس کی ایک ٹانگ اور کئی پسلیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ اور وہ گھنٹوں زندہ ریت میں زندہ دفن تھا۔ میرے سامنے اس نے ایک ایک سانس کی آرزو میں دم توڑا ہے۔"

"نہیں، تم جھوٹے ہو یوسف!" میں بے اختیار چیخ اٹھا۔

"کاش میں جھوٹا ہی ہوتا۔" اس کی ویران آنکھیں خلاء میں کہیں مرکوز ہو گئیں۔ "شاید اس کا اونٹ گر گیا تھا۔ اس کی گردن اور پچھلی ٹانگ ٹوٹی ہوئی تھیں۔ تمہارا دوست اسی کے نیچے کچلا گیا۔ اور پھر نہ اٹھ سکا۔ میں طوفان کے بعد اونٹ کی لاش دیکھ کر اس تک پہنچا تو اس کا صرف چہرہ اور بایاں ہاتھ ریت سے باہر تھا۔ وہ مشکل سے سانس لے رہا تھا۔ اس کی ناک، آنکھوں اور دہانے سے خون جاری تھا۔ میں نے ریت ہٹا کر اسے نکالنے کی کوشش کی مگر میرے کامیاب ہونے سے پہلے ہی اس نے دم توڑ دیا۔"

میرے وجود کی گہرائیوں میں کرب و اندوہ کی لہریں ابھرنے لگیں۔

"کہاں ہے وہ...... وہ کہاں ہے؟ اس کے مقدر میں ایسی بھیانک موت تو شاید کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا!"

"میں اسے میلوں پیچھے دفن کر آیا۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "یہ خونی صحرا ہے، تم بھی واپس نہ جاؤ تو میرے ساتھ جبل القفوف چلو۔"

"جبل القفوف؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "تو کیا تم واپس جانا چاہتے ہو؟"

"ہاں۔ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "میں تمہاری رقم بھی لوٹا دوں گا۔ دولت سے انسان مقدر نہیں خرید سکتا جس میں زندگی کے ذکر کے ساتھ اس کا انجام شامل ہوتا ہے۔"

"مگر میں اب نہیں لوٹ سکتا یوسف!" میں نے اس کا بازو تھام کر کہا۔ "جس راستے پر میرے دوست نے اپنی جان قربان کی میں اس پر آگے بڑھوں گا مگر تھکنے سے پہلے یہ صحرا عبور کرنا ہوگا۔"

بہت مشکل ہوگا۔"

"مغرب میں ہمیں اندازہ لگانا تھا۔ وہاں آندھیوں کا کچھ علم نہیں ہوتا ہے لیکن وہ ریگستان غیر آباد ہے مرنا چاہتے ہو تو کوئی آسان سا راستہ اختیار کرو۔"

"اور اگر ہم یہیں سے جنوب کی طرف چل دیں؟"

"صرف اپنی بات کرو میاں صاحب!" اس نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں جبل المعتوف جاؤں گا۔ وہاں میری بیوی ہے۔ میرے اپنے لوگ ہیں۔ میں ان کے درمیان ہی رہنا پسند کروں گا۔"

"میں تمہیں مزید منہ مانگی رقم دوں گا۔" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

وہ عجیب سے انداز میں مسکرا دیا۔ "تم نے خود ہی مجھ سے کہا تھا کہ پیسہ سب کچھ نہیں خرید سکتا۔ اس وقت تمہاری بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی مگر اب میں اس پر ایمان لے آیا ہوں۔ مجھے مجبور نہ کرو۔ تمہاری بھی حالت غیر ہے۔ شاید جبل المعتوف تک پہنچنے تک تمہاری بھی ہمت جواب دے جائے۔ تم بھی میرے ساتھ چلو۔"

میں نے اس کے ساتھ کافی مغز ماری کی مگر صحرا کی خونی آندھی سے زیادہ ہاشم کی موت اس پر اثر انداز ہوئی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا۔ البتہ اس نے پانی اور ضرورت کی ہر چیز جو اس کے پاس موجود تھی میرے حوالے کر دی۔

"اور تم جو کچھ چاہتے ہو کیا کرو گے؟" میں نے جھرجھری لے کر کندھے سے لٹکا تھیلا سیدھا کرتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"میں زیادہ سے زیادہ شام تک جبل المعتوف پہنچ جاؤں گا۔ تم میری فکر مت کرو" وہ بولا۔ "البتہ بھوک پیاس کے معاملے میں تھوڑے سے محتاط رہنا، آگے کافی لمبا سفر ہے۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہارا واپسی کا راستہ ٹھیک ہے؟"

"ہم جبل المعتوف سے مغرب کی طرف چلے تھے اب مشرقی سمت میں جا رہا ہوں۔" اس نے تپا تلا لہجے میں کہا۔ "آندھی میں بھٹکنے کی وجہ سے اگر بستی سے دو چار میل شمال یا جنوب میں نکلا تو راستہ پہچان لوں گا۔"

میرے مقابلے میں اس کے دلائل مضبوط تھے اور میرے ذہن پر بھی صحرا کی دہشت سوار ہو گئی تھی مگر میں اس راستے پر مڑنا نہیں چاہتا تھا جس سے گزر کر اس فیصلہ کن مقام پر پہنچا تھا۔

ہم دونوں ہی ہاشم کے لیے سوگوار تھے۔ وہ میرا ایک وفادار اور قریبی دوست تھا جب کہ یوسف اس کا آخری سانسوں کا ساتھی تھا۔ ہم نے دل گرفتہ انداز میں ایک دوسرے کو الوداع کہا۔ میں جنوب کی طرف چل دیا۔

میں بہت دور تک مڑ مڑ کر دیکھتا رہا۔ یوسف بدستور اسی مقام پر کھڑا تھا۔ مجھے خیال ہوا کہ شاید وہ تذبذب کا شکار ہو گیا تھا لیکن اسے مشرق کی طرف روانہ ہوتے دیکھ کر میں نے اپنی رفتار بڑھا دی۔

بے یقینی کے ہولناک اندیشوں میں گھرا ہوا میں اپنی منزل یعنی جنوب کی طرف بڑھتا رہا حتیٰ کہ سورج کی آخری کرنیں بھی مغربی وادیوں میں کہیں معدوم ہو گئیں۔

میں نے سفر ترک کر دیا اور وہیں ریت پر پڑاؤ کر لیا۔ گو میرا اونٹ اس وقت تک بہت وفادار ثابت ہوا تھا مگر میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے مختلف رسیاں جوڑ کر مہار کو مزید لمبا کیا اور اس کا آخری سرا اپنی کلائی میں باندھ لیا تاکہ مجھ پر غفلت اور غنودگی بھی طاری ہو جائے تو اونٹ میری بے خبری میں زیادہ دور نہ نکل سکے۔ اس بندوبست کے بعد میں تیزی سے ٹھنڈی ہوتی ہوئی ریت پر دراز ہو گیا۔

ہاشم کی موت میرے لیے ناقابل یقین حادثہ ثابت ہوئی۔ اس جیسے عظیم اور با اصول انسان کا یوں بے موت مارے جانا سانحہ سے اندوہناک تھا لیکن انسانی نگاہیں اس مقام تک نہیں پہنچ سکتیں جہاں کاتب تقدیر اپنے اٹل فیصلے صادر کرتا ہے۔

ہاشم کی موت کے ساتھ میری جدوجہد کا ایک تابناک باب ختم ہو گیا تھا جس میں ہاشم کا تعاون ہر جگہ نمایاں رہا تھا لیکن میری جدوجہد باقی تھی جس کا اختتام سیتا کی بازیابی کی صورت میں ہی ہو سکتا تھا۔

جبل المعتوف سے سیتا کو ری تھی اس سے آگے میں نے نیا سفر طے کر لیا تھا لیکن مجھے رہ رہ کر یہ خوف ستا رہا تھا کہ کہیں وہاں تو سیتا بھی صحرائی بگولوں کی نذر نہ ہو گئی ہو۔ اس اندیشے کا ثبوت یا تائید فوری طور پر مشکل تھی۔ صحرا عبور کرنے کے بعد ہاشم کے بغیر میں بالکل بے سروسامان ہوتا جب کہ ہاشم اپنی تنظیم کے رابطے بحال کر کے میری خاصی مدد کر سکتا تھا۔

وہ ساری رات میں نے کروٹیں بدل بدل کر سوچتے ہوئے گزار دی۔ جو لوگ اس مرحلے سے گزرے ہوں وہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ سنسان بیابان رات کی پر ہول تنہائی میں پرخطر مستقبل کے بارے میں سوچنا کس قدر روح فرسا ثابت ہوتا ہے۔

صبح ہوتے ہی میں نے اپنے سفر کا آغاز کر دیا۔

جبل المعتوف سے نکلے ہوئے مجھے تیسرا دن تھا۔ تاحد نگاہ ایک یکساں سمندر دیکھتے دیکھتے میری آنکھوں میں درد ہونے لگا تھا۔ صحرا اس اعتبار سے عجیب و غریب تھا کہ وہاں فضا میں پرندے تک پرواز کرتے نظر نہیں آتے تھے۔

چوتھے روز شام کے وقت مجھے پہلی بار صحرا کے افق پر کسی آبادی کے ہیولے نظر آئے۔ وہ میرا ابتدائی تاثر تھا مگر بعد میں مجھے یہ گمان بھی ہوا کہ وہ کسی ویران بستی کے کھنڈرات نہ ہوں۔ اس وقت

نے سورج غروب ہونے کے بعد بھی اپنا سفر جاری رکھا۔ ایک مخصوص علامت جانے کے بعد ٹھہرنا بے سود تھا۔

اندھیرا ہونے کے بعد مجھے یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ ان آثار میں روشنیاں ٹمٹمانے لگی تھیں۔ میرا دل خوشی سے اچھلنے لگا۔ میں نے تن تنہا صحرائے نوبی کا ایک خطرناک حصہ بخیر و عافیت عبور کر لیا تھا۔

کچھ دیر بعد ذہن میں خیالات کی منفی رفتار نے سر ابھارا تو میں نے اونٹ کو روک لیا۔

آبادی کے آثار اس بات کی نوید تھے کہ میں نے صحرا میں تجسس تمام کا مرحلہ طے کر لیا تھا لیکن صحرا سے آنے والے ایک مسافر کی حیثیت سے کسی بھی آبادی کا رخ کرنا میرے لیے پرخطر ثابت ہو سکتا تھا۔

صحرا عبور کر کے تنہا کہیں پہنچنا خود کو دوسروں کی توجہ کا نشانہ بنانے کے مترادف ہوتا اور ہر شخص یہ جاننے کے تجسس میں مبتلا ہو جاتا کہ وہ کس نوعیت کے تحت لق و دق صحرا کو تنہا پار کرنے پر مجبور ہوا؟ وہ کون تھا؟ کہاں سے آیا تھا؟

جب کہ میرے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہ ہوتا اور میری خاموشی یا مبہم جوابات سے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جاتا۔ لوگ مجھے قانون سے بھاگا ہوا کوئی مجرم سمجھ کر تفتیش کے لیے مقامی حکام کے حوالے کر دیتے۔

میرے لیے ہر دو صورتیں ناقابل قبول تھیں لہٰذا میں نے بستی کے باہر سے گزر کر آگے نکل جانے کا فیصلہ کر لیا۔

سمت کی تھوڑی سی تبدیلی اور رفتار میں اضافے کے بعد تو گویا رات کے قریب میں ان روشنیوں سے محفوظ فاصلے سے گزر گیا۔

وہ کوئی چھوٹا سا دیہی قصبہ تھا جس کا طول و عرض خاصا محدود تھا۔ رات کے وقت مجھے سامنے سے ایک ٹرک کا شور سنائی دیا اور میں اونٹ پر سے اتر کر اس کے گزرنے کا انتظار کرنے لگا۔

ٹرک کی روشنیوں سے اندازہ ہوا کہ میں ایک سڑک سے چند فرلانگ دور رہ گیا تھا لہٰذا میں نے اپنے اونٹ کی نکیل دیر تک کھینچنے کے بعد اسے جھاڑیوں سے الگ کر کے اسے چھوڑ دیا اور خود آگے بڑھ گیا۔

میری جیب میں معقول رقم، زہریلی سوئیوں والی سٹینگن، خودکار پستول اور فاضل گولیوں کی صورت میں فوری ضرورت کی تمام اشیا موجود تھیں۔

تھوڑی دیر بعد میں تارکول کی بنی ہوئی ایک پتلی سی سڑک کے کنارے پہنچ کر ایک درخت کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔

میرا ارادہ تھا کہ وہاں لوگوں کی آمد و رفت دیکھ کر سڑک کی نوعیت کا اندازہ کر کے کسی سے لفٹ لینے کی کوشش کروں گا اور پھر آگے نکل جاؤں گا مگر وہ سڑک میری توقع سے زیادہ ویران ثابت ہوئی۔ مجھے وہاں بیٹھے بیٹھے صبح ہو گئی لیکن ٹرک کے بعد کوئی سواری آتی بھی نظر نہ آئی۔

اجالا پھیلنے سے قبل میں پیچھے رہ جانے والی آبادی سے مخالف سمت میں سڑک سے قدرے دور رہ کر پیدل چل دیا۔

وہ کسی کار کے انجن کی دھیمی سی آواز تھی جس نے مجھے سڑک کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا اور میں کنارے پر آ کر جھاڑیوں کی اوٹ میں دبک گیا۔

ہیڈلیمپس کی متحرک روشنیوں سے یہ اندازہ تو ہو گیا کہ وہ کار آبادی کی طرف سے آ رہی تھی لیکن تھوڑی دیر پہلے تک روشن ہیڈلیمپس کے باعث پہلے سے یہ دیکھنا دشوار تھا کہ کار میں کتنے افراد تھے۔

میرا ذہن تیزی سے سوچنے میں مصروف ہو گیا اور پھر میں جھاڑیوں سے سڑک کے کنارے پر آ گیا۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول کی نال پر سے سیفٹی کیچ ہٹا دیا تھا تاکہ امکانی خطرے کی صورت میں اس سے کام لے سکوں۔

پھر جونہی وہ کار سڑک پر نمودار ہوئی میں نے خوشامدانہ انداز میں بے تابی سے فضا میں ہاتھ لہرانا شروع کر دیا۔

سڑک پر کار کی عقبی سرخ روشنیوں کا انعکاس یک لخت تیز ہو گیا جس کا مطلب تھا کار چلانے والا بریک پیڈل پر اپنا پاؤں رکھ چکا تھا۔ اس قدر فوری ردعمل کے دو ہی نتائج ہو سکتے تھے کہ کار میں صرف ایک ہی آدمی آ رہا تھا جسے فیصلے سے قبل کسی سے مشورے کی ضرورت نہیں تھی اور اگر کار میں زائد افراد تھے تو ان میں وہی سب سے برتر اور تحکم پسند تھا جو اسٹیئرنگ وہیل پر موجود تھا۔

میرے قریب آ کر کار رک گئی اور میرا دایاں ہاتھ جیب میں رینگ گیا۔

"کیا بات ہے؟" کار کی کھڑکی میں سے ایک عمر رسیدہ بوڑھے نے سخت لہجے میں دریافت کیا۔ میں نے دیکھا کہ کار میں اس کے ہمراہ دو خواتین بھی موجود تھیں جن میں سے ایک اگلی نشست پر اس کے برابر میں براجمان تھی۔

"معاف کرنا" میں نے جلدی سے کہا۔ "میں دیکھ نہیں سکا کہ تمہارے ساتھ کار میں خواتین بھی سفر کر رہی ہیں۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا" اس کا لہجہ نرم پڑ گیا۔ وہ بغور میرے بشرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ "لفٹ چاہیے یا خیرات؟"

"جو مل جائے" میں نے دانت نکال دیے۔

"کہاں جانا ہے؟" وہ نہ جانے کیوں میرے ساتھ اپنا وقت برباد کرنے پر آمادہ تھا۔

میں اس سوال پر بوکھلا گیا کیونکہ مجھے سوڈان کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا مگر بات بناتے ہوئے بولا "اگلے قصبے میں اتار دینا۔"

"آجاؤ۔" اس نے مجھ سے کہا پھر عربی میں اپنے ساتھ والی عورت کو پچھلی نشست پر جانے کی ہدایت کی۔ وہ تابعدارانہ انداز میں نیچے اتری اور عقبی نشست پر بیٹھ گئی۔ میں نے اگلی نشست سنبھالی اور کار چل پڑی۔

"کہاں کے رہنے والے ہو؟" کچھ دیر کے توقف کے بعد اس خوانت بولنے نے باتوں کا سلسلہ چھیڑ دیا جو میرے حق میں مضر ثابت ہو سکتا تھا۔

"یمن۔" میں نے اسے شبہے کا موقع دیے بغیر کہا "جنوبی یمن۔"

"عرب ہو کر بھیک مانگتے ہو۔" اس نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "یہ کام تو ہندیوں کو ہی زیب دیتا ہے۔ صورت سے بھی مسکین لگتے ہیں۔"

"ہندی یہاں بھیک مانگتے ہیں؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"کثرت سے ملیں گے۔" اس نے ڈیش بورڈ سے سگار نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا "ذرا اسے سلگا دو۔"

"مگر ان کا یہاں کیا کام؟" میں نے اس کے ہاتھ سے سگار لیتے ہوئے سوال کیا۔ موقع مل جانے پر میں اسے ہندیوں ہی کے بارے میں مصروف رکھنا چاہتا تھا تاکہ اس کے سوالات کا رخ میری ذات اور مصروفیات کی طرف مبذول نہ ہو سکے۔

"بڑے ولد الحرام ہوتے ہیں۔" وہ بولا "غیر قانونی طور پر چھپ چھپا کر چلے آتے ہیں اور جب وہاں والے ٹھڈے مار کر باہر پھینکتے ہیں تو سوڈان میں گھس آتے ہیں۔ الٹے تو یہاں آتے اور بھیک مانگنے کا جواز ہے مگر تم کیوں بھیک مانگ کر عربوں کے نام پر بٹہ لگا رہے ہو؟"

میری کوشش بار آور ثابت نہ ہو سکی اور وہ دوبارہ میرے بارے میں سوال کر بیٹھا۔ اس کی سوچ بھی خاصی متعصبانہ تھی۔

"میں بھی خاصا مفلوک الحال شخص ہوں۔" میں نے آہستہ سے کہا "مگر تم جیسے چھوٹے کو میرا ایک ملازمت پر رکھو گے؟ میری کہانی خاصی طویل ہے کیا بہتر نہ ہو گا کہ ہم خواتین کی موجودگی میں اس موضوع پر بات نہ کریں؟"

وہ سگار کا دھواں اگل کر روتے ہنس پڑا "یہ کسی پروا نہ کرو یہ ہر قسم کی گفتگو سننے کی عادی ہیں۔"

"میں تو نہیں تمہاری حرکات مجھے شبہ تھا۔" میں نے تعجب سے کہا۔

"تم مجھے الٹے کی کوشش کر رہے ہو۔" وہ یک بیک سنجیدہ ہو گیا "مجھے اپنی باتوں کا جواب چاہیے۔"

"تم غلط سمجھے ہو......"

"میں سب کچھ سمجھ رہا ہوں۔" وہ میری بات کاٹ کر غرایا "مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو اور اتنی صبح اس سڑک پر کیا کر رہے تھے؟"

میری ریڑھ کی ہڈی میں سرد سی چیونٹیاں رینگنے لگیں۔ اس کا لب و لہجہ میرے لیے خطرے کی گھنٹی سے کم نہیں تھا۔

"تمہارا رویہ توہین آمیز ہوتا جا رہا ہے۔" میں نے نرم لہجے میں احتجاج کیا۔ "میں جو بھی ہوں مگر تمہیں مجھ سے اس لہجے میں بات کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

"میں نے لفٹ دی ہے تمہیں۔" وہ چلانے والے لہجے میں بولا "پھر اتار دو مجھے۔"

"معقول دوست! تم بھکاری نہیں ہو۔" وہ بولا "میں نے عمر گزاری ہے اور آج تک کسی بھکاری کو تم جیسا خوددار نہیں دیکھا۔"

"اچھا ہوا کہ اب دیکھ لیا۔" یہ کہہ کر میں نے جیب سے پستول نکال لیا "نہ دیکھتے تو حسرت دل میں لیے مر جاتے۔"

وہ عورتیں جو بھی رہی ہوں مگر انہیں اسلحہ کھلونا ہی لگتا تھا۔ پستول کی جھلک دیکھتے ہی دونوں کے حلق سے بے اختیار چیخیں نکل گئیں۔

"خاموش رہو۔" اس نے میرے پستول کو نظر انداز کرتے ہوئے دونوں عورتوں پر برس پڑا پھر مجھ سے مخاطب ہوا "تو میرے شبہات درست ہی نکلے۔"

"گاڑی کی رفتار کم کرو اور آگے جو پہلا موڑ آئے گاڑی اسی پر موڑ لینا۔" میں نے پستول کی سرد نال اس کی برہنہ گردن سے لگاتے ہوئے کہا۔

"اسے دور ہٹاؤ۔" اس نے بے خوفی سے میرا ہاتھ پیچھے دھکیل دیا۔

"ایسا نہ ہو کہ یہ چلا دوں اور تمہاری کھوپڑی کا ٹکڑا میں نکال کر لے جاؤں۔" مجھے اس کی ڈھٹائی پر خاصا طیش آیا۔ "یہ بھی بات تم ہی کرو" وہ قطعی خائف نہیں تھا۔ "دوسرے یہ کہ وہ اتنا میرا ہی مقصد ظاہر کرتا تھا البتہ میری ہدایت ملتے ہی کار کی رفتار فوری طور پر کم کر دی تھی۔

"یہ نہ سمجھنا کہ میں ہدایت پر عمل کر کے چپ چاپ تمہاری باتوں کا جواب دے رہا ہوں۔" اس نے درشت لہجے میں کہا۔ "بعد میں تمہیں پچھتانے کا موقع بھی نہ مل سکے گا۔"

"یہ بتاؤ کہ تم مجھے لوٹنا چاہتے ہو یا کسی کا خون کرنے کا ارادہ ہے؟" اس نے پہلو بدل کر ایک کچی سڑک پر نکلتے ہوئے کہا "پہلے تمہیں لوٹوں گا پھر تمہاری کھال میں بھس بھروں گا۔"

گفتگو خواہ مخواہ مجھے اشتعال دلا رہی تھی۔ وہ اپنی جگہ بدستور چپ بیٹھا رہا۔ "لوٹنے کے لیے میرے پاس ان دو عورتوں کی آبرو کے سوا کچھ نہیں ہے، ہاں ہو گئے تو ان عورتوں کی عصمت چاہیے ہو تو......"

"یہ کیا کہہ رہے ہو اسد!" مجھے ایک عورت خوفزدہ لہجے میں بولی "تم خوامخواہ اس سے الجھ رہے ہو۔"

"تمہاری پیشکش قابل غور ہے۔" میں نے دونوں عورتوں کی طرف دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا......

"نہیں، ایسا دوست! مجھے وہاں لے جانا ہے۔" میں نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا "ہم بہتر بکریاں نہیں ہیں جنہیں مالک مرضی کے خلاف استعمال کیا جا سکے۔"

اسد غصے سے بپھر اٹھا "اگر اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا تو تم دونوں بھی نہیں بچو گی۔ خاموشی سے بیٹھی رہو۔ ہم اس کے دشمن نہیں ہیں۔"

"میں عورتوں پر ہاتھ اٹھانا کمینگی سمجھتا ہوں۔" میں نے آنکھ مار کر کہا۔ اسد اس وقت سڑک کے بجائے مجھے گھور رہا تھا۔

اسد نے غصے میں اسٹیئرنگ وہیل پر مکا مارا "مجھے معلوم ہے کہ تم ان عورتوں کو میرے خلاف ورغلانے کی کوشش کر رہے ہو لیکن یہ دونوں ہی ایسی ہیں کہ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔"

"تم الٹا کر کے تمہارا بھیجا ٹھنڈا کر دوں گا۔" میں نے کہا "اس وقت تک تمہاری خیریت ہے جب تک تم بے چون و چرا میری بات مانتے رہو گے۔"

اس کے بعد کار میں خاموشی چھا گئی۔ کافی دیر تک سفر کے بعد بھی کوئی آبادی دکھائی دی تو مجھے تشویش ہونے لگی۔ تیز رفتاری کی صورت میں اچانک بریک لگا کر سڑک کے کنارے روک سکتا تھا۔ جب کہ میں اس سے جلد از جلد چھٹکارا پانا چاہتا تھا۔ اسی کی سڑک پر آنے کی صورت میں میرا دوبارہ تلاش کیا جانا آسان ہو جاتا۔ لہذا میں کسی موڑ کا منتظر تھا تاکہ کسی ذیلی راستے پر چند میل آگے جا کر ان سے الگ ہو سکوں۔ ان تینوں سے مجھے کوئی بڑا خطرہ لاحق نہیں تھا مگر ایک شخص بہادر لڑکی کا شکار نہ ہو تو شاید اس سے الجھنے کی نوبت نہ آتی۔ بہتر تو یہی تھا کہ ان تینوں کو بے ہوش کر کے کسی ویرانے میں چھوڑنے کے بعد فرار ہو جاتا مگر موجودہ حالات میں ایسے مقام پر پہنچ کر جہاں سے عالمی تنظیم اور ادارے پاکستان کا رخ اختیار کر سکوں۔ اسد ہوش میں آ کر ان کا ایک جگہ ہو کر ایک پولیس میں رپورٹ کرا کر میرا نام بتانے سے اس کی حیثیت پر فرق نہیں پڑتا بلکہ پولیس کو میرے بارے میں مزید آگاہ کر دیتا۔ اس کے بعد انہیں تبدیل کر سکتا تھا جب کہ کار کی چوری کوئی سنگین جرم بھی نہیں تھا۔ جب کار دستیاب ہو جاتی تو سارا معاملہ خود داخل دفتر ہو جاتا۔

میں نے ایک دو بار اس سے راستے کے بارے میں سوال کرنا چاہا لیکن اس کا لہجہ ایسا تھا کہ خاموشی بہتر سمجھی۔ اس کی حرکات سے یہ ظاہر تھا جب کہ میں اس سے اپنے بارے میں معلومات فراہم کرنا نہیں چاہتا تھا۔ عقبی نشست پر دونوں عورتیں ساکت بیٹھی تھیں اور انہوں نے سرگوشیوں میں باتیں کرنا شروع کر دی تھیں۔ مختصر یہ کہ میں نے خیریت جانتے ہوئے ان کی مدھم آوازوں پر کان لگائے تو یہ اندازہ ہوا کہ وہ میرے خلاف کوئی سازش نہیں کر رہی تھیں بلکہ اسد کے برتاؤ پر برہم تھیں۔ ان کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس سے کافی نالاں ہیں۔ کچھ دور ایک طویل موڑ گھومتے ہوئے اچانک ہی کچھ آثار نظر آنے لگے اور میں چوکنا ہو گیا۔

"یہاں کوئی آبادی آنے والی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"تم کیا ہو اسد!" اس نے مسکراتے والے انداز میں کہا......

"میں نے تمہاری ولدیت نہیں پوچھی نام پوچھا ہے۔" میں نے غرا کر کہا۔ ان دونوں عورتوں کو خوفزدہ ہونے کے باوجود بے ساختہ ہنسی آ گئی کیونکہ اسد نے جو کچھ کہا اس کا مطلب گدھے کا باپ ہوتا تھا۔

"مجھے معلوم نہیں۔" وہ حقارت آمیز غصیلے لہجے میں بولا۔

"اپنی ولدیت ہے۔" مجھے اسے سلگنے کا موقع ہاتھ آ گیا تھا جو میں نے ضائع نہیں کیا اور عقبی نشست سے اس مرتبہ پھر بلند آہنگ قہقہے پھوٹ پڑے۔ وہ دونوں عورتیں واضح طور پر مجھے دوستی کی دعوت دے رہی تھیں مگر میں انجان بنا ہوا تھا۔

اسد نے بریک لگا کر جھٹکے کے ساتھ کار روک دی۔

"تم اترو اور دفع ہو جاؤ۔" وہ میرے پستول کو خاطر میں لائے بغیر کسی شکست خوردہ مرغ کی طرح غرایا "یہ اتنا ہی ساتھ کافی ہے۔"

"کار چلاتے رہو۔" میں نے پستول کی نال اس کی گردن سے ہٹا کے پہلو سے لگا دی تاکہ آنے جانے والی کسی گاڑی میں سے ہتھیار نہ دیکھا جا سکے۔

"چلاؤ گولی۔" وہ بے خوفی سے غرایا "یہ کار تمہارے ناپاک وجود سے چھٹکارا حاصل کیے بغیر یہاں سے ایک انچ آگے نہیں بڑھے گی۔" اسی کے ساتھ اس نے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے کار کا انجن بھی بند کر دیا۔

میرے لیے ایک گولی چلانا بڑا آسان تھا لیکن نہ جانے کیوں میں اس شخص کے لیے اپنے دل میں ہمدردی کے جذبات محسوس کر رہا تھا۔ اس بچارے کی شامت ہی اسے میرے پاس لے آئی تھی۔ جب کہ وہ کسی کا منتظر تھا۔ عورتوں کا ساتھ چھوڑنے کے باوجود اس نے مجھے لفٹ دے کر اعلیٰ ظرف اور حوصلے کا ثبوت دیا تھا۔ جب یہ اور بات تھی کہ طویل صحرائی سفر سے گزر کر ہونے والی میری حالت بھی اسے میرے گھر لے آنے کا یقین نہ دلا سکی اور وہ میرے کوائف سے واقفیت حاصل کرنے پر مصر ہو گیا اور اس کار کی بحالی اس وقت میرے لیے ایک فیصلہ کن مسئلہ بن گیا تھا۔

"شکل سے ہی تم دونوں ہو۔" میں نے سر گھمائے بغیر دونوں عورتوں کو پہلی بار براہ راست مخاطب کیا "یہ خود گولی کا مطالبہ کر رہا ہے۔"

"تو کیا تم واقعی اسے مار دو گے؟" اس بار مجھے ایک نسوانی آواز مترنم اور دلکش تھی مگر اس میں خوف کی لرزش نمایاں تھی۔

"تمہاری نظروں سے یہ مر سکتا تو اب تک مجھے ہی مارنا ہو گا۔" میں نے بے تکلفی سے کہا۔ "اسے سمجھاؤ کہ میری ہدایات پر عمل کرتا رہے۔"

"تم کیوں اس شریف آدمی کو مشتعل کر رہے ہو اسد؟" اس بار دوسری عورت کی آواز ابھری تھی۔ "جو کہہ رہا ہے وہ کرتے رہو۔"

"میں اس کے باپ کا نوکر نہیں ہوں۔" اسد کے دماغ کی کوئی رگ شاید بری طرح پھڑک گئی تھی۔ "مجھے گولی مارنا ہے تو مار دے، تم دونوں میرے قتل کی چشم دید گواہ ہو گی کیونکہ میرے دوستوں نے ملی......

رات مجھے تمہارے جانے جشن منانے کے بعد کار میں لوٹتے دیکھا ہے۔ یہ فرار ہو جائے گا اور تم زندگی بھر قید ہو گی۔ پولیس کا ہر بڑا افسر تمہارے ساتھ قید تنہائی میں ایسی بازپرس کرے گا کہ تم زندگی بھر کے لیے گواہ بننے کے جبری یا رضاکارانہ گناہ سے توبہ کر لو گی۔"

"تم اس سے جس طرح چاہو نمٹ لینا لیکن آپ سے پہلے ہمیں جانے دو۔" اس بار خوفزدہ مگر دلکش نسوانی آواز ابھری تھی۔

"تم کیسے اور کہاں جاؤ گی؟" میں نے سوال کیا۔

"آبادی قریب ہے۔ ہم پیدل چلے جائیں گے۔" اسی دل نواز آواز نے سہمے ہوئے لہجے میں تجویز پیش کی۔

"یہ تمہیں واپس چھوڑنے جا رہا تھا؟" میں نے اسد کی طرف سے غافل ہوئے بغیر سوال کیا۔

"یہ طوائفیں ہیں۔ مخصوص لوگوں پر گزارہ کرتی ہیں۔" اسد نے جلے بھنے لہجے میں خود بخود بولنا شروع کر دیا۔ "پچھلی رات میں اُن کا فریفتہ تھا۔ دلال نے کر سودا وصول کر لیا اور اب انہیں ان کے ٹھکانے پر پھینکنے جا رہا تھا۔ جال اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی شاید کوئی نیا گاہک دام لگانے آ جائے گا۔"

"تم پہ خدا کا عذاب ہو اسد!" دلکش آواز نے اسے دھتکارا۔ "تم نے ہمیں ہمیشہ ورغلایا حالانکہ تمہارا دل جانتا ہے ہم کاروبار سے زیادہ دوستیاں نبھاتے ہیں۔"

"میرا شمار کس میں ہے؟" وہ طنزیہ انداز میں غرّایا۔ "سکوں کی جھنکار کے بغیر تو میں تمہیں بے حجاب بھی نہ دیکھ سکا۔"

میرے لیے اس مناظرے میں گوٹ ہونا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا لہٰذا میں نے آہستگی سے پستول کی نال ہاتھ میں تھامی اور اسد کو کچھ سمجھنے کا موقع دیے بغیر دستہ اس کی کنپٹی پر رسید کر دیا۔ ضرب کی آواز کے ساتھ ہی اسد کے حلق سے غضبناک غراہٹ بلند ہوئی اور اس کے ہاتھ میری طرف لپکے مگر کوئی مدافعت کرنے سے پیشتر ہی وہ بے ہوش ہو کر ڈرائیونگ سیٹ پر لڑھک گیا۔

"اسے ... یہ تو شاید مر گیا۔" وہ دونوں بیک وقت حیرت اور خوف سے بول اٹھیں۔

"صرف بے ہوش ہوا ہے۔" میں نے انہیں دلاسہ دیا۔ "تمہاری نیک نیتی پر بھروسہ کرتے ہوئے میں نے یہ قدم اٹھایا ہے۔" میں نے پچھلی بار ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟" سوال کرنے والی حسین ضرور تھی لیکن خاصی پختہ کار معلوم ہوتی تھی جب کہ دلکش آواز والی حسین و گداز ہونے کے ساتھ ہی معصوم بھی نظر آ رہی تھی۔

"ایک مرد تم سے کیا چاہ سکتا ہے؟" میں روانی میں کہہ گیا۔

"یہ کتنی دیر بعد ہوش میں آئے گا؟" اس بار دلکش آواز والی نے شپٹا کر سوال کیا تھا مگر اس کی شربتی آنکھیں میرے ہی چہرے پر مرکوز رہیں۔

"ایک ڈیڑھ گھنٹے سے پہلے ناممکن ہے۔" میں نے پختہ یقین سے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

وہ چند سیکنڈ خاموش رہی پھر جھجکتے ہوئے بولی۔ "تم اسے ڈکی میں ڈال دو۔ ایسا ہو راستے میں کسی کو ہم پر شبہ ہو جائے پھر ہمارے ساتھ چلو۔"

"تم کہاں رہتی ہو؟"

"بس الفلاح ... یہاں سے شاید دس میل ہو گی۔" جاذب آواز والی نے مجھ سے سلیس... مخاطب تھی۔ شاید وہ بھانپ گئی کہ دوسری کے مقابلے میں مجھے اس کی ذات سے دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔

"تمہاری حویلی کی طرح تمہاری بستی کا نام بھی پیارا ہے۔" میں نے شگفتگی سے کہا۔ اس کے نگاہوں کے تیور جادو انگیز تھے، چنانچہ میں ساری صورتحال کو فراموش کر کے اس کی ذات میں محصور ہو گیا۔

"اسے ڈکی میں ڈال دو پھر چلیں گے۔" اس نے اپنی نرم و گداز ہتھیلی میرے ہاتھ پر رکھ دی۔

اس پھڑک میں ایک بے ہوش قیدی کے ساتھ تنہا ... خود میرے لیے محدوش تھا لہٰذا میں دروازہ کھول کر نیچے اترا اور نصف طواف کر کے ڈرائیونگ سیٹ کی سمت گیا۔

اسد کے بے ہوش جسم کو پیچھے کندھے پر لاد کر ڈکی تک گیا تو یہ دیکھ کر سخت الجھن ہوئی کہ اس میں چابی لگانے کے لیے سوراخ تھا اور نہ ڈکی کھولنے کے لیے کوئی بٹن لگا ہوا تھا۔ خیال آیا کہ حسین لڑکی کی ہتھیلی کا لمس میری بینائی پر اثر انداز ہوا لیکن جب کوئی چیز نظر نہ آئی تو میں واپس ہو لیا۔

اس وقت دوسری لڑکی نشست پھلانگ کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ چکی تھی۔

"کیا ہوا؟" مجھے دیکھ کر اس نے جو کہا اسے لہجے میں ...

"ڈکی شاید خود کار ہے۔" میں نے کہا۔ "ڈیش بورڈ پر تلاش کرو جو اسے کھول سکے۔"

"لاؤ چابی مجھے دے دو۔" اس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔

"سوئچ آن کیے بغیر شاید بٹن کام نہ کرے۔"

میں نے چابی اسے دے دی جو اس نے سوئچ میں لگا کر گھمائی تو ڈیش بورڈ کے خانے میں تیل اور بیٹری چارجنگ کی ... جل اٹھیں۔

"ڈکی کا سوئچ تلاش کرنے میں کوئی دشواری ..." مخصوص بٹن دبتے ہی ڈکی کا ڈھکن بے آواز اوپر اٹھ گیا۔

میں نے کار کے عقب میں جا کر ...

اس کے ہاتھ پیر بیلٹ سے جکڑ دیے اور وہ ڈھکن بند کر دیا ...

لیکن اسی لمحے ایک بیک کار کا انجن بیدار ہوا اور اس سے پیشتر کہ میں کچھ سمجھ سکتا، وہ کار برق رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

میں کسی احمق کی طرح سڑک پر کھڑا اس کار کو تکتا رہ گیا۔ میرا دل چاہا کہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹ ڈالوں۔

اس وقت میں حقیقی معنوں میں عورت کے طلسم کا شکار ہوا تھا۔ وہ دلکش آواز والی جتنی حسین تھی اس سے کہیں زیادہ چالاک ثابت ہوئی۔ میرا اعتبار جیتنے کے لیے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت شروع ہی سے میرے ساتھ لگاوٹ کا اظہار کرتی رہی اور میں اس فریب کا شکار ہو گیا۔ وہ واقعی میری ذات اور بالخصوص ... سے متاثر ہوئی تھی جب کہ وہ ابتدا ہی سے اپنے لیے موقع کی تلاش میں رہی ہو گی کہ مجھے جل دے کر اسد سمیت فرار ہو سکے۔

اسد کی ذات سے ان دونوں عورتوں کی وابستگی اتنی گہری تھی کہ وہ خوفزدہ ہونے کے باوجود اسد کو چھوڑ کر نہیں بھاگیں ورنہ مجھ سے نجات حاصل کرنے کے بعد وہ میرے شانے سے اسد کی ڈکی میں منتقل ہونے کے بغیر آسانی رفو چکر ہو سکتی تھیں اور میں اسد کے بے ہوش وجود کے سر پر کھڑا افسوس کرتا رہ جاتا۔

لیکن یہ حرکت میرے لیے اس قدر غیر متوقع تھی کہ میں جوابی ... تو درکنار اس کا جواز بھی نہ سوچ سکا ورنہ پھرتی سے کام لے کر ... لیا جاتا تو ایک یا دونوں عقبی ٹائروں کا ناکارہ کیا جانا ... ثابت ہوتا۔

آبادی قریب تھی اور میرے ہاتھوں طوطے اڑ چکے تھے۔ ... ساتھ جا چکا تھا۔ مجھے ڈر محسوس ہونے لگا کہ وہ چوروں کے کہیں ... واپسی کا ارادہ نہ کر لیں لہٰذا میں نے سڑک سے ہٹ کر ... ایک طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

اس وقت میری حالت بہت ابتر تھی۔ صحرا میں سفر اور آندھی کے ... بہت خراب ہو چکا تھا۔ اس طرح کسی بھی آبادی میں میری ... توجہ کا مرکز بن سکتی تھی۔ میرا سب سے پہلا مسئلہ شیو کا تھا۔ ... بڑھی ہوئی داڑھی کے بارے میں جبل العقوف میں کوئی ... ایسے شعبدہ بازی کا کوئی اور اسے لیا ہوتا۔ میرے ... اپنے رخساروں پر ہاتھ پھیرنے سے مجھے اپنی ہیئت ... اندازہ ہو رہا تھا۔

میں سڑک سے ... ایک ٹیڑھا فرلانگ دور گیا ہوں گا کہ ... کی گونج پیدا ہو گئی۔ میں نے سر گھمایا تو دل اچھل کر ... گیا۔

... جو یقینی طور پر پولیس افسر ہی معلوم ہوتے ہیں ... سوار سڑک سے اتر کر ... میدان ... چلے آ رہے تھے۔

اس وقت میں ایک ایسے پتھریلے میدان میں تھا جہاں گھاس پھوس اور چھوٹی خود رو جھاڑیوں کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں تھی۔ ان دو کے مقابلے میں میری خراب پوزیشن میں تھا اور یہ امکان بھی تھا کہ ان کے پیچھے بھاری نفری آ رہی ہو لہٰذا اُن کا مقابلہ کرنا مراجعت سے بے سود، بلکہ نقصان دہ تھا۔

اس وقت تک مجھ پر اپنی شناخت کے علاوہ کوئی سنگین جرم عائد نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن پولیس سے مقابلے کے بعد اگر میں زخمی حالت میں گرفتار کیا جاتا تو مجھے بدترین فرد جرم کا سامنا کرنا پڑتا۔

فرد جرم تیروں والی عنیشن کی کارکردگی کو مشکوک ہو چکی تھی مگر پھر بھی وہ میرا اہم ترین ہتھیار تھی جو دوسروں کے لیے ہر شبہ سے بالاتر ہوتی لیکن پستول پولیس افسران سب سے پہلے اپنی تحویل میں لے لیتے اور مجھ پر بلا لائسنس ہتھیار رکھنے کا جرم بھی عائد ہو جاتا۔

میں نے ایک تیفلے پر پہنچ کر پستول ایک طرف اچھال دیا۔ گولیاں بھی جھاڑیوں میں پھینک دیں پھر محفوظ جگہ چھپنے کے لیے ایک طرف دوڑ پڑا۔

"ٹھہرو!" پولیس افسر کی للکار دوبارہ گونجی اور اسی کے ساتھ ریوالور کے فائر کی آواز سنائی دی۔

ریوالور کی گولی مجھ تک نہیں پہنچی لیکن میں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا لہٰذا رک کر مڑا اور دونوں ہاتھ فضا میں اٹھا دیے۔

دونوں موٹر سائیکلیں ناہموار پتھریلی زمین پر اچھلتی اور غراتی تیزی سے میرے قریب آتی جا رہی تھیں اور ان کا قرب لحظہ لحظہ مجھے بینا سے دور کرتا جا رہا تھا۔



مسیر کی طرف سے بے چارگی و بے بسی کا اظہار ہو گا لیکن یہ علامت ثابت ہوا کیونکہ جب پولیس افسران نے قریب آ کر اپنی موٹر سائیکلیں روکیں تو ان کے لبوں پر ناگوار مسکراہٹ نمایاں تھی کیونکہ وہ اس حرکت کے انجام پر خوش تھے جو انہوں نے جیتے جی بغیر جیت لیا تھا اور میں اس گھڑی کو کوس رہا تھا جب میں نے اس خوبرو عورت کی رسیلی آواز سن کر اس کے قریب کا شکار ہونے کا ارادہ کا فیصلہ کیا تھا۔

عورت کی ذات میرے لیے ہمیشہ کھلونا رہی تھی لیکن میں کبھی اس کو سمجھنے کا دعویٰ کرنے کے قابل نہ ہو سکا۔ ایک طرف یہ تھا جس کی خاطر میں دنیا سے ٹکرا لینے پر آمادہ تھا اور دوسری طرف وہ رسیلی آواز والی تھی جو میرا صیاد تھی۔

ان میں سے ایک نے موٹر سائیکل سے اتر کر رسمی انداز میں مجھ پر ریوالور نکال لیا اور دوسرے نے میرے پورے جسم پر ہاتھ پھیر کر اطمینان کر لیا کہ میرے پاس کوئی خطرناک ہتھیار موجود نہیں تھا جو ان کی سلامتی پر اثر انداز ہو سکے۔

”عورتوں نے بھیجا ہے؟“ میں نے مسکرا کر زہریلے لہجے میں سوال کیا۔

”اگر تم نے کچھ پیسے ہی خرچ کر دیے ہوتے تو ہم بھی اس ہنگامی بھاگ دوڑ سے بچ گئے ہوتے۔“ غیر مسلح افسر نے میرے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”عورتوں کے معاملے میں مفت خوری کی عادت حوالات ہی کا راستہ دکھاتی ہے۔“

”تو کیا شکایت کی گئی ہے میری؟“ میں نے اس کے ہمراہ بڑھتے ہوئے کہا۔

”تم نے لفٹ لی تھی ان سے؟“

”ہاں؟“ میں نے حیرت سے کہا۔

”غلطی ان ہی کی تھی۔“ اس نے کہا۔ ”انہیں ایک مرد کو بٹھانے کی ضرورت کیا تھی اور تم بھی ان کا قرب نہ جھیل سکے۔ دست درازی پر اتر آئے۔“ اس کا لہجہ ملامت آمیز تھا۔

”اوہ!“ میں اس صاف جھوٹ پر حیران رہ گیا۔ ”یہ کس نے کہا ہے۔ وہ عورتیں کہاں ہیں؟“

”ان کی حالت خراب ہو رہی تھی اور وہ خوفزدہ تھیں، شاید چلی گئی ہوں۔ تمہارا عمل ان کے لیے غیر متوقع ثابت ہوا تھا۔“

”ان کے ساتھ ایک مرد بھی تھا....؟“

”نہیں۔“ اس نے بڑے وثوق سے میری بات کاٹ دی۔ ”کار میں ان دونوں کے علاوہ چڑیا کا بچہ بھی نہیں تھا۔“

”وہ ڈکی میں بے ہوش پڑا ہے۔“ میں نے کہا اور وہ دونوں ہی حیرت سے اچھل پڑے۔

”وہ کون ہے اور اسے کس نے بے ہوش کیا؟“ تقریباً یکساں الفاظ میں دونوں نے بیک وقت ایک ہی سوال کیا۔

”دونوں عورتیں خوفزدہ تھیں.....“

”یہ معلوم ہے وہ آگے گئے۔“ ان میں سے ایک نے اکھڑ انداز میں میری بات کاٹ کر قدرے درشت لہجے میں کہا۔

”وہ مرد ان کا کوئی پرستار تھا اور شب بسری کے لیے ڈیفنس والے بنگلے جا رہا تھا۔ اس نے کار روک کر مجھے لفٹ دی مگر بعد میں اپنا احسان جتا کر وہ مجھے دھمکیاں دینے لگا اور میں نے طیش میں آ کر اس کے سر پر ایک مکا رسید کر دیا جو اس کی بے ہوشی کا سبب بن گیا۔ میں نے پستول کا منہ کھول کر دانستہ اپنی کنپٹی سے لگا لیا لیکن ان عورتوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں اسے ڈکی میں ڈال دوں اور جب میں نے نیچے اتر کر اسے ڈکی میں ڈالا تو وہ مجھے مشکل میں ڈال کر بھاگ نکلیں۔“

”انہیں تمہارے خلاف جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”یہ تو وہی بتا سکیں گی۔“ میں نے شانے اچکا کر لاپروائی سے کہا۔

”نہ جانے کیا سوچ کر اس معاملے میں انہوں نے تم لوگوں کو ملوث کیا۔“

”اے!“ ان میں ایک نے تیز لہجے میں کہا۔ ”ہم لوگ کون ہیں؟ ہم قانون کے محافظ ہیں اور ہمیں طاقت کے زور پر قانون نافذ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔“

”اوہ! میرا مطلب تمہاری تضحیک نہیں تھا۔“ میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ ”میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ جب ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوئی تو انہیں پولیس سے رجوع کرنے کی ضرورت کیا تھی؟“

”فی الحال تو تم تھانے چلو۔“ وہی شخص بولا۔ ”بعد میں پتا چل جائے گا کہ دونوں میں کون جھوٹا ہے!“

وہ میری تلاشی لے کر اپنا اطمینان کر چکے تھے اور میرے معصومانہ رویے نے بھی انہیں یقین دلا دیا تھا کہ میں ان کے ساتھ شرارت کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ لہٰذا ان میں سے ایک نے مجھے اپنے عقب میں موٹر سائیکل پر بٹھا لیا اور دوسرا ساتھ ہی ساتھ ہمارے پیچھے آنے لگا۔

روانگی کے وقت پیچھے والے نے احتیاطاً مجھے تنبیہ کی کہ اگر میں نے ذرا بھی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو وہ بے دریغ گولی چلا دے گا۔

ہمارا مشترکہ سفر چند منٹ بعد ہی ختم ہو گیا۔ درختوں کے درمیان سے گھومتا ہوا موٹر سائیکل آبادی کے آثار نظر آنے لگے۔

وہ کوئی خاص بڑی اور بارونق آبادی نہیں تھی۔ کم از کم کنارے سے میں نے یہی اندازہ قائم کیا تھا کیونکہ مجھے آبادی کا موجود ہونا بھی نہیں مل سکا تھا۔

تھا اور دونوں موٹر سائیکلیں یکے بعد دیگرے اس کے احاطے میں داخل ہو کر ایک سایہ دار مقام پر رک گئیں کیونکہ سورج کی کرنوں میں اس وقت بھی خاصی حرارت تھی۔

تھانے کے احاطے میں بھی خاصی رونق تھی۔ باوردی سپاہیوں اور افسران کے علاوہ عام شہری بھی چلتے پھرتے یا سایہ دار مقامات پر بیٹھے نظر آ رہے تھے۔ جس طرح وہاں نظر آنے والے انسانوں میں تنوع تھا اسی طرح سواریوں کے معاملے میں بھی رنگا رنگی نظر آ رہی تھی۔

چھوٹی بڑی موٹر سائیکلوں اور ایک لاری کے علاوہ اونچے نیچے اونٹ اور خچر بھی بندھے ہوئے تھے جن کی موجودگی سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس قصبے کے لوگوں نے بیرونی سہولتوں سے روشناس ہونے کے بعد بھی اپنا ماضی بالکل ہی نہیں چھوڑ دیا تھا۔ ان کی زندگی میں جدت اور قدامت کا امتزاج ایک حسن پیدا کر رہا تھا۔

”یہ کون سی جگہ ہے؟“ میں نے موٹر سائیکل سے اترنے کے بعد ایک پولیس افسر سے نرم لہجے میں سوال کیا۔

”مرقاب۔“ اس نے مختصر جواب دیا اور میرے شانے پر ہاتھ مار کر برآمدے کے زینوں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

برآمدے میں پڑی ہوئی خستہ حال بوسیدہ سی بنچ پر بٹھا کر انہوں نے مجھے ایک سنتری کی تحویل میں دیا اور خود کہیں غائب ہو گئے۔

”سگریٹ سلگاؤں؟“ کچھ دیر کی بوجھل خاموشی کے بعد میں نے دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ اپنے سر پر مسلط سنتری سے سوال کیا۔

”ایک مجھے بھی دو۔“ وہ میرے برابر ہی بنچ پر بیٹھ گیا۔

”مرقاب الفلاح یہاں سے کتنی دور ہے؟“ سگریٹ کے ایک دو کش لینے کے بعد میں نے سنتری کے ذریعے اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہا۔

”کیا؟“ اس نے چونک کر پوچھا اور میں بوکھلا گیا۔

”مرقاب الفلاح۔“ میں نے جلدی سے کہا۔

”کیا کسی عمارت کا نام ہے؟“ اس نے قدرے ذہن پر زور دیتے ہوئے دوسرا سوال کر ڈالا۔

”اسی راستے پر کوئی بستی ہے۔“

وہ عارفانہ انداز میں ہنس پڑا۔ ”کسی نے تمہیں بے وقوف بنایا ہے۔ یہاں دور دور تک اس نام کی کوئی آبادی نہیں ہے۔ شاید تم یہاں اجنبی ہو۔“

”شاید مجھے سننے میں مغالطہ ہوا ہو گا۔“ میں نے اس کا آخری سوال نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ ”تمہارا نام کیا ہے؟“

”محمد اشرف!“ اس نے سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے کہا۔ ”کس جرم میں پکڑے گئے ہو؟“

”پتا نہیں۔ وہ لوگ آئیں تو معلوم ہو گا۔“ میں نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

وہ معنی خیز انداز میں سر ہلانے لگا۔ ”صبح سویرے تمہاری گرفتاری بے مقصد نہیں ہے۔ ان دونوں کو شاید کچھ خریداری کرنی ہے۔“

”خدا خیر کرے میرے لیے تو آج دن کا آغاز بہت ہی نامطلوب انداز میں ہوا ہے۔“ میں تشویش زدہ انداز میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

”کہاں پھنسے ہوئے تھے تم؟ غالباً کسی عورت کے چکر میں پکڑے گئے ہو۔“ اس نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”شکل و صورت سے تو اتنے بے قصور نہیں معلوم ہوتے جتنا خود کو ظاہر کر رہے ہو۔“

میرے لبوں سے بے بسی کی ایک گہری آہ آزاد ہو گئی اور سپاہی کی دلفریب مسکراتی ہوئی داڑھی ہلانے لگا۔ اس نے اپنے تجربے سے پہلی بار مجھے یاد دلایا تھا کہ میری شکستہ حالی بھی بازپرس کے مراحل میں تجربے سوالات کو جنم دے سکتی تھی۔

میری ذات میں اس سنتری کی دلچسپی بتدریج بڑھتی جا رہی تھی جبکہ وہ میرے لیے قطعی بے مصرف تھا اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ خود ہی اس سے گفتگو کا آغاز کرنے کے بعد میں اسے کس طرح خاموش رکھ سکوں گا۔

مگر میری یہ مشکل چند ہی ثانیوں میں آسان ہو گئی کیونکہ ایک اردلی دروازے سے ہاتھ ہلا کر میرے نگہبان سے میرے بارے میں کچھ کہہ رہا تھا۔

”چلو جاؤ۔“ سنتری نے میری پشت پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”اندر بلاوا آ گیا ہے تمہارا۔“

میں فوری طور پر بنچ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔

بھاری بھرکم جسم والا اردلی غیر ضروری حد تک فرض شناسی کے مظاہرے پر تلا ہوا تھا۔ اس نے قریب پہنچتے ہی سختی سے میرا بازو دبوچ لیا اور اپنی دانست میں مجھے آگے کی طرف کھینچنے کی کوشش کرنے لگا۔ میرے قدم سختی سے فرش پر جم گئے۔ ”میرا بازو چھوڑو ورنہ ٹوٹ جائے گا۔ کہیں بھاگ رہا ہوں؟“

میری غراہٹ سن کر اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور توقع کے برعکس بایاں ہاتھ گھما دیا۔

اس کی کلائی اور پنجے کی ضرب خاصی قوت سے میرے جبڑے پر لگی اور میں اشتعال کے عالم میں اسے دھکیلتا ہوا دیوار تک لے گیا۔

وہ بھی شاید ایسے سلوک کی امید نہیں رکھتا تھا کیونکہ اس کے حلق سے بوکھلائی ہوئی بے معنی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ یا اس سے پیشتر کہ کوئی صورت حال کا صحیح ادراک کر کے اس کی مدد کو آتا، میں اسے دیوار سے ٹکرا کر تین چار بار گھونسے رسید کر چکا تھا۔

کسی نے عقب سے کالر پکڑ کر مجھے گھسیٹا تو وہ اردلی میرے ہاتھوں سے پھسل کر کراہتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی کئی افراد میرے بدن کے مختلف حصوں پر پڑنے لگے اور میں نے اپنا سر اور چہرہ ہتھیلیوں میں چھپا لیا۔

یہ تمام کارروائی بہ مشکل چند ثانیوں میں رونما ہوئی مگر اس کے

جیل میں اس قدر شور و غوغا پیدا ہوا کہ شاید کئی اعلیٰ افسران کو بوکھلا کر اپنے کمروں سے باہر آنا پڑا اور ان کی مداخلت کے باعث میں خاک چاٹنے سے بچ گیا۔

مجھے زدوکوب کرنے کا سلسلہ تو موقوف ہو گیا لیکن کئی افراد نے مجھے بری طرح جکڑا ہوا تھا۔

"چھوڑ دو اسے۔" ایک کرخت مردانہ آواز گونجی اور مجھے اس فولادی گرفت سے فوری طور پر نجات مل گئی۔

میرے سامنے سانولی رنگت اور گھونگھریلے بالوں والا ایک تنومند سوڈانی پولیس افسر اپنے ماتحتوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔

اس نے کچھ کہنے کے بجائے ہاتھوں میں تھامی ہوئی بید سے میرے بدن پر ضرب لگانے کی کوشش کی مگر میں اچھل کر بچ گیا۔

میں اس کے ظالمانہ عمل کے لیے تیار ہو چکا تھا لیکن وہ تحقیر آمیز انداز میں جیسے پھنکارا۔ "اس جذباتی اولاد کو میرے کمرے میں لے آؤ۔"

اس کے ہمراہ وہ دونوں افسر بھی تھے جنہوں نے مرتاب کے ڈیرے سے مجھے گرفتار کیا تھا وہ مجھے چیر پھاڑ کھانے والی نگاہوں سے گھور رہے تھے۔

اپنے غصیلے رد عمل پر مجھے خود بھی ندامت ہو رہی تھی کیونکہ گرفتاری کے وقت میں نے اپنے معصومانہ رویے سے خیر سگالی کی جو فضا بحال کی تھی وہ اشتعال کے سبب معدوم ہو چکی تھی اور میرے لیے مصائب کی ابتدا ہونے والی تھی۔

بید والا قد آور سوڈانی پولیس افسر شاید اس تھانے میں سب سے زیادہ با اختیار تھا کیونکہ اپنے آراستہ دفتر میں اس نے متانت یا وقار انداز میں کرسی سنبھالی تھی۔

میرے لیے صورت حال خاصی سنگین ہو چکی تھی جس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے میں نے وہی راہ اپنانے کا فیصلہ کیا جو میرے ہاتھوں زخمی ہونے والے طوائفوں کے ساتھی نے ابتدا میں سجھائی تھی۔

افسر اعلیٰ کا پہلا سوال میرے نام اور پتے سے متعلق تھا اور میں نے بلا تردد اپنا نام احمد صلاح بتا ڈالا۔

"ٹھکانہ کہاں ہے؟" اس نے تحمل سے اپنا سوال دہرایا۔

"جنوبی مصر سے پیسہ کمانے لیبیا آیا تھا۔ انہوں نے پکڑ کر نکال دیا تو ادھر کا رخ کیا تھا۔" میں نے منہ لٹکا کر کہا۔

"سوڈان میں کب داخل ہوئے تھے؟" وہ پولیس افسر ہونے کے باوجود غیر رسمی طور پر اپنا لہجہ بلند کرنے کا عادی نہیں تھا۔

"اشارہ میں داخل ہو گئے۔ ویرانوں میں بھٹکتا پھر رہا تھا۔ آبادی میں داخل ہوتے ہوئے خوف آتا تھا اور آج شہر کا رخ کرتے ہی پکڑا گیا۔" میں نے اپنے لب و لہجے میں مظلومیت طاری کرتے ہوئے دکھی آواز میں کہا۔

"دن کا پتہ تو؟" اس نے سوال کیا اور قریب ایک گوشے میں بیٹھا ہوا منشی پنسل سنبھال کر میرے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔

"اصل میں جھونپڑیوں کی ایک بستی میں رہتا تھا۔" میں اسے اپنی بات کا یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا۔

اس کمرے میں مجھ پر کم و بیش ایک گھنٹے تک جرح ہوتی رہی جس کے جواب میں میں نے مصلحت کے تقاضے کے تحت ایک غریب لیبر مین کی تصویر مکمل کر دی جو لیبیا میں زیر عتاب آنے کے بعد ایک طرف بھاگ نکلا پھر صحت اور ملک کا احساس لیے بے پیر ریگستان میں سفر کرتا ہوا مرتاب آ پہنچا۔ دوران سفر صحرا کی سختیوں سے میں تنہا ہی نہ تھا بلکہ ایک اونٹ بھی ہاتھ لگا تھا جو وسط میں چلتے صحرا میں مر گیا۔

اس کے بعد باز پرس کا رخ ان دو طوائفوں کی طرف ہو گیا جن کی شکایت پر مجھے گرفتار کیا گیا تھا۔

اس کے سوالات سے میں نے اندازہ لگایا کہ سوڈانی قانون کے مطابق کسی شخص کو شدید ضرب پہنچا کر بے ہوش کرنے کے مقابلے میں کسی عورت پر مجرمانہ دست درازی کی کوشش زیادہ سنگین جرم تھی۔

اس معاملے میں میں اپنے ابتدائی بیان پر اڑا رہا اور آخر کار مجھے حوالات میں ڈالنے کے حکم کے ساتھ واپسی کی اجازت مل گئی۔

دروازے سے باہر اسی اردلی نے خونخوار نگاہوں سے میرا استقبال کیا جو اپنی بدتمیزی کی بنا پر میرے ہاتھوں پٹ چکا تھا۔

مجھے لے جانے کے لیے وہ لپک کر میرے پہلو میں آ گیا۔

"اسے حوالات میں ڈال دو۔" عقب سے کسی نے اسے حکم دیا اور سر ہلا کر آگے بڑھ گیا۔

"تیرا زمانہ خراب نہ کر دوں تو میرا بھی نام نہیں۔" اس نے میرے پہلو بہ پہلو چلتے ہوئے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔

"تم جیسے بہت سے دیکھے ہیں۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔

"ابھی چند منٹ میں پتہ چل جائے گا۔" اس نے بڑی گمبھیر آواز میں کہا۔

اس وقت اس کا مفہوم میرے پلے نہ پڑ سکا لیکن جب وہ مجھے لے کر عقبی حصے میں جانے والی ایک تنگ اور تاریک راہداری میں سے گزر رہا تھا تو اس نے اپنے لباس کے کسی حصے میں پوشیدہ خنجر نکال کر پھرتی سے میرے بائیں پہلو میں اتار دیا۔

میرے حلق سے نکلنے والی اضطراری چیخ بہت تیز تھی میں دونوں ہاتھوں سے پہلو دبائے وہیں گر گیا۔

وہ بزدل اپنا خنجر میری پسلیوں سے نیچے بدن میں پیوست چھوڑ کر بھاگ نکلا تھا۔ میں نے دستہ تھام کر وہ خنجر جسم سے باہر کھینچ لیا اور اسی کے ساتھ خون کے اخراج میں بھی خاصا اضافہ ہو گیا تھا۔

پھر کئی سمتوں سے قدموں کی آوازیں اور حیرت آمیز انسانی تبصرے ابھرنے لگے اور کئی چہرے میرے اوپر جھک گئے۔

"خودکشی کی کوشش کی تھی اس نے۔" مجمع میں سے کسی کی آواز سنائی دی۔ "میں نے خود اسے اپنے پہلو میں خنجر گھونپتے دیکھا تھا۔"

"جھوٹ ہے یہ۔" میں کسی سے مخاطب ہوئے بغیر بولا تو مجھے اپنی آواز کمزور محسوس ہوئی۔ "مجھ پر اردلی نے وار کیا تھا۔"

فوری طور پر اسٹریچر لایا گیا اور مجھے اٹھا کر اس پر ڈال دیا گیا۔ میرے زخم کے شگاف سے شاید خون کی زیادہ مقدار بہہ گئی تھی کیونکہ ایمبولنس میں پہنچنے سے پہلے ہی میرا ذہن اندھیروں میں ڈوب گیا۔

دوبارہ ہوش آیا تو میں کسی ہسپتال کے صاف ستھرے کمرے میں بستر پر دراز تھا۔ میرے زخم میں شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ سرہانے ٹنگے ہوئے آہنی اسٹینڈ سے جھولتی ہوئی خون کی بوتل ٹیوب کے ذریعے میری بائیں کلائی کی کسی نس سے منسلک تھی۔

میں نے بدقت تمام دائیں ہاتھ سے جائزہ لیا تو زخم پر پٹیاں چڑھی ہوئی تھیں۔

میں نے آنکھیں موند لیں اور بستر پر پڑا اپنے حالات پر غور کرنے لگا۔

مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں حالات کی دلدل میں پھنس چکا ہوں۔ میں جتنا ہاتھ پاؤں مار رہا تھا اور کشت و خون سے جس قدر گریز کرنا چاہتا تھا اسی قدر دلدل میں گہرائی میں دھنستا جا رہا تھا اور عیسوی کے ساتھ سیتا تک پہنچنے کی کوئی صورت بار آور ہوتی نظر نہیں آ رہی تھی۔

ہاشم جو ایک مدت سے برے وقت میں میرا ساتھ دیتا چلا آیا تھا وہ خوفناک انداز میں صحرائے نوبی میں اٹھنے والی موت کی آندھی کا لقمہ بن چکا تھا اور سیتا کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا کہ وہ اس ہولناک صحرا کو عبور کر کے کسی آبادی تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکی تھی یا ہاشم کی طرح اسے بھی ریتیلی موت نے آ لیا تھا۔

ہسپتال کے بستر پر میں نے محسوس کیا کہ میں قانون سے چھپ کر سیتا کی تلاش میں بھاگتے بھاگتے تھک چکا تھا۔ لاہور میں اپنے گھر سے نکلنے کے بعد میری جدوجہد کی کہانی بڑی بے رحم تھی۔ جنگلوں بیابانوں، شہروں اور ریگزاروں میں مجھے ہر ایک سانس کے لیے خوفناک جنگ و جدل کرنی پڑی تھی جبکہ میری منزل یا مقصد بہت دور بھی قریب نہیں تھا۔

بیسٹ بھر کر روٹی اور اپنی بیوی کی رفاقت کا حصول...... یہ دلفگار انداز میں بہت ننھی منی اور معصوم سی تمنائیں تھیں مگر اندھا قانون کسی صورت میں خطے پر میرے اس حق کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔

صحرائے نوبی میں ہاشم کی دردناک موت اور پیر یوسف کی بلاکت کے بعد مجھے یہ احساس ہونے لگا تھا کہ میں دو بلند انسانوں کی شکل

دیکھنے کے لیے زندہ رہ سکوں گا مگر میری سخت جان فی الحال موت کے تو سارے عذاب جھیل گئی لیکن رسیلی آواز والی سوڈانی طوائف کی میٹھی مسکان کا فریب برداشت نہ کر سکی۔

پھر مجھے یاد آیا کہ مرتاب کے تھانے میں بے ہوشی سے قبل مجھ پر کیے جانے والے تشدد کا مقصد مجھے خودکشی کہا جا رہا تھا اور وہ ایسا جرم تھا جس کی کامیاب تکمیل مجرم کو ہر سزا سے ماورا کر دیتی ہے مگر جس کی ناکامی قابل تعزیر ٹھہرتی ہے۔

قدموں کی آہٹ نے میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔

دروازہ وا ہوا تو آنے والا ایک باوردی سپاہی ثابت ہوا۔

"مرنا بھی کس قدر مشکل ہو گیا ہے۔" میرے بستر کے قریب ٹھٹک کر وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "اب کیا حال ہے تمہارا؟"

"مجھ پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔" میں نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہنا چاہا لیکن اس نے حیرت سے میری بات کاٹ دی۔

"یہ جھوٹ عدالت میں بولنا۔ تمہاری خودکشی کے تین چشم دید گواہ ہیں۔"

"چشم دید گواہ؟" اب حیران ہونے کی میری باری تھی۔

"دو آدمیوں نے تمہیں بچشم خود حارث سے خنجر چھین کر اپنے پہلو میں اتارتے دیکھا تھا۔" اس نے پورے اعتماد سے مجھے آگاہ کیا۔ "اور خنجر کے دستے پر تمہاری انگلیوں کے نشان بھی پائے گئے ہیں تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے۔"

"تم یقین کرو کہ حارث نے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے مجھ پر خنجر سے وار کیا تھا اور اس وقت دور دور تک کوئی شخص اس راہداری میں نہیں تھا۔"

"حارث بھی بہت بدمعاش ہے مگر وہ گھبرا گیا تھا ورنہ کبھی تم جیسے کی پرواہ کرو گے۔" وہ میری بات ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ "اس وقت میں تو ڈیوٹی پر نہیں تھا لیکن لوگوں سے سنا کہ دو آدمیوں نے سارا منظر دیکھا تھا۔"

میں نے اپنا سر چکراتا محسوس کیا۔ حارث میری توقع سے زیادہ بدطینت شخص ثابت ہوا تھا اور اس نے اپنے جرم کا بوجھ میرے کندھوں پر لادنے کے لیے اپنے حواریوں میں سے میرے خلاف دو پکے گواہ بھی فراہم کر لیے تھے۔

"میری اشیاء کہاں ہیں؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"سب محفوظ ہیں، فکر نہ کرو۔" وہ بولا۔ "سزا پانے کے بعد رہا ہو گے تو ہر چیز واپس مل جائے گی۔"

"مجھے کتنی دیر بعد ہوش آیا ہے؟"

"دو روز بعد!" اس نے میرے سرہانے پڑی چھوٹی کرسی پر براجمان ہوتے ہوئے کہا۔ "تم پورے دو روز بے ہوش رہے"

تھے۔ اور تمام زخمی جلد یہاں پہنچا شب لے گئے تھے!"

"یہ کون سی جگہ ہے؟"

"یہ خرطوم کا مرکزی ہسپتال ہے۔ مرتاب میں تو معمولی زخموں کی دیکھ بھال بھی مشکل ہوتی ہے۔ آپریشن کے لئے تمہیں یہاں لانا پڑا!"

"تو آپریشن بھی ہوا ہے میرا؟" وہ ہر لمحہ میرے لئے حیرتناک انکشافات کئے جا رہا تھا۔ اس کی زبان سے خرطوم کا نام سن کر میرا دل تیزی سے دھڑک اٹھا تھا کیونکہ سوڈان میں اپنی مہم کے لئے میں نے اسی شہر کو ٹھکانا بنانے کا ارادہ کیا تھا۔ اب یہ اور بات تھی کہ میں کچھ عرصے کے لئے بستر سے لگ کر رہ گیا تھا۔

"سنا ہے خنجر کی نوک تمہارے ایک گردے میں اتر گئی تھی۔ سفر میں زیادہ وقت لگنے کے باعث گردے کا زخم خراب ہو گیا اور یہاں تمہارا ایک گردہ نکال دیا گیا۔" اس نے کرسی کی پشت گاہ سے اپنا سر ٹکا کر سگریٹ سلگا لی۔

"ایک سگریٹ مجھے بھی دو گے؟"

"ضرور!" اس نے جلتی ہوئی سگریٹ میری طرف بڑھا دی۔ "تمہاری وجہ سے تو مجھے خرطوم دیکھنا نصیب ہوا ہے ورنہ ساری عمر مرتاب ہی میں گزر جاتی۔ میں نے کل سارا دن شہر کی سیر میں گزارا کیونکہ فی الحال تم فرار کے قابل نہیں ہو!"

"یعنی میں زیر حراست ہوں؟"

"ہاں!" وہ بولا۔ "غنیمت یہ ہے کہ تم پر صرف خودکشی کا الزام ہے جس رپورٹ پر تم پکڑے گئے تھے وہ تھانیدار کی درخواست پر واپس لے لی گئی یا شاید خودکشی کی خبر سن کر شکایت درج کرانے والیوں کو تم پر ترس آ گیا!"

"اگر وہ رپورٹ واپس لے لی گئی ہے تو عدالت میں پولیس اس امر کا کیا جواز پیش کر سکے گی کہ میں تالا توڑ حملے کے وقت تھانے کی عمارت میں ایک اردلی کی نگرانی میں تھا؟"

وہ ہنس پڑا۔ "تمہاری گرفتاری مشتبہ شخص کے طور پر دکھائی گئی ہے جو بار بار پوچھنے سے گھبرا کر سوڈان میں غیر قانونی داخلے کا اعتراف کر چکا ہے!"

"تو پولیس کو کہہ کر تھانیدار ان الفاظ کو اس چکر سے بچا گیا؟" میں نے کہا۔ "اس کی کہانی خاصی موثر ہو گی کہ ایک بے روزگار اور پریشان حال شخص جب پولیس کے ہاتھوں پکڑا گیا تو اپنے غیر قانونی داخلے کا اعتراف کرنے کے ساتھ ہی زندگی سے بھی مایوس ہو گیا اور موقع پا کر اس نے اپنی زندگی ختم کرنے کی کوشش کر ڈالی۔"

"شاید تم درست ہی کہہ رہے ہو۔" وہ بولا۔ "مرتاب کا تھانیدار اپنی حسن پرستی کے سلسلے میں خاصا بدنام ہے!"

"تم میرے ساتھ یہیں ٹھہرے رہو گے؟" کچھ دیر کے توقف کے بعد میں نے سوال کیا۔

"فی الحال ایسا ارادہ نہیں ہے۔" وہ مسکرا کر بولا۔ "جب تک تم چلنے پھرنے سے معذور ہو اس وقت تک خرطوم کی دل کھول کر سیر کروں گا۔ بہت ہی عمدہ شہر ہے۔ بس جس روز تم نے چلنا پھرنا شروع کیا میری چھٹی ختم ہو جائے گی۔ اصولاً تو مجھے ہسپتال میں سائے کی طرح تمہارے ساتھ لگے رہنا ہے اور اسی وجہ سے مجھے ایک ریوالور بھی دیا گیا ہے!"

"میری جیبوں سے برآمد ہونے والا سامان کہاں ہے؟"

"تم نے یہ سوال دوسری مرتبہ کیا ہے!" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ "وہ ہسپتال والوں نے میرے حوالے کیا ہوا ہے۔ فکر نہ کرو۔ واپسی پر تھانے میں جمع کرا دوں گا۔"

"اس میں پلاسٹک کی ایک چھوٹی سی شیشی ہے۔ اس کی مجھے کسی بھی وقت ضرورت پڑ سکتی ہے!" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ اپنا مدعا بیان کیا۔

"ہے تو۔" اس نے کہا۔ "عجیب سی گولیاں ہیں اس میں سے نکلنے والے اسپرے میں!" اس کا مطلب تھا کہ وہ زہریلے تیروں والی شیشی کا بیرونی ڈھکن کھول کر دیکھ چکا تھا جبکہ اس کی اندرونی دوسری ساخت میں زہریلی سوئیوں کی صورت میں موت خوابیدہ تھی جس سے وہ بے چارہ قطعی بے خبر تھا۔

"اس میں ایک خاص قسم کی دوا ہے۔" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "نفلنے کا قائم البدل سمجھو۔ جب بھی گردے کا دورہ پڑنے والا ہو تو بس وہی دوا مجھے نجات دلاتی ہے!"

"گردے کے مریض ہو تم؟" اس نے بوکھلا کر سوال کیا۔

"بس مقدر کی بات ہے!" میں نے غمزدہ لہجے میں کہا۔

"مگر ہسپتال والوں کی فہرست میں وہ شیشی بھی شامل ہے؟"

اس نے کہا۔ "ان سے فہرست میں کیسے کرائی ہو گی؟"

"ذرا ذرا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "وہ جڑی بوٹیوں سے بنی دوا ہے۔ ڈاکٹر اسے تلف کر کے اپنا علاج ٹھونس دیں گے اگر وہ خالی ہو گئی تو دشواری ہو گی اور پھر اس بے وقعت سی چیز کو کون پوچھے گا؟"

"اگر اس میں تمہارے موذی مرض کی دوا ہے تو شاید مجھے لوٹانا ہی ہو گا۔" اس نے رضامندانہ لہجے میں کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اسی کمرے کی ایک دیوار گیر الماری میں اس کا مختصر سا سوٹ کیس رکھا ہوا تھا۔ اس نے سوٹ کیس کھول کر شیشی میرے

حوالے کر دی!

وہ ہتھیار اپنی ساخت کے اعتبار سے غیر یقینی تھا۔ شیشی میں جھانکنا ممکن ہی نہیں تھا کہ اس ترکش میں کتنے تیر باقی رہ گئے تھے مگر ان نامساعد حالات میں زہریلے تیروں والی شیشی کی واپسی نے یک بیک میرا حوصلہ بہت بلند کر دیا۔

ہسپتال کا عملہ مجموعی طور پر اچھے اخلاق کا مالک تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد میں نے جس پہلی نرس کو دیکھا وہ خاصی خوش شکل تھی اور اس کے چہرے کی رنگت بھی صاف تھی۔ وہ خاصی توجہ سے میری نبض کی رفتار اور درجہ حرارت دیکھ کر چارٹ میں نوٹ کرتی رہی پھر جب اس نے مجھے دوائیں پلائیں تو میں اس سے اس کے وطن کے بارے میں دریافت کر بیٹھا۔

"سوڈانی ہوں!" اس نے میرے سوال پر حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ خیال کیسے آ گیا تمہارے ذہن میں؟"

"تمہارا رنگ روپ مقامیوں سے خاصا مختلف ہے!" میں نے وضاحت کی۔

"اوہ!" وہ معصومیت کے ساتھ ہنس پڑی۔ "میری ماں فلسطینی ہے اور باپ سوڈانی ہے مگر میں خود کو خالص سوڈانی سمجھتی ہوں!"

"فلسطینیوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے؟"

"میں ہر ماہ پی ایل او کے فنڈ میں چندہ دیتی ہوں مگر میرا اس طرف زیادہ رجحان نہیں ہے!" وہ سپاہی کی خالی کرسی پر بیٹھ کر بولی۔

"تو یہاں بھی دفتر ہے ان کا؟" میں نے مصنوعی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے سوال کیا ورنہ میرا اصل مقصد اس دفتر کا پتہ دریافت کرنا تھا!

"شارع استقلال پر خاصا بڑا دفتر ہے۔" اس نے کہا۔ "مگر تم تو شاید مصری ہو۔ تمہیں ان سے کیا دلچسپی ہے؟"

"بس تم سے بات کرنے کا بہانہ چاہئے تھا۔" میں نے ترنم سے کہا۔ "تیمار دار اچھے ہوں تو مریض اپنا مرض بھول جاتا ہے۔"

"سارے مریض ایک جیسے ہوتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ مسکراتی ہوئی کمرے سے چلی گئی مگر میں سوچ چکا تھا کہ ہسپتال سے نکلنے سے پہلے بیرونی دنیا کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں وہ لڑکی خاصی کارآمد ثابت ہو سکتی تھی۔

دوپہر کو ڈیوٹی تبدیل ہونے سے قبل وہی نرس ایک ڈاکٹر کے ہمراہ میرے کمرے میں آئی اور ڈاکٹر نے مجھے مژدہ سنایا کہ جلد مجھے چلنے پھرنے کی اجازت مل جائے گی۔

اگلے دو روز میں نے بستر پہ ہی گزار لیے۔ ان میں ایک مرتبہ ڈاکٹر نے مجھے بستر سے اٹھانے کی کوشش کی مگر میں نے شدید تکلیف میں مبتلا ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے اس سے تعاون سے صاف انکار کر دیا۔ اس دوران میں خون چڑھانے کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا تھا۔

"اس کے ساتھ زبردستی نہ کرو۔" ایسے ہی ایک موقع پر میری نگرانی پر مامور سپاہی دخل اندازی کرتے ہوئے بول پڑا کیونکہ اس وقت وہ بھی موجود تھا۔ "تکلیف میں کمی ہو گی تو یہ خود ہی بستر چھوڑنے کی کوشش کرے گا۔"

"میں تو بستر پہ پڑے پڑے اکتا گیا ہوں۔" میں نے بیزاری کے عالم میں کہا۔ "نہ جانے اس عذاب سے کب نجات ملے گی؟"

"یہ تمہارا اپنا مسلط کیا ہوا عذاب ہے۔" سپاہی نے مشفقانہ لہجے میں کہا۔ "تمہارا اندرونی زخم بھرنے میں شاید دیر لگ رہی ہے ورنہ ڈاکٹر کے مطابق اب تک تمہیں اپنے قدموں پر چلنے کے قابل ہو جانا چاہئے تھا۔"

میں خود بھی محسوس کر رہا تھا کہ میرے لئے آہستہ آہستہ چلنا ناممکن نہیں تھا مگر میں اس سپاہی کو اپنی جانب سے بے فکر رکھنا چاہتا تھا تاکہ وہ میرے سر پر سوار رہنے کے بجائے خرطوم کی رنگینیوں میں کھویا رہے!

وہ جب بھی دو چار گھنٹے باہر گزار کر واپس آتا مجھے مبالغہ آمیز انداز میں اپنے نت نئے تجربات کے قصے مزے لے کر سناتا تھا!

اسی روز شام کو میرا آپریشن کرنے والا سرجن شاید خاص طور پر مجھے دیکھنے آیا۔ اس نے آتے ہی تیز لہجے میں مجھے ڈانٹ کر بستر سے اترنے کا حکم دیا لیکن میں بے بسی سے بستر پر پہلو بدل کر رہ گیا۔ میں نے اسے بتایا کہ درد کی ٹیسوں کے باعث میرے لئے اس کی ہدایت کی تعمیل ناممکن تھی!

اس نے بغور میری فائل کا جائزہ لیا پھر میرے زخم کو ہاتھ لگا کر اندازہ کرنا چاہا مگر میری بھرپور اداکاری نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا۔ وہ جہاں بھی زخم کو ہلکے سے دباتا تھا میں بُری طرح تڑپ اٹھتا تھا۔

آخر کار میرا بستر دھکیل کر کچھ دیر کے لئے آپریشن تھیٹر میں پہنچا دیا گیا۔ وہاں سرجن نے اپنے ہاتھوں سے پٹیاں اتاریں۔ اس دوران میں مناسب وقفوں سے میرا احتجاج اور شکایات بھی جاری رہیں۔

زخم کی حالت دیکھ کر وہ الجھن میں پڑ گیا۔ ٹانکے خشک ہو چکے تھے اور ورم کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ آخر کار وہ یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہو گیا کہ کسی بے احتیاطی کے سبب میرے اندرونی زخم یا ٹانکوں کو نقصان پہنچا تھا۔

اس نے مزید تین روز مجھے زبردستی آرام کرنے کی ہدایات جاری کرنے کے ساتھ ہی مجھ سے کہا کہ پیدل نہ سہی تو وھیل چیئر پر بیٹھ کر میں روز صبح و شام کچھ وقت باہر گزارا کروں کیونکہ میری شکایات میں اس طرح اضافہ نہ ہوا تو دوسرا آپریشن ناگزیر ہو گا۔

مجھے وھیل چیئر پر پہلی بار باہر لے جایا گیا تو سیاہی مائل نرس میری ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہی تھی۔ اور جب میں ایک جھٹکے کے بعد معذوروں والی اس کرسی میں منتقل ہو گیا تو اس کے بشرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔

ہسپتال کے احاطے میں حسین سبزہ زار دیکھ کر میں بہت متاثر ہوا۔ رنگ برنگے پھولوں کے تختے کے درمیان سرخ بجری کی کشادہ روشیں اس طرح بنائی گئی تھیں کہ معذور مریضوں کو گھاس پر سے چلائے بغیر پورے سبزہ زار میں گھمایا جا سکتا تھا!

وھیل چیئر باہر آنے کے بعد سیاہی مرحوم کی حسین شام کا حسن لوٹنے کہیں غائب ہو گیا اور سولائی نرس آہستہ آہستہ میری کرسی کو آگے دھکیلتی رہی!

"آج کے لئے اتنا کافی ہے، اب اندر چلیں!" تھوڑی دیر بعد مڑے ہوئے ہونٹوں والی سیاہ فام نرس نے کرسی کو گھماتے ہوئے کہا۔

"مجھے سکون مل رہا ہے سسٹر!" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "کئی روز بعد میں نے کھلے آسمان کے نیچے تازہ ہوا کا لمس اپنے چہرے پر محسوس کیا ہے، کچھ وقت اور گزار لینے دو!"

"مگر مجھے دو مریضوں کو باہر لانا ہے، وہ میرے منتظر ہوں گے۔" میرے مہذب رویے کے باعث وہ سختی کا اظہار نہ کر سکی۔ "میری کرسی کسی پرسکون گوشے میں کھڑی کر دو اور ان دونوں سے فارغ ہو لو، آخر میں مجھے اپنے ساتھ لے جانا۔"

لہجہ اگر نرم ہو تو پتھر کو بھی موم کر دیتا ہے جبکہ وہ تو ایک جیتی جاگتی عورت تھی، اس نے کرسی روش کے اس آخری حصے کی طرف گھمائی جہاں قد سے اونچے پودوں کا ایک جھنڈ واقع تھا۔ "یہاں میں تمہیں کوئی الجھن اور پریشانی تو نہیں ہو گی؟" کرسی روک کر اس نے ہمدردانہ لہجے میں سوال کیا۔

"تم میری طرف سے فکر مت کرو سسٹر!" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "آزاد فضا میں یہ چند سانس تمہاری مہربانی کے طفیل میسر ہوں گے اس کے بعد تو شاید زندان کی سلاخیں ہی میرا مقدر بننے والی ہیں۔"

ڈوبتے سورج کے دھندلکے میں وہ بے چاری سر جھکا کر تیزی سے واپس لوٹ گئی۔

میری نگاہیں اس وقت تک اس کا تعاقب کرتی رہیں جب تک وہ عمارت میں روپوش نہ ہو گئی اور میں نے [illegible] ماں کا جو پیکٹ نکال کر ایک سگریٹ سلگا لی۔

نرس کی واپسی میں کم و بیش دس منٹ صرف ہوئے۔ اس دوران میں سورج کی روشنی بہت مدھم پڑ چکی تھی۔

نرس نئی ادھیڑ عمر مریضہ کو سیر کراتے ہوئے چند ثانیوں کے لئے میرے پاس بھی رکی۔ نئی مریضہ بظاہر تندرست نظر آ رہی تھی اور اپنی گود میں رکھے ہوئے پھلوں کو باری باری دانتوں سے کترنے میں مصروف تھی۔

"میں آرام سے ہوں، تم اپنا کام پورا کر لو۔" میں نے اسے تسلی دی اور وہ وھیل چیئر کو دھکیلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

اس عورت کو سیر کرانے کے بعد وہ عمارت کی طرف روانہ ہوئی تو ہر طرف سورج کی حکمرانی کے آخری آثار بھی معدوم ہو چکے تھے۔ دور دور لگے ہوئے کھمبوں پر روشن برقی قمقموں نے مدھم سی روشنی کی دھند بکھیر دی تھی۔

جوں ہی وہ نرس اپنی مریضہ سمیت عمارت میں داخل ہوئی، میں نے وھیل چیئر چھوڑ دی۔ میرے پاس اپنے منصوبے پر عمل ہونے کے لئے کم از کم دس منٹ کی مدت تھی۔

ادھیڑ عمر مریضہ کو کمرے میں لے جا کر بستر پر لٹانے اور دوسرے مریض کو وھیل چیئر پر ڈال کر باہر لانے میں نرس کو زیادہ وقت لگنے کا امکان بھی تھا مگر میں اس بارے میں کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہیں تھا۔

اس وقت پارکنگ لاٹ میں خاصی گاڑیاں موجود تھیں۔ اُن کی قریب ترین قطار مجھ سے کم و بیش سو فٹ دور تھی۔

میں نے عجلت کا اظہار کئے بغیر دھڑکتے دل سے [illegible] طرف بڑھنا شروع کر دیا اور چند ثانیوں بعد ہی میں ان کے درمیان موجود تھا۔

دوسری اور تیسری کار غیر مقفل ضرور تھی مگر اگنیشن [illegible] نہیں تھیں۔ میں آگے بڑھتا رہا۔ اس وقت میرا دل [illegible] دھڑک رہا تھا اور ہر آن مجھے یہ خطرہ لاحق تھا کہ کہیں کسی [illegible] اونگھتا ہوا کوئی ڈرائیور میری مشکوک حرکات و سکنات دیکھ کر [illegible] کے لئے میرے سامنے نہ آ جائے۔

مگر ان ہولناک اندیشوں کے حقیقت میں بدلنے سے پہلے ہی مجھے ساتویں کار کے اگنیشن میں چابی لگی ہوئی نظر آ گئی [illegible] دروازہ کھول کر پھرتی سے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی [illegible] پہلے ہی ہلے میں کار کا انجن جاگ اٹھا اور میں [illegible] ڈال کر تیزی سے کار کو پارکنگ لاٹ سے نکال لے گیا۔

پودوں کے گنج کے قریب بڑے پہیوں والی کرسی میں بیٹھے ہوئے میں نے اپنا تمام وقت مشاہدے میں گزارا تھا لہٰذا مجھے نکاسی کا راستہ [illegible] میں کوئی دقت پیش نہ آئی اور میں کار ہسپتال کے احاطے سے [illegible] پرسکون شاہراہ پر لے آیا۔

میرے لئے پہلا مسئلہ ہسپتال سے دور نکلنے کا تھا۔ ہسپتال [illegible] دیکھ چکا تھا کہ پھاٹک سے نکلنے کے بعد سرخ کار داہنی طرف [illegible] تھوڑی دیر بعد جب میرے ساتھ ہی سرخ کار کے [illegible] کا علم ہوتا تو دربان کے ذریعے ہر ایک کی توجہ داہنی سمت [illegible] مرکوز ہو جاتی۔ لہٰذا میں نے چند فرلانگ آگے جانے کے بعد [illegible] پلٹ کر ہسپتال کے سامنے سے گزر کر بائیں طرف [illegible] نکل گیا۔

ہنگاموں سے محفوظ اس شاہراہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے [illegible] ڈرائیونگ کے دوران میں ڈیش بورڈ کی بھی تلاشی لے ڈالی [illegible] میں سے تھوڑی سی رقم کے علاوہ تین انچ لمبے پھل والا ایک [illegible] حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

ایک سہ راہے پر سڑکوں کے ناموں کی نشاندہی کرنے والی [illegible] میں ایک طرف مڑ گیا اور تھوڑی ہی دیر بعد [illegible] مرحوم شہر کے ہنگاموں میں شامل ہو گئی۔

میں نے [illegible] کا جائزہ لینے کے بعد یہ اندازہ کر لیا کہ کار سے [illegible] کرنے کے بعد میں مختص لبادے کی وجہ سے [illegible] نہیں ہوں گا، ہاں اگر کوئی مجھے اس کار سے اترتے [illegible] اس کا ساتھ شکنہ لازمی تھا۔

میں نے کار [illegible] معروف شاہراہ کی ایک ذیلی گلی میں گھمائی اور کچھ [illegible] پارکنگ میں روک دی اور پھرتی سے نیچے اتر گیا۔

مجھے [illegible] کرنے کے بعد ہی مجھے پتہ چلا کہ [illegible] میں ایک ٹیس سی اٹھتی محسوس [illegible] کئی روز کے مسلسل آرام کے بعد کار چلانے کی مشقت زخم پر اثر انداز [illegible]

میں نے ایک کھمبے کے سہارے ٹیک لگا کر درد کی اس لہر پر قابو [illegible] فٹ پاتھ پر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔

میرے لئے زیادہ دیر تک پیدل چلنا محال محسوس ہو رہا تھا [illegible] بڑی سڑک پر آ کر ایک ٹیکسی روک لی۔ میرا خیال تھا کہ [illegible] والی رقم ٹیکسی کا کرایہ ادا کرنے کے لئے کافی ہو گی لہٰذا [illegible] ٹیکسی ڈرائیور نے شارع استقلال پہنچانے کے لئے [illegible] طلب کیا تھا جبکہ میری جیب میں سات پاؤنڈ [illegible]

"شارع استقلال تو دو میل لمبی ہے، تمہیں اس پر کہاں [illegible]" ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھاتے ہوئے سوال کیا۔

"نام بھول گیا ہوں مگر جگہ پہچانتا ہوں۔ تم ایک سرے سے داخل ہو کر دوسری طرف نکلتے جانا، میں خود تمہیں رکوا لوں گا۔"

ڈرائیور نے عجیب انداز میں سر کو جنبش دی مگر خاموش ہی رہا۔ اس نے یقینی طور پر مجھ سے زیادہ کرایہ طلب کیا تھا کیونکہ دو یا تین منٹ بعد ہی ٹیکسی شارع استقلال پر دوڑ رہی تھی اور میری بے چین نگاہیں دونوں طرف پی۔ایل۔او کے بورڈ کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں۔

آخر کار مجھے تنظیم آزادی فلسطین کا بڑا سا بورڈ نظر آ ہی گیا اور میں نے تھوڑے آگے جا کر ٹیکسی رکوا لی۔ کرایہ لیتے ہوئے ڈرائیور نے مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھا تھا مگر اس وقت میں ان معمولی جزئیات میں الجھ کر اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پھر اسے بھی فوری طور پر ایک سواری مل گئی اور میرے ذہن سے یہ اندیشہ بھی نکل گیا کہ وہ وہیں رک کر میری نگرانی کی کوشش نہ کرے۔

میں سڑک عبور کر کے آہستہ آہستہ فٹ پاتھ پر واپس چل دیا۔ اس وقت میرے ذہن پر ایک ہی خیال مسلط تھا کہ میں پی۔ایل۔او کے دفتر میں خود کو کس طرح متعارف کرا سکوں گا۔

بڑی بڑی آراستہ دکانوں کے سامنے بھیڑ بھاڑ سے گزرتا ہوا میں بخیر و عافیت دفتر کے سامنے پہنچ ہی گیا۔ دفتر کا سامنے کا حصہ شفاف شیشوں پر مشتمل تھا مگر ان پر اندر کے رخ سے جہاد، حریت اور فلسطینی کیمپوں سے متعلق بڑے بڑے مطبوعہ پوسٹر چسپاں تھے جس کی وجہ سے اندر کا حال دیکھنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

میں نے سیڑھی چڑھ کر دروازہ کھولا اور ہیجان کی اندرونی کیفیت کے تحت دفتر میں داخل ہو گیا۔

باہر سے پرشکوہ نظر آنے والا دفتر اندر سے نہ صرف سادہ بلکہ خاصا مختصر تھا۔ کاؤنٹر نما میز کے عقب میں نیلی چست پتلون اور اسی رنگ کی جیکٹ میں سنہرے بالوں والی ایک خوبرو لڑکی موجود تھی۔ جس کے چہرے پر حسن کے باوجود واضح سختی برس رہی تھی۔

"اہلاً و سہلاً آؤ!" اس نے مسکرا کر مجھے مخاطب کیا تو اس کی آواز میں بلا کا اعتماد نمایاں تھا جو لہجے کو کھنک ثابت کر رہا تھا۔

میں اس کی میز کے قریب ہی دیوار سے لگے ہوئے صوفے پر گر گیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ وہ بہت دلچسپی کے ساتھ مسلسل میری طرف دیکھے جا رہی تھی۔

"پانی، ایک گلاس پانی!" میں نے آہستہ سے کہا۔ منزل پر پہنچ جانے کے بعد درد اور نقاہت کا ابھرا ہوا احساس پوری شدت سے جاگ اٹھا تھا۔

وہ کرسی چھوڑ کر واٹر کولر سے پانی کا گلاس لے آئی اور اپنی جگہ کے بجائے میرے برابر میں صوفے پر ہی بیٹھ گئی۔

"شاید تم زخمی ہو۔" اُس نے آہستگی سے کہا۔ "مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو اور کیا مشکل درپیش ہے؟ شاید میں تمہارے کام آ سکوں۔"

میں نے پانی کا گلاس خالی کر کے اُس کی سیاہ آنکھوں میں دیکھا، پھر رُک رُک کر بولا۔

"میں کچھ دیر خاموش رہنا چاہتا ہوں، اس کے بعد کسی ذمہ دار آدمی سے بات کرنا چاہوں گا۔"

"تم بلاخوف و خطر مجھ سے ہر بات کر سکتے ہو۔" اُس نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ "مگر پہلے تمہاری حالت اعتدال پر آجائے۔"

میں نے آنکھیں موند کر اپنا بدن ڈھیلا چھوڑ دیا۔

وہ خاموشی سے میرے پاس سے اُٹھ گئی پھر مجھے فون پر کسی کے نمبر ڈائل کرنے کی آواز آئی اور چند ثانیوں بعد وہ لڑکی بولنے لگی۔

"میں کیتھی سارا بول رہی ہوں۔ اس وقت میرے پاس ایک مسیحا اجنبی موجود ہے جو بظاہر دشمن سے زک اٹھایا ہوا کوئی ایجنٹ معلوم ہوتا ہے — خاموشی سے سنتے رہو۔"

شاید اُس نے سننے والے کی دخل اندازی کو ترشی کے ساتھ روک دیا۔

"میں دفتر بند کر کے اُسے ساتھ لے جا رہی ہوں۔ اُس کا یہاں رُکا رہنا شاید بعد میں خطرناک ثابت ہو۔ ہو سکتا ہے کہ مجھے دیر ہو جائے۔ اس لئے تم بروقت دفتر کھول لینا۔"

اسی کے ساتھ ریسیور کریڈل پر رکھنے کی آواز آئی اور میں نے تھکے ہوئے انداز میں اپنی آنکھیں کھول دیں۔

"تم مجھے کہاں لے جا رہی ہو؟"

وہ مسکرا کر پھر میرے قریب آگئی۔ "ایک محفوظ مقام پر... میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ تم ہمارے دوستوں میں سے ہو۔"

"اور تمہارا نام کیتھی سارا ہے؟"

اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔ "ہاں، یہی نہیں بلکہ میں یہودی بھی ہوں۔ تمہیں اس پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، مجھے اپنے مذہب پر فخر ہے مگر میں بھی اسرائیل سے نفرت کرتی ہوں جو طاقت کے خمار میں ہر گزرتے دن کو جلنے پر تلا ہوا ہے۔"

"میں تم سے بہت سی باتیں کروں گا مگر پہلے میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے اپنا لبادہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میں زخمی ہوں اور تازہ آپریشن کا شکار بھی۔"

زخم دیکھنے کے بعد وہ بے چین ہو گئی اور اُس نے فوری طور پر دفتر کا دروازہ اندر سے مقفل کر دیا پھر مجھے ہمراہ لے کر عقبی راستے سے باہر نکل گئی جو خودکار طریقے پر بند ہوتے ہی مقفل ہو گیا۔

عقبی راستہ ہمیں پارکنگ والے حصے میں لے گیا اور کیتھی مجھے اپنی گاڑی میں لے کر تیزی سے ایک طرف روانہ ہو گئی۔

میری تکلیف کی وجہ سے سارے راستے اُس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی اور میں اپنے مسائل بھول کر اُس کے بارے میں سوچتا رہا۔

اُس نے اپنے بارے میں جو چند باتیں بتائیں وہ میرا ذہن قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں تھا مگر دوسری طرف اُس کے دفتر میں اُس کی موجودگی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ تنظیم کے جانثاروں میں سے تھی۔ ایک جوان سال یہودی لڑکی کی فلسطینی تحریک سے اتنی وابستگی میرے لئے عجیب سی تھی جبکہ اسرائیل کے سیاسی غنڈوں نے فلسطین کو خالص مذہبی معرکہ بنانے میں اپنی تمام تر منفی صلاحیتیں صرف کی ہوئی تھیں۔

وہ جو بھی تھی اور جیسی بھی تھی، میرا اُس کی ذات پر اعتماد کرنے کو جی چاہ رہا تھا کیونکہ میرے مقدر نے مجھے سوڈان کی سرزمین پر قانون کا مفرور بنا دیا تھا اور اگر فوری طور پر مجھے کوئی جائے پناہ نہ ملتی تو میں دوبارہ قانون کے آہنی شکنجے میں پھنس جاتا۔

اُس نے جدید عمارتوں پر مشتمل ایک پُرسکون رہائشی علاقے میں گاڑی روکی تو میں چونک کر نشست پر سیدھا ہو گیا۔

کار کے دروازے مقفل کر کے اُس نے مجھے سہارا دیا اور قریبی عمارت کے گراؤنڈ فلور کے فلیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

"تم یہاں تنہا رہتی ہو؟" میں نے اُسے فلیٹ کا بیرونی قفل کھولتے دیکھ کر سوال کیا۔

"تنہا میں خود کو زیادہ محفوظ سمجھتی ہوں۔" وہ اندر داخل ہوتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ پھر قدرے توقف کے بعد کسی فوری خیال کے تحت بولی۔

"ضرورت ہوئی تو تم بھی کچھ عرصے کے لئے بے خوف و خطر یہاں رہ سکو گے۔"

فلیٹ نہ صرف کشادہ بلکہ صاف ستھرا اور قرینے سے آراستہ تھا۔ مجھے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر وہ اندر چلی گئی۔ میں نے وقت گزاری کے لئے اٹھ کر وہاں موجود ٹیلی ویژن کا سوئچ آن کر دیا جس پر [illegible] سے موسیقی کا کوئی پروگرام آ رہا تھا۔

کیتھی چند منٹ بعد منہ ہاتھ دھو کر لوٹی تو اُس کا حسن نکھر آیا تھا۔ بغیر آستینوں والے ڈھیلے ڈھالے لباس میں اُس کا سراپا خاصا فتنہ پرور نظر آ رہا تھا۔

"اب بتاؤ کہ تم کون ہو؟" وہ میرے سامنے صوفے پر بیٹھ کر اپنے لئے سگریٹ سلگاتے ہوئے بولی۔

"میرا نام صفدر علی..." میں نے کہنا شروع کیا ہی تھا کہ اس نے تحیر کے عالم میں میری بات کاٹ دی۔

"تو تم وہی صفدر علی ہو جس نے تل ابیب میں [illegible]

یہ گرفتاری لڑانے کے علاوہ اور بھی کئی محاذات میں کامیاب معرکے لڑے تھے۔ جیریڈ بیریل بن جمان کو قتل کیا تھا۔ تم وہی ہو جن کے ہاتھوں اسرائیلی ہمارے ہاں زک اٹھا چکے ہیں؟" فرط حیرت کے باعث وہ صوفے پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی اور مسلسل میری طرف دیکھے جا رہی تھی۔

"وہ سب ماضی کی باتیں ہیں۔ تم میرے بارے میں بہت زیادہ باخبر معلوم ہوتی ہو۔" میں نے فخر کے احساس کے ساتھ کہا۔ "اسرائیلی ایجنٹ ہیرسالومن سے قاہرہ میں میرا آخری ٹکراؤ ہوا تھا۔ اسے ختم کرنے کے بعد میں بمشکل ایک سرکس کے ساتھ مصر سے فرار ہو کر سوڈان میں داخل ہوا اور کبابیش نامی قصبے میں دو طالع آزماؤں کی بدولت جاسوسی کے جرم میں پکڑا گیا۔"

میں نے اسے مختصر الفاظ میں اپنی گرفتاری سے اس جگہ پہنچنے کی ساری کہانی بلاکم و کاست سنا دی جو وہ خاموشی اور انہماک سے سنتی رہی۔

"یہ سب درست ہے مگر تمہاری شناخت؟" میری بات ختم ہونے پر اُس نے بالکل دوٹوک انداز میں سوال کر ڈالا۔

"مجھے اندازہ تھا کہ تم یہ ضرور پوچھو گی۔" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "مسیحا میں افواج آزادی فلسطین کا اعلیٰ نمائندہ ہاشم تھا جو میری مدد کے لیے آیا تھا اور فرار میں بھی میرے ساتھ رہا مگر صحرائے نوبی میں ریت کا ایک خوفناک طوفان اسے نگل گیا۔ ورنہ اس وقت مجھے اپنی شناخت ثابت کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ میرا بہت افسوس انگیز ہو گیا۔ پورے سوڈان میں مجھے صفدر علی کی حیثیت سے جاننے والا شاید کوئی نہ ہو مگر ہاشم کے ساتھی کے خود ہا خوان اعصا کا ایک ہرکارہ وہ شخص ابوسلطان ضرور پہچان لے گا مگر وہ میرے نہ جانے کہاں بیٹھا ہوگا۔"

"اس سے جانتے بھی ہو میرا اسم بھی۔ وہ تمہارا دشمن کیوں ہے؟" کیتھی نے پُرتفکر لہجے میں سوال کیا۔ "برا نہ ماننا، میرے لیے صفدر علی کا نام بہت عظیم ہے مگر میں تمہاری اصلیت کے بارے میں پورا یقین کیے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتی۔"

مجھے بتانا پڑا کہ مصر میں میرے لیے کیا مشکلات تھیں اور پھر سینا ایک سرکس میں شامل ہو کر سوڈان کی طرف آئی تھی۔ لہٰذا مجھے بھی ابوسلطان کی معرفت یہی راہ اختیار کرنی پڑی پھر حلفا میں قافلے کے کیمپ سے اپنی اور ہاشم کی گرفتاری اور فرار کے بارے میں بھی بتانا پڑا۔ آخر حذف ... ابوسلطان کے خونی ہرکارے کے بارے میں میری زبان سے تذکرہ اس کے لیے اثر انگیز ثابت ہوا اور وہ بولی۔ "فی الحال میں تمہاری بات مانے لیتی ہوں مگر اس بات کی تاہم سے تصدیق کروں گی۔ اس کے بعد ہم اپنے طریقے سے وسائل کے ساتھ تمہاری مدد کریں گے۔"

"فی الحال تو مجھے بھی سر چھپانے کو ایک ٹھکانا چاہیے۔" میں نے نڈھال لہجے میں کہا۔ مجھے کیتھی کی زبان سے تصدیق کا تذکرہ توہین آمیز محسوس ہوا تھا مگر وہ لوگ اپنے طریقہ کار اور اصولوں کے پابند تھے، یہی کافی تھا کہ وہ مجھے فوری طور پر پناہ دینے پر آمادہ تھی۔

"تم یہیں رہو گے۔ میں تمہاری دیکھ بھال کروں گی۔" وہ پُرجوش لہجے میں بولی۔ "میرا دل تمہاری ہر بات کو تسلیم کر رہا ہے لیکن باضابطہ اقدام کے لیے ضروری سادی اور منطقی جواز کی ضرورت ہے اور میں اس اصول کی پابندی کے لیے مجبور ہوں۔"

"میں تمہاری مجبوری سمجھ رہا ہوں کیتھی۔" میں نے سرد مہری سے کہا۔ "یہی کیا کم ہے کہ تصدیق ہو جانے تک تم نے مجھے کوئی دوسرا در آنے کی ہدایت نہیں کی۔"

"مجھے غلط نہ سمجھو صفدر۔" وہ لپک کر میرے قریب آ گئی۔ "تمہیں میری مجبوری کا اندازہ ہوتا تو یوں طنز نہ کرتے۔"

"فکر نہیں کرو بابا، میں واقعی تمہارا احسان مند ہوں۔" میں نے اس حساس لڑکی کو اعتدال پر رکھنے کے لیے جلدی سے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تمہیں سینا کی کچھ خبر ہے؟"

اس نے مایوسی سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ "اڑتی سی خبر ضرور سنی تھی کہ وہ مصر سے سوڈان کی طرف آئی ہے مگر تصدیق نہیں ہو سکی۔"

"ابوسلطان بخوبی واقف ہے کہ وہ سوڈان کے سرحدی شہر میں پہنچنے کے بعد سرکس میں ناچنے والی تین لڑکیوں سمیت لاپتہ ہو گئی۔ اس سے رابطہ قائم کرو۔"

"اب یہی کرنا ہوگا۔" وہ بولی۔ "یہ سب تو تمہاری زبانی معلوم ہوا ہے۔ یہ بتاؤ کہ سینا تمہاری کون ہے؟" آخری سوال پر اس کے لہجے میں اشتیاق سمٹ آیا۔

"بیوی۔" میں نے کہا۔

"یہودی؟ میں بھی سنتی آئی ہوں مگر میں یقین نہیں کر سکتی کہ کوئی شخص اپنی منکوحہ کے لیے اتنے پاپڑ بیل سکتا ہے۔ شاید وہ تمہاری منگیتر ہے۔"

اس کی خود فریبی میں ڈوبی ہوئی قیاس آرائی پر میں دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا مگر سنجیدگی سے بولا۔ "میں نے اپنے مذہب کے مطابق اس سے نکاح کیا ہے اور میں پرستش کی حد تک اسے چاہتا ہوں۔"

"اسی کے ساتھ تم لڑکیوں کے رسیا بھی ہو؟" وہ گفتگو کو [illegible] رخ پر لے آئی۔

"اسے تم ہر انسان میں چھپی ہوئی جبلتوں کا تقاضا کہہ سکتی ہو۔" میں نے صوفے پر آرام سے دراز ہوتے ہوئے کہا۔

"سینا کے بارے میں تو ایسی کوئی بات نہیں سنی گئی۔" اس نے برجستہ کہا۔ "وہ بھی تمہاری طرح بھری ہوئی ہے مگر اسے اپنی جبلت پر پورا اختیار ہے۔"

"عورت کے نفس کی ساخت ہی ایسی ہے کیتھی۔" میں نے شرمندگی کے احساس کے ساتھ کہا۔

"مگر عورتیں بھی مردوں جیسی انسان ہی ہوتی ہیں۔"

"مجبور ہوئی ہیں مگر قدرت نے انہیں نسلوں کا امین بنایا ہے جو غیر ملکی ساتھ انسان اپنی ماؤں کے نام سے پہچانے جائیں گے۔" میں نے اپنی ذہانت کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے بہ زور لہجے میں کہا۔ "اگر ہر عورت اپنے اس منصب کو پہچان لے تو ساری گمراہیوں سے نجات مل سکتی ہے۔"

"میں تمہارے مذہب سے زیادہ واقف نہیں لیکن مرد اور عورت میں اس قدر امتیاز برتنا بڑی ناانصافی ہے۔"

"یہ امتیاز مذہب نے نہیں سکھایا۔" میں نے جلدی سے اس کی غلط فہمی کی تصحیح کی۔ "یہ میرا اپنا قیاس ہے ورنہ برائی ہر صورت اور ہر جنس میں برائی ہے۔"

"مگر لذت گناہ یہی ہے۔" وہ دھیمے سے ہنس پڑی۔

میں مسکرا کر خاموش ہی رہا۔

کیتھی بہت تھوڑی مقدار میں شراب کی بھی عادی تھی۔ اس کی دعوت پر میں نے بھی شریک ہونے کا ارادہ کیا مگر گزشتہ کی تکلیف کے باعث فوراً ہی ارادہ ترک کر دیا۔

نو بجے جب کیتھی کھانے میں مصروف تھی تو خرطوم ٹیلی وژن اسٹیشن سے پروگرام روک کر ایک خصوصی اعلان نشر کیا گیا۔ جسے سن کر میرے دونوں ہی ہاتھ کانپ گئے۔ یہ خبر خرطوم کے ہسپتال سے احمد صلاح نامی ایک زیر علاج ملزم کے فرار کے بارے میں تھی۔ اعلان میں میری شکل بلفظی تصویر بیان کر کے شہریوں سے مجھ کو پناہ دینے اور اس کی گرفتاری میں تعاون کی اپیل کی گئی تھی۔

"تم بے فکر رہو کسی کو علم ہی نہ ہو سکے گا کہ یہاں کوئی اور بھی مقیم ہے۔ ہاں تم اپنی بے ترتیب داڑھی ضرور صاف کر دو کیونکہ اعلان میں اس کا بڑا واضح ذکر آیا ہے۔" اعلان کے ختم ہونے پر کیتھی نے ہدایت کی اور میں فوراً اٹھ گیا۔

"مگر ریزر؟" میں نے سوال کیا۔

"غسل خانے میں سب کچھ ملے گا۔" اس نے شفقت آمیز تبسم کے ساتھ کہا اور میں آگے بڑھ گیا۔

شیو اور منہ دھونے کے بعد تازگی ضرور محسوس ہوئی مگر نیند بھی غالب آنے لگی۔ اس فلیٹ میں صرف ایک ہی خواب گاہ تھی جس میں ڈبل بیڈ تھا لیکن میں نے ڈرائنگ روم میں صوفے یا قالین پر سونے پر اصرار کیا۔ مگر کیتھی زخموں کی وجہ سے اس کی اجازت دینے پر آمادہ نہ ہوئی اور ناچار مجھے اس کے بیڈ کا ایک سرا سنبھالنا پڑا۔ وہ خود مسہری کے دوسرے کنارے پر لیٹ گئی۔

ہسپتال کے ماحول اور ذہنی دباؤ سے نجات کے بعد مجھے جلد ہی نیند آ گئی۔ مگر رات گئے میں اپنے سینے پر کسی کا لمس محسوس کر کے بیدار ہو گیا۔ تاریکی میں میرے اوپر ایک نسوانی ہیولا جھکا ہوا تھا۔ میں اسی کے تصور میں عذر زخموں کو بہانہ کر کے سونے کی اداکاری کرتا رہا۔

کیتھی نے اندھیرے میں نرمی سے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا اور جب میں نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا تو وہ میرے بالوں کو سہلاتے ہوئے اتنا نیچے جھک آئی کہ اس کے نرم بال میرے چہرے سے ٹکرانے لگے۔

پھر اس کا دوسرا ہاتھ میری پیشانی پر جم گیا۔ میں نے کسمسا کر کروٹ لی اور اس نے بوکھلا کر اپنے دونوں ہاتھ ہٹا لیے۔

کئی سیکنڈ گزر جانے کے باوجود کیتھی دوبارہ میرے بدن کو چھونے کی ہمت نہ کر سکی۔ اور آخر کار مسہری کی جنبش سے مجھے پتا لگا کہ وہ واپس اپنی جگہ پر لوٹ چکی تھی۔ میں بے اختیار اس گفتگو کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گیا جو وہ سیتا کی ذات کے حوالے سے بھی کر رہی تھی۔ اور اسی دوران میں دوبارہ میری آنکھ لگ گئی۔

اگلی صبح کا آغاز میرے لیے توقع سے تاخیر سے ہوا تھا۔

میری آنکھ ٹیلی فون کی تیز گھنٹی سے کھلی تھی۔ جب کیتھی فارغ ہو کر آئی تو اس کے چہرے پر پچھلی شب کی بے خوابی کی علامات نمایاں تھیں اور وہ منہ ہاتھ دھو کر لباس بھی تبدیل کر چکی تھی۔

"ابوالسلطان بارہ بجے یہاں آ رہا ہے۔" اس نے آتے ہی انکشاف کیا۔ "میں نے پچھلی رات اپنے ساتھیوں کو اس کی تلاش پر مامور کر دیا تھا۔ وہ ان دنوں واقعی قاہرہ سے خرطوم آیا ہوا ہے۔"

"اسے کس لیے بلایا ہے تم نے؟"

"بلایا نہیں، میں اس سے ملنا چاہتی تھی۔" اس نے وضاحت کی۔ "وہ میرا پیغام ملتے ہی یہاں آنے پر تیار ہو گیا۔ ہم ایک دوسرے کا بہت احترام کرتے ہیں۔"

"اور اگر اسے یہاں میری موجودگی کا علم ہو گیا؟"

"تم اندر چھپے رہو گے اور اگر کسی طرح اس نے تمہیں یہاں دیکھ بھی لیا تو یہ راز اپنی ذات تک محدود رکھے گا۔ دوسرے کی پناہ میں آیا ہوا ہمارا جانی دشمن بھی ہمارا دوست ہوتا ہے۔" اس نے اعتماد سے کہا۔

"پھر میں تمہارے اس دعوے کو ضرور آزماؤں گا۔ شاید کوئی رنگ نکھر کر آ سکے۔"

"وہ کیسے؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"میں اس کے سامنے موجود رہوں گا تاکہ اس کے بیٹے میں مجھے دوبارہ قید خانے کا منہ دیکھنا پڑے۔" میں نے کہا۔ "بلکہ خود اس سے بات کروں گا۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔" اس نے فراخ دلی سے کہا۔

اس وقت ساڑھے نو بجے تھے۔ وہ مجھے تیاری میں مصروف چھوڑ کر فلیٹ کا دروازہ مقفل کر کے کہیں چلی گئی۔ واپس آئی تو اس کے پاس مردانہ ملبوسات کے کئی پیکٹ اور آپریشن کے زخموں پر استعمال ہونے والی چند عمومی دواؤں کی ایک تھیلی موجود تھی۔ ناشتے کے بعد میں نے نیا لباس تبدیل کیا ہی تھا کہ فلیٹ میں ڈور بیل کی آواز گونجی اور میں خواب گاہ میں دروازہ بند کر کے لاؤنج میں چھپ گیا۔

سرگرم استقبالیہ فقروں کے تبادلے کے بعد مردانہ آواز ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی اور شاید کیتھی نے دروازہ بند کر لیا۔

"تم خود کیوں چلے آئے مجھے بلا لیا ہوتا!" وہ آواز کیتھی کی تھی!

"ایک ہی بات ہے مادام۔" مردانہ آواز واضح طور پر ابوالسلطان کی تھی۔ "میرے پاس وقت تھا تو چلا آیا ورنہ شاید دونوں کے مل بیٹھنے کی نوبت بھی نہ آتی!"

"میں نے تمہیں اپنے ایک مہمان سے ملنے کے لیے بلایا ہے!"

"مجھے بڑی خوشی ہوگی ـــ کہاں ہے وہ؟"

میں کیتھی کے اشارے کا انتظار کیے بغیر ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔ ابوالسلطان مجھے پہلی نظر میں پہچان گیا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کے شرارے کوندے اور لب کچھ کہنے کے لیے وا ہوئے لیکن الفاظ پیدا کیے بغیر دوبارہ سختی سے جڑ گئے۔

چند ثانیوں تک ہم دونوں ایک دوسرے کے مقابل کھڑے تلوار بازوں کی طرح ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔ پھر ابوالسلطان ہنس پڑا۔

"تمہارا مہمان میرا پرانا شناسا ہے مادام!" اس نے کہا۔ "شاید اس نے تمہیں نہیں بتایا کہ میری واپسی کی خبر دی ہوگی کیونکہ اخبار میں بہت نمبرداری کے ساتھ واپس لوٹا ہوں۔"

دونوں کا ابتدائی رد عمل بہت مخاصمانہ تھا۔ کیتھی کا رویہ خوشگوار تھا مگر میرے لیے یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ ابوالسلطان جیسے گھاگ سے ایسے میں کیا بات کر سکتی تھی۔

"ہم عجیب حالات میں ایک دوسرے سے ملے تھے۔" ابوالسلطان نے مجھ سے کہا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھے پہچان کر ماضی کا زخم تازہ ہو گیا تھا مگر اب ان غلطیوں کا ارتکاب نہیں کروں گا جمال۔"

"مجھے خوشی ہوئی ابوالسلطان!" میں نے اپنا دایاں ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں جمال!" وہ میرا ہاتھ گرمجوشی سے دباتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں میرے معروف نام سے مخاطب ہوا۔ "ان دنوں میں عبدالسلام کہلاتا ہوں!" اسے نہ صرف میری شخصیت بلکہ وہ نام بھی یاد تھا جو ہاشم نے اسے بتایا تھا۔

ہم دونوں بیٹھ گئے۔ چند منٹ تک کیتھی اور ابوالسلطان ذیرہ میں گوریلوں کی بڑھتی ہوئی عملی مشکلات پر باتیں کرتے رہے پھر میں بھی شریک ہو گیا۔

میرے لیے ابوالسلطان سے براہ راست سیتا کے بارے میں دریافت کرنا نامناسب تھا کیونکہ وہ سیتا کی اصلیت سے واقف تھا مگر مجھے جمال ہی سمجھتا تھا لہٰذا میں نے جوزف امین سے گفتگو کا آغاز کیا جس سے میرا اور ابوالسلطان کا مشترکہ تعلق رہا تھا۔

"تمہارے اور ہاشم کے تھانے سے فرار کے بعد وہ مجھ سے الگ ہو گیا۔" اس نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "ہاشم نے لڑکی کے اغوا کے معاملے میں مجھے بہت نیچا دکھایا اور میں جوزف امین جیسے مخلص دوست سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گیا۔"

"وہی لڑکی جو سرکس سے تمہاری رقاصاؤں کو لے بھاگی تھی؟"

میں نے سرسری لہجے میں انجان بنتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ میری توقع سے زیادہ چالاک ثابت ہوئی۔" ابوالسلطان نے تلخ لہجے میں کہا۔ "مگر جوزف امین کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ میرا تو تمہیں بھی یہی مشورہ ہے کہ اس کی طرف سے ہوشیار رہنا۔ اس کے دل میں اپنے حریف کو زیر کرنے کی امید ہمیشہ ہی زندہ رہتی ہے۔"

"تو کیا وہ لڑکی پکڑی گئی؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"بچ کر کہاں جاتی؟" اس نے سرد مہری سے کہا۔ "وہ ہر جگہ اپنے نام کے جھنڈے گاڑتی رہی لیکن جوزف امین کو زک نہ دے سکی!"

"کس لڑکی کا ذکر ہے؟" کیتھی نے پر تجسس لہجے میں سوال کیا۔

"سیتا!" ابوالسلطان نے کہا۔ "افواج آزادی فلسطین کے اشارے پر میں نے اسے سوڈان پہنچانے کا ذمہ لیا تھا لیکن وہ سوڈان میں داخل ہوتے ہی کسی طرف بھاگ نکلی!"

"لیکن تم تو کہہ رہے تھے کہ وہ بچ کر نہ جا سکی!" کیتھی نے کہا۔ "اس کی سلامتی سے تو شاید ہمیں بھی گہری دلچسپی ہوگی۔"

"وہ تو بعد کی کہانی ہے مادام!" ابوالسلطان گہرا سانس لے کر بولا۔ "اس کے بھاگنے کے بعد متعدد تجربہ کار آدمیوں نے پورا علاقہ چھان مارا۔ لیکن اس کا کہیں سراغ نہ مل سکا۔ پھر صحرا کے نزدیکی دشوار گزار حصے سے شتر سوار سوڈانی بدوی فوج کے ایک دستے نے کسی موہوم سی واپسی پر ان جوانوں کو دیکھا اور گھیر لیا۔ وہ فوجیوں کے سوالات کا کوئی معقول جواب نہ دے سکیں لہٰذا فوجی انہیں

"عبدالکریم کے فرشتوں کو بھی یہ شبہ نہیں ہو سکتا ہے کہ ان تینوں میں سے ہی کسی ایک نے دو مختلف ناموں سے دو مختلف ضمانتیں دی ہیں" اس نے انکشاف کیا۔

"اطلاع دیے بغیر ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکیں گے" میں نے اکتاتے ہوئے کہا۔ "میں سمجھتی ہوں کہ تمہارے آدمیوں کی طرف سے اطلاعات ملنے کے بعد ہی کچھ کیا جا سکے گا۔"

"نہیں، اس کے بعد بھی کچھ انتظار کرنا ہو گا۔" وہ کھڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں بولی۔

"وہ کس لیے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"قاہرہ نے تمہارے بارے میں تصدیق کر دی ہے مگر سوڈان میں فی الحال پولیس تمہیں قبول نہیں کر سکتی۔" اس کا لہجہ پژمردہ اور خفت آمیز تھا۔ "بیروت سے نئی ہدایات آنے تک حالات جوں کے توں رہیں گے۔ ہیڈ کوارٹر [illegible] تمہارے مسئلے کی پیچیدگی کا حل تلاش کیا جا رہا ہے۔"

"کیسی پیچیدگی؟ کیا لنچ ہی ہو تم؟" میں نے برہمی سے کہا۔ "مجھ سے کھل کر بات کرو۔"

"انٹرپول دوست ممالک میں مقامی قوانین کا پورا احترام کرتی ہے اور یہاں تمہاری حیثیت ایک مفرور مجرم کی ہے۔ ہم مقامی حکام سے کوئی تنازعہ مول نہیں لے سکتے۔"

"پھر تم نے مجھے یہاں کیوں روکا تھا؟" میں بپھر گیا۔ "ان لوگوں کے پیچھے میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگا آیا ہوں۔ آج مجھ پر برا وقت آنے پر وہ مجھے اصولوں کا سبق پڑھا رہے ہیں۔"

"فورس اور تنظیم میں بہت فرق ہوتا ہے صفدر!" وہ مجھے سمجھاتے ہوئے بولی مگر اس کا لہجہ کھوکھلا تھا۔ "تم نے فلسطینی جدوجہد کے لیے بڑی خدمات انجام دی ہیں مگر انٹرپول سے پہلی بار تمہارا رابطہ قائم ہوا ہے۔ تمہاری مدد میں تاخیر ضرور ہو گی مگر ہیڈ کوارٹر والے اس الجھن کا کوئی قابلِ عمل حل تلاش کرنے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔"

"خواہ اس دوران میں سینا پر قیامت گزر جائے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میں انتظار نہیں کر سکتا۔ میں اسی وقت تمہاری فراہم کی ہوئی سہولتوں پر لعنت بھیجتا ہوں۔"

"سینا کے بارے میں ہمارے آدمی اپنا کام جاری رکھیں گے مگر تم فی الحال روپوش رہو گے۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"روپوشی کے لیے میں کسی اچھے ہوٹل میں بھی جا کر ٹھہر سکتا ہوں مگر یہاں نہیں رکوں گا۔" میں زہر میں بجھے لہجے میں کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"تم نہیں جا سکتے۔" وہ میرے سامنے آ کر بولی۔ "حالات جوں کے توں رہنے کا مطلب یہ ہے کہ نئی ہدایات ملنے تک تم یہاں ہو [illegible]"

"خوب!" میں استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ "یعنی سوڈانی پولیس کے بجائے اب انٹرپول مجھے اپنا قیدی بنائے گی۔"

"یہ فیصلہ تمہاری بہتری کے لیے کیا گیا ہے۔"

"اپنی بہتری کو میں خوب سمجھتا ہوں۔" میں نے تنک کر کہا۔ "اب تو طاقت استعمال کر کے ہی مجھے روکا جا سکے گا۔"

"میرے فرض کا تقاضا یہی ہے کہ [illegible] ہر قیمت پر تمہیں یہیں روکا جائے مگر [illegible] باہر نکل کر تم نہ صرف اپنی سلامتی کو خطرے میں ڈال دو گے بلکہ تمہیں [illegible] کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔" اس کی آواز بھرا گئی [illegible] آنکھوں میں نمی کے ننھے ننھے قطرے جھلملانے لگے تھے۔ "جانا چاہتے ہو تو جاؤ۔ سینا کی دعائیں تمہارے ساتھ ہوں گی۔ لوٹ کر آؤ گے تو اس گھر کے در و دیوار تمہیں خوش آمدید کہیں گے۔"

اخلاقی جواز نہ پانے کے باعث مجھ پر جھنجلاہٹ طاری ہو چکی تھی۔ میں نے تھیلا نکالا ہوں [illegible] اسے گھورتے ہوئے کہا۔

[illegible]

کہا۔ "دریا کے ریلے میں بہنے والے پانی کے قطروں کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ تنظیم کے دھارے میں بہتی بھی اپنی انفرادیت کھو چکی ہے لیکن تمہارے کرب کا پورا احساس ہے مگر میں مجبور ہوں۔"

"مگر تمہاری مجبوری میرے قدموں کی زنجیر کیوں بن رہی ہے؟" میں نے احتجاج کیا۔

"میں نے کہا تو کہ جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ۔" اس نے [illegible] "اور [illegible] حالات کو جوں کا توں برقرار رکھنے میں ناکامی پر معطل کر دی جاؤں گی۔" میں نے [illegible] سوال کیا۔

"ہو سکتا ہے کہ مجھے کوئی رعایت مل جائے۔ تم میری فکر کیوں کر رہے ہو؟" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔

"مگر یہاں رک کر میں کیا کر سکوں گا؟" میں نے توقف کے بعد سوال کیا۔ "اگر ہیڈ کوارٹر والے میرے معاملے پر غور کرتے کرتے سو گئے تو کیا ہو گا؟"

"ایسا نہیں ہو سکتا۔" وہ پُر یقین لہجے میں بولی۔ "زیادہ سے زیادہ اڑتالیس گھنٹوں میں کوئی نہ کوئی فیصلہ صادر ہو جائے گا۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ تم مجھے خرطوم میں الفتح آزادی فلسطین کے مرکز تک پہنچا دو؟" میں نے کچھ دیر تک سوچنے کے بعد [illegible] کی۔ "وہ لوگ اصولوں کے معاملے میں اس قدر سخت نہیں [illegible] ان کا شعور [illegible] رہا ہے۔"

"ایک ہی بات ہے۔" اس نے کہا۔ "میں بیروت [illegible] چکی ہوں کہ تم [illegible]"

[illegible]

خرطوم میں ایک معقول سا سہارا چھوڑ کر سڑکوں پر نکل پڑے تھے۔ [illegible] ابھی تک کھیتی کو ان دونوں صفحوں کے بارے میں [illegible] معلوم تھا جنھوں نے جوزف کے لیا [illegible] عبدالغنی کی تحویل سے [illegible] کو روانہ کر دیا تھا۔

[illegible] ایک خبر خرطوم میں گرد گئے کا تاجر تھا اور دوسرا [illegible] کا ایک مقامی دلال۔ ان دونوں کے بارے میں ملنے والی اطلاعات کی روشنی میں ہم دونوں نے متفقہ طور پر ایک ہی نتیجہ اخذ کیا کہ [illegible] تاجر ہمارے لیے کارآمد ثابت ہو سکتا تھا۔

ہماری توقع کے برخلاف کھیتی کے فلیٹ میں تیسری دوسری رات [illegible] حوصلہ شکن ثابت ہوئی۔ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور [illegible] عجیب الجھنوں میں گرفتار تھا۔

فلیٹ کی خاموش فضا میں صبح سوا تین بجے ٹیلی فون کی [illegible] ٹیلی فون کرنے کے باوجود جاگ رہی تھی کیونکہ وہ پہلی ہی [illegible] اپنا بستر چھوڑ کر ٹیلی فون پر جا پہنچی۔

ٹیلی فون پر بات کر کے وہ اتنی سرعت سے واپس آئی جیسے [illegible] بات ہی نہ ہوئی ہو۔ اس [illegible] خواب گاہ کی روشنی [illegible] جلا لی تھا۔

"تمہارے سارے خدشات بے بنیاد ثابت ہوئے!" وہ آہستہ [illegible] لہجے میں بولی۔ "بیروت سے تمہیں یقین [illegible] دینے کے [illegible] کہ تنظیم تمہیں سوڈان میں پورا تحفظ فراہم کرے گی۔"

"مگر ایک بات اب بھی جواب طلب ہے۔" میں نے کہا۔ "میرے [illegible] چھان پھٹک کی تھی مگر سوڈان کی خفیہ پولیس تنظیم [illegible] الاعلان [illegible] کیا یہ مقامی قانون [illegible] خلاف ورزی نہیں ہے؟"

"[illegible] کسی حد تک ہم پولیس کو ان کے خفیہ ٹھکانوں کی نشاندہی [illegible]" اس کے پاس میری بات کا جواب تیار تھا۔ "عملی طور پر [illegible] یہاں کوئی تعاون نہیں ہے بس یوں سمجھو کہ ہم قانون کے محافظوں [illegible] کے درمیان تعلقی طور پر جانبدار رہتے ہیں جب کہ تمہارے لیے [illegible] کرنا پڑے گا۔" وہ میرے قریب ہی بیٹھ گئی۔

"پھر کیوں نہ ابھی سے کام کا آغاز کیا جائے؟"

وہ تیار ہو گئی اور دس منٹ بعد ہی کار خرطوم کی ویران [illegible] تیز رفتاری سے ایک طے شدہ منزل کی جانب رواں تھی۔

[illegible] کا اختتام [illegible] سوڈانی طرز کی ایک آبادی میں ہوا [illegible] بڑے بڑے مکان واقع تھے۔

خرطوم میں ایک اچھی بات یہ تھی کہ رہائشی علاقوں میں [illegible] اور [illegible] گشت بھی [illegible] تھے [illegible]

سے بہت پہلے اپنے مسکنوں میں گھس کر شاید گہری نیند سو چکے ہوتے تھے۔ البتہ آوارہ کتوں کی جانب سے تھوڑی سی مزاحمت ہوئی اور کھیتی نے اپنی کار ایک تاریک مکان کے سامنے روک دی۔

ہمارا مطلوبہ مکان وہاں سے کچھ دور ایک تنگ گلی میں واقع تھا۔ کھیتی میرا ہاتھ تھام کر اتنی مہارت سے وہاں تک پہنچی کہ میں حیران رہ گیا۔ مکان پر [illegible] پہرے کا خیال اچھا تھا لہٰذا کھیتی پچھواڑے پہنچ کر احاطے کی دیوار سے اندر کود گئی اور کنڈی کھول کر مجھے دروازے سے اندر بلا لیا۔

مکان کا صحن خاصا وسیع تھا جس میں دو خستہ دالان کے پیچھے [illegible] کمرے تھے مگر مجھے اطمینان تھا کہ ہمارا مطلوبہ آدمی اس مکان میں تنہا رہتا تھا۔

ہم دونوں حیرت ناک سہولت کے ساتھ اس شخص کی خواب گاہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے مگر کھیتی اسے جگانے سے قبل دوسرے کمروں کی طرف سے بھی اپنا اطمینان کرنا چاہتی تھی کہ ان میں اس کا کوئی دوست وغیرہ سو رہا ہو۔

کھیتی چند منٹ بعد میدان صاف ہونے کی خوشخبری لے کر آئی تو ہم دونوں ایک ساتھ خواب گاہ میں داخل ہو گئے اور کھیتی نے کمرے کی بتی روشن کر دی۔ اس سے قبل ہم دونوں نے اپنے چہروں پر نقاب چڑھا لیے تھے۔

روشنی کی چکاچوند سے [illegible] ہوا ادھیڑ عمر شخص ہڑبڑا کر اٹھا تو کھیتی کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کی [illegible] ہماری توقع کے مطابق وہ کمزور اعصاب کا مالک ثابت ہوا کیونکہ ناگہانی مصیبت کو اپنے سر پر موجود پا کر اس کی گھگھی بندھ گئی۔

اسے اپنے اعصاب پر قابو پانے کے لیے تھوڑی سی مہلت دینے کے بعد کھیتی براہِ راست اپنے مقصد پر آ گئی۔ "تم نے جن لڑکیوں کی ضمانت لی تھی وہ کہاں ہیں؟"

"ل... لڑکیاں!" اس نے ہکلا کر حیرت سے کہا۔ "میں نے تو صرف ایک کی ضمانت لی تھی اور اس کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔"

"تم نے اس کی ضمانت کس کے لیے لی تھی؟"

"م... میں سب بتا دوں گا مگر خدا کے لیے یہ خطرناک ہتھیار ہٹا لو، ایسا نہ ہو کہ غصے میں گولی چل جائے۔" وہ روہانسی آواز میں بولا اور کھیتی نے اسے تعاون پر آمادہ پا کر اپنا پستول والا ہاتھ نیچے گرا لیا۔

اس نے جو کچھ بتایا وہ زیادہ کارآمد نہیں تھا۔ اسے اور دیگر دو افراد کو عبدالکریم صائغ نے نقد رقم دے کر ضمانت دینے پر آمادہ کر لیا تھا۔ ان تینوں کو نقد رقم دینے کے علاوہ عبدالکریم نے عدالت میں زرِ ضمانت بھی خود ہی جمع کرایا تھا اور لڑکیوں کی رہائی کے بعد وہ ان سے رخصت ہو گیا تھا جس کے بعد سے اس کا پتہ نہیں چلا تھا۔

سماعت پر ساعت پر رہائی کے عدالت میں حاضر ہوتے ہوئے پیسے لے نوٹس ملا تھا جس پر ملزم کی ضمانت منظور ہونے کے ساتھ ہی اس کے خلاف کارروائی کی دھمکی دی گئی تھی وہ عبدالکریم سے ملا تو اس نے تسلی دی کہ قانونی کارروائی زیر ضمانت کی منسوخی پر ختم ہو جائے گی لہٰذا وہ بے فکر ہو بیٹھ گیا۔

عبدالکریم صالح سے اس کی ملاقات ایک کلب کی آڑ میں چلنے والے قمار خانے میں ہوئی تھی اور اس نے قمار خانے کا جو پتہ بتایا وہ غالباً اسی شخص کا ٹھکانا تھا جسے خطرناک سمجھتے ہوئے ہم دونوں نے بازپرس کے مقام تک [illegible] لیا تھا۔

"اب تم دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر دیوار سے ناک ٹکا کر کھڑے ہو جاؤ۔" کیتھی نے پستول کی نال ہلا کر اسے حکم دیا۔

وہ ایک غلط کام پر مزید مقروض ہو گیا تھا مگر سید صاف ذہن کا تھا اس نے بے چوں و چرا اس کے حکم کی تعمیل کر ڈالی۔ شاید وہ سوچ رہا تھا کہ ہم دونوں اسے یوں ہی کھڑا چھوڑ کر وہاں سے بھاگ جائیں گے مگر کیتھی کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس نے لمبے قدموں آگے بڑھ کر اس کی کھوپڑی پر پستول کا دستہ رسید کیا اور وہ ہلکی کراہ کے ساتھ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

ہم دونوں اپنے چہروں سے نقابیں اتار کر دروازے سے باہر نکلے اور کسی تعرض کے بغیر ہماری واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔

"ہمیں اس ہوٹل والے سے نمٹنا ہی پڑے گا۔" میں نے راستے میں کہا۔ "تم نے کیا نام معلوم کیا تھا اس کا؟"

"ہشام نام ہے اس کا اور ہوٹل بھی فندق الہشام کہلاتا ہے۔" اس نے کہا۔ "اگر عبدالکریم بھی وہیں پایا جاتا ہے تو وہ ہوٹل ان کا مخصوص [illegible] ہو گا۔"

"ہوا کرے، اب تو یہ قدم اٹھانا ہی پڑے گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "البتہ ایک چوک ہو گئی کہ ہم نے شکار کو اپنی زبان بند رکھنے کی دھمکی نہیں دی۔ ایسا نہ ہو کہ وہ عبدالکریم کو اپنی آمد سے باخبر کر دے۔"

"زیادہ سے زیادہ وہ چوکنا ہو جائے گا۔" کیتھی نے کہا۔ "میں تو کوئی ایسی تدبیر سوچ رہی ہوں کہ اسے اس کی پناہ گاہ سے باہر نکال کر گھیر لیں۔"

مگر فلیٹ پر پہنچنے تک وہ کوئی تدبیر نہ سوچ سکی۔ سوڈان میں جوا غیر قانونی تھا لہٰذا کسی خفیہ جوئے خانے تک رسائی بھی آسان نہیں تھی۔ ورنہ کیتھی محض جائزہ لینے کے لیے وہاں جا کر کچھ رقم بھی ہارنے کے لیے تیار تھی۔

اسی سوچ بچار میں ہم دونوں نے سر جوڑے صبح کر دی لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔

"میں ادھر جا رہی ہوں۔" ناشتے کے بعد کیتھی نے [illegible]

میں کہا۔ "یہاں سستے ہوٹلوں میں عورتوں اور خصوصاً اکیلی عورتوں کا جانا معیوب سمجھا جاتا ہے لیکن میرا وہاں جانا ضروری ہے۔ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اگر ہم نے وہاں کے حالات کا جائزہ نہیں لیا تو ہم پچھتائیں گے۔ وہاں میں اندر خود اپنی گرفت میں پھنسا [illegible]"

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

"تم یہاں لیٹے جاؤ گے۔" اس نے مصالحت آمیز لہجے میں کہا۔ "اور پھر تم زخمی بھی ہو۔ تمہارا وہاں جانا مناسب نہیں ہو گا۔"

اس کے ساتھ مجھے خاصا سر کھپانا پڑا مگر میں نے اس معاملے پر اس کی رائے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ کچھ تو زخم سے بے فکری میسر آ جانے کی وجہ سے یا شاید انجکشن کی وجہ سے میری حالت تیزی سے سنبھل رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد کیتھی نے اپنے نرسنگ کے کورس کا تجربہ بروئے کار لاتے ہوئے انجکشن لگانے کے بعد چہرے، بالوں وغیرہ کے رنگ میں تبدیلی کر دی تاکہ سرسری نظر میں میری شناخت نہ ہو سکے۔

میں اس کے ہمراہ فلیٹ سے روانہ ہوا تو میرے بدن پر ٹائی کا سوٹ اور آنکھوں پر تاریک اور بڑے شیشوں والی عینک موجود تھی۔

ہماری منزل بستی میں ایک ویران جگہ پر کیتھی نے ٹیکسی چھوڑ دی اور پھر دونوں لاپروایانہ انداز میں ایک طرف بڑھنے لگے۔ بہت وقت سے نمٹنے کے لیے ہم دونوں کے پاس ریوالور موجود تھے اور میرے پاس زہریلے تیروں والی شیشی بھی تھی جس سے کیتھی ناواقف تھی۔ فروخوں کی منڈی کے اختتام پر قدرے خستہ حال ہوٹل فندق الہشام [illegible] وہ دور سے دیکھی جا سکتی تھی جہاں اس وقت خاصی بھیڑ جمع تھی۔

ہم دونوں سیدھے بڑھتے ہوئے ہوٹل کے ہال میں جا گھسے۔ وہاں میزوں پر موجود مزدوروں اور متوسط طبقے کے دیگر لوگوں نے کیتھی کا حیرت بھری خوشگوار نظروں سے استقبال کیا۔ جینز، پتلون اور جیکٹ میں ملبوس ایک خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر وہ سب ہی مسرور نظر آ رہے تھے۔ میں اس کے ہمراہ چلتا ہوا دائیں جانب والی ایک خالی میز پر جا بیٹھا۔

کیتھی کی موجودگی نے ہوٹل میں ابھرنے والے شور میں کمی پیدا کر دی تھی اور بیشتر لوگ شاید میری عقل کا ماتم کر رہے ہوں گے کہ ایسی خوبصورت لڑکی کو خلوت کے کسی مقام پر لے جانے کے بجائے میں وحشی مردوں کی بھیڑ میں آ بیٹھا تھا۔

ہوٹل کا بیرا معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ میرے قریب آیا تو میں نے اسے بسکٹوں کے ساتھ ٹھنڈے مشروب کا آرڈر دیا اور لاتعلقانہ انداز میں سگریٹ سلگانے لگا۔

ہم نے ہوٹل میں قدم رکھتے ہی جائزہ لیا تھا کہ کاؤنٹر

پر مسلسل میری طرف متوجہ تھا اور جب آرڈر لینے کے بعد بیرا پلٹنے لگا تو کاؤنٹر کی طرف گیا تو اس سے کچھ بات کرنے کے بعد ایک شخص کاؤنٹر کے پیچھے سے ابھر آیا۔

"ہم عورتوں کو یہاں سرو نہیں کرتے۔" میرے قریب آ کر اس نے جھک کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"مجھے تو یہاں کوئی لیڈی نظر نہیں آ رہی۔" میں نے ساتھی کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ کیتھی شاید کسی دلیل سے کام لے کر کے مسکرا رہی تھی۔

"یہ مردانہ ہوٹل ہے۔" وہ اسی بازو وارانہ لہجے میں بولا۔ "یہاں آپ دونوں سامنے گاہکوں کا نشانہ بن رہے ہو۔ مشروبات پینا ہی چاہتے ہو تو باہر سے سیڑھیاں طے کر کے اوپری منزل پر میرے کیبن میں آ جاؤ۔"

"اوہ۔ تمہارا بہت بہت شکریہ!" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ فوراً کرسی چھوڑ دی۔ "بیرے سے کہو کہ وہ سامان ادھر لے آئے۔"

"باہر دائیں طرف سیڑھیاں ہیں۔" وہ میرے کان میں سرگوشی کر کے واپس کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ ہمیں لوٹتے دیکھ کر ہوٹل میں موجود بہت سے گاہکوں کے چہرے لٹک گئے کیونکہ ان کی نگاہیں سینکنے کا موقع گرانڈیل نے برباد کر دیا تھا۔

سیڑھیاں طے کرتے ہوئے کیتھی نے پرجوش انداز میں میرا ہاتھ دبایا۔ "شاید اسی وقت کچھ ہو جائے۔" اس کی آواز بہت مدھم تھی۔

میں خاموشی سے زینے عبور کرتا رہا۔ زینوں کے اختتام پر گرانڈیل آنکھوں میں عجیب سی چمک لیے ہمارا منتظر تھا۔ شاید وہ ہوٹل میں موجود کسی دوسرے زینے سے اوپر پہنچا تھا۔

چھوٹی سی راہداری کے دائیں طرف گھوم کر ایک صاف ستھرا کمرہ تھا۔ میں دانستہ کیتھی سے پیچھے رہ گیا۔ گرانڈیل میرے ساتھ تھا۔

"تمہیں کچھ فروخت تو نہیں کرنا ہے؟" گرانڈیل نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر راز دارانہ لہجے میں سوال کیا اور میں کسی احمق کی طرح اس کا منہ دیکھنے لگا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"اندر چلی جائیں خاتون!" گرانڈیل نے کیتھی کو کمرے کے دروازے پر رکتے دیکھ کر بلند آواز میں کہا پھر میرے کان میں بولا۔ "یہاں غیر ملکی کسی خاص ضرورت کے تحت ہی آتے ہیں۔ تمہاری ساتھی شاید یورپ سے آئی ہے مگر عربی بھی کہتی ہے۔"

"یہ پرس چھینے کے چکر میں مجھ سے ٹکرائی ہے۔ میرا پرس چلے گیا اس کی بولی لگا دوں۔" میں نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "مال بہت خوبصورت ہے؟"

"تو پھر کراؤ اس کا سودا؟"

"ارے نہیں۔" میں بوکھلا کر بولا۔ "اسے پتہ چل گیا تو میری چمڑی ادھیڑ دے گی۔"

"پھر ابھی سے تم رقم لے کر کھسک جانا۔ اس سے کام ہٹ لیں گے۔" وہ میرا ہاتھ دبا کر مجھے بہلاتے ہوئے بولا۔

"تو نکالو رقم۔" میں نے حریصانہ بزدلی کے ساتھ کہا۔

"ابھی سے غائب ہو گئے تو وہ بھڑک جائے گی۔ اندر جا کر اس کے ساتھ کچھ کھا پی لو۔ اس دوران میں اپنے ساتھی کو بھیجتا ہوں جسے کیبن سنبھالنا ہے۔"

میں کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں سر کو جھٹک کر کمرے کی طرف بڑھ گیا اور وہ تیزی سے پیچھے بڑھتا چلا گیا۔

"کہاں رہ گئے تھے؟" مجھے دیکھتے ہی کیتھی نے سوال کیا۔

"تمہارا سودا کر رہا تھا۔ یہاں کی کوئی چیز نہ چکھنا۔" میں نے دفتر نما کیبن کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"وہ اتنی جلدی کھل گیا تم سے؟" کیتھی نے حیرت سے سوال کیا۔ "بڑے دیدہ دلیر ہیں یہ لوگ۔"

اس سے باتیں کرتے ہوئے میں نے زہریلے تیروں والی شیشی جیب سے نکال لی تاکہ کسی ناگہانی صورتحال میں مدافعت کی کوئی راہ باقی رہے۔

"بیرا کیا لایا تھا؟" کیتھی [illegible]

"وہ مشروب ہی ہے!" میں نے اسے ٹال دیا اور اسی وقت بیرا ٹرے اٹھائے اندر گھسا۔ کسی ٹھنڈے مشروب سے بھرے ہوئے دو گلاس کے علاوہ وہ خاصی مقدار میں بسکٹ وغیرہ بھی لے آیا تھا۔

بیرے کے واپس لوٹتے ہی میں نے کیتھی کے سامنے رکھے ہوئے گلاس کا سارا مشروب کھلی ہوئی کھڑکی میں سے باہر اچھال دیا۔ اور اپنے گلاس کی [illegible]

"لوٹنے کے جرم میں تمہیں اپنی جرمن کی رقم نہیں مل سکے گی۔" میں نے قدرے بلند آواز میں کہا۔ "اور پھر پکڑے جانے کا بھی خوف نہیں ہو گا؟"

"ابھی پتہ چل جائے گا۔" کیتھی نے مسکرا کر کہا۔

میں ایسی جگہ بیٹھا تھا کہ میری نگاہ میں آئے بغیر کوئی راہداری میں نہیں آ سکتا تھا جو اس وقت ویران پڑی ہوئی تھی۔

"تم انگڑائی میں سر بھاری ہونے اور پھر بے ہوش ہونے کی اداکاری شروع کر دو۔" میں نے راہداری کے دوسری طرف وہ سرعت میں قدموں کی دھمک سن کر جلدی سے کہا اور آنے والے کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ وہ جو بھی تھا بہت تیزی سے ایک ایک قدم بڑھاتا آ رہا تھا۔

وہ ایک بلا جیسا دراز قامت سوڈانی تھا جو کمرے میں داخل ہوا [illegible] سے اٹھ کر ملانا چاہتا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ مجھے

احمد کہتے ہیں؟

"میں عبدالکریم ہوں" ہاتھ ملاتے ہوئے اسے اخلاقاً اپنا نام بھی بتانا پڑا اور اس کا نام سن کر میرا دل باغ باغ ہو گیا۔

"میرا سر بھاری ہو رہا ہے احمد!" کیتھی نے دونوں ہتھیلیوں سے سر دباتے ہوئے انگریزی میں شکایت کی۔ عبدالکریم بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر وہ گھوم کر اپنی میز کے عقب میں پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تم دونوں اپنے گلاس خالی کر لو تو آگے بات ہو گی" عبدالکریم نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"میں کولیمن اسکواش پسند ہی نہیں کرتا" میں نے جلدی سے کہا "یہ خاتون زیادہ پیاسی تھی تو میں نے اس کا گلاس خالی ہونے پر آدھا شربت اسے دے دیا۔"

عبدالکریم ہونٹ بھینچ کر تیز نظروں سے مجھے گھورنے لگا۔

"میں بے ہوش ہو جاؤں گی احمد۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا جا رہا ہے۔ مجھے یہاں سے لے چلو" کیتھی اس وقت واقعی کرب میں مبتلا نظر آ رہی تھی۔

"ہم ابھی چلتے ہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا" میں نے انگریزی میں کہا۔

"تمہارا ساتھی درست کہہ رہا ہے" عبدالکریم مجھے گھورتے ہوئے بولا "جلدی کرو، ہمیں معاملے کی بات بھی کرنی ہے اور میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

اسی وقت کیتھی نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں دبا کر میز پر جھکا دیا۔ میں نے دو تین مرتبہ اسے جھنجوڑا مگر عبدالکریم نے مجھے ٹوک دیا "اسے آرام کرنے دو اور تم معاملے کی بات کرو۔ مال کہاں ہے؟"

"پہلے اس کا تو سودا طے کر لو" میں نے کیتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ لو" اس نے جیب سے چند بڑے نوٹ کھینچ کر میری طرف بڑھا دیے۔

"صرف پانچ سو پونڈ؟" میں نے نوٹ گن کر حیرت سے کہا۔

"اوقات میں رہو" وہ غرایا "یہ تمہیں مفت میں مل رہے ہیں۔ سارا رسک میرا ہے۔ اگر بھاگ گئی یا پولیس کو بھنک مل گئی تو میری رقم مفت میں ڈوب جائے گی۔ یہ بتاؤ کہ چرس کہاں ہے؟"

"تمہیں میرے ساتھ چلنا ہو گا۔ بہترین قسم کی تین بوریاں پڑی ہیں" میں نے نوٹ اپنی جیب میں اڑستے ہوئے کہا۔

"بغیر دیکھے وہ دس لاکھ تمہارے" یہ کہہ کر اس نے مزید چھ سو پونڈ مجھے تھما دیے اور میرے ساتھ چلنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اس کا کیا ہو گا؟" میں نے لڑکھڑاتے ہوئے انداز میں کیتھی کے بارے میں سوال کیا۔

"یہ کئی گھنٹے اسی حالت میں پڑی رہے گی" وہ پرسکون لہجے میں بولا "یہاں چڑیا کا بچہ بھی پر نہ مار سکے گا۔"

اس وقت میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا کیونکہ ذرا سی لغزش سے کیتھی کی زندگی برباد ہو سکتی تھی۔ مگر میں دل کڑا کر کے باہر نکل گیا۔ میرے پیچھے وہ بھی سیڑھیاں طے کرتے باہر آ گیا۔ میں دانستہ تیز تیز قدموں سے چل رہا تھا۔ کچھ دور آنے کے بعد میں نے کنکھیوں سے پیچھے دیکھا تو کیتھی کا ہیولا ایک ٹیکسی میں داخل ہوتا نظر آیا اور میرے اوسان بحال ہو گئے۔

"تم مجھے کہاں لیے جا رہے ہو؟" کچھ دیر کے بعد عبدالکریم نے غرا کر پوچھا۔

"بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے گاڑی ذرا دور پارک کی تھی" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

عبدالکریم غصے میں پھنکارتا ہوا میرے ساتھ چل رہا تھا اور میں اس کے کسی بھی وحشیانہ ردعمل سے نمٹنے کے لیے پوری طرح ہوشیار ہو جانے کے لیے تیار تھا۔

بالآخر ہم کیتھی کی کار کے قریب پہنچ گئے اور میں اس کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہی بوکھلا گیا "اوہ۔ چابی تو اسی کے پاس رہ گئی ہے۔"

"تم کا بچہ!" عبدالکریم دانت پیس کر غرایا۔ وہ خاصا غضب ناک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے چند منٹ کی کوششوں میں اگلی نشست کی چھوٹی کھڑکی اکھاڑ دی اور ہاتھ اندر ڈال کر دروازے کا قفل کھول دیا۔

میں نے کار میں داخل ہو کر ڈرائیونگ سیٹ کے نیچے اندھیرا دیکھا اور ایسی اداکاری کرنے لگا جیسے کوئی چھپی ہوئی چیز نکال رہا ہوں۔ پھر سر اٹھا کر بے بسی سے بولا "ذرا تم پیچھے سے پوٹلی باہر کھینچ لو۔"

وہ طیش کے عالم میں کار کے پچھلے حصے میں گھسا اور میں نے پھرتی سے اپنا ریوالور نکال لیا اور جونہی وہ خیالی پوٹلی کھینچنے کے لیے پیچھے جھکا میں نے اس کے سر پر ریوالور کے دستے سے پے در پے تین شدید ضربات لگا دیں اور وہ غراتا ہوا وہیں پاس دان میں ڈھیر ہو گیا۔

میں ریوالور جیب میں ڈال کر باہر آ گیا۔ ویران جگہ کار پارک کرنے کا فائدہ یہ ہوا تھا کہ میری تمام کارروائی کسی کی نظروں میں آئے بغیر مکمل ہو گئی تھی۔

میں نے عبدالکریم کی بائیں طرف کی ہوئی کھڑکی اندر ڈال کر کھلی دروازہ بند کر دیا تو میری نگاہ کیتھی پر پڑی جو بجلی کے کھمبے کی اوٹ سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔

ب تو بڑی آسانی سے قابو میں آ گیا!" تیز تیز قدموں سے میرے قریب پہنچ کر کیتھی نے تحیر آمیز آواز میں کہا۔

"حد سے زیادہ خود اعتمادی آدمی کو لے ڈوبتی ہے" میں نے کار میں داخل ہوتے ہوئے کہا "اسے پورا یقین ہو گیا تھا کہ تم نے نشہ آور مشروب کا پورا گلاس پی لیا ہے!"

"اور اگر میں نے واقعی پی لیا ہوتا؟" وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

"فندق الہشام کے ہال میں اگر میز پر چلیں ٹھنڈے مشروب کی بوتلیں نہ رکھی جاتیں تو شاید میں بھی مشروب کے بغیر ہی چلا جاتا مگر میرا ماتھا اسی وقت ٹھنک گیا تھا جب کاؤنٹر والے نے بے تحاشا گرمی کے باوجود ہم دونوں کو اپنے اوپر تلے کمرے میں مدعو کیا تھا!"

"تم بہت تیزی سے فیصلے کرتے ہو!" وہ ایک گہرا سانس لے کر کار اسٹارٹ کرتے ہوئے بولی "مجھے تو حیرانی ہونے کی مہلت بھی نہ مل سکی!"

"وہاں شاید ابھی تک کسی کو علم بھی نہ ہو سکا ہو گا کہ عبدالکریم کہاں غائب ہو گیا ہے۔ تم نے باہر نکلنے میں حیرت ناک احتیاط اور پھرتی کا مظاہرہ کیا ورنہ یہ سارا معاملہ اتنے سکون کے ساتھ انجام کو نہ پہنچتا۔"

"سیڑھیاں اترتے ہوئے میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا" وہ ہنستے ہوئے بولی "اور اسی خوف کی وجہ سے میں نے ٹیکسی کو بہلا پھسلا کر مختصر ترین مدت میں اس گھٹیا ہوٹل سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہتی تھی۔"

"اب اسے کہاں لے جا رہے ہو؟"

"کوئی ٹھکانا سوچ ہی لیا جائے گا" وہ جھنجھلا کر بولی "لیکن یہ بتاؤ کہ ہوش میں تو نہیں آ جائے گا؟"

"اس طرف سے بے فکر رہو۔ ڈیڑھ دو گھنٹے سے پہلے شاید اسے ہوش نہ آ سکے گا" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "مگر تم نے اسے کار میں گھسنے پر آمادہ کیسے کر لیا؟ مجھے تو خطرہ تھا اور پھر تمہارے زخم کی بھی فکر تھی!"

میں نے مختصر لفظوں میں اسے سب کچھ خود بخود سوتا چلا گیا" میں نے اسے کہہ کر عبدالکریم کے ساتھ پیش آنے والے واقعات سے باخبر کر دیا۔

"تم واقعی اسی قدر چالاک ہو یا اس کی بازیابی کو محض اتفاق سمجھوں" کیتھی نے کہا "عبدالکریم نے تمہیں اپنے ہوٹل میں ٹھہرانے کی پیشکش کی تھی یا اس نے یہ الفاظ خود ہی کہے تھے۔"

ڈرائیورس کا جواب شاید پہلی بار اسے تسلی بخش محسوس نہیں ہوا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ میری ذات کے ساتھ ہی ہیتا کے تعلق کے سلسلے میں بہت زیادہ متجسس تھی۔

کسی حد تک اس کا یہ تجسس جائز بھی تھا کیونکہ وہ یورپی معاشرے کے جس آزاد خیال طبقے سے تعلق رکھتی تھی اس میں ازدواجی رشتوں کو محض ایک سماجی مجبوری اور رسمی سمجھوتے کے طور پر قبول کیا جاتا ہے جس سے کوئی بھی فریق کسی بھی وقت منحرف ہو سکتا ہے!

"یہ تم نہیں سمجھ سکو گی" میں نے ہنس کر کہا "عورت کی بڑی محبت بھی صرف اسی وقت وقار کا مسئلہ بنتی ہے جب کوئی رقیب اس عورت کو ورغلانے میں کامیاب ہو جائے اور ہیتا کی پاکیزگی کا کل تم خود ہی اعتراف کر چکی ہو!"

"یہ ضروری نہیں" وہ پُراعتماد لہجے میں بولی "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ محض کسی عورت کا حصول انسان کے لیے انا کا مسئلہ بن جاتا ہے!"

"مگر یہ خیال بھی ہو کہ میں ہیتا کو حاصل کر چکا ہوں۔ وہ میری بیوی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں اسے بے پناہ چاہتا ہوں اور اس کے بغیر اپنی ذات کو ادھورا محسوس کرتا ہوں!"

"مگر تمہیں اس کی کس بات سے اتنا والہانہ پیار ہے؟" وہ سنجانے کیوں اس بارے میں میرے ذہن میں اترنے پر مصر تھی۔

"کوئی ادا یا کوئی ڈھنگ نہیں تعریف کے لیے پسند کیا جاتا ہے لیکن چاہت ایک ذات سے کی جاتی ہے جو اپنی عادات اور خصائل کے ساتھ مجسم ہوتی ہے۔ اس میں سے کوئی ایک عنصر الگ کر دیا جائے تو ذات بدل جاتی ہے" میں نے وضاحت کے ساتھ کہا "ہیتا کی عادت کا نام ہے اور ہر جسمانی کشش تن کا ہے۔ وہ ایک جیتی جاگتی لڑکی ہے اور میں اسے اس کی تمام اچھائیوں، برائیوں سمیت چاہتا ہوں!"

"تو تمہارا خیال ہے کہ دنیا کی کوئی لڑکی تمہیں ہیتا کو بھولنے پر مجبور نہیں کر سکتی؟" میرے جواب پر اس کا چہرہ بجھ سا گیا۔

"اسے اپنے لیے چیلنج نہ سمجھنا مگر یہ حقیقت ہے!" میں نے قہقہہ مار کر ماحول خوشگوار بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"میں اسے اپنے لیے کیوں چیلنج سمجھوں!" وہ چیخ کر بولی "میں نے اپنے لیے ایک علیحدہ دنیا بسائی ہوئی ہے اور مجھے اس سے باہر جھانکنے کی کوئی ضرورت نہیں!"

میں خاموش رہا۔ اس کے آخری الفاظ زخم خوردہ لہجے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ مجھے بے اختیار اس کے فلیٹ میں گزری ہوئی پہلی رات یاد آ گئی جب ہم دونوں ایک ہی کمرے میں

رات ختم ہونے کے قریب ہو گئی تو نیند میرا ساتھ چھوڑ چکی ہوئی تھی

میرے پہلو بدلتے ہی وہ سہم کر کسی چور کی طرح خاموشی سے اپنی جگہ جا لیٹی تھی۔

اس بات کا خیال آنے کے بعد میرے لئے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ اس نے اپنی علیحدہ دنیا کا تذکرہ محض کمزور دفاع کے طور پر کیا تھا ورنہ وہ میری ذات میں دلچسپی لینے لگی تھی اور یہی وجہ تھی کہ اسے سیتا کے ساتھ میرے تعلق کی جڑوں کی تلاش تھی۔ جنہیں اکھاڑ کر ہی وہ کوئی راہ بنا سکتی تھی۔

اگر میرا اندازہ درست تھا تو [illegible] لئے بہت [illegible] اور تشویشناک تھی۔

کیتھی مانٹر خرطوم میں میرے لئے واحد سہارا تھی اور سیتا کی بازیابی کا تمام تر دارومدار اس کی نیک نیتی اور محبت پر تھا۔ اگر وہ خود میری ذات میں دلچسپی لے رہی تھی تو اس کا ایک لازمی نتیجہ یہی نکل سکتا تھا کہ وہ میری راہ میں غیر محسوس طور پر رکاوٹ ڈالنے لگتی اور میری مہم طول پکڑ جاتی!

میں نے غور سے اس کے حسین چہرے کی طرف دیکھا جہاں گہری سنجیدگی کا راج تھا۔ پتلے پتلے یاقوتی ہونٹ سختی سے بھنچے ہوئے تھے اور آنکھیں پرخیال انداز میں سیاہ سڑک پر جمی ہوئی تھیں۔

وہ لڑکی ضرور تھی مگر جنگجو فطرت کی مالک تھی۔ اگر وہ جلال پسند ہوتی تو گوریلا تربیتی کیمپوں سے گزر کر خرطوم کے تنظیم آزادی فلسطین کے مرکزی دفتر تک نہ پہنچتی۔

میں نے ازراہ مذاق چیلنج کا ذکر کیا تھا لیکن وہ سیتا کی ذات کو اپنے لئے اگر واقعی چیلنج سمجھتی تو اسے مجھ سے دور رکھنے کا ہر حربہ آزما سکتی تھی بلکہ ایک بدترین اندیشہ یہ بھی میرے ذہن میں سر اٹھانے لگا کہ کہیں وہ بالا ہی بالا سیتا تک پہنچ کر اس کا پتہ ہی صاف کر دے!

اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں بھی ہر جتن کر کے اس کو دل کی بات زبان پر لانے پر مجبور کر دوں گا اور اگر میرے اندیشے درست ثابت ہوئے تو خود کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑنے کے بجائے اسے پامال کر کے سیتا کی طرف بڑھتا چلا جاؤں گا!

"کیا سوچ رہی ہو؟" میں نے مسکرا کر اسے چھیڑا۔

"ہوں!" وہ چونک پڑی جیسے اس وقت گہرے خیالات میں ڈوبی رہی تھی۔ "کچھ بھی نہیں۔ بس آئندہ اقدام کے بارے میں سوچ رہی تھی۔"

"آئندہ اقدام؟ کس کے بارے میں؟"

"اس وقت عبدالکریم کے علاوہ سوچنے کے لئے اور کیا رہ گیا ہے؟" وہ مسکرا کر بولی۔

"تم سوچتی رہو۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "سوچتے ہوئے تم بہت حسین لگتی ہو!"

اس نے بے ساختہ سر گھما کر میری طرف دیکھا۔ اس کی نیلی آنکھوں میں ہزار جذبے تڑپ رہے تھے جن میں حیرت، بے یقینی، مسرت [illegible] نمایاں تھی۔

"سامنے دیکھو!" میں پھر ہنس پڑا۔ "ورنہ کار لڑ جائے گی۔"

"تمہاری زبان سے کسی کے حسن کی تعریف اچھی نہیں لگتی۔" اس نے دوبارہ سڑک کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

"مجھ پر یہ پابندی کیسے لگا دی تم نے؟"

"سیتا سے چاہت کا ناٹک الاپنے کے بعد تم نے خود ہی یہ پابندی لگائی ہے۔" اس نے بظاہر بڑے لاابالیانہ لہجے میں کہا۔

"چاہت اور پسند میں بڑا فرق ہوتا ہے!"

"ہوتا ہوگا۔" اس کے لہجے میں تردد سری عود کر آئی۔ "پسند چاہت کا پہلا زینہ ہوتی ہے میرے لئے ایسے فلسفے کو جھیلنا مشکل ہے۔ معلوم ہوتا ہے تم نے اپنی زندگی میں کبھی پیار نہیں کیا۔" [illegible] اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع فراہم کرنا چاہ رہی تھی۔

"الزام تراشی بڑی دیدہ دلیری سے کرتے ہو۔" وہ سیدھے سیدھے طنزیہ لہجے میں بولی۔ "محبت تو انسان کی زندگی کا نغمہ ہے جس کی زندگی بے رنگ رہتی ہے وہ کبھی مکمل انسان ثابت نہیں ہوتے وہ بن جاتے ہیں یا ٹھوکروں میں پرورش پانے والے تیر بہدف!"

"شاید انتہا پسندانہ رجحانات بھی تمہارے ہیں؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"انتہا پسند ہوتی تو یہودی ہونے کے باوجود پی ایل او میں آبرو مندانہ مقام کی مالک ہوتی۔" اس نے برجستہ کہا۔

"تو ... اسے محبت کی تم نے؟"

"دوسروں کی نجی زندگی میں جھانکنے کی عادت بڑی بری ہے۔" اس نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

اس کے جارحانہ جوابات نے طبیعت کو خاصا بے مزہ کیا لیکن میں نے اس پر اپنی دلی کیفیت ظاہر نہ ہونے دی۔

"اتنا تو بتا سکتی ہو کہ محبت کامیاب رہی یا ناکام؟"

"ناکام محبت صرف دل کے نہاں خانوں میں غم لیتی ہے اور وہیں مدفون رہتی ہے اور جب اس کا ذکر زبان پر آ جائے تو اسے ہم نہیں کہا جا سکتا۔"

"بڑا مبہم جواب ہے۔" میں نے تبصرہ کیا۔ "ہزاروں تماشائی [illegible] اور جیکولین کینیڈی سے محبت کا [illegible] مگر میرے نزدیک وہ سب ناکام و نامراد عاشق ہیں [illegible] آج کے دور [illegible] بے خبر ہیں!"

"جنس زدہ جذبوں کو محبت کا نام [illegible]

[illegible] عشق کے لئے مرد اور عورت کا وجود لازمی نہیں۔ محبت تو پتھر اور پھولوں سے بھی کی جا سکتی ہے!"

"میرا بھی یہی خیال ہے" اعلیٰ جذبوں کی بات کرنے والی اس حسین اور ذہین امام دوشیزہ سے یہ توقع ہی لوں کہ اپنے فلیٹ پر رات کے اندھیرے میں وہ میرے بدن پر کیا مشغول رہی تھی اور اس کا محرک یقیناً تھا مگر مجھے اس کی خوشنودی بھی مقصود تھی لہٰذا اس کے تمام جذبات انکار کو شوخی جواب بنا کر سگریٹ کے ایک گہرے کش میں ہضم کر لیا!

اس کے بعد چند منٹ تک خاموشی سے سفر جاری رہا مگر کیتھی نے خود ہی اس خاموشی کو توڑ دیا۔

"اب کیسی لگ رہی ہوں؟" اس کا لہجہ طنزیہ ہوتے ہوئے بھی چھپانے والا تھا۔

"خوبصورت ہو اور ویسی ہی لگ رہی ہو!"

"کچھ دیر پہلے تمہارا خیال تھا کہ میں سوچتے ہوئے حسین لگتی ہوں لیکن کمال ہے کہ اب خالی الذہن ہونے کے باوجود خوبصورت لگ رہی ہوں!"

"جھوٹ بول رہی ہو!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "محبت کرنے والا کبھی خالی الذہن نہیں رہ سکتا۔ اس کے دل و دماغ میں ایک ہی محبوب چکر لگاتا رہتا ہے!"

"ہم... میں کسی سے محبت نہیں کرتی۔" میرے کاری وار پر وہ بوکھلا گئی جیسے میں نے اس کے دل کا چور پکڑ لیا ہو۔ "مجھے کیا ضرورت ہے کسی کے بارے میں سوچنے کی؟"

"کچھ دیر پہلے تم نے مجھے الزام تراش کہہ کر محبت کو زندگی کا نغمہ قرار دیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا مگر وہ بلا کی عیار تھی۔

"میں نے تو ایک عام بات کہی تھی۔" اس نے ہٹ دھرمی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم میرا اعتراف نہیں کہہ سکتے!"

"تم ابھی تک مغالطے میں باتیں کر رہی تھیں۔" میرا لہجہ قدرے ترش ہو گیا۔ "میرا تو خیال تھا کہ تم ذاتی تجربات کے حوالے سے بات کر رہی ہو!"

"دوسروں کے تجربات سے سیکھنے والے کامیاب انسان ہوتے ہیں۔ میرے نزدیک ہر معاملے میں بذات خود تجربہ کرنے والے احمق ناسمجھ ہوتے ہیں۔"

"ہمارے اس سفر کا اختتام کہاں ہوگا؟" میں نے قدرے توقف کے بعد سلسلہ گفتگو بلکہ اس کی سوچ کا رخ موڑنے کی نیت سے سوال کیا۔

"قصر السودان پر!" اس نے جواب دیا۔

"کوئی سرکاری عمارت ہے؟"

"[illegible]

نام ہی کچھ ایسا ہے!"

"سودان دراصل اس علاقے میں بولا جانے والا ایک عربی لفظ ہے پہلے یہ خطہ بلاد السودان یعنی کالوں کا شہر کہلاتا تھا۔ اسی سے سودان کا نام اخذ کیا گیا یہاں بہت سی بہتری عمارات اور جاگیریں سوڈان کے نام پر ملیں گی۔"

"عبدالکریم کو وہاں لے جانا مخدوش تو ثابت نہ ہوگا؟"

"قصر السودان خرطوم میں پی ایل او کا ایک اہم ٹھکانہ ہے جہاں غیر متعلق آدمی کے لئے پھٹکنا بھی دشوار ہے۔ اس کے علاوہ کہیں اور گئے تو تم خطرات سے دوچار ہو سکتے ہو!" اس نے سنجیدگی کے ساتھ وضاحت کی۔

"قصر السودان کے ذمہ داروں کو میری موجودگی پر اعتراض تو نہ ہوگا؟"

"تم میرے ساتھ ہو۔" اس نے اعتماد سے کہا۔ "چلتے رہو سارا تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔" اس کے بعد ہم دونوں ہی خاموش ہو گئے۔

اس عمارت کے لئے قصر کا نام خاصا مناسب تھا جہاں ہمارے سفر کا اختتام ہوا کیونکہ وہ ایک کم آباد علاقے میں واقع تھی اور اس کے احاطے کی دیواریں کسی قلعے کی فصیل کی طرح کم از کم پندرہ فٹ بلند تھیں جس کے بعد دیوار پر خاردار تاروں کی تین قطاریں تنی ہوئی تھیں جن کو چھیڑے بغیر اندر کود جانا ناممکنات میں سے تھا۔

کیتھی نے اپنی کار اس فصیل میں لگے ہوئے دیو ہیکل آہنی پھاٹک کے سامنے روک دی جو اس وقت بند نظر آ رہا تھا۔

کار کے رکتے ہی پھاٹک کی ذیلی کھڑکی میں سے خاکی وردی میں ملبوس ایک چاق و چوبند مسلح محافظ نمودار ہوا اور تیر کی طرح کار کی طرف بڑھتا آیا۔

"سلام مادام!" قریب پہنچ کر اس نے داہنا ہاتھ اٹھا کر کیتھی کو سلام کیا پھر لمحہ بھر توقف کے بعد بولا۔ "شناخت؟"

"کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟" کیتھی نے اپنا پرس ٹٹولتے ہوئے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔ "جو مجھ سے شناخت طلب کر رہے ہو؟"

"اچھی طرح جانتا ہوں۔" وہ معذرت آمیز لہجے میں بولا۔ "مگر تم جانتی ہو کہ ہم اصولوں کے قیدی ہیں!"

کیتھی نے اپنے پرس سے گلابی رنگ کا ایک کارڈ نکال کر اس کے سامنے کر دیا اور وہ اس کارڈ کو دیکھتے ہی مشینی انداز میں واپس چلا گیا۔

کیتھی نے وہ کارڈ پرس میں رکھا تو میں نے اس کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کی جس پر وہ مسکرا دی۔ "اس چکر میں نہ پڑو جانے دو۔ یہاں باہمی اعتماد کی بجائے یہی تو ایک خفیہ شناخت ہے!"

اپنی حراست میں خرطوم لے آئے تھے؟"

"تو وہ اب فوجی تحویل میں ہیں؟" میں نے اس کی لحظہ بھر کی خاموشی میں سوال کر ڈالا۔

وہ معنی خیز انداز میں ہنسا۔ "انہیں غیر قانونی طور پر یہاں میں داخل ہونے کے جرم میں عدالت میں پیش کیا گیا اور مقدمے کی سماعت مکمل ہونے تک جیل بھیج دیا گیا۔ جوزف امین کو شاید چاروں لڑکیوں کی گرفتاری کی اخباری اطلاعات نے چونکایا ہو گا۔ کیونکہ انہوں نے عدالت میں اپنے اصلی نام ظاہر نہیں کیے تھے۔ جوزف امین جب ایک راہ پر لگ جاتا ہے تو اس کا کھوج نکال کر رہتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ اس نے لڑکیوں کی اصلیت کا پتہ چلا لیا اور پھر فرضی ناموں سے ان چاروں کی ضمانت کرائی۔"

"پھر کیا ہوا؟" اسے خاموش پا کر کیتھی نے سوال کیا۔

"جوزف سے رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے صحیح علم نہ ہو سکا لیکن یہ سب مقدمے کی تاریخ پر ان چاروں میں سے کوئی لڑکی عدالت میں پیش نہیں ہوئی اور ان کے ضامنوں نے معذرت کے ساتھ عدالت میں زرِ ضمانت جرمانے کے طور پر ادا کر دیا۔"

"اس کا تو ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے کہ لڑکیوں کو رہائی ملتے ہی جوزف کے آدمیوں نے چھاپ لیا ہو گا۔" کیتھی نے کہا۔

"قیاس یہی کہتا ہے۔" ابو سلطان نے کہا۔ "مگر وہ لڑکیاں اب اشتہاری مجرم بن چکی ہیں۔ جوزف انہیں کسی سرکس میں بھیج کر نہیں چھپا سکتا۔ اس نے یقیناً انہیں شوقین امرا کے ہاتھوں بھاری داموں پر فروخت کر دیا ہو گا۔"

"تو کیا وہ بردہ فروش ہے؟" کیتھی اس انکشاف پر حیران رہ گئی۔

"ہاں، جوزف میرے بچپن کا دوست تھا مگر اس کا کام بہت گندہ ہے۔ تم جانتی ہو کہ سوڈان میں یہ کام بہت منفعت بخش ہے۔" ابو سلطان کیتھی سے نظریں چرا کر بولا۔ "بس ایک ہی بات اطمینان بخش ہے کہ جوزف ابن سینا کی حیثیت سے بے خبر ہے۔ میری سفارش پر اس نے سینا کو ایک عام مگر خوب رو لڑکی سمجھ کر سرکس میں شامل کیا تھا۔"

"تم کسی طرح معلوم کر سکتے ہو کہ ان لڑکیوں کا کیا حشر ہوا؟" میرے ذہن میں ابھرنے والے سوالات کیتھی دریافت کر رہی تھی۔

"کوشش ضرور کروں گا مگر میرے لیے یہ کام مشکل ہی ہو گا۔" اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "اس کام کے لیے میں اخوان الصفا کے کارکنوں سے بھی مدد نہیں لے سکتا ورنہ وہ میرے اندر ایک بردہ فروش کے سراغ پر پہنچنے لگیں گے۔"

"پھر یہ کام میں خود سرانجام دوں گی۔" کیتھی نے کہا۔ "پہلے یہ معلوم کرنا ہو گا کہ عدالت میں سینا نے اپنا کیا نام بتایا تھا۔ پھر اس کا ضامن بہت کچھ بتا سکے گا۔"

ابو سلطان سے جو کچھ معلوم ہو سکتا تھا، وہ معلوم ہو چکا تھا۔ میری خواہش تھی کہ وہ جلد از جلد واپس چلا جائے تاکہ میں کیتھی سے تبادلۂ خیال کر سکوں۔

"کیا مجھ سے تمام واقعات کے سلسلے میں جاننا چاہتی تھیں؟" کیتھی کے چلے جانے کے بعد گہرے سکوت میں ابو سلطان کی آواز گونجی۔

"یہ تو کسی موضوع تھا۔" کیتھی نے کہا۔ "میرا مہمان تمہارے نام سے خائف تھا۔ اگر میرا دوست تم اسے دیکھ لیتے تو شاید تصادم ہو جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ بوڑھے جال کے بچے پر کیا گزرتی ہے۔ اس لیے اگر تم بھلا سکو تو درد لیو کرم انہیں بھول جاؤ۔"

"میں نے غلطی کیا تھا مادام!" اس نے جلدی سے کہا۔ "تمہیں اپنے مہمان کو۔۔۔ اس بارے میں مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو گی۔"

پھر وہ وہاں سے رخصت ہو گیا۔

دروازہ بند کر کے کیتھی پُرجوش انداز میں مجھ سے مخاطب ہو گئی۔ "یہ کیسا عجیب اتفاق ہے کہ صفدر علی میرے ساتھ موجود ہے اور تم بھی قریب چاروں لڑکیاں کہیں ہو سکتی ہے۔"

"اس وقت ابو سلطان دیوتا کا فرشتہ بن کر آیا تھا ورنہ ہم ساری عمر بھی سینا کا سراغ لگانے میں کامیاب نہ ہو سکتے۔" میرے لیے اپنی مسرت پر قابو پانا دشوار ہو رہا تھا۔

"خوابوں میں دیکھے ہوئے پیکر اگر غیر متوقع طور پر اچانک سامنے آ جائیں تو انسان جذباتی طور پر کیسا بے چارہ ہو جاتا ہے۔" وہ میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر جذب سے بولی۔ "میں مدتوں تمہارے لیے بے چین رہی ہوں۔ تمہیں الف کے روپ میں سوچا ہے مگر جب تم ملے ہو تو میں نہیں جانتی کہ اپنے دلی جذبات کا اظہار کیسے کروں۔"

"میں تمہارا ممنون ہوں کیتھی!" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "تو تمہارے تعاون کی تصدیق ہونے تک صفدر علی ہی مشکوک ہے۔"

اس نے بھڑک کر غصیلی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ "اگر تم مجھ سے مشکوک تھے تو اس وقت ابو سلطان یہاں موجود ہے۔"

میں قہقہہ مار کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ "آج تم بہت جذباتی ہو رہی ہو۔"

"کیا میری ترجیحات بدل گئی ہیں؟" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "خیر میری دسترس کی معلومات سے زیادہ ابھی زبان روز ہے آئے ... جگہ سنبھال ہو گئی ہے۔"

"تو کیوں؟ سینا کے معاملے پر فوری طور پر کام کا آغاز کرنا چاہیے۔"

"تمہاری بار بار پہلے ہی فیصلہ کر چکی ہوں۔"

"تم نے دیکھا کہ ابو سلطان جیسا خرانٹ شخص بھی تمہارا ..."

"مجھے شاید وہ دعا ہی لگی ہے جو ..."

[illegible]

تھا، کس طرح بنایا ہو گا کہ ابو سلطان اور اس جیسے دوسرے لوگ بھی اپنانے پر مجبور ہو گئے۔"

"ان کے جاننے میں جو بات ہے، عادی ایک ٹھوس اصول پرست شخصیت ... شاید تم ایک لڑکی ہی ہو جیسے تم بستے ہو ... یہ تو تم پر منحصر ہے۔" میں نے اسے چھیڑا۔ "تم خود کو جس روپ میں سامنے پیش کرو گی میں تم کو وہی سمجھوں گا۔"

"میں جا رہی ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے بات ٹال کر اٹھ گئی۔ "واپسی میں ڈاکٹر کو لیتی آؤں گی جو تمہارے زخم کی دیکھ بھال کرے گا۔"

"مجھے سگریٹ بھی لا دینا، بس ایک ہی رہ گئی ہے۔"

وہ دس منٹ بعد سگریٹوں کا پیکٹ میرے حوالے کر کے چلی گئی۔ میں خوابگاہ میں بستر پر دراز ہو کر سینا تک رسائی کی تدابیر پر غور کرنے لگا۔

اس لمحے میں جتنا جذباتی ہو رہا تھا، اسی قدر میرے وجود میں غصہ سرایت کرتا جا رہا تھا۔ جوزف امین ایک بردہ فروش تھا اور اگر اس نے سینا کو کسی رنگین مزاج رئیس کے ہاتھ فروخت کیا ہو تو میرے لیے اس خیال کا ایک ایک لمحہ سوہانِ روح تھا۔ بھاری رقم خرچ کرنے والا اپنی تمام تر قوت صرف کر کے سینا کو رام کرنے کی کوشش ضرور کرتا۔ دوسری طرف مجھے سینا کی ذات پر پورا بھروسہ تھا۔ وہ ہر طرف اٹھنے والے ہاتھوں کو توڑ ڈالنے کی قدرت رکھتی تھی۔ اگر حالات کے جبر میں بے بس ہو کر اپنے تحفظ میں ناکام ہو جاتی تو مجھے پورا یقین تھا کہ بے آبرو کی زندگی پر آبرو مندانہ موت کو ترجیح دیتے ہوئے وہ بخوشی اپنے ہاتھوں موت کو گلے لگا لے گی۔ میرا دل کہتا تھا کہ سینا مجھے زندہ ملے یا مردہ، لیکن اس کی پیشانی پر عفت و عصمت کا لازوال نور جگمگا رہا ہو گا جس کی سوداگری نے جوزف کو بردہ فروش بنایا ہوا تھا۔

کیتھی کے فلیٹ کی خاموش تنہائی میں میرے خیالات کا تسلسل ٹوٹتا ہی رہا اور مجھے وہ دن کائنات کا آخری دن محسوس ہونے لگا۔ میں اپنے دشمنوں کی پروا کیے بغیر سینا کے لیے کوئی فوری قدم اٹھانا چاہتا تھا خواہ میری کوشش اپنی موت پر ہی کیوں نہ منتج ہو۔

لگ بھگ دروازے کے قفل میں چابی کا کھٹکا ہوا اور کیتھی ایک ادھیڑ عمر شخص کے ساتھ فلیٹ میں داخل ہوئی جو سوٹ میں ملبوس تھا۔ میں بستر سے اتر کر خوابگاہ کے دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ کیتھی بول اٹھی۔ "تم یہیں لیٹے رہو، میں ڈاکٹر عبدالرب کو لے آئی ہوں، یہ تمہارا معائنہ کر لیں گے۔"

ڈاکٹر نے اپنا بریف کیس بائیں ہاتھ میں منتقل کر کے مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے تسلی دے کر بستر پر لٹا دیا۔

[illegible]

کی حالت دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ "زخم کی حالت بہت بہتر ہے۔" وہ زخم کا آخری حصہ دباتا ہوا بولا۔ "بس دو چار روز کے مکمل آرام کے بعد تکلیف سے نجات مل جائے گی۔"

"مگر میرے لیے بستر پر پڑے رہنا محال ہو گیا ہے ڈاکٹر!"

"مجبوری ہے۔" اس نے میری شکل دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر ایک ٹانکا بھی کھل گیا تو از سر نو علاج شروع کرنا پڑ جائے گا۔"

میری کیفیت کے پیشِ نظر اس نے زیرِ استعمال دواؤں پر ہی اکتفا کیا البتہ طاقت اور زخم کو سکھانے کے لیے دو انجکشن لگا دیے۔

"چند روز کمزوری رہے گی۔" اس نے جاتے ہوئے بریف کیس سے انجکشن نکال کر کیتھی کو تھماتے ہوئے کہا۔ "چاہو تو انہیں لگا دیا کرو۔"

"لگا دوں گی۔" کیتھی نے مسکرا کر کہا۔ "مگر ڈاکٹر کے مشورے کے بغیر زخم کو چھیڑا نہیں جاتا۔"

وہ چند منٹ بعد واپس چلا گیا۔

"عدالت میں سینا نے اپنا نام ٹریسی لکھوایا تھا۔" واپس آ کر کیتھی نے بتایا۔

"کمال ہے!" میں نے حیرت سے کہا۔ "حالانکہ وہ بالکل غیر تعلیم یافتہ ہے۔ ایسا نام اسے کس طرح سوجھ گیا؟"

"ہو سکتا ہے کہ کبھی یہ نام سنا ہو اور اس کے ذہن میں اٹکا رہ گیا ہو۔" کیتھی نے وضاحت کی۔ "اس کا ضامن عبدالکریم صالح تھا جو پیشے کے اعتبار سے ... بتائے گئے پتے کی تصدیق پر عدالت نے بھی توجہ نہیں دی تھی کیونکہ ضمانت کی رقم نقد جمع کرائی گئی تھی۔"

"پھر تو جوزف امین کا ہی رخ کرنا پڑے گا۔"

"وہ واپس قاہرہ جا چکا ہے۔" کیتھی نے پرس سے چاکلیٹ کا پیکٹ نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ معلوم ہونے پر میں نے عدالت سے بقیہ تین لڑکیوں کے ضامنوں کے بھی نام اور پتے حاصل کر لیے۔ ان میں سے ایک کا ٹھکانا مل گیا ہے۔ وہ شہر کے قدیم حصے کے ایک ہوٹل کا مالک ہے اور اسی کی اوپری منزل پر مقیم ہے۔"

"اس سے ملنے کی کوشش نہیں کی تم نے؟"

"وہ خاصا بدنام آدمی ہے۔ منشیات کی غیر قانونی تجارت میں بری طرح ملوث ہے۔ آسانی سے ایک لفظ بھی نہیں اگلے گا۔"

"بقیہ دو کے بارے میں کیا ہوا؟"

"میرے لیے آج کی بھاگ دوڑ تھکا دینے والی ثابت ہوئی۔ ان کا سراغ نکالنے پر دو آدمی مامور کر چکی ہوں، وہ شام تک اطلاع دیں گے۔"

"زمین سے آسمان تک کا سفر ہی ہاتھ آنا ہو گا۔" میں نے چاکلیٹ نگلتے ہوئے کہا۔ "ان تینوں سے شاید سینا کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکے لیکن عبدالکریم صالح کا ٹھکانا ضرور معلوم ہو سکتا ہے۔"

اس اثنا میں دروازہ چونکہ کھل چکا تھا، کیتھی نے کار آگے بڑھا دی!

"نہیں پہچان لینے کے بعد بھی... کارڈ طلب کرنا غیر ضروری بلکہ غیر فطری محسوس ہوا تھا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"وہ یہ سمجھ گیا تھا کہ کیتھی مادام قصر السودان کے پھاٹک پر آئی ہے مگر اسے یہ یقین نہیں تھا کہ کیتھی اب بھی تنظیم کی رکن ہے۔"

"تو کیا تمہارے یہاں رکنیت اس قدر غیر یقینی ہوتی ہے؟" میں نے سامنے نظر آنے والی دو منزلہ وسیع عمارت کا جائزہ لیتے ہوئے حیرت سے سوال کیا۔

"ذرا سی غلطی پر رکنیت معطل یا ساقط کر دی جاتی ہے۔" اس نے کہا "اور اس سزا کی اطلاع یہ ہوتی ہے کہ کوئی مجاز شخص متعلقہ رکن کا کارڈ ضبط کر لیتا ہے۔"

"اور اس طریقہ کار پر کسی کو اعتراض نہیں ہوتا؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"کیوں ہوگا؟" اس نے الٹا مجھی سے سوال کر دیا۔ "ہر رکن کا عہد بیعت یہ سچائی پر مبنی ہے... ہر کارروائی انتہائی احتیاط کے ساتھ کی جائے تو کون اعتراض کرے گا؟ انقلابی تنظیمیں ایسے ہی نظم و ضبط میں ہی پنپ پاتی ہیں!"

اسی اثنا میں کیتھی سرسبز لان کے درمیان بنی ہوئی پختہ سڑک طے کر کے اپنی کار پورچ میں روک چکی تھی۔

کار روک کر کیتھی نیچے اتری تو میں نے بھی اپنی سمت کا دروازہ کھولا مگر اس نے لرزتی ہوئی آواز میں مجھے نیچے اترنے سے روک دیا۔ پھر میری نگاہ ان خونخوار کتوں پر بھی پڑ گئی... جو پورچ کے نیچے سے نکل کر کیتھی کے قریب آ کھڑے ہوئے تھے اور اس کی کار کی طرف دیکھ کر بڑے غضبناک انداز میں غرا رہے تھے۔ میرے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ وہ کتے عمارت کے نگران تھے اور صرف ان ہی لوگوں سے نرمی سے پیش آتے ہوں گے جن کی بو سے مانوس رہے ہوں... ورنہ ان کے خونخوار جبڑے سیکنڈوں کی قلیل مدت میں کسی بھی اجنبی کے چیتھڑے اڑا ڈالنے کی قوت رکھتے تھے!

کیتھی کو کار کے قریب کھڑے ہوئے چند سیکنڈ ہی گزرے تھے کہ وسیع برآمدے کے کسی گوشے میں سے ایک شخص تقریباً دوڑتا ہوا اس تک آ پہنچا۔

"یہ کون ہے؟" اس نے آتے ہی میری طرف دیکھ کر کیتھی سے مشکوک انداز میں سوال کیا۔

"میرا مہمان!" کیتھی نے نرمی سے جواب دیا۔ "پچھلے پانچ سال میں ایک شکار یہ ہوشیار ہے ذرا اپنے کتوں کو سنبھال لو!"

"ادھر آؤ میرے ساتھ!" وہ سوڈانی ڈپٹ کر عربی میں بولا۔

اور وہ چاروں کتے غراہٹیں بھول کر دمیں ہلاتے اس کے پیچھے ہو لیے۔

"اب نیچے آ جاؤ!" کیتھی نے ہنس کر کہا۔

"انہیں معدوم ہی ہو جانے دو!" میں نے جواب دیا۔ "ایسا نہ ہو کہ وہ آہٹ پاتے ہی مجھ پر بھیڑیوں کی طرح پلٹ پڑیں۔"

"اعلیٰ نسل کے کتے ہیں۔ اپنے ٹرینر کے حکم سے ذرا بھی سرتابی نہیں کرتے۔" وہ کھڑکی پر جھک کر بولی۔

میں جھجکتے ہوئے کار سے نیچے آ گیا۔

کیتھی مجھے ہمراہ لے کر وسیع و عریض برآمدے کی طرف بڑھ گئی، جہاں ایک مختصر سے چوبی کاؤنٹر کے عقب میں کتوں کا ٹرینر کھڑا ہوا تھا۔ کتے فرش پر پرسکون انداز میں بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ ہماری آہٹوں پر تقریباً ان سبھی نے کسلمندانہ انداز میں نیم وا آنکھوں سے ہماری طرف دیکھا اور دوبارہ آنکھیں موند کر کسی سوچ میں غرق ہو گئے۔

"میری کار میں جو شخص ہے وہ شخص بڑا ہے بارہ نمبر...."

کیتھی کی بات ادھوری رہ گئی۔ کیونکہ اونگھتے ہوئے کتوں کے ڈھلکے ہوئے کان یک لخت کھڑے ہو گئے اور ان چاروں نے بیک وقت خوفناک آوازوں میں غرانا شروع کر دیا۔

میرے دہشت سے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور بدن کے جملہ مسامات کے دہانے کھل گئے۔ مگر میری وہ کیفیت پل بھر سے زیادہ برقرار نہ رہ سکی۔

وہ چاروں کتے لمبی لمبی چھلانگیں مارتے برآمدے کی طرف دوڑ پڑے تھے اور پھر ان کی وحشیانہ غراہٹوں میں کسی انسان کی خوفزدہ چیخیں بھی شامل ہو گئی تھیں!

دل دہلا دینے والے کربناک انداز میں چلانے والے کی آوازوں کے نشیب و فراز سے اندازہ ہو رہا تھا کہ قصر السودان کے خون آشام کتے اس کے بدن کو بری طرح نوچ رہے تھے۔

یہ سب اس قدر تیزی سے ہوا کہ میں دہشت کے ابتدائی لمحے سے بھی نہ سنبھل سکا۔ پھر جو کاؤنٹر کی طرف سر گھمایا تو وہ خالی پڑا ہوا تھا اور کیتھی نے میرا داہنا بازو اتنی سختی سے دبوچ رکھا تھا کہ اس کی انگلیوں کے بڑھے ہوئے ناخن مجھے اپنی جلد میں پیوست ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔

باہر کتوں کے رکھوالے کی تیز آواز ابھری اور کتوں کا وہ غضبناک شور یک بیک ختم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ انسانی چیخیں آہوں اور کراہوں میں تبدیل ہو گئیں۔

"غالباً عبدالکریم مارا گیا؟" میں نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔ میری آواز سن کر وہ چونک پڑی اور میرے بازو پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ "میں نے ان کتوں کو پہلی بار اشتعال کے عالم میں دیکھا ہے!"

"عبدالکریم شاید جھنجھلاہٹ میں اگر کار کی گاڑی سے اتر پڑا۔ اور کتوں کا نشانہ بن گیا۔" میں نے بلند آواز میں قیاس آرائی کرتے ہوئے کہا۔

پھر تقریباً فوراً ہی میرے اندازے کی تصدیق ہو گئی کیونکہ چند افراد عبدالکریم کو اس حالت میں اٹھا کر لا رہے تھے کہ اس کا تار تار لباس خون میں بری طرح آلودہ تھا اور جڑے ہوئے ہاتھ سے بہنے والے خون نے اس کا حلیہ بہت بھیانک بنا دیا تھا اور وہ کرب کے عالم میں بری طرح کراہ رہا تھا۔

"نمبر بارہ!" کیتھی نے عبدالکریم کو لانے والوں کو یاد دلایا اور مجھے ساتھ لے کر آگے بڑھ گئی۔ وہ اپنے ابتدائی ردعمل پر قابو پا لینے کے بعد اعتدال پر آ چکی تھی جبکہ میں عبدالکریم کے کتوں کے بھنبھوڑے ہوئے جسم کا تصور کر کے ابھی تک پریشان ہو رہا تھا!

قصر السودان کی عمارت باہر سے جتنی پرشکوہ تھی، اندر سے اسی قدر پراسرار تھی۔ اس وقت حالانکہ باہر دوپہر کی چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی لیکن عمارت میں تین راہداریاں اور ایک مختصر سا زینہ استعمال کرنے کے بعد ہم ایسے ماحول میں پہنچ گئے جہاں سقف گیر روشنیاں نہ ہوتیں تو شاید ہاتھ کو ہاتھ بھی نہ سجھائی دیتا!

"یہ عمارت تو اچھی خاصی بھول بھلیاں ہے!" میں نے اس کے ہمراہ آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"افریقہ میں یہ عمارت ہمارا سب سے بڑا اور محفوظ مرکز ہے۔" وہ فخریہ انداز میں بولی۔ "باہر تم نے احاطے کی دیوار پر خاردار تاروں کی باڑھ دیکھی تھی اس میں ہر وقت طاقتور برقی رو دوڑتی رہتی ہے۔ برقی رو اور مسلح محافظوں کے بعد خونخوار کتے ہیں جن کی کارکردگی ابھی تم خود دیکھ چکے ہو!"

"مگر میرا تو خیال تھا کہ افریقہ میں مصر تمہارا سب سے بڑا سرچشمہ ہے۔" میں نے اس پر اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"وہ گزرے دنوں کی کہانیاں ہیں۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "جب مصر ہماری تحریک عمل کا سرچشمہ ہوا کرتا تھا مگر اب وہاں علاقائی سلامتی کی فکر طلوع ہو رہی ہے۔ وہ لوگ فلسطین کی خاطر اپنی آزادی اور بقا کو داؤ پر لگانے کے لیے تیار نہیں ہیں!"

"فی الحال تو ایسی کوئی علامت نظر نہیں آتی!" میں نے اپنے زمانہ طالب علمی کے اخباری مطالعے کی روشنی میں کہا۔

"یہ اندر کی کہانیاں ہیں۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔ "تم لکھ کر رکھ لو کہ موجودہ رجحانات برقرار رہے تو آنے والے دو چار برسوں میں فراعین کی سرزمین سے اسرائیل دوستی کا نعرہ بلند ہوگا اور وہ شاید ہماری تحریک کے لیے بدترین دور ثابت ہوگا!"

پیچیدہ راستوں سے گزرنے کے بعد آخرکار وہ ایک وسیع و عریض کمرے میں داخل ہو گئی۔ مجھے حیرت تھی کہ عمارت کے اندر خاصی طویل مسافت طے کرنے کے باوجود راستے میں ہمیں کوئی ذی روح نہیں ملا تھا!

اس کمرے میں نشست گاہ اور خوابگاہ کے مشترکہ لوازم موجود تھے۔ میں اندر داخل ہوتے ہی تھکے ہوئے انداز میں ایک نرم بستر پر گر گیا۔

"ایک بات بتاؤ گی؟" میں نے چند گہرے سانس لینے کے بعد اس سے سوال کیا۔

"کیوں نہیں بتاؤں گی؟" وہ مسکرا دی!

"اگر قصر السودان میں صرف وہی لوگ آ سکتے ہیں جن کی بو سے کتے مانوس ہیں، تو ان کی تعداد کیا ہے؟"

"بہت قلیل!" وہ بولی۔ "شاید کل چالیس افراد۔"

"اور یقیناً وہ سب اس وقت عمارت میں موجود نہیں ہیں؟"

"یہ اندازہ کیسے لگا لیا تم نے؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"برآمدے سے یہاں پہنچنے تک راستے میں ہماری کسی سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی۔" میں نے کہا۔ "اس کا مطلب تو یہی ہے کہ مکینوں کی تعداد کے اعتبار سے عمارت بہت وسیع ہے!"

"مجھے تمہارے منطقی قیاسات پر حیرت ہوتی ہے۔" اس نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "کتے صرف چالیس افراد کی بو پہچانتے ہیں جن میں سے زیادہ بیروت میں یا کم از کم سوڈان سے باہر رہتے ہیں۔"

"کیا یہ اعداد و شمار پی ایل او کے رازوں میں شمار نہیں ہوتے؟"

"یہ تو کلیدی راز ہیں!" اس نے جلدی سے کہا۔ "میری کوئی ہم شکل نگہبانوں کو دھوکا دے کر اندر داخل ہو بھی جائے تو کتوں سے نہیں بچ سکے گی۔ یہ سب ہمارے راز ہیں جن پر قصر السودان کی سلامتی اور کارکردگی کا دارومدار ہے!"

"پھر ان رازوں میں مجھے کیوں شریک کیا جا رہا ہے؟"

"بیروت سے احکام آ جانے کے بعد تم جانتے ہو کہ اب تم کتنے زیادہ اہم ہو۔ ورنہ قصر السودان کے بارے میں ایک لفظ بھی نہ جان سکتے!"

"عبدالکریم سے ملاقات کب ہوگی؟" میں نے چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد اس سے نیم لہجے میں سوال کیا۔

"اسے کتوں نے بڑی بے دردی سے ادھیڑا ہے۔" وہ بولی۔ "اسے مرہم پٹی کے بعد یہیں لایا جائے گا۔ یہی کمرہ نمبر بارہ ہے!"

"اور اگر وہ اس سے پہلے ہی چل بسا؟"

"پھر کوئی اور راہ تلاش کریں گے!" وہ عجیب سے انداز میں مسکرا دی۔ "اس دوران میں تم ذرا اپنی ڈاک دیکھ لو۔"

"کیا یہاں کوئی مواصلاتی رابطہ بھی ہے؟"

"یہاں شارٹ ویو کا ایک طاقتور ٹرانسمیٹر ریسیور بھی ہے۔"

جس پر ڈور سوار نے ضیہ اطلاعات کی جاتی رہتی ہیں تو اس نے میری حیرت میں اضافہ کرتے ہوئے کہا: "تم یہیں آرام کرو، میں چند منٹ میں واپس آتی ہوں۔"

وہ چلی گئی اور میں سگریٹ سلگا کر اپنے خیالات کی دنیا میں کھو گیا جیسے جیسے کیتھی مائر کی ذات وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پیچیدہ ہوتی جا رہی تھی۔

اس نے عبدالکریم کی موت کے انکشاف پر جس لاتعلقی کا اظہار کیا تھا اس کی بنا پر مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ کہیں وہ خود ہی اسے ختم نہ کرا دے اس طرح سیتا کے بارے میں فوری طور پر کوئی سراغ ملنا ناممکن ہو کر رہ جاتا اور میں کوئی نیا سراغ ملنے تک کیتھی مائر کے رحم و کرم پر پڑا رہ جاتا۔ میری ذات میں اس کی دلچسپی کے پیش نظر ایسا ہونا بعید از قیاس نہیں تھا اور میں کیتھی کے تاخیری ہتھکنڈوں کو ناکام بنانا چاہتا تھا۔

معاً مجھے خیال آیا کہ باہر سخت ترین حفاظتی انتظامات ہونے کے باوجود عمارت میں غیر معمولی ویرانی کا راج تھا اور اتنی بڑی تعمیر شدہ ٹرسٹ کی دو منزلوں میں جیل کی محافظوں میں سے کل آٹھ نو کا ہونا بہت ناکافی تھا لہٰذا میں باہر نکل کر یہ اندازہ کرنے کی کوشش کرنا چاہتا تھا کہ اس وقت کیتھی کہاں تھی اور کیا کرتی پھر رہی تھی!

وہ خیال آتے ہی میں نے بستر چھوڑ دیا۔

بارہ نمبر کا دروازہ حسب معمول اندیشے کے برعکس غیر مقفل تھا میں نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور باہر ویران راہداری میں پہنچ گیا۔ جہاں اگر بلب روشن نہ ہوتے تو رات کے گھور اندھیرے کا سا ہولناک سناٹا ہوتا۔

میں بارہ نمبر سے باہر تو نکل آیا تھا مگر میرے اس بے اعتدالی کا کوئی جواز نہیں تھا۔ لہٰذا میں نے تیزی سے گرد و پیش کا جائزہ لینا شروع کیا اور یہ میری خوش نصیبی تھی کہ مجھے چھت میں نصب دو نمبروں کے علاوہ ایک ایسا دیوار گیر بلب بھی نظر آ گیا جو میری دسترس میں تھا۔ اس قسم کے بلب راہداری میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر نصب تھے۔

میں نے جیب سے ایک سکہ نکالا اور پھرتی سے اس بلب کے قریب پہنچ گیا۔ اس وقت راہداری میں دور دور تک ہو کا عالم طاری تھا۔ میں نے جیب سے رومال نکال کر اس کی مدد سے روشن بلب ہولڈر سے باہر نکالا جو خاصا گرم تھا پھر بلب کے دھاتی حصے پر سکہ رکھ کر دوبارہ ہولڈر میں پھنسا دیا۔

بلب فیوز ہوتے ہی سارا بار یک لخت ہر طرف اندھیرا پھیل گیا۔ میں نے بلب ہٹا کر احتیاط سے وہ سکہ دوبارہ اپنی جیب میں ڈال لیا اور اندازہ کر کے بلب دوبارہ ہولڈر میں لگا دیا۔ اس حصے کا فیوز اڑ جانے کے بعد میرا مقصد پورا ہو گیا تھا لہٰذا میں بلب لگا کر وہاں سے کھسک لیا۔

بارہ نمبر کا دروازہ کھول کر میرا دل باغ باغ ہو گیا کیونکہ وہاں بھی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں دروازہ بند کر کے راہداری میں تیزی سے ایک طرف چل دیا۔

میں نے بارہ نمبر کا دروازہ بند کرنے کے بعد غیر ارادی طور پر واپسی بہت احتیاط کی تھی اور اس طرف کسی موڑ سے آنے والی روشنی نظر آ رہی تھی۔

میں اندھیرے میں تیزی سے پیش قدمی کرتا ہوا اس موڑ پر پہنچا تو مڑتے ہی سامنے سے سفید کوٹ میں ملبوس ایک شخص تیزی سے آتا ہوا نظر آیا۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی وہ بری طرح چونکا تھا جیسے چوری کی کوشش کر رہا ہو یا پھر مجھے دیکھ کر اسے حیرت ہوئی ہو!

"کون ہو تم؟" میرے قریب آ کر اس نے تیز نگاہوں سے گھورتے ہوئے استفہامیہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"یہی سوال میں بھی تم سے کر سکتا ہوں!" میں نے ذرا اکڑ کر اعتماد سے کہا۔

"میری شناخت؟" اس نے اپنی جیب سے کارڈ نکال کر میرے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ اس کارڈ پر سیاہ ہندسوں میں ایک نمبر کے علاوہ اس شخص کی رنگین تصویر چسپاں تھی اور تصویر کے نیچے ابھرے ہوئے الفاظ میں ایل او کی مہر ثبت تھی۔ مجھے دکھانے کے بعد اس نے وہ کارڈ فوراً ہی اپنی جیب میں واپس رکھ لیا تھا۔

"کیا اتنا کافی نہیں ہے کہ میں تمام تر حفاظتی انتظامات کے باوجود صحیح سلامت اس عمارت میں موجود ہوں؟" میں نے سوال کیا۔

اس کی آنکھوں میں الجھن عود کر آئی اور اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا: "یہ کوئی معتبر استدلال نہیں ہے۔ تم کس کے ساتھ آئے ہو؟"

"کیتھی مائر کے ساتھ!" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے جواب دیا لیکن پھر مجھے خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں وہ مجھے کیتھی مائر کا رقیب سمجھ کر بغیر کچھ پوچھے کوئی وار نہ کر دے جس کے بعد میں اپنے مقتول ہونے پر ماتم کرنے کے لیے بھی زندہ نہ ہوتا!

"تو یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس کے لہجے میں نمایاں نرمی پیدا ہو گئی۔ "تمہیں تو اس وقت بارہ نمبر میں ہونا چاہیے تھا!"

اس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ میرے لیے حیران کن تھے۔ اتنی مختصر سی مدت میں قصر السودان کے محافظوں کو نہ صرف میری موجودگی بلکہ اس کے مخصوص کمرے کا بھی علم ہو چکا تھا۔

"دراصل! اچانک اندھیرا ہو گیا ہے!"

"میرے ساتھ آؤ!" وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "میں پتا کرنے جا رہا ہوں!"

"کیپٹن مائرہ اس وقت کہاں ہوگی؟" میں نے دریافت کیا۔
"وہ جہاں بھی ہوگی تمہارے پاس لوٹ آئے گی۔"
"تمہیں زخمی ہونے والے کے بارے میں کچھ علم ہے؟"
"سنا ہے کہ کتوں نے اس کا چہرہ اور سینہ بری طرح ادھیڑا ہے شاید وہ ان زخموں سے جانبر نہ ہو سکے۔"
"تم مجھے اس کے پاس لے چلو!" میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔ "میں مرنے سے پہلے اس سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"
"تمہیں بارہ نمبر میں ہی محدود رہنا چاہئے۔" اس نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "میں وہاں سے انٹرکام پر کیپٹن سے تمہاری بات کرادوں گا۔"
ناچار مجھے اس کے ساتھ لوٹنا پڑا۔
اسے اڑا ہوا فیوز تبدیل کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگی مگر وہ فیوز اڑنے کا سبب جاننے میں کامیاب نہ ہو سکا۔
راہداری میں روشنی بحال ہونے کے بعد میں اس کے ساتھ بارہ نمبر میں داخل ہوا تو اس نے وہاں موجود داخلی فون پر ایک نمبر ملایا اور کیپٹن کے بارے میں دریافت کرنے کے بعد سلسلہ منقطع کر دیا اور دوسری بار نمبر ملا کر اس نے ریسیور مجھے دے دیا۔
"کیپٹن!" کھنچی کھنچی آواز موصول ہوتے ہی میرے کانوں میں کیپٹن کی تحکم آمیز آواز آئی۔
"تم کہاں غائب ہو؟" میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ عبدالکریم قریب المرگ ہے۔ اس سے بات کرنے کی فرصت کب آئے گی؟"
"میں آرہی ہوں!" یہ کہہ کر اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔
میرے پاس سے اس شخص کے جانے کے چند منٹ بعد ہی کیپٹن واپس آگئی۔
"تمہارے لئے ایک خوشخبری ہے!" اس نے آتے ہی مسرت آمیز لہجے میں کہا۔
"وہ کیا؟" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔
"ہاشم تمہارے بارے میں فکرمند تھا!"
"ہاشم؟" میں حیرت اور بے یقینی کے عالم میں تقریباً چیخ اٹھا۔ "تو وہ زندہ ہے؟"
"وہ بیروت میں ہے۔" کیپٹن نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اس کے گروپ نے پی ایل او سے باضابطہ طور پر صحرائے نوبیا میں تمہاری لاش کی تلاش کی درخواست کی تھی جبکہ تم اسے مردہ تصور کئے بیٹھے تھے!"
"کمال ہے!" میں نے مسرت آمیز حیرت سے کہا۔ "وہ بیروت کیسے پہنچ گیا؟ میں نے تو اپنی طرف سے اس پر صبر کر لیا تھا۔"
"بیروت سے کل رات یہاں پیغام موصول ہوا تھا اور میں ابھی ہاشم سے وائرلیس پر بات کر کے آئی ہوں۔ وہ تمہارے بارے میں کسی خبر کے انتظار میں پچھلے تیس گھنٹوں سے مسلسل پی ایل او کے بنگاسی کے اسلامی مرکز میں جما بیٹھا تھا!"
"تو کیا تم اس سے واقف تھیں؟"
"نہیں!" اس نے کہا۔ "افواج آزادی فلسطین کے سرگرم رکن کے طور پر میں اس کے نام سے واقف تھی۔ دراصل تم دونوں اپنے گائیڈ کی فریب دہی کا نشانہ بنے۔ اس نے ہاشم کو تمہارے بارے میں بالکل وہی دردناک کہانی سنا کر آگے چلنے سے انکار کیا تھا جو تمہیں ہاشم کے بارے میں... سنائی تھی۔ اور ہاشم صحرا سے نکلنے کے بعد دل برداشتہ ہو کر فوراً سوڈان سے چلا گیا کیونکہ یہاں اسے قانونی الجھنوں اور پریشانی کا خطرہ تھا!"
"یہ تو بہت بڑی خوشخبری سنائی تم نے!" میں نے حقیقی مسرت کے احساس کے ساتھ کہا۔ اس وقت میرے ذہن میں ہاشم کے وہ الفاظ گونج رہے تھے جو اس نے صحرا میں رہنے والوں کے بارے میں کہے تھے۔ اپنی دانست میں یہ خانہ بدوش صحرائی زندگی سے اکتائے ہوئے لوگ تفریحی مشغلہ پیدا کرنے کے چکر میں نہایت روانی کے ساتھ جھوٹی کہانیاں گھڑنے کے ماہر تھے اور شاید یوسف نے بھی صرف آخر کا تجربہ کرنے کے بعد اپنی گلوخلاصی کی خاطر ہم دونوں پر علیحدہ علیحدہ یہ حربہ آزمایا تھا۔
اس نے ہاشم کی دردناک موت کی منظر کشی کر کے مجھ پر شدید جذباتی رقت طاری کرنے کے بعد محض اپنے گھر پہنچنے کی خاطر جاری معاوضے یا انعام کو بھی ٹھکرانے کا ذکر کیا تھا جبکہ وہ سفر کے آغاز سے پہلے ہی ایک خطیر رقم ہم سے لے کر اپنی بستی میں چھوڑ آیا تھا۔
ہاشم کی زندگی کی خوشخبری پا کر کچھ دیر کے لئے میں عبدالکریم کو بھول گیا۔ اس کے ساتھ میری رفاقت اتنی طویل اور محبت آمیز تھی کہ اس کی موت میرے لئے ایک ناقابل یقین حقیقت بنی ہوئی تھی مگر کیپٹن نے مجھے اس صدمے سے نجات دلا دی تھی۔
"عبدالکریم کو دیکھنا چاہتے ہو تو میرے ساتھ آؤ!" اس نے اٹھتے ہوئے کہا اور میں اس کے ساتھ ہو لیا۔
وہ سفید بستروں والا وہ کمرہ اپنی ساخت کے اعتبار سے کسی ہسپتال کا پرتکلف وارڈ معلوم ہوتا تھا۔ جہاں ایک بستر پر عبدالکریم پٹیوں میں لپٹا ہوا بے ہوش پڑا ہوا تھا۔
اس کے چہرے، سینے اور ہاتھوں کے زخموں کی حالت اتنی ناگفتہ بہ تھی کہ ساری ڈریسنگ خون میں تر ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ کی نس میں لگی ہوئی سوئی پلاسٹک کی پتلی سی نلکی کے ذریعے خون کی الٹی ہوئی بوتل سے ملحق تھی۔
اسے گو متواتر خون مسلسل دیا جا رہا تھا لیکن اخراج کی رفتار اتنی تیز تھی کہ میں اسے دیکھ کر رہ گیا اور میری آنکھوں میں [illegible]

ریڈیو والے دو عظیم شحیم اور خون آشام کتوں کی کم نہ ہونے والی جنوں نے آنا فاناً ہی اسے اس حال میں پہنچا دیا تھا!
"کیا تو بچ سکتا ہے؟" میں نے وہاں موجود دو نرسوں میں سے ایک سے سوال کیا۔
اس نے مایوسی سے سر ہلا دیا۔ "بچنا محال ہے۔ جسم کے جتنے حصے پر اتنا گہرا زخم آیا ہے کہ پسلیوں تک پر خراشیں آئی ہیں نبض کی رفتار بھی خطرناک ہے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کب رک جائے!"
"اسے کچھ دیر کے لئے ہوش آسکتا ہے؟"
"یہ دہشت اور نقاہت سے نڈھال ہے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھولتا ہے اور بے معنی سی گالیاں بکنے لگتا ہے۔"
"پھر میں یہیں بیٹھوں گا!" میں نے کیپٹن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "نہ جانے کب یہ آخری ہچکی لے کر دم توڑ دے!"
"تم دونوں جاؤ! میں اسے دیکھ لوں گی!" کیپٹن نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ اور وہ نرسیں ہمیں چھوڑ کر وہاں سے چلی گئیں۔
میں نے قریب کھڑے ہو کر دو تین بار عبدالکریم کو پکارا تو اس نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھول دیں اور مجھ پر نگاہ پڑتے ہی وہ کراہوں کے درمیان قہر اور نفرت بھرے لہجے میں برس پڑا۔
"تم جھوٹے... مکار... میں تمہارے چیتھڑے اڑا دوں گا!"
"مزید چیخ پکار تو تم ہی اڑا دو گے!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "فی الحال میں تم سے صرف اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ عدالت سے تم نے جن چار لڑکیوں کی ضمانت کرائی تھی وہ کہاں ہیں؟"
ایک لحظہ کے لئے پٹیوں کے درمیان سے جھانکتی ہوئی اس کی قہر بار آنکھوں میں حیرت کی جھلک نمودار ہوئی پھر اس نے سوال کیا۔
"تم کون ہو؟"
"سوال کرنے کے بجائے جواب دینے کی کوشش کرو!" میں نے لفظ گھونٹتے ہوئے وحشت لہجے میں کہا۔ "تعاون کرو گے تو طبی امداد کے ساتھ ہی رہائی بھی مل سکتی ہے ورنہ سسک سسک کر اسی بستر پر اپنے آخری سانس پورے کرو گے!"
"تم... میں نے صرف ایک لڑکی کی ضمانت لی تھی!" وہ برابر مجھے آنکھوں میں گھورتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں بولا۔
دنیا کے ہر بھٹکے آدمی کی طرح اپنی موت کا امکان سامنے آتے ہی اس کا سارا اشتعال یکلخت خوف میں تبدیل ہو گیا تھا۔
"بکواس مت کرو!" میں نے غرا کر کہا۔ "ان چاروں لڑکیوں کی ضمانت کا سارا بندوبست تم ہی نے کیا تھا اور عدالت سے ان کی رہائی کے پروانے جاری ہوتے ہی تم نے حاصل کر لئے تھے!"
"شاید تمہیں نہیں معلوم کہ وہ سارا چکر کیا تھا!" وہ اپنی تکلیف کو بھلا کر بہت زیادہ مضطرب نظر آنے لگا تھا۔ [illegible]

ہے کہ اس معاملے سے دور رہو!"
اس دوران میں کیپٹن خاموش کھڑی بغور میرا جائزہ لیتی رہی تھی اس پر عجیب سی اضطرابی کیفیت طاری تھی جو میرے لئے ایک نئی چیز تھی۔
"یہ باز نہیں آئے گا!" وہ اچانک بولی۔ "ہم اس پر اپنا وقت برباد کر رہے ہیں۔ اس کا تو قصہ ہی پاک کر دو!"
یہ کہتے ہوئے کیپٹن نے انتہائی پرسکون انداز میں اپنے وینٹی بیگ میں سے پستول نکالا کہ میں بوکھلا گیا۔ اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اسی وقت عبدالکریم کو گولی مار دے گی۔
"مار دو اسے!" میں نے لپک کر اس سے پستول چھین لیا۔ "یہ کیا حماقت کر رہی ہو؟ اس کے ساتھ ہی ہم دوبارہ کتوں کے حوالے کئے دیتے ہیں!"
"نہیں!" وہ حلق کے بل ہذیانی انداز میں چیخ پڑا۔ "تم یہ بزدلی نہیں کر سکتے۔ میں تم سب کو فنا کر دوں گا۔ تمہاری ہڈیاں چور چور کر دوں گا!"
"بکواس بند کرو کتے کی اولاد!" کیپٹن نے جھپٹ کر اس کے سینے پر ایک مشتی جماتے ہوئے کہا۔ "ورنہ سارے جوڑ بھی ہلا دیئے جائیں گے!"
وہ خاموش ہو گیا۔ مگر اس کی آنکھوں میں خوف کے ساتھ ہی قہر اور نفرت کے شرارے بھی کوند رہے تھے۔
"لڑکیاں کہاں ہیں؟" میں نے اپنا سوال دہرایا۔
"جوزف ایلیٹ میری کھال میں بھوسہ بھروا دے گا!" وہ قدرے توقف کے بعد کراہتے ہوئے بولا۔ "میں تو بڑی مشکل میں پھنس گیا ہوں!"
"ہم لوگوں سے تعاون کر کے تم فائدے میں رہو گے!" میں نے سخت لہجے میں اس پر اپنی نرم دلی کا اظہار کیا۔
"اگر تمہارے سوال کا جواب دے دوں تو مجھے رہائی مل جائے گی؟" اس نے یاس آمیز لہجے میں سوال کیا۔ جیسے اسے آزادی کی کوئی امید نہ رہی ہو!
"اتنے وحشی نہیں ہیں ہم!" میں نے ملائم انداز میں کہا۔ "لڑکیوں کی بازیابی تک تم ہمارے یرغمالی بنے رہو گے۔ فی الحال تمہیں بھی دیکھ بھال کی ضرورت ہے!"
"اپنی دیکھ بھال کا بندوبست میں خود کر سکتا ہوں!" وہ جلدی سے بولا۔ "تمہارے لئے لڑکیوں کی بازیابی اتنی آسان نہ ہوگی۔ بس تم ان کی موجودگی کے بارے میں میرے بیان کی تصدیق کر کے مجھے آزادی دینے کا وعدہ کر لو!"
"کہاں ہیں لڑکیاں؟" میں نے اس کی بات کا جواب دیئے بغیر اپنا سوال دہرایا۔
"میرا خیال ہے کہ جوزف ایلیٹ انہیں رہائی سے پہلے فروخت کر چکا تھا!"
"کس کے ہاتھ؟"
"ایک لڑکی کو تو میں نے شیخ حامود الفوزی کی جاگیر پر پہنچایا

تھا۔ باقی تین کو ایک شخص لے گیا تھا۔" اس نے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا۔

"شیخ جالوہ والفوزی؟" کیتھی مائر نے حیرت سے دہرایا۔ "وہ تو خاصا قابل احترام سیاستدان سمجھا جاتا ہے!"

اس کے ہونٹوں پر تکلیف میں ڈوبی ہوئی تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "بلا کا شوقین بڈھا ہے۔ اس کی جاگیر میں غیر مرد قدم تک نہیں رکھ سکتا۔ اس کی بیویاں تک نہیں جھانک سکتیں۔ وہاں اس نے دنیا بھر سے حسن کے نادر نمونے جمع کئے ہوئے ہیں!"

"شیخ جالوہ والی لڑکی کا نام کیا تھا؟"

"عدالت میں لڑکیوں نے اپنے اصل نام ظاہر نہیں کئے تھے جو نام مجھے بتائے گئے وہ فرضی نام تھے۔ اس کا نام شہپر تھا۔"

میرے ذہن سے جالوہ کا نام فوراً محو ہو گیا کیونکہ بیتا اس کو نہیں لے جائی گئی تھی!

"باقی تین لڑکیوں کے نام کیا تھے؟" میں نے سوال کیا۔

"ٹریسی مارٹن، فرزانہ خانم اور ایلس میاڈن!" اس نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔

"انہیں کون لے گیا تھا؟"

"وہ میرے لئے اجنبی تھا۔ حوزف امین کی ہدایت کے مطابق میں نے کوڈ کے تبادلے کے ذریعے اسے پہچانا اور لڑکیاں اس کے حوالے کر دیں!"

"تم جھوٹ بول رہے ہو!" بیتا غرایا۔

"سنو!" وہ خوفزدہ لہجے میں بولا۔ "میں نے تمہیں صاف دلی سے ہر بات بتا دی ہے۔ ان لڑکیوں سے میرا کوئی مفاد وابستہ نہیں ہے۔ معاوضے کی رقم مجھے پیشگی مل چکی تھی اور میرا خیال ہے کہ حوزف کو یہ بتانے سے تم زندہ جاؤ گے کہ لڑکیوں کا سراغ تمہیں مجھ سے ملا؟"

"مگر وہ اجنبی؟" میرا لہجہ درشت تھا۔

"شاید تم اسے ڈھونڈ ہی لو" وہ بولا۔ "وہ کوئی مقامی ہی تھا اور صورت سے پیشہ ور نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس کی فرمائش پر لڑکیوں کو بے ہوش کر کے اس کی وین کے عقبی حصے میں بند کیا گیا تھا۔ وہ بہت نروس قسم کا آدمی تھا!"

"زیر زمین دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا؟" کیتھی نے سوال کیا۔

"کم از کم میرے لئے وہ اجنبی تھا!" وہ بے بسی سے پہلو بدل کر بولا۔

"اس کی کوئی واضح شناخت؟" میں نے کہا۔

"دراز قامت، سیاہ فام، گھونگھریالے بال۔" وہ سوچتے ہوئے کہنے لگا۔ "کسرتی بدن اور ہاں شاید اس کے ایک کان کا نچلا حصہ خم کھا کر اوپر کی طرف مڑا ہوا تھا۔"

"کون سا کان؟" کیتھی نے چونک کر سوال کیا۔

"جہاں تک یاد پڑتا ہے۔ داہنا کان تھا!" وہ بے چینی کے عالم میں بولا۔

"اور اس کا سامنے کا ایک اوپری دانت سونے کے خول سے منڈھا ہوا تھا۔" کیتھی نے پُرجوش لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں ہاں! وہی!" وہ بے اختیار بول پڑا۔ "سیاہ فام تو بیبی ہیبل ہی ہوتا تھا۔"

"کون ہے وہ؟" میں فوری طور پر کیتھی سے وہ سوال پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"تم اسے نہیں جانتی۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "مڑے ہوئے کان کے حوالے سے مجھے اوپری سنہرا دانت یاد آ گیا۔ اس شخص کو میں کئی بار دیکھ چکی ہوں۔"

"مگر کہاں؟"

"سوچنا پڑے گا۔" وہ پُرخیال لہجے میں بولی۔ "اس کا ایک کان گوبھی کی شکل میں اوپر کو مڑا ہوا ہے۔ غالباً آخری بار میں نے اسے قصر السوداں کے قریب دیکھا تھا۔"

میں نے اسے وہاں سے کھسکنے کا اشارہ کیا اور ہم دونوں باہر آ گئے۔ دونوں نرسیں اس کمرے سے ذرا دور راہداری میں موجود تھیں وہ ہمیں دیکھتے ہی واپس آ گئیں۔

"اسے اب کوئی تیز خواب آور دوا دے دو!" کیتھی نے کہا۔ "اگر حالت بگڑنے لگے تو راحیل کو اطلاع دے دینا۔"

ان دونوں کی آنکھیں تحیر آمیز انداز میں پھیل گئیں اور وہ کچھ کہے بغیر عبدالکریم کے کمرے میں داخل ہو گئیں۔

"یہ راحیل کون ہے؟" اس کے ہمراہ آگے بڑھتے ہوئے میں نے سوال کیا۔

"قصر السوداں کے عملے کا ایک رکن ہے!" اس نے مسکرا کر کہا۔ "اس کا نام سن کر دونوں نرسیں بھی حیران ہو گئی تھیں!" اس نے کہا۔ "غالباً راحیل یہاں کا کوئی ناپسندیدہ شخص ہے!"

"تنہائی پسند اور خود سر آدمی ہے!"

"تو وہ عبدالکریم کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟"

"کچھ بھی نہیں۔" وہ پُرسکون لہجے میں بولی۔ "اس کا زندہ بچنا ناممکن ہے۔ اسے فوری طور پر رہا کیا گیا تو باہر وہ مرنے سے پہلے پولیس میں اتنی بکواس کر جائے گا کہ اس کی موت پر خطرناک تنازعے کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔"

"تو تم اسے ختم کرا دو گی؟"

"قتل و خون ہماری پالیسی کے خلاف ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "وہ اپنے ساتھ ہی رہے کر لے گا تو راحیل اسے کہیں ڈال آئے گا۔"

مقیاس آرائیاں تو پھر بھی ہوں گی۔"

"مگر وہ خطرناک نہیں ہوں گی۔" وہ بولی۔ "نفرتی الہشام سے کسی نے اسے تمہارے ساتھ نکلتے نہیں دیکھا تھا۔ ہم پر شبہ ضرور کیا جائے گا مگر اس کی نوعیت موہوم سی ہو گی مگر عبدالکریم باہر جاتے ہی ہم دونوں پر اپنے اغوا اور تشدد کا براہ راست الزام عائد کرے گا۔"

وہ خاموش ہو گئی۔ اور میں قصر السوداں کے پُراسرار طریقۂ کار کے بارے میں سوچنے لگا۔

"فی الحال تم یہیں ٹھہر گئے!" کمرۂ غیر پاور میں پہنچنے کے بعد کیتھی نے کہا۔

"اور تم کہاں جا رہی ہو؟"

"مڑے ہوئے کان والے کی تلاش میں!"

"کیا کچھ یاد آ گیا اس کے بارے میں؟" میں نے پُرامید لہجے میں سوال کیا۔

"یاد آ جاتا تو شاید اتنی دشواری نہ ہوتی!" اس نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ یہیں ہے خاصا معزز آدمی ہے یہی وجہ ہے عبدالکریم کے پاس سے لڑکیوں کو غیر قانونی طریقے پر لے جاتے ہوئے وہ نروس نظر آ رہا تھا۔"

"میرے لئے تنہا یہاں رہنا بہت مشکل ہے گھٹن سی محسوس ہوتی ہے!" میں نے کہا۔ "میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ مجھے اپنے فلیٹ پر چھوڑ دینا۔"

"یہاں والے بہت ملنسار ہیں۔"

"ان سے دوستی کرنے میں وقت لگے گا جو میرے پاس نہیں ہے" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "پھر میں یہاں کے قواعد سے بھی ناآشنا ہوں۔"

"اچھا! تو چلو میرے ساتھ۔" وہ اٹھ گئی۔

"گئے کہاں غائب ہو گئے؟" بلا کسی تعرض کے کیتھی کی کار میں سوار ہو جانے کے بعد میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"کہیں نستاتے ہوں گے مگر یہ نہ سمجھنا کہ وہ غافل ہوں گے۔ تمہاری خوبی کی وجہ سے وہ ادھر نہیں پھٹکے!" اس نے اگنیشن آن کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"تمہاری نوازش!" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "اب تو میں تمہاری محبت میں مرا جا رہا ہوں ورنہ ابھی تک کتوں کو پھاڑ کھا رہا ہوتا۔"

"مردوں میں درندگی مجھے پسند ہے۔" اس نے دلفریب لہجے میں کہا۔

"تو اسکی سے شادی کر لو!"

"لطافت کے ساتھ درندگی اچھی لگتی ہے۔ دیے بغیر لطافت کے ..."

معض جالوہ پیش کر دیا جاتا ہے!" اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"تو قصر السوداں میں راحیل کی صورت میں ایک جانور پلا ہوا ہے!" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اگر قتل و خون تمہاری پالیسی کا حصہ نہیں ہیں تو پھر راحیل جیسے آدمی کا کیا کام ہے؟"

میرا خیال تھا کہ وہ لاجواب ہو جائے گی مگر وہ ایسی کار سے قصر السوداں کے ذیلی جنگل جانکنے سے نکلتے ہوئے بولی۔ "خطرات کا اندازہ لگانے کے معاملے میں اس کی چھٹی حس بہت تیز ہے۔ اس کا اصل کام قصر السوداں میں آنے والے اہم مہمانوں کی کل وقتی حفاظت ہے۔ کئی بار وہ عقاب کی سی تیزی دکھا کر قاتلانہ حملوں کو ناکام بنا چکا ہے۔"

"تشدد اور خونریزی تو یہ بھی کہلائے گی۔"

"اپنے دفاع میں کی جانے والی خونریزی کو ہر ملک کا قانون جائز سمجھتا ہے اور یہی ہمارا بھی رہنما اصول ہے۔ ہماری تنظیم کے خلاف آواز بلند کرنے والے اگر خود دہشت گردی پر اتر آئیں تو ان کے بیشتر قلیل تعداد میں رہ جاتے ہیں!"

"لگے ہاتھوں ایک بات اور بتا چلو!" میں نے کہا۔ "عبدالکریم کو اغوا کرنے کے بعد تم نے یہ ظاہر کیا تھا کہ اس سے باز پرس کے لئے تم کوئی جگہ سوچ رہی ہو۔ کہیں اس طرح تم قصر السوداں کو میری نگاہوں سے بچانا تو نہیں چاہتی تھیں؟"

"تم سے تو نہیں البتہ عبدالکریم سے ضرور بچانا چاہتی تھی!" اس نے صاف دلی سے جواب دیا۔ "آخری لمحات پر بھی کوئی جگہ سوجھ جاتی تو میں ادھر کا رخ نہ کرتی۔"

"حالانکہ وہ وہاں سے زندہ نہ نکل سکے گا۔"

"یہ بدقسمتی ہے اس کی۔ میرا ارادہ تو یہی تھا کہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے بعد اسے چھوڑ دوں گی۔ لیے قصر السوداں میں لے جاتے ہوئے بھی میرا یہی خیال تھا کہ اس کی واپسی بھی بے ہوشی کی حالت میں ہو گی تا کہ وہ یارہ نمبر کے علاوہ کوئی اور کمرہ نہ دیکھ سکے!"

مجھے اپنے فلیٹ پر اتار کر وہ کہیں چلی گئی۔ اس وقت دوپہر کے دو بج رہے تھے۔ اس نے دو تین گھنٹے بعد اپنی واپسی کا امکان ظاہر کیا تھا۔ کیتھی مائر کے فلیٹ پر فریج میں خورد و نوش کی خاصی اشیاء موجود تھیں لہٰذا مجھے شکم پُری میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ سارہ ڈینا زینی گرم کرتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ میرا دل بہت مسرور تھا۔ اس دن مجھے دو بڑی کامیابیاں حاصل ہوئی تھیں جو کیتھی کے تعاون کے بغیر ممکن نہ ہوتیں!

پہلی پیش رفت مڑے ہوئے کان والے کی نشاندہی کی صورت میں ہوئی تھی جس سے بیتا کے بارے میں مزید معلومات حاصل ہو سکتی تھیں اور دوسری خوشخبری ہاشم کی زندگی کے بارے میں تھی!

اپنے صحرائی رہنما سے خونی آدمی کے ہاتھوں ہاشم کی موت کی

فرشی اطلاع پاکر میں دل ہی دل میں خود کو اس کی ہلاکت کا مجرم سمجھ رہا تھا۔ مجھے رہ رہ کر یہ خیال آ رہا تھا کہ تم بیتا وغیرہ کے تعاقب میں اچھرے ٹوبی کے خطرناک حصے کی طرف سفر کرنے کا قصد کرتے اور نہ تم ناگہانی مارا جاتا۔ اس کے زندہ ہونے کی خبر پاکر میرے سینے سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔

کھانے سے فارغ ہو کر میں نے باہر نکلنے کا قصد کیا مگر فوراً ہی یاد آ گیا کہ کیتھی حسبِ معمول فلیٹ کو مقفل کر کے گئی ہوگی!

دروازے پر زور آزمائی سے میرا اقبال درست ثابت ہوا اور میں پرانے اخبارات سمیٹ کر کیتھی کے کشادہ بستر پر دراز ہو گیا۔

بھرے ہوئے پیٹ کا خمار تھوڑی دیر بعد رنگ لانے لگا اور میں چند سگریٹ پھونکنے کے بعد گہری نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو فلیٹ میں گہری تاریکی اور سناٹے کا راج تھا جس کا مطلب تھا کہ دن ڈھلے کافی دیر گزر چکی تھی۔

میں نے ہڑبڑا کر بستر چھوڑ دیا۔

فلیٹ میں سناٹے کا مطلب یہ تھا کہ کیتھی اس وقت تک واپس نہیں لوٹی تھی۔

اس گھبراہٹ میں بھی... احتیاطاً میں کھڑکیوں اور میں نے ساری کھڑکیوں کے دبیز پردے کھینچ کر خواب گاہ میں دھیمی روشنی والا بلب جلا دیا۔

اس وقت میری رسٹ واچ ساڑھے آٹھ بجا رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ کیتھی کو گئے سوا چھ گھنٹے گزر چکے تھے جو اس کے اندازے سے دوگنا وقت تھا۔

میں سگریٹ پھونکتا ہوا خواب گاہ کے دبیز قالین پر بے چینی سے چہل قدمی کرنے لگا۔

خرطوم میرے لئے اجنبی شہر تھا اور مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ کیتھی مڑے ہوئے کانوں والے کو تلاش میں کس طرف گئی تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ میں فلیٹ میں مقفل تھا۔ اگر میں دروازہ یا کھڑکی توڑ کر باہر نکلنے کی کوشش کرتا تو سرِ دست دیکھنے والے کیتھی کے فلیٹ کی طرف متوجہ ہو جاتے اور ایک تنہا لڑکی کے فلیٹ سے برآمد ہونے والے اجنبی کو کیتھی کی آمد اور تصدیق تک تالوں کی تحویل میں دینے سے باز نہ آتے!

اچانک ٹیلی فون کی تیز گھنٹی نے میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا اور میں چونک کر اس بولتے ہوئے سیاہ آلے کو گھورنے لگا۔

اس سے پیشتر میں نے کیتھی کی عدم موجودگی میں کبھی فون ریسیو نہیں کیا تھا بلکہ بار بار نمبر ملانے والے خود ہی تھک ہار کر سلسلہ منقطع کر دیتے تھے اور یہ احتیاط محض اس لئے کی گئی تھی کہ کسی کو کیتھی کے فلیٹ میں ایک مرد کی موجودگی کا علم نہ ہو سکے۔

مگر اس وقت صورتِ حال بہت سنگین تھی۔ مجھے خیال ہوا کہ شاید کیتھی نے مصیبت میں گھرنے کے بعد کوئی راہ نہ پاتے ہوئے بالآخر پڑوسی یا مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہ کی ہو!

یہ خیال آتے ہی میں نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔

"مادام کیتھی؟" ریسیور اٹھاتے ہی میرے کان میں ایک بھاری مردانہ سوالیہ آواز آئی۔

"کون ہو تم؟ کیا کام ہے اُس سے؟" میں نے عربی لہجے کی نقل میں دو سوال کر ڈالے۔

"میں نجیب بول رہا ہوں۔ فوراً مادام کو بلاؤ!" آواز میں میرے استفسارات کے جواب میں یک بیک تحکم پیدا ہو گیا۔

"یہاں کوئی مادام نہیں رہتی۔ برخوردار! شاید تم نے غلط نمبر ملایا ہے؟"

"گدھے کی اولاد!" وہ غرّایا۔ "مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟" شاید گالی پر میرا تبصرہ سنے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا اور میں یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا کہ سوڈان میں گدھا لوگوں میں اس قدر محبوب جانور ہے کہ گالیوں کا بیشتر وزن بھی اسی پر لاد دیا گیا ہے!

مجھے اندازہ تھا کہ وہ دوبارہ نمبر ملانے کی کوشش کرے گا لہٰذا میں نے ریسیور تپائی پر رکھ دیا اور خود ٹیلی فون ڈائرکٹری کی ورق گردانی کرنے لگا۔

پی ایل او کے نام کے ساتھ محض دو فون نمبر تھے جن میں ایک دفتر کا اور دوسرا دفتری اوقات کے بعد کوئی ایمرجنسی نمبر تھا۔ مگر ان کے آگے خلافِ توقع کسی کا نام درج نہیں تھا۔ میں نے وہ دونوں نمبر ایک کاغذ پر لکھ لئے پھر قصر السودان کا نمبر تلاش کرنے لگا۔

اس وقت فوری طور پر میرا کہیں فون کا ارادہ نہیں تھا بلکہ رات گئے تک کیتھی کا انتظار کرنا چاہتا تھا اگر وہ اس وقت تک بھی واپس نہ آتی تو میں فون پر اس کے رفقائے کار سے رابطہ پیدا کرتا۔ یہ تیاری اسی سلسلے کی پیش بندی تھی۔

قصر السودان جس شان و شوکت کی عمارت تھی اس کے لحاظ سے وہاں کئی نمبر ہونے لازمی تھے مگر فہرست میں قصر السودان کا نمبر تلاش نہ کر سکا جس کا مطلب تھا کہ سارے فون عمارت کے بجائے کسی فرد کے نام پر مخصوص تھے جس سے میں لاعلم تھا!

دس بج گئے اور میں دھندلائی ہوئی روشنی میں مضطربانہ کیتھی کا ناکام انتظار کرتا رہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس کی سلامتی کے بارے میں میری تشویش میں ناقابلِ برداشت اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ بڑی فکر یہ تھی کہ وہ خوبرو لڑکی تنہا کسی معرکے پر نکلی تھی اور اگر اسے مغلوب کرنے والے مجرمانہ رجحانات کے حامل تھے تو فوری طور پر تشدد ان کا پہلا عمل ہوتا!

میں نے بے اختیار سر جھٹک کر ریسیور دوبارہ کریڈل پر رکھ دیا

بندوبست بھی تھی کہ کہیں کیتھی کا فون نہ آ جائے۔

کیتھی نہ صرف گوریلا تربیت لئے ہوئے تھی بلکہ ذاتی طور پر بھی بہت پُرعزم اور باہمت لڑکی تھی اور اس مرحلے پر اس کا لڑکی ہونا مجھے کاٹ رہا تھا۔

ساڑھے بارہ بجے ٹیلی فون کی گھنٹی کسی آسیبی چیخ کی طرح پکار اٹھی اور میں نے اضطراری طور پر ریسیور اٹھا لیا۔

"مادام کیتھی؟" سوال کیا گیا۔

"نجیب؟" میں نے آواز پہچان کر سوال کیا۔

"ہاں!" شاید وہ غیر ارادی طور پر کہہ گیا۔

"گدھے کی اولاد!" میں نے اس کی دی ہوئی گالی اسے لوٹا کر فوراً فون بند کر دیا۔ اس حرکت میں میرے ارادے سے زیادہ لاشعور کا دخل تھا جس میں وہ گالی شاید چپک کر رہ گئی تھی۔

سنگالی عام طور پر بعض گالی بھی کر دی جاتی ہے اور اس کی ترکیب پر غور کئے بغیر اسی طرح قبول بھی کر لی جاتی ہے لیکن گالی کھانے والا اگر اس کی ماہیت اور اس طریقہ کار پر غور کرنا شروع کر دے تو سمجھنے کے بعد وہ یہ گالی اس پر صادق آسکے تو عموماً استعمال کی آخری حد فوری طور پر پیدا ہو جاتی ہیں جس کا انجام خونریزی سے کم کی صورت میں نہیں ہوتا۔

ذہنی طور پر میں کیتھی کی سلامتی کے گمبھیر مسئلے میں الجھا ہوا تھا گویا شعور شاید مسلسل اس بے ہودہ اور غیر منطقی طریقہ کار پر کام کئے جا رہا تھا جس کے نتیجے میں کسی انسان کی ولدیت ایک حیوان کو منتقل کر دی جاتی ہو اور اسی کے نتیجے میں میں نے بے ساختہ گالی لوٹا کر بدلہ چکا لیا تھا۔

رفتہ رفتہ باہر سے آنے والی آوازیں بھی معدوم ہوتی چلی گئیں اور میں کیتھی کی خواب گاہ میں اندھیرے حصار کا قیدی بنا بیٹھا رہ گیا۔

جب ذہنی خلفشار کے ساتھ ہی زخم میں بھی تکلیف بڑھنے لگی تو میں بستر پر دراز ہو گیا۔ میری آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی مگر آنے والے کڑے وقت کے لئے جسمانی طور پر مجھے بحال رہنا ضروری تھا تاکہ کسی امکانی معرکے میں نیچا نہ دیکھنا پڑے۔

رات کے ڈیڑھ بجے کا عمل تھا۔ سناٹا اس قدر مکمل تھا کہ باہر سڑک پر چلنے والی کسی گاڑی کی آواز بھی فلیٹ میں بخوبی سنی جا سکتی تھی اور میں ہمہ تن سماعت تھا کہ فلیٹ کے دروازے پر ہلکا سا کھٹکا ہوا اور میں نے بجلی کی طرح بستر چھوڑ دیا۔

سب سے پہلے میں نے سوئچ دبا کر مدھم روشنی والا بلب بجھا دیا تاکہ دروازے سے آنے والا اندھیرے میں رہتے ہوئے مجھے نشانہ نہ بنا سکے۔

اور اگر وہ کیتھی ہی ہوتی تو اندر داخل ہوتے ہی خود روشنی کر کے اپنی آمد کا اعلان کرتی اور میں اس کے سامنے پہنچ جاتا مگر

اس وقت میں جن اندیشوں سے دوچار تھا ان کے پیشِ نظر میری چھٹی حس کسی خطرے کا اعلان کر رہی تھی۔

دروازے پر دوبارہ خفیف سا کھٹکا ہوا جس میں کلک کی دبی سی آواز بھی شامل تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا بہت رازداری اور استقلال کے ساتھ قفل پر طبع آزمائی کر رہا تھا اور کلک کی آواز اس کی کامیابی کی چغلی کھا رہی تھی۔

دروازہ آواز پیدا کئے بغیر تھوڑا سا کھلا اور مدھم روشنی کی ایک لکیر اس جھری سے اندھیرے ڈرائنگ روم کے وسط تک رینگ آئی۔ میں خواب گاہ کے دروازے کی اوٹ میں ہو گیا مگر میری نگاہ بدستور داخلی دروازے پر جمی ہوئی تھی اور میں نے سرہانے رکھا ہوا پستول ہاتھ میں لے لیا تھا۔

وہ جو کوئی بھی تھا اس نے دروازہ کھولنے سے قبل باہر لگا ہوا بلب بجھا دیا تھا اور ڈرائنگ روم میں جو خفیف سی روشنی در آئی تھی وہ شاید دوسری منزل اور زینوں پر جلنے والے بلب سے وہاں تک آ رہی تھی۔

دروازہ مزید کھلا۔ پھر اس جھری میں سے ایک اوسط درجے کی سیاہ کھوپڑی اندر داخل ہوئی۔ اگلے ہی لمحے ایک متوسط قامت و جسامت والا شخص اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر چکا تھا۔

میرا دل پسلیوں میں دھڑکنے لگا اور پستول کے دستے پر میری گرفت مضبوط ہو گئی۔

اندر داخل ہوتے ہوئے وہ ایک لمحے کے لئے روشنی کی مدھم لکیر کے سامنے سے گزرا تھا۔ اس کا چہرہ تاریکی میں تھا جو مجھے نظر نہ آ سکا مگر اس کے گھونگھریالے بالوں اور سیاہ رنگت کے بارے میں مجھے پورا یقین تھا۔

اس شخص کے سڈول شانے خفیف سے آگے کی طرف جھکے ہوئے تھے اور وہ یقینی طور پر مسلح تھا کیونکہ اس کا آگے بڑھا ہوا داہنا ہاتھ جسم کے سائے میں ہونے کے باعث مجھے پوری کوشش کے باوجود نظر نہ آ سکا۔

اس تنومند سیاہ فام اجنبی کے بارے میں میرے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ پہلا خیال تو یہی تھا کہ کہیں وہ مڑے ہوئے کان والا نہ ہو جس کی تلاش میں کیتھی پچھلے بارہ گھنٹوں سے لاپتہ تھی۔

اندھیرے میں ہر طرح سے قدم جما لینے کے بعد سیاہ فام نے پنسل ٹارچ روشن کی اور ایک طاقتور لیکن محدود دائرے کا روشن نکتہ تیزی سے کمرے میں ناچنے لگا۔ ایسے گوشے روشنی کا خاص نشانہ تھے جہاں کسی کے چھپنے کی گنجائش تھی۔

ڈرائنگ روم کا جائزہ لیتے ہوئے وہ بے آواز قدموں سے

خواب گاہ کی طرف آرہا تھا۔ اس کمرے میں میری ایسی جگہ پر تھی کہ وہ دروازے پر پہنچنے سے پہلے ہی شکن آلود بستر دیکھ سکتا تھا پھر خواب گاہ میں بھرا ہوا سگریٹ کا دھواں اور ایش ٹرے میں سگریٹ کے مسلے ہوئے ٹکڑوں کا انبار اسے اندر کسی کی موجودگی کا یقین دلا دیتا اور وہ ہوشیار ہو جاتا۔

اس کا ہوشیار ہونا میرے لئے بڑا قیامت خیز خطرناک تھا کیونکہ میں خوابگاہ میں رہتے ہوئے محض پستول کی دھمکی سے اسے قابو میں نہیں کر سکتا تھا کیونکہ خواب گاہ سے ڈرائنگ روم میں روشنی کرنی ناممکن تھی۔ اپنی ٹارچ بجھانے کے بعد وہ خود بھی اندھیرے میں ضم ہو جاتا اور اندھے مقابلے کا آغاز ہو جاتا جس میں اس کے زیر ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ بالفرض محال میں اس پر حاوی ہونے بھی لگتا تو وہ اپنی کمزوری بھانپتے ہی کسی بھی لمحے دروازہ کھول کر باہر نکل سکتا تھا اور فائرنگ کا شور سن کر باہر جمع ہونے والوں کو اندر موجود ایک مسلح اور جنونی مجرم کی جھلک کا ہوا دکھا کر افراتفری میں بآسانی فرار ہو سکتا تھا جبکہ میرے لئے ناقابل بیان دشواریاں پیدا ہونے کے سارے امکانات موجود تھے۔

دوسری صورت یہ تھی کہ روشن ٹارچ کے باعث مجھے اس کی لحظہ بہ لحظہ بدلتی ہوئی پوزیشن کا پورا اندازہ تھا لہٰذا میں زہریلے تیر پھینکنے والی شیشی کے ایک ہی کاری وار سے سارا معاملہ خاموشی سے نمٹا سکتا تھا مگر اس طرح میں اس سے معلومات حاصل کرنے سے محروم رہ جاتا۔

وہ مڑے ہوئے کان والا تھا یا کوئی اور لیکن یہ بات یقینی تھی کہ وہ کم از کم کیتھی کے بارے میں ضرور جانتا تھا ورنہ اس وقت چوروں کی طرح اس کے فلیٹ میں داخل نہ ہوا ہوتا۔

میرا ذہن تیزی سے ساری صورتحال کا تجزیہ کرنے میں مصروف تھا اور آخر کار میں نے اپنی جیب سے زہریلے تیر پھینکنے والی شیشی نکال لی۔

بعض کی بدترین صورتحال کا سامنا کرنے سے بہتر یہ تھا کہ خاموشی سے اسے ہلاک کر کے اس کی لاش کی شناخت کے ذریعے کیتھی تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی۔

شیشی کا بٹن دبتے ہی وہ لڑکھڑا کر قالین پر ڈھیر ہو گیا اور جلتی ہوئی ٹارچ لڑھک کر ایک تپائی کے نیچے چلی گئی۔

میں شیشی جیب میں رکھ کر پھرتی سے ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا اور پنسل ٹارچ اٹھا کر مرنے والے کا جائزہ لینے لگا۔

وہ سیاہ فام ضرور تھا مگر اس کے دونوں کان سیدھے تھے اس طرف سے اطمینان ہونے کے بعد میں نے اس کی تلاشی لے ڈالی۔

اس کے ہاتھ میں موجود اعشاریہ دو پانچ کا خودکار ریوالور لاش کے قریب پڑا ہوا تھا جیب سے اور دو بہت ہی چاقوؤں کے علاوہ کرنسی اور ایک مڑا تڑا کاغذ برآمد ہوا جس پر درج تھے اس کے قبضے سے برآمد ہونے والی اہم ترین چیز وہ کی چین تھی جو کیتھی جاتر کی ملکیت تھی اس کچھے میں فلیٹ کی چابی کے علاوہ اس کی کار کی چابی بھی موجود تھی۔ لاش سے کسی کاغذ وغیرہ کی عدم دستیابی سے مرنے والے کی شناخت ممکن نہ ہوئی۔

گمشدہ کیتھی کے فلیٹ میں ایک لاش کے ساتھ میری موجودگی خطرناک تھی۔ فلیٹ کا تالا کھل چکا تھا اندر میں جاتا تو بآسانی وہاں سے کھسک سکتا تھا لیکن باہر میرے پاس کوئی محفوظ ٹھکانا نہیں تھا۔ میں نے ایک مرتبہ پھر لاش کی اچھی طرح تلاشی لی اور پھر خوابگاہ میں پہنچ گیا۔

دھیمی سبز روشنی کا بلب جلا کر میں نے فون پر وہ نمبر ملایا جو ڈائریکٹری میں پی ایل او کے حوالے سے قاسمی نمبر کے علاوہ درج تھا۔

"ہیلو!" تیسری گھنٹی کے بعد میرے کانوں میں نیند کے خمار میں ڈوبی ہوئی ایک مردانہ آواز آئی۔

میں نے نمبر دہرا کر تصدیق چاہی تاکہ کسی غیر متعلق آدمی کو اپنے نازک رازوں میں نادانستہ طور پر شریک نہ بنا بیٹھوں۔

"ہاں ہاں ۔۔۔ مگر تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" وہ شاید بے وقت بیدار کئے جانے پر جھنجھلایا ہوا تھا مگر اس بار میں نے اس کی آواز پہچان لی!

"تم شاید نجیب بول رہے ہو۔" میں نے رکے بغیر کہنا شروع کیا۔ "پہلے بھی دو بار تم سے میری بات ہو چکی ہے کیا تم فوری طور پر کیتھی کی قیام گاہ پر پہنچ سکتے ہو؟"

"مادام کہاں ہیں اور تم کون ہو؟" اس کی آواز سے نیند کا اثر ذرا کافور ہو گیا۔

"میں اس کا محافظ ہوں سابق ابھی یہاں آکر سن لینا۔" میں نے فون پر گفتگو کو حتی الامکان مختصر رکھتے ہوئے کہا۔

"میں دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔" اس نے یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا اور میں نے بھی سلسلہ منقطع کر دیا۔

پی ایل او کے ممبر نجیب کی آواز سن کر مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا تھا۔ واقعات کے تون پر اسے گمشدگی کی اطلاع قرار دیئے جانے کی بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ کیتھی کے حوالے سے آخر کار مجھے اسی سے رجوع کرنا پڑے گا۔

وہ دس منٹ میرے لئے ناقابل بیان طوالت اختیار کر گئے۔

میرے لئے اس فلیٹ میں مقتول کی آمد کا کوئی مضبوط جواز ڈھونڈنا مشکل ہو رہا تھا کیتھی ان لوگوں کی تحویل میں تھی ...

لیکن ہر دو صورتوں میں کیتھی کی قیام گاہ کی تلاشی لینا بے مقصد تھی مگر ڈرائنگ روم کے قالین پر پڑی ہوئی الٹی ہوئی لاش اس ناقابل جواز اقدام کا کھلا ثبوت تھی۔

مجھے پورا یقین تھا کہ اگر خوابگاہ میں اپنی موجودگی کے آثار موجود نہ ہوتے تو پورے فلیٹ کے سرسری جائزے کے بعد وہ شوقیہ بھرپور انداز میں فلیٹ کی تلاشی لیتا۔

مگر اسے وہاں کس چیز کی تلاش تھی؟ اس سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

نجیب سے بات ہوئے دس منٹ گزر چکے تھے میری نگاہ رسٹ واچ پر تھی اور کان دروازے پر لگے ہوئے تھے کہ گیارہواں منٹ پورا ہونے سے پہلے دروازے پر خفیف سی دستک کی آواز سنائی دی اور میں پستول لے کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

بولٹ گرانے کے بعد میں نے پٹ کھول دیا اور خود اس کی اوٹ میں رہا لیکن کوئی اندر نہ آیا۔

"اندر چلے آؤ۔" میں نے باہر والے کو محض اپنی آواز سنانے کے لئے کہا۔

"پہلے تم سامنے آؤ۔" باہر سے دھیمی آواز آئی۔

نجیب کی آواز پہچان کر میں نے پستول والا ہاتھ گرا لیا، اور دروازے کے سامنے چلا گیا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا جس کی نال میرے سینے کی طرف اٹھی ہوئی تھی

وہ اسی طرح مجھے کور کئے اندر آ گیا۔

"خوابگاہوں کی روشنی میں چلو۔" وہ مدھم روشنی میں فرش پر پڑی ہوئی لاش پر سرسری نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔

"یہ کیا حرکت ہے؟ ریوالور ہٹاؤ۔" میں نے پیچھے ہٹے بغیر غرایا۔

"احتیاط صرف احتیاط میرے دوست!" وہ نرمی سے بولا "میں صرف تمہاری صورت دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ اطمینان کر سکوں۔"

اس کی بات درست ہی تھی۔ میں نے ایک قابل اعتماد فون پر اس کی آواز سن کر ایک شناخت مقرر کر لی تھی مگر میں اس کے لئے اجنبی تھا تو اجالے میں وہ کیسے پہچان سکے گا۔

"کیا تم پہلے مجھے دیکھ چکے ہو؟" میں نے خوابگاہ کی طرف سرکتے ہوئے سوال کیا۔

"آج ہی قصر السودان میں دیکھا تھا۔" اس کی نرم آواز سنائی دی اور میرے چہرے پر روشنی کی پہلی کرن پڑتے ہی اس نے ریوالور جیب میں ڈال لیا۔

"مادام کہاں ہیں؟" سنگین صورتحال میں رسمی گفتگو کی کوئی گنجائش نہیں تھی لہٰذا وہ براہ راست مقصد کی طرف آ گیا۔

"قصر السودان سے آنے کے بعد سے وہ لاپتہ ہے۔" اس کے احترام آمیز رویئے کے باوجود میں کیتھی کے لئے اپنا معمول کا لب و لہجہ نہ بدل سکا "اسے زیادہ سے زیادہ پانچ بجے شام تک آ جانا چاہیے تھا اور اب رات کے ڈھائی بج رہے ہیں۔"

"یہ کچھ علم ہے کہ کہاں گئی تھیں؟"

"کسی مڑے ہوئے کان والے سیاہ فام کی تلاش میں۔"

"کیا؟" اس کے منہ سے تحیر آمیز آواز نکلی "مڑے ہوئے کان والا سیاہ فام؟ اس سے مادام کو کیا کام پڑ گیا؟"

"تم جانتے ہو اسے؟" میں نے مضطرب لہجے میں سوال کیا۔

"اچھی طرح۔" وہ وثوق سے بولا۔ "اس کا دایاں کان نیولے کی شکل میں اوپر کی طرف مڑا ہوا ہے وہ ایک چھوٹی سی افریقی ریاست کے مقامی سفارت خانے کا کمرشل اتاشی ہے"

"تو پھر فوراً ادھر کا رخ کرو۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "باہر جس شخص کی لاش پڑی ہے وہ بھی اسی کا آدمی ہوگا۔ کیتھی کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"اوہ!" اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سر جھکاتے ہوئے کہا پھر نیلی روشنی میں لاش کا چہرہ دیکھتے ہی جھجک کر پیچھے ہٹ گیا۔

"یہ۔۔۔ یہ تو کسی سریع الاثر زہر کا شکار ہوا ہے۔" اس کی آواز سے حیرت نمایاں تھی۔

"ہاں پوٹاشیم سائنائیڈ!" میں نے جواب دیا "میرے پاس بھی چھوٹی سوئیاں پھینکنے والا ہتھیار موجود ہے۔"

دھندلی روشنی میں اس کی تحیر زدہ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ "تت... تم صفدر علی تو نہیں ہو؟"

"تمہارا قیاس درست ہے۔" میں نے آہستگی سے اعتراف کیا۔

"میں اپنی بدکلامی پر شرمندہ ہوں محترم دوست!" میرے نام سے واقف ہوتے ہی گندمی چہرے والا وہ سوڈانی سراپا انکسار بن گیا۔

"بعد میں میں نے بھی اس کا جواب دے دیا تھا۔" کئی گھنٹوں کے بعد میرے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "کاش میں نے اسی وقت تم سے بات کر لی ہوتی۔"

"میں اسی وقت سے پریشان ہوں۔ خرطوم میں فون پر غلط نمبر ملنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ تم اپنے تعارف سے کیوں بچے تھے؟ کیتھی کی عدم موجودگی میں میں فون ہی نہیں اٹھاتا۔ اس وقت محض اس امید پر اٹھایا تھا کہ شاید کیتھی نے کسی مشکل میں گھرنے کے بعد خود فون کا سہارا لیا ہو۔"

"میری آواز سن کر مایوسی ہوئی ہوگی۔"

"ہاں، میں نے تم سے پیچھا چھڑایا تھا۔" اس نے اقرار کیا۔ "دراصل میں نہیں چاہتا تھا کہ کیتھی کے دوست اس سے یہ سوال کریں کہ اس کی غیر موجودگی میں اس کے فلیٹ میں فون اٹھانے والا مرد کون ہو سکتا ہے؟"

"تم نے جاتے تلاشی لی تھی جس کی؟"

"ہاں، ایک کاغذ کے علاوہ کوئی کارآمد چیز نہیں ملی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے جیب سے مڑا تڑا کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ "دوسری چیز سے کیتھی کی گمشدگی میں خوش کرتی ہے یہ اس کی چابی سے قفل کھول کر اندر آیا تھا۔"

"یہ تو فون نمبر ہیں۔" اس نے ٹارچ کی روشنی میں کاغذ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "ابھی معلوم کرتا ہوں کہ یہ نمبر کہاں کے ہیں۔" اس نے کیتھی کے فون پر اپنے کسی دوست کے نمبر ملائے جس نے بمشکل ڈیڑھ منٹ میں بتا دیا کہ وہ دونوں نمبر پیٹر کارلائل نامی ایک غیر ملکی کی مضافاتی جاگیر کے تھے۔

وہ اطلاع پاتے ہی نجیب پرجوش ہو گیا کیونکہ اس کی یادداشت کے مطابق مڑے ہوئے کان والے کرنل آتاشی کا نام پیٹر کارلائل ہی تھا۔ ٹیلی فون ڈائریکٹری اس بار نجیب کے کام آئی۔ سفارت خانوں کی فہرست میں مطلوبہ ملک کے سفارتی عملے میں پیٹر کارلائل کا نام کرنل آتاشی کے طور پر موجود تھا۔

"وہ کیتھی کو اپنی سرکاری قیام گاہ سے شاید مضافاتی مکان پر لے گیا ہوگا۔" میں نے پرزور لہجے میں کہا۔ "اور شاید یہ نمبر بھی اسے مقتول کی جیب سے ملے ہوں گے کہ ہنگامی رابطے کے لیے اسے فوری طور پر فراہم کیے گئے ہوں گے۔"

"اس سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پیٹر کی مضافاتی قیام گاہ سے مرنے والا نامانوس تھا۔ اور پیٹر کو بادل ناخواستہ اس سے کام لینا پڑ گیا تھا۔ اگر مرنے والا سفارتی عملے کا رکن تھا تو اس کی لاش سرے سے غائب کر لی ہوگی۔"

"وہ تو ہر صورت میں ضروری ہے۔"

"ہاں... آں!" وہ چونک کر بولا۔ "تمہاری رازداری بھی ضروری ہے۔ بلو پائپ قدیم افریقی ہتھیار ہے مگر عرصے سے یہاں متروک ہے اور پھر پوٹاشیم سائنائیڈ میں بجھی ہوئی سوئیوں کے شکار تو محض تمہارے نام سے وابستہ ہو کر رہ گئے ہیں۔"

"روانگی کے ساتھ ہی یہ بندوبست بھی کیوں نہ کر لیا جائے؟" میں نے تجویز پیش کی۔ "کل نہ جانے کیا حالات ہوں، اس وقت تو رات کا اندھیرا معاون رہے گا۔"

"تم لاش کو میرے ساتھ کار تک سہارا دے سکو گے؟"

"سہارا ہی دوں گا، بوجھ نہیں سنبھال سکوں گا۔" میں نے بلاتکلف کہا۔ "ڈالا میرے بدن پر گہرا زخم آیا ہے، ٹانکے نہ کھل جائیں۔"

"میرا خیال ہے کہ پیٹر کارلائل کی قیام گاہ کے بجائے اس کی مضافاتی جاگیر کی طرف چلا جائے تو ہم قصر السودان کے قریب سے گزر لیں گے اور وہاں ایک آدمی ہم سے کار بدل کر لاش کو ٹھکانے لگانے لے جائے گا۔"

"یہ بہترین صورت ہوگی۔"

نجیب نے فون پر ہی کسی کو مختصر الفاظ میں کچھ ہدایات دیں۔ اس دوران میں میں دانستہ اس سے دور رہا کہ وہ کھل کر بات کر سکے۔

فون سے فارغ ہو کر نجیب ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ سیاہ فام کو مرے ہوئے بہت دیر نہیں ہوئی تھی۔ مگر سریع الاثر زہر کے باعث اس کے جسم میں اکڑاؤ طاری ہونے لگا۔ نجیب نے اس کا بایاں بازو اپنے شانے پر سے گزار کر گردن کے سہارے بوجھ اٹھایا اور پھر اسے گھسیٹتا ہوا باہر لے چلا۔ میں نے آگے بڑھ کر موقع کا جائزہ لیا اور میرا اشارہ پاتے ہی نجیب عمارت سے نکل کر فٹ پاتھ پر آ گیا۔ چلتے وقت زمین پر مقتول کے جوتوں کی رگڑ عجیب آواز پیدا کر رہی تھی اور اگر ٹانگوں کی تاخیر کی جاتی تو لاش کے گھٹنے بھی تانے جا سکتے تھے۔ مگر اس وقت ہم پر ایک ایک لمحہ بھاری تھا۔ میں نے نجیب کی کار کا عقبی دروازہ کھولا اور اس نے اکڑی ہوئی لاش کو دروازے ہی سے اندر گرا دیا۔

مرنے والا نشست سے ڈھلک کر اس بری طرح نشستوں کے درمیان پھنسا کہ اس کا آدھا بدن سڑک پر لٹکا ہوا تھا۔ ہم دونوں نے پھرتی سے اسے اندر گھسیٹ کر دروازہ بند کر دیا۔

مجھے کیتھی کا فلیٹ مقفل کرنے کے لیے ایک مرتبہ پھر عمارت میں جانا پڑا۔ واپس آیا تو میدان بدستور صاف تھا۔ نجیب نے مجھے دیکھتے ہی کار کا انجن اسٹارٹ کر دیا اور میرے بیٹھتے ہی اس کی کار تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔ میری طرف کا دروازہ میرا ہاتھ لگے بغیر رفتار کے جھٹکے سے خود ہی عقبی طرف سے بند ہو گیا اور میں سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔

پہاڑ کی طرح نظر آنے والا مسئلہ اتنی سہولت سے حل ہو گیا تھا کہ مجھے حیرت ہو رہی تھی۔

"تمہیں یاد ہوگا اور پیٹر کارلائل کے تنازعے کے بارے میں کچھ علم ہے؟" کچھ دیر تک خاموشی سے کار چلانے کے بعد نجیب نے سوال کیا۔

"کسی حد تک!" میں نے یہ سوچ کر جواب دیا کہ کیتھی پیٹر کارلائل یا اس کے کسی گرگے کے ہتھے چڑھ چکی تھی اور اس کی بازیابی کی مہم نجیب کے کندھوں پر آ پڑی تھی لہٰذا اسے معاملے کی صحیح نوعیت کا علم ہونا چاہیے تاکہ وہ پوری سوجھ بوجھ کے ساتھ اپنی کارروائی کا آغاز کر سکے۔

"مناسب سمجھو تو بتا بھی دو۔" وہ جھجکتے ہوئے بولا۔ "پیٹر کارلائل خرطوم میں بہت پرانا سفارتی نمائندہ ہے اور مقامی حکام سے اس کے اچھے روابط ہیں۔ ہم سے کہیں بھی چوک ہو گئی تو نہ صرف وہ صاف نکل جائے گا بلکہ الٹی ہماری گردن میں پھندا پڑنے لگے گا۔"

"پیٹر کارلائل سفارتی مراعات کی آڑ میں یہاں بردہ فروشی کا ملک لوٹتا ہے۔" میں نے کہنا شروع کیا مگر وہ بے یقینی سے اچھل پڑا۔

"یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"اس کے نام اور عہدے کا علم تو تم سے ہوا ہے ورنہ کیتھی تو اپنی دانست میں مڑے ہوئے کان والے ایک بردہ فروش کی راہ پر لگی تھی جس کے بارے میں اسے قریبی مراسم ہیں۔" میں نے کہا۔ "کیتھی کا خیال تھا کہ اس نے مڑے ہوئے کان والے شخص کو کئی بار دیکھا تھا لیکن وہ یہ یاد نہ کر سکی کہ اس سے کب اور کہاں سامنا ہوا تھا۔"

"یہ قصہ کب سے چل رہا تھا؟"

"کئی روز سے۔ مگر پیٹر کارلائل کی شناخت آج ہی اس شخص کے ذریعے سامنے آئی جسے کیتھی قصر السودان لے گئی تھی۔"

وہ ایک مرتبہ پھر چونک پڑا۔ "تو قصر السودان کا قیدی بھی اسی سلسلے کی کڑی تھا؟"

"صحیح راہ تو اسی سے ملی تھی۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ میں نے داؤد کو بابا یہ کیوں فون کر دیا تھا؟" اس نے سوال کیا۔

"تم ہی بتا سکو گے۔"

"وہ شخص آج شام زخموں کی تاب نہ لا کر مر گیا۔"

"کیتھی کے لیے جس کا یہ انجام متوقع تھا۔" میں نے کہا۔ "اگر وہ نہ مرتا تو شاید کیتھی کو اپنے اندازے کی غلطی پر افسوس ہوتا۔"

"مجھے حیرت ہے کہ پیٹر بردہ فروشی جیسے گھناؤنے جرم میں ملوث ہے۔ مگر وہ یہ گندا کام کس لیے کر رہا ہے؟ اسے تو عام طور پر ایک ہوشیار لیکن شریف سفارت کار سمجھا جاتا ہے۔"

"مجرم کا بہروپ اس کے روپ سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔" میں نے کہا۔ "میری الجھن یہ ہے کہ پیٹر کو زیر کرنا آسان ثابت نہ ہوگا۔"

"ہماری کامیابی کا دارومدار ہماری حکمت عملی پر ہوگا۔"

"اس کی مضافاتی جاگیر کی طرف جانے سے پہلے اگر ہم اس کی شہری قیام گاہ سے اس کی عدم موجودگی کی تصدیق کر لیں تو کیسا رہے گا؟" میں نے چند ثانیوں تک غور کرنے کے بعد کہا۔

"مگر کس طرح؟" اس نے سوال کیا۔ "کسی بہانے کے بغیر فون کیا تو وہ چوکنا ہو جائے گا۔"

"فون وہ اپنے مرتبے سے تو نہ اٹھاتا ہوگا۔" میں نے پاکستان میں اپنے تجربے کو بیان کرنے کی تمہید باندھی۔ "تم قصر السودان سے اس کے گھر ٹیلی فون آپریٹر کی حیثیت سے فون کر کے اس کی موجودگی کے بارے میں معلوم کر سکتے ہو۔"

"مگر بہانہ کیا ہوگا؟"

"سوازی لینڈ سے پیٹر کارلائل کے نام پر ٹرنک کال آنے والی ہے۔ اگر وہ موجود نہ ہوا تو قصہ ختم اور اگر موجود ہو تو فون اٹھانے والے کو تمام رات اپنے آقا کی ٹرنک کال کے انتظار میں جاگ کر رہنی ہوگی۔" میں نے اسے اپنی تجویز سے آگاہ کیا۔

"اور اگر اس نے خود فون اٹھایا؟"

"تو خود کال کے انتظار میں جاگے گا اور اسی دوران میں ہم وہاں پہنچ جائیں گے۔"

"تمہاری تجویز قابل عمل ہے۔" وہ تحسین آمیز لہجے میں بولا۔ "لیکن ہم لاش سمیت قصر السودان نہیں جائیں گے۔"

تھوڑی دیر بعد ہماری کار قصر السودان کی عظیم الشان عمارت کے سامنے سے گزر گئی جو خوابناک روشنیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ویران سڑک پر ڈیڑھ دو فرلانگ آگے سڑک کے کنارے ایک قصر کے

ہیں سیاہ رنگ کی ایک بڑی کار کھڑی ہوئی تھی، جس کی تمام روشنیاں گل تھیں۔ اس کے قریب ہی سڑک پر ایک لمبا تڑنگا سیاہ فام دونوں ہاتھ سینے پر باندھے پرسکون انداز میں کھڑا ہوا تھا۔

نجیب نے سڑک پر کار روک کر انجن بند کیا اور نیچے اتر گیا۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی۔ وہ لمبا تڑنگا شخص بہت بے نیاز معلوم ہوتا تھا۔ اس نے زبان ہلائے بغیر سر کی خفیف جنبش سے نجیب کو سلام کیا اور اس کی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس نے مڑ کر یہ دیکھنے کی بھی کوشش نہیں کی تھی کہ لاش کیسی اور کس کی تھی۔

"یہ گونگا تھا۔" نجیب نے سیاہ کار میں بیٹھتے ہوئے میری حیرت بھانپ کر کہا۔

"مگر اس نے تو لاش کو دیکھنا بھی گوارا نہ کیا اور آگے بڑھ گیا۔"

"وہ حکم کا بندہ ہے۔" نجیب نے کار کو واپس قصر السودان کی طرف گھماتے ہوئے کہا۔ "اس کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ ایک لاش ٹھکانے لگانی ہے جو کار میں موجود ہے۔"

"اس کا نام دانیال تو نہیں تھا؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"کیتھی سے ذکر سنا تھا۔"

"بہت بے جگر آدمی ہے۔ جب نیا نیا آیا تھا تو قصر السودان کے پانچ میں سے دو کتوں کی ٹانگیں چیر دی تھیں، باقی تین خوفزدہ ہو کر بھاگ گئے تھے۔"

"تو کیا اسے کتوں کا چارہ بنانے کی کوشش کی گئی تھی؟"

"نہیں معمول کے مطابق اس کا لباس طلب کیا گیا تھا کہ کتوں کا رکھوالا کتوں کو اس کی بو سے مانوس کر سکے مگر دانیال نے اس سے صاف انکار کر دیا۔"

"حیرت ناک آدمی ہے۔" میں نے کہا

"کبھی وقت آیا تو اس کی شہ زوری دیکھ کر ششدر رہ جاؤ گے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ اور کار گھما کر قصر السودان کے پھاٹک کے سامنے روک دی۔

نجیب کو بھی داخلے کے لیے اپنا کارڈ دکھانا پڑا۔ کار کے انجن کا شور سن کر کتے آگے بڑھے تھے مگر لوہے سے کافی پہلے ادھر ادھر ٹھٹک گئے۔

نجیب نے مجھے بھی کار سے اترنے کے لیے کہا مگر میں وہیں جما رہا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں کتے کسی آڑ سے اچانک مجھ پر حملہ نہ کر دیں۔ وہاں آنے جانے والوں کو ان کی وفاداری پر اعتماد تھا، مگر میں عبدالکریم کا دردناک انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا اور اپنی سلامتی کے لیے خواہ مخواہ کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہ تھا۔

نجیب کے اندر جانے کے بعد ہی چاروں کتے نہ جانے کہاں سے آ موجود ہوئے اور سیاہ کار کے گرد جمع ہو کر عجیب آوازوں سے غرانے لگے۔ میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر کار کے شیشے چڑھا لیے مگر اسی وقت برآمدے سے کتوں کے رکھوالے نے انھیں پچکار کر خاموش کرا دیا اور وہ دُمیں دبا کر وہاں سے چلے گئے۔

نجیب میری دوسری سگریٹ ختم ہونے سے پہلے واپس آ گیا۔ انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے وہ خاصا مسرور نظر آ رہا تھا۔

"وہ گھر پر نہیں ہے اور نہ ہی آفس کا کوئی اور نمبر مل سکا۔" اس نے بتایا۔ "میں نے پوچھا تھا کہ وہ اگر کسی دوسرے نمبر پر ہو تو کال وہاں ملا دی جائے مگر دوسری طرف سے اس کی سیکرٹری نے معذرت ظاہر کی۔"

"تب تو وہ خبیث جاگیر پر ہی ہو گا۔"

"مگر ہم اندر تک رسائی کیسے حاصل کریں گے؟" نجیب نے کار قصر السودان سے نکال کر آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس کار میں اسلحہ تو کافی ہے لیکن تصادم یا دم کے لیے جان لیوا ثابت ہو سکتا ہے۔"

"محل وقوع کا جائزہ لینے کے بعد ہی کچھ کیا جا سکے گا۔"

جوں جوں منزل قریب آتی جا رہی تھی ہم دونوں پر عجیب سا تناؤ طاری ہوتا جا رہا تھا جیسے ایک دوسرے سے چھپانے کے لیے ہم اپنی ذات کے خول میں سمٹتے جا رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد سیاہ کار ایک ویران سڑک پر دوڑنے لگی۔ پہلی دور دور تک نہ روشنی تھی نہ آبادی۔

خرطوم سے کافی دور نکل آنے کے بعد دو رویہ باغات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان میں کھلے باغات بھی تھے اور تاروں کی باڑھ والے بھی۔ بکھرے ہوئے قطعات اراضی بھی جن کے درمیان کہیں کہیں اکا دکا مکانات نظر آ رہے تھے جو شاید باغوں کی دیکھ بھال کرنے والوں کی رہائش کے مصرف میں آتے تھے۔ ان ہی میں سے کسی مکان کی لرزتی ہوئی روشنی بھی نظر آ جاتی تھی۔

"اب وہ کتنی دور رہ گیا ہے؟"

"دائیں طرف تاروں کی باڑھ میں لگا ہوا سرخ چوبی پھاٹک دیکھتے رہو، وہی ہماری منزل ہے۔" طویل سکوت کے بعد اس نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

"ہمیں ایک اور آدمی کو ساتھ لانا چاہیے تھا۔" تھوڑی دیر بعد وہ بڑبڑانے لگا۔ "یہاں ایسی جگہ ملنی مشکل ہے جہاں کار کو آسانی سے چھپایا جا سکے۔ اگر کار پر ان کا قبضہ ہو گیا تو ہم نہتے رہ جائیں گے۔ تیسرا آدمی ہوتا تو اسلحے کے بل پر اپنے ساتھ ہی کار کی حفاظت بھی کر سکتا تھا۔"

"یہ علاقہ دیکھنے کے بعد میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے۔"

میں نے اس کی تشویش کو بھانپتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے اتار کر آگے بڑھ جاؤ اور پھاٹک سے دور کسی ایسی جگہ پر فائر کر کے اندر والوں کی توجہ ادھر مبذول کرا لینا۔ میں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اندر گھس جاؤں گا اور شاید عمارت تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔"

"اور واپسی کا کیا ہو گا؟"

"اگر عبد پور ہاتھ پڑ گیا تو پھر کار لائل خود ہی مجھے کیتھی تک پہنچانے پر مجبور ہو جائے گا۔"

"اور اگر ایسا نہ ہو سکا؟"

میرے پاس اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا لہٰذا میں خاموش ہو گیا۔

اسی لمحے کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنیاں خاردار تاروں میں لگے ہوئے سرخ چوبی پھاٹک پر پڑیں اور نجیب نے کار کی رفتار قدرے سست کر دی۔

میں دھڑکتے دل کے ساتھ اس احاطے کا جائزہ لے رہا تھا۔ چاروں طرف گہری تاریکی کا راج تھا۔ اندر بھی کہیں روشنی کی کوئی شعاع نظر نہیں آ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ باغ بالکل ویران پڑا ہوا تھا۔

مگر میرے لیے وہ ویرانی اتنی اہم نہیں تھی۔ صبح کے ساڑھے تین بجے اس دور افتادہ عمارت کے مکین اگر گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے تو اس سے غلط نتیجہ اخذ کرنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

مگر اس باغ پر چھائی ہوئی ویرانی اسی لمحے دھوکے کی ٹٹی ثابت ہوئی کیونکہ پھاٹک کی آڑ سے اچانک ہی ایک رائفل بردار نکل آیا تھا جس نے رائفل کی نال ہماری کار کی طرف بلند کی ہوئی تھی۔ ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں اس کے ہونٹوں کی جنبش سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس نے ہمیں کوئی حکم بھی دیا جو چھ سلنڈروں والے انجن کے شور میں نہ سنا جا سکا۔

"کار روک دو۔" میں نے اپنا پستول نشست کے نیچے کھسکاتے ہوئے زیر لب سرگوشیانہ آواز میں نجیب کو حکم دیا اور اس نے فوراً بریک لگا دیے۔ سیاہ کار رائفل بردار سیاہ فام سے چند گز دور رک گئی۔

"کیا بات ہے؟" میں نے اپنی طرف کی کھڑکی سے سر باہر نکال کر بلند آواز میں سوال کیا۔

"انجن اور روشنیاں بند کر کے نیچے اتر آؤ۔" پھاٹک کی دوسری طرف سے ایک تیز آواز ابھری اور اسی سمت سے کسی طاقت ور سرچ لائٹ کی روشنی ہم پر جھپٹی جس سے میری آنکھیں چندھیا گئیں۔ مگر اس وقت میں آنکھیں سکیڑ کر رائفل بردار

کے ساتھی کو دیکھنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے؟" میں چہرہ گھما کر جھلائی ہوئی آواز میں چیخا۔ "روشنی بند کرو، ہم نیچے آ رہے ہیں۔"

"چالاکی دکھائی تو بھون دیے جاؤ گے۔" سرچ لائٹ بجھنے کے ساتھ ہی دوسرے کی غراہٹ سنائی دی۔ اس اثنا میں نجیب رائفل بردار کے حکم کی تعمیل میں کار کا انجن اور روشنیاں بند کر چکا تھا۔ اور ایک مرتبہ پھر ہر سو گہرا اندھیرا پھیل گیا تھا۔

"فکر نہ کرو، ہم شریف آدمی ہیں۔" میں نے اپنے اندرونی ہیجان پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "تم بلا وجہ اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔"

"شریف آدمی صبح کے چار بجے ویرانوں میں نہیں گھوما کرتے۔" بولنے والے کا لہجہ طنزیہ تھا۔ "ادھر روشنی میں آؤ۔"

اسی کے ساتھ سرچ لائٹ دوبارہ روشن ہو گئی۔ جس کی روشنی کا ہالہ چند قدم دور کچی زمین پر پڑ رہا تھا۔

میرے ساتھ نجیب بھی معاونانہ انداز میں روشنی کے ہالے میں پہنچ گیا۔ "تم لوگ کون ہو؟ خود بھی تو سامنے آؤ۔" اس نے نرمی سے کہا۔

"اس وقت تم یہاں کیا کرتے پھر رہے ہو؟" دوسری آواز نسبتاً قریب سے ابھری۔

"ہم العبید سے آ رہے ہیں اور عتبارہ ہماری منزل ہے۔" نجیب نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ اس کے لہجے سے بھی اطمینان جھلک رہا تھا۔

"خرطوم میں رات کیوں نہیں گزاری؟"

"عجیب لوگ ہو تم!" نجیب جھنجھلائے لہجے میں بولا۔ "عتبارہ میں میری خالہ زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہی ہے اور میں آرام سے خرطوم میں پڑا سوتا رہتا۔"

"ادھر لٹیرے بھی آتے رہتے ہیں۔" اس شخص کا لہجہ نرم پڑ گیا۔ "ہمارے پاس اسلحہ ہے اس لیے ہم اجنبیوں کو ضرور روکتے ہیں اگر تمہاری خالہ بیمار ہے تو تم جا سکتے ہو۔"

"ہم العبید سے مسلسل چلے آ رہے ہیں، اب تم نے روک ہی لیا ہے تو پہلے قہوہ پلا دو پھر دھکا لگا کر کار اسٹارٹ کرانی ہو گی۔"

"قہوہ تو خیر مل جائے گا مگر اس بیابان میں دھکا کون لگائے گا؟" اس بار رائفل بردار بولا تھا۔ "اگر تمہاری کار سیلف اسٹارٹ نہیں ہوتی تھی تو اس میں اتنے لمبے سفر پر نکلنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"خالہ کی بیماری برادر!" نجیب کے لہجے سے خالہ کی بیماری کا سوگ نمایاں تھا۔ "کئی ہفتوں کے بعد آج اس کا انجن اسٹارٹ کرنے کی نوبت آئی تھی۔ اپنے دو تین ساتھیوں کو بلا لو گے تو ذرا سی کوشش میں اسٹارٹ ہو جائے گی۔"

"دو چار ساتھی۔" رانفل بردار شاید ہنسا۔ "اندر ان کی پوری نفری ہے مگر کسی کو بھی جگایا گیا تو وہ ہمیں گولی مار کر کار کو آگ لگا دے گا۔"

"ایسا نہ ہو کہ ہماری قہوہ نوشی ان کی نیند میں مخل ہو۔" نجیب بوکھلا کر کہا۔ "تم ہمیں اجازت ہی دے دو تو بہتر ہے۔"

نجیب کی بزدلی پر وہ دل کھول کر ہنسا۔ "ہم اتنے بُرے بھی نہیں ہیں کہ قہوے کی پیالی سے منہ موڑیں۔ فکر نہ کرو، باہر کیبن میں ہم دو ہی ہیں وہ سب اندر عمارت میں ہیں۔ تمہارا ان سے سامنا بھی نہیں ہوگا۔"

اس خوشخبری پر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ جن معلومات کے حصول کے بارے میں ہم دونوں فکرمند تھے، وہ خود سامنے آگئی تھیں۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ پوری رات کی بھاگ دوڑ کے بعد شاید قدرت کو ہم پر رحم آگیا تھا اور ہماری محنت رنگ لانے والی تھی۔

وہ دونوں ہمارے قریب آگئے اور سرچ لائٹ کی روشنی میں ہم چاروں چھوٹی چوبی پھاٹک کی طرف بڑھنے لگے۔

پھاٹک بند تھا مگر ایک ٹوٹی ہوئی لکڑی کے باعث وہاں جگہ بنی ہوئی تھی کہ جھکی لکڑیاں بھور کر کے با آسانی اندر جایا جا سکتا تھا۔

[illegible]

احساس ہوا جیسے میں نے میز کے سینے پر پاؤں رکھ دیا ہو۔

پھاٹک کے قریب ہی درختوں کے گنج میں ان دونوں کا

[illegible]

روشنی کی کمی انھوں نے بیٹری سے جلنے والے بلبوں سے پوری کر لی۔ روشنی ہوتے ہی میری اور نجیب کی آنکھیں چار ہوئیں جن میں ایک دوسرے کے لیے ایک ہی نمایاں پیغام تھا۔

تیز اور بھرپور وار ہی ہماری کامیابی کا ضامن تھا۔ میں نے جیب سے زہریلے تیروں والی پھکنی نکالی اور رانفل بردار کوئی آواز پیدا کیے بغیر چوبی فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

گرنے کے دھماکے سے دوسرا چونک کر پلٹا۔ "اسے کیا ہوا؟" اس کا لہجہ اشتباہ آمیز تھا۔

"پتہ نہیں کھڑے کھڑے گر گیا۔" نجیب تشویشناک لہجے میں یہ کہتا ہوا نیچے بیٹھ کر رانفل بردار کا جسم سیدھا کرنے لگا۔ میں نے بھی اس کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ مرنے والے کا ساتھی زور زور سے اس کے رخسار تھپتھپا رہا تھا۔

ہم دونوں مرنے والے کی مدد کیا کرتے۔ اسے فرش پر سیدھا کرنے کے بجائے نجیب نے اس کی رانفل حاصل کر لی اور نجیب نے اچانک ہی اس کی نال دوسرے کی ٹھوڑی سے لگا دی۔

"یہ... یہ کیا حرکت؟" وہ آہنی نال کا ٹھوس لمس اپنے نیچے سے چند انچ کے فاصلے پر محسوس کر کے گھبرا گیا۔

"پیٹر کارلائل کہاں ہے؟" نجیب سرگوشیانہ آواز میں غرّایا۔

"مم... میں کسی پیٹر سے واقف نہیں۔" رانفل کی زد میں آنے کے بعد وہ کسی خوفزدہ چوہے سے بھی بدتر ہو کر رہ گیا تھا۔

"مڑے ہوئے کان والا۔" میں نے پیٹر کی شناخت کرائی۔

"وہ اندر ہی ہے۔" وہ جلدی سے بولا

"اس کے ساتھ کتنی نفری ہے؟"

"پتہ نہیں۔" وہ بوکھلاتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "مگر چھ سات آدمی اندر ہی رہتے ہیں۔"

"اندر کوئی لڑکی بھی ہے؟" میں اس سے جلد از جلد فارغ ہو جانا چاہتا تھا۔

"لڑکیاں تو وہ لاتا ہی رہتا ہے۔ مجھے علم نہیں کیونکہ میں رات کے آٹھ بجے ڈیوٹی پر آیا تو وہ اندر موجود تھا۔"

اس پر وقت ضائع کرنا بے سود تھا۔ نجیب نے تو محض آزمائش کے لیے مرے ہوئے شخص کے بازو میں سے زہریلی سوئی دوسرے کی نظر سے بچا کر چٹکی کی مدد سے نکالی اور جھٹ سے جا کر اس کی گردن میں گھونپ دی۔ استعمال شدہ زہریلی سوئی کا یہ پہلا تجربہ تھا جو

[illegible]

پر گر گیا۔ اگر زہر فوری طور پر اثر انداز نہ ہوتا تو شاید وہ ایک تیز چیخ کی صورت اختیار کر چکی ہوتی۔

[illegible]

ان دونوں کی لاشیں [illegible]

پچھلی نشستوں کے نیچے سے دو جستی ٹینکس [illegible] لے لو۔" یہ کہتے ہوئے نجیب نے کسی ماہر جلاد کی طرح دونوں لاشیں اپنے کندھے پر لاد لیں۔

صبح قریب آتی جا رہی تھی اور پیٹر کارلائل کی جاگیر [illegible] چھلکتے ہوئے اندھیرے پر خون کے بادل منڈلا رہے تھے [illegible] مورچوں کے اعتبار سے ہم بہتر ضرور تھے مگر مجھے [illegible] کہ ہم بے خبری میں انھیں چھاپ لینے میں کامیاب ہو جائیں [illegible] یک بیک میرے ذہن میں کیتھی کا پیکر ابھرا جس [illegible] بکھرے ہوئے تھے اور آنکھیں ویران تھیں [illegible] گن اٹھاتے ہوئے مٹھیاں بھینچ لیں اور عہد کیا کہ اگر [illegible] ہاتھوں کیتھی کا دامن ذرا بھی داغدار ہوا تو میں اسے ایسی موت ماروں گا کہ اس کے انجام پر ہر تماشائی لرز اٹھے گا۔

سیلیا اس وقت میرے ذہن سے محو ہو چکی تھی [illegible] پیٹر کارلائل میرا واحد شکار تھا اور کیتھی میری [illegible] جس نے میری خاطر ایک سنگین خطرے کو گلے لگا لیا تھا۔ کیتھی کے لیے وہ میرے اخلاقی جذبات [illegible]

[illegible]



پیٹر کارلائل تک پہنچ کر یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ مجھ کو پسند کرنے لگی تھی مگر سیلیا کو بہت پہلے سے محروم نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اور اس کی جدوجہد کا قرض چکانا میرا فرض تھا۔

[illegible] کسی چار دیواری میں کیتھی محبوس تھی اور پیٹر کارلائل [illegible] محافظوں کی پشت پناہی [illegible]

"چلو نجیب!" میں نے [illegible] دیکھ کر تیز لہجے میں بولا [illegible] دماغ کی رگیں پھٹنے لگی ہیں۔"

اور نجیب فوراً ہی اپنی جیبوں میں اسلحہ بھرنے لگا۔ دستی [illegible] جیبوں میں رکھنے کے بعد اس نے اسٹین [illegible] شانوں پر لٹکائے اور ہم دونوں سرخ پھاٹک [illegible]

وہ رات شاید کچھ زیادہ ہی تاریک اور گمبھیر تھی کہ پھاٹک عبور کرنے کے بعد چند فٹ آگے تک دیکھنا بھی ممکن نہ تھا۔ آخر تو [illegible] کے چوبی کیبن میں بیٹری سے جلنے والے بلب روشن ہو گئے!

ہم دونوں ایک دوسرے کے پیچھے بغیر چوبی کیبن کی طرف دوڑے۔ وہاں میں نے فرش پر پڑی ہوئی دستی سرچ لائٹ پر قبضہ کیا اور پھر نجیب نے دونوں لاشیں پھینک دیں!

"کار کو بھی عمارت تک ہی پہنچا دیں۔" نجیب نے اندھیرے کیبن سے احتیاط سے باہر نکلتے ہوئے سوال کیا!

"انجن کا شور انہیں چوکنا کر دے گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "بے خبری میں ہی انہیں چھاپ لیا گیا تو کامیابی حاصل ہو سکے گی ورنہ ہم دونوں بھی پکڑے جائیں گے اور کسی کو ہمارے حشر کا علم نہ ہو سکے گا۔"

اس نے خاموش رہ کر میری بات تسلیم کر لی اور ہم [illegible]

سے گھر سے اندھیرے راستے پر تیزی سے عمارت کی طرف بڑھنے لگے جو تاریکی میں ایک تاریک تر ہیولے کی طرح ایستادہ نظر آ رہی تھی!

"یہ عمارت خاصی وسیع معلوم ہوتی ہے!" نجیب نے بغول کے بل عمارت کی طرف دوڑ لگاتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "اندر ان سب کو تلاش کرنا آسان ثابت نہ ہوگا۔"

"پہلے ہمیں ان ساتوں کو ہی ٹھکانے لگانا ہے۔ تاکہ اطمینان سے پیپر کا راز ان سے اُگلوا سکیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سب ہمیں کسی جگہ یکجا مل جائیں!"

"خدا کی پناہ!" وہ شاید پھر پریشان ہو گیا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سوزی لینڈ کا وہ پرانا سفارت کار کسی مذموم سرگرمی میں ملوث ہوگا۔ مگر میں خفیہ جاگیر پر اس کی رازدارانہ سرگرمیاں ہماری اطلاعات کی تصدیق کرتی ہیں!"

"پیپر کو تلاش نہیں کرنا ہے!" میں نے سخت لہجے میں اسے بتایا۔ "ہمیں اس کو بند کر کے تباہ کرنا ہے!"

"کیوں؟" اس کی آواز تحیر آمیز تھی۔ "مصیبت کیوں مول لیتے ہو... اسے دیکھتے ہی مار ڈالیں گے اگر وہ ولد الحرام بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تو جانے ہے کہ متعدد مشکلات کھڑی کر دے گا۔ فرطوب کے سرکاری حلقوں میں وہ احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے!"

"یہ میرا حکم ہے نجیب!" میں نے گفتگو کو طول دیے بغیر سرد اور تحکم آمیز لہجے میں کہا۔ "اس سے انحراف نہیں ہوگا!"

"اگر یہ صفدر علی کا حکم ہے تو اس کی تعمیل سے سرمو انحراف نہ ہوگا!" اندھیرے میں اس کی مدھم آواز ابھری!

"اور تم میرا نام بھی زبان پر نہیں لاؤ گے!" میں نے فوری طور پر اسے یاد دلایا۔ "بدترین صورت حال کے لیے ہم کو تیار رہنا ہوگا۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے بتا دیا!"

نجیب کے ان الفاظ کے بعد اندھیرے کے اس خوفزدہ جنگل میں ہولناک سکوت پھیل گیا۔ جسے قدموں کے نیچے کچلے جانے والے خشک پتوں کی ملائم سی آوازیں مجروح کر رہی تھیں۔ پتوں کے بل دوڑنے کے باعث ہمارے قدموں کی چاپ بھی مفقود تھی!

سرخ چوپائی بنگلے سے تاریک عمارت کا فاصلہ جانے کتنے بہت روح فرسا اور اعصاب شکن ثابت ہوا۔ سر لحظہ مجھے دھڑکا لگا رہا کہ کہیں کسی گوشے سے نادیدہ گولیاں مداخلت کرنے والوں پر گولیاں نہ برسا بیٹھیں!

مگر سارے اندیشے بے بنیاد ثابت ہوئے عمارت میں خوابیدہ مکینوں کو اپنے چند وفادار محافظوں اور ان کے ہتھیاروں پر اتنا اعتماد تھا کہ گھر کے تحفظ کے لیے کسی قسم کے مزید انتظام کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی!

ہم دونوں کسی بھی مداخلت سے دوچار ہوئے بغیر ایک انتہائی تاریک داخلی برآمدے تک پہنچ گئے۔ جہاں دو ہیکل چوبی دروازوں کے شدید ہمارا منہ چڑا رہے تھے!

نجیب نے اس دروازے پر قدرے زور آزمائی کرنے کے بعد سرگوشی میں مجھے مطلع کیا کہ اندر داخل ہونے کے لئے ہمیں کوئی دوسری راہ تلاش کرنی ہوگی!

ہم برآمدے سے اتر آئے اور عمارت کا محتاط طواف شروع ہو گیا!

قدیم طرز کی اس عمارت میں ہمارے نقطۂ نظر سے ناقص تعمیری انداز اپنایا گیا تھا جس میں باہر سے مداخلت کے امکانات کو بالکل نظر انداز کیا گیا تھا!

عمارت بہت طویل و عریض تھی۔ ہم نے اس کا چکر مکمل کر لیا لیکن رسائی کا کوئی دوسرا راستہ دریافت نہ کر سکے جس کا تعین بہ قدر آزمائی ہوتے ہوئے دشمنوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا باعث ہوتی!

"اب کیا کیا جائے؟" نجیب نے ہیجان آمیز سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔ خر کر قریب آنے پر وہ خاصے اضطراب کا شکار ہو گیا تھا!

"انتظار!" میں نے دیوار کے سہارے اپنی کمر ٹکاتے ہوئے بتایا۔ "اندر اگر پوری فوج بھی موجود ہے تو صرف دروازے سے ہی نکلے گی!"

"اور اگر اس دوران میں ملازم کو کوئی ناقابل تلافی نقصان پہنچ گیا ہوگا؟" اس کا لہجہ دھیما اور معنی خیز تھا!

"ہم نے پوری عمارت کا طواف کیا ہے اور اندر سے کوئی آہٹ تک نہیں سنائی دی!" میں نے سمجھانے کے لہجے میں کہا۔ "اور نہ کہیں روشنی نظر آئی۔ اس کا مطلب ہے کہ اندر والے سب گہری نیند سو رہے ہوئے ہیں۔ کیتھی کے ساتھ جو کچھ برا یا بھلا بیتنا تھا بیت چکا ہے اور تھوڑی سی تاخیر سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوگی!"

"عمارت بہت وسیع ہے تو وہ مسلسل اضطرابی کیفیت میں تھا۔" ہو سکتا ہے کہ وحشت اور بربریت کا کھیل کسی اندرونی گوشے میں جاری ہو اور سنانے والوں کے ساتھ ہی روشنی کی کرنیں بھی سنگین دیواروں میں محصور ہوں!"

"امکانات کے بجائے حقائق پر بات کرو۔ مجھے بتاؤ کہ اندر گھسنے کی متبادل صورت کیا ہو سکتی ہے؟"

"کیوں نہ داخلی دروازے کا تختہ کھولنے کی کوشش کی جائے" میں آہستہ سے ہنس دیا۔ "تو پھر قدیم طرز تعمیر کا نمونہ یہ دروازے ہیں کوئی معمولی قفل نہیں ہے بلکہ اندر سے مضبوطی سے

بڑھے ہوئے ہوں گے جنہیں گرانا ناممکنات میں سے ہے!"

"پھر تم کوئی تدبیر سوچو میں سنا آیا ہوں کہ بدترین حالات میں بہترین فیصلے کرنے کی صلاحیت سے مالا مال ہو!"

"بس ایک ہی صورت ہے!" میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد کہا۔ "ہم میں سے ایک دروازے پر مضبوط مورچہ سنبھالے اور دوسرا کسی طرح چھت پر پہنچ کر اندر اترنے کی کوشش کرے۔ دوسری کوئی راہ نہیں ہے!"

میں نے یہ تو سنا تھا کہ وہ مسرت سے اچھل پڑا۔ "تمہاری ترکیب ضرور کامیاب ہوگی۔ قدیم بادشاہی مکانوں سے روشن چھت پر لگے ہوئے ہوں گے ان سے باآسانی اندر اترا جا سکے گا۔ پرانی عمارتوں میں دھوئیں کی نکاسی کی چمنیاں ان اطراف میں ایک لازمہ ہیں!"

"پھر تم دروازہ سنبھالو۔ میں اوپر جانے کی ترکیب سوچتا ہوں!" میں نے اس کے شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر کہا!

"اندر گھسنا زیادہ خطرناک ہے۔ یہ کام میرے سپرد کر دو!" وہ سادہ لوحی اور رواداری میں کہہ گیا۔ "تمہاری جان زیادہ قیمتی ہے!"

"بچوں جیسی باتیں نہ کرو!" میں نے کہا۔ "دونوں ہی محاذ... اگر باہر کا محاذ کمزور ثابت ہوا تو وہ لوگ اندر خطرہ بھانپتے ہی بھاگ نکلیں گے۔ تم یہ خیال رکھنا کہ ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ جا سکے!"

"اندھیرے میں ایک دروازے سے نکلنے والے انسانی ہیولوں پر ہتھوڑے برسانا کوئی مشکل کام ثابت نہیں ہوگا!" اس نے چلتے چلتے ہی کہا۔ "لیکن تم اگر اندر ان درندوں کے نرغے میں پھنس گئے تو کوئی مدد بھی نہ مل سکے گی!"

"میری فکر نہ کرو!" میں نے سرسری انداز میں کہا۔ "مر گیا تو تجھے کوئی دکھ نہ ہوگا۔ ویسے بھی بے مقصد زندگی گزار رہا ہوں!"

"یقیناً!" میری زبان سے وہ "بے مقصد زندگی" سن کر نجیب چونک پڑا۔ "تو کیا ابھی تک تم سے جنگ ختم نہیں ہو سکی ہے؟"

"تمہیں میرے بارے میں خاصی معلومات ہیں!" میں نے دل ہی دل میں ایک کسک سی محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "فی الحال میری ذات اور اس کے مسائل کو بھول جاؤ۔ ہمارے سامنے ایک بڑی مہم درپیش ہے!"

پھر وہ بھی میرے ساتھ ہو لیا۔

چھت تک پہنچنے کے لئے برساتی پانی کی نکاسی کے موٹے پائپوں کے سوا کوئی دوسری صورت قابل عمل نہیں تھی لہٰذا میں نے جوتے اتار کر اپنی جیبوں میں ٹھونسے اور اسٹین گن شانے سے لٹکا کر پائپ کے سہارے اوپر چڑھنے لگا!

پائپ پر گرفت مضبوط کر کے زمین سے قدم اٹھاتے ہی میرے سُن ہوتے ہوئے زخم میں ایک شدید ٹیس اٹھی اور مجھے کرب سے پائپ

چھوڑ دیا!

جوش کے عالم میں میں اپنی حالت کو فراموش کر بیٹھا تھا مگر اس ٹیس نے فوراً ہی احساس دلا دیا کہ بندر کی طرح پائپ سے چپک کر اوپر پہنچنا میرے لئے ناممکن تو نہیں تو دشوار ضرور تھا اور یہ امکان بھی تھا کہ اس کوشش میں ایک آدھ کچا ٹانکا ٹوٹ جاتا!

"کیا ہوا؟" مجھے بے چینی کے عالم میں پائپ سے الگ ہوتے دیکھ کر نجیب نے پوچھا!

"میں زخمی ہوں میرے لئے اوپر چڑھنا ممکن نہ ہوگا!"

"میں نے تو پہلے ہی خود جانے کی پیشکش کی تھی!"

اس نے جوتے اتارے اور کسی بندر کی سی پھرتی سے اسی پائپ کے سہارے اوپر سرکتا ہوا آناً فاناً میں چھت پر غائب ہو گیا! جاتے جاتے وہ تیز روشنی والی سرچ لائٹ مجھے تھما گیا تھا!

اس کے جانے کے بعد میں نے عمارت کے داخلی دروازے کے مقابل ایک درخت کی اوٹ میں مورچہ سنبھال لیا۔

چند منٹ بعد ہی مجھے دروازے پر اندر سے کوئی کھٹکا ہوا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میں نے بجلی کی سی سرعت سے اپنی کمین گاہ سے حرکت کی اور بے آواز قدموں سے دوڑتے ہوئے تاریک برآمدے میں...... دروازے کی داہنی جانب دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا!

اندر سے کھٹ پٹ کی چند آوازیں ابھریں جس کے بعد شاید دروازہ کھول دیا گیا۔ میں نے سانس روک کر زہریلے تیروں والی شیشی سنبھال لی!

پھر دروازے کے کھلے ہوئے خلا میں سے ٹارچ کی روشنی تاریک برآمدے میں رینگ آئی۔ وہ جو بھی تھا، نہایت بے فکری سے باہر آ رہا تھا!

روشنی کی حرکت کے ساتھ ہی قدموں کی چاپ ابھری پھر ایک متوسط قامت شخص باہر آ گیا۔ اس کی پشت میری جانب تھی اور وہ سگریٹ کا کش لیتا ہوا باہر آیا تھا۔ بے اختیار میرا دل چاہا کہ عقب سے حملہ کر کے اسے دبوچ لوں مگر اس کے گٹھے ہوئے کسرتی بدن کو دیکھ کر میں نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا اور اس سے پہلے کہ وہ اگلا قدم اٹھا کر مجھ سے نسبتاً زیادہ فاصلے پر ہو جاتا میں نے شیشی کا رخ درست کر کے اوپری حصہ دبایا اور وہ اپنا کمر پکی کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح برآمدے کے پختہ فرش پر ڈھیر ہو گیا!

بالکل یوں محسوس ہوا تھا جیسے کسی چلتے ہوئے مشینی روبوٹ کو برقی رو کی فراہمی یکلخت منقطع کر دی گئی ہو!

گرتے ہوئے جسم کا دھماکہ میرے لئے خاصا تیز تھا، ٹارچ بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر لڑھکتی ہوئی قدرے دور چلی گئی تھی۔ اور بدستور روشن تھی!

میں دم سادھے کسی ردعمل کا منتظر رہا مگر کچھ بھی نہ ہوا مجھے

والا شاید کسی کام سے اکیلا باہر نکلا تھا!

میں نے جیب کترے سب سے پہلے اس کی ٹارچ بجھا کر اپنی تحویل میں لی پھر اسے گھسیٹ کر برآمدے سے نیچے کچی زمین پر گرا دیا تاکہ اندر سے آنے والا اسے نہ دیکھ سکے!

برآمدے سے ذرا دور اندھیرے میں ایک سیاہ وین اور ایک کار موجود تھی۔ میں نے سوچا کہ لاش کو ان میں سے کسی میں ڈال دیا جائے مگر بے سود مشقت سمجھ کر میں نے یہ ارادہ ترک کر دیا!

فی الحال مجھے باہر سے کسی مداخلت کا اندیشہ نہیں تھا اور ایک مرتبہ اندر گھس جانے کے بعد باہر پڑی ہوئی لاشوں کی تعداد اور حالت سے صورتِ حال کا کوئی سوگوار نہ رہتا!

اس چھوٹی کامیابی کے بعد مجھے افسوس ہو رہا تھا کہ میں نے نجیب کو چھت پر کیوں بھیجا۔ اس کی طرف سے میں لاعلمی میں تھا اور اگر وہ چھت سے اندر گھسنے میں کامیاب ہو جاتا تو اسی خیال میں رہتا کہ میں نے سامنے سے باہر مورچہ سنبھال رکھا ہوگا۔ ایسی صورت میں عمارت کے اندر اندھیرے میں ہم دونوں ایک دوسرے سے بآسانی متصادم ہو سکتے تھے!

مگر اچانک ہی فضا میں کسی الو کی تیز آواز تین مرتبہ تسلسل کے ساتھ ابھری۔ اور میرے ذہن میں فوراً ہی ایک احساس پیدا ہو گیا!

الو کی آواز اس تواتر کے ساتھ میں پہلے بھی سن چکا تھا۔ فوراً چند ثانیوں بعد ہی مجھے یاد آ گیا کہ اسی قسم کی آوازیں ایک ہوٹل میں نجیب ساتھیوں کے ہمراہ شناخت کے استعمال کے لیے بندے کا دلالی گئی تھیں۔

وہ یاد آتے ہی غیر ارادی طور پر میرے حلق سے بھی الو کی آوازیں بلند ہونے لگیں!

ایک ڈیڑھ منٹ کی مدت میں نجیب میرے پاس آ پہنچا۔ اس وقت میں عمارت کے داخلی دروازے کے مقابل درختوں کی اوٹ میں تھا!

"عمارت میں اندر گھسنے کے سارے راستے مسدود ہیں!" میرے پاس پہنچتے ہی اس نے دبی ہوئی مایوسانہ آواز میں کہا!

"دھوئیں کی چمنیاں ..... ؟"

"چھت پر تین چمنیاں اور ایک روشندان موجود ہے مگر ان سب کے دہانوں پر جنگلوں کی جالی کر کے انہیں بند کر دیا گیا ہے!"

"اب اس کی ضرورت نہیں دروازہ کھل چکا ہے!" میں نے اسے مطلع کیا!

"کیسے؟" میرے انکشاف پر وہ متحیر رہ گیا۔

"اندر سے ایک شخص ٹارچ جلائے باہر آیا تھا ...!"

"کدھر گیا وہ؟" اس نے میری بات کاٹ کر بے تابی سے سوال کیا۔

"اللہ کو پیارا ہو گیا!"

"نہیں!" وہ بے اختیاری سے بولا "میرے کانوں تک تو کوئی خفیف سی آواز بھی نہیں پہنچی، کیسے مار لیا تم نے اسے؟"

"ایک زہریلا تیر ضائع کرنا پڑا!"

"اوہ!" وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گیا! "تمہارے اس مہلک ہتھیار کو تو میں بھول ہی گیا تھا۔ لاش کہاں ہے اس کی؟"

"سامنے چبوترے کے نیچے! میں اندر گھستے ہوئے فکرمند تھا کہ کہیں بے خبری میں اندر ہم دونوں کا پہلا سامنا ایک دوسرے سے نہ ہو جائے!"

"تو اب چلو اندر!"

"میں جا رہا ہوں!" میں نے کہا "تم باہر ٹھہرو گے اور اسلحے کے استعمال میں ذرا بھی دریغ نہیں کرو گے!"

"جیسے تمہارا حکم!" میری ہدایت پر اس کے لہجے میں مایوسی اتر آئی!

متوفی سے حاصل کی ہوئی ٹارچ میں نے نجیب کو تھمائی اور اندھیرے میں احتیاط سے چبوترے کی طرف بڑھ گیا!

عمارت کا دو پٹ والا چوبی دروازہ بدستور قدرے کھلا ہوا تھا۔ کھلے حصے سے باہر سے بھی زیادہ گہرے اندھیرے کا راج تھا۔

میں دھڑکتے دل کے ساتھ اندر داخل ہوا اور دروازے کے پٹ ملا کر بند کر دیے!

اس کارروائی کے بعد چند ثانیوں کے لیے میں وہیں رکا تاکہ میری آنکھیں اس ہولناک اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو سکیں!

پھر میں اس کشادہ راہداری میں آگے ہو لیا۔

راہداری کے دونوں طرف سپاٹ دیواریں تھیں اور اس کا اختتام ایک وسیع ہال پر ہوا تھا۔ میں فیصلہ نہ کر سکا کہ اب کس سمت کو جاؤں مگر اس وقت میرا مقصد پورا ہوا کہ ہال کے داہنی جانب والی ایک راہداری میں مجھے کہیں سے روشنی کا لرزتا ہوا عکس نظر آیا جو چند ثانیوں بعد اندھیرے کی چادر میں تحلیل ہو گیا!

وہ تیز روشنی واضح طور پر کسی دیا سلائی کی رہی تھی۔ اس طرف کسی کمرے میں یقیناً کوئی جاگ رہا تھا اور اس نے وقت گزاری کے لیے سگریٹ سلگا کر میری رہنمائی کا ایک بہانہ پیدا کیا تھا!

میں نے اسٹین گن پر اپنی گرفت درست کی اور دبے قدموں اسی سمت میں چل دیا۔

وہاں ایک طرف کمروں کے دروازے بنے ہوئے تھے اور میرے اندازے کے مطابق روشنی تیسرے دروازے کے شیشے سے ہو کر آئی تھی!

مشتبہ دروازہ بند تھا۔ میں سانس روک کر دروازے کے قریب دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا!

اس وقت وہاں اس قدر مکمل تاریکی تھی کہ چند ثانیوں بعد کمرے کے شیشے سے روشنی کا ایک موہوم سا احساس ہوا جو چند ثانیوں بعد ختم ہو گیا۔ میری دانست میں اندر والے نے تازہ سگریٹ کا گہرا کش لیا تھا اور سگریٹ کا راکھ سے محروم سلگتا سرا کش کے ساتھ دہک اٹھا تھا!

میں چیتے کی طرح اس کی اندھیری کمین گاہ میں گھسنے میں کامیاب ہو گیا تھا مگر اس وقت تک مجھے صورتِ حال پر قطعی اختیار نہیں تھا!

باہر جانے والے دو اشخاص ہلاک ہونے والوں کے بعد عمارت میں کم از کم سات نفوس ضرور موجود تھے اور چیف ان میں شاید کوئی [illegible] ہوگا کہ اپنی پناہ گاہ میں گھسنے والے کو سامنا ہونے پر [illegible] کا موقع دیتا!

میں نے چند ثانیوں کی قلیل مدت میں کئی بار اس کمرے کا دروازہ کھولنے کا ارادہ کیا مگر اس کارروائی میں مضمر سنگین نوعیت کے خطرات آڑے آ گئے!

اندر والے کو اگر باہر خطرے کا ذرا بھی احساس ہو جاتا تو میری مہم ابتدائی مرحلے پر ہی ناکامی سے دوچار ہو جاتی!

میں نے اپنی جیب سے المونیم کا ایک چھوٹا سا سکہ نکال کر ایک ڈیڑھ فٹ کی بلندی سے فرش پر گرا دیا اور پھرتی سے سیدھا کھڑا ہو گیا!

عمارت میں چھائے ہوئے آسیبی سکوت میں سکے کی آواز دور تک سنائی دی اور اس کا اثر بھی حسبِ توقع رہا!

[illegible] کمرے میں سے کسی کی دبی اور بوجھل غراہٹ [illegible] اس کمرے میں تنہا تھا یا اس کے ساتھی گہری نیند سو رہے تھے!

سکے کی آواز اس شخص کے لیے بہت واضح رہی ہوگی لہٰذا اس نے باہر آنے کا فیصلہ کیا جس کا اظہار دروازے کی درمیانی خفیف سی جھری میں سے آنے والی متحرک روشنی سے ہوا!

اگلے ہی لمحے دروازہ کھلا اور پنسل ٹارچ کی روشنی کے تعاقب میں ایک انسانی ہیولا باہر راہداری میں آ گیا۔

باہر آتے ہی فطری طور پر اس نے پہلے دائیں بائیں کا جائزہ لیا مگر میں نے عقب سے اسٹین گن کی نال اس کی کمر سے لگا دی۔ اس نے نال کا لمس محسوس کرتے ہی اپنی ٹارچ بجھا دی مگر میں نے اسے کسی چالبازی کی مہلت نہیں دی!

"ٹارچ روشن کرو ورنہ [illegible]!" میں نے سرگوشیانہ غراہٹ میں اسے حکم دیا۔

اپنی جیبوں پر تال کا ہے [illegible] میرے [illegible] کا یقین دلانے کے لیے کافی ثابت ہوا اور اس نے ہاتھ سر سے بلند کر کے پنسل ٹارچ روشن کر لی۔ اس اثنا میں میرے کان گرد و پیش پر لگے ہوئے تھے اور مجھے یہ جان کر خاصا حوصلہ ہوا کہ میری کارروائی کے جواب میں کہیں سے بھی کوئی آواز نہیں ابھری تھی!

"کمرے میں چلو!" میں نے اسے اگلا حکم دیا۔ اس وقت میرے لہجے میں غیر ارادی طور پر درندگی اور سفاکی عود کر آئی تھی۔

وہ گرانڈیل شخص خاصا کھاگ معلوم ہوتا تھا کیونکہ اسے اپنی خراب پوزیشن کا بخوبی احساس ہو چکا تھا لہٰذا اس نے بلا حیل و حجت میری نئی ہدایت پر عمل کر ڈالا!

اندر داخل ہوتے ہوئے میں نے پھرتی سے دروازہ بند کر دیا کیونکہ اس کشادہ کمرے میں ہم دونوں کے سوا کوئی تیسرا شخص نہیں تھا۔ اس کمرے میں مختصر فرنیچر کے علاوہ ایک شکن آلود بستر بھی تھا جس پر میرا تازہ شکار اسیر ہونے سے قبل شاید کروٹیں بدل رہا تھا!

"تم بستر پر گر کر آگے جھک جاؤ!" میں نے اس پر گہری نظر رکھتے ہوئے کہا۔ اس مرتبہ بھی اس نے نہایت سعادت مندی کا مظاہرہ کیا اور میں نے اس کی پشت سے اسٹین گن کی نال ہٹا کر روشنی اٹھائی۔

وہ دونوں ہاتھ سر سے بلند کیے تیزی سے میری طرف پلٹا تھا!

اس سو والٹ کا بوڑھا سا چہرہ کسی بلڈ ڈاگ سے مشابہ تھا۔ زرد آنکھوں کے نیچے ہوئے کسی عادی شرابی کی طرح ورم آلود تھے اور آگے کی طرف جھکے ہوئے شانے اس کی معاندانہ فطرت کی غمازی کر رہے تھے مگر میں جانتا تھا کہ اس قماش کے لوگ دل و دماغ سے کام لے کر اپنی چھوٹی ناکامیوں کو بڑی کامیابی [illegible] مرعوب جاتے ہیں!

میرے ساتھ تعاون کر کے اس نے سوچنے سمجھنے کا وقت حاصل کر لیا تھا اور اس وقت شاید وہ مجھ پر حاوی ہو کر میرے خاتمے کی کسی بھیانک تجویز پر غور کر رہا تھا!

"اس عمارت میں کل کتنے نفوس ہیں؟" میں نے پنسل ٹارچ کی محدود روشنی میں براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا!

"مجھے پوری عمارت کے بارے میں علم نہیں۔ میں اپنے کام سے کام رکھتا ہوں!" اس نے بوجھل غلیظ آواز میں جواب دیا!

"مجھے بہانہ نہیں جواب چاہیے!" میں نے سختی سے کہا۔

"اگر تم اس عمارت میں ڈاکے کی نیت سے آئے ہو تو یقین کرو کہ اس عمارت سے تمہیں کچھ نہ مل سکے گا۔ تم خاموشی سے لوٹ جاؤ میں

تمہارا ہم کا کسی سے تذکرہ نہیں کروں گا۔" اس نے میری بات نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

"چالاک بننے کی کوشش مت کرو۔" اس کے طرزِ گفتگو نے مجھے مشتعل کر دیا۔ "تینوں لاشوں پر سے گزر کر تم یہاں تک پہنچے ہو۔ ایسا ...کر کے پوچھا۔ "تمہارا مقصد کیا ہے؟"

اس اطلاع پر اس کے چہرے پر خوف کے بجائے حیرت کے آثار نمودار ہوئے۔ "تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

"صرف اپنے سوالات کے جواب۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "میرے پاس فضول باتوں کے لیے وقت نہیں ہے۔"

"اس کے بعد تم مجھے بھی گولی مار دو گے؟"

"غور کرکے میں اس عمارت سے دور بیٹھے لوگوں کو خطرے کا احساس دلانا نہیں چاہتا۔ تم تعاون کرو گے تو تمہارے سر پر ضرب لگا کر تمہیں بے ہوش کرنے پر اکتفا کروں گا۔ ورنہ تیسرے علاوہ باہر بھی میرے ساتھی چھپے ہوئے ہیں۔"

"اس عمارت میں بھی کم از کم اس بات سے جگہ لوگ موجود ہیں۔" اس نے بالواسطہ طور پر میرے سوال کا جواب دیا۔ "تمہاری خوش قسمتی ہے کہ اس وقت وہ سب بے خبر سوئے ہوئے ہوں گے۔"

"مجھے بتاؤ کہ ان والا کہاں ہوگا؟"

اس سوال پر بے اختیار اس کے حلق سے ایک عجیب سی آواز برآمد ہوئی۔ "تو تم باس کی تلاش میں یہاں پہنچے ہو!"

"مجھے سوال نہیں، جواب چاہیے۔" میں نے غرّا کر اسے یاد دلایا۔

"وہ اسی عمارت کے اختتام پر اپنی خواب گاہ میں ہوگا۔" اس نے نسبتاً نرم انداز میں جواب دیا، جیسے اسے اپنی بات سن لیے جانے کا اندیشہ ہو۔ "مگر تمہیں اس سے کیا پرخاش ہے؟"

"لڑکی کہاں ہے؟" میں نے اگلا سوال براہِ راست کیا۔

"کس لڑکی کی بات کرتے ہو؟ یہاں تو روز ہی لڑکیاں آتی جاتی رہتی ہیں!"

"وہ لڑکی جسے تمہارا باس خود لایا تھا!"

"وہ خود تو پچھلی رات تنہا ہی آیا تھا۔" وہ سوچتے ہوئے بولا۔ "اس سے پہلے اس کا محافظ ایک بے ہوش لڑکی کو ضرور لایا تھا!"

"اس کا محافظ کون ہے؟"

"وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" بلڈاگ نے جواب دیا۔ "بہت کم گو اور علیحدگی پسند ہے۔ باس کے ساتھ ہی آتا ہے اور اسی کے ساتھ ہی چلا جاتا ہے!"

"اس وقت کہاں ہے؟"

"پتا نہیں۔ پچھلی رات باس کے آنے کے گھنٹے بھر بعد وہ کہیں چلا گیا تھا اور بارہ بجے تک واپس نہیں لوٹا تھا۔"

"لڑکی پر تشدد ہوا تھا؟"

"غیر ضروری سوال نہ کرو تو بہتر ہے۔" وہ خشک لہجے میں بولا۔ "کئی چھپی ہوئی باتیں بہت سی لڑکیوں کو اداکاری کا شوق ہوتا ہے..."

"اسے کہاں رکھا گیا ہے؟" میں نے اشتعال پر قابو پاتے ہوئے سوال کیا۔

"شاید باس کے پہلو والے کمرے میں بند ہے!"

"تم وہاں تک میری رہنمائی کرو گے؟" میں نے اسٹین گن کو جنبش دے کر کہا۔

"یہ ہرگز نہیں ہو سکے گا۔" اس نے دو ٹوک لہجے میں انکار کیا۔ "تم اپنی زبان سے پھر سکتے ہو، میں عملی طور پر کوئی تعاون نہیں کروں گا۔ تمہارے سوالات ختم ہو گئے ہیں تو بلا تکلف میرے سر پر ضرب لگا کر مجھے بے ہوش کر دو!"

"وہیں کھڑے رہو۔" میں نے غرّا کر کہا کیونکہ وہ اپنی بات پوری کرتے ہی سر جھکا کر میری طرف بڑھا تھا۔

"تم نے مجھے زندہ چھوڑ بھی دیا تو باس میری کھال ادھیڑ دے گا۔ اسے غداری کرنے والوں سے نفرت ہے۔ بلڈاگ کا انجام کیا ہوگا؟ وہ یہ برداشت نہیں کر سکے گا کہ اس کا کوئی آدمی اپنی جان بچانے کے لیے اس کے کسی دشمن کو اس کے دروازے تک لے آئے۔ میں اتنا آگے نہیں بڑھ سکتا!"

میں نے اسے بہتر دھمکایا۔ مگر وہ اس معاملے میں ٹس سے مس نہ ہوا۔ پھر بھی رضامند نہ ہوا۔ البتہ زبانی طور پر اس نے مجھے ہیرلڈ کارلائل کی خواب گاہ تک پہنچنے کا راستہ بتا دیا۔ اس کا خیال تھا کہ میرا زندہ سلامت اس کمرے تک پہنچنا مشکل ہی تھا کیونکہ ہر سے ہوئے کان والے کا محافظ بلک جھپکائے بغیر ریوالور سے آقا کی حفاظت کرتا تھا!

مگر میں بلڈاگ کے بیان کی روشنی میں کچھ مفروضات قائم کر چکا تھا۔ میرا اندازہ یہ تھا کہ پچھلی رات جیکی کے فلیٹ میں داخل ہونے والے تینوں میں ہیرلڈ کارلائل کا معتمد محافظ تھا، جو میرے ہاتھوں مارا جا چکا تھا۔ دو لوگ اس کے قتل سے لاعلم تھے اور اگر وہ محافظ موجود نہیں تھا تو میرے لیے ہیرلڈ کی خواب گاہ تک پہنچنا بہت زیادہ دشوار نہیں ہونا چاہیے تھا۔

"اپنے بیان پر ایک دفعہ پھر غور کر لو۔" میں نے بلڈاگ کو دھمکی دی۔ "اگر تمہاری کوئی بھی بات غلط ثابت ہوئی تو واپسی پر میں تمہارے بے ہوش بدن کو گھسیٹ کر اس عمارت سے باہر قدم نہیں نکالوں گا۔"

"میں جھوٹا نہیں ہوں۔" اس نے کہا۔ "اپنی زندگی سے پیار ہوتا تو تمہارے سوالات کے جواب دینے سے انکار کر دیتا!"

"بہت پیار ہے اپنی زندگی سے۔" میں نے سوال پر اس کا... مختصر سا جواب کا عمومی تجزیہ کیا۔

"یہاں میں مسکرا رہا ہوں۔" وہ ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔

لیے ہیں، بولا۔ "میں باہر نکل کر بھرپور زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔"

"تم یہاں قیدی تو نہیں ہو!"

"قیدی سے بھی بدتر۔" اس نے نفرت آمیز لہجے میں سرگوشی کی۔ "دس برس سے اسی عمارت میں رہتا چلا آ رہا ہوں۔ ہفتے عشرے میں بس چند گھنٹوں کے لیے بیوی بچوں میں جانا نصیب ہوتا ہے۔ جس دن بھی میں نے اس کا ساتھ چھوڑنے کا ارادہ کیا، اسی روز میری لاش شہر کے کسی گندے نالے سے برآمد ہوگی!"

میرا دل چاہا کہ اسے بھی اسلحہ دے کر اپنے ساتھ شریک کر لوں مگر میں اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کی ہمت نہ کر سکا!

بلڈاگ بہت شریف نظر آ رہا تھا اور ایک امکان یہ بھی تھا کہ وہ میری ہمدردیاں حاصل کرکے اعتماد کے سہارے مجھ پر کاری وار کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہو!

"سوچتے سوچتے میری نیندیں اڑ گئی ہیں۔" وہ سسکنے جا رہا تھا۔ اس کی آواز میں درد سامعت آ گیا تھا۔ "میں بیشتر راتیں سگریٹیں پھونک کر گزارتا ہوں۔ نہ جانے اس عمرِ قید سے کب رہائی نصیب ہوگی مجھے!"

پہلے میرا ارادہ تھا کہ وہ کمرہ چھوڑنے سے قبل اسے گن کی نال سے بھی زیادہ کا نشانہ بنا دوں گا مگر وہ اپنی گفتگو سے میرے دل میں اپنے لیے اتنی جگہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ میں نے اسے محض بے ہوش کرنے پر اکتفا کیا اور پھر احتیاط سے اس کمرے سے باہر نکل گیا!

بے ہوشی کے لیے وہ خود منہ دیوار کی طرف کرکے کھڑا ہو گیا تھا۔ اور میں نے عقب سے اس کی کنپٹی پر ضرب لگانے کا موثر حربہ آزمایا تھا۔ جس کے نتیجے میں وہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر فرش پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

اس شخص سے نمٹنے کے بعد میں ایک بار پھر اندھیرے میں پہنچ گیا۔ میرا قیاس تھا کہ اس طرف بنے ہوئے بیشتر کمرے آباد تھے اب یہ اندیشہ بھی تھا کہ ان کے مکین گہری نیند سوئے ہوئے ہوں۔ ہیرلڈ کارلائل کے محافظ کی نشاندہی ہو جانے کے بعد عمارت کے دوسرے مکینوں سے میں نے اپنی افادیت کھو بیٹھے تھے اور میں کوشش کرنا چاہتا تھا کہ جلد از جلد اس کٹے ہوئے کان والے سفارت کار کے خلاف کچھ کروں جو صرف سیتا کے معاملے میں فوقیت رکھتا تھا بلکہ جیکی بارڈ بھی اس کی تحویل میں تھی۔

بلڈاگ نامی بھاری دلیل کی ہدایت کے مطابق میں اندھیرے میں بھوت کے دبے پاؤں مڑ کر اس آخری لابی میں جا نکلا، جس کے آخری سرے پر دوسرا دروازہ ہیرلڈ کارلائل کی خواب گاہ کا تھا۔ جب کہ پہلا دروازہ جیکی بارڈ کے قفس کا ہونا چاہیے تھا۔

آگے بڑھنے سے قبل میں نے اندھیرے میں رک کر جائزہ لینا چاہا۔ لیا۔ اس وقت تک میری آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو چکی تھیں۔

مگر میں اس تاریک لابی میں ہیرلڈ کارلائل کا محافظ تو دور کنار اس کا سایہ بھی محسوس نہ کر سکا۔

میدان صاف تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ ہیرلڈ کارلائل کے بارے میں میرا قائم کیا ہوا نظریہ درست ہی تھا۔

دبے قدموں ہیرلڈ کی خواب گاہ کی طرف بڑھتے ہوئے پہلی بار مجھے خیال آیا کہ وہ پوری عمارت گھپ اندھیرے میں کیوں ڈوبی ہوئی تھی؟

اگر وہاں رہنے والے اتنے نازک مزاج تھے کہ روشنی کی خفیف سی کرن بھی ان کے آرام میں حارج ہوتی تھی تو بھی زیرو بلب وغیرہ میں ایسا آرام دہ جیسا شمن ہونا ضروری تھا۔ دوسرا امکان یہ تھا کہ اس دور افتادہ زرعی علاقے میں بجلی توانائی ہی نایاب ہو۔ مگر عمارت میں ہر جگہ بجلی بلب اور فین کی تنصیبات اس خیال کی نفی کر رہی تھیں۔

تیسرا قیاس بھی کمزور تھا کہ کسی وجہ سے بجلی رو کی فراہمی میں تعطل واقع ہوا تھا تو بجلی آسائشوں کے عادی مکینوں کی نیند خراب ہونا لازمی تھا جب کہ وہ سب ایسی گہری نیند سوئے ہوئے تھے جیسے ہمیشہ سے اسی انداز میں سونے کے عادی رہے ہوں۔

یہی سب سوچتا ہوا میں دا ہنی جانب سے پہلے دروازے پر پہنچ گیا جس کے عقب میں جیکی بارڈ مقید تھی۔

میں کئی منٹ تک بند دروازے سے کان لگائے اندر کی سن گن

بینے کی کوشش کرتا رہا لیکن وہاں لاتعداد تالوں کے سوا کچھ نہیں تھا اور بلڈاگ نما چہرے والے کے کہے گئے الفاظ رہ رہ کر میرے ذہن پر ہتھوڑے کی طرح لگ رہے تھے۔

اُس نے جس پیرائے میں اداکاری کی شوقین لڑکیوں کا تذکرہ کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس عمارت میں لائی جانے والی لڑکیوں پر... تشدد معمولات میں شامل تھا اگر صبحی ماتر بھی بیتابی کی تلاش کے سلسلے میں اسی بدسلوکی کا شکار ہوئی تھی تو....

میں اس سے آگے نہ سوچ سکا اور میرے قدم برابر والے کمرے کی طرف اٹھ گئے۔ میں نے جذباتی ہیجان کے باعث کوئی احتیاطی تدبیر اختیار کیے بغیر پیٹر کارلائل کی خوابگاہ کے چوبی دروازے پر دباؤ ڈالا مگر وہ اندر سے مقفل ثابت ہوا۔

اس وقت میرے دل میں رہ رہ کر ایک ہی احساس گونج رہا تھا۔ میں صبحی کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہو گیا تھا مگر اس نے تنہا پیٹر کارلائل کو چیلنج کر کے میری اس بدگمانی کو بے بنیاد ثابت کر دیا تھا۔ اور اس وقت میں آبرو باختہ مگر زندہ صبحی کے بجائے آبرومند مگر مردہ صبحی کا سامنا کرنے کی دعا مانگ رہا تھا کیونکہ دشمن.... کے ہاتھوں اُجڑی ہوئی صبحی کا سامنا کرنے کی مجھ میں جرأت نہیں تھی۔

پیٹر کارلائل کے کمرے میں بھی وہی سناٹا طاری تھا جو بقیہ عمارت پر چھا رہا تھا چند ثانیوں کے انتظار کے بعد میں نے دروازے پر ہولے سے دستک دی۔

"کون ہے؟" دوسری دستک کے جواب میں ایک خوابناک اور بھاری مردانہ آواز ابھری۔

اس کے ساتھ عمارت کے کسی دور افتادہ گوشے میں کسی بڑے انجن کے اسٹارٹ ہونے کا شور سنائی دیا اور لابی میں لگے ہوئے قمقموں میں سرخی مائل دھیمی روشنی عود کر آئی جو انجن کا شور تیز ہونے کے ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔

غالباً عمارت میں برقی توانائی کا تمام تر دارومدار کسی جنریٹر پہ تھا جسے اسی وقت چلایا گیا تھا اور جنریٹر کی رفتار کے ساتھ ہی قمقموں کی روشنی بھی ایک جگہ ٹھہر گئی۔

جنریٹر کی رفتار اعتدال پر آتے ہی عمارت کے کئی حصوں میں بیک وقت فائرنگ کا بھیانک شور ابھرنے لگا جو یقینی طور پر رائفلوں کے دہانوں سے ابھر رہا تھا۔

میرے نفس کی رفتار یک لخت تیز ہو گئی اور دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی خودکار دفاعی نظام پیٹر کارلائل کی خوابگاہ کے دروازے سے منسلک تھا جو دروازہ چھوتے ہی حرکت میں آ چکا تھا۔

اندھیرے کی گہری چادر میں چھپے رہنے کے بعد اجالا بہت عجیب اور خوف آور محسوس ہو رہا تھا۔ رائفل کی اکا دکا آوازیں بہت قریب سے ابھری تھیں اور مجھے اندیشہ تھا کہ اگر مزید چند ثانیوں تک میں اس روشن لابی میں کوئی پناہ گاہ تلاش نہ کر سکا تو کوئی رائفل بردار درندہ دندناتا ہوا وہاں آ پہنچے گا اور مجھے مار گرائے گا۔

مگر اسی وقت پیٹر کارلائل کی خوابگاہ کا دروازہ کھل گیا اور مجھے اپنے سامنے چوڑی دھاریوں والے شب خوابی کے لباس میں ملبوس ایک دراز قامت سیاہ فام کھڑا نظر آیا جس کے دائیں ہاتھ میں بڑے بور کا وزنی پستول موجود تھا۔

دراز قامت، سیاہ رنگت، کسرتی بدن، گول شکل، بگڑا ہوا دائیں کان کا نچلا حصہ اور اوپر کے ایک سامنے والے دانت پر سونے کا خول منڈھا ہوا۔ اس میں وہ تمام نشانیاں موجود تھیں جو اسے میرا مطلوبہ شخص ثابت کر رہی تھیں۔

دروازہ کھولتے وقت اس نے یہ چالاکی کی تھی کہ خوابگاہ میں کوئی بلب روشن نہیں کیا تھا تاکہ خود نسبتاً اندھیرے میں رہتے ہوئے نامعلوم مداخلت کار کو بہتر طور پر دیکھ سکے لیکن میرے لیے لابی کی روشنیوں کا انعکاس ہی بہت کافی ثابت ہوا تھا۔

دروازہ کھلتے ہوئے چند لمحے ہی گزرے تھے اور مجھے اس کے چہرے پر تحیر کے ساتھ ساتھ بے یقینی کی پرچھائیاں لرزتی نظر آ رہی تھیں مگر یہ غنیمت تھا کہ اس نے فوراً ہی مجھ پر فائر کرنے کی حماقت نہیں کی تھی۔ اس وقت صورتحال یہ تھی کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے مہلک اسلحے کی زد پر تھے۔ اور کسی ایک کے لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ خود زخمی ہوئے بغیر دوسرے کو ہلاک کر سکے۔

"اسٹین گن پھینک کر دونوں ہاتھ اٹھا دو۔" رائفلوں کی اکا دکا آوازوں میں اس کی سرد اور تحکم آمیز آواز ابھری۔

"تمہاری گولی مجھے صرف زخمی کرے گی جبکہ میرا ایک ہلکا سا برسٹ تمہارے جسم کے چیتھڑے اڑا دے گا۔" میں نے پرسکون لہجے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے اندر آنے دو پھر ہم غیر مسلح ہو کر بات کریں گے۔"

"چلے آؤ۔" اس نے فوری طور پر مجھے چونکاتے ہوئے کہا۔ اور میں لمبے لمبے قدم اٹھاتا اس کی پرتعیش خوابگاہ میں داخل ہو گیا۔

اندر پہنچنے کے بعد سب سے پہلے میں نے دروازے کے قریب دیوار پر سوئچوں پر ہاتھ مار کر کمرہ روشن کیا پھر پاؤں کی ٹھوکر سے دروازہ بند کر دیا جو اندر سے بند کیے جانے پر خود بخود مقفل ہو جانے والے مقناطیسی قفل سے مرصع تھا۔

"دروازہ کیوں بند کیا تم نے؟" وہ غصیلی آواز میں بولا۔

"تمہارے آدمی شاید پاگل ہو گئے ہیں جو ہوا میں گولیاں چلا رہے ہیں۔ میں ان کی مداخلت کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتا۔"

"تم کون ہو؟" اس نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"غیر مسلح ہو کر ہم برابری سے بات کر سکیں گے۔" میں نے پرسکون انداز میں ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ میری اسٹین گن کی نال بدستور اس کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ اور ٹریگر پر رکھی ہوئی انگلی کسی بھی لمحے جنبش کرنے کے لیے تیار تھی۔

"میں تمہیں شناخت کیے بغیر غیر مسلح ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔" اس نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔

"تم مجھے شناخت نہیں کر سکتے کیونکہ میں تمہارے لیے اجنبی ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "بس یہ سمجھ لو کہ دشمن نہیں ہوں۔"

"دوست بھی نہیں ہو سکتے۔" وہ فوراً بولا۔ "ورنہ چوروں کی طرح یہاں تک پہنچنے کی کوشش نہ کرتے۔"

"جسمانی طور پر تم برتر ہو، غیر مسلح ہو کر فائدے میں رہو گے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بستر پر بیٹھ گیا۔ "تم جو بھی ہو مجھے فوری طور پر مارنے کا ارادہ نہیں رکھتے ورنہ دروازہ کھلتے ہی اسٹین گن چلا دیتے مگر میں تمہاری نیت کا کوئی اندازہ کرنے سے قاصر ہوں۔"

ایک لمحے کے لیے اس نے اپنا پستول والا ہاتھ آگے بڑھایا اور دوسرے ہی لمحے اس کے جسم کو بچاتے ہوئے میں نے اسٹین گن کا ہلکا سا برسٹ چلا دیا۔ پستول اس کے لہولہان ہاتھ سے اُڑ گیا اور وہ چیختا ہوا بے اختیاری کے عالم میں فرش پر بچھے قالین پر گر گیا۔

مگر میں غافل نہیں تھا لہٰذا بدحواسی کی معلوم ہونے والی اس کی حرکت مکاری پر مبنی تھی کیونکہ وہ اپنے زخم کی پروا کیے بغیر گرتے ہوئے پستول کی طرف جھپٹا تھا مگر میں نے اسٹین گن چھوڑ کر اس پر چھلانگ لگا دی اور وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہونے سے پہلے میری بے رحمانہ گرفت میں پھنس گیا۔

اس کے چہرے پر چند ضربات لگانے کی کوشش میں میری ناک اس کی وحشیانہ ٹکر سے بال بال بچی اور اس کے سر کا عقبی حصہ میری پیشانی پر ایک جھماکہ طلوع کر گیا۔

اس کی مزاحمت قدرے مسدود کرتے ہی میں نے اس کے پستول پر قبضہ کر لیا اور واپس لوٹ کر اسٹین گن اپنے شانے سے لٹکا لی۔

اسی وقت دروازے پر دو تین افراد کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں آ کر رکیں اور پوری قوت سے دروازہ پیٹا جانے لگا۔

"چلے جاؤ تم سب کے سب۔" پیٹر کارلائل غضبناک آواز میں دہاڑا۔ "یہاں اب تم کچھ نہیں کر سکتے۔ تمہاری غفلت کا خمیازہ میں بھگتوں گا۔"

اور باہر سناٹا چھا گیا۔

رائفلوں کا شور اس سے پہلے ہی معدوم ہو چکا تھا۔ میرا خیال تھا کہ باہر مجیب نے اسٹین گن کی فائرنگ کی آواز سن کر مقابلے کے آغاز کا اندازہ کر لیا ہوگا اور اپنے مورچے میں بیٹھا بیتابی سے شکار کا منتظر ہوگا۔

اس کی اسٹین گن کی خاموشی اس بات کی غماز تھی کہ پیٹر کارلائل کے کسی بھی آدمی کو عمارت سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی ورنہ فضا آتشیں شعلوں کے جلوے ابھرتی ہوئی انسانی چیخوں سے ضرور گونج اٹھتی۔

پیٹر کارلائل کا خون کی چھینٹوں سے تر چہرہ غصے کے عالم میں بہت بھیانک نظر آ رہا تھا مگر وقتی طور پر اس نے کوئی جوابی کارروائی نہیں کی۔

"دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دو۔" میں نے اپنی پرانی نشست سنبھالتے ہوئے اسی کے پستول کی زد پر اسے حکم دیا۔

"میں زخمی اور غیر مسلح ہوں۔" وہ کسی زخمی کتے کی طرح غرایا۔

"مجھے افسوس ہے پیٹر کہ تم نے مصالحانہ فضا برباد کی۔ اب مجھے اپنی تمام شرائط منوانے کا حق ہے۔"

"میں ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔" وہ جھلاتے ہوئے لہجے میں غرایا۔

"تمہارے لباس میں کوئی ہتھیار تو نہیں ہے؟"

جواب میں اس نے گالیاں بکتے ہوئے جس ہتھیار کی موجودگی کی اطلاع دی وہ کسی مصرف کا نہیں تھا لہٰذا میں نے اسے سلگانے کے لیے ایک تھپڑ مار کر اسی حالت میں کھڑے رہنے کی اجازت دے دی۔

"مجھے معلوم ہے تم سفارتی مراعات کی آڑ میں بردہ فروشی میں ملوث ہو۔" میں نے شروع ہی سے مضبوط اور جارحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہنا شروع کیا ورنہ اس سے سچائی کے بارے میں کچھ اگلوانا محال ہو جاتا۔ "مگر میری دلچسپی صرف ان تین لڑکیوں تک ہے جنہیں چند روز پہلے کوڈورز کے تبادلے کے بعد تم ایک نامعلوم آدمی سے بے ہوشی کی حالت میں اپنی وین میں لائے تھے۔"

"تمہاری بکواس میری سمجھ سے بالاتر ہے۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔ "یہ نہ بھولنا کہ میری اس قیام گاہ میں گھس کر تم نے ایک سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے جسے مقامی قانون کسی صورت معاف نہیں کرے گا۔"

"تین لڑکیاں مسٹر پیٹر کارلائل!" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "یہ نہ سوچو کہ تم وہاں تنہا تھے۔ لڑکیوں کو وین میں لاتے ہوئے حساس کیمروں سے تمہاری بہت واضح تصاویر لی گئی تھیں اور پھر وہ شخص بھی تمہارے خلاف گواہی دے گا جس سے تم نے لڑکیاں حاصل کی تھیں۔" میں نے اسے خوفزدہ کرنے کے لیے فوراً ہی پینترا بدلا تھا۔

"لیکن یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب تم یہاں سے زندہ بچ کر جا سکو۔" وہ متکبرانہ لہجے میں بولا۔ "تمہاری یہ بے سروپا باتیں مجھے متاثر نہیں کر سکتیں۔"

"میں تنہا نہیں ہوں۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "میری پشت پر ایک مضبوط شخصیت اور اس کی تنظیم ہے۔"

"اب مجھے کیا بتانا چاہ رہے ہو؟" وہ الجھن آمیز لہجے میں بولا۔

"جوزف امین کے لیے کوئی بات ناممکن نہیں ہے۔ وہ جب چاہے قانون کے محافظوں کو تمہاری دہلیز پر پہنچا سکتا ہے۔"

"تم... جوزف! تم اس کے آدمی ہو؟" وہ قدرے حیرت سے ہکلا کر بولا۔ "میں مان ہی نہیں سکتا۔ وہ بڑے دھڑلے سے غنڈہ گردی کرتا ہے، مگر بہت کھرا آدمی ہے۔ وہ بلیک میلنگ جیسی ذلیل حرکت کر ہی نہیں سکتا۔"

"مجبوری ہے مسٹر چیلر!" میں نے نرمی سے کہا۔ "ان تینوں میں سے ایک لڑکی غلطی سے تمہارے حوالے کر دی گئی جس کی وجہ سے جوزف امین عتاب میں آیا ہوا ہے۔ اسے ہر قیمت پر وہ لڑکی واپس چاہیے ورنہ..."

میں نے اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لیے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"یہ تو معمولی سی بات تھی۔" وہ بے اعتبارانہ لہجے میں بولا۔ "اگر وہ مجھ سے براہ راست بات کر لیتا تو ایک کیا میں تینوں لڑکیوں کو واپس لانے کا بندوبست کر سکتا تھا۔ تم جیسے دو کوڑی کے دہشت گرد اور غیر مہذب آدمی کو مجھ پر مسلط کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

اس کے جواب سے مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے اپنی زبان سے جوزف امین سے اپنے مراسم کا اعتراف کر لیا تھا مگر واپس لانے کے بندوبست کے تذکرے نے مجھے چونکا دیا تھا جس کا مطلب تھا کہ لڑکیاں اب اس کی تحویل میں نہیں تھیں۔

"اس سے ذاتی جھگڑے اس وقت کر لینا جب سوڈان سے واپس آؤ گے۔ فی الحال میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ اسی کے حکم پر کر رہا ہوں۔ وہ ہر قیمت پر لڑکی کو واپس چاہتا ہے اور اس معاملے میں میں پوری طرح بااختیار ہوں۔"

"مگر تمہارا بھونڈا طریقہ کار..." اس نے احتجاج کرنا چاہا۔

"طریقہ کار ضرور میرا اپنا ہے جس کے لیے تم اس سے شکایت کر دینا۔" میں نے فراخدلی کا ثبوت دیتے ہوئے کہا۔ "ویسے تم نے میرے بارے میں گھٹیا زبان استعمال کر کے خود کو اس سلوک کا مستحق ثابت کر دیا ہے۔"

"تم تنہا ہو؟"

"اپنے کسی آدمی کو باہر بھیجو پتہ چل جائے گا۔"

"اوہ!" پہلی بار وہ متفکرانہ انداز میں بولا۔ "باقاعدہ دھاوا بول گیا ہے۔ معاملہ واقعی سنگین معلوم ہوتا ہے۔"

"غنیمت ہے تمہیں اس کا احساس ہو گیا۔"

"میں آزمائے بغیر تمہاری بات کا یقین نہیں کروں گا۔" وہ بولا۔ "مگر یہ بتاؤ کہ تمہارے علاوہ اور کون کون بھی اس لڑکی میں دلچسپی لے رہا ہے؟"

میں اس سے کسی بھی طرح اس سوال کی توقع کر رہا تھا جو اس بات کا غماز تھا کہ لیپتی مارٹن کو بھی وہ اسی سلسلے کی کڑی سمجھ رہا تھا جو میری معلومات کے مطابق بار بار فون کرنے پر بھی غیر متعلق تھی۔ مگر میں بات کو مکمل کیے بغیر لیپتی مارٹن کی طرف نہیں آنا چاہتا تھا کیونکہ اس طرح دونوں ہی معاملے الجھ کر رہ جاتے۔

"اس بارے میں لاعلم ہوں۔" میں نے اپنا دامن بچاتے ہوئے کہا۔

وہ پُرخیال انداز میں ٹہلتا ہوا بستر پر دوبارہ جا بیٹھا۔ اس وقت وہ اپنے زخمی ہاتھ کو تقریباً بھولا ہوا تھا۔ میں نے بھی زیادہ سنجیدگی مناسب سمجھی لیکن پستول کی نال کو بدستور اس کے سینے پر ہی مرکوز رکھا۔

پھر اچانک ہی اس نے سائڈ ٹیبل پر رکھا ہوا فون اٹھا لیا اور کوئی نمبر ملائے بغیر ماؤتھ پیس میں کسی کو حکم دیا کہ اچھی طرح باہر کا جائزہ لے کر رپورٹ دے۔

شاید ہی چند منٹ گزرے ہوں گے، ہم دونوں بالکل خاموش بیٹھے ایک دوسرے کا چہرہ تکے جا رہے تھے کہ اچانک فضا اسٹین گن کے ہولناک شور سے لرز اٹھی اور پھر فائرنگ دم توڑتی انسانی چیخوں میں معدوم ہو گئی۔

فائرنگ کی پہلی آواز سنتے ہی چیلر مضطربانہ انداز میں بستر سے اٹھ گیا اور کسی زخم خوردہ بھیڑیے کی طرح قالین پر ٹہلنے لگا۔

"تم نے بلاوجہ اپنے دو آدمی ضائع کر دیے۔" میں نے تبصرہ کیا۔

"چھوٹے مہروں سے بڑی بازیاں جیتی جاتی ہیں۔" وہ میری طرف مڑ کر تلخ لہجے میں بولا۔ "وہ ہوتے ہی پٹنے کے لیے ہیں۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور چیلر نے ریسیور اٹھا کر شٹ اپ کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

"اب کام کی بات کرو۔" وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اگر باہر تمہارے آدمی نہ چھپے ہوتے تو میں سرہانے لگے ہوئے ایک بٹن کو دبا کر اس کمرے سمیت پوری عمارت کو اندھیرے میں غرق کر دیتا اور یہی کمرہ تمہارا مدفن بنتا۔"

"تو کیا جنریٹر ابھی کر کے چلایا جاتا ہے؟"

"دونوں بٹن میرے ہاتھ میں ہیں، وہاں سارا انتظام خودکار ہے پھر بھی انجن چلتے ہی دیکھ بھال کے لیے ایک آدمی وہاں پہنچ جاتا ہے۔"

"اس کے ہوتے ہوئے اندھیرے میں کیوں بیٹھے ہو؟" میں نے مصالحانہ فضا ہموار کرنے کے لیے پستول گود میں رکھ کر سگریٹ سلگا لی۔

"میں یہاں تنہا ہوتا ہوں تو رات کو جنریٹر نہیں چلاتا۔ اس کا شور میری نیند خراب کر دیتا ہے۔" اس نے اندھیرے اور اجالے کا معمہ بھی حل کر دیا۔

"تم ان تینوں میں سے کس لڑکی کی واپسی چاہتے ہو؟" قدرے سکوت کے بعد اس نے ہی گفتگو کا سلسلہ جوڑا۔

"نہ جانے وہ تمہیں کن ناموں سے پہنچائی گئی ہوں؟" میں نے سگریٹ کا کش لے کر دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔ "ہم میں وہ ٹریسی مارٹن کے نام سے پہچانی جاتی تھی۔"

"سب سے سرکش اور بدتمیز لڑکی تھی۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔ "اگر جوزف نے مجھے جلد از جلد ان تینوں کو آگے بڑھانے کا اشارہ نہ دیا ہوتا تو میں دیکھتا کہ اس طرار میں کتنے کس بل ہیں۔"

"وہ سوڈان میں ہی کہاں ہے؟"

اس نے اپنے سر کو آہستہ آہستہ نفی میں جنبش دی۔ "وہ جوہانسبرگ یا ڈربن میں ہو گی۔ میں اسے دو تین روز میں یہاں منگوا سکوں گا۔"

"جنوبی افریقہ میں ہے وہ؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"ہاں۔" وہ تلخ انداز میں ہنسا۔ "نہ پوچھنا کہ وہاں کیوں ہے۔ بس زیادہ سے زیادہ تین دن لگیں گے اور وہ یہاں ہو گی۔"

"اگر وہ سوڈان سے نکل چکی ہے تو ہمارا کام آسان ہو گیا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "یہاں وہ قانون سے بھاگی ہوئی ہے۔ ایک بار آ گئی اور دوبارہ پکڑی گئی تو پھر اسے لے جانا پڑے گا۔ کوئی ایسا بندوبست کیوں نہیں کر لیتے کہ ہم اسے جوہانسبرگ یا ڈربن ہی سے حاصل کر لیں۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے۔" وہ اطمینان سے بولا۔ "میری ایک مختصر سی تحریر ہی کافی ہو گی۔ مگر وہاں کون جائے گا؟"

"میں خود۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "ٹریسی کو تم سے حاصل کر کے منزل تک پہنچانے کی ذمہ داری میرے سر ہے۔"

میرا خیال تھا وہ زخمی انگلیوں کا عذر تراش کر دو چار دن کی مہلت چاہے گا مگر یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی کہ ایک تپائی پر سے قلم اور پیڈ اٹھا کر بائیں ہاتھ سے چند الفاظ لکھے اور کاغذ میری طرف بڑھا دیا۔

اس کاغذ پر انگریزی کے مہمل سے الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ نیچے دستخط کے بجائے ایک مضحکہ خیز خاکہ سا بنا ہوا تھا۔

"یہ خفیہ پیغام ہے۔" وہ میری پیشانی پر ناگواری کی لکیریں ابھرتی دیکھ کر بولا۔ "تم جوہانسبرگ میں وزیر داخلہ کے فرسٹ سیکرٹری انطونی سے ملو گے تو باقی سارا کام وہ پورا کرا دے گا۔"

"تمہاری تحریر وہ پہچان لے گا؟" میں نے شبہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"وہ میرا قریبی دوست ہے۔ میرے اسٹائل اور باتوں سے بخوبی واقف ہے۔ میں اس سے ہر طرح کا کام لے سکتا ہوں۔ جوزف امین کا نام درمیان میں آنے کے بعد بدمعاملگی کا خوف دل سے نکال دو۔"

میں نے وہ رقعہ احتیاط سے جیب میں رکھ لیا۔

"تم نے مجھ سے ٹریسی کے معاملے میں کسی اور کی دلچسپی کے بارے میں سوال کیا تھا؟" میں نے پہلو بدلتے ہوئے نیا موضوع چھیڑ دیا۔ ٹریسی کا معاملہ نمٹ جانے کے بعد لیپتی کے بارے میں ہی میری ذمہ داری باقی رہ جاتی تھی۔

"بس یوں ہی خیال آ گیا تھا۔"

"کوئی نہ کوئی وجہ ضرور رہی ہو گی۔"

"دراصل پچھلی شام ایک خوبرو لڑکی میرے مکان میں میری اسٹڈی میں گھستے ہوئے پکڑی گئی تھی۔ میرا خیال اسی طرف گیا تھا۔"

"اسے تو پولیس کے حوالے کر دیا ہو گا؟"

"جو لوگ اپنے معاملات خود نمٹانے کی صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں وہی قانون کی بیساکھیاں استعمال کرتے ہیں۔" اس کا لہجہ تضحیک آمیز تھا۔ "مگر وہ لڑکی بہت ڈھیٹ ہے۔ اس نے اپنی قیام گاہ کے پتے کے علاوہ کوئی بات نہیں اگلی۔"

"شاید برابر والے کمرے میں ہے۔" میں نے دونوں کمروں کو ملانے والے درمیانی بند دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ یوں اچھل پڑا جیسے کسی بچھو نے اسے ڈنک مار دیا ہو۔ "تمہیں کیا معلوم؟"

"تمہارے دروازے پر دستک دینے سے پہلے اس کمرے سے مدھم سی نسوانی کراہیں سنی تھیں۔" میں نے جلدی سے بات بنائی ورنہ اس عمارت سے زندہ نکلنا محال ہو جاتا۔

"اوہ!" وہ مطمئن ہو گیا۔ "بڑی سخت جان لڑکی ہے۔ ایک بار تو تشدد سہہ گئی مگر تشدد کے سامنے شاید زیادہ دیر نہ ٹک سکے۔"

"وہ تمہارا اپنا معاملہ ہے۔ یہ بتاؤ کہ واپسی میں تمہارے آدمیوں نے مزاحمت کی تو کیا ہو گا؟" میں نے سرسری لہجے میں کہا۔

"میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ کوئی سرپھرا حماقت کر گزرے۔ ان کے دو ساتھی چند منٹ پہلے ہی مارے گئے ہیں۔ چھوٹے آدمی انتقام کے معاملے میں بہت حساس ہوتے ہیں۔"

"یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟"

"خواہش ضرور میری ہے مگر اس پر تم اپنے طور پر عمل کر کے انہیں غفلت برتنے کے الزام میں سزا دینے کے لیے تم غیر مسلح کر کے برابر والے کمرے میں بند کر دو۔"

"مگر وہاں تو لڑکی ہے؟"

"اسے تمہارے کمرے میں لے آتے ہیں۔"

وہ والہانہ انداز میں ہنس پڑا۔ معلوم ہوتا تھا کہ کیتھی بارٹ جیسے قیدی سے استفادہ کرنے کے لیے ہی وہ اس دور افتادہ عمارت میں پڑا ہوا تھا۔

میں نے کچھ دیر کے لیے ہر قسم کے خطرات مول لینے کا فیصلہ کر لیا اور اسٹین گن کے ساتھ ہی جیئر کارلائل کا پستول بھی ایک صوفے کے نیچے ڈال دیا۔

جیئر نے درمیانی دروازہ کھولا تو فرش پر کیتھی بارٹ بے ہوشی کے عالم میں چت پڑی ہوئی تھی۔ اس کے بال اُلجھے ہوئے تھے۔ چہرے پر طمانچوں کے گہرے نشانات نیل کی صورت میں اُبھرے ہوئے تھے۔ لباس نہ صرف جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا بلکہ جسم پر سگریٹ یا کسی گرم شے سے داغنے کے نشانات بھی تھے۔ بازوؤں پر بھی زخم تھے جن پر رسنے والا خون سوکھ کر جم چکا تھا۔

"نہلائے دھوئے بغیر بستر پر لائے جانے کے قابل نہیں ہے۔" جیئر نے اسے دیکھ کر حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ "تشدد نے اس کے حسین خدوخال تک مسخ کر کے رکھ دیے ہیں مگر ابھی تک اس کے کس بل نہیں نکل سکے ہیں۔"

"اس کی بندشیں کھول دو۔" میں نے اپنا خون ضبط کرتے ہوئے نرمی سے کہا اور وہ کیتھی کے ایک ایک عضو کے بارے میں گھٹیا الفاظ کہتے ہوئے رسیوں کے بند کھولنے لگا۔

میری پسلیاں بدستور دکھتے ہوئے زخم کا شکار تھیں اور اس کا دایاں ہاتھ لہو میں لتھڑا ہوا تھا مگر اسے اپنے زخم کی پروا نہیں تھی۔

ہم دونوں نے تھوڑی سی محنت کے بعد کیتھی بارٹ کے بے ہوش بدن کو خوابگاہ میں آرام دہ مسہری پر منتقل کر دیا۔ اسی اثنا میں کیتھی کو قدرے ہوش آ گیا اور وہ ہولے ہولے کراہتے ہوئے اپنے بدن کو جنبش دینے لگی۔

"اب تم ایک طرف بیٹھ جاؤ۔ میں ان سب کو بلاتا ہوں۔" جیئر کارلائل نے چند ثانیوں بعد مجھ سے کہا۔

اس وقت میری چھٹی حس پھڑکی اور میں اسی صوفے پر جا بیٹھا جس کے نیچے پستول اور اسٹین گن پوشیدہ تھی۔

جیئر کارلائل انٹرکام پر اپنے آدمیوں کو ہدایت دے رہا تھا۔ تو میں نے آہستگی سے دونوں ہتھیار صوفے کے نیچے سے نکال لیے اور پھر آہستہ سے پستول کا چیمبر خالی کر کے گولیاں اپنی جیب میں ڈال لیں۔

"تم نے پھر ہتھیار سنبھال لیے۔" فون سے فارغ ہو کر میری طرف متوجہ ہوتے ہی جیئر کارلائل چڑچڑے لہجے میں بولا۔

"روانگی کی تیاری۔" میں نے دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تو میرا پستول واپس کر دو۔"

میں نے اس کا پستول لوٹا دیا۔ یہ لین دین ایسی سازگار فضا میں ہوا کہ اسے کسی فریب کا شبہ تک نہ ہو سکا۔ اس نے مگر دیکھے بغیر پستول مسہری پر اپنے قریب رکھ لیا۔

چند ثانیوں بعد چار تنومند اور ہٹے کٹے قسم کے مسلح سورما جیئر کی خوابگاہ میں آ موجود ہوئے۔

"باقی لوگ کہاں ہیں؟" جیئر غضبناک لہجے میں غرایا۔

"مظفر اپنے کمرے میں بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ جعفر اور ایلڈی جائزہ لیتے ہوئے مارے گئے اور امبر لاپتہ ہے۔" آنے والوں میں سے ایک نے کہا۔

امبر شاید میرے ہاتھوں مرنے والا وہ سورما تھا جو جیئر کی غیر موجودگی میں عمارت کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔

چوکیداروں نے ہوسٹ سے پہلے جیئر کے علاوہ اندر سات نفوس کے قیام کی اطلاع دی تھی جب کہ وہ تعداد آٹھ بن رہی تھی۔ مگر تعداد سے زیادہ مجھے یہ تسلی تھی کہ وہ جتنے بھی تھے اس وقت میرے سامنے یکجا ہو چکے تھے۔

"تم سب اندھے اور غافل ہو۔" جیئر کارلائل ان چاروں پر برس رہا تھا۔ "مُردوں کی طرح بے خبر سوتے رہے اور یہ اسٹین گن تانے میرے سینے پر چڑھ آیا۔ اگر میں چوکنا نہ رہوں تو تم لوگ کسی بھی وقت مجھے بے موت مروا دو۔ الو کے پٹھو! اب کھڑے میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ اس کی ہڈیاں سرمہ کر دو۔"

جیئر کارلائل کی اس قلابازی نے میرا ذہن بھک سے اُڑا دیا۔ وہ چاروں اپنی شہ زوری کے زعم میں ہتھیار سیدھے کیے بغیر میری طرف لپکے اور میں نے اسٹین گن سیدھی کر کے ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ دو کا بدن چھلنی ہو گیا۔ تیسرا ان کی آڑ میں ہونے کے باعث بچ گیا جب کہ چوتھا محض زخمی ہوا۔

بچ جانے والوں نے ریوالور نکالے ہی تھے کہ اسٹین گن کا دوسرا برسٹ انہیں لے ڈوبا اور اسی وقت میرے سر پر گھور اندھیرا چھا گیا۔

شاید جیئر کارلائل نے حالات نازک دیکھتے ہوئے اندھیرے کی آغوش میں پناہ لینے ہی میں عافیت سمجھی تھی۔ اور جنریٹر چلانے والے انجن کو بند کرنے والا بٹن دبا دیا تھا۔

ان چار حملہ آوروں پر فائر کرتے ہوئے بھی مجھے کراہتی ہوئی نیم بے ہوش کیتھی کا خیال تھا جو اندھیرا پھیلنے کے بعد اور بھی بڑھ گیا تھا۔ کوئی بھی بھٹکی ہوئی گولی آسانی سے اس کی زندگی کا چراغ گل کر سکتی تھی۔ فائرنگ کے بے پناہ شور... اور مرنے والوں کی چیخوں کے بعد اندھیرے کا سناٹا بہت بھیانک اور غیر فطری محسوس ہو رہا تھا۔ اس وقت کیتھی کی بھولی بھٹکی کوئی کراہ بھی سنائی دے

جاتی تھی۔

میں صوفے کی اوٹ میں قالین پر دبکا ہوا تھا اور میری نگاہیں چاروں طرف اندازوں پر مرکوز تھیں۔ اس وقت اگر میں چاہتا تو کیتھی کو جیئر کے رحم و کرم پر چھوڑ کر باہر نکل سکتا تھا مگر میرے لیے [illegible] بچ کر باہر جانا محال تھا۔

پھر اچانک ہی مجھے اپنی جیب میں پڑے ہوئے دستی بموں کا خیال آیا اور میں نے ٹٹول کر بارود کی قوت والا ایک بم نکال لیا۔ دانتوں سے سیفٹی پن کھینچ کر میں نے وہ دستی بم اندازے سے اس طرف اچھال دیا جدھر جیئر کی موجودگی کا امکان تھا۔

گھور اندھیرے میں دھماکے کے ساتھ روشنی کا ایک بگولا سا لہرایا اور جیئر کی غضبناک آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ شاید بم کے پرچھرے وغیرہ کے تھپیڑے اسے زخمی کر گئے تھے۔

مگر اس دھماکے سے پیدا ہونے والی روشنی میں مجھے جیئر کا خالی بستر دیکھ کر تشویش ہوئی کیونکہ میں نے آخری بار کیتھی کو وہیں بے ہوش پڑے دیکھا تھا۔

اس وقت میرے پاس طاقتور سرچ لائٹ کے علاوہ پنسل ٹارچ بھی تھی لیکن میں نے روشنی کے ذریعے اپنی کمین گاہ کا اظہار مناسب نہ سمجھا۔ دوسری طرف شاید جیئر بھی اپنے پستول کے خالی چیمبر کا اندازہ کر کے اسے پھینک چکا تھا۔

پھر اچانک ہی جیئر کی ایک کربناک چیخ سن کر میں اچھل پڑا اور اس کے ساتھ کیتھی کی تھکی ہوئی مگر پرجوش آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ بے چینی سے مجھے بلا رہی تھی۔

جیئر بدستور کسی ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح چیخے جا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کیتھی نے اس کے جسم کے کسی نازک اور کمزور حصے پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔

سرچ لائٹ کی روشنی میں کیتھی مجھے مسہری کے عقب میں بڑے زور آزمائی کرتی نظر آئی جب کہ جیئر کی حالت غیر تھی۔

میں نے جھپٹ کر قالین پر پڑا ہوا وہ پستول اٹھا لیا جو شاید اس جدوجہد کے دوران میں نیچے گر گیا تھا۔

"چھوڑ دو اسے۔" میں نے کیتھی کو حکم دیا اور وہ جیئر کو چھوڑ کر سیدھی کھڑی ہو گئی۔

میں نے جیئر کو بھی کھڑا ہونے کا حکم دیا لیکن وہ کیتھی کے وحشیانہ حربے کے باعث اس قابل بھی نہیں رہا تھا کہ فوری طور پر اپنے قدموں پر کھڑا ہو سکے۔

"مجھے پہلے ہی شبہ تھا۔" جیئر فرش پر بیٹھے بیٹھے ہانپتے ہوئے بولا۔ "مجھے شبہ تھا کہ تم میرے ساتھ کوئی نیا کھیل کھیلنے کے چکر میں ہو۔"

"تمہارے سارے آدمی ٹھکانے لگ چکے ہیں۔" میں نے اسے خوفزدہ کرنے کے لیے حقیقت کا اظہار کرنا چاہا مگر وہ چیخ پڑا۔

"تم جھوٹے ہو۔ چار کو مار کر یہ مت سمجھو کہ میں اکیلا رہ گیا ہوں۔"

"بقیہ پہلے ہی مارے جا چکے ہیں۔" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ "دو چوکیدار اور امبر ہمارے ابتدائی شکار تھے۔"

"تم کون ہو؟" اس کی آواز میں پہلی بار سراسیمگی عود کر آئی۔

"جوزف امین کا ایک معمولی خادم۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"تم جھوٹے ہو۔" وہ تنتنا کر بولا۔ "مجھ سے بس یہی چوک ہو گئی کہ تمہیں اس حرافہ سے الگ سمجھ بیٹھا ورنہ یہ وقت نہ دیکھنا پڑتا۔"

"جولیس مارٹن کے بارے میں تم نے جو کچھ بتایا اس میں کہاں تک صداقت تھی؟" میں نے اس کو ٹوکنے پر مجبور کیے بغیر سوال کیا۔

"اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"ہتھیار کی زد پر آتے ہوئے کسی دشمن کی زبان سے سوال اچھے نہیں لگتے۔" میں نے تلخ لہجے میں اسے یاد دلایا۔

"میں یہ جانے بغیر کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا کہ تم کون ہو اور میری راہ پر کیسے لگے۔" اس نے ضدی لہجے میں کہا۔

"پھر میں تمہارا چہرہ ادھیڑ ڈالوں گا۔"

"جو چاہے کر لو۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔ "میں اپنی ساری زندگی کی ساکھ ختم کر کے زندہ بھی نہیں رہنا چاہتا۔" سرچ لائٹ کی روشنی میں اس کا چہرہ عجیب لگ رہا تھا۔

میں تلخ انداز میں ہنسا۔ "یہ نہ سمجھنا کہ میں آسانی سے تمہیں مار دوں گا۔ تشدد کے طریقوں پر مجھے کمال حاصل ہے اور مردوں پر نفرت ناک تشدد میں مجھے خصوصی مہارت حاصل ہے۔ تم زیادہ دیر تک اپنی زبان بند نہ رکھ سکو گے۔"

وہ ہراساں نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"تم بیٹھو۔ اس سے میں خود ہی نمٹوں گی۔" اس کی ہٹ دھرمی دیکھ کر کیتھی آگے بڑھ آئی۔ اس کے تیور خطرناک تھے۔

میں نے خاموشی سے اس کا مشورہ مان لیا اور سگریٹ سلگا کر ایسی پوزیشن اختیار کر لی کہ جیئر میری نظر بچا کر کیتھی پر کوئی وار نہ چلا سکے۔

کیتھی نے پستول سنبھالتے ہی جھک کر غیر متوقع طور پر جیئر کارلائل کے چہرے پر زوردار ٹھوکر رسید کی اور وہ دونوں ہتھیلیوں میں خون کا فوارہ دبا کر ماہی بے آب کی طرح قالین پر تڑپنے لگا۔ ساتھ ہی وہ چیختا بھی جا رہا تھا۔

میں اسے نظرانداز کر کے مسہری کے سرہانے دیوار میں نصب

اس سوئچ بورڈ کی طرف متوجہ ہو گیا جس پر چار خاص سوئچ نظر آ رہے تھے۔ ہر سوئچ کا رنگ مختلف تھا لیکن یہ پتہ چلانا دشوار تھا کہ ان میں سے کون سا سوئچ برقی فراہمی بحال کرنے کے کام آ سکتا تھا۔

میں نے یکے بعد دیگرے چاروں سوئچ آزمانے کا ارادہ کر لیا اور آخری سوئچ دبتے ہی تاریک عمارت کے کسی دور افتادہ حصے میں جنریٹر چل پڑا۔

"تمہاری خاموشی برقرار رہی تو تھوڑا سا تیزاب بہا دوں گی۔" کیتھی نے اس کی چیخوں کی پروا کیے بغیر سرد اور سفاک لہجے میں کہا۔ "مجھے تم پر تشدد کرتے ہوئے ذرا بھی ملال نہیں ہو گا کیونکہ میں تمہارے درندہ صفت آدمیوں کا تشدد جھیل چکی ہوں۔"

"ٹھیرو۔" وہ ایک ہاتھ کسی اندھے کی طرح فضا میں لہراتے ہوئے چیخا۔ "میری آنکھوں میں خون بھر گیا ہے۔ میں کچھ نہیں دیکھ سکتا۔"

"اندھے بھی ہو جاؤ تو تم پر ترس نہیں کھایا جا سکتا۔" کیتھی پر واقعی اس وقت درندگی طاری ہو چکی تھی۔ "تمہارا دیکھنا نہیں بلکہ بولنا اہم ہے۔"

"تم جو پوچھو گی بتا دوں گا مگر پہلے مجھے پانی لا دو۔ اندھیری آنکھوں سے مجھے وحشت ہو رہی ہے۔" وہ کرب آلود فضا میں گڑگڑا رہا تھا۔

"میرے لیے تمہاری کربناک حالت خوشی کا باعث ہے۔"

اس نے میرے اور کیتھی کے ساتھ ہی اپنے مقدر پر بھی چند ثقیل گالیوں کا بوجھ لاد دیا پھر کراہتے ہوئے بولا۔ "ٹریسی کے بارے میں تم نے سب کچھ درست بتایا تھا۔"

"وہ کہاں موجود ہے؟" کیتھی نے سوال کیا اور میں نے دخل اندازی مناسب نہ سمجھی حالانکہ وہ مجھے اس سوال کا جواب پہلے ہی دے چکا تھا۔

"جوہانسبرگ یا ڈربن میں۔" وہ ادھڑے ہوئے قالین پر پڑے پڑے کراہتے ہوئے بولا۔

"وہاں سے اس کی بازیابی کیونکر ممکن ہے؟" اس بار میں نے سوال کیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم یہاں موجود ہو ورنہ یہ لڑکی تو بڑی سنگدل ہے۔" اس نے میری آواز سنتے ہی کہا۔ "جنوبی افریقہ سے ٹریسی کی بازیابی کے لیے میری تحریر ایسی کارآمد ہو گی۔ میں نے اس بارے میں ہر بات درست بتائی تھی۔"

"مجھ پر پہلے سے شبہ ہونے کے باوجود؟" میں نے زہریلے لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں۔" وہ جلدی سے بول پڑا۔ "مجھے پورا یقین تھا کہ تم میرے بچے کے بغیر زندہ واپس نہ جا سکو گے۔"

"جنوبی افریقہ سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"میرا سفارت خانہ سوڈان میں ان کے مفادات کی دیکھ بھال کرتا ہے۔" اس نے کرب کے عالم میں قالین پر تقریباً بیٹھے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں ہر بات بتا دوں گا مگر تم وعدہ کرو کہ میری سرگرمیاں اپنی ذات تک محدود رکھو گے ورنہ میں کہیں بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں ہوں گا۔"

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔" میں نے سختی سے کہا۔

"مگر میری زندگی اور عزت کا سوال ہے۔" وہ کرب آلود لہجے میں بولا۔ "میں آج تک بہت کامیابی سے دوہری شخصیت اختیار کیے رہا۔ اگر میری ذات کے خفیہ گوشے بے نقاب ہو گئے تو اس معاشرے میں اپنا مقام کھو بیٹھوں گا۔"

"مجھے تمہاری آبرو سے کوئی غرض نہیں۔" کیتھی بپھرے ہوئے لہجے میں بولی۔ "میں تو چاہتی ہوں کہ تم اپنی ذات سے شرمسار ہو کر خود ہی اپنی زندگی کا چراغ گل کر دو۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم لوگ مجھے ہلاک نہیں کرو گے؟" اس نے فوراً ہی سوال کیا۔ اس کے لہجے میں نئی امنگ سمٹ آئی تھی جس سے بآسانی یہ اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ جیمز کارلائل کے لیے اس وقت اپنی زندگی ہر بات پر مقدم تھی۔

"اس کا سارا انحصار تمہارے بیانات پر ہو گا۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "تم لڑکی کو پہلے ہی تشدد کا نشانہ بنا چکے ہو لہٰذا تمہیں اس کے انتقامی جذبے کا بخوبی اندازہ ہونا چاہیے۔ تمہارے جینے یا مرنے کا انحصار اسی پر ہے۔"

"جنوبی افریقہ!" کیتھی نے پوچھتے ہوئے لہجے میں اسے یاد دلایا۔ "وہاں سے تمہارے مراسم کی نوعیت کیا ہے؟"

"میں نے بتایا نا!" وہ قالین پر سیدھا ہوتے ہوئے ہکلایا۔ "میرا سفارت خانہ سوڈان میں اس کے مفادات کا نگراں ہے۔"

"اس سے تمہارا بھی رابطہ کیا ہے؟" کیتھی نے غرا کر سوال کیا۔ "اگر اس بار تم نے حرامزدگی کی تو میں ٹھوکروں کی برسات شروع کر دوں گی۔"

"ٹھیرو!" وہ بوکھلا کر جلدی سے بولا۔ "میں بتا رہا ہوں۔"

کیتھی کی ٹھوکر شاید اس کی پیشانی کے وسط میں پڑی تھی کیونکہ زخم سے بہنے والے خون نے داہنی آنکھ سمیت اس کا آدھا چہرہ تر کیا ہوا تھا۔ چند منٹ گزر جانے کے باعث زخم سے خون کے اخراج میں کمی ضرور واقع ہوئی تھی مگر تڑپتے ہوئے کان والے اس پُراسرار سفارت کار کی حالت قابل رحم تھی۔

ہم دونوں سے مدد کی کوئی امید نہ پا کر وہ اپنی قمیض کے دامن سے اپنی آنکھ پر بہتا ہوا تازہ خون صاف کرنے لگا جب کہ خشک خون کی جمی ہوئی پپڑیوں نے اس کا چہرہ خاصا بھیانک بنا دیا تھا۔

جب وہ آنکھیں کھولنے کے قابل ہوا تو اس نے اپنے شب خوابی کے لباس سے ہی چند دھجیاں پھاڑ کر اپنی پیشانی پر باندھ لیں تاکہ خون کا ضیاع بند ہو سکے۔

"جنوبی افریقہ سے میرے مراسم کی نوعیت بہت ہی رازدارانہ ہے۔" وہ اپنی دیکھ بھال سے فارغ ہو کر شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ "میں ان سے تعاون کی خاطر ہی یہاں بردہ فروشی کے کھیل میں ملوث ہوا ہوں۔"

"تفصیل سے بتاتے جاؤ۔" کیتھی کی آواز سے نسوانیت کا لوچ اس وقت بالکل غائب ہو چکا تھا اور وہ نہایت خونخوار نظر آ رہی تھی۔

"وہ سفید چمڑی والے گوروں کے بہترین طرفدار ہیں۔" چند ثانیوں کے خفت آمیز توقف کے بعد اس نے گفتگو کرنا شروع کیا۔ "اور یہ سلسلہ انتہائی رازداری کے ساتھ چلایا جا رہا ہے۔ چونکہ علاقے میں سوڈان ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں کے روایتی نظام میں غیر قانونی طور پر بھی انسانوں کی خرید و فروخت ایک ثقافت کے طور پر جاری ہے لہٰذا اس منڈی سے میں ان کے لیے سودے کر کے مال روانہ کرتا ہوں۔"

"مال!" کیتھی کے لہجے میں حیرت اور ملامت کے اتھاہ تاثرات پوشیدہ تھے۔

"تم خود ہی سمجھ لو۔" وہ اپنی خون آلود پلکیں جھپکاتے ہوئے بولا۔ "ہم انہیں مال ہی کہتے ہیں۔ جنوبی افریقہ سے میرے مراسم اسی سلسلے میں ہیں۔"

"تم ان کے لیے صرف سفید فام لڑکیاں حاصل کرتے ہو؟" کیتھی نے سوال کیا۔

"ہاں! صرف سفید فام۔" وہ مسلسل خوفزدہ نظروں سے کیتھی کی طرف دیکھے جا رہا تھا جیسے وہ اس کے لیے ملک الموت ہی ہو۔

"مگر صرف سفید فام ہی کیوں؟"

"ان لوگوں سے اس مسئلے پر آج تک براہ راست بات نہیں ہوئی لیکن میں نے تجربے کی بنا پر کچھ اندازے قائم کیے ہیں۔" وہ بولا۔

"وہ کیا؟"

"جنوبی افریقہ میں سفید فام اقلیت کا تناسب چند فیصد ہے مگر وہ حکومت پر قابض ہے۔ اس ملک کی اکثریت پر اقلیت کا استبدادی تسلط ایک غیر منطقی عمل ہے جو کسی بھی انقلابی ریلے یا جوش سے ختم ہو سکتا ہے لہٰذا مقامی حکمران اس وقت کے انسداد کے لیے مقامی لوگوں میں گوروں کی اکثریت پیدا کرنے کی مسلسل کوشش

کر رہے ہیں۔"

"ہمیں ان خشک سیاسی فلسفوں سے غرض نہیں۔" میں نے درمیان میں دخل دیتے ہوئے کہا۔ "ہم تم سے مختصر مگر جامع جوابات چاہتے ہیں۔"

"اسے بولنے دو۔" کیتھی مارٹن نے میری طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں آنکھ مار کر کہا۔ "شاید یہ اپنی مدافعت میں سنسنی خیز کہانی گھڑنے کے چکر میں ہے۔"

"یہ کہانی نہیں حقیقت ہے۔" جیرالڈ ڈاسن کو طاؤ آگیا۔ "اگر تم میں سیاسی بصیرت کی سوجھ بوجھ ہو تو تم بآسانی دیکھ سکو گے کہ جنوبی افریقہ کے حکمران اپنے ملک میں ہر قسم کی سرکاری غیر سرکاری اور نجی ملازمتوں میں سفید فام عورتوں کو بے پناہ ترغیبات کی پیشکش کر رہے ہیں تاکہ ان کے ملک میں نسلی افزائش کا تناسب بدل سکے۔"

"اوہ!" کیتھی کے منہ سے تحیر آمیز آواز نکلی۔ "تو تمہارا مقصد ہے کہ سفید فام عورتوں کو خرید کر وہ افزائش نسل کا کام لیتے ہیں۔"

"میرا اندازہ ہے کہ بالکل مویشیوں کی طرح۔" اس نے جواب دیا۔ "چند برس تک وہ اس ملک پر بزور حکومت کریں گے پھر ایک روز مردم شماری میں اچانک انکشاف کیا جائے گا کہ سفید فام وہاں اگر اکثریت نہیں تو موثر ترین اقلیت ضرور ہیں۔"

"اور تم اس مذموم مہم میں ان سے تعاون کر رہے ہو؟"

"یہ پیسے کا دور ہے خاتون!" وہ براہ راست کیتھی سے مخاطب ہوا۔ "مجھے ہر سودے میں خطیر منافع ہوتا ہے۔ محض رازداری کے لیے وہ بہت بھاری رقوم ادا کرتے ہیں جو بازار کی شرح سے بہت اونچی ہوتی ہیں۔"

"مگر تم درمیان میں کیوں ہو؟" کیتھی نے سوال کیا۔ "وہ براہ راست جنوبی امریکا یا اس جیسے کسی بڑے بردہ فروش سے براہ راست معاملہ کر سکتے تھے۔"

"ضرور کر سکتے تھے۔" اس نے اقرار کیا۔ "اور ہو سکتا ہے کہ افریقہ سے باہر انہیں ملازمت دلوانے والے اداروں کی آڑ میں یا کسی اور طرح بردہ فروشوں کا تعاون حاصل ہو مگر جہاں معاملہ رسائی کا تھا سوڈان پورے افریقہ میں انسانوں کی خرید و فروخت کا آج بھی سب سے بڑا مرکز ہے اور جوزف مین کو اس تجارت میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ زیر زمین دنیا کے مشہور افراد سے اگر رابطہ ہو بھی جائے تو پھر ان کسی بڑے خطرے کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم خرطوم میں سفارتی مراعات کی آڑ میں جنوبی افریقہ کے لیے سفید عورتوں کی خریداری کا کام سرانجام دیتے رہے تھے۔"

"شاید اب اسے ترک کر دوں۔" وہ بولا۔ "میں بہت کچھ جمع انداز کر چکا ہوں۔ آج تک میرا کام بے خوف و خطر کرتا رہا لیکن آج پہلی بار تم لوگوں سے میرا تصادم ہوا ہے جیسے آدمی کسی خونخوار مزاج سے فقرے لیتے ہیں مگر میں بھی زندگی میں زیادہ خطرات مول لینے کا عادی نہیں ہوں۔ زندگی وہی ہے جو سکھ چین سے گزار دی جائے۔"

"کمال ہے کہ پہلے تمہیں یہ خیال نہ آیا۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کیسے آتا؟" وہ تعجب سے بولا۔ "میرے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ لہٰذا میرا دل شیر ہوتا گیا اور اب تمہاری مداخلت کے باعث میرا سارا حوصلہ پانی کے بلبلوں کی مانند غرق ہو چکا ہے۔ میرے نزدیک زندگی زیادہ اہم ہے۔ انسان کو کھانے کے لیے زندہ رہنا ہو تو وہ ہوس کہلاتی ہے لیکن محض اپنے تک ہی زندہ رہنے کے لیے کھایا جائے تو وہ صحیح معنوں میں زندگی ہوتی ہے اور میری تمام تر دلچسپی اپنی زندگی سے وابستہ ہے لہٰذا میں آئندہ ایسا کوئی خطرہ مول لینے کا ارادہ نہیں رکھتا جو میری موت پر منتج ہو۔"

"جنوبی افریقہ کو سفید فام عورتوں کی ترسیل کے لیے تمہارا طریقہ کار کیا تھا؟" میں نے اپنی بڑھتی ہوئی الجھن کے تحت ہی سوال کیا۔

"لاریاں۔" وہ بولا۔ "ائیر کنڈیشنڈ لاریاں ہی اس علاقے میں زندہ جانوروں کی نقل و حمل کا واحد ذریعہ ہیں۔"

"راستے میں ان کی چیکنگ نہیں ہوتی؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"ہر پوسٹ پر ہوتی ہے۔" وہ بولا۔ "لیکن چھتیس فٹ طویل گاڑی میں مویشیوں کے بول و براز میں سے گزر کر آگے تک چیکنگ کی کسی کو توفیق نہیں ہوتی ورنہ آخری حصے میں بے ہوش پڑی ہوئی لڑکیاں جو جالیوں کی آڑ میں بلا کسی خوف و خطر منزل پر پہنچا دی جاتی ہیں۔"

"لیکن کہاں؟" میں نے سوال کیا۔ "سوڈان سے جنوبی افریقہ تک تو بہت طویل فاصلہ ہے اور متعدد ممالک درمیان میں ہیں۔"

"ہمارا راستہ ایتھوپیا کی ہنگامہ دار حدود کے بجائے اس کے نواحی گھاٹ ہوتے ہیں اور سمندر کے ذریعے ہر لانچ بآسانی منزل مقصود پر پہنچ جاتی ہے۔"

"ٹریلر سے لانچ پر منتقلی کے دوران عورتوں یا لڑکیوں کی موجودگی کا راز فاش نہیں ہوتا؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ سب کر لیا جاتا ہو گا۔" اس نے کہا۔ "آج تک مجھے کہیں سے بھی کوئی بری خبر نہیں ملی۔ میرے سارے کام کا انحصار سوڈان اور ایتھوپیا کے درمیان اپنا نجی ٹریلر چلانے والے ایک شخص پر ہوتا ہے۔"

"اس کا نام پتہ؟" کیتھی نے دریافت کیا۔

جیرالڈ نے بلا چون و چرا اس شخص کے بارے میں تفصیلات بتا دیں۔

"تمہیں اور کچھ پوچھنا ہے؟" کیتھی نے میری طرف معنی خیز لہجے میں سوال کیا اور میں اس کا مطلب سمجھ گیا۔

میرے انکار پر کیتھی نے جیرالڈ ڈاسن کے پیٹ پر گولی چلا دی اور وہ ایک چیخ مار کر اچھل پڑا۔ اس وقت پہلی بار اسے اپنے مقدر کا اندازہ ہوا تھا اور اس کی چیخ میں موت کی لرزہ خیز دہشت سمٹ آئی تھی۔

کیتھی پر اس وقت دیوانگی سی طاری ہو رہی تھی۔ وہ واضح طور پر جیرالڈ کو سسکا سسکا کر مارنا چاہتی تھی لہٰذا اس کے پیٹ پر گولی چلائی۔

چند سیکنڈ کے وقفے کے بعد کیتھی نے دوسرا فائر کیا۔ اس بار جیرالڈ کی داہنی ران ادھڑ گئی پھر تو کیتھی نے اس پر پستول کا پورا چیمبر ہی خالی کر دیا۔ جیرالڈ کا سارا جسم لہولہان تھا لیکن ان میں کوئی بھی زخم اتنا کاری نہیں تھا کہ وہ فوری طور پر مر جاتا۔

اس سے قبل کہ کیتھی میری طرف متوجہ ہوتی میں نے اسٹین گن سیدھی کر کے اس کا سینہ چھلنی کر دیا۔

کیتھی میری طرف پلٹی اور محض مجھے گھور کر رہ گئی۔

اس بار جیرالڈ ڈاسن نے تڑپ کر چند ہی ثانیوں میں دم توڑ دیا۔

مختصر سی مدت میں اس عمارت میں یا اس کے باہر مرنے والا وہ چھٹواں فرد تھا۔ وہاں موجود پوری جمعیت میں سے صرف جمی بلڈاگ نامی شخص زندہ بچا تھا جسے میں آہستہ سے بے ہوش کر کے چلا آیا تھا۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ واپسی سے قبل اس عمارت کو آگ لگا دی جائے لیکن کیتھی نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا۔

واپسی میں میں نے بلڈاگ نامی پہرے والے شخص کی خبر لینی چاہی جس کا نام مجھے دریافت ہوا تھا مگر وہ بدستور اسی کمرے میں بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

"تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟" کیتھی نے میرے بازو کا سہارا لیتے ہوئے پہلی بار نقاہت زدہ لہجے میں سوال کیا۔

"شاید جیرالڈ کا ذاتی محافظ تمہاری چابیاں لے کر فلیٹ میں داخل ہوا تھا۔"

"اوہ!" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "شاید اس طرح وہ میری حقیقت کا پتہ چلانا چاہتا ہو گا کیونکہ میں نے سختی سے اپنی زبان بند رکھی تھی۔"

"پھر اسے فلیٹ کا علم کیوں کر ہوا؟"

"میں نے ہی بدستور فلیٹ کا پتہ بتا دیا تھا۔" اس نے کہا۔ "میرا خیال تھا کہ تم وہاں منتقل ہو لہٰذا اسے اندر گھستے ہی چھاپ لو گے۔"

میں مسکرا کر رہ گیا کیونکہ اس بارے میں اس کا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ "وہ فلیٹ میں میرے ہاتھوں مارا گیا۔"

"مگر تم یہاں کیسے پہنچے؟" میری رسائی کے بارے میں اس کا تجسس برقرار تھا۔

"نجیب!" میں نے کہا۔

"نجیب؟" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "کہاں ہے وہ؟"

"اسٹین گن لیے عمارت سے باہر موجود ہے۔" میری زبان سے یہ سن کر وہ اچھل پڑی اور میں اسے آہستہ آہستہ اپنے وہاں تک پہنچنے کی کہانی سنانے لگا۔

عمارت سے باہر نکلنے سے قبل میں نے تین بار الّو کی آوازیں نکالیں تاکہ نجیب کو اپنی واپسی کی اطلاع مل سکے۔ چند لمحوں بعد اس کی جوابی آوازیں سنائی دیں اور ہم دونوں اس منحوس عمارت سے باہر نکل گئے۔

نجیب کو کیتھی کی خستہ حالی دیکھ کر شدید صدمہ ہوا لیکن یہ بات اس کے لیے بھی باعث مسرت ثابت ہوئی کہ ہماری بروقت مداخلت کے باعث وہ زندہ نظر آ رہی تھی۔

"تم اندر جا کر ایک بار اچھی طرح عمارت کی تلاشی لے ڈالو۔" میں نے نجیب سے کہا۔ "ہم دونوں یہیں تمہارے منتظر ہیں۔"

نجیب باہر موجود کار کی چابی میرے حوالے کر کے بلا چون و چرا اندر چل دیا۔

میں نے کیتھی کو وہیں برآمدے میں چھوڑا اور خود باہر جا کر کار اندر لے آیا جس کی ڈگی میں زہر آلود تیروں سے شکار پڑے تھے۔ واپس آیا تو کیتھی اس لاش کے قریب کھڑی ہوئی تھی جو میرے زہریلے تیر کا پہلا شکار تھی۔

"نجیب لوٹ آئے تو اسے بھی کار میں ڈالنا ہو گا۔" میں نے کہا۔ "تیروں سے مرنے والے کسی بھی فرد کو یہاں چھوڑنا مناسب نہ ہو گا۔" میں نے اگنیشن بند کر کے نیچے اترتے ہوئے کہا۔

"یہ کار کیا نجیب کے پاس تھی؟" کیتھی نے سوال کیا۔

"نہیں، راستے میں ذیمل سے تبدیل کی تھی۔" میں نے بتایا۔ "نجیب کی کار میں جیرالڈ کے محافظ کی لاش تھی جسے ٹھکانے لگانے کے لیے ذیمل کے حوالے کر دیا تھا۔"

"مجھے اب بھی یقین نہیں آ رہا کہ جیرالڈ ڈاسن اس قدر گھناؤنے کردار کا مالک تھا۔" کیتھی نے چبوترے کے کنارے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تم نے اب تک نہیں بتایا کہ تم اس کے چنگل میں کیسے پھنس گئی تھیں؟" میں نے سگریٹ جلاتے ہوئے سوال کیا۔

"مجھے بہت تاخیر سے یاد آیا کہ مڑے ہوئے کان والا کہاں دیکھا گیا تھا۔" اس نے بتانا شروع کیا۔ "پھر خرطوم میں کام کرنے والے ایک دوست صحافی سے رابطہ قائم کرنے پر پیٹر کی مفادی حیثیت سامنے آگئی۔ میں اس کی رہائش گاہ میں گھس کر تلاشی کے ذریعے اپنے شبہات کی تصدیق کرنا چاہتی تھی۔ میں اندر گھسنے میں کامیاب ہو گئی تھی لیکن میری بدقسمتی کہ میں جس کمرے میں داخل ہوئی وہاں پیٹر کا خونخوار محافظ پہلے سے آرام کر رہا تھا۔ اس نے مجھے کچھ سوچنے کا موقع دیے بغیر بجلی کی سی سرعت سے بے ہوش کر دیا۔"

"تمہارے پاس کوئی ایسی چیز تو نہیں تھی جس سے تمہاری شخصیت پر روشنی پڑتی ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں۔" وہ پھیکے انداز میں ہنس دی۔ "کرنسی اور چابیوں کے علاوہ میں نے دانستہ ایسی کوئی چیز ساتھ نہیں لی تھی۔"

"تشدد تو کسے نہ دوران کیا کوئی ...؟" میں نے اس سے نظریں چراتے ہوئے ایک نازک سا سوال کر ڈالا جسے وہ فوراً ہی سمجھ گئی۔

"نہیں۔" مجھے اپنا سوال پورا کرنے کا موقع دیے بغیر اس نے جواب دیا۔ "غنیمت ہے کہ انہیں کسی قسم کے تشدد کی مہلت ہی نہ مل سکی۔"

"تم نے تنہا اس سے ٹکرانے کا فیصلہ کر کے حماقت کا ثبوت دیا تھا۔" میں نے نرم لیکن ملامت آمیز لہجے میں کہا۔

"مجھے خود بھی اندازہ تھا مگر تمہارے رویے نے مجھے مشتعل کر دیا تھا۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"میرا رویہ؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں! میرے ساتھ تمہارا اجتناب آمیز رویہ۔ شاید تم سوچ رہے تھے کہ میں تمہارے اور سینا کے درمیان حائل ہونا چاہتی ہوں۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب سینا کا سراغ میں تنہا ہی حاصل کروں گی۔"

"میں نے کبھی بھی ایسا نہیں سوچا۔" میں نے دانستہ جھوٹ بولا مگر دل ہی دل میں مجھے اس کے مشاہدے کی داد دینی پڑی کیونکہ اس نے میرے بارے میں بالکل صحیح اندازہ قائم کیا تھا۔

"یہ محض تمہاری خام خیالی ہے۔"

"خیر۔ جو کچھ بھی ہو۔" اس نے سرسری لہجے میں کہا۔ "میں نے جو سوچا تھا وہ کر دکھایا۔ اب یہ میرے مقدر کی خرابی تھی کہ پیٹر کے ہاتھوں میں خود اسیر ہو گئی۔"

اسی وقت عمارت کی جانب سے کئی قدموں کی چاپ سنائی دی اور میں چونک پڑا۔ عمارت کے نکاسی کے رستے سے عجیب

دو سفید فام عورتوں کے ساتھ باہر آ رہا تھا۔

"یہ کہاں تھیں؟" کیپٹی نے متحیرانہ لہجے میں سوال کیا۔

"عمارت میں ایک تہہ خانہ بھی ہے۔" عجیب نے بتایا۔ "یقیناً وہاں بستروں سمیت ہر قسم کا آرام میسر تھا مگر یہ اوپر کی دنیا سے خوف زدہ تھیں۔"

"تم لوگ کون ہو؟" میں نے خوش شکل نظر آنے والی ان دونوں عورتوں سے نرمی سے سوال کیا جس کا کوئی جواب نہ ملا۔

ان دونوں کے چہرے سپاٹ ہی رہے۔ جیسے وہ میری بات سمجھی ہی نہ ہوں۔ پھر ان میں سے ایک بولنے لگی۔ مگر اس کی زبان میرے لیے اجنبی ثابت ہوئی۔

"انگریزی!" میں نے اسے ٹوکا۔ "کیا تم انگریزی بول سکتی ہو؟" اور دوسری نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی بولنی شروع کر دی۔ ان دونوں کا تعلق یوگوسلاویہ سے تھا۔ وہ اپنے ملک سے سیاحت کے لیے نکلی تھیں۔ اور خرطوم پہنچ کر فلاشی کا شکار ہو گئیں۔ اس اثنا میں ان کا واسطہ ایک مقامی سے ہوا جس نے بھاری معاوضے پر باعزت ملازمت دلانے کا جھانسہ دے کر انہیں اس عمارت میں پہنچا دیا اور وہ دو روز سے تہہ خانے میں بند کسی پیش رفت کی منتظر تھیں۔

ان سے پتہ چلا کہ تہہ خانے میں انہیں ہر قسم کی آسائشیں میسر تھیں۔ لوگوں کا رویہ بھی اچھا ہی تھا لیکن مڑے ہوئے کان والا پچھلے دو روز سے ان سے تمام آسائشوں کا معاوضہ اپنے انداز میں وصول کر رہا تھا جس پر ان دونوں کو بھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔ کیونکہ اس طرح وہ ہر قسم کی صعوبتوں سے محفوظ تھیں۔

ان سے پتہ چلا کہ پیٹر کو مشرقی یورپ میں بولی جانے والی کئی زبانوں پر بھی عبور حاصل تھا اور شراب کے سرور میں وہ انہیں بہترین رفاقت فراہم کرتا تھا۔

ہمارے لیے وہ دونوں عورتیں بیکار تھیں۔ انہیں ساتھ لے جانا بھی مشکل تھا اور ایک بار زندہ ہونے والے خون خرابے کے آثار دیکھ لینے کے بعد وہ دوبارہ وہاں داخل ہونے پر ہرگز آمادہ نہ ہوتیں۔ کیپٹی کے مشورے پر یہی طے پایا کہ ان دونوں کو ساتھ لے جا کر رستے میں کہیں بھی اتار دیا جائے۔ وہ خود اس قدر خوفزدہ تھیں کہ ان سے کسی قسم کا نقصان پہنچنے کا کوئی امکان نہیں تھا اور شاید وہ پولیس سے رجوع کرنا پسند نہ کرتیں۔

"اگر تم پولیس کا رخ کیے بغیر خرطوم سے بھاگ جانے کا وعدہ کرو تو ہم تمہیں شہر چھوڑ دیں گے۔" کیپٹی نے انہیں پیشکش کی۔

"ہم تیار ہیں مگر ہمارے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔"

نیلی آنکھوں اور گداز بدن والی عورت نے بے بسی سے کہا۔

اسی وقت اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ وہ دو دن سے وہاں مقیم تھیں لہٰذا میں نے ایک سوال کر ڈالا۔ "تم آئیں تو تہہ خانے میں اور کون تھا؟"

"ہم سے پہلے تین لڑکیاں تھیں۔" اس نے جواب دیا۔ "ان میں نیلی آنکھوں والی لڑکی بہت طرار اور خونخوار تھی۔ کھانا وغیرہ لانے والے بھی اس کے قریب جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔"

"وہ کہاں گئیں؟" میں نے اضطراری انداز میں سوال کیا۔

"ہمارے آنے کے چند گھنٹے بعد ہی وہ لوگ انہیں نکال لے گئے تھے۔" اس نے جواب دیا۔

"پھر فوراً چلو۔" کیتھی نے میرے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "اگر انہیں گئے ہوئے ڈیڑھ دو دن ہی ہوئے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ ہم راستے ہی میں انہیں جا لیں۔"

اس اثنا میں نجیب مٹی پر پڑی ہوئی تیسری لاش کار کی ڈکی میں ٹھونس چکا تھا۔ عورتوں نے ادھر دیکھنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن کار ایسے رخ سے کھڑی ہوئی تھی کہ انہیں اپنی کوشش میں کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ ورنہ پہلے سے موجود دو لاشیں انہیں مزید خوفزدہ کر دیتیں۔

واپسی کا سفر بہت عجلت میں شروع ہوا۔ نجیب نہایت مہارت سے تاریک سڑک پر تیزی سے کار دوڑا رہا تھا۔

"اگر ان تینوں کو بھی اسکارو ہی لے جایا گیا ہے تو امید ہے کہ وہ ابھی راستے ہی میں ہوں گی۔" کیتھی کہہ رہی تھی۔ "وہاں سے آگے کا سفر شاید بحری راستے سے طے کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جنوبی افریقہ پہنچنے سے قبل انہیں رہا کرایا جا سکتا ہے۔"

"کاش ایسا ہو سکے۔" میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

جب ان دونوں عورتوں کو خاصی رقم دے کر قدرے آباد علاقے میں کار سے اتارا گیا تو وہ خاصی خوفزدہ ہو گئیں۔ صبح طلوع ہونے میں کچھ دیر باقی تھی اور اتنی رات گئے ویران سڑکوں پر دو غیر ملکی عورتوں کا تنہا گھومنا ہر اعتبار سے مخدوش تھا مگر ہمارے لیے اس سے زیادہ تعاون نادیدہ مشکلات کا سبب بن سکتا تھا لہٰذا انسانی ہمدردی کے جذبات کو زبردستی نظرانداز کر کے ہم آگے بڑھ گئے۔

کار کے سرکتے ہی کیتھی نے نجیب کو ایک رہائشی علاقے کا رخ کرنے کا حکم دیا۔

"پہلے لاشوں سے تو چھٹکارا حاصل کر لو۔" میں نے چونک کر کہا۔ "اس طرف اچانک کیا کام یاد آ گیا تمہیں؟"

"نجیب ہم دونوں کو چھوڑنے کے بعد ان کا بندوبست کرے گا۔" کیتھی نے کہا۔ "وہاں چیئرز کار لاتل کی قیام گاہ سے تھوڑی دور ہیری کی کار کھڑی ہے۔ ہم اس پر شعبان کی طرف جائیں گے۔ اب ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا جا سکتا۔"

"شعبان کا ملنا مشکل ہے۔" میں نے کہا۔ "وہ ٹریلر لے کر نکل گیا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ راستے میں پکڑا جا سکے۔"

"ملے یا نہ ملے مگر اس کی روانگی کے بارے میں صحیح اطلاعات تو مل سکیں گی۔" کیتھی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

پھر کار میں خاموشی چھا گئی۔ رات کے سناٹے میں کار کے انجن کا شور بہت زیادہ محسوس ہو رہا تھا اور ہم تینوں اپنے اپنے خیالات میں گم تھے۔

حالات نے یکایک پلٹا کھایا تھا اور آنے والے لمحات کے تصور سے میں اپنے رگ و پے میں سنسنی سی پھیلتی محسوس کر رہا تھا۔



"مادام!" کافی دیر کے مسلسل سکوت کے بعد کار کے انجن کے شور میں نجیب کی فکرمند آواز ابھری۔

کیتھی کا رد عمل مجھ سے مختلف نہیں تھا۔ وہ یوں چونکی تھی جیسے بے خیالی میں اس کا ہاتھ ننگے بجلی کے تار سے چھو گیا ہو!

"کیا بات ہے؟"

"برا نہ مانو تو کچھ کہوں؟" نجیب کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔

"کہو۔" اور کیتھی کی آواز ابھری۔ "اس وقت ہچکچانا بے سود ہی سمجھو۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم بہت عالی ہمت ہو!" نجیب نے جھجکتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "لیکن اس وقت تم بہت خطرات میں ہو۔ تمہارا چہرہ نیلا ہو رہا ہے۔ بازو زخمی ہیں اور لباس جگہ جگہ سے جلا یا پھٹا ہوا ہے۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ تم پہلے ان چیزوں پر توجہ دو؟"

"میرے پاس وقت نہیں ہے۔" کیتھی نے تیز لہجے میں کہا۔ "اس وقت ہمارے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے!"

"نجیب درست کہہ رہا ہے کیتھی!" میں نے دخل دیتے ہوئے کہا۔ "تم راستے میں قصر السوداں پر رک جانا۔ ہم کسی اور کار میں آگے نکل جائیں گے۔"

کار میں پھیلے ہوئے تنگ اندھیرے میں کیتھی کی ہنسی کی آواز ابھری۔ "قصر السوداں ہم میلوں پیچھے چھوڑ آئے۔ واپسی میں شاید نجیب نے مختصر راہ اختیار کی ہے!"

"وہ درست کہہ رہا ہے مادام!" میری شہ پا کر نجیب نے جلدی سے کہا۔ "تمہاری کار میں ہم دونوں شعبان کی طرف چلے جائیں گے۔ تم یہ کار لے کر قصر السوداں واپس چلی جانا۔"

"تمہاری ہمدردی کا شکریہ نجیب!" کیتھی کا لہجہ خشک تھا۔ "مگر میں اپنی ترجیحات سے بخوبی واقف ہوں۔ تم وہی کرو جو تم سے کہا جا رہا ہے۔"

"بہتر مادام!" اس کے سعادت مندانہ جواب پر مجھے حیرت ہوئی!

"منتظر رہو کیتھی، دن کی روشنی میں اس حلیے میں تم بھلا کہاں تماشا بن جاؤ گی۔ اجالا پھیلنے میں تھوڑی ہی دیر رہ گئی ہے۔" میں نے اسے سمجھایا۔

"کمال ہے کہ یہ بات تم کہہ رہے ہو۔" وہ چہچہاتے لہجے میں بولی۔ "اگر شعبان کے بارے میں کوئی خبر مل گئی تو ہم فوراً اس کے تعاقب میں روانہ ہو جائیں گے۔ میں نہیں چاہتی کہ جب نجیب اور تم کوئی اطلاع لے کر قصر السوداں میں مجھ تک پہنچو تو شعبان ہماری زد



سے مزید دُور جا چکا ہو۔"

اس کی بات معقول تھی لہٰذا میں خاموش ہو گیا۔

اس وقت اس کا لب ولہجہ سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ وہ لوگوں سے اپنے احکام منوانے کی فن پر عبور رکھتی ہے۔

خرطوم کی ویران اور سنسان سڑکوں کے پیچ و خم طے کرتے ہوئے ایک جگہ اچانک ہی کیتھی کی گاڑی سامنے آ گئی اور نجیب نے سیاہ کار کی روشنیاں گل کر کے اسے پیچھے ہی روک دیا۔

"ہتھیار؟" نجیب نے سوال کیا۔

"میری کار میں سب کچھ موجود ہے!" کیتھی نے کہا اور تیزی سے نیچے اتر کر دروازہ بند کر دیا۔ میں اس سے پہلے نیچے آ چکا تھا۔

ہمیں اتارتے ہی نجیب روشنیاں جلائے بغیر اس کار کو تیزی سے آگے بڑھا لے گیا۔ جو اس وقت شہر سے دور ہونے والی گاڑی بنی ہوئی تھی۔

اپنی کار کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہی کیتھی کے منہ سے بے اختیار ایک تاسف آمیز آواز آزاد ہو گئی۔

"کیا ہوا؟" میں نے بوکھلا کر سوال کیا۔

"چابی!" اس نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "میرا چابیوں کا گچھا تو پیٹر کارلائل کے محافظ نے چھین لیا تھا..... خیر ایک شیشہ توڑ کر تار ملا لیں گے!"

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی!" میں نے جیبیں ٹٹول کر چابیاں اس کی طرف بڑھا دیں۔ "بیلے سے ملنے کے بعد میں نے چابیاں محض احتیاطاً جیب میں ڈال لی تھیں تاکہ تمہاری واپسی تک فلیٹ میں مقید ہونے کا احساس نہ رہے!"

"تمہارے بعض کام بہت برجستہ ہوتے ہیں!" میرے ہاتھ سے چابی لیتے ہوئے وہ بے ساختہ بول اٹھی اور پھر چند ہی ثانیوں میں اس کی کار وہاں سے روانہ ہو گئی۔

"تم نے ابھی تک پیٹر کارلائل کے محافظ والا قصہ نہیں سنایا!" تیز رفتاری سے ویران سڑکوں پر کار دوڑاتے ہوئے کیتھی نے کہا۔ شاید اس طرح وہ ذہنی طور پر خود کو مصروف رکھنا چاہتی تھی۔

"کوئی قصہ ہی نہیں ہوا۔ بس وہ اندر داخل ہوا اور میں نے اندھیری خوابگاہ میں اس کی ٹارچ کی روشنی پہنچنے سے پہلے اسے زہریلے تیر کا نشانہ بنا دیا!" میں نے کہا۔

"اس کی لاش کہاں ہے؟"

"وہ پیٹر کارلائل کی مضافاتی خوابگاہ کی طرف جاتے ہوئے قصر السودان سے ذرا آگے دریائے نیل کے حوالے کر دی گئی تھی!"

"پھر تو اب تک اس کا آخری سراغ بھی معدوم ہو چکا ہوگا!"

وہ قہقہہ مار کر بولی۔ "مگر نجیب تم سے کیسے ٹکرا گیا؟"

"ملاقاتیوں سے ابتدا ہوئی تھی۔" میں نے اسے مختصراً تفصیل بتا کر تشریح کی تو وہ اس سے خاصی محظوظ ہوئی۔

"تم نے صحیح وقت پر صحیح آدمی سے رابطہ قائم کیا ورنہ اب تک محافظ کی لاش کے معاملے میں بیٹھے میرے بارے میں سوچ رہے ہوتے۔"

"اس حویلی میں منظم کو زندہ چھوڑ کر میں نے برا کیا۔" قدرے توقف کے بعد میں نے فکر آمیز لہجے میں کہا۔ "کہیں وہ ہوش میں آنے کے بعد بھاگ نہ چھوٹے۔ شاید اس نے ہمیں بھی دیکھا ہو اور میں تو کافی دیر اس کے ساتھ رہا تھا۔"

"اپنے سارے ساتھیوں کے علاوہ پیٹر کی لاش دیکھ کر وہ بدحواس ہو جائے گا۔" وہ بولی۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ اس قضیے سے اپنی ذات کو بالکل ہی الگ کر لے کیونکہ اس کی طرف سے بے فکر ہو اور بقول تمہارے وہ اپنی ملازمت سے بددل بھی تھا۔"

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو!" میں نے کہا۔ پھر چند ثانیوں کے سکوت کے بعد سوال کیا۔ "کیا تم کسی تیاری کے بغیر اسارہ جانے کا ارادہ کر رہی ہو؟"

"تیاری کا وقت کہاں ہے؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "ابھی شاید نجیب جلد از جلد شعبان کے ٹھکانے پر پہنچنے کی کوشش کرے گا، پھر جلد اس سے مل جائے گی۔"

"مگر تم نے ابھی شعبان کا پتہ نہیں بتایا تھا!"

"شعبان اس کے لیے نیا آدمی نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اس کے پاس بس ایک ہی ذریعہ ہے جسے وہ خود ایتھوپیا اور سوڈان کے درمیان چلاتا ہے۔ وہ جانے کے لیے بارہا وہاں سے چوری چھپے اسمگل ہوا ہے مگر اب پتہ چلا کہ وہ دوسری غیر قانونی سرگرمیوں میں بھی ملوث ہے۔ ان کاموں میں اسے اتنا مل جاتا ہوگا کہ وہ ٹرپ کی فکر نہیں کرتا!"

"تو ٹرپ کے ساتھ چلنے میں بھی اضافہ ہوگا اور راز داری خطرے میں پڑ جائے گی۔ شاید لوگ محض اس لئے اس پر اعتماد کرتے ہیں کہ تنہا ہے!"

"تنہا تو خیر نہیں ہے۔ اس کا اکلوتا لڑکا اس کے ساتھ ہوتا ہے مگر تمہاری بات درست ہے۔ اس سے ہم راز داری کی بنا پر ہی متعارف ہوئے تھے۔"

"وہ پھر چکر میں پڑ کر کچھ گھپلا کرتا ہوگا۔" میں نے بار [illegible] کہا۔ "پیٹیوں کی باربرداری تو محض آڑ ہوگی۔"

جس وقت ہم خرطوم کی اس مضافاتی آبادی میں داخل ہوئے تو آسمان کے مشرقی گوشوں پر صبح کی ابتدائی سفیدی نمودار ہو چکی تھی۔

ایک جگہ کار روک کر کیتھی نے ڈیش بورڈ سے ریوالور نکالا اور نیچے اتر کر کار کے دروازے مقفل کر دیے۔

"کتنی دور ہے یہاں سے؟" میں نے سوال کیا۔

"بس چلے آؤ، تھوڑی ہی دور ہے!" یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ اور میں اس کے پیچھے ہو لیا۔

کیتھی نجیب والی گاڑی سے کافی دور رکی تھی! اس وقت وہ جس ذہنی اضطراب کی حالت میں تھی کہ اسے دیکھتے ہوئے لامحالہ یقیناً ذہنی الجھن کا شکار ہو جاتا۔ مجھے بڑا اندیشہ یہ تھا کہ کہیں گشت پر نکلا ہوا کوئی سپاہی ٹکرا گیا تو ریوالور کے بارے میں نہ صرف ساری عجلت دھری رہ جاتی بلکہ اپنی خلاصی مشکل ہو جاتی۔

چند قدم آگے چل کر کیتھی ایک تنگ گلی میں گھس گئی۔ پھر تنگ گلیوں میں پیچ در پیچ سفر کا آغاز ہوا جس کا اختتام ایک کشادہ راستے پر ہوا جہاں سفید رنگ کے بڑے سے پھاٹک پر عربی میں شعبان الترکی لکھا ہوا صاف نظر آ رہا تھا۔ پھاٹک کے عقب میں کھلا احاطہ تھا جو شاید ٹریلر کے گیراج کا کام دیتا تھا مگر کیتھی اسے نظر انداز کر کے گیراج سے متصل مکان کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

دروازے پر پہلی دو دستکیں بے سود ثابت ہوئیں۔ تیسری دستک کے جواب میں اندر سے ایک جھنجھلائی ہوئی اور خوابناک نسوانی آواز ابھری جس میں بیزاری بھی مدغم تھی۔ "کون ہے؟"

"جلدی دروازہ کھولو!" کیتھی نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "ہم شعبان کے لئے ایک بڑی خبر لائے ہیں!"

اندر سے آنے والی نسوانی آواز سن کر میں بوکھلا گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ کیتھی شعبان کے بارے میں اس کے کسی دوست وغیرہ سے معلومات حاصل کرے گی۔ مگر بادی النظر میں یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ براہ راست شعبان کی بیوی پر چڑھ دوڑی ہو جو شوہر کے چلے جانے کے بعد شاید اس مکان میں اکیلی تھی۔

کیتھی کے الفاظ موثر ثابت ہوئے اور دروازہ فوراً کھول دیا گیا۔ بستر سے اٹھ کر دروازے پر آنے والی گہرے گندمی رنگ کی ایک دراز قامت عورت تھی جس کا خوابناک چہرہ بکھرے ہوئے سیاہ بالوں کے حلقے میں بہت پرکشش نظر آ رہا تھا۔ اس کی نیند سے بوجھل آنکھیں کیتھی پر استفہام آمیز انداز میں جمی ہوئی تھیں۔

"اندر آنے کا راستہ دو!" کیتھی نے [illegible] تحکم آمیز لہجے میں کہا۔

اس عورت نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا اور پھر اس کی آنکھیں دہشت زدہ انداز میں پھیل گئیں۔ میں کیتھی کے عقب میں ضرور تھا مگر شاید اسے یہ اندازہ کرنے میں ذرا بھی دشواری نہیں ہوئی کہ کیتھی نے اس پر ریوالور تان لیا تھا۔

وہ لوگ فرشتے والے انداز میں راستے سے ہٹی اور کیتھی بچے آئی تھے اندر داخل ہو گئی۔ میں نے بھی اندر گھس کر دروازہ بند کر لیا۔

سیاہ فام دوشیزہ اس ڈیوڑھی نما کمرے کے وسط میں کھڑی خوف زدہ نظروں سے مسلسل کیتھی کو گھورے جا رہی تھی۔

"شعبان کہاں ہے؟" کیتھی کا لہجہ سرد تھا۔

اس بار اس نے جرأت کر کے سوال کیا "تم کون ہو اور مجھ پر پستول کیوں اٹھایا ہوا ہے؟"

"اوہ!" کیتھی نے چونک کر ریوالور والا ہاتھ نیچے گرا لیا "شور وغیرہ مچانے کی حماقت نہ کرنا ہم شعبان کے خیر خواہوں میں سے ہیں۔"

"اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" سیاہ فام دوشیزہ کے الفاظ میں نسوانی حسد اور رقابت کی مخصوص کاٹ تھی جس کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔

"مطمئن رہو، اس کی داشتہ نہیں ہوں" کیتھی کا لہجہ بھی زہریلا تھا "تمہارا مستقبل خطرے میں نہیں ہے۔"

سیاہ فام عورت کے ہونٹ پھڑپھڑا کر رہ گئے مگر ان سے کوئی آواز برآمد نہ ہو سکی۔

"ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ اگر تمہاری حماقت کی وجہ سے شعبان مارا گیا تو اس کے ورثاء گردن پکڑ کر تمہیں باہر پھینک دیں گے" کیتھی نے اسے خوف زدہ کرنے کے لئے کہا۔

"وہ کل علی الصبح اسمارہ گیا ہے فریدم میں سامان لے کر" وہ غیر ارادی طور پر بول پڑی "مگر اسے کن لوگوں سے خطرہ ہے؟ وہ اسے کیوں مارنا چاہتے ہیں؟"

"اس بار کیا لینے گیا ہے؟" کیتھی نے اس کے سوالات کو نظر انداز کرتے ہوئے جارحانہ لہجے میں پوچھا۔

"مجھے معلوم نہیں۔ وہ اپنے کام کے بارے میں مجھ سے کبھی بات نہیں کرتا۔"

"یہاں سے ٹرک خالی گیا تھا؟"

"میں گھر میں رہتی ہوں، مجھے نہیں معلوم کہ گیراج میں کیا ہوتا رہتا ہے مگر اس بار جانوروں کے ریوڑوں کی آوازیں نہیں سنائی دی تھیں"

"شعبان کی واپسی تک جانے بائے میں تم اپنی زبان بند رکھو گی" کیتھی نے کہا "ذرا بھی زبان کھولی تو صحرائی شاہراہ پر شعبان کے لئے جہنم جاگ اٹھے گا۔"

اس کے چہرے پر سراسیمگی پھیل گئی۔ اور وہ دہلے لہجے میں بولی "کچھ بتاؤ تو سہی ۔۔۔ خدا کے لئے کچھ تو بتاؤ!"

"فی الحال اسی قدر کافی ہے!" کیتھی نے کہا اور اس کو ہکا بکا چھوڑ کر ہم دونوں جھونپڑی سے باہر نکل آئے!

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا" تنگ و تاریک گلیوں میں گھسنے کے بعد میں نے کہا۔

"پولیس کے زیر زمین قید خانے سے برآمد ہونے والی لڑکیوں کے بیان کی تصدیق ہو گئی" اس نے جواب دیا "یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تینوں لڑکیوں کو قید خانے سے ضرور پہنچا کر لایا گیا تھا مگر انہیں فریدم چھوڑے بمشکل پچیس گھنٹے ہوئے ہیں!"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ عورت شعبان کی داشتہ ہے؟" میں نے اپنے ذہن میں چبھنے والا سوال کیتھی سے کر ڈالا۔

"تنظیم کے معاملات میں جن لوگوں سے مستقل بنیادوں پر رابطہ قائم کیا جاتا ہے ان کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کی جاتی ہیں!"

"شعبان کے لڑکے کی کیا عمر ہے؟"

"اٹھارہ بیس برس ہو گی ۔۔۔ وہ کیوں یاد آ گیا؟"

"اسے بھی اس داشتہ کا علم ہو گا؟"

"اوہ ۔۔۔ یہ وہاں پرانی سے ہوتی ہے یہاں سب چلتا ہے معاشرے میں بھی ایسے لوگوں کے مقام پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بالخصوص ہر فرد فخریہ طور پر بیوی کے علاوہ ایک دو عورتوں کی باقاعدہ کفالت کرتا ہے۔"

"جدید ترین اصلاحاتی رابطوں کے باوجود یہ لوگ ذہنی طور پر قبائلی انداز میں زندگی گزار رہے ہیں!" میں نے حیرت سے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اس نے میری رائے کی تائید کی "تیسری دنیا میں لوگوں کی تقسیم علاقائی بنیادوں کے بجائے آج بھی قبائل پر ہے قبائلی رسم و رواج کے خاتمے کی رفتار یہاں بہت زیادہ سست ہے ذہنی طور پر ہر شخص اسی فرسودہ نظام سے چپکا رہنا چاہتا ہے اسی لئے ساری جہالت اعزاز میں مبتلا ہوئی ہے!"

کیتھی کی کار تک ہم عافیت سے پہنچ گئے اور اس نے انجن اسٹارٹ کر کے کار کو واپس گھما لیا۔ اس کی کار بمشکل چند فٹ ہی بڑھی ہو گی کہ اچانک سامنے کے ایک موڑ سے کسی تیز رفتار کار کی ہیڈ لائٹس روشن ہوئیں اور کیتھی نے اپنی کار سڑک کے کنارے کر لی تاکہ آنے والی جیپ کو آگے بڑھنے کے لئے کافی راستہ مل سکے۔

مگر وہ کار تیزی سے ہمارے برابر میں آ کر رک گئی۔

اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر نجیب موجود تھا اس کے برابر میں گونگا احمق کسی قدر آدم سنگین بت کی طرح بیٹھا ہوا تھا۔ اس بار وہ دونوں سیاہ کار کے بجائے نجیب کی کار میں تھے۔ سیاہ کار شاید ہسپتال کسی کے حوالے کر دی گئی تھی۔

"تم کیوں لے آئے؟" کیتھی نے کھڑکی میں سے سر نکال کر قدرے ناخوشگوار لہجے میں نجیب سے سوال کیا۔

"میرا خیال تھا کہ شاید مادام اسے ساتھ لے جانا چاہیں" نجیب کی مودبانہ آواز آئی "یہ غلط تھا تو میں یہیں سے آیا!"

"یہ ٹھیک ہے!" قدرے توقف کے بعد نجیب کی سرگوشی سنائی دی اور کیتھی نے اس سے ایک پیکٹ لے کر میری گود میں ڈال دیا۔

پھر کیتھی نے تیزی سے کار آگے بڑھائی۔ چند منٹ کی خاموش مسافت کے بعد جب ہم ایک ویران سڑک پر پہنچے تو کیتھی نے کار روک دی اور نیچے اتر گئی۔

"کیا ہوا؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"تھوڑی دیر تم چلاؤ۔ دن پوری طرح طلوع ہونے سے پہلے میرا حلیہ درست ہو جانا چاہئے" اس نے دروازہ کھول کر عقبی نشست پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

میں نے سرک کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور کار آگے بڑھا دی "حلیہ کیسے درست ہو گا؟ سب سے پہلے تو تمہیں ترشنے کے لباس کی ضرورت ہے"

"لباس ہی بدلنے پیچھے آئی ہوں، ذرا عقبی نما آئینے کا رخ چھت کی طرف کر دو" اس نے ہنستے ہوئے کہا اور میرے جسم میں سنسنی کی ایک لہر سرایت کر گئی۔

میں نے ونڈ شیلڈ پر لگا ہوا عقبی نما آئینہ ہاتھ مار کر چھت کے رخ پر کر دیا "مگر ۔۔۔ مگر لباس کہاں سے آیا؟"

اپنی آواز مجھے خود بھاری محسوس ہوئی تھی۔

"ایک بریف کیس ہر وقت ڈکی یا پیلٹ پر پڑا رہتا ہے ایسی ہنگامی ضرورت کے لئے دو جوڑے اور دوسری اشیاء موجود رہتی ہیں"

عقبی نشست پر اس کی مصروفیات جاری رہیں اور چند منٹ بعد اس نے اطمینان کا ایک طویل سانس لے کر مجھے عقبی نما آئینہ درست کرنے کی اجازت دے دی۔

آئینہ درست کرنے پر پیچھے وہ جینز اور جیکٹ میں ملبوس نظر آئی۔ باہر تیزی سے پھیلتا ہوا کہر آلود اجالا پوری طرح اس کی شخصیت کو نمایاں کر رہا تھا اور وہ دستی بیگ سے سامان نکال کر آئینے کی مدد سے میک اپ میں مصروف تھی۔

فارغ ہونے کے بعد وہ اچک کر میرے برابر والی سیٹ پر آ گئی۔

"خوب!" میں نے اس کے شگفتہ سراپا پر تحسین آمیز نگاہیں ڈالتے ہوئے کہا "کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تم وہی تھوڑی دیر پہلے والی لڑکی ہو!"

"خوبصورتی میک اپ، نیل اور داغ چھپانے کے لئے بڑا کارآمد ہوتا ہے" وہ پرسکون انداز میں سگریٹ سلگاتے ہوئے بولی۔

"شوہر کے ہاتھوں پٹنے والی عورتوں میں بہت مقبول ہو گا"

"کیوں؟" اس نے بے ساختہ حیرت سے سوال کیا۔

"مرد جس چہرے پر ریجھ کر سالم لڑکی کو بیوی بنا لیتے ہیں غصے کے عالم میں عموماً اسی پر طمانچے رسید کرتے ہیں، میاں بیوی کے سامنے نیل چھپا کر بھرم قائم رکھنے میں بیویوں کی بڑی مدد کرتا ہو گا!"

پوری بات سمجھ کر وہ زور زور سے ہنسنے لگی۔

شہر کی ایک کشادہ شاہراہ پر واقع پٹرول پمپ پہنچ کر ٹنکی بھروانے کے بعد کیتھی دوبارہ اسٹیئرنگ پر آ گئی۔ اس کا چہرہ معمولی ورم اور خراش کے علاوہ پوری طرح شگفتہ نظر آ رہا تھا۔ یہ کہنا دشوار تھا کہ وہ کسی کے تشدد کا شکار رہی ہو گی۔ بازو اور جسم کے نچلے حصوں کی خراشیں لباس نے چھپائی تھیں۔

سورج کی روپہلی کرنیں نمودار ہونے تک ہم فریدم سے مشرق میں نکلنے والی شاہراہ پر پہنچ چکے تھے۔

"پیٹر کارلائل کی کہانی پر ابھی تک یقین نہیں آ سکا" کافی دیر کی خاموشی کے بعد میں نے ہی سکوت توڑنے میں پہل کی۔

"کون سی کہانی؟" کیتھی حیرت سے چونک پڑی۔

"کیا تم یقین کر سکتی ہو کہ آج کے مہذب دور میں سرکاری سرپرستی میں کسی ملک میں عورتوں سے حیوانی انداز میں افزائش نسل کا کام لیا جا سکتا ہے؟"

"آج کا مہذب دور!" وہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑی ۔۔۔ "بردہ فروشی میں ملوث ایک سفارت کار کے اعترافات تم سن ہی چکے ہو ۔۔۔ اس کے بعد تعجب کے لئے کیا رہ جاتا ہے! انسان آج بھی وہی ہے جو پتھر کے دور میں تھا بلکہ شاید زیادہ وحشی۔ فرق اتنا ہے کہ اس پر چڑھا ہوا خول روز بروز موٹا ہوتا جا رہا ہے؟"

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ پیٹر نے ہمیں گمراہ کرنے کی کوشش کی ہو؟"

"موت کے خطرے کی زد پر آیا ہوا زندگی سے پیار کرنے والا کوئی مجرم اتنا پکا نہیں ہوتا" اس نے کہا "ہمیں کافی عرصے سے اطلاعات مل رہی تھیں کہ یورپ میں روزگار دلانے والے ادارے جنوبی افریقہ کے لئے بھاری تعداد میں سفید فام عورتیں بھرتی کر رہے ہیں جس کے لئے انہیں گرانقدر کمیشن مل رہا ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جا رہا ہے کہ اس طرح وہ لوگ آبادکاری کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ پیٹر نے جو کچھ بتایا ہے وہ درست ہی ہو گا"

"پھر اس معاملے میں جنوبی افریقہ کے حکمران ہٹلر کی تقلید کر رہے ہیں" میں نے کہا "ان کا بھی انجام برا ہی ہو گا!"

"تو کیا ہٹلر بھی بردہ فروشی میں ملوث تھا؟"

"اس اعتبار سے وہ بہتر تھا۔ اس نے جرمنوں کی اگلی نسل کو دنیا کی بہترین قوم بنانے کے لئے ایک منصوبے کا آغاز کیا تھا جس کے تحت بھرپور ذہنی اور جسمانی ساخت رکھنے والے جرمن مردوں اور عورتوں کو یکجا کر کے ایک ناقابل شکست نسل پیدا کی جا رہی تھی۔ ایسے تمام بچوں کی ولدیت ہٹلر کے نام سے منسوب ہوا کرتی تھی"

"اس کا مجھے علم نہیں تھا!" میں نے حیرت سے کہا۔

باتوں کے درمیان سفر جاری رہا۔ قرطام سے جانے والی اس شاہراہ پر دونوں طرف ریت کا میدان پھیلا ہوا تھا جس میں جا بجا درختوں کی قطاریں موجود تھیں۔ قرطام سے تقریباً چالیس میل دور نکلنے کے بعد ایک قصبے کے آثار نظر آئے تو کیتھی نے کار کی رفتار سست کر لی۔

اس وقت دن پوری طرح طلوع ہونے کافی دیر گزر چکی تھی اور سورج مشرقی افق پر خاصا اونچا ہو چکا تھا۔ کھلے میدانی علاقے اور روشن دھوپ کے باعث اس وقت یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دن نکلے کئی گھنٹے گزر چکے ہوں!

اس صحرائی قصبے کی آبادی تو شاہراہ سے کئی سو گز اندر واقع تھی۔ جہاں سوڈان کی دیہی زندگی کے بیشتر عناصر جیتے جاگتے نظر آ رہے تھے لیکن سڑک کے کنارے گارے سے بنا ہوا ایک سرائے نما ہوٹل اور دو دکانیں شاید شاہراہ سے گزرنے والے مسافروں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے بنائی گئی تھیں۔

ہوٹل کے سامنے کار رکتے ہی لمبی ٹوپی اور ڈھیلے لبادے میں ملبوس ایک مقامی تیر کی طرح ہماری طرف آیا۔

"اندر بیٹھنے کے لیے کوئی مناسب جگہ ہے؟" کیتھی نے کار سے اترتے ہوئے اس مقامی سے عربی میں سوال کیا۔

"جگہ بہت ہے مگر تم جیسی مِسی کے لئے مناسب نہ ہوگی۔" وہ خوشامدانہ انداز میں اپنے تمباکو جیسے سفید دانت چمکاتے ہوئے بولا۔ "حکم دو، جو کہو گی وہ یہیں لے آؤں گا۔"

کیتھی نے قہوہ اور دو چار بسکٹوں کی فرمائش کی اور وہ بے ہنگم انداز میں دوڑتا ہوا ہوٹل کی طرف ہو لیا۔

"باہر گرمی ہے!" کیتھی اندر بیٹھ کر زور زور سے اپنی دونوں ہتھیلیاں آپس میں رگڑتے ہوئے بولی۔

اسی وقت قریب دیوار میں آوارہ پھرتے ہوئے گدھوں کی ٹولی میں سے ایک میری طرف کی بند کھڑکی کے قریب نہایت مسکین انداز میں آ کھڑا ہوا!

"کچھ کہنا چاہتا ہے تم سے۔" کیتھی نے اس کی طرف دیکھ کر قہقہہ مارتے ہوئے کہا۔

"اسے معلوم ہے کہ میں ترجمان کے ساتھ سفر کر رہا ہوں!" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

کیتھی کا منہ بن گیا۔ "میں گدھوں کی طرح بولتی ہوں؟"

"سمجھتی ضرور ہو گی!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اس کے تیور خراب ہو گئے۔ شاید وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن لمبی ٹوپی والے کی آمد کے باعث اسے خاموش ہو جانا پڑا۔

وہ احمقانہ انداز میں اپنے سر پر ایک چھوٹی سی میز اٹھا لایا تھا جو اس نے کیتھی کی سمت والے دروازے کے پاس رکھ دی۔

"ہم کتنی دور آ گئے ہیں؟" اس کے جاتے ہی میں نے سوال داغ دیا تاکہ کیتھی اپنی زبان دانی کا متنازعہ مسئلہ دوبارہ نہ اٹھا سکے اور وہ بے چاری پوری سنجیدگی سے میری اس چال کا شکار ہو گئی۔

لمبی ٹوپی والا دوبارہ آیا تو لدا پھندا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں قہوے کے برتنوں کی ٹرے تھی اور دوسرے ہاتھ میں ایک کیک اسٹینڈ لٹک رہا تھا جس کی تینوں تھالیوں میں بھانت بھانت کے بسکٹ وغیرہ بھرے ہوئے تھے۔

"یہ سب نہیں چاہیے۔" کیتھی نے دروازہ کھول کر احتجاج کیا۔

"دو نمکین بسکٹ چھوڑ کر باقی سامان واپس لے جاؤ۔"

"فکر نہ کریں۔" وہ دانت نکال کر بولا۔ "جو کھانا ہو کھا لیجیے، بچا ہوا سامان خوشی سے واپس لے جاؤں گا۔"

قہوہ گرم اور لذیذ تھا لیکن بسکٹ وغیرہ باسی اور انتہائی نامعقول تھے۔ ہم دونوں پیالیاں لے کر باتوں میں مصروف ہو گئے۔

چند ثانیوں بعد کسی چیز کے گرنے کی آواز سن کر چونکا اور نگاہیں اٹھاتے ہی پوری صورتحال واضح ہو گئی۔

ایک جناتی گدھے نے منہ مار کر پورا کیک اسٹینڈ ریت پر گرا دیا تھا اور اطمینان سے گرے ہوئے لوازمات پر طبع آزمائی کر رہا تھا۔

مجھے گدھے کی اس حرکت پر بہت تاؤ آیا لیکن کچھ کرنا بے سود تھا۔ اسی وقت لمبی ٹوپی والا کہیں سے نمودار ہو گیا اور گدھے کو بھگا کر بچے ریت سے کیک اسٹینڈ اٹھا لے گیا۔

تھوڑی دیر بعد جب بل کی ادائیگی کا معاملہ آیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ گدھے کی وہ ضیافت خاصی مہنگی پڑی تھی۔ کیتھی نے لمبی ٹوپی والے سے تکرار کرنی چاہی لیکن میں نے اسے خاموش کرا دیا۔

ہماری مرضی کے خلاف اس نے وہ تمام اشیاء وہاں رکھ کر اگر غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا تھا تو ہم دونوں بھی لاپرواہی کے مرتکب ہوئے تھے۔

اس مرحلے سے نمٹ کر سڑک کی طرف بڑھے تو ایک معذور بھکاری سامنے آ گیا۔ کیتھی نے کار روک لی۔

"خیرات تو نہیں، بھئی انعام ضرور ملے گا۔ اگر تم ایک سوال کا درست جواب دے سکو!" کیتھی نے شیشہ اتار کر اس سے کہا۔

"جو خوشی سے دے دو بابا!" اس نے دستِ سوال دراز کر دیا۔

"یہ آوارہ گدھے کس کی ملکیت ہیں؟" کیتھی نے سوال کیا۔

"میں سب دیکھ رہا تھا۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔ "روز دو چار مرتبہ یہی تماشا ہوتا ہے مگر خدا کے لئے اس سے لڑنا نہیں ورنہ وہ مجھے مارے گا۔"

"کون؟"

"وہی ہوٹل والا۔۔۔ سامنے گدھے اسی کے ہیں اور گاہکوں کے پیسے پورے کر دو تو روز فقیروں سے زیادہ مالدار ہوتے جا رہے ہیں!"

کیتھی نے اس کی ہتھیلی پر ایک نوٹ رکھ کر کار آگے بڑھا دی۔

"بڑا ذہین آدمی ہے ہوٹل والا۔" میں نے ہنستے ہوئے تبصرہ کیا۔ "گدھوں سے سیلز پروموشن کا کام لے رہا ہے!"

"مسافروں کو بے وقوف بنا کر پیسے بٹورنا ان لوگوں کا دل پسند مشغلہ ہے!" وہ منہ بنا کر بولی۔ "شاہراہوں پر آباد بیشتر دیہاتی اسی رجحان میں مبتلا ہیں!"

"اسے تم قومی مزاج نہیں کہو گی؟"

"نہ نہ!" اس نے جلدی سے کہا۔ "سوڈانی قوم تو سیدھے سادے مزاج کی مالک ہے۔ یہاں اب بھی تحمل اور رواداری کے ساتھ انکسار پایا جاتا ہے۔ مگر بس۔۔۔!"

"شاید تم دوسرے عرب ملکوں کی بات کر رہی ہو!" میں نے اس کا فقرہ درمیان سے ہی اچک لیا۔ "ان سے ملازمت کرو۔ وہ مالا مال ہیں اور سوڈانی غریب ہیں۔ ان کے ماضی میں تو پیسے کا خمار چڑھا ہوا ہے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تمہارا مشاہدہ بھی یہی ہے!" وہ بولی۔ "جس دن عربوں کے ماضی سے دولت کا بخار اترے گا اسرائیل کو اپنے ایک ہی ریلے میں بہا لے جائیں گے!"

"یہودی ہو کر تمہارے یہ خیالات ہیں؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"میں یہودی ضرور ہوں مگر مزاج منصفانہ پایا ہے!" وہ بولی۔ "میرا بیان ہے کہ اسرائیل کو اس کے سرپرست کسی کٹھن وقت کے لئے پال رہے ہیں۔ جس روز مشرق وسطیٰ کے تیل کے ذخائر سے مغرب کی طرف تیل کا بہاؤ بند ہوا اسی روز اسرائیل کی سرزمین ایک نہ ختم ہونے والی جنگ کے لئے ان کا ہیڈ کوارٹر بن جائے گی!"

"مگر اسرائیلی حکمران اتنے احمق نہیں ہیں!"

"دنیا کو وہ یہی تاثر دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ آخری خونریزی سے پہلے اسرائیل اپنی قوت میں اتنا اضافہ کر لیں گے کہ ان کی مرضی کے بغیر ان کی سرزمین کسی بھی مقصد کے لئے استعمال نہیں کی جا سکے گی!"

"اسرائیلی ابھی تک اپنی حکمت عملی میں کامیاب ہیں!" میں نے کہا۔ "انہوں نے اپنی سرحدوں سے ہزاروں میل دور تک کر کے ایسے حیرتناک حد تک کامیاب انتظام کیے ہیں کہ ان کی صلاحیتیں ہر شعبے سے بالاتر ہو چکی ہیں!"

"یہ سب درست ہے لیکن ان کا اصل دفاعی نظام امریکی ماہرین چلا رہے ہیں جن میں یہودی کم اور عیسائی زیادہ ہیں!"

"یہ میں نہیں مان سکتا!"

"مسافر۔۔۔ لیکن میں تنظیم میں شریک ہونے سے پہلے سوا دو برس اسرائیلی سیکرٹ سروس میں کام کر چکی ہوں میں نے اپنی آنکھوں سے بہت کچھ دیکھا ہے جبکہ مشاہدہ غیر جانبدارانہ تھا اسی لئے میری باتیں تمہیں عجیب لگ رہی ہیں!"

"کیا دیکھ لیا تم نے؟" اس کی گفتگو میں میری دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی۔

"سرکاری طور پر اسرائیل میں امریکی ماہرین کی تعداد خاصی کم بتائی جاتی ہے مگر وہ جس کی ضرورت سمجھتے ہیں اسے امریکی محکموں سے فوری طور پر سبکدوش کر کے تارکِ وطن کے طور پر اسرائیل بھیج دیا جاتا ہے۔ اسرائیل قانونی مرکز پوری طرح ایسے لوگوں کی مٹھی میں ہے اور وہ اسرائیل سے زیادہ اپنے ملکوں کے وفادار ہیں!"

"اگر تمہارے قیاسات درست ہیں تو اسرائیل کا وجود اس خطے میں ایک ناسور سے کم نہیں!" میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

"اسے لکھ کر رکھو کہ تیسری جنگ شروع ہوئی تو اسرائیل یا اس کے قریب و جوار سے ہوگی اور اس میں سب سے بری موت وہ یہودی مارے جائیں گے جو امن و سلامتی کی تلاش میں بادیہ نشینی کے ایک ٹکڑے پر جا بیٹھے ہیں!" اس کے لہجے پر جذبات کی شدت غالب آ گئی۔

"دوسروں کو یہ باتیں کیوں نہیں سمجھاتیں؟"

"انہیں ہیکل سلیمانی کا جذباتی نعرہ دیا گیا ہے!" اس نے کہا۔ "ہر چار چھ مہینے بعد حکومت کے اشارے پر کوئی نہ کوئی ربی ہیکل سلیمانی کی بنیادوں کے بارے میں اپنے خواب میں ایک بشارت کی اطلاع دیتا ہے۔۔۔ اور مذہب!" وہ ایک لمحے کے لئے رکی، پھر تلخ لہجے میں بولی۔ "یا تم بھی جب جیسے کھارتوم میں سوچاتی ہیں اور ایسا لشکر بھی جو غالب آ جائے تو انسان جنگلوں کا محور سر اٹھا کر کھڑا ہو جائے!"

"آج پہلی بار مجھے تمہارے صحیح رجحانات کا اندازہ ہوا!" میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "تمہارا تجزیہ جو بھی ہو لیکن تمہارے سوچنے کا انداز منطقی ہے!"

"مشکل یہ ہے کہ ہر فرد اور قوم دوسروں کے بارے میں منطقی انداز میں سوچتی ہے لیکن اپنے بارے میں ہر ایک خوش فہمی کا شکار ہو جاتا ہے۔"

"اس وقت شاید تم بھی کسی خوش فہمی کا شکار ہو!" میں نے موضوع تبدیل کرتے ہوئے کہا۔

"وہ کیسے؟"

"ہمیں سوڈان کی سرحد عبور کر کے ایتھوپیا میں داخل ہونا ہے اور تم اس مرحلے کو بھول کر دنیا جہان کی سیاست پر مغز زنی کر رہی ہو!"

"میرے پاس پی ایل او کا شناخت نامہ ہے!" اس نے مجھے تسلی دی۔ "مجھے کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ تمہارے لئے بھی کوئی راہ نکال لوں گی!"

"مگر تم نے تو کہا تھا کہ پیٹر کے مکان میں داخل ہوتے ہوئے تمہارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے تمہاری شناخت ہو سکے؟"

"ایسی تمام چیزیں میں کار ہی میں چھوڑ گئی تھی!"

سفر کسی غیر معمولی واقعہ کے بغیر جاری رہا۔ راستے میں داؤ العنب نامی ایک قصبے میں کھانا کھانے کے بعد ہم بلا رکے آگے بڑھتے رہے اور سہ پہر کے تین بجے سوڈان اور ایتھوپیا کی سرحد پر واقع قصالہ نامی آخری سوڈانی شہر میں داخل ہو گئے۔

سرحد پر واقع ہونے کے باوجود اس شہر کا طرز زندگی سادہ ہی نظر آتا تھا۔ تھوڑی دیر کی جستجو کے بعد کیتھی اس ہوٹل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی جہاں سے اس کی دانست میں سرحد عبور کرنے میں مدد مل سکتی تھی۔ ہوٹل شیبلا ایک اوسط درجے کا اقامتی ہوٹل تھا جو قصالہ کے معیار زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے فرسٹ کلاس میں شمار کیا جا سکتا تھا!

استقبالیہ کاؤنٹر پر سیاہ چھریرے بدن والی ایک سوڈانی لڑکی نے دلکش مسکراہٹ سے استقبال کیا تو میری سفر کی آدھی تھکان دور ہو گئی۔

"ابوحسان موجود ہے؟" کیتھی انگلیوں کے سہارے چوبی کاؤنٹر پر جھک کر لڑکی سے پوچھ رہی تھی۔

"موجود ہیں! تم کون ہو؟" لڑکی کی آنکھیں کیتھی کے چہرے پر جم گئیں۔

"میرا نام کیتھی ہے!"

اس نے کیتھی کے چہرے سے نگاہیں ہٹائے بغیر انٹرکام پر کوئی نمبر ملایا اور جواب کا انتظار کرنے لگی۔

انٹرکام پر کیتھی کا نام بتانے کے بعد اس لڑکی کو مزید کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا گیا اور شاید سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"بیٹھو... وہ آ رہے ہیں!" لڑکی نے کہا لیکن اس کے چہرے پر تجسس کے آثار مزید گہرے ہو گئے تھے اور وہ مسلسل کیتھی کو گھورے جا رہی تھی۔

ہمیں کاؤنٹر کے قریب پڑے ہوئے صوفوں پر بیٹھے چند ثانیے بھی نہیں گزرے تھے کہ استقبالیہ کاؤنٹر کے ساتھ والی راہداری سے ایک عظیم الجثہ شخص تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا برآمد ہوا۔ اس کی متلاشی نگاہیں جونہی کیتھی پر پڑیں اس کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھا اور وہ مجھے نظر انداز کر کے سیدھا اسی کی طرف بڑھ گیا۔

"مادام تم؟ بغیر کسی اطلاع کے؟" اس نے حیرت اور مسرت کے ساتھ سوال کیا۔ اپنے لب و لہجہ سے وہ بھی کیتھی کے نیاز مندوں میں معلوم ہوتا تھا۔

رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد کیتھی نے مجھے بھی اس سے متعارف کرایا اور وہ ہم دونوں کو اپنے وسیع اور آراستہ دفتر میں لے گیا۔

خلوت میسر آتے ہی کیتھی براہ راست مطلب پر آ گئی۔ "مجھے راشد کے ساتھ فوری طور پر ایتھوپیا روانہ ہونا ہے!"

اس نے ابوحسان سے میرا تعارف راشد ہی کے نام سے کرایا تھا۔

"فوری طور پر؟" وہ سوچ میں پڑ گیا۔ "کاغذات کی تیاری میں تھوڑا سا وقت درکار ہوگا اور آج تو دفتری اوقات بھی ختم ہو چکے ہیں۔"

"میں کل تک انتظار نہیں کر سکتی۔ ہمارا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے!"

"مجھے اندازہ ہے!" اس گرانڈیل نے تفہیمی انداز میں اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "لیکن سرحدوں پر آج کل خاصی سختی ہے۔ فوجی افسر سرحدی علاقے کی کڑی نگرانی کرتے ہیں۔ ان کی موجودگی میں کون خطرہ مول لے گا؟"

"میں سرحد پار کر لوں گی! مسئلہ صرف راشد کا ہے!" کیتھی نے کہا۔

"پھر شاید کچھ ہو سکے!" اس کے لہجے میں امید کی لہر عود کر آئی۔ "ہم چند گھنٹے بعد روانہ ہوں گے، مجھے بھی ساتھ چلنا ہوگا!"

"مگر کس بندوبست کے تحت؟"

"تم براہ راست نکلو گی اور راشد میری کار کی ڈگی میں ہوگا!"

"اگر تلاشی لی گئی؟"

"قصالہ میں ابوحسان کی اتنی حیثیت ہے مادام!" وہ اپنے سر کو خم دے کر بولا۔ "وہ مجھ پر شبہ نہ کر سکیں گے!"

ابوحسان کی ہدایت پر ہوٹل کی ایک خادمہ مشروبات اور دیگر لوازمات سے بھری ہوئی ٹرالی لے آئی اور ابوحسان روانگی کی تیاری کے لیے چلا گیا۔

طویل بھاگ دوڑ کے بعد اسکاچ کا پہلا گھونٹ نہایت تسکین بخش ثابت ہوا اور ہم دونوں آہستہ آہستہ گلاس خالی کرنے لگے۔

"کیا یہ بھی تنظیم سے وابستہ ہے؟" میں نے سوال کیا۔

کیتھی نے اپنے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے سر کو نفی میں جنبش دی۔ "لیکن وقتاً فوقتاً میں اس سے کام لیتی رہتی ہوں!"

تقریباً ایک گھنٹے بعد ابوحسان واپس لوٹا تو بوتل نصف ہو چکی تھی اور میں ذہنی طور پر خود کو تر و تازہ محسوس کر رہا تھا۔

ابوحسان ان بے فکرے لوگوں میں سے تھا جو اپنی ذات کو کسی کا پابند کیے بغیر ساری عمر لاابالی انداز میں گزار دیتے ہیں اور شاید یہی وجہ تھی کہ اس کی رہائش ہوٹل ہی کے ایک حصے میں تھی۔ وہ انگریزی تراش کے سوٹ میں خاصا وجیہ نظر آ رہا تھا۔

"کیا ارادہ ہے؟" اس نے آتے ہی شگفتہ لہجے میں سوال کیا تھا۔

"روانگی!" کیتھی گلاس سے آخری گھونٹ لے کر اٹھ گئی۔

"میں نے اپنی کار گیراج میں پہنچا دی ہے تاکہ راشد کو ڈگی میں چھپنے میں آسانی ہو!" اس نے کہا۔

"یہ تماشا تو میں بھی دیکھوں گی!" کیتھی قہقہہ مار کر بولی۔

پھر ہم تینوں ہوٹل کے بیرونی ہال اور راہداری سے گزر کر عقبی

کمروں پر مشتمل اس حصے میں پہنچ گئے جہاں شاید ابوحسان رہتا تھا۔ اس کمان کے ایک دروازے سے نکلنے کے بعد ہم تنہا گیراج میں پہنچ گئے جہاں سفید رنگ کی شاندار بیوک کھڑی ہوئی تھی۔

بیوک دیکھ کر مجھے خاصی مسرت ہوئی کیونکہ اس کی کشادہ ڈگی میں سفر اتنا زیادہ تکلیف دہ ثابت نہ ہوتا!

"اسٹیریو کے اسپیکرز کی وجہ سے اس کی ڈگی خاصی ہوادار ہے!" ابوحسان نے کہا۔

مگر کیتھی کو میرا آرام زیادہ عزیز تھا۔ اس نے ڈگی کھلوانے کے بعد اس کی اچھی طرح صفائی کی اور ڈگی میں پڑے ہوئے رنگین پرچوں پر کشن بچھائے۔ سر رکھنے کے لیے وہ حسان کے بستر سے تکیہ بھی اٹھا لائی تھی۔ کیتھی کی فرمائش پر ابوحسان میرے لیے سگریٹ کے دو پیکٹ اور اسکاچ کی نصف بوتل میں بچا ہوا سوڈا ملا کر لے آیا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تم دونوں نے مستقل طور پر اسی ڈگی میں بسر کرنے کا ارادہ کر لیا ہو!" ابوحسان نے ان تیاریوں پر تبصرہ کیا۔

"ڈیڑھ دو گھنٹے سے پہلے گلو خلاصی ممکن نہ ہوگی!" کیتھی نے کہا۔

"تمہیں ڈگی میں ہر طرح کی آزادی ہوگی!" ابوحسان نے اپنے لیے سگار کا گوشہ توڑتے ہوئے کہا۔ "جلتی کار میں خطرہ ہوا تو میں کیسٹ پلیئر کی آواز اچانک تیز کر دوں گا اور کھڑکی کا ریل چڑھا دوں گا تاکہ تمہاری کوئی آہٹ کسی کو ڈگی کی طرف متوجہ کرنے کا سبب نہ بن سکے!"

"اب ایتھوپیا ہی میں ملاقات ہوگی!" میں مسکراتے ہوئے ڈگی میں گھس گیا۔

"اس طرف لیمپ بھی ہے!" ابوحسان نے ڈگی کے داہنے جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اگنیشن آن ہونے کے بعد تم اسے سوئچ سے بھی روشن کر سکو گے!"

میرے لیٹتے ہی ابوحسان نے ڈگی بند کر دی!

چند ثانیوں بعد انجن اسٹارٹ ہوا اور بیوک ہچکولے لیتی ہوئی باہر نکلتی چلی گئی!

میرے لیے پوری طرح ٹانگیں پھیلانا ممکن نہیں تھا لیکن وہ کسر قابل برداشت تھی۔ میں نے سکون سے سگریٹ سلگائی اور اسی وقت ابوحسان نے وعدے کے مطابق کیسٹ پلیئر آن کر دیا۔

موسیقی کے مدھم سروں اور بیوک کے لطیف ہچکولوں میں وہ سفر جاری رہا۔ ڈگی ہر طرف سے اتنی سیل تھی کہ باہر کی آوازیں مجھے بہت کم کم سنائی دے رہی تھیں!

تقریباً دس منٹ کی سست رفتاری کے بعد کار کی رفتار تیز ہو گئی۔ شاید ابوحسان کی بیوک آبادی سے باہر نکل چکی تھی!

ڈگی میں میرا سفر تقریباً سوا گھنٹے جاری رہا۔ اس دوران میں بیوک تھوڑے تھوڑے وقفے کے لیے دو جگہ رکی تھی۔ ان میں سے ایک سوڈان کی آخری سرحدی چوکی اور دوسری ایتھوپیا کی پہلی چوکی رہی ہوگی!

تیسری بار سوا گھنٹے بعد کار رکی تو اس کا انجن بند کر دیا گیا اور چند ثانیوں بعد ڈگی میں چابی گھومنے کی آواز کے ساتھ ہی ڈھکن کھل گیا۔

"جلدی باہر آؤ!" ابوحسان نے کہا اور میں اس کا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی ڈگی سے اچھل کر سڑک پر آ گیا اور ڈگی بند کر دی گئی!

"شاید ہم ایتھوپیا کی سرزمین پر ہیں؟"

"ہاں!" اس نے مختصر سا جواب دیا۔ اس کی نگاہیں پیچھے پھیلی ہوئی سڑک پر جمی ہوئی تھیں جو شام کے گہرے ہوتے ہوئے دھندلکے میں معدوم ہوتی جا رہی تھی!

"کیتھی پیچھے ہے تمہارے؟"

"ہاں... آں!" وہ نہ جانے کس خیال میں ڈوبا ہوا تھا!

تھوڑی دیر بعد کافی دور کسی کار کا ہیولا سا دکھائی دیا۔ جو تیزی سے واضح ہوتا جا رہا تھا اور پھر کیتھی کی کار بیوک کے پیچھے آ کر رکی!

"خدا کا شکر ہے کہ مجھے سرخروئی ہوئی!" ابوحسان نے کہا۔ "اب اجازت چاہتا ہوں!"

"تم کہاں جاؤ گے؟" کیتھی نے سوال کیا۔

"واپس!" وہ بولا۔

"واپس؟" کیتھی نے حیرت سے دہرایا۔ "وہ مشکوک ہو جائیں گے!"

"انہیں مطمئن کرنے کے لیے میں کوئی عذر تراش لوں گا!" وہ مسکرا کر بولا۔ "دراصل آج رات میں ایک بڑی ضیافت کا اہتمام ہے۔ میری فوری واپسی بہتر ہوگی، تم فکر نہ کرو، میری وجہ سے کوئی آنچ نہ آئے گی!"

اس کی مزید ضرورت بھی نہیں رہ گئی تھی لہٰذا اسے اجازت مل گئی اور وہ اسی مقام سے واپس قصالہ کی طرف روانہ ہو گیا!

"جب یہ کنوارا ہے تو ابوحسان کیسے کہلاتا ہے؟" کیتھی کی کار میں آگے روانہ ہوتے ہی میں نے پہلا سوال کر دیا۔

"مجھے بھی کبھی خیال نہیں آیا۔ اس کا اصل نام کچھ اور ہے لیکن ابوحسان کہلانے کا بھی کوئی نہ کوئی سبب ہوگا!" اس نے کہا۔

سرحد عبور کرنے کے بعد میرا خیال تھا کہ کیتھی کہیں شب گزاری کی سوچے گی۔ لیکن اس کا حوصلہ پہلے سے زیادہ تازہ تھا!

"ہم نے گھڑی دیکھ کر گیارہ گھنٹے کا فرق دور کیا ہے!" اس نے کہا۔ "شعبان کا ٹرک ہم سے صرف تیرہ گھنٹے پہلے قصالہ سے گزرا تھا اگر ہم راستے میں کہیں نہ رکے تو پھر جلد ہی اور شاید رات ہی میں ملاقات بھی ہو جائے گی!"

لہٰذا راستے میں صرف کھانے کے لیے تھوڑی دیر ایک قصبے میں رکنے کے بعد ہم دوبارہ آگے روانہ ہو گئے۔ کیتھی کا اندازہ تھا کہ رات

کے تو تجھ سے پہلے ہم اسمارہ پہنچ جاتے، جہاں سے شعبان کا سراغ حاصل کرنا زیادہ دشوار نہ ہوتا۔

رات کے اندھیرے میں سیاہ سڑک ہیڈ لیمپس کی روشنی میں کسی اژدہے کا سا سماں باندھ رہی تھی اور ہم دونوں اپنی سوچوں میں گم تھے!

کیمپی کی مختصر سی کار کا انجن خاصا جاندار تھا، جس نے اس طویل راستے پر ہمیں کہیں دغا نہ دی۔ اور رات کے ساڑھے آٹھ بجے ہماری کار اسمارہ میں داخل ہو چکی تھی!

میں اس مرحلے پر کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا، لیکن کیمپی نے پہلے چنگی ناکے پر اپنی کار روک دی!

وہاں کا عملہ ایک نوعمر لڑکا تھا۔ کیمپی کو اپنے کمرے میں موجود پا کر اس کے بشرے پر تازگی کی لہر دوڑ گئی!

"یہاں سے شعبان۔۔۔ کی گاڑی کب گزری ہے؟" کیمپی نے اس کے سلام کا جواب دے کر نہایت اعتماد سے سوال کیا۔

"مجھ سے پہلے کسی اور کی ہو گی۔" وہ میز پر کھلے ہوئے رجسٹر پر جھکتے ہوئے بولا۔ "میری ڈیوٹی سات بجے شام سے شروع ہوئی ہے!"

"دیکھو ۔۔۔ ذرا دیکھ کر بتاؤ!" کیمپی نے ایک نوٹ اس کے سامنے ڈال دیا۔

"اس کا ٹرک پانچ بجے گزرا ہے!" اس نے نوٹ اپنی جیب میں اڑستے ہوئے جواب دیا۔ "اس میں باجرے اور مکئی کی بوریاں لدی ہوئی تھیں!"

ہم نے مزید ساڑھے تین گھنٹے بچا لیے تھے، جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ شعبان کا ٹرک یا تو سست رفتار سے چل رہا تھا یا وہ نہایت بے فکری سے آرام کرتے ہوئے سفر طے کرنے کا عادی تھا!

اسمارہ قدیم اور جدید طرز کے مکانات پر مشتمل ایک خاصا بڑا شہر تھا جو کیمپی کے لیے بھی اجنبی ہی تھا!

وہ کافی دیر تک اپنی کار شہر کی سڑکوں پر محض اس امید پر دوڑاتی رہی کہ شاید کسی گودام پر شعبان کا ٹرک نظر آ جائے جسے وہ دور سے پہچان سکتی تھی، لیکن اس کوشش میں بری طرح ناکامی ہوئی!

بالآخر ہمیں ایک ہوٹل کا رخ کرنا پڑا۔ وہاں چائے وغیرہ کا آرڈر دے کر کیمپی پبلک بوتھ کی طرف چلی گئی!

وہ فون کر کے واپس آئی تو اس کے بشرے سے اطمینان جھلک رہا تھا!

"شکر ہے کہ وہ مل گیا!" اس نے بیٹھتے ہی ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"کون؟" میں نے رازدارانہ لہجے میں سوال کیا۔

"پی۔ ایف۔ او کا مقامی ہرکارہ!" اس نے جواب دیا۔ "ہمیں یہاں کچھ وقت گزارنا ہوگا، وہ یہیں ہم سے رابطہ قائم کرے گا!"

وقت کی رفتار سست پڑ گئی اور میں ۔۔۔ اپنے وجود میں بے چینی کی ایک تیز لہر ابھرتی محسوس کرنے لگا۔

سیتا کی موت کی مہم بتدریج سنسنی خیز ہوتی جا رہی تھی۔ خرطوم سے پہاڑ جیسے ٹرک کا تعاقب کرتے ہم اسمارہ آ پہنچے تھے، مگر وہاں ٹرک یک بیک اس طرح غائب ہو گیا تھا جیسے صحرا میں کوئی کشتی ڈوب گئی! ہر لمحہ جو ہم ہوٹل کی اس میز پر گزار رہے تھے، ہمیں سیتا سے دور کرتا جا رہا تھا، اور اگر ایک بار اس کے سفر کا آغاز ہو جاتا تو جنوبی افریقہ کی سرزمین پر اترنے سے پہلے اس کی بازیابی ممکن نہیں تھی!

رات بیتنے لگی، مگر جب وقت زیادہ ہونے لگا تو مجبوراً ہمیں دوبارہ چائے منگوانی پڑ گئی، لیکن اس بار چائے ختم ہونے سے پہلے ہی ایک دبلا سا شخص ہوٹل میں داخل ہوا، اس کے لیے کیمپی کی بے چین نگاہوں میں شناسائی جھلک رہی تھی!

اس نے شاید پہلے ہی کیمپی کو دیکھ لیا تھا، کیونکہ وہ بے تکلفی سے ہماری میز کے گرد پڑی ہوئی خالی کرسی پر آ بیٹھا۔ اس کا رنگ بھی بہت سرمئی اور بڑی عمر کا تھا، جو ان حالات میں نہایت مناسب تھا۔

"بندوبست ہو گیا ہے، تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا!" بیٹھنے کے بعد اس نے پرسکون لیکن سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"کہاں؟" کیمپی چائے ختم کرنے سے پہلے سب کچھ جان لینے کے لیے بے چین تھی! "کیا اس ٹرک کا پتہ نہیں چلا؟"

"نہیں!" اس نے دھیمے سے کہا۔ "یوں ہم ساری رات مارے مارے پھرتے رہیں گے، اور ٹرک کا سراغ نہیں ملے گا۔ میں نے ایک ہیلی کاپٹر کا بندوبست کر لیا ہے!"

ان لوگوں کے وسائل پر میں دل ہی دل میں عش عش کر اٹھا۔ اس نے اتنے سرسری انداز میں ہیلی کاپٹر کے حصول کی اطلاع دی تھی جیسے جنرل اسٹور سے سگریٹ خریدنے کے بارے میں بتا رہا ہو۔

"سرکاری ہے؟" کیمپی نے سوال کیا۔

"کوسٹل گارڈز میں میرا ایک دوست ہے، آج رات ہیلی کاپٹر پر اسی کی ڈیوٹی ہے!" اس نے بتایا۔

"مگر اس کے ساتھ عملے کا ایک آدھ فرد بھی ضرور ہوگا!" کیمپی نے کہا۔

"ہم پرواز نہیں کریں گے!" اس نے بتایا اور پھر تینوں ہی خاموش ہو گئے!

بل کی ادائیگی کرنے کے بعد ہم تینوں باہر آئے تو سرخ شخص اپنی جگہ کھڑا سوچ رہا تھا! کیمپی کی کار میں سوار ہونے کے بعد نو وارد نے اپنی جیب سے ایک ٹرانسمیٹر نکال کر ہم دونوں کے سامنے رکھ دیا۔

"وہ اس وقت شہر پر ہی پرواز کر رہا ہوگا!" اس نے کہنا شروع کیا۔ "یہاں شک کرنے والے ہر ٹرک اور لاری کی چھت پر بہت بڑے رجسٹریشن نمبر اور کمپنی کا نام لکھنا لازمی ہے تاکہ کسی ناگہانی ہونے کی صورت میں فضا سے شناخت میں آسانی ہو۔ کسی بھی ٹرک کی چھت پر شعبان ٹرانسپورٹر کا نام دیکھتے ہی وہ اپنے اڈے پر لوٹ جائے گا اور وائرلیس عملے کے ایک ہیلی ٹرانسمیٹر پر اس کے بارے میں مجھے اطلاع دے گا جو میں تم تک پہنچا سکوں گا!"

"اس کے پاس یہ ٹرانسمیٹر کیوں ہے؟" کیمپی کا لہجہ سخت اور تحکم آمیز تھا!

"وہ ۔۔۔ وہ میرا مخبر دوست ہے!" وہ ہڑبڑا کر بولا۔ اس کی نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں، جن میں ناپسندیدگی واضح تھی!

"اسے مت گھورو!" باہر سے آنے والی روشنیوں کے انعکاس میں کیمپی نے بھی اس کے تاثرات دیکھ لیے۔ "یہ بھی ہم میں سے ہے!"

"میں معافی چاہتا ہوں مادام!" وہ معذرت آمیز لہجے میں بولا۔ "میں نے باہر کا آدمی سمجھ رہا تھا، وہ جو باز دراصل ہمارے شمالی یونٹ کا سربراہ ہے!"

"مجھے اتنا ہی احمق سمجھتے ہو کہ ایک اجنبی کے سامنے تم سے نازک معاملات پر بات کرتی!" کیمپی اسے آسانی سے معاف کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔

"غلطی ہو گئی مادام!" اس کا لہجہ خفت آمیز تھا۔ "میں نے اپنی دانست میں احتیاط کرنی چاہی تھی، آئندہ محتاط رہوں گا!"

"اور دوسری بات!" کیمپی کا لہجہ بدستور سخت ہی رہا۔ "میری شناخت دیکھے بغیر تم نے مجھ پر اعتماد کیسے کر لیا؟"

اس بار وہ واقعی بوکھلا گیا۔ "مجھے معاف کر دیں، آپ کی صورت دیکھ کر میں سارے ضابطے بھلا بیٹھا، یہ واقعی سنگین غلطی تھی!"

"لیکن تمہاری مستعدی قابل داد ہے!" کیمپی کا لہجہ نرم پڑ گیا اور اس نے اپنے پرس میں سے شناختی کارڈ نکال کر اس کے سامنے کر دیا!

پھر کیمپی نے کار اس کے بتائے ہوئے راستے پر ڈال دی!

وہ شاید اسمارہ کا کوئی وسیع و عریض پارک تھا جہاں درختوں کے سائے میں ایک نہایت مختصر روشنی پر نو وارد نے کار رکوا دی!

کار رکتے ہی کیمپی نے طاقتور ہیلی ٹرانسمیٹر کا بٹن آن کر دیا اور اس کے ڈائل پر ایک ننھا سا سرخ نقطہ روشن ہو گیا!

"اسمارہ میں کوسٹل گارڈز کیا کرتے ہیں؟" کیمپی نے کھڑکی کا



شیشہ اتار کر سگریٹ سلگاتے ہوئے نووارد سے سوال کیا۔

"اسمارہ کے شمال مشرق تک پھیلے ہوئے ساحل کی نگرانی دیکھ بھال کرنے والوں کا مرکز اسمارہ میں ہی ہے۔" نووارد نے کہا۔ "بحیرۂ احمر سے ملنے والی یہ ساحلی پٹی تقریباً کا چور دروازہ سمجھی جاتی ہے!"

"ہو سکتا ہے کہ وہ ٹرالر اسمارہ میں رکنے کے بجائے اسی پٹی پر واقع کسی گھاٹ کی طرف گیا ہو؟" کیپٹی نے اندیشہ ظاہر کیا۔

"تم سے ملنے والی اطلاعات کی روشنی میں سارا بندوبست کیا گیا ہے۔ اگر ٹرالر اسمارہ میں نہ دکھائی دیا تو وہ سارے نواحی گھاٹ بھی دیکھے گا!"

میں ابو حسان کی دی ہوئی بوتل لے کر کار سے اتر گیا۔ اور اندھیرے میں چند قدم دور جا کر چند تلخ گھونٹ معدے میں اتار لیے۔

میں واپس لوٹ رہا تھا تو فضا میں ہیلی کاپٹر کے پنکھوں کا تیز شور سنائی دیا اور پھر وہ آہنی پرندہ تیزی سے آگے نکل گیا۔ میری نگاہیں دور تک اس کا تعاقب کرتی رہیں۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد چند ثانیوں کے لیے اس کے نیچے لگی ہوئی طاقتور سرچ لائٹ روشن ہوئی جو فوراً ہی معدوم ہو گئی۔

اس کا ہوا باز شاید مشکوک مقامات پر روشنی پھینک کر اپنے شبہات دور کرتا جا رہا تھا۔

اس ویران پارک میں انتظار کے لمحات اعصاب شکن ہونے لگے تھے۔ ہر ایک پر اضطرابی کیفیت طاری تھی اور میں رہ رہ کر یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ ٹرالر کھلی فضا کے بجائے اسمارہ کے کسی گودام میں نہ جا گھسا ہو جہاں تک رسائی آسان نہ تھی!

ٹھیک پونے گیارہ بجے اچانک ٹرانسمیٹر پہ اشارہ موصول ہوا۔

"الی تھری کالنگ ..... ہیلو الی تھری کالنگ فار ایکس ٹی اوور!" وہ مدھم سی مردانہ آواز جیسے ہی معدوم ہوئی کیپٹی نے ٹرانسمیٹر نووارد کو تھما دیا۔

"ایکس ٹی رسیونگ ...... رپورٹ اوور!" نووارد نے بٹن دبا کر پیغام کا جواب دیا اور فقرہ مکمل کر کے بٹن چھوڑ دیا۔

"ٹرالر مقصاوا کے شمال میں الجزیرہ نامی گھاٹ پر مال اتار رہا ہے اور وہاں کافی نفری کام کر رہی ہے اوور!"

میں نے اندھیرے میں کیپٹی کی چمکتی ہوئی آنکھوں کی طرف دیکھا۔ اور میرے بدن میں برقی لہر سی سرایت کر گئی!

"تمہارا کام پورا ہو گیا، آرام کرو، اوور اینڈ آل!" نووارد نے یہ کہہ کر ٹرانسمیٹر کا سلسلہ منقطع کر دیا!

"بہت اچھا ہوا کہ تم نے ہیلی کاپٹر کا بندوبست کر لیا ورنہ ہم ساری رات اسمارہ ہی میں سر کھپاتے رہ جاتے اور ٹرالر کا سراغ نہ ملتا!" کیپٹی نے کہا۔

"مقصاوا یہاں سے پچیس تیس میل دور ہے!" قدرے توقف کے بعد نووارد نے آہستہ سے کہا۔

"ہمیں ابھی چلنا ہو گا!" کیپٹی بول اٹھی۔ "جو اطلاع ملی ہے اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ مال اتارتے ہی ان کی بوٹ چل پڑے گی!"

"مگر اطلاع میں بوٹ کا ذکر نہیں تھا!" میں نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ الی تھری بتانا بھول گیا ہو!" نووارد نے کہا۔

"اس سے دوبارہ رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے؟" کیپٹی نے پوچھا۔

"وہ ڈیوٹی پر ہے ایسا نہ ہو کہ کسی مشکل میں پڑ جائے۔ اس نے خود بھی موقع نکال کر خبر دی ہو گی!"

"بوٹ کا ہونا نہ ہونا غیر اہم ہے!" کیپٹی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "ٹرالر کا سراغ مل گیا ہے اور ہمیں فوراً ان سے ٹکرا جانا چاہیے!"

"ان کی نفری!" میں نے اسے یاد دلایا۔

"وہ سب مزدور ہوں گے۔ ان میں دو چار مسلح ہوں گے تو ان کی بے خبری ہمارے لیے سود مند ثابت ہو گی!" کیپٹی نے لاپروائی سے کہا اور کار کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔

"واپس گھما لیں!" کار کے حرکت میں آتے ہی نووارد نے کہا۔

"کدھر لے جاؤ گے؟"

"اسمارہ!" اس نے کہا۔ "کچھ اسلحہ ساتھ لے لیں!"

"فکر نہ کرو۔ اس کار میں اسلحہ کا خاصا ذخیرہ موجود ہے!" وہ مسکرا کر بولی۔ "دو اسٹین گنیں، ایک پستول اور ایک رائفل کے علاوہ کچھ دستی بم بھی موجود ہیں!"

"پھر مقصاوا ہی چلنا چاہیے!" وہ پر اعتماد لہجے میں بولا۔ "میں بھی ساتھ ہی رہوں گا!"

چند منٹ بعد ہی کار ہموار سڑکوں کو پیچھے چھوڑ کر ریتیلے اور پتھریلے راستے پر آ گئی جہاں ہر طرف بکھرے ہوئے ٹیلوں کے درمیان سے تیز رفتاری سے گزرنا ناممکن تھا!

"کیا براہ راست وہاں دھاوا بولنا ہے؟" تھوڑی دیر کے سکوت کے بعد نووارد نے دبے لہجے میں سوال کیا۔

"خود کشی کرنی ہو تو ضرور دھاوا بول دینا!" میں نے پہلی بار اسے براہ راست مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ورنہ کوئی حکمت عملی سوچنی ہو گی!"

"اس معاملے میں تمہارا ہی دماغ چلتا ہے!" کیپٹی نے کہا۔

"میرے ذہن پر تو بس ایک ہی دھن سوار ہے کہ انہیں گھیر لیا جائے!"

اور کچھ دیر کے غور و خوض کے بعد میرے ذہن میں ایک ترکیب آ ہی گئی جسے بتایا تو ان دونوں نے کئی اعتراضات کیے مگر بعد میں دونوں مجھ سے متفق ہو گئے!

تیسرے شخص کا نام احمد تھا اور وہ ان علاقوں سے بخوبی واقف تھا۔

جب اس نے ہمیں رکنے کے لیے کہا تو کیپٹی نے فوراً ہی انجن بند کر دیا! احمد ایک اسٹین گن اور خاصے دستی بم لے کر اترتے ہوئے بولا۔ "میں دستہ الجزیرہ تک سے جائے گا تم آہستہ آہستہ آگے بڑھو، میں پیچھے جا کر کوئی مورچہ سنبھالتا ہوں!" یہ کہہ کر وہ تاریک ٹیلوں میں غائب ہو گیا۔

کیپٹی نے انجن اسٹارٹ کرنے سے پہلے سگریٹ سلگا کر اس کے دو تین گہرے کش لیے پھر کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی!

"کچھ فکر مند نظر آ رہی ہو؟" میں نے اسے چھیڑا۔

"ہم بہت بڑا خطرہ مول لینے جا رہے ہیں!" اس نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔ "اگر انہیں شبہ بھی ہو گیا تو ہم دونوں ہی جیتے جی عزرائیل تک پہنچا دیے جائیں گے!"

"ہماری پشت پر احمد موجود رہے گا!" میں نے کہا۔ "حالات خراب ہوئے تو وہ پھر پورے انداز میں دخل اندازی کرنے میں کامیاب ہو گیا تو ہمارے لیے زیادہ مشکلات پیدا نہیں ہو سکیں گی۔ اس پھر ہمیں ... آزاد ہو جاری ہوں گے!"

چند منٹ بعد ہیڈ لیمپس کی ابھرتی ڈوبتی روشنیاں ہولے ہولے ان عمارتوں کے رخ پر پڑیں تو میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ ان گودام کی سفید باڑھ والا ایک لمبا سا ٹرالر کچھ فاصلے پر نظر آیا جہاں سے فضا اور سمندری لہروں کا مدھم شور سنائی دے رہا تھا! اس سے زیادہ اہم مزید ٹرکوں کا وہ ملا جلا شور تھا جو سامان لادنے والوں کی موجودگی کا پتہ دے رہا تھا!

"یہاں تو لانچ بھی موجود ہے!" کیپٹی بڑبڑائی!

"اچھا ہے!" میں نے اپنے وجود کی گہرائیوں میں مسرت کی ابھرتی لہر کو محسوس کیا۔ "میرا خیال ہے کہ ہم بروقت یہاں پہنچ گئے ہیں!"

"شاید احمد بھی اپنی جگہ لے چکا ہوگا!" اس نے قیاس آرائی کی۔

"اب آگے بڑھتی رہو!" میں نے کار کی رفتار سست ہوتے محسوس کر کے کہا۔ "ان لوگوں نے ہماری کار دیکھ لی ہے۔ انہیں مشکوک ہونے کا موقع نہ دو!"

کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں ٹرالر کے قریب ایک تنومند شخص نظر آ رہا تھا جو اپنی آنکھوں کو تیز روشنی سے بچاتے ہوئے ہماری کار کو پہچاننے کی کوشش میں مصروف تھا۔

"کون ہے؟" کار آگے بڑھنے کے بعد میرے کانوں میں اس کی چنگھاڑتی ہوئی درشت آواز آئی جس کے ساتھ ہی مزید کئی افراد ادھر آ نکلے۔

ان میں سے بیشتر اپنی خستہ حالی کے باعث مزدور نظر آ رہے تھے مگر ایک جیکٹ اور پتلون میں ملبوس تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ جیکٹ کی جیبوں میں تھے جن میں یقینی طور پر کوئی آتشیں اسلحہ موجود تھا!

میرے اشارے پر کیپٹی نے اپنی کار ان سے دور ہی روک دی اور اسی وقت ٹرالر کو کھینچنے والے ٹریکٹر کی کیبن پر لگی ہوئی طاقتور سرچ لائٹ روشن ہو گئی۔

ٹریکٹر کو گھما کر اس طرح کھڑا کیا گیا تھا کہ اس کا عقبی حصہ سمندر کی طرف تھا، لہٰذا ہم دونوں کار سے اترتے ہی روشنی میں نہا گئے!

"جاؤ، تم لوگ اپنا کام کرو!" ہم دونوں کو بغور دیکھ کر ان میں کسی نے کہا اور بھنبھناہٹ کی آوازوں کے ساتھ ہی متعدد قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی!

ٹرک نما ٹرالر سے پڑنے والی تیز روشنی کی زد سے نکلنے پر ہمیں وہ دونوں نظر آئے جو نیم تاریکی میں کھڑے ہمیں گھور رہے تھے!

"کون ہو تم؟" جیکٹ والے نے دور ہی سے درشت لہجے میں سوال کیا۔

"ہم خرطوم سے آئے ہیں!" میں نے دانستہ ادھورا جواب دیا تاکہ بے خبری میں ان سے قریب تر پہنچنے کا موقع مل سکے!

"مگر کیوں؟ یہاں کیا کام ہے؟"

"ہم شعبان کے لیے ایک بڑی خبر لائے ہیں!" ذرا سے توقف سے میں نے گمبھیر لہجے میں انکشاف کیا۔

وہ دونوں دبی آواز میں آپس میں بات کرنے لگے!

اس دوران میں مجھے اس گھاٹ کا جائزہ لینے کا موقع مل گیا! شعبان کا ٹرالر پتھروں اور ریت سے بنے ہوئے ایک بوسیدہ پلیٹ فارم سے ملا ہوا کھڑا تھا اور اس سے کم از کم پچاس فٹ دور سمندر کی لہروں میں ایک بڑی لانچ لنگر انداز تھی۔ جسے تختوں کے پل کے ذریعے ٹرالر کے پلیٹ فارم سے ملا دیا گیا تھا!

ایک سرچ لائٹ ٹرالر کے عقب میں روشن تھی اور دوسری لانچ پر جل رہی تھی۔ اس روشنی میں دس بارہ مزدور مشینی انداز میں ٹرالر سے بوریاں لانچ پر منتقل کر رہے تھے!

ہم ان دونوں کے قریب جا کر ٹھہر گئے!

"تم دونوں کون ہو؟" جیکٹ والے نے ایک مرتبہ پھر ہم دونوں کو مشتبہ آمیز نظروں سے گھورتے ہوئے اپنا سوال دہرایا۔

"تمہارے لیے اجنبی ہیں، شاید شعبان پہچان سکے!" اس بار کیپٹی نے تیکھے لہجے میں جواب دیا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

ساری منصوبہ بندی کرتے ہوئے ایک اہم پہلو مجھ سے نظر انداز ہو گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ شعبان سے ہماری ملاقات اجنبیوں کی طرح ہو گی، لیکن وقتی ابال ہو گئے ہیے یہ کام کرتا رہا تھا۔ کیپٹی اس سے بخوبی واقف تھی جبکہ لازمی مقصد یہ تھا کہ شعبان بھی کیپٹی سے واقف تھا۔ اگر وہ آتے ہی کیپٹی کو پہچان لیتا تو سارا معاملہ خراب ہو سکتا تھا!

"تمہیں یہاں کا پتہ کیسے معلوم ہوا؟" جیکٹ والا اسی وقت

تک مطمئن نہیں ہوا تھا۔

"بھوت ڈھونڈتے ہوئے پہنچے ہیں!" میں نے اس بار اپنی صداقت کا اظہار کرنے کے لیے قدرے ترشی سے جواب دیا۔ "وہ باجرہ اور مکئی لے کر اسمارہ آیا تھا۔ عجیب شہر ہے، ٹریلر نہیں ملا تو ہم ادھر نکل آئے اسے ملانے۔ ہم اس کے بہی خواہوں میں سے ہیں!"

"کیا خبر لائے ہو؟" اس کے لہجے میں شبہ کے بجائے تجسس عود کر آیا۔

"کچھ لوگوں نے اس کے مکان کو آگ لگا کر اس کی داشتہ کو اغوا کر لیا ہے!" میں نے بے زاری کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ!" اس کے ہونٹ سیٹی بجانے والے انداز میں سکڑ گئے "واقعی بہت بری خبر ہے۔ ٹھہرو، میں اسے بلاتا ہوں، کیبن میں پڑا سو رہا ہوگا۔"

وہ چلا گیا اور اس کا تنومند ساتھی ہمارے ساتھ کھڑا رہ گیا۔

میں نے سگریٹ کے پیکٹ کے ساتھ ہی زہریلے تیروں والی شیشی بھی نکال لی۔ اس وقت میرے لیے خود پر قابو پانا بہت دشوار ہو رہا تھا۔ ستیا مجھ سے تھوڑی ہی دور ٹریلر یا لانچ میں ایک بے بس قیدی کی صورت میں موجود تھی اور میں اس کی رہائی کے لیے کوئی فوری اور بھرپور قدم اٹھانے سے معذور تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد جیکٹ والا چھریرے بدن والے ایک موٹے سوڈانی کے ساتھ آتا نظر آیا۔ سوڈانی کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ جیکٹ والے نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا!

"اب بتاؤ کہ تم کیا کہہ رہے تھے!" قریب آ کر جیکٹ والے نے کہا۔

"میں تو ان دونوں سے ناواقف ہوں!" میرے یا کیتھی کے بولنے سے قبل چھریرے بدن والے نے حیرانی بھری آواز میں کہا۔

"مگر ہم تمہارے پاس آئے ہیں شعبان!" کیتھی نے کہا۔ "کل رات کسی نے تمہارے گھر کو آگ لگا کر ساتھ کو اغوا کر لیا ہے!"

"نہیں!" وہ اضطراری طور پر متحیر آواز میں چیخ پڑا۔ "آخر شہر میں میرا کون سا دشمن پیدا ہو گیا؟" اس کے لہجے سے بے اعتباری مترشح تھی!

"ہمارے لیے تم پہلے بھی کام کر چکے ہو!" کیتھی نے کہا۔ "آگے بھی ہمیں تمہاری ضرورت ہے۔ اسی لیے یہاں دوڑے چلے آئے!"

میرے لیے یہ بات تسلی بخش تھی کہ شعبان کیتھی کو نہیں پہچانتا تھا۔ شاید کیتھی سامنے آئے بغیر اس سے کام لیتی رہی تھی۔

"میں جا رہا ہوں!" شعبان فکر مند لہجے میں جیکٹ والے سے بولا۔ "اگر ساتھ کو کچھ ہو گیا تو میں زندہ درگور ہو جاؤں گا۔"

"مگر ٹریلر ابھی خالی نہیں ہوا!" تنومند شخص نے کہا۔

"تم اسے خالی کرا لو! اطمینان سے خالی کرا لو!" شعبان کے لہجے پر بوکھلاہٹ طاری تھی۔ "میرا بیٹا اسے واپس اسمارہ لے جائے گا!"

"دو ڈرائیوروں کے بغیر ٹریلر کو سفر کی اجازت نہ مل سکے گی!" جیکٹ والے نے تیز لہجے میں اسے یاد دلایا۔

"واپسی میں سامان بھی لادنا ہے!" شعبان نے کہا۔ "وہ اسمارہ میں رک کر میری واپسی کا انتظار کرے گا!"

"اور جاؤ گے کیسے؟"

"ہم واپس خرطوم جا رہے ہیں!" کیتھی جلدی سے بول پڑی۔ "شعبان چاہے تو ہمارے ساتھ چل سکتا ہے!"

"میں تمہارا احسان کبھی نہ بھولوں گا!" شعبان ممنونیت بھرے لہجے میں بولا۔

"تو پھر چلو!" میں نے کہا۔

"ڈرائیور کو ہدایات دے آؤں!" یہ کہہ کر وہ واپسی کے لیے مڑ گیا۔

"یہیں انتظار کرو، وہ لوٹ آئے گا!" جیکٹ والے نے کہا اور اپنے ساتھی کے ہمراہ واپس اس طرف چل دیا جہاں کام ہو رہا تھا۔

شعبان ان سے کافی آگے نکل چکا تھا۔ وہ دونوں ہم سے مطمئن ہو چکے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہاں ان کے زیادہ ساتھی نہیں تھے۔ لہٰذا میں نے پلک جھپکتے میں ایک فیصلہ کیا اور ریت پر چند قدم دوڑ کر یکے بعد دیگرے ان دونوں پر دو زہریلے تیر چلا دیے! چلتے چلتے وہ منہ کے بل زمین پر گرے اور ٹھنڈے ہو گئے!

"یہ کیا کیا تم نے؟" کیتھی قریب آ کر میرا شانہ جھنجوڑتے ہوئے نیم ہذیانی انداز میں بولی۔

"بس اب تم تماشا دیکھتی جاؤ!"

"اور اگر ادھر سے کسی نے انہیں گرتے دیکھ لیا ہوگا؟"

"گاڑی آگے لے آؤ اور اسلحہ سنبھال لو!" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

اسی لمحے کہیں سے رائفل چلی اور بھیانک گونج کے ساتھ گولی میرے سر سے چند انچ اوپر سے گزر گئی! میں بے اختیار سینے کے بل ریت پر گر گیا!

پھر لانچ پر سرچ لائٹ جلا دی گئی! رائفل کا دوسرا فائر ہوا اور اس بار شیشہ ٹوٹنے کے چھناکے کے ساتھ ٹریلر کے عقب میں روشن دوسری سرچ لائٹ تاریک ہو گئی!

ہر سو گھور اندھیرا پھیل گیا اور اس اندھیرے میں خوف زدہ نہتے مزدوروں کی چیخ و پکار اور بھاگ دوڑ نے قیامت کا سا سماں پیدا کر دیا۔

اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر میں پلٹا اور تیزی سے کیتھی کے پیچھے ہو لیا۔

دوسری اسٹین گن کیتھی نے سنبھال لی اور میں نے رائفل کے ساتھ ہی پستول اٹھا لیا۔ پہلے اس کام سے فارغ ہوتے ہی اپنے حلق سے زوردار آوازیں نکالیں جس کے جواب میں مخالف سمت سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی اور احمد بھی منصوبے کے مطابق ہم سے آ ملا۔ شاید وہ شروع ہی سے ساری کارروائی دیکھ رہا تھا!

"ٹریلر پر!" میں نے پرجوش سرگوشیانہ آواز میں کہا اور کیبن کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ دونوں میرے ساتھ ہو لیے!

رات کے گھور اندھیرے میں وہ ماحول بہت ہی لرزہ خیز تھا۔ خوف زدہ مزدوروں کی بھاگ دوڑ ختم ہو چکی تھی، شاید انہوں نے کوئی پناہ گاہ تلاش کر لی تھی!

اچانک اندھیرے میں دو رائفلیں چلیں۔ لانچ کے عرشے پر دو شعلے چمکتے نظر آئے اور گولیاں نامعلوم سمت میں فضا میں تیرتی چلی گئیں! اس وقت تک ہماری طرف سے کوئی گولی نہیں چلائی گئی تھی لیکن مخالفین بے دریغ اندھا دھند فائر کر رہے تھے جس سے ان کی بوکھلاہٹ کا اظہار ہو رہا تھا۔

ٹریلر کو کھینچنے والے اونچے ٹرک کے قریب پہنچ کر میں پائیدان پر چڑھ گیا۔ ابھی میں ہینڈل پر ہاتھ رکھ ہی رہا تھا کہ بند دروازے کے پیچھے سے دو لرزتی آوازیں واضح طور پر سنائی دیں!

میں ایک ہی جھٹکے سے دروازہ کھول کر اندر گھس گیا!

ڈیش بورڈ کی ہلکی روشنی میں دو انسانی ہیولے ایک دوسرے سے لپٹے پائیدان میں چھپے ہوئے تھے اور خوف سے کانپ رہے تھے!

اندھیرے کو تو ہو گی گھورتے ہوئے میری اضطراری طور پر ان میں سے ایک کے حلق سے چیخ آزاد ہو گئی!

"چابی!" میں نے ڈرائیونگ سیٹ پر سوار ہو کر سفاکانہ لہجے میں مطالبہ کیا۔

"تت.... تم کون لوگ ہو؟" وہ رو دینے والی خوف زدہ آواز شعبان کی تھی!

اس وقت مجھ پر درندگی سوار تھی لہٰذا اس کا سوال مجھ سے برداشت نہ ہو سکا اور میں نے غیر ارادی طور پر رائفل کا کندہ ان کی طرف دھکیل دیا!

وہ دونوں ہی چیخے، دوسرے کو شدید ضرب آئی تھی کیونکہ اس بار آواز شعبان کی چیخ پر حاوی تھی!

میں نے رائفل واپس کھینچنی چاہی لیکن کندہ مضبوطی سے پکڑ لیا گیا تھا!

"چھوڑ دو!" میں نے غرا کر رائفل کی نال پر وحشیانہ انداز میں زور لگایا اور کندہ چھوڑ دیا گیا!

"چابی! ورنہ گولی مار دوں گا تم دونوں کو!" میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا اور شعبان نے فوراً ہی چابی میری طرف بڑھا دی۔

وہ دونوں اس ناگہانی افتاد سے اس قدر خوف زدہ تھے کہ سہمے ہوئے چوہوں کی طرح اسی پائیدان میں دبکے رہے اور میں نے چابی داخل کر کے ان کی طرف کا دروازہ کھول دیا۔

ان پر میرا مقصد دیر سے ظاہر ہوا۔ پہلی ٹھوکر کھاتے ہی وہ رحم کے لیے بلبلانے لگے لیکن میرے سر پر خون سوار ہو چکا تھا۔ میں نے ٹھوکریں مار مار کر ان دونوں کو سات فٹ اونچے کیبن سے نیچے ساحلی زمین پر پھینک دیا اور ان کی بلبلاتی ہوئی چیخیں دور تک گونجتی چلی گئیں۔ شاید انہیں گرنے سے زیادہ ٹھوکروں سے چوٹیں آئی تھیں۔

اگنیشن میں چابی گھما کر میں نے پھرتی سے انجن اسٹارٹ کیا اور پلیٹ فارم سے ہٹانے کے لیے فوراً ہی ٹرک کو آگے لیتا چلا گیا۔

اس دیو ہیکل ٹریلر کے ساتھ میرا یہ اضطراری سلوک ناروا تھا لہٰذا آگے بڑھتے ہوئے اسے کئی شدید جھٹکے لگے اور اسی کے ساتھ ٹریلر میں سے چیخوں اور دھما چوکڑی کی آوازیں بھی آئیں۔

ان آوازوں سے متوجہ ہو کر اندھا دھند گولیوں سے بچنے کے لیے خوف زدہ مزدوروں کو کھلے آسمان کے نیچے بند ٹریلر ہی سب سے محفوظ نظر آیا تھا۔

کچھ آگے بڑھنے کے بعد میں نے اچانک بریک لگائے۔ شدید جھٹکے کے ساتھ ٹریلر رک گیا اور میں اسٹیئرنگ کو پوری طرح الٹے ہاتھ گھما کر ریورس گیئر لگانے کی ہی کوشش میں تھا کہ انجن گھرگھری ہچکی لے کر بند ہو گیا۔

"ایک راؤنڈ فائر کرو!" میں نے کھڑکی میں سے سر نکال کر کہا۔ احمد جو پائیدان پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ فوراً رک گیا اور فضا اسٹین گن کے ہولناک شور سے لرز اٹھی۔

اسٹین گن کا شور معدوم ہونے سے قبل میں نے دوبارہ انجن اسٹارٹ کر لیا اور اس بار ریورس گیئر میں لے جانے میں کامیابی ہوئی۔

ٹریلر کا انجن کسی زخمی درندے کی طرح غرا رہا تھا۔ میرے لیے اندھیرے میں پیچھے کا خیال رکھنا ناممکن تھا۔ میں بس یادداشت کے سہارے ٹریلر کو ٹیلوں سے بچاتا ہوا تیزی سے لانچ کی طرف لے جا رہا تھا۔

"لانچ کا انجن اسٹارٹ ہے!" پائیدان سے جھولتی ہوئی کیتھی کی اعصاب زدہ آواز ابھری۔ "تم کیا کر رہے ہو؟"

میں نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ ایکسلریٹر پوری قوت سے دبا دیا۔ اچھلتے ہوئے ٹریلر کا عقبی حصہ ایک ہولناک دھماکے کے ساتھ لانچ سے جا ٹکرایا۔ وہ جھٹکا اتنا شدید تھا کہ میرے ہاتھوں سے اسٹیئرنگ وہیل نکل گیا اور سر ونڈ شیلڈ سے جا ٹکرایا۔

جھٹکے سے ٹرک کا انجن بھی بند ہو گیا۔ میں نے کلچ دبا کر انجن

اسٹارٹ کیا اور ٹریلر کو آگے لے جانا چاہا، اس بار انجن بھرّا سا اٹھ پڑا۔ غالباً عقبی حصے کی ٹوٹ پھوٹ سے ٹریلر کے پہیے قدرے جام ہو گئے تھے۔

تقریباً سو گز آگے بڑھنے کے بعد میں دوسرا تصادم کرنے کے لیے واپس پلٹا اور اسی وقت فضا میں بارود کی بو پھیلنے لگی۔

ایک طرف فائر مار رائفلیں تھیں اور دوسری طرف اسٹین گنیں۔ فائرنگ میں ایک کربناک انسانی چیخ بھی ابھری۔ جس میں موت کی دیوانی رچی ہوئی تھی مگر میں نے باہر کی وہ تمام کارروائیاں پیچھے چھوڑ دی تھیں۔ میری پوری کوشش یہ تھی کہ لانچ کا حلیہ اتنا بگاڑ دیا جائے کہ وہ سفر کے قابل نہ رہے۔

دوسرا تصادم بھی بہت شدید تھا۔ میں اگنیشن کی چابیاں جیب میں ڈال کر کیبن سے نیچے کود گیا۔ کیتھی کے علاوہ احمد بھی ٹرک کی آڑ میں جھکا ہوا... لانچ کی طرف نگراں تھا۔ وہ دونوں شاید ٹریلر کے ساتھ ہی چڑھ کر اور بیٹھے رہے تھے۔

"لانچ پر دستی بم پھینکو!" احمد نے اعصاب زدہ لہجے میں مشورہ دیا۔

"نہیں! میں نے مڑ کر اسے منع کر دیا۔ "لانچ پر چڑھنے کی کوشش کرو۔"

اس وقت ٹریلر میں قیامت صغریٰ کا سا سماں برپا تھا۔ گویا سر پناہ لینے کے لیے ٹریلر میں گھسنے والے بیلی شکی کے اندر کی آندھی بن کر رہ گئے تھے کیونکہ اس تصادم نے انہیں نہ صرف زخمی کیا ہو گا بلکہ عقبی راستہ بھی مسدود ہو گیا ہو گا۔ دہائیاں کسر دوسری شکے نے پوری کر دی تھی اور اس وقت وہ سائے بدنصیب قیدی اندر سے چیخ چیخ کر ٹریلر کی دیواریں پیٹ رہے تھے۔

شکراؤ تو ہو ہی گیا تھا لیکن صورتحال الجھ کر رہ گئی تھی۔ اس وقت ٹریلر کا عقبی حصہ لانچ کے وسطی حصے میں پیوست تھا اور اسے علیحدہ کیے بغیر لانچ کو آگے لے جانا ناممکن تھا لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اسے لئے لانچ پر پہنچنا ناممکن نظر آ رہا تھا۔

پھر ایک حیرتناک واقعہ ہوا۔ وہ طویل و عریض لانچ حرکت میں آ گئی اسی کے ساتھ دھاتوں کی آپس میں رگڑ کی تیز آوازیں بھی ابھرنے لگیں۔

لانچ کے حرکت کرنے کی وجہ سے ٹریلر بھی بری طرح لرز رہا تھا پھر لوگوں نے لانچ پر دیوانہ وار فائرنگ کی لیکن بے سود ابھر کے گہرے پانی کی طرف اس کی پیش قدمی نہ روک سکے۔

ٹریلر کے مقابلے میں لانچ کے آہنی ڈھانچے کو معمولی نقصان پہنچا تھا۔ اور شاید وہ سفر جاری رکھنے کے قابل تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے لانچ کی رفتار تیز ہوئی اور وہ الجزیرہ کے ساحل سے دور ہونے لگی۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا کیتھی!" میں نے انتہائی مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "لانچ پر ہر صورت میں ہمارا قبضہ ہونا چاہیے تھا۔"

"بس کا تعاقب کیوں نہ کیا جائے؟" احمد نے تجویز پیش کی۔

"مگر کیسے؟" میں نے اور کیتھی نے بیک وقت سوال کیا۔

"اسمارہ پہنچ کر میں ایک تیز رفتار بوٹ کا بندوبست کر لوں گا۔" اتنا کہہ کر احمد نے کیتھی کا بازو تھام کر اٹھایا اور ہم تیزی سے دوڑ لگاتے ہوئے کھڑی ہوئی کیتھی کی کار کی طرف دوڑ پڑے۔

کیتھی کی کار کے ہیڈ لیمپ روشن ہوتے ہی پیچھے بھیڑ رہ گئی۔ زہریلی سوئیوں سے مرنے والے دونوں افراد کی لاشیں شاید وزنی ٹرک کے نیچے آ کر راستے کے گھور اندھیرے میں پاس بری طرح کچلی گئی تھیں کہ ان کی شناخت بھی دشوار تھی۔

"وہ کار!" اچانک احمد نے اشارہ کیا اور میری نگاہ اسی طرف اٹھ گئی۔

وہ خاصی دور کھڑی ہوئی تھی اور پہلے ٹریلر کی اوٹ میں ہونے کے باعث ہماری نظروں میں نہ آ سکی تھی۔

کیتھی نے اپنی کار اسی طرف بڑھا دی۔

میں نے اتر کر اندر نگاہ ماری تو شعبان اور اس کا بیٹا پچھلی نشست کے پائیدان میں دبکے ہوئے تھے۔ وہ دونوں اس قدر بدحواس اور خوفزدہ تھے کہ انہیں میری آمد کا بھی علم نہیں ہوا۔

جب میں نے جیب سے ٹریلر کی چابی نکال کر شعبان کو آواز دی تو وہ یوں اچھلا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

میری آواز پہچاننے کے بعد اس نے باہر آنا چاہا لیکن میں نے اسے دھکا دے کر وہیں پڑے رہنے پر مجبور کر دیا۔

"یہ چابی رکھ لو، تم دس منٹ گزرنے سے پہلے کار سے باہر نکلے تو انجام کے خود ذمہ دار ہو گے۔" یہ کہہ کر میں کار میں واپس لوٹ آیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس مرحلے پر کیتھی کی کار کا نمبر وغیرہ نوٹ کر سکے۔

اسمارہ کی طرف واپسی کا سفر بہت تیز تھا۔ راستے میں احمد نے ایک بار وائرلیس پر فی ٹھری سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا پھر جوں ہی ہماری کار اسمارہ کی حدود میں داخل ہوئی، فوراً سگنل پر اشارہ موصول ہوا اور احمد نے اسے آن کر دیا۔

"فی ٹھری کالنگ..... اوور!" ریسیور پر مانوس آواز ابھری۔

"ایکس فی..... اوور!" احمد نے بٹن دبا کر کہا اور انگلی ہٹالی۔

"مجھے گیارہ منٹ پہلے سگنل ملا تھا مگر اس وقت میں پرواز پر تھا۔ لانچ الجزیرہ سے کھلے سمندر میں جا چکی تھی اور وہاں ہر طرف بربادی کے آثار تھے، اوور!"

"بہت برا ہوا گئی!" احمد نے کہا۔ "ہم سے تو لانچ پر نگاہ رکھنی ہے"

بس کے تعاقب میں نکلنے والے ہیں.... اوور!"

"کیا معاملہ بہت اہم ہے؟ اوور!"

"بہت زیادہ اہم! اوور!"

"میں کوشش کرتا ہوں کہ اپنے معاونوں کی نظر بچا کر لانچ پر ایک ایسا بم گرا دوں تاکہ وہ آگے سفر کے قابل نہ رہے۔ اوور!"

"نہیں!" اس بار ٹرانسمیٹر کیتھی نے لے لیا تھا۔ "لانچ پر کچھ ایسے لوگ ہیں جن کی سلامتی کے لیے ہم بہت زیادہ فکرمند ہیں، اوور!"

"لانچ زیادہ تیز رفتار نہیں ہے!" ٹرانسمیٹر پر آواز ابھری۔ "اگر اسی رفتار سے گزر رہی تھی تو شاید وہ تیس چالیس ناٹ سے زیادہ نہ جا سکیں۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ ایک گھنٹے سے پہلے ہماری بحری حدود سے نہیں نکل سکیں گے۔ اس دوران میں میں ان کے سفر کی سمت کا پتا لگانے کی کوشش کروں گا۔ اوور!"

"تم یہی کرو!" احمد بولا۔ "اس وقت ساڑھے بارہ بجے ہیں کوشش کرو کہ ایک بجے سے ڈیڑھ بجے تک اپنا وقت ان ہی اطراف میں پرواز کرتے گزارو۔ شاید ہم بھی اس دوران میں ان تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اوور!"

"جس وقت میں نے انہیں دیکھا، ان کا رخ خلیج کے دہانے کی طرف تھا، اوور!"

"اطلاعات کا شکریہ! ان پر حتی الامکان نگاہ رکھو، اوور اینڈ آل!" احمد نے اختتامی فقرہ ادا کر کے سلسلہ منقطع کر دیا۔

واپسی میں ہم سیدھے احمد کے مکان پر پہنچے جو باہر سے خاصا منا اور صاف ستھرا نظر آتا تھا لیکن اندر ہر طرف بے ترتیبی کا راج تھا۔ مکان کی ایک ایک شے زبان حال سے پکار رہی تھی کہ اسے اپنی تزئین و ترتیب کے لیے نسوانی ہاتھوں کے سہارے کی ضرورت ہے لیکن احمد اس معاملے میں لاپروا نظر آ رہا تھا۔

صوفوں پر سے کپڑے ہٹا کر اس نے ہم دونوں کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنائی اور خود فون پر مصروف ہو گیا۔

دو چار فون کرنے کے بعد وہ چلنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔

اسمارہ کے مضافات میں ساحل پر ایک پرائیویٹ بوٹ کلب واقع تھا جہاں سے بوٹنگ کے شائقین کو تصرف کرنے پر انجن بوٹ ملتی تھیں بلکہ وہ ذاتی بوٹس بھی وہاں رکھ سکتے تھے۔ احمد نے اپنے کسی شناسا سے اس کی نجی کشتی کا بندوبست کیا تھا۔

مسلسل بھاگ دوڑ کی وہ دوسری رات تھی جو تیزی سے گزر رہی تھی، باہر بجلی تھی اندر کچھ معلوم نہ تھا کہ اس جدوجہد کا خاتمہ کہاں ہو گا؟

میرے لیے تو وہ معاملہ زندگی اور موت کی جنگ کے مترادف تھا، چاہے مسرل کی مہم کا وہ آخری مرحلہ نظر آ رہا تھا۔ اس لیے میں ذہنی اور جسمانی طور پر بدترین حالات کے مقابلے کے لیے تیار تھا لیکن کیتھی کا

معاملہ میرے لیے حیرتناک تھا۔

اس سے ملاقات اور آشنائی کے بعد ابتدا میں مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کیتھی میری چاہت میں سیتا سے رقابت اور حسد محسوس کرنے لگی تھی پھر شبہات نے اس قدر سر اٹھایا کہ مجھے کیتھی کے ہاتھوں سیتا کی سلامتی خطرے میں نظر آنے لگی لیکن اس نے بے مثال کردار کا مظاہرہ کرتے ہوئے تنہا میجر کارلائل جیسے خونخوار درندے کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا۔ جو سیتا کو جزیرہ کرسولان سے باہر بھیجنے کی تیاری کر رہا تھا۔

اور اب وہ اپنا سکھ چین بھول کر بدترین حالات میں میرے ساتھ محض اس لیے ماری ماری پھر رہی تھی کہ سیتا کے حصول کے بعد میں اپنی ذات کو مکمل محسوس کر سکوں۔

میں گزشتہ اڑتالیس گھنٹوں کے بارے میں اتنے انہماک سے سوچتا رہا کہ اسمارہ بوٹنگ کلب کی خوبصورت عمارت آنے تک مجھے ہوش ہی نہیں آیا۔

آدھی رات گئے بوٹنگ کلب میں دربان کے علاوہ ایک کلرک بھی موجود تھا جس کا بظاہر اس کے علاوہ کوئی مصرف نہیں تھا کہ کلب کا کوئی ممبر اگر رات گئے سمندر کی سیر پر نکل جائے تو اس کی روانگی اور واپسی کا ریکارڈ رکھا جا سکے۔

ادھیڑ عمر کلرک کو شاید فون پر پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی کیونکہ وہ برآمدے میں ہی ہمارا منتظر تھا۔

کلرک نے برآمدے میں ہی احمد پاشا کی انجن بوٹ کی روانگی کے بارے میں رجسٹر پر اندراج کر کے احمد کے دستخط لیے اور رجسٹر میز پر چھوڑ کر ہمارے ساتھ باہر آ گیا۔

عمارت کے عقب میں ساحل کے متوازی ایک نیم پختہ سڑک پھیلی ہوئی تھی جس کے ساتھ متعدد بوٹس پانی میں لنگر انداز تھیں۔ گاڑی میں ہمیں خاصی دور جانا پڑا۔ کیونکہ احمد بیگ تقریباً آخری حصے پر لنگر انداز تھی۔ کلرک نے چابی ہمارے حوالے کر کے پیدل واپس جانا چاہا لیکن کیتھی کو اس پر ترس آ گیا۔

وہ کلرک کو چھوڑ کر واپس آئی تو احمد اس کشادہ اور مضبوط ہی بوٹ کا انجن اسٹارٹ کر چکا تھا۔

کیتھی کے کہنے پر میں نے اس کی کار کے پائیدان سے ایک مضبوط تھیلا اٹھایا تو وزن محسوس کر کے چونک پڑا۔

"یہ کہاں سے آ گیا؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"تھیلا احمد کے گھر سے لیا گیا تھا۔ اس نے راستے میں ضرورت کے مطابق اسلحہ اس میں منتقل کیا تھا۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"کمال ہے کہ مجھے معلوم نہ ہو سکا!"

"تم تو خیالات میں گم تھے!" اس نے کہا۔ "یہ احتیاط اس لیے کی

گئی کہ کسی کی معیت میں اگر پیدل چل کر بوٹ تک جانا ہو تو اس کا بھرم باقی رہ سکے۔

"بوٹ کافی بڑی اور مضبوط ہے۔" میں نے اسلحہ کا تھیلا اندر پہنچانے کے بعد کہا۔ "لیکن ان کی لانچ کے مقابلے میں ناقابلِ تسخیر قلعہ ثابت ہو گی؟"

"ہم نے اپنے بہترین وسائل داؤ پر لگا دیے ہیں۔" احمد منہ بنا کر بولا۔ "اس سے زیادہ انتظام میری بساط سے باہر ہے۔"

"تمہاری مدد کے بغیر تو ہم شاید ان کا سراغ بھی حاصل نہ کر پاتے۔" کیتھی نے جلدی سے کہا۔ "لیکن کھلے سمندر میں ان سے ٹکرانا آسان نہ ہو گا؟"

میں نے بوٹ کے کھونٹے سے بندھا ہوا رسّا کھولا اور بوٹ تیزی سے گھوم کر سمندر کی طرف بڑھنے لگی۔

"ذرا دیکھو کہ اس بوٹ پر کتنے لائف جیکٹ ہیں؟" احمد نے پتوار پر لگے مختلف آلات کا جائزہ لیتے ہوئے مجھ سے کہا۔

کیبن سے باہر سات لائف جیکٹ موجود تھے۔ احمد نے مشورہ دیا کہ بدترین صورتحال کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ بہتر ہو گا کہ ہم تینوں سفر کے آغاز سے ہی لائف جیکٹس پہن لیں تاکہ عین وقت پر کوئی بدحواسی آڑے نہ آ سکے۔

تجویز معقول تھی۔ تینوں نے فوراً ہی اس مشورے کو عملی جامہ پہنا دیا۔

الحدید کا کیبن بہت آرام دہ اور ہر طرف سے بند تھا لیکن باہر کی راہداری میں یخ بستہ سمندری ہوا ہلکی ہلکی چل رہی تھی۔

میں نے الوحستان کی دی ہوئی بوتل منہ سے لگا کر خالی کر دی۔

احمد میری طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "بوٹ کے ہولڈ میں تین چار بوتلیں پڑی ہیں۔ چاہو تو نکال لینا لیکن سوڈے کی جگہ پانی ملانا ہو گا۔"

"شاید اب ضرورت نہ پڑے۔" میں نے کھڑکی کھول کر خالی بوتل نیچے سمندر کی لہروں پر اچھال دی۔

"میرے پاس آ جاؤ تاکہ ہنگامی صورتحال میں ہم جگہیں بدل سکیں۔" احمد نے کہا اور میں نرم کوچ سے اٹھ کر احمد کے برابر میں جا بیٹھا۔ احمد نے چابی گھما کر انجن بند کر دیا اور الحدید تاریکی میں ڈوب [illegible]

مجھے دکھا کر اس نے انجن اسٹارٹ کیا۔ اس سے پہلے اس نے روشنیوں کا سوئچ آف کر دیا تھا تاکہ بیٹری زیرِ بار نہ ہو۔ انجن چل پڑنے پر بتیاں جلا دی گئیں۔

ثعلب ستا کے بارے میں بات کرتے ہوئے وہ بتدریج رفتار بڑھاتا چلا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے الحدید کے ڈیش پر چالیس ناٹ کی رفتار نظر آنے لگی۔

بوٹ کے دونوں طرف جھاگ کا سمندر پھیلا ہوا تھا جو ادھر سے پڑنے والی روشنی میں ناقابلِ یقین حد تک خوبصورت نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ہم سمندر کے بجائے برف کی کسی سرنگ سے گزر رہے ہوں۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی جو رات کا ایک بجا رہی تھی۔ احمد نے لیور کو مزید جنبش دی۔ طاقتور انجن کی غراہٹ تیز ہو گئی۔ اور رفتار بتانے والا میٹر پچاس ناٹ کی خبر دینے لگا۔

"ہم ان سے مقابلہ کیسے کر سکیں گے؟" بوجھل سکوت میں کیتھی کی متفکر آواز نے ہم دونوں کو چونکا دیا۔ "تمہارے اندیشے بالکل درست تھے۔"

"عملی لحاظ سے ہم بالکل ناکارہ ہیں۔" احمد نے اعتراف کیا۔ "وہ خودکار رائفلوں سے لیس ہیں اور خطرہ بھانپتے ہی ہمیں سمندر برد کر سکتے ہیں۔"

"پھر تو یہ تعاقب ہی بے سود ہے!" کیتھی بولی۔

"مجھے صرف اتنا علم ہے کہ ہم کو ایک قرطبہ کی تلاش تھی جو مل گیا۔" احمد نے کہا۔ "اس سے آگے میں بے خبر ہوں۔ تفصیل سامنے آئے تو شاید کوئی راہ بھی سوجھ ہی جائے۔"

"تفصیل بھی سن لو۔" میں نے فوری خیال کے تحت کہا۔ "مگر میرے ذہن میں ایک تدبیر آ گئی ہے!"

"کیا؟" کیتھی نے بے تابی سے سوال کیا۔

"پہلے احمد کو پوری صورتحال سمجھا دوں۔" میں نے کہا اور احمد کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "اس قرطبہ میں قرطوم سے ایک لڑکی اغوا کر کے لائی گئی تھی جسے دوسرے سامان کے ساتھ لانچ پر منتقل کر دیا گیا ہو گا۔ ہم اس لڑکی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ لڑکی کی منتقلی کی نوبت ہی نہ آئی ہو۔" احمد کی آواز مجھے بہت دور کسی گہرے کنوئیں سے آتی محسوس ہوئی [illegible] رہ گیا۔

"تمہارا مفروضہ حقائق سے میل نہیں کھاتا۔" کیتھی کے جواب نے مجھے سہارا دیا۔ "یہ نہ بھولو کہ لڑکی کی موجودگی سے وہ کھلے سمندر میں لانچ پر منتقل ہونے سے قبل ہچکچا سکتے تھے۔ اس کی منتقلی کے بعد ہی انہوں نے قلعوں کو نذرِ آتش کرنے کی اجازت دی ہو گی۔"

"اور اگر لڑکی لانچ پر ہے تو ہمارا مقصد صرف اس کا حصول ہے۔" میں نے کھل کر صاف گوئی سے اپنی بات جاری رکھی۔ "ان سے مقابلہ کرنے کے بجائے ہم یہ مطالبہ کر سکتے ہیں۔ آخر بیچ کے شوقین گہرے سمندر میں آ کر اکثر سمتوں کا شعور کھو بیٹھتے ہیں!"

"ایک مرتبہ لانچ پر پہنچنے کے بعد تو ہم کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لیں گے۔" کیتھی نے پرجوش انداز میں میری تائید کی۔

"اور اگر انہوں نے ہمیں نظر انداز کر دیا۔" احمد مطمئن ہو کر مسکرایا۔ [illegible] معلوم ہوتا تھا وہ واپس [illegible] کسی ساحل پر پہنچ جانے سے پہلے وہ ہمیں اپنے سروں پر کیوں مسلط کریں گے؟"

"اس کا سارا انحصار ہم پر ہو گا۔" میں نے کہا۔ "اگر ہم انہیں اپنی مظلومیت کا یقین دلانے میں کامیاب ہو گئے تو وہ کسی بھی اگلی پناہ گاہ تک ہمیں مدد فراہم کر دیں گے؟"

"خرابی بس ایک ہی ہے۔" کیتھی نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔ "ان کی طرف سے فائرنگ میں پہل کا مقصد تھا کہ ہمیں دیکھ لیا گیا تھا۔ ایسا نہ ہو کہ ان میں سے کوئی ہم دونوں کو شناخت کر لے اور ہم کوئی قدم اٹھانے سے پہلے دھر لیے جائیں!"

"کاش کہ ہمارے پہنچنے تک لی تھری ان کے سروں پر مسلط نہ ہو۔" احمد نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "وہ بہت بے خوف آدمی ہے۔ اس سے ہمیں خاصی مدد مل سکے گی۔"

بے یقینی کی اس فضا میں تینوں ہی خاموش ہو گئے مگر ہر ایک اپنی جگہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

معاً فضا میں ایک عجیب سا شور سنائی دیا اور میں اضطراری طور پر کیبن کا دروازہ کھول کر عرشے پر نکل آیا۔

پیچھے کافی دور سے فضا میں ایک سفید ہیلی کاپٹر ہماری طرف بڑھتا آ رہا تھا۔ اس کی نچلی سرچ لائٹ نے دور تک سمندر کا سینہ روشن کیا تھا۔

پنکھوں کی تیز گردش کے شور کے ساتھ دیکھتے ہی دیکھتے ہماری بوٹ ہیلی کاپٹر کی تیز روشنی کی زد میں آ گئی۔ اور میں تیزی سے اندر گھس گیا۔ مگر اندر گھستے ہی میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا کیونکہ کیتھی اسٹین گن اٹھائے کیبن کے وسط میں کھڑی ہوئی تھی۔ اور گن کی نال کیبن کے واحد داخلی دروازے کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔





میں موٹر بوٹ کے کیبن کے داخلی دروازے پر ٹھٹک کر رہ گیا تھا۔

کیتھی مارٹر کے ہاتھوں میں دبی ہوئی اسٹین گن کا دہانہ میرے سینے کی جانب اٹھا ہوا تھا اور فضا میں گونجتے ہوئے سفید ہیلی کاپٹر کے انجن کا بے ہنگم شور لحظہ بہ لحظہ قریب تر آتا جارہا تھا۔ اس مرحلے پر میری عقل یکسر ماؤف ہو کر رہ گئی تھی۔

کیتھی نے قہقہہ لگایا لیکن اس کی آواز میں زندگی کی کھنک مفقود تھی مگر میرے لئے اہم بات یہ تھی کہ اس نے اپنی اسٹین گن کی نال جھکا لی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" میں نے پھرتی سے آگے بڑھ کر اپنے دونوں ہاتھ کیتھی کے نرم شانوں پر جما دیئے۔

میرا وہ اقدام اضطراری نہیں بلکہ سوچا سمجھا تھا۔ اس کے شانوں کو اپنی گرفت میں لے کر میں نے یہ بندوبست کر لیا تھا کہ کیتھی اگر دوبارہ میرے سینے پر نال اٹھانی چاہے تو اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے ہی کراہتی ہوئی کسی کیچوے کی طرح بوٹ کے فرش پر ڈھیر ہو جائے۔

"آج کی رات میرے لئے یادگار ہوگی۔" وہ آنکھیں موند کر خود فراموشی کے عالم میں بڑبڑائی۔ "میں اس کی منتظر تھی۔"

"مگر کیوں؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔ "تم نے مجھ پر ہتھیار کیوں اٹھایا تھا؟"

وہ عجیب انداز میں ہنسی۔ "بس اضطراری حرکت کہہ لو مگر کچھ لوگ میری ذات سے پامید وابستہ کئے بیٹھے ہیں کہ میں تمہارا بھوت بنتے ہی تمہیں اپنے ہتھیار کی زد پہ لے کر قید کرلوں گی۔"

"سلئے ہتھیاروں سے کام لینے پر تل جاؤ تو شاید اسیر کرہی لو" میں نے اس کے سراپا پر بھرپور نگاہ ڈالتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "مگر وہ کون لوگ ہیں جو تم سے ایسی توقعات وابستہ کئے بیٹھے ہیں؟"

"دیکھتے جاؤ، سب کچھ خود بخود سامنے آجائے گا۔" اس نے سنبھل کر کہا۔ پھر چونک کر سوال کیا۔ "یہ کس کا ہیلی کاپٹر تھا؟"

اس وقت تک سفید ہیلی کاپٹر ہماری بوٹ پر سے گزر کر کافی آگے نکل چکا تھا مگر اس کے انجن کی ڈوبتی ہوئی آوازیں اس وقت بھی سنائی دے رہی تھیں۔

"معلوم نہیں، لیکن سفید تھا۔" میں نے کہا۔

"پھر وہ لی مجری ہی رہا ہوگا۔" احمد نے پریقین لہجے میں کہا۔ "ہم جیسا کے کوسٹل گارڈز سفید ہیلی کاپٹر ہی استعمال کرتے ہیں۔"

"اگر وہ لی مجری ہے تو اسے یہاں تک پہنچنے میں خاصی تاخیر ہو گئی۔" کیتھی نے ایسے لہجے میں کہا جیسے اپنے کسی ماتحت کی نااہلی پر ناخوش ہو۔

"درست ہے۔" احمد نے خندہ پیشانی سے کہا۔ "لیکن لی مجری سرکاری ملازم ہے۔ فرائض منصبی کے دوران وقت نکالنا بجائے خود دشوار کام ہے۔"

"کاش اس سے رابطہ قائم کیا جاسکتا۔" کیتھی نے حسرت زدہ لہجے میں کہا۔ "فضا میں رہتے ہوئے وہ ہماری کافی مدد کرسکتا ہے۔"

"موقع تلاش کرو، خود ہی...."

احمد نے آتنا ہی کہا تھا کہ اپنے ٹرانسمیٹر پہ اشارہ موصول ہوا اور اس نے فوراً ہی بٹن آن کر دیا۔

"لی مجری کالنگ فار ایکس ٹی۔ اوور...." اس مختصر سے آلے پر تسلسل کے ساتھ بس ایک ہی فقرہ ابھرنے لگا۔

انسانی آواز کے پس منظر میں تیز اور گونجیلا شور بھی سنائی دیتا تھا جو میری دانست میں سفید ہیلی کاپٹر کے انجن کی پیداوار تھا۔

تیسری بار جب لی مجری نے فقرہ مکمل کر کے چند ثانیوں کا سکوت اختیار کیا، احمد نے اپنے سیٹ کا بٹن دبا دیا۔

"ایکس ٹی ریسیونگ اوور۔" احمد کی آواز پرسکون تھی لیکن ٹرانسمیٹر کا رابطہ اتنا سنسنی خیز تھا کہ سیٹ کے ساتھ ہی کیتھی بھی احمد کے قریب آگئی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے وہ لانچ دیکھ لی ہے۔" سیٹ پر لی مجری کی آواز سنائی دی۔ "وہ مسلسل خلیج کے دہانے کی طرف رواں ہے۔ اس کے پیچھے نیلے رنگ کا ایک موٹر بوٹ ہے جس پر سے میں تعاقب محسوس کر رہا ہوں۔ تم کہاں ہو؟ اوور۔"

"نیلی بوٹ ہماری ہے۔" احمد کی آواز میں جوش کا عنصر نمایاں ہو گیا۔ "تم کافی دیر سے پہنچے ہو۔ تمہارا ساتھی ہوا باز کہاں ہے؟ اوور۔"

اس کی ہنسی کی آواز سنائی دی۔ "مجھے اپنے ساتھی کی وجہ سے دیر ہو گئی۔ وہ لانچ کا رسیا ہے۔ اسے کرش ایان کی آغوش میں پہنچانے کے بعد میں نکلا ہوں ورنہ اس وقت تم سے بات بھی نہ کر پاتا۔ اوور۔"

"میری ناقص رائے میں تم نے تنہا پرواز کر کے سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے۔" احمد کا لہجہ قدرے تلخ اور تادیبی تھا۔ "الیاس ہوکر بعض اسی بنا پر تم کو طویل مدت کے لئے جبری رخصت پر بھیج دیا جائے یا معطلی کا پروانہ جاری ہو جائے۔ اوور۔"

"ڈیوٹی کے دوران خراب ذہنی سب سے زیادہ سنگین جرم ہے۔" ٹرانسمیٹر پر لی مجری کی پرسکون آواز سنائی دی۔ "میرا نائب ڈیوٹی پر اپنی موجودگی ثابت کرنے کے لئے میرا لاگ بک پر اپنے دستخط ثبت کرے گا اور مجھ سے کسی باز پرس کی نوبت نہ آئے گی۔ ان معاملوں میں میں بہت محتاط ہوں۔ اوور۔"

"ہم آگے بڑھتے ہیں۔ تم لانچ پر ایک چکر کاٹ کر دیکھو"

سے سین کا جائزہ لینے کے بعد رپورٹ دو تا کہ ہم اسی کے مطابق اپنی حکمت عملی طے کرسکیں۔۔۔۔ اوور!" احمد نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"بس چند منٹ بعد رابطہ قائم کرتا ہوں ۔۔۔ اوور اینڈ آل!" دوسری جانب سے رابطہ منقطع کر دیا گیا لیکن احمد نے اپنا ٹرانسمٹر بدستور آن رہنے دیا۔

"یہ بہت اچھا ہوا!" کیتھی نے اضطراری لہجے میں کہا "لی ٹیری بروقت پہنچا ہے اور خوشی کی بات ہے کہ وہ اکیلا ہے ورنہ یوں کھل کر اس سے بات نہ ہو پاتی!"

"ان کی موجودگی میں ہم بہتر پوزیشن میں ہوں گے!" میں نے امید سے تبسم دیتے ہوئے کہا اور کیتھی بھی اسی کے ساتھ مسکرا دی۔

"تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے!" میں نے اس کا بازو تھام کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا "تم نے کن لوگوں کی طرف اشارہ کیا تھا؟ تمہارے خون کے پیاسے!"

"مگر کون؟" میں نے بے صبری سے سوال کیا "میرے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس وقت تو تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے علاوہ مجھے کوئی بھی اپنا دوست یا ہمدرد نظر نہیں آتا۔ کھل کر بات کرو!"

"اسرائیلی!" وہ میری آنکھوں میں براہ راست جھانکتے ہوئے بولی۔

اس کی زبان سے وہ لفظ سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ "اسرائیلی؟" میں نے تحیر زدہ لہجے میں اس سے سوال کیا "ان سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

میرے ذہن نے ان چند ثانیوں میں صورت حال کے بارے میں ایک گمبھیر کہانی ترتیب دی تھی۔ شاید کیتھی ماتزا اسرائیلیوں کی ہی پروردہ تھی۔ اس نے مجھ سے خود اعتراف کیا تھا کہ وہ کافی عرصے تک اسرائیلی سیکرٹ سروس میں ایک اہم عہدے پر فائز رہی تھی۔ پھر شاید اس نے کسی نئے کھیل کے لئے اپنا ماضی چھپائے بغیر اسرائیل سے بیزاری بلکہ بے وفائی کا ڈھونگ رچایا اور فلسطینی تنظیم کے فدائیوں سے آ ملی۔

پی ایل او کے سرکردہ لوگوں کے لئے سیاسی اعتبار سے یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی کہ یہودی نسل کی ایک لڑکی اسرائیل سے منحرف ہو کر ان کے کاز کے لئے کام کرے۔ لہٰذا وہ کیتھی ماتزا کے فریب کا شکار ہو گئے اور اس لڑکی نے ان کے اعتماد کے سہارے مختصر عرصے میں ترقی کی اتنی منازل طے کرلیں کہ خرطوم میں پی ایل او کے مفادات پر حکمراں ہو گئی۔

مگر اسرائیلیوں کے ساتھ اس کے خفیہ روابط برقرار تھے۔ وہ ہر قیمت پر صفدر علی کو اپنا قیدی بنانا چاہتے تھے اور کیتھی بھی اس بات سے باخبر تھی۔ اس کے آقاؤں کو اس سے امید بھی ہو گی کہ موقع میسر آیا تو کیتھی پہلی فرصت میں صفدر علی کو بے بس کر کے اپنا حق نمک ادا کرنے کی بھرپور کوشش کرے گی اور شاید کیتھی بھی ان کی توقعات پر پوری اترنے کے لئے آمادہ ہی ہو گی لیکن مجھ سے ملاقات کے بعد حالات بدل گئے۔

اس لڑکی کو میری ذات سے قدرے لگاؤ ہو گیا تھا اور محض اسی وابستگی کی بنا پر اس نے مجھ پر کوئی وار چلانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

"یہ نہ بھولو کہ اسرائیل میرا وطن ہے!" وہ کہہ رہی تھی "میں وہیں پیدا ہوئی اور تل ابیب میں پروان چڑھی۔ اسرائیل میں آج بھی بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے لئے میرے دل میں نیک جذبات موجود ہیں!"

"اور ان سے تمہارے رابطے بھی ہیں؟" میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"ابھی معمول کی نہیں جو تم سمجھ رہے ہو!"

"مجھ پر مزید احسان نہ کرو!" میں نے اس کی بات کاٹ کر تلخ لہجے میں کہا "مجھ پر ہتھیار اٹھاتیں تو مقدر نے ساتھ دیا تو تمہیں زیر کر کے آزاد رہوں گا ورنہ تمہیں میرے بارے میں آزادانہ فیصلے کا پورا پورا اختیار رہے گا!"

"ذرا بھی چھلانگیں نہ لگاؤ!" وہ سنجیدہ ہو گئی "تین دن قبل میرا باپ مجھ سے ملنے آیا تھا۔ اسرائیلیوں کو کسی طرح بھنک مل گئی تھی کہ تم سوڈان میں داخل ہو چکے ہو۔ میرا باپ اسرائیل کی سیکیورٹی ایڈوائزری کونسل کے سربراہ جنرل شمعون کا پیغام لایا تھا۔ جنرل کی خواہش تھی کہ میں اسرائیل کی سرزمین سے اپنے رشتے کی خاطر زندگی میں آخری بار اس کے لئے ایک کام سرانجام دوں اور کسی بھی طرح سوڈان میں تمہیں تلاش کر کے اسے مطلع کر دوں یا تمہیں پکڑ لوں۔ اس کام کے لئے مجھے منہ مانگے انعام کی نوید دی گئی تھی۔ میرے باپ نے پورا زور لگایا لیکن میں نے اسے گرفتاری سے خوف زدہ کر کے اسی روز سوڈان چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا!"

میں حیرت سے گنگ اس کا چہرہ تکتا رہ گیا۔

اس کی کہانی میرے اندازوں کے برعکس بہت موثر اور حیران کن تھی۔ اگر وہ سچ بول رہی تھی تو اس کی ذات قابل احترام تھی۔ اس دنیا میں ایسے لوگوں کا ہر طرف کال ہے جو محض اپنے گنے چنے اصولوں کی خاطر ہر مادی منفعت اور آسائش کو ٹھوکر سے ٹھکرا دیتے ہیں اور کیتھی ماتزا بظاہر ان ہی کے گروہ کی سرخیل معلوم ہوتی تھی۔

"اور تمہارے باپ کے مشن کی ناکامی کے بعد اگر تمہاری نگرانی شروع کرا دی گئی ہو؟" میں نے قدرے توقف کے دوران جذباتی جھٹکے سے سنبھالا لینے کے بعد سوال کیا۔

"سوڈان میں ایمبیسڈر کے سفارت کار سے ٹکراؤ کے بعد سارا نظام ہی درہم برہم ہو گیا ہو گا!" اس نے جواب دیا "اگر میری نگرانی ہو رہی ہوتی تو بہت پہلے اسرائیلی ایجنٹ مجھے ہیٹر کارلائل کی قید سے نجات دلاتے اور مجھے احسان مند بنا کر میرا تعاون حاصل کرنے کی زبردستی کوشش ضرور کرتے۔ میں ان کے طریقہ کار سے بخوبی واقف ہوں!"

"مجھے خوشی ہے کہ اسرائیلی ابھی تک مجھے بھول نہیں سکے ہیں!"

"تمہارے لئے ان کے جذبے بہت گہرے رہے ہیں!" وہ ہنسی۔ "اسرائیل کے مطلوبہ قومی مجرموں کی فہرست میں فلسطینی لیڈر کے بعد دوسرا نام تمہارا ہے!"

"ایک بار سینا کو پالینے کے بعد میں اپنے ماضی کے سراغ اس طرح مٹا ڈالوں گا کہ یہ سارے حوالے میری ذات سے کٹ کر رہ جائیں گے!"

"اور وہ مرحلہ.....؟"

کیتھی کا فقرہ ادھورا رہ گیا کیونکہ اسی لمحے ٹرانسمٹر پر لی ٹیری کی آواز ابھرنے لگی!

"ہیلو! کین ٹی رسپونگ... اوور!" احمد نے سیٹ کا بٹن دبا کر رابطہ مکمل کیا اور بٹن پر سے انگلی ہٹالی۔

"حالات مخدوش ہیں!" ہیلی کاپٹر کے انجن کے شور میں لی ٹیری کی آواز ابھری "پہلے پلان کے مطابق پہنچنا تھا لیکن میری ہیلی پرواز کے بعد جرمنٹ کی چیک پوسٹیں اور چوکیاں بچھا دی گئیں۔ میں نے اندر سے تھوڑی جھپک کر جائزہ لیا تو عرشے پر کم از کم تین نفوس نظر آئے جن میں سے کم از کم دو کے ہاتھوں میں دور مار رائفلیں تھیں ... اوور!"

"تم دوبارہ لانچ پر سے نہیں گزرے؟ اوور!" احمد نے سوال کیا۔

"ان کے تیور خراب ہیں!" وہ بولا "ان کے چوکنا ہونے کے بعد میری ابھی کوشش خودکشی کے مترادف ہوتی۔ وہ راکٹ لانچر سے با آسانی ہیلی کاپٹر گرا سکتے ہیں۔ انہوں نے لانچ کی رفتار بھی کچھ تیز کر دی ہے ... اوور!"

"میں بات کرتا ہوں!" میں نے احمد کی سوالیہ نظروں کے جواب میں کہا اور اسے خاموش پاتے ہی میں نے ٹرانسمیٹر سنبھال لیا جو اس وقت بالکل خاموش تھا۔ لی ٹیری اوور کہنے کے بعد تحمل کے ساتھ جواب کا منتظر تھا۔

"تم ہیلی کاپٹر میں اکیلے ہو؟ اوور!" میں نے سرسری لہجہ بنا کر سوال کیا۔

"تم کون ہو؟ اوور!" لی ٹیری کا لہجہ قدرے سخت اور ترشی آمیز تھا۔

"تم بات کر سکتے ہو!" احمد نے جلدی سے وضاحت کی "یہ میرے ساتھی بھی موجود ہیں جن پر مجھے پورا اعتماد ہے ... اوور!"

"میں اکیلا ہوں ... اوور!" لی ٹیری نے جواب دیا۔

"اگر تمہارے پاس رسے کی سیڑھی ہو تو میں تمہارے ساتھ شامل ہونا چاہتا ہوں ... اوور!" میں نے کہا۔

"سیڑھی بھی ہے اور میرے جہاز میں خودکار گن بھی نصب ہے جو ایک سیکنڈ میں حرکت کر سکتی ہے لیکن تم کیا کرنا چاہتے ہو؟ اوور!"

"تمہارے ساتھ مل کر شاید کوئی راہ سوجھ جائے ... اوور!" میں نے کہا۔

"میں آ رہا ہوں ... تیار رہو! اوور اینڈ آل!"

لی ٹیری کے اختتامی فقرے کے ساتھ ہی ٹرانسمیٹر بے جان ہو گیا۔

"تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟" کیتھی نے آگے جھک کر اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

"فی الحال خالی الذہن ہوں!" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا "لیکن یہ اندازہ ضرور ہو گیا ہے کہ موٹر بوٹ پر رہ کر ہم کچھ نہ کر سکیں گے۔ فضا سے شاید کوئی توڑ کارگر ثابت ہو!"

کیتھی نے احمد کی موجودگی کی پرواہ کئے بغیر میری پیشانی چوم لی۔ "تم پر دیوانگی طاری ہو چکی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ عجلت میں خود کو خطرے میں ڈال دو!"

"خطرات میری زندگی کی شان بڑھاتے ہیں کیتھی!" میں نے لائف جیکٹ کے بند درست کرتے ہوئے کہا "اگر سینا اس وقت ہاتھ نہ آسکی تو شاید مجھے طویل مدت تک اس کے لئے بھٹکنا پڑے گا!"

"میں تمہارے لئے دعا گو رہوں گی کہ کہیں وہ لڑکی ہمیں زخمی نہ کر دے!" احمد کی تائید میں آواز ابھری۔

"تم طیارے واپسی پر بھی ہم ملتے گا!" میں نے ترش لہجے میں کہا "کیا یہ لانچ دوبارہ ہاتھ نہ آسکے گی؟"

لائف جیکٹ درست کرنے کے بعد میں نے تیزی سے باورچی خانے کا جائزہ لینے کا کام شروع کر دیا۔

اسٹین گن اور اس کے فاضل راؤنڈز مختلف اقسام کے پانچ دستی بم اور ایک پستول لے کر میں موٹر بوٹ کے کیبن سے باہر نکلا تو سفید ہیلی کاپٹر سطح سمندر سے بمشکل بیس فٹ اوپر پرواز کرتا تیزی سے جانے کی طرف آ رہا تھا۔

اس کے نچلے حصے میں روشن سرچ لائٹ نے سمندر کا وسیع حصہ دور تک منور کیا ہوا تھا۔

ہیلی کاپٹر کے پائلٹ نے ہماری موٹر بوٹ کو دور سے دیکھتے ہی رسّی کی سیڑھی نیچے لٹکانی شروع کر دی تھی۔

اور جب ہیلی کاپٹر ہماری موٹر بوٹ پر آیا تو اس کی پنکھڑیوں سے پیدا ہونے والے شدید دباؤ کے باعث ہر طرف رسّی کی سیڑھی بے تحاشا فضا میں جھول رہی تھی لیکن میرے لیے بھی اینڈ تو پہ قدم جمائے رکھنا دشوار ہو رہا تھا۔

"کوئی حماقت نہ کر گزرنا!" بوٹ اور ہیلی کاپٹر کے انجنوں کے شور میں مجھے اپنے کان کے قریب ایک بھرّائی ہوئی نسوانی سرگوشی سنائی دی تو میں چونک پڑا۔

ہیلی کاپٹر سے پڑنے والی روشنی میں کیتھی کے رخساروں پر ڈھلکتے ہوئے شفاف موتی ہیروں کی طرح چمک رہے تھے اور وہ نچلا ہونٹ اپنے موتیوں جیسے دانتوں میں دبائے حسرت سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"تم فکر نہ کرو!" میں نے نرمی سے اس کا بازو تھپتھپا کر اس کے کان میں زور سے کہا تاکہ وہ میری بات سن سکے۔

"خدا کرے کہ سیتا لانچ پہ ہو اور زندہ سلامت تمہیں مل جائے۔"

"...م... مگر یہ یاد رکھنا کہ میں بھی تم کو ٹوٹ کر چاہنے لگی ہوں۔" اس کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا اور آخری الفاظ سسکیوں میں ڈوبنے کے باوجود اپنے تاثر کی مہر ثبت کر گئے۔

میں اس کی طرف لپکا مگر وہ مڑتی ہوئی بوٹ کے کیبن میں جا گھسی۔

میں نے سوچا کہ اسے دلاسا دوں مگر مجھے ہمت نہ ہو سکی میں اس کے دلی جذبات سے واقف تھا۔ وہ خود بھی اعتراف کر چکی تھی اور میں سیتا کے حصول کی راہ پہ گامزن تھا جو کیتھی کے خوابیدہ جذبوں کی سراسر نفی تھی لہٰذا اس آخری موڑ پر اسے دلاسا کر کے مجھے خفت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوتا۔

پھر جوں ہی ہوا کے جھکڑوں میں جھولتی ہوئی رسّی کی سیڑھی قریب آئی میں نے لپک کر اسے تھام لیا اور ہوا کے طوفانی تھپیڑوں میں تیزی سے اوپر چڑھنے لگا۔

چند سیڑھیاں عبور کرتے ہی ہیلی کاپٹر سست روی کے ساتھ موٹر بوٹ سے دور ہونے لگا اور میں سرکش سمندری موجوں پر اچھلتی رسّی کے ذریعے ہیلی کاپٹر کے کیبن میں پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔

اس ہیلی کاپٹر کا کیبن مختصر لیکن آرام دہ تھا۔ میں نے اندر گھسنے کے بعد ٹی مقری کے اشارے پر اس کے برابر والی نشست سنبھال لی۔

اس سے قبل میری دانست میں وہ روز مرّہ کی گشتی پرواز میں کام آنے والا ایک معمولی ہیلی کاپٹر تھا لیکن اس کے کیبن میں نصب آلات کو دیکھتے ہی میرا تاثر ایک دم بدل گیا۔ وہ کسی بھی طرح ایک جنگی ہیلی کاپٹر سے کم نہیں تھا۔

ٹی مقری سے تپاک سے ملنے کے بعد میں نے ہیڈ فون چڑھائے تو شور کی شدت میں خود بخود کمی واقع ہو گئی۔

"تمہارا کوڈ اینگل ہے!" ہیڈ فون چڑھاتے ہی مجھے ٹی مقری کی آواز سنائی دی۔ "میں نے ایکس پی کو بھی بتا دیا ہے!"

"اب لانچ کی طرف چلو!"

"ضرور چلوں گا لیکن یہ تو بتاؤ کہ لائف جیکٹ کس خوشی میں پہنی ہوئی ہے؟" اس کا لہجہ شوخ اور انکسار والا تھا۔ "لوگ سمندر میں غوطہ لگاتے وقت جیکٹ استعمال کرتے ہیں اور تم نے جہاز میں آنے سے پہلے جیکٹ پہنی ہے!"

"میں لانچ پہ اتروں گا!" میں نے بھری سنجیدگی سے جواب دیا۔ "اندیشے کی ذرا سی غلطی مجھے سمندر میں بھی پہنچا سکتی ہے!"

"تو کیا تم یہ طے کر کے آئے ہو؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں!" میرا لہجہ اٹل اور آہنی تھا۔

"لیکن ایکس پی تو کہہ رہا تھا کہ تم میرے ساتھ مل کر کوئی لائحہ عمل وضع کرو گے!" اس نے حیرت آمیز لہجے میں کہا۔

"وہ درست ہی کہہ رہا تھا!" میں بولا۔ "اگر اسے پوری بات بتا دیتا تو شاید اس وقت میں تمہارے ساتھ کیبن میں موجود نہ ہوتا!"

"شاید ایکس پی یہ سب تمہارے بھلے کے لیے کر رہا ہے؟" اس نے قدرے تجسس کے ساتھ سوال کیا۔

"جو چاہو سمجھ لو!" میں نے سرسری لہجے میں کہا۔

"تم ایکس پی کو تو فریب دے آئے لیکن میں تمہیں خودکشی کی اجازت نہیں دوں گا!" اس نے اچانک بھڑکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیسی خودکشی؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"لانچ پر اترنے کی کوشش خودکشی ہی کے مترادف ہو گی!" اس کا لہجہ بڑی حد تک پُر اعتماد تھا۔

"میں عقل سے بالکل ہی پیدل نہیں ہوں میرے دوست!" میرا لہجہ غیر ارادی طور پر قدرے تلخ ہو گیا۔

"میں جانتا ہوں!" وہ ہیلی کاپٹر کو تیزی سے بلندی کی طرف لے جاتے ہوئے بولا۔ "لیکن جہاں عورت کا معاملہ ہو، مرد بڑی سے بڑی حماقت کر گزرتا ہے!"

"بشرطیکہ وہ عورت محبوبہ ہو!" میں نے کہا اور وہ مجھ سے نگاہیں چار کر کے ہنس پڑا۔ "اور میں جس عورت کے فراق میں ہوں، وہ میری محبوبہ اور معشوقہ ہونے کے ساتھ ہی میری بیوی بھی ہے!"

"بیوی!" ہیڈ فون میں مجھے اس کی تحیر زدہ آواز سنائی دی۔ "تم اپنی بیوی کے لیے اس قدر حیران اور پریشان ہو؟"

"وہ میری اکلوتی بیوی ہے۔ اور میں اسے والہانہ انداز میں چاہتا ہوں!"

"تم اپنی موافقت میں جو چاہے کہہ لو لیکن اجازت ہو تو میں بھی اپنے مسلک کا ایک رمز بیان کر ڈالوں؟"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میری دانست میں بیویوں کی تعداد کسی بھی شخص کی مالی حیثیت کے مطابق ہی ہوا کرتی ہے۔ مگر تم ایک ہی عورت کے پیچھے اپنی جان پر یوں ہاتھ دھونے پہ تلے ہوئے ہو تو میں تم سے صرف ہمدردی کر سکتا ہوں!"

"شاید تم مجھے مفلس کہنا چاہتے ہو!" میں نے تلخی سے کہا۔ "لیکن یہ تمہارے اپنے ذہن کا تصور ہے۔ میری دانست میں مرد صرف اور صرف وہی ہے جو کسی کو چاہے اور جسے ٹوٹ کر چاہا جائے!"

"تم جذباتی ہو گئے اینگل!" اس نے جلدی سے کہا۔ "اب اس موضوع کو ختم کرو۔ اور یہ بتاؤ کہ تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"ایک مرتبہ میں دور سے اس لانچ کا جائزہ لینا چاہوں گا!" میں نے کہا۔ "پھر تم اپنی گن سے لانچ پہ فائر برساتے تیزی سے گزر جانا۔ وہ لوگ خوف زدہ ہو کر پناہ تلاش کرنے لگیں گے۔ اور اسی دوران میں واپس پلٹ کر تم مجھے لانچ کے عرشے پہ اتار دو گے۔ انہیں علم ہی نہ ہو سکے گا کہ کیا ہوا ہے!"

"ایکس پی نے مجھے بتایا ہے کہ تم اس کے لیے بہت اہم ہو اور تمہارے ہر حکم کی تعمیل میرے لیے لازمی ہے۔ لیکن میں بصد معذرت یہ پوچھنا چاہوں گا کہ کیا تمہیں اپنے اقدام کے منفی اثرات کا بخوبی علم ہے؟"

"اس کا بدترین منفی نتیجہ صرف یہی ہو سکتا ہے کہ میں مارا جاؤں۔ اس سے زیادہ وہ میرا کیا بگاڑ سکیں گے!"

"ٹھیک ہے!" شاید وہ ہنسا۔ "تم تو مارے جاؤ گے مگر اس عورت کا کیا بنے گا۔ جسے انہوں نے قیدی بنایا ہوا ہے؟"

"وہ قیدی ہی رہے گی!" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"قیدی اور شکست خوردہ قیدی میں فرق ہوتا ہے میرے عزیز!" اس نے گویا میری دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھ دیا۔ "اگر انہوں نے تمہیں قفس کا اسیر کر لیا تو وہ اس کا جشن خاتون کے ساتھ منائیں گے...!"

"کیا کہہ رہے ہو؟" میں اس کی بات کاٹ کر غرایا۔ "وہ مرنا گوارا کر لے گی لیکن ان بدبختوں کا کھلونا بننا پسند نہیں کرے گی!"

"عقلاً ایسا نہیں ہوتا!" وہ آہستگی سے بولا۔ "جب زندگی پہ آخری سانسوں پہ نظر آنے لگے تو انسان زیادہ تر اخلاق ہی سے کمزوری پہ آمادہ ہو جاتا ہے اور یہی سمجھتے اس کی ذات کی آخری پہچان ہو گئے ہیں!"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ مجھ سے بحث کرنے کے بجائے تم اپنے کام سے کام رکھو!" میں نے بدمزگی کے ساتھ کہا اور وہ محض سر ہلا کر رہ گیا۔

اچانک اس کی گود میں پڑے ہوئے ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا اور اس نے فوراً ہی وہ آلہ میری طرف بڑھا دیا۔

دوسری طرف سے کیتھی مجھ سے بات کرنا چاہ رہی تھی!

"تم نے کیا حکمت عملی طے کی ہے؟ اوور۔" اس نے میرا جواب سن کر سوال کیا۔ اس کا لہجہ بجھا ہوا اور بے جان سا تھا!

"ہیلی کاپٹر سے لانچ پہ فائرنگ کی آڑ میں اس کے عرشے پہ اترنے کی کوشش کروں گا!" میں نے کہا۔ "اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں بنے گی۔ اوور!"

"یہ قدم خطرناک ہو گا!" کیتھی کی اضطراری آواز سنائی دی۔ "لانچ پہ ان کی تعداد کسی بھی طرح چھ آٹھ سے کم نہ ہو گی۔ وہ ذرا ہی دیر میں تمہیں بے قابو کر لیں گے! اوور!"

"میری کامیابی کا دارومدار تم لوگوں پر بھی ہو گا!" میں نے جواب دیا۔ "میں انہیں عرشے سے دور رکھنے کی کوشش کروں گا۔ اس دوران میں تم لوگوں کو عقب سے پیش قدمی کر کے تیزی سے لانچ پر پہنچنا ہو گا.... اوور!"

"ٹی مقری تم سے متفق ہے؟ اوور!"

"ہونا ہی پڑے گا کیونکہ اس کے پاس کوئی متبادل تجویز نہیں ہے!" میں نے کہا۔ "لانچ نظر آنے لگی ہے۔ مگر ہم اس سے دور رہ کر تمہارے نمودار ہونے کا انتظار کریں گے۔ اوور!"

"اوور اینڈ آل!" ٹرانسمیٹر خاموش ہو گیا۔

ٹی مقری اپنے کام میں خاصا مشاق تھا۔ اس نے میرے بیٹھنے کے بعد ہیلی کاپٹر کی بیرونی روشنیاں گل کر دی تھیں تاکہ رات کے اندھیرے میں دور سے اس کی نشاندہی کا امکان باقی نہ رہے۔ رسّی کی سیڑھی بھی شاید سمیٹ لی گئی تھی!

ٹرانسمیٹر پر کیتھی سے گفتگو کے دوران میں ٹی مقری نے اشارے سے مجھے وہ مدھم روشن نقطے دکھائے جو غیر محسوس طریقے سے سمندر کے تاریک سینے پر متحرک تھے!

"فی الحال لانچ سے دور ہی رہو!" میں نے کہا اور ٹی مقری نے ایک لمبا راؤنڈ لے کر ہیلی کاپٹر کو غیر محسوس طریقے کے ساتھ دوسری طرف موڑ لیا۔

اس لانچ سے کئی فرلانگ دور رہتے ہوئے ہیلی کاپٹر نے فضا میں اس کے گرد ایک چکر پورا کیا تھا کہ ٹرانسمیٹر پر دوبارہ کیتھی

کی آواز ابھری۔

ان لوگوں نے اپنی موٹر بوٹ کی تمام روشنیاں گل کر کے اندھیرے میں سفر جاری رکھنے کا فیصلہ کیا تھا اور سمندر میں اتنے بڑھ آئے تھے کہ لانچ کی تین روشنیاں انہیں نظر آنے لگی تھیں مگر وہ اسے پہچاننے سے قاصر تھے!

احمد کے استفسار پر ڈی تھری نے انہیں بتایا کہ وہی روشنیاں لانچ کی نشاندہی کر رہی تھیں پھر وہ انہیں لانچ کے عقب میں پہنچنے کے لیے سمتوں کے بارے میں ہدایات دینے لگا جو میری فہم سے بالاتر تھیں۔

اس وقت میں نے اپنے وجود پر طاری اعصابی دباؤ میں یک بیک نمایاں کمی محسوس کی اور معرکے کے آغاز سے قبل آخری سگریٹ سلگائی۔

اس وقت صورت حال نہایت سنسنی خیز تھی اور مقابلے کی تیاریاں بھی بھرپور تھیں۔ اعصابی سکون میسر آنے سے قبل مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے میں کسی معروف جنگی محاذ پر ایک بڑی معرکے کی تیاریوں میں مصروف ہوں!

فضا میں بے مقصد وقت گزاری کرتے ہوئے ایک بار ہیلی کاپٹر موٹر بوٹ پر سے گزرا جو سمندر کے سیاہ سینے پر ایک پہلو دھبے کی طرح ایک ہی جگہ رکی محسوس ہوئی!

"اب ہمیں ابتدا کر دینی چاہیے!" میں نے فاصلوں کا اندازہ لگاتے ہوئے ڈی تھری سے کہا۔ "تاخیر نقصان دہ ہو سکتی ہے!"

"مجھے اینڈرسن کی بھی فکر ہے!" ہیڈ فون پر اس کی آواز سنائی دی۔ "ساری کارروائی پچیس منٹ میں مکمل نہ ہوئی تو مجھے اپنے مستقر کی طرف لوٹنا ہوگا!"

"مجھے امید ہے کہ تمہارا کام ختم ہو جائے گا لیکن انہیں خوفزدہ کرنے کے لیے تمہارا فضا میں منڈلاتے رہنا ضروری ہے!"

"میں پچیس منٹ سے زیادہ رکنے کا خطرہ مول نہیں لوں گا!" اس نے کہا۔ "اگر واپسی میں ایندھن کی کمی کی وجہ سے کوئی دشواری پیش آئی، تو میری اس تنہا پرواز کا راز برقرار رکھنا دشوار ہو جائے گا۔ اور میں پریشانی کا شکار ہو جاؤں گا!"

"لیکن عرشے پر پہنچنے کے بعد میرا تم سے کوئی رابطہ نہ رہے گا، بحر نورٹ سے!" میں نے چونک کر اپنی تشویش کا اظہار کیا!

"تم میرا بھیجا ٹرانسمیٹر لے لو!" اس نے پیش کش کی۔ "تمہارا ایکس ڈی سے رابطہ قائم رہنا ضروری ہے۔ اپنا کام میں خود سنبھال لوں گا!"

"یہ بہتر ہے!" میں نے کہا۔ "کامیابی کی صورت میں، میں عرشے پر اپنا رومال جلا کر سمندر کی طرف اچھال دوں گا!"

"میں اس سگنل کا منتظر رہوں گا!"

اس نے عجلت میں احمد کو اس نئے مقام سے باخبر کیا۔ اور پھر ہیلی کاپٹر کسی خونخوار پرندے کی طرح تیزی سے لانچ کی طرف بڑھنے لگا۔

ڈی تھری آگے بڑھنے کے ساتھ ہی ہیلی کاپٹر کو بتدریج نیچے بھی اتارتا جا رہا تھا۔ اس نے ساری روشنیاں پہلے ہی گل کی ہوئی تھیں لیکن اسے یہ خدشہ تھا کہ کہیں انجن اور پنکھڑیوں کا تیز شور لانچ والوں کو کسی پیش قدمی کا موقع فراہم نہ کر دے!

اس نے دور ہی سے ایک لیور دبا دیا اور اندھیری رات کا سکوت گن کے ہولناک دھماکے سے بکھر کر رہ گیا۔

ہر فائر کے ساتھ ہیلی کاپٹر میں جھٹکے محسوس ہو رہے تھے جو گن کی طاقت کے مظہر تھے!

ہیلی کاپٹر گولیوں کی بوچھاڑ برساتا ہوا لانچ پر سے گزرتا چلا گیا۔ میں نے دوربین سے لانچ کے عرشے کا جائزہ لینے کی بہتیری کوشش کی، لیکن کچھ بھی نہ دیکھ سکا!

فائرنگ کے ساتھ لانچ پر بھی گھور اندھیرا چھا گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں نے اس پر سے گزرتے ہوئے ایک لالٹین کی لو بھی دیکھی تھی، لیکن یقینی طور پر کچھ کہنا دشوار تھا، کیونکہ لالٹین اگر جلائی بھی گئی تھی تو اس سے ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا!

ڈی تھری اس قدر مشاق ہوا باز تھا کہ میں اس کی مہارت پر دنگ رہ گیا۔ لانچ پر سے گولیاں برساتے ہوئے گزرنے کے بعد وہ ناقابل یقین زاویے سے اتنی پھرتی کے ساتھ واپس لوٹا تھا کہ اگلے ہی لمحے میں لانچ دوبارہ فائرنگ کی زد میں تھی۔ اور اس بار مجھے ایک دردناک انسانی چیخ بھی سنائی دی!

تاریک کیبن کے کنٹرول پینل پر چلنے والے ننھے ننھے سرخ اور سبز نقطوں کے آسیبی انعکاس میں، میں نے ڈی تھری کی انگلی کا اشارہ دیکھا اور ہیڈ فون اتار کر نشست چھوڑ دی!

"فی امان اللہ!" ہیڈ فون میں ڈی تھری کا آخری فقرہ سن کر میں کوئی جواب نہ دے سکا۔

اس وقت میں نہ جانے دل گرفتہ تھا یا کیا بات تھی کہ میں ذہنی طور پر خود کو قطعی شل محسوس کر رہا تھا۔

نشستوں سے ذرا پیچھے کیبن کی نچلی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور اس وقت ڈی تھری نے لانچ پر سے گزر جانے کے بعد فائر بند کیا تھا!

میں نے مشینی چرخے سے لپٹے ہوئے رسّے کا آزادی سرا تھام کر تاریک خلا میں چھلانگ لگا دی اور متحرک ہیلی کاپٹر کے نیچے فضا میں جھولنے لگا۔

حسب سابق ہیلی کاپٹر تیزی سے واپس مڑا لیکن دوبارہ پیچھے لگی اور اس بار ہیلی کاپٹر کا پاؤں مجھے کے عرشے پر معلق ہو کر رہ گیا۔

مشینی چرخہ حرکت میں آیا اور رسے کی سیڑھی کھلنے لگی، لیکن عرشے سے میری بلندی اس قدر کم تھی کہ میں صبر نہ کر سکا۔ اور رسہ چھوڑ دیا۔

میرے قدم عرشے سے لگنے سے پہلے کسی جانب سے ایک رائفل چلی لیکن مجھے یا ہیلی کاپٹر کو نقصان پہنچائے بغیر گولی فضا میں کہیں بھٹک گئی۔

ڈی تھری کو میری جلد بازی کا علم نہیں تھا۔ لہٰذا اس نے میرے عرشے تک منتقلی پر لمحہ بھر توقف کیا پھر ہیلی کاپٹر اچانک ہی اوپر اٹھتا چلا گیا۔

اس وقت لانچ کے تاریک عرشے پر میں بہت مخدوش حالت میں تھا۔ لہٰذا میں نے سب سے پہلے دوڑ کر اس پلیٹ فارم کی آڑلی جس پر لائف بوٹ موجود تھی۔ اور اسی کے ساتھ اسٹین گن شانے سے اتار لی۔

اس اثناء میں میری نگاہیں اندھیرے کی قدرے عادی ہو چکی تھیں اور میں کسی سفاک شکاری کی طرح چاروں طرف نگاہیں دوڑا رہا تھا۔ میدان صاف پاکر میں نے بائیں ہاتھ میں ٹرانسمیٹر تھام لیا۔

"ایگل کالنگ فادر ایکس ڈی... اوور!" میں نے ٹرانسمیٹر منہ کے قریب لا کر آہستگی سے اپنا پیغام نشر کیا۔

"ایکس ڈی رسیونگ!" احمد کی آواز میں وحشت اور تشویش نمایاں تھی۔ "تم اس وقت کہاں موجود ہو؟ اوور!"

"لانچ کے عرشے پر!" میں غیر ارادی طور پر دبے لہجے میں غرایا۔ "فوراً پہنچنے کی کوشش کرو۔ وہ لوگ ابھی تک تذبذب میں ہیں! اوور!"

اچانک مجھے اندھیرے میں اپنے سامنے ایک انسانی ہیولا تیرتا نظر آیا اور میں نے ٹرانسمیٹر پھینک کر بے اختیار اسٹین گن چلا دی! سیڑھی سے عرشے پر ابھرنے والا صرف پہلا ہی نہیں بلکہ دوسرا شخص بھی زد میں آ گیا اور دو دلدوز انسانی چیخیں فضا میں گونج اٹھیں۔

میرے لیے ان دونوں کے ہلاک یا زخمی ہونے سے زیادہ جذبات یہ تھی کہ ان کے طفیل وہ راستہ میری نگاہ میں آ گیا تھا جہاں سے گزرے بغیر نیچے والے عرشے پر نمودار نہیں ہو سکتے تھے اور وہ میرے لیے ایک بڑی کامیابی تھی!

اسی اثناء میں ہیلی کاپٹر تیسری بار لانچ پر معلق ہو چکا تھا۔ اس بار ڈی تھری نے میری رہبری سے فائرنگ نہیں کی تھی۔ لیکن گھمبیر اندھیرے میں ہیلی کاپٹر کے انجن اور پنکھڑیوں کا شور بے حد مہیب معلوم ہو رہا تھا!

اس بے پناہ شور میں نہ معلوم کیسے مجھے وہ خفیف سی آہٹ سنائی دے گئی یا شاید وہ محض چھٹی حس کا کرشمہ تھا کیونکہ میں نے

چول ہی پیچھے سر گھمایا مجھے ایک دیو ہیکل انسانی سایہ اپنے اوپر جھپٹتا نظر آیا۔ اور میں نے مشینی انداز میں اسٹین گن چلا دی۔

وہ فضا میں دونوں ہاتھ آگے کی طرف پھیلائے منہ کے بل عرشے پر ڈھیر ہو گیا۔ میری اسٹین گن نے اسے کس بری طرح چھلنی کیا تھا کہ اس کے حلق سے کوئی دردناک احتجاجی چیخ بھی آزاد نہیں ہو پائی تھی!

میری دانست میں لانچ پر وہ میرا تیسرا شکار تھا!

میرے عقب سے اس کا شور اور ہوا اس امر کا غماز تھا کہ سیڑھیوں سے عرشے پر آنے کے لیے کم از کم دو راستے تھے۔ جن میں سے ایک میرے سامنے اور دوسرا عقب میں تھا۔

عقبی راستہ میری نگاہ میں نہیں آیا تھا۔ لیکن سامنے والا راستہ میں دیکھ چکا تھا۔

اسٹین گن شانے سے لٹکا کر میں نے خود کار پستول ہاتھ میں سنبھالا اور اس راستے کی طرف ہو لیا۔

نیچے جانے والی ان سیڑھیوں کے قریب ایک شخص عرشے پر اوندھا پڑا ہوا تھا اور دوسرا تین چار قدم نیچے سیڑھیوں پر بے طرح پڑا ہوا تھا میرے پاس ان کے تفصیلی معائنے کے لیے وقت نہیں تھا۔ لہٰذا میں نے صرف ان کے نتھنوں پر انگلیاں رکھ کر یہ اطمینان کر لینے پر اکتفا کیا کہ ان کے سانسوں کی آمد و رفت مفقود ہو چکی ہے اور پھر محتاط انداز میں نیچے اترنے لگا!

زینوں کے اختتام پر سناٹا اور اندھیرا تھا۔

لانچ سے کسی منفی ردعمل کا اظہار نہ ہونے پر میں سمجھ گیا کہ جیلی کا چیلا شاید مستقل طور پر لانچ پر ہی متعین کیا ہوا تھا کیونکہ کس کے شور میں تسلسل اور یکسانیت پیدا ہو گئی تھی!

اسی لمحے مجھے اندھیرے میں کچھ فاصلے پر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور میں پھرتی سے ملحق کوئی دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا۔

اس حصے کو شاید اس لیے اندھیرا رکھا گیا تھا کہ روشنی کا انعکاس عرشے پر سیڑھیوں کی موجودگی کا راز فاش نہ کر سکے۔

آہٹیں قریب آتی گئیں۔ حتیٰ کہ مجھے یقین کرنا پڑا کہ آنے والا سیڑھیاں عبور کر کے عرشے پر جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ چنانچہ میں اپنی جگہ مستعد ہو گیا اور جیسے ہی اس نے اندھیرے میں پہلا قدم سیڑھی پر رکھا میں نے اپنے پستول کی نال بے رحمی سے اس کی پسلیوں میں اتار دی۔

"آواز پیدا کیے بغیر دونوں ہاتھ اٹھا لو!" میں نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں اسے حکم دیا۔

میری آواز سن کر وہ بری طرح بھڑکا تھا لیکن اس نے میری ہدایت کی تعمیل میں کوئی تامل نہیں کیا۔

اندھیرا بہت گہرا تھا۔ لیکن اسے ٹٹول کر میں نے اس کے داہنے ہاتھ میں موجود پستول باآسانی دریافت کر لیا۔

میں نے ایک جھٹکے سے وہ پستول اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

"اب شرافت سے اوپر چلو۔ ذرا بھی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو گولی پسلیوں کے پار نکل جائے گی!"

"تم کون ہو؟" اس کی آواز میں خوف سے زیادہ تشویش نمایاں تھی۔

"اپنی شامت بھول!" میں نے تلخ لہجے میں سرگوشی کی!

"شاید تم درست کہہ رہے ہو!" اس کے لہجے میں عجیب سا اعتماد تھا۔ "لیکن بعد میں تمہیں اپنے رویے اور جسارت پر پچھتانا پڑے گا!"

"وقت بتائے گا!" میں نے اس کے تعاقب میں احتیاط سے سیڑھیاں عبور کرتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہارا تعلق کوسٹل گارڈز سے ہے!" اس نے سیڑھیوں پر پڑی ہوئی لاش پر سے گزرتے ہوئے کہا۔ "تم لوگوں کا گشتی جیلی کا بیڑہ کچھ دیر پہلے بھی ہماری لانچ کا طواف کر کے گیا تھا!"

"کیا اس سے کوئی فرق پڑتا ہے؟" میں نے عرشے پر اس کے مقابل کھڑے ہو کر تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"جنرل سیلی ناس تمہارے محکمے کا سربراہ ہے!" وہ اسی طرح بولا جیسے کسی بچے کو کوئی بات ذہن نشین کرانا چاہتا ہو۔ "اور اسے ہم سے ایک مقررہ ماہانہ مشاہرہ ملتا ہے۔ تم شاید نئے ہو۔ صبح جب جیلی کمیں اس کی میز پر پہنچے گا تو تمہیں نااہلی کے الزام کے ساتھ نہیں جرمانہ کا پروانہ مل جائے گا!"

"لانچ پر تمہارے سمیت کل کتنے نفوس ہیں؟" میں نے اس کی ہرزہ سرائی کو اہمیت دیے بغیر سخت لہجے میں سوال کیا!

"اکیس!" اس نے قدرے توقف کے بعد جواب دیا۔ "ان میں سے دو کو مردہ یا نیم مردہ حالت میں تم دیکھ ہی چکے ہو!" اس کا اشارہ ان دونوں کی طرف تھا جو میری اسٹین گن کا شکار ہوئے تھے جبکہ تیسری لاش سے وہ شاید بے خبر تھا!

"مقدار سے لانچ پر کتنی لڑکیاں سوار کی گئی تھیں؟" میں نے براہِ راست سوال کر ڈالا، جس نے مجھے اس مہم پر اکسایا تھا!

"تلاشی لو گے تو خود ہی علم ہو جائے گا!" اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "ہمارے معاملات میں یہ دخل اندازی تمہیں مہنگی پڑ سکتی ہے!"

"مجھے تمہاری رائے نہیں جواب چاہیے!" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"ایسا نہ ہو کر نوکری سے برطرف ہونے والوں کی فہرست میں تمہارا نام بھی شامل ہو جائے!"

"جنرل ...!"

اس نے کہنا چاہا لیکن میں نے ایک تھپڑ سے گال رسید کر کے اسے خاموش کر دیا۔ "اس سے اپنے ناجائز سرپرست کا حوالہ دو ورنہ میں بار بار یہ کیے بغیر تمہیں گولی مار کر سمندر میں پھینک دوں گا!"

میرا لہجہ اتنا سرد تھا کہ وہ واقعی بوکھلا گیا۔

"تمہیں لڑکیوں سے کیا دلچسپی ہے؟" اس نے بوکھلا کے

لہجے میں سوال کیا۔

"سوالات کرنے کے بجائے جواب دو!" میں نے جھلا کر سختی سے پستول کی آہنی نال سے اس کے دہانے پر ضرب لگائی اور وہ کراہ کر پیچھے الٹ گیا!

اس کے ستارے ہی اچھے تھے کہ جھٹکے سے پستول کا ٹریگر نہیں دبا تھا۔ ورنہ اس کے چہرے کے پرخچے اڑ گئے ہوتے!

"سس ... سات لڑکیاں ہیں!" وہ نیچے سے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے جلدی سے بولا۔

"سب شعبان کے ذریعے لائی گئی تھیں؟"

"نہیں! اندھیرے میں چار عاد رو نے اس کا دماغ درست کر دیا تھا۔ "چار اس سے پہلے لائی گئی تھیں!"

اسی وقت ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔

"اینگل ریسیونگ اوور!" میں نے اپنا شکار کو نگاہوں میں رکھتے ہوئے دبیز آواز میں احمد کے پیغام کا جواب دیا۔

"ہم دونوں عرشے پر آ چکے ہیں۔ تم کدھر ہو؟ اوور!" احمد کی آواز سرگوشیانہ تھی!

"عرشے کے تقریباً وسط میں نیچے جانے والے زینوں کے پاس ایک قیدی سمیت موجود ہوں۔ اوور!" میں نے ان کی رہنمائی کے لیے کوئی واضح نشانی نہ پا کر کہا۔

"ہم آ رہے ہیں۔ اوور اینڈ آل!"

اسی لمحے عقب سے مجھ پر قیامت ٹوٹ پڑی۔

وہ کوئی دیو ہیکل شخص تھا جس نے چیتے کی سی عیاری کے ساتھ پیچھے سے مجھ پر چھلانگ لگائی تھی لیکن اندھیرے میں اندازے کی غلطی کے باعث مجھ کو اپنی گرفت میں نہ لے سکا۔ اور میں اس کی جھونک میں منہ کے بل آگے گرتا چلا گیا!

مگر سامنے میرا قیدی موجود تھا اسے مجھ سے بدلا لینے کا سنہری موقع ملا تھا۔ لہٰذا اس نے پیچھے ہٹ کر میرے چہرے پر بھرپور ٹھوکر مارنی چاہی جس نے جھک کر میرا بایاں شانہ ادھیڑ ڈالا۔

میرے لیے صورتحال یک بیک خطرناک رخ اختیار کر گئی تھی اسٹین گن گرنے کے باوجود میرے کندھے سے جھول رہی تھی اور پستول پر میں نے اپنی گرفت مضبوط رکھی تھی۔ نیچے سے اٹھتے ہوئے مجھے گشتی ایک تاریک ہیولا اپنے اوپر آتا نظر آیا۔ میں نے بے دریغ فائر کر دیا۔ اور بڑھنے والا ایک کریہہ چیخ کے ساتھ نیچے ڈھیر ہو گیا۔

سامنے والا میرے وار کا شکار ہو گیا۔ لیکن عقب سے حملہ کرنے والے نے مجھے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اپنے مضبوط بازو کے شکنجے میں دبوچ لیا۔

وہ شاید غیر مسلح تھا ورنہ اس خطرناک صورتحال سے نمٹنے کے لیے

ہونے کے لیے زور بازو کے بجائے اسلحے کے استعمال کو ترجیح دیتا!

اندھیرے کے باوجود میں نے داہنے ہاتھ میں دبا ہوا پستول دیکھ چکا تھا اور اس کی پوری کوشش یہ تھی کہ مجھے غیر مسلح کر دے جبکہ میرے لیے بدن پر چڑھی ہوئی وہ گرفت ایک بوجھ بن کر رہ گئی تھی! پھر اچانک ہی لہروں کے شور میں ایک ... تیز قدموں کا شور شامل ہو گیا۔ جس کے جواب میں اسٹین گن بھی گرج اٹھی!

فائرنگ کے اس تبادلے نے میرے حریف کو پریشانی میں ڈال دیا۔ اسی وقت میں نے پھرتی سے ایک اہم اقدام کیا اور بلندی سے تمہارے بچے کر لانچ کے قریب عرشے پر گولیاں برساتا ہوا تیزی سے ایک جانب چلا گیا۔

میرے لیے وہ قلیل سی مہلت بہت کافی تھی۔ اس دوران میں نے نہ صرف اپنے مقابل کی گرفت سے آزاد ہونے کا موقع حاصل کیا بلکہ میں نے اس کے سینے میں دو گولیاں بھی اتار دیں۔

اس کا قصہ ختم کرتے ہی میں نے پستول جیب میں ڈالا اور اسٹین گن سنبھالی اور ہاتھ سے گرا ہوا ٹرانسمیٹر تلاش کرنے لگا۔

تھوڑی سی کوشش کے بعد ٹرانسمیٹر مل تو گیا لیکن گرنے کے باعث اس کے حساس آلات ناکارہ ہو کر رہ گئے تھے۔

دھماکوں اور اسٹین گنوں کے شور میں تمام تسلسل پیدا ہو چکا تھا لیکن دونوں فریق ایک دوسرے کو کوئی نقصان پہنچانے میں ناکام رہے تھے جبکہ ہوا میں اڑتی گولیاں چاروں اطراف سے بھی گزر رہی تھیں جن سے مجھے زک پہنچنے کا احتمال تھا۔

میں نے سینے کے بل فرش پر لیٹ کر فائرنگ کی آوازوں پر کان جما دیے تاکہ فریقین کی پوزیشن کا تعین کر سکوں۔

چند ثانیوں کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ دونوں افراد مجھ سے آگے تھے اور اسٹین گن چلانے والے عرشے کے آخری سرے پر تھے۔ ان سے جا ملنے کے لیے مجھے راستہ والوں کے قریب سے ہو کر گزرنا پڑتا۔

صورتحال تیزی سے تبدیل ہو رہی تھی اور میرے لیے احمد اور شفیق سے جا ملنا بے حد ضروری تھا۔

میں چند لمحوں تک اندھیرے میں نگاہیں جمائے راستہ والوں کی پوزیشن کا تعین کرتا رہا۔ جیسے فائرنگ کی روشنی نے مجھے یہاں کی جائے پناہ بالکل واضح کر دی۔

میرا اگلا قدم بہت عجلت میں اٹھا تھا۔ ان سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ اپنی پوزیشن بدل لیتے۔ لہٰذا میں نے اپنی جیب سے دھویں کا ایک چھوٹا سا بم نکال کر ان لوگوں کی طرف اچھال دیا۔ وہ بم تھوڑے توقف کے بعد پھٹا اور اپنے قرب و جوار کی فضا کو کثیف کالے دھوئیں میں لپیٹ لیا۔

میں پیٹ اور گھٹنوں کے بل بہت تیزی سے آگے سرکنے لگا۔ دھوئیں کی چادر میں سے کئی افراد کے بری طرح کھانسنے اور بے تحاشا کھانسنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

گو میرے سینے کو الٹی حکمت کا تحفظ حاصل تھا لیکن آگے

گھسٹتے ہوئے کہنیوں پر فاصلہ عبور کر رہا تھا جو میں خاموشی سے برداشت کر رہا تھا۔
ڈھیر سے ملبے کے قریب سے گزرتے ہوئے میں نے اس طرف اندھا دھند اسٹین گن کا ایک ہلکا سا راؤنڈ چلا دیا جس کے جواب میں وہ بے ساختہ انسانی چیخیں بلند ہوئیں جن میں سے ایک میں تو یقیناً موت کا کرب نمایاں تھا۔

"کون ہے؟" اچانک کچھ دور سے ایک کڑک دار آواز گونجی جس کی شناخت میرے لیے دشوار نہیں تھی۔

"انکل!" میں نے احمد کی آواز پہچان کر اونچے لہجے میں کہا۔

"سیدھے چلے آؤ۔" شاید سیاہ دھوئیں کے پس منظر میں رینگتے متحرک ہیولے کو واضح طور پر دیکھ رہا تھا جب کہ میں آواز سننے کے باوجود اسے دیکھنے سے قاصر تھا۔

وہ دونوں بل کے پہیوں کے عقب میں موجود تھے۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم ہم سے آ ملے۔" احمد نے گہری سانس لے کر کہا "گولیاں چلانے تک ہم تمہاری طرف سے متفکر تھے۔"

"ڈی بقری سے بھی کوئی رابطہ نہیں!" کیتھی کی آواز متفکر تھی۔
"تمہارا ٹرانسمیٹر کیا ہوا؟ میں مسلسل کوشش کر رہی تھی۔"

"گر کر ناکارہ ہو گیا!" میں نے پوزیشن لیتے ہوئے کہا "وہ لوگ اس وقت حواس باختہ ہیں، شبلی فدوی کی فکر کرو اگر ان کے اوسان بحال ہو گئے تو منظم حملے کی صورت میں ہم انہیں زیر نہ کر سکیں گے ان کے پاس لانچ پر اسلحہ کا وافر ذخیرہ ہوگا۔"

"جب تک ڈی بقری فضا میں ان کے سروں پر منڈلا رہا ہے دہشت سے ان کی عقلیں ماؤف رہیں گی۔" کیتھی نے کہا۔

"انہیں اتنا بھولا نہ سمجھو۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا "انہوں نے خطرہ بھانپتے ہی جزیرے کی لانچ کا اندھیرا کر دیا تھا اور ڈی بقری بھی زیادہ دیر تک ہوا میں معلق نہیں رہ سکتا کیونکہ اس کے پاس پینتیس منٹ کا ایندھن باقی رہ گیا تھا جس میں سے اب تک تین چار منٹ گزر چکے ہیں۔ اپنا وقت پورا ہوتے ہی وہ لوٹ جائے گا۔"

یکلخت لانچ کا پورا عرشہ تیز روشنی میں نہا گیا۔ ڈی بقری نے کافی بلندی سے لانچ پر سرچ لائٹ کی تیز روشنی ڈالی تھی اور محض چند ثانیوں بعد ہی وہ روشنی معدوم ہو گئی۔

اس معرکے میں ڈی بقری کی وہ حرکت سخت نقصان دہ ہو سکتی تھی، لیکن غنیمت یہ تھا کہ اس وقت ہم تینوں محفوظ مورچے میں تھے اور چند لمحوں کی اس روشنی نے ہمیں لانچ کے عرشے کا منظر دکھا دیا تھا۔

اس وقت لانچ کے عرشے پر کل تین نفوس متحرک نظر آئے تھے، جنہوں نے روشنی ہوتے ہی خود کو آڑ میں چھپانے کی کوشش کی تھی۔

اس مشاہدے پر میرا اور احمد کا ردعمل یکساں تھا۔ ہم دونوں نے ہی بیک وقت اپنی اپنی اسٹین گن چلا دی اور سمندر کا پرہول اندھیرا ایک بار

دھماکے سے لرز اٹھا۔

اس حملے نے شاید ان کے حواس گم کر دیے کیونکہ تو کئی منٹ تک بہتے ہوئے ذروں کی جھنکار سے گونج اٹھا اور پھر اس سے پیشتر کہ ہم کچھ سمجھ پاتے ایک کے بعد دیگرے بائیں پہلو سے پُرشور چھپاکوں کی تین آوازیں ابھریں جن سے یہ واضح ہو گیا کہ وہ لوگ سمندر میں کود چکے تھے۔

میں نے محض اندازہ لگانے کے لیے مزید ایک برسٹ مارا اور گولی کی بازگشت لہروں کے شور میں دور تک گونجتی چلی گئی۔

اس طرف سے کوئی جواب نہ پا کر ہم نے اپنی جگہ چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

کیتھی اٹھ کر آگے بڑھی تو اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔

"کیا ہوا تم کو؟" میں نے نرمی سے کہا "شاید پنڈلی پر گولی سے معمولی سا زخم آیا ہے۔"

جواب دیتے ہوئے اس کی آواز کانپ سی گئی اور مجھے یہ سمجھنا دشوار نہ تھا کہ وہ شدید زخمی تھی اور اپنی تکلیف مجھ سے چھپا رہی تھی۔

"اپنی ذات سے بیزاری نہ کرو۔" میں نے اس کا بازو تھام کر کہا "پہلے پہیوں کی اوٹ میں اپنے زخم پر پٹی باندھ لو۔ ایسا نہ ہو کہ خون ضائع ہونے سے تمہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچ جائے اور ہم کچھ نہ کر سکیں۔"

"معمولی سا خون بہنے سے میں مر نہیں جاؤں گی۔" وہ چڑچڑے لہجے میں بولی "یہ وقت بیکار باتوں میں گنوانے کے بجائے آگے بڑھو۔"

احمد کے پاس جیبی ٹارچ موجود تھی لیکن اس وقت اسے جلانا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا لہٰذا ہم اندھیرے میں بے آواز قدموں سے چلتے ہوئے اس طرف بڑھنے لگے جدھر پہنچ جانے والے پہیے تاروں کی چھاؤں میں وہ ماحول کچھ عجیب سا پُراسرار تھا ہم پھونک پھونک کر قدم بڑھا رہے تھے مگر ہر لمحے کسی بھی جانب سے گولی کا خطرہ بدستور برقرار تھا۔

طاقتور بصارت رکھنے والا کوئی بھی حریف ہمیں قدرے فاصلے کی دوری سے متحرک انسانی ہیولوں کو دیکھ سکتا تھا۔

ایک جگہ بے خیالی میں احمد نے کسی چیز سے ٹھوکر کھائی جس کے نتیجے میں تیز آواز پیدا ہوئی اور ہم تینوں ہی بیک وقت پیٹوں کے بل نیچے گر گئے۔

کئی سیکنڈ تک جب کہیں سے بھی کوئی ردعمل نہ ہوا تو میں نے اپنی اسٹین گن کے دستے سے ہاتھ ہٹا کر احمد کی راہ میں حائل ہونے والی رکاوٹ کو ٹٹولنے کی کوشش کی اور میرا ہاتھ ایک ٹھنڈی لاش کے سینے پر جا ٹکا جو شاید تازہ انسانی خون سے چپچپا رہا تھا۔

"کیسی ٹھوکر تھی؟" احمد نے پوچھا۔ "کچھ نہیں" میں نے ... چھوڑ دیا اور ہم تینوں ایک بار پھر آگے کی طرف بڑھنے لگے۔

سیڑھیوں کے قریب عرشے پر کئی لاشیں ان دونوں کے لیے حیرت

کا باعث ثابت ہو رہی تھی لیکن وہ وقت نہایت خیال کا پیش تھا۔

"تم دونوں یہیں نگرانی کرو میں عرشے کا ایک چکر لگاتا ہوں۔"

احمد نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "یہاں، ہو سکتا ہے پہلے سے جو ہمارے خلاف تیار کیا گیا ہو اور جیسے ہی ہم نیچے اتریں وہ لوگ عقب سے ہماری ناکہ بندی کر دیں۔"

"وقت برباد مت کرو احمد۔" کیپٹن کے لہجے میں تکلیف کی شدت نمایاں ہو گئی تھی۔ "ایسا ہی ہے تو تم یہیں پہرہ دو، میں اس کے ساتھ نیچے جاؤں گی۔"

"ہم... ٹھیک ہے تم زخمی ہو۔" احمد نے بے چینی سے احتجاج کیا۔ "کیونکہ عرشے کے مقابلے میں نیچے کی لڑائی خطرناک ہو گی۔ ذرا سی بھی سستی ہم میں سے ہر ایک کے لیے موت کا پیغام ثابت ہو سکتی ہے۔"

"مجھے احتیاط کی ہدایت دیتے ہو تو گولی مار کر پھینک دو۔" وہ غصے سے بولی۔ "بجائے ان خرافات کے میری فکر چھوڑ کر کام کی بات کرو۔"

میں نے شانہ ہلا کر ان دونوں کو خاموش کر دیا۔ ہمارے نیچے واقعی کوئی آواز سنائی دی تھی یا وہ میری چھٹی حس کا کرشمہ تھا، میں تیزی سے نیچے سرک گیا۔

اسی لمحے لانچ کی نچلی منزل میں ایک جھونکا سا ابھرا اور دائیں کا شعلہ سیڑھیوں کے خلا میں سے نمودار ہو کر آسمان کی طرف تیر گیا۔

فائر کیا جانے سے پہلے ایک کرخت پنجابی قہقہہ ابھرا اور میں نے محفوظ سمت سے اسٹین گن کا دہانہ تاریک خلا کی طرف جھکا کر فائر کھول دیا۔ بارود کی بو کے ساتھ تسلسل میں وہ قہقہہ مسلسل گونج رہا تھا۔ وہ قہقہہ کسی صحیح الدماغ آدمی کا نہیں محسوس ہو رہا تھا۔

"زندگی چاہتے ہو تو باہر آ جاؤ..." میں نے فائر روک کر تحکمانہ لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

"تم عقب کتنی دیر سے ہمارے گریبان تک پہنچ سکیں گے؟" اس کی گونجیلی آواز میں زہر کی سی کاٹ تھی۔

"عرشے پہ تمہارے سارے آدمی مارے گئے ہیں یا سمندر میں چھلانگیں لگا کر فرار ہو گئے ہیں۔" میں نے اس کا اعتماد ختم کرنے کی نیت سے کہا۔ "شاید تم پوری جیٹی میں تنہا احمق ہو جو پنجرے میں پھنسے رہ گئے ہو۔"

"تم بھرے ہوئے ہو۔" اس کی آواز اس بار زخم خوردہ تھی۔ "میں تم سب کو شکار کیے سر بازار دیتے کھو دوں گا۔ جنرل ریبین خاص ہم سے ناچلہ تنخواہ دار ہیں۔ ان کے کتوں کی مجال کہ اپنے آقاؤں پہ جھپٹنے لگے ہیں۔"

وہ جو بھی تھا اپنی انا کے غرور میں مبتلا تھا اور اس کی انا کو ٹھیس پہنچائے بغیر اسے زیر کرنا ناممکنات میں سے نظر آ رہا تھا۔

کیپٹن کو سرگوشی میں زینے کی نگرانی کی ہدایت کر کے میں احمد کو بے آواز قدموں سے پیچھے لے گیا۔

"وہ اکیلا نہیں ہو سکتا۔" وہ بیٹھے ہی احمد نے بولی ہوئی پرجوش آواز میں کہا۔ "لانچ چل رہی ہے اور اس کا انجن بھی بند ہے۔"

"اس کے پاس نفری کم ہو گئی ہے۔" میں نے کہا۔ "وہاں

لوگوں میں سے ہے جو اپنے منطقی حوالوں سے آخری سانس تک پھر لیے انداز میں کام لیتے ہیں کے علاوہ ہوتے ہیں۔ تم فوری طور پہ نیچے اترنے کا کوئی دوسرا راستہ تلاش کرو۔"

"دوسرا راستہ!" وہ بڑبڑایا۔ "ہاں ظاہر ہے کہ لانچ کی ادویل بھی اس مقصد سے شیشے سے آ نیچے نہیں لے جائی جا سکتیں۔"

"بڑے راستے کو بھول جاؤ۔" میں نے قطعی لہجے میں کہا۔ "ہو سکتا ہے جانے والا راستہ سمجھتے ہوں کہ بند کر دیا گیا ہو گا لیکن ہنگامی زینہ بھی ضرور ہونا چاہیے۔"

"میں چکر لگاتا ہوں۔" اس نے خندہ پیشانی سے کہا۔ "رات ہو گیا تو اندر اترنے کی کوشش کروں گا۔"

وہ اندھیرے میں ایک طرف چل دیا۔ میں واپس کیپٹن کے پاس آ گیا۔

"تمہاری..."

اس نے میری موجودگی کو محسوس کر کے کچھ کہنا چاہا لیکن میں نے سختی کے ساتھ اسے خاموش کرا دیا۔

کئی ثانیوں تک نیچے اعصاب شکن سکوت چھایا رہا پھر اکتا کر مجھی کو بولنا پڑا۔

"تمہارا تعلق کوسٹل گارڈ سے ہے؟" اس کے لہجے اور کے الفاظ میں پرسکون مالکیت بھری ہوئی تھی۔

"جو چاہو سمجھ لو۔" میں نے مبہم سا جواب دیا۔

"کوسٹل گارڈ کا کوئی آفیسر تمہارا پشت پناہی کر رہا ہے؟" اس کی جھلائی ہوئی غراہٹ سنائی دی۔

"جانتے ہو تو انجان بن کر سوال نہ کرو۔"

"ہم سے کیا چاہتے ہو؟"

"لانچ کی غیر مشروط اور آزادانہ تلاشی۔"

"مجھ سے بن ہو کر لانچ پر کیا ہے؟" اس کی آواز ابھری۔ "معاملہ سے غیر قانونی طور پر ملوث تھی تو اس کی ادھوری کہہ سکتے تمہیں کیا ملے گا؟"

"ہماری اطلاعات مختلف ہیں۔"

"اطلاعات گمراہ کن بھی ہوتی ہیں، پھر بھی میں جاننا چاہوں گا کہ تمہیں کس مخبر نے اتنی بڑی مہم پہ مجبور کیا؟"

"مذاکرات میں الجھا کر وقت ضائع کرنے کے بجائے آپات یا نفی میں جواب دو۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"تم تلاشی ہی لینا چاہتے ہو نا؟"

"مگر کوئی چال چلی گئی تو وہ خود تمہارے حق میں نقصان دہ ہو گی۔"

اندھیرے میں اس کی آسودہ سی ہنسی ابھری۔ "ہم نے پہلے سے ہی بندوبست کر کے ہماری مسافت کو ہلاک ہے۔ تم شاید کسی اجنبی دوست کی تلاش میں ہو۔ خوش قسمتی سے تمہیں فراہم کر دی جائے گی۔ بولو کیا چاہتے ہو؟"

"پہلے تم اپنے بچاؤ کے لیے خود سیدھی بات کرو۔"

"تو پھر تم نیچے چلے آؤ۔" اس نے بلا تامل کہا۔ "یہ یاد رکھنا کہ سیڑھیوں پہ دوسرے سے قدموں کی چاپ سنائی دی تو بے دریغ گولی چلا دوں گا۔"

"میں آئی ایس آئی کا آفیسر ہوں اور تم شاید تم اکیلے ہو... بچے چلا جاؤ گے... یہ شکاری مہربانی نہیں چل سکے گی، تمہیں ابھرنا ہو گا۔"

"تم میرے ساتھ دغا کر سکتے ہو۔"

"یہ شبہ تمہارے بارے میں بھی ہے۔" میں نے بلا تامل کہہ ڈالا۔ "اس بے اعتباری کا حل تمہیں ہی تلاش کرنا ہے۔"

"تمہارے ساتھ کتنی نفری ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"صرف سات نفوس۔" میں نے نفسیاتی طور پہ مرعوب کرنے کے لیے کہا۔

"یہ سات آدمی کہاں بازو سمیٹے ہوئے ہیں؟" اس کا لہجہ تمسخرانہ تھا۔

"کوسٹل گارڈ کے سفید جیٹی کا پٹرول ہیں تو صرف دو مشکل ہوئی ہیں۔"

"میں نے جیٹی کا پٹرول ... تھا۔" میں نے تمام بحث کے دوران تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "چھ افراد موٹر بوٹ سے پہنچے تھے۔"

"تھا... ہے..."

اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ قریبی گھاٹی کا ہیلی کاپٹر دور سے نیچے آ گیا۔ جس نے اپنی سرچ لائٹ آن کی اور پنچ پر سے گزرتا ہوا سیدھا ایک طرف چلا گیا۔

بے ساختہ میری نگاہ اپنی رسٹ واچ پر چلی گئی۔ دن بھری تھا میں اپنے محبوب منصوبے کے قریب پہنچ چکا تھا اور جانے کتنے تکلیف دہ خطرے مول لے کر لانچ کا آخری خفیہ جائزہ لیتا ہوا آ گیا تھا۔

"تم کیا کر رہے تھے؟" ہیلی کاپٹر کا شور معدوم ہو جانے کے بعد قدرے توقف سے میں نے اپنا سوال دہرایا۔

"میں اپنا ایک آدمی بطور ضمانت اوپر بھیجتا ہوں اور تم خود نیچے آ جاؤ۔ پھر ہم دونوں مل بیٹھ کر طے کریں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔"

"احتیاطاً یہ بھی بتا دوں کہ ابھی ابھی ہمارا ہیلی کاپٹر واپس چلا گیا ہے۔" میں نے سینہ زوری کرتے ہوئے کہا۔

"کہاں؟" اس کی آواز میں حیرت نمایاں تھی۔

"ٹھیک پینے میں۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔ "اس کا وائرلیس سسٹم معمولی سا کچھ خراب ہو گیا تھا، ورنہ یہ نوبت نہ آتی۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی واپسی سے پہلے یہ معاملہ طے ہو جانا چاہیے ورنہ الجھنیں بڑھ جائیں گی۔" اس کا موڈ یکسر بدلا ہوا تھا۔

"یہ سوچنا میرا نہیں تمہارا کام ہے۔"

"چند لمحوں کے لیے انتظار کرو۔" نیچے سے اس کی آواز ابھری۔

اس کا رویہ انتظار ہی تھا جب کہ میں نے ہر قدم منصوبہ بندی کے تحت اٹھایا تھا۔ اس کے مہلت طلب کرنے کا مطلب تھا کہ وہ کسی کو اوپر بھیجنے کے لیے آمادہ کرنے اپنی جگہ سے چلا گیا تھا۔

میں نے کیپٹن کو اشارہ کیا، پھر جیب سے ماچس کی ڈبیہ نکال کر سیڑھیوں پہ اچھال دی۔

ماچس کی ڈبیہ کے گرنے کی آواز میرے لیے بہت زیادہ پرشور تھی مگر نیچے اس کا کوئی ردعمل نہ ہوا۔ یعنی اس نے ناپسندیدہ خبیث کی کوئی چنگھاڑ سنائی دی اور نہ اس کھٹکے پہ کوئی گولی چلی۔

میں نے کیپٹن کو اشارہ کیا اور اسٹین گن کی نال سیدھی کر کے بے آواز قدموں سے نیچے اترنے لگا۔

سیڑھیوں کی طوالت مجھے غیر معمولی محسوس ہوئی لیکن یہ باعث اطمینان تھی کہ نیچے پہنچنے تک ہمارے ساتھ کوئی تعرض نہیں کیا گیا تھا۔

سیڑھیوں کا اختتام ایک بلائنڈ کاریڈور سے ہوا تھا جہاں سے براہ راست آگے بڑھنا ممکن تھا لیکن دائیں اور بائیں دو راستے موجود تھے۔ ادھر سے ابھرنے والی آوازوں کے سلسلے میں میں نے دائیں سمت والے راستے کو ترجیح دی کیونکہ اس راہداری سے انجن وغیرہ کی آوازیں اس سمت کی نشاندہی کر رہی تھیں اور ادھر کچھ روشنی بھی نظر آ رہی تھی۔

ہم دونوں ہی تیزی سے دبے قدموں آگے بڑھے اور اس کشادہ کمرے کے قریب پہنچ گئے جو اس لانچ کا انجن روم تھا۔ راہداری میں روشنی اسی کمرے سے آ رہی تھی۔

کیپٹن میرے اشارے پہ راہداری میں رکی رہی اور میں انجن روم میں داخل ہو گیا۔

وہاں کل تین نفوس تھے جو ایک بڑے مکینکل انجن کے قریب کھڑے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس وقت وہاں کوئی جو تھا خود موجود نہیں تھا۔

"ہینڈز اپ۔" میں نے اسٹین گن کی نال سیدھی کر کے تقریباً چیختے ہوئے ان تینوں کو حکم دیا۔

وہ تینوں ہی بوکھلا کر تیزی سے میری طرف پلٹے تھے لیکن تیسرا میری صورت دیکھتے ہی نتائج کی پروا کیے بغیر واپس بھاگ نکلا۔

وہ قوی الجثہ اور ادھیڑ عمر سیاہ فام اتنی سرعت سے تعیینات کی آڑ لیتا ہوا فرار ہوا تھا کہ میں اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکا۔

پھر انجن کے شور میں شیشہ ٹوٹنے کا چھناکا ہوا اور میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ وہ شخص شاید کسی پورٹ ہول کا شیشہ توڑ کر سمندر میں کود گیا تھا۔

"ہم دونوں اس لانچ کے ڈرائیور ہیں۔" بچ جانے والوں میں سے ایک نے جلدی سے کہا۔ "تمہارے جھگڑے سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے۔"

"بھاگنے والا کون تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ صحیح اسی کی ملکیت ہے۔ باقی سارا عملہ اس کا تنخواہ دار ہے۔" اسی شخص نے سہمے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

اپنی پوزیشن کی وضاحت کرنے کے باوجود وہ اپنے انجام سے خائف نظر آ رہا تھا کیونکہ شدید فائرنگ کے تبادلے کے بعد ان کا یوں بے بس کر لیا جانا معنی خیز تھا۔

"باہر لانچ کی تمام روشنیاں جلا دو۔" میں نے حکم دیا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ایک سیڑھی پورچ کی طرف بڑھ گیا۔

"فوراً ہی بدمعاشی کرنے کی کوشش کی تو بھیجا اڑا دوں گا۔" میں نے اسٹین گن کا رخ اس کی طرف گھماتے ہوئے کہا۔

اس نے ایک سوئچ آن کیا اور شرافت سے واپس آ گیا۔

"اندر چلی آؤ۔" میں نے سر گھمائے بغیر کیتھی کو حکم دیا۔

وہ لنگڑاتی ہوئی میرے قریب آ کھڑی ہوئی اور میں روشنی میں اس کی حالت دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

اس کی پتلون کا دایاں پائنچا بری طرح خون میں لتھڑا ہوا تھا اور وہ بائیں پیر پر اپنے جسم کا وزن سنبھالے کھڑی تھی۔

"میری فکر نہ کرو۔" وہ مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی مسکرائی۔ "اس قصے کو ختم کرنے کی کوشش کرو تاکہ سکون سے مرہم پٹی ہو سکے۔"

اس کی حالت میرے لیے ناقابلِ برداشت تھی مگر اس وقت میں اس سے کام لینے پر مجبور ہو کر رہ گیا تھا۔

ان دونوں کو کیتھی کے نشانے پر چھوڑ کر میں نے یکے بعد دیگرے ان دونوں کی تلاشی لی اور انہیں ہاتھ گرانے کی اجازت دے دی۔

"لانچ پر کل کتنا عملہ تھا؟" میں نے ان سے سوال کیا۔

"آٹھ افراد۔" دوسرے نے جواب دیا۔ "لانچ کا مالک اور اس کے دو ساتھی ہمارے علاوہ موجود تھے۔"

میں نے دل ہی دل میں حساب لگایا اور مجھے تاثر ملا کہ مرنے والوں اور فرار ہونے والوں کے علاوہ غالباً صرف یہی دو افراد لانچ پر تھے۔

"کیا اس لانچ کے لیے اتنا اسٹاف ضروری تھا؟"

"دو سیل لانچ چلانے والے تو صرف چار ہی تھے۔ باقی چار مسلح محافظ تھے جو دورانِ سفر ہمارا ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتے تھے۔"

"لڑکیاں کہاں ہیں؟"

"لڑکیاں؟" ان دونوں ہی نے بے ساختہ حیرت کا مظاہرہ کیا تھا اور ان کے اس ابتدائی ردعمل نے مجھے یقین کر لینا پڑا کہ لڑکیوں والے معاملے سے وہ لاعلم تھے۔

"مقتاوا کے گھاٹ سے لانچ پر کیا لادا گیا تھا؟" میں نے انہیں کریدنے کے لیے سوال کیا۔

"بظاہر لانچ پر صرف اناج تھا۔" ایک شخص نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن اناج کی منتقلی شروع ہونے سے دو گھنٹے پہلے لانچ چلانے والے چاروں افراد ایک محافظ کی نگرانی میں بھیجے گئے تھے۔ اس دوران میں اگر کچھ ہوا ہو تو اس سے ہم لاعلم ہیں۔"

"تمہارے لیے وہ دو گھنٹے مشکوک نہیں تھے؟"

"مشکوک؟" میرا جواب سننے سے پہلے وہ اعتدال پر آ گیا تھا۔

"ہمیں یقین ہے کہ اس لانچ پر ہمیں اور ہمارا ہر سفر غیر قانونی ہوتا ہے کیونکہ

دھندوں کی لپیٹ میں پچاس گھنٹوں کی بھی کبھی کبھار حق نہیں ہوتی تھی۔"

"میں تمہیں بتلا رہا ہوں کہ اس لانچ پر اغوا کی ہوئی کم از کم سات لڑکیاں موجود ہیں جن کی تلاش میں تم دونوں کو ہماری مدد کرنی ہے۔"

"وہ آخری کیبن میں ہی بند ہوں گی۔" دوسرے نے آہستگی سے کہا۔ "لیکن ان کی بازیابی کے بعد ہمارا کیا حشر ہو گا؟"

کوئی تعاون کرنے سے پہلے وہ اپنے مستقبل کی ضمانت چاہتے تھے۔

"تمہیں ہم سے کوئی خطرہ نہیں۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ اس معاملے میں تمہارے ہاتھ صاف ہیں۔ ہمیں کسی محفوظ ساحل پر اتارنے کے بعد تم جہاں چاہو لانچ سمیت جانے کے لیے آزاد ہو۔"

"اور لڑکیاں؟" کسی نے سوال کیا۔

"وہ ہمارے ساتھ جائیں گی۔"

"تو تمہارا تعلق شاید کوسٹل گارڈز سے نہیں ہے؟" وارونڈ نے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"یہ اندازہ کیسے لگایا تم نے؟"

"سیف وسیل کا بڑنے حملے سے پہلے کئی بار لانچ پر پھیرا لگ چکا تھا۔ وہ اور کیف نے بھی یہی بتایا تھا کہ کوسٹل گارڈز نے بھیجا ہے؟"

"اور کیف بھی تو جاسوسی کا شکار ہے؟" میں نے اس کے او جزیرے کے بارے میں سوال کیا۔

"جی نہیں۔" جواب مختصر تھا۔

ان میں سے ایک کو کیتھی کی نگرانی میں انجن کی دیکھ بھال کے لیے وہیں چھوڑ دیا گیا۔ میں نے جاتے جاتے اس شخص کو تاکید کی کہ وہ زخمی کیتھی کے ساتھ کوئی چال چلنے کی کوشش نہ کرے کیوں کہ اس نے حوصلہ افزا رویے کا اظہار کیا تھا۔

پھر میں جیسے ہی باہر برآمدے میں نکلا لانچ کا پچھلا حصہ ایک دھماکے کے ہولناک شور کے ساتھ لرز اٹھا اور اس کے ساتھ ایک کربناک چیخ بھی سنائی دی۔

چیخ کے معدوم ہونے سے پہلے ہی میں تیزی سے آگے بڑھا اور میرا دل بیٹھ سا گیا کیونکہ وہ چیخ سو فیصد احمد کی معلوم ہوتی تھی۔

"احمد!" میں اضطراری طور پر پوری قوت سے چیخ پڑا۔

چیخ اس بند ہال میں گونجی تھی لہٰذا مجھے سمت کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکا لیکن اس ملاح نے میرا ہاتھ تھام کر ایک طرف دوڑ لگا دی۔

تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ہم دونوں وہاں پہنچ گئے جہاں احمد شدید زخمی حالت میں پڑا ہوا اپنی اسٹین گن کی طرف سرکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس کا دایاں شانہ بری طرح زخمی ہوا تھا جس سے بہنے والا تازہ خون لباس کے ساتھ ہی فرش کو بھی رنگین کرتا جا رہا تھا۔

"شانے کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔" احمد کراہتے ہوئے بولا۔ "تم اس

اس وقت دہشت سے میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ اگر میرا ذہن ٹھیک تھا تو رائفل ہاتھ لگ جانے کے بعد سیتا یک بہ یک خونخوار ہو چکی تھی اور اس قید سے نجات پانے کے لیے سامنے آنے والے ہر ذی روح کو فنا کرنے پر تل گئی تھی۔

سیڑھیوں تک پہنچنے کے لیے میں نے انجن روم والی راہداری اختیار کی۔ وہاں کی صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

"احمد زندہ ہے!" میں نے انجن روم کے سامنے سے گزرتے ہوئے کیپٹن سے کہا۔ "شاید سیتا نے رہائی حاصل کر کے ایک رائفل پر قبضہ کر لیا ہے۔"

میں سیتا کے امکانی فائر کو نظر انداز کر کے بے تحاشا عرشے پر جا نکلا۔ وہ عرشے کے وسط میں کھڑی بے حد تیزی کے ساتھ رسیوں سے بندھی ہوئی لائف بوٹ کھولنے میں مصروف تھی۔

"رک جاؤ سیتا!" میں شدت حال، بے بسی، غصے اور جذباتی ہیجان کے ملے جلے اثرات کے تحت چیخ اٹھا۔

اس نے ایک لمحے کے لیے پلٹ کر میری طرف دیکھا۔ بے اختیار میری نگاہوں میں نمی سی آ گئی اور دل اتنی تیزی سے دھڑکنے لگا جیسے کسی بھی لمحے پسلیاں توڑ کر باہر اچھل آئے گا۔

برسوں کے فراق کے بعد وہ سیتا کی پہلی جھلک تھی اور ۔۔۔۔

وہ ایک نگاہ ہی اس قدر پُرجوش تھی کہ میرے سینے میں اپنے جذبات کا بھرپور ادراک ہو کر رہ گیا تھا۔

وہ بالکل وہی سیتا تھی جو انبالہ کے ہوٹل سے مجھ سے لڑ جھگڑ کر نکلی تھی اور کسی طرف نکل گئی تھی اور جس کی تلاش میں انسانوں کے سمندر میں اسے تلاش کرتا رہا تب سے جہاں جہاں کی ٹھوکریں کھاتا پھر رہا تھا۔

وہی سرخ و سفید چہرہ، وہی طویل قامت، وہی گندمی سراپا اور وہی نشست کے بل میری نگاہوں کے سامنے موجود تھے۔

فرق صرف اتنا تھا کہ وقت نے اس الھڑ چلبلی دوشیزہ کو زندگی گزارنے کے وہ باغیانہ انداز سکھا دیے تھے جو انسان کو بدترین حالات میں بھی ہتھیار ڈالنے کی راہ نہیں سجھاتے۔

اس کے بدن پر چست پتلون اور چرمی جیکٹ چڑھی ہوئی تھی اور رائفل کندھے سے جھول رہی تھی۔

اس نے مڑ کر ایک نگاہ غلط انداز ڈالنے کے سوا میری آواز کا کوئی جواب نہ دیا اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے لائف بوٹ سمندر میں پھینک کر اس کے جھکولے لیتے ہوئے سمندر کی سرکش موجوں پر چھلانگ لگا دی۔

یک بہ یک میرا دل ڈوبنے لگا۔ یہ دوسرا موقع تھا کہ وہ سامنے ہونے کے باوجود مجھے نہیں پہچان سکی تھی۔

میں نے بھی جذبات سے بے قابو ہو کر اس کے پیچھے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ اپنی اسٹین گن میں نے عرشے پر ہی پھینک دی تھی۔ رسی بندھی بوٹ سے بھی نجات حاصل کر لی تھی کیونکہ وہ پانی کے دباؤ سے پھٹ کر جیب سے اڑ جاتا۔ سکتے تھے۔

میں چند ثانیوں بعد پانی کی سطح پر ابھرا تو سیتا مجھ سے چند فٹ دور لائف بوٹ پر چڑھ رہی تھی۔ میں نے اس کی طرف بڑھنے کے لیے جونہی ہاتھوں کو جنبش دی تو میری پسلیوں میں درد کی ایک ناقابل برداشت ٹیس ابھری اور میں کانپ کر رہ گیا۔

یخ بستہ پانی کے ساتھ ہی مندمل ہوتے ہوئے پرانے زخم کی تکلیف میرے لیے ایک عذاب سے کم نہیں تھی۔

پسلیوں کا اندرونی زخم اس حد تک تو مندمل ہو چکا تھا کہ روزمرہ کے معمولات سرانجام دینے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آتی تھی لیکن دس بارہ فٹ کی بلندی سے سمندر میں چھلانگ لگانے کا تجربہ بہرحال دوسرا بدترین تجربہ تھا۔

"رکو سیتا!" اسے لائف بوٹ کا چپو سنبھالتے دیکھ کر میں کربناک آواز میں چیخا۔ "میں معذور ہوں۔ مجھے بچانے کی کوشش کرو۔"

اس بار میں اردو میں مخاطب ہوا تھا۔

اس وقت میری آواز میں نہ جانے کیا تاثیر تھی کہ وہ بجلی کی سی سرعت سے بوٹ سے دوبارہ سمندر میں کود گئی۔ اس نے محض چند ہی الفاظ پر اس ردعمل کا اظہار کیا تھا۔

میں پہلے جہاں پر موجود لائف جیکٹ کی وجہ سے کوئی جدوجہد کیے بغیر پانی کی سطح پر موجود تھا۔ اس کا والہانہ ردعمل دیکھ کر میرے وجود میں لازوال آسودگی کی ایک لہر سرایت کر گئی۔ آخر کار اس نے مجھے پہچان ہی لیا تھا۔

وہ دیوانہ وار ہاتھ چلاتی میری طرف بڑھ رہی تھی۔ میرے ذہن سے اپنی تکلیف اور سمندر کے یخ بستہ پانی کا احساس مٹ چکا تھا۔ مجھ تک پہنچنے کے لیے سیتا کی تڑپ دیکھ کر مجھے بے پناہ ذہنی سکون اور لذت کی ایک ایسی دلدل میں دھنستا ہی چلا جا رہا تھا۔

فاصلہ طے کرتے ہوئے آخری اسٹروک میں سیتا دیوانگی اور جنون کے عالم میں میرے سینے سے لپٹ گئی اور میں نے بھی پوری قوت سے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

وقت گویا ایک جگہ ٹھہر گیا۔ لمحات امر ہو گئے۔ پھر میں نے اس کے سینے کے زیر و بم سے محسوس کیا کہ وہ کسی معصوم بچی کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی جیسے برسوں سے بچھڑی ہوئی شفقت اچانک ہی میسر آ گئی ہو۔

"عقل سے کام لو۔" میں نے اسے والہانہ دلاسہ دینا چاہا تو میری آواز بھرائی ہوئی تھی۔ "میں زخمی ہوں۔ مجھے سہارا دے کر بوٹ کی طرف پہنچنے کی کوشش کرو۔"

"تم... تم کہاں تھے؟" وہ میرا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بلک کر بولی۔ "میری آنکھیں ترس گئی تھیں۔ بھاگتے بھاگتے تھک گئی منصور! تمہاری بانہوں میں گرتے ہوئے سکون ہو جاتا ہے۔"

یہ لمحات میرے لیے ایک ٹھہرا ہوا خواب بن کر رہ گئے تھے۔

لانچ کے عرشے سے آنے والی روشنیوں کے انعکاس میں اس کی جھیل جیسی نیلی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

"تمہارے بدن پر لائف جیکٹ موجود ہے۔" وہ پانی میں ہاتھ چلاتے ہوئے کہہ رہی تھی اور میں سینے کے بل سمندر کی پرسکون موجوں پر پڑا اس کو تکے جا رہا تھا۔ میرے لیے اس کا دوبارہ حصول ایک ناقابل یقین سہانے خواب جیسا تھا۔

"تم یہیں رکو، میں بوٹ لے کر آتی ہوں۔" اس کے لہجے میں محبت کی چاشنی تھی اور چہرہ اس کے دلی جذبات کی ترجمانی کیے جا رہا تھا۔

وہ بوٹ کی طرف چلی گئی اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میرے لیے اس رات سب کچھ ناقابل یقین ثابت ہو رہا تھا۔

سیتا نے تاہو کی ایک عمارت میں محصور ہو جانے کے موقع پر بگولوں میں میری آواز پہچاننے سے انکار کر دیا تھا اور دوسری بار فرار ہونے سے پہلے جب اس نے میری آواز کا جواب نہیں دیا تو میرا دل ڈوبنے لگا تھا۔

مجھے گمان ہوا تھا کہ حوادث زمانہ نے میری ذات اور نقش کو اس حد تک تبدیل کر کے رکھ دیا تھا کہ سیتا کے لیے بآسانی مجھے پہچاننا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا اور اس کے سامنے مجھے خود کو منصور علی ثابت کرنے کے لالے پڑ جاتے اور پسینہ آ جاتا۔

لیکن جہاں رشتوں کا تعلق دل کی گہرائیوں سے ہو وہاں ملبوس و نقش کی ظاہری ہیئت کام نہیں آتی بلکہ مضبوط حیوانی جبلت انتہائی پُرخلوص انداز میں سرچشمہ کر لیتی ہے۔

سیتا میری آواز سن کر مجھے نہ پہچانی تھی لیکن جب اس کی کوئی لاشعوری حس بیدار ہوئی تو اسے مجھ سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں رہی۔ سمندر سے مجھ لینے والی سیتا محض ایک عورت کی طرح میرے سینے سے لگی۔

مجھے پہچاننے تک وہ وحشی بھیڑیوں کے غول میں گھری ہوئی ہرنی کی طرح تھی جسے اپنی بقا کی جنگ میں ارد گرد ماحول میں کسی ہم نفس کی امید نہیں ہوتی اور وہ سامنے حائل ہونے والی ہر شے کو بلا تامل اپنے سینگوں سے الٹ کر جنگل بھاگ نکلنے کی فکر میں ہوتی ہے۔

ہمالیہ کے پہاڑوں میں بے رحم سمندر کی آغوش اور بندھنوں کی محبت سے ناآشنا پہاڑوں پر چڑھنے والی معصوم سیتا کا ہیولا میرے لیے ایک کہانی تھا۔

ایک وقت وہ تھا کہ جب سیتا میرے ہمراہ پہاڑوں سے اتر کر ہندوستان کے شہروں میں داخل ہوئی تو عمارات سے لے کر بسوں اور ٹرکوں تک ہر چیز کو دیکھ کر حیرت سے آنکھیں پھاڑا کرتی تھی اور اس وقت وہ ہر قسم کے جدید اسلحے کے استعمال پر قادر تھی بلکہ میرے بدن پر موجود لائف جیکٹ کو بھی پہچان سکتی تھی۔

سیتا لائف بوٹ میرے قریب لے آئی اور مجھے سہارا دے کر بوٹ میں سوار کرا لیا۔

"مجھے اپنی آنکھوں پر ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔" وہ خوشی سے بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "تم اس وقت کہاں تک ہو؟"

"ابلاغ میں پھڑ کر بحیرۂ عرب کے پانیوں پر بیٹھے ہیں۔" میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"اوہ! تم زخمی بھی تو ہو۔" وہ چونک کر بولی۔

"فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔ "کچھ عرصہ قبل پسلیوں پر اندرونی ضربات آئی تھیں۔ سمندر میں کودنے سے اندرونی درد شروع ہو گیا۔"

وہ والہانہ انداز میں میرے وجود کا مانوس لمس محسوس کرنے میں مصروف تھی اور میری نگاہیں لانچ کے ویران عرشے پر جمی ہوئی تھیں۔

ہم دونوں کے لیے لانچ کی بلند آہنی دیوار پر چڑھ کر اوپر پہنچنا دشوار تھا۔ پھر مجھے اس موٹر بوٹ کا خیال آیا جو احمد اور کیپٹن نے لانچ پر لاتے ہوئے اس کے عقب میں چھوڑی تھی۔ میرے ایما پر سیتا لائف بوٹ اس رخ پر لے گئی تو میدان صاف تھا۔ شاید لانچ سے فرار ہونے والوں نے موٹر بوٹ پر ہاتھ صاف کیا تھا۔

لانچ کی رفتار گو سست ہو چکی تھی مگر وہ بدستور کھلے اور پرسکون سمندر میں آگے بڑھتی جا رہی تھی اور اس کے عقب میں پیدا ہونے والی لہروں کے اچھال کے باعث لائف بوٹ کو اس کے قریب لے جانا دشوار ہو رہا تھا۔

لائف بوٹ پانی میں ڈانواں ڈول تھی۔ رفتہ رفتہ لانچ کا وہ رخ ہمارے سامنے آ گیا جہاں انجن روم کی روشنی میں پورٹ ہول کا ٹوٹا ہوا شیشہ نظر آ رہا تھا جس سے وکیف فرار ہوا تھا۔

"کیپٹن کا نام لے کر زور زور سے چلاؤ۔" سیتا کو ہدایت دے کر میں نے بھی پوری قوت سے چلانا شروع کر دیا۔

ہم دونوں گلے پھاڑ پھاڑ کر چیختے رہے لیکن لانچ والوں پر ہماری آوازوں کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ رفتہ رفتہ لانچ ہم سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

سیتا مدد کے لیے چلانے کے ساتھ ہی پوری رفتار سے چپو بھی چلا رہی تھی لیکن لائف بوٹ کی رفتار لانچ کا مقابلہ کرنے سے قاصر تھی۔

آخر ناامید ہو کر ہم دونوں ہی خاموش ہو گئے۔ ان حالات میں تن بہ تقدیر ہو کر انتظار کرنے کے علاوہ کوئی راہ نہیں تھی۔

"میری حماقت سے یہ مشکل پیش آئی۔" وہ پچھتاتے ہوئے مجھ سے بولی۔ اپنی غلطی کے اعتراف کا اس کا وہ پرانا انداز تھا۔

"غنیمت ہوا کہ تم نے پلٹ کر مجھ پر گولی نہیں چلائی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ورنہ۔۔۔"

اس نے بے اختیار اپنا ہاتھ میرے دل پر رکھ دیا۔ "آگے نہ بڑھو۔ مجھے تمہارے ہاتھوں تمہیں ذرا بھی زک پہنچی تو میں زندگی بھر خود کو معاف نہ کر سکوں گی!"

"تمہیں علم ہی نہیں ہو سکا تھا کہ تمہارا شکار کون ہوا ہے؟" میں کھلے سمندر میں پھنس جانے کے باوجود خود کو بشاش محسوس کر رہا تھا۔ "تم تو سمندر میں چھلانگ لگا کر خاموشی سے کسی طرف فرار ہو جاتیں۔"

"یہ لانچ کس کی ہے؟" اس نے تجسس لہجے میں سوال کیا۔

"بردہ فروشوں کی۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "انھوں نے سوڈان سے تمہیں جنوبی افریقہ کے لیے خریدا تھا۔"

"او ہو۔ پھر تو غضب ہو گیا۔" وہ یک لخت مضطرب ہو گئی۔ "اس کا مطلب ہوا کہ باقی لڑکیاں ابھی تک ان کے قبضے میں ہیں۔"

"وہ کہاں ہیں؟" مجھے یاد آیا کہ سیتا کے علاوہ بھی لانچ پر کئی لڑکیاں موجود تھیں۔

"نیچے تہ خانے میں ایک کیبن میں بند ہیں۔"

"اب تک تو نکل آئی ہوں گی۔"

"نہیں۔" اس نے مایوسی سے اپنے سر کو جنبش دی اور اپنا سر میرے شانے سے ٹکا لیا۔ "ان سب کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں۔ وہ صرف کھانے کے وقت ہمارے ہاتھ کھولتے تھے اور دو آدمی ہماری نگرانی کرتے تھے۔ نارنگ کا شکار بننے کے بعد میں نے بڑی مشکل سے خود کو بندشوں سے آزاد کرایا تھا۔"

"رائفل کہاں سے ملی تھی؟"

"رائفل اور یہ جیکٹ میں نے سیڑھیوں کے قریب پڑی ہوئی ایک لاش سے حاصل کی تھی۔" اس نے اپنی جیکٹ کے بارے میں بھی بتا ڈالا۔

"وہ سب لانچ سے بھاگ نکلے۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "اب لانچ پر ان کے فقط دو آدمی رہ گئے ہیں جو بظاہر شریف لگتے ہیں اور ان کے ساتھ میرے دو نجی مددگار بھی موجود ہیں۔ مجھے ان کی فکر لاحق ہے۔"

"کیتھی کون ہے جسے تم پکار رہے تھے؟" اس نے اچانک سوال کر ڈالا۔

"وہ ایک یہودی لڑکی ہے۔" میں کہتے کہتے رک گیا پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "مجھ میں ہمت نہیں کہ تمہیں کیا بتاؤں جب تم مجھ سے بچھڑیں تو بہت سادہ اور معصوم تھیں۔ مسلمان اور ہندو کا فرق بھی بہ مشکل سمجھ میں آیا تھا۔"

"اس وقت تک میں نے ساری عمر ہندوؤں کے ساتھ گزاری تھی یا اپنی ماں سے رام، کرشن اور دوسرے دیوی دیوتاؤں کے قصے سنا کرتی تھی اور اب میں نے ایک طویل عرصہ چالاک اور مکار ترین انسانوں میں گزارا ہے۔" وہ قدرے سوگوار لہجے میں بولی۔ "تم بتاتے جاؤ جہاں سمجھ کام نہیں کرے گی پوچھ لوں گی۔"

"کیتھی یہودی ضرور ہے مگر فلسطینیوں سے ہمدردی رکھتی ہے اور فلسطینی معاملے میں تو اس نے کمال ہی کر دیا۔ یہ اسی کا دم ہے کہ میں اس بار یہاں تک پہنچ گیا ہوں۔"

"خوبصورت لڑکی ہے؟"

"ضرور ہے۔ لیکن تم نے یہ سوال کیوں کیا؟" میں نے کہا۔

"تم ہی نے میری زبان کھلوائی ہے!" اس نے میری سنجیدگی کے جواب میں شوخ قہقہہ مار کر جواب دیا۔ "اسے میری ذات سے بھلا کیا دلچسپی ہوگی!"

"پھر وہ خرطوم سے یہاں تک سینکڑوں میل میرے ساتھ کیوں ماری ماری پھرتی رہی؟"

"میری تلاش میں مدد دینے کے بہانے تمہارے ساتھ لگی رہنا چاہتی ہوگی!" وہ بدستور ہنستے ہوئے بولی۔

"وہ بہت مخلص لڑکی ہے۔ یوں بے دردی سے اس کا مذاق نہ اڑاؤ!" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔

"تو چڑ کیوں رہے ہو؟" اس نے میرے بال نوچتے ہوئے مٹھی میں بھر کر کہا۔ "تمہیں ہزار لڑکیاں بھی چاہ سکتی ہیں اس میں تمہارا کیا قصور ہوگا؟"

"فلسطینی تحریک سے قریبی تعلق رکھنے والا شاید ہر فرد میری اور تمہاری کہانی سے واقف ہے۔ کیتھی بھی ان ہی میں سے ایک ہے۔" مجھے پرزور لہجے میں کہا۔ "محض تمہاری خاطر خرطوم میں وہ تنہا ایک ایسے جھنجھٹ میں جا گھسی تھی کہ جس سے بچنا محال تھا اور اب بھی اس کی اپنی زندگی بری طرح جھلسی ہے۔ لیکن وہ تمہاری تلاش میں پوری لانچ پر گھستی پھر رہی تھی!"

"لانچ پر تمہارا دوسرا ساتھی کون ہے؟" اس نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے سوال کیا۔

"احمد!" میں نے کہا۔ "وہ تمہارا شکار ہوا ہے۔ رائفل کی گولی نے اس کے شانے کی ہڈی توڑ دی ہے۔"

"تمہارے باقی آدمی کہاں ہیں؟"

"باقی آدمی!" میں ہنس دیا۔ "ہم صرف تین ہی تھے!"

"میں نے لانچ پر کئی لاشیں بھی دیکھی تھیں۔" اس نے حیرت سے کہا۔ "تو کیا وہ سب بردہ فروشوں کے ہی ساتھی تھے؟"

"وہ کُل شاید سات تھے۔ مقابلہ شروع ہوا تو انھوں نے اپنے ماتحت ملاحوں کو بھی مسلح کر کے مقابلے میں جھونک دیا!"

"وہ دیکھو!" اس نے اچانک دور جاتی ہوئی لانچ کی طرف ہاتھ اٹھا کر اضطراری لہجے میں کہا۔ "کوئی عرشے پر موجود ہے۔"

اتنے گہرے اندھیرے میں اس فاصلے پر دیکھنا ناممکن تھا۔ لیکن بار بار جلتی بجھتی ہوئی سرخ روشنی سے کسی کی موجودگی کا اظہار ہو رہا تھا۔

اس روشنی کا رخ مستقل طور پر عقب میں یعنی ہماری طرف تھا جس کا مطلب تھا کہ لانچ پر کسی نے روانگی کے ساتھ ہی میری اور سیتا کی عدم موجودگی کا احساس کر لیا تھا اور وہ سگنل کے ذریعے ہماری

کوشش میں تھا!

میں مضطرب ہو گیا۔ اس سگنل کا فوری جواب ضروری تھا ورنہ ساری رات موجوں کے رحم و کرم پر سرد ہوائیں پھانکنی پڑتیں۔

گیلے لباس کا خیال آتے ہی میں مایوس ہو گیا۔ جیب میں واٹر پروف ماچس کی تیلیوں کی لو بھی اس گھور اندھیرے میں لانچ سے دیکھی جا سکتی تھی لیکن گیلی دیا سلائی جلانے کی کوئی ترکیب میرے پاس نہیں تھی!

طویل جدائی کے بعد سیتا کے ساتھ ملاقات کے چند ہی لمحات گزرے تھے لیکن مجھے اچانک اس پر غصہ آنے لگا۔ اس نے آخری لمحات پر سمندر میں چھلانگ لگا کر مسائل ہی مسائل کھڑے کر دیے تھے!

پھر عالم بے چینی میں غیر ارادی طور پر میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ میرا دل خوشی سے اچھل پڑا کیونکہ ٹارچ بدستور میری جیب میں موجود تھی۔

ٹارچ نکال کر میں نے بٹن دبایا تو بلب روشن ہو گیا اور میں نے اپنا ہاتھ سر سے بلند کر کے لانچ کے رخ پر بار بار ٹارچ جلانی بجھانی شروع کر دی۔

سرخ روشنی کے اشاروں میں بھی تواتر پیدا ہو گیا۔ چند ثانیوں بعد وہ روشنی معدوم ہو گئی لیکن میں ٹارچ جلائے اسی طرح کھڑا رہا تاکہ لانچ کا رخ موڑنے والوں کو سمت کی نشاندہی میں آسانی ہو!

تقریباً ایک ڈیڑھ منٹ کے سکون کے بعد سمندر کا تاریک سینہ ایک کرخت آہنی چیخ سے لرز اٹھا جو لانچ کے بھونپو سے پیدا ہوئی تھی۔

"شاید ہمیں دیکھ لیا گیا ہے!" سیتا نے پرامید لہجے میں کہا۔ "گیلے کپڑوں میں سردی ناقابل برداشت ہوتی جا رہی ہے!"

تا حد نظر پھیلے ہوئے سمندر کی یکسانیت میں ہمیں غور کرنے کے باوجود نہ لانچ کی سمت تبدیل ہونے کا احساس ہوا اور نہ ہی اس کی واپسی کا۔ البتہ اس کی روشنیاں نمایاں ہونے لگیں تو جانے دل کو ڈھارس ہوئی!

"تمہارا ایک ساتھی میری رائفل کا نشانہ بنا تھا۔ میں اس کا سامنا نہ کر سکوں گی!" سیتا نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"وہ جنگجو آدمی ہے... مقابلوں میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔" میں نے اسے دلاسہ دینے کی نیت سے کہا۔ "پھر وہ تو غلط فہمی میں مارا گیا تھا!"

"خدا کرے کہ اسے کاری زخم نہ آیا ہو!" وہ بڑبڑائی۔

"زخم تو کاری ہی ہے!" میں نے اسے لاعلم رکھنا مناسب نہ سمجھا۔ "اسے فوری طور پر مناسب طبی امداد کی ضرورت ہے!"

وہ خاموش ہو گئی اور ہم دونوں اپنے اپنے وجود میں سکڑتے ہوئے لانچ کی طرف دیکھنے لگے۔ جو واپسی کا خاصا سفر طے کر چکی تھی!

ہماری لائف بوٹ سے کافی دور لانچ کا انجن بند کر دیا گیا اور وہ بتدریج سست ہوتی ہوئی ہم سے چالیس پچاس فٹ دور متلاطم موجوں پر ٹھہر گئی۔

"جلدی آؤ۔ ہم رسہ پھینک رہے ہیں!" عرشے پر لانچ چلانے والوں میں سے ایک موجود تھا۔ کیتھی اور احمد کو وہاں نہ دیکھ کر مجھے دلی صدمہ ہوا۔

رسہ پھینکتے ہوئے اس کے ساتھ ایک لڑکی بھی آ ملی جسے دیکھ کر سیتا چونک پڑی!

"ارے یہ تو لوسی ہے۔ یہ کیسے آزاد ہو گئی!" سیتا نے لائف بوٹ کو لانچ کے قریب لے جاتے ہوئے کہا۔

"اوپر چل کر معلوم ہوگا!" میں دل ہی دل میں لانچ کے عملے کے ان دونوں افراد کے لیے عقیدت کے جذبات محسوس کر رہا تھا جنھوں نے خون اور آگ کی برسات دیکھنے کے باوجود فرار کے بجائے ہمدردی کی راہ اپنائی تھی۔ اگر وہ چاہتے تو کیتھی اور احمد کو سمندر میں پھینک کر با آسانی اپنا من مانا راستہ اختیار کر سکتے تھے!

رسے کے ذریعے پہلے میں لانچ کے عرشے پر پہنچا پھر سیتا بھی اوپر آ گئی۔ اس اثنا میں لوسی ہم دونوں کے لیے گرم کمبل لے آئی تھی۔

اس وقت لانچ کا مین انجن بند تھا لیکن جنریٹر وغیرہ چلانے والا کوئی چھوٹا انجن بدستور چل رہا تھا جس کی مدھم سی آواز عرشے پر بھی سنائی دے رہی تھی!

"تم کدھر نکل بھاگی تھیں؟" لوسی نے گرمجوشی سے سیتا کو کمبل میں لپیٹتے ہوئے اس کی سرد پیشانی چوم کر سوال کیا۔

"دوستوں اور دشمنوں میں تمیز نہ کر سکی تھی!" سیتا نے سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے شکستہ انگریزی میں جواب دیا۔ اور میں اس جاہل مطلق کی زبان سے وہ فقرہ سن کر ششدر رہ گیا!

میں سیڑھیوں کی طرف پلٹا ہی تھا کہ اچانک میرے قدم زمین میں جم کر رہ گئے!

کیتھی ناقابل رحم انداز میں سیڑھیوں کے کنارے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے اور آنکھوں سے ناقابل بیان اذیت جھلک رہی تھی لیکن اس بے خوف لڑکی کے خشک ہونٹوں پر میرے لیے مسکراہٹ موجود تھی!

درد میں ڈوبی ہوئی غمناک سی مسکراہٹ!

میں سیتا کو ایک طرف دھکیل کر بے اختیار کیتھی کی طرف دوڑ پڑا۔ اور پھر سیتا نے میرے ساتھ مل کر اسے ہاتھوں پر اٹھا لیا۔

اس کی خون میں لتھڑی ہوئی داہنی ٹانگ دیکھنے کے بعد شاید سیتا نے بھی اسے پہچان لیا تھا



"ایسے پیچھے رہو۔" لانچ چلانے والے نے عقب سے میرے شانے پہ ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔ "وہاں تمہارے ساتھی کی حالت بھی خراب ہے۔"

"ہاں۔۔۔ اس کی قسمت اچھی ہے شاید شانے کی ہڈی بچ گئی ہے لیکن خون بہت ضائع ہو چکا ہے۔"

"احمد کی زندگی مجھ سے زیادہ اہم ہے۔" کیتھی کرب آلود لہجے میں بولی۔ اس نے اپنا سر میرے سینے سے ٹکایا ہوا تھا جب کہ سیتا نے اس کے پاؤں تھامے ہوئے تھے۔

میں اس وقت سیتا سے نگاہیں چار کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ کیتھی کی قربانی نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا۔ میں یہ بھی بخوبی جانتا تھا کہ وہ میری محبت میں گرفتار تھی لیکن میری زندگی میں اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس نے جس انداز میں میرے سینے سے اپنا سر ٹکایا ہوا تھا اس میں سکون اور اپنائیت کا بھرپور تاثر تھا اور سیتا کے لیے میرے اور اس کے تعلق کے بارے میں کوئی معنی خیز نتیجہ اخذ کرنا بہت آسان تھا۔

"تم بھی زندہ رہو گی۔" میں نے احتیاط سے پہلی سیڑھی اترتے ہوئے کہا۔ "شاید تمہاری ٹانگ بھی بچائی جاسکے۔"

"میری ٹانگ!" وہ تلخ انداز میں ہنسی۔ "پنڈلی کی ہڈی کئی ٹکڑوں میں بدل چکی ہے اور جہاں رائفل کی گولی لگی تھی، اس مقام پر تو شاید چورا ہی ہو گئی ہو۔۔۔۔"

"فکر نہ کرو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر جلدی سے کہا۔ "مائیکرو سرجری کے ذریعے تمہاری ہڈی کا ایک ایک ریزہ اپنی جگہ پر پرو لیا جائے گا۔ بس دعا کرو کہ ہم جلد از جلد کسی ایسے ساحل پر پہنچ جائیں جہاں طبی امداد کی اعلیٰ سہولتیں میسر ہوں۔"

"لیکن مجھے اب اپنی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے۔" اس کے لہجے سے دل ہلا دینے والی مایوسی ٹپک رہی تھی۔

"مگر کیوں؟" اس بار سیتا سوال کر بیٹھی۔ اس کا لہجہ جذبات سے عاری تھا۔

"میں تمہیں سمجھا نہ سکوں گی۔" کیتھی ایک گہری سانس لے کر بولی۔

اس بار سیتا خاموش ہو گئی اور میں نے وہ بحث ٹل جانے پر خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ میرے لیے وہ موضوع بہت نازک تھا۔

سیڑھیوں پر چار نفوس کے قدموں کی آواز ماحول کو اور بوجھل بنا رہی تھی جب کہ میرا ذہن مسلسل اسی گتھی میں الجھا ہوا تھا۔

سیتا کی ذات میرے لیے روئے زمین پر سب سے عزیز تھی۔ اس ہوشربا حسن والی الھڑ لڑکی کو میں نے اپنے دل کے شدید ترین جذبوں کے ساتھ چاہا تھا اور اس نے بھی ہر اعتبار سے خود کو اس چاہت کا اہل ثابت کیا تھا۔

مگر وہ تنک مزاج تھی اور ذرا ذرا سی بات پر بڑے فیصلے کرنے پر تل سکتی تھی۔ جیسے اشارہ میں مجھ سے بچھڑی تھی تو کم از کم ایسی ہی تھی۔

میں وہ مجھے رابن ہوڈ کے کمرے میں سوتا چھوڑ کر چپکے سے کہیں چلی گئی اور پھر ہم دونوں کے درمیان تلاش کی ایک جاں فرسا مہم شروع ہو گئی اور طویل عرصے کے بعد وہ مجھے ملی تھی تو کیتھی مارتھا کے درمیان موجود تھی۔

میں کیتھی کا دل کی گہرائیوں سے احسان مند تھا اور اس مرحلے پر اس کے ساتھ بے رخی برت کر اس کی دل آزاری بھی نہیں کرنی چاہتا تھا۔ اسی کے ساتھ یہ خوف بھی لاحق تھا کہ کہیں اس کے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو سیتا کے ذہن کو غلط راہ پر ڈال دے اور وہ مجھے اعتماد میں لیے بغیر کوئی غلط قدم نہ اٹھا لے۔

اسی سوچ میں غلطاں میں انجن روم میں پہنچ گیا۔ وہاں احمد ایک بینچ پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا لیکن اس کے بشرے سے اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ سخت تکلیف میں مبتلا تھا۔

ہم نے کیتھی کو اسی کے قریب دوسری بینچ پر لٹا دیا۔

اس وقت انجن روم میں دو دیسی ڈرائیوروں کے علاوہ پانچ سہمی ہوئی سفید فام لڑکیاں بھی موجود تھیں جو کیبن کی قید سے آزادی پا لینے کے باوجود اپنے مستقبل کے بارے میں زیادہ پُرامید نظر نہیں آ رہی تھیں جب کہ جیکی نامی لڑکی کا رویہ خاصا مختلف تھا۔

"تم دونوں لانچ کو جلد از جلد کسی قریبی ساحل پر لے جانے کی کوشش کرو۔" میں نے لانچ چلانے والوں کو ہدایت دینے کے بعد لڑکیوں کو مخاطب کیا۔ "تم سب میرا ہاتھ بٹاؤ۔ زخمی لڑکی کو بینچ سمیت اٹھا کر دوسرے کیبن میں لے آؤ۔ فرسٹ ایڈ کا سامان بھی لے لو۔۔۔ اب تم سب آزاد ہو اور ساحل پر پہنچنے کے بعد سب کو اپنی مرضی کی راہ اختیار کرنے کی آزادی ہو گی۔"

"میں نرسنگ سے واقف ہوں۔" ایک دبلی پتلی خوبصورت سی لڑکی نے شکستہ انگریزی میں پیش کش کی۔ اس کا لہجہ اس کے فرانسیسی ہونے کی چغلی کھا رہا تھا۔

انجن روم والی راہداری کے آخری سرے پر ایک ہال سے کے برابر میں چار آرام دہ کیبن بنے ہوئے تھے جہاں خورد و نوش کی اشیا سے لے کر مختلف شرابوں اور سگریٹوں کی ہر آسائش میسر تھی۔

احمد اپنے قدموں پر چل کر اس کیبن تک آیا جہاں کیتھی کو نرم کوچ پر ڈال دیا گیا تھا۔ پانچ لڑکیوں کو برابر والے کیبنوں میں جا کر آرام کرنے کی اجازت دے کر میں کیتھی کی ادھڑی پنڈلی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

نرسنگ سے واقفیت رکھنے والی فرنچ لڑکی نے پھرتی سے کیمرہ

وغیرہ کاٹ کر زخم کا جائزہ لینا چاہا تو کیتھی تڑپ کر چیخ اٹھی اور پھر بے ہوش ہو گئی۔

اس کی پنڈلی کی ہڈی تقریباً دو حصوں میں منقسم ہو چکی تھی اور گھٹنے کی طرف سے سہارا دے کر پنڈلی اٹھانے کی کوشش میں اس کا پیچھے والا رخ بدستور نیچے جھکا رہا جب کہ ٹوٹی ہوئی ہڈی کے نکیلے کنارے کھلے ہوئے زخم کے علاوہ پیچھے والی کھال میں بھی ابھر آئے تھے۔

"ہم زخم صاف کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکیں گے۔" فرنچ لڑکی نے مایوسانہ لہجے میں آہستہ سے کہا۔

"ہڈی بہت بری طرح ٹوٹی ہے۔" احمد نے متفکرانہ لہجے میں کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میرے ہاتھوں تم بھی زخمی ہو گئے۔" سیتا نے پہلی بار معذرت آمیز لہجے میں احمد سے کہا۔

"یہ ہوتا رہتا ہے۔" احمد نے مسکرانے کی کوشش کی۔ "اندھیرے مقابلوں میں دوست اور دشمن کی تمیز نہیں ہوتی۔ ہو سکتا ہے کہ تم گولی چلانے میں تامل کرتیں تو منظر اس طور پر بھی تبادلہ کر بیٹھتا۔"

"تم عظیم ہو۔" سیتا نے دھیمے سے کہا۔

"زخم جلد ہی بھر جائے گا۔" وہ بولا۔ "خوشی اس بات کی ہے کہ میرے اندازے کے برعکس شانے کی ہڈی نہیں ٹوٹی۔"

میں فرنچ لڑکی کے ہمراہ کیتھی کا زخم صاف کرنے میں مصروف تھا کہ سیتا نے مجھے گیلے لباس کا خیال دلایا اور مجھے فوراً ہی سردی کا احساس ہونے لگا۔

عرشے پر پہنچنے کے بعد ہم دونوں ہی اپنے گیلے کپڑوں کو بھول گئے تھے۔ احمد کے اصرار پر مجھے فوری طور پر کیبن میں موجود لباسوں میں سے انتخاب کرنا پڑا۔ مجبوری کے تحت سیتا کے لیے بھی ایک مردانہ پتلون اور جیکٹ ہی لینی پڑی اور ہم دونوں نے باری باری کیبن سے ملحقہ باتھ روم میں بدن خشک کر کے لباس تبدیل کر لیے۔

اس دوران میں فرنچ لڑکی نے کیتھی کا زخم صاف کر کے کھلا چھوڑ دیا تھا کیونکہ وقت گزر جانے کے باعث خون بہنا بند ہو چکا تھا۔ وہ کیتھی کو بے ہوش ہونے کے باوجود خواب آور انجکشن دینا چاہتی تھی لیکن سیتا نے اسے روک دیا تھا۔ احمد نے بھی اس کی تائید کی۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ کیتھی کو زبردستی سلائے رکھنا مناسب نہیں تھا لہٰذا لڑکی نے درد دور کرنے والی دوا کا انجکشن دینے پر ہی اکتفا کیا۔

اسی وقت لانچ حرکت میں آ گئی۔ اس کا انجن پہلے ہی اسٹارٹ کیا جا چکا تھا۔

"ہمیں قریب ترین ساحل کے بجائے کسی معروف بندرگاہ کا رخ کرنا چاہیے تاکہ کیتھی کو فوری طور پر طبی امداد مل سکے۔" احمد نے کہا۔

"تمہارا خیال درست ہے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "لیکن کسی بھی بندرگاہ کے حکام لانچ پر موجود لاشوں اور تصادم کے دوسرے آثار کو آسانی سے نظر انداز نہیں کریں گے اور ہم سب حراست میں لے لیے جائیں گے۔"

"لاشیں تو خیر ابھی سمندر میں پھینکی جا سکتی ہیں۔" احمد نے کہا۔ "لیکن لانچ پر بکھرے ہوئے کارتوسوں کے خولوں اور فائرنگ کے سوراخوں کو چھپانا ناممکن ہے۔"

"ہمارے لیے سب سے مقدم کیتھی کی زندگی ہے لیکن اس کے لیے یہ خطرہ بھی مول نہیں لیا جا سکتا کہ کیتھی سمیت ہم سب کو زنداں میں دھکیل دیا جائے۔"

"کیوں نہ واپس مصاوا ہی چلا جائے؟" احمد نے کہا۔

"شاید اب تک وہاں بھرپور تلاش کی مہم کا آغاز ہو گیا ہو گا۔" میں نے کہا۔ "ڈرٹمر(?) میں پھنسے ہوئے لوگوں نے کسی بھی طرح نجات پا لی ہو گی۔ وہ سب مقامی تھے۔ انھوں نے اب تک پولیس اور فوج سے رجوع کر لیا ہو گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ متفکرانہ لہجے میں بولا۔ "بلکہ یہ امکان بھی ہے کہ بحری فوج نے خود ہی انھیں ادھر متوجہ کر دیا ہو۔ ہم لوگوں کے نکل بھاگنے کے بعد وہ علاقہ بحری فوج کے لیے اپنی اہمیت کھو بیٹھا ہے۔"

"اور اوکیف کو بھی نہ بھولو۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"اس سے کیا خطرہ ہے؟"

"وہ موٹر بوٹ میں فرار ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کمک لے کر واپس لوٹ پڑے۔ وہ اتنی آسانی سے ہتھیار ڈالنے والوں میں سے نہیں تھا۔"

"اپنی دانست میں وہ کوسٹل گارڈز سے شکست کھا کر بھاگا ہے۔" احمد نے کہا۔ "قانون سے ہارنے والوں میں دوبارہ دلیری کی اتنی جرأت نہیں ہوتی۔"

"تم یہ بھول رہے ہو کہ اس نے کوسٹل گارڈز کے سربراہ جنرل ایبلی خاں کا تذکرہ تحقیر آمیز لہجے میں کیا تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "واپس پہنچتے ہی اس نے اپنے تنخواہ دار جنرل کو نیند سے بیدار کر کے ساری کہانی سنائی ہو گی۔"

"اوہ! یہ پہلو تو میں بھول ہی گیا تھا۔" وہ مضطربانہ انداز میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ "اگر اس نے جنرل ایبلی خاں کے مراسم کے بارے میں وہ جھوٹ نہیں بولا تھا تو کچھ عجب نہیں کہ جنرل کسی ہیلی کاپٹر میں خود ہی سر پر آ پہنچے۔"

"تم دونوں بلاوجہ دماغ کھپا رہے ہو۔" سیتا نے پہلی مرتبہ بڑے اعتماد لہجے میں مداخلت کی۔ "ایک مورچے پر کامیاب ہونے کے بعد بھی وہاں جمے رہنا حماقت ہے۔ ہمیں جلد از جلد اس لانچ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے۔"

سیتا نے ایک فقرے میں پوری جنگی حکمت عملی بیان کر دی تھی۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ "تم تینوں یہیں رکو۔ میں انجن روم میں جا

رہا ہوں۔"

برابر والے کیبنوں میں لڑکیوں کے بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ بحرانی حالات سے گزرنے کے بعد رفتہ رفتہ ان کا اعتماد بحال ہو رہا تھا۔

میں انجن روم میں پہنچا تو وہ دونوں پورے انہماک سے اپنے کام میں مصروف تھے۔ میری آواز سن کر وہ چونک پڑے۔

"اس وقت ہماری پوزیشن کیا ہے؟" میں نے ان کے قریب پہنچ کر سوال کیا۔

چند سیکنڈ کے لیے وہ دونوں لاگ شیٹ کی طرف متوجہ ہوئے۔ پھر ان میں سے ایک بولا۔ "ہم لوگ مصاوا سے تقریباً سو میل دور بین الاقوامی سمندر میں جنوب مشرق کی طرف سفر کر رہے ہیں۔"

"قریب ترین ساحل کتنی دور ہے؟"

"شمالی یمن۔" وہ نقشے پر جھکتے ہوئے بولا۔ "صنعا کے جنوب کا ویران ریگستانی ساحل شاید ڈیڑھ دو گھنٹے میں آ جائے۔"

"لانچ فوراً ادھر پھیر لو۔" میں نے ہدایت کی۔

"ہم عدن کی طرف جانا چاہتے تھے۔" دوسرے نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"اوکیف کی واپسی کا خطرہ ہے۔" میں نے ان دونوں کے بشرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "تم نے ہمارا ساتھ دے کر اپنی بے مثال شرافت کا ثبوت دیا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ ہماری بدقسمتی کے ساتھ ہی تم دوبارہ اوکیف کی غلامی میں پہنچ جاؤ۔"

"پھر ہم کھلے سمندر کے بجائے یمن کی بحری حدود میں داخل ہو جاتے ہیں تاکہ اوکیف کے لیے کوئی کارروائی آسان نہ رہے۔"

"مجھے شبہ ہے کہ اوکیف اب پہلے کوسٹل گارڈز ہی سے رجوع کرے گا۔ وہ لوگ سب کچھ کر گزریں گے لیکن کسی دوسرے ملک کی بحری حدود کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ میں نے پوری صورت حال واضح کر دی ہے اور اب فیصلہ تمھارے اختیار میں ہے۔"

"قریب ترین ساحل ہی ہمیں مصائب سے بچا سکتا ہے۔"

وہ دونوں لانچ کے کنٹرول پینل پر مصروف ہو گئے۔

میں واپس لوٹا تو کیتھی ہوش میں آ چکی تھی اور کرسی پر بیٹھی ہوئی اسکاچ سے شغل کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے اس اذیت کا اظہار ہو رہا تھا جسے وہ محض اپنی قوت ارادی کے بل پر برداشت کر رہی تھی۔ فرنچ لڑکی شاید برابر والے کیبن میں چلی گئی تھی۔

مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر دکھ کی ایک لہر سی آ کر گزر گئی۔

"اچھا ہوا کہ تم آ گئے۔" کیتھی نے اسکاچ کا ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"مادام پر ابھی تک بے ہوشی طاری ہے۔" کیتھی کے برابر بیٹھے ہوئے احمد نے قریب آ گئے ہیں کہا۔ "شاید تم انھیں بچا سکو۔"

"تم باہر جاؤ احمد، یہ سب کچھ دیکھ لیں گے۔" کیتھی نے اس کی طرف نگاہیں گھما کر دھیمے سے کہا اور وہ بے بسی سے میری طرف دیکھتا ہوا باہر چلا گیا۔

"یہ عورت تمھارے لیے بڑی عجیب ثابت ہو رہی ہے۔" احمد کے چلے جانے کے بعد کیتھی کے سامنے اسٹول پر بیٹھی ہوئی سیتا نے کہا۔

"عجیب!" کیتھی نے ہنسنے کی ناکام کوشش کی۔ "شاید تمھیں معلوم نہ ہو کہ میں صفدر کو اپنے دل کی گہرائیوں سے چاہتی ہوں۔"

میرا سانس سینے میں پھنسنے لگا۔ کیتھی براہ راست سیتا سے مخاطب ہو گئی تھی۔

"میں بھی ایک عورت ہوں کیتھی!" سیتا کا جواب سپاٹ تھا۔ "اور عورت کی نگاہوں کے مفہوم سے پوری طرح آشنا ہوں۔"

"یہ کیا بحث چھیڑ دی تم دونوں نے...."

میں نے وہ موضوع ختم کرنا چاہا لیکن کیتھی نے میری بات کاٹ دی۔ "مجھے بولنے دو صفدر۔ یہ بوجھ سینے پر لے کر نہیں مرنا چاہتی۔"

"تم زندہ رہو گی۔" سیتا نے جذبات سے عاری مگر مضبوط لہجے میں کہا۔ "صفدر نے مجھے بتایا ہے کہ تم نے اپنی زندگی داؤ پر لگا کر مجھ تک اس کی رہنمائی کی ہے۔"

"صفدر! زندگی۔" کیتھی نے حقارت سے کہا۔ "مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"اگر تمھاری ٹانگ ضائع ہو گئی تو اس کا متبادل ہر قیمت پر

فراہم کیا جائے گا۔" سیتا کے لہجے میں ہمدردی عود کر آئی۔
"تم مجھیں تو وہ دن بھی کاٹ دی جاتیں تو مجھے ملال نہ ہوگا۔" کیتھی نے گلاس سے ایک گھونٹ لے کر حسرت زدہ لہجے میں کہا۔ "زندگی تو بس جذبوں کا نام ہے اور اگر انسان زندگی کے سب سے بڑے جذبے محروم ہو جائے تو اس کی زندگی محض ایک بوجھ بن کر رہ جاتی ہے۔"
"کھل کر بات کرو۔" سیتا کا لہجہ ایک مرتبہ پھر سپاٹ ہو گیا۔
"مجھے معلوم ہے کہ صفدر مجھے کبھی نہ اپنا سکے گا۔" کیتھی کے لہجے میں بدترین شکست کی کسک نمایاں تھی۔
"تو۔ مجھے گولی مار دو۔" سیتا نے اسٹول سے اتر کر ایک طرف کھا ہوا ریوالور کیتھی کی طرف بڑھا دیا۔
کیتھی نے ریوالور لے کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ "خود مارنا ہوتا تو شاید صفدر یہاں نہ ہوتا۔ میں مقدر کی جنگ ہار رہی ہوں۔ میں نے نیک نیتی سے تمہاری تلاش میں صفدر کا ساتھ دیا لیکن ہر وقت میری یہ تمنا رہی کہ تم مر جاؤ یا ماردی جاؤ اور صفدر تمہاری موت کے بعد اپنے آنسو میرے دامن میں ڈال دے لیکن۔۔۔ لیکن تم جیت گئیں۔"
"یہ باتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔" میں نے مخل اندازی کی۔
"اس گفتگو سے قبل حسابات کر دو۔ صفدر لا رہا ہو جو زندگی بھر میرا اور سیتا کا سر جھکانے جائے ختم رکھیں گے۔"
"میں نے کوئی احسان نہیں کیا۔" وہ گلاس خالی کر کے کراہتے ہوئے بولی۔ "میں تو اپنی دانست میں تمہیں سیتا کی لاش کی طرف لا رہی تھی مگر یہ مقدر کی دشمنی ہے۔ موت کے سایوں کو فریب دیتی ہوئی تمہاری پناہ میں پہنچ ہی گئی۔"
"تو اب اپنا خواب پورا کرو۔ مار دو گولی مجھے۔" سیتا کا لہجہ سرد اور بے رحمانہ تھا وہ پلکیں جھپکائے بغیر کیتھی کو گھورے جا رہی تھی۔
"تم نے اچھا کیا کہ مجھے دے دیا۔" وہ ریوالور کو اپنی انگلیوں میں سنبھالتے ہوئے بولی اور میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔
"ذرا سنگرے سے نگی ہٹا لو کیتھی!" میں نے مضطرب لہجے میں کہا۔
"ایسا نہ ہو کہ بے احتیاطی سے چل ہی جائے۔"
اس نے چاہکت کی سیتا کی طرف" بن لی اور میں اچھل کر درمیان میں آ گیا۔
وہ ہذیانی انداز میں ہنس پڑی۔ "فکر نہ کرو۔ میں اسے نہیں ماروں گی۔ میں سمجھ چکی ہوں کہ اس کے بغیر تم ادھورے رہ جاؤ گے۔"
اس نے ریوالور دوبارہ سینے پر رکھ لیا اور احمد کو آواز دی۔
وہ شاید دروازے ہی سے لگا کھڑا تھا۔ کیتھی کی آواز بلند ہوتے ہی اندر گھس آیا۔ "کیا ہو رہا ہے مادام۔ یہ مسٹر بیو ونگی ہے؟"
"تو تم نے سب کچھ سن لیا۔" کیتھی کا لہجہ کھا تھا۔ "حالانکہ میں نے تمہیں رازداری کے خیال سے باہر بھیجا تھا۔"

احمد نے سر جھکا لیا۔
"مر گئیں تو۔" کیتھی کی آواز میں نہ جانے کہاں سے گم ہوئی بطوبا۔
احمد نے بوکھلا کر اس کی طرف دیکھا اور کیتھی نے ریوالور کی نال اپنی کنپٹی پر رکھ لی میں تیزی سے احمد کے ساتھ ہی سیتا بھی اس کی طرف لپکی لیکن اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے ٹریگر دبا دیا۔ دھماکے کے ساتھ ہی کیتھی ہارڈ کا بدن تڑپنے لگا۔ فائر کے بعد اس کے منہ سے کوئی چیخ نہیں نکلی تھی۔
ہم تینوں دم بخود سر جھکائے کیتھی ہارڈ کا دردناک انجام دیکھتے رہے اور جوں ہی اس کا جسم ساکت ہوا، احمد سر جھکا کر تیز رفتاری کے ساتھ باہر نکل گیا۔
میری آنکھوں کے گوشوں میں تیزی سے نمی پھیلتی جا رہی تھی۔ سیتا نے شاید دانستہ میری طرف سے نگاہیں پھیر رکھی تھیں۔
کو ریخ چند ہی ثانیوں میں کیتھی کے خون سے تر ہو گیا۔ اس کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں جنہیں سیتا ہی نے پپوٹوں میں چھپا دیا اور اس کی لاش پر چادر ڈال دی۔
فائر کی آواز نے راہداری میں موجود لڑکیوں کو بھی بوکھلا دیا مگر ان میں سے فرنچ لڑکی کے سوا کوئی بھی کیبن میں آنے کی ہمت نہ کر سکی۔
"اوہ! میرے خدا!" کیتھی کے جلوہ کی جھپٹے ہوئے جسم کو دیکھتے ہی اس کے منہ سے آواز نکلی اور وہ تیورا کر فرش پر ڈھیر ہو گئی۔
"تم یہیں ٹھہرو۔ میں احمد کو دیکھتا ہوں کہیں وہ بھی کوئی حماقت نہ کر بیٹھے۔" میں یہ کہہ کر کیبن سے باہر نکل گیا۔
احمد کا کیتھی سے کوئی خصوصی تعلق نہیں تھا لیکن ایک جذباتی کیفیت کا شکار ہو جانے کے بعد معقول ترین آدمی سے بھی بدترین حماقتیں سرزد ہو جاتی ہیں لہٰذا میں احمد کو اس وقت ایک لمحے کے لیے بھی اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔
انجن روم والے اس حادثے سے بے خبر تھے۔ وہاں اس قدر شور تھا کہ فائر کی مدھم سی آواز کو انہوں نے توجہ کے قابل بھی نہ سمجھا ہوگا۔ لیکن میں نے انہیں بتا دیا کہ پندلی کی تکلیف سے پریشان ہو کر جلدی میں لڑکی نے خودکشی کر لی تھی۔
وہ دونوں محض رسمی انداز میں اظہار افسوس کر کے رہ گئے۔
پچھلے حصے میں ناکامی کے بعد میں عرشے پر پہنچا تو احمد سڑ جانے سے بے نیاز ایک چوبی پیٹی پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔
"پہلی کیا کہتے ہو؟" میں نے اس کے برابر بیٹھ کر سوال کیا۔
"تم جاؤ۔ میں پرسکون ہو کر لوٹ آؤں گا۔" اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"میں دو مرتبہ محاذ پر لڑ چکا ہوں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "آج کی واردات جیسی کہانی کسی خونریزی ہوئی ہے اس نے مجھے لرزا کر رکھ دیا ہے۔"
"کیتھی کی خودکشی تک تو تم اعتدال پر تھے۔"
"کوشش کر رہا تھا۔ کیتھی کی خودکشی برداشت کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی۔" اس نے بوجھل لہجے میں کہا۔ "مجرموں کے قدموں تلے ہمارے ہاتھوں وہ بے قصور بھی مارے گئے جو محض اپنی روزی کمانے کے لیے لانچ پر ملازم تھے۔"
میں نے اس سے بحث کرنی مناسب نہیں سمجھی ورنہ یہ بات وہ خود بھی جانتا تھا کہ ہمارے ہاتھوں صرف وہی لوگ مارے گئے تھے جنہوں نے ہم پر ہاتھ اٹھانے کی جسارت کی تھی ورنہ وہ دو آدمی بھی زندہ بچ گئے جن کی مدد سے ہمارا سفر جاری تھا۔
"یہیں لانچ پر موجود لاشیں سمندر میں ڈالنی ہیں۔" میں نے پھینکنے کا لفظ استعمال کرنے سے گریز کرتے ہوئے اسے متوجہ کیا۔ "ساحل پر پہنچ کر ہم ہر صورت میں کوئی احتیاطی اقدام کر لینے چاہتے ہیں۔"
"آؤ۔" اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔
"تمہارا شانہ زخمی ہے۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "تم چارجٹ چلو اگر ان سے دیکھ لو کہ کہیں کوئی پڑا نہ رہ جائے۔"
عرشے پر چار لاشیں موجود تھیں جو میں نے یکے بعد دیگرے سمندر میں ڈال دیں۔ کیتھی کے بارے میں تذبذب میں مبتلا تھا کہ احمد خود ہی بول پڑا۔
"مادام کی لاش کے بارے میں کیا خیال ہے؟"
"تمہیں علم ہے کہ وہ یہودی تھی؟" میں نے سوال کیا۔
"یہودی؟" حیرت سے اس کی آنکھیں پیشانی پر جا چڑھیں۔
"خدا ہمیں معاف کرے یہودی؟ یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟"
"میں درست کہہ رہا ہوں۔" میں نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔ "وہ یہودی ضرور تھی مگر اس کی تمام ہمدردیاں تمہارے مقاصد کے لیے وقف تھیں۔"
"مجھے آج تک علم نہ ہو سکا۔" اس نے کہا۔ "البتہ مجھے مادام کے اخلاق پر حیرت تھی۔ اب تو اس کی لاش بھی سمندر کے حوالے ہونی چاہیے۔"
مجھے اس کی زبان سے ایسے ہی الفاظ کا انتظار تھا۔ میں اس کے ساتھ کیبن میں پہنچا پھر سیتا اور لڑکی کی مدد سے کیتھی کی بے جان لاش کو عرشے پر لا کر دوسرے جانب ایک کنارے سے سمندر کی پرسکون لہروں کے حوالے کر دیا گیا۔
ہم سب کے لیے کیتھی کی موت اس قدر تاثر انگیز تھی کہ اس کی لاش سمندر برد کرنے کے بعد بھی ہم لوگ کئی منٹ تک دم سادھے خاموش کھڑے رہے۔

میرا قیاس تھا کہ میری طرح ہر ایک کے ذہن میں کسی قیمتی شے کے بچھڑ جانے کا ایک چبھتا ہوا احساس موجود تھا۔
پیچھے پہنچنے پر سیتا کی زبانی معلوم ہوا کہ لڑکیاں بہتر حالت میں تھیں۔ ریوالور کے فائر کے بارے میں بھی انہیں بتا دیا گیا تھا۔
میں نے پہلی بار ان چھ لڑکیوں کو ایک کیبن میں یکجا کر کے بغور دیکھا ان میں ایک تو وہی فرانسیسی لڑکی تھی جسے نرسنگ پر عبور تھا۔ دو لڑکیاں برطانوی تھیں اور بقیہ تین اطالوی، ہسپانوی اور جرمن تھیں۔ میرے نزدیک وہ سب ہی حسین چہروں کی مالک تھیں اور انہیں مختلف مقامات سے مختلف طریقوں سے اغوا کیا گیا تھا۔ ان میں سے ہر لڑکی اغوا کے بعد متعدد ہاتھوں سے گزرتی ہوئی اس لانچ تک پہنچی تھی۔
اغوا اور سفر کے آغاز کے درمیان انہیں بارہا حیوانی سلوک کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ اور دوران سفر بھی انہیں کسی بہتر رویے کی امید نہیں تھی لیکن ان میں سے کسی کو بھی اس سفر کے مقاصد اور منزل کا علم نہیں تھا جب انہیں میری زبانی علم ہوا کہ ان سب کو مقصد ناموں کی جوانی کا ذہنی نوخیز نسل کے لیے جنوبی افریقہ لے جایا جا رہا تھا۔ تو وہ سب ہی ششدر رہ گئیں اور ان کی معصوم آنکھوں میں ہمارے لیے ممنونیت کے جذبات ابھر آئے۔
لانچ پر حالات معمول پر آتے ہی انداز میں سکون پذیر ہو چکے تھے۔ احمد کے زخم کی ڈریسنگ ہو چکی تھی اور کیتھی نے غیر متوقع انداز میں خودکشی کر کے ہر ایک کو اپنے زخم کی تشویش سے آزاد کر دیا تھا۔ لہٰذا آہستہ آہستہ سب منتشر ہو گئے۔
"مجھے طویل مدت تک اس لڑکی کی موت کا قلق رہے گا۔" میرے اور سیتا کے سوا کیبن میں کوئی نہ رہا تو چند ثانیوں کے سکوت کے بعد سیتا نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔
"وہ اپنی حماقت کا شکار ہوئی ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "شاید آخری لمحوں میں اس کا دماغ الٹ گیا تھا۔"
"رقابت کے جذبے سے مغلوب ہو کر وہ خودکشی سے پہلے میرا بھی خاتمہ کر سکتی تھی لیکن محض تمہاری محبت کے باعث وہ مجھے نقصان پہنچانے سے باز رہی۔"
"ہمارے تبصرے سے اب وہ پلٹ نہیں آ سکتی۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "اس کے علاوہ بھی ہمارے پاس بہتیرے موضوعات ہیں۔"
"مجھے اپنے اوپر شک ہو رہا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "کیا عجیب اتفاق ہے کہ میں تم سے ملی تو میں نے تمہارے ہاتھوں ایک حسین اور جوان لڑکی کی ناقدری بھی دیکھ لی۔ کیا تم مجھے واقعی اسی قدر چاہتے ہو؟"
"تم احمق ہو۔" میں ہنس پڑا۔
"مگر خوش نصیب بھی۔" وہ اٹھ کر میرے قریب آ گئی۔

"تمھاری تلاش کا ایک طرح میری زندگی کا قیمتی اثاثہ ہے۔ میں جانتی ہوں میں نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور اتنا کچھ سیکھا ہے جو شاید عام حالات میں عمر بھر نہ سیکھ پاتی۔"

"مگر میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم انبالہ سے خاموشی سے کیوں فرار ہو گئی تھیں؟" میں نے مجنی کا ذکر چھیڑ دیا۔ میں اس کی زبان سے اس کے ایک ایک لمحے کی کہانی سننے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔

وہ مسکرا کر بولی "اس شاتازن کے ہرکارے ہمارے خون کے پیاسے ہو رہے تھے اور ہر جگہ میری وجہ سے تم پہچانے جا رہے تھے۔ اس رات تمھاری زبان سے یہی بات نکلی تھی کہ تو ول کو جاؤں گی اور میں نے تنہا سرحد عبور کرنے کا فیصلہ کر لیا۔"

"مگر وہ تو میں نے مذاق کیا تھا۔"

"یہ بعد میں میری سمجھ میں آیا۔ اس کے لیے میں ندامت محسوس کرتی ہوں۔ تین روز تک بھوکی پیاسی اور خوفزدہ حالت میں اسی شہر میں بھٹکتی رہی۔ پھر بروقت تمام واپس ہوٹل پہنچنے میں کامیاب ہوئی تو تم وہاں سے جا چکے تھے۔"

"میں سننا چاہتا ہوں مجھے اپنی پوری کہانی سناؤ۔" میں نے سگریٹ سلگا کر بے چینی کے ساتھ کہا۔

وہ تھوڑا سا اٹھ کر اسی سے پانی پینے لگی۔

"میری کہانی بہت عجیب بلکہ ناقابلِ یقین سی ہے۔" حلق تر کرنے کے بعد وہ بولی۔ اس کی آنکھوں میں ایک بیک سنجیدگی نمایاں ہو گئی تھی۔ "وہ تین دن میرے لیے بدترین دن تھے۔ تم نے مختصر عرصے میں مجھے بہت کچھ بتا اور سکھا دیا تھا لیکن میں اس قابل نہیں تھی کہ شہروں میں اپنی اجنبیت ظاہر کیے بغیر کسی سے کوئی بات کر سکوں۔ اس دوران میں دو مرتبہ بدمعاش قسم کے آدمی بھی میرے پیچھے لگے۔ ایک مرتبہ تو میں بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئی مگر دوسری بار ایک شخص میرے ہاتھوں بڑی طرح لہولہان ہوا۔"

"کوئی مرد......"

میں نے سوال کرنا چاہا مگر اس نے پورے اعتماد سے میری بات کاٹ دی۔ "میں بدترین قسم کے حالات میں قید و بند کا بھی شکار رہی لیکن کوئی مرد مجھے اپنے عزائم کا نشانہ بنانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔" اس کے جواب پر میرے حلق میں پھنسا ہوا غیر مرئی سا گولہ معدے میں اتر گیا۔

وہ لاکھ بے خوف اور دلیر سہی مگر ایک عورت ہی تھی اور اس پر مکمل بھروسا ہونے کے باوجود میں اس کی زبان سے وہ الفاظ سننے کا منتظر تھا۔

"تم سے بچھڑنے کے بعد ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ ایک تنہا عورت کے لیے حسن کس قدر خطرناک ہوتا ہے لہٰذا میں نے دوشیزا

نسوانی اختیار کر لیے۔ مردم خور عورت کی حیثیت سے میرا زندہ رہنا دشوار ہو جاتا لہٰذا میں خوتخوار ہو گئی۔"

"وہی ہمالیہ والی بینتا۔" میں نے مسکراتے ہوئے تو کا "بیٹوں کی بیٹی اور جادوروں کی ملکہ۔"

"شاید اس سے بھی زیادہ خون آشام۔" اس کی آنکھیں بدستور سوچوں میں کھوئی ہوئی تھیں۔ "حالات نے آنا فانا میری کایا پلٹ کر رکھ دی تھی۔ میں دوبارہ بھیڑیے کی ناقابلِ بیان تڑپ سے میری سوچ تک بدل کر رکھ دی تھی اور سات دن کی جدوجہد کے بعد میں سرحد عبور کر کے پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔"

"مگر کیسے؟"

"میں انبالہ سے بھٹکتی ہوئی کسی قصبے میں جا نکلی تھی۔ وہاں سرحد پار جانے والے مال بردار ٹرک رکا کرتے تھے۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ٹرک پاکستان کے راستے افغانستان کے لیے مال لے جاتے تھے۔ میں کوشش کر کے ایک رات لوہوں سے بھرے ہوئے ایک ٹرک میں ترپال کے نیچے جگہ بنانے میں کامیاب ہو گئی۔"

اس سے بچھڑنے کے بعد میں اپنے مصائب کا تذکرہ کر کے رہ گیا تھا اور سرحد عبور کرنے کے بجائے اسیر ہو کر سیکڑوں میل دور پہنچا دیا گیا تھا جب کہ وہ آفت کی پڑیا پاکستانی سرزمین پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔

اس کے نزدیک پاکستان صفدر علی کا وطن تھا۔ میں نے جالندھر سے انبالہ تک کے سفر میں اسے اپنے چھوٹے سے گھر اور پرسکون زندگی کے حوالے سے بیتا کو پاکستان کے بارے میں بہت سی کہانیاں سنائی تھیں اور بیتا کے دل میں اس سرزمین کے لیے عقیدت اور محبت کے جذبات پیدا ہو چکے تھے۔

لیکن پاکستان میں بیتا کا پہلا تجربہ بہت دل شکن تھا۔ اسے جو پہلا شخص ملا وہ شرافت کے لبادے میں اس منڈی کا کارندہ تھا جہاں رات کے گناہ پرور اندھیرے میں جسموں کے مول چکائے جاتے تھے۔

بیتا کو فوری پناہ درکار تھی لہٰذا وہ اس کے ساتھ ہو لی۔ مگر جب اس نے بجتے سازوں اور ناچتے جسموں کو دیکھا تو اس ماحول سے بے خبر ہونے کے باوجود حقیقت سمجھ گئی اور وہاں سے بھاگ نکلی۔ اس کوشش میں اس کے ہاتھوں کئی افراد زخمی بھی ہوئے۔

وہ کئی روز تک ہر طرف سرگرداں پھری لیکن اسے کہیں جائے پناہ نہ مل سکی۔ شکم پری کے لیے اسے چھوٹی موٹی چوریوں کا ارتکاب کرنا پڑا اور پھر وہ بنجاروں کی ایک ٹولی سے جا ملی کیونکہ اسے ان میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آیا تھا۔

پانچ مردوں، تین عورتوں اور آٹھ بچوں پر مشتمل خانہ بدوش شہر شہر گھوم کر جانوروں کے کرتب دکھا کر اپنی روزی کماتے تھے۔ بھالو

کیسے وہ بکری سے بینتا کو کوئی غرض نہیں تھا لیکن وہ دو بندروں سے بہتیرے کام لے سکتی تھی۔

بنجاروں کی ٹولی نے بیتا کو فوری طور پر قبول نہیں کیا۔ عورتیں خصوصاً اس سے بدظن نظر آ رہی تھیں۔

مگر جب بیتا کے اشاروں اور آوازوں پر بندروں نے تماشے دکھانا شروع کیے تو بنجارے حیران رہ گئے اور بیتا نے رہائش و روزگار کا بندوبست کر لیا۔

نگر نگر میں تماشے دکھاتے وہ لوگ کافی عرصے بعد کراچی بھی پہنچے جہاں عام دنوں میں وہ لوگ آبادیوں میں گھوم پھر کر تماشے دکھاتے اور چھٹی والے دنوں میں شہر کے تفریحی مقامات پر اپنے ڈیرے جما کر راہگیروں کو محظوظ کرتے۔

پھر بندروں کے ساتھ بیتا کی مفاہمت کا مظاہرہ کسی اخباری نمائندے نے بھی دیکھ لیا اور اس نے اپنے اخبار میں بیتا کا تصویری انٹرویو شائع کروا دیا۔ بیتا نے اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتایا۔

انٹرویو کی تشہیر کے بعد ایک نجی کلب کے منتظمین نے بیتا سے رابطہ قائم کیا اور ان کی دعوت پر بیتا نے ایک محدود اجتماع کے سامنے بندروں کے محیر العقول کمالات دکھائے۔ اس مظاہرے کے اختتام پر ایک بڑے ہوٹل کے مالک نے بیتا کو بھاری مشاہرے پر ملازمت کی پیش کش کی جسے بیتا نے ٹھکرا دیا کیونکہ وہ شخص بیتا کو کیبرے ڈانسر کے طور پر متعارف کرانا چاہتا تھا۔

اس کے علاوہ بیتا کو بنجاروں کے ساتھ ملک بھر میں گھومنے کی آزادی بھی تھی اور اسے یہ امید تھی کہ اس طرح کسی روز وہ مجھے پا لے گی۔

اس نے ان جاہل بنجاروں میں خود کو ہمیشہ محفوظ محسوس کیا۔ کرخت خدوخال والے وہ میلے کچیلے اور قدآور مرد اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے جب کہ اس ٹولی سے باہر تقریباً ہر مرد کی نگاہ میں بیتا کو گھناؤنی سی چبھن محسوس ہوتی تھی۔

اور پھر ایک روز کلفٹن کی آبادی میں خوبصورت مکانات کے عقب میں پھیلے ہوئے ویران اور ناہموار چٹیل میدان میں وہ دو سرخ و سفید غیر ملکی لڑکے ان خانہ بدوشوں کے عقب میں خیموں پر آ پہنچے۔

ڈوبتے سورج کے دھندلکے میں ہر ایک نے ان لڑکوں کو اشتباہ آمیز نظروں سے دیکھا میلے کچیلے بچوں نے انھیں گھیر لیا۔

انھوں نے آتے ہی بیتا کے بارے میں سوال کیا اور ان پر جتی ہوئی مردانہ نگاہوں میں قہر کے شعلے بھڑک اٹھے۔

ایک بنجارے کا تلخ جواب کانوں میں پڑتے ہی بیتا جھونپڑے سے نکل آئی۔

"ہم آوارہ نہیں ہیں۔" ان میں سے ایک نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں

مشتعل مجاہدوں کے سامنے وضاحت کرتے ہوئے کہا: "ہم بس چند باتیں کرنی ہیں۔"

"چلے جاؤ۔" ان نامی نوجوان ہاتھ فضا میں اٹھا کر دہاڑا۔ جلدی عزت سے کھیلے سفید پوشوں کو ان چیتے ہوئے چہروں پر دیکھ کر لوگ نہ جانے کیا کیا سوچنے لگتے ہیں۔"

"ٹھہر جاؤ آمو۔" سیتا نے اسے روکا اور آگے بڑھ گئی۔

وہ دونوں غیر ملکی سیتا کی تیز نگاہوں کا سامنا کرنے ہی پر پٹ پٹا گئے۔

"کہو، کیا بات کرنی ہے؟" وہ ان کے مقابل کھڑی ہو کر غرائی۔

"ہم فلسطینی ہیں۔" ان میں سے ایک نے گھٹے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ہم تمھارے ملک میں تعلیم حاصل کرنے آئے ہوئے ہیں۔"

"پھر میں کیا کروں!" سیتا کو ان لڑکوں سے اپنی ملاقات کی تمام تر جزئیات پوری طرح یاد تھیں کیونکہ اس ملاقات نے اس کی زندگی کا دھارا موڑنے میں سنگ میل کا کام کیا تھا۔

"ہندوؤں کو سدھانے کے سلسلے میں تمھاری صلاحیت ابھی یہاں تک نہیں گئی ہے۔" دوسرے لڑکے نے آہستہ سے کہا: "ہم بمشکل اس شخص کا سراغ لگا سکے ہیں۔"

"مگر کیوں؟" سیتا ان کے سر پر سوار ہوتی جا رہی تھی۔

"تم صفدر علی کو جانتی ہو؟"

اس کا سوال سنتے ہی سیتا تڑپ اٹھی اور اس نے بڑھ کر دونوں ہاتھوں سے سوال کرنے والے کا گریبان تھام لیا: "ہاں جانتی ہوں! کہاں ہے وہ؟ تم اسے کیسے جانتے ہو؟"

"وہ جنوبی ہند کے جزائر میں کسی ملک میں رہتا ہے۔ تم چاہو تو تمھیں وہاں بھیجنے کا بندوبست کیا جا سکتا ہے۔"

سیتا نے گریبان چھوڑ دیا اور شتباہ آمیز نظروں سے انھیں گھورنے لگی۔

"اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم سچ بول رہے ہو؟"

"کچھ بھی نہیں۔" ان میں سے ایک نے سادگی سے اعتراف کیا۔ "یہ ہمارا اخلاقی فرض ہے کہ ہم ہر طرف تمھاری تلاش میں مہم جاری ہے۔"

اس وقت سیتا کے لیے ان باتوں کو سمجھنا ناممکن تھا۔ وہ دونوں اسے مشکل تمام فلسطینی تنظیم کے بارے میں سمجھا سکے اور اسی دوران میں سیتا کو ان کے لب و لہجے سے ان کی صداقت کا یقین آ گیا۔

سیتا ان کے ہمراہ اسی وقت روانہ ہو گئی۔

خانہ بدوشوں کے لیے وہ سب ناقابل فہم تھا۔ سیتا پچھلے دنوں سے ان کے دلوں میں گھر کر چکی تھی۔ اس کی روانگی پر وہ سب ہی دل گرفتہ سے ہو گئے۔

دریتلے ٹیلوں کے پار پہنچ گئی کہ کہا سے ان لڑکوں کی کار موجود تھی جس میں وہ سیتا کو شہر کی طرف لے چلے۔

اس سفر کا اختتام حبیب بطرابیقی نامی ایک فلسطینی نوجوان کے مکان پر ہوا جو محمود سلطان روڈ پر ایک بنگلے میں مقیم تھا۔

سیتا کے ساتھ ان تینوں کا رویہ احترام آمیز تھا۔ لکھنؤ کی ویرانیوں سے سیتا کو لانے والے واپس چلے گئے اور حبیب بطرابیقی سیتا کو دنیا کے مختلف مراحل سے آگاہ کرنے لگا۔

تین دن سیتا کے سفری کاغذات کی تیاری میں صرف ہوئے اور چوتھے روز حبیب نے اس کے ہمراہ شہر چھوڑ دیا۔

آغاز سفر سے پہلے حبیب کے ایما پر سیتا نے زندگی میں پہلی بار جینز اور جیکٹ زیب تن کی اور وہ لباس اسے ایسا پسند آیا کہ پھر اس نے ہمیشہ اسی کے استعمال کو ترجیح دی۔

"جہاز کا سفر میرے لیے ایک انوکھا تجربہ تھا۔" سیتا مجھے بتا رہی تھی۔ "حبیب نے میرے لیے خاص طور پر کھڑکی سے ملحق نشست لی تھی لہٰذا جب رات گئے جہاز زمین سے بلند ہوا تو زمین پر جگمگاتی روشنیوں کا منظر میرے لیے حیرت انگیز تھا..."

"مگر تمھارا سفر کہاں کے لیے تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"ایک مختصر سے قیلولہ بدل کر ہمیں طرابلس پہنچنا تھا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ طرابلس میں ہماری رہبری اور ہماری ملاقات کے انتظامات کیے جا رہے تھے۔"

اسی وقت باہر راہداری میں کسی کے قدموں کا شور سنائی دیا۔

اور ہم دونوں خاموش ہو کر داخلی دروازے کی طرف متوجہ ہو گئے۔

آنے والا احمد تھا۔

اس کے پھولے ہوئے سانس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کافی دور سے دوڑتا ہوا وہاں تک پہنچا تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"جیل کا پہرا آ رہا ہے۔"

دل کے تار سے اس فقرے کا جملہ کافی تھا۔ ہم تینوں رسیں کھینچیں اٹھا کر باہر دوڑ لیے۔

"کیا ہوا؟" ایک لڑکی نے کیبن کے دروازے سے سر نکال کر سہمے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"کیبنوں میں محدود رہو۔" میں نے رکے بغیر بلند آواز میں کہا۔ "وہ لوگ شکست کھانے کے بعد دوبارہ آپ تک آئے ہیں۔"

ہم تینوں سیڑھیاں عبور کر کے عرشے پر پہنچے تو سفید جیل کا پہرا سمندر پر تیزی سے پرواز کرتے ہوئے بہت قریب آ چکا تھا۔

جونہی جیل کا پہرا لانچ پر آ کر لمحہ بھر کے لیے معلق ہوا، ایک رسے کے سہارے ہوا باز کے لباس میں ملبوس ایک شخص عرشے پر کود آیا اور جیل کو پہرے کے آگے بڑھ گیا۔

میں نے اترنے والے کو فوراً ہی اسٹین گن کی زد پر لے لیا مگر اس کا چہرہ دیکھتے ہی اسٹین گن کی نال خود بخود جھک گئی۔

"کیا ہو رہا ہے؟" وہ میرے سامنے خود ہی بڑے مزے سے مسکرا کر بولا۔

"عربی؟" احمد نے حیرت سے کہا۔ "تمہارے ساتھ ہیلی کاپٹر میں دوسرا کون ہے؟"
"میرا ساتھی۔"
"مگر تم تو کہہ رہے تھے کہ وہ شراب کے نشے میں کہیں اوندھا پڑا ہوگا۔"
"جنرل ہیلی کاس کے احکام سن کر اس کے سارے ہی ہاتھوں سے نشہ ہرن ہو جاتا ہے۔ ہم اس وقت خصوصی گشت پر ہیں۔"
"کھل کر بتاؤ۔" میں نے کہا۔ "تمہارے پیچھے پہاڑی بھوت سے بالا پڑا تھا؟"
"تھوڑی دیر قبل اسٹیشن کمانڈر کو جنرل ہیلی کاس کا فون ملا تھا۔ جنرل کو شکایت تھی کہ ہم سے ملتے جلتے کسی ہیلی کاپٹر سے اس کے ایک دوست کی لانچ پر زبردست حملہ کیا گیا اور لانچ کو چھین لیا گیا۔"
"ہم سے ملتا جلتا ہیلی کاپٹر؟" میں نے حیرت سے کہا۔
"ہاں! جنرل بے چارہ یہ یقین ہی نہ کر سکا کہ حملے میں کس کا ہیلی کاپٹر ملوث تھا۔" وہ قہقہہ مار کر بولا۔
"تمہارا خیال درست ثابت ہوا۔" احمد نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اوکیف یہاں سے فرار ہو کر سیدھا جنرل کے پاس پہنچا ہوگا۔"
"اوکیف؟" ڈی مقری نے تحیر زدہ لہجے میں سوال کیا۔ "تو کیا یہ لانچ تمہاری ہی ہے؟"
میں نے اثبات میں اپنے سر کو جنبش دی۔ "وہ ایک بوسٹ پر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ورنہ اس وقت ہمارا قیدی ہوتا۔"
"پھر یہ معاملہ طول کھینچے گا۔" اس کے چہرے پر تشویش ابھر آئی۔ "اس خاتون کا کیا ہوگا، جس کے لیے یہ سارے پاپڑ بیلے گئے تھے؟"
میں نے سیتا کی طرف اشارہ کیا پھر اس کے قریب جا کر بولا۔
"تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جنرل نے خود ہی تمہیں راہ سمجھا دی ہے۔ تم واپس جا کر اسے کوئی بھی من گھڑت کہانی سنا سکتے ہو۔"
"سب سے بہتر تو یہ ہوتا کہ میں اسے لانچ کے ویران ہونے کی خبر دیتا۔ اس دوران میں تم قریب ترین ساحل پر پہنچ کر چھٹکارا حاصل کر لیتے۔ مگر اب عرشے پر میرا ساتھی تم تینوں کو دیکھ چکا ہے۔"
"تمہارے ساتھی کو خریدا نہیں جا سکتا؟" میں نے سوال کیا۔
"میرا تجربہ ہے کہ شرابی کبھی بھروسے کے قابل نہیں ہوتا۔ وہ فی الحال رضامند ہو جائے گا مگر کسی بھی لمحے راز فاش کر دے گا۔"
"پھر تم کیا کرو گے؟"
"میں واپسی میں یہ سوچوں گا مگر تم جلد از جلد لانچ سے اپنا پیچھا چھڑا لو۔" اس نے دور منڈلاتے ہوئے ہیلی کاپٹر کی طرف ہاتھ ہلاتے

ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ جنرل اوکیف کے ہمراہ خود لانچ کا جائزہ لینے کا فیصلہ کرے، وہ خود بھی بہا ہوا ہے۔"
"وہ آتے ہیں تو انہیں آنے دو۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔ "ہم کبھی بھی صومالی لینڈ کی بحری حدود میں داخل ہو سکتے ہیں اور اگر وہ مملکت کا ادارہ آ بھی گیا تو وہ زندہ واپس نہ لوٹ سکے گا۔ تم بے فکر ہو کر واپس جاؤ۔"
"تمہارے ہیلی کاپٹر میں کسی تیسرے کی گنجائش ہے؟" یکایک سیتا سوال کر بیٹھی۔
"نہیں۔" ڈی مقری کا لہجہ دوٹوک تھا۔ "مگر کس کے لیے؟"
"احمد کا دایاں شانہ بری طرح زخمی ہے۔" میں نے کہا۔ "اگر اسے فوری طور پر لے جایا جائے تو بہتر ہوگا۔"
"چلو۔" ڈی مقری نے احمد سے کہا۔ "نشست نہیں مل سکے گی، لیکن میں تمہیں ایتھوپیا کے ساحل پر کہیں ویران کھاڑیوں میں اتار دوں گا۔"
"اور تمہارا ساتھی؟" احمد نے سوال کیا۔
"اسے دیکھ لیا جائے گا۔ بہر کیف تمہارے زخموں کی دیکھ بھال زیادہ ضروری ہے، تمہارے دائیں شانے سے بہت خون بہہ رہا ہے۔"
"وہ زخم نہیں ہے۔" احمد جھجکتے انداز میں مسکرایا۔ "لباس کے نیچے میرے شانے پر پٹیاں بندھی ہیں۔"
"تم سوچ لو، میں تمہیں لے جانے کے لیے تیار ہوں۔"
"میرا زخم اتنا خطرناک نہیں ہے۔ تم کوئی خطرہ مول نہ لو۔" احمد نے قدرے توقف سے کہا۔ "میں اپنی دیکھ بھال کر سکتا ہوں۔"
ڈی مقری کا سفید ہیلی کاپٹر خطرناک انداز میں غوطہ مار کر نیچے آیا۔ اس سے ایک رسا نیچے جھول رہا تھا۔ ڈی مقری ماہرانہ انداز میں رسہ تھام کر اوپر چڑھتا چلا گیا اور ہیلی کاپٹر واپس اسی طرف پرواز کر گیا جدھر سے نمودار ہوا تھا۔
نیچے اتر کر ہم تینوں لانچ کے انجن روم میں جا بیٹھے۔
"آگے تھوڑا راستہ رہ گیا ہے۔ ہم کسی بھی لمحے رک سکتے ہیں۔" احمد نے ایک عجیب پر سکون لہجے میں اطلاع دی۔
"اس وقت ہم کہاں ہیں؟"
"یمن کی سمندری حدود میں۔ المحرمہ کے جنوب میں ہماری منزل ہے۔"
"پہلے تو تم نے صنعا کا حوالہ دیا تھا؟" میں نے سوال کیا۔
"صنعا ساحلی شہر نہیں ہے۔ شاید شہرت کی وجہ سے اسی کا نام منہ پر آ گیا ہوگا۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔
مجھے حیرت تھی کہ ڈی مقری نے ہمیں یہ نہیں بتایا تھا کہ ہم لوگ ایتھوپیا کی سمندری حدود کو خیرباد کہہ کر دوسرے ملک کی بحری حدود میں داخل ہو چکے تھے۔
میں احمد کے ساتھ دوبارہ عرشے پر چلا گیا۔ میں نے انجن روم سے

ڈلڈ نین ساتھ لے لی تھی جب کہ سیتا خوفزدہ لڑکیوں کو تسلی دینے کے لیے کیبن کی طرف چلی گئی تھی۔

دور بین کے ذریعے مجھے سمندر کے سینے پر طویل فاصلوں پر روشنی کے متعدد نکتے نظر آئے جن کا اس آبی گزرگاہ میں پایا جانا فطری بات تھی۔ مغرب سے آنے والے جہاز نہر سوئز سے گزرنے کے بعد بحیرۂ احمر کی آبی گزرگاہ سے گزرتے ہوئے باب المندب عبور کر کے بحیرۂ ہند میں داخل ہوتے تھے لہٰذا اس علاقے میں جہازوں کی کثیر تعداد کی موجودگی حیرت کی بات نہیں تھی۔

ہم دونوں عرشے پر بیٹھے سگریٹ پھونک رہے تھے اور اپنے اپنے تفکرات میں گم تھے کہ یکایک لانچ کی رفتار میں نمایاں کمی کا احساس ہوا اور چند منٹ کے اندر ہی تیز جھٹکے کھاتی ہوئی رک گئی۔

ہم نیچے اترنے کے لیے اپنی جگہ سے اٹھے ہی تھے کہ لانچ چلانے والے دونوں افراد میں سے ایک اوپر آ پہنچا۔

"لانچ دلدل میں پھنس گئی ہے۔" اس نے دور ہی سے کہا۔ "اس کا آگے بڑھنا یا پیچھے جانا ناممکن ہے۔"

"ہم ساحل سے کتنی دور ہوں گے؟" میں نے سوال کیا۔

"زیادہ سے زیادہ چار یا پانچ میل۔" اس نے جواب دیا۔ "سمندری بہاؤ کی وجہ سے یہاں کی بیشتر ساحلی پٹی چار یا پانچ میل تک جہاز رانی کے لیے ناکارہ ہے کیونکہ یہاں ریت بہت تیزی سے جمع ہوتی ہے۔"

"تمہیں یقین ہے کہ ہم سمندر کے سطح میں کسی ریتیلے جزیرے پر نہیں جا چڑھے ہیں؟"

"اس علاقے سے ہم پوری طرح واقف ہیں۔" اس نے انکسار آمیز لہجے میں کہا۔

طویل مشورے کے بعد لانچ کا انجن بند کر دیا گیا اور سب لوگ عرشے پر سمٹ آئے جو اس وقت دیکھنے پر کل گیارہ نفوس موجود تھے۔ جب کہ عرشے پر صرف ایک الف بوٹ موجود تھی جس میں بیک وقت صرف چار افراد کی گنجائش تھی پانچویں فرد کو سوار کرنے کی صورت میں بوٹ کسی بھی تیز لہر کے سامنے الٹ سکتی تھی۔

بوٹ کو سمندر میں ڈالنے کے بعد سب سے پہلے سیتا کو رسے کی سیڑھی کی مدد سے نیچے اتارا گیا پھر بہ وقت تمام وہ لڑکیاں کانپتی لرزتی نیچے پہنچیں اور لانچ کا ایک ملاح الف بوٹ کو تاریکی میں ساحل کی طرف لے گیا۔

انہیں منزل کے تعین کرنے کے بعد لوگ عرشے پر ہی بیٹھ گئے میں نے اس مہلت کا فائدہ اٹھا کر ملاح کے ساتھ نیچے کا چکر لگایا اور دو تھیلوں میں خورد و نوش کا سامان بھر کر اوپر لے آیا تاکہ صحرا میں بھٹکنے کی صورت میں بھوک اور پیاس کا مداوا ہو سکے۔

الف بوٹ کم و بیش پینتالیس منٹ میں لوٹ آئی۔ ساحل خلاف توقع بہت قریب تھا۔ اس بار بھی تین لڑکیاں روانہ کر دی گئیں۔

تیسرے چکر میں میرے اور احمد کے ساتھ لڑکی تھی۔ اب صرف دوسرا ملاح عرشے پر اکیلا رہ گیا تھا۔

"ہم اپنا راستہ کسی اور طرف تلاش کر لیں گے۔" یہیں ساحل پر اتارنے کے بعد الف بوٹ میں سوار ملاح نے کہا۔ "میں اپنے ساتھی کو لے کر کسی بھی طرف نکل جاؤں گا۔"

"ہمارے ساتھ کیوں نہیں رہتے؟" احمد نے سوال کیا۔

"اتنی بھیڑ کا بچنا یوں سے بچنا محال ہو گا۔ سمندر تک ہم نے تمہارا ساتھ دیا۔ اب ہمارے راستے جدا ہوں گے۔" اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"لانچ پر ریڈیو سسٹم وغیرہ بھی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں!" اس نے بلاتامل جواب دیا۔ "میرا ساتھی اس پر قابض ہو چکا ہو گا۔ اس کے سہارے ہم از سر نو اپنی ... کا آغاز کر سکیں گے۔"

"جاؤ، ہم تمہاری کامیابی کے لیے دعاگو رہیں گے۔" میں نے کہا اور وہ اندھیرے ساحل پر ہمیں ریت پر کھڑا چھوڑ کر تیزی سے چلاتا غائب ہو گیا۔

سمندر سے آنے والی یخ بستہ ہوائیں ہر ایک کے لیے ناقابل برداشت تھیں مگر سب ان پر بہ تقدیر خاموش کھڑے تھے۔

ریتیلے ساحل پر دم توڑتی ہوئی سمندر کی موجوں کے آسیبی شور میں ہر ایک اپنے مستقبل کے بارے میں فکرمند تھا۔

تعداد کے اعتبار سے ہماری نفری خاصی بھاری تھی لیکن اس پوری بھیڑ کی سلامتی میرے اور احمد کے سر تھی۔

ہم دونوں کے علاوہ سیتا بھی پوری طرح مسلح تھی اور ہم لوگوں میں بدترین حالات کا سامنا کرنے کی صلاحیت بھی موجود تھی مگر یہ فیصلہ کرنے میں دشواری ہو رہی تھی کہ سفر کا آغاز کس سمت میں کیا جائے۔

مگر اس سوچ بچار میں زیادہ وقت ضائع نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں نے رائے پیش کی کہ ساحل سے ہٹ کر ریگستان میں بھٹکنے کے بجائے اگر ہم ساحل کے ساتھ ساتھ شمال میں سفر جاری رکھتے تو کسی گھاٹ کا ملنا یقینی تھا۔ اور اگر وہ پورا ساحل ہی ویران تھا تو کم از کم ہم حدیدہ کی بندرگاہ تک ضرور پہنچ جاتے۔

میرا مشورہ ہر ایک کے لیے قابل قبول تھا لہٰذا ہم شمال کی طرف چل دیے۔ احمد زخمی تھا مگر اس کا حوصلہ بلند تھا۔ اسی کے ساتھ سیتا بھی ہر صورت حال کے لیے پوری طرح تیار تھی مگر مغرب کے پُرسائش ماحول کی پالی ہوئی ان چھ لڑکیوں کے لیے نرم ریت پر پیدل چلنا ایک عذاب سے

کم نہیں تھا۔

رات کا پُر ہول اندھیرا، سرد ہواؤں کے تھپیڑے اور سمندر کی موجوں کی آسیبی سسکیاں ان کے اعصاب کو منتشر کیے ڈال رہی تھیں۔

چلتے چلتے احمد نے میرا ہاتھ دبایا اور قدرے تیز رفتاری سے ان لڑکیوں سے کافی آگے نکل گیا۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی سیتا کو پیچھے چھوڑ کر احمد کے ساتھ پہنچ گیا۔

"میں اس وقت شدید الجھن میں پھنسا ہوا ہوں۔" احمد نے قدرے توقف کے بعد دھیمے لہجے میں کہا۔

"ان حالات میں تو ہر ایک الجھن کا شکار ہے۔" میں نے اسی لہجے میں جواب دیا۔ "تمہارے ساتھ کوئی خاص معاملہ درپیش ہے؟"

"یہ چھ لڑکیاں مجھے اب بوجھ محسوس ہو رہی ہیں۔" اس نے گلی لپٹی رکھے بغیر راز دارانہ لہجے میں کہہ ڈالا۔

"مگر کیوں؟"

"ان کی وجہ سے ہماری نفری غیر معمولی لگتی ہے انہیں ساتھ لگائے رکھا تو ہم ہر جگہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بنیں گے۔"

"لیکن ان کے سوا اور کیا راستہ ہے؟"

"انہیں ساحل کے ساتھ اپنے مجوزہ راستے پر بڑھنے دو۔" اس نے قدرے سکوت کے بعد جھجکتے ہوئے کہا۔ "یہ جلد یا بدیر کہیں نہ کہیں رہنمائی کرنے میں کامیاب ہو ہی جائیں گی۔ ہم لوگ اپنا راستہ تبدیل کر سکتے ہیں۔"

"وہ سب بہت زیادہ خوفزدہ ہیں، اتنی آسانی سے ہمیں اپنی من مانی داد رخصت اختیار نہیں کرنے دیں گی۔"

"یہ مجھ پر چھوڑ دو۔" اس نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "وہ خوشی خوشی ساتھ چھوڑنے پر آمادہ ہو جائیں گی۔"

"کوشش کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے اپنے بجھے سگریٹ سلگاتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

چند ثانیوں کے بعد احمد نے پورے قافلے کو روک لیا۔

"تم لوگوں کو بردہ فروشوں کے شکنجے سے پوری طرح آزادی مل چکی ہے اور اس وقت تم کن کی سرزمین پر ہو۔" احمد نے انگریزی میں رک رک کر کہنا شروع کیا۔ "پہلی آبادی میں پہنچتے ہی تمہیں مقامی پولیس کے ساتھ ہر قسم کی مدد حاصل کر سکو گی۔ تمہیں اس راہ پر ڈال دینے کے بعد ہماری ذمے داریاں ختم ہو جاتی ہیں۔"

"تم کہاں جا رہے ہو؟" جواب میں ایک پُرسان نسوانی آواز ابھری۔

"ہمارا راستہ مختلف ہے۔ ہمارے ساتھ رہ کر تم سب گھاٹے میں





رہو گی۔ ہم نے تمہاری مدد ضرور کی ہے لیکن ہم قانونی الجھنوں میں پڑ کر اپنا وقت برباد نہیں کرنا چاہتے۔ ہمارے لیے اپنی کارروائیوں کا جواز پیش کرنا دشوار ہو جائے گا۔"

"تم ہمیں موت کے منہ میں دھکیلنا چاہتے ہو۔" ایک لڑکی کی خوفزدہ آواز ابھری۔ "اس سنسان ماحول میں ہم عورتیں کیا کر سکیں گی۔"

"اس ساحل پر تنہائی کے سوا کوئی خطرہ نہیں ہے۔" احمد بولا۔ "اور تم تعداد میں چھ ہو، تمہارے لیے کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔"

"اگر تمہارا یہی ارادہ تھا تو ہمیں ساحل پر کیوں اتارا تھا؟" یہ کوئی نئی آواز تھی۔

"اب تک ہم نے ہر قدم تمہاری بہتری کے لیے اٹھایا ہے۔" احمد کا لہجہ سخت ہو گیا۔ "اور آخری فیصلہ بھی اسی سمت میں ایک قدم ہے۔ تم سب غیر ملکی ہو، تمہارے ساتھ مقامی قانون کا رویہ ہمدردانہ ہو گا، لیکن ہماری موجودگی سے صورت حال بدل جائے گی۔"

میرے اندازے کے عین مطابق احمد کا فیصلہ ان میں سے کسی کو بھی آسانی سے قابل قبول نہیں تھا لیکن طویل بحث کے بعد احمد ان کو قائل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

لوسی نے چلتے چلتے کسی ہتھیار کا مطالبہ کیا تھا جسے احمد نے ٹھکرا دیا۔ البتہ خورد و نوش کے سامان سے بھرا ہوا ایک تھیلا ان کے حوالے کر دیا۔

سیتا کے بارے میں ان سب کا رویہ حیرت ناک حد تک دوستانہ تھا۔ سب لڑکیوں نے پرجوش انداز میں اسے الوداع کہا اور مختلف النسل لڑکیوں کا وہ پامال قافلہ اپنے مقصد کی تلاش میں اندھیرے راستے پر ساحل کے کنارے بڑھتا چلا گیا۔

جب رات کے آخری پہر کی تاریکی نے ان کے موہوم ہیولے اپنے جسم میں جذب کر لیے تو پہلی بار سیتا نے زبان کھولی۔

"اب ہماری راہ کون سی ہو گی؟"

"اس طرف۔" احمد نے دائیں طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"ادھر تو ریت ہی ریت کا صحرا ہی صحرا ہے۔" سیتا نے کہا۔

"لیکن قریب ہی شہر ہے۔" وہ بولا۔ "یہاں کا صحرا ویران نہیں ہے۔ ہر دس پانچ میل کے فاصلے پر کوئی نہ کوئی قصبہ آباد ہے۔"

"مگر یہ قصبے ہمارے کس کام آئیں گے؟" سیتا نے سوال کیا۔

"فوری طور پر ہمیں کسی پناہ گاہ کی ضرورت ہے۔" احمد نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ پناہ سے زیادہ تیز رفتار سفر ہمارے حق میں مفید ہے گا۔" سیتا نے برجستہ کہا۔ "ہمیں فوری طور پر یہاں سے نکلنا چاہیے۔"

"یہاں سے تم کدھر جاؤ گے؟"

"ہندوستان۔ پاکستان۔" میں نے جواب دیا۔

"مگر مجھے اپنے گھر واپس پہنچنا ہے۔" احمد کا لہجہ قدرے تلخ ہو گیا۔ "وہاں میری بیوی اور بچے ہر آہٹ پر کان لگائے میرے منتظر ہوں گے۔"

"پہلے تمہاری روانگی ضروری ہے۔" میں نے دائیں طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس بڑے نے سیتا کو حاصل کر لیا۔"

وہ خاموش ہو گیا اور ہم تینوں اندھیرے میں آگے بڑھنے لگے۔ اندھیرے میں ہمارا سفر جاری رہا۔ پھر رات کا طلسم غیر محسوس انداز میں بکھرنے لگا۔ پہلے آسمان کے مشرقی گوشوں پر سپیدی نمودار ہوئی پھر سورج کی سنہری کرنوں کی روشنی میں صحرا کی ریت سونے کی طرح جگمگانے لگی۔

چلتے چلتے ہم نے چند ہی لمحے میں بسی شکم پری کا کچھ اہتمام کیا اور پھر احمد یکبارگی پرجوش انداز میں چیخ پڑا۔

وہ آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا بنائے مشرق کی طرف نگراں تھا۔

"ہم کسی بستی کے قریب پہنچ گئے ہیں۔" اس کی آواز مسرت سے لرز رہی تھی۔ "بس ایک آدھ گھنٹے کی مسافت معلوم ہوتی ہے۔"

ہم دونوں نے اس سے دور بین لے کر باری باری اس سمت کا جائزہ لیا۔ ادھر واقعی کوئی بستی موجود تھی جس میں مختصر مکانوں کے درمیان کسی مسجد کا بلند مینار نمایاں تھا۔

ہم تینوں کی رفتار میں تیزی آ گئی۔

صحرا کی وسعت میں فاصلوں کا قیاس عموماً غلط ثابت ہوتا ہے لیکن ہم لوگ ٹھیک ایک گھنٹے میں اس آبادی کے اتنے قریب پہنچ گئے کہ مکانوں سے باہر کھیلتے ہوئے بچے شور مچاتے ہوئے ہماری طرف بڑھ آئے۔

"یہ کون سی بستی ہے؟" احمد نے آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہوئے نسبتاً بڑی عمر کے ایک بچے سے سوال کیا۔

"برکہ۔" بیک وقت دو تین آوازیں ابھریں۔

اسی وقت بچوں کا شور سن کر ایک بوڑھا اور پست قامت شخص اپنا خاکی لبادہ پنڈلیوں سے اوپر اٹھائے سامنے آ گیا۔ اس کے سر پر کپڑے کی گول ٹوپی تھی جو ٹیڑھی ہو گئی تھی اور وہ دور ہی سے بچوں پر برس رہا تھا۔

اس کی ڈانٹ پھٹکار بچوں کے لیے خاصی موثر ثابت ہوئی اور وہ ہمارے قریب پہنچ گیا۔

"نہیں... نہیں۔" اس نے دونوں ہاتھ اپنے سر کے قریب لہراتے ہوئے پرتپاک لہجے میں کہا۔ پھر اچانک ہی خاموش ہو گیا۔

اس کا سارا جوش کافور ہو گیا تھا اور نگاہوں میں خوف اتر آیا تھا۔ اس کی حالت میں تغیر کا سبب مجھ پر فوراً ہی عیاں ہو گیا کیونکہ

ہماری بائیں جانب سے اسلحے لوٹے جا رہا تھا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں، ہم شریف لوگ ہیں۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔" میں نے آگے بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"کہاں سے آئے ہو؟" اس کا لہجہ خاصا اشتباہ آمیز تھا۔

"ہماری لانچ سمندر میں حادثے کا شکار ہو گئی، ہم بمشکل اپنی جانیں بچا کر ساحل تک پہنچ سکے۔" میں نے لہجے میں زور پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"اس اسلحے سمیت؟" وہ سادہ لوح ہونے کے باوجود احمق نہیں تھا۔

"اجنبی سرزمین پر خوراک سے زیادہ اسلحہ اہم ہوتا ہے۔ ہم کمزور تھے، اس بوجھ کو اپنے تھیلوں سے لگائے رہے۔"

"اجنبی؟" وہ بستی کی سمت آبادی کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "تم تو لب و لہجے سے عرب ہی معلوم ہوتے ہو۔"

"ہمیں تمہاری تھوڑی سی مدد درکار ہے۔" احمد نے اس کے سوالات کا سلسلہ منقطع کرتے ہوئے کہا۔ "ہم تقریباً چوبیس گھنٹے کے تھکے ہارے ہیں۔ میرا دوست ابھی زخمی ہے۔"

"تھوڑے آرام کے بعد ہم تمہارے ہر سوال کا جواب دے دیں گے۔" میں نے التجا و اصرار بھرے لہجے کی ترسیل کو بچکانے بغیر کہا۔

بچے بدستور بلیٹ کر سے چھیڑ چھاڑ کرتے جلوس کی صورت ہمارے پیچھے چلے آ رہے تھے اور میں تیزی سے آئندہ حکمت عملی کے بارے میں سوچنے میں مصروف تھا۔

وہ بستی پچیس تیس کچے مکانات پر مشتمل تھی۔ ہمیں جس گھر میں پہنچایا گیا وہ نسبتاً بہتر حالت میں تھا لیکن بستی کی خستہ حالی معلوم ہو رہی تھی۔

کنوئیں کے تازہ پانی سے منہ ہاتھ دھونے کے بعد ہمارے لیے گیہوں کی روٹیاں، پنیر اور گرم گرم قہوہ تیار رکھا تھا۔ اس اثنا میں بستی کے مزید دو افراد وہاں آ گئے تھے اور حریصانہ انداز میں ہمارے اسلحے کا جائزہ لے رہے تھے۔

اسٹین گن کے ساتھ ان کا محتاط سلوک اس امر کا غماز تھا کہ وہ ان کے لیے اجنبی چیز نہیں تھی۔

ناشتے سے فراغت پاتے ہی پستہ قامت مطلب پر آ گیا۔ اس کے ساتھیوں نے ہماری اسٹین گنیں اپنے قریب رکھی ہوئی تھیں۔

"ہم صنعا پہنچنا چاہتے ہیں۔" اس کے سوال کے جواب میں احمد نے کہا۔ "ہم وہاں پہنچ کر تمام مسائل حل کر لیں گے۔"

"اور اگر ہم تمہیں پولیس کی تحویل میں دے دیں؟" اس شخص نے مکارانہ لہجے میں سوال کیا اور میں نے فوراً بھانپ لیا کہ اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ بلکہ وہ یہ اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ پولیس کے نام سے دھمکا کر کہاں تک فائدہ اٹھا سکے گا۔

"یہ سب سے بہتر ہو گا۔" میں احمد سے پہلے بول پڑا اور وہ مجھے حیرت سے دیکھتا رہ گیا۔ "کیا اس بستی میں پولیس چوکی بھی ہے؟"

"قریب ترین چوکی ساٹھ میل دور ہے۔" وہ سٹپٹا کر بولا۔ "وہاں بھی کسی کو بھیجنا ہی ہو گا۔ اور وہ لوگ تمہارے ساتھ شاید بہتر سلوک بھی نہ کریں۔"

"وہ کیوں؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"الحمد، وہ تخریب ہیں، وہ۔ جنوبی یمن سے اکثر مسلح تخریب کار اس طرف آتے رہتے ہیں۔ تم پر پہلا شبہ یہی ہو گا۔"

"ہم پولیس کے شبہات دور کر دیں گے۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "لیکن تمہارے ذہن میں کوئی آسان تجویز ہو تو وہ بھی بتا دو۔"

حقیقت یہ تھی کہ اس کی زبان سے مسلح تخریب کاروں کا ذکر سنتے ہی میرا دل ہول اٹھا تھا۔ شمالی اور جنوبی یمن کی مخاصمت اس خطے کی بدترین حقیقت تھی۔ اور دونوں حکومتیں آئے دن ایک دوسرے کے خلاف کوئی نہ کوئی سازش کھڑا کرتی رہتی تھیں۔ ان حالات میں اگر ہم پولیس کے ہاتھ لگ جاتے تو ان کے تشدد کے سامنے ہمیں نہ جانے کتنے ناکردہ گناہوں کا اعتراف کرنا پڑتا لہٰذا بہتر یہی تھا کہ ان لوگوں کی کسی بھی متبادل تجویز کو قبول کر کے نکاسی کی راہ بنائی جاتی۔

"یہاں سے بیس پچیس میل دور تعیز اور صنعا کو ملانے والی شاہراہ گزرتی ہے جس پر لاریاں چلتی ہیں۔ ہم تمہیں وہاں سے کسی لاری میں سوار کرا سکتے ہیں۔" اس نے ٹوپی اتار کر اپنے سر میں کھجاتے ہوئے کہا۔

"یہ بندوبست بھی قابل قبول ہے۔" میں نے سرسری لہجے میں کہا۔

"لیکن تمہیں اپنا تمام اسلحہ ہمارے حوالے کرنا ہو گا۔" اس نے ٹوپی دوبارہ سر پر جما کر فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"یہ سراسر زیادتی ہے......"

"بکواس!" اس نے ڈھٹائی سے میری بات کاٹ دی۔ "پولیس کے پاس گئے تو نہ صرف اسلحہ ضبط ہو گا بلکہ کسی سازش کا بندوبست ہونے تک مار بھی پڑے گی۔ اگر اسلحہ ہمیں دے دو گے تو اس سے بچنے کے علاوہ لاری تک بھی بحفاظت پہنچائے جاؤ گے۔" وہ ہر قسم کی مروت کو بالائے طاق رکھ کر کھلم کھلا دھونس پر اتر آیا تھا۔

"مگر اس صحرا میں یہ اسلحہ تمہارے کس کام آئے گا؟" میں نے اس کی دھمکی کو نظرانداز کرتے ہوئے تحمل سے سوال کیا۔ "یہ بہت بیش قیمت اور جدید ہتھیار ہیں۔"

"اسٹین گنوں سے ہم بخوبی واقف ہیں۔" اس پستہ قامت کے بجائے دوسرا بولا تھا۔ "ہمیں حسرت تھی کہ کاش برکہ والوں کے پاس بھی ایسے ہتھیار ہوتے اور آج مقدر نے ہمیں یہ موقع فراہم کیا ہے تو ہم اسے ضائع نہیں کریں گے۔"

"تم لوگوں کو اس قدر شوق ہے تو مزید یہ دکھ لو۔" ہمارے گھوڑی بنا کر ہمارے انکار کی صورت میں بھی وہ لوگ ہمیں پولیس کے حوالے نہیں کریں گے بلکہ ہلاک کر کے خاموشی سے ہتھیاروں پر قبضہ جمانے کی کوشش کریں گے۔

"لیکن تمہیں اس کی ضرورت کیا ہے؟" احمد نے سوال کیا۔ "تمہیں تمہاری بستی میں بیٹھے کے حوالے سے یہ تو جاننے کا حق ہے۔"

"اس طرف کے قبائل آئے دن خونریز قبائلی تصادم ہوتے رہتے ہیں۔ اس کے لیے ہم ہار کھاتے ہی رہتے ہیں کیونکہ ہم مفلوک الحال ہیں ہتھیار نہیں خرید سکتے۔ پوری بستی میں کل چار بندوقیں ہیں جو دو تین معرکے بھی جا چکی ہیں۔" پستہ قامت نے کہا۔

"مگر یہ تصادم ہوتے کیوں ہیں؟" مجھے وہ موضوع دلچسپ معلوم ہوا۔

"ذرا سی بات بہانہ بن جاتی ہے۔" وہ بڑائی سے بولا۔ "پچھلے دنوں اسمبیل کے کنوئیں پر پانی کی باری پر دو قبیلے لڑ پڑے تھے۔ دونوں طرف کے تین آدمی مارے گئے اور سات زخمی ہو گئے۔"

"ان معاملوں میں پولیس دخل نہیں دیتی؟" احمد نے سوال کیا۔

"قبائلی جھگڑوں میں پولیس کا کوئی کردار نہیں ہوتا۔ وہ اسی وقت حرکت میں آتی ہے جب کوئی فریق اس سے رجوع کرے اور ہمارے یہاں ایسے جھگڑوں میں پولیس سے مدد طلب کرنا ذلت کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔"

اسٹین گنوں کا معاملہ طے ہو جانے کے بعد ان کا رویہ دوستانہ ہو گیا۔ ہم لوگوں نے اپنی تحویل میں موجود تمام فاضل راؤنڈز بھی ان کے حوالے کر دیے اور وہ والہانہ مسرت کے عالم میں اسلحہ سمیٹ کر وہاں سے چلے گئے۔

"اُف!" ان کے جاتے ہی سیتا نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ "یہ لوگ تو آج بھی قدیم دور میں جی رہے ہیں۔"

"یہی غنیمت ہے کہ عربی بھی بات کرو۔" میں نے اردو میں کہا۔ "تمہیں پالیے سے سابقہ پڑا ہوتا تو تم بھی اسی دور کے رہ زن ہو سکتی۔"

"میں باہر چلا جاؤں؟" احمد نے مسکرا کر سوال کیا۔

"ارے نہیں!" میں شرمسار سا ہو گیا۔ وہ میاں بیوی کی ایک سی بات تھی جو میں غیر ارادی طور پر اپنی مادری زبان میں بول گیا۔

"جاؤ تو کچھ دیر تم بھی گفتگو کر لو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم دونوں نے طویل مدت کے بعد ایک دوسرے کو دیکھا ہے۔"

سیتا مجھے ملامت آمیز نظروں سے گھورنے لگی کیونکہ میری ذرا سی لغزش نے احمد کو زبان کھولنے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔

احمد واقعی اٹھ کر جھونپڑے سے باہر جانے لگا تھا لیکن میں نے اسے روک لیا۔

"اس وقت صورت حال یہ ہے کہ دونوں فریق ایک دوسرے کے



دباؤ میں ملیکس کے باوجود تم نے صنعا کی راہ اختیار کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اس میں کیا مصلحت ہے؟" میں نے سگریٹ کے چند گہرے کش لینے کے بعد سوال کیا۔

"ساحلی بستی ہوتی تو کچھ اور بھی سوچا جا سکتا تھا۔ بحری راستے سے یہ کوئی مدد نہ دے سکیں گے۔ اور یہ بھی نہ بھولو کہ ہم یمن میں غیر قانونی طور پر داخل ہوئے ہیں۔" اس کے ذہن کی پختگی اس کی گفتگو سے واضح تھی۔

"صنعا میں کیا ہوگا؟"

"وہاں پی ایل او کا باقاعدہ دفتر ہے، وہاں تک پہنچنے کی دیر ہے پھر وہی لوگ ہماری نکاسی کی راہ تلاش کر لیں گے۔"

"تم وہاں کسی سے واقف ہو؟"

"نہیں!" وہ بولا "لیکن کوئی نہ کوئی راہ مل ہی جائے گی۔"

تھوڑی دیر بعد پستہ قامت دو تنومند اونٹوں کے ہمراہ وہاں آ پہنچا۔ اس کے ساتھ سکوٹے جانے والوں میں سے ایک نوجوان بھی تھا۔

"جمیل تمہیں صنعا جانے والی لاری میں سوار کرا دے گا۔" پستہ قامت نے اونٹوں کو چوپال کے سامنے بٹھلاتے ہوئے کہا۔

احمد جمیل کے پیچھے ایک اونٹ پر سوار ہو گیا۔ سیتا کو میں نے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ پستہ قامت نے جمیل کے اشاروں کے بارے میں چند ہدایات ذہن نشین کرائے اور ہمارا چار نفری قافلہ وہاں سے روانہ ہو گیا۔

بستی سے باہر نکلتے ہی اونٹوں کی رفتار بڑھا دی گئی۔

کھلے صحرا میں آتے ہی جمیل نے مست ہو کر ایک لے چھیڑ دیا۔ اونٹوں کے گلے میں جھولتی ہوئی گھنٹیوں کا ترنم اس کی آواز کا ساتھ دیتا محسوس ہو رہا تھا۔

"کس قدر عجیب ہے یہ زندگی۔" سیتا میرے کان کے قریب بولی۔

"بے حد کٹھن اور پرخطر۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن اس میں بھی ایک اچھوتا رومان ہے۔"

"اس وقت تو صرف عرب کے بدوؤں کے حوالے سے شتربان ہمارا راستہ بدک رہے ہیں اور اندھا دھند گولیاں برسانے لگیں۔"

"جب تک میں اکیلی تھی اور دنیا کے کسی خطرے کو خاطر میں نہ لاتی تھی لیکن تمہیں پا لینے کے بعد میری ہمت جواب دے گئی ہے۔"

"ہمت جواب نہیں دے گئی ہے بلکہ تمہاری سابقی کی وحشت طاری میرے سر آگئی ہے۔" میں نے اس کے بکھرے بالوں سے کھیلتے ہوئے کہا۔ "یہ صرف تمہارا نہیں، ہر مشرقی عورت کا مزاج ہوتا ہے۔"

"عورت مشرق کی بھی ویسی ہی ہوتی ہے جو مغرب کی۔" اس کا لہجہ گمبھیر تھا۔ "فرق صرف اتنا ہے کہ مشرق کا مرد عورت کو اپنی ذمہ داری تصور کرتا ہے لیکن مغرب کا مرد ہر قسم کی ذمہ داری سے فرار کی راہ اختیار کرتا ہے اور عورت کو مجبوراً تنہا زندگی جینے پر آمادہ ہونا پڑتا ہے ورنہ عورت تو وہی ہے جو ہر سانس کے لیے مرد کی پناہ کی طالب ہوتی ہے۔"

"تم نے تو بہت کچھ سیکھ لیا ہے۔" میں نے حیرت سے کہا "تمہیں مغرب کی ہوا کہاں سے لگ گئی! میرا تو خیال ہے کہ تم لیبیا، قاہرہ اور سوڈان تک ہی محدود رہیں؟"

"چند ہفتوں کے لیے بیروت بھی گئی تھی۔ وہاں میں نے مرد اور عورت کے تعلق کی بڑی بھیانک کہانیاں دیکھیں اور دیکھا پروان چڑھا تھا۔"

"بیروت میں کیا کام تھا تمہارا؟"

"چھاپہ ماروں کی تربیت۔" اس نے جواب دیا۔ "وہاں چھاپہ ماروں کی ایک ٹولی کو مختلف کارروائیوں کی تربیت دے کر اسرائیلی علاقے میں بھیجا گیا تھا۔"

"اور اس کا نتیجہ؟"

"فلسطینی ملتے جلتے رہ گئے۔" سیتا نے فخریہ لہجے میں بتایا۔ "ان دس چھاپہ ماروں نے اسرائیل میں ناقابل بیان تباہی پھیلائی لیکن ان میں سے کوئی زندہ نہ لوٹ سکا۔"

"شاید ایک بار تم نے میری موت پر بھی تو سوچا تھا۔" میں نے ملازم ہونے کے بطور ٹھکانے پر پیش آنے والے سنسنی خیز واقعہ یاد کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔" وہ بولی۔ "ان دنوں تم شاید فرانس میں تھے لیکن تمہارا سراغ نہیں مل رہا تھا۔ جب تمہارے باپ تمہارے استقبال کے دورے پر تھے، میں نے فوج کی مدد سے لیبیا میں کیا ایک بند کو سدھایا تھا لیکن سے جانے والا پرسکس میں اس کا سراغ ہی کھو بیٹھا۔ کیا وہ تم تک پہنچا تھا؟"

"ضرور پہنچا تھا اور میرے سینے میں ایک آگ سی بھڑک اٹھی تھی۔" میں نے اس کے اس قصے کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟" قدرے توقف کے بعد سیتا نے پہلی بار مستقبل کے بارے میں لب کشائی کی۔

"ہم پہلی فرصت میں پاکستان چلیں گے۔" میں نے بکھرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں بھاگتے بھاگتے تھک گیا ہوں اب۔"

"اور پھر؟" اس کا لہجہ شوخ تھا۔

"میں ایک چھوٹا سا گھر چاہتا ہوں سیتا جو میری کل کائنات ہو جس کے آنگن میں دلہن بنے بچوں کی آوازیں بھی گونجتی ہوں۔"

"سچ بتاؤ کہ مجھے کھونے اور پانے کے درمیان تم نے کیا وقت کیسے گزارا؟" اس نے متعب لہجے میں میرے شانے پر سر ٹکا دیا۔

"میری زندگی ہنگاموں کا محور بن کر رہ گئی تھی۔ شاید تم تصور بھی نہیں کر سکتیں کہ میں نے کس قدر ناقابل یقین وقت گزارا ہے۔ میں اپنی وابستگی میں تمہاری تلاش کی راہ پر گامزن تھا مگر تقدیر کی ستم ظریفی بار بار مجھے خیالات کی بھٹی میں جھونک دیتی تھی اور تمہاری

بیک ایک عمر تمہارے لیے وقف تھا۔"

"میں تمہاری کہانی سننا چاہتی ہوں۔" اس نے پُراشتیاق لہجے میں کہا۔ "میں نے ہر طرف تمہاری جرأت اور بے خوفی کی کہانیاں سنی ہیں۔"

"فرصت میسر آنے دو پھر ہم ایک دوسرے کو اپنی کہانیاں سناتے رہیں گے۔"

"وہ انگوٹھی ہے تمہارے پاس؟" اچانک سوال کرتی۔

"کون سی انگوٹھی؟"

"وہی جو میری ماں نے تمہیں نشانی کے طور پر دی تھی، جس میں پارس پتھر کا نگ جڑا ہوا تھا۔" اس نے یاد دلایا۔

"نہیں۔ یاد نہیں کہ اس کی وجہ سے لوگ ہمارے سر کے پیاسے ہو گئے تھے اور میں نے نگ نکال کر انگوٹھی ضائع کر دی تھی۔"

"تو وہ نگ تو تمہارے پاس ہے نا؟"

"وہ میں نے بڑے وقت سے بچاؤ کے لیے راجہ ہوٹل کے کمرے میں جہاں چھپایا تھا، وہیں چھوڑنا پڑا کیونکہ تمہاری تقریب کی نے مجھے جو پس انداز کرایا تھا اور مجھے ایک بار ہوٹل سے نکلنے کے بعد دوبارہ اندر گھسنا نصیب نہیں ہو سکا۔"

"تم نے بعد میں اسے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی؟"

"ہوٹل سے نکلنے کے بعد قسمت مجھے اپنا بازو ساتھ لے گئی۔ پھر میں ایک ہندوستان بدر ہوا کہ آج تک ادھر کا رخ کرنے کی نوبت ہی نہیں آ سکی۔ وہ پتھر خود میرے لیے بھی بہت عزیز ہے اور یہ میرا عزم ہے کہ میں اسے ضرور حاصل کروں گا۔"

"تو ہم سیدھے ہندوستان کیوں نہ چلیں؟"

"میں نے کہا نا کہ میں تھک گیا ہوں... پاکستان میں کچھ روز آرام کرکے میں وہاں جاؤں گا اور مجھے پورا یقین ہے کہ تمہاری ماں کی نشانی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

"کاش میں ایک بار پھر اپنی ماں کو دیکھ سکتی۔" سیتا کی آواز میں درد سمٹ آیا۔ "پتہ نہیں اب وہ زندہ بھی ہے یا نہیں؟"

"زندگی رہی تو ایک کوشش یہ بھی کریں گے۔" میں نے کہا "اور تمہاری ماں زندہ ہوئی تو اسے اپنے ساتھ لے آئیں گے۔"

وہ خوش ہو گئی۔

ہم دونوں آشیانے سے بچھڑے ہوئے معصوم پنچھیوں کی طرح سہانے مستقبل کے بارے میں سپنوں کے محل بناتے صحرا میں سفر کرتے رہے اور پھر وہ سڑک آ گئی جہاں سے صنعا کے لیے بس ملتی تھی۔

جمیل نے ہمیں سڑک کے کنارے چھوڑ کر واپس جانا چاہا۔

لیکن احمد نے اسے روک لیا۔ "اس ویرانے میں ہمیں اونٹوں کے بغیر دیکھ کر کوئی بھی ... مسافر ہماری طرف سے مشکوک ہو جائیں گے۔"

"لاری کی آمد کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا، ہو سکتا ہے ہمیں شام تک انتظار کرنا پڑے۔" جمیل نے ریت پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔

وہ راہ پر آگیا تھا لہٰذا ہم میں سے کسی نے اس کی تجاویز پر تبصرہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لیا۔

طویل انتظار کے دوران میں نے احمد کے ساتھ مل کر سگریٹوں کے کئی پیکٹ ختم کر ڈالے۔ جمیل تمباکو نوشی کا عادی نہیں تھا لیکن وقت گزاری کے لیے وہ بھی اس شغل میں ہمارے ساتھ شریک ہو گیا۔

"انتظار... انتظار۔" جمیل سگریٹ کا ٹکڑا ریت پر اچھال کر جھنجھلائے لہجے میں بڑبڑایا۔ "نہ جانے لاری آج آئے گی بھی یا نہیں۔"

"تو کیا ایسا بھی ہوتا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ یمن ہے، یہاں پر ہر وہ چیز ہوتی ہے جو تم سوچ سکتے ہو۔" اس نے چڑچڑے لہجے میں جواب دے کر زیر لب کئی گالیاں دے ڈالیں۔

یہ غنیمت تھا کہ وہ سیتا کی موجودگی کا لحاظ کر رہا تھا، ورنہ میرے یا احمد کے لیے اس کی زبان کو بند رکھنا ناممکن ہی ثابت ہوتا۔ اور جب بیزاری کے عالم میں دوپہر کے لیے تقریباً قبل ہی گیا تھا تو اچانک صحرائی سڑک پر دور انجن کا شور سنائی دیا اور چند منٹ کے بعد بس کا ہیولا بھی سامنے آگیا۔

میرے لیے حیرت کی بات یہ تھی کہ ہم نے اس سڑک پر کئی گھنٹے گزارے تھے مگر اس دوران یہاں سے کوئی بھی سواری نہیں گزری تھی۔

جمیل نے جلدی سے دونوں اونٹوں کو ہانک کر سڑک کے وسط میں کھڑا کر دیا اور خود بے تابی سے ہاتھ لہرانے لگا حالانکہ اس وقت بس ایک میل سے بھی زیادہ دور تھی۔

"اونٹوں کو سڑک پر کیوں لے آئے۔ ایسا نہ ہو کہ انجن کے شور سے بھڑک جائیں۔" احمد نے نرمی سے کہا۔

"ایسے راستہ کھلا چھوڑ دیا تو یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر رکے سیدھا چلا جائے اور تم کل تک یہیں کھڑے سوکھتے رہو۔" وہ منہ بنا کر بولا "یہ سرکاری لاریاں ہیں، مسافر ہوں یا زیادہ، انہیں پوری تنخواہ ملتی ہے۔"

"بس نہ رکنے کی کوئی وجہ بھی تو ہوتی ہوگی؟"

"سب سے بڑی وجہ ان کی مرضی ہوتی ہے۔ لاری کو روکنے اور دوبارہ چلانے میں ان کے کئی منٹ خراب ہوتے ہیں جو وہ کبھی کبھار بچا بھی لیتے ہیں۔"

لاری والے نے دور ہی سے دو تین مرتبہ ہیڈ لیمپس کی روشنی کرکے بجھائے لیکن جمیل نے سڑک پر سے ابھی جگہ نہیں چھوڑی اور وہ مجبور ہو کر بس اونٹوں سے چند فٹ دور رک گئی۔

"کیسے ہو زنبیل... گدھے! یہ سڑک تیرے باپ کی خریدی ہوئی ہے؟" بس رکتے ہی ڈرائیور کھڑکی سے سر نکال کر جمیل پر برس پڑا۔

جواب میں جمیل بھی دہاڑا۔ ہوا اس کی طرف لپکا تھا۔ ہم تینوں کے لیے اس جھگڑے میں الجھنا بے سود تھا لہٰذا ہم پچھلی سیٹ سے بس

میں سوار ہو گئے۔

اندر بیٹھنے پر انکشاف ہوا کہ بس پوری طرح بھری ہوئی تھی اور اگر جبیل اسے رک بند نہ کرتا تو شاید ہمیں اگلے بس کا ہی انتظار کرنا پڑتا۔

ہم تینوں نشستوں کے درمیان کھڑے ہو گئے۔ ڈرائیور اپنی نشست پر جما ہوا بری طرح برس رہا تھا۔ ادھر باہر جبیل بھی جھاگ اڑا رہا تھا لیکن سارا فساد گرمی گفتار تک محدود رہا کیونکہ ثقیل زبان استعمال کرنے کے باوجود ان میں سے کوئی بھی فریق دوسرے پر ہاتھ اٹھانے پر آمادہ نہیں تھا۔

مگر آخری کامیابی ڈرائیور کے ہاتھ رہی۔ اس نے گیئر ڈال کر بس کو چلتے ہی ایک فحش گالی بک کر کھڑکی سے باہر کھڑے ہوئے جبیل کے منہ پر تھوکا اور دلیرانہ انداز میں بس کی رفتار تیز کر دی۔

ڈرائیور کا تھا دستان سے کافی دیر تک بڑبڑاتا رہا لیکن مسافروں میں سے کسی کو یہ توفیق نہ ہوئی اُسے زبان بند رکھنے کو کہتا۔ ہر ایک معصوم آسمانی مخلوق کی طرح یوں زبان بند کیے اپنی جگہ پر بیٹھا تھا جیسے ڈرائیور کی زبان ان کے لیے ناقابل فہم ہو۔

میں نے بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کیا ورنہ میں با آسانی اس کا مزاج درست کر سکتا تھا۔ فساد کے نتیجے میں پولیس کا سامنا ہمارے حق میں زہر ثابت ہو سکتا تھا۔

چند میل کے بعد ایک نشست خالی ہوئی اور میں نے احمد کو بٹھا دیا۔ اس کے زخمی شانے کو اس وقت تھوڑے آرام کی شدید ضرورت تھی۔

راستے میں مسافروں کو اتارتی چڑھاتی وہ بس سات بجے صنعا کی حدود میں داخل ہو گئی جہاں ویران صحرا کے مقابلے میں زندگی بھرپور انداز میں رقصاں تھی۔

بس کا آخری اسٹاپ صنعا کے وسط میں تھا۔ ہم تینوں دوسرے لوگوں کے ساتھ بس سے نیچے اتر گئے۔

"تم پہلے کبھی یہاں آئے ہو؟" وہ اہم سوال مجھے بہت تاخیر سے یاد آیا اور احمد نے اپنا سر نفی میں ہلا دیا۔

"پھر اب کدھر جانا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"کسی اچھے ہوٹل میں چلو، میں ٹیلی فون ڈائریکٹری دیکھ لوں گا۔"

اس نے آہستہ سے جواب دیا اور میری نگاہیں اچھے ہوٹل کی تلاش میں بھٹکنے لگیں۔

اس علاقے میں چھوٹے موٹے ہوٹلوں اور قہوہ خانوں کی کثرت تھی اور ان ہی کے درمیان ایک بڑے ہوٹل کا نام روشن حروف میں چمک رہا تھا۔ ہم تینوں بلا تامل اسی کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

اندر داخل ہونے پر اندازہ ہوا کہ وہ خاصا قرینے کا ہوٹل تھا...

اور جس میں سیتا جیسا قاتلانہ انداز لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کا سبب بن سکتا تھا لہٰذا سیتا کے ہاتھ میں موجود تھیلا میں نے کاؤنٹر پر جمع کرا کر لوکر حاصل کر لیا۔

"اس میں شراب... کی دو بوتلیں بھی تھیں۔" احمد نے سرگوشیانہ لہجے میں مجھے یاد دلایا۔ "اور یمن میں شراب اسی قدر ممنوع ہے۔"

"ہمیں امید کرنی چاہیے کہ کاؤنٹر والی لڑکی تھیلے کی تلاشی نہیں لے گی۔"

پھر ہم ہجوم کے درمیان ہال میں جا بیٹھے جو ابھی زیادہ آباد نہیں ہوا تھا لیکن آہستہ ہال میں کرسٹل پر جیسے سُروں میں موسیقی گونج رہی تھی۔

ایک میز کا انتخاب کر کے احمد فون بوتھ کی جانب چلا گیا۔ وہ وقت ضائع کیے بغیر فلسطینی تنظیم کے کسی ذمے دار فرد سے رابطہ قائم کرنے کے لیے بے چین تھا۔

اس کی واپسی خاصی دیر میں ہوئی۔

"مایوس نظر آ رہے ہو!" میں نے اس کے بیٹھتے ہی سوال کیا۔

"دفاتر بند ہو چکے ہیں۔" اس نے تھکے ہوئے انداز میں سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "ایک اقامتی نمبر پر رابطہ قائم کیا تھا۔ میں بڑی مشکل سے اسے ملاقات پر آمادہ کر سکا۔"

"کوئی خاص کام نہیں آ رہا۔"

"تمہارا نام سن کر وہ یہاں آنے پر تیار ہوا ورنہ کچھ سننے کو تیار نہیں تھا۔ شاید یہاں کے حساس سیاسی ماحول کے باعث وہ لوگ زیادہ ہی محتاط رہتے ہیں۔"

"وہ ہمیں کیسے پہچان سکے گا؟"

"ہماری میز کا نمبر پندرہ ہے۔" احمد نے مجھے آگاہ کیا۔ "وہ سیدھا ادھر ہی آ جائے گا۔"

سفر کی کوفت کے بعد ہال میں پھیلی ہوئی خوشبو ہمارے لیے اشتہا انگیز ثابت ہو رہی تھی لہٰذا ہم نے کھانے کے کچھ لوازم منگا لیے۔

کھانے کے بعد قہوے کا دور بھی چلا اور ختم ہو گیا لیکن وہ شخص نہ آیا جس کا ہمیں انتظار تھا اور احمد کو تشویش لاحق ہو گئی۔

اس نے دوبارہ باہر جا کر ٹیلی فون کیا تو دوسرے کوئی جواب نہیں مل سکا۔

ناامیدی اور جھلاہٹ میں ساڑھے آٹھ بجے ہم نے بل ادا کر کے اپنا نشستیں چھوڑ دیں۔ بل کی ادائیگی میں یعقوب پاشا کی کرنسی بلا تامل قبول کر لی گئی تھی۔

ہال سے نکل کر ہم تینوں استقبالیہ پر آئے۔ میں پہنچے تو سیتا فوراً ہی تھیلا وصول کرنے کاؤنٹر کی طرف چلی گئی اور آگے سے ایک ستون کے سامنے کھڑا ہوا ایک نوجوان شخص تیزی سے ہماری طرف بڑھ آیا۔

"تم لوگ یعقوب پاشا سے ملتے ہوئے؟" اس نے قریب آ کر سرگوشیانہ

مجھے میں سوال کیا اور احمد نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔

"یوسف کسی محفوظ مقام پر تمہارا منتظر ہے۔"

"وہاں تک تم ہماری رہنمائی کرو گے؟" احمد نے سوال کیا۔

"باہر میری کار موجود ہے۔" یہ کہ کر وہ نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔ اس اثنا میں سیتا بھی آ گئی تھی، ہم تینوں اس کے پیچھے ہو لیے۔

اس کی مرتبہ کشادہ کار میں بیٹھ کر میں نے یمن کی سرزمین پر پہلی بار تحفظ محسوس کیا۔ احمد اگلی نشست پر تھا جبکہ میں سیتا کے ہمراہ پچھلی نشست پر تھا۔

"تم میں صفدر علی کون ہے؟" نوجوان نے کار آگے بڑھاتے ہوئے سوال کیا۔

"مجھے۔" احمد نے کہا۔ "میں یعقوب پاشا ان کے ساتھ ہوں۔"

"اور یہ خاتون؟"

"سیتا۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے بے اختیار ایک تحیر آمیز آواز نکل اور غیر ارادی طور پر اس کی گردن پیچھے گھوم گئی۔ اگر وہ آگے سڑک کی جانب متوجہ نہ رہتا تو اس کی کار یقیناً کہیں جا ٹکرائی ہوتی۔

"میں یوسف کا ماتحت ہوں لیکن مجھے یہ پتا تھا کہیں کوئی تمہیں پہچاننے کے چکر میں نہ ہو۔" اس نے کہا۔

"نہیں، ہم اچھے میں خاصی تاخیر ہو گئی؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ ایجنسی کے مبصرانہ میں کافی دیر سے وہاں موجود تھا اور شیشے کے دروازے سے... تمہاری نگرانی کر رہا تھا لیکن معاملہ ابھی طے نہیں ہوا ہے۔ یوسف کسی بھی گفتگو سے پہلے تم لوگوں کی شناخت چاہے گا۔"

"ہم بڑی بے سروسامانی کے عالم میں یعقوب پاشا سے ملے ہیں۔ یوسف کو اپنے ذرائع سے ہمارے بیان کی تصدیق کر لی ہو گی۔"

"صفدر اور سیتا کے نام کی حد تک تو میں بھی واقف ہوں مگر یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ آج تک ہم ان لوگوں کی کوئی تصویر تک نہیں دیکھی۔ تصدیق کے باعث معاملہ کچھ دیر کے لیے التوا میں چلا جائے گا۔"

"محفوظ ٹھکانا مل جائے تو تاخیر کی فکر نہ ہو گی۔" احمد نے کہا۔ "یہ طریقہ کار میرے لیے نیا نہیں ہے اور میں تحقیق سے گزر چکا ہوں۔"

تقریباً بیس منٹ کی مسافت کے بعد ہم لوگ صنعا کے ایک پرسکون رہائشی علاقے میں داخل ہو گئے جہاں کشادہ مکان قرینے سے تعمیر کیے گئے تھے۔

وہ اپنی کار ایک کھلے ہوئے پھاٹک میں لیتا چلا گیا اور پورچ میں انجن بند کر کے خود ہی پھاٹک بند کرنے چلا گیا اور ہم تینوں اتر کر اس کا انتظار کرنے لگے۔

پورچ کے ساتھ برآمدے پر وہ جلی دروازہ مقفل تھا جو نوجوان نے اپنی جیب سے چابی نکال کر کھولا۔ میرے لیے یہ بات حیرت کی تھی کہ وہ عمارت اندر سے ویران معلوم ہو رہی تھی جب کہ یوسف کو وہاں موجود ہونا چاہیے تھا۔

ہم چاروں اندر داخل ہوئے تو حسین چہرے والا ایک فلسطینی صوفے پر سکون سے بیٹھا سگریٹ پینے میں مصروف تھا۔ جس کی آنکھوں کی ساخت کچھ ایسی تھی جیسے وہ ہر وقت کسی نہ کسی سوچ میں کھوئی رہنے کی عادی ہوں۔

ہمارے ہاں استقبال میں کسی تپاک کا مظاہرہ نہیں کیا البتہ میرا اور سیتا کا گہرا جائزہ ضرور لیا تھا۔

"تمہارا ایجنٹ کہاں ہے؟" یوسف نے انگلی سے اپنے ماتحت کو کوئی اشارہ کرتے ہوئے احمد سے سوال کیا۔

"اسمارہ۔" احمد اس وقت خاصا مضطرب نظر آ رہا تھا۔ یوسف کا ماتحت اس کا اشارہ پا کر کمرے سے کہیں چلا گیا تھا۔

"میرے پاس تم لوگوں کی صداقت پر شبہ کرنے کا کوئی معقول جواز نہیں ہے۔" یوسف کے لبوں پر پہلی بار معذرت آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "لیکن ہم ہمیشہ بدلتے حالات کے قیدی ہوتے ہیں۔ میں نے خرطوم سے رابطہ قائم کر لیا ہے کیونکہ اسمارہ کا ٹرانسمیٹر وہیں سے کنٹرول ہوتا ہے۔ جواب آنے تک میں تمہیں ہر قسم کا تعاون فراہم کروں گا۔"

"خرطوم میں کبھی ماریہ ٹرنر سے ملاقات ہوئی تھی؟" میں نے سوال کیا۔

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ "تم سے کیا واسطہ ہے تمہارا؟"

"لمبی کہانی ہے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "خرطوم سے وہ مجھے ساتھ لے کر چلی تھی پھر اسمارہ سے احمد کو بھی شامل کر لیا لیکن بحیرہ احمر تک پہنچ اس کی لاش سمندر کے حوالے کرنی پڑی۔"

"اوہ...! تو کیا وہ مر گئی؟" اس نے حیرت اور بے یقینی سے سوال کیا۔

"ہاں، اس نے خودکشی کر لی۔" سیتا نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"مگر کیوں؟ وہ تو بڑی دلیر لڑکی تھی۔" یوسف کی حیرت میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔

"ذاتی معاملہ تھا۔" احمد اس لہجے میں بولا۔ "وہ کسی طرفہ طور پر کسی کی محبت میں مبتلا ہو گئی تھی اور جب اسے کامیابی کی کوئی امید نہ رہی تو اس نے اپنی کنپٹی پر گولی مار لی۔"

"ناقابل یقین!" یوسف بڑبڑایا۔ "میرا تو اندازہ تھا کہ وہ صنف مخالف سے کوئی اثر قبول ہی نہیں کر سکتی تھی۔"

"لیکن ایسا ہوا ہے۔"

"یہ کب کا قصہ ہے؟"

"کل رات۔" احمد نے کہا۔ "ہم ایک مشن پر جا رہے تھے اور دشمن کو زیر کر کے اس کی لانچ پر قبضہ کر چکے تھے کہ یہ اندوہناک واقعہ پیش آیا۔"

"تمہارا شانہ بھی زخمی ہے؟"

"ڈریسنگ کا انتظام ہو تو میں اپنے شانے کا حشر بھی دیکھنا چاہوں گا۔" احمد نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"بیسمنٹ ساتھ ہی ہے۔" یوسف نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ احمد کے اشارے پر ہم سب اُس کے پیچھے ہو لیے۔

وہ شاید اس عمارت کا اسٹنڈی روم تھا لیکن وہاں فرسٹ ایڈ کا بہت بہتر انتظام تھا۔ مرہم پٹی سے لے کر زود اثر انجکشن تک ہر چیز موجود تھی۔

یوسف نے جیکٹ اتارنے میں احمد کو مدد دی۔ پھر اُسے آرام کرسی پر بٹھا کر احتیاط سے اُس کی پٹیاں کھولنے لگا۔

اُسی وقت یوسف کا ماتحت بوکھلایا ہوا وہاں آ پہنچا۔ اور یوسف احمد کو چھوڑ کر اس کے ہمراہ ایک گوشے میں چلا گیا۔

چند ثانیوں تک وہ دونوں سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے۔ یوسف کے ماتحت کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ اور یوسف کے بشرے پر بھی تردد کے آثار واضح نظر آتے جا رہے تھے۔

"زمین پر جگہ تنگ پڑ گئی ہو گی۔" یوسف نے واپس لوٹ کر اعلان کیا۔ ادام سب ایک مرتبہ پھر اعصابی دباؤ کا شکار ہو گئے۔ "پولیس نے ہمارے ٹھکانے پر چھاپہ مارا ہے اور اُن کی ٹولی کسی بھی لمحے یہاں بھی پہنچ سکتی ہے۔"

"مگر کیوں؟" احمد نے غیر ارادی طور پر سوال کیا۔

"وقت برباد مت کرو۔" یوسف کا لہجہ سخت ہو گیا۔ "باتیں یہاں سے دور نکلنے کے بعد بھی ہو سکتی ہیں۔"

پھر وہ احمد کو جیکٹ پہننے میں مدد دینے لگا۔

اُسی لمحے کسی قریبی کمرے سے فون کی گھنٹی بجنے کی آواز آئی اور یوسف کا ماتحت باہر دوڑ گیا۔

"مخدوم سے نجیب کا پیغام آگیا ہے۔" واپس آکر اس نے یوسف کو اطلاع دی۔ "مادام کیتھی، صفدر علی کے ساتھ کسی ہوٹل میں پہنچ گئی ہیں۔"

"یہاں سے نکلو۔" یوسف نے کہا، ہوا اپنا بیگ کی طرف لپکا۔ پھر اچانک ہی اس کے قدم زمین پر جم گئے۔

اس مکان کے باہر کئی بھاری گاڑیوں کے رکنے کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ بہت سے لوگ بھاگ رہے تھے جن سے یوسف خوفزدہ تھا۔



اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات

چوتھے حصے میں

ملاحظہ فرمائیں جو کہ اس حصے کے ساتھ ہی شائع ہو چکا ہے۔


جاسوسی ڈائجسٹ کا مشہور سلسلہ
مفرور





لعل

اقلیم علیم

فرار کا راستہ بظاہر مسدود ہو چکا تھا اور یوسف شدید ذہنی الجھن کے عالم میں راہداری میں کھڑا ہوا تھا پھر اچانک ہی وہ واپس مڑ گیا۔

"ادھر آؤ — عقبی راستے کی طرف" ہم چاروں اس کے پیچھے ہو لیے۔

"اور اگر انھوں نے مکان کے گرد گھیرا ڈال رکھا ہو تو" یوسف کے پیچھے بڑھتے ہوئے میں نے سوال کیا۔ اور اس کے قدم زمین میں گڑ گئے۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" یوسف کے لہجے میں تحمل مفقود تھا۔ اور وہ سیتا کو گھسیٹے جا رہا تھا۔

"اس کی طرف دیکھو" میں نے کہا "سوال میں نے کیا تھا۔ اگر وہ لوگ مکان کے عقب میں بھی موجود ہوئے تو کیا ہوگا؟"

"پھر تصادم کے سوا اور کیا صورت باقی رہ جائے گی؟" اس کے لہجے میں یکبارگی بے چارگی امڈ آئی۔

"اگر تصادم ہی ہونا ہے تو کیوں نہ ہم باہر بھاگنے کے بجائے اندر ہی ٹھہریں۔ اس طرح کم از کم ہمیں اپنے مورچوں کی مضبوطی کا اندازہ رہے گا اور ہم بے خبری میں مارے جانے سے بچ سکیں گے" احمد نے اپنے انداز میں تجویز پیش کی۔

"جنگل کی لڑائی میں فائدہ یہ ہو گا کہ جس کو جدھر موقع ملا وہ ادھر فرار ہو سکے گا ورنہ ہم محصور ہو کر رہ جائیں گے" یوسف کے لہجے میں تشویش نمایاں تھی۔

"جو کچھ کرنا ہے جلدی فیصلہ کرو۔ ہمارا باتوں میں وقت برباد مت کرو۔ ہم لوگ اس وقت محض تماشائی ہیں" میں نے اپنے وجود میں ہیجانی کیفیت محسوس کرتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔

"میرے پیچھے آؤ" وہ ہم سے بولا اور پھر نہایت احتیاط سے

مخاطب ہو گیا۔ "تم یہیں رک گئے اور خود کو سارے معاشرے سے لاتعلق رکھ کر محض ایک تنخواہ دار ثابت کر گئے جسے یہاں کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آتی۔"

"میں سمجھ گیا۔" اس نے اپنے سر کو تفہیمی انداز میں جنبش دی۔ اور میں اس کے پیچھے عقبی راستے کی طرف بڑھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اس نے احمد کی نیت پر کسی شک و شبے کا اظہار کیے بغیر نہایت اطمینان سے قربان کا کرایہ بڑھنے پر آمادگی ظاہر کر ڈالی تھی۔

وہ عمارت خاصی وسیع تھی۔ کم از کم باہر سے مجھے اس کی صحیح وسعت کا اندازہ نہ ہو سکا تھا۔ ہم دو راہداریوں اور تین کمروں سے گزرنے کے بعد عقبی برآمدے میں جا نکلے جہاں گہری تاریکی کا راج تھا۔

اس عمارت کے تمام کمرے بھی مکلف اور ضروریات زندگی سے آراستہ نظر آئے لیکن وہاں ہمیں اپنی نفری کے سوا کوئی متنفس نظر نہیں آیا تھا۔

برآمدے کے بعد ویران لان تھا جس کے اختتام پر احاطے کی عقبی دیوار پھیلتی چلی گئی تھی۔

یوسف اسی عقبی دیوار میں نصب آہنی پھاٹک تک پہنچا جو مقفل تھا اور جتنی دیر میں اس نے قفل کا جائزہ لیا سیتا ماہرانہ انداز میں پھاٹک عبور کر کے باہر پہنچ گئی۔

"جلدی باہر آؤ میدان صاف ہے۔" باہر سے سیتا کی پرجوش مگر سرگوشیانہ آواز سن کر ہم دونوں ہی چونک پڑے کیونکہ ہمیں احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ سیتا اس کی بے خبری میں پھاٹک پر چڑھ کر باہر کود چکی تھی۔

سیتا کی آواز نے کیتوں کے لیے تازیانے کا کام کیا اور ہم قفل پر کوئی توجہ دیے بغیر پھرتی سے پھاٹک پر چڑھ کر باہر کود گئے۔

پختہ فٹ پاتھ پر قدم ٹکتے ہی احمد کے ہونٹوں سے ایک دبی دبی دردناک آواز ابھری جو یقینی طور پر غیر ارادی تھی۔

"کیا ہوا؟" سیتا نے بڑھ کر پھرتی سے اسے اپنے ہاتھوں پر سنبھال لیا اور میں کے وجود کے کسی گمنام گوشے میں ٹیس کی ایک مدھم سی لہر دوڑ گئی۔

میں نے احمد کا بایاں شانہ مضبوطی سے تھام کر نہ صرف سختی سے اسے اس کے قدموں پر کھڑا کر دیا تھا۔

"کیا ہو گیا تھا؟" میں نے احمد سے چھپتے ہوئے بلکہ قدرے طنزیہ لہجے میں سوال کیا جو شاید اسے ناگوار گزرا مگر اس سے پہلے سیتا بول پڑی۔

"اس کا داہنا شانہ زخمی ہے۔ اس کے لیے پھاٹک پر چڑھ کر باہر کودنا اتنا آسان نہیں تھا جتنا میرے یا تمہارے لیے۔"

"تو تم اندر ہی رک جاتے۔" میں نے اپنی جذباتی حماقت محسوس کرتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

"تمہیں کیا ہو رہا ہے صفدر؟" سیتا کی آواز تحیر آمیز تھی۔

"اندر رک کر وہ پچھتاتا ان کا شکار نہ ہو جاتا؟"

اپنی حماقت مائی پر میں جھلا کر رہ گیا مگر فوراً ہی بات بنا ڈالی۔ "میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ باہر آنے کے بعد ہم جالیوں سے ہاتھ ڈال کر تالے پر فائر بھی کر سکتے تھے اور شاید یوسف کی جیب کی چابی بھی۔"

"وقت برباد نہ کرو۔" احمد بحث کو طول پکڑتے دیکھ کر جلدی سے بولا۔ "معمولی سی ٹیس لگی تھی۔ اب میں پرسکون ہوں۔"

یوسف کے ایما پر تیزی سے ویران سڑک عبور کر کے ہم لوگ دوسری طرف کی فٹ پاتھ پر جا پہنچے۔

دوڑنے کی حد تک تیز قدموں سے چلنے میں ہمیں کوئی جھجک نہ ہوئی کیونکہ اس وقت وہ علاقہ تقریباً ویران پڑا تھا بلکہ سڑک پر روشنی نہ ہونے کے باعث قریب جا کر بھی ہمیں دیکھ لیا جانا بھی ناممکن تھا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد دہنی طرف ایک گلی نظر آئی اور یوسف بے دریغ اسی میں گھستا چلا گیا۔

گلیوں وغیرہ میں وہ بھاگ دوڑ بمشکل چھ سات منٹ جاری رہی اور آخر کار ہمارا قافلہ ایک مختصر گلی میں ایک بوسیدہ مکان کے دروازے پر جا رکا۔

میری رسٹ واچ کے مطابق اس وقت رات کے سوا گیارہ کا عمل تھا اور گرد و پیش پر چھائی ہوئی ویرانی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ علاقائی باشندوں کے طرز معاشرت کے لیے وہ وقت خاصا نامناسب تھا۔

یوسف کی دستک کے چند ثانیوں بعد مکان میں سے ایک عمر رسیدہ نسوانی آواز ابھری جو اتنی رات گئے آنے والے کا نام جاننا چاہتی تھی۔

"مناجی کا پیغام لایا ہوں۔" یوسف نے دانستہ دھیمی آواز میں جواب دیا اور دروازہ عجلت سے کھول دیا گیا۔

بڑھیا نے اندر گھسنے والوں کو شدید حیرت کے ساتھ دیکھا۔ صحن میں جلنے والے بلب میں اس کا جھریوں بھرا چہرہ اس وقت تجسس نظر آ رہا تھا لیکن اس نے دوبارہ دروازہ بند کرنے تک اپنی زبان بند رکھی۔

"ادھر چلے آؤ۔" بڑھیا نے کنڈی چڑھانے کے بعد صحن کے اختتام پر پہلو بہ پہلو بنے ہوئے دو کمروں میں سے داہنی سمت والے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

اس کمرے میں دھندلی روشنی والا ایک بلب روشن تھا جو صحن میں اندھیرا ہو جانے کے بعد خاصا غنیمت نظر آ رہا تھا۔

اس کمرے بلکہ پورے مکان ہی سے مفلوک الحالی عیاں تھی۔ یوسف بلا تامل فرش پر بچھی ہوئی گرد آلود دری پر بیٹھ گیا اور ہم لوگ بھی جوتے اتارے بغیر دیوار کے سہارے وہیں ٹک گئے۔

بڑھیا کے سرخ و سفید چہرے پر چمکتی ہوئی سیاہ آنکھیں مستفسرانہ

طلب انداز میں یوسف کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"ہمیں چند گھنٹوں کے لیے پناہ درکار ہے۔" یوسف نے نرم اور دھیمے لہجے میں کہا۔ "صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے واپس لوٹ جائیں گے۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟" بڑھیا اس کے قریب ہی ٹک گئی۔

یوسف کے لبوں پر نرم سی مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ غالباً بڑھیا کا وہ سوال طے شدہ طریقوں سے متجاوز تھا لیکن یوسف بڑھیا کو اس کی غلطی پر ٹوک کر آزردہ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

"صابر علی۔" یوسف نے بڑھیا کے تجسس کے پیش نظر قدرے تفصیلی جواب دے ڈالا۔ "اس وقت تمام فوجی کی وجہ سے پورے شہر میں بہار سے تناقب میں ہیں۔"

"اوہ۔" بڑھیا کے بشرے پر اطمینان کی علامات ابھر آئیں۔ "بھلا اپنا گھر ہے بے فکری سے رہو لیکن اپنی آوازیں اونچی نہ ہونے دینا۔ برابر والے کمرے میں میری بیٹی بد قسمت تمام تھوڑی دیر قبل سوئی ہے۔"

"ہماری وجہ سے انہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔" یوسف سمجھتا آنکھ دیتے ہوئے بولا۔

"تم جانتے ہو اسے؟" بڑھیا نے یوسف کی زبان سے بیٹی کا نام سن کر مسرت آمیز حیرت سے کہا۔

"ہم لوگ اپنا دوستوں سے ملتے بیٹا نہیں لیکن سب کے بارے میں واقفیت ضرور رکھتے ہیں۔" یوسف نے کہا۔ "بڑی مصروف ہے ان کی زندگی بھی۔"

"صبح اسکول میں پڑھانے جاتی ہے پھر تین سے رات گیارہ بجے تک ایک اسٹور میں کام کرتی ہے۔" بڑھیا کے لہجے میں درد سمٹ آیا۔ "میں نے دوہری ملازمت سے لاکھ منع کرتی ہوں لیکن باز نہیں آتی۔ اس کی صحت تباہ ہو کر رہ گئی ہے۔"

"کتنے لوگوں کی کفالت کرتی ہے وہ؟" سیتا نے غیر متوقع طور پر دخل اندازی کی۔

"میرے گھر میں بس ہم دو ہی تو رہ گئے ہیں۔" بڑھیا حسرت زدہ لہجے میں بولی۔ "باقی سب تو حرامزادہ اسٹریل میں یہودی قبضے کا ایندھن بن گئے۔"

"تمہارے اور اپنے لیے وہ دوہری ملازمت کرتی ہے؟" میں نے سیتا کا بازو دبایا تھا مگر اس کے باوجود وہ بات آگے بڑھانے سے باز نہ آئی۔

"محلے والے مجھے پیتی کنجوس سمجھتے ہیں۔" بڑھیا دکھ بھرے لہجے میں بولی۔ "لیکن سعادت مند بچی ہے جو جیلے کی ایک نیک کام ہے۔ اس کے ذاتی اخراجات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی ساری کمائی مجھے حوالے کر دیتی ہے اور میں کنجوسی سے اخراجات نکالنے کے بعد سارا پیسہ جوڑ رہی ہوں۔"

"درست ہی سمجھتے ہیں۔" سیتا نے اس کمرے کی بے سروسامانی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "یہاں کوئی بھی چیز تو ایسی نہیں جو دوہری آمدنی کی چغلی کھا رہی ہو...."

"اس موضوع پر یہاں سے تو اچھو۔" یوسف نے سیتا کی بات کاٹتے ہوئے دخل دیا۔ "اگر میرے مذہب میں غیر اللہ کی پرستش حرام نہ ہوتی تو میں بنتی کو مزید قابل پرستش قرار دیتا۔"

"اس کی وہ خوبی تو میں بھی جاننا چاہوں گی۔" سیتا بڑھیا کے بجائے یوسف سے ہی مخاطب ہو گئی۔

"وہ نازک اندام لڑکی ہے لیکن فلسطین کی آزادی کے لیے اس کا عزم ناقابل تسخیر ہے۔" یوسف کہنے لگا۔ "وہ جو کچھ کماتی ہے اس میں سے ایک قلیل سی رقم اپنے گھریلو اخراجات کے لیے بچانے کے بعد سب کچھ پی ایل او کے جہاد فنڈ کے لیے دے دیتی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ محض اسی طرح وہ اپنے باپ، پانچ بھائیوں اور ایک بہن کے خون کا انتقام لے سکے گی جو اس کا بدلہ لینے کی جد و جہد کر رہے ہیں۔"

سیتا اور یوسف کے درمیان چند فقروں کا وہ تبادلہ بڑھیا کے لیے اس قدر جذبات انگیز ثابت ہوا کہ رقت کے سبب اس کے جسم پر کپکپی کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ منہ سے ایک بھی لفظ کہے بغیر ہانپتی کمرے سے نکل چلی گئی۔

"تمہیں اس سے الجھنے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے دھیمی آواز میں غراتے ہوئے سیتا سے سوال کیا۔

وہ سہم گئی۔ "دوہری ملازمت کے ساتھ یہ مفلوک الحالی مجھے عجیب معلوم ہو رہی تھی۔ اب خاموش رہوں گی۔"

"اپنا کارنامہ تو دکھا ہی دیا اب بولتی بھی رہو تو کوئی حرج نہیں۔" میں نے بیزاری کے ساتھ سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"تجسس کو دور کرنا کوئی بری بات نہیں۔" یوسف نے مجھ سے کہا پھر سیتا سے مخاطب ہو گیا۔ "کوئی اور بات رہ گئی ہو تو پوچھو مجھ سے۔ لیلی اور اس کی ماں ہم سب کے لیے واجب الاحترام ہیں خاص بات یہ ہے کہ ماں بیٹی میں سے کوئی بھی اپنے جذبہ حریت کی تشہیر پسند نہیں کرتی۔"

"جذبہ حریت؟" سیتا نے میری طرف دیکھتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں کہا اور میں اس سے لاتعلق سگریٹ پیتا رہا۔ میں جانتا تھا کہ یوسف نے سیتا کو گفتگو کی کھلی چھوٹ دے کر اپنی شامت کو دعوت دی تھی اور اب میں اس گفتگو کے منطقی انجام کو دیکھنے کا منتظر تھا جو یوسف کے لیے شاید خوشگوار نہ ہوتا۔

"ہاں — اسے تم جذبہ حریت ہی کہو گی۔" وہ جلدی سے بولا۔

"حریت اور انتقام میں فرق ہے۔" سیتا کا لہجہ سپاٹ اور دو ٹوک تھا۔ "لیلی کی روح اپنے گھر والوں کے انتقام میں سلگ رہی ہے۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟" یوسف تحیر آمیز لہجے میں بولا اور مضطربانہ انداز میں سگریٹ اس نے بھی اپنے لیے سلگا لی۔

"وہی جو تم نے سنا ہے۔" سیتا مکمل پرسکون رہی۔

یوسف نے شاید سگریٹ سلگانے کے بہانے سوچنے کا وقت حاصل کرنا چاہا تھا جو اسے مل گیا تھا لہٰذا وہ سنبھلے ہوئے لہجے میں بولا۔ "حریت بجائے خود انتقام ہی کے پرچمے سے جنم لیتی ہے۔ سب سے پہلے حکمرانوں کے خلاف نفرت پیدا ہوتی ہے پھر عمل اور ردعمل کے طور پر حاکم کی طرف سے ظلم اور محکوم کی طرف سے انتقام کا اظہار ہوتا ہے اور یہی عمل بالآخر حریت کے راستے پر لے جاتا ہے۔"

"آزادی کی راہ پر لے جانے والے انتقام کا جذبہ اجتماعی ہوتا ہے۔" سیتا کی زبان سے نکلے الفاظ میں وہ نقرئی کھنک گم ہو کر رہ گئی تشدد رہ گیا۔ "جب انتقام کا جذبہ بکھرے ہوئے لوگوں کے ہجوم میں سرایت کر جاتا ہے تو وہ آزادی کی تحریک کا رخ اختیار کر لیتا ہے لیکن دو چار لوگوں کا انتقامی جذبہ حریت کی تعریف میں نہیں آتا۔"

"یعنی تم یعنی اور اس کی ماں کو حریت پسندوں کی فہرست سے خارج کر رہی ہو؟" اس نے چٹکلہ سے تیکھے لہجے میں سوال کیا۔

"دانستہ نہیں بلکہ محض اصولی طور پر۔" سیتا کے وہ الفاظ حیرت سے بے حد تحیر آمیز تھے۔ "یعنی اور اس کی ماں کو محض ایک مجبوری نے تمہارے ساتھ لا کھڑا کیا ہے۔ اگر لبنان کے صبرا اور شتیلا کیمپ میں ان اہالیان خانہ بربادی اور موت کا شکار نہ ہوئے ہوتے تو آج ان کے جذبات مختلف ہوتے۔ وہ ذاتی سطح پر اسرائیل سے اپنے پیاروں کا انتقام نہیں لے سکتیں لیکن ان کے نزدیک پی ایل او وہ تنظیم ہے جو اسرائیل کے خلاف صف آرا ہے لہٰذا وہ اس کی حمایت پیش کر کے اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین کی کوشش کر رہی ہے۔ یعنی کی دوسری ملازمت اور محض زندگی کا جذبہ آزادی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" یوسف نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لیکر الجھن آمیز لہجے میں سیتا سے سوال کیا۔

"صاف اور سیدھی سی بات۔" سیتا نے کہا۔ "اگر آج یعنی کو علم ہو جائے کہ قطب شمالی پر رہنے والے چار ڈاکو اسرائیل کو بدترین جانی اور مالی نقصان پہنچانے کی استطاعت رکھتے ہیں تو شاید وہ پی ایل او کو دینے والے سارے فنڈز ان کو منتقل کر دے گی اس میں تمہیں بھی کوئی شبہ نہ ہونا چاہیے۔"

"تم حزرو فضات پر بات کر رہی ہو۔" یکایک یوسف کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "اور مفروضات کچھ بھی ہو سکتے ہیں۔ اب تک میں تمہاری باتوں سے جو کچھ سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ تم پی ایل او کا موازنہ قطب شمالی کے ڈاکوؤں سے کرنا ۔۔۔"

"ہرگز نہیں۔" سیتا نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔ "میرا نشانہ پی ایل او ہرگز نہیں تھا۔ میری ساری گفتگو کا مقصد یعنی اور اس کی ماں کی نیت یا مقاصد کا حقیقی تجزیہ تھا۔"

اسی وقت یعنی کی ماں کمرے میں واپس آ گئی۔ اس کی ورم آلود آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ پچھلے چند منٹ اس نے روتے ہوئے گزارے تھے۔

"تم لوگ کھانا کھاؤ گے؟" اس نے دروازے پر رک کر کسی کو خاص طور پر مخاطب کیے بغیر بھرائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"نہیں۔" یوسف نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تم آرام کرو۔ ہم صبح پانچ بجے یہاں سے رخصت ہو جائیں گے۔"

وہ خاموشی سے واپس مڑی اور دروازہ بند کر کے چلی گئی۔

سیتا نے چاروں کے لیے دری نما سخت سے صاف کی اور ہم بے فکری کے ساتھ اسی پر دراز ہو گئے۔

"اس بوڑھی عورت سے تمہارے مراسم کی نوعیت کیا ہے؟" چند منٹ تک بے آرامی سے کروٹیں بدلتے رہنے کے بعد میں نے اپنے برابر میں لیٹے ہوئے یوسف سے دھیمی آواز میں سوال کیا۔

"رہائش اس بڑھیا سے رابطے کا کوڈ ہے۔" وہ بولا۔ "بدترین حالات میں بھی یہ ہمیں بہترین تعاون فراہم کرتی رہی ہے۔"

"اس کی بیٹی کو دیکھنے کا شوق ہو رہا ہے۔" میں نے کنکھیوں سے سیتا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ توقع کی لڑکی ہے۔" یوسف کا لہجہ سرسری تھا۔ "جوان ہے مگر خدوخال اور صحت کے اعتبار سے ڈھلی ہوئی عمر کی عورت معلوم ہوتی ہے۔"

"مگر ہے تو دمن کی بچی ہے۔"

"وہ تو ہے۔" یوسف مسکرا کر بولا۔

"اب کیا پروگرام ہے؟" تھوڑے توقف کے بعد میں نے سوال کیا۔

"یہ ٹھکانا میرے مکان سے قریب ترین تھا یہاں فون وغیرہ کی کوئی سہولت میسر نہیں ہے۔ صبح دوسرے ٹھکانے پر منتقلی کے بعد ہی اصل صورتحال کا اندازہ ہو سکے گا۔ نہ جانے ان لوگوں نے میرے مکان پر کیوں چھاپہ مارا تھا۔ صبح خیریت معلوم ہو سکے گی۔"

"تمہارے ردعمل سے تو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے تم ان سے واقف ہو۔" میں نے بڑھیا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس علاقے میں پی ایل او پر کڑی نگاہ رکھی جاتی ہے۔"

"مگر کیوں؟"

"شمالی یمن میں اعتدال پسند سیاسی حلقوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہاں ہمیں انتہا پسند بائیں بازو میں شمار کیا جاتا ہے جو کہ جنوبی یمن کے زیر اثر ہے۔"

"تو کیا یہ درست ہے؟"

"قطعی نہیں۔" اس نے پُریقین لہجے میں کہا۔ "بات صرف اتنی ہے کہ روس ہماری تنظیم کی اصولی حمایت کرتا ہے لیکن ہم اپنی پالیسیوں کے معاملے میں ہم برادر عرب ملکوں کے مشورے پر انحصار کرتے ہیں۔"

"تو پھر یہ تمہاری ملاک سے وابستگی کا تصور کیا ہے؟"

"یہ مخصوص حالات کا ملا تو ہے۔" یوسف کا لہجہ قدرے تلخ ہو گیا۔ "مقامی معاملات میں ذرا بھی توازن خراب ہو تو افواہ اور جاسوسی..."

الحاد پرستی اور علمی نظریات سے انحراف کا الزام آسانی عاید کر دیا جاتا ہے۔"

"تمہاری بات بآسانی قابلِ قبول نظر آتی ہے۔"

"مگر ایسا ہی ہے۔" وہ بولا۔ "آج کل ہم عجیب صورتحال کی سی ہے جب پچھلے ہفتے شمال اور جنوب کے درمیان چند گھنٹے جھڑپ کا تبادلہ ہوا ہے۔"

یوسف سے مزید کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں پھر میری آنکھ لگ گئی۔ صبح سویرے مجھے اٹھانے والی سیتا تھی اور اپنے ساتھیوں میں شاید مجھے سب سے آخر میں جگایا گیا تھا۔

مریم وسیع بڑھیا قہوے، پنیر اور ڈبل روٹی سمیت ہمارے کمرے میں موجود مہمانداری میں مصروف تھی۔

"تمہاری بیٹی کہاں ہے؟" میں نے دفعتاً غسل خانے میں منہ ہاتھ دھونے کے بعد میں نے بڑھیا سے سوال کیا۔

"سو رہی ہے۔" اس نے میرے لیے پیالی میں گرم گرم قہوہ انڈیلتے ہوئے کہا۔ "تمہارے سوا مجھ سے پہلے نہیں اٹھاتی۔"

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی جو صبح کے ساڑھے پانچ بجا رہی تھی اور پروگرام کے مطابق ہمیں بستی کے بیدار ہونے سے پہلے وہاں سے رخصت ہو جانا تھا تاکہ اجالا پھیلنے سے پہلے ہم لوگ کسی نئے ٹھکانے پر پہنچ سکیں۔

ناشتے کے بعد ہم چاروں وہاں سے نکل آئے۔

اس وقت سارا ماحول سرمئی دھندلکے میں ڈوبا ہوا تھا۔ بعض بعض مکانوں میں روشنی کے ساتھ ہی لوگوں کی بول چال کی آوازیں بھی آرہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ صنعا کے بسنے والوں میں سحر خیزی کی اچھی عادت بھی موجود تھی۔

پُرپیچ گلیوں سے گزرنے کے بعد تھوڑی ہی دیر میں ہم چاروں ایک کشادہ سڑک پر جا نکلے جو قمقموں کی روشنی میں تاحدِ نظر ویران پڑی ہوئی تھی۔

یوسف کے لیے وہ شہر اجنبی نہیں تھا۔ اس سڑک پر پہنچنے کے چند سیکنڈ بعد ہی وہ عجلت میں ایک فون بوتھ سے کسی کو فون کر رہا تھا۔ فون سے فارغ ہونے کے بعد وہ ہمیں بوتھ کے قریب ہی ایک درخت کے سائے میں لے گیا جہاں وہ ہمیں بآسانی نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں سیاہ رنگ کی ایک بڑی سی کار بوتھ کے قریب فٹ پاتھ کے کنارے آرکی اور یوسف ہم تینوں کو لے کر اسی طرف بڑھ گیا۔

یوسف ڈرائیونگ سیٹ پر موجود دبلے جسم اور گندمی رنگت والے مقامی کے ساتھ بیٹھ گیا اور میں سیتا اور احمد سمیت عقبی نشست پر بیٹھ گیا۔

"نئے گھر کی خبر تھی تمہارے؟" مقامی نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے کہا

"بس ستارے ہی اچھے تھے جو بچ نکلا۔" یوسف نے خفیف سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"عامری کو وہ ساتھ لے گئے۔ مکان میں بھی خاصی توڑ پھوڑ مچائی گئی۔" اس شخص نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "عامری نے شاید تمہارے نکلنے کے بعد اور ان کے پہنچنے سے پہلے مجھے فون کر دیا تھا۔ میں نصف گھنٹے بعد وہاں پہنچا تو میدان صاف ہو چکا تھا۔"

"تھے کون لوگ؟"

"صحیح علم تو نہیں ہو سکا لیکن تقریباً اسی وقت تمہارے مکان کے سامنے والی سڑک پر ہمارا راشد نے ایک فوجی ٹرک گزرتے دیکھا تھا۔"

"ہوں۔" یوسف ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "تو وہی ہوا جس کا دو روز سے مجھے خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔"

"کیسا خطرہ؟"

"کچھ لوگ یہیں حکومت کے خلاف تازہ ترین ناکام بغاوت میں ملوث کرنے کے درپے ہیں اور کل رات کا چھاپہ بھی شاید اسی مہم کی ایک کڑی تھی۔"

"بغاوت کی ناکامی کے بعد کیپٹن خلیل کی خودکشی نے صورتحال کو الجھا دیا ہے۔" وہ تشویش آمیز لہجے میں بولا۔ "حکام اب اندھیرے میں ہاتھ پیر چلا رہے ہیں مگر اس معاملے میں تمہاری ذات کیوں ملوث کی جا رہی ہے؟"

"چند روز پہلے ایک بڑی دعوت میں میں اسی کی میز پر بیٹھا تھا۔" یوسف پُرخیال لہجے میں بولا۔ "شاید ہماری وہ یکجائی کسی نے نوٹ کر لی حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ قاہرہ کی ملٹری اکیڈمی سے میری اور اس کی دوستی ہے۔ ہمارے درمیان رسمی باتیں ہی ہوتی رہیں مگر مجھے وہم بھی ہو جاتا کہ اس کے ذہن میں کوئی سازش پک رہی ہے اور تین روز بعد وہ پکڑا جانے والا ہے تو شاید میں اس کے سائے سے بھی دور رہنے کی کوشش کرتا۔"

"تمہارے یہ مہمان ۔۔۔" مقامی نے دانستہ اپنا سوال ادھورا چھوڑ دیا۔

"حادثاتی طور پر یمن میں آنکلے ہیں۔" پہلی بار ہم لوگوں کے بارے میں بات کرنے کی نوبت آئی۔ "احمد کو ایتھوپیا واپس جانا ہے باقی دونوں پاکستان جائیں گے۔"

"ایتھوپیا کے لیے تو میں آج رات ہی بندوبست کرا دوں گا۔" اس نے برجستہ کہا۔ "بشرطیکہ تمہارے مہمان کو خلائی بننے میں اعتراض نہ ہو۔"

"اعتراض؟ مجھے تو دلی مسرت ہو گی نکلنے کی راہ چاہیے۔" احمد اضطراری طور پر یوسف سے پہلے ہی بول پڑا۔

"بس یہ خیال رہے کہ اس کا راہداشتہ بُری طرح زخمی ہے۔"

یوسف نے اپنے دوست کو مطلع کیا۔
"اسے کچھ بھی نہیں کرنا ہوگا۔" اس نے وضاحت کی۔ "بس انہیں جبوتی کے لیے لانچ درکار ہے کیونکہ جیسے ہی ہم لوگ ان سے ملتے ہیں اسے ہم میں سے کسی بھی ساحلی گھاٹ پر اتار دیا جائے گا۔"
"اس کی ضرورت نہیں۔" احمد بولا "میرے لیے جبوتی سے ایتھوپیا میں داخل ہونا زیادہ آسان ہوگا۔ یہاں ساحل سے وہاں تک سفر کرنا دشوار ہوگا؟"
تھوڑی دیر کی مسافت کے بعد وہ سیاہ کار ایک وسیع حویلی نما مکان کے احاطے میں داخل ہو گئی جہاں پھاٹک پر ایک باوردی پہریدار موجود تھا۔
وہ عمارت قدیم اور جدید طرزِ تعمیر کا حسین امتزاج تھی کار سے اتر کر اندر داخل ہونے پر اندازہ ہوا کہ تعمیر میں عمارت کے مردانہ اور زنانہ رہائشی حصوں کو ایک دوسرے سے مکمل طور پر علیحدہ رکھنے کا خاص اہتمام کیا گیا تھا اور یہ بات ہم لوگوں کے لیے خاصی سہولت کا باعث تھی۔ مردانہ حصے میں شاید مہمانداری کے ہی خیال سے متعدد آراستہ کمرے موجود تھے۔ دیوان خانے میں مجہول وضع قطع والے ملازم اتنے کہ جیسے بھی مہمانوں کو خوش آمدید کہنے کے لیے موجود تھے۔
"تمہیں جو کمرہ پسند آئے اپنا لو۔" میزبان نے کمرے دکھاتے ہوئے کہا۔ پھر معذرت کر کے تھوڑی دیر کے لیے وہاں سے چلا گیا۔
بھتیجی کی ماں کے ہاں پچھلی رات خاصے سکون سے گزری تھی۔ مگر ہم تینوں کی حالت اتنی ابتر تھی کہ گرم پانی اور نرم گدے والا بستر دیکھ کر ہر ایک پر ہی کاہلی سوار ہونے لگی تھی۔
میں گرم پانی سے غسل کر کے نہایا۔ کئی روز کے بعد پہلی بار مجھے تازگی اور فرحت کا صحیح احساس ہوا تھا ورنہ سمندر کے کھاری پانی کے جلد پر جم جانے والے نمکیات نے مستقل پریشان کیا ہوا تھا۔
سیتا کے کمرے میں پہنچا تو وہ بھی تازہ دم ہو کر بستر پر دراز تھی۔ کمرے کے کھلے ہوئے دروازے کے باعث اگرچہ وہاں خلوت میسر نہیں تھی تو اس قدر جلوت بھی نہیں تھی کہ چند ثانیوں کے لیے ہمیں ایک دوسرے سے اپنی چاہت کا بھرپور اعادہ کرنے میں جھجک ہوتی۔ سیتا نے پوری قوت سے اپنا چہرہ میرے سینے میں چھپا لیا تھا۔ میں نے آہستگی سے اسے بستر پر بٹھا دیا۔
"تمہیں تنہائی کب میسر ہوگی؟" وہ مخمور نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے شکایت آمیز لہجے میں بولی۔
"احمد کی روانگی کے بعد ہمارے بارے میں سوچنے کی نوبت آئے گی۔" میں نے اس کے پہلو میں بیٹھ کر سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "مصیبت کا سایہ ٹل جانے کے بعد تو اب ہم چند روز بے فکری سے یہاں بھی گزار سکتے ہیں۔"
"یہاں تحفظ کا شعور ہے مگر اپنے گھر کی سی بے فکری نہ میسر آسکے گی۔" وہ حسرت زدہ لہجے میں بولی۔ "وہ بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔"
"اپنا گھر!" میں گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ "ابھی تک تو ایک سندر خواب ہی ہے شاید اس کی تعبیر بھی مل ہی جائے۔"
"یہ برا ہوا کہ اس وقت یوسف مشکلات میں گھرا ہوا ہے۔"
"میرا خیال ہے کہ اس کا دوست بہت بااثر شخص ہے وہ یوسف کے بغیر بھی کوئی راہ نکالنے میں کامیاب ہو جائے گا۔" میں نے کہا "اس وقت ہمیں بہت محتاط رہنا ہوگا اگر ہم یہاں کے کسی چکر میں الجھ گئے تو ایک مرتبہ پھر گردش کا آغاز ہو جائے گا۔"
"میں بھی اب بھاگ دوڑ سے اکتا گئی ہوں۔ لیکن تم اپنا وعدہ نہ بھول جانا۔" اس نے اپنا سر میرے شانے سے ٹکا کر کہا۔
"کون سا وعدہ؟"
"ابھی سے بھول گئے؟" اس نے بڑی بڑی آنکھیں شوخ انداز میں میرے چہرے پر مرکوز کر دیں۔
"جب سے تم ملی ہو سارے معاملات وعدوں ہی پر تو چلتے آرہے ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم کس وعدے کی بات کر رہی ہو؟"
"تم بچی ہو۔" وہ مجھے دھکیل کر پیچھے ہٹتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "میں اپنی ماں سے ملنے کی کوشش کا ذکر کر رہی تھی۔"
"وہ یاد ہے مجھے۔"
اسی وقت دروازے پر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ پھر کھنکھار کر یوسف اندر آگیا۔
"تم لوگ تو نہا دھو کر چھپلے نہیں جا بیٹھے۔" اس نے آتے ہی کہا۔
"اگر تم نے بھی چھپلنے سے انکار کیا تو ہمارے پاس سوائے یکسیش غسل کے وہاں جانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہ جائے گا۔" میں نے کہا۔
"اسے بھول جاؤ۔" وہ سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "دوبارہ اس کا نام زبان پر بھی نہ آئے۔ تمہیں نہیں معلوم یہاں کے ہوائی اقدامات کتنے مجبور ہیں۔"
"تمہارے دوست کا نام کیا ہے؟"
"باقر۔ عبدالباقر۔" اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر باہر نکلتے ہوئے کہا۔ سیتا بھی ساتھ ہی پیچھے ہولی تھی۔ "بہت نفیس اور فراخ دل آدمی ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "اس سے میری محض چند برس پرانی دوستی ہے مگر مجھے اس پر بھرپور اعتماد ہے۔ تنظیم سے باہر کے آدمیوں کو رازوں میں شریک کرنا ہمارے اصولوں کے خلاف ہے مگر باقر کے معاملے میں میں نے اوپر والوں سے استثنا حاصل کیا ہوا ہے۔ وہ ہمارا گہرا ہمدرد اور معاون ہے لیکن باضابطہ طور پر ہم سے منسلک نہیں ہے۔"
دیوان خانے میں ایرانی ساخت کے فرشی قالین پر دسترخوان سجا ہوا تھا جس پر ناشتے کے لیے اشتہا انگیز لوازمات موجود تھے۔
ہمیں دیکھتے ہی عبدالباقر پرتپاک انداز میں آگے بڑھا اور

مجھ سے یوں بغلگیر ہو گیا جیسے برسوں کے بعد میری اور اس کی پہلی ملاقات ہو۔
"تمہارا نام سنا تھا میں نے۔" وہ مجھے زور زور سے بھینچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "مگر یہ تو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کسی وقت تم میرے مہمان بھی ہو سکتے ہو۔"
اس وقت وہاں کوئی خادم موجود نہیں تھا ہمیں شاید آزادانہ گفتگو میں حارج سمجھ کر باہر بھیج دیا گیا تھا۔
یوسف نے اسے میرے اور سیتا کے بارے میں بتا دیا تھا۔ لہٰذا عبدالباقر ہم دونوں کے لیے بچھا جا رہا تھا۔ ہر دو چار فقروں کے بعد وہ کسی نہ کسی طرح اپنی مسرت کا اظہار کیے جا رہا تھا اور میں اپنی جگہ دل میں کچھ شرمندہ ہو رہا تھا۔
"تم دونوں میاں بیوی کی طرح یہاں اس گھر میں رہو گے۔" ناشتے کے دوران اس نے کہا۔ "یہاں کسی پر بھی آشکار نہیں ہوگا۔ مگر تمہاری بیوی کو میں اپنی بیگمات سے متعارف نہیں کراؤں گا۔ وہ اس طرف نہیں آتیں۔ اور اگر ایک بار تمہاری بیوی ادھر چلی گئی تو پوری حویلی میں اسی کا ذکر گردش کرنے لگے گا۔"
"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں۔" میں نے قہوے کی پیالی خالی کرتے ہوئے کہا۔
"ناشتے کے بعد ہم تینوں باہر جا رہے ہیں۔" وہ احمد کے ساتھ یوسف کو بھی لے جا رہا تھا۔ "کسی مہمان کی آمد تک پورا حصہ تمہارے تصرف میں رہے گا۔ دونوں خادم باہر ڈیوڑھی میں موجود رہیں گے۔ کوئی بھی ضرورت ہو تو بلا لینا۔ ویسے تو سب کے بستر اپنی خوابگاہ میں ضروریات کی ہر چیز میں موجود ہے۔ وارڈروب کا سارا سامان بھرا ہوا ہے۔"
"تم مسلسل مجھے کچھ شرمندہ کر رہے ہو۔"
"عبدالباقر بہت اچھا میزبان ہے۔" یوسف ہنستے ہوئے بولا۔ "اور اب تو قدرت نے اسے تم جیسے مہمانوں سے نوازا ہے۔ مجھ کبھی بھی خدمت گار سے ذرا بھی کوتاہی ہو گئی تو عبدالباقر اپنے چہیتے جانکی کی چمڑی ہی اتروا دے گا۔"
"سنا کہ وہ بعد میں مہمانوں کو کوستے ہیں؟" احمد نے عبدالباقر کی تعریف کے اس انداز پر اپنی ناپسندیدگی کا برملا اظہار کر ڈالا۔
"یہ اپنے ملازموں کو اپنے بیٹوں اور بھائیوں کی طرح عزیز رکھتا ہے۔" یوسف یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ "اور ان سے بھی دلی ہی وفاداری کی امید رکھتا ہے اور اگر ان سے لغزش ہو جائے تو ان کا عتاب بھی ایسا ہی لرزہ خیز ہوتا ہے...؟"
"ختم کرو۔" عبدالباقر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آج صرف صفدر اور سیتا کی بات کرو۔ واللہ اب دونوں نے نا معلوم کی صحیح عظمت پہچانی ہے اگر ان دونوں کو قانون کا خوف نہ ہوتا تو میں ان کے اعزاز میں اتنی بڑی دعوت دیتا کہ پورا شہر ان کے گرد جمع ہو جاتا۔ کاش حالات بدلنے پر یہ دوبارہ ادھر آسکیں۔"
کچھ دیر تک یہی گفتگو جاری رہی پھر موقع پا کر عبدالباقر میرے قریب سرک آیا اور سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔ "پیتے بھی ہو؟"
میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ اقرار کیا۔
"کوئی خاص ذوق؟" اس نے اسی لہجے میں دوسرا سوال کیا مگر اس بار اس کے لہجے میں اضطراب اور شوق سمٹ آیا تھا۔
"وسکی ہو اور عمدہ ہو۔"
"ڈرائینگ ٹیبل کے نچلے خانے میں شیواز ریگل کے اتھے اور ڈائل ہیجز کی ایک بوتل پڑی ہے یہ کم بخت لوات کو ساتھ بیٹھ کر ... یوسف اس معاملے میں کورا ہے۔" بات پوری کر کے اس نے محبت آمیز انداز میں میرے شانے پر ہاتھ مارا اور اٹھ گیا۔
باہر چند آرمی اڈی والی ایک جیپ تیار تھی۔ ناشتے کے بعد وہ تینوں ہی روانہ ہو گئے۔ میں سیتا کے ہمراہ انہیں الوداع کہنے باہر تک آیا تھا۔
عبدالباقر نے ڈرائیونگ سیٹ خود سنبھالی تھی۔ بالکلوں سے مسلح دو میں ہی فوجی جیپ کے پچھلے حصے میں جا بیٹھے جب کہ احمد اور یوسف اگلی ہی نشست پر بیٹھ گئے تھے۔
"میں تمہیں کبھی نہ بھول سکوں گا۔" میں نے احمد سے ہاتھ ملاتے ہوئے بوجھل لہجے میں کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ یہیں تم تنہا ہو۔"
"ہوام کے لیے میں اب بھی دل گرفتہ ہوں۔" احمد کی آواز بھرا گئی۔ "کاش میں نے وہ سب اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہوتا۔"
عبدالباقر کھلے گ آدمی تھا اس لیے فوراً ہی اگنیشن میں چابی گھما دی اور جیپ کا انجن کسی زخمی درندے کی طرح غرا کر بیدار ہو گیا۔
"فی امان اللہ۔" میرے عقب سے سیتا کی آواز ابھری اور جیپ خفیف سا جھٹکا لے کر پھاٹک کی طرف بڑھ گئی جدھر آسمان کے گوشوں سے سورج کی پہلی کرنیں اپنا نور بکھیر رہی تھیں۔
میں چند ثانیوں تک خالی الذہنی کے عالم میں وہیں کھڑا رہا پھر سیتا کا ہاتھ تھام کر اندر داخل ہو گیا۔
صنعا ساحل سے دور تھا اور عبدالباقر احمد کو اسی رات ایک لانچ سے جبوتی بھیجنے والا تھا جس کا مطلب تھا کہ ان کا سفر خاصا طویل تھا۔
"تم کبھی کبھی کو نہیں بھلا سکو گے۔" اپنی خوابگاہ میں پہنچنے کے بعد سیتا نے سکوت توڑنے میں پہل کی۔ "اسی کے بارے میں سوچ رہے ہو نا؟"
"زندہ رہتی تو شاید تھوڑے ہی عرصے میں ذہن سے محو ہو جاتی

لیکن اس نے مرنے کے لیے جس حوصلے سے کام لیا اور جو چونکا دینے والا انداز اختیار کیا وہ اس کی ذات کو کبھی نہیں بھلانے دے گا۔" اور میں ہی کیا شاید تم بھی اسے نہ بھول سکو۔" میں نے بستر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میں تو اسے بھول ہی نہیں سکتی۔" وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ "اس نے دیدہ دلیری سے سب کے سامنے تم پر اپنا حق جتایا تھا۔"

"دیدہ دلیری نہیں" وہ بجھتے ہوئے چراغ کی آخری لو تھی۔"

وہ اٹھی اور ڈریسنگ ٹیبل کے نچلے خانے سے وائن ایجنز کی بوتل نکال لائی۔ سفید بوتل میں سیال کندن خود بھی نشے میں چھلک رہا تھا۔

"اسے واپس رکھ دو۔"

"تھوڑی سی لے لو۔" وہ بولی۔ "کیفی یاد نہیں آئے گی۔" اس کے لہجے میں ہمدردی تھی۔ طنز کا دور دور تک شائبہ بھی نہیں تھا۔

"میرے گلے میں کانٹے کرنا شروع کیا ہے۔" میں نے نیم دلی سے کہا۔ "لاؤ تھوڑی سی دے دو۔"

بلور کے گلاس کے ساتھ ہی وہ ریفریجریٹر سے پانی کی ایک ٹھنڈی بوتل بھی لے آئی۔

"تمہیں کیسے پتہ کہ میں پانی کے ساتھ لیتا ہوں؟" میں نے شفاف شیشے کی دھندلائی ہوئی سطح پر انگلی پھیرتے ہوئے حیرت سے کہا۔

"سوچا نہیں تھا تو پانی لے آئی۔" اس نے بوتل کا ڈھکن کھول دیا۔

"تم پیتی ہو؟" میں نے پوچھا اور میرا دل اندیشے کا سبب تھا اگر سیتا کا جواب اثبات میں ہوا؟

"نہیں۔" اس نے مسکرا کر شدید شوق سے گردن ہلائی، اور میرے وجود میں سکون کی لہر سرایت کر گئی۔

"پھر پینے کے آداب سے کیسے واقف ہو؟" پہلا انکار سن کر میں نے بلا تامل دوسرا سوال کر ڈالا۔

"سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں کو پی کر میں نے اکثر بہکتے دیکھا ہے۔ اس میں بڑا لطف آتا ہے۔" وہ پانی سے گلاس لبریز کرتے ہوئے بولی۔

"اس وقت میں پیے بغیر بھی بہک سکتا ہوں۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس کی آواز میٹھے جذبوں سے بوجھل ہو چلی تھی۔

اصولاً ہمیں جلد سو جانا چاہیے تھا کیونکہ ہم پہلے سے ہی تھکے ہارے شب و روز بے آرامی اور جان توڑ تکان میں بسر کرتے تھے لیکن داغ فراق صحبت شب جو مدت سے پروان چڑھتا آ رہا تھا، اس وقت اعصاب پر بری طرح سوار ہو گیا تھا۔

نہ جانے کب میری آنکھ لگی اور وہ کیا وقت تھا۔ ہاں بس اتنا یاد تھا کہ سونے کی نیت کرنے سے قبل سیتا نے ساری کھڑکیوں کے دبیز پردے کھینچ کر کمرے میں اندھیرا کر دیا تھا۔

وہ کوئی آہٹ تھی اور اتنی واضح کہ میں ہڑبڑا گیا۔

گہری نیند کے خمار سے بوجھل پلکیں پوری طرح کھلنے بھی نہ پائی تھیں کہ اضطراری ردعمل کے تحت میں کہنی کے بل بستر سے اٹھا اور نیم وا آنکھوں سے تاریکی میں اپنے قریب کھڑے ہوئے اس تاریک تر سائے کی محض ایک جھلک ہی دیکھ پایا تھا کہ اس نے اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا وزنی ڈنڈا پوری قوت سے میرے سر پر دے مارا۔

میں نے چیخنا چاہا لیکن ذہن سے پہلے زبان بے جان ہو چکی تھی اور میں وہیں بے ہوش ہو کر گر گیا۔

ڈنڈا کھانے اور بے ہوش ہونے کے مختصر ترین درمیانی عرصے میں میرے ذہن میں پوری شدت سے بس ایک ہی خواہش ابھری تھی کہ کاش میں کسی طرح سیتا کو کمرے میں موجود خطرے سے ہوشیار کر سکتا۔ یقین ہے کہ میری اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

دوبارہ ہوش آیا تو چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور میرا سر کسی پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔

"سیتا!" میں نے آہستہ سے پکارا اور آواز کی گونج نے فوراً ہی واضح کر دیا کہ وہ بے سر و سامان بند کمرہ تھا۔

اپنی آواز کا جواب پا کر میں پریشان ہو گیا اور سر کی شدید تکلیف کے باوجود صورت حال کے بارے میں سوچنے لگا۔

عبدالباقر کی حویلی اور پھر اس کے مردانے حصے میں وہ واقعہ پیش آنا میرے لیے ناقابل یقین تھا۔ احاطے کی اونچی دیواروں میں بنے ہوئے داخلی پھاٹک پر مسلح محافظ مامور تھا جسے دھوکا دے کر اندر داخل ہونا ناممکنات میں سے تھا۔ احاطے سے اندر داخل ہونے کے بعد دو خدمت گاروں کے ہوتے ہوئے مردانے حصے میں گھسنا اور پھر ہماری خوابگاہ میں داخل ہونا کسی اجنبی کے لیے کسی بھی طرح ممکن نہ تھا۔

اس سے صرف ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا تھا کہ حملہ آور جو بھی تھا اندر ہی کا آدمی تھا مگر اندر کے آدمی کو مجھ سے کیا پرخاش ہو سکتی تھی۔

اس کمرے میں گھپ اندھیرا تھا اور میں فوری طور پر چلنے جانے کے قابل نہیں ہو سکا تھا ورنہ سیتا کے بارے میں بھی کچھ اندازہ ہو جاتا۔

پتہ نہیں اسے بھی بے ہوش کیا گیا تھا یا ساری افتاد صرف مجھ ہی پہ پڑی تھی اور اگر وہ میرے ساتھ ہی لائی گئی تھی تو یقیناً اس وقت تک بے ہوش تھی۔

میں نے لاشعوری انداز میں جیب ٹٹول کر ماچس نکالی تو تیلی کی روشنی میں سیتا مجھے چند گز دور ننگے فرش پر بے ہوش

پڑی نظر آئی۔

میں نے بے چین ہو کر اپنی جگہ چھوڑ دی اور اس کے قریب پہنچ گیا۔ شاید اسے بھی بے ہوش کرنے کے لیے وہی بے رحمانہ طریقہ اختیار کیا گیا تھا جس کا میں شکار ہوا تھا مگر سیتا کے لیے وہ چوٹ شدید تر ثابت ہوئی تھی۔

غالباً اس کے سر پر زخم آیا تھا کیونکہ بڑا سا سفید رومال پٹی کے طور پر بھونڈے انداز میں اس کے سر کے گرد بندھا تھا اور اس پر ایک جگہ رسنے والے خون کا بڑا سا داغ نمایاں نظر آ رہا تھا۔

بے ہوش سیتا کو دیکھ کر بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ نامعلوم حملہ آور کو طبی امداد کے بجائے خون کے دھبوں کی فکر تھی جو بعد میں عبدالباقر یا کسی اور کی رہنمائی کر سکتے تھے لہٰذا اس نے سیتا کے زخم پر کپڑا باندھ کر اس خطرے کا فوری سدباب کر لیا تھا۔

میں نے نرمی سے سیتا کو کئی بار ہلایا جلایا لیکن وہ بے ہوش پڑی رہی اور میں اس کے قریب ہی فرش پر بیٹھ گیا۔

وہ کمرہ خاصا بڑا تھا مگر وہاں سامان کے نام پر ایک تنکا تک موجود نہیں تھا۔ کمرے میں حیرتناک طور پر کوئی کھڑکی یا روشندان بھی نہیں تھا۔ لے دے کے بس ایک سیاہ دروازہ تھا جو یقینی طور پر باہر سے مقفل رہا ہوگا۔

چھت سے اور چکنی سپاٹ دیواروں اور وہاں فضا میں بسی ہوئی بو اور سیلن کے باعث مجھے قوی شبہ ہو رہا تھا کہ وہ کوئی تہ خانہ تھا۔ تہ خانے میں مقید ہونے کا وہ احساس میرے لیے سخت اذیتناک تھا۔ عبدالباقر کے مہمان خانے کی آرام دہ خوابگاہ میں سوتے ہوئے میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس محفوظ جگہ پر میرے اور سیتا کے لیے کوئی خطرہ درپیش ہوگا لیکن نوشتہ تقدیر ایک بار پھر میرے تصورات کے برعکس ثابت ہوا تھا۔

ریسٹ واچ کے ریڈیم ڈائل پر نگاہ ڈالی تو وہاں تین بج رہے تھے۔ باہر سورج کی چمکیلی دھوپ کا راج تھا مگر تہ خانے میں اندھیری رات کا وحشتناک سماں تھا۔

مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ سو جانے کے کتنی دیر بعد ہم دونوں پر وہ ناگہانی افتاد نازل ہوئی تھی مگر یہ بات یقینی تھی کہ میں کم از کم کئی گھنٹے تک بے ہوش رہا تھا۔

اب اتفاقات کے علاوہ نجات کی بس ایک ہی صورت تھی کہ عبدالباقر ہماری روانگی کا انتظام کر کے واپس آتا اور ہم دونوں کو غائب پا کر اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ ہماری تلاش میں مصروف ہو جاتا۔ سیتا کے خون آلود زخم کی وجہ سے مجھے پورا یقین تھا کہ خوابگاہ سے ہٹائے جانے سے قبل بستر کی چادر پر خون کا ایک آدھ دھبہ ضرور پڑا ہوگا جو عبدالباقر اور یوسف کو صورت حال کی سنگینی کا احساس دلا سکے گا۔

میں اتفاقاً ان لمحات بے عملی میں گزارنے کے بجائے سیتا کے زخم کا جائزہ لینا چاہتا تھا لیکن اندھیرے کے باعث ہمت نہ کر سکا۔

اس اجاڑ تہ خانے میں بلب تو درکنار روشنی پیدا کرنے کے لیے ردی کاغذ کا کوئی ٹکڑا تک نہیں تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ تہ خانہ محض قید خانے کا تصور ذہن میں رکھ کر بنوایا گیا تھا۔

میرے پاس ماچس میں تیلیوں کی تعداد محدود رہ گئی تھی اور مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ اس صورت سے کتنی مدت کے بعد نجات ملے گی لہٰذا میں اپنے محدود وسائل نہایت کفایت سے استعمال کرنا چاہتا تھا اور پھر میرے لیے یہ ممکن بھی نہیں تھا کہ ایک ہاتھ سے تیلی جلا کر دوسرے سے سیتا کے زخم کو چھیڑوں جس کی شدت کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔

میرے لیے اس غیر یقینی اور روح فرسا ماحول میں ایک ایک لمحہ بھاری ہو رہا تھا۔ اسی دوران میں تہ خانے کی محدود فضا میں سیتا کی کراہ گونجی اور میں اس پر جھک پڑا۔

اس بار سیتا کو پکارنا اور ہلانا جلانا سود مند ثابت ہوا اور وہ جلد ہی ہوش میں آ گئی۔

"میرا سر... میں کہاں ہوں؟" اس نے غنودہ لہجے میں سوال کیا۔

"میں صفدر ہوں سیتا... تمہارا سر زخمی ہے۔" میں نے اس کی بڑبڑاہٹ کے جواب میں اضطراری لہجے میں کہا۔

"یہ... یہ اندھیرا کیسا ہے؟" اس کی آواز میں ہراس امڈ آیا۔ شاید اس نے ابھی آنکھیں کھول لی تھیں۔

"ہم ہتھے چڑھ چکے ہیں اور کسی تہ خانے میں قید ہیں۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "ذرا ہمت سے کام لو۔"

اس کے ذہن پر چھائی ہوئی دھند صاف ہو گئی اور وہ تیزی سے فرش سے اٹھ گئی۔

"یہ کیا بندھا ہوا ہے میرے سر پہ؟"

میں نے ایک دیا سلائی روشن کر لی۔ "انہی لوگوں نے خون جذب کرنے کے لیے تمہارے زخم پر کپڑا باندھا ہوا ہے۔"

"اوہ خدا۔" وہ کچھ یاد کر کے بڑبڑائی۔ اس کی آنکھیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ "انہوں نے میرے سر پر نہایت بے دردی سے ضرب لگائی تھی۔ اور ان کی تعداد صرف دو تھی... اگر ایک ثانیہ پہلے بھی میری آنکھ کھل گئی ہوتی تو یہ نوبت نہ آتی۔"

"غنیمت ہے کہ ہم دونوں کو اکٹھا ہی رکھا گیا ہے۔" میں نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اگر الگ الگ ہوتے تو اپنی تکلیف سے زیادہ دوسرے کی فکر میں ہی گھلتے رہتے۔"

"حماقت ہی ہوئی۔ لیکن پھر بھی ناکامی کے دروازے کا جائزہ

لینے میں ہرج نہیں" میں نے کہا اور سگریٹ کے سلگتے ہوئے سرے کے انعکاس میں دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

توقع کے مطابق دروازہ باہر سے مقفل تھا۔ اس کی ساخت اتنی مضبوط تھی کہ اسے توڑنے کا خیال ہی بے سود تھا۔

میں سگریٹ کے کش لگاتا واپس لوٹ گیا۔

"ہم صنعا ہی میں ہیں یا۔۔۔؟"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" میں نے فکرمندانہ لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ "ہماری بے ہوشی کا وقفہ خاصا طویل رہا ہے۔"

"مگر ہمیں اس مکان سے کیسے نکالا گیا ہوگا؟"

"بس نکال ہی لیا گیا ورنہ اس وقت قیدی نہ ہوتے۔"

"میں نہیں مان سکتی مسلح محافظوں اور پھر ملازموں کی فوج کو دن دہاڑے کس طرح دھوکا دیا گیا ہوگا۔ رات کی تاریکی کے بارے میں تو پھر بھی بہت سے مفروضات قائم کیے جا سکتے ہیں میرا ذہن اس واقعہ کو اتنی آسانی سے تسلیم نہیں کر رہا۔"

"کیا کہنا چاہ رہی ہو؟"

"مجھے یہ عبدالباقر کی ہی شرارت معلوم ہوتی ہے۔"

"اس کا نام بھی نہ لو۔" میں نے فوری طور پر کہا۔ "اس کے بارے میں میں نے جو پہلی رائے قائم کی ہے اس کے مطابق وہ سب کچھ ہو سکتا ہے مگر غدار نہیں ہے۔"

"واقعات کی کڑیاں ملنے کے بعد بھی نہیں؟"

"کیسے واقعات؟"

"ہم سے متعارف ہونے کے بعد ہی اس کے عزائم خطرناک تھے۔ لیکن یوسف اور احمد کی موجودگی میں وہ ہم پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا۔۔"

"یہ کوئی ثابت شدہ بات نہیں۔" میں نے منطقی لہجے میں کہا۔

"اس نے احمد کی زبان سے یوسف کی ناراضگی کی خواہش کا اظہار سنتے ہی فوراً ذمہ داری قبول کر لی۔" وہ کہنے لگی۔ "اور اس طرح ہم دونوں کو یہاں چھوڑ کر اپنی غیر حاضری کا جواز مہیا کر لیا۔ اپنی ذات کو شبہ سے بالاتر رکھنے کے لیے جاتے جاتے یوسف کو بھی ساتھ لے گیا اور موقع میسر آتے ہی اس کے غدار ملازموں نے ہم پر دھاوا بول دیا۔"

"اس کا مطلب ہوا کہ ہم اس حویلی کے کسی تہ خانے میں قید کیے گئے ہیں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"ضروری نہیں۔ اس کے خاص ملازموں کی باہر آمدورفت ممنوع نہیں ہوگی۔ ہم دونوں کو بے ہوشی کی حالت میں لے جا کر آسانی باہر لایا جا سکتا تھا۔" اس نے غصے سے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔

"لیکن عبدالباقر کو ہم سے کیا پرخاش ہو سکتی ہے؟"

"یہ تو وہی بتا سکے گا۔۔۔ اس کی مرضی کے بغیر شاید اس کی حویلی میں پرندہ بھی پر نہ مار سکتا ہوگا۔ تم نے سن ہی لیا تھا کہ وہ اس قدر سخت گیر ہے کہ ذرا سی لغزش پر وہ اپنے ملازموں کی چمڑی ادھیڑ کر رکھ دیتا ہے۔"

"تمہارے دلائل معقول ہیں" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "لیکن اس شخص کے بارے میں میری رائے بہت اچھی ہے۔ وہ ایسی اوچھی حرکت نہیں کر سکتا۔"

"بعض لوگ صورت حرام بھی ہوتے ہیں۔"

"وہ بھی کسی نہ کسی حرکت سے پہچان لیے جاتے ہیں۔"

اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ ہم دونوں ہی اپنی اپنی جگہ کسی گہری سوچ میں ڈوبے رہتے تھے۔

وقت بہت سست رفتاری سے رینگتا رہا۔ اس اندھیرے تہ خانے میں گھڑی کے سوا ہمارے پاس وقت کا کوئی پیمانہ نہیں تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ ہمیں اغوا کرنے والوں نے پلٹ کر ہماری خبر گیری کی بھی ضرورت نہیں سمجھی حالانکہ میں ان کا سامنا کرنے کے بعد کوئی واضح انداز قائم کرنے کی امید لیے بیٹھا تھا۔

صبح کے ناشتے کے بعد رات کا ایک بج گیا۔ ہم دونوں کی آنتوں نے بھی اس طویل فاقے کے خلاف باقاعدہ احتجاج شروع کر دیا تھا لیکن ہم اس معاملے میں بری طرح بے بس ہو کر رہ گئے تھے۔

فرش نسبتاً صاف تھا۔ بیٹھے بیٹھے کمر جواب دینے لگی تھی لہٰذا ہم دونوں ہی اطمینان سے فرش پر پہلو بہ پہلو لیٹ گئے۔

تنہائی اور بے کاری کے ان لمحات کا اندازہ ایک قیدی ہی دلچسپی سے کر ہی کیا جا سکتا تھا مگر کوشش کے باوجود ذہن کسی بھی سرگرمی کی طرف مائل نہ ہوا جو موجودہ صورتحال کا گمبھیر احساس دھندلا سکے۔

رات ساڑھے دو بجے کے قریب اچانک ہی ہم دونوں اچھل پڑے۔ ہمارے کانوں میں کسی نامعلوم گن سے فائرنگ کی گھٹی گھٹی سی آواز آئی تھی۔ لمحہ بھر توقف رہا پھر کئی گنیں دوبارہ چلیں اور اس کے ساتھ وقفوں سے ہولناک دھماکے ہونے لگے جو مختصر وقفوں سے ابھر رہے تھے۔

ہم چاروں طرف سے بند دیواروں والے تہ خانے میں محبوس تھے لہٰذا فائروں کی آواز سے سمت یا فاصلے کا تعین کرنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

مگر ان آوازوں سے مجھے عجیب سی آسودگی کا احساس ہو چلا تھا۔ یہ اتفاق تو خارج از امکان تھا کہ ہمارے زنداں کے قریب دو غیر متعلقہ فریق آپس میں الجھ پڑے ہوں۔ لامحالہ بات یقینی تھی کہ ہم دونوں کی تلاش کا آغاز ہو چکا تھا اور جانے نامعلوم کون مختصر سے عرصے میں تلاش کرتے ہوئے اس ویران تہ خانے کے نواح میں آ پہنچے تھے اور ہمارے دشمنوں نے ان کی پیش قدمی کے خلاف مزاحمت شروع کر دی تھی۔

تھوڑی دیر قبل محسوس ہونے والی بے سروسامانی کی کیفیت ختم ہو چکی تھی اور اب مجھے اطمینان تھا کہ کم از کم اس سرزمین پر ہمارے ہمدرد بھی موجود ہیں۔

"یہ خوش فہمی بھی ہو سکتی ہے۔" سینا نے میری خوش فہمی پر تبصرہ کیا۔ "ہو سکتا ہے کہ اغوا کرنے والے مجرم ہوں اور اس وقت مخالف گروہ ان کے ٹھکانے پر حملہ آور ہو۔ ایسی صورت میں ہمارے ساتھ دونوں کا رویہ ایک سا ہی ہوگا۔"

پھر اچانک خاموشی سی پیدا ہو گئی۔ ان دھماکوں کی بجائے واضح طور پر انسانی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دونوں فریقوں کے سروں پر انسانی لہو کی ہولی کھیلنے کا جنون سوار ہو گیا ہو۔

اسی وقت تہ خانے کے دروازے کے باہر دھمک سنائی دینے لگی۔ آوازوں سے پتا چل رہا تھا کہ کوئی تیزی سے سیڑھیاں اترتا ہوا تہ خانے کی طرف آ رہا تھا۔ میں نے سینا کا بازو تھاما اور دروازے کے ساتھ والی دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا۔

دروازے کے قفل میں چابی گھومنے کی بے تابانہ آواز کے بعد کھٹکا کھل گیا اور پٹ وا ہوتے ہی ہانپتا ہوا ایک ہیولا اندر گھس آیا۔

"کہاں ہو تم کہاں ہو میرے دوست؟" اس نے اندر گھسنے سے پہلے ہی کپکپاتی ہوئی خوفزدہ آواز میں پکارا تھا۔

میں نے تڑپ کر ایک لمحہ بھی کے بغیر دیا سلائی روشن کر دی اور دہشت زدہ شخص تیزی سے روشنی کی طرف مڑ گیا۔

وہ بالکل نشانہ ہم سے چند قدم دور موجود تھا۔ اس کی حالت کچھ ایسی بے حال تھی کہ میں پریشان ہو کر رہ گیا۔

اس کے نچلے دھڑ پر بمشکل لباس کے چیتھڑے لٹک رہے تھے اور وہ تازہ خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ اوپری دھڑ برہنہ تھا۔ جسم پر نیلی اور سرخ دھاریاں ایک دوسرے میں الجھی ہوئی تھیں۔ دائیں آنکھ ورم آلود تھی۔ رخسار بھی سوجے ہوئے تھے اور پھٹے ہوئے ہونٹوں سے خون رواں تھا۔

"مجھے معاف کر دو میری خطا بخش دو۔" وہ گڑگڑا کر روتے ہوئے میرے قدموں سے لپٹ گیا۔ "میں نادانستگی میں سازش کا شکار ہوا ہوں۔" تیلی بجھ گئی اور وہاں اندھیرا پھیل گیا۔

میں اس وقت تہ خانے سے نکل کر باہر کی خبر لینے کے لیے بے چین تھا مگر اس ادھڑے ہوئے خستہ حال شخص کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"کیا نام ہے تمہارا، کیا چاہتے ہو، جلدی بتاؤ۔" میں نے اپنے قدموں تک پہنچے ہوئے اس کے سر سے پیچھے ہٹتے ہوئے درشت لہجے میں کہا۔

وہ آگے سرک کر دوبارہ کسی جونک کی طرح میرے قدموں سے لپٹ گیا اور زار و قطار روتے ہوئے بولا "معاف کر دو یا ٹھوکر مار کر میرا بھیجا اڑا دو۔ میں نے اپنے آقا سے نمک حرامی کی ہے میری یہی سزا ہے۔"

"میرے سوال کا جواب دو۔" اسے ذہنی تجاوز سے نکالنے کے لیے میں نے درشت لہجے میں غرایا ورنہ درحقیقت مجھے اس پر ترس آ رہا تھا۔

"عدنان ہے۔ آپ نے شاید اپنا نام بتایا۔ عبدالباقر ہیلے مجھے زینی نے بہکایا تھا۔ اسی کے ساتھ میں نے انہیں اس حال کو پہنچایا مگر تم آقا سے یہی کہنا کہ اندھیرے میں تم نے بس ایک عورت ہی کو اپنے کمرے میں دیکھا تھا۔ نہیں جانتے ہو وہ غصے سے پاگل ہو رہا ہے۔ اس نے درندے کی طرح ہر ایک کو ادھیڑ کر رکھ دیا ہے۔"

"وہ فائرنگ کیسی ہے؟" سینا نے سوال کیا۔

"میں اپنی کوٹھری میں پڑا تھا۔ سنا ہے کہ زینی کی آدمیوں کے ساتھ گھس پڑے اور معصوم بیوقوف بری نگاہ ڈالنے والے میرا ایک ایک ریشہ بڑی بے رحمی سے ادھیڑا ہے۔"

"چلو! میں تم سے بعد میں بات کروں گا۔"

"معاف کر دیا تم نے؟" وہ کسی پاگل کی طرح بے اعتباری سے میرے پیر چومنے لگا۔

"ہاں چھوڑو" میں نے اسے جھڑکا اور وہ یوں پھڑک کر اٹھا جیسے ایک لمحے کی بھی تاخیر میں اسے اپنی معافی سلب ہونے کا اندیشہ ہو۔

دروازے سے نکل کر وہ یوں تاریک سیڑھیوں پر غائب ہوا جیسے قفس سے رہائی پانے والا پرندہ رکے بغیر آسمان کی وسعتوں کی طرف اڑتا ہی چلا جاتا ہے۔

ہم دونوں بھی تہ خانے کا دروازہ کھلا چھوڑ کر اوپر چڑھ گئے۔ باہر آتے ہی فائرنگ کا شور کانوں کے پردے پھاڑنے لگا۔ ہم عمارت کے جس حصے میں نکلے وہ ہمارے لیے اجنبی تھا اور وہاں کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا جو کسی طرف ہماری رہنمائی کر سکتا۔ ہم مختلف حصوں سے ابھرنے والے شور سے سمتوں کا اندازہ لگانے لگے۔

فائرنگ کے جوش و خروش سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس رات جب تک دو میں سے ایک حریف فنا نہ ہو جائے گا وہ بارودی طوفان نہیں تھمے گا۔

فائروں کے درمیان ایک ہولناک چیخ گونجی جو یقیناً کسی مرنے والے کی آخری صدائے درد تھی۔

اس دل گرفتہ چیخ کے ساتھ ہی عمارت سے ایک مسرت آمیز وحشیانہ نعرہ بلند ہوا جس میں عبدالباقر کی آواز سب سے جدا تھی۔

"جہنم کی آگ میں ایک اور کندہ گیا۔۔ تو کب تک بچے گی"

بنت الحرام!" عبدالباقر کی آواز غضب بربریت اور انتقام کے شعلوں سے دہک رہی تھی۔

میں بیتا کا ہاتھ تھام کر راہداریوں سے ہوتا ہوا چھت کی سمت میں بڑھنے لگا جدھر سے فائر کی آواز آئی تھی۔

لیکن عبدالباقر اور اس کے ساتھیوں تک پہنچنا اتنا آسان ثابت نہیں ہوا کیونکہ چھت تک کمروں اور راہداریوں میں بھٹکنے کے بعد اندازہ ہوا کہ وہ لوگ چھت پر موجود نہیں تھے۔

ہم دونوں زینے کی سیڑھیاں عبور کر رہے تھے کہ باہر سے ایک بار پھر چیخ ابھری اور ایک نامی گن کی آواز دم توڑ گئی۔

ہم چھت پر پہنچے تو فضا میں رچی ہوئی بارود کی بو نے حلق اور نتھنے تک جلا دیے عبدالباقر اور اس کے ساتھی ایک شکار مار لینے پر مسرت کے اظہار میں مصروف تھے۔

چھت پر عجیب جنگی سماں تھا۔ وسیع چھت پر چاروں طرف تین فٹ اونچی دیوار بنی ہوئی تھی جس میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کئی انچ کے مربع سوراخ بنے ہوئے تھے اگر وہاں مسلح افراد موجود نہ ہوتے تو یہی سمجھا جاتا کہ وہ سوراخ بارش کے پانی کو بہا کر راہ ہموار رکھنے کے لیے بنائے گئے ہیں لیکن اس وقت انہی سوراخوں میں سے رائفلوں کی نالیں باہر نکال کر وہ لوگ دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے۔

تین اطراف میں گنتی کے آدمی مورچہ زن تھے اور ان کے ہتھیار بھی خاموش تھے لیکن سامنے والے محاذ پر معرکہ جاری تھا۔

"کون ہے؟" سامنے کی چھتوں میں وہ جنبی آدمی ہوئے دیکھ کر عبدالباقر کے آدمیوں میں سے کوئی دہشت زدہ آواز میں غرایا۔

"عبدالباقر۔۔۔ میں ہوں؟" میں جلدی سے چیخ پڑا ورنہ یہ ڈر تھا کہ کہیں للکارنے والا گولی ہی نہ چلا دے۔

عبدالباقر اور یوسف اپنی رائفلیں پھینک کر والہانہ انداز میں ہماری طرف لپکے اور دونوں ہی بیک وقت مجھ سے لپٹ گئے۔

"شکر ہے۔۔۔ خدا کا شکر ہے کہ تم دونوں زندہ سلامت ہو؟" عبدالباقر فرطِ مسرت سے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں اپنے محافظوں کی بوٹیاں گدھوں کو کھلا دیتا۔"

"تم تھے کہاں؟" یوسف کی آواز تحیر آمیز تھی۔

"اسی عمارت کے ایک تہ خانے میں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"واللہ؟" عبدالباقر فرطِ حیرت سے بے اختیار چیخ پڑا۔

میں نے اپنے سر کو آہستہ سے اثبات میں جنبش دی۔

"عمارت کا چپہ چپہ چھان مارا لیکن اُدھر خیال بھی نہیں گیا۔" وہ متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "تمہیں وہاں تک زنداں میں کس نے ڈالا ہے؟"

"تم لوگوں کی خیر ہو، یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔" میں نے انہیں یاد دلایا کیونکہ اس کے چپ ہوتے ہی رائفلوں کا شور غیر منظم ہو کر رہ گیا تھا۔

"ادھر آجاؤ۔" یوسف مجھے عقبی دیوار کی طرف لے گیا جہاں دو آدمی رائفلوں کے ساتھ چھت پر لیٹے سوراخوں سے باہر نگراں تھے لیکن ان کی رائفلیں خاموش تھیں۔

یوسف نے بیٹھنے کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کیا جہاں سے ہماری باتیں آواز میں کوئی نہیں سن سکتا تھا۔

"اب بتاؤ کہ کیا ہوا تھا؟"

"ہم سو گئے ہوئے تھے کہ اندھیرے میں ڈنڈا سنبھالے کوئی خوابگاہ میں گھس آیا۔ آنکھ اس وقت کھلی جب سر پر ڈنڈا پڑ چکا تھا اور ذہن سوچنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکا تھا۔" میں نے بے تکان کہہ ڈالا۔

"مگر وہ تھا کون؟" اس نے سوال کیا۔ "بیتا کے تو سر پر چوٹ بھی نظر آ رہی ہے۔"

"تھا یا تھی۔۔۔ یہ مجھے نہیں معلوم۔" میں نے عدنان کے بارے میں سوچتے ہوئے کہا۔ "بیتا کے زخم پر پٹی اس نے خود ہی باندھی تھی۔"

"ہوش آیا تو تم زنداں میں تھے؟"

"ہاں۔۔۔ لیکن یہ کیا ہو رہا ہے؟" میں نے اپنا تجسس بغلوں میں ڈھال دیا۔

"واپسی پر تم دونوں غائب تھے خوابگاہ میں کوئی سراغ نہ ملا تو عبدالباقر نے ملازموں سے باز پرس کی اور جب ہر طرف سے لاعلمی کا اظہار ہوا تو وہ بپھر گیا۔ پہلے ملازموں سے تھپڑوں کے ساتھ باز پرس کی گئی۔ اسی دوران میں پتہ چلا کہ زینی نامی ایک خادمہ غائب تھی پھاٹک والے محافظوں سے پتہ چلا کہ وہ دوپہر ساڑھے بارہ بجے تنہا کسی کام سے باہر گئی تھی۔" وہ جیسے مجھے یہ بتا رہا تھا۔ "عبدالباقر نے اسے نظر انداز کر دیا پھر قدموں پر چابک گھومنے لگا۔ گیارہ بجے رات تک کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا تو عبدالباقر بے بس ہو گیا۔۔ تھوڑی دیر پہلے وہ ہم دونوں اپنے خیمے میں بیٹھا اسی مسئلے پر غور کر رہا تھا کہ ایک بکتر بند کار نے پھاٹک سے اندر گھسنے کی کوشش کی اور گولیاں چلنے لگیں۔"

"تو کیا وہ اندر گھس آئے؟"

"ایک محافظ کو کچل کر وہ اندر آ گئے مگر یہاں پوری حویلی بیدار تھی۔ ادھر متعدد رائفلیں ہیں اور پھاٹک پر دو مسلح محافظ۔۔۔ ان کی زندگی کی بھی واستہ ہو چکی ہے۔ چار مرچکے ہیں شاید باقی رہ گئے ہیں۔"

"اور زینی؟" وہ نام بار بار میرے ذہن میں بجلی کی طرح کوند رہا تھا۔

"عبدالباقر کے کئی آدمیوں نے قسمیں کھائی ہیں کہ انہوں نے زینی کو حملہ آوروں کی کار میں سے اتر کر جھاڑیوں میں مورچہ سنبھالتے دیکھا تھا۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر بے یقینی کے لہجے میں کہا۔

"بڑی خطرناک عورت ہے۔"

"عبدالباقر کو ابھی تک یقین نہیں آیا۔" اس نے سرگوشیانہ لہجے

"سعدیہ ۔۔۔ زینی بڑی خوبصورت اور سیدھی لڑکی ہے" عبدالباقر نے بیہودگی ہونے کے باوجود محض دل بہلانے کے لیے اُسے کلائی پکڑ کر رکھ لیا تھا۔"

پھر شور بلند ہوا اور اس بار احاطے میں پتھروں کے بعد سناٹا چھا گیا۔ تالی گنوں کے بند ہوتے ہی دھڑکنیں بھی خاموش ہو گئیں اور جنگل اداسی ہوئی بارودی فضا پر چھایا ہوا وہ سناٹا غیر فطری محسوس ہونے لگا۔

"تم زنداں سے نکلے کیسے؟" اچانک یوسف کو خیال آگیا۔

"جب تک بند ہوئے تھے دروازے کو دیکھ کر یہی سمجھتے ہیں کہ باہر سے مقفل ہو گا۔" میں نے اس طرح کہا جیسے اپنی حماقت کا اعتراف کر رہا ہوں۔ "فائرنگ کا شور سنتے کے بعد شعوری طور پر دوبارہ آزمائی کا ارادہ ہو گیا تو وہ با آسانی کھل گیا اور ہم بلا توقف باہر نکل آئے۔"

"حیرت ہے کہ تمہیں اغوا کرنے والے کو تم دونوں کو تہہ خانے میں منتقل کرنے کی غلطی تو یاد تھی لیکن دروازہ مقفل کرنے کی فرصت نہیں ملی۔"

"ہو سکتا ہے کہ حملہ آور کا مقصد محض کچھ دیر کے لیے ہمیں اپنی جگہ سے ہٹانا ہی رہا ہو۔" سیما نے کہا۔

"مگر کیوں؟" یوسف نے سوال کیا۔

جواب کی نوبت آنے سے پہلے عبدالباقر واپس آگیا۔ اس نے چلتے اپنے آدمیوں کو لاشیں ابھی جوں کی توں چھوڑ دینے کی ہدایت کی تھی۔

"زینی کے لیے۔۔۔؟"

عبدالباقر نے یوسف کی بات کاٹ دی تھی۔ "ہاں ایک آدمی لاش گننے گیا ہے وہی زینی کی خبر بھی لے آئے گا۔"

پھر ہم سب نیچے آگئے۔ عبدالباقر کے بیشتر مسلح ملازمین بدنی طور پر ایسے تھے سادہ فن کے زخم واضح طور پر مقابلے کا نتیجہ نہیں تھے بلکہ وہ سب عبدالباقر کے تشدد کے شاہکار تھے۔ میرے لیے ان ملازموں کی وفاداری قابل رشک تھی جو اپنے مالک سے بری طرح پٹنے کے بعد وقت پڑتے ہی اسلحہ سنبھال کر اس کے دشمنوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔

دیوان خانے میں پہنچ کر یوسف نے عبدالباقر پر پھر کمان کی جانب چاہی لیکن میں نے اسے روک دیا۔

"بات الجھ جائے گی اور ہم کسی صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکیں گے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟" میری بات یوسف کی فہم سے بالاتر تھی۔

"ابھی واضح ہوا جاتا ہے۔" اسے جواب دے کر میں عبدالباقر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "عدنان کیسا آدمی ہے؟"

"عدنان؟" عبدالباقر کے چہرے پر حیرت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

"تم اسے کیا جانو؟"

"زبان بند رکھو۔" اچانک سیما دخل دے بیٹھی۔ "تم نے جو فیصلہ کیا تھا شاید وہ مناسب ہی تھا اب اسی پر قائم رہو۔"

"یہ کیا پہیلیاں بجھا رہے ہو تم لوگ؟" عبدالباقر بہت زیادہ کا شکار ہو گیا تھا اور یوسف تو شاید کچھ بھی سمجھ ہی نہیں پایا تھا۔

"میرے سوال کا جواب برادر۔" میں نے عبدالغفور کو نرمی سے یاد دلایا۔

"اس کا باپ اور دادا بھی میرے بزرگوں کے تنخواہ دار تھے۔ وہ اتنا مخلص ہے کہ میں آنکھ بند کر کے اعتماد کرتا ہوں۔"

"اس کے باوجود آج تم نے اس کی عزت کی ہے؟"

"اوہ ۔۔۔ تو کیا وہ ولد الحرام ۔۔۔" عبدالباقر غضبناک ہو کر غصے سے چیخ پڑا۔

"نتائج پر پہنچنا جہالت ہے۔" یہ سن کر اس نے اسے سمجھایا۔ "پہلے پوری بات تو کھلنے دو پھر تو کوئی صحیح فیصلہ کرنے کے قابل ہو سکو گے۔"

"جلدی بتاؤ۔ تم کیا بتانا چاہ رہے ہو؟" عبدالباقر بے قابو ہو جا رہا تھا۔

"پہلے وعدہ کرو کہ عدنان کا بال بھی بیکا نہ ہو گا؟"

"مگر کیوں؟" وہ غصے میں پیر پٹخ کر کھڑا ہو گیا۔ "اگر اس نے کسی حرامزدگی کا ارتکاب کیا ہے تو میں اس کی ہڈیاں سرمہ کر دوں گا۔"

"اسے زینی نے بہکایا تھا۔" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اصل قصہ تو زینی سے معلوم ہو سکے گا۔ میں اسے معافی دینے کا وعدہ کر چکا ہوں۔ میرے الفاظ کا پاس رکھنا اب تمہارے ضمیر کا معاملہ ہے۔"

عبدالباقر نے دھاڑ کر کسی ملازم کو پکارا اور عدنان کی طلبی کا حکم دے کر زخم خوردہ شیر کی طرح قالین پر ٹہلنے لگا۔

"لیکن یہ بات تم نے مجھ سے کیوں چھپائی؟" یوسف نے شکایتی لہجے میں سوال کیا۔

"تہہ خانے سے رہائی کا معاملہ الجھتا تو میں اس کا نام اب بھی زبان پر نہ لاتا۔ اسی نے ہمیں وہاں سے نجات دلائی ہے۔" میں نے کہا۔

"تو کیا وہ تمہارے اغوا میں بھی ملوث تھا؟"

"اسے زینی نے کسی عمدہ طریقے سے بے وقوف بنایا ہو گا۔ ورنہ وہ میرے پیروں پر گر کر معافی نہ مانگتا۔ وہ یہ بتا گیا تھا کہ حملہ آوروں میں زینی بھی شامل ہے۔" یہ کہہ کر میں نے مختصر الفاظ میں اسے عدنان کا قصہ سنا دیا۔

"میں مان ہی نہیں سکتا کہ وہ زینی کے بہکاوے میں آگیا ہو گا۔" عبدالباقر کے چہرے پر جھلاہٹ اور شکست کی علامتیں نمایاں تھیں۔

"یہ تو وہی بتا سکے گا۔" سیما نے کہا۔

اسی وقت باہر سے طلب شدہ ملازم اندر آیا اور عبدالباقر کے قریب مودب سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا خبر ہے؟" عبدالباقر نے پرسکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہمارا ایک محافظ ان کی کار سے کچل کر مارا گیا، چھ آدمی زخمی ہوئے ہیں۔" وہ شکستہ انداز میں بتانے لگا۔ "ان کی پانچ لاشیں پڑی ہوئی ہیں، زینی شاید بے ہوش ہے کیونکہ اس کے جسم میں کچھ جنبش باقی ہے۔ اس کے پیٹ پر کاری زخم آیا ہے۔"

"حویلی بند کرا کے چاروں طرف آدمی پھیلا دو۔" عبدالباقر فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ "میری اجازت کے بغیر کوئی اندر نہیں ہوگا نہ باہر جا سکے گا۔ زینی کو اندر لا کر اس کو بہترین طبی امداد دو اور جب وہ ہوش میں آ جائے تو مجھے خبر دینا۔"

"اور لاشیں؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"جہاں پڑی ہیں پڑی رہنے دو۔ کوئی انہیں ہاتھ بھی نہ لگائے۔" اس نے غصیلے لہجے میں اپنے پرانے احکام دہرائے اور آنے والا تیزی سے لوٹ گیا۔

چند ثانیوں بعد عدنان رحم انگیز حالت میں وہاں لایا گیا۔ اس کا اوپری دھڑ بدستور برہنہ تھا، چہرہ دہشت سے تاریک ہو رہا تھا، پیشانی عرق آلود تھی اور اس کے مضبوط بدن پر تشنج ایسی کیفیت طاری تھی۔

زخموں میں تکلیف کے باعث اس کے لیے سیدھا کھڑا ہونا دشوار ہو رہا تھا اور اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں عبدالباقر کے قدموں پر جمی ہوئی تھیں۔

"تو سچ بولے گا عدنان!" عبدالباقر نے قہر آلود لہجے میں کہا۔ "ورنہ میں اپنے سانپوں کی دی ہوئی امان سے بری ہو جاؤں گا۔"

وہ کچھ نہ بول سکا۔ تشنج کی کیفیت میں بھی اضافہ ہو گیا۔

"ابو لقمان جیسے اس خاندان کے نمک خوار کا پوتا میرے مہمانوں پر ظلم میں کیوں شریک ہوا؟ میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"بتا دوں مالک؟" وہ رو دینے والی آواز میں گڑگڑایا۔ "تم نے سچ بولنے کا حکم دیا ہے اس روسیاہ کو۔"

"بول۔" عبدالباقر دہاڑا اور عدنان خوف سے لرز کر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

بدقت تمام وہ دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا ہوا اور ڈرتے ڈرتے بولا۔ "تخلیے میں پوچھ لیتے میرے مالک!" اس کی آواز میں بلا کا کرب اُمڈ آیا تھا۔

"نہیں!" عبدالباقر متکبرانہ غرایا۔ "یہیں بتاؤ ان سب کے سامنے جن کی نگاہوں میں تو نے مجھے رسوا کیا ہے۔"

"عدنان کی رگوں میں وفا کا لہو دوڑ رہا ہے مالک!" وہ سر جھکا کر روتے ہوئے بولا۔ "میں نے اپنی مرضی سے کچھ نہیں کیا۔ اپنے مالکوں میں سے کسی کا حکم مانا ہے۔"

عبدالباقر کسی خون آشام درندے کی طرح جھپٹا اور عدنان کا نرخرہ دبوچ کر اسے دھکیلتا ہوا پچھلی دیوار تک لے گیا۔

"نام بتا۔ مجھے نام بتاؤ کا۔" عبدالباقر کا چہرہ بھیانک ہو گیا اور اس کے دہانے سے کف اُڑنے لگا۔

میں نے جھپٹ کر بدقت تمام عدنان کے حلقوم کو عبدالباقر کی آہنی انگلیوں کے شکنجے سے نجات دلائی اور وہ آہنی دیوار سے ٹیک کر ہانپنے لگا۔

"بول۔" میرے ساتھ لوٹتے لوٹتے عبدالباقر پھر بھڑک اٹھا۔

"چھوٹی مالکن میرے مالک!" وہ اپنا گلا سہلاتے ہوئے پھنسی پھنسی آواز میں بولا اور اس بار اس نے حلق میں خراش آ جانے کے باوجود توقف کا خطرہ مول نہیں لیا۔ "انہیں زینی نے بہکایا تھا۔ تمہارا مہمان اپنے ساتھ جو عورت لایا ہے وہ تمہارے حرم کے لیے ہے اور اسے مالکنوں میں شامل کرنے کے لیے تم چھوٹی مالکن کو چھوڑ دو گے تاکہ تم پر چار سے زیادہ کا الزام نہ آئے۔ مالکن پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی پھر زینی نے کہا کہ مالکن اگر اسے ایک اعتبار کا آدمی دے دیں تو کانوں کان کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ مہمان اور اس کی لائی ہوئی عورت کہاں گئی۔ میری بدنصیبی ہے مالک کہ مالکن نے میرا انتخاب کیا۔ ان کا حکم تھا کہ میں زینی کا ساتھ دوں اور موت تمہارے سامنے عمر بھر کی رسوائی میرا مقدر بن گئی۔"

"چھوٹی مالکن۔" عبدالباقر نے ہونٹ بھینچ کر طیش کے عالم میں دہرایا۔ اس کی حلقوں سے اُبلی ہوئی آنکھیں خلا میں کسی نکتے پر مرکوز تھیں۔

پھر اس کا بھاری جسم ایک جھٹکے سے حرکت میں آیا اور وہ دروازے سے گزر کر زنان خانے کی طرف جانے والی راہداری میں غائب ہو گیا۔

کسی نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔

"اسے روکو یوسف!" میں نے بازو پکڑ کر اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ "وہ اس وقت طیش میں ہے اور اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا ہے۔"

"اس وقت اس کا دماغ پھر گیا ہے۔ وہ راہ میں حائل ہونے والوں کو پیس کر رکھ دے گا۔" یوسف کی آنکھوں میں اپنی مجبوری عیاں تھی۔

حکم کا غلام عدنان دروازے کے قریب بیٹھا دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے کسی بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ اس کی پشت پر زخموں سے رسنے والے خون کے داغ سفید دیوار پر اس المناک تسلط کی کہانی رقم کر رہے تھے جس کے لیے وہ کڑیل جوان پشتینی غلام بن کر رہ گیا تھا۔

چند منٹ بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ عمارت کے درو دیوار کسی

عورت کی دردناک چیخوں سے گونجنے لگے۔

سیتا پہلو بدلنے لگی جیسے بدن میں کروڑوں چیونٹیاں رینگنے لگیں کیونکہ عبدالباقر کی لڑکھڑاتی آواز میں گونجنے والی لعنتیں ان چیخوں پر حاوی تھیں۔

چیخیں اور گالیاں لحظہ بہ لحظہ قریب آنے لگیں اور پھر قہر و غضب سے کانپتے ہوئے عبدالباقر نے ایک دوشیزہ کو بالوں سے پکڑ کر کمرے کے وسط میں پھینک دیا۔

عبدالباقر کے وحشیانہ طمانچوں نے اس عورت کے نازک رخساروں کی جلد کو جگہ جگہ سے پھاڑ دیا تھا اور وہ کسی عقاب کے پنجے میں دبی ہوئی چڑیا کی طرح کانپ رہی تھی۔

"اس پر تھوکو۔ اسے ٹھوکریں مارو۔" عبدالباقر اس وقت واقعی پاگل نظر آ رہا تھا۔ "یہ چھوٹی مالکن ہے۔ میری چوتھی بیوی جو ایک جراف کے بہکاوے میں آ کر میرے دو مہمانوں کے خون کی پیاسی ہو گئی تھی۔"

سیتا نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور عبدالباقر کے مقابل جا کھڑی ہوئی جیسے کہ پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

"بکواس ختم کرو۔" سیتا کا لہجہ سرد اور سپاٹ تھا۔

"تت۔۔۔ تم!" سیتا کی وہ دخل اندازی اس قدر غیر متوقع تھی کہ عبدالباقر کے غصے پر حیرت غالب آ گئی۔

"ہاں۔۔۔ میں۔" سیتا کا لہجہ گمبھیر تھا۔ "تم اپنے پالتو ناگ سے ڈسے گئے ہو میرے محترم دوست! یہ دونوں بے قصور ہیں۔"

"تم راستے سے ہٹ جاؤ۔" عبدالباقر نے اپنے بھڑک اٹھنے والے غصے پر بمشکل تمام قابو پایا۔ "یہ میری بیوی ہے۔ میں اس کا خون پی جاؤں گا۔ اس کی یہ مجال!"

"ایسی ہی نفرت ہو گئی ہے تو چھوڑ دو اسے۔" سیتا کی معلومات کے ہر شعبے میں حیرت ناک حد تک اضافہ ہو رہا تھا۔

وہ تحقیر آمیز انداز میں ہنسا۔ "چھوڑا تو یہ آزاد ہو جائے گی۔ میں اس پر اپنا حق برقرار رکھوں گا اور اسے سسکا سسکا کر زندگی کی قیمت بتاؤں گا۔ اس نے دو زندگیوں کا فیصلہ کیسے کر لیا؟"

ایک بڑا معاملہ اچانک ہی ذاتی قسم کے گھریلو جھگڑے میں بدل گیا تھا۔

"زینی کو کس نے ملازم رکھا تھا؟" سیتا نے قدرے توقف کے بعد سوال کیا اور جواب کا انتظار کیے بغیر بولی۔ "تم نے۔۔۔ اور اسی نے تمہاری بیوی کو بہکایا۔ اگر تم اسے قصوروار سمجھتے ہو تو تم بھی برابر کے سزاوار ہو۔ ایک مشکوک عورت کو تمہارے حرم تک رسائی کیوں حاصل ہوئی؟ اس کے ذمے دار تم ہو۔"

اس بار عبدالباقر کچھ نہ بولا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سیتا کا چہرہ تکتا رہا جس نے کوئی راہ نہ پا کر اس پر بھی فرد جرم عائد کر دی تھی۔

بوجھل لمحات طویل سے طویل تر ہوتے گئے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ایک دوسرے کی آنکھوں میں گھورتے جا رہے تھے اور پھر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب عبدالباقر نے سر جھکا لیا اور دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھام کر ایک گاؤ تکیے کے سہارے قالین پر بیٹھ گیا۔

"جاؤ، بدلقا!" اس نے سر اٹھائے بغیر کمزور اور شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ قالین کے وسط میں پڑی اپنے وجود میں سمٹی ہوئی سسکتی ہوئی چھوٹی مالکن کسی خوفزدہ ہرنی کی طرح قلانچیں بھرتی دوڑتی ہوئی راہداری میں غائب ہو گئی۔ یوسف نے مجھے اشارہ کیا اور ہم دونوں عبدالباقر کے پاس جا بیٹھے۔

"کوئی گستاخی ہوئی ہو تو مجھے معاف کر دینا میرے محسن!" سیتا نے نرمی سے عبدالباقر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"تم عظیم ہو۔۔۔ واقعی عظیم ہو۔ تم نے میری آنکھیں کھول دیں۔" اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور سر بدستور دونوں ہاتھوں میں چھپا ہوا تھا۔ پھر اس نے عدنان کو پکارا جسے سب ہی فراموش کر چکے تھے۔

"جی مالک!" وہ اپنی ذات کے سارے دکھ بھول کر عبدالباقر کے سامنے جھک گیا تھا۔

"تو بھی عظیم ہے میرے لال!" اس نے بوجھل آواز میں کہا۔ "جا شراب لے آ۔ تھوڑی سی پی لی تو میں بکھر کر رہ جاؤں گا۔"

وہ چلا گیا۔ مالک کے وہ پیار بھرے بول سن کر وہ اپنی ساری تکلیف بھول گیا تھا۔ اسے خوشی تھی کہ مالک نے اسے کوئی کام بتایا تھا۔

عبدالباقر نے سر اٹھایا تو اس کی آنکھیں خشک انگاروں کی طرح لال ہو رہی تھیں۔ "آج مجھے اپنی زندگی کا سب سے بڑا سبق ملا ہے۔" وہ بھاری آواز میں کہہ رہا تھا۔ "نفس کو اگر کھلا چھوڑ دیا جائے تو یہ سر پر چڑھ کر ناچتا ہے۔ میں نے زینی کے حسن اور آوارہ مزاجی سے متاثر ہو کر اسے نوکر رکھا تھا اور آج اس نے میری بیوی کو میرے ہاتھوں رسوا کر دیا۔ بیوی تو ہر ایک کے لیے عزت نفس ہوتی ہے۔۔۔ زینی! میں تجھے معاف نہیں کروں گا۔"

تینوں میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔

اوپری دھڑ سے برہنہ اور اپنے خون میں ڈوبا ہوا عدنان ہاتھ دھو کر شراب کی صراحی لایا تو میں اپنے وجود کی گہرائیوں سے لرز اٹھا۔ اس کی ذات اس وقت اپنے دور کی زندگی کے بدترین تضاد کا بہترین شاہکار تھی۔

"تو جا۔ اب آرام کر۔" عبدالباقر نے کہا۔

"جو حکم مالک!" وہ سر جھکا کر چلا گیا۔

آتشیں صفت سیال کے جام بھرے گئے جو تین تھے۔۔۔ سیتا

الگ بیٹھی رہی۔ عبدالباقر نے اس سے معذرت کی اور پورا پیمانہ پانی کی طرح اپنے حلق میں انڈیل لیا۔

"یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ زینی کا مقصد کیا تھا۔" اپنے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"میرے ذہن میں کچھ خاکہ مرتب ہو رہا ہے۔" میں نے پہلے جام سے آخری گھونٹ پیتے ہوئے کہا کیونکہ وہ دونوں میرا پیمانہ خالی ہونے کے منتظر تھے۔

"وہ کیا؟" یوسف نے بیتابی سے لقمہ دیا۔

"زینی یہودی تھی۔" میں نے پرخیال لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "اور یقینی طور پر اس کا تعلق صنعا میں کام کرنے والے زیر زمین اسرائیلی ہرکاروں سے ہے۔ اسے صنعا میں اپنی خفیہ سرگرمیاں جاری رکھنے کے لیے کسی ظاہری آڑ کی ضرورت تھی لہٰذا اس نے عبدالباقر کے یہاں ملازمت اختیار کر لی۔"

"تمہارا قیاس درست ہے۔" عبدالباقر نے ٹوڈی سے بھرے گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "وہ کثرت سے باہر جاتی رہتی تھی لیکن میں نے اس کی طویل غیر حاضریوں کو کبھی اہمیت نہیں دی۔"

"آج تم غیر معمولی طور پر حویلی سے باہر گئے ہو گے تو اسے یقینی طور پر تجسس ہوا ہو گا جو ہمیں یہاں تین نفوس کو ساتھ دیکھ کر اور بڑھ گیا ہو گا۔" میں نے اپنی بات جاری رکھی۔ "یہ محض اتفاق تھا اور اس نے ہماری باتوں کی سن گن لیتے ہوئے یہ راز معلوم کر لیا کہ مسٹر اور مسز سیتا میمت اس چھت کے نیچے مقیم ہیں۔ ایک عام اسرائیلی سیکرٹ ایجنٹ کے طور پر وہ جانتی ہے کہ ہم دونوں ایک عرصے سے اسرائیل کے مفرور قومی مجرم ہیں بلکہ میرے پیچھے تو ایک زمانے میں خطیر انعام کا بھی اعلان کیا گیا تھا۔ یہ معلوم ہوتے ہی زینی کا سارا ذہن ہمیں تباہ کرنے میں مصروف ہو گیا ہو گا جسے احمد اور یوسف کے ساتھ ہماری شادی کی خبر نے تقویت دی کیونکہ زینی اور اس کے شکاروں کے درمیان کوئی بڑی رکاوٹ نہیں رہ گئی تھی۔ شاید اس نے گفتگو سے بھی اندازہ لگا لیا کہ ہم ... لیے چھوٹی مالکن سب سے سہل چارہ نظر آتی اس لیے طلاق کا ذہنی خطرہ سمجھا کر زینی نے حویلی میں ان ہی کارروائی کرنے کی مکمل اجازت حاصل کر لی۔۔۔"

"یہاں بھی۔۔۔ زینی نے بڑی چالاکی کا ثبوت دیا۔" عبدالباقر دل شکستہ لہجے میں بولا۔ "ابھی تک میری کوئی اولاد نہیں ہے لہٰذا نئی شادی کی صورت میں طلاق کا سب سے زیادہ خطرہ اسی کو درپیش تھا۔ زینی شاید ہی مقامی رواج سے واقف ہو۔"

"منصوبہ کیا تھا اس کا؟" یوسف نے بے تابی سے سوال کیا۔

"اپنی دانست میں مجھے اور سیتا کو قید کر کے وہ مطمئن ہو گئی۔ غالباً یقین تھا کہ عبدالباقر کا تشدد بھی ہم دونوں کا سراغ نہ لگا سکے گا۔ زینی یہاں سے رخصت ہو کر اپنے ساتھیوں اور وسائل کو یکجا کر کے رات گئے یہاں حملہ آور ہو گئی۔ میرا خیال ہے کہ اغوا کے سلسلے میں اس سے اندازے کی کوئی غلطی ہوئی یا کوئی خلاف توقع بات ہو گئی جس کے نتیجے میں گولیاں چل پڑیں ورنہ وہ سکون سے اندر گھستی اور اپنے ساتھیوں کی مدد سے ہم دونوں کو تہہ خانے سے نکال لے جاتی۔ جھوٹی موٹی مزاحمت کے لیے اس کے ساتھی ضرورت سے زیادہ مسلح تھے لیکن ان کی بدقسمتی کہ تمہاری حویلی میں گھسنے کے بعد وہ دونوں طرف سے گولیوں کی باڑھ پر رکھ لیے گئے۔"

"تمہارا اندازہ سو فیصد درست ہے۔" عبدالباقر تیسرا پیگ تیار کرتے ہوئے بولا۔ "میرا خیال ہے اگر زینی بچ بھی گئی تو اس سے آگے کچھ نہ بتا سکے گی۔"

"یہ نہ کہو۔ وہ بہت کچھ بتا سکتی ہے۔" اس کی گفتگو بڑی اشتعال انگیز تھی لہٰذا میں دوبارہ اس سے بے تکلفی سے بات کر رہا تھا۔

"ابھی مدفن کے مقام کے علاوہ بھلا کیا بتا سکے گی؟" وہ تمسخرانہ بولا۔

"اس سے ان تمام لوگوں کے نام پتے اگلوائے جا سکتے ہیں جو صنعا میں اسرائیلی مفادات کے لیے کام کر رہے ہیں۔" میں نے کہا۔

"یہ نکتہ میرے ذہن میں بھی تھا۔" یوسف نے تائید کی۔

"اسے اپنے زخم کا تو کبھی کوئی خیال ہی نہیں رہا۔" عبدالباقر اچانک سیتا کی طرف دیکھتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں بولا۔

"معمولی چوٹ ہے خود ٹھیک ہو جائے گی۔" سیتا مسکرا کر بولی۔ اس نے اپنے زخم پہ بندھا ہوا رومال نہ جانے کس وقت کھول دیا تھا۔

"آؤ آؤ۔" عبدالباقر بولا۔ "ابھی ڈسپنسری چلتے ہیں، دیکھیں زینی کس حال میں ہے۔ اب تک تو اسے ہوش آ جانا چاہیے۔"

"اور یہ لاشیں یونہی پڑی سڑتی رہیں گی؟" یوسف نے یاد دلایا۔

"ایک مرتبہ ہم لوگ خود ان کا جائزہ لے لیں پھر پولیس کو اطلاع کر دیں گے۔"

"پولیس کو؟" یوسف نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں۔ یہاں اتنی گولیاں چلی ہیں اگر گرد و نواح والوں نے آوازیں ضرور سنی ہوں گی مجھے تو حیرت ہے کہ اب تک پولیس کیوں نہیں پہنچی۔" میں نے عبدالباقر کی تائید کی۔

"اتنی رات گئے یہ سڑک سونا ویران پڑی رہتی ہے۔" اس نے مجھے بتایا۔ "لیکن پولیس کو مطلع کرنا پھر بھی مناسب ہو گا۔ زینی کو ہم غائب کر دیں گے۔"

"تو مجھے اور سیتا کو بھی یہ جگہ چھوڑ دینی چاہیے۔"

"کیوں؟"

"پولیس تفتیش شروع کرے گی تو ہم کو بھی سامنے آنا پڑے گا۔"

"ہرگز نہیں۔" عبدالباقر پُروثوق لہجے میں بولا۔ "تمہارا تو نام بھی نہ آنے پائے گا۔ پولیس کو یہی بتایا جائے گا کہ ڈاکہ نامعلوم افراد نے ڈالنا چاہا۔ محافظ کو پکڑ کر اندر گھسنا چاہا تو انہیں للکارا گیا اور وہ مقابلے پر تل گئے اور آخر کار مارے گئے۔"

"تو پھر انتظام کرو۔"

"پہلے طبی امداد۔" وہ ہاتھ اٹھا کر بولا اور ہم چاروں ایک طرف چل دیے۔

عبدالباقر کی حویلی میں طبی امداد کا معقول انتظام تھا۔ وہ اس وسیع عمارت ہی کا ایک کشادہ کمرہ تھا جس میں سفید بستر اور دیگر لوازمات دیکھ کر ہسپتال کے کسی وارڈ کا گمان ہوتا تھا۔ وہاں زینی ایک بستر پر بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی اور اس کے بائیں بازو میں ڈرپ لگی ہوئی تھی۔

عبدالباقر کے اشارے پر وہ دونوں سیتا کو ایک کرسی پہ بٹھا کر اس کے زخم کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے۔ میں بھی اسی کے ساتھ لگا رہا۔ وہ دونوں زینی کا جائزہ لینے لگے۔ بظاہر اس کا حال اتنا زیادہ خراب نہیں تھا کہ کچھ نظر نہ آتا۔

زینی بھی تن و توش کی ایک صحت مند اور حسین عورت تھی جس پر اگر عبدالباقر کا دل آ گیا تھا تو اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ اس کا پورا پیٹ موٹی پٹیوں میں بندھا ہوا تھا مگر اس کے باوجود تھوڑا بہت خون ان پٹیوں سے رس رہا تھا۔

سیتا کی مرہم پٹی سے فارغ ہو کر ہم لوگ لوٹ آئے۔ عبدالباقر اپنے ملازمین کو ضروری ہدایات جاری کرنے کے بعد کوتوالی فون کرنے لگا۔

"اب تم تینوں ہی خود کو کسی ایک خوابگاہ میں مقفل کر لو۔" اس نے کہا۔ "میدان صاف ہونے پر میں دروازے پر تین بار مسلسل دستک دوں گا۔"

"سگار دو گے نہیں؟" میں نے مسکرا کر سوال کیا۔

"اوہ لو یہ لو۔" وہ اپنے سر پہ دو ہتھڑ رسید کر کے بولا۔ "میری بھی عقل چھن گئی ہے بھلا دستک کی کیا ضرورت ہو گی۔"

ہم تینوں نے اپنے لیے دوسرے بستر والی ہی خوابگاہ کا انتخاب کیا جہاں سے ہم دونوں کو اغوا کیا گیا تھا۔ عبدالباقر نے عارضی طور پر زبردستی اس کمرے میں مسہری بھی ڈلوا دی تاکہ ہم میں سے ہر ایک کو بستر میسر آئے۔

"خون کے دھبوں والی چادر اسی کمرے میں ہونی چاہیے۔" کمرے کا دروازہ بند کرنے کے بعد سیتا متجسس لہجے میں بولی اور تھوڑی سی کوشش کے بعد اس نے ایک الماری کے نچلے خانے میں ٹھونسی ہوئی وہ چادر برآمد بھی کر لی۔

صنعا کی پولیس میں شاید شان و شوکت کا جذبہ نمایاں تھا کیونکہ سائرن کی آواز سے ہمیں بھی ان کی آمد کا علم ہو گیا۔

"مجھے عبدالباقر کے اعتماد پر حیرت ہے۔" میں نے سگریٹ سلگا کر کہا۔ "اتنی خونریزی کے باوجود اسے پولیس کی باز پرس کا کوئی خوف نہیں ہے۔"

"وہ اس علاقے کا ایک معتبر اور معزز آدمی ہے۔ اس کی بات کو جھوٹا چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔"

"پولیس کو اطلاع دینے سے قبل ہم لوگ لاشوں کا جائزہ لینا بھول گئے۔" میں نے کہا۔

"عبدالباقر نے دانستہ ارادہ ترک کر دیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ہمیں اپنے ذہن پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے۔ پولیس خود ہی ان کا شجرہ دریافت کر لے گی۔"

"بہتر ہو گا کہ روشنیاں گل کر کے ہم لوگ خاموشی سے بستروں پر دراز ہو جائیں۔" سیتا نے آہستہ سے کہا۔ "ایسا نہ ہو کہ ہماری یہ خود اعتمادی کوئی دشواری پیدا کر دے۔ یہ کمرہ اس وقت ویران ہی محسوس ہونا چاہیے۔"

اس کا مشورہ معقول تھا لہٰذا روشنیاں گل کر کے ہم تینوں اپنے بستروں پر آ گئے۔

بمشکل نصف گھنٹے بعد تھوڑے تھوڑے وقفے سے سائرن بجاتی ہوئی دو گاڑیاں وہاں سے روانہ ہوئیں جس کا مطلب یہ تھا کہ عبدالباقر کی حویلی پر پولیس کی گاڑیوں کا پورا کارواں آیا تھا مگر آتے ہوئے شاید جلوس کی صورت اگلی کار کا سائرن استعمال کیا گیا تھا۔ ان دو گاڑیوں کے جانے کے بعد ہمیں انتظار کرتے کرتے صبح ہو گئی۔ آخر کار ساڑھے پانچ بجے کے قریب خوابگاہ کے دروازے پر عبدالباقر کی تھکی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ یوسف کو پکار رہا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی وہ اندر آیا اور میری مسہری کے پاس پڑی ہوئی آرام کرسی میں دھنس گیا۔

"اب تک صنعا کے سارے قیاسات درست ثابت ہوتے آئے ہیں۔" اس نے مجھے لہجے میں کہا۔ "مرنے والوں میں سے ایک کو پولیس انسپکٹر نے شناخت کر لیا۔ وہ چند ماہ پہلے ایک غیر ملکی سفارت خانے کے ذریعے اسرائیل کو اہم معلومات بھیجنے کے شبہ میں پکڑا گیا تھا مگر ثبوت نہ ملنے کی بنا پر رہا ہو گیا تھا۔"

"اور کار کس کی ملکیت ہے؟" یوسف نے سوال کیا۔

"اس پر نمبر وغیرہ نہیں ہے۔ اب کوئی اور بات کرو۔ میں تو پولیس والوں کے سوالات دیتے دیتے اکتا گیا ہوں۔"

"اب کیا ارادہ ہے؟" میں نے یوسف سے سوال کیا کیونکہ اس کی آنکھوں سے تکان مترشح ہو رہی تھی۔

اس کے جواب دینے سے پہلے ہی ایک شخص نے دروازے پر دستک دے کر اندر آنے کی اجازت طلب کی اور عبدالباقر کی اجازت پا کر اندر آ گیا۔

"زینی ہوش میں آ گئی ہے۔" اس نے کہا اور ہم چاروں نے بیک وقت جگہ چھوڑ دی۔





"اس سے محتاط رہ کر گفتگو کرنی ہوگی!" میں نے یوسف عبدالباقر اور سیتا کے ہمراہ زینی کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"محتاط!" عبدالباقر تلخ لہجے میں بھنایا۔ "اس سے تو دو ٹوک بات کروں گا۔ زبان نہ کھولی تو اس کی ہڈیاں سرمہ کر دی جائیں گی۔"

"اگر وہ واقعی اسرائیلی سیکرٹ سروس کی رکن ہے تو محض تشدد کے جانے سے ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہ ہوگی۔" میں نے کہا۔

"تو تمہارا کیا تجزیہ ہے؟" یوسف نے سوال کیا۔

"اسے حالات سے بے خبر رکھنا ہوگا۔ اگر اسے معلوم ہو گیا کہ اس کے تمام ساتھی مقابلے میں مارے گئے ہیں اور ہم ان سے کچھ معلوم نہ کر سکے تو رازداری کی خاطر وہ ہمارے کسی حربے کو خاطر میں نہیں لائے گی۔"

"پھر تم ہی اس سے بات کرو گے؟" عبدالباقر نے کہا۔ "میں تو اس کی صورت دیکھتے ہی اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکوں گا۔"

"یہی بہتر ہوگا۔" یوسف نے اس کی تائید کی۔

ہم لوگ اس وسیع کمرے میں پہنچے جہاں سفید بستر کے ساتھ طبی امداد کے دیگر لوازمات بھی موجود تھے تو زینی نے مسکراہٹ کے ساتھ ہمارا استقبال کیا۔

اس کے پیٹ پر بندھی ہوئی پٹیوں پر خون کے دھبے... کافی پھیل چکے تھے اور وہ اس وقت مسہری کا سرہانا اونچا کیے بستر پر نیم دراز تھی۔

"تو تمہیں آزادی مل ہی گئی؟" اس نے طنزیہ لہجے میں سب سے پہلے مجھے ہی مخاطب کیا تھا۔ اس کی آواز سے ہلکی سی نقاہت کے سوا کسی بات کا اظہار نہیں ہوا تھا جس سے گزرے ہوئے واقعات پر اس کی ندامت کا اظہار ہوتا۔

"تمہاری دانست میں کیا ہونا چاہیے تھا؟" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر لاپروایانہ لہجے میں سوال کیا۔

اس وقت کمرے میں موجود وکیل زبیری عبدالباقر کا اشارہ پا کر ایک دروازے کے عقب میں روپوش ہو چکا تھا۔

"مجھے خوشی ہوتی، اگر تم دونوں اسی تہ خانے میں بھوک اور پیاس سے سسک سسک کر مر جاتے۔" اس نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔ "اور پھر وہاں سے چھوٹنے والا تعفن ہی عبدالباقر کے ملازموں کو ادھر متوجہ کرتا۔"

سیتا نے بڑھ کر اس کے بھرے بھرے سرخ و سفید رخسار پر ایک بھرپور طمانچہ رسید کیا اور وہ کمرہ چٹاخ کی آواز سے گونج اٹھا۔

طمانچے کی شدت سے زینی کا چہرہ دوسری طرف گھوم گیا لیکن حیرت ناک طور پر اس کے منہ سے اُف کی آواز تک برآمد نہ ہوئی۔

اس نے دوبارہ میری طرف دیکھا تو اس کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا تھا اور تکلیف کی شدت سے آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے مگر اس کے باوجود اس کی نگاہوں میں تمسخر کا ایک اتھاہ سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"اب تمہارے تین ساتھی وہاں بند ہیں۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "ان میں سے ایک بہت بودا نکلا اور اس نے سب کچھ اگل دیا۔ اب شاید اس کے دونوں ساتھی اس کی بوٹیاں نوچ رہے ہوں گے۔"

"تم بکواس کر رہے ہو۔"

"تمہاری حالت قدرے بہتر ہونے کا انتظار ہے پھر تمہیں بھی انہی زیر زمین کمرے میں پہنچا دیا جائے گا۔ اور پھر عبدالباقر کے پالتو عقابوں کی ایک بھوکی ٹکڑی تم لوگوں پر چھوڑ دی جائے گی۔" میرا لہجہ سرد اور بے رحمانہ تھا۔

"نن... نہیں... ایسا نہیں ہو سکے گا۔" پہلی بار اس کی آنکھوں

میں ہراس سمٹ آیا۔

"ایسا ہی ہوگا خوبصورت ناگن!" عبدالباقر کی پاٹ دار آواز گونجی۔ "تو نے اپنے جس ملازم اور وفادار عبدالجبار کو زیر کیا تھا، اسے عقابوں کی خوراک بنا کر ہی مجھے چین آسکے گا۔ تو نے میرے حرم کی حرمت کو پامال کیا ہے۔"

"یہ سب کس کے اشارے پر ہوا؟" میں نے قدرے توقف کے بعد سوال کیا۔

"میرے ساتھی نے یہ نہیں بتایا؟" اس کے لہجے میں ہراس، طنز اور تشویش کے ملے جلے اثرات نمایاں تھے۔

"وہ اسرائیلی ایجنٹ ہے..." میرے الفاظ سنتے ہی اس کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ "تم نے ان لوگوں کو مرتا ہوا جان کر جمع کیا تھا کہ اسرائیل کے دو اہم مجرموں کو ایک عمارت سے نکالنا ہے مگر میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہیں یہ حکم کس نے دیا تھا؟"

"تم جیسے قابل نفرت مجرم کو ایسے کسی کے حکم کی ضرورت نہیں تھی ہر وہ شخص جو اسرائیلی ہے جانتا ہے کہ تمہاری گرفتاری میں مدد دینا اس کا قومی فریضہ ہے۔" وہ فوری طور پر اپنی حالت پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

"تو تمہیں اعتراف ہے کہ تم ذمہ دار اسرائیلی شہری ہو؟" عبدالباقر نے غصے سے دانت پیستے ہوئے سوال کیا۔

"یہ کوئی جرم تو نہیں۔" وہ عبدالباقر سے مخاطب ہو گئی۔ "مقبوضہ علاقوں کے بہت سے مسلمان عربوں نے بھی اسرائیلی شہریت اختیار کی ہوئی ہے۔"

"بحث کے بجائے صرف اپنی بات کرو۔" وہ عرب بہ ادب احترام بولی۔ "انہوں نے مجبوریوں کے تحت یہ ناپاک طوق اپنے گلے میں لٹکایا ہے۔"

"جب میری زندگی کے بارے میں تم ایک فیصلہ کر چکے ہو تو اب

"مجھ سے یہ باتیں کیوں کی جا رہی ہیں؟"

"شاید تمہاری زندگی کو کچھ طول مل جائے۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "عبدالباقر کو تمہارا بدن اب بھی پسند ہے!"

میں نے دیکھا کہ میرے الفاظ پر غصے سے عبدالباقر کا چہرہ تمتما اٹھا اور وہ زبان کھولے بغیر اپنی جگہ پر پہلو بدل کر رہ گیا۔

"کیا یہ تم کہنا چاہتے ہو آقا؟" اس نے پرسکون لہجے میں سوال کیا۔

"پہلے میرے سوالات کے جواب دو، بعد میں مجھ سے بات کرنا۔" عبدالباقر نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"میرے ساتھیوں میں سے کس نے تمہارے سامنے اعترافات کیے ہیں؟" اس نے چند ثانیوں کی الجھن آمیز خاموشی کے بعد سوال کیا۔

"نائیکل شمعون نے۔" میں نے بلا تامل اس شخص کا نام لے ڈالا جس کی لاش پولیس انسپکٹر نے ماضی کے ایک مشکوک ملزم کے طور پر شناخت کی تھی۔

"کیا اس سے ملنا چاہتی ہو؟"

"تمہیں صرف اسی سے نہیں بلکہ اپنے دیگر ساتھیوں سے بھی ملنے کا پورا موقع فراہم کیا جائے گا۔" میں نے خلوص نیت سے کہا۔ "اس سے پہلے تمہیں یہ بتانا ہوگا کہ صنعا میں تمہاری تنظیم کا سربراہ کون ہے اور اس کے کیا روابط ہیں۔"

"شاید تم کو یہ سوالات کرتے ہوئے خود بھی اندازہ ہوا ہوگا کہ ایک چھاپہ مار ایجنٹ محض اپنی زندگی کے لیے اپنے کسی ایجنٹ کی سلامتی کو داؤ پر نہیں لگاتا۔ شاید تم لوگ مجھے زندگی کی بھیک دے دو مگر یہ سب اگل کر میں اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں موت کو دعوت دوں گی۔ وہ پاتال میں بھی مجھے ڈھونڈ نکالیں گے۔"

"تمہیں پھر پورا تحفظ دیا جائے گا۔۔۔"

"تم ان سے واقف نہیں ہو۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔ "وہ دشمنوں سے زیادہ غداروں کو خطرہ سمجھتے ہیں۔ کسی بھی عقاب کی طرح تمہاری نگاہوں کے سامنے سے مجھے اچک لے جائیں گے اور تم کچھ بھی نہ کر سکو گے۔"

"اس مبالغہ آمیزی کی ضرورت نہیں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "تمہیں امان صرف اسی صورت میں مل سکتی ہے کہ تم ہمیں مطلوبہ معلومات فراہم کر دو تاکہ آئندہ تم ان سے رابطہ قائم کرنے کی ہمت ہی نہ کر سکو۔"

"تم ان سے بھی تعاون حاصل کرو گے؟"

"سامنے کی بات ہے۔ کوئی بھی اپنی سرزمین پر دشمنوں کا خفیہ وجود تک برداشت نہیں کر سکتا۔ ہم ان کی قوت ختم کر کے رہیں گے۔" یوسف نے بڑھ کر کہا۔

"تم زینی کو پولیس کے حوالے کیوں نہیں کر دیتے؟" اس نے لحظہ بھر کی خاموشی کے بعد سوال کیا۔ "وہ اس سے خود ہی سب کچھ اگلوا لیں گے۔"

"تم نے سبق نہیں پڑھا اتو کی بچی!" عبدالباقر کے صبر کا پیمانہ آخر کار چھلک ہی گیا۔ "ہم خوب جانتے ہیں کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔"

زینی کے لبوں پر مسکراہٹ ابھر آئی جس میں پہلی بار اعتماد نمایاں تھا۔ "تم بہت جلدی بھلا جانے والے ہو مالک! میں اتنی بھی بری نہیں ہوں۔"

"صنعا میں تمہارے سربراہ کا نام؟" میں نے اسے ٹہوکا دیا۔ "اور دوسرے کوائف۔ ہم تم پر زیادہ وقت برباد نہیں کر سکتے۔"

"میں صرف سربراہ کا نام ہی بتاؤں گی۔"

"چلو وہی بتا دو۔"

"مالک کو تخلیے میں بتاؤں گی۔" وہ بدستور مسکرا رہی تھی۔

"نہیں!" عبدالباقر پھر تیز ہو کر چیخا۔ "ہمیں سب کے سامنے بتاؤ۔"

"پھر تمہارے کان میں بتاؤں گی۔"

زینی کے ان الفاظ کے ساتھ ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ عبدالباقر کے خادم حمدان نے بھی پھوپھی ماکن کا نام ظاہر کرنے سے پیشتر درپردہ طور پر اپنے آقا سے تخلیے میں بات کرنے کی درخواست کی تھی جسے عبدالباقر نے ٹھکرا دیا تھا۔ زینی کے الفاظ سن کر مجھے شبہ ہونے لگا تھا کہ کہیں وہ خود بھی عبدالباقر کے اہل خانہ میں سے ہی کسی کے انتقام کی ایجنٹ نہ ہو اور اس کے ایسے انکشاف کا مطلب ہوتا کہ یمن میں اسرائیلی سیکرٹ سروس کی مقامی تنظیم عبدالباقر کی بے خبری میں اسی کے زیر سایہ پروان چڑھ رہی تھی۔

"کان میں نہیں، باآواز بلند بتاؤ۔" عبدالباقر جھلاتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"بس یہی تو میری ایک شرط ہے۔" وہ پراعتماد انداز میں مسکرائی۔ "اس سے آگے تم میرا کیا حشر کرو گے، وہ میں بخوبی جانتی ہوں اور یہ بھی یقین ہے کہ میری پوری کوشش کے باوجود میرے انجام میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہو سکے گی۔"

"سن لو ابو کفا!" یوسف نے عبدالباقر کو اس کی کنپٹی سے پچکارتے ہوئے نرم آواز میں مشورہ دیا۔

"تم لوگ نہ جانے مجھے کیوں مجبور کیے جاتے ہو۔" وہ تاؤ میں آکر بڑبڑاتے ہوئے زینی کے بستر کے قریب جا کر پھاڑ کھانے والے انداز میں غرایا۔ "اب بکو۔"

"میں زخمی ہوں مالک! اٹھ کر تم تک نہیں پہنچ سکتی۔ تمہیں ہی جھکنا ہوگا!" وہ کہنیوں کے سہارے اپنے جسم کا زاویہ قدرے تبدیل کرتے ہوئے بولی۔

عبدالباقر نے اپنا چہرہ گھما کر بایاں کان زینی کے ہونٹوں کے قریب کیا۔ زینی کے دونوں ہاتھ بلند ہوئے اور اس نے بڑی پھرتی سے عبدالباقر کا سر تھام کر پوری قوت سے اپنے دانت اس کے کان میں پیوست کر دیے۔

عبدالباقر کی بے ساختہ چیخوں نے ہم تینوں کو بھی بوکھلا دیا۔ وہ بری طرح مچل کر زینی کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن زینی کسی جونک کی طرح اس سے چمٹی ہوئی تھی اور شاید اس کا کان جڑ سے کاٹ لینے کے لیے کوشاں تھی۔

عبدالباقر نے اندھا دھند دونوں ہاتھ چلائے اور زینی کی پسلیوں پر ضرب لگانے میں کامیاب ہو گیا۔ اسی لمحے اسے زینی کے پنجے سے نجات مل گئی۔

زینی کا سرخ و سفید چہرہ اس وقت کسی ایسے خون آشام درندے کی تصویر پیش کر رہا تھا جو اپنے تازہ شکار سے فراغت کے بعد ایک گوشے میں جا بیٹھا ہو۔ اس کے خمدار ہونٹوں اور گردن پر عبدالباقر کے کان سے بہا ہوا تازہ خون موجود تھا اور پھر اس نے دونوں ہونٹ سکوڑ کر اپنے منہ میں دبا ہوا ایک بڑا سا خون آلود لوتھڑا فضا میں اچھال دیا جو واضح طور پر عبدالباقر کا بایاں کان تھا۔

میں زینی کی اس جنونی بربریت پر جھرجھری لے کر رہ گیا۔ زینی کے تیز دانتوں سے نجات ملتے ہی عبدالباقر کے دونوں ہاتھ تیزی سے بائیں کان کی طرف گئے تھے اور زخم چھوتے ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ اپنی پسندیدہ یہودی کنیز کے طفیل اپنے ایک کان سے محروم ہو چکا تھا۔

وہ تیزی سے لپکا اور اپنے خون میں لتھڑے ہوئے ہاتھوں سے زینی کے بال پکڑ کر اس کے چہرے پر دیوانہ وار ٹھوکریں برسانے چلا گیا۔ عبدالباقر کی اس وحشیانہ یورش نے زینی کے اوسان خطا کر دیے اور وہ درد اور اس کی جھنجھلاہٹ سے لرز اٹھی۔ اس نے عبدالباقر کو روکنے کی پوری کوشش کی لیکن اسے کامیابی نہ ہو سکی بلکہ چند ہی ثانیوں میں اس کے چہرے کا حلیہ بگڑ گیا۔

میں یوسف کے ساتھ مل کر بمشکل عبدالباقر کو روک سکا اور وہ ہانپتا ہوا ایک کرسی پر گر گیا۔ زینی اس سے پہلے ہی بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس کمرے میں اس قدر شور شرابا ہوا تھا لیکن عبدالباقر کے کسی بھی خادم نے یہاں رونما ہونے والے واقعات میں مداخلت کی کوشش نہیں کی لیکن بیتا کو صورت حال کی نزاکت کا پورا احساس تھا۔ لہذا وہ اس دروازے سے نکل گئی جس کے عقب میں زینی کی دیکھ بھال کرنے والا اسپیل نرس روپوش ہوا تھا۔

چند ثانیوں بعد ہی وہ دو آدمیوں کے ساتھ آ پہنچی۔ اس دوران میں، میں یوسف کی مدد سے اس کا خون آلود چہرہ صاف کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

اپنے مالک کی دگرگوں حالت دیکھ کر وہ دونوں گھبرا گئے اور اس کی طرف لپکے لیکن عبدالباقر نے انہیں روک دیا۔

"پہلے اسے دیکھو۔" اس نے فرش پر بیٹھتے ہوئے اپنے کان کے خون آلود لوتھڑے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ "اگر اس میں جان ہے تو اسے جوڑنا اچھا ہوں گا۔" اس کا سانس مزید پھولا ہوا تھا لیکن آواز سے کسی تکلیف کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔

ان دونوں نے پھرتی کے ساتھ وہ لوتھڑا اٹھایا اور ڈش میں اسپرٹ کی پوری بوتل خالی کر دی۔ اس کے ساتھ ہی ان کے چہرے اتر گئے۔

زینی نے دانتوں سے عبدالباقر کا کان کاٹ لینے کی کوشش میں عملاً اسے بری طرح چبا ڈالا تھا اور اسے دوبارہ جوڑنے کی کوئی امید نہیں رہ گئی تھی۔

پھر عبدالباقر کے کان کی دیکھ بھال شروع ہو گئی۔

یوسف نے اس اثنا میں زینی کا جائزہ لے ڈالا۔ اس کا خیال تھا کہ عبدالباقر نے اس سے اپنے زخم کا بھرپور انتقام لیا تھا۔ زینی کے اگلے کئی دانت ٹوٹ گئے تھے۔ ہونٹ کچل کر لہولہان ہو گئے تھے۔ ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور آنکھوں کے اوپر کا حصہ بھی ٹھوکروں سے محفوظ نہیں رہ سکے تھے۔

"اس کا کیا کرنا ہے؟" یوسف نے کچھ دیر کے سکوت کے بعد کسی کو خاص طور پر مخاطب کیے بغیر سوال کیا۔

"اس نے ابو کفا کے ساتھ بدسلوکی کر کے اپنے جرم کا اظہار کر دیا ہے۔" میں نے اپنی رائے ظاہر کی۔ "اس سے مزید کچھ معلوم ہونے کی امید نہیں لہذا اس کی پرورش بے سود ہی ثابت ہوگی۔ یہ جانور بے کار ہے۔"

"اسے مجھ پر چھوڑ دو۔" عبدالباقر نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "میں چند روز اسے اپنی تحویل میں زندہ رکھوں گا۔ اس کے بعد ہی کچھ سوچوں گا۔" میں سمجھ گیا کہ وہ کیا چاہتا تھا۔ اس کے لب و لہجے سے انتقام کی شدت کا اظہار ہو رہا تھا۔

عبدالباقر کے زخم کی مرہم پٹی میں خاصا وقت صرف ہوا۔ ان دونوں ملازمین کو طبی معاملات میں خاصی دسترس تھی۔ انہوں نے چند تجربے کر کے یہ تعین کر لیا تھا کہ بیرونی زخم کی وجہ سے عبدالباقر کے اندرونی کان کی سماعت متاثر نہیں ہوئی تھی۔

اپنی مرہم پٹی سے فارغ ہو کر عبدالباقر نے اپنے ملازمین کو زینی کے بارے میں چند ہدایات دیں اور وہ فوراً باہر چلے گئے۔

جس وقت ہم چاروں اس کمرے سے نکل رہے تھے تو وہ دونوں اس کمرے میں ایک اسٹریچر لے کر داخل ہو رہے تھے۔

عبدالباقر کے زخم میں تکلیف کے ساتھ ہی سرکنا بھی شروع ہو رہا تھا۔ اور اسے فوری طور پر آرام کی ضرورت تھی لہٰذا ہم نے اصرار کر کے اسے اندر بھیج دیا۔

"خون اور لاشیں دیکھ دیکھ کر میرا سر چکرا رہا ہے۔" اس کے جانے کے بعد یوسف نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔

"بس یہی غنیمت ہوا کہ ان میں میری اور سیتا کی لاشیں شامل ہونے سے بال بال بچ گئیں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ عمر روانہ ہو گیا؟"

"ہاں۔" وہ جلدی سے بولا۔ "عمر ابیچ کی روانگی کے بعد ہی گھاٹ سے لوٹے تھے۔ اب مجھے اس کے بارے میں کوئی فکر نہیں ہے۔"

"ان گمبھیر حالات میں تو مجھے اپنی روانگی کے بارے میں سوچنا بھی جرم محسوس ہو رہا ہے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"تمہارا جلد از جلد یہاں سے نکل جانا ہی بہتر ہو گا۔" وہ بولا۔ "یہاں کے حالات بہت غیر یقینی بلکہ مخدوش ہو گئے ہیں۔"

"اس تصادم کے نتیجے میں؟" سیتا نے سوال کیا۔

"ارے نہیں!" وہ ہنس پڑا۔ "ایسے واقعات عبدالباقر جیسے بارسوخ لوگوں کے لیے کوئی دشواری پیدا نہیں کرتے۔"

"پھر تم کن حالات کی بات کر رہے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"جنوبی سرحدوں پر کچھ قبائل نے بغاوت کر دی ہے وہاں دن رات فضاؤں میں بارود کی بو رچی رہتی ہے۔ ایسے حالات میں مقامی سلامتی کے ذمہ دار حکام ہر غیر ملکی کو شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ کہیں اتفاقاً تم کسی دشواری میں پڑ گئے تو گلو خلاصی حاصل کرنی دشوار ہو جائے گی۔"

"میرے لیے تو یہ خوشی کی بات ہے۔" میں نے کہا۔ "ہم دونوں اب جلد از جلد پاکستان پہنچنے کے لیے بے چین ہیں۔"

"میری پوری کوشش ہو گی کہ پہلی فرصت میں تمہیں یہاں سے روانہ کر دوں۔ اگر دو تین دن تک حالات پرسکون رہے تو پاکستان پہنچنے میں تمہیں کوئی دشواری پیش نہیں ہو گی۔"

"مجھے خوشی ہے کہ ہمارے معاملے کے ہر پہلو پر تمہاری نگاہ ہے۔ روانگی سے پہلے میں یہ ضرور جاننا چاہوں گی کہ عبدالباقر نے زینی کے مستقبل کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟" سیتا نے یوسف سے کہا۔

"وہ میں ابھی بتا سکتا ہوں۔" یوسف نے کہا۔ "زینی نے اپنے آقا سے بہت بڑی نمک حلالی کی ہے اور عبدالباقر اسے شایان شان طریقے سے نوازنے کا ارادہ رکھتا ہے۔"

مزید کچھ دیر تک باتیں کرتے رہنے کے بعد یوسف اپنے کمرے میں چلا گیا اور ہم دونوں بھی بستر پر دراز ہو گئے۔

پچھلی رات بھی بھاگ دوڑ اور بیداری کے عالم میں گزری تھی جس کے ازالے کے لیے ہم دونوں نے دن میں سو جانا چاہا لیکن زینی اور عدنان کی سازش نے اس نیند کو بے ہوشی میں بدل دیا جس کے نتیجے میں پچھلی شب بھی بیداری کے عالم میں بسر ہوئی لہٰذا اس وقت ہم دونوں کے ذہن نیند سے بوجھل ہوئے جا رہے تھے۔

نیند کا وہ وقفہ طویل ہرگز نہ تھا مگر اس کا خاتمہ عام روایتی طور پر نہیں ہوا بلکہ فائروں کی آوازوں نے میری اور سیتا کی نیند پر گویا اثر ڈالا تھا۔

آنکھ کھلتے ہی پہلے تو میں نے ان آوازوں کو اپنے وہم کی پیداوار سمجھا لیکن جب دوبارہ باہر ایک رائفل کا دھماکا گونجا تو میں نے بستر چھوڑ دیا۔

میں کمرے سے باہر نکلا تو دیوان خانے میں یوسف ایک خدمت گار سے باز پرس میں مصروف تھا اور اس کے چہرے پر تشویش کے آثار ہویدا تھے۔

"باہر جنگل کی طرف دیکھنا پڑے گا۔" میرے قدموں کی آہٹ سنتے ہی یوسف میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "ابھی تک کچھ علم نہیں ہو سکا ہے۔"

"چلو۔" میں اس کے ساتھ نکاسی کے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

صبح صادق کی خون ریز جھڑپ کے اثرات سے بوجھل ذہنوں پر اس وقت کی اکا دکا فائرنگ نے بہت ناخوشگوار اثر ڈالا تھا۔

اس وقت سورج اپنے سفر کی آخری منزل پر تھا اور حویلی کے سامنے اُگے ہوئے تناور درختوں کے پیچھے خاصا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ مجھے ان درختوں میں کئی افراد رائفلیں سنبھالے ٹارچوں کی روشنی میں کسی کو تلاش کرتے نظر آئے۔

"ہم لوگ غیر مسلح ہیں۔" یوسف کو اچانک یاد آیا۔

اسی لمحے حویلی کے محافظوں میں سے ایک شخص دوڑتا ہوا ہماری طرف آیا۔ اس کے ہاتھ میں بھی رائفل موجود تھی۔

"تم لوگ اندر چلے جاؤ۔" ہمارے قریب رک کر اس نے بلا کسی تمہید کے کہا۔ "ایسا نہ ہو کہ تم بھی کسی آدمی کا نشانہ بن جاؤ۔"

"مگر ہوا کیا ہے؟" یوسف نے سوال کیا۔

"احاطے کے آخری سرے والی دیوار پھلانگ کر دو آدمی ویران حصے میں کودتے دیکھے گئے ہیں۔ ان ہی کی تلاش جاری ہے۔" اس نے چوکنی نگاہوں سے چاروں طرف کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"تو اتنی جلدی وہ کہاں غائب ہو گئے؟"

"اس طرف گھنے درختوں کے ساتھ ہی لمبی لمبی خود رو گھاس بھی اگی ہوئی ہے اتنی آسانی سے ان کا سراغ نہیں مل سکے گا۔"

"ادھر اُدھر بھٹکنے کے بجائے مشکوک حصے کا محاصرہ کر ڈالو۔" میں نے کہا۔ "اور دو رائفلیں ہمیں بھی دے دو۔ ہم تمہارے ساتھ ادھر چلیں گے۔"

اس نے خوبصورتی سے ہمیں ٹالنا چاہا۔ اسی اثنا میں ایک شخص یہ خبر بھی لے آیا کہ عبدالباقر کسی مسکن دوا کے زیر اثر اپنی خوابگاہ میں گہری نیند سو رہا ہے۔

"اس کی غیر موجودگی میں خاصی ذمہ داری ہم پر بھی آ گئی ہے۔" یوسف نے محافظ سے کہا۔ "جو کہا جا رہا ہے اس پر عمل کرنے میں تاخیر نہ کرو۔"

بادلِ ناخواستہ اسے سلاح خانے سے دو رائفلیں ہمارے حوالے کرنی پڑیں۔ اسی کے ساتھ تیز روشنی والی ٹارچیں بھی تھما دی گئیں۔

پھر پانچ افراد کے ساتھ ہم اس ویران اُفتادہ حصے کی طرف دوڑ پڑے جدھر مشکوک افراد کو کودتے دیکھا گیا تھا۔

حویلی کے صحیح طول و عرض کا اندازہ مجھے اسی وقت ہو سکا کیونکہ احاطے کے آخری سرے تک پہنچتے ہی ہم سب کی سانس بے قابو ہو گئے تھے۔

چند افراد پہلے سے وہاں موجود تھے اور اپنی جانوں کی پروا نہ کرتے ہوئے لمبی گھاس میں دور تک چکراتے پھر رہے تھے۔

"تم لوگ یہیں رک کر مورچے سنبھال لو۔" میں نے بقیہ پانچوں کو ہدایت دی۔ "تاکہ انہیں حویلی تک پہنچنے کا کوئی موقع نہ مل سکے۔"

"اور اگر وہ اس طرف نکل ہی چکے ہوں؟" یوسف نے شبہ کا اظہار کیا۔

"نہیں۔" ہمیں ہتھیار فراہم کرنے والے نے سختی سے اس امکان کو رد کر دیا۔ "انہیں دیکھتے ہی بیسیوں آدمی ادھر دوڑ گئے تھے۔ وہ ابھی تک اسی خود رو جنگل میں کہیں روپوش ہوں گے اور زیادہ دیر تک محفوظ نہ رہ سکیں گے۔"

"پھر میرے ساتھ آؤ۔ انہیں اندر کودتے کس نے دیکھا تھا؟" میں نے آگے بڑھتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"عبداللہ کی نگاہ پڑی تھی۔" اس نے جواب دیا۔ "اور اسی نے فوراً ہی شور مچایا تھا۔ وہ اس وقت حویلی کی دیوار کے ساتھ لگے ہوئے پھولوں کے تختوں سے خشک پتے چن رہا تھا۔"

"ہو سکتا ہے اسے وہم ہوا ہو۔" یوسف نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

"وہ بہت ہی متین طبیعت کا آدمی ہے۔" محافظ نے کہا۔ "جس بات کا اسے پورا یقین نہ ہو اسے منہ سے نہیں نکالتا۔"

پھر ہم تینوں جھاڑیوں کو روندتے ہوئے احاطے کی دیوار کے قریب اس جگہ پہنچ گئے جہاں عبداللہ بابا کے بیان کے مطابق مداخلت کار کودے تھے۔

اس دیوار کے ساتھ نرم زمین پر جوتوں کے کسی قسم کے نشانات تلاش کرنے لگا مگر راستہ حویلی کے محافظوں کی بھیڑ سے پامال ہو چکا تھا لیکن پھر بھی وہ کوئی تعرض کیے بغیر میرا ساتھ دیتا رہا اور آخرکار اسی کی آواز نے ہم دونوں کو چونکا دیا۔

وہ دیوار سے چند فٹ کی دوری پر بچھی ہوئی گھاس پر جھکا ہوا تھا۔ ہم دونوں اُدھر پہنچے تو اس کی ٹارچ کی روشنی میں دھات کا ایک مختصر سا ڈبہ وہاں پڑا چمک رہا تھا۔

ان اطراف میں کسی زمین نہ ہونے کے برابر تھی لہٰذا اس گھاس میں وہ غیر معمولی چیز بھی ہمارے لیے اہم تھی۔

محافظ نے ہمیں متوجہ کرنے کے بعد وہ ڈبہ جھک کر اٹھانا چاہا اور اور وہ ڈبیہ ایک تیز دھماکے سے پھٹ گئی۔

میں یوسف کو لے کر اگر گھاس پر نہ گر جاتا تو شاید اس بڑی ہمک سے اُڑنے والے دھات اور بارود کے ذرات ہمیں بھی زخمی کر دیتے۔

دھماکا معدوم ہوتے ہی ہم محافظ کی طرف لپکے تو وہ شدید زخمی حالت میں گھاس پر ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔

اس بارودی سرنگ نے اس کا دایاں ہاتھ، سینہ اور چہرہ بری طرح جھلسا دیا تھا اور شاید اس کی بینائی بھی جاتی رہی تھی۔

اس سے پیشتر کہ اس بدنصیب کو طبی امداد پہنچانے کا بندوبست کیا جاتا اس نے اپنے ہی ساتھیوں کے ہاتھوں میں سسک سسک کر دم توڑ دیا۔ بارودی سرنگ کا دھماکا اتنا شدید تھا کہ درختوں اور خود رو گھاس میں بھٹکتی ہوئی ساری نفری وہیں جمع ہو گئی تھی اور ٹارچوں کے متحرک انعکاس میں ان سب کے بشروں سے عجیب سی وحشت ٹپک رہی تھی۔

"سب لوگوں کو درختوں میں سے باہر بلا لو۔" میں نے بلند آواز میں احتیاطی ہدایات دیتے ہوئے کہا۔ "کوئی بھی شخص کسی مشکوک چیز کو چھونے یا اس کی جگہ سے ہلانے کی کوشش نہ کرے یہاں بارودی سرنگیں بکھری ہوئی ہیں۔"

اس انکشاف نے ان میں سراسیمگی کی لہر دوڑا دی اور جو اکا دکا فرض شناس محافظ اس وقت تک درختوں میں بھٹک رہے تھے، وہ واپس بلا لیے گئے۔

اسی اثنا میں اسٹریچر فراہم کر لیا گیا تھا۔ تین افراد مرنے والے کو اس پر اٹھا کر حویلی کی پرشکوہ عمارت کی طرف چل دیے۔

"عمارت سے احاطے پر روشنیاں پھینکنے والا انتظام آج کیوں ناکارہ ہے؟" میں نے درختوں میں پھیلی ہوئی خوف اور تاریکی کو دیکھ کر پچھلی رات کے تجربے کی روشنی میں سوال کیا۔

"کسی کو خیال ہی نہیں آیا تھا۔" اندھیرے میں کسی محافظ کی آواز ابھری اور پھر زمین پر ایک آدمی کے قدموں کی چاپ دور ہوتی چلی گئی۔

"یہ بارودی سرنگ کہاں سے آ گئی؟" اضطراب اور تجسس کے ان لمحات میں یوسف کی تشویش زدہ آواز ابھری۔

"کسی باہر کے آدمی کا کام ہے، پچھلے جنگل کی تلاشی لیے بغیر کسی نتیجے پر پہنچنا مشکل ہوتا ہے۔" میں نے اندازہ لگانے کے انداز میں سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"کیسا نتیجہ؟" عبدالباقر کے آدمیوں میں سے کسی کی تیز آواز ابھری۔ "تو کیا اب بھی اندر کسی کالی بھیڑ کی موجودگی کا خطرہ ہے؟"

"نہیں!" میں نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ "اتنی ہنگامہ آرائی کے بعد بھی کوئی ہاتھ نہیں لگ سکا، ہو سکتا ہے کہ جس وقت عبداللہ نے ۔۔۔"

اسی وقت حویلی پر لگی ہوئی طاقتور سرچ لائٹس روشن ہو گئیں اور وہ علاقہ روشنی سے جگمگا اٹھا۔

روشنی ہوتے ہی ان سب پر جوش کی سی کیفیت طاری ہو گئی مگر کالی بھیڑ کی موجودگی کے بارے میں سوال کرنے والا میرے ادھورے جواب کو نہ بھول سکا۔

"تم کیا کہنے لگے تھے معظم؟" اس نے آگے بڑھ کر دوبارہ مجھ سے سوال کیا اور میں بغور اس کا جائزہ لینے لگا۔

وہ ایک ادھیڑ عمر لیکن تنومند سپاہی تھا جس کے چہرے پر پڑی ہوئی بے شمار شکنیں اس کے پُرمشقت ماضی کی کہانی سنا رہی تھیں۔

"سب لوگ دوبارہ اندر گھس جاؤ۔" میں نے باآواز بلند کہا۔ "اور جہاں بھی کوئی غیر معمولی چیز پڑی دیکھو اسے چھوئے بغیر مجھے اطلاع دو۔"

"عبدالباقر کی غیر موجودگی میں یہی ہم سب کا سربراہ ہے۔" یوسف نے ان پر میری حیثیت جتانا ضروری سمجھی ورنہ وہ میری ہدایت سے انحراف بھی کر سکتے تھے۔

میرے سامنے کھڑا ہوا ادھیڑ عمر بھی میری ہدایت سنتے ہی سر جھکا کر واپسی کے لیے مڑا تھا لیکن میں نے اسے روک لیا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"عبداللہ۔" اس نے انکساری سے جواب دیا۔ "میں مالی ہوں یہاں کا۔"

"اوہ!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "تو تم ہی نے ان دونوں کو احاطے کی دیوار سے اندر کودتے دیکھا تھا؟"

"ہاں مالک!" اس نے پُریقین لہجے میں کہا۔

"تم نے انہیں کہاں دیکھا تھا؟"

"احاطے کی دیوار پر مالک!" اس نے میرا سوال نہ سمجھتے ہوئے کہا۔ "تم یقین کرو کہ میں اس وقت پوری طرح اپنے حواس میں تھا بس اتفاق تھا جو میری اس طرف نظر پڑ گئی ورنہ بے خبری کا یہ عالم تھا کہ وہ حویلی میں کہاں تک ۔۔۔"

"ٹھیک طرح یاد کر کے بتاؤ کہ وہ کہاں کہاں تھے؟" میں نے اپنا سوال دہرایا۔

"بتا تو رہا ہوں مالک!" اس نے حیرانی سے کہا۔

"وہ دونوں دیوار پر تھے یا ان میں سے کوئی نیچے بھی کود چکا تھا؟" میں نے سگریٹ کا کثیف دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے سوال کیا۔

"ایک تو دیوار پر ہی تھا، دوسرا دیوار کی طرف منہ کیے دونوں ہاتھ اٹھا کر شاید اپنے ساتھی کو نیچے اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔" اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"تم نے انہیں اندر کودتے نہیں دیکھا؟"

"وہ تو جیسے ہی مجھے نظر آئے ظاہر ہے کہ اندر ہی کود رہے تھے۔"

"تم نے جو دیکھا صرف وہی بتاؤ۔" یوسف نے سخت لہجے میں اس باتونی مالی کو ٹوکا۔ "نتائج ہم خود اخذ کر لیں گے۔"

"ان کی جھلک دیکھتے ہی میں نے پلٹ کر چور چور کا شور مچا دیا تھا۔ چند ثانیوں بعد دوبارہ اس طرف دیکھا تو وہ دونوں غائب تھے، شاید انہوں نے نیچے گر کر خود کو لمبی گھاس میں چھپا لیا تھا۔" وہ قیاس آرائی کے معاملے میں اپنی عادت سے مجبور نظر آ رہا تھا۔

"اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے عبداللہ کہ جب تم نے انہیں دیکھا تو وہ اندر اپنا کوئی خطرناک کام پورا کر کے اسی راستے سے فرار ہو رہے ہوں؟" میں نے اس کے شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر سوال کیا اور اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ہو۔۔۔ ہو سکتا ہے۔" اس کے منہ سے بمشکل نکلا۔ "مگر وہ اندر کیا کرنے آئے تھے جو یوں واپس جا رہے تھے؟"

"ان درختوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے۔" میں نے کہا۔ "تم نے دیکھا کہ اتنی بھیڑ میں ایک آدمی مارا گیا اور کوئی کچھ نہ کر سکا۔"

اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "تو وہ موت بانٹنے آئے تھے ۔۔۔ ہم ۔۔۔ مگر تم نے یہ سب کیسے سمجھ لیا؟"

"محض قیاس ۔۔۔ شاید اس کی تصدیق بھی ہو جائے۔"

چند ثانیوں بعد یوسف کے اشارے پر وہ وہاں سے چلا گیا۔

"یہ تم کس بنا پر کہہ رہے ہو؟" اس کے چلے جانے کے بعد یوسف نے سوال کیا۔

"انہیں دیوار کے قریب دیکھتے ہی شور مچا دیا گیا تھا، درخت گھنے ضرور ہیں لیکن اتنے بھی نہیں کہ کسی نالش کی ٹولی اتنی دیر تک دو آدمیوں کا سراغ نہ لگا سکے اور اتنی قلیل مدت میں وہ درخت عبور کر کے حویلی کی طرف پیش قدمی نہیں کر سکتے تھے جس کا صرف ایک ہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ جس وقت انہیں دیکھا گیا وہ فرار ہو رہے تھے۔"

"ظاہر ہے کہ اندر بھی اسی راستے سے آئے ہوں گے۔" یوسف نے کہا۔

"ذہنی اور اس کے ساتھیوں کے انجام کی خبر ان لوگوں تک پہنچ چکی ہے جو اس حملے کے پس پردہ کام کر رہے تھے۔" میں نے کہا۔ "وہ

ورنہ وہ ۔۔۔ بڑی جوابی کارروائی نہیں کر سکتے لیکن عبدالباقر کو یہ بھی جتانا چاہتے ہیں کہ انہوں نے ہار نہیں مانی لہٰذا ان کے دو آدمی اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر یہاں گھسے اور بارودی سرنگیں بچھا کر واپس بھاگ نکلے۔"

یوسف میرے خیال کی تائید میں قدرے متردد تھا لیکن نصف گھنٹے بعد جب اسے پھاٹک سے تھوڑے فاصلے پر درختوں میں دوسری بارودی سرنگ کی موجودگی کی اطلاع ملی تو اسے بھی قائل ہونا پڑا۔

احاطے کے اس حصے سے پھاٹک تک کی مسافت اتنی طویل تھی کہ آناً فاناً میں کارروائی کرنے والوں کے لیے وہ فاصلہ طے کرنا محال تھا۔ مزید تین گھنٹے کی شدید محنت کے بعد تین بارودی سرنگیں اصلی حالت میں دریافت کر لی گئیں۔ غنیمت یہ ہوا کہ حادثاتی طور پر عبدالباقر کا کوئی آدمی ان کا شکار نہیں ہوا تھا اور تلاشی کی مہم بخیر و خوبی اختتام کو پہنچ گئی۔

ان بارودی سرنگوں کو وہاں سے ہٹانے کا سوال آیا تو پتہ چلا کہ عبدالباقر کی حویلی میں بسنے والے ملازمین کی فوج ظفر موج میں کسی کو بھی بارودی ہتھیاروں کو بحفاظت ناکارہ کرنے کا تجربہ نہیں تھا۔ اسی اثنا میں عبدالباقر بھی وہاں آ پہنچا۔

اس کے بائیں کان کے قریب جبڑے پر کافی ورم آیا ہوا تھا جب کہ کنپٹی کا زخم بہت ڈریسنگ میں چھپی ہوئی تھی۔ اس نے اپنا خون آلود لباس تو شاید سونے سے قبل ہی تبدیل کر لیا تھا کیونکہ اس وقت وہ شب خوابی کے لباس میں تھا۔

غالباً شیدے بیدار ہوتے ہی اسے باہر رونما ہونے والے واقعات کی اجمالی اطلاع دی گئی تھی اور وہ صورتحال کا جائزہ لینے کے لیے لباس تبدیل کیے بغیر باہر آ گیا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے؟" اس نے چند قدم دور ہی سے ہم لوگوں کو دیکھ کر باآواز بلند سوال کیا۔

"درختوں میں بارودی سرنگیں بکھری پڑی ہیں۔" یوسف نے اپنی آواز میں بحالی پیدا کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "وہ شاید مجھے ہی تحفتاً دے گئے ہیں۔"

اسی لیے مجھے بلوا لیا کیونکہ یوسف خطیبی حیثیت پسند ہونے کے ناتے روایتی اور جدید حربوں کے اسلحے سے بخوبی واقف تھا اور وہی بارودی سرنگوں کے خطرے سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

"بارودی سرنگیں؟" عبدالباقر حیرت سے کہہ رہا تھا۔ "وہ یہاں کون بچھا گیا؟"

میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے ایک طرف لے گیا اور اسے پیش آنے والے واقعات سے آگاہ کرنے لگا۔ اس دوران میں یوسف ایک آدمی کو ساتھ لے کر اپنا کام نمٹانے کے لیے گھنے درختوں میں گھس گیا۔

"واللہ اگر مجھے ان میں سے کسی کی جھلک بھی مل گئی تو اس کے جسم کے ٹکڑے اڑا دوں گا۔" وہ غضب آلود لہجے میں بولا۔ "خدا کی پناہ! انہوں نے میرے گھر میں گھس کر میرے دو آدمی مار ڈالے اور میں ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکا۔"

"یہ تو کچھ بھی نہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "تم نے بڑی بے دردی سے ان کے پانچ آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور ذہنی تمہاری قید میں ہے۔"

"جب تک اپنے دوست کے بیٹے کے قاتلوں کے جسم ٹھنڈے نہ کر دوں گا، چین نہیں آئے گا۔" کشت و خون کے معاملے میں اس کی ذہنیت بالکل قبائلی تھی۔

میرے لیے اس سے الجھنا بے سود تھا لہٰذا میں نے گفتگو کا رخ اس کے زخمی کان کی طرف کر دیا۔

"اس نے کسی کتیا کی طرح کاٹا ہے! کان جڑ سے چبا ڈالا ہے ۔۔۔ اب جب تک وہ میرے سامنے درد اور ذلت سے نہیں تڑپے گی، میں اپنی تکلیف نہیں بھول سکوں گا۔"

"پھر تم میں اور اس میں کوئی فرق رہ جائے گا؟" میں نے جھرجھری لیتے ہوئے سوال کیا۔

"میں دشمن سے اسی کی سطح پر رہ کر مقابلہ کرنے کا قائل ہوں۔" وہ متفکر لہجے میں بولا۔ "تب اپنی شان کے چکر میں رہا تو وہ کوئی دوسرا چرکا لگانے میں کامیاب ہو جائے گی۔"

"تمہارے آدمی مجھے کس نام سے جانتے ہیں؟" میں نے قدرے توقف کے بعد دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

"کسی بھی نام سے نہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "ان کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ تم میرے ایک معزز مہمان ہو۔"

"مگر نام پھر بھی ضروری ہے۔" میں نے بے چینی محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کسی وقت تم ہی کو پکارنا پڑ جائے۔"

"مطیب نام مناسب رہے گا؟" پہلی بار اس کا لہجہ قدرے نرم ہوا۔

یوسف کی واپسی تک ہم وہیں کھڑے رہے پھر عبدالباقر نے ملازمین کو کسی نامعلوم دشمن کے حملے سے ہمہ وقت مستعد اور ہوشیار رہنے کی ہدایت دی اور ہم تینوں حویلی کی جانب واپس روانہ ہو گئے۔

اندر سیما خاصی پریشان تھی۔ مجھے صحیح سلامت دیکھ کر اس کے چہرے کی بحالی واپس لوٹ آئی۔

عبدالباقر دیوان خانے میں پہنچتے ہی فون پر مصروف ہو گیا اور یوسف سیما کو باہر پیش آنے والے واقعات سے آگاہ کرنے لگا۔

فون پر عبدالباقر کا رابطہ قائم ہوا تو گفتگو سنتے ہی سب سمجھ گیا۔ بڑے ۔۔۔ وہ کسی پولیس افسر سے بات کر رہا تھا۔

دوران گفتگو عبدالباقر کے لہجے سے مسلسل برتری کا اظہار ہو رہا تھا۔ ایک بار اس کی زبان بے لگام ہو کر کچھ لوگوں کے لیے گالیوں کی طرف مائل ہو گئی۔ پھر اس نے پُرجوش انداز میں یہ سلسلہ منقطع کر دیا۔

"پولیس والے کام دکھانے پر تل جائیں تو مُردوں کا بھی شجرہ اُگلوا لیتے ہیں۔ انہوں نے مرنے والوں میں سے ایک کو شناخت کر لیا ہے۔" اس نے مسرت آمیز لہجے میں کہا۔

"کون ہے وہ؟" یوسف نے تجسس بھرے لہجے میں سوال کیا۔

"مائیکل ژمپ کے گروپ کا آدمی ہے جس نے ان دہشت گرد کے ساتھی یہاں کرنے کے لیے گولیوں کا کردار ادا کرتے آئے ہیں۔"

"مگر اس کی شناخت کیسے ممکن ہوئی؟" یوسف کے لیے وہ موضوع بہت زیادہ دلچسپ ثابت ہوتا نظر آ رہا تھا۔

"اس کے سینے پر گُدے ہوئے نشان سے۔" عبدالباقر نے بتایا۔ "ہتھکڑی کی دو ملی ہوئی کڑیاں اُن کا مخصوص نشان ہیں۔"

"انہوں نے ایک اور کو بھی تو پہچانا تھا جو ایک غیر ملکی سفارت خانے کے ذریعے اسرائیل کو اہم معلومات فراہم کرنے کے شبہے میں پکڑا گیا تھا مگر بعد میں ناکافی شواہد ہونے کی وجہ سے بری ہو گیا تھا۔" میں نے عبدالباقر کو یاد دلایا۔

"سب ہی ایک واقعہ کی کڑیاں ہیں۔" عبدالباقر گہری سانس لے کر بولا۔ "قوی شبہ ہے کہ مائیکل کے گروپ کو بھی اسی سفارت خانے کے کسی اہم افسر کی پشت پناہی حاصل ہے۔"

"تو اب پولیس کیا کر رہی ہے؟"

"قانون ثبوت کے بغیر کسی مجرم کو تسلیم نہیں کرتا۔" عبدالباقر نے تلخ لہجے میں کہا۔ "پولیس کی بھاری نفری سادہ لباس میں سفارت خانے کے عملے کی نگرانی پر مامور کر دی گئی ہے مگر میں اتنا انتظار نہیں کر سکتا۔ ان سے پہلے کچھ کر گزرنا چاہتا ہوں۔"

"ہم دونوں کی یہاں موجودگی کی وجہ سے تمہاری حویلی ان لوگوں کا نشانہ بن رہی ہے۔" یوسف نے قدرے توقف سے کہا۔ "آثار بتا رہے ہیں کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئیں گے۔ بہتر یہ ہو گا کہ ہم خاموشی سے کسی دوسری جگہ منتقل ہو جائیں۔"

"عبدالباقر اتنا بزدل نہیں ہے میرے دوست!" وہ تڑپ کر بیٹھے سے کھڑا ہو گیا۔ "دونوں کی حفاظت میں میرے دو کیا دس آدمی بھی کام آ جائیں تو میں پروا نہیں کروں گا۔"

"جذباتی نہ ہو۔" یوسف نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ میں تو تمہارے سامنے صرف ایک رائے تجویز کر رہا ہوں۔"

"تجویز کوئی بھی ہو، اگر اس میں تمہاری یہاں سے منتقلی شامل ہے تو میں اسے مسترد کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ کوئی بات کرو۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔

"تمہاری حویلی میں صرف زخمی اُن کی مجبوری تھی۔" میں نے کہنا شروع کیا۔ "اُن کے قید ہو جانے کے بعد اب وہ اندر کے حالات سے لاعلم ہیں۔ ایسی صورت میں اگر ہم کو تم خاموشی سے یہاں سے نکال دو تو انہیں کوئی علم نہ ہو سکے گا اور اُن کا منصوبہ بُری طرح ناکام ہو جائے گا۔"

"عملاً تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" عبدالباقر نے بے تابی سے پوچھا۔

"وہ یہ حقیقت پر یقیناً ہی حویلی میں محصور رکھنا چاہیں گے۔" یوسف نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "اس کے لیے ضروری ہے کہ ان کے آدمی ہر وقت حویلی میں ہونے والی آمد و رفت کی نگرانی کریں۔ اب اگر حویلی میں سے ایک بند کار مشتبہ انداز میں نکل کر تیز رفتاری سے کسی طرف روانہ ہوتی ہے تو نگرانی کرنے والوں کو پہلا شبہ یہی ہو گا کہ ان کے مطلوب افراد نکلے جا رہے ہیں اور وہ تعاقب کر کے براہ راست تصادم کی راہ اختیار کریں گے یا انہیں جانے دیا ہو گا اور تھوڑے بعد میں روانہ ہونے والی مسلح آدمیوں کی ایک ٹولی پیچھے سے طے شدہ کسی مقام پر بند کار کی مدد سے انہیں گھیرے گی اور وہ جو بھی کی موت مار دیے جائیں گے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" عبدالباقر مضطرب ہو گیا۔ "باہر سے حویلی کی نگرانی ضرور کی جا رہی ہو گی لیکن ہم ان کا کھوج نہیں لگا سکے۔ ہر طرف بے شمار ٹیلے، جھاڑیاں اور گڑھے پھیلے ہوئے ہیں جو ان کی بہترین کمین گاہ ثابت ہو رہے ہوں گے۔"

"انہیں یہاں سے باہر نکالنے کی بس یہی ایک صورت ہے۔ اگر ان پر جوابی وار نہ ہوا تو وہ اپنی قوت مجتمع کر کے حملہ آور ہوں گے۔" میں نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔

"لیکن تمہارے منصوبے میں ایک خرابی ہے۔" یوسف نے اعتراض کیا۔ "اگر پچھلی کار کے ذریعے تعاقب کیے جانے سے قبل وہ بم پھینک کر اگلی کار کو تباہ کر کے بھاگ نکلے تو کیا ہو گا؟"

"اور اس کا قوی امکان ہے۔" عبدالباقر نے اس کی تائید کی۔ "مائیکل ژمپ کا گروپ انتہا پسند کارروائیوں کے سلسلے میں بدنام ہے۔ انہیں ذرا بھی خطرہ محسوس ہوا تو....."

میں اچانک ہی ہنس پڑا۔

"کیوں؟ کیا ہوا؟" عبدالباقر اپنی بات ادھوری چھوڑ کر مجھے گھورنے لگا۔

"میرے سارے منصوبے کی بنیاد اسی بات پر ہے کہ نگرانی کرنے والوں کے پاس کوئی کار بھی ہو گی جس پر سوار ہو کر وہ ہماری پہلی بند گاڑی کا تعاقب کریں گے۔" میں نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ "اور گرد کے پاس کوئی کار بھی موجود ہے تو وہ جتنا سڑک کے آس پاس کہیں نہ کہیں موجود ہو گی تاکہ ضرورت کے وقت اسے فوری طور پر حرکت میں لایا جا سکے۔ آدمی گڑھوں میں یا ٹیلوں

یا جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپ سکتے ہیں، ابھی جگہیں بدل سکتے ہیں لیکن کار اس طرح نہیں چھپائی جا سکتی۔ ہم بآسانی اس کا سراغ لگا کر اسے ناکارہ کر سکتے ہیں۔"

"تم درست کہہ رہے ہو۔" عبدالباقر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں اپنے چند آدمی باہر بھیجتا ہوں پھر ساری صورت حال واضح ہو جائے گی۔"

عبدالباقر نے اپنے کسی ملازم کو پکارا اور فوراً ہی وہ کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس وقت وہ قریب ہی کے باہر تھا لیکن اس کا ورم زدہ زخمی چہرہ اس وقت بھی تبسم انگیز تھا۔

ملازم کے ذریعے محافظوں کے سربراہ کو طلب کر کے عبدالباقر نے حویلی کے اطراف میں نظر آنے والی کسی بھی مشکوک کار کو آگ لگا کر برباد کرنے کی سخت ہدایات دیں۔ ان کے چلے جانے کے بعد اپنی پژمردہ طبیعت کی بحالی کے لیے وہ نوشی میں مصروف ہو گیا۔ اس شغل میں اس کا ساتھ دینے کے لیے وہاں میرے سوا کوئی نہیں تھا۔

ایک گھنٹے بعد اطلاع ملی کہ حویلی کے تو درکنار اس سے ڈیڑھ دو فرلانگ کے دائرے میں بھی کوئی کار موجود نہیں تھی۔

میرے لیے یہ اطلاع ناقابل فہم تھی لیکن عبدالباقر کے آدمیوں کے مشاہدے پر اعتراض کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

"پھر اب کیا کیا جائے؟" عبدالباقر نے مجھ سے سوال کیا۔

"میری تجویز اب بھی برقرار ہے۔" میں نے کہا۔

"نگرانی نہ ہونے کا ثبوت مل جانے کے باوجود؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"کسی نے تعاقب نہ کیا تو چند میل کا چکر کاٹ کر دونوں گاڑیاں واپس آ جائیں گی۔" میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"تعاقب کے بارے میں اب بھی مشکوک ہو؟"

عبدالباقر کے اس چبھتے ہوئے سوال نے اچانک میرے ذہن کے دریچے کھول دیے۔

ہمارا واسطہ انتہائی تیز دماغ کے حامل گروہ چند دشمنوں سے تھا۔ جو اسلحے کے ساتھ ساتھ جدید ترین ذرائع سے استفادہ کرنے کی بھرپور... صلاحیتوں کے مالک تھے۔

حویلی کی اگر نگرانی جاری تھی تو اس کا تسلسل برقرار رہنا ضروری تھا۔ اگر اس کام پر مامور لوگ بھی کسی مشکوک گاڑی کے پیچھے ہو لیتے تو حویلی سے ان کا رابطہ ٹوٹ جاتا۔ بہرحال ان کے پیش نظر ویران سڑک پر زیادہ دیر تک کھڑی ہوئی کوئی بھی لاوارث سواری کا امکان مخدوش حالات میں حویلی کے مکینوں کی توجہ کا مرکز بن سکتی تھی لہٰذا اس کا بہترین متبادل یہ تھا کہ حویلی کے سامنے ان کے ایک دو آدمی محدود حیطہ عمل کے جیبی ٹرانسمیٹر لیے موجود رہتے اور وہاں سے گزرنے والی واحد سڑک کے دونوں سروں پر ایک آدھ میل آگے ان کے ساتھی گاڑیوں میں کمک کے منتظر بیٹھے رہتے۔ ادھر جوں ہی حویلی سے کوئی مشکوک کار روانہ ہوتی، نگرانی کرنے والے اس سمت کا تعین کر کے اپنے ساتھیوں کو ٹرانسمیٹر پر چوکنا کر دیتے اور پھر ایک دو میل کی بے ضرر مسافت کے بعد اس کار کا تعاقب شروع ہو جاتا۔

میری گفتگو یوسف کے لیے قابل قبول تھی لیکن عبدالباقر کے لیے وہ تمام باتیں نہایت سنسنی خیز ثابت ہوئیں اور وہ بے اعتباری سے میرا منہ تکنے لگا۔

"کیا ایسا ممکن ہے؟" اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"ڈیڑھ دو میل کے دائرے میں کام کرنے والے وائرلیس ٹرانسمیٹر صنعا کے بازاروں میں بچوں کے کھلونوں میں دستیاب ہیں جو جیبی ریڈیو میں بآسانی فٹ ہو جاتے ہیں۔" یوسف نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اس امکان پر خاصا قرین قیاس ہے۔"

"پھر تو باہر نکلنا ہی چاہیے۔" عبدالباقر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "دیکھا جائے کہ ماضی کے کتابی حربے آج کس حد تک عمل میں کیا اثر رکھتے ہیں۔"

"لیکن تم حویلی ہی میں ٹھہرو گے۔" یوسف نے سختی سے کہا۔ "تمہارا زخم خراب حالت میں ہے ایسا نہ ہو کہ اس سے دوبارہ خون جاری ہو جائے۔"

"ان حالات میں ہم مہمانوں میں سے ایک کو تو یہیں رکنا ہی ہو گا۔" [illegible] نے خلاف توقع عاجزی سے کہا۔ "چلو میں یہیں رک جاتا ہوں۔"

"مگر میں ساتھ چلوں گی۔" [illegible] نے طویل سکوت کے بعد زبان کھولی۔

عبدالباقر نے زبان کھولنی چاہی مگر اس سے پہلے ہی [illegible] تائید کر ڈالی اور وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔

پھر فوری طور پر تیاریاں شروع ہو گئیں۔

پہلی گاڑی کے طور پر جدید ترین باڈی والی سیاہ سیڈان کا انتخاب کیا گیا جس میں بھاری اسلحہ سمیت چار افراد کو روانہ ہونا تھا۔

دوسری گاڑی عبدالباقر کی سیاہ بیوک تھی جس میں ڈرائیور کے ساتھ میری، یوسف اور [illegible] کی روانگی طے پائی۔ ہم پر روانہ ہونے والوں کے علاوہ بقیہ عملے کو پورے معاملے سے الگ رکھا گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ عبدالباقر سیڈان کے سواروں کو صحیح منصوبہ نہیں بتائے گا لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ انہوں نے اپنے مالک کی بات ختم ہوتے ہی سعادت مندی سے اپنے سر کو جھکا کر قربانی کا بکرا بننے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

راستہ طے کر لیا گیا تھا۔ جبل حبیب کو صنعا کے مضافات سے گزرنے والی سڑک پر سفر کرتے ہوئے شہر کے شمالی مشرقی سمت [illegible] جانے والی ایک راہ پر بڑھنا تھا۔ اسے اپنی رفتار کی حد [illegible] گھنٹے سے متجاوز نہیں کرنی تھی تاکہ اس کی روانگی کے سات منٹ بعد جب بیوک روانہ ہو تو جلد از جلد اس کے قریب پہنچ جائے۔

دونوں گاڑیوں کی روانگی میں سات منٹ کا وقفہ صرف [illegible] کیا گیا تھا کہ حویلی کے سامنے موجود افراد اپنے ساتھیوں کو وائرلیس ٹرانسمیٹر پر دوسری گاڑی کی روانگی سے مطلع نہ کر سکیں۔ اس کی بنیاد [illegible] سیڈان کے تعاقب میں [illegible] ہوں گے ان کے پاس اگر [illegible] ٹرانسمیٹر ہوتے تو ہماری مہم خاصی [illegible]

بلکہ تباہ کاری کا شکار ہو سکتی تھی جس کا مداوا بھی شاید ممکن نہ ہوتا۔

ٹھیک ساڑھے سات بجے سیاہ سیڈان وہ اپنے چار سواروں کو لے کر سبک رفتاری سے آگے بڑھی اور پھاٹک سے نکل کر بائیں طرف روانہ ہو گئی۔

بیوک کا ڈرائیور گاڑی کی اگلی نشست پر تیار بیٹھا تھا اور ہم چاروں برآمدے میں کھڑے بار بار اپنی گھڑیوں پر نگاہ ڈال رہے تھے۔

وقت کی رفتار اس وقت سست ہو گئی تھی۔ سیکنڈ کی سوئی رک رک کر چلتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ سارا منصوبہ چونکہ میرا اپنا تھا اس لیے میری حالت زیادہ متاثر تھی۔ اعصاب پر عجیب سی بے چینی طاری تھی جو پے در پے سگریٹ نوشی سے بھی کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ دل پر ایک عجیب سا بوجھ تھا اور خنکی کے باوجود میری بغلوں سے پسینے کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔

"تم پریشان ہو؟" عبدالباقر مجھے اضطراری طور پر بار بار اپنی خشک پیشانی پونچھتے دیکھ کر [illegible] مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"وقت ٹھہرا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔" میں نے اپنی آواز کھوکھلی محسوس کی۔ اس وقت میرے لیے اپنی اس غیر معمولی کیفیت کو کوئی نام دینا ممکن نہیں تھا۔

"گھبراؤ نہیں، ابھی صرف پچاس سیکنڈ گزرے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ میرے شانے پر جھک آیا۔ "فکر نہ کرو، زیادہ سے زیادہ گڑبڑ ہوئی تو زیادہ سے زیادہ وہ چاروں مارے جائیں گے۔ تمہارا مشورہ قبول کرتے وقت میں نے ذہنی طور پر خود کو اس بدترین صورت حال کے لیے تیار کر لیا تھا۔"

مجھے خوشی ہوئی کہ اس دوران میں ایک منٹ پورا ہو چکا تھا۔

اچانک فضا میں بوجھل سی سنسنی کی تیز سنسناہٹ سنائی دینے لگی جو تیزی سے واضح ہوتی جا رہی تھی۔

میرے خلجان میں اضافہ ہو گیا کیونکہ وہ گونج ہیلی کاپٹر کی تھی۔ یوسف کی قیام گاہ پر فوجی چھاپے سے پہلے فضا میں وہی گڑگڑاہٹ سنائی دی تھی اور اس بار ان آوازوں میں شدت تھی جس کا مطلب تھا کہ آس پاس سے کوئی فوجی قافلہ گزر رہا تھا۔

ڈیڑھ منٹ گزرا۔ بھاری گاڑیوں کے انجنوں اور ٹائروں کی چیخیں [illegible] دماغ پر ہتھوڑے برسانے لگی۔

"شاید فوجی گاڑیاں ادھر ہی [illegible]" یوسف نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"ادھر... ادھر فوجی گاڑیوں کا کیا کام!" عبدالباقر بھی [illegible] لب پڑ گیا۔

"شاید کسی مہم سے لوٹ رہے ہوں۔" یوسف نے عبدالباقر کو جواب دینے کے بجائے گویا خود کو بآواز دلاسا دیا۔

اچانک حویلی کے احاطے کا پھاٹک تیز روشنی میں نہا گیا۔

فوجی گاڑیوں کے انجنوں کا شور مسلسل بے ترتیبی میں بدل گیا۔ چند [illegible] تیز رفتاری سے [illegible] اور کھلبلی ہو گئی۔ [illegible] باڈی والا ایک دیوقامت فوجی ٹرک کچے راستے پر اچھلتا کودتا حویلی کے کھلے ہوئے پھاٹک سے اندر گھس آیا۔ اس کے پیچھے دوسری گاڑیوں کی روشنیاں تھیں جو یقینی طور پر اندر آنے والی تھیں۔

دو منٹ دس سیکنڈ ہوئے تھے، بیوک کے ڈرائیور نے انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی کو ریورس گیئر میں تیز رفتاری سے ایک ذیلی راہداری پر لیتا چلا گیا۔

"بھاگو، تم تینوں اندر جاؤ۔" عبدالباقر کی آواز میں پہلی بار خوف کی لرزش نمایاں تھی لیکن ہم اس کے کہنے سے پیشتر کھلے ہوئے دروازے میں گھس چکے تھے۔

پھاٹک سے حویلی تک خاصا راستہ تھا اور عمارت پر روشنی [illegible] لائٹس کی چکاچوند میں شاید اندر آنے والوں کو برآمدے میں ہونے والی بھاگ دوڑ بالکل نہ دکھائی دی کیونکہ ٹرک بدستور یکساں رفتار سے بڑھتا آ رہا تھا۔

"میں ان کی آمد کا مدعا معلوم کر کے دوبارہ لوٹتا ہوں۔" عبدالباقر ہمارے قریب کھڑا خوفزدہ سرگوشیانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "تم یہیں پیچھے رہو۔ اگر ان کے براہ راست اندر گھسنے کا خطرہ ہو تو درمیانی راہداری سے سیدھے زنان خانے میں گھستے چلے جانا، وہاں لیلیٰ تمہاری رہنمائی کرے گی۔"

یہ کہہ کر وہ دوبارہ باہر نکل گیا۔

سب سے آگے آنے والا فوجی افسر شاید عبدالباقر کے لیے اجنبی تھا کیونکہ اسے رسمی سے انداز میں خوش آمدید کہا گیا تھا۔

"شیخ عبدالباقر؟" وہ کرخت اور تحکمانہ آواز یقیناً آنے والے فوجی افسر کی تھی۔

"ہاں!" عبدالباقر کا لہجہ حیرت ناک طور پر جھنجھلاہٹ آمیز تھا۔ "لیکن یہ بھاری نفری، اسلحے اور گاڑیوں کی بھرمار؟ میری سمجھ میں نہیں آ سکا کہ میرے غریب خانے کو اس عزت افزائی کا مستحق کیوں سمجھا گیا؟"

عبدالباقر کے طنز پر شاید وہ تلملا اٹھا ہو۔ "میں بریگیڈیئر حماد ہوں شیخ... ہمیں معتبر ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ تمہاری حویلی میں ریاست کے تین سازشی پناہ گزین ہیں۔ دو مرد اور ایک عورت۔ ہم انہیں لے جانے کے لیے آئے ہیں۔"

عبدالباقر اس وقت نازک صورت حال سے دوچار تھا، لیکن اس کی کھوپڑی اس طنطنہ کو قبول کرنے پر کسی طرح تیار نہیں تھی۔ "تمہاری اطلاع ہے بریگیڈیئر! اس مکان میں مرد بھی بہت ہیں اور عورتیں بھی۔ جسے چاہو اپنا مجرم قرار دے کر لے جاؤ۔ میری دانست میں اس چھت کے نیچے اس وقت ایسا کوئی آدمی نہیں ہے۔"

"ہم ضابطے کی کارروائی کریں گے۔" بریگیڈیئر کا لہجہ سخت تھا۔ "اور امید کرتے ہیں کہ تم ہمیں عمارت کے چپے چپے تک رسائی کا موقع دو گے۔"

"کیا تم کسی ساتھ لائے ہو؟" اس بار عبدالباقر کی آواز تضحیک آمیز تھی۔ "میرے حرم میں باہر [illegible] بھی قدم نہیں رکھ سکتے۔"

"حد سے نہ بڑھو شیخ!" وہ غصے سے لرزتی آواز میں غرایا۔ "میں

پیکھ نہ لی سکا تو بھرپور معذرت کر کے لوٹ جائیں گے۔ تھانے میں جرم کی
طرف چلا گیا۔ آدمی نہیں چھوٹے گا۔"
[illegible]

پیٹ کی طرح لعنتوں کے سہارے کھل گیا اور بجلی آ گئی کہ اندر داخل
ہو گئی اور اندر گھس کر اس نے دروازہ بند کر دیا۔ اب ہم چاروں اس قدر
[illegible]

• بیٹا روڈ میں جانے والے آپ نے چلے بے موت ہی مارے گئے۔"
انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اٹھ کر گئے ہوئے ہمیں منٹ ہو چکے ہیں
مگر اب ہم کہاں جائیں گے؟" بیٹا بالکل سا گلہ کر دی۔

جا کر کار میں آگے پیچھے دیکھا تھا۔ میں نے انہیں پر پچھاڑا اور اٹھا کر
دونوں میں پھر بھی تنگی تھیں۔ انہوں نے اسلحے پر ذرا بھی توجہ دینے کی
ضرورت نہیں سمجھی۔"

کچھ نہ مل سکا تو پھر فوراً معذرت کر کے لوٹ جائیں گے۔ تمہارے حرم کی طرف بھلا کوئی آدمی نہ بھٹکے گا۔"

"تم بہت شریف النفس ہو۔" عبدالباقر کا لہجہ یک بیک نرم پڑ گیا۔ "تمہاری زبان سے پہلے ہی کا تذکرہ سن کر میں تو سمجھا تھا کہ آج میرے حرم کی آبرو بھی پامال ہوگی۔"

میں سمجھ رہا تھا کہ عبدالباقر نے ہمیں روک کر ہمیں چکما دینے کی کوشش کی تھی لہٰذا ہم تینوں نے اشاروں ہی اشاروں میں فیصلہ کیا اور تیزی سے زنان خانے کی طرف جانے والی راہداری میں ہو لیے۔

طویل اور خمدار راہداری کے اختتام پر خاصا وسیع صحن تھا جس کے اختتام پر ایک فصیل نما دیوار بنی ہوئی تھی۔ یوسف ہم دونوں کو اسی فصیل نما دیوار میں نصب چوبی دروازے کی طرف لیتا چلا گیا۔

دروازہ کھولتے ہی وسیع ڈیوڑھی میں موجود تھی جہاں ایک تخت پر دودھیا رنگت والی ایک خوش جمال دوشیزہ بیٹھی ہوئی تھی اور فصیل کے پیچھے سے عورتوں اور بچوں کے ہنسنے بولنے کی ملی جلی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

پانچ برس پہلے ہوئے بلائے تھے اور ہم اسی حویلی میں ایک گمبھیر صورت حال سے دوچار ہو چکے تھے۔

زینی نے ہم سے بدترین انتقام لیا تھا اور انتقام کی بنیاد یہ تھی کہ ہم اس کے وطن کے سفاک حکمرانوں کے خلاف نبرد آزما تھے۔

وہ ہماری مخالف تھی اور اسے معلوم ہو گیا تھا کہ صفدر اور سیتا یوسف سمیت عبدالباقر کی حویلی میں موجود ہیں لہٰذا اس نے یہ خبر اپنے چیلوں تک پہنچا دی اور جب وہ لوگ ہمیں زیر کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو غائب ہونے سے پہلے کسی گمنام ٹیلیفون کے ذریعے یہ اطلاع ان کے فوجی حکام تک پہنچا دی جو پہلے ہی یوسف کی تلاش میں سرگرداں تھے اور یوں مجرموں نے ہمارے خلاف قانون کی مقامی قوت کو پوری طرح اپنا ہمنوا بنا لیا تھا۔

"لیلیٰ!" یوسف کی آواز میرے کانوں میں آئی۔ وہ اس بھولی دوشیزہ کے چیخنے سے پہلے ہی سوال کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس کے لب ہلے لیکن خوف سے سوکھی زبان سے کوئی آواز نہ برآمد ہو سکی۔ تو اس نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ہم شیخ کے مہمان ہیں۔ اسی نے ہمیں تمہاری طرف بھیجا ہے۔" یوسف نے جلدی سے کہا۔

"آؤ۔" اس کی قوت گویائی بحال ہو گئی اور وہ اپنے تخت کے مقابل والی دیوار میں لگے ایک چوبی فریم کے وسط میں لگا ہوا گول دستہ گھمانے لگی۔

چند مخصوص حرکات کے بعد وہ چوبی فریم کسی دروازے کے پٹ کی طرح قبضوں کے سہارے کھل گیا اور لیلیٰ ہمیں لے کر اندر داخل ہو گئی اور اندر گھس کر اس نے دروازہ بند کر دیا۔ اور ہم چاروں اس قدر گھور اندھیرے میں گھر گئے کہ ایک دوسرے کے ہیولے کو دیکھنا بھی دشوار ہو کر رہ گیا۔

"آگے ڈھلان ہے، سنبھل کر میرے پیچھے چلے آؤ۔" لیلیٰ کی دبی آواز کی گونج سے اندازہ ہوا کہ اس راستے کی تعمیر کسی تہ خانے کے طرز پر کی گئی تھی۔

سانسوں اور قدموں کی گونج میں خاصی ڈھلان اترنے کے بعد ہم تنگ سرنگ کے مسطح حصے میں آ گئے جو زنان خانے سے باہر نکاسی کے کسی خفیہ راستے پر سے جا رہی تھی۔

"ہمیں کہاں لیے جا رہی ہو؟" کچھ دیر تک چلتے رہنے کے بعد سیتا سوال کر بیٹھی۔

"حویلی سے باہر عقبی ویرانے میں۔" اس کی آواز میں اس وقت پہلی بار سنبھالا محسوس ہوا۔

"ادھر تو ریت کے تودوں اور جھاڑیوں میں خطرناک حشرات الارض بھی ہیں۔" یوسف کی قدرے تشویش زدہ آواز ابھری۔

"مجھے وہاں تک پہنچا جانے کا مطلب یہی ہے کہ میں اس قصبے سے بحفاظت باہر نکال دوں۔" لیلیٰ نے جواب دیا۔ "اس سے آگے سوچنا اور عمل کرنا تمہارا کام ہوگا۔"

سفر خاموشی سے جاری رہا۔ تاریک سرنگ کے مسطح حصے میں دو ڈھائی گھنٹے کے بعد قدرے چڑھائی شروع ہو گئی۔ یہ بات حیرت انگیز تھی کہ سرنگ تاریک ہونے کے باوجود ہموار تھی۔ اس میں گھٹن یا کسی قسم کی بدبو کا احساس نام کو نہیں تھا۔

پھر ہم سب ہی روانی میں ایک دوسرے سے جا ٹکرائے کیونکہ سرنگ اچانک ہی ختم ہو گئی تھی اور لیلیٰ کو بھی آخری سرے قریب آنے کا احساس نہیں ہو سکا تھا۔

اندھیرے میں ہمیں پیچھے سرکا کر لیلیٰ نے کسی میکانزم کو جنبش دی اور اس سرنگ کا سامنے والا حصہ بے آواز ایک طرف سرک گیا۔

"جاؤ۔" لیلیٰ کی آواز سپاٹ تھی۔

ہم تینوں پے بعد دیگرے اس جھروکہ نما سوراخ سے جھک کر گزرے اور ہمارے ابھرتے ہی سوراخ دوبارہ بند ہو گیا۔

اس وقت ہم لق و دق ریگستان میں حویلی کی عقبی دیوار سے ملحق ایک جوہڑ نما خشک قدرتی گڑھے میں ناہموار جھاڑیوں کے بیچ کھڑے ہوئے تھے جس سوراخ سے ہم باہر برآمد ہوئے تھے وہ فصیل کے اس نچلے حصے میں نمودار ہوا تھا جو خشک جھاڑیوں میں بنا ہوا تھا۔

"یہ تو سب کچھ ہی چوپٹ ہو گیا۔" میں نے تازہ ہوا میں گہرے سانس لیتے ہوئے مایوسانہ لہجے میں یوسف سے کہا۔

"چند روز میں جانے والے تو بے چارے بے موت ہی مارے گئے۔"

اس نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "دشمن گھیرے ہوئے ہیں، تمہیں مبتلا ہو چکے ہیں۔"

"مگر اب ہم کہاں جائیں گے؟" سیتا ہلکا سا لقمہ لگا کر بولی۔

"میں موجود جو ہوں ناں!" اچانک قریب ہی سے آواز آئی اور ہم تینوں حیرت سے اچھل پڑے۔

ہم تینوں فوراً ہی اس کھنڈ کے کناروں پر چڑھ کر اوپر آ گئے اور یہ دیکھ کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ عبدالباقر کی عالیشان سیاہ بیوک اس ناقابل سفر علاقے میں موجود تھی اور ہمیں مخاطب کرنے والا وہی شخص تھا جو بیوک کے ڈرائیور کے طور پر ہمارے ساتھ جاتا تھا۔

"تم؟ یہاں کیسے پہنچے؟" میں نے سب سے پہلے یہی سوال کیا۔

"مالک کا حکم تھا۔ آنکھ بند کرکے گاڑی چلاتا چلا آیا۔ بعض جگہ پہلا حصہ بری طرح گڑھوں اور ابھاروں سے ٹکرایا ہے۔ خاصی ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہوگی۔" اس نے بتایا۔

"لیکن تمہیں آنے کی اجازت کیسے ملی؟"

"مالک نے کسی اہم کام کے حوالے سے ایک افسر سے اجازت لی اور علیحدگی میں مجھے سمجھا کر روانہ کر دیا۔ میں لمبا چکر کاٹ کر یہاں پہنچا ہوں۔"

"انہوں نے تلاشی لی تھی کار کی؟"

"نہیں، کچھ آدمیوں کی تلاش ہے۔" وہ بولا۔ "ایک افسر نے ٹارچ جلا کر کار میں آگے پیچھے دیکھا تھا۔ میں نے انہیں ٹپ پکڑا دیا تھا مگر وہ انہیں پھر بھی تنگ تھیں، انہوں نے اسلحے پر ذرا بھی توجہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔"

بیوک میں قدم رکھتے ہی اسلحہ کا انبار جوں کا توں دیکھ کر طبیعت باغ باغ ہو گئی۔

"اب جلد از جلد کار کو مقررہ راستے پر ڈال دو۔" یوسف نے پائیدان سے ایک رائفل اٹھا کر اپنی گود میں رکھتے ہوئے کہا اور ڈرائیور نے انجن اسٹارٹ کر کے کار آگے بڑھا دی۔

وہ راستہ کار تو در کنار پیدل چلنے کے بھی قابل نہیں تھا لیکن ڈرائیور چابکدستی سے اسٹیئرنگ کنٹرول کرتا کار کو آگے بڑھاتا رہا۔ اس دوران ہر لمحے پوری کار ایک نئے زاویے پر جھٹکے کھا رہی تھی۔

غنیمت یہ تھا کہ اس طرف جھاڑیاں تو بے تحاشا اگی ہوئی تھیں لیکن ان میں کانٹے مفقود تھے ورنہ چند گز کی مسافت طے کرتے ہی ٹائر چھلنی ہو جاتے۔

اس صبر آزما اور اذیت ناک سفر کے بعد جب حویلی سے کافی دور بیوک دوبارہ سڑک پر آئی تو ڈرائیور سمیت سب نے اطمینان کا سانس لیا۔

یوسف نے ڈرائیور کو مشورہ دیا کہ سڑک پر تیز رفتاری سے



سفر کا آغاز کرنے سے قبل وہ گاڑی کے نازک حصوں کی امکانی ٹوٹ پھوٹ کا جائزہ لینے لگا۔ مگر اب وقت بہت گریز پا تھا۔ اس نے آناً فاناً میں بیوک کو کسی برق رفتار چیتے کی طرح ہوا کے دوش پر اڑانا شروع کر دیا۔

بہت جلد ہم صنعا کے مضافاتی علاقے سے گزر گئے اور بیوک صنعا کے شمال مشرقی ریگستان کی طرف جانے والی شاہراہ پر گامزن ہو گئی لیکن پورے راستے نہ کہیں تصادم کے آثار نظر آئے اور نہ ہی کہیں سینڈ رووَر کا کوئی سراغ مل سکا۔

ہوا فرکار صنعا سے کافی دور ویران صحرا میں ہم اس مخصوص مقام پر بھی پہنچ گئے جہاں ریت کے دو عظیم الشان تودوں کے درمیان محض درّہ نما راستے پر سڑک تعمیر کی گئی تھی۔ ابتدائی منصوبے کے مطابق تعاقب کرنے والوں کو اسی مقام پر گھیرنا تھا۔ اس اعتبار سے وہی ریگستانی درّہ سینڈ رووَر کی منزل تھی جس سے عام حالات میں آگے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اس گاڑی کے نہ ملنے کے تین ہی اسباب ہو سکتے تھے جن میں پہلا یہ تھا کہ شاید اس کا پیچھے سے تعاقب ہی نہ ہوا ہو اور وہ مقررہ مقام تک آنے کے بعد بحفاظت عبدالباقر کی حویلی کی طرف واپس چلی گئی ہو۔ دوسرا امکان راستے ہی سے سواروں سمیت گاڑی کے اغوا کا تھا، جو خاصا موہوم محسوس ہوتا تھا۔ لے دے کر تیسری صورت رہ جاتی تھی کہ حالات ناسازگار دیکھ کر وہ لوگ اس جگہ رکنے کے بجائے تیزی سے آگے بڑھتے چلے گئے ہوں۔

یوسف نے حالات کے تحت کوئی قدم اٹھانے سے قبل پچھلے واقعات پر مجھ سے تبادلۂ خیال کے لیے چن لیا تھا مگر ڈرائیور کی وجہ سے سارے راستے ہم نے زبان بند ہی رکھی تھی لیکن سینڈ رووَر کی پراسرار گمشدگی پوری توجہ کی طالب تھی۔

ہمارے مشورے پر ڈرائیور نے بیوک اس تنگ گھاٹی سے آگے نکال کر سڑک کے کنارے روک دی اور خود ٹارچ کی روشنی میں گاڑی کے سفر رسیدہ پرزوں کی جانچ پڑتال میں مصروف ہو گیا۔

ہم تینوں ہوا کے رخ پر ٹہلتے ہوئے خطرناک ریت پر احتیاط سے اتنی دور نکل گئے کہ ہماری آوازیں اس کے کانوں تک نہ پہنچ سکیں۔

چلتے ہوئے ہم تینوں اپنے اپنے کندھوں پر رائفلیں اور سینوں پر حمائل کارتوسوں کی پیٹیاں نہیں بھولے تھے۔

"فون پر عبدالباقر سے بات کیے بغیر حویلی کا رخ کرنا تو موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔" میں نے موقع ملتے ہی زبان کھولی۔ "پھر اب کیا کیا جائے؟"

"ان نوجوانوں کی تلاش کا سبب جانے بغیر ہم کسی سمت میں کوئی قدم نہ اٹھا سکیں گے۔" سیما نے سنجیدگی سے کہا۔

"امید تو یہی کی بات ہے،" میں نے کہا۔ "وہ لوگ یہیں نکل جانے میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے یہ اندازہ بھی قائم کر لیا کہ عبدالباقر کی حویلی سے ہمیں نکال لے جانا ان کے لیے آسان ثابت نہ ہوگا لہٰذا انہوں نے فوجی حکام سے ہماری مخبری کر دی۔"

"لیکن اس کا مقصد؟" یوسف نے سوال کیا۔

"شاید انہوں نے عبدالباقر کی حویلی کے مقابلے میں ہمیں فوجی تحویل سے نکال لے جانے کو سہل خیال کیا ہو۔ دوسری بات یہ کہ قیدیوں کی صورت میں ہم صنعا یا زیادہ سے زیادہ یمن ہی کے کسی علاقے میں رکھے جاتے لیکن عبدالباقر کی پناہ سے ہم کسی گمنام منزل کی طرف بھی روانہ ہو سکتے تھے اور اس بار اسرائیلی کسی بھی قیمت پر ہمارا سراغ کھونے کو تیار نظر نہیں آتے۔"

"ان کا نشانہ محض ہم دونوں ہیں لیکن کوئی بھی فریق تین افراد کی بات کر رہا تھا جس کا مطلب ہے کہ مخبر نے ہمارے ساتھ یوسف کو بھی شامل کر لیا تھا۔ لیکن وہ بلاوجہ کیوں ہمارے ساتھ ملوث کرنے پر تل گئے؟" سیما نے سوال کیا۔

"یمن ابھی حال ہی میں ایک ناکام فوجی بغاوت کا شکار ہو چکا ہے جس کے سلسلے میں میری ذات پر بھی شبہے کیے جاتے ہیں،" یوسف نے خود ہی جواب دینا شروع کیا۔ "اس وقت فوجی حکام کے لیے معقول پیمانے سے مقدم مقامی استحکام ہے اور وہ فوری طور پر ہر مشتبہ آدمی کو پکڑ لینا چاہتے ہیں لہٰذا انہیں فوری طور پر حرکت میں لانے کے لیے زیادہ زور میری نشاندہی پر دیا گیا ہوگا۔ تم دونوں کے نام میرے معاون کے طور پر لیے گئے ہوں گے۔ حالانکہ ان کے لیے مجھ سے زیادہ تم دونوں اہم ہو۔ ان کا اندازہ درست ثابت ہوا اور محض میری وجہ سے فوجی جماعت فوری طور پر عبدالباقر کی حویلی پر چڑھ دوڑی۔"

"ہم لوگوں کو وہاں نہ پاکر ان کا ردعمل کیا رہا ہوگا؟" سیما نے سوال کیا۔

"ظاہری طور پر شاید معاملہ نمٹا دیا جائے لیکن چند روز تک عبدالباقر کی کڑی نگرانی ضروری سمجھی جائے گی۔ اس نقصان میں تیسرا ایسے ہی حصہ دار ہوگا،" یوسف نے کہا۔

"اور اگر زینی ناگفتہ بہ حالت میں فوجیوں کے ہاتھ لگ گئی ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"امراء اپنے محلے سے عموماً اس سے بھی برا سلوک کرتے ہیں، اگر زینی بے ہوشی کی حالت میں بھی ہوگی تو اس کی ذات عبدالباقر کے لیے کوئی مسئلہ نہیں بنی ہوگی،" یوسف نے کہا۔ "بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ فوجیوں کو تہہ خانے تک خود ہی لے گیا ہو تاکہ اس کی ذات شبے سے بالا رہ سکے۔"

"ہم لوگ اچانک ہی بے یار و مددگار ہو کر رہ گئے ہیں،" میں نے خفیف سی جھنجھلاہٹ کے ساتھ کہا۔ "ان حالات میں ہم تینوں کا یکجا رہنا بھی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

"اپنی آبادیوں کی تھوڑی سی قربانی دے کر ہم یہ رات بھی محفوظ چھت تلے بسر کر سکتے ہیں،" یوسف بولا۔ "بس ہمیں اپنی نقل و حرکت محدود رکھنی ہوگی۔"

"تو پھر ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟" سیما کے لہجے میں شوخی عود کر آئی۔ "بےچارا صاحب کے تاسف تو جانے پناہ گاہ کہاں ہے؟ فوراً چلو۔"

اور ہم تینوں اپنے دلوں کا غبار ہلکا کر کے بیوک کی طرف واپس ہو لیے۔

بیوک کا ڈرائیور اپنے کام سے فارغ ہو کر پُرسکون انداز میں ٹھنڈی ریت پر چت لیٹا کچھ گنگنا رہا تھا۔ اس کے نزدیک اس وقت کوئی اہم مسئلہ درپیش نہیں تھا۔ اس کی مختصر سی کھوپڑی اس حد تک گمبھیر حالات کا ادراک کرنے سے اگر قاصر نہ ہوتی تو وہ عبدالباقر کا ایک ادنیٰ ملازم نہ ہوتا۔

"واپس چلو،" یوسف نے ڈرائیونگ سیٹ کے برابر والی نشست سنبھالتے ہوئے کہا۔ "صباحیہ کے مشرقی علاقے میں جانا ہے۔"

اس نے کوئی سوال کیے بغیر انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"عبدالباقر کے سوا تم کسی کو نہیں بتاؤ گے کہ ہمیں کہاں چھوڑا گیا تھا،" یوسف نے قدرے توقف کے بعد اسے ہدایت دی۔ "موقع میسر آتے ہی میں خود عبدالباقر سے بات کروں گا۔"

گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں ریتیلے میدانوں کے درمیان تارکول کی سیاہ سڑک رات کے پس منظر میں عجیب سماں باندھ رہی تھی۔ اور پھر کچھ دیر بعد بیوک ریت کے دور تک پھیلے ہوئے تودوں کے درمیان پُرپیچ راستے پر سفر کرنے لگی۔

پھر اچانک ہی ہم چاروں چونک پڑے اور کار کی رفتار کم کر دی گئی۔

ایک تنگ موڑ گھومتے ہی کار کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں چند سو گز دور سڑک کے عین وسط میں ایک جیپ نما فوجی گاڑی کھڑی ہوئی تھی کہ اس سے آگے نکلنے کا راستہ مسدود ہو کر رہ گیا تھا۔ میں نے تیزی سے صورت حال کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر پیش قدمی جاری رکھنے کے لیے بیوک کو کسی بھی طرف نرم ریت میں اتارا گیا تو وہ اس بری طرح دھنسے گی کہ شاید کرین کے بغیر اسے دوبارہ سڑک پر لانا ہی ممکن نہ ہو سکے۔

جیپ سے تقریباً دس گز دور ڈرائیور نے بیوک روک دی۔ لیکن اس کا انجن بیدار رہا۔

"گاڑی سے ذرا قبل رفتار معدوم ہونے کے ساتھ ہی ڈرائیور کو آواز دی، انجن بند نہ کرنا اور دروازے مقفل کر دو، یہ کار بلٹ پروف ہے۔"

"کچھ دیر قبل ہم ادھر سے گزرے تو راستہ صاف تھا،" یوسف تشویش زدہ لہجے میں بڑبڑایا۔ "اس کا مطلب ہے کہ راستہ مسدود کر کے ہمیں گھیرنے کی کوشش کی گئی ہے۔"

میرے ساتھ ہی سیما اور یوسف نے بھی بھری ہوئی رائفلیں اٹھا لیں۔

اس وقت ہمارے کان پوری توجہ سے باہر مرکوز تھے لیکن شیشے بند اور دروازے مقفل ہونے کے باعث کسی معمولی آواز کا سن لیا جانا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا جب کہ بظاہر ہر طرف سکوت اور سناٹے کا راج نظر آ رہا تھا اور جیپ بھی بالکل خالی تھی۔

اس گھاٹی میں راستہ روکنے کا مقصد واضح طور پر یہی ہو سکتا تھا کہ حملہ آوروں نے ٹیلوں کی بلندی کو اپنے مفاد میں استعمال کرنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا لہٰذا میری نگاہیں اپنی سمت کی بلندیوں پر بھٹکنے لگیں اور کافی کوشش کے بعد میں نے سامنے ٹیلے کی چوٹی پر ایک انسانی ہیولا دیکھ ہی لیا جو تاروں کی چھاؤں میں شاید بیوک کے مسافروں کے باہر نکلنے کا منتظر تھا۔ میں نے جلدی سے شیشہ نیچے اتارا پھر اس سے قبل کہ اگلی نشست پر میرے پہلو میں بیٹھی ہوئی سیما کچھ سمجھ سکے میں نے نشانہ لے کر گولی چلا دی۔

اس گھاٹی میں رائفل کی آتشیں گرج بہت ہولناک تھی مگر وہ نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکی۔

اپنی پشت پر دھماکا سن کر یوسف اچھل پڑا۔ میں نے فوراً

بی دھواں اگلتی نال اندر کھینچ کر دوبارہ کھڑکی کا شیشہ چڑھا دیا۔

"اُدھر بلندی پر ایک آدمی موجود ہے۔" میں نے انہیں آگاہ کیا۔

"شاید وہ ہمارے باہر نکلنے کا منتظر ہے ورنہ اب تک کچھ کر گزرا ہوتا۔"

اگلا لمحے دوسری طرف والے ٹیلے سے ایک فائر ہوا اور بیوک سے چند فٹ کے فاصلے پر ریت کا غبار اڑ کر رہ گیا۔

سیتا نے اپنی سمت کے شیشے کو اتار کر تھوڑی سی جھری پیدا کی ہوئی تھی جس کے سبب وہ کرخت آواز واضح طور پر سنی گئی جس نے ہمیں ہاتھ اٹھا کر نیچے اترنے کا حکم دیا تھا۔

ڈرائیور نے بیوک کے ہیڈ لیمپس بجھا دیے۔

"کار واپس موڑو۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

اس نے ریورس گیئر میں جیسے ہی گاڑی پیچھے سرکائی اوپر ہی سمت سے دوبارہ فائر ہوا اور اس بار کارتوس سے نکلنے والے چھرے بیوک کی باڈی پر ساز بجاتے اچٹ گئے۔

"انجن بند کر دو۔" بلندی سے وہی کرخت تحکمانہ آواز گونجی۔ "ورنہ گاڑی سمیت اسی مقام پر چھلنی کر دیے جاؤ گے۔"

"بیوک کو تیزی سے آگے لے جا کر جیپ کے عقبی حصے پر ٹکر مار دو۔ راستہ بن جائے گا۔" یوسف نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔

"گاڑی کے انجن کو نقصان پہنچا تو ہم اس کھائی میں پھنس کر رہ جائیں گے۔" میں نے جلدی سے اس کی بات اچک لی۔ "پتہ نہیں ان کی نفری کتنی ہے۔"

"باہر نکلو یا ذرا کرو جو یوسف کہہ رہا ہے۔" سیتا نے تیزی سے کہا۔ "موجودہ حالت میں ہم بلاوجہ وقت برباد کر رہے ہیں۔"

"دو منٹ میں تم لوگ باہر نہیں آئے تو دونوں طرف سے باڑھ پر رکھ لیے جاؤ گے۔" تاریکی میں سے اسی نامعلوم آدمی کی آواز سنائی دی۔

"کلاشنکوف سمیت باہر گر کر خود بھی کار کے نیچے رینگ جاؤ۔" میں نے عجلت میں کہا۔ "ایک آدمی کار میں چھپا رہے گا تاکہ بدترین حالات میں کوئی کارروائی کر سکے۔"

سیتا نے باہر نکلنے کے لیے بہت اصرار کیا لیکن ہم لوگوں نے اسے اندر پائیدان پر چھپے رہنے پر مجبور کر دیا۔ اس اثنا میں دروازوں کو تھوڑے کھول کر بقیہ تینوں افراد نے انہیں ریت پر گرانے کے ساتھ ہی فاضل کارتوسوں کی پیٹیاں بھی سنبھال چکے تھے۔

ڈرائیور نے انجن بند کیا اور تقریباً بیک وقت ہم تینوں دروازے کھول کر ریت پر لڑھک گئے۔ اس اقدام سے پہلے ہی یہ بندوبست کر لیا گیا تھا کہ دروازے کھلنے پر کار کی کیبن لائٹ روشن نہ ہو۔ سیتا بھی پچھلے پائیدان میں دبک گئی تھی تاکہ اس کی جھلک بھی نہ دیکھی جا سکے۔

لیکن ہم لوگوں کی کارروائی شاید دیکھ لی گئی تھی کیونکہ ہم تینوں کے گرتے ہی دونوں سمتوں سے رائفلیں چلی تھیں اور گولیاں کار سے ٹکرائی تھیں۔

یوسف میرے ہمراہ کار کی داہنی سمت پر تھا جب کہ ڈرائیور دوسری طرف تنہا تھا۔

پھرتی سے اپنے جسم کو کار کے نیچے اور ٹائر کی آڑ میں سمیٹتے ہوئے میں نے اس بات پر خوشی محسوس کی تھی کہ اضطراری طور پر ہونے والی آخری فائرنگ میں دونوں سمتوں سے ایک ایک ہی گولی چلائی گئی تھی جس کا مطلب یہی تھا کہ وہ دو تھے۔ اگر ان کی تعداد زیادہ ہوتی تو ہمیں مار لینے کی اضطراری کوشش میں ہر ایک ہی فائر کرتا اور پھر اپنی نفری کو کم ظاہر کرنا ان کے لیے ہر اعتبار سے نقصان دہ تھا۔ ہم پہلے ہی تعداد کی مخصوص جگہ کر وہ بآسانی ذہنی الجھن میں ڈال سکتے تھے۔

"دیں ہیں خاموش اندازے سے ہی کر لو۔" میں نے تیز سرگوشیانہ لہجے میں کہا اور اپنی رائفل سیدھی کر لی۔

اس ویرانے میں ہاری فائرنگ سے بھونچال سا آ گیا۔ گولیوں کی آپس میں ٹکرانے والی گونج کمزور اعصاب والوں کے لیے خاصی دہشت ناک تھی۔

اور پھر چند ثانیوں بعد اوپر سے بھی تواتر سے گولیاں برسائی جانے لگیں۔

اچانک میرے کانوں میں ہلکی سی اذیت ناک کراہٹ کی آواز آئی اور لمحہ بھر کے لیے میری توجہ آواز کی طرف مبذول ہو گئی۔ بیوک کے ڈرائیور کی کلائی اوپر سے آنے والی گولی سے زخمی ہو گئی تھی مگر اس نے اپنی جگہ چھوڑے بغیر بتایا کہ وہ فائرنگ سے معذور نہیں ہوا تھا۔

میں نے مزید دو تین ہی فائر کیے تھے کہ میرے کانوں میں سیتا کی پُرجوش سرگوشیانہ آواز آئی۔ "میں فائر کر رہی ہوں۔"

وہ میری سمت والے دروازے کو تھوڑا کھول کر اس کی اوٹ میں باہر جھکی کہہ رہی تھی۔

"نہیں، تم اندر ہی دبکی رہو۔" میں نے غرا کر کہا۔

"داوپر دیکھو، ایک شخص اپنی جگہ بدل رہا ہے۔" لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس نے اسی انداز میں کہا۔ میں نے اندھیرے میں اپنی آنکھوں پر خاصا زور دیا لیکن داہنے ٹیلے کی ڈھلان پر مجھے کچھ بھی نظر نہیں آیا۔

"دروازہ بند کر لو، وہ تم سے بچا رہا ہے۔" میں نے جھلا کر کہا اور اس طرف گولی چلا دی جہاں سے ایک مشکوک مجھے پیچھے سرکتا نظر آیا تھا۔

"اندھیرے کے معاملے میں میری بینائی تم سب سے تیز ہے۔" سیتا غصیلی آواز میں بولی۔ "میں یہ موقع ضائع نہیں کروں گی۔"

اس بار میں کچھ نہ بولا۔ اسے سمجھانے کے بجائے اس وقت ہر ایک کو اپنی توجہ مقابلے پر مرکوز کرنے کی ضرورت تھی۔

چند ثانیوں بعد کار میں سے ایک دھماکے کے ساتھ فائر ہوا اور

ٹیلے پر جمے ہوئے تاریک ڈھلان سے اذیت میں ڈوبی ہوئی ایک انسانی چیخ سن کر میں سیتا کے پیچھے نشانے پر عش عش کر اٹھا۔ اس نے ان دونوں میں سے ایک کو ٹھکانے لگا کر واقعی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا تھا۔

پھر میرے علاوہ یوسف نے بھی اسے دیکھ لیا۔

سیتا کے فائر سے زخمی ہونے کے بعد اس کا توازن اس بری طرح بگڑا تھا کہ وہ سپاٹ ریتیلی ڈھلان پر کسی گٹھڑی کی طرح قلابازیاں کھاتا اور دردناک چیخیں لگاتا نیچے لڑھکتا چلا آ رہا تھا۔

اس چوٹے مقابلے میں دونوں سمتوں سے ہم پر شخص ایک ایک رائفل ہی گرجتی رہی تھی جس کی بنا پر یہ بات یقینی ہو گئی تھی کہ وہ شخص دو ہی تھے لیکن اپنی بہتر پوزیشن کے باعث اس کھائی میں ایک پوری کمپنی کو برباد کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

اندھیرے میں سیتا کا وار کارگر ہوتے ہی داہنی طرف کے ٹیلے سے فائرنگ معدوم ہو گئی تھی لہٰذا میں یوسف کے ہمراہ کار کے نیچے سے نکل آیا تاکہ اپنے حریف کو سڑک کے کنارے پہنچتے ہی بے قابو کیا جا سکے۔

ہم دونوں فوری طور پر آگے نہیں بڑھے تھے کیونکہ کار کی اوٹ سے ابھرتے ہی ہم بائیں جانب والے کی رائفل کی زد میں آ جاتے۔

چند ہی ثانیوں بعد داہنی ڈھلان پر لڑھکنے والے کی چیخیں معدوم ہو گئیں۔ شاید گرتے ہوئے اسے شدید ضربات آئی تھیں۔

پھر جیسے وہ اندھیرے میں ایک بے جان گٹھڑی کی طرح لڑھکتا ہوا سڑک کے کنارے گرا تو یوسف پیچھے بیٹھے گھٹنوں کے بل آگے جھپٹا اور بے ہوش دشمن کی ٹانگ پکڑ کر اسے بے دردی سے گھسیٹتا ہوا کار کے قریب لے آیا۔

سڑک پر جیپ کی رکاوٹ پر نگاہ پڑنے کے بعد جو خوفناک صورت حال سامنے آئی تھی اس کے پیش نظر ہم لوگوں کا زندہ سلامت وہاں سے گزر جانا بھی دشوار نظر آ رہا تھا لیکن ایک بے ہوش قیدی کے ہاتھ لگنے کے بعد صورت حال یکسر بدل گئی تھی۔

اس وقت تک ہمارے علاوہ ڈرائیور بھی فائرنگ سے سرتبر دار ہو چکا تھا مگر بائیں ٹیلے والا قلیل وقفوں سے مسلسل گولیاں چلائے جا رہا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس کا کوئی بھی فائر بلندی پر رہ کر بیوک کے کسی ٹائر کو چاٹنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

"کار کے پیچھے سے رینگ کر ہماری طرف آ جاؤ۔" یوسف نے ڈرائیور کو ہدایت دی۔ "اب ہمیں فوراً آگے بڑھنا ہے۔"

"مگر میں کار نہ سنبھال سکوں گا۔" وہ ہماری طرف متوجہ ہو کر بولا۔ اس کی آواز سے شدید تکلیف کا عنصر مترشح تھا۔

"کیا زیادہ زخمی ہو گئے ہو؟" یوسف نے عقبی دروازہ کھول کر بے ہوش قیدی کو پائیدان میں ٹھونستے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں۔" وہ دھیمی آواز میں بولا۔ "شاید بائیں کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔"

یوسف اگلا دروازہ کھول کر اندر گھسا اور ڈرائیونگ سیٹ پر سرک گیا۔ زخمی ڈرائیور ان کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ میں نے سیتا کے ہمراہ عقبی نشست سنبھال لی۔

جوں ہی بیوک اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھی بائیں طرف سے ہونے والی فائرنگ میں شدت پیدا ہو گئی لیکن یوسف نے پرواہ کیے بغیر بیوک جیپ کے قریب لے جا کر اس طرح روک دی کہ اس کی آڑ کر فائروں سے محفوظ رہتے ہوئے جیپ کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کی جا سکتی تھی۔

ہم تینوں نے محفوظ طریقے پر اترنے کے لیے اس بار بھی داہنی طرف کے دروازے استعمال کیے اور چند ہی لمحوں میں جیپ ریت میں دھکیل دی گئی۔

بائیں سمت والے کو بھی کسی طرح ہمارے عزائم کا اندازہ ہو چکا تھا لہٰذا اس نے ہمیں نقصان پہنچانے کے لیے بھرپور فائرنگ جاری رکھی۔ جو دو گاڑیوں کی آڑ کی وجہ سے ہمیں نقصان نہ پہنچا سکی۔ سیتا نے بھی اندازہ قائم کر کے ادھر دو فائر کیے جو موثر ثابت نہ ہو سکے۔ شاید اس نے اپنے ساتھی کا حشر دیکھتے ہوئے کسی اوٹ میں اپنا مورچہ بنایا ہوا تھا۔

جیپ کو نیچے اتارنے کے بعد میں اس کے نیچے گھسا تو یوسف حیرت کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا۔ "وہاں کیا کرنے جا رہے ہو؟"

"بس دیکھتے جاؤ۔" میرا جواب تھا۔

میں نے اندھیرے میں ٹٹول کر فیول پمپ میں آنے والا پٹرول کا پائپ کھینچ کر الگ کیا تو اس بدبودار سیال کی خاصی مقدار نیچے بہہ نکلی۔

بیوک میں روانگی کی تیاری مکمل کرتے ہی میں نے دیاسلائی جلا کر جیپ کے نیچے گرے ہوئے پٹرول پر اچھال دی اور وہاں ایک جھٹکے سے دھماکے سے شعلہ بھڑک اٹھا۔

میں نے فوراً اپنی نشست سنبھالی اور بیوک تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

آگ لگانے کا وہ طریقہ اس قدر موثر ثابت ہوا کہ ہمارے اس کھائی سے نکلنے تک وہ جیپ بلند شعلوں میں گھر چکی تھی اور موڑ گھومنے کے بعد دھوئیں کے کثیف بادل شعلوں کے تیز دھماکوں میں آسمان کی طرف اٹھتے نظر آ رہے تھے۔

"یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں؟" یوسف نے کچھ دیر کی بوجھل خاموشی کے بعد زبان کھولی۔

"ان ہی میں سے معلوم ہوتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "ان کی اس کھائی میں موجودگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں ان کا پہلی کار سے مقابلہ ہوا تھا اور شاید عبدالباقی کے آدمی پھانس لیے گئے۔"

"مگر ان کی کار کہاں گئی؟" سیتا نے سوال کیا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ کہیں چھپے ہوں اور ان کا تیسرا ساتھی ان دو بے ہوش قیدیوں کو اسی کار میں بہ حفاظت لے گیا ہو۔ اور وہ ہمارے انتظار میں کہیں چھپے رہے۔" میں نے کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ ایسے نازک موقع پر میں تم لوگوں کے لیے بوجھ بن کر رہ گیا ہوں۔" ڈرائیور نے تاسف آمیز لہجے میں کہا۔

"افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم تمہیں طبی امداد بھی نہیں دے سکتے۔" سیتا نے کہتے ہوئے اندر کی لائٹ روشن کر دی۔

پھر ہم دونوں نے آگے جھک کر اس کی خون آلود کلائی کو دیکھا۔ وہ شاید اس دوران میں تکلیف کو ضبط کیے ایک رومال سے خون صاف کرتا رہا تھا کیونکہ کلائی پر زخم صاف نظر آ رہا تھا اور اس کے اطراف میں ورم پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔

"میں گاڑی چلا تو اب بھی سکتا ہوں۔" اس نے کہا۔ "لیکن حبس بڑھنے پر تیز رفتاری میں اسٹیئرنگ پر مہارت سے قابو رکھنا دشوار ہو جائے گا۔"

اس کا آخری فقرہ سن کر میری جان میں جان آئی ورنہ میں مسلسل یہی سوچے جا رہا تھا کہ ہمارے صباحیہ پہنچنے کے بعد وہ واپس کیسے جا سکے گا؟

اس کی واپسی کے ساتھ ہی صباحیہ کے علاقے سے سیاہ بیوک کا ہٹایا جانا بھی بہت ضروری تھا کیونکہ وہ مجرموں کی نگاہ میں آ چکی تھی اور اس کی موجودگی سے کوئی بھی ذہین فرد صباحیہ کے علاقے میں ہماری امکانی موجودگی کا اندازہ لگا سکتا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں صباحیہ میں اتار کر تم واپس جا سکو گے؟" یوسف نے سوال کیا۔ شاید اس کا ذہن بھی میری ہی سمت پر کام کر رہا تھا۔

"ہاتھ ٹوٹ بھی جاتا تو بھی ضرور واپس جاتا۔" اس نے پرعزم لہجے میں جواب دے کر سب ہی کا دل خوش کر دیا۔ "موجودہ حالات میں تو تم تینوں میں سے جو بھی حویلی کی طرف گیا، جو بے دالان میں پھنس جائے گا۔"

"تم عظیم ہو میرے دوست!" الیاس نے تھپک کر اس کی پشت پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اپنی تکلیف کے باوجود تمہیں ہماری دشواریوں کا پورا احساس ہے۔"

"اس قیدی کو ٹھکانے لگانا دشوار ہوگا۔" چند ثانیوں کے بعد یوسف نے کہا۔ "میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں وہ اس کی ابتر حالت دیکھ کر ہمیں پناہ دینے ہی سے انکار نہ کر دے۔"

"تو تم اسے لادے کیوں پھر رہے ہو؟" غیر محسوس طریقے پر عبدالستار کا وہ آدمی ہمارے معاملے میں بڑی حد تک ملوث ہو گیا تھا۔

"اس سے کچھ باز پرس کرنی ہے۔" میں نے کہا۔ "یہاں بھی لوگوں کی ... ہے کہ بے ہوش ... کل رات حویلی پر دھاوا بولا۔ پھر آج ... پھیلائی ہیں۔"

"اوہ — یعنی زخمی کا ساتھی!" وہ حیرت اور تحقیر کے ساتھ بولا۔

"پھر میری مانو اور اسے ریڈ کے ویران کھنڈرات میں ......"

"خوب تجویز ہے منگاری۔" اس کا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی یوسف مسرت سے اچھل پڑا۔ "اتنی رات گئے وہاں دور دور تک کوئی اس کی آواز سننے والا بھی نہیں ہوگا۔"

ریڈ صباحیہ سے بیس میل جنوب میں ریگستانی علاقے میں کسی قدیم معبد کے کھنڈرات کا نام تھا جو صدیوں سے ویران پڑا ہوا تھا۔ شکستہ ستونوں پر کہیں کہیں چھت کے نام پر ... بھی باقی نہیں رہا تھا ... کا شکار ہو کر ... پر قتل بیت میں ... وہ جگہ ہر اعتبار سے ہمارے فوری مقصد کے لیے بہترین تھی۔

شہر میں داخل ہوتے ہی بیوک ایک طویل لیکن ویران راستے پر ... جو شہر کا تقریباً نصف طواف کرتا ہوا ریڈ سے چند میل دور سے گزرنے والے سڑک سے مل جاتا تھا۔

رات کے دس بجنے میں چند منٹ باقی تھے کہ بیوک ... ہیبت ناک کھنڈرات کے قریب جا کر ٹھہر گئی۔ سڑک سے ... تک کا راستہ کچا ہی تھا لیکن ... ڈرائیور نے ... قابل ذکر دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

بے ہوش قیدی کو لے کر ... سے باہر نکال کر ہم لوگ کھنڈرات کے ایسے حصے میں لے گئے جہاں ... کے باعث ... کے درمیان بیٹھنے کے لیے ... جگہ موجود تھی۔

قیدی کو فرش پر ڈال کر میں نے ڈرائیور سے ٹارچ لے لی۔

سیتا کے فائر نے اس شخص کی داہنی طرف کی نچلی پسلیوں ... خاصا کاری زخم لگایا تھا جس سے کم از کم نچلی چار پسلیاں متاثر ہوئی تھیں۔

رنگت کے اعتبار سے وہ حبشی ہی معلوم ہوتا تھا مگر خدوخال میں عجیب سی کشش پائی جاتی تھی۔ اس کے جسم پر لباس عربی طرز کا ... جو مقامیوں میں بھی مقبول ہوتا جا رہا تھا۔

اس کے جائزے سے فارغ ہو کر میں نے سگریٹ سلگا لیا اور ہم تینوں ایک طرف بیٹھ گئے۔

"اب کس کا انتظار ہے؟" ڈرائیور نے ادب سے سوال کیا۔

"یہ ہوش میں آ جائے۔" میں نے کہا۔

"اسے تو ابھی لاتا ہوں ہوش میں۔" اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا اور پھر اس کی پشت پر گردن کے مقام پر ... کی اور قیدی کا بھاری جسم حرکت میں آ گیا۔ اس کے حلق سے ایک خفیف

سی کراہ بھی برآمد ہوئی تھی جسے سن کر میں حیران ہو گیا۔

چند ثانیوں تک اس کا جسم بے چینی سے دائیں بائیں ہلکورے لیتا رہا۔ ڈرائیور اس کے سر پر سوار خوب سے اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا پھر اس نے جھک کر قیدی کے منہ پر الٹے ہاتھ سے بھرپور تھپڑ رسید کیا اور قیدی نے تڑپ کر آنکھیں کھول دیں۔

ہوش میں آتے ہی اس کے دونوں ہاتھ اپنی کمر پر چلے گئے۔ اس کے بشرے پر بھی شدید اذیت کے آثار طاری تھے جو ٹارچ کی روشنی میں ذرا صاف نظر آ رہے تھے۔

"دشت... تم کون لوگ ہو؟" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں عربی میں سوال کیا تھا۔

ڈرائیور نے بے رحمی سے ایک دوسرا تھپڑ رسید کیا۔ "دلال! صرف ہم سوال کر سکتے ہیں۔ اگر ہمارے سوالات کے جواب فوری طور پر نہ دیے تو واللہ تیری کھال کھنچوا کر اس میں بھنگیاں بھروا دوں گا۔"

وہ دھمکی کارگر رہی۔ قیدی خاموش ہو گیا لیکن اس کے گہرے گہرے سانسوں کی آوازیں بہ آسانی سنی جا سکتی تھیں۔

"تم کس کے لیے کام کرتے ہو؟" یوسف نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"وعدہ کرو کہ تم مجھے ہلاک نہیں کرو گے۔" وہ خوفزدہ آواز میں منمنایا۔

"کوئی وعدہ نہیں۔" یوسف سے پہلے ڈرائیور بول پڑا۔ "تمہاری زندگی اور موت کا فیصلہ آخر میں تمہارے اس وقت کے رویے کے پیش نظر کیا جائے گا۔"

اس نے شاید اپنا حلق تر کرنے کے لیے تھوک نگلا جس کی آواز سنائی دی تھی۔ "دشت... تم سنگدل معلوم ہوتے ہو۔" وہ کراہتے ہوئے بولا تھا۔ "میرے سامنے سے ہٹ جاؤ اور خدا کے لیے مجھ سے دور ہو کر بات کرو۔ تم وحشی معلوم ہوتے ہو۔"

"تمہارے مقدر کے فیصلے کا انحصار اسی پر ہے۔" یوسف نے سفاکانہ لہجے میں اس سے کہا۔ "اس کی بائیں کلائی تمہارے ساتھی کی گولی سے ٹوٹ چکی ہے۔"

"میں تمہیں اس کا بھی پتہ بتا دوں گا۔" وہ گڑگڑایا۔ "لیکن مجھے معاف کرنے کا وعدہ کرو پہلے۔"

"بزدل!" ڈرائیور حقارت آمیز لہجے میں ہنسا اور اس نے پھر اس کے چہرے پر ایک تھپڑ جڑ دیا۔ "تو بتاتا کیوں نہیں؟"

"ہم — مم ... کے لیے کام کرتا ہوں۔" وہ ... لہجے میں بولا۔ مجھے خوشی تھی کہ عبدالستار کے اس نمک خوار نے نہایت ... انداز میں قیدی کو دہشت زدہ کرنے کا کام سرانجام دیا تھا ورنہ دوسرے طریقوں سے شاید وہ بآسانی قابو میں نہ آتا۔

"اس کا پتہ؟" یوسف نے سوال کیا۔

قیدی نے بلاتوقف ایک فون نمبر دہرا دیا۔ "ہم نے آج تک اسے نہیں دیکھا۔ یہی نمبر ہے۔ اسے اطلاعات فراہم ہوتی ہیں اور ہدایات ہمیں ... طریقوں سے ملتی ہیں۔"

"وہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟"

"ہمیں حویلی سے نکلنے والے ہر فرد کو اغوا یا قتل کرنے کی بھرپور کوششیں کرنی تھیں۔" اس نے خوفزدہ لہجے میں انکشاف کیا۔

"سیاہ بیڈ فورڈ کے مسافروں کا کیا حشر ہوا؟" یوسف ... سے سوالات کیے جا رہا تھا۔

"یہی معلوم کرنے کے لیے تو ... میں زندہ پکڑنے کی کوشش کی گئی تھی۔" اس کے جواب نے مجھے چونکا دیا۔ یوسف کا رد عمل بھی مختلف نہیں تھا۔

"تفصیل سے بتاتے چلے جاؤ۔"

"میں لفظ بہ لفظ سچ بول رہا ہوں۔" وہ رو دینے والی آواز میں بولا۔ "تم میرا یقین کرو۔ وہاں ... سے ... پانچ پارٹیاں مامور تھیں۔ دو آدمی حویلی کے سامنے ٹیلوں میں چھپے نکاسی کے راستے کی نگرانی کر رہے تھے۔ سات آدمی شہر کے ایک سرے پر دو گاڑیوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ دوسرے سرے پر بھی دو گاڑیوں میں پانچ آدمی موجود تھے۔ اور ہم سب کا محدود علاقے میں کام کرنے والے ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم تھا۔ سیاہ بیڈ فورڈ حویلی سے نکل کر ہماری طرف روانہ ہوئی۔ تو پہاڑیوں کی نگرانی کرنے والوں نے ہمیں ہوشیار کر دیا۔ ہم حویلی سے دو میل آگے تعاقب کے لیے تیار ہو گئے لیکن مطلوبہ کار کے بجائے مخالف سمت سے ہمیں ایک بڑا فوجی قافلہ آتا نظر آیا۔ جو حویلی کی طرف جا رہا



تھا۔ ٹیلوں کی آڑ میں ہماری گاڑیاں محفوظ رہیں لیکن سیاہ گاڑی اس کے بعد بھی نظر نہ آئی۔ بعد میں ہمارے دو آدمیوں کو بھی حویلی کے سامنے سے بھاگ کر دوسری سمت میں جانا پڑ گیا کیونکہ فوجیوں نے عمارت میں گھسنے کے ساتھ ہی باہر بھی پھیلنا شروع کر دیا تھا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے ہمارا رابطہ ٹوٹ گیا۔ شاید انہیں ٹرانسمیٹر کے حلقے سے دور جا کر پناہ لینی پڑی تھی لیکن ہم بالکل محفوظ تھے۔"

وہ شاید اپنا سانس درست کرنے کے لیے خاموش ہوا تھا لیکن ڈرائیور اس کے حق میں جلاد بنا ہوا تھا۔ اس نے جوں ہی قیدی کو ٹھلایا، وہ پھر بولنے لگا۔

"ہم اس راستے کی کڑی نگرانی کر رہے تھے کہ حویلی والی سمت کے کچے راستے سے تمہاری کار سڑک پر آئی اور ہم چونک پڑے۔ اس طرف میں حویلی کے علاوہ کوئی عمارت نہیں ہے۔ یہ جو ملتے ہیں یہ سوچنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ فوجی کارروائی کے نتیجے میں حویلی سے خفیہ طور پر کسی شخص یا سامان کو کہیں منتقل کیا جا رہا ہے لہٰذا ہم دو آدمی جیپ میں تمہارے پیچھے لگ گئے۔ صحرائی راستے پر ہم نے جیپ کی تمام روشنیاں گل رکھی تھیں پھر گھاٹی سے گزرنے کے بعد جب تمہاری کار سڑک کے کنارے رک گئی تو ہم نے سمجھ لیا کہ وہاں سے تمہاری واپسی ہوگی۔ تمہاری تعداد چار تھی اور انتظمیں بھی موجود تھیں اس لیے کھلے میدان میں تمہیں للکارنا خودکشی کے مترادف ہوتا لہٰذا ہم واپس ہوئے اور گھاٹی میں ایک مقام کا انتخاب کر کے وہیں رک گئے۔ میں ایک ٹیلے کی چوٹی پر چڑھ گیا اور جیسے ہی دور سے تمہاری ہیڈلائٹس آتی دیکھیں، میں نے اپنے ساتھی کو اشارہ دیا اور وہ جیپ سے راستہ مسدود کر کے دوسری طرف کے ٹیلے پر چڑھتا چلا گیا۔ ہمارا مقصود یہ تھا کہ تم میں سے کم از کم ایک کو زندہ پکڑ کر سینڈر روڈ کے بارے میں معلوم کر سکیں۔"

"یعنی ہمارے نمودار ہونے تک وہ گاڑی تمہارے سامنے سے نہیں گزری تھی؟" یوسف نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"نہیں۔" اس نے لرزتے وثوق سے جواب دیا۔

"اور نہ تم یہ بتا سکتے ہو کہ فوجیوں کی اس بھاری جمعیت نے وہاں دھاوا کیوں بولا تھا؟" یوسف کا لہجہ زہریلا ہو گیا۔

"ان کی آمد پر ہم خود حیران تھے۔"

"تمہاری قومیت کیا ہے؟" یوسف اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس کا لہجہ یکلخت خوفناک ہو گیا تھا۔

"مصری۔" قیدی کی آواز میں دہشت سمٹ آئی تھی۔ یوسف کے لہجے کی تبدیلی نے اسے بری طرح خوفزدہ کر دیا تھا۔

"اور اسرائیل کے لیے کب سے کام کر رہے ہو؟" یوسف اس کے قریب جا پہنچا۔

"ساڑھے تین سال سے۔" وہ بولا۔ "وہ مجھے بھاری مشاہرہ دیتا ہے۔"

"میرا کام علاوہ، ذہن فروش اور بے ضمیر کو بھاری مشاہرہ ہی ملتا ہے!"

یوسف کا لہجہ بے حد تلخ ہو گیا۔ "تم جانتے ہو وہ کون ہے؟"

"نن... نہیں۔" قیدی کی آواز اس کے حلق میں پھنسنے لگی۔

"وہ بھی تم جیسا ہی ہے۔" یوسف کی آواز اور گمبھیر ہو گئی۔ "بہرحال وہ ذلیل ہے کہ ان کے لیے کام کرتا ہے مگر وہ خود کو بے وطن کہتا ہے اور تم ذلیل انسان! خود کو مصری کہتے ہو۔"

"م... میں نے مصر کے خلاف آج تک کوئی کام نہیں کیا..." وہ مرتعش آواز میں بولا۔

"مگر میں تمہیں بتاتا ہوں کہ پہلی تم مصر کی مخالفت کے لیے کام کرتے رہے ہو۔" یوسف غرایا اور بجلی کی سی سرعت سے پستول کا سیفٹی کیچ ہٹا کر چند انچ کے فاصلے سے قیدی کی کھوپڑی پر گولی چلا دی۔ بارود کا دھواں صاف ہوا تو بغیر سر کی ایک لاش رسیوں کے ان بندھنوں میں پڑی ہوئے بھیجے لرز رہی تھی۔

یوسف سر جھکا کر تیزی کے ساتھ کار کی طرف بڑھ گیا۔ ہم تینوں بھی خاموشی سے اس کے پیچھے ہو لیے۔

جوک کے سفر کا آغاز نہایت خاموشی کے ساتھ ہوا۔ ہر شخص نمایاں تھا۔ ہر ایک اپنی اپنی جگہ کچھ سوچنے میں مصروف تھا۔

اور اسی گمبھیر خاموشی میں جوک شہر میں داخل ہوئی اور تھوڑی دیر بعد صباحیہ کی صاف ستھری آبادی میں ایک بنگلے کے پھاٹک کے سامنے ٹھہر گئی۔

"خالی ہاتھ لوٹ آئے۔" یوسف کی آواز دل گرفتہ تھی۔

میں سیٹ سمیت پیچھے آ گیا۔ ڈرائیور نے بھی اپنی نشست چھوڑ دی۔ کار کا انجن بدستور چل رہا تھا۔

خاموشی لیکن گرمجوشی کے ساتھ ہم تینوں نے عبدالباقر کے جانثار دوست سے ہاتھ ملائے اور وہ ہمیں وہیں کھڑا چھوڑ کر جوک آگے لے چلا گیا۔

جب یوسف واپس مڑا تو میں چونک پڑا۔

"کیا یہ بنگلہ نہیں ہے؟" میں نے چوبی پھاٹک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں، تھوڑی دور چلنا ہو گا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "مجھے افسوس ہے لیکن کہنا پڑتا ہے کہ وہ ایک غریب پاکستانی کا مکان ہے جو لوگوں سے رازداری کی منہ مانگی قیمت وصول کر کے انہیں رہنے کو جگہ فراہم کرتا ہے۔"

پاکستانی کا ذکر کرتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ حیرت ہے نے اس کا تذکرہ عزت آمیز الفاظ میں نہیں کیا تھا لیکن یہی کافی تھی۔ مصیبت کے ان کٹھن لمحات میں وہ یوسف کے اعتماد کے... دنیا بڑی مختصر سی ہے۔ کون جانے کہ وہ میرا ماضی کا کوئی شناسا ہی ہو۔ میں نے سوچا اور یوسف کی تقلید میں چلتا ہوا ایک... دکان پر رک گیا۔

"برا مان گئے؟" اگلی گلی میں گھومتے ہوئے یوسف نے مجھے خاموش پا کر چھیڑا۔

"کس بات کا؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"تمہارے ایک ہم وطن کا تذکرہ میں نے نامناسب الفاظ میں کیا ہے!" اس نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"مخلص ہونے کے باوجود تم نے اسے اپنے اعتماد کے قابل سمجھا ہے؟" میں نے اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر اپنے تجربے کی بنا پر اسے اس سے بھی برے الفاظ میں یاد کرتے تو میں برا نہ مانتا!"

"بڑے فراخ دل ہو!" وہ ہنسا۔

"ہر ملک اور ہر خطے میں مجھ اور جیسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ پاکستان بھی ان ہی میں شامل ہے۔ حقائق کا برا ماننا حماقت ہے۔" میں نے کہا۔

"معاف کرنا، معذرت مانگ لیتا ہے لیکن زبان کا پکا ہے۔ اگر بعد میں اس پر ہمارے دشمنوں کا ہاتھ پڑ بھی گیا تو مر جائے گا مگر ہمارے بارے میں زبان نہیں کھولے گا۔"

"تم برائی کے بجائے اس کی تعریف کر رہے ہو!" میں نے ہنس کر اسے ٹوکا۔

"برے لوگوں میں بھی بعض اچھی صفات پائی جاتی ہیں۔ ان کا اعتراف نہ کرنا ظلم ہوتا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"اور بعض اچھے لوگوں کی شخصیت محض کسی ایک بری عادت کی وجہ سے مسخ ہو کر رہ جاتی ہے!" میں نے وہ پیدل مسافت خاموشی سے طے کرنے کے بجائے بات جاری رکھنے کی نیت سے چٹکلا چھوڑا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو!" اس نے بھرپور لہجے میں میری تائید کی۔ "میری زندگی کا رخ بدلنے والا بھی ایک ایسا ہی شخص تھا جو نرم دل، فیاض اور ہمدرد ہونے کے ساتھ ہی بدزبان بھی تھا۔ غصے میں آ کر لوگوں کی دل آزاری کی حد تک بدزبانی کرتا تھا اور بعد میں خلوص دل سے ان سے معافی بھی مانگ لیتا تھا۔"

"لیکن زبان کا لگایا ہوا زخم معذرتوں سے کبھی نہیں بھرتا!" سیتا نے ٹکٹکیوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے لقمہ دیا۔

"واللہ یہی ہوا!" یوسف فوراً بولا۔ "تین برس کی لازمی فوجی تربیت اور خدمت کے بعد میں نے بیروت میں ایک ملازمت کی تھی۔ پھر ایک روز میں آ کر نے طیش میں آ کر میری کارکردگی کو ناکام قرار دے کر مجھے ہمیشہ کے لئے بھی ملازمت کے تصور سے متنفر کر دیا اور میں دوسرے ہی روز مستعفی ہو کر تنظیم میں لوٹ آیا!"

"کبھی کبھی معمولی واقعات بھی بڑے اہم ثابت ہوتے ہیں!" میں نے کہا پھر ذرا سے توقف کے بعد دریافت کیا۔ "نام کیا تھا اس پاکستانی کا؟"

"عبداللطیف!" اس نے ذرا سے توقف کے بعد کہا۔ "بوڑھا تو تمہارا ہے لیکن پیسہ کمانے کی بے انداز ہوس ہے۔ نہ جانے ملک میں اس کا کون بیٹھا ہے؟ کس کے لئے کمائے جا رہا ہے وہ؟ کبھی زندگی میں کسی کو خیرات نہیں ہونے دیتا!"

چند منٹ بعد ہم ایک خوبصورت بنگلہ نما مکان کے پھاٹک پر پہنچ گئے جس کا احاطہ اندر جلنے والے بلب کی روشنی کے باوجود نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا!

یوسف نے ستون پر نصب بٹن دبایا جس کے جواب میں عمارت کے کسی دور افتادہ حصے میں گھنٹی بجنے کی آواز آئی اور چند ثانیوں بعد عمارت کا دروازہ کھل گیا۔

کھلے ہوئے دروازے کے روشن خلا میں نظر آنے والا دراز قد انسانی ہیولا باہر نکل کر رکا۔ پھر اس کی پاٹ دار آواز گونجی "رات گئے کون ہے؟"

"مشرق کے مہمان!" یوسف نے اپنی آواز اسی حد تک بلند کی کہ وہ شخص اس کا پراسرار جواب سن سکے۔

یوسف کے الفاظ میں کوئی نہ کوئی تاثیر تھی کہ وہ شخص تیزی سے آگے بڑھتا چلا آیا اور فوری طور پر پھاٹک کھول کر ہمیں اندر بلا لیا۔

"یوسف!" برآمدے سے آنے والی مدھم روشنی میں اس نے یوسف کو پہچانتے ہی تحیر آمیز لہجے میں سوال کیا۔ "خیریت تو ہے؟"

"تمہارے گھر کا راستہ خراب حالات میں ہی یاد آتا ہے!" یوسف نے اس کے ہمراہ عمارت کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"اور یہ دونوں کون ہیں؟"

"میرے ساتھی!" یوسف نے جواب دیا اور اس نے [illegible] کے رتبے کا لحاظ کرتے ہوئے ہمارے بارے میں تفصیل جاننے پر کوئی اصرار نہیں کیا۔

مکان اندر سے بہت صاف ستھرا تھا لیکن وہاں عبداللطیف کے سوا کسی اور کی موجودگی کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔

ایک آدھ رسمی فقرے کے بعد یوسف براہ راست مطلب کی طرف آ گیا۔ "ہمیں دو چار روز کے لئے پناہ درکار ہے۔ ممکن ہے جلد ہی اس سے پہلے ہی چلے جائیں گے!"

"پہلے جانا تمہارا اپنا فعل ہو گا۔ مجھے تو یہ بتاؤ کہ ہمیں دو روز کا کرایہ چاہئے یا چار دن کا؟" کاروباری بات شروع ہوتے ہی عبداللطیف نے فطری خصلت کا اظہار کر ڈالا۔

"فی الحال حالات پر نگاہ رکھتے ہوئے چار روز ہی رکھو!" یوسف نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا اور میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"دس ہزار ہوں گے!" عبداللطیف نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے کہا۔ "تم سے زیادہ تمہارے ساتھیوں کو پناہ دینا خطرناک [illegible] ہے!"

"وہ کیسے؟" میں اپنی زبان پر قابو نہ رکھ سکا۔

"اول تو یہاں ہندی اور پاکستانی جرم کرتے ہوئے بھی کانپتے ہیں۔ بالفرض چھوٹا موٹا جرم کر بھی لیں تو فوراً ہی پکڑے بھی جاتے ہیں مگر [illegible] اس کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔ "تم یوسف کے ہمراہ پناہ لینے میرے پاس آئے ہو تو اس کا مطلب یہی ہے کہ تم کسی سنگین معاملے میں مطلوب ہو لیکن ہتھیار اٹھانے کے عادی نہیں ہو...!"

"تمہیں مزید رقم مانگنی ہو تو مانگ لو!" یوسف نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "لیکن جو بات تمہاری موجودگی میں یہاں طے ہو گی اس کا بھید کسی پر نہیں کھلنا چاہئے!"

"فکر نہ کرو!" وہ پراعتماد انداز میں ہنسا۔ "اپنا کام خود کر سکو تو میں اپنی مصری نژاد خادمہ کو بھی چار دن کی چھٹی دے دوں!"

"اعتماد کی عورت ہے؟" یوسف نے سوال کیا اور سیتا دانستہ ٹہلتی ہوئی ہم سے چند قدم دور نکل گئی۔

"بیحد رسمی!" عبداللطیف آزادانہ لہجے میں بولا۔ "میرے ہی پاس ملازم ہے ورنہ ابھی نکال دی جائے۔ جیسی باتیں کیسی [illegible] ہو گئی ہے؟"

"اسے چھٹی کر دو تو بہتر ہے!" یوسف نے کہا۔

"لیکن وہ مشکوک نہ ہو جائے گی کہ مہمانوں کے آتے ہی اسے کیوں چھٹی دی گئی؟" یوسف نے اپنی دانست میں ایک اہم نکتہ اٹھایا۔

"تم اس کی فکر نہ کرو!" عبداللطیف مخلصانہ انداز میں ہنسا۔ "جب میں اسے بتاؤں گا کہ میرے قریبی عزیز میرے ساتھ ایک جوان عورت کی موجودگی کی خبر سن کر اطلاع دیے بغیر اچانک آ دھمکے ہیں تاکہ اس کی چھٹی تمام کر کے قاضی کی عدالت میں لے جائیں تو وہ خود ہی بھاگ نکلنے کے لئے بے چین ہو جائے گی!!"

"تو جاؤ پہلے اسے فارغ کر آؤ!" یوسف نے کہا اور وہ چلا گیا۔

"واقعی بہت مکار آدمی ہے!" اس کے چلے جانے کے بعد سیتا ہم دونوں کے قریب آ کر دھیمی آواز میں بولی۔

"وہ جس فن سے پیسہ کماتا ہے، اس میں ساری قیمت مکاری کی ہی ہے!" یوسف نے نرمی سے کہا۔ "یہ کہیں بھول جانا کہ اس بدترین وقت میں صنعا میں اس کی چھت ہمیں چند روز کے لئے تحفظ فراہم کر سکتی ہے!"

ہم تینوں صوفوں پر بیٹھ گئے اور میں سگریٹ سلگا کر اس نقطے تک پہنچانے والے واقعات کو ذہن میں یکجا کرنے لگا۔

یہ طے ہو چکا تھا کہ عبدالباقر کی ملازمہ زینی جو [illegible] کی سیکریٹ سروس کی ایجنٹ تھی اور صنعا میں اس کے روابط [illegible] دہشت گرد مائیکل ٹرمپ سے [illegible] تھے۔ اس کی نشان دہی پر مائیکل ٹرمپ کے آدمیوں نے عبدالباقر کی حویلی پر حملہ کر کے مجھے اور سیتا کو ہلاک کرنے کی ناکام کوشش کی تھی!

اس ناکامی کے نتیجے میں جو لاشیں وجود میں آئیں ان میں باقی کا ایک مشکوک ملازم مائیکل تھورن تھا اور [illegible] کی کلائی پر گھڑی بھی تھی جو یقینی طور پر مائیکل ٹرمپ کے گروہ کا شناختی نشان تھا!

اس ناکامی کے بعد عبدالباقر کی حویلی کی جھاڑیوں میں [illegible] مشکوک [illegible] سے [illegible] ہوتے ہی حویلی فوجی کارروائی کی زد میں آ گئی جس کے بارے میں یوسف کا نظریہ مجھے قرین قیاس معلوم ہو رہا تھا۔

ماضی قریب کی ایک ناکام فوجی بغاوت کے سلسلے میں غلط فہمی کی بنا پر اس کا نام سامنے آیا ہوا تھا اور وہ فوج کو مطلوب تھا۔ لہٰذا دہشت گردوں نے میرا اور سیتا کا نام اس کے معاون کے طور پر فوج تک پہنچا دیا اور فوجی دستے مشتعل ہو کر عبدالباقر کی حویلی پر آ پہنچے تاکہ یوسف اور اس کے مددگاروں کو اپنی تحویل میں لے سکیں۔

لیکن وہ خطرہ بھی ہمارے کانوں کے پاس سے گزر گیا اور [illegible] میں مائیکل ٹرمپ کے ایک حواری کو مار دینے کے بعد [illegible] میں اور [illegible] تبدیلی سے یہ معلوم ہو گیا کہ صنعا میں مائیکل ٹرمپ اپنے پورے وسائل کے ساتھ ہماری بو پر لگا ہوا تھا جبکہ ہمارے پاس محض ایک فون نمبر تھا یا ایک مشکوک سفارتی افسر کا نام!

یوسف کو مائیکل ٹرمپ اور اس کے لیفٹیننٹ [illegible] سے دلچسپی ہونی ناگزیر تھی جب کہ میرا اور سیتا کا مفاد کسی الجھن میں پڑے بغیر نکل جانے میں تھا لیکن ان حالات میں جبکہ مائیکل اور اس کے حواری یوسف کے ساتھ ہی ہمارے پیچھے بھی ہاتھ دھو کر پڑے تھے، جلد سے جلد کسی تصادم سے دوچار ہوئے بغیر نکلنا محال نظر آ رہا تھا۔

میں اسی سوچ بچار میں ڈوبا ہوا تھا کہ عبداللطیف اپنے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ سجائے واپس آ پہنچا۔

"کیا ہوا؟" عورت ہونے کے رشتے سے سیتا کو اس معاملے کے انجام سے فطری طور پر گہری دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔

"قاضی اور میرے رشتے داروں کا ذکر سنتے ہی سراسیمہ ہو گئی!" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "پوری بات سنے بغیر ہی دروازے سے بھاگ گئی۔"

"وہ لڑکی کہاں گئی ہو گی؟" یوسف نے سوال کیا۔

"یمن جیسے سخت ملک میں دو چار روز کے لئے اسے آسانی سے پناہ مل جائے گی!" اس نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

عبداللطیف کے اور ہمارے درمیان کوئی گہرا رشتہ نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ پیسے کا رسیا تھا اور ہم تحفظ کے خریدار!

ہم نے اسے منہ مانگا معاوضہ دے کر چار روز کے لئے اسے اپنا سفیر بے دام بنا لیا تھا۔ اس سے آگے دونوں فریق ایک دوسرے سے لاتعلق تھے۔

اس نے ہمیں اپنے مکان کے دو کمرے دکھائے جن میں سے پھر شاید یوسف نے منتخب کر لیا اور میں نے سیتا کے ہمراہ ڈیرا جما لیا۔

جتنی دیر میں ہم لوگ نہا دھو کر تازہ دم ہوئے، عبداللطیف نے چائے سے لئے کھانے کی میز تیار کر دی۔

"یہ سب کہاں سے آئے تم؟" میں نے میز پر گرم گرم کھانے دیکھ کر حیرت سے سوال کیا۔

"صرف گرم کرنے کا قصور وار ہوں!" وہ خوشدلی کے ساتھ بولا۔ "میاں حبیب فریزر منجمد کھانوں سے ہر وقت بھرا رہتا ہے۔"

"اکیلی ذات کے لئے اتنا اہتمام؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"بس جیسے مہمانوں کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہوں، اگر خورد و نوش کے سامان کی روزمرہ خریداری میں اچانک اضافہ ہو جائے تو دیکھنے والوں کو سوچنے کے لئے کافی سے زیادہ مواد مل جاتا ہے۔ اب چار روز تک تم اپنی خورد و نوش کی ساری ضروریات اس چار دیواری میں رہتے ہوئے پوری کر سکو گے۔"

کھانا دوستانہ فضا میں کھایا گیا۔ اس دوران یوسف نے ہم دونوں کا عبداللطیف سے تعارف کرا دیا اور نہ ہی اس نے ہمارے بارے میں کسی تجسس کا اظہار کیا۔

کھانے کے بعد قہوے کا ایک دور چلا پھر سب اپنے کمروں میں لوٹ گئے۔

"مجھے یہ شخص بڑا عجیب سا محسوس ہو رہا ہے!" خلوت میسر آتے ہی سیتا نے لطیف کے بارے میں بدگمانی کا اظہار کر ڈالا۔

"خطرناک؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں!" اس نے بے دلی سے کہا۔ "نہ خطرناک نہ شریف لیکن پھر بھی اس کی طرف سے اپنے دل میں بے چینی سی محسوس کر رہی ہوں!"

"شاید اس لئے کہ اس نے ہم دونوں کے بارے میں غیر فطری رویے کا اظہار کیا ہے؟" میں نے اس کی خلش کو زبان عطا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"غیر فطری رویہ! تم کس بنا پر کہہ رہے ہو؟"

"روئے زمین پر شاید گنتی کے چند لوگ ہی ایسے ہوں جو کسی اجنبی کا نام تک جانے بغیر اسے دلی خوشی سے اپنی چھت کے نیچے بسا لینے پر تیار ہو جائیں!"

"لیکن وہ اس بات کا معاوضہ لے رہا ہے!"

"فطری تجسس کا معاوضے سے کوئی تعلق نہیں!" میں نے کہا۔ "معاوضے سے اتنا فرق پڑتا کہ وہ ہماری زبانوں سے فرضی نام سننے کے بعد بھی بظاہر یقین کر لیتا!"

"بہر حال آج کی رات ہمیں ہوشیار رہنا ہوگا۔" اس نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

"پہلی رات کی ذرا سی غفلت عمر بھر کا روگ بن سکتی ہے!" میں نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"تم بہک رہے ہو!" وہ شرمیلے لہجے میں بولی۔ "چلو! اپنے بستر پر لیٹو!"

ہم دونوں ہلکی پھلکی فضاؤں میں ہوا سے بھی لطیف تر ہو کر سرمئی بادلوں کی طرف اڑتے ہوئے معصوم پرندوں کی طرح ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگے۔ ان لمحوں کا ذکر ہوا جو ہمالیہ کے جزیروں میں بیت گئے تھے۔ سندری کا نام آیا جس نے الف برہنہ لوٹس ایک حسین بچی کو جنم دے کر پروان چڑھایا اور جب وہ سیتا کے جڑواں پیکر میں ڈھل گئی تو میرے عقیدے کے ہاتھوں بہکا۔ ڈھلکا اس ہم دوشی و دوشیزہ کے حیوانی قبیلے میں جا پہنچا جہاں سندری نے تہذیب کے سائے کی آرزو میں اپنی بیٹی سیتا مجھے سونپ دی پھر وہ سہولتیں نصیب ہو گئے جو انسانی بیل ایک مدت سے ہجر کی تپش نے ہم نے ایک دوسرے کے گرم سانسوں میں پگھل کر ایک ساتھ دیکھے تھے۔

مگر اب مجھے بستر پر پڑے پڑے تھکان کا احساس ہونے لگا جیسے میرے بدن کے سارے جوڑ کھل چکے ہوں!

سیتا کو پانے تک میں اس کے سوا ماضی کی ہر یاد سے بندھا ہوا کر ایک خون آشام وحشی کی طرح اپنی زندگی اور سیتا کے حصول کے لئے آگے ہی آگے بھاگتا چلا جا رہا تھا اور اب فرصت کے چند سانس میسر آ جانے پر اپنے ماضی پر نگاہ دوڑائی تو ایک طویل مسافت کا حامل یک بیک جاگ اٹھا جس نے اپنی عمر عزیز کے کتنے قیمتی دن اس بھاگ دوڑ میں گزار دیئے تھے!

اچانک خواب گاہ کے دروازے پر ہلکی سی دستک کی آواز نے چونکا دیا۔ سیتا کسی خوف زدہ ہرنی کی طرح سمٹ گئی۔ اس کا بایاں ہاتھ چلا اور اس نے سرہانے ڈھلکا ہوا سوئچ دبا کر مدھم روشنی والا سبز بلب بھی بجھا دیا۔ وہ عبداللطیف کی چھت کے نیچے ہماری پہلی رات تھی۔

کسی وحشیانہ جذبے کے زیر اثر میرا دل بے ترتیبی سے دھڑکنے لگا۔ سیتا کے سانسوں کی آواز اس اندھیری فضا میں مجھے صاف سنائی دے رہی تھی۔ اس کی آنکھیں ستاروں کی طرح چمک رہی تھیں اور وہ کسی بھی لمحے بستر سے اٹھنے کے لئے تیار تھی!

دروازے پر دوبارہ ہلکی سی دستک ہوئی۔

"کیا تم جاگ رہے ہو؟" آواز سرگوشیانہ تھی لیکن پھر بھی پہچانی جا سکتی تھی۔ دستک دینے والا ہمارا میزبان عبداللطیف تھا اور انگریزی بول رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے اس کی آواز پہچان لینے کے بعد ناگواری کے ساتھ سوال کیا۔

"تم سے کچھ بات کرنی ہے!" اس کی آواز میں التجا پنہاں تھی۔

میں نے منع کرتے ہوئے بھی بستر چھوڑ کر دروازہ کھول دیا۔ اس اثنا میں سیتا لباس درست کر چکی تھی۔

"معاف کرنا میں تمہارے آرام میں مخل ہوا!" وہ اندر آئے بغیر ہی معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔ "مگر ذہن کی ٹیس اس وقت مجھے تمہارے پاس لے آئی۔ تم پاکستانی ہو نا؟"

اس وقت وہ حریص اور مکار عبداللطیف نہیں لگ رہا تھا بلکہ حقیقی معنوں میں کسی ہم نفس کو ترسا ہوا ایک غریب الوطن شخص نظر آ رہا تھا۔

مجھے اس پر ترس آ گیا مگر پھر بھی میں نے کسی اعتراف سے گریز کرتے ہوئے کہا۔ "پاکستانی ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"یہاں خاتون کے آرام میں خلل پڑے گا!" وہ لجاجت سے بولا۔ "برا نہ مانو تو ذرا سی دیر کے لئے میرے کمرے یا ڈرائنگ روم میں آ جاؤ!"

مجھے تفکر کے باوجود اس پر ترس آ گیا۔ "جاؤ تم بیٹھو آ جاؤں گا۔ میری بیوی بھی کسی بات کا برا نہیں منائے گی!"

"بہت بہت شکریہ!" اس کے لہجے میں واقعی ممنونیت جھلک آئی۔ "لیکن بہتر ہوگا کہ تم میرے ساتھ آ جاؤ۔ تم سے بے تکلفی سے باتیں کرنے کو طبیعت چاہ رہی ہے!"

"جاؤ! میں انتظار کروں گی!" سیتا نے میرا ہیجان سمجھتے ہوئے مجھے سہارا دیا اور میں خواب گاہ سے باہر نکل گیا۔

"غریب الوطن ہونا بھی بڑا عذاب ہے!" وہ مختصر سی راہداری طے کر کے مجھے اپنے شب خوابی کے کمرے میں لے جاتے ہوئے بولا۔ "آدمی ہزاروں میں رہتے ہوئے کے باوجود بھی بسا اوقات خود کو بالکل یکہ و تنہا محسوس کرتا ہے!"

"مگر تم تو یہاں بڑی آسودہ زندگی گزار رہے ہو!" میں نے اس کے ہمراہ اس کی خواب گاہ میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"مجھ غریب الوطن کی زندگی کے دو روپ ہوتے ہیں!" وہ شیشے کا اشارہ کرتے ہوئے رنگین لہجے میں بولا۔ "ایک خوشگوار جو دیکھنے والوں کو نظر آتا ہے اور دوسرا انتہائی بھیانک جو خود اس کے لئے ہوتا ہے اور جس کی آگ میں وہ چپکے چپکے جلتا رہتا ہے!"

"میرے لئے تمہاری گفتگو حیرت ناک ہے!"

وہ سادگی سے ہنسا۔ "ضرور ہوگی کیونکہ دور سے دیکھنے والے مجھے ایک سکھی اور خوشحال انسان کے طور پر جانتے ہیں اور تم بھی ان ہی میں سے ایک ہو!"

"لیکن ایسا کیا دکھ ہے تمہیں؟"

"تم میرے ہم وطن ہو!" اس نے میرے اعتراف کی ضرورت محسوس کئے بغیر یک طرفہ طور پر فرض کر لیا۔ "اور اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو شاید تم میرے شناسا بھی ہو!"

"شناسا؟" میں نے اپنے حافظے کو کریدتے ہوئے حیرت سے دہرایا۔

"ضروری نہیں کہ تم بھی مجھے جانتے ہو!" اس نے میری حیرت رفع کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن مجھے یقین ہے کہ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے!"

میرا دل یک بیک تیزی سے دھڑک اٹھا۔ پہچان لیا ہے؟

"مہینوں پہلے کسی اخبار میں تصویر دیکھی تھی تمہاری۔ تم شاید بلکہ یقیناً صفدر علی ہو!" اس نے جھجکتے ہوئے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"کس صفدر علی کی بات کر رہے ہو؟"

"تمہاری!" وہ پُر وثوق اور پُر جوش لہجے میں بولا۔ "اور کس صفدر علی کو جنم دیا ہے اس دھرتی نے جس کے نام سے بھیڑیوں کا پتہ پانی ہو جاتا ہے... تت... تم یقین کرو کہ میں تمہارا دشمن نہیں بلکہ یہاں میری ذات سے تمہاری سلامتی کو کوئی خطرہ نہیں پہنچے گا۔ بس تمہارا اعتراف سن کر میرے دل کو قرار آ جائے گا۔ میں جانتا ہوں کہ میری نگاہیں مجھے دھوکا نہیں دے سکتیں!"

"تو کیا یہی اقرار کرانے مجھے کمرے سے اٹھا کر لائے تھے؟" میں نے دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

"نہیں، پہچاننے ہی میں تم سے بہت سی باتیں کرنے کے لئے بے چین تھا!" وہ بولا۔ "میں نے پہلی ہی نظر میں تمہیں پہچان لیا تھا لیکن محض اس خیال سے خاموش رہا کہ کہیں راز افشا ہو جانے کے خوف سے یوسف میرے یہاں پناہ لینے کا ارادہ ترک نہ کر دے۔ میں ہر قیمت پر تمہاری میزبانی کا شرف حاصل کرنے کا متمنی تھا اور مجھے خوشی ہے کہ میری یہ آرزو رائیگاں نہیں گئی!"

"تم اپنے بارے میں کچھ کہنا چاہ رہے تھے!" میں نے گفتگو کو اختصار دینے کی نیت سے نرم لہجے میں اسے یاد دلایا۔

"تمہیں لاہور میں رہنے والے کالج کے ساتھی یاد ہیں؟" قدرے توقف کے بعد اس نے دھیمی اور پژمردہ آواز میں سوال کیا۔

"اچھی طرح!" میں نے پہلی بار بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"گوگا یاد ہے؟" اس نے سوال کیا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

وہ گورا چٹا، گول مٹول لڑکا مجھے اچھی طرح یاد تھا۔ والدین کے اکلوتے ہونے کی بنا پر شریف زادی سمجھ کر مسلسل پیش قدمی کرتا جا رہا تھا اور وہ آوارہ مزاج لڑکی مجھے اپنے چنگل میں جکڑتی جا رہی تھی۔ ان دنوں میرے دوستوں میں گوگا ہی واحد لڑکا تھا جس نے میری سنجیدگی کی بھی مخالفت کی تھی۔ گلنار کے بارے میں اس کی رائے ابتدا ہی سے خراب



سختی بگڑ میں نے اس کی مخالفت کر کے سد یار قابت پر سختی بھجوا کر کاکا
سے اپنی برسوں پرانی دوستی ختم کر لی تھی۔

"کاکا!" میں نے حیرت سے دہرایا "مگر تم کون ہو؟ وہ تو خاصا موٹا تازہ اور خوبصورت لڑکا تھا!"

"مر شنگ میں تم کئی بار کاکا کے ساتھ اس کے گھر آئے تھے مجھے تمہاری صورت اچھی طرح یاد ہے۔ میں کاکا کا بڑا بھائی ہوں۔"

مگر میری نگاہوں میں مر شنگ کے اس دو منزلہ مکان کا پورا نقشہ گھوم گیا جس میں کاکا کے بڑے بھائی کا پیکر بھی مجسم تھا۔ عبداللطیف کے خدوخال گزشتہ بیس برسوں کی رعایت سے اس خاکے پر پوری طرح منطبق ہوتے تھے۔

"تم... مگر تم یہاں کیسے؟ کاکا کہاں ہے؟" ماضی کا ایک رشتہ دریافت ہونے پر میری اعصابی کیفیت منتشر کا شکار ہو گئی۔

"کاکا کو غنڈوں نے [illegible] ہو کر رہ گیا تھا۔" عبداللطیف کی آواز میں کرب سمٹ آیا "ماچھی کے آدمی اس کی بہن کو اٹھانے آدھی رات کو مکان میں آ گھسے تھے اور کاکا نہتا ہونے کے باوجود ان کے مقابلے پر ڈٹ گیا۔ میرے گھرانے کے لئے وہ قیامت کی رات تھی۔ گزرے ہوئے واقعات کو یاد کر کے اس کی آواز [illegible] اور دو عورتیں غنڈوں کے ہاتھوں ماری گئیں لیکن وہ ماچھی کو لے جانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ کاکا بھی مارا گیا لیکن میرے بڑے بھائی کے سات بچے تھے جو اس رات کی ہولناک سیاہی میں شفقت پدری سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے..... وہ رات گزر گئی لیکن میرے سینے میں انتقام کی ہولناک آگ بھڑک اٹھی تھی۔"

میں حیرت اور سکتے کے عالم میں خاموش بیٹھا اس کی کہانی سن رہا تھا۔ سلگتی ہوئی سگریٹ نے جب انگلیاں جلائیں تو میں نے ہڑبڑا کر ٹوٹا فرش پر مسل دیا!

"ماچھی میرے ہاتھ نہیں آیا۔ وہ کہہ رہا تھا [illegible] قانون بھی ان سب کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ وہ الزامات قتل میں ماخوذ ہوئے تھے اور میرے سوا کوئی بالغ چشم دید گواہ تھا۔ ڈیڑھ سال تک خاک چھاننے کے بعد مجھے اس مخبر نے جواب دیا کہ وہ سب عدم ثبوت کی بنا پر بری کر دیے گئے تھے۔ قانون اندھا تھا مگر میں تو اندھا نہیں تھا۔ ان میں سے ایک ایک کو پہچانتا تھا۔ قانون کی بارگاہ سے مقرر کر دیے جانے کے بعد میرے اندر کا لاوا مکمل پھوٹ پڑا۔ میں نے دو راتوں میں چار خون کئے جنہوں نے کاکا اور میرے بڑے بھائی کے لہو سے ہولی کھیلی تھی۔ انہیں میں نے ان ہی کے لہو میں نہلا دیا۔ میں نے رازداری کا سارا اہتمام کیا تھا لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب مجھے معلوم ہوا کہ اس بار قانون کی سماعت اور بصارت کا سارا ضعف دور ہو گیا تھا اور قاتل کے لئے ہر سو میری تلاش کی مہم شروع ہو چکی تھی۔ میرے اندر بھڑکی ہوئی انتقام کی آگ سرد ہو گئی اور تحفظ کا تربیانہ جذبہ پوری قوت سے عود کر آیا۔ میں نے سارے وسائل یکجا کر کے کراچی کا رخ کیا مگر یہ خبر بھی قانون کے محافظوں سے پوشیدہ نہ رہ سکی اور عجب السانیوں کے سمندر میں بہہ رہی تھی۔ جب میرا ٹھکانا شروع ہوا تو میں نے اصلی سمندر کی راہ لی اور چار ہزار خرچ کر کے قطر پہنچ گیا۔ وہاں میں رحیم الدین سے عبداللطیف بن گیا اور بھٹکتے بھٹکتے آخر کار دوحہ میں اپنا ٹھکانا بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ یہاں میری جائز آمدنی محدود ہے جبکہ میرا کرب کہ واں سے [illegible] شادی کئے بغیر پہاڑ جیسی زندگی تنہا جھیل رہا ہوں۔ کیونکہ میرے کندھوں پر اپنے بڑے بھائی کے سات یتیم بچوں کی کفالت کا بوجھ ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ میں حریص ہوں، لالچی ہوں، اپنے وطن کے نام کو بٹہ لگا رہا ہوں لیکن میری دانست میں یہ سب مجبوری کا سودا ہے، شاید تم نے بھی مجھے لالچی ہی سمجھا ہو مگر میری کہانی سننے کے بعد یقیناً تمہارے دل کے کسی گوشے [illegible] تھا کہ کاکا کا دوست مجھے بزدل نہ بنائے یہاں اور لالچی کہہ کر بے سمجھے بوجھے رخصت نہ ہو۔ کم از کم اسے ضرور معلوم ہونا چاہیے کہ عبداللطیف کے حریص چہرے کے پیچھے رحیم الدین کی دردناک زندگی پوشیدہ ہے!"

"بڑا دکھ ہوا مجھے تمہاری کہانی سن کر!" میں نے [illegible] کاکا [illegible] مقدر میں ایسی دردناک موت نہ لکھی گئی ہوتی۔"

"مجھے کاکا کا نہیں، ان سات یتیموں کا دکھ ہے جن کا کوئی قصور نہیں تھا لیکن وہ باپ کے سائے کے بغیر زندہ رہنے پر مجبور ہیں۔ میں نے ہر قیمت پر انہیں بہترین زندگی سے فیض یاب کرانے کا عہد کیا ہوا ہے لیکن میں انہیں باپ کی محبت خرید کر نہیں دے سکتا۔" اس کی آواز بھر آگئی اور آنکھوں میں رکے ہوئے شفاف موتی جھلملانے لگے۔

"لوگ واقعی تمہیں برا سمجھتے ہیں۔" میں نے آہستہ سے کہا "اور مجھے بھی بہت سے لوگ برا ہی سمجھتے ہوں گے لیکن لوگ کسی کے اندر نہیں جھانک سکتے۔ اپنی ذات کا دکھ وہی جانتا ہے جو اس چتا میں پیچھے جل رہا ہو۔ دوسروں کو تو بس وہی کچھ نظر آتا ہے جو وہ انتقام کے جذبے کے تحت کر رہا ہو۔ بے گناہوں کے قاتل عدم ثبوت کی بنا پر پھانسی کے پھندے سے بچ گئے لیکن تم خونیوں کے قاتل ہونے کے باوجود قانون کو مطلوب ہو۔"

"ماچھی ابھی تک زندہ ہے!" وہ کسی اندرونی جذبے کے تحت مٹھیاں بھینچ کر بولا "جس روز بھی میں پاکستان پہنچا اسے خون میں نہ نہلا دوں تو......"

"بس کرو! تم نہ کہا بیٹھنا" میں نے فوراً اسے ٹوک دیا "میں نے ماچھی کو بھی دیکھا ہوا ہے۔ اگر وقت نے ساتھ دیا تو کاکا کے لہو کا آخری انتقام میں اپنے ہاتھوں سے لوں گا۔"

کچھ دیر تو چیل اور سوگوار سی خاموشی طاری رہی جب خود میں نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ چونک کر آوٹا۔ معاف کرنا وہ خون ریزی بربریت گزرنے کے باوجود مجھے بھلائے نہیں بھولتی کس قدر خود غرض ہوں میں کہ تم سے یہ سب بیان کر آتے تو تمہارے ذہن پر بھی اپنے دکھوں کا بوجھ لاد دیا۔ کچھ اپنی سناؤ۔ تم یوسف کے ساتھ کیسے ہو؟"

"میں اس سرزمین پر اجنبی ہوں" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "جہاں یوسف ہی نے مجھے تحفظ فراہم کیا ہوا ہے۔"

"یہاں غیر قانونی طور پر آئے ہو؟" اس نے متجسس ہو کر شانہ پیچھے میں سوال کیا۔

"بس مقدر کے ہاتھوں بھٹکے کہتا پھر رہا ہوں" میں ہنس کر رہ گیا۔ "آسمان سے گرا اور کھجور میں اٹکا والا معاملہ چل رہا ہے بھیرہ عرب میرے کردار کوئی کام ہو تو بتا دو۔"

"وہ کام تو تم پہلے ہی سر انجام دے رہے ہو" میں نے کہا "یوسف کے کہنے کے مطابق اس وقت صنعا میں صرف تمہاری ہی چھت تمہیں تحفظ فراہم کر سکتی ہے۔"

"تمہارا یہاں رہنے کا ارادہ ہے؟" وہ پوری سنجیدگی کے ساتھ میرے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

"اگر غلط فہمی کی بنا پر مقامی قانون ہمارے خلاف حرکت میں نہ آیا ہوتا تو اب تک ہم پاکستان کی طرف واپسی کا راستہ سوچ رہے ہوتے۔"

"پاکستان جانا چاہتے ہو؟" اس نے سوال کیا اور میں اس کے لہجے میں جھلکتا ہوا اعتماد محسوس کر کے چونک پڑا۔

"کیا تم اس بارے میں کوئی مدد کر سکتے ہو؟" میں نے چند ثانیے کے تحیر آمیز سکوت کے بعد پُرامید لہجے میں سوال کیا۔

"تمہاری واپسی کا بندوبست کر سکتا ہوں" اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"مگر کیسے؟"

"سمندری راستے سے" وہ بغور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھ جو عورت ہے اسے تم چھوڑ سکتے ہو؟"

"کیا کہہ رہے ہو؟" میں نے حیرت سے اس کا منہ تکتے ہوئے کہا۔ "وہ میری بیوی ہے۔"

اس نے اضطراری طور پر اپنے رخساروں پر تھپڑ مارنے شروع کر دیئے اور مجھے لپک کر اس کے دونوں ہاتھ پکڑنے پڑے۔

"معاف کرنا مجھے شدید غلط فہمی ہوئی تھی" وہ خفت آمیز لہجے میں بولا۔ "ورنہ میں تم سے ایسا بیہودہ سوال ہرگز نہ کرتا۔"

"مگر اس سوال کی ضرورت کیا تھی؟"

"چھوڑو۔ اب اسے بھول جاؤ" وہ سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر بولا۔ "یہ میری حماقت تھی کہ مدد کرنے کی بجائے الٹا تمہیں دکھ دے دیا۔ میں نے کہا۔ "لیکن یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ اس کی وجہ سے تمہیں کیا دشواری پیش آ سکتی ہے؟"

"دراصل میں تمہیں ایک مال بردار لانچ کے ذریعے پہنچانے کا بندوبست کرتا" اس نے جھجکتے ہوئے بتایا۔ "اس پر ملاح اور خلاصیوں میں ایک کیا کئی مرد کھپائے جا سکتے ہیں لیکن عورت کا معاملہ مشکل ہو جاتا ہے۔"

"کیوں نہ اسے مردانہ روپ دے دیں؟" میں نے بلا سوچے سمجھے تجویز پیش کر ڈالی۔

"جسمانی ساخت اور خدوخال تو بڑی چیز ہیں۔ کھلے سمندر میں اپنے ہم جنسوں کے ساتھ زندگی کا بیشتر حصہ گزارنے والے ملاحوں کو مردوں کے جسم سے پھوٹنے والی بو کی شناخت میں ایسا کمال ہو جاتا ہے کہ وہ محض اسی سے جنس کا تعین کر لیتے ہیں۔ ان لوگوں کی حیوانی حس کو دھوکا دینا بہت مشکل ہوتا ہے۔"

"تو کیا اسے ڈیک پر چھپایا بھی نہ جا سکے گا؟"

"چھپانے کے لئے انتہائی قابل بھروسہ آدمیوں کو اعتماد میں لینا پڑے گا" اس نے خفت آمیز لہجے میں کہا۔ "اور یہ لوگ اپنی جنس کے لئے تو نہایت جاں نثار اور وفادار ثابت ہوتے ہیں لیکن صنف مخالف عورت کے معاملے میں خونخوار وحشی ثابت ہوتے ہیں۔ میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ ممکن ہے کہ سفر کا آغاز تو پرسکون ہو لیکن کھلے سمندر میں پہنچتے ہی تم ناگہانی مصائب سے دوچار ہو جاؤ۔ تمہارے لئے کوئی دوسری راہ نکالنی ہو گی۔"

"تم بہتر جانتے ہو" میں نے کہا۔ "میرا مسئلہ تو یہ ہے کہ میں جلد از جلد پاکستان پہنچنے کے لئے بے چین ہوں۔ اگر میں یوسف کے ہمراہ تمہارے پاس نہ آتا تو وہ جلد ہی میں تلاش کر لیتا اور مجھ پر ٹوٹ پڑتے پھر یوسف میرے لئے نکاسی کی کوئی راہ تلاش کر سکتا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں اس سے پہلے ہی کوئی بندوبست کر لوں گا" اس نے سگریٹ کا ادھ جلا ٹکڑا ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے جواب دیا۔ "اور اب جا کر آرام کرو۔ میرا خیال ہے کہ تم کافی سے زیادہ تھکے ہوئے بھی ہو۔"

وہ مجھے میرے کمرے تک چھوڑنے آیا۔ اور سیتا اضطراب کے عالم میں میری واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔

رحیم الدین نے بڑے والہانہ انداز سے اسے آمیز مسکراہٹ کے ساتھ سلام کیا تو اسے ناقابل خوشگوار حیرت ہوئی۔

"ہم دونوں پرانے شناسا نکلے بھابی" رحیم الدین یا عبداللطیف نے سیتا سے سلام کا جواب وصول کرتے ہوئے کہا۔ "تو بہتر ہے اسے وقت ہو بتا جا رہا تھا۔"

میرے ذہن میں جو حلاوت کا عنصر پا کر سیتا نے لے لیا جب میں نے اس کو اپنا بتایا میں چار بجلی سی لہرائی کی بجائے اس کا لطف سے زیادہ ہوا کہ تمام کی کہانی بتا چند نا جملوں کے بعد وہ چلا گیا۔

رحیم الدین کے بارے میں یوسف کے تعارف سننے کے بعد سیتا کی رات بھی خاصی خراب تھی لیکن جب میں نے اسے حقیقت سے آگاہ کیا تو وہ بھی اس زخم خوردہ شخص کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکی جو اپنے پیاروں کے لہو کے داغ لئے سینے میں چھپائے ایک عظیم مقصد کے لئے زندگی کے تپتے ہوئے خار زار میں تن تنہا سفر کر رہا تھا۔

رحیم الدین کی کہانی تلخ ضرور تھی مگر اس میں بلا کا گداز بھی تھا اور اس گداز سے آشنا ہونے کے بعد طبیعت ایسی بوجھل ہوئی کہ ہم دونوں ہی سو گئے۔

اگلی صبح ہم بیدار ہوئے تو یوسف تیار ہو کر اخبار کا مطالعہ کر رہا تھا عبداللطیف نے گوا تنزا میں درست خود ہی اپنی خود کی تربیت کر اپنی حضری ملازمہ کو رخصت کر دیا تھا لیکن اس وقت وہ کسی مشاق باورچی کی طرح ناشتے کی تیاری میں مصروف تھا۔

منہ ہاتھ دھو کر میں سیتا کے ہمراہ باہر نکلا تو یوسف نے اخبار ایک طرف ڈال دیا اور اشارے سے مجھے اپنے قریب بلا لیا۔

میں نے سیتا کو کچن میں جا کر عبداللطیف کی مدد کرنے کے لئے کہا اور خود یوسف کے پاس بیٹھ گیا جو میری طرف دیکھ کر مسکراتے جا رہا تھا۔

"رات تمہارے کمرے میں کیوں آیا تھا؟" یوسف نے مجھے بیٹھتے ہی رازدارانہ لہجے میں سوال کر ڈالا۔

"کچھ باتیں کرنے" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے رات نیند نہیں آ رہی تھی" اس نے کہا۔ "چلی آہٹ ہوتے ہی میری آنکھ کھل گئی تھی۔ میں نے دروازے کی اوٹ میں چھپ کر تمہاری باتیں سنی تھیں اور جب اس نے تم سے اپنی ماضی کی شناسائی کا ذکر کیا تو میں مطمئن ہو کر خاموشی سے اپنے کمرے میں لوٹ گیا۔"

"تو پوری گفتگو نہیں سنی تم نے؟" میں نے قدرے مایوسانہ لہجے میں سوال کیا۔

"میں نے محض شبہ کی بنا پر گفتگو سننے کی کوشش کی تھی" اس نے صاف دلی سے کہا۔ "لیکن جب میں نے تم دونوں کے مابین اعتماد کی فضا موجود پائی تو خاموشی سے اپنے لوٹ گیا۔"

"کاش کہ تم نے اس کی پوری کہانی سنی ہوتی" میں نے کہا۔ "وہ بہت زخم خوردہ اور دکھی انسان ہے۔"

"مجھے تمہارے الفاظ ہی کافی ہیں۔"

اسی اثنا میں عبداللطیف سیتا کے ہمراہ ناشتہ لے آیا۔

"یہ انقلاب کیسے آ گیا؟" یوسف نے کھوپڑی کا مظاہرہ کرتے

ہوئے اس پر طنز کیا۔ "آج تم مہمانوں کے لئے کام کر رہے ہو؟"

"کبھی کبھی اپنے ہی بنائے ہوئے اصولوں سے بھی انحراف کرنا پڑتا ہے" عبداللطیف نے ٹرے تپائی پر رکھتے ہوئے کہا۔

"وجہ؟" یوسف کے اس رویے سے اسے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ اس نے عجب کر رات والی گفتگو کا کچھ حصہ سنا ہو گا۔

"وہ دونوں اپنی گفتگو میں الجھے رہے اور میں نے اخبار اٹھا لیا۔"

پہلے صفحے کی دوسری شہ سرخی تین مشتبہ تخریب کاروں کی تلاش کے سلسلے میں فوجی مہم کے بارے میں تھی جس کے مطابق تین خطرناک ملک دشمن افراد کی ٹولی صنعا میں سرگرم تھی اور حکام اس کی تلاش میں تھے۔

کسی معتبر ذریعے سے اطلاع ملنے پر ایک بڑی فوجی جماعت نے مجرموں کی مبینہ پناہ گاہ پر چھاپہ مارا تھا۔ لیکن وہاں کوئی بھی ہاتھ نہ آ سکا۔

پوری خبر کا لب و لہجہ عجیب پُراسرار سا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی سرکاری ذریعے نے اخبارات کو وہ متن جاری کیا ہو جسے من و عن اخبار میں چھاپ دیا گیا۔

سب سے عجیب بات یہ تھی کہ اس خبر میں نہ تینوں افراد کے نام دیئے گئے تھے اور نہ ہی عبدالباقر کا نام آیا تھا جس کی حویلی فوجی کارروائی کا نشانہ بنی تھی۔

"ملک کا یہ کوئی خبر نہیں لینی چاہئے" میں نے وہ خبر پڑھنے کے بعد کہا۔ اس وقت تک وہ تینوں خاموشی سے چائے پینے میں مصروف ہو چکے تھے۔

"ہاں۔ ناشتے کے بعد اسے فون کروں گا" یوسف نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

ہم ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد عبداللطیف یا رحیم الدین اپنے کام کاج کے سلسلے میں گھر سے چلا گیا۔

جاتے جاتے اس نے ہمیں کمروں سے باہر نہ نکلنے کی سخت ہدایت کی تھی۔ کمروں کی بیرونی کھڑکیوں پر بھی پردے کھینچ رکھے تھے تاکہ اندر کی کوئی بھی نقل و حرکت باہر سے نہ دیکھی جا سکے اور نہ ہی کسی آنے والی فون کال یا کال بیل کا جواب دینا تھا۔

اس کے جانے کے بعد جیسے گھر کی ہر چیز پر بلا شرکت غیرے تصرف حاصل ہو گیا تو یوسف فون پر جا بیٹھا۔

یوسف نے عبدالباقر سے فون کا سلسلہ ملایا تو ابتدا میں اس کا لب و لہجہ بے حد اجنبی تھا شاید عبدالباقر اس کے لہجے غائب ہو جانے پر برافروختہ تھا۔

"وہاں لوگوں میں سے تھا جو محض اپنی آن کی خاطر اپنے پیچھے

مہمانوں کے جنازے بھی خوشی سے اٹھوا دیتے ہیں۔

کافی طویل گفتگو کے بعد سلسلہ منقطع کرنے کی نوبت آئی تو اس نے ریسیور رکھ کر اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"اسے سمجھانا دشوار ہو رہا تھا کہ اس سے ملے بغیر ہم کیوں غائب ہو گئے۔ وہ جیولانی کی ایک ہی رٹ تھی کہ وہ اپنے مہمانوں کی حفاظت کرنا جانتا ہے اور اس کی تحویل میں رہتے ہوئے منظر قریشی تو درکنار وہ شخص آتش اسٹیم بھی اس کی لاش پر سے گزرے بغیر ہم تک رسائی حاصل نہ کر سکتے۔"

"اس کے مزاج کو میں اس حد تک سمجھ گیا تھا۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ نتیجہ کیا رہا؟"

"سیاہ کار کو دیکھتے ہی میں نے فوجیوں نے روک لیا تھا اور اپنی تحویل میں واپس حویلی لے آئے۔" اس نے بتایا۔ "انہوں نے کہا کہ وہ حویلی کے سامنے سڑک پر گشت پر نکلے تھے۔ بعد میں ان کی بات کو سچ ثابت کرنے کے لئے عبدالباقر کو بارہ دری سرنگوں کی کہانی بھی سنانی پڑی لیکن اپنے متوقع دشمنوں کے بارے میں اس نے زبان نہیں کھولی۔"

"تو پھر جماعت وہاں سے ناکام و نامراد ہی واپس لوٹا؟"

"وہ زینی تک تو نہیں پہنچے؟"

"نہیں — اور نہ وہ خود ہی انہیں ادھر لے گیا۔ جلتے ہوئے انہیں کھسیانے ہوئے انداز میں معذرت ہی کرتے بنی۔"

"پھر اب وہ کیا کر رہا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں سوچ سوچ کر اپنا خون جلا رہا ہے۔ جنہوں نے اس کی حویلی کی آبرو خاک میں ملانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی!"

"خواب ادھر کے بارے میں تو سوچنا ہی بے کار ہے۔" میں نے کہا۔ "اس غیر یقینی صورت حال سے ہماری گلوخلاصی کب تک ہوگی؟"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" وہ پُرخیال لہجے میں بولا۔ "اس وقت میرے سامنے دو راستے ہیں۔ بے کار بیٹھے رہنے کے بجائے مائیکل ڈریپ کا سراغ لگاؤں اور اسے نیست و نابود کرنے کی کوشش کروں یا پھر عرصے کے لئے خود بھی منظر سے نکل جاؤں۔"

"ان مخدوش حالات میں دوسری ہی راہ بہتر رہے گی۔" میں نے مشورہ دیا۔

"لیکن باہر نکلے بغیر تو بات بن ہی نہیں سکے گی۔"

"عبداللطیف ہماری مدد نہیں کر سکتا؟" میں نے اسے ٹٹولا۔

"آج تک اس سے ایسا کوئی واسطہ نہیں پڑا۔" اس نے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی بہتر مشورہ دے سکے۔"

میں ہنس دیا۔ "یہ تم اس لئے کہہ رہے ہو کہ رات تم نے ہم دونوں کی پوری گفتگو نہیں سنی تھی۔ پچھلی رات اس نے مجھے لنکا سے میں مدد دینے کی پیشکش کی ہے۔"

"نہیں!" بے اختیار اس کی آنکھیں پیشانی پر جا پہنچیں۔ میں نے مختصر الفاظ میں اپنی اور عبداللطیف کی گفتگو کا لب لباب اسے سنا دیا۔

"پھر تو وہ ہم تینوں کو یہاں سے نکال سکے گا۔" اس نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"لیکن اس پر بظاہر یہ ظاہر ہونے دینا کہ میں نے تمہیں اس کی ساری گفتگو سے باخبر کر دیا ہے۔ موقع ملنے پر میں خود ہی اس موضوع کو چھیڑوں گا۔"

اسی لمحے ڈور بیل کی تیز آواز نے ہمیں چونکا دیا اور ہم بوکھلائے ہوئے انداز میں ایک دوسرے کے چہرے تکنے لگے۔

پہلی بار گھنٹی مختصر وقفے کے لئے بجی تھی۔ پھر گھنٹی کی بازگشت معدوم ہوتے ہی چند ثانیوں کے لئے سناٹا چھا گیا۔

"پنجوں کے بل دروازے کی طرف بڑھو!" میں نے تیز سرگوشی کے انداز میں کہا۔ اس اثنا میں سیتا بھی ہمارے قریب آ چکی تھی۔

ہم تینوں فرش اور قالین پر ننگے پاؤں چلتے مکان کے داخلی دروازے کے قریب جا پہنچے۔ وہاں سیتا نے نیچے بیٹھ کر اپنا کان فرش سے لگا دیا پھر پُرجوش انداز میں فضا میں ہاتھ لہرایا جس کا مطلب تھا کہ وہ کوئی آہٹ سننے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ اس کی تقلید میں میرے ساتھ یوسف نے بھی اپنا ایک کان فرش پر لگا دیا۔ مجھے کچھ محسوس نہ ہوا۔ یوسف کا سپاٹ چہرہ بتا رہا تھا کہ اس کی بھی قوتِ سماعت مجھ سے بہتر نہیں تھی لیکن سیتا کے چہرے سے بے پناہ جوش کا اظہار ہو رہا تھا۔

عبداللطیف کے مکان میں داخل ہوتے ہوئے یوسف نے احاطے کے بیرونی پھاٹک پر لگا ہوا گھنٹی کا بٹن دبایا تھا لیکن مجھے یاد پڑ رہا تھا کہ میں نے اندر گھسنے سے پہلے عمارت کے داخلی دروازے کے قریب بھی گھنٹی کا ایک دیوار گیر بٹن دیکھا تھا اور سیتا کے جوش سے پتہ چل رہا تھا کہ نامعلوم آنے والے احاطے کے پھاٹک کے بجائے اندرونی دروازے کے قریب موجود تھے۔

ایک مرتبہ پھر گھنٹی چیخ اٹھی۔ اس بار بٹن پر سے انگلی کافی دیر سے ہٹائی گئی تھی۔

ہم تینوں دم سادھے وہیں کھڑے رہے۔

پھر اچانک عمارت کے اندرونی حصے میں ایک زوردار چھناکا ہوا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ کیونکہ وہ آواز واضح طور پر کوئی شیشہ ٹوٹنے کی تھی۔

آنے والے شاید سرعت سے اندر گھسنے کا تہیہ کر چکے تھے اور گھنٹی کا جواب نہ ملنے کی صورت میں کسی عقبی کھڑکی پر طبع آزمائی کر رہے تھے۔

میں خفیف طور پر اندر کی طرف بھاگا مگر وہ راہداری عبور کرنے سے پہلے ہی اندر سے ایسی آواز آئی جیسے کوئی بلندی سے بھینچ کر فرش پر گرا ہو اور پھر لمحہ بھر بعد ایک ہلکے سے دھماکے کے ساتھ اندرونی کمرے میں آگ بھڑک اٹھی۔

مجھے نظر آتے ہی میرے نتھنوں نے پیٹرول کی بو بھی محسوس کر لی۔ کھڑکی کا شیشہ توڑ کر یقینی طور پر پیٹرول سے بھرا ہوا پلاسٹک وغیرہ کا کوئی بڑا برتن کمرے میں پھینک کر اسے آگ دکھائی گئی تھی۔

اندرونی کمرے میں پھینکے جانے والے پیٹرول کی مقدار اتنی زیادہ تھی کہ بھڑکتا ہوا مائع شعلوں کی آنچ میں تیرتا ہوا اس کمرے سے نکل کر سٹنگ روم میں راہداری تک آ گیا اور پھر شعلے اس کمرے کے قالین کو بھی چاٹنے لگے جو پچھلی رات میرے اور سیتا کے لئے خواب گاہ کے طور پر کام آیا تھا!

اس افتاد نے میرے ساتھ ہی یوسف کو بھی بوکھلا دیا۔ مکان بہت تیزی کے ساتھ شعلوں کی لپیٹ میں آ رہا تھا۔ ہر شے دھڑا دھڑ جل رہی تھی۔ شعلوں کی تپش اور زندہ جل مرنے کی دہشت سے پسینے چھوٹنے لگے تھے!

اندر آگ تھی اور باہر یقینی طور پر کئی افراد کی نفری جو باہر نکلنے والوں کو دن کے اجالے میں باآسانی ڈھیر کر دیتی۔

جو لوگ اتنے دیدہ دلیر ہو چکے تھے کہ دن دہاڑے ایک مکان کو گھیر کر آگ لگا سکیں۔ ان سے یہ امید ہی بے سود تھی کہ وہ غیر مسلح ہوں گے۔

سب سے بڑا ستم یہ تھا کہ ہم تینوں ہی غیر مسلح تھے اور آگ میں گھرے ہوئے کمروں تک پہنچ کر اہلِ خانہ کے ہتھیار تلاش کرنا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

یوسف نے بیرک سے اترتے ہوئے ہر ایک کو خالی ہاتھ رہنے کا مشورہ دیا تھا کہ رات کی تاریکی میں کسی سے ٹکراؤ ہو جائے تو ایسا نہ ہو کہ عبداللطیف کے مکان تک پہنچنے سے پہلے تینوں دھر لئے جائیں۔ اس وقت یہی احتیاط ہمارے حق میں زہر ثابت ہوئی تھی۔ ورنہ بیرک میں نشست کے نیچے ہتھیاروں کا اچھا خاصا ذخیرہ تھا کہ اس میں سے ایک آدھ تیز ہتھیار ہمارے پاس ہوتا تو اس وقت اتنی بے چارگی مسلط نہ ہوتی۔

اس وقت لے دے کر میرے لباس میں زہریلے تیر پھینکنے والی دستی مشین موجود تھی جس کی کارکردگی غیر یقینی بلکہ مشتبہ تھی۔ کافی عرصے سے میں نے اس کو استعمال کرنے سے گریز کر رکھا تھا کہ اس کی وجہ سے دشمنوں کو میری موجودگی کا علم ہو سکتا تھا لیکن اس وقت اپنی بقا کے لئے میں سب کچھ کر گزرنے کو تیار تھا۔

شعلے تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ دھوئیں سے دم گھٹنے لگا تھا۔

آثار سے ظاہر ہو رہا تھا کہ مزید چند منٹ اسی طرح گزرے تو جل مرنے کی نوبت قریب ہی آ جائے گی۔ دھوئیں سے دم گھٹ کر تینوں ہی بے ہوش ضرور ہو جائیں گے۔

"دروازہ کھول دو!" میں نے سپاٹ لہجے میں ان دونوں سے کہا۔ اور اضطراری طور پر دروازہ کھول دیا۔

دروازے کے سامنے احاطے کی سرسبز گھاس پر چار خوفناک چہروں والے افراد نہایت بے فکری میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمیں برآمد ہوتے دیکھ کر ان کے لبوں پر تلخ استہزائیہ مسکراہٹیں کوندنے لگیں۔

"چلے آؤ!" ان میں سے چوڑے شانوں والے نے زمین پر بیٹھے بیٹھے اپنی گود میں رکھا ہوا پستول انگلیوں پر نچا کر کہا۔

ہمیں بے بس دیکھ کر ان چاروں کا سلوک نہایت ذلت آمیز ہو گیا تھا۔

ہم ان سے چند قدم دور رک گئے تو وہ تیزی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہاتھ گرا لو اور پھاٹک پر کھڑی ہوئی وین کے پچھلے حصے میں سوار ہو جاؤ۔" چوڑے شانوں والا غرایا۔ "آگ نے لوگوں کو متوجہ کر لیا ہے۔ انہیں دیکھ کر کوئی حرکت کی تو گولی سینہ پھاڑ کر رکھ دے گی۔"

ہم ان سے آگے نکل گئے اور وہ پیچھے آنے لگے۔

مجھے پکڑے جانے کا اتنا ملال نہیں جتنا ان کے ذلت آمیز رویے کا تھا۔ ہم تینوں ذرا بھی چوں چرا کئے بغیر چوہوں کی طرح ان کے سامنے آنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

پھاٹک پر پہنچنے تک قرب و جوار کے مکانوں سے چھ سات نفوس وحشت زدہ انداز میں وہاں آ پہنچے تھے۔ پھاٹک سے نکلتے ہوئے ہم تینوں آگے تھے لہٰذا انہوں نے آگ کے بارے میں ہم ہی سے سوالات کئے۔

"بجلی کے تاروں سے آگ لگی ہے۔" عقب سے ایک کرخت آواز ابھری۔ "فائر انجن آتے ہی ہوں گے۔ برابر کے مکانوں کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔"



وہ درست ہی کہہ رہا تھا۔ اس علاقے میں مکانوں کے درمیان وسیع رقبہ احاطے کے طور پر حائل تھا۔ لہٰذا ایک گھر کی آگ کا دوسرے مکانات کی طرف بڑھنا محال ہی تھا۔ لیکن اس کے باوجود ان لوگوں میں خاصی تشویش پائی جاتی تھی۔

ہم تینوں وین میں داخل ہوئے تو اس کے فرش پر ایک خوبصورت دوشیزہ اس حال میں پڑی ہوئی تھی کہ اس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور منہ پر چوڑا ٹیپ مضبوطی سے چپکا ہوا تھا۔ اس کے پیر بھی آزاد نہیں چھوڑے گئے تھے۔

ہمارے ساتھ چوڑے شانوں والا اور اس کا ایک ساتھی عقبی حصے میں گھس آیا۔ بقیہ دو اگلے حصے میں گئے اور انجن اسٹارٹ ہوتے ہی وین تیزی سے آگے بڑھ گئی!

"اسے تو اب مار ہی دو!" ان میں سے ایک بولا۔

"ہاں!" چوڑے شانوں والا غرّایا۔ "وین شہر سے باہر نکلے تو اسے مار کر کہیں پھینک دیں گے۔" پھر اس نے بھونڈے انداز میں قہقہہ لگایا۔ "ویسے یہ بیچاری بولی تھی، تنتن ہی لیکے!"

اس کے الفاظ پر اس لڑکی کے چہرے پر خوف سمٹ آیا اور آنکھوں سے وحشت جھلکنے لگی۔ وہ اپنے پورے جسم کو حرکت دے کر لب ہلانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن ٹیپ کے سبب حلق سے مدھم سی غوں غاں کے سوا کوئی آواز برآمد نہیں ہو رہی تھی!

وہ دونوں ویسے تو عربی ہی بول رہے تھے۔ لب و لہجہ بھی بہت اچھا تھا۔ لیکن "ج" کے تلفظ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ عرب نہیں تھے۔ ان کے مسخ شدہ خدوخال سے ان کی قومیت کا تعین قطعی ناممکن تھا!

اچانک چوڑے شانوں والے نے اپنا داہنا جوتا پوری قوت سے وین کے فرش پر پڑی ہوئی لڑکی کے سینے پر رکھ دیا اور وہ قصاب کی چھری کے نیچے آئے ہوئے کسی خوفزدہ چوپائے کی طرح فریاد بھری نظروں سے ایک ایک کا چہرہ تکنے لگی!

"تم لوگ کون ہو؟" یوسف نے نرم لہجے میں ان سے سوال کیا۔

"تمہارے باپ!" چوڑے شانوں والے نے کہہ کر قہقہہ لگایا اور اس کا ساتھی خوشامدانہ انداز میں ہنسنے لگا!

ہنستے ہوئے چوڑے شانوں والے نے اپنے دباتے جوتے کو پوری قوت سے بار بار رگڑا اور اس مظلوم لڑکی کی حالت غیر ہو گئی!

"پیر ہٹاؤ!" سیتا اس نازک صورت حال میں بھی اپنی زبان بند نہ رکھ سکی! غنیمت یہ تھا کہ وہ ان دونوں میں سے کسی کے قریب نہ تھی ورنہ ان کا جواب اس کی دلیری برداشت سے باہر ہی ہوتا!

"اسے بھی ہاتھ پیر باندھ کر نیچے ڈالو!" اس جنگلی نے غرّا کر اپنے ساتھی کو حکم دیا!

"شہر سے نکل جائیں ورنہ یہ شور مچانے لگی!" اس کا ساتھی عین میرے برابر میں بیٹھی ہوئی سیتا کو گھورتے ہوئے بولا۔

سیتا کی زبان کھلتے ہی مجھے صورت حال بگڑنے کا ادراک ہو گیا تھا۔ لہٰذا میں نے قدرے پہلو بدلتے ہوئے جیب سے زہریلی سوئی والی شیشی نکال لی تھی اور دل ہی دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ اس میں سے دو نہیں تو کم از کم ایک تیر ضرور برآمد ہو جائے!

"تم نے سنا نہیں بوڑھے گدھے!" سیتا نے وحشت بھرے لہجے میں چوڑے شانے والے کو دوبارہ للکارا۔

اسے طیش آ گیا۔ بیک زبان کئی غلیظ گالیاں دیتے ہوئے اس نے جیب سے پستول نکالنا چاہا۔ اگلے لمحے میرا بایاں ہاتھ اس کی داہنی سے مس ہوا اور نہ صرف اس کی آخری گالی ادھوری رہ گئی بلکہ پستول والا ہاتھ بھی جیب سے باہر نہ آ سکا اور وہ پیچھے لڑھک گیا!

"پیٹر... پیٹر!" اس کے ساتھی نے بوکھلا کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اسی اثنا میں میں نے مرنے والے کو سہارا دینے کے بہانے سے اس کی ران میں پیوست سوئی چٹکی میں پکڑ کر نکال لی اور پھر جوں ہی وہ نیچے جھکا میں نے سوئی کی نوک پوری قوت سے اس کی گردن میں گھونپ کر واپس کھینچ لی!

اس کے جسم کو تشنج کا ایک شدید جھٹکا لگا۔ سوئی کی ذرا سی چبھن محسوس کرتے ہی اس نے کچھ کہنا چاہا... لیکن ناپاک حسرت دل ہی میں لیے وہ جہنم واصل ہو گیا۔

اس وقت جو کچھ ہوا وہ ہم تینوں ہی کے لیے غیر متوقع تھا۔ ہم نے فوری طور پر ان دونوں کے پستول اور فاضل راؤنڈز قابو میں کیے اور انھیں ایک دوسرے سے ملا کر وین کی ایک نشست پر یوں بٹھا دیا کہ بادی النظر میں وہ اونگھتے ہوئے نظر آئیں!

سیتا اس قیدی لڑکی کی مدد کرنے کے لیے اس کی طرف بڑھی تھی لیکن میں نے تیز سرگوشیانہ آواز میں اسے روک دیا۔

"یہ دہشت زدہ ہے۔ منہ آزاد ہوتے ہی ہسٹیریائی مریض کی طرح چیخنا شروع کر دے گی!"

بات سیتا کی سمجھ میں آ گئی لیکن پھر بھی اس نے سہارا دے کر لڑکی کو وین کی ایک بنچ نما سیٹ پر بٹھا دیا۔

"اس وقت ہم کہاں سے گزر رہے ہیں؟" میں نے سرگوشی میں یوسف سے سوال کیا۔ کیونکہ وین کا عقبی حصہ چاروں طرف سے بند تھا اور یہاں تک بند تھا کہ ڈرائیونگ کیبن سے اندر کا جائزہ لینا ممکن نہیں تھا۔

"پتہ نہیں!" اس نے بے بسی سے جواب دیا۔ "ویسے معلوم ہوتا ہے یہ لوگ صحرا سے گزرنے کا ذکر کر رہے تھے!"

میں دل ہی دل میں اپنی اور یوسف کی حماقت پر ہنس دیا۔ عقبی دروازہ کھول دیا۔

یوسف نے جھک کر پیچھے دیکھا اور سیدھا ہو گیا۔ "دس پانچ منٹ بعد ہم آبادی سے بالکل باہر ہوں گے۔ اس وقت مضافات سے گزر رہے ہیں!"

میں دھیمی آواز میں اسے اپنا منصوبہ سمجھانے لگا۔

وین یکساں رفتار سے کسی نامعلوم منزل کی طرف دوڑی جا رہی تھی۔ اور ہمارے لیے ایک ایک منٹ بھاری ہو رہا تھا۔ پانچ منٹ گزرنے تک یوسف چار مرتبہ عقبی دروازے سے باہر کا جائزہ لے چکا تھا۔ اور پانچویں بار اس نے میدان صاف ہونے کا سگنل دے دیا!

پہلے میں نے کھلے ہوئے عقبی دروازے سے باہر جھول کر پائیدان پر اپنے قدم جمائے۔ توازن درست کیا اور پھرتی سے وین کی آہنی چھت پر چڑھ گیا۔ چند ثانیوں بعد یوسف بھی میرے برابر میں موجود تھا۔ اور سیتا نے دروازہ دوبارہ بند کر دیا تھا!

اس وقت وین کی سپاٹ چھت سے ہم بآسانی نیچے لڑھک سکتے تھے لیکن غنیمت یہ تھا کہ وین اس وقت ہموار صحرائی شاہراہ پر دوڑ رہی تھی جس میں زیادہ پیچ و خم بھی نہیں تھے ورنہ اسٹیرنگ کی ذرا سی تیز گردش ہماری مہم کا سر منڈا ڈالتی!

آگے سرکنے کے بعد ہمیں عقبی اور ڈرائیونگ کیبن کے جوڑ پر گرفت مل گئی۔ میں نے سینے کے بل چھت پر چپکے چپکے سر اٹھا کر دیکھا تو زرد ریت کے درمیان ایک سیاہ مٹنی لکیر کی طرح تنی ہوئی سڑک دور دور تک نظر آ رہی تھی۔

اس سے آگے کا ہمارا پروگرام طے تھا۔ چھت پر ذرا سی آہٹ پیدا کیے بغیر ہم قدرے آگے کھسکے اور ایک دوسرے کو سہارا دینے کے لیے اپنی پنڈلیاں آپس میں الجھا لیں۔ پھر یوسف پستول تھام کر ونڈ شیلڈ کی سمت سے داہنی طرف جھکا اور عین اسی لمحے میں بائیں طرف ڈرائیور کی کھڑکی پر جھکا!

ونڈ شیلڈ پر جھکا ہوا یوسف کا الٹا چہرہ ڈرائیور کے پہلو میں بیٹھے ہوئے شخص کے لیے پستول سے زیادہ دہشت ناک ثابت ہوا اور اس کے چونکنے سے پہلے ہی ایک دھماکے کے ساتھ ونڈ شیلڈ کے پرخچے اڑ گئے۔ اور وہ خون میں نہایا ہوا سیٹ پر لڑھک گیا!

"آہستگی سے وین روک لو!" میں نے تیز ہواؤں کے شور میں چیخ کر کہا اور کھڑکی سے ہاتھ اندر ڈال کر پستول کی نال ڈرائیور کی کھوپڑی سے لگا دی۔ یوسف کے پستول کی مہیب نال ٹوٹی ہوئی ونڈ شیلڈ سے اس کے سینے پر تنی ہوئی تھی!

ڈرائیور کی ساری توجہ شاید یوسف پر مرکوز تھی کیونکہ میری آواز سنتے ہی وہ بری طرح اچھلا تھا اور پھر پوری قوت سے بریک لگا دیے۔

اس کا رد عمل اضطراری تھا۔ لیکن ہم دونوں کے لیے غیر متوقع تھا۔ یوسف پھسل کر سر کے بل شیشے کے ٹکڑوں سے رگڑ کھاتا ہوا ڈرائیور کے برابر والی لاش پر جا گرا۔ اور میں ابھر کر ریت پر دور گرا!

ریتیلی گرد معدوم ہونے تک میں اچھل کر کھڑا ہوا لیکن اس سے پہلے سیتا صورت حال میں کسی غیر متوقع تبدیلی کا اندازہ کر کے باہر آ چکی تھی۔ بلکہ اس نے گریبان پکڑ کر ڈرائیور کو ریت پر گھسیٹ لیا۔ اور نیچے گرا کر اس کے چہرے پر ٹھوکریں برسا رہی تھی!

میں نے ریت پر سے اپنا پستول اٹھایا اور اس خبیث صورت ڈرائیور کو کور کر کے معاملہ ختم کر دیا۔ سیتا نے اس کی جیب سے پستول کے علاوہ ایک لمبے پھل والا چاقو بھی برآمد کیا اور میری ہدایت پر اس کے دونوں ہاتھ سختی سے پشت پر کس دیے!

اس اثنا میں یوسف بھی نیچے آ چکا تھا۔ ونڈ شیلڈ کے ریزہ ریزہ ہو جانے والے شیشے کی کرچیوں نے گرتے ہوئے اس کے بدن پر کئی خراشیں لگائی تھیں۔ لیکن وہ اس قدر سہولت سے گلو خلاصی ہو جانے پر بہت مسرور نظر آ رہا تھا!

"اب اس وین کو سڑک سے ریت میں اتار لے چلو!" اس نے آتے ہی کہا۔ "کسی آتی جاتی سواری نے شاہراہ کی پولیس کو اطلاع دے دی تو ہمیں دھر لیے جائیں گے!"

"ریت میں یہ وین کتنی دور جا سکے گی؟" سیتا نے سوال کیا۔

"میں دیکھ چکا ہوں!" وہ ہنس کر بولا۔ "اندر گرنے سے یہی فائدہ ہوا ہے۔ فور وہیل ڈرائیو ہے۔ ہم ٹیلوں کے پیچھے جا سکیں گے!"

"یہ ٹھیک ہے!" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "وہیں اسے اندر ڈال کر گاڑی کو آگ لگا دیں گے!"

"آگ!" اس کی خوفزدہ آواز بھی غراہٹ پر مبنی تھی۔

"ہاں ہاں!" یوسف نے لاپروائی سے کہا۔ "تمہارے ساتھ بالکل وہی سلوک ہو گا جو تم نے ہمارے ساتھ کرنے کی کوشش کی تھی!"

"وہ... وہ پیٹر کی حرکت تھی۔ میرے دوسرے ساتھی اس کی گواہی دیں گے!" غیر متوقع طور پر ہمارے چنگل میں آ جانے کے باعث اس کے اوسان باختہ ہو گئے تھے!

"مگر مشکل یہ ہے کہ تمہارے تینوں گواہ جہنم واصل ہو چکے ہیں!" یوسف اسے وین کے عقبی حصے کی طرف دھکیلتے ہوئے بولا۔ "اور ان کے ساتھ قتل کیے ہوئے کی سزا تم کو اکیلے ہی بھگتنا ہو گی!"

یوسف ڈرائیونگ پر چلا گیا اور میں اپنے شکار سمیت پچھلے حصے میں گھس گیا۔

وین میں گھستے ہی وہ چیخا اور خوفزدہ انداز میں ہنسا۔ "تم بلاوجہ مجھے دہشت زدہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ تو سب بے ہوش معلوم ہوتے ہیں!" وہ اپنے ساتھیوں کی لاشوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ جو عضلات اکڑ جانے کے باعث تیز بریک لگنے سے بھی سیٹ سے نیچے نہیں گری تھیں، بلکہ بدستور اسی طرح جمی ہوئی تھیں!

"وہ ساتھ ہیں، سو چکے ہیں۔ لیکن بے ہوشی کی اداکاری کر رہے ہیں" میں نے کہا تھا۔ تحقیر آمیز رویہ اپناتے ہوئے کہا۔ "جب گاڑی میں آگ لگے گی تو گرمی کھا کر ان کے بدن حرکت میں آ جائیں گے۔ اس وقت اپنی بے گناہی کی گواہی دلوا دینا۔"

وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ اور وین نرم ریت میں اچھلتی اضطرابی تیزی سے آگے بڑھتی رہی۔ اس نے کئی بار بولنا چاہا لیکن ہر بار اس کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ موت کو بہت زیادہ قریب پا کر اس کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔

"اسے اب آزاد کر دوں؟" سیتا نے وین کے فرش پر پڑی ہوئی لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"کر دو۔ لیکن خیال رکھنا۔" میں نے کہا۔ "جنون میں کہیں خود کو زخمی نہ کر بیٹھے۔"

سیتا نے بڑی نرمی سے اس کو ہاتھوں اور پیروں کی بندشوں سے نجات دلائی اور اس نے ہاتھ کھلتے ہی وحشیانہ انداز میں اپنے ہونٹوں سے ٹیپ نوچ لیا۔

"بچاؤ! یہ سب درندے ہیں.... بھیڑیے ہیں.... میرا بدن چبا ڈالیں گے.... مجھے بچاؤ!" وہ منہ کھلتے ہی بری طرح چیخنے لگی!

اس نے چلتی ہوئی وین میں سے اٹھ کر شاید کسی طرف بھاگنا چاہا۔ اس کا سر چھت سے جا ٹکرایا۔ اور وہ دوبارہ نیچے آ رہی!

کئی منٹ کی روح فرسا چیخ و پکار کے بعد اس کی آواز پر تکان کے آثار غالب آنے لگے۔ اس کی آنکھیں چڑھنے لگیں اور آخر کار وہ بے ہوش ہو گئی۔ سیتا اپنی جگہ بیٹھی ترحم آمیز نگاہوں سے مسلسل اسے دیکھے جا رہی تھی!

تشدد اور موت کے خوف نے اس کے شعور کو اس بری طرح گرفت میں لیا ہوا تھا کہ ذہنی ابتری کے باوجود وہ بے ہوش نہیں ہوئی۔ لیکن تحفظ کی پہلی امید پر کرتے ہی اس کا جسمانی نظام اپنے معمول پر آیا اور نہ جانے کب سے تھکی ہوئی بے ہوشی کی فطری کیفیت طاری ہو گئی۔ مجھے امید تھی کہ ہوش میں آنے پر اس کی حالت خاصی معتدل ہو گی۔ اور وہ اپنے بارے میں ہمیں بہت کچھ بتا سکے گی۔

"تت.... تم کون ہو؟" کافی دیر تک اپنی قوت مجتمع کرنے کے بعد آخر کار قیدی مجھ سے ایک سوال کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

"کیا مجھ کو تم ہی زندہ جلانے کے لیے وہاں سے چلے آئے تھے؟" اس نے سوال کیا۔

"ہمیں کچھ نہیں معلوم کہ تم کون ہو اور تمہیں کس لیے پکڑنا مقصود تھا۔" وہ گڑگڑاتے ہوئے بولا۔ "پیٹر کو دو روز سے یہ کام ملا تھا کہ عبداللطیف کے یہاں جو بھی شب بسری کے لیے آئے، اسے پکڑ کر ایک مقررہ مقام پر پہنچا دیا جائے۔"

"ہم سے پہلے کتنے لوگوں کو پکڑا ہے تم نے؟"

"تم پہلے ہی تھے۔" جان کے خوف سے وہ خود بخود بولنے پر تیار ہو گیا تھا۔ "پیٹر کو یہ بتایا گیا تھا کہ جن لوگوں کی تلاش ہے وہ بہت خوف ناک ہیں۔ کام ملنے کے بعد سے ہی ہم چاروں باری باری عبداللطیف کے مکان کی نگرانی کر رہے تھے۔ کل رات پیٹر اس لڑکی کو لے آیا۔" اس نے بے ہوش لڑکی کے بارے میں کہا۔ "پیٹر نے بتایا کہ ایک عورت اور دو مردوں کے اندر جانے کے بعد یہ لڑکی چوروں کی طرح باہر نکلی تھی۔ ہم نے پہلے ہی معلوم کر لیا تھا کہ یہ عبداللطیف کی خادمہ ہے۔ پیٹر نے اسے پیسوں کا لالچ دے کر رات گزارنے کی دعوت دی اور یہ خوشی خوشی چلی آئی۔ اس وقت فلیٹ پر ہم تین تھے۔ کلاڈ نگرانی کر رہا تھا۔ اس لڑکی نے بتایا کہ عبداللطیف کے گھر آنے والے اس کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ ہم سمجھ گئے کہ خادمہ کو ہٹانے کا بہانہ تھا ورنہ حقیقت کچھ اور تھی۔ پھر ہمیں خود وہاں آنے والے ہر اس شخص کو پکڑنا تھا جو رات گزارے لہٰذا آج عبداللطیف کے جانے کے بعد ہم وہاں جا پہنچے۔ ہمیں اس کام کا بھاری معاوضہ ملنے والا تھا۔"

"پکڑنا ہی تھا تو مکان کو آگ کیوں لگائی تھی؟"

"پیٹر ہر کام اپنی عقل کے مطابق کرتا ہے۔" وہ روانی میں شاید اس کی موت کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ "اس کا خیال تھا کہ اندر گھسنا خطرناک ہو گا۔ گھنٹی کے جواب میں جو بھی دروازہ کھولتا پہلے ہم اسے پکڑ لیتے پھر بعد میں آنے والے بھی باری باری پکڑے جاتے لیکن جب گھنٹیوں کا کوئی جواب نہ ملا تو پیٹر نے اندر آگ لگانے کا حکم دے ڈالا۔ وہ اندر گھس کر کوئی خطرہ مول لینے کے بجائے تمہیں خود باہر آنے پر مجبور کرنا چاہتا تھا۔ اور وہ اس کوشش میں کامیاب بھی ہو گیا۔"

"پیٹر کو اس کام پر کس نے مامور کیا تھا؟"

"پیٹر ہمیں صرف حصہ دیتا ہے۔" وہ جلدی سے بولا۔ "کام کرانے والے سے اگر کوئی واقف ہو تو وہ خود ہی ہو سکتا ہے۔"

"ہمیں کہاں پہنچانا تھا؟"

"ہاتھ پاؤں باندھ کر ولوجی مرگ ٹیکسی کے نیچے چھوڑ آنا تھا۔" اس بار اس نے درست جواب دیا تھا۔ مگر وہ کس مقام سے بھی لاعلمی کا اظہار کرتا تو میں اس سے یہ ضرور پوچھتا کہ جب پیٹر شروع ہی سے وین کے عقبی حصے میں موجود تھا تو وہ اس سے ہدایات لیے بغیر آگے کس طرف چلا جا رہا تھا۔ لیکن غنیمت ہے کہ اس نے خود ہی اس سوال کی نوبت نہ آنے دی:

"پیٹر نے اپنے مالک کو یہ اطلاع دے دی تھی کہ عبداللطیف کے مکان میں دو مرد اور ایک عورت نے رات بسر کی ہے؟"

"نہیں۔" وہ جلدی سے بولا۔ "کلاڈ نے عبداللطیف کی ملازمہ کے ہونٹے کے بعد مشورہ دیا تھا جو اس نے نہیں مانا۔ وہ ضرورت سے زیادہ کام کرنے کا عادی نہیں تھا۔ اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ اسے آدمی پہنچانے کا معاوضہ ملے گا، اطلاع دینے کا نہیں۔"

"تم ہمیشہ پیٹر کے لئے کام کرتے ہو؟" میں نے قدرے توقف کے بعد سوال کیا۔

"ہمیشہ نہیں!" اس نے جواب دیا۔ "البتہ اگر خالی ہوں تو پیٹر ہم تینوں کو ساتھ رکھنا پسند کرتا تھا۔ ساتھ کام کر کے ہم ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔"

"لیکن ایسے ہر موقع پر بالادستی اسی کی قائم رہتی تھی؟"

"ہاں —" اس نے اعتراف کیا۔ "ہم چاروں میں ذہنی طور پر وہ سب سے بہتر تھا۔ اس کی حکمت عملی ہمیشہ ہی کامیاب ہوا کرتی تھی۔ تم تینوں کو بھی اس نے بے بس کر ہی لیا تھا اور میں ابھی تک یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم نے اس کی بازی کیسے الٹ دی۔"

"وہ زیادہ تر کس کے لئے کام کرتا رہا ہے؟"

"اپنے معاملات میں وہ ہمیں زیادہ دخیل نہیں ہونے دیتا تھا ہمیں کام ہونے پر صرف اپنے معاوضے سے دلچسپی ہوتی تھی اور اس بارے میں اس نے کبھی ہمیں شکایت کا موقع نہیں دیا۔"

پھر وین میں خاموشی چھا گئی۔

"تم مجھے ہلاک تو نہیں کرو گے نا؟" کچھ دیر بعد اس نے [illegible] اور پُر امید لہجے میں سوال کیا۔ "میں نے تمہارے ہر سوال کا صحیح جواب دیا ہے۔"

"تمہاری ساری گفتگو ہمارے لئے بے کار تھی۔" میں نے کہا۔ "شاید وقت گزاری کے لئے تم بلا وجہ ہی بولے جا رہے تھے اور میں بھی تمہارا ساتھ دے رہا تھا!"

"لیکن میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

"جس کمرے سے آگ کی ابتدا ہوئی۔ اگر میں اسی میں پڑا سو رہا ہوتا تو شاید بگڑنے کے لئے کچھ باقی ہی نہ رہا ہوتا۔"

پھر خاصی مسافت طے کرنے کے بعد جیسے ہی وین رکی، وہ شخص اپنی جگہ سے اچھلا اور پوری قوت سے میرے اوپر آ رہا۔

دوران سفر مجھ سے باتیں کرنے کے ساتھ ہی وہ اپنی کارروائی بھی کر رہا تھا اور اسی دوران میں اس نے اپنی کلائیوں پر بندھے ہوئے نائلون کے تسمے زور لگا کر توڑ دیے تھے۔

سارے راستے وہ جس مایوسی اور بزدلی کا اظہار کرتا رہا، اس نے مجھے اس کی طرف سے بے فکر کر دیا تھا۔ میری دانست میں ایسی گزری ہوئی حالت میں انسان کے حواس جواب دے جاتے ہیں تو خوشامد اور چاپلوسی کو طول دیتے چلے جاتے ہیں مگر میں یہ بھول گیا تھا کہ زندگی کی آخری امید کو ہاتھ سے جاتے دیکھ کر آدمی چند سانسوں کے لئے ایک بار [illegible] سے بھی ٹکرا جانے پر تل جاتا ہے۔

اس نے میرے اوپر آتے ہی میری گردن اپنے ہاتھوں میں دبوچنے کی کوشش کی تھی۔ مگر میں نے پوری قوت سے اس کی ناک پر ٹکر رسید کر کے اسے بری طرح بوکھلا دیا۔

وہ ایک وحشت زدہ چیخ کے ساتھ تڑپ کر پیچھے کی طرف الجھا اور میں نے اس مختصر سی جگہ میں پوزیشن بنا کر اس کے سینے پر دو لاتیں ماریں اور وین کا دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ سے نیچے اتر گیا۔

مگر وہ بلا کا مکار بھی تھا۔ اس نے میرے تعاقب میں نیچے آنے کے بجائے پیچھے ہی سیتا پر حملہ کر دیا۔

ایک لمحے کے لئے مجھے تشویش لاحق ہوئی مگر سیتا کے قریب پہنچتے ہی وہ اتنی صفائی سے وین کے کھلے ہوئے دروازے میں سے الٹا ہوا بری طرح ریت پر آیا۔ جیسے سیتا کے بدن میں دوڑتی ہوئی طاقتور برقی رو نے اسے اچھال دیا ہو۔

ریت پر گرنے کے بعد اس نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش نہیں کی۔ سہما سہما نیچے پڑا کسی تھکے ہوئے سانڈ کی طرح گہرے گہرے سانس لیتا رہا۔

اسی اثنا میں یوسف انجن بند کر کے نیچے آ گیا۔

"کیا ہو رہا ہے؟" اس نے میری طرف آتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ ہمارے لئے بے مصرف ہے۔ پیٹر ہی سے کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔"

"پیٹر کی رہائش گاہ کے بارے میں کچھ معلوم ہوا؟" یوسف نے ریت پر پڑے ہوئے شکست خوردہ حریف کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ تم معلوم کر لو۔" میں نے کہا۔

"تم سب اُلّو کے پٹھے ہو!" وہ بھرّائی ہوئی غصیلی آواز میں بولا۔ "اب میں تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دوں گا۔ مرنا ہی مقدر ٹھہرا تو زبان پر تالا کیوں نہ رکھا جائے۔"

میں نے سرد نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے بھرا ہوا پستول نکال لیا۔ اور اس کی نگاہوں میں یک بیک خوف سرایت کر گیا۔

"ٹھہرو!" یوسف نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "ابھی اس کے زندہ بچنے کی ایک صورت باقی ہے!"

یوسف کا لہجہ معنی خیز تھا جس کا مطلب تھا کہ اس کے ذہن میں کوئی تجویز موجود تھی لیکن میں نے اس بارے میں کسی تجسس کا اظہار نہیں کیا تاکہ قیدی پر میرا خوف مسلط رہے۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" قیدی نے الجھے ہوئے لہجے میں یوسف سے دریافت کیا۔

"ہماری بہترین پناہ گاہ کو تم خاکستر کر چکے ہو!" یوسف نے

کہا۔ "اگر تم فوری طور پر کوئی ٹھکانا فراہم کر سکو تو شاید تمہاری گلو خلاصی ہو سکے!"

اس طرف میرا ذہن ہی نہیں گیا تھا۔ عبداللطیف یا ام اپنا کا گھر جل جانے کے بعد صنعا میں ہمارے لئے کوئی ٹھکانا نہیں رہ گیا تھا جبکہ وہ ہماری بنیادی ضرورت تھی۔

یوسف کے حکام کے زیر عتاب ہونے کی وجہ سے ایسا ہر مقام مخدوش ہو چکا تھا جس سے ماضی میں اس کا کوئی بھی کھلا رابطہ رہا ہو۔ ایسی صورت میں وہ قیدی ہمارے لئے واقعی کارآمد ثابت ہو سکتا تھا۔

"تمہیں کن لوگوں سے خطرہ ہے؟" قیدی نے سوال کیا۔

"اس سے تمہارا کیا واسطہ؟" یوسف نے کہا۔

"پناہ گاہ کے انتخاب کے لئے یہ ضروری ہے!" اس کا ذہن زندگی کی امید نظر آتے ہی صحیح راستے پر سوچنے لگا تھا۔

"ایک دشمن نے تو تم لوگوں کو ہماری راہ پر لگایا تھا۔" یوسف نے اس کی بات کی معقولیت تسلیم کرتے ہوئے کہا۔ "اور قانون سے ہم خود دور رہنا چاہتے ہیں۔"

"شاید میں کچھ کر سکوں!" وہ باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اس نکتے پر سوچ بچار ہی تو کر سکو گے!" میں نے اس کی نیت بھانپ کر درشت لہجے میں تنبیہ کی۔ "ہاں کوئی نہ کوئی جگہ مل ہی جائے گی۔ میرا دوست اس وقت محض تمہارے خون سے بچنا چاہتا ہے۔ میری گلو خلاصی فوراً ہو جائے گی۔"

"جب تک ہم تمہاری فراہم کی ہوئی جگہ پر نہ پہنچ جائیں گے تم ہمارے یرغمال رہو گے۔" یوسف نے کہا۔ "پہنچ جانے کے بعد تم آزاد ہو گے۔"

"اس بات کی کیا ضمانت ہو گی کہ جاتے ہوئے تم میری کھوپڑی میں گولی نہیں اتار دو گے؟" وہ آسانی سے اعتبار کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

"پھر تو ہمیں بھی یہ ضمانت طلب کرنا ہو گی کہ تم تحفظ کے دھوکے میں ہمیں کسی چوہے دان میں نہیں پھنساؤ گے۔" یوسف کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"تمہیں میری نیت میں جب بھی فتور محسوس ہو، مجھے گولی مار سکو گے۔"

"معاملے کو طول دینے کے بجائے کام کی بات کرو۔" میں نے برہمی سے کہا۔ "جو کام ایک فائر سے نمٹ سکتا ہے اس کے لئے ہم زیادہ وقت برباد نہیں کر سکتے۔"

"چیئرمین کے مکان سے تمہیں کیا دلچسپی تھی۔ کہیں اس کے بارے میں تو کچھ نہیں سوچ رہے تھے؟" قیدی نے سوال کیا۔

"اسے بھول جاؤ۔" یوسف نے کہا۔ "وہاں سے صرف یہ سراغ مل سکتا ہے کہ چیئرمین کن لوگوں کے لئے کام کر رہا تھا مگر اب ہمیں اس سے بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"صنعا کے بجائے درنہ میں تمہارے لئے چند روز کا بندوبست ہو سکتا ہے۔" قیدی نے کہا۔ "وہاں میرا بھتیجا ایک خادم چلاتا ہے۔ کسی کو تمہاری موجودگی کا کانوں کان بھی پتہ نہیں چل سکے گا۔"

"چیئرمین سے اس بار کتنا معاوضہ ملنے کی امید تھی؟"

"دو سو ہزار۔"

"اگر وہاں ہمیں کوئی دشواری پیش نہ آئی تو آزادی کے ساتھ ہی تمہیں یہ رقم بھی مل جائے گی۔" یوسف نے اسے پیشکش کی اور وہ ریت پر سے اٹھ گیا۔

درنہ صنعا سے کوئی ستر کلو میٹر دور ایک زرعی علاقہ تھا لیکن جانے کے لئے وہاں تک پہنچنا ایک دشوار مسئلہ تھا۔

عبداللطیف کا مکان جس طرح ان لوگوں کی کارروائی کا نشانہ بنا۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ چیئرمین سے کام لینے والا اگر مائیکل ٹریپ بذات خود نہیں تھا تو اس کا کوئی ساتھی ضرور تھا اور ان لوگوں کو کافی عرصے سے اس بات کا علم تھا کہ یوسف آڑے وقتوں میں اس سے رجوع کرتا رہتا تھا۔ لیکن یوسف سے کوئی براہ راست تنازعہ نہ ہونے کی وجہ سے ان لوگوں نے عبداللطیف کو ہمیشہ ہی نظر انداز کئے رکھا۔

لیکن اس بار معاملہ قطعی مختلف تھا۔ ان لوگوں کو یہ معلوم تھا کہ مجھے اور سیتا کو صنعا میں یوسف کا بھرپور تعاون حاصل تھا لہٰذا جب انہوں نے ہمیں گھیرنے کی کوششوں کا آغاز کیا تو یہ امکان بھی سامنے رکھا کہ قانون اور نامعلوم دشمنوں کی دوطرفہ یلغار سے بچنے کے لئے یوسف ہم لوگوں سمیت عبداللطیف کے گھر کا رخ بھی کر سکتا تھا۔ لہٰذا اپنی مہم کے آغاز کے ساتھ ہی انہوں نے چیئرمین کو اس مورچے پر مامور کر دیا۔

لیکن چیئرمین کو شاید انہوں نے پورے معاملے کی ہوا بھی نہ لگنے دی تھی۔ یہ پہلو اس اعتبار سے ہمارے حق میں مفید تھا کہ چیئرمین اور اس کے دو ساتھی ہماری اصلیت جانے بغیر موت کے گھاٹ اتر چکے تھے اور جو بچا تھا زندہ رہ گیا تھا وہ بھی ہماری شخصیتوں سے پوری طرح ناواقف تھا اور ہم سے تعاون پر بھی رضامند ہو گیا تھا۔

لیکن ان مثبت نکات کے باوجود اس مقام سے درنہ تک کی مسافت خطرے سے خالی نہیں تھی۔ اکیلا شخص تو آسانی سے لوگوں میں گھل مل کر اپنی شناخت مٹا سکتا تھا لیکن وہاں معاملہ کم از کم چار کا تھا اور ہم کوئی ایسی بے احتیاطی مول لینے کے لئے

تیار نہیں تھے جس کے نتیجے میں قیدی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکلنے میں کامیاب ہو جاتا اور ہم ہاتھ ملتے رہ جاتے۔

جس وین میں ہم اس مقام تک پہنچے تھے وہ مخدوش ہو چکی تھی۔ اسے عبداللطیف کے جلتے ہوئے مکان کے قریب کھڑا دیکھا گیا تھا۔ مکان جلنے کا واقعہ اتنا سنگین تھا کہ رحیم الدین اسے پولیس تک لے جائے بغیر باز نہ آتا اور اگر اس کا کوئی ملازم یا پڑوسی وین کا نمبر نوٹ کر چکا تھا تو دوسری فرد جرم سے پہلے ہم سب کا سنگین آتشزنی کے شبے میں پکڑا جانا لازمی ہو جاتا۔

وین میں موجود تین لاشوں کے معاملے میں تو بحث کے بعد یہ طے کر دیا گیا کہ ہمارا قیدی نرم ریت میں اپنے ہاتھوں سے ان کی تدفین عمل میں لائے۔ ان لاشوں کا چھپانا یا جلانا محض اس لئے ضروری تھا کہ ان میں سے دو لاشیں زہریلی تیروں کا شکار ہوئی تھیں اور اگر وہ اسی حالت میں پولیس کو مل جاتیں تو دوسرے جرائم کے علاوہ سنگین نوعیت کے قتل کا ایک تازہ الزام اور عائد ہو جاتا۔ یہی نہیں بلکہ چیئرمین وغیرہ کے حوالے سے رحیم الدین کے مکان کی آتشزنی میں بھی کم از کم پولیس کی سطح پر میرا نام ملوث ہو جاتا۔

اس وقت ہمارے لئے رحیم الدین کی مظلوم خادمہ بھی ایک بوجھ بنی ہوئی تھی۔ اوّل تو اس کی ذہنی حالت ہی ابتر تھی پھر ہماری فکر بجائے خود اتنی تھی کہ اسے ساتھ لگائے رکھنے میں خطرات ضرورت سے زیادہ بڑھ جاتے لہٰذا اس کے بارے میں یہ طے کیا گیا کہ اگر وہ ہوش میں بھی آ جائے تو اسے کسی ترکیب سے دوبارہ بے ہوش کر دیا جائے اور لاشوں کی تدفین کے بعد اسے وین میں شاہراہ پر چھوڑ دیا جائے۔

ہوش میں آنے پر وین سے نکلنے کے بعد اس کے بھٹکنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔ وہ کسی بھی سواری سے لفٹ لے کر باآسانی صنعا پہنچ سکتی تھی۔

یہ سارے نکات طے کرنے کے بعد قیدی کی نگرانی میرے ذمے آ گئی اور یوسف وہاں سے پیدل ہی سڑک کی طرف چل دیا تاکہ اس ویران صحرا سے درنہ تک ہمارے قافلے کے محفوظ سفر کی کوئی سبیل پیدا کر سکے۔

یوسف کے جانے کے کچھ دیر بعد اچانک ہی میرے ذہن میں ایک تجویز آئی اور میں نے قیدی کو تدفین کا کام جلد نمٹانے میں مدد دینے کے لئے گڑھوں میں مٹی ڈالنی شروع کر دی۔

"کیا پروگرام میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے؟" قیدی نے حیرت سے میری طرف دیکھتے ہوئے متحیرانہ لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں!" میں نے اختصار سے جواب دیا۔ پھر فوری طور پر موضوع تبدیل کرنے کی نیت سے سوال کیا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"حسین المرتضیٰ!" اس نے جواب دیا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

سیتا وین کے عقبی حصے کے پائیدان پر بیٹھی دلچسپی سے یہ دیکھ رہی تھی کہ باہمی دشمنی اور خون آشام مقابلوں کے بعد قیدی کے اور ہمارے درمیان آخر کار مفاہمت کی فضا پیدا ہو گئی تھی جو ہماری چلی ہوئی حکمت عملی کے لئے سود مند ثابت ہو سکتی تھی۔

جب تدفین سے نمٹنے کے بعد میں نے حسین کو وین میں سوار ہونے کا حکم دیا تو اس کے بشرے پر تذبذب کے آثار ابھر آئے۔

"اسی وین میں جاؤ گے؟"

"صرف شاہراہ تک!" میں نے کہا۔ "لیکن یہ سمجھ کر کہ اب ایک پر ایک کا مقابلہ ہے۔ کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش نہ کرنا۔ میرے پاس ایک ایسا ہتھیار موجود ہے جس کے شکار کو یہ علم بھی نہیں ہو پاتا کہ اس کی موت کیسے واقع ہوئی!"

"میں نے وہ دونوں لاشیں دیکھی ہیں!" وہ جھجکتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ان پر کسی سریع الاثر زہر کی ساری علامات نمایاں تھیں لیکن تم میری طرف سے بے فکر رہو۔ معاہدہ ہونے کے بعد میں آخری سانس تک اسے نبھانے کی کوشش کروں گا۔"

سیتا عقبی حصے میں سوار ہو گئی۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ حسین المرتضیٰ میرے برابر والی نشست پر موجود تھا۔

ریت پر ٹائروں کے نشانات کے سہارے واپسی کا سفر شروع ہوا اور بمشکل نصف گھنٹے سے بھی کم عرصے میں ہم نے یوسف کو جا لیا۔ فضا میں انجن کا شور سن کر اس نے ایک ٹیلے کی اوٹ میں پناہ لی ہوئی تھی لیکن وین کو پہچان کر وہ سامنے آ گیا تھا۔ میں انجن بند کر کے نیچے اتر گیا۔

"تمہارے چلے آنے کے بعد میرے ذہن میں ایک نئی تجویز آئی تھی۔"

"وہ کیا؟" اس نے دلچسپی کے ساتھ سوال کیا۔

"اس وقت ہم جس علاقے میں پھنسے ہوئے ہیں، اس کے پیش نظر شاہراہ سے گزرنے والے کسی بے گناہ مسافر کو بے ہوش کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے!" میں نے کہا۔

"بہت اچھی اور بے ضرر ترکیب ہے!" حسین المرتضیٰ وہ تجویز سن کر یوسف سے پہلے بول اٹھا۔ "اس وقت تین بجے ہیں اور ہمارے پاس بہت وقت ہے۔ اگر ہم چھ بجے تک صنعا پہنچ جائیں تو ساڑھے چھ بجے صنعا سے درنہ روانہ ہونے والی بس پکڑ سکیں گے۔"

"ہاں ـــ ہر شام درنہ کے لئے بس جاتی ہے۔" یوسف نے اس کی تائید کی۔ "جس میں بیشتر تعداد صنعا میں کام کرنے والے درنہ کے مزدوروں کی ہوتی ہے۔"

"ہم وین کہیں آڑ میں کھڑی کر کے چھپے رہیں گے۔ ہم میں سے ایک آدمی سڑک پر کسی ایسی کار کا انتظار کرے گا جس میں کوئی تنہا مسافر ہو۔ کار کو لفٹ کے بہانے رکوا کر مسافر کو بے ہوش کر دیا جائے

تو ہم طوالت میں پڑے بغیر آسانی سے صنعا تک پہنچ جائیں گے۔" میں نے انہیں تفصیل کے ساتھ اپنی تجویز سے باخبر کیا۔ "مجھے اور سیتا کو صنعا وغیرہ سے بالکل واقفیت نہیں ہے۔ لہٰذا سیتا تمہارے ساتھ رہے گی اور میں حسین کے ساتھ۔ ہم دو دو کی ٹولی میں ایک دوسرے سے لاتعلق ہو کر بس میں سوار ہوں گے۔ اور کسی کو ہم پر شبہ بھی نہ ہو سکے گا۔"

یوسف بحث کئے بغیر فوراً ہی مجھ سے متفق ہو گیا اور ہمارا قافلہ ویگن میں دوبارہ سڑک کی طرف روانہ ہو گیا۔

جب ٹیلوں پر سے گزرتے ہوئے ہمیں نشیب میں بل کھاتی ہوئی سیاہ و ویران سڑک نظر آنے لگی تو تھوڑی دیر چلنے کے بعد ایک اونچے ٹیلے کی اوٹ میں ویگن روک دی گئی۔

ویگن میں پڑا ہوا ایک بڑا سا رومال سر پر ڈال کر یوسف نے اس کے سرے اس طرح گردن پر لپیٹے کہ اس کا خاصا چہرہ چھپ گیا۔ یہ بلکہ خاص طور پر غبار آلود ہوا سے چہرے کے بچاؤ کے لئے وہاں کا ایک خاص انداز تھا جس پر کسی کو بھی بادی النظر میں شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔

اس کے بعد وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا آگے بڑھتا چلا گیا۔

اس کی کارروائیوں کا جائزہ لیتے رہنے کی نیت سے میں حسین المزنی کو ساتھ لے کر ٹیلے پر چڑھ گیا۔ جہاں سے سڑک کا کئی فرلانگ کا طویل ٹکڑا صاف نظر آ رہا تھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم مجھے کیوں ساتھ لئے پھر رہے ہو۔" اوپر پہنچ کر حسین نے تاسف آمیز لہجے میں کہا۔ "تمہیں اب بھی مجھ پر بھروسا نہیں ہے اور تم ایک پل کے لئے بھی مجھے اپنی نگاہوں سے اوجھل ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتے۔"

"میری جگہ تم ہوتے تو کیا کرتے؟" میں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں سوال کیا۔

"تمہیں گولی مار کر خاموشی سے شہر لوٹ جاتا۔"

"اسی لئے کہ تم یہاں اجنبی نہیں ہو۔" میں نے کہا۔ "صنعا میں تم دور ہی سے پہچان لئے جاؤ گے۔ جب کہ ہمیں ایک ٹھکانہ چاہئے کیا تمہارے لئے یہی غنیمت نہیں ہے کہ اس بہانے جا سے تمہاری موت کا خطرہ ٹل چکا ہے!"

وہ خود خاموش ہوا نہ مجھے خاموش رہنے دیا۔ ذہن پر سے موت کا خوف ہٹ جانے کے بعد وہ خاصا خوش کلام ثابت ہو رہا تھا۔

اسی اثنا میں یوسف سڑک کے کنارے جا پہنچا اور ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گیا۔

نصف گھنٹے کے عرصے میں وہ تین بار اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھا لیکن ہر بار لفٹ کا اشارہ کئے بغیر دوبارہ اپنی جگہ جا بیٹھا اور کاریں تیزی کے ساتھ اس کے سامنے سے گزر کر صنعا کی طرف بڑھتی چلی گئیں۔ مطلب تھا کہ ان کاڑیوں میں ایک سے زیادہ مسافر تھے اور انہیں روکنا ناگہانی خطرات مول لینے کے مترادف تھا۔

تقریباً ایک گھنٹہ اسی طرح گزر جانے کے بعد یوسف سڑک کے کنارے کھڑا ہوا تھا کہ ہم نے اسے تیزی سے سڑک عبور کرتے دیکھا اور بے چینی سے تابی سے فضا میں ہاتھ لہرانے لگا۔

"کیا صنعا سے آنے والی کار کو روکنے کا ارادہ ہے اس کا؟" حسین نے یوسف کی حرکات دیکھتے ہوئے حیرت سے کہا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ کار صنعا سے آ رہی ہو یا ادھر جا رہی ہو۔ ہمیں تو بلاشرکت غیرے محض ایک کار کی ضرورت ہے۔"

"ہاں ... ٹھیک ہی تو ہے۔" وہ بڑبڑا کر رہ گیا۔

اسی اثنا میں صنعا سے آنے والی سرخ شیورلیٹ بھی قریب آ گئی۔ اس کے انجن کی غراہٹ تو ہوا کے دوش پر پہلے ہی سے گونج رہی تھی۔

اس بار یوسف کے ستاروں نے یاوری کی اور وہ تیزی سی سرخ کار بتدریج سست ہوتی ہوئی اس کے سامنے آ رکی۔

ہم دونوں نے ہی یوسف کو اس کار کی اگلی کھڑکی کے قریب جھکتے دیکھا اور بمشکل چند ثانیوں بعد ہی وہ لپک کر ڈرائیونگ سیٹ کی سمت پہنچا اور مزید چند ثانیوں بعد سرخ شیورلیٹ کو ویران سڑک کے کنارے کھڑا کر دیا گیا۔

تقریباً ایک منٹ بعد ڈرائیونگ سیٹ کی سمت سے یوسف برآمد ہوا۔ اور اس بار اس نے کار کا بانٹ اٹھا دیا۔

اسے یہ علم نہیں تھا کہ ہم اس کی تمام کارروائیوں کا جائزہ لے رہے تھے لہٰذا وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر تقریباً دوڑتا ہوا ہماری طرف آنے لگا۔

"وہیں رکو ... ہم آ رہے ہیں!" میں نے منہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر پوری قوت سے کہا اور آواز شاید اس کے کانوں تک پہنچ گئی کیونکہ دوڑتے دوڑتے وہ یک لخت رک گیا تھا۔

"آؤ۔" یہ کہہ کر میں تیزی سے ڈھلان اترتا چلا گیا۔

ایک بڑی کامیابی ہو جانے کے بعد جانے کے لئے ضروری تھا کہ شاہراہ سے کوئی دوسری کار پہنچنے سے پہلے سرخ کار میں سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہو جائیں۔

میری آواز سیتا نے بھی سن لی تھی اور وہ بے چینی سے میری واپسی کی منتظر تھی۔

"لڑکی ابھی ہوش میں آئی تھی میں نے اس کی کنپٹی پر مکا

سی ضرب لگا کر اسے دوبارہ بے ہوش کر دیا۔" قریب پہنچتے ہی اس نے مجھے مطلع کیا۔

شاہراہ کی طرف ہم تیزی سے بڑھے اور چند ہی منٹ میں اس لق و دق صحرائی راستے پر پہنچ گئے جہاں یوسف بے چینی سے ہمارا منتظر تھا۔

میں نے ویگن سڑک سے نیچے جھکا اس کے متوازی یوں کھڑی کی کہ اس کا رخ صنعا کی مخالف سمت میں تھا پھر ہم تینوں پھرتی سے سرخ شیورلیٹ میں منتقل ہو گئے۔ حسین المزنی یوسف کے برابر میں اگلی نشست پر بیٹھا تھا جبکہ میں سیتا کے ہمراہ پچھلی نشست پر تھا۔ ہمارے پائیدان میں ایک خوش پوش مقامی نوجوان بے سدھ پڑا ہوا تھا اور بے ہوش معصوم سی لڑکی ویگن ہی میں چھوڑ دی گئی تھی۔

"بڑی آسانی سے قابو میں آ گیا۔" کار روانہ ہوتے ہی میں نے مسرت آمیز لہجے میں تبصرہ کیا۔

"بہت شریف لڑکا تھا۔ کچھ پوچھے بغیر لفٹ دینے پر آمادہ ہو گیا تھا۔" یوسف نے کہا۔ "مگر میں نے کھلی ہوئی کھڑکی سے ہاتھ ڈال کر اس کی کنپٹی پر پتھر سے ضرب لگائی اور وہ اسٹیرنگ پر سر جھکا کر بے ہوش ہو گیا۔"

"کیا کار کا انجن بند کر دیا تھا؟"

"نہیں، لیکن وہ اس قدر قرینے کا آدمی تھا کہ کار روکتے ہوئے گیئر نیوٹرل کر لیا تھا ورنہ کار رکتے وقت شدید جھٹکا تو ضرور لگتا۔"

بدترین خطرات کے سائے ہمارے سروں سے بڑی حد تک چھٹ چکے تھے۔ آخری فکر بس یہی رہ گئی تھی کہ صنعا پہنچنے تک راستے میں اس کار کی وجہ سے کوئی دشواری پیدا نہ ہو۔

خدا خدا کر کے وہ شیطان کی آنت جیسا طویل سفر اس حد تک اپنے اختتام کو پہنچا کہ کار صنعا کے مضافات میں داخل ہو گئی۔

"صنعا میں تمہارے بھتیجے کا کیا نام ہے؟" یوسف نے حسین المزنی سے سوال کیا۔ "اگر بس میں کسی سے بات کرنا ہی پڑ گئی تو صنعا میں کسی رشتہ دار کا نام لینا ہی پڑے گا۔"

"فکر نہ کرو۔ میں جو تمہارے ساتھ ہوں!" حسین نے کہا۔

"تم بھول رہے ہو کہ ہم دو دو کی ٹولیوں میں سفر کریں گے۔" یوسف نے اسے یاد دلایا۔

"اس کا نام صباح المزنی ہے۔ ویسے تم اس کا نام نہ ہی لو تو بہتر ہے کیونکہ ہمیں اسی کے پاس پناہ لینی ہے۔"

"بیانڈ ویسے بھی ہے لیکن نام جاننا پھر بھی بہتر رہے گا۔"

ساڑھے پانچ بجے یوسف نے مجھے اور حسین کو ایک ویران گلی میں اترنے کے لئے کہا۔ ہم دونوں کے نیچے آتے ہی سرخ کار آگے بڑھ گئی۔

"تمہارا ساتھی جیمز بانڈ کے ہتھکنڈوں سے واقف معلوم ہوتا ہے!" حسین نے اپنے لئے سگریٹ سلگاتے ہوئے تبصرہ کیا۔ "یہ ویران گلی بس اسٹاپ سے بہت دور ہے لیکن ایک زیر تعمیر عمارت سے گزرنے کے بعد بمشکل چند منٹ کا راستہ ہے!"

"بس کی روانگی میں صرف آدھا گھنٹہ رہ گیا ہے!"

زیر تعمیر عمارت میں پھیلے ہوئے ساز و سامان کو عبور کرنے کے بعد ایک میدان تھا جس کے اختتام پر ایک وسیع دیوار بنی ہوئی تھی ہم دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اگلے حصے میں پہنچے تو بارونق بازار سے گزرا ہوا وہ وسیع بس اسٹاپ ہمارے سامنے تھا جہاں چند روز پہلے میں سیتا اور یوسف کے ہمراہ پہلی بار اترا تھا۔

اس وقت میری نگاہ گردوپیش سے پوری طرح باخبر تھی میرا دل پسلیوں میں دھڑک رہا تھا اور ہر آن یہ خوف لگا ہوا تھا کہ کہیں کوئی مجھے پہچان کر جھپٹ کر گریبان پر ہاتھ نہ ڈال دے۔

یوسف اور سیتا کا ابھی تک کوئی پتہ نہیں تھا۔

بس اسٹاپ پر بنے ہوئے کیبن کی دیوار پر مختلف مقامات تک کے کرائے درج تھے اور ان کی ترتیب بتا رہی تھی کہ صنعا اور عدن کے درمیان کم از کم بیس دیہات یا بس اسٹاپ ضرور آتے تھے۔

ہم ٹکٹ خرید کر بس میں داخل ہوئے تو آدھی سے زیادہ نشستیں بھر چکی تھیں۔ تقریباً سارے ہی مسافر بیک وقت ایک دوسرے سے زور زور سے بولنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کی گفتگو میں مزاح کا عنصر غالب تھا جس کا سبب شاید وہ دو لڑکیاں تھیں جو سب سے اگلی نشست پر خاموش بیٹھی تھیں۔

بس کا پورا فرش چبائی ہوئی گنڈیریوں اور مونگ پھلیوں کے چھلکوں سے اٹا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہفتوں سے اس کی صفائی کی ضرورت ہی محسوس نہ کی گئی ہو۔

ہم دونوں کے داخلے پر کئی نگاہیں ہماری طرف اٹھی تھیں جن میں طنز، استہزائیہ، تمسخر اور تضحیک نمایاں تھی اور دوستی کی جھلک یکسر مفقود تھی چونکہ ہم دونوں ہی قرینے کے تھے ان کی نگاہیں سپاٹ ہی تھیں۔

ہم دونوں وہ برابر برابر خالی نشستوں پر بیٹھنے ہی والے تھے کہ پیچھے سے کسی نے میرا بازو تھام کر مجھے روک دیا۔

"کسی دوسری جگہ بیٹھو۔ یہاں مسافر آ چکے ہیں!" وہ ادھیڑ عمر میرا بازو تھامے تیز لہجے میں کہہ رہا تھا اسی کے ساتھ وہ کچھ چباتا بھی جا رہا تھا۔

میں نے سختی سے اس کا ہاتھ دور جھٹک دیا۔ "کہاں ہیں مسافر؟"

"اگلے اسٹاپ سے سوار ہوں گے۔" وہ ڈھٹائی سے بولا۔

"تو وہ کہیں اور بیٹھیں گے۔" حسین الزبیدی نے غرا کر ترش لہجے میں جواب دیا اور اسے گھورتا ہوا بیچ میں بیٹھ گیا۔ میں اس سے پہلے ہی نشست سنبھال چکا تھا۔

حسب توقع وہ شخص پلٹ کر کچھ نہ بولا بلکہ لاتعلقانہ انداز میں کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔

روانگی سے دو تین منٹ پہلے ڈرائیور نے اپنی جگہ سنبھالی اور انجن اسٹارٹ کر دیا۔ "سب آگئے؟" اس نے تقریباً چیختے ہوئے سوال کیا۔

بس میں موجود تقریباً آدھے مسافروں نے اس کے سوال کا جواب دینا فرض تصور کیا۔ بیشتر نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے چل پڑنے کی فرمائش کی تھی جبکہ اکا دکا نے خریداری کے لیے پیچھے گئے ہوئے اپنے ساتھیوں کا انتظار کرنے کی التجا کی تھی۔

ڈرائیور نے کچھ دیر بعد دو تین بار کرخت ہارن بجایا اور بس کو گیئر میں ڈال کر دھیمے دھیمے آگے بڑھانا شروع کر دیا۔

باہر والوں کے لیے اس کا اشارہ موثر ثابت ہوا اور کئی افراد دوڑتے ہوئے گیٹ سے اندر گھس آئے مگر ان میں سپنا اور یوسف کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

پروگرام کے مطابق انہیں اس وقت تک بس میں موجود ہونا چاہیے تھا لیکن وہ دونوں نجانے کہاں رہ گئے تھے۔

میرے دل میں ان دونوں کی سلامتی کی طرف سے عجیب عجیب وسوسے جنم لینے لگے۔ میں اس وقت کو برا کہنے لگا جب میں نے اکٹھے کے بجائے الگ الگ ہو کر سفر کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔

سپنا کے نہ آنے کی وجہ سے میری نگاہوں میں ماضی کے وہ ماہ و سال گھوم رہے تھے جو میں نے اس کی تلاش میں در بدر بھٹک کر گزارے تھے۔

سچی بات تو یہ تھی کہ اس وقت مجھے یوسف سے ذرا بھی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ میرے اندر چھپا ہوا خود غرض انسان پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔ اگر میری سپنا واپس آ جاتی تو میں یوسف کی پروا کیے بغیر سپنا کے ساتھ آگے بڑھ جاتا۔

بس میں شاید ایک آدھ ہی نشست خالی رہ گئی تھی۔ میری نگاہیں کھڑکی سے باہر بسوں کا انتظار کرنے والوں اور دکانوں کے ہجوم میں بھٹک رہی تھیں لیکن ان دونوں کا دور دور تک کوئی پتہ نہیں تھا۔ ان کے سامنے سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ وہ مسروقہ کار میں اس کے بے ہوش مالک کو لیے ہوئے شہر میں گھوم رہے تھے اور اگر وہ چیکنگ میں آ گیا تھا

اور سپنا کے ہاتھوں دوبارہ زیر ہونے سے پہلے اس نے یقینی طور پر اتنا اودھم ضرور مچایا ہوگا کہ متعدد لوگ سرخ کار کی طرف متوجہ ہو گئے ہوں گے۔

بس میں نشستیں ایک دوسری سے اس قدر قریب تھیں کہ ہم اس صورت حال کے بارے میں حسین سے بھی کوئی مشورہ نہیں کر سکتے تھے۔

وہ میری بے چینی بھانپ رہا تھا اور اس کے چہرے سے بھی تشویش کے آثار جھلک رہے تھے لیکن ہم دونوں ہی بے بس تھے۔

بے اختیار میرے دل میں آئی کہ بس سے اتر جاؤں لیکن یہ حرکت دوسرے مسافروں کو میری طرف سے مشکوک کر سکتی تھی۔ میں نے دل پر جبر کر کے فیصلہ کیا کہ دو تین اسٹاپ گزرنے کے بعد ہی خاموشی سے کسی جگہ اتر جاؤں گا تاکہ کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر سپنا کی تلاش کے لیے واپس مستغانم لوٹ سکوں۔

"کوئی احمقانہ بات نہ سوچنا۔" حسین نے اپنی پنڈلی پر کھجانے کے بہانے میری طرف جھکتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "ہو سکتا ہے کسی وجہ سے انہیں تاخیر ہو گئی ہو۔"

مجھے اسے جواب دینے کا موقع نہیں تھا۔ میں بس ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔

مگر اس کے اس فقرے نے مجھے اس کی نیت کی طرف سے مطمئن کر دیا۔ اس وقت تک میں اسے اپنا قیدی تصور کر رہا تھا جو خائف کے جال پر میرا اسیر تھا اور اپنی زندگی کے خوف سے مجھے مدد کرنے پر مجبور تھا لیکن اس نے ثابت کر دیا تھا کہ معاملے کے سلسلے میں اس کی نیت صاف تھی۔

ڈرائیور نے آخری بار چند ثانیوں تک مسلسل ہارن بجایا جس کے بعد بس حرکت میں آگئی۔

مستغانم کے پر ہجوم اور پیچیدہ راستوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی بس میں سفر کرتے ہوئے میں اس وقت تنہائی کے ایک ہولناک احساس سے دوچار تھا۔ جس کا علاج سپنا کی ذات کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

گنجان ٹریفک سے گزرتی ہوئی وہ بس چند پل بعد مستغانم کے ایک شہری اسٹاپ پر رکی تو ایک باوردی فوجی دروازے سے اندر داخل ہوا اور میرا دوران خون یک بیک کنپٹیوں پر ضربیں لگانے لگا۔ فوجی کے چہرے پر گمبھیر سنجیدگی طاری تھی اور وہ بغور مسافروں کا جائزہ لیتا ہوا بس کے عقبی حصے میں ہماری طرف آ رہا تھا۔

میرا دل چاہا کہ اس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا دوں لیکن اسی لمحے حسین نے میرا ہاتھ دبا کر مجھے پرسکون رہنے کا اشارہ کیا اور میں جلدی سے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا لیکن کن انکھیوں سے مجھے وہ فوجی بدستور بڑھتا ہوا نظر آ رہا تھا

اُس وقت میری جان میں جان آئی جب وہ وردی پوش فوجی جوان ہم تک پہنچنے سے پہلے دوسری طرف والی ایک خالی نشست پر بیٹھ گیا۔

اُس کی پشت ہماری جانب ہوئی تو میں نے کھڑکی کی طرف سے سر گھما کر اس باوردی فوجی کے بعد داخل ہونے والے مسافروں کا جائزہ لیا لیکن اُن میں نہ یوسف کا پتہ تھا اور نہ ہی سیتا نظر آ رہی تھی۔

بس میں مسافروں کی تعداد نشستوں کی تعداد سے تجاوز ہو گئی تھی۔

[illegible]

نشستوں کا حریصانہ جائزہ لے رہے تھے۔

چند ثانیوں بعد بس چل پڑی۔

"خود پر قابو رکھو۔" حسین الحزمی نے میرے کان کے نیچے سرگوشی کی۔ "تمہارے چہرے سے اس وقت شدید تشویش اور پریشانی ظاہر ہو رہی ہے۔ بلاوجہ تم کسی کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا بیٹھو گے۔"

میں نے چونک کر نشست پر پہلو بدلا اور اضطراری انداز میں سگریٹ سلگا لی۔

بس میں سامنے نمایاں طور پر "ممنوع التدخین" کے الفاظ لکھے ہوئے تھے لیکن اس ذرا سی ممانعت کی پروا کیے بغیر مجھ سے پہلے کئی مسافر تمباکو نوشی میں مصروف تھے لہٰذا میں نے بھی اس ممانعت کو نظر انداز کر دیا۔

اس وقت میرے ذہن میں خیالات کی پریشان کن آندھیاں چل رہی تھیں۔ حسین الحزمی کی تنبیہ کے بعد میں نے اپنے چہرے کے تاثرات پر قابو رکھنے کی پوری کوشش کی تھی لیکن مجھے بخوبی اندازہ تھا کہ میرے بشرے سے خیالات کا اظہار ضرور ہو رہا تھا۔ یہ تو غنیمت تھا کہ بس میں نشستوں کا انتظام ایسا تھا کہ ہم بیشتر مسافروں کی پشت پر بیٹھے اور جو آگے تھے وہ ہماری پشت پر تھے۔ بمشکل ایک دو ہی افراد مجھے دیکھ

[illegible]

پھر دیر کے بعد مسافروں میں سے ایک آدھ آواز بس کو رکوانے کے لیے ابھری۔ چند افراد اگلے اسٹاپ پر اترنے کے لیے اپنی نشستیں چھوڑ رہے تھے۔

میرے بوجھل ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔

سیتا یوسف کے ہمراہ صنعا میں رہ گئی تھی۔ بس کی روانگی تک ان دونوں کے نہ پہنچنے کا ایک ہی سبب ہو سکتا تھا کہ وہ چلتے چلتے ایک بار پھر کسی ناگہانی مصیبت میں گرفتار ہو گئے تھے۔ ادھر میری عزیز از جان سینا صنعا میں کسی پیچیدہ الجھن کا شکار ہو چکی تھی اور میں اس کا انجام معلوم کیے یا اس کی مدد کیے بغیر حسین الحزمی کے ہمراہ اس شہر سے ایک محفوظ پناہ گاہ کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔

"کہاں ہو؟" حسین الحزمی نے میرے بدن کی جنبش محسوس کر نے ہی چونک کر قدرے تعجب سے مجھ سے سوال کیا۔

"میں یہاں اُتر رہا ہوں۔" میں نے بیٹھے بیٹھے اپنے جسم کو سمیٹتے ہوئے اُٹھنے کے لیے قدم بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔ "میں اُن دونوں کے بغیر صنعا سے باہر نہیں نکل سکتا۔"

"بیٹھے رہو۔" وہ پھر بھی میرے پہلو میں ہاتھ مار کر غرایا۔ "جگہ بنتے تو ابھی شور مچا کر گرفتار کروا دوں گا۔"

میں حیرت سے اس کا منہ تکتا رہ گیا۔

نصف گھنٹے سے بھی کم مدت میں اس نے اپنی نیک نیتی اور خیر خواہی کے دو ناقابل تردید ثبوت پیش کر دیے تھے۔

[illegible]

بدترین دشمن تھا اور ہمیں وادی تہ کے ایک مخصوص مقام تک پہنچانے کے عوض میرٹی معرفت ملنے کسی نامعلوم دشمن سے معاوضہ وصول کرنے کی فکر میں مبتلا تھا لیکن بھرا کے ویلنے میں مقدر کی یاوری نہ تھا تو کسی کے لیے ہمارا اسیر بکڑ کر غالی بنا رہا تھا لیکن اس نے نتیجہ سے دوسری بار یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ خود کو بیلر یرغمالی نہیں سمجھ رہا تھا بلکہ عملاً میرا مربی اور محافظ بننے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ مجھے میری حماقتوں سے باز رکھ سکے۔

اگر وہ ذاتی مفاد کے بارے میں سوچ رہا ہوتا تو اس کا رد عمل یہ ہونا چاہیے تھا کہ میں اگر نیچے اتر جانے کی کوشش کرتا تو وہ مجھے روکنے کے بجائے اکسانے کی کوشش کرتا تاکہ اسے میری بالادستی سے نجات ملتی لیکن اس وقت وہ اپنے بجائے میری سلامتی کے بارے میں زیادہ متفکر تھا۔

"مم... مگر وہ..." میں نے کہنا چاہا مگر اس نے تیزی سے میری بات کاٹ دی۔

"آ جائیں گے۔ وہ بھی آ جائیں گے۔ مگر تم کوئی حماقت نہیں کرو گے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے دونوں ہاتھوں سے اگلی نشست کی پشت کو اس طرح تھام لی کہ اس کی کلائیوں نے میرے باہر نکلنے کی راہ مسدود کر دی۔

[illegible]

ارادہ ترک کر دیا۔ ایک بار منزل پر پہنچنے کے بعد بھی میں با آسانی صنعا واپس آ سکتا تھا۔

بس کی رفتار بتدریج سست ہوتی رہی اور وہ چند سیکنڈ بعد رکتے اسٹاپ پر رک گئی۔

تین اُترنے والوں کے بعد جو پہلا چہرہ سیڑھیوں سے بس کا داخل ہوا اسے دیکھتے ہی میرا دل دفور مسرت سے اچھل پڑا۔

اندر آنے والی سیتا تھی اور اس کے پیچھے یوسف بھی صحیح سلامت موجود تھا۔ سیتا کی نگاہیں نشستوں پر بیٹھنے والے چہروں پر بھی ظاہر تھا کہ اسے بیٹھنے کی جگہ کی نہیں بلکہ کسی شناسا چہرے کی تلاش تھی۔ جو میرے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔

اُس سے پہلے تین مسافر پہلے ہی نشستوں کے درمیان کھڑے ہوئے تھے لہٰذا سیتا اگلے مسافر سے ایک معقول فاصلے پر ٹھہر گئی۔



اس اثنا میں میری اور اس کی نگاہیں چار ہو گئیں اور وہ اپنے حسین چہرے پر آسودگی کا ایک ناقابل بیان احساس لیے گھوم کر کھڑی ہو گئی۔ حسین الحزمی نے ان دونوں کو دیکھتے ہی مجھے پرجوش انداز میں کہنی مارا تھا۔

یمنی باشندے اپنے جغرافیائی حالات کے تحت تند خو اور درشت مزاج تھے مگر ان میں صنف نازک کا اتنا احترام ضرور پایا جاتا تھا کہ لمحہ بھر بعد ہی ایک جواں سال مقامی نے اپنی نشست سیتا کے لیے خالی کر دی۔

سیتا نے نشست سنبھالی اور یوسف اس کے قریب آ کھڑا ہوا جگہ دینے والا نیا تھا نا گواری سے نیچے سرک آیا تھا۔

سیتا کے نظر آ جانے کے بعد میرے ذہن پر سرور کی ہلکی سی دھند چھا گئی تھی میرے لیے اس وقت یہ بات قطعی غیر اہم ہو کر رہ گئی تھی کہ سیتا کہاں پھنسی تھی! کس دشواری سے دوچار ہوئی تھی اور اس سے کیسے نجات حاصل کی!

میرے لیے سب سے اہم بات یہ تھی کہ وہ ہر رکاوٹ کو عبور کر کے آخر کار ایک مرتبہ میرے ساتھ پھر اس بس میں موجود تھی۔

صنعا میں اگلا اسٹاپ شہری حدود میں بس کا آخری اسٹاپ ثابت ہوا۔ شہر میں زمینی جگہ رکنے کے چند منٹ بعد ہی بس ایک بیک

ایک ایسے راستے پر آ گئی جہاں سڑک کے دونوں طرف تاحد نظر ریت ہی ریت نظر آ رہی تھی۔

صنعا سے درنہ تک کی مسافت ستر کلو میٹر تھی لیکن بس کے رکنے اور چلنے کا معاملہ جاری رہا اتنے تواتر سے پیش آتا رہا کہ سوا دو گھنٹے بعد درنہ پہنچنے کی نوبت آ سکی۔

جن مقامات سے گزر آئی ہوتی وہ بس اپنی منزل پہ رکی تھی اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ درنہ واقعی ایک مختصر سا دیہی علاقہ تھا جہاں کے مکین زیادہ دیر تک جاگتے رہنے کے عادی نہیں تھے لیکن بس اسٹاپ پر صنعا سے آنے والی آخری بس کے انتظار میں کئی ایک ٹیکسی موجود تھے۔

ڈرائیور نے بس روک کر انجن بند کیا اور اکتائے ہوئے انداز میں نیچے اتر گیا۔ گو وہ بس کا آخری اسٹاپ تھا لیکن مسافروں کو نیچے اترنے کی ایسی عجلت تھی کہ نشستوں کے درمیان سرکتی ہوئی قطار میں سے بار بار حرکت اور یا اللہ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

بس سے نیچے اتر کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی گھٹے گھٹے قید خانے سے کھلی فضا میں آ گیا ہوں۔

دو تین کیبنوں پر بہ مشکل بس ایسا چل رہے تھے۔ ایک دکان پر بتی قمقمے جل رہے تھے ٹھنڈے کے لیے شاید چھوٹے جنریٹر کا سہارا لیا گیا تھا کیونکہ اس کا شور وہاں ابھرنے والی ہر آواز پر حاوی تھا۔

حسین المرزنی یوسف کے ہمراہ نیچے اتر کر شکستہ روی سے ایک طرف چل دیا۔ بقیہ مسافروں کو اپنے گھروں پر پہنچنے کی عجلت تھی لہٰذا وہ تیزی سے بڑھتے چلے گئے اور چند منٹ بعد پختہ سڑک سے نکلنے والے کچے راستے پر ہم دونوں رہ گئے۔

میں نے سر گھمایا تو سیتا یوسف کے ہمراہ بیگ اٹھائے پیچھے چلی آ رہی تھی۔ میدان صاف پاتے ہی وہ دونوں لپکتے ہوئے قدم اٹھاتے ہم سے آملے۔

"آج تو تم دونوں نے جان ہی نکال دی تھی۔" ان کے قریب آنے پر حسین المرزنی نے طویل سانس لے کر کہا جیسے وہ ہمارا قریبی ساتھی رہا ہو۔

"اسے ایک قابل معافی ہی سمجھو۔" میں نے ان دونوں کی متوقع حیرت کو دور کرنے کی نیت سے کہا۔ "یہ اس وقت ہمارا ہی خواہ ہے۔"

"اگر تم مجھ سے معاوضے کی بات نہ کرتے تو شاید میں موقع ملتے ہی نکل بھاگنے کی فکر کرتا۔" اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "اس وقت تو یوں سمجھو کہ تمہارے لیے ہی کام کر رہا ہوں اور ہمارا مفاد مشترک ہے۔"

اس کے الفاظ نے میری بہت بڑی الجھن دور کر دی ورنہ میں مسلسل یہی سوچ رہا تھا کہ وہ ہمارے ساتھ یکا یک اتنا مخلص کیوں ہو گیا تھا۔

"ہم بہ مشکل بس پکڑ سکے ہیں۔" یوسف نے سنجیدگی سے کہا۔ "منہ اندھیرے اترتے ہی اچانک ہی عبداللطیف سے سامنا ہو گیا۔"

"عبداللطیف؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "وہ کہاں مل گیا تمہیں؟"

"اپنی کار میں گزر رہا تھا کہ ہم پر نگاہ پڑ گئی۔" یوسف نے کہا۔ "بیچارہ بہت اداس اور پریشان نظر آ رہا تھا۔"

"تو اسے اپنے گھر کی بربادی کا علم ہو چکا تھا؟"

"مکان تو خیر کرائے کا تھا لیکن اس کا سارا قیمتی سامان راکھ ہو گیا۔ اس بربادی کے باوجود وہ تمہارے بارے میں متفکر تھا۔"

"شاید آتش زنی کے سبب کا تو علم نہیں رہا ہوگا؟"

"اتنا اندازہ ضرور تھا کہ اس کا تعلق ہم لوگوں کی موجودگی سے تھا۔ میں نے اسے ساری تفصیل سے آگاہ کر دیا۔"

"اب وہ کہاں رہ رہا ہے؟"

"کسی دوست کے ہاں پناہ لینے کا ارادہ تھا۔" یوسف نے کہا۔ "وہ غیر ملکی ہونے کے باوجود یہاں اتنا بے بس نہیں ہے کہ اپنے نقصان پر خاموش رہے بلکہ وہ تو اب بھی ہمیں دوسرا ٹھکانا فراہم کرنے پر تیار تھا۔"

"وہ نظروں میں آ چکا ہے اب اس سے دور رہنا ہی بہتر ہوگا۔" سیتا نے پہلی بار زبان کھولی۔ "لیکن وہ ہمارے نئے ٹھکانے کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین تھا، ہو سکتا ہے کہ کسی بھی وقت درنہ آ پہنچے۔"

"تم کس کے بارے میں بات کر رہے ہو؟" حسین المرزنی نے سوال کیا۔

"تم اتنا سن کر بھی اندازہ نہیں لگا سکے؟" یوسف نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یہ تو سمجھ گیا کہ تم اسی کی بات کر رہے ہو جس کا گھر ہم نے جلایا تھا۔" حسین المرزنی نے صفائی دینے کے سے انداز میں کہا۔ "لیکن وہ ہے کون؟"

"تمہارا قیاس کیا کہتا ہے؟" اس کے ساتھ اس کا رویہ میری رکاوٹ کے باوجود دوستانہ نہیں ہو سکا تھا۔

"اگر اس کا نام عبداللطیف ہی ہے اور غیر ملکی بھی ہے تو کوئی غیر مقامی عرب یا ہندی ہوگا۔" اس نے یوں کہا جیسے اسے اپنے سوال کی نامعقولیت کا احساس ہو گیا ہو۔

"اس سے تمہیں کیا دلچسپی ہے؟" یوسف نے سوال کیا۔

"تم نے اسے درنہ کا پتہ بتا کر اچھا نہیں کیا۔" حسین المرزنی نے دھیمی آواز میں کہا۔ "صباح میری وجہ سے تمہیں پناہ تو دے دے گا لیکن یہ پسند نہیں کرے گا کہ تمہارے حوالے سے کوئی اجنبی اس کے دروازے پر دستک دے۔"

"نہیں اس کو رضامند کرنا ہوگا۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ میرے ہمراہ تم نے عبداللطیف کے مکان کی نگرانی بھی کی مگر اس کے بارے میں تمہاری معلومات انتہائی ناقص ہیں۔"

"مجھے تو شبہ تھا کہ کہیں اس کا نام ہی فرضی نہ ہو اور نہ میں نے اسے دیکھا تھا۔ دراصل ہمیں اس کی ذات سے کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی۔" اس نے کہا۔ "اور اگر وہ ہندی ہے تو صباح شاید اس کی صورت بھی دیکھنی گوارا نہ کرے۔"

"ہندیوں سے اسے کیا بغض ہے؟"

"صباح نے ایک ہندی کو ترس کھا کر اپنے پاس ملازم رکھا تھا۔ چار برس تک وہ محنت سے کام کر کے صباح کا اعتماد جیتنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر ایک روز تمام نقدی اور زیورات سمیٹ کر ایسا غائب ہوا کہ آج تک اس کا پتہ نہ چل سکا۔ وہ خود کو بمبئی کا رہنے والا بتاتا تھا۔ صباح بمبئی میں بھی دو ہفتے خوار ہوتا پھرا تھا۔"

"شاید ہم اسے سمجھا سکیں۔" میں نے کہا اور پھر ہم خاموشی سے اس تاریک اور کچے راستے پر بڑھتے گئے۔

درنہ میں کچے اور نیم پختہ مکانات پر مشتمل آبادی بس اسٹاپ کے گرد بمشکل چند سو گز تک بکھری ہوئی ہوگی۔ اس سے آگے لق و دق ویرانہ تھا لیکن چاند کی دھیمی روشنی میں اس ویرانے میں پھیلتی ہوئی پگڈنڈیاں اس بات کی غماز تھیں کہ وہاں کثرت سے لوگوں کی آمد و رفت رہتی تھی۔ فضا میں رچی ہوئی نمناک خوشبو کا سبب تھوڑی دیر میں سامنے آ گیا اور ہم لوگ دو رویہ کھجوروں کے درمیان بنی ہوئی منڈیر پر قطار کی صورت میں بڑھنے لگے۔

صباح المرزنی کا فارم کسی باقاعدہ باڑھ کے بجائے درختوں اور اونچے پودوں سے اس طرح گھرا ہوا تھا کہ اس میں با آسانی اندر داخل ہونا ممکن نہیں تھا۔

تاریکی کی وجہ سے فارم کا تفصیلی جائزہ لینا ممکن نہ تھا لیکن قرائن بتا رہے تھے کہ وہ اس صحرائی سرزمین کا خاصا سرسبز و شاداب خطہ تھا۔ فارم کے خاصے اندرونی حصے میں دیہی طرز کا ایک وسیع کاٹیج بنا ہوا تھا جس کی اکا دکا کھڑکیوں میں سے روشنی چھن کر باہر آ رہی تھی۔

حسین نے دروازے پر پہنچ کر دستک کے ساتھ ہی صباح کا نام بھی بلند آواز میں پکارا۔ اس کے جواب میں کاٹیج کے کسی دور افتادہ حصے سے ایک بھاری مردانہ آواز سنائی دی اور چند ثانیوں بعد ایک قد آور شخص دروازہ کھول کر ہمارے سامنے آ گیا۔

"چچا! تم اس وقت؟" اس شخص کی آواز میں ہلکی سی لکنت تھی لیکن اس سے پیشتر ہی اس کی سانسوں میں بسی ہوئی بو سے اندازہ ہو گیا تھا کہ چند ثانیوں قبل تک وہ وہسکی سے شغل کرتا رہا تھا۔

وہ دونوں چچا بھتیجے بہت تپاک سے ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے۔ حسین نے اس کی مے نوشی کے بارے میں کوئی خفیف ترین بھی اشارہ نہیں کیا تھا۔

"یہ میرے مہمان ہیں..." حسین المرزنی نے ہم تینوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور اس نازک مرحلے پر یوسف نے درمیان ہی سے اس کا فقرہ اچک لیا۔

"خالد، لیلٰی، مختار اور میں سعید۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"لیلٰی!" صباح المرزنی ہم دونوں سے باری باری ہاتھ ملاتے ہوئے زور سے ہنسا۔ "یہ تو بڑا ظلم ہے کہ اس خاتون کے حسین چہرے میں نہ رات کی سیاہی ہے اور نہ صحرا کی ویرانی۔ پھر اس کا نام لیلٰی کیوں ہے؟"

فقرہ مکمل کرتے ہوئے وہ مجھ سے ہاتھ ملا رہا تھا۔ میں نے غیر ارادی طور پر اس کا پنجہ ضرورت سے زیادہ دبا دیا اور وہ بے ساختہ اچھل پڑا۔

میں نے فوراً ہی اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

وہ اگر اپنے حواس میں ہوتا تو شاید میں سیتا کے بارے میں اس کے تبصرے پر اپنے غصے کی لہر کو کسی طرح ضبط نہ کر سکتا لیکن وہ نشے میں تھا ——— اور اس عالم میں انسان ہر چیز کو اپنے اندر کی آنکھ سے دیکھ کر زبان پر لاتا ہے لہٰذا اس نے سیتا کے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ اس کی جمال پرستی کا مظہر تھا اور اس دور کا ہر مرد اس خوئے بد کا شکار ہے کہ اپنے تصرف میں آئی ہوئی حسینۂ عالم کے مقابلے میں اختیار سے باہر معمولی چہرے پر بھی جان دیتا ہے جب کہ سیتا کو تو قدرت نے حسن کے انوکھے ہی سانچے میں ڈھالا تھا۔

اس مرحلے پر صباح المرزنی کا وہ دو ٹوک انداز مجھے چوکنا کرنے کے لیے کافی تھا۔ چند روز کے لیے ہم تینوں اس کے پاس پناہ لینے والے تھے، اس دوران میں ایسے موقعوں سے گریز کرنا ضروری تھا کہ صباح کو سیتا کے ساتھ کوئی بدتمیزی کرنے کا موقع مل سکے جس کے نتیجے میں اس سے تلخ کلامی یا تصادم کی نوبت آ جائے۔

"تمہارے مہمان!" وہ اپنے عقب میں کھلے ہوئے دروازے سے آتی ہوئی روشنی میں ہم تینوں کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ "چچا تمہارے مہمان میرے بھی مہمان ہیں، یہاں کیوں کھڑے ہو، اندر آؤ انہیں۔"

اس نے ایک طرف سرک کر راستہ چھوڑ دیا اور ہم تینوں یکے بعد دیگرے اندر داخل ہو گئے جہاں فضا میں پیٹرومکس جلنے کی مخصوص بو رچی ہوئی تھی۔

گو حسین المرزنی ہمارے نئے میزبان کا چچا تھا لیکن اپنے بھتیجے کی حالت سے وہ بے خبر نہیں تھا، اس نے فوری طور پر کھانے کا بندوبست کرایا اور اس سے فراغت پاتے ہی ہمیں ایک بڑے کمرے میں پہنچا دیا جہاں بیک وقت چھ بستر موجود تھے۔

اس دیہی علاقے میں انفرادی خوابگاہوں کا تصور نہیں پہنچا تھا۔ یا شاید صباح المرزنی ہی اس انداز میں رہنے کا عادی تھا لیکن وہ صورت حال ہمارے لیے اس اعتبار سے بہتر تھی کہ برے وقت میں ہم ایک دوسرے کے کام آ سکتے تھے۔

حسین المرزنی بھی ہماری توقع کے برعکس لوٹ آیا۔

"اس کی حالت ابتر ہے۔" وہ آتے ہی مایوسانہ لہجے میں بولا۔

"میرا خیال ہے کہ تھوڑی دیر میں وہ اپنے قدموں پہ چل کر اپنے بستر تک بھی نہ جاسکے گا۔"

"کیا وہ یہاں تنہا رہتا ہے؟" یوسف نے سوال کیا۔

"تین چار ملازم ہیں۔" حسین نے منہ پھیر کر دھیمے لہجے میں کہا۔ "سارے وسائل میسر ہونے کے باوجود شادی نہیں کرتا اور تجرد کی زندگی عام طور پہ آدمی کو بے اعتدالی کے راستوں پر لے جاتی ہے۔"

"بڑے معقول خیالات ہیں تمہارے اس بارے میں۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"صباح کو ہر ایک دو پیگ پینے کے بعد کہیں سے ایک خوبصورت ملازمہ مل جاتی ہے اور نشے کے آتے ہی پیمانہ غائب ہو جاتا ہے۔" وہ بولا "کم از کم اس بارے میں وہ میرا لحاظ کرتا ہے جبکہ آج تم ہی اس نے ضرورت سے تجاوز کر کے اپنے آنے کی ساقی گری شروع کر دی ہوگی اور شاید وہی اسے بستر تک بھی لے جائے گی۔"

"کیا باتیں کر رہے ہو تم لوگ؟" صباح نے نیند والے کے ساتھ ادھری بستر پر لیٹے لیٹے ہانک لگائی۔ بھاری دھیمی آوازیں اس کی قسم سے بالا شاہت ہو رہی تھیں۔

"کچھ منصوبے۔" یوسف نے ہنس کر جواب دیا۔

"مجھے اندازہ ہے۔" اچانک حسین الفرینی بستر پر میرے قریب سرک آیا۔ اور میرا ہاتھ دباتے ہوئے سرگوشیانہ آواز میں بولا۔ "تمہیں صباح کا تجربہ ناگوار گزرا ہوگا لیکن صحیح حالت میں وہ اتنا گھٹیا نہیں جو نشے کی حالت میں وہ بہت گر جاتا ہے۔"

"کمال ہے کہ تم ایسے ہو!" یوسف نے حیرت سے کہا۔ "تمہاری اپنی اخلاقی حالت بھی کچھ اتنی بہتر نہیں ہے۔"

"میں عیال دار آدمی ہوں میرے دوست!" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔ "بچپن سے بری صحبت میں پڑ کر نہ تعلیم حاصل کی اور نہ کوئی ہنر! پہلے چھوٹی موٹی چوریوں سے اخراجات چل جاتے تھے لیکن رفتہ رفتہ ضروریات بڑھتی گئیں اور نوبت بڑے کاموں تک پہنچ گئی اور اب میں کسی بھی جائز ذریعے سے اتنی آمدنی حاصل نہیں کر سکتا کہ اپنا موجودہ معیار زندگی برقرار رکھ سکوں۔ میرا اکلوتا بیٹا لندن کے ایک بہترین بورڈنگ ہاؤس میں رہ کر تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ میں اپنی زندگی میں ہی اسے کسی قابل بنا دینا چاہتا ہوں۔۔۔ میں برائی کے راستے پر چلتے ہوئے بھی اسے برائی ہی سمجھتا ہوں جائز نہیں۔"

"تمہاری باتیں تو بڑی معصوم ہیں۔" میں نے کہا۔ "یقین نہیں آتا کہ تم ہی نے جیفر کا رنال کے ساتھ مل کر ہمیں عبداللطیف کے گھر میں زندہ جلانے کی کوشش کی ہوگی۔"

"ہمیں اندازہ تھا کہ آگ تم لوگوں کو کوئی جسمانی گزند نہیں پہنچا سکے گی۔" وہ بولا۔ "جیفر اس طرح تم لوگوں کو باہر نکال کر زندہ پکڑنا چاہتا تھا اور وہ تجویز اسی کی تھی۔ اس کے مزاج میں تشدد اور خونریزی شامل تھی جب کہ میرے ہاتھوں آج تک کوئی قتل نہیں ہوا۔"

"تمہاری بیوی تمہاری آمدنی کے وسائل سے آگاہ ہے؟" یوسف نے بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"بیوی سے اس معاملے میں رازداری بھلا کیسے ممکن ہے۔" وہ پُرشوق لہجے میں بولا۔ "وہ واقف نہ ہوتی تو میں یوں اسے مطلع کیے بغیر تمہارے ساتھ دوڑا چلا آتا۔ بس یہ فکر ہے کہ لڑکا بڑا ہو کر میری اصلیت سے آگاہ نہ ہو جائے۔ اب اس کی طرف سے اطمینان ہے جب تک وہ فارغ التحصیل ہوگا میں خاصی رقم پس انداز کر کے اپنی موجودہ زندگی سے تائب ہو چکا ہوں گا۔"

"بشرطیکہ کسی حریف کے ہاتھوں مارے نہ گئے۔" میں نے کہا۔ "دیکھا جائے تو اس بار تم موت کے منہ میں جانے سے بال بال بچے ہو۔ میرا یا سعید کا دماغ خراب ہوتا تو تمہارے ساتھ یہاں آنے کے بجائے تمہیں بھی گولی مار کر صحرا میں گاڑ دیا ہوتا۔"

"تمہارے نام کیا ہیں؟" اس نے سعید کا ذکر آتے ہی چونک کر سوال کیا۔

"سعید، مختار اور لیلیٰ مختار۔"

"میں نہیں مان سکتا۔" وہ بے یقینی کے ساتھ بولا۔ "تم نے صباح کو تو ہرگز اپنے اصلی نام نہ بتائے ہوں گے لیکن مجھ سے نام چھپانے کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں ابھی تک میری نیت پر شبہ ہے۔" اس کے لہجے سے تاسف کا اظہار ہو رہا تھا۔

"شبہ ہوتا تو بلا تردد تمہیں کوئی اور فرضی نام بتا دیتا۔" میں نے کہا۔ "ہمارے ناموں سے واقفیت تمہارے لیے کچھ سود مند نہیں ہوگی۔"

"تم یہاں کب تک رکو گے؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے سرسری لہجے میں یوسف سے مخاطب ہو کر سوال کیا۔

"اگر تمہارے بھتیجے نے کوئی بدمعاشی نہیں کی تو شاید تین دن اور بھی یہیں ہیں۔" یوسف کا جواب خاصا مبہم تھا۔

پھر چاروں خاموشی سے اپنے بستروں پر دراز ہو گئے۔ ہر ایک ہی اپنی اپنی جگہ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر بعد حسین الفرینی کسی کام سے اٹھ کر وہاں سے چلا گیا اور یوسف فوراً ہی میری طرف متوجہ ہو گیا۔

"عبداللطیف تمہارے لیے بہت بے چین تھا۔ تم نے اس پر نہ جانے کون سا جادو کیا ہے کہ وہ تم تک پہنچنے کے لیے بے چین تھا۔"

"مگر کیوں؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ دل سے ہماری ناکامی کے بارے میں بہت فکرمند ہے۔ مکان میں جلنے والے اثاثوں سے زیادہ ہماری الجھن اس کے ذہن پر سوار تھی۔"

سیتا بھی بستر چھوڑ کر ہم دونوں کی گفتگو میں شریک ہو گئی۔

"وہ تمہاری ناکامی کے کسی ہنگامی بندوبست میں مصروف ہے۔ ورنہ ملتے ہی تمہارے پاس دوڑا آتا۔" یوسف نے کہا۔

"خدا کرے کہ وہ اپنی کوششوں میں جلد کامیاب ہو۔" میں نے کہا۔

"سچ پوچھو تو مجھے تمہاری رفاقت میں مزہ آ رہا ہے۔" یوسف نے کہا۔ "میری تو خواہش تھی کہ مائیکل ٹرپ اور اس کے پشت پناہ کی بیخ کنی میں میرا اور تمہارا ساتھ رہے۔"

"مجھے کوئی عذر نہیں لیکن اب حالات بہت مخدوش ہو چکے ہیں۔" بات ادھوری چھوڑ کر میں چونک پڑا اور اس کا شانہ پکڑ کر سرگوشی میں بولا۔ "حسین الفرینی کے چوڑے شانوں والے ساتھی کا نام بھی تو مائیکل ٹرپ ہی کے تنخواہ داروں میں آتا ہے؟"

"بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جیفر کو اسی نے عبداللطیف کے مکان پر لگایا تھا۔" یوسف نے میرے چہرے پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"حسین الفرینی تو ہر معاملے سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کر چکا ہے لیکن جیفر کی قیام گاہ سے کوئی کارآمد چیز مل سکتی ہے جو ہمیں مائیکل ٹرپ تک پہنچنے میں مدد دے سکے۔۔۔ تم نے حسین سے جیفر کی قیام گاہ کا پتہ کیوں معلوم کیا تھا؟"

"بھاگ دوڑ میں تو مجھے کبھی بھی مرکوز نہیں رہتی۔" وہ سر جھٹک کر بولا۔

"خیال میرا بھی یہی تھا جیفر کے مکان کی تلاشی کارآمد ہو سکتی ہے۔" "حسین سے سرسری طور پر اس کا پتہ تو معلوم کر ہی لوں۔" میں نے کہا۔ "باقی باتوں کا انحصار آنے والے واقعات پر ہوگا۔"

ابھی اثنا میں باہر حسین الفرینی کے قدموں کی چاپ سنائی دی اور ہماری گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع ہو گیا۔

اس کے آجانے کے بعد میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر اندر سے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دی۔ حسین الفرینی نے میری اس حرکت کو غور سے دیکھا لیکن زبان سے کچھ نہیں بولا کیونکہ اپنے بدطینت بھتیجے کے بارے میں وہ مجھ سے زیادہ واقف تھا۔

پھر بتیاں بجھائے جانے کے بعد اس مختصر سی خواب گاہ میں رات کا باقاعدہ آغاز ہو گیا۔

میں نے حالات کے دباؤ میں آ کر صباح الفرینی کے یہاں پناہ تو قبول کر لی تھی لیکن مجھے بے چینی کا ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا جس کا تعلق سیتا کی سلامتی سے تھا۔

شدید تھکان اور شعوری کوشش کے باوجود نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور یوسف بھی بظاہر بے سُدھ نظر آنے کے باوجود جاگ رہا تھا البتہ سیتا پر جلد ہی نیند غالب آ گئی۔

حسین الفرینی اس اعتبار سے ہم چاروں میں منفرد تھا کہ گہری نیند سوتے ہوئے بھی اپنی زندگی کا ثبوت خراٹوں کی صورت میں نشر کرنے کا عادی تھا اور اس نے چند منٹ تک کروٹیں بدلنے کے بعد اپنی اس عادت پر عمل شروع کر دیا تھا۔

کھڑکیوں سے چھن کر آنے والی مدھم روشنی میں میں کافی دیر تک یوسف کو بستر پر ایک ہی کروٹ پر بے حس و حرکت لیٹے دیکھتا رہا۔ پھر یوسف نے آہستگی سے پہلو بدل کر کہنی کے بل اپنا سر تکیے سے تھوڑا اٹھایا تاکہ درمیان میں سوتے ہوئے حسین الفرینی کی اوٹ میں سے مجھے دیکھ سکے۔ میں مسکراتا ہوا اٹھ گیا۔

یوسف چند ثانیوں تک گردن اٹھائے میرا جائزہ لیتا رہا اور پھر مطمئن ہو کر دیوار کے سہارے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

وہ ساری رات ہم دونوں نے اسی طرح گزاری۔ اس اثنا میں ہم ایک دوسرے کی بے چینی بھی بھانپ چکے تھے بلکہ کچھ دیر کے لیے ایک گوشے میں ساتھ کھڑے سرگوشیوں میں اپنے متوقع اندیشوں کے بارے میں تبادلہ خیال بھی کرتے رہے جب کہ حسین الفرینی کے ساتھ سیتا بھی نیند سے لطف اندوز ہوتی رہی۔

اگلی صبح ہماری ورم آلود سرخ آنکھیں بزبان حال گزری ہوئی رات کی کہانی سنا رہی تھیں اور حسین کو ہم سے کوئی سوال کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

"تم لوگ صباح کے بارے میں ضرورت سے زیادہ سوچ رہے ہو۔" اس نے میرے قریب آ کر دبے لہجے میں کہا۔ "وہ بُرا ضرور ہے لیکن اتنا نہیں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔"

"ہماری بے چینی کا سبب ہمارے اپنے مسائل ہیں۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "یہاں سے نکلنے کے بعد ہمارے مسائل پھر وہیں ہوں گے جو یہاں آنے سے پہلے تھے۔"

"شاید میں مزید کام آ سکوں۔"

"تم ایک ایسے شخص کی نگاہوں میں ہو جو ہمیں اپنا قیدی دیکھنا چاہتا تھا۔ ہماری ضرورت سے زیادہ خیرخواہی تمہیں مشکل میں ڈال سکتی ہے۔"

"مگر میرا تو اس سے کوئی رابطہ ہی نہیں رہا۔"

"یہی سب سے خطرناک بات ہے۔" میرے بجائے یوسف نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ تمہاری دعوتوں میں بہت قریب سے تمہیں دیکھ چکا ہو۔"

"تمہاری دلیل وزنی ہے لیکن ضروری نہیں کہ درست بھی ہو۔"

"چھپ کر کام کرنے والے بہت خطرناک ہوتے ہیں۔" یوسف بولا۔ "اس نے یہ جانے بغیر جیفر سے کام کا معاہدہ نہیں کیا ہوگا کہ اس کے ساتھی کون کون لوگ ہیں۔"

"تم مجھے خوفزدہ کر رہے ہو!" وہ پھیکے انداز میں ہنسا۔ "تمہارے لیے کیا پریشانی ہے؟"

"عبداللطیف کے مکان میں آگ لگنے کی خبر پا کر وہ ضرور سمجھے گا

کر جیپڑ وہاں تک پہنچا تھا اور گشت دور کی نوبت ابھی آئی تھی۔" وہ کہنے لگا۔ "اس کے بعد اُسے بد قیدی میں گھ گئے اور نہ جیپڑ کا نشانہ بنے گا۔ کلاڈ — پیڑ اور دیلری مرچکے ہیں لہٰذا وہ پوری صورت حال جاننے کے لیے مجھ پر ہی ہاتھ ڈالے گا۔ اگر اسے شبہ ہو گیا کہ تمہارے ساتھ میں نے تعاون کیا تھا تو وہ میرے ساتھ بدترین سلوک کرے گا۔"

"مگر وہ کون ہو سکتا ہے؟" یوسف نے اس کا فطری خوف محسوس کرتے ہوئے اسے مزید کچھ الجھنے پر اکسایا۔

"صنعا میں ایسے لوگ بھرے پڑے ہیں۔" وہ تشویش زدہ انداز میں بڑبڑایا۔ "میں تو کسی کا بھی نام نہیں لے سکتا۔"

"اس سے پہلے تم نے جیپڑ کے ساتھ کون سا کام سرانجام دیا تھا؟" میں نے اس ذہنی یلغار میں یوسف کا ساتھ دیتے ہوئے سوال کیا۔

"ایک فلسطینی کی کار پر دستی بم پھینکے تھے۔" اُس نے کہا۔

"تو سالیٹین ہوٹل کے احاطے والی حرکت بھی تمہاری ہی تھی؟" یوسف نے چونک کر سوال کیا۔

"مگر اس دھماکے میں کوئی زخمی تک نہیں ہوا تھا۔ بس چند کاریں تباہ ہوئی تھیں۔ ہمیں ہدایت ہی تھی کہ کسی کو گزند پہنچائے بغیر اس سفارتی اجتماع میں شرکت کرنے والے فلسطینی رہنما کی کار کو اڑا دیں۔"

"مقصد کیا تھا اس کا؟" یوسف نے جھلا کر سوال کیا۔

"معلوم نہیں۔" اُس نے بے ساختہ جواب دیا۔

"تم نے سوچنے کی کوشش بھی نہیں کی؟"

"جیپڑ سے اس بے مقصد دھماکے کی وجہ دریافت کی تھی تو اس نے حسب عادت جواب دیا کہ اسے سوچنے کا معاوضہ نہیں ملا لہٰذا جو کہا گیا تھا کر گزرنا تھا۔" اس نے کہا۔ "جیپڑ کے ساتھ کام کرتے ہوئے بس حکم کا غلام بننا پڑتا تھا۔"

"محض دہشت گردی۔" میں نے یوسف کو جذبات کی رو میں آ کر موضوع سے بھٹکتے دیکھ کر جلدی سے مداخلت کی۔ "اس کا مطلب ہے کہ جیپڑ کسی ایسے شخص کے لیے کام کر رہا ہے جو فلسطینیوں کے خلاف دہشت گردی پر آمادہ ہے۔"

"اوہ!" حسین الزبیدی کے ہونٹ تحیر آمیز انداز میں سکڑ گئے۔ "تم درست کہہ رہے ہو۔ تم میں بھی تو ایک فلسطینی ہے۔" اس کے خدوخال کی بنا پر یوسف کی قومیت کا تعین کرنا ذرا بھی دشوار نہیں تھا۔

"نام آتا ہے کوئی ذہن میں؟" یوسف نے اسے ٹوکا۔

"صنعا کے زیرِ زمین حلقوں میں تو ایک ہی نام سنائی دیتا ہے۔ لیکن وہ بھلا جیپڑ جیسے تیسرے درجے کے آدمی کو کیوں منہ لگانے لگا۔"

"ہو سکتا ہے کہ تمہارا قیاس غلط ہو۔ بعض کام معمولی مہروں سے لیے جائیں تو خطرات کا تناسب بہت کم رہ جاتا ہے۔"

"مائیکل ٹرسپ کی شہرت تم نے نہیں سنی۔" وہ بڑبڑایا۔ "سنا ہے کہ کس پندرہ آدمی مسلسل اس کے بل پر پل رہے ہیں۔"

"مائیکل ٹرسپ!" یوسف نے یوں دہرایا جیسے وہ نام زندگی میں پہلی بار سنا ہو۔ "کہاں رہائش ہے اس کی؟"

حسین الزبیدی یوں ہنسا جیسے یوسف نے کوئی احمقانہ سوال پوچھ لیا ہو۔ "اس سوال کا جواب کوئی نہیں دے سکتا۔ بس ایک نام ہی ہے۔ وہ جنہوں نے اسے دیکھا ہے وہ بھی اس کا ٹھکانا نہیں بتا سکیں گے۔"

"تم کسی ایسے آدمی سے واقف ہو جو اسے پہچانتا ہو؟" میں نے سوال کیا۔

وہ سوچ میں پڑ گیا پھر چند ثانیوں بعد بولا۔ "سنا ہے کہ وہ کبھی کبھی کبیر شہزاد سے ملتا رہتا ہے۔ پتہ نہیں اس میں کتنی صداقت ہے۔"

"کبیر شہزاد کون ہے؟" یوسف نے سوال کیا اور یہ اس کا حق بھی تھا کیونکہ صنعا اور اس کے باسیوں کے بارے میں اسی کی معلومات سب سے بہتر تھیں۔

"ایک ایرانی خیاط ہے۔" حسین نے جواب دیا۔ "درزی خانے کی آڑ میں شراب فروشی کا دھندا چلاتا ہے۔"

ناشتے سے پہلے ملنے والی اس اہم خبر نے یوسف کی طبیعت کے وہ سارے تکدر دور کر دیے جو شب بیداری کی پیداوار تھا۔

صباح اس وقت تک حسب توقع بے خبر سو رہا تھا لیکن ہم لوگوں کے لیے ناشتہ تیار تھا۔ صباح کے ملازم حسین سے پوری طرح واقف تھے۔ انہوں نے اپنے آقا کے چچا اور اس کے ساتھیوں کے لیے نشست گاہ میں بچھے ہوئے فرشی قالین پر ہلکی پھلکی مگر کشادہ چوبی تپائی ڈال کر پُرتکلف ناشتہ لگا دیا تھا۔

صباح گیارہ بجے پہلی بار نظر آیا۔ اس وقت وہ خوش اخلاق اور نرم خو نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا اور میں اپنی ابتدائی رائے پر نظرِ ثانی کے امکانات کا جائزہ لے رہا تھا۔

نشے کی حالت میں اچھے سے اچھا آدمی بھی عموماً خاصا بدصورت نظر آتا ہے اور اس کیفیت میں کسی کو دیکھ کر اس کے بارے میں پختہ رائے قائم کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ شاید یہی موروثی عجلت کی بنا پر شراب نوش اپنے اجتماعات میں ان لوگوں کی موجودگی پسند نہیں کرتے جو مے نوشی سے رغبت نہ رکھتے ہوں اور مدہوشوں کی اخلاقیات کو اپنے خول میں بیٹھے ہوئے معیار پر پرکھنے کے عادی ہوں۔

لیکن صرف چار گھنٹے ہی گزرے تھے کہ ایک ناخوشگوار منظر سامنے آ گیا۔ صباح کم و بیش دو گھنٹے کی طویل غیر حاضری کے بعد نظر آیا تھا اور اس کا داہنا بازو گلے سے جھولتی ہوئی پٹی پر ٹکا ہوا تھا۔

"کیا ہوا؟" حسین الزبیدی نے اسے دیکھتے ہی بے تابی سے سوال کیا۔

"گر گیا تھا۔ ہڈی پر ضرب آئی ہے۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "دو ایک روز میں ٹھیک ہو جائے گا۔"

اس وقت میری نگاہیں صباح الزبیدی کے بجائے سیتا کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں جہاں قہر اور تنفر کا ایک گہرا رنگ جاگ اٹھا تھا۔

سیتا کے بارے میں میری چھٹی حس بہت زیادہ مستعد تھی مجھے یہ اندازہ کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی کہ صباح الزبیدی نے مجھے اپنی رائے پر نظرِ ثانی کے لیے زیادہ مہلت نہیں دی تھی۔

میرا دورانِ خون یک بیک تیز ہو گیا۔

"تمہارے مہمان کب تک جا رہے ہیں؟" وہ تھوڑے سے توقف کے بعد حسین سے سوال کر رہا تھا۔ "آج رات میرے کچھ دوست آنے والے ہیں۔"

"اچانک؟ بغیر کسی پروگرام کے؟" حسین نے حیرت سے سوال کیا۔ "صبح تک تو تم نے کوئی ذکر نہیں کیا تھا!"

"بھول گیا ہوں گا۔" اس کے لہجے میں ایک تلخی اور بیزاری عود کر آئی۔ "میں نہیں چاہتا کہ تمہارے مہمانوں کی وجہ سے دوست اس چھت کے نیچے گھٹن محسوس کریں۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو صباح!" میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر مودبانہ لہجے میں جواب دیا۔ "ہم اندھیرا ہونے تک لوٹ جائیں گے۔"

"مگر کیوں؟" حسین الزبیدی نے مجھ سے احتجاج کیا۔ "ہم تو کم از کم تین روز کے لیے یہاں آئے تھے۔"

سیتا غور سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ جونہی میں نے اس کی طرف سر گھمایا وہ سٹپٹا کر چھت کی طرف دیکھنے لگی۔

معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے بعد اشتعال کے پیش نظر میں نے فوری طور پر فیصلہ کیا تھا کہ صباح سے الجھنے کا پہلا موقع ملتے ہی دل کھول کر اس بدمعاش کی مرمت کر دوں گا۔ پھر ہم فوری طور پر وہاں سے رخصت ہو جائیں لیکن جب وہ خود ڈھٹائی کے ساتھ ہمیں اپنے گھر سے نکالنے پر آمادہ نظر آیا تو میں نے اپنی حکمت عملی تبدیل کر دی۔

اس خبیث کو ایسا سبق دینا ضروری ہو گیا تھا جسے وہ نشے کے عالم میں بھی زندگی بھر فراموش نہ کر سکے۔

"ہم نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے تمہارے بھتیجے کو اپنے دوستوں کے سامنے ندامت کا سامنا کرنا پڑے۔" میں نے حسین سے کہا۔

"عجیب لوگ ہو تم بھی!" وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اپنا سر جھٹک کر بڑبڑایا۔ "اور تم تو دن بدن میرے لیے ناقابل فہم ہوتے جا رہے ہو۔" آخری فقرہ اس نے صباح سے مخاطب ہو کر چیخنے کے انداز میں ادا کیا تھا۔

"میرے دروازے تمہارے لیے ہر وقت کھلے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم ہر ایرے غیرے کو ساتھ لا کر میرے سر پر مسلط کر دو۔" صباح کو ہم لوگوں کی تضحیک کا موقع مل گیا جو اس نے ضائع نہیں کیا۔

اس وقت ہم چار افراد کے علاوہ وہاں کوئی پانچواں فرد موجود

نہیں تھا لہٰذا میں نے پانی سر سے گزرنے سے قبل قدم اٹھانے کا فیصلہ کرلیا۔

"میں تم سے تنہائی میں کچھ بات کرنی چاہتا ہوں۔" میں نے صباح کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"کیا بات کرو گے؟" وہ ایک دم بھڑک گیا کیونکہ اس کے دل میں چور تھا۔ "مجھ سے غلطی ہوئی جو میں نے پچھلی رات اپنی چھت کا سایہ تمہیں فراہم کردیا... تم لوگ تو اب میرے گلے ہی پڑتے جارہے ہو۔ میں کوئی بات نہیں کرسکتا۔"

"تت... تم ان سے کیوں الجھ رہے ہو؟" سیتا میرا بازو تھام کر قدرے گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "تمہارا اشتعال غیر ضروری ہے۔"

میں نے پوری قوت سے اسے الگ جھٹک کر یوسف کو اشارہ کیا۔ جو کسی گونگے اور بہرے کی طرح حیرت سے ایک ایک کا چہرہ تک رہا تھا اور اس نے پھرتی سے اپنا پستول نکال کر اس کا سیفٹی کیچ ہٹادیا۔ اسی لمحے میں بھی اپنا پستول نکال چکا تھا۔

صباح اور حسین دونوں ہی بیک وقت سیاہ آہنی نالوں کی زد میں آچکے تھے جو انگلی کی خفیف سی جنبش سے ان کے سینوں میں بالترتیب اگل سکتی تھیں۔

"یہ... یہ کیا کررہے ہو تم لوگ؟" حسین صورت حال کو یوں بگڑتے دیکھ کر بری طرح بوکھلا گیا۔

"دروازہ بند کردو۔" میں نے اس کی بات ان سنی کرکے سرد لہجے میں سیتا کو حکم دیا اور اس نے مشینی انداز میں کمرے کا دروازہ بند کرکے اندر سے بولٹ چڑھادیا۔

"یہ حرکت تمہیں مہنگی پڑے گی۔" صباح غرایا لیکن اس کی آواز سے خوف کا عنصر بھی مترشح تھا۔

"آخر پتہ تو چلے کہ اچانک کیا قیامت آگئی ہے؟" حسین المزینی دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کراہا۔ "سب پر ہی خون سوار ہوا جارہا ہے۔"

"اس سے پوچھو کہ اس کے ہاتھ کی ہڈی پر ضرب کیسے آئی ہے؟" میں نے سرد لہجے میں حسین المزینی سے کہا اور یوسف کی آنکھیں یکبارگی چمک اٹھیں۔

اشارہ پاتے ہی وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔

"کیا کیا تھا میں نے؟" صباح المزینی نے بیربہوٹی کی طرح غصے سے قالین پر تھوک دیا۔ "صرف نام ہی تو بدلنے کو کہا تھا مجھے کیا پتہ تھا کہ یہ کٹکھنی کتیا ہے۔"

میں نے پستول بائیں ہاتھ میں منتقل کرکے پوری قوت سے اس کے منہ پر دائیں ہاتھ کا تھپڑ رسید کیا اور کمرہ چٹاخ کی تیز آواز سے گونج اٹھا۔

اسے شاید اپنے نوکروں کے سامنے اپنی توہین گوارا نہیں تھی کیونکہ

اس نے اپنی بے ساختہ چیخ کو بڑی مہارت سے ضبط کیا تھا۔

"یہ کیا بک رہا ہے؟" میں نے سیتا سے سوال کیا۔

"ٹھیک کہہ رہا ہے۔" وہ سر جھکا کر ندامت آمیز لہجے میں بولی۔ "اس نے..."

"شرمسار ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے بردباری سے کہا۔ "تمہارا کوئی قصور نہیں تھا، سر اٹھا کر اونچی آواز سے بولو۔"

"اس نے تھوڑی دیر قبل برآمدے میں مجھے تنہا دیکھ کر لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ گوری رنگت اور سنہرے بالوں پر لیلیٰ زیب نہیں دیتا۔"

"اور تم نے اس کا ہاتھ توڑ دیا؟" اسے خاموش پاکر میں نے لقمہ دیا۔

"ارادہ تو اسے صرف اٹھا کر دور پھینکنے کا تھا۔ لیکن شاید بازو کی ہڈی ٹوٹ ہی گئی ہوگی۔" سیتا نے لاپروایانہ لہجے میں کہا۔

یہ جان کر اس کا اعتماد بحال ہوگیا تھا کہ اس معاملے میں میں اسے سراسر بے قصور تصور کررہا تھا اور اس کے بتلائے بغیر ہی پوری صورت حال کا اندازہ کرچکا تھا۔

"لیلیٰ نے تمہیں اس حقیقت سے کب آگاہ کیا تھا؟" حسین المزینی نے حقیقت آمیز لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"نوبت ہی نہیں آئی۔" میں نے اسے بتایا۔ "اس کی پھٹکار زدہ صورت اور انتقامی رویے سے مجھے شبہ ہوا تھا کہ زخمی بازو کا سبب اس کی کوئی مکروہ جسارت ہے۔"

"قابل نفرت ہے تو صباح!" حسین المزینی کو واقعی طیش آگیا۔ "دشمنوں سے تو خیر ہر سلوک روا رکھا جاسکتا ہے لیکن مہمان بنا کر کسی کی حرمت کو تار تار کرنا تو موذیوں کا کام ہے لیکن تو اپنی غلطی پر شرمندہ ہونے کے بجائے انہیں انتقاماً یہاں سے بھگا رہا ہے۔ کاش لیلیٰ نے تیرے چاروں ہاتھ پیر توڑ دیے ہوتے۔"

"شاید مجھے انہوں نے بھگا رکھا ہے بلکہ جو اس کی گالی تم تانا رہا ہے۔" وہ اپنے بچاؤ میں نکال کر غرایا۔ "اپنی زبان بند رکھو ورنہ ان کے جانے کے بعد تیرا حشر خراب کردوں گا۔"

"باندھ دو اسے۔" میں نے یوسف سے کہا اور اس نے آتی بہت سے اس کا بایاں ہاتھ دونوں ٹخنوں کے ساتھ ملا کر باندھ دیا۔ زخمی بازو کو ذرا بھی زک نہیں پہنچی۔ اپنی مخدوش پوزیشن کے پیش نظر صباح نے بھی کوئی مزاحمت نہیں کی۔

وہ اس وقت بری طرح تڑپا تھا جب یوسف نے بے دردی میں اپنا رومال اس کے منہ میں ٹھونس کر اسے قطعی بے ضرر بنادیا۔

"شاید تم یہاں سے چلے ہی جاتے۔" میں نے اپنے پستول کی نال جھکا کر حسین المزینی سے کہا۔ "مگر میں نکالنے کا ارادہ ظاہر کرتا تو میرا ضمیر کبھی گوارا نہ کرتا کہ لیلیٰ کے ہمراہ کسی بھی حیثیت میں اس کی چھت کے نیچے ایک لمحہ بھی گزاروں لیکن اب میں اس کی سینہ زوری دیکھوں گا۔"

"پکڑ کرتے ہیں ہمارا قیدی رہے گا اور ہم اپنی مرضی سے یہاں سے جائیں گے۔"

"دل کرو اس قصے کو اور یہاں سے نکل چلو۔" سیتا نے کہا۔ "اس کی غیر موجودگی اس کے ملازموں کو ہوشیار کردے گی۔ وہ تعداد میں کئی ہیں۔ انہیں ذرا بھی خبر ہوگئی تو مزاحمت پیش آئے گی۔ آناً فاناً میں بہت سے جانیں پیدا کریں گے۔"

"تم مجھ پر چھوڑ دو۔" میں نے کہا۔ "میں دن رات اس کی نگرانی کروں گا۔"

"یہاں رکنا ہی بہتر ہے۔" یوسف نے قریب آکر اپنی دھیمی آواز میں کہا۔ "صباح نے تم سے جس جگہ عبداللطیف کا انتظار کرنا چاہیے۔ وہ مزید کسی اچھی خبر کے ساتھ آئے گا۔" پھر وہ اونچی آواز میں بولا۔ "اس خبیث کے سینے پر مونگ دل کر ہی دیکھو کون آتا ہے۔"

"غصہ تھوک دو اور میری خاطر معاف کردو اسے۔" حسین نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"تم اپنا فیصلہ پہلے ہی کرچکے ہو حسین!" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "تمہارا بھتیجا ہوتا تو میں اسے پہلے گولی مار چکا ہوتا۔"

وہ ہلتے ہاتھوں ہونے والی خونریزی کا بھی شاہد تھا لہٰذا پھر کچھ کہے بغیر خاموش رہ گیا ورنہ شاید مزید سفارش کرتا۔

"اسے گھسیٹ کر غسل خانے میں ڈال دو۔" میں نے غضیلی آواز میں یوسف سے کہا اور اس نے فوراً ہی میری ہدایت پر عمل شروع کیا۔ بس مرحلے پر چچا اور بھتیجے کی محبت غالب آگئی اور وہ بھی یوسف کی مدد کو پہنچ گیا۔

انہوں نے اسے غسل خانے میں گھسیٹا تو میں بھی وہیں پہنچ گیا۔

"یہاں سے جانے سے پہلے اس کا ایسا حشر کروں گا کہ مرد ہونے کے باوجود اپنی مردانگی پر نازاں نہ رہ سکے گا۔" میرے خون میں ایک بار پھر ابال آنا شروع ہوگیا تھا۔

"نہیں، اتنی بڑی سزا نہ دینا اسے، اس کی زندگی برباد ہوجائے گی۔" حسین المزینی منمناتے لہجے میں گڑگڑانے لگا۔

"یہ تمہارے اندازے سے زیادہ کمینہ اور بدخصلت ہے۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "جان بخشی اس کے ساتھ آخری رعایت ہے مجھے خوف اندیشہ ہے کہ جو شخص لیلیٰ جیسی لڑکی کی طرف نگاہ اٹھا سکتا ہے۔ وہ عام لڑکیوں کے حق میں تو وحشی درندہ ثابت ہوتا ہوگا۔ میں اس کی درندگی کو ہمیشہ کے لیے ختم کردوں گا۔"

غسل خانے کے فرش پر پڑے ہوئے صباح المزینی کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔ بے دست و پا ہونے سے قبل اس کے وہم و گمان میں بھی نہ رہا ہوگا کہ کبھی اس کی جسارت کا ایسا بھیانک انجام ہے سکتا ہے۔

میں پستول کی نال تھام کر نیچے جھکا اور صباح المزینی کی کنپٹی پر

دستے سے کاری ضرب لگائی جس کے نتیجے میں اس کا جسم دو تین جھٹکے لے کر ساکت ہوگیا۔ حسین المزینی تشویش زدہ نظروں سے دروازے پر کھڑا اس کے سینے کے زیر و بم دیکھتا رہا۔

حسین المزینی کے انہماک نے مجھے موقع فراہم کردیا اور میں یوسف سمیت وہاں سے دور ہٹ آیا۔

"حالات بگڑ گئے ہیں تمہیں ہر وقت حسین المزینی پر نگاہ رکھنی ہوگی۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "وہ کسی بھی وقت جذباتی نظر بچا کر اپنے بھتیجے کی مدد پر تل سکتا ہے۔"

"کیا اس طرح ہم حالات کو قابو میں رکھ سکیں گے؟" یوسف کچھ زیادہ پرامید نہیں تھا۔

"یہ مجھ پر چھوڑ دو لیکن یہ خیال رہے کہ ذرا بھی غفلت ہوئی تو ہم بھیڑیوں کے چنگل میں گھر جائیں گے جس سے گلو خلاصی ممکن نہ ہوگی۔"

"وہ آرہا ہے۔" سیتا نے سرگوشی کی اور ہم دونوں خاموش ہوگئے۔

"برا نہ مانو تو ایک بات کہوں۔" چند ثانیوں کی بوجھل خاموشی کے بعد حسین المزینی نے جھجکتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"صباح کے علاوہ کوئی اور بات کرنا ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "یقین رکھو کہ ہم اسے ہلاک نہیں کریں گے۔"

"تم نے اس کے بارے میں جو سزا سوچی ہے وہ بہت بھیانک ہے جو کچھ ہوچکا اگر اسی پر اکتفا کیا جائے تو بھی وہ عمر بھر بھٹکنے کا تصور نہ کرسکے گا۔" وہ مجھ سے نگاہیں چراتے ہوئے دھیمی آواز میں بولا۔

"اس کے بارے میں خود فریبی سے کام نہ لو۔" میں نے سختی سے کہا۔ "وہ میری نگرانی میں رہے گا۔ تم سعید کے ہمراہ رہو اور موقع پاتے ہی صباح کے ملازموں کو یہ جتادو کہ وہ اچانک کسی کام سے باہر چلا گیا ہے۔"

"وہ مشکوک ہوجائیں گے۔"

"تم نے رونی صورت بنائے رکھی تو ضرور مشکوک ہوجائیں گے۔" میں اس پر برہم ہوگیا اس کے علاوہ اسے خاموش رکھنے کی کوئی اور صورت نظر نہیں آرہی تھی۔

"اس کی دونوں گاڑیاں گیراج میں موجود ہوں گی۔ اس دور افتادہ دیہی علاقے سے سواری کے بغیر اس کا اچانک چلے جانا کس کی سمجھ میں آئے گا؟" اس بار حسین المزینی نے صحیح نکتہ اٹھایا تھا۔

میں نے ایک لحظہ سوچا اور اس مسئلے کا حل تلاش کرلیا۔

"تم کہہ سکتے ہو کہ اس کا کوئی دوست آیا تھا اور وہ اسی کے ساتھ چلا گیا۔ اس طرح اس کی ایک دو روز تک غیر حاضری کا جواز بھی پیدا ہوجائے گا۔"

"اور ان دوستوں کا کیا ہوگا جو آج رات یہاں آنے والے ہیں؟" سیتا نے سوال کیا۔

میں تلخ انداز میں ہنس پڑا۔ "وہ محض ہمیں یہاں سے ہٹانے کا حیلہ تھا اور اگر وہ آ ہی گئے تو ان سے بھی وہی حیلہ کیا جائے گا۔"

بات پوری ہو چکی تھی لہٰذا وہ دونوں دروازہ کھول کر باہر چلے گئے اور میں تھکے ہوئے انداز میں سگریٹ سلگا کر مسہری پر دراز ہو گیا۔

"تم نے اس کی کس بات سے حقیقت کا اندازہ لگایا؟" سیتا نے میرے قریب بیٹھ کر محبت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"نازک رشتوں کا معاملہ ہو تو انسان کی چھٹی حس کام کرتی ہے" میں نے اپنے لہجے سے قدرے خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم نے مجھ سے اس واقعہ کا ذکر کیوں نہیں کیا؟"

"شاید بتا دیتی لیکن یوسف سائے کی طرح تمہارے ساتھ لگا ہوا تھا" اس نے کہا۔ "پھر صباح نے جو کچھ کیا اس کی ضرورت سے زیادہ سزا بھی میرے ہاتھوں بھگت لی تھی۔ میں تذبذب میں تھی کہ تمہیں تفصیل بتاتی تو تم اسے سنگین معاملہ بنا دیتے جس کا اختتام انتہائی ناپسندیدہ ہوتا اور تم نے اپنے رویے سے میرے اندازے کی تصدیق کر دی۔"

"کیا کہا تھا اس حرامزادے نے؟" میرے وجود میں رہ رہ کر اشتعال کی ناقابل برداشت لہریں اٹھ رہی تھیں۔

"صرف دو فقروں کے بدلے ہاتھ تڑوا بیٹھا" شاید وہ موضوع کی سنگینی ختم کرنے کی نیت سے دھیمے سے ہنسی۔ "سامنے آتے ہی پہلے میری آواز کی تعریف کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ میری آواز سریلی ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے انسانی آوازوں سے زیادہ بارودی ہتھیاروں کے دھماکے سریلے معلوم ہوتے ہیں مگر اس کی شامت ہی آ گئی تھی۔ میرے تیوروں کا اندازہ کیے بغیر میرے بہانے رنگت اور بالوں کی تعریف پر اتر آیا اور میں نے بلا توقف اسے اچھال کر دور پھینک دیا۔"

"اس نے مزاحمت تو کی ہو گی؟" میرا تجسس واقعے کی جزئیات جانے بغیر سرد ہونا مشکل تھا۔

"اسے موقع ہی نہیں ملا۔ شاید اس کا فقرہ پورا ہونے سے پہلے ہی میں حرکت میں آ چکی تھی۔" اس نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"یقین نہیں آتا۔ ڈیل ڈول میں وہ تم سے دو گنا نہیں تو ڈیوڑھا ضرور ہو گا۔"

"تم سے پھر ذکر نہیں کر سکی تو سوچا تھا کہ بھانت بھانت کے لوگوں میں اکیلی عورت آبرو کے ساتھ کس طرح زندہ رہ سکتی ہے۔"

بے اختیار میرا دل بھاری ہو گیا۔

"آخر تم یہاں رکنے پر کیوں مصر ہو؟" چند ثانیوں کے سکون پرور سکوت کے بعد سیتا نے بھاری لہجے میں سوال کیا۔

"پہلا سبب تو یہ ہے کہ مجھے عبداللطیف سے خاصی امید وابستہ ہے۔ اسے علم ہے کہ ہم یہاں مقیم ہیں اور میرا قیاس کہتا ہے کہ آج نہیں تو زیادہ سے زیادہ کل تک ضرور یہاں آ جائے گا۔ اگر اس نے یہاں سے ہماری نکاسی کی کوئی راہ تلاش کر لی تو ہم کسی کی انگلی اٹھے بغیر یہاں سے نکل جائیں گے۔ اور اگر اس کا انتظار کیے بغیر یہاں سے نکلے تو بائیکل ٹرپ کی سرکوبی میں یوسف کا ہاتھ بٹانے کے بعد ہی روانگی کے بارے میں کوئی تجویز سوچی جا سکتی ہے۔" میں نے اسے تفصیلی طور پر اپنے خیالات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن آخر میں اس فیصلے میں ضد کا عنصر بھی شامل ہو گیا۔ اس نے ہمیں نکالنے کی شرمناک کوشش کی تھی۔ اسے ناکام بنانے کے بعد اب ہم پختہ عزم سے یہاں سے واپس جائیں گے۔ اس مرحلے پر ہو سکتا ہے کہ کسی وقت ہمیں کی ہمدردیاں صباح کے ساتھ ہو جائیں۔"

"تم نے بہت بڑا فیصلہ کیا ہے۔"

"تمہارا مجموعی تاثر اثباتی ہے یا تنقیدی؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"موجودہ حالات میں اس کے سوا اور کیا بھی کیا جا سکتا تھا؟"

تقریباً ایک گھنٹہ گزارنے کے بعد میں نے غسل خانے میں جا کر صباح الزینی کا جائزہ لیا تو وہ بدستور فرش پر بے ہوش پڑا تھا۔

"یوسف حسین الزینی کو..."

"یوسف نہیں سعید" سیتا نے فوراً ہی میری بات کاٹ دی۔

"احتیاطاً بہتر ہے ایسا نہ ہو کہ کوئی ہماری گفتگو سن رہا ہو۔"

"سعید حسین الزینی کو تنہا چھوڑ کر ادھر نہیں آئے گا۔" میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "ذرا تم جا کر حالات کا جائزہ تو لو۔"

وہ مسکراتی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد واپس آئی تو اس کے چہرے سے رونق عیاں تھی۔

"فی الحال صورتحال پر سکون ہے۔" اس نے بتایا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وقتی طور پر یہاں رہنے والوں نے صباح کی غیر حاضری کا جواز قبول کر لیا ہے۔ وہ اکثر و بیشتر کئی کئی راتیں گھر سے باہر گزارنے کا عادی ہے۔"

"وہ دونوں کہاں ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"نشست گاہ میں بیٹھے شراب نوشی کر رہے ہیں۔" اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"ایک آدھ بوتل میرے لیے بھی اٹھا لاتیں۔"

"یہ نہ بھولو کہ ہم اس مکان پر قابض ہونے کے باوجود مہمان بنے ہوئے ہیں۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔ "میری ایسی کوئی بھی حرکت ملازموں کے لیے مشکوک ہوتی۔"

"تو تھوڑی دیر تم صباح الزینی کی نگرانی کرو۔" میں نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بہت بری بات۔ بعض باتوں میں دنیا کے سارے مرد یکساں ہوتے ہیں۔ شراب کا ذکر آتے ہی رال ٹپک پڑتی ہے تمہاری۔ دس پانچ روز بھی اس کے بغیر نہیں رہ سکتے۔"

"رہ سکتا ہوں۔" میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ "تین تین مہینوں تک میں نے ایک بوند بھی نہیں چکھی۔ لیکن اب ذکر آ ہی گیا ہے اور شراب میسر بھی ہے تو کیوں نہ مروت کے چند لمحے میں بھی گزار لوں۔"

"مروت کے لیے میری موجودگی کافی نہیں؟" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"تم عجیب ہو جو یہ موازنہ کر رہی ہو۔" میں نے چڑ کر کہا۔ "شراب کا سرور خلوت میں بھی ہوتا ہے اور جلوت میں بھی۔ اس سے دونوں صورتوں میں استفادہ کیا جا سکتا ہے لیکن عورت کا سرور خلوت کے بغیر نہیں چڑھتا۔"

"یعنی اس وقت تم پیے بغیر باز نہیں آؤ گے۔"

"کئی روز کی تکان، بے خوابی اور پریشانیوں کے بعد میں اس کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔" میں نے اپنے شوق کی وکالت کی۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم بلا نوش ہو لیکن زیادہ نہ پینا۔" وہ اس وقت ایک خالص مشرقی بیوی بنی ہوئی تھی۔ "ہمیں رات کو بھی چوکنا رہ کر سونا ہو گا۔"

میں سر ہلا کر کمرے سے نکل گیا۔

میں نشست گاہ میں داخل ہوا تو وہاں عجیب ہی فسوں خیز سماں طاری تھا۔

وہ دونوں کھڑکیوں اور دروازوں کے تمام دبیز پردے کھینچے ایک موم شمع کی کپکپاتی ہوئی لو کے سائے میں قالین پر نیم دراز تھے اور ان کے سامنے ایک ٹرے میں برف کی قاشوں سے بھرا نقرئی برتن اور قدیم وسکی کی ایک بوتل موجود تھی۔

کمرے کی فضا اتنا گرم اور اسکاچ کی بو سے رچی ہوئی تھی۔ اندر گھسنے کے بعد یہ یاد رکھنا بھی مشکل تھا کہ باہر سورج کی دہکتی کرنوں کے سائے میں گھڑیاں محض شام کے چار بجا رہی تھیں۔

وہ دونوں ہی قدرے سرور میں آتے ہوئے تھے۔ مجھ پر سب سے پہلے یوسف کی نگاہ پڑی اور اس نے ہنسی کے گلی جیسے قطروں سے ڈھکا ہوا گلاس فضا میں لہرا کر مسرت کا اظہار کیا۔

"چلے آؤ، یہ گوشہ عافیت بہت پیارا ہے۔" حسین الزینی نے مسکرا کر مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "مقدر کی گردشیں تو چلتی ہی رہتی ہیں لیکن نشاط کی ان چند گھڑیوں کو کیوں کھو دیا جائے۔"

"تم لوگ کسی کام سے گئے تھے؟" میں نے ان کے درمیان بیٹھتے ہوئے خوش دلی سے انہیں یاد دلانے کی کوشش کی۔

"کام ہو گیا۔" یوسف بولا۔ "حسین اس کا جشن منا رہا ہے۔ ہماری کہانی پر من و عن یقین کر لیا گیا۔ پھر باہر دھوپ بھی بہت تیز ہے یہاں ذرا عافیت سی ہے۔"

"صباح کی غیر موجودگی میں تمہارا میزبان میں ہوں۔" حسین الزینی نے یہ کہتے ہوئے شیشے کے قریب رکھی ہوئی کانسی کی گھنٹی چھوٹی سی پکڑ کر بلائی اور جلترنگ کی گونج میں واپس رکھ دی۔ "اور میں بھی اسی کی طرح فراخدل ہوں۔"

اسی وقت دروازے کا پردہ ہٹا کر گٹھے ہوئے جسم والا ایک پستہ قامت ملازم اندر داخل ہوا جس کی بد ہیئت کی جھلک اونچائی میں گردن کا کوئی دخل نہیں تھا کیونکہ شانوں کا اختتام ہوتے ہی اچانک سر کا آغاز ہو گیا تھا۔

"ایک گلاس اور کچھ تلے ہوئے نمکین گوشت کے پارچے۔" حسین الزینی کی آواز میں خفیف سی لکنت پیدا ہو چلی تھی۔

"زیادہ نہیں پینا۔" میں نے ان میں سے کسی ایک سے مخاطب ہوئے بغیر کہا۔ "ایسا نہ ہو کہ ہم پی کر بے سدھ ہو جائیں اور ہوش آئے تو نقشہ ہی بدلا ہوا ہو۔"

"بے فکر رہو ایسا ہی ہو گا۔" وہ گلاس میں بچا ہوا سیال اپنے معدے میں انڈیلتے ہوئے روانی میں کہہ گیا۔

"کیا بک رہے ہو حسین؟" میں غصیلے لہجے میں غرایا۔

اسے جلدی ہی غلطی کا احساس ہو گیا۔ "مطلب ہے کہ جو تم چاہو گے وہی ہو گا۔ بلکہ میں تو ساری رات جاگ کر پہرہ دیتا رہوں گا۔"

"وہ تو تمہاری حالت سے ظاہر ہے۔" میں دانت پیس کر بولا۔ "بہتر یہی ہے کہ تم ہاتھ روک لو اور برف چوس کر دماغ کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرو۔"

"دانت نہ پیسو۔" وہ حواس میں ضرور تھا لیکن سرور کی لہر نے اس پر گرفت مضبوط کرنی شروع کر دی تھی۔ "کوئی ٹوٹ نہ جائے گا۔"

اسی اثنا پستہ قامت ملازم تیسرا گلاس اور تلے ہوئے نمکین پارچے لے آیا۔

اس وقت یوسف کے لہجے میں شائستگی برقرار تھی لہٰذا میں نے اسے اپنے ساتھ شریک کر لینے میں ہرج نہیں سمجھا اور حسین نے اپنے گلاس میں بھی برف کے ٹکڑے ڈال کر ان کے پگھلنے کا انتظار شروع کر دیا۔

حسین الزینی کے قدرے بہک جانے کے بعد ہم دونوں محتاط ہو گئے اور شام ڈھلے جب ہم نشست گاہ سے نکلے تو معمولی سرور کے علاوہ ہم پر شراب نوشی کا کوئی اثر نہیں تھا۔

اس بار ہم تینوں نے ہی اپنے کمرے کا رخ کیا تھا۔

سیتا اپنے بستر پر دراز ایک موٹی سی جلد والی کتاب دیکھ رہی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس نے پڑھنا کب سیکھ لیا تھا۔

ہماری آمد پر اس نے وہ کھلی ہوئی کتاب اپنے سینے پر رکھ لی تھی۔ جلد پر موٹے حروف میں لکھا کتاب کا نام دور ہی سے نمایاں تھا۔ اس انگریزی کتاب کا نام دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ سیتا وہ کتاب سیدھی پڑھ رہی تھی۔

"کچھ نہیں!" وہ میری حیرت کا سبب بھانپ کر مسکراتے ہوئے بولی۔ اور کتاب کے کھلے ہوئے اوراق میرے سامنے کر دیے جن پر تصاویر طبع تھیں اور تصویر کے ہوتے ہوئے کسی کتاب کا الٹا سیدھا پہچان لینا کوئی بڑا کام نہیں تھا۔

حسین المزینی بستر کو دیکھتے ہی بے سدھ ہو کر چت لیٹ گیا تھا اور آنکھیں موند کر گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ میں نے اشارے سے یوسف کو قریب بلا لیا۔

"وہ ابھی تک بے ہوش ہے؟ تم اسے کب تک اسی حالت میں رکھو گے؟" سیتا نے مجھ سے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"جب تک ضرورت رہی۔" میں نے جواب دیا۔

"بھوک پیاس سے مر کر وہ لب گور پہنچ سکتا ہے۔"

"اسے ہوش میں آنے دو۔" یوسف نے سر ہلا کر کہا۔ "اگر اس کی عقل ٹھکانے پر ہے تو اس کے منہ سے کپڑا نکال کر اسے کھانا پانی فراہم کر دیا جائے گا ورنہ اسے ہماری مقصد برآری تک بھوکا پیاسا ہی رہنا ہو گا۔"

حسین المزینی بمشکل نصف گھنٹے میں گہری نیند سو گیا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو آرام کے لیے سولی پر بھی وقت نکال لیتے ہیں۔ اور اس وقت تو وہ شراب کے رنگین خمار میں پوری طرح ڈوبا ہوا تھا لہٰذا اس کے جلد بیدار ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

میں ایک طرف بیٹھ کر یوسف سے باتوں میں مصروف ہو گیا۔

رات کا کھانا ہم نے وہیں منگوانے کا فیصلہ کیا اور کھانا لانے والے کو ہدایت دے دی کہ سوتے ہوئے حسین المزینی کی وجہ سے وہ برتن ہمارے کمرے میں ہی رہنے دے اور صبح لے جائے۔ تاکہ وہ جب بھی بیدار ہو، اپنی بھوک مٹا سکے۔

ملازم نے کھانے کے ساتھ پیشکش کی کہ حسین المزینی آدھی رات کو بھی بیدار ہوا تو وہ اسے چند منٹ میں گرم گرم کھانا فراہم کر دے گا۔ لیکن میں نے انسانی مساوات اور اعلیٰ اخلاقی روایات کے حوالے سے اس کی یہ پیشکش رد کر دی۔

خورد و نوش کی باقی ماندہ اشیاء رکھنے میں حسین المزینی سے زیادہ بے ہوش صباح کا خیال کار فرما تھا۔ تاکہ پہلی اور دوسری بے ہوشی کے درمیانی وقفے میں اس کے رویے کو دیکھتے ہوئے فوری طور پر کچھ غذا فراہم کی جا سکے۔

رات کے سوا نو بجے جب ہم اپنے اپنے بستروں پر دراز تھے تو غسل خانے سے کچھ دبی دبی سی آوازیں سنائی دیں اور میں لپک کر اندر پہنچ گیا۔

صباح المزینی ہوش میں آ چکا تھا اور اپنے بدن کو فرش پر حرکت دینے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ دروازہ کھلتے ہی وہ ساکت ہو گیا۔

کمرے سے آنے والی روشنی اتنی کافی تھی کہ ہم ایک دوسرے کو بخوبی دیکھ سکتے تھے۔ اس روشنی کا منبع کھلا ہوا دروازہ نہیں بلکہ غسل خانے کی وہ دیواریں تھیں جنہیں چھت سے کئی فٹ نیچے چھوڑ دیا گیا تھا۔

صباح کی آنکھوں میں میرے خلاف نفرت کا ابھر آنا ایک قدرتی امر تھا لیکن میرے لیے حیرت کی بات یہ تھی کہ اس نفرت کے ساتھ وہ خوف زدہ بھی نظر آ رہا تھا۔

شاید بے بسی کے مکمل احساس نے اس کے سارے کس بل نکال دیے تھے۔

"میں چاہوں تو گلا گھونٹ کر بہت آسانی سے تمہارا قصہ تمام کر سکتا ہوں۔" میں نے اسے مزید خوف زدہ کرنے کی نیت سے کہا اور اسی وقت یوسف مجھے ایک طرف ہٹا کر اس کے مقابل آ گیا۔

میں سمجھ گیا کہ اس کے ذہن میں کوئی موثر حکمت عملی جنم لے چکی ہے جس کے تحت وہ خود صباح سے بات کرنی چاہتا تھا لہٰذا میں بالکل خاموش رہا۔

"کیونکہ اس مکان سے تمہارے ملازموں کو دو روز کے لیے رخصت کیا جا چکا ہے۔" یوسف نے میری بات کے حوالے سے گفتگو آگے بڑھائی "اور ہم من مانی کرنے کے لیے آزاد ہیں لیکن ہم تمہارے چچا سے وعدہ کر چکے ہیں کہ جب تک تم کوئی بدمعاشی نہیں کرو گے ہم تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچائیں گے اور تمہاری کوئی بھی تیاری ہمیں اس وعدے سے انحراف کرنے دے گی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا جیبی پستول نکال لیا۔

صباح کا چہرہ تاریک پڑ گیا۔ اس کے لیے یوسف کے بیان پر شبہ کرنے کی کوئی بھی معقول وجہ نہیں تھی۔

"اگر تم نے چون و چرا کیے بغیر رضا و رغبت ہماری ہدایات کے مطابق گزارے تو جانے دیں گے ہم تمہیں زندہ اور آزاد چھوڑ جائیں گے ورنہ تمہارے ملازم پولیس کو تمہاری لاش کی موجودگی سے آگاہ کریں گے۔" یوسف کہہ رہا تھا۔ "تمہاری چیخیں اس علاقے میں زیادہ دور تک نہیں جا سکتیں، تمہارے غلام بدکام کرنے والوں کے لیے تمہارے چچا کے الفاظ کافی ہوں گے مگر پھر بھی ہم نہیں چاہتے کہ منہ سے کپڑا نکالے جانے کے بعد اونچی آواز میں بات کرو۔"

منہ میں ٹھنسے ہوئے کپڑے کی وجہ سے صباح اتنے شدید عذاب میں مبتلا تھا کہ فوراً ہی اس کا سر تیزی سے اثبات میں ہلنے لگا۔

یوسف نے جھک کر اس کے منہ میں ٹھنسا ہوا رومال ایک جھٹکے سے باہر کھینچ لیا۔

سوتی کپڑے کی رگڑ سے صباح کو تکلیف ہونی لازمی تھی مگر وہ اس قدر سہما ہوا تھا کہ اس کے حلق سے محض ایک گھٹی گھٹی سی آواز برآمد ہو کر رہ گئی۔

چند ثانیوں تک اس کے حلق سے عجیب غیر مانوس سی آوازیں آتی رہیں۔ شاید وہ اپنے عضلات کو جنبش دے کر حلق تر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تت... تم جو چاہو گے میں وہی کروں گا۔" بہر حال اس کے الفاظ بتاتے تھے کہ ہر شخص کی طرح وہ بھی بہت جلدی راہ پر آ گیا تھا۔ "مگر خدا کے لیے میرا بندھا ہوا ہاتھ ہی آزاد کر دو تاکہ میں اپنے زخمی بازو کو سنبھال سکوں، زخمی بازو درد سے پھٹا جا رہا ہے۔"

"یہ یاد رکھنا کہ حرامی پن کا پہلا اور آخری جواب گولی سے دیا جائے گا۔" یوسف نے درشت لہجے میں کہا اور صباح نے اس کی شرط منظور کر لی۔

یوسف نے اس کے منہ سے رومال نکال کر بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا لیکن اس اقدام سے قبل ہی اس نے صباح پر جو نفسیاتی دباؤ ڈالا تھا اس کی وجہ سے وہ کامیاب رہا تھا لہٰذا صباح کو دوسری رعایت دینے میں بھی مضائقہ نہیں تھا۔

یوسف نے اس کے گھٹنوں کو جوڑ کر باندھنے کے بعد بایاں ہاتھ اس طرح بند رسی میں لیا تھا کہ اسے آزاد کرتے ہوئے پیروں کی گرفت ایک لمحے کے لیے بھی ڈھیلی نہیں ہوئی تھی۔

اپنے زخمی بازو کو جنبش دیتے ہوئے صباح کے چہرے پر ابھرنے والے اذیت کے آثار قابل دید تھے اسے سیتا نے قرار واقعی سزا سے نوازا تھا۔ یوسف بہت خوبصورتی سے چند منٹ تک اس سے باتیں کرتا رہا پھر جب اسے کھانے کی پیشکش کی گئی تو وہ بہت خوش ہوا۔

"مگر مجھے یہاں سے تو باہر نکالو۔" اس نے بہت مغلوب ہو کر کہا۔

"تحقیر کی سزا تحقیر ہے۔" یوسف نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تمہیں یاد ہے کہ کسی وقت تم اتنے بے بس کر دیے گئے تھے کہ اپنے غسل خانے میں کھانا کھانے پر مجبور تھے۔"

اس کے لیے یہی رعایتیں کافی تھیں جو اسے مل چکی تھیں جب کہ ہیجانی رویے سے وہ بالکل ہی مایوس ہو چکا تھا۔

مگر وہ احمق ان رعایتوں کو مستقل سمجھ رہا تھا اسے یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ شکم پرستی کے بعد دوبارہ اسے بے ہوش کیا جانا تھا۔

کھانا دیتے ہوئے یوسف نے سخاوت کی انتہا کر دی کہ پہلے اسکاچ کے دو پیگ اپنے سامنے پلائے جن پر وہ بہت ممنون ہوا۔ یہ سلوک اسے اس بوتل سے فراہم کیا گیا تھا جو کھانے سے ذرا پہلے تمام جلنے لے لیا تھا۔

کھانے سے فراغت کے بعد یوسف نے اچانک ہی ہاتھ چلا دیا، اور پتہ کیلئے صباح المزینی ایک بار پھر بے ہوشی کی دلدل میں ڈوب گیا۔

ہمارے لیے وہ کام بھی خاصا اہم تھا ساری کارروائی کے کا دروازہ اندر سے بولٹ کرنے کے بعد تمام دن گزری تھی کہ اچانک ایک نعرہ بلند کرنے والا

کوئی شخص اس کمرے کی دیواروں کے درمیان ہونے والے کھیل سے آگاہ نہ ہو سکے۔

حسین المزینی شراب کے نشے میں دھت ہو کر شام سے ایسی گہری نیند سو رہا تھا کہ جانے بستر سنبھالنے تک اس نے کروٹ تک نہیں بدلی تھی لہٰذا ہم تینوں بھی بے فکری سے سونے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔

وہ رات کسی قابل ذکر واقعے کے بغیر گزر گئی۔ صبح بیدار ہونے والوں میں سیتا سب سے پہلی تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ غسل خانے میں آوازیں سن کر بیدار ہوئی تھی۔ اس وقت صباح ہوش میں آیا ہوا تھا۔ لہٰذا سیتا نے بلا تامل اسے پھر انجکشن کر دیا۔

اس روز صبح ہی سے ہم تینوں نے یوں عبد اللطیف کا انتظار شروع کر دیا جیسے اس نے آنے کا پکا وعدہ کیا ہوا ہو۔

اور شاید یہ ہماری تڑپ کی طلب ہی تھی کہ گیارہ بجے ایک ملازم نے حسین المزینی کو کسی انتہائی عجیب مہمان کی آمد کی اطلاع دی جو صباح سے ملنے آیا تھا لیکن جب اسے بتایا گیا کہ وہ باہر گیا ہوا ہے تو وہ کسی بھی ذمہ دار شخص سے ملنے پر اڑ گیا۔

"یہ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟" حسین المزینی نے چڑچڑے لہجے میں پوچھا۔

"بس نام بتایا ہے: عبد اللطیف۔" ملازم نے بتایا۔ "صورت سے ہندی لگتا ہے۔ اگر میں ہوتا تو دروازے ہی سے اسے اٹھوا کر کسی کوڑا گھر میں پھنکوا دیتا۔"

"اوہ۔" حسین المزینی وہ نام سنتے ہی چونک گیا۔ "اس سے تو ملنا ہی ہو گا۔ پتہ نہیں کس کام سے آیا ہو گا۔"

وہ چلا تو یوسف بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔

گو ہمیں حسین سے کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا مگر ہم اس کے باوجود نہیں چاہتے تھے کہ نازک موقع پر اسے غیر ضروری ڈھیل دے کر اس کی وفاداری آزمانے کا خطرہ مول لیا جائے۔

چند منٹ بعد وہ دونوں عبد اللطیف کو ساتھ لیے نشست گاہ میں پہنچے۔ میں سیتا کو صباح کی نگرانی میں چھوڑ کر پہلے ہی وہاں جا پہنچا تھا۔

مجھے دیکھ کر عبد اللطیف نے والہانہ مسرت کا اظہار کیا اور پرتپاک انداز میں مجھ سے گلے بھی ملا لیکن میں نے پہلی نظر میں اس کی چھپی ہوئی تشویش صاف محسوس کر لی تھی۔

"مجھے تمہارے بھاری مالی نقصان پر دلی افسوس ہوا ہے۔" میں نے بیٹھتے ہوئے پر خلوص لہجے میں کہا۔ "اس کا سبب صرف ہم لوگ تھے۔"

"زندگی میں یہ اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے۔" وہ شانے جھٹکا کر بولا۔

"تمہارے ساتھی نے مجھے بتایا تھا کہ تم لوگ اُن ہی دنوں ایک کے بھتیجے کے پاس پناہ لینے مدینہ جا رہے ہو جنہوں نے میرے مکان کو خاکستر کیا تھا۔" اس نے یہ کہہ کر یوسف کا نام لینے سے گریز کیا تھا کہ کہیں ہم نے حسین کو فرضی نام نہ بتا رکھے ہوں۔

"سعید نے۔ میں نے محض عبداللطیف کو نام جتانے کے لیے یوسف کو پکارا۔ ذرا کوئی مشروب تو منگواؤ میرے دوست کے لیے۔"

"لیلیٰ کہاں ہے مختار!" یوسف کا سوال سن کر میں چونکا، لیکن پھر خیال آیا کہ دروازے پر ابھی شناسائی کے گرم جوش اظہار کے بعد یوسف کے لیے ممکن نہیں رہا تھا کہ حسین المزینی کی موجودگی میں عبداللطیف کو اپنے نئے نام سے متعارف کرا۔ البتہ غائبانہ طور پر لیلیٰ اور مختار کا ذکر کر کے اس نے عبداللطیف کو ہمارے نئے ناموں کا اشارہ دے دیا ہوگا۔

"لیلیٰ آرام کر رہی ہے۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"عجیب اتفاق ہے کہ تمہاری وجہ سے میں اس شخص کے سامنے دوستانہ ماحول میں بیٹھا ہوں جس نے کل میرے گھر کو آگ لگائی تھی۔" وہ پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"حالات کے تحت ایسی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔" اسے جواب دے کر میں حسین المزینی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "ہمیں تھوڑی دیر کے لیے تخلیہ درکار ہے۔"

حسین المزینی میری درخواست کا برا مانے بغیر اٹھا اور مسکراتا ہوا اس کمرے سے واپس چلا گیا۔ اسی اثنا میں یوسف بھی واپس آ گیا۔

"تم کچھ پریشان نظر آ رہے ہو۔" میں نے عبداللطیف کے چہرے پر نگاہیں جما کر دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

"دو تین روز سے مسلسل میرا تعاقب ہو رہا ہے۔" اس نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔ "ہر وقت کوئی نہ کوئی میرے پیچھے لگا رہتا ہے۔"

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ان لوگوں کو اپنے پیچھے مدینہ میں اس مکان تک لے آیا تھا۔

"دو تین روز کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہمارے تمہارے پاس پہنچنے سے پہلے یہ صورت حال چل رہی تھی؟" میں نے کہا۔ "لیکن تم نے ہم سے کوئی ذکر نہیں کیا۔"

"تمہارے پہنچنے سے ایک روز پہلے اس سلسلے کا آغاز ہوا تھا۔" اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔ "میں بمشکل دو تین موقع پر ہی تعاقب کرنے والے کو خاص طور پر مارک کر سکا ہوں ورنہ وہ ہمیشہ چھلاوہ ثابت ہوتے ہیں۔"

"تو کیا کئی ہیں وہ؟"

"میرا خیال ہے۔" اس نے تصدیق کی۔ "اور گاڑیاں بھی کئی ہیں۔ انتظار شروع کرنے سے پہلے میں ڈیڑھ گھنٹے تک محض اس لیے صفا کی گلیوں اور سڑکوں پر بھٹکتا رہا کہ تعاقب کرنے والی سیاہ مزدا کو پیچھے لے سکوں مگر وہ جونک کی طرح پیچھے لگا رہا۔ آخر ایک ہجوم چوراہے پر میں بمشکل اسے پھنسا ہوا چھوڑ کر بھاگ سکا۔"

"تمہیں یقین ہے کہ یہاں تک تمہارا تعاقب نہیں کیا گیا؟"

"سیاہ مزدا کا راستے میں کہیں دور تک پتہ نہیں تھا۔" وہ بولا۔ "مگر میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ تعاقب کرنے والے کون لوگ ہیں؟"

"سامنے کی بات ہے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "ہمارے دشمنوں نے تمہارے خلاف دوہرا محاذ قائم کیا ہوا تھا۔ ایک طرف معاوضے پر ان لوگوں کو مامور کر دیا جن کے ہاتھوں تمہارا گھر خاکستر ہوا اور اپنے طور پر دوسرے براہِ راست تمہاری نگرانی بھی شروع کرا دی۔ اپنی دانست میں انہوں نے یہ بہت اہم تجزیہ تصور کیا تھا اور تم نے آج یہاں پہنچ کر ان کے اندازوں کی تصدیق کر دی ہے۔"

"مگر گھر کی تباہی کے بعد انہوں نے مجھ پر ہاتھ کیوں نہیں ڈالا؟"

"وہ یہ یقین کرنا چاہتے تھے کہ تم کس حد تک مفید معلومات رکھتے ہو۔ مکان والے حادثے کے بعد شاید انہوں نے آہستہ آہستہ تم پر اپنی موجودگی زیادہ شدت سے ظاہر کی ہوگی تاکہ تم بوکھلا کر ہمارے ٹھکانے کا رخ کرو۔"

"ہوا تو کچھ یوں ہی ہے۔" وہ تیز تیز لہجے میں بولا۔ "لیکن یہ تو سراسر اتفاق ہے کہ اگر پرسوں سعید اور لیلیٰ سے مڈبھیڑ نہ ہوتی تو میرے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوتی۔ اس بار بھی اس نے پوری احتیاط رکھی تھی۔ مجھے کام مکمل ہونے کے بعد آنا چاہیے تھا لیکن مسلسل تعاقب سے بوکھلا کر ادھر کا رخ کر بیٹھا۔" اس نے تاسف آمیز لہجے میں کہا۔

"تو تم کیا کر رہے ہو؟"

"روانگی کے سارے انتظامات طے ہو چکے ہیں۔ بس کاغذات بننے کی دیر ہے۔ زیادہ سے زیادہ کل شام تک تمہاری روانگی متوقع ہے۔"

"تصاویر کے...؟"

میرے جملے کا آغاز ہوتے ہی اس نے اپنے سر پر دو ہتڑ مار کر کہا۔ "اصل سبب تو یہی تھا اس وقت میرے یہاں آنے کا۔ تصاویر کے بغیر سفری دستاویزات ادھوری رہ گئی ہیں۔"

"مگر ہمارے پاس تو کوئی بھی تصویر نہ ہوگی۔"

"مجھے یہ بھی اندازہ تھا۔" وہ بولا۔ "حسان جیسی کیمرہ ساتھ لایا ہوں۔ تصاویر لے کر میں جلد چلا جاؤں گا مگر آج کا وقت ضائع ہو گیا۔ میری بھی عقل ماری گئی ہے۔" اپنے ذہنی انتشار سے وہ خود ہی شرمندہ سا نظر آ رہا تھا۔

"ہم کس حیثیت میں سفر کریں گے؟"

"مسافر بردار لانچ پر جاؤ گے۔ مسافروں کے طور پر۔" اس نے

بڑا مفاد ہے یہاں کسی بھی گڑبڑ کا امکان نہ ہوگا۔ بس دوران سفر تم دونوں کو اپنے نام بدلنے ہوں گے۔"

"پاسپورٹوں پر تصاویر جعلی جائیں گی؟"

"اس سے بہتر اور محفوظ راستہ کوئی اور نہیں ہے۔ سارا کام پیشہ ور افراد کے ذریعے نہایت مہارت سے سرانجام دیا جائے گا۔"

"میں تمہارا زندگی بھر احسان مند رہوں گا... تم میرے لیے اس معاملے پر کوشش کر رہے ہو اور پھر تمہارا بھاری مالی نقصان...."

"اس کا ذکر نہ کرو۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔ "مکان کی ایک ایک پائی کا بیمہ تھا۔ میرا سارا نقصان پورا ہو جائے گا۔ بس ذرا سی ذہنی پریشانی مزید ہو گئی ہے۔"

"ہاں... لیکن یہاں اثاثوں کے ایسے بیموں کا تو کوئی رواج نہیں ہے۔" یوسف نے حیرت زدہ لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"نہیں معلوم۔" وہ جزبز لہجے میں بولا۔ "آنکھیں کھول کر رکھا کرو تو الیاتی اداروں سے بھی بہتر مفادات حاصل کیے جا سکتے ہیں۔"

یوسف خاموش ہو گیا۔

میں نے محسوس کیا کہ میرے ذہن کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے اس نے بیمے کے بارے میں غلط بیانی سے کام لیا تھا اسی لیے یوسف کی تصحیح پر وہ چڑ گیا تھا۔

میں نے اس موضوع کو مزید کریدنے سے گریز ہی کیا کیونکہ مجھ میں اگر اس کے نقصانات کا ازالہ کرنے کی سکت نہیں تھی تو اس کا ذکر کر کے اسے آزردہ کرنا بھی مناسب نہیں تھا۔

اس نے ہمیں ایک سپاٹ دیوار کے پس منظر میں میری دو تصاویر لیں پھر میں اسے وہاں لے گیا جہاں سیتا بے ہوش قیدی کی نگرانی پر مامور تھی۔

سیتا کی تصاویر بناتے ہوئے اس نے مالک مکان کی غیر حاضری کے بارے میں استفسار کیا اور میں نے اسے تہہ خانے کا دروازہ کھول کر دکھا دیا۔

"کون ہے یہ؟" اس کی آواز حیرت آمیز تھی۔

"مالک مکان۔ ہمیں نکالنا چاہتا تھا اور ہم تمہاری آمد تک یہاں رکے رہنا چاہتے تھے لہٰذا یہ کارروائی سرانجام دینا پڑی۔ اب شاید ہم یہ ٹھکانا چھوڑ دیں۔"

"ابھی نہیں۔" وہ جلدی سے بول پڑا۔ "زیادہ سے زیادہ کل دوپہر تک کی بات ہے۔ میں دوبارہ آؤں گا۔ اس وقت تک یہیں رکے رہو۔"

اس کا مشورہ مناسب ہی تھا۔ ہم منظرِ عام سے دور رہ کر ہی اپنی سلامتی اور آزادی برقرار رکھ سکتے تھے۔ ورنہ قانون کی اور قانون شکن مفاد پرستوں کی دونوں ہی کی جانب سے ہمارے لیے یقینی اور ذلیل

سزا ملنی ہی تھی جس پر ڈالنے کی صلاحیتوں سے لیس تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ واپس چلا گیا۔

اس کی آمد سے کم از کم مجھے ذاتی طور پر بہت تسلی ہوئی تھی جیسا کہ کروندے میں پناہ لینے کے بعد بیرونی ذرائع سے ہمارا ہر قسم کا حقیقی رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ جواب بحال ہو گیا تھا اور اس عمارت کے باہر کم از کم ایک شخص ضرور ایسا تھا جو پورے وثوق کے ساتھ ہماری نئی قیام گاہ کے بارے میں ہمارے کسی بھی ہمدرد سے اظہار خیال کر سکتا تھا۔

اس کے چلے جانے کے بعد حسین المزینی بھی واپس لوٹ آیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میرے بارے میں تمہارے دوست کے دل میں عناد باقی تھا۔" اس نے آتے ہی مغموم لہجے میں کہا۔

"اس کی جگہ تم ہوتے تو شاید تمہارا رویہ زیادہ سخت ہوتا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اس نے تو محض زبانی اظہار خیال پر ہی اکتفا کیا۔"

"تم جانتے ہو کہ میری حیثیت کا وہ منصوبہ بنانے والے کے ذہن کی پیداوار تھا اور وہ تمہارے ہاتھوں اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔" اس نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"تم اس کے شریک کار رہے تھے اور اپنی ذمہ داری سے انکار نہیں کر سکتے۔"

"خیر، جو ہونا تھا سو ہو گیا مگر اب یہ کس لیے آیا تھا؟"

"ہمارے لیے زیادہ مدت تک یہاں رکے رہنا مناسب نہیں رہا تھا اور اسے بھی ہماری فکر تھی۔ شاید کل تک ہم یہاں سے کوچ کر جائیں۔"

"تمہارے جانے کے بعد صباح کا سارا نزلہ مجھ پر ہی گرے گا۔"

"وہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔ "اگر اس میں شرم کی ذرا بھی رمق باقی ہے تو شکایت کا ایک لفظ بھی زبان پر نہیں لائے گا۔"

"یعنی تم نے سزا کے اگلے مرحلے پر عمل کرنے کا ارادہ منسوخ کر دیا ہے۔" اس کے لہجے میں مسرت کی ایک ہلکی سی لہر عود کر آئی۔

"لیلیٰ سے بات کرنے کے بعد میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔"

"یہ بہت اچھا ہوا۔" وہ خوش ہو گیا۔ "اب میں صباح سے بخوبی نمٹ سکوں گا۔ ویسے بھی وہ اپنی آزادی کے باوجود میرا لحاظ کرتا ہے۔"

اسی رات صباح المزینی کے ملازموں نے کسی اور کی آمد کی اطلاع دی۔ اس بار آنے والے نے مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

میرے لیے یہ اطلاع اس اعتبار سے سنسنی خیز تھی کہ آنے والے نے میرا نام مختار بتایا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ اندر کی صورتحال سے واقف تھا۔ اُسے فوری طور پر اندر بلا لیا گیا۔

حسین المزینی اسے نشست گاہ میں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔

عبداللطیف کی آمد کے تجربے سے اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ میں اس کی

موجودگی پسند نہیں کروں گا۔

"مجھے عبداللطیف نے بھیجا ہے۔" آنے والے دراز قامت شخص نے میری پیش کی ہوئی سگریٹ سلگاتے ہوئے گمبھیر لہجے میں کہا۔

اپنے طور طریقوں سے وہ بہت ذہین اور سمجھ دار نظر آتا تھا۔

"کس سلسلے میں؟" میں گفتگو کی ابتدا میں محتاط رہنا چاہتا تھا۔

"وہ کچھ انتظامات میں مصروف ہے ورنہ خود ہی آتا۔" اس نے کہا۔ "مجھ سے صرف اتنا کہا گیا ہے کہ تمہیں اور تمہارے دو ساتھیوں کو بحفاظت صنعاء کے ایک خفیہ مقام پر پہنچا دوں۔"

"میں کیسے یقین کرلوں کہ تمہیں اسی نے بھیجا ہے؟"

"کیا میرا یہاں تک پہنچنا اور تمہارا نام جاننا کافی نہیں ہے؟" اس نے الٹا میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"اور اگر ہم تمہارے ساتھ چلنے سے انکار کردیں؟" میں نے اپنے لہجے کی جھنجھلاہٹ چھپاتے ہوئے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہارا چلنا تمہارے اپنے مفاد میں ہوگا۔" اس نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر کہا۔ "انکار کروگے تو واپس جاکر اسے بتادوں گا۔ مجھے اپنی طرف سے کسی اقدام کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ میں تو بس ایک قاصد ہوں۔"

"تمہارے ساتھ کوئی اور بھی آیا ہے؟"

اس نے نفی میں سر کو ہلکی سی جنبش دی۔ "تنہا اور غیر مسلح ہوں۔" اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔ شاید وہ میرے اشتباہ آمیز رویے پر طنز کرنا چاہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" میں ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "چند منٹ ٹھہرو۔ ہم روانگی کی تیاری کرتے ہیں۔"

اسے نشست گاہ میں چھوڑ کر میں یوسف کے ہمراہ باہر آگیا۔

حسین الرزمی بے چینی سے برآمدے میں ٹہل رہا تھا۔ ہمیں نکلتے دیکھ کر وہ تیزی سے ہماری طرف آیا۔ "یہ کیوں آیا ہے؟"

"ہم اسی کے ساتھ روانہ ہو رہے ہیں۔" یوسف نے اسے بتایا۔

"اور میری رقم؟" روانگی کی اطلاع پاتے ہی اسے اپنے دو ہزار کی فکر ہوگئی۔

"تھوڑی دیر ہمارے مہمان کے ساتھ بیٹھو۔ اس سے غیر ضروری باتیں نہ کرنا۔" یوسف نے سنجیدگی سے کہا۔ "جانے سے پہلے تمہاری رقم بھی ادا کردی جائے گی۔"

اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی اور نشست گاہ میں گھس گیا۔

"اس کے ساتھ تمہارا رویہ کچھ غیر معقول سا ہے۔" یوسف نے میرے ہمراہ سیتا والے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"کوئی ایسی بات ضرور ہے جو میرے ذہن میں الجھن سی پیدا کر رہی ہے لیکن میں اسے بیان نہیں کرسکتا۔" میں نے اعتراف کیا۔ "بس لاشعور کا اندازہ کہہ لو۔"

"یہ آدمی فراڈ ہوسکتا ہے؟"

"میں نے کہا نا کہ الجھن میں ہوں، فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"پھر ایک ترکیب آزمانی چاہیے۔" وہ کمرے میں پہنچ کر بولا۔ "ہم آنکھ بند کرکے چھلانگ لگا بیٹھے تو اس بار نکلنا بھی دشوار ہوجائے گا۔"

"کیا پھر کوئی گڑبڑ ہے؟" سیتا نے اس کا آخری فقرہ سن کر سوال کیا جس کے جواب میں میں نے اسے تازہ صورتحال سے آگاہ کیا۔

"عبداللطیف کی تازہ کوششوں کا تعلق صرف تم دونوں سے ہے۔" یوسف نے سوچتے ہوئے کہا۔ "تمہارے چلے جانے کے بعد تو مجھے اپنا انتظام خود کرنا ہوگا۔ میری اکیلی ذات کے لیے صنعاء میں اس وقت بھی بیسیوں ٹھکانے ہیں تو کیوں نہ میں اسی وقت تم سے الگ ہوجاؤں؟"

"اس سے کیا فرق پڑے گا؟" سیتا نے سوال کیا۔

"تم دونوں آنے والے کے ساتھ روانہ ہوجاؤ۔ میں صباح الرزمی کی کار میں تمہارا تعاقب کروں گا اور صنعاء میں دور رہ کر اس ٹھکانے کی نگرانی کروں گا جہاں تمہیں لے جایا جارہا ہے۔ کسی بھی وقت اگر شبہ ہوا تو میں باہر سے کچھ مدد کرسکوں گا اور اگر تمہاری روانگی ٹھیک ٹھاک رہی تو میری دخل اندازی کی نوبت بھی نہیں آئے گی۔"

"تمہاری تجویز بہت مناسب ہے لیکن حسین تمہیں اپنے بھتیجے کی کار بھلا کیوں لے جانے دے گا؟" میں نے اسے یاد دلایا۔

"وہ میں نبٹ لوں گا۔" وہ بولا۔ "ساری الجھن کل شام تک ہے۔ اس کے بعد وہ صباح کی کار صنعاء کے کسی بھی طے شدہ مقام سے اٹھوا لے گا۔"

"پھر بھی راستہ مناسب ہے گا۔" سیتا نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "اس طرح گڑبڑ کی صورت میں ہم تینوں ایک ساتھ کسی جوہڑ میں نہیں پھنس سکیں گے۔"

پھر یوسف نے وہیں اپنی ایک خفیہ جیب سے بڑے نوٹوں پر مشتمل خاصی رقم نکالی اور دو ہزار الگ کرکے بقیہ نوٹ واپس چھپا لیے۔

"حسین کو اگر یہ دو ہزار مل گئے تو وہ صباح کی کار دیتے ہوئے بھی راضی ہوجائے گا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

چند منٹ تک ہم وہیں کھڑے روانگی کے انتظامات پر تبادلہ خیال کرتے رہے کیونکہ غسل خانے میں پڑے ہوئے صباح الرزمی کا معاملہ بھی اہم تھا۔ ساری جزئیات طے کرنے کے بعد یوسف اس کمرے سے چلا گیا۔

غسل خانے میں صباح الرزمی بدستور بے ہوش پڑا تھا اور میرا خیال تھا کہ وہ ایک دو گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آسکے گا۔ اس لیے میں نے اس کی ورم آلود کنپٹیوں پر مزید کوئی ضرب لگانے کا ارادہ ملتوی کردیا اور اس کی ...

یوسف کے رومال کے علاوہ مزید ایک کپڑا ٹھونس دیا تاکہ وہ جلد ہوش میں آ بھی جائے تو اپنی کسی آواز سے اپنے ملازموں کو کسی وقت گڑبڑ کا احساس نہ دلاسکے۔

غسل خانے کا دروازہ بند کرکے میں نے کمرے کے سازوسامان پر الوداعی نگاہیں ڈالیں اور سیتا کے ہمراہ باہر آکر کمرے کا دروازہ بھی بند کردیا۔ سیتا نے مزید احتیاط کے طور پر باہر سے کمرے کا دروازہ بھی بولٹ کردیا۔

ہم دونوں نشست گاہ میں پہنچے تو یوسف حسین الرزمی کو ساتھ لے کر باہر جا چکا تھا۔

"کیا طے پایا؟" نووارد نے مجھے دیکھتے ہی سوال کیا۔

"بس چند منٹ بعد چلتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "تمہارے پاس کون سی گاڑی ہے؟"

"کرسلر۔" وہ بولا۔ "چار مسافروں کے لیے بہت آرام دہ ہے۔"

"چوتھا کون ہے؟"

"تم تین ہو نا!" اس نے قدرے حیرت سے سوال کیا۔

"دو، ہم دونوں۔" میں نے اپنے جواب پر اس کے چہرے پر الجھن سی نمودار ہوتی دیکھی جو لمحہ بھر بعد ہی معدوم ہوگئی۔

وقت گزاری کے لیے میں نے ایک تازہ مسکا کے دو پیگ منگوالیے۔ نووارد نے سختی کے ساتھ پینے سے انکار کردیا جب کہ میں دھیرے دھیرے گلاس خالی کرنے لگا۔

روانگی سے پہلے یوسف کو اتنا وقت دینا ضروری تھا کہ وہ حسین الرزمی کے ساتھ معاملات طے کرکے گاڑی سنبھالے اور ہمارے روانہ ہوتے ہی تعاقب کا آغاز کرسکے۔ حسین کو وہیں چھوڑنا تھا تاکہ وہ صباح کے ہوش میں آنے پر اس کی مناسب دیکھ بھال کرسکے۔

میں مسکا کا دوسرا گلاس خالی کر رہا تھا کہ حسین الرزمی آپہنچا۔ اس کے چہرے پر رقم مل جانے کی مسرت بہت واضح تھی۔

اسے دیکھتے ہی میں نے جگہ چھوڑ دی۔

نووارد کی نگاہیں قدرے بے چینی سے ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں لیکن اس نے ہم میں سے کسی سے کوئی سوال نہیں کیا۔

مکان کے باہر اندھیرے میں اس کی کرسلر موجود تھی۔ ہم تینوں حسین الرزمی کو الوداع کہہ کر نووارد کی کار میں سوار ہوگئے۔

میں ڈرائیونگ سیٹ کے برابر میں بیٹھ گیا۔ سیتا نے پچھلی نشست سنبھالی اور کرسلر سبک رفتاری سے پچھلے راستے پر گھوم کر آگے بڑھ گئی۔

دس بارہ منٹ کے بعد کار کچے راستے سے پختہ سڑک پر آگئی۔ میں نے غیر ارادی طور پر اپنی جیب ٹٹول کر اس بھرے ہوئے پستول کی موجودگی کا احساس کیا جو حسین الرزمی کے ساتھیوں سے جھڑپ میں چھینا گیا تھا۔

وہ سڑک چند سو گز کے بعد درہ کے اس ویران علاقے میں داخل ہوگئی جہاں بس اسٹاپ میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ شاید صنعاء سے آنے والی آخری بس کے بعد وہاں روز ہی علی الصبح تک سناٹا چھایا جاتا ہوگا۔

میں نے ایک دو بار سر پیچھے گھما کر سیتا سے بات کی۔ مقصد محض یہ تھا کہ پیچھے آنے والی یوسف کی کار کے ہیڈ لیمپس دیکھ سکوں لیکن عقب میں سڑک تاحد نظر تاریک پڑی ہوئی تھی۔

"تمہارا تیسرا ساتھی وہیں رہ گیا ہے؟" شہر سے ویران سڑک پر نکل آنے کے بعد نووارد نے پہلی بار زبان کھولی۔

"ہوسکتا ہے کہ صبح وہ بھی نکل جائے۔" میں نے کہا۔ "تم اس کے بارے میں اتنے فکرمند کیوں ہو رہے ہو؟"

"مجھے بتایا گیا تھا کہ مجھے تمہارے ساتھ مزید دو افراد لانے ہوں گے لیکن تم محض دو ہی رہ گئے ہو۔" اس نے کہا۔

کار میں دوبارہ خاموشی چھاگئی۔

کافی دور نکلنے کے بعد پیچھے ایک کار کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔ شاید یوسف نے سفر کا آغاز کافی دیر سے کیا تھا اور اس وقت تک کرسلر کے پیچھے پہنچ چکا تھا۔ اگر ہمیں لے جانے والا ابتدا ہی سے کسی کار کو پیچھے لگا ہوا دیکھ لیتا تو ضرور چوکنا ہوجاتا۔

بس کے مقابلے میں کار کے ذریعے درہ سے صنعاء تک کی

مسافت بہت مختصر محسوس ہوئی۔ بمشکل پون گھنٹے کے بعد کار صنعا کی حدود میں داخل ہو گئی۔

دن کے مقابلے میں صنعا میں اس وقت بھی خاصی رونق تھی کر سلر مختلف سڑکوں سے گزرتی ہوئی ایک مرتبہ پھر ایک غیر آباد سڑک پر جا نکلی۔

اس بار سفر کا اختتام قدرے جلدی ہوا اور کر سلر ایک وسیع و عریض احاطے کے کھلے ہوئے پھاٹک میں گھستی چلی گئی۔

اندر ہر طرف تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں بھی تاحد نظر کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہا تھا۔

کر سلر کے رکتے ہی ڈرائیور نے اس کے ہیڈ لیمپس گل کر دیے۔

"یہ عمارت تو غیر آباد معلوم ہوتی ہے۔" میں نے اپنی بڑھتی ہوئی سنسناہٹ کی محسوس کرتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

"لیکن محفوظ ہے۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ "نیچے اتر آؤ۔"

ہم دونوں نیچے اتر آئے اور دھڑکتے دلوں کے ساتھ اس کے ہمراہ تاریک برآمدے کی طرف بڑھنے لگے۔

برآمدے کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہی ناہید رک گیا۔ "عبداللطیف کہاں ہے؟"

"اندر ہی ہو گا۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔ "تم رک کیوں گئے؟ چلتے رہو۔ یہ عمارت اندر سے دیکھی بھالی ہے۔ تاریکی میں بھی کوئی خطرہ نہ ہوگی۔"

"ہم یہیں رکے ہوئے ہیں۔" میں نے ناقابلِ برداشت دباؤ کے زیر اثر کہا۔ "تم عبداللطیف کو یہیں لے آؤ۔ اسی کے ساتھ ہم اندر داخل ہوں گے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اپنا داہنا ہاتھ جیب میں ڈال کر پستول اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

"یہ ناممکن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ باہر گیا ہوا ہو۔" اس کا لہجہ قدرے درشت ہو گیا۔

"پھر ہم یہیں اس کی واپسی کا انتظار کر لیں گے۔" ناہید نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"یہ تمہارا فیصلہ ہے۔" اس کا لہجہ جھنجھلاہٹ آمیز ہو گیا۔

"ایسا ہی سمجھو۔" میں نے اپنی آواز سے پریشانی کا اظہار نہیں ہونے دیا۔

اس نے قدرے اونچی آواز میں ایک گالی دی جو شاید اشارہ تھی کیونکہ چاروں طرف پھیلے ہوئے اندھیرے نے یکایک آٹھ دس مسلح آدمی اگل دیے جن کے ہتھیاروں کی نالیں ہماری طرف اٹھی ہوئی تھیں اور پھر وہ نالیں ہمارے جسموں سے آ لگیں۔

"زبردستی سے چلو نہیں۔" یہیں تک وہاں آنے والے کی غراہٹ ابھری اور وہ لوگ ہمیں نالوں سے ٹہوکے دے کر عمارت کی طرف دھکیلنے لگے۔



"عبداللطیف تم لوگوں کی اس گستاخی کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔" میں نے پوری صورت حال کا اندازہ ہو جانے کے باوجود انتہائی بے بسی سے کہا۔

اندھیرے میں ایک غراتی ہوئی مردانہ آواز نے عبداللطیف کے بارے میں انتہائی نازیبا الفاظ کا جملہ ادا کیا۔ پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں کو دیکھ کر اسے خوشی ہو گی۔ ابھی تو وہ تمہاری اپنی خیر چاہ رہا ہو گا۔ شاید تم سے اسے کچھ مل سکے۔"

"تو تم اس کے ساتھی نہیں ہو؟" میں نے بوکھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

جواب میں اندھیرے میں ایک وحشیانہ قہقہہ گونج اٹھا۔ اسی لمحے کسی نے بٹن دبا کر تاریک برآمدے کو روشن کر دیا اور صورت حال کی ساری جزئیات یک بیک نمایاں ہو گئیں۔

یوں تو ان سب ہی کے خدوخال کرخت اور غیر شریفانہ تھے لیکن نیانی انداز میں قہقہہ لگانے والا دراز قامت سفید فام کچھ زیادہ ہی بھیانک چہرے کا مالک تھا۔ ہمیں وہ گن سے لانے والا شخص ان سائے میں الگ ہی نظر آ رہا تھا۔ بادی النظر میں بھی یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں تھا کہ ہمیں جال میں پھانسنے کے لیے اس کا انتخاب محض اسی لیے کیا گیا تھا کہ چہرے مہرے سے وہ نہ صرف شریف نظر آتا تھا بلکہ رکھ رکھاؤ میں بھی ان جیسے جاہلانہ انداز کا مالک نہیں تھا۔

"ہم بھلا آج تک ساتھی ہوئے ہیں کسی کے جو اس کے ہوتے؟" قہقہے کے اختتام پر دراز قامت سفید فام سفاکانہ لہجے میں غرایا۔

"تیرا وہیں رہ گیا۔ اسے شاید شبہ ہو گیا تھا۔" قدرے سکوت کے بعد ہمیں لانے والے نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"وہ ہمیں ہاتھ آ جاتا تو اچھا تھا۔" دراز قامت سفید فام نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "اصل میں تو مجھے یہی فیصلے درکار تھے۔ ان دونوں کی بھی تاکہ میں کسی جماعت کھڑی نہ ہونے کی کوشش کروں گا تاکہ یہ دونوں سب کے لیے عبرت کا سامان بنتے رہیں۔"

اسی اثنا میں ہم لوگ مسلح استقبالی جلوس کی معیت میں برآمدہ طے کر کے ایک بڑے ہال میں داخل ہو چکے تھے جسے فوری طور پر روشن کر دیا گیا تھا۔

"تم سب یہیں ٹھہرو۔ اور البتہ فہد! تم میرے ساتھ آؤ!" دراز قامت سفید فام نے ہمیں لانے والے سے مخاطب ہو کر کہا اور ہال کی بغلی دیوار میں نصب دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ہم دونوں بائیں نالوں کی زد میں اس روشن ہال کے وسط میں کھڑے تھے۔ ہال کی تمام بیرونی کھڑکیوں پر دبیز پردے تنے ہوئے تھے۔ اس احتیاط کے باعث باہر سے روشنی یا اندر متحرک سایوں کو دیکھا جانا ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ورنہ پہنچنے والے اجنبی کے بارے میں ابتدا ہی سے میرا ذہن متاطر رہا تھا جسے محسوس کرتے ہوئے یوسف نے پیچھے رہ کر تعاقب کی تجویز پیش کی تھی ورنہ وہ بھی ہمارے ساتھ اس چوہے دان میں کھنچا چلا آتا۔

بدلے ہوئے خطرناک حالات نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ صباح المرضی کی قیام گاہ پر اجنبی کے بارے میں میری چھٹی حس کی للکار حقیقی تھی اور اگر میرا قیاس غلط نہیں تھا تو اس وقت ہم سوا سے زیادہ ممکن شرپسندوں کے نرغے میں آ چکے تھے۔

ان لوگوں کی گفتگو سے یہ تاثر ملا تھا کہ عبداللطیف ہم سے پہلے ان کی قید میں تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ عبداللطیف لوٹی داستان میں تعاقب کرنے والے کو صنعا میں چکمہ دے کر دوسری طرف نکل بھاگا تھا لیکن درحقیقت اس کا تعاقب جاری تھا اور جب وہ ہم سے ملنے کے بعد لوٹ رہا تھا تو اس پر ہاتھ ڈال دیا گیا اور تشدد کے سامنے وہ زیادہ دیر نہ ٹھہر سکا۔

دوسری امکانی صورت بھی تھی کہ عبداللطیف اپنا پیچھا کرنے والے کو جل دینے میں واقعی کامیاب ہو گیا ہو۔ اس کا سراغ کھوتے ہی اس کے دشمنوں نے شہر بھر میں ہر طرف اس کی تلاش کی بھرپور مہم شروع کر دی اور دورانِ تلاش ہم سے ملاقات کے بعد اسے کہیں نہ کہیں صنعا میں دیکھ لیا گیا۔ اس کے تعاقب پر مامور خونخوار جرائم پیشہ لوگوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور جھلاہٹ میں انہوں نے اسے گھیر کر پکڑ لیا۔ اس کے بعد بے رحمانہ تشدد کی کارروائی نے باقی مراحل تیزی سے نمٹا دیے ہوں گے۔

ان میں سے جو بھی صورت رہی ہو، اس وقت کی برترین حقیقت یہی تھی کہ ہم خونخوار دشمنوں کے چنگل میں پھنس چکے تھے۔ ہمارا مددگار عبداللطیف ہم سے پہلے ان کا قیدی تھا اور یقینی طور پر ہم سے بہت زیادہ خراب حالت میں تھا۔

اس وقت لے دے کر ساری امیدیں یوسف کی ذات سے وابستہ تھیں۔ باہر موجود ہمارے ہمدردوں میں وہ واحد آدمی تھا جسے قریب سے ہماری واپسی کا علم تھا اور اگر وہ کامیابی کے ساتھ کر سلر کا تعاقب کرتا رہا تھا تو اس کی جانب سے کسی بھی لمحے مؤثر مداخلت کی امید کی جا سکتی تھی۔

باہر سے یوسف کی کامیابی کا دارومدار محض اس امکان پر تھا کہ ہمیں پکڑنے والے بھی یہ سمجھتے رہیں کہ یوسف مشکوک ہو کر دہشت میں رک گیا تھا۔ اگر انہیں یہ شبہ ہو جاتا کہ یوسف نے منصوبے کے تحت شاید تعاقب کی کوشش بھی کی ہو تو وہ لازمی طور پر باہر کی صورت حال پر کڑی نگاہ رکھتے اور یوسف کو اندر گھسنے کی کوشش میں بدترین خطرات کا سامنا کرنا پڑتا۔

"تلاشی لو..... اس کی جیب بہت بھاری ہو رہی ہے!" باقی چار افراد میں سے ایک نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔

بیسے چونکنے سے پہلے ہی ایک شخص میری جیبیں خالی کرنے لگا تھا، دوسرا سیتا کی جامہ تلاشی لے رہا تھا۔

پھر وہ کمرہ اچانک ہی ایک کربناک چیخ سے لرز اٹھا۔

سیتا کی تلاشی لینے والا دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ دبائے فرش پر تڑپ رہا تھا اور اس کی پیشانی سے تیزی کے ساتھ خون بہہ رہا تھا۔

سیتا ایک پستول اور ایک اسٹین گن اور دو بالشتوں کے دو چاقوؤں میں گھری ہونے کے باوجود ان سے بے خوف نظر آ رہی تھی۔ اس کی قہر بار آنکھیں فرش پر تڑپتے ہوئے شخص پر جمی ہوئی تھیں۔

یہ سب اس قدر اچانک ہوا تھا کہ لمحہ بھر تک کوئی اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا پھر ان چاروں میں سے ایک دراز قد کا کندھا اٹھا کر گالیاں بکتا ہوا سیتا کی طرف جھپٹا اور سیتا بھی اس سے بھڑ جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ لیکن اسی وقت عقب سے ابھرنے والی ایک تیز آواز نے حملہ آور کو پتھر کے کسی بت کی طرح اس کی جگہ روک دیا۔

"ٹھہر جاؤ..... ابھی انہیں کوئی تشدد نہیں کیا جائے گا!" اس تیز اور تحکمانہ آواز کا مالک چرمی جیکٹ میں ملبوس اس شخص کی تھی جو شاید چیخ سن کر اس دروازے سے نمودار ہوا تھا جس میں دراز قامت سفید فام ہمیں لانے والے کے ساتھ غائب ہوا تھا۔

چرمی جیکٹ والے کی شخصیت بہت پر رعب تھی۔ چوڑی پیشانی سے نیچے چپکی ہوئی ستواں ناک، نیلی آنکھیں اور بھوری داڑھی میں چھپا ہوا کتابی چہرہ اس اعتبار سے باوقار بنا رہا تھا کہ دوسروں کے برعکس اس کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

مگر اس کی چال میں بلا کا اعتماد تھا۔ اس کے بڑھتے ہوئے قدم میں ایک ایسا وقار تھا جو کسی سلطنت کے تاجدار کا ہو سکتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس کی موجودگی کا احساس ہوتے ہی چاروں کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ فرش پر تڑپنے والے کو اپنی تکلیف کے ضبط پر تو قدرت نہیں تھی لیکن اس کی بلند آہنگ چیخیں حلق ہی حلق میں گھٹ کر رہ گئیں۔

میرے لیے چرمی جیکٹ والے کا عارضی عدم تشدد پر مبنی حکم اس وقت بہت سکون بخش ثابت ہوا۔ اور مجھے کم از کم یہ یقین ہو گیا کہ کسی برے سلوک کے آغاز سے قبل ہم دونوں کو اپنی ذہنی صلاحیتیں بروئے کار لانے کا موقع ضرور مل سکے گا۔

"اسے کیا ہوا؟" چرمی جیکٹ والے نے قریب آ کر غصیلے لہجے میں ان چاروں سے سوال کیا جو ہمیں گھیرے کھڑے تھے۔

دراز قامت سفید فام اور لمبی فوراً چرمی جیکٹ والے کے پیچھے وہاں تک آ گئے تھے۔

"لڑکی نے اس کی پیشانی پر ٹھوکر ماری ہے۔" ان چاروں میں سے ایک نے تشویش انداز میں کہا جیسے جواب میں باقاعدہ سزا کا ثبوت لازمی ہو۔

"مگر کیوں؟" وہ فرش پر بیہوش شخص کے عالم میں دوبارہ اپنے آدمی کا وہ نامکمل جواب پسند نہیں آیا تھا۔

"وہ..... وہ..... لل..... لڑکی کی تت..... تلاشی لے رہا تھا۔" جواب دینے والا لفظ بہ لفظ کسی مجرم کی طرح ہکلانے لگا۔

"بکواس....." سیتا غصیلے لہجے میں بول پڑی۔ "اس نے بدتمیزی کی تھی میرے ساتھ! یہ بتا دوں کہ تم لوگوں نے ہمیں قید ضرور کر لیا ہے مگر ہم پر ناجائز تصرف اختیار کرنے کی کوشش کی تو اس کے مقابلے میں، میں دو چار سر پھوڑ کر مر جانا گوارا کر لوں گی!"

"مجھے تمہارا یقین ہے لڑکی!" چرمی جیکٹ والے کا لہجہ سپاٹ ہو گیا۔ پھر وہ مڑ کر سفید فام سے مخاطب ہوا۔ "اسے لے جاؤ اور تہہ خانے میں ڈال دو۔ عورت کو قبضے میں دیکھ کر بے قابو ہو جانے والے دماغ کا علاج کرنا ضروری ہے!"

کئی چہروں پر سیاہی کی لہر سی آ کر گزر گئی مگر کوئی کچھ نہ بولا۔ وہ زخمی بھی خاموشی سے اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا جس کے بارے میں چرمی جیکٹ والے نے دراز قامت سفید فام کو حکم دیا تھا اور وہ عمر اپنے تن کے اعتبار سے لوٹ رہا ہی تھا۔

دراز قامت سفید فام زخمی شخص کو سہارا دے کر ہال سے باہر روشن دروازے کے عقب میں روپوش ہو گیا۔ جہاں سے وہ چرمی جیکٹ والے کے ساتھ برآمد ہوا تھا۔

چرمی جیکٹ والا چند ثانیوں تک دلچسپی کے انداز میں باری باری میرا اور سیتا کا جائزہ لیتا رہا پھر ایک سگار نکال کر اس کا کونا توڑنے لگا۔

"ہمارے ساتھ کس جرم کی پاداش میں یہ سلوک کیا جا رہا ہے؟" میں نے موقع غنیمت جان کر براہ راست اسی سے سوال کر ڈالا۔

"تمہارے جرائم کی فہرست بہت طویل ہے۔" وہ سگار سلگا کر کثیف دھواں فضا میں اگلتے ہوئے بولا۔ اس کے ہونٹوں پر تمسخرانہ مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

"ہم پر یہاں میں غیر قانونی داخلے کے علاوہ کوئی جرم ثابت نہیں کیا جا سکتا۔" مجھے ان لوگوں کے بارے میں یقین کی حد تک شبہ تھا کہ ان کی وفاداریاں اسرائیل کے ساتھ تھیں لیکن پھر بھی میں نے انجان بنے رہنا مناسب سمجھا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم مان آئے!" چرمی جیکٹ والا خوش دلی سے بولا۔ "قانونی اور غیر قانونی داخلے کا معاملہ مقامی حکام کا مسئلہ ہے، ہمارا نہیں!"

"تو تم کون ہو؟" میں نے بے ساختگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"اس وقت تم ہمارے قیدی ہو۔" اس کا لہجہ شستہ مگر تحقیر آمیز تھا۔

"ہم یہاں بری کا تمام تر حق ہمارا ہے لیکن اس وقت ہم خاموش ہیں۔ بہتر ہے تم بھی اپنی زبان بند رکھو اور خود کو ذہنی طور پر بدترین حالات کے لیے تیار رکھو۔ اگر تم نے ہم سے تعاون کیا تو ہو سکتا ہے بات بن جائے ورنہ سب بے جان ہو گے!"

اسی اثنا میں دراز قامت سفید فام لوٹ آیا۔

"ان دونوں کو آسٹن کے حوالے کر دو۔ وہ جو چاہے گا۔ تو انہیں بھی ملا دے گا!" اس نے دراز قامت کو ہدایت کی۔ "عبداللطیف سے کہنا کہ تم نے ہدایت کی کوئی بھی خلاف ورزی کی تو ہمارا زم زم ایک بیٹے کے بچے کی پرورش کر سکے گا!" اس نے چلتے چلتے بتایا کہ یہاں ہمیں مجبور نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے بتائے طریقوں پر ہی جانا تھا۔

تھوڑی دیر میں ہم گئے اور دراز قامت ہم دونوں کو لے کر تیسری بار اسی دروازے میں داخل ہو گیا۔ جہاں سے چرمی جیکٹ پوش برآمد ہوا تھا۔

دروازے سے گزرتے ہی ہم نے خود کو ایک روشن راہداری میں پایا جو بہت کشادہ تھی۔ اس میں مختلف فاصلوں سے دونوں طرف دروازے نظر آ رہے تھے جو بلا استثنیٰ سب ہی بند تھے اور باہر سے یہ قیاس کرنا مشکل تھا کہ ان میں سے کون سا کمرہ اس وقت آباد ہے۔ چونکہ ہم کو راہداری میں پھیلی ہوئی تیز روشنی میں دروازوں کے نیچے سے آنے والی روشنی کو دیکھنا کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا۔

اس عمارت میں پہنچنے کے بعد سے اس وقت تک ان لوگوں کی ساری گفتگو عربی میں ہی ہوتی رہی تھی لیکن اس دوران میں یہ واضح ہو چکا تھا کہ ان میں کئی غیر عرب بھی شامل تھے۔ دراز قامت سفید فام اور چرمی جیکٹ والے کے بارے میں تو واضح طور پر کسی یورپی ملک کا باشندہ ہونے کا دعویٰ کیا جا سکتا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے برادر؟" راہداری میں سفید فام کے ہمراہ چلتے ہوئے میں نے دوستانہ لہجے میں انگریزی میں سوال کیا۔

اس نے مڑ کر مجھے گھورا پھر انگریزی ہی میں بولا۔ "تمہیں یاد نہیں رہا کہ کیا ہدایت دی گئی تھی؟ خاموشی سے حالات کا رخ دیکھتے چلو!"

"مگر ہمیں یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم کن لوگوں کی قید میں ہیں!"

"یہ قید دشمنوں کی نہیں ہے۔" وہ لاپروایانہ لہجے میں بولا۔ "یہ اور بات ہے کہ قدرت نے اس بار تمہارا واسطہ شریف دشمنوں سے ڈالا ہے!"

پھر وہ داہنی سمت کے چوتھے دروازے پر رک گیا۔

دستک کے جواب میں ایک لاغر اور عمر رسیدہ شخص نے دروازہ کھولا اور موٹے عدسوں کے پیچھے اس کی دھنسی ہوئی آنکھوں کی پتلیوں میں چمک سی جاگ اٹھی۔

"ڈاکٹر آسٹن! یہ دونوں خصوصی مہمان ہیں۔" ہمیں لانے والے نے وہیں کھڑے کھڑے احترام آمیز لہجے میں کہا۔

"اوہ!" ہمیں دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہو گئی۔ "تو باہر کیوں کھڑے ہو۔ اندر لے آؤ انہیں!"

اپنے نگہبان کے اشارے پر ہمیں اندر داخل ہونا پڑا۔

"آؤ آؤ!" بوڑھا دروازہ بند کر کے ہمارے پیچھے آتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "یہ کمرہ کئی روز سے تم دونوں کی آمد کا منتظر تھا!"

وہ ایک کشادہ کمرہ تھا۔ جہاں صاف ستھرے بستر کے علاوہ ایک گوشے میں مختصر سی میز اور ایک کرسی بھی موجود تھی۔ میز پر ایک کھلی ہوئی ضخیم کتاب اوندھی رکھی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ ایک طرف دیوار گیر الماری تھی جس کے شیشے کے شفاف پٹوں کے پیچھے رنگ برنگ کے محلولوں اور دواؤں وغیرہ کی بوتلیں اور ڈبے نظر آ رہے تھے۔ اسی الماری کے ساتھ تجربہ گاہوں میں کام آنے والی مختصر سی میز تھی جس پر روشن الیکٹرونک اسکرین پر ہندسوں کی صورت میں وزن بتانے والی ایک حساس ترازو موجود تھی۔

ان تمام اشیا کا تعلق تو بظاہر بوڑھے ہی سے تھا لیکن اس کے بیان کی روشنی میں یہ گمان گزرا کہ وہ دو عدد کوچ میرے لیے پریشان کن تھے جو ترتیب سے ایک طرف پہلو بہ پہلو رکھے ہوئے تھے۔

بوڑھے کی ضروریات سے فاضل وہ دو کوچ بظاہر ہمارے ہی لیے تھے۔ لیکن میرا ذہن یہ تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا کہ وہ لوگ اس کمرے میں ہم دونوں کو اس نحیف و نزار بلکہ قریب المرگ بوڑھے کے ساتھ چھوڑنے کا خطرہ مول لیں گے۔

"بیٹھو!" بوڑھے نے ہم دونوں سے مخاطب ہو کر اپنے بستر کی طرف اشارہ کیا۔ "میرے پاس تمہیں بٹھانے کے لیے کرسیاں نہیں ہیں!"

"کوئی شراب مل سکے گی؟" میں نے بوڑھے کے بستر پر بیٹھتے ہوئے فوری حکمت عملی کے تحت لاپروایانہ انداز میں پوچھا۔

"اپنی اوقات میں رہو!" سفید فام غصیلے لہجے میں غرایا۔

"ڈاکٹر آسٹن کے سامنے تمہیں یہ لہجہ زیب نہیں دیتا!" میں نے اسے سلگانے کے لیے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "یہاں پہنچنے کے بعد شاید ہمارے بارے میں تمہاری ذمہ داری ختم ہو گئی ہے!"

میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ان کی قید میں جو گزرے گی سو گزرے گی۔ اس کے بارے میں پہلے سے سوچ سوچ کر ہلکان ہونے کے بجائے جنگی انداز اختیار کیا جائے۔ ہماری طرف سے کمزوری یا پست ہمتی کا اظہار انہیں من مانی کرنے پر اکسا سکتا تھا۔ جبکہ مضبوط رویے کی بنا پر وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو سکتے تھے۔ اور تردد میں گزرنے والا ان کا ہر لمحہ ہمارے لیے بڑی قیمت رکھتا تھا۔

"میں اپنی ذمہ داری سمجھتا ہوں!" سفید فام میرے تبصرے پر حسب توقع جھنجلا گیا۔ "میں گردن توڑ کر بھی تمہیں ڈاکٹر آسٹن کے حوالے کر

سکتا ہوں۔"

"اس عمر میں مُردوں کو ڈھونا ڈاکٹر کے لیے دشوار ہوگا!" میں نے براہ راست سفید فام کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

وہ مکا تان کر میری طرف بڑھا تھا، مگر ڈاکٹر آسٹن نے پھرتی سے درمیان میں آکر اسے روک دیا! "لڑنے کی ضرورت نہیں ہے بچے۔ وقت آنے پر تمہیں بھی فن پر بالادستی کا موقع دیا جائے گا۔ چند منٹ آرام سے بیٹھو۔"

"ہاں تم کیا مانگ رہے تھے؟" مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بوڑھے آسٹن کی آنکھیں پھر چمکنے لگیں۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ مجھ سے بات کرتے ہوئے وہ عجیب سی پُرجوش کیفیت کا شکار ہو جاتا تھا۔ میرے نزدیک اس کے اس ردعمل کا ایک ہی سبب ہو سکتا تھا کہ وہ مجھے صفدر علی کے طور پر پہچان چکا تھا۔

"شراب، کوئی بھی شراب۔" میں نے کہا۔

مینا نے میرے پہلو میں کہنی ماری اور آنکھیں نکال کر بولی "کیا تم واقعی سنجیدہ ہو؟"

"جن یا اسکاچ؟" ڈاکٹر آسٹن نے میرے اور مینا کے تنازعہ کو بڑھنے کا موقع دیے بغیر تیز لہجے میں سوال کیا۔

"اسکاچ۔" میں نے کنکھیوں سے سفید فام کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ جو میری اور ڈاکٹر آسٹن کی گفتگو پر بُری طرح بل کھا رہا تھا۔

"اور خاتون کے لیے؟ شاید تھوڑی سی شیری لیں گی؟ جو میرے پاس [illegible]"

"یہ بد ذوق لڑکی ہے۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا "اسکواش کے علاوہ وہ کسی مشروب سے رغبت نہیں رکھتی۔"

ڈاکٹر آسٹن نے اپنی مسہری کے سرہانے لگی ہوئی سائیڈ ٹیبل کا چھوٹا خانہ کھول کر بلیک ڈاگ کا کندن سا دمکتا ہوا ادھا نکالا اور اپنی تجربہ گاہ والی میز پر پہنچ گیا۔

میں نے سفید فام کو قطعی نظرانداز کر کے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور یہ جان کر خوشی سے میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ زہر بجھے تیروں والی شیشی کا لمس میری انگلیوں نے محسوس کیا تھا۔ جسے میں اس وقت قطعی بھولا ہوا تھا۔

تلاشی کے دوران ان لوگوں نے صرف آتشیں اسلحہ نکالنے پر توجہ دی تھی۔ میری مملوکہ دیگر اشیا بدستور جیب میں موجود تھیں۔

چند منٹوں بعد ڈاکٹر آسٹن ہم دونوں کے لیے مشروب لے آیا۔ سفید فام کو بھی اس بار توجہ دی گئی تھی۔ اور ڈاکٹر کا ہاتھ بھی خالی نہیں تھا۔

"تمہاری کامیابی کے نام پر!" ڈاکٹر آسٹن نے گلاس والا ہاتھ فضا میں بلند کر کے سفید فام سے کہا اور اس بار سفید فام کے ساتھ میں نے بھی اپنا گلاس فضا میں لہرایا اور اس آتش صفت سیال کا پہلا گھونٹ اپنے معدے میں انڈیل لیا۔

مینا نے احتیاط کے ساتھ پہلے اسکواش کا مختصر سا گھونٹ لے کر اسے چکھا پھر ہولے ہولے گلاس خالی کرنے میں مصروف ہو گئی۔

"صفدر علی!" اپنا گلاس تقریباً خالی کرنے کے بعد ڈاکٹر آسٹن نے بغور میری طرف دیکھتے ہوئے الفاظ پر زور دے کر کہا "تو آخر کار آج تمہیں دیکھنے کی سعادت حاصل ہو ہی گئی۔"

میں نے بے چینی سی محسوس کی اور پہلو بدلنا چاہا لیکن اس وقت اچانک انکشاف ہوا کہ میں اپنے بدن کو حرکت دینے کی صلاحیت سے محروم ہو چکا تھا۔

ڈاکٹر آسٹن نے شاید میرے چہرے کے تاثرات بھانپ لیے تھے کیونکہ اس کے ہونٹوں پر غیر محسوس سی فاتحانہ مسکراہٹ رینگ آئی تھی۔

"مجھے کچھ دیا گیا ہے!" اسی لمحے مینا کی ہکلاتی ہوئی آواز ابھری "میں اپنے جسم کو کسی بھی سمت میں حرکت نہیں دے سکتی۔"

میں نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی جس میں سگریٹ دبی ہوئی تھی لیکن وہ ہاتھ سن اور مفلوج محسوس ہو رہا تھا۔

"جو کام ذہانت سے ہو سکتا ہے اس میں طاقت کا اسراف حماقت ہوتی ہے۔" میرے کانوں میں ڈاکٹر آسٹن کی آواز آئی۔ وہ سفید فام سے مخاطب تھا۔

اس وقت صورت حال یہ تھی کہ میں بول سکتا تھا، سن سکتا تھا، اپنی آنکھوں کی پتلیوں کو گردش دے سکتا تھا لیکن گردن سمیت جسم کے کسی بیرونی.... حصے کو ہلا پانا تک ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی زود اثر دوا کے سبب سے میرا پورا جسم سن ہو کر رہ گیا تھا اور شاید مینا بھی اسی صورت حال کا شکار ہوئی تھی۔

"یہ دونوں کم از کم آٹھ گھنٹے کے لیے قطعی بے ضرر ہو چکے ہیں۔" ڈاکٹر آسٹن میرے سامنے کھڑا کہہ رہا تھا۔ اس کا رخ بتا رہا تھا کہ وہ میرے بائیں طرف بیٹھے ہوئے سفید فام سے مخاطب تھا۔ "میرے ساتھ انہیں سہارا دے کر اسٹریچر تک پہنچا دو۔ اس کے بعد تم جا سکو گے۔"

"تم اگر بتا کر زہر بھی دیتے تو میں پینے سے گریز نہ کرتا!" میں نے تاسف آمیز لہجے میں کہا "تم نے ہمارے اعتماد کو دھوکہ دیا ہے ڈاکٹر آسٹن۔"

وہ ہنسا اور اس بار اس کی ہنسی میں خباثت کی جھلک نمایاں تھی "تم جیسے ہی شریف النفس ہو میں تمہاری فطرت سے خوب واقف ہوں صفدر علی.... تم جیسے لوگ اپنی جان بچانے کے لیے ایک بار کائنات کو بھی الٹ دینے پر تلے رہتے ہیں۔" وہ بولتا ہوا میرے سامنے سے غائب ہو گیا پھر سفید فام میرے سامنے سے گزرا [illegible] آسٹن کی آواز جاری رہی۔ "تم انتہا پسند بلکہ جنونی ہو.... اور اسی جنون نے تمہاری عام ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو خوف آور بنایا ہوا ہے۔ یہاں سے روانگی تک تم میرے مہمان رہو گے۔ تمہاری ذات کا تجزیہ میرے لیے شاید ایک اثاثہ ثابت ہوگا!"

"تم مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہو؟" اس بار مینا کی آواز سنائی دی جو اپنی حالت پر کسی حد تک خوفزدہ ہو گئی تھی۔

"اسی کمرے کے ایک کونے میں۔" ڈاکٹر آسٹن بولا "تم بھی معقول کارنامے سرانجام دیتی رہی ہو۔ مناسب ہے بدن تمہارے اشارے کے غلام ہیں لیکن اس وقت تم بالکل ناکارہ ہو کر رہ گئی ہو۔ اس وقت ذرا بھی زبردستی کی تو زندگی بھر کے لیے خوفناک اعصابی درد میں مبتلا ہو جاؤ گی۔ گٹھیا سے فالج تک کی بیماریوں کا کوئی بھی مریض ہو سکتا ہے۔"

چند منٹوں بعد میری بھی باری آگئی اور میں پتھر کے بت کی طرح انہیں دیکھتا رہا۔ انہوں نے بغلوں میں ہاتھ دے کر مجھے اوپر اٹھایا۔ میرے ہاتھ بے جان لوتھڑوں کی طرح جھول کر نیچے گر گئے۔ پھر مڑے ہوئے گھٹنے بھی خود بخود سیدھے ہو گئے۔

وہ دونوں مجھے سفید کوچ کی طرف لے کر چلے تو میری ٹانگیں پنجوں کے بل فرش پر گھسٹ رہی تھیں۔

میرے رخ پر جو کچھ گزر رہی تھی اس کی روشنی میں یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ ڈاکٹر آسٹن کے دیے ہوئے زہر نے پٹھوں کو اکڑانے کے بجائے اس قدر نرم کر دیا تھا کہ وہ ذرا سا بھی بوجھ سہارنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ گردن بدستور اپنی جگہ قائم تھی، ورنہ اسے بھی ذرا سے جھٹکے سے کسی طرف ڈھلک جانا چاہیے تھا۔ ہونٹ بھی بے جان سے تھے جن کی وجہ سے صحیح تلفظ کی ادائیگی دشوار تھی۔

سفید فام نے بے رحمی سے مجھے کوچ پر ڈالا لیکن مجھے جسم کے کسی بھی حصے میں درد یا تکلیف کا کوئی احساس نہیں ہوا۔

اسٹریچر نما کوچ پر میرے ہاتھ پیر سیدھے کرانے کے بعد سفید فام وہاں سے چلا گیا، کیونکہ میں نے دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں سنی تھیں۔

پھر ڈاکٹر آسٹن ایک کرسی گھسیٹ کر میرے قریب آ بیٹھا۔

"مینا کہاں ہے؟" میں نے ڈاکٹر آسٹن کا چہرہ نظر آتے ہی مضطرب لہجے میں سوال کیا۔

"تمہارے پہلو میں، دوسرے کوچ پر!" اس نے جواب دیا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ تم میرا چہرہ اس کے رخ پر گھما دو؟" میں نے درخواست کی۔

"اور اس کا چہرہ تمہاری طرف؟" وہ ہنسا "تاکہ تم دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہو اور جو باتیں میری وجہ سے زبان سے نہ کر سکو آنکھوں کے اشاروں سے کر لو؟"

"یہ وہم ہے تمہارا — میں اسے دیکھ کر اپنی حالت کا اندازہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں — اسرائیل میں تمہاری کئی فلمیں بنائی گئی تھیں، میں نے ہر فلم کو بار بار دیکھا ہے۔ اور میں تمہیں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔" وہ بار بار ایک ہی بات جتلائے جا رہا تھا "لیکن اس وقت تم بالکل بے ضرر ہو۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور مجھے داہنی طرف کروٹ دلانے لگا۔

مینا میری داہنی جانب چند فٹ کے فاصلے پر دوسرے کوچ پر بالکل بے حس و حرکت چت پڑی ہوئی تھی۔

جب ڈاکٹر آسٹن مینا کو بائیں جانب کروٹ دلانے لگا تو مینا کی زبان چل پڑی "تمہارا نام ڈاکٹر آسٹن کے بجائے ڈاکٹر شیطان ہوتا تو زیادہ مناسب ہوتا۔ صورت سے لاغر اور مسکین نظر آنے والے لیکن خواص بچھو کے پاسنگ ہیں۔"

وہ یوں ہنسا جیسے مینا نے کوئی بہت شستہ مذاق کیا ہو "جھلاہٹ اور غصہ جوانی کے منہ زور جذبے ہوتے ہیں۔ جو آدمی کو نامعقول بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ میں عمر کے اس حصے میں ہوں جہاں آدمی گالیاں کھا کے بھی بے مزہ نہیں ہوتا..... تم دونوں جس کوچ پر لیٹے ہوئے ہو اس کے گدوں کے نیچے خودکار سوئیاں نصب ہیں۔ ابھی ان کے ٹائمر سیٹ کر دوں گا۔ پھر جیسے ہی آٹھ گھنٹے پورے ہوں گے۔ کوچ کے نیچے ایک ننھی سی موٹر چلنے لگی۔ سرنج کی سوئی خود بخود تمہارے جسم کے کسی حصے پر گوشت میں داخل ہوگی اور دوا بھی زہر میں سرنج سے آہستہ آہستہ تمہارے بدن میں سرایت کر جائے گا۔ میں یہاں رہوں یا نہ رہوں تم کم از کم سولہ گھنٹوں تک اپنے جسم کو ہلا بھی نہ سکو گے۔"

اس کی باتیں سن کر میرے وجود میں خوف کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ اس بار میرا استدلال طاقت کے بجائے مکاری سے تھا۔

"تمہاری گفتگو سے یہ پتہ چل چکا ہے کہ تم اسرائیل کے تنخواہ دار ہو لیکن پھر بھی میں تمہارے بارے میں مزید جاننا چاہتا ہوں۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

"تمہاری معلومات میں اضافے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا!" وہ میرے اور مینا کے درمیان کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا "یہ عمارت یمن کی سرزمین پر چھوٹا سا اسرائیل ہے اور اس میں میری حکمرانی ہے۔ اس عمارت کا تحفظ کچھ تنخواہ دار لوگ کرتے ہیں....!"

"مائیکل ٹرمپ اور اس کے آدمی؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

میری زبان سے مائیکل ٹرمپ کا نام سن کر وہ بجلی کی طرح چونکا اور گہرا سانس لے کر بولا "لیکن ان کا اس عمارت سے کوئی واسطہ نہیں

"— لیکن اس کا نام لے کر تم نے مجھے جتا دیا ہے کہ تمھاری معلومات بالکل ہی ناقص نہیں ہیں۔" وہ لمحہ بھر کے لیے رکا پھر بولا۔ "اسے خوش فہمی ہے کہ یہاں وہ مجھ سے برتر ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔" مجھے یاد آیا کہ چیری جیکیٹ والے نے آسٹن کا تذکرہ بہت سرسری بلکہ تحقیر آمیز انداز میں کیا تھا اور شاید وہ ڈاکٹر قاسمت سعید نام بھی اس سے مرعوب نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ اچھا ہی ہوا جو میں نے مشن رولز قاسمت سعید نام کو چھپانے کے لیے ڈاکٹر آسٹن کی ذات کو بھی اپنی گفتگو میں لپیٹ لیا تھا۔

"میں جب چاہوں اسے سب کا موقع دیے بغیر موت کے گھاٹ اتار دوں۔" ڈاکٹر آسٹن کی انا اس وقت شدت سے جوش میں آئی ہوئی تھی۔ "لیکن میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا کیونکہ ذاتی اختلافات خواہ کتنے ہی شدید کیوں نہ ہوں ہم ایک مشترکہ مقصد کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ہمارا نصب العین اسرائیل کو اس حد تک طاقتور بنانا ہے کہ وہ اپنے تمام ہمسایوں کے لیے ناقابلِ شکست ڈاکو اور ناقابلِ تسخیر بن جائے۔ مائیکل ٹرمپ کی کارکردگی اچھی ہے مجھے میں لاجواب ہے۔ یہ اسی کا کام ہے کہ آج تم دونوں میرے اسیر ہو... کرنل رینا نے یہ تمھارے نام چن لیے تھے جن جیسا عظیم ٹیم فرانس میں تمھاری بربریت کا نشانہ بنا جو ناحق کا خون ہوا اور نہ جانے کتنے بڑے نام تمھارا نشانہ بنے لیکن اب تمھارا انجام کاتبِ تقدیر نے میرے حوالے کر دیا ہے تم دیکھو گے کہ میری ایجادات کتنے مہلک اور حیرت انگیز طریقے سے تمھیں اسرائیل کا غلام بنا دیتی ہیں۔ تم دونوں کے ذہن تابع الوجود ہیں۔ کچھ لوگ تمھیں سرِ تسلیم پر وہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ مگر میں تمھیں فلوٹ و اسٹار کے سامنے سر جھکائے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور میرے بیمار ذہن کی پوری ہونے کا وقت آ گیا ہے۔"

"لیکن بظاہر تو تم بھی یہاں اس کمرے کے قیدی نظر آتے ہو۔" میں نے اس سے مزید معلومات اگلوانے کے لیے اس کی انا پر چوٹ لگائی۔

"یہ میری خواب گاہ ہے۔" وہ پُرسکون رہا۔ "اس عمارت میں ایک پوری تجربہ گاہ ہے جہاں میرے ساتھ تین معاون بھی عرق ریزی کرتے ہیں پھر ہمارے نتائج اسرائیل میں اپنائے جاتے ہیں۔"

"مگر تمھیں تجربہ گاہ کے لیے جنگ زمین اسرائیل ہی کیوں نہ ملی؟ ایسے ادارے تو محفوظ ترین مقامات پر قائم کیے جاتے ہیں۔"

وہ معنی خیز اور پُرغرور انداز میں ہنسا۔ "کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ ہم حریفوں کی سرزمین پر ان ہی کے خلاف ہولناک تحقیقی تجربات کر رہے ہیں اگر کبھی یہ تجربہ گاہ برباد ہوئی تو اس کے گرد سینکڑوں فٹ کے دائرے میں کوئی ذی روح زندہ نہیں بچ سکے گا اور نہ دوبارہ کبھی سبزہ باقی رہے گا... اسرائیل چھوٹا ملک ہے مگر جمہوری ملک ہے، جہاں کے عوامی نمائندوں نے اپنی آبادیوں کے درمیان ایسی خطرناک تجربہ گاہ کے قیام کی اجازت نہیں دی جس کا تمام مال انسانی جانوں پر مشتمل ہو۔"

"تو تم انسانوں پر مہلک تجربات کرتے ہو؟" میں حیرت سے تقریباً چیخ پڑا۔

"یہاں ہر طرف ہمارے دشمن بکھرے ہوئے ہیں۔ کسی عرب کا دل اسرائیل کی نفرت سے خالی نہیں۔ جب ایسے قابلِ گردن زدنی مسلمانوں کی بہتات ہو اور انھیں فراہم کرنے والا مائیکل ٹرمپ جیسا باصلاحیت آدمی ہو تو چوہوں، خرگوشوں اور بندروں پر مہنگے تجربات وقت کے ضیاع کے مترادف ہوں گے۔ زہریلی گیس اور دوسرے کیمیاوی ہتھیار تو پرانے ہو چکے ہیں۔ ان ہتھیاروں کی چھوٹے پیمانے پر نئی آزمائش کے لیے لبنان میں فلسطینیوں کے کیمپ بکثرت واقع ہیں۔" آخری فقروں پر اس کا لب و لہجہ تضحیک آمیز اور استہزائیہ ہو گیا۔

وہ مجھ سے محض اتنی دور تھا کہ اگر میں ہاتھ بڑھاتا تو اس کا ابھرا ہوا نحیف سا نرخرا بڑے آرام سے میری گرفت میں آ جاتا۔

وہ بولی جوں جوں کھل رہا تھا اسی قدر میرا خون کھول رہا تھا لیکن میں اس شخص سے شیطان صفت بڈھے کے دیے ہوئے زہر کے زیرِ اثر غصے کے عملی اظہار کی قوت سے یکسر محروم ہو چکا تھا جس سے وہ پورا فائدہ اٹھا رہا تھا۔

چند ثانیوں تک میں خاموش رہ کر اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر اس سے سوال کیا۔ "وہ مائیکل ٹرمپ ہے کہاں؟"

"اسے بہت کم لوگوں نے دیکھا ہے مگر آج تو اس نے خود تمھیں وصول کیا ہو گا۔" ڈاکٹر آسٹن بالکل پُرسکون نظر آ رہا تھا۔

"وہ چیری جیکیٹ والا تو نہیں؟"

"وہی۔" ڈاکٹر آسٹن مسکرایا تو اس کے دانت مجھے کسی بھیڑیے کے دانتوں سے مشابہ نظر آئے۔ "آج وہ چیری جیکیٹ ہی میں تھا۔"

"مگر تمھاری ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" میں نے کہا۔

"حقیقت ہے۔" وہ لاپروائی سے بولا۔ "تم دشمن ہو کر عرب ایک سمجھ میں نہ آنے والی شکایت کرتے ہو جب کہ دوست ہو کر میری کوئی بات نہیں سمجھ پاتے۔"

"اگر تمھاری منطق کو درست مان لیا جائے تو اسرائیل اور ... کی سرزمین ہونی چاہیے۔" میں نے کہنا چاہا مگر اس نے میری بات کاٹ دی۔

"تم لوگ ٹھیک ڈھنگ سے تجربے میں مدد نہیں کر سکتے۔" وہ ... میں بولا۔ "لوٹ پیچھے ہو اگر باہر نکل کر من مانی کرنے کا ... کو اتنی زمین دے دو جو ان کی دفاعی اور قومی ضروریات کے لیے درکار ہے۔ پھر دیکھو کہ ہر طرف امن اور محبت کا پرچار ہو گا۔"

"اور دو وسیلوں کی ضرورت بات؟"

"بس ... آباد ریگستان لیے بیٹھے ہیں۔ جس میں ...

[illegible]

"تم بہت ہی ہو ڈاکٹر آسٹن!" میں نے اسے ٹوکا اور وہ خاموش ہو گیا۔

"اگر امریکہ کے عوامی نمائندے اس بنا پر تمھاری تجربہ گاہ کی مخالفت کرتے ہیں کہ اس کی ناگہانی بربادی سے علاقے میں ہلاکت پھیل سکتی۔ تو امریکی سرزمین پر کوئی ایسی ریڈ ... ہونا چاہیے اور نہ ہلاکت آمیز حیاتیاتی او کیمیاوی ہتھیار کیونکہ مادے کی صورت میں وہ تمھاری تجربہ گاہ سے زیادہ خوفناک ثابت ہوں گے۔"

"بہت ذہین ہو۔" اس نے بزرگانہ ستائش بھرے لہجے میں کہا۔ "یہی دلیل دہرائی ہے۔ جانتے ہو مجھے کیا جواب ملا تھا؟"

میں خاموش رہا۔

چند ثانیوں کے سکوت کے بعد وہ خود ہی بولا۔ "امریکی کیمیاوی ... یہود اور دشمن ترقی کے بے شعوری ... اسی طرح ہر قسم کے روایتی اور غیر روایتی ہتھیار خود دفاع کے لیے ضروری ہیں جبکہ میرے کام کا تعلق دفاع سے نہیں بلکہ پیش قدمی سے ہے۔ مثلاً تصور تو کرو کہ اردن، عراق اور شام کے وسیع علاقوں پر میرے ایجاد کیے ہوئے ہلاکت خیز بموں کی برسات کر دی جائے اور دوسرے دن اسرائیلی دستے ٹیک لگائے بغیر ان علاقوں پر دور تک قبضہ کرتے چلے جائیں۔ تو کیا دنیا ہی پر نظارہ ہو گا۔ دشمن اپنے مورچوں میں مرے ہوئے پڑے ہوں گے۔ ان کا اسلحہ اور گولہ بارود قابلِ استعمال حالت میں ہمارے سپاہیوں کے ہاتھ لگے گا۔ وہ میری ایجادات کو دفاعی تسلیم نہیں کرتے لیکن ضروری سمجھتے ہیں اسی لیے قومی سرمائے سے ایک خطیر رقم میری تجربہ گاہ کی ضروریات پر خرچ کی جاتی ہے۔"

اس بدمعاش کی ذات پورے طور پر بے نقاب ہو چکی تھی۔ مجھے معلوم ہو رہا تھا کہ اس وقت میرے مقابل جو انسانی جسم ... ہوئے تھے وہ ڈاکٹر آسٹن کے مقابلے میں سراسر معصوم تھے۔ اس ایک نابکار کو ختم کر کے ہزاروں جانوں کا اتلاف بچایا جا سکتا تھا۔

"اور تم نے کب سے یہ مستقر قائم کیا ہوا ہے؟"

"تین برس بھی پورے نہیں ہوئے اور دو اہم ایجادات اسرائیلی فوج کو دے چکا ہوں۔" اس نے کرسی کی پشت گاہ سے سر ٹکاتے ہوئے کہا۔

"یہاں ہم کس تجربے کا تختۂ مشق بنایا جائے گا؟"

"کسی بھی تجربے کا نہیں۔" وہ مسرور انداز میں ہنسا۔ "خوش قسمتی سے تم یہاں سے پوری احتیاط کے ساتھ اسرائیل بھیج دیا جائے گا جہاں بعض ... سرگرمیوں کو ... ڈاکٹر ... تمھاری یادداشت ... تبدیل کر سکے گا پھر تمھیں ... لیے کام کرتے ہو گے۔"

"عبداللطیف کہاں ہے؟" کچھ دیر کے بوجھل سکوت کے بعد میں نے اس بار بھرپور حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"ادھر — وہ زخمی ہو گیا!" وہ بے رحمانہ انداز میں ہنس دیا۔ "برابر والے کمرے میں دوسرے لوگوں کے ساتھ ہو گا۔"

"اس سے ملنا ممکن ہے؟" میں نے پوچھا۔

"رات کے دو بجے اس پر بے ہوشی کا اثر ختم ہونا شروع ہو گا۔ میں یہ کرتا ہوں کہ اسے نیا انجکشن دینے کے بجائے ویکسین دے کر ایک ... تمھارے پاس پہنچا دوں۔" اس نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"یہ ویکسین کیا بلا ہے؟" حقیقت کے لہجے میں بیزاری عیاں تھی۔

"خوبصورت مزہ ہو مگر بیحد چڑچڑے ہو۔" وہ بولا۔ "تم لوگوں کو جو دوا دی گئی ہے یہ ایک قسم کے وائرس کو پانی میں پروان چڑھا کر کشید کی جاتی ہے۔"

"اس کے ساتھ دوسرے لوگ کون ہیں؟" میں نہ چاہتے ہوئے بھی اس اذیت ناک سوال کو اپنی زبان تک آنے سے نہ روک سکا۔

"تجربوں کے منتظر قابلِ نفرت عرب!" اس کا لہجہ زہریلا ہو گیا۔ "میں چاہتا ہوں کہ ان بدنصیبوں کو اپنے تجربات میں شریک نہ کروں اس طرح گمنام مر کر بھی وہ ایک نام کما لیتے ہیں۔"

"کیا عبداللطیف زیادہ زخمی ہے؟"

"شاید مائیکل ٹرمپ کے آدمیوں نے اسے ردی کی طرح دھتکارا ہے کسی طرح بھی وہ دو دن سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکے گا۔ اسی لیے میں نے کل شام اس پر ایک تجربہ کرنے کا بندوبست کر لیا ہے۔"

"کیا تم اسے بھی قدرتی موت نہ مرنے دو گے؟" عبداللطیف کے بارے میں اس تجربہ ... کر بے اختیار دل بھر آیا۔

"ہم یہودیوں کا ایمان ہے کہ موت جلد اور جیسے بھی آئے قدرت ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔" اس نے کمال بے نیازی سے جواب دیا۔ "کل میں یہ ثابت کروں گا کہ بعض نیم مردہ شخص کے عالمِ نزع کے کیمیاوی حملے میں بچنے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں۔"

"تم اسے معاف نہیں کر سکتے ڈاکٹر؟" میں نے دکھ بھرے لہجے میں سوال کیا۔

"اس کا سانس اکھڑا ہوا ہے۔" وہ میری سنی ان سنی کر کے پرخیال لہجے میں بولتا رہا۔ "طاقتور ترین بم بھی استعمال کیا جائے تو کاربن مانو آکسائیڈ کے اثرات سطحِ زمین سے دس فٹ کی بلندی تک محض دس منٹ تک برقرار رہتے ہیں پھر بتدریج تحلیل ہو جاتے ہیں۔ مگر ایک تندرست آدمی خطرہ بھانپ کر سانس روک بھی لے تو زیادہ سے زیادہ ایک منٹ ایسا کر سکے گا اس کے بعد اگلا ایک منٹ اس کی ہلاکت کے لیے کافی ہو گا مگر میرا دعویٰ ہے کہ تمھارا دوست پانچ منٹ سے زیادہ زندہ رہے گا۔ میں اسے اس وقت تک کاربن مونو آکسائیڈ کی شفاف نقاب میں رکھوں گا جب

تک اس کا آخری سانس بھی منقطع ہو جائے۔"

میں نے آنکھیں بند کرنی چاہیں لیکن پپوٹوں کو جنبش نہ ہوئی، کان بند کرنے چاہے مگر دونوں ہاتھ بے سدھ تھے۔

"تمہاری باتوں سے غرور کی بو آ رہی ہے ڈاکٹر آسٹن!" سیمنا کی آواز سنائی دی "شاید تم بھی مائیکل ٹرمپ کے کوئی فاتر العقل قیدی ہو اور اسی لیے تمہارے ساتھ بند کیا گیا ہے کہ تمہارا حشر دیکھ کر ہم اس سے مرعوب ہو جائیں۔"

"یہ کیا بکواس ہے؟" وہ پہلی بار کسی بھیڑیے کی طرح غرایا اور مجھے خوشی ہوئی کہ اس طرح کم از کم اسے ایک ذہنی جھٹکا تو لگا ہی تھا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ تجربہ گاہ وغیرہ سب تمہارے اپنے ذہن کی پیداوار ہے اور تم ہر خیالی کام کا سہرا اپنے سر باندھنے کے عادی ہو۔ تمہاری جگہ کائنات اسی کمرے پر مشتمل ہے۔"

"زبان بند کرو اپنی!" وہ غصے میں تقریباً چیخ پڑا۔

"اسے تمہارا زہر بند نہ کر سکا تو خود کیا بند ہوگی؟" سیمنا مضحکہ خیز لہجے میں بولی اور اسی وقت مجھے یہ خیال آیا کہ ہم دونوں کو سرکشی کے لیے مائیکل ٹرمپ اور ڈاکٹر آسٹن نے یہ سوچ کر خود ہی کھلا پرمٹ دیا تھا کہ ان کا مشن ہمیں زندہ سلامت اسرائیل پہنچانے تک محدود تھا یعنی وہ کبھی ہنر دے سکتے تھے مگر دینے کا حق نہیں رکھتے تھے۔

"پوچھنے کی ضرورت نہیں ڈاکٹر آسٹن!" سیمنا نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ "تمہاری باتوں میں تضاد ہے۔ پہلے تم نے کہا کہ اپنی تجربات سے سہل اور غیر محسوس طریقے پر ہمیں اسرائیل کا غلام بنا دو گے پھر بولے کہ اسرائیل میں ڈاکٹر مسکیو یہ کام سرانجام دے گا۔ ایک طرف تم انسانی عادات اور فطرت کے اسیر ہونے کے دعوے دار ہو تو دوسری طرف مہلک کیمیاوی ہتھیاروں کی تیاری میں مہارت کا اظہار کر رہے ہو؟"

"یہ سب درست ہے؟" وہ جھلاتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "خواب گاہ میں بعض آلات و سامان ایسے ہیں جو بعض اوقات ذہنی طور پر کام میں مصروف ہو جاتا ہوں۔ میں نے ابھی کمرے میں ایسی منشیات دریافت کی ہیں جو انسان کی قوت ارادی کو عارضی طور پر بالکل برباد کر دیتی ہیں اور اسے جو ہدایات دی جائیں وہ ذہن کے لاشعور میں جم جاتی ہیں جن پر وہ حواس بحال ہونے کے بعد رضا کارانہ رغبت کے ساتھ عمل کرتا ہے۔ ایسی منشیات کے نیچے تلے کورس کے بعد آدمی کی شخصیت نئے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔ اسکوائنے دارے میں میری ان ہی منشیات سے کام لے رہے کام وہی کرے گا لیکن عمل میرا بتایا ہوا ہوگا۔ وہی فطرت شناسی کی بجائے اس تو کان کھول کر سن لو کہ میرے تجربات ہر قسم کے انسانوں پر ہوتے ہیں۔ خوف، دہشت اور بے یقینی کے حالات میں انسان کے بدلتے ہوئے رویوں کا مطالعہ میری ڈیوٹی ہے جس کا بیرون پسند سے بھی خاصا تعلق ہے اس کے ذریعے مجھے تجربات کی مناسبت سے موں کے انتخاب میں آسانی ہوتی ہے۔"

"نیچے جاؤ!" سیمنا اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے بولی "جب تک بے حس و حرکت پڑے ہیں تمہاری ہرزہ سرائی سننی ہی پڑے گی۔"

ڈاکٹر آسٹن کی آنکھوں میں غصے کے ساتھ ہی بے بسی ابھر آئی۔ شاید زندگی میں کسی نے اس طرح کھل کر اس کا مضحکہ اڑانے کی جسارت نہیں کی تھی۔

"آخر تم مجھے کیوں مشتعل کرنا چاہ رہی ہو؟" اس نے سیمنا سے سوال کیا۔

"اشتعال اور غصے سے تمہارا کیا تعلق؟ یہ تو نوجوانوں کے روگ ہیں" سیمنا کا رویہ بدستور جارحانہ ہی رہا۔

"تب پھر تم ذکی لڑکی ہو؟"

"صرف ایک صورت میں" سیمنا نے برجستہ کہا "وہ یہ کہ تم مجھے ایک کریہہ زبان سے سکھا دو کہ وہ کیسے کو تم جھنگ کر اپنی خود ساختہ منشیات پلا کر حکم دو جس کا پابند ہو وہ خود بھی تر ہو جائے گا۔"

وہ جھلا کر ہنس پڑا "اس ایک مطالبے کے لیے اتنا چکر چلانے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہارا اور کسی بندر کا تماشا تو میں خود دیکھنا چاہتا ہوں لیکن یہ یاد رکھنا کہ میں نے ہی تم کو کوئی جا دیکھ رہا ہوگی۔ تم ان دکھیں کے زیر اثر رہو گی اور تمہاری تماشا کرنے کے مقفل دروازے کے پیچھے ہو گا تاکہ تم کسی بندر کو تخریب کار بنا کر بربادی پھیلانے میں کامیاب نہ ہو سکو۔"

سیمنا کا عندیہ یقیناً وہی تھا جو ڈاکٹر آسٹن سمجھا تھا لیکن سیمنا اتنی آسانی سے ہتھیار ڈالنے والی نہیں تھی۔

"میرے اس مطالبے کی بجائے خود کوئی حیثیت نہیں۔ بس انہی کولوں کی فوج میں سے کوئی بھی جو پکڑ کے ہوئے ایک بندر کو باسانی بھی ہلا سکتا ہے۔" اس نے کہا۔

"یہ بحث غیر ضروری ہے ڈاکٹر!" میں نے موضوع کو اب ختم کرتے ہوئے کہا۔ "اگر ہو سکے تو عبداللطیف کو دیکھ لو ہم بہت تھکے ہوئے ہیں کچھ دیر کے لیے سونا بھی چاہتے ہیں۔"

وہ میرے کوچ کے قریب آ کر فرش پر اکڑوں بیٹھ گیا۔

پھر کوچ کے نیچے کچھ کارروائی کرتا دکھائی دینے لگا۔

"کیا کر رہے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"دکھیں کے پوسٹ ڈوز کے لیے ٹائم سیٹ کر رہا ہوں" اس نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا۔ "میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا۔"

یہی کارروائی اس نے سیمنا کے کوچ کے نیچے بھی کی پھر اس کمرے کی دیوار میں نصب ایک دروازہ کھول کر اس میں غائب ہو گیا۔

وہ دروازہ میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا لیکن اسے غسل خانہ وغیرہ میں جانے کا راستہ سمجھا تھا جب کہ وہ کمرہ شاید اسی دروازے کے ذریعے دوسرے کمرے سے ملا ہوا تھا۔

چند منٹ بعد ڈاکٹر آسٹن گینڈوں کا ایک اور کوچ دھکیلتا ہوا کمرے میں لوٹ آیا اور اس نے کوچ کو میرے اور سیمنا کے درمیان لگا دیا۔

عبداللطیف کی حالت واقعی بہت خراب تھی۔ اس کا بدن جا بجا خون آلود پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ پیشانی پر بھی خاصی دبیز ڈریسنگ نظر آ رہی تھی جس سے رسنے والا خون اس کے چہرے سے بہہ کر گردن پر جما ہوا تھا۔

مجھے اس کی حالت دیکھ کر دلی صدمہ ہوا وہ بے چارہ محض میری اور سیمنا کی وجہ سے اس حال کو پہنچایا گیا تھا اور اگر کوئی معجزہ ہی رونما نہ ہوتا تو اگلی شام کو اسے ڈاکٹر آسٹن کے ہاتھوں موت کے منہ میں جانے سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔

ڈاکٹر آسٹن نے باری باری دو سرنجوں سے عبداللطیف کے جسم میں دو مختلف سیال انجکٹ کیے پھر بولا "یہ جلد ہی ہوش میں آ جائے گا لیکن تمہاری طرح بے سدھ رہے گا۔ صبح میں دوسری صلاحیت بحال کروں گا بس بے ہوش کر دوں گا۔"

ہم دونوں میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔

"ہوش میں آنے پر اسے صرف نقاہت محسوس ہو گی تکلیف کا کوئی احساس نہیں ہوگا۔ یہ نہ بتانا کہ وہ بری طرح زخمی ہے۔" ڈاکٹر آسٹن نے کہا۔

"ہم محتاط رہیں گے" میں نے دونوں کی طرف سے کہا۔

"میں آج رات دوسرے کمرے میں سونے جا رہا ہوں تاکہ تمہاری آزادی میں خلل واقع نہ ہو۔ صبح سویرے واپس آؤں گا۔" یہ کہہ کر وہ چلتا ہوا ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

نکاسی کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی مدھم سی آواز آئی لیکن میرا دل یہ تسلیم نہ کر سکا کہ ڈاکٹر آسٹن واقعی وہاں سے چلا گیا تھا۔

مجھے قوی اندیشہ تھا کہ ... دروازہ کھول کر اس نے ہمیں یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ وہ چلا گیا لیکن درحقیقت وہ اسی کمرے میں موجود تھا اور ہماری نگاہوں سے دور رہ کر ہماری گفتگو سننے کی کوشش میں مصروف تھا۔

"وہ گیا نہیں، یہیں موجود ہے" میں سوچتا ہی رہا اور سیمنا نے بآواز بلند اسی اندیشے کا اظہار بھی کر ڈالا جو میرے ذہن میں کلبلا رہا تھا۔

"اسے یہاں رکنے کی کیا ضرورت تھی؟" اگر وہ کمرے ہی میں تھا تو میں نے محض اسے سنانے کی نیت سے کہا۔ "وہ ہمیں بچھوؤں سے بھی بدتر کر چکا ہے۔ اس حالت میں ہم ایسی کیا حرکت کر سکیں گے جس کے لیے وہ اپنی بقیہ رات خراب کرے؟"

"وہ بہت بدمعاش ہے۔ اللہ جانے ہماری کیا باتیں ہی سننی چاہے گا" سیمنا اس کے بارے میں کسی رعایت سے کام لینے پر آمادہ نہیں تھی۔

"ہو سکتا ہے" میں نے لاپروائی سے کہا "ان حالات میں ہماری گفتگو سے ایک ماہر کارروائی بیٹھا بھلا کیا لطف لے سکے گا۔"

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ ہم دونوں بے حس مجسموں کی طرح اپنے اپنے کوچ پر دراز ایک دوسرے کے چہرے دیکھتے رہے۔

میں اس وقت اپنی زندگی کی بدترین صورت حال سے دوچار تھا۔ پوری طرح آزاد ہوتے ہوئے بھی اپنے ہاتھ پیر تو کیا زبان تک پر اختیار نہیں رہا تھا جس کی وجہ سے بعض الفاظ کے تلفظ کی ادائیگی میں دشواری ہو رہی تھی۔

میرا دل چاہا کہ اپنی بے بسی پر دل کھول کر قہقہہ لگاؤں، لیکن جبڑے بھی ناکارہ ہو چکے تھے۔ قہقہے کی جگہ حلق سے محض ایک مضحکہ خیز آواز ہی پیدا کی جا سکتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد عبداللطیف کو ہوش آ گیا۔ اس وقت تک میں سیمنا سے اسرائیل میں ہنر منفی کے امکانات پر بحث کر رہا تھا۔ اور وہ مسلسل چڑھتی جا رہی تھی۔

"مصطفیٰ... ذرا" عبداللطیف کے ہونٹوں سے کانپتی ہوئی نحیف سی آواز برآمد ہوئی جسے سن کر ہم دونوں چونک پڑے۔

"میں تمہارے قریب موجود ہوں لطیف" میں نے جلد آواز میں کہا۔

"میری مدد کرو۔" اس کی آواز سے بلا کی بے چارگی عیاں تھی "میں نہ ہل جل سکتا ہوں اور نہ آنکھیں کھول سکتا ہوں لیکن تمہاری آواز سن رہا ہوں۔"

ہوش میں آنے سے پہلے چونکہ وہ دکھیں کے زیر اثر آ چکا تھا لہٰذا اس کے پپوٹوں کا نہ کھلنا میرے لیے قابل فہم تھا۔

"میری بھی یہی حالت ہے" فرق صرف اتنا ہے کہ میری آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ میں نے اسے اپنی بے چارگی سے آگاہ کیا۔

"مجھے تو کوئی صدمہ ہے کہ میں انہیں نہ بچا سکا ان درندوں نے ڈرینے سے واپسی پر ہی مجھے اٹھا لیا تھا پھر تمہارے بارے میں بازپرس شروع کر دی مجھے انکار پر انہوں نے بے دردی سے ادھیڑنا شروع کر

دیا۔ "پھر کسی خیال کے تحت چونک کر اس نے سوال کیا "بھابی کہاں ہے؟"

"میں بھی یہیں اسی حال میں ہوں" سیتا نے جواب دیا۔

"میں شرمندہ ہوں بھابی!" اس کے لہجے میں دکھ کے ساتھ ندامت بھی تھی "میں نے ان کا بدترین تشدد برداشت کیا مگر وہ بلا نائٹ پھر چلانے کب میری قوت برداشت جواب دے گئی مجھے کچھ یاد نہیں کہ میں نے انہیں کیا بتایا... تم دونوں یہاں ہو اس کا مطلب ہے کہ سچ میری زبان سے نکلا اور تم دونوں عتاب میں آ گئے"

"تمھاری جگہ میں ہوتا تو شاید اتنا تشدد سہنے سے پہلے ہی زبان کھول بیٹھتا" میں نے نرم اور تشفی آمیز لہجے میں کہا۔

"بہلاوہ نہ دو میرے دوست!" اس کا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔ "سوچا تھا کہ مر جاؤں گا لیکن زبان نہیں کھولوں گا مگر زبان کھل ہی گئی اور اب مرنا بھی پڑے گا"

میرا دل دہل اٹھا۔

اس کی چھٹی حس نے موت کی بو سونگھ لی تھی۔

"مگر عجیب بات ہے کہ اس قدر تشدد کے باوجود میرے جسم میں کہیں تکلیف نہیں ہے" وہ کمزور آواز میں کہہ رہا تھا "بس شدید نقاہت سی ہے"

"انھوں نے ہم سب کے بدن سن کیے ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے تمہیں تکلیف کا احساس نہیں ہو رہا" میں اس کے لیے اپنے دل میں رحم اور ہمدردی کے بے پناہ جذبات امڈتے محسوس کر رہا تھا۔

"کیا ان میں سے کوئی ہمیں یہاں ہے؟" اس نے رک رک کر سوال کیا۔

"نہیں۔ بس ہم تینوں ہی ہیں" میں نے کہا۔

"شاید ڈاکٹر احسن نامی ایک خبیث اسی کمرے میں چھپا ہماری باتیں سن رہا ہے" سیتا نے تیز لہجے میں میری تردید کی۔

"بلاؤ اسے!" عبداللطیف کراہا "میرا گلا خشک ہو رہا ہے چند قطرے پانی"

"احسن!" میں نے اپنی تمام تر قوت مجتمع کر کے اسے پکارا۔

لیکن آواز کی گونج اسی کمرے کی چار دیواری میں دفن ہو کر رہ گئی۔

میری آنکھوں میں نمی تیرنے لگی اور بصارت دھندلا گئی۔

"پانی!" عبداللطیف پھر کراہا "ہائیکل ٹریسپ سے خطرناک بے معنی ہو۔ مان لینا اللہ تمہارے جلن کے چھینٹے جھنجھوڑے اڑوا دے گا"

"تم فکر نہ کرو۔ ہم تینوں جلد ہی یہاں سے نکلیں گے" میری آواز بھرا گئی تھی۔

"تم دونوں" اس نے دل گرفتہ آواز میں کہا "میرا شاید آخری وقت آ گیا ہے مجھے معاف کرنا۔ مضبوط! میں تمہیں تحفظ نہ دے سکا"

میری آنکھوں سے آنسو ابلنے لگے جس کی اوٹ میں ہر چیز دھندلا گئی۔ حتی کہ میری آواز بھی ان آنسوؤں میں ایسی ڈوبی کہ حلق سے باہر نہ نکل سکی مگر میرے کان عبداللطیف کی بڑبڑاہٹیں سن رہے تھے۔ وہ مسلمان تھا اور اس کا خیال تھا کہ اس کا آخری وقت آ پہنچا تھا لہذا وہ کلمہ پڑھ رہا تھا۔ بے اختیار میری زبان پر آیات مقدسہ رواں ہو گئیں۔ اس کا دم ٹوٹ رہا تھا، دنیا ہی بستر تھا ورنہ اگلی شام اس سے کہیں زیادہ دردناک موت اس کا مقدر بن سکتی۔

اس پر یہ کیفیت محض چند سیکنڈ تک طاری رہی۔ میں صرف سن رہا تھا۔ آنسوؤں کی دھند سے آگے میرے لیے کچھ دیکھنا ممکن نہیں رہا تھا۔

پھر ایک تیز ہچکی کے ساتھ اس نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سینے پر سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا ہو۔ موت بہرصورت اس کا مقدر قرار پا چکی تھی لیکن یہ سوچ کر کہ ڈاکٹر احسن کو شکست دے دی گئی جو اسے کتابت اذیت سے ہلاک کر سکنے کے بعد مارنے کا منصوبہ بنا چکا تھا۔

کمرے میں موت کا بوجھل سکوت طاری ہو گیا جو لحظہ بہ لحظہ طویل تر ہی ہوتا چلا گیا۔

جب آنسوؤں کی دھند رفتہ رفتہ صاف ہوئی تو مجھے درمیان میں رکھا ہوا کوچ نظر آیا جہاں سکوت طاری تھا۔ اس سے دوسری طرف سیتا کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھیں۔

کافی دیر گزر گئی مگر ہم دونوں میں سے کوئی بھی سکوت توڑنے کی ہمت نہ کر سکا۔

کم و بیش دس منٹ بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور کوئی اندر داخل ہوا۔

"کیا ہو رہا ہے؟" ڈاکٹر احسن کی آواز کے بعد اس کا چہرہ نمودار ہوا۔ اس وقت وہ شب خوابی کے لباس میں تھا۔

"تمہارا تجربہ بری طرح ناکام ہو گیا ڈاکٹر!" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "تمہیں ہائیکل ٹریسپ سے کہنا ہو گا کہ وہ دوبارہ کسی اور کو اغوا کرے تاکہ خراب تنفس پر زہریلی گیس کے اثرات کا تمہارا عجیب تجربہ پورا ہو سکے"

"کیوں؟" اس نے سوال کیا اور اسی لمحے اس نے عبداللطیف کے چہرے پر شاید موت کی ابدی تحریر پڑھ لی کیونکہ وہ جہاں تھا وہیں کا وہیں رک گیا۔

اس کے ہونٹ بھنچ گئے تھے اور چہرہ بالکل سپاٹ ہو گیا تھا۔

"تمہارا خیال تھا کہ مرنے والے کی زندگی اور موت کا انحصار

تمہاری مرضی پر رہ گیا ہے لیکن ہم سب کے عزائم پر بھی کوئی قوت حاوی ہے ڈاکٹر احسن!" چند ثانیوں بعد میں نے کہا "تم بڑے وثوق سے اپنے تجربات کی بات کرتے ہو لیکن کسی وقت یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی تم پر غالب آ کر تمہاری زہریلی گیسیں تم پر ہی آزما ڈالے اور تم عبرت کا شاہکار بن جاؤ"

اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری جو بتدریج گہری ہوتی چلی گئی "یہ محض تصور اور یہ محکوم لوگ کام کیسے جاتے ہیں اور کمزور شیت کی آڑ لے کر صرف سوچتے ہی رہ جاتے ہیں۔ انسانی سوچ کو شاید اسی لیے آزاد چھوڑ دیا گیا ہے کہ پست ہمت اپنے تصور میں اپنے تخیل کی بڑی تصویریں بنا کر اپنا دل ٹھنڈا کر لیا کریں۔ انہیں عمل کی زحمت سے دوچار نہ ہونا پڑے.... اس وقت تمہاری کیفیت بھی یہی ہے لیکن یاد رکھو! کوؤں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے"

"اب اس لاش کو پامال نہ کرنا" سیتا نے اسے دروازے کی طرف کھینچتے دیکھ کر کہا۔

"فکر نہ کرو۔ مردوں کی حرمت سے ہم بھی واقف ہیں" وہ سر اٹھا کر طنزیہ لہجے میں بولا۔

اس نے وہ کوچ ہلاتے درمیان سے ہٹا کر کمرے کے وسط میں چھوڑ دیا اور باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد سفید کپڑوں میں ملبوس دو مرد وہاں آئے اور ہم دونوں پر ذرا سی بھی توجہ دیے بغیر کوچ کو دھکیلتے ہوئے باہر لے گئے۔

"عجیب مجبوری اور بے بسی کی کیفیت ہے" میں نے کہا۔

"کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا" سیتا بولی "میرے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ہمیں اس مشروب میں ایسی خطرناک چیز دے گا"

"مجھے شبہ تھا" میں نے اعتراف کیا "اس کے باوجود میں نے دیدہ دانستہ اسکاچ سے گریز نہیں کیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ ہمیں بے ہوشی کی دوا دے گا مگر اس نے تو ہمیں مفلوج اور لاچار کر کے بازی ہی الٹ دی"

"اگر تم اس سے شراب طلب نہ کرتے تو اس وقت ہماری یہ حالت نہ ہوتی" اس کا لہجہ ملامت آمیز ہو گیا "نہ جانے شراب میں وہ کون سا نشہ ہے کہ تم اس کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے۔ ہم یہاں زندگی کے طور پر تو گئے تھے کسی دعوت میں نہیں آئے تھے"

"میرا مقصد صرف یہ تھا کہ اسے باتوں میں لگا کر کسی نہ کسی بحث سے الجھانا تھا۔ اور تم نے دیکھا کہ بعد میں احسن نے ہائیکل ٹریسپ پر بھی بالادستی جتلانے کے لیے کیا کچھ کہہ ڈالا.... یہ تمہارا وہم ہے کہ میں شراب طلب نہ کرتا تو صورت حال مختلف ہوتی"

"وہ زبردستی ہمیں کچھ نہیں کھلا پلا سکتا تھا"

"مگر انجکشن تو لگا سکتا تھا!" اس نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا "بیہوشی کا انجکشن اب بھی لگایا جائے گا" "تم کیوں جھلا رہی ہو؟"

"جو بھی ہوتا اس قدر اچانک اور غیر متوقع نہ ہوتا۔ اگر وہ طاقت استعمال کر کے ہمیں زیر کرنے کی کوشش کرتے تو مزاحمت کے دوران بھی کوئی راہ نکل سکتی تھی۔ ہم دونوں میں سے کوئی بھی خوشی سے اپنا بازو کھول کر پیش نہ کرتا کہ وہ جس قسم کا چاہیں انجکشن ٹھونک دیں"

اس کا انداز بہت مدلل تھا۔

"جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب اس پر دماغ کھپانا بے سود ہے۔ ہو سکے تو آئندہ کے لیے کوئی راہ متعین کرنے کی کوشش کرو"

"بہت کچھ کیا جا سکتا ہے مگر اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ ایک بار کچھ دیر کے لیے جسمانی طور پر ہم اعتدال پر آ جائیں"

"موجودہ صورت حال میں یہ مشکل نظر آتا ہے" میں نے کہا۔

"پہلے قطرہ کا اثر زائل ہونے سے پہلے خود کار طریقے پر دوسرا قطرہ لگا دیا تو اثر زائل ہونے سے قبل پہلی حالت اعتدال پر ہرگز نہ آ سکے گی۔ اور وہاں دوسرا قطرہ بھی پڑ جائے گا۔"

"اس بار یہ لوگ بہت محتاط ہیں" وہ بولی "ان سے میرا تو براہ راست پہلا واسطہ پڑا ہے لیکن ان میں تمہاری شہرت بہت خراب ہے"

"میرا خیال ہے کہ تمہارے کان مجھ سے زیادہ حساس ہیں" میں نے دبی دبی آواز میں کہا "ذرا سن کر تو دیکھو کہ یہاں کوئی اور تو موجود نہیں ہے؟"

چند ثانیے خاموشی کے بعد کمرے میں سناٹا چھا گیا۔

"کوئی نہیں ہے" سیتا نے اعلان کیا "عبداللطیف کو یہاں چھوڑنے کے بعد وہ باہر نہیں گیا تھا۔ دروازے کو کھول کر ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی تھی مگر تم میری بات ماننے پر تیار نہ تھے"

"عبداللطیف کے مرنے کے بعد وہ آیا تو اس کے جسم پر شب خوابی کا لباس تھا"

"ہم ہلنے جلنے کے بھی قابل نہیں ہیں۔ اس نے اسی کمرے کے کسی گوشے میں لباس بدل لیا ہو گا۔ وہ ہماری اور عبداللطیف کی گفتگو سننا چاہتا تھا"

"بہرحال میں تمہاری بات کے ساتھ یہ کہ تمہارے کان واقعی تیز ہو گئے ہیں۔"

"شاید تمہیں یہ جان کر حیرت ہو کہ میں بچپن میں زمین سے کان لگا کر کئی کوس دور کی آہٹ صاف سن لیتی تھی"

"تمہارے بارے میں ایک حیرت کی ساری منزلوں سے گزر چکا ہوں تم سے شادی نہ کی ہوتی تو شاید ابھی تک حیران ہو رہا ہوتا"

"تم کسی کی موجودگی کے بارے میں کیوں پوچھ رہے تھے؟"

"رشتے کے حوالے سے عادتاً پوچھ لیا تھا۔ دیکھو کہیں ہم ہوکے

ٹھیلنے سے بھی معذور ہوں۔" میں نے خوش دلی سے کہا۔

"بعض اوقات تم گرد و پیش کو بالکل فراموش کر بیٹھتے ہو۔۔؟"

اس کا لہجہ قدرے چڑچڑا تھا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تمہاری وفاقت کا کمال ہے وہ پانچ برس بعد گرد و پیش کے علاوہ کچھ سجھائی نہیں دے گا اور تصوف کے مسائل پر توجہ دینے کے لیے وہی عمر مناسب ہوتی ہے۔"

"کمال ہے کہ تم اس وقت بھی ایسی باتیں کر رہے ہو۔"

"دل بہت بوجھل ہو رہا ہے سیتا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ عبداللطیف کی موت کا داغ دل کو لگانے کے لیے دل کا بوجھ دیا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ میں یوسف کے بارے میں پریشان ہوں اب تک اس کی جانب سے کوئی نہ کوئی کارروائی ہونی چاہیے تھی۔"

"ایسا تو نہیں ہے کہ وہ کسی وجہ سے تعاقب جاری نہ رکھ سکا ہو؟" سیتا نے ایک قوی امکان کے بارے میں سوال کر ڈالا۔

"خدا کرے کہ ایسا نہ ہوا ہو۔" میں نے خلوص دل سے کہا۔ "ورنہ ہم جیتے تو یہ لوگ عمر بھر کسی کو پتہ بھی نہ چل سکے گا کہ ہم دونوں کہاں گئے۔"

"مگر اب تک وہ کہاں ہے؟" سیتا مضطرب ہو گئی۔ "ہمیں یہاں پہنچے ہوئے کافی وقت گزر چکا ہے وہ کب آئے گا۔"

"شاید فقری جمع کر رہا ہو۔" میں یوسف کے بارے میں پر اعتبار سے پُر امید رہنا چاہتا تھا۔ "اس جگہ اکیلے گھسنا بھی خطرناک ہو سکتا ہے۔"

"اور اگر وہ گھسنے کے بعد پکڑا بھی گیا ہو؟"

"یہ نہیں ہو سکتا۔" میں نے بے اعتباری سے کہا۔ "اگر وہ پکڑا جاتا تو ہمیں اپنی مکمل شکست کا احساس دلانے کے لیے اسے یہیں لایا جاتا۔"

وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر اس کے ذہن نے ایک اور نکتہ تلاش کر لیا۔ "آستن کہہ رہا تھا کہ اس عمارت کی تباہی خطرناک ہو سکتی ہے۔"

"ظاہر ہے کہ ہمارے قید ہوتے ہوئے یوسف پوری عمارت کو بموں سے اڑانے کی حماقت نہیں کرے گا۔ اس کا نشانہ افراد ہوں گے ویسے میں موقع پا کر ڈاکٹر آستن سے اس عمارت کی تباہی سے پیدا ہونے والے امکانی خطرات پر بھی بات کروں گا۔"

وہ ڈاکٹر آستن ہمارے کمرے میں آیا تو قرینے کے لباس میں بالکل تازہ دم نظر آ رہا تھا اور اس کے بشرے پر مسکراہٹ بھی نمایاں تھی۔

"رات کیسی گزری؟" اس نے رسمی لہجے میں ہم سے سوال کیا۔

"اس حالت میں نیند کا تصور بھی مشکل ہے۔" میں نے تلخی اختیار کیے بغیر کہا۔ "لیکن بھی کسر ہمارے ساتھی کی دردناک موت نے پوری کر دی۔"

اس وضاحت سے جلی سی عنودگی بھی طاری ہوتی ہے یا یہ تم پر تو اس کا اثر ہی اُلٹا ہو رہا ہے۔" اس نے حیرت سے کہا۔

"کاش کہ اعصاب کے معاملے میں بھی ایسا ہی ہوتا۔"

وہ ہنس پڑا۔ "میں نے کہا تھا کہ تصوف کی آزادی ہی انسان کی ذاتی شناخت ہوتی ہے۔ فی الحال عملی اعتبار سے تم پوری طرح ہمارے پابند ہو لیکن میری مرضی کے خلاف سوچ کر بھی شناخت کا اظہار کرنے پر قادر ہو۔ ڈاکٹر آسکر جدید منشیات کے ذریعے اس سوچ پر بھی غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔ یوں سمجھو کہ کسی بھی پرانے جسم پر ایک نئی شخصیت ابھاری جا سکتی ہے۔"

"یہ طریقہ سو فیصد کامیاب تو نہیں ہو سکتا۔" میں نے اپنے مطلب برآری کے لیے اس کی گفتگو میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔

"سو فیصد۔" اس نے پیار سے کہا۔ "ہمارے ہاں دوسرے طریقے کے خلاف قوت ارادی کام کرتی ہے اور اس پر کامیابی اور ناکامی کا دار و مدار ہوتا ہے لیکن ہمارے طریقے کی بنیاد ہی یہ ہے کہ خاص طور پر تیار کی ہوئی منشیات بتدریج قوت ارادی کو برباد کر دیتی ہیں اس کے بعد ذہن موم کا سا نجرہ جاتا ہے۔ انفرادی حالات میں وقت کی کمی بیشی ہو سکتی ہے لیکن ناکامی خارج از امکان ہے۔"

"اور اگر تمہارا کوئی شکار منشیات لینے پر آمادہ ہی نہ ہو؟"

"اول تو اسے علم ہی نہیں ہوتا کہ دیا کیا جا رہا ہے۔ جب تک میں اسے اندازہ ہوتا ہے صورتحال اس کے بس سے باہر ہو جاتی ہے اور پھر ابتداء میں تشدد بھی کیا جا سکتا ہے۔ ہر نسخہ مختلف صورتوں میں تیار کیا گیا ہے۔ مشروب اور سیال سے انجکشن تک ہر طریقہ دستیاب ہے۔"

"یہ سب تو اسرائیل میں ہو رہا ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن تمہارا کام مجھے زیادہ اہم اور بڑا نظر آتا ہے جس کے دور رس اثرات ہوں گے۔"

"کام وہ بھی ہمارا ہی ہے۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "ڈاکٹر آسکر کے ادارے کی بدولت اس وقت تل ابیب میں تین اہم ترین سفارت خانوں میں اُن کے اپنے توموں کی وفادار پالیسیوں کے طرح ہمارے ساتھ ہیں۔ ان تینوں میں سے ہر ایک کا کلیدی عہدہ ہے فائز ہے۔ ان سے ہمیں اندر کی خبر ملتی ہیں اور ان ہی کی مدد میں ہماری سیاسی اور جنگی حکمت عملی طے کی جاتی ہے۔"

"جاسوسی کا نا قابل یقین انداز ہے۔" میں نے ستائشی لہجے میں کہا۔ "شاید یہی وجہ ہے کہ اسرائیل کا ہر قدم نپا تلا اٹھتا ہے اور عالمی رد عمل کبھی اس کی توقعات کے برعکس نہیں ہوتا۔"

"اقوام متحدہ ایک عالمی یتیم خانہ ہے۔" ڈاکٹر آستن نے بہ پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "وہاں جمع ہونے والوں کی آواز میں کوئی

قوت تسلیم ہے۔ بلیک پر چلنے والی قوتیں کبھی بلند ہمیں بیں اپنی آواز نہیں اٹھا سکتیں۔ ہمارا عالمی توازن چھ ملکوں کے بجائے کسی رشتے سے وابستہ ہے۔ اور ان میں سے تین کے رازوں تک ہماری رسائی ہے۔"

"تمہاری گفتگو سے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اسرائیل کسی بہت بڑے فاتحانہ معرکے کی تیاری کر رہا ہے۔" میں نے اس بار اپنا حقیقی تاثر دہرایا تھا۔

"موجودہ سرحدوں میں اسرائیل نامکمل ہے۔" اس نے پُر عزم لہجے میں کہا۔ "فی الحال ہمیں ہماری قربانیاں چلا رہی ہیں۔ مگر کب تک؟ میثاق مقدس کی رو سے ہمارا سلطنت کا تصور آفاقی ہے۔ ہماری سرحدیں دور تک پھیلی ہونی چاہئیں اور عنقریب یہ ہو کر رہے گا۔"

"ذہنی ہتھیاروں کا حصول ان ہی تیاریوں کی ایک کڑی ہے؟"

وہ یوں ہنسا جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو۔ پھر گمبھیر لہجے میں بولا۔ "میری بات لکھ کر رکھ لو کہ تیسری جنگ عظیم — ذہنی ہتھیاروں سے شروع ہوگی اور کیمیاوی ہتھیاروں سے جیتی جائے گی۔ ایٹمی دھماکے اور تابکار ذرات کی برسات سے زیرِ زمین محفوظ پناہ گاہوں میں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا لیکن ہوا سے بھاری زہریلی گیسیں ان پناہ گاہوں کو بھی اجتماعی قبروں میں تبدیل کر دیں گی کیونکہ یہ نیچے ہی بیٹھتی ہیں۔ ان سے محفوظ ترین عمارات میں پناہ لی جا سکتی ہے جو دھماکوں سے نیچے آ رہا ہی جنگ میں کامیابی کا عمل ترین تصور اسی ہتھیاروں سے سامنے آئے گا۔ جب دشمن کی ساری افرادی قوت کو ہلاک کر کے فاتح قوم اس کے صحیح سلامت صنعتی، فوجی اور معاشی وسائل پر قابض ہوگی۔"

"اور اسرائیل کے لیے تم تنہا یہ کام کر رہے ہو؟"

"روس شدت سے جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ امریکہ بین البراعظمی ایٹمی میزائلوں میں الجھا ہوا ہے جب کہ اسرائیل نے اپنی سرحدوں سے باہر تین جگہ پر تجربہ گاہیں قائم کی ہیں اور یہ ان میں سے ایک ہے۔"

"دوسری حکومتوں کو اپنی سرزمین پر ان سرگرمیوں کا علم ہے؟"

"جب انہوں نے برداشت نہیں کیا تو ہم نے کیسے عمارت دی گئی؟" اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "یہ سب خفیہ کام ہیں۔"

"مگر یہاں تم کیا کر رہے ہو؟"

"یہ ایک بہت بڑا راز ہے۔" اس کے لہجے میں غرور سمٹ آیا۔ "لیکن اب تم اپنی بولنے کی صلاحیت تک سے معذور ہو اس لیے بتا ہی دیتا ہوں کہ یہاں ہوا سے دس گنا بھاری ایک گیس کی تیاری میں مصروف ہوں جس کے بادل اس وقت تک اپنی جگہ سے جنبش نہیں کریں گے جب تک بارش نہ ہو یا مصنوعی طریقوں سے انہیں تحلیل نہ کیا جائے۔ یہ گیس پانی میں حل ہو کر ایک تیزاب بناتی ہے جو زمین میں کھاد پیدا کر دیتا ہے۔"

"تو تم کامیاب ہو گئے؟"

"کسی بھی وقت کامیابی ہو سکتی ہے۔" اس نے کہا۔ "تجربے کے لیے سیدون کے فلسطینی کیمپ منتخب کر لیے گئے ہیں۔"

"اور اگر اس سے پہلے ہی تمہاری یہ تجربہ گاہ تباہ ہو گئی؟"

وہ بے نیازی سے ہنسا۔ "یوں تو میں بھی مر سکتا ہوں۔ اب اگر میری حرکت قلب بند ہو جائے تو بھی کام نہیں رکے گا۔ دوسرے لوگ کام آگے بڑھائیں گے..."

"تجربہ گاہ کی تباہی کی بات اس لیے کر رہا ہوں کہ یہ غیر... بلکہ دشمن ملک کی سرزمین پر واقع ہے۔"

"نیشنل ڈیفنس کونسل میں ہمارے نمائندوں کی نگرانی میں موجود ہیں..." وہ میرے سوال کو دوسرے رخ پر لے گیا۔ "کی روشنی میں کوئی اور کہیں اور کام کرے گا۔"

"اور اس علاقے کا کیا حشر ہوگا؟"

"دور تک موت راج کرے گی۔" اس نے کہا۔ "اس تجربہ گاہ میں گیسوں کے ذخائر ہی نہیں تجرباتی جراثیم بھی ہیں، وہ جراثیم جو ناقابل فہم بیماریوں کو جنم دیں گے۔"

"اور اگر تمہاری ہی کسی غلطی سے یہ تجربہ گاہ تباہ ہو جائے؟" میں اس سے تحفظ کا امکانی پہلو بہر صورت اگلوانا چاہتا تھا۔

"ظاہر ہے کہ ہم لوگ یہاں خودکشی کے لیے نہیں آئے ہیں۔" اس نے کہا۔ "حفاظت کے پہلو بھی پیش نظر ہیں۔ بموں کی برسات بھی ہو تو ہلاکت آفریں ذخیروں کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی... ہاں اگر دشمن کے قبضے کا خطرہ لاحق ہو تو چند سیکنڈ میں سارے ذخائر ایک خاص نظام سے فضا میں بکھیرے جا سکتے ہیں اور جب دشمن ان ذخائر کو چھونے کی کوشش کرے گا تو ہلاکت اور بیماریوں کا ایک ہولناک سیلاب امڈ پڑے گا جس پر قابو پانا کسی کے بس کی بات نہ ہوگی۔"

"تمہارا ضمیر ان تیاریوں پر کوئی ملامت نہیں کرتا؟"

"ہم حقائق کی دنیا میں رہ رہے ہیں۔ یہ سب رومانوی باتیں ہیں۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "جنگ میں سب کچھ جائز ہے اور ہم امکانی جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ہمارے ہتھیار... کے علاقوں میں اس کی قوت کے خلاف استعمال ہوں گے۔"

"اور اس وقت جو لوگ تمہارے تجربات کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں؟"

"بڑے مقاصد کے لیے چھوٹے اصول ہمیشہ سے قربان ہوتے آئے ہیں۔" وہ ڈھٹائی سے بولا۔ "یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔"

"ان فلسطینیوں میں ہماری بھوک بھی یاد ہے تمہیں؟" سیتا نے بیزاری کے عالم میں اسے ٹوکا۔

اس نے عطوطا ہوتے ہوئے رسٹ واچ دیکھی۔ "نصف گھنٹے بعد دوسرے ڈوز کا اثر ختم ہوگا تو تمہیں نصف گھنٹے کی آزادی ملے گی جس کے دوران دیگر ہدایات پوری کرنے کے ساتھ ہی تمہیں اپنی آتشِ شکم سرد کرنے کا موقع ملے گا۔"

یہ میرے لیے بہت دلچسپ اطلاع تھی مگر میں نے ذرہ برابر بھی اپنی خوشی کا اظہار نہیں کیا ورنہ وہ چونک سکتا تھا۔ جیسے ہی اس عمارت میں جس خوفناک صورت حال سے دوچار تھے اس کے پیشِ نظر میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ ایک بار عارضی فالج سے نجات مل گئی تو دوبارہ کسی حالت میں ان کے ہتھے نہیں چڑھوں گا۔ اسرائیل پہنچ کر خود کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑنے سے بہتر یہ تھا کہ اسی مرحلے پر ان سے مقابلہ کرتے ہوئے آزادی یا موت میں سے کسی کو اپنا لیا جائے۔

ڈاکٹر آسٹن ہمارے کیبن سے اٹھ گیا مگر اس کی آہٹیں بتا رہی تھیں کہ وہ اسی کمرے میں موجود کسی کام میں مصروف تھا۔

میری اور سیتا کی نگاہیں چار ہوئیں اور ہم بے چارگی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔ ہونٹوں کے بے حس ہونے کی وجہ سے آنکھوں کے اشاروں کا تبادلہ بھی ناممکن تھا جب کہ ڈاکٹر آسٹن کی موجودگی میں تبادلہ خیال بے سود تھا۔

چند منٹ بعد آسٹن پھر ہمارے سامنے آ گیا۔ "کوئی ہتھیار ہے تمہارے پاس؟"

"قدرت کی نوازی ہوئی نعمتوں سے تو ہم انکار نہیں کر سکتے۔"

"میں جنسی اسلحہ کی بات کر رہا تھا۔" اس نے پُر سکون لہجے میں وضاحت کی۔ وہ ہر اعتبار سے بہت ٹھنڈے دل و دماغ کا آدمی تھا۔

"یہاں آنے سے پہلے ہم دونوں کی باقاعدہ جامہ تلاشی لی گئی تھی۔" بلا نے کہتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کیا تمہارا خیال ہے کہ پائلٹ کو نکالنے جاتے ہوئے اپنے پاس کچھ چھوڑا ہوگا؟"

"مجھے احتیاط بلی کرنے کی عادت ہے۔" اس بار وہ قدرے ناگواری سے کام لیتے ہوئے انکار بھی کر سکتے تھے۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم صرف میری زبان پر ہی اعتبار نہیں کرو گے، شبہ ہوا تو دوبارہ تلاشی ضرور لی جائے گی۔"

اسی وقت دروازہ کھلنے کی آواز کے ساتھ ہی کسی بھاری قدموں کی چاپ کمرے میں داخل ہو گئی۔

چند ثانیوں بعد مجھے دو شناسا چہرے نظر آئے۔ ان میں سے ایک ہیلی کاپٹر میں ملنے والا مائیکل ٹرمپ تھا دوسرے کو پچھلی رات ... کے آدمیوں میں دیکھا تھا مگر اس کے نام سے واقف نہیں تھا۔

انہیں دیکھ کر ... لازمی تھا ... سگریٹ دانتوں سے کچل رہا تھا جو دہانے سے باہر نکلا ہوا تھا اور بار بار دہانے سے بائیں منتقل کر رہا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے آسٹن؟" اس نے ایک لمحے کے بعد بے تکلفی سے سوال کیا۔ اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ڈاکٹر آسٹن سے بہت بے تکلف تھا۔ اس سے اتنا متنفر کہ ڈاکٹر کی علمیت کا اعتراف بھی اسے گوارا نہیں تھا۔

"انہیں بیہوش ساتھ لانے کی ضرورت کیا تھی؟" ڈاکٹر آسٹن نے اسے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"یہ میں بہتر جانتا ہوں۔" مائیکل ٹرمپ کا لہجہ واضح طور پر تحقیر آمیز تھا۔ "میں چاہتا تو اپنے آدمیوں کو بھی بھیج سکتا تھا لیکن میں بذاتِ خود آیا ہوں۔"

ڈاکٹر آسٹن ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑاتا ہوا ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

"ہیلو چارلی!" اس بار مائیکل ٹرمپ مجھ سے مخاطب ہوا تھا۔ "رات کیسی گزری؟"

"بدترین!" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "اس سے تو بہتر تھا کہ رات بھر وہ حسین آنکھیں ہماری طرف اٹھی رہتیں کم از کم نیند تو آ جاتی۔"

اس کی آنکھوں میں یکایک شرارت جاگ اٹھی۔ اس نے سر گھما کر پیچھے دیکھا اور جلدی سے آگے بڑھ کر میرے اوپر جھک گیا۔

"میرے سامنے ڈاکٹر کو کمینہ کہہ دو تو ایک ڈبل پیگ پلاؤں گا۔" سرگوشیانہ لہجے میں کہہ کر وہ جلدی سے سیدھا ہو گیا۔

میں کچھ نہ بولا لیکن ان دونوں میں کشیدگی بڑھانے کے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہو گیا۔

چند منٹ بعد مجھے اپنے جسم کے مختلف حصوں میں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ اسی کیفیت کے زیر اثر جھرجھری کے انداز میں یکایک میرے پورے جسم نے جنبش کی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

ڈاکٹر آسٹن شاید دور سے میرا جائزہ لے رہا تھا کیونکہ وہ فوراً ہی لپک کر میری طرف آیا تھا۔ "جسم میں سنسناہٹ ہو رہی ہے؟"

"درد... میرا بدن درد سے پھٹا جا رہا ہے۔" اس مرتبہ میں اپنی گردن کو جنبش دینے میں کامیاب ہو گیا۔

"درد؟" ڈاکٹر آسٹن کی پیشانی پر تفکر آمیز شکنیں نمودار ہو گئیں۔ "یہ تو سراسر ناممکن ہے۔ اس کے اثرات تو بہت خوشگوار طریقے پر ختم ہوتے ہیں۔"

"تم درست کہہ رہے ہو ڈاکٹر۔" سیتا کی آواز سنائی دی —

"یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے کسی بہت ہی لطیف شے کا اثر زائل ہو رہا ہے۔"

میں نے ذرا سی کوشش کی اور کہنیوں پر چت ہو گیا۔ ایسا کرتے ہوئے میں نے اپنے حلق سے ایک بے ساختہ کراہ بھی پیدا کی۔ ڈاکٹر آسٹن نے میرا دایاں گھٹنا ٹٹولنا چاہا لیکن میں نے ہلکی سی چیخ مار کر اپنا پیر چھڑا لیا۔ "میرا پورا جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہا ہے۔"

"نہیں نہیں۔" ڈاکٹر آسٹن بے اعتباری سے بڑبڑایا۔ "یہ نہیں ہو سکتا... تم میرے برسوں کے نتائج کی نفی نہیں کر سکتے۔"

"تمہارے نتائج کی ایسی کی تیسی۔" میں جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میرا دم نکلا جا رہا ہے۔" اس وقت تک پپوٹوں اور ہونٹوں کی حرکت بھی بحال ہو چکی تھی۔

میرے فقرے پر مائیکل ٹرمپ کا قہقہہ خاصا بلند تھا۔

"تم باہر نکلو۔" ڈاکٹر آسٹن پلٹ کر اس پر برس پڑا۔ — "میرے بلائے بغیر اندر داخل ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"اور اگر بلانے کی نوبت آنے سے پہلے ہی اس نے تمہاری لاغر سی گردن دبا دی۔" مائیکل ٹرمپ کا انداز چڑانے والا تھا۔

"آپس کی چپقلش میں دشمن کے لیے راہیں پیدا نہ کرو۔ یہ احتمال پیدا ہو جاتا ہے اس وقت میں باہر جانے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔"

میں نے محسوس کیا کہ میں کوچ سے اٹھ سکتا تھا مگر میں بدستور وہیں پڑا کراہتا رہا۔ ڈاکٹر آسٹن مجھے تشویش زدہ نظروں سے گھور رہا تھا۔

اسی اثنا میں سیتا کوچ سے اتر کر نیچے آ گئی اور بے اختیار مجھ پر جھک پڑی۔ میری حالت پر وہ بہت زیادہ تشویش کا شکار ہو چکی تھی۔

"ٹانگوں اور بازوؤں کو فضا میں تیزی سے حرکت دو تاکہ جسم کے متاثرہ حصوں میں دوران خون تیز ہو سکے۔" ڈاکٹر آسٹن نے ہدایت دی۔

"میرے ہاتھ اور پیر سن ہو رہے ہیں۔" میں کراہا۔

"کیا ہو گیا، تمہیں کیا ہو گیا؟" سیتا بے اختیار میرا سینہ ٹٹولتے ہوئے بولی۔ "میں اب تو پہلے ہی کی طرح خود کو توانا محسوس کر رہی ہوں۔"

"درد اور نقاہت۔" میں نے آنکھیں موند کر کہا۔ "میرا سر چکرا رہا ہے۔"

میں سیتا سے اپنی اداکاری پوشیدہ ہی رکھنا چاہتا تھا۔ تاکہ اس کے ردعمل میں بے ساختگی برقرار رہے ورنہ اس جیسا کوئی بھی معاملے کی تہ تک پہنچ سکتا تھا۔

شاید ڈاکٹر آسٹن کا کوئی نائب بھی اس کمرے میں موجود تھا جو اس کے اشارے پر مختلف لوازم سے لدی ہوئی ایک چھوٹی ٹرالی دھکیلتا ہوا لے آیا۔

اس نے میری زبان کے نیچے تھرمامیٹر رکھ اور بازو پر پٹی باندھ کر بلڈ پریشر لینے میں مصروف ہو گیا۔ جب اس نے میری نبض پر رکھا اور وہ ہوا کا دباؤ بڑھانے لگا تو ڈاکٹر آسٹن کی نگاہیں بلڈ پریشر بتانے والے آلے کی متحرک سوئی پر جم گئیں۔

"نارمل ہے۔" اس کے نائب نے میرے بازو سے بند کھولتے ہوئے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

ڈاکٹر آسٹن نے تھرمامیٹر نکال کر دیکھا اور سپاٹ لہجے میں بولا۔ "منہ کے اندر سے اس حالت میں نارمل ہی ہے۔" اس نے اپنے نائب سے مخاطب ہو کر کہا۔ "شاید یہ کسی پرانی بیماری کا ردعمل ہے۔"

پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ "تمہیں کوئی پرانا مرض ہے؟"

"عرق النسا۔" میں نے کراہتے ہوئے کہا۔ "شدید سردیوں میں کبھی کبھی بائیں ران سے کمر تک شدید درد کی ٹیسیں اٹھتی ہیں۔"

"پھر یہی ہو سکتا ہے۔" ڈاکٹر آسٹن کا نائب پرامید لہجے میں بولا۔

ڈاکٹر آسٹن نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ "صرف ایک ہی صورت میں درد ہو سکتا ہے۔ اگر خون میں کولیسٹرول کی مقدار زیادہ ہو تو بحالی کے وقت شدید تشنج ہو سکتا ہے کیونکہ تنگ ہوتی شریانیں بڑھتے ہوئے دوران خون میں مزاحم ہوتی ہیں۔"

"ان امکانات کو جانچنے کے لیے چھوڑ دو آسٹن۔" مائیکل ٹرمپ نے قریب آ کر نرم لہجے میں کہا۔ اس وقت وہ بہت سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ "ناشتے وغیرہ سے فراغت کے بعد مجھے بھی اس سے کچھ بات چیت کرنی ہے۔"

"معاملہ گڑبڑ ہو گیا ہے۔" آسٹن کے لہجے میں تشویش نمایاں تھی۔ "اس کے اعصابی نظام کا ردعمل خطرناک ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس بار اسے ویکسین دی جائے تو اس کا اثر ختم ہونے پر اس کی تمام شریانیں ہی پھٹ جائیں۔"

"کیا یہ امکان بھی ہے؟" مائیکل ٹرمپ چونک پڑا۔

مجھے ان کی الجھنوں پر دلی مسرت ہو رہی تھی۔ لعنت کی تو بعد میں دیکھی جاتی مگر فوری فیصلے کے تحت کی گئی میری اداکاری نے ان کے سارے منصوبے تلپٹ کر دیے تھے۔

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ میں پہلی بار اس صورتحال سے دوچار ہوا ہوں۔" ڈاکٹر آسٹن اپنی پیشانی سے خیالی پسینہ صاف کرتے ہوئے بولا۔ "ویکسین کی تمام تر کارکردگی کا تعلق دوران خون کی تیزی اور بعض خلیوں کی کارکردگی سے ہے۔"

"پھر تو ہماری روانگی کا طریقہ کار بھی بدلنا پڑے گا۔" مائیکل ٹرمپ بھی پریشان ہو گیا۔

"فی الحال تو اسے سہارا دے کر اٹھاؤ۔ اس کے خون کے تجزیے کے بعد ہی ہم کسی نتیجے پر پہنچ سکیں گے۔" ڈاکٹر آسٹن نے کہا۔

دو مضبوط آدمیوں نے میری بغلوں میں سہارا دے کر مجھے بستر سے اٹھایا۔ سیتا یہ ساری کارروائی ڈبڈبائی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

میں نے اپنے پیر فرش پر چلانے کے بجائے سارا بوجھ ان دونوں پر ڈال دیا اور پھر سب کے پیچھے وہ جلوس سامنے والے کمرے میں منتقل ہو گیا جہاں قالین پر چاروں طرف آرام دہ صوفے پڑے ہوئے تھے۔

مجھے ایک صوفے پر بٹھا کر میز سامنے لائی گئی اور پھر خوردونوش کے لوازم تیزی سے سجتے گئے جن میں پھلوں کی بہتات تھی۔

میں نے تھوڑے تھوڑے وقفے سے کراہوں کا سلسلہ جاری رکھا اور اس حد تک افاقہ دکھایا کہ بہت ہی سست حرکات کے ذریعے بمشکل اپنی جیب سے سگریٹ نکالی اور چوتھی دیا سلائی سے اسے سلگا بھی لیا۔

اس وقت کمرے میں میرے اور سیتا کے علاوہ کل چھ نفوس تھے۔ دو آدمی مائیکل ٹرمپ کے ساتھ آئے تھے اور شاید شروع ہی سے بڑے بور کے خودکار پستول ہاتھوں میں لیے ہر قسم کی صورتحال کے لیے تیار تھے۔ چوتھا ڈاکٹر آسٹن، پانچواں اس کا نائب اور چھٹا شخص میز لگانے والا خدمت گار تھا۔

میری اداکاری نے وقتی طور پر ان لوگوں کے دلوں میں ہمدردی کی جگہ پیدا کر دی تھی۔ بات شروع کرنے کے لیے میری سگریٹ ختم ہونے کا انتظار کیا گیا اور ناشتے کے دوران مائیکل ٹرمپ میرے قریب آ بیٹھا۔

"تمہاری حالت قابل رحم ہے۔" مائیکل ٹرمپ نے چند ثانیوں بعد بات شروع کی۔ "اور میں نہیں چاہتا کہ تم اپنی حماقت سے اپنے مصائب میں اضافہ کرو۔"

"میں تمہاری بات سمجھا نہیں۔"

"وزیر سے تیسرا آدمی تمہارے ساتھ کیوں نہیں آیا؟" اس نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے عام سے لہجے میں سوال کیا۔

"وہ ہم سے الگ رہ کر اپنے کچھ ضروری کام کرنا چاہتا تھا۔" میں نے بلا توقف جواب دیا۔

"کیسے کام؟"

"شاید تم انہیں جانتے ہو۔"

"وہ جس طرح جانتا ہوں۔ یوسف صفا میں پی-ایل-او کا نمائندہ ہے۔"

"تو پھر تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ یہ لوگ اپنے رازوں میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتے۔" میں نے بے نیازی سے کہا۔

"تم بھی انہی میں سے ہو؟"

"ان میں سے نہیں بلکہ ان کا ہمدرد۔" میں نے تصحیح کی۔

"وزیر سے تمہاری روانگی کے وقت وہ کہاں تھا؟"

"وہیں رہ گیا تھا۔"

"اور اس نے پیچھے رہ کر یہاں تک تمہارا تعاقب کیا تھا؟"

اس کا لہجہ قدرے ترش ہو گیا۔

"نہیں۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "وزیر سے روانگی کے



وقت ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تمہیں لے جانے والا عبدالطیف کے بجائے دشمن کا آدمی ہوگا!

"مگر اس کے باوجود تعاقب کیا گیا تھا۔"

"یہ تم کس بنا پر کہتے ہو؟"

"پچھلی رات کوئی عمارت میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔" وہ ملتجی لہجے میں بولا۔ "گارڈز کے للکارنے پر وہ تاریکی کا فائدہ اٹھا کر غائب ہوگیا۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ وہم ہی رہا ہو۔" میں نے اپنی مسرت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"میں وہم نہیں حقائق کی بات کرتا ہوں۔" وہ بپھر گیا۔ "کل رات ہی تم دونوں لائے گئے ہو اور اس عمارت کی تاریخ میں پہلی بار کوئی اجنبی اندر آیا ہے۔"

"اس میں بھلا کیا دخل ہوسکتا ہے؟"

"میرے آدمی بھی چین سے نہیں بیٹھے ہیں۔" وہ غرایا۔ "مجھے پتہ چل گیا ہے کہ دنیا میں جس شخص کے مکان میں تم نے پناہ لی تھی وہ حسین الزینی کا بھتیجا ہے جسین نے اپنے ساتھیوں سے غداری کرکے تم لوگوں کا ساتھ دیا تھا اور اب وہ کتے کی موت مارا جائے گا لیکن میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ اس کے ساتھی کہاں غائب ہوگئے ہیں۔"

"اُن کی لاشیں صحرا میں مدفون ہیں۔"

"تو پھر مکان کو آگ کس نے لگائی؟"

"مکان میں آگ لگانے کے بعد ان چاروں نے ہمیں پکڑ لیا تھا اور ایک گلی میں کسی نامعلوم مکان کی طرف لے جا رہے تھے کہ حسین موقع مل گیا۔ حیدر کالا ڈاکو اور وہ کہیں مارے گئے حسین بے ہوش ہوگیا بعد میں جان بچانے کے لیے اسے تعاون کرنا پڑا۔"

"مگر تم تین ان پر کیسے غالب آگئے؟" وہ جھلاتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"شاید مقدر!" میں اس کے علاوہ اور کہہ بھی کیا سکتا تھا۔

دوران گفتگو میں نے درد اور کمزوری کے باوجود اپنی اداکاری برقرار رکھی تھی۔ میری ہر کراہ پر سیتا کے حسین چہرے پر کرب کی پرچھائیاں سی گزر جاتی تھیں۔

اسی لمحے اچانک کمرے میں کوئی الارم تیز آواز میں چیخ اٹھا۔ اور وہ سب سنسنی انداز میں بوکھلا کر اپنی جگہوں سے اٹھ گئے۔ ہر ایک کے چہرے پر تشویش اور تناؤ کے آثار پیدا ہوگئے تھے۔

الارم چند ثانیوں بعد بند ہوگیا۔

"تم دونوں یہیں ٹھہرو میں دیکھتا ہوں۔" مائیکل ٹرسپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا اور تقریباً دوڑتا ہوا اس کمرے سے نکل گیا۔

"کیا ہوا؟" میں نے ڈاکٹر آسٹن سے پوچھا جس نے اضطراری انداز میں دوبارہ سے اُدھر ٹہلنا شروع کر دیا تھا۔

"باہر کوئی خطرہ ہے۔ عمارت کے محافظوں نے یہ الارم بجایا تھا۔" ڈاکٹر آسٹن نے ہیجان آمیز لہجے میں کہا۔

"مائیکل کو تو شاید وقت نہ ملے۔" میں نے کہا۔ "کسی کو کچھ پتہ تو چلا ہوگا؟"

وہ مائیکل ٹرسپ کے ایک آدمی سے مخاطب ہوا ہی تھا کہ مائیکل دوڑتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان بولا۔ "نیچے چلے جاؤ ڈاکٹر۔ فوجیوں کی بہت بڑی جماعت نے عمارت کا محاصرہ کیا ہوا ہے۔"

"انہیں کس نے بھیجا ہے؟" خطرے کا ذکر سنتے ہی ڈاکٹر آسٹن کی حالت غیر ہونے لگی اور یہ تھا بھی درست کیونکہ بنیادی طور پر وہ علمی آدمی تھا۔ لڑائی اور تصادم اس کے لیے دور کی باتیں تھیں۔

"مائیکل ٹرسپ نے" وہ بدستور ہانپتے ہوئے بولا: "انہوں نے ... فوجی ٹرکوں میں آئے ہیں۔ وہ اندر داخل ہو کر تلاشی لینا چاہتے ہیں۔ بمشکل ... میں روکا گیا ہے وہ کسی بھی لمحے اندر داخل ہو کر ... پھیل سکتے ہیں۔"

فوجیوں کی آمد میرے لیے ناقابل فہم تھی لیکن ... وہ خبر کا ... تھی کہ ان کی آمد کے نتیجے میں عمارت کے مکین ... کا شکار ہوگئے تھے اور اس افراتفری سے ہم کوئی نہ کوئی ... صورت حال کو اپنے حق میں بدل سکتے تھے۔

"اٹھو! ... سکتے ہو تم؟" ڈاکٹر آسٹن نے تیز اضطراری لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

وقت آگیا تھا کہ میں اپنی حالت میں خفیف سی بہتری کا اظہار کرتا لہٰذا میں کراہتے ہوئے صوفے کا سہارا لے کر اپنے قدموں پہ کھڑا ہوگیا۔

"تم یہیں رہو گے۔" ڈاکٹر آسٹن نے ... کہا مگر میں نے کھڑا ہو جانے کے باوجود آگے بڑھنے کی ہمت نہ کی ...

اس لمحے مائیکل ٹرسپ کے دونوں آدمی آگے بڑھے ... میں اُن کے سہارے تیزی کے ساتھ اس کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

ڈاکٹر آسٹن اور سیتا ہمارے پیچھے چلی آ رہی تھی۔

اس وسیع راہداری کو عبور کر کے ہم ابھی ایک کمرے تک پہنچے ہی تھے کہ ڈاکٹر آسٹن نے ایک لیور گھما دیا تو اپنی طرف اور دیوار کا ایک حصہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر فرش میں دھنس گیا۔

اس کمرے کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ بکثرت زیر استعمال رہا ہے۔ دیوار کے ... شدہ حصے کے پیچھے نمودار ہونے والی ... خلا میں ایک کشادہ زینہ نظر آ رہا تھا جو دور تک چلا گیا تھا۔

پہلی سیڑھی خاصی چوڑی تھی۔ اس پہ پہنچ کر ڈاکٹر آسٹن نے اندرونی دیوار کے ... پہ نصب پہلے جیسے دستے کو کھینچا اور دیوار فرش سے نکل کر آواز پیدا کیے بغیر ٹھیک اپنی جگہ پہ تھی جیسے پہلے سے ابھری ... دیا ہو۔

دیوار کے اپنی جگہ آنے کے ساتھ ہی کسی خودکار سوئچ کے ذریعے نیچے تیز روشنی پھیل گئی اور ساتھ ہی میں ششدر رہ گیا۔ اس وقت ہم لوگ کم و بیش ساٹھ فٹ لمبے اور اسی فٹ عریض ایک زیرزمین ہال سے تقریباً بیس فٹ کی بلندی پہ موجود تھے۔ اس ہال میں کسی جدید ترین تجربہ گاہ کا سارا مرعوب کن سازو سامان موجود تھا۔ بعض میزوں کے ساتھ کئی کئی فٹ بلند شیشے کی ... ہوئے اپنی ساروں پہ کسی ... اور چند افراد ... کے واقعات کا سرسری جائزہ لینے کے بعد دوبارہ اپنے کام میں منہمک ہو چکے تھے۔

سیڑھیاں اترتے ہوئے سیتا بھی میری مدد کو آگئی لیکن اس مرحلے پہ میں دوسروں کے سہارے کے بجائے اپنے قدموں سے زیادہ کام لے رہا تھا۔

اس وسیع اور مرعوب کن زیرزمین تجربہ گاہ میں موجود لوگوں نے سرسری سی جنبش سے ڈاکٹر آسٹن کو تعظیم پیش کی اور وہ ہمارے ساتھ ہال کے آخری حصے پہ چوبی دیواروں والے کمرے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

مائیکل ٹرسپ کے آدمیوں نے مجھے احتیاط سے فرش کے ایک صوفے پہ بٹھا دیا۔ اور ڈاکٹر آسٹن اپنی بڑی سی میز کے عقب میں کرسی پہ جا بیٹھا۔ اس کے چہرے سے اس وقت تکان اور تشویش کا اظہار ہو رہا تھا۔

"تم دونوں باہر ٹھہرو۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر مائیکل ٹرسپ کے آدمیوں سے کہا۔ "ضرورت ہوگی تو بلا لیا جائے گا۔"

"تو یہ ہے تمہاری تجربہ گاہ۔" میں نے ان کے چلے جانے کے بعد ستائشی لہجے میں کہا۔

"میری زندگی کا اثاثہ ہے۔" وہ میز پہ پڑے کاغذات کو سمیٹتے ہوئے بولا: "مگر مجھے حیرت ہے کہ مقامی فوج یہاں کیا لینے آئی ہے۔"

"... مائیکل ٹرسپ کی شہرت بہت داغدار ہے۔ اس کی ... نے ان لوگوں کو ادھر متوجہ کیا ہوگا۔" میں نے کہا۔

"لیکن اس عمارت کے ... کا کسی کو بھی علم نہیں ہے۔" ... کے عالم میں اس کا لہجہ کچھ ... ہوتا چلا تھا۔

"اور تم کہتے ہو کہ تجربہ گاہ باہر کی دنیا کے لیے ایک سربستہ راز ہے۔" میں نے کہا۔ "مجھے حیرت ہے کہ تم نے یہاں اتنا سامان جمع کیا اور ... تمام ... کسی کو بھنک بھی نہ مل سکی۔"

"یہ میرا یقین ہے کہ وہ تجربہ گاہ سے بے خبر ہوں گے۔"

"اور اگر تلاشی کے دوران وہ یہاں تک پہنچ گئے؟" میں نے اُسے خوف دلایا۔

"اس سے پہلے میں ... کمرے میں پہنچ جاؤں گا۔" اس کے چہرے پر سفاکانہ مسکراہٹ عود کر آئی۔ "وہ کسی طور بھی یہاں تک نہ پہنچ سکیں گے۔"

"سینہ چھلنی کر دیں گے مقابلہ۔"

"ویسے ہی کسی برے وقت کے لیے میں نے ایک اچھا سا ... کیمیاوی ہتھیار۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر کرسی سے اٹھ گیا۔ "اس کے حملے میں ان سب کو موت کی نیند سلا دیا جائے گا۔"

"مگر کیسے؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سوال کیا۔

"گیس ماسک پہن کر میں ایک چھوٹا سا آہنی صندوق کھول دوں گا جس کے اندر سے موت برستی ہے۔ ... والوں کے ذریعے پہلے سے ... کے ساتھ اندر جانے والی گیس کی ... شکار کا خاتمہ کر دے گی۔"

یہ کہہ کر وہ دیوار کے ساتھ لگی ہوئی ایک فولادی تجوری کی طرف مڑ گیا۔

"آہ!" میرے منہ سے چیخ جس کے زیر اثر اضطراری طور پر ایک کراہ بلند کی اور وہ چونک کر میری طرف متوجہ ہو گیا اور یہی میرا مقصد بھی تھا کہ وہ فوری طور پر کوئی قدم نہ اٹھا سکے۔

"کیا ہوا؟" اس کی آواز میں تشویش تھی۔

"دل ... شدید درد" میں نے دل کے مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور وہ تیر کی طرح میری طرف آیا۔

اپنے ہاتھ میں ... ہوئی ... اس نے میز پہ ڈال دی تھیں۔ جتنی دیر میں وہ مجھ تک پہنچتا میں زہریلے تیر پھینکنے والی ... جیب سے نکال چکا تھا۔

وہ چند منٹ تک پیچھے بیٹھا کر میرے سینے پر مالش کرتا رہا اور میں نے افاقے کا اظہار بھی شروع کر دیا۔ اسی دوران میں اوپر سے پہلے ... دیگرے کئی فائروں کی مدھم سی آوازیں آئیں اور وہ بھڑک کر اٹھ گیا۔

"تصادم ہوگیا!" وہ ہذیانی انداز میں بولا۔ "اس سے پہلے کہ وہ ادھر کا رخ کریں مجھے خودکار دھماکے کا بندوبست کرکے اوپر پہنچ جانا چاہیے۔"

میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ خودکار دھماکے کی بات اس نے تجربہ گاہ کے حوالے سے ہی کی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ اپنی کوششوں میں ناکام ہو جائے اور فوجی تجربہ گاہ میں گھس آئیں تو تجربہ گاہ دھماکے سے برباد ہو جائے۔ ایسی صورت میں نہ صرف یہ تجربہ ختم ہو جاتی

بلکہ فوجیوں سمیت گرد و نواح کی آبادی بھی موت کی لپیٹ میں آ جاتی۔ ادھر پھر چند فائر ہوئے۔

"دھماکے کا بندوبست کر دو ڈاکٹر! وہ سوچ کہاں ہے؟" اُس نے اُسے گم صم دیکھ کر کہا۔

"سب تجوری میں ہے۔" اس کی آنکھوں سے یکایک آنسو بہ نکلے۔ "آج شاید میری محنت مجھے خود اپنے ہاتھوں برباد کرنی پڑے۔" یہ کہہ کر وہ تجوری کی طرف بڑھا ہی تھا کہ میں نے عقب سے اُس پر وار کر دیا۔ ننھا سا اڑنا چھوٹا تیر اس کے جسم میں پیوست ہوا، اور وہ تیورا کر وہیں گر گیا۔ میرے لیے اب اس کی فرورت ختم ہو چکی تھی۔

میں اچھل کر آگے لپکا اور اس کی لاش گھسیٹتا ہوا میز کے پیچھے لے گیا تاکہ باہر موجود محافظوں میں سے کوئی اندر آئے تو بھی اسے نہ دیکھ سکے۔

ماتت... تم... تمہارے تو جواب بے جان تھے۔" سیتا بہکے۔

سر پر کھڑی تجوری کمر پر گویا شیاد ہے میں کہہ رہی تھی۔

"وہ سب اداکاری تھی۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم جلدی کاوش کر کے تجوری کھولو۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا اور اسی لمحے

ہیکل ٹریب کا ایک آدمی دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔

میں ڈاکٹر آسٹن کی لاش میز کے پیچھے گھسیٹ کر اس وقت تک سیدھا ہو چکا تھا۔

"ڈاکٹر آسٹن کہاں ہے؟" اس نے تیز نظروں سے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے تحت سے یہ سوال کیا۔ "وہ تم لوگ تنہا کیسے ہو گئے ہو؟"

"وہ شاید گولیاں چل رہی ہیں۔" میں نے لہجے کو حتی الامکان پرسکون رکھتے ہوئے کہا۔ "ڈاکٹر کرسی پر بیٹھے بیٹھے خوف اور صدمے سے بے ہوش ہو گیا۔"

"مگر وہ ہے کہاں؟" وہ بے تابی سے غرایا۔

"کرسی سے پھسل کر میز کے پیچھے گر گیا۔" میں نے ساوگی سے کہا۔ پھر وہ آگے بڑھ کر جیسے ہی میز کے پیچھے ڈاکٹر کو دیکھنے کے لیے جھکا، اسے سیدھا ہونا نصیب نہ ہو سکا۔ دوسرے تیر نے اس کا کام تمام کر دیا۔

اس کی لاش چھپانے کی پروا کیے بغیر میں تیزی سے سیتا کے پاس پہنچ گیا جو تجوری کھولنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔



یہاں سے ہٹو اور دوسری لاش کو بھی میز کے پیچھے ڈال دو۔" میں نے دیکھے بغیر ہیجانی لہجے میں کہا اور اس نے جھرتی سے جگہ چھوڑ دی۔

"ہو سکے تو دونوں لاشوں سے زہریلی سوئیاں نکال لینا۔" میں نے اس کی جگہ لیتے ہوئے تاکید کی۔

"سب کچھ تجوری میں ہے۔" ڈاکٹر آسٹن کے وہ الفاظ رہ رہ کر میرے ذہن میں گونج رہے تھے اور پھر جیسے ہی میں نے تجوری کے ہیم دایٹ کو پوری طرح کھولا، خوشی سے میرا دماغ خلا میں معلق ہو گیا۔

تجوری میں سب سے آگے سیاہ رنگ کا ایک مختصر سا آہنی سلنڈر نائیلون کی مضبوط ڈوریوں میں کسا ہوا رکھا تھا۔

میں نے احتیاط سے اس ہتھیار کو چھیڑا اور اندازہ لگایا کہ وہ بہت زیادہ وزنی تھا۔ اس کی چوڑائی بھی کم و بیش آدھے فٹ اور لمبائی بیس انچ رہی ہوگی۔ اس سلنڈر کا قطر مشکل دو ڈھائی انچ رہا ہوگا۔ بہر حال وہ نہایت ہیبت ناک چیز تھی، جس کی تمام اونچائی چودہ پندرہ انچ سے زیادہ نہیں ہوگی۔

سلنڈر کو اس کی جگہ سے ہلانے سے قبل اس سے منسلکہ لوازم کا جائزہ لینا ضروری تھا ورنہ ربر کی نلکی کے سرے پر لگا ہوا حساس والو ہلنے کی وجہ سے کھل کر میرے لیے موت کا پیغام بن سکتا تھا۔

اس تلاشی میں سلنڈر کے پیچھے رکھے ہوئے کئی گیس ماسک بھی نظر آئے جو میں نے نکال لیے مگر پہلے ماسک کا جائزہ لیتے ہی میرا دل اچھل پڑا۔

وہ ہوا بند ماسک آکسیجن کی فراہمی کے بغیر بالکل ناکارہ تھا۔

میں نے ڈاکٹر آسٹن کا کام تمام کرنے سے قبل اس سے ساری ضروری باتیں معلوم کر لی تھیں لیکن یہ پوچھنا بھول گیا تھا کہ گیس ماسک میں آکسیجن فراہم کرنے والے سلنڈر کہاں دستیاب ہوں گے۔

مجھ پر اضطراری کیفیت طاری ہو گئی اور میں نے لرزتے ہاتھوں سے وہ وزنی سلنڈر باہر نکال لیا جس کا والو ایک آہنی حفاظتی جال میں بند تھا۔ اس جالی کو الگ کیے بغیر والو کا درست استعمال کرنا ناممکن تھا۔

تجوری میں بس وہی ایک خانہ تھا جس میں سلنڈر تا ہر آنے کے بعد گرد کی وہ خالی جگہ نظر آ رہی تھی۔

تجوری کے پچھلے حصے میں سرخ رنگ کا پلاسٹک کا ایک خاصا بڑا بٹن لگا ہوا تھا جس پر انگریزی میں الیکٹرونی سوئچ کے الفاظ لکھے تھے۔ سوئچ کے وسط میں سفید رنگ کا ایک چوکور بٹن ابھرا ہوا تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ سوئچ سے نکلنے والے برقی تار اس کو دباتے ہی فعال ہو جائیں گے اور پھر تجربہ گاہ میں

کسی غلط جگہ پڑنے والے قدم یا کسی مخصوص چیز کو چھیڑنے سے فوری طور پر وہ نظام حرکت میں آ جائے گا جو دھماکے کے ساتھ زہریلی گیسوں اور جراثیم کو آزاد کر دیتا۔

میں نے بہت احتیاط سے تجوری کا دروازہ بند کر کے مقفل کر دیا اور تجوری کی چابی والا گچھا اپنی جیب میں رکھ لیا۔

سیاہ آہنی سلنڈر نائیلون کی ڈوریوں میں اس طرح کسا ہوا تھا کہ اسے آسانی سے پشت پر لٹکایا جا سکتا تھا۔ میں نے اس کی دوہری ڈوریوں میں سے اپنے بازو گزار کر اس بوجھ کو کمر پر لاد لیا۔ اسی وقت میری نگاہ والو میں لگے ہوئے اس مختصر سے میٹر پر پڑی جس کی سوئی ڈھائی ہزار پونڈ فی مربع انچ بتا رہی تھی۔

اس کا مطلب تھا کہ سلنڈر کے مختصر سے حجم میں بہت زیادہ دباؤ بڑھا کر گیس کی بھاری مقدار بھری گئی تھی اور والو یا نوزل سے پہلے میٹر نصب کر کے یہ آسانی بھی پیدا کر لی گئی تھی کہ اس ہتھیار کو استعمال کرنے والے کو ہر لمحے سلنڈر میں موجود گیس کی مقدار کا اندازہ رہ سکے۔

"کوئی چیز رہ گئی ہے؟" اچانک سیتا کی آواز ابھری اور میں تقریباً اچھل پڑا۔

وہ دونوں شکار کو بخوبی میز کے پیچھے چھپا چکی تھی اور نجانے کس چیز کے بارے میں متوحش ہو گئی تھی۔

"کس کے پاس؟" میں نے بے ساختہ سوال کیا۔

"تمہاری کمر پر جھولتے ہوئے سلنڈر کے ساتھ ڈوری کے تین فاضل حلقے لٹک رہے ہیں۔ ان میں بھی کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے۔" اس نے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ آکسیجن سلنڈر کے بغیر یہ سب بیکار ہے، ان حلقوں میں شاید وہی پھنسے گا۔" میں نے اعتراف کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ نائیلون کی ڈوری کے فاضل حلقے مجھے نظر نہیں آ سکے تھے۔

"وہ کیا ہے؟" سیتا نے بے ساختہ ایک طرف اشارہ کیا اور میرا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ اس کا اشارہ سفید رنگ کے ان چار سلنڈروں کی طرف تھا جو ایک فائلنگ کیبنٹ کی اوٹ میں آہنی اسٹینڈ سے کسے ہوئے تھے۔

میں لپک کر وہاں پہنچ گیا۔ سیتا نے بھی میری تقلید کی اور ہم دونوں اس اسٹینڈ سے آکسیجن کے دو سلنڈر علیحدہ کرنے لگے۔

"تمہارا دھیان اس طرف کیسے گیا؟" میں اس خطرناک اور سنسنی خیز صورت حال میں بھی سیتا سے وہ سوال پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"میں ہسپتالوں میں رہ چکی ہوں۔" وہ تجربہ کار سلنڈر تسموں میں پھنساتے ہوئے بولی۔ "وہاں مجھے نرسوں سے معلوم ہوا تھا کہ سلنڈروں پر سفید رنگ آکسیجن کی شناخت ہوتی ہے۔ وہ مرتبہ تو مجھے بھی آکسیجن دی جا چکی ہے۔"

سیتا کے لیے صرف حفاظتی ماسک تھا جسے سانس لینے کے لیے آکسیجن سلنڈر سے منسلک کرنا ضروری تھا جب کہ میرے شانے پر دوہرا بوجھ تھا۔ اوّل تو زہریلی گیس کا سلنڈر جو سامنے مزاحم ہونے والے ہر حریف کے لیے کافی تھا اور دوسرا آکسیجن کی فراہمی کا نظام جو جان لیوا گیس کے استعمال کی صورت میں مجھے اس کے اثرات سے محفوظ رکھتا۔

سیتا نے سلنڈر کس کر اس کے تسمے اپنے شانوں پر چڑھا لیے اور پھر چہرے پر ماسک پہن لیا جس کی شفاف شیلڈ میں سے صرف اس کی آنکھیں اور پیشانی کا کچھ حصہ نظر آ رہا تھا پھر اس نے سلنڈر کا والو کھولا اور اس کے چہرے پر اطمینان کی لہر دیکھ کر مجھے یقین آ گیا کہ سفید رنگ کے ان آہنی سلنڈروں میں حیات آفریں آکسیجن ہی محفوظ تھی جس کے طفیل ہم دشمنوں میں ایک اہم معرکہ سر کر سکتے تھے۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" میں نے جان بوجھ کر سرگوشیانہ لہجے میں سیتا سے کہا۔ "باہر والوں سے نمٹنے سے پہلے تہ خانے میں موجود لوگوں کو ٹھکانے لگانا ضروری ہے۔"

سیتا نے آکسیجن سلنڈر کا والو بند کر کے ماسک اپنے چہرے سے اتار لیا۔ "انہیں تم کس طرح زیر کرو گے؟"

"بس دیکھتی جاؤ۔" میں نے کہا۔ "ڈاکٹر آسٹن اور دوسرے شکار کی لاشوں سے سوئیاں نکال لی تھیں تم نے؟"

"ہاں، یہ لیں۔" سیتا نے اپنے ہاتھ کی چٹکی میں دبی ہوئی دو سوئیاں میری طرف بڑھا دیں جو شیشی سے اڑ کر دو زندگیوں کا خاتمہ کر چکی تھیں۔

میں نے ان میں سے ایک ہی سوئی لینے پر اکتفا کیا اور پھر دھڑکتے دل کے ساتھ اس کیبن کے دروازے پر پہنچ کر دوسرے محافظ کو اندر طلب کیا جو اس عمارت میں مائیکل ٹریپ کا تنخواہ دار تھا۔

وہ بے چارہ اپنے پہلے ساتھی کے حشر سے لاعلم تھا لہٰذا میری پہلی آواز پر سپاہیانہ مستعدی سے کمرے میں داخل ہوا اور جوں ہی وہ کیبن کے کھلے ہوئے دروازے میں سے میرے سامنے سے گزرا، میں نے اپنی استعمال شدہ زہریلی سوئی پوری قوت سے اس کے کولھے میں بھونک دی۔

ایک شکار کو ہلاکت کی بے رحم وادیوں میں دھکیل دینے کے باوجود اس سوئی میں اتنی تاثیر باقی تھی کہ وہ شخص دو قدم آگے بڑھ کر یکایک لڑکھڑایا اور کسی درخت کے کٹے ہوئے تنے کی طرح فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

میں اس کے قریب پہنچا تو اس کے دہانے سے سفید کف جاری تھا اور جسم پر تشنج کی ناقابلِ بیان کیفیت طاری تھی۔

میں جذبات سے عاری انداز میں قریب کھڑا اس کی جانکنی کی کیفیت کا جائزہ لیتا رہا۔ اور جب اس کا جسم ساکت ہو گیا تو میں آگے بڑھا اور اس کے کولھوں سے وہ زہر آلود سوئی واپس کھینچ لی جو اب تک دو افراد کو زندگی کی لطافتوں سے محروم کر چکی تھی۔

میں نے سیتا سے دوسری سوئی بھی لے لی۔ اس کے بعد اپنے جسم سے ہر وہ چیز الگ کر دی جو زہریلی گیس کے استعمال کے سلسلے میں حائل ہو سکتی تھی۔

ان دونوں سوئیوں سمیت میں ڈاکٹر آسٹن کے کمرے سے نکل آیا۔

اس وقت بھی اوپر سے اکّا دکّا فائرنگ کی آوازیں آ رہی تھیں جن کی بنا پر میں نے اندازہ لگایا کہ مائیکل ٹریپ اور اس کے حواری شاید پسپا ہو چکے تھے اور انہیں یا تو پکڑ لیا گیا تھا یا وہ محاصرے میں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

تہ خانے تک پہنچنے والی ان مدھم آوازوں سے بے نیاز تین افراد مختلف میزوں پر انہماک کے ساتھ اپنے کام میں مصروف تھے۔ ان کے جسموں پر موجود سفید کپڑوں اور ان کے کام کی نوعیت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ تینوں ڈاکٹر آسٹن کے معاون تھے اور زہریلی گیسوں کی دریافت اور ان کے استعمال کے سلسلے میں جتنا قصوروار ڈاکٹر آسٹن تھا اسی قدر وہ تینوں بھی تھے۔

میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ مگر پُرسکون انداز میں یوں آگے بڑھا جیسے سیاحتی انداز میں اس عظیم الشان تجربہ گاہ کا معائنہ کرنے میں مصروف ہوں۔

میرے کافی قریب پہنچنے پر وہ ادھیڑ عمر منحنی سا شخص چونک پڑا جو اب تک پائیوں والی ایک کرسی کی پشت گاہ سے سر ٹکائے کسی سوچ میں غرق تھا اور اس کے سامنے کاؤنٹر پر ٹیسٹ ٹیوبیں اور چند کاغذ بکھرے ہوئے تھے۔

میں بہت زیادہ تعلیم یافتہ تو نہیں لیکن اتنا اندازہ لگانے میں ضرور کامیاب ہو گیا کہ وہ مختلف کیمیائی فارمولوں میں مغز کھپا کر کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے کوشاں تھا۔

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا پھر اس کی آنکھوں میں تحیر امڈ آیا اور اس نے عجیب سی کھوکھلی آواز میں سوال کیا۔ "تم کون ہو؟ اور یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"ڈاکٹر آسٹن کا مہمان ہوں اور اس کی اجازت سے یہاں گھوم رہا ہوں۔" میں نے انگریزی ہی میں جواب دیا کیونکہ اس نے انگریزی ہی میں سوال کیا تھا۔

"ڈاکٹر کہاں ہے؟" اس نے بغور میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"اپنے کیبن میں ہیں وہ کسی مہمان سے کچھ اہم بات کر رہے ہیں۔"

"خیر، تم جو بھی ہو، کسی چیز کو چھیڑنا نہیں۔" اس نے تنبیہ کرتے

ہوئے لہجے میں کہا۔ "یہاں کا پورا نظام بہت حساس اور نازک ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔" میں نے اس کے قریب پوزیشن سنبھالتے ہوئے کہا۔ "مجھے حیرت ہے کہ اتنی بڑی تجربہ گاہ کو تم صرف تین آدمی سنبھالتے ہو؟"

"اس کا تعلق مہارت اور اعتماد سے ہے۔" وہ ایک کتاب اٹھاتے ہوئے زیرِ لب بڑبڑایا۔ "یہ باریکیاں تمہارے بس کی نہیں، خاموشی سے جو کچھ دیکھ سکتے ہو دیکھ لو۔ میرا یا کسی اور کا وقت برباد کرنے کی کوشش نہ کرو۔ ڈاکٹر اس عادت کو سخت ناپسند کرتا ہے۔"

میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا جس میں دو افراد کو ہلاک کرنے والی سوئی دبی ہوئی تھی۔ کام کے عذاب میں مبتلا اس بے چارے کو میری حرکت کا علم ہی نہ ہو سکا اور وہ باریک سی سوئی گردن اور شانے کے اتصال پر اس کی گردن میں پیوست ہو گئی۔

دو جسموں میں پیوست ہونے اور نکالے جانے کے بعد بھی اس چھوٹی سی سوئی کے مساموں میں زہر کی اتنی مقدار باقی تھی کہ اس کی چبھن محسوس کرتے ہی وہ اچھلا اور پھر یوں ہی رہ گیا۔ کرسی پر توازن بگڑ جانے کے باعث اس کا بدن آگے کی طرف جھکا تھا مگر میں نے پھرتی سے سہارا دے کر اسے شیشوں سے ٹکا دیا۔

اس کا سر کاؤنٹر سے ٹکرانے اور پھر جسم کے نیچے گرنے سے اتنا دھماکا ہوتا کہ بقیہ دو افراد قبل از وقت اجل کے پروں کا سایہ اپنے سروں پر محسوس کر لیتے اور میرے لیے ان پر برتری حاصل کرنا دشوار ہو جاتا۔

میں نے اس کے شانے سے سوئی نکال کر مختلف ساز و سامان کی اوٹ سے بقیہ دونوں افراد کا جائزہ لیا مگر وہ بدستور اپنے کاموں میں مشغول تھے۔

تین افراد کو ٹھکانے لگانے والی سوئی میں مزید ایک آدمی پر آزمائی جا سکتی تھی مگر اس کے لیے آخری شکار ہی مناسب تھا تاکہ سوئی کی ناکامی کی صورت میں مقابلے پر آمادہ ہونے والا تنہا ہی ہو اور زیادہ دشواری پیدا نہ کر سکے۔

میں سنبھلا ہوا اپنے دوسرے شکار کی طرف چل دیا۔

اس وقت تک اوپر سے آنے والی فائرنگ کی آوازیں معدوم ہو چکی تھیں۔ ابتدا میں فائرنگ میں خطرناک شدت تھی جو بعد میں یکایک کم ہو گئی تھی مگر اس وقت تو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اوپر کے حالات اعتدال پر آ چکے ہوں۔

قریب پہنچ کر مجھے حیرت ہوئی کہ میرا شکار ایک عمر رسیدہ عورت تھی۔

بے اختیار میرا دل چاہا کہ اسے کیفرِ کردار تک پہنچانے سے پہلے تفصیلی گفتگو کی جائے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ وہ کن جذبوں کے تحت موت کے سوداگروں کی قابلِ نفرت ٹولی میں شامل ہونے پر مجبور ہوئی مگر اس وقت میرے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔

اس سے پیشتر کہ مائیکل ٹریپ کے ساتھی یا فوجی تہ خانے تک پہنچنے میں کامیاب ہوں، مجھے میدان صاف کر کے زہریلی گیس کے استعمال کے لیے تیار ہو جانا چاہیے تھا۔

اس عورت کے ناپاک عمل کی سیاہی کے لیے اس کا تجربہ گاہ کے عملی کام میں مصروف نظر آنا ہی کافی تھا۔

اس وقت وہ آہنی اسٹینڈ سے کسی ہوئی شیشے کی صراحی میں موجود گلابی سیال میں بیورٹ کی ٹونٹی سے قطرہ قطرہ کر کے ایک کثیف سیال ٹپکا رہی تھی۔ اور اس کی نگاہیں صراحی پر مرکوز تھیں جس کے خالی حصے میں کیمیائی عمل سے پیدا ہونے والا سرمئی دھواں جمع ہوتا جا رہا تھا۔ وہ دھواں اس قدر بھاری تھا کہ صراحی کے کھلے ہوئے منہ میں سے باہر نکلنے کے بجائے گلابی سیال کی سطح پر ہی جمع ہو رہا تھا۔

سوئی اس تندرست مگر عمر رسیدہ عورت کے دائیں پہلو میں داخل ہوئی۔ اس کا ہاتھ بیورٹ کی ٹونٹی سے ہٹ گیا اور سر اچانک میز پر جا ٹکا۔

میں نے ایک پٹی کی مدد سے بیورٹ کی ٹونٹی بند کر دی کیونکہ ہولناک کیمیائی مادوں کے اس انبار میں مجھے کسی بھی چیز کے چھونے کے تصور سے وحشت ہو رہی تھی۔ پھر اس عورت کی وزنی لاش کو سہارا دے کر فرش پر ڈال دیا۔

میں لاش کو فرش پر ڈال کر سیدھا ہو رہا تھا کہ اچانک مجھے اپنے سر پر ایک غراتی ہوئی مردانہ آواز سنائی دی اور میرے بدن کے مساموں سے یک بیک سرد پسینے کی بوندیں پھوٹ پڑیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

میں پھرتی سے اپنے قدموں پر کھڑا ہوا اور تجربہ گاہ کے سفید حفاظتی کوٹ میں ملبوس ایک جوان العمر شخص کو اپنے سر پر مسلط پایا۔

اس کے ہاتھ میں پستول کی وضع کا ایک عجیب سا ہتھیار تھا جس میں ٹریگر کے اوپر دو عدد افقی نالیاں تھیں۔ بظاہر اس پستول کی نال کا دہانہ بند تھا جس کا رخ میری طرف اٹھا ہوا تھا۔

"یہ خاتون اچانک گر گئی۔" میں نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں ڈاکٹر آسٹن کا مہمان ہوں اور اسی کی اجازت سے ادھر آیا تھا۔"

"ڈاکٹر کہاں ہے؟" اس کی آواز کی غراہٹ اور نگاہوں کی خشمناکی میں میرا جواب سن کر بھی کوئی فرق نہیں آیا۔

"اپنے کیبن میں۔" میں نے آہستگی سے جواب دیا۔ اس وقت میری تحویل میں صرف وہی سوئی تھی جو تین دشمنوں پر کامیابی سے

آزمائی جا چکی تھی کیم استعمال شدہ سوئی عورت کی لاش سے نکالنے کی مہلت ہی نہیں مل سکی تھی۔

”موقود ہو۔“ وہ پستول نما ہتھیار کی نال ہلا کر چونکتے ہوئے بولا۔ ”ریکا کے وہاں نے سے تو کفن جاری ہے کیا ہوا ہے اُسے؟“

”مم... مجھے نہیں معلوم۔“ میں نے بوکھلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا میرے یہاں پہنچتے ہی یہ لڑکھڑائی تھی۔ اور میں نے لپک کر اُسے اپنے بازوؤں میں تھام لیا۔“

”زہر... یہ تو کوئی زہر معلوم ہوتا ہے۔“ وہ آگے بڑھ کر ریکا کے بے جان بدن پر جھکتے ہوئے تشویش کے لہجے میں بڑبڑایا مگر اس وقت بھی وہ میری طرف سے غافل نہ تھا جب کہ اُسے زیر کرنے کے لیے مجھے محض لمحہ بھر کی غفلت درکار تھی۔

”یہ تو شاید مر گئی۔“ میں نے اس کی توجہ منعطف کرانے کے لیے اچانک ہذیانی انداز میں چیخ کر کہا۔

اور یہ تدبیر کارگر رہی تو وہ بے اختیار فرش پر پڑی ہوئی بے جان عورت کے معائنے بیٹھ گیا اور اسی لمحے میں اس پر ٹوٹ پڑا۔

گو اس وقت میرے ہاتھ میں زہریلی سوئی موجود تھی، لیکن تین کا مبادلہ ہونے کے بعد اس کی افادیت کچھ مشکوک ہو چکی تھی جب کہ اُس کے ہاتھ میں ایک نیا ہتھیار موجود تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ میری ناکامی کی صورت میں اُسے فوری طور پر اپنا وار کرنے کا موقع مل جاتا۔ لہٰذا میں نے اس پر جھپٹتے ہی سوئی پھینک کر اس کے پستول نما ہتھیار پر ہاتھ ڈالا اور اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی اس کو نشانہ کرکے مقدور نکل گیا۔

میں پستول نما اس ہتھیار کو اپنی گرفت میں لے کر واپس پلٹا، تو وہ اپنے قدموں پر اُٹھ رہا تھا اور اُس کی دہشت سے پھٹی ہوئی آنکھیں میرے داہنے ہاتھ پر مرکوز تھیں جس میں اس سے چھینا ہوا ہتھیار موجود تھا۔

”مت... تم نے تو کہا تھا کہ تم ڈاکٹر آسٹن کے مہمان ہو۔“ اس نے وحشت اور بوکھلاہٹ کے عالم میں گھگھیا کر کہا۔

”اب بھی یہی کہتا ہوں۔“ میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ ”بعض بن بلائے مہمان بھی ہوتے ہیں جو جان کا عذاب بن جاتے ہیں۔“

”ٹریگر سے انگلی ہٹا لو۔“ وہ خوفزدہ لہجے میں بولا۔ ”یہ خفیف سے دباؤ سے چل پڑتا ہے... اس کی نال نیچے کر لو، میں تمہاری ہر بات مانوں گا۔“

”ٹریگر دبنے سے کیا ہوتا ہے؟“

”زہریلے مرکب سیال کی تیز دھار نکلتی ہے جو تیس فٹ دور تک کھڑے ہوئے آدمی کے جسم کو فولادی چھوٹی موٹر کے پار نکل جاتی ہے۔“ دہشت سے اس کے ہونٹ خشک ہوتے جا رہے تھے اور چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔

”پھر تو اس کا تجربہ ہونا چاہیے۔“ میرے الفاظ سن کر وہ نہ جانے کس انداز میں چلایا تھا مگر میں نے پستول کا رُخ اس کے بجائے فرش پر پڑی ہوئی ریکا کی لاش کی طرف کرکے ٹریگر دبا دیا۔ پستول میں ہلکی سی جھنجھناہٹ ہوئی اور کسی بے رنگ شفاف مائع کی باریک سی دھار دھوئیں کی لکیر کی طرح خارج ہو کر لاش کے پیٹ پر پڑی اور ایک واقعی سوراخ ہو گیا۔ یہ عمل بھی ہر قسم کی آواز سے عاری تھا۔

ٹریگر سے دباؤ ختم ہوتے ہی مائع کی دھار رک گئی۔

”اچھی چیز ہے۔“ میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ ”اس سے ایسے کتنے فائر کیے جا سکتے ہیں؟“

وہ ایک طرف کھڑا دہشت سے لرز رہا تھا۔ ”ستر سے سو تک۔ اس کا انحصار ہر فائر کے دورانیے پر ہے۔“

”اور یہ ڈاکٹر آسٹن کی ایجاد ہے؟“

”نن... نہیں۔“ وہ جلدی سے بولا۔ ”یہ میں نے اس کی نگرانی میں خود بنایا ہے۔ اس میں کام آنے والے محلول بھی میری ایجاد ہیں۔“

”کبھی تجربہ کرنے کی نوبت آئی اس کی؟“

اس خطرناک مرحلے پر بھی اس کی پیشہ ورانہ انا بیدار ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ ”میں نے تجربات کے بعد ہی اُسے بنایا ہے۔“

”کس پر کیے تجربے؟“ میں نے مجھتے ہوئے سوال کیا۔

”شاید جانوروں پر کرتا۔“ اس کا جواب حسب توقع تھا۔ ”مگر یہاں جانوروں کے بجائے انسان ملتے ہیں۔ میں نے صرف رد و بدل کیا تھا بس۔“

”اور ستر فائروں کے بعد پھینک دینے کے قابل ہو جاتا ہے؟“ میں اُسے جہنم واصل کرنے سے پہلے اس ہتھیار کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

”نہیں... میں اس کا کمال ہے۔“ وہ بولا۔ ”ٹریگر کے اوپر لگی ہوئی دونوں ٹیوب نالیاں بدل کر یہ پھر تیار ہو جائے گا۔ ان میں سیال پیدا کرنے والے سفوف ہیں۔“

”وہ کہاں ہیں؟“

”تم جان بخشنے کا وعدہ کرو تو کارٹریج کے ساتوں سیٹ تمہارے حوالے کر دوں گا۔ ابھی تک میں نے اتنے ہی بنائے ہیں۔“

”اور اگر میں جھوٹ بولنے سے انکار کر دوں؟“ میرا لہجہ سفاک ہو گیا۔

”نہیں... تم مجھے نہیں مار سکتے۔“ وہ ہذیانی انداز میں چیخا۔

”ختم کرو۔“ اچانک مجھے اپنے پیچھے سیتا کی اکتائی ہوئی آواز سنائی دی۔ شاید وہ اس کی بلبلاتی چیخ سن کر خاموشی سے کہیں آ رکی تھی۔ ”مےخانے کا دروازہ کھلا ہے، کوئی بھی وقت اندر آ سکتے ہیں اور اس کا پتا چل جائے گا کہ وہ دوست ہوں گے یا دشمن۔“

اُس کی بات ٹھیک ہی تھی جسے سن کر آخری شکار نے میری طرف پلٹنا چاہا مگر میں نے اس کے دل کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا۔

وہ تیورا کر فرش پر گرا۔ اس کے حلق سے کربیہ آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور بدن پوری قوت سے کسی ذبح کی طرح اوپر کو اُچھل کر تڑپ رہا تھا۔ چند لمحے بعد سینے کے آرپار سوراخ سے خون کی بے تحاشا دھاریں بہہ نکلیں اور چیخیں دور تک جانے لگیں۔

وہ جوان آدمی تھا اور اس کے خون کے دوران نے سوراخ میں جلنے والے سریع الاثر زہر نے پتال کر پہلے ہی مرحلے میں ختم کر دیا تھا۔ وہ حلق سے عجیب عجیب آوازیں نکالتا فرش پر تڑپنے لگا۔ وہ منظر اتنا کریہہ اور عبرتناک تھا کہ میں خود پھریری لے کر رہ گیا۔

میرے لیے یہ یقین کرنا دشوار تھا کہ اس ہتھیار کے موجد نے میرے سکون کے ساتھ دو انسانوں کو اپنے تجربات کی بھینٹ چڑھا دیا ہو گا۔ اس سے زیادہ عبرتناک اور کرب آمیز موت کا تصور کم از کم میرے ذہن کے بعید ترین گوشے میں بھی نہیں تھا۔

سیتا نے میرا ہاتھ تھاما اور مجھے وہاں سے کیبن کی طرف کھینچ لے گئی۔

”عجیب اور بہترین ہتھیار ہے یہ۔“ کیبن میں پہنچ کر میں نے وہ پستول سیتا کو دکھاتے ہوئے کہا۔ ”اگر دو تین آدمی تخریب کی راہ پر چل پڑیں، تو اس سے زیادہ پُرہول شاہکار جنم لیتے ہیں... اب یہ تمہاری تحویل میں رہے گا۔“

سیتا کو کیپٹن سلنڈر اور ماسک سے لیس کرتے ہوئے میں نے اُسے تفصیل سے اس ہتھیار کی ساخت اور ترکیب استعمال سے آگاہ کر دیا۔ پھر میں بھی پھرتی کے ساتھ زہریلی گیس والا سلنڈر استعمال کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ زہریلی سوئیاں پھینکنے والی نلکی کے بعد ڈاکٹر آسٹن کے حالات آفرین آہنی سلنڈر سے زیادہ مجھے پستول نما ہتھیار نے متاثر کیا تھا جس کے ذریعے سیتا دشمنوں کی بھیڑ سے بھی خود کو بآسانی بچا لے جا سکتی تھی۔

ہم دونوں زیرِ زمین تجربہ گاہ کا وسیع ہال عبور کرکے سیڑھیوں پر جا پہنچے جس کے اختتام پر بیرونی عمارت کا داخلی راستہ بند تو دھا۔

”لگتا ہے کہ اب تک کوئی اِدھر نہیں آیا۔“ سیتا نے اس محاذ پر سنّاٹا دیکھ کر رابطہ لہجے میں کہا۔ ویسے اس وقت بیرونی عمارت شاید سنسان ہی کارُخ معلوم ہوتا تھا کیونکہ وہاں سے فائرنگ یا دھماکوں کی تو کہا کسی ذی روح کی نقل و حرکت کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔

”اس راستے سے بائیکل ٹیم کے آدمی ہی واقف لگتے ہوں گے۔“ میں نے کوئی تبصرہ کیے بغیر سرسری لہجے میں کہا۔

”تو کیا تمہارا مطلب ہے کہ وہ نکل بھاگے ہیں؟“ سیتا نے چونک کر سوال کیا۔

”نکل بھاگے ہیں یا لے اور کرشمے گئے ہیں یا فوجیوں سے مصالحت ہو گئی ہے۔“ میں نے اپنے جواب میں جملہ امکانات سمو لیے۔

”یہ کیا بات ہوئی... اور اگر مصالحت ہی ہونی تھی تو فائرنگ کا کیا جواز تھا؟“ اُس نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔

”کوئی غیر معمولی بات ضرور ہوئی ہے۔“ میں نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ ”فوجیوں کی بھاری تعداد کی آمد کی خبر ملی تھی اور بائیکل ٹیم کے آدمی بھی اتنے کم نہیں تھے جب کہ فائرنگ معمولی ہوئی ہے۔ اتنے بڑے تصادم میں رکی نہیں گولیاں بھی فیصلہ کن نہیں ہوتیں۔“

”پتہ نہیں تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟“ وہ شانے اچکا کر بڑبڑاتی بنا سمجھے بڑبڑائی۔

”سیدھی سی بات ہے کہ باہر کے حالات غیر یقینی ہیں اور کسی وقت بھی از خود باہر نکل کر کوئی خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں۔“

”میں نے کب کہا کہ ہمیں ابھی باہر نکلنا چاہیے؟“

”پُرسکون رہو۔“ میں نے اُسے نرمی سے سمجھایا۔ ”اس طرح ہیجانی کیفیت میں مبتلا رہیں تو ضرورت پڑنے پر کچھ نہ کر سکو گی۔“

”تم نے تو فوجیوں سے ان کی مصالحت والی بات کیسے کہہ ڈالی؟“ کچھ دیر کے بعد اس کی زبان پھر چل پڑی۔

”میں امکانات کی بات کر رہا تھا۔“ میں نے زور دے کر کہا۔ ”حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر آسٹن کی خواب گاہ میں اغوا کیے ہوئے متعدد مقامی قیدی تھے۔ اور شاید عبداللطیف کی لاش بھی عمارت سے باہر نہیں لے جائی گئی تھی۔ ان شواہد کی روشنی میں کسی بھی قسم کی مصالحت خارج از امکان ہے۔“

”تمہارے دماغ میں خشکی چڑھ گئی ہے۔“ اس بار میں اس کی کھٹ کھٹ سے چڑ گیا۔

وہ بے اختیار دھیمی مترنم آواز میں ہنس پڑی۔ ”تحقیق بھیانک سکوت کاٹنے کو نہیں دوڑ رہا؟“

”اسے سکوت کے بجائے سکون کیوں نہ کہا جائے؟“

”باتیں کرتے رہو، اسی طرح ہم اپنا وقت آسانی سے گزار سکیں گے۔“

”کیپٹن سلنڈر کا والو بند کر کے ماسک تھوڑا سا اوپر کر لو تاکہ تازہ ہوا میں سانس لیتی رہو۔“ میں نے خود بھی عمل کرتے ہوئے اسے ہدایت کی۔ ”ماسک سر کے خفیف سے جھٹکے سے کسی بھی وقت اپنی جگہ لایا جا سکتا ہے۔“

”ٹھیک ہی کہتے ہو۔“ اس نے ماسک اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”خدا نہ کرے زہریلی گیس کے استعمال کی نوبت آئے تو کیپٹن جواب دے جائے۔“

"غنیمت ہے کہ اس بدقسمت نے اردو آسانی سے سمجھ لی۔"

وہ ہنسی چھیڑوں۔ "حیرت ہے کہ اس زیرِ زمین تہ خانے میں گھٹن کا ذرا بھی احساس نہیں ہے۔"

"تہ خانہ زیرِ زمین عمارت ہی کو کہا جاتا ہے۔" میں نے اس کی تصحیح کی۔ "پھر یہاں تو کچھ ہم لوگ تیزابی بخارات سے آلودہ فضا میں کام کرتے ہیں لہٰذا باہر سے تازہ ہوا کا بندوبست خاص طور پر کیا گیا ہوگا۔"

ہمیں اوپری سیڑھی پر کھڑے کافی دیر گزر گئی مگر کہیں سے کوئی شخص کی نشاندہی نہ ہوئی۔ اس دوران میں میں نے چار سگریٹ بھی پھونک ڈالیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ میری اضطرابی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

"تہ خانے کا دروازہ تو ٹھیک آباد کمرے میں کھلتا ہے نا؟" کچھ دیر کے سکوت کے بعد میں نے سیتا سے تائیدی لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں، کیا ارادہ ہے؟"

"کیوں نہ دروازہ کھول کر باہر کا جائزہ لیا جائے؟" میں نے تجویز پیش کی۔

"تمہیں امید ہے کہ وہ کمرہ اس وقت بھی ویران ہی ہوگا؟"

"ہونا چاہیے۔" میں نے کچھ زور دیتے ہوئے کہا۔ "اول تو ہم پوری طرح مسلح ہیں اور اگر پھر بھی کوئی غیر متوقع صورتِ حال نظر آئی تو دروازہ بند کر دیں گے۔"

"ہاں... دروازہ تو بہت تیزی سے اوپر اٹھ کر بند ہوتا ہے۔" اس نے میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

میں اپنی جگہ چھوڑ کر اس طرف پہنچ گیا جدھر دیوار میں وہ دستہ نصب تھا جس سے دروازہ کھولنے اور بند کرنے والے میکانزم... کو حرکت میں لایا جا سکتا تھا۔

میں نے اپنا ماسک نیچے گرا کر آکسیجن کا والو کھولا اور نیچے گیس کے سلنڈر سے منسلک نوزل کا والو اپنے ہاتھ میں تھام کر دائیں ہاتھ سے دیوار پر دستہ باہر کی طرف کھینچا اور یہ دیکھ کر میرے وجود میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی کہ سامنے حائل دیوار کو ذرا بھی جنبش نہیں ہوئی تھی۔ میں نے فوری طور پر دستے کو اندر کی طرف دبانا چاہا لیکن وہ سپرنگ کے ذریعے اپنی جگہ جا کر رک گیا۔ اس سے نیچے اسے دبانا ممکن نہ ہو سکا۔

"یہ کیا ہوا؟" سیتا بوکھلائی ہوئی آواز میں بولی۔

"سمجھ میں نہیں آتا۔" میں نے اس دستے پر بار بار زور آزمائی کرتے ہوئے کہا۔ "شاید نظام میں کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہنگل ٹرسٹ کے آدمیوں نے اس نظام کو ناکارہ بنا دیا ہو۔" سیتا نے رائے دی اور میں اچھل پڑا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میرا دعویٰ ہے کہ عمارت میں اس وقت چڑیا کا بچہ بھی نہیں ہوگا۔ ہم دونوں تہ خانے میں قید کر دیے گئے ہیں۔"

"مگر کیسے؟"

"اس عمارت میں اسرائیلی سرگرمیوں کا ایک اہم ترین مرکز ... عام راستوں کے علاوہ ہنگامی صورتِ حال میں یہاں سے فرار کا خفیہ راستہ بھی رہا ہوگا اور ہنگل ٹرسٹ کے آدمی مزاحمت کی ... چند گولیاں برسانے کے بعد ادھر سے صاف نکل گئے۔ انہوں نے ... جاتے جاتے باہر سے اس تہ خانے کے دروازے کے نظام کو ناکارہ بنا دیا ہوگا تاکہ خالی عمارت میں گھسنے کے بعد کوئی فوجی دستہ دیکھ بھی لے تو اس کی مدد سے تہ خانہ دریافت نہ کر سکے ... میں وہ کشش آزمائی نظر آتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ فوجی ... قوت آزمائی کر کے لوٹ گئے ہوں گے اور ویران عمارت ... قیدیوں کے علاوہ عبداللطیف کی لاش بھی لے گئے ہوں گے ... علاوہ انہیں کچھ نہیں ملا ہوگا۔"

"... سے فائرنگ کے بعد مچھیوں کا سر سے غائب ہونا ... کے لیے تشویش کا باعث نہ رہا ہوگا؟" سیتا نے سوال کیا۔

"لازمی بات ہے اور شاید انہیں غلط راہ پر ڈالنے کے لیے ... والوں نے کچھ مصنوعی آثار بھی چھوڑ دیے ہوں یا شاید خفیہ راستے ... کا تعاقب بھی کیا گیا ہو مگر یہ بات یقینی ہے کہ تجربہ گاہ کے ... رازداری کے لیے ہمیں یہاں قید کر دیا ہے۔"

"مگر کیوں؟" وہ آسانی سے پوچھی بات نہ سمجھ سکی۔ "... جانے کے ساتھ انہوں نے پہلے بھی آدمی بھی یہاں قید کر دیے ہیں ... تجربہ گاہ کا سارا انتظام تو یہاں خود ڈاکٹر آسٹن کے ہاتھوں میں ..."

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔ ان کی وابستگی اس بند تہ خانے ... دونوں ان کچھ افراد کے قیدی ہیں جنہیں ... مقصد کی خون سے ... میں تبدیل کیا جا چکا ہے۔" میں نے کہا۔ "... تجربہ گاہ کے تحفظ کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ وہ تو بس آخری چارۂ کار کے طور پر ایک اشارے سے تجربہ گاہ کو نیست و نابود کر سکتا تھا جب ہنگل ٹرسٹ نے اسے بچانے کی ممکنہ کوشش کی ہے ... اگر تجربہ گاہ کو تباہ کرنے کے بجائے زہریلی گیس کے استعمال کا فیصلہ کرتا تو شاید وہ سو پچاس فوجیوں کو ضرور مار لیتا مگر زندہ بچ نکلنے والا ایک فوجی بھی تجربہ گاہ کی تباہی کا پیغام ... حکام بالا تک پہنچا دیتا ... اس اڈے کو روند ڈالتے۔ ہنگل نے ... کو ٹالنے کی کوشش کی ہے۔"

"پھر اب کیا کیا جائے؟" سیتا کی تشویش اپنی جگہ بجا تھی۔

"اس تہ خانے سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "اب ہمارے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔"

"یہاں سے نکلنا شاید اتنا آسان ثابت نہ ہو۔" وہ بولی۔ "... یہ جگہ اس قدر محفوظ ہوتی تو دونوں ... انسان ... قید ..."

... کے اطمینان کی وجہ ہمارے ساتھ ان کے چھ آدمیوں کی موجودگی ... میں نے تہ خانے کی سیڑھیاں اترتے ہوئے کہا۔ "وہ سوچ بھی نہ سکتے ہوں گے کہ ہم ان کے دو مسلح اور چار سکار ... آدمیوں پر غالب آ جائیں گے!"

"تو اب ہمیں کہاں جانا ہے؟ ... نکاسی کی کوشش ... ہونی چاہیے۔"

"تہ خانے میں تازہ ہوا کی آمد اور کثافت کے اخراج کا راستہ ... بھی ہوگا۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"مگر ہمیں یہاں بند کرنے سے ان کا مقصد کیا رہا ہوگا؟"

"بہت سیدھی سی بات ہے۔" میں نے نئی سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "... وقت وہ خطرے کے پیشِ نظر نکل جائے مگر موقع ملتے ہی خفیہ راستے سے دوبارہ یہاں داخل ہوں گے اور تہ خانے میں موجود ... معمول پر لا کر ... اور اپنی دانست میں ہمیں آسانی سے ... تہ خانے سے نکالے جانے کا منصوبہ ... عمل لے آئیں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ متاثر لہجے میں بولی۔ "ہمیں ان کے آنے سے پہلے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ ورنہ بلاوجہ دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ چند گھنٹے بعد پلٹنے کی کوشش کریں لیکن فوجیوں نے عمارت کے گرد پہرہ برقرار رکھا تو ہو سکتا ہے کہ یہ نوبت ... اس تہ خانے میں خوردونوش کی اشیاء کا خاصا ذخیرہ موجود ہوگا۔"

اس تہ خانے کی چھت بالکل مسطح اور ہموار تھی۔ ہم دونوں نے ... کے ساتھ اس کے ایک ایک انچ کا جائزہ لیا لیکن کہیں بھی خلا ... باریک جیسی جالی بھی دریافت نہ کر سکے جو ہوا کے گزرنے کے لیے کافی ہوتی۔

اس کے بعد دیواروں کی باری آئی۔ اس میں بھی ہمیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ تمام دیواریں سپاٹ اور ہموار تھیں۔

پھر ہم دونوں تجربہ گاہ کی قیمتی اور خوبصورت ورکس بنچوں کے ... دیکھنے لگے۔ ہماری نگاہیں ہر لحظہ کسی سوراخ کی تلاش میں تھیں۔

جس وقت میں پستول نما کیمیاوی ہتھیار کا شکار ہونے والے ... ضعیف کی لاش کے قریب پہنچا تو وہ فرش پر ساکت پڑا ہوا تھا۔ آخری لمحات کی جان کنی کے باعث لاش بہت بے ہنگم ... بگڑی ہوئی پڑی تھی۔ اس کی آنکھیں حلقوں سے باہر ابل کر پتھرائی ہوئی تھیں۔ چہرہ بالکل زرد ہو رہا تھا اور خون میں تھڑا ہوا ... نظر آ رہا تھا کہ اس کے سینے کا سوراخ ابتدائی قطرے نکالنے ... چکا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ مہلک سیال کی ... اس کے گوشت اور ہڈیوں کو گلا رہی تھی ...

کی تمازت نے انہیں بے قرار بنا دیا۔

فرش پر دور تک پھیلے ہوئے تازہ خون پر لوتھڑے جمنے شروع ہو گئے تھے۔ میں ان سے بچنے کے لیے ایک الماری سے چپکتا ہوا آگے بڑھا تو چونک پڑا۔

میرے منہ سے لگی ہوئی سگریٹ سے ابھرتی ہوئی دھوئیں کی لکیریں مستقل طور پر لہراتی ہوئی اوپر کی طرف اٹھ رہی تھیں مگر الماری کے سامنے سے گزرتے ہوئے وہ دھواں اچانک دور ہٹا گیا تھا۔ میں بڑھتے بڑھتے وہیں رک گیا۔

سیتا میرے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔

وہ چوبی الماری اپنے پٹوں کے اعتبار سے چھ فٹ اونچی تھی مگر اس کے تقریباً ایک فٹ بلند ایسا خانہ بنا ہوا تھا جو آگے سے کھلا ہوا تھا۔

میں نے ہاتھ بلند کیا تو اس کھلے چوبی خانے سے تیزی کے ساتھ تازہ ہوا آتی محسوس ہوئی اور ہم دونوں وہیں جم گئے۔

پہلی بار غور کرنے پر مجھے حیرت ہوئی کہ ہم وہ الماری کیوں نظرانداز کرتے رہے جو تہ خانے کے تقریباً وسط میں چار فٹ چوڑے اور اسی قدر لمبے ایک ستون کی طرح استادہ تھی اور اس کے اوپر چاروں طرف چوبی خلا میں مسلسل تازہ ہوا اگل رہی تھیں۔

الماریاں غیر مقفل تھیں اور ان میں ڈبوں، پیکٹوں اور بوتلوں میں بھانت بھانت کا سامان جمع تھا اور دونوں الماریاں ایک فٹ سے زیادہ گہری نہیں تھیں جس کا مطلب تھا کہ دونوں الماریوں کے عقبی حصوں کے درمیان ایک تقریباً دو فٹ چوڑی اور چار فٹ عمودی سرنگ پوشیدہ تھی اور یقیناً یہ اس کا حجم تھا کہ تہ خانے کے سناٹے میں ہوا کے بہاؤ میں کوئی آواز نہیں تھی۔

ہم دونوں نے احتیاط کے ساتھ وہ الماری خالی کر دی جو لاش سے دوسری طرف بنی ہوئی تھی۔ ہر چیز کو اٹھاتے ہوئے خوف سا محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں کوئی چیز نیچے گر کر یا کسی دوسری شے کے ساتھ مل کر اپنے کیمیاوی ردعمل سے فضا کو مسموم نہ کر دے۔

اس مرحلے سے نمٹ کر الماری توڑنے کا خیال آیا تو سیتا نے پستول نما ہتھیار میری طرف بڑھا دیا۔ اس کا خیال مناسب تھا کہ لکڑی کو گلانے کے لیے چند فائر کام میں لائے جائیں۔

نال کے باریک سوراخ سے خارج ہونے والی دھار کی شدت کے پیشِ نظر ہم دونوں خالی الماری سے خاصی دور ہٹ گئے پھر میں نے ٹریگر دبایا اور یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ سیال کی دھار چوبی تختوں میں سے گزرنے کے بجائے سطح سے ٹکرا کر نیچے بہہ نکلی۔

پھر فرش پر بھی اس کا کوئی اثر نہ ہوا تو میرے ذہن کے تمام دریچے کھل گئے۔ وہ سیال ہتھیار کے جس حصے میں سے ہو کر گزر رہا تھا وہ بھی اپنے

کسی دھات کا بنا ہوا تھا اور سیتالی کے اثر سے محفوظ تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ اس کی ساری تباہ کاری انسانوں، جانوروں اور دوسرے ذی روح حشرات کے جسموں میں موجود حیاتیاتی خلیوں کے لیے وقف تھی۔ بظاہر زندگی سے عاری عناصر اس سے محفوظ تھے۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔" سیتا بڑبڑائی۔

میں کوئی جواب دیے بغیر تہ خانے میں کارآمد اوزاروں کی تلاش میں چل دیا۔

بند ہونے والی ایک خالی آہنی صراحی اور لمبی سی نوکیلی سلاخ لے کر میں واپس ہوا تو سیتا غائب تھی۔

میں نے تیزی سے گرد و پیش کا جائزہ لیا پھر بے اختیار اسے پکار بیٹھا۔

"آ رہی ہوں۔" اس کی بھاری آواز میں گونج محسوس کر کے میں حیران رہ گیا اور چند ثانیوں بعد سیتا سرنگ کے اندر جانے میں سے کود آئی۔

"میں اپنا تجسس نہ دبا سکی۔" ہاتھ جھاڑتے ہوئے وہ ہنس کر بولی "سوچا تمہاری غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر اندر کا جائزہ لے ہی ڈالوں۔"

میں محض اسے گھور کر رہ گیا۔

"یہ بڑی سرنگ فرش میں آ کر ختم ہوتی ہے۔" وہ میری نگاہوں کا اثر قبول کیے بغیر روشنائی کے ساتھ بولتی رہی۔ "اور اس کا رخ اس طرف ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے دیوتوں کی مخالف سمت میں اشارہ کیا۔ "فرش سے کان لگا کر کسی مشین کے تیزی سے گھومنے کی خفیف سی آواز محسوس ہوتی جو شاید تم محسوس نہ کر سکو۔ اور خاص بات یہ ہے کہ سرنگ کے زیریں حصے کے آخر میں ہی ٹھوس لوہے کی مضبوط جالی ہے جس کو کاٹنا یا اکھاڑنا مشکل ہو گا۔"

"کیا روشنی کا بندوبست بھی ہے وہاں؟" میں نے جلنے کے بجھنے میں سوال کیا۔

"میری آنکھیں۔" وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اپنی آنکھوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "اندھیرے میں تم سے زیادہ دیکھ سکتی ہیں۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہو۔" میں نے چڑھنے کے بجائے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ساری علامتیں بھی یہی بتاتی ہیں۔ جب ہڈیوں کی کمی نے دھوکا دیا۔"

اس نے زبان کھولنی چاہی لیکن میں نے اسے بولنے کا موقع دیے بغیر نوکیلی سلاخ اسے تھما دی۔ "تختوں کے جوڑ تلاش کر کے انہیں اکھاڑنے کی کوشش کرو۔۔۔ بس بھری ہوئی الماری کو کوئی ضرب نہ پہنچے۔"

"اور تم سگرٹ جلاؤ گے؟"

"دیکھتی جاؤ۔"

میں نے الماری کے پٹ کھول کر تختوں کے قریب چند ضربیں لگائیں جن کے لیے آہنی صراحی بہت مناسب تھی۔

چند منٹ کی کوشش کے بعد الماری کا ایک پٹ اپنی جگہ سے بیٹھا اس اثنا میں سیتا بھی دو تختے اکھاڑ چکی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں وہاں لکڑی کے شکستہ تختوں کا ملبہ جمع ہو گیا اور فرش میں بنی ہوئی سرنگ سامنے آ گئی۔

سیتا نے اندھیرے میں جو کچھ دیکھا وہ بالکل درست ثابت ہوا۔ خالی ہونے والی جگہ پر فرش میں ایک تین فٹ گہرا مستطیل گڑھا تھا جو ہر طرف سے پختہ تھا اور فرش کے متوازی زیر زمین جانے والی سرنگ کے دہانے پر آہنی سلاخوں کی موٹی جالی کنکریٹ میں اتنی گہرائی اور مضبوطی سے نصب کی گئی تھی کہ اسے توڑنے یا اکھاڑنے کا خیال بھی احمقانہ محسوس ہوتا تھا۔

"یہ تو تازہ ہوا کی آمد کا راستہ ہوا۔" میں نے سرنگ سے آنے والی تازہ ہوا کے خوشگوار تھپیڑوں میں گہرے سانس لیتے ہوئے کہا۔ "اب کہیں گندی ہوا کی نکاسی کی راہ بھی ملنی چاہیے۔ اس راستے اور بجوں سرنگ کے ذریعے فرش سے سات آٹھ فٹ اٹھا دیا گیا تھا یعنی اس کی راہ فرش کی سطح پر کہیں ہو گی۔"

"کیا یہ ضروری ہے؟" سیتا نے سوال کیا۔

"قطعی۔" میں نے کہا۔ "تازہ ہوا ہلکی ہوتی ہے اور گندی ہوا بھاری جو ہمیشہ فرش کے قریب ہی جمع ہوتی رہتی ہے۔"

کوشش بے سود ہو گئی۔ سیتا نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "یہ تو معلوم ہو گیا کہ انہوں نے ہوا کی آمد و رفت کے لیے سرنگیں بنا رکھی ہیں۔ ان کی ساخت بھی ایسی ہو گی جسے ہم آسانی سے استعمال نہ کر سکتے تو اس سے کیا فائدہ اٹھا لیں گے۔"

"ٹھیک ہی کہہ رہی ہو۔" میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں اپنی توانائی بلا وجہ ضائع نہیں کرنی چاہیے۔"

ہم دونوں وہیں ایک تختے پر بیٹھ گئے۔

لکڑی کی عمودی سرنگ سادہ خاص زاویوں سے بنی ہوئی اس کے چاروں اطراف کے خانے کے نتیجے میں جو ہوا کا بہاؤ تشکیل پا رہا تھا مگر میں پوری کوشش کے بعد بھی دوسری طرف چلنے والے طاقتور پنکھے کی کوئی آواز نہ سن سکا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں یہیں رک کر ان لوگوں کی واپسی کا انتظار کرنا ہو گا۔" کچھ دیر بعد سیتا نے کہا۔ "خدا کرے کہ ان کے بارے میں تمہارے اندازے درست ہوں۔"

"اس قید میں تمہارا آرائیوں کے سوا ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"تم تو سگرٹ بھی پیتے جا رہے ہو۔۔۔ گویا ہمیں کیا کرنا ہے۔"

سونے کی کوشش کرو۔" میں نے اس کی پشت پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"نیند کا تو کوسوں دور بھی پتہ نہیں ہے۔"

پھر تہ خانے میں کہیں خورد و نوش کے سامان کا ذخیرہ تلاش کرتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ میری فرمائش پر ڈاکٹر آستھی نے اپنی خوابگاہ سے اسکاچ کی نصف بوتل نکالی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ پینے کا کسی حد تک عادی تھا لہذا اس کے زیر زمین دفتر میں بھی شراب کی موجودگی ضروری تھی جہاں وہ دن کا بیشتر حصہ گزارا کرتا تھا۔

یہ خیال آتے ہی میں نے سیتا کو تمام شراب کی بوتلوں کا بھی خیال رکھنا۔ یہاں ان کی بھی فراوانی ہونی چاہیے۔"

"ضرور رکھوں گی۔" وہ جاتے جاتے مڑ کر بولی۔ "مگر ایک بات یاد رکھنا کہ تمہاری ہر وقت کی یہ عادت مجھے پسند نہیں ہے۔"

میرے لیے اس پر تبصرہ کرنا ضروری نہیں تھا۔ اس وقت میرا ذہن سرنگ کی آہنی سلاخوں سے نجات کے مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ اگر آہنی سلاخوں کو ہٹایا جانا ممکن ہوتا تو اس دو ڈھائی فٹ چوڑی سرنگ میں رینگ کر بآسانی اس کے دہانے پر پہنچا جا سکتا تھا جہاں کسی تدبیر سے پنکھے کو بند کر کے باہر نکلنا زیادہ دشوار نہ ہوتا۔

مختلف امکانات پر غور کرتے کرتے میرا دھیان اچانک تیزاب کی طرف گیا اور میں نے فوراً تجربہ گاہ میں الماریوں میں سجی ہوئی بوتلوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

ابتدائی چند منٹ ہی میں مجھے اس اعتبار سے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا کہ وہاں ہر کیمیاوی مرکب کا نام الفاظ کے بجائے کیمیاوی اشاروں میں لکھا ہوا تھا۔

میں نے اپنے ذہن میں موجود تعلیمی دور کی ساری یادوں کو کھنگال ڈالا مگر دو چار عناصر سے زیادہ کوئی علامت یا اشارہ یاد نہ آ سکا۔ پھر ٹہلتے ٹہلتے میری نگاہ زعفرانی رنگ کے سیال سے بھرے ہوئے تنگ منہ کے ایک مرتبان پر پڑی اور اس پر لکھے ہوئے حرفی اشارات کا مفہوم اچانک یاد آ گیا۔ اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کر رہا تھا تو وہ اٹھانوے فیصد قوت والا گندھک کا تیزاب تھا۔

میں نے احتیاطاً اس تیزاب کے چند قطرے فرش پر ٹپکائے اور سفید جھاگ اور بدبودار گیس کو محسوس کرتے ہی اسے سرنگ کے دہانے کی طرف چل دیا۔

وہاں پہنچتے پہنچتے میرا سارا جوش بلبلے کی طرح بیٹھ گیا۔

میرا ارادہ تھا کہ سلاخوں کے سروں کو بار بار تیزاب میں بھگو کر ایک یا چند گھنٹوں میں اتنا کمزور کر لوں گا کہ انہیں اکھاڑنا آسان ہو جائے مگر وہاں ہوا کے تیز بہاؤ نے میرا منصوبہ چوپٹ کر دیا۔

گو دونوں جوڑوں میں تیزاب کے بعد ہوا نے متاثر ہوتے ہیں با ہر آ رہی تھی اور سلاخوں پر تیزاب ڈالنے میں یہ خطرہ تھا کہ تیزاب کے ذرات ہوا کے ساتھ مل کر پھیپھڑوں اور آنکھوں میں آ جائیں۔ اس کے علاوہ ہوا کے باعث تیزاب کا زیادہ دیر تک سلاخوں پر رک کر لوہے کو گلانا بھی ناممکن تھا مگر میں نے نیم دلی کے ساتھ ایک کوشش کا آغاز کر ہی دیا۔

ایک ملبی چمچہ نما کے سرے پر کافی مقدار میں روئی باندھ کر میں نے اسے اچھی طرح گندھک کے تیزاب میں تر کیا اور دونوں طرف سے ہو کر وہ روئی سلاخوں کے سروں پر بھیرنے لگا۔ تیزاب کے بخارات نے ہوا میں مل کر چند ہی ثانیوں میں پوری فضا کو آلودہ کر دیا۔

سیتا خوش خوش وہیں لوٹی تو میں کئی بار روئی کو تیزاب میں تر کر کے اسے لوہے پر پھیر چکا تھا اور تیزابی بخارات کی جلن مجھے حلق سے آنکھوں تک میں محسوس ہو رہی تھی۔ ساتھ ہی آنکھوں سے پانی بھی بہہ رہا تھا۔

"کیا کر رہے ہو؟ حالت کیا ہو رہی ہے تمہاری؟" سیتا میری حالت دیکھ کر دور ہی سے چلا اٹھی۔ فضا میں رچی ہوئی بدبو شاید اس نے وہاں بھی محسوس کی ہو گی۔

"تیزاب سے سلاخوں کو گلانے کی کوشش کر رہا ہوں۔" میں نے اس مخدوش حالات کے باوجود اپنے جواب کو خاصا احمقانہ محسوس کیا۔

"خدا کے لیے بند کرو یہ سلسلہ۔" وہ بے تحاشا کھانستی ہوئی میرے قریب آئی اور لکڑی میرے ہاتھ سے چھین کر دور پھینک دی۔ "بہت زہریلی بو ہے اس کی۔ ایسا نہ ہو کہ ہم خود ہی اپنے مرنے کا بندوبست کر لیں۔"

اس کا خوف حقیقت بھی تھا۔ میں نے کم از کم عارضی طور پر اپنی کوشش روک دینے کا فیصلہ کر لیا تاکہ فضا آلودگی سے پاک ہو سکے اور میں سرنگ کے دہانے پر جا کر اپنے تجربے کا نتیجہ دیکھ سکوں۔

"کیبن میں کس طرف شراب ہے؟ اپنی کھانسی پر قابو پا جانے کے بعد وہ سلیقہ سے ٹہلتے ہوئے بولی۔ "البتہ باہر ایک ڈیپ فریزر میں کھانے کی اشیا کی بھاری مقدار موجود ہے۔"

"بڑی اچھی خبر ہے۔" میں نے کہا۔ "تمہارے سینے میں جلن ہو رہی ہے شاید۔"

"میرا تو دم گھٹا جا رہا ہے، پتہ نہیں تم کیسے برداشت کر رہے تھے یہ سب۔"

"زہر کو زہر ہی اثر نہیں کرتا۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور اسے لے کر ڈاکٹر آستھی کے کیبن کی طرف چل دیا۔

ڈاکٹر آستھی کا کیبن ہر اعتبار سے بہت آرام دہ تھا لیکن وہاں اس کی بیت کی لاشیں موجود تھیں جو ماحول کو ناخوشگوار بنا رہی تھیں لہذا ہم دونوں نے وہ لاشیں باہر نکال کر ایک طرف ڈال دیں تاکہ اس کمرے کو سکون کے ساتھ سستانے کے لیے استعمال کیا جا سکے۔

کیپٹن کیا لیتے ہوئے سیڑھیوں پر نگاہ رکھنی ضروری تھی تاکہ بے خبری میں صورتِ حال میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو سکے لہٰذا میں نے سیڑھیوں کی سمت والی چوبی دیوار کا خاصا حصہ توڑ دیا تاکہ سیڑھیوں پر براہِ راست نظر رکھی جا سکے۔

"لیکن سیڑھیوں سے خاصی دور ہے۔" سینتا نے میری کارروائی کے اختتام پر کہا۔

اس کی بات فوراً ہی میری سمجھ میں آ گئی۔

اگر کوئی تہہ خانے میں آنے کی کوشش کرتا تو اسے بلا مزاحمت نیچے آنے اور صورتحال کا جائزہ لینے کی مہلت مل سکتی تھی کیونکہ ہمیں اس تک پہنچنے میں خاصی دیر لگ جاتی جب کہ حکمت عملی کا تقاضا یہ تھا کہ تہہ خانے کے دروازے میں جنبش ہوتے ہی ہم وہاں موجود ہوں تاکہ آنے والے کسی بھی شخص کو سنبھلنے کی مہلت دیئے بغیر تیزی سے وار کیا جا سکے۔

میں نے بلیک ڈاگ کی ایک بوتل سنبھالی اور سینتا نے خورد و نوش کا کچھ سامان لیا اور ہم سیڑھیوں کی طرف چل دیئے۔

تہہ خانے میں آنے والی پہلی سیڑھی کی کچھ جگہ چوڑی تھی اور وہاں روشنی بھی معقول رہی تھی لہٰذا ہم دونوں سیڑھیاں عبور کر کے وہاں پہنچ گئے۔

ماسک اور گیس کے سلنڈر وغیرہ بوقتِ ضرورت کی ہر چیز ہمارے ساتھ موجود تھی۔

ہم دونوں کو وہاں بیٹھے بیٹھے خاصا وقت گزر گیا لیکن ہر طرف موت کا سکوت طاری رہا۔

تہہ خانے میں پھیلی ہوئی یکساں قدرتی روشنی میں وقت کا تصور مفقود تھا لیکن اکتاہٹ کے لمحات میں رسٹ واچ بتا رہی تھی کہ باہر دن ڈوب چلا تھا جس کا مطلب تھا کہ ہمیں اس زیرِ زمین قید خانے میں آئے ہوئے آٹھ گھنٹے سے زائد گزر چکے تھے۔

"اگر تمہارا اندازہ سرے سے غلط ثابت ہوا؟" سینتا نے سیدھے پہلو میں کروٹ بدلتے ہوئے سوال کیا۔

"میں نے اندازے کچھ حقائق کی بنا پر قائم کیے ہیں اور میرے خیال میں زیادہ سے زیادہ دو دن میں انہیں واپس لوٹنا چاہیے۔"

"دو دن؟" سینتا حیرت سے اچھل پڑی۔ "یعنی تم دو دن تک اس قبرے میں رہنے کے لیے ذہنی طور پر آمادہ ہو؟"

"مجبوری ہے۔" میں ہنسا۔ "اس کے علاوہ تم کیا کر سکتی ہو؟"

"مجھے یوسف کی طرف سے پریشانی ہو گئی ہے۔" اسے پہلی بار خیال آیا۔ "شو زنے ہماری روانگی کے بعد سے وہ مسلسل لاپتہ ہے۔"

"بعض باتیں رفتہ رفتہ میری سمجھ میں آتی جا رہی ہیں۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ اپنی کارگزاری دکھا چکا ہے۔"

"کیا؟" وہ حیرت سے اچھل پڑی۔ "کارگزاری دکھا چکا ہے؟"

"تمہیں یاد ہے کہ ناشتے کے دوران مائیکل ٹرمپ کیا کہہ رہا تھا؟ یوسف ہی کے بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا..." روا روی میں کہا پھر خود ہی کچھ جھجک پڑا اور ...

"خدا! تو اس کا مطلب ہے کہ پچھلی رات اس عمارت میں ... کی ناکام کوشش کے سلسلے میں وہ مجبور نہیں تھا؟"

"ہاں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "تو تفصیلات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر قریب سے حالات کا جائزہ لیا ہوگا مگر محافظوں کی وجہ سے اندر داخل ہونے میں کامیاب نہ ہو سکا۔"

"مگر اس میں کون سی کارگزاری نظر آ گئی تمہیں؟"

"اسے محافظوں نے بہت قریب سے دیکھا۔" میں نے کہا۔ "... طرح جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوگا کہ وہ تنہا ... نہیں کر سکتا لہٰذا یہاں سے واپسی کے بعد اس نے مائیکل کا ... پہاڑ توڑنے کی کوشش کی اور کامیاب رہا۔"

"کون سا حربہ؟"

"جب ہم عبدالباقی کی حویلی میں پناہ گزین تھے تو مائیکل ٹرمپ کو اس کی ذاتی قوت کا ... ہاتھ ڈالنے کا موقع نہیں مل سکا تو اس نے فوجی حکام کو خبر دے دی کہ ناکام فوجی بغاوت کا سرغنہ یہاں روپوش ہے اور فوجی وہاں پہنچ گئے۔ ہو سکتا ہے یوسف نے بھی اس عمارت کے بارے میں فوجی حکام تک ایسی ہی کوئی خبر پہنچائی ہو کیونکہ یاد ہے کہ مائیکل ٹرمپ کے آدمی نے ڈاکٹر آسٹن کو بتایا تھا کہ فوجی اندر داخل ہو کر عمارت کی تلاشی لینا چاہتے تھے۔"

"تم ٹھیک ہی سوچ رہے ہو۔" وہ بڑبڑائی۔ "لیکن یوسف کو کھونا بھی ہونی نظر آتی ہے جو چاہے جتنی بھی گھمانے سے حرکت میں آ سکے۔"

"یہ اتنا سہل بھی نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہی ہو۔"

"دیکھا جائے تو فوجی حکام مجرموں کے اشارے پر ناچ رہے ہیں۔"

"مائیکل ٹرمپ کے بعد یوسف نے بھی وہی رگ دبا دی ہو گی۔ سیاسی مجرم بالخصوص جمہوری حکومت کی سب سے بڑی کمزوری ہوتے ہیں اور انہیں پکڑنے کے چکر میں حکمرانوں سے ایسی احمقانہ حرکات سرزد ہوتی ہیں جو عام حالات میں ایک بچہ بھی نہیں کر سکتا۔"

"بات درست ہی ہے تمہاری۔ یوسف پر تو حکومت کے خلاف ناکام بغاوت میں ملوث ہونے کا الزام ہے اس لیے مائیکل ٹرمپ کا یہ حربہ کامیاب ہو گیا تھا مگر یوسف نے انہیں کیسے اکسایا ہو گا؟"

"یہ نہ بھولو کہ وہ برسوں سے یہاں رہتا چلا آیا ہے۔ اپنی ... کی نوعیت کی وجہ سے وہ دور حکومت ایسے ناموں سے واقف ہو گا جو حکومتِ وقت کے معزز سیاسی مجرم ہیں۔ پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یوسف نے انہیں اس عمارت میں خود اپنی ہی روپوشی کی خبر پہنچائی ہو۔"

آخری لمحے پر وہ بے اختیار ہنس پڑی۔ "کاش کر دیا ہو۔ اور پھر یہ بھی نہیں خیال چاہیے کہ وہ کس قدر مضحکہ خیز انداز میں بوکھلا رہے ہوں گے۔ ... تو وہ اپنا سر پیٹ کر رہ جائیں گے۔"

"وقت کسی بھی ملک کا سب سے قیمتی اور آخری اثاثہ ہوتی ہے۔" میں نے کہا۔ "اسی وجہ سے انہیں ... قصرِ شاہی سے دور رکھا جاتا ہے کہ کوئی سربراہ اور وہ اقتدار سے دوچار ... براہِ راست ... سے داؤ پر نہ لگ سکے۔"

"یہ سب تو اپنی جگہ درست ہی ہو گا لیکن اب ہمارا مستقبل کیا ہو گا؟"

"دو دن — انتظار میں گھنٹے۔" میں نے کہا۔ "اس کے بعد ہم دروازہ توڑنے کی کوشش کا آغاز کریں گے۔"

اس غیر یقینی صورتِ حال اور مسلسل تکان کے باعث ہم نے فیصلہ کیا کہ دونوں باری باری آرام کریں تاکہ دروازے کی مسلسل نگرانی کے ساتھ ساتھ آرام کے فطری تقاضے کو بھی برقرار رکھا جا سکے۔

سینتا سونے کے لیے لیٹ گئی تو میں نے ماسک اس کے پہلو میں رکھ دیا تھا تاکہ ہنگامی صورتِ حال میں بیدار کیے جانے پر فوری طور پر بدترین صورتِ حال کے لیے تیار ہو سکے۔ احتیاطاً اس کو دیا پستول نما بھاری ہتھیار سینتا نے دو پہلے لیا تھا۔

تہہ خانہ مکمل سکوت میں ڈوبا ہوا تھا۔ بالکل یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ... آنے والی موت کے قریب سامنے ... وقت بڑی سست رفتاری سے گزرتا چلا جا رہا تھا۔

سینتا تہہ خانے کے دروازے کے قریب پہلی سیڑھی کے بجائے آخری سیڑھی کے بیٹھک فرش پر بے خبر سو رہی تھی۔ یہ احتیاط اس لیے کی تھی کہ تہہ خانے کا دروازہ خفیف سی آواز کے ساتھ محض چند سیکنڈ میں کھل سکتا تھا جب کہ بے خبری کی گہری نیند سوتے ہوئے کسی انسان کے لیے بیدار ہو کر کسی خطرناک صورتِ حال کے مقابلے کے لیے تیار ہونے کے لیے کافی تھا۔ اگر باہر سے کوئی آ بھی جاتا تو سینتا کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو سکتا تھا جب کہ داخلی راستے سے دور ہونے کی بنا پر اسے اپنے حواس مجتمع کرنے کا موقع مل سکتا تھا۔

کافی وقت گزر جانے کے بعد مجھے خیال آیا کہ خود میرے لیے یہ جگہ داخلی راستے کے عین سامنے رکے رہنا اس اعتبار سے خطرناک تھا کہ دروازہ کھلتے ہی آنے والوں کے نشانے پر ہوتا اور قوی امکان تھا کہ ان کی تعداد زیادہ ہوتی تو ایک دو کو زہریلی گیس کا نشانہ بنانے کے بعد بھی کسی کے ہاتھوں مجھے جسمانی طور پر تشدد یا ہتھیار کا نشانہ بننا پڑتا۔

میرا یہ خیال بہت بروقت ثابت ہوا۔

میں دیوار کے اس حصے کی اوٹ میں چلا گیا جس پر کبھی منتقب تھا کیونکہ وہ جگہ دروازہ پیچھے چلے جانے کے بعد بھی اپنی جگہ قائم رہتا۔

عقب جگہ تبدیل کرنے کے محض چند منٹ بعد خفیف سی آواز ہوئی اور دیوار کا وسطی حصہ تیزی سے پیچھے چلا گیا۔

میرا دل یکبارگی دھڑکنے لگا۔

دیوار نے جوں ہی اپنی جگہ چھوڑی کسی خودکار سوئچ کے ذریعے تہہ خانے کی بیشتر روشنیاں گل ہو گئیں۔ یہ احتیاطی تدبیر میں نے اسی وقت نوٹ کر لی تھی جب میں ڈاکٹر آسٹن کے ساتھ قیدی کے طور پر لایا گیا تھا اور مجھے معلوم تھا کہ دروازہ دوبارہ بند ہوتے ہی وہ مشعلیں خودبخود جل اٹھیں گی۔

دیوار میں پیدا ہونے والے راستے کی دوسری جانب چند سیکنڈ تک سنسنی خیز سکوت طاری رہا۔ میں نے ماسک جھپٹ کر پہن لیا اور گیس کا والو ضرور کھول لیا لیکن زہریلی گیس کے نوزل کے بجائے پستول نما ہتھیار سنبھالنے ہی پر اکتفا کیا کیونکہ اس وقت سینتا ادھر کے حالات سے بے خبر پیچھے سوئی ہوئی تھی اور اس کے چہرے پر ماسک نہ ہونے کی وجہ سے زہریلی گیس کے بخارات اسے نقصان پہنچا سکتے تھے۔

"مجرم گاؤں میں گہرا سکوت ہے۔" خلا کے اس پار سے مدھم سی مردانہ آواز ابھری۔ اس میں تجسس کے ساتھ بے یقینی بھی تھی۔

"ڈاکٹر آسٹن بہت خبیث ہے۔" اس بار میں نے مائیکل ٹرمپ کی آواز پہچان لی۔ "قیدیوں کو بے ہوش کر کے خود بھی آرام کر رہا ہو گا۔"

پھر قدموں کی ہلکی سی دھمک میں تین افراد اس خلا میں سے گزر کر اندر آ گئے۔ ان کے قدموں کی پہلی جھلک دیکھتے ہی میں نے فوری طور پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ ان میں سے کوئی بھی اندر آنے کے بعد راستہ دوبارہ بند کرنے کے لیے اندر کے دیوار گیر دستے کی طرف متوجہ ہو سکتا تھا۔

اور ہوا بھی یہی۔

اندر پہنچتے ہی ایک کا رُخ اسی سمت میں ہوا تھا۔ وہاں مجھے ماسک میں موجود دیکھ کر اس کے حلق سے تیز تیز آواز بلند ہوئی تھی مگر اسی لمحے میں نے بائیں ہاتھ سے دیوار گیر دستہ باہر کھینچا اور ان کی واپسی کی راہ مسدود کر دی اور دوسرے کے ساتھ پستول نما ہتھیار کا ٹریگر بھی دبا دیا۔ اس کی نال کے چھوٹے سے سوراخ سے ہلاکت آفریں سیال کی پتلی سی دھار نکلی اور اس کے پیٹ میں سے گزرتی چلی گئی۔

اس کے حلق سے کربناک چیخیں نکلیں جیسے کسی نے اسے الاؤ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں پھینک دیا ہو اور وہ گر کر سیڑھیوں پر لڑھکتا ہوا نیچے چلا گیا۔

میں نے اس کارروائی کے فوراً بعد پستول کی نال کا رُخ ان دونوں کی طرف کر دیا تھا جو اپنے ساتھی کی چیخ پکار سن کر تیزی سے میری طرف گھوم گئے تھے۔

تہہ خانے کا دروازہ بند ہونے پر ساری روشنیاں جل اٹھی تھیں۔

اور فضا میں دُھندلی سی آسیب زدہ روشنی کے بجائے تیز اجالا پھیل گیا تھا۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" میں نے گن کو جنبش دیتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"تم کو پچھتانا ہوگا۔" مائیکل ٹرمپ نے آہستہ آہستہ ہاتھ اوپر کرتے ہوئے کہا۔

وہ اتنا احمق نہیں تھا کہ اس مرحلے پر بساط الٹنے کا اندازہ نہ کر سکا ہو مگر پھر بھی اپنے لہجے میں رعب پیدا کر کے وہ خود کو لاپروا ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"زبان بند رکھو۔" میں بھیڑیے انداز میں ایک قدم آگے لپک کر غرایا اور مائیکل کا ساتھی بُری طرح سہم گیا جب کہ مائیکل پر بھی سرسری سا اثر ہوا۔

اس وقت میں نے اپنے جنونانہ رویے سے ان دونوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ اگر انہوں نے میرے احکام سے ذرا بھی انحراف کیا تو فوری طور پر کوئی بھی انتہائی اقدام کر بیٹھوں گا۔۔۔ میرے اس رویے کو ان کے اس ساتھی کی حالت سے تقویت ملی تھی جو تہہ خانے کے فرش پر پڑے پڑے کے بعد بھی کسی ذبح ہوتے بکرے کی طرح چیختے جا رہا تھا۔

"باقی کہاں مر گئے؟" اچانک پیچھے سے سیتا کی آواز ابھری۔ اور میرے وجود میں سکون کی لہر سرایت کر گئی۔

بیدار ہونے کے بعد وہ صرف صورت حال کا اندازہ کر چکی تھی بلکہ شاید گیس ماسک بھی پہن چکی تھی کیونکہ اس کی آواز کسی حد تک بھاری محسوس ہوئی تھی۔

"ایک نیچے تمہارے دو قیقے میں ہیں۔" میری آواز سن کر وہ اوٹ سے سامنے آ گئی۔ عملاً اس وقت وہ پہنچی تھی اور سامنے آنے سے پہلے حالات کے رخ کا اندازہ کر کے اس نے عقلمندی کا ثبوت دیا تھا۔

"نیچے اتر و۔" میں نے غرا کر ان دونوں کو حکم دیا۔

مائیکل ٹرمپ کے ساتھی کے چہرے پر تو ہوائیاں اڑنے لگیں اور اس نے مشینی انداز میں میرے حکم کی تعمیل کی تھی لیکن مائیکل کے تیور کچھ خطرناک نظر آ رہے تھے یا کم از کم وہ ایسا ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

نیچے اترتے ہوئے میں ان دونوں کی پشت پر تھا لہٰذا۔۔۔ میں نے پستول نما ہتھیار کے بجائے انہیں گیس نوزل کی زد پر لے لیا۔ مائیکل ٹرمپ کی چال میں کچھ ایسی آہستگی تھی کہ وہ مجھے ٹھیک نظر نہیں آ رہا تھا۔ بے اختیار مجھے طیش آ گیا اور میں نے پھرتی سے دو سیڑھیاں عبور کر کے اس کی پشت پر لات جمائی اور وہ بُری طرح نیچے لڑھک گیا۔

نیچے لڑھکتے ہوئے بھی اس کے کس بل برقرار رہے کیونکہ چوتوں سے بے پروا وہ بُری طرح بکتا رہا۔

فرش پر پہنچتے ہی وہ حیرت ناک سرعت سے پنجے قدموں پر کھڑا ہوا تھا۔ اس کی دائیں کنپٹی پھٹ چکی تھی جس سے بہنے والا خون اس کے لباس کو داغدار کر رہا تھا۔

"ڈاکٹر آسٹن کہاں ہے؟" وہ مجھے نفرت آمیز نگاہوں سے گھورتا ہوا غرایا۔

میں نے مائیکل کو کسی کے بھی حوالے سے ڈاکٹر آسٹن کا پتا نہ بتایا وہ میرا عقب سے اس کے لیے ناقابل رسائی تھا۔

"دیکھوں گا یہ ساری ہیرا پھری۔" وہ دانت پیس کر بولا۔ "اس وقت جو بھی چاہے کر لو مگر آخر کار یہی تہہ خانہ تمہارا مقبرہ بنے گا۔"

"ڈاکٹر آسٹن کو بھی بڑا گھمنڈ تھا اپنی قوت اور دبدبے پر۔" میں نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ "لیکن اس وقت وہ عبرت کا شاہکار بنا ہوا ہے۔"

اسی لمحے سیتا میرے قریب آ گئی اور پستول نما ہتھیار میں نے اس کے حوالے کر دیا۔

"بلا وجہ شور کر رہا ہے، ختم کر دوں اسے؟" سیتا نے پستول بیٹھے ہی بجائے مائیکل ٹرمپ کے زخمی ساتھی کے بارے میں پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ اور ذرا اس کی بھی ایک ٹانگ گلا دو تاکہ اس کی خوش فہمیاں رفع ہو سکیں۔" میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔

سیتا مائیکل کے عقب میں کھڑی تھی مگر وہ تیزی سے اس کی طرف گھوم گیا۔ اپنے ساتھی کا حشر دیکھنے کے بعد اسے پستول نما ہتھیار کی تباہ کاری کا بخوبی اندازہ ہو چکا تھا۔

سیتا نے جوں ہی ٹریگر دبانے کے لیے اپنا ہاتھ سیدھا کیا۔ مائیکل ٹرمپ بلا کی پھرتی سے اس کی طرف دوڑ پڑا لیکن اس تک پہنچنے سے پہلے ہی فرش پر گر گیا۔ سیتا نے بہترین نشانہ بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی دائیں پنڈلی ناکارہ کر دی تھی۔

گرتے ہوئے اس کے حلق سے کسی بھیڑیے جیسی غراہٹ بلند ہوئی تھی مگر اس نے کسی قسم کی چیخ پکار نہیں کی تھی۔

سیتا کے کیمیاوی کارتوس کے نتیجے میں مائیکل ٹرمپ کی پنڈلی کے وسط میں سوراخ ہوا تھا جو بتدریج بڑھتا گیا اور پھر پنڈلی گل کر الگ ہی ہو گئی۔ اس اثنا میں سیتا نے پیچھے ہٹتے ہوئے شکار کے دل کو نشانہ بنا کر اسے جہنم واصل کر دیا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تم دونوں کے علاوہ کوئی زندہ نہیں بچا ہے۔" چند ثانیوں بعد مائیکل ٹرمپ پُرسکون لہجے میں بولا۔

اس کی آنکھوں سے اذیت کا اظہار ہو رہا تھا لیکن زبان سے اس نے اُف تک نہیں کی تھی البتہ اس کے لہجے میں دبے لفظوں اعتبار سے شکست کا اظہار تھا۔

"یہ تو تمہیں اندر قدم رکھتے ہی سمجھ لینا چاہیے تھا۔" میں نے کہا۔

"پھر انتظار کس بات کا ہے؟" وہ گڑگڑا کر ایک ہی زندگی لب پر لانے والا دل سے نظر نہیں آ رہا تھا۔

"زندگی سے اس قدر مایوس ہو؟"

"مجھے کس لیے زندہ رکھنا چاہو گے؟" اس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ ابھر آئی۔ "میں نے تمہیں پکڑوایا مگر تقدیر نے تمہیں بازی الٹنے کا موقع دے دیا۔۔۔ اتنا شاید تم بھی سمجھ چکے ہو گے کہ کسی بھی طرح میری زبان نہیں کھلوا سکو گے۔"

"اور اگر تمہیں زندہ حالت میں حکام کے حوالے کر دیا جائے؟"

"مقدمہ چلا کر بھی کچھ حاصل نہ ہوگا، بس بے مقصد تشدد ہو جائے گا۔" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی دائیں ران دباتے ہوئے بولا۔ "حیرت ہے کہ یہ بات تم کہہ رہے ہو۔"

"ہاں کہ زندہ رہو گے تو شاید دوسروں کو عبرت ہوگی۔"

"دشمن کو سبق کا کردار اکثر ترقی کی نشانی ہوتا ہے، مار ناہے تو ابھی مار دو۔"

"ہمارے ایجنٹ جب ہمارے ساتھ کون سا بہتر سلوک کرنے والے تھے۔ بہتر یہی ہوگا کہ تمہارا ہاتھ پیروں سے محروم بدن جیتے جی کسی ڈھیر پر کراہتا رہے۔"

اس کے ہونٹ بھنچ گئے اور پیشانی پر وریدیں ابھر آئیں۔۔۔

"شاید پہلے تمہارے ہاتھوں کسی سرنگی کا یہ حشر ہو چکا ہے۔"

"تمہارے لیے تمہارے آقاؤں کی یاد تازہ ہو جائے گی کہ مقدر صرف زندہ رہے بلکہ پہلے ہی جتنا پاؤ دست بھی ہے۔"

میں نے لحظہ بھر سوچا۔ اس کا زندہ رہنا خطرناک ہی ہوتا۔ اس کے ذریعے تجربہ گاہ کے خاتمے کی حقیقی کہانی اسرائیل تک پہنچ سکتی تھی جب کہ عینی شاہدوں کے خاتمے کے بعد اس عمارت کی بربادی کا راز اسرائیلیوں کے لیے ہمیشہ کی خلش بن جاتا۔

"باہر تمہارے کتنے آدمی ہیں؟" میں نے قدرے توقف کے بعد سوال کیا۔

"شکر ہے تو گن رہا ہے۔" وہ کہیں بھی کمزوری دکھانے کو تیار نہ تھا۔

"اور عمارت میں کس طرح سے داخل ہوئے ہو؟"

"یہاں سے نکل کر طواف کرو گے تو سب سامنے آ جائے گا۔" اس نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "یہاں سے زندہ سلامت نکل جانا تمہارے لیے اتنا آسان نہیں ہوگا۔"

وہ وقت برباد کر رہا تھا اور میری تشویش بلکہ سوالوں کے جواب اُلجھنے کے ذریعے وہ مجھ پر اپنی برتری کا احساس کر رہا تھا۔ دوسری طرف اس کے ساتھی اگر باہر موجود تھے تو زیادہ وقت گزرنے پر وہ ہوشیار ہو سکتے تھے لہٰذا مناسب یہی تھا کہ ہم پہلی فرصت میں تہہ خانے کی بند فضا سے نجات حاصل کرتے۔

میں نے اپنے نوزل والے ہاتھ کو جنبش دے کر سیتا کو اشارہ کیا اور پھر زہریلی گیس کے سلنڈر سے منسلک نوزل کا لیور دبا دیا۔

اس خطرناک ہتھیار کو میں پہلی بار استعمال کر رہا تھا لہٰذا میرے دل میں عجیب سا خوف سمایا ہوا تھا۔ نوزل کا رخ اس وقت مائیکل کے ساتھی کی طرف تھا۔ گہرے نیلے رنگ کی گیس نوزل سے نکل کر کافی تیزی سے سامنے چاروں طرف پھیل گئی اور آناً فاناً میں اپنے شکار کو نرغے میں لے لیا تھا۔

یہ بہت اچھا تھا کہ وہ گیس تیز رنگ لیے ہوئے تھی لہٰذا کس طرح متاثرہ علاقے کا آسانی کے ساتھ تعین کیا جا سکتا تھا اور نوزل سے خارج ہونے والی گیس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ چند ثانیوں کے بعد جب میں نے نوزل کے لیور سے دباؤ ہٹایا تو مجھ سے تین چار فٹ دور تک فضا صاف تھی البتہ اس سے آگے نیلی دھند کی چھتری ہوئی دیوار قائم تھی۔ جو بتدریج پیچھے ہٹتی جا رہی تھی اور اس میں گھرا ہوا شخص دھندلا سا نظر آ رہا تھا۔

گیس کی پہلی بوچھاڑ پڑتے ہی اس کے اٹھے ہوئے ہاتھ یوں نیچے آ گرے جیسے انہیں اٹھائے رکھنے والے عضلات کسی تیز دھار چھری سے اچانک کاٹ دیے گئے ہوں۔ اگلے ہی لمحے اس کی پنڈلیاں کپکپانے لگیں اور جسم بے حد آہستہ آہستہ ایک طرف جھکنے لگا جیسے وہ سلو موشن میں ایک مہیب پر گرنے کی اداکاری کر رہا ہو۔

"یہ کیا کیا تم نے۔۔۔ میرا دم گھٹ رہا ہے، بدن جل رہا ہے۔" اس کی آواز بے حد ڈراؤنی ہو گئی تھی کیونکہ وہ ناک کے بل الفاظ کو کھینچ کھینچ کر بول رہا تھا۔

یہ تصور کر کے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ ڈاکٹر آسٹن اس تجربہ گاہ میں مفلوج کرنے والی گیسوں کے علاوہ ایسی مہلک گیسیں بھی ایجاد کر رہا تھا جو بموں کے ذریعے شہروں میں بکھیری جاتیں تو بھری پُری آبادیاں اسی شخص کی طرح درد ناک موت سے دوچار ہو جاتیں۔ جانوروں اور حشرات الارض سمیت انسانی آبادیوں کی اجتماعی موت کا وہ تصور قابل نفرت حد تک سفاکانہ اور غیر انسانی تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" مائیکل ٹرمپ کی آواز میں پہلی بار تشویش کے آثار اُمڈ آئے۔ وہ خوف اور حیرت سے نیلی دھند میں گھرتے ہوئے اپنے ساتھی کو دیکھے جا رہا تھا۔

"تمہارے لیے تو یہ تجربہ نیا نہیں ہونا چاہیے۔" سیتا نے طنزیہ لہجے میں کہا مگر میں خاموش رہا کیونکہ موت کی اس دہشت ناک فضا میں مائیکل ٹرمپ کی آواز میرے لیے خیال افروز ثابت ہوئی تھی اور مجھے ایک نئی راہ سوجھ گئی تھی۔

اس تہہ خانے میں ہوا کی تیز تحریک سی گردش باہر نکلنے والے روشن دان تو...

بکسوں اور زیرِ زمین سرنگوں کے فیصلے برقرار تھی مگر ہوا کا وہ جھونکا بھی پیدا کرنا ناکافی تھا کہ موت کی نیلی دھند کو منتشر نہیں کر پا رہا تھا۔

وہ نیلی دھند جہاں تھی وہیں ٹھہری ہوئی تھی اور آہستہ آہستہ نیچے بیٹھتی جا رہی تھی۔ اس میں گھرا ہوا شخص زہریلے بخارات کے زیرِ اثر اپنے حل سے دوچار ہو چکا تھا جو دیکھنے میں بالکل نیا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ اس کا انجام صرف اور صرف موت ہی تھا جب کہ ہائیکل ٹریپ کسی حفاظتی ماسک وغیرہ کے بغیر گیس کے حصار سے تھوڑی دور معذوری کے عالم میں فرش پر بیٹھا ہوا تھا لیکن گیس نے اس پر کوئی اثر نہیں کیا تھا جس کا مطلب تھا کہ ماسک وغیرہ کے بغیر بھی احتیاط کے ساتھ اس حربے کو استعمال کیا جا سکتا تھا۔

دھند میں گھرا ہوا شخص الم ناک صورتِ حال سے دوچار تھا۔ اس کے فرش پر گرنے تک کا وقفہ جو شاید ایک سیکنڈ سے بھی کم رہا ہو گا بہت طویل محسوس ہوا۔ دم گھٹنے کے باعث اس کا چہرہ سیاہ پڑ گیا تھا۔ چہرے، گردن اور جسم کے کھلے حصوں کی وریدیں کسی مال خور بیل کی بیل شاخوں کے جال کی طرح اس کی جلد پر ابھر آئی تھیں۔ خدوخال بھیانک انداز میں مسخ ہو کر رہ گئے تھے۔ پورا چہرہ پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ اور آنکھیں یوں پھٹ پڑنے کے قریب ہو گئی تھیں جیسے وہ اپنی پوری قوت صرف کر کے بھی سانس لینے میں کامیاب نہیں ہو پا رہا ہو۔

"اُف!" سیتا نے بے اختیار اپنا منہ دوسری طرف کر لیا۔ "کس قدر بھیانک منظر ہے انسانی بے بسی کا۔"

اس وقت تک میری پوری توجہ مرنے والے کی طرف مرکوز تھی۔

سیتا نے جوں ہی اپنا منہ دوسری طرف پھیرا، فرش پر بیٹھے ہوئے ہائیکل ٹریپ کو موقع مل گیا۔

ایک دھماکے سے گولی چلی۔ وہ میرے بائیں شانے کی جلد چھیلتی ہوئی گزر گئی۔ اس وقت میرا ذہن اس حد تک حاضر تھا کہ مجھے تکلیف سے پہلے صورتِ حال بگڑنے کا احساس ہوا اور میں پھرتی سے جھکنے کے بل فرش پر گر گیا کیونکہ پشت پر دو عدد سلنڈر لٹکے ہوئے تھے۔

دوسری گولی پل بھر کے بعد چلی تو میرے جسم کا کوئی حصہ اس بلندی پر نہیں تھا جہاں سے گولی گزری تھی۔

میں نے اس معذور مکار کو تیسرے فائر کی مہلت دیئے بغیر نوزل سنبھال کر اس پر نیلی دھند کی بوچھاڑ کر دی۔

تیسرے فائر کے لیے وہ کہنیوں کے بل فرش سے اٹھ رہا تھا تاکہ مجھ پر کاری ضرب لگا سکے لیکن اس بے رحم گیس نے آناً فاناً اسے مفلوج کر دیا اور وہ دوبارہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

میں سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس وقت سیتا ششدر سی کھڑی ہوئی تھی۔ جو کچھ ہوا وہ اس قدر غیر متوقع طور پر اور اتنی تیزی سے ہوا کہ سیتا کو کچھ سمجھنے یا فیصلہ کرنے کی مہلت ہی نہیں مل سکی۔

میں آگے بڑھا تو ہائیکل فرش پر پڑا مجھے ہی گھور رہا تھا۔ نزع اور جانکنی کے عالم میں اس کی آنکھوں سے غصہ اور نفرت کے شعلے لپک رہے تھے۔

وہ سمجھ چکا تھا کہ اس کا آخری وقت آ گیا تھا لہٰذا وہ مرنے سے پہلے اپنے دلی جذبات چھپانا نہیں چاہتا تھا۔

پھنسے پھنسے سانسوں کے دوران ٹوٹی ٹوٹی آواز میں اس نے پہلے تو کئی غلیظ گالیاں دیں اور پھر موت کے خلاف لڑنے میں مصروف ہو گیا۔

اس وقت تک پہلا ساکت ہو چکا تھا۔ اس پر چھائی ہوئی دھند فرش سے ڈیڑھ دو فٹ اونچی رہ گئی تھی لیکن فرش کے قریب اس کا پھیلاؤ بڑھ گیا تھا۔

ہائیکل ٹریپ بہت ہوشیار شخص تھا۔ اپنے ساتھی کا تماشا کرتے ہوئے اس نے یہ نوٹ کر لیا تھا کہ گیس کے حصار میں جان بچانا محال ہے لہٰذا اس نے پوری قوت صرف کر کے کسی نہ کسی طرح اپنا سر گیس کی جانب سے باہر نکال لیا لیکن اس وقت تک گیس کی جتنی مقدار اس کے نظام میں داخل ہو چکی تھی وہ اپنا کام دکھا رہی تھی۔

میں حالانکہ ماسک پہنے ہوئے تھا اور خاص آکسیجن میں سانس لے رہا تھا لیکن اس زہریلی گیس کے قریب جاتے ہوئے خوف محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں وہ غبار تنفس کے ساتھ جسم کے مساموں کے راستے بھی اثر نہ کرتا ہو۔

ہائیکل ٹریپ کا پستول اس وقت بھی فرش پر اس کی ہتھیلی کے نیچے دبا ہوا تھا مگر میں بڑھ کر اسے ٹھوکر مارنے کی ہمت نہ کر سکا۔

میں نے ہائیکل پر گیس کی قدرے کم مقدار چھوڑی تھی لہٰذا میں نے محفوظ فاصلے سے دوبارہ نوزل سنبھالا اور اس کے چہرے کی سمت میں دوبارہ گیس چھوڑ دی۔

اس وقت مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں کسی صحت مند انسان کے بجائے ایک طاعون زدہ چوہے کی لاش پر جراثیم کش دوا چھڑک رہا ہوں۔

اور درحقیقت لینڈس میں ٹکرانے والی اسرائیلیوں کی وہ ٹولی طاعون زدہ چوہوں سے کم نہیں تھی۔ وہ لوگ بھی اس تہ خانے میں بدترین قسم کی وبائی اموات پھیلانے کے منصوبے اور ذرائع ایجاد کر رہے تھے جو ہر اعتبار سے ناقابلِ معافی جرم تھا۔

اگر موت کے بعد زندگی دینا قدرت نے کسی کے اختیار میں دیا ہوتا تو اس گروہ کا ہر رکن اس قابل تھا کہ اسے بار بار نئے نئے بدترین طریقوں سے ہلاک کر کے موت کی حقیقی اذیت سے آگاہ کیا جاتا لیکن یہ ممکن نہیں تھا پھر بھی مجھے اتنی خوشی تھی کہ اس گروہ کے کم از کم چار آدمی ہمارے ہاتھوں روایتی ہتھیاروں کے بجائے اپنی شرمناک ایجادات کے شکار ہوئے تھے۔

ہم اس وقت تک وہاں رکے رہے جب تک ہائیکل ٹریپ کے

بھی دانتوں، ناک اور کانوں سے خون کی پتلی پتلی لکیریں بہہ نہ نکلیں۔

دوسروں کے لہو کی ہولی کھیلنے والوں کو اپنے لہو کو محسوس کر کے ہم واپس ہو لیے۔

"تمہارا بازو زخمی ہے۔ ابھی تک خون بہہ رہا ہے۔" سیتا نے میرے ساتھ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بے چینی سے کہا۔

"جلد ادھر کسی کے آنے کا احتمال ہے، جلد باہر نکلنا ہر کام پر مقدم ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا اور بڑھ کر دستہ اپنی طرف کھینچ لیا۔

ہلکی سی آواز کے ساتھ دیوار کا سامنے والا حصہ فرش میں دھنستا چلا گیا۔ ہم دونوں چند ثانیوں تک اوٹ میں چھپے رہے لیکن باہر حسبِ توقع کوئی موجود نہیں تھا جو کوئی آہٹ وغیرہ سنائی دیتی لہٰذا ہم اطمینان سے کمرے میں داخل ہو گئے۔

ادھر پہنچ کر ہم نے تہ خانے کا دروازہ دوبارہ بند کر دیا جس کے عقب میں نو لاشیں موجود تھیں۔ ان کا خیال آتے ہی میں ایک جھرجھری لے کر رہ گیا۔ پندرہ بیس گھنٹوں میں نو خونخوار دہشت گرد جماعت کے لیے ناقابلِ یقین محسوس ہوتے تھے مگر ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ہم ناگزیر حالات میں اپنی زندگی اور بقا کے لیے اس ہولناک خونریزی کے مرتکب ہوئے تھے اور ہمارا نشانہ بننے والوں میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو سولی سے کم سزا کا مستحق ہو... قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا معاشرتی اعتبار سے معیوب ضرور ہے لیکن مخصوص حالات میں مقدر انسان کو ان راستوں پر دھکیل ہی دیتا ہے۔

تہ خانے کا دروازہ بند ہونے کے بعد وہاں سے آنے والا روشنی کا مدھم سا اجالا بھی معدوم ہو گیا اور ہم دونوں گھور اندھیرے میں کھڑے رہ گئے۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو چمکتی ہوئی سوئیاں ایک دوسرے کے قریب موجود صبح کے سوا چار بجا رہی تھیں۔

ہم دونوں کچھ دیر تک وہیں کھڑے خاموشی سے سن گن لیتے رہے لیکن ایک علامت یہ بھی تھی کہ باہر ہر طرف بھیانک ویرانی کا راج تھا۔ جیسے وہاں کے سارے مکینوں کو موت چاٹ گئی ہو۔ پھر سیتا نے اپنے کان فرش پر لگا دیے۔

"مدھم سی زنّاٹے کی آواز کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔" چند سیکنڈ بعد اس نے مایوس سے لہجے میں اعلان کیا۔

وہ بھی اندازہ کر چکی تھی کہ زناٹے کی آواز ان پنکھوں ہی کی ہو سکتی تھی جو عمارت کے کسی دور افتادہ حصے میں تہ خانے کو ہوا پہنچانے اور گندی ہوا کھینچنے کے لیے چل رہے تھے۔

سوال یہ تھا کہ اب کدھر کا رخ کیا جائے؟

"ہو سکتا ہے کہ ہائیکل ٹریپ کسی خفیہ راستے سے آیا ہو۔" سیتا نے

دیمی آواز میں کہا۔ "ہمیں اسی کو تلاش کرنا چاہیے۔"

"اس وسیع و عریض عمارت میں اندھیرے میں کہاں ٹکریں مارتے پھریں گے؟" کمال نے جواب دیا۔ "بہتر تو یہی ہے کہ نکاسی کے لیے صدر دروازہ استعمال کیا جائے۔"

"صدر دروازہ!" سیتا نے حیرت سے دہرایا۔ "تو کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ فوجیوں نے اپنی کارروائی کے بعد وہاں پہرہ بھی برقرار نہ رکھا ہوگا؟"

"پہرہ دار ہوں بھی تو کیا فرق پڑتا ہے؟ اس تجربہ گاہ کے خاتمے کے لیے ہمیں مقامی حکام سے رجوع کرنا ہی پڑے گا۔"

"ہم مشکلات میں گھر جائیں گے۔"

"اس زیرِ زمین تجربہ گاہ کی موجودگی کی خبر ملتے ہی شاید ہمارے سارے پچھلے گناہ تک معاف کر دیے جائیں۔" کمال نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "مقامی حکام کے رویے کے بارے میں اب تک بے فکر ہو چکا ہوں۔ وہ ضرور ہم سے تعاون کریں گے۔"

"شاید تمہارا ہی کہنا درست ہو۔ یہ زیادہ برا امید نہیں تھی۔" ویسے شاید کوئی پہرہ نہیں ہے۔ پہرے دار ہوتے تو جھکولوں کی طرف ضرور توجہ دیتے کیونکہ ان کا تعلق ایک زیرِ زمین سرنگ سے ہے۔"

"فی الحال آرا توں میں وقت برباد کرو۔" میں نے اس کا بازو تھامتے ہوئے کہا اور آکسیجن بند کرکے ماسک چہرے سے اتار دیا۔

سیتا نے بھی میری تقلید کی اور ہم اندھیرے میں احتیاط سے آگے بڑھنے لگے۔

کمرے سے نکل کر راہداری میں پہنچے تو وہاں بھی تاریکی اور ایسا بھرپور سکوت طاری تھا جیسے ہم سے پہلے برسوں وہاں سے کسی ذی روح کا گزر نہ ہوا ہو۔

اندھیرے میں مختلف کمروں اور راہداریوں میں بھٹکنے کے بعد یادداشت کے سہارے ہم آخر کار نکاسی کی سمت میں جا رہے تھے جہاں کھلے ہوئے دروازے کی خلا میں سے تاریک، پراسرار اور ویران احاطہ نظر آ رہا تھا۔

ہم ٹھٹکے بغیر آگے ہی بڑھتے رہے۔

"کون ہے؟" اچانک برآمدے میں سے ایک گرجتی ہوئی تیز آواز ابھری اور ہم دونوں تیزی کے ساتھ دیوار سے چپک گئے۔

وہ آواز تاریکی میں اپنے ساتھیوں کے انتظار میں مستعد بیٹھے ہوئے بالکل قریب کے کسی ماتحت کی ہرگز نہیں تھی کیونکہ اس للکار میں سنسنی، جھنجھلاہٹ اور چیلنج کے تاثرات مفقود تھے۔ بالکل یوں محسوس ہوا تھا جیسے گہری نیند سویا ہوا کوئی شخص ہماری آہٹیں سن کر ہڑبڑا کر بیدار ہو گیا ہو اور نیم آدھی غنودگی اور بدحواسی کے عالم میں اٹھ بیٹھا ہو۔

"ہم فوجی ہیں۔" میں نے تاریکی میں بجھے بغیر جواب دیا۔ "ہتھیار پھینک کر ہمارے سامنے آ جاؤ ورنہ گولی مار دیں گے۔"

"گدھے کی اولاد!" جھلائی ہوئی آواز آئی۔ "تم کون ہو؟ نتھے چوہیاں ہم دو فوجی پہرے پر ہیں اور دونوں ساتھ ہی مٹر گشت کر رہے تھے... یا عمر..." لگتا ہے کہ شاید وہ اپنے ساتھی کو جھنجھلاتے انداز میں پکار رہا تھا۔ یقیناً اس وقت تک غراب نہیں ہوئی تھی۔

"بس ہم بھی جانا چاہتے تھے۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "فوجی نہیں... یقین کرو تمہارے دوست ہیں اور باہر آ رہے ہیں۔"

"آؤ!" اس کی آواز میں غراہٹ ابھر آئی۔

"سنو! ہم تمہارے جیلیے کے وقت یہاں قید تھے۔" لمحہ بھر کے سناٹے میں خطرے کا عنصر بھانپتے ہوئے کمال نے بڑی شائستگی سے کہا۔ "تم سب ماں بہن والے ہو، امید ہے کہ تم ہمارے ساتھ برا سلوک نہیں کرو گے۔"

"اب باہر آ بھی چکو۔" یہ دوسری آواز تھی۔ شاید اس کی نیند خراب ہونے پر وہ بہت زیادہ جھنجھلایا ہوا تھا۔ "برا بھلا سلوک تو اس وقت ہوگا جب دروازے سے تمہاری ولادت ہو۔ اب اندر کیوں مرے ہوئے ہو؟ ہاتھ اٹھا کر باہر آ جاؤ۔"

اسی کے ساتھ برآمدے میں تیز روشنی پھیل گئی جس کا منبع غالباً باہر تھا لیکن اس کا رخ کھلے ہوئے دروازے ہی سے اندر کی طرف تھا تاکہ وہ دونوں باہر نکلنے سے پہلے ہمیں دیکھ لیں۔

سیتا نے اپنا پستول نما ہتھیار لباس میں کہیں چھپا لیا اور ہم دونوں اپنے ہاتھ سروں سے اوپر اٹھا کر باہر کی طرف بڑھنے لگے۔

جونہی ہم دونوں نے دروازے سے باہر قدم رکھا اچانک بندوقوں کی نالیں اتنی شدت سے ہمارے پہلوؤں میں گڑائی گئیں کہ ہم دونوں ہی بیک وقت کراہ اٹھے۔

ہمارا جائزہ لینے کے بعد وہ دونوں فرض شناس فوجی دروازے کے دائیں بائیں چھپ گئے تھے اور اسی جگہ سے انہوں نے وہ ماہرانہ جنگی کارروائی کی تھی۔

پھر روشنی میں ایک نے ہم دونوں کو اپنی نظروں میں لے لیا۔ دوسرا ناقدانہ نظروں سے ہم دونوں کا جائزہ لینے لگا۔

پھر اچانک اس نے اپنی وردی کی ہال ماسک میں اٹکا کر اوپر کھینچ لیا۔ "کیا مصیبت ہے! کیا غوطہ خوری کر رہے تھے اندر؟"

"ہم تمہارے کمانڈر سے ملنا چاہتے ہیں۔" میں نے اپنی تکلیف برداشت کرتے ہوئے پرسکون لہجے میں اپنا مدعا بیان کیا۔

"کمانڈر!" وہ دونوں یوں ہنسے جیسے میں نے کسی ناقابلِ رسائی ہستی کا نام لے دیا ہو۔ پھر ایک بولا۔ "تمہارا فیصلہ تو سارجنٹ ہی کرے گا اور وہ بھی صبح نو بجے سے پہلے نہیں ملے گا... مگر تم سچ سچ بتاؤ کہ ہماری آنکھ بچا کر اندر کب گھسے تھے؟"

اب تمہارا سوال میرا خون کھول کر رہ گیا۔ "ہم تو شروع ہی سے

اندر تھے۔"

"تم جھوٹے ہو!" اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جزبز ہو رہا تھا۔ اس کی محدود سی کھوپڑی کی رسائی وہیں تک تھی۔ "صبح اس عمارت کا چپہ چپہ چھان لیا گیا تھا۔ شاید تم دونوں نے یہ جادوئی ٹوپیاں اوڑھی ہوئی تھیں اسی لیے کسی کو نظر نہیں آ سکے۔"

کہتے ہوئے اس نے آکسیجن کی نلی سے جھولتے ہوئے ماسک کی طرف اشارہ کیا تھا جس پر اس کا ساتھی بہت محظوظ ہوا تھا۔

"ہم ایک تہہ خانے میں قید تھے جہاں..." سیتا نے ماسک اتار کر کہنا شروع کیا مگر اس کی بات فوراً ہی کاٹ دی گئی۔

"بس بس... تم تو خاموش ہی رہو۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولا تھا۔ "خوبصورت عورتیں جھوٹی کہانیاں گھڑنے کی ماہر ہوتی ہیں۔"

"تم معاملے کی اہمیت کا اندازہ نہیں کر رہے ہو۔" میں نے بمشکل اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "اچھا ہو تو ہم تمہیں ابھی وہ تہہ خانہ دکھا سکتے ہیں جہاں ہماری جدوجہد کی نشانیاں نو عدد لاشوں کی صورت میں پڑی ہوئی ہیں۔"

ہمارے قریب کھڑا ہوا فوجی حلق کے بل قہقہے لگانے لگا۔

"واللہ! بڑے پرمذاق ہو تم لوگ۔ نو آدمی مار دیے تم نے... یہ کون ہے تمہاری؟"

"بیوی!" میں ان کی ساری ہرزہ سرائی برداشت کرنے پر مجبور تھا کیونکہ ہم نے دانا دشمنوں سے مقابلہ کر کے آزادی حاصل کرنے کے بجائے نادان دوستوں کے تحفظ کا انتخاب کیا تھا اور میں سمجھ رہا تھا کہ اگر ہم نے ان کی مرضی کے خلاف کوئی بھی حرکت کی تو وہ تشدد سے باز نہیں آئیں گے۔

"بہت خوبصورت ہے۔ غنیمت ہے کہ تم اسے کسی جیلے میں نہیں لے گئے ورنہ اسے دیکھتے ہی نو تو کیا نوسو بھی مر جاتے۔"

"تمہاری کمر پر یہ دو سلنڈر کیوں لٹکے ہوئے ہیں؟" اسی لمحے اس فوجی نے سوال کیا جس نے ہم پر ایک تیل تانی ہوئی تھی۔

غنیمت یہ تھا کہ وہ آکسیجن ماسک کے بارے سے واقف تھا ورنہ جواب ذرا وضاحت اور طویل ہو جاتا۔

"ان میں پیلے رنگ کی زہریلی گیس بھری ہوئی ہے۔" میں نے انہیں خائف کر کے زبان پر قابو رکھنے پر مجبور کرنے کی نیت سے کہا۔

"زہریلی گیس!" اس کی آنکھوں میں حیرت سمٹ آئی۔ "اگر کوئی جانور میسر ہو تو ابھی اس کا تماشا دکھایا جا سکتا ہے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ انہیں پیشکش کی جسے قبول نہیں کیا گیا۔



"تو اسے فوراً اپنی گرفت سے الگ کر دو۔"

میں نے انہیں اپنی نیک نیتی کا قائل کرنا چاہا لیکن اپنے تحفظ کے سلسلے میں دونوں کی عقل بہت تیز تھی۔ انہوں نے وہ سلنڈر اتروا ہی لیا۔ وہ اس سے اتنے خائف تھے کہ انہوں نے میرے ہی ہاتھوں سے اسے برآمدے کے ایک دور افتادہ حصے میں رکھوا دیا۔

"اب صبح نو بجے تک ان کا کیا کیا جائے؟" افضل بولا تو اپنے ساتھی سے پوچھا۔ اسے وہ نادیدہ بیداری خاصی کھل رہی تھی۔

"ہاتھ پیر باندھ کر کسی کمرے میں بند کر دیتے ہیں۔"

"صبح تک ہم تمہارے قیدی ہیں لیکن ایک سوال ضرور کرنا چاہوں گا۔" میں نے انہیں ان باتوں پر آمادہ دیکھ کر کہا۔

"کیا؟" اس بار مجید بھی ساتھ تھا۔

"صبح کے چھاپے میں یہاں کتنے لوگ پکڑے گئے؟"

"ایک بھی نہیں۔" اس کا غیر اضطراری جواب مجھے پسند آیا۔ "اندر سے اچانک گولیاں چلنے لگیں۔ ہم نے بھی فائر کھول دیا۔ تھوڑی دیر بعد اندر والوں کی فائرنگ رک گئی اور ہمارا دستہ دروازہ توڑ کر اندر گھسا تو وہاں بے ہوش مریضوں اور ایک لاش کے علاوہ چڑیا کا بچہ بھی نہیں تھا۔"

"گولیاں برسانے والے کہاں گئے؟"

"پتہ ہی نہیں چل سکا۔" مجید نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "سارجنٹ نے کوئی خفیہ راستہ بھی تلاش کرایا جو نہیں ملا۔ یا جب کہ باہر ہمارے آدمی چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔" پھر چونک کر بولا۔ "کہیں تم دونوں بھی اسی خفیہ راستے سے تو اندر نہیں گھسے تھے؟"

"ایسا ہوتا تو ہم یہیں تمہارے ہاتھ نہ آتے۔"

"ختم کرو یہ سلسلہ۔" افضل بولا۔ "رات بہت بیت چکی ہے۔" اس نے جماہی لیتے ہوئے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "نیند آ رہی ہے۔ صبح سارجنٹ خود سب معلوم کرے گا۔"

ڈوریوں کی فراوانی میں انہوں نے خاصی کنجوسی دکھائی اور ہم دونوں کو برآمدے کے قریب ہی ایک کمرے میں بے دست و پا کر کے ڈال دیا گیا۔ جاتے جاتے انہوں نے میرے زخمی شانے کے بارے میں استفسار کیا تھا اور میں نے معمولی سی خراش کا بہانہ کر کے انہیں ٹال دیا۔

کمرے کے دروازے پر باہر سے کنڈی لگنے کی آواز پر سیتا نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ "خدا کا شکر ہے کہ ذہنی سکون تو ملا۔"

"دیکھنا ہے کہ سارجنٹ کس قسم کا نمونہ ثابت ہوتا ہے۔"

"اگر صبح تک ان دونوں کے ہی ساتھ رہنا پڑا تو ان میں ضرور الجھ پڑتی۔ عقل سے بالکل ہی یتیم معلوم ہو رہے تھے دونوں۔"

"اس خطے کے بیشتر لوگ ذہنی اور جسمانی مشقت کے عادی ہیں۔ براہ راست نتائج اخذ کرنے کی کوشش میں حماقتیں کرتے چلے جاتے ہیں۔"

"اگر ان کا عام معیار یہی ہے تو اسرائیل کا تو بال بیکا نہ کر سکیں گے۔" وہ مایوسانہ لہجے میں بولی۔ "تم نے دیکھا کہ تہ خانے کے ذکر پر انہوں نے کوئی اہمیت ہی نہیں دی اور ان لاشوں پر تو یقین ہی نہیں کر سکے۔"

"ایک دو ملکوں کے علاوہ جو جنگ لڑتے رہے ہیں سارے عرب ملک تیسرے درجے کی فوجوں پر مشتمل ہیں جن کی خدمات بھی شاہوں کے تحفظ کے لیے ہیں۔ کبھی جنگ کی نوبت آ ہی گئی تو یہ معاوضے پر لڑتے ہوں گے یا عیش و عشرت میں مصروف۔"

"یہاں کے مالی وسائل تو خاصے محدود ہیں۔" سیتا کی زبان سے نکلا۔ "تعجب تو اس پر ہے کہ مجھے حیرت ہوئی کہ ذہنی اعتبار سے انہوں نے خود کو بہت آگے بڑھا لیا تھا۔"

"دوستوں کے وسائل سہارا دیتے ہوں گے۔" میں نے کہا۔ "مجھے فلسطین کا ذکر کرتے ہوئے ساتھی نے بتایا ہے لیکن عرب مجھے یہ علوم ہمیشہ نظر آتے ہیں۔ خدا کرے کہ وقت آنے پر یہ خدشات بے بنیاد ثابت ہوں کیونکہ اس تجربہ گاہ میں اسرائیل کے بھیانک عزائم سامنے آ گئے ہیں۔ وہ فلسطینی تحریک کی آڑ میں علاقے کے سارے ملکوں کو تباہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔"

"یہاں لوگوں کا فرض ہے جو علاقے کی سربراہی کے دعوے دار ہیں۔" اس نے دھیمی لیکن قدرے مضطرب آواز میں کہا۔ "کوئی نہیں ہوتا تو کتنے ہم تو اب اس مرحلے سے نکل کر پاکستان پہنچنے کی فکر کرو ورنہ ہم اس جنگل میں پھنسے رہ جائیں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن میں پاکستان کا رخ کرنے سے پہلے یوسف کو تہ خانے کی بھیانک حقیقت سے آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔"

"لیکن تجربہ گاہ کا بنے گا کیا؟"

"ظاہر ہے کہ وہ تباہ کر دی جائے گی۔"

"لیکن اس طرح قریب کے جوار کی ساری آبادی کا کیا بنے گا؟ کیمیائی مادوں کے خوفناک مرکب اور اس کے ہلاکت خیز اثرات سے زندہ بچ نکلیں گے کیسے کوئی؟"

"یہ دوسرے سے جتنا بھی کرنا ہوتا تو میں ایک اشارے سے کر سکتا تھا۔ اسے جوں کا توں اس لیے چھوڑا ہے کہ مقامی حکام سائنسی اصولوں کے ذریعے خطرناک مادوں کو بے اثر طریقے سے ختم کر سکیں۔ اس کے بعد پوری عمارت تباہ کی جا سکتی ہے بلکہ وہاں لگے ہوئے بیش قیمت آلات سے مقامی طور پر بہتر تعمیری کام لیے جا سکتے ہیں۔"

ان دو فوجی پہرے داروں کے غیر ذمہ دارانہ بلکہ لاتعلق رویے نے میرے دل و دماغ میں ایک ہلچل سی پیدا کر دی اور میں مسلسل یہی سوچتا رہا۔

کہ قیادت کے حلقوں میں بیٹھے ہوئے افراد پر مشتمل ہجوم کو ایک حد تک دیکھا جا سکتا ہے لیکن مذہب، زبان اور اخلاقیات کے کسی حوالے سے قوم شمار نہیں کیا جا سکتا اور بدقسمتی سے عربوں کی سرزمین پر دلیسی بیس کی شکل میں کھلتے ہوئے ایسے ہی ہجوم بکھرے ہوئے تھے جن میں اتحاد کا

خطرناک شرابیں اور قابل معافی تھیں۔

غنڈوں کی شب بھر اس کے گھیرے میں بھی رہ سکے۔

پہلا منوار ہونے تک ہم ایک کمرے کے پیچھے ہی تھے۔ اب موجود پہرے داروں نے جن نکل آنے پر یہ دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کی کہ ان کے قیدی کمرے میں موجود تھے یا نہیں۔

سوا نو بجے دروازے پر آہٹ ہوئی اور پولیس فوجی وردیوں میں ملبوس دو آدمی کمرے میں گھس آئے۔

ان کی قیادت ایک تیکھے نقوش اور اکہرے بدن والا ایک شخص کر رہا تھا جس کی آنکھوں میں عقابی چمک موجود تھی۔ مجھے مقامی فوج کے امتیازی نشانات کی تمیز نہیں تھی لہٰذا میں اس کا عہدہ نہ پہچان سکا۔ وہ ہم دونوں کے قریب آ کر رک گیا۔

"کون ہو تم دونوں؟" اس نے باری باری ہمیں گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"تنہائی ممکن ہو تو مجھے تم سے بہت کچھ کہنا ہے۔"

اس نے چونک کر مجھے غور سے دیکھا، پھر سر کی جنبش سے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور وہ سب سلیوٹ کر کے کمرے سے نکل گئے۔

"یہ عمارت دنیا کی ان پراسرار ایجنسیوں کا سب سے مضبوط اور فعال مرکز تھی۔" میں نے اس کی تیز استفسار طلب نگاہوں کے جواب میں کہا۔ "اس نے کسی رد عمل کا مظاہرہ نہیں کیا مگر میں کہتا رہا۔ "یہاں ایک زیر زمین تجربہ گاہ بھی ہے جہاں انسانوں پر زہریلے مادوں کے براہ راست تجربات کیے جاتے تھے۔ انہیں جو مفلوج قیدی یہاں سے ملے وہ زہریلی گیسوں کے تجربات کی بھینٹ چڑھائے جانے کے منتظر تھے۔ یہ ہماری۔۔۔"

"اختصار سے کام لو۔" اس نے خشک لہجے میں مجھے ٹوکا، پھر گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔ "دس بجے مجھے ایک اہم میٹنگ میں شرکت کرنی ہے۔"

بے اختیار میرا دل چاہا کہ میں اپنی اور سیتا کی جان ایک کر دوں مگر اس وقت میں بے بس تھا۔ میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "پھر یہ باتیں اس وقت کے لیے چھوڑ دو جب تم زیادہ مصروف نہ ہو۔ میری کہانی ذرا طویل ہے۔"

"بہتر ہے۔" اس نے اپنی گلو خلاصی پر اطمینان کا سانس لیا۔ "تم کیا کہتے تھے ہو؟"

"مسعود علی، اور یہ میری بیوی سیتا۔"

میرا نام سنتے ہی اس کی چمکدار آنکھوں میں اور زیادہ چمک ابھر آئی۔ "تم یہاں کیا کر رہے تھے؟"

"قیدی تھے۔"

"چلو اچھا ہی ہوا جلدی ہماری محنت رائیگاں نہیں گئی۔" اتنا کہہ کر وہ میری کسی بات کا انتظار کیے بغیر تیزی سے کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

جیسے اپنے کسی شے کو کوئی اہم خبر پہنچانی چاہتا ہو۔

اس کے جانے کے چند ثانیوں بعد ہی پھر فوجی گاڑی کی سائرن گونج اٹھیں۔ ہم نے تقریباً دو گھنٹے گزارے کہ ہماری دونوں پر مشینیں گن تانے ہی رہیں۔ یہ تو نہایت بے رخی کے ساتھ ہماری جامہ تلاشی لینے لگے۔ ان دونوں کا کہیں پتہ نہیں تھا جنہوں نے رات ہمیں اپنا قیدی بنایا تھا۔

ہم دونوں نے ان کے بے ہودہ سلوک پر شدید احتجاج کیا مگر ہماری ایک نہ سنی گئی۔ وہ لوگ ہماری تحقیر اور تذلیل پر تلے ہوئے تھے جیسے ہم تیسرے درجے کے اخلاقی مجرم ہوں۔

تلاشی کے دوران سیتا کے لباس سے پستول نما ہتھیار برآمد کیا گیا تو میں بے اختیار چیخ پڑا۔ "اس کے ٹریگر کو مت چھونا۔ یہ بہت مہلک ہتھیار ہے۔"

اس فوجی نے مجھے چڑانے کے لیے پستول کی نال سیتا کی طرف سیدھی کر لی۔ اس کے ہونٹوں پر ایسی طنز آمیز مسکراہٹ رقصاں تھی جیسے مجھے جتا رہا ہو کہ وہ میری چال میں نہیں آئے گا۔

"نہیں!" میں پوری قوت سے چیخ پڑا۔ "اسے نہ چلانا۔ اس کے زخم کا تم۔۔۔"

میں اپنی بات پوری نہ کر سکا کیونکہ ایک فوجی نے پیچھے ہی کے ساتھ پشت سے گن کا آہنی دستہ میرے سر پر رسید کیا، اور میری آنکھوں کے سامنے تاریکی پھیلتی چلی گئی۔

ہوش آیا تو میں نے خود کو ایک تاریک کمرے میں مقید پایا جس کی تینوں ٹھوس اور سپاٹ دیواروں میں کوئی روشن دان تک نہیں تھا جبکہ چوتھی سمت میں فرش سے چھت تک موٹی موٹی آہنی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔

سیتا اسی چھت کے نیچے ایک دیوار کے سہارے سر ٹکائے اونگھ رہی تھی۔

اس کمرے میں روشنی کا کوئی بندوبست نہیں تھا البتہ آہنی سلاخوں کے سامنے پھیلی ہوئی راہداری کے کسی حصے میں جلنے والے بلب کا انعکاس اس حد تک کافی تھا کہ کمرے کی ساخت کا بآسانی جائزہ لیا جا سکتا تھا۔

اس وقت میرا سر سوں سوں کر رہا تھا اور درد کی ٹیسیں ناقابل برداشت محسوس ہو رہی تھیں۔ میں نے آنکھیں موند کر اپنے سر پر ہاتھ پھیرا تو کھوپڑی کا پچھلا حصہ جہاں سب مشین گن کے دستے کی ضرب لگائی گئی تھی، خاصا پھولا ہوا تھا۔

مجھے یاد آیا کہ سر پر چوٹ کھانے کا معاملہ صبح سوا نو بجے کے لگ بھگ پیش آیا تھا جس کا مطلب تھا کہ میں تقریباً پورا دن بے ہوش رہا تھا۔

"کیا تم جاگ گئے ہو؟" اچانک سیتا کی سرگوشیانہ آواز ابھری۔ شاید میرے بدن کی جنبش اس کی نظر میں آ گئی تھی۔

میں نے آنکھیں کھول کر اپنا سر اس کی طرف گھمایا تو وہ سوال کرنے کے ساتھ ہی بے آواز قدموں سے میرے قریب آ چکی تھی۔

کمرے میں آنے والی ناکافی روشنی میں بھی اس کے چہرے پر کرب اور بے چینی کے آثار دیکھ سکتا تھا۔

"تمہارے سر پر بہت وحشیانہ ضرب لگائی گئی تھی۔" وہ مضطربانہ انداز میں میرے بالوں میں اپنی ملائم انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔ "تمہاری طویل بے ہوشی سے گھبرا کر میں کئی بار چلائی بھی تھی مگر ان میں سے کوئی نہیں آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سب ہی بہرے ہو چکے ہیں۔"

میں اس کا سہارا لے کر فرش سے اٹھ گیا۔ اٹھتے ہوئے مجھے اپنے بائیں شانے کے زخم میں بھی درد کی ٹیس محسوس ہوئی جو ناسکل نے مرنے سے پہلے گولی چلا کر چھوڑا تھا۔

"اس وقت ہم کہاں ہیں؟" میں نے سوال کیا تو میری آواز سے نقاہت عیاں تھی۔ اسی نیم تاریکی میں میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ میرے شانے کے زخم پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ جو سیتا نے میری قمیص کا دامن پھاڑ کر حاصل کی تھی۔

"شاید کوئی فوجی قید خانہ ہے۔" سیتا نے کہا۔ "مجھے یہاں لایا گیا تو میں ہوش میں ضرور تھی لیکن میری آنکھوں پر بھی پٹی باندھ دی گئی تھی۔ تمہاری بے ہوشی کے بعد میرے ساتھ ان کا رویہ بہت بے رحمانہ رہا تھا۔"

"مگر ہمیں یہاں لائے کافی وقت گزر چکا ہے۔"

"سارا دن ہی بیت گیا۔" سیتا نے کہا۔ "اب تو شام کو بھی خاصا وقت گزر چکا ہے لیکن ابھی تک کوئی بات نہیں ہوئی۔"

"تمہارے لیے دوپہر کا کھانا آیا؟"

وہ پھیکے سے انداز میں ہنسی۔ "بڑی عجیب بات ہے کھانا تو کجا پانی تک سامنے نہیں لائے۔ مجھے پیاس بھی ہے اور کوئی خواہش بھی نہیں ہے۔"

"بہت نامعقول لوگ ہیں۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"نامعقول ہی نہیں، عقل سے پیدل بھی ہیں۔ جس کے نتیجے میں تم کو کیا ملا؟ اسرائیلی مرکز میں ہونے والی گڑبڑ کے بارے میں تمہارے بیان کو انھوں نے قابل توجہ ہی نہیں سمجھا ہے۔ ان کے سارجنٹ کا خیال ہے کہ تم نے ان کی توجہ کسی جانب سے مبذول کرانے کے لیے یہ بہانہ گھڑا ہے۔"

"یعنی سارجنٹ سے بڑے عہدے کے کسی افسر نے ابھی تک ہمارے معاملے میں دخل نہیں دیا؟" میں نے قدرے حیرت سے سوال کیا۔

"کیا ہاں۔" سیتا مسکرائی۔ "میرے اندازے کے مطابق تو صبح سے شام ہونے کے بعد ان کا یہ حال ہے۔ وہ اپنی دانست میں معاملہ سمجھ چکے ہیں۔ اب تو شاید ہمیں بذات خود کسی منصب فوجی عدالت کا ہی سامنا کرنا پڑے گا۔"

لیکن اس معاملے میں سیتا کی قیاس آرائی چند منٹ بعد ہی غلط ثابت ہو گئی۔

اس وقت میری رسٹ واچ کے مطابق رات کے پونے آٹھ بجے تھے کہ راہداری میں قدرے فاصلے پر کئی قدموں کی دھمک سنائی دی۔ جو بتدریج قریب آتی جا رہی تھی اور چند ثانیوں بعد دو مسلح فوجی ہمارے قید خانے کے سامنے آ رکے۔

ان میں سے ایک نے اپنے شانے سے رائفل اتار کر ہاتھ میں تھام لی اور دوسرا آہنی دروازے کا قفل کھولنے میں مصروف ہو گیا۔

"باہر نکلو۔" دروازہ کھل جانے پر ہمیں حکم دیا گیا۔

ہم دونوں خاموشی سے کمرے سے باہر راہداری میں نکل آئے۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" دروازہ کھولنے والے نے اپنی اسٹین گن سنبھالتے ہوئے ترش لہجے میں ہمیں حکم دیا جس پر ہم نے فوراً عمل کر ڈالا۔

پھر ان میں سے ایک ہمارے آگے ہو لیا اور دوسرا ہمارے پیچھے تھا اور ہمیں حکم ملا تھا کہ ہم درمیان میں چلتے ہوئے آگے والے کی تقلید کریں۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس وقت ہم کسی فوجی ٹھکانے پر موجود ہیں کیونکہ راستے میں جو بھی ملا وہ یونین کی فوجی وردی میں ملبوس تھا اور وہاں ہر طرف فوجی نظم و ضبط کا ہی اظہار ہو رہا تھا۔

چند موڑ گھومنے کے بعد ہمیں ایک بند دروازے کو عبور کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس مرحلے پر آگے چلنے والا فوجی دروازے کے ایک پہلو پر رک گیا تھا جس نے ہاتھ بڑھا کر دروازے پر خفیف سا دباؤ دیا اور وہ فوراً کھل گیا۔

"مدرج ہی ہمارے پیچھے کھڑا ہوا فوجی افسر اردو لہجے میں غرایا اور ہم دونوں مشینی انداز میں چلتے ہوئے دروازے سے گزرتے چلے گئے۔

دروازے سے گزرتے ہی ہمیں ایک نیم روشن کمرے میں دو مسلح فوجی نظر آئے جن کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں موجود تھیں جن کی نالیں مشینی انداز میں ہمارے ساتھ گھومتی رہیں۔

ان مسلح محافظوں کے علاوہ اس کمرے کے وسط میں ایک میز پڑی ہوئی تھی۔۔۔

آبنوسی میز کے عقب میں اونچی کرسیوں پر دو باوردی فوجی افسر براجمان تھے جن میں سے ایک وہی تھا جو اپنی مصروفیت کا عذر کر کے گرفتاری کے وقت ہم سے پیچھا چھڑا چکا تھا۔

ان دونوں کے مقابل میز کی دوسری طرف دو کرسیاں موجود تھیں جو بظاہر ہمارے لیے رکھی گئی تھیں لیکن ہم نے اجازت طلب کیے بغیر ان پر تشریف رکھنا مناسب نہ سمجھا۔

"صفدر علی اور سیتا!" سارجنٹ کے بازو میں بیٹھے ہوئے فوجی افسر نے اپنے واضح پنجابی لہجے میں ہتھیلی میز کی سطح پر مارتے ہوئے کہا۔ "تو آخر کار تم دونوں ہماری تحویل میں آ ہی گئے۔ یہ بڑا اچھا ہوا۔"

"اس وقت ہم کس کی تحویل میں ہیں؟" میں نے اپنا دل کڑا کر کے وہ قدرے گستاخانہ سوال اس افسر سے کر ہی ڈالا۔

"یمن کی فوجی تحویل میں۔" اس کا لہجہ قدرے فخر آمیز اور قدرے دوستانہ تھا۔ "میں بریگیڈیئر محسن الخاتم ہوں اور یہ سارجنٹ فضیل۔"

"یہ زیادتی ہے۔" سیتا نے اس کے رویے سے حوصلہ پا کر جلدی سے کہہ ڈالا۔ "کیا یہ ممکن ہے کہ ہمیں باز پرس سے پہلے اپنی صفائی کی اجازت دی جا سکے؟"

"زیادتی ہے؟" بریگیڈیئر محسن نے سارجنٹ کی طرف دیکھتے ہوئے حیرت سے دہرایا۔ "سارجنٹ نے تو بتایا تھا کہ ان دونوں کو بلا مقابلہ گرفتار کیا گیا تھا۔"

سارجنٹ فضیل اپنی کرسی پر پہلو بدل کر رہ گیا۔

"گرفتاری بلا مقابلہ ہی ہوئی تھی۔" سیتا نے اس مرحلے پر بھی بولنا ضروری خیال کیا۔ "ہم نے بلا مزاحمت خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا تھا مگر پھر بھی صفدر کی کھوپڑی پر سب مشین گن کے دستے سے ضرب لگائی گئی، جس سے یہ کئی گھنٹے بے ہوش رہا ہے۔"

"ہم... مجھے کمانڈوز کے حملے میں شرکت کرنی تھی۔" سارجنٹ فضیل نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ "شاید میری روانگی کے بعد یہ واقعہ پیش آیا ہوگا۔"

"اور اس کے بائیں شانے پر گولی کا زخم ہے۔"

"وہ کیسے آیا؟" بریگیڈیئر محسن سیتا سے بات کرتے ہوئے عجیب سی خوشی محسوس کر رہا تھا جو مجھے سخت ناگوار گزر رہی تھی۔

"وہ گرفتاری سے پہلے یہودیوں سے مقابلے کا نشان تھا۔" میں نے سیتا کے زبان کھولنے سے قبل جلدی سے کہا۔

"ہم ہر طرح کی الجھن میں ہو جائیں گے۔" بریگیڈیئر نے بتایا تو میں سمجھ گیا۔ "زخم یا چوٹ زیادہ کاری نہیں معلوم ہوتی ورنہ اس وقت تم اتنے پرسکون نہ ہوتے۔"

"لیکن ہمیں کس جرم میں گرفتار کیا گیا ہے؟"

"تمہارا تیسرا ساتھی کہاں ہے؟" بریگیڈیئر نے سیتا کی بات نظرانداز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"تیسرا ساتھی؟" میں نے بے ساختہ حیرت سے کہا۔ "ہم دونوں نے کبھی کسی تیسرے کو اپنی جماعت میں شامل نہیں کیا۔"

"بعض لوگ تمہارے خون کے پیاسے ہیں۔" اس نے لاپروایانہ لہجے میں کہا۔ "لیکن ہمارے نزدیک تمہاری زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ تم اس لیے پکڑے گئے ہو کہ ہمیں نامعلوم ذرائع سے مسلسل خبریں مل رہی تھیں کہ ریاست کا ایک مفرور مجرم یوسف تمہارے ساتھ لگا ہوا ہے۔ اس پر یمن کی قانونی حکومت کے خلاف ایک ناکام مسلح بغاوت میں ملوث ہونے کا سنگین الزام ہے۔ اگر تم اسے گرفتار کرانے میں مدد کرو تو تمہیں باعزت رہائی مل سکتی ہے۔"

"مگر وہ کسی بغاوت میں ملوث نہیں تھا۔۔۔ یہ اس کی۔۔۔"

"اس کی وکالت مت کرو۔" وہ میری بات کاٹ کر غصیلے لہجے میں غرایا۔ "یہ فیصلہ صنعا کا خصوصی فوجی ٹریبونل کرے گا کہ کون کس حد تک ملوث تھا۔ تم ہمیں اس کی موجودگی کا پتا بتاؤ تاکہ اسے جلد از جلد پکڑا جا سکے۔"

"مگر ہم اس کے ٹھکانے سے واقف نہیں ہیں۔"

"جھوٹ مت بولو۔" اس کا لہجہ قدرے نرم ہو گیا۔ "اس کی گرفتاری میں جس قدر تاخیر ہوگی اسی قدر اس کا جرم بھی سنگین تر ہو جائے گا۔"

"میں سچ بول رہا ہوں۔"

"آخری بار تمہاری اور اس کی ملاقات کب ہوئی تھی؟" اس نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد سوال کیا۔ مجھے حیرت تھی کہ ابھی تک مدائن کے بارے میں کوئی سوال نہیں ہوا تھا اور نہ ہی زیر زمین تجربہ گاہ کے بارے میں کوئی سوال کیا گیا تھا۔

"دو تین دن پہلے صنعا میں وہ آخری بار ہمارے ساتھ تھا۔"

"وہاں سے تم کہاں گئے؟"

"لمبی کہانی ہے۔" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "کچھ اسرائیلی ایجنٹ ہماری ٹوہ میں لگے ہوئے تھے۔ انہیں کسی طرح مدائن والے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور ان کا ایک گروہ ہمارے ایک ہمدرد کا تعاقب کرتا ہوا وہاں تک آ پہنچا تھا۔ اس وقت یوسف بھی ہمارے ساتھ ہی ہوتا لیکن اس جھڑپ میں اس کا ساتھ چھوٹ گیا اور وہ ہم سے الگ ہو گیا۔"

"لیکن ہمیں اطلاع دی گئی تھی کہ اس عمارت میں تم تینوں پناہ گزین ہو۔" بریگیڈیئر نے اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ پھر صفدر کی طرف ہاتھ ہلا کر بولا۔ "بیٹھو۔۔۔ بیٹھ جاؤ۔ کھڑے ہوئے کیوں ہو؟"

ہم دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"شاید میری اس بات پر بھی یقین نہ کیا جائے لیکن میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس عمارت میں ہماری موجودگی کی اطلاع خود یوسف نے دی ہوگی۔"

"کیوں؟" بریگیڈیئر نے حیرت سے سوال کیا۔

"وہ یہی سمجھتا تھا کہ وہ پیچھے رہ کر ہمارا تعاقب کرے گا۔" میں نے وضاحت شروع کی۔ "مگر ہمیں اس نے مانا واقعی ہمارا ہمدرد ثابت ہوتا تو یوسف خاموشی سے اپنی راہ پر چلا جاتا اور اگر اسے ہماری سلامتی خطرے میں نظر آتی تو وہ باہر سے ہماری مدد کرنے کی کوشش کرتا۔۔۔ مجھے تو لگتا ہے کہ اس عمارت پہنچنے کے بعد سے قبل کسی نے رات کے اندھیرے میں خفیہ طور پر نکلنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ یوسف ہی رہا ہوگا۔ جب اس نے دیکھا کہ ہم ناقص نظام کے سامنے خود کو بے بس پاتا ہے تو تنہا کام سے مجبور ہو کر بیٹھا۔۔۔ یقیناً اس نے سامنے آئے بغیر فون یا کسی خط کے ذریعے وہ خبر فوجی حکام تک پہنچائی ہوگی۔"

بریگیڈیئر کی آنکھیں سوچ میں ڈوب گئیں، اور وہ پرخیال لہجے میں بولا۔ "صنعا کے گیریژن کا ہیڈ کوارٹر ایک گمنام فون موصول ہوا تھا۔۔۔ لیکن یوسف نے یہ کیوں کہا کہ وہ خود بھی تم دونوں کے ساتھ اس عمارت میں دستیاب ہوگا؟"

"وہ جانتا تھا کہ مقامی حکام کی نظروں میں ہم دونوں مجرم ضرور ہیں لیکن اتنا اہم نہیں کہ ہماری گرفتاری کے لیے کوئی فوری اور بڑا اقدام کیا جائے۔ اپنا نام شامل کرنے سے اس کا مقصد صرف اتنا رہا ہوگا کہ فوری کارروائی کی جائے کیونکہ تاخیر ہونے کی صورت میں ہم دونوں کا انجام بہت عبرت ناک ہو سکتا تھا۔ اس بات سے وہ بخوبی واقف تھا۔"

"تم بار بار اسرائیلیوں کا نام لے رہے ہو۔" بریگیڈیئر بظاہر پرسکون ہو کر بولا۔ "صنعا میں وہ ہماری ناک کے نیچے کس طرح سرگرم ہو سکتے ہیں؟"

"جیسی تم سے بیان ہوا ہے۔" میں نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔ "ان کی طاقت کا مظاہرہ بالکل قریب تھا، ہم ان کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔"

"بالکل قریب؟" بریگیڈیئر حیرت اور بے یقینی کے ساتھ تقریباً اچھل پڑا۔ "کیا وہ بھی اس معاملے میں ملوث تھا؟"

"مگر وہ کون ہے؟"

"لیکن فوج کا دستہ جس وقت وہ عمارت خالی ملی تھی۔"

"وہ بہت لمبی بات ہے۔۔۔ ابتدا میں تو وہ جیپ پر فائرنگ کر رہے تھے۔" میں نے اپنی بات جاری رکھی۔ "اس کے ذہن میں اتنا ہی چلا رہا تھا۔"

"لیکن وہ سب غائب کہاں ہو گئے تھے؟"

"ہم دونوں کو چند آدمی زیر زمین تجربہ گاہ میں لے گئے تھے باقی لوگ وہاں کی آنکھوں سے اوجھل ہو کر کسی خفیہ راستے سے فرار ہو گئے۔"

"بالکل تہہ خانے میں تمہارے ساتھ تھا؟"

"نہیں۔" میں نے کہا۔ "ان لوگوں نے فرار ہوتے وقت وہ نظام ناکارہ کر دیا تھا جس کی مدد سے زیر زمین تجربہ گاہ میں داخلے کا راستہ کھولا یا بند کیا جا سکتا تھا۔ تہہ خانے میں ہم دونوں کے علاوہ ان کے کچھ آدمی بھی تھے جنہیں ہم نے بےبس کر دیا۔ کل رات مائیکل ایک اپنے دو آدمیوں کے ساتھ خفیہ راستے سے تجربہ گاہ میں داخل ہوا تھا تاکہ ہم پر مکمل گرفت کر سکے۔ وہ اس اعتماد کے ساتھ بے دھڑک تہہ خانے میں گھستا چلا آیا کہ اس کے آدمیوں نے ہم دونوں کو قابو کر رکھا ہوگا۔ لیکن اندر آنے کے بعد وہ تینوں ہمارے ہاتھوں مارے گئے اور ہم انہی کا راستہ چھوڑ کر باہر نکل آئے۔"

"تو کیا وہ سب دوست تھا جو تم نے تجربہ گاہ کے بارے میں کہا تھا؟"

سارجنٹ نے بھی پہلی بار تحیر زدہ لہجے میں زبان کھولی۔

"ہمیں تو کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔" میں نے تاسف آمیز لہجے میں کہا۔ "وہ زیر زمین مختصر سی کائنات ہلاکت کا ایک طوفان بن سکتی ہے۔"

"میرے سوالوں کا جواب دو۔ تم دونوں صرف اس کی توجہ اپنے بجائے تجربہ گاہ کے موضوع میں الجھانے کی کوشش کر رہے ہو تاکہ موقع پاتے ہی بھاگ نکلو۔" بریگیڈیئر کے لہجے سے خفیف سی خجالت جھلک رہی تھی۔

"یوسف کا معاملہ تو درمیان میں ہی رہ گیا۔" سارجنٹ فضیل نے طویل ہوتے ہوئے سکوت کو توڑتے ہوئے بریگیڈیئر کو یاد دلانے کی کوشش کی۔

"اگر اس کی کہانی پر یقین کر لیا جائے تو یوسف کا معاملہ ثانوی رہ جاتا ہے۔" بریگیڈیئر محسن الخاتم نسبتاً مطمئن نظر آ رہا تھا۔

"یقین کیجیے، اسی وقت وہاں چلا جا سکتا ہے۔" میں نے کہا۔ "مجھے بس ایک ہی ڈر ہے کہ ہونے والا وقت ضائع کر رہا ہے۔ بالکل ممکن ہے کہ اس کے ساتھی اگر خفیہ راستے سے تجربہ گاہ تک پہنچ گئے تو ہمارا سب کچھ اکارت ہو جائے گا۔ چند گھنٹوں میں بہت کچھ گزر جائے گا۔"

"مثلاً؟" بریگیڈیئر کی آنکھوں میں تجسس عود کر آیا۔

"وہ مشینیں جو چلائی جا سکتی ہیں، تجربہ گاہ سے اہم نوعیت کا ساز و سامان بھی غائب ہو سکتا ہے اور سب سے بڑا خدشہ یہ ہے کہ کہیں تجربہ گاہ کے راستے کو اس نظام سے منسلک نہ کر دیا گیا ہو جو دروازہ کھلتے ہی تجربہ گاہ کو تباہ کر دیتا ہے۔"

"یہ کام ہو سکتا ہوگا۔" سیتا نے کہا۔ "میں نے تھوڑی دیر تک دوبارہ مقفل کر دی تھی، اور شاید اس کا علم ڈاکٹر ہیمن کے سوا کسی کو نہ ہوگا۔"

"اس تجربہ گاہ میں ہوتا کیا رہا ہے؟" بریگیڈیئر اس وقت تک معاملے کی سنگین نوعیت کو پوری طرح سمجھ چکا تھا اور وہاں جانے سے قبل ابتدائی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتا تھا۔

میں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے تجربہ گاہ کی نوعیت کو چند فقروں میں بیان کرنا چاہا لیکن اس نے میری بات کاٹ دی۔ "تفصیلات بتاؤ۔ یہ چند فقرے تو میں سارجنٹ سے تفصیل سے بھی سن چکا ہوں۔"

میں نے تجربہ گاہ میں موجود عملے اور اس کے سربراہ ڈاکٹر حسن کی صلاحیتوں سے اپنے مشاہدے کا بیان شروع کر دیا۔

چند ہی منٹ میں بریگیڈیر حسن لطافم کی بے چینی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ وہ بار بار پیشانی اور چہرے پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

"ذرا ٹھہرو!" اس نے ادھ جلی سگریٹ ایش ٹرے میں رگڑ کر نئی سگریٹ جلاتے ہوئے مجھ سے کہا۔ پھر سارجنٹ سے مخاطب ہو گیا۔

"اس عمارت میں نفری کم ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "میجر غالب سے فوراً دو دستے لے کر یہاں پہنچو اور عمارت کا محاصرہ کر لو لیکن تجربہ گاہ کے بارے میں تم میجر کو کچھ نہیں بتاؤ گے نہ اپنے ماتحتوں کو۔"

سارجنٹ نے فوراً کرسی چھوڑ دی۔

اس کے بعد بریگیڈیر حسن باقاعدہ نصف گھنٹے تک کہنیوں کے بل میز پر آگے جھکا ہوا سگریٹ پیتا اور انہماک کے ساتھ میری کہانی سنتا رہا۔ درمیان میں اس نے اکادکا سوالات بھی کیے جن سے اس کی الجھن کا اظہار ہو رہا تھا۔

"سارجنٹ کند ذہن ہے۔" میری کہانی مکمل ہونے پر وہ مضطربانہ انداز میں میز کی سطح پر مکا مارتے ہوئے جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "وہ تمہاری کسی بات کو اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھا اور اس نے تمہاری طرف سے میرا ذہن اس حد تک منتشر کر دیا تھا کہ باز پرس کی ابتدا میں میں نے بھی تجربہ گاہ کا ذکر چھیڑنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔"

"مجھے خوشی ہوئی کہ آخر کار کوئی ایسا شخص مل ہی گیا جو کھلے ذہن سے میری بات سننے کے لیے تیار ہے ورنہ میں تو خود کو بہت بے بس محسوس کر رہا تھا۔" میں نے کہا۔ "سارجنٹ کے رویے کو دیکھتے ہوئے مجھے یہی نظر آ رہا تھا کہ تجربہ گاہ کا بال بھی بیکا نہ ہو سکے گا اور کچھ عرصے کے وقفے کے بعد ڈاکٹر حسن کی جگہ اسرائیل سے آیا ہوا کوئی دوسرا سائنسدان اس ہولناک مشن کو آگے بڑھانے میں مصروف ہو جائے گا۔"

"ایسی صورت میں تم اس عمارت کو کھنڈر بنا دیتے؟"

"کیسے؟" میں نے سوال کیا۔ "عمارت کی تباہی کے ساتھ ہی فضا میں ہلاکت خیز زہریلے مادے پھیل جاتے۔ میں بے گناہ شہریوں کے خون کا بوجھ اپنے سر کیسے لے سکتا تھا؟"

"اوہ۔" بریگیڈیر حسن الخالقی نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ "تم بتا تو چکے ہو کہ تجربہ گاہ میں موجود زہریلی گیسوں اور دوسرے مادوں کے اتلاف کے بغیر اس عمارت کو چھیڑنا بھی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہو گا۔"

"پہلے جنگ کی دھند سے مشابہ زہریلی گیس کا مسئلہ درپیش ہے تم سے؟"

"صرف دیکھا ہی ہے۔" بریگیڈیر نے کھلے دل سے کہا۔ "اسماعیل کی کہانی سننے کے بعد میں اس مسئلے کو کسی حد تک سمجھا ہوں۔"

"یہ معاملہ بہت نازک ہے۔" بریگیڈیر کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں یہ بتلا دوں کہ تم کو بھی ہمیشہ اپنی زبان بند رکھنا ہو گی اور کچھ عجب نہیں کہ تحقیق کے ذریعے یہ معاملہ صدر تک جا پہنچے کیونکہ اس کا تعلق ملکی سلامتی سے ہے۔"

"تجربہ گاہ کی تباہی کے بعد تو یہ کارنامہ کہلائے گا۔"

"تجربہ گاہ نجانے کب سے یہاں قائم تھی۔" وہ ٹہلتے ہوئے کہنے لگا۔ "اور اس کے طفیل اسرائیلی کتنی مرتبہ زمانے کو تباہ کرنے کے تجربے کر چکے ہوں۔ آج اگر اس کا راز فاش ہو جاتا ہے تو یہی بات ہم پر یہ ثابت کرے گی کہ ہماری سرزمین پر ایک اہم اسرائیلی مرکز ہماری لاعلمی میں اہم کام سرانجام دیتا رہا۔"

"ہاں ... اس طرح اہمیت پر حرف آتا ہے۔"

"بات صرف اہمیت کی نہیں اس سے بڑی ہے۔" وہ ٹہلتے ٹہلتے میرے مقابل رک گیا۔ "شام اور جنوبی یمن جیسے ممالک کو خوب ہوا مل جائے گی اور ہماری سرپرستی کرنے والوں کے پاس پہنچنے کے سوا کوئی راہ باقی نہ رہے گی۔"

"اگر اس کے خطرات اتنے ہی شدید ہیں تو میری زبان سے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہ نکلے گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ تمہاری نیت کی بات ہے۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔ "اصل مسئلہ یہ ہے کہ جاننے والے یہ بات کس حد تک گوارا کریں گے کہ اس تجربہ گاہ کی حیثیت سے واقف ایک غیر ملکی زندہ بچ جائے یا زندہ قیدی بنا کر رکھا جائے۔"

"اور آزادی؟" میں نے بے اختیار سوال کیا۔

"آزادی کا امکان بہت موہوم ہے۔" اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر کہا۔ "تم اس وقت دنیا کے ایک ایسے خطے میں موجود ہو جہاں حکومت کے کٹر سیاسی مخالفین طویل روپوشیوں کے بعد اچانک کہیں اس حالت میں ملتے ہیں کہ زندگی کی آخری رمق بھی ان کے جسم سے نچوڑی جا چکی ہوتی ہے اور کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ ان کے بارے میں زبان کھولے۔"

میں بجھ سا ہو کر رہ گیا۔ "تم مجھے خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"تم جو چاہو سمجھو مگر حقائق یہی ہیں۔ اس کا فیصلہ ارباب اقتدار ہی کریں گے۔ فی الحال میں تم دونوں سے خفیہ طور پر ہمدردی کا اظہار کرنے کے علاوہ کوئی عملی تعاون نہیں کر سکتا۔"

"پھر میرا مستقبل کیا ہو گا؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔" اس نے ٹہلتے ہوئے کہا۔

سے زیادہ وقعتیں ایک معمہ بنانے کی شعوری کوشش ہی کرتے ہیں ہوں۔"

"وہ کیا؟"

وہ سگریٹ کے گہرے گہرے کش لیتے ہوئے چند ثانیوں تک میری طرف دیکھتا رہا پھر بولا "میں ابھی تک نامحض تجسس سے بات نہیں کر رہا لیکن مہارت کی نوعیت کے لحاظ سے تجربہ گاہ کے بارے میں سرسری سی اطلاع ہو دی گئی باقی کام انٹیلی جنس کے ماہرین خود کر لیں گے۔"

"اس سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟"

"یہ بتاؤں گا کہ تم نے کسی تہہ خانے کے بارے میں اطلاع دی تھی۔" وہ میرے قریب آ کر دھیمے لہجے میں کہنے لگا "سارجنٹ فضیل بھی میرے ایما پر اتنا ہی کہے گا جس کے نتیجے میں ارباب اختیار سمجھیں گے کہ تم دونوں اس تجربہ گاہ کی اصلیت اور حقیقی اہمیت سے بے خبر ہو اس طرح تمہارے ساتھ کسی عام قیدی کا سا سلوک کیا جائے گا اور شاید مختصر سی سزا کے بعد تمہیں رہائی بھی مل جائے۔"

وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اس میں ہم دونوں کا مفاد مضمر تھا یا نہیں لیکن یہ ضرور تھا کہ اس خوفناک تجربہ گاہ کی دریافت کا سہرا اس کے سر ضرور بندھ جاتا جہاں ذرا سی بھی بے خبری اور کوتاہی کسی بڑی ہلاکت و بربادی کا ایک طوفان برپا کر دیتی۔

لیکن اپنی کمزور حیثیت کے پیش نظر اس کی تجویز قبول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ اس پر عمل کرتے ہوئے فائدہ نہیں تو کسی نقصان کا بھی خطرہ نہیں تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے قدرے سکوت کے بعد کہا۔ "اس کے سوا گلوخلاصی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔"

"تو پھر میرے ساتھ آؤ۔" اس نے میرے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔ اور میں نے فوری طور پر اپنی کرسی چھوڑ دی۔

اس وقت میں ذہنی طور پر خود کو بریگیڈیئر محسن الغافم کے قیدی کے بجائے اس کا معتمد دوست تصور کر رہا تھا۔

اس تبدیلی رفت کے نتیجے میں سر کے عقبی حصے کے کام اور درد کو بالکل ہی فراموش کر چکا تھا جو کچھ دیر پہلے میرے لیے ناقابل برداشت ہو رہا تھا۔

وہ عمارت خاصی وسیع و عریض تھی جس کا اندازہ وسیع احاطے میں پہنچ کر ہوا۔

احاطے میں ایک طرف دھندلی روشنی میں ہلکی اور بھاری فوجی گاڑیاں مشینی آسیبوں کی طرح قطاروں میں کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کا بیشتر فوجی دستوں کی نقل و حرکت میں کام آنے والی ویگن اور ٹرک تھے یا جیپیں۔ ان سے کچھ ہٹ کر گہرے اندھیرے میں چند ٹینک بھی موجود تھے اور پھر اس بھاری اجتماع کا سبب بھی سامنے آ گیا جہاں ایک بڑے سیاہ بورڈ پر سفید حروف میں جلی طور پر لکھا ہوا تھا۔

اس وقت ہم جنتا کے مرکزی گیریژن کمانڈ کوارٹر میں موجود تھے بریگیڈیئر چوکی پر برآمدے کی سیڑھیاں اترا۔ جیپ حرکت سے سائبان سے ایک باوردی فوجی تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

"جیپ نکالو۔" بریگیڈیئر نے سخت تحکمانہ لہجے میں کہا۔ اس نے ایڑیاں بجا کر تیزی سے گاڑیوں کی قطار کی طرف رخ کیا۔

چند ثانیوں بعد ہم جیپ میں تیزی کے ساتھ ایک طرف دوڑ رہے تھے میں سپاہیوں کے ہمراہ جیپ کے عقبی حصے میں تنگ جگہ میں ٹھنسا بیٹھا ہوا تھا جبکہ محسن الغافم پرسکون انداز میں جیپ کی ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ ڈرائیور کو اس نے اپنے برابر میں بٹھا لیا تھا۔

وہ فوجی مرکز شہر کے مضافات ہی میں واقع تھا جیسے کہ وہاں سے نکلنے کے بعد بس چند ثانیوں تک ہی اکا دکا روشنیاں نظر آئیں پھر ہیڈ لائٹس کی تیز روشنی کے سوا ہر طرف اندھیرے کی حکمرانی پھیلی تھی۔

وہ سفر کم و بیش دس منٹ تک اعصاب شکن خاموشی میں جاری رہا۔ انجن کی گھرگھراہٹ اور سڑک پر ٹائروں کی رگڑ کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دی۔ آخر کار اندھیرے میں ڈوبی ہوئی اس عمارت کا ہیولا نظر آنے لگا جس میں ہم اپنی زندگی کے سب سے زیادہ تحیرخیز تجربات سے گزرے تھے۔

قریب آ کر آگے بڑھنے کے بعد عمارت کے نچلے حصے میں اکا دکا روشنیاں بھی نظر آ گئیں۔ یہ شاید ان ہی کا انعکاس تھا کہ تاریکی میں بھی عمارت کا ہیولا دور سے نظر آ رہا تھا۔

عمارت کی طرف مڑتے ہی جیپ روک دی گئی سامنے ایک اچانک سب مشین گن سنبھالے جیپ کے سامنے آ گیا تھا۔

بریگیڈیئر نے چند دفتری کاغذات دیتے ہوئے ہونٹ بھینچ لیے۔ شاید ہیڈ لائٹس کی تیز روشنی میں نگاہیں خیرہ ہونے کے باعث وہ فوجی جیپ کی نمبر پلیٹ نہیں دیکھ سکا تھا ورنہ نشانات کے سہارے آنے والے کے منصب سے یقیناً واقف ہو جاتا اور یوں راستے میں مزاحم نہ ہوتا۔

بریگیڈیئر الغافم کو دیکھتے ہی وہ بے جان سے کاغذ رکھ دیکر اور اس نے ایڑیاں بجا کر گھبرائے ہوئے انداز میں یوں سیلوٹ مارا اس کی سب مشین گن گرتے گرتے بچی۔

"جناب! ہیڈ لائٹس بجھا کر پارکنگ لائٹس جلائیے۔" جیپ دوبارہ حرکت میں آتے ہی ڈرائیور نے ادب سے بتایا۔

بریگیڈیئر محسن الغافم فوجی مزاج تھا لیکن اس کی کھوپڑی روایتی طرز کی نہیں تھی۔ لہٰذا اپنے ایک ادنیٰ خدمت گار کے مشورے پر نہیں بگڑا بلکہ فوری طور پر اس نے مشورے پر عمل بھی کر ڈالا جو میرے لیے زیادہ حیرت ناک بات نہیں ہوا۔

عمارت کے قریب جا پہنچے فوجی ٹرک موجود تھے

برآمدے میں سارجنٹ فضیل چار ماتحتوں سمیت موجود تھا۔

چند ثانیوں بعد ہماری آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو گئیں تو پتا چلا کہ ہر چند میں گز کے فاصلے پر پورے احاطے میں مسلح فوجی گھیرے کی شکل میں مستعد کھڑے ہوئے تھے۔

ہم تینوں کے اترنے کے بعد بریگیڈیئر کا ڈرائیور جیپ کو ٹرکوں کی طرف لے گیا اور بریگیڈیئر سکون کے ساتھ سارجنٹ فضیل کی رپورٹ سننے لگا۔

اس دوران میں سارجنٹ کے ماتحت مستعد برآمدے میں موجود رہے تھے۔

سارجنٹ کی رودادوں میں کوئی بات قابل ذکر نہیں تھی مگر بریگیڈیئر تحمل کے ساتھ اس کی گفتگو سنتا رہا اور جب وہ خاموش ہوا تو اپنی چھڑی ہتھیلی پر مارنے لگا۔

"کوئی خاص بات یا معلوم؟" سارجنٹ شاید اپنے افسر اعلیٰ کا مزاج شناس تھا اور ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ عام فوجی ضوابط کی رو سے ایک معمولی سارجنٹ کا براہ راست بریگیڈیئر سے تعلق ہونا قابل اعتراض نہیں تو غیر معمولی ضرور تھا۔

"تجربہ گاہ کے بارے میں تم نے کسی سے ذکر تو نہیں کیا؟" قدرے توقف کے بعد بریگیڈیئر نے دھیمی آواز میں سوال کیا۔

"بالکل نہیں۔" اس نے بلا توقف جواب دیا "لیکن سپاہیوں میں اس کا ذکر ہے۔"

"کیسے؟"

"گرفتاری کے وقت شاید ان دونوں نے پہرے پر موجود سپاہیوں کو کسی تہہ خانے کے بارے میں بتا دیا تھا اور پھر نیلے رنگ کی زہریلی گیس کا اسلحہ بھی ان کے قبضے سے برآمد ہوا تھا۔ ان ہی حوالوں سے سپاہی قیاس آرائیاں کر رہے ہیں۔"

"اس حد تک کوئی حرج نہیں۔" بریگیڈیئر نے پُرسکون مگر رازدارانہ لہجے میں کہا "ہم کچھ دیر یہیں رکیں گے۔ قیدیوں نے عمارت میں کسی تہہ خانے کی موجودگی کی اطلاع ضرور دی تھی لیکن اس کی حقیقت ہماری دریافت قرار دی جائے گی۔"

سارجنٹ کا چہرہ یکبارگی کھل اٹھا "کیا یہ دونوں بھی اس پر رضامند ہو گئے ہیں؟"

بریگیڈیئر نے غیر ارادی طور پر ہاتھ بڑھا کر سارجنٹ کا شانہ دبایا۔ اور کہنے لگا "اس میں ان ہی کا مفاد ہے تم ان کی طرف سے بے فکر رہو۔"

پھر بریگیڈیئر ہم دونوں کی طرف متوجہ ہو گیا "اب یہاں جو کچھ ہوگا اسے تم نے بشاشت سے برداشت کرنا ہوگا۔ میں نہیں چاہتا کہ عام سپاہی بھی تمہیں میری طرف سے مراعات یافتہ قیدی سمجھنے لگیں۔ ہمیں ایک دوسرے کا دشمنوں کا سا خیال رکھنا ہوگا۔"

"تمہیں ہم سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔"

اچانک سارجنٹ فضیل برآمدے کی طرف گھوم گیا اور کڑک دار آواز میں چیخا "وہاں کھڑے کیا تک رہے ہو۔ یہ دو قیدی تحویل میں آ رہے ہیں۔"

وہ چاروں رائفل بردار دوڑتے ہوئے ہماری طرف آئے اور آناً فاناً میں ہم دونوں کو چار عدد رائفلوں کے چمکتے دہانوں کی زد پر لے لیا گیا۔

"ہوشیار رہو ان سے۔" بریگیڈیئر نے ان میں سے ایک کو پچکارا جو جوش میں میرے جسم سے تقریباً آ لگا تھا "یہ خطرناک قیدی ہیں۔"

وہ فوری طور پر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"آگے چلو۔" بریگیڈیئر نے تحکمانہ لہجے میں ہمیں حکم دیا "دیکھیں کہ تمہارا وہ تہہ خانہ کہاں واقع ہے۔"

اس کا لہجہ واضح طور پر استہزائیہ تھا اس نے سارجنٹ کے ماتحتوں کو یہ تاثر دینے کی کامیاب کوشش کی تھی کہ اسے ہماری فراہم کی ہوئی اطلاعات کی صداقت پر ذرہ برابر بھی یقین نہیں آ سکا تھا۔

ہم دونوں کو رائفلوں کی نالوں کی زد پر آگے دھکیلا جانے لگا برآمدہ عبور کر کے ہم جیسے ہی راہداری میں داخل ہوئے تو ہر سو گھور اندھیرے کا راج تھا۔

"تاریکی میں ہم راستہ نہ پہچان سکیں گے۔" میں نے دو تین قدم بڑھنے کے بعد رکتے ہوئے احتجاج آمیز لہجے میں کہا۔

"یا سمبا! آگے جا کر عمارت کی ساری روشنیاں جلا دو۔"

ہمیں کور کرنے والوں میں سے ایک تیزی سے آگے بڑھ گیا اور اس راہداری کے بعد پوری عمارت میں روشنی پھیلتی چلی گئی۔

اپنی یادداشت کے سہارے میں انہیں اس کمرے میں لے گیا جہاں ایک دیوار گیر آرائشی دستہ کھینچنے پر سامنے کی دیوار فرش میں ضم ہو جاتی تھی۔

"یہاں تک تو تم آ گئے یہاں تہہ خانہ کہاں سے آ گیا؟"

"وہ دیوار گیر دستہ کھینچو۔" میں نے اس سے کہا۔

"بے سود ہوگا۔" وہ بے اعتباری سے بولا "یہ محض آرائشی ہے میں نے خود اسے کھینچنے، دبانے اور گھمانے کی کوشش کی تھی۔"

اس اثنا میں سمبا نے آگے بڑھ کر وہ دستہ اپنی طرف کھینچا اور سامنے والی دیوار ایک خفیف سی آواز کے ساتھ فرش میں معدوم ہو گئی۔

بریگیڈیئر کے ساتھ ہی سارجنٹ فضیل بھی اضطراری انداز میں آگے بڑھا اور دیوار میں پیدا ہونے والے خلا کے اس پار دھندلی روشنی میں تہہ خانے کا جائزہ لینے لگا۔

"تم چاروں یہیں ٹھہرو۔" بریگیڈیئر نے ایک ہاتھ سے رائفل لیے ہوئے سپاہیوں کو حکم دیا "اگر ضرورت پڑی تو اندر بلا لیا جائے گا۔"

"آگے چلو۔" بریگیڈیئر نے رائفل کی نال سے اس خلا کی طرف

اشارہ کرتے ہوئے پیچھے دھکیلا اور ہم اندر داخل ہو کر پہلی چوڑی سیڑھی پر رک گئے۔

سیتا نے گردن گھما کر دیکھا کہ وہ دونوں بھی اندر آ چکے تھے۔ تو اس نے کسی کو کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر اندرونی دستہ کھینچ لیا اور دیوار پلک جھپکتے میں اپنی جگہ واپس آ گئی۔

"یہ کیا کیا تم نے؟" بریگیڈیئر بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "راستہ بحال کرو ورنہ میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

سیتا دھیمے سے ہنسی پھر اس نے دیوار کو دوبارہ پیچھے کر دیا۔

"یہ راستہ اسی طرح سے کھلتا اور بند ہوتا ہے؟" بریگیڈیئر نے سیتا کی حرکات کا بغور جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں۔۔۔ اور بہت آسان ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"بند کر دو اسے۔" بریگیڈیئر نے دوبارہ حکم دیا جس کی سیتا نے فوری طور پر تعمیل کی اور تہہ خانے کی سمت میں ہم چاروں رہ گئے۔

"یہ بہتر ہے۔" بریگیڈیئر نے رائفل کی نالی جھکا کر اسے آہستگی سے فرش پر ٹکاتے ہوئے کہا۔ "اب کس احتیاط کی ضرورت ہے؟"

"بس کسی چیز کو چھیڑا نہ جائے۔" میں نے جواب دیا۔

"میں نے آنکھیں بند کر کے تم دونوں پر اعتماد کیا ہے۔" بریگیڈیئر محسن بلند نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "تم ہمارے ساتھ کوئی چالبازی نہیں کرو گے۔"

"ہم احسان فراموش نہیں ہیں۔" میں نے خشکی سے کہا۔ تہہ خانے کی حد اور پُراسرار فضا میں وہ دونوں ہی مخالف نظر آ رہے تھے۔ "بس یہ ضرور چاہیں گے کہ اس تعاون کے بدلے میں ہمیں جلد از جلد آزادی ملنی چاہیے۔"

"تم فکر نہ کرو۔" بریگیڈیئر نے سیتا کے پیچھے سیڑھیاں اترتے ہوئے کہا۔

سیڑھیوں کے تقریباً وسط میں پہنچتے ہی ان دونوں کے چہروں پر خوف و حیرت کے آثار اُمڈ آئے کیونکہ ان کے سامنے ہی تین مسخ شدہ لاشیں پڑی ہوئی تھیں جن کی حالت عبرت ناک ہو رہی تھی۔ ایک بار اس ماحول سے نکل جانے کے بعد دوبارہ یہاں بھی یہی منظر دیکھ کر اپنی گھبراہٹ پر قابو نہ پا سکا۔

"یہ۔۔۔ یہ کس طرح مارے گئے؟" بریگیڈیئر نے سوال کیا۔ اس کی آواز میں غیر محسوس سی کپکپاہٹ پوشیدہ تھی۔

"یہ اسی نیلے رنگ کی زہریلی دھند کا شکار ہوئے ہیں جس کا سسٹم تہہ خانے کے محافظوں نے مجھ سے لے لیا تھا جبکہ ایک تجربے کا شکار ہوا تھا۔"

"شاید اس کی بات کر رہے ہو؟" بریگیڈیئر نے اس لاش سے کچھ فٹ دور رکتے ہوئے سوال کیا جس کا تقریباً آدھا جسم زہریلے سیال کے زیر اثر پگھل چکا تھا۔

"ہاں۔۔۔" میں نے کہا۔ "اس تجربہ گاہ میں موت کے مختلف اور اس سے بھی زیادہ مہلک ذرائع ایجاد کیے جاتے رہے ہیں۔"

"اوہ۔۔۔ یہ تو شاید مائیکل ٹرسپ ہے۔" اسی لمحے سارجنٹ فضیل کی متحیر سی آواز ابھری جس میں بے یقینی بھی شامل تھی۔

"مائیکل اپنے دو ساتھیوں سمیت ہمارا آخری نشانہ بنا تھا۔"

"یہ تینوں خفیہ راستے سے آئے تھے؟" بریگیڈیئر نے سوال کیا۔

"ہاں۔" میں نے اسے بتایا۔ "پہلے ان کا پروگرام تھا کہ ہم دونوں کو کسی دوا کے زیر اثر مفلوج کر کے اپنی جستجو میں چند گھنٹے بھیج دیا جائے لیکن یہاں فوجی کارروائی کے نتیجے میں یہ پروگرام ملتوی ہو گیا۔"

باقی ماندہ دو لاشیں جو تجربہ گاہ میں کام کرنے والوں کی تھیں، زہریلے تیروں کا شکار ہوئی تھیں، اس وقت تک وہ بالکل سیاہ ہو چکی تھیں لیکن تیسری لاش کی حالت بہت خراب تھی۔ ہلاکت خیز سیال پھینکنے والا ہتھیار میں نے اسی سے چھینا تھا۔ اور وہ بدقسمت اپنی دریافت کا شکار ہوا تھا۔ اس کا جسم نصف کے قریب گل چکا تھا اور لاش کے قریب فرش پر سرخی جیسا لیس دار اور کثیف رقیق مادہ پھیلا ہوا تھا۔

"یہ اس کا گلا ہوا جسم ہے۔" میں نے اس کثیف رقیق مادے کے بارے میں بریگیڈیئر کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"بس۔۔۔ بس۔" وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں۔"

وہاں سے ہٹ کر وہ حیرت اور دلچسپی کے ساتھ تجربہ گاہ میں موجود ساز و سامان کا جائزہ لیتا رہا لیکن کسی چیز کو چھونے کی ہمت نہ کر سکا۔

بچے کچھے کیبن میں ڈاکٹر آسٹن اور دو محافظوں کی اکڑی ہوئی لاشیں اس جائزے کے اختتام پر سامنے آئیں مگر اس بار ان دونوں کا رد عمل نارمل ہی رہا کیونکہ فوجی افسر ہونے کے باعث انسانی زندگی کا اتلاف عام ان کے لیے ایک معمول حقیقت تھی۔ ابتدا میں بھی انہیں تعجب محض اس لیے ہوا کہ مرنے والے روایتی ہتھیاروں کے بجائے انتہائی عجیب و غریب ہتھیاروں کا شکار ہوئے تھے جن کا ذکر بھی اس وقت تک نہیں ہوا تھا۔

وہاں سے ہم چاروں خاموشی کے ساتھ واپس ہو لیے۔

سیڑھیاں عبور کرنے کے بعد بریگیڈیئر نے آخری سیڑھی سے رائفل اٹھا کر دوبارہ سیدھی کر لی اور اس کے اشارے پر سارجنٹ فضیل

نے تہہ خانے سے نکاسی کا راستہ کھول دیا اور ہم چاروں یکے بعد دیگرے باہر نکل آئے۔

"اس کمرے پہ چار آدمی مامور کر دو۔" وہ راستہ بند کیے جانے کے بعد بریگیڈیئر نے سارجنٹ فضیل کو حکم دیا۔ "اس اوپری کمرے میں چڑیا کا بچہ بھی پر نہ مارنے پائے۔"

"اگر اجازت ہو تو اس اوپر والے کمرے کو بھی باہر سے سیل کر دیا جائے۔" سارجنٹ فضیل نے خود ہی تجویز پیش کی۔

"یہی بہتر ہے گا۔" بریگیڈیئر نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا اور پھر ہمارا جلوس اس کمرے سے واپس روانہ ہوگیا۔

سارجنٹ کی ہدایت پر دو سپاہی وہیں رک گئے تھے۔

ہم دونوں کو فوجیوں کی تحویل میں دے کر بریگیڈیئر محسن اختر نے ماتحت کے ساتھ کچھ دیر صلاح مشورے کرتا رہا جس کے بعد جیل کے اور فوجی بھی شریک ہو گئے۔

آخر کار رخصت ہو گئے وہاں سے واپسی کی نوبت آئی اور بریگیڈیئر کی جیپ میں ہم دونوں کو ایک با وقت پچھلی نشستیں سنبھالنی پڑیں۔

گیریژن کے ہیڈ کوارٹر میں سناٹے بلکہ ویرانی کا بسیرا تھا۔ مگر بریگیڈیئر کی جیپ اندر گھستے ہی کئی گوشوں سے مسلح سنتری نکلتے نظر آئے جو سیدان صاف پا کر شاید عافیت کے گوشوں میں جا چھپے تھے۔

ان کی اٹینشن پھر بھی تھی اور بریگیڈیئر ان پر توجہ دیے بغیر جیپ کو آگے لیتا چلا گیا۔

برآمدے سے ملحق ایک چھوٹے سے کمرے میں اس وقت روشنی ہو رہی تھی۔ بریگیڈیئر کا ڈرائیور جیپ رکتے ہی تیزی سے نیچے کودا اور اس روشن کمرے کی کھڑکی پر جھک کر کسی سے کچھ کہنے لگا۔

جتنی دیر میں ہم دونوں نیچے اترتے اس کمرے سے دو فوجی باہر نکل آئے۔

"انہیں انٹروگیشن سیل میں ڈال دو۔" بریگیڈیئر نے تحکم آمیز لہجے میں ان سے کہا اور ہماری طرف دیکھے بغیر برآمدے میں آگے بڑھتا چلا گیا۔

"کدھر چلیں؟" میں نے ان دونوں کو خاموش کھڑے دیکھ کر چند ثانیوں کے بعد سوال کیا۔

"ادھر چلو۔" وہ دونوں ہی چونک کر یک لخت بولے اور ہم برآمدے کی سیڑھیاں طے کر کے داہنی طرف چل پڑے۔

انٹروگیشن سیل میری دانست میں وہی سلاخوں والا کمرہ تھا جہاں ہوش میں آنے کے بعد میں نے خود کو محبوس پایا تھا لیکن تھوڑی دیر بعد ہی میری یہ غلط فہمی رفع ہو گئی۔

ہمیں برآمدے اور متعدد راہداریوں سے گزرنے کے بعد جس جگہ چوبی دروازے کے سامنے لے جایا گیا وہ یقینی طور پر سلاخوں والا لاک اپ

تھیں تھا۔

آنے والوں میں سے ایک نے بڑھ کر دروازے کا قفل کھولا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ ہم دونوں نے اس کی تقلید کی تو سپاہی باہر کھڑا رہا۔

اندر گھستے ہی بے اختیار میرے منہ سے ایک پُر اطمینان آہ خارج ہو گئی۔

کمرے کا فرش اور تنگی سپاٹ دیواروں کے برعکس دیکھ کر قرینے کا تھا۔ عقبی دیوار میں آہنی جالی میں محفوظ ایک بڑی کھڑکی تھی جو پردوں سے ڈھکی تھی اس کے علاوہ کھلے ہوئے دوسرے دروازے کی طرف غسل خانہ بھی نظر آ رہا تھا لیکن سب سے بڑھ کر جو چیز دلکشی کا باعث تھی، وہ تین عدد آرام دہ مسہریوں کی موجودگی تھی۔

ان مسہریوں کے درمیان ہی دو کرسیاں بھی موجود تھیں۔

"میرے ساتھی کو فرسٹ ایڈ کی ضرورت ہے۔" میں نے سیڑھیوں والے فوجیوں کو واپسی پر آمادہ پا کر دھیمے لہجے میں کہا۔

"کیا ہوا؟" وہ باہر والا بھی اندر ہی آ گیا۔

"شانے پر گولی کا زخم اور سر پر چوٹ ہے۔" سیتا نے کہا۔

ان میں سے ایک نے دونوں ضربات کا جائزہ لیا پھر سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "تھوڑی دیر میں ڈسپنسر مرہم پٹی کر جائے گا۔"

"اور کھانا؟" میں بے ساختہ بول پڑا۔ "ہمیں بھوک کی شدت محسوس ہو رہی ہے۔"

"صبح ناشتے سے پہلے کچھ ملنا مشکل ہے۔ میس بند ہو چکا ہو گا۔" اس نے اندازہ لگایا کہ ان دونوں میں شائستگی اور انسانی ہمدردی موجود تھی۔

"اچھا تو صبر کر لیں گے۔" میں نے کہا اور دونوں باہر نکل گئے جاتے ہوئے وہ دروازہ بند کر گئے باہر سے مقفل کرنا نہیں بھولے تھے۔

"آرام کچھ بہتر ہیں۔" تنہائی میسر آتے ہی سیتا نے کہا۔

"جب تک رہائی نہ مل جائے حالات غیر یقینی ہی رہیں گے۔" میں نے بستر پر دراز ہوتے ہوئے بے حد لاپرواہ لہجے میں کہا۔

"تہہ خانے میں میری نیت خراب ہو رہی تھی۔" سیتا مسکراتے ہوئے میرے قریب آ بیٹھی۔

"کیا انہیں مارنے کا ارادہ تھا؟"

"سب کچھ ہوا ہے لیکن مہلک سیال چھڑکنے والا پستول ابھی تک میرے پاس ہے۔" اس نے فتح مندانہ لہجے میں کہا۔

"اور زہریلے تیروں والی شیشی بھی ہے میرے پاس۔" میں نے اپنی جیب ٹٹولتے ہوئے مسرت آمیز لہجے میں کہا۔

"اگر حالات دگرگوں ہوتے نظر آئے تو ہم بے دریغ ان سے نپٹ لیں گے۔" سیتا نے جھک کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا اور میں نے اس کی گردن بازو میں دبوچ لی۔

اس وقت میں مسخ ہونے کی تجربات کو یک بیک خود کو ذہنی

پر بہت زیادہ سوچ محسوس کر رہا تھا۔

تقریباً دس منٹ بعد ڈسپنسر ایک فوجی کے ہمراہ آیا تو ہم دونوں لیٹے ہوئے تھے مگر دروازے پر آہٹیں سن کر ان کے داخلے سے پہلے اٹھ گئے۔

ان دونوں کے پیچھے ایک خوبرو نرس بھی اندر داخل ہوئی تو سیتا کی تیوریوں پر بل پڑ گئے مگر وہ زبان سے کچھ نہ بولی۔

نرس فرسٹ ایڈ کے سامان کی ٹرے سنبھالے ہوئے ان دونوں سے آگے بڑھ کر میرے قریب ہی بستر پر آ بیٹھی۔

میں سیتا کے تاثرات بھانپ چکا تھا۔ لہٰذا اسے چڑانے کے لیے دانستہ اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

"کیسے چوٹ آئی آپ کو؟" نرس نے میرے شانے کے زخم پر جھکتے ہوئے اپنے چہرے کو تھوڑا قریب لاتے ہوئے پریشانی بھرے لہجے میں سوال کیا۔

"ایک مجرم کی گولی نے جلد لوتھڑا ڈال دیا۔" میں نے کہا۔ اس اثنا میں ڈسپنسر فرسٹ ایڈ کے سامان میں سے کچھ نکالنے لگا تھا۔

"کچھ بچ گئی؟" وہ میرا شانہ ٹٹول کر دم کی عدم موجودگی محسوس کرتے ہوئے بولی۔ "ذرا بھی ہاتھ چلتا تو ہنسلی کی ہڈی بھی ٹوٹ سکتی تھی۔"

"تم خاموشی سے کام نہیں کر سکتیں؟" سیتا سے اس کا بے حد دلنشیں برداشت نہ ہو سکا اور وہ درمیان میں ٹانگ اڑا ہی بیٹھی۔

"اے لڑکی!" سفید پوش ڈسپنسر نے خشک بلکہ تلخ لہجے میں سیتا کو مخاطب کیا۔ "بہ پہلوں سے بہتر اور میں اپنا کام کرتے دو۔"

"میں تمہارا مطلب تو نہیں روک رہی۔" سیتا غرائی۔

"ادھر چلو۔" ڈسپنسر نے اپنی انگلی سیدھی کر کے اس کی نالی سے کمرے کے ایک دور افتادہ گوشے کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ میری بیوی ہے۔" بات بڑھتے دیکھ کر میں نے مداخلت کی۔

"معاف کرنا۔" نرس لاپروائی سے بولی۔ "ہم تمہاری ہی مدد کے لیے آئے ہیں۔ اسے میرا تم سے بات کرنا ناگوار کیوں لگ رہا ہے؟"

"مدد کیوں نہیں جاری ہو اس پر۔" سیتا نے غصے اور بے بسی کے ساتھ کہا۔ "جو کام تم کر رہی ہو وہ میں تم سے بہتر کر سکتی ہوں۔"

"تو پھر کر لو۔" ڈسپنسر کچھ زیادہ ہی تنگ مزاج تھا۔ "اب اس زخم شانہ برباد ہو گا۔" یہ کہہ کر وہ نرس سے مخاطب ہو گیا۔ "چلو سامان اٹھاؤ یہاں سے۔"

اور وہ تینوں واقعی کمرے سے چلے گئے۔

سیتا چند ثانیوں تک سر جھکائے کھڑی رہی پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "شاید اب وہ دوبارہ واپس نہیں آئیں گے۔"

"تم کچھ دیر خاموش رہتیں تو شاید یہ نوبت نہ آتی۔" میں نے ہنستے ہوئے لاپرواہانہ لہجے میں کہا۔

"معاف کیجیے" اس نے کہا اور اس کی آواز کی بھراہٹ میں بھی...

میں اندر آیا؟ آتے ہی تم سے کیسی چپکا کر بیٹھی تھی۔"

"نرسوں کا کام ہی ایسا ہوتا ہے۔" میں نے نرمی سے اسے سمجھانا چاہا۔ "اگر وہ مریضوں میں جنس اور عمر کا امتیاز کریں تو کام ہی نہیں کر سکتیں۔ مجھ میں کوئی سرخاب کے پر تو نہیں ہیں جو وہ آتے ہی مجھ پہ مر مٹی تھی۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں افسوس ہو رہا ہے اس کے یوں چلے جانے کا؟" وہ یک بیک اداس ہو گئی۔

"اس معاملے میں نرمی ہی وقت برتا۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "مجھے تو احساس بھی نہیں ہوتا کسی طبی امداد کی ضرورت کا۔ تم نے خود ہی انہیں بلایا تھا۔۔۔ اور وہ کون سا مجھے ساتھ لیے جا رہی تھی، مرہم پٹی کے بعد چلی جاتی۔"

"یہ تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ عورت کی فطرت سے ناواقف ہو۔" وہ سنجیدگی سے بولی اور میں اس کی کم فہمی پر دل ہی دل میں جھنجھلا کر رہ گیا۔

"عورت دوسری عورت کے حق پر ڈاکا ڈال کر خوشی محسوس کرتی ہے۔ میں تو آنکھیں رکھتی ہوں۔ میں نے اپنے کانوں سے ان کی باتیں سنی ہیں۔ وہ دونوں ہی تمہارے لیے آئی تھیں۔ ابھی وہ مرہم پٹی کرتی پھر دیکھ بھال کے بہانے سے دوبارہ آ جاتی۔۔۔ اس کا پیشہ کتنا ہی مقدس ہو لیکن میں نے اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک دیکھی تھی۔"

"کیسی چمک تھی بھلا؟"

"کچھ تو شاید تم بھی پہچان لیتے۔" اس نے قدرے جھجک کر کہا۔ "میرے لیے بیان کرنا مشکل ہے۔ ایسی باتیں محسوس ہی کی جا سکتی ہیں۔"

"خیر اب تو وہ چلی گئی۔ اس کے بارے میں سوچ کر اپنا خون نہ جلاؤ۔" میں نے پیار بھرے لہجے میں کہا اور وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"میں اب چلو تم پر کسی غیر عورت کا سایہ تک نہ پڑنے دوں گی۔"

اس نے ہنستے ہوئے جو کچھ کہا وہ مختصر ضرور تھا مگر مفہوم کے اعتبار سے اس قدر جامع تھا کہ ان چند الفاظ میں مشرق کی عورت کا پورا مزاج سمویا ہوا تھا۔

تکان اور تکلیف کے باعث تھوڑی دیر بعد ہم دونوں ہی سو گئے اور ایسی گہری نیند سوئے کہ دروازہ کھلنے پر بھی آنکھ نہ کھل سکی۔

جب خمار سے بوجھل ذہن میں گرد و پیش کا مبہم سا احساس بیدار ہوا تو اس بیداری کا سبب بھی فوراً ہی واضح ہو گیا۔

ایک شخص نہایت بے دلی سے مجھے جھنجھوڑ رہا تھا۔

میں نے ہڑبڑا کر بستر چھوڑ دیا اور پلکیں جھپکتے ہوئے اس کمرے میں موجود اس شخص کو حیرت سے دیکھنے لگا جو بستر کے قریب موجود تھی۔

یہ بات تو پہلی ہی نگاہ میں واضح ہو گئی کہ فوجی سپاہیوں کے ہجوم میں تین سادہ شہری لباس بھی نظر آ رہے تھے۔

ان شخصوں کے لباس سے واضح تھا کہ اس قدر نفیس تھے کہ ان سے

خیالات اور دبدبے کا اظہار ہو رہا تھا اور یہ تاثر اس سے ابھر کر خدوخال پر اور زیادہ واضح ہو گیا تھا ورنہ عموماً بیش قیمت اور ستھرے لباس پر موجود چہرے ہیرے کی بے توقیری کا بھی باعث بن جاتے ہیں۔

"جنرل صاحب تم سے ملنے آئے ہیں۔" بریگیڈیر کی آواز مجھے اپنے عقب سے سنائی دی جس میں تحکم ضرور تھا لیکن لہجہ عبرت ناک حد تک دھیما تھا۔

میں بستر سے اترنے کے لیے آگے کھسکا اور اس سمت میں موجود لوگوں نے میرے نیچے اترنے کے لیے جگہ چھوڑ دی۔

میرے نیچے پہنچتے ہی میرے لیے جگہ بنا دی گئی تاکہ میں سامنے والے میں موجود اس شخص کے روبرو بیٹھ سکوں جو سب سے زیادہ نمایاں نظر آ رہا تھا۔ اس کی انگلیوں میں سلگتا ہوا سگار دبا ہوا تھا اور پیشانی پر تفکر کی گہری لکیر نظر آ رہی تھیں جو اس کے خدوخال کا مستقل حصہ نہیں تھیں۔

وہ قدم آگے بڑھ کر میں نے کرسی پر بیٹھنے کے لیے نگاہیں دوڑائیں تو بستر کی دوسری جانب کرسی نظر آئی۔ شاید اسے مجھ سے پہلے جب دار کر لیا گیا تھا۔

"ہوں — تو تم ہو صفدر علی؟" سولین لباس والے سگار نوش نے سر تا پا میرا جائزہ لیتے ہوئے گمبھیر لہجے میں کہا۔

میں سر ہلا کر رہ گیا کیونکہ اس کا لہجہ محض تائید طلب تھا۔

"یوسف کہاں ہے؟" قدرے توقف کے بعد اس نے ایک غیر متوقع سوال کر ڈالا۔

"وہ ... وہ رات تک ہمارے ساتھ تھا۔ اس کے بعد کہیں گیا، یہ ہمیں معلوم نہیں۔" میں نے ڈرتے ڈرتے کہا کیونکہ اس معاملے پر بریگیڈیر محسن الغانم نے مجھے کوئی واضح ہدایت نہیں دی تھی اور میں اپنی جانب سے کوئی تضاد پیدا کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"عبد الجبار سے واقف ہو؟" اس کا سوال سن کر میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی کی لہر اترتی چلی گئی۔ وہ تو ازحد عجیب انکشاف ہوا تھا۔

"نہیں۔" ایک لمحے کے بعد میں نے مختاط لہجے میں صاف انکار کر دیا کیونکہ اقرار کی صورت میں سوالات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا۔

"تم یمن کیسے داخل ہوئے؟" اس نے سگار کا ایک گہرا کش لے کر دھواں اگلتے ہوئے سوال کیا۔ اس کی نگاہیں مسلسل میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"بحری راستے پر ایک لانچ نے ہمیں ویران ساحل پر اتار دیا تھا۔" میں اس کے سوالات کے جواب بہت احتیاط سے دے رہا تھا۔ "یہ بعد میں معلوم ہوا کہ ہم یمن پہنچ چکے ہیں۔"

"یمن میں تم ان لوگوں کے پاس پناہ گزین تھے جو سطحی گفتگو کے بجائے وہ چارے بارے میں بنیادی معلومات حاصل کرنی چاہ رہا تھا۔

"صنعا تک پہنچتے پہنچتے پھر ہماری فلسطینی تنظیم کے دفتر سے رابطہ قائم کیا تھا۔" میں نے ضرورت سے زیادہ نہ بولنے کی ضرورت بھی سمجھی تھی۔

"ان کے پیچھے تمہارے پاس کیا شناخت تھی؟"

"کوئی نہیں۔"

"پھر یوسف نے تمہیں کیسے قبول کر لیا؟"

"اس نے پہلے ہی تمہارے اس بارے میں ہدایات لی تھیں۔"

"یہ واقعہ کتنا پرانا ہے؟"

"شاید آٹھ دس روز۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ جس وقت یوسف حکومت کا مزدور اشتہاری مجرم تھا؟" سگار نوش کا لہجہ قدرے تلخ ہو گیا۔

"نہیں — ہمارے لیے یہ ایک خبر ہے۔" میں نے کہا۔ "ویسے بھی کسی کام میں اس کی مداخلت نہیں کی۔ اس تمام عرصے وہ ہمیں ایک سے دوسری جگہ لیے چھپاتا رہا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ ساری بھاگ دوڑ ہمارے لیے کر رہا تھا۔"

اس کے ہونٹوں پر تمسخر آمیز کھچاؤ پیدا ہو گیا۔ مگر وہ بولا تو لہجہ بھی تھا۔ "تم اس کے ساتھ رہ کر کس کس ٹھکانے پر گئے؟"

"صنعا ہمارے لیے اجنبی شہر ہے۔" میں نے بے بسی سے کہا۔ "نقل و حرکت رات کے اندھیرے میں ہوتی تھی اور ہر دن سے ٹھکانے بدلنا میسر ہوتا تھا۔"

"ان ٹھکانوں کو شناخت کر سکو گے؟"

"ہم جھونپڑیوں سے فلیٹوں تک میں رہے ہیں۔ ہم پر اتنی خوف کا ایسا خوف طاری تھا کہ ہمیں جزئیات پر توجہ نہ دے سکے۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

اس نے پھر سگار کا ایک گہرا کش لے کر بے چینی سے پہلو بدلا۔ "یوسف کہاں گئے تھے؟"

"وہ کسی سے ملنے گیا تھا۔" میں نے فوری طور پر ایک مرحلہ شروع کر دی۔ "مگر وہ شخص نہ مل سکا بلکہ اس کے حوالے سے ایک اور نے خود کو متعارف کرایا۔ یوسف دھوکا کھا گیا اور اس نے ہم دونوں کو اس شخص کی پناہ میں دے دیا ..."

"وہ شخص اس سے کہاں ملاقات ہوئی تھی؟" اس نے میری بات کاٹ کر مضطربانہ لہجے میں سوال کیا جیسے اسے میرا ملنے کی شدید ضرورت تھی۔

"صنعا سے وہاں پہنچنے والی بسوں کے اڈے پر۔" میں نے لجے میں جواب دے کر اس کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔

اس نے سگار کا خاصا بڑا باقی ماندہ حصہ فرش پر پھینک کر جوتے سے مسل دیا۔ جو شاید غصے کا جذباتی اظہار تھا۔

"ابو الکلثوم، محسن الغانم اور ابو محمد کے علاوہ سب لوگ باہر جائیں۔" اس شخص نے ... اور اس کی ہدایت جاری کی اور سب لوگ تیزی سے باہر جانے لگے۔

میں باہر جانے والوں کا جائزہ لیتا رہا۔ ان میں کئی عام آدمی بھی تھے لیکن حیرت کی بات تھی کہ بریگیڈیر محسن الغانم کا چہیتا سارجنٹ فضیل کہیں نظر نہ آیا۔

باہر نکلنے والے آخری آدمی نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔

اب اس کمرے میں کل چھ نفوس تھے۔

محسن الغانم اپنی مکمل فوجی وردی میں تھا۔ اس کے علاوہ بھی ایک افسر اسی قسم کے اعزازات سمیت نظر آ رہا تھا۔ تیسرا سولین لباس والا ترش رو شخص تھا جس کے بائیں ہاتھ کی دو انگلیوں میں قیمتی ہیروں کی انگوٹھیاں جگمگا رہی تھیں اور چوتھا سگار نوش سادہ پوش تھا جو ان میں اس وقت سب سے زیادہ با اختیار نظر آ رہا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" وہ جھکتے ہوئے انداز میں ایک گہرا سانس لے کر کرسی پر دھنس گیا۔

ترش رو نے دوسری کرسی سنبھال لی۔ محسن الغانم اور اس کے ساتھی نے وردیوں اور عہدے کی مناسبت سے کھڑے رہنا ہی مناسب سمجھا اور بیٹھنے والوں میں سے کسی نے ان کو دوبارہ بیٹھنے کے لیے نہیں کہا جس کا مطلب تھا کہ دوسرا سادہ پوش بھی وردی والوں سے زیادہ اختیارات کا مالک تھا۔

میرے واسطے کے لیے تو جیسے مجرمانہ انداز میں کھڑے رہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

اس نے کرسی پر بیٹھ کر نیا سگار نکالا اور اس کا گوشہ توڑ کر اسے سلگانے کے بعد پھر مجھ سے مخاطب ہو گیا۔

"وہ اجنبی کون تھا؟"

"اس وقت یوسف کے رویے کے پیش نظر ہم اسے اپنا ہمدرد ہی سمجھے تھے لیکن وہ ہمیں وہاں سے براہِ راست اس عمارت میں لے گیا جہاں سے ہماری گرفتاری عمل میں آئی ہے۔ ہمیں کھلنے لگا۔ وہاں ہمیں ہتھیاروں کی نوک پر تہہ خانے میں بنایا گیا تو اندازہ ہوا کہ یوسف اس کی شناخت میں ہماری طرح دھوکے کا شکار ہوا تھا۔"

"پھر یوسف کا کیا ہوا؟"

"کچھ پتہ نہیں — ہم تو مسلسل قید میں تھے۔"

"مسلسل قید میں تھے۔" اس نے مجھے گھورتے ہوئے دہرایا۔ "تمہیں سمجھ ہوا ابو الکلثوم؟ کتنا تضاد ہے اس کہانی میں؟"

یکبارگی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور ننگا ہونے کے سامنے شرارت سے گردش کرنے لگے۔ نہ جانے اس نے میرے بیان کے بیانات میں کہاں تضاد پکڑ لیا تھا۔

دوسرے سادہ پوش نے کرسی میں پہلو بدلا۔ پھر کھانس کر بولا۔ "اس نے تمہیں یوسف کے بارے میں کیا بتایا تھا؟ محسن؟"

"یوسف نے اس عمارت میں گھسنے کی ناکام کوشش کے بعد ہمیں اس عمارت پر چڑھا ہوا دیکھ لیا تھا۔" محسن الغانم بھی کچھ پریشان نظر آنے لگا تھا۔

اس کا جواب سن کر میری جان میں جان آئی اور میں نے اسی انداز میں بول پڑا۔ "وہ شخص شاید عقل مند تھا ... یوسف ہم دونوں کے بارے میں بہت فکر مند تھا۔ ہو سکتا ہے کہ الگ ہو جانے کے بعد اس نے دور سے صنعا تک اس آدمی کی کار کا تعاقب کیا ہو۔ یقینی طور پر تو ہم کچھ کہہ ہی نہیں سکتے۔ میں نے ہر بات سچ بتائی ہے۔"

"اب اصل بات شروع نہ کی جائے؟" ابو الکلثوم نے طویل ہوتے ہوئے سکوت کو توڑ کر سگار والے کو یاد دلایا۔

سگار والے نے مجھ پر ایک خوفناک انداز میں میری طرف دیکھا پھر بولا۔ "اب تک جو کچھ بات ہوتی رہی وہ اتنی اہم نہیں تھی۔ آخر میں خیال آیا تھا کہ شاید تمہارے ذریعے یوسف بھی ہاتھ آ سکے لیکن اب اس کی ذات ثانوی ہو گئی ہے۔"

میرے لیے یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں تھا کہ نسبتاً غیر اہم گفتگو سے بات چیت کا آغاز محض اس لیے کیا گیا تھا کہ باہر نکالے جانے والوں کو یہ تاثر دیا جا سکے کہ اس وقت کا اہم ترین موضوع یوسف کی ذات تھی جب کہ اصل بات ان لوگوں سے بھی چھپائے جانے کے قابل تھی۔

"اور یہ بھی یاد رکھنا کہ تم ٹیمن میں غیر قانونی طور پر داخل ہوئے ہو۔ جبرالٹر چھوڑ جانے کے بعد ابوالمکتوم آستانوی جیسی مجبوری کے حکم کی نظر نہیں آیا۔ تمہیں گولی مار کر کسی سڑک پر پھینک دیا جائے تو تمہاری فریاد کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔"

"یہ میں جانتا ہوں۔" میں نے سر جھکا کر بے بسی سے کہا۔

"تم جانتے ہو کہ وہ عمارت کن لوگوں کا مسکن تھی جہاں گار والے جنرل نے سوال کیا۔

"قانون تو ٹیمن کا بھی ہمارے خلاف صف آرا ہے مگر ہمارے لہو کے پیاسے صرف اسرائیلی ہیں۔ وہ ہمیں اپنے قومی مجرم کے طور پر اسرائیل لے جانا چاہتے تھے۔"

"اس تہہ خانے کے بارے میں تم نے کیا اندازہ لگایا ہے؟" جنرل پر انتہائی اضطراب کی سی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔

"وہ ایک خفیہ ٹھکانا ہے جہاں بعض عجیب ہتھیار موجود ہیں۔"

"تم نے ان نوابوں کو کن ہتھیاروں سے ٹھکانے لگایا ہے؟"

"چند برقی سوئیاں اور ایک گیس سلنڈر وہ ڈاکٹر آسٹن نے ہمیں مجبور و معذور سمجھتے ہوئے تجربہ خود دکھائی تھیں۔"

"مگر وہ ان دو شخصوں کے جسم اور تیسری کی ایک پنڈلی گلی ہوئی تھی۔ وہ کس ہتھیار کا شکار ہوئے ہیں؟" اس نے فکر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"ایک شیشی میں محلول تھا کوئی تیز اتفاقاً ہاتھ آ گیا۔" میں نے سفید جھوٹ بولا۔ "مگر جب ہم نے پہلے شکار پر اس کا اثر دیکھا تو دوسرے دو شخصوں پر پہلے ہتھیار کے طور پر احتیاط کے ساتھ استعمال کرنے کی کوشش کی۔"

"وہ تہہ خانہ ایک ہولناک زنداں ہے۔" غیر ارادی طور پر جنرل کا لہجہ دھیما ہو گیا۔ "محسن نے اس کے بارے میں خوفناک اطلاع فراہم کیں۔ جس کی روشنی میں چند سائنسی ماہرین نے وہاں کا جائزہ لیا اور محض چند چیزوں کی اصلیت نے انھیں خوف زدہ کر دیا۔ اس تہہ خانے کے چپے چپے پر موت کے ناقابل یقین روپ پوشیدہ ہیں اور ماہرین کی حیرانی اور وہاں قتل عام ایک ایسے سلسلے سے منسلک ہے کہ کہیں بھی کسی بھی غلط چیز کو چھیڑ دیا گیا تو وہ سب کچھ برباد ہو جائے گا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے کتنی ہلاکت خیز ہوگی۔"

جنرل کے اس انکشاف پر تو میں پھر ہی لیے نیم جان رہ سکا۔ موت کے منہ میں ایک بڑی جنگ لڑنے والا تاج ہے سب سے پہلے ہو کر سب کچھ داؤ پر لگا دیتا ہے اللہ ہم نے بھی یہی کیا تھا۔ تجوری میں ہوکر برقی نظام کو ناکارہ بنانے ہوئے بھی سب کچھ برباد ہو سکتا تھا مگر اس وقت ہم نے کچھ نہیں سوچا تھا لیکن اس انتہائی سنسنی خیز سوال پر جنرل کی زبانی سائنسدانوں کے مشاہدات سنتے ہوئے میرے بھی رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔

"ہمارے ماہرین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ وہ سائنسی عجائب گھر ہمارے لیے گلے کی ہڈی بن گیا ہے۔" جنرل کہہ رہا تھا۔ "اسے جوں کا توں چھوڑا جا سکتا ہے اور نہ اسے تباہ کرنا ہمارے ماہرین کے لیے آسان اور بے خطر ہے....."

"دوسری چیز....." ابوالمکتوم نے لقمہ دیا۔ "وہ مختصر لیکن بھرپور جنگی تجربہ گاہ ہے۔ سیاسی اعتبار سے اس کی یہاں موجودگی راز منظر عام پر نہیں لایا جا سکتا۔ ہمارے دوست ہم پر سنگین غلطی کا الزام عائد کریں گے۔ لبنان کے ہزاروں معذور اور یتیم بچوں کی کسمپرسی میں ہمارا نام لیا جائے گا۔ اس رسوائی سے بچنے کا طریقہ و منصوبہ بھی ہیں۔"

"کاش میں کسی کام آ سکوں۔" اس کے خاموش ہونے پر میں نے اداس لہجے میں کہا۔

"تمہاری خوبصورت ضمانت کے طور پر ہماری تحویل میں رہے گی۔" ایک طویل سکوت کے بعد جنرل نے پہلی بار مجھ سے نگاہیں چار کیے بغیر کہا۔ "اور تم رہا کر دیے جاؤ گے۔ ٹیمن میں تمہیں پوری آزادی حاصل ہوگی۔ تم بہت سے اسرائیلیوں کو جانتے ہو اور وہ سب تم سے واقف ہیں۔ اس عمارت سے نکل بھاگنے والوں میں سے بیشتر سے ہم بخوبی مطمئن ہوں گے۔ وہ فوراً تمہارے پیچھے لگ جائیں گے۔ اب تم پکڑے جاؤ گے یا ان میں سے ایک کو پکڑو گے وہ تمہیں ان پر ہے.....

"سودا ہے؟" میں نے حیرت اور بے یقینی کے ساتھ دم ہوا۔

"ہاں۔" جنرل نے سگار کا گل فرش پر جھاڑتے ہوئے کہا۔ "ماہرین کا اندازہ ہے کہ اس تہہ خانے کی تنصیبات جیسی قیمت اور نادر و نایاب ہیں۔ تم انھیں پیشکش کرو کہ ان کے ماہرین تمہیں معاوضہ دے کر ایک مقررہ مدت میں اس تجربہ گاہ کی ایک ایک چیز اسرائیل منتقل کر سکتے ہیں۔ ورنہ تجوری کا معاوضہ طے کرکے تم مقامی حکام کو تہہ خانے کے راز سے آگاہ کر دو گے۔"

میں حیرت سے چند ثانیوں کے لیے گنگ رہ گیا۔ پھر خوف آلود آواز میں بولا۔ "اگر میں نے اقرار کر لیا کہ تہہ خانے کا راز میرے سینے میں دفن ہے تو وہ مجھے فوراً ہلاک کر دیں گے تاکہ تجربہ گاہ میں دوبارہ اپنے کام کا آغاز کر سکیں۔ یہ تو سراسر خودکشی ہوگی۔"

"نہیں۔" جنرل اٹھ کر مختصر سی جگہ میں بے تابی سے ٹہلنے لگا۔ "منصوبہ بہت بہتر ہے۔ تمہیں جیسی ڈرامہ بازیوں سے لیس چار غیر سرکاری آدمی دیے جائیں گے۔ باری باری وہ آدمی ہر وقت سے تمہاری حفاظت کرتے رہیں گے۔ مغلوب ہو جانے کی صورت میں تم ان کی موجودگی جتا سکو گے۔ جیسے سیتا دنیا کی نظروں سے دور ہماری تحویل میں رہے گی۔ تم انھیں بتاؤ گے کہ سیتا بھی تہہ خانے کے راز سے اسی قدر واقف ہے جتنے تم۔ اور اگر تم مسلسل بار....

گئے تو یک غائب ہے تو سیتا اپنی معلومات مقامی حکام تک پہنچا دے گی۔ وہ دھمکیاں تمہاری زندگی کی موثر ترین ضمانت ہوں گی اور اگر تم اپنے مشن میں کامیاب ہو تو صحیح معنوں میں حاصل ہونے والی رقم کے علاوہ تمہیں ہماری حکومت بھی خطیر انعامات سے نوازنے کا ارادہ رکھتی ہے۔"

"یعنی اسرائیلیوں کو سارا ساز و سامان اور آلات اٹھا لے جانے کا موقع فراہم کیا جائے گا تاکہ وہ اپنا ہلاکت خیز منصوبہ جاری رکھیں؟" میں نے حیرت سے اور بے یقینی کے ملے جلے جذبات کے تحت مایوسانہ لہجے میں سوال کیا۔

"یہی سمجھ لو۔ فی الوقت یہی سمجھ لو۔" جنرل اضطراری لہجے میں بولا۔

"یہ میرے ضمیر کے لیے ناقابل برداشت بوجھ ہوگا جنرل!" میں نے کرب آلود لہجے میں کہا۔ "تم دوسری صورت کیوں نہیں بتاتے؟"

"دوسری صورت ہمارے لیے بوجھ ہے گی۔" ابوالمکتوم نے اپنی ہیروں والی انگوٹھیوں کو انگلیوں میں گھماتے ہوئے کہا۔ "کسی دوست ملک سے مدد لی جا سکتی ہے۔"

"مذاق بنوانے کے لیے۔" ابوالمکتوم غرایا۔ "یہ سمجھو کہ اس وقت تمہاری حیثیت کیا ہے۔ مشورہ دینے کے بجائے تعاون کرنے کی کوشش کرو۔"

میں نے کرب ناک نگاہوں سے باری باری ان دونوں سلاطین کو دیکھا جن کے چہرے لمحات کی سنگینی کے تحت سُتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

"اسرائیل کے ہاتھ مضبوط کرنے کے معاہدے میں کوئی تیک فرق نہیں پڑ سکتا۔" میں نے عجز بھرے لہجے میں بات آخر کہہ ہی ڈالی۔

ابوالمکتوم مٹھیاں بھینچ کر کرسی سے اٹھ گیا اور جنرل جھکے ہوئے انداز میں دوبارہ کرسی پر دراز ہو گیا۔

"ہم..... ہم اسرائیل کے ہاتھ مضبوط کرنے نہیں جا رہے ہیں۔" ابوالمکتوم دانت پیستے ہوئے بھنچی آواز میں غرایا۔

"بیٹھ جاؤ..... اسے پوری بات بتا دو۔" جنرل نے کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے آگے پیچھے جھولتے ہوئے کہا۔

"اس لیے کہ اس بساط پر ہمارے پاس یہی ایک مہرہ ہے۔" ابوالمکتوم طیش کے عالم میں غرایا۔ "اس کے سامنے ہم سب بالکل بے بس ہیں۔"

"کیا تم یقین سے کہہ سکتے ہو کہ اس جنگی تجربہ گاہ کی بھیانک ایجادات بلکے ککھ کی چھول میں بھی لبنان کی طرح معذور اور یتیم بچوں کی قطاریں پیدا نہیں کریں گی....."

"خاموش۔" ابوالمکتوم پلٹ کر چیخا مگر قہر آلود آواز میں غرایا پھر سینے پہ ہاتھ مار کر بولا۔ "ہم بھی اپنے بچوں کے لیے اپنی چھاتیاں چھلنی کرا لینے کا جذبہ رکھتے ہیں....."

"تو پھر....." میں نے کہنا چاہا لیکن اس نے مجھے جھڑک دیا۔

"بکواس مت۔ اب خاموشی سے سنتے رہو۔" وہ چند ثانیوں کے لیے خاموش ہو گیا۔ اس کی اضطراری کیفیت بتا رہی تھی کہ وہ اپنی بات کی ابتدا کرنے کے لیے مناسب الفاظ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم اپنا کام اس معاہدے کے تحت کرو گے۔" سکوت کے بعد وہ دوبارہ بولا تو اس کی آواز سے غیظ و غضب کے اثرات رفع ہو چکے تھے۔ "مگر ہم اس عمارت پر دور سے کڑی نگاہ رکھیں گے۔ تہہ خانے سے ساز و سامان نکلتا رہے گا اور ہم صرف نظر کرتے رہیں گے۔ پھر جس بحری یا ہوائی جہاز سے وہ سامان ٹیمن سے لے جانے کی کوشش کی جائے گی اسے ویران سمندر یا صحرا میں پوری قوت سے وار کرکے تباہ کر دیا جائے گا۔ آبادیوں سے دور وہ ساز و سامان اپنے ہولناک سمیت نیست و نابود ہو جائے گا۔ اس کوشش میں اگر کچھ بے گناہ بھی بجالت مجبوری مارے گئے تو گریز نہیں کیا جائے گا۔"

"اب واقعی تمہاری تجویز قابل عمل نظر آتی ہے۔" میں نے اپنے سینے سے بوجھ ہٹتا ہوا محسوس کیا۔ "لیکن دوسری تجویز بھی بتا دینے میں کیا حرج ہے؟"

"کسی غیر ملک سے یہ معاملہ حکومتی سطح پر اٹھانے سے رسوائی عروج آتا ہے۔" ابوالمکتوم نے کہا۔ "اگر چند روز میں تمہاری کسی اسرائیلی پر کارستہ سے مڈبھیڑ نہ ہوئی تو پھر ہم چاہیں گے کہ ان ہی شرائط پر تم کسی ترقی یافتہ ملک کے ایجنٹوں سے رابطہ قائم کرو..... لیکن اس کام میں ہم مکمل نہیں ہو سکیں گے۔ ان کے مواصلاتی ذرائع بہت حساس ہیں۔ ہم ان سے مخاصمت مول نہیں لے سکتے۔ اور یہ سارا ساز و سامان ان کی تحویل میں چلا جائے گا۔"

"اس سے شاید کوئی فرق بھی نہ پڑے۔" جنرل نے کہا۔ "بڑی یا ترقی یافتہ طاقتیں پہلے ہی ایسی ایجادات پر کام کر رہی ہوں گی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ تجربہ گاہ ان کے لیے دقیانوسی ثابت ہو مگر اس کے باوجود وہ اسے اکھاڑ لے جانا چاہیں گے تاکہ ٹیمن جیسے ملک کو ایک اہم جنگی حکمت عملی تک رسائی حاصل نہ ہو سکے۔"

ابتدا میں ان دونوں کی باتیں مجھے احمقانہ محسوس ہو رہی تھیں لیکن ان کی تجاویز کے سارے پہلو سامنے آ جانے کے بعد مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ انھوں نے تجربہ گاہ کے معائنے کے بعد چند گھنٹوں کی مختصر سی مدت میں ایک اہم معاملے پر اتنے دور رس فیصلے کیسے کر لیے تھے۔

"میں تیار ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ اس تجربہ گاہ کا ٹیمن کی

سرزمین پر ہی تباہ کیا جانا سب سے بہتر ہوگا۔"

"یہ ناممکن ہے۔" ابوالمکتوم بولا۔ "وہ تہہ خانہ ہلاکت کا انبار ہے۔ اسے وہی چھیڑنے کی جرأت کر سکتا ہے جس نے اسے بنایا ہے یا جو اس کے سارے رموز سے واقف ہے۔"

"میں بحث نہیں کروں گا۔" میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا "مگر میں نے بھی ایک الماری جیسے الکحل جھینکی تھی اور کچھ بھی نہ ہو سکا۔"

"خوش قسمتی تھی تمہاری۔" ابوالمکتوم بولا۔ "موت مجھ جیسے کے لیے ہی ہوتی ہے۔ تم سائنس کی ابجد سے بھی ناواقف ہو پھر تم ہر قیمت پر نجات کے متلاشی تھے خواہ اس کے نتیجے میں ہر سو موت کے ہیولے رقص شروع کر دیتے مگر جانتے ہو لیے اسے بھی نہ چھیڑیں گے۔ یہاں ابھی جنگلی مزدوروں کو کدالیں پھاوڑے تھما کر اور بارود دے کر بھیج دو۔ وہ جھٹ پیچھے جلانے لگیں کے بیٹھ کر سے اڑانے میں مصروف ہو جائیں گے خواہ اس کے نتیجے میں ان سمیت ہزاروں ہلاک ہو جائیں۔"

"میں ایک بار اس تہہ خانے میں جانے کی اجازت چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"کس لیے؟" ابوالمکتوم نے ترش لہجے میں سوال کیا۔

"سوچنے کے آغاز سے پہلے ذرا دیکھ تو لوں کہ وہاں کیا ہے۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "میں تو اسے ایک غیر معمولی تہہ خانہ ہی سمجھ رہا تھا۔"

"مگر ایک شرط پر۔" جنرل کرسی سے اٹھ گیا۔

میں اس کی طرف ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"تمہارے ساتھ چند ماہرین بھی ہوں گے اور تم کسی چیز کو بھی چھیڑنے کی کوشش نہیں کرو گے۔" جنرل نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔

"مجھے منظور ہے۔"

"اور اگر خلاف ورزی کی تو تمہیں موقع پر ہی گولی مار دی جائے گی۔" ابوالمکتوم میرے لیے کوئی راہ نہیں چھوڑنی چاہ رہا تھا۔

"میں خودکشی نہیں کروں گا۔" میں نے معصوم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور وہ چاروں طمانیت سے آگے پیچھے اس کمرے سے چلے گئے۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" ان کے جاتے ہی سیتا نے لرزتی ہوئی خوفزدہ آواز میں مجھ سے سوال کیا۔

"دیکھتی جاؤ شاید مقدر کی آخری گردش ہے۔" میں نے اس کی پشت تھپتھپاتے ہوئے کہا اور اسی وقت باہر دروازے میں تالا ڈال دیا گیا۔

"میں کبھی ہوں کر یہ جگہ کب تک جھیلے گا۔" وہ مجھے جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔ "میرے پاس وہ پستول ہے اور تمہارے پاس زہریلی سوئیاں۔ دس بارہ کو مار کر ہم صاف نکل جائیں گے اور ان کے فرشتے بھی ہم تک نہ پہنچ سکیں گے۔"

"بچوں جیسی باتیں نہ کرو۔ ہم اجنبی ملک میں ہیں۔ ہم کسی صحرا میں بھوک اور پیاس سے سسک سسک کر مر جائیں گے لیکن یہاں سے نہ نکل سکیں گے۔"

"مگر اس بریگیڈیئر نے تو ایسی امید دلائی تھی جیسے اسی کی زبان سے ہی ہمیں آزادی کا پروانہ مل جائے گا۔"

"یہ سارا فتور اسی ہیولے کا ہے۔ اسی کے انکشاف کے لیے میں دوبارہ تجربہ گاہ میں جانا چاہتا ہوں۔ شاید میں ان کو قائل کر سکوں۔"

"مجھے پوری بات بتاؤ۔" وہ مصر ہو گئی مگر میں نے بمشکل اسے رات کا حصہ سو کر گزارنے پر آمادہ کر ہی لیا۔

اس مرتبہ میں نے روشنیاں گل کر دیں لیکن پھر بھی دیر تک نیند کا پتہ نہیں تھا۔ ذہن میں خیالات کی عجیب سی آندھیاں چل رہی تھیں جن میں نہ کوئی ربط تھا نہ تسلسل۔ بس امید و بیم کی ایک عجیب کشمکش چل رہی تھی۔

اگلی صبح دروازہ کھولا گیا تو ہم دونوں منہ ہاتھ دھوئے ناشتے کے منتظر تھے۔

فوجی بیرا اشتہا انگیز گرم ناشتے کی ٹرالی اندر لایا تو اس کے پیچھے بریگیڈیئر محسن الغانم بھی موجود تھا۔

بیرا ناشتہ چھوڑ کر چلا گیا لیکن محسن ہمارے ساتھ بیٹھا رہا۔

"رازداری کی وجہ سے تمہاری خدمت اور نگرانی کی ذمہ داری مجھ پر اور ابوالمحسن پر پڑی ہے۔ ہم دونوں بارہ بارہ گھنٹے ڈیوٹی پر رہیں گے۔" پہرے کے چلے جانے پر اس نے..... سرگوشیانہ لہجے میں مجھے آگاہ کیا۔

"ابوالمکتوم کون ہے؟" میں نے ہاتھ روکے بغیر سوال کیا۔

"انٹیلی جنس کا سربراہ ہے۔" محسن کا لہجہ سرگوشیانہ ہی رہا۔ "وہ بھی جنرل بنا ہے لیکن تین برس جونیئر ہے جنرل حسین الحمادی سے۔"

"وہی سگار والا؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں۔ وہی ہمارا فوجی سربراہ ہے۔" اس نے کہا۔ "بہت بااصول اور نفیس آدمی ہے۔ اس نے تم سے بڑی امیدیں وابستہ کی ہیں نہ جانے کہاں کہاں سے تمہارے بارے میں معلومات اکٹھی کی ہیں جو تم سے ملنے پر بتا رہا تھا۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تمہارے ملک میں کوئی ایسا نہیں ہوا جو تجربہ گاہ کو بے ضرر بنا کر برباد کر سکے۔" میں نے ایک فولاد لقمہ لیتے ہوئے کہا۔ جنرل سے دو بدو مذاکرات کے بعد بریگیڈیئر محسن الغانم پہلے ہی درجے کا آدمی محسوس ہو رہا تھا۔

"حکومت اس وقت عدم استحکام کا شکار ہے۔" محسن کا لہجہ بھی دھیما ہو گیا۔ "چھوٹا سا بھی حادثہ ہو گیا تو ملک میں ہنگامے پھیل جائیں گے شاید اسی لیے کوئی بھی یہ ذمہ داری اپنے سر لینے کے لیے تیار نہیں ہو رہا۔"

"کیا یہ لاتعلقی کی انتہا نہیں ہے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"ناشتہ کرو۔" اس نے میرا بازو تھپک کر کہا۔ "تھوڑی دیر بعد بلاوا بھی آ سکتا ہے۔"

"کہاں کے لیے؟"

"کیا تہہ خانے کا جائزہ نہیں لو گے؟"

"کیا وقت طے ہو گیا ہے؟"

"اب یہ معاملہ براہ راست جنرل کے پاس ہے۔ اسی کی طرف سے بلاوا آئے گا۔" محسن نے بے چارگی سے شانے اچکا کر کہا۔

"اگر ممکن ہو تو ہمارے ساتھ کوئی برقیاتی ماہر بھی ہونا چاہیے۔" میں نے کہا۔ "شاید اس کی موجودگی کسی کام آ سکے۔"

"کوشش کروں گا مگر وعدہ نہیں کر سکتا۔"

پندرہ منٹ بعد ترکی خانساماں برتن لینے آیا اور بریگیڈیئر کے ساتھ واپس چلا گیا البتہ جاتے جاتے وہ اپنا سگریٹ کا پیکٹ بھولے جانے کر گیا تھا۔

"میری عدم موجودگی میں اپنے اوپر قابو رکھنا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے سیتا کو سمجھایا۔ "ہو سکتا ہے اب حالات کچھ زیادہ بدل چکے ہوں۔"

"کیوں؟" اس نے معصومیت سے سوال کیا۔

"میں تمہیں یہاں دونوں کا ہی سبب ہوں... اگر تلاشی وغیرہ کی نوبت آ گئی تو پستول سے محروم کر دی جاؤ گی۔ دوسری طرف حالات تیزی سے رنگ بدلتے جا رہے ہیں۔ جنرل چاہے گا کہ میں فوری طور پر بارود نکال پھینکنے کے کام کا آغاز کر دوں۔"

"تنہائی میں میرے لیے خود کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی کوشش کروں گی۔" اس نے اداس لہجے میں کہا۔ "اس زندگی سے تو بہتر تھا کہ مجھے ساتھ لانے کے بجائے تم بھی پہاڑوں میں میری طرح کے باغیوں میں رہ جاتے۔"

کہا ایک مجبور انسان کے ساتھ خاموش ہو گیا۔

سیتا کی کلائی شستہ زمری کو ہمالیہ کی برف پوش وادیوں میں تنہا چھوڑ کر اس نے واقعی خودغرضی کا اظہار کیا تھا لیکن اس وقت بلند پہاڑوں کی آغوش میں مجھے وہ لمحے یاد آ رہے تھے جن کے پس منظر میں شناخت ختم ہو گئی تھی۔ اب یہ وقت کی ستم ظریفی تھی کہ برسوں بعد گزرنے کے بعد بھی اس کی ماں باپ اور بہن بھائیوں کی صورت نظر آ رہی تھی۔

زندگی کے اس سفر میں ہر رکاوٹ مجھے آخری رکاوٹ محسوس ہوتی تھی جس کے بعد میں سیتا سمیت اپنے وطن میں اپنے پیاروں تک پہنچ سکتا تھا لیکن ہر بار آخری رکاوٹ کی اوٹ میں سے ایک نیا پتھر راہ میں حائل ہو جاتا تھا۔ کبھی کبھی تو مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میری ذات میں مصائب اور پریشانیوں کے لیے مقناطیسی کشش موجود تھی۔

ہم دونوں اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھے ماضی کے ٹوٹے ہوئے رشتوں کے بارے میں سوچتے رہے اور اسی اثنا میں محسن دوبارہ آ پہنچا۔ میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو وہ دن کے ساڑھے گیارہ بجا رہی تھی۔

"چلئے آپ۔" محسن نے اندر داخل ہوئے بغیر کہا۔

میں نے سیتا پر محض الوداعی نظر ڈال کر کمرے سے نکل جانا چاہا لیکن وہ اپنی آنکھوں میں لرزتے موتی بہاتے والہانہ انداز میں اٹھ کر میرے سینے سے لپٹ گئی اور میرے صبر کا دامن لرز گیا۔

محسن الغانم ہر اعتبار سے شریف النفس تھا۔ اس نے جذبوں کی شدت کے بے باک اظہار کو دیکھنے کے بجائے دروازے کے پٹ بند کر دیئے اور باہر میرا انتظار کرنے لگا۔

بمشکل تمام میں سیتا کو سمجھا کر الگ کر سکا اور بوجھل قدموں کے ساتھ دل گرفتہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

محسن الغانم نے دروازہ بند کر کے خود تالا لگایا اور چابی پہرے پر کھڑے سنتری کے حوالے کر کے عمارت کے اندرونی حصے کی طرف چل دیا۔

ایک مختلف اور آراستہ کمرے میں کرنل کے عہدے کا ایک افسر شاید ہمارا ہی منتظر تھا کیونکہ محسن الغانم مجھے اس کے حوالے کر کے وہیں سے لوٹ گیا۔

"تم ہی ہو؟" کرنل نے میرے سراپا کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا اور میں نے سر کو خفیف سی جنبش دینے پر اکتفا کیا۔

"جنرل صاحب تمہارے منتظر ہیں اور میرے پیچھے آؤ۔" اس نے اپنی دانست میں مجھے بہ دو کو گول بھانے کی کوشش کی۔ چند گز آگے آ کر اس نے اسی کمرے میں کھلنے والے ایک دروازے پر رک کر اپنی وردی پر ایک نگاہ ڈالی پھر انگلی سے دروازے پر خفیف سی دستک دے کر پٹ اس قدر کھولا کہ اپنی کھوپڑی اندر داخل کر سکے۔

"جناب مہمان حاضر ہے۔" اس نے دھیرے سے اطلاع دی۔

"اندر بھیج دو۔" دوسرے کھلے دروازے میں سے جنرل حسین الحمادی کی پاٹ دار آواز سنائی دی اور میں تیزی سے اندر داخل ہو گیا۔

دبیز قالین اور بیش قیمت صوفوں سے آراستہ اس وسیع

کمرے میں قدم رکھتے ہی میں نے خود کو کسی طلسماتی دنیا میں محسوس کیا۔ دیو ہیکل آبنوسی میز کے پیچھے جنرل ٹیبل لیمپ کی ناکافی روشنی میں اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ اس کا دھڑ تو بخوبی نظر آ رہا تھا لیکن اس کے چہرے کے تاثرات دیکھنا محال تھا۔

"السلام علیکم یا معلم!" میں نے تمثیل کے گرد موجود اونچی پشت گاہ والی منقش کرسیوں پر کچھ لوگوں کی موجودگی محسوس کرتے ہوئے جنرل کو سلام کرنا ضروری سمجھا۔

"وعلیکم۔" جنرل نے خود سر عربوں کی طرح اختصار کے ساتھ جواب دیا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

جنرل کی میز کے گرد بیک وقت بارہ ملاقاتیوں کے بیٹھنے کا انتظام موجود تھا لیکن اس وقت مجھ سمیت وہاں کل پانچ نفوس موجود تھے۔

"یہ چاروں تمہارے دن رات کے ساتھی ہیں۔" جنرل نے بلا کسی تمہید کے کہنا شروع کیا۔ "انہیں اچھی طرح پہچان لو۔" یہ کہہ کر اس نے میز میں نصب کوئی بٹن دبایا اور کمرے میں پھیلا ہوا طلسماتی دھندلکا تیز روشنی میں نہا گیا۔

چھت سے لٹکے ہوئے بڑے فانوس کے علاوہ دیوار گیر روشنیاں بھی جل اٹھی تھیں لیکن ان میں چکاچوند نام کو بھی نہ تھی۔

"ان میں سے دو ہر وقت تمہارے آس پاس رہیں گے اور تم ان سے ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کر سکو گے ان کا کوڈ تم خود مقرر کر لینا۔ یہ ٹیم تمہاری ضروریات کے لیے ہے۔" یہ کہتے ہوئے جنرل نے ایک وزنی لفافہ میری طرف کھسکا دیا۔ "جگہ دیکھنے کے بعد ہم سے تمہارا کوئی رابطہ نہیں رہے گا۔ جو ضرورت ہوگی ان چاروں میں سے کسی کے ذریعے پوری کر دی جائے گی۔ مناسب وقت آنے پر ہماری طرف سے خود تم سے رابطہ قائم کیا جائے گا۔"

وہ خاموش ہوا تو میں نے باری باری ان چاروں کا جائزہ لیا جو چاق و چوبند اور توانا جوان تھے لیکن ان کے نقوش سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ان کا تعلق کسی باعزت طبقے سے نہیں تھا۔ ایک کے رخسار پر ٹانکوں کا کم از کم چار انچ لمبا نشان تھا۔ جو یقینی طور پر کسی چاقو کے زخم کے بعد وجود میں آیا تھا۔

"ٹرانسمیٹر کہاں ہے؟" میں نے جنرل سے سوال کیا۔

"پچھلے کمرے میں پانچوں سیٹ موجود ہیں۔" اس نے اپنی پشت پر ایک دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہیں تم اپنا طریقۂ کار طے کر لو۔ پندرہ منٹ بعد تمہیں جگہ دیکھنے کے لیے ہماری ٹیم کے ساتھ جانا ہے۔"

اسی کے ساتھ جنرل نے ساری روشنیاں گل کر دیں۔ بس میز پر ایک لیمپ جلتا رہ گیا۔ جو تیز روشنی کے بعد ٹمٹاتا ہوا چراغ محسوس ہو رہا تھا۔

میں نے نشست چھوڑ دی اور وہ چاروں بھی میرے پیچھے جنرل کی پشت پر واقع کمرے میں داخل ہو گئے۔ جہاں بالکل نئے جیسی ٹرانسمیٹر کتابچوں کی صورت موجود تھے۔

"یہ بعد میں پڑھ لینا۔" میں نے انہیں کتابچوں میں الجھتے دیکھ کر کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تم لوگوں کے پاس کس قسم کا اسلحہ ہے؟"

"ہر قسم کا۔" رخسار پر زخم کے نشان والے نے مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "ہم چاقو سے اسٹین گن تک سارے ہتھیار رکھیں گے اور موقع محل کی مناسبت سے اسلحہ استعمال کریں گے۔ جنرل نے کافی کچھ دیا ہے۔"

"دستی بم؟" میں نے سوال کیا۔

"آتش گیر اور دھوئیں کے بم دیئے گئے ہیں۔" پہلوان کی نمائندگی کا فرض اب سنار خود نبھانے پر تیار ہوا تھا۔

"ہمارا مشترکہ شناختی کوڈ ڈیزرٹ واریئر ہوگا۔" میں نے قدرے سکوت کے بعد کہا۔ "میرا نمبر ایک، تمہارا بارہ... تمہارا تیسرا ایلیمنٹ کا؟" میں نے باری باری ان میں سے ہر ایک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ایک سے پانچ تک سیدھے نمبر کیوں نہ اختیار کیے جائیں؟" خشخشی داڑھی والے نے تجویز پیش کی۔

"ہم دشمن کو اپنی نفری کے بارے میں دھوکے میں رکھنا چاہتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "اگر ہم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو میسج کے ساتھ کسی اور نمبر سے مخاطب کرے تو مخاطب کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا ساتھی خطرے میں ہے۔"

"تمہاری طرف سے بھرپور وار کا سگنل کیا ہوگا؟" زخم والے نے سوال کیا۔

"بازی ختم ہو گئی، ہتھیار ڈال دو۔" میں نے کہا۔ "بدترین حالات میں ہی یہ پیغام دوں گا۔ اس وقت تمہیں اپنی تمام صلاحیتیں بروئے کار لانا ہوں گی۔"

اس کے بعد میں ان چار اجنبیوں کے ساتھ اپنے مستقبل کے اہم ترین معرکے کی جزئیات طے کرنے لگا اور جب ہر ایک کے سوالوں کے جوابات مل گئے تو وہ محفل برخاست ہوئی۔

ان چاروں کے لیے جنرل کا دفتر اور اس کا ماحول اجنبی نہیں تھا۔ کیونکہ انہوں نے واپسی جنرل کے کمرے میں جانے کے بجائے مخالف سمت کا دروازہ استعمال کیا تھا اور پیچھے ہی باہر نکل گئے تھے۔

میں چند ثانیوں تک خالی الذہنی کے عالم میں بیٹھا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان چاروں کی تقلید میں باہر جاؤں یا واپس جنرل کے دفتر کا رخ کروں کیونکہ کام چھوڑنے سے قبل مجھے جنرل کے ماہرین کی جماعت کے ساتھ اس ہولناک زیر زمین تجربہ گاہ میں جانا تھا تاکہ میں وہاں کے مخصوص حالات کی روشنی میں اپنی گلو خلاصی کی کوئی سہل ترین تجویز سوچ سکوں۔

میں اسی سوچ بچار میں مبتلا تھا کہ اچانک جنرل کے دفتر کی سمت کا دروازہ کھلا اور وہاں وہ خود موجود نظر آیا۔

"ادھر آ جاؤ۔" جنرل نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور میں کسی معمول کی طرح دوبارہ اس کے دفتر میں داخل ہو گیا۔

اس وقت جنرل اپنے کمرے میں تنہا تھا اور وہاں کی خنک فضا میں سگار کے کثیف دھوئیں کی بو رچی ہوئی تھی۔

"وہ لوگ تمہارے منتظر ہیں۔" جنرل نے کھڑے کھڑے مجھ سے کہا۔ "میں ایک بار پھر یاد دلاتا ہوں کہ ان کی مرضی سے ذرا بھی انحراف کیا تو فوراً گولی مار دی جائے گی۔ اس جماعت میں ابو محمد و محسن دونوں ہی سادہ لباس میں شامل ہیں۔"

"مجھے توقع ہے کہ میری عدم موجودگی میں میتا کی ضروریات اور آسائشوں کا خیال رکھا جائے گا۔" میں نے پُرامید لہجے میں کہا۔

"تم بے فکر رہو۔" جنرل نے اپنا ہاتھ مصافحے کے لیے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسے آج ہی ایک مکان میں منتقل کر دیا جائے گا۔"

جنرل کے الوداعی مصافحے کا مطلب یہ تھا کہ مجھے وہاں سے رخصت ہو جانا چاہیے تھا لہٰذا میں نے اس کی خواہش کا احترام کرنا ہی مناسب سمجھا۔

میرے باہر نکلنے سے پہلے جنرل نے شاید کسی بٹن یا انٹر کام کے ذریعے باہر موجود کرنل کو میری روانگی کے بارے میں بتا دیا تھا کیونکہ وہ باہر میرا منتظر تھا۔

"اس طرف۔" کرنل نے میرا بازو تھامتے ہوئے ایک راہداری میں میری رہنمائی کی۔

راہداری کے اختتام پر گیارہ نشستوں والی ایک سفید ایئر کنڈیشنڈ اسٹیشن ویگن موجود تھی جس میں ڈرائیور سمیت پانچ افراد پہلے سے موجود تھے۔

کرنل نے ڈرائیور کے برابر والی نشست کا دروازہ کھول کر مجھے اندر بٹھایا اور اسٹیشن ویگن ذرا بھی توقف کیے بغیر آگے بڑھتی چلی گئی۔

میں نے سر گھما کر پیچھے والوں کا جائزہ لیا تو ابو محمد اور محسن العاصم پر نگاہ پڑی۔ جنرل کے بیان کے مطابق وہ دونوں



سادہ لباس میں تھے اور اس وقت ان کی نگاہوں میں میرے لیے سرد مہری پائی جا رہی تھی۔

شاید وہ دونوں اپنے کسی بھی رویے سے کسی طرح میری حوصلہ افزائی نہیں کرنا چاہ رہے تھے۔

میرا جی چاہا کہ خود سے دو اجنبیوں سے تعارف حاصل کرنے کی کوشش کروں لیکن پہل کرنے کی ہمت نہ کر سکا کیونکہ ان میں سے ایک تو اسٹیشن ویگن کے حرکت میں آتے ہی اونگھنے لگا تھا اور دوسرا دائیں سمت کی کھڑکی سے کھلے صحرا میں کچھ تلاش کرنے میں مصروف تھا۔

"اس وقت ہمارا میزبان کون ہے؟" کئی منٹ کی اکتا دینے والی خاموشی کے بعد میں نے بے صبری سے سوال کر ہی ڈالا۔

اونگھتا ہوا ادھیڑ عمر یوں چونکا جیسے کسی نے اس کے سر پر ہتھوڑا مارا ہو۔ لمحہ بھر اس نے مجھے پھاڑ کھانے والے انداز میں گھورا اور پھر سے لاتعلقانہ انداز میں اونگھنے لگا جیسے اسے گاڑی میں دوسروں کی موجودگی کا احساس ہی نہ رہا ہو۔

دوسرا اجنبی البتہ کار آمد ثابت ہوا کیونکہ ابو محمد اور محسن کے برعکس وہ سیدھے لہجے میں بول پڑا تھا۔ "کیا تم خاموش نہیں رہ سکتے؟"

"میں صرف اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ اس وقت کن معزز ہستیوں کا ہمسفر ہوں۔" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"میرا نام ناصر ہے۔ یونیورسٹی میں ایٹمی کیمیا کے تحقیقاتی شعبے کا سربراہ ہوں۔" اس نے ترچھی نظروں سے جواب دیا۔ "اب تو خاموش رہو گے نا!"

میں بے بسی سے سر ہلا کر رہ گیا۔ اس بد دماغی کے جواب میں اس کے علاوہ اور کچھ کیا بھی تو نہیں جا سکتا تھا۔

اس عمارت تک کا سفر ان لوگوں کے خشک رویے کی وجہ سے خاصا طویل محسوس ہوا لیکن وہاں پہنچ کر مجھے حیرت ہوئی کہ احاطے میں دور دور تک نہ کوئی فوجی گاڑی تھی اور نہ ہی کوئی متنفس نظر آ رہا تھا۔ اس مرحلے پر میرے تجسس نے میری بے چینی کچھ زیادہ ہی بڑھا دی تھی کیونکہ محسن الغانم نے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

گاڑی سے اتر کر سب لوگ خاموشی سے ویران برآمدے میں داخل ہوئے جبکہ ڈرائیور وہیں گاڑی میں بیٹھا رہا۔

"ڈرائیور سوڈانی ہے۔" برآمدے میں پہنچتے ہی محسن الغانم دھیمے لہجے میں بول پڑا۔ "وہ ہماری مہم سے بالکل لاعلم ہے، تم بلاوجہ بولنے کی کوشش کر رہے تھے۔"

"یہاں سناٹا کیسا ہے؟" میں نے دانستہ محسن کے ساتھ چلتے ہوئے سوال کیا۔

"یہی حکمت عملی کے تحت یہ ضروری تھا۔ تجربہ گاہ پر کبھی کوئی پہرہ نہیں ہے۔" اس نے سرگوشیانہ لہجے میں جواب دیا۔

"ان دونوں میں کسی کو برقیاتی بارود سے بھی واسطہ پڑا؟"

"ایک کیمیا داں ہے اور دوسرا نامور برقیاتی انجینئر۔" اس نے بتایا۔ "تمہاری فرمائش کا بطور خاص خیال رکھا گیا ہے لیکن تم زیادہ تبادلہ خیال سے تجاوز نہیں کرو گے۔"

"میں جانتا ہوں۔" میں نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

وہ عمارت اس وقت تک میرے لیے اجنبی نہیں رہی تھی جہاں تک پہنچنے کے راستے طے کرتے ہوئے بلا کسی روک ٹوک کے ہم اس کمرے تک پہنچ گئے جہاں بیرونی دروازے اور تہ خانے کے درمیان صرف ایک آہنی دیوار حائل تھی۔

ابھی ابو محمد نے دیوار میں نصب کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اچانک باہر سے کسی ہلکی مشین گن کی فائرنگ کی گونج سنائی دی۔ دونوں سادہ پوش فوجی بے اختیار نکاسی کے راستے پر دوڑ پڑے جبکہ ساتھ آنے والے دونوں ماہرین خوف اور سراسیمگی کے عالم میں وہیں کھڑے رہ گئے جبکہ میں بھی ابو محمد اور محسن کے پیچھے باہر پہنچا تو مشین گن کا شعلہ ہنوز جاری تھا۔ پھر ایک دھماکہ ہوا، چیخ سنائی دی جس کے بعد فضا پر یکلخت پُرخطر سناٹا طاری ہو گیا۔ برآمدے میں پہنچتے ہی وہ دونوں اچانک رک گئے۔ مجھے اس کے بعد میں نے بھی ان سے بچاؤ اور باہر کا منظر دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پیشانی پر جا چڑھیں۔

دشمن اس قدر بودا نہیں تھا جتنا ہم سمجھ بیٹھے تھے۔ انہوں نے اس عمارت کی مسلسل نگرانی کی جا رہی تھی اور انہوں نے پہلا موقع ہی اس اسٹیشن ویگن کو چھلنی کر دیا تھا جس کے ذریعے ہم وہاں تک پہنچے تھے۔ اسٹیشن ویگن کے ٹائر اور آہنی باڈی گولیوں سے چھلنی ہو گئی تھی۔ سارے شیشے بھی چکنا چور ہو چکے تھے اور ویگن پر بکھرے ہوئے مہیب سناٹے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈرائیور اپنی جان سے ہاتھ دھو چکا تھا۔

برآمدے سے نظر آنے والا وسیع احاطہ تاحد نظر ویران دکھائی دے رہا تھا مگر یہ بات ہم تینوں ہی جانتے تھے کہ حملہ آور ہماری نگاہوں سے اوجھل تھے مگر ہم چوہوں کی طرح ان کی نگاہ میں تھے۔

"یہ بہت برا ہوا۔" ابو محمد تشویش زدہ لہجے میں بڑبڑایا۔ "بہت خطرناک طریقے پر گھیرے گئے ہیں۔"

"واپسی کا راستہ بھی مسدود ہو چکا ہے۔" محسن الغانم نے اسٹیشن ویگن کی طرف دیکھتے ہوئے لیا۔ "سامنے سے ہٹ جاؤ، شاید وہ اب ہم پر اچانک ہی کوئی سامنے کو دو کر گولیاں برسانے لگیں۔"

مگر میں اس وقت کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔

ایک قوی امکان تو یہی تھا کہ اسٹیشن ویگن پر وحشیانہ فائرنگ کی کارروائی کسی اسرائیلی جتھے کے بجائے یوسف نے کی ہو!

مگر اس کے بارے میں میرے قیاسات درست تھے تو اس نے ذرے سے اس عمارت تک ہمارا تعاقب کیا، پھر تن تنہا اندر گھس کر ہماری مدد کرنے کی ناکام کوشش کی اور اس ناکامی کے بعد گمنام فون کے ذریعے اپنی فوجی حکام کو اس عمارت پر دھاوا بولنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے یقینی طور پر دور بیٹھے ہوئے حالات کے بارے میں پوری صورت حال پر گہری نظر رکھی ہو گی اور ہمیں اسرائیلیوں سے آزادی پانے کے بعد فوجی حکام کی تحویل میں جاتے دیکھ کر وہ ہماری آزادی کے لیے مضطرب ہو گیا ہو۔

عمارت سے پہرہ ہٹائے جانے کے بعد وہ اس کے لیے سنہری موقع تھا۔ اسٹیشن ویگن ناکارہ کر دی گئی تھی اور ہم چار آدمیوں کے ساتھ عمارت میں گھر گیا تھا اور اس کی مدد سے اس قید سے نجات حاصل کر سکتا تھا۔

مگر میرے یہ بات بھی مستبعد تھا کہ اگر میں بریگیڈیئر محسن الغانم اور ابو محمد کو زیر کر لیتا تو مجھے ضرور رہائی مل جاتی لیکن سینا کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی جو بریگیڈیئر کے اوپر والوں کے پاس یرغمال تھی۔

"کون ہو تم؟" اچانک محسن الغانم نے دیوار کی اوٹ سے باہر جھانکتے ہوئے بلند لہجے میں سوال کیا۔

جواب میں باہر سے سب مشین گن کا فائر ہوا اور گولیاں برآمدے میں سے گزرتی ہوئی داخلی راستے کی دیواروں میں پیوست ہو گئیں۔

"گدھے کی اولاد ..... سامنے آؤ۔" بریگیڈیئر محسن الغانم خوف زدہ ہوئے بغیر غصیلی آواز میں چلایا۔

اس نے اپنے لباس میں چھپا ہوا اعشاریہ تین دو کا خودکار ریوالور نکال لیا تھا۔ ابو محمد بھی ایسے ہی پستول سے مسلح تھا مگر وہ دو پستول کسی بھی طرح ایک سب مشین گن کو زیر نہیں کر سکتے تھے۔

باہر کچھ دیر تک بھیانک سناٹا چھایا رہا۔

"کوئی اکیلا ہی ہے۔" ابو محمد نے دھیمی آواز میں کہا۔ محسن الغانم کے مقابلے میں وہ زیادہ تشویش زدہ نظر آ رہا تھا۔

"اور خوش قسمتی میں نہ رہنا۔" محسن الغانم نے کہا۔ "ہراساں کا ہونے کے باوجود اس کے لہجے سے طنز کی بو آ رہی تھی۔

"دونوں طرف سے ایک ہی مشین گن چل رہی ہے۔" ابو محمد نے اس کے لہجے کا اثر لیے بغیر اپنی رائے کی وکالت کی۔

"وہ پہلے یہاں موجود تھے۔" محسن الغانم نے کہا۔ "ہماری تعداد سے بخوبی واقف ہیں۔ ضرورت پیش آئی تو ایک سے زیادہ بھی گنگنا اٹھیں گے۔"

"یہ ..... یہ کیا ہو رہا ہے؟" اچانک پشت سے ایک کانپتی ہوئی خوف زدہ آواز سنائی دی۔

میں نے چونک کر سر گھمایا تو ادھیڑ عمر الیکٹریکل انجینئر کا خوف سے ستا ہوا چہرہ نظر آیا جس کی اونگھتی ہوئی آنکھیں اس وقت ماتھے پر چڑھی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

"گولیاں چل رہی ہیں۔" اس قنوطی کو سنگلنے کا خیال اتنا شدید تھا کہ میری زبان بند نہ رہ سکی۔ "شاید ہم مارا گیا۔ گاڑی چھلنی ہو گئی، اور باہر قاتلوں کا راج ہے۔"

وہ میرا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی تیورا کر کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح فرش پر گرا اور بے حس و حرکت ہو گیا۔

"یہ کیا کیا تم نے؟" محسن الغانم آنکھیں نکال کر غرایا۔

"ایسے بزدل کا بے ہوش ہو جانا ہی بہتر ہے۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔ "ورنہ ایسی صورت حال میں اسے کہاں سنبھالتے پھرتے۔"

"کاش اس وقت ہمارے پاس بھی کوئی ہتھیار ہوتا۔" ابو محمد نے لمحہ بھر کے سکوت کے بعد تاسف آمیز لہجے میں کہا۔

اور اس وقت پہلی بار میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔

اس عمارت میں فوجیوں کے ہاتھوں گرفتاری کے وقت میری اور سینا کی جامہ تلاشی لی گئی تھی۔ زہریلے تیر پھینکنے والی قدیمی تو غیر فوجیوں نے بے ضرر سمجھتے ہوئے سینا کے پاس چھوڑ دی تھی مگر پستول نما کیمیاوی ہتھیار سینا کے قبضے سے لے لیا گیا تھا جبکہ بعد میں گیریژن کمانڈر کو ارجنٹ میں قید کے دوران میری یادداشت کے مطابق سینا نے کمانڈر کو دو بار مجھے یہ بتایا تھا کہ وہ ہتھیار اس کی تحویل میں تھا۔

اس وقت میں نے رواداری میں اس بات پر غور نہیں کیا تھا لیکن ابو محمد کے اضطراری تبصرے نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ وہ ہتھیار دوبارہ سینا کے قبضے میں کیسے اور کیونکر آیا؟

"وہ کہاں ہے؟" ابو محمد کے تبصرے کے بعد اچانک محسن الغانم نے میری طرف مڑ کر سوال کیا۔

"کیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

اس نے درشت نظروں سے مجھے گھورا، پھر مضبوطی سے میرا بازو تھام کر مجھے ایک طرف لے گیا۔ "وہ پستول جو عجیب سا تھا۔" اس نے ابو محمد سے دور ہو کر دھیمی آواز میں سوال کیا۔

"میرے پاس تو نہیں ہے وہ۔" میں نے معصومیت سے کہا۔

"میں نے خود دیا تھا تمہاری بیوی کو ..... یہ سمجھو تے کے بعد کی بات ہے۔" وہ دھیمے مگر جھلاتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"وہ تو آسی کے پاس ہے۔" میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔

وہ دوبارہ وحشت پھیلنے لگا۔ "میں کسی بُرے وقت کے لیے تمہارے ہاتھ مضبوط کرنا چاہتا تھا اور تم اسے چھوڑ آئے۔ وہ اس کا کیا کرے گی؟"

"ایک قیدی لڑکی کا تحفظ زیادہ ضروری ہوتا ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کرخت لہجے میں کہا۔ "اگر اس پر برا وقت آ گیا تو ہتھیار ڈالنے کے بجائے وہ پستول کی مدد سے خودکشی کر لے گی۔"

"جہنم میں جاؤ۔" وہ بڑبڑایا۔ "اس وقت ہر ایک اپنی ہی حفاظت کرے تو کافی ہے۔" اس بار اس کا لہجہ قدرے بلند تھا لہٰذا یہ تبصرہ ناصر اور کیمیادان نے بھی سن لیا جو پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہاں آ گیا تھا۔

"کیا تم سنجیدہ ہو؟" اس نے محسن کو مڑنے کا موقع دیے بغیر سوال کیا۔

"ہمارے ساتھ رہو۔" محسن نے آگے لپکتے ہوئے کہا۔ "اگر مقدر نے یاوری کی تو شاید بچ ہی جائیں اس عمارت کی بھول بھلیاں ہمارے لیے مددگار ثابت ہوں گی۔"

"مگر مجھے یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ اس بار اتفاقی دورے میں کسی تصادم کا بھی خطرہ ہے۔" ناصر نے بلند لہجے میں احتجاج کیا۔

"ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں بلاوجہ بحث میں الجھنے کی کوشش نہ کرو۔"

"یہ بکواس ہے۔ تم مسلح ہو اس کا مطلب ہے کہ تم تصادم کے امکانات سے باخبر تھے۔" وہ خوف سے زیادہ جھنجلاہٹ کا شکار نظر آ رہا تھا۔

"فی الحال خاموش رہو۔" میں نے دخل اندازی کی۔ "زندہ بچے تو یہ معاملات بعد میں طے کر لیں گے۔"

اسی لمحے اچانک ابو محمد نے سیدھا ہاتھ دراز کرکے اچانک باہر ایک فائر جھونک دیا اور تیزی سے پیچھے ہٹ گیا۔

اسی وقت باہر سے مشین گن چلائی گئی جس کا شور بہت قریب سے آتا سنائی دیا تھا۔ گولیاں تسلسل کے ساتھ دیواروں اور فرش میں پیوست ہوتی رہیں اور پھر ان آوازوں میں یکایک گونج پیدا ہو گئی۔

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

محسوس ہو رہا تھا کہ حملہ آور فائرنگ کی آڑ میں اندر داخل ہو چکے تھے کیونکہ سب مشین گن کی اندھادھند گونج کانوں کے پردے پھاڑنے لگی تھی۔

"میں نے برآمدے میں تین پرچھائیاں دیکھی تھیں۔" ابو محمد نے ہیجان آمیز سرگوشیانہ لہجے میں محسن کو مطلع کیا۔

اور پھر یکایک محسن نے عقبی راہداری کا قریب ترین دروازہ کھولا اور اندر گھس گیا۔ ہم تینوں کے لیے بھی اس کی تقلید کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کیونکہ حملہ آور جو بھی تھے سر پر پہنچ چکے تھے اور ان کی اندھادھند فائرنگ سے بچاؤ کی اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی۔

"ہتھیار پھینک کر سامنے آجاؤ۔" سب مشین گن کے شور میں ایک کرخت اور حکم آمیز آواز ابھری۔ "ورنہ بھون دیے جاؤ گے۔"

محسن الغانم نے پھرتی کے ساتھ اس کمرے کے دروازے کی چٹخنی چڑھا دی اور لپک کر مخالف سمت کی کھڑکی سے جھانکنے لگا اور اگر اس نے فوراً ہی خود کو پیچھے نہ گرا لیا ہوتا تو باہر سے چلی ہوئی رائفل کی گولی نے اس کا بھیجا اڑا دیا ہوتا۔

اس صورت حال نے ہم چاروں کے اعصاب پر برا اثر ڈالا۔ ہم بدقسمتی سے ایک ایسے کمرے میں پھنس چکے تھے جس کے دروازے پر مشین گن چل رہی تھی اور احاطے میں کھلنے والی کھڑکی کسی رائفل کی زد میں تھی۔

"فائرنگ بند کرو۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد محسن الغانم شکست خوردہ لہجے میں چیخا۔ "ہم ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار ہیں۔"

سب مشین گن کا شور اس کی آواز بلند ہوتے ہی تھم گیا۔

باہر کوئی زور سے ہنسا پھر وہی پہلے والی آواز سنائی دی۔

"ہمیں معلوم ہے کہ اندر تم چار ہو۔ سب ہاتھ اٹھا کر باری باری باہر آ جاؤ۔"

چاروں تذبذب کے عالم میں اپنی اپنی جگہ کھڑے رہے مسئلہ یہ تھا کہ ہم چاروں میں سے کون پہلے باہر نکل کر فریق مخالف کی نیت کا اندازہ لگانے کا فریضہ سرانجام دے۔

"پہلے تم باہر جاؤ۔" محسن الغانم نے دروازے کی کنڈی کھول کر دیوار سے چپکتے ہوئے ناصر سے کہا۔

"میں نہیں جاؤں گا۔" وہ خوف زدہ انداز میں دیوار سے جا لگا۔ "مجھے بھی اپنی جان عزیز ہے۔"

"تاخیر کی تو کمرہ اڑا دیا جائے گا۔" باہر سے دھمکی دی گئی۔ شاید انھوں نے ناصر کی آواز سن کر اندر کی صورت حال کا اندازہ لگا لیا تھا۔

"بہت عزیز ہے اپنی جان؟" محسن الغانم نے زہریلے لہجے میں سوال کیا۔

ناصر نے اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں کو زبان سے تر کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور محسن نے میری توقع کے برعکس پھرتی سے گولی چلا دی۔

پگھلا ہوا آتشیں سیسہ ناصر کے دل کو چیرتا ہوا پار گزر گیا اور وہ ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ نیچے گر کر تڑپنے لگا۔

باہر والوں پر اضطراب طاری ہو گیا۔ کسی نے پوری قوت سے رائفل کا کندہ دروازے پر رسید کیا اور دروازہ دھماکے کے ساتھ کھل گیا۔

محسن الغانم نے ان کے اندر گھسنے سے پہلے اپنا پستول پھینک کر دونوں ہاتھ بلند کر لیے۔ ابو محمد بھی پھرتیلا ثابت ہوا اور میں تو تھا ہی نہتا۔

اندر داخل ہونے والے تعداد میں تین تھے۔ وہ سب ہی دراز قد مضبوط جسموں کے مالک نظر آ رہے تھے مگر اپنے چہرے انھوں نے بڑے بڑے سفید رومالوں میں اس طرح چھپائے ہوئے تھے کہ ان کی آنکھوں اور پیشانی کے ذرا سے حصے کے علاوہ کچھ دیکھنا ممکن نہیں تھا۔

کمرے میں داخل ہو کر وہ بس ایک لمحے کے لیے ٹھٹکے اور پھر ان میں سے دو بجلی کی سی سرعت سے آگے بڑھے جن کے ہاتھوں میں رائفلیں دبی ہوئی تھیں۔ انھوں نے کسی کو کچھ سمجھنے کا موقع دیے بغیر محسن الغانم اور ابو محمد کی کھوپڑیوں پر رائفلوں کے کندوں سے ایسی ضرب لگائی کہ وہ چیختے ہوئے فرش پر ڈھیر ہو گئے۔

اس ناگہانی حملے نے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا اور میں فوری طور پر مدافعت کے لیے تیار ہو گیا مگر ان میں سے کسی نے میرا رخ نہیں کیا۔ تیسرے نے اپنے شانے اور سینے کے سہارے ہلکی سب مشین گن اٹھائی ہوئی تھی اور ان دونوں کی بے ہوشی کے بعد اس کا رخ میری ہی طرف تھا۔ "تم کون ہو؟" سب مشین گن والے نے جذبات سے عاری تیز لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"میں ان کا قیدی تھا۔" میں نے جلدی سے جواب دیا۔

"نام۔۔۔ نام کیا ہے تمہارا؟" میرے جواب پر وہ کسی قدر جھلا گیا۔

"صفدر علی۔" میں نے لحظہ بھر سوچنے کے بعد کہہ ڈالا۔ اور اس نے اپنی سب مشین گن کی نال نیچے جھکا لی۔

"غنیمت ہے کہ تم زندہ ہو۔" ایک رائفل بردار نے گہری سانس لے کر کہا۔ "کمرے میں گولی چلی تو ہم یہی سمجھے کہ تم مارے گئے ہو۔"

"مگر تم کون ہو؟" میں نے مسرت آمیز حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"دوست۔" وہی شخص بولا۔

"مگر کم از کم میرے لیے تم سب اجنبی ہو۔" میں نے بے اعتمادی والے لہجے میں کہا۔ "اور شاید میرے بارے میں تم نے بھی قیاس ہی سے کام لیا ہے۔"

"تھوڑی دیر میں سب کچھ سامنے آ جائے گا۔" مشین گن والا اچانک مجھ سے ایک قدم آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"یہ تو مر ہی چکا ہے۔" ایک رائفل بردار ناصر کے خون آلود جسم کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ "باہر والا بے ہوش ہے۔"

[illegible] مشین گن والا ان تینوں میں قدرے با اختیار نظر آ رہا تھا۔ "اور کمرے سے پستول اٹھا لو۔"

اس کے حکم پر بہت پھرتی سے عمل کیا گیا باہر والے کو اٹھا کر کمرے کے فرش پر ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد محسن الغانم اور ابو محمد کی جامہ تلاشی بھی لے ڈالی گئی جس کے بعد وہ تینوں مجھے ساتھ لے کر اس کمرے سے باہر آ گئے۔

"چلے آؤ۔ میدان صاف ہے۔" کمرے کا دروازہ عبور کرکے داخلی راہداری میں گھومتے ہوئے مشین گن والے نے بلند آواز میں کسی نادیدہ شخص کو مخاطب کیا۔

آواز دینے کے باوجود اس کے قدم نکاسی کے راستے کی طرف بڑھتے رہے اور پھر برآمدے میں پہنچنے سے پہلے ہی باہر سے آنے والے دو افراد اچانک ہمارے سامنے آ گئے۔

ان دونوں کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں اور چہرے سفید رومالوں میں لپٹے ہوئے تھے مگر قامت اور جسامت کی بنا پر میں ان میں سے ایک کو پہچان گیا۔

بے اختیار میرا دل چاہا کہ دوڑ کر یوسف کو گلے لگا لوں مگر اسی وقت مجھے ان دو افراد کا خیال آ گیا جنھیں ٹرانسمیٹر والی عمارت کے لیے مامور رہ کر میری نگرانی کرنی تھی۔

میرا خیال تھا کہ جنرل حسین العطاری نے جن افراد سے مجھے متعارف کرایا تھا وہ اسی لمحے اپنی ڈیوٹی کا آغاز کر چکے تھے اور یہ امکان قوی تھا کہ ان میں کوئی کسی محفوظ ٹھکانے میں چھپا عمارت کے داخلی دروازے کی نگرانی کر رہا ہو۔

"تپاک کا مظاہرہ نہ کرنا۔" وہ خیال آتے ہی میں نے جلدی سے اس شخص سے کہا جسے میں اپنی دانست میں یوسف سمجھ رہا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم خیریت سے ہو۔" یوسف کی آواز جذبات سے مغلوب تھی۔ "مگر اس وقت یہ احتیاط غیر ضروری سی ہے۔"

"اندر چلے آؤ۔" میں نے واپس مڑتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کوئی نگرانی کر رہا ہو یہاں ہمیں دور سے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔"

"دراصل مجھ سے بڑی بھول ہوئی۔" اس نے میرے ساتھ چلتے ہوئے تاسف آمیز لہجے میں کہا۔ "میں اس آدمی کے ہاتھوں دھوکا کھا گیا۔"

"دھوکا دینے کے لیے عبداللطیف کا نام ہی کافی تھا کیونکہ مصر میں ہمارا اور اس کا تعلق بہت رازدارانہ تھا۔" میں نے کہا۔

"اس کا مکان تباہ ہوا۔ نہ جانے اب کہاں ہو گا بے چارہ۔"

"وہ مجھ سے پہلے اس عمارت میں موجود تھا۔" میں نے اس کی آخری حالت کا تصور کرکے یک بیک مغموم لہجے میں کہا۔ "بازپرس کے سلسلے میں اس پر ہولناک تشدد کیا گیا تھا جس کے نتیجے میں وہ ذہنی طور پر ماؤف ہو کر سب کچھ اگلتا چلا گیا اور ان لوگوں نے اس کے

فراہم کیے ہوئے حوالوں کے بل بوتے پر آدمی کے ذریعے ہمیں گھیر لیا۔۔۔"
"تو کیا وہ فوجی تحویل میں ہے؟" یوسف نے میری بات کاٹ کر سوال کیا۔ وہ بدنصیب عبداللطیف کی سلامتی کی طرف سے بہت زیادہ فکرمند تھا۔
"تہہ خانے میں تمہارے قریب لاشوں کا انبار لگا تھا۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "اور ڈاکٹر آسٹن نامی ایک یہودی سائنس داں اس پر کسی مہلک گیس کا تجربہ کرنا چاہتا تھا لیکن قدرت کو اس کی حالت پر رحم آگیا اور وہ تجربے کی نوبت آنے سے پہلے ہی خالق حقیقی سے جاملا۔"
یوسف اور اس کے ساتھی زیر لب کچھ بڑبڑا کر رہ گئے۔
"اس وقت تم یہاں کیسے آئے تھے؟ کمرے میں ایک لاش اور تین بے ہوش قیدیوں کا جائزہ لینے کے بعد یوسف نے سوال کیا۔
"لمبی کہانی ہے۔ یوں سمجھو کہ قیدی سے ایک اہم سرکاری مہمان بن گیا ہوں۔" میں نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "ہر وقت دو محافظ ساتھ رہیں گے اور میں کسی بھی وقت انہیں ہدایات دے سکوں گا۔"
یہ کہتے ہوئے میں نے جیبی ٹرانسمیٹر نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔
"شاید تمہیں ان ہی کی نگاہوں کا خوف تھا؟"
"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "چوبیس گھنٹے بعد فوجیں چلے جانا ان کا اپنا طریقہ کار ہوگا لیکن مجھے کسی لمحے بے یار و مددگار نہ چھوڑا جائے گا۔"
"اوہ۔" وہ یک بیک مضطرب ہوگیا۔ "ہم سمجھ گئے، ہماری خونریز کارروائی کے بعد وہ تمہاری حمایت میں کوئی بھی خطرناک قدم اٹھا سکتے ہیں۔"
"ٹرانسمیٹر اسی لیے فراہم کیے گئے ہیں کہ میری ہدایت کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھایا جائے۔" میں نے کہا۔ "یہ قطعی ممکن ہے کہ وہ موقع پاکر قریب سے عمارت اور اندر کی صورت حال کا جائزہ لینے کی کوشش کریں۔"
"یعنی تمہاری رائے میں ہمارا کچھ دیر کے لیے یہاں ٹھہرنا بھی خطرناک نہیں ہوگا؟" یوسف نے استفسار طلب لہجے میں کہا۔
"بلکہ ضروری ہے۔" میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
"ٹھیک ہے۔" وہ مطمئن ہو کر اپنے ساتھیوں کی طرف گھوم گیا۔ "ایک شخص یہیں رکے گا، باقی لوگ باہر نگرانی کریں گے۔ میں صفدر کے ساتھ رہ کر عمارت کا جائزہ لوں گا۔"
شاید فرائض کے تعین کے سلسلے میں ان میں میکانکی ربط موجود تھا کیونکہ ایک دوسرے سے مشورہ کیے بغیر ایک آدمی وہیں رکا رہا اور بقیہ تین باہر نکل گئے۔

"آؤ۔" میں نے نرمی سے یوسف کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور اسے ساتھ لیتا ہوا اس کمرے سے باہر راہداری میں آگیا۔
"یہ سوال اب غیر ضروری ہے۔" باہر آکر میں نے کہا۔ "پوچھنے سے بچا رہو۔ اس وقت عمارت میں ہم لوگوں کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔"
"یہ نہ سمجھو کہ میں مغرور اور شاری مجرم ہوں۔ احتیاط ہر حال میں اچھی ہوتی ہے۔" پھر ایک اہم سوال کر بیٹھا۔ "بھائی کہاں ہیں؟ ان لوگوں کے سامنے میں نے سوال کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔"
"فوجی حکام کے یرغمال ہیں تاکہ آزادی پانے کے بعد ان کی مرضی کے مطابق کام کرتا رہوں۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔
"کیسا کام؟"
"ابھی خود دیکھ لوگے۔" میں نے مختصراً کہا کیونکہ میں اسے اس کمرے کی طرف لے جا رہا تھا جہاں سے ہولناک تہہ خانے میں جانا ممکن تھا۔
"تم نے کسی ڈاکٹر آسٹن اور اس کے مہلک تجربے کا ذکر کیا تھا۔ وہ اس معاملے میں کہاں سے شامل ہوگیا؟" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اس نے سوال کیا۔
"شامل نہیں ہوا۔ سارے معاملے کی بنیاد وہی ہے۔"
"تو بتاتے کیوں نہیں؟"
"اس عمارت کا تحفظ مائیکل ٹریسپ اور اس کے ساتھیوں کی ذمہ داری تھی اور اسی لیے کبھی کبھی ان کے تصرف میں بھی رہتی ہوگی لیکن اس عمارت کا اصل حکمران ڈاکٹر آسٹن ہی تھا جو اس عمارت کے خفیہ تہہ خانے میں زہریلی گیسوں اور بیماری کے جراثیم کی پیداوار میں مصروف تھا۔ اپنے خطرناک تجربات کے لیے وہ جانوروں کے بجائے نہایت سفاکی کے ساتھ مقامی عرب باشندوں کو استعمال کرتا تھا۔۔۔"
"تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟"
"ہم دونوں کو ڈاکٹر آسٹن ہی کے حوالے کیا گیا تھا اور ہمیں کسی تجربے کے زیر اثر طویل مدت کے لیے مفلوج جلنے تک سے معذور ہوگئے تھے۔ بس ایک ہی سمت میں دیکھ سکتے تھے یا سن سکتے یا بول سکتے تھے۔ ایک عقبی راستے سے میری اور بیتا کی زندہ ممی تیار کر کے بیرون اسرائیل روانہ کرنے کی تیاریاں کر لیے تھے کہ حالات ایک دم الٹ گئے۔ یہ بتاؤ کہ اس عمارت پر فوجی حملہ کیسے ہوا تھا؟" وضاحت کرتے کرتے اچانک میرے ذہن کی خلش الفاظ میں ڈھل گئی۔
وہ یاد دلانا چاہتا تھا کہ میں نے تو دور سے یہاں تک بہت احتیاط کے ساتھ اس کار کا تعاقب کیا تھا جس میں تم لائے گئے تھے۔ مجھے آخری لمحے پر اندازہ ہوا کہ تمہیں جال میں پھانسا گیا تھا۔ فوری طور پر میرے بس میں تھا کہ وقت گزرنے سے پہلے میں نے عمارت میں داخل ہونے کی

کوشش کی اور اس عمارت کے محافظوں کی گولیوں سے بال بال بچ کر نکل آیا۔ یہ عجیب ہے کہ میں فرار ہو سکا۔ تمہارے سلسلے میں یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ مائیکل ٹریسپ اپنے اسرائیلی آقاؤں کی خاطر تمہارے خون کا پیاسا ہو رہا ہے لہٰذا میں نے کوئی خطرہ مول لیے بغیر ان کا دیا ہوا ان پر لوٹا دیا جو عبدالباقی کی حویلی سے ہمیں پکڑوانے کے لیے اختیار کیا گیا تھا۔"
"یعنی تم نے فوجی حکام کو خود خبر دی تھی کہ تم اس عمارت میں پناہ گزین ہو؟" میں نے اس سے وضاحت چاہی۔
"ہاں۔ میں نے بتایا تھا کہ یوسف نامی مفرور مجرم اس عمارت میں چھپا ہوا ہے اور فوجی دستے فوری طور پر حرکت میں آگئے۔۔۔ اس تمام عرصے میں میں قریب جوار میں چھپ کر یہاں ہونے والی کارروائیاں دیکھتا رہا۔ مجھے تمہاری اور بھائی کی گرفتاری کی خبر بھی مل گئی اور میں نے وقت نکال کر اپنے چند ساتھیوں کو جمع کر لیا۔ فوج کی بھرپور کارروائی اور بھاری پہرے کے بعد اچانک پہلی سے اُن کی روانگی نے مجھے پریشان کر دیا۔ پھر میں نے اسٹیشن ویگن دور سے تمہیں پہچان لیا اور اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ میرا خیال تھا کہ بھائی بھی تمہارے ساتھ ہوں گی اور اس بار ہمیں چند گھنٹوں میں ملک سے نکال لے جانے کا منصوبہ بنا لیا گیا تھا۔"
اسی اثنا میں ہم اس کمرے میں پہنچ چکے تھے جہاں دیوار گیر دستے کی مدد سے تہہ خانے میں آنے جانے کا راستہ پیدا کیا جا سکتا تھا۔
"اس دور افتادہ کمرے میں کیوں آئے ہو؟" اس نے خود کو وہاں پاکر سوال کیا۔
میں نے آہستگی سے دیوار گیر آہنی دستہ کھینچا اور دیوار کا بڑا حصہ کوئی آواز کیے بغیر فرش میں دفن ہوگیا۔
"تو یہ ہے وہ موت کا جنگل؟" اس کے منہ سے بے ساختہ تحیر آمیز آواز نکلی۔
"چلے آؤ۔" میں نے اس خلا میں قدم رکھتے ہوئے کہا۔ "اب یہاں ہر طرف موت کا بھیانک سناٹا راج کر رہا ہے۔"
"تمہارا اندازہ فوجی پہنچے تھے یہاں تک؟" اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے سوال کیا۔
"نہیں۔" میں نے کہا۔ "مائیکل ٹریسپ کے ساتھیوں نے خفیہ راستے سے فرار ہونے سے قبل اس نظام کو ناکارہ کر دیا تھا جو اس دیوار گیر دستے کو کھینچنے سے حرکت میں آتا ہے لہٰذا ہم دونوں تہہ خانے کے ان آدمیوں کے ساتھ محبوس رہے اور فوجی ہماری لاعلمی میں اس کے تحت زیر زمین دنیا ملاحظہ کرتے رہ گئے۔"
"مجھ تو ان کے مقبولوں پر" یوسف کی آواز تحیر آمیز تھی۔
"ان میں سے محافظ وہی تھے۔" میں نے کہا۔ "مگر جب تہہ خانے میں قید کے دوران میں ان سب کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گئے۔" پہلی کشادہ سیڑھی پر پہنچ کر میں نے وہ راستہ دوبارہ بند کر دیا۔ یوسف نیچے کا جائزہ لے رہا تھا۔
"یہ لاشیں؟"
"ہاں۔ ہم بھی لاشوں کے ساتھ کافی دیر تک تہہ خانے میں مقید رہے پھر مائیکل ٹریسپ شاید خفیہ راستے سے دو آدمیوں سمیت عمارت میں داخل ہوا اور تہہ خانے کے راستے کو کنٹرول کرنے والا نظام بحال کر کے اس اعتماد کے ساتھ اندر آیا کہ ہم دونوں اس کے آدمیوں کے سامنے بے بس لیٹے ہوں گے اور وہ تینوں بھی مارے گئے۔"
"توخون! خدا کی پناہ!" وہ میرے ساتھ نیچے اترتے ہوئے بولا۔
"کم از کم یہاں اپنے چہرے سے رومال ہٹا دو۔" میں نے اسے ٹوکا۔ "تاکہ روبرو گفتگو کا صحیح لطف آسکے۔ باہر نکلتے ہوئے پھر لپیٹ لینا۔"
اس نے رومال ہٹایا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور نگاہوں میں بڑائی کا ایک عجیب سا احساس موجزن تھا۔
"مجھے فخر ہے کہ میں تمہارے دوستوں میں ہوں۔" اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "سروسامانی کے باوجود وطن کی خاطر میں نہ ڈالنے والوں کا خطرہ نہیں ہے۔"
"تمہیں یہاں سے دو خوفناک ہتھیار بھی ملے تھے۔۔۔"
اچانک وہ تحیر زدہ آواز میں چیخ پڑا۔ "یہ لاشیں تو گل رہی ہیں!"
"میں یہی بتا رہا تھا۔" میں نے گمبھیر سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "ان سب کو موت کے گھاٹ اتار کر ہم باہر نکلے اور خود کو فوجیوں کے حوالے کر دیا مگر تہہ خانے کے بارے میں کل شام تک کسی نے ہم سے ایک لفظ بھی سننا گوارا نہیں کیا۔ وہ مسلسل تہہ خانے کے بارے میں پوچھے جا رہے تھے لیکن جب جنرل حسین العماری کو حقائق کا علم ہوا تو وہ اپنے طور پر چھان بین کے بعد اس تجربہ گاہ کے وجود سے دہشت زدہ ہے۔"
وہ میری گفتگو سننے کے ساتھ ہی تحیر زدہ نگاہوں سے اس زیر زمین دنیا کے عجائبات دیکھے جا رہا تھا۔
تہہ خانے میں اترنے سے پہلے میرا خیال تھا کہ شاید فوجی حکام نے وہ لاشیں وہاں سے اٹھوا دی ہوں لیکن وہاں تفصیلی جائزے کے بعد مجھے جنرل عماری کی دور بینی کا معترف ہونا پڑا۔ اگر ان کے منصوبے کے مطابق میں اسرائیلیوں سے رابطہ قائم کرنے میں ناکام ہو جاتا تو انہیں اپنی کہانی کا یقین دلانا محض اسی صورت میں ممکن ہوتا جب ساری لاشیں تہہ خانے

میں جوں کی توں ہو گئیں۔

میں یوسف کو اس تجربہ گاہ کے مقاصد اور دائرہ کار کے بارے میں وہ سب بتاتا رہا جو مجھے ڈاکٹر آسٹن سے اپنے طور پر معلوم ہوا تھا۔

"ہولناک اور ناقابلِ یقین معلوم ہوتا ہے یہ سب۔" یوسف تشویش زدہ لہجے میں بڑبڑایا۔ "یہ تو برسوں کی محنت معلوم ہوتی ہے۔ وہ ہماری سرزمین پر رہتے ہوئے ہی محض اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتے رہے اور ہمیں شبہ تک نہ ہو سکا۔"

"یہی بات جنرل عمادی کو پریشان کر رہی ہے۔" میں نے کہا۔ "اگر اس تجربہ گاہ کی کہانی عام ہوئی تو حکومت کی ساکھ پر انگشت نمائی ہوگی اور پھر پورے یمن میں کوئی ایسا ماہر نہیں ہے جو مقامی آبادی کو ہلاکت سے دوچار کیے بغیر اس تجربہ گاہ کو برباد کر سکے یا اسے اپنے ملکی مفاد کے لیے استعمال کر سکے۔"

"ہوں۔" وہ میرے ہمراہ ڈاکٹر آسٹن کے کیبن میں داخل ہوتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولا۔ "اب میں سمجھا کہ یہ معاملہ بالکل ہی رازداری اختیار کر گیا ہے۔ حکومت اور فوجی حکام دونوں ہی اسے حلق میں پھنسی ہوئی ہڈی سمجھ رہے ہیں۔"

"یہ ہے وہ سفاک ڈاکٹر آسٹن جو نہ جانے کتنے انسانوں کی بھینٹ لینے کے بعد مرا ہے۔" میں نے میز کے عقب میں پڑی ہوئی لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔" یوسف اس کی صورت دیکھتے ہی اچھل پڑا۔ "یہ تو پروفیسر ولفسن ہے جو یمن کے سماجی حلقوں میں بہت مقبول تھا مگر پچھلے دو تین برس سے گھر بار چھوڑ کر یکبارگی کہیں غائب ہو گیا۔ کافی تلاش اور ناکام بھاگ دوڑ کے بعد لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ سمندر وغیرہ میں کسی حادثے میں اس کی جان تلف ہو گئی ہو گی۔"

"بیٹھو۔" اسے پیش کش کرتے ہوئے میں بھی تھکے ہوئے انداز میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"فوجی حکام تم سے کیا کام لینا چاہ رہے ہیں؟" آخر کار وہ اصل موضوع کی طرف آ ہی گیا۔

"وہ اس تہہ خانے سے خوف زدہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ میں کسی طرح اسرائیلیوں کو اس بات پر آمادہ کروں کہ وہ تہہ خانے کی بھاری تنصیبات خفیہ طور پر اکھاڑ کر یمن سے لے جائیں۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"بڑی احمقانہ تجویز ہے۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولا۔ "اول تو اسرائیلیوں تک تمہاری رسائی ہی مشکل ہے اور پھر رسائی ہو بھی گئی تو تم ان کے چنگل سے کیسے نکل سکو گے؟"

"بظاہر احمقانہ نظر آنے والا یہ منصوبہ اس قدر بودا نہیں ہے۔" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لیتے ہوئے کہا۔

"ذرا تفصیل سے بتاؤ نا۔"

"ان کا خیال ہے کہ میں اسرائیلی فضاؤں میں گھوموں پھروں گا تو اسرائیلی خود ہی مجھے پکڑ لیں گے اور اس وقت میں انہیں اس سودے کی پیش کش کروں گا۔ تجربہ گاہ کی تفصیلات کے عوض میں اپنی رہائی اور بھاری رقم کا مطالبہ اس بنیاد پر کروں گا کہ تہہ خانے کے بارے میں ساری معلومات میری اور سیتا کی ذات تک محدود ہیں۔ اگر انہوں نے مطالبہ تسلیم نہ کیا یا مجھے مسلسل قید رکھا تو مجھے گرفتار ہونے پر سیتا فوجی حکام کو ساری تفصیل فراہم کر دے گی۔"

"تو سیتا کو ہی انہوں نے اپنی تحویل میں رکھا ہے؟" وہ تحیر زدہ لہجے میں بولا۔

"ہاں ان کا خیال ہے کہ وہ محفوظ بھی رہے گی اور میں اس کی وجہ سے ہی ان کی ہدایات سے سرمو انحراف کرنے کی جسارت نہ کر سکوں گا۔"

"اس تجویز کا سارا انحصار اس مفروضے پر ہے کہ اسرائیلی تجربہ گاہ کو تمہاری گرفتاری پر ترجیح دیں۔ جنرل عمادی کو شاید اندازہ نہیں ہے کہ اسرائیلی تمہارے بارے میں کس قدر حساس ہیں۔"

"لیکن میں ان کا آلۂ کار بننے پر مجبور ہوں۔"

"یہ مجبوری بجا لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تمہارے ہاتھوں پے در پے زک اٹھانے کے بعد اب اسرائیلی تمہیں زندہ پکڑنے کے بجائے ہلاک کرنے پر ہی تل جائیں اور ان سے تمہاری سودے بازی کی نوبت بھی نہ آ سکے۔"

میں کچھ دیر تک خاموش رہا۔ یوسف کی آنکھیں بھی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

"اگر بھابی کو یرغمال نہ بنایا گیا ہوتا تو سب کچھ ممکن تھا۔" چند ثانیوں کے بعد یوسف کرسی پر جھولتے ہوئے بولا۔

"میرے ذہن میں ایک اور تجویز ہے۔" میں نے کہا اور وہ چونک کر میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "جو قابلِ عمل بھی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"اس وقت دھاوا بولتے ہوئے تمہاری شناخت کس حیثیت میں ہوئی ہو گی؟" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر سوال کیا۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" وہ الجھن آمیز لہجے میں بولا۔

"ہمیں دیکھا ہی کس نے ہے جو شناخت کی نوبت آئی ہو گی۔"

"ہو سکتا ہے کہ مجھ پر حملہ آور دونوں آدمیوں نے تمہیں دیکھ لیا ہو۔ یہ محض ایک مفروضہ ہے کہ اگر کسی نے دیکھا ہو تو وہ کیا اندازہ قائم کرے گا؟"

"ویسے تو تمہارے ساتھ آنے والے بھی ہوش میں ... نے یہ بات اپنے کا اظہار کر سکیں گے۔" وہ سوچتے ہوئے بولا۔ "بس یہی کہا جا سکے گا کہ کچھ نقاب پوشوں نے حملہ کیا تھا۔"

"تم لوگوں پر فلسطینی ہونے کا شبہ تو نہیں کیا جا سکے گا؟"

"ویسے ہرگز نہیں۔" اس نے بلا تامل جواب دیا۔ "مخدوش حالات کے پیش نظر ہم نے اپنے روایتی طریقۂ کار سے انحراف کیا ہے... ہاں ہماری آوازیں سننے والوں میں سے کسی نے لب و لہجے کی بنا پر اندازہ لگایا ہو تو دوسری بات ہے۔"

"تمہاری آوازیں سننے والوں کو تو ختم ہی کرنا ہو گا۔"

"اصل فوجی افسر ہیں وہ دونوں۔" یوسف نے کہا۔ "میں انہیں سادہ لباس کے باوجود پہلی ہی نظر میں پہچان گیا تھا۔"

"دونوں بریگیڈیئر ہیں۔ محسن الخانم اور ابو محمد۔" میں نے کہا۔ "ان کی ہلاکت کے بعد میری کہانی یہ ہو گی کہ اس عمارت میں ہم پر اسرائیلیوں کے ایک برق رفتار دستے نے حملہ کر کے سب کو ہلاک کر ڈالا اور مجھے قیدی بنا لیا.....۔"

"یعنی تم جنرل عمادی کو اپنے مشن کی کامیابی کی فرضی اطلاع دینا چاہتے ہو؟" اس نے متفکرانہ لہجے میں میری بات کاٹ دی۔

"ہاں۔ اگر قدرت نے یہ موقع فراہم کیا ہے تو اسے ضائع کیا جانا حماقت سے کم نہ ہو گا۔" میں نے کہا۔ "ابو محمد اور محسن سادہ لباس میں ہیں۔ ضروری نہیں کہ اسرائیلی انہیں پہچانتے ہوں۔ میں بتا دوں گا کہ وہ لوگ میرے مددگار سمجھ کر مارے گئے۔"

"یہ تمہارا خیال ہے کہ وہ محض یہ خبر پا کر تمہاری اور سیتا کی جان چھوڑ دیں گے؟" یوسف نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا۔

"اس کا انحصار میرے رویے پر ہو گا۔ مجھے ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا ہو گا۔" میں نے جواب دیا۔ "جنرل عمادی ذاتی طور پر اس تجربہ گاہ سے بہت خائف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ یہ شرط عائد کرنے کی کوشش کرے کہ تجربہ گاہ کے سامان کی منتقلی سے قبل سیتا کو رہا نہیں کیا جائے گا۔"

"آخر یہ لوگ اس قدر بزدل کیوں ہو گئے ہیں؟" وہ غصے اور بے بسی کے عالم میں بولا۔ "اس قدر مہلک مادہ و سامان اسرائیل کو لوٹانے پر تلے ہوئے ہیں جو عربوں کے لیے مصائب کے جہنم پیدا کر سکتا ہے۔ آخر ... تو....."

"سب کچھ ممکن ہے لیکن یہاں کے نازک سیاسی حالات بالغ ہیں۔" میں نے کہا۔ "ان فضولیات میں سر کھپانے کے بجائے کوئی راہ تلاش کرو۔ وہ لوگ جو کرنا چاہیں گے جنون کے سر پر سوار ہو چکا ہے اسے بدلنا میرے اور تمہارے بس سے باہر ہے۔"

"پھر فیصلہ... بندوبست کیا جائے کہ تجربہ گاہ کا سامان اسرائیل کے بجائے کسی عرب طاقت کے حوالے کر دیا جائے۔" کچھ دیر بعد وہ بولا۔

"مثلاً کون!"

"ایک بڑی طاقت جو ہماری ہمدرد بھی ہے۔"

"لیکن جنرل عمادی بہت چالاک ہے۔ وہ دور سے نگاہ رکھے گا۔ ایسا نہ ہو کہ یہ راز فاش ہو جائے کہ سامان اسرائیل کے بجائے کوئی اور ملک لے جا رہا ہے۔"

"تم اس کی پروا نہ کرو۔" وہ پُراعتماد لہجے میں بولا۔ "وہ ملک وسیع وسائل اور اختیار کا مالک ہے۔ یہاں ایسے ہی لوگ آئیں گے جو یہودی نما مغربی نظر آتے ہوں۔"

"اس طرح ایک تیر سے دو کاج ہو سکتے ہیں۔"

"ہاں تمہاری گلوخلاصی بھی ہو جائے گی اور اسرائیل کو تنکا بھی نہ مل سکے گا۔" وہ اپنی تجویز پہ خاصا مسرور نظر آ رہا تھا۔

"سامان تو شاید اس ملک میں بھی نہ پہنچ سکے۔" میں نے کہا۔

"وہ کیوں؟"

"جس بحری یا ہوائی جہاز سے سارا سامان منتقل کیا جائے گا اسے کھلے سمندر میں یا صحرائی ویرانے میں بھرپور حملہ کر کے یکسر تباہ کر دیں گے۔" میں نے کہا۔ "وہ بس اتنا چاہتے ہیں کہ اس اقدام سے جو بھی تباہی اور بربادی پھیلے وہ یمن کی سرحد سے باہر ہو۔"

یوسف سوچ میں پڑ گیا۔ "کیا یہ گھٹیا پن نہ ہو گا کہ اپنے مفاد کے لیے ہم اپنے دوستوں کو بے خبری میں موت کے منہ میں دھکیل دیں؟"

"اگر میں تمہارا اشارہ درست سمجھا ہوں تو شاید یہ اقدام بھی قدرے گھناؤنا نہ ہو۔" میں نے تذبذب کے ساتھ کہا۔

"کیوں؟" اس کا لہجہ تحیر آمیز تھا۔

"زبانی ہمدردی بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ تمہارا دوست زبانی طور پر تمہیں اس قدر کسا آ رہا ہے کہ اس سے عملی امداد کی امید ... پہلی بار تم اسرائیلیوں سے بچھڑ گئے اور جب تم پر زندگی کے راستے بند ہو رہے تھے تو محض تماشا دیکھتا رہا..... دوست ایسے مصلحت پسند تو نہیں ہوتے۔"

"شاید تم درست کہہ رہے ہو۔" وہ متحمل لہجے میں بولا۔ "مولوی کے دو بول ہی دوستی کی پہلی نشانی ہوتے ہیں۔ اگر ان کا بھی اعتبار نہ کیا جائے تو پھر کیا دوستانہ رہ جائیں؟"

"اور پھر۔" میں نے اسے اپنے موقف پر کمزور پڑتے دیکھ کر واضح کیا۔ "دو چار جانوں کی قربانی دے کر اگر ایک ایسے منصوبے کو نیست و نابود کیا جا سکے جو آئندہ ہزاروں انسانوں کی ہلاکت اور معذوری کا سبب بننے والا ہو تو پھر اخلاقی ضابطے کی رو سے یہ اقدام درست ہو گا۔"

"ذرا ٹرانسمیٹر پر اپنے ساتھیوں کی خبر لو۔ ہو سکتا ہے کہ اس کارروائی کو کسی نے دیکھا ہی نہ گیا ہو۔" کچھ دیر کی متذبذب خاموشی کے بعد یوسف نے کہا اور میں نے جیبی ٹرانسمیٹر نکال کر اس کا سوئچ آن کر دیا۔

"ہیلو سٹوڈنٹ وائلڈ بیئر نیبون کالنگ تھرٹی تھری... اوور۔"

میں نے تھوڑے تھوڑے وقفے سے ٹرانسمیٹر پر پیغام دہرایا اور دوسری کوشش پر ہی مدھم سی آواز میں جواب مل گیا۔

"تھرٹی تھری ریسیونگ... اوور۔"

"تمہارا گروپ اس وقت کہاں ہے؟... اوور۔" میں نے یوسف کو آنکھ مارتے ہوئے ٹرانسمیٹر پر بولنے والے سے سوال کیا۔

"ہم دو مورچوں پر ہدایات کے منتظر ہیں۔ عمارت پر حملے کے بعد صورت حال ہماری نگاہ میں ہے۔ شاید ایک دو حملہ آور تو ابھی عمارت کے اندر ہی ہیں... اوور۔"

"صورت حال میں بالکل دخل اندازی نہ کی جائے۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "عمارت پر فائرنگ غلط فہمی کا نتیجہ تھی... اوور۔"

"ہم خیال رکھیں گے جناب... اوور۔"

"اوور اینڈ آل۔" میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

"تو تمہارا اندازہ درست ہی تھا۔" یوسف نے کرسی چھوڑتے ہوئے کہا۔ "اب تمہارا اگلا قدم کیا ہو گا اس سلسلے میں؟"

"جنرل مناسب موقع پر خود ہی مجھ سے رابطہ قائم کرے گا اسی وقت میں اس سے تبادلہ خیال کر کے کسی نتیجے پر پہنچ سکوں گا۔"

"پھر تمہارا اور میرا رابطہ کیسے ہو گا؟"

"میرا ارادہ کسی اچھے ہوٹل میں قیام کا ہے۔"

"پھر تم فندق الذہبی میں ٹھہرو... وہاں ہمارا ایک آدمی بھی ہے میں تم سے فون پر یا اس کے ذریعے رابطہ قائم کروں گا۔"

"اس کی کوئی شناخت بتا دو تاکہ پھر کوئی چوٹ نہ ہو جائے۔" میں نے فراخ دلانہ ہنستے ہوئے کہا۔

"منصور نام ہے اور داہنے کان کی لو کٹی ہوئی ہے۔" وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "اس پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتے ہو۔"

تہ خانے سے نکلنے سے پہلے یوسف نے اپنے چہرے پر سفید رومال دوبارہ مضبوطی سے لپیٹ لیا اور باہر آنے کے بعد وہ راستہ دوبارہ بند کر دیا گیا۔

نئے منصوبے کے پیش نظر بیشتر بے ہوش قیدیوں کا زندہ رہنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا لہٰذا یوسف کے ایما پر قیدیوں کی نگرانی پر مامور اس کے ساتھی نے محسن الغانم اور ابو محمد کو موت کے گھاٹ اتار دیا البتہ میرے ایما پر عمیر نامی شخص کو زندہ چھوڑ دیا گیا کیونکہ وہ یوسف اور اس کے ساتھیوں کو دیکھنے سے پہلے ہی وحشت زدہ ہو کر بے ہوش ہو گیا تھا اور بعد میں پیش آنے والے واقعات کے سلسلے میں میری کہانی کی تردید نہیں کر سکتا تھا۔

"اسٹیشن ویگن تو ناکارہ ہو گئی۔ تمہاری واپسی کیسے ہو گی؟" یوسف نے برآمدے کی طرف جاتے ہوئے چونک کر سوال کیا۔

"تم جاؤ... ان دونوں ہی کو بلاؤں گا۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"فی امان اللہ۔" اس نے کہا اور اپنے ساتھی سمیت تیزی سے دوڑتا ہوا برآمدے سے باہر نکلتا چلا گیا۔ چند ثانیوں بعد میں برآمدے میں پہنچا تو احاطے میں ہر طرف ویرانی کا راج تھا۔ یوسف اور اس کے ساتھی رات کی تاریکی میں نہ جانے کس طرف غائب ہو چکے تھے۔

میں کچھ دیر تک سیڑھیوں پر خالی الذہنی کے عالم میں کھڑا رہا پھر سفید اسٹیشن ویگن کے تباہ حال ڈھانچے کی طرف چل دیا۔

وہ گاڑی بری طرح تباہ ہو چکی تھی اور اس کے ڈرائیور کی لاش ڈرائیونگ سیٹ کے پائدان میں پڑی ہوئی تھی۔

میں بے اختیار جھرجھری لے کر رہ گیا۔

وہ عمارت اسرائیلیوں کی شکست کے بعد لاوارث اور کھنڈر کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ نو لاشیں تہ خانے میں موجود تھیں۔ دسویں محسن الغانم کے ہاتھوں وجود میں آئی۔ یہ تعداد یوسف کے ساتھی نے محسن اور ابو محمد کو قتل کی سزا دے کر بارہ تک پہنچا دی اور تیرہویں لاش اسٹیشن ویگن میں پڑی تھی۔

موت کی اس فرش کے بیچ ڈاکٹر آستن کا مرکز بنتے وقت وہ عمارت اس وقت حقیقی معنوں میں موت گھر بنی ہوئی تھی مجھے وہاں رکنے کے تصور ہی سے وحشت ہونے لگی۔

میں نے وہیں سے ٹرانسمیٹر پر اپنے نگہبانوں سے رابطہ قائم کیا وہ اپنی کار سمیت کہیں اوجھل تھے اور مجھے عمارت سے نکل کر اسٹیشن ویگن کی طرف آتے دیکھ چکے تھے۔

میری ہدایت پر وہ چند ہی منٹ میں کار میں سوار میرے پاس آ گئے۔

عمارت کے اوپری کمرے میں تین لاشیں دیکھ کر ان پر کوئی خاص رد عمل نہیں ہوا۔

"یہ تو شاید تمہارے ساتھ ہی آئے تھے؟" ان میں سے ایک نے لاشوں پر سرسری نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ بے ہوش ہے۔" میں نے عمیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اسے کار میں ڈال لو اور کسی طرح جنرل تک پہنچا دو۔"

"تم کہاں جاؤ گے؟"

"شہر کے کسی بھی مناسب ہوٹل میں۔"

وہ دونوں اپنے کام کے رموز سے بخوبی واقف تھے۔ انہوں نے بڑی مہارت سے بے ہوش آدمی کو عقبی نشست پر بٹھا دیا۔ ان میں سے ایک نے اس کے برابر والی نشست سنبھال لی جب کہ دوسرا ڈرائیونگ سیٹ پر جم گیا۔

میرے اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہی کار اچھل کر تیزی سے احاطے کے پھاٹک کی طرف بڑھنے لگی۔

"وہ تینوں کیسے مارے گئے؟" طویل سکوت کے بعد کار چلانے والے نے سرسری لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"گولیوں سے۔" میں نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"میرا مطلب ہے کہ انہیں حملے میں مارا گیا یا قیدی بنائے جانے کے بعد؟" اس نے اپنے سوال کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہیں ونڈ شیلڈ کے اس پار سیاہ سڑک پر جمی ہوئی تھیں اور چہرہ جذبات سے عاری تھا۔

"مجھے ان میں کسی کو خراش بھی نہ آئی تھی۔" اسے جنرل عمادی کا مخبر تصور کرتے ہوئے میں نے جواب دیا۔ "بس فائرنگ سے دہشت زدہ ہو کر یہ بڈھا بے ہوش ہو گیا تھا پھر ایک کو محسن الغانم نے بزدلی دکھانے پر خود گولی مار دی۔ بعد میں اس کے ساتھ دوسرا بھی حملہ آوروں کے ہاتھوں مارا گیا۔"

"کمال ہے کہ تم چھوڑ دیے گئے۔"

"اسے بھی دوست رکھو۔" اس کے لہجے میں طنز کی ہلکی سی جھلک تھی۔ "میری صحیح سلامت رہائی جنرل کے منصوبے کی کامیابی ہے۔"

"مجھے کسی منصوبے کا علم نہیں لہٰذا حیرت ہونا لازمی تھی۔" اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

"شہر میں کون کون سے ہوٹل بہتر ہیں؟" کچھ دیر کے سکوت کے بعد میں نے اس سے سوال کیا۔ میں اپنی زبان سے براہ راست فندق الذہبی کا نام نہیں لینا چاہتا تھا۔

اس نے آٹھ دس نام گنوائے جن میں فندق الذہبی کا نام بھی شامل تھا۔

"اوسط درجے کا صاف ستھرا ہوٹل ہونا چاہیے۔"

اس بار اس نے صرف تین نام دہرائے جن میں پہلا نام میرا مطلوبہ تھا۔

"پھر سیدھے فندق الذہبی ہی چلو۔" میں نے اس سے کہا۔ "مگر شاید فرصت میں جنرل سے بات کرنی چاہتا ہوں۔"

"تمہارا پیغام پہنچا دیا جائے گا۔"

فندق الذہبی کی چار منزلہ عمارت کے پورٹیکو میں مجھے اتار کر وہ دونوں آگے بڑھ گئے۔

استقبالیہ کاؤنٹر پر پہنچنے تک میری نگاہیں عملے کے ہر فرد کے داہنے کان کا جائزہ لیتی رہیں۔ غلطی یہ ہوئی کہ میں یوسف سے یہ پوچھنا بھول گیا تھا کہ اس کے متعلقہ منصور کا تعلق ہوٹل کے عملے کے کس شعبے سے تھا۔

اپنے خدشات کے برعکس مجھے نہایت آسانی سے کمرہ دے دیا گیا۔ مسافروں کے اندراجات کے رجسٹر پر میں نے خود کو یمنی ظاہر کر کے حضرموت کا ایک فرضی پتہ لکھا ظاہر کیا تھا اور کلرک اندراجات کا سرسری جائزہ لینے کے بعد اطمینان سے رقم گننے میں مصروف ہو گیا۔

ہوٹل میں پہنچتے ہی سب سے پہلے میں نے گرم پانی کے شاور کے نیچے طویل غسل کیا اور لباس پہن کر بستر پر دراز ہو گیا۔

اس وقت بھوک کی ہلکی سی خواہش تھی لیکن میں نے کچھ دیر سو لینا ضروری خیال کیا اور کھڑکیوں کے دبیز پردے کھینچ کر کمرے میں رات کا سماں پیدا کر لیا۔

سکون، اندھیرا اور تنہائی میسر آتے ہی میرا ذہن سیتا کی ذات اور اس کی سلامتی میں الجھ گیا جو اس بار حکام کی یرغمالی بنی ہوئی تھی۔

جنرل حسین عمادی کے بارے میں میں نے جو رائے قائم کی وہ بہت اچھی تھی۔ وہ ایک دلیر، بیباک اور زیرک فوجی افسر تھا جس کے الفاظ پر آنکھ بند کر کے اعتماد کیا جا سکتا تھا مگر اس کا دوسرا ساتھی جنرل ابو الکلام جو ملٹری انٹیلی جنس کا سربراہ تھا، خاصا خبیث نظر آتا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں بریگیڈیئر محسن الغانم اور ابو محمد کی موت کی خبر پانے کے بعد سیتا کے بارے میں وہ جنرل حسین عمادی کو ورغلانے میں کامیاب نہ ہو جائے۔

خیالات کی اسی رو میں ذہن پر غنودگی سی طاری ہوئی تھی کہ اچانک کمرے میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"مقصود علی! تمہاری کال ہے۔" ریسیور اٹھاتے ہی میرے کانوں میں ٹیلی فون آپریٹر کی شوخ و شنگ آواز آئی اور کلک کی آواز کے ساتھ ہی کال ملا دی گئی۔

ہوٹل کے رجسٹر میں میں نے دانستہ اپنا اصل نام لکھایا تھا کیونکہ مقامی حکام کی نگاہوں میں آ جانے کے بعد نام چھپانا بے سود تھا۔ جہاں تک اسرائیلیوں کا تعلق تھا تو وہ موسیٰ دیان نام اختیار کر لینے کے باوجود ہزاروں کی بھیڑ میں شناخت کر سکتے تھے۔

"ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں زرد رنگ کی ایک بیوک موجود ہے جس کی داہنی ہیڈ لائٹ ٹوٹی ہوئی ہے تم فوراً اس میں سوار ہو جاؤ۔" سرد اور خشک لہجے میں فون پر ہدایت دی گئی اور میں نے پہلا تجربہ ہونے کے باوجود جنرل کی آواز پہچان لی۔

"کار کا نمبر...؟" میں نے سوال کرنا چاہا لیکن لائن بے جان ہو چکی تھی۔ میں چند ثانیوں تک ریسیور کو غصیلی نگاہوں سے گھورتا رہا۔ پھر اسے کریڈل پر پٹخ دیا۔

جنرل کی مختصر کلامی پر مجھے غصہ ضرور آیا تھا مگر اس بات سے خوشی بھی ہوئی کہ میرا معاملہ اس کے نزدیک اتنا اہم تھا کہ زیادہ وقت

برباد کیے بغیر اس نے دوسری مصروفیات ترک کر کے مجھ سے ملنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

کمرے سے نیچے پارکنگ لاٹ میں پہنچنے تک میری نگاہیں منصور نامی شخص کی تلاش میں بھٹکتی رہیں لیکن کوئی کامیابی نہ ہو سکی۔ اس وقت شام کے پانچ بجنے والے تھے اور ہر طرف سورج کی تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ پارکنگ لاٹ میں گنجائش سے کم گاڑیاں پارک تھیں مگر پھر بھی ان کی تعداد کافی تھی اور اس ہجوم میں زرد رنگ کی اکلوتی کار دور ہی سے دیکھی جا سکتی تھی۔

میں نے زرد بیوک کے آگے سے گزرتے ہوئے اس کی داہنی ہیڈ لائٹ کا ٹوٹا ہوا شیشہ دیکھا اور ڈرائیور کے برابر والے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ دیا۔

وہ دروازہ مقفل تھا اور ڈرائیور سیٹ پر چڑھائے دونوں پیر سیٹ پر رکھے بے فکری سے بیٹھا ہوا تھا۔

جب وہ میری طرف متوجہ نہیں ہوا تو مجھے مجبوراً بند شیشے پر ہلکی سی دستک دے کر کرخت خد و خال والے اس شخص کو متوجہ کرنا پڑا جو عربوں کے مخصوص سفید لبادے اور مقامی باشندوں کی مخصوص پہننے والی گول ٹوپی میں ملبوس تھا۔

اس نے ڈیش بورڈ پر لگا ہوا کوئی بٹن دبایا اور اس بار ہینڈل پر میرے ذرا سے دباؤ سے دروازہ کھل گیا۔

دروازہ کھلتے ہی خنک ہوا کا جھونکا ابھر آیا۔ ساتھ ہی مغربی موسیقی کا تیز شور بھی سنائی دیا اور میں جلدی سے ڈرائیور کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا۔

کار کے اندر کائنات ہی کچھ اور تھی۔

فضا میں ایئر فریشنر کے اسپرے کی بھینی بھینی خوشبو رچی ہوئی تھی اور کار کا ایئر کنڈیشنر اسٹارٹ تھا جو ارد گرد کی گرمی کو بھگانے میں مصروف تھا۔ پوشیدہ لاؤڈ اسپیکرز سے مغربی موسیقی کی تیز لہریں ابھر رہی تھیں اور وہ سفید لباس پوش اس کائنات کا شہنشاہ معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ ڈرائیور نہیں بلکہ اس کار کا مالک ہے۔

اس نے مجھ پر ناقدانہ نظر ڈالی پھر کھردرے لہجے میں میرا نام پوچھ بیٹھا۔

"صفدر علی۔" میں نے کہا۔

"کہاں جانا ہے؟" اس نے سنجیدگی سے سوال کیا اور میری کھوپڑی چکرا کر رہ گئی۔

"یہ تو تمھیں ہی معلوم ہو گا۔"

"کیا مذاق ہے واللہ۔" وہ دونوں ہاتھ زور سے اسٹیئرنگ پر مار کر بلند آواز میں ہنسا۔ "مسافر تم ہو اور منزل مجھے معلوم ہو گی؟"

ایک لمحے کے لیے میں گڑبڑا گیا کہ کہیں جنرل کی بتائی ہوئی کار کو پہچاننے میں مجھ سے غلطی نہ سرزد ہو گئی ہو۔

"معاف کرنا شاید مجھ سے کار کی شناخت میں غلطی ہو گئی ہے۔"

"معافی کیسی۔ اب آ ہی گئے ہو تو میری گاڑی میں سفر کر لو۔" اس کے کرخت چہرے پر بے زاری دوڑ کر آ گئی تھی۔

میں نے اس کی بات کا جواب دیے بغیر اپنی سمت کا دروازہ کھول لیا اور نیچے اترنا چاہا مگر اس نے پھرتی سے میرا بازو تھام لیا۔

"ناراض کیوں ہوتے ہو؟ چلو جہاں کہو تمھیں لیے چلتا ہوں۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا اور میں نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں سر جھٹک کر دروازہ دوبارہ بند کر لیا۔

اس نے خود کار ٹرانسمیشن کا لیور آگے دھکیلا اور وہ جھومتی ہوئی پارکنگ لاٹ سے نکل کر ہائی وے کی طرف مڑ گئی۔

"میں عمادی کا دوست ہوں۔" مسکرا کر بولا اور ٹریفک کی تیز رفتار قطار میں شامل ہونے کے بعد اس نے اپنے بارے میں میری الجھن دور کر دی۔

"میں تو ڈر ہی گیا تھا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تمھیں جاننے کے لیے وہ کسی سرکاری آدمی کو استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا حالانکہ تم تو شاید سرکاری ہی ہو؟"

میں خاموش ہی رہا اور منصور نے باتوں سے پیچھا چھڑانا مشکل بنا دیا تھا۔

مصروف ہائی وے سے گزرنے کے بعد بیوک ایک خوبصورت مضافاتی شاہراہ پر نکل آئی۔ اور چند منٹ کے بعد ایک عالی شان ایک منزلہ مکانات پر مشتمل آبادی میں ایک احاطے میں داخل ہو گئی۔ وسیع پورچ میں انجن کو بند کر کے اس نے اگنیشن بند کر دیا اور نیچے اتر آیا۔

میں نیچے آیا تو جنرل حسین عمادی سفید لبادے میں ملبوس برآمدے میں آتا نظر آیا۔

میں برآمدے میں پڑی ہوئی بید کی کرسیوں کے قریب پہنچا۔ "آؤ بھائی!" جنرل نے مجھے اندر لے جاتے ہوئے کہا۔ "میں تمھاری گفتگو سننے کے لیے بے چین ہوں۔"

باہر کے مقابلے میں اس مکان کی اندرونی آرائش کہیں زیادہ پرشکوہ تھی۔ وہ مجھے مختلف راستوں سے لیتا ہوا ایک ایسے کمرے میں داخل ہوا جہاں رنگین دیواروں کے ساتھ سجی ہوئی الماریاں کتابوں سے بھری ہوئی تھیں۔

اس اسٹڈی میں آرام دہ نشستوں اور ایک لمبی میز کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ہم دونوں برابر کی نشستوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

"اگر گستاخی مقصود نہ ہو تو ایک درخواست کروں؟"

سنانے کے لیے میں نے جھجکتے ہوئے جنرل سے اجازت چاہی۔

"اس وقت تم میرے گھر میں میرے مہمان ہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟" جنرل حسین عمادی کا لہجہ نرم اور خلوص آمیز تھا۔

"معیوب نہ ہو تو تھوڑی سی وہسکی چاہوں گا۔"

"کوئی مخصوص برانڈ؟"

"جو مل جائے۔"

جنرل نے میز کے قریب رکھا ہوا انٹر کام اٹھایا اور بٹن دبا کر کسی کو ہلکی سی ہدایت دے کر میری طرف متوجہ ہو گیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ کے دو اہلکار اس مہم میں مارے گئے۔" میں نے گفتگو کا آغاز محسن انعام اور ابو محمد کے خون سے کرنا ہی مناسب سمجھا۔

"میرے تو ایک نوجوان کے سوا کوئی ہلاک نہیں ہوا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "بس تمھیں ان لوگوں کے ساتھ جانے کے لیے آٹھ دن کا انتظار تھا۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ اتنی جلدی حملہ ہو گا مگر خوشی ہے تم زندہ لوٹ آئے ہو۔"

"وہ پانچ تھے۔ ایک شین گن اور چار عام اسلحے سے مسلح۔" میں نے کہا۔ "ان کو میرا ساتھی کچھ ہی دیر پہلے ملا تھا اور ان کا ارادہ ہم چاروں کو قید کر کے لے جانے کا تھا مگر جب ہم نے تجربہ گاہ کے بارے میں انھوں نے کچھ کہا تو وہ ہمیں جانے پر تل گئے۔ بہرحال باہر کا ماحول ان کے لیے اجنبی تھا اور وہ گولیاں چلتے ہی بے ہوش ہو گیا تھا۔"

"وہ کون تھے؟"

"تمھارے ملک اور جس نے ٹیلی فون پر ٹھکانے کا پتا دیا تھا، مجھے اس نے جواب دیا۔ لیکن میں کس کے نام سے واقف نہیں ہوں؟"

"تمھیں زندہ چھوڑ کر انھیں مار دینے میں کیا مصلحت تھی؟"

"ان کے لیے میں حملے کا دوسرا فریق تھا جب کہ وہ معمولی مقامی لڑکے تھے جو کسی بھی وجہ سے اونچے لیے دشمن بن کر سامنے آ سکتے تھے۔ منتظمین کے نام کو محسن انعام نے گولی مار دی تھی۔"

جنرل نے ماحول کی وحشت کا واقعہ اسے پوری تفصیل سے سنا دیا۔

"یہ تو بھول ہو گئی۔ شاید قدرت نے اسے فوراً ہی اس غلطی کی سزا بھی دے دی۔" وہ سگار کا ایک کش لے کر دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے بولا۔

"مجھے آپ کو آگاہ کرنے کے لیے کہا گیا تھا کہ اس نے اپنے وعدے کا مطالبہ کیا تھا۔ وہ پہلے زیادہ سے زیادہ رقم لے کر بات کرے گا، کسی بھی وقت مجھے مطلع کر دے گا۔"

"مگر وہ تمھیں شہر میں کیسے تلاش کریں گے؟" جنرل نے سوال کیا اور میری نظر اس پر جا کر ٹھہر گئی۔ "مختصر لیکن اہم نکتہ ہے" میں نے نظر انداز کر دیا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے تلاش کر لیں گے۔" میں نے کہا۔ جنرل نے خاموشی کا طویل وقفہ لیا۔

"وہ لوگ جو اسلحے کے بغیر ان نے ہمارا تعاقب کیا ہو..."

"منافق ہو اور تمھاری نگرانی ہو رہی ہے؟" وہ مجھے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

"میں نے اسی لیے کی وجہ جاننی چاہی تھی کہ ان کے ہر فرد کو شاید اپنے بارے میں بہت زیادہ خوش فہمی ہے۔ دعویٰ کر رہا تھا کہ مقصد تو کیا پاتال میں بھی مجھے ڈھونڈ لے گا؟"

"شکریہ جنرل۔" وہ مختصر لہجے میں بولا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ دو چار روز میں وہ حالات سے مجبور ہو جائے۔ معاملات یہاں سے کہیں زیادہ بالا کیسے ہو سکتے ہیں؟"

"آج کی رات تو انتظار کرنا ہی ہو گا۔" میں نے لمبی جماہی لے کر کہا۔ اسی اثنا میں جنرل کا خدمت گار ایک چمکتی ہوئی سنہری ٹرے میں عمدہ قسم کی اسکاچ کی ایک بوتل، برف کے دو جام، سوڈا واٹر اور برف کے ٹکڑوں سے بھرا ہوا آئس باکس لے کر آیا۔ اسی ٹرے میں ایک پلیٹ خشک میوے کے نمکین ٹکڑوں کی بھی تھی۔

خوشی کے مارے بوتل دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہو گیا کیونکہ کافی عرصے کے بعد اس اہتمام کے ساتھ شراب نوشی کی نوبت آئی تھی۔

"میں جاننا چاہتا ہوں کہ ان کا پیغام ملتے ہی مجھے خبر دی جائے۔" اس نے دونوں کے لیے جام تیار کرتے ہوئے گمبھیر لہجے میں کہا۔

"میں فون کروں گا۔"

"نہیں، فون پر کوئی اور بھی گفتگو سن سکتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ چند ثانیوں کے لیے خاموش ہوا پھر مسرت آمیز لہجے میں بولا۔ "تمھارے پاس گاڑی تو ہے نا؟"

میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"تمھاری نگرانی پر متعین ایک وقت میں دو آدمی رہتے ہیں، میں چاروں میں سے ایک کو منصور ان سے لے لوں گا۔ اس کے ذریعے تم ہوٹل کے لیے ہی سے مجھ سے رابطہ قائم کر سکو گے۔" اس کے لہجے میں اس بار اطمینان کی جھلک تھی۔

"منصور کہاں ہے؟" میں نے کوشش کے وقفے میں اسکاچ کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے ابھی آواز میں جنرل سے سوال کیا۔

"وہی عمارت کے ایک حصے میں مقیم ہے۔" اس نے بھی اپنے لب تر کرتے ہوئے کہا۔ "بہت مہذب اور شائستہ ثابت ہوتی ہے وہ!"

"اگر اس کا احترام برقرار رکھا جائے تو وہ شائستہ ہی رہتی ہے۔ میں نے موقع پا کر دوبارہ جتائی مزید بھی۔ ذرا سی اہانت ہو تو اچانک خونخوار ہو جاتی ہے کیونکہ بنیادی طور پر وہ ایک وحشی لڑکی ہے۔"

"وحشی؟" جنرل نے اس بار ایک بڑا سا گھونٹ لے کر حیرت سے سوال کیا۔

"وہ تہذیب کی روشنی سے بہت دور ہمالیہ کی برفانی وادیوں

میں پیدا ہوئی اور وہیں جوان ہوئی اسی لیے ڈیرلو دیہے بات ہے۔"

"کس قبیلے سے تعلق تھا اُن کا؟" جنرل نے دلچسپی کے ساتھ سوال کیا۔

"وہ اور اُن کی ماں آبادی سے دُور پہاڑوں میں مقیم تھیں۔" میں نے اپنے ہانپتے کے سفر کی یادیں تازہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ دونوں بندروں پر حکمرانی کرتی تھیں اور وہی بے زبان ان دونوں کے محافظ ہوا کرتے تھے۔"

"حیرت ناک ماضی ہے اُن کا؟"

"کبھی کبھی میں خود بھی یہی سوچتا ہوں۔" میں نے جام خالی کرتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر جنرل نے کرسی چھوڑ دی۔ "تم یہیں رکو! میں سیتا کو بھیجتا ہوں، پندرہ منٹ بعد روانگی کے لیے تیار رہنا۔"

جنرل شراب اور اس کے لوازمات وہیں چھوڑ گیا تھا لہٰذا میں نے اس سہولت سے استفادہ کرنا ضروری سمجھا، اسی دوران سیتا آگئی۔

گھریلو ماحول اور آسائش میسر ہونے کے باعث اس کے چہرے پر چند ہی گھنٹوں میں عجیب سی تازگی اور رعنائی عود کر آئی تھی۔

میں نے ملازم کے جاتے ہی بے اختیار اسے اپنی باہوں میں سمیٹ لیا۔

"تم پھر پی رہے ہو؟" سیتا نے مجھ سے الگ ہونے کے بعد شکایتی لہجے میں کہا۔

"میزبان کی پیشکش کا احترام کر رہا ہوں۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"لیسے کچھ: کمو بہت شریف النفس ہوتی ہے میری دیکھ بھال بھی بڑی بشاشت کر رہی ہے بڑی مدت کے بعد یہ ماحول میسر آیا ہے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ تم مطمئن ہو۔" میں نے کہا۔ "تمہارے بارے میں بہت زیادہ فکر مند تھا اب امید ہو چلی ہے کہ شاید جلد ہی ہماری گلو خلاصی ہو جائے۔"

"کیا کام بن گیا؟"

"ہاں۔" یہ کہہ کر میں نے اسے وہی کچھ بتا ڈالا جو جنرل کو بتا چکا تھا۔ "مجھے خود تمہارا وسطی میں کہیں ٹرانسمیٹر یا ٹیپ ریکارڈ موجود ہو۔"

"بہت اچھے تھے وہ۔" سیتا نے محسن الملک کے قتل کی خبر سن کر متفکر لہجے میں کہا۔ "وہ بھی بہت اچھا آدمی تھا۔"

"میں کوشش کے باوجود انہیں قتل سے باز نہ رکھ سکا۔"

"تم نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میرا ریوالور تلاشی میں چھن جانے کے بعد دوبارہ میرے قبضے میں کیسے آگیا؟"

"میرا خیال ہی نہیں آیا۔" میں نے کہا۔ "مرنے سے ذرا دیر پہلے بریگیڈیئر محسن نے خود ہی بتایا کہ پستول تھا کیا وہی ہتھیار ترے

تمہیں لوٹا دیا تھا۔"

"اس کی موجودگی میرے لیے یہاں تک کہ بڑا سہارا رہا ہے۔"

"اب تو اس کی ضرورت نہیں رہی؟"

"نہیں۔ اس چھت کے نیچے میں خود کو بہت محفوظ تصور کر رہی ہوں۔" اس نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"تو پھر وہ مجھے دے دو۔"

اس نے اپنا وینٹی بیگ کھول کر موت کا وہ ہولناک ہتھیار میری طرف بڑھا دیا۔ اور میں نے پھرتی سے اسے اپنی جیب میں منتقل کر لیا۔

ٹھیک پندرہ منٹ گزرنے کے بعد جنرل واپس آگیا۔ اس کے ہمراہ ایک دُبلا پتلا دراز قامت مقامی بھی موجود تھا۔

"یہ تمہیں شہر میں کسی ایسی جگہ چھوڑ دے گا جہاں سے تم سہولت کے ساتھ ٹیکسی وغیرہ لے کر اپنے ہوٹل میں پہنچ سکو گے۔" جنرل کے تعارف سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ شخص اس کا ڈرائیور تھا۔

میں روانگی کے لیے اُٹھ گیا۔

سیتا برآمدے تک میرے ساتھ آئی پھر اس پر الوداعی نگاہ ڈالنے کے بعد میں شہری میڈ پلیٹ والی جنرل کی کار میں سوار ہو گیا۔ شہر کے قلب میں ایک بارونق مقام پر مجھے اُتار کر وہ کار آگے بڑھ گئی۔ میں کچھ دیر بے مقصد گھوم کر راستوں پر مختصر سی چہل قدمی کرتا رہا پھر ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔

میں ہوٹل میں اپنے فلور پر پہنچ کر کمرے کا دروازہ کھول رہا تھا کہ کچھ دُور واقع سرونٹس روم میں سے ایک نوجوان شخص تیزی سے میری طرف آیا۔

میں نے محض اتنا دیکھا کہ وہ ہوٹل کے عملے کی مخصوص وردی میں تھا۔ اور میں کمرے میں داخل ہو گیا میرے پیچھے پیچھے اس نے بھی اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔

"معاف کرنا میں بغیر اجازت اندر آگیا۔" میری تیز نگاہوں کا سامنا کر کے وہ بوکھلا گیا۔

"کوئی بات نہیں۔" اس کے داہنے کان کی کٹی ہوئی لو دیکھ کر میں مسکرا دیا۔ "مجھے خود تمہاری تلاش تھی۔ نام کیا ہے تمہارا؟"

"منصور۔" اس نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا۔

"کوئی پیغام؟" میں نے سوال کیا۔

اس نے کچھ کہے بغیر جیب سے ایک رقعہ نکالا اور میری طرف بڑھا دیا۔

ہلکے نیلے رنگ کا تہ کیا ہوا چھوٹا سا کاغذ تھا جس پر صرف ایک مختصر سی سطر درج تھی۔ "رات دس بجے آؤں گا۔"

"کس کا پیغام ہے؟" میں نے رقعہ پر نام نہ دیکھ کر دریافت سوال کیا۔

"میجر یوسف کا۔" اس نے قدرے توقف کے بعد جواب دیا۔

"تمہاری ڈیوٹی کب تک ہے گی؟"

"گیارہ بجے تک۔" اس نے کہا۔ "ضرورت ہوئی تو رات والے انچارج سے کہہ کر رک جاؤں گا۔"

"تمہاری ڈیوٹی کہاں ہے؟"

"روم سروس سپروائزر ہوں جب ضرورت محسوس ہو آپ بیرے سے تھرو نمبر کہہ دیں۔" اس نے ادب کے ساتھ کہا۔

"اس وقت یہاں کیسے تھے؟"

وہ خفت آمیز انداز میں ہنسا۔ "ہر فلور کا اپنا سروس روم ہے، کھانے جانے کے بہانے شام سے کئی بار اوپر آچکا ہوں کمرہ مقفل تھا۔"

میں کرسی پر بیٹھ کر جوتے اور موزے اُتارنے لگا۔ وہ سلام کر کے واپس چلا گیا۔

میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو آٹھ بج رہے تھے جس کا مطلب تھا کہ مجھے یوسف کے انتظار میں دو گھنٹے گزارنے تھے۔

مجھے احساس ہوا کہ میرا پیٹ خالی تھا جنرل عادی کے مکان پر بہت سی انڈیلی ہوئی الکحل بھی خوراک کی طلبگار تھی۔ لہٰذا میں نے نیچے جانے کے بجائے کمرے ہی میں کھانا طلب کرنے کو ترجیح دی۔ اور کھانا کھا لینے کے بعد سیٹ پر بیٹھ گئے۔

کھانے کے بعد کچھ دیر تک میں کھڑکی میں کھڑا نیچے سڑک پہ زندگی کے ہنگاموں کا جائزہ لیتا رہا پھر خیال آیا کہ کیوں نہ اپنے محافظوں سے کچھ بات کی جائے۔

میں نے کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کر کے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کر دیا۔

"ہیلو ٹرینٹ وار ہیڈ۔۔۔ نمبر ون کالنگ۔۔۔ اوور۔" سلسلہ مل جانے کی سگنل ٹون سننے کے بعد میں نے کہا۔

"ٹرینٹ وار ہیڈ۔۔۔ نمبر ٹو ریسیونگ سر۔۔۔ اوور۔" ٹریفک کی بھنبھناہٹ اس آواز کے پس منظر میں واضح تھی۔

"ریپورٹ۔۔۔ اوور۔"

"کیا آپ کے پاس کوئی موجود ہے؟ اوور۔"

"نہیں۔ تم اطمینان سے بات کر سکتے ہو۔۔۔ اوور۔"

"تمہارا پیغام مطلوبہ آدمی کو پہنچا دیا گیا تھا اور غالباً تم شاید اسی سے ملنے گئے تھے ہم نے دہلی تک تمہارا تعاقب کیا تھا۔۔۔ اوور۔"

"لیکن کمرے میں اگر کوئی زبردستی گھس آئے تو تمہیں علم بھی نہ ہوگا۔ تم مزے سے ساری رات باہر بیٹھے رہو گے۔۔۔ اوور۔"

"موجودہ بندوبست میں یہ خرابی تو ہے۔۔۔ اوور۔"



"تم دونوں کس جگہ موجود ہو گے اور؟"

"احاطے میں ایک ایسی جگہ منتخب کی ہے جہاں سے ہم آنے جانے والے پر نظر رکھ سکتے ہیں مگر ہمیں ساری رات بھی کوئی نہ دیکھ سکے گا۔ البتہ میں نے فوراً ہی یہ بات نوٹ کی کہ انہیں مچل دے کر باہر نکلنا مقصود ہوا تو محض راستہ آسانی سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔"

"آج کی رات خاصی اہم ہے... ذرا آنکھیں کھلی رکھنا... اور؟"

"بے فکر رہو... ساودر۔"

"شب بخیر... اور اینڈ آل۔"

سلسلہ منقطع کر کے میں بستر پر دراز ہو گیا۔

تو چار سگریٹیں پھونکنے کے بعد دروازہ پر مدھم سی دستک ہوئی اور میں نے لپک کر بولٹ گرا دیا۔

گھنی سیاہ مونچھوں اور خشخشی ڈاڑھی والے ایک شخص کو اپنے سامنے موجود پا کر میں ٹھٹک گیا اور میری بھنویں تن گئیں۔

"اندر نہیں آنے دو گے؟" اس نے مسکرا کر سوال کیا تو میں بے اختیار ایک طرف ہٹ گیا۔

وہ بدلے ہوئے حلیے میں یوسف تھا۔

"ہر طرف میری تلاش جاری ہے۔" اندر داخل ہو کر اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اور جنسا میں بے شمار لوگ میری صورت آشنا ہیں اس لیے میں نے حلیے میں تبدیلی ضروری سمجھی تاکہ میری شناخت تمہارے لیے دشواری کا سبب نہ بن جائے۔"

"یہ بتاؤ کہ اس وقت کس سلسلے میں آئے ہو؟" میں نے اُسے بیٹھنے کا موقع دینے کے بعد بے تابانہ لہجے میں سوال کیا۔

"تجربہ گاہ..." اس نے بتانا شروع کیا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کھانا کھا کر آئے ہو؟"

"نہیں۔" وہ ہنستا ہوا بولا۔ "شاید صورت ہی سے بھوک ٹپک رہی ہے جو تم نے اندازہ لگا لیا۔ فون پر منصور سے کہہ دو، کھانا لے آئے گا۔"

میں نے انٹرکام اٹھا کر آپریٹر سے روم سروس بیرا منصور کا نمبر مانگا۔ منصور کو ہی تھا۔ میں نے اسے ہدایات دیں اور یوسف کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"وہ لوگ بخوشی اس کیمیاوی اسلحہ خانے کو یہاں سے لے جانے پر تیار ہیں۔ اور اس کی صحیح نشاندہی کے لیے اکٹھے دس لاکھ ڈالر تک دینے پر آمادہ ہیں۔" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو تم نے انہیں عمارت کا پتہ نہیں بتایا؟"

"مجھے خطرہ تھا کہ بازی تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔"

"وہ کیسے؟"

"ہو سکتا ہے کہ ان کے ایجنٹ وہاں موجود سامان اور تو..."

کی اہمیت کا اندازہ لگا کر فوری طور پر وہاں قابض ہو جائیں۔ تب تو حکام اول تو تم سے تعرض ہی نہیں کریں گے لیکن اپنے طور پر وہ اسلحہ اور ٹیسٹ خانے کے تحفظ کے لیے تیار ہوں گے البتہ حکومت میں جنرل اللہ سیتا کو اس وقت تک قید رکھے گا جب تک تجربہ گاہ کا سارا سامان بخیر و عافیت یہاں کی سرحدوں سے باہر نہیں نکل جاتا۔"

"لیکن پیشگی ادائی کی بھی تو کوئی صورت نہیں ہے۔"

"تم جنرل کو بتلاؤ کہ وہ صرف اسی صورت میں تم ادا کر سکتا ہے کہ جب یہ آمادہ ہیں جب تم اور سیتا یہاں سے باہر موجود ہو گے۔"

"اس کا جواز کیا ہو گا؟"

"بڑا مضبوط جواز ہو گا۔" وہ بولا۔ "یہاں بیٹھ کر تم رقم بیرونی بینک میں ٹرانسفر کرنے کے لیے انہیں بلیک میل کر سکتے ہو یا رقم ملنے کے بعد بھی بہتری کر سکتے ہو جب کہ یہاں سے باہر پہنچ کر تمہارے لیے ایسا کرنا دشوار ہو گا۔"

"بڑی کمزور دلیل ہے۔ جنرل اسے تسلیم نہیں کرے گا۔" میں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "یہ خلائی راکٹوں کا دور ہے۔ کسی بھی دور افتادہ ملک سے فون یا ٹیلیکس یا ان کے سفارت خانے کے ذریعے بھی کسی مقامی حکومت کو ہر قسم کی اطلاع دی جا سکتی ہے۔"

"بہرحال یہ میرا مقصد تھا۔ اب طریقہ کار تم خود سوچو۔" اس نے قدرے چڑچڑے لہجے میں کہا۔ "جنرل سے پہلے تو تمہاری تسلی ضروری ہے۔"

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور منصور خود کھانے کی ٹرے لیے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس نے میرے دروازہ بند کرنے کے بعد سر کو خم دے کر احترام آمیز انداز میں یوسف کو تعظیم دی اور کھانا سینٹر ٹیبل پر لگانے لگا۔

"تم نے پہچانا یہ کون ہیں؟" میں نے حیرت کے ساتھ منصور سے سوال کیا۔

"معظم لوگ ہزاروں میں شناخت کیا جا سکتا ہے۔" اس نے انکسار آمیز لہجے میں کہا۔

"کیا تم نے انہیں پہلے بھی اس حلیے میں دیکھا ہے؟"

"نہیں۔" اس نے اعتراف کیا۔ "کئی بار ایسا ہو چکا ہے مگر حلیہ مختلف ہونے کے باوجود میں انہیں پہچان لیتا ہوں۔"

"کمال ہے۔" میں نے کہا۔ کیونکہ آواز سننے سے پہلے میں خود دھوکا کھا چکا تھا۔

کھانا لگا کر منصور چلا گیا اور یوسف اپنی اشتہا کے مطابق کھانے میں مصروف ہو گیا۔

میں اس بارے میں کافی دیر تک سوچتا رہا لیکن کوئی راہ نہ سجھائی دی۔ سیتا کی سرکاری تحویل سے رہائی کا معاملہ بہت الجھا ہوا تھا۔

"کچھ آیا ذہن میں؟" کھانے سے فارغ ہو کر یوسف نے

نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے شوخ لہجے میں سوال کیا۔

"نہیں خود کو حالات کے دھارے پہ چھوڑنا ہو گا۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے یقین ہے کہ میری اور سیتا کی یہاں سے روانگی میں اسرائیلی مفاد کا کوئی بھی پہلو پیدا کرنا ناممکن ہے۔"

"تم نے جنرل کو معاملے کی کتنی رقم بتائی ہے؟" اس نے ٹھنڈے پانی کا گلاس خالی کرتے ہوئے سوال کیا۔

"پچاس ملین ڈالر امریکی کرنسی۔"

"جب کہ وہ ڈیڑھ سو لاکھ تک تیار ہیں اور رقم کی ادائیگی فوری طور پر نقد کی جائے گی۔" یوسف میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولا۔

"اس وقت تم برابری کی سطح پر ہو۔" چند لمحے توقف کے بعد وہ بولا۔ "اپنی اور سیتا کی روانگی کی شرط اپنے طور پر عائد کر سکتے ہو۔"

"یہ ممکن ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔ "وہ ہر قیمت پر تجربہ گاہ سے چھٹکارا پانا چاہتے ہیں۔ ہم سے انہیں کوئی پرخاش نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ مطالبہ مان لیا جائے۔"

"یہ سارا معاملہ جنرل حسین العماری خود طے کر رہا ہے؟"

"کرنل حبشی۔" میں نے کہا۔ "پہلی بار جنرل ابو المکتوم بھی ہم سا سرگرم نظر آ رہا تھا۔" میں نے انٹروگیشن سیل کے تجربات یاد کرتے ہوئے کہا۔

"کوشش کرو کہ وہ دوبارہ سامنے نہ آئے۔" یوسف نے کہا۔ "اس کی شہرت اچھی نہیں ہے۔ اپنے مطالبہ پہ زور پیدا کرنے کے لیے تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ معاملہ سے ملنے والے پچاس ہزار ڈالر سے زیادہ تمہیں اپنی فوری آزادی عزیز ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ابو المکتوم پر لالچ غالب آ جائے اور وہ جنرل کو تمہاری شرط ماننے پر آمادہ کر لے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ اس کے بعد بھی میرے پاس ایک لاکھ کا تیل باقی ہو گا۔" میں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں۔" اس نے پُر تعجب لہجے میں کہا۔ "اس بار آزادی ملنے کے بعد تم ایک نئی زندگی گزارنے کا منصوبہ بنا لیتے ہو اس کے لیے سرمایے کی ضرورت ہو گی۔ اس رقم سے تم آسانی اپنے خوابوں کو عملی جامہ پہنانے میں کامیابی حاصل کر سکتے ہو۔"

میں اس کے لہجے سے مسکرا دیا۔ "پیسے کی میرے نزدیک کوئی وقعت نہیں یوسف!" میں نے کہا۔ "لیکن جزوی طور پر میں خارج کروں گا۔ اس معاملے میں ملنے والی ساری رقم فلسطین کی آزادی کی تحریک کو دے دوں گا تاکہ مجاہدین کی ملکیت ہو گی جسے وہ اپنی مدد کے لئے خرچ کر سکیں گے۔"

حیرت سے اس کی آنکھیں کشادہ ہو گئیں۔ "تم واقعی عظیم ہو۔" وہ بولا۔ "معاف کرنا، میرا مقصد تمہاری دل آزاری نہیں تھا۔"

"مجھے ایک بہتر اور منطقی راستہ سوجھ گیا ہے۔" میں نے چند

لمحوں کے بوجھل سکوت کے بعد پُرخیال لہجے میں کہا۔ "جنرل جانتا ہے کہ اسرائیلی میرے اور سیتا کے ازلی دشمن ہیں اور اس کی ملازمت میں وہ محض تجربہ گاہ کو ٹھکانے لگانے کے لیے پہلی بار مجھے نظر انداز کرنے پر مجبور ہوئے ہیں اور وہ اس وقت تک مجھے چھوٹ دیں گے جب تک تجربہ گاہ کی آخری کیل بھی اکھاڑ کر جہاز پہ روانہ نہیں کر دی جاتی۔ اس کے بعد وہ پوری قوت سے میرے خلاف حرکت میں آ جائیں گے اور انہیں میرے ٹھکانے کا ذرا سا بھی علم ہوا تو وہ میری زندگی جہنم بنا دیں گے لہٰذا میری پوری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ تجربہ گاہ کا معاہدہ ہوتے ہی لیبیا سے نکل کر دنیا کے کسی ایسے دور افتادہ گوشے میں چلا جاؤں جہاں اسرائیلیوں کا وہم و گمان بھی نہ پہنچ سکے۔"

"یہ راستہ سب سے بہتر ہو گا۔" اس نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔

"ان خطوط پر تمہارے دلائل جنرل کو لاجواب کر دیں گے۔ آئندہ کی بے خوف اور پُرسکون زندگی کے لیے تمہارا اسرائیلیوں کی دسترس سے جلد از جلد دور نکل جانا بہت ضروری ہے۔"

"جنرل کو یہ تاثر دینے کے لیے کہ میرا معاہدہ اسرائیلیوں سے ہوا ہے یہ ذہن میں رکھنا کہ میں نے مغرب کی جانب پرواز کروں گا اور یورپ اور لاطینی امریکہ کے گمنام علاقوں سے ہوتا ہوا اپنی منزل پر پہنچوں گا کہ اسرائیلی دوبارہ میرا سراغ ہی نہ پا سکیں۔"

"پھر جنرل سے تم کب بات کرو گے؟"

"ابھی اور اسی وقت۔" میں نے اٹھ کر کمرے کا دروازہ اندر سے



بولٹ کرتے ہوئے کہا اور ٹرانسمیٹر نکال لیا۔

"تو کیا اس پر جنرل سے بھی رابطہ ہو سکتا ہے؟" اس نے سوال کیا۔

اس پر مجھے یاد آیا کہ جنرل سے تازہ ترین ملاقات کے بارے میں میں نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا لہٰذا اختصار کے ساتھ سب کچھ بتا ڈالا۔

اسرائیلیوں کے ساتھ تجربہ گاہ کے معاملے میں سودے بازی تو جنرل کے لیے بنایا ہوا ایک ڈھکوسلا تھا جس کی بنیاد خود اس نے فراہم کی تھی کیونکہ میں یمن سے براہ راست پاکستان جانے کا ارادہ ترک کر چکا تھا۔

ڈیکرز، اسٹکن اور مائیکل ٹرمپ کی ہلاکت کے بعد یقینی طور پر اسرائیلی ایجنسیوں کی قوت برباد ہو کر رہ گئی تھی لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ ان کے مخبر یمن سے بچ رہنے والوں میں دو چار ضرور ایسے ہوں گے جو شاید اپنے برے وقت کے پیش نظر مجھ سے تصادم تو مول نہ لیں لیکن مجھے مستقل نگاہوں میں رکھنے کی کوشش ضرور کریں گے۔

ہو سکتا ہے انہیں یہ علم ہو جاتا کہ یمن سے میں نے جنوب مشرق میں پاکستان کی طرف سفر کیا ہے تو پاکستان سے سفارتی مراسم نہ ہونے کے باوجود اسرائیل کے تنخواہ داروں کے لیے ممکن تھا کہ کسی دوسرے ملک کے پاسپورٹ پر ایک دو آدمی وہاں بھیج کر میری زندگی اجیرن بنا دیتے جبکہ پاکستان پہنچنے کے بعد میں سکون اور عافیت کی گمنام زندگی بسر کرنی چاہتا تھا اس لیے ضروری تھا کہ اسرائیلیوں کو مکمل طور پر بے خبر رکھنے کے لیے میں مغرب کا سفر ضرور کرتا۔

"اندازہ ہے کہ جنرل سو چکا ہو گا" یوسف نے مجھے دوبارہ ٹرانسمیٹر کی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر آہستہ سے کہا۔

"اس کا حکم ہے کہ کوئی نئی خبر ہو تو آدھی رات کو بھی وہ میری کال کا خیر مقدم کرے گا" میں نے جھک کر ٹرانسمیٹر کا بٹن آن کر دیا۔

"ہیلو بلیک پینتھر کالنگ فار جنرل..... اوور" مجھے تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد کم از کم چار مرتبہ یہ پیغام نشر کرنا پڑا جس کے بعد جنرل کی نیند کے خمار میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ریسیونگ کیا پیغام ہے؟ اوور"

"وہ تیار ہیں... رقم لندن میں ادا کی جائے گی.... اوور"

"رقم سے ہمیں کوئی سروکار نہیں" اس کی آواز سے نیند کا عنصر یکسر غائب ہو گیا۔ "وہ کب سے اپنا کام شروع کریں گے؟ اوور"

"جب بھی میں انھیں یہاں سے روانگی کا اشارہ دوں گا۔ اوور"

"انھیں فوری طور پر آغاز کرنے دو..... اوور"

"میں یہاں سے روانگی سے ایک گھنٹہ پہلے انھیں سگنل دوں گا..... اوور" میں نے مضبوط لہجے میں کہہ ڈالا۔

"تمھاری روانگی؟" حیرت سے دوسری طرف دہرایا گیا۔ "کہاں جا رہے ہو تم؟ اوور"

"میں اپنی دوست کیٹ لین سے ملنے جا رہا ہوں.... اوور"

"تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟" جنرل بھڑک اٹھا۔ "ہم پہنچنے سے پہلے تمھارے معاملات جوں کے توں رہیں گے..... اوور"

"یہ میری سلامتی اور مستقبل کا سوال ہے جناب..... اوور"

"میں بتا رہا ہوں..... ابھی تمھیں بتا رہا ہوں..... اوور اینڈ آل" ایک لمحے کا ریسیور بے جان ہو گیا اور میں نے بھی سوئچ آف کر دیا۔ یوسف جو سانس روکے یہ تمام گفتگو سن رہا تھا پھر پریشان ہو کر رہ گیا۔ "جنرل سخت اشتعال کے عالم میں معلوم ہوتا ہے؟"

"ہوا کرے" میں نے لاپروائی سے کہا۔ "وہ بدتمیز بوڑھا ہو گیا تو شاید میں اسے قائل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

"لیکن تم جاؤ گے کیسے؟" اس نے چونک کر سوال کیا۔

"شاید کوئی بندوبست کر کے اطلاع دے گا" میں نے سامنے والے تجربے کے پیش نظر کہا۔

"اور اگر خود ہی آ پہنچا تو؟"

"ایسی حماقت نہیں کرے گا۔ اسرائیلیوں نے اسے پہلے دیکھ لیا تو مجھ سے پہلے اس کا دانہ پانی اٹھ جائے گا" میں نے اسے آنکھ مار کر کہا اور وہ ہنسنے لگا۔

چند منٹ بعد ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا تو یوسف مجھ سے ذرا دور ہٹ گیا تاکہ اس کے سانس کی آواز بھی دوسری طرف نہ جا سکے۔

"ریسیونگ..... اوور" میں نے ٹرانسمیٹر آن کرنے کے بعد جنرل کی غصیلی ہیلو ہیلو سن کر جلدی سے کہا۔

"وہی کار وہی جگہ منتظر ہے..... اوور اینڈ آل" اس کے ایک ایک لفظ سے غصے کا کھولتا ہوا لاوا چھلک رہا تھا۔

"آج خیر نہیں تمھاری" یوسف ہنسنے لگا پھر چونک کر بولا۔ "وہ تم نے لندن میں رقم کی ادائیگی کا کیا شوشہ چھوڑا تھا؟"

"فی البدیہہ خیال آیا تھا" میں نے کہا۔ "اگر جانے سے پہلے کسی خباثت کی بنا پر تلاشی کی نوبت آ گئی تو رقم کے ہونے کے بارے میں کیا جواز پیش کرتا؟"

"اوہ..... تو رقم کے بارے میں تم واقعی سنجیدہ ہو؟"

"ہاں ہاں..... وہ تنظیم کی ملکیت ہو گی" میں نے اسے اپنا ہاتھ دکھاتے ہوئے کہا۔ "بیس کے اخراجات کے لیے جنرل کی دی ہوئی رقم کافی ہو گی۔"

"تم جلدی نکل جاؤ ورنہ تمھاری واپسی کا انتظار کروں گا" اس نے مجھے ٹوکا۔ "انتظار میں اس کا غصہ بڑھتا ہی چلا جائے گا۔"

"یہ پس تجربہ گاہ سے ملنے والا ایک مہلک کیمیاوی ہتھیار ہے، جو دیکھنے میں ایک ساں کی پتلی سی پھوار خارج کرتا ہے جس سے جاندار بیٹھے گل جاتے ہیں۔" میں نے کیمیاوی پستول اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"میں کیا کروں گی اس کا؟"

"دیکھ لو، ویسے میں آ کر لے لوں گا۔"

میں اپنے کمرے سے نکل کر نچلی منزل پر پہنچا اور پھر باہر نکل کر پارکنگ لاٹ کی طرف چل دیا۔ اس وقت رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ اور زندگی کی تھکی ہوئی رعنائیاں جو سو تو رہی تھیں لیکن اپنے کھمبوں پر روشن عاقبت نیم لائٹوں کی روشنی میں پارکنگ لاٹ پوری طرح روشن تھی جہاں زرد بیوک صاف نظر آ رہی تھی۔

اس کار کا بندوبست کرنے کے بعد جنرل نے مجھے اطلاع دینے میں اتنی تاخیر کی تھی، کار فندق الفتح تک پہنچ سکے۔

شام کے برعکس اس وقت بیوک والے کا چہرہ سوجا ہوا تھا۔

"تم ہو کہاں؟" میرے بیٹھتے ہی اس نے [illegible] میں سوال کیا۔ اس وقت کار میں اسٹیریو کی گونج مفقود تھی۔

"تم سے جانا چاہتے ہو تو مجھے درست رکھو۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا، "گھر بیٹھے حکم چلاتے ہو اور نے میری بھی نیند خراب کی ہے۔"

"قصور تو تمہارا نہیں ہے مگر غور تو کرو کہ سوتے ہوئے آدمی کو فون کر کے اگر دس پندرہ میل دوڑا دیا جائے تو کیسی کوفت ہوتی ہے۔" اس نے نرم مصالحانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں اگر مجھے منانے کے بجائے یہ جواب پہلے ہی فون پر دینا چاہیے تھا۔" میں نے اپنے بگڑے ہوئے لہجے کی تلخی میں کمی نہ آنے دی۔ وہ جسمانی طور پر مجھ سے کمتر تھا اور مزاجاً بزدل بھی، لہٰذا خاموش ہی رہا لیکن یہی خاموشی کو اس نے کار سٹارٹ کر کے [illegible] میں چھپا لیا۔ وہ کوئی عربی نغمہ تھا جس کے بول مغنیہ کی شیریں آواز کی طرح اشتعال انگیز تھے۔ دیسی موسیقی سر دف کی آواز اور دوسرے سازوں کے زیر و بم نے پوری کر دی تھی۔ آنکھیں بند کر لیں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی [illegible] تصادم سے کوئی فیصلہ کرانے میں مصروف ہو۔

شام کے مقابلے میں رات گئے وہ مسافت بہت مختصر محسوس ہوئی۔

جنرل کی قیام گاہ کے پھاٹک پر روشنیاں جل رہی تھیں لیکن برآمدہ تاریک پڑا ہوا تھا۔ باوردی سنتری نے پھاٹک کھولا تو کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں جنرل شب خوابی کے لباس پر گاؤن پہنے مضطربانہ انداز میں ٹہلتا نظر آیا۔

برآمدے کے قریب کار رکتے ہی مجھے لانے والے نے شیشہ اتار کر جنرل سے کہا، "یہ آدھی رات [illegible] اب نیند خراب کی تو واللہ قیامت تک نہ بخشوں گا۔"

جنرل کا جواب میں ذہن سکا اور وہ بیوک وہاں سے آگے چل گئی۔

"کیا بکتے ہو تم؟" اندھیرے میں جنرل کی غراہٹ کسی بھیڑیے کی آواز سے مشابہ محسوس ہو رہی تھی۔

"میں حکم کا بندہ ہوں شیخ!" میں نے دھیمی آواز میں کہا، "مگر میری سلامتی کا یہی تقاضا ہے کہ آپ کو پیرانہ خیال بنا لیں گے۔"

"تمہاری سلامتی کا مسئلہ ہے۔" وہ غرایا، "میں تو سمجھ [illegible] سا پہلو ہے جو میری نگاہوں میں پوشیدہ ہے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔ تاریک برآمدے سے گزر کر روشن تھا۔ وہ برآمدے کے رستوں پر چلتا ہوا ایک مرتبہ پھر اسٹڈی روم میں پہنچ گیا۔

"بیٹھو اور جلدی سے بولتے جاؤ۔" اس کا چہرہ غصے سے گھٹا ہوا تھا۔

"اس وقت محض تجربہ گاہ کی بابت تفصیلات اور ذخائر کے حصول کے لیے اسرائیلی مجھ سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہوتے۔ کیا وہ آج بھی وہ میرے خطرناک دشمن ہیں اور پہلی فرصت میں مجھے ٹھکانے لگا دیں۔ اسرائیل لے جانا چاہیں گے بلکہ تجربہ گاہ کے معاملے میں تو انہوں نے میرے ہاتھوں تازہ زخم کھایا ہے۔" میں نے پہلے سے الفاظ میں کہنا شروع کیا، "مگر میں ان کا کام مشکل ہو گیا۔ یہاں [illegible] پھر تجربہ گاہ کو اسے بنائے جانے والے جہازی تباہی انہیں میرے خلاف جنون میں مبتلا کرے گی وہ سائے کی طرح میرے پیچھے لگے ہوں گے اور میری زندگی اجیرن کر دیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسرائیلیوں سے عارضی صلح کا جو معاہدہ ہوا ہے..... اس کی مدت دو ہفتہ ہو [illegible] لیکن اس سے پوری طرح فائدہ اٹھاتے ہوئے اتنی تیزی سے اپنے ٹھکانے تبدیل کروں کہ اسرائیلی پوری کوشش کے باوجود بھی میرا سراغ نہ لگا سکیں اور کسی گمنام ملک میں سکون سے زندگی کے بقیہ دن بسر کر سکوں۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" جنرل نے سگار کے گہرے گہرے کش لے کر دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے کہا، "یہاں تمہیں بھرپور تحفظ فراہم کر دیا جائے گا۔"

اس کا لہجہ نرم تھا اور میں نے اس کے بشرے پر غصے کے بجائے تفکر کی علامات ابھرتی دیکھ لی تھیں لہٰذا میں [illegible] لہجہ بدل گیا۔

"قانون سے تحفظ فراہم کرنا ممکن ہے کیونکہ قانون کی ایک بندھی راہ ہوتی ہے۔ دہشت گرد کارروائیوں سے کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا۔ مجھے ذہین ہے کہ میری حمایت میں آپ اتنی پیش قدمی کریں گے کہ آپ

پر پیچیدہ خیالات عمل لیں گے۔"

"سنو!" وہ میز کی سطح پر زور سے ہتھیلی مار کر بولا۔ "جس روز میں نے [illegible] بدن پہ سچائی تھی اسی دن ملک اسی کے لیے اپنی زندگی کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا تھا۔ زندگی ایک ایسا بلبلہ ہے جو شیشے کی مانند [illegible] بھی پھٹ جاتا ہے اور برقرار رہے تو سمندر کی سرکش موجوں کے سینے پر سوار تیرتا چلا جاتا ہے۔"

"میں بحث نہیں کروں گا۔" میں نے قدرے دبے لہجے میں کہا، "میں برسوں سے مصائب جھیل رہا ہوں۔ مگر اب میں بقیہ زندگی پر سکون گزارنا چاہتا ہوں جہاں بارود، انسانی خون اور مسخ لاشوں کا گزر نہ ہو...... لیکن...... شاید یہ سب یکجا دیکھتے [illegible] گیا ہوگا۔"

"یہاں سے نکل جاؤ گے۔" اس کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ ابھر آئی، "مگر یہاں ہزاروں ڈالر کی اس رقم کا کیا ہوگا جو اسرائیلی تمہیں لندن میں ادا کریں گے؟"

میں تو گویا اس کی آمد تک پہنچ گیا۔ "میں حریص نہیں ہوں۔ جتنی بھی [illegible] بازو سے روزی کما سکتا ہوں۔ رہی اس رقم پر لعنت بھیجتا ہوں کیونکہ اس طرح انہوں نے مجھے لندن میں گھیرنے کا منصوبہ بنایا ہوگا۔ شاید وہ دوستم [illegible] ہونے دیں گے اور جس روز مصلحتاً تجربہ گاہ کی مشکل شکل ہونے لگی، جرنیل کے [illegible] بھیڑیوں کے غول کی طرح پوری قوت سے مجھ پر ٹوٹ پڑیں گے۔"

"تو یہاں تک سوچ لیا ہے تم نے؟" اس کے لہجے میں حیرت اور ستائش کا انداز نمایاں تھا۔

"جس کو چاہوں خوف سے میری زندگی کی راہیں مسدود ہوتی نظر آتی ہوں اس کی نگاہیں بہت باریک بین ہو جاتی ہیں اور میں [illegible] خطرناک صورت سے گزر رہا ہوں۔"

"تم بہت چالاک ہو۔" وہ ایک گہری سانس لے کر کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا، "مگر یہاں ہیں کیسے معلوم ہوگا کہ تجربہ گاہ سے ہر قسم کی [illegible] جا چکی ہے؟"

"سائنسی معاملات میں میں بھی جاہل ہوں۔" میں نے کہا۔ "یہاں تو اب بھی اسرائیلیوں کی زبان پر بھروسا کرنا ہوگا۔ میں انہیں جلد ہی [illegible] سے بے خبر رکھوں گا اور آپ بھی بتا دیں ان کی آخری مہلت [illegible] اگر وہ اپنا کام پہلے ختم کر لیں گے تو [illegible] دونوں کا کام مشکل ہو جائے گا [illegible] پھر عمارت تباہ کر دی جائے گی۔"

"تمہاری والی بات تو صحیح ہے لیکن پھر بھی تجویز [illegible] مناسب ہے۔ تم ان سے کہو کہ جلد از جلد کام ختم کر کے عمارت کو خود ڈائنامیٹ سے اڑا دیں تاکہ اس عمارت کا پرزہ پرزہ ہمیشہ کے لیے اسی کے ملبے میں دفن ہو جائے۔"

"یہ مناسب ہے۔" میں نے اس سے اتفاق کیا۔

"اور کیس ان کی مہلت پر بھی اصرار نہ کرنا۔" شاید ذہنی طور پہ وہ مجھے اور سیتا کو آزادی کی نوید سنانے پر آمادہ ہو گیا تھا، "انہوں نے اپنے ماہرین سے رجوع کیا ہوگا..... وہ خود ہی بتا دیں گے کہ انہیں منتقلی کے لیے کتنا عرصہ درکار ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے سعادت مندی کے ساتھ جواب دیا۔

"تم ابھی ہوٹل جا کر ان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرو۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا، "تم نے آج رات سب کو مٹا کر دیا تو کل تمہیں [illegible] پہنچا دیے جاؤ گے۔ وہاں سے تمہیں اختیار ہوگا کہ جو راہ چاہو اختیار کرو۔"

"سیتا میرے ساتھ ہوگی۔"

"وہ بھلا بد نصیب! میں اس لڑکی کو پسند کرنے لگا ہوں۔ وہ ضرور تمہارے ساتھ ہوگی۔ کاش تم ان کی شہریت قبول کر لیتے، میری بیٹی سیتا سے بہت مانوس ہو گئی ہے۔" جنرل نے آخری فقروں میں اپنی ذہنی [illegible] شخصیت کی اصل [illegible] نقش کر دی۔

میں وہاں آیا تو ہراساں اور پریشان تھا لیکن واپسی پر میرا دل خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ میں یوسف کی معرفت اس کے دوستوں سے تجربہ گاہ کے سارے معاملات طے کر کے جلد از جلد جنرل کو خبر دینی چاہتا تھا تاکہ بیل بار کسی ملک کے قانونی شہری کے طور پر اپنی آزادی کے سفر کا آغاز کر سکوں۔

راستے کے ساتھ ساتھ بار شب شہر کی تمام سڑکیں سنسان پڑی ہوئی تھیں اور ایسے وقت میں کہیں ٹیکسی ملنے کا کوئی امکان نہیں تھا لہٰذا جنرل حسین العماوی کا ڈرائیور مجھے ہوٹل تک چھوڑ گیا اور پھاٹک سے ذرا پہلے [illegible] کار روک دی۔

میں اس کا شکریہ ادا کر کے ہلکے دل کے ساتھ نیچے اتر گیا۔

ہر ممالک اور ہر رخ زیبا نظر آنے والے [illegible] خوشگوار انداز میں بہت جلد سمٹتے نظر آ رہے تھے۔

ان خیالات میں مگن میں جیسے ہی چند قدم چل کر پھاٹک میں گھسنے لگا میرے قدم زمین میں گڑ گئے اور اوپر کا سانس اوپر، نیچے کا نیچے رہ گیا۔

احاطے میں کھڑی پولیس کی تین گاڑیاں اور متعدد وردیاں پھیلی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

میں غیرارادی طور پر وہاں ٹھٹکا تھا لیکن فوراً ہی آگے بڑھنے لگا۔

جنرل حسین العمادی کی حمایت حاصل ہو جانے کے بعد تمام حکام اور قانون کی وحشت بے معنی ہو کر رہ گئی تھی۔

میں پولیس افسران کے درمیان سے گزرتا ہوا ہوٹل کے برآمدے میں داخل ہو گیا لیکن کسی نے بھی مجھ سے تعرض نہیں کیا۔

وہاں پولیس کی موجودگی کے باعث سختی اور سرگرمی کے آثار تو دیکھے جا سکتے تھے لیکن پولیس کے عملے کی کارروائی بہت محدود سی نظر آ رہی تھی۔ شاید وہ مجھ سے ضرور کچھ استفسار کرتے ہوٹل کا عملہ البتہ بوکھلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ میں نے اپنے کمرے کا رخ کرنے کے بجائے استقبالیہ کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی ایک لڑکی سے صورتِ حال کے بارے میں دریافت کرنا مناسب سمجھا۔

”یہاں کیا ہو رہا ہے؟“ میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”انتظامیہ نے شکوہ ہے۔“ اس نے دھیمی آواز اور مشینی سے لہجے میں کہا۔ ”یہاں ٹھہرنے والوں کے بارے میں پوری تحقیق کرنا ہمارے بس سے باہر ہے البتہ ہم آنے والوں کے ظاہری کوائف سے مطمئن ہو جانے کے بعد ہی انہیں سہولتیں فراہم نہیں کرتے کیونکہ کمروں کے کرائے سے زیادہ ہمیں فندق الدنیا کی نیک نامی عزیز ہے۔“

”لیکن ہوا کیا ہے؟“ میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے سوال کیا۔

”پولیس نے ایک مسافر کے قبضے سے ایک مغویہ برآمد کی ہے یہاں وہ دونوں آج ہی میاں بیوی کی حیثیت سے آئے تھے۔“

میں نے لاپروائی سے اپنے سر کو جھٹکا اور لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

تیسری منزل پر میرے کمرے میں یوسف میرا منتظر تھا۔

”کیا رہا؟“ مجھے دیکھتے ہی اس نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

”نیچے کی بھی کچھ خبر ہے؟“ میں نے تھکے ہوئے انداز میں کرسی پر بیٹھتے ہوئے سوال کر ڈالا۔

”اوہ۔ وہ کوئی لفنگا ہی معلوم ہوتا ہے۔“ اس نے سرسری لہجے میں کہا۔ ”پولیس کے آتے ہی منتظمین نے مجھے آگاہ کر دیا تھا اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے مگر چند ہی منٹ بعد انہوں نے پولیس کی آمد کا سبب بتا کر میری پریشانی دور کر دی۔“

”حیرت ہے کہ ایک مغویہ کو برآمد کرنے کے لیے پولیس کی اتنی بڑی نفری نے ہوٹل پر دھاوا بولا ہے۔“

”لڑکی کا تعلق ایک اعلیٰ خاندان سے ہے مغویہ کو غالباً یہ کہ اسے اغوا نہیں کیا گیا بلکہ وہ اپنی مرضی سے اس شخص کے ساتھ آئی

ہے مگر وہ بے چارہ عاشق نامراد شاید اغوا کے الزام سے نہ بچ سکے۔“ پھر وہ چونک کر بولا۔ ”تم نے یہ کیا موضوع چھیڑ دیا۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری ملاقات کا نتیجہ کیا رہا؟“

”جنرل واقعی عظیم انسان ہے۔“ میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ ”توقع یہی تھی کہ اس نے مجھے اپنے دفاتر سے نکالنے کا حکم دے دیا اور میں تمہارے بارے میں متفکر ہو گیا۔“

”جنرل حسین العمادی کی اجازت مشروط تھی؟“ یوسف نے ازراہِ مسرت کے ساتھ سوال کیا۔

”ہمارے معاملات طے ہو گئے ہیں وہ مطمئن نظر آ رہا تھا۔ جدہ پہنچ جانے کا دونوں سے ہی ملاقات کے بعد منزل کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ معاملات میں زیادہ وقت نہیں لگا۔“ پھر میں نے اس کو بتایا کہ اس وقت تم بھول رہے ہو کہ جنرل کی نشاندہی کے بغیر کام آگے نہیں بڑھ سکتا۔ تو وہ اسی وقت تمام کام آگے کر دیں گے۔“

”جنرل کا کام کی تفصیل کی بہت جانچ پڑتال ہے۔“ میں نے بتایا۔ ”اور اس کی یہ خواہش بھی ہے کہ اس کی تفصیل عام پر آئے۔ اس خدمت کو اپنے ہاتھوں مٹا دینا چاہتے ہیں تاکہ اس کا ہر راز ان کے سینے میں دفن ہو جائے۔“

”اطمینان!“ یوسف نے حیرت سے دہرایا۔

”میں سمجھتا ہوں جنرل تو بھی کچھ رہا ہے تاکہ میں اسرائیلیوں سے سودے بازی کر سکوں۔ معاملات جیرت انگیز طور پر طے ہو رہے ہیں۔ میں صبح ہونے سے پہلے ہی سب کچھ طے کر کے تمہیں اطلاع دیتا ہوں۔“ اس نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ ”یہ قصہ جتنی جلدی نمٹ جائے اتنا ہی اچھا ہے۔“

”خدا پولیس والوں سے بچا کر رکھے۔“ میں نے جملے کو بیچ میں سے کاٹا۔ ”اگر منصور تمہیں پریشان نہیں ہے تو پولیس والوں میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہو گی۔“

”فکر نہ کرو۔“ وہ لاپروائی سے بولا۔ ”فندق الدنیا میں ایک دو محفوظ راستے بھی ہیں۔ میں نے جاتے ہی تمہیں یہاں ٹھہرنے کا مشورہ نہیں دیا تھا؟“

پھر وہ اٹھا اور وہاں سے چلا گیا۔

میں دروازہ اندر سے لاک کر کے جوتوں سمیت بستر پر گر گیا۔ میں شدید مرعوبیت کے عالم میں دراز سگریٹ پھونک رہا تھا کہ مجھے اپنے ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے کا احساس ہوا۔

میں نے چونک کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری جانب آپریٹر کی آواز ابھری۔ ”مسٹر یوسف! شیخ عبدالرحمن کی لائن پر آپ کی ضرورت ہے۔“

”اوہ۔“ میں نے ریسیور کا لفظ تو بنایا۔۔۔۔ ”ہیلو۔“

اس بار جواب میں وہ خاموش ہو گیا۔ اس نے اپنے اسپیشل نمبر

”ہمارا ایک انتہائی ضروری سوئنگ کیا بات ہے۔۔۔۔ اوور۔“

”صرف تمہاری خیریت معلوم کرنی تھی۔۔۔۔ اوور۔“

”میرے ساتھ بچوں کا سا سلوک نہ کرو۔“ میں نے قدرے چڑچڑے پن سے کہا۔ ”میں اپنی حفاظت خود بھی کر لیا جانتا ہوں نقل و حمل کسی ہنگامی ضرورت کے پیشِ نظر ضروری سمجھی گئی ہے اس وقت میں ایک اہم کام میں مصروف تھا۔۔۔۔ اوور۔“

”اب خیال رکھی جائے گا۔“ اس کا لہجہ خفت آمیز تھا۔ ”ہمیں پیس کے توجہ ہو جانے کا خوف لاحق تھا۔۔۔۔ اوور۔“

”تشویش نہ کرو۔۔۔۔ اوور اینڈ آل۔“ میں نے خشک سے لہجے میں کہا اور رابطہ منقطع کر کے غیرارادی طور پر نئی سگریٹ سلگا لی۔ رابطہ کال وصول کرنے سے قبل ہی میں نے ادھ جلی سگریٹ بجھا دی تھی۔

یوسف قریب ہی ایام پر تجزیہ نگار کی حیثیت سے ان کے انتظامات کرنے جا رہا تھا اور مجھے اس وقت تک بھی یقین نہیں تھا کہ وہ لوٹ آئے گا تو اسی کی فراہم کردہ اطلاعات کی روشنی میں میں جنرل کو اپنی کامیابی کی تفصیلی رپورٹ ارسال کروں گا لیکن میں ایک نکتہ فراموش کر بیٹھا تھا کہ جنرل کے دیے جانے والے خندق الدنیا کے اطراف میں شب بیدار رکھوالوں کے ذہن میں بھی تجسس کروٹ لے رہے تھے۔

ان سے جب جنرل کو یہ معلوم ہو تا کہ اس سے ملنے کے بعد میں ساری رات ہوٹل ہی میں مقیم رہا تھا اور کمرے ہی میں بیٹھے بیٹھے اپنے کام اور حوالوں کی اطلاع دی تھی تو اس کا ماتھا ٹھنک سکتا تھا۔ اور پھر ہوٹل کے استقبالیہ کاؤنٹر کے پیچھے ٹیلی فون آپریٹر کی نگاہ سے بھی یہ معلوم کیا جا سکتا تھا کہ ساری رات میرے کمرے کے ٹیلی فون نمبر سے کی گئی تھی۔

دراصل جنرل کو الجھن میں ڈالنے کے لیے کافی نقص اور ان کا ثبوت یہ تھا کہ میں نے اسرائیلیوں کی نسبت زیادہ باخبری کا مظاہرہ کیا ہے جب کہ میں نے یہ بتایا تھا کہ آپ کے گھر سے لوٹنے کے بعد ہی مجھ پر ایک سازشی ترکیب منکشف ہوئی اور میں میرے کمرے پر پہنچا اور میں نے اس سے سارے معاملات طے کیے۔

جنرل حسین العمادی کا اعتماد جیتنے کے لیے کھیل کا محور تھا مجھے کسی طور پر کمزوری کا تصور بھی محال تھا۔

مجھے سوچتے سوچتے ہی کافی دیر گزر گئی۔ گزشتہ چوبیس گھنٹوں کی مصروفیت اور تھکن کے باوجود نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا مجھے معاملہ مزید گمبھیر نظر آ رہا تھا۔ آخر کار رات بیت گئی صبح ہونے والی تھی جب دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ میں تیزی سے اٹھا اور میں نے دوسری دستک کے انتظار میں سانس روکے دبے قدموں سے دروازے کو کھولنے لگا۔

چند ثانیوں کے بعد دوبارہ وہی دستک ہوئی تو میں ہونٹوں کو بھینچے آدا قدموں سے چلتا ہوا دروازے کے قریب پہنچ گیا۔

”کون ہے؟“ میں نے کی ہول کے قریب منہ لے جا کر آہستگی سے سوال کیا۔

”دروازہ کھولو۔“

وہ واضح طور پر یوسف کی آواز تھی۔ میں نے بولٹ گرا کر دروازہ کھول دیا اور یوسف کے اندر آ جانے کے بعد دوبارہ بولٹ چڑھا دیا۔

یوسف کے چہرے پر تفکر آمیز لکیریں ابھری ہوئی تھیں۔ مگر وہ میری طرف دیکھتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ”بولٹ کیوں چڑھا دیا۔ میں دبا کر دروازہ بھی مقفل کر دینے۔“

میں مسکراتے ہوئے اس کے مقابل بیٹھ گیا۔ ”قفل تو صفائی والے عملے کے پاس موجود ماسٹر کی سے بھی کھل سکتا ہے اور نقل شکن کے لیے تو شاید وہ بھی ضرورت نہ ہو البتہ بولٹ گرانے کے لیے دروازہ ہی توڑنا پڑے گا۔“

”معمولی سی بات ہے۔“ اس نے عام سے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ”مگر محتاط رہنا تجربے کے نتیجہ ہی میں آ سکتا ہے۔“

”تم خاموش کیوں ہو؟“ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد مجھے ہی اس تفکر آمیز فضا کا سحر توڑنا پڑا۔

”کچھ الجھنیں پیدا ہو گئی ہیں۔“ اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ ”تمہیں میرے ساتھ چلنا ہو گا۔ وہ معاملہ براہِ راست تم سے کرنا چاہتے ہیں۔“

”کیوں؟“ میں نے بے اختیار سوال کیا۔

”میں خود نہیں سمجھ سکا۔“ اس نے اپنی بے بسی کا اعتراف کیا۔ ”پہلے تو صرف اتنی سی بات نظر آتی تھی کہ میں عمارت کی نشاندہی کر دوں گا اور وہ رقم میرے حوالے کر دیں گے۔“

”اور وہ تمہارے دوست ہیں۔“ میرا لہجہ غیرارادی طور پر تلخ ہو گیا۔ ”ایسے دوست جن پر تم اندھا اعتماد کیے ہو اور کسی بڑے مقصد کے لیے بھی ان کی دو چار جانوں کے اتلاف کے تصور سے تمہارا ضمیر کچوکے لگانے لگتا ہے۔“

”یہ تو نہیں تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟“ اس نے الجھے انداز میں میری طرف دیکھتے ہوئے تشویش زدہ لہجے میں بڑبڑایا۔

”سیدھی سی بات ہے۔“ میں کرسی سے اٹھ گیا۔ ”تم نہیں سمجھ سکتے ہو لیکن اس سوچتے ہیں وہ تمہیں محض درمیان کا آدمی سمجھتے ہیں کیونکہ معاملہ تریپن لاکھ ڈالر کا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر تم درمیان میں آئے اور رقم لے کر روپوش ہو گئے تو ان کے ہاتھ سے قیمتی خزانہ بھی نکل جائے گا اور وہ ان کے سودے میں نقصان ہو گا۔“

”یہ محض کیا ہے تمہارا۔“ اس نے گھور کر مجھے دیکھا لیکن اس کے

نقشے پر ابھرنے والی علامات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میرے لیے فنگ شوئی جیسے رجحان تجزیہ اس کے لیے خاصی حد تک قابل قبول تھا اور وہ اپنے نام نہاد دوستوں کی طرف سے افسردہ ہو گیا۔

"تمہارے آنے سے کچھ دیر پہلے میں خود ان خطوط پر سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں سے میرا ملنا ضروری ہے تاکہ جنرل بیگ کے بیان کی تصدیق دوسرے ذرائع سے بھی ہو سکے لیکن میں ان خود غرض لوگوں سے اب دور ہی رہنا چاہوں گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ تم درست ہی کہہ رہے ہو... لیکن اس وقت ہمیں ٹھنڈے دل و دماغ سے کام لینا چاہیے۔ یہ ایک خداداد موقع ہے جسے تم نے گنوا دیا تو نہ جانے کن حالات میں اور کب تک یمن ہی میں بیٹھے رہو گے۔" وہ ترحم مصالحانہ لہجے میں بولا۔

"آخر وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟" میں نے چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد بھاری لہجے میں سوال کیا۔

"جہاں باہمی اعتماد کی فضا ہو وہاں زیادہ سوال جواب ممکن نہیں ہوتے۔" اس نے نظریں چراتے ہوئے کہا پھر میرے لب بھینچنے ہی جلدی سے دوبارہ بول پڑا۔ "تلخیاں نہ کرو دوست مجھے معلوم ہے کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ چلو مانا... یہی وہ میرا یک طرفہ اعتماد تھا ان پر... لیکن میں نہیں پوچھ سکا کہ وہ تم سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔"

"تمہارے مذاکرات ان سے کہاں تک پہنچے؟" میں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے دوبارہ اپنی نشست سنبھال لی۔

بات طے ہونے سے قبل ہی انھوں نے خاصی پیش قدمی کر ڈالی تھی۔ شام سے ان کا ایک باخبر خصوصی ہرکارے کے ذریعے آج ہی رات یمن پہنچا ہے اس کا کہنا ہے کہ آمدہ تجربہ گاہ واقعی جرثومی کیمیاوی ہتھیاروں کے سلسلے میں قائم کی گئی تھی تو وہ کتنی ہی پیچیدہ ہو سکا تو یہ روزنامے بے عزتی بنا کر آخری کیس سیٹ یمن سے نکال لے جانا ممکن ہو گا۔ سات عدن کی عزت کی جنونی آخری حد ہے۔ وہ دن رات کام کریں گے اور شاید اس سے پہلے ہی فارغ ہو جائیں۔ انھوں نے یہ تجویز بھی مان لی ہے کہ کام پورا ہو جانے پر آپ اس عمارت کو ملبے کے ڈھیر میں بدل دیا جائے۔"

"سب ہی کچھ طے ہو گیا تو وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟" میں نے دل ہی دل میں سوچا پھر یوسف سے سوال کیا۔ "وہ میرے بارے میں کیسے جانتے ہیں؟"

"کچھ بھی نہیں۔" اس نے ٹال مٹول جواب دیا۔ "میں نے محض اتنا بتایا کہ غیر ملکی پیشہ ور لڑاکوں کے کسی گروہ کی یمن میں اسرائیلی ایجنٹوں سے مڈبھیڑ ہوئی اور اسرائیلی بری طرح زیر کیے گئے۔ اب ان کے مخالف گروہ کا سربراہ بیش قیمت معلومات کا سودا کرنا چاہتا ہے جو تجربہ گاہ کے بارے میں ہیں۔" اس کا جواب میرے لیے تسلی آمیز تھا۔

"اس سلسلے میں مجھے کس سے ملنا ہو گا؟"

"یہ پہلو میری نگاہ میں تھا۔" وہ جلدی سے بولا۔ "آغا سلوف اپنی قیام گاہ پر تم سے ملاقات کا خواہاں تھا مگر میرے مدنظر احتیاط تھی۔ اگر ہم خندق الذہبی کے عقبی راستے سے گئے تو بہت سا امکان ہے کہ کہیں جنرل کا کوئی اہلکار تمہیں پہچان نہ لے۔"

"یہ آغا سلوف کون ہے؟"

"سفارت خانے کا فوجی اتاشی۔"

"پھر طے کیا ہوا؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"شام سے آنے والا کیمیادان مغرب زدہ بوڑھا یہودی ہے۔ کہتے ہیں کہ اپنے شعبے میں وہ سب سے برتر ہے مگر تمام عمر گمنامی میں بسر کر رہا ہے۔ دفاعی حکمت عملی کے پیش نظر ان کے کارندے اسے ساتھ لائے ہیں اس کے پاس بہت بڑی خبر بھی ہے وہ ایک غیر اہم رہائشی علاقے میں مقیم ہے ہم وہیں جائیں گے۔"

"اور آغا سلوف؟"

"وہ پہلے سے وہاں موجود ہو گا۔" اس نے وضاحت کی۔ "یہی سمجھا جائے گا کہ ہم آمرک سے وہاں ملنے گئے تھے۔"

"وہ یمن میں کس حیلے سے آیا ہو گا؟"

وہ دھیمے سے ہنسا۔ "مشرق وسطیٰ کے دوسرے ممالک کے مقابلے میں یمن میں داخلے کی شرائط بہت نرم اور آسان ہیں۔ دوست ممالک سے کوئی بھی سیاحت کے بہانے آ کر رہ سکتا ہے کیونکہ یمن مقروض ہے۔ یہاں حکام کو یہ خوف لاحق نہیں رہتا کہ روزگار اور بھاری مشاہروں کے لالچ میں آنے والے غیر ملکی ایک بار شہروں میں گھس گئے تو سب تلاش کر کے بھی سرحدوں سے باہر دھکیلنا دشوار ہو جائے گا۔"

"کب چلنے کا ارادہ ہے؟"

"اسی وقت چلو۔ یہ معاملہ اتنا اہم ہے کہ اب تک آغا سلوف آمرک کے گھر منتقل ہو چکا ہو گا اور وہ دو پہر کے ایک بجے تک وہیں ہمارا انتظار کرے گا۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ دوڑائی تھی۔

"تم نے بڑا احتیاط مدنظر رکھی ہے۔ لیکن ہم خندق الذہبی کے عقبی دروازے کے بجائے عام راستے سے جائیں گے تاکہ جنرل کے آدمی آمرک کی رہائش گاہ تک ہمارا تعاقب کریں۔" میں نے اسے ذہنی جھٹکے سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "جب میں جنرل کو اپنی کہانی سناؤں گا تو ان دونوں کی رپورٹ اس کے ایک حصے کی تصدیق کرے گی۔"

"ان کے بھی اپنے وسائل ہیں۔" وہ تردد آمیز لہجے میں بولا۔ "آغا سلوف کی اس عمارت میں موجودگی کے باعث تحفظ یا حفاظت کا بھی انتظام ہو گا۔ اگر انہیں تمہاری نگرانی کا پتا ہو گیا تو حالات غیر متوقع طور پر بگڑ جائیں گے۔"

"پھر تم مجھ پر چھوڑ دو۔" میں پُراعتماد انداز میں مسکرایا۔ "بقول تمہارے میں ایک خطرناک غیر ملکی گروہ کا سربراہ ہوں بھلا میں کسی دفاعی بندوبست کے بغیر ایک اجنبی ملاقاتی کی کچھار میں کیسے جا سکتا ہوں! جب کہ معاملہ دو لاکھ ڈالر کا ہے۔"

"دو نہیں تین لاکھ!" اس نے میری تصحیح کی۔

"او... دو!" میں نے حیرت سے زیر لب دہراتے ہوئے کہا "مجھے ملاقات کی یہی شرط عائد کرنی چاہیے جس کا تاوان چھپا دیا ہو گا۔ ان کی دلچسپی کے پیش نظر وہ دو لاکھ بھی دینے سے گریز نہیں کریں گے۔"

"تمہاری مرضی۔" یوسف نے شانے جھٹکاتے ہوئے لاپروائی سے اور پھر چند لمحے توقف کے بعد بولا۔ "کچھ دیر بعد میری گاڑی ہوٹل کے عقبی راستے کی سمت کھڑی ہے پچھلی سیٹ پر لیٹ جانا ورنہ ملازمین سے محسوس کر لیں تمہیں جاتا دیکھنا کا سبب بن جائے گا۔"

"یہ اور بھی اچھا ہے۔" میں نے مسرت آمیز لہجے میں کہا۔ "یہاں سے ہماری روانگی جتنے پُراسرار انداز میں ہو اتنا ہی بہتر ہے اس طرح بہت سی دشواریاں خود بخود حل ہو رہی ہیں۔"

"کیسی دشواریاں؟" اس نے سوال کیا۔

"ماجد حسین العمادی اس بارے میں فکرمند تھا کہ میرے پاس اسرائیلیوں سے رابطہ قائم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اور میں نے اس کے سوال پر فی البدیہہ کہہ دیا تھا کہ اسرائیلی خود مجھے تلاش کر لیں گے۔ دیکھا جائے تو یہ کام الجھا ہوا ہی تھا۔ اسرائیلیوں سے میرا مفروضہ ٹکراؤ اسی عمارت میں ہوا تھا جہاں تہ خانے میں تجربہ گاہ واقع ہے اور اس وقت تک میرا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ خندق الذہبی تو اس کے بعد کی بات تھی۔"

"پھر مطلب تم اسے کیا بتاؤ گے؟"

"اسرائیلیوں کا ایک نمائندہ رات کے ڈھائی بجے ہوٹل کے عقبی راستے سے مجھ تک پہنچا۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر وقت دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور اسی سمت سے مجھے ساتھ لے جانا چاہا مگر نگرانی کے پیش نظر میں نے سامنے سے جانے پر اصرار کیا تاکہ میرے محافظ میرے پیچھے آ سکیں۔"

"واللہ۔" وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔ "تم اتنی روانی سے مفروضے تراشتے ہو کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اسرائیلیوں کو تو محافظوں کی موجودگی کا علم ہو گا تم حفاظت والے تصادم کے دوران ان کو چکمہ دے چکے اب تم ان سے کیا کام لو گے؟"

میں نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور ٹرانسمیٹر کا بٹن دبا کر باہر والوں کے لیے پیغام نشر کرنے لگا۔

"ٹورنٹو ریسٹ واٹر... کیا تم مجھے سن رہے ہو... اوور"

اس بار مجھے غنودگی بھری آواز میں اپنی کال کا جواب مل گیا۔

"کیا تم سو رہے تھے؟... اوور" میں نے دھیمی آواز میں غراتے ہوئے کہا۔

"نن... نہیں! ہم مستعد ہیں... اوور" بولنے والے کی آواز سے غنودگی کا عنصر فوری طور پر رفع ہو گیا۔

"آنکھیں اور ہتھیار تیار رکھو" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے مدھم مگر تحکمانہ لہجے میں کہا اور یوسف حیرت زدہ رہ گیا۔ "شاید یہ رات فیصلہ کن ثابت ہو مگر میرا اشارہ ملے بغیر تم کوئی کارروائی نہیں کرو گے... ابھی میرے کمرے میں گھنی سیاہ مونچھوں اور خشخشی ڈاڑھی والا ایک شخص پہنچا ہے وہ مجھے کہاں اور کیسے لے جانا چاہتا ہے یہ مجھے معلوم نہیں۔ تم سایوں کی طرح ہمارا تعاقب کرو گے۔ اگر وہ مجھے کسی عمارت میں لے جائے تو تم باہر ہی رک کر واپسی یا حملے کا انتظار کرو گے... سمجھ گئے؟... اوور" میں نے ٹرانسمیٹر کے بٹن سے انگلی ہٹالی اور لمحہ بھر کے لیے کمرے میں ریڈیائی شور کی خفیف سی بھنبھناہٹ گونجنے لگی۔

"اچھی طرح سمجھ گئے۔ تمہیں ہم سے مایوسی نہیں ہو گی... اوور" اس بار بولنے والے کی آواز سے دبا دبا سا جوش ظاہر ہو رہا تھا۔

"اوور اینڈ آل۔" میں نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

یوسف حیرت سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسے آنکھ مار کر باہر نکلنے کا اشارہ کیا اور چند ثانیوں بعد ہم ہوٹل کی ویران اور نیم روشن راہداری میں آگے بڑھ رہے تھے۔

کمروں کے مکین اس وقت اپنے بستروں میں دبکے ہوئے تھے، نچلی منزل پر طعام خانہ دیر ہوئی بند ہو چکا تھا۔ ہوٹل کی وسیع و عریض عمارت میں رات کا جوبن ڈھل چکا تھا۔ رات دھیمے دھیمے غیر محسوس طریقے سے پسپا ہو رہی تھی، مگر ہم دونوں ایک نئے فیصلہ کن محاذ کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔

ہوٹل کے استقبالیہ کاؤنٹر والی لڑکی رات کی اس غیر معروف ڈیوٹی کو غنیمت جان کر اپنے ناخنوں پر نیل پالش کی نئی تہ جما رہی تھی۔ اس کے عقب میں ٹیلی فون آپریٹر کی بورڈ پر جھکی تیز سانسوں اور مترنم ہنسی کے درمیان کسی سے نرم گفتگو میں مصروف تھی۔

چکنے فرش پر ہم دونوں کے قدموں کی چاپ شاید انھوں نے اسی وقت سنی جب میں نے اپنے کمرے کی چابی کاؤنٹر پر ڈالی۔ استقبالیہ کلرک نے بوکھلا کر نیل پالش کی کھلی ہوئی شیشی اٹھا کر کاؤنٹر کے نیچے چھپانی چاہی جس کے نتیجے میں اس کے خوبصورت ملبوس کے قابل رشک ناخنوں کے ہم رنگ ہو گئے اور میں ایک

ہمدردانہ مسکراہٹ کے ساتھ نکاسی کے دروازے کی طرف بڑھ گیا جہاں دربان مستعد کھڑا ہوا تھا مگر اس کی سرخ آنکھیں چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں کہ وہ چند ثانیوں قبل ہی نیند سے بیدار ہوا تھا۔ ہوٹل سے باہر ہوا قدرے خنک اور خوشگوار تھی، چمکتی روشن پر شبِ شب کے ہنگاموں کا نام و نشان تک نہ تھا۔

"سیارہ یا عظمیٰ؟" یکایک پام کے گملوں کی اوٹ میں تاریکی میں سے ایک بے ساختہ آواز ابھری اور اگلے ہی لمحے ستواں خدوخال والا ایک نوجوان لپکتا ہوا سامنے آگیا جو اپنی وردی کی بنا پر ٹیکسی ڈرائیور نظر آرہا تھا اور خمار نیم شب میں بہکے ہوئے کسی معزز مسافر کی امید میں نہ جانے کب سے پام کے گملوں کی اوٹ میں پڑا ہوا تھا۔

"شکریہ" میں نے ایک چھوٹا نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ نوٹ خاموشی سے لے لیا گیا مگر یوسف رک چکا تھا۔

"ٹیکسی کہاں ہے تمہاری؟" یوسف نے عربی میں سوال کیا۔

نوجوان کے چہرے پر رونق عود کر آئی۔ "یہیں پارکنگ میں ہے۔"

"ہمیں عقبی گلی میں جانا ہے کار ادھر ہی کھڑی ہے۔" یوسف نے نرمی سے کہا اور ڈرائیور خوشی خوشی ہمارے آگے آگے چل پڑا۔ ان دنوں اسٹینڈ پر اس وقت تین ٹیکسیاں موجود تھیں جن پر سیارہ اور عجرہ کے الفاظ نمایاں تھے۔

ٹیکسی کے حرکت میں آتے ہی میرے کانوں میں کسی اور کار کا انجن بیدار ہونے کی خفیف سی آواز آئی تھی لیکن میں اس کار کو نہ دیکھ سکا۔

ٹیکسی نے بمشکل ڈیڑھ یا دو منٹ میں ہمیں یوسف کی کار تک پہنچا دیا۔ یوسف نے اترتے ہوئے ڈرائیور کو مزید ایک نوٹ دیا اور وہ اپنی دانست میں شائستگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تیزی کے ساتھ آگے بڑھتا چلا گیا۔ ہوسکتا تھا کہ اس نے سوچا ہو کہ ہم کسی فراخدل مسافر کی رات گئے ہوٹل کی عقبی گلی میں کسی حسینہ کو لینے یا لے جانے کے لیے آئے ہوں اور ایسے موقعے پر اس کی موجودگی پسند نہ کریں۔

"یہیں آتے تو چکر خاصا لمبا پڑتا" یوسف نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا "اور پھر تمہارا تعاقب کرنے والے بھی مخمصے میں پڑ جاتے کہ کار وہیں چھوڑ دی یا ساتھ لائیں۔"

"اچھا کیا" میں نے سر گھما کر عقب میں ویران سڑک کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "اس وقت وہ ڈرائیور غیبی فرشتہ ثابت ہوا ہے۔"

"ایسے ہوٹلوں میں شہر کے معززین اپنے دل بہلانے آتے ہیں اور رات کے آخری پہر ان کی واپسی کا آغاز ہے۔ یہ غیبی فرشتے ایسے ہی جوڑوں کی تاک میں لیٹے رہتے ہیں جو کرائے سے زیادہ رقم دیتے ہیں" اس نے ڈیش بورڈ سے سگریٹ جلاتے ہوئے صنعا کی معاشرتی زندگی کا ایک گوشہ بے نقاب کیا۔

"وہ لوگ نہ جانے کہاں رہ گئے؟" میں نے دوبارہ عقبی سڑک کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"وہ ہیڈ لیمپس بجھا کر آرہے ہیں" یوسف نے سگریٹ کا دھواں اگلتے ہوئے کہا "جب اُن کی کار اسٹریٹ لائٹ کے نیچے سے گزرتی ہے تو لمحہ بھر کے لیے مجھے عقب نما آئینے میں اس کی جھلک سی نظر آتی ہے۔"

اسی اثنا میں مجھے بھی اس کار کی جھلک نظر آگئی اور فوری طور پر میرے ذہن کے تعاون کی نادیدہ تاریکی میں اور چوڑے چہرے والے شخص کی شبیہ رینگ آئی۔

مجھ سے ملاقات پر اُن کے اصرار کا پہلا اور مضبوط ترین سبب تو وہی ہوسکتا تھا جو میں نے یوسف کو بتایا تھا مگر ایک امکان اور بھی تھا جو قدرے مبہم لیکن بے حد خطرناک تھا۔ اس تجربہ گاہ پر غیر قانونی ہی سہی مگر ملکیت اسرائیل کی تھی اور آندریے سلوف کا ملک اسرائیل کے بارے میں قصاید سے گزر کر زبانی مذمت کے سایۂ عاطفت میں جا رہا تھا۔

ایسی صورت میں تجربہ گاہ پر قبضے کی پیش کش نے شاید مخمصے میں ڈال دیا ہو۔ آندریے سلوف یا اس کے ملک سے تجربہ گاہ کے سودے کے صرف دو بیرونی گواہ تھے، میں، یوسف اور ہم زندہ رہتے تو کسی بھی وقت اس سودے کا راز فاش کرسکتے تھے جس کے نتیجے میں اسرائیل سلوف کے ملک پر برہم ہوسکتا تھا۔

لیکن ہم دونوں گواہوں کے خاتمے کے بعد ایسا کوئی خطرہ برقرار نہ رہتا۔ ایک بار وہ پوری تجربہ گاہ آتشیں دیوار کے پیچھے ہو جاتی تو اسرائیلیوں کو تاقیامت پتہ نہیں چلتا کہ ان کی بیش قیمت تجربہ گاہ کہاں غائب ہوگئی کہ عمارت کے ملبے میں اس کے باقیات تو کجا ایک کیل تک نہ مل سکی۔

تیسرا غیر منطقی امکان اسی وقت سوجھا کہ کہیں آندریے سلوف ہم دونوں کو راستے سے ہٹا کر ڈیڑھ لاکھ ڈالر کی رقم ہتھیانے کے چکر میں نہ ہو مگر اس طرح وہ اپنے ملک کو داؤ پر لگانے کی حماقت کرتا جو شاید کامیاب بھی ہو جاتی۔

میں سوچتا ہی رہا اور ہماری کار منزل مقصود پر پہنچ گئی۔

یوسف نے اپنی کار بند سیاہ پھاٹک کے سامنے روک کر روشنیاں بجھا کر جلائیں اور چند ثانیوں بعد آہنی پھاٹک کھول دیا گیا۔

میں نے غیر ارادی طور پر بائیں طرف دیکھا لیکن سڑک تاریک اور ویران تھی۔ یوسف نے اپنی کار بجری کی روش پر بڑھا دی۔ دائیں بائیں نیم دائرے کی صورت میں تھی اور پورٹیکو اسی جگہ پر واقع تھا جہاں سڑک سے گزرنے والے لوگ آہنی پھاٹک سے براہ راست کچھ نہیں دیکھ سکتے تھے۔

کار رکتے ہی برآمدے کے کسی حصے سے دو مستعد آدمی آگے بڑھے اور پھرتی سے ہم دونوں کے دروازے کھول کر کھڑے ہوگئے۔ انھوں نے جس پھرتی سے مخالف سمت کے دونوں دروازے سنبھالے تھے اس کے پیش نظر مجھے ان کی مہمانداری کا معترف ہونا پڑا۔ وہ دونوں چوڑے شانوں اور پھیلے ہوئے چہروں والے یقیناً مقامی نہیں تھے جن کی قومیت آندریے سلوف سے مختلف یقیناً نہیں تھی۔

"اس طرف۔" ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر مشینی انداز میں اشارہ کیا، دوسرا ہم دونوں کے ساتھ ہی رہا۔

برآمدے میں کافی آگے بڑھنے کے بعد میرا خیال تھا کہ ہمیں سیدھا نشست گاہ میں لے جایا جائے گا مگر ہماری رہنمائی کرنے والا اچانک دائیں طرف کے ایک بغلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ کمرہ مختصر سا تھا اور صاف ستھرا تھا۔ رہنمائی کرنے والا کمرے کے وسط میں رک گیا اور ہمارے ساتھ آنے والے نے دروازہ بند کر دیا۔

"مسٹر سلوف کہاں ہیں؟" یوسف نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پرسکون لہجے میں سوال کیا۔

"اسی عمارت میں۔" ہمارے ساتھ آنے والے نے سپاٹ لہجے میں کہا "وہ تم دونوں کے منتظر ہیں انھیں اطلاع دی جاچکی ہوگی، اسی اثنا میں اگر تمہارے پاس کوئی ہتھیار ہو تو وہ ہمیں چھوڑ دو۔" میرا ہاتھ ٹھٹک گیا۔

"کیوں؟" یوسف کی آنکھیں حیرت سے ماتھے پر جا چڑھیں۔

"یہ پروٹوکول ہے مسٹر!" وہ کسی بے رحم عقاب کی طرح یوسف کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"مگر پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا!" یوسف نے احتجاج کیا۔

"حالات کے تحت قوانین بدلتے رہتے ہیں۔ واپسی پر ہر چیز تمہیں واپس مل جائے گی۔ یہ محض رسمی کارروائی ہے۔" اس کا لہجہ آخر تک ویسا ہی سپاٹ رہا۔

یوسف نے کچھ کہنا چاہا لیکن میں نے سخت اور سرد لہجے میں اسے ٹوک دیا۔ "ٹھیک ہے، جو کہا جا رہا ہے، جیبیں خالی کردو۔"

مجھے اُن کے تیوروں سے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ہماری رضاکارانہ حوالگی پر اکتفا نہیں کریں گے بلکہ جامہ تلاشی کی نوبت بھی آئے گی لہٰذا میں نے کیمیاوی پستول میز پر رکھ کر جیبی ٹرانسمیٹر بھی نکال لیا۔

"کیا یہ بھی چھوڑنا ہوگا؟" میں نے سوال کیا۔

"جیبی ٹرانسمیٹر؟" ایک لمحے کے لیے رہنمائی کرنے والے کے چہرے پر حیرت کی کیفیت ابھری پھر وہ دوبارہ پتھر کی طرح سپاٹ ہو گیا۔ "ہاں۔ یہ بھی رکھ دو۔"

میں ٹرانسمیٹر رکھنے کے لیے جھکا تو یوسف اپنا خودکار پستول اسی میز پر رکھ رہا تھا۔ نگاہیں چار ہوئیں تو اس کی آنکھوں میں ندامت اور پشیمانی کا سمندر موجزن تھا۔

"اب تو کوئی ہتھیار نہیں ہے تمہارے پاس؟" سوال کیا گیا۔

"نہیں" میں نے زہریلے تیروں والی گھڑی کو نظر انداز کرتے ہوئے جواب دیا۔ یوسف محض نفی میں سر ہلا کر رہ گیا۔

"اعتراض نہ ہو تو ہم اپنا بھی اطمینان کرلیں" اس نے ایک رسمی لہجے میں کہا اور ہمارے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ دونوں بیک وقت ہماری طرف بڑھ آئے۔

میں دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے یوسف کا چہرہ غصے سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ وہ دونوں ہی اپنے کام میں چابکدست تھے، جسم پر محض ایک بار ہاتھ پھیر کر اندازہ لگا لیا کہ ہم دونوں نہتے رہ گئے ہیں۔

"اگر ہم مسٹر سلوف سے ملے بغیر واپس جانا چاہیں؟" یوسف نے غصے سے کھولتے ہوئے شکستہ الفاظ میں کہا۔

"انھیں بیدار کیا جاچکا ہے، پروٹوکول کی ابتدائی کارروائی ہوچکی ہے اب ملے بغیر جانا مناسب نہ ہوگا" اس شخص کا لہجہ حسب معمول سپاٹ ہی رہا، نہ اس میں طنز تھا نہ تلخی۔

پھر ہمیں نشست گاہ میں پہنچا دیا گیا اور وہ دونوں اس کمرے میں غائب ہوگئے جہاں ہماری جامہ تلاشی لی گئی تھی۔

"کھوپڑی پر قابو رکھو۔" تنہائی میسر آتے ہی میں نے سرگوشیانہ لہجے میں یوسف کو تادیب کی۔ "ہم کسی چوہے دان میں پھنس چکے ہیں، غصے سے تمہارا دماغ ماؤف ہو رہا ہے، اب سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔"

وہ ایک جھٹکے سے صوفے پر سے اٹھ گیا۔ سگریٹ سلگائی اور جلتی ہوئی دیاسلائی قالین پر پھینک کر مسل دی اور میرا ذہن تیزی کے ساتھ بدلتی ہوئی صورت حال کے بارے میں سوچنے میں مشغول تھا۔

چند منٹ بعد اندرونی دروازے سے چوڑے شانوں، بھرے بھرے جبڑوں اور سفید بالوں والا ایک دراز قامت شخص شب خوابی کے لباس پر گاؤن پہنے اندر داخل ہوا۔

"ہیلو مسٹر جوزف!" اس نے کمرے میں قدم رکھتے ہی بے تپاک لہجے میں کہا۔ "تو تم لے ہی آئے اپنے دوست کو۔"

"مگر میں فوراً واپس جانا چاہتا ہوں مسٹر سلوف!" میری ہدایت کے باوجود اس وقت یوسف غصے سے سلگ گیا۔

"کیوں؟" آنڈرے سلوف کی خوابیدہ سی سرد اور سفاک نگاہیں یوسف پر جمی تھیں جن میں دوستانہ مسکراہٹ سے تصادم تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر کرسی سے یوسف کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"ہماری سخت بے عزتی کی گئی ہے۔ پہلے ہتھیار لیے گئے پھر جامہ تلاشی لی گئی... یہ سلوک... یہ سلوک...!" غصے کی شدت سے الفاظ اس کے حلق ہی میں اٹک کر رہ گئے۔

"بیٹھ جاؤ۔" وہ معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔ "ان کے لیے یہ بات معمولات میں شامل ہے۔ غلطی میری ہے کہ میں انہیں تمہارے بارے میں ہدایت دینی بھول گیا تھا۔"

"مگر پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔" یوسف کا غصہ قدرے دھیما ہو گیا۔

"اس لیے کہ میرا ذاتی عملہ تبدیل ہو گیا ہے... یہاں سب نئے لوگ ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ عمارت سفارت خانے کے حوالے سے نظروں میں آئے۔ اسی وجہ سے یہ سب ہوا۔ میں تم سے معذرت خواہ ہوں۔"

اس سے آگے زبان کھولنا یوسف کے بس کی بات نہ رہی، اور سلوف کی نیم وا سرد نگاہیں میرے چہرے پر آ ٹکیں۔

سلوف کا ڈاڑھی مونچھوں سے بے نیاز چہرہ اپنے ہر نقش میں غیر مرئی سی ہیبت رکھتا تھا جس کا الفاظ میں اظہار ممکن ہی نہیں۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو قدم قدم اور بہت ذہین ہوتے ہیں اور اپنی ذرا ذرا سی بات منوانے کے لیے بھی بدترین فیصلوں سے گریز نہیں کرتے۔

"تو یہ..." وہ مجھے اپنی آنکھوں میں جھانکتے دیکھ کر آمادہ ہو پا کر آہستہ سے بولا۔ "تو وہ تجربہ گاہ دمشق کے کس علاقے میں ہے؟"

"میں یہاں اجنبی ہوں۔" میں نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "زبانی بتانا مشکل ہے۔ وہاں لے جا کر دکھا دوں گا۔"

اس کے ہونٹ بند رہے مگر جبڑوں کی دو تین بار بھینچنے پھیلنے لگیں۔ شاید وہ دانت پیس رہا تھا۔ "کوئی تو محل وقوع یاد ہوگا اس مقام کا، بتا سکتے ہو وہاں کیا تھا؟ اہم معرکہ ہوا تھا؟"

"سودا ابھی ادھورا ہے۔ یہ نشاندہی آخری کام ہے۔" میں نے اپنی اضطراری کیفیت کو چھپانے کے لیے جیب سے سگریٹ نکال لی۔

"رقم چاہیے؟" وہ بدستور پرسکون رہا لیکن اس کی نگاہیں میری ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"ہاں، اور دو لاکھ۔" میں نے اٹل لہجے میں کہا۔

اس کا منہ بگڑ گیا جیسے کڑوا نمک کھاتے کھاتے دانتوں تلے اچانک کنکر آ گیا ہو۔ "کیا؟ جوزف سے تو ڈیڑھ میں بات ہوئی تھی۔"

"وہ پہلی بات تھی، اب میرا مطالبہ دو لاکھ ہے۔"

"مگر جوزف نے ڈیڑھ میں بات پکی کی تھی۔"

"بات پکی ہو جاتی تو تم رقم دے کر مجھ سے پتہ دریافت کر لیتے۔ مجھے یہاں بلوا کر تم نے اپنا سودا خود خراب کیا ہے۔ اسرائیلیوں کو اپنا کھویا ہوا چاٹنے کا موقع مل گیا۔ اب بولی ان کے اور تمہارے درمیان ہے وہ دو لاکھ ڈالر کی پیشکش کر چکے ہیں۔"

وہ اپنی سرد اور سپاٹ نگاہوں سے یوسف کو گھورنے لگا۔ صورت حال سے یکسر لاتعلق ہو کر چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اسے چھوڑو۔" میں نے سلوف کو مخاطب کیا۔ "اگر تم رقم دے دیتے تو قصہ ختم ہو جاتا۔ یہ میرے پاس خالی ہاتھ لوٹا تو اس سے پہلے ایک اسرائیلی مرکاڈو مجھ سے رابطہ قائم کر کے پیشکش دے چکا تھا۔"

وہ چند ثانیوں تک خاموش رہا پھر مسکراتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ "دو لاکھ منظور، مگر دو لاکھ کی وہ رقم بھی فوراً ہی لے لو۔ کہیں اسرائیلی تمہاری حیثیت کے ذریعے اپنی بولی ڈھائی لاکھ تک نہ لے جائیں۔"

یہ کہتا ہوا وہ تیزی سے اندر روپوش ہو گیا۔

مگر اس کی آخری مسکراہٹ میرے ذہن کا کانٹا بن گئی۔ عجیب ہلاکت آفریں سی مسکراہٹ تھی وہ۔ مجھے شبہ سا ہونے لگا کہ رقم کے بہانے کہیں وہ ہمیں ٹھکانے لگانے کا بندوبست کرنے گیا ہو۔

"تم غیر ضروری طور پر اسے مشتعل کر رہے ہو۔" موقع ملتے ہی یوسف نے ہذیانی انداز میں سرگوشی کی۔ "میں بمشکل خاموش رہ سکا۔ میرے بدن میں کروڑوں چیونٹیاں رینگ رہی ہیں۔ بات طول دینے کے بجائے جلد از جلد یہاں سے نکلنے کی فکر کرو۔"

میں خاموشی سے اس سادہ لوح جانباز کا چہرہ تکتا رہا۔ کیا بتاتا کہ جب دولت بھی حرص کے زیر اثر آ جاتا ہے تو آدمی کے پانچوں حواس بے اثر ہو جاتے ہیں۔

تقریباً آٹھ دس منٹ بعد آنڈرے سلوف واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا ایک زپی بریف کیس جھول رہا تھا جو اس نے میرے سامنے میز پر رکھ دیا۔

"چھوٹے اور بڑے نوٹوں کی شکل میں دو لاکھ ڈالر ہیں، چاہو تو بات آگے بڑھانے سے پہلے گن لو۔"

میں نے بریف کیس کھول کر چند گڈیوں کو اوپر نیچے کیا۔ اندازہ لگایا کہ وہ رقم پوری ہی تھی پھر بریف کیس بند کر کے...

"بولو،" میری خاموشی اس وقت ٹوٹی جب سلوف کے لہجے...

آپ بوڑھی تھی۔ لہٰذا اس کے رکنے پر میں نے اسے اس عمارت کے کا بنا ہوا وسیع سے کمرہ تہ خانے میں اترنے کے راستے کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔

وہ میرا ایک ایک لفظ پوری توجہ اور انہماک سے سن رہا تھا بلکہ میرا تو خیال تھا کہ وہ اپنے کوٹ میں کہیں چھپے ہوئے کسی حساس ٹیپ ریکارڈر پر میری بتائی ہوئی تفصیلات ٹیپ بھی کرتا جا رہا تھا تاکہ بعد میں کسی ابہام کا خدشہ باقی نہ رہے۔ اور میں اپنے حافظے کے مطابق تجربہ گاہ کی تفصیلات سے لے کر اس کے خوفناک حفاظتی نظام تک ساری جزئیات پوری تفصیل سے بیان کر رہا تھا کیونکہ کسی بھی سہو کی ذرا سی چوک ایک وسیع انسانی آبادی کی ہلاکت خیز بربادی کا سبب بن سکتی تھی۔

میرے خاموش ہونے پر آنڈرے سلوف نے چند سوالات کیے جن کے جواب میں نے حتی الامکان ایمانداری سے دیے۔

یہ موضوع ختم ہونے پر اس نے دونوں ہاتھ بغلوں میں دبائے اور بغور میری طرف دیکھنے لگا جیسے کوئی نیا موضوع چھیڑنے کے لیے الفاظ کا انتخاب کر رہا ہو۔

"ہر شخص..." آخرکار اس نے بات شروع کر ہی دی۔ "کسی مقصد کے لیے زندگی گزارتا ہے اور جب وہ مقصد حاصل ہو جائے تو اس کی زندگی بے کیف ہو جاتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسرائیلیوں سے تمہارے تصادم کا سبب کچھ بھی رہا ہو انہیں نیچا دکھانا تمہارا بڑا مقصد تھا۔ تجربہ گاہ کے دو لاکھ ڈالر کی سودا بولی پر تم نے یہ سودا مجھ سے کیا، اور اپنا یہ مقصد حاصل کر لیا... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن اس تمہید کا سبب کیا ہے؟"

"انسان ایک مقصد کے لیے زندہ رہتا ہے، جب مقصد ختم ہو جائے تو زندگی کا کیا فائدہ خصوصاً اس صورت میں جب اس کو لطف کرنے کوئی اور مقصد نہ ہو اور تمہارا بڑا مقصد حاصل ہو چکا ہو۔" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے کیا بتانا چاہتے ہو؟" میرے لہجے میں تلخی عود کر آئی۔

"زندگی کے چند سچے اور ناگزیر اصول۔"

"بیوی، بچے، گھر بار۔ تمہارے نزدیک ان کا شمار کس مقصد میں نہیں ہوتا؟ اگر انسان ان کے لیے زندہ رہا جائے؟" میں نے یہ جواب دیا کہ شاید وہ مجھے اپنے عہدے کی قلعے سے بلا کر دینا چاہ رہا تھا اس لیے میں نے صرف مادی رشتوں کے نام لیے کسی جذباتی بندھن کا ذکر نہیں کیا۔

"یہ سب جذباتی رشتے ہیں۔" وہ اسی لہجے میں بولا۔ "رشتے ستاروں اور درختوں کی طرح ہیں جیسے لمبی راہوں کا مسافر پیڑ کے سائے میں سستا لیتا ہے اسی طرح جہاں چند راتیں بسر کر لو وہ گھر بن جاتا ہے۔

جس عورت کے ساتھ زندگی قربت میسر آ جائے اسے بیوی، محبوبہ یا داشتہ بنا لیا جاتا ہے اور بچے بھی کوئی انوکھی جنس نہیں، انسان سے ہر چیز بدلتی رہتی ہے اور بدلی جا سکتی ہے سوائے مقصد کے۔ اور مقصد کسی سرزمین یا تنظیم سے وابستہ ہوتا ہے۔ لہٰذا۔" وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا پھر اپنی لہجے سے الجھ گیا۔ "لہٰذا تمہاری زندگی اب بے مقصد ہے بلکہ اس کے خاتمے سے مجھے اور میرے مقاصد کو تقویت ملے گی۔ یا پھر کوئی ایسا راز دان نہیں بچے گا جس سے مجھے خوف ہو..."

"تم کیا بک رہے ہو سلوف!" یوسف غصے سے بپھر گیا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ رقم کے بارے میں تمہاری نیت میں فتور آ گیا ہے۔"

وہ ایک بار پھر اپنے خون آشام انداز میں مسکرایا۔ "یہ سودا میری حکومت سے ہوا ہے اور میں اس رقم کا امین ہوں۔ تم مجھے اپنے ورثا کے نام پتے بتا دو۔ تمہاری ہدایت کے مطابق اس رقم کا ایک ایک پیسہ گمنام طریقے سے انہیں پہنچا دیا جائے گا۔ جب انہیں زندگی کی آسائشیں خریدنے کی قوت مل جائے گی تو وہ تمہیں، تمہارے سائے کو بھول کر کسی نئے اور گھنیرے سائے کی تلاش میں آگے بڑھ جائیں گے۔"

"تم بہت خوش فہم ہو آنڈرے سلوف!" میں نے اپنے وجود میں سرایت کرتے ہوئے خوف کو برداشت کرتے ہوئے کہا۔ "تم نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ اس تمام راز دنیا کے صرف دو ہی گواہ ہیں؟"

وہ بہت تیزی سے میری طرف پلٹا۔ "کیا مطلب؟"

"جو لوگ گروہ بندی زندگی گزارتے ہیں وہ اپنی حفاظت کا بندوبست پہلے کرتے ہیں اور مر جائیں تو انتقام کی بنیاد ڈال کر جاتے ہیں۔"

وہ ہنسا۔ "قلا بازی! یہ نہیں چل سکے گی۔ تھوڑی دیر پہلے تم باتوں ہی باتوں میں اعتراف کر چکے ہو کہ تجربہ گاہ کے راز سے صرف تم دونوں واقف ہو۔"

"ہم ہتھیار چھن جانے کے بعد تمہارے جیسے لوگوں کے بس میں اختیار کے باوجود شروع ہی سے بہروپیے بنے ہوئے ہیں۔ تم نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ اس تجربہ گاہ کے بارے میں خونخوار لڑاکوں کا وہ پورا گروہ جانتا ہے جس نے میری مدد کی تھی، جنہوں نے اسرائیلیوں کو اپنے زخم چاٹنے پر مجبور کر دیا اور یہاں بھی ہم دونوں خاموشی سے نہیں آئے ہیں۔"

چند ثانیوں تک وہ خاموش رہا اور ہم دونوں لڑاکا مقابلوں کی طرح آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔

"بالفرض کوئی جانتا بھی ہے۔" آخرکار اس نے سخت اور سرد لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "تم یہاں مجھ سے ملنے آئے ہو تو وہ کبھی اسے ثابت نہ کر سکے گا۔ تھوڑی دیر بعد یہ عمارت ویران اور غیر آباد ہو گی، کوئی

یہاں آ پاؤ تو اسے صرف دو لاشیں ملیں گی۔"

"کوشش کر دیکھو۔" میں نے حوصلے سے کام لے کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں اندر موجود ہوں اور میرے کرچیاں شار اس عمارت کے گرد پھیلے ہوئے ہیں... وہ ایک مقررہ وقت تک میری صحیح سلامت واپسی کا انتظار کریں گے پھر موت کے بگولوں کی طرح اس عمارت اور اس کے مکینوں پر ٹوٹ پڑیں گے۔ ان کی راہ میں آنے والی ہر شے بے دردی سے برباد کر دی جائے گی۔ خواہ وہ تمہاری زندگی ہو یا تمہارے ہتھیار۔"

"تم جھوٹے ہو۔" وہ بے اختیاری سے بولا اس کے لہجے میں پہلی بار اعتماد کا فقدان محسوس ہوا تھا۔ "یہ سب من گھڑت باتیں ہیں۔"

"تلاشی کے وقت میری جیب سے ایک ٹرانسمیٹر بھی لیا گیا تھا۔ چند منٹ کے لیے وہ مجھے دو تو سب کچھ اپنے کانوں سے سن لو گے۔"

گو مجھے یقین تھا کہ اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے اور وہ چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد وہاں سے چلا گیا۔

اس بار ہم دونوں سے اس کی باقاعدہ تلاشی ہوئی تھی لہٰذا اس کے نکلتے ہی بغلی دروازے سے وہ دو محافظ سٹین گنیں سنبھالے کمرے میں گھس آئے جنھوں نے آدمیے سلوف سے ملاقات سے قبل ہمیں غیر مسلح کیا تھا۔

میں ان پر کوئی توجہ دیے بغیر بدستور سگریٹ نوشی میں مشغول رہا۔

چند منٹ بعد سلوف واپس آیا اور کمرے میں داخل ہوتے ہی پھٹ پڑا۔ "تم جھوٹے ہو تمہارے پیچھے صرف ایک کار تھی۔ جس میں صرف دو آدمی تھے اور وہ بہ آسانی پکڑے جا سکتے ہیں۔"

"اتنے ہی پُریقین ہو تو ہمیں مروا کیوں نہیں دیتے؟"

میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔ مگر یہ یاد رکھنا کہ پھر تجربہ گاہ کے نزدیک بھٹکنے والا چڑیا کا بچہ بھی زندہ نہ رہ سکے گا۔"

اس کے اوپری لب پر چمکتے ہوئے پسینے کے قطرے لمحہ بہ لمحہ موٹے ہوتے جا رہے تھے۔ "تم نے سب مشین گن والوں کو مخاطب کیا۔ ٹرانسمیٹر لاؤ اس کا۔"

ایک گارڈ دوڑ کر باہر گیا اور کچھ دیر بعد میرا ٹرانسمیٹر لیے آیا جو اس نے اپنے آقا کے حوالے کر دیا۔

"تم... تم کوئی پیغام دینے کی کوشش نہیں کرو گے۔" وہ غصے سے بولا مگر غضب کو آواز میں لاتے ہوئے بولا۔ "میں صرف یہ سننا چاہتا ہوں کہ باہر تمہارے کتنے آدمی ہیں۔"

"پیغام دینے کی ضرورت بھی نہیں۔ ہمارا سارا پروگرام طے ہے۔" میں نے اپنا اعتماد کسی حد تک بحال ہوتا ہوا محسوس کیا۔

اس نے مجھے گھورتے ہوئے ٹرانسمیٹر میری طرف بڑھا دیا۔ "صاف اور سیدھی زبان میں گفتگو کرو گے۔ کوئی کوڈ استعمال کرنے کی کوشش کی تو اسی وقت یہ سٹین گن کا آہنی دستہ چہرہ مسخ کر دے گا۔" اس کے پیچھے کھڑا ایک محافظ بھی مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر آ کھڑا ہوا۔

"ڈیزرٹ واریئرز کا ہنگ فار... بلو... اوور۔" میں نے بٹن دبا کر ٹھہری ہوئی آواز میں نہایت سنجیدگی سے کہا۔

"ڈیزرٹ واریئرز بیلو بیلو... اوور۔" مجھے فوراً ہی جواب ملا۔

"تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟ اوور۔" یہ سوال کرتے ہوئے میں نے اپنا دل حلق میں آتا ہوا محسوس کیا۔

"ایک نیپ بیٹیں میرے ساتھ ہے... اوور۔"

"میں کل نفری کے بارے میں پوچھ رہا ہوں، صرف تمہاری گاڑی کے بارے میں نہیں... اوور۔" میں نے چیختی ہوئی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اور وہ فوراً ہی میرا مدعا بھانپ گیا۔ "کم از کم بیس اور زیادہ سے زیادہ چوبیس نفری ہوں گے، جس وقت رابطہ قائم کیا گیا تھا تمام افراد اپنے ٹھکانوں پر تھے... اوور۔"

"سب لوگ کہاں ہیں؟ اوور۔"

"پوری عمارت گھیرے میں ہے۔ میرا اشارہ ملتے ہی آپریشن شروع ہو جائے گا... اوور۔" جنرل کا وہ آدمی بلا کا موقع شناس واقع ہوا تھا۔

"اپنے ٹھکانوں پر ڈٹے رہو۔" میں نے محض آدمیے سلوف پر اعصابی دباؤ بڑھانے کی نیت سے غیر ضروری طور پر اپنی بات واضح کرتے ہوئے کہا۔ پھر اوور اینڈ آل کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

آدمیے سلوف کی پیشانی عرق آلود ہو چکی تھی اور اس کی سرد آنکھوں میں تشویش کے سائے لرزاں دیکھے جا سکتے تھے۔

"اس سے فرق نہیں پڑے گا۔" وہ مٹھیاں بھینچتے ہوئے بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ تعداد میں اتنے ہی ہوں مگر یہ کہاں ثابت ہوا ہے کہ وہ تجربہ گاہ کے راز سے واقف ہیں۔"

"یہ سننا چاہتے ہو تو ایک کال اور کرنی ہو گی۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ گزرتے ہوئے ہر لمحے کے ساتھ میں خود کو بہتر پوزیشن میں محسوس کر رہا تھا۔

"کیسے؟" سلوف نے غیر ارادی طور پر بے مقصد سوال کیا۔

"اپنے ایک ہم ساتھی کو۔"

"یہ بھی سہی۔" اس نے کہا۔ مگر یہ شرط یاد رکھنا۔

اس سے بات کرتے ہوئے اس بار میرا ارادہ براہ راست میجر ابن بہادر سے گفتگو کرنے کا تھا اور مجھے امید تھی کہ شاید جنرل اس وقت تک بیدار ہو گا اور اس نے جیسے ہی بارہ نمبر کے درمیان ہونے والی گفتگو سن لی ہو گی۔ وہ ٹرانسمیٹر ایک ہی مخصوص فریکوئنسی پر کام کرتے تھے اور کسی ٹرانسمیٹر پر ہونے والی گفتگو بلا تخصیص اندازے جیسے دوسرے پر بھی سنی جا سکتی تھی، شرط صرف یہی تھی کہ اس وقت ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن ہو۔

جنرل کے لیے یہ بات بہت اہم تھی اور میں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ وہ سن رہا ہو گا۔ یہی صورت میں اس کا ٹرانسمیٹر آن رہنا بعید از امکان نہیں تھا۔

میں چند ثانیوں تک سوچتا رہا۔ میرا اور جنرل کا تعلق کبھی رہا نہیں تھا۔ انھیں ہی اپنا اعتماد دے کر واروں کی حفاظت کرنے والے ادارے سے پوشیدہ نہیں تھا جب جنرل نے خود اپنے دفتر میں انھیں مجھ سے متعارف کرایا تھا۔ میں درمیان میں گفتگو سے جانے کی پروا کیے بغیر جنرل سے بات کر سکتا تھا۔

"ڈیزرٹ واریئرز کالنگ فار حسین... اوور۔" مختصر توقف کے بعد میں نے دو فیصلہ کن قدم اٹھا ہی لیا۔

اس وقت میری جیب میں زہر میں بجھی سوئیاں پھینکنے والی ٹیبی موجود تھی اور ملاقات کے آغاز میں یہ موقع میسر تھا کہ میں زندگی کی بازی ہارنے سے پہلے ہی سلوف کو موت کی نیند سلا دیتا لیکن مجھے ابتدا ہی سے اندازہ تھا کہ سلوف کو ختم کرنے کے بعد وہ اس عمارت سے زندہ باہر نہیں نکل سکیں گے۔ اسی لیے میں نے ایسی حکمت عملی اختیار کی تھی کہ تصادم مول لیے بغیر اس کے ذہن پر اپنا رعب قائم کر سکوں تاکہ کسی ہنگامے کے بغیر وہاں سے واپسی عمل میں آ سکے۔

نازک حد تک یہ طریقہ کار بڑا آسان محسوس ہوا مگر اس پر عمل درآمد کرتے ہوئے مجھے دانتوں پسینہ آ گیا تھا اور ہر سانس کے ساتھ کسی بھی لمحے بازی ہاتھ سے نکلنے کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔

"رسیونگ... اوور۔" ٹرانسمیٹر پر جنرل کی مختصر ترین قال من کر میرا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا۔

"تجربہ گاہ کے بارے میں تم کیا جانتے ہو... اوور۔"

"کیا مطلب؟" اس کی آواز میں حیرت آمیز تجسس تھا۔

"مجھ پر بھروسا کرو۔ اس کا جواب دو۔" میں نے بہ مشکل اعصاب پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس وقت بہت کم ہے... اوور۔"

جنرل جیسے گھاگ آدمی کے لیے میرے وہ الفاظ ضرورت سے زیادہ واضح تھے۔ غالباً وہ سمجھ گیا تھا کہ میں کچھ لوگوں کے درمیان گھرا ہوا تھا جن کے سامنے میں خود کو حسین سے برتر ثابت کر کے اس کی زبان سے کچھ مخصوص باتیں سنوانا چاہتا تھا۔

"وہ موت کا ایک ہولناک منصوبہ ہے... اوور۔" حسین نے ایک گہری سانس لے کر کہنا شروع کیا۔ اس کی گفتگو طویل تھی، مگر اس نے اپنا پورا بیان ٹکڑوں میں بانٹ کر ہر مرحلے پر مجھے یہ موقع دیا کہ میں اسے ٹوکتے وقت یا روک دوں مگر جب آدمیے سلوف نے ہونٹ بھینچ کر پیشانی کو جھٹکتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا تو میں نے کال اوور ہوتے ہی سلسلہ منقطع کر دیا اور ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر کے اسے جیب میں ڈال لیا۔

سلوف نے میری اس حرکت پر اعتراض نہیں کیا۔

"جاؤ... چلے جاؤ۔" اس نے میرے سر پرست محافظ سے کہا اور وہ مرعت کے ساتھ اس کمرے سے باہر چلا گیا۔

"اب کیا کہتے ہو؟" کافی دیر بعد آدمیے سلوف نے دوبارہ یوسف کی آواز سنی اور چونک پڑا۔ اس وقت اس کے چہرے پر کسی ہارے ہوئے جواری جیسے تمام اثرات نمایاں تھے۔ وہ بار بار ہتھیلیوں سے اپنی پیشانی رگڑ رہا تھا۔ سرد اور سپاٹ آنکھوں کی بے رونقی میں حد تک بڑھ گئی تھی اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا۔

"تم جیت گئے۔" وہ صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر بولا۔ "زندگی اور اس کی مقصدیت کے بارے میں میری حکمت عملی ناکام ہو گئی۔"

"وقت کم رہ گیا ہے۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "اگر سات منٹ کے اندر اندر ہم باہر نہ نکلے تو یہاں بھونچال آ جائے گا۔"

"تم جاؤ۔" آدمیے سلوف اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے میں تھام کر اضطراری انداز میں صوفے سے اٹھ گیا۔ "رقم تمہاری ہے اور تجربہ گاہ میری۔"

میں نے کھڑے ہو کر اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ "اب یہ رقم ناکافی ہے۔ تمھیں اپنی حکمت عملی کی ناکامی کا تاوان بھی ادا کرنا ہو گا۔"

"یہ شرط وعدہ خلافی ہے۔"

"اور تمہارا رویہ۔" یوسف فیصلے انداز میں اس کے سامنے آ گیا۔ "آج تم نے دوستی کے لفظ کو رسوا کیا ہے سلوف۔ اگر یہ بیش بندی نہ کر لیتا تو اس وقت یہاں ہماری لاشیں پڑی ہوتیں۔ تم نے اس ذہنیت میں مجھے جو دھوکا دیا، اسے درست کر دیا ہے میں یہ معاملہ اپنی سپریم کونسل تک لے جاؤں گا۔"

"تکلیفیں بڑھاؤ گے؟" سلوف کا لہجہ یکایک سخت ہو گیا۔ "یہ یاد رکھو کہ تمھاری تنظیم ہماری فوجی اور اخلاقی امداد کی محتاج ہے، ہمیں تمھاری کوئی ناگزیر ضرورت نہیں... یوں سمجھو کہ تم لوگ عالمی پیمانے پر دہشت گرد تنظیم ہو اور تم سے ہمدردی کر کے ہم دوسری اقوامِ عالم کی نگاہوں میں ایک بدنما مقام بنا چکے ہیں۔ ہمارے لیے اس سے زیادہ تمھارا کوئی مصرف نہیں ہے۔"

"یہ بعد کی باتیں ہیں..." میں نے سلوف کو ٹوکا۔ "صرف چند منٹ رہ گئے ہیں اس رقم کو روکنا ہو گا، جائیے فوری طور پر۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔" وہ تیلا اٹھا۔ "یہ کھلی بلیک میلنگ ہے۔"

"جو لوگ شکست خوردہ دشمن کے نرغے پر خنجر کی نوک رکھ کر اپنی شرائط نہیں منواتے، وہ آخری دھچکے کے مستحق ہوتے ہیں۔" میں نے یہ کہہ کر وہ تمام ڈالر اور نوٹوں سے بھرا ہوا بریف کیس قالین سے اٹھا لیا۔ "یہ تمھاری حکمتِ عملی کی شکست کی قیمت ہے جو سمجھ لے جانا چاہیے ہیں اور اب تجربہ گاہ کی کھلی بولی ایک بار پھر تمھارے اور اسرائیل کے درمیان ہے۔"

"تمھارے سر پر خباثت سوار ہے۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے غرایا۔ "مجھے اندازہ نہیں۔ سمجھو ایسا ہو کہ کل ٹریفک کے کسی حادثے میں کوئی تیز رفتار کار یا ٹرک تمھیں کچلتے ہوئے کسی پلے کی طرح کسی سڑک پر کچل دے۔"

میں خوش دلی سے ہنسا۔ "شکریہ سلوف! اب میری حفاظت کا بندوبست بھی کر لینا، اگر تمھاری بدقسمتی سے اگلے چند روز میں میرے بدن پر کوئی ناگہانی خراش بھی آئی تو میرے آدمی بھوکے بھیڑیوں کی طرح تم پر ٹوٹ پڑیں گے۔"

اس نے بے اختیار دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں بھینچ لیں۔ "تم تو روئے زمین کی ارذل ترین مخلوق معلوم ہوتے ہو... میں تمھیں فوری طور پر صرف ایک لاکھ ڈالر دے سکتا ہوں۔ اس کے بعد تم مجھے اور تجربہ گاہ کو بھول جاؤ گے۔"

"باقی ایک لاکھ کب دو گے؟"

"یقین رکھو کہ کل تک۔" یکلخت اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔ "ورنہ تمھیں مارنے کے بعد پہلی گولی اپنی کنپٹی میں بھی مار لوں گا۔"

"صرف تین منٹ رہ گئے ہیں۔" یوسف نے ہمیں ٹوکا۔

"رقم لے آؤ ہم باہر جا رہے ہیں۔" میں نے سلوف سے کہا اور وہ تیز رفتاری کے ساتھ ایک مرتبہ پھر اندر روپوش ہو گیا۔

اس کی واپسی بہت جلدی ہوئی۔ اس بار وہ خاکی رنگ کا ایک تھیلا لایا تھا جو اس نے دوری سے میری طرف اچھال دیا۔ "اس میں پورے ایک لاکھ ہیں، جلدی باہر نکلو صرف ڈیڑھ منٹ باقی رہ گیا ہے۔"

"ہمارے رسول!" میں نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور آنند نے سلوف جیسا کہ آپ یاراں دیدہ و دلیر تا ہو نکلیں گے، میں جاگتا رہا اور تقریباً مختصر عرصے میں میرا کیمیادانی اور یوسف کا خوف بھی لے آیا۔

برآمدے میں ہمیں ایک ڈالر کی تھیلی برقم سمیت انہوں نے سلوف نے بذاتِ خود ہم دونوں کو رخصت کیا اور عمارت سے باہر آتے ہی یوسف نے کار کی رفتار بڑھا دی۔

"آج میری زندگی کی بدترین رات تھی۔" کچھ دیر گزرنے کے بعد یوسف نے گھرائی ہوئی خفت آمیز آواز میں سکوت توڑا۔

"بدترین نہیں بہترین کہو میرے دوست!" میں نے کہا۔

"کیوں؟" کار شاہراہ پر رواں دواں ہوتے ہوئے اندھیرے میں اس نے اپنا سر میری طرف گھمایا۔ شاید اسے شبہ ہوا تھا کہ میں اس پر طنز کر رہا تھا۔

"اس لیے کہ آج کی رات تم اعتماد، دوستی اور زندگی کے ایک مفہوم سے آشنا ہوئے ہو۔ یہ رات نہ آتی تو تم ایسی ہزاروں راتیں گزار دیتے اور کسی دوست کے ہاتھوں ڈس بھی لیے جاتے۔"

"آپ نے سلوف۔" وہ بے اختیاری کے انداز میں ہنستے ہوئے بڑبڑایا۔ "آپ نے آج میرے لیے زندگی کا بدترین باب کھول دیا، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اپنی سعادتوں کامیابی کی خاطر ایک بے وفا انسان کو مچھلی کی طرح داؤ پر لگا دے گا۔"

"واقعی بہت خود غرض انسان ہے وہ۔" میں نے اس کی تائید کی۔ "نہ جانے کیوں، اس کی جانب سے ابتدا ہی میں میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ خدا کی پناہ۔" وہ بڑبڑایا۔ "ابتدا میں تمھارا رویہ مجھے بہت محسوس ہوا تھا، اچھا ہی ہوا کہ تم مجھے نظرانداز کر کے اپنی چالیں آگے بڑھاتے چلے گئے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ اس وقت ہم دوگنی رقم کے ساتھ واپس جا رہے ہیں۔" میں نے آسودگی کے احساس کے ساتھ کہا۔ "شاید صبح میری روانگی کی نوبت بھی آ جائے۔"

وہ ایک دم چونک پڑا۔ "اوہ... یہ تو میں بھول ہی گیا تھا، اب تم سے ملاقات کی تو شاید نوبت ہی نہ آ سکے گی۔"

"ہاں!" میں نے آہستہ سے کہا۔ "تم مجھے فندق الذہبی کے دروازے پر اتار کر چلے جاؤ گے۔ تھوڑی دیر بعد میں جنرل کو بھی کامیابی کی خبر دوں گا۔"

"بہت عجیب ہے ہماری آخری ملاقات۔" اس نے عجیب سے انداز میں ایک ہاتھ سے میرا بازو دباتے ہوئے کہا۔ "کاش! مجھے پر تمھیں الوداع کہنے کا موقع مل سکتا۔"

"دشمن... اب تم مجھ سے دور ہو گے، ہم دونوں کی سلامتی اسی میں ہے بلکہ تم مجھ سے رخصت ہونے کے بعد اپنا حلیہ اب بھی تبدیل کر لینا۔ میں نہیں چاہتا کہ تم دوبارہ پہچانے جاؤ، میری بجائی پہ یا تو یہ دونوں افراد نے تمھیں بخوبی دیکھ لیا ہو گا۔"

"یہی کروں گا۔" وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر پوچھنے لگا۔ "اس رقم کے بارے میں تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"یہ تنظیم کی ملکیت ہے۔"

ڈیڑھ سے تین لاکھ ہونے کے بعد اس پر تمھارا بھی حق ہے۔" وہ دھیمی آواز میں بولا۔ "بہتر اور پرسکون مستقبل کے لیے اس رقم سے کچھ تم لے لو۔ اس دور میں پیسے کے بغیر انسان کے لیے مرنا بھی آسان نہیں رہا ہے۔ اس بارے میں تمھارے فیصلے نے مجھے خلش میں مبتلا کر دیا ہے۔"

میں ہنس پڑا۔ "تم حق کی بات کر رہے ہو، میرا تو خیال ہے کہ میں نے اس رقم پر ضرورت سے زیادہ اپنا حق سمجھ لیا ہے اور پوری رقم تنظیم کے حوالے کرنے کا فیصلہ صادر کر دیا ہے۔ دیکھا جائے تو اس کی آدھی رقم پر تمھارا حق ہے۔ اس رقم میں ہم دونوں برابر کے شریک تھے..."

"میرے لیے گالی ہے برادر!" وہ یک بیک جذباتی ہو گیا۔ "میرے باپ نے وطن میں اپنی زرخیز زمین اور دو مکانات بیچ کر سارا پیسہ تحریک کے لیے نذر کر دیا تھا اور آج میرا سب کچھ تنظیم کا ہے، میں بیت کا روز خون بہنے اور پیٹ پالنے کے بیچ بیٹھا ہوں۔ ہے تو یہی کافی ہے... یہ تین لاکھ تمھارے ہیں، ان پر میرا حق ہے نہ دعویٰ، تم مقصد پر تنظیم کو یہ فراخدلانہ عطیہ آج ہی کسی طرح بیروت روانہ کر دوں گا۔ البتہ مزید یاد دلا دوں کہ یہ رقم جنگی مقاصد کے لیے استعمال کی جائے یا بے گھر مہاجرین کی بہبود کے لیے۔"

"تنظیم کے لیے وہ جس طرح چاہیں اسے استعمال کریں۔ جنگی اور سماجی... دونوں محاذوں پر ہماری ضروریات بے حساب ہیں، ایک بیوہ کا سر ڈھانپنے کے لیے چادر یا دشمن کی گولی میں سے ایک کا انتخاب جانے ہیں، ہمیشہ ایک کڑا امتحان ہوتا ہے۔ انتہا پر ان دونوں مقاصد کے لیے عطیات علیحدہ وصول کیے جاتے ہیں۔ ایک بیوہ کا سر ڈھانپنا ضروری تھا، مگر اس کی گود بھی اتنی ہی ضروری تھی کیونکہ وہ نہ جانے کتنی سہاگنوں کو بیوگی کے عذاب سے بچا سکتی تھی۔"

"نصف نصف دونوں مقدوں میں دے دینا۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

پھر دیر تک خاموشی طاری رہی۔ پھر یوسف نے ہی سکوت توڑا۔ "آپ نے سوچنے کا وقت کیسے تجربہ گاہ پر کام شروع کر دیں گے وہ؟"

"ہو سکتا ہے کہ وہ اب تک وہاں جا پہنچے ہوں، سلوف وہاں کا سراغ معلوم کرنے کے لیے بے تاب تھا۔ میرا تو خیال ہے کہ پتہ بھیجنے کے بعد جب وہ اندر گیا تھا تو اس نے اپنے آدمیوں کو آگے بڑھنے اور کام شروع کرنے کا اشارہ دے دیا ہو گا۔"

"تم نے آنند سے سلوف کا اپنے ساتھ رویہ بھی دیکھ لیا اور پلٹتے ہوئے اس کی باتیں بھی سن لیں۔ میرا خیال ہے کہ پتہ بھیجنے کے بعد تمھیں جنرل حسین العمادی کے قبضے پر کوئی اعتراض نہیں رہا ہو گا۔"

"کیسا اعتراض؟"

"اس ملک میں تجربہ گاہ کو لے جانے والے بحری یا ہوائی جہاز کی سمت کی پیمائش سے باہر تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

وہ تلخ انداز میں ہنسا۔ "اب تو میں چاہوں گا کہ اس بدنصیب جہاز پر آنند کے سلوف بذاتِ خود موجود ہوتا کہ اس کہانی کا انجام مکمل ترین کہلا سکے۔"

راستے میں ہم دونوں دنیا جہان کی باتیں کرتے رہے۔ عربوں کے آدمیوں کی گاڑی حسبِ معمول ہمیں بھلے کافی فاصلے سے ہمارے پیچھے چلی آ رہی تھی۔ اچانک یوسف نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی اور پھر شاہراہ سے کار ایک گلی میں جا گھسی۔

اس کے بعد تو پھر تنگ و پیچ گلیوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" میں نے یوسف کو ٹوکا۔

"ظاہر ہے کہ تم جنرل کو یہی بتاؤ گے کہ ایک اسرائیلی ایجنٹ تمھیں اپنے دشمنوں کے پاس لے گیا تھا اور بعد میں وہیں ہوٹل چھوڑ گیا تھا۔ اب اگر اس اسرائیلی کو عقب نما آئینے میں ایک شکوک کا نظر آتی ہے تو اسے ڈاج دینا ضروری ہے۔"

"مگر اس اسرائیلی کو بیچ کر نہیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ میرے آدمی میری حفاظت پر مامور ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"خیر..." اس نے یہ کہہ کر برق رفتاری سے کار بائیں سڑک پر موڑ لی اور چند منٹ بعد ہم دوبارہ شاہراہ پر آئے تو تعاقب کرنے والی کار کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہم فندق الذہبی کے دروازے پر جا پہنچے۔ یوسف نے میری ہدایت پر احاطے میں لے جانے کے بجائے فٹ پاتھ کے کنارے پر ہی روک دی اور ایک پرجوش انداز میں مصافحہ کر کے نیچے اتر گیا۔

سورج طلوع ہونے میں ابھی کافی وقت تھا... مگر صبح کے ابتدائی آثار نمودار ہو چلے تھے۔ میں نے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو چار بجنے میں چند منٹ باقی تھے۔

اپنے کمرے میں پہنچنے کے بعد میں نے جیسے ہی ٹیلی فون

نکال کر ان کیا۔ اس بار بھی دھیمی سی آواز سنائی دینے لگی۔

"وہ تیسرے محافظوں میں سے ایک تھا اور اس وقت میری ہی تلاش میں تھا۔"

"تم کہاں ہو؟ ہم گلیوں میں پاگلوں کی طرح چکر لگاتے پھر رہے ہیں۔۔۔ اوور" میری طرف سے جواب ملتے ہی وہ پھٹ پڑا۔

"تمھاری کارکردگی انتہائی ناقص رہی ہے" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "جب میں کچھ دیر پہلے ہی تم سے بات کر چکا تھا تو تمہیں چھپنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اپنی موجودگی کا جتا کر بھی تعاقب کر سکتے تھے۔ بہرحال اب ہوٹل لوٹ آؤ۔۔۔ اوور"

"ہم آ رہے ہیں۔۔۔ بائیس آدمیوں والی بات نے کوئی گڑبڑ تو نہیں کی تھی؟۔۔۔ اوور" اس نے میری بات کاٹ کر لینا سے سوال کیا

"نہیں۔۔۔ تم نے بہت سمجھداری کا مظاہرہ کیا" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "اس وقت میں وہی جواب چاہتا تھا۔۔۔ جنرل سے تمھارے لیے انعام کی سفارش کروں گا۔۔۔ اوور اینڈ آل"

ٹرانسمیٹر آن تھا اور میں سگریٹ سلگا رہا تھا کہ اس سے پھر آواز ابھرنے لگی۔

"حسین کالنگ فارس۔۔۔ اوور"

میں جلدی سے ٹرانسمیٹر منہ کے قریب لے آیا۔ "صفدر ریسیونگ" میرا لہجہ سرزنش آمیز تھا۔ "مجھے افسوس ہے جنرل کہ تیرے پیچھے تم سے گستاخی کرنی پڑی، مگر میں مجبور ہو کر رہ گیا تھا۔۔۔ اوور"

"پرواہ مت کرو" جنرل کا لہجہ فراخدلانہ تھا۔ "میں نے تمھاری کسی سنگین مجبوری کا اندازہ محض اس بات سے کر لیا تھا کہ تم نے میرا نام لیا تھا۔۔۔ اس وقت میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔۔۔ اوور"

"ہاں۔۔۔ یہ ضروری ہے مگر ملنے کی صورت کیا ہو گی؟ اوور"

"تمھارے دونوں محافظ کہاں ہیں؟ اوور"

"شہر کے کسی حصے میں بھٹک رہے تھے، ابھی میں نے انھیں واپس ہوٹل بلایا ہے تھوڑی دیر میں پہنچنے ہی والے ہوں گے۔ اوور"

"پھر ان ہی کے ساتھ چلے آؤ۔ مگر ہوشیاری سے۔۔۔ اوور اینڈ آل" اس نے اپنی ہدایت پوری کر کے سلسلہ منقطع کر دیا۔

جنرل نے تو مجھے ملاقات کے لیے اپنے گھر بلایا تھا مگر میں ابھی دالسنت میں اپنا کام ختم کر چکا تھا اور میرے لیے فوری طور پر یہاں مزید رکنا بے سود تھا لہٰذا میں نے طائرانہ نگاہوں سے کمرے کا جائزہ لیا جہاں میرا کوئی سامان نہ ہونے کے برابر تھا۔ پھر لاپروایانہ انداز میں کمرے سے باہر آ کر روشن راہداری میں نکل گیا۔

نیچے استقبالیہ کاؤنٹر والی شوخ اور خود پسند لڑکی نے میں نے اپنی روانگی کا مدعا ظاہر کیا تو وہ چونک کر اشتیاق آمیز نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

ایک ایسا مسافر جس کی رات بھاگ دوڑ میں گزری ہو اگر صبح کے پانچ بجے ہوٹل کا کمرہ چھوڑ رہا تھا تو تعجب کے لیے الجھن کی بات تھی۔

اس نے مجھے چند منٹ بیٹھنے کا مشورہ دیا اور حساب بنانے کے بہانے کاؤنٹر کے عقب سے نکل کر ایک کمرے میں غائب ہو گئی۔

وہ واپس آئی تو اس کے چہرے پر سکون کی علامات نمایاں تھیں۔ اس نے اپنی اونچی کرسی سنبھال کر ہوٹل کا اقامتی رجسٹر کھولا اور میں اس کے سر پر پہنچ گیا۔

"حساب کتاب اس میں ہے تو تم کہاں گئی تھیں؟" میں نے مسکراتے ہوئے نرم لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"طعام خانے کا حساب بھی دیکھنا پڑتا ہے" وہ جلدی سے بولی مگر اس کا لہجہ جھوٹ کی غمازی کر رہا تھا۔ وہ یقیناً کسی کو کمرے کی دیکھ بھال کے لیے بھیج کر آئی تھی کہ میں کمرے میں کوئی بے ہوش یا مردہ شکار نہ چھوڑے جا رہا ہوں۔

میرے خیال کی تصدیق اس بات سے ہوتی کہ ایک ملازم کے آنے تک اس نے مجھے الجھائے رکھا۔ اور اس نے ملازم کی نگاہوں میں اشارہ کیا بتا دینے کے بعد پھرتی سے بل بنا کر میرے سامنے رکھ دیا۔

وہاں سے نکل کر میں باہر نکلا تو خوش قسمتی سے کوئی ٹیکسی ڈرائیور آرڈر نہیں ملا اور میں پارکنگ لاٹ کی طرف نکل گیا۔

وہاں وہ کار موجود تھی اور اس کے اسٹیئرنگ کے عقب میں ایک انسانی ہیولیٰ بظاہر اونگھتا ہوا نظر آ رہا تھا لیکن میں کار سے ابھی دور تھا کہ وہ دروازہ کھول کر پھرتی سے نیچے آ گیا۔

"کیا ہوا؟ یہاں کیوں چلے آئے؟" اس نے چند قدم آگے بڑھ کر ہیجان آمیز سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

"ڈرائیور کہاں ہے؟" میں نے سوال کیا اور مجھے فوراً ہی جواب مل گیا۔ دوسرا شخص عقبی نشست کا دروازہ کھول کر نیچے آ رہا تھا۔ شاید فرصت کو غنیمت جان کر وہ پچھلی نشست پر لیٹا ہوا آرام کرنے میں مصروف تھا۔

"یہاں کیوں آ گئے؟" پہلے نے میرے قریب آ کر جھلائے ہوئے لہجے میں اپنا سوال دہرایا۔

"ڈونٹ" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "ہمیں اسی وقت کہیں چلنا ہے۔"

کار کے قریب پہنچ کر میں ڈرائیور کے پہلو والی نشست پر بیٹھ گیا۔

"کہاں جانا ہے؟" کار کے رینگتے ہی پیچھے والے نے سوال کیا۔

"جنرل کے مکان پر" میں نے کہا۔

"ایسا نہ ہو کہ اس کا ساتھی تمھارے ساتھ ہمیں بھی گولی مار دے"

پیچھے والے نے کہا۔ "جنرل کے ساتھی اتنی آسانی سے نہیں ہے"

"میری اس سے بات ہو چکی ہے" میرے لہجے میں اطمینان کھنا ترودی تھا۔ "تم اپنی جگہ کی فکر نہ کرو"

بقیہ سفر خاموشی سے طے ہوا۔

ڈرائیو کرنے والے نے مجھے ٹیکسیس سمجھ کر کار جنرل کے مکان کے پھاٹک کی طرف موڑ دی اور پیچھے والا دروازہ کھول کر نیچے اترنے ہی والا تھا کہ پھاٹک کھول دیا گیا اور کار رینگتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔

مدھم روشنی میں برآمدے میں جنرل بذات خود موجود تھا۔ ان دونوں کو کوئی ہدایت دیے بغیر وہ مجھے اپنے ساتھ لیتا چلا گیا۔

مختصر سی مدت میں شاید تیسری بار میں اس کی اسٹڈی میں داخل ہوا تھا جہاں پہنچنے کے بعد اس نے دروازہ بند کر دیا۔

"اب تفصیل کے لیے جاؤ" وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا اس کی پیشانی اور چہرے کی ابھری ہوئی وریدیں اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ وہ شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھا اور اس رات ایک پل بھی نہ سو سکا تھا۔

"اسرائیلیوں کا ایک تربیتی محافظوں کو قتل نہ کر سکے کمرے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا" میں نے اپنی معروف کہانی ابھی دشمن شدہ وہ معلومات حاصل کرنے کے لیے مجھے ہوٹل کے عقبی راستے سے ہی نکل جانا چاہتا تھا مگر میں نے اسے اپنے محافظوں کے بارے میں بتا کر بغیر مجھے رستے سے پیچھے پر آمادہ کر لیا۔ وہ لوگ مجھے تجربہ گاہ تک لے گئے تھے۔ ملاقات میں اس نے قیمتی ادائیگی کا یقین دلانے کے بعد میں نے تجربہ گاہ کے بارے میں اپنی زبان بند رکھنے کا وعدہ کیا تو انھوں نے مجھے اسلحے کی زد پر لے لیا۔ ان کا خیال تھا کہ تجربہ گاہ کی کہانی میرے ساتھ ہی مٹی کے نیچے دفن ہو جائے گی۔ اس موقع پر مجھے ایک چال چلنی پڑی۔ یارہ نمبر بہت ہوشیار ثابت ہوا۔۔۔"

"ہاں ہاں۔ تمھاری اور اس کی گفتگو میں نے سنی تھی" جنرل نے بے تابی سے کہا۔

"اس کا ساتھیوں کی موجودگی سے وہ مشتعل ہو گئے مگر فوراً ہی ٹھنڈے ہو گئے تھے اور میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ انھیں یہ احساس دلا دوں کہ میرے علاوہ بھی کسی کو اس راز کا علم ہے اور میری موت کو وہ ذرا بھی چھپا نہ سکیں گے۔ میں نے صرف اتنا کہا کہ اگر میں صبح تک نہ پہنچا تو جنرل کو ان کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو جائے گا اور وہ تجربہ گاہ کا راز فاش

بنا دے گا۔ یہ حربہ کارگر رہا۔ وہ مجھے چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب فوری طور پر یہاں سے نکل جاؤں"

جنرل کا چہرہ دمک اٹھا۔ "تم واقعی ذہین انسان ہو۔ اس پورے معاملے میں تمھارا رول بہت خطرناک تھا مگر تم نے اپنی حاضر دماغی سے آخری لمحے تک فائدہ اٹھایا ہے۔ اب تم یہیں رک کر آرام کرو۔ روانگی سے پہلے میں تمھاری سفری دستاویزات کا بندوبست کرا دوں گا"

"سیتا کہاں ہے؟"

"سو رہی ہو گی" جنرل نے کہا "تم بھی کچھ دیر سو لو۔ صبح مل لینا اس سے"

"میں جاگ رہی ہوں" اسٹڈی روم میں ایک نسوانی سرگوشیانہ آواز گونجی اور ہم دونوں ہی حیرت سے اچھل پڑے۔

پھر میری نگاہ اسٹڈی روم کی ایک دیوار میں کافی بلندی پر بنے ہوئے روشندان پر پڑی جس کے پیچھے سیتا کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آ رہا تھا۔

"تم۔۔۔ وہاں!" جنرل اسے دیکھتے ہی ششدر رہ گیا۔ "خدا کی پناہ! اس سپاٹ دیوار پر روشندان تک کیسے پہنچی!"

سیتا کا چہرہ روشندان کی اوٹ سے غائب ہو گیا۔ فرش تک اس کے پنجوں کے بل کودنے کی ہلکی سی دھمک سنائی دی اور چند ثانیوں بعد ہی وہ اسٹڈی روم میں موجود تھی۔

"یہ کیا حرکت تھی؟" جنرل اسے دیکھتے ہی جھنجھلائے ہوئے لہجے میں برس پڑا۔ "بندر کی طرح وہاں کیوں چڑھی ہوئی تھیں۔ تمھیں تو اس وقت خوابگاہ میں ہونا چاہیے تھا"

سیتا کے چہرے پر سنجیدگی عود کر آئی۔ "میں نے ساری رات پلک بھی نہیں جھپکائی ہے۔ تمھاری مضطربانہ حالت دیکھ کر میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ آج کی رات کچھ ہونے والا ہے۔ میں تو اپنی دانست میں تمھاری نگرانی کر رہی تھی"

"کیسی نگرانی؟ کس سے خطرہ تھا مجھے؟" جنرل نے چڑچڑے لہجے میں سوال کیا۔

"بس قیاس تھا میرا" سیتا خفت آمیز لہجے میں بولی۔

"لعنت ہے تمھارے قیاس پر" جنرل بڑبڑا کر غرایا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا مگر جاتے جاتے پھر پلٹ پڑا۔

"میں کوتوال کو فون کرنے جا رہا ہوں" اس بار اس کا لہجہ معتدل تھا۔ "تم دونوں یا ہیڈ کوارٹر کے بیچ لٹا دو یا سونے کے بعد سو گئے اگر پھر کسی خلل کے بغیر نیند لے سکو"

اور وہ ہمارے جواب کا انتظار کیے بغیر وہاں سے نکل گیا۔

سیتا چند ثانیوں تک میری آنکھوں میں جھانکتی رہی پھر والہانہ

انداز میں میرے سینے سے لپٹ گئی اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مدتوں بعد میرا وجود ہواؤں سے بھی لطیف ہو کر بادلوں سے اوپر سکون اور آسودگی کی لازوال فضا میں تیر رہا ہو۔

سیتا مجھے کافی عرصے پہلے واپس مل چکی تھی لیکن مجھے ایک لمحے کے لیے بھی آزادی کی بے خوف زندگی میسر نہ آسکی تھی۔ یکجائی کے بعد بھی ہم دونوں کی زندگی کا ایک ایک لمحہ لامتناہی جدوجہد میں بسر ہو رہا تھا مگر اس روز پہلی بار دل نے پہلے مذہب، خوف اور آزاد انسان کی سی طمانیت محسوس کی تھی اور یہ لمحے مجھے جنرل حسین العماوی کی چھت کے نیچے میسر آئے تھے۔

سیتا میری بانہوں کے حصار میں تھی نہ جانے کتنی دیر سسکتی رہی ہم دونوں ایک دوسرے سے چمٹے تھے مگر بابا ایک دوسرے کو پا کر کھو چکے تھے اور یقین کرنا مشکل تھا کہ ہماری یہ یکجائی کتنی دیرپا ثابت ہو سکے گی۔

شاید یہی بے اعتباری اس وقت سیتا کو مجھ سے جدا نہیں ہونے دے رہی تھی مگر تا دیر کے باہر سے آہٹ سنائی دی اور ہم مدہوشی کے ان رنگین لمحات کو طول نہ دے سکے۔

آنے والا جنرل بذات خود تھا۔ اس کے پیچھے شہری لباس میں ایک مقامی نوجوان موجود تھا جس کے گلے سے کیمرہ جھول رہا تھا۔

"مناسب پس منظر کے ساتھ ان دونوں کی تصویریں لے لو۔" جنرل نے سنگار کا ایک گوشہ لے کر فوٹوگرافر سے کہا اور وہ کمرے میں کوئی مناسب گوشہ تلاش کرنے لگا۔

ایک پردے کے سامنے ہم دونوں کی علیحدہ علیحدہ تصاویر لینے کے بعد فوٹوگرافر ادب سے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

"پہلے جاؤ گے یا باہر تک رہنمائی کروں؟" جنرل نے اس سے سوال کیا۔

"نن... نہیں میں چلا جاؤں گا۔" اس نے جلدی سے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

"جاؤ۔" اس بار جنرل ہم دونوں سے مخاطب ہوا۔ "خواب گاہ میں آرام کرو۔"

سیتا سر جھکا کر باہر نکل گئی اور میں اس کے پیچھے ہو لیا۔

ہماری رات کی ابتدا اس وقت ہوئی جب باہر شاید صبح طلوع ہو چکا تھا مگر کھڑکیوں پر پڑے ہوئے دبیز پردوں نے روشنی کی ایک کرن تک کمرے میں نہ آنے دی تھی۔

نہ جانے میں کتنی دیر گہری نیند سوتا رہا اور عجیب عجیب خواب دیکھتا رہا۔ آنکھ کھلی تو سیتا بستر پر موجود نہیں تھی۔

میں غسل خانے میں نیم گرم پانی کے شاور میں دیر تک نہاتا رہا اور جب بدن خشک کر کے باہر نکلا تو جنرل اپنی مکمل وردی میں خواب گاہ میں موجود تھا۔

وہ لمحہ بھر میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے تیور دیکھ کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔

"رات ایک بار آج صبح تجربہ گاہ کے بارے میں پوچھا گیا کس سے پوچھتے تھے؟" اس نے چند ثانیوں کے بعد گہری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ "ہم... میں کچھ نہیں..."

"کون لوگ تھے وہ؟" جنرل نے اپنے سوال کی وضاحت کی۔

"اسرائیلی۔" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ جواب دیا۔

"ہوں۔" اس نے عمومی طور پر سگار کی راکھ جھاڑی۔ "یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتے ہو؟"

"ظاہر ہے۔" میں نے بلاتوقف جواب دیا۔ "مجھی اور ذہنی طور پر خود کو کسی بدترین سانحے کے لیے تیار کر لیا۔"

جنرل کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے میری دوہری شخصیت کے بارے میں کہیں سے سن گن مل چکی تھی۔

"مگر کس بنا پر؟"

"ان میں دو چہرے میرے شناسا تھے۔" میں نے بظاہر اپنے اعتماد سے کہا۔ "اسی بنا پر میں ان سب کو اسرائیلی سمجھا تھا۔"

"سو وہ ان ہی دونوں نے طے کیا تھا۔"

"پوری عمارت میں وہی سب سے برتر نظر آ رہے تھے۔"

"ذرا بہ غور سا بتاؤ۔" وہ قدرے آگے جھک گیا۔ "ان میں کوئی روسی نژاد شخص تو نہیں تھا؟"

میری نگاہوں کے سامنے یکایک تاریک دھبے سے ناچنے لگے۔ بے اختیار جی میں آئی کہ جنرل کو دھکا دے کر وہاں سے بھاگ نکلوں مگر میں ایسا نہ کر سکا۔

"نہیں۔" مجھے اپنی آواز کمزور محسوس ہوئی۔

"اتنا فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھا اور قریب آ کر میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "مختلف خفیہ ٹھکانوں سے میرے آدمی دن رات اس عمارت کی نگرانی کر رہے تھے۔ آج صبح سویرے دو روسیوں کے نئے چہروں کو تجربہ گاہ والی عمارت میں داخل ہوتے دیکھا گیا ان میں ایک روسی نژاد بھی تھے۔"

"ہو سکتا ہے کہ روسی یہودی ہوں اور اب اسرائیلی شہریت کے حامل ہوں۔" میں نے ذہنی مدافعت کی دلیل پیش کی۔

"خیر... وہ روسی ہوں یا اسرائیلی۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "تجربہ گاہ کے عذاب سے چھٹکارا چاہتے ہیں ملے کوئی بھی تھے انجام وہی ہو گا جو مجھے نے سوچ رکھا ہے۔"

"یعنی مستقبل کے دوران مکمل تباہی؟" میں نے سوال کیا۔

"ظاہر ہے گوہ موہ! ابھی نگرانی جاری ہے ایک آدھ روز میں یقینی طور پر معلوم ہو جائے گا کہ اس سودے کی پشت پر کون لوگ تھے اور اگر وہ روسی ہوتے تو؟"

"یہ بہت بڑی حماقت ہو گی۔" وہ گمبیر لہجے میں بولا۔ "مختصر ذرائع سے اگر وہ روسیوں کے مفادات کا اس حد تک تحفظ کر رہے ہیں تو آگے کیا باقی رہ جاتا ہے... خیر تمہارے لیے یہ باتیں شاید نا پائیدار ہوں، تمہارے لیے خوش خبری یہ ہے کہ تمہارے سارے کاغذات تیار ہو گئے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے خاکی رنگ کا ایک وزنی لفافہ میری گود میں اچھال دیا۔

اس میں میرا اور سیتا کا قیمتی پاسپورٹ بڑی مالیت کے ڈالروں، چیکوں کی ایک گڈی اور صنعا سے جدہ تک کے دو ٹکٹ موجود تھے۔

میں ایک چونک ہو گئی۔ "میں پاسپورٹ کے مندرجات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔"

"وہ کیا؟"

"میرا نام صفدر علی کے بجائے کوئی اور نام ہوتا تو بہتر رہتا۔"

"جو شخص تمہارے پیچھے کو بھی معلوم نہیں ہو سکے گا کہ تم یمن سے باہر نکلے ہو۔" وہ میرا شانہ دبا کر بولا۔ "تم پر کوئی آنچ نہیں آنے دی گی۔"

"روانگی کا کیا بندوبست ہو گا؟"

"طیارہ شام کے سات بجے پرواز کرے گا۔ تم کو یہاں سے ساڑھے چھ بجے ایک آدھی گاڑی لے جائے گی اور رن وے پر طیارے سے تمہیں اتار دے گی۔"

بے اختیار میرا دل بھاری ہو گیا۔ جنرل حسین العماوی واقعی ایک عظیم انسان تھا۔

آدمی بہت کھاگ تھا۔ پہلی ہی نگاہ میں میری جذباتی کیفیت کو بھانپ گیا اور ہنستے ہوئے وہاں سے اٹھ گیا۔

"ناشتہ تم نے سو کر گنوا دیا۔ آؤ کھانے کی میز تیار ہو گئی۔"

میں اس کے پیچھے طعام گاہ میں داخل ہوا تو چونک پڑا وہاں چار خواتین موجود تھیں ان میں سے ایک تو ظاہر ہے معلوم ہو رہی تھی دوسری تمہاری سیتا۔

"یہ میری بیوی خارجہ اور یہ میری بیٹی صالحہ ہے۔" جنرل نے تعارف کرایا تھا۔ "دونوں نے دل و جان سے تمہاری بیوی کی خاطر مدارات کی۔"

"خوش نصیبی ہے میری۔" کافی عرصے کے بعد مجھے گفتگو میں تکلف کرنا پڑا تھا میں ان کے خلوص و ایثار کا جواب لفظوں کی شکل میں دینے کے بجائے کے بجائے لطافت کا کام آتی ہے۔

خارجہ جنرل کے ہم وزن قامت اور تیکھے نقوش کی مالک تھی۔ اس کی عمر کسی طرح بھی چالیس برس سے کم نہیں ہو گی مگر اپنے چہرے اور اس پر سجی ہوئی معصومانہ مسکراہٹ کے باعث اسے ستائیس اٹھائیس برس کی بھی سمجھا جا سکتا تھا۔

بیٹی اپنی ماں سے کہیں زیادہ معصوم اور خوبصورت تھی۔

میری نگاہوں میں یک بیک اپنا تابناک مستقبل گھوم گیا۔ اپنا گھر اور اپنی کائنات جس کا تصور ہی انسان کے رگ و ریشہ میں زندگی بنے اور کچھ کر گزرنے کی امنگ پیدا کر دیتا ہے۔

میز پر کھانوں کی اقسام محدود مگر لذیذ تھیں۔

مجھے خارجہ سے یہ سن کر حیرت ہوئی کہ میری کو ہر بی کی خوشی میں لذیذ بھی سیتا نے اپنے ہاتھوں سے تیار کیا تھا۔

"یہ کب سیکھ لیا تم نے؟" خارجہ کے انکشاف پر میں نے سیتا سے سوال کیا۔

"بہت کچھ سیکھ چکی ہے۔" جنرل نے قہقہہ مار کر کہا۔ "بھول جاؤ کہ یہ وہی جنگلی لڑکی ہے جو برسوں پہلے تم سے بچھڑ گئی تھی۔"

اور سیتا خاموش رہی۔

یمن کی سرزمین پر جنرل حسین العماوی کے گھر گزارا ہوا وہ وقت میری زندگی کی حسین یادوں میں ایک ناقابل فراموش اثاثہ ہے جنرل کھانے سے فارغ ہو کر دفتر چلا گیا مگر خارجہ اور صالحہ ہمارے ساتھ رہیں۔ باہمی خلوص اور احترام کی مقدس سی فضا میں شائستہ مذاق بھی ہوا اور جذباتی باتیں بھی۔ ان دونوں کو جنرل نے میری اور سیتا کی روانگی کے بارے میں بتا دیا تھا اور وہ سیتا سے اصرار کر رہی تھیں کہ وہ اپنی روانگی چند روز کے لیے ملتوی کر دے۔

شام کو جنرل دفتر سے لوٹا تو ایک تھیلا اس کے ہمراہ تھا۔ اس نے آتے ہی تھیلا میرے حوالے کر دیا۔

"اندازے سے تم دونوں کی ناپ کے کپڑے لایا ہوں... یہاں سے تم مقامی لباس میں روانہ ہو تو بہتر رہے گا۔"

اس کی تجویز معقول تھی اور وقت کم رہ گیا تھا لہٰذا ہم دونوں لباس تبدیل کرنے چلے گئے۔

میرے لیے تو لباس کی تبدیلی اتنی دشوار نہیں تھی مگر لباس کے اوپر سے سیتا نے بھی نقاب سے چہرہ ڈھک کر سیتا العیب پہن لیا تھا۔

"شناخت سے بچنے کے علاوہ یہ مقامی عورتوں کی شناخت بھی ہے۔" جانے کے دوران سیتا کی پریشانی سے واقف ہونے کے بعد جنرل بولا۔ "صنعا اور جدہ تک اسے برداشت کر لو جب طیارہ بلند ہوتے ہی اسے چہرے سے ہٹا دینا۔"

"یہ جیسے زیادہ خوش قسمتی کر رہی ہیں۔" نادیہ کہہ کر کھڑی ہو گئیں۔

سوا چھ بجے مٹیالے رنگ کی چاروں طرف سے بند آہنی باڈی والی جیپ گاڑی جنرل کے مکان پر آ پہنچی۔

اس گاڑی کا کمانڈر ایک نوجوان میجر تھا جسے جنرل نے مجھ سے اور سینا سے متعارف کرایا اور چند منٹ بعد ہم دونوں پرجوش انداز میں ان لوگوں کو الوداع کہہ کر آرمرڈ کار میں سوار ہو گئے جو باہر سے بد وضع نظر آنے کے باوجود اندر سے بہت آرام دہ تھی۔

ڈرائیور سمیت اس گاڑی میں کل چھ نفوس تھے۔ جاتی ہوئی رات والی وہ کار تیزی کے ساتھ منزل کی جانب بڑھتی رہی اور پھر ایک چوکی پر ہماری شناخت کے بعد کار رن وے پر دوڑنے لگی۔ صنعا کا ائرپورٹ شاید وسیع رہا ہو مگر وہاں طیاروں کی تعداد بہت کم نظر آئی لیکن ہمارے لیے یہ کافی تھا کہ ہمیں لے جانے والا طیارہ رن وے پر موجود تھا۔

جنرل نے سارا بندوبست پیشگی کیا ہوا تھا کیونکہ آرمرڈ کار طیارے کی سیڑھیوں کے قریب رکی تو ایک امیگریشن افسر نے مشینی انداز میں مستعدی سے ہمارے پاسپورٹوں پر خروج کی مہر ثبت کی اور سیکیورٹی کے شخص نے ہنگوں سے کوپن الگ کیے اور ہم طیارے میں سوار ہو گئے۔

ہم دونوں دیگر مسافروں پر نگاہ ڈالے بغیر ان نشستوں پر جا بیٹھے جن کی نشاندہی اوپر نیچے میں امور عراق امریکن نے کی تھی۔

رسمی اعلانات کے بعد حفاظتی بند باندھے گئے جہاز کے انجن بجنے کے بعد بگڑے وشارت ہوئے اور وہ دیوہیکل آہنی پرندہ رن وے پر رینگنے لگا۔

معاً مجھے خیال آیا کہ مہلک کیمیاوی پستول بدستور میری تحویل میں تھا۔

میں روانگی تو جنرل کے خصوصی انتظامات کے تحت ہوئی تھی لہٰذا طیارے میں سوار ہونے سے قبل تلاشی کی نوبت ہی نہیں آئی لیکن جدہ پہنچنے پر وہاں کے کسی بائونڈ میں نصب کوئی خفیہ مشین اس کی نشاندہی کر سکتی تھی۔

جدہ ائرپورٹ میرے لیے اجنبی تھا مگر مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ خصوصی بندوبست کے بغیر ہتھیاروں کی نشاندہی اتنی سہل نہیں ہوتی۔ لیکن اس کے باوجود میں کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ہر قسمت میں ابھی آزادی کے سفر کی ابتدائی پرواز پر تھا اور اس وقت کوئی موہوم سا خطرہ بھی مول لینے کے لیے تیار نہ تھا۔ لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ اس مہیب پستول کو دوران پرواز ہی ٹھکانے لگا دوں تاکہ

بدترین صورت حال کے لیے زہریلے تیز دھار والی خنجر میری جیب میں موجود رہی تھی۔

طیارہ فضا میں بلند ہو چکا تھا حفاظتی بند کھولے جا چکے تھے اور فیملی کو نوٹس کرنے والے مسافروں نے لیڈی ہیلٹ فرسٹ کے منظر بنا رکھے تھیں جیسے ان کا آج کے لیے وہ نیک ساعت ہی ہو۔

نادن ابھی آنکھوں ڈالیں نے عربی میں پہلے کہا اور پھر نشست چھوڑ دی۔ میں ہاتھ روم کا ایک چکر لگا کر کیمیاوی پستول ٹھکانے لگانے کا موقع تلاش کر رہا تھا۔

اپنی نشست چھوڑ کر میں لفٹ ٹرین کی تنگ سی راہداری سے گزرا اور پھر ٹوائلٹ کا دروازہ کھول کر اندر گھسنا ہی چاہتا تھا کہ میرے قدم فرش پر گڑ کر رہ گئے۔

اوپر نیچے کی ہتھی نشستوں کے درمیان سے دو سرخ اور دہکتی نگاہیں پلک جھپکائے بغیر مجھے گھور رہی تھیں۔ بالکل کسی مردے کی پتھرائی ہوئی آنکھوں کی طرح۔

عقب سے کسی نے راستہ حاصل کرنے کے لیے نرمی سے میرے شانے کو چھوا اور میں بری طرح چونک پڑا۔

ایئرہوسٹس مسکراتی ہوئی میرے قریب سے گزر گئی۔

سرلاوہ تھا کہ تمام تر آنکھیں بدستور میرے چہرے پر مرکوز تھیں اور اس چہرے پر موجود پتلے پتلے ہونٹوں کے سروں پر موجود سا زہریلا خندہ ابھرنے لگا تھا۔

میں نے اپنے سر کو جھٹکا اور ٹوائلٹ میں گھس گیا۔

اندر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر میں نے سوچا کہ لباس کی تبدیلی سے میری ہیئت اتنی بدل چکی تھی کہ پہلی نظر میں مجھے بحیثیت صفدر پہچان لینا اگر دشوار نہیں ہوا تھا تو اس قدر سہل بھی نہیں رہا تھا۔

لیکن آندرے سلوف کی اس جہاز میں موجودگی اگر کسی منصوبے کے تحت تھی تو اسے جنرل کی تمام تر رازداری کے باوجود میری روانگی کا علم ہو گیا تھا جس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ آندرے سلوف کو شاید حکام سے میری اس بھگت کا بھی اندازہ ہو چکا تھا۔

اور اگر وہ اتفاقاً میرا شریک سفر تھا تو یہ کس قدر خوش گوار اتفاق تھا۔ میں نے اپنے دل کو سمجھانا چاہا کہ اس وقت شاید وہ مجھے نہیں دیکھ رہا تھا لیکن پھر وہ آخری لمحات پر ابھرنے والی زہریلی مسکراہٹ کا کیا جواز تھا۔

کسی نے بے تابی سے ٹوائلٹ کا دروازہ کھٹکھٹایا اور میری جھٹکی ہوئی ذہنی رو دوبارہ اپنے راستے پر آ گئی۔

میں نے جیب پر ہاتھ رکھ کر اپنا اطمینان کیا۔ مہلک پستول خاموشی سے وہاں موجود تھا۔ کیمیاوی پستول میری جیب میں موجود تھا۔

جدہ ابھی دور تھا۔ طیارہ آسمان کی بے کراں وسعتوں میں پرواز تھا اور آندرے سلوف مجھ سے چند گز کے فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا۔

میں نے فیصلہ کیا کہ آندرے سلوف کا معاملہ صاف ہونے تک کیمیاوی پستول اپنے قبضے میں رکھوں گا۔

ٹوائلٹ سے باہر نکلتے ہوئے میں نے ارادہ کیا تھا کہ آندرے سلوف کی طرف نہیں دیکھوں گا مگر اضطراری طور پر گردن اسی طرف گھوم ہی گئی۔

اس کی نگاہیں بدستور ٹوائلٹ کے دروازے پر مرکوز تھیں لباً معلوم ہوتا تھا جیسے اسی کیفیت میں اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہو۔

میں آہستگی سے چلتا ہوا اپنی نشست پر آ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے وجود میں ایک خلا پیدا ہو گیا ہو



میں اپنی نشست پر بیٹھا تو سیتا چونک پڑی۔

"کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان ہو۔" اس نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ جس قطار میں ہمیں بٹھایا گیا تھا اس میں دو نشستیں ایک دوسرے سے ملحق تھیں اور درمیان میں چھوٹی سی تنگ راہداری کے بعد چار نشستوں کی قطار تھی۔

"نہیں۔ کوئی بات نہیں۔" میں نے سرسری لہجے میں جواب دے کر اپنے لیے سگریٹ سلگائی اور اضطراری طور پر اس کے گہرے گہرے کش لینے لگا۔

اچانک عقب سے کئی ملی جلی تحیر آمیز آوازیں ابھریں اور میں فوراً اپنی نشست سے کھڑا ہو گیا تھا۔ آمنہ بے سلوف کا بدن پشت گاہ سے ڈھلک کر غیر فطری انداز میں داہنی طرف جھول رہا تھا۔ اور اس کے قریب جو ادھیڑ عمر مسافر بیٹھا تھا وہ اسے سہارا دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی اثنا میں فضائی کمپنی کی دو میزبان لڑکیاں بوکھلائی ہوئی وہاں پہنچ گئیں۔

"کیا بات ہے؟" سیتا نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"کوئی مسافر بیمار ہو گیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے میں بادل ناخواستہ اپنی جگہ بیٹھ گیا ورنہ میری خواہش تھی کہ قریب جا کر آمنہ بے سلوف کی بگڑی ہوئی حالت کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کروں۔

چند ثانیوں بعد جہاز کے ہینگنگ سسٹم پر کپتان کی آواز نے مسافروں کو متوجہ کر لیا وہ ایک مسافر کی اچانک علالت کا اعلان کر کے درخواست کر رہا تھا کہ مسافروں میں اگر کوئی ڈاکٹر موجود ہو تو بیمار کی دیکھ بھال میں عملے کی مدد کرے۔

کئی متجسس اور جوشیلے مسافر آمنہ بے سلوف کے گرد جمع ہو گئے تھے مگر عملے کی لڑکیوں نے انہیں نرمی سے اپنی نشستوں پر لوٹنے پر مجبور کر دیا۔

اسی اثنا میں ایک عمر رسیدہ ڈاکٹر وہاں پہنچ گیا اور محض چند ثانیوں کی جانچ پڑتال کے بعد اپنے فیصلے کا اعلان کر دیا۔ آمنہ بے سلوف کسی عارضے کے باعث اچانک حرکت قلب بند ہونے کے سبب انتقال کر چکا تھا۔

میرے دل سے بے اختیار ایک گہرا سانس آزاد ہو گیا۔

اس نے صبح سویرے ہی بد ترین تربیت کے تحت مجھ سے ایک زہر سودا کیا تھا وہ اس پرواز سے نہ جانے اپنے کس خطیر مشن پر جا رہا تھا کہ اجل کے بے رحم ہاتھوں نے اسے زندگی سے محروم کر دیا۔

میرا قیاس تھا کہ آخر کار وہاں کی تیاری گاہ پر مجھ سے ٹکراؤ میں آمنہ بے سلوف آخر کار مجھ سے اس قدر خائف ہو گیا تھا کہ طیارے پر میری صورت دیکھتے ہی اس پر دل کا دورہ پڑا اور وہ ختم ہو گیا۔

ہو سکتا ہے کہ وہ یہی سمجھا ہو کہ میں اس کی بد بختی کا انتقام لینے کے لیے اس کے تعاقب میں طیارے پر سوار ہوا تھا حالانکہ اس پرواز پر اس کی موجودگی کا انکشاف میرے لیے بھی شدید تشویش کا باعث ثابت ہوا تھا۔

طیارے میں دوران پرواز ایک مسافر کی ناگہانی موت نے پوری فضا کو بوجھل بنا کر رکھ دیا تھا۔ ہر چہرے پر بشاشت کی جگہ تشویش اور تفکر کی پرچھائیاں لرزاں تھیں۔

انجنوں کی مسلسل گونج میں وہ دیو پیکر طیارہ تیزی سے اپنی منزل کی طرف رواں تھا اور میں اپنے خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک ہینگنگ سسٹم پر کپتان کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

کپتان کے بیان کے مطابق اس وقت ہمارا طیارہ سعودی عرب کے پُر فضا پہاڑی شہر طائف پر سے گزر رہا تھا۔

میں بے اختیار کھڑکی سے نیچے دیکھنے لگا۔

گہری تاریکی کے ہولناک سمندر میں ہزاروں فٹ نیچے روشنی کے بے شمار ننھے ننھے نقطے ایک دوسرے سے گتھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

طائف کی ان فسوں خیز روشنیوں میں میرے ایک دوست کا بھی حصہ تھا جس سے ملے مجھے برسوں بیت چکے تھے مگر جدہ میں قیام کے دوران مجھے عظیم قریشی سے علم ہوا تھا کہ راتوں کو میرے ساتھ آوارہ گردی کرنے والا ہینڈسم شعیب جس رفعت کا متلاشی تھا وہ آخر کار اسے طائف کی ایک کمپنی کے ذریعے میسر آ گئی تھی۔

میں نے مدتوں اس کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ مگر پائلٹ کی زبان سے طائف کا نام سن کر یادوں کے سارے دریچے یک بیک وا ہو گئے اور دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش میں نے جنرل عماد الحسینی سے جدہ کے بجائے طائف تک پہنچانے کی بات کی ہوتی تاکہ اس یار وفادار سے تو مل لیتا جس کے ساتھ کبھی محض ایک تل کی وجہ سے سالم لڑکی کے قصیدے پڑھے جاتے تھے تو کبھی دراز گیسوؤں کی دید میں میلوں کا سفر طے ہو جاتا تھا۔ حسین اور اچھے چہروں کی پرستش میں کبھی وہ میرا رقیب ہوتا تھا اور کبھی میں اس کا۔ مگر وہ ان دنوں کی باتیں تھیں جب آتش جوان ہوا کرتا تھا۔

خیالات کا دھارا سست تھا اور جہاز کی رفتار تیز تر۔ بچھڑے ہوئے دوست کا شہر اور اس کی جھلملاتی ہوئی روشنیاں آشنا نامیں اندھیرے کے مہیب سمندر نے نگل لیں۔

اور پھر خیالات کا دھارا بھی بدل گیا۔

جن علاقوں میں وہ مجھ سے بہت دور بہت پیچھے تھے۔ اسی وقت سے ... جانے کتنا زیر عمل ہو چکا تھا۔ شعبان ایک بار

زندگی چھوڑ دے تو پھر محض ایک تماشا ہو کر رہ جاتا ہے۔ چند تنکے مل کر آشیانہ بناتا ہے پھر اس سے بہتر کی تلاش میں کسی اور سمت پرواز کر جاتا ہے۔ طائف بن عمادی کو زندگی بھر ہمیں اسی طرح اس کے لیے بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس کی پرواز ہر لمحہ خطرے سے محفوظ تر ٹھکانے کی طرف ہوتی ہے اور وہ نہ جانے اب کہاں تھا۔

"کیا سوچے جا رہے ہو؟" سیتا نے میرے پہلو میں ہولے سے کہنی مار کر سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ بڑا جہاز پر ایک مسافر کی موت واقع ہو چکی ہے۔" میں نے گمبھیر لہجے میں سیتا کو جتانے کی کوشش کی۔

"وہ تو میں بھی سن چکی ہوں۔" وہ قدرے جھنجھلاہٹ سے لہجے میں بولی۔ "تم کیوں اس کے سوگ میں مبتلا ہو رہے ہو؟"

"یہ باتیں جہاز سے اترنے کے بعد بھی ہو سکتی ہیں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا اور وہ منہ بنا کر اپنی نشست پر سیدھی بیٹھ گئی۔

اس کا ٹوکنا میرے لیے اس اعتبار سے بہتر رہا کہ میرا ذہن ماضی کی یادوں میں بھٹکنے کے بجائے تازہ ترین صورت حال کے تجزیے میں مصروف ہو گیا۔

آمنہ بے سلوف قدرت کی بے آواز لاٹھی کا شکار ہو چکا تھا اور اس کے مر جانے کے بعد طیارے میں میرے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا لہٰذا یہ ضروری ہو گیا تھا کہ میں فوری طور پر کیمیاوی پستول سے نجات حاصل کر لیتا۔

میں نے اپنی نشست چھوڑ دی اور دوبارہ ٹوائلٹ میں جا پہنچا۔ میں نے جیب سے وہ ہولناک ہتھیار نکال کر اس کا الوداعی جائزہ لیا اور پھر اسے استعمال شدہ اشیا کے ڈبے میں پھینکنے سے قبل ہی مجھے ایک چھوٹا سا خیال سوجھ گیا۔

اپنی مکمل حالت میں وہ ہتھیار تباہ کن تھا اور یہ امکان تھا کہ صفائی کے عملے کا کوئی رکن جہالت اور تجسس کے باعث خود بھی اس کا شکار ہو جاتا لہٰذا میں نے بہت احتیاط سے نیڈل والا ننھا سا آہنی سلنڈر پستول سے الگ کر کے جیب میں ڈال لیا کیونکہ اس پر کسی بھی طرح ہتھیار ہونے کا شک نہیں کیا جا سکتا تھا اور خالی پستول ڈبے میں ڈال کر اوپر سے خاصا بڑا کاغذ پھینک دیا اور ٹوائلٹ سے باہر آ گیا۔

"بار بار پیشاب کیوں آ رہا ہے؟" میرے بیٹھتے ہی سیتا شریر لہجے میں میرے کان کے پیچھے منمنائی۔

"آہستہ بولو، شوگر لگ رہی ہے۔" میں نے گھورتے ہوئے دھیمی آواز میں تحمل کا مظاہرہ کیا۔

"پھر تو تمہیں اندازہ تھا۔" وہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر کھلکھلا کر ہنس پڑی کیونکہ پیچھے میں اس کا پیٹ زور زور سے ہل رہا تھا۔

میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ بد ترین حالات میں بھی وہ اپنی زبان کو لگام دینا جانتی تھی۔

چند منٹ بعد اسکرین پر تمباکو نوشی کی ممانعت کی ہدایات روشن ہو گئیں۔ قدرے توقف کے بعد کپتان نے لینڈنگ کے بارے میں عربی، انگریزی اور فرنچ میں ہدایات جاری کیں اور طیارے میں چھایا ہوا جمود ٹوٹ گیا۔

کشش ثقل کے بدلتے ہوئے اثرات کے تحت پہلے طیارے کی سمتیں بدلنے کا احساس ہوا پھر طیارہ تیزی سے نیچے جانے لگا۔

جیٹ انجنوں کے بدلتے ہوئے تیز شور میں طیارے کے پہیوں نے خفیف سے جھٹکے سے رن وے کو چھوا اور پھر دوڑتے ہوئے طیارے کی رفتار سست ہونے لگی۔

جہاز کے پوری طرح رکنے سے قبل ہی بیشتر مسافر حفاظتی بیلٹ کھول کر راہداریوں میں دروازوں کے قریب جمع ہونے لگے تھے کہ ایک ائیر ہوسٹس کو مائیک سنبھالنا پڑا۔

وہ مسافروں سے اپنی نشستوں پر بیٹھے رہنے کی درخواست کر رہی تھی تاکہ متعلقہ سعودی حکام دوران پرواز مرنے والے کے بارے میں ضروری کارروائیاں پوری کر سکیں۔

کئی تند خو عرب مسافروں نے اس ہدایت پر خاصی بدکلامی کا مظاہرہ کیا مگر اپنے تنے ہوئے تیوروں کے باوجود اپنی جگہ بیٹھنا پڑا۔

طیارہ رکنے کے چند ثانیوں بعد اول درجے کے کیبن کا دروازہ کھلا اور تین عرب پولیس افسر دندناتے ہوئے طیارے میں گھس گئے۔ ان کے پیچھے آنے والے دو سپاہی دروازے پر ہی رک گئے۔

آمنہ بے سلوف کی لاش اس وقت بھی نشست پر موجود تھی۔ جس کی پشت گاہ کو پوری طرح پیچھے ڈھلکا دیا گیا تھا۔ اس کے برابر والی عورت کو ہمیں اور خالی جگہ دے دی گئی تھی تاکہ وہ لاش کی دہشت سے کسی حد تک محفوظ رہ سکے۔

سعودی پولیس افسران کا رویہ بہت باوقار تھا۔ پہلے انہوں نے آمنہ بے سلوف کی موت کی تصدیق کرنے والے ڈاکٹر سے کچھ بات کی، پھر متوفی کے برابر والی عورت کے پاس جا کر چند سوالات کیے اور تفتیش بالواسطہ ہمیں آ گئے۔

"ہم زحمت کے لیے معذرت خواہ ہیں۔" افسر ہم سے ایک بلند آواز میں بولا۔ "اگر کسی بھی مسافر کو متوفی کے بارے میں کوئی بات معلوم ہو تو وہ براہ کرم ہمیں بتا دے۔ ہم دو نوں ہیں۔ یہاں موجود ہیں اور اب مسافر اتر سکتے ہیں۔"

اس کا اعلان بڑی شرارت ہوا کیونکہ ہم سے پہلے آنے والوں

نے پولیس افسران پر کوئی توجہ نہیں دی تھی اور مجھے یقین تھا کہ بعد میں اترنے والے بھی آندرے سسلوف کے بارے میں سعودی پولیس کو کچھ نہ بتا سکیں گے۔

ایئرپورٹ پر رسمی کارروائیوں میں ہمیں بمشکل چند منٹ لگے اور ہم ایئرپورٹ کی وسیع و عریض عمارت سے باہر آ گئے۔

بحیرۂ احمر کے مشرقی ساحل پر صحرائے عرب کا وہ شہر جدت اور قدامت کا ایک عجیب امتزاج پیش کر رہا تھا۔ ٹیکسی میں ہوٹل کی طرف جاتے ہوئے بلند و بالا عمارتوں کی کثرت سعودی قوم کے اس عزم کا اظہار کر رہی تھی کہ وہ عسرت اور قدامت کی ہر نشانی کو خوش حالی اور ترقی میں بدل ڈالیں گے۔

ہوٹل میں ہمیں دو سنگل بستر والا کمرہ بآسانی مل گیا۔ میں نے وہیں ڈالرز کی ایک خاصی تعداد مخصوص ریال میں تبدیل کرالی تاکہ کسی مرحلے پر کوئی دشواری نہ ہو۔ لیکن کرنسی میں نے دیدہ و دانستہ تبدیل نہیں کرائی۔

پاسپورٹ میں میرا نام تو صفدر علی ہی مندرج تھا مگر سیتا کا نام قدامت پسند عربوں کی تقلید میں بیگم صفدر علی تھا۔

ہمارے پاس کوئی سامان نہیں تھا مگر کمرے تک رہنمائی کے لیے ہوٹل کا ایک ملازم دوسری منزل تک ہمارے ساتھ گیا اور کمرہ دکھا کر واپس لوٹ گیا۔

اس کے جانے کے بعد میں دروازہ بند کر کے پلٹا تو سیتا برقع اتار کر مسہری پر اچھال چکی تھی اور یوں گہرے گہرے سانس لے رہی تھی جیسے کسی قید سے نجات ملی ہو۔

"برقع اتنی بری چیز تو نہیں ہے!" میں نے طنزیہ لہجے میں اسے چھیڑا۔

"میں نے کب ایسا کہا؟ یہ تو بس عادت کی بات ہے۔" وہ بولی۔ "میں نے تو ان عربوں میں ایسی عورتیں بھی دیکھی ہیں جو مستقل برقع اوڑھنے کے باوجود اسے ایک غیر ضروری عذاب سمجھتی ہیں مگر پھر بھی اسے اوڑھے رہتی ہیں۔"

"بغاوت عورت کے خمیر میں ہے۔" میں نے اسے چھیڑا۔ "خواہ وہ ماحول سے ہو یا معاشرے سے اور جنت سے آدم کو نکلوانے والی بھی عورت ہی تھی۔"

"جنت اور جہنم کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم۔" وہ چڑ کر بولی۔ "بات صرف اتنی ہے کہ برقع اوڑھنے والیاں اپنے بال پسندیدہ انداز میں نہیں سنوار سکتیں۔"

میں جوتے اتار کر بستر پر دراز ہو گیا۔ "اب تمہارا پروگرام کیا ہوگا؟"

"جدے میں کیا خرابی ہے؟"

"پاکستان پہنچنے تک میں تمہیں بیگم کہہ کر پکاروں گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "پاسپورٹ پر تمہارا کوئی نام نہیں ہے لیکن کسی وقت مخاطب کرنے کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمارے اصلی ناموں کی بنا پر کسی کے ذہن میں ہماری شخصیت سے کوئی خیال آئے۔ اب ہمیں ماضی سے پیچھا چھڑا کر جلد از جلد نئی زندگی کا آغاز کر دینا چاہیے۔"

"نئی زندگی!" اس کی آنکھیں مسرت سے دمکنے لگیں۔ "میں تو مدت سے اس گھڑی کی منتظر ہوں۔ شاید اب وہ وقت بھی قریب آ گیا ہے۔"

"تھوڑا سا صبر کرنا ہوگا۔ یہاں سے ہم براہ راست پاکستان نہیں جائیں گے۔" میں نے اپنے موہوم اندیشوں کے پیش نظر کہا۔

"کیوں؟ اب کیا دشواری ہے وہاں جانے میں؟"

"محض احتیاط۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "جنرل کو علم ہے، یوسف جانتا ہے کہ ہم جدہ آئے ہیں... اگرچہ وہ دونوں کسی افتاد میں مبتلا ہو کر بات اگل دیں تو جدہ سے آگے ہماری منزل کا سراغ لگانا ناممکن نہیں ہوگا۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی کو بھی ہمارا سراغ مل سکے۔ ہمیں ماضی سے سارے رشتے توڑ کر آگے بڑھنا ہوگا۔"

"مگر جنرل اور یوسف کو یہ تو معلوم ہے کہ آخرکار تمہاری منزل پاکستان ہوگی۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔

"آخرکار۔" میں نے زور دے کر کہا۔ "کل، ایک ماہ بعد، ایک سال بعد یا دس سال بعد... میں کسی کو اس تعین کا موقع نہیں دوں گا۔"

"پھر ہم کہاں پڑے رہیں گے؟"

میں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ "یہ جہاں سے اپنا کافی رقم ہے۔ ہم تیزی سے اپنے بھیس بدلیں گے۔ ایک ملک سے دوسرے ملک جائیں گے اور پھر کسی مناسب موقع پر پاکستان کا رخ کریں گے۔"

وہ مطمئن ہو گئی اور دستی بیگ میں اپنے لیے کوئی آرام دہ لباس تلاش کرنے لگی۔

"اہم باتوں کو بھول کر فضولیات میں دماغ لڑانے میں تم خاصی ماہر ہو — دوسری عام عورتوں کی طرح۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

"کون سی اہم بات بھولی ہوں؟"

"جہاز میں ایک مسافر کی موت ہوئی تھی۔"

"روزانہ ہزاروں آدمی مرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ جہاز میں سفر کرتا ہوا مرا تھا۔ اس میں ایسی کیا بات تھی؟"

"شاید یہ میری زندگی کا ایک ناقابل یقین اتفاق تھا۔" میں نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے کہا۔ "وہ آندرے سسلوف تھا — وہی سفارت کار جس نے مجھے اور یوسف کو چوہے دان میں پھانس کر ختم کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔"

"وہی اسرائیلی جس سے تم نے تجربہ گاہ کا سودا کیا تھا؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"اسرائیلی نہیں وہ کسی اور ملک کا نمک خوار تھا۔"

"مگر جنرل سے تو تم اسرائیلیوں کی ہی بات کرتے رہے اور مجھے بھی یہی بتایا تھا۔" اس نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

"تم سے علیحدگی میں بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔" یہ کہہ کر میں نے اسے تجربہ گاہ کے سلسلے میں سامنے ہونے والے دلچسپ کھیل کی تفصیلات بتانی شروع کر دیں۔

سیتا خاموش ہوتے ہوئے بھی وہ حیرت زدہ ہو گئی۔ "تم نے بہت خطرناک جوا کھیلا تھا۔ جنرل کو ذرا بھی شبہ ہو جاتا تو ساری جانیں سلب کر کے ہم دونوں کو مروا ڈالتا۔"

"یہ بھی بڑا۔ اسرائیلیوں کو میں کہاں تلاش کرتا۔ آندرے سسلوف تو براہ راست یوسف کا تعلق تھا۔ جنرل یوسف کی مرضی سے تجربہ گاہ کی خفیہ منتقلی چاہتا تھا اور میں نے یہ بندوبست کرا دیا۔"

"لیکن جب وہ سارا سامان اسرائیل کے بجائے کسی اور ملک پہنچے گا تو کیا ہوگا؟" وہ اپنی حیرت پر قابو نہ پا سکی تھی۔

"سامان کہیں بھی نہیں پہنچ سکے گا۔ جنرل کے منصوبے کے اسی حصے نے مجھے جوا کھیلنے پر اکسایا تھا۔ سامان لے جانے والے جہازوں کو لبنان کی حدود سے باہر بحیرۂ روم میں جنگی طیارے تباہ کر دیں گے۔"

"اوہ خدایا!" وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر رہ گئی۔ "جنرل بڑے زور کا شکاری ہے لیکن ہر خطرے سے گریز کرنا چاہتا ہے۔ میری ذات کے لیے میں مسلسل یہ سوچ رہی تھی کہ تجربہ گاہ کا سازوسامان اسرائیل پہنچنا ہر اعتبار سے عربوں کو مہنگا پڑے گا مگر جنرل تو پہلے ہی اس کے بارے میں فیصلہ کر چکا ہے۔"

"وہ بہت مخلص اور نیک انسان ہے۔"

"معاوضے کی اس رقم کا کیا بنے گا جو تمہیں لندن میں ملنے والی تھی؟" ایک بار پھر وہ موضوع بدلنے کے بعد سیتا کا تجسس پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔

"وہ تو محض فوری ادائیگی کا ایک بہانہ تھا۔ رقم تو میں نے کل رات ہی مختلف بینکوں میں منتقل کر لی تھی۔"

"مگر وہ ہے کہاں؟ وہ رقم؟"

"آندرے سسلوف سے تین لاکھ ڈالر وصول کیے تھے جو میں نے تنظیم کے حق میں جمع کرانے کے لیے یوسف کو دے دیے تھے۔"

"پھر تو یہاں جدہ میں ٹھہرنا بھی خطرناک ہے۔" وہ بولی۔ "اس سے پہلے کہ جنرل کو کسی بات کا علم ہو ہمیں اس کی دسترس سے دور نکل جانا چاہیے۔"

"اب تقاضا ہے کہ... وہ بھی ذرا دور ہی... آ گئی ہے بہرحال ہمیں بھی

پروگرام ہے آج کی رات یہاں آرام کر کے کل روانہ ہو جانا ہے۔"

"مگر سسلوف کی بات تو ادھوری رہ گئی۔" اس نے مجھے ٹوکا۔

"یہ عجیب اتفاق تھا کہ وہ اسی جہاز پر سوار تھا۔ ٹوائلٹ میں جاتے ہوئے میں نے اسے دیکھا اور اس کی نگاہیں بھی میرے چہرے پر جم گئیں۔ وہ یقینی طور پر مجھے پہچان گیا تھا اور شاید میری موجودگی سے خوفزدہ بھی ہو گیا تھا۔ یہی خوف اور دہشت اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی۔ اگر وہ خود زندہ نہ رہتا تو میں نے اسے ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔"

طویل مدت کے بعد وہ پہلی رات تھی جو ہم نے بے فکری کے ساتھ گزاری۔ رات کے ان مسرور آگیں لمحات میں میں نے سیتا کو بالکل اسی مقام پر محسوس کیا جہاں وہ مجھ سے بچھڑنے سے قبل تھی۔

رات دھیمے دھیمے گزرتی رہی اور کسی لمحے مجھ پر نیند کا غلبہ ہو گیا۔ صبح آنکھ کھلی تو سیتا نہا دھو کر اپنے بال خشک کرنے میں مصروف تھی۔

"تھکان دور ہوئی؟" اس نے مجھے بیدار ہوتے دیکھ کر معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"بھوک اور بڑھ گئی ہے۔" میں نے انگڑائی لیتے ہوئے بستر چھوڑ دیا۔

لباس تبدیل کرنے کے بعد ہم نے اپنا مختصر سا اسباب بیگ میں سمیٹا اور کمرے سے باہر آ گئے۔

نیچے میں نے ہوٹل کاؤنٹر پر ادائیگی کرتے ہوئے بل تیار کرنے کی ہدایت کی اور ناشتے کے لیے چل دیا۔

وہاں مغربی طرز کا ناشتہ فراہم کیا گیا جو انداز کی حد تک مغربی تھا مگر مقدار میں عربی۔ کیونکہ میں نے عربوں کے درمیان طویل عرصہ گزار کر یہ اندازہ قائم کیا تھا کہ وہ بلا کے خوش خوراک ہوتے ہیں اور شاید اسی طرح شدید صحرائی موسموں کے خلاف جسمانی قوت مدافعت برقرار رکھتے ہیں۔

ناشتے کا بل ادا کر کے ہم کاؤنٹر پر واپس آئے اور تمام اخراجات کی ادائیگی کے بعد وہاں سے روانہ ہو گئے۔

پہلے میرا ارادہ شہر کی کسی ٹریول ایجنسی سے پروازوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا تھا مگر یہ میں نے ترک کر دیا۔

صنعا سے جدہ تک کے سفر کے لیے تو ایک ہی بیگ کافی تھا مگر طویل سفر کے لیے ہم اتنے تہی دست ہوتے تو کوئی بھی چونک سکتا تھا۔

ایک مختصر سا سوٹ کیس اور پہننے کے لیے کچھ ملبوسات ہمیں ایک ہی بازار سے مل گئے۔ جس دکان سے میں نے مزید

لیکن وہاں مدلا ہی عملاً عربی لباس میں نظر آ رہا تھا مگر ان کے خدو خال مقامیوں جیسے نہیں تھے اس کے باوجود دوکان میں ہمارا استقبال شستہ عربی میں کیا گیا۔

"پہیے ڈیولو مجھے بتانا سیاں لگتا ہے۔" سیلز مین پر اپنا رعب ظاہر کرتے ہوئے میں نے کیش رجسٹر پر موجود ادھیڑ عمر شخص کی آواز سنی اور چونک پڑا۔

وہ دکان کا مالک یا منیجر تھا اور اس نے پنجابی زبان میں اپنے عملے کو ہدایات دی تھیں۔

بے اختیار میرا جی چاہا کہ اس سے کچھ پنجابی میں گپ شپ کروں مگر اس وقت عرب بنا ہوا تھا لہٰذا گریز کرنا ہی مناسب سمجھا۔ سیتا برقعے میں میری پشت سے لگی کھڑی تھی اور میرا قیاس تھا کہ اتنی پنجابی اس کی فہم سے بالا تھی کیونکہ مشرقی پنجاب کے شہر لدھیانہ میں وہ اس زبان سے خاصی آشنا ہو چکی تھی۔

پھر مجھے جو قمیص پسند آئی میں نے براہ راست اس کے دام دو تہائی لگائے اور خاصی حیل و حجت کے بعد سودا ہو گیا۔

قمیصوں کی بجائے سوٹ کیس میں ڈالنے کے بعد میں نے کیش رجسٹر پر رقم کی ادائیگی کی تو ادھیڑ عمر شخص نے بقیہ رقم لوٹاتے ہوئے قمیص نکال کر خالص عربی لہجے میں شکریہ کہا۔

"آئندہ کا ہکوں کے ساتھ ایسا دھوکا نہ کھانا ورنہ اللہ بھی پکڑ سکتا ہے۔" میں نے سوٹ کیس اٹھانے کے بعد ٹھیٹ پنجابی لب و لہجے میں کہا اور اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔

بوکھلاہٹ اور حیرت کے عالم میں وہ کچھ بول نہ سکا میں رکے بغیر اس دوکان سے نکلتا چلا گیا ورنہ خفت مٹانے کے لیے وہ میری جان کو آ جاتا۔

سعودی عرب میں کسی پاکستانی کے بارے میں وہ میرا پہلا تجربہ تھا اسے میں نے پاکستانی محض اس وجہ سے تصور کیا کہ اس کا عربی تلفظ بہت درست تھا جب کہ ہندوستانی عربی بولتے ہوئے چند مخصوص حروف کے غلط مخرج کی وجہ سے الگ پہچانے جاتے ہیں۔

ان کاموں سے نمٹنے کے بعد سعودی عرب سے روانگی میں کوئی دشواری نہیں رہی تھی لہٰذا ہم دونوں ٹیکسی کے ذریعے ہوائی اڈے پہنچ گئے۔

جدہ سے طیران الخلیج کی ایک پرواز ایک گھنٹے بعد قاہرہ کے لیے روانہ ہونے والی تھی۔ میں نے فوری طور پر قاہرہ کے لیے دو ٹکٹ بنوا لیے۔

میرے لیے قاہرہ کوئی اجنبی شہر نہیں تھا۔ وہاں میں نے کچھ عرصے قبل ہی ایک ہفتہ گزارا تھا اور مقامی حکام سے تعلق اخوان المسلمین نامی تنظیم کے ساتھ رابطے کی وجہ سے میرے پیچھے لگ گئے تھے لیکن میرا معتقد یا ادھر تھا کہ میں کسی نہ کسی طرح مصر سے فرار میں کامیاب ہو گیا تھا۔

بہر صورت مجھ کو تلخ تجربات زیادہ پرانے نہیں تھے اور وہاں نئے میں نادیدہ خطرات کا سامنا بھی ہو سکتا تھا۔ ان امکانات کے پیش نظر میرا منصوبہ قاہرہ ایئر پورٹ سے ہی کسی اور سمت روانہ ہونے کا تھا لیکن اپنے راستے کی کڑیاں بکھیرنے کی وجہ سے میں نے طیران الخلیج سے صرف قاہرہ تک ٹکٹ بنوائے تھے۔ یہ طریقہ میری دانست میں خاصی اہمیت کا حامل تھا۔

ایئر پورٹ پر میرا زیادہ تر تھکا نا لفتہانسا کا کاؤنٹر تھا جہاں بکنگ اور معلومات کا انتظام اتنا موثر تھا کہ چند ہی منٹ میں کمپیوٹر کے ذریعے یہ معلوم ہو گیا کہ قاہرہ کے مقامی وقت کے مطابق ساڑھے بارہ بجے لفتہانسا کی ایک پرواز براہ راست فرینکفرٹ کے لیے روانہ ہونی تھی مشرق سے آنے والی اس پرواز پر قاہرہ سے آگے کی نشستیں بھی میسر تھیں۔ ہمارے لیے یہ پرواز بہت مناسب تھی کیونکہ لفتہانسا کا طیارہ ہمیں گیارہ بجے قاہرہ پہنچا دیتا۔ جس کے بعد دوسری پرواز پکڑنا بہت سہل تھا۔

لفتہانسا سے قاہرہ تا فرینکفرٹ سفر کا انتظام ہو گیا ٹیلکس کے ذریعے ایئر لائن کے قاہرہ کے دفتر نے نشستوں کی توثیق بھی کر دی۔

وقت کم رہ گیا تھا۔ ہم فوری طور پر عمارت کے اندرونی حصے میں داخل ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد طیران الخلیج کے طیارے میں سوار ہو گئے۔

قاہرہ تک سفر خوشگوار رہا۔ چونکہ میں نے جدہ سے صرف قاہرہ تک کے سفر کا عندیہ ظاہر کیا تھا لہٰذا ہمیں کچھ مراحل گزر کر ایک بار باہر آنا پڑا۔ اور پھر لفتہانسا کے کاؤنٹر سے بورڈنگ کارڈ حاصل کر کے ہم دوبارہ اندر داخل ہو گئے۔

روانگی کے منتظر مسافروں میں خال خال ہی چند غیر ملکی تھے مگر اکثریت عربوں کی تھی۔ ہال میں مسافروں کی بھاری تعداد جمع تھی جو شاید مختلف پروازوں کی منتظر تھی۔

جوں ہی لفتہانسا کی پرواز سے متعلق مسافروں کے لیے اعلان نشر ہوا ہم دونوں نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔

طیارے کے رن وے پر دوڑنے کے ساتھ ہی مجھے طمانیت کا احساس ہوا۔ اپنی دانست میں میں نے پیچھے وہاں کے لیے کوئی نشانات نہیں چھوڑا تھا۔

ٹیک آف کی پابندی ختم ہوتے ہی قاہرہ سے سوار ہونے والوں میں اضطراری لہر دوڑ گئی مان میں سے ہر ایک مشاقی منظر کا طلب گار تھا۔

عملے کی خوبرو لڑکیاں شاید اس روٹ کے معمولات سے واقف تھیں لہٰذا فوری ہی دو قطاروں راہداریوں میں مشروبات نازائیاں رینگ آئیں۔

"کیا ارادہ ہے؟" سیتا نے مجھے جب اپنا ہاتھ ڈالتے دیکھ کر نیچے لہجے میں سوال کیا۔

"ایک دو پیگ لوں گا۔ بہت تھک گیا ہوں۔"

وہ خاموش ہو گئی۔

مشروبات کے بعد کھانے کا دور چلا پھر اسکرین پر ایک فلم دکھائی جانے لگی مگر بہت کم لوگوں نے اس میں دلچسپی لی پھر فضائی عملے کے آداب سے قطع نظر چائے کا دور شروع ہو گیا۔

فرینکفرٹ ایئر پورٹ پر لفتہانسا کے طیارے سے اترتے ہوئے میں خود کو دنیا کا آزاد ترین فرد محسوس کر رہا تھا۔

طیارے کے دروازے کے ساتھ سیڑھیوں کے بجائے ٹیلی اسکوپک ٹیونل سے لگا ہوا تھا جس سے گزر کر ہم روشن اور صاف ستھری عمارت میں داخل ہو گئے۔

فرینکفرٹ پہنچنے تک میرا کوئی واضح پروگرام نہیں تھا مگر کسٹم کے مرحلے سے گزرتے ہوئے میں نے پاکستان روانگی کا ارادہ کر لیا۔

فرینکفرٹ ایئر پورٹ پر زبان مستقل ایک مسئلہ ثابت ہوئی یہ ایئر پورٹ کا بیشتر عملہ جرمن کے علاوہ ہر زبان سے ناواقف تھا۔ ایئر لائن آنے اور جانے والے مسافروں کی رہنمائی کے لیے جا بجا تختیاں نصب ہوتیں تو عمارت کی بھول بھلیوں سے نکلنا ہی محال ہوتا۔

اگلی صبح کے لیے لفتہانسا سے روانگی کی نشست تک کراچی ایک بکنگ کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھی ہوئی لڑکی نے فرینکفرٹ کا پتہ ٹیلی فون پر دریافت کیا۔

"میں ابھی لفتہانسا سے یہاں آیا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے جیب سے استعمال شدہ ٹکٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اوہ!" اس نے سیٹی بجانے کے انداز میں ہونٹ سکوڑے۔

"میری زندگی کو دنیا کے بڑے بڑے ایئر پورٹ دیکھنے کا خبط ہے۔" میں نے پیچھے بیٹھی خاموش سیتا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور سیتا کی طرف دیکھا جو برقعے اور نقاب پہنے میرے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔

"شاید تمہاری نئی شادی ہوئی ہے؟" لڑکی نے مسکراتے ہوئے شستہ انگریزی میں کہا۔

"جی ہاں" میں نے لجاجت سے اعتراف کیا۔ "اب یہ سمجھ نہیں آتا کہ مجھے کون سا جانا چاہیے کیونکہ تم مجھ سے بہتر مشورہ دے سکتی ہو۔"

"عورت مشرق اور مغرب میں بہت مختلف ہوتی ہے مگر مرد ساری دنیا میں یکساں ہوتا ہے۔" اس نے میرے لیے ٹکٹ بناتے ہوئے کہا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"مس بارنی۔"

اس کا نام سنتے ہی میرے حلق میں سوزش سی محسوس ہونے لگی مگر اس نے مسکراتے ہوئے بات جاری رکھی۔ "چاہو تو آج کی رات لفتہانسا کے مہمان رہ سکتے ہو۔"

"وہ کیسے؟"

"ہماری ایئر لائن ٹرانزٹ مسافروں کو رات کا کھانا، قیام کی سہولت اور ناشتہ بلا معاوضہ فراہم کرتی ہے۔" وہ بولی۔ "بظاہر تمہارا بہت بجٹ ہے مگر ایک اندراج کے ذریعے میں یہ سہولت دے سکتی ہوں۔"

"ضرور!" میں دل ہی دل میں اس کی سمجھ داری اور معاملہ فہمی کا قائل ہو گیا۔

"باہر ہوٹل کی گاڑی موجود ہوگی۔ یہ کوپن ہیں جو ہوٹل انتظامیہ کے کام آئیں گے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ٹکٹ اور فری کوپن مجھے دے دیے۔

میں عمارت سے باہر آیا تو کشادہ سڑک کے کنارے سفید رنگ کی ویگن کھڑی ہوئی تھی جس پر نمایاں حروف میں ہوٹل اسٹیشن برگر کا نام لکھا ہوا تھا۔

میں سیتا کے ہمراہ ایک اسٹیشن ویگن میں سوار ہو گیا جس میں ہم سے پہلے تین مسافر موجود تھے۔

ہمارے بیٹھتے ہی ویگن دو رویہ سڑک پر آگے روانہ ہو گئی جس کے وسط میں پختہ منڈیر کے درمیان سرسبز گھاس اور رنگ برنگ پھولوں کے پودے اگے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں سڑک کے اطراف میں بھی بلند سایہ دار درخت لگے ہوئے تھے۔

ہوٹل کی کئی منزلہ عمارت ایئر پورٹ سے زیادہ دور نہیں تھی۔ کاؤنٹر پر ایک فارم کی خانہ پری کے بعد کمرہ نمبر ۹۱۹ ہمیں دے دیا گیا۔

وہ شام ہم نے کمرے میں ہی ٹی وی پر پروگرام دیکھتے ہوئے گزاری اور کھانا کھا کر دوبارہ بستر پر لیٹ گئے۔

ہمارے لیے اب جو قطع اختیار کی وہ ضروری تھا لہٰذا میں نے صبح کے لیے قمیص پتلون اور سوٹ نکال لیا۔ سیتا نے بھی برقع لپیٹ کر رکھ دیا۔

دوسری صبح کاؤنٹر پر جلد ہی میں نے ٹکٹ پر اندراج کرایا اور جس کے بعد سات بجے طیارہ روانہ ہو گیا۔

صفا میں ہنگاموں کے درمیان گزارے ہوئے لمحات کے بعد مجھے وقت گزارنا دشوار معلوم ہو رہا تھا۔ کوئی مصروفیت نہ ہونے کے باعث ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وقت رینگ رینگ کر گزر رہا ہو اور بظاہر اس جمود کے ٹوٹنے کے کوئی آثار نہیں تھے۔

اگلی صبح ہمارا طیارہ فرینکفرٹ سے پرواز کر گیا۔ راستے میں تقریباً چالیس منٹ ٹھہرنے کے بعد وہ دوبارہ نیلی نیلگوں فضا میں بلند ہوا تو میرے دل میں مسرت کے عجیب سے جذبات امڈ آئے۔ طیارے کی اگلی منزل کراچی تھی۔

وہ شہر خرابات جہاں میں اپنا ماضی سے دو وقت اپنا پیٹ بھرنے سے محروم رہا تو میں نے غیر قانونی دھندوں میں ہاتھ ڈال دیا اور پھر بہت جلد وہ وقت آیا کہ اس شہر میں میرے نام کی ساکھ قائم ہو گئی۔ معاشرے کے معزز طبقے میں مجھے قبول کیا جانے لگا۔ عیش و نشاط کی محفلیں ہر رات کے لیے میرا انعام بن گئیں۔ مگر جب تقدیر نے ساتھ چھوڑا تو میرا مال لانے والی لانچیں یکے بعد دیگرے پکڑی جانے لگیں۔ سال میں آخری لانچ "ساحل" تھی جس پر چھاپے کے ساتھ ہی میرے روزگار پر سیہ بختی کی مہر ثبت ہو گئی۔

وہ رات مجھے اس سفر کے دوران بھی یاد تھی جیسے یہ کل کا قصہ ہو۔

میں اپنے مکان میں بیٹھا شراب کے سرور میں ڈوبا باون پتوں کے کھیل سے محظوظ ہو رہا تھا اور خوبصورت اینگلو انڈین لڑکی میری ہمنشین تھی جو ان دنوں میری سیکرٹری کہی جاتی تھی مگر وہ بیک وقت میری غمگسار بھی تھی اور محبوبہ بھی۔

بدنصیبی کی اس رات ساتھی کی گرفتاری کی خبر نے میرے اعصاب کو بکھیر کر رکھ دیا تھا۔ میں اپنے کیسوں کے لیے اپنے منصوبے میں ہر طرف کے پارٹیوں میں بٹے ہوئے آتش بقعت سپاہ کی خاصی مقدار انٹرنیشنل سمگلنگ بازی الٹ چکی تھی۔

میز پر میرے سامنے پڑی ہوئی رقم سمٹنے لگی پھر جیبیں خالی ہو گئیں اور آخر کار میں نے آخری کوشش کے طور پر اپنا وہ مکان داؤ پر لگا دیا جس کی چھت کے نیچے اس وقت وہ محفل جمی ہوئی تھی۔

مگر مقدر کا لکھا نہ ٹل سکا اور میں اپنا مکان ہار کر بے گھر باہر آ گیا۔

وہ میرے بڑے دنوں اور تنگ کا رہنے والی جدوجہد کی ابتدا تھی جس کا انجام شاید مجھے قریب نظر آ رہا تھا۔

"مجھے عجیب سا احساس ہو رہا ہے۔" اچانک سیتا نے زور سے کہا اور میں اپنے خیالات کی رو سے چونک پڑا۔

"مگر کس بات کا؟" میں نے بھی اردو ہی میں سوال کیا کیونکہ طرز وضع قطع بدل لینے کے بعد ہمارے لیے زبان کا مسئلہ حل ہو گیا تھا ورنہ بصورت دیگر عرب نظر آنے والوں کی زبان سے اردو سن کر کوئی بھی چونک سکتا تھا۔

"تمہارے شہر میں اپنے گھر کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے خوابناک لہجے میں بولی۔

"میرا گھر!" میں نے اپنے وجود کی گہرائیوں میں ایک خلا سا محسوس کیا۔ "وہ خواب بنانا پڑے گا۔ میں اپنے ہاتھوں سے سب کچھ ختم کر کے وہاں سے نکلا تھا۔"

وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر جھجکتے ہوئے بولی۔ "اب تو کبھی سفر پر نہیں نکلو گے؟"

"نہیں۔" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ "تمہیں یہ خیال کیوں آ گیا؟"

اس کے ہونٹوں پر اداس سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ "اپالو بندر کا راجہ ہوٹل یاد آ گیا تھا۔ تمہیں کچھ یاد ہے اس بارے میں؟"

"اوہ۔ تم پارس پتھر کی بات کر رہی ہو۔" میں نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ "میرے پاس جزیرے کی دبی ہوئی خاصی رقم ہے شاید اس کی مدد سے ہم با آسانی نئی زندگی کا آغاز کر سکیں۔"

"تمہارے نزدیک وہ لوہے کو سونے میں بدلنے والا پتھر ہے مگر میرے لیے وہ پتھر میری ماں کی آخری نشانی ہے۔"

"مگر میرے لیے ایسا نہیں ہے۔"

"وہ کیوں؟" اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"میرے لیے تو اپنی ماں کی زندہ نشانی تم خود ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تمہارے چھوڑے ہوئے پارس پتھر کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے۔"

وہ بھی ہنس پڑی۔

جہاز تیزی کے ساتھ مشرق کی جانب محو پرواز تھا۔ نیچے شام کا دھندلکا دور جا کر بتدریج اندھیرے میں تبدیل ہو رہا تھا۔ ہولے ہولے رات کا سرمئی اندھیرا تاروں بھرے سیاہ آسمان کی وسعتوں میں تحلیل ہو رہا تھا۔

جہاز شام کے تقریباً ساڑھے چھ بجے کراچی کے جگمگاتے ہوئے ہوائی اڈے پر منڈلانے لگا اور پھر تھوڑی دیر بعد اس کے پہیوں نے وہ سرزمین چھو لی جس کے ذرے ذرے سے مجھے والہانہ پیار تھا۔ دنیا کے جدید ہوائی اڈوں کے بعد جب سیتا میرے ہمراہ طیارے کی سیڑھیوں سے اتر کر بس میں سوار ہوئی تو اس کے چہرے پر ناگواری کی علامات ابھر آئیں۔

طیارے سے کراچی [illegible] لاؤنج تک [illegible]

بس کی کھڑکیوں میں نشستیں پا گئیں اور پھر ایک بیہودہ جھٹکے کے ساتھ بس اس سمت میں دوڑ پڑی جدھر باہر کے مسافروں کے لیے لاؤنج بنا ہوا تھا۔

گھٹن، تمباکو کا دھواں اور ناکافی روشنی میں کسی ہال میں بیٹھے ہوئے مسافر آپس ہی میں الجھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

اس ماحول سے غیر ملکی تو بیزار تھے ہی مگر مقامی چہرے بھی بیزاری سے تنے تھے اور ہر نگاہ بے چینی سے کسٹم کے بعد اس جگہ پر جمی ہوئی تھی جس پر مسافروں کا سامان آتا تھا۔ وقت دھیرے دھیرے سرکتا رہا۔ طویل سفر کے باوجود شگفتہ نظر آنے والے چہرے اس ماحول میں رفتہ رفتہ مرجھانے لگے۔

اسی دوران ایک اور پرواز کے مسافر ہال میں آ پہنچے۔ تو گھٹن کا احساس کچھ اور بڑھ گیا۔

لاؤنج میں سامان لے جانے والی ٹرالیاں بہت کم تھیں۔ جن خوش نصیبوں کو وہ دستیاب ہو گئیں وہ اپنے لیے سامان کے انتظار میں تھے باقی محروم مسافر حسرت سے ان کو دیکھ رہے تھے۔

لاؤنج کے فرش کی صفائی کرنے والے دو افراد کی گفتگو سے پتہ چلا کہ لفتھانسا کے طیارے سے مسافروں کا سامان لانے والی ٹرالی کے ڈرائیور کا کسی سے جھگڑا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے سامان کی آمد میں تاخیر ہو رہی تھی۔

خدا خدا کر کے سامان والے پٹے میں حرکت پیدا ہوئی اور آخر کار سامان اس پر پھسلتا چلا آنے لگا۔

مگر وہ سامان بعد کی پرواز سے آنے والوں کا تھا۔ ہماری پرواز کے منتظر مسافروں کی نگاہیں اس ٹرالی ڈرائیور کی جانب تھیں جو ہم سب کی دسترس سے دور محفوظ اور مسرور شاید کسی سے اپنی انا اور عزت نفس کا معاملہ بے باق کرنے میں مصروف تھا۔

رنجیدہ کسی مسافر کی دل گیر فریاد بار آور ہوئی یا صاحبان اقتدار کو ان بدنصیبوں کے بارے میں اچانک الہام ہوا کہ فوراً لفتھانسا کے ڈرائیور کا بندوبست کیا گیا اور کچھ دیر بعد ہمارا سامان بھی [illegible] پر سوار ہونے کی سعادت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

جن کا اسباب زیادہ تھا وہ سب سے زیادہ مجبور و مقہور نظر آ رہے تھے [illegible] سامان [illegible] ہاتھ پر [illegible] باہر تک [illegible] خدمت قابل رشک تھا۔ وہ ایک حقیر رقم کے [illegible]

غنیمت یہ تھا کہ ہمارے پاس ایک ہلکا سا سوٹ کیس تھا جسے اٹھانے کی قوت سے ہم دونوں ہی فرداً فرداً بہرہ ور تھے۔

باہر نکلے تو شیشے کے دروازوں کے پار فٹ پاتھ پر بہت سے لوگ منتظر نگاہوں سے ہمیں گھور رہے تھے۔ ان میں سے کئی بیک وقت ہماری طرف لپکے اور مختلف زبانوں میں بیک وقت بولنے لگے۔ مدعا سب کا ایک ہی تھا کہ ہمیں کسی ٹیکسی کی ضرورت تو نہیں جو دور دور تک کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔

ان میں سے ایک جو جذبہ خدمت سے زیادہ مغلوب تھا اور جسمانی طور پر کسی بھی آمادہ فساد مسافر کو زیر کر لینے کی ظاہری خوبیوں سے مالامال تھا۔ آگے بڑھا اور سیتا کے ہاتھ سے سوٹ کیس چھیننے لگا۔

اور جوں ہی وہ سیتا کے سوٹ کیس پر قابض ہونے میں کامیاب ہوا تو دوسروں نے خاموشانہ انداز میں اس کی برتری تسلیم کر لی۔

وہ قوی الجثہ شخص سوٹ کیس سنبھالنے کے بعد میری طرف دیکھے بغیر سڑک عبور کرنے کے لیے بڑھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ ہم دونوں اس کے پیچھے اس طرح چل پڑیں گے جیسے معصوم بھیڑیں میمیاتی ہوئی لپکتی ہیں۔

سیتا کے لیے اس کے جذبات کو سمجھنا محال تھا۔ اسے غالباً یہی بھول ہوئی کہ وہ شخص شاید سوٹ کیس لے کر بھاگنے کی فکر میں تھا لہٰذا جس وقت سوٹ کیس بردار شخص سڑک عبور کرنے کے لیے ایک بس کے گزرنے کا منتظر تھا سیتا نے لپک کر پیچھے سے اس کا کالر پکڑ لیا۔

اس بے چارے کے لیے وہ رویہ نہ صرف ناقابل فہم بلکہ غیر متوقع تھا۔ وہ بمشکل پختہ سڑک پر گرنے سے خود کو بچا سکا۔

ایک سپاہی جو سڑک کی دوسری طرف کھڑا یہ ساری کارروائی دیکھ رہا تھا صورت حال بگڑتی دیکھ کر فوراً پارکنگ لاٹ میں کھڑی ہوئی گاڑیوں کی بھیڑ میں کہیں روپوش ہو گیا۔

سیتا کی جسارت پر مجھے غصہ آیا تھا اور میں فوری طور پر کسی بڑے ہنگامے کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو گیا تھا لیکن سیتا کی گرفت میں آیا ہوا شخص بہت بزدل ثابت ہوا۔

کالر کا جھٹکا سہارنے کے بعد وہ خونخوار تیوروں کے ساتھ پیچھے گھوما تھا لیکن سیتا کے ملکوتی حسن کو اپنے مقابل پا کر اس کے ہونٹوں پر کھسیانی ہوئی بزدلانہ مسکراہٹ خود بخود آ گئی۔

اور پھر یکایک اس نے ناقابل رحم انگریزی بولنی شروع کر دی جو شاید سیتا کی نیلی آنکھوں کا ساحرانہ اثر تھا۔

"ٹھیک ہے کہ تم ٹیکسی تک لے جا رہے تھے مگر منزل اور کرایہ کے تعین کے بغیر کیا بدتمیزی تھی؟" سیتا نے اس کی وضاحت کا تھوڑا سا حصہ سننے کے بعد مجھے دخل دینا پڑا کیونکہ سیتا [illegible]

کی ابجد سے بھی نابلد تھی۔

"ٹیکسی میں میٹر ہوتا ہے صاحب! اس کے علاوہ بیس انعام۔"

یہ تو یہاں کا دستور ہے۔" میری زبان سے اردو سننے سے زیادہ سکون اسے نوٹ پا کر سیتا نے اس کا لہجہ جی سے جھگڑا ہوا کا ادا کر دیا تھا۔

کراچی کی مدد میں اس نے جو شرائط رکھی تھیں، وہ ناروا ہوں تو ہوں مگر پچھلی مشقتوں کے مقابلے میں گوارا ضرور تھیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ناگہانی فساد آغاز سے پہلے ٹل گیا اور ہم اس کے پیچھے چوڑی سی سڑک عبور کرنے لگے۔

پارکنگ لاٹ کے قریب اندرونی حصے میں متعدد ٹیکسیاں جس خوبصورتی سے پارک کی گئی تھیں کہ کسی رہنمائی اعانت کے بغیر مذکورہ ٹیکسی تک رسائی ناممکنات میں سے تھی۔

پھر جب وہ ایک ٹیکسی کی طرف بڑھ رہا تھا تو روپوش سپاہی آسیبی انداز میں اچانک کہیں سے نمودار ہو گیا۔ میں نے بس اتنا دیکھا کہ نوٹ اس سے چھیننے والے نے اپنی بند مٹھی سپاہی کے ہاتھ میں کھول دی اور سپاہی اپنی بند مٹھی کھولے بغیر آگے بڑھتا چلا گیا۔

ٹیکسی میں سوار کرنے کے بعد اس شخص نے ڈرائیور سے علیحدگی کی بات چیت کی۔ نیم اجالے میں ڈرائیور نے جیب سے کچھ نکال کر اس کے حوالے کیا اور وہ دونوں قریب آ گئے۔

"میٹر کے علاوہ بیس بخشش۔" ہماری رہنمائی کرنے والا معاملہ فہم معلوم ہوتا تھا کیونکہ اس نے بعد کی الجھن سے بچنے کے لیے سفر کی سمت اور بخشش کی شرح واضح کر دی تھیں۔

ایک طویل مدت کے بعد اپنے شہر کی شاہراہوں پر سفر کرتے ہوئے میں بے پایاں مسرت و انبساط کے انوکھے جذبات سے معمور تھا کہ ڈرائیور نے مجھے چونکا دیا۔

"کہاں جانا ہے صاحب؟"

"صدر کے علاقے میں کسی اچھے ہوٹل میں پہنچا دو۔"

"بخشش ادھر ہی دو۔" اس نے ڈرائیو کرتے ہوئے بایاں ہاتھ پیچھے پھیلا دیا۔

"کرائے کے ساتھ لے لینا۔"

"معاف کرنا صاحب! بہت سے مسافر منزل پر پہنچنے کے بعد پولیس کی دھونس دے کر میٹر سے ایک پیسہ بھی زیادہ نہیں دیتے۔" اس نے شکوہ کرنا مناسب سمجھا۔

"ویسے یہ جبری بخشش غلط چیز ہے ۔۔۔"

اس نے میری بات درمیان ہی سے کاٹ دی۔ "کرائے میں بیس کیسے لینی پڑے گی۔ اگر پوسٹ پر بیس روپے دیں تو ہم والوں سے مسافر خرچتے ہیں۔"

"غریب ہو؟" میں حیرت سے اچھل پڑا۔

"کیا کریں۔ بدھ مسافر بنتے ہیں ادھر ہی کھڑے رہنے کی اجازت نہیں تھی۔" اس نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا۔

میں نے شٹل کو بیس روپے کی جگہ دو ڈالر اسے تھما دیے۔

"یہ کیا ہے؟" نوٹ دیکھتے ہی اس کا لہجہ بگڑ گیا۔

"بدلوا دو گے تو بیس روپے سے زیادہ ہی ملیں گے۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "میرے پاس پاکستانی کرنسی نہیں ہے۔"

"پاکستانی کرنسی سے کیا مطلب؟ آپ نے تو بیس ڈالر کی بات کی تھی۔" ڈرائیور کا مطالبہ اچانک کرخت ہو گیا تھا۔

اس نے چند سالوں کے بیرون جانے کے دوران میں نے یہیں میں مسافر فروش دلالوں کی گفتگو کو یاد کیا تو خیال آیا کہ اس نے صرف بیس کا عدد کہا تھا۔ کرنسی کا کوئی تعین نہیں کیا تھا۔

اس معاملے کا سیدھا سا حل ائرپورٹ واپسی کا ہو سکتا تھا۔ مگر سپاہی کا رویہ مجھے یاد تھا لہٰذا بحران ٹالنے کے لیے ہی کی راہ پر چلتے ہوئے ڈرائیور سے دس ڈالر کی بخشش کا سودا طے کیا۔ عجیب ڈیڈیو کے ناقابل تصور مجھیں پیدا ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

راستے بھر سیتا خاموش بیٹھی گرد و پیش کا جائزہ لیتی رہی۔ ہوٹل کے کمرے میں پہنچ کر ہی اس نے سکوت توڑا۔

"خدا کی پناہ!" وہ گہرا سانس لے کر بولی۔ "میں تو ہندوستان کے ماحول ہی کو برا سمجھتی تھی مگر یہاں بھی بربریت ہوا موجود ہے۔"

"نئے آنے والوں کا پہلا تاثر عموماً اچھا نہیں ہوتا۔" میں ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے کہا۔ "چند روز گزارنے کے بعد تمہیں رائے بدلنی پڑے گی۔"

"یہ شہر میرے لیے اجنبی نہیں ہے۔" اس نے کہا اور یکایک مجھے یاد آیا کہ میری ملاقات بھی دربدر بھٹکتی ہوئی اسی کراچی [illegible] گلشن کے ویران ریتیلے ٹیلوں کے درمیان خانہ بدوشوں کے جھونپڑوں میں پناہ گزین ہوئی تھی جہاں سے ایک طالب علم نے اسے شروع نکال کر مشرق وسطیٰ روانہ کیا تھا۔

"یہاں کے لوگ بہت اچھے اور ملنسار ہیں۔ اجنبیوں کو بہت جلد گلے لگا لیتے ہیں لیکن چند روز کے لیے باہر سے آنے والوں کے لیے تو تھا اسپورٹ اڈہ ہی تھا۔ ملک اور شہر کا عکاس ہے سو اس کو اتنی بد نظمی اور لوٹ کھسوٹ نہیں ہونی چاہیے؟"

"ٹھیک ہے، کسی دن سارا نظام بدل ڈالوں گا۔" میں نے چڑ چڑے پن سے کہا۔

"بس بھڑک گئے؟" وہ ہنس کر بولی۔ "میرا مطلب تو یہ تھا کہ اتنی چھوٹی چھوٹی باتیں ذمہ دار لوگ کیوں نہیں سوچتے؟"

"ملوں گی تو [illegible] سے تو بنا لینا۔"

سفر کے بعد ائرپورٹ پر اترنے کو وقت ہو گئی تھی کہ ذہن کا بوجھ ہلکا دور کرنے کے لیے ذہن بہلانے کی ایک ایک بہانہ بنتی پڑی۔ پھر ہم دونوں باہر نکل پڑے۔

رات بھیگ چکی تھی، دکانیں بند ہو گئی تھیں مگر صدر کے نئے حصے کے باوجود غیر معمولی سی رونق تھی۔

عروس البلاد کی جھلملاتی اور جھنجی روشنیوں کے سائے میں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ٹہلتے ہوئے اس وقت میرے دل و دماغ میں ایک جذباتی طوفان برپا تھا۔

شہر میں جرائم سے شناسائی رکھنے کے باوجود میں اچانک ہی اجنبی ہو کر رہ گیا تھا۔

میرے دل میں ہوک سی اٹھنے لگی۔ میں سیتا کے ساتھ بہو کے جانے پہچانے راستوں پر چل رہا تھا لیکن ذہن میں ماضی کے واقعات کسی فلم کی ریل کی طرح چل رہے تھے۔

لاہور جو میرا جدی پشتی شہر تھا ۔۔۔ جس کی تنگ گلیوں میں میں پروان چڑھا اور پھر میرے والد صاحب نے ایک نو آباد بستی میں نئے طرز کا کشادہ مکان خرید لیا تھا جہاں میں نے جوانی کے گرم سانسوں کی مہکار محسوس کی۔

کالج کی تعلیم کے دوران اکبر میرا دوست بنا جس کی معرفت ایک حسین و جمیل دوشیزہ گلنار سے میری دوستی ہوئی۔ میں ایک دوست سے تعارف کرانے اکبر کے سامنے ہٹ گیا اور گلنار کی اداسیاں میری حیثیت بار بار بڑھاتی چلی گئیں۔

گلنار حسین تھی اور جوان بھی۔ وہ دن بدن مجھ سے قریب ہوتی گئی لیکن مجھے ایک حد سے آگے بڑھنے کی کبھی اجازت نہ دی۔ اور پھر وہ منحوس دن آیا جب اسے تحفے میں ایک ہار دینے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں تھا۔ والد محترم سے تین ہزار مانگے تو انکار سننا پڑا۔ تنگ آ کر دوست کی دکان کے بعد میں دو دکان سے رقم لے کر اٹھا لایا مگر گھر کے دروازے بند کر لیے گئے۔ والد صاحب نے مجھے عاق کر دیا اور اسی صدمے میں ان کو دل کا شدید دورہ پڑا اور وہ خالق حقیقی سے جا ملے۔

ان کی وفات پر بھی میرے لیے اپنے گھر کے دروازے نہ کھلے۔ گھر والوں نے مجھے اپنے باپ کا قاتل قرار دے کر دروازے سے دھکا دے دیا۔

مفلسی اور ۔۔۔ زندگی کے اس دور میں گلنار بھی ساتھ چھوڑ گئی۔ اکبر نے مجھے بھاگنے کا مشورہ دیا جہاں مجرموں سے بچ کر زندگی کے بھید رسوائی سے جدا کرنے میں کامیاب ہو گیا مگر پھر وقت کا دھارا بدلا۔ پھر کر جب آئے آسودگی کا دور آیا تو پولیس کی فہرست میں میرا نام مفرور مجرم کے طور پر لکھا جا چکا تھا۔

فرار اور جلا وطنی کا ایک تاریک تسلسل شروع ہوا [illegible]

میں خون تھوکنے لگا تھا۔ اس کا نسخہ شگفتہ تھا کہ بس آخری آتش کے لیے اسے بھاگ کر اس نامی بوٹی کی تلاش تھی جو ہمالیہ کی برف پوش بلندیوں پر جڑوں کی صورت میں ملتی تھی۔

طویل سفر کے لیے جہاں کی صحت نازک تھی، اسے سنبھالا دینے کے لیے میں ہری لے گیا اور اسے وہاں چھوڑ کر لاہور چلا آیا جہاں میرے لہو کے تمام رشتے موجود تھے۔

مگر میرا مکان اجنبیوں سے آباد تھا وہاں کوئی بھی مجھے میرے بڑے بھائیوں صلوت علی اور مظفر علی کے بارے میں کچھ نہ بتا سکا۔

رشتوں کی تلاش میں تڑپتے ہوئے دل کو جھوٹا دلاسہ دینے کے لیے میں نے بازار حسن کی راہ لی تو وہاں اکبر ملا اور دھوکہ مجھے پیارا نہ گلنار۔ ان دونوں میں میاں بیوی کا رشتہ تھا مگر وہ عمر رسیدگی کا جسم سڑک کے آسائشوں کی آمیزش چلانے کی خاطر غلاظتوں کا کاروبار کر رہے تھے۔

گلنار میری بربادی کا نقطہ آغاز تھی جو قریب آنے کے باوجود ہمیشہ مجھ سے دور رہی مگر اس کا مول چکانے کے بعد مجھے اس پر تصرف حاصل ہو گیا۔

میرے وجود میں درندگی عود کر آئی۔ مجھے ان دونوں سے نفرت ہو گئی۔ قہر اور انتقام کے جذبات نے مجھے اندھا کر دیا۔ دوشیزگی کا بہروپ رچا کر چند برس پہلے مجھے بہکانے اور ترسانے والی گلنار میری پہلی مقتولہ تھی۔ دوسرا خون میں نے اس کے بے غیرت شوہر اور اپنے مطلبی دوست اکبر کا کیا اور اب جیل کے بعد سے نکلتے ہوئے میری فرد جرم طویل ہو گئی۔

میری شناخت میں اسمگلر کے ساتھ قاتل کا بھی اضافہ ہو گیا۔

اچانک میرے بدن کو ایک ہولناک جھٹکا لگا اور میں اڑتا ہوا دور جا گرا۔ میرے حلق سے بے ساختہ ایک چیخ بلند ہوئی تھی۔ دوسری چیخ سیتا کی تھی۔

مجھے بس اتنا یاد ہے کہ اس وقت ہم دونوں شاید سڑک عبور کر رہے تھے پھر میرے حواس تاریکیوں کی دلدل میں ڈوبتے چلے گئے۔

ہوش آیا تو میں ہسپتال کے ایک بستر پر پٹیوں میں لپٹا پڑا تھا اور سیتا میرے سرہانے آنکھوں میں آنسو لیے موجود تھی۔

میرا پورا بدن پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا مگر سیتا کی جھیل جیسی گہری آنکھوں میں آنسو مجھ سے نہ دیکھے جا سکے۔ میں نے اسے دلاسا دینا چاہا لیکن بول نہ سکا۔ جبڑوں پر بھی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اور ہونٹ ورم آلود تھے۔

مجبوری کا ایک دردناک احساس میرے پورے وجود میں سرایت کر گیا۔

سیتا کے بدن کے بعض حصوں پر ابھی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں مگر وہ اس اعتبار سے بہتر تھی کہ اپنے قدموں پر کھڑی تھی۔

"تم نہ جانے کیا سوچ رہے تھے۔" وہ بے تابانہ انداز میں میرے رخساروں پر انگلیاں پھیرتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں نے آخری لمحے پر اس کار کو دیکھا تھا اور سامنے سے ہٹ گئی تھی۔ تمہیں بھی کھینچنا چاہا مگر۔۔۔۔"

اپنے شہر میں پہنچتے ہی میں تقدیر کے بے رحم ہاتھوں بے دست و پا ہو کر رہ گیا تھا اور سیتا زندگی کے عذاب جھیلنے کے لیے تنہا رہ گئی۔

جسم کے مختلف حصوں اور پسلیوں میں اٹھنے والی درد کی ٹیسوں سے مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ میری چوٹیں شدید تھیں اور چند ہفتوں سے قبل میرا ہسپتال سے فارغ ہونا مشکل تھا مگر یہ تسلی ضرور تھی کہ بہتر علاج اور سیتا کی روز مرہ ضروریات کے لیے میرے پاس ڈالروں کی صورت میں خاصی رقم موجود تھی۔

ڈاکٹروں نے مجھے گلوکوز کی ڈرپ لگائی ہوئی تھی۔ نجانے یہ اس میں ملائی ہوئی دواؤں کا اثر تھا یا نقاہت کا کہ تھوڑی دیر بعد میں پھر غافل ہو گیا۔

طویل وقفے کے بعد دوبارہ آنکھ کھلی تو گلوکوز کے بجائے اسٹینڈ پر خون کی بوتل لٹکی دیکھی جو قطرہ قطرہ کر کے میرے بدن میں منتقل ہو رہی تھی۔

میں نے گردوپیش کا جائزہ لیا لیکن سیتا کہیں دکھائی نہیں دی۔ میرے لیے یہ خوشی کی بات تھی کہ میری تکلیف کے ساتھ ہی اسے اپنے آرام کا خیال بھی تھا۔

شام ڈھلے سیتا واپس آئی تو اس کے بشرے سے تھکان عیاں تھی مگر مجھے حوصلہ دینے کی خاطر نگاہیں چار ہوتے ہی وہ مسکرا دی۔

"کل تمہارا آپریشن ہوگا۔" اس نے میرے سرہانے بیٹھ کر پیار بھرے لہجے میں کہا۔ "داہنی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹی ہوئی ہے۔ باقی زخم جلد ہی بھر جائیں گے۔"

"تم کہاں تھیں؟" میں نے الجھتے ہوئے بہ دقت تمام سوال کیا۔

"خون اور دواؤں کا انتظام کر رہی تھی۔" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"تھوڑی دیر ہوٹل میں آرام کر لیا ہوتا۔" مجھے ایک ایک لفظ ادا کرنے میں دشواری ہو رہی تھی لیکن سیتا کا سکھ مجھے اپنی ذات سے زیادہ عزیز تھا۔

"ہوٹل تو میں نے چھوڑ دیا۔" میری تکلیف کا اندازہ کر کے وہ خود ہی مجھے بتانے لگی۔ "یہاں کی ایک نرس بہت رحم دل ہے وہ یہیں نرسنگ کوارٹر میں رہتی ہے۔ سوٹ کیس میں نے اس کے گھر رکھوا دیا ہے خود تمہارے پاس رہوں گی۔"

میں آنکھوں میں ممنونیت کے جذبات لیے مسکرا دیا۔

وہ ہسپتال کا جنرل وارڈ تھا جہاں تیمارداری کی کوئی گنجائش نہیں تھی پھر سیتا نے وہ کیسے میرے پاس رہنے کی بات کر رہی تھی میرا ذہن بوجھل ہو رہا تھا۔ میں نے کئی بار اس سے یہ سوال کرنے کا ارادہ کیا مگر زبان نے ایک بار بھی ساتھ نہ دیا۔

تھوڑی دیر بعد یہ گتھی بھی سلجھ گئی۔

ہسپتال کا عملہ مجھے بستر سے اسٹریچر پر ڈال کر پرائیویٹ وارڈ کی طرف لے چلا جہاں ہر مریض کے لیے علیحدہ کمرے کے علاوہ تیمارداری کی بھی گنجائش تھی۔

اگلے روز میرا آپریشن ہوا جو خاصا کامیاب رہا کیونکہ آپریشن تھیٹر سے واپسی کے بعد جب مجھے کمرے میں ہوش آیا تو سیتا کے چہرے پر فتح مندانہ مسکراہٹ رقصاں تھی۔

سیتا کی پٹیاں بتدریج غائب ہوتی رہیں وہ اپنا زیادہ وقت میرے پاس گزارتی تھی مگر اس کا ایک معمول میرے لیے ناقابل فہم ثابت ہو رہا تھا کہ ہر شام وہ مجھ سے کچھ کہے بغیر موقع پا کر دو تین گھنٹوں کے لیے غائب ہو جایا کرتی تھی۔

چوتھے روز میری حالت قدرے بہتر تھی اور میں مسکراتا ہوا کھانا کھا کر اپنے بستر پر دراز تھا تو سیتا نے باتیں چھیڑ دیں۔

"تم بھی سوچتی ہو گی کہ پاکستان واپسی تمہیں راس نہ آئی۔"

"تم جو خدا کے حوالے سے مجھے بتاتے رہے ہو وہی ماں بھگوان کے حوالے سے بتاتی تھی۔ آدمی کی تقدیر اٹل ہوتی ہے اور اس کا لکھا ہر حال میں پورا ہو کر رہتا ہے۔" وہ بڑے اعتماد سے بولی۔ "اس سے آگے دیوی دیوتاؤں کے قصے کبھی میری سمجھ میں نہیں آسکے۔ ان باتوں پر مجھے بھی یقین ہے میری ماں بھی تمہاری باتیں سن لیتی تو شاید اپنا دھرم بدل لیتی۔"

"کیا کہتی تھی تمہاری ماں؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"اسے بہت قصے یاد تھے۔ ہر رات کے ساتھ ہی وہ نئی کہانی سناتی تھی۔" اس کے لہجے میں اپنی ماں کے لیے عقیدت رچی ہوئی تھی۔ "پتہ نہیں کون سا بادشاہ تھا وہ۔۔۔ اسے نجومیوں نے بتایا کہ اس کی موت پانی سے ہوگی۔ وہ تیراکی کا بہت شوقین تھا۔ اس نے اسی دن سے تیراکی چھوڑ دی۔ شہر کے تالاب بند کروا دیے۔ محل کے حماموں میں سے حوض تک اکھڑوا دیے۔ جہاں جاتا ندی نالوں سے بچ کر گزرتا۔ دریا تو اس نے بھول کر بھی پار نہ کیا مگر پھر بھی وہ پانی ہی سے مرا۔"

"وہ کیسے؟" جب وہ کافی دیر تک نہ بولی تو مجھ کو پوچھنا ہی پڑ گیا۔

"تم ہی بوجھو۔" اس نے پوچھا۔

"سمندر میں ڈوب کر مرا ہوگا۔"

وہ یوں کھلکھلا کر ہنس دی جیسے میں نے کوئی نادانی کی بات کہہ دی ہو۔ "سمندر کو تو اس نے دیکھا ہی نہیں تھا۔"

"پھر تم ہی بتا دو۔"

"کھانے کے بعد پانی پی رہا تھا کہ پھندا لگا اور وہ اس کے گلے میں پھنس کر رہ گیا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "انسان ہر ایک سے لڑ سکتا ہے مگر تقدیر سے نہیں۔"

"یہ اچھی بات ہے کہ تمہیں یہ معلوم ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن برے وقت میں انسان مقدر کو کوستا ہے۔"

"بری بات ہے۔" اس کا لہجہ بزرگانہ ہو گیا۔ "تمہیں چوٹ لگی بری طرح گھائل ہوئے مگر میں پھر بھی خدا کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے تمہیں زندگی تو دی۔"

"ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ میرا علاج کئی مہینے چلے گا۔"

"اچھے تو ہو جاؤ گے نا!" اس نے مجھے تسلی دی۔

"مگر وہ پیسے کب تک ساتھ دیں گے۔ ہزار بارہ سو ڈالر ہی تو بچے تھے میرے پاس۔" میں نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

اس کے چہرے پر بے چینی کی ایک لہر آ کر گزر گئی۔ "بہت زیادہ۔۔۔ ابھی تو اس میں کچھ بھی خرچ نہیں ہوا۔"

"پھر خون اور یہ دوائیں کہاں سے آ رہی ہیں۔۔۔ اس کمرے کا کرایہ کون دے گا، کھانے پینے کے اخراجات اس کے علاوہ ہیں۔"

"تم یہ سب مت سوچو۔" وہ اٹھ کر میرے بستر پر آ گئی۔ "سب ان ہی پیسوں میں سے ہو رہا ہے میرا مطلب تھا کہ ابھی تھوڑی ہی رقم خرچ ہوئی ہے۔"

"ذرا دیکھوں تو، باقی کیا بچا ہے؟"

"وہ جیب میں نہیں ہیں اور تم اتنا اطمینان رکھو۔ ایک نرس کے پاس رکھوا دی ہے جس کے ہاں سوٹ کیس ہے۔ جتنی ضرورت پڑتی ہے اس سے لے لیتی ہوں اپنے پاس رکھتی تو گم ہو جانے کا بھی خطرہ تھا۔"

میں چند ثانیوں تک خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر دھیمے سے بولا۔ "ایک بات کا بالکل سچ سچ جواب دو گی؟"

"میں نے تم سے جھوٹ کب بولا ہے؟"

"تو پھر یہ بتاؤ۔" میں نے اپنے دل میں ایک بے نام سی خلش محسوس کی۔ "یہ بتاؤ کہ تم روز شام کو مجھ سے کچھ کہے بغیر کہاں غائب ہو جاتی ہو؟"

میں نے دیکھا کہ میرے اس سوال پر اس کے چہرے کا رنگ یک بیک متغیر ہو گیا۔ "کہیں بھی نہیں۔ ہسپتال میں ہی ایک بیمار عورت ہے جس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ ان ہی کے پاس تھوڑا وقت گزار دیتی ہوں۔" وہ کہتی تھی کہ دکھی دل کی دعاؤں میں بڑا اثر ہوتا ہے کون جانے ان ہی کی دعاؤں سے تم جلدی اچھے ہو جاؤ۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو سیتا!" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر سپاٹ لہجے میں کہا۔ میرے دل کی کسک کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

"مجھے کیا ضرورت ہے جھوٹ بولنے کی۔" چہچہانے کے بجائے وہ خلاف توقع معصومانہ لہجے میں بولی۔ "جو بات تھی وہ میں نے بتا دی۔ اب جو چاہو سمجھو۔"

اور اس شام بھی وہ حسب معمول موقع پا کر کھسک گئی۔ میں نے دیدہ دانستہ اونگھنے کی اداکاری شروع کر دی تھی اور وہ مجھے سویا ہوا پا کر غائب ہو گئی۔

اس وقت میں چلنے پھرنے سے معذور تھا۔ اگر میرا بس چلتا تو میں اسی وقت اس کا تعاقب کر کے پتہ چلانے کی کوشش کرتا کہ وہ کہاں جاتی تھی۔

سیتا دنوں مجھ سے الگ رہ کر تنہا ہر قسم کے ماحول میں رہ چکی تھی۔ اس پر برا بھلا ہر قسم کا وقت آیا مگر مجھے اس پر اس قدر اعتماد تھا کہ میں نے اس کے بارے میں کبھی بھول کر بھی کوئی منفی بات نہیں سوچی مگر اس وقت بے بسی کے عالم میں بستر کا اسیر ہونے کے بعد میرے ذہن میں شبہات کا زہر سرایت کر رہا تھا۔

میرے ساتھ اس کا رویہ پہلے جیسا تھا لیکن میں اسے بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کے چہرے کے اڑتے ہوئے رنگ اور لہجے کے کھوکھلے پن سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس نے اپنی غیر حاضری کا جھوٹا جواز پیش کیا تھا۔

میرا ذہن مسلسل اسی سوچ میں مبتلا تھا اور میرا ذہن ہر سوال کا ایک نیا جواب سوچتا تھا جس کی تصدیق کا میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

اس شام وہ نسبتاً جلدی واپس آ گئی۔

"تم جاگ گئے؟" مجھے دیکھتے ہی وہ مسرت آمیز شوخ لہجے میں بولی۔

"کسی وقت ہمیشہ کے لیے بھی سو جاؤں گا۔" میں نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ میرے وجود میں لاوا سا دھیمے دھیمے کھول رہا تھا لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اسے کیا کہوں اور کیسے کہوں۔

سیتا نے بڑھ کر میرے دہانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "مریں تمہارے دشمن! اپنے منہ سے کیا اول فول بک رہے ہو۔ ذرا سی دیر کے لیے باہر گئی اور تم کیسے کیسے خواب دیکھنے لگے۔"

"ذرا سی دیر؟" میرا لہجہ غیر ارادی طور پر تلخ ہو گیا۔ "جب تم گئیں تو میں سویا نہیں تھا، جاگ رہا تھا تم پورا ڈیڑھ دو گھنٹے بعد آئی ہو۔"

جن کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے ان کے ساتھ گزرا ہوا وقت ہمیشہ مختصر محسوس ہوتا ہے۔"

میرا لہجہ اور الفاظ اسے چونکانے کے لیے کافی تھے۔ وہ سہم کر پیچھے ہٹ گئی۔ اس کے یاقوتی ہونٹ سفید پڑ گئے۔

"تم کیا کہہ رہے ہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

میں نے اسے مزید جھٹکے لگانے چاہے لیکن لبوں پہ بے ہنگم مسکراہٹ آگئی۔ "ان ہی لاوارث بیمار عورتوں کی بات کر رہا تھا جن پر تم محبتوں کے پھول نچھاور کرتی ہو۔"

"شکریہ۔" وہ دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر گہرا سانس لیتے ہوئے بولی پھر شکایتی لہجے میں کہا۔ "تم نے تو بس مجھے بے پناہ پریشان کر دیا ہے۔ مجھ سے مذاق میں بھی ایسے لہجے میں بات نہ کیا کرو ورنہ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔"

میرے لیے اتنا کافی تھا کہ اپنے جیسے دل کے تصور ہی جائزہ لینے کا ایک بھرپور موقع فراہم کر دیا تھا۔

دو دن تک وہ ایک لمحے کے لیے بھی کمرے سے نہیں ہلی۔

تیسری صبح ڈاکٹر معمول کے مطابق دیکھ بھال کے لیے آیا تو زخموں کا پرچا بنا کر چلا گیا۔

دو پہر کے کھانے کے بعد سیتا بے چین سی نظر آ رہی تھی۔ میں نے اس کی بے چینی بھانپ لی لیکن انجان بنا بستر پر پڑا رہا۔ آخر کار وہ میرے قریب آ گئی۔ "تھوڑی دیر کے لیے میں باہر جا رہی ہوں۔۔۔"

"کیوں؟" میں نے اس کی بات پوری ہوئے بغیر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سخت لہجے میں سوال کیا۔

"تمہارے لیے نئی دوائیاں لانی ہیں۔" اس کا لہجہ خوشامدانہ تھا۔

"کینٹین کا ملازم خالی رہتا ہے تو کسی سے منگوا لینا۔" میں نے چبھتے ہوئے بلکہ ترش لہجے میں کہا۔

"پیسے ختم ہو گئے ہیں۔ مجھے اس نرس سے لینے ہوں گے۔" وہ بات کرتے ہوئے مجھ سے نگاہیں چرا رہی تھی۔

"اسی لڑکے سے بلوا لینا اسے۔ میں خود بھی اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"وہ اس وقت ڈیوٹی پر ہوگی۔۔۔ اس کے لیے وارڈ چھوڑ کر یہاں آنا مشکل ہوگا۔ بڑا ڈاکٹر اکثر وقت نا وقت چکر لگاتا رہتا ہے۔"

"سب بکواس ہے۔" میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ "بات صرف اتنی ہے کہ تم ہر قیمت پر باہر جانا چاہتی ہو۔ مسلسل تکرار سے مجھے ہرگز بہلا نہیں سکتیں۔ مجھے سمجھتے کتنا کچھ ہو۔ جاؤ۔ آزاد ہو۔"

اس نے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے جھلملا رہے تھے۔

اس سے پیشتر کہ اس کے آنسو میرے سینے میں بھڑکتی ہوئی آگ کو سرد کرتے میں نے اپنا رخ دیوار کی طرف پھیر لیا۔

اس کے قدموں کی بوجھل چاپ سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ جا چکی تھی۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ واپس آئی تو دواؤں کے علاوہ کچھ پھل بھی لائی تھی۔ مگر میں نے اسے کوئی رخ نہیں دیا۔

نئی دواؤں میں ایک سکون آور گولی بھی تھی جس کے باعث میں بیشتر وقت غنودگی یا نیند کے عالم میں رہنے لگا۔ اس دوران میں جب بھی میری آنکھ کھلی میں نے سیتا کو قریب ہی موجود پایا۔ لیکن اس کی جانب سے جو گرہ میرے دل میں پڑ گئی تھی وہ ختم نہ ہو سکی بلکہ مجھے یہ خیال پیدا ہو گیا کہ خواب آور گولی شاید سیتا نے اپنی طرف سے میری دوا میں شامل کی تھی تاکہ میری غفلت کے دوران اس کی آمد و رفت میں خلل پڑنے کا کوئی موہوم سا امکان بھی باقی نہ رہے۔

پھر ایک دن جب ڈاکٹر آپریشن تھیٹر میں میرے زخموں کا معائنہ کر رہا تھا تو میں نے اس سے سوال کر ہی ڈالا۔

"تازہ زخموں کے مقابلے میں ابھرتے ہوئے زخموں کی کسک شدید ہوتی ہے۔ ظاہری پھوڑوں کے علاوہ جو گھاؤ بہت پہلے بھی پڑ چکے ہیں اس وجہ سے پرسکون نیند کے لیے خواب آور دوا کا استعمال ضروری ہے۔" ڈاکٹر نے پٹیاں تبدیل کرتے ہوئے کہا۔ مگر میرے دل سے وہ پھانس نہ نکل سکی۔

ایک روز سیتا نے مجھے اس نرس سے بھی ملوا دیا جو اس پر خاصی مہربان تھی۔ گندمی رنگ کی جوان اور خوبرو لڑکی تھی۔ لیکن چاہتے ہوئے بھی اس سے کچھ نہ پوچھ سکا۔ ان دنوں سکون آور دوا کی وجہ سے بیداری کے عالم میں بھی ذہن ماؤف سا رہنے لگا۔

رفتہ رفتہ مجھے بستر پر بیٹھنے کی اجازت مل گئی پھر چند روز تک ایک نرس بیساکھی کے سہارے لان پر چلنے کی مشق کراتی رہی۔ بعد میں اس نے یہ ذمہ داری سیتا کو سونپ دی۔

سیتا میری دیکھ بھال کے معاملے میں بہت مستعد تھی۔ دوا اور کھانے پینے کا پورا خیال رکھتی تھی مگر اس کے باوجود ہم دونوں کے درمیان پہلے جیسی گرمجوشی نہیں رہی تھی۔ ہر وقت دونوں ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے رہتے تھے۔

چند ہفتوں کے بعد زخم اس حد تک مندمل ہو گئے کہ خواب آور دواؤں کا استعمال ترک کرا دیا گیا مگر اس کے باوجود مجھے ذہنی طور پر نارمل ہونے میں مزید آٹھ دس دن صرف ہو گئے۔

ذہنی طور پر مستعد ہونے کے بعد میں ہر شام انتظار کرنے لگا کہ کب سیتا باہر جانے کا نام لے اور میں اس بہانے سے وہ سب کچھ

نیا ڈالر جو پچھلے دنوں میں غبار بن کر میرے دل میں جمع ہو رہا تھا لیکن سیتا نے پھر باہر جانے کا نام نہیں لیا۔

"تم نے بہت دنوں سے لاوارث عورتوں کی دیکھ بھال چھوڑ رکھی ہے؟" ایک روز لان میں بیٹھے بیٹھے میں نے بات نکال ہی لی۔

"تمہیں پسند نہیں تھا نا۔"

"چلو مجھے ان تک لے چلو۔"

"زنانہ وارڈ میں مردوں کا داخلہ منع ہے پھر وہ کافی فاصلے پر بھی ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ اس کے لب و لہجے کی شوخی تو بہت دن ہوئے چھن چکی تھی۔

"مرد ملاقاتی تو آتے ہی ہوں گے۔ ویسے بھی اب میں بیساکھی کے بغیر تھوڑا بہت چل لیتا ہوں۔" میں نے اصرار کیا۔

"ضروری تو نہیں کہ اب تک وہ ہسپتال میں ہوں۔" اس نے زمین پر پیر کے انگوٹھے سے گھاس کریدتے ہوئے کہا۔ "کوئی مر گئی ہوگی، جو کوئی ہوں گی صحت یاب ہو کر گھروں کو جا چکی ہوں گی۔ اب تو شاید بستروں پر اجنبی چہرے ہوں گے۔"

میں لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا۔

حادثے کے بعد سیتا کی ذات ان دنوں ایک عجیب معمہ بن کر رہ گئی تھی۔ مجھے اس کی ذات پر اپنی ملکیت کا شدت سے احساس تھا۔ میرے نزدیک احساس ملکیت کے لیے مرد یا عورت ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ بس جسے لوٹ کر جایا جاتا ہے اس کی پرچھائیں تک کو انسان اپنی مرضی کا اسیر کرنا چاہتا ہے۔ میں تو یہی چاہتا تھا کہ سیتا کو اپنی بانہوں میں سمیٹ کر ان لمحوں کو وقت کے طلسم میں ساکت کر دوں اور جب اس کی پچھلے دنوں کی سرگرمیوں کی غیر حاضری یاد آتی تو اس کے بدلے ہوئے رویے سے طبیعت بے قرار ہو جاتی۔

مگر دونوں صورتوں میں اس کی اداسی اور خاموشی مجھے مسلسل کھائے جا رہی تھی۔ وہ مجھ سے کھل کر بات بھی نہیں کرتی تھی۔ بلکہ میں کوئی بات چھیڑتا تو وہ بس مختصر سا جواب دے کر بات ختم کر دیتی اور میں منہ دیکھتا رہ جاتا۔

ڈاکٹروں نے چھ ہفتے بعد مجھے اس شرط کے ساتھ چھٹی کی پیش کش کی کہ میں مزید دو ہفتے تک بیساکھی کا استعمال برقرار رکھوں لیکن میرے اقرار یا انکار سے پہلے ہی سیتا نے نرمی سے یہ پیش کش مسترد کر دی۔

"میرے اپنے ہسپتال سے بیساکھی کے سہارے نہیں اپنے قدموں پر چل کر جائیں گے۔" اس کا لہجہ نرم مگر بے لچک تھا۔

"اب صرف پٹی کھلنی باقی ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "اس کے بعد دوڑنے بھاگنے تک یہاں کے اخراجات جاری رہیں گے۔"

"اخراجات کے لیے بہت ہیں۔" سیتا نے لاپروائی سے کہا۔ "یہ ہمارا مسئلہ ہے اور ہم برداشت کے قابل ہیں۔"

"اب کتنے پیسے رہ گئے ہیں؟" ڈاکٹر کے چلے جانے کے بعد میں نے سیتا سے سوال کیا۔

"کافی ہوں گے۔" اس کے لہجے میں ذرا بھی لوچ نہیں تھا۔ "اس نرس سے ملوں گی تو معلوم ہو سکے گا کہ کیا باقی ہے۔"

"تم آج کل کچھ بیزار سی نظر آ رہی ہو۔" اس وقت میرا دل اس سے باتیں کرنے کو چاہ رہا تھا، ساری تلخیوں کو فراموش کر کے۔ اس نے بڑی بڑی آنکھیں اٹھا کر غور سے میری طرف دیکھا، جیسے میرے بشرے سے میرے الفاظ کی گہرائی ناپ رہی ہو پھر سر جھکا لیا۔

"نہیں۔۔۔ خیال ہے تمہارا۔"

"جھوٹ بول رہی ہو تم۔"

"دیکھو تو سہی کہ کسی کے بولنے میں نرمی اور جھوٹ کا سا لا امتیاز کھو چکے ہو اور جب عورت اپنے مرد کی نظر میں اتنی گر جائے تو اسے جینے کا کوئی حق نہیں رہتا۔" اس کا لہجہ قطعی بوجھل مگر جذبات سے عاری تھا۔

میں نے دونوں ہاتھوں میں اس کے بال تھام کر اس کا چہرہ ایک جھٹکے سے اوپر اٹھا دیا۔ "مرنے سے ڈرا رہی ہو مجھے؟"

"مرنا صرف آدمی میں لی جانے کو ہی نہیں کہتے۔" اس کی آنکھوں کے کنارے نم ہونے لگے۔ "جب کسی سے اس کی معصوم خوشیاں اور اعتماد چھین کر انگاروں کی سیج پر بٹھا دیا جائے تو اسے بھی موت ہی کہتے ہیں۔ میں تو اس دکھ کو جھیل رہی ہوں تمہیں رلوا کب دوں گی۔"

"کب چھینی میں نے تمہاری خوشی؟" میں نے اس کے بالوں کو ایک اضطراری جھٹکا دے کر جھنجھلائے لہجے میں سوال کیا۔

"ٹھنڈے دل سے سوچو گے تو سب یاد آ جائے گا۔" اس نے اپنے بال میری گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

نہ وہ اگل رہی تھی نہ میں اپنی زبان سے کہا ہوا مٹانا چاہتا تھا۔

"کیا یاد آ جائے گا؟"

"اتنی بڑی بڑی باتیں کہہ کر بھول گئے تم۔" اس کا لہجہ شکایتی ہو گیا۔ آنکھیں اچانک چھلک گئیں اور آواز بھرا گئی۔

"وہ سب تم نے کہلوایا۔ ایک جھوٹ بول کر۔"

"پھر کہا تم نے مجھے جھوٹا۔" وہ تڑپ کر بولی۔

"ان باتوں کو کریدو گی تو ہزار بار جھوٹا کہوں گا۔" اس کی حالت دیکھ کر میرا دل نرم پڑ رہا تھا مگر الفاظ تلخ ہوتے جا رہے تھے محض اسے اعتراف شکست پر مجبور کرنے کے لیے۔

"جو جھوٹ کسی کا پندار رکھ لیں۔ میری ماں کہتی تھی وہ جھوٹ

نہیں رہتے۔" وہ بھرائی ہوئی دل شکستہ آواز میں بولی۔

"کس کا پندار رکھنا چاہا تھا تم نے... اپنا، میرا یا کسی اور کا؟" یک بہ یک میرے ذہن پر غصہ سوار ہو گیا۔

"وہ جس کا بھی رہا ہو مگر میرا ایمان ہے کہ باپ نہیں تھا۔" اس نے پھر جھرجھری لے کر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔

"بتاؤ گی نہیں؟" میں نے غصے اور بے بسی کے ساتھ سوال کیا۔

اس نے بڑے زور سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔

سیتا پر اس وقت وہی ضد اور ہٹ دھرمی طاری تھی جو ہمالیہ کے پہاڑوں میں سرکش ہندوؤں پر حکمرانی کرتے ہوئے اس کا مزاج بنی ہوئی تھی۔

"اگر وہ باپ نہیں تھا تو مجھے بتلاتے ہوئے کیوں ڈر رہی ہو؟" چند ثانیوں کے بعد میں نے تیز لہجے میں سوال کیا۔

"جس روز اپنے قدموں پر چلنے کے قابل ہو جاؤ گے سب بتا دوں گی۔" اس نے آنسوؤں میں تر چہرہ اٹھا کر سسکتے ہوئے کہا۔

اس واقعہ کے بعد ہمارے تعلقات پر پھر جمود طاری ہو گیا میرے اور اس کے درمیان محض بیمار اور مخلص تیمار دار کا رشتہ باقی رہ گیا تھا مگر میرے ذہن پر یہ خلش ضرور سوار ہو گئی تھی کہ وہ کون سا انوکھا جھوٹ تھا جسے وہ مجھ سے مسلسل چھپائے جا رہی تھی۔

رفتہ رفتہ وہ دن بھی آ گیا جب میں کسی سہارے کے بغیر محتاط قدموں سے چلنا شروع کر دیا۔

دو روز تک یہ مشق ڈاکٹر کی کڑی نگرانی میں جاری رہی پھر مزید تین روز تک مجھے اپنی مرضی پر چھوڑ دیا گیا۔

اس دوران میں نپے تلے قدموں سے چلنے میں مجھے کسی دقت کا سامنا نہیں ہوا تو ایک روز مجھے ہسپتال سے رخصت کی اجازت مل گئی۔

ہسپتال کے بل کی رقم دیکھ کر میں پریشان ہو گیا۔ مگر سیتا نے اطمینان کے ساتھ چار ہزار کے قریب وہ رقم ادا کی اور ہم باہر آ گئے۔

"سوٹ کیس نہیں لینا؟" میں نے اسے یاد دلایا۔

"بعد میں لے لیں گے۔" باہمی تعلقات میں کشیدگی کے باوجود اس روز خوشی سے ہمارے پیر زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔

ہسپتال کے دروازے پر ٹیکسی میں سوار ہوتے ہوئے سیتا نے ڈرائیور کو بہادر آباد چلنے کے لیے کہا تو میں چونک پڑا مگر سیتا نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کر کے مجھے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔

بہادر آباد کے کمرشل ایریا میں چھوٹے چھوٹے پلاٹوں پر بنی ہوئی کئی منزلہ عمارات میں سے ایک کے سامنے سیتا نے ٹیکسی رکوائی اور پھر مجھے سہارا دے کر سیڑھیاں عبور کرنے میں مدد دینے لگی۔ پہلی منزل کے فلیٹ کا تالا کھول کر ہم دونوں اندر داخل ہوئے تو آراستہ فلیٹ بالکل صاف ستھرا پڑا ہوا تھا۔

"یہ کہاں لے آئیں تم؟" میں نے دو کمروں کے فلیٹ میں موجود اوسط درجے کے لوازم زندگی کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"سر چھپانے کے لیے ہمیں ایک ٹھکانا درکار تھا جو مل گیا۔ یہ جگہ ہوٹلوں سے بہتر اور محفوظ ہے۔" اس نے کہا۔

"مگر اس کی چابی تمہارے پاس کیسے آئی؟"

"یہ صفیہ کا فلیٹ ہے۔" سیتا نے اس نرس کے بارے میں بتایا جو اس کی دوست بنی ہوئی تھی۔ "اس کا شوہر میکینک ہے اور سعودی عرب میں کام کرتا ہے اسے خود نرسنگ کوارٹرز میں جگہ ملی ہوئی ہے... یہ فلیٹ عموماً بند رہتا ہے شوہر چھٹیوں پر آتا ہے تو چند روز کے لیے وہ دونوں اسے آباد کر لیتے ہیں۔"

"بڑی مہربان ہو گئی ہے وہ تم پر!" میں نے صاف ستھرے بستر پر دراز ہوتے ہوئے کہا اور اسی وقت میری نگاہ ایک میز کے نیچے رکھے ہوئے اس سوٹ کیس پر پڑی جو میں نے جلدی میں خریدا تھا۔

"اتفاق ہی ہے جو مجھے اس سے مل بیٹھنے کا موقع مل گیا۔" سیتا بولی۔ "میں نے اسے اپنا نام سیلی ہی بتایا ہے ہو سکتا ہے کہ کسی چھٹی والے دن وہ ملنے آ جائے۔"

"تو ہسپتال سے تم یہاں آیا کرتی تھیں؟" تھوڑے سے توقف کے بعد میں نے وہ سوال کر ہی ڈالا جو کافی دیر سے میرے ذہن میں ڈنک مار رہا تھا۔

"یہاں آ کر کیا لیتی؟" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "یہ قدرت کی ستم ظریفی ہے کہ کراچی آتے ہی ہم ایک ساتھ کئی مشکلات میں گھر گئے۔"

"بلا توقف بولتی جاؤ۔" میں نے بے تابی سے اسے ٹوکا۔

"ہوٹل سے نکلتے ہوئے اتفاقی طور پر کچھ رقم کپڑوں میں رہ گئی تھی باقی رقم تمہاری جیب میں تھی جس وقت حادثے کے بعد تم بے ہوش ہوئے تو اتنا تو ہوا کہ وہاں ہجوم اکٹھا ہو گیا مگر ٹکر مارنے والے کو کوئی نہ روک سکا اسی بھیڑ میں کسی نے تمہیں اٹھانے کے بہانے تمہاری جیبیں صاف کر دیں۔ غنیمت ہوا کہ پاسپورٹ وغیرہ ہوٹل میں تھے ورنہ وہ بھی صاف ہو جاتے۔" وہ پرسکون لہجے میں بتانے لگی اور میں بے اعتباری سے اس کی کہانی سنتا رہا۔

"ہسپتال میں تمہارے لیے فوری طور پر خون اور قیمتی

دواؤں کی ضرورت تھی جن کا بر وقت کوئی انتظام نہ ہو سکا اور ساری رات میں نے تمہارے سرہانے روتے اور سوچتے ہوئے گزار دی اور اگلی صبح ہر قیمت پر رقم کی فراہمی کا ارادہ کر لیا۔

میں روزانہ ہی صدر کے علاقے میں شیرٹن ہوٹل کے پاس دو ہیروں کی جیبیں صاف کیں تب کہیں خون وغیرہ کا انتظام ہو سکا اور اگلی صبح تمہارا آپریشن کیا گیا ورنہ تمہاری ٹانگ ضائع ہونے کا خطرہ تھا اس کے بعد میں نے تمہارے بہتر علاج کے لیے اسی پرائیویٹ رہنے کا فیصلہ کیا اور ضروریات کے مطابق ہسپتال سے نکل کر شام کی بھیڑ بھاڑ میں مختلف علاقوں میں جیبیں کاٹتی رہی۔ اگر اس وقت میں تمہیں یہ سب کچھ بتا دیتی تو شاید تم ٹانگ کٹوانا گوارا کر لیتے مگر مجھے روک دیتے اسی لیے میں خاموش رہی۔ تمہاری جراحت سہتی رہی مجھے یقین تھا کہ وقت آنے پر جب تمہیں حالات کا علم ہو گا تو تم مجھے معاف کر دو گے مگر بدقسمتی سے تمہارا ذہن بہک گیا اور تم نے برملا میرے کردار پر اپنے شبہات کا اظہار کر ڈالا میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم اس حد تک سوچنے لگو گے۔"

"میں شرمندہ ہوں سیتا!" میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور وہ کسی ننھے سے سہمے ہوئے بچے کی طرح بلک کر رو پڑی۔

"تمہاری ان الزام تراشیوں کو سن کر میں نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ جس روز صحت یابی کے بعد تمہیں ہسپتال سے چھٹی ملے گی میں اپنی زندگی کا خاتمہ کر لوں گی مگر بعد میں تمہارے بچے میں تھوڑی سی ہلچل نے مجھے زندہ رہنے کی آس دلا دی ورنہ آج تم تنہا رہ گئے ہوتے۔"

"مگر بعد میں تو تم نے غائب ہونے کا سلسلہ موقوف کر دیا تھا پھر اخراجات کہاں سے چلتے رہے؟" میں نے پوچھا۔

"جن دنوں تم خواب آور دواؤں کے زیر اثر رہتے تھے میں نے ایک ایک دن میں کئی کئی جیبیں تراشیں تاکہ اس مہلت میں آنے والے دنوں کے لیے کچھ پونجی جمع کر سکوں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ سارے اخراجات ادا کرنے کے بعد اس وقت میرے پاس کئی ہزار روپے موجود ہیں۔" اس نے بتایا۔

"اور تم کبھی نہیں پکڑی گئیں؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ کبھی نہیں۔" اس نے سادگی سے کہا اور میں بے اختیار ہنس پڑا۔

"ہنس کیوں رہے ہو؟"

"جرم کا ارتکاب بھی خدا کا شکر ادا کر کے رہی ہو۔"

"اس کا شکر تو ہر حال میں کرنا چاہیے۔" اس نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "میں جیب تراشیاں ضرورت کے تحت کر رہی تھی وہ میرا مستقل پیشہ تو نہیں تھا۔"

"اور ہوٹل کا بل بھی اسی طرح ادا کیا؟"

"نہیں۔ اس پر کچھ رقم اپنے پرس میں رکھی تھی۔ اس سے ہوٹل کا حساب بے باق ہو گیا۔ اگر میں ادھر کی خبر نہ لیتی تو ڈر تھا کہ ہوٹل والے ایک دو روز انتظار کے بعد پولیس سے رجوع کرتے اور بلاوجہ پاسپورٹوں کے ذریعے پیچیدہ دشواریاں کھڑی ہو جاتیں۔"

میں بظاہر سکون کے ساتھ سیتا کی کہانی سنتا رہا مگر میرے دل و دماغ میں اپنے معاشی استحکام کے بارے میں ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ سیتا نے اپنی ضرورت اور میری صحت یابی کے لیے جس مذموم فعل کا سہارا لیا وہ ایک عورت کے لیے کسی بھی طرح پسندیدہ نہیں ہو سکتا تھا اور آئندہ کے لیے کسی ناگہانی صورت حال میں ان مجبوریوں کا سدباب ضروری تھا۔

"پہلے میں نے ملازمت کے بارے میں بھی سوچا تھا۔" وہ کہہ رہی تھی "مگر میں کراچی کو پہلے بھی دیکھ چکی تھی۔ ملازمت میں آبرو کا تحفظ ایک سنگین مسئلہ تھا اور اگر کوئی بری گھڑی آ ہی جاتی تو شاید میرے ہاتھ خونریزی سے بھی نہ رکتے پھر دوسری مجبوری یہ بھی کہ کسی بھی ملازمت سے اتنی آمدنی کی امید نہیں تھی جو تمہارے علاج کے اخراجات پورے کرنے کی متحمل ہو سکتی۔"

"مجھے معاف کر دو سیتا!" میں جذبات سے مغلوب لہجے میں بولا۔ "پتہ نہیں میرا ذہن کیوں گندگی کی طرف بھٹک گیا تھا۔ تم واقعی عظیم ہو۔ عورت کی وفا اور ایثار کی ایک مثال ہو کاش میں نے وہ سب بکواس نہ کی ہوتی۔"

"شاید تم بھی حق بجانب تھے..." اس نے دھیمے لہجے میں کہا "یا شاید تم اپنی ذات سے میری وابستگی کو نہیں سمجھ سکے تھے۔"

"میری زندگی میں یہ پہلا مرحلہ تھا کہ میں نے تمہارے بارے میں کوئی غلط رائے قائم کی تھی۔ وہ بھی محض اس لیے کہ میں تمہارے چہرے سے تمہارا جھوٹ پکڑنے پر قادر ہوں ورنہ وہ بدترین لمحات جنم ہی نہ لیتے۔"

"اب بھول جاؤ ان باتوں کو۔" وہ اداس سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "غنیمت یہ ہے کہ تم نے میرا عذر قبول کر لیا۔"

"انسان تدبیریں سوچتا رہ جاتا ہے مگر تقدیر کے بے رحم ہاتھ اسے انجانی راستوں پر دھکیلتے رہتے ہیں۔" قدرے سکوت کے بعد میں نے کہا۔ "کراچی آتے ہوئے میرا پکا ارادہ تھا کہ بچی ہوئی رقم سے کوئی چھوٹا کام کر کے روزی کماؤں گا مگر آتے ہی کڑی گناہ کے راستے سے اپنی ضروریات پوری کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔"

"تمہارا گھر بار۔ ماں باپ اور بہن بھائی کہاں ہیں؟" اس نے جھجکتے ہوئے مجھ سے سوال کر ہی ڈالا۔

"باپ کے علاوہ میرا گھر ہے۔" میں نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔

"جہاں میں نے انہیں آخری بار چھوڑا تھا، اب وہ وہاں نہیں ہیں۔ کئی برس پہلے ان کا سراغ لگانے کی کوشش بھی کی تھی تو ناکام رہا تھا۔"

"یہیں کراچی میں؟"

"نہیں وہ سب لاہور میں ہوا کرتے تھے۔ مجھے بھی مقدر کی گردش کراچی کھینچ لائی تھی ورنہ میں بھی اندرون لاہور ہی میں پلا بڑھا تھا۔"

"تم چند روز آرام کر لو۔" وہ بغور میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "پھر ہم لاہور چلیں گے اور ایک بار پھر انہیں تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔۔۔"

"مجھے اپنے گمشدہ رشتے مل جائیں تو بات ہی کیا ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر حسرت آمیز لہجے میں کہا۔

اور یہ تھا بھی درست ہی۔

میں لاکھ سرکش اور نافرمان سہی۔ مگر برسوں کی لاتعلقی کے بعد اگر اب اپنوں کے سامنے سر جھکا کر کھڑا ہو جاتا تو شاید سب ہی مجھے سینے سے لگا لیتے۔

"ہم انہیں تلاش کریں گے، ان کے قدموں میں سر رکھ کر اپنی خطاؤں کی معافی چاہیں گے اور جب وہ ہمیں معاف کر دیں گے تو ہم آگے نکل جائیں گے۔"

"خطائیں؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔ "تم کن خطاؤں کی بات کر رہی ہو؟"

میرا خیال تھا کہ میں نے اپنے گھر والوں سے اختلافات کے بارے میں اسے کبھی ایک لفظ بھی نہیں بتایا تھا۔

"ایک بار تم نے مجھے گھر چھوڑنے کا قصہ سنایا تھا۔" وہ بولی۔ "جہاں رشتے ٹوٹتے ہوں وہاں وقت گزرنے کے ساتھ تلخیوں میں مٹھاس آ جاتی ہے۔"

"اور آگے کہاں جانے کی بات کر رہی تھیں تم؟" میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس سے سوال کیا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم پارس کو بھول جانا چاہتے ہو۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔ "حادثے سے پہلے میں نے بھی اسے بھولنے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر اب میں سوچتی ہوں کہ اس کا حاصل کر لینا ہمارے حق میں اچھا ہی رہے گا۔"

"پارس پتھر" میں نے پرخیال لہجے میں دہرایا۔ "ہے تو وہ ایک نایاب پتھر اور اس میں زندگی کی آسائشوں کو فراہم کرنے کی قوت بھی ہے مگر میں اب ہنگاموں سے اکتا گیا ہوں۔ زندگی وہی اچھی ہوتی ہے جو اعتدال سے بسر کی جائے۔"

"ہماری پونجی لٹ گئی۔" وہ دلائل پر اتر آئی۔ "جس کے سہارے تم ایمانداری اور عافیت سے زندگی کا آغاز کرنا چاہتے تھے۔ مجھے جیب تراشی کی اجازت تم ہرگز نہ دو گے اور نوکری سے مجھے خوف آتا ہے پھر بتاؤ کہ ہم کیا کریں گے؟"

"بس چند روز کی بات ہے۔" میں زخمی ضرور ہوا تھا مگر معذور نہیں ہوں۔ میں اپنے زور بازو سے اپنی روزی کما سکتا ہوں۔"

"وہ میں جانتی ہوں۔" اس نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ "تمہاری ٹوٹی ہوئی ہڈی جڑ ضرور گئی ہے مگر اس کی اصل قوت بحال ہونے میں وقت لگے گا۔ زیادہ مشقت سے نئی خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔"

"تم کیا کرنا چاہ رہی ہو؟" میں نے الجھے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"اگر پارس پتھر کی مدد سے ہم گھر بیٹھے آرام دہ زندگی گزار سکیں تو کیا برا ہے؟" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"اس کی بازیابی شاید اتنی آسان نہ ہو۔"

"پرانی باتیں بھول جاؤ۔ اب وہ برسوں پرانی کہانی ہو چکی۔ اس سے پہلے کہ میری جمع امداد کی ہوئی رقم ختم ہو ہمیں بھی ہمت آزما کر دیکھنا چاہیے۔"

میں نے غور کیا تو اس کی بات میں خاصا وزن تھا۔

پارس پتھر ابدالے راجہ ہوٹل کے اس کمرے کی الماری کی چوکھٹ میں پوشیدہ تھا جہاں میں مقیم تھا۔

میں نے پتھر ایک سوراخ میں چھپا کر اوپر سے کس طرح جو کم لگا دی تھی، کباڑی بھی اندر سے اس کا سراغ لگانا دشوار تھا۔

اگر پارس پتھر وہیں موجود تھا تو ساری مہم صرف اتنی ہی تھی کہ ہم راجہ ہوٹل میں ایک رات قیام کریں اور اسے حاصل کر کے واپس آ جائیں۔

پارس پتھر کے واپس ہونے کی صورت میں ہمیں مالا مال ہو جانا تھا لیکن اس کوشش میں بظاہر کوئی خرابی نظر نہیں آ رہی تھی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" کچھ دیر تک سوچ بچار کے بعد میں نے اس کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"تو پھر تین دن بعد روانگی کا انتظام کر لوں؟" اس کا چہرہ دمک اٹھا اور شگفتگی دوبارہ لوٹ آئی۔

"تین دن بعد کیوں؟"

"روانگی سے پہلے ایک بار ڈاکٹر سے ملنا ضروری ہے۔" اس نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "اور اس نے تمہیں پرسوں شام بلایا ہے۔"

دوپہر کو سیتا قریب جوار کے کسی ہوٹل سے گرم گرم کھانا لے آئی۔ کھانے سے فارغ ہو کر ہم نے کچھ دیر سستانے

سیتا کے مجوزہ پروگرام کے مدنظر آنے کے بعد

چند خوابوں کی تعبیر قریب نظر آ رہی تھی اور ذہن میں ہوائی قلعے بنتے

زمین ہل جاتی تھی۔

یہ خیال آتے ہی میں نے بستر چھوڑ دیا۔

"کیا ہوا؟" سیتا مجھے یوں اٹھتے دیکھ کر گھبرا گئی۔

"ہمیں لاہور تک ٹرین سے سفر کرنا ہوگا۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اور یہاں فوری طور پر ٹرین کا ٹکٹ ملنا آسان نہیں ہوتا۔"

حادثے کے بعد مدد فراہم کرنے والوں نے رقم کے علاوہ میری ریسٹ واچ بھی نہیں چھوڑی تھی۔ جس سے میں وقت دیکھ سکتا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس وقت دوپہر کے دو بجے کا عمل تھا اور پچھلے برسوں میں اگر پاکستان میں کوئی تہلکہ خیز انقلاب نہیں آیا تھا تو بکنگ آفس میں کم از کم چار بجے تک بکنگ کرائی جا سکتی تھی۔

سیتا نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا مگر اس کا رویہ بتا رہا تھا کہ اس وقت میرے باہر جانے پر خوش نہیں تھی مگر میں اسے نظر انداز کر کے اس کے ہمراہ فلیٹ سے نیچے آ گیا۔

نیچے آتے ہی سیتا پھر سے پریشان سی نظر آنے لگی۔ جس کی پوری کوشش رہتی ہے کہ جلد از جلد کسی سڑک پر آ کر کوئی سواری حاصل کر سکے۔

"کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان ہو؟" میں نے دانستہ رک کر اپنے سگریٹ سلگاتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"چلتے رہو، رک کیوں گئے؟" وہ مضطرب لہجے میں بولی۔ "مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے۔"

یہ کہتے ہوئے غیر ارادی طور پر اس کی گردن پیچھے گھومی، اور میں نے فوری طور پر تمام صورتحال کا اندازہ لگا لیا۔

ہمارے فلیٹ کے مقابل ایک سیاہ فورڈ مستانگ میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا اوباش صورت شخص دروازہ کھولے ہم دونوں کی طرف نگراں تھا۔ گو ہم اس سے کافی دور آ چکے تھے مگر بہادر آباد کے چوراہے سے گھوم کر آنے والی سڑک ابھی دور تھی۔

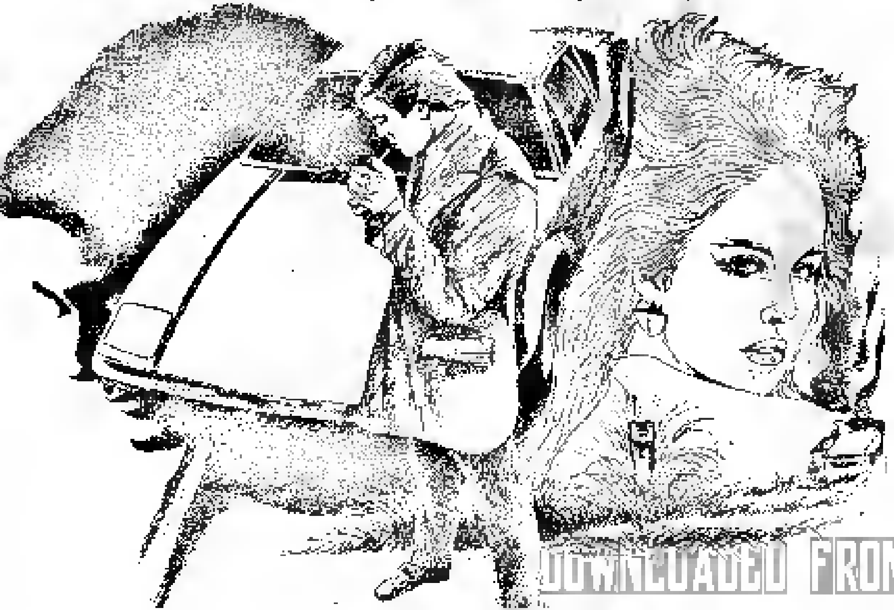
"سیاہ کار؟" میں نے دھیمے اور معنی خیز لہجے میں سیتا سے سوال کیا۔

"نہیں۔" وہ جھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "تم اس لفنگے سے نہ الجھو گے، جھک مار کر خود ہی چلا جائے گا۔ ٹھیک کہا رہے، کھانا لیتے ہوئے اس لفنگے کی اولاد سے سامنا ہوا تھا۔ شاید اسی وقت سے یہ یہاں مرا ہوا ہے۔"

پھر ہمارے سڑک پر پہنچنے سے ذرا پہلے فورڈ مستانگ بھی حرکت میں آئی اور ہمارے قریب آ رک گئی۔

ڈرائیور والی کھڑکی مجھ سے قریب تر تھی۔

"کہاں جا رہے ہیں آپ دونوں؟" اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر شائستہ لہجے میں سوال کیا اور مجھے کوئی جواب دینے سے پیشتر سیتا نے دونوں ہاتھوں میں اس کے بال جکڑ کر اس کے دھڑ کو کھڑکی میں سے باہر گھسیٹنے کی کوشش شروع کر دی۔ اس موقع پر بے اختیار میرا اپنا ہاتھ چل گیا جو بری طرح اس کی ناک پر پڑا اور اس کے حلق سے بوکھلاہٹ کے عالم میں عجیب سی آوازیں نکل کر رہ گئیں۔



فرد مستانگ میں سوار اوباش صفت نوجوان کی ناک سے خون کی دھار بہہ نکلی تو سیتا کے لیے اپنی وہ غیرارادی حرکت خاصی مہنگی پڑ گئی۔

دونوں ٹانگوں پر توازن کیا یک تبدیل ہوا تھا جس کے باعث میری دائیں پنڈلی میں درد کی شدید ٹیس اٹھی اور میں بے اختیار زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔

درد کی وہ لہر جتنی شدید تھی اسی قدر مختصر بھی ثابت ہوئی مگر اس دوران میں سیتا اس شخص کا حلیہ بگاڑ چکی تھی۔

اس کا اوپری دھڑ کھڑکی کے اترے ہوئے شیشے میں سے باہر لٹکا ہوا تھا مگر اس نے اپنے دونوں پیچھے اسٹیرنگ وہیل میں پھنسا کر خود کو منہ کے بل باہر گرنے سے روکا ہوا تھا۔

ناک سے بہنے والے خون نے اس کا چہرہ بگاڑ کر رکھ دیا تھا رہی سہی کسر سیتا کے زناٹے دار تھپیڑ نے پوری کر دی تھی۔ اس نے بائیں ہاتھ سے اس کے بال جکڑے ہوئے تھے اور داہنے ہاتھ سے اس کے چہرے پر تھپیڑ برسا رہی تھی۔

دو سکون اور قدرے سناٹے کا وقت تھا مگر پھر بھی اسی اثنا میں نہ جانے کہاں سے کئی افراد وہاں آ گئے۔

سیتا کے حسین اور غصے سے تمتماتے ہوئے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی ان میں سے کسی نے صورت حال دریافت کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ دو افراد نے آگے بڑھ کر بے رحمی سے اسے کھڑکی سے باہر گھسیٹ لیا اور سیتا اسے چھوڑ کر میری طرف متوجہ ہو گئی۔

"پسلیاں توڑ دو سالے کی۔" ایک تماشائی نے سڑک پر پڑے ہوئے لفنگے کی طرف دیکھ کر حقارت آمیز لہجے میں ہانک لگائی۔

مگر ان بپھرے ہوئے لوگوں سے جس انداز میں اس کی تواضع ہو رہی تھی اور وہ جیسی دردناک آوازیں نکال رہا تھا اس سے یہی تاثر ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لوگ اسے مرغ بنائے بغیر چھوڑ نہیں رکیں گے۔

وہ لاکھ بدطینت اور اوباش صفت سہی مگر ایک انسان ہی تھا اور میری دانست میں اسے لمبا سبق مل چکا تھا کہ آئندہ وہ عمر بھر کسی عورت کے ساتھ گستاخی کا تصور نہیں کر سکتا تھا لہٰذا مجھے دخل انداز ہونا پڑا۔

لوگ ہاتھ جھاڑ کر ایک طرف ہو گئے اور وہ خاک و خون میں آلودہ نیچے پڑا کربناک انداز میں کراہتا رہا۔

"کیا ہوا تھا بہن جی!" اس کی ٹھکائی کرنے والوں میں سے ایک نے قابل احترام حد تک سیتا کے قریب ہو کر مربیانہ لہجے میں دریافت کیا۔

"بکواس کر رہا تھا۔" سیتا نے اسے کمتری سے چپکے دھکیل کر تلخ لہجے میں کہا۔ "جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ آپ لوگوں کا بہت شکریہ۔ اب آپ اسے خود ہی نمٹا دیں گے۔"

مجمع ہونے والوں میں سے ایک نے بلند آواز میں ہمنوائی کرنے والا سر جھٹک کر بڑبڑاتا ہوا مجمع میں شامل ہو گیا۔

میں سیتا کے ساتھ چلتے ہوئے سڑک کی طرف بڑھ گیا۔

"ویسے یہ بھی ہے۔" سیتا سڑک کے کنارے پہنچ کر تھر تھراتی ہوئی بولی۔ "اکیلی عورت کو تو یہ اپنی جاگیر سمجھتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے تمہارا خیال درست ہو۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

"تو کیا اس میں شک کا امکان بھی ہے؟" اس نے تیز نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مقبوضہ معاشرے کا ہے ہمارے یہاں ابھی تک اکیلی عورت کا تصور رواج نہیں پا سکا ہے۔" میں نے اپنے لیے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"اکیلی عورت؟" اس نے تحیر آمیز انداز میں آنکھیں پھیلاتے ہوئے سوال کیا۔

"عورت اگر ثانوی درجہ رکھتی ہو، یعنی کسی مرد کے حوالے سے پہچانی جائے۔ خواہ وہ باپ ہو، بھائی یا شوہر۔ تو معزز قرار پاتی ہے مگر وہ خود اپنی شناخت منوانے سے قاصر ہے اسے تمسخر اور تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔"

"مگر کیوں؟" اس کے لہجے میں احتجاج نمایاں تھا۔ "دفتروں میں کام کرنے والی ہزاروں لڑکیاں بھی تو ہیں۔ بہت سی ایسی لڑکیاں ہیں جن کے گھر والے انہی کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں۔"

"وہ خول کی صورت میں جیتی ہیں اور ایک دوسرے کے حوالے سے عافیت میں رہتی ہیں۔ میری بات کی صداقت آزمانی ہو تو سڑکوں کی بھیڑ میں گھری اکا دکا لڑکیوں کو دیکھو جو کہ سبھی کی اپنی ذات کے حصار میں سمٹی رہتی ہیں۔"

"بخدا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو؟" اس نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "یہ بھی جھوٹی باتیں میرے لیے ناقابل فہم ہیں۔ میں اتنا جانتی ہوں کہ عورت کو نچلا رکھنے والا ہر رشتہ ٹوٹ دینا چاہیے۔ اور جب ایسی مثالیں عام ہوں گی تو لوگ ان کے احترام پر مجبور ہو جائیں گے۔"

اسی وقت ایک خالی ٹیکسی رینگتی ہوئی ہماری طرف آ گئی اور میں ڈرائیور کو گیسٹ ہاؤس چلنے کی ہدایت کر کے سیتا کے ساتھ عقبی نشست پر بیٹھ گیا۔

تین دن بعد میں ریلوے اسٹیشن کی بکنگ کھڑکی پر موجود تھا۔ دو کھڑکیوں کے بعد تیسری پر لوگوں کی قطار نظر آئی جو تعداد کی حد تک محدود تھے۔ اکا دکا افراد مسلسل اس کھڑکی پر آتے جاتے، ہر شخص نظر آتا ہے اور دوسری طرف بیٹھا ہوا کلرک ہر سوال کا جواب نفی میں دے رہا تھا۔

وہاں سے بے نیل و مرام لوٹ رہا تھا۔

میرے کھڑکی پر پہنچنے تک صرف ایک شخص ایسا آیا جس نے قدرے طویل گفتگو کے بعد چند نشستوں کی پیشگی بکنگ کرا لی۔

میں نے جب کھڑکی کے عقب میں بیٹھے ہوئے شخص پر اپنا عندیہ ظاہر کیا تو اس نے بیزاری کے عالم میں اپنے داہنے کان میں انگلی گھمائی پھر جھک کر پنڈلی سہلاتے ہوئے مطلع کیا کہ تین دن بعد تو در کنار ڈیڑھ ماہ تک بارہ دن تک میسر نہیں ہیں۔

اس کے لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ صبح سے شام تک اس کا بیشتر وقت اسی ایک مکالمے کی تکرار میں گزرتا تھا۔

وہاں خوشامد اور التجا کا جواب بھی ایک بیزاری تھی جو میرے لیے یہ معاملہ نہایت کوفت کا باعث بنا اور میں مایوسانہ انداز میں کھڑکی سے ہٹ گیا۔

کھڑکی سے ہٹتے ہوئے داہنی طرف ایک جم غفیر سا دکھائی دیا۔ جو کچھ پر جوش معلوم ہوتا تھا ان میں کچھ چہرے وہی تھے جنھیں میں بکنگ کی کھڑکی سے مایوس و نامراد لوٹتے دیکھ چکا تھا۔

غیر ارادی طور پر میں بھی اس بھیڑ میں شامل ہو گیا اور چند ہی لمحوں میں یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ مذکورہ افراد ایک تنظیم کے رضاکار تھے۔ اس ہجوم میں خدمت خلق پر مامور تھے علاوہ بعض چند لوگوں کے بیٹے کرکٹ سے ہر شہر تک ہر دن کے ٹکٹ فراہم کرنے کے دعوے دار تھے اور جس شخص کو ضرورت ہوتی اسے اضافی رقم کی مالیت کا تعین ہو جاتا تھا اسے چند ہی منٹوں میں نہ جانے کہاں سے ٹکٹ مل جاتے تھے۔

میری زبان سے منزل اور دن کے بارے میں سن کر اس قماش کے ایک موٹے نے ساڑھے تین سو روپے فی ٹکٹ بطور حق الخدمت طلب کیا جسے ادا کرنا میرے لیے دشوار نہیں تھا لیکن ایک سہولت میسر آ جانے کے بعد مزید کا مطالبہ کرنا انسانی فطرت کی بدترین کمزوری ہے لہٰذا میں نے قدرے تردد کا اظہار کیا۔

اس نے چند لمحوں تک میرے سراپا کا جائزہ لیا پھر میری گردن تھام کر اپنا دہانہ میرے ایک کان سے لگا دیا۔

میرے لیے خوفزدہ ہونے کا کوئی مقام نہیں تھا کہ بس جھٹکے کے ساتھ میں ایسی رازدارانہ سرگوشیوں کے متاثر عام تھے۔

"اس سے کم نہیں ہوں گے لینا ہے تو، ورنہ جاؤ۔" سرگوشیانہ آواز میں حکم تھا۔

میں نے رقم گن کر اس کے حوالے کی اور چند منٹ بعد ہی ٹکٹ میرے ہاتھ میں تھے۔

اس مرحلے سے گزر جانے کے بعد میرے ذہن میں وہ میرے دیکھتے ہی سوال پیدا ہوا کہ ٹکٹ حاصل کرنے کا جائز ذریعہ

اثر دہام کے آثار تھے جب کہ کھلے بازار میں آزاد دلالوں کے ہر شہر کے ہر دن کے ہر ٹرین کے ٹکٹ دستیاب تھے۔

میں ایک اضطراری لہر کے تحت دوبارہ بکنگ کی کھڑکی پر جا پہنچا۔

وہ شخص میری طرف متوجہ ہوئے بغیر میرے بولنے کا منتظر رہا۔

"تم نے تین دن بعد کا بولا ہوگا ٹکٹ ......" میں نے طنزیہ لہجے میں اپنی حکایت کی ابتدا کی ہی تھی کہ اس نے درمیان میں میری بات کاٹ دی۔

"تین دن بعد نہیں مل سکتا۔ تیرہ دن بعد تک کرا لو۔" مشینی جواب برآمد ہوا۔

"میں یہی بتانے آیا ہوں۔" میں نے قدرے غصیلے لہجے میں کہا۔ "تم نہ کرتے ہو مجھے باہر سے ہی ٹکٹ مل گئے ہیں تین دن بعد کے۔"

"بڑی خوشی کی بات ہے۔" اس نے خشک لہجے میں کہا۔ "پھر میرے پاس کیوں آئے ہو؟" اس کی اکتاہٹ زدہ بیزار نگاہیں میرے چہرے پر جم گئیں۔

"تمہارے پاس نہیں ہیں تو باہر کیسے مل رہے ہیں؟"

"بہت سے مسافر جانے کا ارادہ منسوخ یا ملتوی کر کے اپنے ٹکٹ بیچ دیتے ہیں۔" اس کا جواب نپا تلا تھا مگر تیور بگڑ کر غیر مشینی ہو گئے تھے۔

"باہر ٹکٹ زیادہ داموں پر بک رہے ہیں۔" میں نے غصے اور جھلاہٹ کے عالم میں کہا۔

"اچھا!" یہ انکشاف اس کے لیے حیرت آمیز ثابت ہوا۔ "ٹھیک ہو رہی ہے باہر؟" پھر اس کے لب و لہجے میں نرمی آ گئی۔ "معاف کیجیے میں تو محض بکنگ کلرک ہوں، میری تنخواہ اور ذمہ داریاں بہت محدود ہیں جن سے تجاوز کرنا میرے لیے ناممکن ہے آپ اسپیشل یا ریلوے پولیس کے کسی آدمی کو فوراً اس کی اطلاع دیں۔"

اس کے اخلاق نے مجھ پر فوری اثر کیا۔ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا درست ہی تھا ساری بدمعاشی ان مسافروں کی تھی جو دس بیس روپے کے لیے بیچ میں سفر ملتوی کر کے اپنے ٹکٹ بلیک کر رہے تھے۔

سیتا نے مجھے روکنا چاہا لیکن میں جذباتی طور پر اس معاملے میں اس قدر ملوث ہو گیا تھا کہ فوراً کسی سپاہی کی تلاش میں نکل گیا۔

اس شیڈ میں ریلوے پولیس کی موجودگی کے آثار مفقود تھے۔ البتہ ایک ستون کے ساتھ ایک گھیم سادہ پوش شخص لوٹی سی بید سنبھالے کھڑا تھا۔

مجھے شبہ ہوا کہ وہ خصوصی پولیس کا کوئی کارندہ تھا۔ لہٰذا میں اسی سے جا بھڑا۔

"یہاں ٹکٹوں کی بلیک ہو رہی ہے۔" میں نے جاتے ہی اس پر اپنا مدعا ظاہر کر دیا۔

"ثبوت؟" اس نے بید کو ہوا دیتے ہوئے اپنی پنڈلی پر مارتے ہوئے کہا۔

"یہ ہے۔" میں نے اپنی مٹھی اس کے سامنے کھول دی۔ "یہ میں نے ابھی بلیک میں خریدے ہیں اسی جگہ سے۔"

"ارے حمید!" اس شخص نے کسی کو پکارا۔ اس کی آواز اس چھت کے نیچے گونجتی ہوئی ہر طرف سنسناہٹ پھیلا رہی تھی۔

"جی صاحب!" کسی دور دراز گوشے سے گونجدار جواب آیا۔

"کہاں مرا ہوا ہے!... دیکھ ادھر بلیک ہو رہی ہے ٹکٹوں کی۔"

اس نے اس بلند آہنگ لہجے میں ہدایت جاری کی جس کے نتیجے میں بھیڑ بھاڑ میں افراتفری کا سا سماں پیدا ہو گیا۔ کھڑے ہوئے اور ٹہلتے ہوئے بہت سے لوگوں نے اچانک مختلف سمتوں میں تیزی سے چلنا شروع کر دیا تھا۔

حمید کو ہدایت دینے کے بعد اس نے میرے ہاتھ سے ٹکٹ لے لیے اور چند ثانیوں تک انہیں بغور دیکھنے کے بعد نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر دیں۔

"تو یہ تم نے بلیک میں خریدے ہیں؟"

"ہاں۔" میں نے اعتراف کیا۔ "دس روپے فی ٹکٹ زائد قیمت ادا کی ہے!"

"کس سے لیے ہیں؟" اس کا لہجہ سنگین ہو گیا۔

"ایک لمبا تڑنگا دراز قامت تھا، مونچھوں والا۔" میں نے اپنے لہجے میں پیدا ہونے والی لکنت پر غالب آتے ہوئے جلدی سے کہا۔ "بتاؤ کہ عرصہ ہوئے رہ ہے؟"

میں نے اس کی طرف سر گھمایا جدھر وہ دھندلا ہو رہا تھا تو میدان تقریباً صاف ہو چکا تھا۔ ٹکٹ بیچنے والوں کا دور دور تک پتہ نہیں تھا اور صرف ضرورت مند مسافر حیران و پریشان ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔

پھر بھی میں نے اس کے ساتھ ایک چکر لگا ہی ڈالا مگر مجھے مطلوبہ شخص کا سایہ تک نظر نہ آ سکا۔ اور میں نے اس سے اپنی ناکامی کا اعتراف کر لیا۔

"بچ کے جائے گا کہاں؟ دو چار روز میں پکڑا ہی جائے گا۔" وہ گویا ہوا۔ آواز بلند بڑبڑایا، پھر مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ "چلو میرے ساتھ۔"

"کہاں؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"رپورٹ درج کرانے۔" اس نے روا روی میں کہا۔ "ان بلیک کرنے والوں نے ہماری زندگی اجیرن کی ہوئی ہے۔ ویسے تو بلیک سے ٹکٹ خریدنا بھی جرم ہے لیکن میں تمہیں بند نہیں کروں گا۔

تم نے میرے پاس آ کر اپنی فرض شناسی کا ثبوت دیا ہے۔ تین چار روز میں تمہاری مدد سے وہ پکڑا جائے گا۔ اور ایک ہاتھ آ جائے تو ہم اُن کے تمام ساتھیوں کو دھر لیں گے۔"

"میری مدد سے؟" میں نے حیرت اور بیچارگی سے سوال کیا۔ "وہ تو غائب ہو گیا، میں اس سلسلے میں کیا مدد کر سکوں گا؟"

حقیقت یہ ہے کہ جوش کے عالم میں فراموش کیے ہوئے نکتے کی بازگشت نے مجھے خائف کر رکھا تھا۔ اگر وہ شریف النفس نہ ہوتا تو مجھے بلیک سے ٹکٹ خریدنے کے اقبالی مجرم کے طور پر باآسانی سزایاب کرا سکتا تھا۔

"وہ کب تک ادھر نہیں آئے گا؟" وہ کہہ رہا تھا۔ "اسے تم ہی پہچان سکتے ہو۔ دو چار دن صبح سے شام تک میرے ساتھ یہاں ہو گئے تو اندر قدم رکھتے ہی ہم اسے دھر لیں گے۔"

اس کا عزم دیکھ کر میرا سر چکرا گیا اور میں نے فوراً راہ فرار کی حکمت عملی اختیار کر لی۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ ادھر کا رخ ہی نہ کرے۔ صورت سے بیچارہ ضرورت مند معلوم ہوتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ چار چھ ٹکٹ بلیک میں بیچنے کے بعد اپنا ٹکٹ مفت حاصل کرنے کے لیے اس نے یہ سب کیا ہو؟"

"مگر قانونی لحاظ سے اس کی گرفتاری ضروری ہے۔" اس نے میرے دونوں ٹکٹ اپنی جیب میں ڈال لیے۔

"ہو سکتا ہے... مگر... ابھی تو میں نے باضابطہ رپورٹ بھی درج نہیں کرائی اس سارے واقعہ کی۔" میں بوکھلا گیا۔

"معزز شہریوں کی شکایت پر ہم کارروائی کر لیتے ہیں۔ ضابطے کی خانہ پری بعد میں کر لی جاتی ہے۔" اس نے ذہنی مستعدی سے آگاہ کیا۔

معاملہ بگڑ گیا تھا۔ اس کا لہجہ لمحہ بہ لمحہ سنگین تر ہوتا جا رہا تھا۔ اصل مجرم کے فرار کے بعد ساری فرد جرم مجھے اپنے سر آتی نظر آ رہی تھی۔ غنیمت یہ ہوا کہ اس نے پوری گفتگو کے دوران ان دونوں ٹکٹوں کی واپسی کا مطالبہ نہیں کیا تھا جو اس کی جیب میں منتقل ہو چکے تھے۔

آخر یہی طے پایا کہ میں جلد از جلد وہاں سے غائب ہو جاؤں اور ٹرین کے چلے جانے کے بعد دونوں ٹکٹ "تلف" کر کے وہ اس واقعہ کو بھول جائے گا۔

میں سبیتا کے ساتھ تیزی سے اس ہال سے باہر نکلا تو چند خشمگیں نگاہوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان میں سے ہر ایک نے مجھے شکایت کرنے پر ملامت کی۔ وہ ایسے پریشان حال مسافر تھے جو دس بیس روپے کی پروا کیے بغیر جلد از جلد اپنی منزل پر پہنچنا چاہتے تھے مگر میری شکایت کے بعد ٹکٹ فروشوں کا تو اغلب [illegible]

چکا تھا اور ان بے چاروں کی روانگی معرض التوا میں پڑتی نظر آ رہی تھی۔ اگرچہ وہ گناہ کی معذرت کرنے جا رہے تھے مگر ان غصیلے مسافروں کے سامنے خود کو پرلے درجے کا احمق محسوس کر رہا تھا مگر دیگر لوگوں کی طرح وہ بھی فراخ دل ثابت ہوئے اور کچھ ملامت کے بعد انہیں روانگی کی اجازت دے دی۔

اسٹیشن کی عمارت سے باہر سڑک پر آتے ہی سبیتا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"کیا بیہودگی ہے یہ؟" میں نے چڑچڑے لہجے میں اسے ڈانٹا۔

"سوچ رہی تھی کہ ہمارے معاشرے میں ابھی تک اچھی حکومت کے علاوہ معزز شہری کا تصور بھی رواج نہیں پا سکا ہے۔" وہ شوخ نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے بولی اور میں بے بسی کے ساتھ خاموشی سے ہنسنے پر مجبور ہو گیا۔

اس کا بھرپور طنز کے زہر میں ضرور ڈوبا ہوا تھا مگر حقیقت سے خاصا قریب تھا۔

بہادر آباد کے فلیٹ میں ہماری یہ رات سکون سے گزری۔ مجھے موہوم سا اندیشہ تھا کہ کہیں خورد مسٹانگ والا اپنی تذلیل کا بدلہ لینے کے لیے کوئی انتقامی کارروائی نہ کر گزرے مگر اس خدشے کی نفی نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ بالکل بزدل ثابت ہوا، اس حد تک شریف رہا۔ سبیتا کو اس نے اپنی کمزوری کا ایک منطقی نتیجہ تسلیم کر لیا تھا۔

مغرب سے قبل ہم دونوں ڈاکٹر کے پاس جانے کے لیے ایک ساتھ فلیٹ سے نیچے آئے تو مجھے زرد مسٹانگ والا یاد آ گیا۔

"پھر تو نہیں آیا وہ؟" میں نے سبیتا سے سوال کیا کیونکہ اس دوران وہ روزمرہ ضروریات کی اشیا خریدنے کے لیے دو ایک بار باہر جا چکی تھی۔

"ابھی تک تو شاید زخموں کی سینکائی کر رہا ہوگا۔" اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"اسے ضرورت سے زیادہ سزا دی گئی؟" میں نے اسے چھیڑنے کی غرض سے کہا۔ "ورنہ اس نے تمہیں اتنا زیادہ تنگ تو نہیں کیا تھا۔"

"تمہارا ذوق چھیڑ چھاڑ کر ہی نہیں سکتا تھا مگر مجھے اس نے شدید ذہنی اذیت پہنچائی تھی۔ تم آئے کیا حق تھا کہ مجھے غیرت کی عورت سمجھ کر میرا پیچھا کرتا۔"

میں خاموش ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم ہسپتال میں ڈاکٹر کے سامنے موجود تھے۔ اس نے نہایت توجہ سے میری پنڈلی کا معائنہ کیا، ٹانگ کو مختلف زاویوں سے گھما کر دیکھا اور مجھے چند ہدایات دینے کے بعد وہ مطمئن ہو گیا۔

اس کے خیال کے مطابق میری پنڈلی کی ہڈی کا جوڑ کامیابی کے ساتھ بحال ہو چکا تھا مگر احتیاط کا تقاضا تھا کہ فوری طور پر اس سے بھرپور کام لینے کی کوشش نہ کی جائے۔

اگلے چند ماہ کے لیے ہدایات اور ورزشوں کا طریقہ کار سمجھا کر اس نے ہمیں رخصت کر دیا۔

"اب کدھر کا ارادہ ہے؟" ڈاکٹر کے کمرے سے باہر آ کر میں نے سبیتا سے سوال کیا۔

"فلیٹ جانے سے پہلے کسی اچھے ہوٹل میں کھانا کھائیں گے۔ تمہاری صحت یابی کی خوشی میں!" اس نے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"کھانا ضرور کھا لینا لیکن میرا خیال ہے کہ اب فلیٹ جانا بے کار ہوگا۔" میں نے کہا۔ "کیوں نہ چابی اسی وقت فلیٹ کی مالکہ کو دے دی جائے؟"

"سوٹ کیس اور کپڑوں کا کیا ہوگا؟" اس نے مجھے یاد دلایا۔ "اس وقت ہمیں کفایت سے کام لینا چاہیے بلکہ اچھے ہوٹل میں کھانا کھانے کا ارادہ بھی منسوخ سمجھو۔ بلاوجہ کافی پیسے خرچ ہو جائیں گے اور بعد میں تنگی محسوس ہوگی۔"

فلیٹ کے بارے میں اس کی تجویز معقول تھی لیکن پھر بھی اس نے صفیہ سے ملنا مناسب سمجھا جس کے بارے میں پتہ چلا کہ اس کی ڈیوٹی دوپہر سے شروع ہونے والی تھی۔

رکشے کو راستہ بتانے کے سلسلے میں ہم بہتر ہو گئے تھے۔ سبیتا چند ہی منٹ میں ہمراہ صفیہ کے مکان کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔

خلاف توقع کئی دستکوں کے بعد تاخیر سے دروازہ کھلا اور صفیہ کھلتے ہوئے دروازے کی اوٹ سے نمودار ہوئی۔

اس کا چہرہ نیند سے متورم ہو رہا تھا، بال بھی منتشر تھے۔ چہرے پر گھبراہٹ ہویدا تھی اور جب وہ مسکراتے ہوئے سبیتا سے مخاطب ہوئی تو اس کے لہجے میں بوکھلاہٹ کا عنصر خاصی حد تک نمایاں تھا۔

"ارے تم! اس وقت یہاں؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"ہاں، آج ڈاکٹر سے ملنے آئے تھے، سوچا تم سے بھی ملتے جائیں۔" یہ کہہ کر سبیتا لحظہ بھر رکی پھر بولی۔ "کیا اندر نہیں بلاؤ گی؟"

"ہاں ہاں ضرور۔" اس نے سٹپٹا کر کہا۔ غیر ارادی طور پر گردن پیچھے گھما کر دیکھا اور پھر ہمیں راستہ دے دیا۔

اس کا مکان بہت مختصر مگر صاف ستھرا تھا۔ صحن اور برآمدے سے گزرنے کے بعد صرف ایک کمرہ تھا جس میں مسہری کے علاوہ چند کرسیاں بھی موجود تھیں۔

کمرے کی فضا دھوئیں کی بو سے بوجھل ہو رہی تھی اور فرش پر جا بجا سگریٹ کے ادھ جلے مسلے ہوئے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔

"ہم آج تمہارا فلیٹ چھوڑ رہے ہیں۔" سبیتا نے بیٹھنے کے

بعد کہا۔ "کسی بھی وقت چابی لوٹانے دوبارہ آ جاؤں گی۔"
"اتنی جلدی!" اس نے کہا مگر اس کی غلافی آنکھیں بار بار صحن کے ایک گوشے میں بنے ہوئے مختصر سے اسٹور روم کے بند دروازے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔
سیتا اس سے باتیں کرتی رہی اور میں خاموش بیٹھا رہا۔ وہ نرس بظاہر تو سیتا سے باتیں کر رہی تھی مگر ہم دونوں کی موجودگی پر بھی مضطرب نظر آ رہی تھی اور شاید سیتا نے بھی یہ بات نوٹ کر لی اور جلد ہی روانگی کے لیے اٹھ گئی۔
صفیہ نے انہیں روکنے کی رسمی سی کوشش بھی نہیں کی اور ہم دونوں اس کے گھر سے واپس روانہ ہو گئے۔
"یہ گڑبڑ کیا ہے؟" کچھ دور نکل آنے کے بعد میں نے معنی خیز لہجے میں سیتا سے سوال کیا۔
"انجان نہ بنو۔" وہ عجیب سی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "اصل صورتحال کا اندازہ تم نے بھی آسانی سے لگا لیا ہوگا۔"
"کیسی صورتحال؟" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔
"ہمارے پہنچنے سے پہلے اندر کوئی موجود تھا جسے اس نے چھپا دیا۔ اسی لیے دروازہ کھولنے میں اسے تاخیر ہوئی تھی۔"
"صورت سے تو شریف لگتی ہے؟"
"پتہ نہیں۔" سیتا نے بے دلی سے کہا۔ "طویل تنہائیوں سے اکتا کر اس نے کسی لڑکے سے دوستی کر لی ہوئی ہے۔ میں نے ہسپتال میں گزارے قیام کے دوران دوسری نرسوں سے یہ ذکر سنا تھا مگر آج اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا۔"
وہ موضوع بہت نازک تھا۔ میں کافی دیر تک سیتا سے تبادلہ خیال کرتا رہا اور مجھے یہ اندازہ کر کے خوشی ہوئی کہ وہ صفیہ کی اس خیانت کو کوئی بھی رعایت دینے پر آمادہ نہیں تھی جو وہ اپنے شوہر کے ساتھ کر رہی تھی۔
دوپہر کا کھانا ایک ہوٹل میں کھانے کے بعد ہم پہلے جا پہنچے اور فلیٹ سے اپنا سامان سمیٹ کر سوٹ کیس سمیت باہر آ گئے۔
ہسپتال کے دروازے پر میں ٹیکسی میں بیٹھا رہا اور سیتا فلیٹ کی چابی صفیہ کو لوٹا کر چند منٹ میں واپس آ گئی۔
اس بار ٹیکسی کا رخ کینٹ اسٹیشن کی جانب تھا۔
مجھے اسٹیشن پر چند روز قبل پیش آنے والے واقعات اچھی طرح یاد تھے لہٰذا اس بار میں نے کسی الجھن میں پڑے بغیر ٹکٹ حاصل کر لیے اور یوں ہم شام کو لاہور کے لیے روانہ ہونے والی ٹرین میں آرام دہ جگہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔
کراچی سے لاہور تک کا ٹرین کا سفر بہت طویل اور تھکا دینے والا تھا مگر چونکہ سونے کے لیے برتھ کے ٹکٹ تھے ہوتے تو کمر اکڑ کر بیٹھے بیٹھے سفر کرنا ناممکن ہوتا کیونکہ زیادہ دیر تک ٹانگیں لٹکا کر بیٹھنے سے میری ادھوری پنڈلی میں ورم کے ساتھ درد شروع ہو جاتا تھا۔
ٹرین پاکستان کی سرزمین پر تیزی سے دوڑتی رہی۔ درمیانی اسٹیشنوں سے ٹرین اس قدر تیز رفتاری سے گزر رہی تھی کہ پلیٹ فارم پر نصب تختیوں پر لکھے ہوئے نام تک پڑھنے ناممکن ہو رہے تھے۔ اور پھر کوٹری پر ٹرین جا رکی۔
سندھ کے خشک اور ریتیلے علاقے کے بعد شاداب خطے بھی آئے مگر رات ڈھل جانے کے باعث باہر کے مناظر دیکھنا ممکن نہ رہا۔
اگلی دوپہر کو ٹرین لاہور اسٹیشن کی حدود میں پہنچی ہوئی داخل ہوئی تو میرا دل مسرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات کے تحت پسلیوں میں دھڑک رہا تھا۔
"تو یہ ہے تمہارا شہر۔" سیتا نے مسافروں کی بھیڑ سے الگ ہوتے ہی مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں اس سے پہلے بھی لاہور آئی تھی مگر اسٹیشن ہی دیکھا تھا۔" یہ کہتے ہوئے وہ ہنسی۔ "اور اس وقت میں بالکل وحشی تھی۔ آدمیوں سے بھڑک کر دور بھاگتی تھی۔"
"شہر پسند آیا تمہیں؟" میں نے پر شوق لہجے میں سوال کیا۔
"کہا نا کہ اس وقت تو میں خوفزدہ تھی۔ اپنے سائے تک سے بھڑکتی تھی۔ ہر شخص اپنی طرف لپکتا ہوا محسوس ہوتا تھا مگر اس وقت تمہارا ساتھ ہے اور میں دنیا دیکھ چکی ہوں لہٰذا میرا شہر بھی بدلا ہوا ہے۔"
"اب تو شاید دوسرے بھی انسان لگ رہے ہوں گے؟"
"لاابالی لوگوں کا شہر معلوم ہوتا ہے۔" وہ ہنس کر بولی۔ "کرتے اور شلوار سے انگریزی وضع کے سوٹ تک بھانت بھانت کے لباس نظر آتے ہیں مگر ہر ایک اپنے حال میں مست ہے۔ کسی کو دوسرے کی پروا نہیں ہے۔"
"جہاں ہر شخص اپنی پسند کے خول میں چھپا ہو اور دوسرے کی پسند کا احترام کرتا ہو وہاں خوش دلی اور بے فکری ہی نظر آتی ہے۔"
اسٹیشن سے باہر بھانت بھانت کی آوازوں اور سواریوں کا میلہ لگا ہوا تھا اور جونہی سیتا نے تانگوں کی طرف نگاہ اٹھائی کئی تانگے اپنی جگہ سے حرکت میں آئے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں ہمارے پاس آ رکے۔
میں نے سیتا کی نگاہیں پہچان لیں اور چمکتے ہوئے سفید پیتلوں سے آراستہ تانگے میں سوار ہو گیا جس میں سفید رنگ کا ایک توانا گھوڑا جتا ہوا تھا۔
میرے ذہن میں جس ہوٹل کا نام تھا وہ اسٹیشن سے زیادہ دور نہیں تھا اور فیملی والوں میں نیک شہرت کا حامل تھا۔

کراچی میں میرا خیال تھا کہ سیتا کے سرخی مائل بھورے بال اور نیلی آنکھیں زیادہ ممتاز نظر آ رہی تھیں لیکن لاہور میں شاید بہ ہر کیونکہ وہاں سرخ و سفید رنگت کے ساتھ حسین خد و خال بہت نظر آتے ہیں لیکن اسٹیشن سے ہوٹل میں داخل ہوتے تک میرا یہ قیاس غلط ثابت ہو گیا۔
لاہور پہنچنے کے بعد سیتا کی انفرادیت اور زیادہ ابھر آئی تھی۔
ہوٹل میں دو بستر کا کمرہ حاصل کر کے ہم نے غسل کیا اور باہر نکل آئے۔
وقت کافی تھا لہٰذا میں نے رنگ محل کے علاقے کا رخ کیا جہاں ایک مارکیٹ میں میرے والد مرحوم کی دکان ہوا کرتی تھی۔
پچھلے چند برسوں میں لاہور کی ہیئت ہی بدل کر رہ گئی تھی۔ نئی تعمیرات اور پرانی عمارات میں ترمیم و اضافے نے پرانی شناختوں کو بدل ڈالا تھا لیکن میں مارکیٹ کے نام کے سہارے مطلوبہ دکان پر پہنچ ہی گیا جہاں ایک صاف ستھرا میڈیکل اسٹور قائم تھا۔
دکان میں داخل ہوتے ہی ایک معمر سیلز مین ہماری طرف متوجہ ہوا تھا۔
"فرمائیے کیا چاہیے؟" اس کے خشک لہجے سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ مسکراہٹ کے استعمال میں کفایت شعار واقع ہوا تھا۔
"مجھے دکان کے مالک سے ملنا ہے۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔
"وہ تو میں ہی ہوں۔" اس نے ایسے لہجے میں کہا جیسے اپنی ملکیت کے بارے میں وہ زیادہ پر یقین نہ ہو۔
"پہلے یہ دکان وجاہت علی مرحوم کی ہوا کرتی تھی..." میں نے تمہید کا آغاز کیا اور اسی وقت غازہ و سرخی میں تھری ہوئی ایک لمبی خاتون ہانپتی ہوئی دکان میں داخل ہوئیں اور وہ مجھے چھوڑ کر نو وارد خاتون کی طرف متوجہ ہو گیا۔
"ذرا یہ نکال دو جلدی سے۔" خاتون نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ایک نسخہ اسے تھما دیا۔
میں نے اندازہ لگایا کہ اس نسخے میں کچھ اہم ادویات درج تھیں جو خاتون کے بدن سے فاضل وزن گھٹانے میں مددگار ہوتی ہیں مگر یہ دیکھ کر حیرت ہوتی کہ سیلز مین دوائیں کے علاوہ خورد و نوش کی ان اشیا کا بھی ڈھیر کرتا جا رہا تھا۔
خورد و نوش کی اشیا کی قیمت سے فارغ ہونے کے بعد اس نے لپ اسٹک اور مطلوبہ رنگوں کے نیل پالش جو فہرست میں شاید مندرج تھے۔
فہرست کے ان لمحات کو غنیمت جان کر وہ خاتون ریفریجریٹر سے آئس کریم نکال کر کھانے میں مصروف ہو چکی تھیں۔
آئس کریم خوری کی تکمیل سے قبل ان کا مطلوبہ سامان تھیلوں میں ڈال دیا گیا اور انہوں نے بلا تامل ہدایت کی کہ زندگی کا ہر قسم

ادا کر دی۔

دکان میں ملازم خوش شکل مگر کمسن لڑکا سامان اٹھا کر خاتون کے پیچھے ہو لیا۔ جنھوں نے اپنا پرس بائیں بغل میں دبا لیا تھا، اور بائیں ہاتھ میں تھامے ہوئے آئسکریم کپ کے باقیات کو داہنے ہاتھ کی مدد سے اپنے خوف آور معدے میں منتقل کرنے میں مصروف تھیں۔

"کیا مانگ رہے تھے آپ؟" عورت سے نمٹنے کے بعد اس دکان کا سیلز مین نما مالک دوبارہ ہماری طرف متوجہ ہو گیا۔

یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ ہم کسی جنس کے خریدار نہیں تھے، اس کے لہجے میں پائی جانے والی اخلاق کی تو تھوڑی سی رمق بھی مفقود ہو چکی تھی۔

"میں وجاہت علی مرحوم کا ایک قریبی عزیز ہوں۔" میں نے پہلا جملہ دہرائے بغیر بات آگے بڑھائی اور دانستہ یہ انکشاف نہیں کیا کہ میں وجاہت علی مرحوم کا سب سے چھوٹا بیٹا ہوں۔

"یہ وجاہت صاحب کون تھے؟" اس نے بات آگے بڑھنے سے قبل اپنے تجسس کی تشفی ضروری سمجھی اور سوال داغ دیا۔

"کئی برس پہلے اس دکان کے مالک ہوا کرتے تھے۔" میں نے کہا۔

"مگر میں نے تو چوہدری بشیر سے خریدی تھی یہ دکان۔"

"شاید انھوں نے وجاہت صاحب کے لڑکوں سے لی ہو۔"

"مگر آپ یہ سب کیوں کرید رہے ہیں؟" وہ چڑ سا گیا۔

"میں برسوں بعد پاکستان آیا ہوں اور ان کے گھر والوں سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے اپنا لہجہ نرم بلکہ خوشامدانہ رکھتے ہوئے اس سے کہا۔

"چوہدری بشیر سے آگے مجھے کچھ معلوم نہیں۔" اس نے دو ٹوک لہجے میں جواب دیا۔ "وہ یہاں موٹر گاڑیوں کے ڈیل پرزوں کا کاروبار کرتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ میں کہیں سے ان کا رہائشی پتہ تلاش کر سکوں۔"

"میں آپ کا احسان مند رہوں گا۔"

"فوراً کچھ نہیں ہو گا۔" اس نے مجھے انتظار پر آمادہ پا کر جلدی سے کہا۔ "گھر پر اس دکان کی خریداری کے کاغذات دیکھوں گا، پتہ وغیرہ انھی میں ہو گا۔"

"تو میں دوبارہ کب زحمت دوں آپ کو؟"

"کل اسی وقت....." اس نے کہا اور جوابی انتظار کیے بغیر "خدا حافظ" کہہ کر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

اس دکان سے نکل کر ہم تنگ گلی کے علاقے میں گھومتے رہے پھر شاہ عالمی سے تانگہ پکڑ کر انارکلی آ گئے۔

انارکلی بازار میں دکانوں کے ظاہری خدوخال اور آرائشی انداز میں نمایاں تبدیلیاں نظر آئیں لیکن وہاں کا اجتماعی جغرافیہ تبدیل نہیں ہوا تھا۔

شام ڈھلے ہم ہوٹل واپس لوٹے تو سیتا کے ذہن پر لاہور اور اس کے شہریوں کے بارے میں اچھا تاثر قائم ہو چکا تھا۔

اگلے روز صبح کا وقت چلتے پھرتے ہی خالی تھا لہٰذا میں کچھ بز پھر چوبرجی کے رہائشی علاقے کی طرف چل دیا جہاں ابا جان کا مکان میں ہمارا قیام تھا۔

پہلے بھی ایک بار میں نے اس علاقے میں کوچہ چھانی تھی مگر قدیم پڑوسیوں سے بھی بس اسی قدر معلوم ہو سکا کہ ابا جان کی وفات کے بعد میرے بڑے بھائیوں نے پہلے دکان بیچی۔ اس کے بعد مکان کی نوبت آ گئی اور اس کا تیا پانچہ کر کے انھوں نے نزدیک بازار میں ایک مکان کرائے پر لے لیا۔ اس کے بعد وہ کہاں گئے، یہ مجھے کوئی بھی نہ بتا سکا تھا۔

پرانے محلے داروں میں بچے بڑے ہو چکے تھے، جوانوں کے بالوں میں چاندی کے تار جھلملانے لگے تھے مگر ان تمام فطری تبدیلیوں کے باوجود چند چہروں کو پہچاننا میرے لیے دشوار ثابت نہ ہوا۔ یہ اور بات تھی کہ گردش کی ٹھوکروں نے میرا حلیہ اس حد تک بدل کر رکھ دیا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی مجھے نہ پہچان سکا اور میں نے بھی ذہنی تعارف ہی میں بہتری سمجھی۔

اس مرتبہ بھی ان لوگوں سے کوئی نئی بات معلوم نہ ہو سکی کہ نزدیک بازار کے بعد میرے گھر والے کہاں گئے تھے، یہ کوئی نہ بتا سکا۔

میں تشویش اور پریشانی کے عالم میں محلے کی ایک گلی کے کونے پر کھڑا ہوا تھا۔ مجھے ان چار پانچ رشتے دار گھرانوں کا خیال آیا جو لاہور ہی میں آباد تھے لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ ابا جان کی زندگی میں ان سے ہمارے مراسم خوشگوار نہیں تھے اور مجھے مجبوری کے ان لمحات میں ان کے دروازوں پر دستک دینے میں حجاب مانع تھا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" ایک بھاری بزرگانہ آواز اور شانے پر ہاتھ کے نرم دباؤ نے مجھے چونکا دیا۔

میں پلٹا تو حاجی اللہ داد میرے سامنے موجود تھے جنھوں نے چند منٹ پہلے میری بات چیت سن لی تھی۔ شاید میری پریشانی دیکھ کر وہ مجھ سے تفصیلی گفتگو کرنی چاہتے تھے۔

وہ میرے والد مرحوم کے پڑوسی اور گہرے دوست تھے مگر میں نے ارادہ کیا ہوا تھا کہ ان پر اپنی اصلیت ہرگز منکشف نہیں کروں گا۔

وہ چند گلیوں سے گزر کر مجھے اپنے مکان کی بیٹھک میں لے گئے۔

میرے مقابل چارپائی پر بیٹھ کر چند ثانیوں تک حاجی صاحب بغور میرا جائزہ لیتے رہے پھر مجھے ہمدردانہ لہجے میں بولے "کون ہو اور ان لوگوں کے بارے میں کیوں پریشان ہو؟"

"وجاہت علی مرحوم میرے چچا تھے۔" میں نے غمناک لہجے میں کہا۔

"چچا؟" حاجی اللہ داد نے حیرت سے دہرایا۔ "مگر ان کا تو کوئی بھائی نہیں تھا، کم از کم مجھے تو یہی معلوم ہے کہ وہ اپنے باپ کی اکلوتی نرینہ اولاد تھے۔"

"میرے ابا بچپن ہی میں کسی بات پر چھوٹے بھائی سے لڑ کر گھر سے نکل گئے تھے۔ پھر پلٹ کر ادھر کا رخ ہی نہیں کیا۔" میں نے سنجیدگی سے انھیں یہ من گھڑت قصہ سنایا۔

"کہاں چلے گئے تھے وہ؟" حاجی اللہ داد کی نگاہوں میں حیرت اور تجسس کا سمندر انگڑائیاں لینے لگا تھا۔

"زمانے بھر کے دکھ جھیلتے بغداد جا پہنچے۔ وہاں حالات سازگار ہوئے اور آخری وقت تک وہیں مقیم رہے۔"

"ناقابلِ یقین.... ناقابلِ یقین۔" حاجی صاحب بڑبڑائے۔ پھر بلند آواز میں مجھ سے پوچھا۔ "تو تم بغداد سے آئے ہو؟"

"ہاں۔ والد مرحوم سے اکثر چچا جان کا ذکر سنتا تھا۔ انھیں کبھی معلوم ہو گیا تھا کہ شادی کے بعد وجاہت علی مرحوم نے اس طرف سکونت اختیار کر لی تھی۔ لہٰذا میں ایک مدت بعد یہاں آیا مگر افسوس کہ ان کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔"

حاجی صاحب نے ایک گہرا سانس لیا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ گھروں سے بھاگنا تمھارے خاندان کی پرانی روایت رہی ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" میں نے ان کا مدعا پوری طرح سمجھتے ہوئے بھی حیرت کا اظہار کرنا ضروری تصور کیا۔

"وجاہت علی مرحوم کا چھوٹا لڑکا بھی بہت ناہنجار تھا۔" انھوں نے کچھ ایسے لہجے میں بتانا شروع کیا۔ "والد کے بڑھاپے میں گھر سے بھاگ گیا اور اسی صدمے نے ان کی جان لے لی۔ اس کا نام صفدر علی تھا اور وہ آج تک لاپتہ ہے۔"

"بہت بدنصیب لڑکا تھا۔" میں نے دل کی گہرائیوں سے کہا۔ "جسے بزرگوں کا سایہ نصیب ہو اور وہ اس کی قدر نہ کرے، اس سے بڑا بدنصیب اور سیاہ بخت کون ہو گا؟"

"یہ سعادت مند بچوں کی سوچ ہے۔" حاجی اللہ داد میرے خیالات سے متاثر ہو کر مربیانہ لہجے میں بولے۔ "مگر صفدر علی کے... باپ کے مرنے کے بعد صفدر علی کے دو بڑے بھائیوں سلطوت علی اور [illegible] نے کاروبار سنبھالا مگر انھیں میں کیا چوٹ پڑ گئی، سلطوت علی جوئے میں قسمیں ہار کر دکان کو زیر بار کر رہا تھا لہٰذا دکان بک گئی اور [illegible] ملتان چلا گیا۔ ایک برس بعد ہی گھر کے برتن ڈھول بجنے لگے، نوبت یہاں تک آ گئی۔ سلطوت علی کی جوئے کی لت نے آخر ماں کی مرضی کے خلاف مکان بھی

بیچ دیا۔ وہ غیر شادی شدہ تھا، بس ماں کو لے جا کر نزدیک کے ایک غلیظ اور سستے کرائے کے مکان میں ڈال دیا جہاں وہ بے چاری سسک سسک کر مر گئی۔ اس کے بعد سلطوت علی کا کچھ پتہ نہیں چلا۔"

اپنے بھرے گھر کی تباہی کی وہ لرزہ خیز کہانی سن کر میری آنکھیں نمناک ہو گئیں۔

"وجاہت علی بڑا جگری دوست تھا۔" حاجی اللہ داد کا لہجہ رازدارانہ ہو گیا۔ "میں اس کا بہی خواہ ہوں، تم اس کے بھتیجے ہو، اس لیے تمھیں بتا رہا ہوں کہ کافی دن پہلے میں نے اخبار میں چھوٹی سی خبر پڑھی تھی کہ سلطوت علی کراچی کے ایک بینک میں ڈاکا ڈالتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔ یہ خبر تمھیں کہیں سے نہیں مل سکے گی لیکن میرا اندازہ ہے کہ وہ تمھارے چچا کا منجھلا لڑکا ہی تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کراچی جیل میں سزا بھگت رہا ہو یا مقدمہ چلنے کا منتظر ہو۔"

میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ایک باپ کے تین بیٹوں میں جو نیک نام تھا وہ بیوی بچوں سمیت گھٹ گھٹ کر مر گیا اور دو بے ننگ و نام زندہ تھے۔

ایک خون اور بارود کی برسات میں سیاہ کاریوں کے شاہکار بنا اپنے مرحوم باپ کی زندگی رسوا کر رہا تھا اور دوسرا جیل میں سزا یافتہ ڈکیت کے خطاب سے نوازا گیا تھا۔

"یہ خبر کب کی ہے؟" میں نے اپنے کرب کو چھپاتے ہوئے سوال کیا۔

"دو ڈھائی برس پہلے کی بات ہے۔" حاجی اللہ داد نے نرمی سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "ہو سکتا ہے کہ اب تک کی سزا نے اس کا دماغ ٹھکانے لگا دیا ہو۔ وہ بچپن ہی سے آوارہ مگر تمھارا بڑا بھائی ہے.... ہو سکتا ہے کہ اس پر جرمانہ بھی ہوا ہو جس کی عدم ادائیگی پر وہ مزید قید بھگت رہا ہو.... تم بغداد سے آئے ہو آسودہ حال لگتے ہو۔ اگر اس بدنصیب کی مدد کر سکو تو شاید تمھارے چچا کی نسل بھی چل سکے ورنہ صفدر علی تو جانے کہاں کس کے ہاتھوں مارا گیا ہو گا۔"

"مارا گیا ہو گا؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔ "آپ کس بنا پر کہہ رہے ہیں؟"

حاجی اللہ داد کے چہرے پر تفکر آمیز لکیریں ابھر آئیں۔ "وہ بھی بڑا شوریدہ پشت نکلا۔ اس نے بھی اخباروں میں اپنے باپ دادا کا نام اچھالا تھا.... ایک زمانے میں پاک بھارت کے حوالے سے اس کی بڑی خبریں چھپی تھیں۔ اس پر کئی آدمیوں کے خون کا الزام تھا اور ہندوستان میں پولیس کے علاوہ بارڈر کے ہتھیار بند سمگلر بھی خونخوار لوگ اس کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ پھر اچانک ہی اس کے بارے میں خبریں آنا بند ہو گئیں۔"

"یہ کیسے کہہ سکتے ہیں آپ کہ وہ اسی محلے کا صفدر علی تھا؟"
میرا دل حلق میں دھڑکنے لگا تھا اور دورانِ خون کنپٹیاں پھاڑ کر باہر آنے کے لیے بے چین تھا۔
"اس کی تو تصویریں چھپی تھیں اخباروں میں۔" حاجی اللہ داد نے کہا۔ "ہندوستان سے نکل آیا تو یہاں کی پولیس اس کی منتظر تھی۔ پاکستان میں قانون کی نظروں میں وہ ایک رسوائے زمانہ مفرور سمگلر تھا۔ تصویروں میں اس کا حلیہ ضرور بدلا ہوا تھا مگر نام اور خدوخال تو ہزاروں میں بھی پہچانے جا سکتے ہیں۔"
وہ درست کہہ رہے تھے مگر ان کی غلطی صرف اتنی تھی کہ سامنے بیٹھے ہوئے صفدر علی کو نہیں پہچان سکے تھے۔ بلکہ اس کے معزز دستار شاداب عالیہ پر اپنے شرافت اور سعادت مندی کی سند بھی دیئے جا رہے تھے۔ گزرے ہوئے واقعات اور ماضی کی چھوٹی چھوٹی خبروں کے بارے میں حاجی اللہ داد کی یادداشت قابلِ رشک تھی مگر میں خطرہ محسوس کر رہا تھا کہ کہیں کسی بات سے وہ میری اصلیت کا سراغ نہ لگا لیں۔
برسوں کی روپوشی اور جدوجہد کے دوران میں نے کبھی پاکستان کے بارے میں سوچا جہاں میری وابستگی کی وجہ سے بھی کا کوئی شناسا نہیں تھا۔ رہا نام تو ایک ملک میں ہزاروں ہم ناموں کا ہونا بھی بعید از امکان نہیں تھا، اسی وجہ سے میں نے پاکستان پہنچنے کے بعد ہر جگہ اپنا اصل نام درج کرایا تھا جب کہ سیتا کا نام لیلیٰ صفدر بتا رہا تھا۔ لیکن حاجی اللہ داد سے گفتگو کے بعد میں شدت سے اپنے نام کی تبدیلی کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔
یہ محض ایک اتفاق ہی تھا کہ چوبرجی آتے ہوئے میں نے سیتا کو ہوٹل میں چھوڑ دیا تھا کیونکہ ہندوستان میں قیام کے دوران میرے ساتھ سیتا کا نام بھی بہت اچھالا گیا تھا اور اگر پاکستانی اخبارات میں اس کی تصویریں نہیں تو تفصیلات ضرور خبر کے حوالے سے چھپی ہوں گی جن کی بنا پر حاجی اللہ داد جیسے گھاگ شخص کے لیے معاملے کی تہہ تک پہنچنا دشوار ثابت نہ ہوتا۔
"جو کچھ مجھ سے بن پڑے گا میں کروں گا۔" میں نے اٹھتے ہوئے حاجی صاحب سے کہا۔ "دعا کیجیے کہ میں سلطنت علی کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو جاؤں۔"
"مجھے یقین ہے کہ وہ نابکار ابھی تک جیل ہی میں سڑ رہا ہو گا۔" حاجی اللہ داد کے لہجے میں حقارت اور تاسف کے ملے جلے تاثرات نمایاں تھے۔
"میں اب کراچی ہی جاؤں گا۔ وہ وہاں ہو یا نہ ہو، سب سے پہلے اس کی تلاش کا آغاز تو وہیں سے کرنا ہو گا۔"
"نام نہیں بتایا تم نے اب تک اپنا۔" اچانک حاجی صاحب کو خیال آ گیا۔
"سلطان کہتے ہیں مجھے۔" میں نے فوری طور پر پہنچتے ہی مستقل نیا نام سوچ لیا۔
"کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟"
"لاہور ہوٹل بلکہ یوں کہیے علاقوں کے نام سے ناواقف ہوں۔ ایک دوست کے ساتھ بغداد سے آیا تھا، اسی کے گھر ٹھہرا ہوا ہوں۔"
"یہاں رہو یا دوبارہ لاہور آؤ تو مجھ سے ضرور ملنا۔" حاجی اللہ داد گھٹنوں پر زور دے کر ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اٹھ گئے۔
"انشاء اللہ ضرور حاضر ہوں گا۔" میں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔
میں حاجی اللہ داد کے گھر سے نکلا تو دل کی عجیب سی کیفیت تھی۔ میرے گھر والے زندہ تھے یا مردہ، خوشحال تھے یا تباہ کار، وہ جیسے بھی اور جہاں بھی تھے، کم از کم مجھے ان کے بارے میں پوری معلومات مل گئی تھیں مگر دکھ اس بات کا تھا کہ بھائی جان نے زندہ رہنے کے لیے مجھ سے بھی بدتر اور رسوا کن راہ اختیار کی تھی۔
میں ذہن میں قیاس اور امکانات کے گھوڑے دوڑاتا ہی بستی سے باہر آ گیا۔
اگر صفدر علی کا نام اور اس پر عائد الزامات کی پوری فہرست حاجی اللہ داد جیسے سنجیدہ اور امن پسند شہری کو یاد تھی تو یہ ممکن تھا کہ قانون کا نفاذ کرنے والے اداروں کے متعلقہ حکام اس نام کو بھول گئے ہوں۔
اس اعتبار سے حاجی اللہ داد کی ذات میرے لیے بہت بڑی رہنما ثابت ہوئی تھی کہ مجھے اپنے محفوظ مستقبل کے لائحہ عمل پر نظرثانی کرنے کا بروقت موقع مل گیا تھا ورنہ میں بے خبری کے عالم میں کسی بھی وقت کسی ناگہانی شکنجے میں جکڑا جا سکتا تھا۔
چوبرجی سے نکلنے کے بعد میں نے تانگہ پکڑا اور فلیٹیز ہوٹل جاتا ہوا پرانی انارکلی کے نکڑ پر مال روڈ کے چوراہے پر آ گیا۔
لاہور کی سرزمین میری جنم بھومی تھی جس کا چپہ چپہ میرا دیکھا بھالا تھا۔ ماضی کی خوشگوار یادوں کو دل میں سمیٹے میں ملک کافی ہاؤس میں جا بیٹھا جہاں موجود لوگوں میں حیثیت یا رتبے کا کوئی فرق نہیں تھا مگر جن دنوں میں کالج میں پڑھ رہا تھا اور اکبر کے ذریعے گلنار کے نظر فریب شباب کا شکار ہوا تھا، ان دنوں اس کافی ہاؤس میں مستورات کے ساتھ آنے والوں کے لیے خصوصی چوبی کیبن بنے ہوتے تھے جن کا ماحول ہی رومان پرور ہوا کرتا تھا۔
بارہا میں نے ان کیبنوں میں گلنار کے ہاتھوں کا لمس محسوس کیا تھا اور اس کی دیوانگی میں ہی میں اپنی مدد سے جدا ہو کر گھر والوں کی ناراضگی مول لے بیٹھا۔

گلنار کو بعد میں بازارِ حسن کی جنس کے طور پر دیکھنے کے بعد ہی یہ علم ہوا تھا کہ اسے مجھ سے متعارف کرانے والا کوئی اور نہیں، اس کا شوہر تھا۔
مگر وہ عورت جو شوہر کی موجودگی میں اس کے دوست سے حجاب کرے، دونوں دوست کار میں ساتھ ہوں تو شرم و حیا کے ساتھ عقبی نشست پر خاموش بیٹھی رہے مگر شوہر کی غیر موجودگی میں اسی کے دوست کو بیٹھی مسکان کے ساتھ دیکھے، چہروں کے بت نما انداز اپنائے ہر کسی لطیفوں کے تحت اپنے بدن کے لمس سے اسے آشنا کرے، اسے سب کچھ کہا جا سکتا ہے مگر کبھی اس کی وفا شعار بیوی نہیں۔
گلنار سے تعارف کرانے کے بعد اکبر غائب ہوا تو گلنار سے ملاقاتوں کے دوران مجھے خاصا تفصیلی تعارف حاصل ہوا۔ اس کی نرم و سفید کلائیوں کی نیلی رگیں ملائمت والی جلد کے ذریعے رواں صاف کرنے کی رہینِ منت تھیں۔ اس کی یکسی اور خمار آلود بھنویں تراش خراش کا کمال تھیں جن کی تمام تر نیش تو بیشتر ادائیں خود ساختہ تھیں جن کے بہانے وہ اس وقت میری ذات کا طواف کرتی رہی جب تک میں اس کی فرمائشیں پوری کرنے کا اہل تھا اور جب مجھے والدِ محترم نے نافرمانیوں کے باعث عاق کیا تو وہ اندھیری رات میں سائے کی طرح خاموشی سے میرا ساتھ چھوڑ گئی۔ وہ بے وفا تھی اور اس کی ذات وفا کا بوجھ نہ سہار سکی۔
مگر ایک رات کے اندھیرے میں جب میں نے اسے بے نقاب دیکھ لیا۔ اس کا تعلق بازار اور جسم فروشی کی تلل پر ادائیں فروخت کرنے والیوں سے تھا۔ میں نے اشتعال کے عالم میں اس کے لیے ایک سزا سوچی اور پھر وہی ہاتھ جو اسے اپنے رخساروں پر نرم تر محسوس ہوتے تھے اس کی خوبصورت گردن کے گرد موت کے حصار بن کر جم گئے۔
اس رات کا خیال آتے ہی میں پھر بیکلی کا شکار ہو گیا۔
کافی ہاؤس آنے والوں سے بھرتا جا رہا تھا مگر میں اپنے خیالات کی دلدل میں ڈوب کر خود کو بالکل تنہا محسوس کر رہا تھا۔ مجھے ذرا سا جھٹکا لگا۔ کیبن کو ان خیالات کے ساتھ بیٹے ہوئے پہرے کے بیتے ہوئے لمحات نے ذرا مضطرب رہا ہوا اور میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔
مگر کافی ہاؤس کی دنیا ہی نرالی تھی۔
وہاں ہر ٹولی اپنی مختصر سی کائنات میں کھوئی ہوئی تھی۔ کسی کو کسی سے کوئی واسطہ نہیں تھا اور میرے لیے یہ مشاہدہ تسکین بخش تھا۔
مگر سگریٹ کے دو کشوں کے بعد میرا ذہن سیتا کی طرف بھٹک گیا۔
ہندوؤں اور سکھوں کی ٹولیوں پر حکمرانی کرنے والی وہ لڑکی مذہب کی روشنی سے دور ہمالیہ کی برف پوش وادیوں میں پروان چڑھی تھی۔ اسے قدرت نے فیاضی کے ساتھ حسن سے نوازا تھا اور وہ آزاد ماحول کی پروردہ تھی مگر مجھ سے شادی کے بعد اس نے شہریوں کا ماحول اس تیزی کے ساتھ اختیار کیا تھا کہ میں کبھی کبھی حیرت سی محسوس کرنے لگتا تھا۔
میں نے اپنے دل کو ٹٹولا کہ جب مجھے سیتا جیسی بیوی مل چکی تھی تو مجھے آبرو باختہ گلنار کا پیکر کیوں بار بار یاد آتا تھا۔
دو سگریٹوں کو دھوئیں میں اڑا دینے کے بعد بالآخر میں اس نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ مجھے سیتا کو اپنانے کے بعد کوئی خلش نہیں تھی بلکہ میں خود کو خوش نصیب تصور کرتا تھا کہ مجھے ایک مثالی بیوی مل چکی تھی جب کہ گلنار کا خیال ہر بار اشتعال کی کوکھ سے جنم لیتا تھا۔
اس کے بارے میں میری نگاہیں حقیقت کا ادراک نہیں کر سکی تھیں۔ جو کچھ اس نے خود کو ظاہر کیا میں نے اسے ہی تسلیم کر لیا لیکن غلط فہمی کا پردہ چاک ہوتے ہی میں نے اپنی مردانہ انا کو لہولہان محسوس کیا۔ میں جن جذبوں کے ساتھ ایک جھوٹے بدن کو پوجتا رہا تھا، مجھے رہ رہ کر انا کی وہ پرانی شکست پریشان کرتی تھی ورنہ گلنار کے بارے میں میرے دل کے کسی حصے میں کوئی نیک خواہش موجود نہیں تھی۔
میں خیالات کی یلغار میں جلد ہی کافی ہاؤس سے نکلا تو رنگ محل کی طرف روانہ ہو گیا جہاں والد مرحوم کی قدیم دکان میں ایک سیلز مین نے اجنبی نگاہوں مگر مسکراتے چہرے کے ساتھ اٹھ کر میرا استقبال کیا۔
"فرمائیے، کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"
"میں کبھی اس دکان کے پرانے مالک کے ۔۔۔"
میرا جملہ مکمل ہونے سے پہلے اس کے چہرے پر آئی ہوئی مسکراہٹ معدوم ہو گئی۔ "ہاں ہاں ۔۔۔ سمجھ گیا ہوں۔"
یہ کہتے ہوئے اس نے شوکیس کی ایک دراز کھولی اور ایک مڑا تڑا کاغذ میری طرف بڑھا دیا جیسے وہ مجھے فوراً وہاں سے رخصت کر دینا چاہتا ہو۔
یہ پرچہ چوہدری بشیر کا آفاقی پتہ پڑھ کر میں نے اس سیلز مین کو گھورا اور اس دکان سے باہر آ گیا۔
حاجی اللہ داد کی فراہم کردہ معلومات پر مجھے پورا یقین تھا مگر میں چوہدری بشیر سے بھی مل لینا چاہ رہا تھا تاکہ لاہور چھوڑنے سے قبل اپنے گھر والوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات اکٹھی کر سکوں۔
چوہدری بشیر کی اقامت گاہ گلبرگ کے علاقے میں تھی۔ میں ٹیکسی سے ایک گھنٹے میں ادھر روانہ ہو گیا۔
اس کا مکان وسیع و عریض اور خوشنما تھا۔ دربان نے میرا نام اور آمد کا مدعا معلوم کر کے مجھے برآمدے میں بٹھایا اور خود اندر چلا گیا۔
چند ثانیوں بعد اس کے ہمراہ ایک ادھیڑ عمر شخص باہر آیا اور تپاک سے ہاتھ ملا کر مجھے نشست گاہ میں لے گیا۔

"میں آپ کو پہچان نہیں سکا سلطان صاحب!" اس نے مسکراتے ہوئے بااخلاق لہجے میں مجھ سے اپنی اجنبیت کا اظہار کیا۔

"میں بغداد سے آیا ہوں۔" میں نے اپنی پرانی کہانی برقرار رکھی۔ "سطوت علی اور مظہر علی سے ملنا چاہتا تھا۔ مگر وہ دکان بیچ چکے ہیں۔ موجودہ مالک کے لیے تو ان کے نام بھی اجنبی نکلے۔ ان کی معرفت آپ تک پہنچا ہوں۔ شاید آپ ان کی نشاندہی کر سکیں۔"

"وہ دونوں تو نکلے مقروض تو نہیں تھے!" چوہدری بشیر کے چہرے پر سنجیدگی کی گہری تہہ جم گئی اور لہجہ گمبھیر ہو گیا۔

میرے لیے قابلِ غور نکتہ یہ تھا کہ میری زبان سے میرے بیٹے بھائیوں کے نام سنتے ہی وہ شخص آپ سے تم پر اتر آیا تھا۔

"نہیں وہ تمہارے قرض کے سلسلے میں کیا؟ وہ میرے عزیز ہیں۔"

"دکان ان سے میں نے ہی خریدی تھی۔" اس نے کہا۔ "سطوت میرا مقروض تھا۔ ہزار روپے کا مقروض تھا اور کئی ماہ گزرنے کے باوجود رقم ادا نہ کر سکا تھا۔ آخر کار اس نے مجھے دکان بیچنے کی پیشکش کی اور میں نے سودے کی رقم میں سے اپنا قرضہ وضع کر لیا۔"

"مقروض ہونے کی وجہ کیا تھی؟"

چوہدری بشیر کے چہرے پر ناگواری کی لکیریں ابھر آئیں۔ "یہ اور ان کا ذاتی معاملہ تھا۔ کیا اتنا کافی نہیں کہ وہ میرا مقروض تھا۔"

"چھوٹے بھائی کا سلسلہ؟" میں نے اس کے اعتراض کو نظر انداز کر کے دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

"جانتے ہو تو پوچھ کیوں رہے ہو؟" وہ قدرے جھلا گیا۔

"معاملہ براہِ راست یا بلاواسطہ، صرف یہ جاننا چاہتا ہوں۔" میں نے محسوس کیا کہ میرے لہجے میں سرد اور سفاکانہ انداز پیدا ہو گیا تھا۔

"اتنی گاڑھی اردو میری سمجھ میں نہیں آتی۔" وہ چڑ چڑے لہجے میں بولا۔ "جو پوچھنا ہے صاف صاف دریافت کرو۔"

"اس نے تم سے رقم لی تھی یا کھیل میں مقروض ہوا تھا؟"

"ایک ہی بات ہے۔" وہ دونوں ہتھیلیاں آپس میں جوڑ کر بولا۔ "کھیل میں ہاری ہوئی رقم نقد سے کم نہیں ہوتی۔"

"دکان کے بعد اس نے گھر بھی بیچ ڈالا؟"

"مقدر کی بات ہے۔" چوہدری بشیر ترش آوازی سے بولا۔ "اور شاید قسمت کی بھی۔ وہ جیتنے کے لیے بے ایمانی کی تکرار میں رہتا تھا۔"

"وہ اب کہاں ہے؟"

وہ تلخ انداز میں ہنسا پھر سمجھانے لہجے میں بولا۔ "میری مانو تو اس کی جگہ چھوڑ دو۔ اس کی تلاش میں کہیں کسی جلد قرض خواہ سے ٹکرا جاؤ۔ وہ نزدیک محلے میں کرائے کے مکان میں رہتا تھا۔ دن پھرنے کی امید میں اس نے دعا لینا تو چھوڑا اور جب دس پندرہ ہزار کے چکروں میں آ گیا تو اپنے قرض خواہوں سے منہ چھپا کر کہیں بھاگ گیا۔"

چوہدری بشیر نے تضحیک آمیز انداز میں گفتگو کی، مرے لہجوں تھا یا۔ لیکن میں نے ضبط سے کام لیا کیونکہ مجھے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ میرے بھائی جان کو بگاڑنے اور ہمارے گھر کو تباہی کے غار میں دھکیلنے والوں میں سے ایک تھا۔

"تمہیں تو ٹھکانا معلوم ہوگا؟"

"توبہ کرو۔" وہ تنک کر بولا۔ "اگر ہوتا تو اب تک کسی نہ کسی کے ہاتھ لگ گیا ہوتا۔ مگر اس کو تلاش کرنا ہی چاہتے ہو تو افسانوں کے سمندر میں جاؤ۔ وہ کراچی کے علاوہ کہیں نہیں گیا ہوگا۔ ناکام شکاری اسی منڈی میں اپنے مقدر کی آخری بولی لگوانے جاتے ہیں۔"

"معلومات فراہم کرنے کا شکریہ۔" میں تنک کر کہا اور صوفے سے اٹھ گیا۔ "میں نے تمہاری ساری بکواس سن لی۔ اس لیے بتا دوں کہ میرا نام سلطان ہے۔ کسی روز سطوت کو ڈھونڈتے ہوئے ادھر آ نکلے تو اس کے سامنے زبان بند رکھنا۔۔۔ وہ اپنے گھر کی بربادی کے ذمہ داروں کی تلاش میں ہے۔ تمہارا خون پی جائے گا۔"

"وہ بھگوڑا!" چوہدری بشیر احمد تحقیر آمیز انداز میں ہنسا۔ "اس کی دھمکی نہ دو۔ مجھے سطوت تو اکثر کہتا رہتا تھا کہ صفدر ہندوستان سے زندہ نہ نکل پائے گا۔"

میں غصے میں بل کھاتا اس مکان سے باہر نکل آیا۔

چوہدری بشیر اپنے طور طریقوں سے مجھے عادی جواری نظر آیا اور مجھے اعتماد تھا کہ اس بلانے میری نگاہ دھوکا نہیں کھا سکتی۔ اس کے عالیشان مکان کی بنیادوں میں مجھے اپنے گھر اور دکان کی مہجوری کی خوشبو محسوس ہو رہی تھی۔ یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی تھی کہ چوہدری بشیر نے دکان پر نگاہ رکھتے ہوئے بھائی جان کو چال بازی سے اپنا مقروض کیا تھا تاکہ ناد ہندگی کا دباؤ ڈال کر وہ بہ آسانی دکان اپنی مرضی کے داموں پر حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے۔

اس سے گفتگو کرتے ہوئے غصے میں مجھے اس سے پوچھنا یاد نہ رہا ورنہ مجھے شبہ تھا کہیں مکان بھی اسی نے نہ خریدا ہو۔ اور اگر مکان اس نے نہیں خریدا ہو تو اس کی فروخت میں کسی نہ کسی طرح اس کا ہاتھ ضرور ہوگا۔ چوہدری بشیر کے بارے میں میرا دماغ اتنا بھرا ہوا تھا کہ میں اولین طور پر اپنے شبہ کی تصدیق یا تردید حاصل کرنے پر تل گیا۔ دوبارہ چوہدری بشیر سے رجوع کرنا تو بے سود تھا لہٰذا میں مجبور سے سیدھا حاجی جی جا پہنچا۔

دستک کے جواب میں حاجی اللہ داد باہر آئے تو مجھے دیکھ کر چونک گئے۔ "سلطان میاں! تم دوبارہ کیسے؟"

"جاتے ہوئے ایک بات معلوم کرنی بھول گیا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اکہو وہ بڑھ کر میرے قریب آ گئے۔

"چچا کا مکان کس نے خریدا تھا؟"

"اس کی کیا ضرورت پیش آ گئی اچانک؟" انھوں نے حیرت بھری آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بزرگانہ شفقت سے سوال کیا۔

"یہ مکان چچا جان مرحوم کی نشانی ہے۔" میں نے فوری طور پر بات بنا دیتے ہوئے کہا۔ "ہو سکا تو اسے موجودہ مالک سے خریدنے کی کوشش کروں گا تاکہ مرحوم کی یہ یادگار ہمارے خاندان ہی کے کسی فرد کے تصرف میں رہے۔"

"بہت اچھا خیال ہے۔" حاجی صاحب نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "ضرورت خواہ نہ سمجھیں تو بیٹے! ایمان داری کی بات تو یہ ہے کہ نئے مالک کا نام مجھے بھی نہیں معلوم۔ فروخت ہونے کے بعد کافی دن مکان خالی رہا۔ پھر یکے بعد دیگرے کئی کرائے دار آتے جاتے رہے۔۔۔ چند منٹ رکو تو ابھی معلوم کیے لیتا ہوں۔"

مجھے رخصت کرنے کے بجائے انھوں نے اندر بٹھانے پر اصرار کیا مگر میں نے باہر ہی انتظار کرنے کو ترجیح دی۔ اور وہ تیز تیز قدموں سے ہمارے مکان کی طرف چل دیے۔

ان کی واپسی میں واقعی چند منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوئے۔ کرائے دار عورتوں سے پتہ چلا کہ مالک مکان کوئی چوہدری بشیر ہے جو گلبرگ میں رہتا ہے۔

مجھے حاجی اللہ داد کی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی محسوس ہوئی۔ "تم مزید کام سے واپس آ رہے ہو تو پتہ بھی لے لوں گا۔ کسی وقت ادھر سے گزر ہو تو مجھ سے لے لینا۔"

میں حاجی اللہ داد کا شکریہ ادا کر کے لوٹ آیا۔

اس وقت میرے دل و دماغ میں انتشار کی سی کیفیت طاری تھی۔ چوہدری بشیر کا کردار سامنے آ جانے کے بعد صفدر علی کی خوابیدہ شیطانی جبلتیں بیدار ہو چکی تھیں اور میرے دل میں بار بار یہ خواہش پیدا ہو رہی تھی کہ چوہدری بشیر کو اور اس کے کسی حفاظتی دستے کے ساتھ بھون ڈالوں یا اس کے جسم پر اس وقت تک وار کرتا رہوں جب تک اس کے سانسوں کی آخری لڑی بھی اس کا ساتھ نہ چھوڑ دے۔

مگر اس وقت میں خود حالات کا قیدی تھا۔ میں نے اپنے ذہن کو سمجھایا کہ میری ادنیٰ سی اضطراری حرکت بھی تمام دنیا وہ میں فوری طور پر ان مشکلات سے دوچار ہو سکتا تھا جن سے نکلنا میرے لیے ممکن نہ ہوگا۔

چوہدری بشیر کو نقصان پہنچنے کی صورت میں فوری طور پر سب سے زیادہ گواہ پیدا ہو جاتے۔ جن میں پہلا دکان میں قائم میڈیکل سٹور کا مالک تھا اور دوسری شخصیت حاجی اللہ داد کی تھی۔ دونوں ذات سے تمام تر ہمدردیاں رکھنے کے باوجود یہ ہرگز پسند نہ کروں گا کہ میں کسی کو دیدہ دانستہ پھنساؤں۔

پولیس کی گرفت میں آنے کے بعد میں نہ خود کو بغداد سے آیا ہوا سلطان ثابت کر سکتا تھا اور نہ ہی پاکستانی شہریت کا کوئی ٹھوس ثبوت فراہم کر سکتا تھا۔ یعنی پاسپورٹ جو قانونی اعتبار سے ہر طرح جائز تھا پیش کیا جاتا تو میرا اصل نام سامنے آ جاتا اور سنے جرم کے ساتھ ہی ماضی کا مواخذہ بھی شروع ہو جاتا۔

لہٰذا بہتر یہی تھا کہ عارضی طور پر چوہدری بشیر کو بھلا دیا جائے تاکہ وہ مزید لوگوں کو گمراہ کر کے اپنے لیے بدترین سزا کا مستحق بنانے کا اخلاقی جواز خود ہی فراہم کر سکے۔

میں تھکا ہارا ہوٹل واپس پہنچا تو مینا میرے انتظار میں کافی حد تک منزل سے گزر کر تشویش کا شکار ہو چکی تھی۔

"کہاں رہ گئے تھے تم!" میری صورت دیکھتے ہی وہ بے اختیار چیخنے سے آ لگی۔

"شہر کے راستوں کو پہچاننے کی کوشش کرتا رہا سارا دن۔" میں نے تھکی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

وہ ایک دم الگ ہو گئی اور اپنی بڑی بڑی غلافی آنکھیں میرے چہرے پر جما کر بولی۔ "کیا بات ہے؟ آج کچھ پریشان لگ رہے ہو؟"

"ذرا دم تو لینے دو، آتے ہی جرح شروع کر دی!" اس نے چوتے آنا نے میں میری مدد کی اور میں تکان سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے غسل خانے میں داخل ہو گیا۔

نہا کر باہر نکلا تو مینا اس اثنا میں کمرے میں ہی گرم گرم چائے منگوا چکی تھی۔ اور سلیقہ شعار مشرقی بیوی کی طرح میری منتظر تھی۔

مجھے اندازہ تھا کہ وہ میری دن بھر کی کارگزاریوں کی رپورٹ سننے کے لیے بے چین تھی۔ مگر چائے نوشی کے دوران اس نے ایک بار بھی زبان نہیں کھولی۔

"آج بڑی دردناک خبریں ملی ہیں مجھے اپنے گھر والوں کے بارے میں!" چائے ختم کر کے میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" میرے الفاظ سنتے ہی اس کا چہرہ ایک دم دھواں ہو گیا۔

"اس قدر تشویش کی ضرورت نہیں!" میں نے کرسی کی پشت گاہ سے سر ٹکاتے ہوئے کہا۔ "سب گزری ہوئی باتیں ہیں جن کے بارے میں ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ مجھے دکھ اس لیے ہے کہ یہ واقعات آج میرے علم میں آئے ہیں!"

"اپنے گھر والوں میں سے کسی سے ملاقات بھی ہوئی تمہاری؟" اس نے سوال کیا۔

"ماں مر گئی، ایک بھائی بیوی بچوں سمیت دم گھٹنے سے

رخصت ہو گیا۔ بڑا بھائی زندہ ہے لیکن اندیشہ ہے کہ وہ کسی زنداں کی دیواروں میں اپنے شب و روز گزار رہا ہو گا۔"

اس کے استفسار پر میں نے اسے سارے واقعات تفصیل سے سنا دیے!

"تو تمہارا خیال ہے کہ بھائی جان کو بگاڑنے میں چوہدری بشیر کا ہاتھ ہے؟" پوری کہانی سن کر سیتا نے سوال کیا۔

"اس خیال کی وجہ یہ ہے کہ اس نے بھائی جان کو مقروض کر کے پہلے دکان پر ہاتھ صاف کیا، پھر مکان بھی ہتھیا لیا۔ اگر دونوں ٹھکانوں کا چھوٹا حصہ ہوتا تو شاید میں اسے بھول جاتا۔ دراصل گھر برباد ہونے کی اصل وجہ یہی تھی کہ مکان بیچا گیا اور ایک چھت کے نیچے رہنے والے مختلف سمتوں میں بکھر گئے۔"

"مگر ہم اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟"

"فی الحال کچھ بھی نہیں۔ لیکن تم دیکھنا کہ کسی وقت وہ خود مجھے اپنی بدمعاشی کے افسانے سنانے پر مجبور ہو جائے گا۔"

"غنیمت ہے کہ تمہیں وقت کی نزاکت کا احساس ہے۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بولی۔ "جب تک ہم یہاں اپنی بنیادیں استوار کر کے کوئی شناخت پیدا نہ کر لیں، کسی ہنگامہ آرائی میں ملوث ہو جانا ہمارے لیے شدید خطرے کا باعث ہو سکتا ہے۔"

"اب مجھے دوبارہ کراچی جانا ہو گا۔" میں نے قدرے سکوت کے بعد کہا۔

"کس لیے؟"

"مجھے بھائی جان کا سراغ لگانا ہے۔ نہ جانے وہ کہاں اور کس حال میں ہیں۔ اس کے بعد ہی میں کچھ کرنے کے قابل ہو سکوں گا۔"

"تم نے جو معلومات جمع کی ہیں ان سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ بھائی جان جیل میں ہوں گے۔ انہیں وہاں سے نکالنا ہمارے بس سے باہر کی بات ہے۔ جرمانے والی بات میں کچھ وزن ہے لیکن وہ ایک مبہم سا قیاس ہے جو درست بھی ہو تو بھائی جان کی قید کی مدت میں کمی کرانے کے لیے جرمانے کی رقم ادا کرنی ہو گی جو ہزاروں سے کم نہ ہو گی۔"

میں بغور اس کی طرف دیکھنے لگا۔ "تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟"

"جرمانہ ادا کر کے قید کی مدت میں کمی کرائی جا سکتی ہے۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی۔ "یا جیل سے فرار کی کوشش کی جائے۔ ہر صورت میں ہمیں بھاری رقم درکار ہو گی جو فی الحال ہمارے پاس نہیں ہے۔ ہماری تھوڑی بہت جمع پونجی بھی کراچی پہنچنے تک برابر ہو جائے گی اور بھائی جان کی مدد تو درکنار ہم خود مالی مشکلوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔"

اس کی بات معقول تھی۔ "تو پھر تمہاری تجویز کیا ہے؟"

"اس وقت ہم لاہور میں بیٹھے ہیں۔ یہاں سے امبالہ قریب ہے جبکہ کراچی دور ہے۔ لہٰذا اس سے قبل کہ ہماری جیبیں خالی ہوں ہمیں امبالہ پہنچ جانا چاہیے۔ اگر توقعات کے مطابق پارس کا خزانہ ہاتھ لگ گیا تو ہمیں مالی بے فکری میسر آ جائے گی اور کراچی پہنچ کر بھائی جان کی تلاش اور مدد کے لیے سارے امکانی وسائل بروئے کار لا سکیں گے۔"

"اور اگر وہاں پارس نہ ملا؟"

"ذہن سے منفی خیال دور ہو جائے گی۔" اس نے جواب دیا۔ "پھر ہم اتنے ہی تہی دست ہوں گے جتنے اب کراچی پہنچ کر ہوں گے!"

سیتا ہمیشہ مجھے یہ احساس دلاتی رہتی تھی کہ دنیا میں اچھی بیوی سے بڑی کوئی نعمت نہیں ہو سکتی اور اس بار بھی یہی ہوا۔ اس نے جو تجویز پیش کی تھی اس کے بارے میں اس کا ذہن بالکل صاف اور واضح تھا۔ میں کچھ دیر تک اس کے ساتھ مختلف پہلوؤں سے بحث کرتا رہا اور آخری نتیجہ یہی برآمد ہوا کہ ہمیں فوری طور پر امبالہ روانگی کی تیاری کا آغاز کر دینا چاہیے!

اگلے روز میں نے دانستہ سیتا کو ساتھ لے جانے سے گریز کیا اور اس نے میرا راستہ روک لیا۔ "میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

"ضد مت کرو۔ تمہارا جانا مناسب نہیں ہو گا۔" میں نے اسے سمجھایا۔

"کیوں؟ اس میں کون سی نامناسب بات ہے؟"

میں شکست خوردہ انداز میں کرسی پر گر گیا۔ "ضروری تو نہیں کہ تمہیں ساری تفصیلات سے باخبر رکھا جائے!"

"بہت ضروری ہے۔" وہ آنکھیں مٹکا کر بولی۔ "میں تمہاری بیوی ہوں، کوئی راہ چلتی لڑکی نہیں جس سے مصلحتوں کے تحت بات نہ کی جاتی ہے!"

"پاکستان میں بھی لوگ صفدر علی کو جانتے ہیں!" میں نے بالآخر رات سے اپنے دل میں چھپائی ہوئی بات اس کے سامنے اگل دی۔

"نہیں!" وہ حیرت اور بے یقینی کے ساتھ اچھل پڑی۔

"حاجی اللہ داد بہت نیک اور خدا ترس آدمی ہیں لیکن انہیں بھی صفدر علی کا نام اس کے ماضی کے حوالوں کے ساتھ یاد ہے۔"

"مگر کیسے؟"

"میں پاکستان سے نکلا تو یہاں قتل اور ہنگامے کے الزام میں پولیس کو مطلوب تھا۔ پھر طویل سفر کے بعد جالیہ سے واپس ہندوستان میں داخل ہوا تو ہندوستان کے سرکاری اداروں کے ... پولیس حکام میری راہ پر لگ گئے۔ اس واقعے میں تم بھی ... تمہیں۔ لہٰذا جہاں بھی میرا نام آیا ہو گا وہاں تمہارا ذکر بھی ..."

"وہ تو سب درست ہے مگر یہ قصے پاکستان ..."

"یہ تو اصلاحی ترقیوں کا دور ہے۔" میں نے کہا۔ "خبر جس ہوا اور روشنی کی لہروں کے ذریعے آناً فاناً میں دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچتی ہیں۔ ہندوستانی اخبارات کی خبریں یہاں بھی شائع ہوئی ہوں گی۔ پھر شاید تصاویر کے موازنے سے یہاں والوں نے یہ نتیجہ بھی اخذ کر لیا کہ ہندوستان میں سرگرمیاں دکھانے والا صفدر علی وہی ہے جو پاکستان میں قانون کو مطلوب تھا۔ ہو سکتا ہے کہ دوسرے ممالک جہاں جہاں میرا اصل نام خبروں کا موضوع بنا ہو، وہ اطلاعات پاکستانی حکام تک کسی نہ کسی ذریعے سے پہنچتی رہی ہوں!"

"چلو مان لیا کہ یہ درست ہے۔" قدرے توقف کے بعد اس نے کہا۔ "مگر اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ میرا تمہارے ساتھ باہر جانا نامناسب ہو گا!"

"سامنے کی بات ہے... وقت اور حالات نے میرے خدوخال اس حد تک بدل کر رکھ دیے ہیں کہ حاجی اللہ داد بھی مجھے اپنے روبرو دیکھ کر صفدر علی کی حیثیت میں شناخت نہیں کر سکے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ جالیہ سے لاہور تک کے طویل سفر نے تمہاری شکل و صورت میں کوئی بڑی تبدیلی پیدا نہیں کی ہے۔ تمہارے خدوخال اس علاقے میں لاکھوں کی بھیڑ میں بھی ممتاز نظر آئیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ تم پہچان لی جاؤ!"

وہ یک بیک اداس ہو گئی۔ "تم پھر وہی بات کہہ رہے ہو جو تم نے امبالہ میں کہی تھی۔ میری ذات ایک بار پھر تمہارے لیے خطرہ بن رہی ہے!"

"غلط نہ سمجھو!" میں نے جلدی سے کہا۔ "امبالہ میں خطرہ سو فیصد حقیقی تھا۔ تمہارے سیتا کے طور پر پہچانے جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ یہاں محض ایک خفیف سا اندیشہ ہے اور تمہاری شناخت کا معمولی سا امکان ہے!"

"معمولی ہی سہی مگر امکان تو ہے نا!" اس نے کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں کبھی تمہارے ساتھ باہر نہ جا سکوں گی!"

"احمقانہ باتیں نہ کرو۔ کراچی سے لاہور تک تم برسرعام میرے ساتھ بلاخوف و خطر گھومتی رہی ہو!" میں نے کہا۔

"اس وقت تک ہم امکانی خطرات سے بے خبر تھے!" اس کے لب و لہجے میں اداسی کا عنصر غالب تھا۔

"عملاً اس صورتحال میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے۔" میں نے کہا۔ "بات بس اتنی سی ہے کہ کچھ روز احتیاط کر لی جائے تو کوئی ہرج نہیں!"

"چلو جاؤ، رہنے دو!"

میں ہنس پڑا۔ "اس طرح سوال کر رہی ہو جیسے میری زندگی میں تمہارے سوا کسی دوسری لڑکی کے دخل کا اندیشہ ہو!"

"دوسری لڑکی!" وہ مٹھیاں بھینچ کر بولی۔ "میری زندگی میں اس کا کوئی امکان نہیں ہے اور اگر کسی نے تمہیں اپنے قرب کی تو جیسے کی جسارت کی تو میں اس کی آنکھیں نوچ کر رکھ دوں گی۔ بس اس ایک معاملے میں اجڈ رہ گئی ہوں میں!"

اور میری نگاہوں میں بے اختیار وہ بے شمار نسوانی چہرے ناچ اٹھے جن کی قربتوں سے میں نے بارہا اپنی تنہائی کا اندھیرا دور کیا تھا!

میرا سر جھک گیا۔ "میں پاکستانی پاسپورٹ کے حصول کی کوشش کروں گا... ہو سکتا ہے کہ واپسی میں شام ہو جائے!"

اور میں ہوٹل سے چلا آیا!

اس وقت پاسپورٹ کے اجرا میں شناختی کارڈ وغیرہ دکھانے کا رواج نہیں ہوا تھا یا شاید شناختی کارڈوں کا بھی آغاز نہیں ہوا تھا لیکن پاسپورٹ کا حصول خاصا دشوار تھا اور عام لوگوں کو بھی بارہا متعلقہ دفتر کے چکر لگانے پڑتے تھے جب کہ میرا اور سیتا کا معاملہ ہی مختلف تھا۔ ہم دونوں کی شہریت مشکوک تھی۔ میں اپنا پاکستانی ہونا اسی صورت میں ثابت کر سکتا تھا جب اپنا اصل نام ظاہر کروں۔ اس کے لیے پولیس انکوائری وغیرہ کا مرحلہ طے ہونا لازمی تھا اور اگر معروف نام استعمال کرتا تو پتہ کہاں کا دیتا!

دفتر میں ایک دو چکر لگا کر میں نے طریقہ کار کا اندازہ لگایا اور پھر احاطے میں لوٹ آیا جہاں متعدد دلال ہر آنے والے کو گاہک سمجھ کر گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے!

پہلا شخص مجھ سے ٹکرایا وہ صورت ہی سے عیار نظر آ رہا تھا۔ اس کے جارحانہ استفسار کا کوئی جواب دیے بغیر میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اسے بھیڑ سے نکال کر ایک درخت کی طرف لے گیا!

"کتنے پیسے خرچ ہوں گے؟" میں نے ہوٹل میں داخل ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"پاسپورٹ کب چاہیے؟" اس نے دام مقرر کرنے سے پہلے میری ضرورت کا صحیح اندازہ لگانے کی کوشش کرتے ہوئے سوال کیا!

"چار سو روپے خرچ کرو تو پولیس انکوائری وغیرہ کے بغیر شاید کل شام تک مل جائے گا۔" اس نے مجھے خاموش پا کر خود ہی وضاحت کر ڈالی۔

"یہ رقم تو بہت زیادہ ہے!" میں نے ایک پیڑ کے گرد پڑی ہوئی کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔

"پولیس انکوائری کا ذمہ لے سر تو سو روپے خرچ ہوں گے!" اس نے کنپٹیوں کے بل میری طرف جھک کر کہا۔

"پاسپورٹ کتنے دن میں ملے گا؟" میں نے سوال کیا۔
"رپورٹ آنے کے دوسرے دن!"
"یار تمہیں اندازہ تو ہوگا کہ کم از کم کتنے دن لگ جاتے ہیں؟"
میں نے جھنجھلاتے لہجے میں اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کی!
"تین چار ہفتے تو لگ ہی جائیں گے!"
"پھر کسی اور کو پکڑنا ہوگا۔" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "تم تو ضرورت سے زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش کر رہے ہو!"
گاہک ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر وہ سنبھل گیا اور تھوڑی سی ردوقدح کے بعد تین سو روپے میں اگلے روز پاسپورٹ دلوانے پر آمادہ ہوگیا۔
فارم میں میں نے اپنا نام سلطان اور بیٹا کا علی سلطان لکھوایا۔ ملکوں کے نام لکھواتے ہوئے میں نے ہندوستان کا نام لیا تو وہ چونک پڑا۔
"ہندوستان شامل کرنے کے تین روپے الگ سے ہوں گے!"
"وہ کس خوشی میں؟"
"ملکوں کی فہرست میں ہندوستان کا نام نہیں ہوتا... اس کی تو پاسپورٹ والے بھی الگ فیس لیتے ہیں۔" اس نے بتایا تو مجھے یہ شرط بھی تسلیم کرنی پڑی۔
بیٹے کی باری آئی تو میرے پاس بتانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ "ہم حیدرآباد سے آئے ہیں، وہاں کا پتہ چل جائے گا۔"
"ارے نہیں بھائی۔" وہ جلدی سے بولا۔ "تمہارے نام جتنے بھی نہیں ہوں گے جو بھی جائیں تو لگے دن پاسپورٹ نہیں ملیں گے کیونکہ قانوناً انکوائری تمہارے رہائشی علاقے کے تھانے سے ہونی ضروری ہے۔ کتنی بھی خانہ پری کر لی جائے حیدرآباد آنے جانے کے چار چھ دن تو ادھر گزارنے پڑیں گے!"
"پھر کیا کیا جائے؟" میں نے سوال کیا۔ "تم ہی کوئی راہ بتاؤ!"
"لاہور میں کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟"
"ہوٹل میں!" میں نے کہا۔
"نہیں چلے گا۔" وہ سوچتے ہوئے بڑبڑایا پھر بولا۔ "میں اپنے گھر کا پتہ دے دیتا ہوں لیکن یہ خیال رکھنا کہ آئندہ ویزا فارم میں بھی یہی پتہ لکھنا ہوگا۔"
"چلو ایسا کر لو!" میں نے نیم دلی سے کہا۔
حقیقت یہ تھی کہ پاسپورٹ کا حصول پھر اس میں کسی محفوظ حقیقی پتے کا اندراج میرے لیے ایک بہت بڑا مرحلہ تھا جس کو آسان بنانے کے لیے میں نے دلال کا سہارا لینا ضروری سمجھا تھا اور وہ شخص بالکل اسی انداز میں پیش آیا تھا جس کی مجھے توقع تھی!

میرے اور بیٹا کے پاسپورٹ سے اس کا چھ سو روپے کا مفاد وابستہ تھا اور اگر محض مقامی پتے کی کمی کی وجہ سے ہمارے کاغذ نامکمل رہتے تو ہمارے کام کا جو حشر ہوتا لیکن اسے متوقع آمدنی سے ہاتھ دھونے پڑتے!
اس کا اصرار تھا کہ اسے نصف رقم پیشگی دی جائے لیکن میں نے محض اوپر کے چالیس روپے دینے پر اکتفا کیا تاکہ وہ کام میں بھرپور دلچسپی برقرار رکھ سکے!
اس موقع پر میں نے مقابل پاسپورٹ کے لیے آباد کی تصاویر سے ہی کام لیا اور پورا معاملہ نمٹا کر واپس چلا آیا۔
بیٹا کے لیے میری کامیابی کی اطلاع خوشی کا باعث ہوئی۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ ہم بیرون پاکستان پہنچ جلد از جلد نمٹ لیں تاکہ بیوی کی توجہ مقامی مسائل پر مرکوز کر کے اپنے نئے گھر کی داغ بیل ڈال سکیں!
اگلے روز ٹھیک دس بجے ہی پاسپورٹ آفس پہنچ گیا لیکن دلال سے معلوم ہوا کہ متفرق اندراجات کا کام خاصا طویل ہوتا ہے لہٰذا پاسپورٹ دو بجے کے بعد ہی مل سکے گا۔
میں وہاں سے بے مقصد انارکلی کی طرف روانہ ہوگیا!
راستے میں میرا ذہن اپنے مالی مسائل میں الجھا رہا۔ میرے پاس بظاہر تو خاصی رقم موجود تھی لیکن انجانے سفر کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ کم پڑ سکتی تھی کیونکہ پاسپورٹوں کی تیاری کی مد میں چھ سو چالیس روپے کا اضافی خرچ اچانک سامنے آگیا تھا!
بے اختیار مجھے قدرت کی ستم ظریفی پر ہنسی آگئی۔ پاکستان میں صاف ستھری اور باعزت زندگی بسر کرنے کا ارادہ ابھی تک روبہ عمل آتا نظر نہیں آرہا تھا حالانکہ پاکستان پہنچنے پر ہماری تحویل میں یمن کے جنرل عماد الحسینی کی دی ہوئی خطیر رقم موجود تھی جو نئی زندگی کی شروعات کے لیے کافی تھی لیکن حادثے کے نتیجے میں میں اس سے محروم ہو چکا تھا اور جو رقم موجود تھی وہ ناکافی نظر آرہی تھی!
پرانی انارکلی سے گزرتے ہوئے میں نے ایک کمزور سے ارادے کے تحت ایک بڑا سوتی رومال خریدا اور کندھے پر ڈال لیا۔ اس کے بعد میرا رخ نئی انارکلی کی طرف ہوگیا۔
میں نے اپنی زندگی کے مختلف مواقع پر بدترین اخلاقی نوعیت کے جرائم کا ارتکاب کیا تھا جن میں نقب زنی اور چوری سے قتل و غارت گری تک کے واقعات شامل تھے لیکن ایک تمام جرائم سے دستبردار ہونے کا رضاکارانہ فیصلہ کرنے کے بعد متروکہ راستوں کی طرف واپسی اختیار کرتے ہوئے مجھے عجیب سا احساس ہو رہا تھا!
نئی انارکلی کا علاقہ پرہجوم نظر آرہا تھا اور میرے مطلب

کے اعتبار سے خاصا زرخیز تھا۔ چند سو قدم کی مسافت کے بعد ہی میں نے ایک جوڑے کو بھانپ لیا اور ان کے تعاقب میں چل پڑا۔ پھر ایک بار جیسے ہی وہ دونوں بھیڑ میں سے گزرنے لگے، مرد اپنی ذات کو بھول کر عورت کو راہگیروں کی کہنیوں اور کندھوں کی زد سے نکال لے جانے کی فکر میں مبتلا ہوگیا!
میرے لیے وہ بہترین موقع تھا۔ میرے قدم تیزی سے حرکت میں آئے اور میں بالکل اس شخص کے عقب میں پہنچ گیا۔ پھر شانے پر پڑے ہوئے رومال کی آڑ میں میرا ہاتھ آگے بڑھا اور لمحہ بھر میں اس شخص کی جیب سے وزنی بٹوا میرے ہاتھ میں منتقل ہو چکا تھا!
میں نے رفتار سست کر کے سمت تبدیل کرتے ہوئے وہ بٹوا جلدی سے اپنی جیب میں ڈال لیا اور بھیڑ سے نکلنے کی راہ تلاش کرنے لگا تاکہ جوڑے سے رقم علیحدہ کر کے بقیہ فضول اشیاء سے اپنی جان چھڑا سکوں!
اچانک میں نے اپنے شانے پر کسی کے ہاتھوں کا سخت دباؤ محسوس کیا اور سنسنی کے عالم میں میرے قدم زمین میں گڑ کر رہ گئے تھے۔ مڑ کر دیکھا تو بڑی بڑی آنکھوں اور گھنی مونچھوں والا ایک دیوہیکل شخص ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ لیے میرے پیچھے موجود تھا!
"بھاگنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ پسلیاں توڑ دوں گا۔" اس نے میرے دائیں کان کے قریب منہ لا کر سرگوشی کی۔ "خیریت چاہتے ہو تو شرافت سے میرے ساتھ ساتھ چلتے رہو۔ بھیڑ میں میرے اور بھی ساتھی ہیں!"
میں نے اپنے حلق میں کوئی چیز اٹکتی سی محسوس کی اور محض اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا کیونکہ مسروقہ بٹوے کی جیب میں موجودگی کی وجہ سے میں اس وقت بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کے حکم کی تعمیل میں ذرا بھی ہچکچاہٹ سے کام لیتا تو وہ مجھے زخمی کر کے بھی قانون کی نگاہوں میں سرخرو رہتا کیونکہ جیب تراشی کے بل میں فرار کی کوشش کرتے ہوئے جیب تراش کو زخمی کر کے بے قابو کرنا ہر لحاظ سے قابل معافی تھا!
بالکل دور چل کر وہ ایک روڈ پر مڑ گیا۔
دائیں ہاتھ پر رہائشی مکانوں اور دکانوں کے درمیان تنگ سی ایک گلی کے نکڑ پر وہ شخص ... تھا۔ وہ شخص مزار سے گزر کر دائیں ہاتھ پر ایک تنگ سی زنجیروں کی گلی میں گھس گیا۔
اس بھاگ دوڑ کا اختتام بالائی منزل کے ایک سیلن زدہ کمرے میں ہوا جہاں شاید برسوں سے دھوپ کا گزر نہیں ہوا تھا!
اس نے کمرے کا مقفل دروازہ کھولا تھا جسے میرے اندر پہنچنے

کے بعد اس نے بولٹ کر لیا۔
"بٹوا نکالو!" کمرے میں پہنچ کر چند ثانیوں بعد اس نے درشت لہجے میں کہا۔
"کیسا بٹوا؟" میں نے پُراعتماد لہجے میں سوال کیا۔
"بکواس مت کرو!" غصے سے اس کا چہرہ تمتما گیا۔ "وہ بٹوا کہاں ہے جو تم نے انارکلی میں ایک شخص کی جیب سے اڑایا تھا!"
"تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے میرے دوست!" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "کوئی بڑی غلط فہمی۔ میں ایک شریف آدمی ہوں جس کا جیب تراشی سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے!"
"اڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ غرایا۔ "میں نے خود تمہیں اس کی جیب سے بٹوا نکال کر اپنی جیب میں رکھتے دیکھا تھا!"
"اگر تم اسی قدر بضد ہو تو میری تلاشی لے سکتے ہو۔" میں نے خائف ہوتے ہوئے پیشکش کی۔ "میں نے کسی کی جیب کاٹی نہ میرے پاس کوئی بٹوا ہے!"
پہلی بار اس کے چہرے پر الجھن کے آثار نمودار ہوئے۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور وہ مجھے بھول کر دروازے کی طرف متوجہ ہوگیا۔
دروازے پر ایک سے زائد افراد موجود تھے جن سے وہ دھیمی آواز میں باتیں کرتا رہا پھر ایک آدمی کو اندر بلا کر دوبارہ دروازہ بند کر لیا۔ وہ موٹی سی شخصیت کا ... بیرونی دلداری میں ... ... جن سے اس نے ان کی تعداد کا اندازہ لگانا ہوتا ہو چکی تھی!
اپنے ساتھی کے آجانے کے بعد اس نے براہ راست میری تلاشی لی لیکن بٹوا میرے پاس ہوتا تو برآمد ہوتا۔ اسے تو میں راستے میں ہی رقم نکال کر ایک محلے میں گھر میں پھینک آیا تھا اور وہ قدم قدم پر ... گرا تھا ...، مجھے رنگے ہاتھوں پکڑنے والا شخص پولیس کا کوئی حیثیت اہلکار ہوتا تو مجھے دھمکا کر مال مسروقہ کے علاوہ کچھ اور بھی اینٹھنا چاہتا ہو!
"بٹوا کہاں ہے؟" ناکام تلاشی کے بعد اس نے جھلاتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔
"میں کہہ چکا ہوں کہ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں شریف آدمی ہوں!" میں نے اپنے لہجے کو متوازن رکھتے ہوئے کہا۔
"یہ میرا علاقہ ہے!" چند ثانیوں تک اس نے مجھے خونخوار نظروں سے گھورتے رہنے کے بعد کہا۔ "اور اسے میں نے کافی دور سے تاڑا ہوا تھا مگر مجھ سے پہلے تم نے اپنا کام دکھا دیا۔ جاؤ کہ تمہارے پاس اتنی رقم کہاں سے آئی اور بٹوا خالی کر کے تم نے کہاں پھینکا؟"
"تم میری زبان سے سن لو تمہیں کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیے!" میں نے ناگواری سے کہا۔ "راستے پھر میری ... تم میرے ساتھ تھے، تمہارے تین ساتھی بھی ہمارے پیچھے لگے ہوئے تھے، بٹوا کہیں پھینکا ہوتا تو

ان میں سے کسی کی نگاہ میں آ جاتا۔"

اس نے استفسار طلب نگاہوں سے اپنے نوٹ دوسرا شخص کی طرف دیکھا جس نے حسب توقع میری بات کی صفائی کی تائید کر دی۔ "رانجیت سنگھ ہر نگاہ رکھی ہے بیرون سے آتے کچھ بھی چھپتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

انگوٹھی منہ سے فوراً نکالتے دیکھا تھا اور وہ چھپتے ہوئے سب میں ہوتا۔ اس کے پاس ہوٹل تو ہمیں موجود ہے مگر وہ تھوڑا..."

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو تم اس علاقے کے جیب تراشوں کے سرغنہ ہو اور اسے یقینی کامیابی کا تمغہ دیکھ میں نے کہا۔" اور مجھے اپنی حدود میں مداخلت کے شبہ میں پکڑا گیا ہے جو میں شریف آدمی ہوں اور تم جیسوں کی دشمنی کا مطلب خوب سمجھتا ہوں۔ مگر تم مجھے جانے دو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس واقعے کو بھول جاؤں گا۔"

وہ دونوں کمرے کے ایک گوشے میں مشورہ کرنے لگے اور میں یہ سوچنے لگا کہ سیتا اس معاملے میں مجھ سے زیادہ ماہر ثابت ہوئی تھی جو جیب تراشیاں کرنے کے باوجود وہ کبھی کسی کی گرفت میں نہیں آئی تھی۔ جب کہ میں پہلی ہی واردات کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔

ان کی مشاورت کئی منٹ تک جاری رہی پھر مجھے نہایت تحقیر آمیز انداز میں دھمکیاں سننے کے بعد چلے جانے کی اجازت مل گئی۔ شرمندگی سے چھوٹ جانے پر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا اور عجلت کے عالم میں اس عمارت سے نکل آیا۔

دوپہر کا کھانا میں نے چھپتے کے ہوٹل اور لسّی کے ایک گلاس سے کیا۔ پھر نئی امید اور لگن کے ساتھ دوبارہ پاسپورٹ آفس جا پہنچا جہاں میں دونوں پاسپورٹ ایجنٹ کے پاس تیار تھے جو اس نے رقم لے کر میرے حوالے کر دیے۔

اس روز کے لیے اتنی ہی کامیابی کافی تھی۔ پاسپورٹ لے کر میں سیدھا ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا جہاں سیتا میری منتظر تھی۔

پاکستانی پاسپورٹ مل جانے کے بعد ہی ہم پاسپورٹ قبضے میں رکھنے سے خطرات پیش آ سکتے تھے۔ لہٰذا میں نے کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کرنے کے بعد دونوں گمشدہ پاسپورٹوں کا ایک ایک صفحہ نذر آتش کر کے راکھ غسل خانے کی نالی میں بہا دی۔

پاسپورٹ ایجنٹ سے باتوں ہی باتوں میں میں یہ معلوم کر چکا تھا کہ ہندوستان کے لیے ویزا پاکستان کے صرف دو شہروں سے جاری کیا جاتا ہے کراچی میں ہندوستانی قونصلیٹ کا رخ کرنا تو دشوار تھا لہٰذا ہم نے اسی شام پنڈی روانگی کا فیصلہ کر لیا تاکہ اگلے روز اسلام آباد میں ہندوستانی سفارت خانے سے رجوع کر سکیں۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد ہم نے ہوٹل چھوڑ دیا اور اسی شام ایک کار سے راولپنڈی کے لیے روانہ ہو گئے۔

راستے میں میں نے سیتا کو اپنی جیب تراشی کا قصہ تفصیل سے سنایا تو وہ بہت محظوظ ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ میں ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی کے باعث گردو پیش کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ اگر خود کو نو آموز سمجھتے ہوئے میں احتیاط کے ہر پہلو کو مدنظر رکھتا تو شاید وہ تلخ تجربہ مجھے پیش ہی نہ آتا۔

ہم نو بجے پنڈی پہنچے تو اس شہر میں رات کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس وقت شب بسری کا مسئلہ تھا لہٰذا پنڈی میں بھی ہم نے ایک سستے لیکن صاف ستھرے ہوٹل کا انتخاب کیا۔ حالانکہ پنڈی میں میرے کچھ رشتے دار بھی مقیم تھے لیکن ماضی میں شہر سے پاکستانی اخبارات میں اپنے بارے میں شائع ہونے والے مواد کے باعث میں ان کے سامنے جانے سے گریز کرتا تھا اور ہر قسم کا ربط ختم کر چکا تھا۔

اگلی صبح ہم بس کے ذریعے اسلام آباد پہنچے اور بھارتی سفارت خانے کا پتہ دریافت کرتے ہوئے منزل مقصود پر پہنچ گئے۔

وہاں پہنچے تو حیرانی ہماری منتظر تھی۔ اس وقت صبح کے نو بجے تھے لیکن ویزا کی درخواستیں وصول کرنے والی کھڑکی کے سامنے مردوں اور عورتوں کی طویل قطاریں موجود تھیں۔

پتہ چلا کہ ان دنوں کراچی سے ویزا کا اجرا خاصی دیر میں ہوتا تھا جبکہ اسلام آباد سے ہندوستان کا ویزا آگلے ہی دن مل جاتا تھا۔ پھر طویل مدت کے بعد ہندوستان اور پاکستان کے درمیان محدود تعداد میں شہریوں کی آمدورفت کا آغاز ہوئے چند ماہ ہی گزرے تھے۔ لہٰذا سندھ بلکہ دور دراز کے شہروں کراچی کے باشندے بھی ویزا کے حصول کے لیے اسلام آباد میں قائم بھارتی سفارت خانے کو ہی ترجیح دیتے تھے۔

ہم نے کاؤنٹر سے ویزا کے دو فارم حاصل کر کے ان کی خانہ پری کی اور پاسپورٹ کے ساتھ مردانہ قطار میں کھڑا ہو گیا۔ انبالہ کا پتہ میں نے ذہن نشین کر لیا تھا۔

کھڑکی پر درخواستوں کی وصولیابی ٹھیک دس بجے شروع ہو گئی۔ قطار کے آخر میں کھڑے ہوئے لوگ ابتدا ہی سے مایوسی کا شکار تھے۔ کیونکہ ان کے بقول ہر روز درخواستوں کی ایک مقررہ تعداد ہی وصول کی جاتی تھی۔

ان دنوں پاکستان کے باشندوں کی اتنی بڑی تعداد ہندوستان جانے اور اپنے بچھڑے ہوئے اعزہ سے ملنے کے لیے بے چین تھی کہ ویزا کے لیے ایک روز قبل سہ پہر ہی لوگ سفارت خانے کی عمارت سے باہر قطار میں جگہ حاصل کرنے کے لیے قطار بند ہو جایا کرتے تھے۔

پھر وہی ہوا جو ہونا تھا۔

مقررہ تعداد پوری ہوتے ہی کھڑکی بند کر دی گئی اور ناکام لوگوں کی بھیڑ اِدھر اُدھر بکھر گئی۔ میرے لیے یہ ایک انوکھا تجربہ تھا۔ میں سیتا کے سامنے اس کوتاہی کا کوئی قابل قبول حل کرنا چاہ رہا تھا لیکن اس کا ادراک نہیں ہو سکا تھا۔

چند منٹ بعد وہ عمارت سے نکلتی نظر آئی تو بہت خوش تھی۔

"آؤ... شاید کام بن جائے۔" اس نے میرے ہاتھ میں تھمے ہوئے پاسپورٹ اور ویزا فارم کو جھپٹتے ہوئے کہا۔

"کوئی سفارش ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"رنجیت سنگھ یہاں ملازم ہے۔ وہ ہندوستان میں میری ماں کی بڑی بہن کا بیٹا ہے۔ اگر تمہیں وہ دیکھتا تو ان درخواستوں کو شامل کرا دے گا۔ شاید کل کا ویزا بھی مل جائے۔"

رنجیت سنگھ ایک ادھیڑ عمر اور رحم دل شخص تھا۔ اس نے درخواستیں اور پاسپورٹ لے لیے مگر ہمیں کوئی رسید نہیں دی۔

میں دل ہی دل میں سیتا کے کمال کی داد دیتا ہوا چپ ہو لیا۔

اگلے روز ہم ساڑھے بارہ بجے دوبارہ ہندوستانی سفارت خانے پہنچے تو رنجیت سنگھ نے اپنی میز کی دراز سے پاسپورٹ نکال کر ہماری طرف بڑھا دیے۔

حسب توقع ہمیں ہندوستان کے چار شہروں کے لیے ویزا مل گیا تھا مگر اس کے لیے ہر شہر میں اپنے کسی رشتے دار کا پتہ دینا ہوتا تھا جو ہمارے پاس نہیں تھا لہٰذا ہمیں صرف انبالہ کا ویزا ملا تھا اور وہ بھی سیتا کی ماں کے فرضی رہائشی پتے کی بنا پر۔

اس مرحلے سے فراغت کے بعد ہم اسی روز پنڈی آئے اور شام کو لاہور واپس لوٹ گئے۔

اگلے دن کا آغاز ہمارے لیے سنسنی خیز تھا۔

اسٹیشن سے امرتسر کے لیے ٹکٹ حاصل کرنے سے قبل ہم نے کچھ پیسے خرچ کر کے سفری دستاویزات کی کارروائیاں مکمل کرا لی تھیں اس کے ساتھ ہی امریکی ڈالرز بھی لے لیے تھے جو بہت قلیل محسوس ہوتے تھے مگر ہم نے بقیہ پاکستانی کرنسی بھی ساتھ لے لی تھی۔

ٹرین لاہور سے روانہ ہوئی تو ہر ڈبے میں اسپیشل پولیس کا عملہ موجود تھا۔ چند منٹ کے سفر کے بعد ٹرین واہگہ چیک پوسٹ پر رک گئی تو ٹرین چلانے والے عملے کے علاوہ سارے مسافر اپنا سامان لے کر ٹرین سے اتر گئے۔

ہندوستانی اور پاکستانی سرحد کے درمیان مختصر سی آبادی ہے جس میں ہندوستان کے دو گھڑ سوار سپاہی موجود تھے۔ ٹرین دوبارہ حرکت میں آئی تو وہاں سے ایک ایک مسلح گھڑ سوار ٹرین کی ایک جانب موجود تھا!

مختصر سی آبادی سے گزر کر ٹرین اٹاری اسٹیشن پر رک گئی۔ اور سارے مسافر سامان سمیت ٹرین سے اتر گئے۔

کاغذات اور سامان کی انتہائی دقیق چھان بین تو توقع سے بہت کم وقت صرف ہوا اور مسافر دوبارہ ٹرین پر سوار ہو گئے۔

اس بار ٹرین حرکت میں آئی اور ہندوستانی سرزمین پر دوڑنے لگی۔ چند منٹ بعد ٹرین امرتسر کے اسٹیشن پر رک گئی تھی جہاں ہر طرف گڑیاں ہی گڑیاں نظر آ رہی تھیں۔

جن مسافروں کے پاس امرتسر کا ویزا تھا انہیں اسٹیشن سے نکلنے کی اجازت مل گئی مگر بیشتر تعداد آگے جانے والوں کی تھی۔

میں نے زرمبادلہ کے ایک بینک کاؤنٹر سے ہندوستانی کرنسی میں تبدیل کرائے اور انبالہ کے ٹکٹ خرید لیے۔

دوسرے پلیٹ فارم پر جانے والی ٹرین تیار کھڑی تھی۔ میں سیتا کے ہمراہ دھڑکتے دل کے ساتھ اس میں سوار ہو گیا اور تقریباً نصف گھنٹے بعد ٹرین نے امرتسر کا اسٹیشن چھوڑ دیا۔

اس کا اگلا اسٹیشن انبالہ تھا جہاں راجہ ہوٹل ہماری منزل تھا۔

سیتا کی ماں سندری کا دیا ہوا پتہ اس وقت وہاں موجود تھا یا نہیں اس کے بارے میں محض قیاس ہی کیا جا سکتا تھا لیکن اصل صورت حال کے بارے میں ہم دونوں میں سے کوئی بھی یقین نہیں تھا۔

میں خیالات کی رو میں وہ بالکونی سے باہر تیزی کے ساتھ پیچھے بھاگتے ہوئے سرسبز کھیتوں کو دیکھنے میں محو تھا کہ اچانک ایک کرخت آواز نے مجھے چونکا دیا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا!





وہ آواز سنتے ہی میرے دل کی گہرائیوں میں شدت سے یہ خواہش بیدار ہوئی کہ اس تبصرہ کرنے والے کا سامنا کرنے کے بجائے میں ٹرین کی کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا دوں لیکن تیزی کے ساتھ دوڑتی ہوئی ٹرین سے یوں باہر کود جانا جسم و جان کے لیے خاصا وبالِ جان پیدا کرسکنے کا سبب بن جاتا لہٰذا میں نے اس کرخت آواز کے مخرج کی طرف سر گھمایا تو میری سنسناتی ہوئی رگوں میں دوڑتا خون بحال ہوتا محسوس ہوا کیونکہ اس کے تنومند بدن پر ریلوے کی مخصوص وردی منڈھی ہوئی تھی۔

وہ ساکت و صامت کھڑا اپنے وردی ٹوپی کے نیچے چھپی ہوئی گھنیری ابرو نگاہوں سے مجھے گھور رہا تھا۔ اس کی بات چونکہ میرے پلے نہیں پڑی تھی لہٰذا میں جس کی شانِ نزول سے بھی آگاہ نہ ہوسکا، وہ شاید اپنی بات دہرانے پر آمادہ نہ تھا اور میں فوری طور پر اس سے کوئی رابطہ قائم کرنے کی اہلیت سے محروم تھا لہٰذا محض اخلاقاً میں نے بھی اسے گھورنا شروع کر دیا۔

میرا اس مخلوق کو گھورنا محض اخلاقاً اور والہانہ خیر سگالی تھا، مگر وہ نہایت کمینہ پرور ثابت ہوا اور میری نگاہوں میں پوشیدہ اخلاص بھری گرمجوشی کو نہ سمجھ سکا۔

"آنکھیں کیا دکھاتا ہے چل ٹکٹ نکال لو۔" کمپارٹمنٹ کی فضا میں ایک بھرپور غراہٹ ابھری جس میں انسانی جذبوں کا کوئی بھی لطیف عنصر شامل نہیں تھا۔

میری نگاہیں اس اثنا میں مستقل اس کے چہرے پر مرکوز رہی تھیں اور مجھے اس کی گھنی مونچھوں کے درمیان کہیں کوئی جنبش نظر نہیں آئی تھی۔ لہٰذا میرا اس غراہٹ کو نظرانداز کرنا قطعی فطری تھا۔ بالخصوص اس صورت میں جب کہ اس کا جثہ محکومیت کی ایک لازوال مثال نظر آ رہا تھا جس سے کسی حکم آمیز رویے کی توقع حماقت سے کم نہ ہوتی۔

میرے لبوں پر ابھرنے والی دوستانہ مسکراہٹ نے آناً فاناً میں سارا تجسس دور کر دیا کیونکہ میرے مسکراتے ہی اس کی انا پھڑک اٹھی۔ "دانت مت نکالو، ٹکٹ دکھاؤ۔" وہ ہاتھ میری طرف بڑھا کر پھنکارتے ہوئے بولا۔

اس کے لبوں کی جنبش تک اس بار بھی میری نگاہوں کی رسائی نہ ہوسکی مگر اس کی دیگر حرکات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا میرے لیے دشوار ثابت نہیں ہوا کہ نہ صرف اس بار بلکہ پہلے بھی کمپارٹمنٹ میں اسی کی آواز گونجی تھی۔

اس نکتے سے واقف ہوتے ہی میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور جب دو عدد ٹکٹ اس کی طرف بڑھائے تو اس کے اکھڑے چہرے پر پژمردگی سی تیر گئی۔

میرے ابتدائی ردِعمل کی بنا پر شاید وہ یہ رائے قائم کر چکا تھا کہ میں بلاٹکٹ اس ٹرین میں سفر کر رہا تھا اسی بنا پر اسے ٹکٹ دیکھ کر مایوسی ہوئی تھی۔

اس نے ہاتھ میں تھامی ہوئی سادہ سی مشین سے ٹکٹوں میں سوراخ کیے اور ٹکٹ میری گود میں پھینک کر واپس چلا گیا۔ اس قطار میں براجمان دوسرے مسافروں کے ٹکٹ وہ غالباً مجھ سے پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔

"تم نے بابو کو ناراض کر دیا۔" اس کے چلے جانے پر میرے سامنے بیٹھے ہوئے ایک جوان العمر سکھ نے شریر مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"بعض لوگ تکبر مارے ہی سے ناراضگی کی حالت میں رہتے ہیں۔" میں نے دانستہ اونچی آواز میں کہا تاکہ پچھلی قطار میں بیٹھے ٹکٹ چیکر میرا تبصرہ سننے کی سعادت سے محروم نہ رہ سکے۔

تبصرہ کرنے والا سکھ دل کی گہرائیوں سے ہنس پڑا۔ دوسرے مسافروں کے چہروں پر بھی دبی دبی مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔

یہ مختصر سا واقعہ غلط فہمی کی پیداوار تھا مگر نتائج کے اعتبار سے خاصا حوصلہ افزا رہا کیونکہ دوسرے ہم سفر مجھے خوش مزاج سمجھ کے جلد ہی میرے ساتھ بے تکلف ہو گئے۔

سفر نہایت خوشگوار اور پرسکون گزرا اور دوپہر کے قریب ٹرین انبالہ اسٹیشن پر جا رکی۔

ہم دونوں کے پاس وزن کے اعتبار سے سامان نہ ہونے کے برابر تھا لہٰذا ہم پھرتی سے ٹرین سے اترے اور پرہجوم پلیٹ فارم پر اپنا راستہ تلاش کرنے لگے۔

انبالہ کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی میں عجیب سی دلی کیفیات سے دوچار ہو چکا تھا کیونکہ اس سرزمین نے میری زندگی میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔

ہندوستان میں انبالہ وہ آخری شہر تھا جہاں تک میں بیتا کے ہمراہ واپسی کے سفر پر تمام تر دشواریوں کے باوجود گامزن رہا لیکن پھر میرے مقدر نے کروٹ لی اور بیتا نے میری ایک بات پر ناراض ہو کر خاموشی سے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔

ایک طرف میرے لہو کے پیاسے میری ٹوہ میں لگے ہوئے تھے اور دوسری طرف مجھے بیتا کی سلامتی کی فکر لاحق ہو گئی تھی لہٰذا دوہری پریشانی میں میں راستہ بدلنے پر مجبور ہو گیا۔

انبالہ سے نکلنے کے بعد حالات میرے حق میں بد سے بدتر شکل اختیار کرتے چلے گئے اور میں نگر نگر کی خاک چھاننے پر مجبور ہو گیا مگر یہ قدرت کی کرنی تھی کہ میری طویل جلاوطنی [illegible]

اس جلاوطنی میں جہاں میں نے قتل و دہشت گردی کے بازار گرم کیے وہاں فلسطینی تحریک کے دوش بدوش رہ کر ایسے کام بھی سرانجام دیے

جنھیں میں آج بھی اپنی بے ملیا زندگی کا سب سے قیمتی اثاثہ سمجھتا ہوں۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ جلاوطنی کے اسی تاریک دور میں میری کھوئی ہوئی سیتا مجھے واپس ملی جس کے بغیر میں اپنا وجود ادھورا محسوس کرتا تھا۔ سیتا مجھے مل چکی تھی اور میں ایک عرصہ پہلے پاکستان کی شہریت حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا جس کا ثبوت پاسپورٹ کی صورت میں میری تحویل میں تھا لیکن پاکستان کے شہر کراچی میں پہنچتے ہی مقدر کی گردش نے مجھے نہ صرف پنے اثاثے سے محروم کر دیا تھا بلکہ عارضی طور پر روزی کمانے کی صلاحیت میں بھی کافی کمی کر دی تھی لہٰذا میں اکام روزگار کی تلاش میں کسی کی خاطر واپس پھر سے رجوع کرنے پر مجبور تھا جسے بصورت دیگر میں ایک عرصے سے بھلا چکا تھا۔

اسٹیشن سے باہر سواریاں کا ایک رنگ برنگ ہجوم جمع تھا مگر ہم تانگوں اور رکشوں کی بھیڑ سے نکلتے ہوئے ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف بڑھ گئے۔

وہاں ایک سپاہی موجود نظر آیا اور مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ جب اگلی ٹیکسی کے ڈرائیور نے منزل یا اجرت کی بات کیے بغیر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا۔

"کرایہ کیا لوگے؟" میں نے کراچی کے تلخ تجربات کے پیش نظر بیٹھنے سے قبل اس سے سوال کیا۔

وہ مسکرایا "جو جی چاہے دے دینا باؤ جی۔ ویسے ہم میٹر سے چلتے ہیں۔ جانا کہاں ہے آپ کو؟"

"راجہ ہوٹل" میں نے پیش قدمی کرتے ہوئے کہا۔

اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولنا چاہا مگر فوراً ہی خاموش ہو گیا۔

"پاکستان سے آئے ہو باؤ جی؟" ڈرائیور نے اپنی ٹیکسی قطار سے باہر نکالتے ہوئے پُر اخلاق لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں! کیسے اندازہ لگایا تم نے؟"

"ادھر سے آنے والے دور ہی سے پہچانے جاتے ہیں۔" اس کے لہجے میں ایک بے نام سی حسرت پوشیدہ تھی۔ "پھر آپ نے تو ٹیکسی میں بیٹھنے سے پہلے ہی اپنی شناخت کروا دی تھی۔" یہ کہتے ہوئے وہ دھیمے سے ہنسا۔

"وہ کیسے؟" میں نے اپنا سوال برقرار رکھا۔

"سنا ہے پاکستان میں ہمارے زیادہ تر بھائی بہتر بیٹھ ہونے کے باوجود اس کی پروا نہیں کرتے۔ ریلوے اسٹیشنوں اور ہوائی اڈوں پر تو ان کے وارے نیارے ہوتے ہیں۔" اس کے لہجے میں حسرت ہی حسرت رچی ہوئی تھی۔ "یہاں تو پولیس والی ہی نہیں گھسنے دیتی۔ باری سے مسافر اٹھانے پڑتے ہیں جیسا بھی اور جہاں کا بھی مسافر مل جائے۔"

"یہ نظام مسافروں کے حق میں تو اچھا ہے۔"

"آپ اسے جو بھی کہو، اصل بات یہ ہے کہ کچھ جوڑنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ یہاں مسافر تو ریزگاری تک نہیں چھوڑتے۔ سنا ہے پاکستان میں تو نہ مسافر ریزگاری کی پروا کرتے ہیں اور نہ ڈرائیور لوٹاتے ہیں۔"

"تو پاکستان کیوں نہیں چلے جاتے؟" میں نے مسکرا کر سیتا کی طرف دیکھتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"اتنا آسان نہیں ہے باؤ جی!" وہ بولا۔ "میرا ایک یار گیا تھا۔ تین مہینے کے ویزے پہ۔ کراچی میں خوب لوٹ کر کمائی کی۔ آٹھ مہینے میں سات ہزار روپے جوڑ لیے مگر واپس لوٹا تو ہندوستان کی کسٹم والوں نے پکڑ لیا۔"

"یقیناً غلطی اس کی تھی۔"

"کسٹم والے تو سونگھتے ہیں جی لوگوں کو۔ ساری رقم ڈکار گئے بغیر صاف کھا گئے۔" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"رسید تک نہیں دی رقم کی ضبطی کی۔" اس نے انکشاف کیا۔ "الٹا اسے رسید کٹنے کی آفر کی کہ سمگلنگ کے جرم میں اندر بھی کرنا ہوگا لہٰذا بے چارہ رسید کو بھول بھال کر سیدھا گھر آ گیا۔ میں بھی کئی بار ویزا بنانے والوں کو آگے پیچھے کی نیت سے روکا ہوں۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ پاکستان میں کسی نے شناختی دل رکھنے والی رقم کی قرض کا ذریعہ بھی بتانا پڑتا۔ سچ بولتا تو پھنستا، جھوٹ سے کام لیتا تو بھی نہ بچتا۔"

"یہی بات ہے کہ پاکستانی پیسہ کمانے دوبئی جاتے ہیں۔ ہم ہندوستانیوں کے لیے تو پاکستان ہی دوبئی ہے۔ ہر کام میں یہاں سے چار پانچ گنی کمائی ہے۔"

"اخراجات بھی ویسے ہی ہیں۔" میں نے کہا۔

"اخراجات اپنے بس میں ہوتے ہیں جی!" وہ پُر اعتماد لہجے میں بولا۔ "بات بس اتنی سی ہے کہ ولیس میں آدمی اپنے پرایوں کے طعنوں کے ڈر سے کچھ نہیں کرتا۔ پردیس میں سب کچھ کر لیتا ہے کیونکہ وہاں دیکھنے اور ٹوکنے والا کوئی نہیں ہوتا۔"

پھر ایک دم چونک کر اس نے ٹیکسی کی رفتار سست کر دی۔

"باتوں میں بھول ہی گیا۔ جانا کہاں ہے آپ کو؟"

"راجہ ہوٹل۔"

"کوئی گلی محلے کا نام نہیں؟"

"گلی محلے نہیں۔ مجھے خاص راجہ ہوٹل میں جانا ہے۔" میں نے قدرے حیرت اور ناگواری کے ساتھ اپنا مدعا دہرایا۔

"اب تو بس اس بازار کا نام ہی رہ گیا ہے۔ راجہ ہوٹل تو ڈھا دیا ہے۔ آپ کو کہیں اور ٹھہرنا ہوگا۔"

"تو ڈھا دیا ہے؟" سیتا نے حیرت اور بے یقینی سے سوال کیا۔

"ہاں بیگم صاحب!" اس نے ادب سے کہا۔ "سنا ہے وہاں ایک نئی پلازہ تعمیر ہونے جا رہی ہے۔ شاید ہوٹل بھی دوبارہ کھل جائے۔"

"پھر کسی اور ڈھنگ کے ہوٹل میں لے چلو۔" میں نے سپاٹ آواز میں کہا۔

راجہ ہوٹل کے انہدام کی اطلاع میرے لیے شدید مایوسی کا سبب ثابت ہوئی تھی اور یہی حال سیتا کا بھی ہوا تھا۔

"یہ ہے جی راجہ ہوٹل۔" چند منٹ بعد ٹیکسی ڈرائیور نے داہنی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہم سے کہا۔

اس عمارت کا وسیع حصہ منہدم کیا جا چکا تھا۔ باقی ماندہ ڈھانچے پر مزدوروں کی ٹولیاں ہتھوڑے برسا رہی تھیں۔

میں راجہ ہوٹل کی حیثیت کو زائل ہوتے دیکھتا رہا۔ ڈرائیور نے اس تمام عرصے میں ٹیکسی کی رفتار سست کر دی تھی اور میں نے چند ثانیوں کی اس مہلت میں گہری نظر سے توڑ پھوڑ کے اس کام کا جائزہ لے ڈالا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر ایک اور درمیانے درجے کے ہوٹل پر ڈرائیور نے ٹیکسی روک دی۔

میں نے اسے کرایے سے دو روپے فاضل دیے تو اس نے خوش ہو کر دونوں ہاتھوں سے ہمیں سلام کیا اور فراخ دلی سے بولا۔ "اسی لیے تو کہتا ہوں باؤ جی کہ پاکستانیوں کے دل بہت بڑے ہوتے ہیں۔ اول تو یہاں لوگ بخشش ہی نہیں دیتے۔ کبھی کوئی سا ہو کار خوش ہو جائے تو دو چار پیسے سے آگے نہیں سوچتا۔"

وہ آگے بڑھ گیا اور میں سیتا کے ہمراہ درمیانے ہوٹل کی عمارت میں داخل ہو گیا۔

ہوٹل میں جب میں نے کاؤنٹر والے پر اپنا مدعا ظاہر کیا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔ "ہم آپ کو ہوٹل میں تو کمرہ نہیں دے سکتے۔"

"وہ کیوں؟"

"ہندوستان اور پاکستان کے درمیان سفر کرنے والے رشتہ داروں سے ملنے آتے جاتے ہیں اور انہیں ہر شہر میں اسی پتے پر ٹھہرنا پڑتا ہے جو ویزا فارم میں لکھتے ہیں۔" اس نے بااخلاق لہجے میں ہمیں آگاہ کیا۔ "یہاں ہوٹل والوں کو پاکستانیوں کو ٹھہرانے کی ممانعت ہے۔ کوئی ترس کھا کر ٹھہرا بھی لے گا تو پولیس تنگ کرے گی اور آپ کو الگ سے تنگ کریں گے۔"

"پھر کیا کیا جائے؟"

"جس پتے پر جانا تھا وہیں کیوں نہیں جاتے؟"

"اصل تو وہ پتہ ہی غلط ہے۔" میں نے کہا۔ "ہم تین برس بعد لوٹے ہیں۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے یہاں تک پہنچے تو پتہ چلا کہ وہ لوگ سرحد پار جا چکے ہیں۔"

وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "یہ تو بڑی مشکل ہو جاتی ہے۔"

میں خاموشی سے اس کے دوبارہ بولنے کا منتظر رہا۔

"پہلے آپ پولیس اسٹیشن چلے جائیں اور وہاں بڑے بابو کو اپنی الجھن ایمانداری سے بتائیں۔ وہ کوئی نہ کوئی راستہ نکالے گا۔"

"ایسا نہ ہو کہ ہم پھنس جائیں۔" سیتا نے کہا۔

"پاسپورٹ کی تہہ میں دس بیس روپے رکھ دینا، کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔" اس نے آخر میں نسخۂ کیمیا سے بھی آگاہ کر دیا۔

اس سے پولیس اسٹیشن کا پتہ معلوم کر کے ہم ہوٹل سے باہر آئے تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہی ٹیکسی ڈرائیور جو ہمیں ہوٹل تک لایا تھا، اطمینان سے ایک فٹ پاتھ کے کنارے ٹیکسی کے بمپر سے ٹیک لگائے سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔

"تم واپس آ گئے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"اس وقت تو روانی میں واپس چلا گیا لیکن آگے جا کر خیال آیا کہ پاکستانیوں کو تو کوئی ہوٹل والا نہیں لیتا اور یہ ہوٹل والا تو اس معاملے میں بہت سخت ہے۔"

"پھر کیا سوچ کر لوٹے ہو؟"

"چاہو تو اپنا گھر پیش کر سکتا ہوں۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "بال بچوں والا آدمی ہوں۔ بیوی اور پانچ بچوں کے علاوہ ماں بھی ساتھ رہتی ہے۔"

"کام نہ بنا تو تمھارے گھر ہی ڈیرہ ڈالنا ہوگا۔" میں نے اس کی پیشکش پر دلی اطمینان محسوس کرتے ہوئے اسے دوبارہ ہوٹل سے معلوم ہونے والی ترکیب سے آگاہ کر دیا۔

"اگر ہم اس بکھیڑے میں پڑے بغیر ہی تمھارے گھر چلیں تو؟" سیتا نے میرے خاموش ہوتے ہی سوال کر ڈالا۔

"بڑی خوشی سے۔" اس نے فراخ دلی کے ساتھ کہا۔

میں سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا کیونکہ سیتا نے اس سے بروقت صحیح بات چھیڑ دی تھی۔

ہوٹل کے مقابلے میں اس کا گھر ہمارے لیے زیادہ محفوظ تھا لیکن میری فوری آمادگی اسے سوء ظن میں مبتلا کر سکتی تھی جب کہ سیتا کے بارے میں وہ یہی سمجھا ہوگا کہ عورت ہونے کے ناطے وہ ہر الجھن سے دور رہنے کی خواہاں تھی۔

"مگر ہم مفت خوری نہیں کریں گے۔" سیتا اس سے کہہ رہی تھی۔

"وہ تو شاید میں بھی نہ کرا سکوں۔" اس نے سادگی سے اپنی بے بسی کا اعتراف کیا۔ "روز کمانے اور روز کھانے والا آدمی ہوں۔ بیس روپے روز تو دینا۔"

"صرف بیس روپے؟" سیتا نے حیرت سے دہرایا۔

وہ ہنس دیا۔ "پاکستانیوں کو یہاں ہر چیز پر حیرت ہوتی ہے۔ پندرہ روپے میں میرے گھر کا ہانڈی کا خرچہ چل جاتا ہے۔ تم دونوں کے

شامل ہونے پر سیس میں گزر نہ ہو جائے گی۔ اس طرح چند روز میں اپنی کمائی جوڑ سکوں گا۔"

اس کی سادہ باتیں بہت دل نواز تھیں۔ اس بار سیتا ٹیکسی کی عقبی نشست پر بیٹھی تھی۔ میں آگے اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

راستے میں میں نے قانونی طور پر موجود تمام ڈالرز ہندوستانی کرنسی میں تبدیل کرا لیے اور پھر اس رقم میں سے دو سو روپے ڈرائیور کے حوالے کر دیے جو اس نے احسان مندیت کے ساتھ خاموشی سے لے لیے۔

"تمھارا نام نہیں معلوم ہوا اب تک؟" کچھ دیر کی پُر وصل خاموشی کے بعد میں نے اس سے ہنستے ہوئے سوال کیا۔

"رام ناتھ نام ہے ویسے لوگ سے دوستوں تک سبھی رامو کہتے ہیں۔"

"میں سلطان احمد نبیل ہوں — میری تبلیغی بیوی۔"

وہ مسکرا کر رہ گیا۔

"ایک بات بتاؤ گے رامو؟" تھوڑی دیر بعد سیتا نے اسے مخاطب کیا۔

"ایک کیا جو بھی جیں بتاؤں گا۔"

"ہم مسلمان ہیں تمھاری وجہ سے ۔۔۔"

"ایسے مت کہیں بھابی!" وہ فضا میں دایاں ہاتھ لہرا کر لاپروا انداز سے بولا۔ "دھرم کی باریکیاں جاننے پنڈت لوگ نے تراشی ہوئی تھیں، تاکہ ان کا حلوہ مانڈا چلتا رہے۔ ان کے سلسلے اب بہت کم رہ گئے ہیں۔ ہندو مسلمان ایک دستر خوان پر کھاتے ہیں اور کسی کا دھرم بھرشٹ نہیں ہوتا۔ دھرم تو انسان کے بہت اندر کی چیز ہے، ان باتوں سے نجلا کیا ہوتا ہے۔"

"یہ اچھا ہے کہ تم روشن خیال ہو ورنہ ہماری موجودگی تمھارے گھرانے کے لیے بوجھ بن کر رہ جاتی۔" میں نے کہا۔

"روشن خیالی؟" رامو نے محظوظ ہو کر قہقہہ لگایا۔ "گندی گلیوں تلے چھوٹے چھوٹے مکانات میں رہنے والے سب ہی ایسے ہوتے ہیں بھائی — شاید تمھیں حیرت ہو لیکن یہ واقعہ ہے کہ پچھلے کئی برسوں سے ہمارے گھر میں دال سبزی کے ساتھ گوشت بھی پکتا ہے — بس میری ماں گوشت نہیں کھاتی۔ تمھیں پتا ہی نہ چل سکے گا کہ کسی ہندو گھرانے میں رہ رہے ہو۔"

"اچھی بات ہے۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "لیکن ہماری وجہ سے اپنے معمولات میں فرق نہ ڈالنا۔ تمھاری ماں کو کراہت ہوتی ہے تو ہمیں دال اور سبزی بھی مرغوب ہیں۔"

ہمارے سفر کا اختتام توقع سے ایک گھنٹہ زیادہ [illegible] نیم پختہ آبادی میں ہوا۔ ٹیکسی جس مکان کے دروازے پر رکی تھی وہ عام [illegible] المنظر میں صاف ستھرا نظر آ رہا تھا۔

ٹیکسی کے انجن کی آواز سنتے ہی مکان کے دروازے پر جھولتے ہوئے ٹاٹ کے پردے کی اوٹ سے دو بچے پُرجوش انداز میں دوڑتے ہوئے باہر آئے اور جوں ہی رامو نیچے اترا، "بابا!" کہتے ہوئے اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئے۔

ان میں ایک لڑکی سات آٹھ برس کی تھی۔ دوسری کی عمر شاید چار سال رہی ہوگی۔

"میری بیوی کی کوکھ بہت تنگ ہے۔" وہ بچوں کے سر سہلاتے ہوئے میری طرف جھک کر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "چار لڑکیوں کے بعد اب دس مہینے کا لڑکا گود میں ہے۔"

"یہ سب اللہ کی دین ہوتی ہے۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "ان خرافات سے سوچ کر دماغ خراب نہ کیا کرو۔"

تین کمروں اور ایک بیٹھک پر مشتمل وہ گھر صاف ستھرا بود و باش کا مظہر تھا جس میں بنیادی ضروریات کی ہر شے موجود تھی لیکن آسائشوں کا کوئی گزر نہیں تھا۔

رامو نے پہلے ہمیں بیٹھک میں بٹھایا جہاں ایک تخت کے علاوہ فرش پر دری بچھی ہوئی تھی۔

شاید اس نے اندر جا کر پہلے اپنی بیوی اور ماں کو ہمارے بارے میں بتانا چاہا تھا۔ اس دوران میں اس کی چاروں لڑکیاں بیٹھک میں آ کر سیتا کے گرد جمع ہو گئی تھیں اور سیتا ان کے ساتھ خوش فعلیوں میں مشغول ہو چکی تھی۔

چند منٹ بعد رامو بیٹھک میں آیا اور ہنستے ہوئے بولا۔ "گھر کا جو کمرہ مناسب سمجھو وہ ٹھیک کرا دوں گا۔"

"بیٹھک ہی مناسب رہے گی۔" میں نے کہا۔ "بس اتنی گنجائش پیدا کر دو کہ ہم دونوں فرش یا تخت پر بآسانی سو سکیں۔"

اس سے یہ کہتے ہوئے میرے ذہن میں یہ پہلو نمایاں تھا کہ اگر مجھے اور سیتا کو آپس میں کسی تبادلۂ خیال کی ضرورت پیش آئے تو خلل واقع نہ ہو۔

اس کے ہمراہ ہم دونوں نے پورے مکان کا جائزہ لیا۔ اس کی بیوی آشا خوش شکل تھی مگر بچوں کی پے در پے پیدائش نے اس کا مزاج چڑچڑا بنا دیا تھا۔ اس کے برعکس رامو کی بوڑھی ماں بہت زندہ دل خاتون تھی۔ اس نے بڑی محبت سے سیتا کو اپنے سینے سے لپٹا کر اس کی بلائیں لیں اور اس وقت سیتا یک لخت ایک معصوم سی بچی نظر آنے لگی۔ اور جب سیتا رامو کی ماں کے سینے سے الگ ہوئی تو اس کی آنکھیں نمناک تھیں۔ شاید اسے اپنی ماں سندری یاد آ گئی تھی۔

مکان کے محل وقوع نے میرے انتخاب کی تائید کی اور پھر میں نے رامو کے ساتھ مل کر بیٹھک میں دو چارپائیاں منتقل کرا لیں۔ تخت رامو کی ماں کے حصے میں آ رہا تھا۔

دوپہر کے کھانے کا وقت گزر چکا تھا اور رات کے کھانے میں دیر تھی مگر ہم دونوں بھوکے تھے لہٰذا رامو کی بیوی رسوئی میں جا گھسی۔

"یہاں تو معاملہ ہی چوپٹ ہو گیا ہے۔" منہ ہاتھ دھونے کے بعد تنہائی میسر آتے ہی سیتا نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"مجھے اب بھی کچھ امید ہے۔"

"اب کیا رہ گیا ہے وہاں؟" سیتا نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "بس چار چھ روز کی بات ہے، پھر وہاں سپاٹ میدان باقی رہ جائے گا۔"

"وہ عمارت ایک منصوبے کے تحت ڈھائی جا رہی ہے۔" میں نے کہا۔ "وہاں سے گزرتے ہوئے میں نے جن حصوں کا انہدام ہوتے دیکھا ان کا کوئی چوبی حصہ باقی نہیں تھا۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" وہ میری بات سمجھ سکی۔

"چوکھٹیں، دروازے اور دوسرا چوبی ساز و سامان انہدام سے پہلے نکالا جا چکا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ چیزیں برباد نہیں ہوئی ہیں۔ اب ہمیں اس شخص یا مقام کا پتہ چلانا ہوگا جہاں راجہ ہوٹل کا چوبی ملبہ لے جایا گیا ہے۔"

"جب انبالہ تک آ کر ہی پہنچے ہیں تو کسی کوشش میں کسر نہیں چھوڑنی چاہیے۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

اسی اثنا میں آشا کھانے کی تھالی لیے وہاں آ پہنچی۔ اس کے پیچھے رامو پانی کا جگ اور گلاس لیے چلا آ رہا تھا۔

اس وقت کھانے میں گوشت کی بنی ہوئی کوئی چیز نہیں تھی لیکن کھانا بہت لذیذ اور اشتہا انگیز تھا جس کے ساتھ ہم نے پورا پورا انصاف کیا۔

کھانے سے فراغت کے بعد رامو نے روانگی کا ارادہ ظاہر کیا تو میں بھی اس کے ساتھ اٹھ گیا۔

"کہاں جاؤ گے؟" رامو نے باہر آ کر سوال کیا۔

"انبالہ گھوموں گا۔" میں نے اسے ٹالتے ہوئے کہا۔ "خوبصورت شہر ہے اور پھر یہاں کے لوگ بھی ملنسار معلوم ہوتے ہیں۔"

"درست کہتے ہو لیکن ذرا ٹھگوں سے ہوشیار رہنا۔"

"ٹھگ؟ انبالہ میں؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"ہاں!" وہ ہنسنے لگا۔ "آج کل شہر میں ایک ٹولی کا بہت چرچا ہے۔ ایک خوبصورت اور جوان لڑکی خود کو شریف، معصوم اور بے سہارا ظاہر کر کے کسی سادہ لوح شکار کو پھانس لیتی ہے اور جب وہ دونوں مکان یا ہوٹل کے کمرے میں پہنچتے ہیں تو ان کا تعاقب کرنے والے ٹولی کے ساتھی ان کے سر پر پہنچ کر شکار کو لڑکی کے اغوا اور آبروریزی کے جرم میں پھنسوانے کی دھمکی دے کر اسے ساری پونجی سے محروم کر دیتے ہیں۔"

"وہ ابھی تک آزاد ہیں؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"آزاد ہی ہیں!" اس نے ٹیکسی گھماتے ہوئے کہا۔ "شہر کے بعض علاقوں میں ان سے [illegible] آگاہ رہنا۔"

تھوڑی دیر تک ادھر ادھر وقت گزاری کے بعد میں نے ایک سائیکل رکشہ روکا اور دو روپے معاوضہ طے کر کے اس سے راجہ ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔

راجہ ہوٹل پہنچتے تک شام ہو چلی تھی اور عمارت کے انہدام پر کام کرنے والے مزدور چھٹی کر کے جا چکے تھے۔

میں ٹہلتا ہوا اس طرف بڑھا۔ ملبے کے درمیان ہی مجھے ایک ادھ ٹوٹے کمرے میں دو ادھیڑ عمر نوجوان نظر آئے اور میں ان کی طرف بڑھ گیا۔ ان دونوں ہی کی توجہ مٹی کے تیل کے چولہے پر چڑھی ہوئی دیگچی کی طرف تھی لہٰذا وہ اس وقت تک مجھے نہ دیکھ سکے جب تک میں نے کھنکار کر انھیں اپنی موجودگی سے مطلع نہیں کیا۔

"نمستے!" میں نے ان سے نگاہیں چار ہوتے ہی دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"کون ہو تم؟" ان میں سے ایک نے مجھے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں سوال کیا۔ اس کا ساتھی چولہے پر رکھے پانی کو چائے کا روپ دینے میں مصروف ہو گیا تھا۔

"میرا نام [illegible] ہے۔" میں نے بلا توقف کہنا شروع کر دیا۔ "روزگار کی تلاش میں بھٹک رہا ہوں۔ یہاں کوئی کام مل سکتا ہے؟"

اس نے ناقدانہ نگاہوں سے میرے سراپا کا جائزہ لیا پھر طنزیہ لہجے میں بولا۔ "اس کھنڈر میں بھلا کس کام کی امید لے کر آئے ہو؟"

"جو کام مل جائے کر لوں گا۔" میں نے اداس لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "ویسے میں لکڑی کے کام سے واقف ہوں۔"

"حلیے سے تو بابو لگتے ہو اور یہاں نوکری نہیں ملے گی!" اس نے میرا جواب نظر انداز کرتے ہوئے اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

"مزدوری مل جائے گی؟" میں نے پُرامید لہجے میں کہا۔

"ارے یار کیوں کھنچائی کر رہے ہو بے چارے کی!" چائے بنانے والے نے پلٹ کر اپنے ساتھی سے کہا پھر مجھ سے مخاطب ہو گیا۔

"ترکھان ہو تم؟" اس کا لہجہ پہلے کے مقابلے میں ہمدردانہ تھا۔

میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ "یہاں بھی تو ملبے سے دروازے کھڑکیاں اور الماریاں وغیرہ نکالنی ہوں گی!"

"وہ سب تو ہو چکا ہے بھائی!" اس نے چائے کی پیالی بھرتے ہوئے کہا۔ "یہاں اپنا وقت برباد مت کرو۔ کام چاہتے ہو تو رنبیر سنگھ سے ملو۔ نئی منڈی میں لکڑی کا بڑا بیوپاری ہے۔ اس عمارت کی ساری پرانی لکڑی اسی نے خریدی تھی۔ ہم تو پتھروں سے سر پھوڑتے ہیں!"

"رنبیر سنگھ کا ٹھکانہ کہاں ہے؟" اتنی آسانی سے مقصد حل ہو جانے پر میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہو گئی تھیں لیکن میں نے اپنے لب و لہجے سے کسی تبدیلی کا اظہار نہ ہونے دیا کیونکہ میں مطمئن کر کے ہی اس سے معلومات اگلوا سکتا تھا۔

"لکڑی کی منڈی میں جن سے تمام لوگ وہ وہاں بیٹھ جائے گا۔ اس کا گودام اور کاروبار منڈی میں سب سے بڑا ہے۔"

میں اس کا شکریہ ادا کر کے ایسے بے جان قدموں سے واپس لوٹا جیسے ہر قدم کے ساتھ دھرتی پر کوئی احسان کر رہا ہوں۔

یعنی ہی کوشش میں راجہ ہوٹل سے نکلنے والی پرانی لکڑی کے خریدار کا سراغ مل جانا میرے لیے ایک غیر متوقع کامیابی تھی جس کا خود مجھے بھی گمان نہیں تھا۔

ہوٹل کے زیر انہدام ڈھانچے کا جائزہ لیتے ہوئے میرے ذہن میں زیادہ سے زیادہ یہ امکان موجود تھا کہ اگر کچھ حصوں کی توڑ پھوڑ باقی رہ گئی تو ان کا جائزہ لے کر پارس پتھر کی بازیابی کے امکانات کا جائزہ لے لوں گا ورنہ بیال سے پاکستان واپسی کی راہ اختیار کر لوں۔

مگر چوہدری رندھیر کا نام سامنے آ جانے کے بعد اچانک امید کی ایک نئی کرن نمودار ہو گئی تھی۔ اگر ہوٹل سے نکلنے والی لکڑی اس کے گودام میں موجود تھی تو یہ امکان بھی باقی تھا کہ شاید لکڑی کے اس انبار میں مجھے وہ چوکھٹ مل سکے جس کے ایک سوراخ میں چیئر مین کی پیلی ہوئی لکڑی کے نیچے سنہری کی دبی ہوئی انگوٹھی کا نگینہ پوشیدہ تھا۔

راجہ ہوٹل سے کافی دور تک میں خواہ مخواہ بوجھل قدموں سے چلتا رہا اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ اس عمارت کے ملبے میں موجود دونوں مزدوروں کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا تو میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ اس وقت میں جلد از جلد سیتا تک پہنچنے کے لیے بے چین تھا۔ تاکہ وقت ضائع کیے بغیر اس کے مشورے سے کوئی لائحہ عمل طے کیا جا سکے۔

دکھنے میں سوار ہوتے ہوئے مجھے رامو کے مکان کی نشاندہی میں کوئی دقت پیش نہ آئی کیونکہ رامو خود اسی شہر کا ایک ٹیکسی ڈرائیور تھا اور اس نے مجھے رانچی سے قبل اپنے مکان تک سے راستے کے ہر امکانی خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔

راستے میں میرا ذہن مستقل طور پر چوہدری رندھیر اور اس کے گودام میں الجھا رہا۔

جس انداز میں راجہ ہوٹل کی عمارت کا انہدام جاری تھا اس سے ہوٹل کے مالکان کی جلد بازی کا اظہار ہو رہا تھا۔

انھوں نے جوش اضافت میں لیتے ہوئے کسی کی محنت کو بالکل ہی اکارت نہیں کیا تھا بلکہ ان کی جلد سازی کے پیچھے پوشیدہ ہم سوال کیے مجھے اگر ابتدا ہی سے ان کا وطیرہ کا معلوم ہوتا تو لازمی بات تھی کہ میں رندھیر کو عمارت کی لکڑی کے پیچھے کی وجہ سے کہ آج چکا تھا۔ کیونکہ ڈھانچے کے انہدام کا آغاز اس کی روانگی کے بعد ہی ہوا ہوگا۔

پہ چوہدری رندھیر کا نام میرے علم میں آ چکا تھا لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ اس نے ہوٹل کی عمارت سے برآمد ہونے والی لکڑی کو بیچنے سے انکار رکھا ہو۔ معمولی طور پر ایک کاروباری آدمی تھا اور ایسے لوگ کسی بھی سودے کو زیادہ عرصے تک روک کر نہیں رکھتے۔ اگر ہوٹل سے برآمد ہونے والی پرانی لکڑی کی فروخت کا آغاز ہو چکا تھا تو میرا کام بہت مشکل ہو جاتا۔ بہت سے سوالات میرے سامنے شدومد سے موجود تھے۔ انھیں حالات میری حکمت عملی یہ قرار پائی تھی کہ میں ہر قیمت پر چوہدری رندھیر کے گودام میں گھس کر اپنی متاع بے بہا تلاش کرنے کی کوشش کر دوں۔

اور یہ کام مجھے اپنے بس سے باہر نظر آ رہا تھا۔ ایک مقامی مددگار کی امداد میں لیے بغیر مجھے اپنی پیش قدمی کے بارے میں فیصلہ کرنا تھا۔ مقامی مددگاروں میں رامو اور سیتا میرے قریب رہے تھے لیکن ان میں کوئی بھی قابل اعتماد نہ ہوتا اور جب میں نے اعتماد کرنے کے حوالے سے امکانی خطرات کے بارے میں سوچا تو مجھے بھاری گھر یلو مسئلے دولت میں گھرا ہوا رامو ہی سب سے معتبر نظر آیا۔

ہندو سماج کے گرم مشرقی بندھنوں میں جکڑا ہوا وہ سادہ لوح انسان چار بیٹیوں کا باپ ہونے کے ناتے اپنی قسمت سے شاکی تھا۔

ہندوستان وہ سرزمین تھی جہاں اپنے ساتھ جہیز نہ لانے والی لڑکیوں کو سسرال میں اذیت ناک عذاب کا مستحق سمجھا جاتا تھا بلکہ حد تو یہ تھی کہ جہیز کی تو قعات کے آسیب میں مبتلا بعض سسرالی تو نئی نویلی دلہنوں کو پھولوں کی سیج سے ایک رات گزار کر شعلوں کی چتا میں جھونک دینے پر بھی تلے رہتے تھے۔

اور رامو بے حد حساس تھا۔

اس کی بیٹیاں ابھی کمسن تھیں لیکن وہ ان کے معصوم مستقبل کی کرب تک پہنچنے کو ہونے والے دیکھتا تو اندازہ لگا لیتا کہ جہیز کے بغیر رخصتی کی صورت میں اس کی بچیوں کا مقدر کیا ہو سکتا تھا۔

اس کی مجبوریاں میری پیدا کردہ نہیں تھیں۔ وہ تو ایسے سماج کا قیدی تھا جس نے اس کی بیٹیوں کی زندگی کی قیمت جہیز کی صورت میں مقرر کر دی تھی۔ اگر اسے امید دلا دی جاتی کہ میری مدد اور کامیابی کی صورت میں وہ ایک بڑی رقم کا حقدار ثابت ہو سکے گا تو وہ میرے لیے تن من کی بازی لگا سکتا تھا۔

میں نے گھر پہنچنے کے بعد کھلے ہوئے دروازے پر رامو کی بڑی بچی شانتی کا نام پکارا اور جواب کا انتظار کیے بغیر بیٹھک میں داخل ہو گیا۔

اس وقت سیتا بیٹھک میں نہیں تھی۔ بچوں سے پتہ چلا کہ وہ کافی دیر سے رامو کی ماں کے ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔

وہ آئی اور ایک چھپڑ بیٹھ کے میرے سامنے چارپائی پر بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا؟" میں نے سوال کیا۔

"ہم نہ جانے کہاں اپنا وقت گزار رہے ہیں۔" وہ سنجیدہ تھی۔ اداس آواز میں کہا "زندگی کو ان چھوٹے چھوٹے خستہ مکانوں کے ٹھکانے سے جہاں ہر سو اور معصوم کہانی دل کے کسی نازک گوشے کو جھنجوڑ دیتی ہے۔"

دکھوں کی کہانیاں سن میں تھے؟"

"چھوڑو میرے قصوں کو، یہ بتاؤ تم کہاں ہو آئے ہو؟" اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تو باہر چلتے ہیں۔۔۔ کچھ تھوڑی سی خریداری بھی ہو جائے گی۔" نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"شہر ہم کھانا گھر پر ہی کھائیں گے۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا "انشاء اللہ بات ہے کچھ خاص چیزیں بنائی ہیں۔"

"تم ہی کہا۔۔۔ مجھے تو خواہش نہیں ہے۔" میں یہ کہتا ہوا بیٹھک سے باہر نکل گیا۔ سیتا اندر جا کر چند چیزیں لے آئی۔

"کہاں گئی تھیں؟" میں نے گلی میں اس کے ہمراہ ایک طرف بڑھتے ہوئے سوال کیا۔

"ماں جی سے اجازت لینے گئی تھی۔" سیتا نے ہنس کر جواب دیا۔ "تمھارے نے پہلے سمجھا دی تھیں کہ عورت بیٹا باپ کے گلے لگنے تک کا دل ایسے ان سے پیوند کرے کیونکہ بچوں کے نزدیک سے ہما باپ ہوتا ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔"

"خوب۔" میں مسکرا دیا۔ "ہندی بھی خاصی سیکھ لی تم نے۔"

"یہ بتاؤ کہ اس وقت مجھے گھر سے باہر کیوں لائے ہو؟"

"چند ضروری باتیں کرنے۔" میں نے کہا۔ "یہ تو تم دیکھ ہی چکی ہو کہ راجہ ہوٹل انہدام کی آخری منازل طے کر رہا ہے۔۔۔۔۔"

"اور اس کے ملبے سے پارس پتھر کی بازیابی کا کوئی امکان نہیں۔" اس نے میری بات کاٹ کر دیا اور میں دانستہ خاموش رہا تاکہ اس نکتے پر اس کے ردعمل سے واقفیت حاصل ہو سکے۔

وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش رہی پھر بولی "میں نے رامو کی ٹیکسی سے دیکھا تھا اور اس ڈھانچے میں لکڑی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ میں نہیں جانتی کہ ہوٹل سے اکھاڑی جانے والی الماریاں کہاں لے جائی گئی ہیں؟"

میں بے اختیار ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ وہ ان ہی خطوط پر سوچ رہی تھی جن پر میں اپنی کارروائی کا آغاز کر چکا تھا۔

"اس شخص کا نام اور ٹھکانہ معلوم ہو گیا ہے جس نے راجہ ہوٹل سے نکلنے والا تمام لکڑی خریدی تھی۔ اب یہ معلوم نہیں کہ سارا انبار ابھی اس کے گودام میں ہے یا اس کی فروخت کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔"

"تو اب کیا سوچا ہے تم نے؟"

"اس معاملے میں تمھیں ساتھ نہیں لایا جا سکتا۔" میں نے محبت کے ساتھ کہا "سوچ رہا ہوں کہ رامو کو اعتماد میں لے لوں۔"

"وہ کس کام آ سکے گا تمھارے؟"

"وہ اس گودام کے مالک سے مل کر خبریں فراہم کرے گا۔۔۔۔"

"کیسی خبریں؟" وہ اس قدر مضطرب تھی کہ بار بار میری بات قطع کر رہی تھی۔

"گودام اور کاروبار کے علاوہ دیگر ممکنہ مقامات کی نشاندہی جہاں یہ لکڑی موجود ہے۔ اس کی فراہم کی ہوئی اطلاعات کی روشنی میں ہی اپنی تلاش کی مہم کا آغاز کروں گا۔"

"یہ ضروری تو نہیں کہ رامو مطلوبہ معلومات فراہم کر سکے۔"

"ضروری تو نہیں لیکن مجھے قوی امکان نظر آتا ہے۔ وہ مضبوط اور محنتی آدمی ہے۔ وہاں ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو ساری دشواریاں دور ہو جائیں گی۔"

"ملازمت!" وہ پُرخیال انداز میں بڑبڑائی۔ "اگر تمھارے ذہن میں یہ ہے تو شاید یہ کام تم خود ہی سرانجام دے لیتے۔"

"لکڑی کے گوداموں میں کندے گرانے اور لادنے کے لیے طاقتور آدمی درکار ہوتے ہیں۔ یہ کام محنت کا ہوتا ہے جو اس وقت میرے بس سے واقعی باہر ہے۔"

اس کے علاوہ میرے ذہن میں ایک تدبیر اور بھی تھی کہ میں پرانی لکڑیوں کے خریدار کی حیثیت سے چوہدری رندھیر کے گودام میں پہنچتا اور مال کی دیکھ بھال کے بہانے مطلوبہ ٹھکانوں کا جائزہ لے لیتا لیکن اس میں دو خطرات تھے۔

اول یہ کہ میں اس کی نگاہوں میں آ جاتا دوم یہ کہ میں لکڑی کے کاروبار کے اونچ نیچ سے بالکل نابلد تھا۔ اگر وہ مجھے تاجر سمجھ کر باتوں کی اونچ نیچ میں الجھا کر سودے پر آمادہ کر لیتا تو میرے پاس اپنا بھرم برقرار رکھنے کی کوئی صورت باقی نہ رہ جاتی۔

"مگر تم رامو کو اس تمام جدوجہد کا کیا سبب بتاؤ گے؟" کچھ دیر کی پُرخیال خاموشی کے بعد سیتا نے سوال کیا۔

"یہی ایک بات قابل غور ہے۔" میں نے کہا۔ "البتہ اس کا معاوضہ ہر صورت میں اسے ادا کیا جائے گا۔ ہزار پانچ سو تو ہر صورت میں ملیں گے اور اگر مقصد پا لیا اور پارس پتھر مل گیا تو اسے نہال کر دیا جائے گا۔"

"لیکن سبب؟"

"کوئی فرسودہ سی کہانی سنانی پڑے گی۔ یا اس کو کسی قیمتی اور عتیق پتھر بنایا جا سکتا ہے اور جو اس کا مالک ہو گا وہ دفینے کی بے اندازہ دولت پر قابض ہو سکے گا۔"

"وہ بیچارہ سیدھا ہے۔۔۔ اس کا ذہن تمھاری کہانی قبول کر لے گا؟" سیتا نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"یہ تو اس کا ذہن ہی بتا سکے گا۔"

اس کے بعد ہم نے قریبی بازار سے رامو کے بچوں کے لیے کچھ کھلونے اور مٹھائیاں وغیرہ لیں اور اپنے منصوبے کی دیگر جزئیات پر تبادلۂ خیال کرتے ہوئے واپس ہو لیے۔

گھر پہنچ کر سیتا نے بچوں کو چیزیں دیں تو ان کی تو عید ہو گئی تھی۔

قریئے سے سر پر پلو ڈالے میرے سامنے یہ منظر دیکھتی رہی۔

"ایک بات کہوں بھائی صاحب؟" بچوں کے چلے جانے کے بعد آشنا نے جھجکتے ہوئے پہلی بار مجھے مخاطب کیا۔

"کیا؟" میں چونک پڑا۔

"آپ دونوں بہت اچھے ہیں، مگر جانے کیوں لگتا ہے کچھ دن کے مہمان ہیں۔ آج تو بچوں کے لیے چیزیں لے آئے لیکن کل منہ دکھا دیں گے؟" اس نے دھیمے لہجے میں رک رک کر کہا۔

"اس میں کیا برائی ہے بہن؟" میں نے حیرت کے ساتھ سوال کیا "وہ بھلے بچے ہیں۔ اگر ان کا دل بہل جائے تو ہمیں خوشی ہوگی۔"

"ان کی عادت خراب ہو جائے گی۔" آشنا نے صاف لہجے میں کہا۔ "ہم غریب لوگ ہیں۔ آپ کے جانے کے بعد ہم ان کی فرمائشیں کہاں سے پوری کریں گے؟"

بے چارگی کی اس انتہا پر میں لاجواب سا ہو کر رہ گیا۔

کچھ دیر بعد رامو بھی لوٹ آیا۔

اس کے بشرے سے خوشی کا احساس جھلک رہا تھا۔ پتہ چلا کہ آج اسے خلاف معمول زیادہ آمدنی ہوئی تھی جسے چھپانا اس کے بس سے باہر تھا۔

کھانے کے بعد میں نے سیتا کو جانے کا اشارہ کیا اور رامو کو بیٹھک میں بلا لیا۔

میرے مدبرانہ رویے نے اسے کچھ پریشان کر دیا تھا۔

"گھبراؤ نہیں ۔۔۔ سب خیریت ہے۔ بس تم سے کچھ مشورہ کرنا ہے۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے جس طرح کہا تو اس کے چہرے کی رونق قدرے بحال ہو گئی۔

"تم نے کبھی کافرستان کا نام سنا ہے؟" میں نے اس کی طرف جھک کر دھیمی آواز میں کہا۔

اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی "سنا ہے چترال سے آگے کا علاقہ ہے۔ عجیب سے لوگ بستے ہیں وہاں۔"

"یہاں ہماری گفتگو کوئی تیسرا آدمی تو نہیں سن سکے گا؟"

"بے فکر رہو۔" اس نے جلی ہوئی دیا سلائی کو دبا کر پراسرار انداز میں کہتے ہوئے کہا۔

"وہاں قد آور سرخ و سفید لوگ بستے ہیں جن کے چہروں پر معصومیت پھیلی ہوئی ہے۔" میں نے دھیمی آواز میں کہنا شروع کیا۔ "ان کے بہت سے قبیلے ہیں جن کی رسوم ناقابل یقین حد تک عجیب ہیں۔ ان ہی میں ایک قبیلہ ایسا ہے جو محض ایک پتھر کا پجاری ہے۔ سیاہ رنگ کا ایک چھوٹا سا بے ڈھنگا پتھر ۔۔۔ وہ پتھر جن کے قبضے میں ہوتا ہے وہ اپنے مقدرات سونپ دیتے ہیں اور وہی شخص اس قبیلے کے بیش قیمت اور دفن خزانے کا مالک قرار پاتا ہے۔" رامو انہماک سے سر جھکائے میری کہانی سن رہا تھا۔

"چند برس پہلے ایک اطالوی سیاح وہ پتھر چرا لانے میں کامیاب ہو گیا مگر اس کی اپنے ساتھیوں سے نہ بن سکی اور وہ آپس میں لڑ کر مر گئے۔ کافرستان والوں کو آج تک اس چوری کا علم نہیں اگر پتھر گم ہونے والا واقعہ سردار نے خبر سنا دی تو اس کے غلام اپنے ہاتھوں سے اس کے جسم سے اتار دیں گے۔ وہ خاموشی سے پتھر کی واپسی کا منتظر ہے جو اس کا جانشین ہوگا۔ اس راز کا وہ شریک ہے۔ وہ پتھر کی تلاش میں مستقل بھٹک رہا ہے کیونکہ جب تک اس کی پیشانی پر وہ پتھر پھر سے دربار میں نہ سجا دیا جائے گا اس کی جانشینی کی رسم مکمل نہیں ہو سکے گی۔ وہ پتھر اسے پہنچا دیا جائے تو وہ لانے والے کو زر و جواہر سے بھرے ہوئے صندوق انعام میں دینے کا طلب گار ہے۔ یہ صندوق وہ کافرستان سے خچروں پر لاد کر لایا تھا اور آج کل لاہور میں بھٹک رہا تھا۔"

"اس دور کے لحاظ سے ناقابل یقین اور سنسنی خیز کہانی ہے!" میرے خاموش ہونے پر رامو نے سر اٹھا کر کہا۔ "کاش وہ پتھر کہیں سے مل سکے۔"

"مل سکتا ہے ۔۔۔ میں اسی طرف آ رہا ہوں۔" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔ "سننے میں آیا ہے کہ وہ پتھر اطالوی سیاح نے مرنے سے پہلے کہیں چھپا دیا تھا۔ کسی ذریعے سے اس بات کی تصدیق ہوئی ہے کہ وہ انبالہ تک پہنچا تھا اور راجہ ہوٹل میں ٹھہرا تھا۔ اس نے وہ پتھر اپنے کمرے کی کسی طاق میں لکڑی میں دفن کر کے چھپایا تھا۔"

اچانک رامو کی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز ہو کر تحیر آمیز انداز میں پھیلتی چلی گئیں۔

"یہ اس طرح مجھے کیوں گھورنے لگے بھئی؟" مجھے اس کی نگاہوں سے وحشت سی ہونے لگی۔ "تمہیں اچانک میرے چہرے پر کیا نظر آگیا تھا؟"

"ابھی بات ادھوری ہے تمہاری!" اس نے میرے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر خوفناک سی آواز میں کہا۔

"بات میں بعد میں پوری کروں گا ۔۔۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم مجھے کیوں گھور رہے ہو؟" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

وہ اچانک ہنس پڑا اور اس کے چہرے کے تنے ہوئے اعصاب بھی ڈھیلے پڑ گئے جیسے وہ کسی تحیر کی کیفیت سے واپس لوٹا ہو۔

"کچھ خیال آگیا تھا ۔۔۔ تم اپنی بات پوری کرو۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

اس کا رویہ مجھے عجیب سا لگا لیکن میں نے اس مرحلے پر طول دے کر صورت حال کو خراب کرنا مناسب نہ سمجھا۔

"بات پوری کرنے سے پہلے میں تم سے ایک عہد لینا چاہوں گا۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میں نے شرط پیش کی۔

"ہر عہد کے لیے تیار ہوں۔"

"میری پوری کہانی سننے کے بعد اگر تم نے میرا ساتھ دینا چاہا تو

بولو ہمیشہ کے لیے اپنی ذات تک محدود رکھو گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔ چاہو تو رام کی قسم اٹھا کر یقین دلا دوں۔"

"نہیں، اتنا ہی کافی ہے۔" میں نے تھوڑا سا توقف کیا پھر بولنے لگا۔ "میں اسی پتھر کی تلاش میں انبالہ آیا ہوں مگر راجہ ہوٹل مسمار ہو چکا ہے۔ اس کی جگہ لکڑی کا ایک بہت بڑا ٹال قائم ہو چکا ہے۔ میں اس تمام لکڑی کو چھاننا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ اس کام میں تم میرے ساتھ تعاون کرو۔ اگر پتھر نہ مل سکا تو میں تمہیں ایک بڑی رقم تمہارے وقت کی بربادی کے عوض دوں گا اور پتھر مل گیا تو تمہیں اتنا کچھ ملے گا کہ کوئی حسرت نہیں رہے گی۔"

"معاف کرنا ۔۔۔ تم نے مجھے اب راز دار بنا کر دوستی کے حلقے میں بھی شامل کر لیا ہے۔" وہ براہ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پھر بولا "اجازت ہو تو اس سلسلے میں ایک دو باتیں میں بھی پوچھ لوں؟"

"کیا؟" میں نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"اس پتھر کا نام کیا ہے؟"

"وہ سیاہ رنگ کا ایک بھونڈا سا پتھر ہے۔ بے نام اور بظاہر بے وقعت۔ اس کی اہمیت ان ہی لوگوں کے لیے ہو سکتی ہے جو اس پر اعتقاد رکھتے ہیں۔"

"یہ ٹھیک ہے۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔ "تمہارا اس پر اعتقاد نہیں ہے لیکن تمہارے لیے بھی وہ اس وقت بے حد اہم ہے۔"

"عارضی طور پر ۔۔۔ اگلا سوال کیا ہے تمہارا؟" میں اس کے دل میں پوشیدہ خیالات سے جلد از جلد واقف ہونے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔

"نام کیا ہے تمہارا؟"

"سلطان۔" جواب دیتے ہوئے میں نے اپنی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگی محسوس کیں۔

اس نے بڑے اعتماد انداز میں اپنے سر کو نفی میں جنبش دی "اگر تم نے مجھے دوست کہا ہے تو عارضی مقصدوں اور عارضی ناموں سے بہلانے کی کوشش نہ کرو۔"

میرا تنفس تیز ہو گیا اور دونوں کنپٹیوں پر خون ٹھوکریں مارنے لگا۔ "دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔ تم کیا بکنا چاہتے ہو؟"

"تم!" وہ میری طرف جھک آیا اور اس کی نگاہیں مجھے اپنے بدن میں چبھتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ "تم صفدر علی ہو دوست۔"

اس کی سرگوشیانہ مگر ہیجان آمیز آواز نے میرے کان سن کر دیے۔ مجھے یوں لگا جیسے میں تا حد نظر پھیلے ہوئے سمندر میں ایک گرداب میں گھرا ہوں اور تنہا وحشی موجوں پر اپنا وجود برقرار رکھنے کی کوشش میں مصروف ہوں۔

اس نے فرط جوش میں دونوں ہاتھوں سے میرا گریبان پکڑ کر مجھے جھنجھوڑ ڈالا اور سرگوشیانہ آواز میں غرایا۔ "بولو ۔۔۔ صفدر علی ہو نا تم؟"

میرا سر شکست خوردہ انداز میں اوپر سے نیچے کی طرف ہلا اور پھر نگاہیں بھی جھک گئیں۔

مجھے اپنا نام ایک خوف ناک عیب محسوس ہونے لگا جو صرف سننے والوں کے ذہنوں سے چپک کر رہ جاتا تھا بلکہ میری ذات میں بھی بری طرح پیوست ہو چکا تھا۔

"میں برسوں سے انبالے میں رہ رہا ہوں بیٹے یار!" رامو نے میرے برابر میں بیٹھ کر اپنی باہیں میرے گلے میں ڈال دیں۔ "تمہاری داستان ابھی اتنی پرانی تو نہیں ہوئی۔ پارس پتھر کا نام بھی اچھلا تھا۔ مجھے تو حیرت ہے کہ میں پہلی ہی نگاہ میں تمہیں اور بھابی کو کیوں نہ پہچان سکا۔ پولیس چوکیوں پر تمہارے دھندلے سے پوسٹر تو شاید ابھی تک آویزاں ہوں گے۔"

"اگر میری زبان پر پتھر کا ذکر نہ آتا تو شاید تم آخر تک بھی ہمیں نہ پہچان پاتے۔" میں نے پھیکی مدافعانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"دماغ میں کہیں کوئی شبہ سا تو تھا۔ جب پتھر کا ذکر آتے ہی ایک جھماکا ہوا اور سب کچھ سمجھ میں آگیا ۔۔۔ اب کہو مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"تمہارے سامنے دو راستے ہیں۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "آسان راہ یہ ہے کہ ہم دونوں کو پولیس کے حوالے کر دو۔ انعام کی خطیر رقم کے ساتھ شہرت بھی کماؤ گے۔ دوسری صورت میرے ساتھ تعاون کی ہے جس میں کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر کے ہیں بلکہ ایک تیسرا راستہ بھی ہے کہ فی الحال میرا ساتھ دو۔ پارس پتھر مل جائے تو اپنا حصہ لے کر خاموش ہو جانا اور ہم ناکام ہوں تو پولیس کے ہاتھ مضبوط کر کے اپنی مزدوری خرید لینا۔"

"طنز کر رہے ہو میری غربت پر؟" وہ یکایک اداس ہو گیا۔ "مال و دولت کو مقدر سے آتا جاتا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے یہ بھی دیکھا ہے کہ جب یہ بابا اپنے ساتھ روگ لے کر آتی ہے اور بربادی بن کر اپنے گھرانے کی جڑوں میں اتر جاتی ہے۔ دوست کہا ہے تو آخر تک تمہارا ساتھ دوں گا۔ بس جتنے روز میری مزدوری کا حرج ہو اتنی رقم مجھے حق کے طور پر دے دینا۔ باقی جو ہو گے وہ تمہارا انعام ہوگا۔ میرے لیے آخری سانس تک فخر کا یہ احساس ہی کافی ہوگا کہ میں نے اپنی جھونپڑی میں سیتا بھابی اور صفدر علی کی میزبانی کی تھی۔"

میرے دل پر رقت سی طاری ہو گئی۔ جھونپڑیوں کے اندر بھی ایسی سادہ لوح بھیڑیں نہ جانے کیوں اور کیسے زندہ تھیں۔

مجھے دل گرفتہ دیکھ کر وہ وہاں سے اٹھ گیا اور میرا ہاتھ تھام کر بولا "آؤ تھوڑی دیر ٹہل کر واپس آتے ہیں۔"

میں خاموشی سے اس کے ساتھ ہو لیا۔

"تم میری طرف سے فکرمند نہ ہونا۔" گھر سے تھوڑی دور نکل آنے کے بعد رامو نے تشفی آمیز لہجے میں کہا۔ "تم کون ہو، یہ راز میری ہی ذات تک محدود رہے گا۔"

"تمھاری تعلیم کتنی ہے؟" میں نے رستے میں پوچھ لیا۔

"جب سے کمانا کھانا شروع کیا ہے، سمجھو زندگی کی ہر کتاب پڑھ لی ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اسکول میں تیسری جماعت پاس کی تھی مگر چوتھی کی فیس نہیں بھیج سکا تو ہیڈ ماسٹر نے اسکول سے باہر بھیج دیا تھا۔"

"اور تمھاری بچیاں؟"

"انھیں پڑھا کر کیا کرنا ہے؟" اس کے لہجے میں ملال در آیا۔ "بیٹیاں تو پرایا دھن ہوتی ہیں۔ انھیں دوسروں کے گھر جا کر چولھے ہی جھونکنے ہوتے ہیں۔ اوّل تو میرے پاس وسائل ہی نہیں ہیں پھر پیٹ کاٹ کر انھیں پڑھا لکھا بھی لیا تو رشتوں کے بیچ کال پڑ جاتا ہے۔ ہمارے طبقے میں تو لڑکوں کو بھی لکھنے پڑھنے کی نوبت نہیں آتی اور ایسے لوگ پڑھی لکھی لڑکیوں کے نام سے کان چھوتے ہیں۔"

ہم دونوں آبادی سے نکل کر ایک مختصر سے پارک کی ایک بنچ پر جا بیٹھے اور رات گئے تک وہاں باتیں کرتے رہے۔

اس مختصر سی رفاقت میں رامو نے اپنے خلوص سے تکلف کی ہر دیوار مسمار کر دی تھی اور مجھے یہ احساس دلا دیا تھا کہ ہندوستان کی سرزمین پر وہ میرا سب سے بڑا بہی خواہ تھا۔

اس کے لیے اگلے روز سے میرے لیے کام شروع کرنا دشوار تھا۔ اُسے اپنے مالک کو کم از کم ایک دن کی مہلت دینی تھی تاکہ وہ رامو کی غیر حاضری میں اپنی ٹیکسی چلوانے کے لیے کسی دوسرے ڈرائیور کا بندوبست کر سکے۔

رامو کی چھت کے نیچے وہ رات ہم نے بہت سکون سے بسر کی۔ سونے سے قبل سیتا نے مجھ سے رامو کے بارے میں جاننا چاہا تھا۔ لیکن میں نے اسے صرف اتنا بتانے پر اکتفا کیا کہ وہ میرے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ ہو چکا تھا۔

اپنی شناخت کے بارے میں میں نے اُسے کچھ نہیں بتایا تھا۔

اگلی صبح ہمارے بیدار ہونے سے پہلے رامو کام پر جا چکا تھا۔ جس کمرے میں ہم سوئے تھے اس کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ کھڑکی بند ہونے کے بعد دن چڑھے بھی بیٹھک میں دھندلکے کا وقت محسوس ہوتا تھا لہٰذا نتیجتاً ظاہر تھا کہ ہماری بیداری بہت دیر سے ہوئی۔

بیداری کے بعد آشا مسکراتی ہوئی سامنے آئی اور پرنام کے بعد محبت کے ساتھ دریافت کیا کہ ہم محض ناشتے پر اکتفا کریں گے یا کھانا کھائیں گے۔

سیتا نے میرا مدعا بھانپ کر ناشتہ منگوا لیا۔

"رامو کی ماں کو حیرت ہے۔" آشا کے جانے کے بعد سیتا نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "جب سے ہم نے گھر میں قدم رکھا ہے آشا کِھل گئی ہے ورنہ دن بھر بچوں کو ڈانٹتی پھٹکارتی یا مارتی رہتی تھی اور اب تو جیسے ہنسنے مسکرانے کے بہانے تلاش کرتی ہے۔"

ناشتے کے بعد میں سیتا کے ہمراہ نکلنے کی تیاری کر رہا تھا کہ رامو آ پہنچا۔

"تم کیسے لوٹ آئے؟"

"بس اتفاق ہی تھا۔" وہ میرے برابر میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ایک ٹرپ پورا ہوتے ہی خیال آیا کہ اسے لنچ سے پہلے گھر میں لوٹ آنا ہے۔"

سیتا اس کے آتے ہی پرے سے جا چکی تھی۔

"یہ تو بتاؤ کہ تم جالندھر سے کیا لو گے؟" میں نے سوال کیا۔

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ "یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ اس کی طبیعت بہت کھوجی ہے وہ جاننا چاہے گی کہ میں ٹیکسی کیوں نہیں چلا رہا ہوں؟"

"آج گاڑی کی خرابی کا بہانا کر لینا۔ بعد میں کچھ اور سوچیں گے۔" میں نے مشورہ دیا اور وہ روانگی سے پہلے اندر چلا گیا۔

گھر سے نکلنے کے بعد ہم نے ٹیکسی پکڑ لی۔

رامو کی رائے تھی کہ ایک بار تو ہم ٹیکسی سے لکڑی منڈی سے گزرتے ہوئے رندھیر کے گودام کا جائزہ لیں پھر وہ تنہا ادھر کا رخ کرے۔

لکڑی منڈی ایک طویل اور کشادہ سڑک کی دونوں جانب واقع گوداموں اور آڑھتوں پر مشتمل تھی۔ ان کارخانوں اور گوداموں کا جال بغلی گلیوں میں بھی پھیلا ہوا تھا۔ اس علاقے میں ٹرکوں اور شہر لائے جانے والی گاڑیوں کا اتنا اژدحام تھا کہ اس کے مقابلے میں سڑک کی کشادگی سراسر نظر کا دھوکا تھی کیونکہ ٹیکسی رینگتی ہوئی اس بازار سے گزر رہی تھی۔

آخرکار میری نگاہ اس بڑے سائن بورڈ پر جا پڑی جو ایک وسیع گودام کے اونچے دروازے پر ہندی کے حروف سے ابھرا ہوا تھا! انگریزی میں رندھیر اینڈ کمپنی ٹمبر مرچنٹس لکھا تھا کہ پڑھے جا سکے جب کہ ہندی رسم الخط میں کچھ زیادہ ہی واضح حروف تحریر کیے گئے تھے جو میرے پلے نہ پڑ سکے۔

بازار ختم ہونے پر ایک عمارت کے سامنے ہم نے ٹیکسی رکوائی اور ٹیکسی روانہ ہو جانے کے بعد ایک سستے سے چائے خانے میں جا بیٹھے۔

"دیکھو شاید مقصد یاوری کر جائے۔" رامو نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "بس ایک بات ذرا گڑبڑ نظر آ رہی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"یہاں کام کرنے والے جانے کتنے مزدور پیچھے پڑ جاتے ہیں۔"

"یہ لوگ بہت منحوس ہیں۔ میری پتلون قمیص انھی سے میلی نہیں کھائی۔"

"یہ کی تمھیں اپنی اداکاری سے بھی کچھ کرنی ہو گی۔"

چائے ختم کر کے آئے نے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے الوداع کہا اور کہا۔ "شام کو مجھے اسی ہوٹل میں ملاقات ہو گی۔"

جاتے جاتے اس نے جھک کر میرے کان میں سرگوشی کی اور پھر تیزی سے نکل کر فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے ہجوم میں روپوش ہو گیا۔

میرے دل میں چور تھا لہٰذا مجھے یہ خیال ستا رہا تھا کہ اگر میں دیر تک اس ہوٹل میں بیٹھا رہا تو کہیں کسی کی توجہ کا مرکز نہ بن جاؤں لہٰذا دو سگریٹ پینے کے بعد میں نے چائے کے دام کاؤنٹر پر ادا کیے اور ہوٹل سے باہر آ گیا۔

میں پاکستان سے طویل سفر طے کر کے انبالہ پہنچ چکا تھا اور یہ آغاز ہو چکا تھا۔ میرے پاس مالی وسائل بہت محدود تھے اور اندازہ نہیں تھا کہ کس وقت کیا ضرورت پیش آ جائے۔

میں نے اپنے تمام ڈالر تو ہندوستانی کرنسی میں کرا لیے تھے لیکن بڑے بازار میں جیب تراشی سے جان کی ہوئی پاکستانی کرنسی ابھی تک میرے پاس موجود تھی لہٰذا میں نے فرصت کے ان لمحات کو غنیمت جان کر اس کرنسی کو تبدیل کرانے کا ارادہ کر لیا۔

اس مرحلے پر مجھے شدت سے اپنی حماقت کا احساس ہوا کہ میں نے اس سلسلے میں رامو سے کوئی مشورہ حاصل نہیں کیا تھا۔

میں اس وقت انبالے میں تھا اور رامو انبالے کا پیشہ ور ٹیکسی ڈرائیور تھا۔

میرے تجربات شاہد تھے کہ کسی بھی شہر کی زیر زمین سرگرمیوں کے بارے میں جتنی مستند اور تازہ ترین معلومات پیشہ ور ٹیکسی ڈرائیوروں کو حاصل ہوتی ہیں، شہری آبادی بلکہ انتظامیہ کے طاقتور ترین طبقے کو بھی نہیں ہوتیں۔

یہ دوسری بات تھی کہ اپنے کردار اور مزاج کی وجہ سے بیشتر ڈرائیور محض اپنے مسافروں کی مرضی اور اشاروں پر عمل کرتے ہیں اور دنیا کے بارے میں اپنی رنگین اور سنگین معلومات کو روزی کی خاطر کسی کو بھی نہیں بتاتے۔

ایک معاہدے کے تحت معقول معاوضے پر رامو خود کو میرا شریک کار بنا چکا تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ اس کے مشورے کی بنا پر میں بہترین نرخ پر پاکستانی کرنسی کو ہندوستانی نوٹوں میں تبدیل کرا سکتا تھا مگر وہ موقع گزر چکا تھا۔ مجھے مہلت میسر تھی جسے میں ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا لہٰذا میں نے ایک طے شدہ تجویز کے تحت کسی بڑی دکان کی تلاش شروع کر دی۔

وہاں انتہا سے زیادہ شخص مطلوب نہیں تھا کہ وہاں ہر کاؤنٹر پر اسباب خانہ داری سے آراستہ حسین مگر مرعوب لڑکیاں گاہکوں کی جگہ حیرانی جیلتوں کو خریداری پر مرکوز کرانے پر معمور تھیں ورنہ اشیائے فروخت کی انواع و اقسام ان دکانوں کو ہر منصب جلیلہ پر مستند کرانے کی سفارش کرتی نظر آتی تھیں۔

وہ یقیناً ایک دوشیزہ ہی تھی کیونکہ اس کی مسکراہٹ میں وہ حجاب رچا ہوا تھا جو تلخ ازدواجی تجربات کے بعد اعتماد بلکہ تحکم میں بدل جاتا ہے۔

"فرمایئے، کیا پیش کروں؟" اس نے بڑے اخلاق سے دریافت کیا۔

اس کی شائستگی کو الفاظ کے پیکر میں مستحسن کہا جاتا ہے کہ اس سے کسی ناشائستہ خواہش کا اظہار کیا جائے مگر اپنے فوری مقاصد کی اہمیت نے دل و دماغ میں ابھرنے والے لطیف خیالات کو لحظہ بھر میں فنا کر دیا۔

"کرنسی کے تبادلے کی سہولت کے بغیر میں آپ کی دکان سے ایک تنکا بھی نہ خرید سکوں گا۔" میں نے حسرت زدہ نظروں سے اسے پھر دکان میں سجے ہوئے دیگر ساز و سامان کو دیکھتے ہوئے کہا اور وہ بے چاری سٹپٹا گئی۔

"ہم... ہم غیر ملکی کرنسی قبول کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔"

"آپ کے پاس بھی کوئی نہیں ہے؟"

"آگے چلے جائیں، سرملا انڈیا پرائیویٹ لمیٹڈ والے جو کرنسی وصول کرتے ہیں۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا۔

"مگر میرے پاس قانونی کرنسی نہیں ہے۔" میں نے اس کی طرف جھک کر رازدارانہ لہجے میں انکشاف کیا۔

"پھر تو آپ باہر فٹ پاتھ پر کسی بھی دلال سے رجوع کر سکتے ہیں۔" اس نے گویا اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

میں اس دکان سے باہر آ گیا مگر مجھے کہیں بھی کوئی ایسا شخص نظر نہ آ سکا جس پر زر مبادلہ کا کام کرنے کا شبہ کیا جا سکے۔

میں اسی الجھن میں چلا جا رہا تھا کہ اچانک مجھے اپنے کان میں "اکسچینج" کا لفظ گونجتا سنائی دیا۔ میرے قدم فٹ پاتھ پر جم کر رہ گئے۔ میں نے سر گھما کر ٹھہر ٹھہر کر سنانے والے کا جائزہ لینا چاہا لیکن ان کوئی بھی نہیں تھا۔ میرے گرد و پیش میں لوگوں کی آمد و رفت معمول کے مطابق تھی مگر لحظہ بھر ہی میں میری نگاہوں نے اس شخص کو دیکھ لیا جو مجھ سے محض دو قدم دور بالکل میری ہی طرح ٹھٹک کر اپنی جگہ پر رکا ہوا تھا۔

نگاہیں چار ہوتے ہی اس نے سر کی جنبش سے کچھ استفسار کیا اور میری کسی غیر ارادی حرکت سے مثبت جواب اخذ کر کے وہ میرے قریب آ گیا۔

"میرے پیچھے آؤ۔" یہ پیغام دیتے ہوئے وہ رکے بغیر میرے

قریب سے گزرتا چلا گیا اور میں کسی تجربے معمول کی طرح اس کے پیچھے چل لیا۔

ایک عمارت کے وسیع لیکن نسبتاً غیر معروف کمپاؤنڈ کے ایک گوشے میں ساٹھ انتظامیہ کا تعین ہوا اور چند ہی ثانیوں میں اس مرحلے سے فارغ ہو چکا تھا۔

میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو اس وقت رات کے گیارہ بجے تھے جس کا مطلب تھا کہ میرے پاس چار گھنٹے باقی تھے۔ جو کسی نہ کسی طرح کہیں گزارنے تھے۔

اگر فوراً ہی ایک سینما گھر نظر نہ آ جاتا تو شاید میں کچھ اور ہی سوچتا مگر اس وقت سینما کے علاوہ کوئی بہتر گوشۂ عافیت نظر نہ آیا۔

ہال میں پہنچنے کے بعد مجھے پتہ چلا کہ وہ کوئی ہندی فلم تھی جس کے میں نے ٹکٹ خریدے تھے۔ فلم تو وہ مناسب ہی تھی مگر اس کا ایک پہلو مجھے بہت بہتر نظر آیا۔ یعنی عشق اور عقل کا باہم کوئی میل نہیں ہوتا۔ جہاں عشق وارد ہو جائے، عقل بالائی منزل سے فی الفور ہجرت کر جاتی ہے اور اگر عقل کی جڑیں گہری ہوں تو عشق کبھی کارگر نہیں ہو پاتا۔

اتفاق سے اس سینما گھر میں زلیوہ شرح والے درجوں میں بھی نشستوں کے نمبر دینے کا رواج نہیں تھا جس کا تجربہ ہوا کہ ہال میں اندھیرا ہونے کے بعد میرے پہلو والی نشست آباد ہوئی تو مجھے خوشبو نے ایک نسوانی پیکر محسوس کیا اور میں اضطراری انداز میں لیکن ارادی طور پر اپنی نشست کے ایک گوشے میں سکڑ گیا۔

کچھ دیر بعد یہ صورتِ حال برقرار رہی پھر غیر متوقع گوشے سے تجاوز کی ابتدا ہوئی۔ ابتدا میں یہ تجاوز اتفاقی محسوس ہوا جس کے نتیجے میں ذہن فوراً انطاقیوں کی طرف مائل ہو گیا مگر جب تجاوز کا سلسلہ دراز ہو کر غیر اخلاقی حدود میں داخل ہوا تو میں نے مزاحمت شروع کر دی۔

وقفے سے کچھ دیر قبل ہی اس سیکسی ہوئی دراز دست خاتون نے مایوس ہو کر میری بے حسی سے ہی کنارہ کشی اختیار کر لی اور مجھے اپنا رخ زیبا دکھائے بغیر ہی کسی اور کی عقل پر شب خون مارنے کے لیے تنہائی دائیں جانب والی قطار میں گم ہو گئی۔

سینما سے نکلتے ہوئے بارہ بج چکے تھے لہٰذا میں خراماں خراماں سیدھے چاند تھانے کی طرف چل دیا جہاں تین بجے رامو کو آنا تھا۔

میں ہوٹل پہنچا تو رامو خراب خستہ حالت میں مجھ سے پہلے ہوٹل کی ایک میز پر موجود تھا۔ پسینے اور مشقت نے چند ہی گھنٹوں میں اس کا حال کو بگاڑ دیا تھا کہ وہ صورت اور حلیے سے ایک سرکش لیکن بد الشکل مزدور نظر آنے لگا تھا۔

"منڈی کی ٹولی بہت جلد جاتی ہے۔" میرے بیٹھتے ہی اس نے تھکی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"لیکن کمال ہے کہ دیر سے جانے کے باوجود تمہیں کام مل گیا۔"

تک نے تحسین آمیز لہجے میں اعتراف کیا۔

"لیکن آج کی مشقت رائیگاں ہی گئی۔" امر نے افسوس سے کہا۔ "دن بھر ایک ہاتھ گاڑی کے ساتھ لگا رہا۔ گودام کے اندر کی جھلک دیکھنے کی بھی نوبت نہ آسکی!"

"مجھے امید ہے کہ تمہیں دو تین دن سے زیادہ مشقت نہیں جھیلنی پڑے گی۔" میں نے تشفی آمیز لہجے میں کہا۔

"مزدوروں سے کچھ معلومات حاصل ہوئی ہیں۔" اس نے گویا سنگلے تھے انکشاف کیا۔ "راجہ ہوٹل کی کچھ لکڑی یہاں آئی ہے۔ باقی ماندہ موہن لوہے کے گودام میں بھی گئی ہے۔ یہ لکڑی کا لین دین وہیں سے ہوتا ہے۔"

ہم نے اسی لمحے فیصلہ کر لیا کہ رات موہن لوہے کے گودام میں گھس کر جائزہ لیا جائے تاکہ وقت کی رفتار تیز تر کی جاسکے۔

"لکڑی منڈی کے گودام میں شہتیر اور تختیاں لائی گئی ہیں۔" امر نے کہا تھا۔ "باقی سارا کا سارا مال موہن لوہے کو بھیجا گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے، تو آج رات وہاں نقب لگائی جائے۔" میں نے اپنے خیال سے آگاہ کیا۔

"میرے خیال میں تو کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیے۔" اس نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "ہیل والے گودام میں بھی رات کو کوئی چوکیدار نہیں ہوتا۔"

تھوڑی دیر میں ہم دونوں وہاں سے اٹھ گئے۔

پاکستانیوں کی حیثیت سے میرے اور سیتا کے لیے کسی ہوٹل میں رہائش کا بندوبست کرنا مشکل تھا لیکن رام ناتھ مقامی ہونے کے ناتے بیسیوں [illegible] کوئی بھی بندوبست کر سکتا تھا اور اسے کوئی دشواری پیش نہ آتی۔

مجھے نظر آ رہا تھا کہ آنے والے چند دنوں میں ہم دونوں کو اندھیرا پھیلنے کے بعد بھی باہر گھر سے باہر رہنا پڑے گا اور وہ معروفیات رامو کی ماں اور بیوی کو ہماری سرگرمیوں کی طرف سے مشتبہ کرنے کے لیے کافی تھیں۔

رام ناتھ نے ان امکانات سے پوری طرح اتفاق کیا مگر [illegible] کا انتخاب کرنے پر راضی نہ ہوا البتہ گھر لوٹنے سے پہلے اس نے [illegible] کے بعد ایک محلے میں [illegible] پر ایک الگ تھلگ کمرہ کرایہ پر لیا جو وقت بے وقت ہماری سرگرمیوں کے لیے ایک مرکز کا کام سرانجام دے سکتا تھا۔

ہم ابھی ادھیڑ بن میں مبتلا گھر پہنچے تو ایک نئی خبر منتظر تھی۔

دوپہر میں مقامی تھانے سے دو سپاہی رامو کی طلبی کا پیغام لے کر آئے تھے اور اسے گھر پر موجود نہ پا کر یہ پیغام چھوڑ گئے تھے کہ وہ جس وقت بھی گھر لوٹے فوری طور پر تھانے سے رجوع کرے۔

گھر میں موجود خواتین اس ناگہانی طلبی پر خاصی پریشان تھیں۔ ابو نے بھی اس کا وہی مطلب لیا جو میرے ذہن میں آ رہا تھا۔ مقامی قوانین کے مطابق کسی بھی غیر ملکی کے لیے اپنی آمد کے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اپنے رہائشی علاقے کے تھانے میں آمد کا اندراج ضروری تھا جب کہ مجھے اور سیتا کو وہاں آئے یہ مدت گزر چکی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ کسی محلے دار نے تھانے میں شکایت کی ہے ورنہ پولیس کو کئی دن تک ہوش نہیں آتا۔"

گھر سے رامو تھانے کی طرف روانہ ہوا تو میں اس کے ساتھ تھا۔ پاکستانی پاسپورٹ میری جیب میں موجود تھے۔

تھانے کے محرر سے آگے ہماری پیشی کی نوبت نہیں آئی۔ [illegible] وقت معلوم ہونے کے بعد اس نے کسی خفگی کا اظہار نہیں کیا۔ [illegible] اندراجات مکمل کر لیے۔ رامو کے لیے تھانے [illegible] شاید اجنبی نہیں تھے کیونکہ اس نے پاسپورٹ واپس ملتے ہی [illegible] کا ایک نوٹ محرر کی طرف بڑھایا جو اس نے شانِ بے نیازی سے دراز میں ڈال لیا۔

گھر پہنچ کر کھانے کے بعد ہم دونوں فوراً ہی گھر سے نکل پڑے۔ رامو نے اپنی بیوی سے بائی سکوپ جانے کا بہانہ کیا تھا۔

ہماری یہ مہم سادہ اور بظاہر بے ضرر ہی تھی لہٰذا [illegible] اور محدود [illegible] کے علاوہ کسی چیز کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

[illegible] ایک وسیع و عریض لیکن بے ہنگم سا علاقہ تھا جہاں مکانات اور گودام وغیرہ ایک دوسرے سے یوں ملحق تھے کہ [illegible] سمجھے بغیر کسی مقام کا سراغ لگانا مشکل تھا مگر رامو کے لیے یہ علاقہ اجنبی نہیں تھا۔

[illegible] یہ بار بار اس آبادی کے مختلف حصوں میں [illegible] کا یہ خیال تھا کہ آتش زدگی وغیرہ کے امکانی خطرات کے پیش نظر لکڑی والوں کے گودام رہائشی حصے سے الگ تھلگ ایک جگہ بنائے گئے تھے۔

ہم آبادی میں پیدل گھسے تھے لہٰذا رامو نے متوقع علاقے تک پہنچنے کے لیے [illegible] پانی جو متعدد کھلی ہوئی گندی نالیوں [illegible] اس کے علاوہ علاقے میں پائے جانے والے آوارہ کتوں [illegible] کی جانب زیادہ گوارا نہیں تھا غنیمت [illegible] کا رجحان اس وقت گوشت خوری کی طرف [illegible] سے کوئی نوالہ یا سالن [illegible] مستفیض ہو سکتا تھا۔

[illegible]

سوال کیا۔

"میں ایک چھری پر آ رہا تھا جو واقعی سونا بن گئی تھی۔ اس کے بعد نوبت ہی نہ آسکی۔ میں اس پر پورے اعتقاد کے باوجود محتاط رہنا چاہتا تھا کیونکہ لالچ ایک ایسا خبیث انسانی جذبہ ہے جو کسی بھی رشتے کو کھوکھلی بنیاد پر نقصان ہو جاتا ہے۔"

"ہم دونوں [illegible] شروع تھا اور سرکاری آدمیوں کے ساتھ [illegible] اور مجھے بھی انھیں [illegible] کی فکر میں تھے تو میں نے [illegible] سے پتہ لگا لیا تھا کہ کسی وقت سڑک کے بیچ کوئی میری ٹیکسی رکوائے اور دوسرے اندر بیٹھ کر مجھے تیزی سے بھاگ نکلنے کا حکم دے تو جب میں اسے محفوظ جگہ تک لے جاؤں تو پتہ چلے کہ وہ [illegible] ہے۔" اپنی معصوم سی خواہش کا ذکر کرتے ہوئے وہ بھی معصوم بچے کی طرح ہنس رہا تھا۔

"اور آج تم میرے شریک کار ہو؟"

"یہ تو میں خواب میں بھی نہ سوچ سکتا تھا!"

"بعض اوقات کبھی کبھار کی سوچی ہوئی باتیں حقیقت کا روپ دھار لیتی ہیں اور عموماً عمر بھر سوچی جانے والی باتیں حقیقت تو کجا سراب کا روپ بھی نہیں دھارتیں — اور یہی سب مقدر کہلاتا ہے۔ جو انسان کی رسائی سے بہت دور ہے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

حقیقت تو یہ تھی کہ جو کچھ میں نے اس سے کہا وہ سب میری اپنی ذات پر بھی منطبق ہوتا تھا۔ پُرسکون اور مخلصانہ زندگی میرے لیے نہ جانے کب سے محض ایک خیال ہی ہوئی تھی لیکن ہر بار حالات زندگی کے اس منصوبے سے دور دھکیل دیتے تھے۔

کراچی پہنچا تو حالات نے مجبور کر دیا [illegible] بیوی اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر [illegible] علاج کرواتی رہی۔ یہ محض میری خوش نصیبی تھی یا سیتا کا خلوص کہ اس نازک دور میں اس کی وفات اور شباب کی رنگینیوں کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔

یہ خیال آتے ہی میرا بدن لرز اٹھا۔

انسان جنہیں چاہتا ہے ان کی خوبیوں کو عمر بھر آشنا نہ ہونے دیتا بلکہ دیکھتا ہے ان کی خامیوں اور کمزوریوں سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ سامنے کی باتوں کو جھٹلانے لگتا ہے۔ [illegible] ہو جاتا ہے اور کسی سے نہیں پوچھتا کہ اس کا پیار کردہ کھیل کہاں تک درست ہے، مگر اپنی ذات کے حصار میں اس کا بھرم رکھتا ہے۔

یہ تمام زندگی اور عام انسانوں کے کلیے تھے جنہیں سیتا پر منطبق کرنا میرے لیے ناممکن تھا۔ وہ جذبات اور محبت کا ایک ایسا پیکر تھی جو اپنی ذات کے عروج میں بہترین کام کر سکتی تھی لیکن جہاں ذات کے اس نسوانی غرور کو گزند پہنچنے کا احتمال ہوتا وہ خون کے سمندر کو پیچھا کر سرخرو ہوتی یا خود اسی سمندر کا ایک جزو بن جاتی۔

دراب ہم اسی گلیارے میں ہی تھے، راموں کی آواز مجھے بہت دور کسی گہرے کنویں سے آتی سنائی دی جو اپنے مسن آف مشن پر کسی رد عمل کا اظہار نہ کر سکا کیونکہ اس وقت میرا ذہن ماضی کے ایک ہولناک گرداب میں گھرا ہوا تھا۔

سیتا نگری کے ہر موڑ پر سر خود ہی تھی لیکن میری سر خوشی شاید اس وقت تک مقدر کو منظور نہ تھی۔

کیا ہوتا اگر راجہ ہوٹل چند دنوں تک ہی قائم رہتا اور میں ایک گمنام مسافر کی طرح اس کے ہوٹل کے کمرے میں کچھ دن قیام کرنے کے دوران گیلری میں بلندی کے لوہے کے جنگلے کی ایک کڑی میں چھپا ہوا پارس پتھر حاصل کر کے پاکستان لوٹ جاتا۔

پاکستان ـــ جہاں کسی جیل میں میرا بڑا بھائی سعادت علی ایک ناکام پلیٹ کے سبب میں ناکردہ جرم کی سزا تقدیر کا حصہ جھیل رہا تھا۔

وجاہت علی مرحوم جو میرے بہت معظم تھے۔ انھوں نے اپنی محنت سے بوسیدہ گھرانے کے لیے ایک نام اور مقام پیدا کیا تھا لیکن ان کی اولاد میں سے کوئی بھی برقرار نہ رکھ سکا۔

ایک بھائی اپنے اہل و عیال سمیت عقوبت خانہ چلا گیا۔ دوسرا آوارگی کی راہوں پر بھٹک کر صفدر علی بن گیا اور تیسرا یا اصل جواری سے ناکام ہو کر کسی جیل میں سزائے قید بھگت رہا تھا۔

سوہن پورے کا وہ حصہ واقعی تجارتی نوعیت کا تھا کیونکہ اس وقت وہاں تا حد نظر سناٹے کا راج تھا اور سب ہی دکانیں بند پڑی ہوئی تھیں۔

اگر اکا دکا دکانوں کے باہر بلب روشن نہ ہوتے تو اس علاقے میں اتنی گھمبیر تاریکی ہوتی کہ چند قدم آگے دیکھنا بھی ممکن نہ ہوتا۔

اس کچے راستے کی بگڑی ہوئی ساخت سے پتہ چل رہا تھا کہ دن میں وہاں بھاری گاڑیوں کی آمدورفت رہتی تھی۔

وہاں ہمیں مطلوبہ گودام کی تلاش میں زیادہ دیر تک نہیں بھٹکنا پڑا کیونکہ چوہدری منظور کے گودام پر بھی ایک بہت بڑا مگر بوسیدہ سا بورڈ لگا ہوا تھا اور اس بورڈ پر تھوڑے تھوڑے فاصلے سے لگے ہوئے تین بلب روشن تھے۔

اس گودام کا دروازہ بہت چوڑا اور شٹر والا تھا، یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اسے کھول دیئے جانے کے بعد ٹرک باآسانی اندر تک جا سکتا تھا۔ دائیں سمت کے بڑے پٹ میں عام سائز کا ایک مقفل دروازہ نظر آ رہا تھا جو شاید گودام کے عملے کی آمدورفت اور دیگر معمولات میں کام آتا ہوگا مگر بادی النظر میں اس چوبی فصیل میں کوئی ایسا گوشہ نظر نہیں آ رہا تھا جسے اکھاڑ کر اندر داخل ہونا ممکن ہوتا۔

ہم دونوں سست روی سے اس گودام کا جائزہ لیتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

• عمرے تو کام بنتا مشکل نظر آتا ہے۔ راموں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

• ایک صورت ہے۔ اگر دکان کے دروازے پر جلنے والے بلب توڑ دیے جائیں تو شاید کوئی تدبیر کارگر ہو سکے۔ میں نے راموں کی ان تقریروں کے بل پر کہا جو چلنے سے پہلے میں نے اس کے گھر سے اپنی جیب میں ڈال لیے تھے۔

• تم آگے نکل جاؤ۔ میں یہیں رک کر ان پر پتھروں سے نشانہ بازی کرتا چلوں گا۔ اس نے فوری طور پر اپنی خدمات پیش کر دیں۔

• بلب کافی بلندی پر ہیں ـــ ان کے ٹوٹنے سے جو آواز پیدا ہوگی لیکن چوکیدار سے کی آواز دور تک گونج گی ـــ اور آس پاس کوئی چوکیدار موجود ہوا تو ساری بات بگڑ جائے گی۔ میں نے اپنے خدشات سے آگاہ کیا۔

• پھر ایک ہی صورت رہ جاتی ہے۔ اس نے تھوڑے سے توقف کے بعد کہا۔ بازار کے کسی ایسے حصے میں آگ لگا دی جائے جس کے باعث آگ پھیلنے کا اندیشہ نہ ہو ـــ جب یہاں موجود سب لوگ ادھر متوجہ ہو جائیں گے تو ہمیں اپنی کارروائی میں آسانی ہوگی۔

• سارے گودام خشک لکڑی سے بھرے ہوئے ہیں۔ میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ذرا سی بھی چنگاری بھڑک اٹھی تو صبح تک یہاں ہولناک شعلے بھڑکتے رہیں گے۔ ہم اتنی تباہ کن کارروائی نہیں کر سکتے اور پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آگ بے قابو ہو کر چوہدری منظور کے گودام تک پھیل جائے۔ ایسی صورت میں تو ہمیں پارس کو بھی بھول جانا پڑے گا۔

• پھر تم ہی کوئی تدبیر سوچو۔

چوہدری منظور کے گودام سے دونوں طرف دکانیں ملی ہوئی تھیں بلکہ یوں کہ ایک عقبی سمت باقی رہ جاتی تھی۔

• یہاں بھی خرابی ہے۔ راموں نے میرے خیال سے واقف ہو کر کہا۔ پشت پر کوئی گلی نہیں ہوگی۔ ادھر بھی کوئی دکان یا گودام ہوگا۔

• پھر بھی دیکھ لیتے ہیں کیا حرج ہے۔ میں نے کہا۔

وہ خاموش ہو گیا اور کچھ دور چلنے کے بعد ایک گلی سے عقبی حصے میں پہنچنے کی کوشش میں انکشاف ہوا کہ راموں کا قیاس درست تھا۔

مگر میں کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ ہم پہلے عقبی گلی میں نکل ہی گیا۔

اس طرف بھی ویرانی کا راج تھا مگر کچھ دور تک ٹھیک بعد ایک ہی سلسلہ بڑی بند دکانیں دیکھتے ہوئے یہ تکلیف دہ انکشاف ہوا کہ دکانوں کی قطار سے یہ اندازہ لگانا ممکن تھا کہ چوہدری منظور کے گودام کے عقب میں کون سی دکان واقع تھی۔

منظور کے گودام کی اونچائی سب سے زیادہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پیچھے کہا

کوئی حصہ عقب سے بھی نظر آ سکے۔ راموں بولا۔

• کوشش بے سود ہوگی ـــ دکان کی گہرائی بہت زیادہ ہے۔ اتنا

حصہ عقب سے دکھائی نہیں دیتا۔ ... میں نے کہا۔

اور ہوا بھی یہی، ہم اپنے اندازے سے کہیں زیادہ آگے نکل گئے مگر اس طرف سے چوہدری منظور کے گودام کی بلندی نظر آ سکی۔ غالباً اس کے گودام کا اگلا حصہ زیادہ بلند تھا مگر عقب میں نیچی دیواروں پر مشتمل احاطہ تھا جیسے گوداموں کا خاصہ ہوتا ہے۔

پھر ایک سادہ اور سہل سی ترکیب آزمانے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

عقبی بازار سے گزرتے ہوئے میں نے یہ بات بطور خاص نوٹ کی تھی کہ اس پوری گلی میں ایک ادھیڑ عمر چوکیدار کے سوا کوئی متنفس نہیں تھا اور وہ بھی ایک چبوترے پر بیٹھا تسبیح کے دانوں کی طرح دھیرے دھیرے ٹہل رہا تھا۔

گلی کے ایک سرے سے ہم دونوں نے قدموں سے چوہدری منظور کے گودام کا فاصلہ ناپا اور اپنے شمار کا باہم موازنہ کرنے کے بعد واپس ہو لیے۔ تو وہ دونوں یا تو بالکل سیدھی گلیوں میں واقع تھے اور اگر ان میں تھوڑا سا خم بھی ہوتا تو ہمیں قدم کا فاصلہ جانے مقصود میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا تھا۔

گلی کے سرے پر پہنچ کر ہم نے عقبی بازار میں اسی طرح پیمائش کا آغاز کیا اور ہم دونوں ہی ہر اسے ناظروں کو شیا بنانے والوں کے ایک کارخانے کے سامنے رکے اور اس کی عمارت نظر دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہو گیا۔

اگر ہماری پیمائش اس کارخانے سے سو دو سو قدم آگے یا پیچھے ہوتی تو میں اسی کارخانے سے ابتدا کا فیصلہ کرتا کیونکہ اس میں باہر جو باہر احاطے کی سات آٹھ فٹ بلند دیوار میں لگا ہوا بوسیدہ آہنی پھاٹک جس کے کنڈے میں ایک وزنی سا قفل جھول رہا تھا۔

ان سہولتوں کی موجودگی میں اس نام نہاد تالے پر وقت برباد کرنے کی ہمیں ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ قریب دیوار میں پھیلے ہوئے اندھیرے کی آڑ میں دور ہو گیا ...... دو دو آدمی بھی دیوار پھلانگ کر با آسانی اس کارخانے کے احاطے میں اتر سکتے تھے۔

جسمانی طور پر میں اس وقت اپنی پنڈلی کے تازہ زخم کے باعث قدرے کمزور تھا۔ اسی لیے میں پھاٹک پر چڑھ کر اندرونی کنڈے کے سہارے احتیاط سے نیچے اترا اور پھر راموں بھی کسی چیتے کی طرح با آسانی اندر کود آیا۔

چار دیواری کا تذکرہ میں بار بار اسی لیے کر رہا تھا کہ چار دیواری کا تصور ہی ان دنوں زندگی بن جاتا ہے، جس ہر قسم کی چوری یا آفت سے محفوظ کر دیا جاتا تھا۔ اس بیرونی چار دیواری میں داخل ہو کر ہم نے مقصد کا تعین کر لیا۔ چنانچہ طبیعت کو مزید خوشی ہوئی کیونکہ اس وسیع احاطے کے ایک حصے میں ایک مختصر سا کمرہ تھا جو مقفل تھا اور باہر عقبی دیواروں کے ساتھ مختلف تعمیراتی لکڑی کے ہزاروں پائپ سجے ہوئے تھے۔

قدرت کی نوازش کہ یہ سہولتیں اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ اس رات قسمت ہم پر مہربان ہے۔ آج کی رات مبارک ثابت ہونے کا شگون سمجھ کر میں نے راموں کو اشارہ دیا اور ہم تیزی کے ساتھ ان پائپوں کو ایک دوسرے پر جمانے لگے تا کہ زینہ سا بن جائے۔ میں نے راموں کو کوشش اٹھانے کے لیے پیچھے چھوڑ کر ان پائپوں کی مدد سے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔

میں ابھی سنبھلتا ہوا پوری بلندی تک بھی نہ پہنچا تھا کہ مجھے چوہدری منظور کے گودام کے سامنے والے حصے کی بلندی نظر آگئی جو تقریباً پچاس فٹ اونچی سمت پر تھی۔

یہ دیکھتے ہی میں نے راموں کو اشارہ دے دیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم دونوں تاروں بھرے آسمان کی چھاؤں میں کم و بیش اٹھارہ فٹ بلند اس دیوار پر بیٹھے تھے جس کے ایک طرف چوہدری منظور کا گودام تھا اور دوسری طرف کسی کارخانے کی سپاٹ چھت پھیلی ہوئی تھی۔ بلکہ فی الحقیقت ہم کسی دیوار پر نہیں تھے، بلکہ وہ اسی سپاٹ چھت کا آخری سرا تھا جس سے ہماری ٹانگیں چوہدری منظور کے گودام کی فضا میں جھول رہی تھیں اور وہاں ہمیں دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔

تاروں کی مدھم روشنی میں اس گودام میں بکھرا ہوا چوبی ساز و سامان کا انبار نظر آ رہا تھا جو دیوار کے ساتھ اتنا بلند تھا کہ بالخصوص مجھے اس طرف اترنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔

• اترو چلو ـــ اب کیا سوچ رہے ہو۔ راموں نے مجھے ٹوکا اور میں دل کڑا کر کے احتیاط کے ساتھ سب سے بلند اور قریب ترین چوبی انبار پر کود گیا۔

میرے بوجھ تلے کچھ بے سنبل لکڑیاں چرچرا کر رہ گئیں۔ جس کے ساتھ گودام کے کسی حصے میں دبکی ہوئی کسی بلی کی غراہٹ ابھری اور میں سنبھل سنبھل کر نیچے اترنے لگا۔

اس وقت راموں کا جوش و خروش قابل دید تھا۔ میں نے تو وہ نقب زنی ایک مجبوری کے تحت کی تھی۔ لیکن وہ بہت زیادہ پُرشوق نظر آ رہا تھا۔ بالکل یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی کھلنڈرے لڑکے کو اس کے کسی بزرگ نے سمجھا رکھا ہو کہ اگر دن بھر مچل کر لانے سے بچے کی سزا دے ڈالی ہو۔

نیم تاریکی میں پھیلے ہوئے آسیبی سناٹے میں ہر طرف بکھرا ہوا چوبی کاٹھ کباڑ دیکھ کر مجھے وحشت سی ہونے لگی اور میں دل ہی دل میں خود کو ملامت کرنے لگا۔

چوہدری منظور نے صرف راجہ ہوٹل کا ہی چوبی ملبہ نہیں خریدا تھا۔ بلکہ وہ انبالہ اور اس کے گرد و نواح سے بھی متعدد ایسا ساز و سامان خرید رہا تھا۔ ان حالات میں یہ پتہ چلانا ممکن نہیں تھا کہ راجہ ہوٹل سے متعلقہ چوبی کباڑ کدھر پڑا ہوا تھا۔

اگر محض ایک منظور کر لیا جاتا تو راموں گودام کے ملازمین سے بہت سی کارآمد باتیں معلوم کر سکتا تھا جس کے بعد یہ کام سہل ہو جاتا۔ لیکن انسان کا دل بھی عجیب ہوتا ہے۔

خیر اسی کی ایک لہر کے بعد ہی میرے ذہن نے شک کا ایک

علیحدہ تھا شاید میرے دل نے لاشعوری طور پر قبول کرلیا۔

اگر اس رات ہم راجہ ہوٹل سے نکلنے گئے چوبی الماری کو تلاش نہ بھی کر پاتے تو یہ کیا کم تھا کہ ہم نے بلا کسی روک ٹوک چوہدری رندھیر کے گودام میں اترنے کا ایک محفوظ راستہ تلاش کرلیا تھا۔

"تم اندر سے شروع کرو۔ میں ادھر تلاش کرتا ہوں۔" میں نے غیر ارادی طور پر اپنی آواز دھیمی رکھتے ہوئے راموسے کہا۔

"مگر... راجہ ہوٹل سے نکالی ہوئی لکڑی کی پہچان کیا ہوگی؟" اس نے تردد آمیز لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

میں لمحہ بھر کے لیے سوچ میں پڑ گیا اور اس مختصر لمحے میں میرے ذہن نے اس سوال کا ایسا بھرپور جواب سوچا کہ مجھے وہی فیصلہ کن نظر آنے لگی!

"ہمیں خرافات سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ سالم پیارا اگر الماریاں تلاش کرنا ہے تو ایسے تختے ڈھونڈو جو الماریوں سے نکلے ہوئے معلوم ہوتے ہوں۔ ہمیں جو کچھ درکار ہے وہ انیس اٹھارہ کی اٹھارہ میں ... پر کوریٹی میں ملے گا۔"

"اندر کیا ایک آدھ بتی جلاؤں؟" راموسے چھت کے نیچے جھکے ہوئے گھورا دھیرے سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ایسی حماقت ہرگز نہ کرنا۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "ایسا نہ ہو کہ اندر روشنی دیکھ کر کوئی چوکیدار ادھر متوجہ ہو جائے!"

وہ اثبات میں سر ہلاتا اندر چلا گیا!

چوہدری رندھیر کا وہ گودام گویا لکڑی کا ایک سمندر تھا اسکو انبار لگاتے ہوئے یہ احتیاط رکھی گئی تھی کہ ایک جگہ کم و بیش ایک ہی سائز اور نوعیت کی لکڑی ہو!

ٹارچ کی روشنی میں کچھ دیر تک جائزہ لینے کے بعد میں تھک گیا تو ایک طرف بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگا!

اسی وقت راموتقریباً دوڑتا ہوا میرے پاس آ پہنچا!

"آؤ... وہ مل گیا۔" اس نے آتے ہی میرا بازو پکڑ کر ہیجان آمیز لہجے میں کہا اور میں اچھل کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

مجھے اپنے بدن میں سنسنی کی لہریں سی دوڑتی محسوس ہو رہی تھیں!

"میں نے غلطی کی کہ پرانے انبار سے ابتدا کی۔" وہ تیز تیز سانسوں کے درمیان کہہ رہا تھا۔ "وہ دیوار گیر الماریاں تو سامنے ہی چنی ہوئی ہیں اگر ہم پیچھے کے بجائے سامنے سے اندر گھستے تو سب سے پہلے الماریاں ہی دکھائی دیتیں!"

"تم کیسے پہنچ گئے اُدھر؟" میرے لیے بھی اپنے ہیجان کو چھپانا دشوار محسوس ہو رہا تھا۔

"پیشاب کرنے گیا تھا۔" وہ خفت آمیز لہجے میں بولا۔ "اندر سے فرش تو سارا کیا ہی ہے نا۔ پھر میری نگاہ ایک جگہ پڑی پہلے میں سمجھا کہ وہ اوپر تلے چنی ہوئی چوکھٹیں ہیں مگر ان کی چوڑائی عجیب سی لگی تو اوپر چڑھ کر دیکھا تو وہ الماریاں نکلیں۔ ان کے پٹ بھی اسی طرح لگے ہوئے ہیں اور دستوں کی طرف لکڑی کی پٹیاں ٹھونک کر انہیں چوکھٹ سے جام کر دیا گیا ہے تعداد میں پوری اکتیس ہیں وہ!"

اور چوہدری تانیکو بعد میں ان بلند چوبی ستونوں کے ملاحظہ کرا ہوا تھا جو الماریوں کو ایک دوسری پر مثل کر بنائے گئے تھے!

زندگی میں پہلی بار اس اہم موڑ پر پہنچ کے میں اعصابی انتشار کا شکار ہوگیا!

مجھے راجہ ہوٹل سے گئے مدت بیت چکی تھی، ہوٹل کی عمارت توڑنی جاری تھی۔ ہمارے حوادث زمانہ رونما ہو چکے تھے مگر اس کے باوجود میں پارس پتھر سے اتنا قریب پہنچ چکا تھا۔ صندری کا دیا ہوا وہ نادر و نایاب تحفہ آخر کار ملنے ہی والا تھا!

"مگر ہم انہیں اتاریں گے کیسے؟" راموسے نے مجھے چونکا دیا۔

میرے لیے اس وقت ایک ایک لمحہ بھاری ہونے لگا تھا وہاں تین قطاروں میں فولادی الماریوں کی قطعیں جن کی بلندی کسی طرح چودہ پندرہ فٹ سے کم نہیں تھی چوتھی قطار میں صرف چار الماریاں تھیں لہٰذا میں نے اپنی مہم کی ابتدا مختصر ترین انبار سے شروع کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

میں ایک اسٹول کے ذریعے اوپر چڑھا تو الماری کا پٹ سامنے تھا اور جب میں نے ٹارچ کی روشنی میں جانی پہچانی ساخت والے اس پٹ کا بھرپور جائزہ لیا تو یک بیک میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا!

پٹ کی سطح پر دھندلائی ہوئی وارنش پر سیاہ رنگ سے لکھا ہوا نمبر سترہ نمایاں نظر آ رہا تھا!

چوہدری رندھیر صرف کاروباری نہیں تھا بلکہ منتظم بھی تھا۔ شاید اس نے ہوٹل کا ٹھیکہ لینے کے بعد توڑ پھوڑ شروع کرانے سے قبل ہر کمرے کی چوبی تعمیرات پر نمبر ڈلوا دیے تھے تاکہ ہوٹل سے گودام تک منتقلی میں ان کے گڈمڈ ہونے پر تمیز کر سکیں!

اور اگر میرا قیاس غلط نہیں تھا تو سب سے اوپر رکھی ہوئی وہ الماری راجہ ہوٹل کے کمرہ نمبر سترہ سے اکھاڑی گئی تھی جب کہ مجھے سولہویں کمرے کی الماری کی تلاش تھی!

مگر میں نے محض قیاس کے بل پر کوئی خطرہ مول نہ لینے کا فیصلہ کیا ہوا تھا لہٰذا میرے ایما پر راموسے نے کہیں سے ہتھوڑی ڈھونڈ کر میرے حوالے کر دی!

الماری کے پٹوں کو ان کی جگہ روکے رکھنے کے لیے اوپر اور نیچے دو دو کیلوں سے چھوٹے چھوٹے تختے جڑے گئے تھے جنہیں میں نے ہتھوڑی کا کیل نکالنے والا چپٹا سرا پھنسا کر آسانی سے اکھاڑ دیے کیلوں نے اپنی جگہ چھوڑی تو سناٹے میں ایک آواز سی پیدا ہوئی لیکن میری دانست میں وہ اتنی تیز نہیں تھی کہ باہر تک جاتی اور کسی خطرے کا سبب بنتی!

میں نے چوکھٹ کے سرے پر قدم جما کر دھڑکتے دل سے پٹ کھولا اور بے اختیار اوپری خانے کی نچلی چوکھٹ پر لگی ہوئی پلیٹ پر نگاہ ڈالی مگر وہ سپاٹ نکلی اور میں نے احتیاط سے پٹ دوبارہ بند کر دیا

وہ الماریاں لمبائی اور چوڑائی میں تو اتنی بڑی نہیں تھیں مگر ان میں لکڑی کا استعمال نہایت فراخدلی سے کیا گیا تھا لہٰذا اوپر والی الماری اتارنے میں ہم دونوں کو بڑی قاسمی مشقت کا سامنا کرنا پڑا ورنہ بری طرح زخمی ہونے کے پورے امکانات موجود تھے!

نیچے والی الماری پر اکیس نمبر لکھا ہوا تھا میں نے اسے بھی نیچے اتروا لیا۔

اس کا پٹ راموسے نے کھولا اور میں نے اوپری خانے کا جائزہ لے کر اپنا سر نفی میں ہلا دیا۔

تیسری الماری تیس نمبر تھی۔ اسے اتارتے ہوئے میں نے نیچے والی الماری پر نگاہ ڈالی تو سولہ نمبر دیکھتے ہی میرا دل بلیوں اچھل پڑا۔

راموسے نے کھولنے میں بہت پھرتی دکھائی مگر اندر جھانکتے ہی میرا سارا ہیجان ایک مرتبہ پھر دم توڑ گیا!

اوپری خانے کی نچلی چوکھٹ بالکل ہموار اور بے داغ تھی!

سولہویں الماری میں پارس کی موجودگی کے آثار نہ ہونے کا مطلب یہ تھا کہ چوہدری رندھیر کے آدمیوں نے وہ نمبر کمروں کے حساب سے نہیں لگائے تھے بلکہ اپنی سہولت کے لیے کوئی اور نظام اختیار کیا تھا!

تیس نمبر اس قطار کی آخری الماری تھی اور جب راموسے اس پر قسمت آزمائی کر رہا تھا تو میں باقی ماندہ تین بلند قطاروں کے بارے میں تشویش کا شکار رہا تھا جنہیں چھیڑنا کسی بھی طرح خطرے سے خالی نہیں تھا!

میں نے سوچا اگلے روز دن میں آگا کے بہانے کراس وہ کال لیے آنا لازمی ہو گیا تھا تاکہ کسی بہانے سے اتنی بلندی تک بھاری سامان کے اتارنے چڑھانے کے انتظامات کا جائزہ لیا جا سکے تاکہ کل رات تلاش کا پورا مرحلہ نمٹا لیا جائے!

"یہ دیکھو!" اچانک راموکی سرسراتی ہوئی تحیر زدہ آواز میرے کانوں سے ٹکرائی اور میں جھپٹ کر اس کے قریب پہنچ گیا!

اس نے دائیں ہاتھ سے تیسویں الماری کا پٹ اٹھایا ہوا تھا اور بائیں ہاتھ سے ٹارچ کی روشنی ایک جگہ مرکوز کی ہوئی تھی۔ روشنی کے ساتھ اس کی چھوٹی چھوٹی نگاہیں بھی اسی نقطے پر مرکوز تھیں جو الماری کے اوپری خانے میں واقع تھا۔

اور پھر وہ جگہ دیکھتے ہی مجھ پر ایک جنون سا طاری ہو گیا۔ میں آگے جھپٹا تو الماری کا پٹ راموکے دائیں ہاتھ سے چھوٹ کر پوری قوت اور دھماکے کے ساتھ نیچے آ رہا! میں کوشش کے باوجود اپنی کلائی کو ضرب سے نہ بچا سکا!

الماری کا پٹ گرنے کا دھماکا اس قدر تیز تھا کہ فوراً ہی باہر سے چوکیدار کی سیٹی سنائی دی جو وقفے وقفے سے بجانے لگا تھا۔ سیٹی کی آواز قریب آنے سے یہ اندازہ بھی ہو رہا تھا کہ چوکیدار نے دکانوں اور گوداموں کے تالوں کی پڑتال کے لیے فوری طور پر گشت شروع کر دیا تھا!

اپنی حماقت سے میں نے ایک الجھن پیدا کرلی تھی مگر مجھے پوری امید تھی کہ چوکیدار اپنی پوری کوشش کے باوجود بھی آواز کے مخرج کا یقین نہیں کر سکے گا!

اس وقت راموکی حالت غیر تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی قتل کر کے فارغ ہوا ہو اور اسے کسی بھی لمحے رنگے ہاتھوں اپنی گرفتاری کا ڈر ہو!

"اوسان بحال کرو۔" میں نے مدھم سرگوشی میں اسے ڈانٹا۔ "بلیوں کی بھاگ دوڑ سے بھی تختے گر سکتے ہیں۔ کوئی ادھر دھیان نہ دے گا۔"

پھر میں نے دوبارہ پٹ کھول دیا۔

اس کے اوپر کے خانے کی نچلی چوکھٹ میں لگی ہوئی ایک ڈیڑھ انچ کی مربع تختی میں وہ مجوف سا نشان آج بھی اسی طرح نمایاں تھا جیسا کبھی پارس پتھر چھپانے کے بعد تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس درمیانی مدت میں اسے نہیں چھیڑا گیا تھا!

پھر میں نے انگلیوں کے سروں سے اس سوراخ میں ٹھونسی ہوئی چیونگم نوچنی شروع کر دی۔

امتداد زمانہ کے باعث پگھلی ہوئی چیونگم نرم نہیں رہی تھی مگر اتنی سخت بھی نہیں ہوئی تھی کہ میرے قابو میں نہ آتی۔

اور پھر چیونگم کے آخری لوتھڑے کے ساتھ وہ بھونڈا سا سیاہ پتھر بھی میرے ہاتھ میں آ گیا جو سیتا کی ماں صندری نے مجھے دیا تھا!

میں نے بے اختیار اس نادر الوجود پتھر کو اپنی مٹھی میں بھینچ لیا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اتنے طویل عرصے کے بعد میں دوبارہ پارس پانے میں کامیاب ہو چکا تھا!

اس بار میں نے احتیاط اور آہستگی سے الماری کا پٹ بند کر دیا!

سر اٹھایا تو راموتھا اندھیرے میں پلکیں جھپکائے بغیر مسلسل مجھے گھورے جا رہا تھا!

"یہ ہے پارس پتھر ......" رام ناتھ کے منہ سے بے ساختہ تمام وہ مسرت آمیز آواز برآمد ہوئی جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

"دیکھو گے اس کا کمال؟" میں نے فخر آمیز لہجے میں کہا اور اس نے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔

اس وقت خوشی کے باعث میری کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی۔ مدت سے کھویا ہوا پارس پتھر توقعات کے برعکس اتنی آسانی سے ہاتھ آ گیا تھا کہ مجھے اپنے مقدر پر رشک آ رہا تھا!

انبالہ سے فرار ہوتے وقت میرے لیے اپنی بقا کا مسئلہ اس قدر سنگین اور نازک صورت اختیار کر چکا تھا کہ میں بے بس ہو کر رہ گیا تھا اور اس کے بعد مجھے مہلت ہی نہ مل سکی تھی کہ دوبارہ راجہ ہوٹل کا رخ کر کے وہاں چھپائے ہوئے پارس پتھر کے حصول کی کوشش کرتا۔

اس دوران میں پارس کا خیال ہمیشہ میرے ذہن میں موجود رہا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے حصول کی امید کمزور پڑتی چلی گئی تھی۔ حتیٰ کہ لاہور میں اپنے گھر والوں کی تلاش کی دھن سوار ہونے کے دوران بھی مجھے پارس پتھر کے لیے روانہ ہونے کا خیال نہیں آیا۔ اس وقت میں مالی بحران سے دوچار تھا اور مسوری سے جالندھر میں ایک ہوٹل میں مکان کی خاطر سفر کے اخراجات برداشت کرنے کی استطاعت نہیں تھی۔ پھر مجھے اپنے بھائی سلطان علی کا سراغ لگانا تھا جو لاہور میں ناکامی اور بربادی کے بعد شاید کراچی نکل گیا تھا۔ اس وقت یہ سیتا ہی کی ذات تھی جس نے مجھے انبالہ کے سفر کی ترغیب دلائی اور موجودہ مشکل کا سامنا کرنے کے بعد میں تحمل کے ساتھ اس سے متفق ہو گیا۔

اول تو میرے نزدیک پارس کی بازیابی ویسے ہی مشکوک تھی۔ ابھی کسی راجہ ہوٹل کے منتظمین نے چوری کر دی ہو گی مگر یہ سب شاید میرے وہم کے امکانات تھے جن سے میں کسی نہ کسی طرح گزرتا ہی چلا گیا اور نتیجے کے طور پر وہ نادر روزگار پتھر دوبارہ میری تحویل میں آ چکا تھا جس کا ذکر محض روایتوں اور قصوں میں ملتا ہے۔

رامو نے ٹارچ کی روشنی میں ہاتھ بڑھایا اور میں نے پارس پتھر اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ اس نے فوراً اپنی مٹھی بھینچ لی۔

"بالکل پتھر کی طرح سخت اور کھردرا ہے۔" اس نے سحر زدہ لہجے میں آہستہ سے کہا۔ "یقین نہیں آتا کہ یہ پارس ہے۔"

"یہ پتھر ہی ہے۔" میں نے ہلکی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "اگر اس میں لوہے کو سونے میں تبدیل کرنے کے خواص نہ ہوتے تو یہ ایک حقیر سنگریزہ ہے۔" میں نے بات کرتے ہوئے ہی زمین سے ایک کیل اٹھا لی۔

"کیا کرو گے اس کا؟" رامو نے اس آہنی کیل کے بارے میں جاننا چاہا۔

"ابھی سے ابتدا کروں گا۔ لاؤ پارس دو مجھے۔"

وہ قدرے متذبذب نظر آیا مگر اس نے پارس پتھر مجھے لوٹا دیا اور ہیجان آمیز دبی آواز میں بولا۔ "اب یہ پتھر میرے حوالے نہ کرنا۔ اس میں عجیب سی قوت ہے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے میرے پورے بدن میں بجلی سی دوڑ رہی ہو۔ اس سے پہلے کہیں میری نیت خراب ہو جاتی۔ انسان کے دماغ میں فتور آتے دیر نہیں لگتی۔"

"کوئی قوت نہیں ہے اس میں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ محض خیال ہے تمہارا۔ اگر تمہارے دل میں لالچ پیدا ہو ہی جائے تو میری جان کے دشمن نہ بن جانا۔ مانگو گے تو اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔"

"یہ کیا کر رہے ہو؟" اس نے مجھے پارس پتھر کیل سے مس کرتے ہوئے دیکھ کر حیرت سے سوال کیا۔

"لوہے کو سونے میں بدل رہا ہوں۔"

"بس یوں ہی! یعنی اسے رگڑنے سے یہ کیل سونے کی ہو جائے گی؟" اس کے الفاظ میں بے یقینی رچی ہوئی تھی۔

میں اپنا گوہر مقصود حاصل کر چکا تھا اور اس گودام سے نکل کر واپس پہنچنے کے لیے ہمارے پاس کافی وقت تھا لیکن میں چاہتا تھا کہ اس گودام سے نکلنے سے قبل رامو کو کامیابی کی طرف سے اتنا پُر یقین کر دوں کہ کوئی سد راہ سامنے آ جانے پر وہ پوری قوت سے ٹکرا جانے کی خلاقی قوت سے مالا مال ہو۔

چند ثانیوں تک وہ حیرت سے لوہے اور پارس پتھر کے تعامل کو دیکھتا رہا۔ پھر اس کی آنکھیں بے یقینی کے انداز میں پھیلتی چلی گئیں۔ میں نے اندھیرے میں دمکتے ہوئے رنگ والی وہ کیل اس کی طرف بڑھا دی۔ "لو یہ رکھ لو۔ یہ تمہارا پہلا انعام ہے۔"

اس نے ٹارچ کی روشنی میں حیرت سے اس طلائی کیل کا مختصر مگر بھرپور جائزہ لیا پھر اسے احتیاط سے اپنی جیب میں ڈال لیا۔

میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور خاموشی سے گودام کی چھت کے پیچھے سے کھلے عقبی احاطے کی طرف چل دیا۔

اس مرتبہ ہم دونوں کامیابی کے جذبے سے سرشار تھے جس کے باعث ہمارے حوصلے بڑھے ہوئے تھے لہٰذا ہم بغیر کسی دشواری کے ناظروں کے درمیان گودام سے نکلے اور پھر کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر بالکل ہی باہر پہنچ گئے۔

اس ناقابل تصور کامیابی کے باعث مجھے بہت ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا۔ میری خواہش تھی کہ میں جلد از جلد گھر پہنچ کر سیتا کو مختصر سی مدت میں مسوری کی دی ہوئی نشانی کی بازیابی کا مژدہ سنا سکوں لیکن کسی ویران گوشے میں رکتے ہوئے کسی مشتبہ نگاہوں سے خود کو بچائے رکھنے کے لیے میں نے انتہائی احتیاط

سے تجاوز نہ ہونے دی۔

تھوڑی دیر بعد ہم جوہن پورے کے اس ویران تجارتی علاقے سے دور ایک والی جگہ کو عبور کر کے رہائشی علاقے کی تنگ مگر بارونق گلیوں میں داخل ہو گئے جہاں بکھری ہوئی آبادی میں ہماری کوئی انفرادی شناخت باقی نہیں رہ گئی تھی۔

آخری گلی عبور کر کے ہم پختہ سڑک پر آئے تو چند ہی ثانیوں میں خالی ٹیکسی نظر آئی اور ہم بلا توقف اس میں سوار ہو گئے۔

پانچ چھ بجے شام بند ہو جانے والے بازار میں ٹیکسی یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کالی رات بہت جلدی ہو گئی ہو۔ سڑکوں سے گزرتے ہوئے اندازہ ہو رہا تھا کہ دس ساڑھے دس بجے کا وقت اس شہر کے باسیوں کے لیے بالکل ہی نہیں تھا کہ وہ سڑکیں اور بازار ویران کر کے اپنے اپنے گھروں کی دیواروں میں دبک بیٹھے۔

گھر پر رامو کی ماں چاروں پوتوں اور پانچوں بچوں سمیت سو چکی تھی مگر آشا بیٹھک میں سیتا کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی۔ دروازے پر ٹیکسی رکنے کی آواز سنتے ہی رامو کی بیوی آشا دروازے پر آ گئی۔

میں ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کر کے اندر داخل ہوا تو سیتا بھی دروازے پر آ چکی تھی اور رامو سے کچھ کہہ رہی تھی۔

"تم ہی جواب دو۔" مجھے دیکھ کر رامو ہنستے ہوئے مجھ سے مخاطب ہوا۔ "بھابی پوچھ رہی ہے کہ ہم دونوں کہاں آوارہ گردی کر رہے تھے؟"

"سلطان کی دیوی کی تلاش میں گئے تھے۔" میں نے بیٹھک کی طرف جاتے ہوئے خوش دلی سے جواب دیا۔

"لکشمی یوں ہر ایک کو تھوڑا مل جاتی ہے۔" آشا نے اپنے مخصوص لہجے میں مجھ سے کہا۔ "اس کے لیے تو بڑی تپسیا کرنی پڑتی ہے۔"

میں نے قہقہہ لگایا۔ "پوچھو تو رامو سے۔ ابھی تو ہماری جیب میں پڑی ہے۔"

"پتہ ہے... مجھے سب پتہ ہے۔" وہ تنک کر بولی۔ "میں نے کبھی چھوڑ کر کوئی بات نہیں کرتی۔" پھر اس کا لہجہ یاس انگیز ہو گیا۔ "کاش کبھی دیوی ہم پر مہربان ہو جائے تو ہمارے برسوں کے دلدر دور ہو جائیں۔"

"سمجھ لو وہ ہمارے آ ہی گئی ہے۔" رامو اپنی بیوی کے ساتھ سیتا کو لے کر چلانے پر تل گیا۔ سیتا نے جیسے وہ ٹکے کی چھوکری کی طرح منہ بنایا۔ "میری تو تمہاری دیوی نکلی۔"

"رام رام!" آشا ایک دم خوفزدہ سی ہو گئی۔ "توبہ کرو بھگوان سے۔ یہ بولیاں دیوتاؤں کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کرتے۔"

بات کہیں اور نہ نکل جائے موضوع کو طوالت اختیار

کرتے دیکھ کر جلدی سے کہا۔ "تم فوراً گرم گرم چائے تو پلاؤ۔"

"تم ہی سے کہے گا بھیا۔" وہ واپسی کے لیے مڑتے ہوئے بولی۔ "میری باتوں کو تو مذاق میں اڑا دیتا ہے۔"

"کس سے مل کے آئے ہو تم؟" آشا کے جاتے ہی سیتا براہ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ وہ پوری طرح سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

میں نے بے بسی سے رامو کی طرف دیکھا تو وہ نہایت بے نیازی کے ساتھ سر جھکائے سگریٹ کے ایک حصے کو بائیں انگوٹھے کے ناخن پر ٹھونک رہا تھا۔

"رامو ٹھیک کہہ رہا تھا۔" موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے میں نے جلد از جلد بات ختم کرنے کی نیت سے کہا۔

"کون تھی وہ؟" سیتا نے میری بات درمیان سے اچک کر جارحانہ لہجے میں سوال کیا۔

"ہم نے پارس حاصل کر لیا ہے۔" میں نے اس کے قریب ہو کر سرگوشیانہ لہجے میں اسے آگاہ کیا۔

"نہیں۔" اس نے بے اعتباری سے کہا۔

"اس کا حصول توقع سے زیادہ آسان ثابت ہوا ہے۔" میں نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "تمہاری ماں کی دی ہوئی نشانی بہ حفاظت میری جیب میں موجود ہے۔"

"تمہیں کیسے پتہ کہ وہ اصلی پارس ہے؟" اس بار سیتا کا پُرجوش لہجہ بھی رازداری کی حد تک دھیما تھا۔

"وہ اسی جگہ سے ملا ہے جہاں میں نے اسے چھپایا تھا۔ اور پھر رامو کی جیب میں سونے کی ایک کیل موجود ہے جو پارس پتھر سے رگڑ کھانے سے پہلے محض لوہے کی ایک بے وقعت کیل تھی۔"

"اور صبح میں اسے بازار دکھاؤں گا۔" رامو نے لقمہ دیا۔ "یہ راز پیٹ میں ہلکانے اور بچانے کے لیے بہت لگا۔ آشا کو اس قصے کی ہوا بھی نہ لگنے دینا ورنہ وہ پورے محلے کو بتا دے گی اور میری ماں کے بھائیوں کو بتلانے پہنچ جائے گی۔"

میں نے جوتے اتار کر ایک طرف ڈالے اور بستر پر دراز ہو گیا۔ سیتا میرے قریب بیٹھ گئی جب کہ رامو کرسی پر بیٹھ گیا۔

"دکھاؤ کہاں ہے وہ پتھر؟" سیتا نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔

میں نے لیٹے ہی لیٹے جیب سے پتھر نکال کر اسے تھما دیا۔

"حیرت ناک!" سیتا کا چہرہ وفور جوش سے تمتما اٹھا۔ اس کی نگاہیں ہتھیلی پر رکھے ہوئے سیاہ اور کھردرے پارس پتھر پر گڑی ہوئی تھیں۔ "میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم اتنی آسانی سے اس کا سراغ لگا لو گے۔"

"اسے چھپا کر رکھو بھابی!" رامو نے باہر قدموں کی چاپ سن کر جلدی سے کہا اور سیتا نے فوراً اپنی مٹھی بند کر لی۔

چند ہی ثانیوں میں آشا چائے لے آئی۔

چائے نوشی کے دوران آشا کی باتیں سن کر میں چونک پڑا۔ بظاہر وہ ایک بدھو سی گھریلو عورت نظر آتی تھی جس کی قوتِ مشاہدہ کمزور ہونی چاہیے تھی مگر اس کا مشاہدہ بہت تیز تھا۔

میری اور رامو کی مصروفیات اور چہرے بشرے نے دانستہ یا نادانستہ آشا کو چوکنا کر دیا تھا۔ اس نے کچھ جاننے پر اصرار تو نہیں کیا لیکن یہ ضرور جتا دیا کہ ہم دونوں بڑی سوچ میں ہیں، سیتا اور رامو اسے الگ رکھ کر کچھ کر رہے تھے یا کرنا چاہتے تھے۔

"تیری کھوپڑی چھوٹی سی ہے۔" رامو نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے پیار بھرے غصیلے لہجے میں اپنی بیوی سے کہا۔ "ناک سے آگے تجھے کچھ نظر نہیں آتا۔ تیرا کیا خیال ہے؟ کیا ہم کہیں ڈاکا ڈالنے کا ارادہ کر رہے ہیں؟"

ایک روایتی مشرقی بیوی کی طرح وہ فوراً سہم گئی۔ "یہ تو نہیں کہا میں نے... بس ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تم لوگ کوئی بات مجھ سے چھپا رہے ہو۔"

"جوا کھیل رہے ہیں! دارو اڑا رہے ہیں، چوری کر رہے ہیں! جو تجھ سے چھپائیں گے۔" رامو کو ایک دم طرارہ آ گیا۔

"کیوں گڑبڑ دکھا رہے ہو؟" میں نے معاملہ بگڑتے دیکھ کر جلدی سے رامو کو ٹوکا پھر آشا سے مخاطب ہو گیا۔ "تم خیال نہ کرو بہن! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم تو دو چار دن کے مہمان ہیں۔ آج نہیں تو کل چلے جائیں گے۔ ہماری وجہ سے ایسی کوئی بات نہیں ہونی چاہیے کہ جاتے ہوئے تمہیں تلخی ہو۔"

"میں تو بس یوں ہی روا روی میں کہہ رہی تھی۔ پتہ نہیں انہیں اتنی جلدی غصہ کیوں آ جاتا ہے۔" آشا روہانسی ہو کر بولی۔

اسی وقت اندر سے چھوٹے بچے کے رونے کی آواز آئی اور آشا بڑبڑاتی ہوئی تیزی کے ساتھ واپس چلی گئی۔

رامو نے اسے جاتے دیکھا اور سر جھٹک کر مسکرا دیا۔ "عجیب بات ہے ذرا ذرا سی بات کو بھانپ لیتی ہے۔"

"مگر اس کا اندیشہ بے جا ہے۔ وہ تمہاری رگ رگ سے واقف ہے اور سمجھ رہی ہے کہ تم کوئی بات اس سے چھپا رہے ہو۔"

"اسی بات پر تو غصہ آ گیا تھا۔ جنسی مذاق کا کون برا مانتا ہے!" رامو خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"بیویاں جھوٹ پکڑ لیں تو شوہر اسی طرح جھلا جاتے ہیں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ [illegible]

"اب صبح کا کیا پروگرام ہے؟" کچھ دیر کے توقف کے بعد رامو نے سوال کیا۔

"اچھا ہو تو ڈیوٹی پر چلے جاؤ۔"

اس نے اسی انداز میں اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ "اگر تمہیں میری ضرورت نہ ہو تو میں کیول فروخت کرنے کی کوشش کروں گا۔" یہ کہتے ہوئے اس کا لہجہ رازدارانہ ہو گیا۔ "یہاں سونے کی خرید و فروخت کا اتنا تجربہ ہے کہ مجھے اس معاملے میں ذرا احتیاط سے کام لینا ہوگا۔"

"تو تم اس کام سے نمٹ لینا۔" میں نے چائے ختم کر کے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "اندازہ ہے میرا کام ختم ہو چکا ہے۔ کل شام تک زیادہ سے زیادہ پرسوں میں روانہ ہو جاؤں گا۔ میرے لیے اب یہاں رکنا بے سود ہے۔"

"پھر تم آرام کرو۔"

یہ کہہ کر وہ بیٹھک سے نکل گیا اور سیتا نے دروازہ بند کر کے کنڈی چڑھا دی۔

"اس مرتبہ تقدیر ہم پر بہت مہربان معلوم ہوتی ہے۔" یہ میں نے سیتا سے کہا۔ "پارس کا معاملہ اتنی کامیابی سے طے ہو جائے گا یقین نہیں آتا۔"

"رامو تو کوئی گڑبڑ نہیں کرے گا؟" سیتا نے میرے قریب بستر پر دراز ہوتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں سوال کیا۔

"نہیں۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں جواب دیا۔ "وہ بہت مخلص انسان ہے اس پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔"

"پارس کی دولت میں اس کا کتنا حصہ ہے؟"

"وہ غریب آدمی ہے اس کی توقعات بھی بہت محدود ہیں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "دس بیس سیر لوہے کو سونے میں بدل دیں تو اس کی [illegible] بیٹھ کر کھائیں گی... اس سے زیادہ میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔"

"غنیمت ہوا کہ تم نے بروقت ابابیلہ آنے کا ارادہ کر لیا۔" وہ تشکر آمیز لہجے میں بولی۔ "اگر ہوٹل سے نکالی گئی [illegible] شروع ہو چکی تو شاید پارس پتھر تک پہنچنا ناممکن ہو جاتا۔"

"اپنی تعریف کرانا چاہ رہی ہو؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "یہ سچ ہے کہ اگر تم لاہور سے ابابیلہ آنے کی ضد نہ کرتیں تو میں کراچی کا ہی رخ کرتا اور پارس پتھر کا حصول شاید اتنا آسان نہ ہو پاتا۔"

"ہر بات... ہر بات کا غلط مطلب نکالتے ہو۔" وہ میری دست درازیوں سے بوکھلا کر بولی۔ "ہمیشہ میری نیت پر شک کرتے رہتے ہو۔"

"نیت تو بعد کی بات ہے۔ عورت کا لگاوٹ کے ساتھ کسی مرد سے ہم کلام ہونا ہی سراسر فتنہ ہے۔"

"میں عورت نہیں، بیوی ہوں تمہاری۔" اس نے میرے [illegible] تضحیک کا پہلو محسوس کر کے فوراً احتجاج کیا۔

"بیوی بھی عورت ہی ہوتی ہے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے لیمپ بند کر دیا۔

اس صبح عجیب پُرسرور انداز میں نمودار ہوئی۔ سیتا خلافِ معمول [illegible] سو رہی تھی لیکن بستر سے باہر بھی سناٹا طاری تھا جس کا مطلب [illegible] رامو اور اس کے بیوی بچے بھی گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔

میں کچھ دیر تک بستر پر پڑا کروٹیں بدلتا رہا جب بے چینی زیادہ ہوئی تو [illegible] دروازہ کھول لیا۔

اپنے کمرے سے باہر نکلنے پر معلوم ہوا کہ میرا اندازہ غلط تھا۔ گھر کے باسیوں کی صبح اپنے معمول کے مطابق نمودار ہو چکی تھی۔ یہ بات تھی کہ ناشتے سے فراغت کے بعد رامو اپنے بیوی بچوں کو میکے چھوڑنے کی نیت سے ساتھ لے گیا تھا اور اس وقت گھر میں صرف اس کی بوڑھی ماں موجود تھی۔

میرے استفسار پر رامو کی ماں نے اپنے بیٹے کی ایک عادت کے بارے میں بتایا جو عجیب تو نہیں لیکن دلچسپ ضرور تھی۔

رامو نے جس دن سے شادی کی تھی اپنی بیوی کو ایک رات کے لیے بھی میکے میں نہیں چھوڑا تھا۔ وہ میکے بھی جاتی تو صبح کو جاتی اور شام ڈھلے گھر واپس آ جاتی تھی۔ یہ بتاتے ہوئے اس بوڑھی ماں کو بیٹے اور بہو کے درمیان محبت بیان کا اظہار مقصود تھا۔ میرے لیے یہ اطمینان بخش بات تھی کہ آشا واپسی کے لیے رامو کی منتظر نہیں رہتی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ اسے قریب جوار میں ملازمت کے بعد فرصت میسر ہوتی تو بغیر کسی پیشگی پروگرام کے سسرال پہنچ کر بیوی کو خوشگوار حیرت سے دوچار کر دیتا تھا۔

آشا چلی تو گئی تھی لیکن ہمارے ناشتے کا بندوبست کر گئی تھی۔ سیتا کی رفاقت میسر آنے کے بعد سے میں دستِ خود بدستِ خود کا عادی ہو گیا تھا لہٰذا منہ ہاتھ دھو کر اخبار چاٹنے بیٹھ گیا۔ جو رامو نے غالباً میرے لیے منگوایا تھا ورنہ اس کے گھر میں انگریزی پڑھنے والا دور دور تک کوئی نہ تھا۔

سیتا بیدار ہوئی تو ہم دونوں نے رامو کی بوڑھی ماں کے قریب بیٹھ کر ناشتہ کیا۔ وہ شکم سیر تھی مگر پھر بھی اصرار پر ہمارے ساتھ [illegible] چائے لے لی۔

پھر گھر کو اس ضعیف عورت پر چھوڑنا مناسب نہیں تھا۔ لہٰذا سیتا کو گھر چھوڑ کر وقت گزاری کے لیے باہر نکل گیا۔

شہر کے بارونق بازاروں کی سیر سے میں واپس لوٹا تو رامو [illegible] بیٹھا تھا۔

مجھے دیکھتے ہی اس نے ایک لفافہ میرے سامنے ڈال دیا جس میں [illegible] کی رقم موجود تھی۔

"کیا ہے یہ؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"وہ کیول میں نے فروخت کر دی۔" اس نے فخریہ لہجے میں بتایا۔ "سیٹھ گردھاری لعل نے شاید دام بھی کم لگائے ہیں کیونکہ وہ ان داموں پر ہر مقدار خریدنے کے لیے آمادہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ تھوڑی سی رقم کے لالچ سے بہتر یہ ہوگا کہ میں اسی سے رابطہ رکھوں۔"

"پھر ہے کوئی چیز؟" میں نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

وہ اٹھا اور چند ہی لمحوں میں روٹی پکانے کا وزنی توا لا کر صاف کر کے میرے سامنے رکھ دیا جس کا وزن کسی طرح ڈھائی تین سیر سے کم نہیں تھا۔

جیسے ہی حالیہ کی پرورش والوں میں سیتا کی ماں نے پارس پتھر کے نگ والی انگوٹھی میرے حوالے کی تھی میں چھوٹی موٹی اشیاء کو ہی سونے میں تبدیل کر سکا تھا۔ اس کے آزادانہ استعمال کی نوبت آنے سے پہلے مجھے اس نایاب نگینے سے محروم ہونا پڑا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مجھے ایک وزنی آہنی ٹکڑے کو سونے میں تبدیل کرنا تھا۔

وہ تجربہ اس اعتبار سے میرے اور رامو کے لیے سنسنی خیز ثابت ہوا کہ ابتدا میں ایک منٹ گزر جانے کے باوجود آہنی توے کے سیاہ رنگ میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی اور میں نے پہلی بار پارس پتھر میں کمزوری سی پیدا ہوتی محسوس کی۔

لمحے گزرتے رہے۔ اس اثنا میں میرے ذہن میں ہندوستان کے اٹامک انرجی کمیشن کے ڈاکٹر رامانند کے اعتراضات گونجنے لگے جو انہوں نے جوہری ماہیت کی تبدیلی پر کیے تھے۔ ان کا اصرار تھا کہ کسی بھی غیر جوہری بلکہ طبعی تابکار عنصر کو دوسرے عنصر میں بدلنا ناممکن ہے جبکہ جوہر کو کسی بھاری آہنی توے جیسے عنصر تک تبدیل کرنے کا واحد ذریعہ ایٹمی ری ایکٹر تھا۔ جس میں نیوٹرانوں کی بمباری سے ایک دھات کو دوسری میں تبدیل کیا جا سکتا تھا۔

سائنس اور بالخصوص ایٹمی معاملات میں، میں ایک جاہلِ مطلق تھا۔ میرے لیے ایٹم کے تشکیلی ذرات کی معلومات بے معنی تھی۔ نیوٹران باوزن ہوتے ہیں تو ہوا کریں۔ پروٹون مثبت وزن دار ہوتے ہیں تو ہوا کریں۔ الیکٹرون بے قرار بے وزن ذرات ہوتے ہیں تو ہوا کریں۔ مجھے ان کی ترتیب اور ماہیت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ان اعلیٰ سائنسی معلومات کے باوجود میں نے کسی ایٹمی کارروائی کے بغیر محض پارس پتھر کے لمس سے لوہے کو سونے میں تبدیل کیا تھا جسے پرکھنے والوں نے کسوٹی پر سونا تسلیم کیا تھا۔

اس قدر ٹھوس اور مثبت نتائج کی موجودگی میں میرے لیے پارس پتھر کی کارکردگی غیر مشکوک تھی لیکن توے کی نہ بدلنے والی رنگت مجھے تشویش میں مبتلا کر رہی تھی مگر یہ صرف چند لمحے کی حرکت میں تھا اور پھر اچانک توے کی سطح میں تبدیلی رونما ہونے لگی۔ پہلے سیاہ رنگ میں عجیب سی چمک پیدا ہوئی۔ پھر اس چمکدار سیاہی نے

زردی کی جھلک اختیار کرنی شروع کی جو بتدریج طلائی رنگ کی طرف مائل ہوتی چلی گئی۔ اور جب رنگوں کا یہ تغیر سونے کی رنگت پر ختم ہو گیا تو میں نے اپنا ہاتھ روک لیا۔

"سونا... بالکل سونا ہے۔" رام ناتھ نے اضطراری انداز میں وہ طلائی توا اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیا۔

"واقعی بالکل سونا لگ رہا ہے۔" راموکی ماں جو اسی وقت باورچی خانے سے نکلی تھی، راموکی بات سن کر بڑبڑائی۔ "بچوں کی رونق ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ سو کب تک گھر واپس آئے گی؟"

رامو نے جلدی سے توا پیچھے چھپا لیا اور ماں سے بولا۔ "شام تک لوٹے گی، بچوں کے بغیر گھر کھانے کو دوڑ رہا ہے۔"

"تم کہاں گھوم رہی ہو ماں؟" سیتا نے آگے بڑھ کر راموکی ماں کو تھامتے ہوئے محبت آمیز لہجے میں کہا۔ "کہیں ٹھوکر لگ گئی تو زخمی ہو جاؤ گی۔ آرام سے بستر پر لیٹی رہو۔ کوئی ضرورت ہو تو مجھے آواز دے لینا۔"

"کھانا کھا لیا رامو نے؟" اس نے سیتا سے سوال کیا۔

"انہوں نے تو کھا لیا مگر میں ابھی بھوکا ہوں۔" میں نے بڑھیا کو اپنی موجودگی جتلانے کی نیت سے کہا۔

"اسے بھی کھانا دے نا بیٹا!" راموکی ماں نے محبت آمیز لہجے میں کہا۔ "میرے لیے تو یہ بھی رامو کا بھائی ہی ہے۔"

سیتا راموکی ماں کے ہمراہ اس کمرے سے نکل گئی اور رامو نے طلائی توا دوبارہ اپنے سامنے اہتمام سے چارپائی پر رکھ لیا۔

"اب اس کا کیا کرو گے؟" میں نے اس کی کیفیت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے دبے دبے لہجے میں سوال کیا۔

"ابھی بہت وقت باقی ہے۔" اس نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "اسے بھی سیٹھ گردھاری لعل کے پاس پہنچانا ہوگا۔"

"طلائی توا تو اسے الجھن میں ڈال دے گا۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "سونا تو سونا ہوتا ہے۔ بہتر ہوگا کہ کٹیا لاکر اسے ٹکڑوں میں کاٹ لو۔"

رام ناتھ اس اعتبار سے بہت سعادت مند تھا کہ ہر معقول بات کو بلا چون و چرا تسلیم کر لیتا تھا لہٰذا وہ فوراً ہی گھر سے چلا گیا۔

میں سیتا کا لایا ہوا گرم گرم کھانا کھا ہی رہا تھا کہ وہ لوٹ آیا۔ میں کھانے سے انصاف کرتا رہا اور وہ توے کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹنے میں مصروف ہو گیا۔

"اس وقت نہ ہوئی آشا گھر پر!" توے کو کاٹتے کاٹتے وہ کسی خیال کے زیر اثر مسکراتے ہوئے بولا۔

"ہوتی تو کیا ہوتا بھلا؟" سیتا نے معصومیت سے سوال کیا۔

"اچھل جاتی وہ اتنے ڈھیروں سونے کے کنگن اور پازیب بنوا دوں گا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "جب سے یہاں سونے پر پابندی لگی ہے تو سب گھرانوں کی عورتیں تو سونے کے زیور کو ترس گئی ہیں۔ پھر بھلا آشا نے اتنا سونا اکٹھا کہاں دیکھا ہوگا۔"

"یار! اب واپسی میں موٹی موٹی چادروں کے کچھ ٹکڑے لیتے آنا۔" میں نے اسے نصیحت کی۔ "ایسا نہ ہو کہ اب بار بار توے کو سونے میں بدلنا پڑے۔"

"تمہاری باتیں مجھے تو بہت معمولی لگتی ہیں مگر وقت پر ذہانت ہوتی ہے۔" اس نے خلوص دل سے اعتراف کیا۔ "پتہ نہیں تم یہ سب کیسے کر لیتے ہو؟"

"عقل ٹھکانے ہو تو ہر بات صاف اور سیدھی سمجھ میں آتی ہے۔" میں نے کہا۔ "خرابی یہ ہے کہ کوئی مشکل پیش آتے ہی تم عقل خیرات کر دیتے ہو۔"

"خیرات کر دیتے ہیں؟" وہ میرے الفاظ دہرا کر کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ "سچ کہتا ہوں کہ تمہاری ہر بات لاجواب ہوتی ہے۔"

میں کھانے سے فارغ ہوا تو وہ طلائی توے کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تبدیل کر کے ایک رومال میں باندھ چکا تھا۔

میں ہاتھ دھو کر بیٹھا تو وہ سیٹھ گردھاری لعل کی طرف جانے کے لیے تیار تھا۔

وہ گردھاری لعل کی طرف چلا گیا اور میں اگلے روز روانگی کے امکانات کے بارے میں غور کرنے لگا۔

راموکی واپسی سے پہلے ہی آشا لوٹ آئی تھی اور سیتا کو موجود پا کر اس نے چھوٹتے ہی راموکے بارے میں سوال کیا تھا جس پر سیتا بے اختیار مسکرا دی۔

رامو شام ڈھلنے سے ذرا پہلے آیا تو اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا اور ہاتھ میں ایک نیا بریف کیس جھول رہا تھا۔

آشا نے حسب معمول دروازے پر اس کا استقبال کیا اور اس کے ہاتھ میں بریف کیس دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"آج بابو معلوم ہوتے ہو، کیا لے آئے اس میں؟" اس نے راموکے ہاتھ سے بریف کیس لینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ دونوں بچے بھی باپ سے بریف کیس چھیننے کی کوشش میں مصروف تھے۔

لیکن اس نے فوراً ہی بریف کیس پرے ہٹا دیا۔ "پرائی چیز کو نہیں چھوتے، اس میں سلطان کی بہت ضروری چیزیں ہیں۔"

میں نے محسوس کیا کہ اس وقت وہ آشا کی باتوں میں قطعی دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔ اس کی پوری کوشش تھی کہ جلد از جلد کھانا کھا کے مجھ سے دل کی باتیں کر سکے۔ سیتا بھی اس کا منشا سمجھ گئی تھی لہٰذا وہ غیر محسوس طریقے سے آشا کو اپنے ساتھ باتوں میں لگا لے گئی اور رامو میرے ساتھ بیٹھک میں گھس گیا۔

"تم سچ مچ دوستی کا ایک آدمی ہو۔" رامو نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ

میں رکھتے ہوئے پرجوش لہجے میں کہا۔ "اب تو ہمارے دن پلٹ جائیں گے۔"

"خود پر قابو رکھو۔" میں نے اس کی کیفیت دیکھتے ہوئے اسے سنجیدگی سے سمجھایا۔ "دولت آدمی چھپانا ہوتی ہے اس سے آشا اول تو نہ جانے کیسی مشکلات پیدا ہو جائیں۔ اس وقت تمہاری حالت ایسی ہو رہی ہے کہ کوئی بھی بلاوجہ تمہاری طرف متوجہ ہو سکتا ہے یوں بھی بات دور ہوگی۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو لیکن مجھ کو خود پر اختیار نہیں رہا۔ جتنی رقم میں خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا وہ اس اٹیچی کیس میں بند ہے۔"

"کتنی ہے؟"

"دو لاکھ۔" اس نے اپنا چہرہ میرے کان کے قریب لا کر کہا۔ "اٹھائیس ہزار وہ صبح دے گا، میرے لیے تو حساب لگانا دوبھر ہو گیا تھا۔"

"کوئی الجھن تو نہیں ہوئی تھی؟"

وہ بھیانک انداز میں مسکرایا۔ پھر کھل کر ہنستے ہوئے بولا۔ "گردھاری لعل نے مجھ سے جو کچھ کہا تھا اس کے باوجود پوٹلی کھولتے ہی وہ سناٹے میں آ گیا... تم جانو میرا حلیہ ایسے سونے سے کہاں میل کھاتا ہے۔ گردھاری لعل نے اپنے بند کمرے میں پوچھ ہی لیا کہ میں نے وہ سونا کہاں سے چرایا ہے۔ مگر مجھے ایک کہانی سوجھ گئی۔ میں نے اسے بتایا کہ مجھے ایک کھنڈر سے زمین میں دبی ہوئی دیگ ملی ہے جو سونے کے برتنوں سے بھری ہوئی ہے... اس کے تیور نرم پڑتے دیکھ کر میں نے دھونس بھی جتا دی کہ مجھے پیسے کی کوئی پروا نہیں ہے اور آئندہ میں اسے ایک تولہ سونا بھی نہیں دوں گا کیونکہ اس نے مجھے چور سمجھا تھا۔" یہ کہتے ہوئے وہ ہنسنے لگا۔ "وہ خرانٹ سا بوڑھا میرے جھانسے میں آ گیا اور بار بار مجھ سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا رہا۔ پہلی صفائی میں بات نہیں بنی تو اس نے اصرار کیا مگر میں اڑ گیا۔ اس نے خوشامد کا سلسلہ اس وقت ختم کیا جب تک مجھ سے سوگند نہ اٹھوا لی کہ میں دیگ سے نکلنے والا ایک ایک رتی سونا بھی اسی کو بیچوں گا۔"

"پھر کیا تمہیں کافی دیر لگ گئی؟"

"اس نے اپنے بیان کی تسلی کرانی تھی لہٰذا اپنی تسلی کے لیے تین ٹکڑے دوسری جگہوں پر بھیجے تھے جب سب نے تصدیق کر دی کہ سونا ہے، اس دوران میں وہ دھندا بھول بھال کر اپنے کمرے میں میری خاطر تواضع میں لگا رہا۔"

"کھنڈر میں دبی ہوئی دیگ کا خیال کیسے آ گیا تمہیں؟"

"نہ جانے کتنی بار اس کے پاس جانا پڑے... اس مرتبہ توے کے ٹکڑے لے گیا تھا۔ اگلی بار کسی اور برتن کی نوبت آ سکتی ہے مگر وہ ہوشیار ہے سارے ٹکڑے جوڑے گا تو اس کے لیے توے کی اصلیت معلوم کرنا مشکل نہیں ہوگا۔"

"بڑی دور کی بات سوچی تم نے۔" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "لوہے کی چادروں کے ٹکڑے لائے تم؟"

"کیسے لاتا؟" وہ اس کے سوال سے کہا۔ "یہ بریف کیس گردھاری لعل نے اپنے نوکروں سے منگوایا تھا میرے لیے ورنہ تم سمجھتے کہ اس کے بعد ایک ایک قدم چلنا دشوار ہو رہا تھا۔"

"میرا کل روانگی کا ارادہ ہے۔" میں نے چند ثانیوں کے توقف کے دوران آہستگی سے کہا۔ میری نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"میں تمہیں روک تو نہیں سکتا پھر بھی دو چار روز ٹھہر جاتے تو اچھا تھا۔" اس کا چہرہ اتر گیا اور لہجے میں مایوسی سمٹ آئی۔

اس نے جو کچھ کہا وہ خلوص اور نیک نیتی سے کہا تھا کوشش کے باوجود مجھے اس کے لہجے پر حرص اور مکاری کی کوئی علامت نظر نہیں آئی۔

میری دانست میں وہ عام سا انسان تھا اور انسان ہونے کے ناتے ہر شخص میں کسی نہ کسی حد تک لالچ، خود غرضی اور مطلب پرستی کے خواص موجود ہوتے ہیں۔ مجھے موہوم سا اندیشہ تھا کہ کہیں اس نے مجھے ٹھکانے لگا کر خود ہی دولت پر قابض ہونے کے بارے میں نہ سوچ لیا ہو لیکن مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس بارے میں اس کا ذہن بالکل صاف تھا۔

"مجھے تمہارے ملک میں کوئی حرج نہیں لیکن پاکستان میں مجھے ایک اہم کام نمٹانا ہے۔" میں نے چند ثانیوں کے بعد کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ جانے سے پہلے تم سونے کا اتنا ذخیرہ کر لو کہ تمہاری آئندہ زندگی مالی طور پر خوشگوار انداز میں گزر سکے۔"

"سچ پوچھو تو میرے لیے..."

اس کی بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اندر سے آشا کی تیز آواز سنائی دی تھی۔ وہ اپنی ساس سے توے کے بارے میں استفسار کر رہی تھی۔

رامو نے معنی خیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور ہم دونوں ہی مسکرا دیے۔ "آؤ، ذرا دیکھیں تو کہ ہوتا کیا ہے۔" اس نے کہا۔

"رسوئی میں تھا۔ صبح میں نے اس پر روٹیاں پکائی تھیں۔ پھر اب کہاں گیا وہ توا؟" آشا کی تیز غصیلی آواز سنائی دی۔

"ہوش میں رہ بہو۔" رام ناتھ کی ماں کی مرتعش آواز میں غصہ نمایاں تھا۔ "مجھ سے کیا پوچھ رہی ہے۔ کیا میں نے بیچ کھایا تیرا توا؟ میں اکیلی تو نہیں تھی گھر میں۔ اپنی سالی سے پوچھ، وہ سارا وقت میرے ساتھ موجود تھی، پوچھ لے اس سے تسلی کر لے۔"

"تو میں اپنے میکے والوں کو لے آئی۔" آشا کی آواز میں غصے اور بے بسی کے ملے جلے اثرات محسوس کیے جا سکتے تھے۔

"مجھے کیا پتہ!" بڑھیا کی آواز جل بھن رہی تھی۔ "توے نے اپنی اگلی باوا کو دیا ہوگا تو تیرے آدمی نے بیچ کھایا ہوگا... مجھ دکھیا کو کیوں بیچ میں گھسیٹ رہی ہو؟"

"دوسرے کا تھا نا جو میرے آدمی نے بیچ کھایا ہو گا۔" آشا کی جلی کٹی آواز سن کر رام ناتھ نے میرے پہلو میں ٹھوکا دیا۔ "اماں! بھگوان سے ڈرو۔ میرا آدمی بیچارہ کیا بے ایمان ہو گا۔ وہ بیچ کر سب کا پیٹ بھرنا جانتا ہے... یہ تم ہی ہو جسے اس گھر کے بٹنے بکھنے سے کوئی غرض نہیں۔ بس دو وقت کی روٹی اور آرام میں فرق نہیں آنا چاہیے۔ تجھے بیٹھے بٹھائے پتا ہے کہ تم نے رسوئی کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا اور بلیوں نے دودھ سے بھری پتیلی الٹا دی تھی مگر میں نے تم سے آف تک نہ کی... سو لیٹی بیچاری سے پتا کیا پوچھوں وہ تو مہمان ہے۔ ہماری اگلی کا کوئی ٹوٹا اٹھا لے گیا ہو گا تو اسے تمہاری جوتی پیٹے کی کمائی کا درد ہی نہیں ہے تمہیں۔"

"کیوں رے پٹ گئی تیری زبان بہت۔" بڑی بی کلکلا کر بولیں۔ "تیری عمر کو پہنچے گی تو پھر پوچھوں گی کیسے کسی کے ساتھ ہوتے ہیں۔"

"اس عمر میں بھی مجھے کچھ نہیں ہو گی۔" آشا بلبلا کر مستقبل پر مقابلہ کرنے لگی۔ "تمہارا تو بس نہیں ورنہ میری چمڑی سے اپنی جوتیاں بنوا ڈالو۔"

"جوتیاں!" بڑی بی کی آنکھیں حیرت اور غصے سے... "تیری کھال کی تو جوتیاں بھی میرے پیروں کو ناسور کر دیں گی۔"

"یہ کیا اودھم مچا رہی ہے آشا!" معاملہ بڑھتے دیکھ کر رام ناتھ نے صحن میں نکل کر تیز آواز میں سوال کیا۔

"رسوئی سے توا غائب ہے۔" آشا یک بیک پھوٹ کر رو پڑی۔ "تمہاری ماں کہتی ہے کہ میں اپنے میکے والوں کو دے آئی۔ وہ ایسے ہی بھوکے ہیں نا کہ ہمارے دو ٹکے کے توے کے لیے جانے کب سے انتظار میں بیٹھے ہوں گے۔"

"بیٹا تیرے سسرال کو سب پتا ہو گا ہی۔" بڑی بی کی لرزیدہ للکار گونجی۔ "ایک چور رہوں تو بتیسی ہوں، تو تیرا دو کوڑی کا توا بیچ کر اپنا حلوہ مانڈا چلا رہی ہوں۔" اور اسی کے ساتھ رامو کی ماں نے بھی بیوگی کے حوالے سے بین کر کے رونا شروع کر دیا۔

"خاموش رہو۔" رامو چند ثانیوں تک دونوں گھریلو خواتین کو باری باری تکتے رہنے کے بعد آمرانہ انداز میں دہاڑا۔

"میری ماں چور ہے؟" رام ناتھ نے غصے سے بھرے تیوروں کے ساتھ اپنی بیوی سے سوال کیا۔

"میں نے کب یہ کہا؟" آشا ہچکیاں لیتے ہوئے بولی۔ "گھر کی کوئی چیز غائب ہو گی تو میں ان سے نہیں تو کس سے پوچھوں گی؟"

"تو اپنے میکے گئی؟" بیوی سے لاجواب ہو کر رامو برہم تیوروں کے ساتھ اپنی ماں کی طرف متوجہ ہوا۔

"تو میں نے بیچ دیا اپنے کسی خصم کو؟" رامو کی ضعیف ماں دشنام طرازی میں خاصی مہارت رکھتی تھی۔

"چند کو یہ سکوں۔" رامو کو اتنی طیش آ گیا۔ "میں اور توا لا دوں گا۔"

"مگر آج میں کیا کروں گی؟ مجھے ابھی روٹیاں پکانا ہیں۔" شوہر کو ساس کے سامنے نیچا ہوتے دیکھ کر آشا نے تنک کر کہا۔

"میں تنور سے لے آؤں گا۔" رامو غصے میں دہاڑا۔

اس کی آواز میں کوئی ایسا عنصر نمایاں تھا کہ بیوی کے ساتھ اس کی ماں بھی صورتحال کی نزاکت محسوس کر کے یک دم گونگی اور بہری بن گئیں اور فساد اختتام کو پہنچا۔

اپنے غصے کو دونا کرنے کی نیت سے رامو گھر سے نکلا تو میں بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ گلی میں گھر سے تھوڑی دور نکل کر وہ ہنس پڑا۔

"کیا یاد آ گیا؟" میں نے پوچھا۔

"غلطی میری تھی۔" وہ بولا۔ "توا ایسی چیز ہے جو دن میں دو تین بار گھر والی کے کام آتی ہے۔ سونا بناتے ہوئے یہ بات ذہن میں بھی نہیں آئی تھی۔"

"برا نہ مانو تو ایک بات کہہ ڈالوں۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر اپنی بات جاری رکھی۔ "تمہاری ماں اور بیوی کی آپس میں بڑی ان بن رہتی ہے۔"

"ذرا بھی نہیں۔" اس نے تجزیہ بنانے میں کہا۔ "دونوں میں پیار محبت رہتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے ساس اور بہو کے بجائے ماں اور بیٹی ہوں لیکن جھڑپ ہو جائے تو اگلی پچھلی باتیں نکال کر خوب غور سے جھاڑتی ہیں... جب سے میری ماں بیوہ ہوئی ہے کچھ زیادہ حساس ہو گئی ہے اور ذرا ذرا سی بات کو انا کے حوالے سے دیکھتی ہے۔"

"مگر اس بار تو فساد کا بہانا تم نے فراہم کیا تھا۔"

"کاش کہ میں انہیں بتا سکتا کہ اس بے وقت توے سے ہم نے کیا کام لیا تھا۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا۔

"تمہاری آئندہ کی ضروریات کے..." میں نے کچھ دور تک خاموشی سے چلتے رہنے کے بعد ادھوری بات کو مکمل کرنا چاہا۔ لیکن رامو نے میری بات کاٹ دی۔

"میں بہت صابر آدمی ہوں۔" اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "اگر دیکھا جائے تو میرے لیے لوہے کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم ہی کافی ہے۔"

"دو سو ادو لاکھ میں کیا کچھ کر لو گے؟"

"ذاتی مکان اور نئی ٹیکسی خریدنے کے بعد بھی بہت کچھ بچ رہے گا۔" اس کے اندر کا شکست پسند انسان اس وقت تک بھی سہل کوشی پر آمادہ نہیں تھا جو میرے لیے ایک غیر متوقع بات تھی۔

"پھر بھی میں چاہوں گا کہ کسی ناگہانی ضرورت کے لیے ... کچھ سونا پڑا ہے۔ اس کے لیے مجھ پر کوئی پابندی نہیں۔ تم جتنا لوہا لا سکو لے آؤ۔ اسے سونے میں بدلنے کے بعد ہی تجوری سے واپسی کے سفر کا آغاز کر سکوں گا۔"

"سفر میں اس کا کیا کروں گا؟" اس نے بے بسی کے ساتھ ... دیا۔

"جو بچ رہے گا تمہارے پاس۔" میں نے کہا۔ "کھانے کے کام نہ آیا تو ... دوسروں کے کام آ سکتا ہے... تمہیں اپنے گرد و پیش ہزاروں مستحقین نظر آئیں گے جن کے لیے دو چار سو روپے کی ... نجات ہوں گے۔"

"یہ ٹھیک ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ اس وقت تم ایسی بات کر رہے ہو۔" ... رضامند کر لینے کے بعد میں نے کہا۔ "لیکن جھگڑالو عادی ... کو تم ... میں گزری ہوئی دیگ کا قصہ محض اس لیے سنایا تھا کہ ... کے لیے راہ ہموار ہو سکے۔"

"وہ بات اس وقت کی تھی جب مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ ... کتنی تیز ہے گی۔ یہ تم سننے کے بعد تو میرا دماغ ہی الٹ کر رہ گیا تھا۔"

ہوٹل سے روٹیاں لے کر واپس پلٹتے ہی وہ چونک پڑا۔ "... گئے... ہمیں وہ بریف کیس چھوڑ کر نہ آنا چاہیے تھا۔ ... نے اس کا ڈھکن توڑ پھوڑ دیا تو گھر میں لوٹ ہی ... بکھر جائیں گے۔"

"تو کیا وہ مقفل نہیں ہے؟" ایک لمحے کے لیے میں بوکھلا گیا۔

"نہیں تالا تو لگا ہوا ہے۔"

"پھر فکر کی بات نہیں۔" میں نے اطمینان کی سانس لے کر کہا۔ "... معلوم ہے وہ اس کا خیال رکھے گی۔"

گھر واپس پہنچ کر پتہ چلا کہ میدان صاف پا کر رامو ... نے بریف کیس کی طرف رجوع کیا تھا مگر سیفٹی کی ... کے باعث کامیاب نہ ہو سکے۔

دولت میرے لیے بڑی بھاری تھی۔

میں مسلسل یہ سوچ رہا تھا کہ رامو رازداری کے ساتھ اتنی رقم ... کیسے کرے گا۔ پھر جب وہ اس رقم کو خرچ کرنا شروع ... تو لوگوں کو دولت کے حصول کا کیا ذریعہ بتائے گا۔ جب ... روز اور آمدنی کے ذرائع رشتے داروں سے لے کر ... کا سر ایک کی نگاہ میں تھے۔

کافی دماغ سوزی کے بعد میں نے ایک آدھ تجویز سوچ ہی لی۔ ... تھا کہ وہ میرے ذریعے ملنے والی رقم کی وجہ سے کسی دشواری سے دو چار ہو۔

دیر سے سونے کی وجہ سے میں تاخیر سے بیدار ہوا۔ اس وقت تک رامو بازار کا ایک چکر لگا چکا تھا۔

گھر کے لیے توا لانے کے ساتھ ہی وہ موٹی آہنی چادر کے کئی ٹکڑے بھی لے آیا تھا۔ مزید پیش بندی یہ کی تھی کہ جلد سوکھنے والے سیاہ رنگ کا ایک ڈبہ اور برش بھی لیتا آیا تھا تاکہ لوہے کو سونے میں بدلنے کے بعد رنگا جا سکے اور ان ٹکڑوں کی قدر و قیمت بازاری انظار میں کسی پر ظاہر نہ ہو سکے۔

ناشتے کے بعد رامو نے کچھ اہم مشوروں کے حوالے سے خود کو میرے ساتھ بیٹھک میں محصور کر لیا اور ہم نے اپنی کارروائی کا آغاز کر دیا۔

"یہ بتاؤ کہ تم اس رقم کو کس طرح استعمال کرو گے؟"

"مکان اور نئی ٹیکسی کے بارے میں بتایا تو تھا تمہیں۔" اس نے قدرے حیرت کے ساتھ میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچانک یہ تبدیلیاں رونما ہوں گی تو تمہارے واقف کاروں میں شبہات پیدا نہیں ہوں گے؟" میں نے سوال کیا۔

"میں نے اس پر کافی غور کیا ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ "مکان خریدوں گا ضرور لیکن آشا تک کو نہیں بتاؤں گا کہ وہ میری ذاتی ملکیت ہے۔ بات جب کرائے کے بہتر مکان میں منتقلی کی ہو گی تو کوئی بھی شبہ نہیں کر سکے گا۔ یہی ترکیب ٹیکسی کے بارے میں بھی سوچی ہے البتہ گاڑی نئی کے بجائے پرانی ہی لینی پڑے گی۔"

"وہ کیوں؟"

"یہاں گاڑی لینے پر بڑے بڑے جھمیلے ہیں۔ گاڑی کی درخواست کے ساتھ یہ بتانا ہو گا کہ رقم کہاں سے آئی اور اس پر انکم ٹیکس ادا کیا یا نہیں... اور ایک مرتبہ انکم ٹیکس والے پیچھے لگ جائیں تو مرتے دم تک پیچھا نہیں چھوڑتے۔"

"میں نے کچھ اور ہی سوچا تھا۔ یہاں ہندوستان میں لاٹریوں اور انعامی ٹکٹوں کا تو رواج ضرور ہو گا۔"

"ہاں ہاں۔" اس نے پسندیدہ انداز میں میری تائید کی۔ "ایک لاکھ روپے کی لاٹری کے ٹکٹ میں کئی برسوں سے دیکھ رہا ہوں، ٹکٹ لیتا آ رہا ہوں مگر آج تک انعام نہیں نکلا۔"

"تھوڑی سی محنت کرو تو کسی انعامی ٹکٹ والے کا پتہ چلا لو اور اسے لاکھ سے دس پانچ ہزار زیادہ دے کر ٹکٹ لے لو۔ جب تم انعامی رقم اپنے نام سے وصول کرو گے تو کچھ نہیں چھپانا پڑے گا۔ زندگی کی جدوجہد پر پیسہ خرچ کر سکو گے۔"

"تمہاری تجویز بہت مناسب ہے۔" اس نے سونے میں بدلے ہوئے پہلے آہنی ٹکڑے پر برش سے رنگ پھیرتے ہوئے کہا۔ "مناسب..."

بمبئی اور دوسرے بڑے شہروں میں یہ دھندے بہت ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے سیٹھ لوگ اپنا کالا دھن اسی طرح سفید کرتے ہیں۔ کبھی واسطہ تو نہیں پڑا لیکن سنا ہے کہ ڈاکو کے کالے مال پر دس سے پندرہ ہزار فالتو دینا پڑتے ہیں۔"

"میں آج جا رہا ہوں، جو کچھ کرو سوچ سمجھ کر کرنا۔ تم نے اپنا لا میں مجھے بہترین رفاقت مہیا کی ہے۔ میں تمہیں ہمیشہ سکھی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"پاکستان میں تمہارا قیام کہاں ہوگا؟"

"ابھی کچھ پتہ نہیں۔" میں نے اپنے وجود میں انتقام کی بجلی سی محسوس کی۔ "ابھی مجھے کچھ کام نمٹانے ہیں، پھر جہاں ڈیرہ ڈالا تمہیں ضرور آگاہ کروں گا۔"

"مگر اس وقت تک تو میں بھی گھر بدل چکا ہوں گا۔" وہ بولا پھر اسے خود ہی خیال آیا "خیر میں تمہیں اپنے سسرال کا پتہ دے دوں گا۔"

تھوڑی دیر میں لیبے کے تمام ٹکڑے سونے میں تبدیل ہو کر سیاہ ورنگ میں چھپائے جا چکے تھے۔ پھر میں نے اس سے وہ کٹیا بھی مانگ لیا جو وہ ایک روز پہلے توے کو ٹکڑوں میں کاٹنے کے لیے بازار سے لایا تھا۔

نکیے کو سونے میں تبدیل کرنے کے بعد ہم نے بیٹھک کا دروازہ کھول دیا۔

"تمہیں جتنی رقم کی ضرورت ہو وہ بریف کیس سے لے لو۔" دروازہ کھولنے کے ساتھ ہی رامو نے مجھے پیشکش کی۔

"کس لیے؟ مجھے کسی قسم کی ضرورت نہیں۔"

"واپسی کا سفر مفلسی کے عالم میں تو نہیں ہو سکتا نا!"

"میرے لیے وہ رقم کافی سے زیادہ ہے جو تم نے طلائی کیپسول فروخت کر کے میرے حوالے کی تھی۔" میں نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ باہر آ کر رامو نے ہماری واپسی کا اعلان کر دیا اور اس کی بیوی آشا اور کاکا بیٹی سبیتا نے بھی اس انکشاف پر ہلکی جھنجھلاہٹ کا اظہار کیا جیسے انہیں روانگی کے پروگرام سے ذرا بھی واقفیت نہ رہی ہو۔

تقریباً نصف گھنٹے بعد ہم دونوں روانگی کے لیے تیار ہو گئے۔ رامو تو آج ہی اسٹیشن تک چھوڑنے پر آمادہ تھا — اور حقیقت یہ تھی کہ مجھے خود بھی اس کی رہنمائی کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی ورنہ ٹرین میں سیٹیں حاصل کرنا دشوار ہو سکتا تھا۔

گھر سے روانہ ہو کر ہم بازار میں رکے تو ایک مقامی انگریزی اخبار پر نظر پڑی اور میں چونک گیا۔

اس میں پہلے صفحے پر ایک کالمی سرخی چوہدری رندھیر کے جوکن پولیس والے گودام میں ایک جھونپڑی کے تہہ خانے میں چھاپہ مارنے سے متعلق نمایاں تھی۔

میں نے آگے بڑھ کر بلا توقف وہ اخبار خرید لیا۔

"کیا ہے اس میں؟" رامو نے سرسری لہجے میں پوچھا جس کا مطلب تھا کہ اسٹال پر لگے ہوئے مقامی زبانوں کے اخبارات میں ایسی کوئی خبر نہیں تھی۔

"کسی ہوٹل میں چلو جہاں پرائیویٹ کیبن ہو، تمہیں بھی پڑھ کر سناؤں۔" میں نے یہ کہتے ہوئے اپنے جسم میں عجیب سی سنسنی محسوس کی۔

رامو کائیاں آدمی تھا، بھانپ گیا کہ میں آس پاس کھڑے لوگوں کی موجودگی میں اسے کچھ نہ بتا سکوں گا۔ لہٰذا وہ تیز قدموں سے واپس چل دیا۔ اور میں سبیتا کے ہمراہ اس کے پیچھے ہو لیا۔ رامو کو خبر کا کچھ پتہ ہی نہ تھا لیکن میں جلد از جلد اس سنسنی خیز خبر کے مندرجات سے تفصیلی طور پر واقف ہونا چاہتا تھا۔

ہمارے پاس پیسوں کی کوئی کمی نہیں تھی لہٰذا جب رامو اسٹار ہوٹل کے پرتکلف احاطے میں داخل ہوا تو اس کی تقلید میں، میں نے جھجک محسوس نہیں کی۔

رامو شکیلی دور اندیش ہونے کے باعث شہر کے ہوٹلوں کی خصوصیات سے بخوبی واقف تھا لہٰذا وہ ہمیں ریسٹورنٹ کے بجائے بار روم سے ہو کر اس ہال میں لے گیا جہاں باقاعدہ کیبن تو نہیں بنے لیکن بعض نشستوں کے درمیان ایسے پارٹیشن تھے جو کسی حد تک خلوت فراہم کرتے تھے۔

ایک خالی گوشے کی طرف بڑھتے ہوئے ایک جوڑے کو دیکھ کر وہ قدرے ٹھٹکا اور چار نشستوں والے ایک کیبن نما حصے میں جا دبکا۔ اس اثنا میں میری نگاہیں اس جوڑے کا جائزہ لے چکی تھیں۔

شہابی رنگت، گلابی چہرے اور غزالی آنکھوں والی وہ خاتون مسکرا رہی تھی تو اس کے رخساروں میں خفیف سے گڑھے پڑ رہے تھے جنہیں دیکھ کر بے اختیار ڈمپل کی بوتل یاد آتی جس کا لیبل لینے کو جی چاہتا تھا جب کہ اس کے مقابل بیٹھا ہوا مرد انسانی شکل کا گھاگ اور اوباش نظر آ رہا تھا۔ اس کی مسکراتی ہوئی نگاہوں میں کوندتی ہوئی چمک اس بات کا اعلان کر رہی تھی کہ وہ اس حسین خاتون کی صحبت میں سرور کی اس منزل پر تھا جس سے مخمور کرتے ہی کوئی بھی سجیلا جوان مفروش سڑک پر پھسلنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

"کیا ہے اس اخبار میں؟" سبیتا نے سوال کیا اور میں چونک پڑا۔ مجھے یاد آیا کہ اس جوڑے کی اگر کوئی اہمیت تھی تو ثانوی تھی۔ اصل اہمیت انگریزی اخبار کی اس خبر کی تھی جس کے مطالعے کے سبب

ہم اس عالمِ خرابات میں پہنچے تھے۔

میں نے میز پر اخبار کھولا تو ملکارنے پیچھے بیٹھی والی ایک خوش اندام خاتون ہمارے سروں پر آ موجود ہوئی۔

میں نے کتابی چہرے والی حسینہ کے نفوذ میں ڈبل پیگ کے دو وہسکی اور سینا کے لیے تازہ قیمتی جوس کے ایک گلاس کا آرڈر دیا اور اخبار کی طرف متوجہ ہو گیا۔

باہر اس وقت دن نکلا ہوا تھا لیکن اسٹار ہوٹل کے اس گوشے میں اس وقت بھی ڈھلتی ہوئی رات کا رنگین جلوہ کام کر رہا تھا۔

وہ خبر بڑی عجیب تھی۔

چوہدری رندھیر کے موہن پورے کے گودام کا ایک ملازم اس خبر کا ذریعہ تھا جب کہ گودام کے مالکان نے سختی سے اپنے ملازم کے بیان کی تردید کی تھی۔ اسی تضاد سے اخبار کے ایک رپورٹر نے ایک خبر تراشی تھی۔

ملازم کے بیان کے مطابق پچھلے روز گودام کھولا گیا تو راجہ ہوٹل سے نکالی ہوئی الماریوں کی کچھ تعداد گودام کے فرش پر بکھری ہوئی تھی اور اس کے قریب ہی ایک ہتھوڑی پڑی ہوئی تھی۔ جس کے آہنی حصے کا رنگ سیاہ کے بجائے سونے کی طرح زرد تھا۔ اس واقعہ کی فوری طور پر مالکان کو اطلاع دی گئی مگر ان کے آنے سے پہلے اس ملازم کو ہتھوڑی آزمانے کا موقع مل گیا اور اس نے محسوس کیا کہ کیل پر ضرب لگانے سے ہتھوڑی کے حصے پر نمایاں نشان بن گیا جس کا مطلب تھا کہ ہتھوڑی سونے کی بن چکی تھی۔ مالکان نے آتے ہی ہتھوڑی پر قبضہ کر لیا اور عملے کو اس واقعے کے بارے میں زبان بند رکھنے کی ہدایت کی۔ مذکورہ ملازم نے ہتھوڑی کے بارے میں بحث کرنی چاہی تو اسے حساب دے کر نوکری سے نکال دیا گیا، اور وہ سیدھا اخبار کے دفتر جا پہنچا۔

اس کے بیان کی روشنی میں اخباری نمائندوں نے مالکان سے رجوع کیا تو انہوں نے پورے واقعے کو مذاق قرار دیتے ہوئے، اپنے موہن پورے کے گودام میں کسی بھی غیر معمولی واقعے کی تردید کر ڈالی۔

میرے لیے تو مالکان کی تردید ہی کافی تھی کیونکہ میں نے خود رام ناتھ کے ساتھ مل کر ان کے یہاں کارروائی کی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ ان کے ملازم کا بیان درست تھا اور وہ محض طلائی ہتھوڑی ہضم کرنے کے لیے پورے واقعے سے انکار کر رہے تھے۔

"مگر ہتھوڑی کیسے سونے کی بن گئی ہو؟" پوری خبر سننے کے بعد رامو نے تشویش زدہ لہجے میں سوال کیا۔

"ہو سکتا ہے کہ بے خیالی میں وہ پارس پتھر سے چھو گئی ہو۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ "اخبار والوں نے بہت سے قیاسات کا اظہار کیا ہے لیکن پارس پتھر کی طرف کسی کا خیال نہیں گیا۔ ہو سکتا ہے وہ کسی نہ کسی طرح اس پہلو تک پہنچ ہی جائیں۔"

اس اثنا میں سرو قد ویٹرس مطلوبہ مشروبات لے آئی۔ میں نے گلاس میں سوڈا ملانے کے بعد جوں ہی اس سیال سے لبوں کو تر کیا مجھے وہ خاتون نظر آ گئی جسے دیکھ کر رامو کے قدم اچانک ٹھٹکے تھے۔

"کون ہیں وہ دونوں؟" میں نے نگاہوں سے اس سمت میں اشارہ کرتے ہوئے اس سے دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

"عورت سے تو میں واقف نہیں مگر وہ مرد بہت مردود ہے۔" اس کے لہجے کا تاثر بھی الفاظ سے مختلف نہیں تھا۔ "کئی بار اس نے اپنے چھوٹے دن کے لیے میری ٹیکسی حاصل کی تھی، لیکن مجھے اس سے رغبت نہیں ہوئی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ مجھے پہچان نہ لے مگر اس وقت اسے اپنے سامنے اس خاتون کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا ہو گا۔"

"خاتون دلفریب اور باوقار ہے۔" میں نے مکرر گھونٹ لیتے ہوئے کہا اور سینا زیر لب مسکرانے لگی۔

"مگر اس کی یہاں موجودگی کا مطلب ہے کہ وہ اپنی ہی تباہی کا اہتمام کرنے آئی ہے۔" رامو بولا۔ "یہ شخص اشتہاری فلمیں بنانے والی کمپنی میں ملازم ہے اور ایسی عورتوں کی گھات میں رہتا ہے جو کسی بھی طرح سینما یا ٹیلی وژن کی اسکرین پر اپنا چہرہ دیکھنا چاہتی ہیں اور اپنے شوق کے ہاتھوں اس کے چنگل کا شکار ہو جاتی ہیں۔"

"قصور تو عورتوں کا بھی ہے نا!" سینا نے دخل دیتے ہوئے کہا۔ "شوق کو اپنی کمزوری بنانے والوں کو ہر ایک اپنا آلۂ کار بنا سکتا ہے۔"

اپنے گلاس خالی کر کے ہم نے بل کی رقم ادا کی اور ہوٹل سے روانہ ہو گئے۔

اسٹیشن پہنچے تو امرتسر جانے والی ٹرین کی آمد میں نصف گھنٹہ باقی تھا۔ ٹکٹ خرید کر ہم تینوں پلیٹ فارم پر ایک بنچ پر جا بیٹھے۔

رامو کے ساتھ ہماری رفاقت محض چند روز کی تھی مگر اس نے جس بھرپور انداز میں میرا ساتھ دیا تھا وہ میرے لیے ناقابل فراموش تھا۔

انبالہ میں سر چھپانے کے لیے ایک محفوظ ٹھکانے سے لے کر پارس پتھر کے حصول کی کوششوں تک میں وہ پیش پیش رہا تھا۔

اس کا ساتھ چھوڑتے ہوئے مجھے دکھ ہو رہا تھا مگر یہ خوشی بھی تھی کہ جانے سے پہلے مالی طور پر میں نے اس کو اتنا سہارا دے دیا تھا کہ وہ عمر بھر ایک نیک اور معتبر انداز میں زندگی گزار سکتا تھا۔

ٹرین آئی تو وہ مجھ سے بڑی گرمجوشی کے ساتھ بغل گیر ہوا اور جب وہ الگ ہوا تو اس کی آنکھیں نمناک ہو رہی تھیں۔

ہم ٹرین میں سوار ہو گئے تو وہ اس وقت تک پلیٹ فارم پر کھڑا ہاتھ ہلاتا نظر آتا رہا جب تک ٹرین کے قلعے میں خم کھا جانے کے باعث پلیٹ فارم نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا۔

ٹرین میں اپنی نشست پر بیٹھ کر میں ماضی کی یادوں میں کھو گیا۔

میرا ہندوستان کا پہلا سفر ہنگاموں اور قتل و غارت گری کے واقعات سے پُر تھا۔ میں اس ملک میں غیر قانونی طور پر داخل ہوا تھا اور بھانت بھانت کے انسانوں کے اس سمندر میں سینا کو کھو کر بے سروسامانی کے عالم میں غیر قانونی راستے سے ہی فرار بھی ہوا تھا۔ اس وقت ہندوستان کے چپے چپے پر قانون کے محافظ میرے متلاشی تھے مگر کچھ عرصے بعد میرا دوسرا دورہ حیرت انگیز حد تک پُرسکون ثابت ہوا۔

پارس پتھر جو میرے لیے ایک بھولا بھالا سا خواب بن کر رہ گیا تھا یوں قبضے میں آیا جیسے قدرت نے اسے میرے لیے ہی محفوظ رکھا ہوا تھا۔

امرتسر پہنچے تو انبالہ اسٹیشن سے ملنے والی معلومات کی تصدیق ہو گئی۔ اس رات پاکستان کے لیے کوئی ٹرین نہیں تھی لہٰذا وہ رات ہمیں وہیں بسر کرنی تھی۔

اسٹیشن کے قریب سستے ہوٹلوں کی بہتات تھی مگر ان ہی میں ایک دو معقول ہوٹل بھی تھے۔ ٹرین کے انتظار میں شب گزاری کے لیے آسانی کر دیے گئے۔

پارس پتھر کے حصول کا مرحلہ طے ہو چکا تھا اور میں بلا شرکت غیرے اس نادر و نایاب پتھر کا مالک بن چکا تھا جس میں کوئی بھی ظاہری حسن نہ ہونے کے باوجود اس کے خواص ناقابل یقین حد تک خوشگوار تھے۔

اس کے بعد یوں تو میرے لیے اپنے بڑے بھائی کا سراغ لگانا ضروری تھا مگر لاہور والے چوہدری بشیر کی ذات میں نہ جانے وہ کون سی ناگوار بات تھی جو مجھے اکساتی رہتی تھی۔ جہاں تک بھائی جان کو ڈھونڈنے کی عادت میں جلدی کرنے کی ذمہ داری کا تعلق تھا تو وہ اتنی بھاری نہیں تھی۔ بھائی جان بالغ اور عقل مند تھے، اپنے برے بھلے کو سمجھتے تھے۔ اگر چوہدری بشیر نے انہیں اپنے دھڑے پر لگانا چاہا تھا تو وہ اپنا دامن بچا سکتے تھے۔

اس الزام سے قطع نظر چوہدری بشیر کی کوئی اور بات بھی جو مسلسل میرے ذہن میں چبھ رہی تھی۔

آخر کار میں نے یہی فیصلہ کیا کہ کراچی جا کر بھائی جان کا سراغ لگانے سے قبل چوہدری بشیر سے دو ٹوک ملاقات کر لی جائے ضروری تھی تاکہ راستے کا کام راستے ہی میں نمٹا دیا جائے اور دشمن کا کوئی سر ہو سوار نہ تھے۔

سینا رات کو بے فکری سے گہری نیند سوئی جب کہ میں رات گئے تک سگریٹ پھونکتا رہا مگر صبح بیدار ہوا تو ذہن بالکل ہلکا پھلکا تھا۔

میں غسل سے فارغ ہوا ہی تھا کہ دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی اور میں نے اپنے جسم پر تولیہ لپیٹ کر دروازہ کھول دیا۔ باہر راہداری میں کھڑے ہوئے افراد پر نگاہ پڑتے ہی میں چند ثانیوں کے لیے سناٹے میں آ گیا کیونکہ ان کے جسموں پر پولیس کی وردی تھی اور ان کے ساتھ ہوٹل کے عملے کا ایک رکن بھی موجود تھا۔

"فرمائیے؟" میں نے فوری طور پر خود کو سنبھالتے ہوئے پُر اعتماد لہجے میں سوال کیا۔

"تمہاری بیگم بھی یہیں ہے؟" ان میں سے ایک سپاہی نے مہذب بننے کی کوشش میں غیر مہذب سوال کیا۔

"کیا ان سے کوئی کام ہے؟"

"تم دونوں کو انچارج صاحب نے کوتوالی میں بلایا ہے۔" اس نے خشک لہجے میں کہا۔ میرا پیمانہ ضبط لبریز ہو گیا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"ابھی چلنا ہو گا یا ایسے ہی چلوں؟" میں نے بغور ان سپاہیوں کے چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

"آپ کپڑے بدل کر نیچے ریسپشن میں آ جائیں۔" سپاہیوں کے ساتھ کھڑے ہوئے ہوٹل کے عملے کے رکن نے کہا۔ "تب تک ہم چائے پی لیں گے۔"

"پھر بھلا ناشتہ بھی کر کے ہی کیوں نہ آئیں۔" میں نے بشاشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے کہا۔ "خالی پیٹ کے ساتھ کوتوالی جانا اچھا نہیں لگتا۔"

وہ شخص مسکرا کر رہ گیا اور ان دونوں کے ساتھ واپس چلا گیا۔

"جلدی نکلو۔" دروازہ بند کر کے میں نے تولیہ ایک طرف اچھالتے ہوئے سینا سے کہا۔ "کوتوالی سے ہماری طلبی کا پروانہ آیا ہے۔ شاید کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔"

ہمارے پاس کپڑوں اور ضروریات پر مشتمل ایک دستی بیگ کے علاوہ کوئی سامان نہیں تھا۔ میں نے جلدی جلدی کپڑے تبدیل کیے۔ پارس پتھر احتیاط سے ایک اندرونی جیب میں رکھا اور اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ کر تیار ہو گیا۔

ان چند ثانیوں میں سینا بھی اپنا حلیہ درست کر چکی تھی۔

میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ کوتوالی کا بلاوا ہمارے حق میں کسی بھی طرح بہتر ثابت نہ ہو سکے گا لہٰذا میں نے فوری طور پر دستی بیگ

اور فاضل کپڑے وہیں چھوڑ کر ہوٹل کے عقبی راستے سے فرار ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اگر ہم بلا توقف اسی وقت نکل بھاگتے تو ہمیں زیادہ وقت نہ ملتا کیونکہ جب ویٹر ناشتہ لے کر آتا تو کمرہ خالی پاتے ہی منیجر کو دھوکا دیتا اور ہماری تلاش میں پولیس اپنی مہم کا فوری آغاز کر دیتی۔

کوتوالی میں ہماری طلبی کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ ہمیں کسی واضح الزام کے تحت نہیں بلایا گیا تھا بلکہ شبہ کی بنیاد پر یا شاید کسی رسمی باز پرس کے لیے طلب کیا گیا تھا مگر مجھے یہ خوف لاحق تھا کہ اہو کے بقول اگر امرتسر کی اس کوتوالی میں بھی ہم دونوں کے ڈھنڈلاتے ہوئے الفاظ پورے طور آویزاں ہو گئے اور کسی اہلکار کی قوت شناخت نے زور مارا تو ہم کسی بھی طرح اپنی گلوخلاصی نہ کرا سکیں گے۔

اس خوف کے پیش نظر روپوشی ہی مناسب تھی لیکن یوں غیر متوقع طور پر ہمارے غائب ہونے سے پولیس والے لامحالہ یہی نتیجہ اخذ کرتے کہ ہم کسی بنا پر قانون کا سامنا کرنے سے گریزاں تھے اور یوں ہم مجرم قرار دے دیے جاتے تھے۔

ناشتے کے انتظار کے دوران میں اپنی حکمت عملی طے کر چکا تھا جس کے پاس اس وقت دو مؤثر ہتھیار تھے۔

ایک زہر بجھے تیروں والی شیشی اور دوسرے کم و بیش تین ہزار کی رقم اور میں وقت ضرورت ان دونوں سے پوری طرح کام لینے کے لیے آمادہ تھا۔

مجھے اس ہوٹل کا کوئی تجربہ نہیں تھا لیکن میرا خیال تھا کہ سپاہیوں کو انتظار کی طوالت سے بچانے کے لیے ہمارا ناشتہ فوری عجلت میں بھجوایا گیا تھا۔

بیرا ناشتہ رکھ کر چلا گیا تو چند ثانیوں کے توقف کے بعد میں نے دروازہ کھول کر دھڑکتے دل کے ساتھ باہر جھانکا اور میدان صاف پا کر باہر نکل آیا۔ سیتا نے میرے پیچھے آ کر کمرے کا دروازہ آہستگی سے بند کر دیا اور ہم تیزی سے اس طرف ہو لیے جدھر مطبخ کے قریب عقبی راستہ موجود ہونے کا امکان تھا!

ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہم کسی سے ٹکرائے بغیر ایک عفونت زدہ تنگ راہداری سے گزر کر عقبی سڑک پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے!

چند قدم آگے ایک ٹیکسی خالی ہو رہی تھی جس پر ہم نے فوری طور پر قبضہ کر لیا۔

امرتسر کے بازاروں اور محلوں کے نام میرے لیے اجنبی تھے لہٰذا جب ڈرائیور نے ٹیکسی چلانے کے بعد منزل کے بارے میں دریافت کیا تو قدرتی طور پر مجھے ائیر پورٹ کے علاوہ کوئی نام نہ سوجھ سکا اور ٹیکسی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

تشویش اور بے یقینی کے اس عالم میں سگریٹ کے پے در پے گہرے گہرے کش لیتے ہوئے میں نے پچھلے چند منٹوں میں کیے گئے فیصلوں کا ناقدانہ جائزہ لیا تو یہ محسوس کر کے خوشی ہوئی کہ عجلت میں کسی واضح غلطی کا ارتکاب نہیں ہوا تھا۔

ہوٹل میں کمرہ حاصل کرنے کے لیے مجھے یہ بتانا پڑا تھا کہ صبح میری پاکستان روانگی تھی لہٰذا ہوٹل سے ہماری روپوشی کی خبر پاتے ہی کوتوالی انچارج اپنے چند آدمیوں کو اسٹیشن کی طرف روانہ کر سکتا تھا لہٰذا میں نے اپنی مقصد براری کے لیے ٹیکسی ڈرائیور کو اپنا آلۂ کار بنانے کا فیصلہ کر لیا۔

"امرتسر میں کب سے ٹیکسی چلا رہے ہو سردار جی؟" میں نے خود آزماتے ہوئے اس سے گفتگو کا آغاز کیا۔

"بیس برس ہو گئے جی!" وہ اپنے مخصوص لب و لہجے میں بولا۔ "دیکھو اور کتنے دن چلانی پڑتی ہے یہ چکر کی روزی ہے جی!"

اس کا اسٹارٹ مل چکا تھا لہٰذا قدرے توقف کے بعد اس نے سوال داغ دیا۔ "تم کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"لاہور!" میں نے کہا۔

"واہ واہ!" وہ لاہور کا نام سنتے ہی جھوم اٹھا۔ "کیا شہر بنایا گرو نے.... جب ہمارا تھا جی جب تو آتی جاتی! اب تو لاہور دیکھے برسوں گزر گئے ہیں! دیکھو کب جانا ہوتا ہے جی داتوں کے اس شہر میں!"

"اتنی تعریف نہ کرو لاہور کی سردار جی! کسی پولیس والے نے سن لیا تو پاکستانی جاسوس سمجھ کر اندر کر دے گا!"

"ہم جنتے ہیں جی!" اس نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "ہم لوگوں کے تو دوست ہوتے ہیں یہ! ہمیں اندر کریں گے تو ان کے دو چار بھائیوں کا خرچہ بند ہو جائے گا!"

"پھر تو ہم لاہور ہی بھاگے!" میں تاسف سے بڑبڑایا۔

"بھاگے؟" وہ چونک کر میرا منہ تکنے لگا مگر فوراً ہی سڑک کی طرف متوجہ ہو گیا ورنہ ٹیکسی کہیں جا لگتی۔

"ہاں کوتوالی سے بلاوا آیا تھا۔ ہم ڈر کر بھاگ نکلے کہ کہیں کسی چکر میں نہ پڑ جائیں!" میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ "ہمیں ہر صورت میں آج پاکستان پہنچنا ہے!"

"پاکستان پہنچنا ہے!" وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں بڑبڑایا۔ "تو پھر ائیر پورٹ کیا لینے جا رہے ہو تمہیں تو اسٹیشن جانا چاہیے تھا لاہور کی ٹرین تھوڑی دیر بعد چھٹنے ہی والی ہوگی!" اس کے لہجے میں ہلکا سا شبہ اُمڈ آیا۔

"ہم جہاز سے جائیں گے!" میں نے کہا۔

"جہاز سے؟" اس پر پہلے سے زیادہ حیرت کے حملے ہو رہے تھے۔

"امرتسر سے تو پاکستان کے لیے کوئی جہاز نہیں جاتا!"

"تم بھی بڑے بھولے ہو سردار جی ۔۔۔ یہاں سے نئی دلی وہاں سے کراچی!" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ بھی غنیمت ہے ہمارا جہاز سے جانے کا ارادہ تھا ہمیں غائب پا کر پولیس والے سب سے پہلے اسٹیشن پر ہی دھاوا بولیں گے اور ہم نہایت آسانی سے یہاں سے نکل جائیں گے!"

"مگر تمہارے پاس تو کوئی سامان ہی نہیں ہے!"

"فالتو سامان ہوٹل میں چھوڑ دیا ہے اصلی مال جیبوں میں ہے!" میں نے اپنے کوٹ کی دونوں جیبوں پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

ڈرائیور نے فوری طور پر ٹیکسی کی رفتار تیز کر دی اور یوں سٹ کر اپنی نشست میں بیٹھ گیا جیسے کسی اہم مشن پر جا رہا ہو!

اس کی سبک رفتاری اور یک بیک خاموشی سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ ہمیں ائیر پورٹ پر اتار کر سیدھا کوتوالی کا رخ کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

ائیر پورٹ پر اس نے ہمیں ٹیکسی سے اتارتے ہوئے یوں غور سے دیکھا جیسے ہمارے خدوخال ذہن نشین کر رہا ہو۔

کرایہ وصول کر کے اس نے دوبارہ ٹیکسی اسٹارٹ کی اور اسٹینڈ پر کسی مسافر کی تلاش کے بجائے واپس گھوم کر شہر کی طرف جانے والی سڑک پر ہو لیا۔

یہ سب اتنی سرعت سے ہوا کہ شاید کوئی ہماری طرف توجہ بھی نہ دے سکا اور ہم دونوں بظاہر پیدل ہی ٹہلتے ہوئے ایک طرف چل دیے۔

چند منٹ بعد ہم دوسری ٹیکسی میں واپس اسٹیشن کی طرف جا رہے تھے۔

اسٹیشن میں داخل ہونے سے قبل ہی میں نے غور سے ماحول کا جائزہ لیا لیکن مجھے کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آ سکی۔

ٹکٹ خرید کر ہم ہجوم میں سے محتاط انداز میں گزرتے ہوئے مطلوبہ پلیٹ فارم پر پہنچے تو مجھے اچانک ہی ان دو وردی پوش سپاہیوں کی بوکھلائی ہوئی صورتیں نظر آئیں جنہوں نے ہوٹل کے کمرے میں ہمیں کوتوالی چلنے کا پیغام دیا تھا۔

میں سیتا کے ہمراہ فوری طور پر اس طرف مڑ گیا جہاں مختلف اشیا کے دو اسٹال بنے ہوئے تھے۔

اس مقام پر سپاہیوں کی نگاہوں سے محفوظ رہتے ہوئے ہم باآسانی ان کی نقل و حرکت کا جائزہ لے سکتے تھے۔

وہ بے چارے نہ جانے کتنی دیر سے وہاں بھٹک رہے تھے۔ ان کے بوکھلائے ہوئے چہروں سے تشویش ٹپک رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے غول سے بھٹکی ہوئی دو بھیڑیں واپسی کی راہ نہ پا کر چاروں طرف حیرانی سے پھر رہی ہوں۔

ہم دونوں کے غائب ہونے کی اطلاع شاید اہلکاروں نے کوتوالی تک نہیں پہنچائی تھی کیونکہ جس طرح ان کی اہلیت ہے حقیقت اسکے مقصد ہوٹل والوں سے ملنے والی معلومات کے حوالے سے وہ سب جلدی میں تلاش کرتے اسٹیشن آ پہنچے۔ ان کا خیال ہو گا کہ اسٹیشن سے باآسانی ہمیں پکڑ کر وہ کوتوالی لے جائیں گے اور یوں ان کی کارگزاری کسی تنقید کا نشانہ بننے سے بالکل محفوظ رہے گی۔ ہمارے پہنچنے کے چند منٹ بعد ہی وہ بے نیل و مرام لوٹ گئے۔

میں محسوس کر رہا تھا کہ اگر ہمارے لیے مشکلات پیدا ہو رہی تھیں تو قدرت از خود ان کا سد باب بھی کرتی جا رہی تھی۔

جب تک وہ دونوں سپاہی ہمارے غائب ہونے کی خبر لے کر کوتوالی پہنچتے اس وقت تک انچارج کو ٹیکسی ڈرائیور کے ذریعے ہماری ائیر پورٹ روانگی کی اطلاع مل چکی ہوتی پھر جب وہ سپاہی ریلوے اسٹیشن پر اپنی بے سود تگ و دو کا قصہ سناتے تو وہ لوگ دو چار [illegible] کے تحت ریلوے اسٹیشن کو قطعی نظر انداز کر کے ساری توجہ ائیر پورٹ پر مرکوز کر دی جاتی۔

پلیٹ فارم پر پاکستان جانے والی ایکسپریس ٹرین تیار کھڑی تھی جس میں چار بوگیاں ہندوستانی اور چار پاکستانی تھیں اور ٹرین پر بے پناہ رش نظر آ رہا تھا۔ ہم دونوں خاموشی سے ایک ڈبے میں جا بیٹھے۔

چند ہی منٹ بعد اسٹیم انجن نے وسل دی اور ٹرین نے رینگنا شروع کر دیا۔

یہ سفر تقریباً چالیس منٹ جاری رہا اور ٹرین اٹاری کی حدود میں رک گئی۔ چونکہ یہ روک وہی تھی وہاں امیگریشن اور کسٹم کا عملہ موجود تھا جس نے تیزی سے اپنا کام شروع کر دیا۔

امیگریشن کاؤنٹر پر مسافروں سے قدرے سخت رویہ اختیار کیا جا رہا تھا وہاں بیٹھا اہلکار متعدد مسافروں سے اندراجات کے بارے میں موشگافیاں نکال رہا تھا اور اس نکتہ آفرینی کی قیمت پانچ روپے فی پاسپورٹ وصول کر رہا تھا جو پیسے تو زیادہ محسوس نہیں ہوتے مگر بعض خستہ حال مسافروں کو دیکھ کر وہ پانچ روپے بھی زیادہ محسوس ہوتے تھے۔

امیگریشن کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے کلرک نے ہمارے پاسپورٹ کھولے تو ان کے اوراق کے درمیان اسے دس دس کے دو نوٹ نظر آئے اور اس نے بلا استفسار مہر لگا کر پاسپورٹ ہمارے حوالے کر دیے! البتہ وہ نوٹ جیب میں منتقل کرنا نہیں بھولا تھا!

پہلے میرا ارادہ زیادہ رقم رکھنے کا تھا لیکن میں نے محض اس خیال سے گریز کیا کہ کہیں وہ شخص رقم کی مناسبت سے وہاں بیش کالا ہونے کی رائے قائم نہ کر بیٹھے اور یوں چشم زدن میں ہم رکاوٹ سے گزر گئے۔

کسٹم والوں کے لیے ہمارے پاس کچھ بھی نہیں تھا لہٰذا وہاں کوئی مشکل نہیں رہا بلکہ متعلقہ افسر نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ ہم دونوں ہندوستان سے جانے والے عجیب مسافر تھے جو خالی ہاتھ جا رہے تھے۔

جب تک اٹاری کے اسٹیشن سے ٹرین حرکت میں نہ آئی تمام تر منطقی تحفظ کے باوجود مجھے کسی بھی لمحے خطرے کے نمودار ہونے کا دھڑکا لگا رہا۔

امرتسر میں آخری لمحات پر پیدا ہونے والا عجیب خوف مقدر کی یاوری کے باعث بہت سکون سے گزر چکا تھا!

اٹاری کے مقابلے میں واہگہ والے ذرا سیر چشم ثابت ہوئے۔ وہاں جانے میں تو کوئی دقت نہیں ہوئی لیکن سامان ساتھ لانے والوں کے ساتھ جو لین دین ہوا اس سے اندازہ ہو سکتا تھا کہ واہگہ پر مختلف کاموں کی شرحیں اٹاری سے کم از کم دوگنی مقرر تھیں!

ان تجربات سے گزر کر آخر کار ہم بخیر و عافیت لاہور پہنچ ہی گئے۔

لاہور میرا اپنا شہر تھا۔ وہاں اسٹیشن سے نکلتے ہی میں نے ایک اچھے ہوٹل کا رخ کیا اور وہاں کمرہ حاصل کر لیا۔

سفر کی تھکان جو تھی رہی سو تازہ پانی کے غسل نے طبیعت خوش کر دی اور ہم دونوں پنکھے کے نیچے کھنچ کر بستر پر دراز ہو گئے۔

"اب کیا ارادہ ہے؟" سیتا نے آزادی اور بے فکری کا گہرا سانس لیتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

"سب سے پہلے ایک مکان کا بندوبست کرنا ہوگا۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ "ہوٹل میں تو نقل و حرکت نگاہوں میں رہتی ہے۔"

"تو کیا لاہور میں زیادہ دن رہنے کا ارادہ ہے؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

"چند روز تو رکنا ہی ہوگا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "بھائی جان پر جو کچھ گزر رہی ہوگی اس میں دو چار دن کی تاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑے گا مگر میں ایک بار چوہدری بشیر سے دو دو باتیں کرنا چاہتا ہوں!"

امرتسر میں چوہدری بشیر کے بارے میں سوچتے ہوئے میرا ذہن شدت سے جھنجھلایا ہوا تھا مگر لاہور آنے کے بعد مجھے اپنے زخم تازہ محسوس ہو رہے تھے۔

میری آبائی دکان اور مکان ... دونوں کا خریدار چوہدری بشیر تھا۔ بھائی جان جیسے بھی اس کے مقروض تھے جس کا مطلب تھا کہ ساری بربادی کا سبب محض چوہدری تھا۔

ایک زمانے میں خود تاش کے کھیل کا بادشاہ رہا تھا اور جانتا تھا کہ اس کھیل میں کوئی بھی شخص اس وقت تک مسلسل نہیں جیتتا جب تک فریق مخالف اس کے ساتھ بے ایمانی کرنی شروع نہ کرے۔

سوچتے سوچتے ایک مرتبہ پھر میرے دل و دماغ میں انتقام کا جوالا مکھی دہکنے لگا لیکن چوہدری بشیر اس اعتبار سے خوش نصیب تھا کہ پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی خوشحال اور بہادر اصغر علی اپنے ماضی کو بھول جانے کا عہد کر چکا تھا۔

اس بار میں پاکستان میں اپنا گھر بسانے کی آرزو لے کر آیا تھا اور سیتا کے ساتھ پرسکون زندگی گزارنی چاہتا تھا کہ ماضی کی محرومیوں کا ازالہ ہو سکے۔

جہاں جہاں میں نے ابھی کی چالیں کھیلی، اپنی ذات کے ساتھ لوگوں کی تمام تر محبتوں اور نفرتوں کے باوجود مجھے جہاں بے بسی کے عالم میں فرار کی راہ اختیار کرنی پڑی تاکہ اپنی زندگی کو قانون کے بے رحم شکنجے سے محفوظ رکھ سکوں۔

پہلی بار جب میں نے انسانی لہو میں اپنے ہاتھ رنگے تو مجھے پاکستان سے بھی بھاگنا پڑا مگر اب میں بھاگتے بھاگتے تھک چکا تھا۔ اس بار پاکستان کو میں نے اپنے لیے جائے پناہ بنائے رکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

لہٰذا میرے ہاتھوں چوہدری بشیر کی زندگی کو تو کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن میں اسے زندگی کی ان تمام مسرتوں اور آسائشوں سے محروم کر کے اپنے انتقام کی آگ سرد کر سکتا تھا جو اس نے دوسروں کی امنگوں کو فنا کر کے بے ایمانی سے حاصل کی تھیں۔

مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ سامنا ہوتے ہی چوہدری بشیر مجھ سے بہت تپاک سے ملا تھا اس کے لب و لہجے میں بظاہر احترام اور شائستگی برقرار تھی مگر شفقت علی اور مظفر علی نے میرے حقوق و تعلق کا اظہار ہوتے ہی اس کا نرم لہجہ خشک اور تحقیر آمیز ہو گیا تھا!

وہ دن میں نے آرام کرنے اور سوچنے میں گزارا۔ اگلی صبح مکان کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ بڑے شہروں کی ایک یہی تو خوبی ہوتی ہے کہ جیب گرم ہو تو دنیا کی کسی بھی شے کا حصول ناممکن نہیں رہتا۔ عورت، عزت، شہرت اور اعتبار جیسے ناقابل فہم سودے لٹنے سستے ہو جاتے ہیں کہ خریدار کو بھی بالآخر کی حسرت رہ جاتی ہے۔

پہلی اسٹیٹ ایجنسی کے مالک نے مزید پیسے بیٹھے تین مکان بتائے مگر میرے لیے ان کا محل وقوع پسندیدہ نہیں تھا اور جب ہی اسے میری جیب کے وزن کا احساس ہوا وہ پیشہ ورانہ

انداز کے ساتھ کرسی سے اٹھ گیا۔

"آپ شوقین معلوم ہوتے ہیں۔ آیئے میں وہ بھی ایسے دکھاؤں کہ طبیعت خوش ہو جائے گی آپ کی۔"

"شوقین اپنے شوق کے ہاتھوں اکثر ٹھوکریں کھاتے ہیں۔" میں ایک ہمسفر کے ناتے تلخ لہجے میں کہا۔ "مجھے ان میں شامل نہ سمجھیں۔ بات بس اچھے اور مختصر مکان تک محدود رکھیں۔ کہاں ہے یہ آپ مجھے بتائیں۔"

"وہ مکان گلبرگ میں ہے۔ ایک ماڈل ٹاؤن میں ہے اور جو تھا پٹھان والوں کا کوٹھی میں ہے ..." اس نے گنوانا شروع کر دیا۔

"میں گلبرگ چلوں گا۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ مجھے یاد تھا کہ چوہدری بشیر بھی اسی علاقے میں مقیم تھا۔ اگر میں اپنے دشمن کا پڑوسی نہیں تو ہم محلہ ضرور ہو سکتا تھا۔

گلبرگ کا پہلا مکان مختصر تھا اور بڑے پلاٹ کے ایک رہائشی حصے کو الگ کر کے یوں بنایا گیا تھا کہ رہائشی کمروں کی دیواریں مشترک تھیں لیکن دوسرا مکان وسیع و عریض لان کے ساتھ تین خوابگاہوں، نشست گاہ اور باورچی خانے پر مشتمل تھا اور پڑوسیوں کی مداخلت سے بچا ہوا بھی ایک محفوظ نظر آتا تھا۔

میں نے ایک ہزار روپے پیشگی ادا کر کے اس مکان کا کرایہ نامہ وغیرہ مکمل کرانے کی ہدایت کر دی کیونکہ دیگر خوبیوں کے علاوہ وہ مکان ضروریات زندگی سے بھی مزین تھا۔

پھر میں بازار سے ایک ٹیکسی کو لے کر چکلہ اور سرپا لیبا ہوا گھر پہنچ گیا۔ اس سرمایے کو میں نے زنانہ ہاتھوں اپنا ایک ایک لاکھ کے نوٹوں میں لکھوا لیا تھا۔

سیتا میری منتظر تھی۔ اسے اپنی کارگزاری سے آگاہ کرتے ہوئے میں نے دو نوٹوں کو سودے میں تبدیل کیا اور دوبارہ ہوٹل سے نکل کھڑا ہوا۔

رنگ محل کے علاقے میں دو تین چکر لگانے کے بعد میں نے ایک دکان کا انتخاب کیا اور اندر داخل ہو گیا۔

سیلز مین نے فوری طور پر چھت میں لگے ہوئے طاقتور قمقموں کو روشن کر دیں اور دوسرا بااخلاق بن کر میری طرف متوجہ ہوا مگر میں اس سے مخاطب ہوئے بغیر اس گھری دکان کے اندرونی حصے میں کاؤنٹر کے عقب میں بیٹھے ہوئے جسیم شخص کی طرف بڑھ گیا جس کے آگے شیشے کی دیواروں والا ایک کمرہ تھا جس پر پردہ پڑے ہوئے تھے۔

"بھی بھائیا جی؟" اس فربہ اندام نے شاید مجھے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اپنی میز کی دراز کھول لی تھی اور مجھے مخاطب کرتے ہوئے تھوڑا سا مسکرایا۔

میں دل ہی دل میں مسکرایا۔ مجھے یقین تھا کہ کسی ناگہانی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لیے وہ کسی خود کار آتشیں اسلحے کو اپنے دائیں ہاتھ کی گرفت میں لے چکا تھا۔

"مجھے سیٹھ صاحب سے کام ہے!" میں نے شائستہ لہجے میں کہا۔

"فرماؤ!" وہ دراز سے ہاتھ نکالے بغیر بولا۔

"یہ مال دکھانا ہے!" میں نے اس کی طرف جھک کر رازدارانہ لہجے میں کہا۔

اس نے ہونٹ چڑھا کر اپنے سر کو نفی میں جنبش دی جیسے غلط جگہ آنے پر سمجھا رہا ہو کہ یہ دھندے اگلی گلی میں ہوتے ہیں!

"شکریہ!" میں واپسی کے لیے مڑ گیا۔

"بات سنو!" چند قدم بڑھ جانے کے بعد میرے کانوں میں اسی کی آواز آئی۔ میں پلٹا تو اس بار وہ دایاں ہاتھ دراز سے نکال چکا تھا۔

"مال کہاں ہے؟" میرے قریب پہنچنے پر اس نے خوش گمانی سے میز پر جھک کر رازدارانہ لہجے میں مختصر سا سوال کیا۔

"میرے پاس۔" میں نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا۔ اس اثنا میں دکان میں روشن کی جانے والی اضافی روشنیاں گل کی جا چکی تھیں!

"دو آؤ ... ذرا فون دکھاؤ دو ..." وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے بے پروایانہ لہجے میں بولا۔ "شاید میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں!"

اسی لمحے میں اس کی نیت بھانپ گیا!

پہلی بار کے انکار میں شاید یہ احتیاط اس کے پیش نظر رہی ہو کہ میرے تور لیے کسی حریف نے اس کو پھنسوانے کی کوشش نہ کی ہو مگر امکانی طور پر وہ ایک ذہنی جھٹکا بھی تھا جس کے ذریعے اس نے مجھ پر اپنی ذہنی برتری قائم کرنے کی کوشش کی تھی!

"آؤ!" اس نے شیشے والے کیبن کا دروازہ کھول کر کہا اور میں بلا جھجک اندر داخل ہو گیا۔

اندر سے اس کمرے کی فضا ہی کچھ اور تھی۔ فرش پر دودھیا رنگ کا ایک سادہ مگر بیش قیمت قالین بچھا ہوا تھا۔ ایک گوشے میں آبنوسی رنگ کے صوفے رکھ کر مختصر سی نشست گاہ بنائی گئی تھی جس کے وسط میں اسی رنگ کی میز موجود تھی!

بقیہ جگہ میں مکمل شیشے کے متعدد شوکیس تھے جو بیش بہا جواہرات اور زیورات سے بھرے ہوئے تھے۔ ایک صوفے سے متصل گوشے میں کسی قدر اونچی آہنی تجوری بھی تھی جس پر ایک بلکی تورو مشین بھی موجود تھی!

اس وقت کمرے میں واجبی سی روشنی تھی مگر مجھے یقین تھا کہ چھت میں لگے ہوئے ریفلیکٹرز روشن ہوتے ہی اس کمرے میں چکاچوند پیدا کر دیتے ہوں گے!

"بیٹھو۔" اس نے اپنی تجوری کے قریب والا صوفہ سنبھالتے ہوئے کہا اور میں اس کے مقابل بیٹھ گیا!

اس کی یاد دہانی سے پہلے ہی میں نے طلائی سریے کا ایک ٹکڑا اس کے سامنے میز پر رکھ دیا جس کے بارے میں اس نے کسی عجلت کا اظہار کیا۔ نہ فوری ردعمل کا!

"کتنے ٹکڑے ہیں؟" قدرے سکوت کے بعد اس نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتے ہوئے سرسری سا سوال کیا۔

"فی الحال اس کی بات کرو۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں!

"اس کی رسید؟" وہ اس ٹکڑے کو چھونے سے قبل سب کچھ جان لینے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ سونے کی شناخت کے لحاظ سے دام لگا سکے!

"وراثتی مال ہے بھائی صاحب!" میں نے قدرے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "اس کی رسید کون لیتا اور کون دیتا ہے؟"

"کہاں سے لائے ہو؟"

"اس جرح کے بجائے مجھے جواب چاہیے۔" میں نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔ "اگر نہیں لینا تو اس کے لیے کوئی بہانہ کیوں تلاش کر رہے ہو؟"

"غصہ مت کھاؤ میاں جی!" اس کا لہجہ قدرے آمیز ہو گیا۔ "مجبوری ہوتی ہے تو پولیس بھی باتیں اٹھا کر ریاست کرے گی... ہمیں بھی ہوشیار رہنا پڑتا ہے۔ چوری کا مال خرید لیں تو کسی بھی وقت ہماری ساکھ مٹی میں مل سکتی ہے؟"

"بہرحال یہ چوری کا مال نہیں ہے..." میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "مت سمجھا یوں ہی مت سمجھا کر نہیں چلا آیا ہوں۔ میری پشت پہ جو لوگ ہیں ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں اور انہیں اپنی کسی کارروائی کے لیے قانون نہیں پھانسنا پڑتا۔"

"بس بس!" اس کا لہجہ یک بیک خلیقانہ ہو گیا۔ "میں بھی تو جاننا چاہ رہا تھا۔ برا مت مانا میاں جی! آج کل کے چور اور اچکے گیرے بھی ایسی وضع میں آتے ہیں کہ ہم آنکھیں بند کر کے ہر ایک پہ بھروسا نہیں کر سکتے!"

یہ کہتے ہوئے اس نے کسوٹی اٹھائی اور اس طلائی سریے کے مختلف حصوں پر تین چار کس لگا کر ان کا معائنہ کرتے ہوئے سر ہلانے لگا۔ اس نے اپنے اطمینان کے بعد جو دام لگائے وہ خاصے کم تھے مگر میں نے اس پر احتجاج کیا تو اس کے پاس جواب تیار تھا۔

"یہاں ٹکڑے کے دام ہیں۔ جب زیادہ مال لاؤ گے تو پیسے بڑھا دیں گے۔" اس نے تاجرانہ انداز میں کہا۔

"یہ کس قیمت پر خریدا گیا تھا۔ اس پر دو پیسے ملنے ضروری ہیں۔" میں نے ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "وزن کے حساب سے تم اسے بھی کم نہیں کہہ سکتے۔ ایسی بات کرو کہ مجھے دوسرا گھر نہ دیکھنا پڑے!"

تھوڑی سی تکرار کے بعد سودا بن گیا اور اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے کاؤنٹر کا شیشہ دکھا کر ایک آدمی کو طلب کیا اور وہ ٹکڑا اس کے حوالے کر دیا۔ "ذرا دو ٹکڑے کر کے وزن کرالاؤ!"

اس کی ہدایت سن کر میں چونک پڑا۔ "کہاں بھیج رہے ہو؟"

اس نے سر ہلا کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور جب ملازم چلا گیا تو پہلی بار اس کے لبوں پر مسکراہٹ نظر آئی۔ "وہ میں نے تمہاری بہتری کے لیے بھیجا ہے۔ ایسے سونے میں دھرم کانٹے کا وزن چلتا ہے... ہماری دکان میں کیے جانے والے وزن کے بارے میں شاید تمہارے دل میں شبہ پیدا ہو جائے!"

تھوڑی دیر بعد وزن کے مطابق یا تھ ترازو کے لگ بھگ رقم اس نے تجوری سے نکال کر میرے سامنے ڈھیر کر دی!

سو روپے کے نوٹوں کی چھ گڈیاں میں نے اسی کی دکان کے ایک غیر مطبوعہ تھیلے میں لپیٹیں اور بقیہ رقم جیبوں میں ٹھونس کر وہاں سے نکل آیا!

اس دوکاندار سے بحث و تمحیص میں خاصا وقت صرف ہوا مگر بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ وہ آدمی معقول تھا اور آنکھ بند کر کے کمائی کے پیچھے لپکنے کا عادی نہیں تھا جس کا نتیجہ عموماً ذلت و خواری کی صورت میں نکلتا ہے!

راستے سے میں نے ایک بریف کیس خریدا تو بے فکر ہو کر راہو یاں گیا۔

پارس بھجری کا رٹرا یوں کے باعث تین روز پہلے ملو رقم سے بھرا بیگ گھر لایا تھا اور اس روز میں آسودگی کا وہ بوجھ اٹھائے جا رہا تھا!

ہوٹل سے شام کے وقت میں نے اسٹیٹ ایجنسی والوں کو فون کیا تو کاغذات تیار تھے لہٰذا میں ایک بار پھر روانگی کے لیے تیار ہو گیا۔

"میں کب تک کمرے میں پڑی رہوں گی؟" سیتا نے شکایت کی اور میں نے اسے بھی ساتھ لے لیا۔

اسٹیٹ ایجنٹ کے پاس معاہدے کے کاغذات پر میں نے دستخط کر کے ایک کاپی اپنے پاس رکھی اور پیشگی تین ماہ کا کرایہ بھی ادا کر دیا۔ گھر میں موجود ساز و سامان کی فہرست کی تصدیق کے لیے وہ میرے ساتھ ہو لیا!

سیتا اس گھر میں داخل ہوتے ہی بہت خوش ہوئی۔ اسٹیٹ ایجنٹ نے قبضہ دینے میں بلاوجہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ بات طے ہو جانے کے بعد مکان کی اچھی طرح صفائی اور جھاڑ پونچھ کرا دی تھی تاکہ قبضہ دینے کے بعد ہمیں فوری بھاگ دوڑ نہ کرنی پڑے!

"چوکیدار....؟" سامان کی طویل فہرست کی جانچ پڑتال کے بعد اس نے زبان کھولی مگر میں نے اسے منع کر دیا۔ چوکیدار کی ضرورت تو وہاں ہر روز مختلف مکانوں کے بیچ میں آزادانہ اپنی مرضی سے انتخاب کرنا چاہتا تھا!

"کوئی کار..... دو چار دن کے لیے مل سکے گی؟" میں نے اسٹیٹ ایجنٹ کے ساتھ برآمدے میں آتے ہوئے سوال کیا۔

"بالکل!" وہ خوشی سے بولا۔ "معقول جاپانی کار دو ڈھائی سو روپے یومیہ پر مل جائے گی۔ شوفر کا معاوضہ الگ ہو گا!"

"یار مجھے کار بھیج دو۔" میں نے جیب سے مزید ایک ہزار روپے اسے دیتے ہوئے کہا۔ "مجھے شوفر نہیں چاہیے!"

"ٹھیک ہے!" اس قدر کھری ڈیل کا اندازہ کر کے وہ بہت مسرور تھا۔ "ابھی میرا ڈرائیور گاڑی چھوڑ جائے گا یہاں۔"

"اس میں بھی شاید ایک روز کا کرایہ تمہارا حق ہو گا!" میں نے اسے کار تک چھوڑتے ہوئے ازراہ مذاق کہا اور وہ انکساری کا پیکر ہو گیا۔ میں بمشکل اسے سمجھا سکا کہ میں محض مذاق کر رہا تھا!

کرائے کا ہی سہی، مگر اپنا گھر میسر آ چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سرخی رنگ کی کار بھی آ پہنچی۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ آزادی اور اپنی سرزمین کی کیا اہمیت ہوتی ہے۔ میں اپنی ذات میں نیا اعتماد اور ولولہ ابھرتا محسوس کر رہا تھا!

مکان کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے سیتا پر خوشیوں کا دورہ پڑ رہا تھا مگر میں کچھ اور ہی سوچ رہا تھا!

شام جب رات کے اندھیرے میں ڈھلنے لگی تو میں سیتا کو ساتھ لے کر ڈرائیو پر نکل گیا۔ اسی دوران ہوٹل کا حساب بھی بیباق کر دیا پھر اچھے سے ہوٹل میں کھانا کھا کر ہم لاہور کی سڑکوں کو ایک نئے زاویے سے دیکھتے گھر آ گئے۔!

گھر پہنچنے کے بعد جب میں اندر جانے کے بجائے برآمدے میں ہی ٹھٹکا تو سیتا مجھے گھورنے لگی۔ "اب کیا ارادہ ہے؟"

"چوہدری بشیر!" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا!

"کل نہیں مل سکتے اس سے؟" وہ ٹھٹک کر بولی۔

"نجانے اس سے کب تک ملاقات نہ ہوں گی!" میں نے اسے سمجھایا۔ "بس تھوڑی دیر میں لوٹتا ہوں۔"

اس سے اجازت پاتے ہی میں فوراً لوٹ گیا!

مجھے یقین تھا کہ اتنے بڑے گھر میں تنہائی اس جیسی دلیر عورت کے لیے کوئی مسئلہ نہیں بنے گی!

گلبرگ کے راستوں کے بارے میں میرا ذہن بھولا بھولا سا ہو رہا تھا مگر پھر بھی محض دس منٹ کی تگ و دو کے بعد میں نے منزل مقصود تلاش کر لی۔

کار کے ہارن کے جواب میں فوراً ہی پھاٹک کی ذیلی کھڑکی سے چوکیدار مؤدبانہ انداز میں میری طرف لپکا تھا اور میرا نام دریافت کر کے اسی کھڑکی سے اندر روپوش ہو گیا!

مجھے انتظار کے ان لمحات میں اپنے منہ کا ذائقہ بدلتا ہوا محسوس ہوا جو شاید میرے وجود میں ابھرنے والے دیکھے دیکھے مگر گہرے اشتعال کا نتیجہ تھا!

چند ثانیوں بعد چوکیدار پھر اسی کھڑکی سے نمودار ہوا اور اسے دیکھ کر میرے اعصاب تن گئے۔



"آپ نے اپنا نام کیا بتایا تھا؟" چوکیدار نے میرے قریب آکر مودبانہ مگر محتاط لہجے میں دریافت کیا جیسے غلط فہمی کا کوئی امکان باقی نہ چھوڑنا چاہتا ہو۔

"سلطان۔" میں نے ڈرائیونگ سیٹ والی کھڑکی سے سر نکال کر کسی قدر سرد بلکہ درشت لہجے میں کہا۔

"کیا کام ہے؟" نام کی تصدیق ہوتے ہی چوکیدار تن کر کھڑا ہوگیا اور اس کے لہجے میں بھی خشونت عود کر آئی۔

"چوہدری بشیر سے مجھے ایک ذاتی کام ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "کیا وہ گھر پر موجود ہیں؟"

"آرام فرما رہے ہیں۔" اس نے گردن کو بل دیتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "ان کا حکم ہے کہ کام پوچھ کر انہیں مطلع کروں۔" وہ رک کر ناصحانہ انداز میں بولا۔ "پھر بھی اگر تم چاہو تو صبح نو بجے مل سکتے ہو چوہدری صاحب سے۔"

"نو بجے؟" میں نے غصے کی ایک ہولناک اضطراری لہر پر قابو پاتے ہوئے سوال کیا اور چوکیدار نے یوں اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی جیسے میری بے بسی اور تحقیر سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

"نو بجے کا مطلب نو بجے ہی ہوتا ہے۔" وہ واضح طور پر مجھے اپنی برتری جتلانے پر تلا ہوا تھا۔ "اگر جلدی آگئے تو باہر انتظار کرنا پڑے گا اور دیر ہوگئی تو لوٹا دیے جاؤ گے۔ چوہدری صاحب بہت مصروف اور وقت کے پابند آدمی ہیں۔"

میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا کیونکہ چوکیدار کی ہٹ دھرمی کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا اور یہ بھی صاف ظاہر تھا کہ وہ میرے ساتھ جو توہین آمیز سلوک کر رہا تھا اس میں چوہدری بشیر کی مرضی شامل تھی۔

میں نے اس احمق پہریدار کا تحقیر آمیز اشارہ دیکھا تھا کہ چوکیدار اجازت ملتے ہی میرے لیے پھاٹک کھول دے گا تو میں کار اندر لے جاؤں گا مگر اس کے حوصلہ شکن رویے کے باعث مجھے ریورس گیئر میں کار کو واپس لے جانا پڑا۔

گھر پہنچا تو سیما میری منتظر تھی۔

"بہت جلدی لوٹ آئے؟" اس نے چونک کر میری سمت کا دروازہ کھولتے ہوئے دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

"مگر میری اتنی جلدی واپسی غیر متوقع ہے تو منتظر کیوں تھیں؟" میں نے ذہن پر چھائی ہوئی کوفت اور غصے کی نسبت سے ہٹ کر سوال کیا۔

"تمہارے انتظار کا مزہ آتا ہے۔" وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ "جب تم گھر سے نکلتے ہو تب ہی تمہاری واپسی کا انتظار شروع ہو جاتا ہے۔"

"یہاں برآمدے میں اندھیرے تک رہا تھا تمہیں؟" میں نے کمرے میں ہاتھ ڈال کر اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے سوال کیا۔

"ڈر؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "کس بات کا ڈر؟"

"کوئی چور اچکا... یا کوئی بدمست اور بدنیت آدمی۔"

"چور اچکا آتا تو ہاتھ پیر تڑوا کر واپس جاتا... بدمست آتا تو اس کے دماغ کا سارا گند اس کی ناک کے راستے بہا دیتی۔"

"میں نہیں پڑا۔ ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن یہ یاد رکھو کہ اب ہم قانون سے آزاد وادیوں میں نہیں رہ رہے ہیں... جہاں اپنا تحفظ خود کرنا پڑتا ہے لہٰذا ہمیں الجھنوں سے پہلو بچا کر رکھنا چاہیے ذرا سی احتیاط کا خیال ہی ہر حال میں بہتر ہوتی ہے۔"

"بس اب میں تمہارا مقصد سمجھ گئی۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اس بارے میں تمہیں دوبارہ مجھے ٹوکنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"مگر یہ تو بتاؤ۔" قدرے توقف کے بعد اسے اپنا پوچھا ہوا سوال یاد آگیا۔ "تم تو چوہدری بشیر سے ملنے گئے تھے پھر اتنی جلدی کیسے لوٹ آئے؟"

"میرا نام معلوم ہوتے ہی اس نے ملنے سے انکار کر دیا۔" میں نے صورتحال کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے حلق میں تلخی سی محسوس کی۔

"وہ بہت کینہ پرور شخص ہے نا... پھر اب کیا کرو گے؟"

"اس وقت انکار کیا ہے صبح نو بجے بلایا ہے۔" میں نے کہا۔ "دیکھوں گا کہ کیا بولتا ہے۔ اس کی شخصیت کا صحیح اندازہ لگائے بغیر میں اس سے نہیں ٹکرانا چاہتا۔"

"شخصیت میں کیا رکھا ہوگا اس کی۔" وہ غصیلے لہجے میں بولی۔ "پکڑ کر اس بری طرح مارنا کہ وہ آئینے میں بھی خود کو نہ پہچان سکے۔"

"کرنا یہی ہے۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "مگر خود کو قانون کی گرفت سے محفوظ رکھتے ہوئے پیش قدمی کرنی ہوگی۔"

"قانون... قانون۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر تیز لہجے میں بولی۔ "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے ہم دونوں نادیدہ سلاخوں کے حصار میں قید ہو کر رہ گئے ہیں۔ باہر والے ہم سے من مانی زیادتیاں کرتے رہیں اور ہم پنجروں میں بند درندوں کی طرح محض غرا غرا کر اپنا خون جلاتے رہیں... آخر تم خود کو اس قدر بے بس کیوں تصور کر رہے ہو؟"

"اس لیے کہ میں پاکستان سے نہیں نکلنا چاہتا... میں بھی اپنی سرزمین کے لیے بھی اجنبی بن جاؤں اور چوہدری بشیر کے دیسے مرتے ہوں گے۔ مگر اس پر اوچھا ہاتھ پڑا تو میری ضمانت بھی مشکل ہو کر رہ جائے گی۔"

"شاید تم درست کہہ رہے ہو۔" وہ بے چارگی سے شانے اچکا کر بولی۔ "یہاں میرا مختصر سا تجربہ تو یہ بتاتا ہے کہ پیسے کے بل پر سارے [illegible] سپاٹ ہو جاتی ہے۔"

"یہ درست ہے۔" [illegible] نے کہا۔ "لیکن جن لوگوں کو پیسے کا

ہو تک جائے گا وہ اپنی نئی فہرستوں میں ہمارا نام درج کر لیں گے اور جیسے بہانے سے ہمیں مسلسل تنگ کرتے رہیں گے۔ میں اس قسم کی بلیک میلنگ کا شکار نہیں ہونا چاہتا۔"

"اف۔" وہ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے مسہری پر بیٹھ گئی۔ "شریفانہ زندگی اختیار کرنا بھی کس قدر دشوار کام ہے۔"

"ابھی ابتدا ہے۔" میں ہنس دیا۔ "جیسے جیسے شرافت کا خمار گہرا ہوتا جائے گا ان زیادتیوں کو ہنس کر برداشت کرنے کی عادی ہوتی جاؤ گی۔"

اپنے پہلے گھر میں وہ ہمارا پہلا دن تھا سیما مصر تھی کہ وہ رات کے کھانے کے لیے گھر ہی میں کچھ پکائے گی مگر میں اصرار کر کے اسے اپنے ساتھ باہر لے گیا۔

"مگر کھانا تو ہم کھا چکے تھے۔" گھر سے کچھ دور نکل جانے کے بعد سیما نے اچانک تحیر آمیز لہجے میں کہا۔

اور اس کے یاد دلاتے ہی مجھے اپنی ذہنی کیفیت پر ہنسی آگئی۔ چوہدری بشیر سے ملاقات میں ناکامی پر کچھ چڑچڑے پن میں ایسا شدید ابال آیا تھا کہ میں نہ صرف اپنا تھوڑی دیر پہلے کا کھانا ہی بھول گیا تھا بلکہ سیما کو بھی اسی ذہنی [illegible] میں ساتھ لے گیا۔

"یہ بھول نہیں ہے بلکہ تم واقعی بھوکے ہو۔" سیما نے صورتحال سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ "اگر پیٹ پوجا بروقت نہ کی جائے تو ذہنی فتور ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ کھانا کھا کر تم خود کو تر و تازہ محسوس کرو گے۔"

اس نے جو کچھ کہا تھا وہ یقیناً درست ہی ثابت ہوا۔ پیٹ خالی ہونے کے ساتھ ساتھ میں ذہنی طور پر آسودگی محسوس کر رہا تھا۔

گھر واپس لوٹنے تک میں چوہدری بشیر کے بارے میں ایک حکمت عملی اپنے ذہن میں ترتیب دے چکا تھا۔

اگلی صبح میں ساڑھے آٹھ بجے گھر سے نکل گیا اور گلبرگ کے علاقے میں پہنچنے کے بعد بجائے براہ راست چوہدری بشیر کے وسیع و عریض مکان کے، اگلی گلی میں پہنچ گیا۔

اس گلی میں سست روی سے کار ڈرائیو کرتے ہوئے مجھے ایک درخت کے نیچے دو آدمی کھڑے نظر آگئے جو اسی علاقے کے رہائشی تھے۔ وضع قطع کے اعتبار سے اسی علاقے کے [illegible] مگر بیکار نظر آ رہے تھے کیونکہ ان کے بشروں پر جھنجھلاہٹ جیسی کسی کیفیت کے بجائے بھرپور اطمینان تھا۔

میں نے ان کے قریب کار روک لی۔

"چوہدری بشیر کہاں رہتے ہیں بھائی صاحب؟" میں نے کار میں بیٹھے بیٹھے ان سے نرم دوستانہ لہجے میں سوال کیا۔

"چوہدری بشیر!" ان میں سے ایک نے ذہن پر زور دینے والے انداز میں دہرایا۔ ویسے وہ دونوں اب اپنے متاثرات چھپا کر میری طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

"اونچا قد، بھاری بدن اور بڑی بڑی آنکھیں۔" میں نے اپنے حافظے کی مدد سے چوہدری بشیر کا حلیہ دہرانا شروع کیا۔

"اوہ بشیر کھوسا!" دوسرے نے حلیہ سنتے ہی کہا۔ "وہ چوہدری کب سے ہو گیا۔ کیا کام ہے اس سے؟"

"کام وام تو کیا ہے۔ بس مجبوری لے جا رہی ہے اس کے پاس۔" میں نے بناوٹی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"وہ پیر جگ کے نام سے مشہور ہے۔ اگلی گلی میں بائیں ہاتھ پر تیسرا یا چوتھا مکان ہے اس کا۔" وہ کہتے کہتے گاڑی کی کھڑکی کے قریب آگیا۔

میرے نرم مصالحانہ رویے نے اسے لاشعوری طور پر میرا ہمدرد بنا دیا تھا لہٰذا وہ جھک کر دھیمی آواز میں بولا۔ "روپیہ سود پر لینا ہے اس سے؟"

میں نے سر کو نفی میں جنبش دی اور معاملہ اس کے قیاس پر چھوڑ دیا۔

"فرصت ہو تو ذرا دیر کے لیے میرے ساتھ آجاؤ۔" میں نے موقع غنیمت پا کر ان سے درخواست کی اور وہ دونوں نظروں ہی نظروں میں باہمی تبادلۂ خیال کے بعد گاڑی میں بیٹھ گئے۔

چوہدری بشیر کے بارے میں جس بے لاگ انداز میں انہوں نے بات کی تھی اس سے مجھے یہ امید ہو چلی تھی کہ شاید ان سے اس کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے۔

میں نے کار آگے بڑھاتے ہوئے جیب سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر پچھلی سیٹ پر بیٹھے ایک [illegible] کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے نوٹ کو ہاتھ لگائے بغیر حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"رکھ لو۔" میں نے سرخ نوٹ اس کی گود میں ڈال دیا۔ "یہ تمہارا انعام ہے۔ اگر چوہدری بشیر سود پر روپیہ دیتا ہے تو دوسرے غلط کاموں میں بھی ملوث ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری وجہ سے میں اس کے چکر میں پھنسنے سے بچ جاؤں۔"

"سنا ہے کہ اس کے سارے ہی دھندے غلط ہیں۔" وہ سو کا نوٹ اپنی جیب میں اڑستے ہوئے بے نیازی سے بولا۔ "سود پر قرضہ دینے والی بات تو خیر سب کے علم میں ہے کیونکہ پچھلے دنوں ایک آدمی سے لین دین پر اس کا جھگڑا ہو چکا ہے۔ باقی سب اندازے ہی لگاتے ہیں کیونکہ وہ محلے میں کسی سے نہیں ملتا۔"

"مجھے اس نے نوکری کے لیے بلایا ہے۔" میں نے ان کے سامنے اپنی پوزیشن کی وضاحت ضروری خیال کرتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہاری باتیں درست ہیں تو اس کی ملازمت میں مجھے نہ جانے کیسے غلط

کاموں میں ملوث ہونا پڑے گا۔"

"محلے والوں سے وہ ملتا نہیں... بعض بڑے بڑے افسر روزانہ اس کے یہاں آتے ہیں۔ پولیس والوں کے بھی اس کی گاڑی چھپتی ہے۔ روز شام کو اس کے گھر بیٹھنے کا سماں رہتا ہے اور رات گئے جب گاڑیوں کی واپسی شروع ہوتی ہے تو ان میں بہکتے ہوئے شرابی بھی ہوتے ہیں۔ اور بے شرم جوڑے بھی مگر یہ بات پورے علاقے میں مشہور ہے کہ پیر جی کے منہ لگنے والا کوئی بھی شخص محلے کے زیادہ دنوں تک رہ نہیں سکتا۔"

"یعنی اس کے دشمن مارے جاتے ہیں؟" میں نے حیرت سے سوال کیا اور گاڑی جیل کے ایک ویران میدان کے کنارے روک دی۔

"شاید مار بھی دیے جاتے ہوں جو آپ نے پوچھا ہی ہے" میں کہا۔

"ہمارے سامنے تو میاں علاؤ الدین کا قصہ ہے۔ انھوں نے اپنی بیٹی کی شادی پر پیر جی سے چالیس ہزار کا قرضہ لیا تھا اور ایک ہزار روپیہ مہینہ سود کا دینا تھا۔ اتفاق سے تیسرے مہینے میاں علاؤ الدین کے پاس رقم آ گئی جو انھوں نے لوٹانی چاہی تو پیر جی نے مزید نو ہزار کا مطالبہ کر ڈالا۔ ان کا کہنا تھا کہ قرض کم از کم ایک سال کے لیے دی گئی تھی اور وہ ہر صورت میں بارہ ہزار سود کا حقدار ہے۔ محلے کے لوگوں نے بیچ میں پڑ کر چھ ہزار پر معاملہ طے کرا دیا جو پیر جی کو پسند نہیں آیا۔ مگر باول نخواستہ انھوں نے قبول کر لیا۔ پھر پندرہ دن بھی نہ گزرے تھے کہ پولیس نے میاں علاؤ الدین کے گھر چھاپا مارا اور دو کلو ہیروئن کی برآمدگی کے ساتھ انھیں پکڑ لیا۔ ان کی بڑی بھاگ دوڑ ہوئی مگر پچاس ہزار روپے جرمانہ اور دو سال قید با مشقت ان کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکا بن گئی۔"

"ہو سکتا ہے کہ میاں علاؤ الدین ہیروئن کا کام کرتا ہو۔" میں نے کہا۔ "یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ اس طرح پیر جی نے انتقام لیا؟"

"پیچھے والا یوں سمجھا جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات کر ڈالی ہو۔ "جس عدالت سے میاں علاؤ الدین کو سزا ہوئی تھی اس کا ساتھی کہتا تھا کہ اسی روز پیر جی جلدی میں اس سے ملنے پہنچا تھا اور محلے کے دو تین افراد کے سامنے بس اتنا کہہ کر لوٹ آیا تھا کہ میاں جی آئندہ کبھی دل میں بے ایمانی آئے تو اپنے اس انجام کو یاد رکھنا۔ سزا چھ برس کی بھی ہو سکتی تھی مگر میں نے اپنے رسوخ سے اسے کم کرا دیا ہے۔"

"مجھے اس بدمعاش پیر جی سے ٹکرانا چاہیے۔" میں غصے میں ان دونوں کو سنانے کے لیے بلند آواز میں بڑبڑایا۔ "اگر یہ لوگوں کی زندگیاں تباہ کر رہا ہے تو اس کا سر کچلنا ضروری ہے۔"

"جو فیصلہ کرو سوچ سمجھ کر کرنا۔" پیچھے سے مجھے تنبیہ کی گئی۔ "اس سے ٹکر لینا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ سنا ہے کہ اس کی کوٹھی میں ایک بڑا تہہ خانہ بھی ہے جہاں ہر شام جوا ہوتا ہے اور وہیں اس کے ذاتی قیدی بھی رکھے جاتے ہیں جن کے ٹکڑے بھی اٹھا دیے جائیں تو باہر والوں کو بھنک تک نہ مل سکے گی۔"

"پھر تم ہی بتاؤ کہ میں کیا کروں؟" میں نے انھیں تنہا دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں کچھ کوں مرنا گوارا کر لوں گا مگر ایسے ظالم، گندے بدکار شخص کی غلامی ہرگز نہیں کروں گا۔"

"تم اسے مٹھیوں پر دھکیاں دو۔" اسی نے کہا۔ "وہ بولکھلا کر سازش چھوڑ دے گا یہ بھول جائے گا۔"

"تم بھول رہے ہو کہ وہ بارسوخ آدمی ہے۔" میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "وہ فوراً اپنے ٹیلیفون کے ساتھ ایس ایچ او کو بلوائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مجھے پکڑنے میں کامیاب ہو بھی جائے۔"

"ہم تو جاہل آدمی ہیں۔" میرے برابر میں بیٹھا ہوا شخص قدرے توقف کے بعد بولا۔ "تم پڑھے لکھے اور ہوشیار معلوم ہوتے ہو۔ تم ہی کوئی طریقہ سوچو۔ ہم سے جہاں تک بن پڑے گا، ہم تمھاری مدد کریں گے۔"

"ایسا نہ ہو کہ میری مدد کرنے میں تم اپنے موجودہ مالکان کے لیے دشواریاں کھڑی کر دو۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "ایسا ممکن نہیں ہے کہ تم اپنے موجودہ مالکوں کی نوکری چھوڑ کر میرا ساتھ دو؟"

"کیوں بھائی عبدالغنی؟" میرے برابر میں بیٹھا ہوا شخص غالباً اپنے ساتھی کو مخاطب کر کے بولا۔ "کیا یہ چاہتے ہیں ممکن ہے؟"

"گاؤں میں میری بیوی اور چار بچے ہیں۔ پیسنے کے خرچ کے لیے منی آرڈر کا انتظار کرتے ہیں۔" عبدالغنی نے مجھ سے کہا۔ "اور یہی حال کمال الدین کا ہے۔ منی آرڈر میں چند دن کی دیر ہو جائے تو گھر سے تار آ جاتا ہے۔"

"تمھیں جو کچھ تنخواہ ملتی ہے وہ میں فراہم کرنے کی کوشش کروں گا۔" میں نے ایک لمحے قدرے تذبذب کے بعد کہا۔

"تم؟" کمال الدین کے چہرے پر حیرت اُمڈ آئی۔ "تم تو خود بے روزگار ہو۔ ہمارا بوجھ کیسے سہار سکو گے؟"

"بکواس مت کرو تو بتاؤں کہ میری اور تمھاری بے روزگاری میں بڑا فرق ہے۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "میرے پاس بے حساب اندوختہ ہے اتنی رقم ہے کہ کم از کم ایک دو مہینے تک بے روزگاری سے نباہ کر سکتا ہوں۔"

"شوق تو ہمیں بھی ہے کہ کسی بڑے آدمی سے ٹکرائیں۔" کمال الدین نے کہا۔ "ایسے قصے فلموں میں دیکھ کر بڑا جوش آتا ہے مگر ہم تمھارے ساتھ دن کریں گے کیا بگاڑ سکیں گے؟ وہ تو چھٹا ہوا بدمعاش ہے۔"

"بس تم ایک کام کرو کہ اپنے مالکوں سے ایک ایک ہفتے کی چھٹی لے لو۔ مجھے یقین ہے کہ تم دس پندرہ روز میں فارغ ہو جاؤ گے۔"

کچھ دیر کی گفتگو کے بعد طے پایا کہ میں شام کے چار بجے کھیل کے اسی میدان کے قریب ان کا انتظار کروں اور پھر انھیں اپنے ساتھ لے جاؤں۔

اس بندوبست کے بعد میں نے فوری طور پر انھیں فی کس پانچ سو روپے دیے جو انھوں نے حیرت اور خوشی کے ساتھ قبول کر لیے۔ کیونکہ ان کی شرائط ملازمت میں دو وقت کے کھانے اور رہائش کے علاوہ دو سو روپے نقد شامل تھے۔

"تم لوگ عزت سے شریف لگتے ہو۔" میں نے چلنے سے پہلے کہا۔ "شام کو میں تمھیں اپنے گھر لے جاؤں گا جہاں مجھ سے ساتھ میری بیوی رہتی ہے..."

"تم بالکل فکر نہ کرو صاحب!" کمال الدین نے میری بات درمیان ہی سے اچک لی۔ "ہم لوگ کٹر جرائم نہیں ہیں۔ مالکوں کی عزت آبرو پہ اپنا خون نچھاور کرنا بھی جانتے ہیں۔ ہماری طرف سے تمھیں کوئی شکایت نہیں ہو گی۔"

میں انھیں الوداع کہہ کر واپس ہو لیا۔

"کیا رہا؟" سیتا نے مجھے دیکھتے ہی سوال کیا۔

"وہ بہت بدمعاش شخص ہے۔" میں نے کار کا دروازہ بند کرتے ہوئے بشاش لہجے میں کہا۔ "آج میں دانستہ اس سے ملنے نہیں گیا۔ اسی علاقے کے دو ملازموں سے اس کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ شام کو میں انھیں یہاں لے آؤں گا پھر ہم چاروں مل کر اس کے بارے میں کوئی لائحہ عمل سوچیں گے۔"

فوری طور پر سیتا کچھ نہ بولی مگر جب میں لباس تبدیل کر کے ستانے کے لیے کرسی پر دراز ہوا تو وہ بھی آ موجود ہوئی۔

"میرا خیال ہے کہ تم اس معاملے کو زیادہ الجھا رہے ہو۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "چوہدری بشیر جو کچھ بھی ہے مگر ہے تو انسان ہی۔ ہم دونوں آسانی کے ساتھ اسے نہایت اچھا سبق دے سکتے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "لیکن ہم کو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ اگر میں اسے ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لوں تو کوئی دشواری نہیں ہو گی۔ دو چار روز تک اس کی مصروفیات کا مشاہدہ کرنے کے بعد کسی بھی مناسب موقع پر جعلی ہنگامی اس کا قتل کیے بغیر اسے ٹھکانے کو پہنچایا جا سکتا ہے مگر مجھے اس نے غلط باتیں کی ہیں۔ اور پیر جی نے مقتول کو چھوڑنا چاہتا ہوں تاکہ وہ بے سروسامانی کی زندگی کا مزہ چکھ سکے۔ اس کے لیے مجھے کسی نہ کسی کی مدد درکار ہو گی۔"

"تمھارا پروگرام کیا ہے؟" وہ براہِ راست میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔

"فی الحال کچھ نہیں۔ بس دیکھتی جاؤ کہ کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی جائے گی۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

دن کا باقی حصہ میں نے گھر میں ہی گزارا۔

اس سے بیشتر میرا خیال تھا کہ میں براہِ راست چوہدری بشیر سے مل کر خود کو مظلوم و مجبور ظاہر کر کے اس کا اعتماد حاصل کروں اور پھر اس کے ساتھ رہ کر اسے تباہ کرنے کی کوشش کرتا رہوں۔ مگر اس طریقۂ کار میں دو خرابیاں تھیں۔ اوّل تو یہ کہ میں ایک بار اس سے مل چکا تھا اور جس پر خود کو بے حیثیت ثابت کیا تھا لہٰذا وہ با آسانی مجھے کسی گھناؤنی سازش میں الجھا کر جیل زنداں بھجوا دیتا۔ اس جیسے مکار لوگ کو وہ شخص سے انتقام لینے کے لیے ضروری تھا کہ خود کو حتی الامکان اس کی نگاہوں اور دسترس سے دور رکھا جائے۔

شام کو چار بجے میں گولف کے مقررہ مقام پر پہنچا تو کمال الدین اور عبدالغنی دونوں وہاں اپنے مختصر سامان سمیت موجود تھے۔

میری کار دیکھتے ہی ان کا چہرہ کھل اٹھا۔ میں انجن بند کر کے نیچے اترا اور کار کی ڈکی کھول دی۔ انھوں نے اپنے جستی صندوق اور بستر ڈکی میں ڈال دیے پھر پہلے ترتیب کے عین مطابق عبدالغنی عقبی نشست پر بیٹھ گیا اور کمال الدین دوسری سمت کا دروازہ کھول کر میرے برابر والی نشست پر براجمان ہو گیا۔

"چھٹی لینے میں مشکل تو نہیں ہوئی؟" میں نے کار آگے بڑھاتے ہوئے ہنس کر ان دونوں سے سوال کیا۔

"بس جی عبدالغنی کو تو آرام سے چھٹی مل گئی مگر میرے مالک سٹپٹا گئے۔" کمال الدین ان دونوں میں زیادہ بولنے والا تھا۔ "جب مجھے ہر قیمت پر چھٹی پر آمادہ پایا تو یہ دھمکی بھی دے ڈالی کہ واپسی پر نوکری کا کوئی بھروسا نہیں، نیا آدمی مل گیا تو رکھ لیں گے۔"

"کیا کیا کام کر لیتے ہو؟"

"کھانا تو ہم دونوں ہی پکا لیتے ہیں۔" اس نے کہا۔ "باقی جو کام دے دیا جائے۔"

"چاہو تو میرے یہاں مستقل ملازمت بھی مل سکتی ہے۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "دراصل میں اپنے شوق کے تحت خود کام کر کے اپنا گزارا کرنا چاہتا ہوں ورنہ میری گزر بسر کے معقول آمدنی کے ذرائع بھی موجود ہیں۔"

"ہمیں تو نوکری ہی کرنی ہے صاحب۔" اس بار عبدالغنی بولا۔ "تمھارے پاس دل لگ گیا تو وہیں رہ جائیں گے۔"

وہ خاصے نیک نفس انسان تھے۔ سیتا ان سے مل کر بہت خوش ہوئی اور فوری طور پر عبدالغنی کو چوکیداری اور کمال الدین کو کھانا پکانے کے فرائض سونپ دیے گئے جنھیں ان دونوں نے خوشی قبول کر لیا۔

دراصل کی اس آمیزش میں یہ بات بھی تھی کہ میں نے ذہن میں رکھا تھا کہ ان دونوں میں کمال الدین زیادہ سمجھدار تھا اور گھر کے اندر سب سے ہٹ کے وہ بیچ کے مشیر کا کام بہتر طور پر سرانجام دے سکے گا۔

گھر کے معاملات ان دونوں کو سونپنے کے بعد میں گھر سے نکل گیا۔ گلبرگ کے علاقے میں چوہدری بشیر کے وسیع و عریض مکان کی

پختہ سازش پر اس وقت تک کئی گاڑیاں جمع ہو چکی تھیں۔

میں شام کے دھندلکے کا فائدہ اٹھا کر سست رفتاری سے وہاں کا جائزہ لیتا ہوا آگے نکلتا چلا گیا۔

پھر ایک قریبی ریسٹورنٹ میں کاؤنٹر پر موجود شخص سے میں نے ٹیلی فون ڈائریکٹری طلب کی جس میں گلبرگ کے حوالے سے صرف ایک ہی چوہدری بشیر کا نام تھا۔ میں نے اس کے آگے لکھے ہوئے دونوں نمبر نوٹ کیے اور ڈائریکٹری لوٹا کر پبلک بوتھ کی طرف بڑھ گیا۔

"ہیلو۔ کون؟" دوسری گھنٹی پر اس جانب سے ایک بھاری مردانہ آواز سنائی دی جو مجھے مانوس سی محسوس ہوئی۔

"چوہدری بشیر سے بات کرنی ہے۔"

"بول رہا ہوں۔"

"زیادہ دیر تک نہ بول سکو گے۔" میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔ "لال خان سے ٹکرا کر تم نے اپنی شامت کو دعوت دی ہے۔"

"کون ہو تم؟" آواز غصیلی اور بلند ہو گئی۔ "اور کیا بک رہے ہو؟ میں کسی لال خان اور کالے خان کو نہیں جانتا۔"

"سامنا ہوگا تو سب یاد آ جائے گا۔ میرے دھندے کی بربادی کے واحد ذمہ دار تم ہو۔ میں بھی تمہاری اینٹ سے اینٹ بجائے بغیر نہیں بیٹھوں گا۔"

"سنو۔" جھلائی ہوئی غراہٹ سنائی دی۔ "مجھے مفت کی سر دردی مول لینے کی ضرورت نہیں۔ اور نہ میں تم سے واقف ہوں۔ اگر نادانستگی میں مجھ سے یا میرے کسی آدمی سے تمہیں کوئی نقصان پہنچا ہے تو مجھ سے مل لو۔ میں تمہارے نقصان کا ازالہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ مجھ سے الجھ کر تم میرا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔"

"میں تمہارا کاروباری نہیں ہوں چوہدری!" میں نے بدستور تلخ لہجے میں کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ ایک بار تمہارے کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا تو سلامت نہ لوٹ سکوں گا۔"

"جگہ کا تعین تم خود کر سکتے ہو۔" وہ خاصا کائیاں معلوم ہوتا تھا اور شاید ہر قیمت پر اپنے نادیدہ دشمن کو دیکھنا چاہتا تھا۔

"پھر کل شام منتظر رہنا۔ میں تمہیں فون کروں گا۔ اور ساڑھے چار بجے تک ہماری ملاقات ہوگی۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔"

اس کا جواب سن کر میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

میرے لیے اس کا رویہ عجیب ضرور تھا مگر ناقابلِ فہم نہیں تھا۔ اس جیسے لوگ گمنام فون کال پر یوں خوف زدہ ہو جانے کے بجائے اظہار کرنے لگیں تو ان کے لیے اپنے مشکوک دھندوں کو سنبھالنا دشوار ہو جائے۔

مجھے پورا یقین تھا کہ مجھ سے نرمی سے گفتگو کرتے ہوئے چوہدری بشیر دل ہی دل میں مجھے بے تحاشا گالیاں دے رہا ہوگا۔

لب و لہجے کی حد تک نرمی اس نے محض اس امید پر برقرار رکھی ہوگی کہ مجھ سے غائبانہ جنگ کے بجائے وہ ایک بار مجھے دیکھنا چاہتا ہوگا۔

کار کا انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے میں بے اختیار مسکرا دیا۔

گھر پہنچا تو حالات معمول پر تھے۔

کمال الدین اس قدر شریف آدمی تھا کہ میری عدم موجودگی کا علم ہونے کے بعد مکان میں ٹھہرنے کے بجائے باہر احاطے میں عبدالغنی کے پاس آ بیٹھا تھا اور واپسی پر مجھے وہیں ملا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" میں نے حیرت کے ساتھ اس سے سوال کیا۔

"صاحب جی ہم دونوں بالکل نئے آدمی ہیں۔" وہ جھجکتے ہوئے بولا۔ "میں اندر بیٹھا تو شاید بیگم صاحبہ پریشان رہتیں۔ اسی لیے باہر کھلی ہوا میں آ بیٹھا تھا۔"

"دونوں ہی قابلِ اعتماد معلوم ہوتے ہیں۔" اندر پہنچا تو سیما نے چھوٹتے ہی تبصرہ کیا۔ "میں سمجھ گئی تھی کہ تم انہیں آزمانے کی نیت سے چھوڑ گئے ہو۔"

"ضروری نہیں کہ تمہارا سمجھا ہمیشہ صحیح کام کرے۔" میں نے شوخ لہجے میں کہا۔ "میں ایک کام سے گیا تھا۔"

اس کے استفسار پر میں نے اسے اپنی کارگزاری سے آگاہ کر دیا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" اس نے الجھن زدہ لہجے میں کہا۔ "وہ جھک مار کر کھینچا ہوا گھر لے جائے گا تو سر پیٹ کر رہ جاؤ گے۔"

"تم اسے گھر سے ہٹا کر کوئی کارروائی کرو گے؟" سیما نے اپنی چمکدار نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں۔ میں اسے ساڑھے چار سے ساڑھے پانچ تک کسی جگہ انتظار کرنے کے لیے کہوں گا اور پھر اس کا مکان ہماری زد میں ہوگا۔"

"اس کا تو مطلب ہوا کہ کل تم جو کچھ کرو گے اس کے بعد لال خان کے حوالے سے بات بھی نہ کر سکو گے۔"

"دیکھتی جاؤ۔ لال خان تو اب خوابوں میں بھی نظر نہ آئے گا۔"

اسی رات میں نے کمال الدین اور عبدالغنی کو کل صبح ایک بجے کے لیے تیار رہنے کی ہدایت کر دی اور وہ دونوں مضطرب نظر آنے لگے۔

ناشتے سے فراغت کے بعد ہم تینوں کار میں گلبرگ روانہ ہو گئے۔ پھر چوہدری بشیر کے مکان سے کچھ دور میں نے کار روک دی۔ راستے میں میں نے کمال الدین کو سمجھا دیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہوگا۔ لہٰذا کار رکتے ہی وہ اتر کر خاموشی سے آگے چل دیا۔

"یہ تو بالکل جاسوسی معلوم ہوتی ہے صاحب!" عبدالغنی میرے طریقہ کار سے بہت مرعوب نظر آ رہا تھا۔

"جاسوسی ہی ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "جاسوس ہم جیسے ہی انسان۔۔۔ ہوتے ہیں بس ذرا ہمت اور حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"کتنی عجیب بات ہے کہ کمال الدین چوہدری کا دشمن ہے اور اس وقت اس کے گھر گیا ہے۔" اس کے لہجے سے خدشے کا اظہار تک نمایاں ہو رہا تھا۔

میں نے جواب دینے کے بجائے سگریٹ سلگالی اور ممکنہ پہلوؤں پر غور کرنے لگا۔

اس وقت کمال الدین ایک بے روزگار نوجوان کے روپ میں چوہدری بشیر کے مکان پر گیا تھا۔ یہ قدم میں نے اس حقیقت کے پیشِ نظر اٹھایا تھا کہ کمال یا عبدالغنی کا چوہدری بشیر کے ملازمین سے کبھی کوئی رابطہ نہیں رہا تھا۔

اپنے تجربے کی روشنی میں مجھے امید تھی کہ چوکیدار کمال الدین کو پھاٹک سے گزر کر اندر جانے کی اجازت ہرگز نہیں دے گا اور اپنے طور پر ہی جواب دے کر رخصت کر دے گا۔

کمال کا کام صرف اتنا تھا کہ چوکیدار کو باتوں میں الجھا کر۔۔۔ ملازمین وغیرہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

میرے لیے انتظار کا ایک ایک لمحہ کٹھن گزر رہا تھا۔ نصف گھنٹے بعد مجھے اپنے عقب میں جانے پہچانے قدموں کی آہٹ محسوس ہونے لگی تو میں نے غیر ارادی طور پر انجن اسٹارٹ کر کے کار آگے بڑھا دی۔

چند منٹ کی بے مقصد ڈرائیونگ کے بعد میں ایک بازار سے گزرا تو لسی کی دکان نظر آئی اور میں نے کار وہیں روک دی۔

واپس اپنی جگہ پر پہنچے تو کمال الدین کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ سامنے سے آتا نظر آیا۔ اس کی تیز چال سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوئی اہم کامیابی حاصل کر کے آیا تھا۔

جونہی وہ کار میں بیٹھا، میں انجن اسٹارٹ کر کے کار آگے بڑھا لے گیا۔

"مجھے تو وہاں ملازمت ملی ہی گئی۔" وہ اندر بیٹھتے ہی بلا تمہید شروع ہو گیا۔ "انہیں دو باورچیوں کی ضرورت تھی۔ چوکیدار نے میرا مدعا سنتے ہی اپنے کیبن سے فون پر بات کی اور تھوڑی دیر بعد مجھے اندر بھیج دیا۔"

"کس کے پاس؟ چوہدری کے پاس؟" عبدالغنی اضطراری طور پر بول پڑا۔

"وہ گھر پر نہیں تھا۔" کمال الدین نے کہا۔ "جوزف نام کا ایک کرسچن اندر کے سارے معاملات کو چلاتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ چار ملازم اور رہتے ہیں۔ پانچواں چوکیدار ہے۔ جوزف نے میرا نام پتہ لکھ لیا ہے اور مجھے کل صبح دس بجے بلایا ہے کہ مالک سے پوچھ کر میری نوکری لگوا دے گا۔ سات سو روپے مہینہ تنخواہ ملے گی۔ سات آدمیوں کا کھانا پکانا ہوگا۔۔۔ اس طرح اندر والوں کی تعداد بھی معلوم ہو گئی۔ پانچ ملازم، چھٹا جوزف اور ساتواں شاید مالک خود ہوگا۔"

"اور چوہدری کے بیوی بچے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ یہاں کہاں!" کمال الدین پُراعتماد لہجے میں بولا۔ "یہ تو مجھے پہلے سے معلوم تھا۔ اس کے بیوی بچے ملتان آباد میں رہتے ہیں۔"

"اندر کا ماحول کیسا تھا؟"

"سب کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ جوزف مجھے ایک چھوٹے سے دفتر نما کمرے میں لے گیا جہاں ایک میز اور دو کرسیوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔۔۔ اور ہاں! آج تو چوکیدار رائفل اور کارتوسوں کی پیٹی لٹکائے پھاٹک پر کھڑا تھا۔ شاید ان لوگوں کو خطرے کی سن گن مل گئی ہے۔"

"ملازمت کے بارے میں کیا باتیں ہوئیں؟" میں نے سوال کیا۔

"شرائط بہت سخت ہیں۔ ہفتہ واری چھٹی کوئی نہیں۔ شام چھ بجے سے صبح چار بجے تک اپنے کوارٹر میں بند رہنا پڑے گا۔ یہاں کی ہر بات راز رکھنی پڑے گی۔ ورنہ زندگی دو بھر ہو کر رہ جائے گی۔" اس نے بتایا۔

"شام چھ بجے سے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "پھر وہاں بسنے والوں کے رات کے کھانے کا کیا بنے گا؟ بھوکے رہیں گے وہ؟"

"رات کا کھانا چھ بجے سے پہلے تیار کرنا ہوگا۔ وہ دوپہر کا مینو ہوگی۔ رات میں سب خود کھائیں گے کیونکہ یہ وہاں کا معمول ہے۔"

"تم نے اپنا نام پتہ کیا بتایا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ تو میں نے بڑے صاحب فلموں سے اتنا تو سیکھ ہی لیا ہے، نام پتہ سب غلط بتایا ہے۔۔۔ ملنے زندگی بھر خوش رہیں گے۔"

"یہی غلطی ہو گئی تم سے۔" میں نے کہا اور اس کا چہرہ مایوسی سے لٹک گیا۔

"اس وقت تمہیں دشمن کے گھر میں گھسنے کا موقع ملا تھا۔" میں نے اسے خالص پولیس والی الفاظ استعمال کرتے ہوئے کہا۔ "تم نے فلمی سبق پر عمل کر کے یہ موقع ضائع کر دیا۔ وہ غلط دھندے کر رہے ہیں۔ اس لیے تمہارے بارے میں پوری چھان بین کریں گے اور جب پتہ غلط نکلے گا تو وہ تمہیں بند کر کے مار لگائیں گے کہ تم سے یہ معلوم کر سکیں کہ تمہیں کس نے وہاں بھیجا تھا۔"

"ہاں۔ یہ تو واقعی غلطی ہو گئی۔" اس نے مردہ سی آواز میں اعتراف کیا۔ "اتنی احتیاط کے باوجود میں کھٹک گیا۔ مگر تم نے یہ نہیں بتایا تھا کہ ایسی نوبت آ جائے تو مجھے وہاں کیا کرنا ہوگا؟" آخری فقرے پر اس کا لہجہ ذرا جارحانہ ہو گیا۔

"میں نے تمہیں وہاں ایک حیلے سے بھیجا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ واقعی کسی ملازم کے متلاشی ہوں گے۔" میں نے کہا۔

"کیا اندر پہنچ کر ہم لوگ کامیاب ہو سکیں گے؟" عبدالغنی نے گہری سنجیدگی کے ساتھ مجھ سے سوال کیا۔

"ظاہر ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "اس طرح اندازوں کے بجائے تمہیں ٹھیک ٹھیک باتیں معلوم ہو سکیں گی!"

"تو پھر مجھے بھیج دو!" عبدالغنی نے پرخلوص لہجے میں کہا۔ "جب کمال الدین نہیں ملے گا تو وہ مجھے فوراً نوکر رکھ لیں گے!"

"پتہ کہاں کا لکھواؤ گے؟"

"تمہارے گھر کا!" اس نے پورے اعتماد سے کہا اور میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا!

"کمال کے بعد اب تم نوکری ڈھونڈتے وہاں جا پہنچے تو انہیں شبہ ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں پکڑ کر مار پیٹ شروع کر دیں!" میں نے کہا اور وہ خاموش ہو گیا!

"پھر ہم وہاں گھس ہی کیوں نہ پڑیں؟" عبدالغنی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"آج شام یہ کوشش بھی کریں گے!" میں نے مختصر سا جواب دیا اور کار میں خاموشی چھا گئی!

گو میرا خون خرابے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور بدترین صورتحال سے نمٹنے کے لیے میرے پاس مہر لگے تیروں والی شیشی بھی تھی مگر اس سے کسی کو مجروح کرنا ناممکن تھا کوئی بھی حریف اس کا نشانہ بننے سے پہلے اس کی دسترس میں نہیں آ سکتا تھا!

لہٰذا ان دونوں کو گھر چھوڑ کر میں بازار کی طرف لوٹ گیا!

لاہور میرا آبائی شہر تھا اور وہاں میں نے جیتے جی ہی اچھے دن گزارے تھے لیکن وہاں زیرزمین زندگی کے بارے میں مجھے تھوڑی بہت معلومات تھیں جن کے سہارے میں اسلحے کے ایک چھوٹے ڈیلر کی دکان پر جا پہنچا۔

دکاندار نے میری فرمائش پر کئی خودکار پستول میرے سامنے ڈال دیے مگر جب میں نے اعشاریہ تین آٹھ کا سات فائروں والا خودکار اسمتھ اینڈ ویسن طلب کیا تو وہ چونک پڑا۔

"ممنوعہ بور کے ہتھیار ہم نہیں رکھتے!" اس نے بغور میرے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے عاجزانہ لہجے میں کہا۔

"آپ کہیں سے منگوا دیں! مجھے داموں کی کوئی پروا نہیں!"

"لائسنس ہے آپ کے پاس؟" اس کا لہجہ استفسار آمیز تھا!

"ہوتا تو پہلے ہی دکھا دیتا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آج کل لائسنس کا حصول اتنا آسان نہیں ہے مگر قانون شکن ہر طرح کے ہتھیاروں سے لیس ہوتے ہیں!"

"پھر تو میں کچھ بھی نہ کر سکوں گا!" اس کا لہجہ معذرت آمیز تھا۔

"آپ بے فکر رہیں۔ کوئی اونچ نیچ ہوئی تو اس دکان کا نام ہرگز نہ آنے دوں گا!" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے لہجے میں یقین دہانی کرائی۔

"ویسے ہی ضرورت مند ہیں تو انارکلی چلے جائیں وہاں ایک بند گودام کی سیڑھیوں پر بیٹھا ہوا ملے گا۔ اسی سے کام بن سکے گا!"

پھر اس نے مجھے اس گودام کا محل وقوع اور بیچنے والے کا حلیہ سمجھایا اور میں اس کا شکریہ ادا کر کے دکان سے نکل آیا۔

حلیے کی دو خصوصیات اتنی واضح تھیں کہ مجھے براہ راست اس تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی!

وہ دائیں آنکھ سے محروم تھا اور اس کے کرخت چہرے پر پیشانی کے عین وسط میں کسی پرانی چوٹ کا نشان نمایاں چمک رہا تھا!

اس نے اپنے پیشے اور شوق کے مطابق بھانت بھانت کے بہت سے چشمے سجائے ہوئے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ بیٹھا کسی کا منتظر ہو! چشموں وغیرہ کی فروخت میں اسے کوئی دلچسپی نظر نہیں آ رہی تھی!

"قیمتاً؟" میں نے قریب پہنچ کر دھیمے لہجے میں سوال کیا اور وہ یوں چونک کر سیڑھیوں سے اٹھا جیسے دیر سے اسی سوال کا منتظر رہا ہو!

"کس نے بھیجا ہے؟" اس نے دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

میں نے دکان کا نام دہرایا اور وہ ایک طرف چل پڑا۔

اس سے ملنے کے بعد میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ چشموں وغیرہ کی فروخت اس کے لیے محض ایک آڑ تھی اور وہ شاید اس دکان کا خفیہ ہرکارہ تھا جو دکان کو درمیان میں لائے بغیر بے نام و نشان حوالے سے غیر قانونی سودے کرتا تھا!

ہو سکتا تھا کہ وہ کسی ایسے ٹھکانے پر رہتا ہو جہاں فون کی سہولت فراہم ہو اور جیسے ہی سامنے دکان سے کسی گاہک کی خبر ملتی ہو وہ چشمے فروش کا روپ دھار کر متعلقہ مقام پر پہنچ جاتا ہو!

"سواری ہے لیکن؟" چلتے چلتے اس نے سوال کیا۔

"پھر ادھر کی چلو!" اس نے میرا جواب اثبات میں پا کر کہا۔ کار میں بیٹھتے ہی وہ شروع ہو گیا۔ "کیا چاہیے تمہیں؟"

"اعشاریہ تین آٹھ، اسمتھ اینڈ ویسن!"

"اتفاق سے اس وقت وہی ایک دانہ ہے میرے پاس!"

اس کے جواب نے میرے شبہات کی تائید کر دی!

یقینی طور پر وہ پیغام ملتے ہی مطلوبہ پستول لے کر انارکلی پہنچا تھا!

لارنس گارڈن میں اس نے کار میں بیٹھے ہی بیٹھے مجھے پستول کی ایک جھلک دکھائی۔ اس کے ساتھ سو گولیوں کا ڈبہ بھی تھا۔ رقم وصول کرتے ہی وہ گاڑی سے اتر کر ایک جھونپڑی کی طرف بڑھ گیا اور میں وہاں سے واپس روانہ ہو گیا۔

گھر پر کھانے سے فراغت کے بعد میں کمال اور عبدالغنی کو اپنے شام کے پروگرام کے بارے میں سمجھانے لگا۔

"اگر چوکیدار نے بندوق سنبھال لی؟" [illegible]

تفصیل سننے کے بعد عبدالغنی نے سوال کیا۔

"اس کا بندوبست ہو گیا ہے!" میں نے دراز سے پستول نکالتے ہوئے کہا۔ "میں اسی کے لیے گیا ہوا تھا!"

"اوہ۔ یہ تو حقیقی معلوم ہوتا ہے!" کمال الدین نے پستول کو تول کر اس کا وزن محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں اصلی ہی ہے مگر ہم اسے استعمال کرنے سے گریز کریں گے!" میں نے کہا۔ "اس کا کام صرف ان لوگوں کو خوفزدہ کرنا ہوگا۔ ورنہ ان میں سے کوئی بھی ہماری بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوگا!"

"تو یہ تمہارے ہی پاس رہے گا نا؟" عبدالغنی نے سوال کیا۔

"ہاں۔ اسے چلانا تمہارے لیے مشکل ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ واقعی ایک دو گولیاں چلانی ہی پڑ جائیں!"

ٹھیک تین بجے ہم گھر سے نکل گئے!

مجھے اور کمال الدین کو چوہدری بشیر کے ملازمین پہچان سکتے تھے لہٰذا اس بار ہم نے عبدالغنی کو مکان کے قریب اتار دیا۔

اس کا کام صرف اتنا تھا کہ ہماری واپسی تک مکان کی نگرانی کرتا رہے اور آنے جانے والوں کی تفصیلات یاد رکھے!

پونے چار بجے میں ایک قریبی پبلک بوتھ پر پہنچا۔ اس مرتبہ پہلی گھنٹی پر دوسری طرف سے جواب آیا اور کھنکتے چوہدری بشیر کی آواز پہچان لی جو اس وقت خالی پن محسوس ہوئی!

"میں لال حاتی بول رہا ہوں!"

"وقت سے پہلے!" چوہدری بشیر کی آواز میں خوشگوار سی حیرت پنہاں تھی۔ "تمہیں تو چار بجے فون کرنا تھا مجھے!"

"اس وقت نہ ملتے تو دوبارہ چار بجے ہی فون کرتا۔ ساڑھے چار سے ساڑھے پانچ تک تم ریلوے اسٹیشن کے مین پلیٹ فارم پر میرا انتظار کرو گے!"

"پلیٹ فارم نمبر؟" اس کی جھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "کیا اس سے بہتر جگہ کا انتخاب نہیں کر سکتے تھے تم؟"

"وہاں میں خود کو تمہارے مقابلے میں زیادہ محفوظ سمجھتا ہوں!" میں نے لہجے میں تلخی پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "مگر یہ نہ سمجھنا کہ میں تم سے خوفزدہ ہوں!"

"اور مجھے ایک گھنٹے تک انتظار کرنا ہوگا!" اس کے لہجے سے جھنجھلاہٹ نمایاں تھی۔

"مجبوری ہے۔ میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا!" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ "جب تم ریلوے اسٹیشن جیسی واہیات جگہ پر تھوڑا سا انتظار کرتے ہو تو کوئی حرج نہیں۔ ہو سکتا ہے تمہیں آج بہت دیر انتظار کرنا پڑے!"

"تمہاری شناخت کیا ہوگی؟"

"میں خود تم کو پہچان لوں گا۔ بس تمہیں مقررہ وقت پر وہاں موجود ہونا چاہیے اور ہاں یہ یاد رکھنا کہ تم اکیلے آؤ گے ورنہ میرا سایہ بھی نہ دیکھ سکو گے!"

جواب میں اس کا ایک جاندار قہقہہ سنائی دیا۔ "تم مجھے ملک زادے لگتے ہو مگر تمہاری باتوں سے پتہ چل رہا ہے کہ تمہارا دل اندر سے خوفزدہ ہے!"

"یہ مت سمجھو چوہدری۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں اپنی کسی بے احتیاطی سے اپنی گردن تمہارے ہاتھ میں نہیں دینا چاہتا!"

"چلو چلو۔ مجھے تمہاری ساری باتیں منظور ہیں!" اس نے فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا اور میں فون بند کر کے بوتھ سے باہر نکل آیا۔

ہم دونوں واپس عبدالغنی کے پاس پہنچے تو وہ گلی کے نکڑ پر ایک درخت کے سائے میں بیٹھا سگریٹ نوشی میں مصروف تھا۔

مجھے دیکھتے ہی اس نے سگریٹ جوتے کے تلے مسل دی۔

"کیا خبر ہے؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"کچھ نہیں۔ نہ کوئی آیا نہ گیا!" یہ کہتے ہوئے وہ کار میں بیٹھ گیا۔

میں نے انجن بند کیا اور نیچے اتر کر کار کا بونٹ کھول دیا کیونکہ چوہدری بشیر کے مکان کی نگرانی کے لیے وہ بہترین جگہ تھی۔

میں وقفے وقفے سے انجن کے مختلف حصوں سے اس انداز میں چھیڑ چھاڑ کرتا رہا جیسے کسی بگڑے ہوئے پرزے کو درست کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

ویسے تو وہ علاقہ سنسان پڑا ہوا تھا اور وہاں دور تک کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو ہماری وہاں موجودگی کو شبہ کی نگاہ سے دیکھتا لیکن میں نے محض احتیاطاً اپنی وہاں موجودگی کا جواز پیدا کرنے کے لیے بونٹ اٹھایا ہوا تھا۔

ہمیں وہاں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ٹھیک سوا چار بجے چوہدری بشیر کے مکان کا پھاٹک کھلتا نظر آیا اور سیاہ رنگ کی ٹویوٹا کرولا رینگتی ہوئی پھاٹک سے باہر آ گئی۔

ڈرائیونگ سیٹ پر چوہدری بشیر بذات خود براجمان تھا۔ اس کے علاوہ کار میں تین نفوس اور موجود تھے۔

چوہدری بشیر کی روانگی کا انداز میری توقعات کے عین مطابق تھا۔ میں جانتا تھا کہ چھوٹے دل والے گروہ بند تنہا خطرے کا مقابلہ کرنے سے گریز کرتے ہیں!

چوہدری بشیر کی تین حواریوں سمیت روانگی نے میرے ایک سوال کا جواب فراہم کر دیا تھا۔ میں اپنی کارروائی کے بعد بھی

لال خان کی حیثیت میں چوہدری بشیر سے رجوع کر سکتا تھا اور اپنی کارروائی کے جواز میں اس کی وعدہ خلافی بتا سکتا تھا کیونکہ طے شدہ پروگرام کے مطابق اسے تنہا مجھ سے ملاقات کے لیے پہنچنا تھا۔

یہ حسن اتفاق ہی تھا کہ چوہدری بشیر نے اپنی کار مخالف سمت میں لے جانے کے بجائے جاتی طرف گھمائی اور چند ہی ثانیوں بعد اس کی سیاہ ٹویوٹا کراؤن ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

"وہ کرشنا بھی اس کے ساتھ گیا ہے۔" بونٹ گرانے کے بعد میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تو کمال الدین کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ "بیرن جی کے برابر والی نشست پر کسی چمار کی طرح اکڑا ہوا بیٹھا تھا۔ اچھا ہی ہوا کہ وہ دفع ہو گیا۔"

میں نے انجن اسٹارٹ کیا اور کار ایک جھٹکے کے ساتھ گلی میں داخل ہو گئی۔

چوہدری بشیر کے ٹھکانے پر ہارن بجانے کی نوبت آنے سے پہلے ہی چوکیدار نے عجلت کے عالم میں محض کار کے انجن کی آواز سن کر پھاٹک کھول دیا۔

شاید وہ سمجھا تھا کہ اس کا مالک کسی کام سے راستے سے ہی لوٹ آیا تھا۔

اس سے پیشتر کہ وہ پھاٹک پر دوسری کار دیکھ کر سرعت سے پھاٹک دوبارہ بند کرتا، میں نے کار آگے بڑھا دی۔ بند ہوتے ہوتے پھاٹک کا ایک آہنی در کار کے بائیں حصے سے ٹکرایا مگر میں نے کار کو پھاٹک کی زد سے آگے بڑھا کر بریک لگا دیے اور پستول تھام کر نیچے اتر گیا۔

چوکیدار نے غضب ناک انداز میں بڑبڑاتے ہوئے پھاٹک بند کیا۔ پھر جوں ہی وہ پلٹ کر آگے بڑھا تو میں اس کے سر پر مسلط تھا۔

اعشاریہ تین آٹھ کے اسمتھ اینڈ ویسن کی مہیب سیاہ نال اپنی کھوپڑی کی طرف اٹھی دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے۔

"اندر کیبن میں چلو۔" میں نے پھاٹک سے ملحق کوٹھری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے سرد لہجے میں حکم دیا جس کی بے چون و چرا تعمیل کی گئی۔

"تت... تم سلطان ہے نا؟" چوکیدار نے مجھے پہچانتے ہوئے لکنت آمیز لہجے میں کہا۔ "تم کو تو صاحب نے کل صبح نو بجے بلایا تھا مگر تم ملنے نہیں آیا۔"

"کل نہیں آیا تو اب آ گیا ہے۔" میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا اور جیسے ہی چوکیدار نے اپنے کیبن میں قدم رکھا، میں نے پستول کی نال تھام کر اس کے ٹھوس آہنی دستے سے اس کی داہنی کنپٹی پر ایسی شدید ضرب لگائی کہ وہ کراہتا ہوا کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

اس اثنا میں کمال اور عبدالغنی بھی وہاں آ پہنچے تھے۔ ان دونوں کی مدد سے میں نے آناً فاناً میں چوکیدار کو غیر مسلح کر کے اس کی رائفل اور کارتوس کی پیٹی پر قبضہ کر لیا۔

وہ کارروائی چونکہ کسی شور شرابے کے بغیر پلک جھپکتے ہی عمل میں آئی تھی لہٰذا اندر سے کسی قسم کے رد عمل کے اظہار کی نوبت نہ آ سکی۔

ہم تینوں نے چوکیدار کو کیبن میں مقفل کیا اور تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے برآمدے میں پہنچ گئے جہاں داخلی دروازہ اندر سے بند تھا۔

"ادھر سے آؤ۔" اچانک کمال الدین نے کہا اور میں اس کے پیچھے ہو لیا۔

"اس طرف ضرور کوئی راستہ ہوگا کیونکہ جوزف نے اسی طرف دفتر نما کمرے میں مجھ سے ملاقات کی تھی۔" وہ کہہ رہا تھا۔

جوزف کے دفتر نما مختصر سے کمرے کے برابر میں ایک دروازہ تھا جو ہمیں کھلا ہوا ملا اور ہم تینوں بے دریغ اندر داخل ہو گئے۔ وہ ایک کشادہ سی راہداری تھی۔

ہمارے اندر گھستے ہی پُرشور آواز کے ساتھ اس راہداری میں ایک دروازہ کھلا جس سے ایک شخص برآمد ہوا مگر میرے ہاتھ میں رائفل دیکھتے ہی اسی رفتار سے واپس اندر گھس کر اس نے دروازہ بند کر لیا۔

"دروازہ کھولو۔" میں نے آگے بڑھ کر دروازے پر ٹھوکر ماری۔

اس وقت کمال اور عبدالغنی بری طرح بدکے ہوئے نظر آ رہے تھے اور ان کی نگاہیں بے چینی کے ساتھ ہر طرف ناچ رہی تھیں۔

چند ثانیوں بعد وہ دروازہ کھول دیا گیا اور خمار سے بوجھل سرخ آنکھیں لیے دو افراد ہمیں کمرے میں کھڑے نظر آئے۔

میں رائفل تانے کمرے میں جا گھسا۔

اپنی ہیئت کے اعتبار سے وہ ملازموں کا کمرہ نظر آ رہا تھا اور وہاں موجود دونوں افراد کی وضع قطع بھی کچھ اسی قسم کی تھی۔

"مکان میں اس وقت کتنے لوگ موجود ہیں؟" میں نے رائفل کی نال ان میں سے ایک کی پیشانی سے لگا کر تیز سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا۔

"پتہ نہیں۔ ہم سو رہے تھے۔" اس کی آواز خوف سے کانپ رہی تھی۔

"سونے سے پہلے کون کون تھا؟"

"سیٹھ صاحب، ان کا شیخوپورہ والا باڈی گارڈ اور ایک [illegible]۔" وہ مشینی انداز میں ایک ہی سانس میں کہتا چلا گیا۔

"عام طور پر اور کون ہوتا ہے یہاں؟"

"بس ہم سات ہی آدمی ہوتے ہیں۔ سیٹھ صاحب آتے جاتے رہتے ہیں۔" اس کا چہرہ پسینے میں بھیگ چلا تھا اور نگاہیں بھینگی ہو کر رائفل کی نال پر گڑی ہوئی تھیں۔

"ہر شام یہاں کیا ہوتا ہے؟" میں نے غرا کر سوال کیا۔

"بس... سیٹھ صاحب کے دوست آتے ہیں اور ہلا گلا ہوتی ہے!"

"تہ خانے میں؟" میں نے پوچھا۔

اس نے حلق میں پھنسا ہوا کوئی بڑا سا گولا نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"باہر نکلو۔" میں نے اس کی پیشانی سے رائفل کی نال ہٹائی اور وہ دونوں کمرے سے باہر نکل آئے۔

وہ راہداری ڈائننگ روم اور باورچی خانے سے ہو کر ایک کمرے میں نکلتی تھی جس کی زینت اور آرائش قابل دید تھی۔

ان دونوں کی تقلید میں ہم ایک ایسے کمرے میں پہنچے جو ساز و سامان کے اعتبار سے سونے کا کمرہ معلوم ہو رہا تھا مگر آثار کچھ ایسے تھے جیسے وہ مدت سے کسی کے استعمال میں نہ رہا ہو۔

وہ دونوں ایک دیوار گیر الماری کے قریب جا رکے جو پچھلے فرش سے تقریباً ملی ہوئی تھی۔ میرے سوالات کے جوابات دینے والا چند قدم پیچھے رک گیا اور دوسرے نے الماری کے پٹ کھول دیے اور اندر بھرے ہوئے ملبوسات نگاہوں کے سامنے آ گئے۔

میں نے فوری طور پر رائفل کی نال اس شخص کی گردن سے لگا دی جو ہماری طرف پشت کیے الماری کھول چکا تھا۔

"خبردار کوئی چالاکی کرنے کی کوشش مت کرنا۔" میں نے غرا کر کہا اور وہ خوف سے پھریری لے کر رہ گیا۔

لمحہ بھر کے بعد اس نے الماری میں لٹکے ہوئے کپڑوں کے درمیان ہاتھ ڈال کر پیچھے لگی ہوئی کسی کل کو حرکت دی۔ کھٹکے کی ہلکی سی آواز ہوئی اور اس نے ہاتھ باہر نکال لیا۔

الماری کے پٹ بند کر کے اس نے داہنے سرے پر لگا ہٹن دبایا تو پوری الماری کوئی آواز پیدا کیے بغیر بائیں سرے پر لگے ہوئے قبضوں پر اندر کو گھوم گئی جیسے وہ ہلکے پٹ کا کوئی دروازہ رہا ہو۔

"تم یہیں رکو۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کمال سے کہا۔ "کوئی خطرہ محسوس کرو تو چیخ کر ہمیں ہوشیار کر دینا۔"

پھر میں عبدالغنی اور دونوں قیدیوں کے ساتھ الماری کی جگہ پیدا ہونے والے خلا میں بڑھ گیا۔

داہنی طرف کی بغلی دیوار میں لگا ہوا سوئچ آن کرتے ہی وہاں تیز روشنی پھیل گئی اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ چند فٹ تک سطح فرش کے بعد سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں۔

"اب اندر سے یہ راستہ بند کر کے کھولو۔" میں نے قیدیوں کو حکم دیا۔

الماری ایک انتہائی مدھم سی گھوں گھوں اور کھٹکے کی آواز کے ساتھ اپنی جگہ پر آ گئی اور اس کے گھومنے کے بعد بائیں سرے پر ایک لمبا سا چپٹا ہوا دستہ نظر آ رہا تھا۔

بادی النظر میں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ دستے کو نیچے کھینچنے سے الماری اپنی جگہ چھوڑ دے گی مگر ایسا نہ ہوا۔ ان میں سے ایک نے دستے کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر اوپر سرکانا چاہا اور تھوڑی سی قوت صرف کرنے کے بعد دستہ اوپر اٹھ کر کسی کھانچے میں بیٹھ گیا۔ دستے کو اسی جگہ تھام کر اس نے باہر کھینچا اور الماری والا راستہ دوبارہ ظاہر ہو گیا۔ دستے پر سے گرفت ہٹتے ہی وہ کسی طاقتور اسپرنگ کے زیر اثر دوبارہ اپنی جگہ پر آ گیا تھا۔

دروازے یا الماری کو اسی صورت میں چھوڑ کر ہم نیچے اترتے چلے گئے۔

وہ تہ خانہ ہماری توقع سے کہیں زیادہ وسیع تھا۔ ایک گوشے میں خوبصورت چوبی بار بنا ہوا تھا جس کے سامنے چار عدد آرام دہ کرسیوں کے ساتھ چھ ایسی میزیں لگی ہوئی تھیں، جنہیں جواریوں کی اصطلاح میں کارڈز ٹیبل کہا جا سکتا تھا۔

ایک دیوار کے ساتھ دو باتھ روم بنے ہوئے تھے جن کی نکاسی کا انتظام یقیناً کسی خودکار پمپ سے وابستہ رہا ہوگا۔

اس کے ساتھ شیشے کی دیوار والا ایک دفتر نما کمرہ تھا جس میں میز کرسی اور صوفوں کے علاوہ ایک وزنی تجوری بھی رکھی ہوئی تھی۔

تہ خانے کے عرض میں ایک سطح دیوار چنی ہوئی تھی جس پر مدہوش عورتوں کی بڑی بڑی برہنہ تصاویر آویزاں تھیں۔

لیکن اس دیوار کو ممتاز کرنے والی چیز وہ تصاویر نہیں تھیں بلکہ وہ دروازہ تھا جو مقفل نظر آ رہا تھا۔

"تو یہاں ہوتا ہے سب دھندا؟" میں نے چیختے ہوئے

لیجے میں قیدیوں سے سوال کیا اور وہ سر جھکائے خاموش کھڑے رہے۔

"اس عمارت میں تمہارا کیا مصرف ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"آنے والوں کی دیکھ بھال اور تہ خانے کی صفائی ہماری ذمہ داری ہے۔"

"ادھر کیا ہے؟" میں نے تصویروں والی دیوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہم آج تک اس میں نہیں گئے۔ ہم نے اس دروازے کو ہمیشہ مقفل دیکھا ہے۔" بولنے والے کا لہجہ صداقت کی چھاپ لیے ہوئے تھا۔

"اس کے علاوہ بیرنگ کے دوسرے اڈے کہاں کہاں ہیں؟"

"یہاں ہفتے میں ایک دن ناغہ ہوتا ہے۔ چھٹی والے دن کبھی کبھار ہمیں کوٹھی چلیس میں بھیجا جاتا ہے۔ اس ہوٹل کے علاوہ ہم کسی تیسری جگہ سے واقف نہیں۔"

"کوٹھی چلیس میں بھی جوا ہوتا ہے؟"

"یہاں تو بڑی رقم سے کھیلنے والے خاص خاص لوگ آتے ہیں۔ مگر وہاں بہت بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ ایک حصے میں کچھ مشینیں بھی ہیں جوا کھیلنے کی۔"

انہیں کوئی حرکت کرنے کا موقع دیے بغیر میں نے رائفل عبدالغنی کے حوالے کی جسے اس نے اپنے کندھے سے لٹکا لیا اور میں پستول سنبھال کر مقفل دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

تالے پر کیے جانے والے فائر کی گونج تہ خانے میں دیر تک برقرار رہی لیکن مجھے اندیشہ تھی کہ وہ آواز باہر پہنچ جاتی ہوگی۔

بارود کی بو میں میں نے وہ دروازہ کھولا تو اندر گھورا اندھیرے میں عجیب مانوس سی بو رچی ہوئی تھی جسے روشنی ہونے تک میں شناخت نہ کر سکا مگر روشنی ہوتے ہی سب کی آنکھیں حیرت سے پیشانیوں پر جا چڑھیں۔

وہاں ایک کافی بڑی چھپائی کی مشین کے پہلو میں سیاہیوں وغیرہ کے علاوہ نوٹ چھاپنے کی پلیٹیں موجود تھیں۔

ایک کونے میں لگی ہوئی کٹنگ مشین کے ساتھ سائز میں کٹے ہوئے بڑے نوٹوں کی کئی سو گڈیاں بندھی ہوئی رکھی تھیں جن پر نہایت مہارت سے کی گئی چھپائی ہر شبے سے بالاتر نظر آ رہی تھی۔ بلیک نوٹ کی چھپائی میں کام آنے والے سادہ کاغذ کے تھے۔

وہاں موجود مذمت سے صاف ظاہر تھا کہ اس مشین پر چھپے کاغذوں پر بیک وقت جتنے نوٹ چھاپے جاتے تھے انہیں بعد میں کاٹ کر الگ کر لیا جاتا تھا۔

وہ دیکھ کر میری عقل چکرا کر رہ گئی۔

چوہدری بشیر کو بظاہر زندگی کی ساری آسائشیں میسر تھیں بلکہ اگر وہ گندے دھندوں سے گریز کرتا تو شاید اپنے سٹے کو فن بنکوں میں جمع کر کے اتنی آمدنی حاصل کر سکتا تھا کہ بے فکری سے زندگی گزار سکے۔ لیکن اس کی کھوپڑی ہوس کی گرفت میں جکڑی ہوئی تھی جو بیرونی قرضے فراہم کرنے اور جوئے خانے چلانے کے علاوہ وہ جعلی کرنسی بھی چھاپ رہا تھا۔

نئے نوٹوں کی مہک سے بچتے ہوئے اس کمرے میں ایک پیٹرول کی بوتلیں بھی موجود تھیں۔ میں نے فیصلہ کیا کہ قانون نافذ کرنے والوں کو چوہدری بشیر کی راہ پر لگا کر اُسے میدان صاف کرنے کی مہلت دینے کے بجائے اس عالیم خرابات کو تباہ کرنا ہی بہتر ہوگا۔

وقت تیزی سے گزرتا جا رہا تھا۔

میں نے جلدی جلدی مختلف حصوں میں اسی طرح پیٹرول پھیلایا کہ باہر نکلتے ہوئے محض ایک جلتی ہوئی دیا سلائی فرشی قالین کے ساتھ پورے تہ خانے کو اپنی لپیٹ میں لے سکے۔

سیڑھیوں سے دیا سلائی اچھالتے ہی اسپرٹ نے ایک تیز دھماکے سے آگ پکڑی تھی۔ اور میں نے پھرتی سے باہر نکل کر الماری بند کر دی۔

تہ خانے سے باہر آ کر میں نے پھرتی سے بچے کھچے دیگر دونوں قیدیوں کو بھی بے ہوش کر دیا۔ وہ ذہنی طور پر اس قدر خوفزدہ تھے کہ بے ہوش ہوتے ہوئے ان کے ہونٹوں سے کوئی بھی صدائے احتجاج برآمد نہ ہو سکی۔

"ان دونوں کو بھی چوکیدار کی کوٹھری میں ڈال دو۔" میں نے پلٹ کر کمال الدین اور عبدالغنی کو ہدایت دی اور وہ سپاٹ کر مجھے نگاہوں کے حصار میں لانے لگے۔

"کیا بات ہے؟" میں نے لہجہ نرم رکھنے کی کوشش کی مگر اس نازک مرحلے پر ان کے لیت و لعل کی بنا پر آواز میں قدرے تلخی سرایت کر ہی گئی۔

"ہمیں پڑا لینے دو انہیں۔" کمال الدین نے مجھ سے نظر ملا کر کہا۔ "بغیر کمائے کھانے سے باہر نکلتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے؟"

"اٹھاؤ انہیں۔" میں بے اختیار غرا اٹھا اور ان دونوں نے مشینی انداز میں بے ہوش قیدیوں کو اپنی پشت پر لاد لیا۔ پھر میں ان کے آگے ہو لیا۔

"تم ملازمت کے چکر میں آئے تھے تو ان دونوں سے بھی سامنا ہوا تھا؟" راستے میں میں نے کمال سے پوچھا۔

"نہیں۔" وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ "چوکیدار اور جوزف کے علاوہ کوئی سامنے نہیں آیا۔ انہیں تو ابھی دیکھا ہے۔"

"اندر پڑے رہتے تو یہ آگ ہی میں جل مرتے۔" میں نے کچھ ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "ان کی نظر جس تشدد کی بھی خصلت جاتے ہیں جانے کے نہیں پہنچے گی۔"

چوکیدار کی کوٹھری میں پہنچنے تک وہ دونوں بُری طرح ہانپنے لگے۔

"شاباش!" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ "کام کی ہمت باقی ہے نا؟"

"ہاں ہاں۔" کمال ہانپتے ہانپتے بولا۔ "ہمارا پہلا تجربہ ہے نا... ویسے اب کیا کرنا ہے؟"

"اندر جگہ جگہ اس طرح آگ لگا دو کہ ہماری واپسی کے بعد یہ محل کوڑا کرکٹ کا ڈھیر ہونے سے نہ بچایا جا سکے۔ میں ابھی اندر آتا ہوں۔" میں نے کہا۔

وہ دونوں پھرتی سے سر ہلا کر لوٹ گئے اور میری بے رحم نگاہیں بے ہوش چوکیدار کے چہرے پر جم گئیں۔

بے رحم و جود میں سویا ہوا شکاری حیوان آہستہ آہستہ بیدار ہو چلا تھا جو اپنے ہر فعل کا جواز پیدا کرنے میں بلا کا ماہر تھا۔

وہ چوکیدار بظاہر ایک معمولی ملازم تھا مگر اس کے کام کی نوعیت کے پیش نظر یہ یقینی تھا کہ وہ اپنے مالک کے جرائم سے کسی نہ کسی حد تک واقف تھا۔

چوہدری بشیر تو خیر اس کا آقا تھا مگر وہ اس کی چار دیواری کا بھی نگران تھا۔ اس مکان کی طرف بڑھنے والے قدم اسی چوکیدار کی رائفل سے چھلنی ہوتے۔ اس کی دہشت چوہدری بشیر کے دشمنوں کو اس سے دور رکھتی تھی اور یوں وہ شخص گناہوں اور جرائم کی پوٹلی کی زندگی کو طویل تر بنانے کا ذمہ دار تھا۔

میری دانست میں اس وقت وہ موت کا حقدار ہو چکا تھا۔

اس کی زندگی یوں بھی خطرناک تھی کہ وہ مجھے پہچان گیا تھا۔

جب چوہدری بشیر کو اس کی زبانی یہ علم ہوتا کہ اس کے اڈے کی بربادی میں سلطان کا ہاتھ ہے تو وہ لال خان کے ایک فرضی وجود پر اپنی توانائیاں برباد کرنے کے بجائے میری کھوج پر ہو لیتا جب کہ اس بار میں پوری طرح اپنا دامن بچائے رکھنے پر تلا ہوا تھا۔

پھر اس نے میری کار میں کمال الدین کو بھی دیکھا تھا جو اسی صبح ملازمت کے متلاشی امیدوار کے سوانگ میں اس در پر پہنچا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ میری عاجلانہ کارروائی کی وجہ سے چوکیدار کو اس کی موجودگی پر حیرت کے اظہار کا موقع نہ مل سکا مگر یہ بات یقینی تھی کہ اگر وہ زندہ چھوڑ دیا جاتا تو ہوش میں آنے کے بعد اپنے مالک کو اس بے مدد گار یا مددگار کے بارے میں ضرور بتاتا اور حلیے کی بنا پر کمال الدین کا نام مشتبہ افراد کی فہرست میں آ جاتا۔

پھاٹک پر گولی چلا کر چوکیدار کو ہلاک کرنے کا مقصد یہ ہوتا کہ آس پاس کے رہنے والوں کو فوری طور پر ادھر متوجہ کر لیا جاتا۔ زہریلا گیراز بنایا جاتا تو طریقہ قتل کی بنا پر کسی کے ذہن میں جھوٹے پیر سے صمد علی کا نام تازہ ہو سکتا تھا لہٰذا احتیاط کے پیش نظر اس منصب کے گلے پر رسی کا استعمال ناگزیر ہو چکا تھا۔

اندیشوں اور امکانات کے یہ سارے مرحلے چشم زدن میں طے ہو گئے اور میں نے ایک مضبوط سی رسی منتخب کر کے چوکیدار کے گلے کے گرد ڈال دی۔

گرہ پڑنے تک اس کا بدن ساکت رہا مگر جب یکبارگی پھندے کی گرفت سخت ہوئی تو اس کے دہانے سے خوفناک آوازیں ابھرنے لگی تھیں۔

جسم کے جھٹکے کے ساتھ اس کے ہاتھ بھی غیر ارادی طور پر گلے پر پہنچے مگر میں نے پوری قوت سے گرہ سخت کر کے دوسری گرہ بھی ڈال دی اور اسی حالت میں اُسے چھوڑ کر دور کھڑا ہو گیا۔

وہ چند ثانیوں تک بُری طرح تڑپتا رہا پھر اس کی آنکھوں کے ڈھیلے اپنے حلقوں سے باہر ابل آئے، چہرہ سیاہ پڑ گیا اور زبان باہر جھول کر دانتوں میں دب گئی۔

جو کچھ ہوا، وہ اپنے استقامی جواز کے باوجود افسوسناک ضرور تھا مگر ناگزیر بھی تھا۔ اس کی ہلاکت کے ساتھ ہی لال خان کی شخصیت میں وزن پیدا ہو گیا تھا۔

اس مرحلے سے فارغ ہو کر میں اندر پہنچا تو وہ دونوں سہمے ہوئے انداز میں کئی جگہ آگ لگا چکے تھے۔

میرے پہنچنے کے بعد آتش زنی کے اس عمل میں تیزی آ گئی اور دس منٹ بعد ہم تمکنت کے عالم میں گھر سے نکلے تو کالے دھوئیں کے بادل پوری عمارت میں بھرنے شروع ہو گئے تھے!

کمال الدین نے پھاٹک کھولا کار باہر نکلتے ہی اس نے دوبارہ آہنی در بند کیے اور اپنی جگہ پر آ گیا!

چلتے ہوئے عبدالغنی نے چوکیدار کی رائفل اور کارتوسوں کی پیٹی بھی عقبی نشست کے پائیدان میں ڈال دی تھی جس پر میں نے کوئی تعرض نہ کیا!

آناً فاناً میں ہم وہاں سے دور نکل گئے۔ خوش قسمتی کی بات یہ تھی کہ ہمیں وہاں سے نکلتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا تھا!

کار ڈرائیو کرتے ہوئے میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو سوئیاں پانچ بجنے میں چند منٹ باقی بتا رہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ چوہدری بشیر اس وقت بھی ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم نمبر تین پر لال خان کا منتظر تھا!

کھیل شروع ہو چکا تھا اور اس بارے میں میرا ذہن فوری فیصلے صادر کرنے کی پوزیشن میں آ چکا تھا!

چوہدری بشیر کی برتری یا دبدبا کو خاک میں ملانے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اس کی تحقیر کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا جاتا۔ میں نے کار ایک میڈیکل اسٹور پر روک دی!

دکاندار پر محض اخلاقی دباؤ ڈالنے کے لیے میں نے غیر ضروری طور پر وہاں سے شیونگ کریم، لوشن اور ایک پرفیوم خریدا پھر

"پھر تم وہ دور کیوں لیتے ہو؟" میں نے اس کے آخری جملے کو نظر انداز کرکے سوال کیا۔

"بس عجیب سی بات ہے۔" اس بار کمال الدین متذبذب کے ساتھ بولا۔ "تالاب میں رہنے والی مچھلیوں کو سمندر میں ڈال دیا جائے تو وہ شروع میں گھبرا جاتی ہیں۔ یہی حال ہمارا ہے۔ بڑے لوگوں کے مالکوں کی جی حضوری کرتے کرتے یہ عادت ہو گئی ہے کہ اب یہاں بڑے بنگلے کا در جب تک ہم چاپ کر رہتے ہیں۔"

"یہ دور بھی گزر جائے گا کہ بیگم صاحب کے سامنے منہ سے کوئی ایسی الٹی سیدھی بات نہ نکل جائے جس سے ان کو ذرا سا شک ہو جائے۔" عبدالغنی بولا۔

"یہ میری بیوی ہے اور تم دونوں میرے دوست۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اس طرح تم اسے اپنی بھاوج بھی کہہ سکتے ہو۔ میرے اور اس کے درمیان کوئی بات چھپی نہیں رہتی۔ اسی کی مرضی سے یہاں چوہدری بشیر سے پوچھنے لگا ہوں۔ تم نے جو کچھ مجھے بتایا تھا وہ سن کر یہ بھی دنگ رہ گئی تھی۔ اب اسے بتاؤ کہ آج وہاں کیا ہوا۔"

"آج تو وہ بھی مزا آ گیا۔" عبدالغنی زیادہ ہی جوش میں تھا۔ "بھری آبادی کے بیچ سارا کاروبار چلتا ہوا تھا مگر سارا جعلی نوٹ چھاپا جاتا تھا۔ سارے کے سارے کمروں کو اتنا مقفل کر کے ہم نے ایسی آگ لگائی ہے کہ آخری مشین تک نہیں بچ سکے گی۔"

"جعلی نوٹ چھاپا جاتا تھا وہ؟" سیتا کے لیے یہ انکشاف حیرت انگیز ثابت ہوا۔

"ہاں! تہہ خانے میں شراب اور جوئے کے اڈے کے ساتھ ہی چھاپہ خانہ تھا جہاں کروڑوں کے جعلی نوٹ سینکڑوں گڈیوں کی صورت میں موجود تھے۔ یہ کمال نے بتایا۔ مگر بھائی سلطان نے ایسی چالاکی سے ہر چیز کو آگ لگنے سے نکالا کہ ہمیں میدان صاف مل گیا۔ اب وہ ابھی نوٹ گنا تو سر پیٹ کر رہ جائے گا۔"

پھر ان دونوں نے اپنی کہانی پوری کر دی۔

ان دونوں نے مجھے بتایا کہ ہسٹوریں جانے اور فون کرنے تو دیکھا تھا مگر انہیں آگ کی نوعیت کا علم نہیں تھا۔ جب انہیں یہ پتہ چلا کہ میں نے کوئین جلیس ٹیلی فون کر کے چوہدری بشیر کے لیے پیغام چھوڑا تھا تو مسرت سے ان کے چہرے دمک اٹھے۔

"اب تو وہ ضرور اپنی بوٹیاں نوچ ڈالے گا۔" کمال الدین بولا۔ "خدا کرے کہ اسے اسٹیشن پر ہی اپنے گھر کی تباہی کی خبر مل گئی ہو۔"

"پھر اب کیا ارادہ ہے تمہارا؟" سیتا نے تازہ واقعہ پر تبصرے مکمل ہو جانے کے بعد مجھ سے سوال کیا۔

"اب اس سے کوئین جلیس پر بات کروں گا۔ اس کے فیصلے کن لمحے آ رہا ہے۔"

"مگر کس حیثیت میں؟"

لالہ خان ... کا نام برقرار ...

دکھوں گا۔ اس نام سے اب اس کے اعصاب چٹخنے لگے ہیں۔"

"اسٹیشن پر پہنچتے ہی کیا عجب وہ بیہوش ہو کے گر جائے اور پھر عدالت کی بیماری جس کا تقاضا اس کے ایک آدمی سے خدا معلوم کیا ہے؟"

"عمارت کی تباہی وعدہ خلافی کی سزا تھی اور اس وجہ سے میں اس سے ملنے نہیں پہنچا۔ میں نے اسے تنہا بلایا تھا اور وہ تین آدمی ساتھ لے گیا تھا۔"

"اس پہلا حقدار ہے تو اسے پوری طرح بھی کھنچی ڈالو۔" کمال الدین نے کہا۔ "کوئین جلیس کی تباہی اس کی کمر توڑ دے گی۔"

"شاید یہ غلطی کر تا ہی پڑے۔" میں نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لیتے ہوئے کہا۔ "مگر کوئین جلیس کا معاملہ اتنا آسان ثابت نہ ہوگا۔ وہ ایک ہوٹل ہے جہاں ہر وقت بہت سے لوگ موجود رہتے ہیں۔ گرچہ وہ عام ہوٹل بھی ہے تو کیوں نہ اس وقت کا کھانا وہیں کھایا جائے؟" کمال الدین نے تجویز پیش کی۔

"ہاں! اس میں تو کچھ بھی حرج نہیں ہے۔" سیتا نے فوراً اس کی تائید کر ڈالی۔

"ہم دونوں وہاں نہیں جائیں گے۔" کمال نے کہا۔ "اچھا چلیں سے ہم الگ ہی نظر آئیں گے، ہمیں راستے میں کہیں اتار دینا، واپسی پہ وہیں مل جائیں گے۔"

آخری تجویز کی معقولیت پر میں دل ہی دل میں کمال کو داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

ساڑھے سات بجے ہم تیار ہو کر جب گھر سے نکلے تو میں نے کار کا رخ چوہدری بشیر کے مکان کی طرف کر دیا۔ تاکہ سیتا دور سے میری علی اکٹھی کی گئی تباہی کا جائزہ لے سکے۔

لیکن ہم اس مکان تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قریب و جوار کی گلیوں میں تماشائیوں کا اتنا ہجوم جمع تھا اور آسمان کثیف دھوئیں سے بوجھل ہو رہا تھا۔

عمارت کے ملبے میں کہیں کہیں بھڑکنے والے شعلوں کا انعکاس سیاہ دھوئیں کی چادر کو اور زیادہ مہیب بنا رہا تھا۔ فائر بریگیڈ کی جانب سے واردات پر موجودگی تو خیر یقینی تھا۔ مگر بے در بے تیز سیٹیوں سے یہ پتہ چل رہا تھا کہ وہاں پولیس کی بھاری نفری بھی موجود تھی۔

دور سے ہی اس صورت کا جائزہ لے کر میں نے کار موڑ دی۔ وہ دونوں راستے میں ایک بارونق بازار میں اتر گئے اور میں سیتا کے ہمراہ کار میں آگے بڑھ گیا۔

"بہت کاری وار کیا ہے تم نے اس پر!" انتہائی تحیر سے بھی سیتا نے کہا۔

"جب تک وہ دوبارہ کوٹھی پر نہیں کھانے لگے گا مجھے صبر نہیں آئے گا۔ ایک ٹھکانہ برباد ہو گیا لیکن اس کی اور بھی جا بجا ہیں ..."

ٹیلیفون ڈائریکٹری کا مطالعہ کر ڈالا جو نہایت خوش اخلاقی سے پیش کیا گیا!

کوئین جلیس ہوٹل کے نمبر نہایت آسانی سے مل گئے!

"ذرا جی کال ہے۔" میں نے ابتدائی دو نمبر ڈائل کرکے کاؤنٹر سے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ ٹہلتا ہوا کاؤنٹر کے آخری سرے کی طرف چلا گیا۔

ابتدائی دو نمبر ڈائل کرنے کے باعث اسے یقین ہو گیا تھا کہ کال لاہور سے باہر کے لیے نہیں کی جا رہی تھی!

"منیجر سے ملاؤ!" آپریٹر کی آواز سن کر میں نے ماؤتھ پیس کے گرد ہتھیلی کا حلقہ بنا کر دھیمی آواز میں کہا۔

"وہ چھٹی پر گئے ہیں سر!" آپریٹر نے مخصوص انداز میں جواب دیا۔

"کسی اور ذمہ دار سے ملاؤ!" میں کسی کٹکھنے بھیڑیے کی طرح غرایا ——

"ایک منٹ!" آپریٹر میرے لہجے سے گھبرا گیا۔ "آپ ہوٹل چیف سے بات کر لیں!" اور چند لمحوں کے بعد ہی مجھے کانوں تک ایک بھاری آواز سنائی دی!

"چوہدری بشیر کہاں ہے؟" میں نے دھیمی غراہٹ میں سوال کیا۔ میری نگاہیں دور کھڑے ہوئے دکاندار پر تھیں جو حیرت زدہ نگاہوں سے قریب سے گزرنے والے راہگیروں میں اپنے گاہک تلاش کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

اسی کے ساتھ وہ کسی گاہک کی متوقع آمد سے بھی ہوشیار تھا۔

"وہ کبھی کبھار ہی آتے ہیں یہاں! آپ کون صاحب ہیں؟" میری زبان سے چوہدری بشیر کا نام سن کر دوسری طرف سے بولنے والے کا لہجہ مؤدبانہ ہو گیا!

"لالہ خان بول رہا ہوں۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا —— "چوہدری بشیر اس وقت ریلوے اسٹیشن کے کسی پلیٹ فارم پر خاک چھان رہا ہوگا۔ اسے فوراً پیغام دو کہ گھر کے علاوہ یہ ایک تماشا اس کا منتظر ہے!"

یہ کہہ کر میں نے جواب دیے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا!

سامان کے پیسے ادا کر کے میں واپس آ گیا۔

گھر پر سیتا حیرت و اضطراب کے عالم میں ہماری منتظر تھی۔ ہم تینوں کو کسی ٹوٹ پھوٹ کے بغیر کار سے اترتے دیکھ کر اس کے چہرے پر مسرت کی شفق دمکنے لگی!

"مجھے وحشت ہو رہی تھی!" وہ قریب آ کر میرا بازو تھامتے ہوئے بولی۔ "کچھ دیر سے اس کے چھپے کے وقت میں تم سے رابطہ کیوں نہیں ہو سکا؟"

کمال الدین اور عبدالغنی کار سے اتر کر نہ جانے کدھر سرک گئے تھے!

پستول اور اس کی گولیوں کا ڈبہ میں نے سیتا کو تھمایا تو وہ ملامت آمیز نظروں سے مجھے گھورنے لگی۔

"یہ کیا ہے؟"

"اس کے استعمال کی نوبت نہیں آئی۔" میں نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کی۔ "بس ڈرانے دھمکانے کے لیے تو لیا تھا۔"

"اس کی نال میں سے جلی ہوئی بارود کی بو آ رہی ہے۔" اس نے پستول کی نال کو سونگھتے ہوئے کہا۔ "اس سے تھوڑی ہی دیر پہلے فائر چلا ہے اور اس کے چیمبر میں ایک گولی بھی کم ہے۔" اس نے ہاتھ کو تیزی سے گھما کر چیمبر بھی دیکھ لیا۔

"اس سے ایک تالا توڑا گیا تھا۔" میں نے کہا۔ "پہلے اندر چلو۔ جرح بعد میں کر لینا۔"

وہ واپس برآمدے کی طرف مڑی تو میں نے عقبی پائیدان سے راتفل اور کارتوسوں کی پیٹی اٹھائی۔

سیفٹی کیچ کی دیکھ بھال کے بعد وہ اسلحہ ہم نے خوابگاہ میں مسہری کے نیچے فرش پر ڈال دیا۔

"وہاں کیا رہا؟" وہ ہماری کارگزاری جاننے کے لیے بے چین ہو رہی تھی۔

"مکان کو آگ لگا کر آئے ہیں۔ اب تک تو شعلے آسمان کو چھونے لگے ہوں گے۔" میں نے مسرت اور فخر کے احساس کے ساتھ کہا۔

پھر میں اسے نشست گاہ میں لے آیا۔

"اندر آ جاؤ۔" برآمدے میں کمال الدین اور عبدالغنی کی سرگوشیوں کی آواز سن کر میں نے انہیں پکارا۔

وہ دونوں میرے ساتھ شریک تو ہو گئے تھے لیکن برسوں کی ملازمانہ زندگی کو برداشت کرنے کے باعث ان میں جھجک پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے گھر میں ان کی موجودگی جیسے برقرار تھی اور وہ مجھے گراں گزر رہی تھی۔

وہ اندر آئے اور مؤدب کھڑے ہو گئے جیسے کسی حکم کے منتظر ہوں۔

"بیٹھو۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

وہ جہاں کھڑے تھے وہیں بیٹھنے لگے لیکن میں نے انہیں روکا اور صوفوں پر بٹھا لیا۔

"تم یہاں گھٹن محسوس کر رہے ہو؟" میں نے نرمی سے پوچھا۔

"نہیں صاحب۔ ہم تو بہت خوش ہیں۔" عبدالغنی خلاف معمول بول پڑا۔ "دراصل کمال الدین کے بولنے کا منتظر رہتا تھا۔ اور آج تو بہت ہی خوش ہیں۔ جب بھی تو بکا یا بھی ... وہ جعلی روپیہ ہوتا تھا۔"

گی۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اگر بے گناہوں کے خون کا خوف نہ ہوتا تو میں ہر درندے کو ایسے ہی انجام تک پہنچاؤں!"

"یہ تو اس کی سزا ہوئی!" وہ میرے شانے پر ہاتھ مار کر بولی۔ "مگر تم کو کیا حاصل ہوا۔ تم اپنے بھائی کے لیے کیا سوچ رہے ہو؟"

"ایس ایف وڈ جیسی جگہوں کے لیے اس سے ملوں گا!" میں نے سرسری طور پر کہا۔ "جیسے میں اس کے دشمنوں سے بڑائی کا تماشہ نکالنا چاہتا ہوں۔"

ان ہی باتوں میں ہم کوئین پیلس ہوٹل پہنچ گئے جو ایک معروف علاقے میں واقع تھا۔

پارکنگ لاٹ میں کار کھڑی کرنے کے بعد ہم اندر داخل ہوئے تو معطر اور آراستہ فضا میں نسوانی وجود کی رونق جا بجا موجود تھی جس کا مطلب تھا کہ سیاحوں والوں کے لیے کوئی جگہ نہیں مل سکتی تھی۔ ریستوران میں دھیمی روشنیوں میں جہاں میزوں کے گرد مرد خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ وہاں باہر کے جنگلوں سے آئے ہوئے جوڑے بھی اس ماحول میں بیٹھے دوڑ کا جیبوں کو نشان لگانے میں مصروف تھے۔

ہم نے ایک الگ تھلگ گوشے میں دو نشستوں والی میز کا انتخاب کیا اور وہاں جا بیٹھا۔

"کچھ لے گا؟" ادھیڑ عمر ویٹر آیا اور اس نے معنی خیز لہجے میں اس سے سوال کیا۔

اس نے نیچے سر کو مالیوسانہ انداز میں جنبش دی پھر سیتا کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اجازت ہو تو کچھ بھی معلوم کروں!"

"دیکھو لو!" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا اور وہ لرزتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

"تم پھر پٹے پینے پلانے کے چکر میں!" سیتا کسٹمرز کے لیے میز پر میری طرف جھک کر تیز لہجے میں بولی۔

"آج تو موقع ہے!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تمہیں پتہ نہیں کہ یہاں شراب خلاف قانون ہے۔ اگر ویٹر کوئی اچھی خبر لے آتا ہے تو اس طرح جیسے کوئین پیلس کو قریب سے دیکھنے کا موقع مل جائے گا۔"

تھوڑی دیر بعد ویٹر نمودار ہوا تو اس کے چہرے پر دونوں سے ہیچکار نظر آرہی تھی!

"معذرت سر!" قریب آکر وہ جھکتے ہوئے دھیمی آواز میں بولا۔ "آج اس علاقے میں نئے مہمانوں کا داخلہ بند ہے!"

"کس علاقے میں؟" میں نے دس روپے کا ایک نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے سوال کیا۔

وہ نوٹ لے کر تھوڑا سا انداز میں ہنسا پھر بولا۔ "پچھلے

حصے میں ریکریشن ہال ہے جہاں گیم بھی ہوتے ہیں اور تھوڑی بہت مل جاتی ہے مگر وہ حصہ انتظامیہ کے جانے پہچانے پرانے لوگوں کے لیے مخصوص ہے۔ نئے مہمانوں کو کسی کی سفارش پر اجازت ملتی ہے!"

"ہماری سفارش کس سے کرانی تھی تم نے؟"

اس نے گردن جھکا کر معذرت خواہانہ انداز میں دانت نکال دیے۔ "میں نے ابھی پیچھے عمر گزاری ہے آپ جیسے شرفا کو تو دور ہی سے پہچان سکتا ہوں۔ مالکان میری رائے مان لیتے ہیں کیونکہ پچھلے بیس برس سے آج تک ہوٹل کو کوئی شکایت نہیں ہوئی لیکن آج نہ جانے کیا بات ہے کہ منیجر صاحب نئے لوگوں کے لیے صاف انکار کر رہے ہیں!"

میں نے اس کے ہاتھ سے مینو لیا اور آرڈر نوٹ کرانے لگا!

"آج تمہارے ستارے واقعی زوروں پر ہیں!" ویٹر کے چلے جانے کے بعد سیتا نے ہنستے ہوئے تبصرہ کیا۔

"تم ساتھ ہو تو کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔ تمہیں دیکھ کر میرے ستارے اترانے لگتے ہیں!"

"تم شراب نوشی کے خواہاں تھے اور وہ بوڑھا گدھا تمہیں... ریکریشن ہال کا کچا چٹھا سنا گیا۔ شاید اسی طرف جوا وغیرہ ہوتا ہوگا!"

"بوڑھے گدھے کا نام نہ چھپانا ہوتا... مجھے ریکریشن ہال کا شوق پیدا ہو گیا ہے!" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"تم جوئے مگر جوا نہیں کھیلو گے!" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔ "جوئے خانوں میں تماشہ بینی کرنے والوں کو شبہ کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ تم دیکھو گے کہ تماشے کے کھیل میں میرے سامنے لوگ جیتیں بھی اور ہارتے چلے جائیں گے!" میں نے دل ہی دل میں اپنے جلانے والوں کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

"مگر تمہیں پیسے کی کیا ضرورت ہے؟"

"ہرگز نہیں!" میں نے اعتراف کیا۔ "لیکن یہاں سختی پھیل جائے گی کہ ایک شخص ایسا بھی ہے جس سے جیتنا کسی کے بس کا روگ نہیں!"

"بہرحال یہ بعد کی بات ہے، باہر نکل کر طے کریں گے!" وہ ویٹر کو آتے دیکھ کر بولی اور میں نے ادھ جلی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دی!

چوہدری بشیر اس وقت میرا ہدف تھا جس نے بڑی چالبازیوں سے میرے بڑے بھائی کو کوڑی کوڑی کا محتاج کر دیا تھا۔ وہ ہوٹل اسی نابکار شخص کی ملکیت تھا یا اس میں اس کی حصے داری تھی!

میرے لیے یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ ہوٹل کا نام کوئین پیلس تھا اور مجھ میں بلیک کوئین کا ایک پرانا عاشق۔ جن دنوں میں گرفتاری کے بعد رہا ہوا تھا تو ملک کی بیگم میری شناسا تھیں جن کی دو بچیاں تھیں...

پینے سے پہلے میں بیگم کی بیگم کو سب سے اوپر لگانے کا عادی تھا۔ بار بار کوشش کے باوجود بھی اس لاشعوری عادت سے نجات حاصل نہیں کر سکا تھا!

میں نے کمرہ لے کر ایک بار وہاں اپنے ہاتھ کی صفائی دکھانے کا فیصلہ تو کر لیا تھا مگر ایک مبہم سا خوف لاحق ہو رہا تھا کہ کہیں ایک ہی جھلک میں نہ کوئین پیلس کے ریکریشن ہال میں بلیک کوئین کا کھیل شروع کر دوں تو کوئی نہ کوئی مجھے پہچان نہ لے!

مگر میرے لیے تسلی کی بات یہ تھی کہ بلیک کوئین کے نام کے ساتھ جواریوں کے حلقے میں میرا شہرہ ہوا تھا۔ جیل جانے سے پہلے کی بات ہے، تب میں نے کہ شاید اب کوئی بھی میرے چہرے سے واقف ہو۔ میری شکل و صورت بدل چکی تھی اور یہی مجھ کو تسلی دیتا تھا۔ عین موقع پر کوئین پیلس میں کر جاتا!

کھانا ہوٹل کی ظاہری شوکت و آرائش کے عین مطابق تھا اور لذیذ تھا!

کھانے سے فراغت کے بعد بل آیا تو میں نے رقم ادا کرتے ہوئے اس ویٹر کا نام معلوم کر ہی لیا جس کی سفارش پر مالکان انہیں ریکریشن ہال کی برادری میں شامل کر لیتے تھے!

راستے میں کمال الدین اور عبدالغنی سڑک کے کنارے کھڑے منتظر تھے۔ انہیں لیتے ہوئے ہم گھر پہنچ گئے!

اس رات میں نے کمال اور عبدالغنی کو ایک ایک ہزار روپے دیے تو ان کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں!

"یہ... یہ کیا ہے صاحب؟" کمال نے نوٹ لیتے ہوئے کہا۔

"گھبراؤ نہیں، یہ اصلی ہیں!" میں نے ہنس کر کہا اور وہ شرمسار ہو گیا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا!" وہ جلدی سے بولا۔ "مگر یہ اس لیے کیوں دیے گئے؟"

"گھر بھیجنے کے لیے پیسے بعد میں دوں گا۔ کل صبح تم دونوں بازار جا کر اپنے لیے کچھ کپڑے خرید لاؤ تاکہ میرے ساتھ بے دھڑک جا سکو!"

"ٹھیک ہے!" وہ خوش ہو گئے۔

"کیا ہم یہ ساری رقم خرچ کر لیں؟" عبدالغنی کچھ سوچ رہا تھا۔ "کپڑوں کے لیے لباس کی مد میں دی جانے والی وہ رقم ضرورت سے زیادہ تھی!"

"ہاں سب!" میں نے زور دے کر کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں کسی بڑے ہوٹلوں میں بھی جانا پڑے۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری لباس کی وجہ سے تم دوسروں کے سامنے کسی قسم کی جھجک محسوس کرو!"

اس کے بعد میں اپنے کمرے میں آ گیا!

بستر پر دراز ہوتے ہی مجھے خیال آیا کہ احتیاط کے طور پر

مجھے اپنی کار تبدیل کر لینی چاہیے۔ میں نے چوہدری بشیر کے مکان پر پیش آنے والے واقعات ذہن میں دہرائے تو میری کار کسی بھی مرحلے پر مشکوک ثابت نہ ہو سکی۔

چوکیدار نے کار دیکھی تھی مگر وہ اس بارے میں پولیس والوں کو کچھ بتانے کے لیے اس دنیا میں نہیں رہا تھا۔ اندر سے جو دو ملازم پکڑے گئے تھے ان کو باہر نکلنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا اور جب وہ اندر سے چوکیدار کی کوٹھری میں منتقل کیے گئے تو ہوش و حواس سے یکسر محروم ہو چکے تھے!

مگر میری دانست میں کار کی تبدیلی پھر بھی ضروری تھی۔

اگلی صبح میں بیدار ہوا تو کمال الدین بازار سے کئی اخبارات لے آیا تھا جب کہ میں اٹھنے کے بعد خود اسی مقصد کے لیے بازار جانے کا ارادہ کر چکا تھا!

باورچی خانے میں کمال الدین شکستہ انداز میں سرخیاں پڑھ رہا تھا اور عبدالغنی کے چہرے کے نقوش وفور جوش سے بدلے ہوئے نظر آ رہے تھے!

"وہ... وہ مر گیا صاحب!" کمال الدین نے اخبارات کا پلندہ میری طرف بڑھاتے ہوئے مرتعش آواز میں کہا۔

"کون؟" میں نے استعجاب بھرے ہوئے پرسکون لہجے میں سوال کیا۔

"چوکیدار!" وہ بولا۔ "کسی نے اس کے گلے میں رسی باندھ کر اسے

جان سے مار دیا۔ آگ بجھانے والوں کو وہ اسی حالت میں ملا تھا!

"جس بات سے ہمارا تعلق نہیں اس کے بارے میں سوچ سوچ کر اپنا دماغ خراب نہ کرو۔" میں نے بے پروائی سے کہا اور وہیں ایک کرسی پر بیٹھ گیا!

پہلے اخبار کی سرخی پر نگاہ پڑتے ہی خوشی سے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا!

اخبار نے چوہدری بشیر کو شہر کا کروڑ پتی ساہوکار قرار دیتے ہوئے جعلی کرنسی چھاپنے اور پھیلانے کے جرم میں اس کی گرفتاری کی خبر دی تھی!

سرخیوں کے نیچے پہلو بہ پہلو بہت سی تصاویر تھیں جن میں نوٹ چھاپنے والی مشین کا جلا ہوا ڈھانچہ اور مکان کے سوختہ کھنڈر کے علاوہ چوہدری بشیر کا چہرہ نمایاں تھا!

میں تیزی کے ساتھ پوری خبر پڑھتا چلا گیا!

خبر کے مندرجات اس قدر مسرت افزا تھے کہ ایک ایک سطر کے مطالعے کے ساتھ میرے وجود میں ٹھنڈک سی اترتی چلی گئی!

نامہ نگار کے مطابق چوہدری بشیر کے مکان میں لگنے والی آگ بہت بھیانک تھی اور اس کا آغاز بیک وقت کئی مقامات سے ہوا تھا۔ ماہرین نے اسے آتش زنی کی ایک سوچی سمجھی واردات قرار دیا تھا۔

آگ اس قدر خوفناک تھی کہ چھ فائر انجن چار گھنٹے کی لگاتار کوشش کے بعد ہی شعلوں کو زیر کرنے میں کامیاب ہو سکے تھے۔ مگر اس آتش زنی کا سب سے نمایاں پہلو یہ تھا کہ اس کے نتیجے میں مکان کے تہہ خانے میں لگی ہوئی جعلی کرنسی چھاپنے والی مشین کا راز فاش ہو گیا تھا جس سے کرنسی چھاپنے کے دیگر سامان کے علاوہ جلے ہوئے اور دھواں جلے نوٹوں کی گڈیاں بھی برآمد ہوئی تھیں جن کی نشاندہی ہوتے ہی پولیس کی بھاری جمعیت نے جلتے ہوئے ملبے کو گھیرے میں لے لیا تھا!

پھر اسی عمارت کے ملبے میں موجود دو آہنی تجوریوں میں سے جعلی نوٹوں کے سیکڑوں بنڈل برآمد ہوئے۔ اخبار کے پریس جانے تک ملبے کی تلاشی جاری تھی!

چوہدری بشیر کی گرفتاری کے بعد ایک اخباری نمائندے نے محلے والوں سے مل کر ایک فیچر مرتب کیا تھا جس میں لوگوں کے نام شائع کیے بغیر اس کی مشکوک سرگرمیوں اور ہر شام اس کے گھر ہونے والے پُراسرار اجتماع کی نشاندہی کی گئی تھی اس کے ساتھ ہی یہ امکان بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ چوہدری بشیر کو اپنی مذموم سرگرمیوں کے سلسلے میں بعض شوقین مزاج اعلیٰ حکام کی سرپرستی بھی شامل

اخبار نے پہلے طور پر اس واردات کے سلسلے میں پوشیدہ رقابت کی کارفرمائی کا امکان ظاہر کیا تھا مگر چوہدری بشیر کے حوالے سے اس ضمن میں کوئی بات نہیں کی گئی تھی۔

میرا خیال تھا کہ چوہدری بشیر آتش زنی کی خبر دیتے ہوئے جہاں کا نام بھی سب سے پہلے چھپائے گا مگر اخبار میں اس بارے میں کوئی ذکر نہیں تھا۔

بقیہ اخبارات میں بھی یہی کچھ تھا۔ بس ہر اخبار نے اس واقعہ پر اپنے اپنے انداز میں خیال آرائی کرنے کی کوشش کی تھی۔

پولیس حکام کے نزدیک چوکیدار کی موت اس معاملے میں کلیدی اہمیت کی حامل تھی۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ ملزموں نے عمارت میں آگ لگاتے ہوئے انسانی جانوں کے تحفظ کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔ جس کا ثبوت یہ تھا کہ ملازموں کو عمارت میں بے ہوش کیا گیا تھا۔ مگر بعد میں انہیں چوکیدار کی کوٹھری میں بند کر دیا گیا جو آتش زنی سے محفوظ تھی۔

ان کے نزدیک یہ بات ناقابل فہم تھی کہ ایک طرف انسانی جانوں کے احترام کا ثبوت دینے والے ملزمان دوسری طرف اس قدر سنگین القاب کیسے ہو سکتے ہیں۔

انگریزی اخبار میں ان باتوں کی تکرار کے علاوہ ایک مختصر سلطنتی خبر تھی جو رات گئے کوئین پلیس کے ریسٹورنٹ کے جلنے کے بارے میں تھی۔

جعلی کرنسی کے کاروبار کے سلسلے میں رات گئے آخری پیراگراف میں نے کوئین پلیس کو سیل کرکے ریکارڈ اور اثاثوں سمیت عملے کے چودہ ارکان کو حراست میں لے لیا تھا کیونکہ وہ ہوٹل بالاشرکت غیرے چوہدری بشیر کی ملکیت تھا۔

قانون کا حصار چوہدری بشیر کو حیرتناک سرعت کے ساتھ اپنے شکنجے میں جکڑ رہا تھا۔ حالانکہ مشہور ہے کہ قانون جب تک حرکت میں نہ آئے عملی زندگی سے دور ایک نظریاتی دستاویز معلوم ہوتا ہے مگر جب یہ حرکت میں آتا ہے تو اس کی زد میں آنے والوں کو زندہ رہنے کے لیے زمین بھی تنگ ہو جاتی ہے۔

چوہدری بشیر کے خلاف معرکہ آرا ہونے کے بعد مجھے خیال تھا کہ اس پے در پے ضرب لگانے کو کیفر کردار تک پہنچانے کی مہم مجھے تنہا سر کرنی ہو گی جس میں اس کے وسائل ہر جگہ میرے آڑے آئیں گے۔ اور شاید اسے قابو کر کے نقصان پہنچانے میں مجھے دانتوں پسینہ آ جائے مگر اس کو قدرت کی طرف سے ملی ہوئی مہلت پوری ہو چکی تھی جس کے پہلے ہی وار میں ناقابل شکست نظر آنے والا یہ بُت مٹی کی مورت کی طرح ڈھیر ہو گیا تھا۔

اس کا تابوت تیار ہو چکا تھا اور کیلوں کی فراہمی بھی شروع ہو چکی تھی۔

"اس کا تو قصہ ایک ہی وار میں نمٹ گیا۔" مجھے اخبارات سے فارغ پا کر کمال الدین نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "اس کے کرتوتوں کا پورا پورا بندوبست ہو گیا ہے۔"

"پھر ہم کیا کریں گے؟"

"کچھ نہیں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ قسمت بڑے چیلنج کے طور پر سامنے آیا ہے اور اس میں تین ملزموں کا ہر جگہ تذکرہ ہے۔ پولیس اپنی کوششوں میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گی۔ ہم میں سے کسی ایک پر ہاتھ پڑ گیا تو سب کھیرے جائیں گے اور ہم پر ایسا تشدد ہو گا کہ قبروں تک ہڈیاں ٹوٹنے کا درد لازماً رہ جائے گی۔"

کمال کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔ عبدالغنی اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"یہ تو سوچا ہی نہیں تھا ہم نے۔" عبدالغنی کراہا۔

"احتیاط سے کام لو گے تو کچھ بھی نہ ہو گا۔" میں نے انہیں تسلی دی۔ "جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ۔ کراچی چلے جاؤ۔ مگر اپنے رہن سہن میں تبدیلی نہ آنے دینا ورنہ لوگ بلاوجہ تمہاری طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ دو تین ماہ بعد شور دب جائے گا اور تم آزاد ہو گے۔"

"کراچی ہی چلے جائیں گے۔" کمال الدین بولا۔ "سنا ہے بڑا غریب پرور شہر ہے اس بہانے وہاں کی سیر بھی ہو جائے گی۔"

ناشتے کے دوران جیتا میز پر سجا گئی تو وہ دونوں وہاں سے چلے گئے۔

"اب کیا سوچ رہے ہو تم؟" جیتا نے لفظ بہ لفظ کہہ کر رشتے کے ساتھ سوال کیا۔

"ہم تینوں کو اب الگ ہو جانا چاہیے۔" میں نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "کمال اور عبدالغنی آج یا کل کراچی چلے جائیں گے۔"

"اور تم کیا کرو گے؟"

"میں چوہدری بشیر سے ملوں گا۔ جیل کی سلاخوں کے پیچھے اب شاید اس کا دماغ درست ہو چکا ہو گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور جیتا سہم گئی۔

"نہیں۔ تم اس کے قریب بھی نہیں پھٹکو گے۔ وہ ڈوبتی ہوئی کشتی کا مسافر ہے اپنے بچاؤ کی کوشش میں تمہیں بھی گھسیٹ لے گا۔"

"تم دیکھتی جاؤ کہ اب کیا ہوتا ہے۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "بھائی جان کا سراغ اگر کسی سے مل سکتا ہے تو وہ چوہدری بشیر ہے مجھے اس سے ملنا ہو گا۔"

اس کے بعد ڈائیننگ روم میں بوجھل سی خاموشی چھا گئی۔ جیتا کی نگاہوں میں بے پناہ تشویش کے سائے لہرا رہے تھے۔

اُسی روز شام کو اخباری ضمیمے سے پتہ چلا کہ چوہدری بشیر کا سات دن کا جسمانی ریمانڈ حاصل کر لیا گیا۔ اس کے وکیل وحید آغا نے اپنے موکل کی پیروی کے لیے عدالت میں تین وکلا کے نام دیے تھے جن کا سربراہ وہ خود تھا۔

ناشتے سے فراغت کے بعد میں گھر سے نکلا تو جیتا نے خاصی گرمجوشی کے ساتھ مجھے رخصت کیا۔ اس کا خیال یہی تھا کہ اس مرحلے پر میرا چوہدری بشیر سے ملنا کسی بھی لحاظ سے مناسب نہیں تھا جب کہ میں وقت ضائع کیے بغیر جلد از جلد اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے بے چین تھا۔

عدالت سے ریمانڈ ملنے کا مطلب یہ تھا کہ چوہدری بشیر کی جیل میں منتقلی کی نوبت نہیں آئی تھی بلکہ وہ متعلقہ تھانے میں بند تھا۔

میں تھانے میں پہنچا تو وہاں خاصی رونق پائی جاتی تھی۔ احاطے میں چند اعلیٰ افسران کی گاڑیاں بھی موجود تھیں۔

میں نے تھانے کے انچارج یا کسی اعلیٰ افسر سے رابطہ قائم کرنے کی بجائے تھانے کے محرر کے کمرے کا رخ کیا۔ کیونکہ وہ افسران بالا کی موجودگی میں سب سے اہم ترین کاموں میں مصروف تھے۔ لہٰذا محرر اپنے کمرے میں تنہا بیٹھا روزنامچے کے اندراجات کا تنقیدی جائزہ لینے میں مصروف تھا۔

اپنے کمرے میں میرے قدموں کی آہٹ سن کر ادھیڑ عمر محرر نے اپنی عینک کے موٹے موٹے عدسوں کے عقب سے ایک بھرپور نگاہ میرے سراپا پر ڈالی اور دوبارہ میز پر رکھے روزنامچے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

میرے سلام کا جواب اس نے سرد اور کرخت لہجے میں دیا تھا۔

"رپورٹ لکھوانی ہے؟" سلام کا جواب دے کر اس نے میرے سراپا کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا۔

"ایک حوالاتی سے ملنا ہے۔"

"رشتے دار ہو اس کے؟"

میں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔

"پھر ملاقات نہیں ہو سکتی۔" اس نے ان مشینی لہجے میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔ "نام اور نمبر کیا ہے حوالاتی کا؟"

"نمبر تو معلوم نہیں۔ نام چوہدری بشیر ہے۔" میرے منہ سے وہ نام نکلتے ہی محرر چونک پڑا۔ اور اس کی آنکھوں میں دل چسپی عود کر آئی۔

"کس لیے ملنا ہے اس سے؟"

"ایک بہت ضروری ذاتی کام ہے۔" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "اس نے اپنے ایک بچھڑے ہوئے عزیز کا پتہ معلوم

کرنا ہے۔"

"بیٹھ جاؤ۔" تپائی کی طرف اشارہ کرکے وہ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ پھر قدرے توقف کے بعد بولا۔ "اس وقت تو ناممکن ہے۔ ڈی ایس پی صاحب نے اس کے ملاقاتیوں پر پابندی لگائی ہوئی ہے۔ وکیل کے علاوہ کوئی اس سے نہیں مل سکتا۔ اس کا بیان ہونے کے بعد شاید کوئی صورت بن سکے۔ کام کیا ہے تمھیں اس سے؟"

آخری سوال اس نے خالی الذہنی کے عالم میں کیا تھا۔

"اپنے بچھڑے ہوئے۔۔۔" میں نے اپنے مدعا کی تکرار شروع کی ہی تھی کہ اسے میرا چند ثانیوں پہلے کا جواب یاد آ گیا۔

"ہاں۔۔۔ ہاں! ٹھیک ہے۔" وہ قلم کے سرے سے اپنے رخسار کو کھجاتے ہوئے بولا۔ "اس وقت تو بڑے بڑے افسر موجود ہوتے ہیں میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اگر علاقے میں کوئی واردات نہ ہوئی تو شام میں یہاں سناٹا ہوگا۔۔۔ تم چھ بجے آنا، میں کوشش کروں گا کہ اس سے تمھاری ملاقات کرا دوں۔"

میں نے جیب سے دس کا نوٹ نکال کر منشی کی طرف بڑھایا اور اس نے عجلت میں نوٹ لے کر جیب میں اڑس لیا۔

گھر لوٹا تو کمال الدین اور عبدالغنی روانگی کے لیے تیار، میرے منتظر بیٹھے تھے۔

ان دونوں کو اپنے ساتھ شریک کرتے ہوئے میرا اندازہ تھا کہ چوہدری بشیر سے میرا ٹکراؤ سخت، طویل اور صبر آزما ہوگا جس میں مجھے کسی نہ کسی سے مدد لینی پڑے گی مگر یہ میرے مقدر کی یاوری یا چوہدری بشیر کے نصیب کی خرابی تھی کہ سارا معاملہ ایک دن کی مختصر سی مدت میں اپنے اختتام کو پہنچ گیا تھا۔

اس کام میں کمال الدین اور عبدالغنی نے مجھ سے بھرپور تعاون کیا تھا۔ اگر وہ میرے ساتھ نہ ہوتے تو شاید مجھے یوں براہ راست چوہدری بشیر کی کمین گاہ کو تلاش کرنے کی ہمت نہ ہوتی۔

میں نے خاموشی سے ان دونوں کو فی کس پانچ پانچ ہزار روپے دیے جو انھوں نے تشکر آمیز حیرت کے ساتھ قبول کر لیے۔

"ایک بات کہوں صاحب؟" رقم جیب میں رکھنے کے بعد کمال الدین نے جھجکتے ہوئے مجھ سے اجازت چاہی۔

"کہو؟" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پوچھا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے چوہدری بشیر سے تمھاری کوئی پرانی دشمنی چلی آ رہی ہے۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"یہ کیسے اندازہ لگا لیا تم نے؟" میں نے ہنستے ہوئے سوال کیا۔

"آج کے زمانے میں بڑے لوگوں سے کوئی نہیں ٹکراتا۔ ہر عزت دار انسان بچا کر گزرنے کی کوشش کرتا ہے۔۔۔

پہلے تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا مگر اب اندازہ ہو رہا ہے کہ چوہدری بشیر نے تمھیں کوئی بڑا نقصان پہنچایا ہوگا جس کا حساب تم نے اب چکایا ہے اور پھر تم جس فیاضی سے ہمیں پیسے دے رہے ہو وہ بھی اپنی جگہ اہم ہے۔ ورنہ کمائی سے لوٹا ہوا شخص بھی اتنا سخی نہیں ہو سکتا ہے۔"

"تمھارا اندازہ صحیح ہے۔" میں نے سنجیدگی سے اعتراف کیا۔ "چوہدری بشیر نے میرے ہنستے کھیلتے گھر کو برباد کیا ہے۔ اگر تم مدد نہ دیتے تو شاید میں اس کی نوکری حاصل کرکے کچھ روز میں اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کرتا مگر یہ سب باتیں تم اپنی ذات تک ہی محدود رکھو گے۔ تم پر اپنی ہی نہیں، ایک دوسرے کی سلامتی کی بھی ذمے داری ہے۔"

انھوں نے مجھے پوری رازداری کا یقین دلایا اور پھر میں انھیں سامان سمیت لے کر گھر سے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔

انھیں چھوڑ کر گھر واپس آیا تو سیتا قدرے اداس بیٹھی تھی۔

"تم نے بہت عجلت سے کام لیا۔" اس نے میرے استفسار پر کہا۔ "اگر وہ ایک دو روز اور رک جاتے تو کیا ہو جاتا۔"

"تنہائی سے گھبرا رہی ہو؟"

"دونوں قابل بھروسا آدمی تھے۔" اس نے کہا۔ "اپنا ٹھکانا بنانے کے بعد بھی ہمیں ملازموں کی ضرورت ہوگی۔ میرا تو خیال تھا تم انھیں ساتھ رکھو گے۔"

میں ہنس پڑا۔ "تم فکر نہ کرو، میں نے انھیں عارضی طور پر رخصت کیا ہے۔ یہاں سے نمٹ کر جب ہم کراچی کا رخ کریں گے تو وہاں وہ ہم سے آملیں گے۔"

"کراچی! ان دونوں کے لیے اجنبی شہر ہے۔ اس سیمنٹ کے جنگل میں تم انھیں کہاں ڈھونڈو گے؟" اس نے بے اعتباری سے کہا۔

"عقل کام کرتی ہے تو کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔ وہ دونوں آج سے ٹھیک ہفتے بعد شام کو کلفٹن پر گزاریں گے۔ امید ہے کہ اس دوران میں ہم یہاں سے فارغ ہو کر کراچی چلے جائیں گے۔"

دن کا باقی حصہ میں نے گھر پر آرام کرتے ہوئے گزارا اور شام ڈھلے چوہدری بشیر سے ملاقات کے لیے روانہ ہو گیا۔

دن کے مقابلے میں اس وقت تھانے میں سکون تھا۔ محرر چند باوردی اور سادہ پوش سپاہیوں کے ساتھ سبزہ زار میں چارپائی ڈالے بیٹھا ہوا تھا۔

دور سے ہی اس نے مجھے پہچان لیا اور قبل اس کے کہ میں کار کا دروازہ مقفل کرکے اس کی طرف پیش قدمی کرتا، اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

سلام میں پہل کو میرے نزدیک مذہبی اور اخلاقی فریضہ

ہے مگر محرر نے جس انداز میں میرے سلام کا جواب دیا اس میں میری تعظیم کا ایک خفیف سا پہلو جھلک رہا تھا۔

میں اس کے پیچھے پیچھے اس کے کیبن میں پہنچا تو اس نے چند ثانیوں تک میری طرف دیکھا پھر دبی آواز میں بولا۔ "دو ڈیڑھ سو ہوں گے جی۔"

"دو سو دیتے ہیں۔" میں نے دبی زبان میں احتجاج کیا۔

"جلدی نکالو۔" وہ چڑچڑے لہجے میں بولا۔ "پھر تم واپس طلب کر رہے ہو؟ اس کی ملاقات بند ہے کوئی افسر آ گیا تو بے عزتی کر ڈالے گا۔۔۔ اس سے جو کچھ کہنا سننا ہو جلدی کا خیال رکھنا۔"

سو روپے کے دو نوٹ وصول کرنے کے بعد اس نے گھنٹی بجائی پھر مجھ سے بولا۔ "چھری چاقو یا کوئی ہتھیار تو نہیں ہے تمھارے پاس؟"

میں نے نفی میں سر کو جنبش دی اور اسی لمحے ایک سپاہی سال خوردہ سی وردی میں ملبوس کمرے میں آ پہنچا۔

"تین نمبر حوالاتی کی ملاقات ہے۔" محرر نے سپاہی سے تعارف کرایا۔ "انھیں کھڑے کھڑے بس جنگلے سے ملاقات کرا دینا۔ یہ ناشتہ پانی دے دیں گے۔"

"آؤ جی۔" سپاہی نے میری پشت پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور میں اس کے پیچھے ہو لیا۔

حوالات تھانے کی عمارت کے عقبی حصے میں تھی۔ ایک راہداری کی دونوں جانب چار چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے جن کے آہنی سلاخوں والے دروازے مقفل تھے۔

پہلے دو کمروں میں کئی کئی افراد بند تھے جو قیدی سے زیادہ مظلوم نظر آ رہے تھے۔ تیسرا کمرہ خالی تھا اور چوتھے میں چوہدری بشیر اکیلا تھا۔

اس کی کوٹھری کے دروازے پر قدموں کی آہٹ سن کر وہ ٹہلتے ٹہلتے متوحش انداز میں مڑا اور اس کی بے رونق خوف زدہ نگاہیں میرے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

اس کا چہرہ سامنے آتے ہی میں بے اختیار ٹھٹک کر رہ گیا۔

کبھی اور رعونت آمیز نظر آنے والا چہرہ اس وقت زندگی سے مایوس دل گرفتہ انسان کی تصویر پیش کر رہا تھا۔ اس کی رنگت زرد پڑی ہوئی تھی۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے اور پیشانی پر تردد کی لکیریں نمایاں تھیں۔

"ملاقات ہے چوہدری تمھاری۔" سپاہی نے پاٹ دار آواز میں کہا۔ "خوب جی بھر کے دل کھول کر باتیں کر لو، میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔"

سپاہی مجھے چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا۔۔۔

چوہدری بشیر چند ثانیوں تک کوٹھری کے تقریباً وسط میں کھڑا اپنی پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے گھورتا رہا پھر کسی تنویم زدہ شخص کی طرح تھکے تھکے قدموں سے چلتا ہوا آگے آیا اور۔۔۔ دروازے کی آہنی سلاخیں تھام کر کھڑا ہو گیا۔

میں کچھ بولے بغیر تھوڑا سا مسکرایا۔ اپنا تعارف کرانے سے پہلے میں اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ وہ مجھے پہچانتا ہے یا نہیں۔

"تمھیں کس نے بھیجا ہے؟" آخر کار اس نے سرسراتی ہوئی سرگوشیانہ آواز میں مجھ سے سوال کر ہی ڈالا۔

"کسی نے نہیں۔۔۔ خود ہی آیا ہوں۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "مجھے شاید آپ پہچان نہیں سکے چوہدری صاحب!"

"صورت تو کچھ شناسا ہے۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔ "مگر تم ہو کون؟ کس نے بھیجا ہے تمھیں؟"

"مجھے کسی نے نہیں بھیجا، میں خود آیا ہوں چوہدری صاحب!" میں نے اس کی بکھری ہوئی ذات کو تھوڑا سا سہارا دینے کی نیت سے نرم لہجے میں اپنی بات دہرائی۔ "وہ مجھے آپ نے نہیں دیے تھے، پیسے لے کر مشکل یہاں پہنچا ہوں؟"

"مگر تم ہو کون؟" اس بار اس کی آواز میں تجسس کی ملاوٹ تھی۔ "دیکھی بھالی صورت ہے پر پتہ نہیں کن لوگوں میں سے ہو تم؟"

"میرا نام سلطان ہے چوہدری صاحب!"

"سلطان!" اس نے دو حصوں میں میرا مختصر نام دہرایا۔ پھر چونکتے ہوئے بولا۔ "اوہ! خوب یاد آیا۔۔۔ وجاہت علی کے بھائی ہو تم۔۔۔ مگر یہاں کیوں آئے ہو؟ کیا چاہیے تمھیں؟ کیوں میرے پیچھے لگے ہوئے ہو تم؟"

"تمھارے اس کا حساب ہو سکا تو یہاں پہنچا ہوں۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"چلے جاؤ یہاں سے۔" وہ میرے عاجزانہ جواب میں طنز محسوس کرتے ہوئے بھڑک گیا۔ "تمھیں میں اپنے دروازے سے دھتکار چکا ہوں، یہاں بھی ان سے ملنے کا پابند نہیں ہوں۔"

"یہ زیادتی ہے۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "میں کسی مجبوری کی بنا پر نہیں آیا۔ میں تو خود بے بس اور مجبور ہوں۔"

وہ پلٹا اور جھلا ہوا ہونٹ دانتوں میں دبا کر خوفزدہ نگاہوں سے مجھے گھورنے لگا۔ "تم چاہتے کیا ہو؟"

"اپنے گمشدہ بھائی کا سراغ۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ترحم آمیز لہجے میں کہا۔

وہ دوبارہ دروازے کے قریب لوٹ آیا۔ "یہ بہت پرانا ہے!" اس کا لہجہ خفت آلود تھا۔ "تم بہت شریف اور سمجھدار ہو۔ تم تھوڑے بہت عزت دار لگتے ہو۔ وجاہت علی کو بھول جاؤ، فائدے میں رہو گے

مزید کسی آسانی پیشانی کے داغ کی طرح میرے چہرے پر بھی چپکے لگیں گے۔"

"وہ میرا اپنا فیصلہ ہوگا۔" میں نے اندرونی تڑپ محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "تب سے میں شرف ہو جانا چاہتا ہوں کہ وہ کہاں ہے؟"

چند ثانیوں تک وہ بجھ کر بغیر میری آنکھوں میں جھانکتا رہا پھر بولا۔ "مجھ سے میرے وکیل کے سوا کوئی بھی نہیں مل سکتا۔ حد ہے کہ میری بیوی بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکی۔ باہر کی دنیا سے میرا رابطہ بالکل کٹا ہوا ہے۔"

"مگر یہ ہوا کیسے؟" میں نے بے ساختہ حیرت کے ساتھ کہا۔

"اخبارات روزانہ میرے اور تمہارے خلاف زہر اگل رہے ہیں۔"

"ایک بار۔۔۔ بس ایک بار میرے آدمی مجھ تک پہنچ جاتے، پھر میں دیکھوں گا کہ حالات کا دھارا کیسے نہیں میرے خلاف بہتا ہے۔"

"تم مجھ تک پہنچنے میں کیسے کامیاب ہوئے؟" چند ثانیوں کے گمبھیر توقف کے بعد اس نے چونک کر مجھ سے پوچھا۔

"رشوت دے کر۔" میں نے کہا۔

"بکواس۔" وہ غرایا۔ "میرے آدمیوں نے جیل بدلنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہوگی۔ وہ تم سے ہزار گنا رشوت دینے کی استطاعت رکھتے تھے مگر اس کے باوجود انہیں میرے قریب نہیں پھٹکنے دیا گیا۔ اس ملاقات کا مقصد کیا بتایا تھا تم نے؟"

"حقیقت!" میں نے کہا۔ "اپنے بچھڑے ہوئے عزیز کا پتہ معلوم کرنے کا وکیل کیا تھا میں نے مجرم سے۔"

"انسانی ہمدردی!" وہ پُرجوش لہجے میں بولا۔ "مجرم شاید نرم دل آدمی ہے۔ اگر اس کے سامنے بھی مظلومیت پیش ہو جو رشوت کا نذرانہ دے سکے تو اسے مزید مجھ تک رسائی حاصل ہو جائے گی۔"

"شاید ایسا ہی ہو۔"

"وحید آغا بہت بدمعاش ہے۔" اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "گرفتاری کے بعد سے جس نے ایک دم آنکھیں بدل لی ہیں۔ میرے بچاؤ کو اس نے کمیشن زدہ کر دیا ہے مسلسل دباؤ ڈال رہا ہے کہ میں کم از کم دو جرائم کا اعتراف کر لوں تاکہ وہ عدالت میں اقبالی بیان کی بنیاد پر کم سزا کے لیے جدوجہد کر سکے۔"

میں خاموش رہا۔

"مجھے یقین ہے کہ اس وقت وہ میرے اکاؤنٹ سے بھاری رقمیں نکلوا رہا ہوگا مگر میرا کسی سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔" وہ غصے اور بے بسی کے ساتھ بولا۔ "میں چاہتا ہوں کہ اب اسے میری مرضی کے بغیر ایک پیسہ بھی نہ دیا جائے۔"

"کسی کو کوئی پیغام پہنچانا ہو تو میری خدمات حاضر ہیں۔" میں نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔ "وحید آغا اگر تمہاری مجبوریوں کی آڑ میں تم کو چھوڑ رہا ہے تو یقیناً نمک حرامی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ مجھے تمھاری مدد کر کے خوشی ہوگی۔"

"میری غیر حاضری میں صرف دو افراد میرے اکاؤنٹ سے رقمیں نکال سکتے ہیں۔" وہ عجیب لہجے میں ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولا۔ "میری بیوی اور راشد خان۔۔۔ راشد خان کوئین بیٹس کا جنرل منیجر ہے اور وحید آغا کو ان دونوں تک رسائی حاصل ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ان دونوں کو میرا پیغام پہنچا دو کہ وحید آغا کو اب کوئی رقم نہ دی جائے۔"

"راشد خان تو شاید پولیس کی تحویل میں ہوگا۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "کوئین بیٹس کو سیل کر کے پولیس نے اس کے عملے کو گرفتار کر لیا تھا۔"

"یہ کب کی خبر ہے؟" اس نے حیرت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"تمھاری گرفتاری والی شب ہی یہ کارروائی کی گئی تھی۔ اگلی صبح کے اخبارات میں دونوں خبریں ایک ساتھ شائع ہوئی تھیں۔"

اس نے دانت پیس کر غصے اور مایوسی کے عالم میں کئی گالیاں دیں پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "کمینے نے کوئین بیٹس کے بارے میں مجھے ایک لفظ بھی نہیں بتایا۔ پتہ نہیں وہ میرے ساتھ کون سا کھیل کھیل رہا ہے۔"

"پھر تو تمہیں فوری طور پر اپنے دفاع کی فکر کرنی چاہیے۔"

"مسئلہ وہی ہے۔" وہ تشویش زدہ لہجے میں بولا۔ "میرا باہر کسی سے کوئی رابطہ نہیں ہے، میں کچھ کرنا بھی چاہوں تو نہیں کر سکتا۔"

صورت حال کی ستم ظریفی تھی کہ چوہدری بشیر میری تحقیر کر چکا تھا، حد یہ تھی کہ وہ میری صورت دیکھنے کا بھی روادار نہیں تھا اور میں نے اپنی انتقامی کارروائی کو خفیہ طریقے پر رو بہ عمل لاتے ہوئے اس کی عزت کو قانون کی نگاہوں میں بے نقاب کر دیا تھا مگر اب وہ متکبر اور کمینہ صفت شخص اپنے رسوا ذاتی معاملات کے بارے میں مجھ ہی سے مشورہ کرنے پر مجبور تھا۔

"آخر وہ تم سے اس طرح کیوں پیش آ رہا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ بدنیتی پر آمادہ ہے۔" چوہدری بشیر نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "اس کا مفاد اسی میں ہے کہ کسی طرح مجھے لمبی میعاد کی سزا ہو جائے۔"

"مگر کیوں؟"

"وہ میرا سگا سالا ہے۔" اس نے گہرا سانس لے کر تھکے ہوئے لہجے میں انکشاف کیا۔ "میری بیوی بھی اس کی عادتوں سے نالاں ہے۔ وہ سوچ رہا ہوگا کہ مجھے لمبی سزا ہو گئی تو عملاً اسے میری تمام جائیداد اور اثاثوں پر تصرف حاصل ہو جائے گا لیکن میں اس کے شیطانی عزائم کو کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔"

میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ خود شیطانی عزائم رکھنے والا آدمی دوسرے کے بارے میں انہی اندیشوں کا اظہار کر رہا تھا۔

"میں تمہاری بیوی کو تمہارا پیغام پہنچا دوں گا۔" میں نے کہا۔ "لیکن میرے مسئلے کا کیا ہوگا؟" میں نے موقع پا کر اپنی بات چھیڑی۔ "میں اپنی الجھن کے لیے تمہارے پاس پہنچا تھا مگر تمہاری بپتا سن کر اپنی پریشانی بھول گیا۔"

"وہ تمہارا سگا بھائی تو نہیں تھا؟" چوہدری بشیر نے بے دلی سے دریافت کیا۔

"وہ میرے سگوں سے زیادہ ہے کیونکہ یہاں میرا وہ واحد ہمدرد ہے۔" میں نے خون کے حقیقی رشتے کو جھٹلانے کی بجائے گول مول سا جواب دیا۔

"خیر۔۔۔ اس بار تم میرا کام کر دو۔" اس نے کہا۔ "کل یا پرسوں دوبارہ میرے پاس آؤ گے تو میں تمہیں وجاہت علی کے بارے میں بھی بتا دوں گا۔"

"ابھی کیوں نہیں بتاتے؟" میں نے اصرار کیا۔

"مجھ سے بحث مت کرو۔" وہ تنک کر دروازے سے دور ہٹ گیا۔ "وجاہت علی کوئی اچھا آدمی نہیں تھا جس کا انجام بستر پر ہوا ہوگا۔۔۔"

"کیا تم جانتے ہو؟" میں نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے موہوم سا امکان ہے کہ اس کا انجام سن کر شاید تم مجھ سے متنفر ہو جاؤ اور میرا کام کرنے سے انکار کر دو۔"

"وہ تو میں اب بھی کر سکتا ہوں۔" میں نے قدرے ترش لہجے میں کہا۔ "کل واپس آ کر میں تمہیں مفروضہ قصے سنا سکتا ہوں جبکہ میری تردید کا امکان ہے نہ تمہاری بیوی تم تک پہنچ سکتی ہے اور نہ راشد خان۔"

وہ وحشیانہ انداز میں ہنس پڑا۔ "مجھے کسی سے تصدیق کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں تمہاری بات پر اسی وقت یقین کروں گا جب ادائیگیوں کا سلسلہ موقوف ہونے پر وحید آغا بری طرح بلبلاتا ہوا یہاں پہنچے گا۔"

"اور اگر وہ دس دن تک بھی نہ لوٹا؟" میں نے اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے بے بسی کے ساتھ اس سے سوال کیا۔

"تو تمہیں بھی صبر کرنا ہوگا۔"

"چلو۔۔۔ ملاقات ختم کرو۔" اسی وقت اہلکار کے عقب سے کسی کی تحکم آمیز آواز سنائی دی۔

"جلدی سے اپنے گھر کا پتہ بتاؤ۔" میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس نے اپنے مکان کا نمبر بتایا پھر بولا۔ "اگر راشد خان گرفتار ہو چکا ہے تو تمہیں اس سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بس میری بیوی کو سمجھا دینا کہ اب وحید آغا کو کسی بھی قیمت پر کوئی رقم نہ دے۔"

"میں یہ کام بھی کر لوں گا۔"

میرا فقرہ ختم ہونے تک سپاہی میرے سر پر پہنچ چکا تھا۔

"بس اب یہ قصے کہانیاں ختم کرو، بہت دیر ہو گئی ہے۔"

واپسی پر سپاہی کے ہمراہ نکلتے ہوئے میں نے اسے۔۔۔۔ دس روپے کا ایک نوٹ تھما دیا جو اس نے کسی اعتراض کے بغیر اپنی جیب میں ٹھونس لیا۔

تھانے سے نکل کر میں سیدھا امن آباد کی طرف روانہ ہو گیا تاکہ چوہدری بشیر کی بیوی کو فوری طور پر مطلوبہ پیغام پہنچا سکوں۔ امن آباد میں چوہدری بشیر کا خوبصورت مکان ایک پُرآسائش اور متمول علاقے میں واقع تھا۔

گھنٹی کی آواز پر ایک نوعمر لڑکے نے دروازہ کھولا تو میں نے اپنا نام سلطان ہی بتایا اور چوہدری بشیر کی بیگم سے ملنے کا مدعا بیان کیا۔ چند ثانیوں بعد ملازم واپس آیا اور مجھے نشست گاہ میں بٹھانے لے گیا۔

میں نے اس کمرے میں نشست سنبھالنے کے بعد سگریٹ سلگائی ہی تھی کہ کھڑی ناک اور تنگ پیشانی والا ایک دراز قامت شخص مکان کے اندرونی حصے سے نمودار ہوا اور مجھے اہمیت دیتے ہوئے مختصر سلام کر کے میرے مقابل ایک صوفے پر براجمان ہو گیا۔

"ہاں تو سلطان صاحب! بیگم بشیر سے کیا کام ہے آپ کو؟" اس نے بیٹھتے ہی مجھ سے سوال کر ڈالا۔

"کیا وہ گھر پر موجود نہیں ہیں؟" میں نے اس کے جارحانہ لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے نرمی سے سوال کیا۔

"موجود ہیں۔" اس نے آگے جھکتے ہوئے پُرزور لہجے میں کہا۔ "میں ان کا بڑا بھائی ہوں۔ میرا نام وحید آغا ہے۔ آپ کو جو بھی کام ہے بلا تکلف مجھے بتا دیں۔"

"ان کے لیے ایک ذاتی نوعیت کا پیغام ہے۔" میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "زحمت نہ ہو تو چند منٹ کے لیے انہیں بلا دیں۔"

"کس کا پیغام لائے ہیں آپ؟" وہ میری طرف سے تجسس میں مبتلا ہو گیا تھا اور میں دل ہی دل میں اس سے جلد از جلد گلو خلاصی کی دعا مانگ رہا تھا۔

"میری پیغام رسانی کا مقصد کسی ذاتی منفعت کے لیے نہیں ہے۔" میں نے ناگواری سے احتجاج کے ساتھ کہا۔ "پیغام بیگم صاحبہ کے کسی بہی خواہ کی طرف سے ہے اور ان کی بھلائی کے لیے ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ مجھ سے اتنی جرح کیوں کر رہے ہیں۔"

"میں ان کا بھائی بھی ہوں اور وکیل بھی۔" وہ استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "اس سے جو کچھ کہنا ہے مجھے بتا دیں اور اگر آپ براہ راست رسائی پر مصر ہیں تو مجھے افسوس کے ساتھ کہنا

پڑھنے لگا تو آپ واپس تشریف لے جائیں۔"

"معاملہ سنگین معلوم ہوتا ہے۔" سیما نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے تبصرہ کیا۔ "میں شورش چھوڑتا۔ جیسا معلوم ہوتا ہے کہ بیگم صاحبہ اپنے ہی مکان میں آپ کی قیدی ہیں اور آپ کی مرضی کے خلاف کسی سے نہیں مل سکتیں۔"

"مزید کچھ بکواس کی تو تمہارا جبڑا توڑ کر رکھ دوں گا۔" وہ غصیلے لہجے میں غرایا۔ "سلامتی چاہتے ہو تو بلا توقف نکل جاؤ۔"

میں تیزی سے نکاسی کے راستے کی طرف مڑ گیا۔

"بھائی صاحب! انھیں روکیں۔" ایک باوقار نسوانی آواز نے مجھے سر گھما کر پیچھے دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

اندرونی حصے میں کھلنے والے دروازے میں ایک دراز قامت، سبک اندام اور خوبصورت عورت چہرے پر سنجیدگی کی دبیز تہہ لیے کھڑی تھی اور وحید آغا جھلاہٹ کے عالم میں مسلسل اسے گھورے جا رہا تھا۔

"تم بلاوجہ دخل اندازی کر رہی ہو سیما!" آخر کار وہ تلملاتے ہوئے لہجے میں زبان کھولنے پر مجبور ہو ہی گیا۔ "کچھ پتہ نہیں کہ یہ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے اور اس کا مقصد کیا ہے... موجودہ حالات میں ایسے مشکوک لوگوں سے بے دھڑک ملنا تمہارے لیے خطرناک ہو سکتا ہے اور اس وقت تمہاری حفاظت کا بوجھ میرے کاندھوں پر ہے۔"

"یہ باتیں ہم مہمان کی واپسی کے بعد تنہائی میں بھی کر سکتے ہیں بھائی صاحب!" اس عورت کا لہجہ ملامت آمیز تھا۔ "ان کی آمد کا مدعا سن لینے میں آخر حرج کیا ہے؟ آپ کو نہیں مجھے معلوم ہو جائے گا کہ یہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔"

میرا خیال تھا کہ اپنی بہن کے لیے بے پردہ احتجاج کرتا ہوا ڈرائنگ روم سے چلا جائے گا مگر وہ وہیں براجمان ہو گیا۔

"آپ ادھر تو آ جائیں۔" سیما نے ڈرائنگ روم کے ایک نسبتاً گوشے میں نشست سنبھالتے ہوئے پہلی بار مجھے مخاطب کیا۔

سیما کو لڑکی تو نہیں کہا جا سکتا تھا مگر وہ بہت ہی بھرپور اور حسین عورت تھی۔ اس کی ذات اور بول چال سے ایک ایسا مخفی اعتماد نمایاں تھا کہ چاہتے ہوئے بھی کوئی معتدل آدمی اس پر بری نگاہ نہیں ڈال سکتا تھا۔

"میں آپ کے شوہر کا ایک خفیہ پیغام لایا ہوں۔" میں نے سیما کے قریب بیٹھتے ہوئے بلا کسی تمہید کے سرگوشیانہ لہجے میں کہہ ڈالا۔

وہ غیر ارادی طور پر اپنی نشست پر آگے سرک آئی اور دھیمی آواز میں بولی۔ "کیا حال ہے ان کا؟ آپ ملے تھے ان سے؟"

اس کے لہجے میں ایک باوفا بیوی کی اندرونی تڑپ نمایاں تھی۔

"وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ میں سیدھا ان ہی کے پاس سے آ رہا ہوں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "مگر ذہنی طور پر بہت پریشان ہیں..."

"میں نے تو سنا تھا کہ انھیں بری طرح تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے۔" اس نے تحیر آمیز سرگوشیانہ لہجے میں میری بات کاٹ کر سوال کیا۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے سیما!" وحید آغا غصے سے بے قابو ہو کر بول پڑا۔ "اس گھر میں میری موجودگی کے باوجود... آخر ان سرگوشیوں کا مطلب کیا ہے؟ کیا میری ذات تمھارے لیے اتنی ہی غیر معتبر ہو کر رہ گئی ہے؟"

"آپ مشتعل نہ ہوں بھائی صاحب!" سیما نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اندر جا کر آرام کریں۔ آپ کو ان صاحب سے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔"

"تم اس اجنبی کے مقابلے میں میری تحقیر کر رہی ہو۔" وحید آغا چیخ کر اونچی آواز میں دہاڑا۔

"آہستہ بولیں بھائی صاحب!" سیما حیرت ناک ٹھنڈے دل و دماغ کی مالک تھی۔ "پچھواڑے میں ملازموں نے آپ کی چیخ پکار سن لی تو یہ تماشا اور بھی مضحکہ خیز بن جائے گا۔"

وہ کسی کا نام لیے بغیر چند ثقیل گالیاں دیتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر چلا گیا۔

"آپ کے شوہر کو ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا۔" تخلیہ میسر آتے ہی میں نے جلدی سے کہنا شروع کیا۔ "مگر آپ کے بھائی مصر ہیں کہ چوہدری بشیر اقبالِ جرم کر لیں۔ چوہدری صاحب کا خیال ہے کہ ان کا سالا انھیں سزا دلوا کر ان کے اثاثوں پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ اب ان کی براہِ راست اجازت کے بغیر وحید آغا کو ایک پیسہ بھی نہ دیا جائے۔"

"اوہ خدا!" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ "چوہدری صاحب ٹھیک سوچ رہے ہیں۔ پچھلے چند روز میں بھائی صاحب کو تین چار لاکھ روپے دے چکی ہوں۔ دو لاکھ تو محض اس وجہ سے کھینچ لیے گئے کہ چوہدری صاحب کو پولیس کے تشدد سے نجات دلائی جا سکے۔ مجھ سے بھائی جان نے کہا تھا کہ چوہدری صاحب بری طرح سے لہولہان کر دیے گئے ہیں۔ زبان پر لکنت طاری ہے اور اسی وجہ سے ملاقات پر پابندی ہے۔"

"یہ سب جھوٹ ہے۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ "چوہدری صاحب کو خدشہ تھا کہ مفروضہ واقعات کی بنا پر آپ سے رقم وصول کی جا رہی ہے۔ اب پتہ چلا کہ ان کے تمام اندیشے سو فیصد درست ہیں۔"

"اس وقت بھی بھائی صاحب ضمانت کی کوششوں کے سلسلے میں ایک لاکھ مانگ رہے تھے۔ آپ نہ پہنچتے تو شاید میں چیک کاٹ ہی رہی تھی۔"

"اس وقت تو دور دور تک ضمانت کا کوئی امکان نہیں ہے۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ "جرم سنگین ہے اور ساری شہادتیں ان کے خلاف ہیں۔"

"جو مقدر میں لکھا ہو گا وہ جھیلنا ہی پڑے گا۔" اس نے ایک گہری سانس لے کر یاسیت بھرے لہجے میں کہا۔ "چوہدری صاحب کی گرفتاری تک میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ غیر قانونی دھندوں میں ملوث ہوں گے۔"

"دیکھیں عدالت کیا فیصلہ کرتی ہے۔" میں نے اپنی دانست میں گفتگو کو ختم کرتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

"عدالت کا فیصلہ بھائی صاحب کے حق میں ہوا تو کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔" وہ مایوسانہ لہجے میں بولی۔ "چوہدری صاحب سزایاب ہو جائیں گے۔ بھائی صاحب خاصا پیسہ بٹور چکے ہیں جیسے بہانوں سے کچھ اور بھی لے جائیں گے مگر میری بچیوں کی زندگی برباد ہو جائے گی۔ ایک سزا یافتہ کی بیٹیوں کو کون سا عزت دار گھرانا اپنی بہو بنانا پسند کرے گا۔"

وہ جو کچھ کہہ رہی تھی ٹھیک ہی تھا مگر وہ اس کے ذاتی معاملات تھے جن سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ میرے لیے بس اتنا کافی تھا کہ میرے بڑے بھائی کو جھوٹے کیس میں مبتلا کر کے میرے گھر کا شیرازہ بکھیرنے والا میرے اقبول اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا۔

کھلی فضا میں آزاد پنچھی کی طرح چہکنے والا چوہدری بشیر حوالات کی سلاخوں کے پیچھے اپنے نوشتۂ تقدیر کا منتظر تھا اور وہاں بھی اس بدکردار شخص کو ذہنی سکون میسر نہیں تھا۔ اس کے اپنے رشتے دار اس کی ناجائز کمائی ہوئی دولت کی خاطر اس کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے اور ان سازشوں کی بیخ کنی کے لیے وہ مجھ جیسے ازلی دشمن کا سہارا لینے پر مجبور تھا۔

میں وہاں سے اٹھ گیا۔

گھر سے نکلتے ہوئے مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وحید آغا گھر سے باہر میرا منتظر نہ ہو مگر باہر میدان صاف تھا۔

سیما گھر پر نہایت کوفت کے عالم میں میری منتظر تھی۔

"تم نہیں ہوتے ہو تو میرے لیے وقت گزارنا دوبھر ہو جاتا ہے۔" سامنا ہوتے ہی اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"چند دن کی مجبوریاں ہیں پھر تمھیں کوئی شکایت نہیں رہے گی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تمھیں گھر پر چھوڑ کر باہر جانا مجھے بھی اچھا نہیں لگتا۔"

"دیر ہونے کی وجہ سے مجھے فکر لاحق ہو گئی تھی کہ کہیں کسی دشواری میں نہ پڑ گئے ہو۔ اس سے ملاقات ہوئی یا نہیں؟"

"اس وقت وہ بدترین مشکلات سے دوچار ہے۔"

سیما نے چوہدری بشیر کی کہانی سنی تو پھر سنجیدہ ہو گئی۔ "اس کی بیوی تو بڑی نیک دل عورت تھی۔ کسی کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ لڑکیوں کا مستقبل تباہ ہو جائے گا۔"

"اس کا توڑ تو اب کسی کے بھی بس میں نہیں ہے۔" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "تم پوچھو تو مجھے اس کی بیوی پر بھی رحم آ رہا ہے۔ اسے بالکل علم نہیں تھا کہ اس کا میاں غلط دھندوں میں الجھا ہوا ہے۔"

"خوبصورت عورت ہے کیا؟" اس نے مجھے ٹٹولنے والی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"خاصی حسین اور باوقار ہے۔"

"حسین عورتوں پر رحم کھانا ہر مرد کی کمزوری ہوتی ہے۔" وہ طنز کرتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "پھر چوہدری بشیر کو بری کرانے کے لیے کیا کر رہے ہو؟"

"میرے لیے حیرت کی بات یہ ہے کہ چوہدری بشیر نے کسی بھی مرحلے پر لال خان کا تذکرہ نہیں کیا۔ اخباری کہانیوں میں اس کا ذکر تھا۔ نہ ہی اس کا نام لیا۔ آخر اس بارے میں وہ اتنی رازداری سے کیوں کام لے رہا ہے؟"

"وہ خوف زدہ ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اب بھی اس کے کچھ ٹھکانے اور دھندے پولیس کی نظروں سے بچے رہ گئے ہوں اور وہ لال خان کو مشتعل کر کے انھیں بھی نہ گنوانا چاہتا ہو۔"

"تم نے بالکل صحیح نتیجہ اخذ کیا ہے۔" میں نے پرجوش لہجے میں کہا۔ "کل جب میں اس سے ملوں گا تو اسی زاویے سے کریدنے کی کوشش کروں گا۔"

"بے سود ہو گا۔" اس نے کہا۔ "لال خان کا نام ایک معمہ ہے جس سے چوہدری بشیر یا اس کے قریبی ساتھی واقف ہیں۔ تم نے اس بارے میں اشارہ بھی کیا تو وہ شخص لال خان کا آدمی سمجھ کر تم کو کوئی نقصان پہنچانے پر اتر آئے گا... یہ پہچان بھی تو تم اس وقت کرو جب اسے رنگے ہاتھوں پکڑنے کا ارادہ ہو جس کی میرے خیال میں اب کوئی ضرورت نہیں رہی۔"

"یہ سب تو سن لیا لیکن اصل بات کی تمھیں پروا ہی نہیں۔" اسے خاموش پا کر میں نے ٹوکا۔

"ارے ہاں۔ بھائی جان کے بارے میں کیا رہا؟"

"میرا خیال ہے کہ چوہدری بشیر نے ان کے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہو گا۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "وہ بضد تھا کہ پہلے میں اس کا پیغام اس کی بیوی تک پہنچاؤں۔ اس کے بعد ہی وہ مجھے کچھ بتائے گا۔ جس نے صاف صاف کہا کہ بھائی جان کا انجام ایسا ہے کہ جس سے واقف ہو کر میں بھڑک جاؤں گا اور اس کے ساتھ کوئی تعاون نہیں کروں گا۔"

"یہ جاننے کے باوجود تم اس کے گھر چلے گئے؟"

"اس لیے کہ اس کے علاوہ چوہدری بشیر کی زبان کھلوانے کی اور کوئی ترکیب نہیں تھی۔" میں نے حسرت ناک لہجے میں کہا۔ "پھر اب وہ اپنے سیاہ کرتوتوں کی بنا پر تقدیر کے بے رحم شکنجے میں پھنسا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ تھوڑی سی مہربانی کر لی جائے تو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو گا۔ تیسری بات یہ کہ بھائی جان کے ساتھ جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ مشتعل ہو کر جلد بازی سے بچتے ہوئے ان دونوں کو لوٹایا نہیں جا سکتا۔ اصل کام تو

ہے کہ اُن تک پہنچ کر انہیں اس مصیبت سے نجات دلانے کی کوشش کی جائے۔"

"یعنی کل شام سے پہلے کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔"

سیما کئی روز سے گھر کی چار دیواری میں محدود رہتی تھی لہٰذا اداس ہو کر میں نے اُسے باہر چلنے کی پیشکش کی تو وہ خوش ہو گئی۔

ہوٹل میں کھانا کھانے کے بعد میں اس کے ہمراہ ایک سینما گھر میں چلا گیا۔ واپسی پر رات گئے ہم گھر لوٹے اور گہری نیند سو گئے۔

اگلے دن میرے پاس کوئی کام نہیں تھا۔ بس سارا دن یہی انتظار ہوتا رہا کہ شام کا وقت کب آئے اور میں چوہدری بشیر سے فیصلہ کن ملاقات کی کوشش کروں۔

شام چھ بجے میں گھر سے روانہ ہو گیا۔

تھانے پہنچا تو میری بدقسمتی کہ محرر غیر حاضر تھا اور عملے کے دیگر اراکین مجھ سے بات کرنے کے لیے بھی آمادہ نہ تھے۔ چوہدری بشیر کا نام سنتے ہی ہر ایک یوں بدک رہا تھا جیسے وہ تھانے کی حدود میں اُگا ہوا کوئی شجرِ ممنوعہ ہو۔

بدقسمتی تمام۔ میں اس سپاہی کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوا جو پچھلی شام محرر کی ہدایت اور کانسٹیبل کی قیادت میں مجھے چوہدری بشیر کے لاک اپ کی طرف لے گیا تھا۔

"اس حوالاتی کی ملاقات پر سخت پابندی ہے صاحب!" سپاہی نے میرا مدعا جاننے کے بعد خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "محرر صاحب بھی گھبرا گئے ہیں۔ ہم چھوٹے لوگ ہیں۔ کسی افسر کو ملاقات کی خبر مل گئی تو فوراً معطلی کا پروانہ آ جائے گا۔"

"میرا اس سے ملنا بہت ضروری ہے۔ میں کیا کروں؟" میں نے اپنے مسئلے کا بوجھ اس کے کاندھوں پر لاد دیا۔

"وہ تھوڑی دیر میں لوٹ آئیں گے۔ انتظار کر لو ان کا۔" سپاہی ہمدردانہ لہجے میں بولا۔ "چاہو تو اندر کمرے میں آ کر بیٹھ جاؤ۔"

تقریباً ایک گھنٹے بعد محرر کی واپسی عمل میں آئی۔ اس دوران مجھ سے ہمدردی جتانے والا سپاہی محرر کے کمرے میں میرے ساتھ بیٹھا خوش گپیاں کرتا رہا لیکن اسی کے ساتھ وہ آداب ماتحتی سے بھی واقف تھا کیونکہ محرر کی آمد کے ساتھ ہی اس نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر ہم دونوں کو تخلیہ فراہم کر دیا۔

"تم پھر آ گئے ہو؟" محرر نے اپنی نشست سنبھالتے ہوئے عینک کے اوپر سے مجھے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"مجبوری ہے۔" میں نے جلدی سے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "کل بڑی مشکل سے اس کا اعتماد حاصل کر پایا تھا کہ ملاقات کا وقت ختم ہو گیا۔ شاید آج وہ کچھ بتا ہی دے۔"

"تمہارے گم شدہ عزیز کا چوہدری بشیر سے کیا تعلق تھا؟"

"شاید ملازم ہو گا اس کا۔" زیادہ تردد کے ساتھ پوچھا جاتا تھا۔

"آج آخری ملاقات ہو گی تمہاری اس سے۔" محرر نے فرمان صادر کیا۔ "کل آئے تو ایک نہیں سنوں گا۔ لاؤ نکالو تین سو۔"

"تین سو؟" میں نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں۔ یہ دو سو روپے کی خرابی ہے کہ تم آج پھر منہ اٹھائے یہاں آ پہنچے۔ کل ہی جھاڑ دیتا تو تم یہاں نظر نہ آتے۔"

غیر قانونی حقوق کی شرح کے تعین کے لیے اس نے خاصی وزنی دلیل فراہم کی تھی لہٰذا مجھے کسی بحث کے بغیر تین سو اس کے حوالے کرنے پڑے۔

راستہ میرا دیکھا بھالا تھا لہٰذا میں خود ہی حوالات کی طرف چل دیا۔ راہداری کے سرے پر اسی سپاہی نے پُر سکون مسکراہٹ کے ساتھ میرا استقبال کیا اور میں اس کے ساتھ چوہدری بشیر کے لاک اپ کی طرف بڑھ گیا۔

مجھے دیکھتے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ فرش پر بیٹھے بیٹھے بجلی کی سی تیزی سے اٹھ کر بے تابانہ انداز میں سلاخوں دار دروازے پر آ گیا۔

"تم نے زبردست کام دکھایا ہے۔" وہ مسرت آمیز لہجے میں بولا۔ "وہ آج صبح سویرے ہی کسی پاگل کتے کی طرح غراتا ہوا یہاں آیا تھا۔ میری بیوی نے اسے ایک پیسہ بھی دینے سے انکار کر دیا ہے۔ معلوم ہے شاید وہ وکیل بھی بدل دے گی۔"

"مگر تمہارا پیغام پہنچنے تک وہ بیوی سے مختلف حیلوں بہانوں سے ساڑھے تین چار لاکھ روپیہ اینٹھ چکا تھا۔" میں نے بتا دیا۔

"ذرا حقیقت سے ملنے دو مجھے۔ پھر اس سے ایک ایک پیسے کا حساب لوں گا۔" وہ غصے سے دانت پیستے ہوئے بولا۔ "آخر اسے اتنی بڑی رقم دی کیوں گئی؟"

"دو لاکھ تو انہوں نے محض تمہیں تشدد سے بچانے کے لیے حاصل کیے تھے۔" میں نے کہا۔ "اس نے حوالات میں تم پر تشدد کی ایسی تصویر کشی کی کہ وہ چاہتا تو دو لاکھ سے زیادہ بھی اسے بلا تامل دے دیے جاتے۔"

وہ کچھ دیر تک اسے برا بھلا کہتا رہا اور اپنے دل کا غبار ہلکا کرتا رہا۔ اور میں اس کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا تا کہ وہ موضوع جلد از جلد ختم ہو۔

"آج میں بڑی مشکل سے اندر پہنچا ہوں۔ روتے پیٹتے تین سو دے کر۔ محرر نے صاف کہہ دیا کہ آج کے بعد وہ مجھے اندر گھسنے نہیں دے گا۔"

"تم نے اپنا کام کر دیا ہے۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ "اب تمہیں دوبارہ یہاں آنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"میں منتظر ہوں۔" اسے خاموش اور خیالات میں گم دیکھ کر میں نے آہستگی سے لقمہ دیا۔

"وجاہت علی تمہیں گوجرانوالہ کے دماغی امراض کے ہسپتال میں ملے گا۔" اس نے مجھ سے نگاہیں چراتے ہوئے بہت رک رک کر کہا۔

"پاگل خانے میں؟" میں نے تحیر زدہ آواز میں سوال کیا۔ "مگر وہ وہاں کیسے پہنچا دیے گئے؟ ہوا کیا تھا انہیں؟"

"جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔" چوہدری بشیر نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "بڑے ہو چکے وقت کو واپس لانا تمہارے بس سے باہر ہے..... میں نے کہا تھا نا کہ اس کا انجام سن کر تمہیں صدمہ ہو گا۔ مگر تم تحمل کے ساتھ ہی انہیں مصیبت سے نجات دلا سکتے ہو۔"

"مگر یہ ہوا کیسے؟" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے پژمردہ لہجے میں سوال کیا۔ "میں واقعے کا پس منظر جاننا چاہتا ہوں۔"

چوہدری بشیر نے بہلا پھسلا کر مجھے ٹالنے کی بہتیری کوششیں کیں مگر میں نرم خوئی کا مظاہرہ کرنے کے ساتھ اپنی ضد پر اڑا رہا۔

مجھے یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ اس شرمناک حرکت میں چوہدری بشیر کا ہاتھ ضرور ہو گا مگر میں یہ بھی جانتا تھا کہ اس مرحلے پر میں نے تلخی یا بدگوئی کا سہارا لیا تو وہ سختی سے اپنی زبان کو بند کر لے گا۔

"وہ بہت بدقماش آدمی تھا، اپنی ذمہ داریوں کو بھول کر گردن تک جوئے کی دلدل میں غرق تھا۔" آخر چوہدری بشیر نے کہنا شروع کیا۔ "پہلے اس نے دکان فروخت کی پھر مکان بھی گنوا دیا۔ وہ مجھ سے بہت قریب تھا جب یکے بعد دیگرے اس کے سارے وسائل مسدود ہو گئے تو میں نے اسے قرض دینا بھی بند کر دیا۔ ان ہی دنوں اس نے کسی طرح میرے بعض رازوں سے واقفیت حاصل کر لی اور جب وہ ہر طرف سے مایوس ہو گیا تو براہ راست مجھے بلیک میل کرنے پر تُل گیا۔ اس کی یہ جسارت میری برداشت سے باہر تھی۔ پھر ان ہی دنوں اخباروں میں اس کے بھائی صفدر علی کا بھی ذکر آنے لگا جو ہندوستان میں قانون کی آنکھوں میں دھول جھونک رہا تھا۔ خبریں تھیں کہ وہ کسی بھی وقت پاکستان پہنچ جائے گا۔ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں وہ قاتل درندہ وجاہت علی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تو مجھے چین سے نہ بیٹھنے دے گا۔ لہٰذا میں نے انہیں راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا۔"

وہ سانس لینے کے لیے رکا اور قدرے توقف کے بعد پھر بولنے لگا۔ "قتل و خون سے میں نے ہمیشہ پرہیز کیا ہے لہٰذا وجاہت کے سلسلے میں بہترین صورت یہی نظر آئی کہ اسے پاگل قرار دے کر بند کرا دوں۔ چند روز بعد وہ چھاپہ مارنے کے بعد مکان میں آتش زنی کے جرم میں پکڑا گیا۔ مختصر سی سماعت کے بعد اس کا طبی معائنہ ہوا اور اسے بگڑا ہوا ذہنی مریض قرار دے کر پاگل خانے میں بند کرنے کا حکم صادر ہو گیا۔ اس مرحلے پر میں نے اپنے اثرات سے کام لیا اور اسے لاہور سے سینکڑوں میل دور گوجرانوالہ بھیج دیا گیا۔"

"بوڑھے ... کا انکشاف ... واقعی پاگل ہو چکے ہوں گے۔" میں

نے غصے کی شدید لہر کو ضبط کرتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔

"مجھے امید نہیں۔" چوہدری بشیر اپنی روانی میں میرے لہجے پر غور کیے بغیر کہتا چلا گیا۔ "وہ بہت سخت اعصاب کا مالک تھا۔ لاہور کی کوتوالی میں تین شب و روز کا مسلسل تشدد بھی اس کا دماغ درست نہ کر سکا تھا۔"

"شاید یہ وجاہت علی کے ساتھ کی گئی زیادتیوں کا نتیجہ ہے کہ آج تم اس حوالات کے قیدی ہو۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ظلم دیر سے ہی مگر رنگ ضرور دکھاتا ہے۔ تم نے وجاہت کے ساتھ بدترین سلوک کیا تھا۔"

"اب تم جو چاہو کہتے رہو۔ میں نے حقائق بیان کر دیے ہیں۔" اس نے میرے طنز کا برا مانتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔ "میں نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا اس پر میرے ضمیر نے بھی مجھے ملامت نہیں کی۔"

"ضمیر ہوتا تو ملامت کرتا۔" میں نہ چاہتے ہوئے بھی ان الفاظ کی ادائیگی سے باز نہ رہ سکا۔ "ویسے سننے میں آیا ہے کہ صفدر علی پاکستان میں موجود ہے۔ وجاہت علی کا سراغ لگانے کے بعد میں اس سے بھی ملنے کی کوشش کروں گا کیونکہ میرا اپنا خون ہے وہ۔"

چوہدری بشیر کا چہرہ ایک دم دھواں ہو گیا۔ "اس کے بارے میں کچھ نہ بتانا۔ تم نرم دل ہو مگر میں نے سنا ہے کہ صفدر علی بہت سفاک اور بے رحم ہے۔ ہو سکتا ہے کہ عدالت کے فیصلے سے پہلے ہی وہ میرے بارے میں... اپنا فیصلہ صادر کر دے۔"

"اور اگر میں کہوں کہ میں ہی صفدر علی ہوں۔" میں نے سلاخوں کے سہارے آگے جھکتے ہوئے رازدارانہ لہجے میں سوال کیا۔

وہ بے اعتباری سے کھوکھلے انداز میں ہنسا۔ "ایسا نہیں ہو سکتا بابو۔ اس کی تو صورت دیکھ کر ہی پتا پانی ہو جائے گا۔"

"نہ مانو۔ یہ خوش نصیبی ہے تمہاری۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"مگر میرا خیال ہے کہ صفدر علی تمہاری بو پر لگا ہوا ہے۔"

"یہ کیسے کہہ سکتے ہو تم؟" اس کی نگاہوں میں اضطراب اور خوف سمٹ آیا۔

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔" میں نے بے پروایانہ لہجے میں کہا۔

"مگر اس سے میرا مفاد بھی وابستہ ہے۔" وہ خائف لہجے میں بولا۔ "تم صفدر علی کی یہاں موجودگی کا حوالہ کیوں دے رہے ہو؟"

"شاید اس نے نام بدل لیا ہے۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"لال خان تو نہیں بن گیا ہے وہ؟" اس نے اضطراری طور پر سوال کیا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا اس کا نیا نام؟" میں نے تحیر آمیز لہجے

میں سوال کیا۔

"لال خان بڑی بے رحمی سے اس انجام کا ذکر رہا ہے۔" وہ مسکرا کر شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ "اس نے اپنی ہر دھمکی کو عملی جامہ پہنایا ہے۔"

"اس سے بات ہوتی ہے تمہاری؟" میں بدستور انجان بنا رہا۔

"میری بات چھوڑو۔" وہ مضطربانہ لہجے میں بولا۔ "یہ بتاؤ کہ تم صفدر علی اور لال خان کو ایک شخصیت کیوں قرار دے رہے ہو؟ وہاں کی طرف سے مسلسل رقومات ملتی رہتی ہیں۔" میں نے کہا۔ "اور اس نے فون پر مجھے تم سے ملاقات نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا مگر تم اس سے کیسے واقف ہو؟"

وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ "اس نے بالمشافہ مجھ سے ملنا چاہا تھا۔ تنہائی میں ملاقات ہوئی تھی۔ میری غلطی کہ بلا احتیاط چند جاں نثاروں کو ساتھ لے گیا اور واپس لوٹتے ہی پایا تھا کہ بربادی کا افسانہ مکمل ہو گیا۔"

"یعنی وعدہ خلافی کی کڑی سزا جس سے میں نے عمر دیا ہے مگر اس نے تم سے کیوں مل بیٹھنے کی کوشش کی؟"

"مجھے پتہ نہیں۔" وہ الجھن آمیز لہجے میں بولا۔ "ملاقات ہوتی تو شاید پتہ چلتا مگر وہ پہنچا ہی نہیں۔"

"لیکن تمہارے پچھلے خطوط میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں آیا۔" میں نے اسے ٹٹولنے کی نیت سے کہا۔

"اس کا ذکر میں نے دانستہ گول رکھا۔ لال خان جو بھی ہو میں اس سے مزید بگاڑ مول لینا نہیں چاہتا۔"

میں واپسی کے لیے مڑا تو اس نے جھجکتے ہوئے آواز دے کر مجھے روک لیا۔

"کیا بات ہے؟"

وہ چند ثانیوں تک غور سے میری طرف دیکھتا رہا پھر شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ "اگر صفدر علی وہی ہے اور تم اس تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے ہو تو اسے بتا دینا کہ مجھے کڑی سزا مل چکی ہے اور اب وہ مجھے معاف کر دے۔"

"تمہاری زبان سے معافی کا لفظ عجیب سا لگتا ہے۔"

"انسان ہمیشہ اپنے حالات کا اسیر رہا ہے اور اسے مجبوریوں کے تحت زندگی گزارنی پڑتی ہے۔ جھوٹی انا کے پجاری بہت جلدی برباد ہو جاتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ ملاقات ہوئی تو تمہارا پیغام اس تک پہنچا دوں گا۔"

اس کے بعد میں وہاں سے نکل آیا۔

یوں تو چوہدری بشیر سے اس روز کھل کر بات ہوئی تھی اور مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ کافی ہی تھا لیکن جب میں بھائی جان کے ساتھ اس کے وحشیانہ سلوک کے بارے میں غور کرتا تو میرا خون کھولنے لگتا۔

اس وقت دل میں بس یہی ایک خواہش سما جاتی کہ چوہدری بشیر کو کسی ستون کے ساتھ مضبوطی سے باندھ کر اس پر اتنے درّے برسائے جائیں کہ اس کے بدن کا ریشہ ریشہ چیخ اٹھے۔

راستے میں ایک اسٹیٹ ایجنٹ کے پاس رک گیا جس سے کار کرائے پر حاصل کی تھی جب میں نے اسے بتایا کہ میں اگلے روز مکان خالی کرنے والا ہوں تو اس کی پیشانی پر بل تک نہ آیا۔ البتہ اس نے یہ ضرور کہا کہ پیشگی ادائیگی میں سے چند روز کے بجائے ایک ماہ کا کرایہ منہا ہو گا۔

کار میں نے اسی وقت وہاں چھوڑ دی اور باقی ماندہ رقم لے کر گھر لوٹ گیا۔

سیتا نے بھائی جان سے مل لی تھی اور نہ ان سے اس کا کوئی خونی تعلق تھا مگر میری ذات کے حوالے سے اس کا جو رشتہ پیدا ہو گیا تھا وہی اتنا مضبوط تھا کہ ان کی کتھا سن کر سیتا رو پڑی۔

"میرے خدا! پاگلوں کی بھیڑ میں ایک صحیح الدماغ آدمی کا رہنا کتنا بڑا عذاب ہے۔ چوہدری بشیر واقعی درندہ ہے۔"

"اب کل ہم کراچی روانہ ہو رہے ہیں۔" میں نے چند ثانیوں کے گمبھیر سکوت کے بعد کہا۔ "یہاں ہمارا کام ختم ہو چکا ہے۔"

"تو حیدرآباد کیوں نہیں چلتے؟" اس نے سوال کیا۔ "اب تو ہمیں ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر بھائی جان تک پہنچنا چاہیے۔"

"یہی پروگرام ہے پگلی۔ لاہور سے حیدرآباد کوئی پرواز نہیں جاتی لہٰذا پہلے کراچی جائیں گے پھر حیدرآباد روانہ ہونا پڑے گا۔"

سیتا خاموش ہو گئی۔

اس آراستہ مکان سے ہمیں چند نجی چیزوں کے علاوہ کچھ نہیں لینا تھا لہٰذا پروگرام کے مطابق اگلی صبح اسٹیٹ ایجنٹ آیا تو اسے مکان کی دیکھ بھال میں بمشکل نصف گھنٹہ صرف ہوا پھر ہم نے اس کمرے کی طرف آ جاتے جسے ہم اپنی خوابگاہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ وہاں سے ہم نے اپنا مختصر سا سامان اٹھایا اور اسٹیٹ ایجنٹ کے ہمراہ گھر سے نکل گئے۔

اپنا خریدا ہوا پستول اور چوہدری بشیر سے چھینا ہوا ریوالور میں پہلے ہی تلف کر چکا تھا لہٰذا آخری لمحات پر ان دونوں اشیاء کی طرف سے کوئی پریشانی لاحق نہ ہوئی۔

اسٹیٹ ایجنٹ نے ہمیں مال روڈ پر چھوڑ دیا اور ہم وہاں سے ٹیکسی لے کر ائیرپورٹ روانہ ہو گئے۔

ائیرپورٹ سے صبح دس بجے کے قریب روانہ ہونے والی پرواز میں خاصا وقت باقی تھا لہٰذا ہم نے کاؤنٹر سے ٹکٹ خریدے اور بورڈنگ کارڈ لے کر انتظار گاہ میں پہنچ گئے۔

لاہور سے کراچی تک کا سفر بہت خوشگوار ثابت ہوا۔

کراچی پہنچنے کے بعد سیتا کی رائے تھی کہ وہ رہائش کے لیے دوبارہ سول ہسپتال کی اس نرس سے رجوع کرے جو بہادر آباد کے کمرشل ایریا میں ایک مختصر سے فلیٹ کی مالک تھی مگر میں دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میری جیب میں خطیر رقم موجود تھی اور میں کراچی جیسے شہر میں سواری کی دقتوں سے بخوبی واقف تھا لہٰذا میں نے مکان سے پہلے کسی معقول سواری کی خریداری کا فیصلہ کر لیا جس کے ذریعے ہم براہِ راست حیدرآباد بھی روانہ ہو سکتے تھے۔

فریئر روڈ کے علاقے میں ایک ڈسٹ شوروم پر میں اپنے مقصد کی ایک تین برس پرانی کار نظر آ گئی جس کا فوری سودا ہو گیا۔

رجسٹریشن وغیرہ کی منتقلی کے کاغذات پر دستخط کر کے میں نے کار وصول کر لی۔ ہم صدر کے ایک ہوٹل میں دوپہر کا کھانا کھا کر واپس شوروم پہنچے تو دو سو روپے کے اضافی اخراجات کے نتیجے میں کاغذات منتقل ہو کر واپس آ چکے تھے۔

اس طرح سے بے فکری ہو جانے کے بعد ہم نے پیٹرول کی ٹنکی بھروائی اور اسی وقت سپر ہائی وے کے راستے حیدرآباد کے لیے روانہ ہو گئے۔

تیز رفتاری سے سفر طے کرتے ہوئے ہم گدو بندر کے قریب ذہنی و دماغی ہسپتال کے پھاٹک پر پہنچے تو شام کے چار بج رہے تھے۔

وہاں دفتری عمارت میں چند صحیح الدماغ لوگوں کے ساتھ بگڑے اور خطرناک پاگل بھی موجود تھے جنھیں ان کی افادیت کی بنا پر اوپری کاموں میں مصروف رکھا جاتا تھا۔

وہاں پہنچتے ہی ہمیں پہلی اطلاع یہ دی گئی کہ پاگل خانے میں ملاقات یا سیر کا وقت پانچ بجے ختم ہو جاتا ہے اور اندر گھومنے کے لیے ایک گھنٹہ بالکل ناکافی تھا۔

"ہم سیر کے لیے نہیں آئے ہیں یہاں۔" میں نے اپنے سامنے موجود کلرک سے سنجیدگی سے کہا۔ "ہم اپنے ایک عزیز کی تلاش میں یہاں آئے ہیں۔"

"انہیں کب داخل کرایا تھا یہاں؟ نام کیا ہے ان کا؟" اس نے ڈرا شکست سی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے اپنی کرسی سنبھالی۔

"نام وجاہت علی ہے انہیں دو ڈھائی برس پہلے کسی نے دشمنی میں یہاں داخل کرا دیا تھا۔" میں نے اپنے وجود میں بے چینی کی لہر ابھرتی محسوس کی۔

"صحیح تاریخ کے بغیر تو پتہ چلانا مشکل ہے۔" اس نے مایوسانہ لہجے میں کہا پھر دھیمے لہجے میں بولا۔ "دشمنی والی بات میرے سامنے تو کر ڈالی ہے کسی ڈاکٹر یا افسر کے سامنے نہ کر دینا ورنہ یہاں تمہاری بات پر کوئی بھی کان نہیں دھرے گا۔"

"میں یہاں والوں پر الزام تراشی نہیں کر رہا۔" میں نے سنجیدگی سے وضاحت کی۔ "کسی اچھے بھلے آدمی کو یہاں لانے سے پہلے دو چار روز مسلسل تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے تو پاگلوں سے زیادہ متعادہ حرکتیں کرنے لگے گا۔"

"تمہیں اپنے مطلوبہ آدمی کا سراغ اتنی آسانی سے نہ مل سکے گا۔" وہ ہمدردانہ لہجے میں بولا۔ "تم اس کا نام اور حلیہ وغیرہ مجھے لکھوا جاؤ۔ میں رات والے بابو سے کہہ دوں گا وہ پرانے ریکارڈ میں چھان بین کر لے گا۔ تم صبح سویرے پرچی ہو کر اندر چلے جانا۔ بات جب دشمنی کی ہے تو ہو سکتا ہے اسے کسی فرضی نام سے بھرتی کرایا گیا ہو۔"

"میں تمہارا بہت شکر گزار ہوں گا۔" میں نے ممنونیت سے کہا۔ "مجھے وجاہت علی کا سراغ مل جائے تو میں تمہیں خوش کر دوں گا۔"

"وہ تمہاری مرضی ہوگی۔" اس نے پھیلا کر سے کہا۔ "ہمارے پاس تو ایسے ایک وکیل آئے ہیں آتا ہے لیکن لوگوں سے کچھ مانگ کر خوشی نہیں ہوتی۔"

میں اس کے اعلیٰ خیالات سے بہت متاثر ہوا اور بے ساختہ اٹھ گیا۔

مصافحہ کرتے ہوئے وہ کئی ثانیوں تک میرا ہاتھ تھامے رہا جیسے کوئی بات کہنے میں تذبذب کا شکار ہو رہا ہو۔

"کہو ڈاکٹر کیا بات ہے؟" میں نے اسے شہ دی۔

"کل آؤ تو اکیلے آنا۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "یہاں مردانے حصے میں عورتوں کو اور زنانے حصے میں مردوں کو داخلے کی اجازت نہیں ہے۔ کسی مجبوری کے تحت اگر ایک آدھ عورت اندر چلی جاتی ہے تو تماشا بن جاتی ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ کل میں اکیلا آؤں گا۔"

وہ رات ہمیں حیدرآباد کے ایک ہوٹل میں گزارنی پڑی۔

سیتا تو تھوڑی دیر کے بعد گہری نیند سو گئی مگر رات کی تاریکی جب ان بابو کے کہے ہوئے الفاظ عجیب عجیب ہولناک روپ دھار کر مجھے ڈراتے رہے۔

اگلی صبح میری متورم آنکھوں سے سیتا کو میری رات بھر کی بے خوابی کی کہانی سنا دی۔

"تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟" اس نے محبت آمیز لہجے میں کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں بھائی جان کو کیسے تلاش کر سکوں گا۔" میں نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔ "اس شخص نے جو امکانات ظاہر کیے ہیں وہ حقیقی معلوم ہوتے ہیں۔"

"ابھی سے ان اندیشوں کو ذہن پر سوار نہ کرو۔" اس نے پیار سے کہا۔ "آج کا دن وہاں گزارنے کے بعد ہی تم کسی نتیجے پر پہنچ سکو گے۔"

ناشتے کے بعد میں مینا کو ہوٹل میں چھوڑ کر دماغی امراض کے شفا خانے کی طرف روانہ ہو گیا۔

پھاٹک پر موجود لمبے تڑنگے خوش اخلاق بابا نے پہلی ہی نگاہ میں مجھے پہچان لیا اور بڑے تپاک سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔

اس کا نام امین ملازل تھا اور فرائض میں اپنی ظاہری دیانت کے باعث وہ مصنوعی اشتباہ سے بھی امین ہی نظر آتا تھا۔

"رات والے بابو کو تین سال پہلے تک آنے والے مریض کا نام نہیں ملا۔" اس نے رسمی گفتگو کے بغیر براہِ راست اطلاع دی۔ "اب میں دوبارہ غور سے رجسٹر دیکھ رہا ہوں۔ اتنی دیر میں تم اندر ہو آؤ۔"

میں نے پیسے دے کر اندر داخلے کی پرچی بنوائی اور امین ملازل نے چپڑاسی سے قادر نام کے کسی شخص کو بلا لیا۔

"قادر میاں کا پرانا مریض ہے۔" اس نے مطلوبہ شخص کے آنے سے پہلے اس سے میرا غائبانہ تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "اب بڑی حد تک صحت مند ہو چکا ہے مگر کسی وقت تھوڑا تھوڑا بہک جاتا ہے مگر خطرناک نہیں ہے۔ وہ تمہیں اندر کا چپہ چپہ دکھا دے گا۔"

امین کا بلایا ہوا شخص آیا تو آنکھوں میں بے چینی سی بے رونقی کے علاوہ وہ ہر اعتبار سے عام آدمی نظر آ رہا تھا۔

"یہ سلطان صاحب ہیں۔" امین بلاول نے اسے بتایا۔ "انھیں اپنے ساتھ لے جاؤ اور سارے وارڈ گھماؤ۔ ان کے ساتھ کوئی بدتمیزی ہوئی تو چکر دینے نہیں ہو گے۔"

"تم بے فکر رہو صاحب!" قادر نے انتہائی فراخدلی سے کہا۔ "اندر انھیں کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔"

امین کے اشارے پر میں قادر کے ساتھ ہو لیا۔

دفتر کی عمارت سے نکلتے ہی قادر میری طرف پلٹ پڑا۔

"بیڑی ہو گی بابو جی تمہارے پاس؟" اس کا لہجہ ملتجیانہ تھا۔

"بیڑی تو نہیں سگریٹ ہے۔" میں نے جیب سے پیکٹ نکال کر ایک سگریٹ اسے دیا جسے سلگانے کے بعد وہ اس وقت تک گہرے گہرے مسلسل کش لیتا رہا جب تک اسے بری طرح کھانسی نہ شروع ہو گئی۔ کھانسی کا دورہ ختم ہوا تو اس کی آنکھوں میں پانی تیر رہا تھا۔

"اتنی بے صبری کی ضرورت نہیں۔" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا۔ "یہ ختم کرو گے تو دوسری مل جائے گی۔"

"اچھا!" اس نے یوں حیرت سے کہا جیسے اس سے پہلے اسے دوسری سگریٹ ملنے کی قطعی امید نہ رہی ہو۔

وہ پاگل خانے میں واقعی خاصا مشہور معلوم ہوتا تھا کیونکہ وہ جیسے ہمراہ جدھر بھی جا رہا تھا لوگ اس سے واقف نظر آتے تھے۔

"پہلے بھی تو جتنے بلانے دیکھے ہیں تم نے؟" ابپسٹیل وارڈ میں داخل ہوتے ہوئے اس نے ایک دم چونک کر سوال کیا۔

"ہاں!" بوکھلاہٹ میں میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر پرچی کی موجودگی بھی محسوس کر ڈالی۔ "اس کا خیال کیسے آ گیا تمہیں؟"

"بس ایسے ہی۔" اس نے لاپروایانہ سے لہجے میں کہا۔ "ویسے تم یہاں کب تک آتے رہے ہو؟"

"میں؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "میں پہلے ایک رشتے دار کی تلاش میں آیا ہوں یہاں۔"

"اوہ!" وہ تشویش زدہ لہجے میں بڑبڑایا۔ "پھر پرچی بہت احتیاط سے سنبھال کر رکھنا۔"

"یہ تم لوگ پھر بھی پر کیوں نظر رکھتے ہو؟" اس کی ذہنی حالت سے واقف ہوتے ہوئے بھی میں اس اضطراری سوال سے باز نہ رہ سکا۔

"میں بھی پہلی بار یہاں گھومنے آیا تھا۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر سنجیدگی سے بولا۔ "پرچی اندر کہیں گم ہو گئی اور یہاں والوں نے مجھے باہر جانے سے روک دیا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن، مستقل یہاں پاگلوں میں پھنسا ہوا ہوں۔"

میں سٹپٹا کر رہ گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کی بات پر قہقہہ لگاؤں یا اس سے ہمدردی کا اظہار کروں۔

"دیکھو کیسی قیامت ہے یہاں کی زوال رونقی ہے۔" تھوڑے توقف کے بعد وہ حسرت زدہ لہجے میں بولا۔ "یہی پرچی ملتی بھی ہے یا نہیں؟"

"باہر تمہارا کوئی نہیں ہے جسے تمہاری فکر ہو؟" میں نے اس کی ذہنی رو بہکنے کا احساس کرتے ہوئے نرمی سے سوال کیا۔

"بہت سے لوگ ہیں۔" وہ سگریٹ کو ایک ہی سانس میں راکھ میں بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "مگر وہ اسی وجہ سے نہیں آتے کہ کہیں میں ان کی پرچی بھی چھین کر باہر نہ نکل آؤں اور وہ یہاں پھنس کر رہ جائیں۔"

اس وقت اس کے دماغ پر صرف پرچی سوار تھی لہٰذا میں نے خاموشی اختیار کرنی ہی مناسب سمجھی ورنہ وہ مسلسل اس موضوع پر بول کر میرا دماغ کھا جاتا۔

اس کی اپنی ذہنی کیفیت جو بھی رہی ہو لیکن اپنے کام میں وہ خاصا مشتاق تھا۔ مجھے باری باری تفصیل سے ہر بیرک اور وارڈ دکھا رہا تھا اور مختلف مریضوں کے بارے میں اپنی گراں قدر رائے سے بھی آگاہ کرتا جا رہا تھا۔

"تمہارے کتنے رشتے دار ہیں یہاں؟" ہمیں ساتھ چلتے چلتے اچانک وہ سوال کر بیٹھا۔

"میرے رشتے دار کیوں ہونے لگے یہاں؟" اس کا سوال کرنے کا انداز اس قدر بے تکا تھا کہ میں تلملا اٹھا۔

وہ ہنس پڑا۔ "تھوڑی دیر پہلے خود ہی تو بتا رہے تھے کہ تم اپنے

رشتے دار کی تلاش میں یہاں آئے ہو۔"

"صرف ایک رشتے دار۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "اور وہ بھی پاگل نہیں جسے کسی نے دشمنی میں یہاں پہنچایا ہے۔"

"یہاں جس کو مار پڑتی ہے وہ ایسی ہی کہانیاں سناتا ہے۔" منحوس کا بچہ میں بولا۔ "ایک تو بالکل ہی پاگل تھا جب بھی اسے مار پڑتی تو سب کو دھمکیاں دیتا تھا کہ اس کا بھائی آئے گا تو یہاں کے سارے لوگوں کو خرید کر اسے نکال لے جائے گا... لوگ اس کی ایسی چھیڑتے تھے، وہ اپنے بھائی کا ذکر سنتے ہی لوگوں کو کاٹنے کو دوڑتا تھا۔"

"نام کیا تھا اس کا؟"

"نام پھاٹک پر رجسٹر ہوتے ہیں۔ اندر آنے والوں کے تو بس نمبر ہوتے ہیں۔" اس نے دوسری سگریٹ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بھائی کیا کرتا تھا اس کا؟" میں نے اسے سگریٹ دیتے ہوئے متجسسانہ لہجے میں سوال کیا۔

"پتا نہیں... کوئی سنار گر تھا شاید۔"

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ "سنار گر؟"

"ہاں ہاں!" وہ سگریٹ کے گہرے کشوں کے درمیان کھانستے ہوئے بولا۔ "وہی جو لوہے کو گرم کر کے سونا بنا لیتے ہیں۔"

"کیمیا گر؟" میں نے اپنے دل کی دھڑکن کنپٹیوں میں محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔

"ہو گا کوئی۔ مجھے کیا پتا؟" وہ نئی سگریٹ کا لطف خراب کرنے پر قطعی آمادہ نہیں تھا۔ "کون سا میرا بھائی تھا وہ؟"

"سنو!" میں نے اس کا شانہ تھام کر تیز سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے جس شخص کی تلاش ہے وہ شاید اسی قسم کا دعویٰ کیا کرتا تھا... کس بیرک میں ہے وہ؟ مجھے اس کے پاس لے چلو۔ میں اسے پہچان لوں گا۔"

"کئی مہینے پہلے چھ خطرناک پاگل ایک رات اپنی کوٹھری کی آہنی سلاخیں توڑ کر باہر نکل آئے تھے اور انھوں نے لوہے کی تیلیوں اور اینٹوں سے دوسروں کو بہت بری طرح مارا تھا۔ ان میں شاید وہ بھی تھا..." وہ بتانے لگا۔ "یہاں وہ قیامت کی رات تھی۔ ہر طرف چیخ پکار مچی ہوئی تھی۔ کئی گھنٹے کے بعد وہ قابو میں آئے تھے۔"

"مگر اس کا کیا ہوا جو اپنے بھائی کا ذکر کرتا رہتا تھا؟" میری بے چینی لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔

"دوسروں کے ساتھ وہ بھی بری طرح زخمی ہوا تھا اور صبح کو سب زخمیوں کو علاج کے لیے باہر کے کسی ہسپتال میں بھیج دیا گیا تھا۔"

"پھر؟... پھر کیا ہوا؟"

"ان میں سے کچھ دو چار روز میں لوٹ آئے۔ باقیوں کا دفتر والوں کو پتہ ہو گا۔" اس نے شانے بے نیازی سے کہا۔

اس نئی کی باتیں مجھے دل کو لگتی تو محسوس ہوئیں مگر میں اب پاگلوں کا اعتبار کر کے امین کے سامنے کسی شرمندگی کا سامنا کرنے کے لیے تیار نہ تھا لہٰذا میں اس کے ہمراہ پاگل خانے کے باقی حصوں میں گھومتا رہا لیکن میرا ذہن مسلسل چھ خطرناک پاگلوں کے ہاتھوں پٹنے والوں میں الجھا رہا۔

بارہ بجے کے قریب قادر نے مجھے ایک سبزہ زار کے قریب چھوڑا اور خود پیشاب کرنے ایک بیرک کی اوٹ میں چلا گیا۔

اس کے جاتے ہی نہ جانے کہاں سے ایک تنومند سا شخص میرے پاس آ موجود ہوا۔ اور تیکھی ہوئی سرخ سرخ آنکھیں میرے چہرے پر جما کر بولا۔ "سگریٹ ہے تمہارے پاس؟"

میں اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر رہ گیا۔

"پھر ذرا بندروں سے ہوشیار رہنا۔" اس نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"بندر؟" میں نے حیرت سے دہرایا۔ "وہ یہاں کہاں؟" اور حقیقت بھی یہی تھی کہ میں نے اتنا وقت گزارنے کے باوجود احاطے میں ایک بھی بندر نہیں دیکھا تھا۔

قریبی سبزہ زار پر بیٹھے ہوئے لوگ یقیناً مختلف درجوں کے ذہنی مریض تھے لیکن میرا اور اس مخبوط شخص کا جائزہ لے رہے تھے۔

"ورنہ پیکٹ نکالو سگریٹ کا۔" اس مخبوط شخص نے اپنا سینہ پھیلا کر اپنا ہاتھ آگے پھیلا کر کہا۔

اور پیکٹ میری جیب سے باہر آ رہا تھا کہ اس شخص نے چشم زدن میں وہ مجھ سے جھپٹ لیا اور حلق سے کسی بندر کی سی آواز نکالتا ہوا سامنے برگد کے ایک بلند و بالا درخت پر چڑھتا چلا گیا۔

اس کے ساتھ قریب جوار میں تماشا دیکھنے والے مریض بھی پوری قوت سے گلا پھاڑ پھاڑ کر بندروں کی طرح چیخنے لگے تھے۔

مدہوشوں کی بھیڑ میں اس وقت میں اکیلا ہوش مند نظر آ رہا تھا۔ بے اختیار میرا جی چاہا کہ میں بھی بندروں کی طرح چیختا چلاتا ان دیوانوں کے ہجوم میں شامل ہو جاؤں جو اس عمارت کی مہیب چار دیواری میں زندگی کی مسرتوں کو ترستی رہتی ہے۔

قادر اسی ماحول کا باسی تھا لہٰذا اچانک بھڑکنے والے شور نے شاید اسے چوکنا کر دیا اور وہ تقریباً دوڑتا ہوا میری طرف آیا۔

اس وقت حیرت انگیز بات یہ ہوئی کہ اس پر نگاہ پڑتے ہی بندروں کی چیخیں یکلخت موقوف ہو گئیں اور فضا پر غیر فطری سناٹا چھا گیا۔ مجھے منہ چڑا چڑا کر غرانے اور چیخنے والوں کے چہروں پر بھی ایسی گمبھیر سنجیدگی عود کر آئی تھی جیسے وہ گھنٹوں سے مراقبے کی اسی کیفیت میں بیٹھے زمان و مکان کے فلسفوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

"کیا ہوا! کیسا شور تھا یہ؟" قادر نے سب سے قریب آ کر کسی فاتح جرنیل کی سی شان سے سوال کیا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ ایسے ہی کچھ ہوا تھا ان کے درمیان۔"

تھوڑی دیر بعد ہم اپنا دورہ مکمل کر کے واپس ہو لیے۔

اُس وقت ابن بلاول کے پاس دو افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ مگر مجھ پر نگاہ پڑتے ہی اس نے اُن سے معذرت کر لی اور مجھے ساتھ لے کر برابر والے کمرے میں آ گیا جہاں نشست و طعام کا قدرے بہتر انتظام تھا۔

"پچھلے تین سالوں میں وجاہت علی کا نام کہیں نہیں ملتا۔" ابن نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر تشفی آمیز لہجے میں کہا۔

"مجھے ایک سراغ ملا ہے۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "یہاں چند ماہ پہلے کچھ خطرناک قیدی جیل توڑ کر باہر نکل آئے تھے۔"

"ہاں۔۔۔ یہ پچھلے سال کی بات ہے مگر تمہیں کس نے بتایا اس بارے میں؟" اس نے تحیر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"قادر سے معلوم ہوا ہے۔" میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "زخمی قیدیوں کو علاج معالجے کے لیے باہر کسی ہسپتال میں بھیجا گیا تھا جہاں سے چند تو صحت یاب ہو کر لوٹ آئے تھے۔ باقیوں کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا۔"

"اس حادثے کے دوران کئی جل بسے تھے۔" ابن بلاول نے اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ "مگر اس کہانی میں تم اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟"

"شاید وہ شخص تمہارے ذہن میں تھا جو ہر وقت اپنے بھائی کی یاد میں مضطرب رہتا تھا اور لوگوں کو اس کی اداکاری سے مرعوب کرتا پھرتا تھا۔"

"اوہ۔۔۔ تم سجاد کی بات کر رہے ہو۔" وہ اضطراری طور پر بولا۔ "مگر وہ تو یقینی طور پر پاگل تھا اور ہمیشہ ہی مسئلہ بنا رہتا تھا۔"

"در حقیقت ایسا نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں کے گھٹے ہوئے ماحول نے بعد میں اس کا دماغ الٹ دیا ہو۔۔۔ اس کا ریکارڈ تو مل سکتا ہے نا؟"

"میں اس معاملے میں بہت زیادہ ملوث رہا تھا۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "ہسپتال میں ہم نے اس کے انتقال کے بعد اعلان عام کروا دیے۔ جو بڑے پتے پر رجوع کرنا چاہا تو وہ پتا سرے سے فرضی ثابت ہوا اور اُسے لاوارث قرار دے کر ہسپتال کے خرچ پر دفنا دیا گیا۔"

وہ کہانی سن کر میرا سر گھومنے لگا۔

اپنے شوق کے ہاتھوں آخری عمر میں ماں کو گھر سے بے گھر کرنے والا کس قدر دردناک انجام سے دوچار ہوا تھا۔

بے اختیار میری آنکھوں سے آنسوؤں کے دو موٹے موٹے قطرے رخساروں پر ڈھلک آئے۔ میں نے ہڑبڑا کر جلدی سے گرد و پیش کا جائزہ لیا مگر میں کمرے میں تنہا تھا۔ ابن بلاول شاید مذکورہ فائل لینے چلا گیا تھا۔

چند منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی اور اس نے گرد سے اٹی ہوئی ایک بوسیدہ سی فائل میرے سامنے ڈال دی۔

فائل پر موٹے حروف میں سجاد حسین کا نام اور تاریخ اندراج، تاریخ وفات بھی ہوئی تھی۔

میں نے فائل کا صفحہ الٹا اور میرا دل دھک سے رہ گیا۔ سب سے اوپر بھائی جان کی تصویر لگی ہوئی تھی اور کوئی غلط فہمی یا خوش فہمی کی آخری امید بھی جاتی رہی۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ یہاں کی وحشت زدہ تنہائی میں وہ تم ہی کو یاد کرتا رہا ہو؟" ابن بلاول نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد سوال کیا۔

"پتہ نہیں۔۔۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"وہ اکثر اپنے بھائی کی کیمیاگری کا ذکر کرتا رہتا تھا۔" ابن کہنے لگا۔ "مگر اس نے کبھی بھی اپنے بھائی کا نام نہیں بتایا۔ اس کا انتقال بھی بے ہوشی کی حالت میں ہوا ورنہ آخری سانسوں پر شاید کسی کو کچھ بتا دیتا۔"

"جرم کس قسم کا تھا؟"

"وہ زخمی زنجیروں کی ضرب سے سر کی تمام ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں جن میں سے ایک دماغ میں پیوست ہو گئی تھی۔" اس نے کہا اور میں لرز کر رہ گیا۔

میں نے ابن بلاول کو کچھ رقم دینے کی کوشش کی لیکن اس نے مجھے قسمیں دے کر رقم لینے سے انکار کر دیا۔

میں شکستہ اور دل گرفتہ گدو بندر سے واپس ہو لیا۔ بھائی جان کا انجام معلوم ہونے کے بعد مجھے چوہدری بشیر کے معاملے میں کوئی ندامت باقی نہیں رہی تھی۔

وہاں سے روانہ ہو کر میں کچھ دیر تک حیدرآباد کی سڑکوں پر بے مقصد گھومتا رہا پھر رانی باغ کی طرف نکل گیا۔

وہاں درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں تازہ ہوا لگی تو ذہن پر چھائی ہوئی یاسیت صاف ہونے لگی اور میں مستقبل کے بارے میں سوچنے لگا۔

میں نے جتنا غور کیا اتنا ہی یہ واضح ہوتا چلا گیا کہ میری اور بھائی جان کی زندگی میں زیادہ فرق نہ تھا اگر وہ جرم کی دلدل میں مبتلا تھے تو میں اُن سے کہیں بڑھ کر اسمگلنگ، قتل و غارت اور دہشت گردی میں مصروف رہا تھا۔

اگر فرق تھا تو صرف اتنا کہ بھائی جان سارے وسائل اور سہولتوں کی موجودگی میں غلط راستوں پر چل پڑے تھے جب کہ میرے

جرم اور گناہ کی پشت پر میری مجبوریاں اور محرومیاں تھیں جو قانون کی معروف تاویلات کی روشنی میں مجھے معمولی سا فائدہ دے سکتی تھیں۔

بھائی جان اس دنیا میں نہیں رہے تھے۔ میں اپنی پوری کوشش اور جذبے کے باوجود اُن کے لیے کچھ نہ کر سکا تھا اور اب تنہا اور بالکل تنہا رہ گیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی مجھے اپنی طویل بھاگ دوڑ اب اختتام کو پہنچتی نظر آ رہی تھی۔

لاہور میں اپنا گھر چھوڑنے کے بعد سے پچھلے برسوں میں مجھے چین اور سکون کا ایک لمحہ بھی میسر نہ آ سکا تھا۔

پہلے کراچی میں دو وقت کی روٹی کے لیے ہاتھ پیر مارتا رہا پھر تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق اسمگلنگ میں ملوث ہو گیا۔ اس طرح مالی آسودگی تو میسر ہو گئی لیکن سستے شراب کے جام کے بغیر رات کی نیندیں حرام ہو کر رہ گئیں کیونکہ عالم ہوش میں ہر لمحے قانون کے ہرکاروں کی اچانک دستک کا خوف لاحق رہتا تھا۔

اور جب مقدر نے پلٹا کھایا تو وہ سیاہ دھندا لاکھوں۔۔۔ کے سرمایے سمیت میرے ہاتھوں سے نکل گیا اور میں جرم کی میز پر اپنی پونجی اور مکان ہار کر کراچی کی بے رحم سڑکوں پر آوارہ ہو گیا۔ میں بھاگ رہا تھا اور قانون میرے تعاقب میں تھا۔

قانون سے پناہ کی اس دوڑ میں جلد ہی میری رسائی جمال سنیاسی تک ہوئی جو کیمیاگری کے خبط میں خون تھوکنے کے مرض میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اسے اپنے نسخے کے لیے جماندرو کی تلاش تھی۔ میں نے اس کے تجربے کو اپنی ہمت عطا کی اور ہم دونوں ہمالیہ کی طرف روانہ ہو گئے مگر مشرقی پاکستان میں جمال مارا گیا اور میں اُس کے نسخے کا تنہا امین رہ گیا۔

میں ہمالیہ کی برف پوش وادیوں میں پہنچا تو وہاں جماندرو کے ساتھ ہی ہندوؤں کے عقیدوں پر حکمرانی کرنے والے مہارشی اندرام کی بیٹی سندری اور دیوی کی بیٹی سیتا سے ملاقات ہوئی اور سیتا پر میرا دل مچل گیا۔

جماندرو مل جانے کے باوجود میں اُسے ساتھ نہ لا سکا لیکن سندری کی دی ہوئی انگوٹھی کا چھوٹا سا نگ پارس پتھر ثابت ہوا۔ ان حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرتا پاکستان کی سرحدوں کی طرف بڑھ رہا تھا کہ شومئی قسمت سے میں سیتا اور پارس دونوں سے محروم ہو گیا۔

اُن دنوں کے حالات کو یاد کر کے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے جب فلسطینیوں میں میرا نام عزت و احترام سے لیا جاتا تھا اور حریفوں کے میرے نام سے پسینے چھوٹ جاتے تھے۔

جن دنوں مقدر گردش میں سوار تھی تو منزل قریب نظر آنے لگے یکا یک خواب بن جاتی تھی۔ پھر قدرت نے ایک مسلسل جدوجہد کے بعد مجھے سیتا کے ساتھ یکجا کر دیا۔ جس کے ساتھ ناقابل یقین آسانی کے ساتھ انھال سے پارس پتھر بھی مل گیا۔

نئی زندگی شروع کرنے کے سارے لوازمات مجھے میسر تھے۔ جذبہ ہے کہ بدلے ہوئے نام سے میں پاسپورٹوں کی صورت میں پاکستانی شہریت کا جواز حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اگر کوئی کمی تھی تو بس خون کے کسی رشتے کی جسے میں دکھ درد میں اپنا شریک کر سکوں۔

جب قنوطیت کا دورہ شروع ہوا تو میں رانی باغ سے اٹھ گیا۔ ہوٹل کے کمرے پر دستک کے جواب میں سیتا نے دروازہ کھولا تو مجھے اکیلا دیکھ کر حیران رہ گئی۔ "تم اکیلے آئے ہو؟"

"اندر آنے کا راستہ تو دو یا ساری جرح یہیں کر ڈالو گی؟" یہ کہتے ہوئے میں کمرے میں داخل ہو گیا۔

آرام کرسی پر دراز ہو کر میں نے جوتے اتارے اور پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "میں اکیلا ہو گیا ہوں۔ وہ پچھلے برس انتقال کر گئے ہیں۔"

"تم بھی میری طرح اکیلے رہ گئے!" وہ منہ پھیر کر اداس لہجے میں بولی۔

"کیوں؟ اپنی ماں کی طرف سے مایوس ہو گئیں؟" میں نے نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سوال کیا۔

"ہاں۔" اس نے دل گرفتہ لہجے میں کہا۔ "اگر وہ زندہ بھی ہوئی تو اب کون اس تک پہنچ سکے گا۔ میرے لیے تو وہ ایک خواب بن کے رہ گئی ہے۔"

"اب ہم بے سر و سامان نہیں رہے ہیں۔" میں نے اسے سمجھایا۔ "وسائل ہوں تو ہر مہم آسان ہو جاتی ہے۔ کچھ روز آرام کر کے ایک بار کوشش مزید کریں گے۔"

وہ پھر اپنی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں بھی کیا قصہ لے بیٹھی۔ یہ بتاؤ کہ بھائی جان کا انتقال کہاں اور کن حالات میں ہوا؟"

میں نے اختصار کے ساتھ اسے سارے واقعات سنا دیے۔

"پھر اب کیا ارادہ ہے؟" اس نے قدرے توقف کے بعد سوال کیا۔

"واپس کراچی چلیں گے۔" میں نے کہا۔ "بھائی جان کی تلاش میری مہم کا آخری حصہ تھی اب کم از کم ان کی طرف سے تشویش تو نہیں رہے گی۔"

سیتا میرے انتظار میں بھوکی بیٹھی تھی۔ میں نے کمرے ہی میں کھانا منگوایا اور کچھ دیر تک سستانے کے بعد ہم بریف کیس سنبھال کر نیچے آ گئے۔

ہوٹل کا بل ادا کر کے ہم کراچی کے لیے روانہ ہو گئے۔ واپسی کے سفر میں ہم دونوں ہی اداس تھے اس لیے کافی

دیر تک کار میں خاموشی رہی مگر جائے وقوعہ سے آگے نکلنے کے بعد میں نے خوابناک سہانے مستقبل کا ذکر چھیڑ دیا!

کراچی میں وہ رات ہوٹل میں گزارنی پڑی۔ اگلی صبح میں نو بجے باہر چلا گیا تاکہ پارس کی مدد سے کچھ سرمایہ حاصل کر سکوں!

پرانے جاسوسی کیمپ سے میں نے لوہے کی ایک ایسی سلاخ خریدی اور لارنس روڈ پر ایک ورکشاپ میں اسے برابر کے ٹکڑوں میں کٹوا لیا!

ان ٹکڑوں کو سونے میں تبدیل کرنے کے لیے مجھے محض نصف گھنٹہ درکار تھا جس کے بعد ہوٹل کی بجائے میں نے کار کا رخ کلفٹن کی طرف گھما دیا۔

فرئیر ہال سے گزر کر جب میری کار پل سے پہلے والے چوراہے تک پہنچی تو بے اختیار ایکسیلریٹر پر میرے دائیں پاؤں کا دباؤ کم ہو گیا۔

میرے لیے وہ چوراہا ماضی کا ایک سنگ میل تھا۔

جب میں اپنا مکان پار کر کے رات کے اندھیرے میں اپنے گھر سے کار میں روانہ ہوا تو سوزی میرے ساتھ تھی۔

وہ اینگلو انڈین لڑکی ہر اعتبار سے قابل اعتماد تھی۔ گھر میں وہ میرے لیے خادمہ، باورچن اور مالی سے لے کر سیکرٹری تک کی خدمات انجام دیتی تھی۔

اس کے لیے میرے دل میں بہت گنجائش تھی اور اچھے دنوں میں میں نے اسے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنے کا ارادہ کیا تھا مگر جب میری لانچ پر چھاپے کی اطلاع کے ساتھ میری بدنصیبی کا آغاز ہوا تو لمحوں میں میں شہر کے ایک معزز آدمی کے مرتبے سے گر کر قانون سے فرار چاہنے والا مجرم بن گیا۔

اس بگڑی ہوئی صورت حال میں مجھے خود اپنی ذات کو قانون سے بچانے کا کوئی امکان نظر آ رہا تھا اور اگر میں سوزی کو ساتھ رکھتا تو اس کی زندگی بھی برباد ہو کر رہ جاتی۔

لہٰذا فرار کی طویل راہ پر اپنے سفر کا آغاز کرتے ہوئے میں نے کلفٹن کے پل سے پہلے والے اسی چوراہے پر دل گرفتہ لہجے میں اسے خدا حافظ کہہ دیا تھا۔

میں اس وقت سوزی سے ملنے کی شدید خواہش کو نہ دبا سکا اور کار اس چوراہے سے بائیں طرف گھما لی۔

سوزی کا گھرانہ آسودہ حال نہیں تھا تو مفلوک الحال بھی نہیں تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو اپنی روایات کے خول میں بند رہ کر زندگی کو ایک تھکے بندھے انداز میں گزار لینے کو ہی بڑی کامیابی سمجھتے ہیں!

وسیع احاطے کا شکستہ چوبی پھاٹک اس وقت بھی پرانے انداز میں کھلا ہوا تھا میں مختصر سا پارن بجا کر کار کو اندر لیتا چلا گیا۔

اس عمارت میں سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا میں نے آخری بار دیکھا تھا۔ احاطے میں ہر طرف وہی دھول تھی یا سبزے کے نام پر غبار میں دھندلائے ہوئے گھنے درخت جن پر صرف برسات کے دنوں میں ہی تازگی آتی تھی۔

پارن کی آواز کے جواب میں ایک عمر رسیدہ عورت نے دروازہ کھولا تھا اور آنکھوں پر اپنی ہتھیلی کا چھجا بنا کر چندھیائی ہوئی آنکھوں سے مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔

"گڈ مارننگ مسز فرنانڈس!" میں نے اسکرٹ اور بلاؤز میں ملبوس اس بڑھیا کو پہچانتے ہوئے دور سے کہا اور لمبے قدم اٹھا کر برآمدے میں پہنچ گیا۔

"مارننگ بیٹا!" عمر کے بوجھ سے بڑھیا کی آواز بری طرح لرز رہی تھی "تم کون ہو؟ ہم تم کو نہیں پہچانا!"

میرے ذہن میں اچانک ہی ایک خدشہ سا آ کر گزر گیا۔

سوزی کہاں تھی؟

اگر وہ گھر میں موجود تھی تو اس کے ہوتے ہوئے اس کی ماں کو دروازہ کھولنے کیوں آنا پڑا تھا... کہیں میری زبان سے سوزی کا نام بڑھیا کا کوئی غم تازہ نہ کر دے۔

"میں سوزی کا ایک پرانا دوست ہوں!" میں نے جھجکتے ہوئے کہا "میرا نام سلطان ہے!"

"اندر آ جاؤ!" بڑھیا مجھے راستہ دیتے ہوئے بولی "شاید تم کچھ بہت پرانے دوست ہو۔ اب تو سوزی ہم لوگ سے بھی کبھی نہیں ملتی!"

اس گھر کی کہانی مجھے معلوم تھی۔ مسٹر فرنانڈس برسوں سے دائمی مریض تھے اور گھر کا سارا بوجھ اکلوتی سوزی کے کاندھوں پر تھا۔

"مسٹر فرنانڈس کہاں ہیں؟"

"وہ اندر پڑا ہے!" بڑھیا نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا "پتہ نہیں کتنی زندگی اور ہے اس کی؟" اس کے لہجے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ برسہا برس سے بیمار شوہر کی نگہداشت کرتے کرتے وہ تنگ آ چکی تھی۔

"اور سوزی؟" میں نے سوال کیا۔

بڑھیا کے حلق سے خرخراہٹ بلند ہوئی شاید وہ مجھ سے سوال پوچھ رہی تھی "صبح دفتر جاتی ہے ساڑھے پانچ بجے لوٹتی ہے۔ ملنا ہو تو شام میں آنا... لیکن ایک بات بتا دوں کہ وہ تم کو پہچاننے سے انکار کر دے تو حیران نہ ہونا۔ اسے اب دوستی اور دوستوں سے چڑ ہو گئی ہے!"

اس کے بارے میں بڑھیا کے الفاظ سن کر مجھے شدید ذہنی صدمہ ہوا اور میں وہاں سے اٹھ گیا "میں شام کو آؤں گا... محض اس امید پر کہ وہ مجھے پہچان سکے گی!"

"نام کیا بتایا تھا تم نے؟"

"سلطان!" میں نے کہا اور اسے خدا حافظ کہہ کر واپس ہو لیا۔

سیتا کو پا لینے کے بعد میرے دل میں کوئی حسرت یا ارمان باقی نہیں رہا تھا۔ اس کی ذات میں وہ تمام خوبیاں یکجا تھیں جو کسی مرد کو بہترین رفاقت مہیا کرتی ہیں مگر سوزی کا معاملہ ذرا مختلف تھا۔

وہ سیتا سے پہلے مجھ سے متعارف ہوئی تھی اور محض دوستی کے ناتے برسوں تک میری ذات کو سہارا دیتی رہی کہ ہر وقت میری قربت کی خاطر اس نے میری ملازمت تک قبول کر لی۔ میرے دل کے کسی گوشے میں یہ مجرمانہ احساس بیدار تھا کہ میں نے کئی برس پہلے سوزی کو رخصت کرتے ہوئے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا تھا اور اس کا وہ قرض ابھی تک مجھ پر باقی تھا۔

کلفٹن کا رہائشی ساحل اس وقت کم و بیش ویران پڑا ہوا تھا۔ پونے کا ایک چکر گھڑی کی مانند آہستہ دیا اس کے طلائی طلسم میں مصروف ہو گیا۔

کچھ دیر بعد میں اپنے بریف کیس میں کئی سیر وزنی سونے کی ٹکیاں لیے واپس شہر کی طرف جا رہا تھا۔

کراچی کا صرافہ بازار میرے لیے اجنبی نہیں۔ ان میں ایک دو سے پرانا ماضی میں رابطہ رہ چکا تھا اور مجھے امید تھی کہ اتنے طویل عرصے کے بعد سامنا ہونے پر وہ مجھے نہ پہچان سکیں گے۔

میں بریف کیس ہاتھ میں لٹکا کر ایک دکان میں داخل ہو گیا۔ دکان کے ملازمین کو نظر انداز کرتے ہوئے میں اندر پہنچا تو ستار سیٹھ کو پہچاننے میں مجھے ذرا بھی دقت نہ ہوئی مگر اس کی آنکھوں میں میرے لیے اجنبیت لہرا رہی تھی۔

ستار سیٹھ لین دین کے معاملے میں ہمیشہ سے فراخدل رہا تھا اور وقت گزرنے کے ساتھ اس کی اس خاصیت میں بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

تھوڑی دیر میں سودا طے ہو گیا۔ میں نے مال اس کے حوالے کیا اور ساڑھے چھ لاکھ روپے مالیت کے بڑے نوٹوں کی گڈیاں میرے بریف کیس میں سما گئیں۔

صرافہ بازار سے واپسی میں میرا ذہن مستقل اس مسئلے میں الجھا رہا کہ رہائش کے لیے کون سا علاقہ منتخب کیا جائے۔

کراچی کے پرانے علاقوں میں گو ماحول کافی بدل چکا تھا لیکن ان علاقوں میں بسنے والے باہمی میل جول کے فقدان کے باوجود ایک دوسرے کے بارے میں خبر رکھتے تھے اور یہ خبر رسانی عام طور پر ایک گھر سے دوسرے گھر میں جانے والے ملازمین کے ذریعے عمل میں آتی۔

میں نے ہوٹل سے سیتا کو ساتھ لیا تو اس بارے میں ایک نتیجے پر پہنچ چکا تھا۔

سیتا کے ہمراہ شہر بھر میں بھٹکنے کی بجائے میں سیدھا ایک اسٹیٹ ڈیلر کے یہاں جا پہنچا۔ میری ضرورت کی شدت کا اندازہ کر کے اس نے بیٹھے بیٹھے کئی مکان تجویز کیے پھر ہم اسٹیٹ ڈیلر کو ساتھ لے کر ڈیفنس سوسائٹی کی طرف ہو لیے۔

پہلے دو مکان فرسودہ سے تھے مگر تیسرا بہت خوبصورت تھا۔ ایک ہزار گز کے اعتبار سے تعمیری رقبہ مختصر ضرور تھا مگر وسیع سرسبز لان نے مکان کا حسن دوبالا کر دیا تھا۔

واپسی پر مختصر سی کاغذی کارروائی پر میں نے دو لاکھ روپے ادا کیے اور وہاں سے نکل آیا۔

"یہ مکان واقعی میرے خواب کی تعبیر ہے!" کار میں بیٹھتے ہوئے سیتا نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا "ہم کب تک وہاں منتقل ہو سکیں گے؟"

"دو تین روز میں" میں نے آہستہ سے کہا "میں کل ہی مکان کا قبضہ لے کر اندرونی تزئین و آرائش کا کام کسی کو سونپ دوں گا۔"

کچھ دیر تک خاموشی سے سفر جاری رہا پھر میں نے آہستہ سے پکارا۔

"سیتا!"

"اوں ہوں!" وہ گردن کو جھٹکا دے کر مسکرائی "اب تمہیں بھی اپنی عادت بدل لینی چاہیے۔ تم سلطان ہو اور میں لیلیٰ!"

"تم نے مجھے میرے ماضی سمیت قبول کیا ہے!" میں نے جھجکتے ہوئے کہا "مگر ایک کمزور پہلو ابھی تم سے پوشیدہ ہے!"

"وہ کیا؟" اس نے متجسس لہجے میں پوچھا اور میں نے اسے سوزی کے بارے میں بتا ڈالا۔

"یہ تو مجھ سے ملنے سے پہلے کا قصہ ہے نا پھر اب تم اسے کیوں دہرا رہے ہو؟" سیتا نے میرے خاموش ہونے پر الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں اور تم سے ملوا کر اسے یہ بھی جتانا چاہتا ہوں کہ میں اسے بھول جانے میں حق بجانب تھا!"

"ویسے تو تم اپنی مرضی کے مالک ہو!" اس کا لہجہ غیر معمولی طور پر سنجیدہ ہو گیا "مگر تم عورت کی فطرت سے ناواقف ہو۔ اگر اسے تم سے کچھ توقعات تھیں تو تم سے ملنے کے بعد بھی وہ ماضی کو فراموش نہیں کر سکے گی اور پھر وہ تمہیں شناخت کر سکے گی۔ تمہارے نام سے پُرسکون زندگی شروع کرنے کا تمہارا خواب ادھورا ثابت ہو سکے گا۔ جذباتی رشتے جو بھی رہے ہوں، انہیں تم بھول چکے ہو۔ مدد کرنا چاہتے ہو تو گمنام رہ کر بھی کر سکتے ہو!"

اس کی بات سراسر معقولیت پر مبنی تھی۔ سوزی کچھ بھی سہی مگر ایک ٹھکرائی ہوئی عورت تھی اور اس کی ماں سے یہ سن ہی چکا تھا کہ مجھ سے بچھڑنے کے بعد وہ اکتائے ہوئے انداز میں زندگی گزار رہی تھی۔

ایسے مرحلے پر اگر مجھے یا سیتا کو دیکھ کر اس کے وجود میں حسد کی کوئی چنگاری بھڑک اٹھتی تو وہ ہم دونوں کی پُرسکون زندگی کو چشم زدن میں دردناک بنا سکتی تھی!

میں نے سوزی کے بارے میں اپنا ارادہ یکسر بدل دیا۔ اس کا سامنا کرنا کسی بھی طرح میرے لیے مفید نہیں تھا، جہاں تک مالی امداد کا تعلق تھا تو اب سوزی کی غیر حاضری میں اس کی ماں کو پچیس تیس ہزار دے کر آسکتا تھا۔

اگلے دن مکان کی قیمت ادا اس کی تزئین و آرائش کے لیے جتنی رقم درکار تھی وہ میرے پاس موجود نہیں تھی۔ لہٰذا میں نے ہوٹل کا رخ کرنے سے پہلے اچھی سلاخیں خرید کر کٹوالیں اس بار میں نے لوہے کی خریداری میں فیاضی سے کام لیا تھا تاکہ آئندہ کچھ عرصے تک مرانڈ بازار کے چکروں سے جان بچی رہے۔

”تم کچھ خاموش ہو گئے ہو۔“ سیتا نے مجھے ٹوکا ”شاید سوزی کے بارے میں میرا مشورہ پسند نہیں آیا۔“

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ ”اچھا ہی ہوا کہ میں نے تمہارے سامنے زبان کھولی ورنہ وہ میرے لیے نجانے وبال بھی ثابت ہو سکتی تھی.... میں دراصل کل کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ میرے پاس کئی کھوپڑیاں ہیں جنہیں کل نمٹانا چاہتا ہوں۔“

یوں کسی تلخی کے بغیر سوزی کا ذکر ختم ہو گیا۔

اگلے روز ہوٹل سے اترتے ہوئے میرا بریف کیس اس قدر وزنی تھا کہ مجھے سنبھل کر چلنا پڑ رہا تھا تاکہ دیکھنے والے کو بریف کیس پر شبہ نہ ہونے پائے۔ ایک گھنٹے سے بھی کم عرصے میں وہ سارا سونا ستار سیٹھ کی تجوری میں منتقل ہو چکا تھا اور میرے پاس فوری ضروریات کے علاوہ خطیر رقم آ چکی تھی۔

اسٹیٹ ڈیلر کے یہاں کاغذات تیار تھے پچاس ہزار ایڈوانس کے معاہدے کے مطابق میں نے بقیہ رقم ادا کر دی پچاس ہزار ڈیلر کے یہاں ادا کرنے تھے۔

اسٹیٹ ڈیلر کی معرفت میں نے اندرونی تزئین کے لیے ایک دفتر سے رجوع کیا اور انہیں رقم ادا کرنے کے بعد اگلی شام تک مکان تیار ملنے کی امید ہو گئی۔

سیتا کو وہ سب ناقابل یقین محسوس ہو رہا تھا۔ ہم دونوں جس انداز میں پُرخطر زندگی گزارتے آئے تھے اس کے پیش نظر وہ آزادیاں ایک خواب معلوم ہو رہی تھیں۔

اگلی شام میں ہوٹل کا حساب بے باق کر کے اپنے نئے مکان تک پہنچا تو وہاں کا سماں ہی بدلا ہوا تھا۔ ہر طرف روشنیوں کا دھیما سا سیلاب آیا ہوا تھا جس میں صوفوں سے قالین تک ہر چیز الگ ہی اپنی شان دکھا رہی تھی۔

تزئین کرنے والوں کے سربراہ کے ساتھ ہم دونوں نے مکان کے چپے چپے کا جائزہ لیا اور پھر اس کے عملے کو انعام دے کر رخصت کر دیا۔

وہ اس چھت کے نیچے ہماری پہلی شام تھی جسے اور آزادی گزارتے ہوئے ہم دونوں میاں بیوی کو یکایک ضرورت سے زیادہ آزادی میسر آگئی تھی اور سیتا سرور کے عالم میں آنے والے دنوں کی باتیں کیے جا رہی تھی۔

اور آج بھی اس مکان میں چھبیس برس سے جس آزادی کے لیے ہم تڑپتے تھے اسے ختم کر کے بھی خوشی کا عجیب سا احساس ہوتا ہے۔

جب تک جالے بان پٹھان ہوا میں اپنا اصل نام نہ بھول سکا سلطان بن کر معاشرے کے منتخب حلقوں میں اپنا مستحکم مقام بنایا۔ لیکن مجھے کھوکھلے پن کا احساس ستاتا رہا مگر بیٹے کا نام صفدر رکھنے کے بعد مجھے قرار آ گیا۔ اب مجھے محسوس ہوتا ہے جیسا میرا پیدائشی نام ہی سلطان ہے مگر میری دلی دعا یہی ہے کہ اس کے مقدر میں وہ مصائب نہ ہوں جو اس کے باپ نے خوشگوار زندگی کی منزل تک پہنچنے میں جھیلے تھے۔

بیٹے کی ولادت ہوئی تو میرے بھولے ہوئے نام کو میرے اپنے خون کا سہارا ملا اور اگلے برس جب بیٹی ہوئی تو سیتا کے سوا کوئی نام ہی نہ سوجھ سکا۔

ان چھبیس برسوں میں جانے بہت سے بے تکلف دوست بن چکے ہیں۔ بیٹی کا نام سن کر ہر ایک ہی پوچھتا تھا کہ ہم نے ہندوانی نام کیوں اختیار کیا مگر سیتا کوئی نہ کوئی جواب دے کر انہیں مطمئن کرنے میں کامیاب ہو جاتی تھی۔

دیکھا جائے تو سلطان احمد بیگم لیلیٰ سلطان دونوں نے تنہا کی ذات میں اس ہی کے لیے جی رہے ہیں مگر مجھے بس ایک ہی قلق ہے کہ اپنے بچوں کے ہوش سنبھالنے سے پہلے پارس کے سہارے دفعتاً اتنے تانے بنا دوں کہ میرے بیوی بچے محرومی کے کسی احساس کے بغیر اپنی زندگی گزار سکیں اور جس دن بھی میں نے محسوس کیا کہ اب پارس کے بغیر بھی میری خوشحالی کو آنچ نہ آنے گی تو اس روز سیتا کے ہمراہ ساحل پر جا کر پارس پتھر کو گہرے سمندر میں اچھال دوں گا تاکہ میرے بچوں کو ان جھنجھٹوں سے گزرنا نہ پڑے جو بہا دی پتھر پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لیے مجھے ہولناک مصائب جھیلنا پڑیں۔

مگر سیتا میری یہ بات سن کر مسکراتی ہے اور مسکرا کے ٹال جاتی ہے۔ شاید وہ یہ سمجھتی ہے کہ میں اپنے ہاتھوں سے پارس کو سمندر میں نہ پھینک سکوں گا کیونکہ وہ میرے پاس اس کی ماں کی دی ہوئی قابل قدر نشانی ہے۔

ختم شد